مسجد نبوی میں تراویح عہد بہ عہد

مؤلف: شیخ عطیہ محمد سالم رحمہ اللہ، سابق قاضی مدینہ ہائی کورٹ و مدرس مسجد نبوی شریف

مترجم: محمد عارف جمیل قاسمی مبارکپوری، استاذ دارالعلوم دیوبند

مکتبہ ضیاء الکتب

انوار المصابیح فی تحقیق مصابیح التراویح

حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب

استاذ دارالعلوم دیوبند

ادارہ نشر و اشاعت دارالعلوم دیوبند

الله يجتبي اليه من يشاء ويهدي اليه من ينيب

الرأى النجيح في عدد ركعات التراويح

تصنیف لطیف

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ

ناشر

شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند

فون: 01336 222429

خیر المصابیح فی عدد التراویح

بیس رکعات تراویح

احادیث، عمل صحابہ اور اجماع امت کی روشنی میں

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانوی

جمعیت علماء ہند

غیر مقلدین کے دلائل کا مسکت جواب

رکعات تراویح

مصنف: علامہ کبیر محدث شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی

مکتبۃ الحرم دیوبند

رسالہ تراویح

حضرت مولانا غلام رسول

مع ترجمہ ینابیع

ناشر: مکتبہ صفدریہ

تحقیق مسئلہ تراویح

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ

مؤلف: حافظ ظہور احمد الحسینی

ناشر: مدرسہ عربیہ حنفیہ تعلیم الاسلام

خلافت راشدہ — حق چاریار

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

الکلام الفصیح فی رکعات التراویح

نماز تراویح اور مذاہب اہل حدیث

مؤلف

استقر الامر علی عشرین رکعة

مسنون تراویح

مکتبہ عثمانیہ

03007809356

نماز تراویح

ناشر: اسلامی کتب خانہ ... سیالکوٹ

منکرین تراویح (غیر مقلدین) کیلئے لمحہ فکریہ

نماز تہجد و تراویح میں فرق

تالیف: مناظر اسلام منیر احمد منور

جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

اتحاد اہل السنت والجماعت پاکستان

مسنون نماز تراویح

ناشر: مجلس علمیہ آندھرا پردیش و تلنگانہ

مسئلہ تراویح پر

غیر مقلدین کے 10 سوالوں کا جواب

اور غیر مقلدین سے 20 سوال

مؤلف: منیر احمد منور

استاذ الحدیث جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا

ناشر: مجلس تحفظ حدیث و فقہ بہاولپور

تراویح کا مسئلہ متنازع نہ بنایا جائے

محمد الیاس گھمن

مستند ترین دلیل تعامل و توارث ہے

تراویح بیس رکعت ہی ہے

بقلم:

رضوان اللہ نعمانی

مدرسہ تعلیم الدین، پرانا پل، بنارس

ناشر

تنظیم دعوۃ الحق بنارس

تراویح بیس رکعات سنت ہے

فضیلت تراویح، رکعات تراویح و مسائل ضروری احادیث کی روشنی میں

تالیف

مولانا محمد شفیع قاسمی بھٹکلی شافعی

نماز تراویح

۲۰ رکعات سنت موکدہ ہے

غیر مقلدین کے اعتراضات کے مدلل جوابات

مولانا محمد الیاس گھمن

تراویح اور تہجد

دو مختلف نمازیں

افادات: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

تحقیق و تخریج: مولانا ندیم احمد انصاری

ناشر

التوضیح عن رکعات التراویح

العدد الصحیح فی رکعات التراویح

بیس رکعات تراویح

افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن

طالب دعا طاہر گل دیوبندی

03428970409

بیس رکعات تراویح کے دلائل

اور

منکرین کے اعتراضات کا علمی جائزہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احادیث تراویح پر البانی کے جرح و تعدیل کا جائزہ

طارق انور مصباحی (کیرلا)

مطبوعہ: مصباح المصابیح فی احکام التراویح (۲۰۱۱)

فہرست

نوٹ : صفحات نمبر pdf file کے مطابق دیے گئے ہیں!

نوٹ : صفحات نمبر pdf file کے مطابق دیے گئے ہیں!

مسجد نبوی
میں
تراویح عہد بہ عہد

مؤلف

شیخ عطیہ محمد سالم رحمہ اللہ

سابق قاضی مدینہ ہائی کورٹ

ومدرس مسجد نبوی شریف

مترجم

محمد عارف جمیل قاسمی

مبارکپوری

استاذ دارالعلوم دیوبند



مکتبہ ضیاء الکتب

مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) پن کوڈ 276121

Mob: 9235327576

مسجد نبوی میں تراویح عہد بہ عہد

مؤلف

شیخ عطیہ محمد سالم رحمہ اللہ

سابق قاضی مدینہ ہائی کورٹ

ومدرس مسجد نبوی شریف

مترجم

محمد عارف جمیل قاسمی

مبارکپوری

استاذ دارالعلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ ضیاء الکتب

مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی)

پن کوڈ: 276121 (موبائل: 9235327576)

تفصیلات

نام کتاب	....	مسجد نبوی میں تراویح عہد بہ عہد
مصنف	....	شیخ عطیہ سالم رحمہ اللہ،
مترجم	....	محمد عارف جمیل قاسمی مبارکپوری
باہتمام	....	مولانا ضیاء الحق خیرآبادی
صفحات	....	144
قیمت	....	75/=
تعداد	....	1100
سنہ طباعت	....	جنوری ۲۰۱۳ء

ملنے کے پتے

- ☆ مولانا محمد عارف جمیل صاحب، استاذ دارالعلوم دیوبند
- ☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
- ☆ دارالمعارف دیوبند
- ☆ مکتبہ الفہیم، صدر چوک، مئوناتھ بھنجن
- ☆ مفتی محمد صادق صاحب، استاذ جامعہ احیاء العلوم، مبارکپور
- ☆ مکتبہ فدائے ملت، مرادآباد

تعارف مولف کتاب

نام: شیخ عطیۃ محمد سالم (۱۳۴۶ھ-۱۴۲۰ھ/ ۱۹۲۷-۱۹۹۹ء)

موصوف مصر کے مشرقی علاقہ کے مہدیہ گاؤں میں پیدا ہوئے. وہیں مکتب میں حفظ قرآن کریم اور ابتدائی تعلیم حاصل کی ۱۳۶۴ھ میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور مسجدِ نبوی کے حلقوں میں دینی تعلیم حاصل کی۔ شیخ عبدالرحمٰن افریقی، شیخ حمادانصاری، شیخ محمد ترکی اور محمد حرکان وغیرہ سے موطا امام مالک، سبل السلام اور نیل الأوطار وغیرہ کے علاوہ علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں معہد علمی، اور معہد عالی ریاض میں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا عربی زبان وادب اور اسلامی شریعت میں سند حاصل کی۔

یہاں ان کے مشہور اساتذہ میں: شیخ ابن باز، شیخ عبدالرزاق عفیفی، اور شیخ عبدالرزاق حمزہ ہیں. انہوں نے دو دہائیوں تک شیخ محمد امین شنقیطی کے ساتھ سفر وحضر میں رہ کر استفادہ کیا، جن کا موصوف کی شخصیت سازی میں نمایاں اثر معلوم ہوتا ہے۔

خدمات اور کارنامے:

کلیة الشریعة ریاض اور کلیة اللغة العربیة ریاض میں تدریسی خدمات انجام دیں. ۱۳۸۱ھ میں الجامعة الاسلامیة مدینہ منورہ کے قیام کے بعد یہاں منتقل ہوگئے. اور اس کے مختلف شعبوں میں تدریسی خدمات انجام دیں.

۱۳۸۴ھ میں قضاء کے میدان میں قدم رکھا، اور چیف جسٹس کے عہدہ پر فائز رہے ۱۴۱۴ھ میں ریٹائرمنٹ کے بعد مسجد نبوی میں مختلف علوم وفنون کا درس دیتے رہے. ان کے قلم سے بہت سی کتابیں اور رسائل نکلے جن میں: **تتمہ تفسیر اضواء البیان، تسهیل الوصول الی علم الاصول، الأدب فی صدر الاسلام، عمل أهل المدینه، تعریف عام بعمومیات الاسلام، عمل أهل المدینة فی موطا الامام مالک، التراویح اکثر من ألف عام** (زیر نظر کتاب).

موصوف کی علمی حیثیت ومقام کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ۳۰ / سال تک قاضی وچیف جسٹس رہے، اور مسجد نبوی میں درس دیتے رہے. ان کا درس مقبول عام وخاص ہوا کرتا تھا. علماء سعودی عرب میں جن چند علماء کو نہایت درجہ معتبر سمجھا جاتا ہے، ان میں موصوف کا نام بھی آتا ہے۔

فہرست مضامین

☆☆☆☆☆



تقــــریظ

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی مدظلہ

شیخ محمد سالم عطیہ علیہ الرحمہ مدینہ منورہ زادہ اللہ شرفاً کے رہنے والے ایک صاحب نظر اور معتبر عالم ہیں، عدالت عالیہ کے قاضی ہیں، مسجد نبوی شریف میں مدرس تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں علم وعقل کا بڑا جامع توازن بخشا تھا، انھوں نے تراویح کے مسئلہ پر ایک نئے انداز سے قلم اٹھایا، پچھلی صدی میں پیدا ہونے والے ایک نئے فرقہ نے کچھ مسائل فقہیہ میں اپنی ایک شناخت ۔۔۔شاہراہ امت سے ہٹ کر۔۔۔ بنائی، ان شناختی مسائل میں رکعات تراویح کی تعداد کا بھی مسئلہ ہے۔

قرون اولیٰ سے اب تک تمام ائمہ اور تمام امت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ رمضان المبارک کی مبارک راتوں میں بعد نماز عشاء تراویح کی نماز بیس رکعات ہے، مگر اس ٹولہ نے اصرار کیا کہ تراویح صرف آٹھ رکعات ہے۔علماء نے اس موضوع پر دلائل کی روشنی میں تفصیلی بحث کی، اور قلب وذہن میں ذرا بھی سلامتی ہو تو بحث اطمینان بخش ہے، مگر جن کی آنکھوں نے سورج کو چمکتا دیکھ کر انکار کی ٹھان لی ہو، انھیں کون دکھا سکتا ہے۔ تاہم امت کی سچی خیر خواہی رکھنے والے مایوسی کا دامن جھٹکتے رہے، اور نئے نئے انداز سے سمجھاتے رہے۔

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

شیخ عطیہ سالم نے مسجد نبوی میں تراویح کے عمل کو بنیاد بنایا، کیوں کہ یہی مسجد ابتداء سے احکام وشرائع اسلامی کی بنیاد رہی ہے، پہلی مرتبہ تراویح کی نماز یہیں قائم ہوئی، حضور ﷺ کی سنتوں کا آغاز یہیں سے ہوا، یہیں سے مشہور فرمان علیکم بسنتی و سنة

الخلفاء الراشدين المهديين (تم کو میری سنت اور اصحاب ہدایت خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے) جاری ہوا، شیخ موصوف نے عہد نبوت سے دور حاضر تک مسجد نبوی کی تراویح اور اس کی جماعت کا جائزہ لیا۔

انہوں نے دیکھا کہ اس چودہ سو سالہ تاریخی تسلسل میں کبھی تراویح کی جماعت آٹھ رکعات نہیں ہوئی ہے، ہمیشہ بیس رکعات پڑھی گئی ہیں، انہوں نے نہایت دیانت داری اور امانت داری کے ساتھ ان تاریخی معلومات کو مرتب کر کے امت کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

مصنف نے تاریخی تسلسل کے بیان کے بعد مشہور فقہی مذاہب: حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی تحقیقات ونظریات بھی ذکر کئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد چاروں ائمہ کے نزدیک تراویح بیس رکعات ہی سنت ہے، آٹھ رکعات کسی کے نزدیک سنت نہیں ہے، البتہ حنفیہ کے بیان کا مدار انہوں نے صاحب فتح القدیر علامہ ابن الهمام کے ایک قول پر رکھا ہے، صاحب فتح القدیر نے لکھا ہے، و ظاهر بكلام المشائخ أن السنة عشرون ركعة و مقتضى الدليل ما قلنا مشائخ کے قول کا ظاہر یہ ہے کہ تراویح بیس رکعات ہے، لیکن دلیل کا تقاضا وہ ہے جو ہم نے کہا۔

اسی کو حنفیہ کا مذہب قرار دیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، احناف کے نزدیک بھی پوری بیس رکعات سنت ہے، جو مصنف نے حنفیہ کی طرف منسوب کیا ہے، وہ علامہ ابن الہمامؒ کا رجحان ہے حنفیہ کا مذہب نہیں۔(۱)

مصنف نے کتاب میں وتر کا مسئلہ چھیڑا ہے موجودہ دور میں جو ائمہ مسجد نبوی میں تراویح پڑھاتے ہیں وہ وتر کی نماز تو تین رکعت پڑھتے ہیں، مگر دو سلام سے، پہلے دو رکعت پھر ایک رکعت پڑھتے ہیں، اور دعائے قنوت تیسری رکعت میں رکوع کے بعد جہراً پڑھتے ہیں حنفیہ کے نزدیک وتر کی نماز تین رکعات ایک سلام سے ہے جیسے مغرب، اور دعائے قنوت رکوع سے پہلے ہے اور سراً ہے، اس صورتِ حال کی وجہ سے احناف سعودی امام کے پیچھے

---

(۱) حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

تراویح پڑھنے کے بعد جماعت سے الگ انفراداً وتر پڑھتے ہیں یا اپنی علاحدہ جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس طرح ایک تشتت اور انتشار کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، مصنف کو یہ صورت پسند نہیں ہے، انھوں نے مشورہ دیا ہے کہ حنفی حضرات وتر میں الگ نہ ہوا کریں، بلکہ امام کے ساتھ وتر میں شریک ہو جائیں، انہوں نے لکھا ہے کہ صاحب فتح القدیر علیٰ شرح الھدایہ نے ابوبکر رازی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر کوئی حنفی غیر حنفی کے پیچھے وتر پڑھے اور امام نے دوسری رکعت پر سلام پھیر دیا تو اس حنفی مقتدی کو دو امور کا اختیار رہے۔

(۱) وہ سلام نہ پھیرے اور امام کے ساتھ تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہو جائے کیونکہ محل اجتہاد ہونے کی وجہ سے امام کے سلام پھیرنے سے اس کی نماز ختم نہ ہوگی۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) تفصیل اس کی یہ ہے کہ صاحب فتح القدیر نے مصنف ابن ابی شیبہ، طبرانی اور بیہقی سے حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت نقل کی ہے کہ: انه ﷺ کا ن یصلي في رمضا ن عشرين ر کعة سوی الوتر ۔ رسول اللہ ﷺ رمضان شریف میں بیس رکعات علاوہ وتر کے پڑھتے تھے۔ پھر اس روایت کو انھوں نے ضعیف قرار دیا، اور فرمایا کہ اس کے مقابلے میں حضرت عائشہؓ کی وہ روایت صحیح ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، پھر موطا امام مالک کی روایت بیان کی ہے کہ کا ن النا س يقومون في زمن عمر بن خطاب بثلث وعشرين ر کعة ۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ ۲۳؍ رکعات پڑھتے تھے۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ وجمع بينهما با نه وقع اولا ثم استقر الامر علیٰ العشرين فانه المتوا رث فتحصل من هذا كله ان قيام رمضا ن سنة احدى عشرة ر كعة با لوتر في جما عة فعله ﷺ ثم تر كه لعذر .... پھر لکھتے ہیں، انـما استفدنا انه كا ن يوا ظب علیٰ ما وقع منه وهو مـا ذكـرنـا فتكـون العشرو ن مستحباً و ذلك المقدا ر منها هو السنة ان دونوں کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ پہلے تراویح آٹھ رکعات پڑھی، پھر بیس رکعات پر اتفاق ہو گیا، یہی متوارث ہے، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ رمضان کا قیام مع الوتر گیارہ رکعات سنت ہے، رسول اللہ ﷺ کی تراویح باجماعت ثابت ہے، بعد میں آپ نے اسے عذر کی وجہ سے ترک کر دیا تھا، اس گیارہ رکعت پر آپؐ نے مواظبت کی، لہٰذا بیس رکعات مستحب ہے اس میں سے اتنی مقدار آٹھ رکعات مسنون ہے، اس بحث کے بعد علامہ ابن ہمامؒ نے و مقتضى الدليل ما قلنا لکھا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صاحب فتح القدیر کا یہ رجحان ہے، مذہب احناف نہیں ہے، واللہ اعلم۔

(۲) دو رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد اپنے امام سے الگ ہوکر نماز پوری کرے۔

بہر کیف اگر ان صورتوں پر عمل ہو تو اختلاف ختم ہوسکتا ہے، اور ہر ایک اپنے مسلک پر باقی رہے گا، کاتب حروف کے خیال میں دوسری صورت میں بھی انتشار کی ایک صورت رہ جائے گی، احناف کے لئے مناسب ہے کہ پہلی صورت کو عمل میں لائیں، مسئلہ مجتہد فیہ ہے قطعی نہیں ہے، اور تفرق وانتشار سے بچنا مطلوب ہے، نماز کے بعض اور اجتہادی مسائل میں باوجود اختلاف مسلک کے ائمہ کی اقتداء بغیر کسی تنگی کے کی جاتی ہے، مثلاً جس وقت ائمہ حرم عصر کی نماز پڑھاتے ہیں، احناف کے نزدیک ابھی ظہر کا وقت ہوتا ہے، مگر تمام احناف ان کی اقتداء میں اسی وقت عصر کی نماز ادا کرتے ہیں، اسی طرح وتر کے مسئلہ میں بھی اگر مندرجہ بالا صورت اختیار کی جائے، تو نامناسب نہ ہوگا، گو کہ جمہور احناف نے امام ابوبکر رازی کے اس قول کو قبول نہیں کیا ہے، ان کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام وتر کی دو رکعت پر سلام پھیرتا ہے، تو اس کی اقتداء جائز نہیں، لیکن مسئلہ اجتہادی ہے، اگر تفرق وانتشار سے بچنے کے لئے ابوبکر رازی کے قول پر عمل کیا جائے، تو گنجائش ہے، **واللہ اعلم** ۔

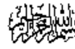
رہا رکوع کے بعد قنوت کا مسئلہ تو حنفی مقتدی کیلئے اس میں امام کی اقتدا بے تکلف جائز ہے یہ بندہ صاحب افتاء نہیں ہے، حضرات علماء غور کرلیں۔

یہ کتاب ۱۳۹۰ھ میں لکھی گئی ہے، مگر آج بھی تر وتازہ ہے، فاضل عزیز مولانا محمد عارف صاحب مبارک پوری نے اس کو اردو لباس پہنایا، یہ ترجمہ قسط وار ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں شائع ہوا تھا، اب انہوں اسے کتابی شکل میں مرتب کردیا ہے۔

اعجاز احمد اعظمی

۷؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ





عرض مترجم

ہم دست کتاب: **التراويح أكثر من ألف عام في مسجد النبي عليه الصلاة و السلام** کا اردو ترجمہ ہے۔جس کے مصنف عالم عرب خصوصاً سعودی عرب کے ایک مشہور ومعروف عالم دین شیخ عطیہ محمد سالم رحمہ اللہ ہیں۔موصوف مسجد نبوی کے مدرس اور مدینہ منورہ ہائی کورٹ کے جج رہے ہیں۔اصلاحی اور دعوتی موضوعات پر ان کی کئی کتابیں ہیں۔جس سے ان کی بلند پایہ علمی حیثیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

عصر حاضر میں ایک رجحان یہ پیدا ہوگیا ہے کہ معمولی معمولی غیر ضروری مسائل چھیڑ کر امت میں انتشار وافتراق پیدا کیا جائے۔ان ہی میں سے ایک: تراویح کا مسئلہ ہے۔آج کچھ لوگوں کی طرف سے آٹھ رکعات سے زیادہ تراویح کو بدعت قرار دیا جا رہا ہے، حالاں کہ مصنف کتاب کی تصریح کے مطابق آٹھ رکعات باجماعت تراویح کا ثبوت ، اسلامی خصوصاً مسجد نبوی کی تاریخ میں نہیں ملتا۔

اس موضوع پر ماضی اور حال میں مذاہب اربعہ کے ائمہ اور علماء نے نہ جانے کتنی مستقل کتابیں لکھیں اور ضمناً فقہی کتابوں میں اس پر بحث کی ہے۔برصغیر میں بھی اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

ہندستان میں یہ مسئلہ ایسے لوگوں کی طرف سے اٹھایا جا رہا ہے جو اس ملک کے علماء سے اپنی وابستگی کا اظہار کرتے نہیں تھکتے خود جہاں آٹھ رکعات پر عمل نہیں ، جہاں کے علماء بیس

رکعات ہی تراویح پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، حرمین کا یہی معمول رہا ہے۔ لہٰذا اس کتاب کا ترجمہ شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

یہ ترجمہ نو قسطوں میں دار العلوم دیو بند کے ترجمان ماہنامہ دار العلوم میں اب سے تقریبا چار سال قبل شائع ہو چکا ہے، جس پر نظر ثانی کے بعد کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مفید اور امت اسلامیہ کی صف میں اتحاد و یگانگی کا ذریعہ بنائے۔

محمد عارف جمیل مبارک پوری

یکم ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

مبارک پور

☆☆☆☆☆

اضافہ طبع دوم

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن فرید بک ڈپو دہلی سے ۸ سال قبل شائع ہوا تھا۔ اور اس وقت کمیاب ہے، ارادہ تھا کہ اس پر نظر ثانی کر کے دوبارہ شائع کیا جائے، مگر فرصت کے انتظار میں تاخیر پر تاخیر ہوتی جا رہی ہے، اس لئے معمولی ترمیم اور اغلاط کی تصحیح کے بعد اسے شائع جا رہا ہے۔ میرے عزیز دوست مولانا ضیاء الحق صاحب خیرآبادی کی نگرانی میں ان کے مکتبہ ضیاء الکتب شیخوپور، اعظم گڈھ سے یہ دوسرا ایڈیشن شائع ہو رہا ہے، جس کے لئے میں ان کا تہِ دل سے مشکور ہوں، باری تعالیٰ مولف، مترجم اور ناشر ہر ایک کو اپنے شایان شان اجر عطا فرمائے اور کتاب کے نفع کو عام اور تام فرمائے۔

محمد عارف جمیل مبارک پوری

دار العلوم دیو بند

اتوار ۲۹ صفر ۱۴۳۴ھ / ۱۳ جنوری ۲۰۱۳ء

☆☆☆☆☆



مقدمہ

(از: مؤلف)

اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کو پوری امت کے لئے عید اور مسلمانوں کے لئے باغ و بہار بنایا ہے۔ یہ مبارک مہینہ اپنے ساتھ، دلوں کے لیے خوشی اور انس کا سامان لے آتا ہے۔ اس میں سرگرمی بڑھتی ہے اور عبادتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ خصوصاً حرمین شریفین، خلائق کا مرجع بن جاتے ہیں، لوگ زیادہ سے زیادہ ثواب کے ذریعہ اپنے دامن کو بھرنے کے لیے امڈ آتے ہیں۔ ان کے دلوں میں یہاں کی شاندار تلاوتِ قرآن سے محظوظ ہونے کا جذبہ لبریز ہوتا ہے۔ اور انسان یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ کاش سارا سال رمضان ہو اور سارا رمضان تراویح!

مجھے یہ کتاب لکھنے کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی، جب میں نے بعض برادرانِ اسلام کو دیکھا کہ وہ امام کے ساتھ، آٹھ رکعات تراویح پڑھ کر رک جاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں یا مسجد سے باہر چلے جاتے ہیں۔ اس کا سبب ان کی کوتاہی یا کاہلی نہیں بلکہ اپنے اجتہاد کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں، وہ حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے متاثر ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

اس حدیث کی بنیاد پر انہوں نے آٹھ رکعات ہی کو اختیار کیا، ان کا خیال ہے کہ اس سے زیادہ پڑھنا ناجائز ہے یا یہ کہ آٹھ رکعات ہی پڑھنا افضل ہے۔ ان کے پیش نظر افضل پر عمل کرنا ہے۔

ان کی نیک نیتی، حسن مقصد، محنت و کوشش، اور مسئلہ کا نفل کی حد میں ہونا، یہ تمام

چیزیں ان کے لیے عذر پیدا کرتی ہیں۔تاہم ان کی خیر خواہی اور انھیں فائدہ پہنچانے کے جذبہ سے، نیز مسجد نبوی میں جماعت کے ترک کی وجہ سے ان کی محرومی پر افسوس کے سبب، ہم یہ کتاب پیش کر رہے ہیں۔شاید اس میں ان کے لیے، حسن مقصد اور نیک نیتی کا مکمل سامان مل جائے، **ان شاء اللہ تعالیٰ**۔

جو لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر فوراً مسجد سے نکل جاتے ہیں اور کسی دور دراز کی مسجد میں جا کر آٹھ رکعات پڑھتے ہیں، ان سے ہمیں بہت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ ہم نے پہلے ہی ان کو بتا دیا ہے کہ نہ تو تم نے سنت پر عمل کیا، کیوں کہ آدمی کی بہتر نماز وہ ہے جو اس کے گھر میں ہو، فرض نماز اس سے الگ ہے۔اور نہ ہی تم نے ثواب سے اپنے دامن کو بھرا، کیوں کہ حدیث میں ہے: ''میری اس مسجد میں ایک نماز، دوسری مسجدوں کی ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے''۔

شاید ان حضرات نے اپنے اس عمل کو ترک کر دیا ہے اور مسجد میں تراویح پڑھنے لگے ہیں، اس کے اسباب ومحرکات جو بھی ہوں، اس سے ہمیں سروکار نہیں۔

اس کتاب کا پہلا اور آخری مقصد، عام لوگوں کی خدمت ہے، یہ مسجد نبوی سے متعلق، ایک ہمہ گیر، وسیع معلوماتی منہج کا ایک جزء ہے۔یہ اس ارادہ سے لکھی گئی ہے کہ اسلام میں، مسجد نبوی کی، دینی ومعاشرتی حیثیت اور اس کی خصوصیات کو اجاگر کرنے کے لیے ایک جامع کتاب کا کام دے، و باللّٰہ التوفیق۔

اس کتاب کو شروع کرتے وقت ہمارے پیش نظر یہی ہے کہ مسجد نبوی کے ساتھ، تراویح کو، تاریخی تسلسل کے ساتھ مربوط کیا جائے؛ کیوں کہ مسجد نبوی (**علی صاحبہ الصلاۃ واتم التسلیم**) اس تاریخی تسلسل کی زیادہ مستحق ہے۔

مؤلف

عطیہ

☆☆☆☆☆

اوّلاً: عہد نبوی

بلاشبہ شریعت کی اصل اور آغاز، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے، آپ کا عہد ہی، عہد تشریع ہے، کیونکہ فرمان باری ہے:

وَمَآ اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (سورہ حشر/۷)

ترجمہ: اور رسول جو تم کو دے لے لو اور جس سے منع کرے اسے چھوڑ دو۔

نیز: لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (سورۂ احزاب/۲۱)

ترجمہ: تمہارے لیے بھلی تھی سیکھنی رسول اللہ کی چال۔

ان کے علاوہ اور دوسری نصوص اس کی دلیل ہیں۔ خلفاء راشدین کا عہد اسی کے ساتھ لاحق ہے، کیونکہ فرمانِ نبوی ہے:

''میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کی پابندی کرو۔''

تراویح رمضان المبارک کے ساتھ خاص ہے، تاہم یہ قیام لیل کے عموم میں آتی ہے۔ عموماً قیام لیل اور خصوصاً تراویح کے تعلق سے بہت سی نصوص وارد ہیں۔

تہجد (قیام لیل) کے تعلق سے عمومی نصوص میں سے یہ فرمانِ باری ہے:

وَ مِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ) [سورہ بنی اسرائیل/۷۹]

ترجمہ: اور کچھ رات جاگتا رہ قرآن کے ساتھ، یہ زیادتی ہے تیرے لئے۔

نیز: (یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا) [سورہ مزمل ۱۔۲]

ترجمہ: اے کپڑے میں لپٹنے والے! کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات۔

قیام رمضان (تراویح) اوقات کے لحاظ سے تو خاص ہے لیکن مطلوب ہونے کے لحاظ سے عام ہے۔

تراویح کی بہ تدریج مشروعیت:

تراویح کے بارے میں نصوص پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بہ تدریج ترقی ہوتی گئی ہے، جو حسب ذیل ہے:

(ا)مطلقا ترغیب: مسلم شریف (کتاب المسافرین باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل [۱۷۳] ۱/۵۲۳ ط: محمد فواد عبدالباقی) اور بیہقی (۴۹۲/۲ ط: مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس نے ایمان کے ساتھ، ثواب کی نیت سے، رمضان کا قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف ہوگئے''۔

امام بیہقی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: اس کو امام مسلم نے ''صحیح'' میں بروایت یحیٰی بن یحیٰی اور امام بخاری نے بروایت عبداللہ بن یوسف بن مالک نقل کیا ہے۔

بیہقی میں یہی روایت حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے۔امام بیہقی نے اس کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: اسکو امام بخاری نے بہ روایت یحیٰی بن بکر نقل کیا ہے۔

بہر کیف اس روایت سے مطلقاً ترغیب معلوم ہوتی ہے، کسی تعداد یا کیفیت کی تعیین نہیں۔اسی وجہ سے بیہقی میں حضرت ابوہریرہؓ کا یہ قول منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو رمضان کے قیام کی ترغیب دیتے تھے؛ لیکن عزیمت کے طور پر حکم نہیں دیتے تھے۔آپ فرماتے تھے: جس نے ایمان کے ساتھ، ثواب کی نیت سے رمضان کا قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف ہوگئے۔

(ب) اس کے بعد رمضان کے روزے کی فرضیت کے ساتھ، قیام رمضان کے مسنون ہونے کی تصریح آئی۔حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماہ رمضان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے کو فرض قرار دیا ہے اور میں نے مسلمانوں کے لیے

اس کے قیام کو مسنون کیا۔لہٰذ جس نے ایمان کے ساتھ،ثواب کی نیت سے ، رمضان کے روزے رکھے اور قیام کیا ، وہ گناہوں سے اس طرح صاف ستھرا ہو گیا جیسا کہ اس دن تھا جب اس کی ماں نے اس کو جنم دیا۔‘‘(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تراویح مطلقاً مطلوب ہونے کے بعد ترقی کر کے سنت ہوگئی ، روزہ کی فرضیت کے ساتھ اس تذکرے سے ،اس میں مزید قوت پیدا ہوگئی ہے جیسا کہ اصول فقہ میں دلالت اقترانی کا یہی حاصل اور مفاد ہے۔

اس ترغیب کا نتیجہ:

اس ترغیب کے نتیجہ میں انفرادی اور اجتماعی طور پر قیام رمضان کے لیے سبقت ہوئی ، جس کے ساتھ بھی کچھ قرآن یاد ہوتا ،لوگ اس کے پیچھے قیام رمضان کرنے لگے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

> ’’لوگ مسجد نبوی میں ، رمضان میں ، بوقت شب متفرق طور پر قیام رمضان کرتے تھے۔کسی کو کچھ بھی قرآن یاد ہوتا تو اسکے پیچھے پانچ چھ افراد یا کم وبیش کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے حضرت عائشہ کہتی ہیں ایک رات رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم فرمایا کہ اپنے حجرے کے دروازے پر چٹائی ڈال دوں ۔عشا پڑھنے کے بعد آپ اس جگہ تشریف لے گئے۔مسجد میں جو لوگ موجود تھے،آپ کے پاس جمع ہو گئے آپ نے دیر رات تک ان کو نماز پڑھائی، پھر آپ اندر لوٹ آئے۔میں نے چٹائی اسی حالت میں چھوڑ دی۔صبح کو لوگوں میں چرچا ہوا کہ رات میں جو لوگ مسجد میں تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو نماز پڑھائی ہے۔تو پھر کیا تھا،شام کو مسجد بھر گئی۔رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی۔اور اندر تشریف لائے۔لوگ ٹھہرے ہوئے تھے۔آپ ﷺ نے مجھ

---

(۱)مسند احمد ۱۲۸/۳ تحقیق احمد شاکر ط: دار المعارف میں ہے: ابو مسلمہ بن عبدالرحمان نے کہا: میرے والد نے مجھ سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بیان کیا کہ اللہ عزوجل نے رمضان کا روزہ فرض کیا اور میں نے اس کے قیام کو مسنون کیا۔لہٰذا جس نے ایمان کے ساتھ،ثواب کی نیت سے روزہ رکھا اور قیام کیا وہ گناہوں سے اس طرح پاک وصاف ہو گیا جیسا کہ اس دن تھا جس دن اسکی ماں نے اس کو جنم دیا تھا۔

سے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے بتایا کہ رات کی نماز کا لوگوں میں چرچا ہوا، تو آپ کے پیچھے نماز کے لیے یہ بھیڑ لگی ہے۔ آپ نے فرمایا: عائشہ! چٹائی لپیٹ دو۔ میں نے لپیٹ دی۔ رسول اللہ ﷺ نے رات بے خبری میں نہیں گذاری (بلکہ عبادت میں)، لوگ اپنی جگہ ٹھہرے رہے۔ اور جب رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز کے لئے تشریف لے گئے تو فرمایا: لوگو! بخدا میں نے رات بے خبری میں نہیں گذاری، الحمدللہ۔ مجھے تمہاری موجودگی کا علم تھا لیکن مجھے یہ اندیشہ ہوا تھا کہ یہ تم پر فرض ہو جائے۔ تم بہ قدر طاقت عمل کیا کرو کہ اللہ تعالی (ثواب دینے سے) نہیں اکتاتا، بلکہ تم اکتا جاؤ گے۔

مروزی (کی کتاب قیـــام الـــلیـل کے الفاظ یہی ہیں، اس روایت کو امام بیہقی (۲/۱۰۹) نے بھی نقل کیا ہے۔ اور انہوں نے راتوں کی تعداد تین یا چار لکھی ہے۔ مجمع الزوائد (۲/۳،۱۷۲ ط: دار الفکر بیروت) میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رمضان میں آٹھ رکعات اور وتر پڑھائی۔ اگلی رات ہم، مسجد میں، اس امید سے جمع ہوئے کہ آپ تشریف لائیں گے، لیکن آپ تشریف نہ لائے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی، پھر ہم داخل ہوگئے۔ الحدیث، اصل حدیث بخاری اور مسلم میں ہے۔

مجمع الزوائد (۳/۲،۱۷۲) اور بیہقی (۴/۴۹۶) میں ہے :

''رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں بیس رکعتیں پڑھائیں''۔ یہ روایت ابوشیبہ کے سبب ضعیف ہے۔ مروزی کی روایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کو کچھ بھی قرآن یاد ہوتا لوگ اس کے پیچھے نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ یعنی ترغیب سے ترقی کر کے، فرضیت صوم سے متصل، سنیت کا مرحلہ، پھر بالفعل مسجد نبوی میں معمولی حافظ قرآن کے پیچھے قیام، پھر اگلا مرحلہ خود رسول اللہ ﷺ کیساتھ قیام اور آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنا، گو کہ (صحیح روایت کے مطابق) آپ کو احساس نہیں ہوا تھا کہ لوگ آپ کے پیچھے پڑھ رہے ہیں۔ جس کی دلیل حضرت عائشہؓ سے آپ کا یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا بات ہے؟ پھر آپ کا یہ فرمانا کہ چٹائی لپیٹ دو۔

اس سے زیادہ صریح روایت مروزی کے یہاں حضرت انس ﷛ کی حدیث ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ رمضان میں نماز پڑھ رہے تھے میں آ کر آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا پھر دوسرے پھر تیسرے صاحب آ گئے اور پھر ایک جماعت بن گئی۔ جب اپنے پیچھے ہماری موجودگی کا احساس آپ کو ہوا تو آپ نے نماز مختصر کی اور گھر میں چلے گئے۔

صبح ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! رات ہماری موجودگی کا احساس آپ کو ہو گیا تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، پھر میں نے جو کچھ کیا اسی وجہ سے کیا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً آپ کو احساس نہیں ہوا تھا کیوں کہ حضرت انس ؓ نے کہا: جب اپنے پیچھے ہماری موجودگی کا آپ کو احساس ہوا۔

اسی طرح اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ نماز مسجد ہی میں شروع فرمائی تھی، کیوں کہ حضرت انس نے کہا: آپ نے نماز مختصر کی اور گھر میں چلے گئے۔ نیز اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ان کی نماز کا علم ہوا، اور آپ نے ان پر نکیر نہیں فرمائی۔

حضور ﷺ نے یہ نماز مسجد میں پڑھی تھی، اس کی مزید صریح دلیل بیہقی میں حضرت عروہ بن زبیر کی روایت ہے کہ ان کو حضرت عائشہ ؓ نے بتایا کہ ایک بار آدھی رات کو رسول اللہ ﷺ مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے نکلے، تو کچھ لوگوں نے آپ کے پیچھے پڑھی، صبح کو لوگوں میں اس کا چرچا ہوا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ ؓ نے چوتھی رات تک آپ کی نماز کا واقعہ بیان کرنے بعد فرمایا: مسجد تنگ پڑ گئی، آپ باہر نہیں نکلے۔

اس روایت سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے لئے آپ مسجد میں تشریف لے گئے تھے، نیز معلوم ہوتا ہے کہ مسجد بھر گئی تھی۔

یہ اگلا قدم تھا، یعنی پہلے لوگ ادھر ادھر متفرق طور پر پڑھتے تھے، اب مسجد بھر گئی، اور تنگ پڑ گئی، لیکن حضور ﷺ فرضیت کے اندیشہ سے باہر تشریف نہ لائے۔

حضور ﷺ کے لئے نکلنا ممکن تھا، اگر یہ علت (فرضیت کا اندیشہ) نہ ہوتی، معلوم ہوا کہ لوگوں کو یہ نماز پڑھانا اور اس کے لیے لوگوں کا اجتماع جائز ہے۔ لیکن حضور ﷺ نے شفقت

کے سبب اور اس اندیشہ سے کہ ان پر فرض ہو جائے، اور وہ اس کو پورا نہ کرسکیں، آپ نے پھر ان کو نماز نہیں پڑھائی۔ گھروں میں اور مسجد میں کسی جگہ عام لوگوں کے لیے جماعت سے تراویح کی حضور ﷺ نے تائید فرمائی ہے گھروں سے متعلق مروزی کے یہاں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ابی بن کعب رمضان میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے ساتھ رات ایک معاملہ پیش آ گیا'' آپ نے فرمایا: کیا ہوا؟ انہوں نے کہا: میرے گھر کی عورتوں نے کہا: ہمیں قرآن پڑھنا نہیں آتا، آپ پڑھیں تو ہم نے آپ کے پیچھے نماز پڑھ لیں، میں نے ان کو آٹھ رکعات پڑھائی'' حضور ﷺ خاموش رہے، جو گویا آپ کی رضامندی ہے۔ مسجد سے متعلق مروزی ہی کے یہاں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ، رمضان میں مسجد کے ایک گوشے میں نماز ادا کررہے ہیں، آپ نے دریافت فرمایا: یہ کون ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ کچھ ایسے لوگ ہیں جن کو قرآن یاد نہیں، ابی بن کعب ان کی امامت کررہے ہیں اور وہ ان کے پیچھے نماز ادا کررہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: انہوں نے اچھا کیا یا (فرمایا:) انہوں نے کیا خوب کیا۔

اس کے بعد اخیر سے قبل کا مرحلہ ہے۔ جس کا ذکر مروزی کے یہاں حضرت انس ؓ کی روایت میں ہے:

> ''رسول اللہ ﷺ اپنے گھر والوں کو اکیسویں رمضان کی شب میں جمع کرتے، اور ان کو تہائی رات تک نماز پڑھاتے، پھر بائیسویں کی رات کو جمع فرماتے، اور آدھی رات تک ان کو نماز پڑھاتے، تیئیسویں کی شب کو انہیں جمع فرماتے اور دو تہائی رات تک نماز پڑھاتے پھر چوبیسویں رات ان کو غسل کرنے کا حکم دیتے اور صبح تک انہیں نماز پڑھاتے اس کے بعد ان کو جمع نہیں کرتے تھے''۔

اس روایت سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کے ساتھ تین راتوں کو قیام کرتے، جس کی مدت مختلف تھی۔ بہ تدریج اول شب کو تہائی رات، دوم کو آدھی رات اور

سوم کو دو تہائی رات تک ۔یہ مستبعد نہیں کہ آپ کے اس عمل سے یہ سمجھا جائے کہ آپ نے رغبت خیر اور اندیشہ فرضیت کے درمیان عمل کیا، کیوں کہ یہ عمل عشرہ اخیرہ کا ہے جو مزید رغبت کا محل ہے۔اسی طرح بہ تدریج اس مدت قیام کو بڑھانا اسی رغبت پر عمل کرنا ہے۔اسی طرح اخیر رمضان تک اس کو جاری نہ رکھنے سے، فرضیت کا اندیشہ سمجھ میں آتا ہے۔اس کے بعد تدریج کا آخری مرحلہ آیا۔جس کا ذکر حضرت ابوذر کی روایت میں ہے، اس روایت کے متعلق ''المنتقٰی'' (۵۴/۳ مع نیل الاوطار، ط: دارالکتب العلمیہ بیروت) میں ہے: اس کو خمسہ نے روایت کیا اور ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے۔نیز اس کو بیہقی (۴۹۶/۲) نے روایت کیا۔سنن میں اس کے الفاظ یہ ہیں: ''ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان کا روزہ رکھا، لیکن کسی رات آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا جب تیئیس کی رات آئی تو آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ قیام کیا، جو تقریبا تہائی رات تک جاری رہا۔چوبیس کی رات کو آپ نے ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا، پھر پچیس کی رات کو آپ نے ہمارے ساتھ قیام کیا جو نصف شب تک جاری رہا۔ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کاش بقیہ رات بھی آپ نفل پڑھاتے رہتے!۔آپ نے فرمایا: ''اگر آدمی امام کے ساتھ قیام کر کے لوٹ جائے تو اس کے لیے بقیہ رات کا ثواب لکھ دیا جائے گا''۔چھبیس رمضان کی رات کو آپ نے ہمارے ساتھ قیام نہیں فرمایا، اور ستائیس کی رات کو قیام کیا۔اور اپنے گھر والوں کو کہلا بھیجا، لوگ جمع ہو گئے۔یہ قیام اتنی دیر تک جاری رہا کہ ہمیں سحری کے چھوٹنے کا اندیشہ ہونے لگا۔

امام بیہقی نے کہا: اس روایت کو وہب نے داؤد سے روایت کیا، انہوں نے کہا: چوبیسویں رات کو بقیہ کا ساتواں حصہ۔اور کہا: چوبیسویں رات کو باقی کا پانچواں حصہ، اور اٹھائیسویں رات کو باقی کا تیسرا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح اس حد تک پہونچ گئی کہ اس کیلئے اجتماع ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے اسکی تائید و تقریر فرمائی، کیونکہ صحابہ نے آپ سے عرض کیا تھا کہ کاش بقیہ رات بھی آپ ہمیں نفل پڑھاتے رہتے۔اس سے دو چیزیں سمجھ میں آتی ہیں:

اول: مسجد میں لوگوں کے اجتماع کا آپ ﷺ کو علم ہوا اور آپ نے اسے برقرار رکھا جیسا کہ ستائیسویں رات کو اپنے گھر والوں کو کہلوا بھیجنے کا ذکر ہے، اس کی تائید اس صحیح روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اخیر عشرہ میں مضبوطی سے تہبند باندھ لیتے، بستر لپیٹ دیتے، اور اپنے گھر والوں کو بیدار کرتے۔(۱)

دوم: آپ نے تعداد رکعات کی تحدید نہیں فرمائی اور جب لوگوں نے رات کے بقیہ حصہ میں مزید پڑھانے کی درخواست کی تو آپ نے اس مطالبہ کی تائید وتقریر کی، اس پر نکیر نہیں کی۔ ہاں آپ نے لوگوں کو اس سے بہتر کی رہنمائی فرمائی کہ امام کے ساتھ قیام کرنے کے بعد لوٹ جائے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ حضرت جویریہ (ام المومنین) کے واقعہ میں ہے کہ آپ ﷺ کا ان کے پاس سے گزر ہوا وہ کنکری یا گھٹلی پر تسبیح پڑھ رہی ہیں۔ آپ واپس آئے تو پھر ان کو اسی حالت میں دیکھا تو فرمایا: میں نے ایسے کلمات کہے ہیں جو تمہاری تسبیح کے برابر ہیں، وہ یہ ہیں: ’’سبحان الله و بحمده عدد خلقه، رضا نفسه، زنة عرشه ومداد كلماته‘‘۔

آپ ﷺ نے ان کے عمل پر نکیر نہیں فرمائی، ہاں ان کو اس سے بہتر کی رہنمائی کردی۔ اسی طرح یہاں پر بھی رسول اللہ ﷺ نے مزید پڑھانے کے صحابہ کے مطالبہ پر نکیر نہیں فرمائی، ہاں اس سے بہتر، بلکہ اس کے مساوی عمل کے رہنمائی فرمادی۔

الحاصل اس سے، مسجد میں امام اور مقتدیوں کے ساتھ باجماعت نماز کا ثبوت ہے اور اس سے جماعت کے ساتھ آپ ﷺ کی امامت میں تراویح کے اعلیٰ درجہ کا ثبوت ہوتا ہے۔

ستائیسویں رات کو یہ جماعت عمومی تھی، جس میں عام لوگوں کے ساتھ آپ ﷺ کے اہل خانہ بھی شریک ہوئے۔ اس دور میں رکعتوں کی تعداد یہ تھی:

---

(۱) بخاری شریف فضل ليلة القدر باب العمل فى العشر الأواخر من رمضان [٢٠٢٤] ٤/٢٦٩ ط:السلفيه؛ و مسلم كتاب الاعتكاف باب الاجتهاد فى العشر الاواخر من رمضان [٧] ٢/٨٣٢ ط: الحلبى۔

۱۔ بہ روایت جابرؓ: چار رکعات۔

۲۔ بعض روایات میں آپ نے: آٹھ رکعات پڑھیں۔

۳۔ ایک ضعیف روایت میں ہے: بیس رکعات۔

۴۔ علی الاطلاق یعنی رکعت کی کوئی تحدید نہیں، اسی کے ساتھ رات کے بقیہ حصہ میں مزید پڑھانے کے مطالبہ کی تقریر و تائید۔

۵۔ بہ تدریج تہائی رات، پھر نصف شب، پھر دو تہائی رات۔ لیکن کیا اس کے ساتھ تینوں راتوں میں، رکعت کی تعداد میں اضافہ کیا گیا تھا یا قرأت ہی لمبی ہوگئی تھی اور رکعتوں کی تعداد وہی تھی؟ پھر قرأت اور قیام کو کس حد تک طول کیا گیا تھا؟

نماز تراویح کا طریقہ:

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک رات، رمضان میں نماز پڑھی، رکوع کیا اور رکوع میں بہ قدر قیام **سبحان ربی العظیم** کہتے رہے۔ پھر سجدہ کیا اور سجدہ میں بہ قدر قیام **سبحان اللہ ربی الاعلی** کہتے رہے۔ پھر سجدہ سے اٹھ کر بیٹھے تو بہ قدر قیام **رب اغفر لی** کہتے رہے۔ پھر سجدہ کیا، اور سجدہ میں بہ قدر قیام **سبحان ربی الاعلی** کہتے رہے۔ آپ نے صرف چار رکعات پڑھی تھی کہ حضرت بلال صبح کی نماز کے لئے بلانے آ گئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے صرف چار رکعتیں نہایت طویل پڑھیں اور یہ خاص رمضان کا واقعہ ہے۔ رہا عام دنوں میں حضور کا معمول تو اس کے بارے میں امام بخاری نے (کتاب التہجد باب [۱۰] حدیث [۱۱۳۷] ۲۰/۲) پر یہ باب قائم کیا ہے: ''حضور ﷺ کی نماز کا طریقہ، اور رات میں آپ کتنی نمازیں پڑھتے تھے؟'' اس باب کے تحت امام بخاری حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ رات کی نماز کیسے ہے؟ آپ نے فرمایا: ''دو دو رکعتیں پڑھو اور جب صبح کا اندیشہ ہونے لگے، تو ایک رکعت وتر پڑھ لو۔''

اس روایت سے نہایت وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے جب تک صبح ہونے کا اندیشہ نہ ہو دو دو رکعتیں پڑھے گا۔

امام بخاریؒ نے ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ کی نماز تیرہ رکعت تھی۔یعنی رات میں۔(حوالہ بالا حدیث [۱۱۳۸]حضرت مسروق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رات میں حضور ﷺ کی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا: فجر کی سنت کے علاوہ، سات، نو، گیارہ رکعتیں۔(حوالہ بالا حدیث[۱۱۳۹])

امام بخاری ہی نے یہ باب قائم کیا ہے:''رمضان وغیرہ میں حضور ﷺ کا قیام لیل'' اور اس کے تحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت نقل کی ہے:

''رسول اللہ ﷺ رمضان یا غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ چار رکعت ایسی پڑھتے کہ ان کی خوبی اور طوالت کو مت پوچھو۔ پھر چار رکعتیں ایسی بہتر اور لمبی پڑھتے کہ مت پوچھو، پھر تین رکعت پڑھتے۔

حضرت عائشہ نے کہا: میں نے عرض کیا: آپ سونے سے پہلے وتر پڑھ لیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:''عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا''۔

(بخاری: کتاب التہجد باب[۱۶] حدیث[۱۱۴۷][۳۳/۳])

حضرت عائشہ نے آپ ﷺ کی نماز کو نہایت اچھی اور طویل بتایا اور یہ کہ اس کی تعداد گیارہ رکعات تھی۔لیکن صحیح مسلم (کتاب صلاۃ المسافرین حدیث[۷۷۲]۵۳۶/۱) میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک رات انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ نے سورہ بقرہ، سورہ آل عمران اور سورہ نساء پڑھی، آیت تسبیح پر پہونچتے تو تسبیح کرتے، دعاء اور طلب کی آیت پر پہونچتے تو دعاء کرتے، اور پناہ مانگنے کی آیت پر پہونچتے تو پناہ مانگتے۔ پھر قیام کے بہ قدر رکوع میں رہے پھر رکوع کے بہ قدر قیام میں رہے، پھر قیام کے بہ قدر سجدہ میں رہے۔

ابن حجرؒ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہا:''یہ تقریبا دو گھنٹوں میں پورا ہوگا،

شاید آپ نے پوری رات نماز پڑھی‘‘۔(فتح الباری مع البخاری ۱۹/۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام اس قدر طویل ہوتا تھا کہ ایک رکعت میں دو گھنٹے لگ سکتے ہیں۔بخاری (کتاب التہجد باب طول القیام فی صلاۃ اللیل [۱۱۳۵]۱۹/۳) میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ ایک رات نماز پڑھی، آپ اتنی دیر تک کھڑے رہے کہ میرا ارادہ برا ہوگیا۔ہم نے کہا کہ کیا ارادہ تھا؟ انہوں نے کہا: میں نے ارادہ کیا کہ حضور کو چھوڑ کر بیٹھ جاؤں۔

الحاصل تراویح عہد نبوی میں تھی، اس کا ثبوت اور مشروعیت خود حضور ﷺ سے ہے البتہ مرحلہ وار اس میں تبدیلی آتی گئی جو حسب ذیل ہے:

۱۔ابتداء اس کی ترغیب دی گئی، عزیمت کے ساتھ حکم نہ تھا۔

۲۔پھر فرضیتِ صوم کے ساتھ متصل ہو کر سنت و مندوب ہوئی۔

۳۔عملی طور پر اس کو ادا کیا گیا، لوگوں نے اسکو متفرق طور پر ادا کیا۔

۴۔آہستہ سے لوگ حضور ﷺ کی جائے نماز تک آ گئے اور آپ کے پیچھے اس کو ادا کیا، آپ کو اس کا احساس نہیں ہوا۔اور آپ ﷺ کسی کو باطل پر برقرار نہیں رکھ سکتے۔

۵۔جو لوگ دوسروں کو گھر یا مسجد میں نماز پڑھاتے تھے، آپ نے ان کو برقرار رکھا۔

٦۔بذات خود آپ نے اہل خانہ کے ساتھ اس کو ادا کیا۔

۷۔بذات خود آپ نے اہل خانہ اور دوسرے لوگوں کو، چند متفرق راتوں کو نماز تراویح پڑھائی۔رہی تعدادِ رکعات تو اس کے بارے میں یہ ہے:

ا۔ آپ نے چار رکعت پڑھی جو پوری رات میں ختم ہوئی۔

ب۔ آٹھ رکعت پڑھی۔

ج۔ گیارہ رکعت پڑھی لیکن ان کی خوبی اور طوالت کو نہ پوچھو!

د۔ دس رکعات پڑھی۔

بعض متاخرین صرف اسی کا ذکر کرتے ہیں، لیکن اس کا بھی ثبوت ہے:

۱۔علی الاطلاق، بلا کسی تحدید ذکر یہ آیا ہے: ''جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے، رمضان کا قیام کیا''۔

۲۔صحابہ نے عرض کیا: رات کے بقیہ حصہ میں نفل پڑھا دیں۔آپ ﷺ نے اس کی تقریر وتثبیت فرمائی (اس پر نکیر نہیں کی)۔

۳۔یہاں پر ایک اور مسئلہ ہے جس کو ہمارے علم میں کسی نے نہیں چھیڑا، وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حضور ﷺ جب بھی عشاء پڑھ کر میرے گھر آتے، چار یا چھ رکعات پڑھتے۔اور حضرت عائشہؓ ہی سے مروی ہے کہ آپ ﷺ رات کی نماز دو ہلکی رکعتوں سے شروع فرماتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کی تیرہ رکعات، حضرت عائشہ کی، بعد عشاء چھ رکعات اور ابتدائی دو رکعت، ان سب کو اگر جمع کیا جائے (۱۳+۶+۲=۲۱) تو مجموعہ ۲۱ر رکعات ہوگا۔اور یہی وہ تعداد رکعات ہے جس پر حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں جمع کیا تھا۔لہذا اس تعداد کا ثبوت سنت نبوی سے ہو جاتا ہے۔محض حضرت عمرؓ کا ذاتی اختیار وانتخاب نہیں، واللہ اعلم۔

اب کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ مسروق عن عائشہ کی روایت پر اکتفاء کرتے ہوئے آٹھ سے زیادہ کو ممنوع قرار دے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنت کی مخالفت کرنے کا الزام دے، حاشاو کلا۔



عہدِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکرؓ کا عہد مختصر رہا ہے، لوگ عہدِ رسالت سے قریب تھے، اس لیے تراویح میں کسی تبدیلی کے محرکات نہیں ملتے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نے عہد صدیقی میں تراویح کے تعلق سے کسی تبدیلی کا ذکر نہیں کیا، کیوں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو رمضان کے قیام کی ترغیب دیتے تھے لیکن عزیمت کے ساتھ حکم نہیں تھا۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''جس نے ایمان کے ساتھ، ثواب کی نیت سے، رمضان کا قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف ہو گئے''۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ امام بیہقیؒ (السنن ۴۹۲/۲) نے کہا: احمد بن منصور رمادی کی روایت میں یہ اضافہ ہے: ''حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے دور میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دور میں''۔ اس روایت کو امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ اور اس کو امام مالکؒ نے ابن شہاب تک اپنی سند سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے وقت یہی سلسلہ جاری تھا اور یہی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے ابتدائی دور میں باقی رہا۔

بیہقیؒ (۴۹۵/۲) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول مذکور ہے کہ ہم مکتب سے بچوں کو پکڑ لاتے تاکہ ہمیں ماہ رمضان میں، قیام لیل کرائیں۔ اور اس کے عوض ہم ان کیلئے ''قلیہ'' (شوربہ) اور ''خسکنانج'' (آخروٹ اور بادام کی میٹھی روٹی) تیار کرتے تھے۔ مروزی کے الفاظ یہ ہیں: ہم ان کے لیے قلیہ اور ''خشکار'' تیار کرتے تھے۔ ''خشکار'' گیہوں کی روٹی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کی امامت میں تراویح ہوتی تھی۔ اور یہ عہد رسالت میں نہیں ہوا۔ لہذا یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں ہوا جو ایک تبدیلی مانی جائے

گی۔یا عہد فاروقی میں ہوا۔ بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہد صدیقی میں پیش آیا کہ؛ کیوں کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں مردوں کے لئے چند ائمہ اور عورتوں کیلئے ایک امام کی تعیین کا واقعہ پیش آیا ہے۔جیسا کہ آئے گا۔ بہر کیف یہ تبدیلی کا عکاس ہے۔اگر یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے دور میں پیش آیا ہے تو غالب گمان ہے کہ ایسا گھروں کے اندر ہوا ہوگا،اس لئے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کے لیے امام مقرر کردیا تو پھر عورتیں مکتب سے بچوں کو پکڑ کر لائیں ؟ایسا نہیں ہوسکتا۔خصوصاً حضرت عائشہؓ سے ایسی امید نہیں۔وہ تو اپنے گھر میں تراویح پڑھتی ہی ہوں گی اور کچھ عورتیں جمع ہوجاتی رہی ہوں گی۔

عہد صدیقی میں قرأت:

عہد صدیقی میں بھی قرأت لمبی ہوتی ہے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن ابوبکر سے امام مالک (موطاص:۴۱) کی روایت میں ہے: میں نے اپنے والد کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم رمضان میں قیام لیل (تراویح) سے لوٹتے تو جلدی جلدی خدام سے کھانا مانگتے کہ کہیں فجر طلوع نہ ہوجائے۔

عہد صدیقی میں،قرأت کے درمیان ایک طرح کا موازنہ شروع ہوگیا تھا،جس قاری کی آواز اچھی ہوتی لوگ اس کی طرف مائل ہوتے تھے،اس کی وضاحت ان شاء اللہ عہد فاروقی پر بحث کے ضمن میں آئے گی۔

عہد عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو یہی سابقہ نوعیت جاری تھی لوگ متفرق طور پر اکیلے اور باجماعت،مسجد اور گھروں میں تراویح پڑھتے تھے۔اس کی مکمل تصویر ان دو آثار سے سامنے آتی ہے:ایاس ہذلی کا اثر اور عبدالرحمان بن عبد کا اثر۔

اثر اول:

بروایت نوفل،ایاس ہذلی نے کہا:لوگ رمضان میں،مسجد میں قیام لیل کرتے تھے۔

اگر کسی اچھی قراءت والے کو سنتے تو اس کی طرف مائل ہو جاتے۔ حضرت عمر نے فرمایا: لوگوں نے قرآن کو غناء بنالیا ہے، خدا کی قسم! اگر مجھ سے ہو سکا تو میں اس کو بدل کر رہوں گا۔ اس کے بعد تین راتیں نہیں گذری تھیں کہ انہوں نے سب لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جمع کر دیا اور فرمایا: اگر یہ بدعت (نئی چیز) ہے تو کیا خوب بدعت ہے!! (رواہ المروزی)

اثر دوم:

عبدالرحمان بن عبد قاری کا اثر یہ ہے: میں حضرت عمر کے ساتھ رمضان میں مسجد میں آیا تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ متفرق طور پر، نماز پڑھ رہے ہیں، کوئی اکیلا پڑھ رہا ہے، تو کسی کے ساتھ ایک جماعت پڑھ رہی ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں ان سب کو کسی ایک قاری (امام) کے پیچھے جمع کر دوں تو بہتر ہوگا۔ اور پھر اس کا عزم کر کے انہوں نے سب کو حضرت ابی بن کعب کے پیچھے جمع کر دیا۔ اس کے بعد میں ان کے ساتھ ایک دوسری رات کو نکلا، لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت عمر نے فرمایا: یہ بدعت تو اچھی ہوئی، رات کا وہ حصہ جس میں تم سوتے رہتے ہو (یعنی اخیر رات) اس حصہ سے افضل ہے جس میں نماز پڑھتے ہو۔ لوگ شروع رات میں ہی تراویح پڑھ لیتے تھے۔ (رواہ البخاری فی کتاب التراویح فصل من قام فی رمضان [۲۰۱۰] ۴/۲۵۰)

ایک تبدیلی:

ان دونوں آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر ایک تبدیلی ہوئی، یعنی انہوں نے متفرق لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے جمع کر دیا۔ اس تبدیلی کے اسباب متعدد ہوں لیکن اس میں کئی مصلحتیں تھیں۔

پہلے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سبب حسن قرأت تھا، جو قرأت کیلئے منافسہ اور مقابلہ کیلئے اور عام لوگوں کے لیے سبقت کا ایک بڑا امیدان تھا۔ اگر یہی سلسلہ زیادہ دنوں تک جاری رہتا تو نمازیوں کے مابین دوری پیدا ہو جاتی، لہذا انہوں نے قرأت کو متحد کرنے

کے لئے ایک قاری مقرر کر دیا۔اس سے یہ ضابطہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کسی مفسدہ کو دور کرنا، مصلحت کی تحصیل پر مقدم ہے؛ اس لیے کہ اگر نمازی سب سے اچھی آواز والے کو تلاش کرنے لگیں تو اس سے تحسین صوت کی راہ ہموار ہوگی۔ تحسین صوت بذات خود مرغوب ہے لیکن یہ چیز غناء کی حد تک غلو کرنے کا سبب بن سکتی ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ اس کی طرف اشارہ کر چکے تھے۔لہذا اس کے سد باب اور دفع فساد کے مقصد سے سب کو ایک قاری کے پیچھے جمع کر دیا۔

دوسرے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اکیلے اور باجماعت نماز تراویح پڑھتے تھے، آپس میں کوئی ربط نہ تھا۔اگر کچھ دنوں تک یہی سلسلہ جاری رہتا تو اتحاد واتفاق کے اسباب کا فقدان ہو جاتا اور اجتماعیت کا کوئی نتیجہ نہ نکلتا،لہذا انہوں نے الگ الگ اماموں کو ختم کر کے، تمام لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کر دیا۔جس کی وجہ سے مقتدیوں میں بھی اتحاد پیدا ہو گیا۔اور ان دونوں لحاظ سے یہ ''اچھی بدعت'' ثابت ہوئی۔اور اب ایک امام (حضرت ابی بن کعبؓ) کے پیچھے تمام لوگ تراویح پڑھنے لگے۔

تعدد ائمہ:

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مردوں کے لیے دو امام مقرر کیے تھے: حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داری۔(موطا امام مالک ص:۴۰) یہ دونوں حضرات باری باری تراویح پڑھاتے تھے، پہلا امام جہاں پہنچ کر ٹھہرا ہوتا دوسرا وہیں سے شروع کرتا۔ سائب بن یزید کہتے ہیں: حضرت عمر بن خطابؓ نے، ابی بن کعبؓ اور تمیم داری کو حکم دیا کہ گیارہ رکعات پڑھائیں۔(موطا امام مالک ص:۴۰)

اسی کے ساتھ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں طویل قرأت کی پابندی کی جاتی تھی۔حضرت سائب بن یزید کہتے ہیں: ہم لوگ حضرت عمر کے دور میں تیرہ رکعات پڑھتے تھے لیکن بخدا! صبح ہوتے ہوتے مسجد سے نکلتے، قاری صاحب ہر رکعت میں

پچاس یا ساٹھ آیات پڑھتے تھے۔

حضرت سائب ہی کی روایت ہے کہ وہ ''مـــئیـــن'' پڑھتے تھے۔لوگ لاٹھیوں کے سہارے کھڑے رہتے تھے۔یہ حضرت عمر بن خطابؓ کے دور کا واقعہ ہے''۔

ان دو آثار میں نئی بات:

پہلے ایک امام ہوا کرتا تھا،اب متعدد ائمہ ہو گئے۔خواہ اس کا مقصد، نائب مقرر کرکے،امام کے لیے سہولت پیدا کرنا ہو یا مقتدیوں کی سہولت اور آرام مدنظر ہوتا کہ اس وقفہ میں نشاط پیدا ہو جائے،خصوصاً جب کہ ابھی حال تک لوگ انفرادی طور پر پڑھتے تھے اور متعدد ائمہ ہوا کرتے تھے۔

بلکہ حضرت عمر نے اس سے آگے بڑھ کر عورتوں کے لیے الگ امام مقرر کر دیا اور تراویح کے لیے کئی ایک ائمہ کا انتخاب کیا۔سلیمان بن ابوحثمہ عورتوں کے امام ہوتے تھے۔ مروزی میں ہے کہ ہشام اپنے والد عروہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے دو قاری (امام) مقرر کیے:ابی بن کعب مردوں کو،اور سلیمان بن ابوحثمہ عورتوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حضرت اُبی مردوں کو تراویح پڑھاتے تھے اسی وقت سلیمان بن ابوحثمہ عورتوں کو پڑھاتے تھے یعنی دونوں حضرات ایک ساتھ تراویح پڑھاتے تھے:حضرت ابی بن کعب مردوں کو اور سلیمان عورتوں کو۔نشاط،صبر،طول قیام اور کثرت قرأت کے لحاظ سے یہ تراویح کی سب سے اعلیٰ حد تھی۔اب اس کے بعد بہ تدریج سہل ہوتی گئی،متعدد ائمہ ہو گئے،قرأت میں تخفیف کر دی گئی اور رکعتوں کی تعداد بڑھ گئی۔ ائمہ کی تعداد میں مزید اضافہ کا ثبوت عاصم کی روایت میں ہے کہ ابوعثمان رحمہ اللہ نے کہا: حضرت عمرؓ نے رمضان میں قاریوں کو جمع کیا،سب سے تیز پڑھنے والے کو تیس آیات،اوسط درجہ والے کو پچیس آیات اور سب سے آہستہ پڑھنے والے کو بیس آیات پڑھنے کا حکم دیا۔

اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد ائمہ مقرر تھے،جس میں خود امام کے لئے اور مقتدیوں کے لیے زیادہ راحت اور سہولت تھی۔اسی طرح قراءت میں تخفیف کر دی گئی،پہلے

ساٹھ آیات اور ''مئین'' پڑھا کرتے تھے اب زیادہ سے زیادہ تیس آیات مقرر کردی گئیں؛ بلکہ حضرت عمر کے ایک دوسرے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے حکم سے حضرت ابی تراویح کی امامت کرتے تھے۔لوگ چوتھائی رات تک سوتے، چوتھائی رات تراویح پڑھتے اور بقیہ چوتھائی حصہ سحری اور دوسری ضروریات کے لیے خالی رکھتے تھے۔حضرت ابی ہر رکعت میں پانچ چھ آیات پڑھتے، دو دو کر کے آٹھ رکعات پڑھاتے، ہر دو رکعات پر سلام پھیرتے، اس کے بعد وضوء اور قضائے حاجت کے بقدر ترویحہ کرتے تھے۔اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس حد تک تراویح کی کیفیت اور قرأت میں کس قدر تبدیلی ہوگئی تھی۔

رکعتوں کی تعداد حسب ذیل ہے:

۱۔گزر چکا ہے کہ حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت ابی لوگوں کو آٹھ رکعات پڑھاتے تھے اور ''مئین'' پڑھتے تھے، اور لوگ صبح ہوتے ہوتے گھروں کو لوٹتے تھے۔

۲۔گزر چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابیؓ اور تمیم کو حکم دیا کہ ۱۳؍رکعات تراویح پڑھائیں۔ یہ آٹھ رکعات والی روایت کے تعلق سے ہے، جس میں تین رکعت وتر ہوتی تھی۔

محمد بن سیرین کی روایت میں ہے کہ معاذ ابو حلیمہ قاری لوگوں کو ۴۱؍رکعات تراویح پڑھاتے تھے۔معاذ ابو حلیمہ کے بارے میں ''التقریب'' (ص ۳۴۰ ط: دار نشر الکتب الاسلامیہ، پاکستان) میں ہے: یہ معاذ بن حارث انصاری بخاری قاری ہیں، ان کو بھی حضرت عمرؓ نے تراویح کے لئے مقرر کیا۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ دوسرے آدمی ہیں۔جن کی کنیت ابوالحارث تھی، صغار صحابہ میں سے تھے، واقعہ حرہ میں شہید ہوئے۔واقعہ حرہ ۶۳ھ میں پیش آیا۔اس تفصیلی تعداد کی تائید ابو زید کی روایت سے ہوتی ہے کہ ''توأمہ'' کے آزاد کردہ غلام صالح نے کہا: ''میں نے واقعہ حرہ سے پہلے لوگوں کو ۴۱ رکعات پڑھتے ہوئے پایا، جس میں پانچ وتر تھی۔لہٰذا ۴۱؍میں سے پانچ ساقط کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ تراویح صرف ۳۶؍رکعات تھی پانچ وتر ہوتی تھی۔

صالح کے بارے میں ''التقریب'' (ص ۱۵۰) میں ہے: صالح بن نبہان مدنی، توأمہ

(تاء پر فتحہ ،واؤ پر ساکن ،اس کے بعد ہمزہ مفتوحہ ہے) کے آزاد کردہ غلام ،صدوق ہیں۔ اخیر میں اختلاط ہو گیا تھا۔

ابن عدی نے کہا: قدماء (مثلا ابن ابوذئب اور ابن جریر) کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔ یہ طبقہ چہارم سے ہیں۔ ۱۲۵ھ میں انتقال ہوا۔ یہاں پر صالح سے روایت کرنے والے قدماء میں سے ابن ابوذئب ہیں جیسا کہ قدماء کی مثال میں ،ابن عدی نے ان کا ذکر کیا ہے۔ صالح کہتے ہیں کہ واقعہ حرہ سے پہلے میں نے لوگوں کو ۴۱ رکعات پڑھتے ہوئے پایا، جن میں پانچ رکعات وتر تھی۔ صالح کی یہ روایت ،محمد بن سیرین کے اس قول کے موافق ہے کہ معاذ ابوحلیمہ قاری لوگوں کو ۴۱ رکعات پڑھاتے تھے۔ یعنی ۳۶ رکعات تراویح اور پانچ رکعات وتر۔

ا۔ لہذا حضرت عمر کے زمانہ میں تراویح ابتداءً وتر کے ساتھ ۱۳/ رکعات تھی۔

ب۔ پھر وتر کے ساتھ ۲۳ رکعات ہوگئی۔

ج۔ پھر ۳۶ رکعات تراویح ،۵ رکعات وتر ،کل ۴۱ رکعات ہوگئی۔ لیکن یہ امر قابل لحاظ ہے کہ رکعتوں کی کثرت کے ساتھ ،قرأت میں تخفیف اور اختصار ہوتا گیا اسلئے کہ:

اولاً آٹھ یا تیرہ رکعتیں تھیں۔ ’’مئین‘‘ پڑھتے تھے اور صبح ہوتے ہوتے واپس آتے تھے۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا ہے کہ ۳۶ رکعات میں قرأت کی مقدار ،آٹھ یا تیرہ رکعات کی قرأت کے برابر ہوگی۔ بلکہ عملی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ قاریوں کو جمع کیا تو تیز تر پڑھنے والے کو تیں آیات پڑھنے کا حکم دیا جب کہ پچاس ساٹھ آیتیں پڑھا کرتے تھے۔ لہذا حضرت عمرؓ کے دور میں تراویح کی رکعتوں کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات میں کوئی تعارض نہیں جیسا کہ باجی نے موطا کی شرح (۲۰۸/۱) میں لکھا ہے ،جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر کے دور میں رکعتوں کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں: سائب بن یزید کی روایت میں گیارہ ،یزید بن رومان کی روایت میں تیں اور حضرت ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام نافع کی روایت میں ہے کہ میں نے رمضان میں لوگوں کو ۳۹ رکعات پڑھتے

ہوئے پایا، جن میں تین وتر ہیں ۔لہذا ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر نے آٹھ رکعتوں سے آغاز کیا ہو جیسا کہ حضرت عائشہ کی اس روایت سے آپ ﷺ کا معمول معلوم ہوتا ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

اسی کے ساتھ حضرت عمر نے لمبی قرأت کرنے کا حکم دیا ہو چنانچہ قاری ایک رکعت میں مئین پڑھتا تھا۔لیکن جب لوگ اس طرح ادا نہ کر سکے تو ۲۳؍رکعات پڑھانے کا حکم دیا قیام میں تخفیف کردی اور رکعتوں میں اضافہ کر کے اس فضیلت کی تلافی کردی۔اور قاری آٹھ یا بارہ رکعات میں سورہ بقرہ پڑھتا تھا۔ایک قول ہے کہ تیس سے بیس آیتیں پڑھتا تھا۔ واقعہ حرہ تک یہی سلسلہ جاری رہا۔لیکن جب لوگوں کیلئے قیام بھاری پڑ گیا تو انہوں نے قرأت میں تخفیف اور رکعتوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔پھر اس طرح ۳۶؍رکعات تراویح اور تین رکعت وتر ہوگئی، یہی سلسلہ چل پڑا۔۳۶ رکعات کی تعیین غالباً واقعہ حرہ سے پہلے ہوئی جیسا کہ محمد بن سیرین کی روایت میں ہے کہ معاذ ابوحلیمہ لوگوں کو ۴۱؍رکعات پڑھاتے تھے۔ ابوحلیمہ کا انتقال قطعی طور پر واقعہ حرہ میں ہوا ہے۔ ہمارے لئے قابل لحاظ امر یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ، بہ تدریج قرأت میں تخفیف اور رکعتوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ رکعتیں کم تھیں تو قرأت زیادہ تھی۔اور رکعات زیادہ تھیں تو قرأت کم تھی۔

''یہ اچھی بدعت ہے'' پر بحث:

عہد عمری سے عہد عثمانی کی طرف جانے سے قبل، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو باجماعت ایک قاری کے پیچھے جمع کرنے کے بعد حضرت عمر کے اس قول: ''یہ اچھی بدعت ہے'' کی وضاحت کردی جائے کہ اس سے مراد کیا ہے؟ اچھی ہونا اور بدعت ہونا، دونوں کے درمیان موافقت کی کیا شکل ہے؟

اس کی تشریح کے لیے سب سے بہتر ہوگا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم'' (ص ۲۷۵ ط: مطبعۃ الحکومۃ، مکہ مکرمہ) کی عبارت نقل کردی جائے۔موصوف فرماتے ہیں:

نماز تراویح شریعت میں بدعت نہیں، بلکہ سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے قول وعمل سے اس کا ثبوت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کیے اور میں نے اس کے قیام کو مسنون کیا''۔ نماز تراویح جماعت سے پڑھنا بدعت نہیں، بلکہ سنت ہے، بلکہ خود آپ ﷺ نے باجماعت ابتداء رمضان میں دو یا تین راتوں کو اور عشرہ اخیرہ میں کئی بار باجماعت پڑھی اور فرمایا: ''اگر آدمی امام کے ساتھ نماز پڑھ کر لوٹے تو اس کے لیے رات بھر کے قیام کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے''۔ اور آپ نے لوگوں کے ساتھ اتنی دیر تک قیام لیل فرمایا کہ سحری چھوٹنے کا اندیشہ ہونے لگا۔ (رواہ أهل السنن)۔ اس حدیث سے امام احمد وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ باجماعت تراویح پڑھنا، اکیلے پڑھنے سے افضل ہے۔ <u>ان کے اس قول میں، امام کے پیچھے تراویح پڑھنے کی ترغیب ہے۔ اور اس میں مطلق سنت سے زیادہ تاکید ہے۔</u> (۱) لوگ عہد نبوی میں، مسجد نبوی میں باجماعت تراویح پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ ان کو برقرار رکھتے، اور آپ کا برقرار رکھنا سنت ہے۔ رہا حضرت عمر کا یہ قول کہ یہ اچھی بدعت ہے تو اس سے استدلال کرنے والے اکثر لوگ (اگر ہم حضرت عمر کے اس قول سے کوئی حکم ثابت کرنا چاہیں، جس میں ان کا کوئی مخالف نہیں) کہیں گے کہ صحابی کا قول حجت نہیں، لہذا رسول اللہ ﷺ کے قول کے خلاف، یہ ان کے لیے کس طرح حجت بنے گا؟ اور جو لوگ صحابی کے قول کو حجت مانتے ہیں وہ بھی، حدیث کے خلاف قول صحابی کو حجت نہیں مانتے۔

بہر دو صورت صحابی کے قول کو حدیث کے بالمقابل نہیں رکھا جا سکتا، ہاں حدیث کے عموم کی تخصیص، قول صحابی (جس کا کوئی مخالف نہ ہو) سے، ایک روایت کے مطابق ہو سکتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ قول ان کے لئے ''اس بدعت'' کے بہتر ہونے کا فائدہ دے سکتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ حضرت عمر نے اس کو بدعت کہا اور یہ لغوی اعتبار سے ہے، شرعی اعتبار سے نہیں، کیوں کہ لغوی اعتبار سے ''بدعت'' ہر ایسے کام کو کہا جاتا ہے جو ابتداء میں کیا جائے، پہلے سے اس

---

(۱) خط کشیدہ عبارت بہ ظاہر شیخ الاسلام کی مراد امام احمد کی مستدل حدیث ہے نہ کہ خود امام احمد کا قول۔

کی نظیر موجود نہ ہو۔ جب کہ شرعی اعتبار سے بدعت ہر اس فعل کو کہتے ہیں جس کی کوئی شرعی دلیل نہ ہو۔

اگر رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے، آپ کی موت کے بعد، کسی فعل کے استحباب یا وجوب کا علم ہو یا علی الاطلاق اس کا علم ہو اور آپ کی وفات کے بعد ہی اس پر عمل ہو سکا، جیسا کہ صدقات کے بارے میں آپ کا گرامی نامہ جس کو حضرت ابو بکر نے نکالا تھا، اگر کوئی آپ کی وفات کے بعد اس پر عمل کرے تو اس کو لغوی اعتبار سے بدعت کہہ سکتے ہیں، اسلئے کہ اس پر ابتداءً عمل ہوا ہے۔ جیسا کہ خود آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو لغوی اعتبار سے ''بدعت'' اور ''محدث'' (نیا) کہا جاتا ہے۔ چنانچہ حبشہ ہجرت کرنے والے صحابہ کے بارے میں قریش کے قاصدوں نے نجاشی کے دربار میں کہا تھا کہ یہ لوگ اپنے آبائی دین سے نکل گئے اور بادشاہ کے دین میں داخل نہیں ہوئے۔ یہ لوگ ''محدث'' (نیا) دین لائے ہیں، جس کو کوئی نہیں جانتا۔ پھر جس عمل کی کتاب وسنت میں دلیل ہو، اس کو شریعت میں بدعت نہیں کہتے، گو لغوی اعتبار سے بدعت کہتے ہوں۔ لغوی اعتبار سے لفظ بدعت، شرعی لحاظ سے لفظ بدعت سے عام ہے۔ معلوم ہو کہ آپ ﷺ کے قول: ''ہر بدعت گم راہی ہے'' سے مراد ہر ابتدائی نیا کام نہیں، کیونکہ دین اسلام بلکہ انبیاء کا لایا ہوا ہر دین ''نیا عمل'' ہے۔ حدیث سے مراد صرف وہ اعمال ہیں جن کو حضور ﷺ نے نہیں بتایا۔ اور جب ایسا ہے تو آپ ﷺ کے زمانہ میں لوگ باجماعت اور انفرادی طور پر تراویح پڑھتے تھے۔

جب تیسری یا چوتھی رات میں لوگ جمع ہوئے تو آپ نے ان سے یہی فرمایا تھا: ہاں میرے نہ نکلنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ یہ تمہارے ذمہ فرض ہو جائے۔ لہذا تم اپنے گھروں میں پڑھو، اسلئے کہ فرض نماز کے علاوہ، آدمی کی سب سے بہتر نماز وہ ہے جو گھر میں ہو'' آپ ﷺ نے نہ نکلنے کی وجہ اندیشہ فرضیت قرار دیا اور یہ اندیشہ آپ کی وفات کے بعد ختم ہو گیا۔ لہذا اس کا معارض باقی نہ رہا۔

اس کے بعد موصوف نے بہت سے دوسرے دلائل نقل کئے ہیں، مثلاً جمع قرآن،

حضرت عمر کے ہاتھوں خیبر کے یہودیوں کی جلاوطنی، اور حضرت ابوبکر کا زکوٰۃ روکنے والوں سے جنگ کرنا۔

اس کے بعد موصوف نے بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کا ضابطہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے: اس سلسلہ میں ضابطہ (واللہ اعلم) یہ ہے کہ کہا جائے کہ لوگ کوئی چیز مصلحت سمجھ کر ہی ایجاد کرتے ہیں، کیونکہ اگر اس کو فاسد تصور کریں تو اس کو ایجاد نہ کریں، اسلئے کہ یہ نہ عقل کا تقاضا ہے نہ دین کا، لہذا جس میں مسلمان مصلحت سمجھیں اس پر غور کیا جائے گا یہ اور اس کا سبب اور داعیہ کیا ہے؟ اگر اس کا داعیہ اور سبب، حضور ﷺ کے بعد پیدا ہونے والا کوئی امر ہو تو اس صورت میں حسب حاجت ایجاد کا جواز ہے۔ (اس کے بعد موصوف نے ایک عبارت لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا اس عمل کو ترک کرنا، کوتاہی کے سبب نہ تھا) اسی طرح اگر اس فعل کا داعیہ آپ ﷺ کے زمانہ میں رہا ہو لیکن کسی معارض کے سبب آپ ﷺ نے اس کو ترک فرمایا اور وہ معارض آپ کی وفات کے بعد زائل ہو گیا ہو۔

حضرت عمر کے قول (یہ اچھی بدعت ہے) کی تشریح میں، یہ موصوف کا حرف بہ حرف کلام ہے۔ میرا خیال ہے کہ جو لوگ با جماعت تراویح اور حضرت عمر سے منقول ۲۱ رکعات کو بدعت کہتے ہیں، ان کی تردید کے لیے یہ بالکل واضح ہے۔ ہاں یہ بحث کہ یہ تعداد حضرت عمر سے ثابت ہے یا نہیں، تو اس کے لیے موطا امام مالک کی روایات کافی ہیں، واللہ اعلم۔

عہد عثمان وعلی رضی اللہ عنہما:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بذات خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اکثر راتوں میں تراویح کی امامت کرتے تھے۔ سنن بیہقی (۲/۴۹۸) میں حضرت قتادہ، حضرت حسن کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت علی نے بیس راتوں کو تراویح کی امامت کی پھر اپنے گھر میں رک گئے۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ وہ اپنی عبادت کے لیے فارغ ہو گئے ہیں، پھر ابو حلیمہ معاذ قاری نے امامت کی۔ وہ قنوت پڑھتے تھے۔

بہرکیف اس عہد میں حضرت علیؓ بیس راتوں کو تراویح کی امامت کرتے تھے اور عشرہ اخیرہ میں قنوت بھی پڑھا جاتا تھا، اور خود حضرت ابی بن کعب بھی رمضان کے اخیر عشرہ میں، قنوت پڑھتے تھے۔

اس دور میں رکعتوں کی تعداد، یا ان کی ادائیگی کی کیفیت میں کوئی تبدیلی نہیں ملتی۔ غالب گمان ہے کہ حضرت عمر کے دور کا معمول چل رہا تھا۔ جیسا کہ حضرت علی کے دور میں رکعتوں کی تعداد کے بارے میں آرہا ہے۔

دعاء ختم قرآن:

ہاں حضرت عثمان کے دور میں ایک عمل ملتا ہے جو قریب قریب نیا تھا۔ یعنی دعاء ختم قرآن۔ ابن قدامہ المغنی (۲ر۱۷۱، تحقیق الترکی) میں لکھتے ہیں: فصل ختم قرآن کے بیان میں۔ فضل بن زیاد نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے دریافت کیا: میں قرآن کو وتر میں ختم کروں یا تراویح میں؟ انہوں نے فرمایا: وتر میں کرو، تاکہ ہمیں دو دعائیں نصیب ہو جائیں۔ میں نے عرض کیا: اس کی شکل کیا ہے؟ فرمایا: جب تم قرآن ختم کرلو، تو رکوع میں جانے سے پہلے اپنے ہاتھوں کو اٹھاؤ اور یہ دعاء کرو، ہم لوگ نماز میں ہوں گے، دیر تک کھڑے رہو۔ میں نے عرض کیا: کیا دعاء پڑھوں؟ فرمایا کہ جو دعا چاہے کرو۔

فضل بن زیاد کہتے ہیں: میں نے ان کے حکم کے مطابق عمل کیا وہ میرے پیچھے کھڑے رہے، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے دعاء کررہے تھے۔

حنبل نے کہا: میں نے امام احمد کو ختم قرآن کے بارے میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم (قل اعوذ برب الناس) پڑھ لو تو رکوع سے پہلے اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر دعاء کرو۔ میں نے عرض کیا: اس کا کیا ثبوت ہے؟ انہوں نے فرمایا: میں نے اہل مکہ کو یہی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ سفیان بن عیینہ مکہ میں لوگوں کو اسی طرح دعاء کراتے تھے۔ عباس بن عبدالعظیم نے کہا: ہم نے بصرہ اور مکہ میں لوگوں کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا۔ اہل مدینہ اس کے بارے میں کچھ نقل کرتے ہیں، اور یہی حضرت عثمان بن عفان سے نقل کیا گیا ہے۔

خط کشیدہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ، بصرہ اور مدینہ منورہ؛ ان تینوں شہروں کا عام معمول یہی تھا۔ نیز یہ حضرت عثمان سے پہلے موجود نہ تھا۔ حضرت عثمان ہی سے اس کا آغاز ہوا ہے، اگر ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ حضرت عثمان سے نقل کیا گیا ہے۔

بہر حال امام احمد نے ان تینوں شہروں کے عمل سے استدلال کرتے ہوئے اور اہل مدینہ کے یہاں حضرت عثمان سے منقول روایت سے مطمئن ہو کر اس پر عمل کیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کل جو طول قیام کے ساتھ، دعاء ختم قرآن کا معمول ہے وہ مدینہ منورہ میں موجود تھا۔ اس کی تصریح امام احمد کے مسلک کے بیان کے ضمن میں آئے گی ان شاء اللہ۔

عباس بن عبدالعظیم:

عباس بن عبدالعظیم (جن سے مذکورہ بالا قول منسوب ہے) کے حالات کا ذکر تہذیب التہذیب (۲/۱۴۰ط: موسسۃ التاریخ العربی) میں کچھ اس طرح ہے:

''عباس بن عبدالعظیم بن اسماعیل بن توبہ عنبری، ابوالفضل، بصری حافظ ہیں''۔

مصنف نے ان کے تقریباً بیس مشائخ شمار کرنے کے بعد فرمایا: ''ان کی روایت'' جماعت'' کے یہاں ہے۔ لیکن بخاری میں تعلیقاً ہے''۔ پھر ان کے دس تلامذہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: وغیرہم۔

پھر کہا (مصنف نے): ابو حاتم نے کہا: صدوق ہیں۔ نسائی نے کہا: مامون ہیں۔ پھر دوسرے علماء کے ان کے متعلق تعریفی کلمات ذکر کیے ہیں۔ اور اخیر میں کہا: بقول بخاری و نسائی ۲۴۶ھ میں وفات پائی۔

پھر کہا: میں (یعنی صاحب التہذیب) نے کہا: اور مسلمہ نے کہا: بصری ثقہ ہیں۔ التقریب (ص ۱۶۵) میں ان کے متعلق ہے: عباس بن عبدالعظیم بن اسماعیل عنبری، ابوالفضل، بصری، ثقہ، حافظ گیارہویں طبقہ کے بڑے علماء میں سے ہیں ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔ (خت، م، عم) ''خت'' سے مراد بخاری میں تعلیقاً۔ ''م'' سے مراد امام مسلم اور ''عم'' سے مراد شیخین

کے علاوہ ''جماعت'' ہے۔ بہر کیف اس سے واضح ہوتا ہے کہ اہل مدینہ سے ان کی نقل، ثقہ حافظ کی نقل ہے۔ واللہ اعلم

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے دور میں تراویح سے متعلق نئی چیز، خود حضرت علی کا بیس راتوں کو تراویح کا امام ہونا اور دعاء ختم قرآن کا ہونا ہے۔

عہدِ حضرت علی رضی اللہ عنہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور کے متعلق سنن بیہقی (۲۹۶/۲) میں ہے کہ انہوں نے مردوں کے لیے ایک امام اور عورتوں کے لئے ایک امام مقرر کیا، ہاں وتر میں وہ خود امامت کرتے تھے۔ عطاء بن سائب، ابوعبدالرحمٰن سلمی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں، قاریوں کو جمع کیا اور ایک قاری کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے اور وتر میں وہ خود امامت کرتے تھے۔ امام بیہقی نے کہا: یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوسرے طریق سے بھی مروی ہے۔ اس روایت سے ایک نئی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عثمان کے دور میں، خود حضرت علی تراویح کی امامت کرتے تھے اور عشرہ اخیرہ میں صرف اپنے لیے تراویح پڑھتے تھے، امامت نہیں کرتے تھے۔ لیکن اپنے دور میں، صرف وتر میں امامت کرتے تھے۔

حضرت علی کے دور میں عورتوں کے امام، عرفجہ ثقفی ہوا کرتے تھے جیسا کہ مروزی میں ہے: عرفجہ ثقفی کہتے ہیں کہ میں حضرت علی کے دور میں عورتوں کا امام تھا۔

حضرت علی کے دور میں تراویح بیس رکعت اور وتر تین رکعت تھی، اغلب ظن یہی ہے۔ جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اس سے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تھا، اور ۳۶ رکعت کی جس زیادتی کا ذکر آچکا ہے، وہ حضرت علی ہی کے دور میں ہوئی۔

حضرت علیؓ نے اپنے دور میں خود وتر میں امامت کی، جب کہ حضرت عمر و عثمانؓ کے دور میں ایسا نہ تھا۔

حضرت عمر وعثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دوران:

اب تک غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے دور میں تراویح کی تعداد رکعات ۲۳ رہی ہے، جس میں تین رکعت وتر تھی، جیسا کہ موطا مالک میں یزید بن رومان کی روایت ہے کہ لوگ عمر بن خطابؓ کے دور میں ۲۳ رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ یزید کے بارے میں التقریب میں ہے: یزید بن رومان مدنی، آل زبیر کے آزاد کردہ غلام، ثقہ، پانچویں طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۳۰ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ اس سے ان کی مراد صرف حضرت عمر کا دور ہے ورنہ کہتے کہ ''اور عثمان وعلی''۔

لھذا معاذ قاری اور صالح مولی التوأمہ کی روایات میں جس اضافہ کا ذکر ہے وہ حضرت عمر، عثمان اور علی کے بعد ہوا ہے؛ اس لئے کہ اس کے بارے میں تحدید کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ حرہ سے قبل ہوا، ہاں واقعہ حرہ سے قبل کب ہوا، اس کی تعیین نہیں۔

جب روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے دور میں ۲۳ رکعت تھی اور حضرت علی کے اپنے دور میں ۲۳ رکعت ہی کی تصریح ملتی ہے تو واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت علی کے دور تک ۲۳ رکعت ہی برقرار رہی ہے، اس میں اضافہ حضرت علی کے بعد ہی ہوا ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور اور اس کے بعد قائم رہا۔

حضرت علی کے دور میں ہونے والے اضافہ کی تحدید وتعیین:

اولاً جیسا کہ گزرا ''باجی'' کے یہاں، نافع مولیٰ ابن عمر کی روایت ہے۔ نافع کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو ۳۹ رکعت پڑھتے ہوئے پایا، جس میں ۳ رکعت وتر تھی۔ یعنی وتر کو چھوڑ کر تراویح ۲۰ رکعت سے ۳۶ رکعت ہوگئی۔ نافع کا انتقال ۱۱۷ھ میں ہوا یعنی عمر بن عبدالعزیز کے انتقال کے صرف چھ سال بعد، اسلئے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ۱۰۱ھ میں ہوا۔ نافع کے قول: ''میں نے لوگوں کو پایا'' سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معمول خلافت عمر بن عبدالعزیز سے پہلے سے چلا آ رہا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں اس تعداد کی تصریح، ابان بن عثمان نے بھی کی ہے۔ مروزی میں داؤد بن قیس کا قول ہے کہ ابان بن

عثمان اور عمرؒ بن عبدالعزیز کے دور میں مَیں نے لوگوں کو مدینہ میں ۳۶ رکعت تراویح اور ۳ رکعت وتر پڑھتے ہوئے پایا۔اور بعض روایات میں ہے:۵ رکعت وتر۔

داؤد بن قیس کی روایت اور نافع کی دو میں سے ایک روایت کے پیش نظر واضح ہے کہ یہ اضافہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز سے پہلے ہوا،اس لئے کہ اس میں ہے کہ وہ ۴۱ رکعت پڑھتے تھے۔

نافع کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۶ رکعت تراویح اور ۵ رکعت وتر پڑھتے تھے۔جس کا مجموعہ ۴۱ رکعت ہے۔بہر کیف نافع ،داؤد،اور صالح مولی التوأمہ؛ہر ایک کی روایت ۴۱ رکعت کے وجود پر متفق ہے۔جس میں سے ۵ رکعت وتر تھی۔اور یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور سے قبل ہوا،اور انہوں نے اس کو برقرار رکھا۔اس کے بعد اسی تعداد کا معمول رہا۔جیسا کہ وہب بن کیسان کی روایت آگے آرہی ہے۔

امام شافعی نے کتاب الام (مختصر المزنی ۸/۴۲اط: دار الفکر بیروت) میں فرمایا: اور میں نے لوگوں کو، مدینہ میں ۳۹ رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا۔میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ۲۰ رکعت ہے،اس لئے کہ یہی حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔اسی طرح اہل مکہ تراویح پڑھتے ہیں،اور تین رکعت وتر پڑھتے ہیں۔



عہد ائمہ اربعہ رحمھم اللہ

اولاً: امام دارالہجرت امام مالک کا عہد

امام مالک نے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ ۸/سال پایا ہے، کیوں کہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کا انتقال ۱۰۱ھ میں ہوا، اور امام مالک ۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے وقت امام مالک ۸/سال کے تھے یعنی ان کی طالب علمی کا زمانہ تھا۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک کے دور میں، تراویح کی رکعتوں کی تعداد ۳۶ رکعت تھی؛ بلکہ یہی تعداد اس وقت بھی تھی جب ان کی عمر ۳۴ سال تھی۔ جیسا کہ وہب بن کیسان کی رویت ہیکہ لوگ آج تک، رمضان میں ۳۶ رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے رہے ہیں۔ وہب کا انتقال ۱۲۷ھ میں ہوا ہے۔

امام مالکؒ نے اس سے واضح طور پر وضاحت کی ہے، جیسا کہ مروزی میں ابن ایمن کی روایت ہے کہ امام مالک نے کہا: میرے یہاں پسندیدہ یہ ہے کہ لوگ ۳۸ رکعت تراویح پڑھیں۔ پھر امام، نمازیوں کو سلام پھیر کر ایک رکعت وتر پڑھائے۔ مدینہ میں یہ معمول حرہ سے قبل، سو سال سے کچھ پہلے سے ہے۔

امام مالکؒ کے اس قول: "مدینہ میں یہ معمول، حرہ سے قبل، سو سال سے کچھ پہلے سے ہے" سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ۳۹ رکعت مع وتر، حضرت عمر بن عبدالعزیز سے پہلے سے ہے۔ اسی کو عمر بن عبدالعزیز نے برقرار رکھا اور امام مالک نے اسی کو پسند کیا۔

اسی وجہ سے امام مالکؒ اس تعداد میں کمی کو ناپسند کرتے تھے۔ ابن قاسم نے کہا: میں نے امام مالکؒ کو یہ تذکرہ کرتے ہوئے سنا کہ جعفر بن سلیمان نے ان کے پاس یہ

دریافت کرنے کے لیے بھیجا کہ تراویح میں کچھ کمی کردی جائے؟ تو انہوں نے منع کردیا۔ ان (ابن قاسم) سے پوچھا گیا کہ کیا انہوں (امام مالک) نے اس کو ناپسند کیا؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں۔

قدیم زمانے سے لوگ یہی تراویح پڑھتے آئے تھے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ تراویح کتنی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: وتر کے ساتھ ۳۹ رکعت۔ امام مالک کا مسلک تفصیل سے دوسرے مذاہب کے تذکرہ کے ساتھ ان شاء اللہ آگے آئے گا۔ یہاں صرف امام مالک کے دور میں، مسجد نبوی میں تراویح کا ذکر مقصود تھا۔

امام شافعیؒ نے امام مالک کا زمانہ پایا ہے اور ان سے علم حاصل کیا۔ مدینہ منورہ کے متعلق، امام شافعی کے یہاں بھی اسی تعداد کا ذکر ملتا ہے۔ زعفرانی نے کہا کہ امام شافعی نے فرمایا: میں نے لوگوں کو مدینہ میں ۳۶ رکعت تراویح پڑھتے ہوئے پایا۔ لیکن خود امام شافعیؒ کا مسلک کیا ہے؟ اس کی طرف انہوں نے اس کے معاً بعد یہ کہہ کر اشارہ کردیا کہ میرے نزدیک بیس رکعت زیادہ پسندیدہ ہے۔ اہل مکہ بیس رکعت ہی پڑھتے ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: ''اس میں کوئی تنگی نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی حد ہے، کیوں کہ یہ نفل ہے۔ اگر قیام لمبا کرکے سجود (رکعتوں) کو کم کردیں، تو بہتر ہے، اور یہی میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور اگر رکعتوں کو بڑھادیں تو بھی اچھا ہے''۔

مذاہب اربعہ کے تذکرہ میں، ان کے مسلک کا ذکر آئے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ تعداد رکعات کے تعلق سے تو کوئی نئی چیز پیش نہیں آئی، البتہ دوسرے لحاظ سے کچھ نئی چیزیں پیش آئیں ہیں مثلاً:

قرأت کی مقدار:

ہر رکعت میں دس آیات ہوا کرتی تھیں، جیسا کہ مروزی میں عبدالرحمٰن بن قاسم کی روایت ہے کہ امام مالک سے تراویح کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ قاری کتنی آیتیں پڑھے؟ فرمایا: دس دس آیتیں، البتہ اگر ہلکی سورتیں ہوں تو بڑھادے مثلاً صافات اور

طسم ۔دریافت کیا گیا کہ پانچ آیتیں؟ فرمایا کہ نہیں، بلکہ دس آیتیں۔اور المدونۃ الکبریٰ (۱/۲۲۳ط، دارالفکر، بیروت) میں ابن وہب نے تصریح کی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے قاریوں کو حکم دیا کہ چھتیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھا کریں اور ہر رکعت میں دس آیتیں پڑھیں۔

دوسری طرف خود انہی کے دور میں کچھ لوگ ایک رات میں پورا قرآن پڑھتے تھے۔امام مالکؒ نے کہا کہ عمر بن حسین فقیہ، باکمال اور عبادت گزار تھے۔ایک شخص نے مجھے بتایا کہ اس نے ان کو رمضان میں ہر روز قرآن شریف شروع کرتے ہوئے سنا ہے۔پوچھا گیا کہ کیا وہ قرآن ختم کرلیا کرتے تھے؟ فرمایا کہ ہاں۔اور وہ رمضان میں عشاء پڑھ کر لوٹ جاتے تھے جب تیئیس کی رات آتی تو عام لوگوں کے ساتھ تراویح پڑھتے تھے، بقیہ راتوں میں ان کے ساتھ تراویح نہیں پڑھتے تھے۔پوچھا گیا کہ ابوعبداللہ! ایک شخص ہر رات قرآن ختم کرتا ہے؟ فرمایا کہ یہ تو بہت اچھا ہے، کیوں کہ قرآن ہر بھلائی کا امام ہے یا فرمایا کہ ہر بھلائی کے آگے ہے۔

طریقۂ قرأت:

ان کے زمانہ میں خاص طریقہ پر قرأت شروع ہوتی تھی یعنی بسم اللہ اور اعوذ باللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ابن وہب نے کہا کہ میں نے امام مالکؒ سے پوچھا کہ کیا نفل نماز میں اعوذ باللہ پڑھے گا؟ فرمایا: ہاں، رمضان میں ہر سورہ سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے گا۔میں نے عرض کیا باآواز بلند پڑھے گا؟ فرمایا: ہاں۔میں نے عرض کیا کہ تراویح میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھے گا؟ فرمایا: ہاں۔ابن وہب کہتے ہیں کہ امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ اللہ اکبر کہنے کے بعد، قرأت شروع کرنے سے قبل، اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے گا؟ فرمایا کہ میرے علم کے مطابق یہ صرف رمضان میں ہے۔ہمارے قاری حضرات اسی طرح پڑھتے ہیں اور یہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے۔

امام مالکؒ کے قول ''اور یہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے'' کی تائید ابوالزناد کے

اس قول سے ہوتی ہے کہ میں نے قاری حضرات کو پایا ہے کہ وہ رمضان میں قرأت شروع کرنے سے قبل، أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم پڑھتے ہیں۔

مروزی نے کہا کہ ان کا تاحیات یہ معمول رہا ہے کہ رمضان میں تراویح میں اعوذ باللہ پڑھتے تھے، کبھی اس کو ترک نہیں کیا۔ ابولزناد کا انتقال ۱۳۰ھ میں ہوا ہے یعنی عمر بن عبد العزیز کے انتقال کے بعد اور امام مالک کے انتقال سے قبل۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مقرر کردہ قراء، رمضان میں أعوذ باللہ نہیں چھوڑتے تھے۔ غالباً ابوالزناد کے قول: ''میں نے قاری حضرات کو پایا'' سے مراد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے قاری ہیں؛ اس لئے کہ ان کی اور عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے درمیان صرف ۲۹ سال ہیں۔

ابوالزناد کے بعد، سعید بن ایاس کے دور تک یہی معمول رہا۔ سعید کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ جب اہل مدینہ، رمضان میں، سورہ فاتحہ اور ولا الضالین پڑھ کر رمضان میں فارغ ہوتے ہیں تو ''ربنا انا نعوذ بك من الشيطان الرجيم'' پڑھتے ہیں۔

اس مسئلہ کا حکم امام مالک کے نزدیک (جیسا کہ باجی نے شرح موطا میں لکھا ہے) یہ ہے: (مسئلہ) المدونہ میں امام مالک سے، ابن القاسم کی روایت کے مطابق، قاری کے لیے استعاذہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن ''العتبیہ'' میں اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ استعاذہ ترک کرنا میرے نزدیک زیادہ پسند ہے۔ باجی نے دونوں روایتوں کی توجیہ کی ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ بسملہ (جیسا کہ کہا گیا ہے) وہ حرف ہے یعنی سات قرأتوں میں سے ایک قرأت اس کے اثبات کی، اور دوسری روایت اس کے اسقاط کی ہے۔ یہ دونوں روایتیں نافع سے ہیں۔ ورش کی روایت ترک بسملہ کی ہے۔ اور ان سے قالون کی روایت اثبات کی ہے۔ قرأت کے بارے میں یہ شعر اسی کے مطابق ہے۔

قالون بين السورتين بسملا ورش عنه الوجهان نقلا

(قالون دونوں سورتوں کے درمیان بسملہ کے قائل ہیں، جب کہ ورش سے دونوں وجوہات منقول ہیں)

نافع ، مدینہ کے قاری ہیں ،امام مالکؒ نے انہی سے پڑھا ہے اور انہوں نے اس مسئلہ میں قالون کی قرأت اور ورش سے اثبات بسملہ والی روایت کو ترجیح دیا ہے۔

رمضان کی پہلی رات میں قرأت کا آغاز کہاں سے ہوگا؟اس کے بارے میں مروزی نے کہا: ابو حازم کہتے ہیں کہ رمضان شروع ہوتا ،تو پہلی رات میں، اہل مدینہ ''انا فتحنالك فتحاً مبيناً'' سے شروع کرتے تھے۔

اہل مدینہ کی تراویح اور اہل مکہ کی تراویح کے مابین موازنہ:

امام مالک کا قول گزر چکا ہے کہ وہ ۳۸ رکعت تراویح اور ایک رکعت وتر کل ۳۹ رکعات مستحب سمجھتے ہیں۔اسی طرح امام شافعی کا کلام آچکا ہے کہ انہوں نے اہل مدینہ کو ۳۹ رکعت پڑھتے ہوئے پایا۔اس سے امام مالک اور امام شافعی کے زمانہ میں،تراویح کا معمول کیا تھا معلوم ہوتا ہے۔

تاہم امام شافعی کہہ چکے ہیں کہ میرے نزدیک ۲۰ رکعت زیادہ پسندیدہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ اہل مکہ اتنی ہی پڑھتے ہیں۔نیز انھوں نے کہا کہ یہ نفل ہے،جس کی کوئی آخری حد نہیں ہے۔

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ اہل مدینہ ۳۹ رکعت پڑھتے تھے، جس کو امام مالک نے مستحب قرار دیا، جب کہ اہل مکہ بیس رکعت پڑھتے تھے اور اسی کو امام شافعیؒ نے اپنے نزدیک احب اور پسندیدہ قرار دیا ہے؟

رہا امام شافعی کا یہ کہنا کہ بیس رکعت میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اور یہی اہل مکہ کا عمل ہے،تو واللہ اعلم ،ظاہر یہ ہے کہ یہی اصل ہے۔یعنی خلفاء ثلاثہ (حضرت عمر، عثمان اور علیؓ) کے دور میں اسی پر عمل تھا اور صحابہ کا اسی پر اجماع تھا کہ مسجد میں بیس رکعت پڑھیں خود حضرت علی نے اتنی ہی رکعات پڑھی یعنی قاری کو حکم دیتے تھے کہ بیس رکعت پڑھائے اور پھر خود وتر پڑھاتے تھے۔۔

ابوزرعہ نے طرح التثریب (۹۸/۱) میں کہا کہ بیس رکعت کا راز یہ ہے کہ غیر

رمضان میں سنن رواتب دس رکعتیں ہیں رمضان میں اس کو دوگنا کر دیا گیا، کیوں کہ یہ محنت اور جانفشانی کا وقت ہے۔

بہرکیف یہ عمل خلفاء راشدین کی سنت کے تحت آتا ہے، اہل مکہ اصل پر عمل کرتے تھے، بیس میں اضافہ کرنے کا کوئی سبب نہ تھا۔ گوکہ بہ قول امام شافعی یہ نفل ہے جس کی کوئی آخری حد نہیں ہے۔

رہا اہل مدینہ کا ۳۶ پر عمل تو یہ اصل پر اضافہ ہے اور یہ نفل ہے، تو امام مالک نے اس کو مستحب کیوں قرار دیا؟ پھر اہل مدینہ نے اصل پر اضافہ کیوں کیا؟ حالانکہ دوسروں کے مقابلہ میں اہل مدینہ کو اصل (بیس) کا زیادہ پابند ہونا چاہیے تھا۔

اس کا جواب جیسا کہ امام نوویؒ نے شرح المهذب میں اور دوسرے علماء نے نقل کیا ہے کہ یہ مسئلہ طاعت وعبادت میں محنت اور کار خیر میں منافسہ ومقابلہ کے باب سے ہے، اور اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اہل مکہ ہر ترویحہ کے بعد اٹھ کر ایک طواف کرتے اور طواف کی دو رکعتیں پڑھ کر دوسرا ترویحہ شروع کرتے تھے۔

یہ معلوم ہے کہ ترویحہ دو سلام سے چار رکعات کا ہوتا ہے۔ اور ہر چار رکعات پر ترویحہ اور آرام ہوتا تھا۔ اس طرح پوری تراویح میں اہل مکہ کے لیے چار طواف کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔ اہل مدینہ نے اس طواف کی تلافی کرنی چاہی، اور ہر طواف کے بدلہ ایک ترویحہ رکھ لیا۔

امام نووی المجموع (۳۸/۴ ط: دارالفکر بیروت) میں لکھتے ہیں: ''جہاں تک اہل مدینہ کے فعل کا تعلق ہے جس کا انہوں نے ذکر کیا تو ہمارے اصحاب اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ اہل مکہ ہر دو ترویحہ کے درمیان ایک طواف کرتے تھے اور طواف کی دو رکعتیں پڑھتے تھے، البتہ پانچویں ترویحہ کے بعد طواف نہیں کرتے تھے۔ اہل مدینہ نے ان کی برابری کرنی چاہی اور ہر طواف کی جگہ چار رکعتیں مقرر کر دیں۔ اس طرح ۱۶ رکعتوں کا اضافہ ہو گیا جس کا مجموعہ ۳۹ رکعت ہے۔ واللہ اعلم

آٹھویں صدی کے ایک اہم عالم امام زرکشی اپنی کتاب ''اعلام الساجد باحکام المساجد'' (ص۲۶۰) میں لکھتے ہیں کہ ماوردی اور رویانی نے کہا اس (بیس رکعت پر اضافہ) کے سبب کے بارے میں تین اقوال ہیں:

اول: اہل مکہ ہر ترویحہ کے بعد ایک طواف (سات) چکر کرتے تھے، البتہ پانچویں ترویحہ کے بعد طواف نہیں کرتے تھے، بلکہ وتر پڑھ لیتے تھے۔ اس طرح ان کو پانچ ترویحہ اور چار طوافوں کا موقع ملتا تھا۔ چوں کہ اہل مدینہ اس چار طوافوں میں ان کی برابری نہیں کر سکتے تھے اور پانچ ترویحات دونوں کے یہاں تھے، اس لئے انہوں نے ہر چار طواف کی جگہ، چار زائد ترویحات مقرر کر لئے، اس طرح کل ۹ ترویحات ہو گئے، جس میں ۳۶ رکعتیں ہوتی ہیں، اور ان کی تراویح اہل مکہ کی تراویح اور طواف کے برابر ہو گئی۔

دوم: اس کا سبب یہ ہے کہ عبدالملک بن مروان کے ۹ لڑکے تھے ہر ایک مدینہ میں امامت کرنا چاہتا تھا، لہذا انہوں نے ہر لڑکے کو ایک ترویحہ پڑھانے کی اجازت دے دی۔ اس طرح کل ۳۶ رکعتیں ہو گئیں۔

سوم: جوار مدینہ کے نو قبیلوں میں، امامت کیلئے اختلاف ہوا تو ہر قبیلہ نے ایک ترویحہ پڑھانے کیلئے اپنا آدمی پیش کیا تو کل ۳۶ رکعتیں ہو گئیں۔ پہلا قول اصح ہے۔ (انتہی منہ)

بظاہر حقیقی سبب اول الذکر ہے؛ اس لئے کہ دوسرے قول سے گو کہ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امراء و خلفاء کے یہاں جاہ و عزت کی خاطر، مسجد نبوی میں امامت کیلئے، مقابلہ اور منافسہ ہوتا تھا۔ لیکن اس کے بغیر بھی اس کی تکمیل ہو سکتی تھی۔ کہ ہر ایک کے لیے، ایک ایک رات باری مقرر کر دی جاتی اور تعداد رکعات جوں کی توں باقی رہ جاتی۔

تیسرے قول میں عصبیت کی عکاسی تو ہوتی ہی ہے، مزید براں کہ یہ اس طرح کی چیز صدر اول میں اور خصوصاً جب کہ مسجد نبوی کا ذمہ دار امام موجود ہو، بہت بعید نظر آتی ہے کہ ایک امام کے پیچھے سب عشاء کی نماز پڑھتے رہے ہوں، پھر نفل کے لیے نزاع پیدا ہو جائے۔

یہ تعداد اہل مدینہ کے ساتھ خاص تھی:

یہ معمول خاص اہل مدینہ کا تھا یا کار خیر میں مقابلہ کے شوقین حضرات بھی اس پر عمل کرتے تھے؟ علماء نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے: اکثر شافعیہ کے نزدیک یہ خاص اہل مدینہ کا معمول تھا۔ زرکشی شافعی اپنی کتاب ''اعلام الساجد'' مسئلہ (۲۰) خصوصیات مدینہ کے تحت لکھتے ہیں: ہمارے اصحاب نے کہا کہ اہل مدینہ کے علاوہ کسی کیلئے جائز نہیں کہ اہل مکہ کی برابری کی کوشش اوران سے مقابلہ کرے۔

ولی الدین عراقی شافعی طرح التثریب (۹۸/۱) میں رقم طراز ہیں:

> ''ہمارے اصحاب میں حلیمی نے اپنی کتاب ''المنہاج'' میں لکھا ہے کہ جس نے اہل مکہ کے اتباع میں بیس رکعت تراویح پڑھی اس نے اچھا کیا اور جس نے اہل مدینہ کے نقش قدم پر چل کر ۳۶ رکعت پڑھی اس نے بھی اچھا کیا، اسلئے کہ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ مزید فضیلت کی تحصیل کیلئے اہل مکہ کی اقتداء کریں، مقابلہ بازی نہ تھی جیسا کہ بعض حضرات نے سمجھا ہے''۔

مالکیہ کے مذہب کا ظاہر یہ ہے کہ تراویح ۲۳ رکعت ہے یعنی مدینہ منورہ کے علاوہ میں، المجموع (۲۲/۲۷) میں قیام رمضان پر بحث کے ضمن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ قول منقول ہے کہ سلف کی ایک جماعت ۴۱ رکعت تراویح پڑھتی تھی جن میں تین رکعت وتر تھی جب کہ بعض حضرات ۳۶ رکعت تراویح اور ۳ رکعت وتر پڑھتے تھے''۔ ان سب میں گنجائش ہے۔ ان میں سے جس طریقہ پر بھی تراویح ادا کرلی جائے بہتر ہے۔

لہٰذا اہل مدینہ کے ساتھ اس تعداد کی خصوصیت کی دلیل، صرف یہی ہے کہ ایک زمانہ سے اہل مدینہ کا یہی عمل منقول ہوتا رہا ہے۔ جو ساتویں صدی ہجری تک آیا، پھر اواخر عہد اشراف اور سعودی عہد سے قبل تک گزر چکا ہے کہ اہل مکہ کے مقابلہ میں اہل مدینہ کے یہاں اس اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ ہر دو ترویحہ کے درمیان سات چکر طواف کرتے تھے اور دو رکعت سنت طواف پڑھتے تھے۔ اس لیے اہل مدینہ نے ہر طواف کی جگہ ایک زائد ترویحہ کو

رکھا جس کے نتیجہ میں ان کے یہاں تراویح ۳۶ رکعت ہوگئی۔

اس علی الاطلاق تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معمول تمام اہل مکہ کا تھا حالاں کہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ کیوں اہل مکہ، مذاہب اربعہ کے الگ الگ چار اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور تراویح کے دوران طواف کا یہ معمول صرف شافعیہ کے امام کے یہاں تھا۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ ابن جبیر ۵۷۹ھ میں مکہ میں تھے، انہوں نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ تراویح میں شافعی امام، دوسرے ائمہ سے زیادہ محنت کرتا ہے، کیوں کہ وہ معمول کی تراویح (جو دس سلاموں کے ساتھ ہے) کو پوری کرتا ہے پھر جماعت کے ساتھ طواف شروع کرتا ہے سات چکر پورا کرنے اور سنت طواف پڑھنے کے بعد دوسرا ترویحہ شروع کرتا ہے پھر ''خطیبی دھماکہ'' ہوتا ہے اس کی آواز اس قدر بلند ہوتی ہے کہ پوری مسجد میں سنائی دیتی ہے اور یہ دوبارہ نماز کے آغاز کی اطلاع کے درجہ میں ہے۔ دومرتبہ سلام پھیرنے کے بعد پھر طواف کرتے ہیں اور اسی طرح ہوتا رہتا ہے تا آں کہ دس سلام کے ساتھ بیس رکعت تراویح مکمل ہوجائے پھر دو رکعت نیز وتر پڑھتے ہیں اور لوٹ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس دوسرے ائمہ معمول کی تراویح میں کوئی اضافہ نہیں کرتے۔ اور یہ معلوم ہے کہ شافعیہ بھی مکہ مکرمہ کے علاوہ، کہیں بیس رکعت سے زیادہ تراویح نہیں پڑھتے۔ واللہ اعلم

اب دوسری صدی ختم ہوگئی اور تدوین و تالیف، اجتہاد و استنباط اور ائمہ اربعہ کا دور شروع ہوگیا۔ تیسری صدی کے اوائل میں مذاہب ایک دوسرے سے ممتاز اور نمایاں ہونے لگے۔ آگے ایک فصل میں ائمہ کے مذاہب کا ذکر آئے گا، ہر مذہب کا الگ الگ بیان ہوگا لیکن یہ سب کچھ بحث کے اخیر میں، تاریخی تسلسل ذکر کرنے کے بعد ہوگا۔ نیز تراویح کی تعداد، قرأت، ختم قرآن اور اہل مکہ و اہل مدینہ کے ختم قرآن کے مابین موازنہ کیا جائے گا، اس کے بعد تراویح کے مختلف انداز ذکر کرکے اس بحث کو ختم کردیا جائے گا، پھر تیسری صدی میں تراویح کا جائزہ لیا جائے گا۔

☆☆☆☆☆

تیسری صدی ہجری:

دوسری صدی کے گزرنے پر تراویح ۳۶ رکعت اور وتر ۳ رکعت تھی، جس کا مجموعہ ۳۹ رکعت ہے۔ بعض حضرات ۴۱ رکعت کے قائل تھے جیسا کہ گزرا۔

تیسری صدی کے آغاز کے ساتھ تصور یہی تھا کہ تراویح مع وتر ۳۹ رکعت ہوگی لیکن امام ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ھ (تیسری صدی کا اواخر) نے لکھا ہے کہ تراویح مع وتر ۴۱ رکعت ہوگئی تھی۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ تراویح کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے: بعض حضرات وتر کے ساتھ ۴۱ رکعت کہتے ہیں اہل مدینہ کا یہی قول ہے اور ان کے یہاں مدینہ میں اسی پر عمل ہے۔

خط کشیدہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کو نقل کرتے وقت یہی معمول باقی رہا، یا موجود تھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تیسری صدی میں تراویح بڑھ کر ۴۱ رکعت ہوگئی تھی؟ یعنی سابقہ ایک قول پر عمل تھا یا وہ حضرات ۳۶ رکعت کو تراویح سمجھتے تھے، جس میں ۵ رکعتوں کا اضافہ کردیا تو مجموعہ ۴۱ رکعت ہوگیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز اور امام مالکؒ کے دور میں تعداد رکعات پر کلام کے ضمن میں اس مسئلہ پر بحث ہوچکی ہے۔ بہر حال ۳۶ رکعات تو قطعی طور پر موجود تھیں، باقی ۳۹ رکعات پوری کی جاتی تھی یا ۴۱ رکعات۔



چوتھی پانچویں اور چھٹی صدی ہجری:

اس پورے وقفہ میں تراویح ۳۶ رکعت کے بجائے ۲۰ رکعت رہی ہے، اس لیے کہ مشرق وسطی کے پورے علاقے بلکہ مصر، حجاز اور عراق میں عباسیوں اور عبیدیوں کے اختلافات کے سبب زبردست خلفشار رہا ہے۔ مصر میں عبیدیوں کی حکومت چوتھی صدی کے نصف (۳۵۹ھ) میں شروع ہوئی، اور تقریبا دوسو سال تک منبر حجاز، عراق میں عباسی حکومت

اور مصر میں عبیدی حکومت کے درمیان ڈانواڈول رہا، یہاں تک کہ چھٹی صدی کے نصف ۵۶۷ھ میں آخری عبیدی خلیفہ نے زمام امور سنبھالی۔

حجاز پر فاطمیوں کے کنٹرول کے بعد حالات یکسر بدل گیے ،خصوصاً امن وامان اور سنت کے لحاظ سے اور بدعتوں کے ظہور کے اعتبار سے، کیوں کہ فاطمی حکمراں، اس وقت کے اہل مدینہ کے مسلک پر نہ تھے،

ابن جبیر ۵۸۰ھ میں مدینہ منورہ پہونچے ہیں، انہوں نے اپنے سفرنامے میں اس وقت پھیلی ہوئی بدعتوں اور خرافات کا آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے:

''بروز جمعہ ۷ محرم ۵۸۰ھ کو ہم نے وہاں وہ بدعتیں دیکھیں کہ اسلام پکار اٹھا: خدایا! مسلمانوں کو بچا۔ ہوا یہ کہ خطیب جمعہ خطبہ کے لئے پہنچا، منبر نبوی پر چڑھ گیا کہا جاتا ہے کہ اس کا مذہب کوئی پسندیدہ نہ تھا وہ مسجد نبوی میں فرض نمازوں کے مقرر امام شیخ عجمی کا مخالف تھا شیخ عجمی میں نیکی اور تقوی تھا اور اس عالی مقام جگہ میں امامت کے وہی اہل تھے۔

بہر کیف جب موذن نے اذان دی تو یہ خطیب کھڑا ہوا، یہ شیعی مسلک کا تھا آتے وقت اس کے آگے آگے دو کالے جھنڈے تھے، جن کو منبر کے دونوں طرف گاڑ دیا گیا اور وہ دونوں کے درمیان کھڑا ہوا۔ پہلے خطبہ کے بعد بیٹھ گیا تو خلاف معمول جلد اٹھنے کے بجائے بیٹھا رہا، حالانکہ دوسرے خطبہ کیلئے امام کے کھڑے ہونے کو جلد بازی کی مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ پھر ''سرکش خادموں کا ایک جتھا صفوں کو چیرتے اور گردنوں کو پھاندتے ہوئے آگے بڑھا اور اس بے توفیق امام کے لیے عجمیوں اور حاضرین سے بھیک مانگنے لگا، کوئی قیمتی کپڑا دے رہا ہے تو کوئی ریشم کی لمبی چٹ پھاڑ کے دے رہا ہے جس کو دینے کے لیے ہی لایا تھا اور کوئی اپنا عمامہ اتار کر اس کے پاس پھینک رہا ہے۔ عورتیں اپنے پازیب نکال کر دے رہی ہیں۔ اس کے علاوہ ناقابل بیان منظر سامنے آیا اور خطیب منبر پر بیٹھے لالچ بھری نگاہوں سے ان بھکاریوں کو دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ وقت نکلنے لگا اور نماز جانے لگی۔ اور دین دار لوگ چیخ اٹھے۔ اور اس کے سامنے حرام مال کا ایک ڈھیر لگ گیا۔

جب وہ خوش ہوگیا تو کھڑے ہوکر اس نے خطبہ پورا کیا، نماز پڑھائی۔ اہل علم دین کا رونا روتے ہوئے اور دنیا میں کامیابی سے مایوس ہوکر لوٹ گئے۔ اور یہ سمجھ گئے کہ اب قیامت کی علامتیں ظاہر ہوچکی ہیں"۔ (بہ اختصار)۔

اس تصویر سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ مسجد نبوی کے دوسرے امور میں کس قدر تبدیلی رونما ہوگئی ہوگی۔ اس کی تائید ابن فرحون کی ایک قلمی تصنیف سے ہوتی ہے، جس میں انہوں نے مسجد نبوی کے بارے میں لکھا ہے کہ اہل سنت کا نہ کوئی خطیب تھا، نہ امام اور نہ قاضی۔

آگے لکھا ہے کہ بہ ظاہر ایسا مصر اور حجاز پر عبیدیوں کی حکومت آنے کے بعد سے ہوا ہے، کیوں کہ ساتویں صدی کے نصف ۶۶۲ھ تک خطبہ میں صرف انہی کا نام لیا جاتا تھا، پھر عباسیوں نے حجاز پر قبضہ کرلیا اور خطبہ میں ان کا نام لیا جانے لگا۔ اس وقت سے آج تک یہی ہے۔ (یعنی مؤلف کے زمانے تک)۔

آگے لکھتے ہیں کہ ۶۸۲ھ میں آل سنان سے منصب خطابت چھین لیا گیا۔

اس کی تائید مکہ مکرمہ میں آنے والے علمی زوال سے ہوتی ہے جیسا کہ سید سباعی نے تاریخ مکہ (۱/۱۶۵) میں، عہد عباسی دوم میں، مکہ مکرمہ کی علمی حیثیت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے: "اور جلد ہی مکہ مکرمہ کے بڑے بڑے علماء، دوسرے شہروں میں چلے گئے، اور علمی سرگرمی ماند پڑ گئی اور چوتھی صدی ہجری آتے آتے ملک میں علمی کمزوری کی نشانیاں واضح طور پر نظر آنے لگیں۔

اس دور میں عالم اسلام میں شدید دینی اختلاف رونما ہوگئے، خوارج سرگرمی سے تبلیغ کررہے تھے۔ معتزلہ اور خوارج کے اقوال عام تھے۔ اور مختلف شیعی مذاہب پھیل چکے تھے۔

آگے لکھتے ہیں:

دوسرے مذہب کے برخلاف شیعیت کو، مختلف اوقات میں، مکہ، مدینہ اور حجاز میں اپنے ہم نوا مل گئے۔

مکہ اور مدینہ میں شیعہ حامیوں کی موجودگی کی تائید تاریخ مکہ میں سید سباعی کے اس

قول سے ہوتی ہے کہ جلد ہی اشراف مکہ نے، فاطمیوں سے تعلقات بنانے کے بعد، اذان میں ''حی علی خیر العمل'' کا اضافہ کردیا، جو فاطمیوں کی تقلید تھی۔ یہ چوتھی صدی ہجری (۳۵۸ھ) کا واقعہ ہے۔

موصوف نے تصریح کی ہے کہ مکہ و مدینہ میں علمی حالت کم زور پڑ گئی تھی، اشراف مکہ شیعیت کے حامی تھے، اس وقت کی سیاست یہی تھی، کیونکہ عباسیوں کا دارالخلافت بغداد تھا اور فاطمیوں کا دارالخلافت مصر تھا، اور یہ دونوں ہی حجاز سے دور تھے۔ حرمین کی حیثیت کے پیش نظر دونوں حکومتیں، منبر حرمین پر قبضہ کرنا چاہتی تھیں۔ تاکہ دوسرے علاقوں میں ان کی تائید ہوسکے؛ کیوں کہ حرمین پر جس کا کنٹرول ہوتا تھا اسی کو خلافت کا حق دار تصور کیا جاتا تھا اور اسی کا فائدہ اٹھا کر مکہ کے حکمراں، دونوں حکومتوں کے عطیات لوٹ رہے تھے۔ اور یہی سلسلہ جاری رہا۔

آگے لکھتے ہیں:

مکہ اور مدینہ میں علمی کمزوری، چوتھی، پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں، مکمل طور پر برقرار رہی۔

علمی کمزوری کی سید سباعی کی بیان کردہ نوعیت اور نماز جمعہ سے متعلق ابن جبیر کا بیان کردہ واقعہ ان دونوں کے پیش نظر یہ بات قطعی طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ اس وقت (حجاز پر) فاطمی حکومت کے دور میں تراویح میں کوئی نہ کوئی تبدیلی ضرور آئی ہوگی۔ فاطمی حکومت عالم اسلام میں ۵۶۷ھ تک جاری رہی۔ اور آخری عبیدی خلیفہ 'عاضد' کی موت پر ختم ہوئی۔ لیکن تبدیلی کس نوعیت کی تھی؟ آیا حکمراں طبقہ کے مذہب شیعیت کو اختیار کرلیا گیا تھا، یا امام شافعی کے مذہب کو جو یہاں منتقل کردیا گیا جو مکہ میں رائج تھا؟

یاد رہے کہ شیعوں کا مذہب تراویح کے بارے میں (جیسا کہ ان کے ائمہ مثلاً حلی کہتے ہیں) یہ ہے:

''ماہ رمضان میں نفل نماز: مشہور ترین روایت کے مطابق نوافل راتبہ کے علاوہ، پورے مہینے میں ایک ہزار رکعتیں مستحب ہیں، ہر رات میں بیس رکعت پڑھے: آٹھ رکعت مغرب کے بعد، اور بارہ رکعت عشاء کے بعد، اظہر یہی ہے۔ اور اخیر عشرہ میں ہر رات، سابقہ ترتیب کے ساتھ تیس رکعت پڑھے گا۔ اور تین طاق راتوں میں مقررہ رکعتوں کے علاوہ ہر رات میں سو رکعات پڑھے گا۔

اس سلسلہ میں شیعوں کے یہاں تفصیل ہے جسے دیکھنا ہوان کی کتاب ''الشریعة'' (۶۵/۱) کا مطالعہ کرے۔

بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کے بارے میں تبدیلی امام شافعی کے مسلک کی شکل میں ہوئی، کیوں کہ ابوزرعہ اپنے والد کے بارے میں کہتے ہیں کہ جب میرے والد مسجد نبوی میں امام ہوئے تو اس کو (یعنی تراویح کو) سابقہ طریقہ کے مطابق ۳۶ رکعات کر دیا۔ البتہ وہ شروع رات میں بیس رکعت (جیسا کہ معمول تھا) اور آدھی رات کے بعد ۱۶ رکعتیں پڑھاتے تھے تاکہ اختلاف سے بچ سکیں۔

خط کشیدہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے امام شافعی کے مسلک کو اختیار کیا تھا، کیونکہ اس کے بعد انہوں نے اختلاف سے بچنے کی بات کہی ہے۔ اور (جیسا کہ معمول تھا) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے اسی تعداد پر عمل تھا۔ ابوزرعہ آٹھویں صدی کے ایک بڑے شافعی عالم ہیں۔

فاطمی دور میں، مکہ اور مدینہ میں امام شافعیؒ کے مسلک پر ہی عمل تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ابن جبیر نے چھٹی صدی ہجری میں جب کہ مکہ میں فاطمی حکومت تھی، رمضان میں ختم قرآن کی نوعیت ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ رمضان کا چاند ۲۹ دسمبر دوشنبہ کی رات میں نظر آیا۔ اہل مکہ نے یک شنبہ سے روزہ رکھا تھا۔ ان کا دعوی تھا کہ رویت ہو چکی ہے، یہ دعوی ثابت نہ تھا۔ لیکن امیر مکہ نے فرمان جاری کر دیا اور یک شنبہ کی رات کو روزہ کا اعلان کر دیا، کیوں کہ یہ خود اس کے اپنے مذہب اور اسکے علوی شیعہ حامیوں کے

مذہب کے موافق تھا؛ کیوں کہ ان کے نزدیک یوم شک کا روزہ فرض ہے۔جیسا کہ لکھا ہے۔

آگے لکھتے ہیں:

تراویح کیلئے الگ الگ امام مقرر ہوئے۔شافعیہ کی جماعت سب سے بڑی تھی، انہوں نے مسجد کے ایک گوشہ میں اپنے امام کو کھڑا کردیا،اسی طرح حنابلہ، حنفیہ اور زیدیہ وغیرہ نے۔

موصوف نے لکھا ہے کہ سارے اہل مکہ صرف بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔اور یہ شافعی امام تراویح میں سب سے زیادہ محنت کرتا ہے، کیوں کہ معمول کی تراویح (دس سلام) مکمل کرنے کے بعد وہ با جماعت طواف شروع کرتا ہے۔

آگے ابن جبیر نے ان کے طواف اور واپسی کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

''دس سلام سے فراغت تک یہی سلسلہ جاری رہتا اور بیس رکعت پوری کر کے پھر دو رکعت مزید،اور پڑھتے تھے، جب کہ دوسرے ائمہ معمول کی تراویح پر زیادتی نہیں کرتے''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور (عبیدی حکومت کے دور) میں تراویح ہمیشہ امام شافعی کے مذہب کے مطابق بیس رکعت ہی رہی۔ یہاں تک کہ امام ابوزرعہ نے اس کو دوبارہ زندہ کیا ہاں ادائیگی کی شکل کچھ مختلف تھی،اس کا ذکر آٹھویں صدی کے ضمن میں آئے گا۔ان شاءاللہ



آٹھویں صدی:

اس صدی میں تراویح ۳۶ر رکعت ہوگئی،البتہ ادائیگی کا انداز مختلف تھا، حافظ ولی الدین ابوزرعہ عراقی کے والد امام زین الدین ابوالفضل کی کتاب الترتیب فی شرح التقریب سے یہی سمجھ میں آتا ہے، ابوزرعہ کی ولادت ۲۵ے ھ اور وفات ۸۱۸ ھ میں ہوئی۔یعنی ان دونوں حضرات نے اوائل آٹھویں صدی اور اوائل نویں صدی کا درمیانی زمانہ پایا ہے۔

ابوزرعہ نے یہ حدیث کہ: رسول اللہ نے رمضان ایک رات مسجد میں نماز پڑھی،

تو کچھ لوگوں نے آپ کے پیچھے پڑھ لیا.......الحدیث نقل کرکے حدیث کی تشریح اور متعلقہ مسئلہ کو ذکر کیا، پھر تراویح کی تعداد رکعت، اس کے بارے میں اختلاف بیس سے زیادہ پڑھنے کے بارے میں بحث اور یہ اہل حدیث کا طریقہ ہے، یہ سب ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے اور یہی مقصود بالذکر ہے:

جب میرے والد رحمہ اللہ مسجد نبوی کے امام ہوئے، تو انھوں نے اس کے قدیم طریقہ کو زندہ کیا، البتہ اکثر لوگوں کے معمول کی رعایت رکھی، چنانچہ وہ ابتدائی رات میں بیس رکعت پڑھتے، جیسا کہ معمول تھا پھر رات کے آخری حصہ میں ۱۶ رکعت مزید پڑھتے تھے اس طرح رمضان میں باجماعت دو قرآن ختم کرلیا کرتے تھے، اہل مدینہ کا معمول ان کے بعد یہی رہا، اور اب تک یہی ہے، (شرح التقریب ۱/۹۸) ان کے قول ''جب میرے والد رحمہ اللہ مسجد نبوی کے امام ہوئے، تو انھوں نے اس کے قدیم طریقہ کو زندہ کیا'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد سے پہلے تراویح میں کوئی تبدیلی ہوئی تھی۔

''چنانچہ وہ ابتدائی رات میں بیس رکعت پڑھا کرتے تھے، جیسا کہ معمول تھا'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک ان کے یہاں عام معمول و عادت بیس رکعت پڑھنے کی تھی۔

''اہل مدینہ کا معمول ان کے بعد یہی رہا، یعنی بیس رکعت تراویح شروع رات میں اور ۱۶/ اخیر رات میں جن کا مجموعہ چھتیس رکعت ہے۔'' ''ابتک یہی ہے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب کتاب (امام ابوالفضل کے لڑکے) کے زمانے تک یہی رہا ہے، لیکن ان کے بعد کیا ہوا کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے۔ صاحب کتاب کی وفات نویں صدی کے اوائل ۸۱۸ھ میں ہوئی ہے۔

نویں صدی:

ابوزرعہ کی سابقہ عبارت کے پیش نظر تراویح کا یہی معمول ۳۶ رکعت سابقہ تفصیل کے ساتھ رہا، یعنی شروع رات میں ۲۰ رکعت اور اخیر شب میں ۱۶ رکعت، اور یہی معمول نویں صدی کے اواخر اور دسویں صدی کے اوائل تک برقرار رہا، جیسا کہ سمہودی کی اگلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

دسویں صدی:

دسویں صدی کے آغاز میں مسجد نبوی میں ٣٦ رکعت تراویح ہوتی تھی، امام سمہودی اپنی کتاب ''وفاء الوفا بأخبار دار المصطفیٰ ۱/۸۴(۸۰) میں مدینہ منورہ کی کی خصوصیات کے تحت رقمطراز ہیں:

''مسئلہ ٨٠: اہل مدینہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ ٣٦ رکعت تراویح پڑھتے ہیں، جیسا شافعیہ کے نزدیک مشہور قول ہے، رافعی اور نووی نے کہا امام شافعی نے کہا: میں نے اہل مدینہ کو ٣٩ رکعت تراویح پڑھتے ہوئے دیکھا، جن میں تین رکعت وتر ہے، ہمارے اصحاب نے کہا، اہل مدینہ کے علاوہ کسی کے لئے ایسا نہیں کرنا چاہئے، کیوں کہ مدینہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت گاہ ہے، اور آپ کی قبر اطہر یہیں ہے، یہ شرف کسی اور کو حاصل نہیں۔

سمہودی کا انتقال ۹۱۱ھ میں ہوا، خود شافعی المسلک تھے، بعد میں ان کے لڑکے مسجد نبوی میں شافعیہ کے امام مقرر ہوئے۔

موصوف اسی کتاب ص ۸۵ پر لکھتے ہیں:

'' تراویح کی یہ تعداد اب تک مدینہ منورہ میں باقی ہے، البتہ بیس رکعت عشاء کے بعد اور ١٦ رکعت اخیر رات میں ادا کرتے تھے۔''

اس سے صراحتاً اس تعداد اور طریقہ کا علم ہوتا ہے، جس کو امام ابوزرعہ رحمہ اللہ نے دوبارہ زندہ کیا تھا۔

تنبیہ

ماسبق میں آچکا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے تعداد تراویح ٣٩ رکعت ذکر کی ہے، جن میں تین رکعت وتر ہے، لیکن نماز وتر کا طریقہ کیا ہوگا، اس کی تفصیل نہیں کی، امام شافعیؒ کے یہاں مشہور یہ ہے کہ تین رکعات الگ الگ ہیں۔ لیکن سید سمہودی وتر کی کیفیت میں کسی

تبدیلی کا ذکر کرتے ہیں، چنانچہ ان کی سابقہ عبارت کے بعد یہ موجود ہے:

''وتر کے مسئلہ میں ان میں کچھ خلل ہوا، جس پر ہم کتاب مصابیح القیام فی شهر الصیام میں تنبیہ کر چکے ہیں۔ میں نے اس کی ایک صورت نکالی تھی، جس سے وہ خلل دور ہو گیا، انہوں نے ایک زمانہ تک اس پر عمل کیا، پھر بعض حضرات نے ذاتی جذبات ومفادات سے مغلوب ہو کر سابقہ حالت پر لوٹا دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر کے مسئلہ میں کوئی خلل تھا، اور اس پر انہوں نے تنبیہ کی تھی، لیکن یہ خلل اور تنبیہ کیا تھی؟ معلوم نہیں، جب کہ یہ طے ہے کہ وتر میں اختلاف محض ادائیگی میں ہے کہ تین رکعات کو ایک ساتھ پڑھا جائے، یا الگ الگ، احناف وتر کو مغرب کی طرح تین رکعات ایک ساتھ پڑھتے ہیں، جب کہ جمہور دو رکعات پر سلام پھیر کر ایک رکعات الگ سے پڑھتے ہیں۔

اسی طرح قنوت کے تعلق سے یہ اختلاف ہے کہ حنابلہ اور احناف وتر میں قنوت پڑھتے ہیں ہاں حنابلہ جہراً اور حنفیہ سراً پڑھتے ہیں، شافعیہ و مالکیہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے ہیں، البتہ شافعیہ رکوع کے بعد اور مالکیہ رکوع سے پہلے سے پڑھنے کے قائل ہیں۔

شاید یہ خلل تعداد ائمہ اور وتر کی متعدد صورتوں کے سبب تھا، جیسا کہ اس کی تشریح ''چودھویں صدی'' پر بحث کے وقت آئے گا، وہاں وتر سے متعلق شیخ سلیمان عمری کے رسالہ اور اس وقت کے علماء مسجد نبوی کی رسالہ پر آراء ذکر کی جائیں گی۔



گیارہویں صدی:

غالب گمان یہ ہے کہ تراویح کے تعلق سے اس صدی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، اس لئے کہ سمہودی متوفی ۹۱۱ھ کے کلام سے معلوم ہو چکا کہ تراویح ۳۶ رکعات اور وتر تین رکعات کل ۳۹ رکعات تھیں، جن کو ابوزرعہ رحمہ اللہ کے طریقہ پر ادا کیا جاتا تھا۔

پھر شیخ عبدالغنی نابلسی کے بارہویں صدی ہجری کے سفرنامہ مدینہ منورہ سے یہی

معلوم ہوتا ہے کہ تراویح ۳۹ رکعات ہی تھی، جس سے یقین ہوتا ہے کہ ان کے دور تک یہی معمول رہا ہے، جس کو انہوں نے مشاہدہ سے بالتفصیل لکھا ہے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔



بارہویں صدی:

بارہویں صدی میں تراویح کے متعلق وہی معمول رہا، جو دسویں صدی میں تھا یعنی بیس رکعات شروع رات میں اور سولہ رکعات اخیر رات میں، اور اس سولہ رکعات کو "ستہ عشریہ" کہتے تھے، جیسا کہ شیخ نابلسی کے سفرنامہ مدینہ منورہ میں موجود ہے، جس کو ماہنامہ "العرب" نے ص ۴۳۰، جلد اشارہ نمبر ۵ ذوالقعدہ ۱۳۸۶ھ میں شیخ نابلسی کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

"موصوف کہتے ہیں، ہم شیخ سید علی سمہودی کے یہاں نماز پڑھتے تھے، ان کے لڑکے امام ہوتے تھے، وہ اس وقت کے ائمہ شافعیہ میں سے ایک تھے"۔

موصوف نے مزید کہا: اہل مدینہ کے یہاں معمول ہے کہ تراویح سے فراغت کے بعد حرم سے نکل جاتے ہیں، اور اس کے دروازے مقفل کر دیے جاتے ہیں، جب کہ کچھ رات (تقریباً تین یا چار گھنٹے) گزر جاتی ہے، تو بہت سے حضرات واپس آتے ہیں، حرم کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، قندیلیں روشن کر دی جاتی ہیں، اور سولہ رکعات با جماعت ادا کرتے ہیں، جس کو وہ "ستہ عشریہ" کہتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں تراویح کا معمول وہی تھا، جو دسویں صدی میں سمہودی کے عہد میں تھا کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، ہاں اخیر رات کی ۱۶ رکعات کو وہ لوگ "ستہ عشریہ" اس کی تعداد کے لحاظ سے کہتے تھے۔ اس سے اس بات کا یقینی ثبوت ہوتا ہے کہ دسویں صدی کے بعد بھی تراویح کا وہی معمول باقی رہا، جو دسویں صدی میں تھا، یعنی ۳ رکعات وتر کے ساتھ ۳۹ رکعات جن میں سے ۲۰ رکعات شروع رات میں اور ۱۶ رکعات اخیر شب میں ادا کی جاتی تھیں۔

البتہ ایک نئی چیز موجود تھی یا وہ پہلے سے چلی آرہی تھی، وہ یہ ہے کہ فرائض کے ائمہ کی تعداد......میں تراویح کے ائمہ بھی متعدد تھے، اس وقت بھی صرف دو مذاہب حنفیہ اور شافعیہ کے ائمہ موجود تھے، اور مذہب مالکی کے ساتھ ائمہ ثلاثہ کے چند خطباء تھے، ماہنامہ العرب جلد:۱،شمارہ:۴۔شوال ۱۳۸٦ھ ص ۳۳۴ میں بحوالہ سفرنامہ شیخ نابلسی یہ لکھا ہے:

''حرم شریف میں کل پندرہ ائمہ تھے، کچھ حنفی اور کچھ شافعی، اور اکیس خطیب تھے، جن میں سے ۱۲ حنفی، ۸ شافعی اور ایک مالکی خطیب تھا''۔

ائمہ باری باری نماز پڑھاتے تھے، روزانہ ایک حنفی امام، اور ایک شافعی امام پڑھاتے تھے، ظہر سے شروع کرتے اور نماز فجر پر ختم کرتے تھے، پہلے شافعی امام نماز پڑھاتا، پھر حنفی امام پڑھاتا تھا، البتہ مغرب میں پہلے حنفی امام پڑھاتا تھا، کیوں کہ اس کے نزدیک مغرب میں تاخیر مکروہ ہے۔

حنفی امام ایک دن محراب نبوی (جو روضہ شریف میں ہے) پڑھاتا اور اس دن شافعی امام اس محراب میں پڑھاتا تھا جو منبر کے پیچھے ہے، جس کو سلطان سلیمان علیہ الرحمہ و الرضوان کا محراب کہتے ہیں، دوسرے دن شافعی امام اس جگہ پڑھاتا اور حنفی اس کی جگہ پر پڑھاتا تھا یہ ائمہ اپنے اپنے وقت پر تراویح بھی اپنی جماعت والوں کو پڑھاتے تھے۔ البتہ امام ختم قرآن کی رات میں صرف شافعی امام ہوتا، سب لوگ ایک ساتھ عشاء وتراویح ایک ہی امام (جو شافعی ہوتا تھا) کے پیچھے پڑھتے تھے، اور اس دن شافعی امام ہی کو آگے بڑھایا جاتا تھا، فرائض پہلے وہی پڑھاتا، اور تراویح بھی پہلے وہی ختم کرتا تھا، جس کیلئے ایک بڑا مجمع اور جشن ہوتا۔ جو کچھ اس طرح سے ہوتا تھا۔



بارہویں صدی میں مدینہ منورہ میں ختم قرآن کا انداز:

نابلسی نے اپنے سفرنامہ میں، تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر اپنی شرکت کا حال لکھا ہے، وہ روضہ شریف میں علماء شافعیہ کے ساتھ موجود تھے، اور خود ساری چیزوں کا

مشاہدہ کیا ہے۔

ماہنامہ العرب جلد اشارہ ۹ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ نے بحوالہ سفر نابلسی لکھا ہے:

''نابلسی نے کہا: لوگ ہر رمضان میں تراویح میں ایک ختم کرتے ہیں، یہ ختم ۲۷ویں کی شب میں ہوتا ہے، اور حنفیہ ۲۹ویں رمضان کی رات کو ختم کرتے ہیں'' اور نابلسی حنفی المذہب تھے۔

آگے لکھا ہے:

''ہم روضہ شریف میں بیٹھ گئے، علماء، اعیان اور اکابر حسب طبقات و درجات آگئے ہر ایک کے لیے اس کے درجات کے مطابق جائے نماز بچھی ہوئی تھی، حنفیہ کے مفتی، شافعیہ کے مفتی، قاضی مدینہ، شیخ حرم، خدام حجرہ مطہرہ، خطباء و ائمہ سب لوگ آگئے، امیر حجاز شریف سعد بن زید اپنی اولاد اور فوج کے ساتھ مکہ کی طرف چلے گئے تھے۔ (یعنی وہ سفر کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے، غالباً اس سے بتانا چاہتے ہیں کہ اس طرح کے موقع پر وہ حاضر ہوتے تھے)

آگے لکھا ہے:

''تمام مؤذن آگئے، اقامت کہی، امام نے تمام لوگوں کو عشاء پڑھائی، یعنی ان تمام لوگوں نے عام دنوں کے برخلاف ایک امام کے پیچھے عشاء کی نماز ادا کی، جو اس بات کی تمہید تھی کہ تمام لوگ تراویح بھی ایک ہی امام کے پیچھے پڑھیں گے''۔

چنانچہ انھوں نے آگے کہا:

امامت کی باری نوجوان فاضل جامع کمالات سید عمر بن سید سمہودی شافعی کی تھی، یعنی شافعیہ میں سے بھی چند امام تھے، جو باری باری شافعیہ کو نماز پڑھاتے تھے، یہی حال احناف کے یہاں بھی تھا، ان کے بھی چند امام تھے جو باری باری امامت کراتے تھے، جیسا کہ تعداد ائمہ کے بارے میں بتایا جاچکا ہے۔

آگے نابلسی نے کہا (یہی یہاں مقصود بالذکر بھی ہے):

پھر انھوں نے لوگوں کو تراویح کی نماز پڑھائی، اور اس سے فارغ ہو گئے، یعنی اس رات شافعی امام سید عمر بن سمہودی شافعی نے تمام لوگوں کو تراویح کی نماز پڑھائی۔

آگے ختم قرآن کے اہتمام کا ذکر کرتے ہوئے نابلسی نے کہا:

'' پھر مؤذن روضہ شریف میں جمع ہو گئے، اور قصائد پڑھے، جن میں نعت، ذکر روضہ شریف، حجرہ مطہرہ، خشوع وخضوع رونے کی فضیلت کا ذکر تھا، وداع رمضان میں قصائد پڑھے گئے، جن کو سن کر لوگ چیخ اٹھے، زبردست ہیبت، جاہ وجلال اور خضوع وخشوع کا ماحول تھا۔

بہت سی شمعیں روشن کی گئیں، اور ان کو روضہ شریف میں لائن سے رکھ دیا گیا تھا، متعدد قندیلیں روشن تھیں، عنبر اور عود کی خوشبو اٹھ رہی تھی، گلاب کا پانی، بارش کی طرح چھڑکا جا رہا تھا، حاضرین کی ہر جماعت کے سامنے ایک طشت میں پھول، چمیلی خوشبو دار کلیاں قسم قسم کے ریحان رکھے ہوئے تھے، اور آخر میں فراغت کے بعد شیخ حرم نے امام کو سونے چاندی کی بنی اعلیٰ خلعت عطا کی، امام صاحب محراب نبوی میں تشریف فرما تھے، لوگ اٹھ کر ان کو ختم قرآن کی مبارکباد دینے لگے، اور ہزاروں راتوں سے افضل اس شب قدر میں ہمیں پورا پورا ثواب ملا، ہم زیارت نبوی سے مشرف ہوئے۔

آگے نابلسی نے ایک مجذوب یمنی کا ذکر کیا، وہ صحن حرم نبوی کے ایک کنویں کے مشک کا پانی لے کر گھومتا تھا، وہ کہتا تھا: شفا ہے شفا ہے، لوگوں سے اس کی اجرت نہیں لیتا تھا۔

پھر نابلسی نے اس جشن کے اختتام پذیر ہونے اور قندیلوں اور شمعوں کو گل کرنے کا ذکر کیا۔

اس موقع پر بتا دینا چاہئے کہ ختم قرآن کا یہ اہتمام مکہ مکرمہ میں صدیوں سے چلا آرہا ہے، چنانچہ ابن جبیر نے اس جشن کا ذکر کیا، اور اپنے سفر نامہ میں اس سے کہیں زیادہ بڑا جشن بتایا ہے، اس کا ذکر اس بحث کے اخیر میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اسی طرح یہ جشن واہتمام اخیر تر کی دور میں مختلف انداز سے رائج تھا، اس کا ذکر ان

شاء اللہ چودھویں صدی، اخیر عہد اتراک واشراف پر بحث میں آئے گا۔

مستبعد نہیں کہ ختم قرآن کی یہ شکل بہت پہلے سے چلی آرہی ہے، بارہویں صدی کی ایجاد نہ ہو، خصوصاً جب کہ اس ختم قرآن کے لیے شافعیہ کو آگے بڑھایا جاتا ہے، جو بہت پرانے زمانے سے امامت کے مستحق سمجھے جاتے تھے، حتیٰ کی ترکی دور میں بھی، حالانکہ ترکی حنفی مذہب کے حامی تھے، شاید یہ فاطمی دور کی یاد ہے۔ واللہ اعلم۔



تیرہویں صدی (آخر ترکی عہد)

تیرہویں صدی میں تراویح اپنی سابقہ حالت پر قائم تھی، کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، کیونکہ یہ پورا علاقہ مکہ و مدینہ براہ راست اشراف کے ماتحت تھا، گو کہ خلافت عثمانیہ کے تابع تھا۔

بتایا جا چکا کہ حجاز پہلے سے ہی اشراف کے ماتحت تھا، گو کہ عباسی حکومت اور فاطمی حکومت کے درمیان ڈانواڈول رہا ہے، یہاں تک کہ عثمانی خلافت قائم ہوئی، جس کے پہلے خلیفہ سلطان سلیم مصر میں ۹۲۲ھ میں خلیفہ بنے، اور ۹۲۳ھ میں مکہ مکرمہ کے منبر پر ان کے نام کا خطبہ پڑھا گیا، حجاز عثمانی خلافت کے تابع ہوکر اشراف ہی کے کنٹرول میں رہا، پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی، اور اس کے خاتمہ کے ساتھ خلافت بھی ختم ہوگئی، مدینہ منورہ کے آخری ترکی قائد فخری باشا تھے، جو ترکی حفاظتی دستہ کے سپہ سالار تھے، اور انھوں نے ۱۳۳۷ھ میں مدینہ منورہ کو سپرد کردیا۔

مکہ مکرمہ میں اشراف کے آخری امیر شریف حسین اور مدینہ منورہ میں شریف علی تھے۔

۱۳۴۵ھ میں بلاد عربیہ میں شریف حسین کی بادشاہت کا اعلان ہوا۔

بہر کیف اس دور میں بھی مدینہ منورہ میں اشراف ہی کا براہ راست کنٹرول تھا، خواہ ترکی دور کا آغاز ہو یا اواخر۔ اس لیے تیرہویں صدی ہجری میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔



چودہویں صدی:

چودہویں صدی کے آغاز میں مسجد نبوی میں تراویح کا سابقہ معمول برقرار رہا چودہویں صدی کے نصف تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

بظاہر تعدادِ رکعات یا طریقہ ادائیگی کسی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، وہی ٣٦ رکعات تراویح تین رکعات وتر تھی، بیس رکعات شروع رات میں پڑھی جاتی تھی، سولہ رکعات اخیر شب میں اور اس کو ''ستہ عشریہ'' کہا جاتا تھا، جیسا کہ نابلسی نے بارہویں صدی کے تعلق سے ذکر کیا تھا۔ ہاں چودھویں صدی کے آغاز میں ایک نئی چیز دیکھنے میں آتی ہے کہ ائمہ مذاہب اربعہ کے علاوہ اور بہت سے ائمہ اور متعدد جماعتیں ہوتی تھیں جو کم وبیش ہوتی رہتی تھی، لیکن مستقل یا سرکاری طور صرف چھ ائمہ تھے

ا۔ حاکم اس کے حاشیہ برداروں کا امام۔

٢۔ قاضی اور اس کے کاتبین اور اس کے معاونین کا امام۔

٣۔ اغوات (آغاؤں) اور ان کے ساتھ پڑھنے والوں کا امام۔

٤۔ مفتی صاحب کا امام

٥۔ سپہ سالار کا امام

٦۔ عورتوں کا امام

٧۔ گھروں کے ائمہ

بعض اعلیٰ گھرانے ایک خاص امام کے پیچھے، اپنے افراد خاندان کے لیے تراویح کا انتظام کرتے تھے، یہ ائمہ تراویح کی نماز امام راتب کی نماز کے دوران پڑھاتے تھے، یعنی دوسرے ائمہ کے ساتھ ساتھ البتہ ان کے یہاں قرأت کچھ مختلف ہوتی تھی، وہ بعض آیتیں پڑھتے یا صرف چھوٹی صورتیں، کیوں کہ وہ کاروباری ہوتے تھے، فرض نمازوں کے مقرر ائمہ کے پیچھے پڑھنے کے لئے وہ انتظار نہیں کرسکتے تھے، لیکن دوسرے ائمہ مذاہب عام لوگوں کے لئے تراویح پڑھاتے تھے، اور دو ختم کرتے تھے، ایک ختم ابتدائی رات والی تراویح میں

اور دوسرا ختم آخری شب والی نماز میں جس کو وہ ستہ عشریہ کہتے تھے۔

ان ائمہ کے لئے مخصوص جگہیں تھیں۔اغوات کا امام اپنے مخصوص چبوترے پر اور محراب تہجد میں جو اس وقت حجرہ کے پیچھے اور حجرہ اور چبوترے کے درمیان ہے، یہی چبوترہ اغوات کا چبوترہ کہلاتا ہے،اور یہی اصحاب صفہ کی جگہ تھی، پڑھاتے تھے۔عورتوں کا امام ان کو قفس میں تراویح پڑھاتا تھا،قفس لکڑی کا ایک مزین جال تھا جس کی وجہ سے نگاہ اندر نہیں جاتی تھی، یہ جال باب نساء کی طرف مشرقی حصہ میں تھا،اور اس وقت کی مسجد کے پیچھے باب مجیدی تک شمال میں اور چوڑائی میں پورے مشرقی حصہ میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ جال تقریباً تین میٹر اونچا تھا، بچوں اور عورتوں اور بضرورت اغوات کے علاوہ کسی کو اندر جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ قفس حالیہ جدید توسیع سے قبل ختم کردیا گیا ہے۔

روضہ شریف کے شیخ کا امام، ابتدائی کنکری والے حصہ میں کھڑا ہوتا تھا، جو مسجد کے پیچھے سے متصل باب رحمت اور باب نساء کے درمیان واقع ہے۔

سید سعید پاشا شامل نے مجھے یہ تعجب خیز واقع سنایا کہ شیخ روضہ کا امام پورے مہینے ہر رات تراویح میں ایک قرآن ختم کرتا تھا، ان کا کہنا تھا کہ وہ اس قدر تیزی سے پڑھتا تھا کہ کانپ اٹھتا تھا اور خود کو فراموش کر بیٹھتا تھا، اور بسا اوقات ایک ہی رکعت میں ایک پارہ پڑھ لیتا تھا۔

میں نے صدر قراء مسجد نبوی شیخ حسن شاعر سے سنا کہ ایک شخص رمضان میں رات بھر تراویح میں پورا قرآن پڑھتا، لیکن وہ ایسا صرف ایک بار کرتا تھا، تاکہ اچھی طرح یاد رہے، ان کا کہنا تھا کہ وہ اس قدر تیزی سے پڑھتا تھا کہ آیتوں کے شروع یا آخر کے علاوہ کچھ سنائی نہیں دیتا تھا، ظاہر ہے کہ ایسا حفظ کو مضبوط کرنے کے لیے ہے، غور وفکر کے ساتھ اس طرح نہیں پڑھا جا سکتا۔

شیخ حرم کی نماز:

موجودہ شیخ حرم سید احمد رفاعی سے میں نے سنا کہ اتراک واشراف کے دور میں شیخ بسا اوقات تراویح جاڑے میں اپنے چبوترے پر پڑھتا تھا، شیخ حرم کا چبوترہ ایک چھوٹا تھا، جو

باب جبریل سے داخل ہونے پر دائیں طرف، باب جبریل اور اغوات کے چبوترے کے درمیان ہے، اور اب تک موجود ہے، جس پر تین صف لگ سکتی ہے، ہر ہر صف میں تین آدمیوں کی گنجائش ہے، تقریباً نصف میٹر اونچا ہے، وہاں شیخ حرم اور ان کے متعلقین کا مخصوص امام نماز پڑھاتا تھا، شیخ حرم وہاں جاڑے میں تراویح پڑھتے تھے، جبکہ گرمی میں ابتدائی کنکری والے حصہ میں پڑھتے تھے، اس کنکری والے حصہ میں تراویح کا معمول اس سے بھی ثابت ہوتا ہے، نابلسی نے لکھا کہ ایک رات ہم تراویح پڑھ رہے تھے، بارش آ گئی، تو ہم اندر چلے گئے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمی میں کنکری والے حصہ میں اور جاڑے میں اندر پڑھتے تھے، اور یہ خصوصی عمل تھا، کیوں کہ پنجگانہ اماموں کی نماز مخصوص خاص محرابوں میں ہوتی تھی، اور وہیں تراویح پڑھتے تھے، جیسا کہ اس کا تذکرہ ملتا ہے۔

عہد سعودی میں بھی بعض امراء مدینہ اسی کنکری والے حصہ میں گرمی میں تراویح پڑھتے تھے، جس کا ذکر آئے گا، ان شاء اللہ۔ ان چھ ائمہ کے علاوہ، اعلی گھرانوں کے امام ہوتے تھے، کسی گھرانے کے بڑے بوڑھے یہاں تک کہ سب بچے جمع ہو جاتے تھے، اور ان کا مخصوص امام مسجد نبوی کے خاص حصہ میں پورے رمضان تراویح ختم ہونے تک تراویح پڑھاتا تھا۔

نئے طرح کی ایک انوکھی عارضی امامت:

پورا قرآن حفظ کرنے والے بچوں کی امامت جب کوئی بچہ سال کے کسی حصہ میں حفظ قرآن مکمل کر لیتا، تو رمضان آنے کا انتظار کرتا تھا، رمضان آنے پر وہ اپنے استاذ، والد اپنے ساتھیوں اور کچھ دوست اقارب کے ساتھ مسجد نبوی آتا، اور وہ بچہ پورے مہینہ بھر میں یا اس سے کم میں تراویح میں پورا قرآن سناتا تھا، حاضرین اور اس کے استاذ اس کے پیچھے نماز میں قرآن سنتے رہتے۔ یہ ایک طرح سے حفظِ قرآن کا امتحان اور سند ہوا کرتی تھی جب بچہ تراویح میں پورا قرآن سنا لیتا، تو اس کے والد کی طرف سے اپنی وسعت کے مطابق جشن ختم قرآن ہوتا تھا۔

بسا اوقات بچہ کا والد اس جشن میں بہت کچھ خرچ کر دیتا تھا، کہ ختم قرآن کی خوشی

ہوتی تھی، بچے کے استاذ اور حاضرین کو کھانے اور حلوہ کے علاوہ جوڑے اور قیمتی ہدیہ عطا کر دیتا تھا، پھر بچہ کو ایک جوڑا زیب تن کیا جاتا، اس کے سر پر عمامہ باندھا جاتا تھا، جو اس بات کی علامت تھی کہ وہ حفظ قرآن مکمل کر کے مسجد نبوی میں تراویح سنا چکا ہے، شیخ سید جعفر فقیہ نے مجھے اس کے متعلق بڑی دلچسپ بات سنائی ہے، خصوصاً ان کے والد کی طرف سے اپنے ایک لڑکے کے جشن ختم قرآن کے متعلق۔ اسی طرح میں نے محترم شیخ محمد سعید دفتر سے اس کے کئی انداز کا ذکر سنا ہے، مکاتب میں بچوں کو قرآن حفظ کرانے کے لیے یہ جشن بڑا حوصلہ افزاء ثابت ہوا ہے، مدرسین قرأت، کتابت اور تحفیظ قرآن کی نگرانی میں خود مسجد نبوی میں کئی مکاتب قائم کیے تھے، اہل مدینہ کے بچوں کی تعلیم میں یہی مکاتب بنیاد تصور کیے جاتے تھے، اس کے بعد بچہ دروس حرم میں شریک ہوتا، یا بعد میں مدارس کا رخ کرتا تھا۔

اپنے ساتھیوں، استاذ اور والد کو تراویح میں قرآن سنانے کا بچوں کا یہ معمول برقرار تھا، اور اب بھی محدود دائرے میں باقی ہے، اس میں کم لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی نماز امام کی نماز کے بعد ہی شروع کرتے ہیں۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ سلسلہ دن بدن ختم ہو رہا ہے، اکا دکا دیکھائی دیتا ہے، یہ مکاتب بھی منسوخ کر دیئے گئے، مسجد نبوی کے آس پاس کچھ یادگار مکاتب باقی ہیں، لیکن وہ بچوں کے مزاج کی رعایت کرنے کے سبب تعلیم وتحفیظ کے فریضہ کی انجام دہی نہیں کر پاتے۔

پھر خود بچوں کے والدین بھی اس طرح کے مکاتب میں وقت گزاری ناپسند کرتے ہیں، اور فوراً بچوں کو مدارس میں داخل کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں بچوں پر مضامین کا اس قدر بوجھ پڑ جاتا ہے کہ حفظ قرآن سے قاصر رہتے ہیں، ہاں کچھ والدین اس پر خاص توجہ دیتے ہیں، یا اس خلا کو پر کرنے کے لیے وزارت تعلیم کی طرف سے قائم کردہ مدارس تحفیظ قرآن میں کچھ بچے داخل ہو جاتے ہیں، یا اہل خیر کے تعاون سے اس مقصد کی تکمیل کے لیے جمعیات قائم ہیں جن میں بہت سے شہری اور دیہاتی بچے داخلہ لیتے ہیں، مکاتب کا ذکر ضمناً آ گیا تھا، لہذا اب ابتدائی عہد سعودی میں تراویح کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

سعودی عہد

تمہید

کسی اچھوتے موضوع پر قلم اٹھانا مضمون نگار کیلئے بڑا مشکل ہوتا ہے، ہر چند کہ مضمون نگار کو اس میں پیش قدمی کا شرف مل جاتا ہے، لیکن اس کے مضمون میں ....اور تنقید کی گنجائش رہتی ہے، اس لیے اگر کتابی شکل میں مضامین موجود ہوں، تو ان کو منتخب کر کے مرتب کر دیا جائے، لیکن جس موضوع پر کتابیں نہ ہوں وہ موضوع اچھوتا ہوتا ہے، اور مضمون نگار کے زمانہ سے وابستہ نہ ہو تو اس کے لیے اس پر قلم اٹھانا حد درجہ مشکل ہوتا ہے، نہ اس کے پاس مصادر اور مآخذ ہوتے ہیں، اور نہ اپنے مشاہدہ سے استفادہ کی کچھ گنجائش رہتی ہے، بلکہ عام بات چیت سے مضمون نکالنا ہوتا ہے، اور اگر زمانہ قدیم کی بات چیت ہو تو مزید دشواری سامنے آتی ہے، کیوں کہ لوگ بھول جاتے ہیں، جس کے سبب طرح طرح کے اقوال اور مختلف اختلاف دیکھنے میں آتے ہیں اور مضمون نگار کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقصد سے متعلق مضمون کو اخذ کرنے میں اس سے غلطی ہونا، اور کمی بیشی ہونا عین ممکن ہے۔

ابتدائی سعودی عہد میں تراویح کا موضوع کچھ اس طرح کا ہے، نہ تاریخی کتابوں میں اس کا ذکر ہے، اور نہ ہی ہمارے مشاہدہ میں ہے، جس سے استنباط کیا جا سکے۔

میں نے بہت سے ان حضرات سے ملاقات کی، جنھوں نے سابقہ سعودی دور کا آخری حصہ اور اس دور کا آغاز اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، ہر ایک نے اپنی اپنی یادداشت کے مطابق کم وبیش بتایا، جن سے مجموعی طور سے ایک مکمل تصویر سامنے آتی ہے، بنیادی طور پر اس میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ شکل وصورت ہر ایک کے نزدیک الگ الگ نظر آتی ہے، ان سب کا خلاصہ ہم ہدیہ قارئین کر رہے ہیں اس سے ایک اجمالی صورت معلوم ہو جائے گی۔

ہم قارئین سے اس سے قبل بھی گزارش کر چکے ہیں کہ اس موضوع سے متعلق اگر کسی کے پاس معلومات ہوں تو براہِ کرم ہم تک پہونچادیں، تاکہ یہ موضوع تشنہ نہ رہے، اور یہ علمی خدمت مکمل ہوجائے اور تائید حق ہوسکے۔

حجاز میں سعودی دور کا آغاز:

سعودی دور اس صدی کے نصف سے قبل شروع ہوا، اور بذات خود مدینہ منورہ میں ۱۳۴۴ھ میں اس کا آغاز ہوا ہے، اس سے پہلے تراویح مختلف ائمہ اور مختلف جماعتوں میں ایک ساتھ ادا کی جاتی تھی سب لوگ ابتدائی رات ہی میں بیس رکعات پڑھ لیتے تھے، البتہ بعض حضرات خصوصاً مالکیہ رات کے اخیر حصہ میں دوبارہ آکر ۱۶/ر رکعات پڑھتے تھے، جس کا ذکر آچکا ہے، سعودی دور کے آغاز کے بعد یہ تعدادِ ائمہ اور مختلف جماعت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

مدینہ منورہ میں یہ سلسلہ عارضی تھا، جو ساتویں صدی کے بعد ہی شروع ہوا، سات صدیوں تک مدینہ میں تمام نمازیں ایک ہی امام کے پیچھے ادا کی جاتی رہیں، کسی بھی جماعت کے لیے متعدد جماعتیں نہیں ہوتی تھیں بلکہ امام دار الہجرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک مسجد میں کسی نماز کے لیے متعدد جماعت مکروہ ہے۔

اس دور سے قبل مدینہ منورہ پر مختلف مسلکی حالات آئے، پہلے مالکیت کا رواج تھا، پھر شافعیت اور اس کے بعد حنفیت کا بول بالا ہوا، لیکن ایک وقت متعدد ائمہ کا رواج نہ تھا، پھر فقہی مذاہب کی اپنی اپنی آراء وافکار کی الگ الگ تعلیم کے آغاز کے بعد متعدد مذاہب مدینہ میں وجود میں آئے، بحث ومباحثہ شروع ہوا جو منافسہ اور مقابلہ کی شکل اختیار کرگیا، آخر میں پانچوں نماز کے لئے متعدد ائمہ مقرر ہوگئے۔

عہد سعودی میں مسجد نبوی اور مسجد حرام دونوں جگہوں پر عام نمازوں اور تراویح کے لئے ایک ہی جماعت ہونے لگی، اور امامت اپنی اصلی حالت پر آگئی، جو ایک منظّم شکل تھی۔

تراویح کی تعداد کی رکعات اور اس کی ادائیگی کی شکل یہ ہوئی کہ مہینہ بھر شروع رات میں بیس رکعات اور وتر ادا کی جاتی تھیں، البتہ عشرۂ اخیر میں قیامِ لیل کے نام سے مزید

دس رکعات اور تین وتر ادا کی جاتی تھیں، اس طرح عشرۂ اخیرہ میں کل ۳۶ رکعات ہو جاتی تھی، اگر ابتدائی رات کی وتر اور اخیر شب کی وتر کو جوڑ لیا جائے، تو وہی تعداد پوری ہو جاتی ہے، جو اب تک رائج تھی، لیکن کیا یہ اتفاقاً ہو گیا تھا یا بالقصد؟

غالب گمان یہ ہے کہ ایسا بلا قصد اتفاقاً ہو گیا تھا، مقصد یہ تھا کہ عشرۂ اخیر میں زیادہ محنت ہو سکے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اخیر عشرہ میں جتنی محنت کرتے تھے، اور دنوں میں نہیں کرتے تھے، اور حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے کہ جب اخیر عشرہ آتا تو رسول اللہ اپنا بستر لپیٹ دیتے تھے، اپنا تہبند مضبوطی سے باندھ لیتے، اور اہل خانہ کو جگاتے تھے۔

اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں، شب قدر کی تلاش میں پوری جانفشانی کرتے تھے، جس کے متعلق کثرت سے روایات آئی ہیں کہ وہ اخیر عشرہ میں ہے رسول اللہ ﷺ اخیر عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے، بقیہ ایام میں نہیں۔

بہر کیف تراویح وہی بیس رکعات برقرار رہی، جس پر تمام شہروں کا عمل تھا، اور اس کے قائل ائمہ ثلاثہ ہیں، اور خاص طور عشرہ اخیرہ میں تہجد اور قیام لیل کے نام پر دس رکعات مزید پڑھی جاتی تھیں۔

اس دور کی نئی چیز:

سابقہ دور کے لحاظ سے تراویح کے تعلق سے اس دور میں نئی چیز ایک جماعت کا ہونا ہے، یعنی متعدد جماعتوں کو ختم کر دیا گیا، جو انتشار اور تشویش کا باعث تھا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم لطف واحسان سے ساری امت کو ایک جماعت اور ایک امام کے پیچھے تمام نمازوں کی ادائیگی پر متفق کر دیا، خواہ اس امام کا تعلق مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب سے ہو، جو کتاب وسنت کے دائرے کے اندر آتے ہیں۔

ہمیں یہاں یہ بحث نہیں کرنی ہے کہ ایک مسجد میں تعداد ائمہ و جماعت کا کیا حکم ہے، کیوں کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے جبکہ باتفاقِ ائمہ مذاہب ایک مسلک کے ماننے والے کی نماز

دوسرے مسلک والے کے پیچھے جائز ہے اور ہم یہاں مذاہب کے مابین موازنہ بھی نہیں کرنا چاہتے، کیونکہ سب کا مآخذ ایک ہی ہے، کتاب وسنت۔ ان سب چیزوں میں الجھنے کے بجائے ہمارے پیش نظر محض امت اسلامیہ کا اتحاد واتفاق ہے، خصوصاً اس جیسے عمل میں جو اتحاد کی علامت ہے، یہاں یہی اشارہ کردینا کافی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں مختلف جماعتوں اور ائمہ کو دیکھا تو اچھا معلوم نہ ہوا، اور سب کو متحد کرکے دیکھا تو بہت بھلا معلوم ہوا، تو انھوں نے کہا: کیا اچھی بدعت ہے یہ!

بیس رکعات پر اقتصار اس لیے کیا گیا کہ ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، اور احمدؒ کے یہاں مدینہ کے علاوہ میں معمول بہ یہی ہے، خود مدینہ منورہ کے تعلق سے یزید بن رومان کی روایت کو مستدل بنایا گیا ہے، اور بعض اہل مکہ کے طواف کے بالمقابل تعداد رکعات میں زیادتی پر عمل نہیں کیا گیا ہے، اس پر بحث کی جاچکی ہے۔

چوتھی صدی اور اس کے بعد امام ابوزرعہ کے دور تک اسی پر عمل رہا ہے، بتایا جاچکا ہے کہ جب امام ابوزرعہ نے اس کو پرانی شکل پر زندہ کرنا چاہا، تو ان چھتیس رکعات کو ایک ساتھ نہیں پڑھایا، بلکہ ائمہ کے اختلاف کو مدنظر رکھتے ہوئے عشاء کے بعد بیس رکعات مقرر کی تاکہ متفق علیہ پر عمل ہوسکے اور اہل مدینہ کے عمل کی رعایت میں سولہ رکعات آخری شب میں پڑھایا، وہ رمضان میں تراویح میں دو ختم کرتے تھے، ایک ختم ابتدائی رات کی بیس رکعات میں اور دوسرا ختم آخری شب کی سولہ رکعات میں، یہ دو ختم اس دور میں بھی موجود ہیں، ایک ختم ابتدائی شب کی تراویح میں ہوتا ہے، اور دوسرا ختم عشرہ اخیر کی دس راتوں میں ہوتا ہے۔

اب نتیجہ کے طور پر اس دور اور سابقہ دور میں مطابقت ہوجاتی ہے کہ دو ختم ہر ایک میں ہوئے، ہاں تعداد رکعات اور ابتدائی اخیر شب میں نمازوں کی تقسیم الگ الگ ہے۔

اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ جماعت ایک ہوگئی، گوکہ ائمہ مختلف ہیں، جو باری باری پنجگانہ نمازیں پڑھاتے ہیں، ایک نماز کے لیے متعدد جماعتوں کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

سعودی دور کے پہلے سعودی امام مقام ''حائل'' کے شیخ حمیدی بردعان تھے۔ان کے ساتھ اور انکے بعد کئی امام مقرر کئے گئے، جو اس سے پہلے ائمہ ثلاثہ کو ماننے والوں کو سابقہ شکل پر نماز پڑھاتے تھے، یہ سبھی ائمہ باری باری پنجگانہ نماز پڑھاتے تھے، لیکن الگ الگ جماعتیں نہیں تھیں۔شیخ محمد خلیل (جو پہلے شافعیہ کے امام تھے) کے ذمہ ظہر کی نماز تھی، اور وہ تمام لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، شیخ مولود (جو پہلے مالکیہ کے امام تھے) کے ذمہ نماز عصر تھی، مغرب اور عشاء کی نماز شیخ عبدالرزاق حمزہ کے ذمہ تھی، شیخ تقی الدین ہلالی ان کے قائم مقائم ہوا کرتے تھے، اسی طرح شیخ حمد عبداللہ تنبکتی بھی نماز پڑھاتے تھے،اس کے بعد شیخ صالح زغیبی پنجگانہ اور تراویح کے امام رہے،اور تقریباً چوتھائی صدی تک (اپنی زندگی کے اخیر تک) تنہا امامت کرتے تھے، پھر کبرسنی کے سبب شیخ عبدالعزیز بن صالح ابتداء شعبان ١٣٦٧ھ سے ان کے معاون مقرر ہوئے، اور تقریباً ١٣٧٢ھ میں شیخ صالح زغیبی کی رحلت کے بعد تنہا شیخ عبدالعزیز امام ہو گئے، ١٣٧٦ھ میں شیخ عبدالمجید بن حسن ان کے معاون مقرر ہوئے تادم تحریر سرکاری طور پر مسجد نبوی کی امامت شیخ عبدالعزیز بن صالح اور ان کے نائب شیخ عبدالمجید بن حسن کے ذمہ ہے، ہماری خواہش تھی کہ اس دور کے ائمہ تراویح مسجد نبوی خصوصاً تراویح کے بارے میں بہت کچھ لکھا جائے لیکن بات لمبی ہو جائے گی، اور موضوع سے دور چلی جائے گی۔

تاہم ان کا ایک سرسری اور مختصر تذکرہ کر دینا چاہئے، آئندہ اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق دے کہ وہ ان حضرات کے حالات زندگی کو تفصیل کے ساتھ مستقل طور پر تحریر کرے، جو اس عظیم مسجد نبوی کی خدمت ہو گی، اور ان ائمہ کا حق ادا ہو سکے گا، ابن فرحون نے اپنے دور کے کئی ائمہ مسجد نبوی کے حالات زندگی کا ذکر کیا ہے، اور ان کے واقعات نقل کیے ہیں اس کے بعد مسجد نبوی کے مؤذنین اور خدام کا ذکر کیا ہے، اور اپنے دور کے لحاظ سے بہت کچھ لکھ دیا ہے، جو اس بات کا غماز ہے کہ اس موضوع پر پہلے بھی لکھا جا چکا ہے، یہ مؤرخین اور مصنفین کی توجہ کا مرکز رہا ہے، خاص طور پر اگر زیر بحث عملی پہلو پر اور امامت کی نوعیت، قرأت کی

کیفیت اور نماز وغیرہ کا فقہی حکم ہو، کیوں کی مسجد نبوی شریف کی ہمیشہ سے ایک حیثیت اور اس کا دلوں میں ایک مقام رہا ہے، اس کو نمونۂ عمل کے طور دیکھا جا تا رہا ہے۔

جب ماضی میں اس مسجد میں امامت کی ایک اہمیت کی چیز رہی ہے، تو اس وقت کی اہمیت مزید ہو جاتی ہے کیوں کہ نمازیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے، اور باہر کے لوگوں کی آمد ورفت روز افزوں ہے، اور یہی پیش نظر ہوتا ہے کہ یہاں کی امامت درجہ کمال کی ہو، اور مسجد نبوی کے شایان شان احترام وتعظیم کی مظہر ہو خصوصاً اسلئے کی یہیں رسول اللہ ﷺ اور ان کے خلفائے کرام نے کھڑے ہو کر امامت کی ہے، اور یہ نعمت ہر کس و نا کس کو کہاں ملتی ہے، کوئی خوش نصیب ہی ہوتا ہے، جس کو یہ شرف حاصل ہوتا ہے، اور اسکے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ اس ذمہ داری کو انجام دیتا ہے۔

لہٰذا اس مسجد شریف کے ائمہ کے حقوق و واجبات بڑے نازک ہیں، اور کم از کم ان حضرات کے حالات زندگی اور امتیازات کا ذکر دیا جائے، جو دوسرے ائمہ مساجد کے لیے نمازوں کی پابندی اور امامت کے حقوق کی ادائیگی میں نمونہ عمل ہو۔

ہم ان حضرات کے سارے حقوق تو ادا نہیں کر سکتے ہیں، لیکن ان کا ایک سرسری تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے۔

عصر حاضر کے ائمہ مسجد نبوی:

شیخ حمیدی : پورا نام شیخ حمیدی بردعان ہے، ان کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ یہ حائل کے باشندے تھے، سعودی دور کے آغاز میں مسجد نبوی کے سب سے پہلے امام یہی ہیں، دو سال اس منصب جلیل پر فائز رہے، اس کے بعد انھوں نے شاہ عبدالعزیز سے درخواست کی کہ انھیں اپنے شہر جانے کی اجازت دی جائے، وہاں کے لوگوں کی خواہش تھی کہ شیخ اپنے شہر میں آکر تعلیم وتربیت، امامت کے فرائض انجام دیں، شاہ معظم نے تو ابتداءً انکار کیا، لیکن بالآخر اجازت دیدی، کچھ دنوں کے بعد شیخ حمیدی کی خواہش ہوئی کہ دوبارہ مدینہ منورہ میں آجائیں۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مدینہ طیبہ کا

دلوں میں کیا اثر و مقام ہے یہ دولت چھن جانے کے بعد انسان بے قرار رہتا ہے۔ شیخ تقی الدین کی موصوف کے ساتھ ایک بار گفتگو ہوئی تھی، جس کا ماحصل یہی تھا۔

شیخ مولود: موصوف مغرب (مراکش) کے باشندے تھے، سعودی دور سے قبل مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آئے اور یہیں وفات پائی، میرے علم میں نہیں کہ انھوں نے تراویح کی امامت کی ہے۔

شیخ محمد خلیل اور **شیخ اسعد**: یہ دونوں حضرات مدینہ طیبہ کے تھے۔ شیخ اسعد نے تراویح کی امامت کرائی ہے ان دونوں حضرات نے مدینہ ہی میں وفات پائی ہے، اور نیک اولادان کی وارث ہوئی۔ یہ تینوں حضرات اس دور سے قبل مسجد نبوی میں اپنے اپنے مذاہب کے امام رہ چکے تھے۔

شیخ عبد الرحمٰن حمزہ: اس دور کے آغاز میں ہجرت کر کے مصر سے آئے تھے، اور دو سال سے زائد فجر و مغرب کے امام رہے، پھر مکہ مکرمہ منتقل کر دیے گئے، مدینہ واپس نہیں آئے، اور مکہ اور طائف کے درمیان رہ گئے ۱۳۷۲/۷۳ھ میں معہد علمی ریاض میں حدیث واصول حدیث پڑھانے کے لئے مدعو ہوئے، پھر بالآخر طائف میں قیام پذیر ہیں، عمر دراز ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اور ہمیں عافیت بخشے۔

شیخ تقی الدین ہلالی: ۱۳۴۰/۴۱ھ میں مراکش سے ہجرت کر کے مصر آئے، ایک سال وہیں قیام کیا، جہاں ان کی ملاقات رشید رضا مصری سے ہوئی، وہ مصر کے ساحلی اور میدانی علاقے میں اور اسکندریہ میں سلفی دعوت کی تبلیغ کرتے رہے۔

پھر اسی سال حج کے لئے مکہ مکرمہ آئے، اور تین ماہ شیخ محمد نصیف کی طرف رہے، موصوف اپنے دادا کی خدمت میں آنے والے تمام سلفیوں کے مرکز بنے رہے، پھر تعلیم اور کتب خانوں کے معائنہ کی غرض سے ہندوستان کا سفر کیا، دہلی کے ایک مدرسہ علی جان میں درس دیا، پھر ہندوستان کے مختلف مدارس کا دورہ کیا، اسی اثناء میں ترمذی کے شارح صاحب تحفة الأحوذی سے ملاقات کی، اس وقت اس شرح پر کام ہو رہا تھا، اور اس شرح کے

بارے میں انھوں نے ایک قصیدہ لکھا، جس پر طلبہ سے حدیث پر عمل پیرا ہونے اور اس شرح سے استفادہ کی اپیل کی، یہ قصیدہ مذکورہ شرح کی چوتھی جلد مطبوعہ ہندوستان کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

اس کے بعد شیخ آلوسیؒ سے ملاقات کے لیے عراق کا سفر کیا، لیکن ان سے ملاقات نہ ہو سکی، تین سال عراق میں گزارے، وہیں شادی کی اور اولاد ہوئی۔

دوبارہ ۱۳۴۵ھ میں حجاز تشریف لائے، اور شیخ رشید رضا کے یہاں تشریف لے گئے، تو شیخ نے موصوف کو ایک خط شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھ کر دیا کہ ان کو اپنے یہاں رکھ لیں، شاہ نے ان کو مسجد نبوی کا امام مقرر کرنا چاہا، اس شرط پر رکوع وسجدہ کی تسبیحات بیس بار کہنے کی مقدار ٹھہریں، لیکن موصوف کو یہ بات بہت طویل معلوم ہوئی، لہٰذا ان کو دروس حدیث نبوی کا نگراں مقرر کر دیا گیا، اور ان کے رفیق شیخ عبدالرزاق حمزہ کو امام مقرر کر دیا گیا، لیکن شیخ حمزہ ان کو بعض نمازوں خصوصاً فجر میں اپنا نائب بنا دیا کرتے تھے، دو سال مدینہ طیبہ میں قیام رہا، پھر اس وقت کے امیر مدینہ کے ساتھ موصوف کی کچھ ان بن ہو گئی، معہد سعودی میں (جو ایک دینی سکنڈری اسکول تھا) مدرس ہو کر منتقل ہو گئے، میں نے موصوف سے سنا ہے کہ اس ان بن کی وجہ یہ تھی کہ دعوت کا طریقہ اور انکار منکر کا اسلوب کس قدر سخت یا نرم ہونا چاہیے؟ مسئلہ عقیدہ میں نرمی برتنے کے سبب اس وقت کے بعض ذمہ داران کی ہجو کی تھی، اور یہ اشعار انھوں نے مجھے لکھوائے بھی تھے، لیکن ان میں بعض حضرات کو نام بنام ذکر کیا گیا ہے، اس کا یہاں لکھنا مناسب نہیں، خصوصاً جبکہ موصوف اس دنیا میں نہیں رہے، تو اس کے لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟

قابل ذکر امر یہ ہے کہ شیخ عبدالرزاق نے بھی اسی سبب سے مکہ کا سفر کیا تھا، پھر وہاں شیخ سید ندوی کی دعوت پر ہندوستان گئے، وہاں تین سال قیام رہا، پھر عراق واپس آئے اور وہاں سے اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے لیے یورپ چلے گئے، اور اس سے قبل موصوف کو جامعہ قیروان سے ڈگری مل چکی تھی۔

وہ جنیوا آگئے جہاں امیر شکیب ارسلان سے ملاقات ہوئی، اوران کے توسط ''بون یونیورسٹی'' میں عربی زبان کے لکچرار مقرر ہو گیے وہیں پڑھتے بھی رہے، اور ۱۹۴۰ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

پھر مراکش کا سفر کیا، وہیں قیام کیا، جب جنگ ختم ہوگئی تو عراق آگئے، اور بغداد یونیورسٹی میں استاذ رہے، عبدالکریم قاسم کا انقلاب برپا ہوا تو وہاں سے بھاگ کر جرمنی اور پھر وہاں سے مراکش آگئے، اور شاہ محمد پنجم یونیورسٹی میں استاذ مقرر ہو گئے۔

پھر ان کو جامعہ اسلامیہ میں تدریس کے لیے ۱۳۸۸ھ کے آغاز میں دعوت دی گئی، اور پھر یہیں کے ہوگئے اب استاذ اور رکن انتظامیہ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ یہ میری ان سے زبانی گفتگو کا خلاصہ تھا، چونکہ اس دور کے اوائل قدیم ترین معاصرین میں ان کا شمار ہے، لہٰذا اس اہمیت کے پیش نظر ان کو قلم بند کرلیا گیا تھا۔

شیخ محمد عبد اللہ تنبکی :موصوف ''مالی'' کے علمی وسیاسی دارالحکومت ''تنبکو'' سے تعلق رکھتے تھے، ۱۳۱۸ھ میں اپنے والد گرامی عبدالقدوس انصاری، شیخ ابوبکر تنبکتی اور شیخ طیب کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے، اس وقت وہ پانچ سال کے تھے، مدینہ میں قیام رہا، مدرسہ دارالعلوم شرعیہ مدینہ منورہ میں تعلیم پائی، اور ۴۳، ۱۳۴۴ھ میں امام رہے۔ پھر یمن و ہندوستان کا ایک علمی سفر کیا، ۱۳۵۷ھ میں واپس آئے، بڑی سرگرمی کے ساتھ دعوت کے کام اور مدارس کے قیام میں لگ گئے، بالآخر ۱۳۷۱ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد شیخ زغیبی امام ہوئے۔

ان تمام حضرات کے بعد **شیخ صالح** کو امامت ملی تھی، وہ تنہا امام تھے، اور وہ اسی کے ہوکر رہ گئے، تقریباً ۲۵ رسال اس منصب پر فائز رہے، اور تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

یہ قصیم کے باشندے تھے، ان کے متعلق شیخ سعید دفتر دار نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب اعلام المدینہ (مخطوطہ) میں لکھا ہے۔

لیکن ہمارے لئے اس میں سے وہ حصہ قابل توجہ ہے، جس کا تعلق امامت سے ہے، اور موصوف کے غرائب ونوادر جو دوسرے کے یہاں نہیں ملتے، مثلاً میں نے سنا ہے کہ شیخ عبدالعزیز بن صالح عصر کی نماز کے لیے مسجد نبوی میں تشریف لاتے، تو عشاء پڑھ کر ہی نکلتے، اور فجر کے لیے آتے تو طلوع آفتاب کے بعد ہی نکلتے۔

اسی طرح میں شیخ عبدالرحمٰن بن حصین سے سنا کہ نماز میں شیخ عبدالعزیز سے سہو شاذونادر ہوا ہے، نیز میں نے شیخ عبدالمجید سے سنا ہے کہ ایک بار موصوف نماز کے لیے کھڑے ہوئے پھر مڑکر اشارہ سے کہا کہ آپ حضرات اپنی جگہوں پر رہیں، اور جاکر وضو کیا، اور واپس آکر نماز پڑھائی، اپنا نائب مقرر نہیں کیا، کیوں کہ ان کی خواہش تھی کہ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے ان کی کوئی نماز فوت نہ ہو۔

اسی وجہ سے مشہور ہے کہ مدینہ میں رہتے ہوئے کبھی بھی کسی نماز میں غائب نہیں رہے، الا یہ کہ مریض ہوں، اور مدینہ منورہ سے صرف ایک بار نکلے، اور صرف ایک بار حج کیا۔

پُر لطف بات یہ کہ اس وقت امام حرم مکی کبھی کبھی خود کو امام حرمین کہہ دیا کرتے تھے، ایک بار امام حرم مکی مدینہ منورہ آئے تو مسجد نبوی میں کوئی ایک وقت ہی نماز پڑھانی چاہی، تاکہ اس لقب کا جواز پیدا ہوسکے، لیکن شیخ نے ایسا نہ کرنے دیا۔

مرحوم نے مجھ سے اپنا ایک عجیب وغریب واقعہ یہ بیان کیا کہ ایک روز وہ نماز فجر کیلئے بیدار ہوئے، ان کا معمول تھا کہ وقت سے ایک گھنٹہ پہلے اٹھ جایا کرتے تھے، وضو کرتے وتر پڑھتے، پھر مسجد نبوی آتے تھے، وضو کے بعد انھوں نے جوتا پہننا چاہا تو ایک بچھو نے ڈنک ماردی، اس وقت کوئی مددگار بھی نہیں تھا، جو دوا لاتا، نماز پڑھانے کے لئے اپنے نائب کو اطلاع بھی نہیں دے سکتے تھے، مجبوراً اٹھے اور حرم آئے حسب عادت پہونچے اور نماز کے وقت کا انتظار کیا، نماز اذان کے بیس منٹ بعد ہوتی تھی، وقت ہوگیا نماز پڑھائی، اور وقت سے پہلے نماز شروع نہیں کیا، مبادا لوگوں کی جماعت فوت ہوجائے، اس دوران کسی کو ان کی حالت کا علم واحساس نہ ہوسکا، بالآخر نماز سے فارغ ہوئے، تو صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا

اور نڈھال ہو گئے کچھ لوگوں کو بتایا، کسی نے ان پر کچھ پڑھا، ان کو اٹھا کر ان کے گھر لایا گیا، اور بچھو کے ڈنک کا اثر ختم کرنے والی دوا دی گئی، اخیر عمر میں شیخ عبدالعزیز بن صالح ان کی نیابت کرتے تھے، اور جب ان کے لیے قرأت کرنا دشوار ہو گیا، تو جہری نمازوں اور خطبۂ جمعہ اسی طرح تراویح اور اخیر عشرہ کی نماز میں ان کے قائم مقام بن گئے۔

شیخ عبد العزیز بن صالح جو اس وقت مسجد نبوی کے امام اور خطیب ہیں، اور ان کے معاون **شیخ عبد المجید** یہ دونوں ہم عصر ہیں، اور یہیں مقیم ہیں، ان کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں، تمام لوگ ان سے واقف ہیں، جو کچھ لکھا جائے گا اس سے زیادہ عام طور پر لوگ جانتے ہیں۔

تاہم نماز تراویح سے متعلق ان کے بارے میں کچھ لکھنا ہے، (جس کا تقاضا بھی ہے) گو کہ مختصر طور بہر کیف ضروری ہے۔

اول:

شیخ عبدالعزیز بن صالح: موصوف ''مجمعیہ'' میں پیدا ہوئے، ایک معزز گھرانے کے چشم و چراغ تھے، یہ گھر فضل و کمال میں معروف ہے، اور ''مجمعیہ'' میں اپنی ٹھوس رائے اور قابل نمونہ ہونے کے سبب خاص مقام رکھتا ہے، موصوف عزت و عظمت فضل و کمال اور جذبہ خیر کے ماحول میں پروان چڑھے، بلوغ سے قبل بچپن ہی میں قرآن حفظ کر لیا، اور پرانے مشائخ سے تعلیم حاصل کی، اور سب سے زیادہ شیخ عنقری (جو اپنے دور کے بلند پایہ عالم ہیں، اور تین جلدوں میں ''حاشیہ العنقری علی الروض المربع'' کے نام سے موصوف کی ایک تصنیف ہے) سے پڑھا، اور علم تجوید مسجد نبوی کے شیخ قراء اور اپنے دور کے امام قرأت، شیخ حسن شاعر سے بروایت حفص ۱۳۷۰ھ میں مکمل کیا۔

موصوف ابتداء ہی سے بڑے محنتی تھے، بڑی لگن سے پڑھتے تھے، ان کے یہاں تعلیم بحث و مباحثہ کے طور پر ہوتی تھی، وقت کی کوئی پابندی نہیں تھی، کتاب کا امتحان نہیں ہوتا تھا، نظام تعلیم سے قبل ہی عام طور پر تمام ممالک میں رائج تھا، جو تحصیل علم اور کمال پیدا

کرنے کا ایک وسیع میدان ہوتا تھا، بچپن ہی سے موصوف میں فضل وکمال کے آثار نمایاں تھے، چنانچہ سولہ برس کی عمر میں اپنی مسجد کے معاون امام نماز تراویح منتخب ہو گیے، اس کے بعد ''مجمعیہ'' کے امام، پھر مجلس امر بالمعروف و نھی عن المنکر مجمعیہ کے صدر ہوئے، تعلیم کا سلسلہ جاری تھا۔

اس کے بعد قضاء کی لائن میں آ گئے، اور شیخ عبداللہ بن زاحم رحمہ اللہ کے ساتھ ریاض میں ان کی تقرری ہوگئی، اور اس دوران انھوں نے ریاض کے مشائخ خصوصاً آل شیخ اور حضرت مفتی رحمہ اللہ کے ساتھ روابط قائم کیے۔ ۱۳۶۳ھ میں شاہ عبدالعزیز نے شیخ عبداللہ بن مزاحم کو (جو کہ شاہ کے مقربین میں سے تھے) مدینہ منورہ کی عدالت کے لئے صدر منتخب کر دیا۔

نیز شیخ عبدالعزیز بن صالح کو بھی انھوں نے موصوف کی رفاقت کیلئے مدینہ کی عدالت میں مقرر کر دیا۔ موصوف نے شعبان ۱۳۶۷ھ میں شیخ صالح زغیبی کے معاون کی حیثیت سے مسجد نبوی کی امامت اور خطبہ جمعہ کا آغاز کیا۔

پھر خاص طور پر جہری نمازوں میں اور اس کے بعد تمام نمازوں میں ان کے معاون ہو گئے۔ ۱۳۷۰ھ میں شیخ صالح انتقال کر گیے تو امامت وخطابت شیخ عبدالعزیز کے سپرد ہو گئی، اسی کے ساتھ وہ سرکاری طور پر ہائی کورٹ میں بھی کام کرتے رہے، اس وقت وہ معاون صدر تھے، نیز مسجد نبوی پھر اپنے گھر فقہ وفرائض کے درس دیتے تھے۔ ۱۲/رجب ۱۳۷۴ھ کو صدر عدالت شیخ عبداللہ کا انتقال ہو گیا، تو شیخ عبدالعزیز بن صالح اس کے صدر بن گیے اور اس تاریخ سے موصوف مسجد نبوی کے امام وخطیب اور صدر المدرسین ہیں، اسی کے ساتھ علاقہ کی عدالتوں اور دینی اداروں کے صدر ہیں، قاضیوں کی مخصوص کھیپ والا نظام آنے کے بعد موصوف محکمہ تمیز (ہائی کورٹ) کے جج کے مرتبہ پر فائز ہوئے، اور قضاء کی مجلس اعلیٰ کے ممبر بنائے گئے، اور مجلس کا کام پورے ملک کی عدالتی پنچ کی نگرانی ہے۔

یہ ساری چیزیں موصوف سے واقف حضرات کیلئے معلوم ہیں، یہاں ان کے ذکر کا

مقصد یہ ہے کہ مسجد نبوی کی امامت کی حیثیت واضح کردی جائے، اور یہ بتادیا جائے کہ یہ بہت اہم اور نازک منصب ہے، یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ موصوف نے خطبۂ جمعہ میں معاشرتی مشکلات ومسائل پر غور وفکر کیا، ان کا تجزیہ کیا، اور ان کا علاج ومداوا پیش کیا، اور لکھے ہوئے خطبوں سے ہٹ کر حالات حاضرہ کو اپنا موضوع بنایا۔

جہاں تک تراویح کا مسئلہ ہے، جو اس کتاب کا موضوع ہے، تو اس کی صورت، اس کی ادائیگی کی کیفیت، اس میں قرآن کی تلاوت وسکون، تو یہ درحقیقت حد درجہ اوسط ہوتی تھی، نہ تو بہت لمبی کہ ضرورت مند لوگوں کو گراں معلوم ہو، اور نہ ہی اتنی مختصر کہ عبادت کے شائقین تشنہ رہ جائیں، بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے، لیکن طوالت نہیں تھی، ہلکی قرأت کرتے، لیکن حروف کو بدلنے سے گریز کرتے تھے، خود موصوف اور ان کے نائب عبدالمجید بن حسن کا یہی حال تھا۔

یہ محدود زاویہ سے تاریخی تسلسل کا بیان ہے، ان حضرات کی مکمل سوانح حیات لکھنا، مقصود نہیں کیوں کہ ان کے لئے مقدمات اور نتائج لکھنے کی ضرورت پڑتی ہے، اور یہاں ان کے بیان کی گنجائش نہیں، پھر تعارف تو ان لوگوں کا کرایا جاتا ہے جو مجہول ہوں، یہ حضرات جس کو دور ونزدیک کا ہر شخص جانتا ہے، اور اس عظیم منصب کا یہی تقاضا بھی ہے، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اس عظیم منصب کی خدمت کے لیے ان کی زندگی میں برکت دے۔

رہے شیخ عبدالمجید بن حسن تو انھوں نے اولاً اپنے ملک میں تعلیم کا آغاز کیا، پھر مدرسہ دارالعلوم شرعیہ میں تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھا، اس وقت یہ مدرسہ اپنے شباب پر تھا، اس میں دینی وعربی علوم کے لیے ایک عالی شعبہ قائم تھا، موصوف نے مسجد نبوی کے چند مشائخ سے بھی مثلاً شیخ طیبؒ سے دینی عربی علوم کی تعلیم حاصل کی۔ ان کا تعلیم کے لئے انتخاب ہوا، اور اس وقت کے ادارہ تعلیم میں شامل ہوگیے، ۱۳۶۰ھ میں مدرسہ شقراء کے بانی یہی ہیں، اور اس کو بڑی خوبی سے چلایا، مدرسہ کے منسوبین پر خصوصاً اور شہر کے باشندوں پر عموماً موصوف کا بڑا اثر تھا۔ ۱۳۶۰ھ میں قضاء کی لائن میں آگئے، اور رابغ کی عدالت میں قاضی

مقرر ہوئے۔ اور ۱۳۷۱ھ چھ سال تک اس پر مامور رہے ۱۳۷۱ھ کے اوائل میں محکمہ مدینہ منورہ میں منتقل کر دیئے گئے، پھر صدر محکمہ شیخ عبداللہ بن زاحم کے معاون دوم مقرر ہوئے، جبکہ شیخ عبدالعزیز بن صالح معاون اول تھے۔

۱۳۷۳ھ میں موصوف نے شیخ عبدالعزیز بن صالح کے معاون کی حیثیت سے مسجد نبوی کی امامت شروع کی، اور موصوف اس وقت معاون اول کی حیثیت سے پنجگانہ نمازوں اور خطبہ جمعہ میں امام صاحب کی عدم موجودگی میں ان کی نیابت کرتے ہیں، اور تراویح اور تہجد کی نماز ان کے ساتھ مل کر پڑھاتے ہیں، جیسا کہ اس کی شکل آئے گی۔

۱۳۹۰ھ میں (جس وقت کہ یہ کتاب لکھی جارہی ہے) مغربی علاقہ کی ہائی کورٹ کے رکن مقرر ہوئے، اور علمی بورڈ کے مندوب بنے۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ یہاں پر ان حضرات کی سوانح حیات نہیں لکھی جارہی ہے کہ ان کے خصوصیات و امتیازات گن گن کر بیان کیے جائیں، اور بہت سی چیزیں جن کو ان حضرات سے وابستہ بعض لوگ بخوبی جانتے ہیں، یا میں خود جانتا ہوں، یا ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں جانتا ہے، کیوں کہ ان کے درمیان اشتراک عمل سے زیادہ آپسی دوستی، محبت اور اخوت قائم ہے، اور یہ چیز روز اول ہی سے ہے، جب سے ان دونوں نے یہ خدمت شروع کی۔

بہر کیف ان حضرات کا ہم عصر ہونا ہی کافی ہے، ان کے متعلق مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں، جو کچھ لکھا جائے گا، لوگ اس سے زیادہ واقف ہیں، بس اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کی عمر میں برکت دے۔ آمین۔

موجودہ عہد میں مسجد نبوی میں تراویح:

یہاں کے لوگوں کو تراویح کے بارے میں بتانے کی ضرورت نہیں، ہاں جن کو مدینہ منورہ میں رمضان کا کوئی حصہ گزارنا نصیب نہیں ہوا، بلا شبہ وہ لوگ مسجد نبوی کی ہر چیز کے لئے بے قرار رہتے ہیں، خصوصاً تراویح جیسے مقدس عمل کے لئے جو مسجد نبوی میں ہو،

کما حقہ اس کی منظر کشی کون کرسکتا ہے؟ ہماری کوشش صرف یہ ہوگی کہ اپنے مشاہدات قلم بند کریں، یہ تو معلوم ہی ہے کہ تحریر مشاہدہ کے برابر نہیں ہوسکتی ہے، تحریر دیکھنے میں آنکھ کی طرح نہیں، اور نہ ہی سننے میں کان کی طرح ہے، تاہم حتی الامکان کوشش کریں گے۔

اولاً: وقت تراویح:

معلوم ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد ہے، عام دنوں میں عشاء کیلئے اذان غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد ہوتی ہے، اور اذان کے بعد پندرہ منٹ بعد جماعت ہوتی ہے۔

رمضان میں عشاء کا وقت:

رمضان میں عشاء کی اذان غروب کے دو گھنٹہ بعد ہوا کرتی ہے، تا کہ جو حضرات مسجد نبوی میں افطار کرتے اور چند کھجوروں پر اکتفاء کرتے ہیں، اور نماز مغرب کے بعد گھر لوٹ کر کھانا کھاتے ہیں، اور پھر مسجد نبوی میں تراویح اور عشاء کے لئے لوٹتے ہیں، ان کے لیے سہولت ہو۔

بہت سے حضرات بڑی دور دراز سے آتے ہیں، لہٰذا ان کی سہولت اور ان کی حالت کی رعایت رکھی گئی، دو گھنٹے کے بعد اذان ہوتی ہے، اور اس کے دس منٹ بعد جماعت شروع ہوجاتی ہے، نماز شیخ عبدالعزیز پڑھاتے ہیں۔ اس کے بعد جس کا جی چاہتا ہے، عشاء کی دو رکعات سنت پڑھ لیتا ہے، پھر حسب ذیل طریقہ پر تراویح شروع ہوتی ہے۔

نماز تراویح کیسے؟

غروب سے تقریباً دو گھنٹہ پچیس منٹ بعد تراویح شروع ہوتی ہے، پہلے شیخ عبد العزیز دس رکعات پانچ سلام سے پڑھتے ہیں جو (غروب کے بعد) دو گھنٹہ پچپن منٹ بعد تک جاری رہتی ہے، یعنی تقریباً آدھا گھنٹہ لگتا ہے، اس کے بعد فوراً شیخ عبدالمجید دس رکعات پانچ سلام سے پڑھانا شروع کردیتے ہیں، جو تین بج کر پچیس منٹ (باعتبار غروب) پر پوری ہوتی ہے، اس کے بعد تین رکعات وتر (دو رکعت پھر ایک رکعت الگ الگ پڑھاتے

ہیں) جو ساڑھے تین بجے ٹھیک پوری ہوتی ہے، مجموعی طور پر دونوں حضرات مل کر مکمل ایک پارہ پڑھاتے ہیں، قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات برابر وقت میں (ہر ایک نصف پارہ نصف گھنٹے میں) ادا کرتے ہیں، اس طرح پوری بیس رکعات میں ایک پارہ مکمل ہوتا ہے، اور ایک گھنٹہ لگتا ہے۔

ہر رات کا یہی معمول ہے، صرف ۲۹ ویں شب کو کچھ الگ نوعیت ہوتی ہے، جیسا کہ آئے گا۔

مسجد نبوی میں تراویح کیلئے لوگ بڑی دلچسپی اور خواہش رکھتے ہیں، اطراف مدینہ اور باہر کے لوگوں کی اس قدر بھیڑ ہوتی ہے کہ جمعہ کی نماز کا سماں بدھ جاتا ہے، ۲۹ ویں شب کو یہ بھیڑ اور زیادہ ہو جاتی ہے، کیوں کہ اس میں ختم قرآن کریم اور دعا ہوتی ہے۔

عصر حاضر میں رمضان میں وتر:

اخیر عشرہ سے قبل راتوں میں شیخ عبد المجید تراویح کی بیس رکعات مکمل کرنے کے بعد تین رکعات وتر پڑھاتے ہیں، دو رکعات پر سلام پھیر کر ایک رکعت الگ سے پڑھتے ہیں اور رکوع سے اٹھنے کے بعد دعا قنوت بلند آواز سے پڑھتے ہیں، البتہ اخیر عشرہ میں جب کہ اخیر رات میں تہجد کی نماز ہوتی ہے، تو وتر کی نوعیت کچھ اس طرح ہوتی ہے:

امام صاحب اور ان کے نائب تراویح کے ساتھ وتر پڑھانے کے بجائے اخیر شب میں تہجد کے بعد پڑھاتے ہیں، اس لئے کہ فرمان نبوی ہے تم رات کی نماز میں آخری نماز وتر کی نماز رکھو"

شروع رات میں وتر نہیں ادا کرتے، کیوں کہ فرمان نبوی ہے:

"ایک رات میں دو وتر نہیں۔"

چنانچہ ابتدائی شب میں شیخ محمد علی سابقہ طریقہ پر وتر پڑھاتے ہیں، عام نمازوں کا طریقہ یہی ہے، البتہ احناف پورے ماہ امام کے ساتھ نماز وتر پڑھنے کے بجائے انفرادی طور پر ادا کرتے ہیں، اور پیش امام یا نائب امام کے وتر سے فارغ ہونے کے بعد پڑھتے

ہیں، مغرب کی طرح ایک ساتھ تین رکعات ادا کرتے ہیں، ان شاء اللہ کتاب کے اخیر میں اخیر عشرہ میں تہجد کا طریقہ ذکر کرنے کے بعد احناف کے یہاں وتر کے مسئلہ میں بحث کی جائے گی، شاید یہاں بہتر ہوگا کہ رمضان کی وتر میں دعاء قنوت اس میں کبھی کبھی کمی بیشی کے ساتھ ذکر کردیا جائے، ۳۰ رمضان ۱۳۹۰ھ کی رات میں جو وتر میں قنوت پڑھا گیا وہ حرف بہ حرف یہ ہے:

شیخ عبدالعزیز نے اس رات کو یہ دعائے قنوت پڑھی تھی۔

اللّٰھم اھدنا فیمن ھدیت و عا فنا فیمن عا فیت وتولنا فیمن تولیت وبا رک لنا فیما اعطیت وقنا و اصرف عنا شر ما قضیت فانک تقضی و لا یقضیٰ علیک انہ لا یضل من والیت ولایعز من عادیت تبارکت ربنا و تعالیت اللّٰھم اقسم لنا من خشیتک ما تحول بہٖ بیننا بین معصیتک و من طاعتک ما تبلغنا بہٖ جنتک ومن الیقین ما تھون بہ علینا مصا ئب الدنیا .اللّٰھم متعنا باسما عنا و ابصا رنا و قواتنا ما احییتنا واجعلہ الوا رث منا واجعل ثارنا علیٰ ظلمنا و انصرنا علیٰ من عا دا نا ولا تجعل مصیبتنا فی دیننا ولا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا تسلط علینا بذنوبنا من لا یر حمنا .

اللّٰھم اجعل خیر اعمالنا اواخرھا ،وخیر اعما لنا خواتمنا وخیر ایامنا یوم نلقاک . اللّٰھم انا نسا لک موجبا ت رحمتک وعزائم مغفرتک والسلامۃ من کل اثم والغنیمۃ من کل بر والفوز بالجنۃ و النجاۃ من النا ر نسا لک الجنۃ وما قرب الیھا من قول و عمل ونسلک ان تجعل کل قضاء قضیتہ لنا خیراً یا رب العالمین.

اللّٰھم اعطنا ولا تحرمنا و زدنا ولا تنقصنا و اکرمنا ولاتھنا ولا تحمل علینا وارزقنا و ارض عنا .

اللّٰھم انک عفو تحب العفو فا عف عنا اللّٰھم اجعل مجتمعنا هذا مجتمعاً مرحوما واجعل ترفقنا بعده تفر قا معصوماً ولا تجعل فینا ولا منا ولا معنا شقیا ولا محروما اللّٰھم انصر دینک وکتا بک وعبادک المومنین اللّٰھم انا نعوذ برضا ک من سخطک وبعفوک من عقو بتک و بک منک ،لا نحصی ثنا ء علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم و صل اللّٰھم علیٰ سیدنا محمد و سلم .

اخیر رات میں قیام لیل:

بتایا جا چکا ہے کہ ابو زرعہ کے دور سے اہل مدینہ کا معمول رہا ہے کہ تراویح سے فراغت کے بعد اخیر تہائی شب میں دوبارہ مسجد نبوی میں آتے" تا کہ سولہ رکعات ادا کرسکیں اور یہ معمول پورے رمضان کا تھا، ان سولہ رکعات کی ادائیگی کے لئے منارہ سے اعلان ہوتا تھا کہ تا کہ لوگ جمع ہو جائیں، ان سولہ رکعات اور ابتدائی رات کی بیس رکعات کو ملا کر کل تراویح چھتیس رکعات ہوتی تھی، جیسا کہ گذرا۔

لیکن اس دور میں ابتدائی مہینہ میں اخیر رات میں کوئی نماز نہیں پڑھی جاتی تھی، ہاں اخیر عشرہ آتے ہی یعنی بیسویں کی شب سے اخیر تہائی شب میں لوگ دوبارہ مسجد نبوی میں آتے ہیں، لیکن اس کے لیے اعلان نہیں ہوتا ہے، امام اور نائب امام بھی موجود ہوتے ہیں، اور اطراف مدینہ کے مرد عورتیں بوڑھے اور نو جوان لوگوں کی ایک بھیڑ لگ جاتی ہے۔ ان کی پیشانی پر خیر وخوبی، وقار اور سحر گاہی کا نور رہتا ہے۔

امام صاحب روضہ شریف میں محراب نبوی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے ہیں، نماز شروع ہوتے ہی وہ سکون، وہ جاہ وجلال اور رغبت وخوف کا منظر سامنے آتا ہے، جو نا قابل بیان ہے۔ ذہن پر مسجد نبوی کے ماضی کا روشن دور اور روضۂ اطہر کے معطر آثار نقش ہو جاتے ہیں، دور ماضی کے نمازیوں کی منور صورتیں نگاہوں کے سامنے آجاتی ہیں، احساس و

شعور کا وہ سلسلہ اسلاف سے مربوط ہو جاتا ہے، رحمت خداوندی کے تر جھونکے خشک دلوں کو سیراب کر دیتے ہیں، ان میں زندگی کی روح پھونک دیتے ہیں احساس وشعور اور دل و ماغ پر پوری طرح سے چھا جاتے ہیں۔

امام صاحب قرأت و ترتیل کے ساتھ جب پڑھنا شروع کرتے ہیں، تو ذہن و دماغ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، اور اس تیزی سے وقت گزر جاتا ہے کہ احساس نہیں رہتا، اور کیوں نہ ہو کہ یہی زندگی کے سب سے قیمتی لمحات اور عمر کے عظیم ترین وقفے ہیں، امام صاحب دو رکعات پھر ان کے نائب دو رکعات پڑھاتے ہیں، اسی طرح باری باری دس رکعات پانچ سلام کے ذریعہ ادا کی جاتی ہے، شروع اور اخیر میں امام صاحب ہی پڑھاتے ہیں، دیر تک قنوت پڑھتے ہیں، اسی طرح نو راتوں میں ہوتا ہے۔

جب اخیر رات یعنی ۲۹ ویں شب ہوتی ہے، اور اسی میں ختم قرآن ہوتا ہے، تو اس میں نماز کچھ اس طرح ہوتی ہے:

اولاً: تراویح میں پہلے ختم پڑھا جاتا، اس وقت امام صاحب جزو (عم) تک پہونچ چکے ہوتے ہیں، اور اس رات میں بیس رکعات پڑھاتے ہیں، جب اخیر رکعت میں سورہ (قل اعوذ برب الناس) پڑھ لیتے تو رکوع سے پہلے ختم قرآن کی دعا پڑھتے ہیں، اور دیر تک گریہ وزاری کے ساتھ دعا ہوتی ہے، جیسے امام صاحب کی دعا میں رقت آتی ہے، لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتے ہیں، مسجد میں آواز بلند ہو جاتی ہے۔ امام صاحب دعا ختم کر کے رکوع کرتے ہیں، اور رکعت مکمل کرنے کے بعد نماز وتر شیخ علمی کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔

اخیر شب میں تہجد میں مسجد بھر جاتی ہے، دھونی دی جاتی ہے، اس رات تک جز (قد سمع) تک پہونچ چکے ہوتے ہیں، اب حسب عادت امام صاحب نماز شروع کرتے ہیں، ان کے نائب بھی باری باری پڑھاتے ہیں، البتہ اخیر کی دو رکعات خود امام صاحب پڑھاتے ہیں جیسا کہ گزرا، اور اخیر رکعت میں سورہ (الناس) پڑھ کر ہاتھ اٹھاتے ہیں، اور حسب سابق دعا پڑھتے ہیں، اس سے فارغ ہونے کے بعد نماز مکمل کرتے ہیں، پھر وتر و

قنوت پڑھتے ہیں۔

مسجد نبوی میں اس ختم کی بڑی حیثیت، بڑی رونق اور بڑا اثر ہے، لہٰذا تفصیل کے ساتھ اس کے ثبوت کے بارے میں علماء کے اقوال، اس کی دعا، اس کے طریقہ نماز کے کس حصہ میں ہوا، اور خصوصاً مسجد نبوی کے تعلق سے بیان کیا جارہا ہے۔

عصر حاضر ۱۳۹۰ھ میں مسجد نبوی میں ختم قرآن اور اس کے دلائل:

مدینہ منورہ اور خود مسجد نبوی میں ختم قرآن کا ہونا اور وہ بھی وہاں کے امام صاحب کے ذریعہ، اس کی عالم اسلام کے ہر حصہ میں بڑی اہمیت وحیثیت ہے، پہلے امام مالکؒ کے نزدیک اہل مدینہ کا عمل حجت ہوتا تھا، کیوں کہ یہی لوگ سلف کے وارث ہیں، مدینہ ہی سنت نبوی کا سر چشمہ ہے، اسی طرح آج بھی مدینہ منورہ کی دلوں میں ایک حیثیت، عظمت اور فوقیت ہے کہ یہی آپ ﷺ کی ہجرت گاہ اور شریعت کا وطن ہے۔

مسجد نبوی میں تراویح اور تہجد کی نماز میں ختم قرآن ہونے کی خبر سارے عالم میں پھیل چکی ہے، اور اس کے لیے بڑی تعداد یہاں آتی ہے، لہٰذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی اصل کیا ہے؟ خصوصاً ان لوگوں کی طرف سے جو ہر کام کے لیے دلیل ڈھونڈھتے ہیں، عبداللہ بن احمد بن حنبل نے اپنے والد سے سوال کیا تھا کہ اس ختم قرآن کیا ثبوت کیا ہے؟ تو امام احمد نے اس کا جو، جواب دیا وہ آئے گا۔

یہ کتاب لکھنے سے قبل حدیث کے تئیں غیرت مند اور بدعت کے سخت مخالف صاحب نے اسکے بارے میں مجھ سے دریافت کیا تھا، ان کو اس میں دو لحاظ سے شبہ تھا:

اول: حضور ﷺ نے اس کو نہیں کیا، کیوں کہ آپ نے رمضان میں مکمل تراویح نہیں پڑھی، اور پورا قرآن تراویح یا تہجد میں نہیں پڑھا، اور نہ یہ دعا پڑھی، اور اس کی گنجائش بھی نہیں، کیوں کہ آپ نے ختم قرآن کیا ہی نہیں جس کے بعد یہ دعا ہوتی ہے، تو پھر اس ختم قرآن کی مشروعیت وثبوت کیا ہے؟

دوم: لوگ پورے مہینہ قرآن کریم نہایت سکون وقار کے ساتھ خاموشی سے سنتے

ہیں ،لیکن ختم قرآن کی دعا کے وقت آہ و بکاہ اور چیخ و پکار کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، موصوف کا کہنا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے، کلام الٰہی سے زیادہ دعا کی تاثیر نہیں ہوسکتی ہے؟

موصوف نے اپنے نقطۂ نظر کا اظہار میرے سامنے اسی انداز سے کیا، شاید وہ اس چیز میں شریک یا حاضر نہیں رہتے ،لہٰذا بہتر یہی سمجھا گیا کہ اسی انداز سے ان کو جواب دیا جائے ،اور اپنے علم کے مطابق اسلاف سے منقول ادلہ پیش کیے جائیں، خواہ مرفوع منقول ہوں یا موقوف، عام ہوں یا خاص، جس سے ان شاء اللہ طبیعت میں سکون اور دل میں اطمینان پیدا ہو جائے گا۔

دلائل:

مجمع الزوائد (۱۷۲/۱) میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے فرض نماز پڑھی، اس کے لیے ایک دعا مقبول ہے، اور جس نے قرآن ختم کیا اس کے لئے ایک مقبول دعا ہے۔'' اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں سلیمان راوی ہے جو ضعیف ہے، حضرت ثابت سے مروی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ختم قرآن کرتے تو اپنے اہل وعیال کو جمع کرتے تھے، اور ان کے لیے دعا کرتے تھے، اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اس کے رجال ثقہ ہیں، یہی روایت سنن دارمی میں حضرت ثابت ہی کے واسطے سے ہے رات میں جب وہ قرآن کریم ختم کرنے والے ہوتے تو کچھ حصہ چھوڑ دیتے تھے ، صبح کو اپنے اہل و عیال کو جمع کر کے ان کے ساتھ ختم کرتے تھے''۔ یہاں پر یہ روایت مرفوع ہے، لیکن اس کی اسناد ضعیف ہے ایک صحابی پر موقوف اثر ہے جس کے رجال ثقہ ہیں، لہٰذا ایک دوسرے کو تقویت ملے گی، شیخ حسنین مخلوف کے رسالہ میں ہے: ''ختم قرآن کے بعد دعا مسنون ہے''۔

اس کے تحت موصوف نے حضرت عرباض کی سابقہ حدیث درج کی ہے، اور فرمایا: اس کو طبرانی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے: ''جس نے قرآن پڑھا، اللہ کی حمد

کی ، رسول ﷺ پر درود بھیجا ،اور استغفار کیا ،اس نے اس کی جگہ ہر خیر کو طلب کر لیا۔'' اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے ،وہ ختم قرآن کے وقت اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعا کرتے تھے۔سنن دارمی میں حضرت ابو قلابہ کی مرفوع روایت ہے: جس نے قرآن کے آغاز کے وقت شرکت کی ،اس نے اللہ کے راستے میں فتح میں شرکت کی ،جس نے ختم قرآن میں شرکت کی ،اس نے غنیمت تقسیم ہوتے وقت شرکت کی۔''

ہمارے سامنے حضرت عرباض کی حدیث ہے ،(جس کو طبرانی وغیرہ نے روایت کیا ہے) نیز ایک موقوف اثر اور ایک مرفوع روایت بیہقی میں نیز صحابی کے عمل سے تائید شدہ اثر ہے ،جس کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔یہ ساری چیزیں ہمارے سامنے ہیں۔

مروزی کی کتاب قیام اللیل میں ہے: ''ایک شخص مسجد نبوی میں شروع سے اخیر تک قرآن پڑھتے تھے ،حضرت ابن عباسؓ نے ان کے پاس ایک صاحب کو مقرر کر رکھا تھا ، جب وہ قرآن ختم کرنے والے ہوتے تھے تو حضرت عباس مجلس والوں سے فرماتے اٹھو چلو ختم قرآن میں شریک ہو جائیں۔

مجاہد نے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا ختم قرآن کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے ،لوگ ختم قرآن کے وقت جمع ہوتے اور کہتے تھے: رحمت نازل ہو رہی ہے۔

سنن دارمی میں حمید اعرج سے منقول ہے: ''جس نے قرآن پڑھ کر دعا کی اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں۔

یہ ختم قرآن کے بعد دعا کے تعلق سے عمومی نصوص ہیں ،ان میں نماز ہونے نہ ہونے کی کوئی قید نہیں ،ابن قدامہ کے یہاں امام احمدؒ کے اس عمل کے تعلق سے مکمل تفصیل ملتی ہے ،ابن قدامہ نے المغنی (٢/١٧١) میں لکھا ہے: فصل ختم قرآن میں۔فضل بن زیاد نے کہا: میں نے ابو عبد اللہ سے دریافت کیا: ختم قرآن کو وتر میں رکھوں یا تراویح میں؟ فرمایا تراویح میں رکھو تا کہ ہم دونوں کے دوران دعا کر سکیں۔میں نے عرض کیا کیسے کروں: فرمایا کہ جب پورا قرآن پڑھ لو تو رکوع سے قبل اپنے ہاتھوں کو اٹھاؤ اور دعا کرو اس وقت ہم نماز

ہی میں رہیں گے دیر تک کھڑے رہو، میں نے عرض کیا کیا دعا پڑھوں؟ فرمایا جو دعا چاہے پڑھو۔ فضل نے کہا: میں نے کہنے کے مطابق عمل کیا امام احمد میرے پیچھے کھڑے ہاتھ اٹھائے دعا کر رہے تھے،

امام احمدؒ کے اس قول سے بالتفصیل معلوم ہو گیا کہ ختم قرآن کا طریقہ کیا ہے، دعا کب ہوگی، اور اس میں کوئی بھی دعا پڑھی جا سکتی ہے۔

حنبل سے صراحتاً منقول ہے: میں نے امام احمدؒ کو ختم قرآن کے تعلق سے یہ فرماتے سنا، جب تم (قل أعوذ برب الناس) پڑھ لو تو رکوع سے قبل ہاتھ اٹھا کر دعا کرو۔ میں نے عرض کیا آپ کے پاس اس کی دلیل وسند کیا ہے؟ فرمایا میں نے اہل مکہ کو اسی طرح دعا کرتے دیکھا ہے، سفیان بن عیینہ ان کو مکہ میں اسی طرح دعا کراتے تھے۔ عباس بن عبد العظیم نے کہا: ہم نے بصرہ اور مکہ میں لوگوں کو اسی طرح کرتے پایا اہل مدینہ اس سلسلہ میں جو کچھ نقل کرتے ہیں حضرت عثمان بن عفانؓ سے مروی ہے۔

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ فضل بن زیاد کا امام احمدؒ سے سوال ختم کے وقت دعا کی مشروعیت کے بارے میں نہیں بلکہ نماز میں یہ دعا کہاں کرنی چاہیے، اور کس طرح؟ اس کا سوال تھا، اور امام احمدؒ نے اس کی توثیق کرتے ہوئے انہیں اس کی جگہ اور طریقہ بتایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عمل کی مشروعیت دونوں کے علم میں تھی، اس سے پہلے اس مسئلہ پر حنبل اور امام احمد کے درمیان سوال وجواب ہوا تھا، چنانچہ حنبل نے ان سے دریافت کیا تھا: آپ کے پاس اس کی سند کیا ہے؟ دلیل کیا ہے؟

امام احمدؒ نے جو ان کو حوالہ دیا وہ اہل مکہ کا ان کا اپنا دیکھا سنا عمل تھا، خود امام جلیل سفیان بن عیینہ کے ساتھ اہل مکہ کے ساتھ یہ دعا پڑھانا، اہل مدینہ کی روایت، اور تین بڑے شہروں مکہ، مدینہ اور بصرہ کا معمول تھا۔ یہی شہر اس وقت علم کے گڑھ، اور قابل نمونہ تھے۔ اسی کے ساتھ اہل مدینہ کے یہاں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت موجود تھی، نیز ابن عباس کا معمول، یہ ساری چیزیں ختم قرآن کے بعد دعا کی مشروعیت کی سند و دلیل

ہیں، خواہ علیٰ الاطلاق ہو یا تراویح میں مع بیان کیفیت، جیسا کہ امام احمدؒ سے مروی ہے۔

مجموعی لحاظ سے یہ ساری چیزیں۔ اس طرح کے عمل کے لیے کافی ہے، کیوں کہ جو چیز اصل کے لحاظ سے مشروع ہوتی ہے وہ ''وصف'' کے ساتھ جائز ہوتی ہے، اصل دعا مشروع ہے، اور اس کا ختم قرآن کے ساتھ ہونا، اس کی مشروعیت کے منافی نہیں، اور یہی حکم نماز میں دعا قنوت کا ہے۔

بہر کیف سلف کی سابقہ تصریحات سے اس عمل کی مشروعیت پر ایک طرح کا سکون واطمینان پیدا ہوتا ہے، اور یہ کہ اس تینوں شہروں: بصرہ، مکہ اور مدینہ کے اسلاف کے نقش قدم کی پیروی ہے۔

جہاں تک تلاوت کے مقابلہ میں دعا سے زیادہ موثر ہونے کا مسئلہ ہے، تو پورے رمضان قرآن سکون واطمینان کے ساتھ سننے اور ختم قرآن کی دعا آہ وبکاہ کے ساتھ سننے کے درمیان مصلیوں کی حالت کے مابین موازنہ کرنا ہے، اور یہ دونوں الگ الگ حالات ہیں۔

بظاہر یہ دونوں الگ الگ ہونے کے باوجود معنیٰ اور حقیقت کے لحاظ سے متحد ہیں، اس لیے کہ تلاوت کا ادب یہ ہے کہ غور سے سنا جائے، اور دعا کی خصوصیت یہ ہے کہ خشوع وگریہ زاری ہو۔

بعض جگہوں پر دعا ہی ہوتی ہے، تلاوت نہیں۔ مثلاً حالت سجدہ جس کے دوران بندہ اللہ سے قریب تر ہوتا ہے، لیکن اس قرب کے باوجود سجدہ میں تلاوت قرآن ناجائز ہے، بلکہ خوب دعا کرنی چاہیے۔

اسی طرح مخصوص حالات کی دعائیں، مثلاً صبح وشام مسجد میں داخلہ کی دعا نماز میں دعاءِ قنوت۔ جس طرح تلاوت کے کچھ آداب ہیں، اسی طرح قرآن کے بھی کچھ مقامات ہیں۔

کہیں وعظ ونصیحت ہے، تو کہیں واقعات ہیں، تو کہیں شرعی حکم حلال وحرام کا ذکر ہے، جس کے سبب سننے والے کا ذہن ایک مفہوم سے دوسرے مفہوم کی طرح منتقل ہوتا رہتا ہے۔

جب کہ دعا میں دعا کرنے والے اور سننے والے کے احساسات، افکار و شعور اور دل ایک خاص جہت میں مرکوز ہوتے ہیں، یعنی گریہ وزاری، انابت الی اللہ کی طرف۔

بلکہ انسان فطری طور پر سخت مجبوری اور خوف کے عالم میں خالص دعا و درخواست ہی کا سہارا لیتا ہے، جیسا کہ فرمان نبوی: الدعا مخ العبادۃ (دعا اصل عبادت ہے)

کون نہیں جانتا کہ جنگ بدر کے موقعہ پر جب اہل حق کی ایک مختصر جماعت اہل باطل کی بھاری جمعیت سے ٹکرائی تو اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے دعا کا سہارا لیا اور بڑی عاجزی و گریہ وزاری سے اللہ سے دعا کی، حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ پر رحم آ گیا، اور فرمایا: ''بس اب رہنے دیں، پروردگار نے آپ کی درخواست سن لی۔ اے اللہ کے رسول!''

اس موقعہ پر حضور نے دعا کی تلاوت نہیں کیا، اسی طرح قیامت کے ہولناک منظر کے بارے میں صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ سفارش کرنے کیلئے حضور ﷺ سجدہ میں گر جائیں، دیر تک سجدہ میں رہیں گے، اللہ تعالیٰ آپ کو وہ حمد وثنا الہام کرے گا، جن سے حضور اس وقت تک ناواقف تھے۔ اس موقعہ حضور ﷺ کو تلاوت کرنے کی ہدایت نہیں دی گئی،

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت کے الگ الگ مقامات، حالات اور آداب ہیں، اور علیحدہ تاثیر ہے۔ دعا کا مقام الگ، اس کے حالات تاثیرات الگ ہیں۔ بظاہر دونوں الگ الگ ہیں، لیکن ان دونوں کی حقیقت ایک ہے۔ اپنی جگہ پر تلاوت اور اپنی جگہ پر دعا دونوں ہی ٹھیک ہیں۔

پھر یہ کہ ملتزم کے متعلق حضور ﷺ نے حضرت عمر کو یہ تعلیم دی تھی۔ ''یہاں اے عمر! آنسو بہائے جاتے ہیں۔'' یہ جگہ دعا و خشوع کی ہے ذکر و تلاوت کی نہیں۔

عصر حاضر میں مسجد نبوی میں ختم قرآن کا معمول درحقیقت اس پر بحث بڑی دلچسپ ہے، اور کیوں نہ ہو کہ بذات خود ختم قرآن کی گفتگو خواہ جس جگہ ہو دل کے لئے فرحت بخش ہے، ضمیر میں بیداری پیدا کرنے والی ہے، کیوں کہ اس کا تعلق قرآن کریم سے ہے، جو پروردگار کے پاس نازل ہوا ہے۔

پھر جب یہ گفتگو مسجد نبوی اور مقدس جوار نبوی، رمضان مبارک اور عشرہ اخیر سے وابستہ ہوتو نا قابل بیان عظمت حاصل کرلیتی ہے،اس کی حقیقی تصویر تو پیش کرنا ممکن نہیں البتہ حتیٰ الامکان اپنے احساسات وشعور کوزیب قرطاس کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

مسجد نبوی میں ماہ رمضان میں دوبار ختم قرآن ہوتا ہے: ایک نماز تراویح میں دوسرا اخیر شب کی تہجد میں، دونوں ۲۹ شب کو ہوتے ہیں، ایک اول شب میں دوسرا اخیر شب میں۔

شاید یہ (گوکہ غیرارادی طور پر) اس امر سے مربوط ہو گیا کہ جبریل علیہ السلام ہر سال ایک بار رمضان میں حضور ﷺ کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے، لیکن جس سال آپ کی رحلت ہوئی، اس سال دوبار دور کیے۔

اس رات مسجد نبوی میں چار بار دعا ہوتی تھی، دوبار ختم میں اور دوبار وتر کی نماز میں جس کی وجہ سے یہ رات بڑی نمایاں ہوتی تھی، پوری رات عبادت جاری رہتی ہے۔

اول شب میں ختم قرآن اس طرح ہوتا ہے کہ ۲۹ ویں رات کو قرآن کا صرف اخیر جز (عم) رہ جاتا ہے۔امام صاحب شیخ عبدالعزیز بن صالح اس رات تنہا تراویح پڑھاتے ہیں۔کوئی اور نہیں پڑھاتا آخری رکعات میں (**قل اعوذ برب الناس**) سے فراغت کے بعد رکوع سے قبل ختم قرآن کی دعا ان الفاظ میں شروع کرتے تھے، ’’**صدق اللّٰہ العظیم لا الہ الااللہ المتوحد فی الجلال بکمال الجمال تعظیماً و تکبیرا المتفرد بتصریف الأحوال علی التفصیل و الاجمال تقدیرا و تدبیراً**

ان شاءاللہ کتاب کے اخیر میں حتیٰ الامکان مکمل دعا ذکر کردی جائے گی۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ موصوف بہت دیر تک کھڑے ہوکر دعا کرتے ہیں، اس قدر گریہ وزاری اور آہ وبکاہ ہوتا ہے کہ دل ہل جاتے ہیں، شعور بیدار ہو جائے، اور رحمت خداوندی کی امیدوں کے دروازے کھل جائے، کہ اس میں کثرت سے دعاء ماثورہ ہوتی ہے، جس میں دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی کی طلب ہوتی ہے، دعا کے بعد آخری بیسویں رکعت پوری کر کے سلام پھرتے ہیں، اور یہ دسواں سلام ہوتا ہے، جس کے

بعد تراویح ختم ہو جاتی ہے۔

نماز وتر شیخ علمی کے لیے چھوڑ کر ہٹ جاتے ہیں، شیخ علمی وتر پڑھاتے ہیں، دعا بھی کرتے ہیں، اور مشہور دعا قنوت پڑھتے ہیں، جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں، اللّٰھم اھدنا فیمن ھدیت ...الخ

اول شب کے اس ختم قرآن میں مرد وعورتیں، جوان بوڑھے سب آتے ہیں اور عید کی رونق ہوتی ہے، انواع واقسام کی دھونی دی جاتی ہے، نمازی ایک دوسرے کو دعا و مبارک باد دیتے ہیں نا قابل بیان منظر ہوتا ہے، اس کے بعد خدا کی رحمت کی امیدیں لئے ہوئے گھر لوٹتے ہیں۔

اخیر شب میں تہائی حصہ میں پھر ملکی غیر ملکی مرد وعورتیں، بوڑھے بچے اور جوان مسجد میں ختم قرآن میں شرکت کے لیے اُمڈ آتے ہیں۔ بہت سے لوگ خصوصاً جن کو روضہ میں جگہ مل چکی ہوتی ہے۔ اپنی جگہ سے ہلتے ہی نہیں ہیں، مسجد نبوی میں جاہ وجلال عظمت و ہیبت کا سماں ہوتا ہے، امام کا انتظار رہتا ہے، امام صاحب محراب نبوی میں کھڑے ہوتے ہیں، ابھی تین پارے (قد سمع ، تبارک ،عم) باقی ہوتے ہیں، اور معمول کے مطابق امام صاحب اور ان کے نائب باری باری پڑھاتے ہیں۔ شروع اور اخیر میں امام صاحب ہی پڑھاتے ہیں، سورہ (قل اعوذ برب الناس) پڑھ کر ختم قرآن کی دعا پڑھتے ہیں، پھر دونوں رکعات پوری کر کے سلام پھیر دیتے ہیں، پھر خود ہی امام صاحب وتر کی نماز پڑھاتے ہیں، وہ اول شب میں وتر نہیں پڑھے ہوتے۔ آخری رکعت میں دعا قنوت پڑھتے ہیں، وتر کا سلام پھیرنے کے بعد لوگ آگے بڑھ کر امام صاحب کو اور ایک دوسرے کو دعائیں، مبارکباد دیتے ہیں، اور ہر سال اس مقدس موقعہ کی آمد کی دعا اور قبولیت کی دعا کرتے ہیں۔

یہاں رک کر ہم کو مسجد نبوی میں تراویح کے تاریخی تسلسل پر ایک نظر ڈال لینی چاہیے، علماء مؤرخین اور سفر نامہ نویسوں مثلاً نابلسی، ابن جبیر، ابن بطوطہ اور عیاشی وغیرہ نے ہر چند کہ حرمین میں ختم قرآن کے عظیم جشن کا ذکر کیا ہے، جس میں شمعیں جلائی جاتی ہیں۔

انواع واقسام کے پھول لائے جاتے تھے، پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں، قصائد اور مناجات پڑھی جاتی تھیں وغیرہ وغیرہ۔

مسجد نبوی میں ختم قرآن اس وقت کے بہت لوگوں کا مقصود بن چکا ہے، کتنے ہی لوگ اس کے لیے سفر کر کے آتے ہیں، تا کہ اس مبارک مسجد اور جوار مقدس کی برکتوں اور خدائی عنایتوں سے بہرہ ور ہوں، زمان ومکان کے تقدس کے سبب اعمال کا ثواب بڑھ جاتا ہے، انہی اسباب کے پیش نظر مسجد نبوی، رمضان مبارک اور عشرہ اخیرہ میں ختم قرآن روحانیت کا مرقعہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نورانیت، جمال روحانیت، لذت اور معنویت تمام حاضرین کو اپنے دامن میں لے لیتی ہے۔

رحمتوں اور عنایتوں کے منظر کی عکاسی کرنا ممکن نہیں اور جس کو اس کی دولت ملی وہی اس کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے۔

اس بقعہ نور کی روحانیت کی تصویر کشی کیوں کر ہوسکتی ہے، خدائی عنایتوں کا اندازہ لگانا کیسے ممکن ہے؟ یہ اندازہ پیمانے کے حدود سے باہر ہے۔

رمضان میں روضہ شریف میں ختم قرآن کے موقع پر اس ذاتی احساسات اور اندرونی شعور کا تصور کوئی کیسے کر سکتا ہے۔ اس حالت میں تو احساس وشعور ہی مفقود ہو جاتا ہے۔ اس وقت تو صرف دلوں کی آہ، اور سینوں کی آواز ہی کانوں میں پڑتی ہے، اور ہاتھ پھیلائے گریہ وزاری کرنے والوں کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے قطرے نظر آتے ہیں۔

یہ منظر بیان کرنے کے قابل نہیں، ہم اس کا احساس وتصور نہیں کر سکتے، بس حافظہ میں اس کا منظر باقی رہے گا، اور تاریخ کے صفحات پر روشن ومعطر پھول ہوں گے۔

امام اپنی دعا وگریہ وزاری ختم کرتا ہے، تو ہر شخص کو دلی سکون مل چکا ہوتا ہے، مناجات کی لذت سے بہرہ ور ہوتا ہے، اس کے گناہ اس کے آنسوؤں سے دھل چکے ہوتے ہیں، اور اس قدر فرحت وشادمانی اور سکون وراحت کا احساس ہوتا ہے، جو اس پر چھا جاتا ہے، یہ اس جگہ کے جلال، جوار مقدس کے شرف اور اس مکان کی فضیلت کا کرشمہ ہے،

انسان اپنے ذہن میں چودہ صدیوں کی تاریخ الٹتا ہے، شاندار روشن ماضی، قوت وطاقت کا سربستہ راز اور اس روحانیت کا سرچشمہ دیکھتا ہے، جہاں حضرت جبریل کی آمد ہوتی تھی، یہ سب ایک سرسری طور پر ہو جاتا ہے، پھر امام وتر پڑھاتے ہیں، دعا قنوت پڑھتے ہیں، وتر مکمل کر کے سلام پھیرتے ہیں، پھر ایک دوسرے کو نیک تمنائیں، دعائیں اور مبارک باد دیتے ہیں، مقبولیت کی دعا کرتے ہیں۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے ساتھ جہنم سے رہا ہونے والوں میں شامل فرمالے۔آمین

دعاء ختم قرآن:

اس دور میں مسجد نبوی میں ختم قرآن کے موقعہ پر کیا دعا پڑھی جاتی ہے؟

ظاہر ہے کہ اس باب میں کوئی مخصوص دعا حضور ﷺ سے منقول نہیں، کیوں کہ حضور ﷺ نے جن راتوں میں تراویح پڑھی، ان میں پورا قرآن نہیں پڑھا تھا۔لہٰذا کوئی خاص دعا منقول نہیں۔

لیکن جیسا کہ ابن دقیق العید کہتے ہیں: جو چیز اپنی اصل کے لحاظ سے مشروع ہو وہ وصف کے ساتھ جائز ہے، یعنی اصلاً دعا مشروع ہے، کہ یہ عبادت کی بنیاد ہے۔فرمان باری ہے: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ

کہا تیرے رب نے پکارو مجھے میں قبول کروں گا تم کو۔

حضور ﷺ نے سجدہ میں خوب دعا کرنے کی ترغیب دی، آیت یا حدیث میں دعا کی کوئی تحدید وتعیین نہیں، اس لیے دعا میں اصل وضابطہ یہی ہے کہ عام ومطلق کوئی بھی دعا مانگی جائے، البتہ کچھ دعائیں صراحتاً منقول ہیں، مثلاً دعاء قنوت، دعاء تشہد اور نماز کے آغاز کی دعا نیز مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعائیں وغیرہ۔اس طرح کے موقع پر دعا ماثورہ ہی پڑھنی چاہیے۔

ان کے علاوہ دوسرے مواقع پر عام دعا ہوگی، آدمی حتی الامکان خوب جی لگا کر جو

آئے دعا کرے، جیسا کہ حضور ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع پر کیا تھا۔

ختم قرآن کا یہ عمل بھی خوب دعا کرنے کا موقع ہے، گزر چکا ہے کہ حضرت انسؓ اہل خانہ کو جمع کر کے دعا کرتے تھے، کوئی معین نص نہیں ملی، جیسا کہ آپ کا یہ عمومی لفظ گزر چکا ہے کہ ''اس کے لیے ایک مقبول دعا ہے'' یعنی ختم قرآن اور فرض نماز کے بعد، اس پر بحث چکی ہے ۔

اس وجہ سے کسی بھی معین ومخصوص دعا کی پابندی نہ کر کے اپنی ضرورت وحاجت کے اظہار کی دعائیں مانگیں، خواہ ماثور ہو یا غیر ماثور۔ بتایا جا چکا ہے کہ ختم قرآن میں دعا کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں امام احمدؒ نے فرمایا کہ جو چاہے دعا کرو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے ختم قرآن کی دعائیں منسوب ہیں، یہ نہ تو بہت طویل ہیں نہ بہت مختصر، حرمین شریفین میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

بسم الله الرحمٰن الرحيم وبه نستعين صدق الله العظيم الذى لا اله الا هو المتوحد فى الجلال بكما ل الجمال تعظيماً و تبكيرا ًالمنفرد بتصريف الاحوا ل علىٰ التفصيل والاجمال تقديراً و تدبيرا المتعا ل بعظمته ومجده الذى نزل الفرقا ن على عبد ه ليكون للعا لمين نذيراًوصدق رسول الله ﷺ تسليما ًكثيراالذى ارسله الىٰ جميع الثقلين : الجن الانس بشيراًو نذيراً و دا عيا الىٰ الله باذنه و سرا جا ًمنيرا اللّٰهم لک الحمد علىٰ ما انعمت به علينا من نعمک العظيمة و الآئک حيث أنزلت علينا خير كتا بک و أرسلت علينا أفضل رسلک و شرعت لنا أفضل شرائع دينک و جعلتنا من خير أمة اخرجت للنا س و هديتنا لمعا لم دينک الذى ارتضيته لنبيک و بنيته علىٰ خمس : شها دة أن لا اله الاالله و أن محمداً رسول الله و اقام الصلاة و ايتا ء الزكاه و صوم رمضا ن و حج بيت اللهالحرا م.

ولک الحمد علیٰ ما یسرته من صیا م شهر رمضا ن و قیا مه و تلاوة کتا بک العزیز الذی ﴿ لَا یَأْتِیهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِیلٌ مِنْ حَکِیمٍ حَمِیدٍ ﴾ اللّٰهم صل علی محمد و علیٰ وآل محمد کما صلیت علی ابراهیم انک حمید مجید .اللّٰهم انا عبیدک، بنو عبیدک، بنو امائک نوا صینا بیدک ماض فینا حکمک عدل فینا قضا ؤک نسلک الله بکل اسم هو لک سمیت به نفسک أو انزلته فی کتا بک أو علمته أحدا من خلقک أو استا ثرت به علم الغیب عندک أن تجعل القرآن العظیم ربیع قلو بنا و نور صدورنا وجلا ء احزا ننا و ذها ب همومنا و غمومنا اللّهم ذکرنا منه ما نسینا و علمنا منه ما جهلنا وارزقنا تلا وته آنا ء اللیل و أطرا ف النها ر علی الوجه الذی یرضیک عنا اللّٰهم اجعلنا ممن یحل حلا له ویحرم حرا مه و یعمل بمحکمه و یو من بمتشا بهه و یتلو حق تلا وته اللّهم اجلعنا ممن یقیم حدو د ه ولا تجعلنا ممن یقیم حروفه و یضیع حدود ه اللّٰهم اجعلنا ممن اتبع القرآن فقاده الیٰ رضوا نک و الجنة ولا تجعلنا ممن اتبعه القرآن فزج فی قفاه الیٰ النار و اجعلنا من أهل القرآن الذین هم أهلک وخا صتک یا أرحم الرا حمین !اللّهم ا غفر المؤمنین والمؤمنا ت والمسلمین و المسلما ت وألف بین قلوبهم وأصلح ذات بینهم ،انصر هم علیٰ عدوک و عدوهم واهدهم سبل السلام وأخرجهم الظلما ت الَی النور با رک لهم فی أسما عهم و أبصا رهم و ذریا تهم و أزواجهم أبداً ما أبقیتهم واجعلهم شا کرین لنعمک مثنین بها علیک واتمها علیهم برحمتک یا أرحم الراحمین !اللّٰهم اغفر لی ولجمیع موتی المو منین الذین شهدوا لک با لوحدا نیة و لنبیک با لرسا لة وما تو ا علیٰ ذٰلک اللّهم اغفر لهم و ارحمهم و عا فهم واعف عنهم وأکرم نزلهم

ووسع مد خلهم و اغسلهم با لما ء و الثلج و البر د و نقّهم من الذنو ب و الخطا يا كما ينقى الثو ب الا بيض من الدنس ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَئُوْفٌ رَحِيْمٌ﴾ اللّٰهم انا نسألک من الخير كله عا جله و آجله ما علمنا منه و ما لم نعلم ،ونعوذبک ونسألک من خير ما سألک منه عبد ک و رسولک محمد ﷺ و عبا دک الصا لحون . و نعو ذ بک من شر ما استعا ذمنه عبدک ورسولک محمد ﷺ وعبا دک الصالحون .

اللّٰهم ان نسألک الجنة وما قرب اليها من قول أو عمل و نسألک رضاک و الجنة و نعوذبک من سخطک و النا ر اللّٰهم لا تد ع لنا ذنبا الا غفرته ولا هماًالا فرجته ولا ديناًالاقضيته ولا مريضا الا شفيته ولا حا جة هى لک رضا ولنا فيهاصلا ح الاقضيتها يا أرحم الرا حمين ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ﴾ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْهَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِيْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ﴾ ﴿مَنْ يَقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ ﴿سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ و صلى الله علىٰ خير خلقه محمد و علىٰ آله و صحبه و سلم .

یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے منسوب دعا ختم قرآن ہے، لیکن امام شیخ عبدالعزیز بن صالح حسب موقع اس میں کچھ جملوں کا اضافہ کرتے تھے، مثلاً:

اللّٰھم لا تجعل فینا ولا منا ولا معنا شقیاً و لا محروماً
اللّٰھم انک أمرتنا بالدعا ووعدتنا با الا جا بة فلا ترد نا خائبین
اللّٰھم اجعلنا من عتقا ئک من النا ر و من المقبو لین
اللّٰھم ان رحمتک اوسع من ذنوبنا و عفو ک أوسع من خطایا نا
اللّٰھم ھب المسیئین منا للمحسنین
اللّٰھم أنت الغنی عنا و نحن الفقرا ء الیک

اس کے علاوہ اور دوسرے الفاظ جن سے دل میں حرکت پیدا ہوتی ہے، اور روح میں جنبش پیدا ہوتی ہے، اور اخیر میں یہ پڑھتے تھے ﴿سُبۡحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ○ وَسَلَامٌ عَلٰی الۡمُرۡسَلِیۡنَ ○ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ﴾ و صلی علیٰ نبینا محمد و علیٰ آله و صحبه و سلم .

پھر رکوع میں جاتے اور یہ دو رکعت پوری کرتے، پھر دو رکعت پڑھ کر ایک رکعات وتر ادا کرتے پھر الگ سے کوئی اور ختم قرآن نہیں ہوتا، کیوں کہ امام ایک ہیں الگ الگ جماعتیں نہیں ہوتیں۔ ایک ہی جماعت میں ایک امام سب کو پڑھاتا اور وہ شیخ عبدالعزیز بن صالح ہیں۔

مسئلہ امامت ووتر

یہ مسئلہ اصل موضوع سے خارج ہے لیکن چونکہ مسجد نبوی میں ایک امام کے پیچھے ختم قرآن کے باوجود وتر کی نماز الگ الگ ہوتی ہے یعنی سعودی دور آنے کے بعد تعداد ائمہ کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے، لیکن احناف اب بھی وتر کی نماز، پیش امام سے الگ ہو کر ادا کرتے ہیں۔ اس کے پیش نظر ہمارے لیے دو سوال کھڑے ہوتے ہیں۔

دو سوال:

سوال اول: زمانہ قدیم میں ہر مذہب کا الگ الگ امام ہوا کرتا تھا، پھر سب کو ختم کر کے ایک امام مقرر کر دیا گیا، ایسا کیوں ہوا؟ پھر وہ امام کس مذہب کا مقرر ہوا؟ ہم

اشارتاً بتا چکے ہیں کہ سارے ائمہ کا ماخذ ایک ہے کتاب اللہ وسنت نبویہ۔

سوال دوم : کیا وجہ ہے کہ احناف حضرات فرض نماز تراویح، اور تہجد، یہ سب تو امام کے ساتھ پڑھتے ہیں لیکن وتر تنہا پڑھتے ہیں؟

یہی دونوں سوال ہمارے سامنے آتے ہیں ان کا جواب دیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ہمارا جواب کوئی حتمی فیصلہ کی شکل میں نہ ہوگا بلکہ ماضی کے تجزیہ وتحلیل اور حاضر سے استنباط کی شکل میں ہوگا، فیصلہ قارئین کے ہاتھ میں ہے۔ کیوں کہ یہ کتاب ہی تاریخی وفقہی تجزیہ کے انداز پر لکھی گئی ہے ان دونوں موضوعات کو مصنفین نے اپنی کتابوں میں ضمناً چھیڑا اور لکھا ہے، اور بعض حضرات نے اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، جیسا کہ ذکر آئے گا یہاں انہی دونوں سوالوں کا جواب دینے کی حد تک حتی الامکان سعی کریں گے۔

پہلا سوال یہ تھا کہ امام ایک ہی کیوں مقرر ہے؟ اس میں اختلاف نہیں کرنا چاہئے، اور نہ ہی اس کے اسباب پوچھنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ تمام نمازوں میں اصل یہی ہے، جو چیز اپنی اصل پر قائم ہوتی ہے، اس کی وجہ دریافت نہیں کی جاتی، ہاں خلاف اصل کی چیز کی وجہ معلوم کی جاتی ہے، سوال تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ مسجد نبوی میں الگ الگ ائمہ کے پیچھے الگ الگ جماعتیں کیوں ہوتی تھیں، کیوں کہ یہی خلاف اصل ہے، یعنی اس دور سے قبل ایسا کیوں ہوا؟ لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات گزر چکی اب اس میں قیل وقال کی ضرورت نہیں رہی۔

دین کا ایک بدیہی امر یہ ہے کہ اتحاد امت دین کا اہم مقصد ہے، پھر نماز جیسے کام میں اس اتحاد کا نظارہ اور زیادہ اہم ہے جس میں صفوں میں برابری ہوتی ہے، ایک طرف سے ادائیگی ہوتی ہے چھوٹا بڑا ذلیل، امیر فقیر مالدار سب پہلو بہ پہلو ایک ساتھ کھڑے ہوتے ہیں، اس کے خلاف ہر چیز کو صف اتحاد میں دراڑ پیدا کرنا شمار کیا جاتا ہے، خصوصاً مسجد نبوی میں جس اتحاد کا سرچشمہ، امت کا قلعہ اور مرکزی نمونہ تصور کیا جاتا ہے۔

ساتویں صدی ہجری تک مسجد نبوی میں ایک ہی امام ہوا کرتے تھے، صرف تراویح کی نمازیں پہلی صدی ہی میں متعدد ائمہ کا ثبوت ملتا ہے لیکن اس کا سبب متعدد مذاہب کا وجود

نہیں ؛ بلکہ نمازی اچھے قاری کے پیچھے پڑھنے کی خاطر ایسا کرتے تھے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ چیز ناگوار ہوئی، اور انہوں نے سب کو ایک امام حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے لگا دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس کو ختم کر کے تمام قراء کو جمع کیا، ہر ایک کی قرأت سنی، سب سے تیز رفتاری سے پڑھنے والے کے لیے پچاس آیات، اور سب سے کم رفتار سے پڑھنے والے کے لیے تیس آیتیں مقرر کردیں....الخ

اس طرح تراویح کے لئے چند ائمہ ہو گئے لیکن سب الگ الگ جماعت نہیں کرتے تھے، اور نہ وتر الگ الگ پڑھتے تھے، بلکہ ایک ہی جماعت کو باری باری سب پڑھاتے تھے، جیسا کہ حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے عہد میں ذکر آچکا ہے، ایک نماز الگ الگ جماعت کے ساتھ پڑھنے کا ثبوت ساتویں صدی ہجری ہی سے ہے جیسا کہ بتایا جاچکا ہے۔ تعدد ائمہ کا یہ ایک تاریخی تجزیہ ہے، اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اسلاف میں سے کسی نے جماعت الگ الگ کی، جس کی اتباع ہو سکے، البتہ کچھ لوگ انفرادی طور پر تراویح یا وتر میں الگ الگ پڑھتے تھے، جو افضلیت وغیرہ میں اختلاف کا نتیجہ تھا۔

فقہی لحاظ سے:

تمام مذاہب میں تصریح ہے کہ قابل امامت کے پیچھے نماز درست ہے گو کہ وہ دوسرے مذہب کا ہو، یا مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب میں یہ شرط نہیں کہ نماز کے لئے امام کا مقتدی کے مذہب پر ہونا ضروری ہے، بلکہ ان کے دور میں ہر ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتا تھا۔

امام ابو یوسف تلمیذ امام ابو حنیفہ، امام مالک سے ملنے آئے تو ان کے پیچھے نماز پڑھی، اختلاف نہیں کیا، اسی طرح امام شافعی کی ملاقات امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد سے ہوئی، اور ہر ایک نے دوسرے کے پیچھے نماز پڑھی، کوئی اختلاف نہیں ہوا، امام احمد نے امام شافعی کے پیچھے نماز پڑھی، کوئی اختلاف نہیں ہوا، اسی طرح سات صدیوں سے زیادہ عرصہ خود مدینہ میں گزرا، اختلاف مسلک کی بنیاد پر کسی امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے

کسی نے گریز نہیں کیا، حالاں کہ بشمول مذاہب اربعہ دنیا کے اطراف واکناف کے حجاج کرام آتے رہتے تھے۔

لہٰذا ایک امام کا ہونا سلف کا عمل اور اصل کی پابندی ہے۔اس میں مسلمانوں کی صف بندی واتحاد کا اہم مقصد پورا ہوتا ہے، اور خود تمام مذاہب کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔

یہ تو عام نمازوں یعنی پنجگانہ اور تراویح کی بات ہے۔ رہا یہ سوال کہ کس مذہب کا امام مقرر ہو، تو ظاہر ہے کہ وہ امام احمد کے مسلک پر تھا۔

اس سلسلہ میں امام احمد کے مسلک کا انتخاب ایک فطری امر ہے، اس لیے کہ امام مقرر کرنے کا مقصد کسی اور مسلک کے انتخاب سے پورا نہیں ہوتا، کیوں کہ اس وقت پورے سعودیہ میں یہی مسلک رائج تھا، سارے سعودیہ میں تو حنبلی امام ہو، اور حجاز خصوصاً مسجد نبوی میں کسی دوسرے مسلک کا امام ہو، ایسا عملاً ممکن نہ تھا۔لہٰذا خاص حنبلی امام مقرر کرنا ایک فطری امر ہونے کے ساتھ، مسلمانوں میں اتحاد اور حرم نبوی میں ایک امام کی تقرری کی مصلحت کی تکمیل کرنے والا ہے۔

اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ صرف حنبلی المسلک امام منتخب نہ ہوئے بلکہ دوسرے مسالک سے وابستہ حضرات کو بھی مسجد نبوی کی امامت کے لیے منتخب کیا گیا، ان کو پنجگانہ نمازوں میں کوئی نماز پڑھانے کا موقع دیا گیا۔جس کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے۔ مثلاً عہد سعودی سے قبل شیخ محمد خلیل ائمہ شافعیہ میں سے تھے، ان کو نماز ظہر پڑھانے کی ذمہ داری دی گئی۔

عہد سعودی سے قبل شیخ مولود ائمہ مالکیہ میں سے تھے، ان کو عصر پڑھانے کیلئے مقرر کیا گیا، عہد سعودی سے قبل شیخ اسعد ائمہ احناف میں سے تھے، ان کو نماز عشاء پڑھانے کی ذمہ داری دی گئی۔

فجر ومغرب کی نماز کی ذمہ داری شیخ عبد الرزاق حمزہ کو دی گئی، جو علمائے اہل حدیث میں سے تھے، ان کے لیے شیخ تقی الدین ہلالی (جو خود علمائے اہل حدیث میں سے

تھے)اور شیخ محمد عبداللہ (جو مالکی تھے) کو معاون مقرر کیا گیا ،عہد سعودی میں مسجد نبوی کی امامت کے تاریخی حقائق واضح طور پر بتاتے ہیں کہ حنابلہ کے مسلک کا انتخاب دوسرے مذاہب والوں کی امامت سے مانع نہ تھا ،اور اسی میں ملکی اتحاد کو بروئے کار لانا تھا۔

ہم نے اس حقیقی واقعی حالت کا یہ تجزیہ ،موضوع کے ایک جز کی طرف پیش کیا ہے ، یعنی تراویح میں کیا تبدیلی ہوئی ، اور اس دور میں مسجد نبوی کی تراویح میں کیا انقلابات آئے بیان کر دیا گیا۔اگر سیاق کا تقاضا نہ ہوتا تو ہم اس سوال کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہ کرتے ،تاہم اس صورت و کیفیت کا بیان ہے ،جیسا کہ تعداد اور ہیئت کا بیان آچکا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب:

یعنی اس دور میں تعدد جماعت کا سلسلہ ختم ہونے کے باوجود احناف وتر علاحدہ کیوں ادا کرتے ہیں ،ظاہر ہے کہ پہلے سے اس کا سلسلہ چلا آرہا ہے ، ہمارے علم کے مطابق بارہویں صدی ہجری سے ہوتا آرہا ہے ،جیسا کہ سمہودی نے ''وفاء الوفاء ''میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انھوں اس قت یہ دیکھا تھا۔

ان کی کتاب میں ہے کہ انہوں نے احناف کو اس اختلاف سے بچنے اور اتحاد کو قائم رکھنے کے لیے ایک مشورہ دیا تھا ،انہوں نے کہا: چنانچہ انہوں نے ایک زمانہ تک میرے مشورہ پر عمل کیا پھر جذبات نفس پر مجبور ہو کر انہوں نے سابقہ معمول اختیار کر لیا۔

سمہودی نے ایک رسالہ ''مصابیح الظلام فی قیام شھر رمضان ''کے نام سے لکھا ہے ، تلاش کے باوجود مجھے نہیں مل سکا ،اس لیے یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کا مشورہ کیا تھا ،اور کب تک اس پر عمل رہا۔

یہاں فقہی طور پر اس مسئلہ کا تجزیہ اور مذاہب اربعہ بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ حنفیہ اور مذاہب ثلاثہ کے مابین موازنہ وترجیح نہیں کر سکتے کہ یہ دیر طلب کام ہے جو ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

لیکن اس کو بالکلیہ نظر انداز کر دیا جائے ،ایسا بھی نہیں ہو سکتا ،لہٰذا اجمالی طور

پر قارئین کے لئے ضروری اسباب کی نشاندہی کردینا چاہیے، تاکہ احناف کے الگ وتر پڑھنے کے اسباب کا علم ان کو بھی ہو جائے۔

اس کا سبب وتر کی احادیث کے بارے میں ان کے مفہوم، منطوق، ثبوت، درجۂ صحت اور ان میں ترجیح کے لحاظ سے اسی طرح وتر کی شکل، اس کی تعداد کیفیت اور صورت میں نقطۂ نظر کا اختلاف ہے، ان تمام اختلافات کا محور حسب ذیل نقاط ہیں:

اولاً ﴿**حکم وتر**﴾ احناف کے نزدیک وتر واجب ہے، جمہور کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔

لہٰذا احناف کے نزدیک اس میں احتیاط ہوگی، یہ معلوم ہونا چاہئے کہ حنفیہ کے یہاں واجب جمہور کے نزدیک واجب سے الگ اصطلاح ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ واجب: فرض سے نیچے اور سنت سے اوپر کا درجہ ہے، لہٰذا وتر کے لیے اذان نہ ہوگی، اس کے منکر کو کافر نہ کہیں گے، اس لیے کہ اس کا ثبوت قطعی دلیل سے نہیں۔

دوم: ﴿**تعداد رکعات**﴾ احناف کے یہاں تین رکعت یا اس سے زیادہ ہے، کم نہیں، جمہور کے نزدیک ایک رکعت وتر صحیح ہے تاہم سب کا اتفاق ہے کہ وتر کی آخری حد تیرہ رکعات ہے جس کی چند صورتیں ہیں۔ اس پر احناف کے نزدیک وتر ایک ساتھ ایک سلام سے واجبی طور سے ادا کرنا مبنی ہے۔

سوم: ﴿**کیفیت نماز وتر**﴾ اگر تین رکعات پڑھنا ہے، تو احناف کہتے ہیں کہ تینوں رکعات کو ایک ساتھ، ایک تکبیر تحریمہ اور ایک سلام ہوگا۔ بیچ میں ایک تشہد ہوگا، ٹھیک مغرب کی طرح ادا ہوگی، جب کہ جمہور کہتے ہیں کہ الگ الگ ان کو ادا کرے۔ پہلے دو رکعات پر سلام پھیر دے، پھر ایک رکعات الگ سے پڑھ کر سلام پھیرے۔

چہارم ﴿**وتر میں قنوت**﴾ احناف کے یہاں رکوع سے قبل قنوت ہے، دعاء قنوت آہستہ آواز سے پڑھے، قرأت مکمل کر کے دعاء قنوت شروع کرنے کے لیے تکبیر کہے گا تاکہ لوگوں کو اس کا علم ہو جائے، جب کہ حنابلہ وشافعیہ رکوع کے بعد قنوت کے قائل ہیں، اور

یہ دعا قنوت جہراً پڑھتے ہیں۔انہی اختلاف اور اعتبارات کے سبب مسجد نبوی میں نماز وتر کے مسئلہ میں احناف کا جمہور کے ساتھ ماضی اور حال میں اختلاف رہا ہے۔لہٰذا احناف امام کے ساتھ فرض نماز اور تراویح پڑھتے ہیں کیوں کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں ،البتہ وتر الگ پڑھتے ہیں،تا کہ ان کے مسلک کی رعایت ہوسکے یہ چیز فقہی لحاظ سے جائز ہوسکتی ہے،لیکن عملی طور پر اس انداز سے اس کی ادائیگی باعث سوال اور قابل توجہ ہے،یاد رہے کہ احناف کے یہاں ایسی نصوص موجود ہیں، جو ان کے دوسروں کے ساتھ اختلاف کو ختم کرسکتی ہیں، مسلک حنفی میں ابن وھبان کے قصیدہ میں یہ موجود ہے:

”لو حنفي قام خلف مسلم لشفع ولم يتبع و تم فموتر“

یعنی حنفی کسی مسلمان کے پیچھے (خواہ کسی مسلک کا ہو) نماز وتر کے لیے کھڑا ہوکر تین رکعات وتر پوری کرلے،تو اس کی نماز ہوگئی۔

صاحب فتح القدیر علی شرح الھدایۃ نے ابوبکر راضی کے حوالہ سے اس کی تفصیل یوں لکھی ہے:اگر کوئی حنفی غیر حنفی کے پیچھے وتر پڑھے اور امام نے دوسری رکعات پر سلام پھیر دیا تو اس حنفی مقتدی کو دو امور کا اختیار ہے:

۱۔وہ سلام نہ پھیرے اور امام کے ساتھ تیسری رکعات کے لئے کھڑا ہو جائے۔ کیوں کہ محل اجتہاد ہونے کے سبب امام کے سلام پھیرنے سے اس کی نماز ختم نہ ہوگی۔

۲۔دو رکعات پر سلام پھیرنے کے بعد وہ اپنے امام سے الگ ہوکر اپنی نماز پوری کرے۔

بہر کیف اگر ان صورتوں پر عمل ہو تو اختلاف ختم ہوسکتا ہے،اور ہر ایک اپنے مسلک پر باقی رہے گا،دوبارہ یاد دلادیں کہ یہاں مسلکی انداز پر اس مسئلہ کا تجزیہ نہیں کیا جارہا ہے،کہ اس کی نصوص بکثرت ہیں،مسئلہ مشہور ہے،ہاں مسجد نبوی میں جو چیز قابل توجہ اور گراں معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مسجد نبوی میں ایک عبادت کی ادائیگی کے لیے مسلمانوں کے طریقہ ادا میں ظاہری اختلاف ہے،حالاں کہ اس اختلاف سے بچنے کی گنجائش ہے،

خصوصاً جب کہ ایسا کرنے میں عام آدمی کے لیے ممنوع میں پڑنے کا اندیشہ ہے، جو پیش امام کے ساتھ وتر پڑھنے کے بعد احناف کو جماعت کے ساتھ وتر پڑھتے ہوئے دیکھتا ہے، تو یہ سمجھ کر کہ نفل پڑھ رہے ہیں، شریک ہو جاتا ہے، اور ان کے ساتھ دوبارہ وتر پڑھ لیتا ہے، اور لاعلمی میں دوبارہ وتر ادا کر دیتا ہے، حالاں کہ حدیث ''ایک رات میں دو وتر نہیں'' میں صراحتاً اس سے ممانعت ہے۔

احناف کی کتابوں میں اس مسئلہ کو دوبارہ دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ غیر رمضان میں وتر انفرادی طور پر ادا کرنا احناف کے نزدیک افضل ہے، اور رمضان میں مسجد میں باجماعت وتر کی ادائیگی کی افضلیت میں احناف کے یہاں اختلاف ہے۔

چنانچہ مراقی الفلاح میں: ''رمضان میں باجماعت وتر کی ادائیگی اخیر شب میں اکیلے پڑھنے سے افضل ہے، یہ قاضی خاں کا مختار قول ہے، دوسروں نے اس کے برخلاف کو راجح کہا ہے، اور شرح مراقی الفلاح میں ہے: ہمارے علماء کے یہاں مختار یہ ہے کہ گھر آ کر وتر پڑھے۔ جماعت سے نہ پڑھے'' اس کے بعد مصنف ابوبکر راضی کی سابقہ عبارت نقل کی ہے کہ کسی بھی مسلمان کے پیچھے وتر کی نماز درست ہے اور وہ اپنی نماز پوری کر لے، یا امام کے ساتھ ادا کرے اختیار ہے۔

اس عہد کے آغاز میں شیخ سلیمان عمری نے اس مسئلہ پر بحث کی تھی، موصوف اس وقت مدینہ کے قاضی مسجد نبوی کے دروس کے نگراں اور صدر المدرسین تھے، مسجد نبوی میں تمام مذاہب کے ماننے والے درس دیتے تھے، موصوف نے اس موضوع پر مستقل رسالہ لکھا، اور تمام مدرسین کو دعوت دی کہ وتر ایک جماعت میں ادا کی جائے، اور احناف کی مختلف کتابوں کے حوالے سے اقتباسات نقل کیے، اور تمام مدرسین سے کہا کہ اگر صحیح ہے تو اس کی توثیق کریں، اور غلط ہے تو تردید کریں۔

تمام مدرسین نے اس کی توثیق کی، اور اس پر عمل واجب قرار دیا، ان میں احناف بھی تھے، بلکہ اس رسالہ کی تالیف کے وقت ان میں سے بعض حضرات موجود ہیں۔

مرحوم کے رسالہ کے افتتاحی کلمات:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی دل عباده علی طریق الهدیٰ و زجر هم عن أسباب التهلكة و الردی أوجب علیهم متابعة النبی المصطفی و صلی الله علی من بعثه بالدین القویم،و الصراط المستقیم نبینا محمد و آله أصحابه أجمعین.

از سلیمان بن عبد الرحمٰن عمری بنام برادران مشائخ عظام ،متبعین ائمہ اعلام: احناف، مالکیہ،شافعیہ مدرسین حرم نبوی علیٰ صاحبه افضل الصلاة والسلام.

السلام علیکم و رحمة الله و برکاته! اللہ مجھے اور آپ کو اپنے علم پر عمل کی توفیق دے۔آپ کو علماء کا یہ فرض معلوم ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی واقعہ پیش آئے ،یا کسی چیز کا شرعی حکم دریافت کیا جائے ،تو کتاب وسنت صحیحہ اور صحابۂ کرام اور ان کے بعد کے صدر اول کے عمل کو سامنے رکھیں ۔جو اس کے موافق ہو اس کا حکم اور اجازت دیں،اور اس کے خلاف سے روکیں،اور منع کریں۔

یہ طے ہے،لیکن میں مسجد نبوی میں ایسی چیز دیکھتا ہوں جو خاص طور سے مسجد رسول ﷺ میں نہیں ہونی چاہیے۔وہ یہ کہ امام ابو حنیفہ کے بعض متبعین،امام صاحب سے الگ ہوکر تراویح کے بعد وتر ادا کرتے ہیں، جو غلط ہے،امام ابو حنیفہ سے اس کا قطعاً ثبوت نہیں، یہ اتحاد واتفاق قائم کرنے کے خدائی اختیار کے خلاف ہے،رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہے، صحابہ،تابعین اور ان کے بعد صدر اول کے معمول کے خلاف ہے،آٹھ سال سے میں منتظر رہا تھا کہ شاید کوئی صاحب میرے بجائے یہ کام کر دیں، اور میں ان کے پیچھے رہوں، لیکن اس دور میں اس مسئلہ پر بحث کرنے کی توفیق نہیں ہوئی ،اور نہ اس سے پہلے اور بعد میں علماء نے اس پر بحث کی ،جیسا کہ انشاءاللہ آئے گا۔لہٰذا میں اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی اور کم علمی کے باوجود کتاب وسنت میں اتباع کا حکم ،اختلاف وتفریق سے اجتناب کے متعلق جو نصوص

ہیں ان کو ذکر کر دوں، اسی طرح صحابہ کرام، ان کے بعد حضرات ائمہ کرام اور ان کے بعد کے علماء کے اقوال پیش کروں، اگر میری گزارشات درست ہیں تو الحمد للہ اور آپ اس کی تائید کریں، ورنہ تنبیہ کر دیں، اس لیے کہ حق ہی اتباع کے قابل ولازم ہے، عام لوگ علماء کے اقوال اور فیصلوں کے تابع ہوتے ہیں، اللہ ہمیں اور آپ کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق دے، آمین۔ اب ہم اللہ کی مدد کے ساتھ اصل مقصد کا آغاز کرتے ہیں۔

اس کے بعد مرحوم نے وجوب اتباع واجتماع، اور تفریق وابتداع کی ممانعت والی آیات واحادیث ذکر کیں، پھر زیر بحث موضوع وتر میں اختلاف کے اسباب کی توجیہ کی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو تمام نمازیوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کر دیا تھا، اس کا ذکر کیا۔

اس کے بعد خاص طور سے وتر میں سلف کی ایک دوسرے کی اقتداء کے بارے میں اقوال وافعال کا تذکرہ کیا، مثلاً صاحب الہدایہ (جز اول) کی یہ عبارت نقل کی ہے: ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعی کی اقتداء جائز ہے، اور وتر میں دعا قنوت پڑھنے میں اس کی اتباع کرے گا.... الخ

اسی طرح شیخ محمد عبدالحی لکھنوی کا ان کے حاشیہ سے ایک طویل اقتباس نقل کیا، نیز شیخ طیب بن ابوبکر عربی حضرمی شافعی، شارح ہدایہ شیخ کمال الدین ہمام اور شیخ ملا علی قاری کا کلام نقل کیا، اور مخالف مسلک کی اقتداء کے بارے میں شیخ علامہ محی الدین بن یوسف رومی حنفی کے رسالہ کا حوالہ دیا ہے..... الخ۔

حنفی کا شافعی کی اقتداء کے مسئلہ میں تاج الفضلاء معروف بہ امیر شاہ حنفی کے رسالہ کا اقتباس درج کیا۔

مفتی حرم شریف شیخ محمد عبدالعظیم کے رسالہ ''**القول السدید فی الاجتهاد والتقلید**'' کا اقتباس نقل کیا، اور اس موضوع پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے چیدہ چیدہ اقتباسات ہیں۔

اخیر میں شیخ سلیمان نے اس موضوع پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا مکمل رسالہ نقل کیا

ہے کیوں کہ اس میں اس موضوع کے دلائل اوراس پر سیر حاصل بحث ہے،اور موصوف نے کہا: میں نے یہ رسالہ فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی دوسری جلد میں دیکھا ہے۔

ان سب کو ذکر کرنے کے بعد علماء کی تقریرات درج کی ہیں ہم ان میں سے سب سے مختصر تقریر جو شیخ طیب تنبکتی انصاری کی ہے۔حرف بحرف نقل کررہے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ ! میں نے اپنے دوست صدر المدسین قاضی شیخ سلیمان عمری کا رسالہ دیکھا،تو یہ محسوس ہوا کہ یہی حق ہے اس سے عدول صرف وہی کرسکتا ہے جو اجماع کا مخالف ہو۔

اس کے بعد درجہ ذیل حضرات کی تقاریر درج ہیں:

شیخ صالح تونسی،عبدالرؤف عبدالباقی شافعی،شیخ احمد بساطی،شیخ محمد عبداللہ مدنی تنبکتی مالکی،شیخ محمد یوسف.....شیخ محمد مصطفیٰ بن امام علوی شنقیطی،شیخ سید قاسم اندیجانی حنفی شیخ احمد رشید احمد،شیخ محمد فوزی باطوی حنفی،شیخ عبدالجلیل عبداللہ حنفی۔

ان تمام حضرات نے شیخ سے اتفاق رائے رکھتے ہوئے وتر کی نماز کے لئے ایک جماعت ہونا واجب قرار دیا،کیوں مذہب احناف میں خصوصاً وتر میں غیر حنفی کی اقتداء جائز ہے،اوراس طرح سے امت میں اتحاد پیدا ہوگا،جیسا کہ یہی حکم الٰہی ہے۔

اس تاریخی تجزیہ کے خاتمہ پر ہم قارئین کو روک کر یہ سوال کرنا چاہتے ہیں،کیا اس ہزار سال سے زائد طویل تاریخ میں روز اول سے اب تک مسجد نبوی میں آٹھ رکعات پر اقتصار کیا گیا،یا بیس رکعات سے کم تراویح پڑھی گئی؟ یا یہ کہ ان چودہ صدیوں میں تراویح چالیس رکعات ہی رہی؟ کیا اہل مدینہ یا سابقین اولین میں سے کسی ایک فرد کو کہتے ہوئے سنا گیا کہ آٹھ رکعات سے زائد پڑھنا ناجائز ہے،کیوں حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے آٹھ رکعات سے زائد نہیں پڑھا...الخ۔

یا ان حضرات نے قیام رمضان کی مطلق نصوص کے عموم سے جس میں تحدید نہیں، اور خاص طور پر رمضان اور بالاخص عشرہ اخیرہ عبادت میں جدو جہد کرنے کی نصوص سے سمجھا

ہے کہ رمضان کو دوسرے مہینوں پر اور عشرہ اخیرہ کو بقیہ ایام پر خصوصیت حاصل ہے؟ اور انہوں نے حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کے اس وقت کے عمل کو اختیار کیا، جب کہ صحابہ کی ایک جماعت موجود تھی، جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو دیکھا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہم عصر ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نماز کے بارے میں ان کو علم تھا، انھیں یہ معلوم تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکتب کے بچوں کو بلوا کر تراویح میں قرآن پڑھواتی تھیں تو کیا حضرت عائشہؓ نے آٹھ رکعات یا کسی اور کی تصریح کی ہے؟

جب چودہ صدی کے طویل عرصہ میں کوئی یہ کہنے والا نہیں ملتا کہ آٹھ رکعات سے زیادہ پڑھنا ناجائز ہے، اور اس طویل عرصہ میں مسجد نبوی میں باجماعت صرف آٹھ رکعات تراویح پڑھنے والا بھی کوئی نہیں ملتا تو ان حضرات سے جو آٹھ رکعات پر اضافہ ناجائز کہتے ہیں، یہی نہیں بلکہ اس کی تبلیغ کرتے ہیں، کم ازکم یہ کہا جائے گا کہ خلفائے راشدین کے عہد سے آج تک امت کی اتباع اور صدر اول سے اب تک جماعت مسلمین کی موافقت کرنا ان کی مخالفت کرنے سے بہتر ہے، خصوصاً اس شخص کے لیے جو مسجد نبوی میں امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے کیونکہ حضرت ابوذر کی سنن نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی (امام ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے) اور بیہقی میں یہ روایت ہے ''ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان کا روزہ رکھا، حضور ﷺ نے ہمیں کسی دن تراویح نہیں پڑھائی جب ۲۳ ویں رات آئی، تو ہمارے ساتھ قیام لیل کیا جو تقریباً تہائی رات تک جاری رہا، ۲۴ ویں رات کو قیام نہیں فرمایا اور ۲۵ ویں رات کو قیام فرمایا، جو نصف شب تک جاری رہا، ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول بقیہ رات کے حصہ میں نفل پڑھا دیجئے؟ آپ نے فرمایا: اگر انسان امام کے ساتھ نماز پڑھے اور امام کے لوٹنے تک ساتھ رہے، تو اس کیلئے بقیہ رات کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔''

حضور ﷺ نے امام کے ساتھ قیام لیل اور اس کے ساتھ لوٹنے کو بقیہ رات کے قیام کے درجہ میں قرار دیا، لیکن امام کے لئے اس کی تحدید نہیں فرمائی، کوئی معین تعداد مقرر نہیں فرمائی۔ ہاں جو گھر میں پڑھ رہا ہے، اس کو اختیار ہے زیادہ پڑھے یا کم، جب دوسرے سے

وابستہ نہیں تو خود کا مالک ہے، اگر چاہے تو تعداد کم کر کے، تلاوت زیادہ کر لے اور اگر چاہے تو تعداد بڑھا کر دیر تک قیام میں اپنے لئے تخفیف کر لے، جس کی دلی رغبت ہو کرے۔ مسجد نبوی میں چودہ صدیوں تک تراویح کے تاریخی تجزیہ کا یہ نتیجہ سامنے آیا۔ اس موقع پر ہم چاہتے ہیں، اس کا فقہی تجزیہ بھی پیش کر دیا جائے۔

سب سے بہتر یہ ہے کہ ہم ائمہ اربعہ کے اقوال اور مذاہب اربعہ کے ماننے والوں کے عمل کو پیش کر دیں تا کہ قارئین کو ان کی آراء اور سند کا علم ہو جائے، ہم ان مذاہب کے اقتباسات انہی کی کتابوں سے درج کریں گے تا کہ مراجعہ میں سہولت رہے۔

تراویح اور مذاہب اربعہ:

اب تک عہد نبوت سے چودھویں صدی تک کی اسلامی تاریخ میں تراویح کے تسلسل سے بحث تھی، اور خاص طور پر مسجد نبوی میں تراویح پر مرکوز تھی، اس موضوع کی تکمیل کے لئے اس پر فقہی لحاظ سے بحث کی جارہی ہے تا کہ تراویح کے مسئلہ میں مذاہب اربعہ کا نقطۂ نظر واضح ہو جائے اور قارئین کی نظر میں فقہی پہلو بھی آجائے۔ ہماری خواہش ہے کہ تعصب کی تہمت سے بچنے، اور ہر مذہب کی خدمت کے جذبہ سے کسی ایک مذہب کے اقوال کو ذکر کرنے کے بجائے تمام مذاہب کی آراء ذکر کر دی جائیں، خصوصاً اس لئے کہ زیر بحث مسئلہ میں تمام مذاہب کے مابین حد درجہ اتفاق اور قرب پایا جاتا ہے۔

تا کہ قراء کرام کو اندازہ ہو جائے کہ اس تعداد پر کس قدر اتفاق ہے، اور یہ کہ ہر ایک کے یہاں بیس رکعات ہی ہے، اسی طرح اہل مدینہ کے عمل کے بارے میں سب کا اتفاق ہے۔

ماسبق میں جو نصوص ذکر کی جا چکی ہیں وہ مع اسلاف کے عمل کے تمام ہی حضرات کے دلائل ہیں، چوں کہ امام مالک، امام دار الہجرت کہلاتے ہیں۔ اس لیے آغاز انھیں کے مذہب سے کر رہے ہیں۔

مذہب امام مالک:

مدینہ میں امام مالک کے عہد میں تراویح کا ذکر آچکا ہے، اب خود ان کے مذہب میں عمومی طور پر، اور تمام شہروں کے معمول کا ذکر کیا جارہا ہے، مذہب امام مالک کا سب سے بہتر ماخذ مؤطا ہے گوکہ مذہب میں اسکے علاوہ بھی کئی کتابیں ہیں، لہٰذا ہم مؤطا ہی کو پیش نظر رکھ کر، ان کے اقوال کو پہلے ذکر کررہے ہیں۔

امام مالک نے مؤطا میں قیام رمضان کے متعلق لگاتار دو باب قائم کئے ہیں:

پہلا باب: رمضان میں عمومی ترغیب نماز کے لئے ہے اس میں امام صاحب نے دو حدیث ذکر کی ہیں۔

دوسرا باب: خاص طور پر قیام رمضان یعنی تراویح سے متعلق ہے۔

دوسرے باب میں غالباً امام مالک یہ بتانا چاہتے ہیں کہ لفظ تراویح ان کے زمانے میں مشہور نہ تھا، مشہور لفظ ''قیام'' ہی تھا۔ مؤطا میں ہے ''رمضان میں نماز کی ترغیب''

ا۔ہم سے یحیٰ نے، ان سے مالک نے، ان سے ابن شہاب نے، ان سے عروہ بن زبیر نے، ان سے حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی، آپ کے پیچھے کچھ لوگوں نے بھی نماز پڑھی، پھر آپ نے اگلی رات نماز پڑھی، لوگوں کی تعداد بڑھ گئی، پھر تیسری یا چوتھی رات کو لوگ جمع ہوئے، لیکن آپ ان کے پاس نکل کر نہیں گئے، صبح کو آپ نے فرمایا: رات کا تمہارا اجتماع میں نے دیکھا تھا میرے نکلنے سے صرف یہ مانع ہوا کہ تم پر یہ فرض نہ ہوجائے۔ یہ رمضان کا واقعہ ہے۔

ب۔مجھ سے امام مالک کے واسطے سے بیان کیا، انہوں سے ابن شہاب سے انہوں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیام رمضان کی ترغیب دیتے تھے، عزیمت کے ساتھ حکم نہیں فرماتے تھے، آپ فرماتے تھے ''جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے قیام رمضان کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کردیے گئے۔'' ابن شہاب نے کہا: حضور ﷺ کی وفات ہوگئی، اس

وقت یہی معمول جاری تھا، پھر حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے شروع میں یہی معمول جاری رہا۔ اس باب میں دو احادیث نقل کی ہیں:

پہلی حدیث آپ کا تقریر و فعل ہے جب کہ دوسری حدیث قولی ہے، پھر یہ بتانے کیلئے حضرت ابن شہاب کا اثر نقل کیا کہ اس میں نسخ یا اضافہ نہیں ہوا۔ نیز یہ کہ شیخین نے اسی پر عمل کیا۔

پھر کہا: قیام رمضان کا بیان:

مجھ سے مالک نے، ان سے ابن شہاب نے، ان سے عروہ بن زبیر نے، ان سے عبدالرحمٰن بن عبد قاری نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رمضان میں مسجد میں آئے، تو لوگوں کو الگ الگ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، کوئی تنہا پڑھ رہا تھا، کوئی چند آدمیوں کو لے کر پڑھ رہا تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا: بخدا! مجھے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر ان سب کو ایک قاری کے پیچھے لگا دوں تو بہت اچھا ہوگا، چنانچہ سب کو ابی بن کعب کے پیچھے جمع کر دیا، پھر راوی نے کہا ایک اور رات میں ان کے ساتھ نکلا، لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر نے فرمایا:

کیا خوب بدعت (نئی چیز) ہے یہ! رات کے جس حصے میں تم سوتے تھے، وہ اس حصہ سے بہتر ہے، جس میں قیام کرتے ہو۔ یعنی اخیر شب، لوگ شروع شب میں ''قیام'' کر لیتے تھے۔

مجھ سے امام مالک کے واسطے سے، انہوں نے محمد بن یوسف سے، انہوں نے سائب بن یزید سے بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطاب نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات ''قیام لیل'' کرائیں قاری صاحب مئین پڑھتے تھے، حتیٰ کہ قیام لمبا ہونے کے سبب ہم لوگ لاٹھیوں کے سہارے کھڑے ہوتے تھے، اور ہم لوگ فجر طلوع ہوتے وقت لوٹتے تھے۔

مجھ سے مالک کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے یزید بن رومان سے بیان کیا

لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں ۲۳ رکعات تراویح پڑھتے تھے،

مجھ سے مالک کے واسطے سے، انھوں نے داؤد بن حصین سے بیان کیا کہ انھوں نے اعرج کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے لوگوں کو اس وقت پایا، جب کہ وہ رمضان میں کفار پر لعنت بھیج رہے تھے، راوی نے کہا قاری صاحب سورہ بقرہ آٹھ رکعات میں پڑھتے تھے، اگر بارہ رکعت میں پڑھ لیتے تو لوگ یہ خیال کرتے کہ انھوں نے تخفیف کردی ہے۔

مجھ سے مالک کے واسطے سے انھوں نے عبداللہ بن بکر کے واسطے سے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم رمضان میں لوٹتے تو خدام سے جلدی جلدی کھانا مانگتے کہ کہیں فجر طلوع نہ ہوجائے۔

مجھ سے مالک کے واسطے سے بیان کیا ان سے ہشام بن عروہ نے، ان سے ان کے والد نے بیان کیا کہ ذکوان ابوعمرو (جو ام المؤمنین حضرت عائشہ کے غلام تھے، حضرت عائشہ نے ان کو اپنی موت کے بعد آزاد ہونے کا عہد دیا تھا) رمضان میں حضرت عائشہ کو قرآن سناتے تھے۔

حاصل نصوص، چونکہ پہلے باب کی نصوص عام ہیں، اس لئے اس کے بعد تفصیلی نصوص کا ذکر کیا، گویا یہ اجمال کے بعد تفصیل ہے، اور حد درجہ تصنیفی مہارت کی غماز ہے۔

انھوں نے واضح کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام نمازیوں کو ایک امام کے پیچھے اکٹھا کردیا، یعنی ایک جماعت قائم کردی اور اسی کو "کیا خوب بدعت ہے" کہا ہے، یعنی سب کو ایک قاری پر جمع کرنے کی بات کو، اور اس امر کو کہ رات کے جس حصہ میں وہ سوجاتے تھے وہ اس سے افضل ہے۔ اس کے بعد دوسری حدیث میں تعداد رکعات کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعات لمبی قرأت کے ساتھ (حتیٰ کہ ایک رکعت میں مئین بھی پڑھ لیتے تھے) پڑھنے کا حکم دیا۔

چنانچہ قاری صاحب اس قدر لمبی قرأت کرتے تھے کہ لوگ لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے، اور ساری رات ختم ہوجاتی تھی،

اس کے بعد گیارہ رکعات کے بجائے ۲۳ رکعات کا بیان ہے۔

چوتھی حدیث میں ہے کہ عادتاً سورہ بقرہ آٹھ رکعات میں پڑھتے تھے، اور بارہ رکعات میں پڑھ لینا تو خلاف عادت تخفیف تصور کی جاتی تھی۔ نیز رمضان کے قیام میں قنوت ہوتا تھا، اور اسی طرح اس میں آٹھ رکعات سے اضافہ کی طرف بھی اشارہ ہے، یعنی سورہ بقرہ آٹھ رکعات میں پڑھنے کی حالت میں۔

پانچویں حدیث میں ہے کہ تاخیر سے سحری کھاتے تھے، اور طلوع فجر کے خوف خدام سے جلدی جلدی کھانا مانگتے تھے۔

چھٹی روایت میں ہے کہ کچھ لوگ عام جماعت سے الگ ہوکر اپنا امام مقرر کر لیتے تھے، خصوصاً عورتیں ایسا کرتی تھیں، اور گھروں کے اندر ہوتا تھا۔ موطأ میں امام مالک کے قول کا خلاصہ یہی ہے۔ اور یہ سند و استدلال کے لحاظ سے اصل ہیں:

مالکی مذہب کی نصوص: متاخرین مالکیہ کے نزدیک معتمد جیسا کہ مختصر خلیل کی عبارت ہے:

اور تراویح، اور اس کو انفرادی طور پر پڑھنا اگر اس کی وجہ سے مساجد معطل نہ ہو جائیں، تراویح میں ختم قرآن کرنا، ایک سورہ کافی ہے، ۲۳ رکعات ہوگی، پھر ۳۶ رکعات مقرر کردی گئی... الخ

اس سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے اصل تراویح ۲۳ رکعات ہے، پھر بڑھا کر ۳۶ رکعات کردی گئی، خود امام مالک کی نصوص کیا ہیں؟ ان کا ذکر مؤطا مالک کے حوالہ سے آچکا ہے۔

باجی جو متقدمین مالکیہ میں سے ہیں انھوں نے مؤطا کی شرح (۲۰۸/۱) میں تراویح کے موضوع کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے لکھا کہ "فصل ان کا قول: گیارہ رکعات یعنی سائب بن یزید کی حدیث میں امام مالک کا قول، انھوں نے کہا شاید حضرت عمر نے اس سلسلہ میں حضور ﷺ کی نماز پابندی کی ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت

میں ہے کہ حضور ﷺ رات کو گیارہ رکعات پڑھتے تھے پھر انھوں نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں کتنی رکعات ہوتی تھیں، اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں:

سائب کی روایت میں گیارہ رکعت۔

یزید بن رومان کی روایت میں: ۲۳ رکعات۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام نافع کی روایت ہے کہ انھوں نے لوگوں کو ۳۹ رکعات پڑھتے ہوئے پایا، جن میں ۳ وتر تھی، یہی امام مالک کے یہاں مختار ہے۔ امام شافعی کے یہاں مختار ۲۳ رکعات ہے، وتر کے علاوہ جیسا کہ یزید بن رومان کی روایت ہے، ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعات کا حکم قرأت لمبی کرنے کے لئے دیا ہو کہ قاری ہر رکعت میں مئین پڑھتا تھا، اسلئے کہ لمبی قرأت کرنا، نماز میں افضل ہے۔

جب لوگوں کو گرانی محسوس ہوئی تو طول قرأت میں تخفیف کرتے ہوئے ۲۳ رکعات کا حکم دیا، تعداد رکعات کے اضافہ سے فضیلت کی کچھ تلافی کردی، قاری صاحب سورہ بقرہ آٹھ رکعات یا بارہ رکعات میں پڑھتے تھے، جیسا کہ اعرج کی روایت میں ہے۔

کہا گیا کہ تیس سے بیس آیات پڑھتا تھا۔ واقعہ حرہ تک یہی سلسلہ جاری تھا، لوگوں کو قیام بھاری محسوس ہوا تو قرأت مختصر کر کے تعداد رکعات میں اضافہ کر دیا۔ ۳۶ رکعات ہو گئیں، اور تین رکعات وتر تھی، پھر یہی سلسلہ جاری رہا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے دور میں حکم دیا کہ ہر رکعات میں دس آیات پڑھے، امام مالک نے ناپسند کیا ہے کہ قرأت وتر کو کم کریں۔

اسی پر ائمہ کا عمل اور جماعت کا اتفاق رہا اور یہی افضل بمعنی تخفیف ہے۔ شیخ ابو القاسم نے کہا یہ طویل آیت کا حکم ہے، امام ابو الولید نے کہا: یہ میرے نزدیک جماعتوں اور مساجد کے بارے میں ہے، لیکن اگر کوئی انفرادی طور پر گیارہ رکعت پڑھے، اور ہر رکعت میں مئین پڑھ لے تو افضل ہے، حضور ﷺ سے مروی ہے کہ افضل نماز وہ ہے جس میں قیام لمبا ہو"۔

اس کے بعد انھوں یزید بن رومان کی روایت کے ۲۳ رکعات نماز کی کیفیت کا ذکر

کرتے ہوئے کہا: مراد بیس رکعات، وتر اور ان دو رکعتوں کے علاوہ جو پورے سال وتر کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں، بیس رکعات میں پانچ ترویحہ ہوں گے، ہر چار رکعات پر ایک ترویحہ ہے، ہر دو رکعات پر سلام پھیرے گا۔ ائمہ کا معمول رہا ہے کہ تراویح کے ہر دو ترویحہ کے درمیان دو ہلکی رکعتوں کے ذریعہ فصل کرتے ہیں اور یہ دو رکعات تنہا تنہا پڑھتے ہیں، اس کی دو وجوہات ہیں:

اول: تعداد رکعات صحیح طور پر یاد کرنا آسان ہو، اور غلطی کا کم از کم شائبہ رہے۔

دوم: اس دوران جس کی کوئی ایک رکعت چھوٹ گئی ہے، اس کو پورا کر لے۔

چھوٹی ہوئی تراویح کی قضاء کا طریقہ:

ظاہر ہے کہ طریقۂ قضاء کا، ایک گونہ ربط طریقہ ادا سے ہوتا تھا۔ تراویح کی ادائیگی کا طریقہ گزر چکا ہے کہ پانچ ترویحہ ہوتے ہیں، ہر چار رکعات کا ایک ترویحہ، اور ہر دو رکعات پر سلام ہوتا ہے اور ہر دو ترویحہ کے بعد دیر تک کھڑے رہنے کے بعد کچھ دیر آرام کرتے ہیں۔ مجموعی رکعات بیس ہیں۔

البتہ بسا اوقات تنہا تنہا دو ہلکی رکعات پڑھتے ہیں یعنی ہر ترویحہ کے درمیان دو رکعات اور یہ مدینہ منورہ میں ہوتا ہے۔ امام احمد اس کو مکروہ کہتے ہیں، جیسا کہ ان کے مذہب کے بیان کے ضمن میں آئے گا۔ ان شاءاللہ

لہٰذا اگر مسبوق کو امام کے ساتھ ایک رکعات ملی، ہو تو دو حال سے خالی نہیں: ترویحہ کی ابتدائی دو رکعتوں میں سے ہو گی یا اخیر کی دو رکعتوں میں سے:

(الف) اگر اخیر کی دو رکعتوں میں سے ہو تو وہ اس چھوٹی ہوئی رکعات کی قضا اس وقت کرے، جب کہ نمازی آرام کر رہے ہوں، یا امام صاحب ہلکی دو رکعتیں پڑھ رہے ہوں۔

(ب) اگر ابتدائی دو رکعتوں میں سے کسی کو ایک رکعت ملی تھی، تو ''المنتقی'' میں ہے ابن قاسم نے امام مالک سے روایت کیا: وہ امام کے سلام کے ساتھ سلام نہ پھیرے بلکہ وہ امام کے ساتھ اس کی اقتداء کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہو۔ پھر جب امام اخیر کی دو رکعتوں میں

سے پہلی رکعت پڑھ کر دوسری رکعت کیلئے اٹھنا چاہے تو یہ کھڑا نہ ہو بلکہ اپنی جگہ پر بیٹھ کر اپنے طور پر تشہد پڑھے سلام پھیرے اس طرح وہ اپنے حق میں ابتدائی دو رکعتیں پوری کرنے والا ہوگیا۔اس کے بعد اٹھ کر امام کے ساتھ اخیر کی دو رکعتوں میں سے آخری رکعت میں شریک ہو جائے ، جب امام بیٹھ کر تشہد پڑھے ،تو یہ بھی بیٹھ جائے ،لیکن امام سلام پھیرے تو سلام نہ پھیرے، بلکہ اٹھ کر باقی رکعت پوری کرے۔

مذہب امام مالک میں قرأت کے آغاز میں بلند آواز سے اعوذ باللہ ، بسم اللہ پڑھنا۔

عبدالرحمن بن قاسم سے روایت ہے کہ امام مالک سے قیام رمضان کے متعلق دریافت کیا گیا کہ قاری کتنی آیات پڑھے؟ فرمایا: دس دس آیات اور جب مختصر سورتیں آجائیں تو بڑھادے مثلاً ''صافات'' ''طسم'' ان سے دریافت کیا گیا کہ پانچ آیات؟ فرمایا نہیں ،دس آیات پڑھے۔

خاص طور پر قیام رمضان میں جہراً اعوذ باللہ بسم اللہ پڑھنے کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے، باجی نے شرح مؤطا (۱/۲۰۸) میں کہا: مسئلہ: استعاذہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ،یعنی رمضان میں۔المدونہ میں امام مالک سے ابن قاسم کی روایت یہی ہے اور ''عتبیہ'' میں اشہب سے مروی ہے: اس کا ترک کرنا میرے نزدیک زیادہ پسند ہے۔

ابن قاسم کی روایت کی وجہ فرمان باری ہے: ''فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ'' کہ یہ آیت ان کے نزدیک خارج نماز قرأت پر محمول ہے کیوں کہ یہ ایسا لفظ ہے جو مانوس نہیں ،لہٰذا عام کلام کی طرح اس کو بھی قرأت میں لانا مسنون نہ ہوگا۔

(تفریع): اگر ہم جائز کہیں تو ابن حبیب نے امام مالک سے روایت کیا ہے: اس کو جہراً پڑھے اور اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے: اس کو جہراً پڑھنا مکروہ ہے۔

ابن حبیب کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ یہ قیام کی حالت میں مشہور ذکر ہے، تو گویا سراً و جہراً ہونے میں اس کا حکم قرأت کے حکم کی طرح ہے۔ اور اشہب کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ یہ ''معجز'' نہیں، لہذا اس کا مقام سراً پڑھنا ہے، تاکہ معجز و غیر معجز میں تفریق ہو سکے۔

ابن حبیب نے اس کو امام مالک سے قاری کے آغاز کرنے کے بارے میں روایت کیا، ابن حبیب نے کہا یہ اس کے ذریعہ سے ہر رکعت کا آغاز کرے۔

تراویح کے بارے مذہب مالکیہ کا خلاصہ:

اول: ﴿تعداد رکعات﴾ مصرح و معمول بہ ۲۳ر رکعات ہے، پھر اس میں اضافہ کر کے ۳۶ رکعات کر دیا گیا، تین رکعات وتر پڑھتے ہیں۔ مجموعی رکعات ۳۹ ر رکعات ہو جاتی ہے۔

دوم: باجی نے وضاحت کی ہے کہ اضافہ کرنے کا سبب حضرت ابن عمر کے آزاد کردہ غلام نافع کی اس روایت کو ترجیح دینا ہے کہ میں نے لوگوں کو مدینہ میں ۳۹ ر رکعات پڑھتے ہوئے پایا۔

سوم: باجی ہی نے بیان کیا ہے کہ اصل ۲۳ر رکعات ہے، البتہ ائمہ کا معمول رہا ہے کہ ہر دو ترویحہ کے درمیان تنہا تنہا دو رکعت پڑھتے ہیں، اس کی وجہ انھوں نے یہ بتائی کہ تاکہ تعداد کو اچھی طرح یاد رکھا جا سکے، اور تاکہ مسبوق امام کے ساتھ فوت شدہ رکعات کی تکمیل کر سکے۔

چہارم: اعوذ باللہ و بسم اللہ جہراً جائز ہے، اسی طرح قنوت کا آغاز (اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُبِیْنًا) سے ہوگا۔

پنجم: حافظ قرآن کو اگر سستی پیدا ہونے اور مساجد کے معطل ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس لیے تنہا تراویح پڑھنا افضل ہے، اس کے علاوہ دوسروں کے لیے جماعت سے پڑھنا افضل ہے۔

مذہب احناف:

فتح القدیر علیٰ الھدایہ (۱/۳۳۳) میں ہے: ''فصل: قیام رمضان کے بیان میں۔ مستحب ہے کہ لوگ ماہ رمضان میں عشاء کے بعد جمع ہوں، امام ان کو پانچ ترویحہ پڑھائے، ہر ترویحہ میں دو سلام ہوگا، اور ہر دو ترویحہ پر ایک ترویحہ کی مقدار بیٹھے گا، پھر ان کو وتر پڑھائے۔

مصنف نے لفظ استحباب ذکر کیا ہے، حالانکہ اصح یہ ہے کہ تراویح سنت ہے، حسن نے امام ابوحنیفہؒ سے یہی روایت کیا ہے، کیوں کہ خلفائے راشدین نے اس پر مواظبت کی ہے، اور حضور ﷺ نے اس کی مواظبت خود نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ''اندیشہ ہے کہ تم پر فرض ہو جائے''۔ ''اور اس میں سنت باجماعت ہے'' لیکن یہ کفایہ کے طور پر ہے حتیٰ کہ اگر تمام مسجد والے تراویح نہ پڑھیں، تو بہت برا کرنے والے ہوں ۔۔۔ لیکن اگر کچھ لوگ باجماعت ادا کر لیتے ہیں، تو جماعت میں شرکت نہ کرنے والا فضیلت کو ترک کرنے والا ہے، اس لیے کہ اکا دکا صحابہ رضی اللہ عنہم سے جماعت میں شرکت نہ کرنا مروی ہے۔ دو ترویحہ کے درمیان بیٹھنے میں مستحب یہ ہے کہ ایک ترویحہ کے بقدر ہو، اسی طرح پانچویں ترویحہ اور وتر کے درمیان، کیوں کہ یہی اہل حرمین کی عادت ہے۔ بعض حضرات نے پانچ سلاموں کے بعد استراحت کرنے کو مستحسن قرار دیا ہے، جو صحیح نہیں۔ ان کا قول ''پھر ان کو وتر پڑھائے'' اس میں اشارہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد وتر سے قبل ہے، یہی عام مشائخ کا قول ہے، لیکن اصح یہ ہے کہ اس کا وقت عشاء کے بعد اخیر رات تک وتر سے قبل و بعد ہے، کیوں کہ یہ نفل ہے، جو عشاء کے بعد مسنون ہے۔

مصنف نے اس میں قرأت کی مقدار ذکر نہیں کی۔ اکثر مشائخ رحمہم اللہ کے نزدیک اس کا سنت طریقہ ایک بار ختم کرنا ہے، لوگ سستی کریں تو اس کو ترک نہیں کرے گا۔ اسکے برخلاف تشہد کے بعد کی دعائیں ترک کر سکتا ہے، کہ وہ مسنون نہیں، رمضان کے علاوہ وتر باجماعت نہیں پڑھے گا۔ اسی پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

فتح القدیر علی الھدایہ میں ہے:

رہا حضرت عمر کے دور سے اس کا آغاز جیسا کہ عبدالرحمٰن بن عبد قاری سے مروی ہے کہ میں حضرت عمر کے ساتھ نکلا....'' الخ

پھر انھوں نے کہا: اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: میری سنت اور میرے بعد میرے خلفائے راشدین کی سنت کی پابندی کرو۔'' ایک دوسری حدیث میں فرمایا: اللہ نے اس کے روزہ کو فرض کیا، اور میں نے اس کے قیام کو مسنون کیا۔'' اور حضور ﷺ نے تراویح ترک کرنے کا عذر یہ بیان کر دیا کہ فرضیت کا اندیشہ ہے، اور انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث نقل کی: ''رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی، کچھ لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی، پھر اگلی رات کو پڑھی، تو لوگوں کی کثرت ہوگئی،....'' الحدیث

حضرت عائشہ کی یہ حدیث نقل کی: حضور ﷺ رمضان غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔''

پھر کہا: ہاں بیس رکعت کا ثبوت حضرت عمرؓ کے زمانہ سے موطا میں یزید بن رومان کی روایت سے ہے، جس میں ۲۳ رکعات کا ذکر ہے، اور حضرت سائب بن یزید کی روایت میں ہے، بیس رکعات اور وتر۔ موطا میں گیارہ رکعت کی بھی روایت ہے۔ پھر انھوں نے کہا: ان دونوں روایتوں میں تطبیق کی شکل یہ ہے کہ پہلے گیارہ رکعت کا معمول تھا، پھر بیس رکعت کا مستقل معمول بن گیا، کیوں کہ تسلسل کے ساتھ یہی مروی ہے۔

پھر کہا حاصل یہ ہے کہ قیام رمضان گیارہ رکعات وتر کے ساتھ باجماعت مسنون ہے۔ حضور ﷺ نے اس کو کیا ہے، پھر اس کو ترک کر دیا، اور یہ عذر بتا دیا کہ اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں پابندی کے ساتھ تم کو پڑھاتا، اور بلاشبہ آپ کی وفات کے بعد یہ اندیشہ جاتا رہا، لہٰذا سنت ہوگی، اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خود حضور ﷺ کی سنت ہو۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کی سنت وہ ہے جس پر آپ نے خود مواظبت کی ہو، یا کوئی عذر نہ ہو، اور اس عذر کو معدوم مانا جائے، ہم کو صرف یہی معلوم

ہے کہ آپ نے اس امر پر مواظبت کی، جو آپ سے صادر ہوا اور اس کا ذکر کیا جا چکا ہے، لہٰذا بیس مستحب ہوں گی، جس میں سابقہ مقدار ہی سنت ہوگی، جیسا کہ عشاء کے بعد چار رکعت مستحب ہیں، جن میں دو رکعت ہی سنت ہیں۔

مشائخ کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ سنت بیس رکعت ہے، حالانکہ دلیل کا تقاضا وہی ہے، جو ہم نے لکھا، لہٰذا اس صورت میں اولیٰ اور بہتر وہی قدوری ہی کے الفاظ ہوں گے،: ''مستحب ہے''، نہ کہ مصنف نے جو عبارت لکھی ہے، وہ ہوگی۔

پھر انھوں نے اس کی کیفیت اور اس کی ادائیگی کے طریقہ پر بحث کرتے ہوئے کہا:

مصنف کا قول: دو ترویحہ کے درمیان بیٹھنے میں مستحب ایک ترویحہ کے بقدر ہے، اسی طرح پانچویں ترویحہ اور وتر کے درمیان۔ انہوں نے کہا: انھوں نے اہل حرمین کے معمول سے استدلال کیا ہے۔ اہل مدینہ اس کے بدلہ چار رکعات تنہا تنہا پڑھتے تھے، اہل مکہ ان دونوں کے درمیان سات چکر طواف کرتے تھے، اور دو رکعات طواف کی پڑھتے تھے۔ بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے: لوگ عہد عمر میں قیام کرتے تھے۔

ہم منع نہیں کرتے کہ کوئی جتنی چاہے نفلیں پڑھے، ہاں گفتگو جماعت کے ساتھ مستحب مقدار کے بارے میں ہے، اور ہر شہر والوں کو اختیار ہے کہ تسبیح پڑھیں، لا الـــــہ الا اللہ پڑھیں، خاموش رہ کر انتظار کریں، یا تنہا تنہا چار رکعات پڑھ لیں اور انتظار کرنا مستحب اسی لئے ہے کہ تراویح ''راحت'' سے ماخوذ ہے، لہٰذا اس کے نام کی رعایت میں ترویحہ ہوگا، اور یہی تسلسل کے ساتھ منقول ہے۔

قرأت: اس کے بارے میں انھوں نے کہا: مصنف کا قول: اکثر مشائخ رحمہم اللہ کی رائے ہے کہ ایک بار ختم کرنا ہے، لوگوں کے سستی کرنے کے سبب ترک نہ کرے۔ انھوں نے کہا اکثر کے بالمقابل یہ قول ہے: مغرب میں قرأت کے بقدر پڑھنا افضل ہے، اس لیے کہ نوافل کی بنیاد تخفیف پر ہے، خصوصاً با جماعت کی صورت میں۔

ایک قول: ہر رکعت میں تیس آیات پڑھے، اس لیے کہ حضرت عمر نے یہی حکم دیا تھا

تو تین بار ختم ہو جائے گا۔ اس لیے کہ ہر عشرہ کی مستقل فضیلت ہے، جیسا کہ روایت میں ہے کہ اول عشرہ رحمت، بیچ والا عشرہ مغفرت، اور اخیر عشرہ جہنم سے آزادی کا ہے۔ کچھ حضرات کے نزدیک ۲۷ ویں کو ختم کرنا مستحب ہے تاکہ شب قدر کی فضیلت ملنے کی امید ہو جائے، پھر اگر اخیر عشرہ سے قبل قرآن ختم کر لے تو ایک قول ہے: بقیہ راتوں میں تراویح ترک کر دینا مکروہ نہیں۔ دوسرا قول ہے: تراویح پڑھتا رہے۔ البتہ جو چاہے قرأت کرے، اکثر کی رائے جس کو حسن نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے یہ ہے کہ ہر رکعت میں دس آیات پڑھے، لہٰذا تراویح کی تعداد چھ سو رکعات یا پانچ سو اسی رکعات ہو گی۔ (یہ اس طرح کہ کل آیاتِ قرآنی تقریباً چھ ہزار ہیں، اگر دس آیات کے قریب ایک رکعت میں پڑھا جائے تو روزانہ ۲۰/ رکعات کے حساب سے ۳۰/ یا ۲۹/ راتوں میں چھ سو یا پانچ سو اسّی رکعات ہوں گی)

قرآن کی آیات کی تعداد: چھ ہزار سے کچھ زائد ہے، بعض نے حسن سے یہ قول نقل کیا ہے: دس آیات وغیرہ اور یہ بہتر ہے۔ امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ وہ ۶۱/ ختم کرتے تھے، ہر دن ایک ختم، ہر رات ایک ختم، اور پوری تراویح میں ایک ختم اور اس کو یعنی ختم قرآن کو لوگوں کی سستی کے سبب ختم نہ کرے، اس لیے کہ اس میں لوگوں کے لیے طوالت نہیں، بلکہ تخفیف ہے۔

اگر اپنے محلّہ کی مسجد کا امام ختم قرآن نہ کرتا ہو تو دوسرے امام کے پیچھے پڑھنے کے لیے اس کو چھوڑ سکتا ہے۔ (یعنی یہاں پر احناف کی بات پوری ہو گئی)

خلاصہ:

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ احناف کا مسلک حسب ذیل ہے:

اول: تراویح سنت ہے، گیارہ رکعات سنت، اور بقیہ بیس رکعات تک مستحب ہے، وتر اس سے الگ ہے۔

دوم: ہر ترویحہ کے بعد انتظار کرنا مستحب ہے، اور اس انتظار کے دوران ہر شہر والوں کو اختیار رہے جو چاہے کریں۔

سوم: تراویح میں کم از کم ایک بار ختم ہونا چاہیے۔
چہارم: جماعت تراویح افضل ہے۔
پنجم: وتر مسجد میں با جماعت افضل ہے، یا گھروں میں تنہا تنہا؟ مختلف فیہ ہے قاضی خاں کے یہاں راجح اول ہے۔

مذہب شافعی:

امام شافعی نے کتاب الام (۱۴۲/۱) میں فرمایا: رہا قیام رمضان انفرادی طور پر نماز پڑھنے والے کی نماز میرے نزدیک زیادہ پسند ہے، میں نے مدینہ میں لوگوں کو ۳۹ رکعات پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، میرے نزدیک پسندیدہ بیس رکعات ہے، اسلئے کہ یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ مکہ میں اتنی ہی رکعات پڑھتے ہیں۔''

امام صاحب کے قول: انفرادی طور پر پڑھنے والے کی نماز....'' سے یہ وہم ہوتا ہے کہ ان کی مراد ''تراویح انفرادی طور پر پڑھنے والے کی نماز'' لیکن مزنی نے اس سے امام شافعی کی مراد کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ ان کی مراد: وہ نوافل ہیں جو با جماعت کے بجائے تنہا تنہا پڑھی جاتی ہیں'' مثلاً سنن رواتب اور وتر، یہاں پر امام شافعی قیام رمضان اور بقیہ نوافل کے درمیان موازنہ و مفاضلہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس توجیہ کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ انھوں نے احب الی منہ میں ضمیر مذکر استعمال کی ہے۔

نیز اس کی تائید آغاز بحث میں ان کے اس قول سے ہوتی ہے: تطوع دو طرح کے ہیں:

اول: با جماعت موکد نماز جس کو ان کی ادائیگی کی قدرت ہو، میں اس کیلئے اس کے ترک کرنے کو جائز نہیں سمجھتا، اور اس میں سے عیدین کی نماز ہے.... الخ

دوم: انفرادی طور پر پڑھی جانے والی نمازیں، ان میں سے بعض کی بمقابلہ بعض تاکید زیادہ ہے، چنانچہ سب سے مؤکد وتر ہے، اور تہجد کی نماز بھی اس کے مشابہ ہو سکتی ہے، اس کے بعد فجر کی دو رکعتیں ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: میں کسی مسلمان کو رخصت نہیں دیتا

کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی ترک کرے، گو کہ میں ان کو واجب نہیں کہتا، جس نے ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترک کر دیا، اس کی حالت تمام نوافل ترک کرنے والے کی حالت سے بدتر ہے۔ پھر فرمایا: رہا قیام رمضان تو انفرادی طور پر پڑھنے والے کی نماز میرے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہے، یعنی فجر کی دو رکعتوں سے۔ اور وتر امام صاحب کے نزدیک بمقابلہ قیام رمضان مؤکد ہے۔

نوویؒ المجموع (۳۰/۴) میں مسلک کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے: ''مصنف نے فرمایا: سنن راتبہ میں سے: قیام رمضان ہے، جو بیس رکعت دس سلاموں کے ساتھ ہیں۔ اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیام رمضان کی ترغیب دیتے تھے، لیکن عزیمت کے ساتھ حکم نہ تھا، آپ فرماتے تھے: جس نے ایمان کے ساتھ اور احتساب کیساتھ قیام رمضان کیا، اس کے پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔''

افضل با جماعت ادا کرنا ہے، بویطی نے اس کی تصریح کی ہے، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جمع کر دیا تھا۔ ہمارے بعض اصحاب کا کہنا ہے: اس کو تنہا تنہا پڑھنا افضل ہے، اس لیے کہ حضور ﷺ نے چند راتوں کو پڑھا، لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے پڑھا، پھر آپ نے رک کر گھر میں باقی راتوں کو ادا کیا، لیکن مذہب پہلا ہے، حضور ﷺ کے رکنے کی واحد وجہ فرضیت کا اندیشہ تھا۔ روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''مجھے اندیشہ ہوا کہ تم پر فرض ہو جائے اور تم اس کو ادا نہ کر سکو۔''

امام بغوی نے فرمایا: (شرح) حضرت ابو ہریرہ کی حدیث مسلم نے انہی الفاظ میں اور بخاری نے اختصار کے ساتھ نقل کی اور حضرت عمر کا لوگوں کو حضرت ابی کے پیچھے جمع کرنا صحیح ہے، اس کو بخاری نے روایت کیا ہے، دو اور احادیث: اول: حضور ﷺ نے چند راتوں کو اسے ادا کیا۔ کچھ لوگوں نے آپ کے پیچھے ادا کیا پھر آپ رک گئے۔ دوسری: مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر فرض ہو جائے ان دونوں کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ ان کا فرمان: ''لیکن عزیمت کے ساتھ حکم نہ تھا''، یعنی آپ نے اس کو لازم نہیں کیا، ہاں فضائل کے ذکر کرنے کے ذریعہ

ترغیب ودعوت تھی۔ ''ایمان کے ساتھ'' یعنی اس کی حقانیت کی تصدیق کے ساتھ۔
''احتساب کے ساتھ'' یعنی اللہ کی رضا کے لئے ہو، ریا کاری مقصود نہ ہو۔ رہا مسئل کا حکم تو تراویح باجماعت سنت ہے۔ ہمارا مذہب ہے کہ بیس رکعات دس سلاموں کے ساتھ ہے۔ انفرادی طور پر اور باجماعت جائز ہے، ان میں کون افضل ہے؟ اس سلسلہ میں دو مشہور ''وجہیں'' ہیں، جیسا کہ مصنف نے لکھا ہے۔ ایک جماعت نے اسے ''دو قول'' قرار دیا ہے، (صحیح) باتفاق اصحاب یہ قول ہے کہ باجماعت افضل ہے، ''بویطی'' میں اسی کی تصریح ہے، اور یہی اکثر متقدمین اصحاب کا قول ہے، (دوم) انفرادی طور پر افضل ہے۔ مصنف ان دونوں کی دلیلیں لکھ چکے ہیں، ہمارے عراقی اصحاب اور خراسانی اصحاب میں سے صیدلانی اور بغوی وغیرہ نے کہا، اختلاف اس شخص کے بارے میں ہے، جو حافظ قرآن ہو، اور انفرادی طور پر ادا کرنے کی صورت میں کاہلی آنے کا اسکوڈر نہ ہو، اور اس کے پیچھے رہنے سے جماعت میں خلل وانتشار نہ ہو اور اگر ان میں سے کوئی بھی امر مفقود ہو بلا اختلاف بلا جماعت افضل ہے۔ (آگے لکھا ہے) ابوالعباس اور ابو اسحاق نے کہا: باجماعت نماز تراویح تنہا پڑھنے سے افضل ہے، اسلئے کہ اس پر صحابہ کرام اور اہل امصار کا اجماع ہے۔

پھر کہا: (تفریع) تراویح کا وقت، نماز عشاء سے فراغت کے بعد سے داخل ہوجاتا ہے، اس کو بغوی وغیرہ نے لکھا ہے، اور طلوع فجر تک رہتا ہے، دو دو رکعات پڑھنا چاہیے جیسا کہ معمول ہے، لہٰذا اگر ایک سلام سے چار رکعات پڑھے تو صحیح نہیں، اس کو قاضی حسین نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے؛ اس لیے کہ یہ خلاف مشروع ہے، اور مطلق نیت سے صحیح نہیں، سنت تراویح یا نماز تراویح یا قیام رمضان کی نیت کرنی ہوگی، تراویح کی ہر رکعت پر نیت کرے گا۔

کہا: (تفریع): رکعات کی تعداد کے بارے میں علماء کے مذاہب: ہمارا مذہب ہے: بیس رکعات دس سلام سے ہوگی، وتر الگ ہے، ان میں پانچ ترویحے ہوں گے، ہر ترویحہ چار رکعات کا دو سلام کے ساتھ ہوگا۔

یہی ہمارا مذہب ہے، اسی کے قائل: امام ابوحنیفہ، ان کے اصحاب، امام احمد اور داؤد وغیرہ ہیں، قاضی عیاض نے اس کو جمہور علماء سے نقل کیا ہے، منقول ہے کہ اسود بن یزید چالیس رکعات تراویح اور سات رکعات وتر پڑھتے تھے، امام مالکؒ نے کہا: تراویح نوترویحہ ہیں، جو وتر کے علاوہ چھتیس رکعات ہوتی ہیں۔ انھوں نے اہل مدینہ کے عمل سے استدلال کیا ہے، اور نافع سے منقول ہے کہ میں نے لوگوں کو رمضان میں ۳۹؍رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے ہوئے پایا۔

ہمارے اصحاب کا استدلال بیہقی وغیرہ میں باسناد صحیح حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہے کہ لوگ عہد فاروقی میں رمضان میں بیس بیس رکعات ادا کرتے تھے، مئین پڑھتے تھے، اور طول قیام کے سبب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں لاٹھیوں کے سہارے کھڑے ہوتے تھے۔

یزید بن رومان نے کہا: لوگ حضرت عمرؓ کے دور میں ۲۳ رکعات پڑھتے تھے۔ (رواہ مالک فی الموطا عن یزید بن رومان) اس کو بیہقی نے بھی روایت کیا ہے، لیکن یہ مرسل ہے، اس لیے کہ یزید بن رومان نے حضرت عمر کو نہیں پایا ہے، بیہقی نے کہا: دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے، بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات قیام رمضان نقل کیا ہے۔

جہاں تک اہل مدینہ کے عمل کی بات ہے، تو ہمارے اصحاب نے کہا: اس کا سبب یہ ہے کہ اہل مکہ ہر دو ترویحہ کے درمیان ایک طواف کرتے ان کی برابری کرنے کے ارادے سے ہر طواف کے بدلے چار رکعات مقرر کر لی، اور ۱۶ ارکعات کا اضافہ کر لیا، تین رکعات وتر پڑھتے تھے، اس طرح کل ۳۹ رکعات ہو گئیں، واللہ اعلم۔

پھر کہا: (تفریع) الشامل البیان وغیرہ کے مؤلفین نے کہا ہمارے اصحاب نے کہا اہل مدینہ کے علاوہ دوسروں کے لیے تراویح میں اہل مدینہ کے عمل کو اختیار کرنا صحیح نہیں، کہ وہ بھی ۳۶؍رکعات پڑھیں۔ اس لیے مدینہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت گاہ اور مدفن ہونے کے

سبب وہاں کے لوگوں کو جو شرف حاصل ہے، دوسرے اس سے محروم ہیں۔ قاضی ابوطیب نے اپنی تعلیق میں کہا کہ امام شافعی نے فرمایا: مدینہ کے علاوہ دوسری جگہوں کے لوگ اہل مکہ کا مقابلہ ومنافسہ کریں جائز نہیں۔

پھر کہا: (تفریع) تراویح میں سلف کیا پڑھتے تھے: امام مالک نے مؤطا میں داؤد بن حصین سے انھوں نے عبدالرحمن بن اعرج سے نقل کیا کہ میں نے لوگوں کو اس وقت پایا، جب کہ وہ رمضان میں کفار پر لعنت بھیج رہے تھے۔ انھوں نے کہا: قاری سورہ بقرہ آٹھ رکعات میں پڑھتا تھا، اگر بارہ رکعات میں پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ اس نے تخفیف کردی، امام مالک ہی نے عبداللہ بن ابوبکر سے نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے والد کو یہ کہتے ہوئے سنا: ہم رمضان میں قیام کے بعد لوٹتے تو خادموں سے جلدی جلدی سحری مانگتے تھے کہ کہیں فجر طلوع نہ ہوجائے، امام مالک نے محمد بن یوسف سے انھوں نے سائب بن یزید سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو قیام رمضان کرائیں، قاری صاحب "مئین" پڑھتے تھے۔ حتیٰ کہ طول قیام کے سبب ہم لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے، اور فجر ہوتے ہوتے ہی ہم لوٹتے تھے۔ بیہقی نے اپنی سند سے ابوعثمان ہندی کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے تین قراء کو بلایا، پڑھوا کر سنا، سب سے تیز پڑھنے والے کو تیس آیات میانہ رَو قاری کو پچیس آیات اور سب سے آہستہ پڑھنے والے کو بیس آیات پڑھنے کا حکم دیا۔

پھر کہا: (تفریع): عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو قیام رمضان پر جمع کردیا: مردوں کو ابی بن کعب کے پیچھے اور عورتوں کو سلیمان بن ابوحثمہ کے پیچھے لگایا۔ عرفجہ ثقفی سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو قیام رمضان کا حکم دیتے تھے، مردوں کے لیے ایک امام، اور عورتوں کے لئے ایک الگ امام مقرر کیا تھا، میں عورتوں کا امام تھا۔ (رواهما البیهقی)

پھر کہا: (تفریع): ہم لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ انفرادی طور پر پڑھنے کے مقابلہ میں باجماعت تراویح پڑھنا افضل ہے، یہی جماہیر علماء کا قول ہے۔ حتیٰ علی

بن موسیٰ قمی نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ ربیعہ، مالک اور ابو یوسف وغیرہ نے کہا: تنہا تنہا پڑھنا افضل ہے۔ ہماری دلیل با جماعت پڑھنے پر صحابہ کا اجماع ہے جو گذر چکا۔ یہاں مصنف نے تنہا تنہا پڑھنے کے قائل حضرات کی دلیل ذکر نہیں کی، حالانکہ ذکر کر دینا بہتر تھا۔ ان کی دلیل یہ فرمان نبوی ہے ''نماز اپنے گھروں میں پڑھو اس لیے کہ فرض کے علاوہ آدمی کی اپنے گھر میں نماز سب سے افضل ہے۔'' اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے پیچھے لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھ کر حضرت عمر کا یہ قول ہے: جس حصہ میں تم سو جاتے ہو، وہ افضل ہے، یعنی اخیر شب کی نماز۔

لیکن با جماعت کے قائلین کے نزدیک راجح اور ان کے قول کے لیے مرجح، جیسا کہ نووی نے اس کو نقل کیا ہے: صحابہ کرام کا عمل، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے والوں، اور مزید اخیر رات نفل پڑھانے کے ان کے مطالبہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تقریر ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اس طرح کی چیزیں ہیں جس سے ایک دوسرے کو تقویت ملتی ہے۔

مذہب حنابلہ:

المغنی (۱/۱۶۶، ۱۷۳) میں ہے:

(مسئلہ) انھوں نے کہا: ماہ رمضان کا قیام (یعنی تراویح) بیس رکعات ہے، یہ سنت مؤکدہ ہے، سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مسنون فرمایا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان کی ترغیب دیتے تھے، لیکن عزیمت کے ساتھ حکم نہ تھا، آپ فرماتے تھے:

جس نے ایمان واحتساب کے ساتھ قیام رمضان کیا، اس کے پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔''

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی، کچھ لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی، پھر اگلی رات آپ نے نماز پڑھی، لوگ بہت زیادہ آگئے تھے۔ پھر تیسری اور چوتھی رات لوگ جمع ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں نکلے، صبح کو آپ نے فرمایا:

''میں نے تمہارے ساتھ اجتماع دیکھا، اور مجھے نکلنے سے صرف یہ اندیشہ مانع ہوا کہ تم پر فرض نہ ہو جائے۔ راوی نے کہا: یہ رمضان کا واقعہ ہے۔'' (رواھما مسلم)

۲۔ حضرت ابو ذرؓ نے کہا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان کا روزہ رکھا، کسی رات آپ نے ہمارے ساتھ ''قیام'' نہیں فرمایا: سات راتیں رہ گئیں، تو آپ نے ہمارے ساتھ ''قیام'' فرمایا: جو تہائی رات تک جاری رہا، چھٹی رات رہ گئی تو آپ نے قیام نہیں فرمایا، پانچویں رات رہ گئی تو آپ نے قیام فرمایا، جو نصف شب تک جاری رہا، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کاش آپ پوری رات ''قیام'' فرما دیتے؟ جب چوتھی رات رہ گئی تو آپ نے قیام نہیں فرمایا تیسری رات رہ گئی تو اپنے اہل وعیال اور لوگوں کو جمع فرمایا، اور پھر مہینہ کی بقیہ راتوں میں ہمارے ساتھ قیام فرمایا۔'' (رواہ ابوداؤد والاثرم وابن ماجہ)

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: حضور ﷺ باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ مسجد کے ایک گوشہ میں رمضان میں نماز پڑھ رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا کر رہے ہیں؟ بتایا گیا کہ ان لوگوں کو قرآن حفظ نہیں، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے ہیں اور یہ لوگ ان کی اقتداء میں پڑھ رہے ہیں، آپ نے فرمایا: ٹھیک کیا اور کیا خوب کیا! (رواہ ابوداؤد)

انھوں نے کہا: اس کو مسلم بن خالد نے روایت کیا، جو ضعیف ہے، تراویح حضرت عمر بن خطابؓ سے اس لئے منسوب ہے کہ انھوں نے لوگوں کو ابی بن کعب کے پیچھے جمع کر دیا تھا، اور وہ ان کو تراویح پڑھاتے تھے۔

عبدالرحمٰن بن عبد قاری نے کہا: میں حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ ایک رات نکلا، لوگوں کو متفرق طور پر، لوگوں کو الگ الگ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ کوئی تنہا پڑھ رہا ہے تو کسی کے پیچھے چند لوگ پڑھ رہے ہیں، حضرت عمر نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ اگر سب کو ایک قاری کے پیچھے جمع کر دوں، تو زیادہ اچھا تھا، پھر اس کا عزم کر کے سب کو حضرت ابی بن کعب کے پیچھے جمع کر دیا۔

راوی نے کہا: پھر میں ایک اور رات اور ان کے ساتھ نکلا، تو لوگ قاری کے پیچھے

پڑھ رہے تھے، حضرت عمر نے فرمایا: کیا خوب نئی چیز ہے یہ!! جس کو چھوڑ کر تم سو جاتے ہو وہ اس سے بہتر ہے، جس کو پڑھتے ہو، یعنی اخیر شب! لوگ ابتدائی رات میں تراویح پڑھ لیتے تھے۔'' (بخاری)

فصل

اس میں ابو عبداللہؒ کے نزدیک مختار: بیس رکعات ہے، یہی ثوری، ابو حنیفہ اور شافعی کا قول ہے، امام مالک نے فرمایا: ۳۶ رکعات ہیں، ان کا خیال ہے کہ یہی پرانا معمول ہے، ان کا استدلال اہل مدینہ کے عمل سے ہے، تو اُمہ کے آزاد کردہ غلام صالح نے کہا: میں نے لوگوں کو ۴۱ رکعات پڑھتے ہوئے پایا، جن میں پانچ رکعات وتر ہیں۔'' اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب کے پیچھے لوگوں کو جمع کیا، تو ان کو بیس رکعات پڑھاتے تھے، حسن کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب کے پیچھے جمع کیا، وہ انھیں بیس رکعات پڑھاتے تھے، اور صرف نصف ثانی میں قنوت پڑھتے تھے، جب اخیر عشرہ آتا تو حضرت ابی رک کر اپنے گھر میں نماز پڑھنے لگتے، اور لوگ کہنا شروع کر دیتے: ابی بھاگ گئے۔ (رواہ ابوداؤد) اور اس کو سائب بن یزید نے روایت کیا، اور ان سے متعدد طرق سے مروی ہے کہ امام مالک نے یزید بن رومان کا قول نقل کیا ہے: لوگ حضرت عمر کے زمانے میں رمضان میں بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔

یہ اجماع کی طرح ہے، رہی صالح کی روایت تو ضعیف ہے، پھر یہ معلوم نہیں کی لوگوں کے حوالہ سے خبر دی؟ شاید اس نے کچھ لوگوں کو ایسا کرتے ہوئے پایا ہو، لیکن یہ حجت نہیں، پھر اگر یہ ثابت ہو جائے کہ تمام اہل مدینہ کا اجماع ہے تو حضرت عمر کا فعل اور ان کے دور میں صحابہ کا اجماع اتباع کے زیادہ لائق ہے۔ بعض اہل علم نے کہا: اہل مدینہ کا یہ عمل محض اس وجہ سے تھا کہ وہ اہل مکہ کی برابری کرنا چاہتے تھے، کیوں کہ اہل مکہ ہر دو ترویحہ کے درمیان ایک مکمل طواف کرتے تھے، تو اہل مدینہ نے ہر طواف کی جگہ چار رکعات مقرر کر لیں، صحابۂ رسول ﷺ کے عمل کی اتباع زیادہ ضروری اور لائق ہے۔

ابوعبداللہ کے یہاں مختار با جماعت تراویح ہے، انھوں نے یوسف بن موسیٰ کی روایت میں کہا: تراویح میں جماعت افضل ہے۔ اگر کوئی قابل اقتداء شخص گھر میں پڑھے تو مجھے اندیشہ ہے لوگ بھی اس کے نقش قدم پر چلیں گے، اور حضور ﷺ سے مروی ہے: ''خلفاء کی اقتداء کرو۔'' حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ با جماعت پڑھتے تھے مزنی، ابن عبدالحکم اور اصحاب ابی ابوحنیفہ کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ امام احمد نے فرمایا: حضرت علی، جابر، اور عبدللہ با جماعت پڑھتے تھے۔ طحاوی نے کہا: جو انفرادی طور پڑھنا پسند کرے تو اس انداز سے چاہیے کہ مسجد کی تراویح بند نہ ہو جائے، اگر انفرادی طور پر پڑھنے سے مسجد کی تراویح بند ہو جائے تو درست نہیں۔ تقریباً یہی لیث سے منقول ہے۔ امام مالک و شافعی نے فرمایا: قیام رمضان اس شخص کے لیے جو گھر میں ادا کر سکے، ہمارے نزدیک زیادہ پسند ہے۔ اس لئے کہ زید بن ثابت کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے کھجور کے پتوں یا چٹائی کا ایک کمرہ بنایا، حضور ﷺ اس میں تشریف لے گئے، اور آپ کے پیچھے کچھ لوگ گئے، راوی نے کہا: لوگ ایک رات پھر آ گئے، حضور ﷺ نے دیر کر دی، باہر نہیں نکلے، لوگوں نے آواز بلند کی، دروازے پر کنکری ماری، حضور ﷺ ناراض باہر تشریف لائے، فرمایا تم یہی کرتے رہے، حتیٰ کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ تم پر فرض کر دی جائے گی۔ لہٰذا تم اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کا اہتمام کرو۔ فرض نماز کے علاوہ، آدمی کی سب سے عمدہ نماز گھر میں ہے۔'' (رواہ مسلم)

ہماری دلیل: اس پر صحابہ کا اجماع ہے، حضرت ابوذر کی روایت میں: حضور ﷺ کا صحابہ کرام اور اپنے اہل کو جمع کرنا، اور آپ کا یہ فرمانا: اگر لوگ امام کے ساتھ نماز پڑھتے رہیں، یہاں تک کہ وہ لوٹ جائے، تو ان کے لیے اس رات کے قیام کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے، یہ خاص قیام رمضان کے بارے میں ہے، لہٰذا اس کو ان حضرات کے مستدلات کے عموم پر مقدم کیا جائے گا، اور حضور ﷺ کا ان سے یہ فرمانا اس کی علت اندیشۂ فرضیت ہے، اور اسی وجہ سے آپ ﷺ نے یہی وجہ بیان کرتے ہوئے اس کو ترک کر دیا، یا اس اندیشہ سے کہ لوگ اس کو فرض بنا لیں گے، اور آپ ﷺ کے بعد ایسا کرنے کا اندیشہ نہیں رہا، اگر یہ

اعتراض ہو کہ حضرت علی نے صحابہ کے ساتھ تراویح نہیں پڑھی؟ تو ہم کہیں گے کہ ابوعبداللہ سلمی سے مروی ہے کہ حضرت علی نے ان کو رمضان میں تراویح پڑھائی، اور اسماعیل بن زیاد نے کہا: حضرت علیؓ رمضان میں مساجد میں گزرے، قندیلیں لگی ہوئی تھیں، فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ کی قبر کو روشنی سے بھر دے، جیسا کہ انھوں نے ہماری مساجد کو روشن کر دیا۔ (رواہما الاثرم والمروزی)

فصـــــل

امام احمد نے فرمایا: رمضان میں لوگوں کے ساتھ اتنی قرأت کرے، جس میں ان کے لیے سہولت رہے، دشواری نہ ہو، خصوصاً چھوٹی راتوں میں۔ لوگوں کے لیے برداشت تک ہی رہنا چاہیے۔ قاضی نے کہا: مہینہ میں ایک ختم سے کم کرنا مستحب نہیں، تاکہ لوگ پورا قرآن سن لیں، اور ایک سے زیادہ ختم نہ کرے کہ کہیں مقتدیوں کو دشواری نہ ہو، لوگوں کی حالت کی رعایت کرنا اولیٰ ہے، جیسا کہ حضرت ابوذر کی روایت میں ہے: ہم نے حضور کے ساتھ تراویح اتنی دیر تک پڑھی کہ فلاح یعنی سحری چھوٹنے کا اندیشہ ہونے لگا۔

سلف لمبی نماز پڑھتے تھے، حتیٰ کی بعض کا کہنا ہے: جب وہ لوٹتے تو فجر طلوع ہونے کے اندیشہ سے، خدام سے جلدی جلدی کھانا مانگتے تھے۔ قاری ''مئین'' پڑھتا تھا، ابوداؤد نے کہا: میں نے امام احمد کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے، مجھے پسند ہے کہ امام کے ساتھ (تراویح) اور وتر پڑھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''آدمی اگر امام کے ساتھ نماز پڑھتا رہے، یہاں تک کہ وہ لوٹ جائے تو اس کے لیے بقیہ رات کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔ امام احمد لوگوں کے ساتھ تراویح اور وتر پڑھتے تھے، اثرم نے کہا مجھے رات میں امام احمد کے امام نے بتایا کہ وہ ان کے ساتھ پوری وتر اور تراویح پڑھتے تھے، اس نے بتایا کہ لوگ اس کے بعد میرا انتظار کرتے، جب میں اٹھ جاتا تو لوگ اٹھ جاتے، غالباً وہ حضرت ابوذر کی اس حدیث کو مدنظر رکھتے تھے۔ جو امام کے ساتھ نماز پڑھے یہاں تک کہ وہ لوٹ جائے، تو اس کے لیے بقیہ رات کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔''

امام ابوداؤد نے کہا: امام احمد سے دریافت کیا گیا: کچھ لوگوں نے رمضان میں پانچ ترویحہ پڑھا، لیکن دو ترویحہ کے درمیان آرام نہیں کیا؟ فرمایا کوئی حرج نہیں، انھوں نے کہا: اوران سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص کو ایک ترویحہ کی دو رکعتیں ملیں، تو کیا اس کے ساتھ دو رکعات ملائے گا؟ تو انھوں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی اور فرمایا: یہ نفل ہے، اور امام احمد سے پوچھا گیا قیام مؤخر کریں؟ یعنی تراویح کو اخیر رات میں پڑھیں؟ فرمایا نہیں، مسلمانوں کا طریقہ میرے نزدیک زیادہ پسند ہے۔

تراویح کے دوران نفل:

ابوعبداللہ نے تراویح کے دوران نفل کو مکروہ کہا ہے، اور کہا اس سلسلے میں تین صحابہ کرام: عبادہ، ابودرداء اور عقبہ بن عامر سے منقول ہے:

ابوعبداللہ سے کہا گیا کہ بعض صحابہ سے اس سلسلے میں رخصت منقول ہے؟ فرمایا: یہ باطل ہے۔ ہاں اس سلسلے میں حسن وسعید بن جبیر سے منقول ہے۔ امام احمد نے فرمایا: فرض کے بعد نفل پڑھے، تراویح کے دوران نفل نہ پڑھے۔

اثرم کی روایت ہے کہ حضرت ابودرداء نے کچھ لوگوں کو دوران تراویح نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا: یہ کون سی نماز ہے، کیا امام تمہارے سامنے ہو، تب بھی تم نماز پڑھو گے؟ جو ہم سے اعراض کرے وہ ہم سے نہیں، اور فرمایا: آدمی کی قلت فقہ کی علامت ہے کہ مسجد میں دیکھا جائے اور نماز میں نہ ہو۔"

فصل

رہی تعقیب: یعنی تراویح کے بعد کوئی اور نفل باجماعت پڑھے، یا دوسری جماعت کے ساتھ تراویح پڑھے۔

تو امام حمد سے منقول ہے: اس میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ حضرت انس بن مالک نے فرمایا:

''وہ کسی خیر کی امید یا کسی شر سے بچنے ہی کی خاطر لوٹتے ہیں۔'' اس میں وہ کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

محمد بن حکم نے ان سے ''کراہت'' نقل کی ہے، لیکن یہ قدیم قول ہے، عمل، جماعت کی روایت پر ہے۔

ابوبکر نے کہا: ''نصف یا اخیر رات تک نماز'' مکروہ نہیں، اس میں بس ایک روایت ہے۔ ہاں اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ سونے سے قبل لوٹ آئیں، صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں۔ اس لیے کہ یہ خیر اور عبادت ہے، لہٰذا مکروہ نہیں۔ جیسا کہ اگر اخیر رات تک مؤخر کردے۔

ختم قرآن میں دعا اور ختم قرآن میں ہاتھوں کو اٹھانا:

فضل بن زیاد نے کہا: میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا: میں قرآن ختم کر رہا ہوں، اس کو وتر میں کروں یا تراویح میں؟ فرمایا: تراویح میں تاکہ ہمیں دونوں کے دوران دعا مل جائے۔ میں نے کہا: کیسے کروں؟ فرمایا جب اخیر قرآن پڑھ لو تو رکوع سے قبل اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاؤ اور ہمارے ساتھ دعا کرو، ہم نماز میں ہوں گے، دیر تک کھڑے رہنا۔ میں نے کہا کیا دعا کروں؟ فرمایا: جو چاہے۔ میں نے حسب حکم کیا۔ وہ میرے پیچھے کھڑے ہاتھوں کو اٹھائے دعا مانگ رہے تھے۔

حنبل نے کہا: میں نے ختم قرآن کے بارے میں امام احمد کو یہ فرماتے ہوئے سنا، جب تم (قل اعوذ برب الناس) پڑھ لو، تو رکوع سے قبل دعا میں ہاتھوں کو اٹھاؤ۔ میں نے پوچھا آپ کے پاس اس کا ماخذ و مرجع کیا ہے؟ فرمایا: میں نے اہل مکہ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔

سفیان بن عیینہ مکہ میں ان کے ساتھ اسی طرح کرتے تھے، عباس بن عبد العظیم نے کہا: اسی طرح کرتے ہوئے میں نے لوگوں کو بصرہ و مکہ مکرمہ میں پایا ہے اہل مدینہ اس کے بارے میں کچھ روایت کرتے ہیں۔ یہ حضرت عثمان بن عفان سے مروی ہے۔

فصل

شک کی رات میں تراویح کے بارے میں ہمارے اصحاب کے درمیان اختلاف ہے۔قاضی سے منقول ہے کہ ہمارے شیخ ابوعبداللہ کے زمانہ میں یہ مسئلہ اٹھا تو انھوں نے تراویح پڑھی،اور قاضی ابویعلی نے بھی پڑھی،اس لیے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی نے تم پر اس کا روزہ فرض کیا،اور میں نے اس کا قیام مسنون کیا۔" حضور ﷺ نے قیام کو روزہ کے ساتھ رکھا۔

ابوحفص عکبری ترک تراویح کے قائل ہیں،اور انھوں نے فرمایا: روزہ کے بارے میں اعتماد،ابن عمر کی حدیث اور صحابہ وتابعین کے فعل پر ہے،اور اس رات تراویح ان سے منقول نہیں، تمیمی حضرات نے اسی کو اختیار کیا ہے،اس لئے کہ اصل : شعبان کا باقی ہونا ہے، ہم نے روزہ کا قول،واجب میں احتیاط کے مدنظر اختیار کیا ہے اور نماز (تراویح) واجب نہیں،لہذا وہ اصل پر برقرار رہے گی۔"

فصل

ابوطالب نے کہا: میں نے امام احمد سے دریافت کیا:"قل اعوذ برب الناس" پڑھنے کے بعد، کچھ سورہ بقرہ پڑھے گا؟ فرمایا نہیں،انھوں نے بہتر نہیں سمجھا کہ ختم قرآن کے ساتھ کچھ قرأت ملا دے۔شاید اس سلسلہ میں ان کے نزدیک کوئی صحیح اثر نہیں،جس کو اختیار کریں۔

ابوداؤد نے کہا: میں نے امام احمد سے ابن مبارک کا یہ قول ذکر کیا: اگر جاڑا ہو تو اول شب میں قرآن ختم کرو،اور گرمی ہو تو ابتدائی دن میں۔تو گویا ان کو یہ اچھا لگا،اس لیے کہ طلحہ بن مصرف سے مروی ہے کہ میں نے اس امت کے ابتدائی دور کے اہل خیر کو پایا کہ وہ دن کے شروع اور رات کے شروع میں ختم کرنا پسند کرتے تھے،وہ حضرات کہتے تھے: اگر شروع رات میں ختم کرے گا،تو صبح تک فرشتے اس کے لئے دعائے رحمت کریں گے،اور شروع دن میں ختم کرے گا تو فرشتے شام تک اس کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں،بعض

اہل علم نے کہا: مستحب ہے کہ دن میں ختم، فجر کی دو رکعتوں میں یا ان دونوں کے بعد کرے، اور رات میں ختم مغرب کی دو رکعتوں میں یا ان دونوں کے بعد کرے، ختم اول شب میں اور اول دن میں کرے۔

فصل

مستحب ہے کہ ختم کرتے وقت اپنے گھر والوں اور دوسروں کو جمع کرلے تاکہ وہ دعا میں شریک ہو جائیں۔ امام احمد نے فرمایا: حضرت انسؓ قرآن ختم کرتے وقت اپنی آل اولاد اور گھر والوں کو جمع کرتے تھے۔ یہی ابن مسعودؓ وغیرہ سے مروی ہے۔ اس کو ابن شاہین نے حضور ﷺ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ ابوبکر نے کہا: سورہ ضحیٰ سے اخیر قرآن ہر سورہ کے اخیر میں تکبیر مستحسن ہے۔ اس لیے کہ حضرت ابی کی روایت میں ہے کہ انھوں نے حضور ﷺ کو پڑھ کر سنایا تو آپ نے ان کو اس کا حکم دیا۔ اس کو قاضی نے ''جامع'' میں اپنی اسناد سے روایت کیا ہے۔

فصل

ابوعبداللہ سے دریافت کیا گیا ہے کہ ماہ رمضان میں کوئی امام، سورہ کی کچھ آیات چھوڑ دے، تو کیا مقتدی اس کو پڑھیں گے؟ فرمایا: ہاں ایسا کرلینا چاہیے۔ مکہ کے لوگوں نے ایک آدمی کو مقرر کر رکھا تھا کہ امام سے جو حروف وغیرہ چھوٹ جائیں، ان کو لکھ لے۔ اور ختم والی رات میں اس کو دہرانا تھا، ایسا مستحب اس لیے ہے تاکہ ختم قرآن مکمل ہو جائے، اور پورا ثواب ملے۔

رمضان میں آغاز قرأت:

صاحب الفروع (۱/۴۲۰) نے کہا: امام احمد نے مستحب قرار دیا ہے کہ تراویح سورہ قلم سے شروع کی جائے، اس لیے کہ سب سے پہلے یہی نازل ہوئی، اور سب سے اخیر میں سورہ مائدہ نازل ہوئی، اور سجدہ کے بعد کھڑا ہو تو سورہ بقرہ پڑھے۔ ابراہیم بن محمد بن حارث نے نقل کیا ہے کہ اس کو عشاء کی نماز میں پڑھے گا۔ ہمارے شیخ نے کہا: یہی زیادہ بہتر ہے، اور ختم قرآن کے لیے آخری رکعات کے رکوع سے قبل دعا کرے، دونوں ہاتھوں کو اٹھائے

گا۔ پہلے کو لمبی کرے گا، اس کے بعد وعظ کہے گا، ان سب کی تصریح ہے۔ اھ

تراویح میں سلف کے مختلف النوع معمولات:

صورت اول: حضرت عمرؓ کا لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کرنا۔

صورت دوم: شعبہ سے مروی ہے۔ انھوں نے اشعث بن سلیم سے روایت کیا کہ میں نے اپنی مسجد والوں کو پایا کہ امام ان کو رمضان میں پڑھاتا ہے، لوگ اس کے پیچھے پڑھتے ہیں، کچھ لوگ مسجد کے گوشہ میں تنہا تنہا پڑھتے ہیں۔

مسجد مدینہ میں حضرت ابن الزبیر کے عہد میں، میں نے لوگوں کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

صورت سوم: عہد رسالت اور اس کے بعد حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا معمول، وہ کبھی کبھی اپنے گھر کی عورتوں کو عہد رسالت میں تراویح پڑھاتے تھے، اس کے بعد عہد عمر میں لوگوں کو تراویح پڑھائی۔ ابن ہرمز ایک قاری تھے، وہ اپنے اہل خانہ کو اپنے گھر میں تراویح پڑھاتے تھے۔

صورت چہارم: عمل قراء، شعبہ، حضرت اسحاق بن سوید سے نقل کرتے ہیں: رمضان میں بنی عدی میں قراء کی صف ہوتی تھی: امام لوگوں کو پڑھاتا، اور یہ لوگ علیحدہ پڑھتے تھے۔ اور شاید ایسا اپنے حفظ کو عمدہ کرنے کے لئے کرتے تھے۔

اسی طرح سعید بن جبیر مسجد میں تنہا پڑھتے تھے۔

صورت پنجم: جو لوگ کبھی گھر میں، اور کبھی مسجد میں پڑھتے تھے، امام مالک نے فرمایا: عمر بن حسین صاحب فضل وفقہ ہیں۔ وہ عبادت گزار تھے، ایک شخص نے مجھے بتایا کہ وہ رمضان میں ان کو روزانہ قرآن شریف شروع کرتے ہوئے سنتا تھا۔ دریافت کیا گیا: وہ ختم کر لیتے تھے؟ فرمایا: ہاں، وہ رمضان میں عشاء پڑھ کو لوٹ جایا کرتے تھے، اور ۲۳ ویں رات کو لوگوں کے ساتھ تراویح پڑھتے، اسکے علاوہ ان کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔

دریافت کیا گیا: ابوعبداللہ! آدمی ہر رات قرآن ختم کرے؟ فرمایا: کیا خوب! قرآن ہر خیر کا امام ہے۔

صورت ششم: قبیصہ نے کہا: سفیان نے رمضان میں میرے پیچھے ایک ترویحہ پڑھا، پھر کنارے ہو گئے، اور تنہا پڑھا، وہ اس قدر بلند آواز سے پڑھنے لگے، مجھ سے غلطی ہونے والی تھی، پھر انھوں نے میرے پیچھے ایک اور ترویحہ پڑھا، پھر اپنا جوتا لیا، اور میرے ساتھ وتر پڑھنے کا انتظار کیے بغیر چلے گئے۔

یحییٰ بن ایوب نے کہا: میں نے یحییٰ بن سعید کو دیکھا کہ وہ مدینہ میں مسجد میں امام کے ساتھ رمضان میں عشاء کی نماز پڑھتے اور لوٹ جاتے، میں نے ان سے وجہ پوچھی تو فرمایا: میں تراویح پڑھتا تھا پھر چھوڑ دیا، اگر میں تنہا پڑھ سکوں تو یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

صورت ہفتم: راحت قلب کے لئے اس کو ترک کرنا۔ صالح مری سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے حضرت حسن سے دریافت کیا: ابوسعید! رمضان آ ہی گیا ہے۔ میں نے قرآن پڑھ لیا ہے۔ میں تنہا تراویح پڑھوں؟ یا لوگوں کے ساتھ مل کر پڑھوں؟ آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضرت حسن نے اس سے فرمایا: تمہیں اپنے لئے اختیار رہے، دیکھ لو جہاں تمہارے دل میں خوف زیادہ پیدا ہو اور اچھی طرح بیدار رہ سکو، اسی کو اختیار کرلو۔

ابوداؤد نے امام احمد سے کہا: امام لوگوں کو مسجد میں تراویح پڑھاتا ہے، اور کچھ لوگ مسجد ہی میں تنہا پڑھتے ہیں؟ فرمایا: مجھے پسند ہے کہ امام کے ساتھ پڑھیں۔ انھوں نے ان سے یہ بھی پوچھا کہ ایک شخص دوبار قرآن پڑھتا ہے، رمضان میں لوگوں کی امامت کرتا ہے؟ فرمایا: یہ میرے نزدیک لوگوں کے نشاط پر موقوف ہے، ان میں کام ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت معاذ سے فرمایا: ''کیا تم فتنہ میں ڈالو گے؟''

عبادت میں محنت کی کچھ انواع:

حسن نے کہا جو یہ کر سکے کہ امام کے ساتھ پڑھے، پھر جب امام ترویحہ میں بیٹھا ہو تو جو قرآن یاد ہے، اس کو اپنے طور پر نماز میں پڑھے یہ افضل ہے، ورنہ تنہا پڑھے، اگر اس کو قرآن یاد ہوتا کہ قرآن اس کو بھول نہ جائے۔

ابن عمر عشاء پڑھ کر گھر لوٹ آتے، اور جب لوگ تراویح پڑھ کر لوٹ جاتے تو اپنی ضروری چیزیں لے کر مسجد میں پہونچ جاتے۔ فجر تک رہتے۔

نوادر وعمومات:

میمون بن مہران نے کہا: میں نے دیکھا کہ اگر قاری پچاس آیتیں پڑھتا تو لوگ کہتے: اس نے تخفیف کر دی اور میں نے رمضان میں قراء کو پایا ہے کہ وہ پورا ایک واقعہ پڑھتے تھے، مختصر ہو یا لمبا، لیکن آج تو مجھ پر ایک قاری کی قرأت نے کپکپی طاری کر دی جنھوں نے یہ آیت پڑھی (وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ) پڑھے پھر دوسری رکعات میں یہ پڑھا (غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۔ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ).

حسن بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ عبد الرحمن بن اسود لوگوں کو ماہ رمضان میں شروع سے اخیر رات تک پڑھاتے تھے، وہ چالیس رکعات اور وتر پڑھاتے تھے، دو ترویحہ کے دوران بارہ رکعات پڑھتے اور سات رکعات وتر۔ درمیان میں سلام نہیں پھیرتے تھے، اور اس کے دوران کہتے تھے: ''الصلاۃ '' (یعنی نماز کیلئے تیار ہو جاؤ، ہر ترویحہ میں نفل کے بعد فرض پڑھنے کیلئے یہ کہا جاتا تھا) اور ہر رات تہائی قرآن پڑھتے تھے۔

قتادہ، ہر سات راتوں میں ایک بار ختم قرآن کرتے تھے، اور رمضان آجاتا تو ہر تین راتوں میں ایک ختم کرتے تھے اور عشرہ اخیرہ میں ہر رات میں ایک ختم کرتے تھے۔

☆☆☆☆☆

فَاقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ

اَنْوَارُ الْمَصَابِیْح

فی توضیح

مَصَابِیْحُ التَّرَاوِیْح

از

حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب عمت فیوضہم

استاذ دار العلوم دیوبند

یعنی

مصابیح التراویح مصنفہ شمس الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا
محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہ بانی دار العلوم دیوبند کا سلیس اردو ترجمہ

مع ضروری توضیحات و فوائد

ناشر

ادارہ نشر و اشاعت دار العلوم دیوبند

طبع اول {مطبوعہ الجمعیۃ پریس دہلی} ایک ہزار

فہرست مضامین انوار المصابیح ترجمہ اردو مصابیح التراویح

تمت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدّمہ

از

مقدام العلماء حضرت مولانا محمد طیب صاحب عمت فیوضہم حفید رشید حضرت الامام

مولانا محمد قاسم النانوتوی قدس اللہ سرہٗ، مہتمم دارالعلوم دیوبند

قاسمی علوم و معارف کا عرفانی ذخیرہ ایک اچھوتی حکمت اور ایک نیا علم کلام ہے جس نے اسلام کے منقولات کو معقولات اور معقولات کو محسوسات بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اُس کا طریقِ استدلال نہ منطقیانہ ہے نہ فلسفیانہ، نہ متکلمانہ ہے نہ صوفیانہ۔ بلکہ حکیمانہ ہے۔ جس میں شرحِ صدر سے نکلے ہوئے بدیہیات و مشاہدات دلائل کے اجزاء بنے ہوئے ہیں اور حجت و برہان کے ساتھ بے مثل طریقِ استدلال سے دقیق سے دقیق مسائل کو پانی بنا کر دکھلا دیا گیا ہے۔

اس حکمت نے اگر ایک طرف فلسفۂ یونان کو (جو خالص نظریاتی اور دماغی اختراعات کا حسابی فلسفہ ہے) فلسفۂ ایمان کے مقابلہ میں بودا اور پھسپھسا ثابت کر دیا ہے تو دوسری طرف اس دور کے سائنسی فلسفہ کے نئے نظریات کو (جن کی بنیاد مادی اختراعات اور حسّی انکشافات پر ہے) مجبور کر دیا ہے کہ یا وہ اسلامی حقائق کے سامنے سپر ڈال کر اُس کے سچّے خادم ثابت ہوں اور یا درصورتِ مقابلہ اُس سے ٹکرا کر ختم ہو جائیں، اور اس طرح یہ حکمتِ قاسمی قدیم فلسفہ کے لئے شمشیرِ برہنہ اور جدید فلسفہ کے لئے ایک کمندِ محکم کی حیثیت رکھتی ہے جس نے بیک وقت دونوں فلسفوں کو چیلنج کیا ہے۔

سنت اللہ یہی ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ ہر دور میں اُس دور کی ذہنیتوں اور طبائع کی اصلاح اُسی دور کی زبان و بیان اور اُسی عہد کے رنگ استدلال سے فرماتے رہے اور اُسی قسم کے علماء و حکماء کو کھڑا کرتے رہے جنہوں نے اُس دور والوں کو اُن ہی کی زبان میں خطاب کیا۔ اسی طرح آج کے مشینی دور میں جبکہ طبائع عقل پرستی سے گذر کر حس پرستی کا شکار ہونے والی تھیں اور انفسی ایجادات و اختراعات یا بالفاظ مختصر مادّیت سے مغلوب ہو کر روحانیت سے [illegible] آجانے کو تھیں، حق تعالیٰ نے سیدنا الامام الکبیر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ بانیٔ دارالعلوم دیوبند کو خاص خاص قلبی اور ذہنی صلاحیتیں دے کر کھڑا کیا، جنہوں نے اس دور کی ذہنیت اور طبائع کی افتاد کو پرکھ کر ایک ایسی دینی حکمت کی بنیاد ڈالی جس میں اسلامی نقلیات کو عقلیات اور عقلیات کو حسیات بنا کر ذہنوں میں اتارا تاکہ کسی فلسفی مزاج کے لئے اسلامی اصول و فروع کو ماننے اور اُن کو دین فطرت ہونا باور کرنے میں کسی پس و پیش کی گنجائش باقی نہ رہے۔ یہ قاسمی حکمت کم و بیش تیس* تصانیف کے ضمن میں پھیلی ہوئی ہے۔ جس میں اسلام کے اصول و فروع اور حقائق کلیہ و جزئیہ کو حکیمانہ انداز بیان سے ثابت کرکے اسلامی عقائد و احکام کی سرحدوں کو اس حد تک مضبوط کر دیا گیا ہے کہ فلسفہ اگر سو برس تک بھی مختلف دوروں میں رنگ بدل بدل کر اسلام کے مقابل آئے تو یہ اصول اُسی رنگ میں اُس کا منہ توڑ جواب دیکر اُسے پسپا ہونے یا ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرتے رہیں گے۔

لیکن یہ تیس صحیفوں کی حکمت ایک ایسے عظیم اور زرخیز ملک کی مانند ہے، جس میں زندگی کی تمام ضروریات نہایت ہی منظم طریق پر مہیا ہوں اور خزائن و دفائن کی کمی نہ ہو، وسائل نقل و حرکت سب جمع شدہ ہوں مگر ملک میں پہنچنے کا راستہ گم یا نہایت پیچیدہ اور دشوار گذار ہو، نہ راستہ کے نشانات ہوں جن سے کوئی راہ قطع کر سکے۔ نہ علائم و آثار ہوں جن سے ملک کی

* ان میں سے بعض تصانیف کئی کئی جلدوں میں ہیں اور ہر جلد مختلف موضوع کے رسائل پر مشتمل ہے۔ اگرچہ انکو مکتوبات [illegible] کیا گیا۔ اگر تفصیلی طور پر مستقل موضوع کے پیشِ نظر تصانیف کے عدد کو شمار کیا جائے تو مجموعی عدد پچھتر ہوگا۔ ۱۲

زرخیزی اور آبادی کا پتہ چلتا ہو کہ نفع اٹھانے والے اُس کی طرف متوجہ ہوں، اور سوائے مخصوص باخبر لوگوں کے عامۃ الناس میں نہ کوئی اُس ملک سے باخبر ہو، نہ اُس میں پہنچ سکنے کی راہ پاتا ہو۔ ٹھیک اسی طرح حکمت قاسمیہ کے علوم و معارف کے بھرپور خزانوں کا ایک ملک ہے مگر اُس تک پہنچنے کے نشاناتِ راہ، عنوانات مضامین، ضروری تشریحات، فُٹ نوٹ علوم کی فہرستیں اور تراجم وغیرہ نہ ہونے کے سبب عامۂ علماء بھی اُس سے مستفید نہیں ہو سکتے تا بعوام چہ رسد۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت سیدنا و مرشدنا شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ نے تہیہ فرمایا کہ اس حکمت کی ترتیب و تہذیب اور تفصیل و تبویب کر کے اُس کی افادیت کو عام کیا جائے۔ چنانچہ تصانیف قاسمیہ میں سے حجۃ الاسلام سے اس نصب العین کی ابتداء کی گئی۔ تمہید، فہرست مضامین اور اضافۂ عنوانات سے اُسے دیدہ زیب چھپوا کر اعلان کیا گیا کہ بقیہ تمام کتب کا سٹ بھی اسی انداز کا شائع کرایا جائے گا۔ لیکن حوادث زمانہ کے سبب ایک کتاب سے آگے سلسلہ نہ بڑھ سکا۔

اس کے کافی عرصے کے بعد حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی نصب العین کو سامنے رکھ کر احقر راقم الحروف سے فرمایا کہ تصانیف قاسمیہ میں سے بعض مشکل تصانیف میں تجھے درساً درساً پڑھانا چاہتا ہوں تاکہ ان علوم کی تشریح تیرے لئے ممکن ہو لیکن اہتمام کے طویل الذیل کاموں کے ساتھ وہ بھی اس مقصد کو پورا نہ کر سکے۔

اس کے بعد احقر نے از خود مطالعہ شروع کیا اور چند رسائل کا مطالعہ کر کے اُن کی فہرستیں مرتب کیں اور وہ فہرستیں اس قابل ہیں کہ کتاب کے مضامین کی نشاندہی کر سکیں۔ نیز اگر متعلقہ رسائل کے ساتھ اُنھیں شائع کر دیا جائے تو کم از کم رسالہ کے مختلف موضوعات اجمالی نظر میں سامنے آ سکتے تھے جو کتاب کے سمجھنے میں مدد دے سکتے۔ لیکن مشکل مقامات کی توضیح یا اصطلاحی عبارات کی تشریح کرنے کا اس وقت کوئی تخیل ذہن میں نہ آیا۔ اسلئے یہ خدمت بھی ایک ناتمام خدمت ہو گئی۔ اور ساتھ ہی یہ عنوانی خدمت بھی سارے رسائل کی نہ ہو سکی۔ بلکہ بعض تک محدود رہ گئی۔

اس کے بعد حضرت مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی ناظم جمعیۃ علماء ہند کو اس کا خیال پیدا ہوا تو موصوف نے بھی اضافۂ عنوانات اور تشریحی فٹ نوٹوں کا سلسلہ شروع فرمایا اور تقریر دلپذیر اور انتصار الاسلام کی خاصی حد تک خدمت کی۔ لیکن یہ سلسلہ بھی ان دو کتابوں سے شروع ہو کر ان ہی دو پر ختم ہو گیا اور آگے نہ بڑھ سکا۔

اس کے کچھ عرصہ کے بعد احقر نے بھی حضرت اقدس کی فارسی تصانیف کے ترجمہ کی مہم شروع کی۔ چنانچہ مصابیح التراویح اور قاسم العلوم کے بعض مکاتیب کا ترجمہ کیا لیکن انتظامی امور کی ذمہ داریاں سدِّ راہ ہوئیں اور ان ترجموں میں سے کوئی سا ترجمہ بھی مکمل نہ ہو سکا۔

سال گذشتہ سوانح قاسمی کی خواندگی کے وقت، جس میں احقر راقم الحروف اور حضرت الاستاذ مولانا محمد ابراہیم صاحب شیخ المعقول والمنقول دار العلوم دیوبند اور حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب صدر الکاتبین و ناظم شعبۂ کتابت دار العلوم دیوبند اول سے آخر تک شریک رہے۔ ارادہ کیا گیا کہ سوانح کی خواندگی کا یہ وقت فارغ نہ چھوڑا جائے بلکہ اس وقت میں تصانیف قاسمیہ کی خواندگی کا سلسلہ بھی اسی ثلث مجلس میں شروع کیا جائے اور اثناءِ خواندگی ہی میں تجویزِ عنوانات، تشریحی نوٹ اور اصطلاحات کی توضیح کا کام بھی ساتھ ہی ساتھ کیا جائے۔ چنانچہ قبلہ نما کا انتخاب کر کے اُس کی خواندگی مذکورہ خدمت کے ساتھ شروع کی گئی۔ لیکن احقر کے پیاپے اسفار اور بالخصوص سفر برما جس نے ڈھائی ماہ کی مدت لے لی، اس سلسلہ میں رکاوٹ بنا اور "قبلہ نما" نصف بھی نہ ہونے پایا کہ یہ سلسلہ بھی درمیان میں رہ گیا۔

مگر اس خواندگی کے ایام میں چونکہ احقر بار بار اس ضرورت پر روشنی ڈالتا رہا اور ترغیب و تحریص سے جذبات ابھارتا رہا کہ حکمتِ اسلام کی ان انمول کتابوں کی خدمت اشد ضروری ہے جس سے کسی حال بھی مسامحت اور چشم پوشی جائز نہیں ہو سکتی، جو میرے محترم بزرگ اور دوست مولانا اشتیاق احمد صاحب کے قلب پر اثر کر گئی اور انھوں نے دل ہی دل میں اسکا

منصوبہ باندھ لیا کہ اگر کوئی بھی اس کام میں معین نہ بنے تب بھی انھیں یہ خدمت انجام دینی ہے

اسی دوران میں حضرت قاسم العلوم کی کتاب مصابیح التراویح جو فارسی زبان میں ہے، احقر نے شعبۂ نشر و اشاعت دارالعلوم کی طرف سے چھپوائی جو نادر ہو چکی تھی اور اُس میں کتابت کی کافی اغلاط رہ گئیں جس کی طرف خاص طور سے مولانا ممدوح نے توجہ دلائی تو احقر کے عرض کرنے پر تصحیح اغلاط کی خدمت انھوں نے ہی اپنے ذمہ لے لی اور صحت نامہ مرتب کرنا شروع کر دیا۔

چونکہ اس سلسلہ میں اُنہیں مصابیح التراویح کے مطالعہ کا بالاستیعاب موقعہ ملا، اور اُس کے حقائق و معارف اچانک سامنے آئے جنہوں نے دل کو اپنے میں اُلجھا لیا تو ممدوح نے تصحیح کے ساتھ ساتھ از خود ہی اُس کا ترجمہ بھی شروع فرما دیا اور اُس کی ایک مکمل اور جامع فہرست بھی مرتب فرمانی شروع کر دی۔

احقر رنگون (برما) ہی میں تھا کہ مولنا کا بشارت نامہ تکمیلِ ترجمہ و تکمیلِ فہرست اور تکمیلِ فٹ نوٹس اور عبارات تشریحی کی بابت مجھے دستیاب ہوا، جس سے دل باغ باغ ہوگیا۔ اور اس سلسلہ کے بار بار اٹھ کر ناتمام رہ جانے سے جو ایک ناامیدی سی پیدا ہوگئی تھی، امید تازہ کی صورت میں تبدیل ہوگئی۔

رنگون سے واپس آکر میں نے یہ ترجمہ اور اُس کی مکمل فہرست نیز جگہ جگہ فٹ نوٹس اور بین القوسین کی تشریحی عبارتیں دیکھیں تو صرف مسرت ہی کے جذبات موجزن نہیں ہوگئے بلکہ ایک امید بندھ گئی کہ شاید اس متخیلہ خدمت کے واقعہ بن جانے کا وقت آگیا ہے جو عرصۂ دراز سے دل کی تمنا بنی ہوئی تھی اور اُسے ایک ایسی شخصیت کی خدمات حاصل ہوگئی ہیں جس کی ضرورت تھی۔

کیونکہ قاسمی علوم و معارف کے خدمت گذار کے لئے معقول و منقول کی علمی استعداد اور ساتھ ہی فنی حقائق سے مناسبت ناگزیر تھی، مولانا اشتیاق احمد صاحب محض دارالعلوم کے کاتب ہی نہیں بلکہ علمی حیثیت سے آپ ذی استعداد عالم بھی ہیں۔ گو ممدوح پر فن کتابت کا غلبہ رہا اور کوئی شبہ نہیں کہ اس فن میں اگر اُنہیں یکتائے زمانہ کہا جائے تو خلافِ واقعہ نہ ہوگا اور صرف لازمی نفع کے ساتھ بلکہ متعدی نفع کے ساتھ ہند و پاکستان بلکہ اور دوسرے ممالک میں آپ کے شاگرد بکثرت پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی کتب بینی اور علمی مذاکرے کے مشاغل سے آپ کبھی تارک نہیں ہوئے۔ اس لئے مسائل کا استحضار اسی انداز کا ہے جیسا ایک پُرانے علم کے مدرس کا ہو سکتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپ صرف ایک ذی استعداد عالم ہی نہیں سلسلہ نقشبندیہ کے مجاز طریق صاحبِ دل بھی ہیں جس دل میں حقائق و معارف کا کافی ذوق موجود ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ شیخ محی الدین ابن عربی شیخ عبدالعزیز دبّاغ صاحب ابریز قدس اللہ اسرارہم جیسے اکابر اُمت کی کتابوں پر ممدوح کی کافی نظر ہے اور ساتھ ہی نظر کی وسعت اور ذکر و فکر کی ریاضت سے حقائق و معارف کا صاف اور صحیح ذوق بھی موجود ہے اس لئے [illegible] احق تھے کہ علوم قاسمیہ کی تشریح و توضیح اور عنوانی خدمت میں وقت دیں اور یہ برسوں کی پسماندہ خدمت اُن کے ہاتھوں پوری ہو۔

مصابیح التراویح کا یہ ترجمہ نہایت سلیس بامحاورہ اور اس انداز کا ہے کہ اگر اُسے مستقلاً پڑھا جائے تو وہ ترجمہ نہیں مستقل کتاب معلوم ہوتی ہے۔ تشریحی نوٹ معنی خیز اور دل آویز ہیں۔ فہرست نہایت مکمل ہے کہ باوّل نظر پوری کتاب آئینہ بن کر سامنے آجاتی ہے اور کتاب کے وہ علوم جو بلاشبہ ایک بارونق مگر چھپے ہوئے شہر کی طرح تھے، راستہ کی پیچیدگیوں اور نشاناتِ راہ گم ہونے کی وجہ سے ناقابل انتفاع بنے ہوئے تھے اُن کی نشاندہی سے روشناس ہونے لگے اور شہر تک پہنچنے کا راستہ نکل آیا اور شہر کی طرف لپکنا اور دوڑنا آسان ہوگیا جس سے امید پڑ گئی ہے کہ یہ غامض اور دقیق علوم مخصوصین کے علاوہ عامۂ علماء و فضلاء کے لئے بھی اجنبی محض نہیں رہ سکیں گے۔

اس لئے یہ خدمت بہر نہج لائق ستائش و تحسین اور امید افزا ہے۔ حق تعالےٰ اس

خدمت کو قبول فرمائے اور مترجم ممدوح کو جزاء خیر اور اس خدمت کی طرح دوسری تصانیفِ قاسمیہ کی خدمت کی اُنہیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد طیب غفرلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۸ شعبان ۱۳۷۶ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا ومولٰنا محمد سید المرسلین وخاتم النبیین وعلٰی اٰلہ واصحابہ الطیبین الطاہرین

امابعد حجۃ اللہ فی الارض قاسم العلوم والمعارف سیدنا ومقتدانا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہٗ کی ذات مقدس کمالات ظاہری وباطنی کے اعتبار سے جس ارفع واعلیٰ مقام پر متمکّن تھی اُس سے اسلامی دنیا بالعموم اور علوم دینیہ سے شغف رکھنے والے عوام وخواص بالخصوص واقف وباخبر ہیں۔ ع آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ ایسے مطلعِ انوار وجود صرف اپنے ہی تعارف کے لئے دلیل روشن نہیں ہوتے، بلکہ ایک طرف اُن کے فیوض عامہ سے ظلمت کدۂ شب میں اگر کواکب وماہ منیر جگمگا اُٹھتے ہیں تو دوسری طرف اس تیرہ خاکدان ارضی میں بیشمار ذرہ ہائے بے مقدار بھی اُس کی تجلّیات سے ہمدوشِ کواکب بن جاتے ہیں۔ تو ان چمکتے ہوئے ذرات سے لے کر کواکب اور ماہ تاباں تک سب ہی اپنی نمایش یا تعارف میں مہر منیر کے محتاج ہیں۔ مگر وہ ان سب سے مستغنی اور بالاتر۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ممدوح متّعنا اللہ بعلومہٖ وعرفانہٖ اپنے تاریخی نام "خورشید حسین" کے مطابق اس دور میں سماءِ علم وعرفان کے خورشید ہی تھے۔ جن کے بارے میں بطور تعارف کچھ عرض کرنا "آفتاب کو چراغ دکھانا" اور تحصیل حاصل کہا جاسکتا ہے جس کا ایک ظاہر وباہر ثبوت دارالعلوم دیوبند آپ کی زندہ اور پائندہ یادگار ہے۔ جو ہندوستان میں علوم اسلامیہ کا واحد مرکز ہے اور ہند سے باہر بھی تمام عالمِ اسلام میں

اس کے فیوض وبرکات جاری وساری ہیں۔

حضرت ممدوح رحؒ کے اجلّہ تلامذہ میں سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کے مثیل ورفیق درس حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحمۃ اللہ بھی اُن اکابر مشائخ میں سے تھے جن کی زندگیوں کا نصب العین ہی حضرت استاذؒ کے جاذبۂ قویہ سے متأثر ہوکر خدمتِ دین وحمایت ونصرتِ اسلام قرار پا چکا تھا۔ یہی وہ تلمیذِ رشید ہیں جن کی تحریک سے یہ جواہر مکنونہ زیر نظر کتاب کی صورت میں منصۂ شہود پر جلوہ فرما ہوئے۔

مولانا ممدوح رحؒ نے جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوگا، صرف تراویح کے بارے میں بذریعہ نیاز نامہ ایک سوال پیش خدمت کیا تھا۔ لیکن حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے تبحّر علمی اور وارداتِ غیبی کا تقاضہ یہ ہوا کہ اس کو اساس قرار دیکر فلسفۂ نماز پر ایک ایسی مکمل اور سیر حاصل بحث سپرد قرطاس کردی جائے کہ جس سے تمام فرائض اور واجبات وسنن ومستحبات کی روح اور حقیقت عیاں ہوجائے اور واضح ہوجائے کہ عباداتِ اسلامیہ بالعموم اور تمام نمازیں بالخصوص دلائل عقلیہ ونقلیہ کے معیار پر کامل ومکمل ہیں اور ایسی جامعیت کہ اُن میں سے کوئی جزئی بھی دائرۂ حکمت سے باہر نہ ہونے پائے۔ کسی انسانی دماغ کے اختراع کا نتیجہ نہیں ہوسکتی۔ یہ صرف اسی علیم وحکیم کا بنایا ہوا دستور العمل ہے جس کے اُس علم وحکمت کا احاطہ کرنا بھی جو کسی چھوٹی سی گھاس کی پتّی سے تعلّق رکھتی ہو، انسانی عقل کی دسترس سے باہر ہے۔ حضرت مصنف قدس سرہٗ دورانِ تقریر میں ایسے ایسے علمی نکات ولطائف کی طرف جو ضمناً پیش نظر آتے گئے ہیں بلیغ اشارات فرماتے رہے ہیں کہ علم سے معمولی ذوق رکھنے والا بھی اُن سے محظوظ ہوئے بغیر نہ رہے گا۔ جن کا تفصیلی حال مطالعۂ کتاب سے واضح ہوسکتا ہے مگر اجمالی اندازہ فہرست مضامین سے بھی ہوجائیگا۔

اس مجموعۂ نکات ولطائف اور خزینۂ اسرار وحِکَم کا نام مصابیح التراویح ہے۔ جو کہ

...ھ میں معرض وجود میں آئی اور ۱۲۹۰ھ میں مطبع ضیائی میرٹھ میں طبع ہوکر اشاعت پذیر ہوئی۔ اس ۸۶ سال کے طویل عرصہ میں غالباً اس کے دوبارہ شائع ہونے کی نوبت موجودہ اشاعت ۱۳۷۶ھ سے پہلے نہ آسکی۔ اس کی ایک جلد حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند دامت فیوضہم کے پاس محفوظ تھی جو اشاعتِ ثانیہ کا ذریعہ بن گئی۔ ممدوح محترم کی خدمات اسلامیہ پر نظر کرتے ہوئے یہ کہنا ایک اظہار حقیقت ہے کہ آپ اپنے جدّامجد حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہٗ کے طریق پر قدم راسخ رکھتے ہیں۔ اس ملک کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہ رہا جو موصوف کے مواعظ حسنہ سے مستفیض نہ ہوا ہو۔ بلکہ بیرون ہند بھی سلسلۂ ارشاد وہدایت جاری رہتا ہے۔ دارالعلوم کے نظم کی ذمہ داریوں کا بار گراں اس پر مستزاد ہے تصنیفات والہامات کے ذریعہ سے جو افاضۂ مسلسل ہے وہ ان سب کے علاوہ ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ علمی شاہکار جو نادر ونایاب ہوچکا تھا، موصوف ہی کی سعی مشکور کا نتیجہ ہے کہ وہ دوبارہ معرض وجود میں آکر دیدۂ بصیرت کے لئے افزائشِ نور کا موجب ہوا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

جب شعبۂ نشر واشاعت دارالعلوم کی طرف سے یہ ہدیہ سنیہ احقر کو موصول ہوا اور اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا تو جس طرح پہلی بار اس سے استفاضہ کا موقع دستیاب ہونے کی وجہ سے باوجود قدیم ہونے کے حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی نئی اور تازہ تصنیف معلوم ہوئی، اسی طرح اس کے بہت سے مضامین اور دلائل بھی نئے اور اچھوتے ثابت ہوئے۔ اگرچہ وہ موضوع جو بناء کلام ہوا (یعنی بست رکعات تراویح) جدید نہیں تھا۔ حق یہ ہے کہ فلسفۂ نماز پر اس قدر دلنشین پیرایہ میں ایسے عارفانہ اور محققانہ دلائل عقلی ونقلی کم از کم اس کے علم میں پہلی مرتبہ آئے۔ خاکسار اُن کو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے معارف خاصہ میں سے شمار کرتا ہے۔ خود بھی اس طرف ہلکا سا اشارہ فرما گئے ہیں کہ بجز بارگاہ علیم وخبیر ان نکات ودلائل کا ماخذ کسی دوسرے کا علم نہیں ہے۔

دلم با نکاتے گرآویختہ — ہمانا کہ از سوئے حق ریختہ

الغرض بالاجمال مطالعہ کے ساتھ ہی ایک قوی داعیہ اس عاجز پر مسلّط ہوگیا کہ آسان اور بامحاورہ اُردو میں اس کا ترجمہ ہونا چاہیئے جو حسب ضرورت شرح نکات و دقائق پر بھی مشتمل ہو۔ تاکہ اس کی افادیت اتنی عام ہو جائے کہ کم درجہ مناسبت کے طالبین کے لئے بھی حقیقت شرع کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ اگرچہ اپنی علمی بے بضاعتی و فرومائگی بار بار دامنگیر ہوتی رہی۔ لیکن تائیدالٰہی پر اعتماد کرتے ہوئے خاکسار اس خدمت پر کمربستہ ہوگیا۔

چونکہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف حقائق و دقائق معانی پر مشتمل ہوتی ہیں اور حقائق کی تعبیرات میں کتنی آسان اور سہل زبان اختیار کی جائے لیکن پھر بھی عروس معانی کا بے حجاب ہونا دشوار ہی رہتا ہے۔ اس لئے حضرت ممدوح کی اُن تصانیف کا بھی جو اردو زبان میں ہیں مثل قبلہ نما و تقریر دلپذیر وغیرہ متوسط استعداد والوں کے لئے معمولی مطالعہ کافی نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ طالبین و ناشرین کی بے توجہی اور قلت اعتنا نے اُن کو دشوار سے دشوارتر کردیا کہیں الفاظ میں تحریف ہے۔ کہیں ترک ہے اور پورے جملے غائب ہیں ایسی مطبوعات اعلیٰ استعداد والوں کے لئے بھی صبر آزما ہو جاتی ہیں۔ تا بدیگراں چہ رسد۔

پیش نظر کتاب یعنی مصابیح التراویح اونچے درجہ کی عالمانہ فارسی زبان میں ہے اور قدیم طرزِ انشاء کی حامل ہے جس کے لئے سرسری مطالعہ کافی نہیں ہوتا، تو یہ اس طرح کے اسقام سے کیسے محفوظ رہ جاتی۔ اس لئے ترجمہ کی ابتداء سے پہلے احقر کے لئے ضروری ہوا کہ بدقتِ نظر کتاب کی تصحیح کرے کیونکہ یہ کام صحت ترجمہ کا مدار علیہ تھا۔ الحمدللہ اس سے بعونہ تعالیٰ فارغ ہوکر ترجمہ شروع کر دیا گیا۔ جس میں مندرجۂ ذیل امور کا التزام رکھا گیا ہے۔

(۱) ترجمہ بامحاورہ ہو۔ مگر تفہیم مطالب کو جو کہ ترجمہ کی غرض اصلی ہے مقدّم رکھا گیا ہے۔

(۲) اگر مقصد کی تشریح اور وضاحت کے لئے اصل الفاظ کے ترجمہ پر ایک دو کلمات یا جملوں کا اضافہ ضروری سمجھ کر کیا گیا تو اس کو قوسین کے درمیان رکھا گیا ہے۔ تاکہ مترجم کے اضافات اصل کے ساتھ مختلط نہ ہو جائیں۔

(۳) بین القوسین حسب ضرورت ایسی مختصر عبارات کو داخل کیا گیا ہے جن سے سیاق کلام میں خلل واقع نہیں ہوتا تھا۔ لیکن جہاں کچھ معتد بہ اضافہ ضروری معلوم ہوا جس میں ایسے جملہ مقامات شامل ہیں جن میں علمی اصطلاحات مذکور ہوئیں جن کی تعریف اور بقدر ضرورت تشریح بھی مناسب معلوم ہوئی۔ یا کسی مضمون کو ذہن نشین کرانے کے لئے کچھ عرض کرنا ضروری سمجھا وہ سب بطور حاشیہ فُٹ نوٹ میں لکھا گیا۔ اور علامت حاشیہ کے طور پر آخر میں "۱۲ مترجم" لکھ دیا گیا۔

(۴) فٹ نوٹ میں جو روایات عربی رسم الخط میں درج کی گئی ہیں۔ وہ اصل کتاب سے نقل کی گئی ہیں۔ غالباً حضرت مصنف ؒ ہی کے اقتباسات ہیں۔ ان کو ممتاز کرنے کے لئے ختم پر "۱۲ منہ" لکھ دیا گیا۔

(۵) وضاحت مقصد اور ایک مضمون سے دوسرے کو ممتاز کرنے کے لئے تاکہ مفہوم عبارت آسانی سے ذہن نشین ہو سکے حاشیہ پر بطور عنوانات چند کلمات یا مختصر جملے لکھ دیئے گئے۔ یہ پورا اضافہ مترجم کی جانب سے ہے۔

(۶) ابتدا میں فہرست مضامین بقید صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے جس میں ایسے تمام عنوانات داخل کئے گئے جو مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔

(۷) چونکہ اصل کتاب کو بھی مناسب اور موزوں تقطیعات کے ساتھ شامل کر دینا مناسب معلوم ہوا اس لئے اُس کے مضامین کو ایک جدول سے محیط کر کے ممتاز کر دیا گیا۔ جس کے بعد اس کے متعلق ترجمہ و تشریح کو ثبت کیا گیا۔ تاکہ اصل کتاب کو سمجھنے میں سہولت اور آسانی ہو جائے۔

الحمدللہ علی احسانہ کہ معروضہ بالا التزامات کے ساتھ ترجمہ مکمل ہوگیا جس کو بنام انوار المصابیح موسوم کرنا مناسب معلوم ہوا۔

یہ عاجز امیدوار ہے کہ جو حضرات اس سے مستفیض ہو کر حضرت مصنف قدس اللہ سرہ العزیز کے لئے دعاء رحمت کریں گے وہ اس غریق معاصی کے حق میں بھی مغفرتِ ذنوب کی دعا سے دریغ نہ فرمائیں گے۔

ہر کہ خواند دعا طمع دارم
زانکہ من بندۂ گنہگارم

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد رحمۃ للعلمین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وسلّم تسلیماً کثیراً کثیراً ۝

خاکسار

المفتقر الی رحمۃ ربہ الصمد

اشتیاق احمد عثمانی ۔ دیوبندی حنفی

عفا اللہ عنہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العلمین الرّحمٰن الرّحیم مالک یوم الدّین ط والصلوۃ والسّلام علی سید المرسلین وخاتم النّبیّین وآلہ الطاہرین واصحابہ الکاملین کلہم اجمعین ۝ پس از ثناء خدا و درود مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بندۂ ہیچمدان بلکہ نادان گنہگار و شرمسار محمد قاسم نانوتوی غفر اللہ لہ ولوالدیہ واحسن الیہما والیہ می نگارد کہ در ۱۲۸۸ھ ایک ہزار و دو صد و ہشت ہشتاد از ہجرۃ نبوی علیہ وعلی آلہ افضل صلوٰۃ وسلام در اواخر رمضان شریف مجموعۂ کمالات سلالۂ سادات عزیز من مولوی سید احمد حسن امروہی کہ باراقم ربط استناد دارند خطے فرستادند کہ مقصود ازاں استفسار از تاکدیا مذہب بست رکعۃ تراویح معمولہ مروجۂ اہل سنت و جماعت بود و باعث این استفسار غلغلۂ عدم ثبوت سنیت بست رکعۃ است کہ دریں زمانہ از چار طرف برخاستہ تا آنکہ بسیارے از شائقانِ اتباعِ سنت صلی اللہ علیہ وسلم دوازدہ رکعۃ را از بست انداختہ بطرح ہشت رکعۃ سواء وتر انداختند بلکہ رفتہ رفتہ نوبت بایں رسید کہ سخن بابت داع بست رکعۃ کشیدہ ۔ بعضے بصراحۃ گفتند و بعضے رازِ مکنون را در پردۂ اشارہ و کنایۃ نہفتند۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

الحمد للہ رب العلمین ۝ الرّحمٰن الرّحیم ۝ ملٰک یوم الدّین ۝ والصلوٰۃ والسّلام علی سیّد المرسلین وخاتم النبیین وآلہ الطاہرین واصحابہ الکاملین کلہم اجمعین ۝ بعد حمد خدا و درود بر مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم بندۂ ہیچمدان بلکہ نادان گنہگار و شرمسار محمد قاسم نانوتوی غفر اللہ لہ ولوالدیہ واحسن الیہما والیہ رقم طراز ہے کہ اواخر رمضان المبارک

سن بارہ سو اٹھاسی ہجری نبوی علیہ وعلی آلہ افضل صلوۃ وسلام میں میرے عزیز مجموعۂ کمالات سلالۂ سادات مولوی سید احمد حسن امروہی نے جو کہ راقم کے ساتھ تعلق استناد رکھتے ہیں (یعنی شاگرد ہیں ۱۲) ایک خط بھیجا جس سے مقصود بیس رکعت تراویح کے بارے میں جو اہل سنت والجماعۃ میں مروّج ومعمول ہیں یہ دریافت کرنا تھا کہ یہ سنت مؤکدہ ہیں یا مستحب۔ اور باعث اس استفسار کا وہ شور وغوغا ہے جو اس زمانہ میں اُن بیس رکعات کی مسنونیت ثابت نہ ہونے کے بارے میں چاروں طرف سے بلند ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے شائقین نے بیس رکعات میں بارہ رکعات سوائے وتر کم کرکے آٹھ رکعات کی طرح ڈالدی، بلکہ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بیس رکعات کے بدعت ہونے تک بات بڑھ گئی۔ بعضوں نے صاف صاف کہہ دیا اور بعضوں نے چھپے ہوئے راز کے طور پر اشارے اور کنایہ کے پردے میں چھپالیا۔

چون متمسّکِ این بزرگان دریں بارہ ظاہر حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ست کہ از بخاری بایں الفاظ مرویست قالت ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدیٰ عشرۃ رکعۃ الخ ودر دیگر کتبِ احادیث نیز غالباً بہمیں الفاظ باشد این طرف کلام امام ہمام ابن ہمام ہم کہ تعلق بحدیث مسطور دارد ناظر بآن بود کہ مسنون از بست ادا یازدہ رکعت با وتر باجماعت است و ادا باقی آن بطور مذکور مندوب عزیز موصوف کلام امام ہمام ابن ہمام کہ مسطور می شود نوشتہ از من ہیچمدان تحقیق حقیقۃ الامر خواستند وتصدیق یا جوابِ ارشادِ امام موصوف طلب داشتند۔

چونکہ ان بزرگوں کی دلیل اس بارے میں اُس حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ظاہری معنے ہیں جو امام بخاری سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

قالت ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ الخ	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اور غیر رمضان میں ہمیشہ گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ آخر حدیث تک

اور دوسری کتب احادیث میں بھی غالباً یہ حدیث ان ہی الفاظ سے مروی ہوگی۔

امام بزرگ ابن ہمام کا کلام جو اس حدیث مذکور سے متعلق ہے اسی جانب رُخ کئے ہوئے ہے کہ بیس رکعات میں سے گیارہ کا مع وتر کے جماعت کے ساتھ ادا کرنا مسنون ہے اور باقی (بارہ رکعات) کا ادا کرنا بطور مذکور مستحب ہے۔

عزیز موصوف نے امام ہمام ابن ہمام کا کلام جو آگے تحریر کیا جا رہا ہے لکھ کر مجھ ہیچمدان سے حقیقۃ الامر کی تحقیق کی درخواست کی اور امام موصوف کے کلام کی تصدیق یا اُس کا جواب مجھ سے طلب کیا۔

چون فہم بعض مطالب جواب برملاحظۂ کلامِ امام موصوف موقوف بود اول عرض عبارۃ امام لازم آمد امام ہمام می فرمایند۔ ما رواہ ابن ابی شیبۃ والطبرانی والبیہقی من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ انہ علیہ السلام کان یُصلی فی رمضان عشرین رکعۃً سوی الوتر فضعیفٌ بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر ابن ابی شیبۃ متفق علی ضعفہ مع مخالفتہ للصحیح نعم تثبت العشرون من زمن عمر رضی اللہ عنہ فی المؤطأ عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر رضی اللہ عنہ ابن الخطاب بثلث وعشرین رکعۃ وروی البیہقی فی المعرفۃ عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بعشرین رکعۃ والوتر قال النووی فی الخلاصۃ اسنادہ صحیحٌ وفی المؤطا روایۃ باحدی عشرۃ وجمع بینہما بانہ وقع اولاً ثم استقر الامر علی العشرین فانہ المتوارث فتحصل من ھذا کلہ ان قیام رمضان

سنة احدی عشرة رکعة بالوتر فی جماعة فعله صلی اللہ علیہ وسلم ثم ترکه لعذر افاد انه لولا خشیته ذٰلك لواظبت بکم ولا شك فی تحقق الامن من ذلك بوفاته صلی اللہ علیہ وسلم فیکون سنة وکونها عشرین سنة الخلفاء الراشدین وقوله صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین ندب الی سنتهم انتہٰی

چونکہ بعض مطالب جواب کا سمجھنا امام موصوف کے کلام کے مطالعہ پر موقوف تھا اس لئے پہلے اُن کی عبارت کا پیش کرنا ضروری ہوا۔ امام ابن ہمام فرماتے ہیں۔

وما رواہ ابن ابی شیبة والطبرانی و البیهقی من حدیث ابن عباس رض انه علیه السلام کان یُصلی فی رمضان عشرین رکعةً سوی الوتر ضعیفٌ بابی شیبة ابراهیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبة متفق علی ضعفه مع مخالفته للصحیح نعم تثبت العشرون من زمن عمر رضی اللہ عنه فی المؤطا عن یزید بن رومان قال کان یقومون فی زمن عمر رض ابن الخطاب بثلث و عشرین رکعة وروی البیهقی فی المعرفة عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه بعشرین رکعة والوتر قال النووی فی الخلاصة اسناده صحیحٌ وفی المؤطا روایة باحدی عشرة وجمع بینهما بانه وقع اولاً ثم استقر الامر علی العشرین فانه المتوارث فتحصل من هذا کله ان قیام رمضان سنة احدی عشرة رکعة بالوتر فی جماعة فعله صلی اللہ علیہ وسلم ثم ترکه لعذر افاد انه لولا خشیتهُ ذٰلك لواظبت بکم ولا شك فی تحقق الامن من ذلك بوفاته صلی اللہ علیہ وسلم فیکون سنة وکونها عشرین سنةُ الخلفاء الراشدین وقوله صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین ندب الی سنتهم انتہٰی

اور جس کو ابن ابی شیبہ اور طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے یعنی ابن عباس رض کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت پڑھا کرتے تھے علاوہ وتر کے وہ ضعیف بھی ہے اس لئے کہ اسکی سند میں ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان ہیں جو دادا ہیں امام ابو بکر بن ابی شیبہ کے اُن کا ضعف متفق علیہ ہے اور صحیح حدیث کے مخالف بھی۔ ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے بیس رکعت ثابت ہیں مؤطا میں یزید بن رومان سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ لوگ عمر بن الخطاب رض کے زمانہ میں تیئیس ۲۳ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ اور بیہقی نے معرفہ میں سائب بن یزید سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ ہم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے نووی نے خلاصہ میں کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے اور مؤطا میں ایک روایت گیارہ رکعات کی ہے اور دونوں کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ وہ امر (یعنی گیارہ رکعات) اولاً واقع ہوا پھر یہ عدد بیس پر قرار پکڑ گیا کیونکہ متوارث یعنی عہد عمر رض سے اب تک کا یہی معمول رہا ہے۔ تو اس مجموعہ سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ گیارہ رکعات مع وتر کے جماعت سے رمضان میں پڑھنا ایسی سنت ہے جس کو حضور علیہ السلام نے کیا اور کسی عذر کی وجہ سے چھوڑ بھی دیا اور یہ فرمادیا کہ اگر مجھے اس میں خوف (فرضیت کا) نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ اس پر مواظبت کرتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس خوف سے امن ہو چکا (یعنی فرضیت کا حکم نازل ہونے سے) تو یہ (تعداد یعنی آٹھ) سنت (رسول) ہوتی ہے اور اُس کا بیس رکعات ہو جانا سنت ہے خلفاء راشدین کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "تم پر لازم ہے میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت" ان کی سنت کی طرف دعوت دینا ہے۔ ابن ہمام کا کلام ختم ہوا۔

پس ازیں عرض می کنم کہ حسبِ سائیِ فہم نارسائے خود درہماں ایام درعشرۂ اخیرہ ورقے چند دریں بارہ نوشتہ پیش عزیز مذکور فرستادم وپس ازاں ورقے چند دیگر دراں افزودہ اسمش مصابیح التراویح نہادم۔ پس ہرچہ درنظرِ نقاد کامل عیار آید از عالم بالا ست ورنہ از من پر خطا۔ لمؤلفہ ؎

خطا وارم و از خطا کاریم
چوں بجنت سیاہم سیہ جان ودل
چہ دور ست کافتد فلک برسرم
زبارگناہم تنم پابگل

تو گوئی کہ ظلمت ز شبہائے تار   پریشانی از گردشِ روزگار
گرفتند و جان و دلم ساختند   بخاکم سرشتند و انداختند
غم این و آن ست بالائے آن   بجان یک جہانست و من نیم جان
باین تیرہ بختی و شوریدگی   کہ عالم سیاہ است و پہلو تہی
دلم با نکاتے گر آویختہ   ہمانا کہ از سوئے حق ریختہ
مگر نیست این نورِ افلاک من   نہ این تازہ گلہاست از خاک من
کہ نادانے از دست بخت زبوں   بسر مشت خاکست بہر شگون
زخاکِ کفِ پائے اُستاد و پیر   وزاں سایۂ رشک مہر منیر

کہ ماندہ زمانے بدست و سرم
بہ چشمم رسد نور و گل در برم

اس کے بعد میں عرض کرتا ہوں کہ اپنی فہم نارسا کی رسائی کے مطابق میں نے ان ہی دنوں میں رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ میں عزیز مذکور کے پاس اس بارے میں چند ورق لکھ کر بھیج دیئے اور اس کے بعد اُن میں چند اوراق کا اضافہ کرکے اس کا نام مصابیح التراویح رکھ دیا۔ پس اس کا جو حصہ نقاد کی نظر میں کامل اور بے کھوٹ ثابت ہو وہ عالم بالا کا فیضان ہے ورنہ اس بندۂ پُرخطا کی طرف سے۔ اشعار مؤلف کتاب

خطا دارم و از خطا کاریم   چہ دور ست کافتد فلک بر سرم
میں خطاوار ہوں اور میری خطاکاری سے   کیا بعید ہے کہ آسمان میرے سر پر ٹوٹ پڑے
چو بخت سیاہم سیہ جان و دل   زبارِ گناہم تنم پا بہ گل
بخت سیاہ کی طرح میری جان و دل سیاہ ہیں   گناہوں کے بوجھ سے میرا بدن دبا ہوا پڑا ہے
تو گوئی کہ ظلمت ز شبہائے تار   پریشانی از گردشِ روزگار
تم کہہ سکتے ہو کہ اندھیری راتوں کی تاریکی   اور گردش روزگار کی پریشانی کو (مادّہ)

گرفتند و جان و دلم ساختند   بخاکم سرشتند و انداختند
بنایا اور اس سے میری جان و دل بنائے   اور میری خاک کو گوندھ کر اس میں اُنکو ڈالدیا
غم این و آن ست بالائے آن   بجان یک جہان ست و من نیم جان
اور میرا دوہرا غم اُس بدبخت زبوں پر مستزاد   جان کے ساتھ ایک جہان کا غم ہے اور میں نیم جاں
باین تیرہ بختی و شوریدگی   کہ عالم سیاہ ست و پہلو تہی
باوجود اس سیہ بختی اور شوریدہ سری کے   کہ دنیا (میری نظر میں) تاریک ہے اور پہلو (شاہد مقصود سے) خالی
دلم با نکاتے گر آویختہ   ہمانا کہ از سوئے حق ریختہ
اگر میرا دل کچھ اسرار غریبہ سے ہمکنار ہو گیا   تو حقیقت یہی ہے کہ وہ حق کی جانب سے ہی القا کئے گئے ہیں۔
مگر نیست این نور افلاک من   نہ این تازہ گلہاست از خاک من
مگر یہ (رموز عجیبہ) میرے افلاک کا نور نہیں ہیں   نہ یہ تازہ پھول میری خاک سے پیدا ہوئے ہیں
کہ نادانے از دست بخت زبوں   بسر مُشت خاک ست بہر شگون[2]
کوئی ناواقف بے بخت نارسائی دست درازی سے   سر پر خاک کی مٹھی (بکھیر لی) ہے شگون کے لئے
زخاکِ کفِ پائے اُستاد و پیر[3]   وزاں سایۂ رشکِ مہر منیر
(حقیقت) یہ ہے کہ یہ گلہائے تازہ، اُستاذ اور پیر کی اُسی کف پا کی خاک کا فیضان ہے اور اُسی رشکِ مہر منیر کے جلوہ کا ایک پرتو ہے۔

کہ ماند زمانے بدست و سرم
بہ چشمم رسد نور و گُل در برم

(خدا کرے) ایک زمانہ تک وہ خاکِ کفِ پا میرے سر پر رہے اور میری آنکھوں میں نور پہنچتا رہے اور گود پھولوں سے بھری رہے۔

[1] اپنے رازداں مرید خاص و ارشد تلامذہ کو اس اشارہ سے یہ بتا دیا ہے کہ یہ تمام مضامین منجانب اللہ الہام کئے گئے ہیں ۱۲ [2] یعنی نیک شگون کے لئے خاک پائے شیخ کی ایک مٹھی سر پر بکھیر لی ہے ۱۲ مترجم
[3] یعنی یہ سب حضرت شیخ حاجی امداد اللہ قدس اللہ سرہ کا فیض ہے ۱۲ مترجم

مکتوب مذکور کہ بہ جواب نامۂ عزیز موصوف مسطور شد این ست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

از کمترین انام محمد قاسم عفا اللہ عنہ بہ عزیز از جان مولوی سید احمد حسن زادہ اللہ علماً علیٰ علمٍ و فضلاً علیٰ فضلٍ و بسطۃ فیہما من لدنہ ۔ شعر

سلامم بخوان و سلامم رساں
بہر کس کہ پرسد ازیں نیم جاں

خود سلامم بپذیرند و بوالد ماجد و عمّ بزرگوار و برادر و دیگراں کہ سلام شان نوشتہ اند سلامم برسانند و بشنوند کہ خطوطِ دیگر احباب می آمد و سرمایۂ کامرانی می شد مگر مکتوب آن عزیز نمی آمد و نگرانیہایم می فزود اکنوں پس از دیر رقیمۂ آں عزیز رسید و ذریعۂ شادمانیہا شد ہر چند کہ این مکتوب بشہادۃ مضامینش سلام روستائی ست مگر تاہم غنیمت ست باطلاع اظہارِ حق او شان شادمانیہا بدامان جانم ریختہ الحمد للہ کہ اصحاب و احباب این نابکار کارہا می کنند و اظہارِ حق و اقامۃ حدود خداوندی و احیاء سنۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم می نمایند گو من نابکار مرد این کار نباشم

مکتوب مذکور جو کہ عزیز موصوف کے خط کے جواب میں لکھا گیا یہ ہے :-

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کمترین انام محمد قاسم عفا اللہ عنہ کی طرف سے عزیز از جان مولوی سید احمد حسن کو نام اللہ تعالیٰ اُن کے علم پر مزید علم اور فضل پر مزید فضل عطا فرمائے اور دونوں میں اپنی طرف سے وسعت اور پھیلاؤ بخشے ۔ شعر

سلامم بخوان و سلامم رساں
بہر کس کہ پرسد ازیں نیم جاں

(ترجمہ) میری طرف سے دُعا کہئے اور میرا سلام پہنچا دیجئے ہر اس شخص کو جو اس نیم جاں کا پرسان حال ہو۔ میرا سلام خود قبول کیجئے اور اپنے والد ماجد اور بزرگوار چچا صاحب کو اور دوسرے اُن لوگوں کو جن کا سلام آپ نے لکھا ہے سب کو میرا سلام پہنچا دیجئے ۔ واضح ہو کہ دیگر احباب کے خطوط آتے اور سرمایہ مسرت ہوتے تھے مگر آں عزیز کا کوئی خط نہیں آتا تھا اور میرا انتظار بڑھتا جا رہا تھا۔ اب کافی دیر کے بعد رقیمۂ آں عزیز پہنچا اور ذریعۂ مسرات ہوا۔ اگرچہ یہ مکتوب اپنے مضامین کی شہادت کے پیش نظر "سلام روستائی" ہے ۔ مگر پھر بھی غنیمت ہے ۔ آں عزیز کے اظہارِ حق کی اطلاع سے روحانی مسرتیں حاصل ہوئیں ۔ خدا کا شکر ہے کہ اس ناکارہ کے اصحاب و احباب بہت کچھ کام کر رہے ہیں اور اظہارِ حق اور اقامت حدود خداوندی اور احیاء سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لگے ہوئے ہیں ۔ اگرچہ میں نابکار اس کار کا مرد نہیں ہوں۔

اکنوں جواب مستفسرات آں عزیز می نگارم مگر اول بشنوند کہ در امور متفق علیہا یا ہر چہ قریب آں باشد ما جاہلاں را بہر تسلیم آن اثبات آن بدلائل ضرور نیست ۔ چہ اتفاق اکابر و تسلیم او شان یا جم غفیر از د شان نیز دلیلے است کہ بجانب قولش بہچو فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔ اشارہ ہا فرمودہ اند آرے رد شبہات مخالفان می باید و دریں ضمن اگر اثبات مدعا ہم دست دہد فہو المراد و درین جواب ہم ہمیں طرز اختیار افتاد اعنی مقصود بالذات ازیں تحریر رد قول کسانے ست کہ در پے ابطال سنت بودنِ تراویح معمولہ ہستند ہاں اگر ناظر فہمیدہ است انشاء اللہ دلائل سنیت ونا کدآن نیز درین اوراق خواہد یافت ورنہ ازیں چہ کم کہ قولِ مُبطلان را باطل خواہد انگاشت

اب آں عزیز کے استفسارات کا جواب لکھتا ہوں ۔ مگر پہلے یہ سن لیں کہ ایسے امور کے تسلیم کے سلئے جو کہ متفق علیہا ہوں یا متفق علیہا کے قریب ہوں ۔ ہم جاہلوں کے واسطے ان کے ثبوت کے لئے دلائل ضروری نہیں ہیں کیونکہ اکابر کا یا اُن میں سے بڑی جماعت کا اتفاق اور اُن کا تسلیم کر لینا خود ایک دلیل ہے کہ ایسے قول کی طرف مثل فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون میں اشارے فرما دیئے ہیں ۔ ہاں مخالفین کے شبہات کا رد کرنا چاہئے اور اس ضمن میں اگر اثباتِ مدعا بھی حاصل ہو جائے فہو المراد ۔ اس جواب میں بھی یہی طرز اختیار کیا گیا ۔ یعنی اس تحریر سے مقصود بالذات ایسے لوگوں کے قول کا رد ہے جو تراویح معمولہ کے مسنون ہونے کے ابطال میں کوشاں

اعمال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف اقسام

ہیں۔ اگر مطالعہ کرنے والا سمجھدار ہوگا تو انشاءاللہ اُس کی سُنیّت اور مؤکدہ ہونے کی دلائل بھی ان اوراق میں پائیگا۔ ورنہ کم از کم مُبطلین کے قول کو باطل تو سمجھ ہی لیگا۔

بالجملہ این مقدمہ یاددارند و بشنوند کہ باستقراء و تجسّسِ اقوال و افعال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سنن را بر چند اقسام می بینیم۔ یکے آنکہ ماہیت و مشخصاتش ہر دو ملحوظ نظر حق و مدعو الیہا باشند مثالش اگر بکار ست ہمیں صوم و صلوٰۃ ست کہ تعبّد و امساک مطلق کہ حقیقۃ و ماہیۃ صوم و صلوٰۃ ست و بمظاہر گوناگوں ظہورش می توان شد۔ نہ تنہا مدِّنظر خداوند بلکہ کیفیاتِ خاصّہ و مشخصات معلومہ اعنی این ہیئتِ کذائی نیز مطلوب و مدعو الیہا است۔

قسم اول

مختصر یہ کہ یہ مقدمہ یاد رکھیں اور اب سنیں کہ اقوال و افعال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تتبّع اور تلاش و جستجو سے اعمال نبوی ہم چند اقسام پر دیکھتے ہیں۔

اوّل یہ کہ ماہیت اور اس کے مشخصات (یعنی اُن خاص افعال کی صورت جن میں وہ ماہیت پائی جائے) دونوں حق تعالےٰ کے ملحوظ نظر ہوں اور اُن کی طرف دعوت دی گئی ہو۔ اُس کی مثال اگر درکار ہے تو یہی روزہ اور نماز ہے کہ "عبادت" اور "امساک مطلق" (یعنی نفس کی خواہشوں پر صرف روک لگا دینا) جو کہ نماز و روزے کی ماہیت ہے اور طرح طرح کے مظاہر میں اُس ماہیت کا ظہور ہو سکتا ہے، تنہا مدِّنظر خداوندی نہیں ہے بلکہ (اس کے ساتھ) کچھ کیفیاتِ خاصہ اور مشخصات معلومہ یعنی یہ ہیئت کذائی بھی (جو قیام اور رکوع و سجود وغیرہ سے پیدا ہوتی ہے) مطلوب اور مدعو الیہا ہے۔

دیگر آنکہ خصوصیات خاصہ مطلوب باشند امّا چون مبادیٔ آن ہر کس را میسر نیایند علی العموم مطلوب نباشند آرے ہر کرا آن مبادی فراہم آیند ادائے آن خصوصیات بر ذمۂ او باشد۔ خصوصیاتِ نبوی را صلی اللہ علیہ وسلم کہ از قسم مامورات باشند از ہمیں قسم باید شناخت۔ و اختلاف ادعیۂ استفتاح و اذکار رکوع و سجود کہ از حضرت نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی اختلاف الاوقات ثابت است بزعم احقر از ہمین قسم است۔ چوں این اختلاف بنا بر تکثّر شیون خداوندی ست کہ آیۃ کل یوم ھو فی شان از ان حاکی است و اطلاع شیون خاصہ جز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ عمدۂ حاضر باشانِ حضرت ذو الجلال بودند دریں امۃ کسے را میسر نیست، باین قسم تعظیمات مناسبۂ اوقات حسبِ اقتضاءات شیونِ متعاقبہ از دیگران استدعا نکردہ شد کہ ازین قسم قرب بے حجابانہ کہ ذریعۂ اطلاع شیون متواردہ تواں شد محروم اند بلکہ بر تعظیمات مناسبۂ شان مطلق کہ در جملہ شیون خاصّہ ساری باشد اکتفا رفت۔

دوسری قسم

دوسری قسم یہ ہے کہ خصوصیات خاصہ مطلوب ہوں (کہ حق تعالیٰ شانہ کی کسی خاص شان کا آپ کو ادراک ہوا، اور اُس کے مناسب کسی فعل یا ذکر کا داعیہ قلب مبارک میں پیدا ہوا جس کا صدور آپ سے ہوا۔ تو اس فعل مخصوص یا خاص ذکر کا منشأ اور مبدأ وہ خاص تجلّی اور شان ہوئی جس کا ظہور قلب محمدی پر ہوا جو کسی خاص فعل یا ذکر کی طرف داعی ہوئی) مگر چونکہ اُن خصوصیات کے مبادی (یعنی وہ تجلیات اور شیون) ہر ایک کو میسّر نہیں ہوتے اس لئے علی العموم (ہر مؤمن سے) مطلوب نہ ہونگی۔ ہاں جس کسی کو وہ مبادی میسر آجائیں تو اُن خصوصیات کی ادائگی بھی اُس کے ذمہ ہوگی۔ خصوصیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اس قسم میں سے ہوں اور جنکا آپ کو حکم دیا گیا اسی قسم میں داخل سمجھنا چاہئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اوقات میں ثنا اور دعا اور رکوع و سجود میں جو مختلف دعائیں اور اذکار ثابت ہیں احقر کے نزدیک وہ اسی قسم میں سے ہے۔ چونکہ اس اختلاف کی بناء حق تعالیٰ کی شانوں کے تعدّد پر ہے جس کی آیت کل یوم ھو فی شان خبر دے رہی ہے اور ان شیون خاصہ کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اس وجہ سے کہ آپ اخصّ مقربین بارگاہ ذو الجلال میں سے تھے اس امت میں سے کسی کو میسر نہیں ہے اس لئے اس قسم کی تعظیمات (یعنی ادعیہ و اذکار مخصوصہ وغیرہ) جو اوقات کے مناسب اور یکے بعد دیگرے جلوہ فرما ہونے والی شیون کے مطابق ہوں۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ خاص ہوئیں اور) دوسروں سے اُن کو

طلب نہیں کیا گیا کہ وہ اس قسم کے قرب بے حجابانہ سے جو ایک دوسرے کے بعد ظاہر ہونے والی شانوں کی اطلاع کا ذریعہ ہو سکتا محروم ہیں۔ بلکہ ان تعظیمات مناسبہ پر ہی اکتفا کر لیا گیا۔ جو شان مطلق کے مناسب ہیں جو کہ تمام شیون خاصہ میں پائی جاتی ہے۔

> شاید ہمین است کہ ائمۂ اجتہاد حسب افہام خود بریک یک دو دو ذکر و دعا درین مواقع معلومہ اقتصار فرمودند و تعددِ رکوعاتِ صلوٰۃِ کسوف نیز اگر بحمل تعدد وقائع تسلیم نہ کردہ شود و بخیالِ تعارضِ روایاتِ مرویۂ این باب کہ در صورۃ اتحاد واقعہ ضروری است انکار نکنند محمول برہمین اختلاف شیون است بزعم این ہیچمدان واللہ اعلم بالصواب

شاید اسی بناء پر ائمۂ اجتہاد نے اپنی اپنی فہم کے مطابق ایک ایک دو دو ذکر اور دعا پر ان مواقع معلومہ میں اقتصار کر لیا۔

اور صلوٰۃ کسوف کے رکوعات کا تعدد اگر تعددِ وقائع پر محمول کر کے تسلیم نہ کیا جائے، جیسا کہ اس باب میں روایاتِ مرویہ کا تعارض رفع کرنے کے خیال سے بعض نے کہا ہے کہ اتحادِ واقعہ کی صورت میں (رفعِ تعارض) ضروری ہوتا ہے۔ اتحاد واقعہ سے انکار نہ کریں تو یہ تعدد بھی اس ہیچمدان کے نزدیک اسی اختلاف شیون پر محمول ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

> سوم آنکہ کیفیات خاصہ و مشخصات عارضہ ملحوظ النظر شارع نباشند و مدعو الیہا نبوند اما چون از مبادیِ اصل مطلوب است از ان ناگزیر است این قسم امور حسب ضرورۃ و استدعاء وقت مختلف می توان شد چہ ہر چہ اصل نیست بقدر ضرورۃ ضروری می شود و این قسم را باعتبار ثبوت اگر مقتضائے نص خوانند زیباست بزعم این ہیچمدان اختلاف اعداد مجاہدین و آلات حرب سامان جہاد و اختلاف جہات و اوقات در غزوات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم از ہمین قسم ست واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

تیسری قسم یہ ہے کہ کیفیات خاصہ اور مشخصات عارضہ (یعنی وہ مظاہر جن میں ان کیفیات کا عروض ہوتا ہے) شارع کے ملحوظ نظر اور مدعو الیہا نہ ہوں لیکن جب کہ وہ اصل مطلوب کے مبادی میں سے ہوں تو بغیر عمل چارۂ کار بھی نہ ہوگا۔ اس قسم کے امور حسب ضرورت و تقاضائے وقت مختلف ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ جو شئے اصل نہیں ہوتی وہ بقدر ضرورت ہی ضروری ہوا کرتی ہے اور اس قسم کو باعتبار ثبوت اگر اقتضاء النص کہیں تو زیبا ہے۔ اس ہیچمدان کے نزدیک اعداد مجاہدین اور آلات حرب اور سامان جہاد کا اختلاف اور جہات و اوقات کا اختلاف غزواتِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں اس قسم میں سے ہے۔ اور حقیقتِ حال کو اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر جاننے والا ہے۔

> قسم چہارم آنکہ از حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسب اقتضائے عادۃ سرزدہ باشد یا باعث بر آن فقط طبع بشری بود غرض از تعبد برکراں باشد یعنی نہ بذات خود از تعبدات باشند نہ بوجہ بودنش ذریعۂ آن یا مظہر آن معروض آن شدہ۔ اوقات بول و براز نبوی و اماکن آن و منازل سفر حج و جہاد و غیرہا ہمہ بہمین طرز متعین شدہ اند این قسم از تکلیف شرعی بہرہ ندارد آرے اقتفاء این قسم امور ہم بوجہ مشابہۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حصۂ از حسن بجانب خود می کشد و بہمین نظر و ہم باین لحاظ کہ امر باین چنین امور بطور دلالۃ النص بر اقسام ثلثۃ سابقہ بالاولی دلالۃ می کند و مامور می گردد اگر حکما درین باین قسم خود اہتمام کنند یا قدرے دعوۃ کنند و مردم را بسوئے او خوانند می توان شد اندرین صورۃ این قسم ہم بقسم ثالث ملحق خواہد شد۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب اقتضائے عادت اس کا ظہور ہوا ہو۔ یا اس کا باعث فقط طبع بشری ہوئی ہو۔ غرض عبادت سے ہر طرح غیر متعلق ہو یعنی نہ وہ فعل بذاتِ خود عبادت میں سے ہو نہ ایسا ہو کہ ذریعہ یا مظہر عبادت ہونے کی وجہ سے اُس کا معروض بن گیا ہو۔ بول و براز نبوی کے اوقات اور اُن کے مواقع اور سفر حج و جہاد وغیرہ کی منزلیں سب اسی طرز سے متعین ہوئی ہیں۔ اس قسم کا تکلیف شرعی سے کوئی علاقہ نہیں۔ ہاں اس قسم کے امور کا اتباع بھی بوجہ مشابہت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حُسن کا ایک جزو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے (لہذا یہ اتباع اتباعِ حَسَن اور باعث ثواب ہوگا) اور اسی نظر سے اور نیز اس لحاظ سے کہ اس قسم کے

امور کا حکم دینا بطور دلالۃ النص کے پچھلی تینوں اقسام سُنّت پر بدرجۂ ادنیٰ دلالت کرتا اور مامور بنا دیتا ہے (یعنی اس قسم کی سنت پر عمل کرنے کا حکم دینا گویا جملہ اقسام سنّت پر عمل کا حکم دینا ہے) اگر حکماءِ دین اس قسم کے بارہ میں خود اہتمام کریں یا کچھ دعوت بھی دیں اور لوگوں کو اس کی طرف بلائیں تو گنجائش ہے۔ اس صورت میں یہ قسم بھی قسمِ ثالث کے ساتھ ملحق ہوجائے گی۔

> چون این قدر مقرر شد قلم را بجانب دیگر می گردانم خداوند تعالیٰ در اوّلِ سورۂ اعراف می فرماید اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاء
>
> ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم می فرمایند من[1] احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فهو رد او کما قال۔ قرآن شریف اتباع را در ما انزل حصری فرماید وحدیث شریف محدثات غیر نبی را صلی اللہ علیہ وسلم ہر کہ باشد ردمی فرماید اندرین صورہ پر ضرور ست کہ سنت خلفاء راشدین از جملہ ما انزل باشد و ماخوذ از معدن نبوۃ بود صلی اللہ علیہ وسلم چہ سنت خلفاء راشدین اگرچہ از ما انزل و امر نا نبود بعد فرمودن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی۔ بواسطۂ این ارشاد ہدایت بنیاد منجملۂ ما انزل گردید واز جملہ امرنا شد۔

اس قدر واضح کرنے کے بعد ہم قلم کو دوسری جانب لے چلتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ سورۂ اعراف کے اول میں فرماتے ہیں۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ	تم لوگ اُس کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا اتباع مت کرو

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَنْ[1] احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه	جس نے ہمارے اس دین کے، امر میں ایسی چیز اپنی

[1] عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فهو رد ۱۲ اخرجہ البخاری ۱۲ منہ

سنت خلفاء بما انزل الیکم من ربکم کے ماتحت ہو کر منصوص ہے۔

قرآن شریف اتباع کو ما انزل میں محصور فرما رہا ہے اور حدیث شریف جملہ مُحدَثاتِ غیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے لوگوں کی دین میں بڑھائی ہوئی باتوں کو) کسی کی بھی ہو ردّ فرما رہی ہے۔ اس صورت میں یہ امر ضرور ثابت ہوجاتا ہے کہ سنّت خلفاء راشدین منجملہ ما انزل ہو اور معدن نبوّت صلی اللہ علیہ وسلم میں سے برآمد شدہ ہو کیونکہ سنت خلفاء راشدین اگرچہ (بالذات) مَا اُنْزِلَ اور اَمْرُنَا میں سے نہیں تھی۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد کہ عَلَیْکُمْ بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی بواسطہ اس ارشاد ہدایت بنیاد کے منجملہ مَا اُنْزِلَ اور منجملہ امرنا بن گئی۔

> گویم ہر کہ مذاق سخن داشتہ باشد و دیدۂ انصاف صاف دارد مثل آفتاب روشن می بیند کہ مصداق ما انزل ومطابق حکم امر نا ھذا امرے است محقق کہ از کارسازی آن فراغت یافتہ اند تا آنکہ تعبیر از ان بصیغۂ ماضی واشارہ بہذا توان کرد چیزے منتظر التحقیق نیست۔

میں کہتا ہوں کہ جو شخص مذاق سخن رکھتا ہوگا اور اس کی نظرِ انصاف بھی صاف ہوگی اس کو آفتاب کی طرح روشن نظر آئیگا کہ مَا اُنْزِلَ کا مصداق اور حکم امر نا ھذا کا مشار الیہ ایک ایسا امر ہے جو محقّق ہے (یعنی وجود میں آچکا ہے) جس کی کارسازی اور تکمیل سے فراغت ہوچکی ہیں۔ اس حد تک کہ اس کی تعبیر صیغۂ ماضی سے اور اس کی طرف اشارہ ھذا سے کرسکیں۔ وہ امر ایسی (بعد میں آنے والی) چیز نہیں ہے جس کے وجود میں آنیکا انتظار ہو۔

> علاوہ بریں دخول خلفاء راشدین در خطاب اتبعوا الخ وارشاد من احدث خود دلیل کامل ست برایں کہ قول وفعل خلفاء راشدین، باشد یا قول وفعل کسے دیگر بے استناد ما انزل واعتماد وحی قابل آن نیست کہ بسوئے آن التفات کردہ شود بلکہ

[2] فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ الخ حدیث طویل ۱۲ اخرجہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ ۱۲ منہ

لائق آنست کہ رُوازان بگردانند و پشت بدان دہند و اگر سُنّتِ خلفاء واجب الاتباع است اعنی از ما انزل باشد یا نباشد و منجملہ امرنا بود کہ نہ بود اتباعش بہر حال واجب مارا چہ زیان کہ ما خود درپے اثبات سنت خلفاء ہستیم نہ رد آن

علاوہ برین اتبعوا الخ کے خطاب میں خلفاء راشدین کا داخل ہونا اور ارشاد من احدث خود دلیل کامل ہے اس بات پر کہ ہر قول و فعل خواہ خلفاء راشدین کا ہو یا کسی دوسرے کا بغیر ما اُنزِلَ کے سہارے اور وحی کے اعتماد کے اس قابل نہیں ہے کہ اُس کی طرف توجّہ بھی کی جائے بلکہ اس قابل ہے کہ اُس کی طرف سے منہ پھیرلیں اور پس پُشت پھینکدیں اوُ اگر کوئی ہماری بات نہ مانے اور کہے کہ سنتِ خلفاء واجب الاتباع ہے (مطلقاً) یعنی ما اُنزِل میں داخل ہو یا نہ ہو اور منجملہ امرنا ہو یا نہ ہو اُس کا اتباع ہر حال میں واجب ہے تو ہمارا کیا نقصان ہے۔ کیونکہ ہم تو خود سنت خلفاء کے ثابت کرنے کے درپے ہیں نہ کہ اُس کے ردّ کے۔

کوئی قول و فعل بغیر استناد ما انزل اور اعتماد وحی قابل حجت نہیں

اکنون بشنو سابق عرض کردہ ام کہ قسمِ رابع از تکلیف شارع کنارہ کنارہ می رود و این سنۃ خلفائے راشدین لاجرم مکلف بہاست ورنہ لفظ علیکم راکہ ہر دو سنن را سنۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم باشد یا سنۃ خلفاء فرا گرفتہ برکدام محمل خواہند نشاند۔ لہٰذا ضرور است کہ از دو قسم اول یا ثالث باشد۔ ہاں اگر قسم ثانی قابلِ تکلیفِ عام بودے احتمال ثالث ہم بود ازین جا ہویدا شد کہ سنۃ خلفاء معارض سنن نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نباشد۔ زیرا کہ آن سنن ہماں سنن نبوی صلعم است فقط بوجہ مختفی و مستتر ماندنِ آن بوجہ اہتمام ناکردن حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم باندیشۂ فرضیت مثلاً درزمانِ نبوت علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و سلام رواج یافتن آن بسعی و اہتمام خلفاء بجانب خلفائے راشدین منسوب گردیدہ یا درزمان شان امرے از امور کہ درزمان نبوت از ضروریاتِ دین نبودہ بسبب تشریف بردن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازین جہان از ضروریات گردیدہ و

ازین جہت اوشان بارتکابِ آن اقدام فرمودند و دیگران را دعوت عام نمودند مثل جمع قرآن و شوریٰ و اجماع در وقائع نازلہ دینیہ چون اوشان بادی این چنین مبادی شدہ اند آنرا بنام اوشان زدہ اند

اب سنو میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ چوتھی قسم (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے افعال جن کا صدور آپ سے حسب اقتضائے عادت یا بمقتضائے طبع بشری ہوا) تکلیف شارع سے الگ تھلگ چل رہی ہے (یعنی شارع نے امت کو اس کے اتباع کا مکلف نہیں کیا) اور سنت خلفاء راشدین لازمی طور پر مکلّف بہا ہے ورنہ لفظ علیکم کو جو دو سنتوں پر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہو یا سنت خلفاء حاوی ہے کونسی قسم پر محمول کریں گے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ (علیکم کا محمول اور بسنتی سے مراد) وہ دو قسمیں ہی ہیں یعنی پہلی اور تیسری۔ ہاں اگر قسم ثانی تکلیفِ عام کے قابل ہوتی تو قسم ثالث کا احتمال بھی ہو جاتا۔ یہاں سے یہ بات بھی روشن ہو جاتی ہے کہ سنتِ خلفاء مُعارِض نہیں ہوگی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کیونکہ وہ سنن بعینہ سننِ نبوی صلعم ہیں فقط اُن کے مختفی اور عام نگاہوں سے اوجھل ہو جانے کے سبب سے جس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باندیشۂ فرضیت اپنے زمانہ نبوت میں علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و سلام اہتمام نہیں فرمایا اور اس سبب سے کہ اُن (مختفی سنتوں) کا رواج خلفاء کی سعی و اہتمام سے ہوا، اس لئے خلفاء راشدین کی طرف منسوب ہوگئیں۔ یا اُن کے زمانہ میں کوئی امر ایسے امور میں سے جو زمانۂ نبوت میں ضروریات دین میں سے نہیں تھے، اس جہان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے سبب سے ضروریات میں سے بن گیا اور اس جہت سے اُس کے ارتکاب پر انہوں نے اقدام فرمایا اور دوسروں کو دعوتِ عام دی۔ جیسے جمع قرآن اور شوریٰ اور اجماع ایسے دینی واقعات میں جو حادث ہوئے چونکہ حضرات خلفاء نے اس قسم کے مبادی کی ابتدا کی تو ان کو ان کے نام کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

ملخص سخن آنکه بشہادۃ آیۂ مز بورہ وحدیث مذکور بعد لحاظ عرض این فقیر ہویدا میشود کہ سنن خلفاء معارض سنن نبوی علی صاحبہا الف الف صلوۃ وسلام نمی تواں شد اگرچہ خود این جملہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی نیز بے ضم ضمیمۂ مذکورہ بریمین امر دلالۃ دارد چہ واو حائلہ مابین بسنتی وسنۃ الخلفاء خواستگار اجتماع است و در صورۃ تعارض اجتماع کجا و جمع کرا خواہند کرد

حاصل کلام یہ ہے کہ بشہادت آیت مرقومہ وحدیث مذکورہ اس فقیر کی معروضات کے پیشِ نظر واضح ہو جاتا ہے کہ خلفاء رض کی سنتیں سنن نبوی علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام کے معارض نہیں ہوسکتیں اگرچہ خود یہ جملہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی بغیر ضمیمۂ مذکورہ بالا کے ضم کئے بھی اسی امر پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ "بسنتی اور سنۃ الخلفاء کے درمیان جو "واو" حائل ہے وہ خواستگار ہے اجتماع کا۔ اور تعارض کی صورت میں اجتماع کہاں۔ اور کس کو جمع کرلیں گے۔

اکنون برسر مطلب میرسم واز اصل غرض می سرایم برادر من در قسم ثالث مطلوب شارع شئے مطلق می بود آرے مطلقے نیست کہ قیود در بر و معیّنات در برابر ندارد۔ غرض ظہور ماہیات مطلقہ بے قیود متصور نیست لاجرم امتثال مامورات بہا بے استعانت قیود نخواہد بود، و مکلف را در تعبّد باین نوع مثل نوع اول از قیود ناگزیر ست۔ اما در مقصود و غیر مقصود فرقے است کہ بفرق زمین و آسمان تعبیر ازان توان کرد۔ چون درین قسم مثل قسم اول قیود عارضہ بذات خود مقصود نیستند بلکہ بضرورۃ امتثال امر مقصود دست بدامان شان زدہ می شود۔ وقت ضرورت بقدر ضرورت بدان رو آوردہ خواہد شد و وقت ارتفاع ضرورت یکے ازان و ضرورت دیگرے ازین سو بدان سو رو خواہند تافت ورنہ تقئید مطلق شرعی و تعیین چیزی لازم خواہد آمد کہ شارع آنرا مطلق گزاشتہ و غیر معین خواستہ۔

اب ہم اصل مقصد پر پہنچتے ہیں اور اپنا وہ ترانہ شروع کرتے ہیں جو اصل غرض میں سے ہے

تیسرے بھائی قسم ثالث میں (یعنی وہ فعل جس میں کیفیاتِ خاصہ اور مشخصاتِ عارضہ شارع کے طور ملا نظر اور مدعو الیہا نہ ہوں) مطلوبِ شارع شئے مطلق ہوتی ہے۔ ہاں کوئی مطلق ایسا نہیں جو اپنی بغل میں قیود اور اپنے پہلو میں معینات نہ رکھتا ہو۔ غرض ماہیاتِ مطلقہ کا ظہور بغیر قیود کے متصور نہیں۔ تو لازمی طور پر کسی شئے مطلق کی تعمیل جس کا حکم دیا گیا ہو قیود سے مدد لئے بغیر نہیں ہوسکیگی اور ہر مکلّف کے لئے اس نوع کی عبادت میں مثل قسم اوّل (یعنی جس میں ماہیت اور اُس کے مشخصات دونوں مطلوب حق ہوں) قیود کے بغیر چارۂ کار نہ ہوگا لیکن مقصود اور غیر مقصود میں اتنا بڑا فرق ہے کہ اُس کو زمین و آسمان کے فرق سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ چونکہ اس قسم میں قسم اول کی طرح قیود عارضہ بذاتِ خود مقصود نہیں ہیں بلکہ امر مقصود کی تعمیل کے لئے بضرورت اُن کا دامن پکڑا جاتا ہے تو جس قدر ضرورت ہوگی بوقت حاجت اُسی قدر اُن کی طرف رُخ کیا جائے گا اور جب اُن میں سے ایک کی ضرورت مرتفع ہوجائیگی اور دوسرے کی ضرورت پیشِ نظر آئے گی تو پہلے کے بجائے وہ دوسرا امر معمول بہ ہوجائیگا اگر ایسا نہ کیا جائیگا تو "مطلق شرعی" کی تقیید اور ایسی چیز کی تعیین لازم آئیگی جس کو شارع نے مطلق قرار دیا اور غیر معین رکھنا چاہا۔

وہر کہ بہرۂ از فہم بدامان جان آوردہ و زمام خود را بعقل حقدان سپردہ خود میداند کہ تقیید مطلق شرعی مثل اطلاق مقید دینی بلاتفاوت بدعۃ است صلوۃ و صوم از قیود معلومہ از شرائط و صفات و ہیأت آن خالی کردن و ہیأت و جہات و اوقات راکہ در غزوات نبوی علی صاحبہا الف الف صلوۃ وسلام از اتفاقات پیش آمدہ ضمیمۂ جہاد کردن مامور بہا پنداشتن در بدعت بودن ہر دو ہم سنگ یکدیگر اند بلکہ تقئید مطلق بہ نسبت اطلاق مقید بالاولی بدعت است مضمون احداث کہ مصداق بدعت است چنانکہ در اول یافتہ می شود در ثانی نیست نہی انی کہ احداث در حصول می خواہد نہ عدم آن۔ ہاں از وجو اعتباری آن ہم تشائے می گیرد و محکوم علیہ جودیات می شود الغرض تقئید مطلق لاریب بدعت است و اکثر رسوم شادی و موت ہمہ ازین قسم می نمایند و ہر کہ

محفل میلاد شریف را بدعت گفتہ ازین قسم شمردہ باشد

اور جس شخص نے سمجھ سے کام لیا اور اپنے نفس کی باگ کو عقل رسا کے سپرد کردیا وہ خود جانتا ہے کہ "مطلق شرعی کی تقیید" بلاتفاوت ایسی ہی بدعت ہے جیسی "مقیّد دینی کا اطلاق" بدعت ہے۔ نماز اور روزے کو قیود معلومہ یعنی ان کی شرائط اور صفات اور اُن کی خاص ہیئتوں سے خالی کرنا (یہ مقیّد دینی کے اطلاق کی مثال ہے) اور اُن ہیئتوں اور جہات و اوقات کو جو کہ غزوات نبوی علیٰ صاحبہا الف الف صلوۃ وسلام میں اتفاقات سے پیش آگئے تھے جہاد کا جزو بنادینا اور اُن کو بھی (جہاد کی طرح) مامور بہا قرار دیدینا (یہ مطلق شرعی کی تقیید کی مثال ہے) بدعت ہونے میں دونوں صورتیں ایک دوسرے کے ہموزن ہیں۔ بلکہ "مطلق کی تقیید" بہ نسبت "مقید کو مطلق قرار دینے" کے بدرجہ اولیٰ بدعت ہے۔ احداث کا مضمون (جس کا مَنْ احدث فی امرنا الخ میں ذکر کیا گیا ہے) جو بدعت کا مصداق ہے جتنا کہ پہلی صورت (یعنی تقیید مطلق) میں پایا جاتا ہے اُتنا دوسری صورت (یعنی اطلاق مقید) میں نہیں پایا جاتا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ "احداث" مفعول کے وجود کا خواہاں ہے نہ کہ عدم کا (اور اطلاق مقید میں تقییدات معدوم کردی گئیں اسلئے وہ مثل تقیید مطلق وجودی شئے نہیں بلکہ عدمی ہے) یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب وہ عدمی ہے تو محکوم علیہ بدعت کیسے ہوگا (کیونکہ محکوم علیہ تو وجودی ہوسکتا ہے اور عدم ضدِّ وجود ہے اس کا جواب یہ ہے کہ) ہاں عدم بھی وجود اعتباری سے ایک تمثال قبول کرلیتا ہے اور محکوم علیہ وجودیات کا ہوجاتا ہے (اور اس تمثال یعنی مثالی صورت کو وجودی اسماء سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے عدم العلم کو جہل) اور عدم القدرۃ کو عجز سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی عدم التقیید کو اطلاق سے تعبیر کیا گیا جس کا محکوم علیہ بنانا صحیح ہوگا) الغرض اس میں شک نہیں کہ "تقییدِ مطلق" بدعت ہے اور شادی وموت کی رسوم اسی قسم میں سے نظر آتی ہیں اور جس نے محفل میلاد شریف کو بدعت کہا اسی قسم میں شمار کیا ہوگا۔

مطلق شرعی کی تقیید کرنا ایسی ہی بدعت ہے جیسا کہ مقید دینی کا اطلاق

شادی و موت کی رسوم اور محفل میلاد تقیید مطلق ہونے کی وجہ سے ممنوع ہیں۔

اکنون سخنے کہ در تہ دل دارم بزبان می آرم ونقشے کہ بر لوح دلم کشیدہ اند برین صفحہ می گزارم۔ مگر می ترسم کہ خام عقلے بگریبانم آویزد وجاہلے از جہل مرکب بسر کوبی من خیزد۔ ولیکن حق بہر گفتن است نہ نہفتن۔ انچہ می دانم می گویم تعیین اعداد رکعات در قیام لیل وتہجد ازہمین قسم است حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گاہے کم گاہے زیادہ خواندہ اند ومقید بقیدے نماندہ واین از عمدہ امارات اطلاق است ورنہ مثل فرائض وسنن رواتب تحدید تجدید باعداد رکعات ہم می فرمودند بلکہ خود خداوند کریم علیم جائیکہ بقیام لیل امر فرمودہ اگر چیزے تحدید فرمودہ بتحدید وتشخیص پارۂ لیل تحدید فرمودہ می فرماید۔ قم اللیل الا قلیلا نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ ورتل القرآن ترتیلاً۔

اب میں تہ دل سے ایک بات زبان پر لاتا ہوں اور جو نقش میرے لوح دل پر کھنچا ہے اُس کو صفحۂ قرطاس پر کھینچتا ہوں مگر ڈرتا ہوں کہ کوئی خام عقل میرے گریبان سے لٹک پڑے، اور کوئی جاہل جہل مرکب کی بناء پر میری سرکوبی کیلئے اٹھ کھڑا ہو، لیکن حق کہنے کیلئے ہوتا ہے چھپانے کیلئے نہیں۔ میں جو کچھ جانتا ہوں کہتا ہوں۔

قیام لیل اور تہجد کے بارے میں تعیین رکعات اسی قسم میں سے ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کم کبھی زیادہ پڑھی ہیں۔ یہ رکعات کسی قید (عدد) سے مقید نہیں رہیں اور یہ (عدم تقیید) اطلاقات کی عمدہ علامات میں سے ہے۔ ورنہ مثل فرائض اور سنن رواتب (یعنی اُن سنتوں کے جو فرائض سے پہلے یا بعد میں ادا کی جاتی ہیں) تہجد کی شمار رکعات بھی محدود فرمادیتے بلکہ خود خداوند کریم وعلیم نے جہاں قیام لیل کا امر فرمایا ہے۔ اگر کسی چیز کی تحدید فرمائی ہے تو صرف رات کے ایک خاص حصہ کی تحدید اور تشخیص فرمائی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں :-

قیام لیل و تہجد کی رکعات میں تعیین عدد تقیید مطلق ہے

قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ نِّصْفَهٗ	رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات (کہ
اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۙ	اس میں قیام نہ کرو بلکہ آرام کرو) یا اس نصف سے کسی قدر کم کردو یا نصف
اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ	سے کچھ بڑھادو اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو (کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو)

ہر چند این تحدید مبین تعمیم واطلاق است مگر تعیین وقت بہر نہج وہر قدر کہ باشد از تعیین

کارماورائے این تعیین کارکن را فارغ البال می گزارد - آیا نشنیدہ کہ اجیر خاص اعنی نوکر وقت ذمہ کش اتمام کار نمی باشد و مثل اجیر مشترک باز پرس اتمام کار ازاں نتواں کرد خیاطے کہ بر تنخواہے تا وقت معین بدوزد اگر انگرکھا تا وقت معلوم دوختہ تمام نکند بفتوائے شرع زجر و توبیخ را نسزد و در محکمۂ قضا فریادے ازاں نشنوند آرے اگر مقدارے از زر باجرت انگرکھا گیرد و باز تا مدتِ معتد بہا کارِ مستاجر نکند البتہ دست و گریبانش می تواں شد۔

اگرچہ یہ تحدید عین تعمیم و اطلاق ہے (کیونکہ نصف فرما کر اس سے کچھ کم یا زیادہ فرما دیا اور اس طرح نصف کی تحدید کو ختم کر دیا گیا)، مگر کسی نہج کے ساتھ اور کسی مقدار میں بھی ہو۔ بہر حال وقت کی تعیین اس کے سوا دوسری کسی چیز کی تعیین سے کارکن کو فارغ البال بنا دیتی ہے۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ اجیر خاص یعنی وقت کا نوکر کام کے اتمام کا ذمہ دار نہیں ہوتا اور اجیر مشترک کی طرح (یعنی وہ اجیر جو اتمام کار کا ذمہ دار بھی ہو) اُس سے اتمام کار کے سلسلہ میں باز پُرس نہیں کی جا سکتی۔ اگر کوئی درزی جو ایک وقت معین تک بطور تنخواہ دار سینے کا کام کرتا ہو اگر وقت معلوم تک انگرکھا سی کر تیار نہ کرے تو فتوائے شرعی کی رُو سے وہ زجر و توبیخ کا سزاوار نہ ہوگا اور محکمۂ قضا میں اُس کے خلاف کوئی دعویٰ مسموع نہ ہوگا۔ ہاں اگر کوئی مقدار رقم انگرکھے کی سلائی کی اجرت میں لے لے اور پھر ایک معتد بہا مدت تک مستاجر کا کام نہ کرے تو بیشک اُس سے جھگڑا کیا جا سکتا ہے۔

الغرض نہ آں احکم الحاکمین دربارۂ تحدید تہجد باعداد رکعات حکمے فرستادہ بلکہ اشارہ بہ تعمیم فرمودہ و نہ رسولش سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین قاعدۂ درین باب معین فرمودہ۔ بلکہ گاہے چنیں گاہے چناں بطورے کہ پیش آمد درین راہ رفتہ اند۔ اگر باور نہ داری کتب احادیث را بکشا و ببین کہ پنج رکعت و ہفت رکعت و نہ رکعت و یازدہ رکعت و سیزدہ رکعت ہمہ روایت کردہ اند۔

الغرض نہ اُس احکم الحاکمین نے تہجد کی تحدید و شمار رکعات کے بارے میں کوئی حکم بھیجا۔ بلکہ تعمیم کا اشارہ بھی فرما دیا اور نہ اُس کے رسول سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین نے کوئی قاعدہ اس باب میں معین فرمایا۔ بلکہ کبھی کسی طرح کبھی کسی طرح جیسا موقع ہوا اس راہ پر چلتے رہے۔ اگر باور نہ ہو تو کتبِ احادیث کو کھولو اور دیکھو کہ پانچ رکعات اور سات رکعات اور نو رکعات اور گیارہ رکعات اور تیرہ رکعات سب ہی روایت کی گئی ہیں۔

و روایۂ نسائی از ام حبیبہ رض کہ متضمن این معنی است کہ ہر کہ در روز یا شب دوازدہ رکعت گزارد خدائے تعالیٰ برائے او خانۂ در جنت بنا کند مشعر تحدید قیام لیل نیست می گویم کہ این قدر ثواب بر ہمین قدر رکعات متفرع بود گو کم و بیش ہم ازین عدد داخلِ قیام لیل باشد و رنہ روایات مشار الیہا را چہ جواب خواہند داد با این ہمہ اگر نیک بنگرند لائح می شود کہ این دوازدہ چیزے دیگر است و قیام لیل کہ فضائلش مشہور است چیزے دیگر و محتمل کہ شش رکعت بعد مغرب یا چار اول عشاء و دو رکعت دیگر کہ سوائے دو رکعت مؤکدہ بعد عشاء وارد شدہ بعرض ہمین سعادت معلوم در شب تجویز کردہ باشند و شش رکعت اشراق و چاشت و چار فی الزوال یا دو اول عصر یا دو رکعت بعد ظہر کہ سوائے دو رکعت مؤکدہ در نسائی وارد شدہ بہمین غرض در روز معین کردہ باشند واللہ اعلم

اور نسائی نے جو حضرت ام حبیبہ رض سے روایت تحریر کی ہے جو اس معنی پر متضمن ہے کہ "جو شخص دن میں یا رات میں بارہ رکعات ادا کر لیا کرے خدا تعالیٰ اُس کے لئے جنت میں گھر بنا دینگے" وہ قیام لیل کی تحدید پر دلالت نہیں کرتی۔ میں کہتا ہوں کہ (اس کا ماحصل یہ ہے کہ) اس قدر ثواب اس قدر رکعات پر متفرع ہوگا، گو اس قدر رکعات سے کم و بیش ہو جانا قیامِ لیل میں داخل ہوگا (مطلب یہ کہ اس روایت میں قدر ثواب کا اظہار کیا گیا ہے قدر رکعات پر اور تحدید رکعات، قیام لیل کیلئے کلام نہیں کیا گیا)، ورنہ جن روایات کا اوپر اشارہ کیا گیا ہے اُن کا کیا جواب ہوگا۔ با این ہمہ اگر غور کیا جائے تو روشن ہو جائیگا کہ یہ بارہ رکعات اور چیز ہیں اور قیام لیل جس کے فضائل مشہور ہیں اور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعد مغرب کی چھ رکعات، اول عشاء کی چار رکعات (سنت) اور دوسری دو رکعات جو بعد فرائض دو سنت مؤکدہ کے سوا وارد ہوئی ہیں (جن کا مجموعہ بارہ رکعات ہو جاتا ہے)

اسی سعادت معلومہ کے لئے تجویز کی گئی ہوں (یہ بارہ رکعات کی تفصیل رات کے لئے ہے) اور چھ رکعات[19] اشراق وچاشت کی اور چار فیٔ الزوال کی اول عصر کی دو رکعات کے ساتھ یا بعد ظہر کی دو رکعات کے ساتھ جو کہ دو رکعت مؤکدہ کے بعد نسائی میں وارد ہوئی ہیں اسی غرض سے دن میں معین کی گئی ہوں۔ واللہ اعلم۔

بالجملہ در بارۂ تحدید اعداد رکعات تہجد با جہاد کہ از اعداد مجاہدین بعددے مقید نیست و از ہیأت و اوقات و آلات و جہات بچیزے معین نے بیک پلہ می سنجد۔ ہر کہ داند می داند و ہر کہ نداند و از فہم بہرہ ندارد این چنیں سخن شنیدہ بر خودمی پیچد۔ مگر مارا با زید و عمر کارے نیست انچہ فہمایندہ اند می گوییم۔ آری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہ خلیفۂ راشد و بر رُشدِ او شان خود حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سالہا سال پیشتر از خلافت شان باین طور گواہی دادہ اند کہ الحق ینطق علی لسان عمر یا لو کان بعدی نبیٌ لکان عمر او کما قال۔ قیام لیل رمضان خاص بہ بست رکعت محدود کردہ اند۔ چنانچہ روایت مؤطا دریں باب خود آنعزیز رقم زدہ اند انچہ اوّل اوّل در زمان حضرت عمرؓ یازدہ می خواندند معارض تحدید نیست قبل اجماع آراء و استقرار رائی خواندہ اند چنانچہ قول امام مالکؒ در مؤطا برین امر گواہ ست چون پردہ از حقیقت کار افتاد و ہر کس حقیقۃ الامر را عیان دید و غرض شارع فہمید و آنکہ نادیدہ بود از بینندگان بشنید ہمہ برادائے بست رکعۃ کمر بستند و خیال ہائے دیگر را شکستند واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

الحاصل شمار رکعات کے بارے میں کسی عدد معین سے تحدید نہیں کی گئی، تہجد، جہاد کے ساتھ جو کہ اعداد مجاہدین کے کسی عدد سے مقید نہیں ہے اور ہیأت و اوقات اور آلات اور جہات میں سے کسی چیز کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، ایک پلّے میں تل رہا ہے۔ جو دانشمند ہے وہ سمجھتا ہے اور جو نہیں جانتا

[19] ایک تیسرا احتمال یہ ہے کہ بارہ رکعات ان سب سے الگ مستقل حیثیت میں اور دن کے نصف اول میں ہوں۔ آخر کتاب میں حضرت مصنف رہ نے اسی احتمال کو ترجیح دی ہے۔ دیکھو صفحہ ۸۲۔ ۱۲ مترجم

اور فہم سے بے بہرہ ہے یہ بات سنکر پیچ و تاب کھائے گا۔ مگر ہم کو زید و عمرو سے کوئی مطلب نہیں جو کچھ ہم کو سمجھایا گیا کہہ رہا ہوں۔

بیشک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کہ خلیفۂ راشد ہیں اور اُن کی خلافت سے سالہا سال پیشتر خود حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے رُشد پر اس طرح گواہی دی ہے کہ:۔ الحق[16] ینطق علی لسان عمر (یعنی عمرؓ کی زبان پر حق جاری ہو جاتا ہے) یا لوکان[17] بعدی نبیٌ لکان عُمَرَ او کما قال (یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا) ان ہی عمرؓ نے لیل رمضان کے قیام کو بیس رکعات سے محدود کیا ہے۔ چنانچہ مؤطا کی روایت اس باب میں خود آن عزیز نے تحریر کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں اول اول جو گیارہ رکعات لوگ پڑھتے رہے وہ تحدید کی معارض نہیں ہے۔ اجماع آراء اور ایک رائے کے قرار پا جانے سے پہلے پڑھی گئی ہیں۔ چنانچہ مؤطاؒ[18] میں امام مالکؒ کا قول اس پر گواہ ہے۔ جب اصلِ کار سے پردہ ہٹ گیا اور حقیقۃ الامر کو عیاں دیکھ لیا اور شارع کی غرض سمجھ میں آگئی اور جس نے نہیں دیکھا تھا دیکھنے والوں سے سن لیا تو سب حضرات بیس[20] رکعات کی ادائگی پر کمربستہ ہو گئے اور دوسرے خیالات کو توڑ دیا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

غرض نبی باشد یا خلیفہ ہر چہ آخر حال اوست اقتدا و اہتدا باو شاید در نہ در ہر باب باعتبار اختلاف اوقات روایتہا روایت کردہ اند۔ بالجملہ اہتمام خلیفۂ راشد و عدم انکار دیگران بروکہ ملّا سنیت سنن اوشان برہمین است۔ چنانچہ ما رآہ المؤمنون حسنا فہو عند اللہ حسن ۝ بلکہ آیتِ "لیمکنن لہم دینہم الذی ارتضیٰ لہم" برآن دلالت دارد بہ نسبت بست

[16] عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلعم ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر وقلبہ ۱۲ منہ اخرجہ الترمذی۔ وفی روایۃ ابی داؤد عن ابی ذر قال ان اللہ وضع الحق علی لسان عمر ۱۲ وعن علی قال ماکنا نبعد ان السکینۃ تنطق علی لسان عمر رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ ۱۲ منہ [17] عن عقبۃ بن عامر قال قال رسول اللہ صلعم لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب ۱۲۔ اخرجہ الترمذی [18] فی المؤطا عن یزید بن رومان انہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث عشرین رکعۃ ۱۲ ایضاً قال البیہقی والثلث ہو الوتر ولا ینافیہ الروایۃ السابقۃ فانہ وقع اولا ثم استقر الامر علی العشرین فروی البیہقی باسناد صحیح انہم یقومون فی عہد عمر بعشرین رکعۃ وفی عہد عثمان وعلی مثلہ ۱۲ کذا فی المحلی حاشیۃ المؤطا ۱۲ منہ

یافتہ می شود نہ بہ نسبت یازدہ۔ وہمین دم عرض کردہ ام کہ سنن خلفاء اگر می باشد از دو قسم مذکور

می باشد اکنون می باید دید کہ قیام رمضان ازین دو قسم کدام است این نتوان گفت کہ از مقتضیات

نصوص وذرائع مقاصد شرعیہ ووسائل مطالب دینیہ است ورنہ آن مقصود کدام است وآن

مطلوب چیست۔ وقتیکہ مامور بودن مقتضیات نصوص فرع مامور بودن منطوق عبارۃ

النص باشد اطلاعش بعباد اول ضروری ست پس لاجرم تراویح از قسم اول باشد۔ اندرین

صورۃ باین عدد بست واین ہیئات کذائی چنانکہ متوارث است حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کہ بالیقین وبالاجماع خلیفۂ راشد اند از حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیدہ یا شنیدہ باشند۔

آخری حال قابل اتباع ہوتا ہے۔

غرض نبی ہو یا خلیفہ جو اُس کا آخرِ حال ہے اتباع اور اخذ ہدایت اُسی سے مناسب ہے در

ہر باب میں باعتبار اختلاف اوقات بہت سی روایتیں مروی ہیں۔ الحاصل خلیفۂ راشد کا اہتمام

بہ نسبت بیس رکعت کے پایا جاتا ہے بہ نسبت گیارہ کے نہیں۔ اور دیگر اصحاب کا اس سے انکار

نہ کرنا کہ ان کی سنتوں کے سنت ہونے کا اسی پر مدار ہے چنانچہ مارآہ المؤمنون حسنًا

فھو عند اللہ حسنٌ (جس امر کو تمام مؤمنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک حسن ہے) بلکہ آیت

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ (اور جس دین کو (اللہ تعالیٰ نے) ان کے لئے پسند

کیا ہے (یعنی اسلام) اُس کو اُن کے (نفع آخرت کے) لئے قوت دیگا۔ بھی اس پر دلالت کرتی ہے

اور ابھی میں عرض کر چکا ہوں کہ سنن خلفاء اگر ہوتی ہیں تو دو قسم مذکورہ (یعنی پہلی اور تیسری)

قیام رمضان قسم اول میں سے ہے۔

میں سے ہوتی ہیں۔ اب دیکھنا چاہئے کہ قیام رمضان ان دو میں سے کونسی قسم ہے۔ یہ نہیں کہہ

سکتے کہ وہ مقتضیات نصوص اور مقاصد شرعیہ کے ذرائع اور مطالب دینیہ کے وسائل میں سے

ہے ورنہ (یہ متعین کرنا ہوگا کہ) وہ کونسا مقصود اور کیا مطلوب ہے۔ جب کہ مقتضیات نصوص کا

مامور ہونا فرع ہوتا ہے فرمان عبارۃ النص کے مامور ہونے کی۔ بندوں کو اس کی اطلاع پہلے

ہونا ضروری ہے (اور ظاہر ہے کہ وہ خود مقصد ہے کسی مقصد کا ذریعہ نہیں)، پس بلاشبہ تراویح قسم

اول میں سے ہوئی۔ اس صورت میں اس بیس عدد اور اس ہیئت کذائی کے ساتھ جس طرح کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کہ بالیقین اور بالاجماع خلیفۂ راشد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

دیکھا ہوگا یا سنا ہوگا۔

می پرسم کہ اگر روایات تراویح از حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ مشعر بست رکعۃ اند ضعیف اند

ہاں اگر ضعیف، اخلاف واقع ومعارض حق بودن ضروری بودے یا توارث عملی از

زمان نبوۃ علی صاحبہا الف الف صلوۃ وسلام یا زمان خلافت علی اہلہا مغفرۃ ورضوان از اقسام

حدیث نبودے منکران بست را دہان کشائی وزبان آرائی بجائے خود بود آنگاہ ما ہم بریکے از ہزار ہم

نمی کردیم لیکن ہمہ می دانند کہ اقتضائے ضعف فقط ہمین قدر است کہ منطوق حدیث

قابل اعتبار نباشد نہ آنکہ نقیض آن معتبر بود ورنہ ادراک حق از ضعاف بہ نسبۃ صحاح اگر سہل تر

برابر بودے۔

پوچھتا ہوں کہ وہ روایات جو بیس رکعات تراویح کے بارے میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں اگر ضعیف ہوں تو کیا نقصان ہے۔ ہاں اگر ضعیف کیلئے خلاف واقع اور معارضِ حق ہونا

یا زمانۂ نبوت علیٰ صاحبہا الف الف صلوۃ وسلام یا زمانۂ خلافت علیٰ اہلہا مغفرۃ ورضوان

عملی اقسام حدیث میں سے نہ ہوتا تو بیس رکعات کے منکروں کے لئے منہ کھولنے

آرائی کا موقع تھا اُس وقت ہم ہزار میں ایک بات پر بھی اظہار ناگواری نہ کرتے لیکن

جانتے ہیں کہ اقتضاء ضعف فقط اسی قدر ہوتا ہے کہ مضمون فرمودہ حدیث قابل اعتبار نہ

کہ اس کی نقیض معتبر ہو، ورنہ ادراک حق ضعیف احادیث سے بہ نسبت صحیح احادیث کے

ہوتا تو برابر تو ہو ہی جاتا (کہ جس حدیث میں ضعف روایت ثابت ہوتا اُس کی نقیض کو حق

دیا جاتا)۔

کی روایتیں ضعیف ہوں تو کیا خلاف واقع ہونا ضروری نہیں ہو جاتا

این ہم ہویدا است کہ متوارثات زمان نبوت یا خلافت از اقسام حدیث بلکہ از

اقسام آنہا ست ورنہ تکفیر منکر اعداد رکعات فرائض وسنن رواتب چہ معنی داشت۔

کلام اللہ ازین معنی حرفے نگفتہ اند احادیث مشعر تعداد رکعات کہ کتب احادیث آوردہ اند

بجد تواتر نرسیدہ اند و ایمان چون منحصر در اقرار و تسلیم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ است صلی اللہ علیہ وسلم کفر نیز منحصر در انکار ہمین دو خواہد بود و ظاہر ست کہ انکار رسالت ہمین انکار قرآن و حدیث است۔ و ہمچنین انکار الوہیت و انکار عبودیت کہ انکار احکام نازلہ متضمنہ قرآن و حدیث خواہد بود و منکر اجماع اگر کافر است آن نیز بہ ہمین انکار حدیث و قرآن کافر است۔ چہ بناء اجماع نیز مثل سنت خلفاء بر قرآن یا حدیث است ورنہ از آیہ اتبعوا ما انزل و حدیث من احدث چگونہ توان رست۔

اور اسی طرح یہ بھی ظاہر ہے کہ زمانۂ نبوت یا خلافت کے متوارثات (یعنی وہ امور جو اُس دور سے اب تک بطور وراثت منقول ہوتے چلے آ رہے ہیں) اقسام حدیث بلکہ عمدہ اقسام حدیث میں سے ہیں ورنہ فرائض اور سنن مؤکدہ کے اعداد رکعات کے منکر کی تکفیر کیا معنے رکھتی ہے کلام اللہ میں ان اعداد کے بارے میں ایک حرف بھی نہیں فرمایا گیا اور جن احادیث میں تعدادِ رکعات کا ذکر ہے جو کتب احادیث میں منقول ہیں وہ تواتر کی حد کو نہیں پہنچیں اور ایمان چونکہ لا الٰہ الا اللہ (اور) محمدٌ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرار اور تسلیم میں منحصر ہے تو کفر بھی ان ہی دو کے انکار میں منحصر ہوگا اور ظاہر ہے کہ انکارِ رسالت وہی انکار قرآن و حدیث ہے (یعنی انکارِ رسالت اور انکارِ قرآن و حدیث کا ایک ہی مطلب ہے) اور اسی طرح الوہیت کا انکار عبودیت کا انکار ہے کہ وہ (درحقیقت) اُن احکام نازلہ کا انکار ہوگا جن پر قرآن و حدیث متضمن ہے (حاصل یہ ہوا کہ کفر منحصر ہوا قرآن و حدیث کے انکار میں۔ تو جس چیز کو کفر تسلیم کیا گیا اس میں قرآن و حدیث کا انکار ضرور پایا جائے گا اور جہاں انکار قرآن و حدیث لازم آئے گا کفر کا لزوم بھی ضروری ہوگا) منکرِ اجماع اگر کافر ہے وہ بھی اسی انکارِ قرآن و حدیث کی وجہ سے کافر ہے کیونکہ اجماع کا مبنیٰ بھی سنت خلفاء کی طرح قرآن یا حدیث پر ہے ورنہ آیت اتبعوا ما انزل الخ اور حدیث من احدث الخ سے کیوں کر رستگاری ہو سکتی ہے (یہ دلیل مفصلہ بالا کی طرف اشارہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن اتباع کو ما انزل میں محصور کرتا ہے اور حدیث من احدث الخ جملہ

زمانۂ نبوت یا خلافت کے متوارثات عمدہ اقسام حدیث میں سے ہیں

کفر قرآن و حدیث کے انکار میں منحصر ہے

منکر اجماع کے کفر کی وجہ

متوارثات کو رد کرتی ہے۔ لیکن دوسرا ارشاد نبوی علیکم بسنتی الخ سنت خلفاء کے اتباع کو لازم کرتا ہے۔ اس لئے یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ اس ارشاد نے سنت خلفاء کو منجملہ ما انزل بنا دیا اور اس بناء پر من احدث الخ سے رستگاری مل گئی۔ مقصد یہ ہے کہ یہی دلیل اجماع کی حجیت کی ہے اور اسی بناء پر اجماع کے انکار کو قرآن و حدیث کے انکار کے برابر قرار دے کر کفر کہا گیا کہ یہ بالواسطہ اجزاء کلمہ کے انکار تک پہنچ گیا۔ اسی طرح توارث کے انکار سے بہت سے ضروریاتِ دین کی قطعیت ہی ختم ہو جائے گی۔ اس کے انکار سے قرآن و حدیث کا انکار لازم آئے گا تو یہ بھی مثل سنت خلفاء ما انزل کے ساتھ منضم ہوگا۔)

چون توارث از عمدہ اقسام احادیث است و ثبوت تراویح تا زمانۂ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بتوارث بدست آمد زان بعد باقتضاء النص علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی بہ ثبوت پیوست۔ اکنون بفرمائید کہ باستماع رد و قدح ابناء روزگار در بارۂ تراویح دل ما اگر زیر و زبر نشود چون شود۔ افسوس علماء متقدمین سنت و ملت را فراہم آوردند و اقامت فرمودند و علماء این زمان چون آن کار نتوانستند برخاستند و سہل برہم زدند ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ہ بدلم می آید کہ بخدمت منکران امور این قسم بنشینم و ما فی الضمیر خود را عرض دارم۔ مگر نہ امید انصاف است نہ اطمینان از طرف انصاف۔ ہر یک بعلم و عقل خود مغرور۔ ہمین بہ کہ زبان در دہان کشیم و بمطلب دیگر قلم در کشیم۔

جب کہ توارث عمدہ اقسام احادیث میں سے ہے اور تراویح (کی بیس رکعات) کا ثبوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک توارث کے ذریعہ سے ہم تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد باقتضاء النص علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی پایہ ثبوت تک پہنچ گیا۔ اب فرمائیے تراویح کے بارے میں اس زمانہ کے لوگوں کی رد و قدح کے سننے سے ہمارا دل نہ تڑپے تو اور کیا ہو۔ افسوس ہے کہ علماء متقدمین نے تو سنت و ملت کو جمع کیا

اور قائم فرمایا اور اس زمانہ کے علماء جب وہ کام نہ کر سکے تو اٹھے اور اس اندوختہ کو برباد کرنے میں لگ گئے۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔ میرے دل میں آتا ہے کہ میں اس قسم کے منکروں کی خدمت میں جا کر بیٹھوں اور اپنا مافی الضمیر پیش کروں۔ مگر نہ انصاف کی امید ہے اور نہ بے راہی سے رجوع کی طرف سے اطمینان۔ ہر ایک اپنے علم وعقل پر مغرور ہے۔ یہی بہتر ہے کہ زبان کو روکیں اور دوسرے مطلب کیلئے قلم چلائیں۔

برادرم ہر چند از قصۂ تعارض حدیث حضرت عائشہ رضؓ با حدیث مشعر بست رکعات سینہ پاک شدہ باشد و آن عزیز دانستہ باشند کہ چنانکہ با احادیث مشعرہ بست رکعات اکنون حاجتے نماندہ ہمچنان آن احادیث را اگر با حدیث حضرت عائشہ رضؓ تخالف است گو باش۔ مارا چہ زیان مگر تاہم رمزے ازین ہم باید گفت دہانم تنگ زبانم کوتاہ چگونہ این حرف بزرگ بر زبان رانم کہ امام ہمام ابن ہمام کہ در جودۂ طبع یکتا، روزگار و در تبحر مواد شرعیہ بحر ذخار بودہ درین تحقیق خطا کردہ۔ مگر اگر نگویم چکنم چون نگویم۔ لفظ ما کان یزید کہ درین حدیث حضرت عائشہ رضؓ واقع است مدار زعم تعارض بر ہمان است لاریب بحکم انصاف از باب قلب ست و مفادش کان لا یزید ست کہ بر استمرار عدم زیادہ دلالت دارد نہ عدم استمرار و دوام زیادہ۔ ورنہ باعتبار آنکہ معنی اصلی و مطابقی از معنی مجازی مقدم است دلالت بر عدم دوام زیادہ دارد کہ باعتبار آن نہ معارض حدیث بست است و نہ بہر منع از زیادہ دلیل۔ لیکن چنانکہ حق آنست کہ گفتیم این نیز محقق است کہ کان دوام و استمرار را بطوریکہ مخالف آن گاہی بر ساحت وجود ظہور نکند نمی خواہد اوراق مسلم را کہ در کتب اصول مسلم است بگردانند و درباره استمرار کان بینند کہ چہ نوشتہ اند آنچہ این ہیچمدان عرض کرد انشاء اللہ ہمان خواہد بر آمد۔

برادرم جہاں تک اندازہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے ساتھ ان احادیث کے تعارض کے قصہ سے جو بیس رکعات تراویح ظاہر کرنیوالی ہیں۔ سینہ صاف ہو گیا ہوگا، اور آں عزیز جان گئے ہونگے کہ جس طرح اُن احادیث کی جو بیس رکعات کی مشعر ہیں اب کوئی حاجت ہی نہیں رہی۔ اسی طرح اُن احادیث کا اگر حدیثِ عائشہ رضؓ کے ساتھ تخالف ہے تو ہوا کرے ہمارا کیا نقصان ہے۔ مگر پھر بھی اس باب میں ایک رمز ہم کو ظاہر کر دینا ہی چاہئے۔ میرا چھوٹا منہ اور بات اور زبان کوتاہ، کیونکر یہ بات زبان پر لاؤں کہ امام جلیل القدر ابن ہمام[۵۷] نے کہ جودت طبع میں یگانۂ روزگار اور موادِ شرعیہ کے تبحر میں بحرِ ذخار ہوئے ہیں، اس تحقیق میں خطا کی، لیکن اگر نہ کہوں تو کیا کروں۔ کیسے نہ کہوں۔ لفظ ما کان یزید جو کہ حضرت عائشہ رضؓ کی اس حدیث میں واقع ہے۔ بلاشبہ بحکم انصاف باب قلب[۵۸] میں سے ہے۔ اور اس کا مفاد کان لا یزید ہے جو کہ عدم زیادہ کے استمرار پر دلالت کرتا ہے (اور اسی اعتبار سے امام ابن ہمام نے اس حدیث کو بیس رکعت کے معارض خیال فرمایا۔) زیادہ کے عدم استمرار اور عدم دوام پر (اس

ف۵۷ آپ کا نام شیخ امام الدین محمد بن عبد الواحد ہے۔ ابن الہمام آپ کا عُرف ہے۔ آپ کا مشرب حنفی تھا، وطناً سیواسی ثم السکندری تھے ۸۶۱ھ میں انتقال ہوا ۱۲

ف۵۸ کلام کو مقتضائے ظاہر سے بدل دینا۔ تاکہ اُس میں حُسن پیدا ہو جائے قلب ہے۔ قلب ایک لفظی ہوتا ہے اور ایک معنوی۔ اُن میں سے ہر ایک کی متعدد اقسام ہیں۔ معنوی کی اقسام میں سے ایک قسم یہ ہے کہ اجزاء کلام میں سے کوئی جزو دوسرے کی جگہ اور دوسرے کو اس کی جگہ رکھ دیا جائے۔ جیسے عرضت الناقۃ علی الحوض للتشرب (میں نے پیش کیا ناقہ کو حوض کے آگے تاکہ وہ پانی پیئے) یہ عبارت مقتضائے ظاہر سے مقلوب ہے۔ ظاہر کے خلاف کی یہ وجہ ہے کہ معروض علیہ ذی شعور ہوتا ہے۔ وہ معروض کی طرف توجہ کرتا ہے۔ مثال میں معروض علیہ حوض کو بنایا جو ذی شعور نہیں اور معروض ناقہ کو بنایا جو ذی شعور ہے تو عرضت الحوض علی الناقۃ للتشرب میں یہ تصرف کیا گیا کہ ناقہ کو حوض کی جگہ اور حوض کی جگہ ناقہ کو ثبت کر دیا۔ حدیث زیر بحث میں نفی کا ورود بجائے اس کے کہ یزید پر کر کے کان لا یزید کہا جاتا کان پر ورود کر کے ما کان یزید فرمایا گیا ہے۔ اور کان لا یزید کا مفہوم مجازی بیس رکعت والی حدیث کے معارض ہے ۱۲

قلب کی بناء پر) دلالت نہیں کرتا (جو ما کان یزید کے حقیقی معنی ہیں) ورنہ اس اعتبار سے کہ معنی اصلی اور مطابقی معنی مجازی سے مقدم ہوتے ہیں۔ عدم دوام زیادہ پر دلالت کرتا ہے۔ جس کے اعتبار سے یہ حدیث نہ بیس رکعت والی حدیث کے معارض ہے اور نہ (گیارہ رکعات سے) زیادہ کے منع کے لئے دلیل۔ (تو اس صورت میں حدیث عائشہ رض کا مفادیہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعات سے زیادہ پر دوام واستمرار نہیں کیا) لیکن جس طرح سچی بات وہ ہے جو ہم نے بیان کی ہے یہ بھی محقق ہے کہ کان ایسے دوام واستمرار کا متقاضی ہوتا ہی نہیں کہ اُس کا مفہوم مخالف کبھی وجود میں آنے ہی نہ پائے۔ ذرا مسلّم الثبوت کی ورق گردانی کریں جو کتبِ اصول میں مسلّم ہے اور کانَ کے استمرار کے بارے میں دیکھیں کہ کیا لکھا ہے جو کچھ اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے انشاء اللہ وہی نکلیگا۔

وایں طرف حدیث کنت اطیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاحرامہ حین یحرم ولحلہ قبل ان یطوف بالبیت کہ خود از حضرت عائشہ رض در بخاری فی باب الطیب عند الاحرام مرویست شاہد این مدعاست چہ این واقعہ بجز یک بار صورت نہ بستہ "قال النووی فی شرحہ علی المسلم فی باب صلوۃ اللیل واعداد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد قالت عائشۃُ رضی اللہ عنہا کنتُ اطیبُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحلہ قبل ان یطوف ومعلوم انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یحج بعد ان صحبتہ عائشۃُ رضی اللہ عنہا الا حجۃً واحدۃ وھی حجۃ الوداع فاستعملت کان فی مرۃٍ واحدۃ ولایقال لعلھا طیبتہ فی احرامہ لعمرۃ لان المعتمر لایحل لہ الطیب قبل الطوافِ بالاجماعِ فثبت انہا استعملَتْ کان فی مرۃ واحدۃٍ کما قالہُ الاصولیون۔

اور ادھر حدیث کنتُ اطیّب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاحرامہ حین یحرم	میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبو لگاتی تھی آپ کے احرام کیلئے جب آپ احرام باندھتے تھے
ولحلہ قبل ان یطوف بالبیت	اور آپ کے حل کے وقت بیت اللہ کے طواف سے پہلے

شاید مدعا ہے جو کہ خود حضرت عائشہ رض سے بخاری باب الطیب عند الاحرام میں مروی ہے کیونکہ یہ واقعہ ایک دفعہ سے زیادہ کبھی پیش نہیں آیا۔ (اگر کان دوام واستمرار کا متقاضی ہوتا تو حضرت عائشہ رض سیاق کلام میں کنتُ استعمال نہ کرتیں۔) حضرت نوَوی اپنی شرح مسلم باب صلوٰۃ اللیل واعداد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں۔

قد قالت عائشۃُ رضی اللہ عنہا کنت اطیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحلہ قبل ان یطوف ومعلوم انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یحج بعد ان صحبتہ عائشۃ رضی اللہ عنہا الا حجۃ واحدۃ وھی حجۃ الوداع فاستعملت کان فی مرۃ واحدۃ ولایقال لعلھا طیبتہ فی احرامہ لعمرۃ لان المعتمر لایحل لہ الطیب قبل الطوافِ بالاجماع فثبت انہا استعملَتْ کانَ فی مرۃ واحدۃٍ کما قالہ الاصولیون۔	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبو لگاتی تھی۔ آپ کے احرام کھولنے کے ساتھ قبل اس کے کہ آپ طواف کریں اور یہ معلوم ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رفیقۂ حیات بننے کے بعد رسول اللہ علیہ وسلم نے کوئی حج نہیں کیا۔ بجز ایک حج کے اور وہ حجۃ الوداع ہے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مرۃ واحدۃ یعنی ایک مرتبہ کیلئے کان کا استعمال کیا۔ اور یہ نہ کہا جائے کہ شاید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے خوشبو لگائی ہو آپ کے عمرہ کے احرام کے

وقت کیونکہ بالاجماع معتمر کے لئے طواف سے پہلے خوشبو لگانا حلال نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ حضرت عائشہ رض نے کان کا استعمال ایک مرتبہ کے معنی میں کیا جیسا کہ علماء اصول کا قول ہے۔

با این ہمہ اگر ہمین تعارض است احادیث مخبرہ ثلثہ کہ روایتے ازان در بخاری شریف از حضرت عبداللہ بن عباس وہم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا در مؤطا مالکؒ در صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الوتر واز ام سلمہ رضی اللہ عنہا در نسائی وارد ہمچنیں احادیث خمس و سبع وتسع کہ خود از حضرت عائشہ رض وغیرہا مرویستُ در نسائی موجود است نیز صحیح اند۔

پس نعوذ باللہ منہ یا این حدیث حضرت عائشہ رض غلط خواہد بود یا آن حدیث اکنون بجز
اقرار صدق و وقوع جملہ احادیث چارہ نیست مگر چنانکہ تصحیح روایت حضرت عائشہ رض
بحمل بر عادت غالبہ یا اخبار حسب علم خود و تصحیح روایات مشعرہ ثلٰثہ عشرہ بحمل بر خواندن
گہہ و بیگاہ می کنند۔ ہمچنین توفیق حدیث حضرت عائشہ رض با آن احادیث کہ متضمن بست
رکعۃ تراویح اند میتوان کرد و ضعف آن بتوارث مذکور و اقتضاء نص علیکم بسنتی الخ
منجبر توان ساخت بلکہ حاجت انجبار آن ہیچ نیست اصل مطلوب توارث و اقتضاء
مذکور ثابت شد این احادیث کار شواہد خواہند کرد در شاہد را چندان حاجت صحت
نیست با ضعف ہم کار می توان کرد۔ اکنون ثبوتے کہ مستفاد از توارث و اقتضاء مذکور
است چنانکہ مذکور شدہ نہ تنہا از ثبوتات متکثرہ دیگر بالاتر ست چنانچہ رمزے ازین
آویزۂ گوش سامعان کردہ آمدہ ام دو بالا خواہد شد۔

اس سب کے باوجود اگر یہی تعارض ہے تو وہ احادیث جو تیرہ کی خبر دے رہی ہیں کہ
ان میں کی ایک روایت بخاری شریف میں حضرت[۵۱] عبداللہ بن عباس رض سے اور نیز حضرت[۵۲] عائشہ رض سے
بخاری اور موطا[۵۳] امام مالک صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الوتر میں اور حضرت ام سلمہ
رضی اللہ عنہا سے نسائی میں وارد ہوئی ہیں اور اسی طرح پانچ کی اور سات کی اور نو کی احادیث
کہ خود حضرت عائشہ وغیرہا سے مروی ہیں اور نسائی میں موجود ہیں وہ بھی صحیح احادیث ہیں۔ پس
نعوذ باللہ منہ یا حضرت عائشہ کی یہ حدیث غلط ہوگی یا وہ سب احادیث۔ اب بغیر اسکے
چارہ نہیں کہ تمام احادیث کے صدق کا اقرار کیا جائے۔ مگر جس طرح کہ حضرت عائشہ رض والی روایت

۵۱ اخرج البخاری عن ابن عباس رض قال کان صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلث عشرۃ رکعۃ یعنی باللیل ۱۲ ۵۲ اخرج البخاری عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی باللیل ثلث عشرۃ رکعۃ ثم یصلی اذا سمع النداء بالصبح رکعتین خفیفتین ۱۲ ۵۳ فی المؤطا عن عائشۃ ام المؤمنین قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی باللیل ثلث عشرۃ ثم یصلی اذا سمع النداء بالصبح رکعتین خفیفتین ۱۲

توفیق حدیث عائشہ رض دیگر روایات کے ساتھ

کی تصحیح اس صورت سے کرتے ہیں کہ اس کو عادت غالبہ پر محمول کرتے ہیں یا یہ کہتے ہیں کہ یہ اخبار
اپنے علم کے مطابق ہے اور تیرہ رکعات والی روایات کی تصحیح کبھی کبھی یعنی وقت بے وقت پر
محمول کر کے کرتے ہیں۔ اسی طرح حدیث عائشہ رض کی اُن احادیث کے ساتھ توفیق کر سکتے ہیں
جو بیس رکعات تراویح پر متضمن ہیں اور اس حدیث کے ضعف کی (جو ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان
کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا) توارث مذکور اور علیکم بسنتی الخ کے اقتضاء النص سے تلافی کر سکتی
ہیں۔ بلکہ اُس کی تلافی کی ضرورت بھی کچھ نہیں ہے۔ اصل مطلوب تو توارث اور اقتضاء النص مذکور
سے ثابت ہو ہی چکا ہے۔ یہ احادیث تو (بعد ثبوت مطلوب) شواہد کا کام کریں گی اور شواہد
کے لئے صحت کی چنداں حاجت نہیں۔ ضعف کے ہوتے ہوئے بھی ایسی روایت کام کر سکتی ہے
اب ایسا ثبوت جو توارث اور اقتضاء النص مذکور سے مستفاد ہے جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے اور نہ تنہا
دوسری ثابت ہونے والی روایات کے بہت سے ثبوتوں سے بالاتر ہے، جیسا کہ اُس کی طرف
ایک اشارہ ہم نے ابھی آویزۂ گوش سامعین کیا ہے "دو بالا" ہو جائیگا۔

باقی ماندہ آنکہ شیخ ابن ہمام علیہ الرحمۃ یازدہ را سنت می فرمایند اگر از قسم رابع شمردہ اند قول
شان برسر و چشم من، ما نیز می گوئیم کہ اصل تہجد از قسم ثالث است و تعیین اعداد رکعات
از قسم رابع اگر بریں قدر اکتفا کنیم باک نداریم۔ بدست مدعیان سنیت عدد یازدہ دلیلے
نمی بینیم کہ عدد یازدہ را ازیں قسم ترقی دادہ باقسام ثلٰثہ سابقہ رسانند و قول منکر آنرا بگذارند
مولوی صاحب این تماشا دیدنی است منکران بست رکعۃ یازدہ را سنت می شمارند و بست
را بدعت می انگارند و بطوریکہ مذکور شد قصہ منقلب شد تعیین یازدہ در تہجد سنت نماند و تعیین
بست رکعت مسنون برآمد الحمد للہ علی ذلک واللہ اعلم

رہی یہ بات کہ شیخ ابن ہمام علیہ الرحمۃ گیارہ رکعات کو سنت فرماتے ہیں۔ اگر انہوں نے سنت
کی، قسم رابع میں سے شمار کیا ہے (یعنی جس کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بمقتضائے عادت
ہوا ہو) تو اُن کا قول سر آنکھوں پر۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ اصل تہجد قسم ثالث میں سے ہے جس میں کیفیات

خاصہ اور مشخصات عارضہ شارع کے ملحوظ نظر اور مدعو الیہا نہ ہوں مگر اصل مطلوب کے مبادی میں سے ہوں تو بغیر عمل چارہ بھی نہ ہو) اور اعداد رکعات کی تعیین قسم رابع میں سے۔ اس حد تک تسلیم کرنے میں ہم کو کوئی اندیشہ نہیں۔ گیارہ عدد رکعات کے سنت ثابت کرنے کے لئے ہم دعوی کرنے والوں کے ہاتھ میں کوئی ایسی دلیل نہیں دیکھتے جس سے کام لے کر گیارہ عدد رکعات کو اس قسم سے ترقی دے کر تینوں اقسام سابقہ تک پہنچا دیں اور جو ان اعداد کا منکر ہو اُس کے قول کو رد کر دیں۔ مولوی صاحب! یہ تماشا دیکھنے کے قابل ہے کہ بیس رکعت کے منکر گیارہ کو سنت قرار دیتے ہیں اور بیس کو بدعت خیال کرتے ہیں اور جس طور سے کہ ہم واضح کر چکے ہیں، قصہ ہی الٹ گیا۔ گیارہ کی تعیین تہجّد میں بھی سنت نہ رہی اور بیس رکعت کی تعیین مسنون نکل آئی۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک واللہ اعلم۔

مگر پیشتر عرض کردہ آمدہ ام کہ تعیین اعداد رکعت در تہجد از قسم ثالث است من برہمان قول اول مستقیم ام و آن طرف می ترسم کہ باستماع این قول موئے بر تن شما خیزد بدین وجہ ہم یاد کردن ازان ضرور افتاد و توجیہ قول ثانی لازم آمد مگر این قصّہ اصلے و تمہیدے می طلبد آن این ست کہ ہر چیزے را صفتے باعتبار ذات خود می باشد قطع نظر از اغیار و حالتے باعتبار چیز دیگر می بود کہ آنرا وضع آن باید گفت قیام لیل نیز دو جہۃ دارد جہتے من حیث ہی و جہتے باعتبار انسلاک او در سلک خمسین۔

مگر میں پہلے عرض کر آیا ہوں کہ اعداد رکعات تہجد کی تعیین قسم ثالث میں سے ہے۔ میں (جس کا مفصل بیان صفحہ ۹ پر گذرا ہے ۱۲) اُسی پہلے قول پر قائم ہوں۔ اور (یہاں قسم رابع میں سے تسلیم کرنے میں کوئی اندیشہ نہیں کیا اسلئے) اس جانب میں مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اس قول کو سُنکر آپ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اس وجہ سے پھر اُس پر توجہ ضروری ہوئی اور قول ثانی کی توجیہ لازمی ہو گئی۔ مگر یہ قصہ ایک اصل اور تمہید کا طالب ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک صفت تو باعتبار اُس کی اپنی ذات کے ہوتی ہے اغیار سے قطع نظر کر کے، اور ایک حالت ہوتی ہے دوسری چیز کے

اعتبار سے کہ اس کو اس کی وضع کہنا چاہیئے۔ قیامِ لیل بھی دو جہت رکھتا ہے۔ ایک جہت باعتبار اپنی ذات محض کے اور ایک جہت ہے باعتبار پچاس (رکعات) کی لڑی میں منسلک ہونے کے۔

تفصیل این اجمال چنانکہ دانستۂ این است رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چنانکہ عبد کامل و اکمل افراد بشر در عبودیت اند چنانچہ خطاب عبدہ دادن و بنا بر رسالۃ شان بر آن نہادن برین گواہ ست و نیز نزد ہمہ مسلم ہمچناں کمال عبودیت دراں ست کہ باصل حکم در تعبدات محضہ و باول امر در عبادات خالصہ سر نہادہ آید گو نظر بر ضعف عباد ازان طرف تخفیف فرمودہ باشند و اول امر را بامر ثانی کہ از اول اخف باشد منسوخ نمودہ باشند و بقاء استحباب بعد نسخ فرضیت کہ شنیدہ باشی ہم ازین کہ عرض کردم خبر میدہد و این بقاء استحباب مخصوص بہمین قسم می نماید و ظاہر است کہ نماز تعبد محض است ہیچ گونہ شائبۂ وساطت امر دیگر کہ بذات خود تعبّد باشد دران یافتہ نمی شود ہاں اگر صوم یا زکوٰۃ را گویند کہ بذات خود از تعبدات نیستند آری ذریعۂ سہولت تعبد خویش با دیگران می شود ازین وجہ تعبد عارض گردیدہ می سرزد۔ چہ تعبد تذلل و تخشع است امری بیش نیست و نظر بر حقیقۂ صلوٰۃ و حقیقۃ صوم و زکوٰۃ ہویدا است کہ آن در اول ست نہ در ثانی۔

اس اجمال کی تفصیل جیساکہ تم جانتے ہو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح عبد کامل اور عبودیت میں تمام افرادِ بشر سے اکمل ہیں چنانچہ حق تعالیٰ کا آپ کو خطاب عبدہ کا دینا اور اس پر رسالت کی بنیاد رکھنا اس پر گواہ ہے اور نیز سب کے نزدیک مسلّم ہے اسی طرح (یہ بھی مسلم ہے) کہ کمالِ عبودیت اس میں ہے کہ جن احکام کا تعلق صرف عبودیت سے ہے ان میں سے اصل حکم کی اور عبادات خالصہ میں اولِ امر کی تعمیل پر بذات خود کاربند رہیں۔ اگرچہ عام بندوں کے ضعف پر نظر فرماتے ہوئے (آپ ہی کی مکرر سہ کرر درخواست پر) اُس طرف تخفیف بھی فرما دی گئی ہو اور پہلے حکم کو دوسرے حکم سے، جو پہلے حکم سے بہت ہلکا ہو منسوخ

بھی کردیا گیا ہو- اور (یہ اصول یعنی) "فرضیت کے منسوخ ہونے کے بعد استحباب کا باقی رہ جانا" جو کہ آپ نے سنا ہوگا اسی نظریہ کی جو میں نے پیش کیا ہے خبر دیتا ہے اور یہ بقار استحباب اسی قسم کے ساتھ مخصوص نظر آتا ہے، اور ظاہر ہے کہ نماز محض تعبُّد (یعنی عبودیت خالصہ) ہے اس میں کسی طرح کا ایسا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا کہ اس میں تعبُّد کسی دوسرے ایسے امر کی وجہ سے آیا ہو جو کہ بذات خود تعبُّدی ہو- ہاں اگر روزے یا زکوٰۃ کو یہ کہیں کہ یہ بذات خود تعبُّد نہیں ہیں البتہ اُن کو اس وجہ سے تعبُّد عارض ہوگیا کہ یہ اپنے تعبُّد کے لئے دوسروں کے ساتھ مل کر آسانی کا ذریعہ بن جاتے ہیں تو زیبا ہے -(آسانی کا مطلب یہ ہے کہ روزہ عبادت میں یکسوئی کا موجب ہوگا اور رقم زکوٰۃ فقرار و مساکین کے لئے یکسوئی کے ساتھ عبادت کا آسان ذریعہ بنیگی) کیونکہ تعبُّد تذلّل اور فروتنی ہی تو ہے- اس سے زیادہ کوئی امر نہیں- اور نماز کی حقیقت اور روزے اور زکوٰۃ کی حقیقت کے پیش نظر ظاہر ہے کہ تذلّل قسم اول میں ہے ثانی میں نہیں۔

وایں نیز معلوم و مسلم است کہ فرائض نماز بوجہ تخفیف در شب معراج از پنجاہ منسوخ شدہ بر پنج رسیدہ اند چنانکہ جملہ خففت عن عبادی و امضیت فریضتی او کما قال کہ در بعضی روایات حدیث معراج در صحاح موجود است برین دعوی شاہد معتبر ست اکنون نظر بر کمال عبودیت آن سرور صلی اللہ علیہ وسلم بے تامل ایمان می آریم کہ آن پنجاہ را از دست نداده باشند و اگر غور کرده شود آیہ فاستقم کما امرت نیز اشارہ بدین جانب دارد واللہ اعلم بالصواب و استقرار و تتبع احوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیز درین بارہ اطمینان می فرماید چنانچہ در بارۂ صوم چون احوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را بغور دیدیم و فکر کردیم دریافتیم کہ صیام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مطابق بعض روایات کہ از فرضیت صیام ششماہ و باز بصیام یک ماہ منسوخ شدن خبر می دہد کہ در یک سال کم از شش ماہ نمی بودند بلکہ بحساب ادغام صیام اسبوعات در صیام تواریخ شہور ہم زیادہ از شش ماہ می شود فلیحاسب

اور یہ بھی معلوم اور مسلّم ہے کہ شب معراج میں فرائض نماز تخفیف کی وجہ سے پچاس سے منسوخ ہوکر پانچ پر پہنچے ہیں چنانچہ جملہ خففت[1] عن عبادی و امضیت فریضتی او کما قال | میں نے اپنے بندوں سے تخفیف کردی اور اپنے فریضہ کا آخری فیصلہ کردیا۔

جو کہ حدیث معراج کی بعض روایات صحاح میں موجود ہے -اس دعوے پر معتبر گواہ ہے - اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ عبودیت کے پیش نظر بغیر تامل کے ہم ایمان لاتے ہیں کہ اُن پچاس کو آپ نے کبھی نہ چھوڑا- اور اگر غور کیا جائے تو آیت فاستقم کما اُمِرت (جس طرح آپ کو حکم دیا گیا اُس کے پابند رہئے) بھی اسی جانب رخ رکھتی ہے (کیونکہ آپ کو پچاس کا حکم دیا گیا اسی پر استقامت کا حکم محمول ہوسکتا ہے) واللہ اعلم بالصواب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات مبارکہ کی تلاش اور اُن کا تفصیلی مطالعہ بھی اس بارے میں مطمئن کردیتا ہے- چنانچہ روزے کے بارے میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کو ہم نے بغور دیکھا اور سوچا تو معلوم کرلیا کہ بعض ایسی روایات کے مطابق جو (ایک سال میں) چھ ماہ روزے فرض ہونے کے (ابتدائی) حکم کی اور پھر ایک ماہ کا حکم (تخفیف کے بعد) نازل ہونے سے اُس حکم (سابق) کے منسوخ ہونے کی خبر دیتی ہیں- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے ایک سال میں چھ ماہ سے کم نہیں ہوتے تھے بلکہ ہفتوں کے ایام کو (جن میں ایام کے اعتبار سے آپ روزے رکھتے تھے) جب مہینوں کی تاریخوں میں (جن میں روزہ رکھنا آپ کا معمول تھا) ادغام کرکے بھی حساب کیا جائے تو چھ ماہ سے زیادہ ہوتے ہیں- حساب کرلیا جائے۔

بالجملہ چون حساب نماز ہائے شب و روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کردیم بے کم و کاست پنجاہ رکعت یافتیم بلکہ بعض اوقات اگر زیادہ شدہ باشد عجب نیست آن حساب اگر مطلوب است بشنوید بست و نہ رکعت فرائض شب و روز مع سنن رواتب و یازدہ رکعت تہجد مع وتر

[1] عن مالک بن مسعود رض عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث المعراج الی آخرہ نادیٰ منادٍ امضیت فریضتی وخففت عن عبادی اخرجہ بطولہ البخاری و المسلم ۱۲ منہ

این ہمہ چہل شد باز دو رکعت اشراق و چہار رکعت چاشت حسب روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کہ امام ترمذی آوردہ و چہار رکعۃ فیُ الزوال برآن افزودند پنجاہ شدند از ین جملہ اگر طرفی می کاستند بطرف دیگر افزودہ باشند و بنا کمی و بیشی تہجد و خواندن و ناخواندنِ اشراق و چاشت حسب اختلاف اوقات برہمین کاستن و افزودن مبنی می بینم۔

الحاصل جب ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز کی نمازوں کا حساب کیا تو بے کم و کاست پچاس رکعات پائیں۔ بلکہ بعض اوقات اگر (پچاس سے) بڑھ جائیں تو عجب نہیں۔ وہ حساب اگر مطلوب ہے تو سنو۔

فرائض شب و روز مع سنت ہائے مؤکدہ انتیس ۲۹ رکعات (یعنی دو رکعت سنت و دو رکعت فرض فجر۔ چار رکعات + چار رکعات سنت و چار رکعات فرض و دو رکعات سنت ظہر کل دس رکعات چار رکعات فرض عصر + تین رکعات فرض و دو رکعات سنت مغرب کل پانچ رکعات + چار رکعات فرض و دو رکعات سنت عشاء کل چھ رکعات) ان میں گیارہ رکعات تہجد مع وتر (یعنی آٹھ رکعات تہجد اور تین رکعات وتر) ملا کر کل چالیس رکعات ہوئیں۔ پھر دو رکعت اشراق اور چار رکعات چاشت جس کو امام ترمذی نے حسب روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرمایا ہے اور چار رکعات فیُ الزوال اُن میں اضافہ کریں۔ یہ سب پچاس رکعات ہوئیں۔

ان سب میں سے اگر ایک جانب میں آپ کمی کرتے تھے تو دوسری جانب میں اضافہ کر دیا کرتے تھے اور تہجد میں کمی بیشی اور اشراق و چاشت کا پڑھنا اور نہ پڑھنا حسب اختلاف اوقات مجھ کو اسی گھٹنے اور بڑھنے پر مبنی محسوس ہوتا ہے۔

باز چون از عقل خود پرسیدیم فتواء او نیز ہمین یافتیم کہ حقیقت صلوٰۃ ہمین یک رکعت است و بس چہ بعد اتمام رکعت در ہر نماز باز ہمان ارکان رکعت مکرر می شوند پس چنانکہ اطلاق گندم از یک دانہ گرفتہ تا انبار ہا و خروار ہا درست ست۔ این جا ہم اطلاق صلوٰۃ از یک رکعت گرفتہ تا ہر قدر کہ بہم کردہ شوند درست ست۔ مگر چنانکہ از اطلاق گندم بر یک دانہ و انبار ہا و خروار ہا دریافتیم کہ حقیقت گندم ہمین یک دانہ است و در انبار گندم ہمان دانہ مکرر آمدہ چیزے دیگر نیفزودہ کہ درین باب محل اعتبار توان شد ورنہ اطلاق گندم بر یک دانہ روا نبودے چنانکہ بر کم از دانہ روا نیست مگر آنکہ مجازاً گفتہ شود۔ ہمچنان در بارہ نماز از اطلاق مذکور بدین جانب پے بردیم کہ حقیقت صلوٰۃ فقط یک رکعت ست و در زیادہ ازین تکرار ہمان ست کہ مصحح اطلاق صلوٰۃ گردیدہ چیزے دیگر نیفزودہ کہ آنرا مناط صلوٰۃ توان گفت پس کم از یک رکعت را نماز نتوان گفت مگر آنکہ مجازاً گفتہ شود چنانکہ صلوٰۃ جنازہ را نماز و صلوٰۃ گویند

پھر جب ہم نے اپنی عقل سے پوچھا تو اس کا فتویٰ بھی یہی پایا کہ حقیقت نماز یہی ایک رکعت ہے اور بس۔ کیونکہ اتمامِ رکعت کے بعد ہر نماز میں پھر وہی ارکان رکعت مکرر ہو جاتے ہیں تو جس طرح گیہوں کا اطلاق ایک دانہ سے لے کر ڈھیروں اور بوریوں تک ہر کم و بیش مقدار پر درست ہے۔ اسی طرح یہاں بھی نماز کا اطلاق ایک رکعت سے لیکر جس قدر بھی رکعات جمع کر لی جائیں درست ہے۔ مگر جیسا کہ "گیہوں" کے اطلاق سے جو ایک دانہ اور ڈھیروں اور بوریوں پر سب ہی پر ہوتا ہے ہم نے یہ معلوم کر لیا کہ گیہوں کی حقیقت یہی ایک دانہ ہے اور گیہوں کے ڈھیر میں وہی دانہ دوبارہ سہ بارہ آیا ہے کسی اور چیز کا اضافہ نہیں ہو گیا کہ ڈھیر کے لئے اُس کو محل اعتبار بنایا جا سکے ورنہ گیہوں کا اطلاق ایک دانہ پر صحیح نہ ہوتا۔ جس طرح ایک دانہ سے کم پر درست نہیں بجز اس کے کہ مجازاً کہہ دیا جائے۔ اسی طرح نماز کے بارے میں اطلاق مذکور سے ہم کو یہ سراغ ملتا ہے کہ حقیقتِ نماز فقط ایک رکعت ہے اور ایک سے زیادہ جس قدر بھی رکعات ہوں اُن میں اُسی رکعت کا تکرار ہے جو کہ اطلاق نماز کا مصحح بنا کوئی اور چیز نہیں بڑھ گئی کہ اس کو مدار نماز کہہ سکیں۔ تو ایک رکعت سے کم کو نماز نہیں کہہ سکتے۔ مگر یہ کہ مجازاً کہہ دیا جائے جیسا کہ صلوٰۃ جنازہ کو نماز اور صلوٰۃ کہہ دیتے ہیں۔

باز چون تتبع احادیث کردیم از ان ہم اشارہ باین طرف یافتیم ارشادات چند اعنی

من ادرك ركعة من الفجر قبل ان تطلع الشمس الخ ونیز من ادرك من الجمعة و نیز من ادرك ركعة من الصلوٰة که در صحاح یافته می شوند از ہمین دعوی خبر می دہند ورنه تخصیص رکعت سودے نداشت وازینجا دریافته باشی که معنی من ادرك ركعة من الفجر الخ اوکما قال این ست که من ادرك ركعة من الفجر قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك فضيلة الصلوٰة فی الوقت نه اینکه نماز او تمام شد یا الحاق رکعت ثانی ہمین دم برکعت اول باید نمود تا معارض احادیث ممانعت نماز درین اوقات معلومه شود و حاجت نسخ یا تخصیص افتد۔ بلکه دربارۂ اتمام والحاق مذکور این کلام ساکت است نه معارض۔

پھر جب ہم نے احادیث کا تتبع کیا۔ اُن سے بھی ہم کو اسی طرف اشارہ مل گیا۔ چند ارشادات یعنی من[1] ادرك ركعةً من الفجر قبل ان تطلع الشمس الخ اوکما قال۔ اور نیز من[2] ادرك ركعةً من الجمعة اور نیز من[3] ادرك ركعةً من الصلوٰة که صحاح میں پائے جاتے ہیں اسی دعوے کی خبر دے رہے ہیں۔ ورنہ ایک رکعت کی تخصیص میں کوئی فائدہ نہیں تھا۔

اور یہاں سے آپ کو یہ بھی منکشف ہوگیا ہوگا کہ من ادرك ركعةً من الفجر الخ اوکما قال کے معنی یہ ہیں کہ:۔

من ادرك ركعة من الفجر قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك فضيلةَ الصلوٰة فی الوقت	جس نے طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت کو حاصل کرلیا اُس نے وقت میں نماز پڑھنے کی فضیلت کو حاصل کرلیا۔

[1] عن ابی ہریرہ رضؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من ادرک رکعة من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح الخ اخرجه البخاری والمسلم ۱۲ منه [2] وعن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من ادرک رکعة من الصلوٰة مع الامام فقد ادرک الصلوٰة اخرجه البخاری والمسلم ۱۲ منه [3] عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من ادرک من الجمعة رکعة فلیصل الیها اخری اخرجه فی المشکوٰة عن الدارقطنی ۱۲ منه

پورا کر اُس کی نماز پوری ہوگئی یا یہ کہ اُس کو دوسری رکعت کا الحاق اُسی دم پہلی رکعت کے ساتھ ادا کرلینا چاہئے (اور ایسے معنے قرار دینے کا نتیجہ) یہاں تک (پہنچ جائے) کہ ان اوقاتِ معلومہ میں ممانعت والی احادیث کے معارض بن جائے اور (پھر رفع تعارض کے لئے) نسخ یا تخصیص کی حاجت واقع ہو۔ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) اتمام اور الحاق مذکور کے بارے میں یہ کلام ساکت ہے نہ کہ معارض۔

ومیدانیم که فقہاء نیز حقیقتِ صلوٰة ہمین یک رکعت را داشته اند که اجازت خواندن سنت صبح در صورة ظن ادراک یک رکعت داده اند۔ وازینجا خوش فہمی امام ہمام ابوحنیفهؒ کوفی و سخن ناشناسی طاعنان او نشان دانسته باشی باقی ماند اینکه اگر حقیقت صلوٰة ہمین یک رکعت است ولبس اطلاق صلوٰة بر زیاده ازان بوجه ازدیاد آن ست چه پیش آمد که تنہا یک رکعت علی اختلافِ الاقوال ممنوع یا مکروه شد وہمچنین زیاده از چار یا ہشت بہم کردن ناپسند آمد مخالف این سخن نیست کمی بیشی طلب و مطلوب تعلق بحکومت و حکمت دارد و تفصیل این چنین امور نه کار ما نابکار انست نه درخور این مبحث و این اوان باین ہمه اگر این چنین مضامین را تمنا داری قدرے انتظار بکار بر که مشتے ازین خروار انشاء الله پیش می آید مگر اکنون ازین سور وتافته باصل مطلب می آیم

اور ہم جانتے ہیں کہ فقہاء نے بھی حقیقتِ صلوٰة یہی ایک رکعت قرار دی ہے کہ انہوں نے صبح کی سنتیں پڑھنے کی اس صورت میں اجازت دیدی ہے جب کہ (دو رکعات فرض میں سے) ایک رکعت مل جانے کا ظنّ (غالب) ہو اور یہاں سے امام ہمام ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی بلندی فہم رسا اور اُن پر طعن کرنے والوں کی سخن ناشناسی آپ پر عیاں ہوچکی ہوگی۔

باقی رہی یہ بات کہ اگر نماز کی حقیقت صرف یہی ایک رکعت ہے اور نماز کا اطلاق ایک رکعت سے زیادہ پر اُسی کے زیادہ ہوتے رہنے کی بنا پر ہے تو کیا سبب پیش آیا کہ

کہ تنہا ایک رکعت علیٰ اختلاف الاقوال ممنوع یا مکروہ ہوئی اور اسی طرح چار سے زیادہ یا آٹھ کا جمع کرنا ناپسند ہوا۔ یہ اس بات کے مخالف نہیں ہے۔ طلب اور مطلوب کی کمی یا زیادتی حکومت اور حکمت سے تعلق رکھتی ہے اور ان) جیسے امور کی تفصیل نہ ہم نا اہلوں کا کام ہے اور نہ اس مبحث اور اس اخبار میں شامل کرنے کے لائق با ایں ہمہ اگر اس قسم کے مضامین کی آپ تمنا رکھتے ہیں تو کچھ انتظار کیجئے کہ ایک مشت اس خروار میں سے بطور نمونہ) انشاءاللہ سامنے آرہی ہے۔ مگر اب ہم اس طرف سے رُخ پھیرتے اور اصل مطلب پر آتے ہیں۔

چون این قدر محقق شد کہ حقیقت صلوٰۃ ہمین یک رکعت است وبس و حضرت سید العباد صلی اللہ علیہ وسلم باداے پنجاہ رکعت شب و روز از عہدہٗ آن امر قدیم و عہدہٗ عبودیت کاملۂ خویش بدر می آمدند این قدر خود محقق شد کہ اگر یک طرف کاستہ باشند چنانچہ در بعض اوقات بغرض دفع ایہام وجوب در این چنین اعمال می فرمودند بطرف ثانی افزودہ باشند تا جبر نقصان ہم شود و ہم ہویدا گردد کہ در چنین امور عدد باعتبار ذات معتبر نیست اندرین صورت اختلاف تقیّدِ قیامِ لیل بقیودِ اعدادِ مختلفہ باعتبارِ اختلافِ اوقات نظر بذاتِ قیامِ لیل از قسم رابع است و نظر بہ تکمیلِ خمسین کہ بذات خود مقصود است خصوصاً در حق اکملِ افرادِ عباد صلی اللہ علیہ وسلم از قسم ثالث است کہ ذریعہ این تکمیل می شدہ۔

جب یہ بات محقق ہو گئی کہ حقیقتِ نماز صرف یہی ایک رکعت ہے اور حضرت سید العباد صلی اللہ علیہ وسلم شب و روز کی پچاس[٥٧] رکعت ادا کر کے اُس ابتدائی حکم کی تعمیل اور اپنی عبودیت کاملہ کی ذمہ داری پوری کرتے رہے اس سے یہ امر خود ہی محقق ہو گیا کہ

[٥٧] اس مضمون سے بطور حاشیہ متعلق کر کے آخر میں ایک مبسوط مضمون کا اضافہ فرمایا ہے عنوان میں اس مقام کا حوالہ بھی دیدیا گیا ہے۔

اگر آپ نے (اجزاء شب و روز میں سے) ایک جانب میں کمی کی۔ جیسا کہ بعض اوقات وجوب کا وہم دفع کرنے کی غرض سے اس قسم کے اعمال میں آپ کر دیتے تھے تو دوسری جانب میں اضافہ کر دیا تاکہ وہ کمی پوری بھی ہو جائے اور یہ بھی آشکارا ہو جائے کہ ان جیسے امور میں عدد باعتبار ذات کے معتبر نہیں۔ اس صورت میں مختلف اعداد کی قیود کے ساتھ قیامِ لیل کے مقید ہونے کا اختلاف، اوقات کے اختلاف کے لحاظ سے، قیامِ لیل کی ذات کے پیش نظر قسم رابع میں سے ہے اور پچاس عدد کی تکمیل کے پیش نظر کہ بذات خود مقصود ہے۔ خصوصاً اکمل افراد عباد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں قسمِ ثالث میں سے ہے کہ (وہ عدد خاص) اس تکمیل کا ذریعہ ہوتا تھا۔

لیکن ہر کہ می داند میداند کہ لحاظ تکمیل خمسین خواستگار جبر نقصان است نہ مانع از ازدیاد انان تا یازدہ یا سیزدہ را حد اعلیٰ قرار دہند۔ و زیادہ از یازدہ و سیزدہ بدعت انگارند نعوذ باللہ من سوء الفہم مارا بلحاظ فضائل دیگر صلوات مثل نوافل عصر و مغرب و عشاء اعنی۔ ماوراء سنن راتبہ و یاد کمال عبودیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بخود بدل می آید کہ باندیشۂ فرضیت بر دیگران مداومت و مواظبت بر آن نفرمودہ باشند بالکل ترک ہم نفرمودہ باشند و در صورت ادائے آن چنان می پنداریم کہ باعدادِ صلوٰتِ معتادہ پیوستہ زیادہ از پنجاہ شدہ باشند مگر آن کہ دران ایام از صلوات معتادہ ہمین قدر کاستہ باشند واللہ اعلم بالصواب۔

لیکن جو صاحب فہم ہے وہ جانتا ہے کہ پچاس عدد کی تکمیل کا تصوّر، کمی کی تلافی کا خواستگار ہے۔ پچاس سے بڑھ جانے کے لئے مانع تو نہیں ہو سکتا۔ کہ گیارہ یا تیرہ کو اوپر کی آخری حد قرار دیدیں اور (پھر) گیارہ اور تیرہ سے زیادہ کو بدعت سمجھنے لگیں۔ فہم کی کجی سے خدا ہم کو اپنی پناہ دے۔ ہمارے دل میں تو دوسری نمازوں کے فضائل کے لحاظ سے جیسے عصر و مغرب اور عشاء کے فضائل ہیں یعنی سنت مؤکدہ کے علاوہ، اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال عبودیت کا دھیان رکھتے ہوئے خود بخود یہ خیال آتا ہے کہ آپ نے دوسروں پر فرض ہو جانے کے اندیشہ کی وجہ سے اُن پر مداومت و مواظبت نہیں فرمائی۔ مگر بالکل ترک بھی نہ فرمایا ہوگا (کسی وقت خلوت میں ادا فرما لیتے ہونگے) اُن کے ادا کرتے رہنے کی صورت میں ہم یہ اندازہ کرتے ہیں کہ معتاد نمازوں کے ساتھ مل کر اُن کی شمار پچاس رکعات سے زیادہ ہی ہوتی ہوگی۔ مگر یہ کہ ان ایام میں اُن نمازوں سے جو عادۃً آپ پڑھا کرتے تھے اُتنی ہی تعداد کم کرتے رہے ہوں (اس صورت میں پچاس کے عدد سے تجاوز نہ ہوگا) واللہ اعلم بالصواب۔

اکنون امر دیگر باید شنید کہ حال جناب سرور کائنات علیہ وعلی آلہ افضل الصلوات والتسلیمات خوب نمی دانیم و راز یکہ میان او تعالیٰ و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ست نمی شناسیم بیقین نتوان گفت کہ تکمیل خمسین بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرض بود یا از طرف خود بحکم تعبُّد کاربند آن می شدند اما حال خویش و احوال دیگر اُمّتیان بہ یقین میدانیم کہ در اوشان تکمیل خمسین بالا از استحباب نرفتہ۔ لیکن ماوراء این استحباب آیۂ فاستبقوا الخیرات و آیۂ "ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحت" وجملۂ الا ان تطوع کہ در جواب سائل از کمیتِ فرائض بعد آنکہ او مقدار آن شنیدہ گفتہ ھل علی غیرھن او کما قال فرمودہ اند استحبابے دیگر بگوش رسانیدہ داعیۂ ھل من مزید دارد و این طلب نہ چنان ست کہ بر مقدارے دامانش پُر توان کرد چندانکہ کوشی یکے از ہزار ہم نہ بجا آوردہ باشی۔

اب دوسری بات سننا چاہئے کہ جناب سرور کائنات علیہ وعلی آلہ افضل الصلوات والتسلیمات کا پورا حال ہم (اچھی طرح) نہیں جانتے اور اُس راز کو ہم نہیں پہچانتے جو اللہ تعالیٰ شانہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھا۔ اس لئے یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ پچاس کی تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی، یا اپنی طرف سے بتقاضائے عبودیت آپ کاربند ہوتے تھے

ہم تو یقین کے ساتھ اپنا اور دوسرے اُمتیوں کا حال جانتے ہیں کہ اُن کے حق میں پچاس رکعات کی تکمیل استحباب سے اوپر نہیں پہنچی۔ لیکن اس استحباب کے علاوہ (جو پچاس رکعات میں اثر رکھتا ہے) آیۂ فاستبقوا الخیرات (پس نیکیوں کی طرف دوڑو) اور آیت

ان الانسان لفی خسرٍ الا الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت	انسان (بوجہ تضییع عمر کے) بڑے خسارہ میں ہے مگر جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے۔

اور جملۂ الا ان تطوع (مگر یہ کہ تو اظہار طاعت کے لئے رضاکارانہ عبادت کرے) جو آپؐ نے اُس سائل کے جواب میں فرمایا تھا جس نے فرائض کی تعداد آپ سے پوچھ کر اُن کی مقدار سننے کے بعد عرض کیا تھا ھل علیّ غیرھن او کما قال (یعنی کیا مجھ پر ان کے علاوہ اور بھی کچھ ضروری ہے ؟) (یہ ارشادات خدا و رسول) ایک دوسرا استحباب بھی ہمارے گوش گذار کر کے داعیہ ھل من مزید رکھتے ہیں اور یہ طلب ایسی نہیں ہے کہ کسی خاص مقدار پر اُس کا دامن پُر کیا جا سکے۔ جس قدر بھی تم کوشش کروگے ہزارواں حصہ بھی بجا نہ لا سکے ہوگے۔

و این ازدیاد نہ مثل ازدیاد در رکعات فرائض است تا گفتہ شود کہ چنانکہ بجائے دو رکعت صبح اگر سہ یا چار رکعت بیک سلام خوانی از حد خداوندی برون رفتہ باشی این جانیز بازدیاد از قدر معلوم در زمرۂ مبتدعان منسلک گردیدہ باشی حاشا و کلا بلکہ مثل رواتب دیگر نوافل باید پنداشت کہ باوجود ازدیاد از فرائض کہ حدود خداوند یست تجاوز و تعدی از حدود خداوندیش نتوان گفت

اور یہ اضافہ اس نوع کا نہیں ہے کہ اس کو عدد فرائض میں اضافہ کا مثل قرار دیا جا سکے اور یہ کہا جائے کہ "جس طرح پر صبح کی دو رکعت کے بجائے اگر تین یا چار رکعت تم ایک سلام سے پڑھو گے تو تم حدِّ خداوندی سے باہر نکلنے والے بن جاؤ گے (اسلئے یہ نماز رد اور غیر مقبول ہوگی) یہاں بھی مقدار معلوم (پچاس) پر زیادتی سے تم بدعتیوں کے گروہ میں منسلک ہو جاؤ گے"۔ حاشا و کلا۔ بلکہ اس کو بھی (بامتثال حکم خداوندی فاستبقوا الخیرات وغیرہا و ارشاد رسول الا ان

علیہ حضرت مصنف کی رائے میں ترجیح اسی کو ہے کہ آپ مکلف ساتھے ... ۱۲ مترجم

تطوع، مثل سنن و دیگر نوافل سمجھنا چاہیئے جن کو باوجود فرائض سے زیادہ ہونے کے جو کہ حدُودِ
خداوندی ہیں تجاوز اور تعدی حدود خداوندی سے نہیں کہہ سکتے۔

مثالش اگر بکار است بشنوید بزرگے از خادم مخلص که جان را از آن او داند بهر برنج
شیرین پخته مثلا بفرماید و بفرماید که برنج این قدر باشد و شیرینی و روغن این قدر و کل این
قدر۔ پس آن خادم اگر در بعض اجزاء از حد تناسب افزاید مثلاً در یک آثار برنج یک من
شیرینی یا یک من روغن اندازد گو بزعم خود کار نیک کرده که بجائے کم زیاده آورده لیکن در حقیقة
خطا کرده و مقصود اصلی که لذت خاص بود برباد داده آرے اگر اجزاء متناسبه آورده مگر در مقدار
مجموعه افزوده آن بزرگ اگر آثار فرموده بود این خادم دو آثار برده این را خطا گفتن خطا است
ہمچنین فرائض مطلوبه خداوندی را باید شناخت تناسبِ اجزاء در ہمین صورت منحصر است
که می خوانند اگر رکوع یا سجود یا رکعت از مقدار خود افزاید مقصودِ اصلی که حسنِ عبادت است
میکاہد۔ و اگر ماوراء فرائض نمازہائے جداگانه که با فرائض علاقه نداشته باشند کسے بخواند
ہر قدر که خواند گو بخواند۔ و مثالے روشن تر ازین وجود انسانی است که چشم و گوش و بینی و دست
و پا ہر یک اجزاء را مقدارے و عددے است که کم و زیاده از ان ہر دو نامناسب و مُخلّ حُسن او ست
ہاں اگر بجائے یک فرد دو یا زیاده بدست آیند مقصود دے از دست نمیرود

اگر اس کی مثال درکار ہے تو سنو۔ ایک بزرگ اپنے ایسے مخلص خادم سے جو اپنی جان کا
مالک بھی اُن ہی کو سمجھتا ہے، میٹھے چاول پکا کر لانے کے لئے فرمائیں۔ اور یہ بھی کہہ دیں کہ چاول
اتنے ہوں اور ان میں مٹھائی اور گھی اتنا ہو۔ کل اس قدر ہونے چاہئیں۔ اس کے بعد وہ خادم
بعض اجزاء کو اُس تناسب کی حد سے بڑھا دے مثلاً ایک سیر چاول میں ایک من مٹھائی یا ایک
من گھی ڈال دے تو اگرچہ اُس نے بزعم خود اچھا کام کیا کہ کم کے بجائے زیادہ لایا لیکن در حقیقت
خطا کی اور مقصود اصلی کو جو ایک لذت خاص تھی اُس نے برباد کر دیا۔ ہاں اگر اجزاء میں وہی
تناسب قائم رکھا مگر مجموعی مقدار کو بڑھا دیا۔ اُن بزرگ نے اگر ایک سیر کے لئے فرمایا تھا اور یہ خادم

دو سیر نکالا یا اس کو خطا کہنا خطا ہے۔ ایسا ہی فرائض مطلوبہ خداوندی کو پہچاننا چاہیئے۔ تناسبِ
اجزاء اسی صورت میں منحصر ہے جس طرح پڑھتے ہیں۔ اگر رکوع و سجود یا رکعت کو اُن کی اپنی مقدار
سے بڑھا دیا جائے گا تو مقصود اصلی کہ حُسن عبادت ہے کم ہو جائے گا۔ اور اگر فرائض کے ماسوا
جداگانہ نمازیں جو فرائض سے علاقہ نہ رکھتی ہوں کوئی پڑھے جو جس قدر پڑھنا چاہے پڑھے۔
اور اس سے بھی روشن تر مثال وجود انسانی ہے کہ آنکھ اور کان، ناک اور ہاتھ، پاؤں
ہر ایک عضو کی ایک مقدار ہے اور ایک عدد ہے کہ اس سے کم اور زیادہ دونوں نامناسب ہیں
اور اس کے حسن میں مُخل ہیں۔ ہاں اگر بجائے ایک فرد کے دو یا زیادہ افراد ہو جائیں تو کوئی
مقصود ہاتھ سے نہیں جاتا۔

اکنون سخن دیگر باید شنید که یازده را وجه دیگر ہم است که بآن طریق بست رکعت تراویح ہم
موجه می توان شد تفصیلش این است که خداوند علیم و حکیم در قرآن مجید میفرماید ما ننسخ
من اٰیةٍ و ننسها نأت بخیر منها او مثلها و این طرف خود مسلم ست که پیش از فریضهٔ
نماز پنجگانه اگر فرض بود تہجد فرض بود آن را منسوخ کرده این نمازہائے پنجگانه فرض کردند
بقرینهٔ آیهٔ مسطوره میدانیم که آنہا کم از کم بدرجهٔ مساواتِ قیام لیل باشند مگر چون غور بکار
بردیم دانستیم که نمازہا ہمه افرادِ یک حقیقت اند فضیلتِ یکے بر دیگرے از خارج باشد
آن منحصر در کمیت و کیفیت و وقت مے بینیم فضیلتِ کمی ہمین زیادتی یکے بر دیگرے در
اعداد رکعات است و فضیلت کیفی منوط بطول قنوت و اطمینان رکوع و سجود است باقی فرق
خشوع و خضوع از ما سخن برکران ست چه ما را سخن در ہیکل نماز است که از افعال جوارح است
زیرا که عدد پانزده و بست تعلق بہمین دارد نه بباطن نماز که احوال دل باشند۔

اب دوسری بات سنو۔ گیارہ کے لئے ایک دوسری وجہ بھی ہے کہ اُس طریق سے بیس رکعات
تراویح بھی موجّہ ہو سکتی ہیں۔ اُس کی تفصیل یہ ہے کہ خداوند علیم و حکیم قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔
ما ننسخ من اٰیۃ او ننسہا | ہم کسی آیت کا حکم جو منسوخ کر دیتے ہیں یا اُس آیت (ہی) کو ذہنوں سے

تمام نمازیں ایک ہی حقیقت کے افراد ہیں ایک کی فضیلت دوسری پر خارج سے آتی ہے

فضیلت کی اقسام

نات بخیر منہا او مثلہا | فراموش کر دیتے ہیں تو ہم اُس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کی مثل لے آتے ہیں۔
اور یہ جانب خود مسلّم ہے کہ پنج گانہ نماز فرض سے پہلے اگر فرض تھا تو تہجّد فرض تھا۔ اُس کو منسوخ کرکے ان پنجگانہ نمازوں کو فرض کیا۔ آیتِ مرقومہ بالا کے قرینہ سے ہم جانتے ہیں کہ وہ نماز ہائے پنجگانہ قیامِ لیل کے مقابلہ میں کم سے کم مساوات کے درجہ میں ہونگی۔ مگر جب ہم نے غور و فکر سے کام لیا تو جان گئے کہ تمام نمازیں ایک ہی حقیقت کے افراد ہیں۔ ایک کی فضیلت دوسری پر خارج سے آتی ہے۔ اُس (فضیلت) کو ہم کمیّت وکیفیت اور وقت میں منحصر دیکھتے ہیں۔ (یہ تین اقسام ہوئیں ایک قسم فضیلت کمّی۔ دوسری فضیلت کیفی۔ تیسری فضیلت وقتی) فضیلت کمّی یہی ایک کی دوسری پر اعداد رکعات میں زیادتی ہے۔ اور فضیلت کیفی متعلق ہے طول قیام اور رکوع و سجود کے اطمینان سے۔ باقی فرق خشوع وخضوع کا۔ یہ ہمارے مبحث سے جدا ہے۔ کیونکہ ہماری گفتگو نماز کی صورت سے متعلق ہے جو افعال جوارح (ہاتھ پاؤں وغیرہ) سے بنتی ہے کیونکہ پندرہ اور بیس وغیرہ اعداد اسی صورت سے تعلّق رکھتے ہیں نہ باطن نماز سے جو احوال قلبی ہوتے ہیں۔

باقی ماند فضیلت وقت معنی اش این ست کہ چار رکعتِ شب مثلاً از چار رکعت روز افضل است باز چون دیدیم کہ سوائے مغرب نماز ہائے چارگانہ دو دو رکعت بود چنانچہ از حضرت عائشہ رضہ در صحاح مرویست و تا آن زمان وتر واجب نشدہ بود حاصل جمع رکعات فرائض یازدہ شد و این طرف دیدیم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در قیام لیل عدد یازدہ مرعی می داشتند اکنون نظر باین مقدمات بہ تساوی فرائض در قیام لیل باعتبار عدد پے بردیم چنانکہ از اختلاف تشکلات قمر و بقائے آفتاب بحال خود در اوقات قُرب و بُعدِ قمر از شمس و حیلولۃ ارض ما بین شمس و قمر و لحاظ کرویت ہر سہ اشیا، باستفادہ نور قمر از نور شمس سراغ می بریم

باقی رہی فضیلتِ وقت اس کا مطلب یہ ہے کہ چار رکعت رات کی مثلاً دن کی چار رکعت سے افضل ہیں۔ پھر جب ہم نے دیکھا کہ سوائے مغرب کے چاروں نمازیں (شروع زمانہ میں) دو دو

رکعت تھیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحاح میں مروی ہے اور اُس زمانہ تک وتر واجب نہ ہوا تھا تو رکعات فرائض کا حاصل جمع گیارہ ہوا، اور ادھر ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامِ لیل میں گیارہ کا عدد مرعی رکھتے تھے۔ اب ان مقدمات کے پیش نظر ہم نے قیام لیل (کے اعداد رکعات) کا اسی طرح کھوج نکال لیا کہ وہ (اعداد) فرائض کے مساوی ہیں، جس طرح تشکلاتِ قمر کے اختلاف اور شمس کے اپنے حال پر رہنے سے قمر کے شمس سے قرب و بعد کے اوقات میں، اور شمس و قمر کے درمیان زمین کے حائل ہو جانے سے اور تینوں (شمس و قمر اور زمین) کی کروی شکل کے پیش نظر ہم سراغ نکال لیتے ہیں کہ نورِ قمر نورِ شمس سے مستفاد ہے۔

لیکن چون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برین عدد مواظبت نمی فرمودند مگر آنکہ صلوٰۃ مغرب و عشاء یا سنن رواتب آن را در قیام لیل چنان کہ می سزد شمردہ باشند دانستیم کہ از حق جل و علا تعیین این عدد نشدہ بود آرے اگر از تسہیل و تیسر ما درگذشتہ کار برما تنگ می فرمودند و قیام لیل را مؤکّد یا فرض می فرمودند لاجرم آن زمان ہمین عدد می آمد چہ تعیین اعداد و ہیئت از لوازم مؤکدات و فرائض است باز چون در اوقات ثلٰثہ بجائے دو رکعت چار کردند و وتر را دیگرہ افزودند بلحاظ سہ رکعت وتر مجموعہ ماقبل و مابعد بسبت رکعت برآمد۔

لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عدد پر مواظبت نہیں فرماتے تھے، شاید اس بنا پر کہ نماز مغرب و عشاء یا ان کی سنن مؤکدہ کو (چونکہ یہ سب رات کی نمازیں ہیں اسلئے یہ مناسب بھی تھا) قیام لیل میں محسوب فرما لیتے ہوں۔ اسلئے ہم کو معلوم ہو گیا کہ اللہ جل شانہ کی طرف سے اس عدد کی تعیین نہیں ہوئی تھی۔ ہاں اگر حق تعالیٰ ہماری سہولت اور آسانی کی پروا نہ کرتے ہوئے کارِ عبادت کو ہم پر دشوار فرما دیتے اور قیام لیل کو مؤکد یا فرض کر دیتے تو لازمی طور پر اُس صورت میں ہم پر اُسی عدد (یعنی گیارہ) کی پابندی عائد کی جاتی۔ کیونکہ اعداد کی تعیین اور ہیئت کی تعیین مؤکدات اور فرائض کے لوازم میں سے ہے۔ پھر جب تین وقتوں میں بجائے

دو رکعت کے چار کردی گئیں (یعنی ظہر و عصر و عشا میں) اور وتر کا اضافہ بھی کر دیا گیا تو بلحاظ تین رکعات وتر کے مجموعہ ماقبل اور مابعد کا بیس رکعت بن گیا (یعنی ماقبل کی گیارہ رکعات میں مابعد کے چھ فرض اور تین وتر مل کر مجموعہ بیس ہوگیا)

اکنون اہتمام حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہ نسبت بست رکعت کہ یقیناً ماخوذ از معدن نبوۃ علے صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام خواہد بود چنانچہ معلوم شد بدین جانب راہ می نماید کہ قیام لیل را از ابتداء بعثت نبوی علیہ السلام تا زمانۂ وفات صلی اللہ علیہ وسلم ہمچنان مطلق داشتہ بود بپاس آیۂ ما ننسخ من اٰیۃ ہر قدر کہ در فرائض ازان طرف می افزودند ازین طرف در قیام لیل افزودہ می شود مگر چون این قسم اشارات از عزیمت در درجۂ زیرین افتادہ و باز ہر کس را اطلاع آن میسر نیست حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیگران را بآن طرف نخواندند

اب یہ نسبت بیس رکعت کے جو یقیناً معدن نبوت علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام سے ہی اخذ کی گئی ہونگی جیسا کہ (سابق مضمون سے) معلوم ہو چکا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اہتمام اس طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ قیام لیل ابتدا بعثت نبوی علیہ السلام سے زمانۂ وفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک اسی طرح مطلق (بے قید عدد) رکھا گیا تھا۔ اور بلحاظ ما ننسخ من اٰیۃ جس قدر فرائض میں اُس طرف سے (یعنی منجانب اللہ) اضافہ ہوتا ہے۔ اس طرف سے (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اتنا ہی) قیام لیل میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ مگر چونکہ اس قسم کے اشارات درجۂ عزیمت سے زیرین درجہ کے ہیں اور پھر ہر شخص کو ایسے اسرار کی اطلاع بھی آسان نہیں ہے۔ اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو اس طرف دعوت نہیں دی۔

شاید ہمین ست کہ حدیث قولی دربارۂ تحدید قیام لیل بعددے یافتہ نمی شود مگر آنکہ ما ہیچمدانان ندیدہ باشیم و ہم نشنیدہ باشیم باقی ماند آنکہ باوجود ازدیاد در فرائض معتاد آن سرور صلے

بیس رکعت تراویح کا حضرت عمرؓ کا اہتمام معدن نبوت سے ماخوذ ہے

اللہ علیہ وسلم ہمان یازدہ ماند بست رکعت اگر خواندہ باشند دو سہ روز خواندہ باشند وجہش چنان می نماید کہ اصل در فرائض ہمان دو رکعت است ورنہ در سفر ہم رخصت قصر بے محل بود و این افزائش دو رکعت بغرض تکمیل ست چنانکہ خواہی دانست یا بغرض جبر نقصان کہ اکثر بوجہ غفلت در نماز اکثر راہ می یابد و ہمین ست کہ چندان اہتمام قراءت وغیرہم دران نکردہ شدہ و در سفر کہ محل خطر بود و مظنۂ آفات اداء چار دشوار دیدہ بر ہمان دو اکتفاء فرمودند۔

اور شاید یہی سبب ہے کہ کسی عدد کی تحدید قیام لیل کے بارے میں کسی حدیث قولی میں نہیں ملتی۔ مگر یہ کہ ہم جیسے کم علم لوگوں کی نظر سے نہ گذری اور گوش زد بھی نہ ہوئی ہو۔

باقی رہا یہ امر کہ فرائض بڑھ جانے کے باوجود عام معمول آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی گیارہ رکعات رہا۔ بیس رکعات اگر پڑھی ہونگی تو دو تین روز سے زیادہ نہ پڑھی ہونگی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرائض میں اصل وہی دو رکعت ہیں ورنہ سفر میں بھی رخصت قصر بے محل ہوتی اور یہ دو رکعت کا اضافہ تکمیل کی غرض سے ہے جو آئندہ واضح ہوگا یا نقصان پورا کرنے کی غرض سے ہو جو کہ غفلت کی بنا پر نماز میں اکثر واقع ہو جاتا ہے۔ اور اسی (غیر اصل ہونے کی) وجہ سے ان (اضافہ شدہ رکعات میں) قراءت وغیرہ کا چنداں اہتمام بھی نہیں کیا گیا اور سفر میں جو کہ خطرات و آفات کا محل ہے چار کا ادا کرنا دشوار دیکھ کر اُن ہی دو پر اکتفا کر لیا گیا۔

وشاید نزول وتر را اگر تجسس کنیم دربارۂ آنہم از احادیث لفظ امدکم یا مثل آن کہ بر زیادہ بودن آن در اصل نماز دلالت دارد می یابیم نظر براین اصل قیام لیل ہمان یازدہ ماند باز قیام لیل چندان مؤکد نبود کہ بہ تکمیل آن می پرداختند یا از نقصان دران اندیشیدہ فکر جبر آن می کردند از یازدہ بہ بست می بردند ہاں قیام لیل رمضان خاص مؤکد شد چنانچہ جماعت کہ از خصائص مؤکدات است و خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجماعت خواندند و باز صحابہ ہم باجماعت بجا آوردند برین قدر گواہ کافی است کشیدنش باول شب از آخر کہ از تسہیل خبر میدہد نیز بر مؤکد بودنش دلالت دارد چہ تسہیل درہمان امر می باشد

کہ تکلیف بآن می دہند چنانچہ تخفیف در فرائض کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرعی میداشتند وہر امام مامور بآن ست نیز برین امر دلالت دارد وشاید بغرض ہمین تسہیل فرائض نماز راکہ فقط در شب اداکردہ می شدند بر اوقات پنجگانہ تقسیم کردند۔ غرض چون قیام لیل رمضان مؤکد شد فکر تکمیل وجبر نقصان او لازم آمد واز یازدہ بہ بست رسانیدہ شد

اور وتر کے شانِ نزول کا بھی اگر ہم تجسس کریں تو اس کے بارے میں بھی احادیث میں لفظ امَدَّکُمْ (خدا نے تمہاری امداد کی) یا اُس کے مثل ایسے الفاظ ملیں گے جو اصل نماز پر اضافہ کی طرف اشارہ کرنے والے ہونگے۔ اس اصل کے پیش نظر قیامِ لیل کے لئے وہی گیارہ رکعت رہی۔ پھر قیام لیل چنداں مؤکد بھی نہ تھا کہ اُس کی تکمیل کا اہتمام کرتے۔ یا اُس میں (فرائض کی طرح) نقصان کے اندیشہ کے ماتحت نقصان پورا کرنے کا فکر کیا جاتا اور گیارہ سے بیس پر لے جاتے۔ ہاں صرف رمضان میں قیام لیل مؤکد ہوا۔ چنانچہ جماعت جوکہ مؤکدات کے خصائص میں سے ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے ادا کیا ہے اور پھر صحابہ بھی جماعت کے ساتھ بجالائے۔ اس تاکید پر کافی گواہ ہے۔ اور اس کو آخر حصۂ شب سے اول کی طرف کھینچ لانا بھی جو تسہیل کی خبر دے رہا ہے اُس کے مؤکد ہونے پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ تسہیل اُسی امر میں ہوا کرتی ہے جس کا مکلّف کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرائض میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخفیف کو مرعی رکھا کرتے تھے اور ہر امام اس پر مامور ہے۔ یہ امر بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ اور شاید اسی تسہیل کی غرض سے فرائض نماز کو جوکہ (ابتداءِ اسلام میں) فقط رات میں ادا کئے جاتے تھے پانچ وقتوں پر تقسیم فرمادیا۔ غرض جب رمضان کے قیام لیل کو مؤکد کیا تو تکمیل اور جبر نقصان کا (یعنی فرضوں کی طرح) انتظام کرنا بھی ضروری ہوا۔ اور (اس مصلحت سے اُس کا عدد) گیارہ سے بیس پر پہنچا دیا گیا۔

---

۵۱ عن خارجۃ بن حذافۃ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال ان اللہ امدکم بصلوۃ ہی خیر لکم من حمر النعم الوتر جعلہ اللہ لکم فیما بین العشاء الی ان یطلع الفجر ۱۲ اخرجہ الترمذی وابو داؤد ۱۲ منہ

و وجدانم میگوید کہ حکمت در بست رکعت صلوٰۃ اوّابین بعد مغرب چنانکہ در ابن ماجہ از صحاح مروی ست، ہمین لحاظ تساوی قیام لیل وفرائض پنجگانہ باوتر است۔ مگر چون اصل فرائض یازدہ بودند چنانکہ گذشت نظیر آن را در قیام لیل کہ یازدہ رکعت باوتر بود در افضل وقت از شب یعنی آخر نہادند و بست اوّابین را کہ نظیر فرائض بشرط اشتمال بر زوائد بود در اول وقت کہ ادون از آخر است جادادند و مؤید تناظر این نظائر این ہم است کہ در یازدہ رکعت فرائض وتر نبود ازین سبب شمردنش در نظیر دیگر بیجا نشد بجا شد و در بست رکعت فرائض وتر محسوب بود در نظیرش کہ صلوٰۃ اوّابین است نشمردہ شد تا تکرار کہ منافی تناظر است لازم نیاید اندرین صورت اگر تراویح را صلوٰۃ اوابین یا نماز دیگر گویند و از قیام لیل معتاد نشمارند اعتراض تعارض بیک سو میرود چہ آن چیز دیگر شد و این چیز دیگر ماند۔

اور میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ بعد مغرب صلوٰۃ اوابین کی بیس رکعات میں جیساکہ صحاح میں سے ابن ماجہ میں مروی ہے جو حکمت ہے وہ یہی قیام لیل کی تساوی ہے فرائض پنجگانہ اور وتر کے ساتھ۔ مگر چونکہ اصل فرائض گیارہ تھے جیساکہ مذکور ہوا اُس کی نظیر کو قیام لیل میں کہ گیارہ رکعت مع وتر کے تھیں رات کے افضل وقت یعنی آخری حصہ میں رکھا۔ اور بیس رکعات اوّابین کو کہ اُن (بعد والے) فرائض کی نظیر تھیں جن میں زوائد (چھ رکعات فرضوں میں اور تین رکعت وتر) بھی شامل ہیں۔ اول وقت میں جگہ دی جو بہ نسبت آخر وقت کے کم درجہ میں ہے۔ اور ان نظائر کے ایک دوسرے کی نظیر بننے کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ گیارہ رکعات فرائض میں وتر شامل نہیں تھے۔ اس لئے دوسری نظیر (یعنی آخر شب) میں اُن کو شمار میں داخل کرلینا بیجا نہیں بلکہ بجا طور پر ہوا اور بیس رکعات فرائض میں وتر محسوب ہوگئے تھے۔ اس لئے اس کی نظیر میں جو کہ صلوٰۃ الاوّابین ہے وتر کو شمار میں شامل نہیں کیا گیا۔ تاکہ تکرار نہ لازم آئے جوکہ ایک دوسرے کی نظیر بننے کے منافی ہے۔ اس صورت میں اگر تراویح کو صلوٰۃ اوّابین یا دوسری نماز کہیں اور متعارف قیام لیل میں شمار نہ کریں تو تعارض کا

اعتراض باقی نہیں رہا کیونکہ وہ اور چیز ہوئی اور یہ اور چیز۔

وشنیدہ ام کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نیز بہمین طور تطبیق دادہ اند و بنار توفیق بر تغائر نہادہ اند مگر این شنیدہ نشد کہ مصداق تراویح ہمین صلوٰۃ اوابین قرار دادہ اند یا چیزے دیگر یا درین بارہ ہیچ رقم نفرمودہ اند اندرین صورت بدر آمدن از عہدۂ ہر یک جداگانہ دشوار دیدند صلوٰۃ اوابین را از جائے خود کشیدہ چیزے دور تر بُردند اعنی بعد عشار انداختند تا بَیْنَ بَیْنَ واقع شود از اول و آخر ہر طرف فضیلتے بخود جذب کند و کار ہر دو ادا کند شاید ہمین است کہ در آخر شب از شبہائے ثلثہ مذکورہ ہمین صلوۃ بعد عشار چندان دراز کردہ اند کہ نوبتِ تہجد نرسیامد بلکہ اندیشۂ فوت سحر پیش آمد چنانچہ در احادیث دیدہ باشی واللہ اعلم۔ اندرین صورت شاید معنی قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنچہ بسبب تراویح ازان باز می مانید از تراویح بہتر است مبنی بر ہمین تغائر حقیقی باشد ورنہ اشارہ بجانب فوات فضیلت آخر شب خواہد شد

اور میں نے سنا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی طور پر تطبیق دی ہے اور توفیق کی بنار (مقررہ قیام لیل اور تراویح میں) تغائر پر رکھی ہے۔ مگر یہ نہیں سنا گیا، کہ تراویح کا مصداق اسی صلوٰۃ اوابین کو قرار دیا یا کسی دوسری چیز کو یا اس بارے میں کچھ تحریر نہیں فرمایا

اس صورت میں (کہ اس میں تاکید متحقق ہوئی) شارع نے دونوں میں سے ہر ایک کی ذمہ داری کا پورا ہونا دشوار دیکھا تو صلوٰۃ اوابین کو اپنی جگہ سے کھینچکر دور تر لے گئے یعنی عشار کے بعد ڈال دیا تاکہ بَیْنَ بَیْنَ واقع ہو جائے اور اول و آخر ہر سمت سے ایک فضیلت اپنے میں جذب کرلے اور دونوں وقتوں کا کام ادا کردے۔ شاید اسی پر مبنی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (تیئسویں اور پچیسویں اور ستائیسویں) تینوں راتوں میں کی آخری (ستائیسویں) رات میں نماز کو اتنا دراز کردیا کہ تہجد کی نوبت نہ آئی بلکہ فوت سحر کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔ جیسا کہ آپ نے احادیث[1] میں دیکھا ہوگا۔ واللہ اعلم۔ اس صورت میں شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ "تراویح کی وجہ سے جس چیز سے تم رہ جاتے ہو وہ تراویح سے بہتر ہے" اسی تغائر حقیقی پر مبنی ہوگا ورنہ آخر شب کی فضیلت کے فوت ہونے کی طرف اشارہ ہوگا۔

باقی ماند این کہ آن سرور صلی اللہ علیہ وسلم دو سہ بار بجماعۃ بجا آوردہ باز ترک دادند نہ ازین جہت ترک دادند کہ تاکدش از اصل منسوخ شد یا قیام لیل با جماعت ممنوع گشت حاشا و کلا ہر کہ نظر بر احادیث این باب افگندہ باشد دانستہ باشد کہ ترک جماعت بمثابہ ترک جماعت است وقت شدت التحام حرب عارض شدہ۔ التحام کفیل سقوط تاکد جماعت در فرائض می شود۔ چون آن عارض از میان برخیزد باز ہمان نماز و ہمان جماعت۔ ہمچنین آن سرور صلی اللہ علیہ وسلم کہ رؤف و رحیم بودند باندیشۂ فرضیت کہ لازم چنین مسارعۃ و اہتمام است کہ از سہولت امر خبر می دہد بجماعت دو سہ بار از اصل تاکد آن خبر دادہ ترک فرمودند و ازین اندیشۂ خود خبر دادند تا خلفاء راشدین و متبعان مخلصین پس از وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اقامت این سنت فرمایند زیرا کہ اندیشۂ مذکور اکنون از میان برخاست و خوف فرضیت بالکل پر انداخت اصل تاکد باز از زیر پردہ سر بر آوردہ امتیان را باز از سر نو بسجدہ گرفت الغرض نزول وحی کہ سرمایۂ افتراض فرائض و تقنن قوانین و تبدل احکام استحباب بفرضیت و از فرضیت باستحباب بود موقوف شد منتظمان دین و حکماء شرع متین ازین اندیشہ مطمئن شدند و باحیاء این سنتِ مردہ کہ اندیشۂ مذکور داعضال آن شدہ بود پرداختہ مستحق اجر عظیم گردیدند اگر منکران نفہمند او شان چکنند تقصیر تدبیر او شان نیست شامت تقدیر منکران ست۔

[1] اخرج النسائی عن ابی طلحۃ قال سمعت النعمان بن بشیر علی منبر حمص یقول قمنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان لیلۃ ثلث وعشرین الی ثلث اللیل الاول ثم قمنا معہ لیلۃ خمس عشرین الی نصف اللیل ثم قمنا لیلۃ سبع وعشرین حتی ظننا ان لا ندرک الفلاح وکانوا یسمونہ السحور انتہی رواہ ابو داؤد والترمذی وابن ماجہ بمعناہ ۱۲ منہ

رہا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تین مرتبہ جماعت سے ادا کر کے پھر ترک کر دی تو وہ ترک اس جہت سے نہیں فرمایا کہ اصل سے اس کا مؤکد ہونا ہی منسوخ ہو گیا حاشا و کلا جس نے اس باب کی احادیث پر نظر ڈالی ہوگی۔ اُس نے سمجھ لیا ہوگا کہ یہ آپ کا ترک جماعت تو اُس ترکِ جماعت کی مانند ہے جو جنگ کی پوری شدت کے وقت پیش آجائے۔ فرائض میں جنگ کی شدت و آویزش جماعت کے مؤکد ہونے کو ساقط کر دیتی ہے۔ جب وہ عارض درمیان سے اٹھ گیا۔ پھر وہی نماز ہے وہی جماعت ہے۔ اسی طرح سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نہایت مہربان اور رحم دل تھے فرضیت کے اندیشہ سے جو اس مسابقت اور اہتمام سے جو بسہولت نزول امر کی خبر دیتا ہے لازم ہو رہا تھا۔ اصل تاکّد سے مطلع کرنے کے لئے دو تین بار جماعت سے پڑھ کر ترک کر دیا اور اپنے اس اندیشہ کا اظہار بھی فرما دیا، تاکہ خلفاء راشدین اور اتباع کے شیدائی و صاحبانِ اخلاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس سنت کو قائم کر دیں کیونکہ اب وہ اندیشہ مذکور ختم ہو گیا اور فرضیت کا خوف جاتا رہا۔ اصل تاکّد (یعنی تراویح کے سنتِ مؤکدہ ہونے) کا پھر ظہور ہو گیا اور امتیوں پر دوبارہ از سرِ نو قبضہ کر لیا۔ الغرض نزول وحی جو فرائض کے فرض ہونے اور قوانین کے قانون بننے اور احکام کے استحباب سے فرضیت، اور فرضیت سے استحباب میں بدلنے کا سرمایہ تھا موقوف ہو چکا۔ منتظمین دین اور حکماء شرعِ متین اس اندیشہ سے مطمئن ہو چکے اور اس سنت مردہ کے زندہ کرنے میں جس کو اندیشۂ مذکور عاجز کر دینے والے مرض کی طرح لگا ہوا تھا۔ مشغول ہو کر اجرِ عظیم کے مستحق بن گئے۔ اگر منکر بن نہ سمجھیں تو وہ کیا کریں اُن کی تدبیر میں تقصیر نہیں۔ منکروں کی تقدیر کی شامت ہے،

و باقی ماند دو روایت دیگر روایت سی و شش و روایت چہل کہ در کفایہ یا کتابے دیگر دیدہ ام ہر چند باعتبار روایت قابلِ اعتبار نیست اما باعتبار درایت استحقاق قبول دارد۔ این خود میدانی کہ سُنن رواتب از مکملات فرائض اند۔ غرض از آنہا جبر نقصان

آنہا است کہ در اکثر مظنون الوقوع است۔ و اگر جبر نقصان نباشد۔ غرض از آرائشِ فرائض بمشابہ زینت بدن بلباس و زیور باید فہمید۔ بہر طور مقصود از آن ہمین تکمیل ست اندرین صورت اگر فرائض را با این سنن معیار مقدار قیام لیل نمایند بجائے خود است پس اگر دوازدہ رکعتِ سنن مؤکدہ و دو دو رکعت از اول عصر و عشار گرفتہ بر فرائض افزودہ شود مجموعہ سی و شش خواہد بود۔ و اگر از اول عصر و عشار چار چار گرفتہ شود چنانچہ تخییرِ شارع برین اختیار دلالت دارد۔ با فرائض پیوستہ بچہل خواہند رسید۔

باقی رہی دوسری دو روایتیں۔ ایک روایت چھتیس کی اور ایک روایت چالیس کی جو کفایہ میں یا کسی دوسری کتاب میں میں نے دیکھی ہیں۔ ہر چند کہ باعتبار روایت قابل اعتبار نہیں ہیں لیکن باعتبار درایت قبول کا استحقاق رکھتی ہیں۔

یہ تم خود جانتے ہو کہ سنن مؤکدہ فرائض کی مکملات میں سے ہیں۔ غرض اُن سے فرائض کے نقصان کی تلافی ہے کہ اکثر حالات میں اُن کے وقوع کا ظن غالب ہے اور اگر جبر نقصان نہ ہو تو اُن سے غرض فرائض کی ایسی آرائش کی تکمیل سمجھنا چاہئے جیسی بدن کی آرائش کی تکمیل، لباس اور زیور سے ہوتی ہے۔ بہر کیف اُن سے مقصود تکمیل فرائض ہے۔ اس صورت میں اگر فرائض کو ان سنتوں کے ساتھ ملا کر قیامِ لیل کی مقدار کے لئے معیار بنا لیں تو بجائے خود درست ہوگا۔ تو اگر بارہ رکعت سنتِ مؤکدہ اور دو رکعت اول عصر سے اور دو اول عشار سے لیکر فرائض پر بڑھا دیا جائے تو مجموعہ چھتیس ہو جائے گا۔ اور اگر چار اول عصر سے اور چار اول عشار سے لی جائیں (یہ بھی مناسب ہے) چنانچہ شارع کا اختیار دینا اس اختیار پر دلالت کرتا ہے (ان آٹھ رکعات کو) فرائض سے ملا دیا جائے تو تعداد چالیس ہو جائیگی۔

و می توانند کہ بنا رائین اختلاف روایات سہ گانہ این باشد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دران سہ ایام کہ تراویح با جماعت گزاردہ اند نظر بوجوہ ثلثہ بسہ طریق خواندہ باشد واللہ اعلم بالصواب۔ اما حضرت عمر رضہ ہر چہ سہل بود اختیار فرمودند درین اختیار تخفیف بر ہمان دو شی

نبوی رفتند کہ منقول است کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درصورتِ تخییر اَیسر دا ہُونَ کی اختیار
می فرمودند۔ واگر چنانکہ گویند مسقط اشارہ روایت سی وشش وروایت چہل فعل اہل مدینہ
است چنانکہ مکیانؐ ہر ترویحہ طوافے میکردند اہل مدینہ درہر ترویحہ چار رکعت میگذاردند
یادر چار ترویحۂ اول کہ بالبست رکعت تراویح چہل میگردند وبر ثانی سی وشش اندریں صورت
میدانم کہ اصل تراویح درمقابلۂ اصل فرائض باوتر ومکملات تراویح اعنی چار چار فیمابین
ترویحات درمقابلہ مکملات فرائض نہادہ باشند

اور ہوسکتا ہے کہ ان تینوں اختلافِ روایات کی بنار یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اُن تین دنوں میں جب کہ تراویح جماعت کے ساتھ ادا کی تھی اُن تینوں وجوہ پر نظر کرتے ہوئے تین
طریق پر پڑھی ہوں واللہ اعلم بالصواب۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو آسان صورت تھی اُس کو اختیار فرمایا اور اس اختیار
تخفیف میں آپ اُسی روشِ نبوی پر چلے جس کے باب میں منقول ہے کہ تخییر کی صورت میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ ہلکی اور آسان تر صورت اختیار فرمایا کرتے تھے اور اگر جیسا کہ کہتے
ہیں کہ چھتیس کی روایت اور چالیس کی روایت فعلِ اہلِ مدینہ سے ماخوذ ہے جس طرح مکہ والے
ہر ترویحہ میں ایک طواف کیا کرتے تھے، اہل مدینہ (پانچوں ترویحوں میں سے) ہر ترویحہ میں چار
رکعت ادا کیا کرتے تھے یا شروع کے چار ترویحوں میں۔ (پہلی صورت میں) مع تراویح چالیس
رکعات ہوتی ہیں اور دوسری صورت میں چھتیس۔ اس صورت میں میں سمجھتا ہوں کہ اصل تراویح
فرائض مع وتر کے مقابلہ میں اور مکملاتِ تراویح یعنی ترویحات میں چار چار رکعات، مکملاتِ فرائض
کے مقابلہ میں رکھتے ہونگے۔

پس اگر این فعل مذکور از حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماثور است بجائے خود است
ورنہ آفرین بر دقیقہ شناسئ صحابہ یا تابعین کہ چسان این دقائق را فہمیدند مگر کوتہ فہمی کسانے
تماشا کردنی ست کہ این چنین دانشمندان را گزاشتہ درپے رائے سراپا ہوائے خود می روند

آخر ہمین شامت از چاہے بگری برآیند در چاہے دیگری می افتند واگر ازین کم فہم پرسی بحکم
آنکہ انتظار صلوٰۃ حکم صلوٰۃ دارد۔ چنانچہ در احادیث مصرح است این ترویحات خمسہ نیز کہ دران
توقف مقدار چار رکعت است کار این تکمیل میکند فسبحان الذی بعث الینا رسولا یعلمنا
الکتب والحکمۃ والحمد للہ علی ذٰلک

پس اگر یہ فعل مذکور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور ہے تو بجائے خود ہے ورنہ
آفریں ہے صحابہ یا تابعین کی دقیقہ شناسی پر کہ ان دقائق کو کس خوبی کے ساتھ سمجھتے تھے۔ مگر
ایسے لوگوں کی کوتہ فہمی دیکھنے کے قابل ہے کہ ایسے دانشمندوں کو چھوڑ کر اپنی رائے سرتاپا ہوا
کے پیچھے چل رہے ہیں۔ انجام کار اسی شامت کی وجہ سے اگر ایک کنویں سے نکلتے ہیں، تو
دوسرے میں جاگرتے ہیں۔ کوئی ان ناسمجھوں سے پوچھے کہ اس ضابطہ کی بنا پر کہ "انتظار صلوٰۃ
صلوٰۃ کا حکم رکھتا ہے" جیسا کہ احادیث میں مصرح ہے تو یہ پانچوں ترویحات بھی تو کہ جن میں سے
ہر ایک میں بمقدار چار رکعت توقف ہوتا ہے اس تکمیل کا کام کر رہے ہیں۔ فسبحان الذی بعث
الینا رسولا یعلمنا الکتاب والحکمۃ والحمد للہ علی ذلک (پاک ہے وہ ذات جس نے
ہمارے پاس ایسا رسول بھیجا جو ہم کو کتاب اللہ اور دانائی کی باتیں تعلیم کرتا ہے اور ہم اس نعمت پر اللہ
کا شکر کرتے ہیں۔)

اکنون باید شنید کہ ہر چند تصاویر علمار این چنین درایات را پس می زنند۔ وچون زنند
تا ایشان درایت از روایت نمیدانند۔ مگر امیدم از علمار آنست کہ مرویات را بوجہ درایت ہم
در قوت اگر برابر قوتِ روایت نہ پندارند چندان کم ہم نہ پندارند۔ غرض طریق قوت روایت
منحصر در قوت سند نیست باعتبار درایت ہم روایات را قوت میرسد۔ زیادہ اگر نیست آیت
را شاہد روایت توان گفت نشنیدہ خداوند علیم وکریم چہ می فرماید۔ یا ایہا الذین آمنوا
ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجہالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم
نادمین۔ این امر اگر باستعمال سند دیگر باشد کہ راویانش ہمہ عدول وثقات باشند

درحقیقت تبین نیست۔ مضمون سربستہ از تعدد روایات نمی گشاید۔ معہذا جائے دیگر
می فرماید واذا جاءھم امر من الامن اوالخوف اذاعوا بہ ولوردوہ الی
الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم این علم و این
استنباط بر استحصال سند دیگر نمی نشیند لاجرم ہمین درایت خواہد بود کہ علم و استنباطش
می خوانند وفقہ وحکمتش میدانند

اب سننا چاہئے کہ ہر چند کہ علماء کی تصویریں اس قسم کی درایات کو پھینک مارتی ہیں اور وہ کیسے نہ پھینکیں؟ وہ جانتے ہی نہیں کہ روایت کی تائید درایت سے بھی ہوا کرتی ہے مگر علماء سے مجھے یہ امید ہے کہ مرویات کو بوجہ درایت کے اگر ہمسنگ قوت روایت کے نہ سمجھیں تو فروتر بھی نہ خیال کریں۔ غرض یہ ہے کہ طریق قوت روایت قوتِ سند میں منحصر نہیں ہے۔ بالفعل درایت کے بھی روایات کو قوت پہنچتی ہے۔ اگر زیادہ بھی نہیں تو درایت کو روایت کا شاہد تو کہہ سکتے ہیں۔ تم نے نہیں سنا کہ خداوند علیم وحکیم کیا فرماتے ہیں۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اذا جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نٰدمین ○

اے ایمان والو اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

یہ امر (یعنی تبیّن)، اگر دوسری سند کے استحصال سے حاصل ہوگا جس کے تمام راوی عدول وثقات ہوں وہ درحقیقت "تبیّن" نہیں ہے۔ مضمون سربستہ تعدّدِ روایات سے نہیں کھلتا اس کے ساتھ دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول و الی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔ (پارہ ۵ رکوع ۸)

اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں۔ اُن کے اوپر حوالہ رکھتے تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو اُن میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں (ترجمہ از بیان القرآن)

یہ علم اور یہ استنباط دوسری سند کے استحصال پر منطبق نہیں ہوتا۔ اس لئے لازمی ہے کہ وہ درایت ہوگی، کہ اُسی کو علم اور استنباط کہتے ہیں اور اسی کو حکمت جانتے ہیں۔

وما ازین ہم فروتر می آئیم و بپاس خاطر کسانے کہ از حد یازدہ کم وبیش کردن تعدی از حدود اللہ می انگارند از اتفاقی بودن یازدہ یا سیزدہ درگزشتہ توجیہ یازدہ چنان می نویسیم کہ یکبار دل شان باغ باغ شود۔ گو پس از استماع توجیہ نسبت کہ از ہمان توجیہ می زاید و از زیر پردہ ہمان توجیہ می برآید بار دیگر از اول ہم افسردہ تر شوند تفصیل این اجمال آنکہ بروایت جابر بن عبداللہ رضؓ و تخریج نسائی و ابو داؤد در ابواب جمعہ در بیان ساعت جمعہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرفوعاً بہ ثبوت پیوستہ کہ روز جمعہ دوازدہ ساعت است دیگر ظاہر است کہ تخصیص روز جمعہ اتفاقی است مفہوم مخالف این تخصیص اعتبارے ندارد مگر روز جمعہ اگر مقدر باین مقدار است ہر روز را ہمین مقدار معیار است و روز و شب ہمچو دو پلۂ ترازو در اصل بدرجۂ تساوی افتادہ باین حساب مجموعۂ ساعات روز و شب ہمگی بست و چار خواہد بود۔

اور ہم اس سے بھی اور نیچے آتے ہیں اور ایسے لوگوں کی پاس خاطر سے جو گیارہ کی حد سے کم وبیش کرنا حدود اللہ سے تعدی خیال کرتے ہیں گیارہ یا تیرہ کے اتفاقی ہونے سے درگزشت کرتے ہوئے گیارہ کی توجیہ ایسی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ تو اُن کا دل باغ باغ ہو جائے اگرچہ ہمیں کی توجیہ سننے کے بعد کہ وہ اُسی توجیہ سے پیدا ہو جائے گی اور اسی توجیہ کے پردہ کے پیچھے سے ابھر آئیگی دوسری مرتبہ پہلی بار سے بھی زیادہ افسردہ ہو جائیں گے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بروایت جابر بن عبداللہ و تخریج نسائی و ابو داؤد ابواب جمعہ میں، ساعتِ جمعہ کے بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً ثابت ہے کہ روز جمعہ کی بارہ ساعات ہیں اور بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ روز جمعہ کی تخصیص اتفاقی ہے۔ اس تخصیص کا مفہوم مخالف کوئی اعتبار نہیں رکھتا۔ روز جمعہ کا اندازہ اگر اس مقدار پر ہے

تو ہر روز کے لئے معیار یہی مقدار رہیگی اور دن اور رات ترازو کے دو پلڑوں کی طرح اصل کے اعتبار سے برابر کا درجہ رکھتے ہیں، اس حساب سے دن اور رات کی ساعتوں کا مجموعہ چوبیس ہوگا۔

این ہم ہویداست کہ بندۂ مخلوق اگر از یک طرف زیر بار منتہائے فراوان خالق رحمٰن است از یک طرف دیگر اسیر حاجتہائے بے پایان اگر ساعتے بشکر خالق خود سر بخاک مدارد می باید کہ ساعتے بکار خویشتن ہم پردازد اندرین صورت بفتوائے عقل می باید کہ نیمہ بہر خود دارند و نیمہ از عمر برائے خالق گزارند واز تقسیم روز وشب بر دوازدہ دوازدہ ساعت ہویدا شدہ باشد کہ ساعت از زمانہ مقدارے است معتد بہ کہ کار معتد بہ دران توان کرد پس در ہر ساعت از ساعات خداوندی کم از کم یک نماز می باید۔ وسابق عرض کردہ شد کہ حقیقت نماز ہمین یک رکعت است وبس۔ نظر برین کم از کم در شب وروز دوازدہ رکعت قابل افتراض بود۔ لیکن قاعدۂ دیگر کہ حدیث اللہ وتر یحب الوتر ازان حاکی است باین اقتضاء التفاتے نداشت کمی یا بیشی یک رکعت می خواست مگر در افزودن یک رکعت از دوازدہ افزائش از حق خود بود کہ بظاہر ہمرنگ ظلم می نمود، لاجرم تنقیص یک رکعت از حق خود لازم افتاد بر یازدہ رکعت اکتفاء فرمودہ شد۔ یعنی در اول امر کہ سوا مغرب ہمہ نمازہا دو دو رکعت بودند ووتر تا آن زمانہ نیفزودہ بودند، یازدہ رکعت فرض فرمودند۔ چنانچہ از حساب نمازہائے پنجگانہ ہویدا است۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بندہ مخلوق اگر ایک طرف خالق رحمٰن کے احسانات فراواں سے گراں بار ہے تو دوسری طرف حاجات بے پایاں کا اسیر بھی۔ اگر وہ ایک وقت اپنے خالق کے شکر کے لئے خاک پر سر رکھے تو چاہئے کہ ایک ساعت اپنے کام میں بھی مشغول ہو، اس صورت میں بفتوائے عقل یہ ہونا چاہئے کہ عمر کا نصف حصہ اپنے لئے رکھیں اور نصف حصہ خالق کے لئے خاص کر دیں۔ اور دن رات کو بارہ بارہ ساعت پر تقسیم سے یہ عیاں ہو گیا کہ ساعت زمانہ کی ایک ایسی معتد بہ مقدار کا نام ہے کہ اس میں معتد بہ کام بھی کر سکیں۔ تو ہر ساعت میں

ساعت زمانہ کی ایک معتد بہ مقدار کا نام ہے جس میں معتد بہ کام کر سکیں۔

خداوندی کی ساعات میں سے کم سے کم ایک نماز ہونی چاہئے۔ اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حقیقت نماز صرف یہی ایک رکعت ہے۔ اس پر نظر کرتے ہوئے شب و روز میں فرض ہونے کے قابل کم از کم بارہ رکعت ہوئیں۔ لیکن ایک دوسرا قاعدہ بھی ہے جس کو حدیث اللہ وتر ویحب الوتر (اللہ طاق ہے اور طاق ہی کو پسند کرتا ہے) ظاہر کرتی ہے۔ یہ قاعدہ اس اقتضاء (یعنی بارہ رکعت کے افتراض) سے متفق نہیں تھا اسلئے ایک رکعت کی کمی یا بیشی چاہتا تھا۔ مگر (حق تعالیٰ کا) بارہ سے ایک رکعت بڑھا دینا اپنے حق سے افزائش تھی کہ بظاہر ظلم کی ہمرنگ معلوم ہو رہی تھی۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اپنے حق میں سے ایک رکعت کم کر کے گیارہ پر اکتفاء فرمائیں۔ یعنی اول امر میں کہ مغرب کے سوا تمام نمازوں میں دو دو رکعت تھیں اور اُس زمانہ میں وتر کا اضافہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے گیارہ رکعت فرض فرمائیں چنانچہ نماز پنجگانہ کے حساب سے یہ ظاہر ہے۔

ابتداءً گیارہ رکعات فرض ہوئی تھیں۔

علاوہ برین چون باقتضاء احسانات خویش وحاجات عباد تقسیم اعمار عباد علی التناصف قرین مصلحت دیدند نصف آخر از روز ونصف اول از شب خود گرفتند ونصف اول روز ونصف آخر شب بہ بندگان بگذاشتند۔ تا دانی کہ در معاملہائے فیما بین باین قسم مساوات باید ساخت۔ وحسن اقتسام اینست کہ قسم کمتر وناقص خود گیرند وعمدہ وکامل بشریکان حوالہ کنند۔ چہ نصف اول روز در ابتغاء فضل اللہ وکسب معیشت کہ بشہادت آیۃ مشتملہ جملہ لتبتغوا من فضلہ کہ مقصود اعظم از روز است بہ نسبت نصف آخر اکمل ست زیرا کہ در اول اول طاقت در زور ونشاط در شور می باشد ودر نصف آخر کلال وملال عارض حال می شود، وہمچنین نصف آخر شب بہ سکون وراحت کہ بشہادت آیۃ متضمنہ جملہ ولتسکنوا وامثال ذلک غایت شب است، از نصف اول شب افضل۔ با این ہمہ اگر خداوند ذوالجلال والاکرام با این عفو ورحمت وغنا ورافت وامتنان ومغفرت وارادۂ یسر کہ آیت یرید اللہ بکم الیسر ازان مخبر است این چنین نکرے باز کہ کرے ودیگرے چہ کرے۔

اعمال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف اقسام

ہیں۔ اگر مطالعہ کرنے والا سمجھدار ہوگا تو انشاء اللہ اُس کی سُنیت اور مؤکدہ ہونے کے دلائل بھی ان اوراق میں پائیگا۔ ورنہ کم از کم مُبطلین کے قول کو باطل تو سمجھ ہی لیگا۔

بالجملہ این مقدمہ یاد دارند و بشنوند کہ باستقراء و تجسّسِ اقوال و افعال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سنن را بر چند اقسام می بینم۔ یکے آنکہ ماہیت و مشخصاتش ہر دو ملحوظ نظر حق و مدعو الیہا باشند مثالش اگر بکار ست ہمیں صوم و صلوٰۃ ست کہ تعبُّد و امساک مطلق کہ حقیقۃ و ماہیۃ صوم و صلوٰۃ ست و بمظاہر گوناگوں ظہورش می تواں شد۔ نہ تنہا مدِ نظر خداوند نیست بلکہ کیفیاتِ خاصّہ و مشخصات معلومہ اعنی ایں ہیئتِ کذائی نیز مطلوب و مدعو الیہا است

مختصر یہ کہ یہ مقدمہ یاد رکھیں اور اب سنیں کہ اقوال و افعال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تتبّع اور تلاش و جستجو سے اعمال نبوی ؐ ہم چند اقسام پر دیکھتے ہیں۔

قسم اول

اوّل یہ کہ ماہیت اور اس کے مشخصات (یعنی اُن خاص افعال کی صورت جن میں وہ ماہیت پائی جائے)، دونوں حق تعالےٰ کے ملحوظ نظر ہوں اور اُن کی طرف دعوت دی گئی ہو۔ اُس کی مثال اگر درکار ہے تو یہی روزہ اور نماز ہے کہ "عبادت" اور "امساک مطلق" (یعنی نفس کی خواہشوں پر صرف روک لگا دینا) جو کہ نماز و روزے کی ماہیت ہے اور طرح طرح کے مظاہر میں اُس ماہیت کا ظہور ہو سکتا ہے، تنہا مدِ نظر خداوندی نہیں ہے بلکہ (اس کے ساتھ) کچھ کیفیاتِ خاصہ اور مشخصات معلومہ یعنی یہ ہیئت کذائی بھی (جو قیام اور رکوع و سجود وغیرہ سے پیدا ہوتی ہے) مطلوب اور مدعو الیہا ہے۔

دیگر آنکہ خصوصیات خاصہ مطلوب باشند امّا چون مبادئ آن ہر کس را بیسر نیایند علی العموم مطلوب نباشند آرے ہر کرا آن مبادی فراہم آیند ادائے آن خصوصیات برذمہ او باشد۔ خصوصیاتِ نبوی را صلی اللہ علیہ وسلم کہ از قسم مامورات باشند از ہمیں قسم باید شناخت۔ و اختلاف ادعیۂ استفتاح و اذکار رکوع و سجود کہ از حضرت نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی اختلاف الاوقات ثابت است بزعم احقر از ہمین قسم است۔ چوں این اختلاف مبنی بر تکثر شیون خداوندی ست کہ آیۃ کل یوم ھو فی شان ازان حاکی است و اطلاع شیون خاصہ جز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ عمدۂ حاضر باشانِ حضرت خداوند ذوالجلال بودند دریں امۃ کسے را میسر نیست، بایں قسم تعظیمات مناسبۂ اوقات حسبِ اقتضاءات شیونِ متعاقبہ از دیگران استدعا نکردہ شد کہ ازین قسم قرب بے حجابانہ کہ ذریعۂ اطلاع شیون متواردہ تواں شد محروم اند بلکہ بر تعظیمات مناسبۂ شان مطلق کہ در جملہ شیون خاصّہ ساری باشد اکتفا رفت۔

دوسری قسم

دوسرؔی قسم یہ ہے کہ خصوصیات خاصہ مطلوب ہوں (کہ حق تعالیٰ شانہ کی کسی خاص شان کا آپ کو ادراک ہوا، اور اُس کے مناسب کسی فعل یا ذکر کا داعیہ قلب مبارک میں پیدا ہوا جس کا صدور آپ سے ہوا۔ تو اس فعل مخصوص یا خاص ذکر کا منشأ اور مبدأ وہ خاص تجلّی اور شان ہوئی جس کا ظہور قلب محمدی پر ہوا جو کسی خاص فعل یا ذکر کی طرف داعی ہوئی)، مگر چونکہ اُن خصوصیات کے مبادی (یعنی وہ تجلیات اور شیون) ہر ایک کو میسّر نہیں ہوتے اس لئے علی العموم (ہر مؤمن سے) مطلوب نہ ہونگی۔ ہاں جس کسی کو وہ مبادی میسر آجائیں تو اُن خصوصیات کی ادائگی بھی اُس کے ذمہ ہوگی۔ خصوصیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اس قسم میں سے ہوں اور جنکا آپ کو حکم دیا گیا اسی قسم میں داخل سمجھنا چاہئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اوقات میں ثناء اور دعا اور رکوع و سجود میں جو مختلف دعائیں اور اذکار ثابت ہیں احقر کے نزدیک وہ اسی قسم میں سے ہے۔ چونکہ اس اختلاف کی بناء حق تعالیٰ کی شانوں کے تعدّد پر ہے جس کی آیت کل یوم ھو فی شان خبر دے رہی ہے اور ان شیون خاصہ کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اس وجہ سے کہ آپ اخصّ مقربین بارگاہ ذوالجلال ہیں سے تھے اس امت میں سے کسی کو میسر نہیں ہے اس لئے اس قسم کی تعظیمات (یعنی ادعیہ و اذکار مخصوصہ وغیرہ) جو اوقات کے مناسب اور یکے بعد دیگرے جلوہ فرما ہونے والی شیون کے مطابق ہوں۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ خاص ہوئیں اور) دوسروں سے اُن کو

علاوہ اس کے جب (حق سبحانہ وتعالیٰ نے) اپنے احسانات اور بندوں کی حاجات کے اقتضاء سے بندوں کی عمروں کی تقسیم نصفا نصف قرین مصلحت دیکھی تو نصف آخر دن کا اور نصف اول رات کا خود لے لیا اور دن کا نصف اول اور رات کا نصف آخر بندوں پر چھوڑ دیا تاکہ تم سمجھ لو کہ معاملاتِ باہمی میں اس قسم کی آسانیوں کا معاملہ کرنا چاہئے اور تقسیم کا حُسن یہ ہے کہ کمتر اور ناقصہ خود لے لیں اور عمدہ اور کامل شریکوں کے حوالہ کریں۔ کیونکہ دن کا نصف اول اللہ کے فضل کی تلاش اور کسب معاش میں جو اُس آیت کی شہادت سے جو کہ جملہ لتبتغوا مِن فضلِہٖ پر مشتمل ہے جو کہ دن کا مقصود اعظم ہے۔ بہ نسبت نصف آخر کے اکمل ہے۔ کیونکہ دن کے اول حصّہ میں طاقت زور پر اور تازگی جوش پر ہوتی ہے، اور دوسرے نصف میں تھکاوٹ اور پژمردگی عارض ہو جاتی ہے اور اسی طرح رات کا نصف آخر سکون اور راحت میں جو اُس آیت کی شہادت سے جو جملہ لِتَسْکُنوا اور اس جیسے الفاظ پر مشتمل ہے رات کا مقصود اعلیٰ ہے رات کے نصف اول سے افضل ہے۔ ان سب کے ہوتے ہوئے اگر خداوندِ ذوالجلال والاکرام جو باوجود اس عفو و رحمت اور غنا اور بندوں پر احسانات کرنے اور مغفرت کا مالک ہونے کے اور آسانی کا ارادہ رکھنے کے جس کی آیت یرید اللہ بکم الیسر (اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے) خبر دے رہی ہے۔ ایسا نہ کرتا تو پھر کیا کرتا اور کوئی دوسرا کیا کرتا۔

مگر تعمیر این دوازدہ ساعت کہ ابتدائیش از زوال و انتہائیش بر نصف لیل میشود تاہم بر بندگان ضعیف دشوار بود از اشتغال ہمگی دوازدہ ساعت فرو تر آمدہ بعبادۃ اول و آخر نصفین مذکورین بندگان را خواندند۔ تا خوبی اول و آخر کہ مانا حسن ظاہرست بحمایت عفو و کرم بے پایان رحمٰن در بارہ وسط از دار و گیر و تفتیش و تنفر باز دارد۔ چہ بسیارے از بندگانش چنین میکنند، او کہ خداوند و رحمٰن است چون نخواہد کرد۔ ازین جا تعجیل ظہر و تاخیر عصر و تعجیل مغرب و تاخیر عشاء تا نصف لیل دریافتہ باشی و ہم دریافتہ باشی کہ تاخیر عشاء از نصف لیل درحقیقت قضا است نہ ادا و آنچہ

در بعض احادیث از انتہاء وقت عشاء بر نیم شب ارشاد رفتہ بجائے خود راست آرے اگر مساہلۃ خداوندی کہ حرفے از آن گفتہ شد بعد نصف ہم ادا قرار دہد کیست کہ رو نماید۔

مگر ان بارہ ساعتوں کا پُر کرنا کہ ان کی ابتداء زوال سے اور انتہاء نصف شب پر ہوتی ہے پھر بھی کمزور بندوں پر دشوار تھا اس لئے (مزید کرم یہ فرمایا کہ) پورے بارہ گھنٹوں کی مسلسل مشغولیت سے فروتر آکر دونوں مذکورہ بالا نصف حصوں کے اول و آخر میں عبادت کیلئے بندوں کو مدعو فرمایا (اور پورے اوقات کا پابند نہیں بنایا) تاکہ پہلے اور آخر حصے کی خوبی جو یقیناً حسنِ ظاہر ہے اُس رحمٰن کے درگذر اور لاانتہا کرم کی حمایت سے درمیانی حصے کے بارے میں مواخذے اور تفتیش اور گھبراہٹ سے باز رکھے۔ کیونکہ اُس کے بہت سے بندے بھی ایسا (درگذر و چشم پوشی) کر لیتے ہیں، وہ کہ خداوند رحمٰن ہے کیسے نہ کرے گا۔

یہاں سے آپ ظہر کی تعجیل اور عصر کی تاخیر اور مغرب کی تعجیل اور عشاء کی نصف شب تک کی تاخیر کا راز سمجھ گئے ہونگے اور یہ بھی جان گئے ہوں گے کہ نصف شب سے عشاء کی تاخیر درحقیقت قضاء ہے ادا نہیں۔ اور وہ ارشاد بجائے خود ہے جو بعض احادیث میں ارشاد ہوا، جس میں انتہاء وقتِ عشاء نصف تک ہے۔ ہاں اگر حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے سہولت جس کا کچھ اظہار کیا جا چکا ہے نصف شب کے بعد بھی ادا قرار دے تو کسی کو رد کی کیا مجال ہو سکتی ہے۔

لیکن چنانکہ تخفیف در تعبد و نسخ عبادات مشعر استحباب است چنانکہ گفتہ شد رخصت در مباحات ناظر باصل کراہت است پس ہر کہ بکراہت تاخیر عشاء از نیم شب رفتہ مغز سخن و حقیقت کار پے بردہ و منشاء خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم شناختہ و جمع بین الصلوٰتین جائیکہ ثابت است و آنچہ کہ در حق یکے از زنان مستحاضہ بتاخیر ظہر و تعجیل عصر و اکتفاء بر غسل واحد بہر ہر دو، اگر آن غسل بہر تطہیر بود کہ پس از حیض ضروری است نہ بہر تداوی و ہمچنین بتاخیر مغرب و تعجیل عشاء و اکتفاء بر غسل واحد ارشاد فرمودہ اند بر ہمین حکمت کہ عرض کردہ ام مبنی می نماید واللہ اعلم

حکمت تعجیل ظہر و تاخیر عصر و تعجیل مغرب و تاخیر عشاء تا نصف شب

نصف شب سے عشاء کی تاخیر درحقیقت قضاء ہے ادا نہیں۔

لیکن جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ تعبّد میں تخفیف اور عبادات میں نسخ استحباب پر دلالت کرتا ہے (یعنی جو فعل نسخ یا تخفیف سے پہلے فرض تھا وہ بعد نسخ یا تخفیف کے مستحب بن جاتا ہے) اسی طرح مباحات میں رخصت اصل کراہت کی طرف رُخ رکھتی ہے۔ تو جسؓ نے نیم شب سے عشار کی تاخیر بہ کراہت کا حکم کیا اُس نے مغز سخن اور حقیقت الامر کا پتہ چلالیا اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا کو پہچان لیا۔ اور جہاں دو نمازوں کا جمع کرنا ثابت ہے۔ اور جو ارشاد حضورؐ نے زنان مستحاضہ میں سے ایک عورت سے فرمایا کہ ظہر کی تاخیر اور عصر کی تعجیل کر لیں اور دونوں نمازوں کیلئے ایک غسل پر اکتفا کریںؓ۔ اگر وہ غسل طہارت کے لئے تھا جو حیض کے بعد ضروری ہے علاج مرض کیلئے نہ ہو اور اسی طرح مغرب کی تاخیر اور عشار کی تعجیل اور غسل واحد پر دونوں نمازوں کے لئے اکتفا۔ یہ سب اسی حکمت پر مبنی معلوم ہوتا ہے جو میں نے عرض کی ہے یعنی یہ کہ تاخیر اگرچہ باعتبارِ حقیقت قضا ہے لیکن بسا ہلت خداوندی نے اس کو ادا کا مرتبہ بخشدیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

القصہ تعمیر ہمگی دوازدہ ساعت بر عباد ضعیف بنیاد دشوار دیدہ بر تعمیر اطراف اکتفا فرمودند آرے بخیر اندیشی بندہ بجائے ہر ساعت یک نماز کہ آن ہمان یک رکعت ست قرار دادند تا بہ بہانۂ اتمام کار انعامہائے فراوان نثارش کنند و بنظر ملائکہ کہ در بارۂ خلافتش طعنہ زدہ بودند خوارش نکنند۔ لیکن در مجموعۂ شب و روز چار ساعت اعنی ساعت اول و آخر و ششم و ہفتم کہ ظرف طلوع و غروب و استوار می باشد چنان بودند کہ ادائے حقوق خداوندی در ان چار ساعت کاملاً مکملاً صورت نمی بست۔ چہ دانستۂ کہ کامل مقدار رکعت یک ساعت ست آرے در قضاء حوائج بندگان مثل دیگر ساعات آن چار خارج نبودند، نظر برین ہر ہر ساعت

لہ وعن ابن عباس رضؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجمع بین صلوٰۃ الظہر والعصر اذا کان علیٰ ظہر سیر ویجمع بین المغرب والعشار اخرجہ البخاری ۱۲ منہ ٢ه وان قویت ان تؤخرین الظہر وتعجلین العصر فتغتسلین وتجمعین بین الصلوٰتین الظہر والعصر وتؤخرین المغرب وتعجلین العشار ثم تغتسلین وتجمعین بین الصلوٰتین فافعلی الخ اخرجہ احمد وابوداؤد والترمذی عن حمنہ بنت جحش ۱۲ منہ

ازاں چار ساعت در حکم نصف دیگر ساعات بود چہ در دیگر ساعات ہم کار خداوندی توان کرد و ہم کار محمود توان ساخت پس آن چار ساعت بالمعنیٰ مساوی دو ساعت برآمد بدین سبب آں بست و چار متساوی بست و دو شد آنرا علی التناصف تقسیم کردند خارج قسمت یازدہ برآمد۔

القصہ بارہ ساعات کا بھرپور کرنا بندگان ضعیف بنیاد پر دشوار دیکھ کر اطراف کے معمور کرنے پر اکتفا فرمالیا۔ ہاں بندوں کی خیر اندیشی کی بناء پر بمقابلہ ہر ساعت ایک نماز کو جو کہ وہی ایک رکعت ہے قرار دیا تاکہ اتمام کار کے بہانہ سے بڑے بڑے انعامات اسکو مرحمت فرمائیں اور ملائکہ کی نگاہوں میں جنہوں نے اس کی خلافت کے بارہ میں طعنہ کیا تھا اُس کو ذلیل و خوار نہ ہونے دیں۔ لیکن شب و روز کے مجموعہ میں چار ساعت ایسی تھیں یعنی ساعت اوّل و آخر اور چھٹی اور ساتویں کہ طلوع و غروب اور استوار کا ظرف ہوتی ہیں ایسی تھیں کہ حقوق خداوندی کی ادائگی کامل مکمل طور پر اُن میں نہیں ہوسکتی تھی۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ رکعت کے مقابلہ پر کامل مقدار ایک ساعت ہے۔ یہ ضرور ہے کہ مثل دیگر ساعات کے بندوں کی قضائے حوائج میں یہ خارج نہ تھیں۔ اس پر نظر کرتے ہوئے ان چار ساعتوں میں سے ہر ہر ساعت دوسری ساعتوں کے مقابلہ پر آدھی آدھی ساعتوں کے حکم میں ہوئیں۔ کیونکہ دوسری ساعات میں کار خداوندی کے ساتھ اپنا کام بھی کر سکتے ہیں۔ پس وہ چار ساعتیں بمعنی مذکور دو ساعتوں کے مساوی ثابت ہوئیں اس لئے وہ مجموعہ شب و روز کی چوبیس ساعات بائیس ساعات کے برابر ہوئیں اُن کو جب دو برابر حصوں پر تقسیم کیا تو حاصل تقسیم گیارہ ہوا۔

مگر چون این کمی آن چار ساعت باعتبار قابلیت بود نہ باعتبار مقدار زمانہ در کمی یک رکعت از دوازدہ این نقصان مؤثر افتاد اما در بارۂ تقسیم مقدار نظر برآن کمی کردن از دوازدہ مناسب نبود بجائے آن دو ناقصہ اعنی ہفتم و دوازدہم کہ در حصۂ خداوندی آمدہ بود دو ساعت کاملہ اعنی از صبح صادق گرفتہ تا طلوع، بعوض گرفتند۔ چہ از صبح صادق تا طلوع ہفتم حصۂ شب

میباشد واطول لیالی در اکثر معمورہ چاردہ ساعت میباشد کہ ہفتم حصۂ آن ہمین دو می شود الحاصل حصۂ خداوندی باعتبار مقدار زمانہ ہمان دوازدہ ماند اما باعتبار قابلیت یازدہ ساعت برآمد بوجہ مذکورہ بالا بجائے ہر ساعت رکعتے نہادند و از استیعاب ساعات درگزشتہ باداء یک رکعت اجازت دادند۔

مگر چونکہ ان چار ساعتوں میں یہ کمی باعتبارِ قابلیت تھی نہ باعتبار مقدار زمانہ۔اس لئے بارہ میں سے ایک رکعت کی کمی میں تو یہ نقصان مؤثر ہوگیا۔لیکن مقدار کی تقسیم کے بارے میں بارہ سے اُس کمی پر نظر کرنا مناسب نہ تھا۔اس لئے اُن دو ناقصہ کے بجائے جو حصۂ خداوندی میں آئی تھیں یعنی ساتویں اور بارہویں ساعت کے بجائے دو ساعت کاملہ (بندوں کے حصہ میں سے) یعنی صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک بدلے میں لے لیں۔کیونکہ صبح صادق سے طلوع تک رات کا ساتواں حصہ ہوتا ہے اور اکثر آباد حصۂ زمین پر سب سے طویل راتیں چودہ ساعت کی ہوتی ہیں۔جن کا ساتواں حصّہ وہی دو ساعت ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ باعتبار زمانہ کی مقدار کے حصۂ خداوندی وہی بارہ رکعت رہا۔لیکن باعتبارِ قابلیت گیارہ ہوا۔بوجہ مذکورہ بالا ہر ساعت کے مقابلہ پر ایک رکعت کمی اور ساعات کے بھر پور کرنے سے درگزر کرتے ہوئے صرف ایک رکعت کا ادا کرنا تجویز فرمادیا۔

واندرین اخذ و طرح مصلحتے دیگر ہم است نماز صبح در وقتے افتاد کہ من وجہٍ از شب و من وجہٍ از روز باید گفت اگر از اول روز قرار دہند نماز صبح با نماز آخر روز پیوستہ تعمیر ہمہ روز ببرکات خواہد کرد و اگر آخر شب انگارند نماز صبح با نماز اول شب پیوستہ کار تعمیر ہمہ شب خواہد کرد اگر این مصلحت کہ سراسر مصلحت و منفعت عباد و بظاہر مُوہم انہماکِ ایشان بکار خداوندِ باداد بود باعث برین اعتیاض نبودے خداوند داد گر بوجہ عدم صلاحیت نماز ازان جملہ چار ساعت بہر نہج اغماض فرمودندے و نوبت طرح نصف و اخذ نصف نرسیدے۔

اور اس اخذ کرنے اور ساقط کرنے میں ایک اور مصلحت بھی ہے کہ صبح کی نماز ایسے وقت میں

واقع ہوئی۔جس کو ایک حیثیت سے رات کا اور دوسری حیثیت سے دن کا حصّہ کہنا چاہئے۔اگر اس کو دن کے اول حصہ میں قرار دیں تو صبح کی نماز دن کی آخر نماز کی ساتھ مل کر تمام دن کو عبادات کی برکات سے معمور کرے گی۔اور اگر آخر شب میں قرار دیں تو نماز صبح رات کی پہلی نماز کے ساتھ مل کر تمام رات کو عبادت سے بھرپور کرنے کا کام کریگی۔اگر یہ مصلحت جو کہ سراسر بندوں کی منفعت اور مصلحت ہے۔اگرچہ بظاہر کار خداوندِ عادل میں اُن کے انہماک کا وہم پیدا کرنے والی ہے اس عوض لینے کا باعث نہ ہوتی تو وہ انصاف کرنیوالا خدائے کریم بنا بر عدم قابلیت (مذکورہ بالا) بہر نہج اُن چار ساعات کی نماز سے چشم پوشی فرماتا اور نصف کے ترک کرنے اور نصف کے لینے کی نوبت نہ پہنچتی۔

بالجملہ وجوہِ مذکورۂ بالا ہمہ مقتضی آن بودند کہ بر بندۂ ناتوان یازدہ رکعت فرض کردہ شود۔ شاید بہمین وجوہ در اول امر در اوقات چارگانہ سوائے مغرب دو دو رکعت فرض کردند و در وقتِ مغرب سہ رکعت تجویز نمودند مجموعۂ این رکعات ہمان یازدہ می شود و میدانی کہ تا آن وقت ملتہ وتر نیفزودہ بودند تا احتمال چاردہ رکعت موجب پریشانی شود۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وجوہ مذکورہ بالا سب اس امر کی مقتضی تھیں کہ بندۂ ناتواں پر گیارہ رکعات فرض کی جائیں۔شاید ان ہی وجوہ کی بناء پر پہلے حکم میں سوائے مغرب کے باقی چاروں اوقات میں دو دو رکعت فرض کی گئی تھیں اور مغرب کے وقت کیلئے تین رکعت تجویز فرمائی گئیں۔ ان رکعات کا مجموعہ وہی گیارہ رکعات ہوجاتا ہے اور یہ آپ کو معلوم ہے کہ اُس زمانہ تک وتر کا اضافہ نہیں فرمایا تھا کہ چودہ رکعت کا بار موجب پریشانی ہوجاتا۔

دلیل این معنی کہ در اول امر دو دو رکعت بودند ہمان حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ست کہ در صحاح دیدہ باشی باقی ماند آنکہ وتر از ملحقات ست نہ از اصول صلوٰت۔ دلیلش اگر می طلبی دو لفظ امدکم و امثالش کہ در شان نزول وتر فرمودہ اند بنگر و غور را کار فرما و باز بگو کہ ہمین التحاق وتر از زیر این پردہ می برآمد یا چیزے دیگر۔ باز چون سید الانبیاء و المرسلین صلوٰت اللہ علیہ و

علی آلہ وصحبہ اجمعین دیدند کہ قیام لیل اگر بفرائض پنجگانہ منسوخ شد بوجہ تخفیف منسوخ شد
نقصانے باعث نسخ نشدہ کہ اصل استحباب را برکندہ برد۔ بحکم کمال عبودیت چنانکہ مذکور
شد امتثال بامر سابق لازم دیدند۔ وہم نظر برآنکہ ضعف عباد باعث این تخفیف شدہ بااین
قوت وفتوۃ خود کہ مسلم است خود را مخاطب این تخفیف نفہمیدند بیاد قاعدۂ نسخ کہ دیدہ بودند
واز نسخ ملل سابقہ وبعضے احکام لاحقہ فہمیدہ وآیت ما ننسخ من اٰیۃ او ننسہا نات
بخیر منہآ او مثلہآ ء ازان خبر ہم دادہ در قیام لیل ہم ہمان عدد یازدہ امرعی داشتند۔

اس معنی کی دلیل کہ اول امر میں دو دو رکعت تھیں وہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس کو صحاح[۵] میں آپنے دیکھا ہوگا۔ باقی رہا یہ امر کہ وتر ملحقات میں سے ہے اصول صلوٰۃ میں سے نہیں۔ اُس کی دلیل اگر چاہتے ہو تو لفظ امدّ کم (خدا نے تم کو مدد پہنچائی) اور اُس جیسے ارشادات پر جو وتر کی شان نزول کے بارے میں فرمائے گئے ہیں دیکھو اور غور و فکر کو کام میں لاؤ اور پھر بتاؤ کہ اس پردہ (امدکم) کے نیچے سے صرف یہی وتر کا لاحق ہونا برآمد ہوتا ہے یا اور کوئی چیز بھی۔ پھر جب سید الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین نے دیکھا کہ قیام لیل اگر فرائض پنجگانہ سے منسوخ ہوا تو تخفیف کی وجہ سے منسوخ ہوا۔ نسخ کا باعث کوئی نقصان نہیں ہوا جو استحباب کی جڑ اکھاڑ کر ختم کر دے تو بحکم کمال عبودیت جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔ آپنے امر سابق کا بجا لانا ضروری سمجھا اور نیز اس پر نظر کرتے ہوئے کہ بندوں کا ضعف اس تخفیف کا باعث ہوا ہے اپنی اس قوت اور جوانمردی کے ہوتے ہوئے جو مسلّمات میں سے ہے آپنے اپنی ذات کو اس تخفیف کا مخاطب نہیں سمجھا تو اس نسخ کے قاعدہ کو یاد کرتے ہوئے جو آپ نے دیکھا تھا اور ملل سابقہ کے نسخ اور جو بعض احکام لاحقہ سے آپ نے سمجھا اور آیت

ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا اس آیت (ہی) کو (ذہنوں سے) فراموش کر دیتے ہیں تو ہم اس آیت سے بہتر	ما ننسخ من اٰیۃ او ننسہا نات بخیر منہآ

[۵] عن عائشہ رضہ قالت فرضت الصلوٰۃ رکعتین رکعتین فاقرت صلوٰۃ السفر وزید فی صلوٰۃ الحضر اخرجہ النسائی وکذا فی البخاری بمعناہ ۱۲ منہ

وتر ملحقات میں سے ہیں اصول صلوات میں سے نہیں ۔

قیام لیل میں گیارہ کو ملحوظ رکھنے کی وجہ

اومثلہآ | یا اس آیت ہی کی مثل لے آتے ہیں۔

... اس کی خبر بھی دی ہے (کہ جو چیز منسوخ ہوتی ہے کوئی اور چیز اُس کے بجائے ضرور ہوتی ہے) قیام لیل کے حق میں آپنے اسی گیارہ کے عدد کو ملحوظ رکھا۔

اکنون سخنے باید شنید بعد استحضار این کہ اقتضاءِ اصلِ قسمت دوازدہ بود وطرح یک رکعت ازان درست کہ بست وچار ساعت روز وشب کہ نصف ازان بحصۂ خداوند تعالیٰ افتادہ ہموزن بست ودو ساعت است کہ نصف آن ہمین یازدہ است چنانکہ دانستۂ واین طرف وتر بودن خداوند کریم نیز خواستگار تناسب بود مرد فطن وذکی الطبع را خود بخود لائح می شود کہ قیام لیل ہمانسان برآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرض بود ورنہ طرح یک رکعت معنی نداشت چہ تخفیف بوجہ ضعف یا نقصان بعض آنان ازآن خویش خود برین امر گواہ عدل است کہ قیام لیل درحق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منجملہ مطلوبات وتکلف بہاست۔ ہاں درحق امت فقط بوجہ اقتدار واتباع ہمین قدر لازم افتاد۔ نشنیدۂ کہ قصر در سفر فقط مخصوص بفرائض ماند ودر سنن ونوافل راہ نیافت۔ وجہ این تفرق واختلاف حکم بجز این چیست کہ فرائض مطلوب از حق اند وبنسبت سنن ونوافل طلبے ازان طرف نرسیدہ۔ شاید ہمین باعث است کہ در سنن رواتب ہمہ عدد دوازدہ بجائے خود ماند وتخفیف یک رکعت مثل فرائض از دوازدہ بیازدہ کار را نیفگند

اب ایک بات سننی چاہیے اس استحضار کے بعد کہ اصل تقسیم بارہ رکعات کی مقتضی تھی اور اس میں سے ایک رکعت کا سقوط اس واسطے آیا کہ شب وروز کی چوبیس ساعات میں سے نصف خداوندی حصہ میں آئی تو وہ بائیس ساعات کے ہموزن ہیں کہ نصف اُن کا وہی گیارہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ سمجھ ہی چکے ہیں۔ اور ادھر حق تعالیٰ کا وتر ہونا بھی تناسب کا مقتضی تھا (ان اللہ وتر یحب الوتر) تو ایک مرد ذی فہم ذکی الطبع پر خود بخود روشن ہو جائے گا کہ قیام لیل اُسی طرز پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھا۔ ورنہ ایک رکعت کا ساقط ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ تخفیف بوجہ ضعف (عباد) یا بعض اوقات کے نقصان

کے (جس کا بیان سطور بالا میں مفصل گذر چکا) اپنے حصہ (یعنی حصۂ خداوندی) میں سے اس امر پر گواہِ صادق ہے کہ قیامِ لیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں منجملۂ مطلوبات اور مکلف بہا[1] ہے۔ ہاں امت کے حق میں فقط بوجہ اقتداء اور اتباع کے یہی مقدار لازم ہوئی۔ کیا آپ نے نہیں سنا کہ سفر میں قصر صرف فرائض کے ساتھ مخصوص رہا اور اس نے سنن اور نوافل پر اثر نہیں کیا۔ اس تفرّق اور اختلاف حکم کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہے کہ فرائض منجانب اللہ مطلوب ہیں اور سنن اور نوافل کی نسبت کوئی مطالبہ اُس طرف سے نہیں ہوا۔ شاید یہی سبب ہے کہ سنن رواتب (یعنی مؤکدہ) کا پورا عدد بارہ بجائے خود باقی رہا اور اُن میں فرائض کی طرح ایک رکعت کی تخفیف کرکے بارہ سے گیارہ پر نہیں گرایا۔

اگر این دوازدہ سنن را چیز جداگانہ بذات خود مستقل پندارند چنانچہ بعض روایات منطوق آن فقط ہمین قدر ست کہ ہر کہ در شب و روز دوازدہ رکعت برائے خدا خواند خانۂ در جنت برائے او بنا کنند بر آن دلالت دارد عدد دوازدہ با این طور موجّہ است کہ گویند حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ کمال معرفت کہ دانی و کمال عبودیت کہ دانستہ چون دیدند قاضی الحاجات خالق کائنات است مصرف دوازدہ ساعت باقیہ نیز کہ خداوند کریم بہر بندہ بگذاشتہ بود ہمان نیاز و نماز خداوندی دیدند و حسب ہدایت خداوند ہادی کہ در فرائض دیدہ بودند این جا نیز بجائے ہر ساعت نمازی نہادند بہ اتمام عبودیت و عبادت استادند اکنون یازدہ رکعت فرائض نظر بر کرم خداوند اکبر ہمان کار دوازدہ خواہند کرد چنانکہ بست و نہ روزۂ رمضان در ثواب سی روزہ می کنند پس چنانچہ شش روزۂ شوال کہ با رمضان پیوستہ کار صوم تمام سال میدہند ایام رمضان بست و نہ باشند یا کامل سی ہمچنان دوازدہ سنن رواتب با یازدہ فرائض بہم آمدہ ثواب بست و چار رکعت کہ عبادت شب و روزش باید گفت در پس خود خواہد آورد۔

اگر ان بارہ رکعات مسنونہ کو ایک جداگانہ اور بذات خود مستقل چیز خیال کریں تو گنجائش ہے

[1] یہ قیاس ہے مگر منقول نہ ہونے کی وجہ سے یقینی بات نہیں جیسا کہ صفحہ ۱۸ میں گذر چکا ہے۔

سفر میں قصر صرف فرائض کے ساتھ مخصوص رہا اور اس نے سنن و نوافل پر اثر نہیں کیا اس اختلاف کی وجہ

چنانچہ بعض روایات جن کا مفہوم فقط اسی قدر ہے کہ "جو کوئی شب و روز میں بارہ رکعت خدا کے لئے پڑھے گا ایک گھر اُس کے لئے جنت میں بنائیں گے" اُس (بارہ[12] عدد) پر دلالت رکھتا ہے۔ عدد بارہ[12] کی توجیہ اس طرح ہے کہ کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بوجہ کمال معرفت اور کمال عبودیت کے جو معلوم ہے جب دیکھا کہ (بندوں کی) حاجات کو پورا کرنے والا خود خالقِ کائنات ہی ہے تو آپ نے اُن بارہ ساعات باقیہ کا مصرف بھی جن کو خداوند کریم نے بندہ کے لئے چھوڑ دیا تھا اُسی نذرِ نماز خداوندی کیلئے تجویز فرمایا اور خداوند ہادی کی ہدایت کے بموجب جیسا آپ نے فرائض میں دیکھا تھا۔ یہاں بھی ہر ساعت کے مقابلہ پر ایک نماز قائم فرمائی اور بندگی و عبادت کی تکمیل کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اب وہ گیارہ رکعات فرائض خداوند اکبر کے کرم کے ماتحت بارہ ہی کا کام کرینگی جیسا کہ رمضان کے اُنتیس[29] روزے ثواب میں تیس روزوں کا کام کرتے ہیں۔ پس جس طرح شوال کے چھ روزے کہ رمضان کے ساتھ مل کر تمام سال کے روزوں کا کام کردیتے ہیں خواہ رمضان کے ایام اُنتیس ہوں یا تیس کامل اسی طرح بارہ سنن رواتب (یعنی مؤکدہ) گیارہ فرائض کے ساتھ مل کر ثواب چوبیس رکعت کا کہ اُس کو شب و روز کی عبادت کہنا چاہیے اپنی ادائیگی کے بعد لے آئیگی۔

اگر این سنن را از مکملات فرائض دارند چنانکہ در پس و پیشِ فرائض انداختن خود دلیل آنست تاہم یازدہ فرائض را ہم سنگ دوازدہ قرار دادہ چنانکہ مذکور شد بہ دوازدہ رکعت سنن کامل می توان کرد لیکن بجانب اتمام عبادت و عبودیت با نخارِشتی راہ نمودند یکے بہ تسنین دوازدہ رکعات و آنہم با نخارشتی۔ گاہے بہ تخییر در ادا، دوازدہ رکعت در شب و روز ہر وقت کہ خواہند۔ وگاہے بمعیت فرائض تا کاہلیِ عباد باعث فوت مقصود نشود اگر از امتثال امرے بوجہ کاہلی یا اشتغال دنیوی بستوہ آیند باز امر دیگر مو کشان بجانب اصل مقصود کشد۔ دیگر بزیادہ کردن فرائض از دو تا چار در سہ وقت باز بالحاق وتر تا شش رکعتِ زائدہ در فرائض و سہ رکعتِ وتر کہ جملہ نہ رکعت می شود با یازدہ رکعت سابقہ فرائض بہ بست

رسند و بعد طرح چار ساعت معلومہ کہ بوجہ مطالبہ کہ لازم فرضیت است قابل طرح بودند چنانکہ دانستہ این بست رکعت ہمسنگ عبادت مدت العمر شود۔

اور اگر یہ سنن مکملات فرائض قرار دی جائیں تو مناسب ہوگا۔ جیسا کہ اُن کو فرائض کے آگے پیچھے ڈالنا خود اس امر کی دلیل ہے۔ پھر بھی گیارہ فرائض کو بارہ کے ہموزن قرار دیکر جیسا کہ مذکور ہوا بارہ رکعات سنن سے کامل کر سکتے ہیں۔ لیکن عبادت اور عبودیت کی تکمیل کے لئے مختلف قسموں کی راہیں دکھائی گئی ہیں۔ ایک بارہ رکعات کو معمول قرار دینے کی اور وہ بھی مختلف اطوار کے ساتھ۔ کبھی بارہ رکعت کی ادائیگی میں تخییر کے ساتھ رات اور دن میں کہ جس وقت بھی چاہیں پڑھیں اور کبھی فرائض کے ساتھ تاکہ بندوں کی کاہلی فوتِ مقصود کا باعث نہ بن جائے اگر ایک امر کی تعمیل سے کاہلی کی وجہ سے یا دنیوی کاموں میں مشغولیت کی بنا پر عاجز ہو جائیں تو پھر دوسرا امر اصل مقصود کی طرف بال پکڑ کر کھینچ لائے۔ دوسری (راہ) فرائض میں زیادتی کر دینا۔ دو سے چار تک تین وقت (یعنی ظہر و عصر و عشاء) میں۔ پھر (یعنی تیسری راہ) وتر کے الحاق کی۔ تاکہ یہ زائد چھ رکعات اور تین رکعات وتر جو کُل نو رکعات ہو جاتی ہیں، فرائض کی سابقہ گیارہ رکعات کے ساتھ مل کر بیس ہو جائیں اور (چوبیس ساعات میں سے) بعد طرح چار ساعت معلومہ (اول و آخر و ششم و ہفتم) جو کہ اس مطالبہ کی وجہ سے جو کہ لازم فرضیت ہے (جس کا مفصل بیان گذر چکا ہے) جو کہ قابل طرح تھیں جیسا کہ تم جان چکے ہیں یہ بیس رکعات مدۃ العمر کی عبادت کے ہمسنگ بن جائیں۔

وآنکہ در اول امر دو ساعت طرح کردند و در امر ثانی ہمگین چار ساعت معلومہ اطرح دادند وجہش بزعم احقر ہیچمدان این ست کہ در اول امر عمر را بر دو حصہ تقسیم کردہ نصف خود گرفتند و نصف بہ بندہ دادند دران صورت گنجائشِ استبدال جزء ناقص بہ جزء کامل بے شائبہ ظلم متصور بود چہ آن اوقات ناقصہ اگر ناقص بودند ؏ نہ در کارروائی بندہ۔ با این ہمہ نصف از اوقات ناقصہ کان لم یکن مجھ پنداشتند و از حساب انداختند چنان کہ ہمین دم گفتہ شد و در امر ثانی

؏ در ادائے کار خداوندی ناقص بودند

ہمہ عمر را فرا گرفتند و بجا گرفتند۔ کارروائی بندہ در حقیقت بکارسازی رحمت تامہ و کار پردازی قدرت کاملۂ حق می شود نہ بہمت و قدرت بندہ وساطت بندہ جز بہانہ نامش بیش نیست۔ ہر کہ میداند این را خوب میداند و ہر کہ این قدر ہم نمی داند ہیچ نمی داند۔

اور یہ بات کہ اول امر (یعنی گیارہ رکعات فرائض کی تدوین) میں دو ساعات طرح کی گئیں اور امر ثانی میں (جس کی تفصیل سطور بالا میں کی گئی ہے) پوری چار ساعتِ معلومہ کو طرح کیا گیا۔ اسکی وجہ اس احقر ہیچمدان کے خیال میں یہ ہے کہ اول امر میں عمر کو دو حصوں پر تقسیم کر کے نصف خود لیا اور نصف بندوں کو دیا اُس صورت میں ناقص جزو کو کامل جزو سے بدلنے کی گنجائش بغیر شائبہ ظلم متصور تھی۔ کیونکہ وہ ناقص اوقات اگر ناقص تھے تو باعتبار ادائے کار خداوندی ناقص تھے نہ باعتبار کارروائی بندہ۔ ان تمام امور پر نظر کرتے ہوئے اوقات ناقصہ میں سے نصف (یعنی دو ساعت کو) سمجھ لیا کہ گویا تھی ہی نہیں اور حساب سے خارج کر دیا جس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ اور امر ثانی میں تمام عمر کو لے لیا گیا ہے اور بجا طور پر لیا۔ بندہ کی حاجت روائی درحقیقت رحمتِ تامہ کی کارسازی اور قدرت کاملہ حق کی کار پردازی سے ہوتی ہے، نہ کہ بندہ کی قدرت اور ہمت سے۔ بندے کا واسطہ اُس کے نام کے بہانہ سے زیادہ نہیں جو اس کو جانتا ہے خوب جانتا ہے اور جو اتنا بھی نہیں جانتا وہ کچھ نہیں جانتا۔

غرض آنچہ بہر کار بندہ بگزاشتہ بودند نظر بظاہر بگزاشتہ باشند۔ و اگر بحقیقت بنگرند باید کہ ہمہ عمر از آن خدا باشد قاضی الحاجات نام اوست و کارروائی خلائق کام او۔ عمدہ و اعظم حاجات عباد کہ رزق است بر خود گرفتہ می فرماید وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا قضاء دیگر حوائج کہ از ذرائع و وسائل یا تفاریع و آثار ہمین قضاء حاجت رزق است خود بذمۂ او خواہد بود۔ حال ذرائع خود ظاہر است باقی ماند آثار از کرمش بس مستبعد ست کہ ببلائے مبتلا سازد و طرح نجات ازان نیندازد۔ آیات تفصیل نعم را اگر بغور بینی بدانی کہ کارساز ہمہ کار اوست اگر اقتضاء کرمش کفیل جملہ حوائج نمی شد جا برے برو نبود کہ چار ناچار کار فرمائی قضاء

حوائج محتاجان می شد۔ بالجملہ اندرین صورت گنجایش استبدال و بندہ را مجالِ تدارک این محال نبود لازم آمد کہ ہمہ آن چار ساعت از حساب یکسو نہند و خراجِ سرکاری بر باقی زنند۔

غرض جو کچھ بندہ کے کام کے لئے چھوڑا تھا۔ ظاہر پر نظر کرتے ہوئے چھوڑ دیا تھا اور اگر چشم حقیقت بین سے دیکھیں تو چاہئے کہ تمام عمر بحصۂ حق جل شانہٗ محسوب کی جائے، قاضی الحاجات اسی کا نام ہے اور کار برآریِ خلائق اُسی کا کام۔ بندوں کی خاص اور سب سے بڑی حاجت جو کہ رزق ہے اپنے ذمہ لیکر فرماتے ہیں:۔

ومامن دابۃٍ فی الارض الا علی اللّٰہ رزقھا	اور کوئی (رزق کھانیوالا) جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اُس کی روزی اللّٰہ کے ذمہ نہ ہو۔

دیگر حوائج کا پورا کرنا جو کہ اسی حاجتِ رزق کو پورا کرنے کے ذرائع اور وسائل یا اُس کی شاخیں اور آثار ہیں خود اُسی کے ذمہ ہوگا۔ ذرائع کا حال تو خود ظاہر ہے، رہے آثار، تو اُس کے کرم سے قطعاً مستبعد ہے کہ کسی بلا میں مبتلا تو کردے اور اُس سے خلاصی کی راہیں نہ پیدا کرے۔ نعمتوں کی تفصیلی آیات کو اگر تم بغور دیکھو تو سمجھ لوگے کہ ہر کار کا کارساز وہی ہے اگر اُسکا اقتضاءِ کرم (بندوں کی) تمام حوائج کا کفیل نہ بنتا تو اس پر کوئی زبردستی کرنیوالا نہیں تھا۔ جس کی مجبوری سے محتاجوں کی حاجت رَوائی ہوا کرتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس صورت میں (جزء ناقص کو جزء کامل سے) بدلنے کی گنجایش نہیں تھی اور بندہ کو اُس محال کے تدارک کی مجال بھی نہ تھی تو ضروری ہوا کہ اُن (پوری) چار ساعتوں کو حساب سے نظر انداز کردیں اور باقی پر سرکاری ٹیکس لگادیں۔

چون این قدر محقق شد بیادِ مقدماتِ معروضہ کہ در معیار بودنِ فرائض و قیام بہ نسبت یک دیگر و تاکّد تراویح بکار اندر عایت عددِ بست در تراویح خود محقق شد با این ہمہ بنکتۂ دیگر کہ بس نفیس است مذاق خوش فہمان شیرین می کنم ہمہ تن فہم شدہ بشنو کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

بہ بشارت من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفر لہ ماتقدم من ذنبہ ومن قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر لہ ماتقدم من ذنبہ اتیان سراپا اخلاص و نیاز را باشارۂ لطیف بہ بست رکعت خواندہ اند۔

جب اس قدر محقق ہوگیا تو مقدمات معروضہ کے پیش نظر جو فرائض کے معیار ہونے اور ان کے ایک دوسرے کی بہ نسبت اور تراویح کے مؤکدہ ہونے کے اثبات میں استعمال کئے گئے ہیں تراویح کے باب میں بیس کی تعداد خود محقق ہوگئی۔ اس کے باوجود ہم ایک دوسرے نکتہ سے جو نہایت نفیس ہے خوش فہم اصحاب کے مذاق کو حلاوت پہنچانا چاہتے ہیں۔ ہمہ تن فہم بنکر سنو کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے اس بشارت سے

من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفر لہ ماتقدم من ذنبہ ومن قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر لہ ماتقدم من ذنبہ[1]	جس نے رمضان کے روزے رکھے اعتقاد صحیح اور طلبِ ثواب کے ساتھ (جس میں ریا کا دخل نہ ہو) اُس سے جسقدر گناہ ہوئے سب بخشدیئے جائیں گے اور جس نے قیام رمضان کیا اعتقاد صحیح اور طلب ثواب کے ساتھ اس سے جس قدر گناہ ہوئے سب بخش دیئے جائیں گے (احتساب سے مراد ہے نفس کے اعمال پر محاسبہ قائم رکھنا کہ اس حال میں اس سے رضائے حق کے خلاف سرزد نہ ہو)

اتیان سراپا اخلاص و نیاز کو ایک لطیف اشارے کے ساتھ بیس رکعت کی دعوت دی ہے۔

تفصیل این اجمال اگر می طلبی بشنو کہ افعال منقسم بدو قسم می نمایند یکے آنکہ آنی باشد مثل ضرب کہ ہمین وقوع آلۂ ضرب را بر مضروب می گویند۔ و دانی کہ چقدر بدیری خواہد۔ دوم آنکہ زمانی باشند مثل قیام و قعود این قسم را ممتدات نام باید نہاد۔ و این قسم از افعال بمنزلۂ اسمار اجناس ست کہ بر قلیل و کثیر اطلاقش توان کرد۔ پس اگر این قسم بجانبِ زمانۂ محدود متعدی باشد و لفظ فی مذکور نبود آن وقتِ آن زمانۂ معیار آن فعل می بود و استیعاب

[1] عن ابی ہریرۃ رضؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفر لہ ماتقدم من ذنبہ ومن قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر لہ ماتقدم من ذنبہ الخ اخرجہ البخاری و المسلم ۱۲ منہ

لازم آید۔ ہاں اگر زمانہ غیر محدود بود مثل لفظ زمان و حین و قبل و بعد کہ در ظروف از اسمائے اجناس اند، معیار بودنش بظاہر ہم رنگ قسم اول نمی باشد اگرچہ در واقع در ہر دو جا طرز واحد است۔ اعنی در قسم اول استیعاب آن زمانہ ضرور است اما در قسم ثانی بوجہ آنکہ ادنیٰ مَا يُطْلَقُ علیہ آن قسم فرد کامل آن حقیقت می باشد فقط استیعاب ادنیٰ مایطلق علیہ لازم می آید نہ استیعاب جمیع افراد و جمیع اجزاء آن کہ استیعاب فردی نیست استیعاب افرادیست

اگر آپ اس اجمال کی تفصیل چاہتے ہیں تو سنیں: کہ افعال دو قسم پر منقسم نظر آتے ہیں۔ ایک یہ کہ آنی ہوں مثل ضرب کے کہ مضروب پر آلۂ ضرب واقع ہونے کو کہتے ہیں اور یہ معلوم ہی ہے کہ وہ کتنی دیر چاہتا ہے۔ دوسری یہ کہ زمانی ہوں مثل قیام و قعود۔ اس قسم کا ممتدات نام رکھ لینا چاہئے۔ اور افعال میں سے یہ قسم بمنزلہ اسماء اجناس کے ہے کہ قلیل کثیر سب پر اُس کا اطلاق کرسکتے ہیں تو اگر یہ قسم زمانۂ محدود کی طرف متعدی ہوگی اور لفظ فی مذکور نہ ہو اُس وقت وہ زمانہ اُس فعل کا معیار ہوگا اور استیعاب لازم آئے گا۔ ہاں اگر زمانہ غیر محدود ہو مثل لفظ زمان اور حین اور قبل اور بعد کے جو کہ ظروف میں اسماء اجناس میں سے ہیں اُن کا معیار قسم اول کا ہم رنگ ہونا ظاہر میں نہیں ہوتا اگرچہ واقع میں دونوں جگہ ایک ہی طرز ہوتا ہے یعنی قسم اول میں اُس زمانہ کا استیعاب ضروری ہے۔ لیکن قسم ثانی میں بوجہ اس کے کہ جس حقیقت کا اطلاق کسی ادنیٰ ترین فرد پر بھی ہو جاتا ہے وہ قسم اُس حقیقت کی فرد کامل ہوتی ہے۔ اس لئے فقط ادنیٰ مایطلق علیہ ہی کا استیعاب لازم آتا ہے (یعنی اُس کم سے کم فرد کا استیعاب جس پر اُس حقیقت کا اطلاق ہو سکے) تمام افراد اور تمام اجزاء کا استیعاب لازم نہیں آتا کہ یہ استیعاب فردی نہیں ہے بلکہ استیعاب افرادی ہے۔

بالجملہ چون صیام و قیام در افعال از قسم ثانی است و ہمچنین رمضان زمانہ محدود لاجرم استیعاب آن لازم باید پنداشت غرض اگر فعل از ممتدات و افعال اجناس است و زمانہ اسم جنس نیست استعمال آن بدو طور در کلام عرب یافتہ می شود گاہے بے واسطہ حرفے آن فعل

افعال کی دو قسم ہیں آنی و زمانی - افعال زمانی کو ممتدات کہیں گے

ممتدات کی قسم کے افعال اگر زمانہ محدود کی طرف متعدی ہوں اور حرف فی مذکور نہ ہو تو وہ زمانہ معیار فعل ہوگا اور زمانہ کا استیعاب لازم آئے گا۔

آن مفعول را زیر تصرف خود میگیرد۔ وگاہے بلفظ با یا فی امداد او می کند و آن فعل را بآن مفعول می رساند۔ در صورت اول آن مفعول بتمامہ و کمالہ و بجمیع اجزائہ مفعول آن فعل می باشد و در صورت ثانی این استیعاب بدست نمی آید۔ آرے کارے کہ بمعونت دیگران می باشد ہمچنین می باشد و اگر باور نداری ہمین کلام را بنگر۔ از من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ ہمین استیعاب می برآید۔ و از ہر کہ خواہی بپرس ہمین استیعاب خبر خواہد داد و نہ بصوم یک دو یوم ہم از عہدہ برون آمدندے۔ آرے اگر من صام فی رمضان می فرمودند۔ ہرگز باین احتمال خیال نمی رفت و بدل کسے این احتمال جا نمی گرفت۔ غرض در صورت اول آن زمانہ معیار و مقدار آن فعل می باشد و در صورتِ ثانی ظرف آن فعل می بود۔ و خود دانی کہ ظرفیت را عظمتِ ظرف از مظروف لازم است ورنہ احاطہ کہ کار ظرف است چگونہ خواہد کرد مثل فعدتھن ثلثۃ قروء و یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر و عشرا و لبثت یوما او بعض یوم و قم اللیل الا قلیلا و فکیف تتقون ان کفرتم یوما و شواہد این دعوی از کلام اللہ و حدیث بسیار میتوان بر آورد۔

حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ صیام و قیام افعال میں سے قسم ثانی (یعنی ممتدات) میں سے ہیں اور اسی طرح رمضان ایک زمانہ محدود ہے تو ضروری طور پر اُس کا استیعاب لازم سمجھنا چاہئے۔ غرض کہ اگر فعل ممتدات اور افعال اجناس میں سے ہے (یعنی افعال کی اُس قسم میں سے ہے جو بمنزلہ اسماء اجناس ہوتے ہیں) اور زمانہ اسم جنس نہیں ہے۔ اُس کا استعمال کلام عرب میں دو طریقہ سے پایا جاتا ہے۔ کبھی[1] کسی حرف کے واسطے کے بغیر وہ فعل اُس مفعول کو اپنے زیر تصرف لے آتا ہے اور کبھی[2] لفظ با یا فی اس کی امداد کرتے (یعنی صلہ بنتے) ہیں اور اس فعل کو اُس مفعول پر پہنچاتے ہیں۔ پہلی صورت میں وہ مفعول پورا کا پورا کامل طور پر اور اپنے تمام اجزاء کے ساتھ اُس فعل کا مفعول ہوتا ہے اور دوسری صورت میں یہ استیعاب ہاتھ نہیں آتا۔ ہاں صاحب! جو کام دوسروں کی مدد سے ہوا کرتا ہے ایسا ہی (ادھورا) رہتا ہے۔ اگر آپ کو تردد ہو تو

اسی کلام کو دیکھو لو مَنْ صامَ رمضان ایماناً و احتسابًا غفر لہٗ ما تقدم من ذنبہ سے یہی استیعاب نکل رہا ہے جس سے پوچھو گے استیعاب ہی بتائے گا ورنہ ایک دو روزے رکھنے ہی ذمہ داری پوری کر لیا کرتے۔ ہاں اگر من صام فی رمضان فرماتے تو ہرگز اس کا احتمال (یعنی استیعاب کا احتمال) خیال میں نہ آتا اور کسی کے دل میں یہ احتمال جگہ نہ پکڑتا۔ غرض پہلی صورت میں وہ زمانہ اُس فعل کا معیار اور مقدار ہوتا ہے اور دوسری صورت میں زمانہ اُس فعل کا ظرف ہوتا ہے اور یہ آپ جانتے ہی ہیں کہ مظروف سے ظرف کا بڑا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ ظرف احاطہ کا کام کیونکر انجام دے گا مثل فعدتھن ثلٰثۃ قروء اور یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر و عشرا اور لبثنا یوما او بعض یوم اور قم اللیل الا قلیلا اور فکیف تتقون ان کفرتم یوما ان تمام مثالوں میں فعل اپنے مفعول پر بغیر کسی حرف کے واسطے کے مؤثر ہوا ہے اور معنی میں استیعاب کے ہے) اور شواہد اس دعوے کے کلام اللہ اور حدیث سے بہت نکالے جا سکتے ہیں۔

> باقی آنکہ اگر ہمین استیعاب ست لازم بود کہ لیالی رمضان ہم مثل ایام رمضان زیر این امساک کہ حقیقۃ صوم است سر نہادندی و این اجازت اکل و شرب شب معنی نمیداشت جوابش این است کہ لاریب مقتضای این کلام بلکہ مطابق حکم این اعلام ہمین بود کہ نہ در روز خوردندی و نہ در شب دست بطعام بردندے۔ و ہمین است کہ صوم وصال را ہر قدر کہ داتی حصہ از جواز بدست آمد ورنہ مستند جوازش کسے بفرماید کہ حیثیت فعل نبوی اگر سند ست برائے ماست خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را نیز سندے باید واللہ اعلم

رہی یہ بات کہ اگر یہی استیعاب ہے تو لازم تھا کہ رمضان کی راتیں بھی مثل رمضان کے دنوں کے اس امساک کے ماتحت جو حقیقتِ صوم ہے آجائیں اور اس کھانے پینے کی اجازت کے کوئی معنے ہی نہ رہیں۔ جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ مقتضی اس کلام کا بلکہ اس منشور کی مطابقت اسی میں تھی کہ نہ دن میں کھاتے اور نہ رات میں کھانے پر ہاتھ بڑھاتے اور یہی اصل ہے جہاں سے صوم وصال (یعنی تین دن رات کے روزے) کے لئے اشارۂ جواز ہاتھ لگا ورنہ کوئی صاحب فرمائیں کہ اُس کے جواز کا کیا سہارا ہے؟ فعل نبوی اگر سند ہے تو ہمارے لئے ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی کوئی سند چاہئے واللہ اعلم

> ہاں امتیان ضعیف البنیان طاقت امتثال این امر کما ہی نداشتند چنانکہ از شب و روز دوازدہ ساعت بہ بندہ دادہ بودند نیمے از رمضان ہم از حساب انداختند تا اکل و شرب شب وسیلۂ امساک روز شود و دانی کہ ذرائع و وسائل را حکم اصل مقصود عارض می شود انتظارِ صلوٰۃ را صلوٰۃ گفتہ اند با این ہمہ وقت خوردن و نوشیدن یا فقط روز است چنانچہ در ولایت عرب حجاج دیدہ باشند یا نیمہ از رزق بروز و نیمہ از آن بشب فرو می برند بہر حال اگر اول را اصل دہی امساک روز بطور دیگر ہم امساک تمام رمضان است و اگر بر ثانی بنا کار نہی تاہم ترکِ خورد و نوش روز بہ نسبت ترک خورد و نوش شب دو چند توان شناخت چہ حرکتہا کہ در روز نہ کنی و طعام را ہضم نسازی و چہ انتظارہا کہ بروز نکشی و تحلیل جسم نپردازی در شب بلکہ از این خرخشہا چیست و از این غمہا کیست تن براحت جان باستراحت از کشمکش کار و زخمہائے افکار میرہند و آسودگی ہا میگیرند نظر بر این بہ نسبت امساک شب امساک روز مضاعف بلکہ زیادہ می نماید۔

ہاں ضعیف البنیان امتیوں میں اس حکم پر اس کے اصل اقتضا کے مطابق عمل کرنے کی طاقت نہ تھی تو جس طرح کہ شب و روز میں سے بارہ ساعت (نماز میں) بندے کو دیدی تھیں اسی طرح رمضان کا آدھا حصّہ بھی حساب سے ساقط کر دیا۔ تاکہ رات کا کھانا پینا اِمساکِ روز (یعنی موجباتِ افطار سے باز رہنے) کا وسیلہ بن جائے اور یہ آپ جانتے ہیں کہ ذرائع اور وسائل کو اصل مقصود کا حکم عارض ہو جاتا ہے۔ انتظارِ صلوٰۃ کو صلوٰۃ فرمایا ہے۔ با این ہمہ کھانے پینے کا وقت یا فقط دن ہے۔ چنانچہ ولایتِ عرب میں حجاج نے دیکھا ہو گا۔ یا نصف خوراک دن میں اور نصف رات میں کھاتے ہیں (جیسا بالعموم اس نواح میں ہوتا ہے) بہرحال اگر اول کو اصل

قرار دیجئے تو امساک روز دوسرے طریقہ سے بھی (علاوہ مذکورہ بالا نقطۂ نظر کے) تمام رمضان کا امساک ہے اور اگر بنا رکار دوسرے پر رکھو تو پھر بھی دن کا ترک خور و نوش بہ نسبت رات کے ترک خور و نوش کے دو چند سمجھنا چاہیئے۔ کس قدر حرکتیں ہیں جو تم دن میں نہیں کرتے اور طعام کو ہضم نہیں کرتے، اور کس قدر انتظار ہیں کہ دن میں تم کو نہیں کرنا پڑتے اور (پیٹ کے لئے) محنت و غم سے جسم کو تحلیل کرنے میں مشغول ہونا نہیں پڑتا۔ رات کو بتائیے کہ ان خرخشوں میں سے کونسا ہوتا ہے اور کیا غم واقع ہوتا ہے۔ (رات میں) کاموں کی کش مکش اور زحمہائے افکار سے میٹھی نیند کی بنا پر تن چھٹکارا پا لیتے اور آسودگیاں حاصل کر لیتے ہیں۔ اس پر نظر کرتے ہوئے بنسبت امساکِ شب کے امساکِ روز دو گنا بلکہ اُس سے بھی زیادہ محسوس ہوتا ہے۔

علاوہ برین روز بشہادت جملہ لتبتغوا من فضلہ و جملہ جعلنا النہار معاشا و امثال ذالک برائے تحصیل دنیاست نہ شب و غرض از روزہ چنانکہ دانستہ و خواہی دانست ترک دنیاست۔ پس در صورتیکہ نیمۂ برگیرند و نیمہ برگزارند اولی ہمین است کہ روز را بہر روزہ گیرند و شب را بہر بندہ گزارند تا بالمعنی امساک تمام رمضان چہ روز و چہ شب بدست آید۔ غرض امساکِ روز در حق امتیان امساک شب و روز فہمیدہ شد ہاں جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم متحمل این مشقت می توانند شد مگر اندیشۂ اقتدا در سر داشتند یک دو بار بصوم وصال پرداختہ از اصل صوم آگاہانیدند و باز بپاس امت پا ازین وادی کشیدند صلی اللہ علیہ وسلم عدد ما رحم بنا و ابقی علینا۔

اس کے علاوہ دن بشہادتِ جملہ لتبتغوا من فضلہ (تاکہ اللہ کے فضل کی جستجو کرو) و جملہ وجعلنا النہار معاشا (اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت بنایا) اور ان جیسے ارشادات کی رُو سے تحصیلِ دنیا کے لئے ہے نہ رات۔ اور روزے سے جو غرض ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں اور مزید جان جائیں گے ترکِ دنیا ہے۔ تو اس صورت میں کہ ایک نصف لیں

اور ایک نصف چھوڑ دیں قرین عقل یہی ہے کہ دن کو روزے کے لئے تجویز کریں اور رات کو بندے کے لئے چھوڑ دیں تاکہ معنیً تمام رمضان کا امساک دن کا بھی اور رات کا بھی حاصل ہو جائے۔ الغرض امساک روز امتیوں کے حق میں امساک شب و روز سمجھ لیا گیا۔ ہاں جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس مشقت کے متحمل ہو سکتے تھے۔ مگر آپ کو اندیشۂ اقتدا دامنگیر رہتا تھا اس لئے ایک دو مرتبہ صوم وصال رکھ کر روزے کی اصل سے آپ نے آگاہی بخشدی اور پھر امت کی خاطر اس وادی دشوار گذار سے قدم روک لئے صلی اللہ علیہ وسلم عدد ما رحم بنا و ابقی علینا۔

القصہ مقتضائے اصل کلام مذکور ہمین بود کہ امساک جملہ شب و روز رمضان فرض گردد۔ و ازین جا ربط لعلکم تتقون با ماقبل خود در آیت صوم و صحتِ وجوب امساک ماہ کامل ازین ربط دریافتہ باشی۔ اعنی چنانکہ میگویند بمرگش گیر تا بہ تپ راضی شود می فرمایند کہ بر شما امساک مطلق کہ بے امساک شب و روز صورت نمی بندد۔ چنانچہ آیت فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ نیز برآن دلالت دارد فرض کردہ شد۔ تا شاید فقط امساکِ ایامِ رمضان بجا آرید۔

القصہ اصل کلام مذکور کا مقتضا یہی تھا کہ رمضان میں (خور و نوش وغیرہ سے) باز رہنا تمام شب و روز میں فرض ہو جائے اور یہاں سے آیتِ صوم میں ربط لعلکم تتقون کا اپنے ماقبل سے اور پورے مہینے کا امساک واجب ہونے کی صحت اس ربط سے آپ پر واضح ہو چکی ہوگی۔ یعنی جیسا کہ کہتے ہیں کہ "بمرگش گیر تا بہ تپ راضی شود" حکم دیتے ہیں کہ تم پر "امساک مطلق" فرض کیا گیا اور امساک مطلق بغیر شب و روز کے امساک کے بنتا نہیں چنانچہ یہ آیت بھی فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ (تم میں سے جو اس ماہ کو پائے وہ اس میں روزے سے رہے) اس پر دلالت کرتی ہے تاکہ تم شاید فقط امساک ایامِ رمضان کی تعمیل کر دو۔

ونیز اگر آن قصہ ما یاد کنی کہ در اول اسلام تناول موجباتِ افطار اگر حلال بود بعد مغرب قبل خفتن حلال بود۔ تاہم بشرطِ فہم اشارہ بامساک شب وروزی برآید۔ چہ انسان مثلِ دیگر حیوانات برابر نمی خورد۔ یک بار خوردہ تا زمانۂ دراز دست بنان نمی برد۔ ہاں در مقدار شب یا روز چند بار می توان خورد و بہ خوردن بار بار در لیل یا نہار می توان گفت کہ ہمہ روز یا ہمہ شب میخورد۔ چنانکہ این چنین کسانرا با مثالِ این اقوال یاد می کنند۔ و درین قدر کہ مابین مغرب خفتن است اکثر زیادہ از یک بار اتفاق نمی افتد۔ و مقدار وقت خوردن نیز معلوم است کہ چہ قدر است۔ پس این وقت قلیل کہ بصرف خوردن آمد بمنزلۂ ظرفِ زمانہ است کہ اعتبار را نشاید اندرین دورہ شب و روز کہ بست وچار ساعت است گویا ہمہ بامساک بگذشت و ازینجا فہمیدہ باشی کہ بعد فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ فرمودند فلیصم ایامہ چرا نفرمودند۔

نیز اگر تم اس قصہ کو یاد کرو کہ اول اسلام میں روزہ کھولنے والی چیزوں کا استعمال اگر حلال تھا تو بعد مغرب سونے سے پہلے حلال تھا۔ تاہم بشرطِ فہم اشارہ شب وروز ہی کے امساک کا نکلتا ہے۔ کیونکہ انسان مثل دیگر حیوانات کے برابر کھاتا ہی نہیں رہتا۔ ایک مرتبہ کھاکر کافی دیر تک کھانے پر ہاتھ نہیں بڑھاتا۔ ہاں پورے شب وروز کی مقدار میں چند بار کھا سکتا ہے اور دن میں یا رات میں بار بار کھانے کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ سارے دن یا ساری رات کھاتا رہتا ہے۔ جیساکہ اس طرح کے لوگوں کو ایسے مقولوں سے یاد کیا جاتا ہے اور اس مقدار زمانہ میں جو مغرب اور سونے کے مابین ہے اکثر ایک مرتبہ سے زیادہ کا اتفاق نہیں ہوتا اور کھانے کے وقت کی مقدار بھی معلوم ہے کہ کتنی ہے۔ تو یہ تھوڑا سا وقت جو کھانے میں صرف ہوتا ہے بمنزلہ ظرفِ زمانہ کے ہے کہ کوئی اہمیت دیئے جانے کے قابل نہیں (اس لئے سمجھ لیا جائے کہ اس دورہ شب و روز میں کہ چوبیس ساعتیں ہیں گویا سب کی سب امساک ہی میں بسر ہوگئیں۔ اور یہاں سے یہ سمجھ لیا گیا ہوگا کہ فمن شہد منکم الشہر کے بعد فَلْيَصُمْهُ فرمایا، فلیصمہ ایامہ کیوں نہیں فرمایا۔

بالجملہ تعدی فعل ممتد بجانب مفعول کہ از قسم زمانہ محدود باشد۔ استیعاب را میخواہد اندرین صورت معنی من قام رمضان ہمین استیعاب شب و روز رمضان بقیام خواہد بود مگر دانی و ہمہ دانند کہ این کار کار امتیان ضعیف الاقتدار نبود۔ تخفیف لازم افتاد۔ مگر ہر کار را معیار و ہر امر را مقداری باید تا کار از کارخانہ حکمت بدر نیفتد۔ در فرائض پنجگانہ بجائے یک ساعت یک رکعت نہادہ بودند اینجا نیز ہمان یک رکعت قائم مقام عبادت یک ساعت نہد مگر از بست و چار ساعت معلومہ چار ساعت چنان بود کہ این کار بحکم پروردگار دران چار نتوان کرد آن چار را طرح دادہ معاملہ بر بست افگندند فسبحان اللہ العلیم الحکیم۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فعل ممتد جب متعدی ہوتا ہے ایسے مفعول کی طرف جو زمانہ محدود کی قسم میں سے ہو تو وہ استیعاب چاہتا ہے۔ اس صورت میں مَنْ قامَ رَمضان کے معنی رمضان میں وہی شب وروز کے قیام کا استیعاب ہوگا۔ مگر آپ کو معلوم ہے اور سب جانتے ہیں کہ یہ کام ضعیف الاقتدار امتیوں کے بس کا نہیں تھا اس لئے لازمی طور پر تخفیف کرنا پڑی۔ مگر ہر کام کے لئے ایک معیار اور ہر امر کے لئے ایک اندازہ لازم ہے۔ تاکہ کارخانہ حکمت سے کام باہر نہ نکل جائے۔ فرائض پنجگانہ میں بمقابلہ ایک ساعت کے ایک رکعت تجویز کی گئی تھی، یہاں بھی وہی ایک رکعت ایک ساعت کی عبادت کے قائم مقام کردی گئی۔ مگر چوبیس ساعات معلومہ میں سے چار ساعات ایسی تھیں کہ بحکم پروردگار اُن میں وہ کام نہیں کرسکتے اسلئے اُن چار کو خارج کرکے بیس پر معاملہ ٹکا دیا گیا فسبحان اللہ العلیم الحکیم۔

وازین نکتہ قلم تافتہ بنکتہ دیگر مشام جان طالب مستہام را معطر می نمایم صوم کہ حقیقتش ترک دنیاست ذریعۂ یاد خدا وند اکبر کہ عمدہ مظاہر آن ہمین نماز است وبس۔ اگر ہنوز نفہمیدہ باشی بگوش ہوش بشنو کہ خورد ونوش و مجامعت بلکہ فقط خوردن از اصول لذائذ

دنیا است۔ باقی لذائذ یا ذریعۂ اند یا داین لذت اند۔ یا بشرطِ این لذت لذیذ می نمایند
تفصیل این اجمال حوالہ بفہم سامع کردہ پیشتر می روم کہ خداوند حکیم چون بندۂ گرفتار
ہوا و ہوس را ازین لذتہا باز داشت ہر کہ از وشان مادۂ فہم داشت بفراست خود دریافت
کہ این لذتہا اگر ممنوع عنہا است دیگر لذتہا بدرجۂ اولیٰ قابلِ امتناع است۔ و ہم بفہمید کہ
این نہی و منع بذاتِ خود مقصود نتوان شد۔ ترکِ چیزے کہ جز عدم آن بداماں خود ندارد
قابل آن نیست کہ پیش موجود مطلق درجۂ مقصود یابد لاجرم چیزے دیگر زیر این پردہ
نہادہ باشند۔ آن چیز بجز یاد خداوندی دیگر چہ باشد خواہش بندہ و رضا خدا در تد
متعارض افتادہ اند۔ ترک یکے تحصیل دیگرے می خواہد۔ بالجملہ بایماءِ عقلِ راز آشنا
دریافتیم کہ مقصود از صوم یاد محبوب حقیقی ست و دانی کہ عمدہ مظاہر آن یاد ہمین
نماز است۔

اب ہم اس نکتہ سے قلم کا رخ دوسرے نکتہ کی طرف پھیرتے اور طالب سرگشتہ کے
مشام جان کو معطر کرتے ہیں۔ روزہ کہ اُس کی حقیقت ترکِ دنیا ہے۔ خداوند اکبر کی یاد کا ذریعہ
ہے اور اُس یاد کا سب سے اچھا مظہر یہی نماز ہے اور بس۔ اگر ابھی تک نہ سمجھے ہو تو گوش ہوش
سے سنو کہ کھانا پینا اور مجامعت، بلکہ صرف کھانا لذائذ دنیا کے اصول میں سے ہے۔ باقی
لذتیں یا ذریعہ ہیں اس لذت میں اضافہ کا یا بشرط اس لذت کے لذیذ معلوم ہوتی ہیں۔ اس
اجمال کی تفصیل سامع کی فہم کے حوالہ کرکے ہم آگے بڑھتے ہیں کہ خداوند حکیم نے جب اپنے ہوا و
ہوس میں گرفتار بندے کو ان لذتوں سے روک دیا تو اُن میں سے جو فہم کا مادّہ رکھتا تھا اُس
نے اپنی فراست سے سمجھ لیا کہ یہ لذتیں اگر ممنوع عنہا ہیں (جو اصول ہیں دوسری لذتوں کے
لئے) تو وہ دوسری لذتیں بدرجۂ اولیٰ قابلِ امتناع ہیں۔ اور یہ بھی سمجھ لیا کہ یہ "نہی" اور منع
بذاتِ خود مقصود نہیں ہوسکتا کسی چیز کا ترک جو بجز عدم اپنے دامن میں کچھ نہیں رکھتا اس قابل
نہیں ہے کہ موجود مطلق کی بارگاہ میں مقصود کا درجہ حاصل کرلے۔ ضرور کوئی اور چیز اس پردے

میں رکھی ہے۔ وہ چیز بجز یاد خداوندی اور کیا ہوسکتی ہے۔ "بندہ کی خواہش" اور "رضائے
الٰہی" متعارض واقع ہورہی ہیں۔ ایک کا ترک دوسرے کی تحصیل چاہتا ہے۔ الحاصل عقلِ
راز آشنا کے ایما سے ہم نے یہ (راز درون پردہ) پالیا کہ روزے سے مقصود محبوب حقیقی کی یاد ہے
اور تم جانتے ہو کہ اُس یاد کا بہترین مظہر یہی نماز ہے۔

این ست این کہ دو مضمون را بیک سلک کشیدند اعنی اول من صام رمضان ایماناً
واحتساباً فرمودند۔ ثانیاً بارشاد من قام رمضان ایماناً واحتساباً یاراہ نمودند۔ و
دانستہ باشی کہ فرائض باشد یا سنن و نوافل کار آمد خداوند اکبر نیست او غنی است و
مستغنی بعبادت عباد عظمتِ او نمی افزاید و بمعاصی عصاۃ نقصے بکارخانۂ او نمی آید۔ اگر
نفعے است بہر ماست، و اگر مضر تیست بر ماست۔ ہرچہ باو خواندہ اند نفعے بہر عباد در و
نہادہ اند۔ و ہرچہ ازان راندہ اند بسبب ضرے راندہ اند۔ اندرین صورت ہرچہ نافع تر
مؤکد تر و ہرچہ مضر تر ممنوع تر باشد۔ و این طرف اعظم منافع صوم کہ بالیقین فرض است
مغفرت جمیع ذنوب یافتیم۔ یاد خداوندی کہ عمدہ مظاہر ش قیام بہر نماز بود و مقصود از صوم
ثمر این شجرہ چون نبود۔ ہمین است کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصرح ازان خبر
دادہ اند نظر برین بیاد آنکہ در تحدید بست رکعت ہمین دم عرض کردہ شد مثل صوم کم از کم
قیام بست رکعت فرض می شد بلکہ زائد ازان اگر گویند بجاست۔

یہی راز ہے اس (سیاقِ کلام) کا کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) دو مضمونوں کو ایک ہی
لڑی میں پرو دیا ہے یعنی اول من صام رمضان ایماناً واحتساباً فرمایا۔ ثانیاً ارشاد من
قام رمضان ایماناً واحتساباً سے رہنمائی فرمائی اور یہ معلوم ہے کہ فرائض ہوں یا سنن و
نوافل خداوند اکبر کے کام کی چیز یں نہیں وہ بے پروا اور مستغنی ہے۔ بندوں کی عبادت سے
اُس کی عظمت بڑھ نہیں اور نافرمانوں کے گناہوں سے اُس کے کارخانہ میں کوئی نقص
نہیں آجاتا۔ اگر کوئی نفع ہے تو ہمارے لئے ہے اور اگر کوئی نقصان ہے تو ہمارا ہے جس چیز کی

طرف دعوت دی گئی ہے اُس میں بندوں کے لئے کوئی نفع رکھا ہے اور جس چیز سے ہٹا
ہے کسی نقصان کی وجہ سے ہٹایا ہے۔ اس صورت میں جو چیز نافع تر ہے وہ موکّد تر ہوگی
جو مُضر تر ہے وہ ممنوع تر ہوگی۔ اور اس طرف روزے کا سب سے بڑا نفع جو کہ بالیقین فرض
ہے۔ ہم نے تمام گناہوں کی مغفرت کو پایا تو یادِ خداوندی کہ جس کا بہترین مظہر نماز کے
قیام تھا اور روزے کا مقصود تھا، وہ اس درخت کا پھل کیوں نہیں ہوگی۔ یہی سبب
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ اس کی خبر دی ہے۔ اس امر
کے پیش نظر اور اُس بات کا دھیان رکھتے ہوئے جو بیس رکعت کی تحدید میں ابھی عرض
کی گئی ہے۔ مثل روزے کے کم از کم بیس رکعت کا قیام فرض ہوتا۔ بلکہ اگر بیس سے بھی زیادہ
کہیں تو بجا ہے۔

روزے کا اصل مقصد عبادت الٰہی ہے

ازین جا اندیشۂ فرضیتِ قیامِ لیالیٔ رمضان کہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماثور است
موجّہ دریافتہ باشی لاریب نظر بہ ضعیف عباد دشوار دیدند و تخفیف فرمودند۔ اگر مسارعت عباد
بتراویح بدستور می ماند از سہولت امر خبر میداد بمقتضائے اصلِ امر فرض می باشد۔ بالجملہ
اقتضاء اصل حقیقت آن بود کہ تراویح بدرجۂ اول از صوم فرض می شد۔ لیکن چون از طرف
خداوند ذوالجلال ارشادے مصرح درین بارہ شنیدہ نشد بحکم وماکنا معذبین حتی
نبعث رسولا بندگانِ ضعیف البنیان را گنجائشِ ترک بدست آمد۔ ہاں حضرتِ سید
المرسلین صلوٰۃ اللہ علیہ و سلامہ و علی آلہ اجمعین کہ واقفِ اسرار بودند۔ نظر بمنفعتِ
مذکورہ مسنون فرمودند۔ چنانچہ خود فرمودہ[1] اند کہ روزۂ رمضان خدائے تعالیٰ فرض فرمود
و من قیام آنرا سنت نمودم۔ اگر اوراق صحاح را خواہی گردانید این روایت را انشاء
اللہ تعالیٰ خواہی یافت۔

یہیں سے فرضیت قیام کا رمضان کی راتوں میں وہ اندیشہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم سے مروی ہے آپ کو موجّہ طور پر معلوم ہوگیا۔ بیشک بندوں کے ضعف پر نظر فرماتے ہو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشۂ فرضیت قیام رمضان کی وجہ

آپ نے دشوار دیکھا اور تخفیف فرمائی۔ اگر بندوں کی (یعنی صحابہؓ کی) دوڑ بھاگ تراویح پر بدستور
رہ جاتی جو کہ سہولتِ امر کی خبر دے رہی تھی (تو اس کے نتیجہ میں) بمقتضائے اصل امر فرض
ہو جاتی۔ الحاصل اصل حقیقت کا اقتضاء یہ تھا کہ تراویح روزے سے اول درجہ میں فرض ہوتی،
لیکن چونکہ خداوند ذوالجلال کی طرف سے کوئی مصرح ارشاد اس بارے میں نہیں سنا گیا تو
حسب ضابطہ وماکنا معذبین حتی نبعث رسولا (ہم عذاب نازل نہیں کیا کرتے
جب تک کوئی پیغمبر نہ بھیجدیں)، (حالانکہ پیغمبر جس پیغام کی دعوت کے لئے مبعوث ہوتے
ہیں وہ مقتضائے عقل و قیاس کے مطابق ہوتا ہے۔ مگر صراحتِ منشأ خداوندی پیغمبر
کی دعوت کے بعد ہوتی ہے اور اُسی سے احکام بنتے ہیں جن کی نافرمانی پر ثمرہ تعذیب
مرتب ہوتا ہے۔ اس باب میں جب کوئی صریح حکم منشأ خداوندی کی صراحت کرنے واللہ
اعلم) بندگان ضعیف البنیان کو ترک کی گنجائش مل گئی۔

ہاں حضرت سید المرسلین صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ، وعلی آلہ اجمعین نے جو واقف اسرار
ہے منفعت مذکورہ کے پیش نظر مسنون فرما دیا۔ چنانچہ خود فرمایا[1] ہے کہ خدا تعالیٰ نے
روزہ رمضان میں فرض کیا تھا، میں نے قیامِ رمضان کو سنت کر دیا۔ اگر تم صحاح کے
اوراق الٹو گے تو انشاء اللہ یہ روایت مل جائے گی۔

لیکن ہمین دم گفتہ آمدہ ام کہ ہر کار را معیاری باید بہر تسنین این سنت ضرورت اندازہ
افتادہ بخیال آنکہ صوم ذریعہ تراویح است چنانکہ گفتہ شد و ہم بوجہ اشتراکش با صوم در
منفعت معلومہ و تاکدِ صوم، تاکدش لازم آمد۔ آرے بوجہ چشم پوشی خداوندی کہ بتصریح
بسوئے او نخواندہ اند۔ میدانیم کہ از فرضیت پایہ فروتر باشد لاجرم سنت موکدہ خواہد بود
چنانچہ اہتمام جماعت کہ از خلیفہ راشد دریافتہ، برین امر خود گواہ است چہ سنت خلفاء

[1] اخرج ابن ماجۃ بروایۃ عن عبدالرحمٰن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر شہر رمضان فقال شہر کتب اللہ لکم
صیامہ وسننت لکم قیامہ الخ ۱۲ منہ

راشدین سنت نبوی است چنانچہ پیشتر گفتہ شد۔ واین طرف اہتمام جماعت از خصائص مؤکدات است۔ بلکہ سوار تراویح اگر نداعیٔ جماعت ست در فرائض است یا در عیدین و صلوٰۃ کسوف واستسقاء اگر ضرورتِ مطر شدید باشد۔ و میدانی کہ صلوٰۃ عیدین خود از واجبات است وصلوٰۃ کسوف بدلالت جملہ فافزعوا الی الصلوٰۃ کہ در بعضے روایات صلوٰۃ کسوف مندرجۂ بخاری است و برکمالِ تاکّد دلالت دارد از مؤکدات۔ باقی ماند صلوٰۃ استسقاء اگر قوتِ تدبّر باشد ہویدا می شد کہ درصورت مرقومۂ بالا نماز مؤکّد می شود۔ وجہش چنانکہ واضح ست این ست کہ امساک نیز ہمچو کسوف منجملہ تخویفات خداوندیست کہ رجوع الی اللہ را می خواہد وخشوع وخضوع قلبی را می طلبد۔ وعمدہ مظاہر خشوع وخضوع ہمین نماز ست۔ چنانچہ درجملہ مواقع خضوع نمازے مقرر فرمودہ اند۔ وچون نہ فرمایند کہ کار خاشعان ہمین است چنانچہ می فرمایند وانّہا لکبیرۃ الا علی الخاشعین الذین یظنّون انّہم ملاقو ربّہم وانّہم الیہ راجعون۔

لیکن ابھی میں نے کہا تھا کہ ہر کام کے لئے ایک معیار ہونا چاہیئے تو اس سنت کے نفاذ کے لئے بھی اندازہ کی ضرورت واقع ہوئی۔ تو اُس خیال سے کہ صوم ذریعہ ہے تراویح کا جیساکہ بیان ہو چکا ہے اور نیز منفعت معلومہ میں روزے کے اُس کے اشتراک کی وجہ اور صوم کے مؤکد ہونے سے اُس کا مؤکّد ہونا لازم آگیا۔ ہاں چشم پوشیٔ خداوندی کی وجہ کہ اس نے تصریح کے ساتھ اس کی طرف دعوت نہیں کی۔ ہم جانتے ہیں کہ اس کا درجہ فرضیت سے زیادہ نیچے ہوگا تو ضروری ہے کہ وہ سنت موکدہ ہوگی۔ چنانچہ اس کے لئے جماعت کا اہتمام جو ایک خلیفۂ راشد (حضرت عمرؓ) سے آپ کو ثابت ہوا ہے اس امر پر خود گواہ ہے۔ کیونکہ خلفاء راشدین کی سنت سنتِ نبوی ہوتی ہے۔ جیساکہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور اہتمام جماعت کا اہتمام مؤکدات کے خصائص میں سے ہے بلکہ تداعی جماعت (یعنی جماعت کے لئے ایک دوسرے کو بلانا) سوائے تراویح کے اگر ہے تو فرائض میں ہے یا عیدین میں

تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے کی دلیل

تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے پر حضرت عمرؓ کے اہتمام جماعت سے استشہاد۔

صلوٰۃ کسوف اور صلوٰۃ استسقاء میں اگر بارش کی شدید ضرورت ہو۔ اور یہ تم جانتے ہو کہ صلوٰۃ عیدین خود واجبات میں سے ہے اور صلوٰۃ کسوف بدلالت جملہ فافزعوا الی الصلوٰۃ کہ صلوٰۃ کسوف کے بارے میں بعض روایات مندرجۂ بخاری میں ہے اور کمال تاکید پر دلالت کرتا مؤکدات میں سے باقی رہی صلوٰۃ استسقاء۔ سو اگر قوتِ تدبّر ہو تو واضح ہو جائے گا مذکورہ بالا صورتوں میں جو نماز موکّد ہو جاتی ہے اُس کی وجہ جو کہ واضح ہے یہ ہے کہ (بارش کا) امساک بھی گرہن کی طرح تخویفات خداوندی میں سے ہے کہ رجوع الی اللہ کا طالب ہے اور خشوع وخضوع قلبی چاہتا ہے۔ اور خشوع وخضوع کا بہترین مظہر نماز چنانچہ تمام خشوع وخضوع کے مواقع میں ایک نماز مقرر فرمائی گئی ہے اور کیسے نہ فرماتے خاشعین کا کام ہی یہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

انّہا لکبیرۃ الا علی الخٰشعین الذین یظنّون انّہم مّلٰقوا ربّہم و انّہم الیہ راجعون ○	اور بیشک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہو اُن پر کچھ دشوار نہیں وہ (خاشعین) وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ بیشک اپنے رب کی طرف جانے والے ہیں۔

وازینجا بجنہ سنتِ موکدہ رسیدہ باشی اعنی از تساویٔ ثواب صوم رمضان کہ فرض ست وثواب قیام لیالی رمضان کہ فرض نیست۔ و باز تاکید فرمودن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ منجملہ وعدۂ این ثواب است۔ وارشاد سنت لکم کہ درین باب فرمودہ اند فہمیدہ باشی کہ حقیقت سنتِ مؤکدہ در اصل حسن با فرائض بیک پلہ می سنجد اما صدورِ امر خداوندی یکے را فرض گردانیدہ و دیگرے ہمچنان بر اصل خود ماندہ و بدرجۂ فرضیت نرسید۔ و این سخن ہر چند اول از خامۂ این ہیچمدان بر آمدہ باشد مگر ہر کہ عقلی بودن حسن و قبح و شرعیتِ وجوب و حرمت را شناختہ، واین طرف پختہ کاریٔ حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ

ف اس نماز کے مؤکدہ ہونے کے لئے یہ دلیل بھی ہے کہ اس کے لئے تداعی جماعت بھی ثابت ہے عن عائشۃ قالت ان الشمس خسفت علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبعث منادیًا الصلوٰۃ جامعۃ الحدیث۔ مشکوٰۃ ۱۲ مترجم

وسلم را دریافتہ، بے تامّل و تردد بشہادت دعوائے این ہیچمدان خواہد خاست

اور یہاں سے آپ سنت مؤکدہ کی حقیقت پر بھی پہنچ گئے ہوں گے میری مراد مساوات ثواب روزۂ رمضان سے ہے جو فرض ہے اُس ثواب کے ساتھ جو رمضان کی راتوں میں قیام نماز کے ثواب پر مرتب ہے جو کہ فرض نہیں ہے (کہ دونوں کا ثواب حدیث مذکورۂ بالا میں غفر لہ ما تقدم من ذنبہ یعنی یکساں فرمایا گیا ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تاکید فرمانا جو کہ اس ثواب کے اظہار سے مفہوم ہوتی ہے اور ارشاد سننت لکم سے جو اس باب میں آپ نے فرمایا ہے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ سنتِ مؤکدہ کی حقیقت اصل حسن میں فرائض کے ساتھ ایک ہی پلّے میں تُل رہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ امر خداوندی کے صدور نے ایک کو فرض بنا دیا اور دوسری اسی طرح اپنی اصل پر باقی رہی اور فرضیت کے درجہ پر نہ پہنچی اور یہ بات ہر چند کہ اول اس ہیچمدان کے قلم سے نکل چکی ہوگی (مگر اب مفصل سمجھانا مقصود ہے) مگر جس نے "حسن" و "قبح" اور "وجوب" و "حرمت" کا عقلی ہونا پہچان لیا اور اس طرف حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پختہ کاری کو پا لیا بغیر تامّل اور تردّد کے اس ہیچمدان کے دعوے کی شہادت کیلئے اُٹھ کھڑا ہوگا۔

مگر ندانی کہ خداوند کریم در شان آن قدوۂ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم چہ می فرمایند جائے بہ ثناء هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم ایته ویزکیهم ویعلمهم الکتب والحکمة ستودہ، و جائے تعریف آن سرور مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ و علی آلہ واصحابہ اجمعین باین طور کہ الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التورٰیة والانجیل یامرهم بالمعروف وینههم عن المنکر الخ فرمودہ پس ہیچ این صورت بخیال می آید کہ این چنین معدن علم و حکمت اہتمام کارے کند کہ نہ شائستہ این چنین اہتمام باشد و این چنین پیشوا دین ارشاد راہے بتاکید فرماید کہ سالکش ہمچنان ناکام بماند؟ می باید و بالضرور می باید کہ ہر چہ آن معلم الحکمت

حدیث مذکورہ بالا سے سنت مؤکدہ کی حقیقت کی طرف کہ فرض اور سنت مؤکدہ باعتبار حسن ذاتی ایک نوع میں ہیں اشارہ ملتا ہے۔

مؤکد فرماید درخور تاکید بود و ہر چہ ازان باہتمام باز دارد لائق احتراز باشد۔ ہاں اگر عقلیت حسن و قبح اعنی عقلی بودن آن نزد اہل عقل مسلم نبودے ممکن بود کہ کیف ما اتفق ارشاد فرمودہ اند بہر چہ پیش آمد راہ نمودہ اند۔

کیا تم جانتے نہیں کہ خداوند کریم اُن سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کیا فرماتے ہیں ایک جگہ آپ کی ثنا میں فرمایا۔

هو الذی بَعَثَ فِی الاُمِّیّٖنَ رسولاً منهم یتلوا علیهم ایٰته ویُزکّیهم ویعلمهم الکتٰبَ والحکمة

وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور اُن کو (عقائد باطلہ و اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتیں) سکھلاتے ہیں۔

اور ایک موقع پر سرور مرسلین صلوات اللہ و سلامہٗ علیہ و علی آلہ وصحبہ اجمعین کی تعریف اس طور پر فرمائی :۔

الذین یتّبعون الرّسول النّبیّ الاُمّیّ الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التورٰیة والانجیل یامُرُهُم بالمعروف وینهٰهم عن المنکر الخ

جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صفت یہ بھی ہے کہ) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ آخر تک

تو کیا کوئی ایسی صورت خیال میں آسکتی ہے کہ ایسا معدن علم و حکمت کسی ایسے کام کا اہتمام کرے جو اس درجہ اہتمام کے شایان نہ ہو۔ اور اس مقام کا پیشوائے دین ایسی راہ پر چلنے کا ارشاد تاکید کے ساتھ فرمائے کہ اُس راہ پر چلنے والا ناکام رہ جائے۔ یہ بات ضروری ہے اور ضرور ہی ایسا ہونا چاہیے کہ وہ معلّمِ دانش جس امر کی تاکید فرمائیں وہ تاکید ہی کے قابل ہو۔ اور جس چیز سے اہتمام کے ساتھ روکیں وہ پرہیز ہی کے قابل ہو۔ ہاں اگر حسن و قبح کی عقلیت یعنی ان کا عقلی ہونا اہل عقل کے نزدیک مسلّم نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ (یہ خیال ہوتا کہ) اتفاقیہ طور پر ایسا ارشاد فرما دیا ہے اور جو کچھ (اتفاقاً) سامنے آگیا اس پر رہبری فرما دی ہے۔

مگر ہر کہ درین دو آیہ مسطورہ بدیدۂ معنی بین دیدہ، دانستہ باشد کہ وصف حکمت از تعلیم مقدم ست وصفت معروفیت وغیرہ از امر و نہی سابق وہمین است مراد کسانے کہ بعقلی بودن حُسن و قبح راہ نمودہ اند و بشرعیت وجوب و حرمت ارشاد فرمودہ اند اعنی حسن و قبح حقائق افعال کہ از لوازم اوصاف معلومہ از حکمت معروفیت و منکریت است از نزول شرائع سابق است و وجوب و حرمت آن حقائق بذمۂ مکلفان کہ از آثار ایجاب و تحریم است بامر و نہی لاحق و ہمچنین آیہ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا نیز بگوش اہل ہوش می دمد کہ افعال اوشان ہرچند بوجہ قبح آن از پیشتر سرمایہ تعذیب اوشان بود اما چون تعذیب بمقتضائے کرم وابستہ بایجاب و تحریم ست کہ بے ارسال رسل و امر و نہی شان صورت نہ بندد از جرائم و فساد ایشان درگذر لازم افتاد و درین قدر ہمہ اہل حق متفق اند۔

مگر جس نے ان مذکورہ بالا دونوں آیتوں کو دیدۂ حقیقت بین سے دیکھا ہوگا تو سمجھ لیا ہوگا کہ وصف "حکمت"، تعلیم سے مقدم ہے اور صفت "معروفیت" وغیرہ امر و نہی سے پہلے ہے (مطلب ہے کہ جس چیز کی تعلیم دی جائے اور جس نیکی کے کرنے اور بدی سے بچنے کا امر کیا جائے اُس کا مفہوم تعلیم اور امر و نہی سے پہلے موجود ہونا ضروری ہے تعلیم اور امر و نہی کا مرتبہ مؤخر ہوتا ہے) اور اُن لوگوں کی یہی مراد ہے جنہوں نے حسن و قبح کے عقلی ہونے پر راہ نمائی کی ہے اور وجوب و حرمت کی شرعیت کو (اس بناء پر) ارشاد فرمایا ہے۔ یعنی حقائق افعال کے حسن و قبح جو کہ اُن اوصاف کے لوازم میں سے ہیں جو معروفیت اور منکریت کی حکمت سے وابستہ ہیں وہ احکام شرعیہ کے نزول سے پہلے درجہ میں ہیں اور مکلّفین کے ذمّہ اُن حقائق کا "وجوب" اور "حرمت" جو کہ ایجاب اور تحریم کے آثار میں سے ہے امر اور نہی سے لاحق ہوئے ہیں اور اسی طرح آیت وما کنا معذبین حتّٰی نبعث رسولا (اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے) اہل ہوش کے گوش گزار کر رہی ہے کہ اُن کے افعال اگرچہ اُن کی اپنی قباحت کی بنا پر پہلے ہی سے اُن کی تعذیب کا سرمایہ تھے مگر چونکہ تعذیب بمقتضائے کرم ایجاب و تحریم سے وابستہ ہے۔

بغیر پیغمبروں کے بھیجنے کے اُن کے امر و نہی کی صورت نہیں بنتی تو اُن لوگوں کے جرائم اور فساد سے درگزر ضروری ہوا۔ اور اس قدر پر تمام اہل حق متفق ہیں۔

و آنکہ مخالفت امام ابوالحسن اشعری شنیدہ باشی ہرچند در بادی النظر نزاع حقیقی می نماید اما ہر کہ میداند می داند کہ مراد شان از حُسن و قبح موجب ثواب و عقاب ست مثلاً و این خود ظاہر است کہ مفاد طاعت و معصیت ست کہ باجماع اہل حق شرعی است و چون این قدر فہمیدی کہ بہر اہتمام و تاکید آن سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اول لیاقت آن کار این چنین اہتمام و تاکید را ضرور است این خود فہمیدہ باشی کہ تاکیدیکہ در سنن مؤکدہ می باشد بے آنکہ در اصل حُسن ہم سنگ فرائض باشد درست نمی آید در است نمی نشنید این عتاب را کہ بہ ترک سنن مؤکدہ بشنیدہ باچیزیکہ نہ این چنین باشد اگر سروکار بود این خطاب لطف آمیز یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر چہ کار خواہد آمد۔

اور وہ جو مخالفت امام ابوالحسن اشعری کی آپ نے سنی ہوگی۔ ہرچند کہ بادی النظر میں نزاع حقیقی معلوم ہوتا ہے۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ اُن کی مراد حُسن و قبح سے "موجب ثواب" و "موجب عقاب" ہے مثلاً اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ (ثواب و عقاب) مفاد طاعت و معصیت کا ہے جس کے شرعی ہونے پر اہل حق کا اجماع ہے۔

جب تم اتنی بات سمجھ گئے کہ آن سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اہتمام و تاکید کے لئے پہلے یہ ضروری ہے کہ اُس کام میں اہتمام و تاکید کی لیاقت موجود ہو (جس کا اہتمام اور تاکید آپ نے فرمائی) اب یہ تم خود سمجھ جاؤ گے کہ جو تاکید سنن مؤکدہ میں ہوتی ہے بغیر اس کے کہ وہ اصل حسن میں فرائض کے ہم مرتبہ ہوں درست نہیں ہوتی اور ٹھیک نہیں بیٹھتی۔ یہ عتاب جو آپ نے سنت مؤکدہ کے ترک پر سنا ہے اگر کسی ایسی چیز سے متعلق ہے جو اس درجہ کی نہیں ہے تو یہ خطاب لطف آمیز یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے تنگی کا ارادہ نہیں کرتا) کس کام میں آئے گا۔

بلکہ این وقت تصحیح معنی ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ دشوار خواہد افتاد چہ امکان ظلم بمعنی التصرف فی ملک الغیر از جناب باری تعالیٰ خود ممتنع ورنہ لازم آید کہ مالک دیگر ہم باشد کہ در صفت مالکیت شریک او تعالیٰ بود خواہ مملوک او مشترک بود یا منفصل و این خود بدیہی البطلان ست، توحید حقیقی بے انتفاء مالکان دیگر صورت نہ بندد و نیز ترانۂ لمن الملک الیوم کہ لاجرم روزے شنید نیست چسان زیبا بودے بلکہ چگونہ ممکن الوقوع باشد اگر مالک دیگر مالک حقیقی است این صفت مالکیتش زائل نتوان شد بہ نسبت دنیا باشد یا آخرت۔ و اگر مالکے دیگر مالک حقیقی نیست بلکہ مالک مجازی است، آن ملک او خود راجع بسوئے خدا باشد و الی اللہ ترجع الامور و ظاہر است کہ امر ممتنع الوجود را بہ صیغۂ مضارع کہ لاجرم مشعر از تجدد است واقفانِ فنِ فصاحت و بلاغت ادا کردہ زیر نفی نمی کشند تا بہ آنحضرت تعالیٰ وتقدس چہ رسد۔

بلکہ اس وقت تو اس ارشاد کے معنی کی تصحیح کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ (اللہ تعالیٰ ذرہ برابر ظلم نہیں فرماتے) دشوار ہو جائے گی۔ کیونکہ جناب باری تعالیٰ سے ظلم بمعنی تصرف در ملکِ غیر کا تو امکان ہی نہیں یہ خود ہی ممتنع ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ کوئی اور ایسا مالک بھی موجود ہو جو صفتِ مالکیت میں باری تعالیٰ شانہ کا شریک ہو۔ خواہ مملوک اُس کا مشترک ہو (یعنی ایک ہی مملوک خدا کا بھی ہو اور کسی اور کا مملوک بھی ہو) یا منفصل (کہ کسی مملوک کا مالک خدا ہو اور کسی مملوک کا کوئی دوسرا مالک ہو) اور یہ بدیہی البطلان ہے۔ توحید حقیقی کی، بغیر دوسرے مالکوں کی نفی کے کوئی صورت نہیں۔ اور نیز ترانہ لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ جو کہ لازمی طور پر ایک دن سننا ہی ہوگا (اگر سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی اور بھی مالک ہو) تو کیونکر زیبا ہو سکے گا۔ بلکہ ممکن الوقوع کیسے ہوگا۔ اگر وہ دوسرا مالک بھی مالک حقیقی ہے تو اُس کی یہ صفت مالکیت زائل نہیں ہو سکتی۔ بہ نسبت دنیا کے ہو یا بہ نسبت آخرت کے۔ اور اگر کوئی دوسرا مالک (ہے مگر) مالک حقیقی نہیں ہے بلکہ مالک مجازی ہے تو وہ اس کی ملک خود خدا ہی کی طرف راجع ہو گی۔ والی اللہ ترجع الامور

آیت ان اللہ لا یظلم (الخ) میں ظلم بمعنی تصرف در ملک غیر ممتنع ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ایسے امر کو جس کا وجود ممتنع ہو صیغۂ مضارع کے ساتھ جو کہ لازمی طور پر تجدّد فعل پر دلالت کیا کرتا ہے۔ واقفان فن فصاحت و بلاغت ادا کر کے زیر نفی نہیں لایا کرتے حضرت باری تعالیٰ وتقدس کی شان تو نہایت ہی بالا و برتر ہے کہ وہ استعمال کریں۔

و وجہش ہمین است کہ این چنین نفی اگر دلالت دارد بر عدم وقوع فعل دلالت دارد بر امتناع وقوع دلالت ندارد، بلکہ باعتبار مفہوم مخالف امکان بر آن دلالت میکند۔ البتہ ظلم را اگر بمعنی فعل نامناسب اعنی معاملۂ مخالفِ استحقاق قابلیت گیرند از و تعالیٰ باعتبار قدرت و بے نیازیش ممکن۔ گو نظر بحکمتش این ہم محال باشد۔ اندرین صورت از مفاد آیت مسطورہ اطمینانِ قلوب مطیع و عاصی مدنظر است تا مطیع را اندیشۂ بے نیازی از فوز و فلاح ناامید نگرداند و عاصی را احتمالِ مزیدِ عقاب برعکس امید عفو، مایوس نہ نشاند۔

اور وجہ اُس کی یہی ہے کہ ایسی نفی اگر دلالت کرتی ہے تو فعل کے عدم وقوع پر ہی دلالت کرتی ہے۔ وقوع کے ممتنع ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ بلکہ باعتبار مفہوم مخالف اُس کے امکان پر دلالت کرتی ہے۔ البتہ ظلم کو اگر بمعنی فعل نامناسب یعنی ایسا معاملہ جو قابلیت کے استحقاق کے خلاف ہو لیں تو اُس تعالیٰ شانہ سے اُس کی قدرت اور بے نیازی کے اعتبار سے ممکن ہے اگرچہ اُس کی حکمت کے پیش نظر یہ بھی محال ہو گا۔ اس صورت میں آیت مذکورہ کے مفاد سے مطیع اور گنہگاروں کے دلوں کے لئے اطمینان مدنظر ہے۔ تاکہ مطیع کو اُس کی شان بے نیازی کا اندیشہ کامیابی اور فلاح سے ناامید نہ کر دے اور گنہگار کو (قدر گناہ سے) مزید عذاب کا احتمال امید معافی کے برعکس مایوس نہ کر ڈالے۔

پس اگر حقائق سنن مؤکدہ قطع نظر از ایجاب و امر شریک نوع فرائض در حسن و منافع مقصودہ نباشند باز کدام وجہ یا سببے از اسباب است کہ موجب عتاب گردیدہ ایں امر خود مسلم است کہ نیست بجز آنکہ سنن مؤکدہ در حسن و منافع مساہم فرائض باشند و این طرف اقتضائے علم نظری را کہ آیت فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا بر آن خبر گواہ است و معرفت طبعی را

صیغۂ امر ممتنع کو زیر نفی نہیں لایا کرتے۔

آیت مذکورہ کا مفہوم اور مفاد

که عارف معروف بودن دینیات ازان آگاه است ومحبت ذاتی راکه حدیث اذا سرّتك حسنتك وساءتك سیئتك فانت مؤمن رمزے ازآن است وعلم خدادادراکه استفت قلبك ولو افتاك المفتون تصدیق این بیان است دربارهٔ علم وعمل کافی شناسند دیگرچه گفته آید۔

تواگرسنن مؤکدہ کے حقائق، ایجاب وامر سے قطع نظر، حسن اورمنافع مقصودہ میں نوع فرائض کے شریک نہ ہوں۔ پھر کون سی وجہ یا اسباب میں سے کونسا سبب ہے کہ (ان سنن کا ترک اس کی بناء پر) موجب عتاب بن جائے۔ یہ امرخود مسلم ہے کہ (کوئی وجہ) نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ سنن مؤکدہ حُسن اورمنافع میں فرائض کے ساتھ حصہ دار ہوں اور ادھر علم فطری کے اقتضاء کو (دربارۂ علم وعمل کافی سمجھیں)، جس کی آیتِ (مندرجہ ذیل) خبراور گواہی دیتی ہے۔

فطرۃ الله التی فطر النّاس علیها	الله کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر الله تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

اور (نیز) معرفت طبعی کو کہ دینیات کے معروف (یعنی اعمال خیر) ہونے کا شناخت کرنے والا اُس سے آگاہ ہے اور (نیز) محبت ذاتی کو کہ حدیثِ (مندرج ذیل) اس کی طرف اشارہ کرتی ہے (کافی سمجھیں)

اذا سرّتك حسنتك وسآءتك سیّئتك فانت مؤمنٌ	جب تجھ کو نیک کام کرنا اچھا محسوس ہو اور برا کام کرنا برا معلوم ہو تو تو مؤمن ہوگیا۔

اور (نیز) علم خداداد کو کہ اِستَفتِ قَلبَكَ وَلَو اَفتاكَ المفتُونَ (اپنے دل سے فتویٰ لے خواہ مفتی تجھے (کچھ ہی) فتویٰ دیں)، اُس کے بیان کی تصدیق ہے۔ علم وعمل کے بارے میں کافی سمجھیں اور کیا کہا جائے۔

علم فطری کا اقتضاء ہے کہ معروف پر عمل نہ کرنے اور منکر سے نہ بچنے پر مواخذہ ہو۔ معرفت طبعی اور محبت ذاتی بھی اسی کی مقتضی ہیں۔

وچون این قدر علم واطلاع بشرطیکه فساد طبعی عارض نشده باشد دربارهٔ مواخذه بشرط انصاف قدر کافی بود درحق انبیاء علیهم السلام خصوصاً سرور انبیاء صلی الله علیه وسلم کا زغشاوهٔ

طبیعت بشری نور باطن وقلوب شان همچو شمع که ازپس پردهٔ فانوس هم درتنویر اشیاء مبصره تقصیر نمی کند کاشف اسرار وحقیقت هرکار بود این قدر علم وآگاهی موجب مؤاخذه شد گو بوجه دیگر جان نثار بهائے شان که از سر اخلاص سرزده بارسال پروانهٔ انا فتحنالك فتحاً مبینا لیغفر لك الله ماتقدّم من ذنبك وماتأخّر که ازدرگذر کلی خبری دهد هرگونه مطمئن فرموده باشند۔

جب اطلاع کی اتنی مقدار مواخذہ کے باب میں بشرط انصاف قدر کافی تھی۔ بشرطیکہ فساد طبعی عارض نہ ہو جائے اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں (فساد طبعی کا واہمہ بھی نہیں ہوسکتا) خصوصاً سرور انبیاء صلی الله علیہ وسلم (کے حق میں)، کہ طبیعت بشری کا حجاب اُن کے نور باطن ونور قلب میں فانوس کے حجاب کی طرح کہ ضیاء شمع کے لئے اشیاء کو منور کرنے میں رکاوٹ نہیں بنتا (وہ حجاب بشری بھی روک نہیں ہوتا) وہ نورِ باطن کاشف اسرار اور کاشف حقیقت جملہ افعال ہوتا ہے۔ اس قدر علم وآگاہی موجب مؤاخذہ (بدرجۂ امکان) بن جاتی ہے۔ گو ایک دوسری وجہ سے "میری جان اُن کی آبرو پر قربان" جس کا ظہور (آنحضرت ﷺ کے بے پایاں) اخلاص کی بناء پر ہوا اس پروانہ کے ارسال سے۔

انا فتحنالك فتحاً مبینا لیغفر لك الله ماتقدَّمَ من ذنبك وماتأخَّرَ	بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تا کہ الله تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے۔

جو کہ کلّیۃً درگذر کی خبر دیتا ہے (اس مؤاخذہ سے) مکمل طور پر مطمئن فرمادیا گیا۔[۵]

[۵] حضرت مصنف قدس سرہ نے سنت کی کُنہ اور حقیقت پر مدلل بحث فرماتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ عام مکلفین کے ذمہ وجوب وحرمت جو ایجاب وتحریم کے آثار میں سے ہیں امر ونہی سے لاحق ہوئے۔ اور وہ حقائق جو مامور یا منہی عنہ ہیں اُن کا حسن وقبح عقلی ہے اور اُن کے معروف اور منکر ہونے کا ہر ایک کو فطری علم ہے اور علم فطری کا اقتضاء ہے کہ معروف پر عمل نہ کرنے اور منکر سے نہ بچنے پر مواخذہ ہو۔ لیکن طبیعت بشریہ کا کثیف حجاب چونکہ بصیرت کو معطل کر دیتا ہے اس لئے الله تعالیٰ نے بواسطۂ انبیاء علیہم السلام اوامر ونواہی کی تفصیل کو امتوں کے سامنے مصرح کرکے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے احکامات نازل فرمائے اور باقتضاء رحمت مؤاخذہ کو اس پر موقوف کر دیا۔ صرف علم فطری کے اقتضاء کو مواخذہ کا سبب نہیں بنایا لیکن انبیاء علیہم السلام (باقی اگلے صفحہ پر)

آرے ہمچو ما گرفتاران ہوس وہوا راکہ حُرمت دنیا تعبیر از انست ومحبوسان قفس خطا راکہ تن
ناپاک تعبیر آنست باین وجہ کہ غشاوت طبیعت بشری کہ برعکس انبیاء پر تو افتادہ نور ضعیف
باطن ما را پس ازان کہ ہر دم بدم باد لرزان ست وہر لحظہ مردن آن آنچنان پوشیدہ کہ مثل

(پچھلے صفحے سے)، بالخصوص سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مذکورہ بالا فساد طبعی کا واہمہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اُن کا نور باطن ایک روشن شمع کی طرح ہر حسن و قبح کی حقیقت پر روشنی ڈالتا رہتا ہے جس سے ان کی بصیرت کبھی معطل نہیں ہوتی۔ اس کا عقلی نتیجہ یہ ہے کہ وہ علم فطری کا اقتضاء اُن کے حق میں بخلاف عامۃ الناس مواخذہ کا موجب بنیگا اور معروف پر کمال عمل میں خفیف ترین تقاعُد اور منکر سے کمال اجتناب میں خفیف ترین مسامحت بمرتبہ ثبوت ہی اُن کے حق میں "ذنب" بن کر قابل مواخذہ ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اُن کی معروفیت ومنکریت نزول وحی سے مصرّح نہ ہوئی ہو۔ یہ ذنب کے ثبوت عقلی کا مرتبہ ہے اور سمجھ لینا چاہئے کہ وجود کے ثبوت عقلی اور تحقق وجود میں فرق ہے۔ انبیاء علیہم السّلام بالخصوص سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی منکر کا صدور نہیں ہو سکتا جس سے ذنب کا وجود متحقق ہو جائے۔ ثبوت اور وجود کے فرق کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس طرح واضح فرماتے ہیں:۔

اعلم ان الثبوت قبل الوجود فکم من معدوم ھو ثابت متعین مخصوص باحکامہ وآثارہ فان الحاسب اذا تعقل مراتب الاعداد فانہ یمشی فی ذلک علی قانون طبعیۃ ثابتۃ فی نفسہا یعلم ذلک بدیھۃ فلو اراد ان یجعل الزوج فردًا والفرد زوجًا لم یکن لہ ذلک ولو اراد ان یقدم شیئًا من مرتبتہ او یؤخر لم یستطع وھذا ھو الثبوت الذی تقول انہ قبل الوجود۔

سمجھ لو ثبوت کا مرتبہ وجود سے پہلے ہے۔ کتنے ہی ایسے معدوم ہیں جو ثابت ہیں، متعین ہیں، اپنے احکام و آثار کے ساتھ مخصوص ہیں۔ (اس مثال سے سمجھو) کہ ایک محاسب جب مراتب اعداد کا دھیان کرتا ہے تو وہ اس بارے میں ایک ایسے قانون طبعیہ پر چلتا ہے جو فی نفسہا ثابت ہے جس کو وہ بدیہی طور پر جانتا ہے تو اگر وہ بالفرض یہ ارادہ بھی کرے کہ زوج کو فرد اور فرد کو زوج بنادے تو ایسا نہ کر سکے گا اور اگر یہ چاہے کہ کسی (عدد) کو اُس کے مرتبہ سے مقدم کردے، اور کسی کو مؤخر کردے تو یہ اُس کے اختیار سے باہر ہے۔ اور یہی وہ ثبوت ہے جس کو ہم کہتے ہیں کہ وجود سے مقدم ہے۔ الخ (مکتوب مدنی)

"یہ ثبوت" اس معنی میں نہیں ہے جو عام طور پر کسی دعوے کی دلیل کے حق میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی پر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ کی ہے۔ الحاصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذنب کا وجود متحقق نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تحقق عصمت کے خلاف ہے اور عصمت نبوت کے لوازم میں سے ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو تمام نظام شریعت برہم ہو جائے۔ کیونکہ نبی کے تمام اقوال وافعال حجت ہوتے ہیں۔ اس کو دنیا کے سامنے بطور نمونہ عمل پیش کیا جاتا ہے۔ لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ تاکہ امت اس کا اتباع کرے۔ اس لئے انبیاء میں سے مادہ معصیت ہی خارج کر دیا جاتا ہے جو پیدائشی طور پر ہر انسان میں موجود ہوتا ہے یعنی حظ شیطان۔ نیز چونکہ تمام ذنوب معاصی کا (باقی آگے)

نابینایان کہ آفتاب نیمروز ہم پیش ایشان ہمرنگ تا بہ سیاہ است تمیز حق از باطل دشوار نے بلکہ ممتنع گردیدہ اطلاع بر حقائق افعال وتمیز مراتب حسن بے آگاہی تازہ اعلام دیگر متصور نبود وخود فرمودہ اند کہ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً وبوض از ارسال رسل تفصیل حق وباطل وعلم خیر از شری باشد۔ پس تا وقتیکہ انبیاء علیہم السّلام شمع ہدایت را نیفروزندو "یعلمھم الکتاب اشارہ بدانست" وبتوجہ ہمہ کہ آتش انگیز محبت است غشاوۂ طبائع ما را نسوزندو "یزکیھم عبارت ازان" رہروی این راہ ما عوام دل سیاہ را دشوار است۔ لہٰذا دست مواخذہ بطور عقاب باشد یا عتاب باآنکہ حسب ایماء وما کنا معذبین الخ گویا قریب بود کہ بما آویزد، از سر ما کشیدند وما گنہگاران را لائق درگذر دیدند۔

ہاں ہم جیسے گرفتاران ہوا وہوس کے لئے (جس کی ایک تعبیر حب دنیا ہے اور محبوسان

(سلسلہ صفحہ گذشتہ) مدار غفلت عن اللہ اور عدم حضور پر ہے اور نبی کا حضور دائمی ہوتا ہے اس پر دوسرے انسانوں کی طرح کسی حال میں غفلت طاری نہیں ہوتی اس لئے صدور معصیت بھی ان کے حق میں عادۃً محال ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس محل پر مغفرت کے ورود کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جو ذنوب مورد مغفرت ہیں وہ ایسے ہی ذنوب ہیں جو مرتبہ ثبوت عقلی میں ثابت ہو کر آپ کو محل مؤاخذہ میں لا سکتے تھے اور یہ منافی عصمت نہیں تھے۔ عصمت کا تقاضا یہ ہے کہ کسی ذنب کا تحقق نہ ہو سکے اور مرتبہ ثبوت سرحد وجود سے بہت دور ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس پر رحمت وفضل بے پایاں کا نزول ہوا اور "اتمام نعمت" و "تکمیل ہدایت" کے ساتھ آپ کو اُن ذنوب کی مغفرت کی بشارت دیکر آپ کے قلب مبارک کو مواخذے کے اس نوع کے خرخشے سے اطمینان کلی مرحمت فرما کر بڑی قوت اور "مدد" عطا فرما دی گئی۔ اور مواخذہ کے امکان کو جڑ اور بنیاد سے ہی اکھاڑ کر پھینک دیا گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مصنف قدس سرہٗ "گو بوجہ دیگر جان نثار بہائے شان الخ" سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ محبوبیت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے آیت مذکورہ بالا میں مورد مغفرت اُس ذنب کو قرار دیتے ہیں جو ثبوت عقلی کے درجہ میں ہوگا۔ اس تقریر سے جو ایک دلالت خفیہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان کے متعلق اس آیت میں پنہاں تھی اُس کا اظہار بھی ہو گیا اور آیت میں مغفرت کا محل متعین ہو کر اُس اشکال کا جواب واضح ہو گیا۔ جو ما تقدم من ذنبك الآیہ کے ظاہر معنی سے مسئلہ عصمت پر واقع ہوتا ہے کہ عصمت نبویہ معرض خطر میں اُس وقت آتی جبکہ ذنب کا صدور اور تحقق واقع ہوا اور پھر اس پر مغفرت وارد ہوء ۱۲ مترجم عفا اللہ عنہ

قفس خطا یعنی اس تن ناپاک کے قیدیوں کے لئے اس وجہ سے کہ طبیعت بشری کے حجاب نے انبیاء کے برعکس اپنا سایہ ڈال کر ہمارے باطن کے کمزور نور کو (چراغ کی اس لو کی طرح جو) ذرا سی ہوا لگنے سے کانپتی رہتی ہے اور ہر لحظہ اس کے بجھنے کا اندیشہ رہتا ہے ایسا چھپا لیا کہ اندھوں کی طرح دوپہر کا آفتاب بھی اُن کے سامنے کالے توے کے ہمرنگ ہے، حق کی تمیز باطل سے دشوار ہی نہیں بلکہ محال ہو گئی (ہمارے لئے) حقائق افعال پر اطلاع اور مراتب حسن کا تمیز بغیر از سر نو آگاہی اور دوسرے اعلام کے متصور ہی نہیں تھی۔ اور خود ہی فرما دیا ہے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاO (ہم عذاب نہیں دیا کرتے جب تک رسول نہ بھیج لیں) اور پیغمبروں کے ارسال سے غرض حق اور باطل کی تفصیل ہوتی ہے اور خیر کو شر سے (جدا کرکے) بتلا دینا ہوتی ہے۔ پس جب تک انبیاء علیہم السلام شمع ہدایت کو روشن نہ کریں جس کی طرف ویعلمہم الکتب (آیت مذکورہ بالا میں) اشارہ کیا گیا ہے اور اپنی توجہ ہمت سے جو محبت کی آگ بھڑکانیوالی ہے۔ ہماری طبائع کے (کثیف) پردوں کو نہ پھونک دیں (آیت بالا میں) ویزکیھم سے اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس راہ پر چلنا ہم دل سیاہ عوام کے لئے دشوار ہے۔ لہذا دستِ مواخذہ جو بطور عذاب کے بڑھے یا بطور عتاب کے اُس امر کے ساتھ جس کی طرف وما کنا معذبین الخ ایما کر رہا ہے گویا کہ قریب تھا کہ ہمیں آپکڑے ہمارے سر پر سے اٹھا لیا اور ہم گناہگاروں کو درگذر کے قابل سمجھ لیا۔

باقی ماند اینکہ ترتبِ عقاب کہ عتاب نیز نوعے از انست، بر ایجاب و تحریم ست نہ بر حُسن و قبح۔ تا لازم آید کہ اطلاع انبیاء علیہم السلام بہ حسن و قبح افعال مستوجب عقاب در حق شان شود و بیان شان خواہ بزبان خواہ بعمل کہ بحکم لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ملحق بآن ست باعثِ عقاب یا عتابِ دیگران شود۔ با اینہم اگر سرمایہ تعذیب و مُواخذہ نفس قبح افعال است و علم بدان شرط آن، چنانکہ ظاہر ست، لازم بود کہ

میان فرائض و سنن باعتبارِ ترتب ثواب و عقاب ہم فرقے باشد۔ و اگر موجب مواخذہ امر و نہی است و علم بدان شرط آن، ازین سخن چہ سود کہ "سنن مؤکدہ در اصل حسن با فرائض برابری میکند" چہ این وقت مصداق فرضیت امر و نہی خواہد بود نہ حُسن و قبح گو بضرورت مراعات حکمت منشأ امر و نہی ہمان حسن و قبح شدہ باشد۔ زیرا کہ فرض ہمان ست کہ بر ناکردنش اندیشۂ عقاب بود۔

(اب ایک اشکال اور اُس کے جواب کی تقریر بیان کی جائیگی۔ اشکال کا منشا یہ ہے کہ تاکید اور مؤاخذہ کے لئے حسن و قبح اصل ہیں۔ ایجاب و تحریم کا ترتب ان ہی پر ہوا ہے اور اس سلسل تقریر مذکور کے بعد پھر یہ ماحصل لازم آگیا کہ ایجاب و تحریم ہی اصل ہیں تاکید و مواخذہ کی اور منشا ہیں حسن و قبح کا۔ پہلے اشکال کی تقریر مطالعہ کیجئے۔ ۱۲ مترجم)

باقی رہا یہ کہ عذاب کا ترتب کہ عتاب بھی اُسی کی ایک قسم ہے ایجاب و تحریم پر ہے حسن و قبح پر نہیں جس کا نتیجہ یہ ہو کہ یہ لازم آجائے کہ حسن و قبح افعال پر انبیاء علیہم السلام کی اطلاع اُن کے حق میں مستوجبِ عقاب ہو جائے اور اُن کا بیان کر دینا کہ یہ امر حسن ہے اور یہ قبیح خواہ زبان سے خواہ عمل سے کہ بحکم لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ عمل بھی بیان ہی سے ملحق ہے، دوسروں کے عقاب یا عتاب کا موجب ہو جائے۔ اس کے پیش نظر اگر تعذیب و مواخذہ کا اصل سبب صرف قبح افعال ہے اور اس قباحت کا علم اُس (مواخذہ کی) شرط ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو لازم تھا کہ فرائض اور سنن میں ثواب اور عقاب کے ترتب کے اعتبار سے بھی فرق ہو۔ اور اگر موجب مواخذہ (صرف) امر و نہی ہے اور علم امر و نہی اُس (مواخذہ) کی شرط۔ تو اس بات سے کیا فائدہ حاصل ہوا کہ سنت مؤکدہ اصل حسن میں فرائض کے ہم پلہ ہیں۔ کیونکہ اب تو فرضیت کا مصداق امر و نہی ہوگا نہ حسن و قبح۔ اگرچہ مراعاتِ حکمت کی بناء پر امر و نہی کا منشأ وہی حسن و قبح ہوا ہو۔ کیونکہ فرض وہی ہے جس پر عمل نہ کرنے سے اندیشہ عذاب کا ہو۔

جواب این اندیشه می باید شنید حسن و قبح افعال بدو گونه است و علم بدان نیز بدو نوع۔

اعنی چنانکہ نوعے از حسن و قبح از لوازم ذات و مقتضیاتِ ماہیات آنہاست و نوعے عرضی کہ پس از صدور امر و نہی ازاں جانب بایں جانب عارض می شود ہمچنان علم باوامر و نواہی متعلقہ بحسن و قبح نیز بدو نوع است۔ یکے فطری و اجمالی دیگرے شرعی و تفصیلی۔ چون تفصیلِ احکام بر تفصیل این اجمال توقفے دارد اول شرح این معما می کنم

جواب۔ حسن و قبح عقلی کی دو قسمیں ہیں ذاتی و عرضی

اب اس اندیشہ کا جواب سننا چاہیئے۔ حسن و قبح افعال دو قسم پر ہے اور اُس کے علم کی بھی دو قسمیں ہیں۔ یعنی جس طرح کہ حسن و قبح کی ایک نوع وہ ہے کہ حسن و قبح ان کی ماہیات کے لوازم ذات اور مقتضیات میں سے ہو۔ اور ایک نوع عرضی ہے کہ امر و نہی کے بعد اُس جانب سے اِس جانب کو عارض ہوتی ہے۔ اسی طرح اُن اوامر و نواہی کے علم کی بھی جو حسن و قبح سے متعلق ہوں دو نوع ہیں۔ ایک فطری و اجمالی۔ دوسری شرعی و تفصیلی۔ چونکہ احکام کی تفصیل اس اجمال کی تفصیل پر موقوف ہے۔ اس لئے اول ہم اس معمے کی شرح کرتے ہیں۔

حسن و قبحے کہ از لوازمِ ذات افعال ست و بحوالۂ آیات اول اشارہ بہان رفتہ مقتضاء صورتِ نوعیہ و ہم صورت شخصیۂ آن افعال می باشد و چنانکہ صورت نوعیۂ انسانی وغیرہ و صورت شخصیہ از افراد انسانی وغیرہ لاجرم مشتمل بر قدرے از حسن و قبح می باشد زیراکہ صورت ہمین تقطیع را گویند کہ بحاصلِ اقترانِ وجود مادہ و عدمِ آن "کہ در اطراف مشہود است" تعبیر توان کرد و این خود ضرور است کہ حسن المنظر یا کریہ المنظر باشد، ہمچنین ماہیاتِ افعال و صور شخصیۂ آن را ضرور ست کہ باقترانِ وجود و عدم کہ "ممکن را ازان ناگزیر ست" ورنہ ممکن نباشد واجب بود یا ممتنع۔ کیفیتے پیدا کند کہ پس از حصول در قوتِ درّاکہ مطبوعِ طبع افتد یا مکروہ نماید۔ وازین جا چنانکہ لزومِ ذات این قسم حُسن و قبح ہویدا شد عقلی بودن آن نیز پیدا شدہ باشد۔

تشریح نوع حسن و قبح ذاتی و حسن و قبح کا عقلی ہونا ثابت ہوسکتا ہے۔

وہ حسن و قبح جو کہ افعال کے لوازم ذات میں سے ہے اور مع حوالہ آیات اُس کی جانب ہم اشارہ کر چکے ہیں اُن افعال کی صورتِ نوعیہ اور نیز صورتِ شخصیہ کا مقتضا ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ صورت نوعیۂ انسانی وغیرہ اور صورت شخصیہ افراد انسانی وغیرہ کے لئے ضروری ہے کہ حسن و قبح کی ایک خاص قدر پر مشتمل ہوں۔ کیونکہ صورت اُسی تقطیع (یعنی قطعۂ خاص) کو کہتے ہیں جسکو مادے کے وجود و عدم کے جو اُس کے اطراف میں مشہود ہوتا ہے "حاصل اقتران" سے تعبیر کر سکتے ہیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خوبصورت ہو یا بدصورت ہو۔ ایسا ہی ماہیاتِ افعال اور اُن کی صور شخصیہ کے لئے ضروری ہے کہ وجود اور عدم کے اقتران سے وہ ایک ایسی کیفیت پیدا کریں کہ وہ قوت مدرکہ میں حاصل ہونے کے بعد طبیعت کے لئے مقبول ہو یا مکروہ اور ناگوار ہو۔ اور وجود و عدم کا اقتران وجود ممکن کے لئے ضروری ہے بغیر اس کے چارہ نہیں ورنہ وہ وجود (ممکن نہ رہیگا) واجب ہوگا یا ممتنع۔ اور یہاں سے جس طرح اس قسم کے حسن و قبح کا لزوم ذاتی روشن ہوگیا اُس کا عقلی ہونا بھی واضح ہوگیا۔

مرتبۂ دوم از حسن و قبح آنکہ چون امر و نہی بہ نسبت فعلے از افعال صادر شد باین وجہ کہ اطاعتِ رب خلائق نیز از حسنات است و حسن آن لازم ذات، و آن ہم آنچنان کہ عاقلے از عقلاء در آن متأمل نتوان شد۔ وقتیکہ آن فعل بہ نیتِ طاعت ادا کردہ شد۔ لباسے دیگر از حسن در بر میکند۔ وجہش آن کہ چون مفہوم طاعت بر آن فعل عارض شد حسنیکہ لازم این مفہوم بود لازم است کہ آن فعل را عارض شود۔ مگر چون صفت عارضہ اولاً و بالذات اعنی در اصل صفت واسطہ فی العروض می باشد۔ آرے در نمائش گاہ شہادت تہمتے بنام معروض می نہند۔ لاجرم این حسن کہ لازم ذات مفہوم طاعت است در حق افعال عرضی باشد مثل حسن و قبح اول لازم ماہیت آن نبود۔ پس این حسن و قبح چنانکہ در حق مفہوم طاعت عقلی است بحسابِ ماہیاتِ افعال شرعی باشد۔ چہ این قسم حسن و قبح از تفریعات امتثال اوامر و نواہی و عدم امتثال آنست کہ بے صدور اوامر و نواہی محال و امر و نہی ابتدائی کہ عین شرع است۔

حسن و قبیح کا دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ جب افعال میں سے کسی فعل کیلئے امر و نہی کا حکم صادر
ہوجائے تو اس وجہ سے کہ پروردگار عالم کی اطاعت بھی حسنات میں سے ہے اور حسن اُس
(اطاعت) کا لازم ذات ہے اور وہ حسن بھی ایسا کہ صاحب عقل لوگوں میں سے کوئی عقل والا اس میں
متأمل نہیں ہوسکتا۔ جب بھی وہ فعل بہ نیت طاعت ادا کیا جائے گا تو وہ فعل حسن کا ایک نیا لباس
زیب تن کرلے گا اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ مفہوم طاعت اس فعل کو عارض ہوگیا تو جو حُسن
اس مفہوم کو لازم تھا ضروری ہے کہ وہ اس فعل کو عارض ہوجائے۔ مگر چونکہ صفت عارضہ ہی اول
اور بالذات یعنی بالذات، اصل صفت ہیں واسطہ فی العروض ہوتی ہے (جس طرح آئینہ اگر آفتاب
کے مقابل کچھ ترچھا رکھا جائے اور اُس آئینہ کی وہ چمک جو اس میں آفتاب سے آئی تھی کسی کی
آنکھوں پر ڈالی جائے تو یوں کہا جائیگا کہ آئینہ کی چمک نے نگاہ کو خیرہ کردیا اُس چمک کی
نسبت آئینہ کی طرف بالذات سمجھی جائیگی کہ آنکھ کے اوپر عروض کا وہی واسطہ بنا ہے اور آفتاب
کی طرف اس کی نسبت بالعرض ہوگی وہ انحالیکہ اصل اس چمک کی نورِ شمس ہی ہے مگر چونکہ واسطہ
فی العروض وہ نہیں تھا بلکہ آئینہ تھا اس لئے آئینہ ہی کے حق میں وہ صفت اول اور بالذات
مانی جاتی ہے ۱۲ مترجم) ہاں اس نمائش گاہ عالم شہادت میں معروض کے نام پر ہی تہمت
لگائی جاتی ہے (شعر) کار زلفِ تست مُشک افشانی اما عاشقاں + مصلحت را تہمتے بر آہو چین
بستہ اند ۱۲ مترجم) اس لئے ضروری ہے کہ یہ حُسن جو کہ مفہوم طاعت کا لازم ذات ہے افعال
کے حق میں عرضی ہوگا۔ پہلے حسن و قبح کی طرح اُن افعال کا لازم ماہیت نہ ہوگا۔ تو یہ حسن و قبح
جس طرح کہ مفہوم طاعت کے حق میں عقلی ہے۔ ماہیات افعال کے حساب میں شرعی ہوگا۔
کیونکہ یہ حسن و قبح تفریعات میں سے ہے اوامر و نواہی کے امتثال اور عدم امتثال کی کہ اوامر و
نواہی کے صدور کے بغیر اُن (حسن و قبح) کا وجود محال ہے۔ اور امر و نہی کو آپ جانتے ہیں
کہ عین شرع ہے۔

از ینجا دانستہ باشی کہ اختلاف فیما بین ماتریدیہ و اشعریہ اختلاف لفظی است۔ ہر یکے ازین

بزرگواران بشرح و بسط یکے ازین دو جہت پرداختہ و جہت دیگر را ہمچنان گذاشتہ۔ نہ آنکہ
بانکار قسم دوم ساختہ۔ بالجملہ حسن و قبح ثانی شرعیست و حسن و قبح اول عقلی۔ باین معنی کہ عقول عقلاً
را قبل ورودِ شرع شریف گنجائش ادراک آن ست، اگرچہ افراد معدودہ باشند کہ بکمالِ عقل
رسیدہ اند، یعنی انبیاء و کُمّلِ اولیاء۔ پس گویا اوشان درین بارہ ہمچو بینایان اند کہ بے اطلاع
کسے اشیاء مبصرہ را بشرط نور و عدم حیلولۃ چیزے ادراک می کنند۔ و ہمانا مصداق کلمۂ
اولوا الابصار ہستند کہ شنیدہ باشی یا باین معنی کہ ادراک آن حسن و قبح بدیدہ بصیرت است
اگرچہ بواسطہ نصوص شرعیہ باشد و این چنان باشد کہ سوزنے باریک یا چیزے دیگر ہمچنین
پیش نظر کسے افتادہ باشد کہ نظرش چندان تیز و صاف نباشد۔ مگر چون وجودش نحیان
است کہ خود نمایان شود و شاہد وجود خود شود و نظرش نہ چنین کہ حاجت اعلام و تنبیہ دیگران
نبود۔ اکثر ہمین است کہ باخبار بینایانِ صافی نظر ادراکِ این چنین اشیاء چنین کس را
میسر آید۔ مگر این ادراک تاہم ادراک بچشم خویشتن است نہ ہمچو استماعاتِ محضہ کہ چشم ہیچگونہ
دران دخل نبود، تقلید محض نیست کہ ہرچہ مخبران گفتند گفتند۔ غرض بطور منع خلو ہر چہ
ادراک آن عقلی است ازین دو احتمال خالی نیست۔

اور یہاں سے آپ یہ بھی جان گئے ہونگے کہ ماتریدیہ اور اشعریہ میں جو اختلاف ہے وہ اختلاف
لفظی ہے۔ ان بزرگوں میں سے ہر ایک نے ان دو جہت میں سے ایک کی شرح و بسط کی ہے، اور
دوسری جہت کو ویسے ہی چھوڑ دیا۔ یہ نہیں ہے کہ انھوں نے دوسری قسم کا انکار کردیا کہ اس صورت میں
بیشک اختلاف حقیقی ہوسکتا تھا۔)

حاصل کلام یہ ہے کہ حسن و قبح ثانی شرعی ہے اور حسن و قبح اول عقلی۔ (عقلی) باین معنی کہ
عقلاء کی عقول کے لئے شرع شریف کے وارد ہونے سے قبل اُن کے ادراک کی گنجائش ہے
اگرچہ وہ معدودے چند افراد ہوں جو کہ کمال عقل پر پہنچے ہوئے ہوں یعنی انبیاء اور اولیاء کاملین۔
پس گویا وہ اس بارے میں اُن صاحب نظر لوگوں کی طرح جو کسی کے بتائے بغیر خود ہی اشیاء مبصرہ کا

ماتریدیہ و اشعریہ کا اختلاف لفظی ہے

بشرطیکہ روشنی ہو اور کوئی چیز بیچ میں حائل نہ ہو ادراک کر لیتے ہیں اور حقیقت میں کلمہ اولوا الابصار جو آپ سنتے رہے ہیں اُس کے مصداق یہی ہیں۔ یا اس معنی سے (بھی عقلی کہہ سکتے ہیں) کہ اُس حُسن و قبح کا ادراک چشم بصیرت سے ہوتا ہے۔ اگرچہ نصوص شرعیہ کے واسطے سے ہو اور یہ ایسا ہو گا جیسے سوئی یا ایسی ہی کوئی اور چیز کسی ایسے شخص کی نظر کے سامنے پڑی ہو کہ اس کی نظر چنداں تیز اور صاف نہ ہو۔ مگر چونکہ اُس کا وجود اتنا بڑا نہیں ہے کہ خود نمایاں ہو اور اپنے وجود کا شاہد خود بن جائے اور اُس کی نگاہ ایسی نہیں ہے کہ اس کو دوسروں کے بتانے اور تنبیہ کرنے کی حاجت نہ ہو اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ صاف نظر اخبار دیکھنے والے ایسی چیزوں کو جلد پکڑ لیتے ہیں جن سے ضعیف البصر قاصر رہتے ہیں۔ مگر یہ ادراک پھر بھی ایسا ادراک ہے جو اپنی ہی آنکھ کے ذریعہ سے ہوا ہے محض سنی سنائی باتوں کی طرح نہیں کہ کسی طرح بھی اُن میں اپنی دید کا دخل نہ ہو تقلید محض نہیں ہے کہ جو کچھ بھی خبر دینے والوں نے کہنا چاہا کہہ دیا (اور مان لیا گیا)۔ غرض بطور منع خلو کے یہ بات ہے کہ ہر وہ چیز جس کا ادراک عقلی ہے وہ ان دو احتمال سے خالی نہیں ہے۔

چون انقسام حسن و قبح بدو قسم مسطور مقرر شد، وقت آنست کہ انقسام علم نیز بدو قسم واضح کردہ شود۔ باید دانست کہ علم حسن و قبح ذاتی کہ ہماں را عقلی باید گفت نیز بدو نوع است، یکے طبعی دوم شرعی۔ اول بثانی اشارہ میکنیم باز بیان اول خواہم کرد۔ خود جناب باری تعالیٰ و تقدس در کلام پاک ارشاد می فرماید ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینہی عن الفحشاء والمنکر والبغی۔ وہم در کلام پاک ارشاد ست ان اللہ لا یامر بالفحشاء

جب حسن و قبح کے دو قسم مذکورہ بالا پر منقسم ہونے کی پوری وضاحت ہو چکی تو اب وقت آگیا ہے کہ علم کا دو قسموں پر منقسم ہونا بھی واضح کر دیا جائے۔ جاننا چاہئے کہ حسن و قبح ذاتی کا علم بھی کہ اسی کو عقلی کہنا چاہئے دو قسم پر ہے ایک طبعی دوسرا شرعی اول ہم دوسرے کو بتائیں گے پہلے کا بیان کریں گے۔ خود جناب باری تعالیٰ و تقدس اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینہی عن الفحشاء والمنکر والبغی	بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں۔

اور نیز کلام پاک میں ارشاد ہے:۔

قل ان اللہ لا یامر بالفحشاء	کہدو کہ اللہ تعالیٰ کھلی برائیوں کا حکم نہیں دیتا۔

وہم در شان نبی صلی اللہ علیہ وسلم می فرماید الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینہٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبٰئث ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم۔ پس ہر کہ عقل صائب داشتہ باشد واز مذاق سخن آشنا بود خود می شناسد کہ مقصود ازیں آیات بینات بیان عادات خداوندی وطبیعت محمدیت صلی اللہ علیہ وسلم۔ غرضم این ست کہ عادت مستمرہ خداوندی این ست، وطبیعت مستقرہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہمین۔ وہمین ست کہ صیغۂ مضارع اختیار فرمودہ اند۔ تا دلالت بر تجدد کند کہ از ضروریات عادات مستمرہ وطبیعات مستقرہ است۔ و مُہر ظاہر است کہ استمرار این افعال واستقرار این خصال بے انتفار صدور اضداد آنہا کہ امر بالمنکر وغیرہ است متصور نیست۔ واین ہم ہویداست کہ حسن باوصاف معلومہ از عدل واحسان وغیرہ کہ در آیات مسطورہ بآن اشارہ رفتہ ہم آغوش است۔ و قبح باضداد آنہا کہ ہم در آیات مرقومہ بآن ایما فرمودہ اند ہمدوش۔ پس باین طریق بحسن و قبح ہر فعل وقول وہر خیال وحال وہر خصلت وعادت پے توان برد وباین وجہ این علم را تفصیلی ہم توان گفت چنانکہ علم شرعی می گویند۔

اور نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں:۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی	جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو

الذی یجدونه مکتوبًا عندھم فی التوریٰۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبٰئث و یضع عنھم اصرھم والاغلٰل التی کانت علیھم	وہ لوگ اپنے پاس توریت وانجیل میں لکھا ہوا پا (جن کی صفت یہ بھی ہے کہ) وہ اُن کو نیک باتوں کا فرماتے ہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاک چیزوں کو اُن کیلئے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں اور اُن لوگوں پر جو بوجھ تھے ان کو دور کرتے ہیں۔

پس جو شخص کہ عقل صائب رکھتا اور مذاق سخن سے آشنا ہوگا خود پہچان جائیگا کہ ان آیا بینات سے عادات خداوندی اور طبیعتِ محمدی کا بیان کرنا مقصود ہے۔ میری غرض یہ ہے کہ عادتِ مستمرۂ خداوندی یہ ہے اور طبیعت محمدی جس خصلت پر اٹل ہے وہ بھی وہی (یعنی عادت خدا کے مطابق) ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ (یامرھم وینھٰھم وغیرہ میں) صیغۂ مضارع اختیار فرمایا ہے تاکہ تجدّد پر دلالت کرے جو عادات مستمرہ اور طبیعات مستقرہ کی ضروریات میں سے ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ ان افعال کا استمرار (یعنی خاص شان پر جاری رہنا) اور ان خصلتوں کا استقرار (یعنی اپنی خاص شان پر قائم رہنا) اُن کی اضداد کے صدور کی کہ امر بالمنکر اور نہی عن المعروف وغیرہ ہیں۔ نفی واقع ہونے کے بغیر متصور نہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اوصاف معلومہ "عدل" اور "احسان" وغیرہ کے ساتھ جن کی طرف آیات مرقومہ میں اشارہ کیا گیا ہے حسن لازم ہے اور ان کی اضداد کے ساتھ قبح لازم ہے۔ جن کی طرف آیات مذکورہ میں ایماء فرمایا گیا ہے۔ پس اس طریقہ سے ہر فعل اور ہر قول اور ہر خیال اور حال و ہر خصلت و عادت کے حسن و قبح کا کھوج نکل سکتا ہے اور اس وجہ سے اس علم کو تفصیلی بھی کہہ سکتے ہیں جیساکہ علم شرعی کہتے ہیں۔

> باقی ماند علم طبعی کہ آنرا علم اجمالی ہم نام نہادن زیباست۔ آن ہم باشاراتِ نقل ثابت ست چنانکہ بشہادتِ عقل بہ ثبوت می پیوندد۔ بیانش اگر می خواہی بشنو کہ معروف و منکر را معروف و منکر گفتن خود بر این قدر دلالت دارد کہ عقل را با معروف سابقۂ آشنائی ست

> و از منکر ہمہ ہیچ ناآشنا۔ چہ معروف در لغتِ عرب ہمان را گویند کہ از پیشتر دیدہ و دانستہ باشند و منکر آن را کہ نشناسند و ندانند۔ و ہم حدیثِ مرقومۂ بالا اذا سرتک حسنتک وساءتک سیئتک فانت مؤمن نیز باین جانب مشیر است کہ قلب انسانی با معروف و منکر نسبتے دارد کہ ذائقہ زبان باشیرین و تلخ چنانکہ ذائقہ دران زبان بے سابقہ بیان خوبی و زبونی شیرین و تلخ در اول بار کہ شیرین و تلخ را بر زبان نہند از ین خوشحال و از آن پراگندہ بال می شوند ہمچنین معروف و منکر را بہ نسبت اہلِ دل بشناس کہ این چنان ست و آن چنین۔

باقی رہا علم طبعی کہ اس کا نام علم اجمالی رکھنا بھی زیبا ہے وہ بھی اشارات نقل سے ثابت ہے جس طرح عقل کی شہادت سے اُس کا ثبوت ملتا ہے۔ اُس کا ثبوت اگر تم چاہتے ہو تو سنو:۔
معروف و منکر کو معروف و منکر کہنا خود اس مفہوم پر دلالت کرتا ہے کہ عقل کو معروف کے ساتھ سابقہ آشنائی ہے اور منکر سے ہر طرح ناآشنا (منکر کو جب عقل پہچانتی ہے تو معروف کے واسطہ سے یعنی بحیثیت ضد معروف) کیونکہ معروف لغت عرب میں اسی کو کہتے ہیں جو کہ پہلے سے دیکھا اور جانا ہوا ہو اور منکر اُس کو کہتے ہیں جس کو نہ پہچانتے ہوں اور نہ جانتے ہوں اور حدیث مذکورہ بالا بھی یعنی اذا سرتک حسنتک وساءتک سیئتک فانت مؤمن (جب تجھ کو نیک کام کرنا اچھا لگے اور برا کام کرنا ناگوار گذرے تو تو مؤمن بن گیا) اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ قلب انسانی معروف و منکر کے ساتھ وہ نسبت رکھتا ہے جو ذائقہ زبان کو میٹھے اور کڑوے کے ساتھ جس طرح اچھے اور برے، میٹھے اور کڑوے مزوں کی پہلے کیفیت ظاہر ہوئے بغیر ہی جب اول مرتبہ ہی میٹھے یا کڑوے کو زبان پر رکھتے ہیں تو میٹھے سے خوش حال اور کڑوے سے بدحال ہو جاتے ہیں، اسی طرح معروف اور منکر کو بہ نسبت اہل دل کے سمجھ لیجئے کہ یہ ایسا اور وہ ایسا۔

> با این ہمہ ہر کس را می بینی کہ از خدائے علیم بشنود یا از مردِ حکیم، ہر چہ باشد از عقلِ خود می پرسد۔ اگر تصدیق کرد مطمئن می نشیند، ورنہ شکہا اگرچہ زیر پردۂ ایمانی باشد می آفرینذ بہر طور اگر عقل باشد آن اشارات ربانی و این شہادات روحانی بر این قدر گواہ است کہ

علم حسن و قبح شرعی کو علم تفصیلی اور علم طبعی کو علم اجمالی کہنا مناسب ہے

طبیعت انسانی با معروف رابطۂ پنہانی دارد۔ و مرادم از علم طبعی ہمین قدر است و اجمالی بودنش بہ نسبت علم شرعی کہ تفصیلی است ہویدا است احتیاج بیان وجہش نیست۔

ان سب کے باوجود ہر شخص کو آپ دیکھتے ہیں کہ خدا کے علیم سے (اُن کا ارشاد) سنے یا کسی مرد حکیم (کی بات) سنے جو کچھ بھی ہو اپنی عقل سے پوچھتا ہے۔ اگر اُس نے تصدیق کر دی تو مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے ورنہ شبہات پیدا کرنے لگتا ہے اگرچہ پردۂ ایمانی کے نیچے ہی رہیں۔ بہر حال سمجھدار کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ اشارات ربانی اور یہ شہادات روحانی اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ معروف کے ساتھ طبیعت انسانی ایک مخفی رابطہ رکھتی ہے اور اس "قدر" میری مراد ہے "علم طبعی" سے۔ اور اُس کا اجمالی ہونا بہ نسبت علم شرعی کے جو کہ تفصیلی ہے کھلی ہوئی بات ہے اُس کی وجہ بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

اکنون می باید شنید کہ امر و نہی و وجوب و حرمت نیز ہمین طور بدو گونہ است طبعی و شرعی۔ و اجمالی و تفصیلی، اوامر و نواہی کہ بلسان الغیب زبان فیض ترجمانِ انبیاء علیہم السلام بنی آدم را سرمایۂ ایجاب و تحریم گردیدہ، آن خود ہویدا است مُنکرش کیست و حاجت اثبات او چیست فقط بغرض آنکہ اختلاط احکام روندہد این قسم حکم را تفصیلی نام می نہم۔ و وجہ تسمیہ خود ظاہر است مگر قسم دیگر کہ احکام اجمالی ست بیانش ضرور است۔ می باید شنید کہ ہر چہ حسن است رغبت بقدر حسنِ او، و ہر چہ قبیح است نفرت بقدرِ قبح او در جذر فطرت ہر کس نہادہ اند۔ مگر این اقبال حالی و این اجتنابِ اجمالی خود ازین قدر خبر می دہد کہ بزبان حال پنہان از ان طرف امر و نہی میرسد۔ گو بقدر ذکاوتِ خود اذکیا پس ازین اجمالِ فطری گونہ تفصیل نیز در خود دیدہ باشند۔ دلیل برین دعوی اوّل خود فطرت ہر کس ست، مگر باین نظر کہ دقتِ فسادِ طبیعت فطرت را چہ اعتبار، مقتضایش درچنین اوقات ظاہر نمی شود، مناسب آنست کہ چیزے دیگر گفتہ شود۔

اب سننا چاہئے کہ امر و نہی اور وجوب و حرمت کی بھی اسی طور پر دو قسمیں ہیں۔ طبعی یا اجمالی اور شرعی یا تفصیلی۔ جو اوامر و نواہی کہ انبیاء علیہم السّلام کی لسان غیب اور زبان فیض ترجمان سے

آدم کے لئے ایجاب و تحریم کا سرمایہ بنے وہ خود ظاہر ہیں اُن کا کون مُنکر ہے اور اُن کے اثبات کی حاجت ہی کیا ہے۔ صرف اس غرض سے کہ احکام میں اختلاط نہ پیدا ہو جائے حکم کی اس قسم کا ہم "تفصیلی" نام رکھتے ہیں اور وجہ تسمیہ خود ہی ظاہر ہے۔ مگر دوسری قسم جو کہ احکام اجمالی ہے اُس کا بیان ضروری ہے سو سننا چاہئے۔ جو چیز حَسَنْ ہے اُس کی طرف رغبت بقدر اُس کے حسن کے اور جو چیز قبیح ہے اُس سے نفرت بقدر اس کی قباحت کے ہر شخص کی فطرت میں بنیادی طور پر رکھ دی گئی ہے۔ مگر (حُسن کی طرف) یہ حامی اقبال اور (قبح سے) یہ اجمالی اجتناب اس بات کی خبر دے رہے ہیں کہ زبان حال سے ایک مخفی طور پر اُس طرف سے امر اور نہی پہنچتی ہیں۔ اگرچہ خود اذکیاء بقدر اپنی ذکاوت کے اس فطرت اجمال کے پیچھے کسی قدر تفصیل کا بھی اپنے میں مشاہدہ کر لیا کرتے ہوں۔ اس دعوے پر دلیل اول خود ہر شخص کی فطرت ہے۔ مگر اس نظر سے کہ فسادِ طبیعت کی حالت میں فطرت کا کیا اعتبار۔ فطرت کا اصل مقتضا ایسے اوقات میں ظاہر نہیں ہوا کرتا مناسب یہ ہے کہ کچھ اور بھی کہہ دیا جائے۔ (یعنی دلائل قائم کئے جائیں)

اول این ست کہ علمِ وجوبِ اطاعت امر و نہی اگر شرعی باشد دور یا تسلسل لازم آید لاجرم عقلی و طبعی باشد۔ مگر دانی کہ بناء این وجوب و حرمت بجز حسن و قبح برامرے دیگر نیست پس ہر جا کہ حُسن درج باشد ہمچنین باشد چہ لوازم ذات را تبدّل و تغیر نیست۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ وجوب اطاعت امر و نہی کا علم دو حال سے خالی نہیں عقلی اور طبعی ہوگا یا شرعی) اگر شرعی ہوگا تو دور یا تسلسل لازم آجائیگا (مطلب یہ ہے کہ "امر" جو معروف سے متعلق ہوا اُس کا حسن، اور "نہی" جو منکر پر وارد ہوئی اُس کا قبح ہی امر اور نہی کی اصل علت ہیں جن سے رغبت اور نفرت ہر انسان کی فطرت میں رکھی ہوئی ہے۔ یہی ایجاب و تحریم کا مبنیٰ ہے جس پر عقلی اور نقلی دلائل مفصل گذر چکے ہیں۔ اب اگر امر و نہی کی اطاعت کے وجوب کو شرعی کہا جائے گا تو حاصل یہ ہوگا کہ امر و نہی کی اطاعت موقوف ہے ایجاب من اللہ پر اور یہ ایجاب موقوف ہے اُسی امر و نہی کی اطاعت پر جو فطرت انسانی میں مرکوز ہے اور یہی دور یعنی توقف شے

علی نفسہ ہے اور اگر اُس کے لئے کوئی اور موقوف علیہ لائیں گے تو اس موقوف علیہ کے لئے دوسرا موقوف علیہ درکار ہوگا اور پھر تسلسل قائم ہو جائیگا یہ بھی باطل ہے جب اس علم کا شرعی ہونا محال ہوا تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ عقلی و طبعی ہوگا۔ مگر یہ ہم جانتے ہو کہ علاوہ اس وجوب اور حرمت کی بجز حسن اور قبح کے کسی دوسرے امر پر نہیں ہے تو جہاں بھی حسن مندرج ہوگا ایسا ہی ہوگا کیونکہ لوازم ذات میں تبدّل و تغیّر نہیں ہوتا۔

دوم اینکہ جملۂ ھدًی للمتقین صاف بر این امر دلالت دارد کہ صفت اتقاء در متقین از نزول قرآن شریف سابق است چنانچہ پوشیدہ نیست۔ مگر قبل نزولِ قرآن تقوی باین معنی کہ ہرچہ غیر مرضی خدا بود آن را غیر مرضی حق فہمیدہ بگذاشتہ باشند متصور نیست ورنہ حاجت انزال کتب چہ باشد، لاجرم بمعنی قصد احتراز باشد مگر چون قصد احتراز را ضرور است کہ یک نوع تقاضا بود، شرعی باشد یا طبعی، عقلی باشد یا نقلی چنانچہ ظاہر است۔ و این جا از جانب شارع از پیشتر ہیچ خبر نیست، ورنہ ہدایت چہ معنی داشتے بالضرور تقاضا، پنہانی اندرہ طبیعت انسانی باشد اکنون اطلاق ھدًی نیز بہ کتاب اللہ درست آید و دعوی فطریت امر و نہی اجمالی ہم راست گردد۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جملہ ھُدًی للمتقین صاف اس امر پر دلالت رکھتا ہے کہ متقین میں صفت اتقاء نزول قرآن مجید سے سابق ہے۔ چنانچہ یہ ظاہر بات ہے مگر نزول قرآن سے پہلے تقوی باین معنی کہ جو اللہ تعالی کی مرضی کے خلاف ہو اُس کو یہ سمجھتے ہوئے چھوڑا کہ یہ اللہ تعالی کی مرضی کے خلاف ہے ظاہر ہے کہ متصور نہیں ہو سکتا۔ ورنہ کتابیں نازل کرنے کی حاجت ہی کیا ہوتی۔ اسلئے ضروری ہوا کہ بمعنی قصد احتراز ہو (اس لئے معنے یہ ہونگے کہ ہدایت ہے اُن لوگوں کے لئے جو قبیح افعال سے بچنے کا ارادہ رکھتے ہیں) مگر چونکہ قصد احتراز کے لئے ضروری ہے کہ کسی قسم کا تقاضا ہو خواہ شرعی ہو یا طبعی، خواہ عقلی ہو، یا نقلی، چنانچہ ظاہر ہے اور یہاں پہلے سے شارع کی طرف سے کسی خبر کا تحقق ہوا ہی نہیں۔ ورنہ ہدایت کے کیا معنی ہوتے تو بالضرور

(۲) [illegible]

تحقیق معنی ھدًی للمتقین

تقاضا رمخفی بھی طبیعت انسانی ہی کی راہ سے ہوگا۔ (کہ وہی امرونہی طبعی ہے) اب ھُدًی کا اطلاق بھی کتاب اللہ پر صحیح ہوگا اور امرونہی اجمالی کے فطری ہونے کا دعوی بھی درست ہو جائیگا۔

بالجملہ پس ازین سوال حال کہ از لفظ متقین می تراود چہ دلالت بر نوعے از طلب دارد بتقاضائے وعدۂ ادعونی استجب لکم بذمۂ رحمت عمیمہ لازم آمد کہ بیان مقصود اصلی طبیعت انسانی کردہ آید و حسن از قبیح و خیر از شر جدا جدا کردہ شود۔ بدین سبب انزال کلام اللہ ضرور افتاد و ھدًی گفتنش سزاوار شد۔ اعنی راہے کہ می طلبیدیم دیدیم۔ و این ظاہر است کہ بناء این احتراز بر قبح اشیاء است، یا آنکہ خلاف مرضی خداست تعالی و تقدس۔ اگر اوّل ست چہ حاجت کہ دلیلے بیاریم۔ و اگر ثانی ست بنائش آخر کار برین میداریم کہ آن قبیح است، ورنہ اگر برامرونہی دیگر مبنی داریم دور لازم آید یا تسلسل باقی ماند این کہ بیوجہ باشد، این امر ممکن بود اگر خداوند کریم حکیم و علیم نہ بودے۔ باقی کتاب را باین معنی کہ انجام کار باعث دخول جنت و موجب رضاء خدا خواہد شد ھدًی للمتقین گفتن بخواب خفتگان ماند۔ این معنی و این لفظ و این جملہ را با این معنی چہ کار

الحاصل اس سوال حال کے بعد جو کہ لفظ متقین سے مترشح ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ ایک قسم کی طلب پر دلالت کرتا ہے وعدہ اُدْعُونِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (مجھ سے مانگو میں تم کو دونگا) رحمت عمیمہ کے ذمہ لازم آیا کہ جو مقصود اصلی طبیعت انسانی کا تھا اُس کو مفصل، واضح کردیا جائے اور حسن کو قبیح سے اور خیر کو شر سے الگ الگ کردیا جائے۔ اس سبب سے کلام اللہ کا نازل کرنا ضروری ہوا اور اس کو ھُدًی کہنا مناسب ہوا یعنی جس راہ کو ہم طلب کر رہے تھے اس کو ہم نے دیکھ لیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس احتراز کی بناء (جو تقوی بمعنی قصد احتراز ہیں) ہے تین حال سے خالی نہیں، یا قبح اشیاء پر ہے یا یہ کہ (وہ احتراز اس لئے ہے کہ وہ فعل جس سے احتراز کا قصد ہے) خلاف مرضی خداوند تعالی و تقدس ہے۔ اگر پہلی وجہ (بناء احتراز) ہے تو مسلّم ہمیں اُس پر دلیل لانے کی ضرورت کیا ہے اور اگر دوسری ہے (یعنی خلاف مرضی حق تعم) تو اُس (خلاف مرضی) کی بناء بھی آخر کار اسی پر

رکھیں گے کہ وہ قبیح ہے (تو پھر وہی پہلی وجہ ثابت ہو جائیگی) اور اگر اس کی بنا کسی دوسری امر پر رکھیں تو دور لازم آئے گا یا تسلسل۔ باقی رہا (تیسرا احال) یہ کہ بے وجہ ہو۔ تو یہ امر ممکن تھا جبکہ خداوند کریم حکیم و علیم نہ ہوتا۔

باقی یہ کہ کتاب کو اس معنی میں ھُدًی للمتقین بیان کرنا کہ انجام کار باعث دخول جنت اور موجب رضاء الٰہی ہو جائیگی۔ یہ خواب کی سی باتیں ہیں جو سوتے میں کوئی دیکھے (اور بڑانے لگے) اس معنی اور اس لفظ اور اس جملہ کو اس خیال سے کیا واسطہ۔

سوم اینکہ در آیت اتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم اشارۂ لطیف است باین طرف کہ در طبیعت انسانی رغبتے بجانب حسن نہادہ اند اندرین صورت لاجرم نفرتے از قبیح نیز در جذر طبعیتش ودیعت باشد و دانی کہ مصداق رغبت و نفرت ہمان تقاضا پنہانی ست کہ گفتہ ایم و در امر و نہی بجز تقاضا و طلب دیگر چہ باشد۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ آیت (مندرجہ ذیل) میں

اِتَّبِعُوٓا اَحۡسَنَ مَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ	(تم کو چاہئے کہ) اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو۔ (پارہ ۲۴ رکوع ۳)

تیسری دلیل

ایک لطیف اشارہ ہے اس طرف کہ طبیعتِ انسانی میں حُسن کی طرف ایک رغبت رکھی گئی ہے۔ اسکے ساتھ یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ قبیح سے ایک نفرت بھی اُس کی فطرت کی گہرائی میں ودیعت کی گئی ہو اور تم جانتے ہو کہ رغبت اور نفرت کا مصداق وہی مخفی تقاضا ہے جس کو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اور امر و نہی میں تقاضا، اور طلب کے سوا اور کیا ہوتا ہے۔

چارم اینکہ کار پردازی ہدایت کہ بذمۂ خود گرفتہ اند چنانچہ می فرمایند ان علینا للھدی وہم ازین جہت انبیاء و رسل و کتب و صحف را فرستادہ اند چنانچہ فرمودہ اند ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق الخ یا ان ھذا القراٰن یھدی للتی ھی اقوم اگر دیدۂ باریک بین بود ہمین جانب مشیر است کہ آن طرف علم اجمالی قبل ازین تفصیل است و چون نباشد

اجمال قبل تفصیل می باشد تفصیل این اجمال آنست کہ ہدایت را گم کردگی راہ ضرور افتاد، و گم کردگی راہ را طلب راہ مقصود لازم۔ اگر طلب راہ نیست راہ را چہ گم کرد، باز ہدایت دوا کدام مرض الغرض بوجوہ کثیرہ وجود طلب اجمالی مقرر ست اگر طالب ذکی است مطلب جلی ست زیادہ نوشتن چہ حاجت این قدر ہم بس ست۔ وقت آنست کہ باز پس رویم و بہ بیان فرق احکام کہ موعود است متوجہ شویم۔

چوتھی دلیل

چوتھی دلیل یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے کار پردازی ہدایت کی جو ذمہ داری اپنے اوپر قبول فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے اِنَّ علینا للھُدٰی (بیشک ہدایت ہمارے ہی ذمہ ہے) اور نیز اسی جہت سے انبیاء اور رسولوں کو بھیجا اور کتابیں اور صحیفے نازل کئے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق الخ (پارہ ۲۶ رکوع ۹)	وہ اللہ ایسا ہے جس نے (اس اتمام نور کیلئے) اپنے رسول کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر بھیجا ہے۔
اِنَّ ھٰذا القراٰن یھدی للتی ھی اقوم (پارہ ۱۵ رکوع ۱)	بلاشبہ یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے۔

اگر نگاہ باریک بیں ہو (تو مشاہدہ ہو سکتا ہے کہ) اسی جانب یہ سب اشارہ کر رہی ہیں کہ اس تفصیل سے پہلے اُس طرف علم اجمالی موجود ہے۔ اور کیسے نہ ہو اجمال تفصیل سے پہلے ہی ہوتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہدایت کے لئے گم کردگی راہ کا پایا جانا ضروری ہے اور گم کردگی راہ کے لئے طلب راہ مقصود لازم۔ اگر طلب راہ نہیں ہے تو راہ گم ہونا کیسا۔ پھر ہدایت کس مرض کی دوا ہے۔

الغرض بہت سی وجوہ سے طلب اجمالی ثابت ہے اگر طالب ذکی و فہیم ہے تو بات واضح ہے۔ زیادہ لکھنے کی کیا ضرورت۔ اتنا ہی کافی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم (مضمون سابق پر) واپس چلیں اور احکام کا فرق بیان کرنے کی طرف جس کا ہم وعدہ کر چکے ہیں متوجہ ہوں۔

باید دانست کہ بشہادتِ کریمہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون وآیہ وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین مراد حق از جن وانس ہمیں عبادت است باقی ماند اینکہ عبادت چیست در بادی النظر چنان می نماید کہ مصداق عبادت فعل ست لیکن دانی کہ اگر حقیقتِ عبادت ہمین افعال بودے مخلص ومنافق وکامل وناقص ہمہ بیک پلہ سنجیدندے وبیک مرتبہ رسیدندے۔ چہ صوم وصلوٰۃ وحج وزکوٰۃ ہمہ بیک صورت می باشد لاجرم مصداق عبادت قصد اطاعت خواہد بود چنانچہ آیت لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر والمجاهدون فی سبیل اللہ نیز برین قدر شاہد است چہ مفہوم مخالف غیر اولی الضرر ہمین ست کہ اگر باعث قعود ضرر یعنی مرض وغیرہ عذرے قابل اعتبار است استوا مدارج قاعد وقائم ضروری است وانتساب قعود بجانب ضرر وقتے متصور است کہ قصد داشتہ باشد اما مرضے مثلاً مانع تعلق قصد بفعل است۔ ورنہ آن قعود بوجہ عدم القصد خواہد بود آن عدم بہر وجہ کہ باشد۔

جاننا چاہئے کہ اس آیت کریمہ کی شہادت سے

وماخلقتُ الجنّ والانسَ الّا لیعبُدونِ ۝ ۲۷/۲	اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔
اور آیت وما امروا الّا لیعبدوا اللہ مخلِصین لہ الدّین ۝	حالانکہ ان لوگوں کو (کتب سابقہ میں) یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت اسی کے لئے خاص رکھیں۔

ثابت ہے کہ تخلیق جن وانس سے مرادِ حق تعالیٰ یہی عبادت ہے۔ اب اس پر غور کرنا ہے کہ عبادت کیا ہے۔ بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کا مصداق فعل ہے لیکن تم سمجھ سکتے ہو کہ اگر عبادت کی حقیقت یہی افعال ہوتے تو مخلص اور منافق، کامل اور ناقص سب ایک ہی پلے میں تل جاتے اور ایک ہی مرتبہ پر پہنچ جاتے۔ کیونکہ روزہ اور نماز، حج اور زکوٰۃ (جملہ افعال مومنین مخلصین سے صادر ہوں یا منافقین اور ناقصین سے) سب ایک ہی صورت پر ہوتے ہیں تو ماننا پڑیگا کہ

مصداقِ عبادت افعال نہیں قصد اطاعت ہے۔

مصداق عبادت "قصد اطاعت" ہوگا۔ چنانچہ یہ آیت بھی

لا یستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجاهدون فی سبیل اللہ باموالهم وانفسهم	برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھروں میں بیٹھے رہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں۔ ۵/۱۲

اس خیالات پر شاہد ہے۔ کیونکہ مفہوم مخالف غیر اولی الضرر کا (یعنی بغیر صاحب ضرر ہوئے) یہ ہے کہ اگر باعثِ قعود ضرر ہو (یعنی مرض وغیرہ کوئی ایسا عذر پیش آگیا جو قابل اعتبار ہے تو جہاد سے) بیٹھ رہنے والے اور اس میں شریک ہونے والوں کے درجات میں برابری ضروری ہے۔ اور قعود کا منسوب ہونا ضرر کی طرف اُسی وقت تصور کیا جا سکتا ہے جب کہ "قصد" رکھتا ہو۔ مثلاً کوئی عارض ہے جو اُس قصد کے فعل میں آنے میں مانع ہو گیا۔ ورنہ وہ قعود بوجہ "عدم القصد" ہوگا۔ وہ عدم کسی وجہ سے بھی ہو۔

و ثابت ثواب وظیفہ کہ مرض مانع ازان شدہ، چنانچہ احادیث بر آن شاہد است، نیز مؤید این سخن است۔ وہمچنین حدیث انّما الاعمال بالنّیات وحدیث تبلیغ بمرتبۂ شہادت کسے را کہ تمنائے شہادت داشت وبآرزوئے خود نرسید، بظاہر این دولت نیافت، مدد این دعوی میفرماید لیکن ازان جا کہ ہر چیز را در تحقیق خود از شرائط وجود خود ناگزیر است لازم آمد کہ مدار ثواب و عقاب کہ در حقیقت ثمرۂ عبادت است چنانکہ دانستی بر علم اجمالی باشد چہ علت موجبہ برائے قصد ہمان علم اجمالی است وبس۔

اور کسی بیماری کے لاحق ہو جانے سے اگر کوئی ایسا عمل بند ہو جائے جو معمولاً جاری تھا اُس پر ثواب کا لکھا جانا (جس پر احادیث شاہد ہیں۔ یہ بھی اس بات کا مؤید ہے کہ مصداقِ عبادت قصد ہی ثابت ہوتا ہے) اور اسی طرح حدیث :-

انّما الاعمال بالنّیّات	اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔

اور وہ حدیث جس میں ایک ایسے شخص کو مرتبۂ شہادت پر پہنچانے کا بیان ہے جو شہادت کی تمنا رکھتا تھا

استواء درجہ و مدارج مذکور

مگر اپنی آرزو کو نہ پہنچ سکا۔ اور ظاہر اُس نے یہ دولت نہ پائی۔ یہ بھی اس دعوے کی مدد فرماتی ہے۔ لیکن اس بنا پر کہ ہر چیز کے اپنے تحقق کے لئے اُس کی شرائطِ وجود کا پایا جانا ضروری ہے (مثلاً ذات زید سے تحقق جہاد کے لئے شرط ہے کہ نیت و قصد کے ساتھ اُس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء ضرر سے محفوظ ہوں) اس لئے ضروری ہوا کہ مدار ثواب و عذاب کا جو کہ درحقیقت ثمرۂ عبادت ہیں، سب جانتے ہی ہیں، علم اجمالی پر ہے۔ کیونکہ قصد کے لئے جو علتِ موجبہ ہے صرف وہی علم اجمالی ہی ہے۔

ہاں اگر پس از علم اجمالی حالتِ منتظرہ در تحقق قصد و ظہور عزم بودے جائے عذر بود چون علم اجمالی بنسبت وجوب و حرمت در تحقق قصد کافی است باز چہ حاجت کہ انتظار علم تفصیلی کردہ آید ہاں این قدر مسلم کہ تعلق قصد بکارے تا وقتیکہ علم تفصیلی نداشتہ باشد محال لیکن تعلق چیزے دیگر است و تحقق چیزے دیگر۔ بالجملہ مادۂ وجوب و اصل فرضیت ہمان علم اجمالی است و آنچہ واجب ست ہمین قصد ست و بس لیکن چون تعلق قصد موقوف بر علم تفصیلی است بعد وجوب سقوط رو میدہد مگر ظاہر است کہ سقوط خود دلیل وجوب است بے وجوب سقوط صورت نہ بندد و بعد آنکہ قصد بفعلے متعلق شد صدور فعل حسب عادت خداوند خالق لازم۔ بالجملہ نفس وجوب از علم اجمالی می آید و وجوب ادا پس از علم تفصیلی قرار می گیرد۔

ہاں اگر علم اجمالی کے بعد کوئی حالت منتظرہ قصد اور ظہور عزم کے لئے ہوتی تو عذر کا موقع تھا مگر جب قصد کے تحقق میں بہ نسبت وجوب و حرمت علم اجمالی کافی ہے پھر کیا حاجت ہے کہ علم تفصیلی کا انتظار کیا جائے۔ ہاں یہ بات مسلّم ہے کہ کسی کام کے ساتھ قصد کا تعلق "جب تک کہ علم تفصیلی نہیں رکھتا ہوگا محال ہے۔ لیکن تعلق دوسری چیز ہے اور تحقق دوسری چیز۔ الحاصل وجوب کا مادہ اور فرضیت کی جڑ وہی علم اجمالی ہے اور جو چیز واجب ہے یہی قصد ہے اور بس لیکن چونکہ قصد کا تعلق موقوف ہے علم تفصیلی پر اس لئے وجوب کے بعد سقوط بھی پیدا ہو جاتا ہے (مثلاً وجوب ادائے جہاد اگر اولی الضرر سے ساقط ہو گیا تو اس سقوط سے وہ وجوب محلِ اشتباہ نہیں ہے مترجم) مگر ظاہر ہے کہ سقوط خود دلیل وجوب ہے۔ بغیر وجوب کے سقوط کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ اور قصد کے فعل سے متعلق ہونے کے بعد اُس فعل کا صدور خداوند تعالیٰ کی جو ہر شے کا خالق ہے عادت کے مطابق لازم ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نفس وجوب علم اجمالی سے آتا ہے اور وجوب ادا علم تفصیلی کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

و از این جا معنی وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا دانستہ باشی۔ غرضم این ست کہ این کلام بشرط ذوق بر تحقق استحقاق عذاب قبل بعث رسل ہم دلالت دارد این چگونہ باشد۔ صورتش ہمین است کہ عرض کردہ شد۔ بالجملہ ثواب و عقاب بر قصد است و علم اجمالی علت تحقق اوست و علم تفصیلی واسطہ تعلق او۔ تا وقتیکہ علم اجمالی است و نوبت علم تفصیلی نرسیدہ فقط وجوب است و در صورتیکہ علم تفصیلی بدان منضم شدہ از وجوب بوجوب ادا نوبت می رسد۔

اور یہاں سے آپ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا کی حقیقت سمجھ گئے ہونگے۔ میری غرض یہ ہے کہ یہ کلام بشرط ذوق اس پر بھی دلالت کر رہا ہے کہ "استحقاقِ" عذاب کا تحقق بعثت رسول سے پہلے ہو چکا ہے۔ یہ کیسے ہوگا۔ اُس کی صورت یہی ہے جو عرض کی گئی (یعنی استحقاق عذاب کے لئے بعثت رسول اور علم تفصیلی کے پہنچانے کی حاجت نہیں تھی۔ کیونکہ اس کے لئے علم اجمالی کافی تھا لیکن تعلُّق عذاب کے لئے بعثتِ رسول واقع ہوئی تاکہ اُس کے واسطے سے علم تفصیلی اُن کے پاس پہنچ جائے اور پھر ایجاب و تحریم وجوب میں آئے جس کی تعمیل نہ کرنے پر تعذیب واقع ہو۔ مترجم) حاصل یہ ہے کہ ثواب و عذاب قصد پر ہے اور علم اجمالی اُس کے تحقق کی علت ہے اور علم تفصیلی اُس کے تعلُّق کا واسطہ۔ جس وقت تک صرف علم اجمالی ہے اور علم تفصیلی کی نوبت نہیں پہنچی تو فقط وجوب موجود ہے اور جس صورت میں علم اجمالی کے ساتھ علم تفصیلی بھی منضم ہو گیا تو وجوب سے اب وجوبِ ادا کا مرتبہ آ جاتا ہے۔

اکنون می باید شنید کہ اگر شخصے ذہن سلیم و طبع مستقیم چنان داشتہ باشد کہ قبل نزول وحی حدود

ہیاکل بعض افعال اوامنکشف می شود چنانچہ نبی راکثرِ و بعض اتباعش راگہہ و بیگاہ این چنین
پیش می آید۔ و این دعویٰ بہ نسبت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از قصہ لسنین قیام رمضان
و دیگر سنن ہویدا است و دیگرہ ہویدا خواہد شد انشاءاللہ۔ باقی مانند دیگران حضرت بلال را رضی اللہ
تعالیٰ عنہ تحیۃ الوضوء در دل افتاد۔ و حضرت خُبَیب را رضی اللہ عنہ نقلِ قتل بدل آمد و حضرت
عمر رضی اللہ عنہ در اکثر امور قبل ورود شرع و نزول وحی دل بدانسو رفت کہ حقیقت الحال بود
این چنین اشخاص را شائبہ از وجوب ادا در می گیرد۔ اگر آن اعمال از قسم اعمال واجبہ باشند
ورنہ ہر قدر از حسن کہ داشتہ باشند مناسب آن عزیمت بدانسو رو خواہد نہاد و دلیلش ہمان
است کہ بیشتر گفتہ شد مگر چون در علم انکشافی بجز علمیکہ بواسطہ وحی باشد ہر علم کہ بود در محل
خطر ست ممکن کہ از طبیعت یا از شیطان وسوسہ خاستہ باشد و ہر چہ بذہن آید خطائی اجتہادی
بود در ورود وجوب ہمان قدر کمی است نبی باشد یا ولی غرض بقدر تفاوت اذہان و تفاوت
انکشافات در وجوب ہم تفاوت می باشد۔

اب سننا چاہیے کہ اگر کوئی شخص ایسا ذہن سلیم اور طبع مستقیم رکھتا ہو کہ نزول وحی سے پہلے
ہی بعض افعال کی حدود اور خاص صورتیں اس کو منکشف ہو جائیں۔ چنانچہ نبی کو اکثر اور اُن کا اتباع
کرنے والوں کو کبھی کبھی ایسا پیش آتا ہے اور یہ دعویٰ بہ نسبت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
قیام رمضان کا معمول قائم فرمانے کے قصے اور دیگر عبادات معمولہ سے بالکل ظاہر ہے اور آئندہ
اور ظاہر ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ باقی رہے دیگر حضرات تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے دل میں تحیۃ الوضوء، کی نفل وارد ہوئی اور حضرت خُبَیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں قتل کی نفل
واقع ہوئی (حضرت خبیب نے اپنے قتل سے پہلے نفل ادا کی تھی) اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کا دل اکثر امور میں حکم شریعت وارد ہونے اور وحی کے نازل ہونے سے پہلے ہی اس طرف پہنچ
جاتا تھا جو حقیقت حال ہوتی تھی تو ایسے حضرات کو "وجوب ادا" کا ایک شائبہ پہلے ہی اپنی گرفت
میں لے لیتا ہے۔ اگر وہ اعمال "اعمالِ واجبہ" کی قسم میں سے ہوں، ورنہ جو بھی مقدار حُسن رکھنے

والے ہوں گے اُس کے مرتبہ کے مطابق وہ عزیمت اُس جانب رُونما ہوگی اور اُس کی دلیل وہی ہے جو
پہلے بیان کی جا چکی۔ مگر چونکہ علم انکشافی میں سوائے اُس علم کے جو بواسطۂ وحی حاصل ہو ہر ایک
علم جو آئے وہ محل خطر میں ہے اُس میں یہ امکان ہوگا کہ نفس کے وسوسہ کا نتیجہ ہو یا شیطان
کی طرف سے وسوسہ اُٹھا ہو اور جو کچھ ذہن میں آیا خطاء اجتہادی تھی اس لئے وجوب کے
وارد ہونے میں اُسی قدر کمی ہوگی۔ نبی ہو یا ولی۔ غرض بقدر تفاوتِ اذہان و تفاوتِ انکشافات
وجوب میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔

علاوہ برین ایجاب حَسَن و تحریم قبیح بذمۂ خداوند احکم الحاکمین واجب نیست تا بمجرد اطلاع
حُسن و قبحِ چیزے بندگان مطیع فرمان را کاربندیٔ آن لازم آید۔ می توان شد کہ بگرداند،
حَسَن را حرام و قبیح را واجب سازد۔ ہاں این قدر مسلّم کہ در باب ایجاب و تحریم عادت خداوندی
ہمین است کہ بہر چہ حَسَن است امر می فرماید اگر امر می فرماید۔ و از ہر چہ قبیح است منع
می فرماید اگر منع می فرماید۔ چنانچہ آیت ان اللہ یامر بالعدل الخ و آیت قل ان اللہ
لا یامر بالفحشاء اگر ذوق فہم باشد بر این قدر دلالت دارد و اختیار صیغۂ مضارع کہ
برائے تجدد موضوع است عمدہ اشارہ بآنست لیکن ازین چہ لازم کہ اختیار از دست قادر
مختار رفتہ باشد بلکہ کاربندیٔ وعدہ و پابندیٔ عادت خود دلیل است بر اختیار و صورت
بجز از کارے وعدہ کردن و ناکردن ہر دو بیہودہ سری می باشد کہ تنزیہ خدائے قدوس
ازان لازم و واجب۔

اس کے علاوہ حَسَن کا واجب کرنا اور قبیح کو حرام کرنا خدائے احکم الحاکمین کے ذمہ واجب
بھی نہیں ہے کہ مطیع فرمان بندوں پر کسی چیز کی نسبت صرف حسن و قبح کی اطلاع سے ہی اس پر
کاربند ہونا لازم آجائے۔ اُس کو اختیار ہے کہ اُلٹا کر دے حَسَن کو حرام اور قبیح کو واجب کر دے۔ ہاں
یہ بات مسلّم کہ ایجاب و تحریم کے بارے میں عادت خداوندی یہی ہے کہ اگر امر فرماتے ہیں، تو جو
حَسَن ہوتا ہے اُسی کا امر فرماتے ہیں اور اگر منع فرماتے ہیں جو قبیح ہوتا ہے اُسی سے منع فرماتے ہیں۔

چنانچہ آیت (مذکورہ بالا) انّ اللہ یامر بالعدل الخ اور آیت (مذکورہ بالا) قل انّ اللہ لا یامر بالفحشاء اگر ذوقِ فہم ہو تو اس نظریہ پر دلالت رکھتی ہیں۔ اور اختیار صیغۂ مضارع کا جو کہ تجدّد کے لئے موضوع ہوا ہے اُس پر ایک اچھا اشارہ ہے۔ لیکن اس سے (یعنی اس عادت سے کہ وہ حَسَن کا حکم کرتے ہیں اور قبیح و فحشا کا امر نہیں کرتے) یہ تو لازم نہیں آتا کہ قادر مختار کے ہاتھ سے اختیار ہی نکل گیا۔ بلکہ وعدے پر کاربند اور عادت کا پابند ہونا خود دلیل ہے اختیار (کے وجود) پر۔ کسی کام سے عاجز ہونے کی صورت میں اُس کے کرنے یا نہ کرنے کا وعدہ کرنا دونوں بیہودہ سری ہوا کرتے ہیں جس سے خداوند قدّوس کی تنزیہ لازم اور واجب ہے۔

بالجملہ تعطیل عباد و قلب قصہ وجوب و حرمت از آن بے نیاز مطلق ممکن و چون نباشد گنہگاران را از ہمین بے نیازی امید در گزشت و فرمان برداران را از ہمین بے پرواہی زخم در جگر۔ فقط نظر بر حُسن و قبح چیزے را واجب بوجوب حتماً یا حرامش ہمچنین نتوان گفت۔ و تا آنکہ نص قاطع برسد امتثال یا احتراز ضروری نباید پنداشت البتہ وجوب طاعت و حرمت معصیت ہمچو حُسن و قبح طاعت و معصیت عقلی است چنانکہ گفتہ شد ورنہ دور لازم آید یا تسلسل لیکن در مفہوم طاعت و معصیت خود بر تحقق امر و نہی دلالت موجود است چہ طاعت و معصیت ہمین امتثال امر و نہی و مخالفت امر و نہی را گویند اندرین صورت طاعت و معصیت را تقدم امر و نہی لازم افتاد ہان معروضات مفہوم طاعت و معصیت کہ ذوات افعال حسنہ و قبیحہ است قبل عروض مفہوم طاعت و معصیت اعنی پیش ورود شرع شریف و نفاذ امر و نہی و نزول اجلال وحی ازین لزوم دور دوری روند۔ نظر براین این را بر آن قیاس نمودن راہ وسواس پیمودن است۔

الحاصل بندوں کو بیکار چھوڑ دینا (یعنی حَسَن کا امر اور قبیح سے منع نہ کرنا) اور وجوب و حرمت کے قصہ کو بالکل اُلٹا کر دینا اُس بے نیازِ مطلق (کے اختیار سے باہر نہیں یعنی بامکان عقلی اُس) سے ممکن ہے اور کیسے نہ ہو، یہی بے نیازی کی شان تو ہے جس سے گنہگاروں کو درگذر کی آس

شان بے نیازی کا عجیب بیان

ل ہوئی ہے اور فرمانبرداروں کو بھی بے پرواہی (لرزہ براندام رکھتی اور) جگر زخمی کر دیتی ہے کسی چیز کے صرف حُسن اور قبح پر نظر کرتے ہوئے وجوب قطعی کے ساتھ واجب یا حرام قطعی کے ساتھ حرام نہیں کہہ سکتے اور نص قاطع کے پہنچ جانے تک عمل میں لانا یا بچنا ضروری نہ گمان کرنا چاہئے۔ البتہ طاعت کا وجوب اور معصیت کی حرمت، طاعت اور معصیت کے حُسن اور قبح کی طرح عقلی ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے ورنہ دور لازم آجائیگا یا تسلسل۔ لیکن طاعت اور معصیت کے مفہوم میں خود امر و نہی کے تحقق پر دلالت موجود ہے۔ کیونکہ طاعت و معصیت اسی امتثال امر و نہی اور مخالفت امر و نہی کو کہتے ہیں۔ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ طاعت و معصیت، امر و نہی سے مقدّم ہو۔ ہاں طاعت و معصیت کے معروضات جو افعالِ حسنہ و قبیحہ کی ذوات ہیں (مثلاً نماز روزہ وغیرہ افعال حسنہ جو معروض طاعت ہیں اور زنا چوری وغیرہ افعال قبیحہ جو معروض معصیت ہیں)، طاعت و معصیت کا مفہوم عارض ہونے سے پہلے یعنی شرع شریف کے ورود اور امر و نہی کے نفاذ اور وحی کے نزول اجلال سے پہلے اُس لزوم سے بعید اور دور ہو کر چلتے ہیں۔ اس پر نظر کرتے ہوئے اِس کو اُس پر قیاس کرنا توہمات کے پیچھے دوڑنا ہے۔

واگر کسے را این اندیشہ در فکر اندازد کہ موجب اطاعت امر و نہی فقط حسن است چنانکہ دانستہ شد پس چہ فرق بمیان آمد کہ اتباع اوامر و نواہی لازم افتاد و اقتدا حسب اقتضاء حسن و قبح لازم نشد جوابش این ست کہ حسن ابتغاء مرضات اللہ کہ عین اتباع اوامر و نواہی است از حُسن ماہیاتِ افعال بدرجہا قوی ست چہ منشأ حسن ابتغاء مرضات اللہ محبوبیت خدا است و منشأ اقتداء مقتضاء حسن و قبح افعال بر محبوبیت آن افعال است و فرقیکہ میان خالق متعال و افعال است ہویدا است و پس ازین مخالفت اوامر و نواہی با مقتضاء مذکور ممکن و مخالفت اوامر و نواہی با اوامر و نواہی دیگر متصور نیست۔ نظر براین قبل از ورود شرع شریف مطمئن نتوان شد ممکن ست کہ قصہ برگردد و پس از ورود شرع شریف اندیشۂ انقلاب از میان برخاست۔

اور اگر کسی کو یہ اندیشہ فکر میں مبتلا کردے کہ اطاعت امر و نہی کا موجب فقط حسن ہے جیسا کہ واضح ہو چکا تو کونسا مانع درمیان میں حائل ہو گیا کہ اوامر و نواہی کا اتباع تو ضروری ہو گیا اور حسن و قبح کے مقتضا کے مطابق اتباع ضروری نہ ہوا۔

...کی تقریر اور اس کا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ ابتغاء مرضات اللہ کا حُسن جو کہ عین ہے اوامر و نواہی کے اتباع کا ماہیات افعال کے حسن سے بدرجہا قوی ہے۔ کیونکہ ابتغاء مرضات اللہ کے حسن کا منشا خدا کی محبوبیت ہے اور افعال کے حُسن و قبح کا جو مقتضا ہے اُس کی اقتداء مبنی ہے اُن افعال کی محبوبیت پر اور جو فرق خالقِ متعال اور افعال کے درمیان ہے کھلا ہوا ہے اور اس کے بعد اوامر اور نواہی کی مخالفت مقتضاء مذکورہ سے ممکن ہے اور مخالفت اوامر و نواہی کی دوسرے اوامر و نواہی کی ساتھ متصور نہیں ہے (اس لئے بعد امر و نہی کے وارد ہو جانے کے کوئی خدشہ اُن کے اتباع میں باقی نہیں رہتا) اس پر نظر کرتے ہوئے شرع شریف کے وارد ہونے سے پہلے مطمئن نہیں ہوا جا سکتا کہ ممکن ہے قصہ پلٹ جائے (اور جس فعل میں حسن محسوس ہو رہا تھا اُس ذات بے نیاز کی طرف سے جو علیم و حکیم ہے ممنوع ہو جائے) اور شرع شریف کے وارد ہونے کے بعد یہ انقلاب کا اندیشہ درمیان سے برطرف ہو جاتا ہے۔

حسن ابتغاء مرضات اللہ حسن ماہیات افعال سے بدرجہا قوی ہے۔

اکنون فهمیده باشی که انچه حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه بعد نزول آیت ویسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیهما اثم کبیر ومنافع للناس الخ فرموده اند اللّٰهم بیّن لنا بیان شفاء چنانچه در ترمذی شریف در تفسیر سورهٔ مائده مروی ست بنا رآن برهمین نکته دقیقه است۔ واللہ اعلم۔ اگر وجوب وحرمت یا استحباب وکراہت بطور مذکور لازم حسن وقبح بودے در بارهٔ ایجاب وتحریم بیان قلت منافع وبزرگی مضار خمر ومیسر کافی بودے باز استدعا بیان شافی چه معنی داشتے۔

اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کے نزول کے بعد:۔

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل	لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے

فیهما اثم کبیر ومنافع للناس الخ	کہ ان دونوں کے استعمال) میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کو (بعضے) فائدے بھی ہیں۔
جو یہ فرمایا تھا اللّٰھم بیّن لنا بیان شفاء	اے اللہ ہمارے لئے ایسا حکم، بیان کر دیجئے جو شافی بیان ہو

چنانچہ ترمذی شریف میں سورہ مائدہ کی تفسیر میں مروی ہے اُس کی بنا اسی باریک نکتہ پر ہے۔ واللہ اعلم۔ اگر وجوب و حرمت یا استحباب اور کراہت بطور مذکور حسن و قبح کو لازم ہوتے تو شراب اور جوئے کے بارے میں اُن کے منافع کی کمی اور مضار یعنی نقصانات میں زیادتی کا بیان فرما دینا اُن کے ایجاب یا تحریم کے سلسلہ میں کافی ہو جاتا پھر بیان شافی کی استدعا کیا معنی رکھتی۔

اکنون باید شنید میدانی وہمه می دانند که ارسال رسل وانزالِ کتب وتفصیل احکام از حلال وحرام وتمیز خیر از شر موافق اعتقاد اہل حق بذمه خدائے برحق واجب نیست چه حق کسے بذمهٔ خود ندارد ووجوب حق را ضرورست که از جانب مستحق نفعے بجانب مستحق علیه رسیده باشد ہاں حق را اگر مقتضا چیزے گویند که خود در جانب او تعالیٰ باشد مثل صفت رحمت وغیره که آثار خاصهٔ معلومه را مقتضی است البته میتوان گفت که ارسال رسل وانزال کتب وغیره واعطاء ثواب مثلاً حق است یا عدم تعذیب بشرطیکه بندگان مشرک نباشند حق بندگان برخدا است۔ مگر این چیزے دیگر است وحق مقتضی ووجوب چیزے دیگر۔

اب سننا چاہئے۔ آپ بھی جانتے ہیں اور سب جانتے ہیں کہ پیغمبروں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا اور احکام کی تفصیل کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام اور شر سے خیر کو ممتاز کر دینا، اہل حق کے اعتقاد کے مطابق خدائے برحق کے ذمہ واجب نہیں ہے کیونکہ وہ کسی کا حق اپنے ذمہ نہیں رکھتا اور حق کے وجوب کے لئے ضروری ہے کہ مستحق کی جانب سے کوئی نفع اُس کو پہنچا ہو جس کے ذمہ حق واجب ہو۔ ہاں اگر حق کا مقتضا کسی ایسی چیز کو قرار دیں جو کہ خود اُس جل شانہ کی جانب ہو مثل صفتِ رحمت وغیرہ جو کہ اُن آثار خاصہ کی مقتضی ہوتی ہے جو عیاں ہیں تو البتہ کہہ سکتے ہیں کہ رسولوں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا وغیرہ اور مثلاً ثواب عطا کرنا حق ہے یا عذاب نہ دینا بشرطیکہ

پیغمبروں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا حق تعالیٰ شانہ پر واجب نہیں ہے۔

بندے مشرک نہ ہوں بندوں کا حق خدا پر ہے۔ بلکہ یہ کچھ اور بات ہے۔ اور ایسا حق جو مقتضی وجوب ہو دوسری بات ہے۔

> معہذا وجوب را موجب بکار است و حرمت را محرم درکار اگر وجوب را بذمۂ خدا خواہند انداخت موجب از کجا خواہند آورد بالائے خدائے رفیع الدرجات لاشریک لہٗ خدائے دیگر نیست که توہم ایجاب و تحریم و وجوب و حرمت بدل او یابد۔ وچون از اصل ارسال رسل و انزال کتب در جملہ احکام و تفصیل و تمیز حسن از قبح یک قلم بذمۂ خدا واجب نشد اگر تفصیل اکثر جنس از افعال قبیحہ کردہ وحی را بازدارند و از تفصیل بعض حسنات و سیئات سکوت ورزند میتوانند شد پس اگر ماہیتے از ماہیات افعال چنان باشد کہ در محاسن با ماہیات فرائض می سنجد اما از جناب او تعالیٰ و تقدس پردہ از حقیقت آن حقیقت نبرداشتہ اند موافق وعدۂ صادقہ وماكنا معذبين حتى نبعث رسولا۔ تارک او مثل تارکان فرائض معذب نخواہد شد اگرچہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسب انکشاف خود از حقیقت حال و محاسن و مآل آن افعال خبر دادہ باشند۔ چہ انکشاف انبیا خصوصاً سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم ہرچند در بارۂ صحت و تیقن شریک آن وحی باشد کہ از جانب او تعالیٰ و تقدس بطور رسالت و پیام رسانی فرود آمدہ اما از قسم رسالت و پیامش نتوان گفت۔

اس کے ساتھ (دوسری دلیل یہ ہے کہ) وجوب کے لئے موجب ہونا چاہئے اور حرمت کے لئے محرّم ضروری۔ اگر خدا کے ذمہ وجوب کو ڈالیں گے تو موجب کہاں سے لائیں گے خدائے رفیع الدرجات سے جس کا کوئی شریک نہیں اوپر کوئی دوسرا خدا نہیں ہے کہ ایجاب اور تحریم اور وجوب و حرمت کا (اُس کی جانب سے) دل میں وہم پیدا ہو سکے۔ اور جب رسولوں کا بھیجنا اور تمام احکام کے بارے میں کتابوں کا نازل کرنا اور بھلائی کو برائی سے ممیّز و مفصّل کر دینا اصل سے ہی خدا کے ذمّہ واجب نہیں ہوا تو اگر افعال قبیحہ میں سے اکثر کے گندہ پن کی تفصیل کر کے وحی کو روک لیں اور بعض نیکیوں اور بدیوں کی تفصیل سے سکوت اختیار فرما لیں تو ایسا ہو سکتا ہے تو اگر ماہیات

افعال میں سے کوئی ماہیت ایسی ہو کہ محاسن میں فرائض کی ماہیات کے ہموزن ہو مگر باری تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ سے اُس ماہیت کی حقیقت کو بے نقاب نہیں کیا گیا تو حسب وعدۂ صادقہ وماكنا معذبين حتى نبعث رسولا اُس کا ترک کرنے والا فرائض کے ترک کرنے والوں کی مثل معذّب نہ ہوگا اگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے انکشاف کے مطابق اُن افعال کی حقیقت حال اور اُن کے محاسن اور انجام سے خبر دے چکے ہوں۔ کیونکہ انکشاف انبیاء کا خصوصاً سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا اگرچہ صحیح اور یقینی ہونے کی حیثیت میں اُس وحی کا شریک ہے جو خدائے تعالیٰ و تقدس کی جانب سے بطور رسالت و پیغام رسانی کے نازل ہوئی لیکن اس کو رسالت اور پیغام کی قسم سے نہیں کہہ سکتے۔

> اندرین صورت این بیان واجب الاذعان آن سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم متعلق بمنصب رسالت آن رسالت پناہی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نخواہد بود بلکہ منشأ آن خیر خواہی و حقیقت آگاہی آن قبلہ گاہی صلی اللہ علیہ وسلم خواہد بود کہ در آیت لقد جاءكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمؤمنين رؤف رحيم از ان خبر دادہ اند۔ مگر این ہم ہویداست کہ بمقتضائے ہمچو ماہیات اگر عقاب خواہد بود عقاب را کہ کمتر از ان است و داخل در ان بدرجۂ اولیٰ اقتضا خواہد نمود پس در صورتیکہ عقاب را برداشتند و در بارۂ نفی عتاب ہیچ نفرمودند در بارۂ عتاب ہمچو ماہیات بر مقتضا خواہند ماند۔ پس اینکہ شنیدہ باشی کہ تارک سنت مؤکدہ معاتب است نہ معاقب ازین جا است کہ معروض شد۔

اس صورت میں اُن سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان واجب الاذعان آپ کے منصب رسالت سے متعلق نہ ہوگا بلکہ اس کا منشأ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کاملہ اور امت کی خیر خواہی ہوگی جس کی اطلاع اس آیت میں دی گئی ہے۔

لقد جاءكم رسول | (اے لوگو، تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں

مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ | جو تمہاری جنس (بشر) سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گذرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے بالخصوص) ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق (اور) مہربان ہیں۔

مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ اس طرح کی ماہیات کے مقتضے سے اگر عذاب ہوگا تو عذاب کے لئے جو اُس سے کمتر ہے اور اُس (عذاب) میں داخل ہے اُس کا اقتضاء بدرجۂ اولیٰ ہوگا۔ تو جس صورت میں کہ عذاب کو اٹھا دیا اور عتاب کی نفی کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا تو عتاب کے بارے میں اس طرح کی ماہیات اپنے مقتضیٰ پر قائم رہیں گی۔ پس یہ جو آپ نے سنا ہوگا کہ سنت مؤکدہ کا تارک مُعَاتَب ہے (یعنی اُس پر عتاب ہوگا)، نہ مُعَاقَب (یعنی اس وجہ سے اس پر عذاب نہ ہوگا) اُس کا یہی راز ہے جو کہ عرض کیا گیا ہے۔

علاوہ برین در صورت تاکید کم از کم عتاب از لوازم ترک است و نفس تاکید اتباع سنت از آیت قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم وہم از آیہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیراً اگر فہم سلیم باشد ہویداست ودین آیۃ شرط ان کنتم تحبون اللہ ودران آیہ صلۂ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیراً این دو کلمہ بر بے ایمانی تارکان دلالتے دارد کہ مپرس۔

اس کے علاوہ (ایک دوسری جہت بھی قابل توجہ ہے) مؤکدہ ہونے کی صورت میں کم سے کم عتاب تو ترک (سنت مؤکدہ کے) لوازم میں سے ہے اور نفس تاکید اتباع سنت کی اس آیت سے:-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ | آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑی عنایت فرمانے والے ہیں۔

تارک سنت پر عتاب ہوگا عتاب نہ ہوگا اس کا راز

ترک سنت پر دو ... اتباع سنت کا ... اتباع سنت رسول کا

اور اس آیت سے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۔ | تم لوگوں کیلئے یعنی ایسے لوگوں کیلئے جو اللہ تعالیٰ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

اگر فہم سلیم ہو تو بالکل واضح ہے۔ اس آیت میں اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ کی شرط اور اس آیت میں (اسوۃ حسنۃ کے ساتھ) صلہ لمن کان یرجو اللّٰہَ والیوم الآخِرِ وذکر اللہ کثیرا ○ یہ دونوں کلمے تارکان سنت کی بے ایمانی پر نہ پوچھو کہ کس قدر (واضح) دلالت رکھتے ہیں۔

دلالت ثانی ظاہر است۔ باقی ماند دلالت اول اگر آیۃ والذین اٰمنوا اشد حبا للہ را باین آیہ فراہم آرند و باز نظر برگمارند انچہ گفتہ ایم صاف ہویدا می شود این انداز بی نیازی کہ لرزہ بر اندام نیاز مندان عبودیت شعار می افگند اگر عتاب نیست بگو کہ چیست سخنے قابل گوش زدن ماندہ آن اینکہ عتاب اگرچہ ضرور است کہ ماہیتے از افعال باشد چنانکہ گفتی کہ باز نوبت مطالبہ از جانب او تعالیٰ ہم نرسیدہ باشد فقط حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از حقیقت حال مطلع شدہ مطلع ہیچ فرمودہ باشد۔ می تواند کہ حسن و قبح از قسم کلی مشکک باشد وہمین است اگر عقل سلیم و ذہن مستقیم باشد درجۂ از حسن و قبح منشاء فرضیت و حرمت بود و درجۂ دیگر کہ فروتر ازان باشد موجب تاکید و کراہت و حسب مدارج محاسن و قبائح امر و نہی خداوندی بدان تعلق یافتہ ثمرۂ ترک فرائض عقاب و نتیجۂ ترک مؤکدات عتاب بود لیکن ہمہ از جانب خدائے تعالیٰ بود نہ آنکہ آن از جانب خدائے تعالیٰ است و این از طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ثانی الذکر کی دلالت تو ظاہر ہی ہے۔ باقی رہی اول الذکر کی دلالت۔ تو اگر آیت وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ | اور جو مومن ہیں ان کو (صرف) اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے کو اس آیت کے ساتھ جمع کریں اور پھر غور کریں تو جو کچھ ہم نے کہا ہے صاف عیاں ہو جائے گا۔

ان کنتم تحبون اللہ اور لمن کان یرجو اللہ الخ کی زبردست ایک بہت پر تنبیہ

اور یہ انداز بے نیازی ہو کہ نیازمندانِ عبودیت شعار کے اجسام پر کپکپی طاری کر رہی ہے اگر یہ نہیں ہے تو بتلاؤ کیا ہے۔ (خلاصہ یہ کہ ترک سنت مؤکدہ پر دوسرا عتاب ہے ایک وہ جو سنت مؤکدہ کے ترک پر اُس کے لوازم میں سے ہے۔ دوسرا اس سے بھی سخت عتاب اتباع سنت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک کا ہے

ایک بات گوش گذار کرنے سے رہ گئی اور وہ یہ ہے کہ (اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ) عتاب کے لئے یہ کیوں ضروری ہے کہ افعال میں سے کوئی ماہیت ہو جیسا کہ آپ نے بیان کیا اور پھر حق تعالیٰ کی جانب سے مطالبہ کی نوبت بھی نہ پہنچی۔ فقط حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقت حال سے مطلع ہو کر مطلع فرما دیا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ حسن و قبح کلّی مشکک کی قسم میں سے ہوں" اور اگر عقل سلیم اور ذہن مستقیم ہو تو حقیقت یہی ہے " حسن و قبح کا ایک درجہ منشا ہو جائے فرضیت و حرمت کا اور دوسرا درجہ جو کہ اس سے نیچے ہوگا وہ موجب ہو جائے تاکید اور کراہت کا اور محاسن و قبائح کے درجات کے مطابق امر و نہی خداوندی کا اُن سے تعلق ہو گیا اس لئے ترک فرائض کا ثمرہ عذاب اور ترک مؤکدات کا نتیجہ عتاب ہوگا لیکن یہ سب حق تعالیٰ کی جانب سے ہوگا۔ نہ یہ کہ وہ (عذاب) خدا تعالیٰ کی جانب سے ہے اور یہ (عتاب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہے۔

بجواب این سخنے دیگر بشنو۔ ما نمی گوئیم کہ ہر چہ تارک آن معاتب است ہمین طور ست کہ ماہیتش ہم سنگ فرائض است در محاسن و امر خداوندی بدان تعلق نیافتہ، فقط تاکید نبوی بطور خیر خواہی کہ مبنی بر انکشاف حضرتِ ایشان ست صلی اللہ علیہ وسلم باعث بر آن گردیدہ، نے بلکہ ہر چہ سنت است آنچنان است کہ گفتیم، ماہیتش چنان و کیفیت تعلق امر و نہی بدان چنین، و ظاہر ست کہ سنت ہمان ست کہ با آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقط انتسابِ خطاب دارد، ورنہ اگر نظر بمجرد عمل نبوی سنت نام نہادن و است در فرائض چہ نقصان است کہ سنت نام نمی نہند، بلکہ بمقابلۂ سنت می نہند۔ ہان تعریفِ بعض اکابر اگر بر قسم مذکور از ماموراتِ خداوندی راست آید۔ من نمی گویم کہ جملہ تعریفات سنت جامع و مانع است آخر تعریف بالاعم ہم در بعض مواقع جائز می شود۔

اس بات کے جواب میں دوسری بات سنو۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر وہ چیز کہ جس کا ترک کرنے والا معاتب ہے اسی طرح کی ہے کہ "اُس کی ماہیت محاسن میں فرائض کے ہم سنگ ہے، اور امر خداوندی اُس سے متعلق نہیں ہوا۔ فقط تاکید نبوی جو بطور خیر خواہی اُمت آپ نے فرمائی جس کی باعث آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انکشاف پر ہے اُس پر (عمل کے لئے) باعث بنی" نہیں بلکہ جو چیز سنت ہے اُس کی وہ صفات ہیں جو ہم نے بیان کی کہ اُس کی ماہیت ایسی ہوتی ہے اور اُس سے امر و نہی کا تعلّق ایسا ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ سنت وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فقط خطاب کی نسبت رکھتی ہے (یعنی اُس فعل کو سنتِ رسول کا خطاب دیا جاتا ہے) ورنہ اگر محض عمل نبوی پر نظر رکھتے ہوئے اُس کا نام سنت رکھ دینا روا ہے تو فرائض میں کیا نقصان ہے کہ اُن کا نام سنت نہیں رکھتے۔ بلکہ (فرائض کو) سنت کے مقابلہ پر رکھتے ہیں۔ ہاں بعض اکابر کی تعریف اگر ماموراتِ خداوندی میں سے قسم مذکور پر صادق آجائے تو امر دیگر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سنت کی تمام تعریفات جامع اور مانع ہیں آخر تعریف بالاعم بھی تو بعض مواقع میں جائز ہوتی ہے۔

با این ہمہ اگر نزد کسے قسمے از افعال باعتبار تعریفے مسمی بسنت باشد و نزد دیگرے باعتبار تعریفے مسمیٰ باسم دیگر مثل نفل یا مستحب یا اسمے ندارد انجام آن بجز نزاع لفظی چہ خواہد بود۔ بالجملہ کلام ما درین است کہ ہر چہ سنت ست این چنین است چہ مفہوم سنت چنانکہ دانی انتساب خاص بذات پاک حضرت لولاک صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم می خواہد کہ بے طور مذکور برابر راست نمی آید، مگر آنکہ در تسمیہ لحاظ مفہوم سنت نکنند۔ یا گویند کہ احتمال مذکور فقط احتمال عقلی است در نقل یافتہ نمی شود اگر چہ یافتہ شود۔ و گویند لا مشاحۃ فی الاصطلاحات۔ بالجملہ فرض و سنت مؤکدہ باعتبار حسن ذاتی از یک نوع می باشند۔

فرقِ اگرمی باشد فقط ہمین قدر می باشد کہ درباره یکے پروانہ سرکاری رسیده وبدین حساب تارکش محلِ عقاب گردیده وبنسبت دیگرے ہمچنان گذاشته اند مگر چون این مضمون بے آنکہ از شرحِ نوعِ فرائض چیزے زیرِ قلم کشیده شود واستطراداً از ماہیتِ واجب ہم چیزے عرض کرده شود از ہم نمی کشاید وکاری برآید۔

ان سب کے ہوتے ہوئے اگر کسی ایک کے نزدیک افعال کی کوئی قسم کسی تعریف کے اعتبار سے "سنت" کے نام سے موسوم ہو اور دوسرے کے نزدیک (وہی قسم) دوسری تعریف کے اعتبار سے دوسرے نام سے مسمّٰے ہو جائے مثل "نفل" "مستحب" کے یا کوئی نام ہی نہ رکھے تو اُس کا انجام بجز نزاعِ لفظی کیا نکلے گا۔ الحاصل ہماری گفتگو اس میں ہے کہ جو چیز سنت ہے وہ ایسی ہوتی ہے کیونکہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں سنت کا مفہوم ذاتِ پاک حضرت لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک خاص انتساب چاہتا ہے جو کہ مذکورہ بالا طریق کے بغیر (اپنے مفہوم پر) ٹھیک طور پر مطابق نہیں ہوتا۔ مگر یہ کہ نام رکھنے میں سنت کے مفہوم کا لحاظ نہ کریں یا یہ کہدیں کہ احتمال مذکور محض احتمالِ عقلی ہے، نقل میں نہیں پایا جاتا ہے اور کہدیں کہ لا مشاحۃَ فی الاصطلاحات (یعنی اصطلاحات میں کوئی جھگڑا نہیں ہوتا)۔ خلاصہ یہ ہے کہ فرض اور سنت مؤکدہ حسن ذاتی کے اعتبار سے ایک ہی نوع میں سے ہیں۔ فرق اگر ہوتا ہے تو فقط اتنا ہی ہوتا ہے کہ ایک کی بابت میں پروانہ سرکاری پہنچ گیا اور اس حساب سے اُس کا تارک محلِ عذاب میں جا پڑا۔ اور بہ نسبت دوسری کے (کوئی پروانہ سرکاری نہیں پہنچا) اُس کو ویسے ہی رہنے دیا۔ لیکن بغیر اس کے کہ نوعِ فرائض کی شرح کے بارے میں کچھ سپردِ قلم کیا جائے اور اُس کے ذیل میں واجب کی ماہیت کی نسبت بھی کچھ عرض کر دیا جائے، اس مضمون کی عقدہ کشائی نہیں ہوتی اور کام نہیں چلتا۔

این قدر خود محقق است کہ خداوند تعالیٰ علیم وحکیم است، وہم متحقق است کہ فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ دریں باره زبان درازی وسخن پردازی تطویل لاطائل است آنانکہ بہره از دین وعلم

واین میدارند می دانند وبا بیہوده سرایان کار نداریم۔ نظر بہ این ضرور است وبہ ضرور است کہ ہر چیزے را بمرتبہ خود نہاده باشند۔ واین طرف ہوشیارانِ این راه را معلوم است کہ در دینیات اگر یکے مقصود بالذات است در برابرش امرے مقصود بالعرض ہم نہاده اند وچون نباشد در عالم اسباب ہر چہ ہست دین باشد یا دنیا علاقہ سببیت ومسببیت را تضمین کرده اند وکارے را بکارے گره داده اند تا دانی غنی عن العلمین ہمو نست کہ ہمہ را آفریده

یہ ایک حقیقت ظاہرہ ہے کہ خداوند تعالیٰ علیم وحکیم ہے (یعنی علم کامل وحکمت کاملہ سے موصوف ہے) اور یہ بھی متحقق کہ فِعْلُ الحَكِيْمِ لَا يَخْلُوْ عَنِ الحِكْمَةِ (حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا) اس بارے میں لب کشائی اور سخن پردازی بے فائدہ طول دینا ہے۔ جو لوگ دین اور علم کا کچھ حصہ رکھتے ہیں وہ جانتے ہی ہیں اور بکواس کرنے والوں سے ہم کو کچھ سروکار نہیں۔ اس پر نظر کرتے ہوئے ضروری ہے اور نہایت ضروری ہے کہ ہر ایک چیز کو ہم اُس کے اپنے مرتبہ پر رکھیں اور ادھر جو حضرات اس راہ کے اہل بصیرت ہیں اُن کو معلوم ہے کہ دینیات میں اگر ایک مقصود بالذات ہے تو اُس کے برابر میں ایک امر مقصود بالعرض بھی رکھدیا ہے۔ اور کیسے نہ ہو۔ عالم اسباب میں جو کچھ بھی ہے دین ہو یا دنیا اُن کو سببیت اور مسببیت کے علاقہ سے جوڑ دیا ہے اور ایک کام سے دوسرے کام کی گرہ لگا دی ہے تاکہ تم جان لو کہ تمام جہان والوں سے بے احتیاج صرف وہی ہے جس نے سب کو پیدا کیا۔

بالجملہ عالم اسباب ما کہ ہمانا عالم امکان است۔ قطع نظر از احتیاج الی الواجب احتیاج دیگر کہ مابین یک دیگر تعبیہ فرموده اند حاجت افتاده تا وحدانیت او تعالیٰ درباره غنا عن العلمین بجائے خود ماند۔ این قضیہ ہر چند بدیہی ست مگر باکسانے کاری افتد کہ دم نا از سبب نمی شناشند تا بہ تمیز سبب از سبب و موقوف از موقوف علیہ چہ رسد۔ تا وقتیکہ یک دو

مثال اطمینان خاطر نکردہ شود از عالی نخواہند فرمود، بدین وجہ بطور مشتے نمونہ از خروارے یک دو مثال اول عرض کردہ می شود و باندر ضمن تقریر اصل مطلب مؤیدات این مطلب معروض خواہد شد۔

الحاصل عالم اسباب کے لئے کہ وہی عالم امکان ہے واجب کی طرف احتیاج سے قطع نظر دوسری احتیاج کی بھی جس کو ایک دوسرے کے مابین پیوست کر دیا ہے ضرورت واقع ہوئی تاکہ باری تعالیٰ شانہٗ کی وحدانیت تمام جہان والوں سے غنا و بے احتیاجی کی شان میں اپنی جگہ ممتاز رہے۔ یہ دعویٰ اگرچہ بدیہی ہے مگر کیا کیجئے ایسے لوگوں سے سابقہ پڑ رہا ہے جن کو یہ پتہ بھی نہیں کہ دُم کہاں اور سر کہاں۔ یہ لوگ سبب و مسبب اور موقوف و موقوف علیہ میں کیا تمیز کریں گے۔ جب تک ایک دو مثال سے اطمینان خاطر نہ کر دیا جائے یہ یقین نہیں فرمائیں گے۔ اس وجہ سے "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر اول ایک دو مثال عرض کی جاتی ہیں۔ پھر اصل مطلب کی تقریر کے ضمن میں اس مطلب کے مؤیدات عرض کر دیئے جائیں گے۔

علم را ہمہ دانند کہ مقصود بالذات نیست فقط ذریعۂ تعبد ست و بذات خود از تعبدات ہم نیست۔ چنانکہ بدیہی ست ورنہ ہر نوع علم کہ باشد عبادت شدے۔ با این ہمہ تعبد را ضرور است، کہ متضمن تعظیم دیگرے باشد۔ چہ تعبد از اضافیات ست و تحقق متقابلاتِ تقابلِ تضایف را لازم است کہ یکے دست بگریبان دیگرے باشد یعنی یکے بے دیگرے متحقق نمی توان شد و مقابل تذلل خود تعظیم دیگرے خواہد بود نہ امر دیگر۔ وظاہر است کہ علم ازین قصہ خبر ندارد۔ در تحقق علم وجود عالم و معلوم و تعلق مبدء انکشاف عالم بمعلوم کافی است۔ بہ تعظیم و تحقیر خویش یا دیگران سروکارے ندارد۔ بالجملہ علم ہر کجا کہ باشد ذریعۂ احوال یا وسیلۂ افعال می باشد۔ آن احوال و افعال حسنات باشد یا سیئات، از دین باشد یا از دنیا، اندرین صورت مابین علم و آن احوال و افعال ہمین علاقۂ سببیت و مسببیت خواہد بود۔

علم کو سب جانتے ہیں کہ مقصود بالذات نہیں ہے فقط ایک ذریعہ ہے عبادت کا اور بذات خود تعبّدات میں سے بھی نہیں ہے۔ یہ ایک بدیہی امر ہے ورنہ جس نوع کا علم بھی ہوتا عبادت ہو جاتا۔ با این ہمہ تعبّد کے لئے ضروری ہے کہ دوسرے کی تعظیم اُس کے ضمن میں پائی جائے کیونکہ تعبّد (بندگی) اضافیات[1] میں سے ہے اور تقابلِ تضایُف[2] کے متقابلات کے تحقق کے لئے (یعنی اس قسم میں جو اشیاء ایک دوسرے کے مقابل ہوتی ہیں اُن کے پائے جانے کے لئے) ضروری ہے کہ ایک کا ہاتھ دوسرے کے گریبان میں ہو یعنی ایک بغیر دوسرے کے متحقق نہیں ہو سکتا۔ (تعبّد کے معنی ہیں اپنی عبودیت و تذلل اور بندگی کا اظہار کرنا۔ تعبد میں تذلّل پایا جانا ضروری ہے۔) اور مقابل اپنے تذلّل کا "دوسرے کی تعظیم" ہوگی۔ کوئی دوسرا امر نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ علم کو اس قصہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ علم کے تحقُّق کے لئے عالم کا وجود اور معلوم اور عالم کے مبدأ انکشاف کا تعلق معلوم سے ہونا کافی ہے۔ یہ مفہوم تعظیم اور تحقیر سے جو اپنے یا دوسروں کے حق میں ہو کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ حاصل یہ کہ علم جہاں بھی ہوگا احوال کا ذریعہ یا افعال کا وسیلہ ہی ہوگا۔ وہ احوال و افعال حسنات ہوں یا سیئات۔ دین میں سے ہوں یا دنیا میں سے۔ اس صورت میں علم اور اُن احوال اور افعال کے درمیان یہی علاقہ سببیت اور مسببیت کا ہوگا۔

ہمچنین رفتارِ مسجد وغیرہ و گفتارِ پند وغیرہ و اعدادِ آلاتِ جہاد وغیرہ از اسباب و ذرائع قریبہ یا بعیدہ تعبدات است نہ از اصل تعبدات۔ و این ہم ظاہر است کہ مقصود بالذات درین اقسام تعبدات است نہ ذرائع۔ باعتبار عقل این قضیہ محتاج دلیل نیست۔ و باعتبار نقل اگر بینی آیت وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون و آیت وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین بہر اثبات این دعویٰ کافی است۔

اسی طرح (نمازی کی) رفتار مسجد کے لئے اور کلام نصیحت کی غرض سے وغیر ذلک اور آلاتِ جہاد وغیرہ کی طیاری جو تعبُّدات کے قریب یا بعید اسباب اور ذرائع میں سے ہیں۔ اصل تعبدات میں سے

[1] اضافیات ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کے مفہوم میں دوسری چیز کی طرف نسبت پائی جائے جیسے چھوٹا، بڑا، اونچا، نیچا۔ ۱۲ مترجم
[2] ایسی دو شے کے ایک دوسرے سے مقابل ہونے کو جن میں سے ہر ایک کا سمجھنا دوسرے کے سمجھنے پر موقوف ہو۔ "تقابل تضایُف" کہتے ہیں جیسے باپ، بیٹے کا تقابل یا ماموں، بھانجا۔ چچا، بھتیجا۔ قاتل، مقتول۔ عابد، معبود۔ آقا، غلام ۱۲ مترجم

مقصود بالذات اور ... ایک مثال

... تقابل تضایف کا مطلب

... دوسری مثالیں

نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مقصود بالذات اس اقسام میں تعبدات ہیں نہ ذرائع۔ یہ قضیہ عقلی اعتبار سے دلیل کا محتاج نہیں۔ اور باعتبار نقل یہ آیتیں اس دعوے کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

دعوٰی مذکورہ کے ثبوت میں چند آیات

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○	اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔
وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۵	حالانکہ ان لوگوں کو (کتب سابقہ میں) یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت اسی کے لئے خاص رکھیں۔

مگر دانی کہ مقصود بالذات از اشیاء مرکبہ ہیئتِ اجتماعیہ می بود و نظر اولی در ترکیب بر ہیئتِ حاصلہ می باشد۔ و اجزاء آن اشیاءِ مرکبہ باین نظر کہ متممات و مبادی و ذرائع و وسائل آن ہیئت می باشند مطلوب می گردند، نہ بذاتِ خود۔ لیکن چنانکہ اجزاء شکل و صورت انسانی مظاہر و آلات کمال پنہانی اوست۔ چہ گوش مثلاً مظہر و آلہ قوت سامعہ، و چشم مثلاً مظہر و آلہ قوت باصرہ است۔ ہمچنین ارکان این صلوات وغیرہا مظاہرِ احوالِ رُوحانی و کیفیاتِ پنہانی است کہ در مقابلہ عظمت و علو کہ مثلاً در رکوع و سجود ملحوظ می باشد افتادہ، و وجہش چنانکہ دانی ظاہر است۔ زیراکہ عبادت و تعبد نام ہمین احوال و کیفیات است، ہر قدر کہ باشد، نہ این افعال۔ ورنہ در مخلص از منافق چہ فرق بود۔ و ہمین ست کہ لاصلوٰۃ الا بحضور القلب، یا انما الاعمال بالنیات فرمودہ اند۔

اشیاء مرکبہ سے مقصود بالذات ہیئت اجتماعیہ ہوتی ہے

مگر تم جانتے ہو کہ اشیاء مرکبہ سے مقصود بالذات ہیئت اجتماعیہ ہوتی ہے اور ترکیب میں پہلی نظر ہیئت حاصلہ پر ہوتی ہے (جیسے دیوار ایک ایسی ہیئت اجتماعیہ ہے جو اینٹوں کی ترکیب سے حاصل ہوئی) اور ان اشیاء مرکبہ کے اجزاء بھی (جیسے دیوار کے اجزاء اینٹیں، گارا، چونہ وغیرہ) اس نظر سے کہ وہ اُس ہیئت کو پورا کرنے والے اور اُس کے مبادی اور ذرائع اور وسائل ہوتے ہیں مطلوب بن جاتے ہیں، بذاتِ خود مطلوب نہیں ہوتے۔ لیکن جس طرح کہ شکل و صورت انسانی کے اجزاء مظاہر اور آلات ہیں۔ انسان کے مخفی کمال کے جیسے کان مثلاً مظہر اور آلہ ہے قوت سامعہ کا اور آنکھ مثلاً مظہر اور آلہ ہے قوت باصرہ کا۔ اسی طرح ارکان ان نماز (اور) وغیرہ (دیگر عبادات حج و صوم وغیرہ) کے اُن احوال روحانی اور کیفیات پنہانی کے مظاہر ہیں جو کہ مثلاً (حق تعالٰی کی) عظمت اور علو (مرتبہ) کے مقابلہ میں جو رکوع و سجود میں ملحوظ ہوتی ہے واقع ہوئے ہیں۔ اور اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ عبادت اور تعبد اُن ہی احوال اور کیفیات کا نام ہے جس قدر بھی ہوں۔ نہ اُن افعال کا۔ اگر عبادت ان افعال کا نام ہوگا تو مخلص اور منافق میں کیا فرق ہوگا۔ اور یہی سبب ہے کہ لاصلوٰۃ الا بحضور القلب (یعنی نماز نہیں ہوتی مگر حضور قلب کے ساتھ) یا اِنَّما الاعمال بالنیات (اعمال کا مدار نیتوں ہی پر ہے) فرمایا ہے۔

لیکن چنانچہ در شکل انسانی علاوہ بر ہیئت اجتماعیہ مطلقہ کہ بے این ترتیب معلوم و اوضاع معلومہ ہم پیدا می توان شد، ہیئت اجتماعیہ خاص ہم مطلوب است کہ در تحصیل آن از مقادیر معلومہ اعضاء و اوضاع متعینہ اجزاء ناگزیر ست۔ ہمچنین در اعمال تعبدیہ وراء ہیئتِ اجتماعیہ مطلقہ کہ باجتماعِ کیف ما اتفق قیام و قعود و رکوع و سجود حاصل می توان شد ہیئت دیگر خاص مطلوب است کہ بعد لحاظ مقادیر خاصہ کہ معتبر باطمینان ست و اوضاع مخصوصہ کہ مفسر بترتیب آن، بدست توان آورد

لیکن جیسا کہ شکل انسانی میں علاوہ ہیئت اجتماعیہ مطلقہ کے جو کہ بغیر اس ترتیب معلوم (کہ مثلاً ایک کان دائیں جانب اور دوسرا بائیں اور اسی طرح ایک آنکھ دائیں جانب اور دوسری بائیں جانب) اور بغیر اوضاع معلومہ کے بھی (کہ کان، آنکھ، ناک، ہاتھ اور پاؤں سب ایک مناسب و موزوں وضع پر ہیں) پیدا ہو جاتی (کہ اعضا سب ہوتے مگر موجودہ مقامات کے علاوہ دوسری جگہوں پر ہوتے اور وضع بھی یہ نہ ہوتی اور ہی شکل کے ہوتے) ہیئت اجتماعیہ خاص بھی مطلوب ہے، کہ جس کے حاصل ہونے میں اعضاء کی معلومہ مقداریں اور اُن کی اوضاع معینہ بھی (کہ ہر ایک مناسب مقام پر واقع ہو) ضروری ہوتی ہیں، اسی طرح اعمال تعبدیہ میں دوسری ہیئتِ خاص

مطلوب ہے جو ہیئت اجتماعیہ مطلقہ کے "جو کہ قیام و قعود اور رکوع کے اجتماع سے خواہ کسی بھی ترتیب سے یہ اجتماع ہو جائے "ما سوا ہے جس کو (ہر رکن کی) خاص مقداروں کے لحاظ رکھنے کے بعد جس کو "اطمینان" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اوضاع مخصوصہ کے لحاظ رکھنے کے بعد جس کو "ترتیب" کہا جاتا ہے حاصل کر سکتے ہیں۔

چنانکہ از کمالات انسانی مورث جمال ہیئت ثانی است، در افعال نیز مصداق جمال ہمانست لیکن پیدا است کہ در کمالات مخصوصۂ اعضاء معلومہ کہ باعضاء معلومہ نسبت روح با بدن دارد تناسب اگر ہست آن چنان است کہ در اجزاء نسخہ باعتبار کمیت اوزان می باشد کہ منشا تناسب مدارج کیفیات آن اجزاء می بودنہ باعتبار وضع مخصوص ہم، چہ وضع را قابلیت وضع ضرور است و وضع این جا چنانکہ دانی مفقود۔ واگر باعتبار وضع ہم باشد بلحاظ تقدم و تاخر طبعی خواہد بود کہ ما را درین قصہ از ان کارے نیفتادہ تا حرفے از ان زیر قلم کشیم، اندرین صورت اعضائے معلومہ را دو پہلو بر آمد یکے کمالات معلومہ دوم ہیئات مخصوصہ۔ و آن ہم در مواقع متعینہ باعتبار اول از آلات کمالات ست و باعتبار ثانی از مبادی و متممات جمال۔ اگر بالفرض چشم و گوش را باین ہیئت کہ می بینی نہ بینی، یا درین مواقع کہ می یابی نیابی، باعتبار اول کمی و نقصانے را نخواہی یافت اما جمال صورت نخواہی یافت مثلاً اگر چشم در مقدار و ہیئت مثل چشم مگس، و گوش چون گوش خر باشد، یا ازین مواقع کہ دران واقع است گردانیدہ بجائے یکے دیگرے را نہند یا بجائے دیگر برند ہر چند باعتبار کمالات مخصوصہ نقصانے پیدا نشد اما باعتبار جمال، اگر دیدہ کشادہ بینی، بدانی کہ آن دولت از دست رفت۔

اور جیسا کہ کمالات انسانی (کے مظاہر) میں سے مورث جمال ہیئت ثانی ہے (یعنی ہیئت اجتماعی خاص ہر عضو اپنی مقدار کے اعتبار سے موزوں اور ترتیب معلوم کے لحاظ سے اپنی صحیح جگہ ہو) ایسا ہی افعال (تعبدیہ) میں بھی مصداق جمال وہی (ہیئت ثانی ہے) لیکن ظاہر ہے کہ ہر ایک عضو کے خاص خاص کمالات ہیں جو کہ اُن اعضاء کے ساتھ وہ نسبت رکھتے ہیں جو روح کو بدن کے ساتھ ہے، باہمی تناسب اگر ہے تو ایسا ہے جیسا کہ نسخہ کے اجزاء میں باعتبار اوزان کی کمیت کے ہوتا ہے (کہ کوئی دوا چھ ماشہ ہے اور کوئی نو ماشہ مثلاً) کہ منشا تناسب کا دواؤں کی کیفیات کے درجے ہوتے ہیں۔ ان اجزاء میں تناسب باعتبار وضع مخصوص کے نہیں ہوتا (یعنی یہ کہ فلاں جزء پہلے نمبر پر ہے اور فلاں دوسرے پر) کیونکہ وضع کے لئے وضع کی قابلیت لازمی ہوتی ہے اور یہاں ظاہر ہے کہ قابلیت وضع مفقود ہے۔ اور اگر تناسب باعتبار وضع کے بھی ہوگا تو تقدم تاخر طبعی کے لحاظ سے ہوگا (ہم کوئی تخلیقی بات نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں اس (طب کے) قصہ سے سابقہ نہیں پڑا کہ ہم کوئی بات سپرد قلم کریں۔ اس صورت میں اعضاء معلومہ کے دو پہلو برآمد ہوئے۔ پہلا کمالات معلومہ۔ دوسرا ہیئات مخصوصہ اور وہ بھی متعینہ مواقع میں۔ پہلے کے اعتبار سے (وہ اعضاء) اُن کمالات کے آلات میں سے ہیں اور دوسرے پہلو کے اعتبار سے جمال کے مبادی اور متممات میں سے (یعنی جمال کی تکمیل کرنے والے) ہیں۔ اگر بالفرض آنکھ اور کان کو جس ہیئت کے ساتھ تم اب دیکھ رہے ہو نہ دیکھو، یا جن مواقع میں کہ تم اب اُن کو پاتے ہو وہاں نہ پاؤ تو پہلے پہلو کے اعتبار سے تمہیں کوئی کمی اور نقصان نہ ملیگا۔ مگر جمال صورت مفقود ہوگا۔ مثلاً اگر آنکھ مقدار اور ہیئت میں مکھی کی آنکھ جیسی ہو اور کان گدھے کے کان کی طرح ہوں یا (اُن کی ہیئت و مقدار تو اصلی ہی ہو مگر) اُن مواقع سے جہاں وہ ہوتے ہیں ہٹا کر ایک کے بجائے دوسرے کو رکھدیں یا کسی دوسری جگہ لے جائیں تو اگرچہ کمالات مخصوصہ کے اعتبار سے تو کوئی نقصان پیدا نہیں ہوگا، لیکن جمال کی اعتبار سے اگر تم آنکھیں کھول کر دیکھو گے تو معلوم کر لوگے کہ وہ دولت ہاتھ سے جاتی رہی۔

لیکن این ہم دانستہ باشی کہ نظر بر چشم اولاً باعتبار اول ست۔ اگر باین ہیئت خوب و این اسلوب از قوت باصرہ تہی باشد بحساب تو غلولۂ چشم مضغۂ گوشت بیش نیست۔ بالجملہ صورت اگر مطلوب است اگرچہ محبوب باشد پس از کمالات معلومہ مطلوب است۔ و چون نباشد رتبۂ آلہ بعد رتبۂ فاعل است چہ از توابع اوست و مرتبہ مظہر بعد مرتبۂ ظاہر۔

ودانی کہ حقیقت انسانی ظاہر درین مظاہر است کہ عبارت از اشکال جسمانی است و این کمالات او فائض ازین آلات ست کہ معبّر با عضاء است۔

لیکن یہ بھی جان رکھو کہ (مثلاً) آنکھ پر (اُس کے صحیح مقام اور مناسب ہیئت کے باوجود) جب نظر پڑے گی تو اول (پہلو یعنی اس کے خاص کمال کے) اعتبار سے ہی پڑے گی۔ اگر اس خوبصورت ہیئت اور اسلوب کے ہوتے ہوئے قوت باصرہ سے خالی ہو تو تم سمجھو گے کہ آنکھ سوائے ڈھیلے کی ایک مضغۂ گوشت سے زیادہ حقیقت نہیں۔ الحاصل صورت اگر مطلوب ہے۔ اگرچہ محبوب ہو لیکن کمالاتِ معلومہ کے بعد ہی مطلوب ہے۔ اور کیسے نہ ہو آلے کا مرتبہ فاعل کے مرتبہ کے بعد ہوتا ہے کیونکہ یہ اس کے توابع میں سے ہے اور مظہر کا مرتبہ ظاہر کے مرتبہ کے بعد اور تم جانتے ہو کہ حقیقت انسانی ان ہی مظاہر میں ظاہر ہوتی ہے جن کو اشکال جسمانی کہتے ہیں اور اُس کے یہ کمالات ان آلات سے نکلتے ہیں جن کو اعضاء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

چون این قدر شنیدی گوش را نزدیک تر کن کہ نتیجۂ این ہمہ مقدمات بر تو عرض کردنیست۔ بشنو کہ نفس چشم و گوش، قطع نظر از ہیئات مخصوصہ و مواقع معلومہ و مقادیر متعینہ از ضروریات حقیقت انسانی است۔ چہ نظر اول بر کمال است چنانکہ دانستی۔ اگر خدانخواستہ یکے ہم ازین اعضاء و اجزاء نباشد از کمالے بیش بہا کہ واقعی از متممات حقیقت انسانی ست محروم ماندی چہ حقیقت انسانی نام مجموعہ ہمین کمالات است مثلاً ظاہری باشد یا باطنی۔ باین اعتبار این اجزاء و اعضاء را اگر ارکان یا فرائض خوانند بجاست۔

اب ان مقدمات کا نتیجہ بیان کیا جاتا ہے

جب تم نے یہ سب سن لیا تو اب خوب کان لگا کر سن لو۔ اب ہم نتیجہ ان سب مقدمات کا تمہارے سامنے رکھا چاہتے ہیں۔ سنو کہ آنکھ اور کان اپنی ذات کے اعتبار سے قطع نظر اس سے کہ اُن کی خاص ہیئت کیا ہے اور اُن کی جگہ کہاں ہے اور اُن کی متعین مقداریں کتنی کتنی ہیں، حقیقت انسانی کی ضروریات میں سے ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے پہلی نظر کمال پر ہوتی ہے۔ اگر خدانخواستہ ان اعضاء اور اجزاء میں سے ایک بھی نہ ہو تو تم اُس بیش قیمت کمال سے جو فی الواقع

حقیقت انسانی کو پورا کرنے والے کمالات میں سے تھا محروم رہ گئے۔ کیونکہ حقیقت انسانی ان ہی مجموعۂ کمالات کا نام ہے۔ مثلاً ظاہری ہوں یا باطنی۔ اس اعتبار سے ان اعضاء اور اجزاء کو اگر ارکان یا فرائض کہیں تو بجا ہے۔

تمثیل کے طور پر فرض و واجب وغیرہ کے مفہوم کا انطباق اعضاء انسانی پر

واگر اعضاء معلومہ ہمہ باشند اما این چنین نباشد ہیئتے دیگر یا محل دیگر بود خللے بکمالات نمی رسد اما جمال صورت از دست می رود۔ باین اعتبار اگر ترتیب معلوم را از ضروریات حقیقت انسانی کہ باطن آنست نشناسند، از مکملات حسن ظاہری انند و بہر فرق مراتب و تمیز حقائق یکے از دیگرے این قسم را واجب نام نہند زیباست و مراد از واجب آن دارند کہ از مکملات و متممات صورت مقصودہ باشد کہ مصداق جمال است۔

اور اگر اعضاء معلومہ سب موجود ہوں، مگر ایسے نہ ہوں بلکہ اُن کی صورت کچھ اور ہو یا اُن کی جگہ بدل جائے تو کمالات میں تو کوئی خلل نہیں پہنچتا، مگر خوبصورتی باقی نہ رہیگی۔ اس اعتبار سے اگر اس ترتیب معلوم کو حقیقت انسانی کی ضروریات سے جو کہ اُن کا باطن ہے نہ سمجھیں تو حسن ظاہری کے مکمّلات (یعنی اُس کی تکمیل کرنے والے) سمجھ لیں اور فرق مراتب اور حقائق میں سے ایک کو دوسری سے ممتاز کرنے کے لئے اس قسم کا نام واجب رکھ لیں تو زیبا ہے اور واجب کے یہ معنی قرار دے لیں کہ وہ مکمّلات اور متممات میں سے ہو۔ صورت مقصودہ کے جو کہ جمال کا مصداق ہے۔

وعدم آن مصداقِ قبح، کہ بمکروہ تعبیر توان کرد چہ اگر گویند کہ ما را مثلاً این شئے یا آن شئے مکروہ می نماید مراد ہمین باشد کہ قبیح و زشت و زبون می نماید کہ در یک مفاد شریک اند لیکن ہرچہ این چنین ست از ضروریاتِ جمال ست کہ بدرجۂ ثانیہ مطلوب و ضروری است نہ از ضروریات کمال، کہ بدرجۂ اول مقصود و لابدی است۔ بدین سبب ضروری شد۔ اما در درجۂ ثانیہ، و ہمچنین عدم او از مفسداتِ جمال مذکور ست نہ از مفسدات کمال مسطور و مبطلات او۔

اور اس کا عدم قبح کا مصداق ہے جس کو مکروہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اگر کہیں مثلاً کہ ہم کو یہ چیز یا وہ چیز مکروہ معلوم ہوتی ہے تو یہی مراد ہوتی ہے کہ وہ قبیح اور زشت اور بُری معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ مکروہ، قبیح اور زشت و زبوں سب کا ایک ہی مطلب ہے۔ لیکن جس چیز کی یہ شان ہو (کہ اُس کے نہ ہونے سے قبح پیدا ہو جائے)، وہ جمال کی ضروریات میں سے ہے جو کہ دوسرے درجہ میں مطلوب اور ضروری ہے۔ کمال کی ضروریات میں سے نہیں، جو کہ پہلے درجہ کا مقصود اور لابدی ہے۔ اس سبب سے ضروری واجب بھی ہے مگر دوسرے درجہ میں اور اسی طرح اُس کا عدم بھی جمال مذکور کے مفسدات میں سے ہے، کمال مذکور کے مفسدات اور مبطلات میں سے نہیں ہے۔

بالجملہ کمال ہم ضروریست و جمال ہم ضروری، عدم اول مفسدِ حقیقت است و عدم ثانی مبطلِ صورت چنانکہ در حقیقت و صورت فرق است ہمین قدر در فرض و واجب فرق باید دید۔ و ہمچنین در احکام وجود و عدم ہر دو تمیز باید کرد۔ بالجملہ ہر چیز را درین عالم معنی است و ہر معنی را صورت باز در اشیاء مرکبہ مقصود بالذات باعتبار معنی ہیئت اجتماعیہ معانی متعددہ و باعتبار صورت ہیئت اجتماعیہ صور متنوعہ می باشد پس باعتبار اول معانی متعددہ کہ باجتماع آن ہیئت مشار الیہا پیدا شدہ از ضروریات است۔ و عدم آن معانی از مبطلات آن۔ و باعتبار ثانی صور متنوعہ کہ باجتماع آن صورت اجتماعیہ مشار الیہا پیدا شدہ از ضروریات است و عدم آن از مفسدات آن۔

خلاصہ یہ کہ کمال بھی ضروری ہے اور جمال بھی ضروری۔ کمال کا عدم مفسدِ حقیقت ہے اور جمال کا عدم مُبطلِ صورت۔ جیسا کہ حقیقت اور صورت میں فرق ہے، اُتنا ہی فرض اور واجب میں فرق سمجھ لینا چاہئے اور اسی طرح دونوں کے وجود اور عدم کے احکام میں تمیز کرنا چاہئے۔ سمجھ لیجئے کہ ہر چیز کی اس عالم میں حقیقت ہوتی ہے اور ہر حقیقت کی صورت۔ پھر اشیاء مرکبہ میں باعتبارِ معنی (یعنی حقیقت) کے معنی متعددہ کی ہیئت اجتماعیہ مقصود بالذات ہوتی ہے۔ اور صورت کے اعتبار سے

وہ ہیئت اجتماعیہ مختلف نوع کی صورتیں ہوتی ہیں۔ تو باعتبار اول (یعنی معنے کے اعتبار سے) معانی متعددہ جن کے اجتماع سے وہ ہیئت مذکورہ بالا پیدا ہوئی۔ ضروریات میں سے ہوتے ہیں اور اُن معانی کا عدم اُس (ہیئت) کے مبطلات میں سے۔ اور باعتبار ثانی (یعنی صورت کے اعتبار سے)، مختلف انواع کی صورتیں جن کے اجتماع سے وہ صورتِ اجتماعیہ مذکورہ بالا پیدا ہوئی ضروریات میں سے ہوتی ہیں اور اُن کا عدم اُس (ہیئت) کے مفسدات میں سے۔

بالجملہ ما ہیئت اجتماعی را از معنی کمال و از صورت جمال نام نہادہ می گوئیم کہ مقصود بالذات از اشیاء مرکبہ درین عالم فقط کمال و جمال است و بس، و ہر چہ جز این است متمم این ست یا مکمل آن۔ چہ مراد از مقصود بالذات آنست کہ آلۂ تحصیل امر دیگر نبود بلکہ امور دیگر آلۂ تحصیل آن باشند۔ و این چنانکہ دانی در کمال و جمال متحقق است نہ در ذرائع و وسائل و آلات و متممات آن۔

الغرض معنی کے اعتبار سے جو ہیئتِ اجتماعی ہے اُس کا نام "کمال" اور صورت کے اعتبار سے جو ہیئتِ اجتماعی ہے اُس کا نام "جمال" رکھ کر ہم کہتے ہیں کہ مقصود بالذات اشیاء مرکبہ سے اس عالم میں صرف کمال و جمال ہے اور بس۔ اور ان کے سوا اور جو کچھ بھی ہے وہ اس کا متمم ہے۔ (یعنی پورا کرنے والا) یا مکمل۔ کیونکہ "مقصود بالذات" سے یہ مراد ہوتی ہے کہ وہ کسی دوسری چیز کے حاصل کرنے کا آلہ نہ ہو، بلکہ دوسرے امور اُس کے حاصل کرنے کے لئے آلہ ہوں اور یہ بات جیسا کہ تم جانتے ہو کمال اور جمال میں پائی جاتی ہے، ان کے ذرائع اور وسائل اور آلات اور متممات میں نہیں پائی جاتی۔

مگر چنانکہ بیشتر دانستہ، مصداق کمال کیفیت اجتماعیہ حاصلہ است کہ بعد اجتماع اجزاء چند خود بخود پیدا می شود حاجت تحصیل دگر نمی افتد و ہمچنین مصداقِ جمال ہیئت اجتماعیہ حاصلہ است کہ پس از اتصال مقادیر چند یا وضاع چند بے انتظار امر دیگر خود بخود عارض میگردد و ضرورت استحصال تازہ نمی افتد۔ نظر برین فقط نظر بر اجزاء و متممات و مکملات آن و این کردند

ومدار کار طلب بر استحصال اجزاء کمال و تحصیل جمال نہادند۔ مگر چون اولاً و بالذات نظر بر کمال است و ثانیاً و بالعرض نظر بر جمال، چہ اگر چشم نیکو منظر باین شوخی و وضع و پیکر کہ دارد از نور نظر تہی باشد بحساب صاحب چشم مضغۂ گوشت است و مغز بے پوست لہٰذا حال مکملات کمال و متممات جمال نیز در بارہٗ مدنظر بودن بہمین نسبت باشد۔

مگر جیسا کہ پہلے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کمال کا مصداق وہ حاصل ہونے والی کیفیت اجتماعیہ ہے جو چند اجزاء کے اجتماع کے بعد خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ کسی دوسری تحصیل کی حاجت واقع نہیں ہوتی۔ (یعنی اُن اجزاء کے اجتماع کے علاوہ کسی دوسرے تصرف کی ضرورت نہیں ہوتی جس پر اس کیفیت اجتماعیکا حاصل ہونا موقوف ہو) اور اسی طرح جمال کا مصداق وہ حاصل ہونے والی ہیئت اجتماعیہ ہے جو چند مقداروں کے چند اوضاع کے ساتھ اتصال کے کسی دوسرے امر کے انتظار کے بغیر خود بخود (اُن کو جمال) عارض ہو جاتا ہے کسی تازہ (یعنی دوسرے) استحصال کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے اُس (کمال) کے اور اس (جمال) کے اجزاء اور متممات اور مکمّلات پر نظر جاری اور طلب مقصود کا دارو مدار اجزاء کمال کے حاصل کرنے اور تحصیل جمال پر رکھدیا۔ مگر چونکہ پہلے نمبر پر اور بالذات نظر کمال پر ہے اور دوسرے نمبر اور بالعرض نظر جمال پر ہے جیسے نہایت خوبصورت آنکھ جو باوجود شوخی اور وضع اور حسین پیکر ہونے کے اگر نور نظر سے خالی ہو تو صاحب بصیرت کے نزدیک محض ایک مضغۂ گوشت اور مغز بے پوست ہے (اس لئے کہ آنکھ کا کمال نظر تھی وہی پہلا درجہ رکھتی تھی اُس کے بعد اس کی اور جمال کا درجہ تھا۔ جب وہ اصل کمال نہ رہا تو دوسرا بھی کالعدم ہو گیا) اس لئے کمال کے مکملات اور جمال کے متممات کا حال بھی اُسی نسبت سے مدنظر رکھنا ہوگا (یعنی مکمّلات کمال کا اول درجہ ہونا چاہیئے اور متممات جمال کا دوسرا درجہ)

اکنوں می گوئیم کہ در مجموعۂ دین نظر کنیم یا در نوعے ازاں مثل صلوات خمسہ یا در فعلے خاص مثل صلوۃ ظہر و عصر و غیرہ لاجرم بنوعے از کمال و جمال مشتمل خواہد بود ورنہ دعوئ احسن الخالقین بودن خداوند تعالیٰ دعوائے صرف باشد نعوذ باللہ و ہمچنین ارشاد واتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم یا وعدۂ ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم کہ ہر دو بر احسن و مرتضی بودن این دین دلالت دارد تغلیط محض باشد تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا۔ اندرین صورت ہرچہ از مکملات کمال ست اگر از طرف شارع مطلوب خواہد بود بدرجۂ غایت مطلوب خواہد بود۔ چہ مدار کار تحقق حقیقت مطلوبہ کہ ہمانا آن ہیئت کمالیہ است بر ہمانست اگر ہست ہست واگر نیست نیست۔ زیرا کہ ہیئت اجتماعیہ را با اجزاء مکملہ خود ہمین طور ارتباط است چنانکہ پیدا است۔ و بدین وجہ اگر آن را فرض یا رکن خوانند بجا باشد۔

اب ہم کہتے ہیں کہ مجموعۂ دین پر ہم نظر کریں یا اُس میں سے کسی ایک نوع پر جیسے پانچوں نمازیں یا ایک فعل خاص جیسے ظہر کی نماز، عصر کی نماز وغیرہ تو لازمی ہے کہ وہ کمال و جمال کی ایک نوع پر مشتمل ہوگی ورنہ خداوند تعالیٰ کا احسن الخالقین ہونے کا دعویٰ محض دعویٰ ہوگا۔ اور نعوذ باللہ (یہ ممکن نہیں)۔ اور اسی طرح ارشاد

اتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ — (تم کو چاہئے) کہ اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو۔

اور وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ — اور جس دین کو (اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے پسند کیا ہے (یعنی اسلام) اُس کو اُن کے (نفع آخرت کے) لئے قوت دے گا۔

کہ دونوں اس دین کے احسن اور مرتضیٰ (یعنی پسندیدہ) ہونے پر دلالت کرتے ہیں محض غلطی میں ڈالنا ہوگا (جو غیر ممکن ہے)، تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا ۞ اس صورت میں جو کچھ کمال کے مکمّلات ہونگے اگر شارع کیطرف سے مطلوب ہونگے تو بدرجہ غایت مطلوب ہونگے کیونکہ حقیقت مطلوبہ کے تحقّق کا جو کہ وہ ہیئت کمالیہ ہے (جس میں حقیقت مطلوبہ ظاہر ہوتی ہے) دارو مدار ہی اُس ہیئت کمالیہ پر ہے۔ اگر وہ ہیئت موجود ہے تو حقیقت بھی موجود ہے اور وہ ہیئت موجود نہیں تو حقیقت بھی موجود نہیں۔ کیونکہ ہیئت اجتماعیہ کا اپنے اجزاء مکملہ کے ساتھ اسی طرح کا واسطہ

ہوتا ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے اور اسی وجہ سے اُس کو اگر فرض یا رکن کہیں تو بجا ہے۔

وہمچنین انچہ کہ از متممات جمال است اگر از طرف شارع مطلوب خواہد بود بدرجہ فروتر از اوّل مقصود خواہد بود۔ چہ بر ہست و نیست این قسم اگر موقوف است وجود و عدم جمال موقوف است و آن خود اگر مطلوب ست در درجۂ ثانیہ مطلوب ست۔ اعنی بناء حُسن صورت برآنست، نہ برابتنائے کمال حقیقت تا بوجود و عدم آن تحقق و بطلان اصل لازم آید۔ بدین وجہ اگر بہر فرق مراتب این قسم ارکان را واجب نام نہند مستحسن باشد۔

واجب کا درجہ فرض سے نیچے ہونے کی وجہ۔

اور اسی طرح جو چیزیں جمال کے متممات میں سے ہیں اگر شارع کی طرف سے مطلوب ہونگی تو پہلے کی بہ نسبت نیچے درجہ میں مقصود ہونگی۔ کیونکہ اس قسم کے ہونے اور نہ ہونے پر صرف جمال کا وجود اور عدم موقوف ہے اور وہ خود اگر مطلوب ہے تو دوم درجہ میں مطلوب ہے۔ یعنی اس پر حُسنِ صورت کی بناء ہے، کمال حقیقت کی بناء نہیں ہے کہ اُس کے وجود اور عدم سے اصل حقیقت کا تحقق اور بطلان لازم آجائے۔ اسی وجہ سے فرقِ مراتب قائم کرنے کے لئے اگر ارکان کی اس قسم کا نام واجب رکھ لیں تو مناسب ہوگا۔

وچون مقابل تحقّق بطلان ست و مقابلِ جمال قبح بہ تحقُّق قسم اول وجود حقیقت کہ درحقیقت ما بہ التحقق و سرمایہ تحقق ہمانست و بہ عدم بطلان حقیقت۔ و بتحقق قسم ثانی تحقق جمال و بعدم آن قبح صورت لازم خواہد آمد وہمین ست مفاد فرض و واجب۔ چہ فرض صلوٰۃ مثلاً رکوع و سجود اگر میسر آید نماز میسر آید ورنہ نماز باطل شد۔ و واجب صلوٰۃ مثلاً ترتیب وغیرہ اگر میسر آید فبہا ورنہ مکروہ شد۔ کہ بعینہ ترجمۂ قبیح است وچون قبح در مقابل جمال افتادہ لاجرم درصورت اداءِ واجبات بجائے قبح کہ ترجمۂ کراہت است جمال خواہد بود۔ غایت ما فی الباب مارا دیدۂ ادراک این کمال و جمال و این حسن و قبح ندادہ باشند، مگر ازین قدر انکار این معنی نتوان کرد۔ نابینایان را ہم دیدہ بسر نہادہ اند و نور نظر ندادہ اند مگر بینایان صادق ہر کرا الحَسَن و القبیح می خوانند او شان ہمچنان می دانند۔

فرق فرض وواجب باعتبار مفاد

اور چونکہ تحقق کا مقابل بطلان ہے اور جمال کا مقابل قبح ہے۔ اس لئے قسم اول کے تحقّق سے لازم آئے گا حقیقت کا وجود جو کہ درحقیقت وہ اصل شے ہے جو تحقق کی بناء ہے اور تحقق کی متاعِ گرانمایہ وہی ہے، اور قسم اول کے عدم سے لازم آئے گا بطلانِ حقیقت اور قسم ثانی کے تحقق سے لازم آئے گا جمال کا تحقق۔ اور اس کے عدم سے لازم آئے گا قبحِ صورت۔ اور فرض وواجب کا یہی مفاد ہے۔ کیونکہ نماز میں جو فرض ہے مثلاً رکوع و سجود اگر میسّر آجائے گا تو نماز میسّر آجائیگی ورنہ باطل ہوجائے گی اور نماز میں جو واجب ہے مثلاً ترتیب وغیرہ اگر میسّر آجائیگی تو فبہا ورنہ مکروہ ہوجائیگی جو کہ بعینہ قبیح کا ترجمہ ہے۔ اور چونکہ قبح جمال کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اداءِ واجبات کی صورت میں بجائے قبح کے جو کراہت کا ترجمہ ہے جمال ہوگا۔

کراہت جمال کا عدم ہے۔

اس بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ ہم کو اس کمال و جمال اور اس حسن و قبح کا ادراک کرنے والی آنکھ نہ عطا ہوئی ہو۔ مگر اس وجہ سے اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ نابینا بھی (اسی دنیا میں) ہوتے ہیں جو دیدۂ بینا سے محروم ہوتے ہیں اور اُن کو نور نظر نہیں عطا ہوا مگر جو بینا ہیں اور سچے ہیں وہ جس چیز کو اچھا اور برا کہدیتے ہیں تو نابینا بھی ویسا ہی کچھ لیتے ہیں۔

ازین کمیِ واجب از فرض اعتقاداً و تساویٔ آن با فرض عملاً نیز بشناختہ باشی۔ چہ واجب ہم چنانکہ دانستی از ضروریات ست ورنہ قبح لازم خواہد آمد کہ انجام آن بر عدم قبول ست۔ و عملے کہ مقبول نیست بودن و نابودنش برابر است معہذا اینجا کلام در صورت است، نہ درحقیقت چہ صوم و صلوٰۃ وغیرہ اعمال دینیہ و افعال مخصوصہ ہر یکے ازین ہمہ از قسم صوت است۔ اگر فرق ست ہمین قدر ست کہ بعض اشیاء مثلاً رکوع و سجود مظاہر کیفیاتِ خفیہ باشند، چنانکہ چشم و گوشِ انسانی مثلاً قوائے پنہانی است۔ و بعض امور مثلاً ترتیب وغیرہ مظاہر کیفیات قلبیہ نباشد چنانکہ اوضاع چشم و گوش اعنی این ترتیب و این مقدار مظاہر کیفیات پنہانی نیست۔ چہ اگر بالفرض این وضع و این ترتیب

نباشد در کیفیت کمالیہ نقصانے راہ نمی یابد آن ہیئت کمالیہ بدستور قدیم می ماند و بزبان حال الآن کما کان می گوید

اور یہاں سے اس اعتقاد کی حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کہ واجب کا مرتبہ فرض سے کم اور عمل کے اعتبار سے فرض کے برابر ہے۔ کیونکہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے واجب بھی ضروریات میں سے ہے ورنہ قبح لازم آ جائے گا جس کا انجام عدم قبول ہوگا اور جو عمل مقبول نہیں ہے اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اس کے ساتھ (یہ بھی ملحوظ رہے کہ) یہاں کلام صورت میں ہے حقیقت میں نہیں کیونکہ روزہ اور نماز وغیرہ اعمال دینیہ اور افعال مخصوصہ ان سب میں سے ہر ایک صورت کی قسم میں سے ہے۔ اگر فرق ہے تو اتنا ہی ہے کہ بعض اشیاء مثلاً رکوع و سجود کیفیات کے مظاہر ہوتے ہیں جیسے کہ انسانی آنکھ اور کان مثلاً (دیکھنے اور سننے کی) مخفی قوتوں کے مظاہر ہیں۔ اور بعض امور مثلاً ترتیب وغیرہ کیفیات قلبیہ کے مظاہر نہیں ہوتے جیسے آنکھ اور کان کی اوضاع یعنی یہ خاص ترتیب اور مقدار کیفیات مخفیہ کی مظاہر نہیں ہیں کیونکہ اگر بالفرض وہ اور یہ ترتیب نہ ہو تو کیفیت کمالیہ میں کوئی نقصان پیدا نہیں ہو جاتا۔ وہ ہیئت کمالیہ پہلے کی طرح باقی رہے گی اور زبان حال الآن کما کان (اب بھی ویسی ہی ہے جیسے پہلے تھی) کہیگی

مگر ازین فرق بجز اینکہ فرق مراتب ضرورت پیدا شد۔ دیگر چہ ہویداست۔ بالجملہ صورت از ضروریات است فقط نظر بر حقیقت نیست ورنہ حاجت افتراض صوم و صلوٰۃ و رکوع و سجود چہ بود۔ غایت مافی الباب صورت اگر مطلوب شد بغرض ظہور حقیقت مطلوب شد۔ یعنی حقیقت را بہر کارے ساختہ اند کہ اگر این مظاہر نباشند آن کار و آن آثار ظاہر نمی تواں شد۔ چنانکہ از مثال چشم و گوش روشن شد۔ مگر چون صورت بغرض کمال یا ظہور کمال ضروری شد جمال کہ بیغرض ہمچو کمال مطلوب است چون ضروری نخواہد شد۔ فرق اگر باشد در مراتب ضرورت باشد نہ آنکہ از سرحد ضرورت خارج شدہ بمرتبۂ فروتر افتادہ۔ مگر این فرق خود در فرائض موجود است۔ نہ بینی کہ صلوٰۃ بہ نسبت دیگر عبادات زیادہ تر ضروری است۔

واجب کا مرتبہ فرض سے کم اور عمل کے اعتبار سے فرض کے برابر کیوں ہے۔

واجب پر مفصل بحث

مگر اس سے بجز اس کے کہ مراتب ضرورت کا فرق ظاہر ہو اور کیا فرق پیدا ہو گیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ صورت بھی ضروریات میں سے ہے۔ صرف حقیقت ہی پر نظر نہیں ہے ورنہ صوم و صلوٰۃ اور رکوع و سجود کے فرض ہونے کی کیا حاجت ہوتی۔ اصل بات صرف یہی ہے کہ صورت اگر مطلوب ہوئی تو ظہور حقیقت کی غرض سے مطلوب ہوئی یعنی حقیقت کو ایک ایسے کام کے لئے بنایا ہے کہ اگر یہ مظاہر نہ ہوں تو وہ کام اور وہ آثار ظاہر نہیں ہو سکتے جیسا کہ آنکھ اور کان کی مثال سے عیاں ہو چکا۔ مگر چونکہ "صورت" کمال یا ظہور کمال کی غرض سے ضروری ہوئی تو جمال جو کمال کی طرح بے کسی غرض کے مطلوب ہے کیسے ضروری نہ ہوگا۔ فرق اگر ہوگا تو ضرورت کے مرتبوں میں ہوگا نہ یہ کہ ضرورت کی سرحد سے ہی خارج ہو کر نیچے کے مرتبہ میں گر جائے مگر یہ فرق تو خود فرائض میں بھی موجود ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ نماز بہ نسبت دیگر عبادات کے سب سے زیادہ ضروری ہے۔

بالجملہ این فرق اعتقاد و تساوی عمل در فرض و واجب و فرق بطلان و قبح در ترک آن ہر دو کہ شنیدہ باشی بطوریکہ عرض کردہ شد موجہ شد و حاجت تفریع بر ثبوت قطعی و ظنی نماند، بلکہ احکام مذکورہ را اگر بغور دیدہ شود بدل ہمی ریزد کہ مدار آن بر آنست کہ این ہیچدان بیان کردہ، نہ بر آنکہ از قصہ ثبوت قطعی و ظنی بگوش تو رسیدہ۔

الحاصل فرض اور واجب میں یہ اعتقاد کا فرق (کہ واجب کا مرتبہ فرض سے کم ہے) اور عمل کے اعتبار سے دونوں کا برابر ہونا اور دونوں کے ترک میں بطلان اور قبح کا فرق جو تم نے سنا جس طور سے عرض کیا گیا واضح ہو چکا ہے اور اس کی حاجت نہیں رہی کہ (فرض اور واجب کی بیان کرنے کے لئے) ثبوت قطعی اور ثبوت ظنی سے (ثبوت کی) قسمیں بنائی جائیں (اور کہا جائے کہ فرض وہ ہے جو ثبوت قطعی سے ثابت ہو اور واجب وہ ہے جو ثبوت ظنی سے ثابت ہو) بلکہ احکام مذکورہ کو اگر بغور دیکھا جائے تو دل میں یہی بات القا ہوتی ہے کہ اُن کا مدار اُسی پر ہے جس کو اس ہیچدان نے بیان کیا نہ اُس ثبوت قطعی و ظنی کے قصہ پر جو آپ کے

صورت بھی ضروریات میں سے ہے

جمال ہو تو تصور الذات ہوتا ہے۔

فرض اور واجب کی تعریف باعتبار ثبوت قطعی و ثبوت ظنی جو مشہور ہے وہ محل نظر ہے۔

کان میں پڑ چکا ہے۔

ورنہ اگر فرقِ اعتقاد و تساوی عمل بطورِ مذکور راست می آید فرق بطلان و کراہت و وجوب تکرار ادا در صورت ترکِ واجب عمداً و اکتفا بسجدۂ سہو در صورت سہو چسان منطبق خواہد آمد چہ مفاد ثبوت ظنی فقط ہمین قدر راست کہ علمِ این معلوم مثل علم فلان معلوم قطعی نیست۔ مگر دانی کہ این فرق اگر ہست بجانب علم ست نہ بجانب معلوم۔ تا فرق احکام مذکورہ کہ در واقع احکام معلوم ست نہ علم، لازم آید۔

ورنہ اگر اعتقاد کا فرق اور عمل کی تساوی (جس کا بیان مذکور ہو چکا ہے) بطور مذکور (یعنی ثبوت ظنی و قطعی کی تفریع پر) ٹھیک بیٹھ جاتے ہیں تو بطلان اور کراہت کا فرق۔ اور عمداً ترک واجب کی صورت میں تکرارِ ادا کا واجب ہونا اور سہواً ترک ہو جانے کی صورت میں سجدۂ سہو پر اکتفا کیسے منطبق ہو جائے گا۔ کیونکہ ثبوت ظنی کا مفاد صرف اتنا ہی تو ہے کہ اس معلوم کا علم فلاں معلوم کی طرح قطعی نہیں ہے۔ مگر تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ فرق اگر ہے تو علم کی جانب ہے معلوم کی جانب نہیں کہ احکام مذکورہ کا فرق جو کہ درحقیقت معلوم کے احکام ہیں نہ علم کے "لازم" آجائے۔

واین بدان ماند کہ در آب مشکوک بنسبت آب طاہر یا نجس فرق می باشد۔ چہ این فرق در مرتبہ علم است نہ در مرتبہ معلوم۔ در مرتبۂ معلوم اعنی در واقع آب مشکوک ہم ازین دو قسم است۔ طاہر ست یا نجس۔ قسم ثالث نیست، تا فرق احکام مرتبۂ معلوم لازم آید۔ و فرق احکام علمی فقط ہمین است کہ در قطعیت انسان مخاطب باحتیاط نیست و در ظنیت مخاطب باحتیاط است پس مقتضاء احتیاط در صورت ثبوت ضرورت فعلے بطرز ظن آن بود کہ اگر آن فعل متروک شود باز اعادہ کنند۔ سہواً ترک کردہ باشد۔ یا عمداً۔ چنانکہ پیدا است نہ این کہ از سجدۂ سہو در سہو تلافی کنند۔ و در صورت عمد مکروہ دارند اما اصل را ثابت و محقق انگارند مگر آنکہ فہم نارسا این نابکار بمقصود اکابر نرسیدہ باشد۔

اور یہ (علم اور معلوم کا فرق)، اس (مثال) کی مانند ہے کہ آبِ مشکوک میں بہ نسبت آب طاہر یا آب نجس کے فرق ہوتا ہے۔ یہ فرق علم کے مرتبہ میں ہے معلوم کے مرتبہ میں نہیں۔ مرتبۂ معلوم یعنی فی الواقع آبِ مشکوک بھی ان ہی دو قسموں میں سے ایک میں داخل ہے، پاک ہے یا ناپاک ہے کوئی تیسری قسم نہیں ہے کہ احکام کا فرق مرتبہ معلوم میں لازم آجائے۔ اور احکام علمی کا فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ علم قطعی ہونے کی صورت میں انسان مخاطب باحتیاط نہیں اور ظنی ہونے کی صورت میں مخاطب باحتیاط ہے۔ پس احتیاط کا مقتضا کسی فعل کے ضروری ثابت ہونے کی صورت میں یہ ہوگا کہ اگر وہ فعل متروک ہو جائے تو پھر اعادہ کریں۔ سہواً ترک کیا ہو یا عمداً جیسا کہ ظاہر ہے یہ نہیں کہ اگر سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو سے تلافی کریں اور عمد کی صورت میں مکروہ قرار دیں۔ مگر اصل کو ثابت اور متحقق سمجھ لیں شاید اس ناکارہ کی فہم نارسا اکابر کے مقصود تک نہ پہنچی ہو۔

وازین ہم درگذشتیم مگر این را چہ باید کرد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیز سجدہ سہو کردہ اند پس اگر بناء سجدۂ سہو بر ترک واجب ست چنانکہ مسلم است و واجب آنست کہ بدلیل ظنی بثبوت پیوستہ۔ حاصل کلام آن شد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را ہم با این تتابع وحی و تساویِ اجتہاد نبوی با او در تیقن ہنوز در بعض احکام علم یقینی حاصل نبود۔ الغرض اگر فرق مذکور راست می آید بنسبت امت مرحومہ راست می آید اما بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم این قسم فرق متصور نیست واللہ اعلم بالصواب

اچھا ہم اس اعتراض کو بھی چھوڑے دیتے ہیں۔ مگر اس میں کیا کرو گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سجدۂ سہو کیا ہے تو اگر سہو کی بنیاد ترک واجب پر ہے جیسا کہ مسلّم ہے اور واجب وہ ہے کہ دلیل ظنی سے جس کا ثبوت ہوا ہو تو حاصلِ کلام یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی باوجود اس پیہم نزول وحی کے اور باوجود اس امر کے کہ اجتہاد نبوی تیقن میں وحی کے ہم رتبہ ہے ابھی تک بعض احکام میں علم یقینی حاصل نہ تھا۔ الغرض اگر فرق مذکور کے لئے گنجائش نکلتی ہے تو بہ نسبت امت مرحومہ کے تو ٹھیک بیٹھ جاتی ہے۔ مگر بہ نسبت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب

بالجملہ اگر عقل صاف و دیدۂ انصاف باشد پس از مشاہدہ یا استماع تقریر مسطور ناظر و مستمع را درین امر تاملے نمی ماند کہ مجموعۂ دین را بہیئت اجتماعی گیرند یا انواع مخصوصہ را مثل صلوات خمسہ و آنرا ہم مجتمع باعتبار زمانہ مخصوص معتد بہ لحاظ کنند چنانکہ صلوٰۃ یک دورہ از ادوار فلک دوار یعنی نماز ہائے لیل و نہار یا باعتبار افعال داخلہ در آن از قیام و قعود و رکوع و سجود بہر حال مثل دیگر ماہیات مرکبہ حقیقتے دارد و صورتے کہ مظہر آن حقیقت می باشد۔ باین طور کہ ارکان آن صورت مظہر کمالے از کمالات آن حقیقت بود چنانکہ چشم و گوش از صورت انسانی مظہر آثار قوت باصرہ و قوت سامعہ می باشد کہ از کمالات نفس ناطقہ انسانی ست پس ہر فعلے ازین مجموعہا کہ بدین صفت باشد بہ نسبت صورت آن مجموعہ فرض ست۔ اگر بہ نسبت آن مجموعہ طلبے از آن طرف بدین تاکید رسیدہ کہ اگر بجا آوردید فبہا و رنہ فکر خود باید کرد کہ سامان عذاب مہیاست۔

خلاصۂ تقریر بالا

المختصر اگر عقل صاف اور چشم انصاف موجود ہو تو تقریر مذکور کے مشاہدے یا سننے کے بعد دیکھنے والے اور سننے والے کو اس امر میں کوئی تامل نہیں رہیگا کہ خواہ مجموعۂ دین کو اجتماعی حیثیت سے لیں یا دین کی انواع مخصوصہ کو مثل پانچوں نمازوں کے اور اُن کا بھی ایک زمانہ مخصوص معتد بہ کے اعتبار سے اجتماعی حیثیت سے لحاظ کریں جیسے کہ دورہ ہائے فلک میں سے ایک دورۂ فلک کی نماز یعنی رات اور دن کی نمازیں یا ایک ہی نماز کو بحیثیت اجتماعی ملحوظ رکھیں اُن افعال کے اعتبار سے جو اس میں داخل ہیں قیام و قعود، رکوع و سجود وغیرہ۔ بہرحال دیگر ماہیات مرکبہ کی طرح اُس مجموعہ کی ایک حقیقت ہوگی اور ایک صورت جو اُس حقیقت کا مظہر ہوگی۔ اس طور پر کہ اُس صورت کے ارکان اُس حقیقت کے کمالات میں سے کسی کمال کے مظہر ہونگے۔ جیسا کہ صورت انسانی میں سے آنکھ اور کان مظہر ہیں آثار قوت باصرہ اور قوت سامعہ کے جو کہ نفس ناطقہ انسانی کے کمالات میں سے ہیں تو ان مجموعوں میں سے ہر ایسا

فعل جس کی یہ صفت ہوگی اُس مجموعہ کی صورت کی نسبت سے فرض ہے۔ بشرطیکہ اُس مجموعہ کے متعلق کوئی حکم اُس (رب العلمین) کی طرف سے اس تاکید سے صادر ہوا کہ اگر تم نے اس کی تعمیل کی تو بہتر ہے۔ ورنہ اپنی فکر کر لینی چاہئے کہ عذاب کا سب سامان طیار ہے۔

و چون در مطالبۂ این چنین ارکان اولاً نظر بر ظہور کمالات باطنہ می باشد بلحاظ اشکال معلومہ و مقادیر معلومہ و مواقع معلومہ رکوع و سجود وغیرہ ضرور نیفتاد۔ چنانکہ اعتبار اشکال معلومہ و مقادیر معلومہ و مواقع معلومہ چشم و گوش وغیرہ ضروری نیست۔ چہ اگر چشم و گوش بنی آدم بدین اشکال و صورت کہ می باشد نباشد بشکل چشم و گوش خوک و خر بود، و بدین مقدار کہ می دہند ندہند۔ بمقدار چشم و گوش مگس و فیل دہند، و درین مواقع کہ واقع است نہند زیر و بالا ازین مواقع نہند، در ظہور کمالات مربوطہ بچشم و گوش ہیچ نقصانے نمی رسد۔

اور چونکہ ایسے ارکان کے مطالبہ میں پہلی نظر کمالات باطنہ کے ظہور پر ہوتی ہے اس لئے (اُن ارکان کی) اشکال معلومہ کا اور مقادیر معلومہ کا کہ اُن کی ہیئت کذائی کیا ہے اور طول و عرض کتنا) اور رکوع و سجود وغیرہ کے مواقع معلومہ کا (کہ اول رکوع کا موقع ہے پھر سجدے کا یا اس کے برعکس) لحاظ کرنا ضروری واقع نہ ہوگا (یعنی اس مرتبہ میں)، جس طرح کہ اشکال معلومہ اور مقادیر معلومہ اور آنکھ و کان وغیرہ کے مواقع معلومہ کا (جب وہ اپنے اپنے کمالات کا اظہار بخوبی کرتے ہوں) اعتبار ضروری نہ ہوگا (یعنی اس مرتبۂ کمال میں)، کیونکہ اگر بنی آدم کے آنکھ اور کان اس موجودہ شکل و صورت کے مطابق نہ ہوں۔ سُوَر یا گدھے کی آنکھ و کان کی صورت پر ہوں اور اُن کی وہ موجودہ مقدار بھی نہ ہو بلکہ اور ہی مقدار پر ہوں۔ مثلاً مکھی کی آنکھ اور ہاتھی کے کان کے برابر ہو جائیں اور جن مواقع میں کہ وہ اب واقع ہیں نہ ہوں۔ بلکہ اُن سے اوپر، نیچے کسی اور موقع میں لگا دیں تو اُن کمالات کے ظہور میں جو آنکھ اور کان سے متعلق ہیں کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

ہاں اگر ترتب کمالات بطورے بودے کہ نقشۂ ہیئت باطنی برین نقشۂ ہیئت ظاہری سراپا منطبق آمدے و مواقع کمالات باطنہ مقابل مواقع اعضاء ظاہرہ افتادے آن

وقت این ترتیب ہم فرض شدے چہ اندرین صورت ظہورِ کمالات بے تطابق نقشۂ ظاہر و
باطن محال بود۔ غرض بلحاظِ ظہور جملہ کمالاتِ صلوٰۃ کہ عبارت از کیفیاتِ باطنہ مخصوصۂ
رکوع و سجود است و ہمانا حقیقت صلوٰۃ ست فقط مجموعۂ ارکان مطلوب است، بہر طوریکہ
میسّر آید، این ترتیب باشد کہ نباشد، و این مقدار و این شکل بود کہ نبود، کیف ما اتفق
اجتماعِ جملہ ارکان باید، چنانکہ برائے ظہور کمالاتِ پنہانی انسانی کیف ما اتفق اجتماعِ چشم
و گوش می شاید۔ مگر چون قریب تر شنیدہ آمدۂ کہ مقصود از اشیاء مرکبہ کیفیت حاصلہ و
ہیئت اجتماعیہ می باشد چنانکہ در نسخہ ہائے مرکبہ شنیدہ باشی کہ مدنظر طبیب کیفیتِ امتزاجی
کیفیتِ جملہ ادویہ می باشد کہ مزاج مرکبش گویند نہ خواصِ جداگانہ ہر دوا۔

ہاں اگر کمالات کا ترتّب ایسے ڈھنگ پر ہوتا کہ ہیئت باطنی کا نقشہ اس ہیئت ظاہری کے نقشہ پر ہو بہو منطبق آجاتا اور کمالات باطنہ کے مواقع اعضاء ظاہرہ کے مواقع کے بالمقابل واقع ہوتے اُس حالت میں یہ ترتیب بھی فرض ہو جاتی۔ کیونکہ اس صورت میں کمالات ظہور ظاہر اور باطن کے نقشہ کی ایک دوسرے سے مطابقت کے بغیر محال ہوتا۔ غرض جملہ کمالات صلوٰۃ جس سے رکوع و سجود کی کیفیات باطنہ مخصوصہ مراد ہیں اور فی الواقع وہی صلوٰۃ کی حقیقت ہے اُن کمالات کے ظہور کے لحاظ سے صرف مجموعۂ ارکان مطلوب ہے جس طور پر بھی میسّر آجا یہ ترتیب ہو یا نہ ہو۔ اور یہ مقدار اور یہ شکل ہو یا نہ ہو۔ کسی طرح بھی ہو، جملہ ارکان کا اجتماع ہونا چاہیئے جیسا کہ انسان کے مخفی کمالات کے ظہور کے لئے کسی طرح بھی ہو آنکھ کان وغیرہ کا اجتماع چاہیئے۔ مگر چونکہ ابھی آپ سنتے آئے ہیں کہ اشیاء مرکبہ سے مقصود (مختلف اجزاء کے باہم ملنے سے ایک خاص) کیفیت حاصلہ اور ہیئت اجتماعیہ ہوا کرتی ہے جیسا کہ مرکب نسخوں میں تم نے سنا ہوگا کہ طبیب کی مدنظر ایک کیفیت امتزاجی ہوتی ہے جو جملہ ادویہ کی کیفیت سے ملکر بنتی ہے جس کو اُس نسخہ کا مزاج مرکب کہتے ہیں۔ ہر دوا کے جداگانہ خواص مدنظر نہیں ہوتے۔

بدین وجہ خود فہمیدہ باشی کہ فصل بالاجنبی و تخلل افعال ناملائم نماز از کلام و سلام و شرب

آب و اکلِ طعام مفسدِ صلوٰۃ باشد زیرا کہ صورت جامعہ و ہیئت اجتماعیہ کمالاتِ باطنۂ
نماز کہ بذات خود مطلوب است و ہر کمالِ باطن کہ مقصود بود بغرض تحصیلِ آن ہیئت
مقصود بود نہ بذات خود۔ بتخلل اجنبیات در ہیئت اجتماعیہ ارکان ظاہرہ از ہم می باشد

اس وجہ (ہیئت حاصلہ) کے پیش نظر واضح ہو جائے گا کہ فصل بالاجنبی یعنی کسی اجنبی چیز سے ارکان کے درمیان فصل پیدا کر دینا) اور نماز کے غیر مناسب افعال کا جیسے کلام و سلام اور پانی پینا۔ اور کچھ کھانا وغیرہ کا ارکان کے درمیان میں حائل ہو جانا مفسد صلوٰۃ ہوگا۔ اسلئے کہ نماز کی کمالات باطنہ کی صورتِ جامعہ اور ہیئت اجتماعیہ جو کہ بذات خود مطلوب ہے اور جو کمال باطن بھی مقصود ہوتا ہے اُس ہیئت مجموعی کے حاصل کرنے کیلئے مقصود ہوتا ہے۔ بذات خود مقصود نہیں ہوتا (جیسی نسخہ کا ہر جزو ضروری اس لئے مقصود ہوتا ہے کہ اُس مخصوص مزاج مرکب کے پیدا ہونے میں اس کا دخل ہے۔ بذات خود مقصود نہیں ہوتا) ارکان ظاہرہ کی ہیئت اجتماعیہ میں دوسری چیزوں کے داخل ہو جانے سے اُس میں فساد واقع ہو جائیگا۔

و وجہش چنانکہ دانستہ باشی این ست کہ منشأ جملہ افعال ارادیہ عزم و ارادہ است، کہ
قلب را بجانب مراد می گرداند۔ پس ہر فعلیکہ رو بدانسو ندارد اگر بمیان آید آن وقت قلب
بدرگاہ مقلب القلوب نخواہد بود، بلکہ اندر درگاہ آن محبوب رو تافتہ بدرگاہ دیگر خواہد رسید
اندرین صورت حقیقتِ صلوٰۃ فقط کیفیتِ امتزاجیہ احوال خاصہ نخواہد بود کہ پس از حضور
اعنی ذکرِ صفات خاصۂ باریتعالیٰ از عظمت و علو وغیرہ پیدا می شود و بارکوع و سجود در رفتۂ
ارتباط دارد بلکہ کیفیت امتزاجیہ دیگر خواہد بود کہ با متزاج احوال معلومہ و این احوال دیگر
پیدا می شود۔ کہ ارادۂ اکل و شرب وغیرہ را ضرورست۔ چہ عزم و ارادہ را در نشو و نماء و حدوث
خود ضرورت احوالِ ہمچنان ست کہ افعال ارادیہ را ضرورت آن۔

اور اُس کا بنیادی سبب جو تم نے سمجھ لیا ہوگا یہ ہے کہ منشأ جملہ افعال ارادیہ کا عزم و ارادہ ہے جو کہ قلب کا رُخ مراد کی طرف پھیر دیتا ہے۔ تو ہر وہ فعل جس کا رُخ اُس جانب نہیں ہے

اگر درمیان میں آجائیگا اُس وقت قلب درگاہ مقلب القلوب میں نہیں رہیگا بلکہ اس محبوب کی بارگاہ سے دوسری درگاہ میں پہنچ جائے گا۔ اس صورت میں حقیقت صلوٰۃ احوال خاصہ کی خالص کیفیت امتزاجیہ نہ ہوگی جو کہ حضور کے بعد یعنی صفات خاصہ باری تعالیٰ جیسا کہ اس کی عظمت اور سب سے بلند مرتبہ ہونا وغیرہ صفات کے ذکر سے پیدا ہوتی ہے اور وہ رکوع اور سجود کے ساتھ رشتہ ارتباط رکھتی ہے۔ بلکہ ایک دوسری کیفیت امتزاجیہ بن جائیگی جو کہ احوال معلومہ (جو ذکر صفات خاصہ سے پیدا ہوئے تھے) اور ان دوسرے احوال کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہے۔ جو مثلاً کھانے پینے وغیرہ کے ارادہ کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔ کیونکہ عزم وارادہ کو اپنے نشو ونما اور حدوث میں احوال کی ضرورت اُسی طرح ہوتی ہے جیسے افعال ارادیہ کو احوال کی ضرورت ہوتی ہے۔

یا گوئی کہ اگر در افعالِ ظاہرہ فعلے اجنبی بمیان آید شیرازۂ ہیئت اجتماعیۂ ظاہرہ پریشان خواہد بود اندرین صورت این ارکان ظاہرہ بنسبت آن ہیئت باطنہ کمالیہ چنان بیکار خواہد شد کہ چشم وگوش وغیرہ اعضاء انسانی را از ہم جدا کنند و بنسبت روح باطنی بیکار گردانند۔ بہرحال حقیقت و روحِ نماز ہمان کیفیت امتزاجیہ باطنہ است و این ہیئت ظاہرہ بشابہ جسم اوست اگر جسم صلوٰۃ اعنی این حرکات بے روح آن بود کہ آن کیفیات است، چنانکہ نماز ما باشد ہمچو جسم بے روح چہ کار آمدنی ست، تا قابل نذر نیاز خداوندی باشد۔

یا یوں کہہ لیجئے کہ اگر افعال ظاہرہ کے درمیان کوئی اجنبی فعل داخل ہو گیا تو ہیئت اجتماعیہ ظاہرہ کا شیرازہ پریشان ہو جائیگا۔ اس صورت میں یہ ارکان ظاہرہ بہ نسبت اس ہیئتِ باطنہ کمالیہ کے ایسے بیکار ہو جائیں گے جیسا کہ آنکھ اور کان وغیرہ اعضاء انسانی کو اُکھیڑ ڈالیں اور روح باطنی کی نسبت سے اُن کو بیکار کر دیں۔

بہرحال حقیقت اور روح نماز کی وہی کیفیت امتزاجیہ باطنہ ہے اور یہ ظاہری ہیئت

اُس کے جسم کی مانند ہے۔ اگر نماز کا جسم یعنی یہ حرکات اُس روح کے بغیر ہونگی جو کہ وہی کیفیات ہیں جیسی ہم (عام) لوگوں کی نماز ہوتی ہے گویا جسم بغیر روح کے تو یہ کس کام کی ہے وہ کیا نذر و نیاز خداوندی کے قابل ہوگی۔

بالجملہ ہر کیفیت امتزاجیہ را ضرورست کہ از ارکان آن کاہند و نہ رکنے دیگر افزایند۔ و آنکہ بنزاید رکوع بر یک رکوع یا سجود بر دو سجدہ نماز فاسد نمی شود۔ وجہش این ست کہ ظاہر ہمچنان بر مقدار خود، اما مظہر از مقدار خود افزودہ یا ظاہر ہم از حد خود پا بیرون نہادہ، اما پشت بر آن درگاہ ندادہ رو ہمچنان بدانسو است۔ اگر فرق است ہمین قدر است کہ چشم کسے از مقدار متناسب کم و زیادہ گردد۔ اندرین صورت بجز قبح منظر دیگر چہ نقصانے است۔ ہمچنین در صورت مرقومہ بالا جمالِ کمالِ باطن از دست می رود، کیفیتِ امتزاجیۂ کمالات خاصہ از دست نمی رود۔ چہ حالے دیگر ہم نہ پیوستہ۔

الحاصل ہر کیفیت امتزاجیہ کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ارکان میں سے نہ کچھ گھٹائیں اور نہ کوئی دوسرا رکن بڑھا دیں۔ اور یہ بات کہ ایک رکوع پر ایک رکوع اور دو سجدوں پر ایک اور سجدہ بڑھا دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ (صورت مذکورہ میں) ظاہر (یعنی وہ کیفیت خاصہ جو رکوع اور سجدے سے ظاہر ہوتی ہے) اُسی طرح اپنی مقدار پہ باقی رہا ہے۔ لیکن مظہر اپنی مقدار سے بڑھ گیا۔ یا ظاہر نے بھی اپنی حد سے بھی کچھ پاؤں باہر نکال دیئے مگر اُس بارگاہ کی جانب پشت نہیں کی۔ رُخ بدستور اسی طرف ہے۔ اگر فرق ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ کسی کی آنکھ متناسب مقدار سے کم و زیادہ ہو جائے تو اس صورت میں بجز قبح منظر (یعنی دیکھنے میں بری نظر آئے) اور کیا نقصان ہے۔ اسی طرح صورت مذکورۂ بالا میں کمال باطن کا جمال جاتا رہتا ہے۔ مگر کمالاتِ خاصہ کی کیفیت امتزاجیہ (جو نماز کی حقیقت ہے) وہ ہاتھ سے نہیں نکل جاتی۔ کیونکہ دوسرا حال اُس سے پیوست نہیں ہوا۔

غرض نوع ہمان ست و تشخص خاص چنانکہ دانی مطلوب نیست۔ ورنہ بجز کسانیکہ آن

تشخص بہم رسانیدند ہمہ منعصر باشند۔ ومیدانی کہ احوال ہرکس بقدر ملکات و اندازہ اوقات مناسبہ می باشند۔ ودرین امر ہر فرد بشر چنان متفاوت است کہ در شکل وصورت۔ چنانکہ از مشاہدۂ اوضاعِ اخلاق وامزجۂ بنی آدم ہویداست۔ پس جمالِ کمالِ باطن ازہم باشد یا جمال ظاہر از دائرہ نوع مطلوب قدم بیرون نیفتادہ۔ وانجام جمال بجز قبح منظر چیست کہ باکراہت دم ترادُف می زند۔

ہر شخص کا حال بقدر ملکات و اندازہ اوقات مناسبہ ہوتا ہے۔

غرض نوع وہی ہے اور تشخص خاص جیساکہ تم جانتے ہو مطلوب نہیں ہے۔ ورنہ بجز اُن لوگوں کے جو اُس تشخص کو بہم پہنچادیں اور سب کوتاہ وعاجز رہیں گے اور ظاہر ہے کہ ہر شخص کا حال بقدرِ ملکات (یعنی ایک خاص قوت کے جو کسی کام کے لئے من جانب اللہ ودیعت کی جاتی ہے) اور اوقاتِ مناسبہ کے اندازے کے موافق ہوتا ہے۔ اور اس امر میں ہر فرد بشر میں اتنا اختلاف ہے جتنا کہ شکل وصورت میں۔ جیساکہ تمام لوگوں کے اخلاق کی وضع اور اُن کے مزاجوں سے ظاہر ہے۔ تو اگر کمال باطن کا جمال بگڑ جائے۔ یا جمال ظاہر نے (یعنی اس کیفیت کے جمال نے جو کسی رکن میں جو اس کا مظہر ہے ظاہر ہوتی ہے۔) نوع مطلوب کے دائرے سے قدم باہر نہیں نکالا تو اس سے حقیقت باطل نہیں ہوئی) اور جمال کے زائل ہونے کا انجام قبح منظر کے سوا اور کیا ہے جس کو کراہت کا مرادف کہنا چاہئے۔

بالجملہ باستماع تقاریر مسطورۂ بالا خوب ہویداست کہ فرض در دین یا در افعال ہمان ست کہ مظہر کمالے از کمالات باشد کہ ذاتیات واجزاء روح دین یا روح آن افعال بود کہ معبر بکمال ست۔ وواجب آن ست کہ متمّم تناسب صورت آن بود کہ مفسّر بجمال ست بشرطیکہ آن روح از ان طرف مطلوب بود۔ وہمچنین مبادی افعال را در مراتب آن افعال باید نہاد اگر فرض است مبادیِ آن فرض، واگر واجب ست مبادی نیز واجب خواہد گردید۔ مبدأ فعلے اگر امرِ واحد است ظاہر است۔ ورنہ امور چند بسبیل بدایت اگر مبدء چیزے می شوند چنانکہ وضوء وتیمم بنسبت نماز اندرین صورت مصداق مفہوم ہر دو از مبادی خواہد بود۔

فرض کی جامع تعریف

الحاصل مرقومۂ بالا تقریروں کے سننے کے بعد خود واضح ہو جائے گا کہ "فرض" دین میں یا افعال میں وہی ہوتا ہے جو کہ کمالات میں سے کسی کمال کا مظہر ہو اور وہ کمالات ذاتیات اور اجزاء ہوں۔ دین کی روح کے یا اُن افعال کی روح کے، جس کی تعبیر (لفظ) کمال سے کی گئی ہے۔

واجب کی جامع تعریف

اور واجب وہ ہے جو کہ اُس صورت کے تناسب کا متمّم (یعنی تکمیل کرنے والا) ہو۔ جس کی تفسیر (لفظ) جمال سے کی گئی ہے (کیونکہ جمال کا تناسب اجزاء ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ تناسب میں مقدار اور وضع سب داخل ہیں) بشرطیکہ وہ روح اُس طرف سے (یعنی منجانب اللہ) مطلوب ہو (یعنی ایجاب شرعی اُس سے متعلق ہوا ہو۔ اور روح کے ساتھ اُن افعال کا مطلوب ہونا بھی شرط ہے جو اُس روح کے مظاہر ہوں۔ جس کا مفصل بیان تقریرات سابقہ میں گذرچکا۔ مترجم)

اور اسی طرح افعال کے مبادی کو اُن افعال کے مراتب میں رکھنا چاہئے۔ اگر وہ فعل فرض ہے، تو اُس کے مبادی بھی فرض ہیں اور اگر وہ فعل واجب ہے تو مبادی بھی واجب ہو جائیں گے۔ اگر کسی فعل کا مبدأ امر واحد ہے تو ظاہر ہی ہے۔ ورنہ چند امور اگر مبادی ہونے کے طریق پر کسی چیز کا مبدأ بنتے ہیں۔ جیساکہ وضوء اور تیمم بہ نسبت نماز کے تو اس صورت میں دونوں (فرض و واجب) کے مفہوم کا مصداق وہ چند امور بن جائیں گے۔

واگر مطلوب نیست اعنی ایجاب شرعی بدان نہ پیوستہ پس ہر فعلے کہ بہ نسبت آن از قسم اول ست اعنی مظہر کمالے از کمالات آن روح باشد آن را سنت مؤکدہ دانند۔

سنت مؤکدہ کی تعریف

اور اگر مطلوب نہیں ہے۔ (یعنی وہ فعل جو مظہر کمال یا مظہر جمال ہو) یعنی اُس سے ایجاب شرعی متعلق نہیں ہوا۔ تو جو ایسا فعل بہ نسبت ایجاب کے قسم اول میں سے ہے (مطلب یہ ہے کہ اگر ایسا فعل جو کسی کمال کا مظہر ہے اور اُس سے اگر ایجاب شرعی ہوتا تو وہ بھی ایسے دوسرے افعال کی طرح فرض ہو جاتا) یعنی وہ فعل اس روح کے کمالات میں سے کسی کمال کا مظہر ہو تو اُس کو سنت مؤکدہ سمجھیں۔

واگر از قسم ثانی ست اعنی فقط متمم جمال صورت آنست آنرا مستحب شناسند زیرا کہ مقصود بالذات بدرجۂ اول ہیئت اجتماعیہ کمالیہ است و بدرجۂ دوم ہیئت اجتماعیہ جمالیہ۔ چنانچہ مفصل و محقق دانستی پس ہرچہ جز این دو ہیئت باشد و مطلوب بود مکمل کمال باشد یا متمم جمال۔ غرض چون مقصود بالذات منحصر در دو قسم ست مقصود بالعرض ہم از دو قسم بدرون نخواہد بود و چون در ہر دو مقصود بالذات در صورت ایجاب شرعی فرق ست۔ اگر یکی فرض است دیگری واجب در صورت عدم ایجاب نیز ہمچنان فرق نزول خواہند کرد پس چون مشارکات نوع فرض سنن مؤکدہ شدند مشارکات نوع واجب از درجہ سنت مؤکدہ فروتر آیند و آن دانی کہ ہمین درجہ استحباب ست و بس۔

اور اگر قسم ثانی میں سے ہے یعنی فقط جمال صورت کا متمم ہے۔ اس کو مستحب سمجھیں۔ کیونکہ مقصود بالذات درجہ اوّل میں ہیئت اجتماعیہ کمالیہ ہے اور درجۂ دوم میں ہیئت اجتماعیہ جمالیہ جیسا کہ آپ کو مفصل اور محقّق طور پر معلوم ہو چکا۔ تو جو کچھ بھی ان دو ہیئت کے سوا ہوگا اور وہ مطلوب بھی ہوگا تو وہ یا تو کمال کا مکمل ہوگا یا جمال کا متمّم (یعنی پورا کرنے والا)۔ غرض یہ ہے کہ جب مقصود بالذات دو قسموں میں منحصر ہے تو مقصود بالعرض بھی دو قسم سے باہر جائے گا اور جیسے ہر دو مقصود بالذات میں ایجاب شرعی کی صورت میں فرق ہے کہ اگر ایک فرض ہے تو دوسرا واجب اسی طرح عدم ایجاب کی صورت میں بھی فرق نزول کر آئیگا۔ نتیجہ یہ کہ جس طرح نوع فرض کے مشارکات سنن مؤکدہ بن گئے اسی طرح نوع واجب کے مشارکات وہ ہونگے جن کا درجہ سنت مؤکدہ کے نیچے ہو اور تم جانتے ہو کہ وہ یہی استحباب کا درجہ ہے۔ اور بس۔

مگر چون سخن تازہ اگرچہ موجہ باشد ہر کس را پسند نمی افتد و بادنیٰ خیالِ مخالف کہ ہمانا منشأ آن سوء فہم شان می گردد برد و انکار بر سر پیکار می آیند بطور دور اندیشی تطبیق این معنی بر یک دو ماہیت واجب کہ بظاہر ازین معنی برکران میرود لازم افتاد۔

مگر چونکہ نئی بات اگرچہ مفصل طور پر واضح بھی کر دی جائے ہر ایک کو پسند نہیں آتی اور اس کے مخالف کو کوئی ادنیٰ سی بات بھی ہاتھ آ جائے اور یقیناً اُس کا منشا بھی اُن لوگوں کی بدفہمی ہی ہوگی ایسے لوگ ردّ اور انکار کرتے ہوئے لڑنے کو آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے دور اندیشی کے طور پر اس معنی کی تطبیق کرنا واجب کی ایک دو ماہیتوں پر جو کہ بظاہر اس معنی سے بالکل الگ معلوم ہوتی ہیں ضروری معلوم ہوا۔

میدانی کہ علم از مبادی احوال ست حالے نیست از درد فراق یا شوق و اشتیاق یا خوف و دہشت یا رنج و راحت حلم و حیا یا بخل و سخا غضب و شدت و وحشت و انسیت وغیرہ کہ بے علم پیدا آید ہیچ ہمہ ہمین علم است اگر از محاسن محبوب مثلاً خبر نبودے و بوصل و فراق اطلاع نیافتے این درد فراق و شوق اشتیاق از چہ برخاستے و ہم چنین قیاس کن۔ اندرین صورت قرأۃ در نماز لاجرم از مبادی خواہد بود۔ چہ از قسم علوم است نہ از قسم احوال تا در سلک مقاصد اعنی عبادات در آید۔

تم جانتے ہو کہ علم مبادی احوال میں سے ہے خود کوئی حال نہیں ہے۔ جو کچھ احوال (بظاہر) بغیر علم کے پیدا ہوتے ہیں جیسے دردِ فراق۔ یا شوق و اشتیاق یا خوف و دہشت یا رنج و راحت حلم و حیا یا بخل و سخا، غضب و شدّت وحشت و انس وغیرہ در حقیقت جڑ ان سب کی علم ہی ہے اگر مثلاً محبوب کے محاسن کی خبر نہ ہوتی اور وصل و فراق (کے مفہوم) کی اطلاع نہ ہوتی تو یہ دردِ فراق اور شوق و اشتیاق کس بنا پر شورش پیدا کرتا۔ اسی پر (دوسری کیفیات مذکورہ کو) قیاس کرلو۔ اس صورت میں نماز میں قرأۃ لازمی طور پر مبادی میں سے ہوگی۔ کیونکہ وہ از قسم علوم ہے نہ از قسم احوال۔ پھر وہ سلسلہ مقاصد یعنی عبادات میں (مبادی میں ہونے کی وجہ سے) داخل ہو سکے گی۔

باقی مقصود بودن عبادات نہ علوم خود ازین دو آیت می برآید کہ پیشتر ہم بغرض ہمین اشارہ بدان دست آویختہ شد اعنی آیۂ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون و آیت وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین۔ و این ہم دانی کہ عبادت

اعنی تذلّل و تخشّع از احوال ست نہ از علوم پس جز اینکہ از مبادی عبادت گفتہ شود دیگر چہ گفتہ شود۔

باقی عبادات کا مقصود ہونا، نہ علوم کا اُن دو آیتوں سے بھی بر آمد ہوتا ہے جن پر ہم نے اسی طرف اشارہ کرنے کی غرض سے پہلے قلم اٹھایا ہے یعنی آیت:-

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○	اور میں نے جن و انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔
اور آیت وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ	حالانکہ ان لوگوں کو (کتب سابقہ میں) یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت اُسی کے لئے خاص رکھیں۔

اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ عبادت یعنی تذلّل اور تخشّع (حق تعالیٰ کے عزت و عظمت کے پیش نظر اپنی ذلت اور عاجزی کی حالت) احوال میں سے ہے نہ علوم میں سے۔ تو سوائے اس کے کہ قرأت کو مبادی عبادت میں سے کہا جائے اور کیا کہا جائے۔

مگر این ہم ہویدا است کہ قرأة باستماع کلام خداوندی اگر موجب حدوثِ تذلّل در باطن انسان می شود بدو وجہ می شود اول اضافت آن بجانب آن خداوند بے نیاز۔ دوم تضمّن آن طلب تعبّد را چہ عظمت متکلّم بالذات امتثال اوامر و انتفاء مناہی آنرا می خواہد۔ مگر آیتے نیست کہ ازین غرض معرا باشد۔ ہاں بعض آیات بتصریح متضمن طلب عبادت است کہ ہمانا تذلّل و انقیاد باشد و در ہر دو صورت امتثال اوامر و انتفاء معاصی ظہور میکند۔ و بعض آیات بر تمہیدات یا تفریعات آن اندرین صورت ہر آیتے کہ باشد در احداثِ این حالت اعنی تذلّل و انقیاد کہ اصل عبادت و روح نماز ست کافی ست

مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ کلام خداوندی کی قرارت کو کان لگا کر سننا اگر باطن انسان میں تذلّل پیدا ہونے کا موجب ہوتا ہے تو دو وجہ سے ہوتا ہے۔ پہلی وہ اس کی اضافت ہے خداوند بے نیاز کی طرف۔ دوسری وجہ کلام الٰہی کا متضمن ہونا ہے تعبّد کی طلب پر۔ کیونکہ متکلّم کی عظمت کا بالذات

عبادت مقصود بالذات ہے اور علم اس کے مبادی میں سے ہے۔ قرات مبادی میں سے ہے۔

تقاضا ہوتا ہے کہ جن امور کے کرنے کا اُس نے حکم دیا ان کی تعمیل کی جائے اور جن سے منع کیا ہے اُن سے بچا جائے۔ مگر کوئی آیت ایسی نہیں ہے جو اس غرض سے خالی ہو۔ ہاں بعض آیات صراحت کے ساتھ طلب عبادت پر متضمن ہیں جو کہ تذلّل اور فرمانبرداری ہی ہوتی ہے، اور دونوں صورتوں میں (جن میں سے پہلی صورت آیات کا طلب تعبّد پر متضمن ہونا اور دوسری صورت ہے کہ ان میں طلب عبادت بالتصریح پائی جائے) اوامر کی بجا آوری اور معاصی سے احتراز واضح ہوتا ہے۔ اور بعض آیات (عبادت کی) تمہیدوں پر متضمن ہوتی ہیں۔ مع اُن چیزوں کے جو عبادت پر متفرع ہیں۔ اس صورت میں جو بھی آیت ہوگی وہ اس حالت یعنی خاکساری و فرمانبرداری کے پیدا کرنے میں جو کہ اصل عبادت اور نماز کی جان ہے کافی ہے۔

واز کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا نائبان اوشان پس از لحاظ اضافت رسالت و نیابت آن بجانب خداوند اقدس ہر چند تذلّل می زاید اما نماز را حضور ہم باید تذلّل غائبانہ کافی نیست بلکہ اگر عقل غائر باشد دانی کہ تذلّل بے حضور صورت نہ بندد۔ آنکہ در غیبت مے باشد آنرا خوف و ترس یا شوق و اشتیاق گویند کہ وقتِ حضور باعثِ تذلّل می شود معہذا نماز را بیک حساب صورت اسلام باید پنداشت چنانکہ من ترك الصلوٰة متعمدا فقد کفر ازین خبری دہد و اسلام دانی کہ انقیاد و عزمِ امتثالِ اوامر و نواہی را گویند پس گویا نماز عالمتے است کہ پس از امتثال اوامر و نواہی کہ متضمن است بوعدۂ امتثال و انتظار امر و نہی ظہور می کند و این کلام اللہ خوانی بیان مامورات و منہیات است بدین سبب تعیّن کلام اللہ از جملہ کلام ہا لازم افتاد۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے یا آپ کے نائبین کے کلام سے جب کہ اُس اضافت کا لحاظ کیا جاتا ہے جو رسالت اور نیابت کو خداوند تعالیٰ و تقدّس کی طرف ہے اگرچہ تذلّل و فروتنی پیدا ہوتی ہے لیکن نماز کے لئے حضور بھی ضروریات میں سے ہے۔ غائبانہ تذلّل کافی نہیں ہے، بلکہ اگر غور کرنے والی عقل موجود ہو تو سمجھ میں آجائیگا کہ بغیر حضور کے تذلّل کی کوئی صورت

نماز میں قرأت قرآن کی طرح قرأت حدیث و تحریر بھی ضروریات میں سے ہے

بنتی ہی نہیں۔ غائبانہ حالت میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اُس کو خوف و ڈر اور شوق و اشتیاق کہتے ہیں اور وہ بھی حضور ہی کے وقت باعثِ تذلّل ہوتی ہے۔

ان سب کے باوجود نماز کو ایک حساب سے اسلام کی صورت سمجھنی چاہئے جیسا کہ حدیث :-

مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ	جس نے نماز کو بالارادہ ترک کر دیا وہ کافر بن گیا۔

اس کی خبر دے رہی ہے اور تم جانتے ہو کہ اسلام اطاعت گزاری کو اور اوامر و نواہی پر عمل پیرا ہونے کے عزم ہی کو کہتے ہیں تو گویا نماز وہ حالت ہے جو اوامر و نواہی کی فرمانبرداری کے بعد پیدا ہوتی ہے جو کہ اطاعت گزاری کے وعدے اور (مزید) امر و نہی کے انتظار کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ اور بہ قرآن مجید کی تلاوت اُن ماموارت و منہیات کا بیان ہے۔ اس سبب سے تمام کلاموں میں سے کلام الٰہی کی تعیین ضروری ہوئی۔

> بالجملہ درین قدر کہ مذکور شد جملہ آیات مشارک اند فرق اگر باشد ہمین قدر باشد کہ آن حالت بہ پیکر ہائے گوناگوں و تشخصات بوقلموں ظہور می توان کرد۔ عمدہ ترین پیکر ہا بعلمے خاص مربوط باشد کہ در آیتے خاص یا در سورتے خاص ودیعت نہادہ اند۔ پس فاتحہ را کہ امام اعظمؒ واجب گفتند وجہش آنست کہ اول علم ذات و صفات را مشتمل است کہ منشاء عبودیت گردیدہ اعنی رحمۃ۔ و ثانیاً مِلکِ روز جزا، چہ موافق اشارات، ہمچو آیۂ اتعبدون من دون اللّٰہ مالا یملک لکم ضرا ولا نفعا مدار کار عبودیت بر ملکِ نفع و ضر راست۔

جس قدر کا بالاجمال ہم نے ذکر کیا ہے اُس میں تمام آیات شریک ہیں۔ فرق اگر ہوگا تو اتنا ہی ہوگا کہ وہ حالت طرح طرح کے حلیوں میں اور رنگا رنگ تشخصات میں ظہور کر سکتی ہے۔ اور تمام تشخصات میں عمدہ ترین پیکر وہ ہو سکتا ہے جو ایک خاص علم کے ساتھ مربوط ہو جو کسی خاص آیت یا کسی خاص سورت میں ودیعت فرمایا گیا ہو (چونکہ یہ جامعیت سورۂ فاتحہ میں موجود ہے) اسی بناء پر سورۂ فاتحہ کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے واجب کہا اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ اوّل وہ ایسے علم ذات و صفات پر مشتمل ہے جو عبودیت کا منشا بنا یعنی رحمت۔ دوم (اُس کا مشتمل ہونا) ملکِ روز جزا پر کیونکہ اس طرح کی آیات کے اشاروں کے بموجب

اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا	کیا خدا کے سوا ایسے کی عبادت کرتے ہو جو کہ تم کو نہ کوئی ضرر پہنچانے کا اختیار رکھتا ہو اور نہ نفع پہنچانے کا۔ ٦/١٤

عبودیت کا دار و مدار ملکِ نفع و ضرر پر ہے۔

> و در فاتحہ الرحمن الرحیم اشارہ باول ست و جملہ مالک یوم الدین بقرینۂ لمن الملک الیوم کہ از سلب کلی صفتِ مِلکِ آن روز از ہمہ خبر می دہد اشارہ بثانی، و چوں این دو عنصر علت اقتضاء عبادت بہم رسیدند مناسب افتاد کہ ازین طرف اظہارِ انقیاد و عجز و نیاز کردہ خواستگار بیانِ مرضی از نامرضی بدین وجہ ایاک نعبد و ایاک نستعین کہ عینِ اظہار تذلّل و عجز و نیاز است عرض کردہ باھدنا الصراط المستقیم الیٰ آخرہ التجاء اوامر و نواہی می کنند۔ بالجملہ چنانکہ نماز بیک نہج خلاصۂ اسلام بود فاتحہ خلاصۂ نماز ست پس پیکرے بہتر ازین بہر تذلّل مطلوب نبود کہ مصداق جمال بوجود می آمد بناءً علیہ موافق قاعدۂ مسطورۂ بالا واجب شد۔

اور سورۂ فاتحہ میں الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پہلی صفت (یعنی رحمت) کی طرف اشارہ ہے۔ اور جملہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں "بقرینۂ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (آج ہر شئے کا مالک کون ہے) جو کہ اس دن میں صفت ملک کے متعلق سب سے سلب کلّی کی خبر دے رہی ہے" دوسری صفت (یعنی ملک روز جزا) کی طرف اشارہ ہے۔ اور جب علت کے ان دو اہم اجزاء نے مل کر عبادت کا اقتضاء بہم پہنچا دیا تو مناسب ہوا کہ اِس طرف سے فرمانبرداری اور عجز و نیاز کا اظہار کرتے ہوئے اس امر کی درخواست کی جائے کہ اپنی مرضی اور نامرضی کو واضح طور پر بیان فرما دیں۔ اسی وجہ سے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ (یعنی ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواستِ اعانت کرتے ہیں) جو کہ عین خاکساری اور عجز و نیاز کا اظہار ہے عرض کر کے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے آخر تک امر و نواہی کے بیان کی التجاء کرتے ہیں جس طرح اجمالی طور پر نماز ایک طرح

چونکہ سورۂ فاتحہ مصداق جمال ہے اس لئے واجب ہوئی۔

اسلام کا خلاصہ ہے۔ سورۂ فاتحہ نماز کا خلاصہ ہے تو اس سے بہتر کوئی پیکر مطلوبہ تذلل و نیاز کے لئے نہیں تھا۔ جس سے ایک مصداق جمال وجود میں آجاتا۔ اس بناء پر مذکورہ بالا قاعدہ کے بموجب (چونکہ یہ صورت کے تناسب کی مکمل ہے اور مصداق جمال ہے) واجب قرار دی گئی۔

وچون اتمام حسنِ انقیاد بے امتثال و اتقار صورت نہ بندد وامتثال واتقار بے امر و نہی نقش نتوان بست قرارۃ سورۃ پس از فاتحہ کہ ہمانا بیان اوامر و نواہی است چنانکہ دانستی واجب آمد۔

سورۂ فاتحہ کے ساتھ ضم قراءت سورت پر تعریف واجب کا انطباق

اور چونکہ حسن اطاعت شعاری کی بغیر تعمیل احکام خداوندی اور مناہی عنہ سے اتقار و اجتناب کے اتمام و تکمیل کی کوئی صورت نہیں اور یہ تعمیل احکام و اتقار بغیر امر اور نہی کے وجود میں نہیں آسکت اس لئے فاتحہ کے بعد سورت کی قرارت جو اُن اوامر اور نواہی کا بیان ہوتی ہے جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے واجب[67] کی گئی ہے۔

داین طرف شاید در وجوب تقرر رکعات ثلثہ خدشہ بدل ناآشنایان حقائق افعال افتد زین وجہ رمزے ازین ہم گفتن ضروریست۔ برادر من دراول اسلام بشہادت روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ در بخاری ودیگر صحاح کہ مرویست نماز حضر وسفر دو دو رکعت بود و بلحاظ بقار نماز مغرب در سفر و حضر بیک حال ظاہر چنان ست کہ نماز مغرب دران زمانہ ہم ہمین سہ رکعت بود و وجہش چنانکہ مذکور شد آن ست کہ نصف از دورہ شب و روز کہ دوازدہ ساعت می باشد بوجہ احسانات خود خود گرفتند و دوازدہ باقی بہ بندۂ گرفتار حوائج دادند غرض رعایت این دو جہت کہ بندہ ازان خالی نیست فرمودہ دراول امر تقسیم علی السویہ فرمودہ بمقابلہ ہر ساعت رکعتے نہادہ بودند و باز بہ تقاضا تناسب و تربیت خود کہ اللہ وتر

[67] احناف کے نزدیک ضم سورۃ واجب ہے اور شوافع کے نزدیک سنت۔ اس دلیل سے مذہب حنفیہ کی قوت کی طرف ایما فرمادیا گیا ۱۲ مترجم

یحب الوتر بیانِ آن ست یک رکعت از دوازدہ کاستہ بودند چہ در افزائش شائبہ ظلم بود کہ خداوند عدل ازان منزہ است۔

حسب قاعدہ مذکورہ رکعات ثلاثہ وتر کا وجوب ثابت کرنے کے پیش نظر نماز کا عملی فلسفہ

اور جو لوگ حقائق افعال سے ناآشنا ہیں شاید اُن کے دل میں رکعات ثلثہ کو واجب قرار دیئے جانے کے بارے میں کوئی خدشہ واقع ہو اس لئے اس راز کے بارے میں بھی کچھ کہہ دینا ضروری معلوم ہوا۔ میرے بھائی! شروع اسلام میں روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شہادت کے مطابق جو کہ بخاری اور دیگر صحاح میں مروی ہے نماز حضر اور نماز سفر دو دو رکعت تھیں۔ اور اس لحاظ سے کہ نماز مغرب سفر اور حضر دونوں حالتوں میں ایک حال پر باقی رہی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں بھی مغرب کی نماز یہی تین رکعات تھیں اور وجہ اس کی جو ذکر کی جاچکی ہے یہ ہے کہ شب و روز کے دورے ہیں سے نصف کہ بارہ ساعت ہوتی ہیں (خداوند حکیم و علیم نے) اپنے احسانات کی بناء پر اپنے لئے تجویز فرمائیں اور باقی بارہ ساعت بندہ کو جو حوائج میں گرفتار ہے عطا فرمائیں غرض ان دونوں جہت کی رعایت جو بندے کے لئے ضروری تھی فرمائی گئی۔ اول امر میں برابر کی تقسیم فرماکر بمقابلہ ہر ساعت ایک رکعت قائم کی گئی تھی۔ پھر اپنی وتریت کے تناسب کے تقاضے سے جس کا بیان اللہ وتر یحب الوتر میں (یعنی اللہ اکیلا (طاق) ہے اور اس کو اکیلا رہنا ہی پسند ہے) فرمایا گیا ہے بارہ میں سے ایک رکعت کم فرمادی (تاکہ طاق ہوجائے) کیونکہ افزائش میں ظلم کا شائبہ تھا کہ خداوند عادل اُس سے منزّہ ہے۔

بازکہ بہ تکرر مشاہدات دلائل توحید افعالی کہ عبارت از انتساب جملہ افعال بجانب آن کبیر متعال ست وتواتر بحوِ آیات ' واللہ خلقکم وما تعملون وما تشاءون الا ان یشاء اللہ قاضی الحاجات بودن خداوند کریم باعتبار تیقن و دلنشینی در دینیات بدرجۂ محسوسات و بدیہیات در معقولات رسید واین طرف بفتوح متواترہ کہ متضمن کسر شوکت دشمن و رفعت و ثروت و غناء اہل اسلام بود موانع را یکسو نہادند و خزائن نعمت بر رو کشادند آن دوازدہ ساعت کہ بہر کار بندہ بگذاشتہ بودند بحکم انصاف بقرعۂ خداوندی آمد و تعمیر آن بطاعات ضروری شد۔

پھر جب کہ توحید افعالی کے دلائل بار بار مشاہدہ ہونے لگے جس سے یہ مراد ہے کہ جملہ افعال (درحقیقت) اُسی ذات کبیر المتعال کی طرف منسوب ہیں (اور بندے سے کسب متعلق ہے) اور ایسی آیات کے تواتر سے جیسی یہ آیات ہیں :۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝	حالانکہ تم کو اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا
اور وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ	اور تم بدون خدا کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے ۔

خداوند کریم کا قاضی الحاجات ہونا یقین اور دل نشینی کے اعتبار سے دینیات میں محسوسات کے درجہ میں، اور معقولات میں بدیہیات کے درجہ میں پہنچ گیا۔ اور اِدھر متواتر فتوحات سے جن کے نتیجہ میں دشمنوں کی شوکت ٹوٹ رہی تھی اور اہلِ اسلام میں دولت و ثروت پیدا ہو رہی تھی اور حق تعالیٰ نے (اسباب معیشت میں) جو رکاوٹیں تھیں اُن کو برطرف کر دیا اور اُن پر نعمت کے خزانے کھول دیے تو وہ بارہ ساعتیں جو بحق بندہ چھوڑ دی گئی تھیں از روئے انصاف اب قرعۂ خداوندی میں آ گئیں اور ان کا بھرپور کرنا عبادت سے ضروری ہو گیا۔

مگر بجہت دیگر کہ دیدیم حساب رکعات از شانزدہ نمی افزود چہ اقتضاء عبودیت چنانکہ گذشت بدو جہت ملک نفع و ملک ضرر مربوط بود بدین جہت دو رکعت را ہم پیوستند و تنہا یک رکعت ممنوع شد۔ چنانکہ روایت نہی عن البُتَیراء او کما قال برآن دلالت دارد مگر نفع بدو قسم است اول احسانات سابقہ کہ عبارت از ایجاد بندہ و اعطاءِ ملکاتِ روحانی و جسمانی است۔ دوم احسانات لاحقہ، کہ مفادِ قضاءِ حاجاتِ بشری ست۔ بدین وجہ در ظہر و عصر از دو رکعت بچار رکعت رسانیدند۔ باقی ماند مغرب۔ ہر چند نظر بظاہر اینجا ہم چار رکعت می بایست۔ اما بشنو کہ مغرب را حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر النہار فرمودہ اند بدین وجہ این نماز را از صلوٰۃ نہار بہ قرار دادہ اند۔ و این قرار دادن بیجا ہم نیست۔ چہ این وقت در بقیۂ کار روز صرف میشود و ہم قدرے از نورِ کہ شفق از آثار ان است و ابصار آن وقت ہر قدر کہ می باشد مستفاد ازان۔ اندرین صورت ابتناءِ این رکعات بر نفع و ضرر روزانہ باشد کہ بہ شہادت

لتبتغوا من فضلہ ہمین کسب معیشت ست۔

مگر ہم نے دوسری جہت سے دیکھا تو حساب رکعات کا سولہ[۵۷] سے نہیں بڑھتا تھا۔ کیونکہ اقتضاء عبودیت جیساکہ بیان ہو چکا ہے دو جہت سے مِلکِ نفع اور مِلکِ ضرر سے وابستہ تھا اسی جہت سے دو رکعت کو ایک ساتھ ملایا گیا ہے اور تنہا ایک رکعت ممنوع ہوئی چنانچہ روایت نہی عن البتیراء او کما قال (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُم بریدہ یعنی ایک رکعت پڑھنے سے منع فرمایا ہے) اس پر دلالت کرتی ہے۔ مگر نفع کی دو قسمیں ہیں۔ اول احسانات سابقہ جس سے مراد ہے بندے کو عدم سے وجود میں لانا اور روحانی و جسمانی ملکات کا عطا کرنا۔ دوسری احسانات لاحقہ جن کا مفاد حاجات بشری کا پورا ہونا ہے۔ اس وجہ سے ظہر و عصر کو دو رکعت سے چار پر پہنچا دیا۔ باقی رہی مغرب۔ اگرچہ ظاہر پر نظر کرتے ہوئے یہاں بھی چار رکعت ہونا چاہئے تھیں۔ مگر یہ واضح رہے کہ مغرب کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر النہار فرمایا ہے اس وجہ سے اس نماز کو دن کی نمازوں میں سے قرار دیا گیا اور یہ قرار دینا بیجا بھی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ وقت دن کے بقیہ کاموں کے پورا کرنے میں صرف ہوتا ہے اور نیز تھوڑا سا نورِ شفق جو دن کے آثار میں سے ہے اور اُس وقت دکھائی دینا جتنا بھی ہوتا ہے اُس نورِ شفق سے مستفاد ہے۔ اس صورت میں یہ رکعات بھی روزانہ کے نفع و ضرر پر ہی مبنی ہونگی کہ بشہادت لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (نفع یومیہ سے) یہی کسب معیشت مراد ہے۔

مگر ہویداست کہ نفع کسب معیشت وقتے بانجام خود می رسد کہ ہر چیزیکہ بہم آوردۂ بمصرف آن صرف نمائی۔ اگر نان ست بخوری، و اگر آب ست بنوشی و بلذت و راحت کہ دران نہادہ اند برسی لیکن پیداست کہ این لذت و راحت کہ مثل حرکاتِ اکل و شرب غیر قارُّ الذات است و از اقسام متجددات ست کہ ہمرکاب زمانہ میرود قارُّ الذات نیست کہ باز گرفتہ شود۔ پس

[۵۷] سولہ کا حساب اس طرح کہ ظہر، عصر، مغرب، عشاء چاروں میں چار چار رکعت کا حساب کیا جائے۔ نماز فجر کو حساب سے خارج رکھا جائے مغرب سے ایک رکعت کم کرنیکی وجہ چند سطر کے بعد تحریر ہے۔ اور فجر کو محسوب کرنیکی مفصل وجہ اسی مضمون میں تقریباً ایک صفحہ کے بعد

وتر اللیل کے تین رکعات ہونے کی وجہ

احتمال سلب آن کہ ہمانا ترجمۂ ملکِ ضرر ست مرتفع شد۔ محالش خوانی یا غیر معتاد۔ فقط جہت بِلکِ نفع ماند۔ واز ہمیجا وجہ سہ رکعت بودن وتر اللیل ہم دانستہ باشی۔

مگر ظاہر ہے کہ کسب معیشت کا نفع اُسی وقت انجام پذیر ہوتا ہے کہ جس چیز کو آپ نے بہم پہنچایا ہو اُسے اُس کے مصرف میں صرف کر دیں۔ اگر روٹی ہے تو اس کو تناول کر لیجئے۔ اگر پانی ہے تو اس کو پی لیں اور جو لذت و راحت اس میں رکھی ہوئی ہے اُس سے آپ بہرہ اندوز ہوں لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ لذت و راحت کھانے اور پینے کی حرکات کی طرح ذات میں قرار پکڑنے والی شے نہیں ہے اور متجددات کی اقسام میں سے ہے جو زمانہ کے ساتھ ساتھ رخصت ہوتی رہتی ہے۔ ذات میں ٹھہری ہوئی چیز نہیں ہے جس کو واپس لیا جا سکے تو اس کے سلب کا احتمال مرتفع ہو گیا اور ملک ضرر کا مطلب بھی سلب نعمت ہی ہے۔ اس کو خواہ محال کہہ لو یا غیر معتاد (بہر حال سلب کا احتمال نہیں ہے) تو اب صرف ایک جہت مِلکِ نفع کی باقی رہ گئی۔ (اس لئے مغرب میں اضافہ نہیں ہوا جو بحق ملک ضرر کیا جاتا) یہاں سے آپ کو وتر اللیل کے تین رکعت ہونے کی وجہ بھی معلوم ہو جائیگی۔

فقط این قدر قابل بیان ماند کہ راحتِ شب، سکون و خواب ست و اندران حالت دانی کہ ادائے شکر این نعمت نتوان شد، باین نظر کہ در روز ہم اگر نظر ست بر منافع بالقوہ است نہ بر منافع بالفعل۔ ورنہ بسا کس است کہ دانہ ہم فرو نمی رود، تا بہ سیریٔ شکم چہ رسد و قطرۂ ہم نمی نوشد تا بدفع تشنگی چہ رسد و ہمین ست کہ در خواب کہ غرض اصلی از وضع شب است چنانکہ جملہ لتسکنوا بر آں دلالت دارد۔ در ینجا ہم احکام را بالقوہ دانستند و بہ انتظار فعلیت نہ نشستند

اب فقط اتنی بات بیان کرنے کے قابل رہ گئی کہ رات کی راحت سکون اور نیند ہے اور نیند کی حالت میں اس نعمت کا شکر ادا نہیں ہو سکتا تو اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ دن کے بارے میں (منافع کی کسی حیثیت پر) اگر نظر ہے تو منافع بالقوہ پر ہے۔ منافع بالفعل پر نہیں۔ ورنہ بہت سے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ایک دانہ بھی اُن کے پیٹ میں نہیں پہنچتا۔ شکم سیری کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اور پینے کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دفع تشنگی تو دور کی بات ہے۔ یہی بات نیند میں ہے جو وضع شب کی غرض اصلی ہے جیسا کہ جملہ وَلِتَسْكُنُوْا اُس پر دلالت کرتا ہے تو اُسی طرح یہاں بھی احکام بالقوہ سمجھ لیا اور فعلیت کے انتظار میں نہیں بیٹھے۔

مگر چون حساب ہر دو نصف کہ پیشتر بدان اشارہ رفتہ بر نماز عشا، تمام می شود چنانچہ دانستۂ و بنظر وجہ تعین دو رکعت در اوّل و افزون دو رکعت در آخر ہویداست کہ در یک نماز گنجائش زیادہ از چار نیست۔ و نماز صبح چنانکہ در وقتے افتادہ کہ نہ از شب توان گفت و نہ از روز۔ و ہمین ست کہ وتر اللیل را پیشتر ازان نہادند ہمچنان نہ از نماز ہائے شبش توان خواند نہ از نماز ہائے روز۔ چہ بعد لحاظ تقسیم علی التناصف کہ مذکور شد و گرفتن نصف نصف از روز و شب و دادنِ نصف نصف بہ بندہ و حق تعالیٰ شانہ، ہویداست کہ نماز روز ظہر و عصر است، یا ظہر و عصر و مغرب و نماز شب، مغرب و عشاء یا فقط عشاء۔ یعنی اگر مغرب را بحکم آنکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آں را وتر النہار فرمودہ اند از نماز روز شمارند نماز شب فقط نماز عشاء خواہد ماند ورنہ ظہر و عصر نماز روز و مغرب و عشاء، نمازِ شب۔

مگر چونکہ دونوں نصف کا حساب جن کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے۔ عشاء کی نماز پر ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا اور اول (اسلام) میں دو رکعت کے تعیّن اور آخر میں دو رکعت کے اضافہ کے پیش نظر ظاہر ہے کہ ایک نماز میں چار سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اور صبح کی نماز اس صورت میں کہ وہ ایسے وقت میں واقع ہوئی کہ نہ اس کو رات میں سے کہا جا سکتا ہے نہ دن میں سے اور یہی وجہ ہے کہ رات کے وتر کو اُس سے پہلے رکھا، اسی بناء پر اس کو (یعنی صبح کی نماز کو) نہ رات کی نمازوں میں سے کہہ سکتے ہیں، نہ دن کی۔ اسلئے دو برابر حصوں پر تقسیم کا لحاظ کرتے ہوئے جس کا ذکر ہو چکا ہے اور دن اور رات ہر ایک میں سے نصف نصف کرنا اور

صبح کی نماز کی خصوصیات

ایک نصف بندے اور ایک نصف خدا کا حق قرار دینا ان امور کے پیش نظر ظاہر ہے کہ دن کی نماز ظہر و عصر کی (دو نمازیں) ہیں یا ظہر و عصر و مغرب کے (تین نمازیں) اور رات کی نماز فقط عشاء کی (ایک نماز) یعنی اگر مغرب کو اس اعتبار سے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وتر النہار فرمایا ہے دن کی نمازیں شمار کریں تو رات کی نماز صرف عشاء کی نماز قرار پائیگی ورنہ ظہر و عصر دن کی نماز اور مغرب و عشاء رات کی نماز ہونگی۔

بالجملہ نصف اخیر روز کہ در قرعۂ خداوندی ست آن دو نماز ست و در نصف اول شب کہ از آن خدا تعالیٰ ست دو نماز۔ این چار نماز را باین خیال کہ دو ازان در اول و آخر نصف دراُفتادہ و دو باقی را در اول و آخر نصف اوّل شب نہادہ اند، و خوبی اطراف پیش کرم پیشگان ذریعہ چشم پوشی از تنفیر حال وسط میگردد و وقتی کہ قائم مقام صلوات دوازدہ ساعت گیرند، و این گرفتن باین وجہ بجاست کہ باعتبار زمانہ گوئیا تمام حق گرفتند، پس گوئیا نماز صبح باعتبار زمانہ زائد از حق خود است کہ ہمانا بہر اظہار حسنِ انقیادِ بندہ مقرر فرمودند۔ ظاہر بینان دانند کہ بندہ بوجہ افزائش از ما وجب مستحق ثواب زائد از حساب ست، و این حجت ظاہری در نظر ملائکہ وقت استخلاف آدم علیہ السلام بنی آدم را بنظر حقارت دیدہ بودند، و زبان طعن بر وشان کشیدہ، یا در نظر دیگران ہم از ابناء جنس شان اعنی کفّار و فجار موجب عنایت پروردگار شود و قطع حجت دیگران از ابناء روزگار کند کہ بحکم کان الانسان اکثر شیءٍ جدلا از ملائکہ ہم درین راہ دو قدم پیش پیش می رود۔

الحاصل دن کے نصف اخیر میں جو حصّہ خداوندی ہے وہ دو نمازیں ہیں اور رات کے نصف اول میں جو حصہ خداوندی میں آیا یہ دو نمازیں ہیں۔ ان چار نمازوں کو "اس خیال سے کہ اُن میں سے دو دن کے نصف ثانی کے پہلے اور آخر حصّہ میں رکھی گئی ہیں۔ اور باقی دو کو رات کے پہلے نصف کے اول و آخر حصہ میں رکھا گیا۔ اور اطراف کا اچھا ہو جانا۔ اُن کرم گستر آقاؤں کے نزدیک جو کرم کے خوگر ہیں درمیانی اوقات کی خدمت سے چشم پوشی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔" اس صورت میں کہ بارہ ساعات کا قائم مقام قرار دیں اور یہ قرار دینا اس وجہ سے مناسب بھی ہے کہ باعتبار زمانہ گویا تمام حق وصول ہو گیا ہے، تو کہا جا سکتا ہے کہ گویا صبح کی نماز زمانہ کے اعتبار سے اپنے حق سے زائد رکھی ہے جو کہ درحقیقت بندے کے حُسن اطاعت گزاری کے مظاہرے کے لئے مقرر فرمائی گئیں۔ تاکہ جو ظاہر بین ہیں وہ سمجھ لیں کہ بندہ ما وجب سے افزائش کی وجہ سے زائد از حساب ثواب کا مستحق ہو گیا ہے۔ اور فرشتوں کی نظر میں جنہوں نے آدم علیہ السلام کو خلافت دئیے جانے کے وقت بنی آدم کو بنظر حقارت دیکھا تھا اور اُن پر طعن کے لئے زبان کھولی تھی، یا دوسرے لوگوں کی نظر میں جو ان بندگان الٰہی کے ہمجنس ہیں یعنی کفار و فجار، یہ حجتِ ظاہری موجب عنایت پروردگار ہو جائے اور دوسرے ابناء روزگار کی حجت قطع کرنے کا ذریعہ بن جائے کہ وہ جھگڑا نہ کر سکیں کہ اس امت کے عابدین پر اُن کے حق سے زائد نوازش کیوں ہے اور ہم پر کیوں نہیں، جیسا کہ فرمایا گیا ہے:۔

كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝	اور آدمی جھگڑے میں سب سے بڑھ کر ہے 15/19

یہ لوگ ملائکہ سے بھی اس (جدل و نزاع کی) راہ میں دو قدم آگے آگے چلتے ہیں۔

ہاں باین اعتبار کہ نصف آخر روز کہ بحصّۂ خداوندی افتادہ از اول و آخر ناقص ست، چہ در ساعت اول ازان نصف از زوال و در ساعت آخر غروب تمام و کمال نہادہ اند بدین حساب گوئیا نقصان دو رکعت ماند چہ مقدار معتدبہ بہر یک رکعت چنانکہ دانستی یک ساعت است نہ کم، گو بنظر تخفیف بقرارۂ آیتے چند و رکوع و سجود رسمی قناعت فرمودہ باشند۔ باین نظر معاوضۂ دو ساعت بحکم عدالت ظلم نبود و بنظر شفقت مستحسن بنمود، چہ باعتبار آنکہ پیش کرم پیشگان حسن اطراف کافی ست۔ اگر در اداء ظہر و عصر ابہامِ تعمیر نصف آخر روز و در اداءِ مغرب و عشاء ابہامِ تعمیرِ نصفِ اوّلِ شب بود، اینجا باعتبار مذکور بلحاظ آنکہ وقت صبح وقتے ست کہ ہم در آخر شب ست و ہم در اول روز بانضمام عبادت آن وقت بعبادت نصفِ آخرِ روز محصول عبادت ہمہ روز حاصل خواہد شد و باقترانِ نمازِ آن وقت بہ نماز اولِ شب حاصلِ

نمازِ شب بحصول خواہد پیوست۔ بالجملہ این وقت کہ بظاہر زائد از حساب می نماید اگر گرفتہ اند
بعوض آن دو ساعت کہ مذکور شد گرفتہ اند۔

ہاں اس اعتبار سے کہ دن کا نصف آخر جو کہ حصۂ خداوندی میں آیا ہے اول اور آخر سے ناقص ہے کیونکہ اس نصف کی پہلی ساعت کو زوال سے اور آخری ساعت کو غروب تک تمام و کمال وقت محسوب کیا گیا ہے (اور ان ہر دو ساعات میں عبادت نہیں ہے) تو اس حساب سے گویا دو رکعت کا نقصان رہا کیونکہ ایک رکعت کے لئے مقدار معتدبہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے ایک ساعت ہے۔ اس سے کم نہیں۔ چاہے بنظر تخفیف چند آیتوں کی قرارت اور رسمی رکوع و سجود پر قناعت فرمائی گئی ہو۔ اس پر نظر کرتے ہوئے دو ساعت کا معاوضہ از روئے عدالت ظلم نہیں تھا۔ اور بنظر شفقت مستحسن معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس اعتبار سے کہ کرم گستر آقاؤں کے حضور میں کام کی اطراف کا ٹھیک ہو جانا کافی ہو جاتا ہے۔ اگر ظہر و عصر کے ادا کرنے میں دن کے نصف آخر کو عبادت سے معمور کرنے کا اور مغرب و عشاء کے ادا کرنے میں رات کے نصف اوّل کو معمور کرنے کا ابہام تھا تو یہاں بھی مذکورہ بالا اعتبار سے (یعنی کریم آقاؤں کے حضور میں حسن اطراف کا کافی ہو جانا) اس لحاظ سے کہ صبح کا وقت ایک ایسا وقت ہے کہ آخر رات میں بھی داخل ہے اور اوّلِ روز میں بھی شامل۔ تو اس وقت کی عبادت کو جب دن کے نصف آخر کی عبادت کے ساتھ منضم کیا جائیگا تو تمام دن کی عبادت کا نتیجہ حاصل ہو جائیگا اور جب اُس وقت کی نماز کو اول شب کی نماز کے ساتھ ملایا جائے گا تو حاصلِ نماز تمام رات کا مرحمت فرما دیا جائے گا۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ وقت جو بظاہر حساب سے زائد معلوم ہوتا ہے اگر لیا ہے تو ان مذکورہ بالا دو ساعتوں (زوال و مغرب) کے بدلے میں لیا گیا ہے

و از ینجاست کہ از صبح صادق تا طلوع تقریباً ہمین قدر می باشد۔ چہ وقت صبح تخمیناً یک سُبع شب می باشد۔ و دانی کہ در اکثر بلاد شب زائد از چاردہ ساعت اعنی گھنٹہ نمی باشد اندرین صورت فقط در بعض ایام عوض تام بدست خواہد آمد۔ ورنہ بندہ باین طور ہم

در نفع است۔ بالجملہ تقررِ نمازِ صبح بیک وجہ کہ مذکور شد خود زائد از حساب است تا بافزائش دیگر چہ رسد۔ و بیک وجہ بعوض نقصان معلوم است کہ امکان تزائد بر آن معلوم

اور اس موقع پر یہ سمجھنے کی بات ہے کہ صبح صادق سے طلوع آفتاب تک تقریباً اتنا ہی وقت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ صبح کا وقت تخمیناً رات کا ساتواں حصہ ہوتا ہے اور تم جانتے ہو کہ اکثر بلاد میں رات چودہ گھنٹوں سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اس صورت میں صرف بعض ایام میں پورا عوض ہاتھ آئیگا۔ ورنہ بندہ تو اس طریق حساب سے بھی نفع ہی میں رہتا ہے۔ بہر حال نماز صبح کا مقرر ہونا ایک وجہ کے اعتبار سے جو ذکر کی گئی ہے خود ہی زائد از حساب ہے تو اس میں اضافہ کا کیا موقع تھا۔ اور ایک وجہ کے اعتبار سے نقصانِ معلوم (یعنی وقت زوال و غروب مذکورہ بالا) کا عوض ہی اُس پر زیادتی کا امکان ہی کیا (اسلئے ظہر و عصر و عشاء کی طرح حکم ثانی میں صبح کی رکعات میں اضافہ نہیں کیا گیا اور بدستور دو رکعت رکھی گئیں)

علاوہ برین رعایت جہتِ قضاءِ حاجات اگر مستدعی تکمیل است پاسِ ضعفِ ہمتِ بنی آدم ملتجی تخفیف و تسہیل، از استیعابِ زمانہ بگذشتند و با تمام تعداد بگذاشتند۔ اعنی فقط بر بست رکعت کہ حکماً عبادتِ شب و روز است اکتفاء فرمودند و مشغولی شب و روز واجب ننمودند۔ مگر چون باعثِ افزائش تعداد اندرین صورت ہمان قضاءِ حاجات است، می باید کہ در وقتے کہ افزایند حاجتے ہم از حاجات دُنیوی روا نمایند ورنہ وضع الشئ فی غیر محلہ لازم آید کہ تنزیہ خداوند قدوس ازان لازم و واجب۔ و میدانی کہ این وقت نہ وقت کارروائی روز ست نہ وقتِ کارروائی شب۔ آلا رشب کہ خواب راحت است حسب عادت اکثر بنی آدم و طبیعتِ شان بر صبح تمام می شود۔ و نماءِ روز کہ کسبِ معیشت است اگر شروع می شود بعد طلوع شروع میشود پس این وقت اگر افزایند بکدام حجت افزایند۔

اس کے علاوہ یہ وجہ بھی ہے کہ قضاء حاجات کی رعایت (یعنی جب کہ بندہ کی ضروریات کا متکفل خود حق تعالیٰ ہے جس کا بیان گذر چکا) اگر تکمیل کی مستدعی ہے تو بنی آدم کی ہمت کا ضعف بھی

تخفیف اور تسہیل کا ملتجی ہوا۔ اس لئے پورے زمانہ کو محسوب کرنے سے درگذر فرمایا اور تعداد رکعات (میں اضافہ) کو چھوڑ دیا۔ یعنی فقط بیس رکعت کو جو کہ حکماً شب و روز کی عبادت ہے کافی قرار دیدیا اور رات دن کی مشغولی کو واجب نہ کیا۔ مگر چونکہ تعداد میں اضافہ کا باعث اس صورت میں وہی قضاء حاجات کا (مذکورہ بالا) معاملہ ہے تو قرینِ قیاس ہے کہ بندے کی حاجات دنیاوی میں سے کوئی حاجت بھی پوری فرمادیں ورنہ وضع الشیئ فی غیر محلہ (یعنی کسی شئے کو ایسے مقام پر رکھ دینا جو اُس کا محل نہ ہو) لازم آئے گا جس سے خداوند قدوس کو منزّہ اور بالاتر سمجھنا لازم اور واجب ہے اور یہ بھی ظاہر بات ہے کہ یہ وقت نہ دن کے کام چلانے کا ہے اور نہ رات کے رات کی خاص نعمت جو خواب راحت ہے اکثر بنی آدم کی طبیعت اور عادت کے لحاظ سے صبح پر ختم ہو جاتی ہے اور دن کی نعمتیں جن کا کسب معیشت سے تعلق ہے اگر شروع ہوتی ہیں تو بعد طلوعِ شمس شروع ہوتی ہیں۔ تو اس وقت میں اگر اضافہ کریں تو کونسی حجت کو بنا بنا کر اضافہ کریں۔

واز ینجاست کہ وتر اللیل را کہ رکعت ثالث آن مشیر بجہتِ ملکِ نفع شب است، چنانکہ فہمیدہ باشی پیش از صبح داشتند۔ تا وضع الشئ فی غیر محلہ لازم نیاید بالائے این ہمہ پیش رحمت خداوندی دو ساعت قابل افتراض زیادہ از دو رکعت نیست۔ چہ مقدار یک ساعت معیار یک رکعت ست۔ چنانکہ دانستۂ۔ ہاں اگر بندہ از طرف خود دو رکعت دیگر بخواند چنانکہ می کنند، گوئیا از حسن صنعت و کمالِ مشق اوست کہ در وقتِ قلیل کارِ طویل بجا آورد۔ بالجملہ در ظہر و عصر و مغرب و عشاء بوجہ مذکور و در صبح بوجوہ مسطورہ گنجائش افزائش نبود، سہ رکعت جداگانہ افزودند و از یازدہ بست نمودند تا صورت عبادت شب و روز ہم نقش بندد۔

اور اسی مطمحِ نظر سے سمجھ لیجئے کہ وتر اللیل کو جس کی تیسری رکعت رات کے مِلکِ نفع کی جانب مشیر ہے جو ہم پہلے سمجھا چکے ہیں اس کو صبح سے پہلے رکھا۔ تاکہ وضع الشیئ فی غیر محلہ

لازم نہ آئے۔ ان سب کے علاوہ یہ بھی ملحوظ رہے کہ رحمتِ خداوندی کے سامنے دو ساعت کے لئے فرض بنانے کے قابل دو رکعت سے زیادہ نہیں ہیں۔ کیونکہ ایک رکعت کا معیار ایک ساعت کی مقدار ہے جو ہم پہلے واضح کر چکے ہیں۔ ہاں اگر بندہ اپنی طرف سے مزید دو رکعت پڑھ لے جیسا کہ پڑھتے ہیں تو یوں کہئے کہ یہ اُس کی حُسنِ صنعت (بہترین کارگزاری) اور کمال مشق کا ثبوت ہوگا کہ تھوڑے وقت میں بہت کام انجام کو پہنچا دیا۔

الحاصل ظہر میں اور عصر و مغرب و عشاء میں وجہ مذکور کی بناء پر (یعنی اس بناء پر کہ عدد رکعات چار سے زائد نہیں ہیں) اور صبح میں ان (معروضہ) وجوہ کی بناء پر اضافہ کی گنجائش نہیں تھی۔ اس لئے تین رکعت جداگانہ بڑھا دیں اور گیارہ سے (دو دو رکعت ظہر، عصر، عشاء میں بڑھا کر اور یہ تین رکعت وتر بڑھا کر) بیس رکعات کر دی گئیں۔ تاکہ مجموعہ شب و روز کی عبادت کی صورت بھی پیدا ہو جائے۔

مؤیدِ این سخن این ست کہ وتریت اعنی لحاظ عدد وتر در ہر معدود بذاتِ خود محبوب است۔ چنانکہ دانستی کہ بیشتر یازدہ رکعت بود دران زمانہ این قدر را عبادت نصف دورہ قرار دادہ باشند کہ بیک اعتبار واحد ست۔ آن وقت وترِ واحد اعنی نماز مغرب کفایت کرد۔ اکنون کہ بست رکعت نمودند گوئیا ہمہ شب و روز را فرا گرفتند این وقت این ہمہ عبادت بدو چیز کہ یکے ازان شب ست دوم روز منسوب شدند و بوجہ این دو اضافت گوئیا دو حقیقت متبائنہ و دو معدود مشخص و محدود شدند جدا جدا، کہ لحاظ تعدّد و تشخص آن باعث اعتبار دو وتر شد تا ہر عبادت بجائے خود وتر باشد۔ چنانچہ مغرب او تر النہار فرمودن بدین جانب اشارہ ہم دارد۔

اور اس نظریہ کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ وتریت یعنی عدد طاق کا لحاظ ہر شمار میں بذات خود محبوب ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ سب سے پہلے گیارہ رکعات فرض تھیں۔ اُس زمانہ میں اس مقدار کو نصف دورے کی عبادت قرار دیا تھا جو ایک اعتبار سے (یعنی بحیثیت مجموعی)

ایک (عبادت) ہے۔ اُس وقت وتر واحد یعنی نماز مغرب کافی ہوگئی۔ اب کہ بیس رکعت کردی گئیں گویا تمام شب و روز کو مکمل طور پر لے لیا اِس وقت یہ عبادت دو چیزوں کی طرف جن میں ایک رات ہے اور دوسری دن منسوب ہوگئی اور ان دو اضافتوں کی وجہ سے گویا دو باہم مختلف حقیقتیں اور دو شمارے مشخص اور محدود ہوگئے اور اس طرح جُدا جُدا ہوئے کہ اُن کے تعدُّد اور تشخُّص کا لحاظ دو وتر کے اعتبار کا باعث بن گیا۔ تاکہ ہر عبادت (یعنی دونوں میں سے ہر شمارہ) بجائے خود وتر (یعنی طاق) ہو۔ چنانچہ مغرب کو وتر النہار فرمانا اس طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔

علاوہ بریں بنا بر یازدہ رکعت سابق بر جہت ملک نفع و ضرر سابق بود و ابتناء رکعت لاحق بر جہت ملکِ نفع و ضررِ لاحق، اعنی نظر در اول بر احسانات سابقہ داشتہ اند کہ عبارت از عطاء وجود و قواء و ملکات و آلاتِ خلقی از زمین و آسمان و عناصر وغیرہ است، کہ ہمانا سامان معیشت انسان است و نظر در ثانی بر قضاء حاجات کہ مرادم ازان تجدُّد منافع و راحات است۔ و چون امور متجددہ را اعادہ نیست گویا قابلیت ملک ضرر بعد اتمام راحت و ایصال منفعت نماند لہٰذا از مغرب کہ آخر نماز ہائے روز ست بطور مشارٌ الیہ، وازو تر کہ آخر نماز ہائے شب است چنانچہ فرمودہ اند اجعلوا اٰخر صلوٰتکم باللیل وترا یک یک رکعت کم فرمودند۔

اس کے علاوہ سابقہ گیارہ رکعات کی بناء ملکِ نفع و ضرر سابق پر رکھی گئی تھی۔ اور رکعات لاحقہ کی (جو بعد میں اضافہ کی گئیں) ملک نفع و ضرر لاحق پر رکھی گئی یعنی اول مرتبہ کے حکم میں احسانات سابقہ کو ملحوظ رکھا۔ نفع و ضرر سابق سے مراد ہے وجود اور قواء اور ملکات کا عطاء کرنا اور جو پیدائش و تربیت کے ذرائع ہیں جیسے زمین و آسمان اور عناصر وغیرہ جو کہ انسان کے حقیقی سامان معیشت ہیں اور دوسرے (افزائش رکعات والے حکم) میں نظر تھی قضاء حاجات پر جس کو پہلے نفع و ضرر لاحق سے تعبیر کیا گیا تھا، کہ میری مراد اس سے منافع اور راحتوں کا تجدُّد ہے۔ اور چونکہ امور متجدّدہ کی واپسی نہیں ہوتی تو یوں کہا جائیگا کہ ملکِ ضرر کی قابلیت و راحت کے پورا کردینے

اور منفعت کے پہنچا دینے کے بعد نہیں رہی۔ لہٰذا مغرب سے جو کہ (بحیثیت مذکورہ) دن کی نمازوں میں سے آخری نماز ہے اور وتر میں سے جو رات کی نمازوں میں سے آخری ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

اجعلوا اٰخر صلوٰتکم باللیل وترا[1] | اپنی رات کی نمازوں کا آخر وتر کو بناؤ

ایک ایک رکعت کم فرمادی۔

از ین جا دانستہ باشی کہ علاوہ نقصان چار ساعت از بست و چار بہر تقریر بست رکعت باعث این ہم است کہ بقیاس سابق افزائش ہم بقدر یازدہ می بایست بوجہ مذکورِ کمی، کمی دو رکعت از یازدہ ہم مناسب افتاد۔ غرض این وقت نظر ہم بر ملکِ نفع و ضرر اول است و ہم بر ملکِ نفع و ضرر ثانی۔ یا گوئیم این وقت، ہم نظر بر احسانات سابقہ است و ہم بر احسانات لاحقہ۔ بانتساب این دو جہت متباینہ ہم دو عبادت متغایرہ گشتند لحاظ وتریت در ہر نماز منجر بتزائد عدد مقیس بر مقیس علیہ می شد جملہ بردو مجموعہ تقسیم کردہ ہر یک را بوترے جداگانہ ممتاز فرمودند و بازیک مجموعہ را بروز و دیگر را بشب نسبت دادند تا عدد مقصود ہم محفوظ ماند و رعایت امتیاز منافع روز از منافع شب ہم از دست نرود۔

اس موقع پر تم کو یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ بیس رکعت مقرر کرنے کا ایک باعث علاوہ اُس سبب کے یعنی چوبیس ساعات میں سے چار کے نقصان کے، یہ بھی ہے کہ سابق قیاس کے مطابق زیادتی بھی بقدر گیارہ رکعت ہونا چاہئے تھی۔ کمی کی مذکورہ بالا وجہ کے پیش نظر بھی گیارہ میں سے دو رکعت کی کمی مناسب واقع ہوئی۔ غرض اس وقت نظر ملک نفع و ضرر اول پر بھی ہے اور ملکِ نفع و ضرر ثانی پر بھی۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ اس وقت نظر احسانات سابقہ پر

[1] عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اجعلوا اٰخر صلوٰتکم باللیل وترا ۱۲ اخرجہ البخاری

بھی ہے اور احسانات لاحقہ پر بھی۔ ان دو متباین وجہوں کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ہر دو عبادات باہم متغائر بھی بن گئیں۔ اور اگر ہر نماز میں (یعنی دن کے مجموعۂ عبادت میں اور رات کے مجموعہ میں) وتریت (یعنی طاق کی رعایت) ملحوظ کی جاتی۔ جس طرح وتر النہار یعنی نماز مغرب کے اضافے نے عبادت یوم میں طاق کی رعایت پیدا کر دی تھی۔ پھر مقیس علیہ کے مطابق وتر کا اضافہ ہوتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ عدد مقیس (یعنی جو رکعات حکم ثانی میں بڑھائی گئیں بناء بر احسانات لاحقہ بحصّۂ شب) عدد مقیس علیہ (یعنی گیارہ رکعات حکم اول جو بربناء احسانات سابقہ تھیں بحصۂ روز) سے بڑھ جانے کی نوبت آجاتی تو کل کو دو مجموعہ پر تقسیم کر کے ہر ایک کو ایک جداگانہ وتر سے ممتاز فرما دیا۔ اور پھر ایک مجموعہ کو دن کی طرف اور ایک کو رات کی طرف منسوب کر دیا تاکہ عدد مقصود بھی محفوظ رہے اور منافع روز کا منافع شب سے امتیاز بھی ہاتھ سے نہ جائے۔

این سخن پایان ندارد باز پس می روم۔ اعتبارِ احسانات سابقہ وانعامات لاحقہ کہ ہمین دم بشناختۂ بہ نسبت عبادت شب و روز بمنزلہ روح است۔ وعدد بست رکعت کہ بیک اعتبار عبادتِ شب و روز است بمرتبۂ جمال صورت او۔ چہ عدد دیگر در دلالت بر اتمام عبادت بعدد بست نمی رسد ونفس اقتضاءِ احسانات سابقہ واحساناتِ لاحقہ آن بود کہ از شب و روز وقتے بغفلت نگزارد ورنہ ازین ہم چہ کم کہ بلحاظ انضمام نماز صبح با نماز ہائے آخر روز و با انضمام آن با نماز ہائے اولِ شب نماز ہا کش شب و روز رنگ عبادت شب و روز پیدا کند۔ ومی دانی کہ این قدر با داء ظہر و عصر و مغرب و فرض عشاء و دو رکعت صبح کہ ہمہ ہفدہ می شود بدست می آمد آرے آن جمال صورت با این کمال معنوی نمی پیوست وہمین است آنکہ در پئے اثبات آن بودیم۔

ان مصالح کی طوالت کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لئے ہم پھر واپس چلتے ہیں۔ (اب اُس مضمون کو مستحضر کرلیں جو پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ مجموعۂ دین کو ہیئت اجتماعیہ سے دیکھا جائے یا اس کی انواع مخصوصہ جیسے پانچوں نمازیں اس طرح ملحوظ کی جائیں کہ ایک دورۂ شمسی کی عبادت یہ ہے تو اس کی ایک حقیقت ثابت ہوگی جو بمنزلۂ روح ہے اور ایک صورت جس میں وہ حقیقت یا روح پائی جائے اس کے بعد واجب کی حقیقت بیان کی گئی تھی کہ جو اس صورت کے تناسب کی تکمیل کرنے والا عمل ہوگا جس سے اُس صورت کا جمال وابستہ ہے اور وہ من اللہ مطلوب بھی ہو وہ واجب ہے۔ مترجم) احسانات سابقہ اور انعامات لاحقہ کا اعتبار جس کو ابھی آپ پہچان چکے ہیں، شب و روز کی عبادت کے لئے بمنزلۂ روح ہے۔ اور رکعات جو کہ ایک اعتبار سے شب و روز کی عبادت ہیں (اس روح کا مظہر یعنی وہ صورت ہیں جن میں وہ حقیقت یا روح پائی جاتی ہے) اُن کا عدد بیس اُس صورت کے جمال کے مرتبہ میں ہے۔ کیونکہ اتمام عبادت پر دلالت کرنے کے لئے کوئی عدد بیس کی برابری نہیں کرتا۔ اور احسانات سابقہ اور احسانات لاحقہ کا نفس اقتضاء تو یہ تھا کہ بندہ رات اور دن میں سے کوئی وقت بھی غفلت سے نہ گذارے۔ ورنہ اس سے بھی کیا کم ہے کہ صبح کی نماز کو دن کی آخری نماز کے ساتھ اور پھر اُس کو رات کی اول نماز کے ساتھ انضمام کے لحاظ سے اُس کی نمازیں رات اور دن کی ملکر پورے شب و روز کی عبادت کا رنگ پیدا کرلیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ مقدار ظہر و عصر اور مغرب اور عشاء کے فرض اور دو رکعت صبح سے جن کا مجموعہ سترہ ہوتا ہے حاصل ہو جاتی تھی۔ ہاں اس کمال معنوی کے ساتھ جمال صورت شامل نہیں ہو رہا تھا وہ بدلائل مذکورہ بالا بیس پر موقوف تھا جس کو تین رکعات وتر نے سترہ کے ساتھ مل کر پورا کر دیا تو جمال صورت بھی شامل ہو گیا اور جو چیز جمال صورت پیدا کرتی ہے اور مطلوب بھی ہو وہ واجب ہوتی ہے اس لئے یہ تین رکعات واجب ہوئیں) اور یہی وہ بات ہے کہ ہم جس کے ثابت کرنے کے درپے تھے۔

چون از تطبیق مفہومِ واجب کہ مذکور شد بر فاتحہ وسورت از ارکان صلوٰۃ و بروتر از عبادات فراغت یافتیم وتصحیحِ اطلاقِ واجب بطور مذکور بر ہمین دو مصداق وامثال آن دشوار بود واین طرف انطباق مفہوم مذکور بر ترتیب و اطمینان کہ نوعِ عظیم واجبات ست بدیہی بود ولازم آنست کہ این قصہ ابگذاریم و روبسوئے مطلب آریم۔ چہ این قدر کہ گفتہ شد فہیم را در رہبری این راہ مستقیم کافی است۔

وتر کے وجوب کی دلیل کا خلاصہ واجب کی مذکورہ بالا تعریف کے پیش نظر

جب کہ ہم ارکان نماز میں سے فاتحہ اور سورت پر اور عبادات میں سے وتر پر واجب کے مذکورہ بالا مفہوم کی تطبیق سے فارغ ہو گئے اور واجب کے اطلاق کی تصحیح واجب کے معروضہ مفہوم کے مطابق ان ہر دو مصداق اور ان جیسی چیزوں پر دشوار تھی اور دوسری طرف مذکورہ بالا مفہوم کا انطباق ترتیب اور اطمینان پر جو واجبات کی اہم انواع میں سے ہیں بدیہی تھا اس لئے ان پر خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں ہے، تو اب ضروری یہ ہے کہ ہم اس قصہ کو چھوڑیں اور اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوں کیونکہ جس قدر کہہ دیا گیا ہے صاحب فہم کے لئے اس راہِ مستقیم کی رہبری میں کافی ہے۔

بشنو چون دانستی و خوب دانستی کہ سنت مؤکدہ با فرض در حسن و منافع ہمدوش است. عمدہ معیار برائے شناختن مراتب افعال بدست آمد۔ ہر فعلے کہ در قدر منفعت برابر فرضے از فرائض باشد و خود مطلوب از طرف خدا نیست، لاجرم سنت مؤکدہ باشد۔ خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آن فعل را بطور مواظبت کردہ باشند یا نباشند۔ و ہمچنین جملہ خلفاء بآن عمل اہتمام کردہ باشند یا نباشند۔ و این تعریف جملہ سنن مؤکدہ را در آغوش میگیرد ان شاء اللہ۔ باقی بشرط عدم موانع مواظبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا ترک یک دو بار خود از آثار و احکام این حقیقت است۔ چہ انکشاف نبوی و اطلاع آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر تساوی مرتبۂ آن با فرائض اگر بحکم امر باطنی و طبعی موجب مبادرت است تخفیف وما کنا معذ بین حتی نبعث رسولا کہ گویا متضمن نسخ وجوب امر طبعی است، مستدعی ترک گہہ و بیگاہ ہم است تا غیر مامور بہ خداوندی با مامور بہ خداوندی برابر نگردد۔ و از حد مرتبۂ خود بدر رفتہ موہم تعدّی حدود اللہ بنسبت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نشود۔

سنئے جب آپ نے جان لیا اور خوب سمجھ لیا کہ سنت مؤکدہ حسن اور منافع میں فرض کے ہم رتبہ ہے تو ایک عمدہ معیار مراتب افعال کے پہچاننے کے لئے ہاتھ آ گیا۔ جو فعل کہ مقدار منفعت میں فرائض میں سے کسی فرض کے برابر ہو اور خداوند تعالیٰ کی طرف سے خود مطلوب نہ ہو تو لازم ہے کہ وہ سنت مؤکدہ ہو گا۔ خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو بطور مواظبت کیا ہو

سنت کی جامع و مانع تعریف

پابند کیا ہو اور اسی طرح تمام خلفاء نے اُس عمل کا اہتمام کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور یہ تعریف جتنی بھی سنت مؤکدہ ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ اُن سب کو اپنی آغوش میں لے لیگی۔ باقی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مواظبت فرمانا اگر موانع موجود نہ ہوں یا ایک دو بار ترک کر دینا خود اس حقیقت کے احکام اور آثار میں سے ہے کیونکہ انکشاف نبوی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرائض کے ساتھ اُس کے مرتبہ کے مساوی ہونے پر مطلع ہونا اگر امر باطنی اور طبعی کے تقاضے اور اثر سے اُس کی طرف پیش قدمی کرنے کا موجب ہے تو گویا

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا | اور ہم (کبھی) سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے

اُس وجوب امر طبعی کے منسوخ ہونے پر متضمن ہے اور وقت بے وقت ترک کر دینے کے لئے بھی مستدعی ہے تاکہ خداوند تعالیٰ کا غیر مامور بہ اُس کے (یعنی طبیعت کے) مامور بہ کے برابر نہ ہو جائے اور اپنے مرتبہ کی حد سے باہر نکل کر حدود الٰہی سے باہر ہو جانے کی نسبت کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب وہم نہ پیدا کر سکے۔

خصوصاً وقتیکہ ارشاد لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لحاظ کنیم۔ چہ بتقاضاء این فرمان واجب الاذعان ہرگز تفاوتے در فرض و غیر فرض باقی نخواہد ماند۔ و از اول تا آخر از ہر طرف وجوہ دلالت تساوی فرض و غیر فرض خواہد برخاست۔ و ہر کہ سرمایہ دین و ایمان اعنی کلام اللہ و حدیث را دیدہ و فہمیدہ باشد میداند کہ این امر چہ قدر زبون ست۔ بالجملہ بحق شریفیکہ بوجہ امر بدو رسیدہ فرض را استحقاق مزید عنایت بود در صورت تساوی عمل این حق بدو نمی رسد واللہ لا یحب الظالمین۔ علاوہ برین اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود عدم ورود امر از جانب خداوندی اگر بر سنن مؤکدہ مداومت فرمایند بحکم فرمان واجب الاذعان لقد کان لکم فی رسول اللہ الآیہ اتیان را ہم مداومت واجب افتد پس اندرین صورت فائدۂ فرض نکردن او کہ ہمانا بوجہ تخفیف بود چہ باشد؟

خصوصاً جس وقت کہ ہم اس ارشاد کا لحاظ کرتے ہیں:۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ | تم لوگوں کیلئے رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے۔

کیونکہ اس فرمان واجب الاذعان کے اقتضاء کے بموجب ہرگز کوئی تفاوت فرض اور غیر فرض میں باقی نہیں رہیگا اور اول سے آخر تک فرض اور غیر فرض کی برابری کی وجوہ ناپید ہو جائیں گی (اس لئے ضروری ہوا کہ ایک دو بار کے ترک سے حقیقت آشکارا کر دی جائے) اور جس نے بھی دین و ایمان کے سرمایہ یعنی کلام اللہ اور حدیث کو دیکھا اور سمجھا ہوگا وہ جانتا ہے کہ یہ امر کس قدر سخت برا ہے۔ الحاصل جو حق شرافت امر الٰہی کے متعلق ہونے سے اُس کو پہنچا یعنی فرض کو جو استحقاق مزید عنایت ہوا ہے۔ عمل کی مساوات کی صورت میں یہ حق اس کو نہیں ملتا۔

واللہ لا یحب الظلمین ○ | اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنیوالوں (یعنی حق تلفی کرنے والوں) کو پسند نہیں کرتا۔

علاوہ بریں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خداوند تعالیٰ کی جانب سے ورود امر نہ ہونے کے باوجود سنن مؤکدہ پر مداومت فرمائیں تو بحکم فرمان واجب الاذعان لقد کان لکم فی رسول اللہ الآیہ انہیوں پر بھی مداومت واجب ہو جائے گی تو اس صورت میں اُس کے فرض نہ کرنے کا کیا فائدہ ہوگا جو یقیناً تخفیف کی مصلحت سے تھا۔

این امر قیلیست کہ بالائے مذکورہ مانعے دیگر مثلِ اندیشۂ فرضیت کہ در بعض افعال می باشد نباشد۔ اگر این اندیشہ سدِّ راہ بود آن وقت بضرورت شفقت امت یک لخت ترک ضروری است۔ و باعتماد وعدہ وما کنا معذ بین الخ ہیچ گونہ اندیشۂ بمیان نے۔ مگر این ترک و ادن ہر چند نظر بظاہر دلیل ترکِ تشدید است مگر بنظر غائر اگر بنگرند عین تاکید است۔ چہ این اندیشہ خود برین قدر دلالت دارد کہ این ماہیت ہم باعتبار ذات وہم بمقتضار دیگر جہات قریب است کہ فرض گردد۔ بالجملہ از دیگر سنن فائق است و برائے فرضیت از ہمہ لائق۔

یہ امر (یعنی سنت مؤکدہ میں مواظبت ایک دو بار ترک کے ساتھ) اُس وقت ہے جب مذکورہ (حسن و منافع) سے بالاتر ہو کر کوئی دوسرا مانع جیسا کہ فرضیت کا اندیشہ جو کہ بعض افعال میں ہوتا ہے موجود نہ ہو۔ اگر یہ اندیشہ سد راہ ہوگا اُس وقت امت پر شفقت کی ضرورت

سے یک لخت ترک ضروری ہوگا اور وما کنا معذبین الخ کے وعدے کے اعتماد پر کسی قسم کا اندیشہ موجود نہ رہیگا۔ مگر یہ ترک کر دینا اگرچہ ظاہر دلیل پر نظر کرتے ہوئے تشدید (یعنی سخت پابندی) کا ترک ہے۔ لیکن بنظر غائر اگر دیکھیں تو عین تاکید ہے۔ کیونکہ یہ اندیشہ خود اس مفہوم پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ ماہیت بھی اپنی ذات کے اعتبار سے اور دیگر پہلوؤں کے لحاظ سے (مثلاً تراویح میں نمازیوں کی شوق کے ساتھ مبادرت) قریب ہے کہ فرض بن جائے۔ حاصل یہ کہ دیگر سنن سے فائق ہے اور فرضیت کیلئے نسبۃً اولیٰ تر۔

اکنوں چون بنگریم در تراویح ہمین صورت بنظر می آید باعتبار ذات اگر بنگریم با صوم رمضان کہ فرض است در منفعت ہم سنگ و در حسن ہمرنگ۔ واگر درین آیت غور کنیم شهر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدًی للناس وبینٰت من الھدیٰ والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ اصل قرأتِ قرآن است و صوم متفرع بر آن۔ اعنی ماہ رمضان این چنین است کہ چنین نعمتے در آن بر شما ارزانی داشتہ اند پس این نعمت را بپذیرید و ترک دنیا گیرید اعنی روزہ بدارید۔ پس حیف است کہ روزہ فرض شود و تراویح کہ برائے ہمین قرارت و سماعت قرآن ترتیب دادہ اند فرض نشود۔ این بدان ماند کہ چیزے نیکو بکسے کہ کمتر ازان داشتہ باشد بنمایند و بگویند کہ آن را بگزار و این را بگیر چون آن کس آن چیز را ترک دادہ بگرفتن این چیز آید ازان باز دارند۔ این وقت آن مرد سادہ لوح از ہر دو محروم ماند و ہیچ گفتن نتواند۔

اب جب کہ ہم غور کرتے ہیں تو تراویح میں بھی صورت نظر آتی ہے۔ اُس کی ذات کے اعتبار سے دیکھتے ہیں تو روزہ رمضان کے ساتھ جو فرض ہے منفعت میں ہم رتبہ اور حسن میں ہمرنگ اور اگر اس آیت میں غور کریں:۔

شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن | (وہ تھوڑے دن) ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید اتارا گیا
ھدًی للناس وبینٰت من الھدیٰ | ہے جس کا (ایک) وصف یہ ہے کہ لوگوں کیلئے (ذریعہ) ہدایت

؎ یعنی جو فعل کہ حقیقت عبادت کا مظہر تھا اسلئے طبیعت اسکے وجوب کی طرف مائل تھی مگر رسول کو اس پر مامور نہیں کیا گیا ۳

وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ

ہے اور (دوسرا وصف) واضح الدلالۃ ہے منجملہ ان کتب کے جو کہ (ہدایت (بھی) ہیں اور (حق و باطل میں) فیصلہ کرنیوالی (بھی) ہیں سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو روزہ رکھے۔

تو واضح ہو جائے گا کہ اصل حقیقت قرآن کی قرارت ہے اور صوم اُس پر متفرع ہے۔ یعنی (آیت میں فرمایا گیا ہے کہ) ماہ رمضان ایسا ہے کہ اُس میں اتنی بڑی نعمت تمہیں عطا فرمائی گئی ہے تو اس نعمت کو قبول کرو اور دنیا ترک کرو (یعنی روزہ رکھو) تو قرین قیاس نہیں ہے کہ روزہ تو فرض ہو جائے اور تراویح جس کو اسی قرارت اور سماعت قرآن کے لئے ترتیب دیا گیا۔ فرض نہ ہو۔ یہ تو ایسی بات ہوئی کہ کسی شخص کو کوئی بڑھیا چیز دکھائی جائے اور اُس کے پاس جو گھٹیا چیز ہو اُس کے بارے میں کہا جائے کہ اسے چھوڑ دو اور یہ لو۔ پھر جب وہ اُس گھٹیا چیز کو چھوڑ کر اس چیز کو لینے آئے تو اس کو اس سے روک دیا جائے۔ اِس وقت وہ غریب سادہ لوح دونوں سے محروم رہ جائے اور کچھ نہ کہہ سکے۔

تراویح کی فرضیت کا قرین قیاس ہونا

علاوہ بریں پیشتر گفتہ آمدہ ام کہ اصل در عبادات ہمچو نماز است و روزہ و زکوٰۃ بمنزلۂ دفع موانع است۔ اگر در وقتے روزہ فرض شود نمازے بمقابلۂ آں ضرور فرض باید شد چہ از دفع این موانع در صورتے کہ مقدار فرائض ہماں ماند کہ بود چہ سود موانع مذکورہ بہر این قدر مانع نبود۔ غرض بدین وجہ و خدا داند کہ سوا این دیگر چہ قدر باشد نمازے بالائے نمازِ خمسہ قابلِ افتراض بود این قابلیت و آن تساوی حسن و منفعت دلیل اوّل است بر اینکہ این سنت را از دیگر سنن عزیز تر باید پنداشت و بہ ہیچ گونہ نباید گذاشت۔

اس کے علاوہ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ عبادات میں جو اصل ہے وہ نماز ہے اور روزہ اور زکوٰۃ (کا حکم) موانع کو ہٹانے کے درجہ میں ہے۔ اگر کسی وقت روزہ فرض ہو تو قرین قیاس یہ ہے کہ کوئی نماز اس کے مقابلہ میں ضرور فرض ہونی چاہئے۔ کیونکہ ان موانع کے دفع کرنے سے اس صورت میں کہ مقدار فرائض وہی رہیں جو پہلے تھے کیا فائدہ۔ اُس مقدار کے لئے تو موانع مذکورہ پہلے ہی حارج نہیں تھے غرض اس وجہ سے اور خدا جانے کہ اس کے سوا اور کتنی وجہ ہونگی، ایک نماز جو پانچوں نمازوں کے علاوہ ہو فرض ہونے کے قابل تھی۔ یہ قابلیت اور وہ حُسن اور منفعت کی (فرض کے ساتھ) مساوات اس پر قوی

روزے کی فرضیت اس امر کی مقتضی ہے کہ کوئی نماز اس کے مقابلہ میں ضرور فرض ہو۔

دلیل ہے کہ اس سُنّت کو دیگر تمام سنتوں سے عزیز تر سمجھنا چاہئے اور کسی طرح نہ چھوڑنا چاہئے

باقی ماند تعیین وقت و تعیین عدد آوّل این اُمور از لوازم مرتبۂ صورت اند نہ لوازم مرتبۂ ذات تا گفتہ شود کہ این عدد درین وقت قابل افتراض بنسبتِ این نماز بود۔ چہ اطلاق تہجد و قیام لیل بشہادۃ آیت قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا الخ و دلالت معمول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم از دو رکعت گرفتہ الی غیر النہایۃ صحیح است۔ نہ دانی کہ بعد تعیینِ وقت عمل متعین نمی ماند چنانچہ از مسائل متعلقہ اجیر خاص فہمیدہ باشی و این جا تعیینِ وقت فرمودہ اند اعنی گفتہ اند قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ، نہ تعین عمل۔ و ہمچنین کمی و بیشی قیام شبے بہ نسبت قیام شبے دیگر کہ در معمولات نبوی شنیدۂ برین امر گواہ دیگر است۔ ہیچ بہ ذہنت می آید کہ تعدادِ نوافل قبل عصر و عشا و بعد مغرب بیان فرمایند و اگر بیان نفرمایند تعداد رکعات تہجد را بیان نفرمایند کہ بمراتب فائق از آن است۔ بجز این کہ بہر تہجد بحیثیت قیام لیل عددے معین نفرمودہ اند۔

رہے تعیُّنِ وقت اور تعیُّن عدد۔ یہ امور مرتبہ صورت کے لوازم میں سے ہیں۔ مرتبہ ذات کے لوازم میں سے نہیں ہیں کہ یہ کہا جائے کہ اس نماز کے لئے فرض ہونے کے قابل اس وقت یہ عدد تھا۔ جس طرح تہجد اور قیام لیل کا اطلاق جس کی شہادت آیت قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا دیتی ہے اور معمول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس پر دلالت کرتا ہے دو رکعت سے لیکر کسی بھی تعداد پر صحیح ہے۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ تعیین وقت کے بعد عمل متعیّن نہیں رہا کرتا۔ چنانچہ اجیر خاص سے تعلق رکھنے والے مسائل سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا۔ اور یہاں حق تعالیٰ نے تعیین وقت فرمائی ہے یعنی کہا ہے قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا (رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوا کیجئے مگر کم)، تعیین عمل نہیں فرمائی (کہ اتنی رکعتیں پڑھا کیجئے) اسی طرح ایک شب کے قیام میں بہ نسبت دوسری شب کے قیام کے معمولاتِ نبویؐ میں کمی بیشی جو آپ کو معلوم ہے اس امر پر دوسرا گواہ ہے۔ یہ بات کچھ آپ کے ذہن میں آتی ہے کہ عصر اور عشا سے پہلے اور بعد مغرب کے نوافل کی تعداد رکعات تو بیان فرما دیں۔ اور نہ بیان فرمائیں تو تہجد کی تعداد رکعات جو اُن سے بہت زیادہ فوقیت رکھتی ہے۔ تو بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ بحیثیت قیام

تراویح کے ذریعے اور تہجد کی رکعات کے تعین پر مفصل بحث

قیام لیل کے لئے تعیین وقت فرمایا ہے، تعیین عمل نہیں۔

لیل تہجد کے لئے کوئی عدد معین نہیں فرمایا ہے۔

بالجملہ این طرف رابطۂ کہ میان صوم وصلوٰۃ است اگر می خواہد ہمی خواہد کہ بقدر وقتیکہ در صورت طلب وکسب معیشت ضائع می شد در نماز گزارند۔ وآن طرف مراعات من قام رمضان اگر می طلبد ہمی طلبد کہ فقط نگاہ داشتِ مقدار وقت مرعی دارند۔ مگر چون فتوریکہ بوجہ کسب معیشت در اعضاءِ انسان راہ می یافت وبوقتِ شب موجب غلبۂ نوم می شد وقتِ ترکِ دنیا کہ مقصود از صوم است پیش نخواہد آمد وموجب غلبۂ نوم بوقتِ شب نخواہد شد تا در بارۂ تعینِ شب مانع شود ولحاظ این صعوبت موجب سہولت گردد واین طرف بشہادت ان ناشئۃ الیل ھی اشد وطأً واقوم قیلا شب مناسب بہر قرأۃ وقیام بود۔ وقیامِ نہار بشہادت ان لک فی النہار سبحا طویلا دشوار واین دشواری ہرچند بظاہر مخصوص بحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم می نماید اما چون بغور دیدہ شود مدارِ کار این ارشاد تربیت بنیاد وحکمت نہاد بر مشغولی است کہ دیگران را بمنزلۂ لازم ذات افتادہ۔ غایت ما فی الباب مشغولی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم از قسم ہدایت باشد کہ کار دین است ومشغولی ما از قسم زراعت وتجارت وصناعت باشد کہ موجب غفلت نفس بدآئین است۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اگر ایک طرف وہ رابطہ جو صوم اور صلوٰۃ کے درمیان ہے اگر کسی چیز کا خواہاں ہو سکتا ہے تو اسی امر کا ہوگا کہ جتنا حصہ وقت طلب وکسب معیشت میں ضائع ہو رہا تھا، اب اس کو نماز میں صرف کریں تو دوسری طرف مَنْ قَامَ رَمَضَانَ (حدیث مذکورہ بالا) کی مراعات اگر طالب ہے تو اسی امر کی طالب ہے کہ صرف مقدار وقت کے تحفّظ کی رعایت رکھیں۔ مگر چونکہ کسب معیشت کی وجہ سے اعضاء انسانی میں جو تھکان پیدا ہو جاتا ہے اور رات کے وقت نیند کے غلبہ کا سبب بنجاتا تو ترک دنیا کے وقت جو کہ روزے سے مقصود ہے وہ فتور پیش نہیں آئے گا اور رات کے وقت نیند کے غلبہ کا سبب نہیں بنے گا۔ جو (عبادت کے لئے) رات کا وقت مقرر ہونے میں مانع ہو جائے اور اس مشقت کا لحاظ سہولت کا موجب بنے۔ اور ایک طرف اس آیت کی شہادت کی بنا پر:۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا۝	بیشک رات کے اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور (دعا ہو یا قراءت پر) بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔

رات قراءت اور قیام کے لئے مناسب تھی اور قیام نہار بشہادت آیت (مندرجہ ذیل) دشوار تھا۔

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا۝	بیشک تم کو دن میں بہت کام رہتا ہے (دنیوی بھی اور دینی بھی)

اور یہ دشواری اگرچہ بظاہر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص معلوم ہوتی ہے لیکن جب غور سے دیکھا جائے گا تو واضح ہو جائیگا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں ہے (اگرچہ خطاب خاص ہے) اس ارشاد تربیت بنیاد وحکمت نہاد کی بنا مشغولی پر ہے جو کہ دوسروں کے لئے تو بمنزلہ لازم ذات واقع ہوئی ہے۔ یہ تفاوت ضرور ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشغولیت از قسم ہدایت ہوگی جو کہ دین کا کام ہے اور ہماری مشغولی از قسم زراعت وتجارت و صناعت (کاریگری) ہوگی جو کہ نفس بدکردار کی غفلت کا موجب ہوتے ہیں۔

بالجملہ باین وجوہ تعین وقتِ شب مناسب افتاد۔ لیکن باوجود تخصیص وقت کہ بدین وجہ مناسب شد تعیین عدد رکعات تا آن زمانہ نبود کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را اندیشۂ فرضیت مانع قیام دوام شد مثل جہاد کہ فرض است وصورتے معین ندارد اعنی وقتے با عددے یا لباسے یا سلاحے یا جہتے معین نیست این نماز ہم از عزائم بود اما بلباس عددے معین نبود چنانکہ دانستی۔ آن وقت اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از ضمیر خشیت ان یفرض علیکم اشارہ بجانب نفس ماہیت قیام لیل فرمودہ باشند مسقطِ اشارۂ آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عددے معین نباشد، بلکہ اگر طبع سلیم از جائے بدست آرند، وکار بذہن مستقیم سپارند، انچہ من می گویم انشاء اللہ منکران ہم گویند۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان وجوہ سے وقت شب کا تعین مناسب ہوا۔ لیکن باوجود وقت کی تخصیص کے جو اس وجہ سے مناسب ہوگئی کہ رکعات کے عدد کی تعیین اس زمانہ تک نہ ہو سکی،

کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرضیت کا اندیشہ اس کے دائمی قیام میں مانع ہوگیا تھا جیسا کہ جہاد جو کہ فرض ہے اور کوئی معین صورت نہیں رکھتا یعنی اس کے لئے کوئی وقت یا کوئی عدد یا کوئی لباس یا کوئی ہتھیار یا کوئی جہت معیّن نہیں ہے۔ یہ نماز بھی عزائم میں سے تھی (یعنی رخصت کی قسم میں سے نہیں تھی کہ خواہ پڑھو خواہ چھوڑ دو) مگر کسی عدد کے لباس میں معیّن نہیں تھی۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔ اس وقت اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر خشیت ان یفرض علیکم (مجھے اندیشہ ہوگیا کہ تم پر فرض کردی جائے گی) میں (یفرض کی) ضمیر سے اشارہ نفس ماہیت قیام لیل کی طرف فرمادیا ہو تو (اس میں کیا اشکال کا موقع ہے) آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارہ کا نشانہ، خاص کوئی عدد معیّن ہوگا منکرین اگر کہیں سے طبع سلیم لے آئیں اور معاملہ ذہن مستقیم کے سپرد کردیں تو جو کچھ ہم کہتے ہیں انشاء اللہ وہ بھی وہی کہنے لگیں۔

چہ مورد فرضیت اگر ہست ہمین تعبّد است۔ و میدانی کہ وقتے یا عددے بذات خود معروض وصف عبادت نیست ورنہ آن وقت بہر طور، وآن عدد بہر نوع، معروض عبادت بودے۔ خواہ ظرف و عدد عبادت شدندے یا ظرف و عدد عصیان۔ با این ہمہ در شب معراج اول پنجاہ نماز فرض شد۔ و بعد ازان نوبت بہ پنج رسید۔ اما قبل ازان کہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف آرند و پیش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز گزارند عددے از رکعات و وقتے از اوقات معیّن نبود۔ باز تا دیرے بدو رکعت کار می رفت پس از عرصہ ہمان پنج نماز رنگ دیگر گرفتند و از دو بچہار رسیدند۔

حقیقت یہ ہے کہ فرضیت کا ورود جس پر ہوتا ہے وہ یہی تعبّد ہی تو ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی وقت یا کوئی عدد بذات خود وصف عبادت کا معروض نہیں ہے۔ ورنہ وہ وقت جس طور پر بھی ہوتا ہے اور وہ عدد جس نوع سے بھی ہوتا معروض عبادت بنتا خواہ ظرف اور عدد عبادت کا بنتے یا ظرف و عدد معصیت کا۔ اس کے ساتھ (ایک دوسری جہت بھی ہمارے مؤید ہے) شب معراج میں اول پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ اس کے بعد (تخفیف ہوتے ہوتے) پانچ کی نوبت آگئی لیکن قبل اس کے کہ حضرت جبریل تشریف لائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز ادا کریں نہ رکعات کا کوئی عدد معین تھا، اور نہ اوقات میں سے کوئی وقت۔ پھر ایک زمانہ تک دو رکعت کا سلسلہ چلتا رہا (جیسا کہ حدیث عائشہ رضی سے جو ذکر کی جاچکی ہے ثابت ہے) پھر ایک عرصہ کے بعد اُن ہی پانچ نمازوں نے دوسرا رنگ اختیار کیا اور دو سے چار ہوگئیں۔

چون قبل تعین عدد فعلیت فرضیت ممتنع نباشد و بعد تعیّن ہمان فرض اول در پیرایۂ عدد دیگر ظہور فرماید بہر قوت فرضیت کہ ہمانا از اندیشۂ فرضیت ہویداست چہ ضروراست کہ اول عددے متعین باشد باز توان گفت کہ مبادا این نماز فرض گردد۔ غرض بہر اشارہ وارجاع ضمائر ضرور نیست کہ مشار الیہ معدود بعددے در صورت ہم باشد۔ بجانب ماہیت کلیہ ہم اشارہ توان کرد وآن ہم در این چنین مواقع چہ قابلیت فرضیت اولا و بالذات اگر ہست در ماہیت نماز ست عدد رکعت ازین مرحلہ فرسنگہا دور است چہ این پیرایہ اگر زیباست بر قامت صورت زیباست با این ہمہ این جا خود عددے متعین نیست۔ اطلاق قیام لیل و تہجد بر نفس نماز شب بہر عددے کہ باشد درست ست بحیثیت قیام لیل عددے متعین نیست۔ پس آنرا مشار الیہ ضمیر تکلف قرار دادن خبر از مزلت قدم می دہد۔ الغرض اشارۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بارجاع ضمیر بجانب عدد رکعات آن شب نیست کہ دران شب اتفاق این ارشاد افتادہ۔ نظر نبوی بجانب ماہیت قیام لیل است۔

تو جب تعیّن عدد سے قبل فرض کی فعلیت محال نہیں بن جاتی اور تعیّنِ عدد (دو رکعات) کے بعد بھی وہی فرض اول دوسرے عدد کے پیرایہ میں ظہور فرمالیتا ہے تو دیکھا جائے کہ، فرضیت کی قوت (یعنی بالقُوَّہ ہونے) کے لئے جو فرضیت کے اندیشہ سے بالکل ظاہر ہے یہ کیا ضروری ہے کہ اوّل کوئی عدد متعین ہو اور پھر یہ کہہ سکیں کہ مبادا یہ نماز فرض ہو جائے۔ غرض اشارے کے لئے یا ضمیروں کے لوٹانے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ صورت میں کوئی مشار الیہ کسی عدد سے معدود بھی ہو۔ ماہیت کلیہ کی طرف بھی اشارہ کر سکتے ہیں اور وہ بھی اس طرح کے مواقع میں۔ کیونکہ فرض ہونے کی

قابلیت اولاً اور بالذات اگر ہے تو نماز کی ماہیت میں ہے۔ رکعت کا عدد تو اس مرحلہ سے کوسوں دور ہے کیونکہ یہ لباس (عدد کا) اگر زیبا ہے تو قامتِ صورت پر ہی زیبا ہوسکتا ہے۔ باایں ہمہ اس جگہ خود کوئی عدد متعین نہیں ہے۔ قیام لیل کا اطلاق اور تہجد کا اطلاق رات کی نفس نماز پر جس عدد کے ساتھ بھی ہو درست ہے۔ قیام لیل کی حیثیت سے کوئی عدد متعین نہیں ہے۔ تو اس کو مشار الیہ ضمیر تُکتَب (یا یُفرض) کا قرار دینا منکر کے لغزشِ قدم کی خبر دے رہا ہے۔ الغرض ضمیر لوٹانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اُس شب کی عدد رکعات کی طرف نہیں ہے جس شب میں اس ارشاد کا اتفاق ہوا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر قیام لیل کی ماہیت پر تھی۔

آرے ہر ماہیت را کہ در مرتبۂ فردیت ظہور کند ضرور است کہ بپیرایۂ خاص از کم وکیف در بر گیرد ازیں جہت وقت ادا، از تعینِ وقت وتخصیص عدد ودیگر مشخصات ناگزیر ست۔ ہاں امرے کہ در اوقات مکررہ پیش می آید اگر ہر دم بعددے دیگر ظہور کند می تواند۔ اندریں صورت ممکن است کہ مثل تہجد ایں نماز ہم بعددے مقید نبودے۔ غایۃ ما فی الباب جانب اقل متعین فرمودندے یا اقل واکثر محدود کردہ اختیار دادندے۔ ومثل قرات کہ ہر قدر بخوانند در فرض محسوب شود اگر فرض بمعنی معلوم بقدر معلوم ست ہر چہ مافوق اقل یا ہر چہ مابین اقل واکثر بودے در فرض محسوب شدے واگر در صورت تعیین اقل بطور مذکور فرض ہماں اقل بود، چنانچہ ظاہر می نماید، تاہم گنجائش افزائش بہر طور بودے۔

اصل مقصد یعنی تعین رکعات کی طرف رجوع

ہاں یہ ضروری ہے کہ ہر ماہیت جب فردیت کے مرتبہ میں ظہور کرتی ہے (یعنی جب ماہیت کسی فرد میں پائی جاتی ہے) تو کم وکیف میں سے ایک خاص پیرایہ اختیار کر لیتی ہے۔ اس جہت سے ادا کرنے کے وقت تعینِ وقت اور عدد کی تخصیص اور دیگر مشخصات کا ہونا ضروری ہے۔ ہاں جو امر کہ اوقات مکررہ میں پیش آتا ہے۔ اگر ہر بار وہ ایک دوسرے عدد میں ظہور کرے تو ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں ممکن ہے کہ تہجد کی طرح یہ نماز بھی کسی خاص عدد کے ساتھ مقید نہ ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ کم سے کم والی جانب کو متعین فرما دیتے یا کم سے کم اور زیادہ کی حد معین فرما کر اختیار دیدیتے اور قرات کی طرح کہ جتنی بھی چاہیں پڑھ لیں وہ فرض میں محسوب ہوجائے اگر فرض اس معنی کے اعتبار سے اور اس مقدار کے اعتبار سے ہوتا تو جو کچھ مقدار (رکعات) اُس کم سے کم تعداد سے بڑھ جاتی یا جو کچھ کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ کے درمیان ہوتی فرض میں محسوب ہوجاتی۔ اور اگر طریق مذکور کے مطابق اقل یعنی کم سے کم کی تعیین کی صورت میں فرض وہی کم سے کم تعداد ہوتی جیساکہ بظاہر معلوم ہوتا ہے پھر بھی بہر طور افزائش کی گنجائش ہوتی۔

لیکن پیداست کہ در فرض بوجہ آنکہ تداعی از لوازم آنست تخفیف، چنانکہ دانی، دراں ضرور لازم افتاد۔ کہ اگر ایں نماز فرض شدے مثل دیگر فرائض لاجرم موقت بوقتے ومحدود بعددے می شد۔ مگر عددے کہ مناسب ایں نماز است ہمیں دو عدد است یازدہ رکعت یا بست۔ چہ اول ایں نماز شب است، عددیکہ موہم احیاء لیل تمام وکمال باشد آں دوازدہ بود۔ وبلحاظ وتریت یک مرتبہ پس وپیش کردن در صورت فرضیت لازم آمدے در اختیار سیزدہ ہر چند دلالت بر کمال انقیاد وحسن خدمت بود، کہ اگر زیادہ از استحقاق می طلبند، وبار گراں بر سرار می نہند، سر از خدمت نمی تابد۔

اگر یہ نماز فرض ہوتی تو عددِ رکعات تیرہ یا گیارہ ہوتیں

لیکن ظاہر ہے کہ فرض میں اس وجہ سے کہ تداعی (یعنی دوسروں کو اُس کی طرف بُلانا) اُس کے لوازم میں سے ہے، اور جیساکہ آپ کو معلوم ہے اُس میں تخفیف بھی ضروری ہے تو لازم تھا کہ اگر یہ نماز فرض ہوتی تو دیگر فرائض کی طرح کسی وقت کے ساتھ موقّت اور کسی عدد کے ساتھ محدود بھی ہوتی۔ مگر جو عدد کہ اس نماز کے مناسب ہے وہ یہی دو عدد ہیں یعنی گیارہ یا بیس۔ کیونکہ اول تو یہ نماز رات کی ہے۔ جو عدد کہ تمام وکمال شب کے احیاء کا موہم ہوسکتا ہے۔ وہ بارہ تھا اور وتریت کے لحاظ سے ایک مرتبہ کا گھٹانا یا بڑھانا فرضیت کی صورت میں ضروری ہوتا جیساکہ فرائض کے عدد رکعات میں ہوا تھا، تیرہ کے اختیار کرنے میں (یعنی اگر بڑھانے کی شق کو اختیار کیا جاتا) اگرچہ کمالِ طاعت گزاری وحسنِ خدمت پر دلالت ہوجاتی کہ اگر بندے سے استحقاق سے زیادہ بھی طلب کرتے ہیں اور بھاری بوجھ اُس کے سر پر رکھ دیتے ہیں تو وہ خدمت سے سرتابی نہیں کرتا۔

مگر خالی از نوع ظلم بمعنی وضع الشیٔ فی غیر محلہ نبود، اگرچہ باعتبار تصرف فی ملک الغیر ہیچ ظلم نیست۔ للہ ما فی السمٰوات والارض۔ وخدائے تعالیٰ خودی فرماید ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ لاجرم یازدہ اختیار افتادے۔ با این ہمہ علت تقرر یازدہ رکعت در فرائض نہ بست یا بست وچار۔ در اول امر ہمین بود کہ بندہ گرفتار ہوا و ہوس را مثل ادائے حقوق خداوندی برائے قضاء حاجات خود نیز وقتے باید باین نظر علی التنصیف تقسیم فرمودہ بوجوہ مرقومہ بالا از دوازدہ بیازدہ آمدہ بودند۔ غرض نصف خود گرفتہ نصف بہ بندہ بگذاشتہ بودند۔

مگر یہ صورت ظلم کی ایک نوع سے یعنی ظلم بمعنی وضع الشیٔ فی غیر محلہ سے (کسی شے کو ایسی جگہ رکھ دینا جو اُس کے مناسب نہ ہو)، خالی نہیں تھی۔ اگرچہ ظلم بمعنی تصرف فی مِلکِ الغیر (یعنی غیر کی مِلک میں تصرف کرنا) کے اعتبار سے کوئی ظلم بھی نہیں تھا۔ (کیونکہ) لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب خدا کی ملک ہے) اور خدا تعالیٰ خود فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ (یعنی اللہ تعالیٰ ایک ذرّے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ ظلم کسی معنے سے بھی لیا جائے اُس کی ذات اس سے منزّہ ہے)، تو لازمی طور پر گھٹانے کی شق کو ترجیح دیکر گیارہ کا عدد اختیار کرنا پڑتا۔ ان سب کے ساتھ اس پر بھی نظر رکھی جائے کہ فرائض میں بیس اور چوبیس کو چھوڑ کر گیارہ رکعات مقرر کرنے کی علّت پہلے حکم کے وقت یہی تھی کہ بندۂ گرفتار ہوا و ہوس کے لئے ادائگی حقوق خداوندی کی طرح اپنی حاجات کو پورا کرنے کے لئے بھی وقت کی ضرورت تھی۔ اس پر نظر کرتے ہوئے برابر سرابر کی تقسیم فرما کر مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر بارہ سے گیارہ پر آ گئے تھے۔ غرض آدھا خود لیکر آدھا بندے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔

چون در رمضان بوجہ ترکِ دُنیا کہ مقصود از صوم ہمان ست آن نصف ہم فارغ ماند، و بہمین جہت درین وقت ہم کارگزاری عبادت لازم بود کہ عوض آن در وقتِ شب طلبیدند ہمان یازدہ رکعت کہ محصول نصف دیگر بود بر سر افتادے۔ غرض باین اعتبار قابلِ تعیّن ولائق دارو گیر اگر بود عدد یازدہ بود۔ چون نظر قدرے بالا گردد بنگریم از یازدہ نوبت بہ بست می رسد۔ چہ این بست رکعت فرائض و وتر اگرچہ بحساب عدد نماز تمام روز و شب است چنانچہ پندا شتی اما باعتبار زمانہ اگر بنگریم در ہمان نصف دورہ متفرق نہادہ اند۔ باین اعتبار نصف باقی ہم کہ اکنون فارغ از مشاغل دنیویست قابل ہمین قدر محصول باشد۔ پس ہر نمازے کہ عوض خدمت این وقت باشد لاجرم محدود بہمین عدد باشد، خصوصاً در زمانیکہ خزائن کسریٰ وقیصر دست گردان اہل اسلام، وشاہزادگان ایران وروم وشام خدام خاص وعام این امت نیک انجام شوند۔ دران زمانہ کدام حاجتے است کہ سرمایۂ پریشانیِ شان می خواہد بود۔

چونکہ رمضان میں ترک دنیا کی وجہ سے کہ روزے سے مقصود یہی ہے وہ آدھا بھی خالی رہ گیا اور اسی جہت سے اس وقت میں بھی مشغول بعبادت ہونا لازم تھا کہ اس کا عوض رات کے وقت میں طلب کر لیں۔ تو پھر وہی گیارہ رکعات جو نصف دیگر کا (یعنی دن کا) محصول تھا لازم ہو جاتیں۔ غرض اس اعتبار سے متعین کرنے اور فرض قرار دینے کے قابل اگر کوئی عدد تھا تو گیارہ تھا۔ اور جب نظر کچھ اور اونچی ہو جائے تو ہم دیکھ لیں گے کہ گیارہ سے نوبت بیس پر پہنچ جاتی ہے۔ کیونکہ فرائض اور وتر کا مجموعہ یہ بیس رکعات اگرچہ عدد کے حساب سے تمام رات اور دن کی نماز ہے جیسا کہ آپ بخوبی سمجھ چکے ہیں لیکن زمانہ کے اعتبار سے اگر ہم دیکھیں تو ظاہر ہے کہ اُسی نصف دورے میں (جس میں گیارہ رکعت والے زمانہ میں تھیں) متفرق طور پر رکھ دیا ہے (یعنی نصف دورۂ روز اور نصف دورۂ شب میں۔ جو مجموعہ روز شب کا نصف ہوتا ہے) اس اعتبار سے نصف باقی بھی جو کہ اب مشاغلِ دنیوی سے فارغ ہے اسی قدر محصول کے قابل ہوگا۔ تو جو نماز بھی اس وقت کی خدمت کے بدلے میں ہوگی ضروری ہے کہ وہ اسی عدد سے محدود ہو۔ خصوصاً اس زمانہ میں (جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا) کہ کسریٰ اور قیصر کے خزانہ اہل اسلام کے زیر تصرف آ چکے اور ایران وروم وشام کے شاہزادے اس امت

تعیین عدد بیس رکعات کی دلیل

نیک انجام کے خاص و عام لوگوں کے خدام خاص بن چکے ہوں - اس زمانہ میں کونسی خاص حاجت باقی رہ جاتی ہے جو اُن کی پریشانی کا سامان بن جائے گی -

الغرض این نماز اگر فرض شدے بظاہر ازین دو عدد خالی نبودے و محتمل کہ ازین هم نسبت درگذشتے اندران صورت چہ عجب کہ بسی و شش یا بچہل چنانکہ پیشتر دانستی حد بستندے مگر وجوہ سی و شش و چہل را اگر بینند چنان می نماید کہ در صورت فرضیت دور معلوم مثل فرائض این نماز هم تنہا نبودے با مکمّلات خود بودے و مثل فرائض خمسہ مع مکمّلات بسی و شش یا بچہل نوبت رسیدے تنہا فرض نمازِ معلوم مثلِ فرائض خمسہ ہمان بست بودے

الغرض یہ نماز اگر فرض ہوتی تو بظاہر ان دو عدد (گیارہ اور بیس) سے خالی نہ ہوتی بلکہ احتمال ہے کہ اس نسبت سے بھی آگے نکل جاتی اُس صورت میں کوئی تعجب نہیں کہ چھتیس یا چالیس سے جن پر ہم پہلے کلام کر چکے ہیں محدود کی جاتی - مگر چھتیس اور چالیس کی وجوہ پر جب نظر جاتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دورِ معلوم کی فرضیت کی صورت میں (یعنی اُس دور کے لحاظ سے جب گیارہ سے بڑھ کر بیس رکعات فرض کی گئی تھیں) مثل فرائض کے یہ نماز بھی تنہا نہ ہوتی (بلکہ) اپنے مکملات کے ساتھ ہوتی اور فرائض خمسہ کی طرح مکملات کے (اس میں بھی) چھتیس[۳۶] یا چالیس[۴۰] پر نوبت پہنچ جاتی - اس نمازِ معلوم (یعنی تراویح) کے صرف فرض کا عدد فرائض خمسہ کی طرح وہی بیس ہوتا -

اگر تراویح فرض ہوتی تو دیگر فرائض کی طرح مکملات کے اضافہ کے ساتھ چھتیس یا چالیس تک نوبت پہنچ جاتی -

اندرین صورت جملہ بست رکعت تراویح مؤکدّ باشد - اما یازدہ ازان مؤکّد تر - و نمونہ درین باب ہمین بست رکعت فرائض خمسہ و وتر است کہ ہمہ ضروریست ، مگر یازدہ ازان ضروری تر - و در فرضیت زیادہ - آخر نہ بینی کہ دراول ہمان یازدہ بود و باز در سفر ہمان یازدہ ماند و تخفیف قراءة هم دران نیست - بنظر این ہمہ وجوہ ہویداست کہ اگر بالفرض امرِ شارع این بست رکعت فرض و واجب نفرمودے آن قاعدہ کہ دربارۂ سنت عرض کردہ ام مقتضی آن بود کہ این ہمہ سنت مؤکدہ بودندے و چنانکہ درین وقت در فرضیت باہم تفاوت است آن وقت در سنیت هم باہم شدید و ضعیف بودندے

اس صورت میں تراویح کی پوری بیس رکعتیں سنت مؤکدہ ہوں گی اور ان میں سے گیارہ رکعات مؤکد تر - اور اس بارے میں نمونہ وہی بیس رکعت ہوں گی جو پانچوں فرض اور وتر کا مجموعہ ہے، جو کہ سب ضروری ہیں - مگر ان میں گیارہ رکعتہ بہت ضروری ہیں اور فرضیت میں بہت بڑھی ہوئی آخر تم یہ نہیں دیکھتے کہ اول میں وہی گیارہ رکعات تھیں اور پھر سفر میں بھی گیارہ ہی رکعات رہیں اور اُن میں قرارت کی تخفیف بھی نہیں ہے (جیسی کہ اضافہ شدہ دو رکعت میں ہے کہ ان میں صرف سورۂ فاتحہ پر اکتفا کیا جاتا ہے) ان تمام وجوہ پر نظر کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر بالفرض امرِ شارع ان بیس رکعات کو (یعنی فرائض خمسہ مع وتر کی رکعات کو) فرض و واجب نہ کر دیتا تو وہ قاعدہ جو میں سنت کے بارے میں عرض کر آیا ہوں اس امر کا مقتضی ہوتا کہ یہ سب سنت مؤکدہ ہوتی اور جیسا کہ اس وقت فرضیت میں باہم تفاوت ہے (جیسا کہ ابھی ظاہر کیا گیا کہ گیارہ رکعت کی فرضیت میں زیادہ شدت ہے بہ نسبت باقی کے) اس وقت سُنّیت میں بھی باہم ایسا ہی شدید و ضعیف کا فرق ہوتا -

ازینجا دانستہ باشی کہ امرے کہ مفہوم از علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی اگر باعتبار تفاوت مراتب سنت دربارۂ طلب کلی مشکک باشد ولاریب ہمچنین ست، تاہم حرجے نیست - زیرا کہ این وقت مطالبہ بقدر محاسن خواہد بود - ہمیندم شنیدہ کہ این نماز در کدام مرتبہ از حسن ست - ہم باعتبار نفس ماہیت و ہم باعتبار صورت اعنی تعین عدد اندرین صورت اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ درین بارہ چیزے از حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شنیدہ یا دیدہ بودند فہو المراد، ورنہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر این عدد مقرر فرمودہ باشند دادِ مدح فراست شان دادنی ست کہ چسان از معدن حکمت کلام اللہ و حدیث، بحکمت این عدد پے بردند - و چہ قدر لباسِ زیبا باین حسنہ سپردند جزاہ اللہ احسن الجزاء

مفہوم سنت میں بطور کلی مشکک شدت وضعف کا فرق ہو سکتا ہے

یہاں سے آپ کو یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جو امر کہ علیکم سے اس حدیث میں مفہوم ہوتا ہے

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاءِ الراشدین من بعدی	تمہارے لئے میری سنت پر عمل کرنا ضروری ہے اور خلفاء راشدین کی سنت پر جو میرے بعد ہوں گے ۔

اگر طلب ۔ کے بارے میں مراتب سنت کے تفاوت کے اعتبار سے کلی[1] مشکک ہو" اور بلاشبہ ایسا ہی ہے تو کوئی حرج نہیں ہے ۔ کیونکہ اسوقت مطالبہ بقدر محاسن ہوگا اور ابھی آپ نے معلوم کیا ہے کہ یہ نماز حسن کے کس مرتبہ میں ہے ۔ باعتبار نفس ماہیت کے بھی ، اور باعتبار صورت یعنی تعیّن عدد کے بھی ۔ اس صورت میں اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں کوئی ارشاد حضرت رسول کرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا یا آپ کا کوئی فعل دیکھا ہو تو فہو المراد ۔ ورنہ اگر خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہی اگر یہ عدد مقرر فرمادیا ہو تو ان کی فراست کی تعریف کرنا اور داد دینا چاہیے کہ کس خوبی سے کلام اللہ اور حدیث کے معدن حکمت سے اس عدد کی حکمت کا کھوج نکال لیا ۔ اور اس حسنہ کو کس قدر موزوں لباس سے زیبائش بخشی ۔ جزاء اللہ احسن الجزاءِ ۔

> بہرحال از حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیدہ وشنیدہ باشند یا از اشارات خداوندی یا نبوی فہمیدہ باشند بطوریکہ باشد بدعت گفتنش بدعت وسنت را بدعت گفتن است چہ اگر از حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیدہ یا شنیدہ اند وچہ عجب کہ دیدہ یا شنیدہ باشند ، وبما آن روایت نرسیدہ وبظاہر ہمین است ، وباز آن را بدعت گفتن مصداق بدعت قول وفعل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم خواہد بود باز ندانیم سنت کدام چیز باشد ۔ واگر از اشارات نبوی فہمیدہ اند وفہمیدی کہ بجا فہمیدہ اند ، باز چہ حرج کہ خود

[1] کلی وہ مفہوم ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے کثیرین پر صادق آئے یا اس کا نفس تصوّر وقوع شرکت سے مانع نہ ہو ۔ اس کی ایک قسم کلی مشکک ہے ۔ کلّی مشکک وہ ہے کہ اس کا صدق اپنے افراد پر برابر نہ ہو بلکہ اولےٰ واقدم ، شدت وضعف وغیرہ کا تفاوت ہو ۔ ۱۲ مترجم

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتعمیم وتخصیص توثیق فہم وفراست شان فرمودند وباتباع شان اشارہ کردہ اند ۔

سنت تراویح سنت نبوی ہے حضرت عمرؓ صرف اس کو رواج دینے والے ہیں ۔

بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے دیکھا یا سُنا ہو یا اشارات خداوندی یا اشارات نبوی سے سمجھا ہو جو کچھ بھی صورت ہو ، اس کو بدعت کہنا خود بدعت ہے اور سنت کو بدعت کہنا ہے ۔ کیونکہ اگر آپ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود دیکھا یا سُنا ہوگا اور کیا عجب ہے کہ دیکھا یا سنا ہو اور ہم کو وہ روایت نہ پہنچی ہو اور بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور پھر اس کو بدعت کہا جائیگا تو بدعت کا مصداق قول وفعلِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا تو پھر ہم نہیں جان سکتے کہ سُنّتِ نبوی کونسی چیز ہوگی ۔ اور اگر آپ نے اشارات نبوی سے سمجھا ہے اور آپ سمجھ چکے ہیں کہ بجا سمجھا ہے پھر کیا حرج واقع ہوگا جب کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تعمیم کے ساتھ اور کبھی تخصیص کے ساتھ ان کی فہم وفراست کی توثیق فرمائی ہے ۔ اور ان کے اتباع کا اشارہ کیا ہے ۔

> اکنون حاجتم نیست کہ در پئے اثبات این امر شویم کہ مفاد الف لام الخلفاء درین حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الخ مفاد کلّ افرادیست نہ کل مجموعی چہ بطوریکہ ماگفتہ ایم سنت تراویح سنت نبویست فقط حضرت عمر رضی اللہ عنہ مروّج آن ہستند نہ موجد آن تا گویندہ گوید کہ این سنت عمر نیست فقط نما مور اتباع آن ستیم کہ مسلوک جملہ خلفاء باشد اگر حضرت ابوبکرؓ نیز شریک این کار خیر می شدند اتباع این سنت لازم می آید ۔

اب ہمیں کوئی حاجت نہیں ہے کہ اس امر کے ثابت کرنے کے پیچھے پڑیں کہ الخلفاء کے الف لام کا مفاد اس حدیث علیکم بسُنتی وسُنّۃِ الخلفاءِ میں کل افرادی کا مفاد ہے کل مجموعی کا نہیں (جس کا اطلاق ہر ہر فرد پر ہوتا ہے وہ کل افرادی ہے اور اگر اُس کا اطلاق افراد کے مجموعہ پر ہوتا ہے تو وہ کل مجموعی ہے) کیونکہ جس نہج سے ہم کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ سنت تراویح سنت نبوی ہے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صرف اُس کو رواج دینے والے ہیں

ایجاد کرنے والے نہیں۔ (یہ انداز بیان اسی لئے اختیار کیا گیا کہ) کبھی کوئی کہنے والا کہنے لگے کہ "یہ سنت عمری ہے، ہم تو صرف اُس سنت کے اتباع پر مامور ہیں جو تمام خلفاء کی معمول بہا ہو۔ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس کار خیر میں شریک ہوتے تو اس سنت کا اتباع ضروری

> با این ہمہ میگوئیم اگر غور کردہ شود جملہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی در مفاد خود ہمعنان جملہ اطیعوا الرسول واولی الامر منکم است دلیلش اگر می پرسی در آیۂ الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر بنگر مگر بدیدۂ انصاف بنگر کہ بچہ معنی می رساند این آیت دلالت دارد برآنکہ غرض از تمکین فی الارض اعنی اولی الامر گردانیدن اقامت صلوٰۃ وایتاء زکوٰۃ وامر بالمعروف ونہی عن المنکر است ہر کرا این نیست از اولی الامر ہم نیست اگرچہ بظاہر از اولی الامر باشد وازینجا دانستہ باشی کہ سنت خلفاء لاجرم درین چار امر منحصر باشد۔ پس اگر لام الخلفاء برائے معنی مذکور باشد لازم آید کہ در اطاعت اولی الامر منکم ہمیں کلیہ مجموعی ملحوظ ماند حسن وقبح این لحاظ درین آیہ خود ظاہر است ما چہ گوئیم۔

قوت وغلبہ کے بعد حضرت عمرؓ کے ذہن میں داخل تھا کہ وہ اہتمام صلوٰۃ میں سعی بلیغ کریں

اس کے باوجود ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر غور کیا جائے تو جملہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی اپنے مفاد میں مثیل ہے اس جملہ کا:۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۔	(اے ایمان والو) تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں اُن کا بھی ۔

اگر اس کی دلیل پوچھتے ہو تو اس آیت میں غور کرو۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ	یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں۔

سنت خلفاء ان چار چیزوں میں منحصر ہے اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر

مگر چشم انصاف سے دیکھو کہ کس حقیقت پر پہنچا رہی ہے۔ یہ آیت اس مفہوم پر دلالت رکھتی ہے کہ تمکین فی الارض (یعنی دنیا میں غلبہ عطا فرمانے) یعنی "اولی الامر" (صاحب حکومت) بنانے سے جو غرض ہے وہ اقامت صلوٰۃ (نماز قائم کرنا) اور ایتاء زکوٰۃ (زکوٰۃ دینا) اور امر بالمعروف (نیک کام کرنے کا حکم دینا) اور نہی عن المنکر (بُری باتوں سے منع کرنا) ہے جس میں یہ وصف نہیں ہے وہ اولوالامر میں سے بھی نہیں ہے۔ اگرچہ بظاہر اولوالامر میں سے ہو۔ اور یہاں سے تم یہ سمجھ لوگے کہ سنت خلفاء لازمی طور پر ان چار باتوں میں منحصر ہوگی۔ تو اگر لام الخلفاء کا معنے مذکور کے لئے (یعنی جس کا مفاد کل مجموعی ہو) ہوگا تو لازم آئے گا کہ اطاعت اولی الامر منکم میں بھی یہی کلیت مجموعی ملحوظ رہے۔ اور حسن وقبح اس لحاظ کا اس آیت میں خود ظاہر ہے۔ ہم کیا کہیں۔

اگر الخلفاء کے لام کا مفاد کل مجموعی قرار دیا جائے تو اسکی قباحتیں

> واین راہم بگذارند ما می پرسیم کہ عدد خلفاء معین نفرمودہ اند واین چار بزرگ را کہ خلیفہ راشد می گویند مراد گویندگان این نیست کہ دیگران راشد نیستند پس لازم آید کہ وقت انقراض این عالم کہ دم بازپسین عالم خواہد بود این طاعت واجب شود چہ اکنون متحقق شد کہ خلیفۂ راشد از خلفاء راشدین نماند کہ ظہور نکرد۔ لااقل تا ظہور حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ انتظار باید کرد آن وقت اگر سنتے یابند کہ معمول بہا ہمہ خلفاء است، وکجا خواہند یافت، عمل کنند۔ ورنہ سبکدوش روند واین راہم نشنوند۔

اور اس کو بھی چھوڑ دیئے ہم پوچھتے ہیں کہ خلفاء کا عدد معین نہیں فرمادیا ہے اور ان چار بزرگوں (حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ) کو جو خلیفہ راشد کہتے ہیں کہنے والوں کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ دوسرے راشد نہیں ہیں تو یہ لازم آئے گا کہ اس عالم کے ختم ہونے کے وقت جب اس دنیا کا آخری سانس ہوگا اس وقت یہ اطاعت واجب ہوگی کیونکہ اب متحقق ہوگا کہ کوئی خلیفۂ راشد خلفاء راشدین میں سے باقی نہیں رہا جس نے ظہور نہ کیا ہو۔ کم سے کم حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کے ظہور تک تو انتظار کرنا ہی چاہئے۔ اس وقت اگر کوئی ایسی سنت ملجائے

جو تمام خلفاء کا معمول بہ رہی ہو اور "کہاں سے ملیگی" تو عمل کریں ورنہ سبکدوش ہی رخصت ہوجائیں اور اس کی بھی پرواہ نہ کریں۔

اگر کسے گوید کہ لام بہر این معنی نمی آید از اول تا آخر کلام اللہ موجود و صحاح ستہ وغیر ہا از کتب احادیث صحیحہ بکثرت علاوہ صدہا دواوین جاہلان عرب و علماء عربیت در مدارس دستمال اطفال سوار این موضع کہ ہنوز محل نزاع ست موضعے بنمایند کہ محتمل این معنی نہ توان شد۔ واگر ہمیں است وعدۂ ان اللہ یحب المتقین وامثال آن و وعید ان اللہ لا یحب الکفرین وامثال آن ہمہ بیکار خواہد رفت نہ این مورث شوق خواہد بود نہ آن موجبِ خوف۔ چہ باین احتمال ہم کہ مفاد این لام کلیۂ مجموعی باشد حضرت انسان را کہ کان الانسان اکثر شیٔ جدلاً در تعریف اوشان ست گنجائش گفت و شنود پیش رب ودود و حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و نائبان شان خواہد رسید۔ پس عذاب بکدام حجت و عتاب بکدام دلیل خواہد شد۔

کل افرادی کا انکار نامعقول بات ہے

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ لام اس معنے کے لئے نہیں آتا (تو جواب یہ ہے کہ) اول سے آخر تک کلام اللہ موجود ہے اور صحاح ستہ اور ان کے سوا دوسری احادیث صحیحہ کی کتابیں بکثرت موجود ہیں ان کے علاوہ سیکڑوں عرب کے ایام جاہلیت کے اور علماء عربیت کے دیوان موجود ہیں (اسلام سے پہلے زمانہ کو اصطلاح میں زمانۂ جاہلیت کہتے ہیں) جو مدارس میں بچے ملتے دلتے رہتے ہیں۔ ان میں سے کسی میں اس مقام کے سوا جو کہ ہنوز محل نزاع ہے کوئی ایسا موقع دکھائیں جس میں الف لام اس معنی کا محتمل نہ بن سکے۔ (یعنی کل افرادی کا) اور اگر ایسا ہی ہے تو وعدہ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (یعنی اللہ اہل تقوی لوگوں کو پسند کرتا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ ہر متقی کو پسند کرتا ہے نہ یہ کہ متقیوں کے مجموعہ کو) اور اسی طرح کے وعدے (جو دوسری آیات میں ہیں) اور وعید (یعنی دھمکی) ان اللہ لا یحب الکفرین ○ (یعنی اللہ تعالٰی کافروں کو ناپسند کرتے ہیں۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ ہر کافر ناپسند ہے۔ یہ نہیں کہ کفار کا مجموعہ) اور اس جیسی آیات

کل افرادی کی انکار سے وہ جملہ آیات و احادیث جن میں وعدے اور وعید میں بیکار ہوجائیں گی۔

سب ہی بیکار ہو جائیں گی۔ نہ یہ مورث شوق ہوں گی اور نہ وہ موجبِ خوف۔ کیونکہ اس احتمال سے بھی کہ اس لام کا مفاد کل مجموعی ہو حضرتِ انسان کو جن کی تعریف میں وکان الانسان اکثر شیٔ جدلاً (یعنی انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے) وارد ہوا ہے، ربِّ ودود اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے نائبین کے مقابلہ پر جھگڑنے کا موقع مل جائے گا۔ پھر عذاب کے لئے کونسی حجت آئے گی اور عتاب کس دلیل سے ہوگا۔

واگر مدار کار بر وضاحت مقصود یا تسلیم اکابر ست درین حدیث کدام خفا ست، واین حدیث از ان آیات در وضاحت مقصود چہ کم۔ وہمچنیں از اکابر کدام کس ست کہ مفاد کل مجموعی را درین حدیث والف لام را بمعنی کل مجموعی گرفتہ بالجملہ اتباع ہر ہر خلیفہ راشد مقصود است۔ ہر خلیفہ کہ باشد۔ وحضرت عمر رضی اللہ عنہ بالضرور از خلفاء راشدین ہستند و این سنت تراویح ہم بالیقین سنت اوشان بہ روایت مؤطا و توارث اہل اسلام سلفاً و خلفاً بیاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ دو گواہ عادل بر آنست۔

اور اگر مدار کار اس پر ہے کہ اکابر نے اس مقصود کی وضاحت کی ہو یا اس کو تسلیم کیا ہو (اور کہا ہو کہ یہاں کل افرادی مراد ہے) تو اس میں خفا ہی کونسا ہے (کہ اکابر اس کی وجہ سے صراحت ضروری سمجھتے) اور یہ حدیث ان آیات (مذکورہ) سے وضاحت مقصود میں کیا کم ہے۔ اور اکابر میں سے ایسا کون ہے جس نے اس حدیث میں الف لام کے مفاد کو کل مجموعی کا مفاد قرار دیکر کل مجموعی کے معنے میں قرار دیا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہر ہر خلیفہ راشد کا اتباع مقصود ہے۔ کوئی خلیفہ بھی ہو۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یقیناً خلفاء راشدین میں سے ہیں اور یہ سنت تراویح بھی بالیقین ان کی (رائج کردہ) سنت ہے جو بروایت مؤطا ثابت ہے اور اہل اسلام کا توارث سلفاً و خلفاً (یعنی جو پہلے زمانے کے لوگوں سے مابعد کے زمانہ تک مسلسل چلا آرہا ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یادگار پر یہ دونوں گواہ عادل ہیں۔ (یعنی روایت مؤطا و توارث)

باقی ماند بوجہ نہ دریافتن یزید بن رومان زمانۂ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت موطا

قدح کردن، وبجہت خواندن بعض سلف پس از حضرت عمرؓ یازدہ رکعت، در توارث
قدح کردن، بدان ماند کہ از شکم سنور بیضہ برآرند۔ عزیزم من کار محدث دیگر است، وکار
اصولی دیگر، وکار فقیہ دیگر۔ منصبِ محدث فقط ہمین است کہ مراتبِ احادیث را
از صحت وضعف، وانواع آنرا از انقطاع واتصال، واسناد وارسال، معین نماید۔
ازین بعد کار اہل اصول است (یعنی آنکہ این حدیث حجت است وآن نے۔ ازین
بعد در حدیثیکہ اصولی آن را قابل احتجاج گفت فقیہ مینگرد، ومسائل مکنونہ می برآرد
درین حدیث ہم ہمین ترتیب از ہریک سخنے باید شنید ودر بارۂ کاریکے از دیگرے نباید پرسید۔

یزید بن رومان کی روایت پر جرح وقدح کا جواب

باقی رہا یزید بن رومان کی روایت پر اس بنا پر جرح وقدح کرنا کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ اور بعض سلف کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد گیارہ رکعت پڑھنے سے توارث پر جرح کرنا۔ یہ کچھ اس طرح کی باتیں ہیں جو بلّی کے پیٹ سے انڈا برآمد کرنے کی کوشش سے ملتی جلتی ہیں۔ میرے عزیز! محدّث کا کام دوسرا ہے اور اصولی کا کام دوسرا اور فقیہ کا کام جُدا ہے۔

تقسیم کار محدثین و اہل اصول وفقہاء

محدّث کا منصب صرف اتنا ہے کہ حدیث کے مراتب کو باعتبار صحت وضعف اور اس کی انواع کو انقطاع واتصال کے لحاظ سے اور اسناد وارسال کے اعتبار سے معین کر دے۔ اس کے بعد اہل اصول کا کام ہے۔ یعنی یہ کہ یہ حدیث حُجّت ہے اور وہ نہیں۔ اس کے بعد اُس حدیث کو جس کو اصولی نے قابل احتجاج کہا فقیہ دیکھتا ہے اور اُس کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے مسائل کو باہر نکال لاتا ہے۔ اس حدیث میں بھی اسی ترتیب سے ہر ایک سے ایک بات کو سننا چاہیئے۔ اور ایک سے جو کام متعلق ہو اُس کو دوسرے سے نہیں پوچھنا چاہیئے۔

از محدّث ہمیں قدر پرسیدنی ست کہ رُواۃِ آن چہ قسم اند متصل است یا منقطع، واگر منقطع
است از کجا منقطع است۔ در بارۂ رُواۃ احدے را گنجائش لب کشائی نیست کہ ستودگان
امام مالکؒ اند پیش توثیق اوشان دیگران راچہ مجال کہ جرح کنند۔ اگر گویند ہمیں قدر گویند
کہ یزید بن رومان زمان حضرت عمر را رضی اللہ عنہ نہ دریافتہ۔ ماحصل این گفتگو فقط این
باشد کہ مُرسَل تابعی ست زیادہ ازین از محدثان پرسیدنی نیست۔ آرے از
اہل اصول باید دریافت کہ مرسلِ تابعی قابل احتجاج ولائق استخراج مسائل
ہست یا نیست۔

محدّث سے اتنی ہی بات پوچھنے کے قابل ہے کہ اس کے روایت کرنے والے کس قسم کے ہیں۔ اور متّصل ہے یا منقطع۔ اور اگر منقطع ہے تو کہاں سے منقطع ہے۔ (اس حدیث کے) روایت کرنے والوں کے بارے میں کسی کو بھی لب کشائی کی گنجائش نہیں کہ ان کی تعریف امام مالک نے کی ہے۔ اُن کی توثیق کے مقابلہ پر دوسروں کی کیا مجال ہے کہ جرح کریں۔ اگر کہیں گے تو اتنا ہی کہیں گے کہ یزید بن رومان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ ماحصل اس گفتگو کا صرف اتنا ہوگا کہ مرسل تابعی ہے۔ اس سے زیادہ محدثوں سے پوچھنے کی بات نہیں ہے۔ ہاں اہل اصول سے پوچھنا چاہیئے کہ تابعی کی مرسل قابل احتجاج اور استخراج مسائل کے قابل ہوتی ہے یا نہیں؟

امام اہل اصول امام اعظمؒ اند وامام مالکؒ واوشان مرسل صحابہ ومرسل تابعین را
حجت گفتہ اند وحجت گرفتہ اند۔ اکنون کدام است کہ قواعد موسسۂ اوشان را ساقط
الاعتبار وکان لم یکن فی حدّ الاعتبار گرداند۔ پس ازین مرتبۂ فقاہت است۔ درین مرتبہ
ہیچ فقیہے را درین قدر کلام نیست کہ مفاد این روایۃ سنیت بست رکعت است۔

امام اہل اصول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہیں وہ مُرسَل صحابہ اور مرسَل

ے اگر سند حدیث سے یعنی راویوں کے سلسلہ میں کسی راوی کو ساقط نہ کیا جائے تو اس کو متصل اور اس عدم سقوط کو اتصال کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی راوی ساقط ہو جائے تو اس کو منقطع اور اس سقوط کو انقطاع کہتے ہیں۔ اور اگر یہ سقوط اول سند میں سے ہو تو اس کو معلق کہتے ہیں۔ اور اس سقوط کو تعلیق کہا جاتا ہے اور اگر سند کے آخر سے کسی راوی کو ساقط کر دیا گیا تو اگر وہ تابعی کے بعد ہو تو اس کو مُرسَل کہتے ہیں اور اس فعل کو ارسال کہتے ہیں ۱۲ مترجم عفا اللہ عنہ۔

تابعین کو حجت کہتے ہیں اور انہوں نے مرسل سے حجت پکڑی ہے۔ اب کس کو یہ حق حاصل ہے کہ ان کے مستحکم کردہ قواعد کو ساقط الاعتبار اور بے حقیقت وغیر معتبر قرار دے۔ اس کے بعد مرتبہ فقاہت کا ہے۔ اس مرتبہ میں کسی فقیہ کو اس حقیقت میں کلام نہیں ہے کہ اس روایت کا مفاد بیس رکعت کا سُنت ہونا ہے

باقی ماند توارُث، در توارث ازین قدر رخنہ نمی افتد کہ فلان صحابی یا تابعی یا بزرگے دیگر یازدہ خواندہ یا می خواند۔ آرے اگر ازین بزرگواران کسے را نشان دہند کہ قیام بست را در زمانہ حضرت عمرؓ انکار کردہ باشد مضائقہ نیست۔ بلکہ امام شافعی رح کہ مرسَل را حجت نمی دانند بشہادت امام ترمذی بست رکعت را مسنون می دانند۔ اگر توارُث را ہم تسلیم نکنند بکدام حجت بست رکعت را مسنون خواہند گفت۔ چہ سوار روایت مؤطا درین بارہ بزعم منکران روایتے نیست کہ بہ پایۂ ثبوت رسیدہ باشد و اگر ہست فہو المراد، کہ ہم ثبوت بست۲۰ رکعت بروایت بدست آمد و ہم تشئید توارث صورۃ بست

تواُرث حجت ہوتا ہے۔

رہا توارث۔ تو توارث میں اتنی بات سے رخنہ نہیں پڑتا کہ فلاں صحابی یا تابعی نے یا کسی دوسرے بزرگ نے گیارہ پڑھی ہیں یا پڑھتے ہیں۔ ہاں اگر یہ بزرگوار کسی کو اس شخص کا پتہ نشان بتائیں جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعت کے قیام سے انکار کیا ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی جو کہ مرسل کو حجت نہیں جانتے بشہادت امام ترمذی بیس رکعت کو مسنون جانتے ہیں۔ اگر توارث کو بھی تسلیم نہ کریں تو کونسی حجت ہے جس سے بیس رکعت کو مسنون کہیں گے۔ کیونکہ مؤطا کی روایت کے سوا اس بارے میں منکرین کے زعم میں اور کوئی روایت موجود ہی نہیں ہے جو کہ پایۂ ثبوت کو پہنچی ہو۔ اور اگر ہے تو فہو المراد کہ بیس رکعت کا ثبوت روایت کے ذریعہ سے بھی ہاتھ لگ گیا اور توارث کا استحکام بھی واضح ہو گیا

واگر از من پرسی بشنو کہ دیگران ہم بست رکعت روایت کردہ اند عن عبد العزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس عشرین رکعة وعن عطا قال ادرکت الناس یصلون ثلاثه وعشرین رکعة بالوتر وعن ابی البختری انه کان یصلی خمس ترویحات فی رمضان باللیل بعشرین رکعة ویوتر بثلاث ویقنت قبل الرکوع وعن فلان ان علیا امر رجلاً یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة هذه الروایات کلها فی مصنف ابن ابی شیبة وفی سنن البیهقی عن عبد الرحمٰن السلمی ان علیا دعا القراء فی رمضان فامر رجلا یصلی بالناس عشرین رکعة وکان علی یوتر بهم۔

بیس رکعت تراویح کے اثبات میں مؤطا کے سوا دوسری روایتیں

اور اگر مجھ سے پوچھو تو میں کہتا ہوں کہ (مؤطا کے سوا) اوروں نے بھی بیس رکعت کو روایت کیا ہے:۔

عن عبد العزیز بن رفیع قال کان اُبَیّ بن کعب یصَلی بالناس عشرین رکعة۔	عبد العزیز بن رفیع سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ابی بن کعبؓ لوگوں کو بیس رکعات پڑھایا کرتے تھے۔
وعن عطاء قال ادرکتُ الناس یصلون ثلاثة وعشرین رکعة بالوتر۔	عطار سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے لوگوں کو تئیس رکعات پڑھتے پایا مع وتر کے۔
وعن ابی البختری انه کان یصلی خمس ترویحات فی رمضان باللَیل بعشرین رکعة ویوتر بثلاث ویقنت قبل الرکوع	اور ابی البختری سے مروی ہے کہ وہ رمضان میں رات کو پانچ ترویحہ سے نماز پڑھا کرتے تھے بیس رکعات میں اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے
وعن ان علیًا امر رجلاً یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة۔	اور مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو رمضان میں حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے۔
هذه الروایات کلها فی مصنف ابن ابی شیبة وفی سنن البیهقی عن عبد الرحمن السلمی انّ علیًا دعا القراء فی رمضان فامر رجلاً یصلی	یہ تمام روایات مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہیں۔ اور سنن بیہقی میں عبد الرحمٰن السلمی سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے

و یاد دارم که بعض فقہا در کتب خود از بیہقی روایتے از سائب بن یزید در بارۂ خواندنِ بست رکعت در زمانہ حضرت عمرؓ سوا راین روایتِ موطا روایت کرده اند ہرچند پس ازین حاجتے نماند کہ قلم را دیگر بفرسائیم مگر بہر تفریح طبع ناظرین شاہدِ دیگر بر اعتنا رعدد بست پیش می کشیم ۔

اور مجھے یاد ہے کہ بعض فقہاء نے اپنی کتابوں میں بیہقی سے ایک روایت سائب بن یزید کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھنے کے بارے میں نقل کی ہے جو اس مؤطا کی روایت کے علاوہ دوسری روایت ہے ۔

عدد بیس کی امتیازی شان ایک خاص نقطۂ نظر سے ۔

اب اس کے بعد اگرچہ مزید خامہ فرسائی کی کوئی حاجت باقی نہیں رہی مگر ناظرین کی تفریح طبع کے لئے ہم ایک اور شاہد بیس رکعت کے مستوجب قبول ہونے پر پیش کرتے ہیں ۔

در بارۂ عبادت شب را از روز جدا کرده اند و ہمین است که حاجت بدو وتر افتاد یعنی وتر مغرب و وترِ شب افتاد ۔ اگر این ہمہ را یک عبادت قرار دادندے دو وتر که بہم شده زوج گردیده و گردانیده اند نبودندے و چون نباشد دو دو رکعت از آخر رباعیات مبنی بر ملک نفع و ضررِ لاحق مستند و دانی که این قسم منافع روز دگر اند و منافع شب دگر ۔ و چون ضرر از عدم النفع خیزد، چنانکه واقفان واقف اند، ضرر نیز بہمین دو قسم منقسم شد ۔ لاجرم عبادت روز از عبادت شب جُدا افتاد ۔

سنو ۔ عبادت کے بارے میں رات کو دن سے جدا کر دیا گیا ہے اور یہی سبب ہے کہ دو وتروں کی حاجت پڑی یعنی نماز مغرب (جو وتر النہار ہے) اور رات کے وتر ۔ اگر ان سب کو ایک عبادت قرار دیدیتے تو دو وتر جو جمع ہو کر زوج ہو جاتے (جو بحیثیت مجموعی) کبھی دے ہیں نہ ہوتے ۔ اور کیسے (جُدا) نہ ہوتے آخر رباعیات (یعنی چار رکعت والی نمازوں) کی دو

دو رکعت ملکِ نفع و ضررِ لاحق پر مبنی ہیں اور یہ ظاہر بات ہے کہ یہ دن کے منافع کی قسم اور ہے اور رات کے منافع کی اور ۔ اور چونکہ ضرر عدم النفع سے پیدا ہوتا ہے جیساکہ جاننے والے جانتے ہیں تو ضرر بھی اُسی دو قسم پر منقسم ہوگیا (یعنی ضرر لیل و ضرر نہار) تو لازم طور پر عبادتِ روز عبادت شب سے جُدا ہوگئی ۔

و ازین جا فہمیده باشی که در زمانہ پیشین که یازده رکعت بود و منشأ عبادت ملکِ نفع و ضرر یک نوع ہمہ نماز ہائے پنجگانہ یک مجموعہ بود ۔ چہ تا آن زمانہ نظر بر ملکِ نفع و ضررِ سابق بود که ہمین اعطار وجود و آلات تکمیل آنست و آن خود دانی که نوع واحد است الغرض عبادت شب از عبادت روز جُدا است ۔ باز در روز و شب که نگریستیم ہر نصف از ہر دو جدا جدا است ۔ اگر یکے برائے عبادت است دیگرے برائے کار یا برائے راحت ۔ بدین وجہ ہر نصف از روز و شب شانے جدا پیدا کرد ۔ و نظر شارع بہر یک ازان انصاف اربعہ بالاستقلال افتاد و در ہر یک ازین انصاف بست رکعت نہاد

اور اس موقع پر بھی یہ سمجھ میں آگیا ہوگا کہ دور اول میں جو کہ گیارہ رکعت تھیں اور ان کا منشأ عبادت ملک نفع و ضرر کی صرف ایک نوع تھی (یعنی نفع و ضرر سابق) تو یہ پانچوں نمازیں ایک مجموعہ تھیں ۔ کیونکہ اس زمانہ تک نظر صرف ملک نفع و ضرر سابق پر تھی جو کہ یہی وجود اور اس کی تکمیل کے آلات کی بخشش ہے اور تم خود ہی جانتے ہو کہ یہ ایک نوع ہے غرض یہ کہ رات کی عبادت دن کی عبادت سے جدا ہے ۔ پھر روز و شب پر جب ہم غور کرتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کا ہر نصف جُدا جُدا (ایک ممتاز حیثیت رکھتا) ہے اگر ایک عبادت کی لئے ہے تو دوسرا کاروبار کے لئے، یا راحت کے لئے ۔ اس وجہ سے دن اور رات میں سے ہر ایک کے نصف نے ایک جدا اور مستقل شان پیدا کردی ۔ اور شارع کی نظر ان چار آدھے حصوں میں سے ہر ایک پر (یعنی نصف اول روز و نصف ثانی روز اور نصف اول شب و نصف ثانی شب) بالاستقلال پڑی اور ان انصاف میں سے ہر ایک نصف میں بیس رکعت رکھدی ۔

در نصف آخر روز دہ رکعت فرض وسنت مؤکدہ ظہر با چار فرض عصر پیوستہ چاردہ شدند وچار رکعت فیٔ الزوال یا دو رکعت قبل ظہر کہ در بعض روایات دیدہ یا شنیدہ باشی اتمام بست رکعت کردند مگر چون این شش رکعت چندان مہتم بالشان نبودند کہ خواہی نخواہی ادا نمائی بہر مراعات بست رکعت چار رکعت قبل عصر و دو رکعت بعد ظہر سوائے دو مؤکدہ کہ در بعض روایات دیدہ یا شنیدہ باشی نہادند، تا اگر از یکے محروم ماند باد از شش دیگر سعادۃ ادا ربست دریابد۔

روز کے نصف آخر کی بیس رکعت کی تفصیل

نصف آخر روز میں دس رکعت فرض اور سنت مؤکدہ ظہر کے، چار فرض عصر کے ساتھ ملکر چودہ[۱۴] ہوئے۔ اور چار رکعت فیٔ الزوال کی دو رکعت قبل ظہر کے ساتھ ملکر جن کو آپ نے بعض روایات میں دیکھا یا سُنا ہوگا (اُن چودہ میں شامل ہوکر) بیس رکعت کا عدد پورا کردیتی ہیں۔ مگر چونکہ یہ چھ رکعتیں چنداں مہتم بالشان نہ تھیں کہ جن کا ادا کرنا نہایت ضروری ہو اور جس طرح بن پڑے ان ہی کو ادا کیا جائے اس لئے بیس رکعت کی مراعات کے لئے (ان چھ رکعات کی تنہائی چھ رکعات اور تجویز کردی گئیں) چار رکعت قبل عصر اور دو رکعت بعد ظہر سوائے دو سنّت مؤکدہ کہ جن کے بارے میں آپ نے بعض روایات میں دیکھا یا سُنا ہوگا۔ یہ چھ رکعات اس لئے رکھدی گئی ہیں کہ کوئی شخص ان میں سے ایک سے (کسی مانع کی بناء پر) محروم رہ جائے تو دوسری چھ کو ادا کرنے کی فضیلت حاصل کرے۔

واز ینجا دریافتہ باشی کہ مصداق مفہوم مردّد مابین شش اول وثانی دربارۂ اہتمام بمرتبہ واقع است کہ تنہا یکے از ین دو بآن مرتبہ نرسیدہ وچون نماز ہائے نصف آخر روز بیک حساب ہمہ بجانب ہمہ روز منسوب اند چہ نظر بر آلاء تمام روز است، تخصیص نصف اول یا ثانی نیست۔ پس گویا عوض عبادت تمام روز بر عبادت نصف مسامحہ فرمودند۔ این تردید را کہ در شش رکعت فیٔ الزوال و دو رکعت اول ظہر و در شش رکعت دیگر کہ دانی واقع است واسع کردند۔ اعنی شش رکعت دیگر غیر مہتم بالشان در اول روز افزودند و شش رکعت مطلوب را مابین این مجموعہائے سہ گانہ دائر فرمودند یکے ازان دو رکعت اشراق دوم چار رکعت چاشت کہ در بیان تکمیل عدد پنجاہ رکعت تذکرۂ آن شش رکعت پیشتر ہم بگوش تو رسیدہ ام۔

اور یہاں سے آپ کو اس کا بھی پتہ چل گیا ہوگا کہ اُس مفہوم کا مصداق جو پہلی چھ اور دوسری چھ کے مابین دائر ہے اہتمام کے بارے میں ایسے مرتبہ میں واقع ہے کہ ان دو میں سے تنہا ایک اس مرتبہ پر نہیں پہنچتی۔ اور چونکہ دن کے نصف حصہ آخر کی نمازیں ایک حساب سے تمام دن کی طرف منسوب ہیں کیونکہ نظر تمام دن کی نعمتوں پر ہے، نصف اول یا نصف ثانی کی تخصیص نہیں ہے۔ تو گویا تمام دن کی عبادت کے عوض نصف دن کی عبادت پر مسامحت[۵] فرمائی (یعنی نرمی کا برتاؤ کیا)۔ اس تردید (یعنی گردش) کو جو چھ رکعات یعنی چار رکعت فیٔ الزوال اور دو رکعت اول ظہر اور دوسری چھ رکعات (یعنی چار قبل عصر اور دو بعد ظہر) میں واقع ہے اور وسیع فرمادیا۔ یعنی اور چھ رکعتیں کہ وہ بھی ان ہی کی طرح غیر مہتم بالشان ہیں بڑھادی گئیں اور اُن مطلوبہ چھ رکعتوں کو (جو چودہ کے ساتھ ملاکر بیس کا عدد پورا کرنے کے لئے ضروری تھیں) ان تینوں مجموعوں کے درمیان دائر سائر فرمادیا۔ اُس (تیسرے مجموعہ) میں سے ایک (جزو) دو رکعت اشراق کی ہیں اور دوسرا (جزو) چار رکعت چاشت کی ہیں۔ کہ پچاس عدد رکعات کی تکمیل کا بیان کرتے ہوئے ان چھ رکعات کا ذکر پہلے بھی ہم آپ کے کانوں میں ڈال چکے ہیں

واگر روایت ہشت رکعت ضحیٰ را کہ اشراق وچاشت ہر دو را شامل می نماید یاد کنیم وجہ تخییر دو رکعت وچار رکعت قبل عصر ہم ہویدا می شود۔ اعنی اگر در اول روز بر شش رکعت دو رکعت افزودہ ہشت کردند در آخر روز فقط ضرور ست دو رکعت ماند ورنہ ہمان چار۔ بلکہ درین صورت تخییرے مابین دو رکعت اول ظہر و دو رکعت بعد ظہر کہ علاوہ دو مؤکدہ می خوانند

[۵] اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ از راہ مسامحت نصف اول روز کو نظر انداز کرنا مقصود ہے۔ روز کی نصف اول کی تفصیل رات کے حساب کے بعد مذکور ہوگی۔ ۱۲ مترجم۔

ودو رکعت از چار رکعت قبل عصر ہویدا خواہد شد اہتمام مفہوم مردّد بنسبت غیر مردّد معلوم خواہد گردید

اور اگر ضحیٰ کی آٹھ رکعت والی روایت کا جو کہ اشراق اور چاشت دونوں پر شامل ہوتی ہے دھیان کیا جائے تو تخییر کی ایک اور صورت دو رکعت (قبل ظہر) یا بعد ظہر اور چار رکعت قبل عصر کی تخییر میں بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یعنی اگر اول روز میں چھ رکعت پر دو بڑھا کر کر دی ہیں تو آخر روز میں صرف دو رکعت کی ضرورت باقی رہ جائے گی۔ (جو قبل ظہر یا بعد ظہر کی دو رکعت سے پوری ہو جائے گی یعنی دس رکعت ہو جائے گی جن کے ساتھ ظہر کے فرض اور سنن مؤکدہ مل کر بیس کی تعداد کامل ہو جائے گی) ورنہ وہی چار (کی ضرورت) قبل عصر والی چار رکعت سے پوری ہو جائے گی) بلکہ اس صورت میں ایک تخییر مابین دو رکعت اول ظہر اور دو رکعت بعد ظہر کے جو علاوہ دو مؤکدہ کے پڑھتے ہیں اور قبل عصر والی چار رکعت میں سے دو رکعت کے مابین ظاہر ہو جائے گی (یعنی یہ کہ اگر قبل ظہر و بعد ظہر دو دو رکعات پڑھ لی ہیں تو قبل عصر کی چار رکعت میں سے دو رکعت پڑھنے کا اختیار ہے تاکہ اسی طرح چھ رکعت پوری ہو جائیں) اور دائر سائر رہنے والے مفہوم کے اہتمام کا تفاوت بھی بہ نسبت غیر دائر کے واضح ہو جائے گا۔

اکنون حال نماز شب بشنو۔ نمازہائی شب راہم دو اعتبار است یکے آنکہ ہمہ را بجانب ہمہ شب نسبت کنند۔ دوم آنکہ بنام نصف نصف زنند باعتبار اول کہ بہر کاہلان است نماز مغرب و عشاء و سنن آن ہر دو و وتر، و سنت و فرض صبح ہمہ در نماز شب داخل خواہند شد

اب رات کی نماز کا حال سنو۔ رات کی نمازوں کے لئے بھی دو اعتبار ہیں۔ ایک یہ کہ تمام نمازوں کو پوری رات کی جانب نسبت کیا جائے۔ دوسرا دونوں نصف (اول و آخر) پر نامزد کریں۔ پہلے اعتبار سے (یعنی جب کہ اجمال رکھا جائے کہ تمام نمازوں کو پوری رات کے لئے قرار دیا جائے) جو کاہلوں کے لئے ہے۔ نماز مغرب اور عشا اور دونوں کی سنتیں اور

کاہلوں کے لئے اعتبار اول۔

صبح کے فرض اور سنت سب رات کی نمازیں داخل ہوں گی۔

باقی اگر در دخول نماز صبح تردّدے باشد اول بہ بین کہ قبل طلوع واقع است و ظلّ ارض کہ در حقیقت منشار تیرگی شب ہمان ست ہنوز سایہ افگن۔ دوم وعدۂ ثواب احیاء تمام لیل بر جماعت عشاء و صبح یاد کردہ قاعدۂ مسامحت در احیاء تمام وقت بتعمیر اطراف آن وقت یاد آر، کہ بر دخول نماز صبح در نمازہائے شب صاف دلالت دارد۔ اندرین صورت پنج رکعت مغرب و شش رکعت عشا با سہ رکعت وتر و چار رکعت صبح ہیژدہ رکعت می شوند باز مفہوم مردّد مابین دو رکعت اول عشاء و دو رکعت بعد عشاء کہ در بعض روایات دیدہ یا شنیدہ باشی و مابین دو رکعت بعد وتر کہ ہمہ غیر مہتم بالشان اند اتمام بست خواہد کرد

باقی اگر نماز صبح کو رات کے ساتھ شامل کرنے میں تردّد ہو تو اول یہ دیکھو کہ یہ طلوع سے پہلے واقع ہے اور زمین کا سایہ کہ در حقیقت رات کی تاریکی اسی سے پیدا ہوتی ہے ابھی تک باقی ہوتا ہے دوم تمام رات کی عبادت کے ثواب کا وعدہ عشا اور صبح کی نماز با جماعت پر یاد کر کے درگاہ خداوندی کا قاعدہ اس صورت میں کہ اس وقت اطراف کی تعمیر سے تمام وقت کا احیاء مان لیا جاتا ہے یاد کرو کہ وہ اس امر پر صاف دلالت کرتا ہے کہ نماز صبح رات کی تمام نمازوں میں داخل ہے۔ اس صورت میں پانچ رکعت مغرب کی اور چھ رکعت عشاء کی اور تین رکعت وتر کی اور چار رکعت صبح کی مل کر مجموعہ اٹھارہ رکعت ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ مفہوم جو دو رکعت اول عشاء اور دو رکعت بعد عشاء میں دائر سائر جو کہ بعض روایات میں آپ نے دیکھا یا سنا ہو گا اور وہ مابین دو رکعت بعد وتر میں بھی دائر ہے کہ یہ سب غیر مہتم بالشان ہیں بیس رکعت کی تکمیل کر دے گا۔ (یعنی ان میں سے کوئی دو رکعت بھی پڑھ کر بیس کی کمی پوری ہو جائے گی)

و باعتبار ثانی کہ برائے کاملان است این تقسیم بدو صورت است۔ یکی آنکہ بہر مغلوبان خواب است۔ دوم آنکہ برائے بیدار بختان بیتاب۔ صورت اول آنکہ بست رکعت صلوٰۃ اوابین کہ ابن ماجہ تخریج آن کردہ سوار این بست رکعت مذکورہ مابین مغرب و عشاء گذارند

نماز صبح کو رات کی نمازوں میں شامل کرنے کے چند وجوہ و قرائن۔

باقی ہمہ شب در خواب گذارند۔ دوم[۲] آنکہ ہر نصف را جُدا جُدا احیاء کنند۔ اندرین صورت وتر و نمازِ صبح در نصفِ آخر خواہد افتاد و بجہت آنکہ درین صورت در نصف اول وہم در نصف آخر سہ رکعت افتادہ، عدد بست ہیچگونہ دست نخواہد داد چہ دو وتر ہم شدہ درصورت سابقہ زوج شدہ بودند بایک وتر حصول عدد بست کہ زوج است چگونہ راست آید۔ لاجرم کمی بیشی یک رکعت درہر دو جانب لازم است ۔

اعتبار ثانی کاملوں کے لئے۔

اور دوسرے اعتبار سے جو کاملوں کے لئے ہے اس تقسیم کی دو صورتیں ہیں۔ ان میں سے ایک صورت ان لوگوں کے لئے ہے جو نیند سے مغلوب ہوجانے والے ہیں۔ دوسری اُن بیدار بخت لوگوں کیلئے ہے جو بیتاب محبت ہیں۔ صورت اول یہ ہے کہ بیس رکعت صلوٰۃ اوابین جن کی تخریج ابن ماجہ نے کی ہے سوائے ان بیس رکعت کے جو مغرب وعشاء کے درمیان کی ہوچکی ہیں ادا کرلیں۔ باقی تمام رات سونے میں گذاریں۔ صورت دوم یہ ہے کہ ہر نصف کا جُدا جُدا احیاء کریں۔ اس صورت میں وتر اور صبح کی نمازیں نصف آخر میں پڑینگی۔ اور اس بناء پر کہ اس صورت میں نصف اول میں اور نیز نصف ثانی میں تین تین رکعت واقع ہوئی ہیں (پہلے نصف میں تین رکعت مغرب کی اور دوسرے نصف میں تین رکعت وترکی) تو بیس کا عدد کسی طرح حاصل نہ ہوگا جیسے صورت سابقہ میں دو وتر ملکر زوج بن گئے تھے اب ایک وتر کے ساتھ بیس کے عدد کا حاصل ہونا جو کہ زوج ہے کیسے میسر آسکے گا اس لئے بمجبوری ایک رکعت کی کمی بیشی دونوں جانبوں میں لازمی ہے

وہمین است کہ این طرف پنج رکعت فرض وسنت مؤکدہ مغرب باشش رکعت اوابین وشش رکعت فرض وسنت مؤکدہٗ عشاء وچار رکعت اول یا دودو رکعت اول وآخر بست ویک رکعت می شوند وآن طرف دوازدہ رکعت تہجد باسہ رکعت وتر وچار رکعت صبح نوزدہ می شوند غرض در مجموعۂ شب چہل می شوند اگر دریک جانب افزودہ انداز جانب دیگر ہمان قدر کاستہ اند اما مدنظر ہمان عدد بست داشتہ اند۔

نصف اول شب کی رکعات کی تفصیل

اور اسی بناء پر یہ صورت ہوئی کہ اس جانب میں پانچ رکعت فرض اور سنت مؤکدہ مغرب کی چھ رکعت اوابین کے ساتھ اور چھ رکعت فرض اور سنت مؤکدہ عشاء کی اور عشاء سے پہلے چار رکعتیں یا دو[۲] رکعت عشاء سے پہلے اور دو[۲] رکعت عشاء کے بعد پڑھ لیں یہ سب اکیس رکعات ہوجاتی ہیں۔

نصف ثانی شب کی رکعات کی تفصیل

اور دوسری جانب (یعنی رات کے نصف ثانی) میں بارہ[۱۲] رکعت تہجّد کی تین رکعت وترکی ساتھ اور چار[۴] رکعت صبح کی مل کر اُنیس[۱۹] ہوجاتی ہیں۔ غرض رات کے دونوں حصوں کے مجموعہ میں چالیس[۴۰] رکعت ہوجاتی ہیں۔ اگر ایک جانب میں کچھ بڑھایا ہے تو دوسری جانب میں اُتنا ہی کم کردیا ہے۔ مگر مدّنظر وہی بیس رکعت رکھی گئی ہیں۔

مگر شاید در دوازدہ رکعت تہجد بالا وسہ[۳] رکعت وتر کسے را خلجانے پیش آید بادین نظر روایتے پیش میکنم کہ در نظرِ ہوشیار مُثبتِ مدعا ما ست اخرج البخاری رحمہ اللہ فی اول باب من ابواب الوتر من صحیحہ بسندہ عن ابن عباسؓ انہ بات عند میمونۃؓ وھی خالتہ فاضطجعت فی عرض الوسادۃ واضطجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واھلہ فی طولھا فنام حتی انتصف اللیل او قریبا منہ فاستیقظ یمسح النوم عن وجھہ ثم قرأ عشر اٰیات من اٰل عمران ثم قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی شن معلقۃ فتوضأ فاحسن الوضوء ثم قام یصلی فصنعتُ مثلہ وقمت الی جنبہ فوضع یدہ الیمنی علی راسی واخذ باذنی یفتلھا ثم صلی رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم اوتر ثم اضطجع حتی جاءہ المؤذن فقام فصلی رکعتین ثم خرج فصلی الصبح۔

مگر شاید بارہ رکعت تہجد مذکورہ بالا اور تین رکعت وتر میں کسی کو کوئی خلجان پیش آئے تو اس امر کو سامنے رکھتے ہوئے ہم ایک روایت پیش کرتے ہیں جو صاحبِ فہم کی نظر میں ہمارا مدّعا ثابت کرنے والی ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بارہ رکعات تہجد اور تین رکعات وتر پڑھنے کا ثبوت ایک روایت سے

اخرج البخاری رحمہ اللہ فی اول باب من ابواب الوتر من صحیحہ بسندہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ انہٗ بات عند میمونۃ رضی اللہ عنہا وھی خالتہٗ فاضطجعتُ فی عرض الوسادۃ و اضطجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واھلہٗ فی طولھا فنام حتی انتصف اللیل او قریبا منہ فاستیقظ یمسح النوم عن وجھہ ثم قرأ عشر آیات من آل عمران ثم قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسَلم الی شنٍّ معلّقۃٍ فتوضّأ فاحسن الوضوء ثم قام یُصلّی فصنعت مثلہٗ وقمت الی جنبہ فوضع یدہ الیمنیٰ علی رأسی واخذ باذنی یفتلھا ثم صلی رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم اوتر ثم اضطجع حتی جاءہ المؤذّنُ فقام فصلی رکعتین ثم خرج فصلی الصُّبح

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں ابواب الوتر کے اول باب میں اس حدیث کو تحریر فرمایا ہے اپنی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس رات گذاری اور یہ ان کی خالہ تھیں تو انہوں نے ابن عباس کو تکیہ کے عرض میں لٹایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زوجہ (حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا) تکیہ کے طول میں لیٹے۔ پھر آپ سوگئے۔ آدھی رات تک یا اس کے قریب پھر آپ بیدار ہوئے (ہاتھوں سے) چہرہ مبارک سے نیند کے اثر کو پونچھتے ہوئے۔ پھر آپ نے سورہ آل عمران کی دس آیات پڑھیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لٹکے ہوئے مشکیزہ کی طرف تشریف لے گئے اور وضو کیا اور خوبی کے ساتھ وضو کیا۔ پھر آپ نماز پڑھنے لگے (ابن عباس کہتے ہیں کہ) جو کچھ آپ نے کیا تھا میں نے بھی کیا اور میں آپکے بائیں طرف کھڑا ہوگیا۔ تو آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو میرے سر پر رکھا اور میرا کان پکڑ کر کھینچا (یعنی دائیں طرف کھڑا کیا) پھر آپ نے دو رکعت پڑھی۔ پھر دو رکعت۔ پھر دو رکعت۔ پھر دو رکعت۔ پھر دو رکعت۔ پھر دو رکعت۔ پھر وتر پڑھے۔ پھر لیٹ گئے یہاں تک کہ آپ کے پاس مؤذن پہنچ گیا پھر آپ اُٹھے پھر دو رکعت پڑھی پھر نکلے اور صبح کی نماز پڑھی۔

این روایت صاف دلالت دارد بر این کہ قبل از وتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوازدہ رکعت تہجد خواندہ اند۔ واز تحقیق سابق دریافتہ باشی کہ بعد افزودن دو دو رکعت در فرائض کہ در اوّلِ امر بود اعنی پس از چہار گردانیدن آنہا بنظر تدبر و فقاہت وتر منحصر درسہ رکعت گشتند۔ زیراکہ در اتمام بست رکعت کہ مقتضاء آن وقت بود فقط حاجت ہمیں سہ رکعت بود نہ کم زیادہ۔ ہان پیشتر ازین اگر گہہ وبیگاہ یک رکعت ہم خواندہ باشند یا بر دابہ خواندہ باشند، چہ عجب کہ وجہ وجوب اگر بہم رسیدہ ہمیں وقت بہم رسیدہ۔ پس اگر آن زمانہ کہ این اتفاق افتاد زمانۂ بست رکعت بود فبہا ورنہ ازین روایت ہمیں قدر ثابت شد کہ پیش از وتر دوازدہ رکعت ست و وتر ہر قدر کہ باشد یک رکعت باشد یا سہ رکعت۔

یہ روایت واضح طور پر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر سے پہلے بارہ رکعات تہجد پڑھی ہیں۔ اور گذشتہ تحقیق سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ اُن دو دو رکعت پر جو پہلے حکم میں فرض تھیں اضافہ کے بعد یعنی چار کر دینے کے بعد فقاہت اور تدبُّر کے پیش نظر وتر تین رکعت میں منحصر ہوگیا۔ کیونکہ بیس رکعت کے کامل کرنے میں جو اُس وقت کا مقتضا تھا اُن ہی تین رکعتوں کی ضرورت تھی، کم زیادہ کی نہیں۔ ہاں اس سے پہلے اگر آپ نے وقت بے وقت ایک رکعت پڑھ لی ہوگی یا سواری پر پڑھی ہوگی تو کوئی تعجب نہیں کیونکہ وجوب کی وجہ اگر پیدا ہوئی تو اسی وقت (یعنی دو سے چار رکعت ہو جانے کے بعد) پیدا ہوئی تو اگر وہ زمانہ جس میں ایسا اتفاق واقع ہوا بیس رکعت کا زمانہ تھا تو فبہا ورنہ اس روایت سے اتنا ہی ثابت ہوا کہ وتر سے پہلے بارہ رکعت ہیں۔ وتر جتنا بھی ہو ایک رکعت ہو خواہ تین رکعت۔

وتر کی ایک رکعت کا ثبوت تہجد کی بارہ رکعت کے خلاف نہیں

وقضاء دوازدہ رکعت در صورتِ فوت تہجد نیز تائید این معنی میکند۔ و روایت فضیلت دوازدہ رکعت کہ از ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا در نسائیؒ منقول است تقویت دگر می فرماید مگر چون این زمانہ زمانۂ بست رکعت است کہ لاجرم وتر منحصر درسہ رکعت شد۔ واین دوازدہ رکعت باسہ رکعت وتر کہ جملہ پانزدہ شدند۔ باچار رکعت فجر نوزدہ شدند۔

اور تہجّد فوت ہو جانے کی صورت میں بارہ رکعات کی قضا بھی اس معنی کی تائید کرتی ہے۔ اور بارہ رکعت کی فضلیت کی روایت جو ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نسائی میں منقول ہے

مزید تقویت فرما رہی ہے ۔ مگر چونکہ یہ زمانہ بیس رکعت کا زمانہ ہے اس لیے لازم طور پر وتر تین رکعت میں منحصر ہو گیا اور یہ بارہ رکعت وتر کی تین رکعت سے مل کر پندرہ ہوئیں اور فجر کی چار رکعت کے ساتھ کُل انیس[۱۹] ہو گئیں ۔

اکنون اگر کسے را در اخذ سہ رکعتِ وتر بدین وجہ تاملے باشد کہ از ابن عباس رضی اللہ عنہ دربارۂ نمازِ شب منقول است کہ فرمودند کہ نمازِ شب سیزدہ رکعت است ۔ یا فرض کنیم در روایتے از روایاتِ این حدیث بعد ثمہ اوتر لفظ بواحدۃ ہم باشد ۔ اندرین صورت بالضرور وتر یک رکعت بیش نباشد ۔ اندفاعش باین طور ممکن است کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہرچہ دربارۂ تحدید فرمودہ اند بمشاہدۂ فعلِ نبوی صلعم فرمودہ اند و آنچہ دیدہ اند در زمانہ دیدہ باشند کہ رکعاتِ فرائض یازدہ[۱۱] بودند ۔ اکنون کہ دواعی انحصار وتر در سہ رکعت فراہم آمدند، وآن طرف فضائل دوازدہ رکعت ہمان سان بحال خود متوافر ۔ لاجرم دوازدہ دہ رکعت تہجد با وتر پانزدہ رکعت خواہد شد ۔

ایک شبہ کا جواب

اب اگر کسی کو وتر کی تین رکعت کے (مذکورہ بالا روایت سے) اخذ کرنے میں اس وجہ سے تامل ہو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نمازِ شب کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نمازِ شب تیرہ رکعت ہیں ۔ یا ہم مان لیں کہ اس حدیث کی روایتوں میں سے ایک روایت میں بعد ثمہ اوتر کے لفظ بواحدۃ بھی ہے اس صورت میں ضروری ہو جاتا ہے کہ وتر ایک رکعت سے زیادہ نہ ہو ۔ اس شبہ کا ازالہ اس طور سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تحدید رکعات میں جو کچھ فرمایا ہے فعل نبوی صلعم کے مشاہدے کے موافق فرمایا ہے اور جو کچھ مشاہدہ کیا ہے وہ اس زمانہ میں کیا ہوگا جب کہ فرائض کی رکعات گیارہ تھیں ۔ اب جب کہ وتر کے تین رکعات میں منحصر ہونے کے دواعی پیدا ہو گئے اور اُدھر بارہ رکعت کے فضائل اسی طرح پورے کے پورے اپنے حال پر باقی رہے تو لازمی طور پر بارہ رکعات تہجد وتر کے ساتھ مل کر پندرہ رکعات ہو جائیں گی

وازین ہم درگذشتیم ۔ دو رکعت نفل کہ حضرت سرور کائنات صلعم گہہ وبیگاہ خواندہ اند با سیزدہ[۱۳] رکعت پیوستہ ہمان پانزدہ[۱۵] رکعت می شد کہ مطلوب ماست ۔ بالجملہ اگر وجوہ مذکورہ بالا و شواہدِ مسطورہ الحاظ کنیم ، و این طرف اہتمام بست بست رکعت کہ در نصفِ آخر روز و نصف اولِ شب مسلّم شد بنگریم این لحاظ و نگریستن ما را بدین جانب می کشد کہ این جا ہم ہمان اہتمام باشد ۔ چہ این نصف در کدام امراز نصفین سابقین کم است و این امرے آنکہ تہجد را دوازدہ دارند و وتر را سہ رکعت پندارند راست نمی آید و با این توافق کہ دانستی و دلالت وجوہ کہ پنداشتی معارضے نیست کہ اعتبارش مقدم شود ۔ اندرین صورت کارِ عقل ہمیں است کہ گفتیم ۔

اور ہم اس کو بھی چھوڑتے ہیں ۔ دو رکعت نفل جو کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی پڑھی ہیں تیرہ رکعت کے ساتھ مل کر وہی پندرہ رکعت ہو جاتی ہیں جو کہ ہمارا مطلوب ہے ۔ الحاصل اگر مذکورہ بالا وجوہ اور شواہد مرقومہ کا لحاظ کریں اور ادھر بیس بیس رکعات کے اہتمام کا خیال کریں جو دن کے نصف آخر اور شب کے نصف اول میں مسلّم ہو چکے تو یہ غور و خوض ہم کو اسطرف لیجاتا ہے کہ یہاں بھی وہی اہتمام ہوگا کیونکہ یہ نصف کس بات میں مذکورہ بالا دونوں نصفوں سے گھٹا ہوا ہے اور یہ امر بغیر اس کے کہ تہجد کو بارہ رکھیں اور وتر کو تین رکعت قرار دیں ٹھیک نہیں بیٹھتا ۔ اور اس توافق کیساتھ جس کو آپ سمجھ چکے اور ان وجوہ کی دلالت کے ساتھ جن کا علم آپ کو ہو چکا کوئی معارض بھی موجود نہیں ہے جس کا اعتبار مقدم ہو جائے ۔ اس صورت میں عقل کا اقتضاء اسی کو تسلیم کرنا ہے جو ہم نے بیان کیا ۔

ازین جا دانستہ باشی کہ در بست رکعت این نصف و سہ رکعتِ وتر باعتبار تصادُق و تصدیقِ یک دگر ہمان نسبت است کہ در روز روشن از احوال آفتاب خبر دہیم چنانکہ نور نظرِ ما از آفتاب خبر می دہد آفتاب از نورِ نظر ما خبر می دہد ۔ ہمچنین دیگر دلائل و مدلولات و شواہد و مشہود علیہا کہ درین رسالہ خواہی دید در تصدیق یک دیگر ہمین نسبت خواہی یافت ۔

یہاں سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ اس نصف کی بیس رکعت میں اور تین رکعت وتر کے مابین

تصادُق یعنی ایک دوسرے کی تصدیق کرنے میں وہی نسبت ہے (جو کہ آفتاب کو ہمارے نورِ نظر سے ہے) کہ جب روزِ روشن میں ہم آفتاب کے حال کی خبر دینگے تو جیسا کہ ہمارا نورِ نظر آفتاب کی خبر دے رہا ہے، آفتاب بھی ہمارے نورِ نظر (کے وجود) کی خبر دے گا۔ اور اسی طرح دو دلائل اور مدلولات اور شواہد اور مشہود علیہا (یعنی وہ خبر جس کا ثبوت اس شہادت سے ملتا ہو) جو تم اس رسالہ میں دیکھو گے ان میں ایک دوسرے کی تصدیق کے بارے میں یہی نسبت ہے

> باقی ماند نصف اول روز، ہشت رکعتِ ضحیٰ خود از حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منقول است۔ و دوازدہ[۱۲] رکعت بطور دگر بہ ثبوت پیوستہ اخرج الترمذی فی صحیحہ بسندہ عن انس رضی بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی الضحیٰ ثنتی عشرۃ بنی اللہ لہ قصراً فی الجنۃ من ذہبٍ ثم قال الترمذی حدیث انس حدیث غریب وہم دوازدہ رکعت در روز بروایت ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ثابت است این دوازدہ با آن ہشت بست رکعت می گردند۔

نصف اول روز کی بیس رکعات کا بیان۔

باقی رہا دن کا نصف اول۔ تو آٹھ رکعت ضحی خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور بارہ رکعات کا ثبوت دوسرے طور پر حاصل ہوا (جو درج ذیل ہے)

اخرج الترمذی فی صحیحہ بسندہ عن انس رضی بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی الضحیٰ ثنتی عشرۃ بنی اللہ لہ قصراً فی الجنۃ من ذہبٍ ثم قال الترمذی حدیث انسٍ حدیث غریبٌ

ترمذی رحمہ اللہ نے صحیح ترمذی میں اپنی سند کے ساتھ یہ روایت ذکر کی ہے انس بن مالک سے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے دن چڑھے بارہ رکعت نماز پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک سونے کا محل بنادے گا پھر کہا ترمذی نے کہ یہ حدیث انس کی حدیث غریب[۱] ہے۔

اور نیز بارہ رکعت دن میں بروایت ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ثابت ہے۔ یہ بارہ

[۱] حدیث غریب وہ ہے جس کی اسناد میں صرف ایک ہی راوی ہو ۱۲ مترجم۔

ان آٹھ کے ساتھ ملکر بیس رکعت ہوجاتی ہیں۔

> آرے تعیینِ وقت ازان روایت ام حبیبہ رض نمی برآید، بلکہ بجانبِ مطلق روز آن دوازدہ را نسبت کردہ اند لیکن از انجاکہ دران روایت بر دوازدہ رکعت شب ہم ہمان ثواب وعدہ فرمودہ اند، بلحاظ آنکہ دوازدہ رکعت شب را در نصف آخر جا دادند۔ وبا این ہمہ وتر و نماز صبح را کہ باہم پیوستہ ہفت رکعت می شوند بجا داشتند، چنان بذہن ناقص می آید کہ عمدہ وقت ادا، دوازدہ رکعت نہاریہ نصف اول روز باشد و آن ہشت رکعت ہم بجای خود باشد چہ این نصف را با نصف آخر شب عقلاً وہم نقلاً مشابہتے تام است۔

توضیح روایت ام حبیبہ رض

ہاں حضرت ام حبیبہ رض کی اس روایت سے وقت کی تعیین نہیں ثابت ہوتی بلکہ اس میں ان بارہ رکعتوں کو مطلق دن کی طرف نسبت کردیا ہے۔ لیکن اس قرینہ سے کہ اس روایت میں رات کی بارہ رکعت پر بھی اُسی ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اور اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ رات کی بارہ رکعت کو نصف آخر میں جگہ دی اور ان سب کے ساتھ وتر اور نماز صبح کو جو باہم ملکر سات رکعت ہوجاتی ہیں اپنی جگہ رکھا، ذہن ناقص میں یہ آتا ہے کہ دن کی بارہ رکعت کی ادا کرنے کا عمدہ وقت روز کا نصف اول ہوگا اور وہ آٹھ رکعت بھی اپنی جگہ پر رہیں گی۔ کیونکہ اس نصف (یعنی نصف اول روز) کو نصف آخر شب کے ساتھ عقلاً اور نقلاً بھی پوری مشابہت ہے۔

> از راہ عقل اگر می پرسی ہمچو نصف آخر شب این نصف را برائے بندہ بگزاشتہ اند چنانکہ مکرر سہ کرر شنیدہٴ واگر از راہ نقل استماع ہوس داری ارشاد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را تجسّس کن کہ می فرماید اخرج ابوداؤد عن عمر بن الخطاب رض یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نام عن حزبہ او عن شیء منہ فقرأہ ما بین صلوٰۃ الفجر وصلوٰۃ الظہر کتب لہ کانما قرأہ من اللیل۔ الغرض کسیکہ از وظیفہٴ شب محروم ماند وقبل زوال خواند گویا بروقت خود خواند۔

ازراہ عقل اگر پوچھتے ہو تو (وجہ مشابہت یہ ہے کہ) نصف آخر شب کی طرح اس نصف کو بندے کے لئے چھوڑ دیا ہے جیساکہ مکرر سہ کرر تم نے سُنا ہے ۔ اور اگر ازراہ نقل سننے کے خواہشمند ہو تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر غور کرو کہ آپ فرماتے ہیں:۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص اپنی عبادت معمولہ ادا کرنے سے پہلے ہی سوگیا یا اُس کے کچھ حصہ سے رہ گیا۔ پھر اس کو نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان پڑھ لیا تو وہ اُس کے نامۂ اعمال	اخرج ابوداؤد عن عمر بن الخطاب یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نام عن حزبہ او عن شئ منہ فقرأہ ما بین صلوٰۃ الفجر وصلوٰۃ الظہر کتب لہ کأنما قرأہ من اللیل ۔

میں اسی حیثیت سے لکھا جائے گا کہ گویا اُس نے اس کو رات ہی میں پڑھا ہے ۔

الغرض جو شخص کہ رات کے وظیفہ سے محروم رہ گیا اور اُس نے زوال سے پہلے پڑھ لیا تو گویا اُس نے اپنے وقت پر ہی پڑھا ہے

و این طرف خود از حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منقول است کہ نماز چاشت را بہ نماز تہجد تشبیہ دادہ اند۔ باقی ہشت رکعت چاشت کہ از حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بروایت ام ہانی رضی منقول است، و در بخاری وغیرہ موجود۔ با این ہفت رکعت وتر و سنت و فرض صبح نسبتِ تساوی نیست۔ چہ کمی یک رکعت درین جانب بنا چاری است کہ وتر سہ رکعت بیش نتوان شد۔ و باین خیال کہ فرمودہ اند فاذا خفت الصبح فاوتر او کما قال، و ہمچنان باین لحاظ کہ فرمودہ اند اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل وترا سہ رکعت وتر در آخر شب افتاد، و صورت اتصال با چار رکعت صبح پیدا شد۔ بدین وجہ ہمہ در آغوش یک ہیئتہ اجتماعی آرسیدند و صورت وحدت در بر کشیدند و با آن ہشت رکعت کہ صورت وحدانی از اصل دارد یعنی آنکہ چاشت۔ و اشراق را بطور جمع صوری بہم پیوستہ بودند مشابہت کلی پیدا کردند۔

نماز چاشت نماز تہجد سے مشابہ ہے

اور ادھر خود حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے نماز چاشت کو نماز تہجد سے تشبیہ دی ہے ۔ باقی چاشت کی آٹھ رکعت کو جو کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت ام ہانی رضی منقول ہیں اور یہ روایت بخاری وغیرہ میں موجود ہے وتر اور صبح کے فرض وسنت کی ان سات رکعتوں کے ساتھ برابری کی نسبت ہے ۔ کیونکہ ایک رکعت کی کمی اس جانب میں مجبوری کی وجہ سے ہوئی ہے کہ وتر تین رکعت سے زیادہ نہیں ہو سکتے ۔ اور اس خیال سے کہ آپ نے فرمایا ہے :۔

جب تمہیں طلوع فجر کا اندیشہ ہو تو وتر پڑھ لو ۔	فاذا خفت الصبح فاوتر ۔ او کما قال

اور ایسے ہی اس ارشاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل وترا (اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ) وتر کی تین رکعت آخر شب میں واقع ہوئیں اور صبح کی چار رکعتوں سے متصل ہونے کی صورت پیدا ہوگئی ۔ اس وجہ سے یہ سب ایک ہیئت اجتماعی کی آغوش میں داخل ہوگئیں اور ایک وحدت کی صورت میں آگئیں اور اُن (چاشت کی) آٹھ رکعت کے ساتھ جو اصل سے ہی وحدت کی صورت رکھتی ہیں اس بناء پر کہ چاشت اور اشراق کو ظاہری طور پر جمع کر کے باہم ملا دیا گیا ہے، انہوں نے پوری پوری مشابہت حاصل کرلی ۔

ازین جا خود بخود این نتیجہ می برآید کہ اگر باوجود دوازدہ رکعت تہجد وتر و صبح بجائے خود ماند این ہشت رکعت ہم با آن دوازدہ رکعت کہ عمدہ ترین اوقاتِ آن نصف اوّل است، چنانکہ عمدہ ترین اوقاتِ دوازدہ رکعت شب نصف آخر است، بجائے خود ماند ۔ والحمد للہ علی ماھدانا ۔ این ہمہ لطائف را اگر بغور خواہی دید خواہی دانست کہ بست رکعت بجائے خود چیزے مقصود بالذات است درکمی ازان کمی از مقصود لازم می آید در قیام لیل رمضان، کہ بناء آن بر تکثر عبادت است، کم ازان نباید ۔ ہان زیادہ راھے نیست ہر قدر کہ توانی بخوان ۔

اور یہاں سے خود بخود یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اگر بارہ رکعات تہجد کے ساتھ وتر اور صبح (کی سات رکعت) شامل ہوکر بجائے خود (تقریباً بیس کے نصاب پر اگر مستقل شان پر آجاتی ہیں تو

یہ آٹھ رکعت بھی اُن بارہ رکعت کے ساتھ (یعنی ان ضحیٰ والی بارہ رکعت مرقومہ بالا کے ساتھ) "جن کا عمدہ ترین وقت (روز کا) نصف اول ہے جیسا کہ رات کی بارہ رکعات (یعنی تہجد کی بارہ رکعات) کا عمدہ ترین وقت رات کا نصف ثانی ہے" شامل ہو کر بجائے خود مستقل ہوگی والحمد للہ علی ما ھدٰنا (اور ہم اس (نعمتِ معارف) پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں جن پر اس نے ہماری رہبری فرمائی) ان تمام لطائف کا اگر بغور مطالعہ کرو گے تو سمجھ لو گے کہ بیس رکعت بجائے خود ایک مقصود بالذات چیز ہے۔ ان میں سے کمی کرنے میں مقصود شے میں سے کمی کرنا لازم آتا ہے۔ رمضان المبارک کے قیام لیل میں جس کی بنیاد کثرت عبادت پر ہے اس سے کم نہ کرنا چاہئے۔ ہاں زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے جس قدر بھی پڑھ سکتے ہو پڑھو۔

اکنون باید شنید کہ از وجوہ مذکورۂ بالا اگر ثابت است ہمیں قدر ثابت است کہ کم از یازدہ در تہجد وکم از بست در تراویح نباید خواند اما اینکہ زیادہ ہم نباید کرد مقتضائے حکمت نیست۔ ہان سوء فہم را علاج نیست فہم را یک سو نہادہ ہرچہ خواہند بفرمایند۔ چون باین ہمہ در کمی رخصت دادند چنانچہ از روایات گذشتہ دریافتہ، در زیادتی اجازت چون نخواہد بود۔ پس این چہ برعکسے است کہ زیادتی را منع کنند و بکمی بدل وجان راضی باشند۔

اب یہ سننا چاہئے کہ مذکورہ بالا وجوہ سے اگر ثابت ہے تو اسی قدر ثابت ہے کہ تہجد میں گیارہ سے کم اور تراویح میں بیس سے کم نہ پڑھنا چاہئے۔ لیکن یہ کہ اُن سے زیادہ بھی نہ پڑھنا چاہئے۔ یہ مقتضائے دانش نہیں ہے۔ ہاں بدفہمی کا کوئی علاج نہیں۔ عقل کو ایک طرف پھینک کر جو چاہیں فرمادیں۔ جب ان سب کے باوجود جو آپ پر روایات گزشتہ سے واضح ہوگیا کمی میں رخصت دیدی گئی تو زیادتی میں اجازت کیسے نہ ہوگی (اگر یہ اعداد منجانب اللہ مطلوب ہوتے مثل اعداد رکعات فرائض پھر تو زیادتی کی بھی اجازت نہیں ہو سکتی تھی مگر ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے) تو یہ کیا برعکس معاملہ ہے کہ زیادتی سے تو منع کریں اور کمی پر دل وجان سے راضی ہو جائیں

اکنون وقت آنست کہ قلم و کاغذ از دست افگندہ شود مگر برفائدہ کہ اتفاق تحریرش نشدہ و از خیالے بخیالے مشغول گشتہ از مواقع تحریرش پیشتر رفتم و ہمچنان بدل ماند۔ و قلم بر آن نرفت اطلاع ضروری ست۔ آن این ست کہ روایات ہزار رکعت خواندن امام ابوحنیفہؒ در شب اگر صحیح است والعہدۃ علی من یروی۔ باعتماد صحتش امام ہمام را بوجہ تجاوز از یازدہ کہ تحدیدِ آن سنت شمردہ اند مبتدع نتوان گفت۔ وہمچنین باعتقادِ کمالِ امام در اتباع سنت نبوی علیہ وعلی صاحبہا الف الف صلوٰۃ این روایات را اگر بدرجہ صحت نرسیدہ غلط نتوان پنداشت۔ وہر کہ این چنین کردہ گو بحر العلوم باشد خطا کردہ۔

اب وقت آگیا کہ قلم اور کاغذ ہاتھ سے رکھ دیا جائے مگر ایک فائدہ رہا ہوا ہے جس کی تحریر کا اتفاق نہ ہو سکا اور ایک خیال سے دوسرے خیال کی طرف ذہن منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ اس تحریر کے مواقع سے ہم آگے نکل گئے اور وہ دل کا دل میں ہی رہ گیا، بقید تحریر نہ آسکا اس پر تنبیہ کرنا ضروری سمجھ کر اب لکھا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق روزانہ رات کے وقت ایک ہزار رکعت پڑھنے کی روایت اگر صحیح ہے اور اس کی صحت کی ذمہ داری اس قول کی روایت کرنے والوں پر ہے۔ اس کی صحت کے اعتماد پر امام ہمام (یعنی امام ابوحنیفہؒ) کو اُس زیادہ عدد سے تجاوز کی بنا پر جس کی تحدید کو سنت شمار کیا گیا ہے مبتدع نہیں کہہ سکتے اور اسی طرح اتباع سنتِ نبوی علیہ وعلی صاحبہا الف الف صلوٰۃ کے بارے میں حضرت امام کے متعلق کمال اعتقاد کی بنا پر ان روایات کو اگر یہ بدرجہ صحت (باعتبار روایت) نہ پہنچیں غلط نہیں گمان کرنا چاہئے اور جس کسی نے ایسا گمان کیا خواہ بحر العلوم ہو اس نے خطا کی۔

اگر امام ابوحنیفہؒ نے ایک ہزار رکعات روزانہ پڑھی ہوں تو یہ اتباع سنت سے تجاوز نہ سمجھا جائیگا

حق ہمیں ست کہ در قیام لیل باعتبار اصل عددے معین نیست تا بدان ساختہ و پرداختہ شود بلکہ تقیید بعددے اگر غور کردہ شود مثل تقیید اطعام طعام و اذکار تلاوت کلام ملک العلام بقیود در رسوم سوم و دہم و چہلم بدعت می نماید۔

حق یہی ہے کہ قیام لیل میں اصل کے اعتبار سے کوئی عدد معین نہیں ہے جس کو معمول قرار دے کر اس میں لگے رہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو کسی عدد کے ساتھ مقید کرنا بغرض ایصال ثواب موتے کے لئے) کھانا کھلانے کی قیدوں اور اذکار و تلاوت قرآن مجید تیجے اور دسویں اور چالیسویں کی رسوم کی قیود کی طرح بدعت معلوم ہوتا ہے۔

> آرے اقتفاءِ آثار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ از اتفاق وقت اقتضاء عادت وضرورت طبع صادر شدہ باشد اگر بہ نیت نیک است، موجب سعادت باید فہمید۔ تعمدِ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اماکنِ بول و براز نبوی را و ازار کشادہ دران اماکن نشستن، اگرچہ حاجت نبودے، حق پرستان را ازین سما آگاہی میدہد۔ لیکن این ہم مخفی مباد کہ این قدر اہتمام حضرت ابن عمر رض نہ باین اعتقاد بود کہ از ترکِ این چنین اتباع زیغ و بدعت میزاید، ورنہ ہمہ اکابر صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کہ بسبب کمالِ اتباع مقتدار دین شدند وتشریف علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء یافتند، مبتدع می شدند۔ نعوذ باللہ۔ اگر نوبت این چنین اعتقاد رسیدے این فعل اوشان از سرحد سنت بدر آمدہ داخل ساحت بدعت می شد۔ وشاید ہمیں اندیشہ در سر افتاد کہ خلفاء راشدین در پے چنین امور نیفتادند پنداشتند کہ اہتمام ما بحکم علیکم بسنتی الخ موجب اعتقاد سنیت این امور بحدے کہ ترک آن بدعت گردد خواہد شد۔

ہاں آثار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلنا اگرچہ وہ آپ سے اتفاقیہ طور پر اور اقتضائے عادت اور ضرورت طبعی کی بنا پر ہی سرزد ہوئے ہوں اگر بہ نیت نیک ہے تو موجب سعادت سمجھنا چاہئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اُن مقامات کا قصد کرنا جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بول و براز کیا اور ازار کھولکر وہاں بیٹھ جانا اگرچہ آپ کو (بول و براز کی) حاجت نہ ہوتی حق پرستوں کو اس راز سے آگاہ کر رہا ہے۔ لیکن یہ بھی مخفی نہ رہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رض کا اس قدر اہتمام اس اعتقاد کی بنا پر نہیں تھا کہ اس قسم کے اتباع کے ترک سے (قلب میں) کجی اور بدعت پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ تمام اکابر صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین رض جو بسبب کمال اتباع نبوی ؐ کے دین کے مقتدا ہوئے ہیں اور ان کو علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الخ کا اعزاز خاص بارگاہ نبوی سے عطا ہوا، سب کے سب ہی نعوذ باللہ مبتدع بن جاتے، اگر اس طرح کا اعتقاد کی نوبت آجاتی تو یہ اُن کا فعل (یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رض کا فعل) سرحد سنت سے نکل کر بدعت کی حدود میں داخل ہو جاتا۔ اور شاید یہی اندیشہ لاحق ہوا ہوگا کہ خلفاء راشدین ایسے امور کے پیچھے نہیں پڑے کہ ہمارا اہتمام کرنا بحکم علیکم بسنتی الخ اس قسم کے امور کے سنت ہونے کے اعتقاد کا اس حد تک موجب بن جائیگا کہ ان کا ترک بدعت ہو جائے۔

> ومداومت اوشان بر عدد یازدہ در قیام لیل اگر بہ ثبوت رسد نہ باین جہت بود کہ این عدد از آثار نبویست کہ از اتفاقات سرزدہ بلکہ بلحاظ ہمان تکمیل خمسین وغیرہ کہ مذکور شد خواہد بود کہ باعتبار آن تحدید این عدد از قسم ثالث میگردد۔ فقط اللّٰھم ان کان حقا فمن عندک و ان کان غیر ذلک فانت تعلم انی ظلوم جہول۔

قیام لیل میں گیارہ رکعات پر اگر خلفاء کی مداومت ثابت ہوجائے تو وہ پچاس رکعات مذکورہ کی تکمیل پر مبنی ہوگی۔

اور قیام لیل کے متعلق خلفاء کی مداومت گیارہ کے عدد پر اگر ثبوت کو پہنچ جائے تو وہ اس جہت پر مبنی نہ ہوگی کہ یہ عدد آثار نبوی میں سے ہے جس کا صدور اتفاقیہ طور پر آپ سے ہوگیا۔ بلکہ وہ اسی پچاس وغیرہ کی تکمیل کے لحاظ پر جس کا ذکر کیا گیا ہے مبنی ہوگا۔ کہ اُس تحدید کے اعتبار سے یہ عدد قسم ثالث میں سے ہو جاتا ہے (جس کا مفاد یہ ہے کہ کیفیات خاصہ اور مشخصات عارضہ شارع کے ملحوظ نظر نہ ہوں اور نہ وہ مدعو الیہا ہوں۔ مگر چونکہ وہ اصل مطلوب کے مبادی میں سے ہوتے ہیں اس لئے التزام کیا جاتا ہے مفصل بحث کتاب کے ابتدائی اوراق میں گذر چکی ہے مترجم)، فقط

اللّٰھم ان کان حقا فمن عندک وان کان غیر ذلک فانت تعلم انی ظلوم جہول	اے اللہ اگر یہ حق ہے تو آپ کی طرف سے ہے اور اگر خلاف حق کوئی بات مجھ سے سرزد ہوئی تو آپ جانتے ہیں کہ میں ظلوم جہول انسان ہوں آپ مجھے معاف کردیں۔

مکرر عرض فقیر این است کہ اُمید اسکات خصم درین زمانہ نباید داشت - ہاں اگر بدان جانب انصاف است این تقریر پریشانم از جادۂ تسلیم رفتن نخواہد داد - ورنہ در تسوید این اوراق بجز پاس خاطرِ آن عزیز یا قبول خداوندِ اکبر اگر قبول افتد، سوے دیگر نمی بینم اگر پاس پاس خاطر آن عزیز بخاطرم نبودے از من کاہل ہیچمدان - با این تضییع اوقات شریفہ، وتشتتِ خاطر کہ بوجہ بیماریٔ حضرتِ والدہ داشتم این کار - باین سرعت سر نمیشد مگر الحمد للہ کہ این طرف این کار بپایان رسید، واین طرف - مزاج حضرتِ والدہ رخت بصحت کشید - والحمد للہ علیٰ ذالک

مکرر عرض فقیر یہ ہے کہ اس زمانہ میں مخاصمت کرنے والوں سے یہ امید نہ رکھنا چاہئے کہ وہ خاموش ہو بیٹھیں گے (اور تسلیم کر لیں گے) ہاں اگر اُن لوگوں میں انصاف ہے تو یہ میری تقریر پریشان اُن کو جادۂ تسلیم سے نہ ہٹنے دیگی - ورنہ ان اوراق کے سیاہ کرنے سے بجز آن عزیز کی پاس خاطر یا ایک نذرانہ خداوند اکبر کی بارگاہ میں پیش کرنے کے اگر قبول ہو جائے میں کوئی (مذکورہ بالا قسم کا فائدہ) نہیں دیکھتا - اگر مجھے آن عزیز کی پاس خاطر منظور نہ ہوتی تو مجھ کاہل ہیچمدان سے ان اوقات شریفہ (رمضان المبارک) کے ضائع ہونے کے اندیشہ سے اور اس قلبی پریشانی کی وجہ سے جو حضرت والدہ صاحبہ کی بیماری کی وجہ سے مجھ کو لاحق رہی یہ کام اتنا جلدی پورا ہونے والا نہیں تھا - مگر الحمد للہ کہ اِدھر یہ کام انجام کو پہنچا اور اُدھر حضرت والدہ صاحبہ کا مزاج روبصحت ہو گیا - والحمد للہ علیٰ ذٰلک -

وہر چند اکثر این مضامین گوش خوردۂ آن عزیز اند، مگر اکنون کار با دیگران افتادہ واین طرف بسیارے از نفائس مضامین بے تحریر مسموعۂ آن عزیز صورت نمی بست - بالائے این ہمہ این ہم می خواستم کہ اگر دیگرے بہ بیند بداند کہ این یک فعل آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چہ قدر حکمتہا در بغل دارد وچون این یک فعل مصرف این قدر حکمتہا و دانشہا گردیدہ مجموعۂ دین را بچہ قدر حکمتہا متبین ساختہ باشند - اکنون قلم از دست می اندازم

وبنام خدا ختم می سازم -

تمت التحریر

(اواخر رمضان ۱۲۸۸ھ ہجری)

اور اگرچہ اکثر یہ مضامین آن عزیز کے کان میں پڑتے رہے ہیں مگر اب سابقہ دوسرے لوگوں سے پڑا ہے اور اِدھر اُن مضامین کی تحریر کے بغیر جو آں عزیز کے سنے ہوئے ہیں بہت سے لطائفِ نفیسہ کے اظہار کی (جو ان مضامین پر متفرع تھے) کوئی صورت نہ تھی اور ان سب سے بالاتر میری یہ خواہش تھی کہ اگر کوئی دوسرا دیکھے تو سمجھ جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک فعل کس قدر حکمتیں اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے اور جب یہ ایک فعل اس قدر حکمتوں اور عقلی دلائل پر مبنی ہے تو مجموعۂ دین کو کسقدر حکمتوں سے متین بنایا ہوگا - اب میں قلم ہاتھ سے رکھتا ہوں اور اللہ کے نام پر ختم کرتا ہوں -

تمت التحریر بالخیر

(اواخر رمضان ۱۲۸۸ھ ہجری)

تاریخ اختتام ترجمہ

۲۲ - جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ ہجری

ترجمہ کے ساتھ کتاب پہلی دفعہ ۱۳۸۰ھ میں طبع ہوئی -

حاشیہ متعلق صفحہ ۷۰

سطر ۲

تقریرِ اشکال

این جا رسیدہ شاید بخاطر ناظرین این شبہہ خطور کند کہ اگر حقیقت صلوۃ ہمین یک رکعت است می بایست کہ پنج رکعت فرض می شد نہ یازدہ۔ چہ در شبِ معراج اول پنجاہ نماز فرض شد و پس از ان بوجہ تخفیف از پنجاہ بہ پنج رسانیدند۔ و باز بقاعدۂ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا آن پنج نماز را برابر ہمان پنجاہ شمردند، چنانکہ فرمودند ھی خمس وھی خمسون پس اگر حقیقتِ صلوٰۃ ہمین یک رکعت است و نظر برین کم از کم پنجاہ رکعت در شب معراج فرض شدہ باشد، اقتضاء قاعدۂ مذکورہ بر آن دلالت دارد کہ پس از تخفیف پنج رکعت باقی می ماند نہ یازدہ۔ با این نظر تقریرے ثبت کردن لازم افتاد کہ این شبہہ را از دل برکند۔

یہاں پہنچ کر شاید ناظرین کے دل میں یہ شبہہ پیدا ہو کہ اگر حقیقت نماز یہی ایک رکعت ہے تو چاہیئے تھا کہ پانچ رکعت فرض ہوتی نہ گیارہ۔ کیونکہ شب معراج میں اول پچاس نمازیں فرض ہوئیں اور اس کے بعد تخفیف ہوتے ہوتے پچاس سے پانچ پر پہنچائی گئی ہیں۔ اور پھر بقاعدۂ من جآء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا | جو شخص کوئی نیک کام کریگا اُس کو اُس کا دس حصہ زیادہ اجر ملے گا اُن پانچ نمازوں کو اُنھیں پچاس نمازوں کے برابر شمار کرلیا۔ جیسا کہ فرمایا ھی خمسٌ وھی خمسون تو اگر حقیقت نماز یہی ایک رکعت ہے اور اس پر نظر کرتے ہوئے کم از کم پچاس رکعتیں شب معراج میں فرض ہوئی ہوں گی، تو قاعدۂ مذکور کا اقتضا، اس پر دلالت کرتا ہے کہ تخفیف کے بعد پانچ رکعت باقی رہیں نہ گیارہ۔ اس اشکال کے پیش نظر ایک تقریر کا منضبط کرنا ضروری ہوا جو کہ اس شبہہ کی قلب سے بیخ کنی کرے۔

اول وجہ افتراض پنجاہ نماز باید دریافت۔ مخدوم من علت عبادت صفت مالکیت است از صفات خداوندی یا صفت جمال۔ دلیل شق اول اگر می طلبی در آیت أ تعبدون من دون اللہ مالا یملک لکم ضرا ولا نفعا و امثال آن در آیات و احادیث غور فرما کہ از ارتباطِ باہمیِ مالکیت و عبادت خبر دادہ اند۔ چہ مفاد این اعتراض کہ از استفہام انکاری می برآید ہمین است کہ در معبودان باطلۂ شما صفت مالکیت نیست کہ استحقاق عبادت دارد۔ مگر دانی کہ نفع رسانی و احسان دو نام اند کہ با یک مسمّٰی علاقہ دارند۔ غایۃ مافی الباب فرق اعتباری باشد چنانکہ در مفہوم و موضوع لہ و معنی و مدلول است پس ہر عبادتے و تذللے کہ منشأ آن احسان باشد داخل در مقتضیات صفت مالکیت است کہ بسبب کردگی اسم نافع بہم می رسد و ہمچنین ہر نیازے کہ مبنأ آن قہاری و جباریِ آن بے نیازِ مطلق بود داخل در مطلوبات ہمان صفت مالکیت است کہ با فسرنِ اسم ضار بدست می آید۔

جوابِ تفصیلی

علت عبادت صرف صفت مالکیت ہے یا صفت جمال

اول پچاس نمازوں کے فرض ہونے کی وجہ معلوم کرنا چاہیئے۔ میرے مخدوم عبادت کی علت صفت مالکیت ہے صفاتِ خداوندی میں سے۔ یا صفت جمال ہے۔ اگر پہلی شق (یعنی صفت مالکیت) کی دلیل مطلوب ہے تو آیت

أَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا | کیا خدا کے سوا ایسے کی عبادت کرتے ہو جو کہ تم کو نہ ضرر پہنچانے کا اختیار رکھتا ہو اور نہ نفع پہنچانے کا۔

اور اس کی مثل دوسری آیات اور احادیث میں غور فرمائیے جو صفت مالکیت اور عبادت کے باہمی تعلق کی اطلاع دیتی ہیں۔ کیونکہ اس اعتراض کا مفاد جو کہ استفہام انکاری سے برآمد ہوتا ہے یہ ہے کہ تمہارے معبودان باطلہ میں صفتِ مالکیت نہیں ہے جو کہ عبادت کا استحقاق رکھتی ہے۔ مگر تم جانتے ہو کہ نفع رسانی اور احسان ایسے دو نام ہیں جو کہ ایک ہی مسمّٰی سے تعلق رکھتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ فرقِ اعتباری ہو۔ جیسا کہ (الفاظ) "مفہوم" اور "موضوع لہ" اور "معنی" اور "مدلول" میں ہے۔ تو جس عبادت اور فروتنی کا منشا احسان ہوگا وہ صفت مالکیت کے مقتضیات میں داخل ہوگی۔

اسمارِ نافع و ضار کی تفسیر اور ان کے تقاضے

جس کا ظہور اسم نافع کی ماتحتی میں ہوتا ہے اور اسی طرح ہر وہ عجز و نیاز جس کی بنا، اُس بے نیاز مطلق کی صفت قہاری وجباری ہوگی وہ بھی اسی صفت مالکیت کے مطلوبات میں داخل ہوگی جس کا ظہور اسم ضار کی ماتحتی میں ہوتا ہے۔

بالجملہ تصرفاتِ مالکان بہ نسبت شیٔ مستعار بدو نوع می باشد، یکے آنکہ بہ مستعیر عطا کنند، دیگر آنکہ باز گیرند۔ عطا کردن و مسلم داشتن از کارپردازی ہائے نافع است۔ و باز گرفتن از نیرنگیہائے ضار۔ و ہرچہ بما می رسد از آن خداوند پروردگار ہست کہ بما مستعار میدہد و وقتیکہ می خواہد باز میگیرد۔ بلکہ از ہمین آمد و شدِ نعم پنداشتہ ایم کہ مالک ہمونست کہ میدہد و میگیرد۔ چہ این بدان ماند کہ در این عالم می بنیم کہ مالکان اموال منقولہ و غیر منقولہ خود را گاہے باختیار خود بہر انتفاع بدیگران می دہند و باز وقتے باختیار خود از وشان می ستانند و این دادن و باز ستدن چنانچہ از آثار و مقتضیاتِ ملکِ او شان است ہمچنان در نظر دیگران دلیل مالکیت آنان ست۔

دینا اسم نافع کا تصرف ہے اور لینا ضار کا

حاصل یہ ہے کہ کسی مستعار شے کے متعلق مالکوں کے تصرفات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ مستعیر (یعنی بطور عاریت لینے والے) کو عطا کریں۔ دوسری قسم یہ کہ واپس لے لیں۔ عطا کرنا اور مسلّم (یعنی مستعیر کی سپردگی میں باقی) رکھنا اسم نافع کے تصرّفات میں داخل ہے اور واپس لے لینا اسم ضارّ کے تصرّفات میں سے ہے۔ جو کچھ ہمارے پاس پہنچتا ہے اسی خداوند پروردگار سے ملتا ہے جو ہمیں مستعار دیتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے واپس لے لیتا ہے بلکہ نعمتوں کی اسی آمد و شد سے ہم نے پہچانا کہ مالک وہی ہے جو کہ دے رہا ہے اور لے رہا ہے۔ کیونکہ یہ ایسی بات ہے جیسا کہ ہم اس عالم میں دیکھتے ہیں کہ جو لوگ اموال منقولہ اور غیر منقولہ کے مالک ہیں (اموال منقولہ ایسے اموال کو کہتے ہیں جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جا سکے اور غیر منقولہ وہ اموال ہیں جن کو نہ لیجایا جا سکے جیسے مکان زمین) وہ اپنے اموال کو کبھی اپنے اختیار سے دوسروں کو نفع اٹھانے کے لئے دیدیتے ہیں۔ اور پھر کسی وقت اپنے اختیار سے ان سے واپس لے لیتے ہیں اور یہ دینا اور لے لینا جیسا کہ

اس نعمتوں کی آمد و شد سے ہی خدا کی مالکیت پہچانی گئی۔

اُن کی ملکیت کے آثار اور مقتضیات میں سے ہے اسی طرح دوسروں کی نظر میں اُن کی مالکیت کی دلیل ہے۔

و دلیل شق ثانی اگر می خواہی در آیت وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ و امثال آن از آیات و احادیث بنگر کہ بعلیتِ صفت جمال و معلولیتِ عبادت این وعدۂ محبوب بجز عبادت انعام کدام خدمت است کہ بندہ بہ نسبت خداوند خویش کردہ باشد۔ لیکن چنانکہ دانی وعدہ کردن خود دلیل آنست کہ امر موعود مطلوب عابدانست۔ و این امر وقتے صورت بندد کہ محرک عبادت شوق دیداری توان شد ورنہ ازین زیادہ چہ بیہودہ سری باشد کہ با بے غرضان بوعدہ ہائے غیر مطلوبہ چاپلوسیہا کنند۔ تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا غرض تا وقتیکہ کسے را رغبت بجانب چیزے نباشد کہ بدستِ کسِ دیگر است ازین طرف امید نیاز نباید داشت۔ و بوعدۂ آن چیز دلش را بدست نتوان آورد

صفت جمال کے علت عبادت ہونے کی دلیل اور توضیح

اور دوسری شق کی (یعنی علت عبادت صفت جمال ہے) اگر دلیل چاہتے ہو تو اس آیت میں :۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○	بہت سے چہرے تو اُس روز بارونق ہونگے (اور) اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہونگے۔

اور اس جیسی دوسری آیات اور احادیث میں دیکھ لو جو کہ صفت جمال کے علت اور عبادت کے معلول ہونے کو واضح کرتی ہیں۔ یہ وعدۂ محبوب کون سی خدمت کا انعام ہے جو بندے نے اپنے آقا کے لئے انجام دی بجز عبادت کے۔ لیکن جیسا کہ تم جانتے ہو کہ جس امر کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ عبادت کرنے والوں کی مطلوب اور محبوب شئے ہوتی ہے اور یہ امر اُسی وقت صورت پذیر ہو سکتا ہے کہ عبادت کا محرک شوق دیدار ہو سکے۔ ورنہ اس سے زیادہ کیا لغویت ہو سکتی ہے کہ بے غرض لوگوں سے غیر مطلوبہ وعدے کرکے چاپلوسیاں کریں تعالی اللہ عن ذلك علوًّا كبيرًا (حق تعالیٰ کی شان ایسی باتوں سے بہت ہی بالا و برتر ہے)۔ غرض جب تک کسی کو ایسی چیز کی طرف رغبت نہ ہوگی جو دوسرے کے اختیار میں ہو اُس کی طرف سے تذلّل و نیاز کی امید رکھنا زیبا نہیں اور ایسی چیز کے وعدے سے اُس کا

دل ہاتھ میں نہیں لاسکتے۔

وآنکہ در بعض آیات و احادیث بیان کمالات ربانی و اسماء حسنیٰ کردہ اند و غرض ازان ہمین دعوت عبادت می نماید قادح این حصر نیست، کہ علت عبادت یا صفت مالکیت است یا صفت جمال۔ چہ آن کمالات یا آلات نفع و ضرر اند کہ از نیرنگیہا مالکیت اند۔ مثل ارادہ و مشیت و قدرت و تکوین و رزاقی و احیاء و اماتت و اعزاز و اذلال وغیرہ یا از متممات جمال مثل صفات ثبوتیہ سبعہ حیات علم قدرت مشیئت ارادہ کلام تکوین کہ امہات صفات اند و ہم دیگر تنزلات آنہا و ہم صفات سلبیہ از سبوحیت و قدوسیت وغیرہ گو بعضے از متممات جمال از آلات نفع و ضرر ہم باشد۔

تمام اسماء حسنیٰ صفت مالکیت وصفت جمال ہی کی نیرنگیاں ہیں۔

اور وہ جو بعض آیات و احادیث میں کمالات ربانی اور اسماء حسنیٰ کا بیان کیا گیا ہے اور اس سے غرض عبادت کی طرف بلانا معلوم ہوتی ہے۔ وہ اس حصر کو توڑنے والی نہیں کہ عبادت کی علت صفت مالکیت ہے یا صفت جمال۔ کیونکہ وہ کمالات یا تو نفع و ضرر کے آلات ہوں گے جو صفت مالکیت کی نیرنگیوں میں سے ہیں جیسے ارادہ و مشیت اور قدرت و تکوین اور رزاقی، احیاء و اماتت (یعنی زندہ کرنا اور مارنا) اور اعزاز و اذلال (عزت دینا اور ذلت دینا) وغیرہ۔ یا جمال کے متممات میں سے ہونگے جیسے سات صفات ثبوتیہ حیات[1]، علم[2]، قدرت[3]، مشیئت[4]، ارادہ[5]، کلام[6]، تکوین[7] جو کہ امہات صفات ہیں اور نیز اُن کے دیگر تنزلات[عہ] اور نیز صفات سلبیہ سبوحیت قدوسیت وغیرہ گو بعض ایسی صفات جو متممات جمال میں سے ہیں، وہ آلات نفع و ضرر میں سے بھی ہوں۔

جملہ صفات ثبوتیہ وسلبیہ آلات نفع وضرر ہیں یا جمال کی متممات ہیں۔

وغرضم از تتمیم جمال آنست کہ صفتے چند بہم پیوستہ صورتے و ہیئتے اجتماعیہ پیدا کنند کہ خوش پیکر و نیک منظر بود۔ چنانکہ چشم و گوش و بینی وغیرہ اعضاء بہم پیوستہ صورتے نیکو منظر پیدا می کنند۔ چوں آن صورت حاصل اجتماع یک جملہ می باشد آنرا جمال میگویند۔ ہمچنین صفات کمالیہ خداوندی بہم پیوستہ صورتے پیدا کردہ باشند کہ آنرا مصداق جمال قرار دادہ اسم جمیل کہ در حدیث اللہ جمیل یحب الجمال وارد شدہ بلحاظ آن وضع کردہ باشند۔ وعجب نیست کہ در خلق اللہ آدم علی صورتہ نظر برہمین صورت باشد پس ہر صفتے کمالی از صفات کمالیہ خداوندی کہ در حصول ہیئت اجتماعیہ مذکور دخل داشتہ باشد اگر در کلام اللہ یا حدیث ذکر کردہ اند و دستاویز دعویٰ گردانیدہ طلب عبادت فرمودہ اند مُخِلّ حصر مذکور نیست۔ چہ آن کمالات لاجرم از آلات نفع و ضرر اند یا تمات جمال۔ اندرین صورت ہر تذللے و نیازے کہ بوجہ کمالے از کمالات خداوندی باشد راجع بہمین مالکیت و جمال خواہد بود۔

تتمیم جمال کا مفہوم۔

اور میری غرض تتمیم جمال سے یہ ہے کہ چند صفت آپس میں مل کر ایک ایسی صورت اور ہیئت اجتماعیہ پیدا کریں جو کہ خوبصورت اور مجسمۂ حسن ہو۔ جیسا کہ آنکھ، کان، ناک وغیرہ اعضاء کا باہمی ملاپ ایک شکل حسین منظر پیدا کر دیتا ہے۔ چونکہ وہ صورت ایک دوسرے سے ملاپ کا حاصل اجتماع ہوتا ہے اس کو جمال کہتے ہیں۔ اسی طرح صفات کمالیہ خداوندی نے باہم ملکر ایک صورت پیدا کرلی ہوگی جس کو مصداق قرار دیکر اسم جمیل جو اس حدیث میں

اسم جمیلؔ کی وجہ تسمیہ

اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ الْجَمَالَ	اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔

وارد ہوا ہے اُسی کے لحاظ سے وضع کیا گیا ہوگا۔ اور عجب نہیں ہے کہ اس حدیث میں

خلق اللہ آدم علیٰ صورتہ کے مفہوم کی طرف اشارہ

خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ	اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

اسی صورت کو مدنظر رکھا گیا ہو۔ تو صفات کمالیہ میں سے جس کسی بھی ایسی صفت کمال کا جو ہیئت اجتماعیہ مذکورہ میں دخل رکھتی ہو کلام اللہ میں یا حدیث میں اگر ذکر کیا گیا اور دعوے (کے ثبوت) کی اس کو دستاویز قرار دے کر (نتیجہ کے طور پر) عبادت کا مطالبہ کیا گیا ہو تو وہ حصر مذکور کے لئے مُخِل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ کمالات لازمی طور پر نفع و ضرر کے آلات میں سے ہیں یا متممات جمال میں سے اس صورت میں ہر وہ تذلّل و نیاز جو کمالات خداوندی میں سے کسی کمال کی وجہ سے ہوگا اسی مالکیت اور جمال کی طرف راجع ہوگا۔

عہ تنزل سے مراد یہ ہے کہ شے اپنے اصلی وجود میں بعینہ باقی رہ کر ظلی طور پر ایک دوسرا وجود اختیار کرے ۱۲ مترجم

آرے کمالاتِ انسانی از جمالِ انسانی باعتبارِ عرف مغائرت دارد کہ آن در باطن روح است واین در ظاہر بدن۔ وباین وجہ می توان شد کہ نیاز بوجہ کمال جدا باشد وبوجہ جمال جُدا۔ چنانکہ درین عالم بوجہ مالکیت جدا می باشد وبوجہ احسان جدا۔ لیکن خاص دربارۂ خداوندی معاملہ دگرگون است، احسان از تفریعات مالکیت ست وکمال از متمماتِ جمال۔ ووجہش ہمین ست کہ در ذات وصفات خداوندی فرق روح وبدن نیست کہ در جمال وکمال تبایُن پدیدار آید۔ تفاوت مملوک وغیر مملوک نیست کہ احسان از مالکیت جُدا اُفتد، احتمال زوال مالکیت در ملک او تعالیٰ نیست کہ چیزے را بممکنات ہبہ گویند۔ نے ہرچہ بما دادہ اند مستعار دادہ اند ملک او تعالیٰ ہمچنان برقرار است چنانکہ در مستعار می باشد۔ وہمین است کہ از مالکیت خود بجملۂ اسمیہ کہ دلالت بر دوام وثبوت دارد خبر دادہ اند۔ می فرمایند للّٰہ مافی السمٰوات ومافی الارض۔

کمالات انسانی باطن روح میں ہیں اور جمال ظاہر بدن میں ذات و صفات خداوندی میں یہ روح وبدن کا فرق نہیں ہے

ہاں کمالات انسانی جمال انسانی سے باعتبار عرف کے مغائرت رکھتے ہیں کہ وہ (یعنی کمال انسانی) باطن روح میں ہے اور یہ (یعنی جمال انسانی) ظاہر بدن میں اور اسی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ (یہاں) نیاز بوجہ کمال کے جُدا ہو اور بوجہ جمال کے جُدا جیساکہ اسی عالم میں (جذبۂ اطاعت یا نیاز) بوجہ مالکیت جدا ہوتا ہے اور بوجہ احسان جدا۔ لیکن خاص ذات خداوندی میں معاملہ دگرگوں ہے۔ "احسان" مالکیت ہی کی تفریعات میں سے ہے اور "کمال" متممات جمال میں سے۔ اُس کی وجہ یہی ہے کہ ذات وصفات خداوندی میں روح وبدن کا فرق نہیں ہے کہ جمال وکمال میں تباین واقع ہو۔ (انسان کی طرح) مملوک اور غیر مملوک کا تفاوت بھی نہیں ہے کہ احسان مالکیت سے جدا ہوجائے۔ اُس جلّ شانہ، کی ملکیت میں مالکیت کے زوال کا احتمال بھی نہیں کہ اُس نے کوئی چیز ممکنات کو (اس طرح) بخشدی (کہ اپنی ملکیت کو ختم کر دیا ہو)۔ نہیں جو کچھ ہمیں دیا ہے مستعار دیا ہے حق تعالیٰ کی ملکیت (اُس پر) اُسی طرح برقرار ہے جیسی مستعار شے پر (کسی مالک کی ملکیت) برقرار ہوتی ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ اُنہوں نے اپنی مالکیت کی خبر جملہ اسمیہ سے دی ہے جو کہ دوام اور

ممکنات کو جو کچھ دیا گیا مستعار دیا گیا ہے حق تعالیٰ کی اس پر ملکیت قائم رہتی ہے۔

ثبوت دلالت پر کیا کرتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ ۲۸۴	اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

وچون نباشد ہر موصوف بالعرض را موصوفے بالذات، چنانکہ دانی ضرور است لیکن عارض درعین وقت عروض بر معروض قائم بہمان موصوف بالذات می باشد۔ اگر تردد داری حال زمین در وقت نور افشانی آفتاب برو بنگر کہ نورش درآندم قائم بآفتاب است نہ بزمین۔ آری اگر بر زمین گوئی بجاست۔ پس ممکنات کہ وجود وکمالات وجود آنہا ہمہ بالعرض اند لاجرم محتاج موصوف بالذات خواہند بود کہ وجود وکمالات وجود از اوصاف ذاتیہ آن باشد۔ وآن کیست؟ خداوند تعالیٰ است! کہ بعروضِ وجود وکمالاتِ وجودش بر حقائق ممکنہ ممکنات از عدم بساحت وجود قدم نہادہ اند۔ وچون این ہمہ اوصاف از لوازم ذاتیہ وکمالات خانہ زاد او تعالیٰ مستند انفکاک چسان صورت بندد؟ کہ احتمالِ ہبہ موجب خیال زوال ملک او تعالیٰ تواند شد۔ بالجملہ احسانش بطور عطاء عاریت است کہ مستلزم مالکیتِ او تعالیٰ است۔ اکنون روشن شدہ باشد کہ موجباتِ عبادت منحصر درہمین دو کمال است یکے مالکیت دوم جمال۔ باقی ہر کمالیکہ خواستگارِ نیاز است یا بوجہ کارپردازیٔ ملک است یا بوجہ تکمیل جمال۔

ہر موصوف بالعرض کیلئے ایک موصوف بالذات ضروری ہے ہر ایک عارض عین بوقت عروض اسی موصوف بالذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔

اور کیسے نہ ہو ظاہر بات ہے کہ ہر موصوف بالعرض کے لئے ایک موصوف بالذات ضروری ہے۔ لیکن ہر ایک عارض عین اس وقت جب کہ وہ کسی معروض پر عارض ہو رہا ہے، قائم اُسی موصوف بالذات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر تمہیں کچھ تردّد ہے تو زمین کا حال اس پر آفتاب کی نورافشانی کے وقت دیکھ لو کہ اسی دم میں زمین کا نور (یعنی جس نور سے زمین موصوف ہے) قائم آفتاب ہی کے ساتھ ہے۔ زمین کے ساتھ نہیں۔ ہاں اگر یہ کہو کہ نور زمین پر واقع ہے تو بجا ہوگا۔ تو ممکنات کہ جن کا وجود اور اُنکے کمالات وجود سب بالعرض ہیں لامحالہ ایسے موصوف بالذات کے محتاج ہوں گے کہ وجود اور کمالاتِ وجود جس کے اوصاف ذاتیہ میں سے ہوں اور وہ کون ہے۔ خداوند تعالیٰ ہے،

جس کے وجود اور کمالات وجود کے حقائق ممکنہ پر عارض ہونے سے ممکنات نے عدم سے میدان وجود میں قدم رکھا ہے۔ اور جب کہ یہ سب اوصاف اُس جل شانہ، کے لوازم ذاتیہ اور کمالات خانہ زاد ہیں تو اُن کے انفکاک اور جدا ہو جانے کی کیا صورت ہو سکتی ہے کہ احتمالِ ہبہ اُس تعالیٰ شانہ کی ملک کے زوال کا تصور پیدا ہونے کا سبب ہی بن سکے۔ خلاصہ یہ کہ اُس کا احسان عطا کے طور پر عاریت ہے جو اُس جل شانہ، کی مالکیت کو مستلزم ہے۔ اب آپ پر روشن ہو گیا ہو گا کہ موجبات عبادت ان ہی دو کمال میں منحصر ہیں۔ ایک مالکیت۔ دوسرا جمال۔ باقی جو کمال بھی (بندے سے) طالبِ نیاز ہے وہ یا تو ملک کے تصرفات کی بنا پر ہے یا تکمیل جمال کی وجہ سے۔

حق تعالیٰ کا احسان عطا کے مانند عاریت ہے

چوں ایں قدر فہمیدی بمقدمۂ دیگر نیز گوش کن، برادر من نفع و ضرر را می بینیم کہ ہر یک خواستگار اطاعت است۔ نہ بینی کہ اجیر و نوکر فقط بامید نفع اطاعت مستاجر و آقا ر خود می کنند۔ و رعایائے سلطانی یا مظلومان بے دست و پا، فقط باندیشۂ جان و مال محصول سلطان و زر بظالمان می دہند۔ و خلاف فرمان اوشان نمی کنند۔ اندریں صورت اسم پاکِ نافع و ضار از اسمار پروردگار ہر یک باستقلال خواستگار عبادت باشد کہ کم از کم یک رکعت چنانکہ خواندہ خواہد بود۔

نفع و ضرر ہر ایک جداگانہ اطاعت کا خواستگار ہے

جب تم اس قدر سمجھ چکے تو اب دوسرے مقدمہ پر بھی توجہ کے ساتھ غور کرو۔ میرے بھائی ہم نفع و ضرر کو دیکھتے ہیں کہ ہر ایک جداگانہ اطاعت کا خواستگار ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مزدور اور نوکر صرف نفع کی امید پر اپنے مزدوری لینے والے اور آقا کی فرمانبرداری کرتا ہے اور شاہی رعایا، یا بیدست و پا مظلوم صرف جان و مال کے خوف سے بادشاہوں کو ٹیکس اور ظالموں کو مال دے دیتے ہیں اور ان کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ اس صورت میں اسماء الٰہی میں سے نافع و ضار ہر ایک بالاستقلال عبادت کا خواستگار ہو گا جو کم از کم ایک رکعت ہو گی جیسا آپ پڑھ چکے ہیں۔

مگر دانی کہ نفع رسانی و ضرر رسانی ممکنات کہ بنی آدم ہم از انہاست اگر ممکن است

بواسطۂ زمانہ ممکن است۔ چہ احداث محدثات جوہر باشد یا عرض منتفع و متضرر بود، یا خود نفع و ضرر وابستہ بدست ارادۂ خداوندی ست۔ کہ یک تعلقش بمراد آں ست و تتابع تعلقاتش زمان ست۔ بالجملہ چنانکہ ارادہ مثل دیگر صفات بذات خود قائم و دائم است در جانب تعلق خود متجدد ست۔ ورنہ لازم آید کہ یا ارادۂ خداوندی حادث باشد یا مرادات او تعالیٰ قدیم۔

مگر تم جانتے ہو کہ ممکنات کو "نفع رسانی" یا "نقصان رسانی" کہ بنی آدم بھی اُن ہی ممکنات میں سے ہیں اگر ممکن ہے تو بواسطۂ زمانہ ہی ممکن ہے۔ کیونکہ پیدا ہونے والی چیزوں کا پیدا کرنا خواہ وہ جوہر ہوں یا عرض نفع اٹھانے والی ہوں یا نقصان، یا خود نفع و ضرر سب ارادۂ الٰہی کے ہاتھ سے وابستہ ہیں کہ (اس رشتۂ تعلّق کی دو جانب ہیں ایک جانب متعلق بذات خداوندی ہے۔ اور دوسری جانب میں) مرادؔ[1] سے اس کا تعلق ہوتا ہے اور اس کے تعلقات کا لگاتار واقع ہونا ہی[2] زمانہ ہے۔ الغرض جس طرح (صفتِ) ارادہ دیگر صفات کی طرح بذات خود قائم (یعنی غیر متجدد) اور دائم (یعنی قدیم) ہے۔ اسی طرح اپنے تعلق کی جانب میں متجدّد ہے ورنہ لازم آئے گا کہ یا تو ارادۂ خداوندی حادث ہو یا اُس تعالیٰ شانہ کے مرادات (یعنی جن سے ارادہ متعلق ہوا وہ) قدیم ہوں۔

حقیقت زمانہ کی طرف اشارہ

ارادہ بذات خود قائم و دائم ہے تجدد ممکنات کی جانب میں ہوتا ہے۔

باقی مانند صفات و کمالات دیگر خداوندی چون عطائے آن بممکنات حوالہ بارادہ است تجدد

[1] جس طرح نورِ شمس کا ایک تعلق ذات شمس سے ہے اور دوسری جانب میں اس کا تعلق کائنات کے لاکھوں افراد سے ہے۔ شعاعوں کے تکثر اور ان کے افعال کے تعدّد سے نورِ شمس میں تکثر اور تعدد نہیں پیدا ہو جائے گا اور نہ ذاتِ شمس پر اس کا اثر پڑے گا۔ اسی طرح ارادۂ خداوندی میں مرادات سے تعلق کی جانب میں تجدّد اور تکثر کی وجہ سے بجانب ذات تجدد اور تکثر نہیں آئے گا جو حدوث کا شائبہ بھی پیدا کر سکے۔ تعالی اللہ عن ذٰلک علوًا کبیرا۔ ۱۲ مترجم

[2] حقیقت زمانہ کے بارے میں صعـ پر تحریر فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کی حرکت قطعی ہی زمانہ کی حقیقت ہے اس لئے صفت ارادہ کی حرکت یعنی اس کا مراد کے ساتھ لگاتار واقع ہونا بھی اسی حقیقت کا مصداق ہے ۱۲ مترجم

آنہا در ممکنات بالعرض باشد بتوسط تجدد ارادہ نہ بذات خود۔ و در ارادہ ہم اگر ہمین سان گویند بہر ارادہ ارادۂ دیگر باید آورد۔ و پیدا است کہ این محال است چہ ارادۂ دگر اگر در ذات او تعالیٰ باشد تسلسل یا دور یا ترجیح بلا مرجح لازم آید۔ واگر ارادہ کسے دیگر بود خدا را خدا مگو۔ تعالی اللہ عن ذٰلک علواً کبیرا۔ بالجملہ ارادہ در جانب تعلق بذات خود متجدد باشد لیکن چون زمانہ عین تجدد است و جملہ تجددات دیگر از حرکات و ارادات ممکنات مظروف آن۔ لاجرم ان تجدد ارادۂ خداوندی باشد کہ از ہمہ تجددات بالا است۔

دوسری صفات و کمالات کا تجدد ممکنات میں بواسطہ ارادہ ہے۔

باقی رہے دوسرے صفات و کمالات خداوندی۔ چونکہ ممکنات پر اُن کی فیض رسانی بواسطہ ارادہ ہے اس لئے ممکنات میں اُن کا تجدد بالعرض ہو گا۔ تجدد ارادہ کے توسط سے، بذات خود نہ ہو گا۔ اور اگر ارادے میں بھی یوں ہی کہیں کہ اس کا تجدد بھی بالعرض ہے، تو (چونکہ ہر موصوف بالعرض کے لئے ایک موصوف بالذات ضروری ہے اس لئے) اس ارادے کے لئے دوسرا ارادہ ماننا پڑے گا (جو بذات خود متجدد ہو) اور ظاہر ہے کہ یہ محال ہے۔ کیونکہ وہ دوسرا ارادہ اگر اُس جلّ شانہ کی ذات میں مانا جائے گا تو تسلسل یا دور یا ترجیح بلا مرجّح لازم آئے گا۔ اور اگر (خدا کے سوا) کسی دوسرے کا ارادہ مانا جائے گا تو پھر خدا کو خدا نہ کہو تعالی اللہ عن ذٰلک علوّاً کبیرًا۔ حاصل یہ ہے کہ ارادہ (ممکنات سے)، تعلّق کی جانب، میں بذات خود متجدّد ہے (یعنی اس کا تجدّد ذاتی ہے) لیکن چونکہ زمانہ عین تجدّد ہے اور دوسرے تجددات جو ممکنات کی حرکتوں اور ارادوں سے متعلق ہوتے ہیں اُس (زمانہ یا تجدّد ارادہ)، کے مظروف ہیں تو لا محالہ وہ ارادہ خداوندی ہی کا تجدّد ہو گا جو کہ تمام تجدّدات سے بالاتر ہے۔

ارادہ میں تجدد ذاتی کی دلیل

ارادہ کے تعلق کو کسی چیز کے ساتھ قیام و قرار نہیں ہوتا

اندرین صورت پُر ضرور است کہ تعلقش را بچیزے قیام و قرار نباشد۔ ورنہ لازم آید کہ آن قیام و قرار عرضی باشد، یا آن تجدد۔ بطلان شق ثانی ہمیندم دانستۂ، باقی ماند شق اول اگر ثبات را بالعرض خوانیم، اگر از خارج رسیدہ، خدائی کجاست کہ محل تصرفات دیگران و محل حوادث شد۔ واگر از باقی صفات آمدہ لازم آید کہ ابقاءِ ممکنات مثلِ ایجاد ارادی نباشد، ایجابی بود۔

اس صورت میں یہ بہت ضروری ہے کہ اُس کے تعلّق کو کسی چیز کے ساتھ قیام و قرار نہ ہو۔ ورنہ لازم آئے گا کہ وہ قیام و قرار عرضی ہو یا وہ تجدّد عرضی ہو۔ شق ثانی کا باطل ہونا تو ابھی آپ کو معلوم ہوا۔ باقی رہی شق اول۔ تو اگر قیام و قرار کو بالعرض مانیں گے (تو کوئی موصوف بقیام و ثبات بالذات ماننا پڑے گا۔ جہاں سے اس ثبات و قرار کا عروض ہو)، تو وہ (ثبات) اگر خارج سے پہنچا تو وہ خدائی کیسی جو دوسروں کے تصرّفات کا محل اور محلّ حوادث ہو۔ اور اگر (یہ کہیں کہ ثبات و قرار) باقی صفات سے آیا تو لازم آئے گا کہ ممکنات کا باقی رکھنا ایجاد کی طرح ارادی نہ ہو بلکہ ایجابی ہو۔

بالجملہ در صورتِ تعلق ارادہ بمراد ابقاء ممکنات اضطراری خواہد بود یا ایجابی۔ و در بطلانِ ایجاب و اضطرار مذکور اہل اسلام را چہ کلام باشد کہ اوشان جملہ ممکنات را ارادی می دانند۔ پس ابقاءِ ممکنات نیز کہ یکے از ممکنات است نزد شان ارادی خواہد بود و اوشان ہم چکنند از نصوصِ قرآنی کہ ہمہ دیدہ یا شنیدہ باشند ناچار ست۔ با این ہمہ مشاہدہ عقل باریک بین این ست کہ صفات ذاتیہ باہم حجاب یک دیگر نمی شوند آرے ہر شئے بضد خود محجوب یا مرتفع می شود۔ سمع و بصر باہم حجاب دیگر نمی شوند، در وقت استماع ابصار بحال خود می ماند و وقت ابصار استماع بدستور خویش می باشد۔

المختصر ارادے کا تعلق کسی مراد سے ہونے کی صورت میں ممکنات کا ابقاء، یا اضطراری ہو گا یا ایجابی ہو گا۔ اور ایجاب و اضطرار مذکور کے باطل ہونے میں اہل اسلام کو کیا کلام ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ جملہ ممکنات کو ارادی جانتے ہیں تو ابقاء ممکنات بھی جو کہ ممکنات ہی میں سے ایک ممکن ہے اُن کے نزدیک ارادی ہو گا۔ اور وہ بھی کیا کریں۔ نصوص قرآنی سے جو سب نے دیکھی یا سنی ہوں گی مجبوری ہے۔ با ایں ہمہ عقل باریک بین کا مشاہدہ یہ ہے کہ صفاتِ ذاتیہ باہم ایک دوسرے کا حجاب نہیں ہوتیں۔ ہاں ہر شئے اپنی ضد سے محجوب و مرتفع ہو جاتی ہے۔ سمع و بصر باہم ایک دوسرے کے حجاب نہیں ہوتے۔ سننے کے وقت، دیکھنا اپنے حال پر رہتا ہے۔ اور دیکھنے کے وقت سننا بدستور رہتا ہے۔

ارادے کے تعلق کو ثبات و قرار نہ ہونے پر دلیل عقلی۔

صفات ذاتیہ باہم ایک دوسرے کا حجاب نہیں ہوتیں

انچه در وقتِ اہتمامِ استماع کمی در ابصار، و ہنگام ہمہ تن ابصار شدن نقصانے در استماع رو مید ہد آن در حقیقت کمی و نقصان در مرتبۂ استماع و ابصار نمی آید، بلکہ توجہ بمسموعات باعث کمیٔ توجہ بمبصرات می شود، و توجہ بمبصرات موجب نقصانِ توجہ بمسموعات می گردد و توجہاتِ شتّٰی باہم اضداد اند۔ یا بوجہ تعلق با مور متبائنہ کہ اضداد می باشند حکم اضداد می دارند و وجہ تضاد متبائنات ظاہر است حجریت و شجریت بہ نسبت جسم حکم حمرۃ و صُفرۃ بہ نسبت ہمان جسم است چنانچہ پیداست۔

اور وہ جو نہایت اہتمام کے ساتھ سننے کے وقت دیکھنے میں کمی اور ہمہ تن دیکھنے کے وقت سننے میں نقصان ظاہر ہوا کرتا ہے وہ درحقیقت کوئی کمی اور نقصان سننے اور دیکھنے کے مرتبہ میں پیدا نہیں ہو جاتا۔ بلکہ مسموعات کی طرف "توجہ" مُبصرات کی طرف توجہ کی کمی کا باعث ہو جاتی ہے۔ اور مُبصرات کی طرف توجّہ مسموعات کیطرف توجہ کی کمی کا موجب ہو جاتی ہے۔ اور مختلف قسم کی توجُّہات ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یا ایسے امور متبائنہ سے متعلق ہونے کی وجہ سے جو باہم اضداد ہوتے ہیں یہ (توجہات بھی) اضداد کا حکم رکھتی ہیں۔ امور متبائنہ کی وجہ تضاد ظاہر ہے حجریّت اور شجریت کی نسبت ایک جسم کے ساتھ نہیں کی جا سکتی (کیونکہ حجر و شجر متبائن ہیں) ایسے ہی حمرۃ (سرخی)، وصفرۃ (زردی) متبائن صفتیں ہیں چونکہ ایک ہی جسم پر بیک وقت دونوں کی نسبت نہیں کی جا سکتی تو متضاد بھی ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔

الغرض یک ضد حاجب یا رافع ضد دیگر می باشد۔ و ممکن نیست کہ صفات ذاتیہ باہم متضاد باشند ورنہ لازم آید کہ در یک ذات اجتماع اضداد بود۔ و اگر بالفرض اجتماع اضداد باشد و یکے از ان ساتر دیگر بود چنانکہ حمرۃِ عارضہ سفیدیِ جامہ را کہ ذاتی می باشد زیر پردۂ خود می پوشد لازم آید کہ در عینیت ذات بہ نسبت صفات خود تفاوتے باشد و میدانی کہ ہیچکس جرأت این مقال بلکہ این خیال ندارد کہ ذات واحد بے اقترانِ امر دیگر منشار تشکیک باشد آرے ارادہ اگر از صفات ذاتیہ نبودے می توان گفت کہ باقترانِ امور دیگر این تفاوت بظہور آید۔

الغرض ایک ضد دوسری ضد کے لئے حاجب یا رافع ہوتی ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ صفات ذاتیہ باہم متضاد ہوں۔ ورنہ لازم آئیگا کہ ایک ذات میں اجتماع اضداد ہو جائے اور اگر بالفرض اجتماع اضداد ہوگا اور اُن میں سے ایک صفت دوسری کے لئے ساتر (یعنی چھپا لینے والی) ہوگی جیسا کہ عارض ہونے والی سُرخی کپڑے کی سفیدی کو جو کہ اس کی صفت ذاتی ہوتی ہے اپنے پردے کے نیچے چھپا لیتی ہے تو اس صورت میں لازم آئے گا کہ عینیت ذات میں بہ نسبت اپنی صفات کے تفاوت ہو اور تم جانتے ہو کہ کوئی یہ کہنے کی بلکہ اس خیال کی جرات بھی نہ کریگا کہ ذات واحد کسی دوسرے امر کے اقتران کے بغیر منشأ تشکیک بن جائے۔ ہاں ارادہ اگر صفات ذاتیہ میں سے نہ ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ دوسرے امور کے اقتران سے یہ تفاوت پیدا ہو جائے۔

بالجملہ چنانکہ در تحقیقِ صفات ذاتیہ گنجائش مداخلت امر دیگر نیست، احتمالِ تفاوت ہم بخیال نباید آورد۔ اندرین صورت لاجرم ہر صفت از صفات خدا بشرطِ تقابل معروض و منفعل بکار خود باشد۔ یک صفتے ممکن نیست کہ حاجب دیگر باشد۔ نظر برین لازم است کہ ارادہ ہم علی الدوام بکار خود باشد کہ تجدید است آرے این ممکنات کہ منفعلات اوست اگر از ساحتِ وجود برخاستے مثل دیگر صفات کہ تعلق بوجود خارجی ممکنات دارند ارادہ ہم بیکار نشستے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صفات ذاتیہ کے تحقق میں کسی دوسرے امر کی مداخلت کی کوئی گنجائش نہیں ہے تفاوت کا احتمال بھی خیال میں نہ لانا چاہئے۔ اس صورت میں لامحالہ صفات خداوندی میں سے ہر صفت بشرطیکہ معروض اور منفعل کا اُس کے ساتھ تقابل بھی ہو اپنا کام کریگی۔ ممکن نہیں کہ ایک صفت دوسری کے لئے حاجب بن جائے۔ اس کے پیش نظر لازم ہے کہ ارادہ بھی علی الدوام اور ہمیشہ اپنے کام پر رہے جو کہ تجدید ہے۔ ہاں یہ ممکنات جو ارادے کے منفعلات (یعنی اُس کا اثر تجدد قبول کرنیوالے) ہیں اگر میدان وجود سے اُٹھ جاتے دوسری صفات کی طرح جو ممکنات کے وجود خارجی سے تعلق رکھتی ہیں تو ارادہ بھی بیکار بیٹھ جاتا۔

باقی ماند این بقا مشہود کہ در ممکنات دیدہ باشی بقار حقیقی نیست۔ تجدد امثال باشد کہ ہمرنگِ

بقاء شیٔ واحد است بشائے کہ بس روشن است اطمینان خود کن۔ اگر شمعے یا چیزے دیگر
کوتاہ مقدار را مقابل آئینہ کہ بس عریض وطویل باشد آوردہ از یک جانب بجانب دیگر
برند۔ در بادی النظر اگر بینی عکس شمع کہ دران آئینہ افتادہ باشد مثلِ شمع چیز نیست واحد کہ
بمعیتِ شمع از یک طرف بطرف دیگر می رود۔ لیکن اگر دیدۂ عقل را بکشائی و بینی بیقین دانی
کہ ہردم عکسے تازہ دران آئینہ می افتد۔ نہ آنکہ عکس واحد از اول تا آخر میرود۔ چہ اگر
آئینہ قلعی نباشد یا باشد مگر چیزے دیگر مثلِ گل ولائی برروئش چسپان بود دران قدر عکس
مذکور را وجود و نمود نخواہد بود۔ وجہش بجز این چہ خواہی گفت کہ در حدوثِ عکس عدم الحجاب
شرط است فاذا فات الشرط فات المشروط۔ لیکن ہمین کلام از طرف ما پذیرا کن
ما نیز می گوئیم کہ در حدوثِ عکس تقابل و محاذات شرط است فاذا فات الشرط فات
المشروط۔ وبویداست کہ شمع را در حالت حرکت با جملہ اجزاءِ آئینہ یک تقابل نیست
ہردم ہر جزء تقابلی دگرست۔ کہ موجب حدوثِ عکس دگر خواہد بود۔

باقی رہی یہ بقاء مشہود جو تم ممکنات میں دیکھ رہے ہو بقائے حقیقی نہیں ہے۔ یہ تجدد[ع٥] امثال ہوگی

ع٥ تجدد امثال کے نظریہ کو سمجھنے کے لئے پہلے اس کی اصل کو سمجھنا چاہئے جس میں اختلاف آراء واقع ہو کر یہ نظریہ سامنے آیا اور وہ یہ مسئلہ ہے کہ ممکن جس طرح وجود میں واجب کا محتاج ہے، کیا بقاء وجود میں بھی اسی طرح واجب کا محتاج ہے؟ بعض متکلمین نے ممکن اور واجب میں کوزہ اور کلال کی نسبت قرار دی جس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ کوزہ اپنے وجود میں آنے کی حد تک ہی کلال کا محتاج ہوتا ہے۔ لیکن بعد میں اس کی بقاء کے لئے کلال کی احتیاج نہیں ہوتی۔ اسی طرح ممکن وجود کے حصول تک واجب کا محتاج ہے۔ مگر موجود ہو جانے کے بعد بقاء کے لئے واجب کا محتاج نہیں۔ اس پر یہ اعتراض واقع ہوا کہ نص قطعی کی دلالت اس کے خلاف ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے یٰایّھا النّاس انتم الفقراء الی اللّٰہ واللّٰہ ھو الغنی الحمید جس سے ثابت ہوا کہ ممکنات اپنی بقاء میں بھی واجب کے محتاج ہیں۔ اس بناء پر بعض متکلمین دوام احتیاج کی توجیہ کے درپے ہو کر تجدد امثال کے قائل ہوئے۔ تجدد امثال کا مطلب یہ ہے کہ وجود مع تشخص یعنی اس صورت کے جو مادۂ وجود کی ترکیب سے ظاہر ہوتی ہے اُس پر اعطاء وسلب کا عمل مسلسل واقع ہوتا رہتا ہے۔ ہر ایک وجود مع اپنے تشخص کے جس کو "مثل" کہا جاتا ہے فنا ہوتا رہتا اور پھر پیدا ہوتا رہتا ہے۔ یہ سلبِ مثل واعطاءِ مثل یعنی لینے اور دینے کا عمل اس تیزی کے ساتھ جاری ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس کو حضرت مصنف قدس سرہ العزیز نے (باقی اگلے صفحہ پر)

کہ شیٔ واحد کی بقاء کے ہمرنگ (یعنی مشابہ) ہوتی ہے۔ ایک مثال سے جو بہت روشن ہے اپنا اطمینان کر لیجئے۔ اگر ایک شمع کو یا کسی اور ایسی ہی چھوٹی چیز کو ایک ایسے آئینہ کے مقابل لا کر جو

ممکنات میں جو بقاء مشہود ہے اس پر تجدد امثال کی وضاحت ایک روشن مثال سے

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) ایک ایسی روشن مثال سے واضح فرما دیا ہے جس سے تجدد کی ماہیت بخوبی سمجھی جاسکتی ہے یعنی وہ تجدد جو ممکنات میں ہوتا ہے لیکن بعض محققین نے اس کا انکار کیا ہے۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب بنام شاہ غلام علی صاحب قدس سرہ میں تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دوام احتیاج کے اثبات کے لئے ان تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو نسبت کہ ممکن کو واجب کے ساتھ ہے اس کو اس نسبت کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں جو کوزے کو کلال کے ساتھ ہے۔ کلال کوزے کا خالق نہیں ہے۔ کوزے کا "مادہ" جو عناصر اربعہ ہیں مثل کلال کے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر مخلوق الٰہی ہیں۔ اور کوزے کی "صورت" جو کہ عرض ہے اور "صنع" جس سے یہ صورت ظاہر ہوئی، یہ بھی مخلوق الٰہی ہے۔ کلال کے ہاتھوں کی حرکات کو بنا بر عادت جاریہ خداوندی اُس صورت کے مُعِدّات میں سے سمجھنا چاہئے۔ پھر یہ حرکات بھی جو بربناء عادتِ الٰہی معدّات سے صادر ہوئیں، حق جل شانہٗ ہی کی مخلوق ہیں۔ کلال کو اُس قدرت اور ارادے کے توہّم کی وجہ سے جو اُس میں پیدا کیا گیا ہے ان حرکات کے لئے "کاسب" کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے اس نسبت کو جو ممکن اور واجب جل شانہٗ کے مابین ہے اُس قسم کی نسبت خیال کرنا جو کوزے اور کلال کے مابین ہے درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے جو نسبت ممکن اور واجب جل شانہٗ کے درمیان ہے وہ معلوم الاَینیّت اور مجہول الکیفیت ہے۔ جو بے مثل ہے۔ اُس کی تشبیہ اور تمثیل کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیس کمثلہ شیءٌ۔ لا فی الذات ولا فی الصفات ولا فی النسب ولا فی الاعتبارات ولا فی شیٔ من الاشیاء۔ اور حق یہ ہے کہ ممکن بقاء میں بھی اپنی علتِ موجدہ کا محتاج ہے۔ کیونکہ بقاء کے معنی ہیں "وجود کا زمانِ ثانی میں ہونا" اور جب کہ ممکن زمان اول میں بالذات مقتضیِ وجود نہیں تو زمان ثانی میں کیسے ہو جائے گا۔ اقتضاء حقیقت اختلاف ازمنہ سے مختلف نہیں ہوا کرتا۔ اور اگر ممکن کو مقتضی وجود مانا جائے گا تو ممکن ممکن نہ رہے گا، واجب ہو جائے گا اور قلب ماہیت لازم آئے گا۔ غرض ممکن اپنے وجود کی بقاء میں بھی صانع جل مجدہٗ کا محتاج ہے۔ جب تک ممکن پر واجب تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے فیضان وجود ہوتا رہتا ہے وہ موجود رہتا ہے اور مصدرِ آثار رہتا ہے اور جب فیضان وجود منقطع ہو جاتا ہے تو ممکن کا اثر صفحۂ روزگار سے محو ہو جاتا ہے۔ ممکن کا حال زمین کے حال کے مشابہ ہے جو آفتاب کے مقابلہ سے روشن رہتی ہے۔ جب تک مقابلہ باقی رہتا ہے اور جب کوئی غبار یا ابر درمیان میں حائل ہو جائے گا تو روشنی اور اُس کا کوئی اثر باقی نہ رہے گا۔ ممکن کو ظل واجب اسی معنی سے کہتے ہیں جس طرح دھوپ کو ظل شمس کہا جاتا ہے اس معنی سے نہیں کہ ممکن کو واجب سے کوئی مماثلت اور مشابہت ہے۔ "تجدّدِ امثال کا مفہوم واضح کر دینے کے بعد گذارش ہے کہ تجددِ امثال کے نظریہ پر حضرت مصنف قدس سرہ کی دلیل مبنی نہیں ہے۔ جن مقدمات پر دلیل مبنی ہے یعنی یہ کہ ممکنات کو جو کچھ دیا گیا ہے مستعار دیا گیا ہے اور اعطاء وسلب کا سلسلہ منجانب حق ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ اس قدر میں کسی کو کلام نہیں۔ یہ سب مسائل متفق علیہا ہیں۔ ۱۲ مترجم

بہت طویل و عریض ہو ایک جانب سے دوسری جانب کو کھینچتے ہوئے لیجائیں تو ظاہر نظر
آپ دیکھیں گے تو شمع کا عکس جو اُس آئینہ میں پڑا ہو گا مثل شمع کے ایک شئے واحد ہے
ایک طرف سے دوسری طرف کو چلی جارہی ہے۔ لیکن اگر آپ عقل کی آنکھ کھول کر نظر ڈالیں گے
تو دیکھ لیں گے اور یقین کے ساتھ سمجھ لیں گے کہ ہر دم ایک نیا عکس اُس آئینہ میں پڑ رہا۔
یہ کہ ایک ہی عکس اول سے آخر تک جارہا ہے۔ کیونکہ اگر وسط آئینہ میں قلعی نہ ہو یا ہو مگر کوئی
مثل مٹی اور چونے وغیرہ کے اس پر لپٹی ہوئی ہو تو اُتنی جگہ میں عکس مذکور کی وہ نمود اور وجود
ہوگی تو آپ اس کی وجہ بجز اس کے کیا کہیں گے کہ عکس کے پیدا ہونے میں حجاب نہ ہونا
ہے فاذا فات الشرط فات المشروط (جب شرط فوت ہوئی تو مشروط بھی فوت ہوگیا) لیکن
یہی کلام ہماری طرف سے بھی قبول کر لیجئے ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ عکس کے حدوث کے لئے
تقابل اور محاذات شرط ہے فاذا فات الشرط فات المشروط اور ظاہر ہے کہ حالت حرکت
میں شمع کو جملہ اجزائے آئینہ کے ساتھ ایک ہی تقابل نہیں ہوا (کھینچتے وقت) ہر دم ہر جزو کے
ساتھ ایک الگ تقابل ہے جو ایک دوسرے عکس کی نمود کا موجب بنیگا۔

اکنون باز بر سر مطلب می رسیم عزیز من چون ہویدا شد کہ کار نافع و ضار زمانیست و از
زمانہ دانستی کہ ساعت مقداریست معتد بہ کہ دران کارے معتد بہ توان کرد نظر برین
در ساعت اگر پروانہ طلب عبادت از درگاہ نافع و ضار رسد بجاست چہ در ہر ساعت
نافع مقدارے معتد بہ از وجود و کمالات وجود باو عطا فرمود و باز ضار ہمہ را واپس نمود۔
چنانچہ مقتضائے تجدد امثال ہمین ست و بیشتر در گوش تو دمیدہ آمدہ ایم کہ یک رکعت
عبادتیست معتد بہ کہ اگر بر آن اکتفا فرمایند بحیثیت عبادت نقصانے نباشد۔ چہ ہمہ
اجزا و ارکان صلوٰۃ اکنون فراہم آمدند و صورت اجتماعیہ کہ ہمانا مقصود ازین اجزاست
نقش خود بر وجود کشید در بارۂ کمال وجود مشابہ بہ صورت انسانی گردید کہ پس از فراہمی جملہ اجزاء
معلومہ اجتماع آن بطور معلوم در نقش صورت انسانی نقصانے نمی ماند

اصل مقصد یعنی پچاس رکعات اور گیارہ رکعات کے اثبات کی طرف رجوع۔

اب ہم پھر اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں (جو پچاس نمازوں کا اور پھر گیارہ رکعات کا
اثبات ہے۔) عزیز من! جب یہ واضح ہوگیا کہ نافع اور ضار کا کام زمانی ہے اور زمانہ کے
بارے میں بھی یہ ظاہر ہوگیا کہ ساعت ایک ایسی مقدار معتد بہ کو کہیں گے جس میں کوئی معتد بہ
کام کیا جا سکے۔ اس کے پیش نظر اگر ہر ساعت میں نافع اور ضار کی بارگاہ سے عبادت کے

ہر ساعت میں نافع و ضار کے تقاضائے دو رکعت کا اثبات

مطالبہ کے لئے پروانہ پہنچے تو بجا ہے۔ کیونکہ ہر ساعت میں نافع نے ایک مقدار معتد بہ وجود
و کمالات وجود کی بندے کو عطا فرمائی۔ اور پھر ضار نے سب کو واپس لے لیا۔ چنانچہ تجدد
امثال کا مقتضا یہی ہے۔ اور پہلے یہ بات ہم آپ کے کان میں ڈال چکے ہیں کہ ایک رکعت
ایک ایسی معتد بہ عبادت ہے کہ اگر اُس پر اکتفا کریں تو بحیثیت عبادت کوئی نقصان نہ واقع ہوگا
(اور عبادت کا وجود ثابت ہو جائیگا) کیونکہ اب اجزاء اور ارکان صلوۃ سب فراہم ہوگئے (اور
نماز کی) صورت اجتماعیہ نے کہ ان اجزاء سے وہی مقصود تھی صفحۂ وجود پر اپنا نقش قائم کر دیا
اور کمال وجود کے بارے میں صورت انسانی سے مشابہ ہوگئی کہ جملہ اجزاء معلومہ (آنکھ، کان، ناک
منہ وغیرہ) کی فراہمی سے اور بطور معلوم اُن کے اجتماع سے صورت انسانی کے نقش میں کوئی
کمی باقی نہیں رہتی۔

آرے چنانکہ غلام مشترک را ہر روز از اطاعت ہر دو مولیٰ چارہ نیست، و باز در یک
وقت خدمت ہر دو متصور نیست، و بدین سبب کار ہر دو نوبت بنوبت می کند ہمچنین بندہ
بیچارہ از عبادت نافع و ہم ضار ناگزیر ست۔ و ہمین دم دانستہ کہ نفع و ضرر ہمچو زوج
و فرد متعاقب و متلازم اند تفاوتے و نقصانے بمیان نیست۔ زیرا کہ تجدد امثال
بے فناء امثال ممکن نیست۔ اگر مثلے حادث می شود مثلے دیگر فنا ہم گردیدہ دران فناء
این حدوث تا دمیکہ دم می آید و می رود تفاوت یک دم ہم نیست کہ در رکعات مطلوبہ آن
تفاوت باشد، تا باداء حق یکے و ہضم حق دیگرے چہ رسد

ہاں جیسا کہ مشترک غلام کو ہر روز دونوں آقاؤں کی خدمت گزاری کے بغیر چارۂ کار نہیں۔

اور پھر وقت واحد میں دونوں آقاؤں کی خدمت بھی نہیں ہوسکتی اس سبب سے دونوں کی خدمت نوبت بنوبت کرتا ہے۔ اسی طرح بندۂ بیچارہ کو نافع کی اور نیز ضار دونوں کی عبادت ضروری ہوتی ہے۔ اور ابھی آپ یہ معلوم کر چکے ہیں کہ نفع و ضرر دونوں جفت اور طاق کی طرح ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے اور ایک دوسرے کو لازم ہیں نہ ان کے مابین کوئی تفاوت ہے اور نہ کمی زیادتی۔ کیونکہ تجدّدِ امثال فنارِ امثال کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اگر ایک مثل پیدا ہوتا ہے تو دوسرا مثل فنا بھی ہوجاتا ہے۔ اِس فنا اور اُس حدوث میں جس دم تک سانس کی آمد و رفت جاری ہے۔ ایک دم کا بھی تفاوت نہیں ہوتا کہ ان کی رکعاتِ مطلوبہ میں بھی تفاوت کیا جائے تو ایک کا حق ادا کرنے اور دوسرے کا ہضم کرنے کا کیا موقع پیدا ہوگا۔

تجدّدِ امثال فنارِ امثال کے بغیر ممکن نہیں

درکعت ثالث مغرب و وتر اگر فرد است نہ بایں وجہ کہ حق یکے از مستحقان دادہ دیگر را جواب می دہیم۔ نے بلکہ وجہش این ست کہ این طرف قاعدہ اللّٰہ وتر یحب الوتر کمی بیشی یک رکعت می خواست، وآن طرف بشارت سبقت رحمتی علی غضبی مستوجبِ مزید استحقاق نافع از ضار بود۔ نظر برین از درگاہِ رحمت کمی در حق ضار لازم آمد، و معافی یک رکعت ضرور افتاد

اور مغرب اور وتر کی تیسری رکعت اگر فرد ہے تو اس وجہ سے نہیں کہ مستحقوں میں سے ایک کا حق دے کر ہم دوسرے کو جواب دیدیتے ہیں۔ نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف تو قاعدہ اللّٰہُ وترٌ یحبُّ الوتر (اللہ فرد ہے تو فرد کو ہی پسند کرتا ہے)، ایک رکعت کی کمی بیشی کا خواہاں تھا اور دوسری طرف بشارتِ سبقت رحمتی علی غضبی (میری رحمت آگے بڑھ گئی میرے غضب سے)، نافع کے استحقاق کی زیادتی کی مستوجب تھی بہ نسبت ضار کے۔ اس کے پیشِ نظر بارگاہ رحمت سے ضار کے حق میں ایک رکعت کی کمی لازم ہوئی اور ایک رکعت کی معافی ضروری ہوگئی۔

مغرب اور وتر کی فردیت سے پیدا ہونیوالے اشکال کا جواب

معہذا انقلاب لیل و نہار مشابہِ انقلابے است کہ موت و قیامتش خوانند خصوصًا وقتیکہ

اینہم پیش نظر دارند کہ شب وقت نوم است کہ حسب ارشاد النوم اخو الموت موت برادر نوم ست۔ و میدانی کہ موت و قیامت از کار پردازیِ اسم ضار است کہ سلبِ وجود و کمالاتِ وجودی فرماید، و فنارِ کلی رو میدہد۔ لیکن روشن است کہ از حق شناسان و زیر باران حقوق اثرے و خبرے نماندہ کہ اضافت حق بدان تعلق پذیرد و نسبت حق متحقق شود۔ بالجملہ در آخر حال ضرور است کہ حق ضار ساقط شود و فقط حق نافع باقی ماند۔ برین تقریر وتر بودن نماز مغرب کہ آنرا وتر النہار فرمودہ اند خوب موجہ شد۔

اس کے ساتھ (یہ بھی پیش نظر رہے کہ) لیل و نہار کا انقلاب اُس انقلاب سے مشابہ ہے کہ اُس کو موت اور قیامت کہنا چاہئے خصوصًا جب کہ یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ رات نیند کا وقت ہے کہ النوم اخو الموت (سونا موت کا بھائی ہے)، تو سونا برادر موت ہے اور تم جانتے ہو کہ موت اور قیامت اسم ضار کے آثار میں سے ہے جو کہ وجود اور اس کے کمالات کا سلب فرمانے والا ہے اور فنارِ کُلّی پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک روشن حقیقت ہے کہ (بحالت موت یعنی نوم) حق شناسوں اور زیر باران حقوق کا کوئی اثر و خبر باقی ہی نہیں رہا جس کے ساتھ حق کی اضافت متعلق ہوجائے اور حق کی نسبت کا تحقّق ہو۔ المختصر انجام کار میں یہ ضروری ہوگیا کہ ضار کا حق ساقط ہوجائے اور صرف نافع کا باقی رہے۔ اس تقریر سے نماز مغرب کا وتر ہونا جس کو وتر النہار فرمایا ہے خوب موجّہ ہوگیا۔

آرے در وتر داشتن وتر اللیل ہنوز شبہہ باقی است اگرچہ تقریر اول کافی است، لیکن اگر غور بکار بریم برین تقریر نیز موجہ می شود تقریرش این ست کہ ہر چند در شب بہ نسبتِ روز تصرفات ضار بہ نسبتِ نافع زیادہ تر است اما چندان کہ سلطنت و عملداریِ نافع بالکلیہ برخاستہ باشد نے بلکہ اکثر و نصف ہم زائل نشدہ آرے قدرے قلیل از منافع باز داشتہ می شود لیکن آن باز داشتن بیک وجہ نفعے و نعمتے دگر است اگر محبوبے را حلوائے بیدود خورانند و چون سیر شود باز ایستند تا آنکہ نوبت سیری بنفرت و برگشتن طبع انجامد آن وقت اصرار و

الحاح درباره خوردن وخوان حلوا راکہ آشیانہ مگس وآستانہ مور می باشد ہمانا پیش نظراو کشادہ داشتن از منافع ونعم نیست۔ آرے خوان از پیش او بُردن وزمام اختیار باو سپردن وبہر خواب راحت بجانب بالین استراحت اشارہ فرمودن نعمتے ست کہ حقیقت شناسان کم از نعمت اول نمی شمرند۔ نظر برین اگر شب درحق نعمار روز شب قیامت است، روز در حق آلاءِ شب روز قیامت خواہد بود۔

وتراللیل کی فرضیت کے اثبات میں دوسری تقریر

ہاں وتراللیل کے بارے میں ابھی کچھ شبہہ باقی ہے۔ اگرچہ تقریر اول بھی کافی ہے اگر غور وفکر سے کام لیا جائے۔ تاہم اس تقریر سے بخوبی موجّہ ہو جائے گا۔ تقریر یہ ہے کہ اگرچہ رات میں بہ نسبت دن کے ضار کے تصرّفات نافع کی بہ نسبت زیادہ تر ہیں مگر نہ اتنے کہ نافع کی سلطنت اور عملداری بالکلیہ ہی برخاست ہو جائے۔ نہیں بلکہ اکثر اور نصف بھی زائل نہیں ہوتے ہاں منافع کا ایک قلیل حصہ روک لیا جاتا ہے لیکن وہ روک لینا بھی ایک حیثیت سے ایک خاص قسم کا نفع اور نعمت ہے۔

فعل ضار بھی زیر حکم نافع آجاتا ہے اسکی ایک مثال

اگر محبوب کو نفیس قسم کا حلوا کھلائیں اور جب وہ شکم سیر ہو کر کھانا دل سے رک جائے، یہانتک کہ نوبت سیری سے گذر کر نفرت اور جی ہٹنے تک آجائے اُس وقت مزید کھانے کے لئے اصرار والتجا کرنا اور حلوے کے خوان کو جو مکھیوں اور چیونٹیوں کا آشیانہ بن جاتا ہے ویسے ہی اُس کے آگے کھلا چھوڑ دینا منافع اور نعم میں داخل نہیں ہے۔ ہاں اب خوان کو اُن کے سامنے سے لیجانا اور زمام اختیار اُس کے سپرد کر دینا اور خواب راحت کے لئے تکئے اور بچھونے کی طرف اشارہ فرمانا بیشک ایک نعمت ہوگا جو حقیقت شناس لوگوں کے نزدیک نعمتِ اول سے کم نہیں شمار کیا جائے گا۔ اس پر نظر کرتے ہوئے اگر شب، نعمارِ روز کے حق میں شب قیامت ہے تو روز بھی آلاءِ شب کے حق میں روزِ قیامت ہوگا

اکنون باز برسر مطلب می آئیم وگزارش می نمائیم کہ چون در ہر ساعت از ساعات دوازدہ گانۂ روز ودوازدہ گانۂ شب کہ مجموعہ بست وچار می شود دو پروانہ طلب نماز یکے از درگاہِ نافع ودیگر از دربار ضار رسید لازم آمد کہ بامتثال ہر دو امر پرداختہ شود۔ لیکن پیشتر

دانستہ شد کہ حقیقت صلوٰۃ ہمین یک رکعت است وبس، نظر برین کم از کم بحکم نافع وضار دو دو رکعت در ہر ساعت فرض می شد کہ مجموعۂ آن بچہل وہشت می رسد۔ بالجملہ مقتضاء مالکیتِ خداوندے کہ بواسطۂ زمانہ بدو طور یعنی نفع وضرر کار پرداز ست آن ست کہ در شب وروز چہل وہشت رکعت از بندہ ناچار گرفتہ شود۔

اب پھر ہم مقصدی نقطہ پر آتے ہیں اور گزارش کرتے ہیں کہ جب دن کی بارہ ساعتوں اور رات کی بارہ ساعتوں میں سے جن کا مجموعہ چوبیس ہوتا ہے ہر ساعت میں دو پروانے طلب نماز کے لئے صادر ہوتے ہیں ایک درگاہ نافع سے اور دوسرا دربار ضار سے تو دونوں کے حکم کی تعمیل کے لئے کمربستہ ہونا لازم ہوا۔ لیکن پہلے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ حقیقتِ نماز صرف یہی ایک رکعت ہے اور بس۔ اور اس پر نظر کرتے ہوئے بحکم نافع وضار کم از کم دو دو رکعت ہر ساعت میں فرض ہونا چاہئیں جن کا مجموعہ اڑتالیس تک پہنچ جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ مالکیتِ خداوندی کا جو بواسطۂ زمانہ دو طریقوں نفع وضرر کے ساتھ کارپرداز ہے مقتضا یہ ہے کہ رات اور دن میں اڑتالیس رکعات بندۂ ناچار سے وصول کی جائیں۔

شب وروز میں ہر دو صفات کا مطالبہ اڑتالیس رکعات کا برآمد ہوا۔

اما اسم جمیل مثل نافع وضار در مرتبۂ فعلیت محتاج زمانہ نیست کہ از زمانہ واجزاء زمانہ حسابے کردہ شود، این اسم پاک اوتعالیٰ چنانچہ وصف قدیم است وباین وجہ در نفس قیام بموصوف خود کہ ذات پاک اوتعالیٰ است ہمچو دیگر اسماءِ حسنیٰ است۔ اما لازم ست نہ متعدی، مفرد است نہ اضافی تا رو بجانب دیگر نہد، ودر فعلیتِ خود دست بدامان مفعول ومضاف الیہ زند۔ چنانچہ بدیہی است۔ بالجملہ این جا از بہر کار بمضاف الیہ نیفتادہ وتعلقے بمفعول دست ندادہ۔ تا تجدد زمانی نوبت کشد۔ چہ مدار این تجدد ہمین اضافہ وتعدیست۔ آرے مادر ار فعلیت این جا ہم تجددے دیگر متصور ست۔ مگر نہ در مرتبۂ مصداق جمال وفعلیت آن کہ آن خود در ذات اوتعالیٰ ممتنع است نے بلکہ در مرتبۂ تجلّی وظہور۔ اگر صاحب جمالے آئینہ پیش خود دارد یا لباسے نو پوشیدہ سر از خانہ برآرد این نتوان گفت کہ جمالش از قوت بہ فعلیت رسیدہ از ملکہ نوبت بظہور آثار کشیدہ ہاں می توان گفت

می آید۔ التجا بکلام ربانی آوردیم بجوابش فرمودند کُلَّ یومٍ ھُوَ فی شان نظر برین چناں پنداریم که تجدد شیون روزانه میباشد ساعت بساعت نمی بود آرے این قدر ملحوظ داشتن ضروریست که در محاورات عرب در ہمچو مقامات یوم مع اللیل مرادمی باشد۔ اگر کسے نذر اعتکاف یک روز یا یک شب می کند بہمین وجه او را اعتکاف شب و روز لازم می آید۔ بدین وجه می باید که از پیشگاہ جمیل میعادِ مہلت شب و روز بود و پس از مرورِ شب و روز عبادتے طلبیده شود که موافق تحریر سابق در نوع صلوٰۃ یک رکعت است و بس۔

ظہور تجلیات و شیون زمانی ہے

مگر تم جانتے ہو کہ یہ تجلیات اور شیُون کا ظہور اگرچہ اسی جمال کے اوصاف میں سے ہے، لیکن زمانی ہے۔ اب ہم تجسّس میں لگے کہ اس قسم کا انقلاب اور وہ بھی ایسا جو کہ تجدُّدِ نیاز کا موجب ہو کس قدر دیر میں جلوہ فرما ہوتا ہے۔ تو کلام ربانی سے التجا کی۔ جواب میں ارشاد ہوا۔

کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَ فِیۡ شَاۡنٍ ۝ | ہر دن اس کی ایک خاص شان ہوتی ہے۔

تجدد شیون روزانہ ہوتا ہے ساعت بساعت نہیں ہوتا۔

اس پر نظر کرتے ہوئے ہم یہ گمان کرتے ہیں کہ تجدُّد شیون روزانہ ہوتا ہے۔ ساعت بساعت نہیں ہوتا ہاں اس قدر ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ محاورات عرب میں اس طرح کے مقامات میں (صرف یوم کہا جاتا ہے مگر) یوم مع اللیل (دن مع رات کے) مراد ہوتا ہے۔ اگر کوئی نذر کرے کہ ایک دن یا ایک رات کے لئے اعتکاف کرے گا۔ تو اسی وجہ سے اُس کو شب و روز کا اعتکاف ضروری ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے یہ ہونا چاہئے کہ بارگاہ جمیل کی طرف سے میعادِ مہلت شب و روز کی ہو اور پورے شب و روز کے دورے کے بعد ایک عبادت طلب کی جائے جو کہ تحریر سابق کے مطابق نوع صلوٰۃ میں ایک رکعت ہے اور بس۔

لیکن چنانکه اسم مالک باعتبار کارپردازی ہائے خود و بیش کار نافع و ضار می داشت ہمچنین اسم جمیل باعتبار تجدد شیون دو مظہر دارد صمدؔ و ودود۔ که اول مشیر بہ بے نیازی وثانی مشعر بہ چاره سازی است۔ بالجمله این جا نیز دو شعبه است لطف و بے نیازی، که مثل نافع و ضار ہر یک علت موجب نیاز بالاستقلال است۔ چنانچه رموز آشنایان محبت خود دانسته باشند۔

که جلوهٔ دگر پیدا کرده شانے دگر ایجاد نهاد۔

بتقاضائے جمیل دو رکعت کا اثبات

لیکن اسم جمیل مثل نافع وضار کے مرتبۂ فعلیت میں زمانہ کا محتاج نہیں ہے کہ اُس کے بارے میں، زمانہ اور اجزاءِ زمانہ کا کوئی حساب کیا جائے۔ اُس تعالیٰ کا یہ اسم پاک جس طرح ایک وصفِ قدیم ہے اور اس وجہ سے اپنے موصوف کے ساتھ جو اُس جل شانہ کی ذات پاک ہے نفسِ قیام میں دیگر اسماء کی مانند ہے مگر وہ لازمی ہے متعدی نہیں۔ اور مفرد ہے اضافی نہیں ہے کہ دوسری کی طرف رُخ پھیرے اور اپنی فعلیت میں مفعول اور مضاف الیہ کا دامن پکڑے۔ یہ بدیہی امر ہے غرض کہ یہاں سرے سے مضاف الیہ سے کوئی کام نہیں پڑا اور مفعول سے تعلق ہی نہیں ہوا کہ تجدّد کا مدار اسی اضافت اور تعدّی پر ہے۔ ہاں فعلیت سے ہٹکر یہاں بھی ایک دوسری طرح کا تجدُّد متصور ہے۔ مگر مصداق جمال اور فعلیت کے مرتبہ میں نہیں کہ یہ خود ذات باری تعالےٰ میں محال ہے۔ نہیں بلکہ تجلّی اور ظہور کے مرتبہ میں۔ اگر کوئی صاحب جمال اپنے سامنے آئینہ رکھ لے یا کوئی نیا لباس پہن کر گھر سے باہر نکل آئے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُس کا جمال قوت سے اب فعلیت کے درجہ میں پہنچ گیا اور ملکہ سے اب ظہورِ آثار کی نوبت آگئی۔ ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک دوسرا جلوہ پیدا کر دیا اور نئی شان[57] وجود میں آگئی۔

تجلی اور ظہور کے مرتبہ میں جمال میں بھی تجدد ہوتا ہے

مگر دانی که این تجلیات و ظہور شیون اگرچہ از اوصاف ہمان جمال است۔ لیکن زمانی است۔ اکنون بتجسس افتادیم که این قسم انقلاب و آنہم چنان که موجب تجدد نیاز باشد در چند گاه بظہور

[57] حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ صفات عین ذات نہیں بلکہ زائد بر ذات ہیں۔ ہاں ذات صفات کی محتاج نہیں۔ اگر بالفرض صفات نہ ہوتیں تو ذات سے ہی صفات کا کام سرانجام پا جاتا۔ ان صفات کا مبدأ خود ذات ہے۔ صفات کا ظہور ذات کے اعتبارات سے ہوا اور اسی اعتبار کو شان کہتے ہیں۔ ذات اس حیثیت سے کہ وہ علم کا کام کرتی ہے۔ یہ حیثیت اور اعتبار شان العلم ہے۔ اسی طرح شان الحیٰوۃ، شان القدرۃ وغیرہ کو سمجھئے۔ صفات گویا فرع ہیں شیونات کی اور ان کے عکوس ہیں۔ غرض کہ ذات میں جو اعتبارات سمع و بصر وغیرہ ہیں اُن کو شیون کہتے ہیں جو عین ذات ہیں اور حکماء صوفیہ وجودیہ ان ہی اعتبارات و شیونات کو جو کہ عین ذات ہیں صفات کہتے ہیں۔ اسی لئے وہ صفات کو عین ذات کہتے ہیں زائد بر ذات نہیں مانتے ۱۲ مترجم (ماخوذ از مکتوب حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب صفحہ ۱۱)

پس چنانکہ در ہر ساعت دو مطالبہ یکے از نافع و دیگر از ضار بود در ہر روز و شب دو مصادرہ از صمد و ودود بود۔ بالجملہ بہر شان قبض و انقباض عبادتے جدا و بہر شان بسط و انبساط صلاتے جدا باید۔ نظر برین در شب و روز دو رکعت دیگر افزودہ باشند و جملہ پنجاہ رکعت فرض فرمودہ باشد۔

نافع اور ضار کی طرح جمیل کے دو مظہر صمد اور ودود ہیں سے ہر ایک کا علت موجبہ عبادت ہونا

لیکن جیسا کہ اسم مالک اپنی کارپردازیوں کے اختیار سے دو پیشکار نافع و ضار رکھتا تھا اسی طرح اسم جمیل اپنے تجدد اور شیون کے اعتبار سے دو مظہر رکھتا ہے صمد اور ودود کہ اول مشیر ہے بے نیازی کی طرف اور دوسرا مشعر ہے چارہ سازی کی طرف۔ غرض یہاں بھی دو شعبے ہیں لطف اور بے نیازی کہ نافع اور ضار کی طرح ہر ایک بالاستقلال نیاز کے لئے علت موجبہ ہے چنانچہ جو لوگ محبت کے رموز پہچاننے والے ہیں وہ اس کو پہچانتے ہوں گے۔ تو جس طرح ہر ساعت میں دو مطالبے ایک نافع کی طرف سے اور ایک ضار کی طرف سے تھے۔ اسی طرح ہر (دورۂ) روز و شب میں دو مطالبے صمد اور ودود کی طرف سے ہونگے۔ خلاصہ یہ کہ شان قبض و انقباض (جن کا تعلق اسم صمد سے ہے) کے لئے ایک عبادت جدا اور شان بسط و انبساط (جو اسم ودود سے متعلق ہیں) کے لئے جدا نماز چاہئے۔ اس کے پیش نظر شب و روز میں دو رکعت اور بڑھ جائینگی اور (پہلی اڑتالیس رکعات سے ملکر) تمام پچاس رکعت فرض کی جائینگی

اظہار نتیجہ کہ پچاس رکعت فرض ہوئیں

چون از وجہ فرضیت پنجاہ آگاہ شدی از حکمت باز آوردن بیازدہ ہم باید گفت بشنو کہ بنار این مطلب نیز بر تمہیدے است کہ بیانش اول ضروریست۔ شاید از قواعد شرعیہ یا قوانین عقلیہ پے بردہ باشی کہ آثار اضافات بمضاف و مضاف الیہ برابر میرسد۔ نہ بینی کہ آکل ربٰو و مؤکل آن و شاہدان و کاتب آن ہمہ برابر ہستند۔ بنا این تساوی برہمین است کہ لعنت وغیرہ ہر چہ عذاب بہر این جرمیہ مقرر داشتہ اند بر تحقق این فعل مقرر داشتہ اند۔ و فعل اضافتے و نسبتے است مابین فاعل و مفعول، اگر یکے ہم از ین نباشد اضافت فعل نقش وجود نپذیرد۔ نظر برین ہر چہ در تحقق اضافیات از فاعل و مفعول و زمان و مکان مداخلتے داشتہ باشد بقدر مداخلت خود مورد آثار

اضافت ہر چہ از مدح و ذم و ثواب و عقاب باشد خواہد بود۔

تخفیف کے بعد گیارہ ہونیکی کیا وجہ ہے پر تمہید

جب آپ پچاس کی فرضیت کی وجہ سے آگاہ ہو گئے تو اب گیارہ پر آجانے کی وجہ بھی ہم کو بتا دینا چاہئے۔ سنئے یہ مقصد بھی ایک تمہید پر مبنی ہے۔ جس کا پہلے بیان کر دینا ضروری ہے۔ شاید قواعد شرعیہ یا قوانین عقلیہ سے آپ کو اس کی تحقیق ہو چکی ہوگی کہ اضافتوں کے آثار مضاف اور مضاف الیہ پر برابر پہنچتے ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ سود کھانے والا اور سود کھلانے والا اور اس کا گواہ اور اس کا کاتب سب برابر ہیں۔ اس تساوی کی بنا اسی پر ہے کہ جو کچھ عذاب لعنت وغیرہ اس جرم کے لئے تجویز کیا ہے وہ اس فعل کے تحقق پر مقرر فرمایا ہے۔ اور فعل ایک اضافت اور نسبت ہوتا ہے مابین فاعل اور مفعول کے۔ اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہوگا تو فعل کی اضافت معرض وجود میں نہیں آسکتی۔

اضافتوں کے آثار مضاف و مضاف الیہ پر برابر پہنچتے ہیں

اس پر نظر کرتے ہوئے اضافیات کے تحقق میں جتنی چیزیں بھی مداخلت رکھتی ہوں گی فاعل اور مفعول و زمان و مکان سب کے سب مداخلت کے اندازے کے موافق اُن آثار اضافت کے مورد ہونگے یعنی جو کچھ بھی (اُس فعل کی جانب) مدح یا ذم اور ثواب یا عذاب کے اضافت کی گئی ہوگی۔ (سب پر اُن کے آثار کا ورود ہوگا)۔

اضافیات کے تحقق میں جتنی چیزوں کا دخل ہوگا وہ سب بقدر اندازہ مداخلت مورد آثار اضافت ہوں گی

ہمچنین اگر نسبت و اضافت واحد است و اَحدُ المنسوبَین یا احد المضافَین متعدد۔ درین صورت آن آثار ہمہ منسوب و مضاف را برابر خواہند گرفت۔ مگر غرض از ین وحدت و این تعدد نہ این است کہ مبتدا یا خبر متعدد باشد فقط۔ چنانچہ گویند زید و عمرو قائم یا زید عالم و حافظ۔ چہ در امثال این جملہا اگر چہ بظاہر نسبت واحد است زیرا کہ جملہ یک می نماید مگر در حقیقت جملہائے متعددہ را بوجہ اشتراک احد المنسوبین بصورت یک جملہ آوردہ اند و نسبتہائے متنوعہ را بہ پیرایۂ یک نسبت سپردہ اند نہ آنکہ نسبت واحد است و احد المنسوبین متعدد۔ بلکہ مرادم از ین سخن آنست کہ فعل واحد از دو فاعل سر زدہ باشد، یا بر دو کس واقع شود۔ مثلاً دو کس بہم شوند و یک مظلوم را بکشند یا یک کس دو مجرم را باہم کردہ سر زنند اندرین صورت اگر چہ بظاہر دو

۵۷ جس سے ضمنی طور پر اول پچیس رکعات کا اثبات کیا جائے گا ۱۲ مترجم

بعض صُوَرِ افعال متعدد باشند، مگر آنکہ مصداق قتل ست از وحدت نگذشتہ۔

اگر نسبت واحد ہو اور نسبت یا اضافت کی جانبین میں سے کسی میں تعدد ہو تو نسبت یا اضافت کے آثار سب پر برابر پڑینگے

اور اسی طرح اگر نسبت اور اضافت واحد ہے اور نسبت کی دونوں جانبوں میں سے کسی میں یا اضافت کی دونوں جانبوں میں سے کسی میں تعدُّد ہو تو اس صورت میں وہ آثار ہر منسوب اور مضاف کو برابری کے ساتھ اپنی گرفت میں لے لیں گے۔ مگر میری غرض اس وحدت سے اور اس تعدُّد سے یہ نہیں ہے کہ فقط مبتدا یا خبر متعدد ہو جیسا کہ یوں کہیں زَیدٌ وعمروٌ وقائمٌ یا زیدٌ عالمٌ وحافظٌ (پہلی مثال میں مبتدا میں تعدُّد ہے اور دوسری میں مبتدا ایک ہے اور خبر کی جانب میں تعدُّد ہے) کیونکہ اس طرح کے جملوں میں اگرچہ بظاہر نسبت واحد ہے۔ کیونکہ ایک جملہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت متعدد جملوں کو منسوبَین میں سے ایک میں اشتراک ہونے کی وجہ سے ایک جملہ کی صورت میں لے آئے ہیں۔ بلکہ میری مراد اس قول سے یہ ہے کہ فعل واحد دو فاعلوں سے سرزد ہوا ہو یا دو آدمیوں پر واقع ہوا ہو۔ مثلاً دو آدمی اکٹھے ہو کر ایک مظلوم کو مار ڈالیں یا ایک شخص دو مجرموں کو اکٹھا باندھ کر گردن مار دے۔ اس صورت میں اگرچہ بظاہر بعض صورتوں میں افعال متعدد ہونگے مگر جو کہ مصداق قتل ہے وہ وحدت سے نہ گذریگا۔

وضاحت معنوی

شرح این معما آن است کہ قاتل اگر مجرم است و مستحق دیت و قصاص و عذاب می شود باعتبارِ تسبب انزہاقِ روحِ مقتول می شود نہ باعتبار صدورِ فعل ضرب۔ ورنہ بمجرد صدورِ این فعل اگرچہ برکسے واقع نشود۔ و اگر واقع شود بر دیوار و اشجار واقع شود گردنش میزدند، و موردِ لعنت و غضب و مستحق عذاب می شمردند۔ غرض بر جانگزائیِ مقتول نظر است، و درین قدر ہر دو قاتل چنان واحد اند کہ دو ذابح کاردے را باہم گرفتہ بر حلق مذبوح رانند۔ پس چنانکہ در صورت ذبح حرکت واحد از دو محرک سرزدہ ہمچنان حرکتِ روحانیِ مقتول کہ آن را انتقال و موت خوانند از دو محرک کہ ہمیں دو فعل این دو قاتل اند سرزدہ۔ الغرض نظر بظاہر فاعل متعدد است و فعل واحد، اما درحقیقت فاعل نیز ہمچو فعل واحد است۔ و چون نباشد وحدتِ فعل را وحدتِ فاعل و تکثرِ فاعل را تکثرِ فعل لازم است۔

قاتل اس بنا پر مستحق قصاص ہوتا ہے کہ وہ سبب بنا ہے انزہاق روح کا۔ نہ اس لئے کہ اس سے فعل ضرب کا صدور ہوا

اس معمے کی شرح یہ ہے کہ قاتل اگر مجرم ہے اور دیَت کا اور قصاص و عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے تو وہ اس اعتبار سے مستحق ہوتا ہے کہ وہ سبب بن گیا ہے مقتول کی روح نکل جانے کا۔ اس اعتبار سے مستحق نہیں ہوا کہ اُس سے فعل ضرب کا صدور ہوا۔ ورنہ صرف اس فعل ضرب کے صدور پر اگرچہ وہ کسی پر واقع ہی نہ ہو یا اگر واقع ہو مگر دیوار یا درخت پر واقع ہو جائے اُس کی گردن اُڑا دیا کرتے اور غضب اور لعنت کا مورد اور عذاب کا مستحق شمار کر لیا کرتے۔ غرض مقتول کی جاں گزائی پر نظر کی گئی ہے اور اس حقیقت میں دونوں قاتل اس طرح ایک ہیں جس طرح دو ذبح کرنے والے ایک چھُری کو (دونوں طرف سے آرہ چلانے والوں کی طرح) اکٹھا پکڑ کر مذبوح کے حلق پر چلائیں۔ تو جیسا کہ ذبح کی صورت میں ایک ہی حرکت دو محرکوں سے سرزد ہوئی اسی طرح مقتول کی حرکت روحانی جس کو انتقال یا موت کہتے ہیں دو محرکوں سے جو کہ ان دو قاتلوں کے یہی دو فعل ہیں سرزد ہوئی۔ الغرض ظاہر پر نظر کرتے ہوئے فاعل متعدد ہیں اور فعل واحد ہے۔ لیکن درحقیقت فعل کی طرح فاعل بھی واحد ہی ہے اور کیسے نہ ہو (جب کہ) وحدتِ فعل کے لئے وحدت فاعل اور تکثر فاعل کے لئے تکثُّر فعل لازم ہے۔

لیکن چنانکہ مردِ زور آور را در بعض افعال خفیفہ حاجتِ نصف زور می اُفتد کہ با وداده اند و در افعالِ قویہ حاجت ہمہ زور و طاقت می باشد و این تناصف و تضاعف زور موجبِ تناصفِ عددی یا تضاعفِ عددیِ آن افعال نمی گردد۔ مثلاً فعلے کہ از نصف زور صادر شدہ آن را یک فعل و فعلے را کہ از ہمہ زور بوقوع آمدہ آن را دو فعل نتوان گفت، ہمچنین در بعض افعال زور یک کس و در بعض افعال زور دو کس کار میدہد و مصدر آن افعال حاصل جمع آن دو زور و آن دو قوت می باشد نہ تنہا تنہا ہر قوت و ہر زور۔ غایت ما فی الباب اہل قوت متعدد باشند۔ مگر ذاتی کہ تعدد اہل قوت بلکہ خود تعدد قوت موجب تعدد فعل نمی توان شد۔ چہ مصدر افعال حاصل اجتماع قواء متعددہ است نہ خود قواء متعددہ تا تعددِ افعال لازم آید۔ چون این دقیقہ بشناختی حکمتِ لزوم و وجوبِ قصاص بر جملہ شرکاءِ قتلِ مقتول و ہم حکمتِ امثالِ این حکم نیز دانستہ باشی۔

لیکن جیسا کہ ایک طاقت ور شخص کو بعض ہلکے کاموں میں اُس زور کا آدھا لگانے کی ضرورت ہوتی ہے جو اُس کو عطا کیا گیا ہے اور سخت کاموں میں تمام زور اور طاقت لگانے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ آدھا یا دوگنا زور اُن افعال کے باعتبارِ عدد آدھا یا دُگنا بن جانے کا موجب نہیں ہو جاتا مثلاً وہ فعل جو نصف زور سے صادر ہوا اُس کو ایک فعل اور جو فعل کہ پورے زور سے وقوع میں آیا اُس کو دو فعل نہیں کہہ سکتے! اسی طرح بعض افعال میں ایک آدمی کا زور اور بعض افعال میں دو آدمیوں کا زور کام دیتا ہے۔ اور اُن افعال کا مصدر اُن دو زور اور دو قوت کا حاصل جمع ہوتا ہے۔ تنہا تنہا ہر قوت اور ہر زور مصدر نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ اہل قوت متعدد ہو جائیں مگر ظاہر ہے کہ اہل قوت کا تعدُّد بھی تعدُّدِ فعل کا موجب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مصدرِ افعال، قوائے متعددہ کا حاصل اجتماع ہے۔ نہ خود قوائے متعددہ کہ تعدُّدِ افعال لازم آئے۔ جب آپ نے اس بار کی کو پہچان لیا تو کسی مقتول کے تمام شرکاءِ قتل پر وجوبِ قصاص اور اُس کے لزوم کی اور نیز اس طرح کے دوسرے احکام کی حکمت بھی سمجھ میں آجائیگی۔

> الکنون بشنو کہ نفع و ضرر تنہا از یک صفت بوقوع نیاید لازم است کہ دو صفت از صفاتِ خداوند مصدر نفع و ضرر شدہ باشند۔ چہ نفع و ضرر متضمن معنیٔ اعطاء و سلب ست و میدانی کہ اعطاء را چنانکہ ضرورتِ معطی و معطی لہ است و سلب را چنانکہ ضرورتِ سالب و مسلوب عنہ است ہمچنان ضرورت معطی و مسلوب ست کہ عطاء و عطیہ باشد۔ پس چنانکہ زید مثلاً عمرو را درہم و دینار میدہد و این یک فعل باین مقومات ثلاثہ متحقق و متقوم می شود۔ ہمچنین اگر خداوند معطی و نافع بممکنی عطائے می بخشد و نفعے میرساند این بخشش و عطا را نیز ازین ضروریات ثلثہ ناگزیر است۔ علیٰ ہذا القیاس سلب خداوند را السلب واقع فیما بین ممکنات قیاس باید فرمود۔

اب سنو کہ نفع و ضرر تنہا ایک صفت سے وقوع میں نہیں آتے۔ اسلئے ضروری ہے کہ صفات خداوندی میں سے دو صفتیں مصدر نفع و ضرر ہوا کریں۔ کیونکہ نفع معنے اعطاء کو اور ضرر معنی اسلاب کو متضمن ہے اور آپ جانتے ہیں کہ جس طرح اعطاء کو معطی (یعنی عطا کرنے والا اور مُعطیٰ لہٗ (جس کو

نفع و ضرر کے تحقق کے لئے مقومات ثلاثہ ضروری ہیں

عطا کیا جائے) کی ضرورت ہے۔ اور جس طرح سلب کو سالب (یعنی سلب کرنے والا) اور مسلوب عنہ (یعنی جس سے سلب کیا جائے) کی ضرورت ہے، اسی طرح مُعطیٰ اور مسلوب کی بھی ضرورت ہے جو کہ عطاء و عطیہ ہوگا۔ تو جس طرح کہ مثلاً زید عمرو کو درہم و دینار دیتا ہے اور یہ ایک فعل (یعنی اعطاء یا دینا) ان مقومات ثلاثہ کے ساتھ (یعنی مُعطی جو زید ہے اور مُعطیٰ لہ جو عمرو ہے اور عطیہ جو درہم و دینار ہیں۔) متحقق و ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر خدائے معطی و نافع کسی "ممکن" کو کوئی عطیہ بخشتا ہے اور کوئی نفع پہنچاتا ہے تو اس بخشش اور عطا کے لئے بھی یہ ہر سہ ضروریات (یعنی مقومات ثلاثہ) لازمی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس سلب خداوندی کی صفت کو اُس سلب پر جو ممکنات کے مابین واقع ہے قیاس کر لینا چاہیئے۔

> مگر اعطاء و سلب بدو قسم می نماید یکے آنکہ عطاء و سلب اعنی معطیٰ (بصیغۂ مفعول)، و مسلوب از متبائنات معطی (بصیغۂ فاعل و) سالب باشد۔ چنانچہ در اعطاء و سلب درہم و دینار ہویدا است۔ دیگر آنکہ عطاء و سلب از صفاتِ معطی و سالب بود، چنانچہ در طلوع و غروب آفتاب ہرچہ از نور و ظلمت زمین مشاہدہ می افتد در حقیقت لحوق صفتے از صفات آفتاب کہ نور است بزمین یا انفکاکِ آن از آن می باشد لیکن اگر بدیدۂ غور دیدہ شود در ہر دو صورت اعطاء و سلب صفتے از صفات می باشد اگرچہ در یک صورت اعطاء و سلب مبائنے از مبائنات نماید۔

مگر اعطاء اور سلب کی دو قسم معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ عطاء سلب یعنی معطیٰ بصیغۂ مفعول اور مسلوب (یعنی وہ شے جو عطا کی گئی اور وہ شئے جو چھینی گئی) مُعطی بصیغۂ فاعل (یعنی عطا کرنے والا) اور سالب (یعنی چھیننے والا) کے متبائنات میں سے ہوں (مطلب یہ ہے کہ عطا کرنے والا کسی شخص کو ایسی چیز دے رہا ہے جس کی حقیقت عطا کرنے والے کی ذات سے متبائن یعنی جدا ہے۔ یا سلب کرنیوالا کسی شخص سے ایسی چیز سلب کر رہا ہے جس کی حقیقت سالب کی ذات سے متبائن ہے)، جیسا کہ درہم و دینار کے اعطاء و سلب سے ظاہر ہے (کہ درہم و دینار کی حقیقت معطی اور سالب کی حقیقت سے متبائن ہے)، دوسری قسم یہ ہے کہ عطاء و سلب معطی اور سالب کی صفات میں سے ہو جیسا کہ طلوع

اعطاء و سلب ہمیشہ معطی کی صفات میں سے کسی صفت کا ہوتا ہے اگرچہ بظاہر اس کے خلاف محسوس ہو۔

وغروب آفتاب میں زمین پر نور اور ظلمت جو کچھ مشاہدہ ہوتا ہے وہ درحقیقت آفتاب کی صفات میں سے ایک صفت یعنی نور کا زمین سے لاحق ہونا ہے ۔یا اس کا زمین سے انفکاک (یعنی جدا ہو جانا) ہوتا ہے لیکن اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو (منکشف ہو جائیگا کہ) دونوں صورتوں میں (معطی اور سالب کی) صفات میں سے ہی کسی صفت کا اعطار و سلب ہوتا ہے ۔اگرچہ ایک صورت میں یہ نظر آتا ہے کہ مبائنات میں سے کسی مُبائن سے اعطار و سلب کا تعلق ہوا۔

وجہش اگر پرسی این ست کہ در عطار درہم و دینار نیز اعطا، حصہ صفتِ مالکیت خود می باشد، اگر مملوک دیگران بکسے سپردہ باشد، ثمراتِ داد و دہش کہ ثواب و خوشنودی رب الارباب است بدست نتوان رسید۔ اگر حقیقتِ عطار و اعطار ہمین درہم دینار ودادن آنہاست درہر دو صورت برابر است اگر فرق است ہمان فرقِ اعطار، مالکیتِ خویش و عدم آنست ۔نظر برین مطمح نظر ہمین امر فارق باشد۔ بالجملہ اضافتے کہ مُعطی را بنسبت عطار حاصل بود وآن اضافت درحق معطی صفتے بود از صفات او کہ معطی لہ را عطار می کند داین ہمان ماند کہ سنگے بر سنگے نہادہ باشد، ونظر برین وضع سنگِ بالا را بہ نسبتِ سنگ زیرین اضافتے وصفتے بود کہ آنرا فوقیت گویند۔ پس اگر سنگ بالا از بالا کشیدہ بجایش سنگے دگر یا چیزے دگر نہند آن فوقیتِ سنگِ اول کنون بسنگِ ثانی منتقل شد نہ آنکہ در اصلِ فوقیت تغیرے واقع شد۔چہ مصداقِ فوقیت جہت فوقانی سنگِ زیرین است ۔ و میدانی کہ آن ہمان ست کہ بود۔

اس کی وجہ اگر پوچھتے ہو تو یہ ہے کہ عطار درہم و دینار میں بھی اپنی صفتِ مالکیت کے حصہ کا اعطار ہوتا ہے ۔اگر کسی دوسرے کی مملوکہ شئے کسی کو دیدی جائے تو داد و دہش کے ثمرات جو کہ ثواب اور اللہ جل شانہ، کی خوشنودی ہوتے ہیں حاصل نہیں ہو سکتے ۔ اگر عطار اور اعطار کی حقیقت یہی درہم و دینار اور ان کا دے دینا ہے تو دونوں صورتوں میں (یعنی اپنی چیز کو دینا اور دوسرے کی چیز کو دینا) برابر موجود ہے ۔اگر فرق ہے تو وہی فرق اپنی مالکیت کے اعطار اور عدم اعطار کا ہے ۔ اس مطمح نظر کے لحاظ سے دونوں کو جدا جدا کرنے والا یہی امر ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو اضافت معطی کو بہ نسبت عطار کے حاصل تھی اور وہ اضافت معطی کے حق میں اُس کی صفات میں سے ایک صفت تھی وہ معطیٰ لہٗ کو عطا کر دیتا ہے ۔ اور یہ اس امر کے مشابہ ہے کہ ایک پتھر کو پتھر پر رکھ دیا گیا ہو۔ اس وضع کے پیش نظر اوپر والے پتھر کو نیچے والے پتھر کی بہ نسبت ایک خاص اضافت اور صفت حاصل ہے جس کو فوقیت کہتے ہیں۔ پھر اگر اوپر والے پتھر کو ہٹا کر اُس کے بجائے کوئی دوسرا پتھر یا اور کوئی چیز رکھدیں تو وہ فوقیت جو پہلے پتھر کی (صفت) تھی اب دوسرے پتھر کی طرف منتقل ہو گئی ۔ نہ یہ کہ اصل فوقیت میں کوئی تغیر واقع ہو گیا۔ کیونکہ فوقیت کا مصداق نیچے والے پتھر کی اوپر والی جہت ہے اور تم جانتے ہو کہ وہ اُسی طرح ہے جیسے پہلے تھی۔

الغرض چنانکہ در مثالِ مذکور سنگِ اول صفتے از صفات و اضافتے از اضافاتِ خود بسنگِ ثانی عطا کردہ است ہمچنین در اعطا آتِ این عالم اگرچہ عطا در بادیٔ النظر مبائن از ذات معطی نماید اما صفتے از صفاتِ معطی بمعطیٰ لہ میرسد۔ ہاں درین قدر شک نیست کہ درہمچو مواقع صفتے کہ از معطی بمعطیٰ لہ میرسد، از صفاتِ انتزاعیہ می باشد، نہ از صفات انضمامیہ۔ و اضافتے از اضافات بود، نہ مصداقے مستقل بالمفہومیت۔ وہمین سبب کوتہ نظران اشیار مبائنہ را کہ مصحح اضافت از دو حاشیتین این اضافت می باشد عطار و عطیہ می شناسند۔

الغرض جیسا کہ مثال مذکور میں پہلے پتھر نے اپنی صفات میں سے ایک صفت اور اپنی اضافات میں سے ایک اضافت دوسرے پتھر کو عطا کر دی۔ اسی طرح اس عالم کی اعطارات (یعنی بخششوں میں) اگرچہ عطار ظاہر نظر میں معطی کی ذات سے مبائن معلوم ہوتی ہے ۔ لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) مُعطی کی صفات میں سے ایک صفت معطیٰ لہٗ کو ملتی ہے ۔ ہاں اتنی بات میں شک نہیں ہے کہ اس طرح کے مواقع میں جو صفت کہ مُعطی سے معطیٰ لہ کو پہنچتی ہے وہ صفات انتزاعیہ میں سے ہوتی ہے ۔ صفات انضمامیہ[۵۷] میں سے نہیں ہوتی اور کوئی اضافت ہوتی ہے اضافات میں سے ، کوئی مصداق مستقل بالمفہومیت

جو صفت معطی سے معطی لہ کو پہنچتی ہے وہ صفت انتزاعی ہوتی ہے انضمامی نہیں ہوتی

۵۷ اتصاف کے معنی ہیں کسی شئے کا کسی وصف سے موصوف ہونا۔ اس کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک اتصاف انضمامی۔ یہ وہ اتصاف ہے جو وجودِ صفت اور موصوف کے ساتھ اُس کے انضمام سے پیدا ہوتا ہے ۔اس کا اقتضا یہ ہے کہ (باقی ص ۲۹۷ پر)

نہیں ہوتا۔ اور اسی سبب سے کوتہ نظر لوگ اشیاء مبائنہ کو جو کہ اضافت کی تصحیح کرنے والی اور اس اضافت کے دو حاشیوں میں سے ایک ہوتی ہیں عطاء اور عطیہ سمجھ لیتے ہیں (جیسا کہ زید اگر درہم و دینار کا مالک ہے تو اس کے ظرف اتصاف کے ایک حاشیہ پر زید ہے اور دوسرے پر درہم و دینار ہیں جن سے ملکیت زید کا انتزاع ہوتا ہے۔ اگر درہم و دینار کا وجود نہ ہوتا تو زید کی طرف ملک کی اضافت بھی صحیح نہ ہوتی۔ اس لئے درہم و دینار مصحح اضافت ہیں۔)

چون این قدر مسلّم شد کہ عطا بہر نہج کہ باشد در صفات می باشد اگرچہ در بادی النظر مبائنات ہم نماید بر سرِ مطلب می آیم۔ و عرضِ مطلب می نمایم کہ بہر تقویم اعطاء و سلب از سہ امر ناگزیر است دوّ از ان بجانب مُعطی است یکے قوت اعطاء و سلب دیگر صفتے کہ عطاء یا سلب می فرمایند و یکے بجانب معطیٰ لہ کہ آنرا بقوت آخذہ و قابلہ تعبیر کردن بیا است۔ پس باین نظر کہ نفع و ضرر معنیٔ اعطاء و سلب را متضمن است لازم آمد کہ بجانب باریتعالیٰ دو امر ازین ضروریات ثلٰثہ مذکورہ تجویز کنند۔ یکے را ارادہ نام می نہیم و دوم خزانۃ الرحمۃ

(گذشتہ صفحہ سے) ظرف اتصاف میں سے اس کے حاشیتین یعنی جانبین جو موصوف اور صفت ہوتے ہیں موجود ہوں اور اس صفت کو صفت انضمامی کہتے ہیں۔ بخلاف انتزاعی کے (جو اتصاف کی دوسری قسم ہے) جس کے معنے یہ ہیں کہ اتصاف صفت کے انضمام سے نہ ہو۔ یعنی اس میں یہ نہیں ہوتا کہ ظرف اتصاف میں ایک جانب موصوف اور دوسری جانب صفت موجود ہو۔ یہ اتصاف صرف موصوف کا ثبوت چاہتا ہے۔ مگر اس حیثیت سے کہ جب عقل اُس ظرف میں موصوف کا ملاحظہ کرے تو اس سے اس صفت کا انتزاع صحیح ہو، اور اُس صفت کا موصوف پر بمرتبۂ حکایت حمل بھی درست ہو جائے۔ اور اس صفت کو صفت انتزاعی کہتے ہیں۔ ظرف اتصاف خارج بھی ہو سکتا ہے، ذہن بھی اور نفس الامر بھی۔ اس مثال سے سمجھ لیا جائے کہ عقل نے آسمان کا ملاحظہ کیا اور اس کے اور دوسرے موجود مثلاً زمین کے مابین قیاس کیا تو ان میں ایک اضافت مخصوصہ پائی جس کے پیش نظر حکم کیا کہ "السماء فوق الارض" یہاں ظرف اتصاف میں صرف سماء کا وجود ہے اور دوسری جانب ارض پر نظر کر کے سماء کے لئے صفت فوقیت منتزع کر لی جو کہ بطور ایک مفہوم مستقل موجود نہ تھی یہ صفت فوقیت انتزاعی ہے۔ اتصاف انتزاعی حاشیتین یعنی موصوف صفت دونوں موجود نہیں ہوتے صرف موصوف متحقق ہوتا ہے لیکن اُس سبب کا تحقق ضروری ہے جس سے موصوف کا اس صفت کے لئے انتزاع بنا صحیح ہو۔ جیسا مثال مذکور میں ایک جانب موصوف ہے اور دوسری جانب ارض ہے جو فوقیت سماء کا سبب انتزاع ہے۔ اور صفت انضمامی کی مثال صفت سواد ہے جسم کیلئے۔ اسکی ایک جانب موصوف یعنی جسم اور دوسری جانب سواد یہ دونوں جانب متحقق ہیں سواد کا انضمام جسم ۴۳ کے ساتھ ہوا۔ اس۔ لئے سواد صفت انضمامی ہے ۱۲ مترجم (ماخوذ از شمس بازغہ)

صفت انضمامی کی تعریف

صفت انتزاعی کی تعریف

می خواہیم مگر اضافتیکہ مابین "نافع" اعنی جناب باریتعالیٰ و "منتفع" اعنی عباد واقع است، اگر یک جانبش امر وحدانیست، اعنی ماہیت ممکنہ عباد در دو میین جانب عُلیا این دو منسوب و مضاف اعنی ارادہ و خزانۃ الرحمۃ واقع اند و حسب قاعدۂ مسطورۂ بالا شناختہ کہ احکام اضافت و آثارِ نسبت ہم بہ منسوب و منسوب الیہ برابر میرسند، و ہم بشاخہائی این اطراف میروند۔ نظر برین در استحقاق عبادت کہ از مقتضیاتِ اضافتِ واقعہ فیما بین نافع و منتفع و ضار و متضرر است ارادہ و خزانۃ الرحمۃ ہر دو را مستقل باید شناخت و در ہر ساعت از ہر دو سرکار پروانۂ جداگانہ در مطالبہ یک رکعت کہ مقدار معتد بہ درین نوع است صادر باید پنداشت۔

جب یہ بات مسلم ہو گئی کہ عطا جس نہج پر بھی ہو صفات میں ہی ہوتی ہے، اگرچہ مبائنات میں سے معلوم ہو تو اب ہم اپنے مقصد پر آتے اور مطلب عرض کرتے ہیں۔ کہ اعطاء و سلب کے قوام میں تین امر ضروری ہیں۔ اُن میں سے دوٗ معطی کی جانب میں ہیں۔ ایک قوت اعطاء و سلب دوسرا امر وہ صفت ہے جس کو عطاء یا سلب فرمائیں۔ اور ایک امر معطیٰ لہ، کی جانب میں ہے جس کو قوت آخذہ اور قابلہ کہنا مناسب ہے۔ تو اس نظر سے کہ نفع و ضرر متضمن ہے معنیٔ اعطاء و سلب کو اسلئے ضروری ہوا کہ باری تعالیٰ کی جانب میں ان ہر سہ ضروریات مذکورہ میں سے یہ دو امر تجویز کریں۔ اور ایک (یعنی قوت اعطاء و سلب) کا نام ارادہ رکھ لیں۔ اور دوسرے کا نام (یعنی اس صفت کا جو عطا یا سلب کی جاتی ہے) خزانۃ الرحمۃ تجویز کر لیں۔ مگر جو اضافت کہ مابین نافع یعنی جناب باری تعالیٰ اور منتفع یعنی بندوں کے واقع ہے۔ اگر اُس کی ایک جانب امر وحدانی ہے یعنی بندوں کی ماہیت ممکنہ، تو دوسری اوپر کی جانب میں یہ دو منسوب اور مضاف یعنی ارادہ اور خزانۃ الرحمۃ واقع ہیں۔ اور حسب قاعدۂ مرقومۂ بالا جو آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ اضافت کے احکام اور نسبت کے آثار سب منسوب اور منسوب الیہ کو برابر پہنچتے ہیں اور ان اطراف (یعنی منسوب و منسوب الیہ) کی شاخوں پر بھی برابر جاری ہوتے ہیں۔ اس پر نظر کرتے ہوئے "استحقاقِ

دوسری تمہید جس سے مطالبۂ صفات کا مجموعہ ایک سو نمازیں قرار پائے گا

ہر ایک استحقاق مذکور میں ایک علّتِ مستقلہ ہے دو سے بڑھ کر چار ہوگئیں۔ اور مجموعہ ان تضعیفوں کا ایک سَو رکعت ہوگیا۔ جو کہ شب و روز کے چار نصفوں پر تقسیم ہو کر شب و روز کے ہر نصف کے حصہ میں پچیس[۲۵] رکعت آگیا۔ مگر شارع نے اِس کے بجائے پچیس رکعت پر اکتفا فرمالیا۔ یعنی ظہر و عصر کی دو نمازوں پر جو دن کے نصف اخیر کی نمازیں ہیں اور اسی طرح مغرب و عشاء پر جو شب کے نصف اول کی نمازیں ہیں (اس طرح کہ ظہر کے فرض مع اول و آخر کی چھ سنن مؤکدہ کے دس رکعات اور عصر کی چار رکعات اور مغرب کے فرض و سنت کا مجموعہ پانچ رکعات اور عشاء کے فرض و سنت کا مجموعہ چھ رکعات۔ یہ کل مجموعہ پچیس رکعات ہوگیا۔ نماز فجر کو اس میں شامل نہیں کیا اس کی وجہ آئندہ مذکور ہوگی) ان دو دو نمازوں میں سے ایک اُس نصف کے نصف اول میں (یعنی ظہر کی نماز کو روز کے نصف ثانی کے اول حصہ میں اور مغرب کو شب کے نصف اول کے اول حصہ میں) اور دوسری کو نصف ثانی میں بلکہ اس کے شروع و آخر میں رکھ دیا (یعنی عصر کو روز کے نصف ثانی کے آخر حصہ میں اور عشاء کو شب کے نصف اول کے آخر حصہ میں رکھا)۔ چنانچہ ظہر کی تعجیل اور عصر کی تاخیر اور مغرب کی تعجیل اور عشاء کی تاخیر کے استحباب سے ظاہر ہے اور اس وضع اور ترتیب سے غرض وہی ہے جو ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ چشم پوشی کرنے والوں کی نظر میں خوبیِ اطراف تمام اجزاء کی خوبی کا کام دیتی ہے۔ اطراف کے وسیلے سے ان انصاف کا اُسی طرح بھرپور کرنا مقصود ہے۔

فرائض و سنن و تب کے مجموعہ یعنی پچیس رکعات کا اثبات

وجہ استحباب تعجیل ظہر و مغرب و تاخیر عصر و عشاء

> مگر بتخفیف و تسہیل اکنون آن قاعدہ را بیاد آر کہ احکام اضافت بہر دو طرف برابر میرسد و ہر دو طرف در استحقاق آثار نسبت علت مستقلہ می باشند۔ و باز در بارۂ حکمتِ تزائد ثواب جماعت از یک تا بست[۲۵] و پنج، چنانچہ در روایات بخاری و مسلم موجود موعود است اطمینان خود کن۔

مگر اب تخفیف و تسہیل کے لئے اُس قاعدہ کو یاد کرو کہ اضافت کے احکام دونوں جانب میں برابر پہنچتے ہیں اور دونوں طرفیں آثارِ نسبت کے استحقاق میں علت مستقلہ ہوتی ہیں۔ اور پھر اُس حکمت کے بارے میں بھی غور کرو جو کہ جماعت کے ثواب کا ایک سے بڑھ کر پچیس تک زیادہ ہوجانا بخاری اور

ثواب جماعت کا بڑھ کر پچیس تک ہوجانے کی حکمت

عبادت" میں جو کہ اُس اضافت کے مقتضیات میں سے ہے جو نافع اور منتفع (نفع حاصل کرنے والی) اور ضار اور متضرر (نقصان اٹھانے والی) کے مابین واقع ہے امداد اور خزانۃ الرحمۃ دونوں کو مستقل سمجھنا چاہئے۔ اور باور کرنا چاہئے کہ دونوں سرکار سے الگ الگ پروانے ایک ایک رکعت کے جو کہ اس نوع کی معتد بہ مقدار ہے صادر ہوتے ہیں۔

> اکنون لاجرم آن چہل و ہشت رکعت کہ حقِ نافع و ضار بود مضاعف شدہ بنود و شش[۹۶] رسیدند و ہمین طور دو رکعت از ان جمیل ہم باین نظر کہ انقباض و انبساط نیز مثل نفع و ضرر بدو دو جز منحل می شود و بحکم قاعدہ مذکورہ ہر یک ازان در استحقاقِ مذکور علت مستقلہ است۔ از دو بچار پا کشیدند۔ مجموعۂ این تضعیف صد رکعت شد کہ پس از تقسیم بر انصافِ رابعۂ شب و روز بست و پنج رکعت بحصۂ ہر نصف از شب و روز آمد۔ مگر شارع بجائے آن بست و پنج رکعت بر دو نماز ظہر و عصر در نصف اخیر روز و ہمچنین بر مغرب و عشاء در نصف اول شب اکتفاء فرمودند۔ یکے را ازین دو دو نماز در نصف اولِ آن نصف و دیگر را در نصف ثانی، بلکہ در شروع و آخر آن نہادند۔ چنانچہ از استحباب تعجیل ظہر و تاخیر عصر و تعجیلِ مغرب و تاخیر عشاء ہویداست و غرض ازین وضع و ترتیب چنانکہ پیشتر گفتہ ایم کہ خوبیِ اطراف در نظر چشم پوشان کارِ خوبیِ ہمہ اجزاء میدہد، ہمان تعمیر این انصاف بود بوسیلۂ اطراف۔

اب لازمی طور پر وہ اڑتالیس رکعت جو کہ نافع اور ضار کے حق کی تھی دوگنی ہو کر چھیانوے[۹۶] پر پہنچ گئیں۔ اور اسی طور پر دو رکعت جو اسم جمیل کے مطالبہ کی تھیں۔ اس امر کے پیش نظر کہ انقباض اور انبساط بھی مثل نفع و ضرر کی دو دو جزو پر تحلیل[۹۷] ہوجاتا ہے اور قاعدۂ مذکورہ کے مطابق اُن میں سے

[۹۷] اس سے پہلے مشرح طور پر گذر چکا ہے کہ اسم جمیل باعتبار تجدد شیون دو مظہر رکھتا ہے جس میں اول وہ دو اول بے نیازی کی طرف اور دوسرا چارہ سازی کی طرف مشیر ہے۔ پہلا شان قبض رکھتا ہے جس سے منفعل ہو کر بندے میں انقباض پیدا ہوتا ہے اور دوسرا شان بسط رکھتا ہے جس سے منفعل ہونے کے بعد بندے میں انبساط پیدا ہوتا ہے۔ وہاں قبض و انقباض کا مطالبہ ایک رکعت اور بسط و انبساط کا ایک رکعت قرار دیا تھا۔ اب بقاعدۂ احکام اضافت دو آثار نسبت قابض و منقبض اور باسط و منبسط جو نسبت کے حاشیتین ہیں انکی طرف پھیلکر پہلے سی تضعیف ہوگئی اور دو سے چار بن گئیں ۱۲ مترجم

مسلم کی روایات میں موجود ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس سے اپنا اطمینان کر لو۔

لیکن چنانکہ باقتضاء انقباض و انبساط کہ از شیون جمال اند بدو قوت پے بُردہ ایم، یکی قابضہ و باسطہ دیگر مطاوع آن کہ آنرا منقبضہ و منبسطہ می توان گفت بہدایت مفہوم جمال در منقبضہ و منبسطہ تحلیلی دگر یافتیم کہ اصول آن شش صفات اند از صفات سبعہ سوائے ارادہ کہ بقوت قابضہ و باسطہ معبّر شد۔ تفصیل این اجمال ہرچند درخور این اوراق نیست کہ این قطرہ از دریا ہم خواہد گذشت اما درسخنے کہ عاقل را برہ آورد دریغ ہم نباید کرد۔

تحلیل دیگر جس سے چودہ رکعت کے استخراج کے بعد اصل مقصد یعنی گیارہ رکعت کا اثبات مقصود ہے

لیکن جیسا کہ انقباض اور انبساط کے اقتضاء سے جو کہ شیون جمال میں سے ہیں۔ ہم نے دو قوتوں کا کھوج نکال لیا۔ ایک قابضہ اور باسطہ۔ دوسری اُس کی مطاوع (جو نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے) جس کو منقبضہ اور منبسطہ کہہ سکتے ہیں۔ ایسا ہی مفہوم جمال کی ہدایت سے منقبضہ اور منبسطہ میں ایک اور تحلیل ہم کو دستیاب ہو گئی کہ اُس کے اصول صفات سبعہ میں سے چھ صفات ہیں سوائے ارادے کے جس کی تعبیر قوتِ قابضہ اور باسطہ سے ہو گئی۔ اس اجمال کی تفصیل اگرچہ ان اوراق کے قابل نہیں ہے کہ یہ قطرہ دریا سے بھی بڑھ جائیگا۔ مگر اتنی بات سے جو ایک سمجھدار کو راہ پر لے آئے دریغ بھی مناسب نہیں ہے۔

درہر احداث از خدا باشد یا از بندہ از حیوٰۃ و علم و قدرت و مشیت و ارادہ و کلام نفسی کہ آنرا حدیث النفس ہم اگر گوئیم بجاست، و تکوین ناگزیر است۔ چنانچہ بدیہی است۔ اگر یکے ہم ازین صفات سبعہ نباشد فعل اختیاری کہ سرمایۂ احداث و ایجاد بلکہ عین ایجاد است، صورت نہ بندد۔

سات امہات صفات کا بیان

ہر احداث (یعنی ایجاد) کے لئے جس کا صدور خدا سے ہو یا بندوں سے اُس کے لئے ان صفات[5] کا ہونا ضروری ہے۔ حیوٰۃ[1] اور علم[2] و قدرت[3] و مشیت[4] اور ارادہ[5] اور کلام[6] نفسی جس کو اگر حدیث النفس بھی

[5] اس موقع پر یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرات متکلمین اہل سنت رحمہم اللہ امہات الصفات آٹھ لکھتے ہیں حیوٰۃ[1] علم[2] قدرۃ[3] ارادہ[4] سمع[5] بصر[6] کلام[7] تکوین[8] لیکن حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ (باقی صفحہ ۲۹۷ پر)

کہیں تو بجا ہوگا۔ اور تکوین[7]۔ چنانچہ بدیہی ہے کہ اگر ان صفات سبعہ میں سے ایک بھی نہ ہو گی تو فعل اختیاری جو احداث و ایجاد کا سرمایہ بلکہ عین ایجاد ہے صورت پذیر نہ ہوگا۔

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) سات تحریر فرماتے ہیں۔ حیوٰۃ[1]۔ علم[2]۔ قدرۃ[3]۔ مشیت[4]۔ ارادہ[5]۔ کلام[6]۔ تکوین[7]۔ اس میں ممدوح سمع و بصر کو امہات میں داخل نہیں کرتے۔ مشیت اور ارادہ کو جدا جدا دو صفت قرار دیکر ارادہ کی طرح مشیت کو مستقل صفت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ متکلمین نے مشیت اور ارادہ میں فرق نہیں کیا۔ چنانچہ صاحب شرح عقائد لکھتے ہیں الارادۃ والمشیۃ وھما عبارتان عن صفۃ فی الحی توجب تخصیص احد المقدورین فی احد الاوقات بالوقوع جس سے واضح ہے کہ ایک ہی صفت ہے جس کے دو نام ہیں "ارادہ" و "مشیت" اور ان کے مفہوم میں کوئی چیز ایک کو دوسرے سے جدا کرنے والی نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں اپنی بے بضاعتی کے اعتراف کے ساتھ گذارش ہے کہ مجھے حضرت ممدوح قدس اللہ سرہ کا امہات الصفات کی تحقیق پر کوئی مضمون نہ مل سکا۔ جس سے تحقیق کے ساتھ اس بارے میں ممدوح کے نقطۂ نظر کا علم حاصل ہوتا۔ سمع و بصر کے بارے میں تقریر دلپذیر میں اُن کو صفات ذاتیہ کمالیہ میں داخل سمجھتے ہوئے کافی بحث کی ہے۔ لیکن اصل حقیقت جو مطلوب تھی اس پر کوئی صراحت نہ مل سکی۔ اس لئے اب جو کچھ یہ خاکسار سمجھا ہے وہ عرض کرتا ہے کہ حضرت موصوف کی حقیقت شناسی اور ذکاوت طبعی محتاج بیان نہیں جس طرح بعض اسرار و حقائق میں دوسروں سے علیحدہ اپنی ایک مستقل رائے رکھتے ہیں جیسا کہ اسی کتاب میں فرض اور واجب و سنت کی تعریفات کے بارے میں آپ نے اپنی ایک عجیب غریب تحقیق پیش کی ہے جو قدماء کی تعریفات سے مختلف ہے اور اس باب میں آپ کا مشرب ولی اللّٰہی معلوم ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

مئے تحقیق را از خم مشربہا بروں دیدم ۔۔۔ خروج از قید مشربہا بہانی کردم چہ می کردم

اور ایک مکتوب میں خود ہی اس شعر کی توضیح ان الفاظ میں فرماتے ہیں "اشارہ است بآں کہ در معانی کہ تعلق بشرائع ندارد تقلید شخصی پسندیدہ نیست"۔ اسی طرح معروضہ بالا صفات میں سے سمع و بصر اور ارادہ و مشیت میں بھی آپ منفرد معلوم ہوتے ہیں۔ وجہ تفرد جو کچھ یہ ہیچمیرز سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ اس حقیقت پر سب ہی متفق ہیں کہ سمع و بصر کا تحقق جس حیثیت سے ممکنات میں ہے ذات حق اُس سے بالاتر اور منزہ ہے۔ چنانچہ سمع و بصر کی تعریف یا نشانہی اس طرح کی جاتی ہے السمع وھی صفۃ تتعلق بالمسموعات والبصر وھی صفۃ تتعلق بالمبصرات فتدرک بھا ادراکا تاما لا علی سبیل التخیل والتوھم ولا علی طریق تاثر حاستہ ووصول ھواء (شرح عقائد نسفی)۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ معتزلہ کے رد کی طرف اشارات کرتے ہوئے ان صفات کا تحقق ذات حق میں اس حیثیت کے ساتھ ظاہر فرماتے ہیں والقراٰن متواتر بانہ تعالیٰ عالم بالمسموعات والمبصرات یعنی سمیع کے معنی عالم بالمسموعات اور بصیر کے معنی عالم بالمبصرات ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

وميدانی که اين همه سامان درجانب مُحدِث ومُوجِد ست که با مفعول خود اعنی مُحدَث ومُوجَد۔ که باعتبار دگر آنرا حادث وموجود نيز گويند، تقابُل تضائيف دارد۔ پس اين همه سامان در مقابلۂ هر حادث اُفتاده است۔ نظر برين اگر گوئيم که در پيش نظر ممکنات؛ ز کمالات خود اگر آورده اند همين قدر آورده واضافتِ مشاهده ومکاشفه اگر ممکنات را حاصل است همين قدر حاصل است بجا باشد۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ تمام سامان مُحدِث اور مُوجِد کی جانب میں ہے جو کہ اپنے مفعول یعنی مُحدَث اور مُوجَد کے ساتھ جس کو دوسرے اعتبار سے حادث اور موجود بھی کہتے ہیں۔ تضایف کا تقابل رکھتا ہے (تقابل تضایف کی تعریف صفحہ ۱۶۵ پر فٹ نوٹ میں تحریر کی جاچکی ہے) اس لئے یہ تمام سامان ہر حادث کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے۔ اس پر نظر کرتے ہوئے اگر ہم یہ کہیں تو بجا ہوگا کہ ممکنات کے پیش نظر (حق تعالیٰ شانہ) اپنے کمالات میں سے اگر لائے ہیں تو اتنا ہی لائے ہیں اور مشاہدے اور مکاشفہ کی اضافت اگر ممکنات کو حاصل ہے تو اسی قدر حاصل ہے۔

مگر دانسته باشی که جمال هیئتے است که باجتماعِ یک جمله پیدا می شود، همين است که جمال را جمال گفته اند، بالجمله مصداقِ جمال هيئتے اجتماعی است که هر هر جزو جملۂ مجتمعه

(بسلسلہ صفحۂ گذشتہ) اتنی وضاحت کے بعد اب اس سے زیادہ کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ نتیجہ عیاں ہے۔ یعنی یہ کہ سمع وبصر دونوں صفات علم میں مندرج ہیں۔ اس لحاظ سے گنجائش ہے کہ ان کو امہات میں شمار نہ کیا جائے ارادہ اور مشیت کے بارے میں جب اپنے وجدان کی طرف ہم رجوع کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ کسی شئے کے بمرتبہ وقوع آنے سے پہلے اُس کی ایک ہیئت ہمارے ذہن میں بطور وجود ذہنی موجود ہوجاتی ہے۔ اسی سے اول مشیت کا جس کو پسند یا خواہش یا چاہنا یا وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے تعلق ہوتا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ اس شئے کو اس طرح واقع ہونا چاہئے۔ یہی ہیئت مقدور ہے جس کو مشیئت الٰہی جامۂ شیئیت عطا کرنا چاہتی ہے۔ ارادہ اسی کے وقوع کے لئے فی احدالاوقات ایجاب کا مخصّص ہوتا ہے۔ اسی کی طرف یہ ارشاد رہنمائی کرتا ہے ؎ انما امرہ اذا اراد شیًٔا ان یقول لہ کن فیکون ٥ اس ارشاد میں ظاہر ہے کہ شیئًا سے شئے موجود فی الخارج مراد نہیں ہوسکتی ورنہ تحصیل حاصل لازم آئیگی، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اسکو بہ نسبت ارادہ اولیت کا مرتبہ ہونا چاہئے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ صفاتہ وکمالاتہ۔ ۱۲ مترجم

مقوّمِ آن ست۔ وجمال اگر موجب نیاز است باعتبارِ تجلّی ومشاهده است، نه باعتبارِ ذات۔ پس هر جلوه که از حد تجلّی ومشاهده بالاست، خواستگارِ عبادتش مپندار۔ هان اين قدر که تقابلش دانسته، اگر دلدادگان خود را بسخره کشد زیباست۔ بالجمله جمالے که بنده را تا بمشاهده آن رسائی است۔ وجلوهٔ که مخلوق را بآن آشنائی است همين هيئت مجموعی امهات صفات سبعه مذکوره است وبس۔ اندرين صورت بياد قاعدۂ مسطوره فهميده باشی که هر يکے ازين صفات سبعه در خواستگاریِ یک رکعت علّتِ مستقله باشد چه جمال حقيقتے که مبدءِ محبت عباد شده بر هر يکے توقفے دارد۔ پس هر نیاز نه يکه بنالیش بر محبت باشد بطرف هر یک ازين صفات سبعه رو خواهد داشت وهر یک را ازين صفات استحقاق آن نیاز جُداگانه خواهد بود۔

جمال کو جمال کہنے کی وجہ

مگر یہ بات سمجھ میں آچکی ہوگی کہ جمال ایک ایسی ہیئت کو کہتے ہیں جو کہ اجتماع جملہ (صفات یعنی ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہونے سے) پیدا ہوتی ہے۔ اسی ("جملہ" کی) مناسبت سے جمال کو جمال کہتے ہیں۔ الحاصل مصداق جمال ایک ایسی ہیئت اجتماعی ہے جس کے پورے مجموعہ کا ہر ہر جزو اُس کے قوام کا ایک رُکن ہے۔ اور جمال اگر موجب نیاز ہے (یعنی اپنی طرف جھکانے والا ہے) تو تجلّی ومشاہدے کے اعتبار سے ہے باعتبار ذات کے نہیں۔ اس لئے جو جلوہ ایسا ہے کہ تجلّی اور مشاہدے کی حد سے بالاتر ہے اُس کو خواستگارِ عبادت نہ سمجھو۔ ہاں یہ مقدار کہ جس کا تقابُل تم جانتے ہو اگر اپنے دلدادوں کو اپنی فرمانبرداری کی طرف کھینچے تو زیبا ہے۔ الحاصل وہ جمال جس کے مشاہدے کی بندے کو رسائی ہے اور وہ جلوہ کہ مخلوق کو جس سے آشنائی ہے صرف یہی ہیئت مجموعی ان ہفتگانہ اُمّہات صفات مذکورہ کی ہے۔ اس صورت میں اُس قاعدہ مذکورہ بالا کے پیش نظر جو آپ سمجھ چکے ہیں ان صفات سبعہ میں سے ہر ایک ایک رکعت کے مطالبہ کے لئے علّت مستقلہ ہوگی۔ کیونکہ اُس حقیقت کا حال جو بندوں کی محبت کا مبدأ بنا ہے وہ ہر ایک صفت پر ایک توقف رکھتا ہے۔

جو جلوہ تجلّی اور مشاہدے سے بالاتر ہے وہ خواستگار عبادت بھی نہیں۔

(کیونکہ ان ہی کے مجموعہ سے اس طرح جمال پیدا ہوتا ہے جیسا کہ کسی چشم غزالیں اور مصحف عارض، لب لعل وغیرہ کا مجموعہ جمال انسانی کا مبدأ ہوتا ہے۔ لیکن ان میں ہر ایک جزو بذات خود بھی

دلربائی میں یکتا ہوتا ہے شعر

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم — کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست،

تو ہر وہ بندگی جس کی بنا محبت پر ہوگی ان صفات سبعہ میں سے ہر ایک کی طرف، اُس کا رُخ ہوگا اور ان صفات میں سے ہر ایک صفت کو جداگانہ اُس نیاز و بندگی کا استحقاق ہوگا کہ وہ اپنے حسن کی کشش سے بندے کو اُس ذات کی طرف جھکائے جس کی یہ صفت ہے)

پس ازین اگر نظر بر اثنینیت شیون بے نیازی و چارہ سازی علل و معلولات را مضاعف کنیم علل چاردہ[14] خواہند شد۔ و معلولاتِ آن نیز کہ ہمین رکعات اند بچاردہ[14] خواہند رسید۔ بانضمام آن بہ نود و شش رکعتِ سابقہ کہ باقتضائے تضعیفات نافع و ضار بہم رسیدہ بودند نوبت یکصد و دہ[110] رکعت خواہد رسید کہ پس از اختصار آن بقاعدہ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها ہمان یازدہ رکعت بدست می ماند۔ کہ اول در سفر و حضر فرمودہ بودند۔

اس کے بعد جب ہم بے نیازی اور چارہ سازی دونوں شیون کی اثنینیت علل (جو صفات سبعہ مذکورہ ہیں) اور معلولات پر نظر کرکے مضاعف کرتے ہیں تو عِلَل چودہ ہو جاتی ہیں اس لئے اُن کی معلولات بھی جو یہی رکعات ہیں چودہ پر پہنچ جائینگی۔ ان کو جب اُن چھیانوے رکعات پر اضافہ کیا جائے گا جو نافع اور ضار کی تضعیفات کے اقتضار سے حاصل ہوئی تھی تو ایک سو دس[110] رکعات پر نوبت پہنچ جائیگی۔ جن کے اختصار کے بعد بقاعدہ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (جو ایک نیکی کرے گا اُس کو اس کا دس گنا ثواب ملیگا) وہی گیارہ رکعت حاصل ہوتی ہیں جن کا اول حکم سفر و حضر کے لئے دیا گیا تھا۔

مگر چون این قدر دیگر لحاظ کنیم کہ جملہ افعال و تجدیدات مربوط بارادہ اند۔ چنانچہ ہویدا است و ہم آیت یفعل اللّٰہ ما یرید پردہ از روے این شاہد می کشد، خود بخود لائح می شود کہ قبض و بسط کہ از قسم فعل است کار ارادہ است۔ باقی ماند انقباض و انبساط پس ازین خود از احوال صفاتِ ستہ باقیہ خواہد ماند۔ و میدانی علت قریبۂ نیاز ہمین انقباض و انبساط است چہ رنج و راحت و محبت و انس بفراق و وصال و خوشی و ناخوشیِ محبوب می باشد کہ ہمانا از اقسام انقباض و انبساط است نہ از قسم قبض و بسط، نظر برین نیاز و عبادت را اگر رابطۂ معلولیت است بہمین صفات ستہ است کہ پس از تضعیفیکہ مقتضای اثنینیة دو شان انقباض و انبساط است نوبت بدوازدہ میکشد، و پس از انضمام بنود و شش سابقہ یک صد و ہشت[108] می گردند اکنون بحصۂ ہر نصف از انصاف شب و روز بست و ہفت[27] رکعت خواہد آمد و بیاد قاعدۂ مسطورہ روایت ثواب بست و ہفت رکعت کہ بہ نسبت نماز جماعت ہم در بخاری و مسلم وغیرہ موجود است موجّہ می شود۔

مگر جب ہم اس دوسری حقیقت کا لحاظ کریں گے کہ جملہ افعال اور تجدیدات (یعنی وہ سلسلہ جو اخذ اور عطا کا جاری ہے جس کو تجدد امثال کہتے ہیں) ارادے کے ساتھ مربوط ہیں چنانچہ ظاہر ہے اور نیز آیت یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یُرِیْدُ بھی اس راز کو بے نقاب کر رہی ہے تو خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ قبض و بسط جو قسم فعل میں سے ہے ارادے کا کام ہے۔ رہے انقباض و انبساط (جو قسمِ انفعال میں سے ہیں کہ انقباض ایسی صفت ہے جو مطاوع ہے قبض کی صفت کے اور انبساط مطاوع ہے بسط کے اس لئے وہ بھی ارادے کے ماتحت ہوئی۔ اور جب تضعیف کا عمل ان ہی کی بنا پر کیا گیا ہے تو مقتضائے قیاس یہ ہے کہ ارادہ کو صفات سبعہ کے حساب سے خارج کر دیا جائے) اس کے بعد انقباض و انبساط کا تعلق چھ صفات باقیہ ہی سے قائم رہیگا اور یہ تم جانتے ہو کہ نیاز کی علت قریبہ یہی انقباض و انبساط ہے کیونکہ رنج و راحت اور محبت و انس، محبوب کے فراق اور وصال اور خوشی و ناراضی سے ہوا کرتا ہے کہ وہ سب کچھ انقباض و انبساط ہی کی اقسام میں سے ہیں قبض و بسط کی قسم میں سے نہیں۔ اس کے پیش نظر نیاز و عبادت کو اگر رابطۂ معلولیت ہے تو ان ہی صفات ستّہ سے ہے کہ اُس تضعیف کے بعد جو انقباض و انبساط کی دو[2] شان کی اثنینیت کا مقتضا ہے نوبت بارہ تک پہنچ جاتی ہے اور چھیانوے سابقہ اعداد کے ساتھ مل کر ایک سو آٹھ ہو جاتی ہیں۔ اب شب و روز کے انصاف میں سے ہر نصف کے حصہ میں ستائیس رکعت آئینگی۔ اور اس قاعدہ مرقو

تکلیف دیگر جس سے نماز جماعت کے ثواب کو ستائیس کے برابر ہونا جو بعض احادیث میں وارد ہے موجّہ کیا گیا ہے۔

کے پیش نظر ستائیس رکعت کا ثواب جو بخاری و مسلم میں بنسبت نماز جماعت کے موجود ہے پورے طور پر اُس کی صورت سامنے آجاتی ہے۔

باقی ماند دو امر قابلِ تحقیق یکے[1] آنکہ در اختصارِ رکعات با عدد یکصد و دہ رکعت کار افتاد، و در باوٗ تعبیر انصاف از اطراف عدد یکصد و ہشت کہ رُبعش بست و ہفت است، ملحوظ آمد و جدا این فرق چیست۔ دوم[2] اینکہ ظہر و عصر ہمچنین مغرب و عشاء اگر بہم شدہ کار تعبیر یک یک نصف میکنند بارے نماز صبح بدو اعتبار کار تعبیر دو نصف میکند۔ اگر نماز صبح را از نماز ہائے شب انگارند، چنانچہ مقتضائے قبلیتش از طلوع ہمین است باعشاء پیوستہ کار تعبیر نصفِ اخیر شب میکند و شاید ہمین است کہ بر نماز عشاء و صبح کہ با جماعت گزاردہ شوند وعدۂ ثوابِ احیاء ہمہ شب فرمودہ اند و اگر از نماز ہائے روز شمارند چنانچہ اقتضائے بعدیتش از صبح صادق کہ ہمانا مبدء روز است ہمین ست با نماز ظہر و عصر پیوستہ کار احیاء ہمہ روز خواہد داد۔ نظر برین می بایست کہ اگر ثواب ظہر و عصر وغیرہ ثواب بست و پنج رکعت بودے ثواب نماز صبح بثواب پنجاہ رکعت برابر آمدے۔ و اگر ثوابِ ظہر و عصر وغیرہ بہ بست و ہفت رسیدے ثواب صبح بہ ثواب پنجاہ و چار خود را کشیدے این چہ سبب ست کہ ثوابِ صبح نیز ہمسنگِ ثواب نماز ہائے دیگر ماند بہ پنجاہ یا پنجاہ و چار نرسید۔

مذکورہ بالا تقریروں سے دو سوال پیدا ہوتے ہیں پہلے سوال کی تقریر

باقی رہے دو امر جو قابل تحقیق ہیں ایک[1] یہ کہ رکعات کے اختصار کے بارے میں ایک سو دس[110] کے عدد سے کام لیا گیا اور انصاف کی تعبیر جو اطراف سے کی گئی اُس کے بارے میں عدد ایک سو آٹھ[108] کو جس کا ربع ستائیس[27] ہے ملحوظ رکھا۔ اس فرق کی وجہ کیا ہے۔؟

دوسرے سوال کی تقریر

دوسرا[2] یہ (سوال پیدا ہوتا ہے) کہ ظہر و عصر اور اسی طرح مغرب و عشاء اگر باہم مل کر ایک ایک نصف کی تعبیر کا کام کر لیتی ہیں تو نماز صبح دو اعتبار سے دو نصفوں کی تعبیر کا کام کر دیتی ہے یعنی اگر نماز فجر کو رات کی نمازوں میں سے شمار کریں۔ چنانچہ طلوع آفتاب سے اُس کے پہلے ہونے کا سبب یہی ہے کہ وہ عشاء کے ساتھ شامل ہو کر شب کے نصف آخر کو عبادت سے معمور کر دیتی ہے اور غالباً اسی پر اُس وعدہ کی بنا ہے کہ نماز عشاء و صبح اگر جماعت کے ساتھ ادا کی جائے تو تمام رات جاگ کر عبادت کرنے کا اجر مرحمت فرمایا جائیگا۔ اور اگر اس کو دن کی نمازوں میں محسوب کریں جیسا کہ اُس کے صبح صادق سے جو کہ دن کا مبدأ ہے بعد ہونے کا اقتضاء ہے تو اس کا اثر بھی یہی ہے کہ وہ نماز ظہر و عصر کے ساتھ مل کر تمام دن کی عبادت کا کام کریگی۔ اس پر نظر کرتے ہوئے یہ چاہیئے تھا کہ اگر ظہر و عصر وغیرہ کا ثواب پچیس[25] رکعت ہوتا تو صبح کی نماز کا ثواب پچاس رکعت کے برابر ہوتا اور اگر ظہر و عصر وغیرہ کا ثواب ستائیس رکعت بہ پہنچتا تو نماز صبح کا ثواب چوّن[54] تک پہنچ جاتا۔ اس کا کیا سبب ہے کہ صبح کی نماز کا ثواب بھی دوسری نمازوں کے ہموزن رہا اور پچاس[50] یا چوّن[54] تک نہ پہنچا۔

شرح معماء اول این ست کہ افعال متعدیہ دست بدو دامن آویختہ اند۔ یکے[1] فاعل کہ باعتبارِ آن وصف صدور بدست آوردہ۔ دوم[2] مفعول کہ بلحاظ آن صفت وقوع و تعلق بہم رسانیدہ۔ مگر چنانکہ حرکتِ قطعی در افعالِ ما از وقوعات متتابعہ صورت بندد، ہمچنان زمانہ در افعالِ خداوندی از تعلقاتِ متواردہ بوجود آید۔ بلکہ حقیقت زمانہ حرکت قطعی صفتے از صفات خداوندی خصوصاً صفت وجود است، کہ مسافت آن ہمین امثال ممکنات است۔ چنانکہ از اشارہ کہ دربارۂ تجدد امثال گذشتہ دانستہ باشی۔ بالجملہ حقیقتِ زمانہ کہ بیش از تجدد نیست از تعلقاتِ متواردہ صورت بندد۔ ورنہ در جانب صدور ثبات و وحدت است نہ تکثر و تجدد۔ آرے متعلقات بصیغۂ مفعول کثیر اند، و بدیں وجہ منشا تجدد می توانند شد۔

تمہید جواب السوال الاول

پہلے معمہ کی شرح یہ ہے کہ افعال متعدیہ کا ہاتھ دو دامنوں کو سنبھالتا ہے۔ ایک فاعل جس کے اعتبار سے اُن کو وصف "صدور" حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا[2] مفعول جس کے لحاظ سے اُن کو "وقوع" اور "تعلق" کا وصف حاصل ہوتا ہے۔ مگر جس طرح کہ ہمارے افعال میں حرکت قطعی پے در پے (یعنی مسلسل) "وقوعات" سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اسی طرح افعال خداوندی میں زمانہ پے در پے اور مسلسل وارد ہونے والے تعلقات سے وجود میں آتا ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت

تشریح حقیقت زمانہ

خصوصاً صفت وجود کی حرکت قطعی ؎۵۷ ہی زمانہ کی حقیقت ہے۔ کہ ممکنات کی امثال اُسی کی مسافت ہوتی ہیں (جیسا کہ شعلہ جوّالہ کا دائرہ یعنی لکڑی کا ایک سرا اگر آگ سے مشتعل کرکے گھمایا جائے تو ایک دائرہ ظہور پذیر ہو جاتا ہے جس کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ اس حرکت قطعی کی جو اُس نقطے سے صادر ہو رہی ہے مسافت ہے) جیسا کہ اُس اشارے سے جو تجدّدِ امثال کے بارے میں (صفحہ ۲۶۹ میں) گذر چکا ہے۔ آپ سمجھ چکے ہونگے۔ الحاصل حقیقت زمانہ جو تجدد سے زیادہ نہیں ہے اُن تعلقات سے جو بہم وارد ہونے والے ہیں ظاہر ہوتی ہے۔ ورنہ صدور کی جانب میں (جو ذات حق جل شانہ ہے) ثبات اور وحدت ہے نہ تکثُّر و تجدُّد۔ ہاں متعلَّقات (بفتح اللام) بصیغۂ مفعول کثیر ہیں اور اس وجہ سے وہ تجدُّد کا منشاٗ ہو سکتے ہیں۔

چوں این قدر دانستی دیگر بدان کہ قبض و بسط کار فاعل است، و انقباض و انبساط کار مفعول۔ آنرا جہتِ صدور بکار است، و این را جہتِ وقوع درکار۔ آن بالائے زمانست، و این زیر دامان آن۔ با اول زمانہ نسبتِ آلہ بفاعل دارد، و با ثانی نسبتِ آلہ بہ منفعل پس جائیکہ نظر بر زمانہ باشد و توزیع و تقسیم زمانوی مدنظر بود آنجا ارادہ را کہ کار پرداز قبض و بسط است، نہ مورد انقباض و انبساط، در حساب آوردن و با عتبار اثنینیت قبض و بسط حق او را مضاعف و مکرر گرفتن خبر از سوء فہم و غلط فہمی میدہد۔ کہ ازان متعالے عن العیوب علام الغیوب نباید۔

جب تم یہ بات سمجھ چکے تو اب ایک اور بات سمجھو کہ قبض اور بسط کام فاعل کا ہے اور انقباض و انبساط مفعول کا۔ اُس کے لئے (یعنی قبض و بسط کے لئے) جہت (یعنی حیثیت) صادر کی درکار ہے اور اس کے (یعنی انقباض و انبساط) کے لئے جہتِ وقوع۔ وہ زمانہ سے بالاتر ہے۔ اور یہ زمانہ کے زیرِ دامن۔ اول (یعنی قبض و بسط) کے ساتھ زمانہ وہ نسبت رکھتا ہے جو آلہ اپنے فاعل کے ساتھ

؎۵۷ حرکت قطعی سے مراد ہے مظاہر میں اس کا مسلسل اور پے در پے ظہور، حرکت بمعنی انتقال مکان وجود لامتناہی میں محال جس کو حرکت یعنی توسط کہتے ہیں اور یہ محسوسات میں سے ہے یہ مراد نہیں ہو سکتی ۱۲ مترجم

تقریر جواب

رکھتا ہے اور دوسرے (یعنی انقباض وانبساط) کے ساتھ وہ نسبت رکھتا ہے جو آلہ منفعل کے ساتھ رکھتا ہے۔ تو جہاں کہ نظر زمانہ پر ہوگی اور ترتیب و تقسیم زمانوی مدنظر ہوگی، وہاں ارادے کو جو کہ صفات قبض و بسط کا انجام دینے والا کارکن ہے نہ کہ مورد انقباض وانبساط کا حساب میں لانا اور قبض و بسط کی اثنینیت کے اعتبار سے اُس کے حق کو دوگنا اور مکرر لینا مناسب نہیں کہ یہ سوء فہمی اور غلط فہمی کی اطلاع دیتا ہے جو اُس ذات کے شایان نہیں جو ہر عیب سے بالا و برتر اور علام الغیوب ہے۔

و میدانی کہ در تضاعف ثواب از یک تا بست و پنج یا بست و ہفت نظر بہ ہمین تقسیم و توزیع زمانی است۔ چہ اگر وعدہ بست و پنج یا بست و ہفت ست بدین نسبت ست کہ درین قدر زمانہ کہ نصف روز یا نصف شب ست بمقابلہ نعماء الٰہی و جزاء خداوندی کہ بواسطہ این قدر زمانہ بما رسیدہ می بایست کہ از اول تا آخر مشغول عبادت بودہ باین قدر رکعات از عہدۂ بندگی بدر آمدندے چوں این عہدہ برآئی اکنون بہ نمازِ عصر و ظہر و نماز مغرب و عشاء تعلق گرفت، و آن کار بزرگ ازین دو نماز انجام رسید، می باید کہ آن ثواب کہ بر آن متفرع می شود اکنون بہمین خدمت ارزانی داشتہ شود۔ مگر ہویدا است کہ نعماء و ضرا کہ درین صورت علت موجبہ اند ہمہ از مظروفات زمانہ اند، نہ آنکہ از زمانہ بجانب بالا است۔ نظر برین در اعطاءِ ثوابِ این خدمت نظر بر عدد یکصد و ہشت کردن لازم آمد، در خصتِ گرفتنِ یک صد و دہ نشد۔

اور تم جانتے ہو کہ ثواب کے کئی گنا ہونے میں یعنی ایک سے پچیس یا ستائیس تک پہنچ جانے میں اسی تقسیم و ترتیب زمانی پر نظر ہے۔ کیونکہ اگر پچیس یا ستائیس کا وعدہ ہے تو وہ اسی نسبت سے ہے کہ اس قدر زمانہ میں جو کہ نصف روز یا نصف شب ہے نعمتہائے الٰہی اور جزائے خداوندی کے مقابلہ میں جو اس قدر زمانے کے واسطے سے ہم پہنچیں چاہیئے تھا کہ ہم اول سے آخر تک مشغول بعبادت رہ کر اتنی رکعات کے ذریعہ سے اپنی بندگی کی ذمہ داری کو پورا کرتے۔ لیکن چونکہ یہ عہدہ برآئی اب نماز عصر و ظہر اور نماز مغرب و عشاء سے متعلق ہوگئی اور وہ بڑا کام ان دو نمازوں سے انجام کو پہنچ گیا اس لئے یہ ہونا چاہیئے کہ وہ ثواب جو اُس (پورے وقت) پر متفرع ہوتا ہے اب اسی خدمت پر مرحمت

فرمادیا جائے۔ مگر ظاہر ہے کہ نماز و ضرار (راحت و کلفت جو حاصل عطا و سلب ہے)، جو کہ اس صورت میں علتِ موجبہ ہیں یہ سب منظر وفاتِ زمانہ میں سے ہیں ایسا نہیں ہے کہ زمانہ سے بالاتر جانب میں ہوں اس امر کے پیش نظر اس خدمت کا ثواب عطا کرنے میں ایک سو آٹھ کا عدد سامنے رکھنا لازم ہوگیا اور ایک سو دس کے اختیار کرنے کی صورت مناسب نہیں ہوئی۔

> ودر اختصارِ رکعات از یازدہ بکم نظر بر تجدّدِ زمانی و تقسیم و توزیع بر زمانہ نبود۔ بلکہ حقوق مطلقہ را خواہ از آنِ مالک باشد، یا از آنِ جمیل، حق قابض باسط باشد، یا منقبض و منبسط، بہم ادغام کردن میخواستند وانچہ از تقابل یازدہ رکعت بیازدہ ساعت از شب و روز مذکور شد، نہ باین اعتبار ست کہ این قدر زمانہ ازان طرف بکار بندہ محتاج آمدہ بجلدوئے آن ہمین قدر رکعات بجا باید آورد۔ حاشا و کلا کدام ابلہ است کہ باین چنین خیالات دلی خود را بیالاید۔ از دیوانہ تا عاقل ہمہ میدانند۔ و آنانکہ نظر بر سطورِ گذشتہ انداختہ اند بتحقیق دانستہ باشند۔ نفسے نمی رود کہ نعمتے بلکہ صد نعمت ازان طرف نمی آیند از سعدی شنیدہ باشی نفسے کہ فرو می رود ممد حیات است و آنکہ بر می آید مفرح ذات۔

اور اختصارِ رکعات کے گیارہ تک پہنچانے میں تجددِ زمانی اور زمانہ پر تقسیم و ترتیب مطمح نظر نہیں رکھی گئی، بلکہ حقوقِ مطلقہ کو خواہ وہ حق مالک ہو یا مطالبہ جمیل، حق قابض و باسط ہو یا حق منقبض و منبسط ایک دوسرے کے ساتھ ادغام کرنا چاہتے تھے۔ اور وہ جو تقابل گیارہ رکعات کا شب و روز میں سے گیارہ ساعت کے ساتھ مذکور ہوا وہ اس اعتبار سے نہیں کہ اُس جانب کا اس قدر زمانہ بندۂ محتاج کے کام میں آگیا۔ اُس کے معاوضہ میں اس قدر رکعات بجالائیں (اور سمجھ لیں کہ خدا کے حق سے سبکدوش ہوگئے) حاشا و کلّا۔ کون احمق ہے جو اس قسم کے خیالات سے اپنے قلب کو آلودہ کرے گا۔ دیوانہ سے عاقل تک سب جانتے ہیں اور جن لوگوں نے کہ سطورِ گذشتہ پر نظر ڈالی ہوگی انہوں نے تحقیق کے ساتھ (حقیقت کو) سمجھ لیا ہوگا کہ ایک سانس بھی ایسا نہیں گذرتا ہے کہ ایک نعمت بلکہ سو نعمتیں اُس طرف سے نہیں آتیں۔ تم نے سعدی سے سنا ہوگا کہ

"جو سانس کہ اندر جاتا ہے وہ زندگی کو مدد پہنچانے والا ہے اور جو باہر نکلتا ہے وہ ذاتِ انسانی کو فرحت پہنچانے والا"

> بلکہ باعث این تقسیم تزاحمِ حقوقِ خالقِ کائنات، و حوائج بندۂ سراپا حاجات است اشتغال بہر دو کار از بندۂ ناچار دشوار بود، بضرورت آنکہ افعال را از زمانہ ناگزیر است تحدید قدرے ازان ضرور افتاد۔ ورنہ اقتضارِ اجتماعِ این دو علت ہمین بود کہ حقوق ہر دو علت معاً ادا کردہ شوند۔ غرض اینجا کہ نظر بر زمانہ است، وقتِ ادائے حق است، و آنجا وقتِ طلبِ آن آنجا مقتضی بصیغۂ فاعل زمانی ست چنانچہ روشن شدہ، و اینجا مقتضیٰ بصیغۂ مفعول زمانی است، چنانچہ ہویدا است۔ و ازین تا آن فرقیست کہ خود میدانی۔ چون کلام ما در اوّل بود ازین تقسیم نقض تقریر ما نتوان شد۔

بلکہ اس تقسیم کا باعث حقوق خالق کائنات اور بندۂ سراپا حاجات کی حوائج کا ٹکراؤ ہے۔ دونوں کام میں مشغولیت (کہ حقوق خداوندی کی ادائگی کے لئے مشغول بعبادت بھی رہیں اور اپنی ضروریاتِ زندگی کے پورا کرنے کے لئے جد و جہد بھی جاری رکھیں) بندۂ ناچار سے دشوار تھی۔ اور اس ضرورت کے ماتحت کہ افعال کے لئے زمانہ سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا تو کچھ نہ کچھ اس میں سے حد بندی کرنے کی ضرورت پڑی ورنہ ان دونوں علتوں کے جمع ہو جانے کا اقتضار یہی تھا کہ دونوں کے حقوق ایک ساتھ ادا کئے جائیں۔

غرض کہ یہاں نظر زمانہ پر ضرور ہے مگر اس جہت سے کہ وہ "ادائے حق" کا وقت ہے۔ اور وہاں نظر اس کی طلب کے "وقت" پر ہے۔ وہاں مقتضی بصیغۂ فاعل زمانی ہے جیسا کہ واضح ہو چکا ہے اور یہاں مقتضیٰ بصیغۂ مفعول (نصف روز یا نصف شب وغیرہ) زمانی ہے جو ظاہر بات ہے۔ اور اس میں اُس میں جتنا بڑا فرق ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ چوں کہ ہمارا وہ کلام پہلے مبحث سے متعلق تھا اسلئے اس تقسیم سے ہماری اُس تقریر پر نقض وارد نہیں ہوتا۔

> وآنکہ در تحلیلِ جمیل صفتِ ارادہ را بیک سو نہادند، و از کار او کہ "فعل" بود حسابے نکردند۔ فقط بر

انفعالاتِ صفاتِ ستۂ باقیہ مجازاتِ زمانی رامقرر داشتند، و در تحلیلِ نافع وضار نظر بر کار ارادہ ہم گماشتند، حالانکہ اینجا ہم کار او ہمان فعل ست نہ انفعال، نیز نظر بہمان نفعار و ضرار زمانیست نہ فقط بر کمال آن ذوالجلال۔

جمیل کی تحلیل میں صفت ارادہ کو نہ محسوب کرنے پر اشکال کی تقریر

اور وہ عمل جو جمیل کی تحلیل میں ہم نے کیا تھا۔ یعنی صفت ارادہ کو ہم نے ایک طرف کر دیا۔ (یعنی صفات سبعہ میں سے ارادہ کو محسوب نہ کیا) [جس کا بیان صفحہ ۳۰۱ پر ہے ۱۲] اور اُس کے کام سے جو فعل تھا (یعنی مقابلِ انفعال) کوئی حساب نہ کیا۔ صرف صفات ستّہ باقیہ کے انفعالات پر (یعنی ان صفات کے فعل سے منفعل ہو کر جو صفات ممکنہ میں پیدا ہوتی ہیں) مجازات زمانی (یعنی عبادات وقتی) کو مقرر کیا اور نافع وضار کی تحلیل میں ارادے کے کام کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ حالانکہ یہاں بھی اُس کا کام وہی فعل ہے نہ انفعال۔ نیز اُسی نفعار و ضرار پر نظر کر کے اُس کو زمانی کہنا چاہئے نہ کہ صرف کمال حق تعالیٰ شانہ کی جہت ہی ملحوظ رکھی جائے (کہ ارادہ بھی صفات کمالیہ میں سے ہے)۔

جوابش این است کہ در اعطار و سلب دو نسبت تعبیر کردہ اند مگر مقصود بالذات نسبتی است کہ یک طرفش معطی لہ است و یک طرف معطی و عطا، نہ آن نسبت کہ درمیان مُعطی و عطار متحقق می شود۔ این جا فعلِ معطی و انفعالِ عطا، بہم شدہ یک طرف نسبت می گردند و بدین سبب احکام نسبت بہر دو می رسند و پس از قبض و بسط و انقباض و انبساطیکہ در شیون جمیل می باشد، اگرچہ نسبتے دیگر فیما بین منقبض و منقبض عنہ و منبسط و منبسط الیہ پیدا شود، مگر نہ آن داخل در مفہوم قبض و بسط است، و مصداق آن و مقصود بالذات ازان۔ بلکہ مصداق آن ہمانست کہ درمیان قابض و منقبض و باسط و منبسط جا گرفتہ۔

تقریر جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اعطار و سلب میں دو نسبت تعبیر کی ہیں، مگر مقصود بالذات ایک ہی نسبت ہے کہ اُس کی ایک جانب معطیٰ لہٗ ہے اور ایک جانب معطی و عطار۔ وہ نسبت مقصود نہیں جو کہ معطی اور عطار کے مابین متحقق ہوتی ہے۔ یہاں فعل مُعطی کا، اور انفعال عطار کا جمع ہو کر نسبت کی

ایک طرف بنتے ہیں اور اس سبب سے نسبت کے احکام دونوں پر پہنچتے ہیں، اور اُس قبض و بسط اور انقباض وانبساط کے بعد جو کہ شیون جمیل میں ہوتا ہے اگرچہ ایک دوسری نسبت منقبض اور منقبض عنہ اور منبسط و منبسط الیہ کے مابین پیدا ہو جائے۔ مگر نہ وہ مفہوم قبض و بسط میں داخل ہے اور نہ اُس کا مصداق اور نہ اُس سے مقصود بالذات۔ بلکہ اُس کا مصداق وہی ہے جو کہ قابض و منقبض اور باسط و منبسط کے مابین قرار پکڑے ہوئے ہے۔

وہمین ست کہ درین جا ضرورتِ مفعولِ ثانی نیفتادہ، و در اعطار و سلب نسبت مقصودہ نسبت فیما بین معطی و عطا و سالب و مسلوب نیست۔ بلکہ این نسبت بہر نسبت مقصودۂ مذکورہ آلہ ایست کہ بے آن وجود آن نسبت متصور نیست۔ و ازین جاست کہ اعطار و سلب متعدی بدو مفعول آمد۔ و ازین جا دانستہ باشی نسبتے کہ فیما بین منقبض و منقبض عنہ و منبسط و منبسط الیہ پیدا شود آن در کدام مرتبہ از مراتب است۔ الغرض آن بجائے خود نسبتے است جداگانہ، و نسبت اولی نسبتے است بجائے خود مستقل مثل آن دو نسبت کہ از یک مفہوم اعطار می برآیند، یکے در مفہومیت خود محتاج دگر نیست۔ گو باعتبار وجود دست نگر دگر باشد۔

اور یہی سبب ہے کہ اس موقع میں مفعول کی ضرورت نہیں پڑتی اور اعطار و سلب میں نسبت مقصودہ وہ نسبت نہیں ہے جو مُعطی و عطار اور سالب و مسلوب کے مابین ہے۔ بلکہ یہ نسبت اُس مذکورہ نسبت کے لئے جو مقصود ہے ایک ایسا آلہ ہے جس کے بغیر اُس نسبت کا وجود متصور نہیں ہوتا اور یہیں سے یہ بات پیدا ہوئی کہ اعطار و سلب متعدی بدو مفعول آتا ہے اور اس موقع سے یہ بھی سمجھ جاؤ گے کہ جو نسبت کہ مابین منقبض و منقبض عنہ اور منبسط و منبسط الیہ کے پیدا ہوتی ہے وہ مراتب میں سے کون سے مرتبہ میں ہے۔ الغرض وہ ایسی نسبت ہے جو بجائے خود ایک جداگانہ نسبت ہے۔ اور پہلی نسبت بجائے خود مستقل ہے۔ اُن دو نسبتوں کی طرح جو کہ ایک مفہوم اعطار سے برآمد ہوتی ہیں اپنی مفہومیت میں ایک دوسرے کی محتاج نہیں ہے گو وجود کے اعتبار سے ہر ایک، دوسرے کی دست نگر ہو۔

اکنون بشنو کہ منشاء عبادت در جمیل اگر امریست زمانی، ہمان نسبت ثانی ست۔ کہ باعتبار وجود موقوف بر اولیٰ است مثل توقف وجود نہار بر طلوع شمس۔ نہ باعتبار مفہوم تا نسبت اولیٰ را یکے از دعائم احد المنسوبَین قرار دادہ احکام نسبت ثانیہ را بجانب منسوبَین نسبتِ اولیٰ برند، بلکہ ضرور است و پُر ضرور است کہ این جا احکام نسبت ثانیہ را تا منقبض و منبسط کہ یکے از اطراف این نسبت است، و ہم طرفے از دو طرف نسبت اولیٰ، رسانند۔ و بالا نہ برند۔ و در اعطاء و سلب چون قصۂ دگر گونست کہ خود نسبت اولیٰ یکے از اطرافِ ثانیہ ست، ورنہ ازین چہ کم کہ ماخوذ است در اطرافِ آن، لاجرم احکام نسبت ثانیہ را ترقی تا معطی و سالب ضروری ست۔ فقط بر عطاء و مسلوب اکتفاء نباید کرد۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ این ست مابہ الافتراق، اگر فہم داری۔ ورنہ زلّاتِ لفظیہ کہ ازین حیران درین مزلت الاقدام بوقوع آمدہ باشد، در اثناء راہ از پا افگندہ تا بمقصود اصلی رسیدن نخواہد داد۔

اب سنو صفت جمیل میں منشاء عبادت اگر کوئی زمانی امر ہے تو یہی نسبت ثانی ہے جو باعتبار وجود نسبت اولیٰ پر موقوف ہے۔ جیسے دن کا وجود موقوف ہے طلوع شمس پر۔ باعتبار مفہوم کے نہیں کہ نسبت اولیٰ کو نسبت کی دونوں جانبوں میں کا ایک مستقل رکن قرار دے کر نسبت ثانیہ کے احکام کو نسبت اولیٰ کے منسوبین پر لے جائیں۔ بلکہ ضروری اور نہایت ضروری ہے کہ یہاں نسبت ثانیہ کے احکام کو منقبض اور منبسط تک جو کہ اس نسبت کی اطراف میں سے بھی ایک طرف ہے اور نسبت اولیٰ کی ہر دو طرف میں سے ایک طرف بھی ہے پہنچا دیں اور اوپر نہ لے جائیں۔ اور چونکہ اعطاء و سلب میں دوسری نوعیت کا قصہ ہے کہ یہاں نسبت اولیٰ (یعنی نسبت مابین معطی وعطیہ) ثانی کے اطراف میں سے ایک طرف ہے۔ ورنہ کم از کم اُس کے اطراف میں ماخوذ ہے تو لازم طور پر نسبت ثانیہ کے احکام کو معطی و سالب تک بڑھا لیجانا ضروری ہے۔ فقط عطاء اور مسلوب پر اکتفا نہیں کرنا چاہیئے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ یہ ہے وہ نکتہ جو دونوں کا فرق واضح کرتا ہے اگر فہم رکھتے ہو۔ ورنہ لفظی فردگذاشتیں جو کہ اس حیران سے ایسے میدان میں جو اقدام کو تھکا کر ڈگمگا دیتا ہے پیش آئی ہوں گی۔ دوران راہ میں ہی اوندھے منہ گرا کر مقصود اصلی تک نہ پہنچنے دینگی۔

چون ازین خرخشہا جان بسلامت بردیم و گوہر مقصود بکف آوردیم وقت آنست کہ درین جام جہان نما توجیہ ھی خمس و خمسون بطوریکہ "نہ پیالہ بشکند و نہ بادہ ریزد" پیش نظرت کشیم۔ در تقریر گذشتہ بذہنت نشستہ باشد کہ عللِ مقتضیۂ پنجاہ رکعت خواہ از شیونِ مالک باشد یا از شیونِ جمیل زمانہ ہمہ را پیش دست ست۔ کار ہمہ ازین رہ می رود۔ نظر برین مطابقت زمانی لازم آمد و مقابلہ زمانی ضرور افتاد۔ آن طرف اگر مالک و جمیل باعتبار تعددِ شیون و تجدد افعال بہ پیرایۂ پنجاہ عللِ مستقلہ سر می آرد، این طرف نیز باید خدمتیکہ مقابل آن دو اسم پاک نہادہ اند بہ پنجاہ عدد معدود باشد۔ مگر دانی کہ تعدُّد شیون و تجدُّد افعال اسماءِ حسنیٰ اگر بظہور می آید بواسطۂ زمانہ ظہور می آید۔ چنانچہ از مراعات ساعات کہ بگذشت بشناختہ باشی و بدین وجہ بہ یقین می پیوندد کہ این تعدُّد و آنہم تا پنجاہ در حقیقت از اوصاف زمانہ است نہ اوصاف اسماءِ حسنیٰ۔ درین بحث از اسماءِ حسنیٰ فقط دو اسم مالک و جمیل بکار آمدہ۔ و دانی کہ تعدُّد آن باعتبارِ ذات چہ قدر است۔

ھی خمس و خمسون کی توجیہ

جب[۵۷] ان خرخشوں سے ہم عافیت کے ساتھ اپنی جان بچا لائے اور گوہر مقصود بھی حاصل کر چکے تو اب وہ وقت آگیا ہے کہ اس جام جہان نما میں ھی خمسٌ وّ خمسون کی توجیہ بقول شخصے "نہ پیالہ بشکند نہ بادہ ریزد" کے طور پر آپ کے پیش نظر کر دیں۔

گذشتہ تقریر سے آپ کے ذہن میں بیٹھ گیا ہوگا کہ پچاس رکعت کا اقتضاء رکھنے والی علّتیں خواہ مالک کی شیون میں سے ہوں یا جمیل کی سب ہی کو زمانہ سے سابقہ پڑتا ہے اور سب کا کام اسی راہ سے نکلتا ہے۔ اس کے پیش نظر مطابقت و مقابلۂ زمانی ضروری و لازمی ہوا۔ اُس طرف اگر مالک اور جمیل تعدُّدِ شیون اور تجدُّدِ افعال کے اعتبار سے پچاس مستقل علّتوں کے

[۵۷] یہ اس اصل اشکال کا جواب ہے جس کی تقریر اس مضمون حاشیہ کے شروع میں کی گئی ہے۔ دیکھو صفحہ ۲۶۰۔ مترجم

پیرایہ میں سر ابھارتے ہیں تو اس طرف بھی جا ہئے کہ جو خدمت ان دو مقدس اسموں کے مقابل رکھی ہے اُس کی شمار پچاس ہو۔ مگر تم جانتے ہو کہ تعدُّدِ شیون اور تجدُّدِ افعال اسماءِ حسنیٰ کا اگر جلوہ افروزی کرتا ہے تو بواسطۂ زمانہ ہی کرتا ہے۔ چنانچہ ساعات کی مراعات کے سلسلہ میں جو بیان گذر چکا ہے اُس سے آپ پر واضح ہو چکا ہوگا اور اسی وجہ سے یہ امر یقینی ہو جاتا ہے کہ یہ تعدُّد اور وہ بھی پچاس تک زمانہ ہی کے اوصاف میں سے ہے، اسمار حسنیٰ کے اوصاف میں سے نہیں۔ اس بحث میں اسمار حسنیٰ میں سے فقط دو اسم مالک اور جمیل کام میں آئے ہیں اور تم جانتے ہو کہ اسمار حسنیٰ کا شمار ذات کے اعتبار سے کس قدر ہے۔

> داگر ازین مرتبہ ہم نظر بالاکنیم مالک وجمیل در اسم حمید مجتمع می شوند، و آنجا این تعددِ ہم بوحدت می انجامد۔ بالجملہ این تعداد اگر بہم رسیدہ از زمانہ بہم رسیدہ، و سرمایۂ این مقدار اگر ہست ہمین تعدد و تجدُّدِ ساعات و انصافِ آنہاست۔ چنانچہ از عنوان این تحریر ہویداست اندرین صورت اگر اختصارِ پنجاہ بہ پنج کردہ باشند چنانچہ فرمودہ اند ھی خمس و خمسون اختصارِ پنجاہ وقت بہ پنج وقت فرمودہ باشند، نہ آنکہ پنجاہ رکعت را بہ پنج رسانیدہ باشند تا عاقلے در حیرت افتد کہ اینجا پنجاہ رکعت بیازدہ رکعت آوردہ اند نہ آنکہ پنجاہ رکعت را بہ پنج رکعت سپردہ اند۔

اور اگر اس مرتبہ سے بھی ہم نظر بلند کرلیں تو واضح ہو جائیگا کہ مالک اور جمیل (دونوں) اسم حمید میں مجتمع ہو جاتے ہیں۔ یہاں آکر اُس تعدُّد کا انجام بھی وحدت ہو جاتا ہے۔ الحاصل یہ تعدُّد اگر پہنچا ہے تو زمانہ ہی سے بہم پہنچا ہے اور اس مقدار کا سرمایہ اگر ہے تو وہی ساعات کا تعدُّد اور تجدُّد اور اُن کے نصف حصّے ہیں۔ چنانچہ اس تحریر کے مقدمات سے واضح ہو چکا ہے۔ تو اس صورت میں اگر اختصار پچاس کا پانچ سے کر دیا گیا ہو (بقاعدۂ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا) تو حسب قیاس ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے ھی

ھی خمس و خمسون میں اختصار پچاس وقت کا پانچ وقت کا مراد ہے

خمسٌ وخمسون (یہ پانچ اور پچاس ہیں) اس ارشاد میں اختصار پچاس وقت کا پانچ وقت سے فرمایا گیا ہے نہ یہ کہ پچاس رکعت کو گھٹا کر پانچ پر پہنچا دیا گیا ہے کہ ایک سمجھدار حیرت میں جا پڑے کہ یہاں پچاس رکعت کو گیارہ پر لائے ہیں۔ نہ یہ کہ پچاس رکعت کو پانچ پر لائے ہوں۔

> وشرح معمار ثانی این ست۔ چنانکہ تکثر اطراف نسبت واحدہ موجب تکثر احکام نسبت می شود۔ چنانچہ گزشت۔ ہمچنین وحدتِ اطراف نسبتین یا نسب اگر از یک جنس باشند موجب اتحاد احکام و وحدت آثار نسب میگردد۔ نمیدانی کہ اگر در نمازے دو سہو یا زیادہ کند سجدۃ السہو از قدر خود نیفزاید۔ در یک رمضان اگر دو فعل موجب کفارہ کردہ کفارہ بجا آوردن خواہد، یک کفارہ کافی ست۔ دو سرقہ موجب قطع کردہ اگر گرفتار آید یک دست او باید برید۔ علی ہذا القیاس وجہ این ادغام و اندماج بجز این چیست کہ منسوب واحد است اگرچہ نسب متعدد گردیدہ اند۔ اعنی فاعل ہمون یک است اگرچہ افعال کثیرہ بر روے کار آوردہ و عتق ہمہ غلام از اعتاق احد الشریکین نیز بہمین طرف رو دارد۔

دوسری سوال کا جواب

(دوسرا اشکال یہ تھا کہ صبح کی نماز کس طرح دو جانبوں یعنی نصف ثانی شب اور نصف اول روز میں محسوب ہوتی ہے۔ اب اس کا حل شروع کرتے ہیں) اور دوسرے معمّے کی شرح یہ ہے کہ جس طرح نسبت واحدہ کی اطراف کا تکثُّر (یعنی کثیر ہونا) احکام نسبت کے تکثُّر کا موجب ہوتا ہے جس کا بیان مفصل گذر چکا ہے۔ اسی طرح دو یا دو سے زائد نسبتوں کی اطراف کی وحدت اگر وہ ایک ہی جنس کی ہوں اُن نسبتوں کے اتحادِ احکام اور وحدتِ آثار کی موجب ہوتی ہے۔ تم نہیں جانتے کہ اگر کسی نماز میں دو یا دو سے بھی زیادہ سہو ہو جائیں تو سجدۂ سہو اپنی مقدار سے نہیں بڑھتا۔ ایک رمضان میں اگر کوئی شخص دو فعل موجب کفارہ کا مرتکب ہو کر کفارہ ادا کرنا چاہے تو ایک کفارہ کافی ہے۔ اگر کوئی ایسی دو چوریوں کا مرتکب ہو کر گرفتار ہوگا جو

دو یا دو سے زائد نسبتوں کی وحدت اطراف اگر ایک ہی جنس کی نسبتیں ہوں تو احکام و آثار میں وحدت کا موجب ہوتی ہے

ان کے مثالیں

موجب قطع ید ہو تو اس کا ایک ہاتھ کاٹا جائے گا۔ علی ہذا القیاس۔ اس ادغام اور ایک کر دینے کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہے کہ منسوب واحد ہے اگرچہ نسبتیں متعدد ہو گئیں یعنی فاعل وہی ایک ہے۔ اگرچہ افعال کثیرہ کا اُس سے صدور و ظہور ہوا۔ اور دو شریکوں میں سے ایک کے آزاد کر دینے سے غلام کا پورا آزاد ہو جانا بھی اسی طرف رُخ رکھتا ہے۔

تفصیل این اجمال اگر ہوس داری بشنو کہ ہر فعل را از مرتبۂ قوت کہ در فاعل باشد ناگزیر است این نمی توان شد کہ بے اعانت مرتبہ بالقوہ مرتبہ بالفعل بفعلیت آید۔ بہر این دعوے چہ حاجت کہ دلیلے بر نگاریم کہ پیش اہلِ علم بمرتبۂ بدیہیات رسیدہ، بلکہ نزد اہلِ عقل خود از بدیہیات است۔ پس ہر فعلیکہ از یک جنس باشد یا گوئی منشأ آن این مرتبہ بالقوہ باشد فاعل آن ہمین یک قوت است وبس۔ گو در بادی الرائے مرد صاحبِ قوت را نیز فاعل نام نہند یا بطور تعبیر عنوانی صفت دیگر را از صفات صاحبِ قوت در بیان آوردہ نسبت فاعلیت کنند مثلاً گویند کتب القائم او فہم القاعد و امثال ذٰلک۔ بظاہر نظر درین امثلہ نسبت فاعلیت این افعال بصفاتے کردہ اند کہ در تحقق این افعال ہیچ مدخلے ندارند۔ آنچہ در تحقق این افعال دخیل است قوتے و ملکۂ دگر است، و فاعل در حقیقت ہمان ست نہ این اوصاف عنوانی۔

اگر اس اجمال کی تفصیل سننے کی خواہش ہے تو سنو۔ ہر فاعل کے لئے ایک مرتبۂ قوت کا جو فاعل میں ہوتا ہے ضروری ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مرتبہ بالقوہ کی اعانت کے بغیر مرتبہ بالفعل فعلیت میں آجائے۔ اس دعوے کے لئے کوئی دلیل تحریر کرنے کی حاجت نہیں کہ اہل علم کے لئے یہ بات بدیہیات کے مرتبہ تک پہنچی ہوئی ہے۔ بلکہ اہل عقل کے نزدیک خود بدیہیات میں سے ہے۔ تو جو فعل کہ ایک جنس سے ہو، یا یوں کہئے کہ (جو فعل کہ) منشأ اس کا یہ بالقوہ کا مرتبہ ہو اُس کا فاعل بھی بس یہی ایک قوت ہے۔ گو ظاہر نظر میں مرد صاحبِ قوت کا (یعنی اُس شخص کا جس میں یہ قوت پائی گئی) نام بھی فاعل رکھ دیتے ہیں۔ یا تعبیر عنوانی کے طور پر صاحب قوت کی صفات

یہ نہیں ہو سکتا کہ مرتبہ بالقوہ کی اعانت کے بغیر مرتبہ بالفعل فعلیت میں آجائے۔

میں سے کسی صفت کو بیان میں لا کر فاعلیت کی نسبت کر دیتے ہیں مثلاً کہیں کتب القائم یا فہم القاعد وغیرہ بظاہر نظر میں ان امثال میں ان افعال (کتب یا فہم وغیرہ) کی نسبت فاعلیت ایسی صفات کے ساتھ کر دی ہے جو ان افعال کے تحقق میں کوئی دخل نہیں رکھتے (یعنی قائم و قاعد وغیرہ) جو چیز کہ ان افعال کے تحقُّق میں دخیل ہے وہ ایک دوسری ہی قوت اور ملکہ ہے (یعنی قوتِ فہم اور ملکۂ کتابت) اور در حقیقت فاعل وہی ہے نہ یہ اوصاف عنوانی (یعنی وصف قیام وقعود)

جو قوت افعال کے تحقق میں دخیل ہوتی ہے در حقیقت وہی فاعل ہوتی ہے

ہاں اگر افعال از یک جنس نباشند، باز نتوان گفت کہ این ہمہ فروع از یک اصل بر آمدہ اند چنانکہ ہر فعل را ضرور است کہ از قوتے بر آمدہ باشد کہ اعتماد آن بر آن باشد۔ و قیام آن بدان ہمچنین ضرور است کہ اگر افعالِ یک فاعل از یک جنس نباشند ملکات و قواء آن نیز مختلف الاجناس باشند۔ یک ملکہ و یک قوت مخرج افعال مختلفۃ الاجناس نتواند شد، ورنہ لازم آید کہ وحدت ملکات اعتباری باشد کہ در زیر پردۂ آن اعتبار مصادیق متنوعہ سر نہفتہ باشند چہ بدیہی است کہ خروج حرکتے است از جانبے بجانبے پس اگر افعال مختلفہ از یک ملکہ خارج باشند لازم آید کہ متحرکاتِ مختلفہ از یک مبدأ کہ ہمان ملکہ است بر آمدہ اند اول در آن جا بودہ اند و پس از آن رو بہ بیرون نمودہ اند۔ اکنون بگو کہ آن وحدت کجاست و آن وحدت گو۔

ہاں اگر افعال ایک جنس سے نہ ہوں پھر نہیں کہہ سکتے کہ ایک ہی اصل سے یہ تمام فروع نکلی ہیں۔ جس طرح کہ ہر فعل کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسی قوت سے بر آمد ہوا ہو کہ اس کا اعتماد اور اس کا قیام اُسی قوت پر ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اگر ایک فاعل کے افعال ایک جنس سے نہ ہوں تو اُن افعال کے ملکات اور قوتیں بھی مختلف الاجناس ہوں۔ ایک ملکہ اور ایک قوت ایسے افعال کا مخرج نہیں ہو سکتی جن کی اجناس مختلف ہوں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ وحدت ملکات اعتباری ہو کہ اُس اعتبار کے پردے کے نیچے مختلف قسم کے مصداق سر چھپائے ہوئے

ایک ملکہ اور ایک قوت مختلف اجناس کے افعال کا مخرج نہیں ہو سکتی

ہوں۔ کیونکہ یہ بدیہی ہے کہ "خروج" ایک حرکت ہے ایک جانب سے دوسری جانب کو تو اگر افعالِ مختلفہ ایک ملکہ سے خارج ہوں گے تو لازم آئیگا کہ مختلف متحرکات ایک مبدأ سے جو وہ ملکہ ہی ہوگا باہر آئے ہوں۔ اول اُس جگہ تھے اور پھر اُنھوں نے باہر کی طرف رخ کیا۔ اب کہئے کہ وہ وحدت کہاں ہے اور کدھر چلی گئی۔

اگر این سخن را بوجہ ابلہی ابلہانہ یا ابلہ فریب دانستہ بدلت می خلد کہ اطلاق خروج درین مقام تجوز است نہ تحقیق تا برین بنا وجود اول خارج در مخرج لازم آید چہ افعال انتوان گفت کہ اول در ملکہ وقوت موجود بودند۔ وجود آن ہمیں فعلیت است کہ معبّر بمرتبہ بالفعل می شود جوابش این ست کہ مراد از مرتبۂ ملکہ وقوت وجود صفتے است بجانب موصوف بالذات واز مرتبۂ فعلیت تعدی وعروض آن بر معروض کہ موصوف بالعرض است۔ ومیدانی کہ ہر معروض را کہ موصوف بالعرض باشد موصوفے باید بالذات، وحرکتے باید کہ بوسیلۂ آن صفت موصوف بالذات با ورسد۔ وحرکات از ہر قسم کہ باشند ہر چند ماہیت واحدہ دارند اما اختلاف اجناس آن در محاورات اہل علم ہمین اختلافِ متحرکات آنہاست نہ بینی کہ حرکت را بکم وکیف نسبت دادہ انواع جُداگانہ قرار میدہند میگویند حرکت کمی و حرکت کیفی وغیر ذلک۔

ایک اشکال کی تقریر

اگر اس بات کو تم نادانی سے ابلہی یا ابلہ فریب سمجھو اور تمہارے دل میں یہ کھٹکتا ہو کہ اس مقام میں "خروج" کا اطلاق بسبیلِ مجاز ہوتا ہے نہ بطریقِ تحقیق کہ اس بنا پر اول خارج یعنی نکلنے والے کا مخرج میں موجود ہونا لازم آئے۔ کیونکہ افعال کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اول وہ ملکہ اور قوّت میں موجود تھے۔ اُن کا وجود تو یہی فعلیت ہے جس کو مرتبہ بالفعل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تمہید جواب

ملکہ اور قوت کے مرتبہ اور مرتبہ فعلیت کا مطلب

اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری مراد "ملکہ اور قوت کے مرتبے" سے موصوف بالذات کی جانب میں صفت کا پایا جانا ہے اور مرتبۂ فعلیت سے مراد اُس صفت کی تعدّی اور عارض ہونا ہے۔ ایسے معروض پر جو موصوف بالعرض ہے۔ اور یہ تم جانتے ہو کہ ہر اُس معروض کے لئے جو

ہر موصوف بالعرض کیلئے موصوف بالذات ضروری ہے اور ایسی حرکت کہ جسکے وسیلہ سے اسکی صفت ذاتی موصوف بالعرض کو عارض ہو۔

موصوف بالعرض ہو، ایک موصوف بالذات کا ہونا ضروری ہے۔ اور ایسی حرکت کا ہونا ضروری ہے کہ جس کے وسیلہ سے وہ موصوف بالذات کی صفت اُس (موصوف بالعرض) کو عارض ہو جائے۔ اور حرکات کسی قسم کی بھی ہوں اگرچہ ماہیتِ واحدہ رکھتی ہیں۔ لیکن اُن کی اجناس کا اختلاف اہل علم کے محاورات میں اُن کے متحرکات کا اختلاف کہا جاتا ہے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ حرکت کو کم اور کیف کی طرف نسبت دے کر جداگانہ انواع قرار دیدیتے ہیں اور حرکت کمّی اور حرکت کیفی وغیرہ کہتے ہیں۔

اکنون بشنو کہ اگر ملکاتِ متعددہ در شخصے فراہم آیند و مصدر افعال مختلفہ شوند بظاہر اگرچہ فاعل واحد است و منسوب الیہ شخص معین اما در حقیقت نہ فاعل واحد ست نہ منسوب الیہ مشخص بنسوب الیہ و فاعل ہر یک از افعال جداگانہ ملکۂ الیست جدا، و قوتی است ممتاز و بدین سبب بیقین میدانیم کہ نسبُ بہمہ وجوہ از یک دیگر ممتاز اند۔ پس نہ شاید کہ آثار یک دیگر مدغم و مندمج شدہ رنگ وحدت بگیرند۔ مثلاً شخصے ہم زنا کرد وہم چیزے بدزدی بُرد۔ احکام این دو فعل کہ جداگانہ ہستند بہم مندمج نخواہند شد۔ لہذا ضرور است کہ ہم بنا زیانہ ہا پشت او بیفشارند وہم پنجۂ او را از رسغ او بر آرند۔ نہ اینکہ بیکے ازین دو قناعت کنند و بگزارند و جہش ہمین است کہ منسوب الیہ متعدد است نہ واحد۔ قوت زنا قوتے ست جدا۔ و ملکہ سرقہ ملکۂ الیست علاحدہ۔ بہر دو جا چیز واحد نیست کہ موجب وحدت احکام شود۔

جواب

اب سنو۔ اگر چند ملکات ایک شخص میں جمع ہو جائیں اور افعال مختلفہ کے مصدر بن جائیں تو بظاہر اگرچہ فاعل ایک ہوگا اور منسوب الیہ ایک شخص معیّن ہوگا۔ لیکن در حقیقت نہ فاعل ایک ہوگا نہ منسوب الیہ مشخّص ہوگا۔ (حقیقت یہ ہے کہ) اُن افعال میں سے ہر ایک فعل کا منسوب الیہ اور فاعل الگ الگ ایک جدا ملکہ اور ایک ممتاز قوت ہے۔ اور اس سبب سے ہم یقین کے ساتھ جان لیتے ہیں کہ نسبتیں بہمہ وجوہ ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ اس لئے ایسا نہیں ہونا

دفعِ حرج کے طور پر سہولت باہمی اور نوبت بنوبت کام لینے کا اشارہ فرمادیا گیا ہے۔

وآن کہ حصص کم وبیش می باشند یا دو حصہ دار برابر یک سہیم می شوند آن را از قسمِ تعددِ منسوبات دریک جانب، واتحادِ منسوب الیہ بیک جانب پندار۔ نہ آن کہ در اصلِ نسبتِ ملک تجزی ست۔ باقی کمی بیشی وقتِ استخدام، مبنی برہمین تعددِ منسوبات ووحدتِ منسوب الیہ است۔ نہ برکمی بیشی اصلِ نسبتِ ملک۔ زیادہ ازین قلم سائی مناسبِ مقام نیست کہ سخن بیجا بیہودہ سریست۔ لہٰذا برسرِ مطلب می رسم برادرِ من اگر شخصے بتقاضائے نفس کافرکیش مثلاً مبتلائے زنا شد، بتازیانہ ہا پشت خود را خون کنانید از محلے و مقامے کہ داشت پائے خود برداشت ونسبتِ غیظ وغضبِ خداوندی مثلاً یا خلیفۂ وقت رابرہم زد۔ چون باز باشارۂ شیطان وسرتابیِ نفسِ بے دین، دران مقام آمدہ باز ہمان نسبت بدست آورد، ومستحقِ تازیانہ ہا شد، کہ ہم سزائے اوست، وہم بیک وجہ نعماء اد۔ کہ از موردِ غضب برون می کشد۔

تجزی نہ ہونے پر ایک اشکال کا جواب

اور وہ صورت کہ حصص کم وبیش ہو جائیں یا دو حصہ دار مل کر ایک حصہ دار کے برابر ہوں۔ اس صورت کو اس قسم میں سے سمجھنا چاہیئے جس میں منسوبات کا تعدد ایک جانب میں اور منسوب الیہ کا اتحاد ایک جانب میں ہو۔ نہ یہ کہ اصل نسبتِ ملک میں تجزّی ہے۔ باقی خدمت لینے کے وقت میں کمی بیشی، یہ بھی اسی تعددِ منسوبات اور وحدتِ منسوب الیہ پر مبنی ہے۔ اصل نسبتِ ملک کی کمی بیشی پر نہیں۔

رجوع بمقصد

اس سے زیادہ خامہ فرسائی مناسبِ مقام نہیں ہے کہ سخن بیجا دیوانہ پن ہوتا ہے۔ لہٰذا اب ہم برسرِ مطلب پہنچتے ہیں۔ عزیزِ من! اگر کوئی شخص نفسِ کافرکیش کے تقاضے سے مثلاً زنا میں مبتلا ہوا اور اُس نے اپنی پیٹھ کو کوڑوں سے لہولہان کرالیا تو جس محل اور مقام میں تھا پاؤں اٹھا کر اُس سے باہر آگیا، اور غیظ وغضب خداوندی کی یا مثلاً غیظ وغضب امیرِ وقت کی نسبت کو اپنے اوپر مسلط کرلیا۔ پھر جب شیطان کے اشارے اور نفسِ بے دین کی سرکشی سے دوبارہ اُسی نسبت میں اپنے کو مبتلا کرے گا تو پھر کوڑوں کا مستحق ہوگا جو اُس کی سزا بھی ہے اور ایک حیثیت سے اُس کے حق میں نعمت بھی۔ کہ (سزا کا پورا ہوجانا) اُس کو موردِ غضب سے باہر کھینچ لاتا ہے۔

سزا ایک حیثیت سے نعمت بھی ہے

اکنون بہ یقین دانستہ باشی کہ نمازِ صبح اگر تعمیرِ دو جانب می کند چہ شد، کہ منسوب الیہ این دو نسبت ہمین یک نماز است، اثر این دو نسبت کہ از ہر دو جانب ثواب بست و پنج بود، درین جا رسیدہ پنجاہ نخواہد شد۔ بلکہ ہمان بست و پنج خواہد ماند۔ این وقتے است کہ این نماز را این طرف بہ نمازِ عشاء، وآن طرف بہ نمازِ ظہر پیوندند، و ہر دو را باہم کردہ کارِ تعمیرِ مابین بگیرند۔ واگر آثارِ عشاء از حدِّ او کہ نصفِ شب است چنان کہ درین رسالہ موجّہ شد، برخلافِ اشارۂ نبوی صلعم چنان کہ دانستی این طرف متجاوز نہ دانی، و برکاتِ ظہر را از حدِ او کہ نصفِ روز است این طرف ساری نہ پنداری، باز ہم نظر بقوتِ تعمیر وتنویرِ اوقات کہ در نماز ہا نہادہ اند ہمان ثوابِ بست و پنج ارزانی داشتن ضروراست۔

تقریرِ جواب بطورِ نتیجہ مقدماتِ مذکورہ

اب آپ یقین کے ساتھ سمجھ گئے ہوں گے کہ صبح کی نماز اگر دو جانب کی تعمیر کردیتی ہے۔ (یعنی نصف آخرِ شب اور نصف اول روز کو عبادت سے معمور کردیتی ہے)، تو کیا ہوا جب کہ منسوب الیہ ان دونوں نسبتوں کا یہی ایک نماز ہے۔ تو ان دونوں نسبتوں کا اثر جو کہ دونوں جانب سے پچیس کا ثواب تھا، یہاں پہنچ کر پچاس نہیں بن جائے گا، بلکہ وہی پچیس رہے گا۔ یہ ایک ایسا وقت ہے کہ اس نماز کو اس طرف سے نمازِ عشاء سے اور اُس طرف سے نمازِ ظہر سے جوڑدیں اور ہر دو اطراف کو باہم ملا کر درمیانی حصہ کی معموری عبادت کا کام لے لیں۔ اور اگر عشاء کے آثار کو اُس کی حد سے جو نصف شب ہے جوکہ اس رسالہ میں اچھی طرح واضح کیا جاچکا ہے اور اشاراتِ نبوی صلعم بھی اس کی تائید کرتے ہیں جس کا بیان گذرچکا ہے، برخلاف اشاراتِ نبوی صلعم کے اس طرف متجاوز نہ مانو (یعنی عشاء کے آثار کو نصف شب

تک متجاوز نہ تسلیم کرو) اور ظہر کی برکات کو اُس کی حد سے کہ نصف روز ہے، اس طرف (یعنی زوال کے بعد متصل ساعت کے ابتدائی نقطہ کی طرف) سرایت کرنے والی نہ تسلیم کرو تو پھر بھی تعمیر اور تنویر اوقات کی اُس قوت پر نظر کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے نمازوں میں رکھی ہے (یعنی ایک نماز اپنے بعد آنے والی نماز تک کے پورے وقت کو عبادت سے معمور کر دیتی اور انوار سے بھر دیتی ہے۔ ہر نماز میں یہ قوت حق تعالیٰ نے رکھی ہے) وہی پچیس کے ثواب کا عطیہ متحقق رکھنا ضروری ہے۔

اعنی چنانکہ قیمت زر و نقرہ بر جوہر ذات اوست، نہ بر آنکہ بر معیار رسیدہ خطے روشن می کشد۔ آرے جوہر ذاتیش بدین فعل ظاہر می شود، و موجب رفع تردد کہ در عطا، قیمت بود، می شود ہمچنان در ہمہ موصوفات نظر بر ملکات آنہاست، نہ بر افعال۔ آن افعال فقط مظہر آن ملکات می باشند۔ چنانکہ جناب باری بجملہ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ط ہمین طرف اشارہ فرمودہ اند۔ زیراکہ امتحان مُظہر کمال اہلِ کمال می باشد نہ مُوجِدِ کمال۔ بدین سبب نماز صبح ہم قابل این قدر ثواب باشد۔ چہ اگر نمازے بجانب دیگر ازین نصف کہ صبح دران ست، بمقابل بودے ہر آئینہ تنویر آن نصف بطورے کہ از ظہر و عصر و مغرب و عشار بظہور آمدہ بظہور آمدے واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ فقط

سونے اور چاندی کی قیمت کا مدار جوہر ذات پر ہوتا کسوٹی کے روشن خط پر نہیں

یعنی جس طرح کہ سونے اور چاندی کی قیمت کا مدار اُس کے جوہر ذات پر ہوتا ہے، اس پر نہیں ہوتا کہ وہ کسوٹی پر پہنچ کر ایک روشن خط نمودار کر دے۔ ہاں اُس کا جوہر ذاتی اس فعل سے ظاہر ہو جاتا ہے اور خریدار کو اس کی قیمت دینے میں جو تردّد تھا اُس کے رفع ہونے کا موجب ہو جاتا ہے۔ اُسی طرح تمام موصوفات میں اُن کے ملکات پر نظر رکھی جاتی ہے، افعال پر نہیں۔ وہ افعال صرف اُن ملکات (اور جوہر ذات) کو ظاہر کرنے والے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ جل شانہ نے اس آیت میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:-

تمام موصوفات میں ملکات پر نظر ہوتی ہے

تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے۔	لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ط ۲۹/۱

کیونکہ امتحان، اہلِ کمال کے کمال کا ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ کمال کا وجود میں لانے والا نہیں۔ تو اس سبب سے صبح کی نماز بھی اس قدر ثواب کے قابل ہو گی۔ کیونکہ اگر اس نصف کے جس میں کہ صبح واقع ہے بالمقابل دوسری جانب میں کوئی نماز ہوتی تو یقیناً اس نصف کی نورانیت (بھی جو اس کا جوہر ذات ہے اُس سونے کی طرح جس کا جوہر کسوٹی پر نمایاں ہو جاتا ہے) عیاں ہو جاتی جس طرح کہ ظہر و عصر اور مغرب و عشار کی (تنویر) ظہور میں آگئی۔ واللہ اعلم و علمہ اتم واحکم۔ فقط

بحسن توفیقہ تعالیٰ اس ترجمہ سے مورخہ ۷۔ جمادی الاخرے شب چہار شنبہ ۱۳۷۶ھ بعد نماز عشار فراغت ہوئی۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

العبد الراجی الی رحمۃ ربہ القوی
اشتیاق احمد دیوبندی عفا اللہ عنہ
ناظم شعبۂ خوشنویسی دار العلوم دیوبند

آیۂ لیبلوکم میں ایک نکتہ لطیفہ



اللّٰہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب ؕ

الرأی النجیح

فی عدد

رکعات التراویح

تصنیف لطیف

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ

ناشر

شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند

فون: 01336-222429

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم دیوبند

زیر انتظام

بدرالدین اجمل علی القاسمی، رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

سلسلۂ مطبوعات شیخ الہند اکیڈمی (۳۴)

نام کتاب : الرأی النجیح فی عدد رکعات التراویح

تالیف : قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ

کمپیوٹر کتابت: محمد عیاض قاسمی، دیوبند

سن اشاعت : ۱۴۲۸ھ

صفحات : ۳۲

تعداد اشاعت: بارِ اول، گیارہ سو

ہدیہ : =/

ناشر

شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند

فون: 01336-222429

حرفِ صداقت

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ہمارے قابل فخر بزرگوں میں ہیں اور علم وعمل اور خلوص ودیانت کی جن بلندیوں پر فائز ہیں وہاں تک پہنچنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں، یہ بلند مرتبہ تو حق تعالیٰ اپنے خاص بندوں ہی کو عطا فرماتے ہیں، حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کے اکثر مضامین حالات کے پیش نظر لوگوں کے سوالات کے جواب میں لکھے گئے ہیں، جن میں حتی الامکان اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر بات کا جواب کتاب وسنت وحضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے معمولات کی واضح روشنی میں لکھا جائے، کسی کی دلآزاری نہ کی جائے، جو بات حق ہے اس کو حق ہی لکھا جائے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی کتابیں پڑھنے کے بعد طالب حق کے لئے کوئی پریشانی نہیں رہتی۔

زیرِنظر کتاب میں حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ نے اس سوال کے جواب میں کہ کیا نمازِ تہجد اور نمازِ تراویح ایک نماز کے دو نام ہیں یا دونوں الگ الگ نمازیں ہیں؟ اس کا جواب نہایت عمدہ اور حقیقی انداز میں دیا گیا ہے، دونوں نمازیں ایک نہیں ہیں بلکہ الگ الگ ہیں، جنہوں نے انہیں ایک ہی نماز سمجھا ہے انہیں غلط فہمی ہوئی ہے، اس غلط فہمی کو واقعات کی روشنی میں دور کردیا گیا ہے، تراویح کی نماز میں کتنی رکعتیں ہیں اسے بھی واضح کردیا گیا ہے، یہ کہنا کہ تراویح کی بیس رکعتیں بدعت ہیں قطعی طور پر غلط ہے، اور غلط فہمی پر مبنی ہیں، اس کے لئے جن مضبوط دلائل کی ضرورت سمجھی گئی وہ پیش کردئے ہیں، اب اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ شیخ الہند اکیڈمی اپنے اکابر کے علوم وفنون کو عام

افادیت کے لئے شائع کررہی ہے، متعدد کتابیں طبع ہوکر منصۂ شہود پر آچکی ہیں، اور مزید کتابیں پروگرام میں شامل ہیں، وقتاً فوقتاً وہ بھی منظر عام پر آتی رہیں گی، بندہ اس کے لئے حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحب کارگزار مہتمم، حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب اور بطور خاص حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم زیدمجدہم کا شکرگزار ہے کہ انہوں نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور اس کو آگے بڑھانے کے لئے ہدایات فرمائیں، اکیڈمی سے شائع ہونے والی یہ چونتیسویں کتاب ہے، توقع ہے کہ اہل علم حضرات اس سے پورا فائدہ اٹھائیں گے، حق تعالیٰ دارالعلوم کو ہمیشہ باقی رکھے اور اس کے علمی فیضان کو دور دور تک پھیلائے، آمین۔

(مولانا) بدرالدین اجمل علی قاسمی (صاحب)
نگراں شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند

پیش لفظ

خدا کا شکر ہے کہ شیخ الہند اکیڈمی نے اپنے اکابر کی نایاب یا کم یاب کتابوں کی طباعت کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، وہ جاری ہے، زیر نظر کتاب ''الرأي النجيح'' قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کی ہے جو اس سوال کے جواب میں لکھی گئی تھی کہ نمازِ تہجد اور نماز تراویح ایک ہی نماز ہیں یا دونوں الگ الگ نمازیں ہیں، نیز تراویح کی نماز میں کتنی رکعتیں ہیں، آٹھ رکعتیں، گیارہ رکعتیں، بیس رکعتیں یا اس سے بھی زیادہ رکعتیں، اس سلسلے میں صحیح بات کیا ہے؟

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے کتاب وسنت کی روشنی میں مضبوط دلائل کے ساتھ صحیح بات پیش کردی ہے، اس میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے، کتاب کو تحقیقی نگاہ سے پڑھنے کے بعد حق بات واضح ہوکر سامنے آجاتی ہے اور خواہ مخواہ مسئلہ کو الجھانے کی اور اختلاف کو بڑھاوا دینے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تراویح کی بیس رکعتیں پڑھنا درست نہیں ہے، بدعت ہے۔ جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ یہی سنت طریقہ ہے، قرونِ ثلاثہ میں بیس رکعتوں کو کسی نے بدعت نہیں کہا ہے، یہ سب بعد کے لوگوں کی پیداوار ہے جنھیں اختلاف پیدا کرنے میں لطف آتا ہے، اسی ذہن وفکر کے لوگ آج بھی اس طرح کے مسائل جان بوجھ کر پیدا کررہے ہیں جبکہ یہ دور جس سے ہم گذر رہے ہیں اختلافات کو ہوا دینے کا نہیں ہے، بلکہ سر جوڑ کر بیٹھئے، حالات کو سمجھنے اور اسلام اور ملت اسلامیہ کو اسلام دشمن طاقتوں سے بچانے اور فکر وعمل میں اتحاد پیدا کرنے کا دور ہے، دشمنانِ اسلام نے ہمیشہ ہماری صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، اور آج بھی وہ اپنے پورے وسائل کے ساتھ اس میں لگے ہوئے ہیں، وقت کی نزاکتوں کا تقاضا ہے

کہ ہم ان کی چالوں کو سمجھیں ان کو ان کے مقاصد میں کامیاب نہ ہونے دیں اور ہمارے اپنے جو مختلف فیہ فروعی مسائل ہیں ان کو آگے نہ بڑھائیں۔ بلاشبہ مسائل کو سمجھنا ضروری ہے، ان کو سمجھیں مگر تحمل اور سنجیدگی کا دامن نہ چھوڑیں۔

کتاب میں آیات واحادیث کے حوالے درج نہیں تھے، اس کمی کو حسب ہدایت اہتمام جناب مولانا عبدالحفیظ صاحب رحمانی نے پورا کردیا، نیز موجودہ رواج اور ذوق کے مطابق رموز واوقاف بھی نہیں تھے، کتاب کو ان سے بھی آراستہ کردیا گیا، اس سے عبارت فہمی میں آسانی پیدا ہوگئی ہے، کتاب کی اصل عبارت میں کوئی ردو بدل نہیں کیا گیا ہے۔

دعا ہے حق تعالیٰ ہمیں صحیح راہ پر گامزن رہنے کی سعادت عطا فرمائے، اور شرور وفتن سے بچائے، آمین

(مولانا) مرغوب الرحمٰن (صاحب)
مہتمم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ صلوٰۃ تہجد اور صلوٰۃ تراویح دو نماز ہیں، یا ایک۔ اور صلوٰۃ تراویح کی جو بیس رکعت پڑھتے ہیں، آیا یہ مسنون ہیں یا بدعت اور قرونِ ثلاثہ میں سے کسی عالم کی رائے بست رکعت کے بدعت ہونیکی ہوئی ہے یا نہیں۔ اور ائمہ مجتہدین کا اس میں کیا مذہب ہے؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا

الجـــــــــــــــواب

حَامِدًا وَّ مُصَلِّیًا

اقول وباللّٰہ التوفیق کہ نمازِ تہجد اور نمازِ تراویح ہر دو صلوٰۃ جداگانہ ہیں کہ ہر دو کی تشریع اور احکام جدا ہیں کہ تہجد ابتداء اسلام میں تمام امت پر فرض ہوا اور بعد ایک سال کے تہجد کی فرضیت منسوخ ہو کر تہجد تطوعاً رمضان وغیر رمضان میں جاری رہا، **قال تعالٰی ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ﴾** الآیۃ[1] عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، حدیث طویل میں کہ تہجد بعد فرض ہونے کے نفل ہو گیا، چنانچہ ابوداؤد نے روایت کیا ہے **قَالَ[2] قلت حدثینی عن قیام الیل قالت ألست تقرأ یٰۤاَیُّهَا المزمل قال قلت بلی قالت فان اول هذه السورة نزلت فقام اصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم حتی انتفخت اقدامهم وحبس خاتمتها فی السماء اثنی عشر شهراً ثم نزل آخرها فصار قیام الیل تطوعاً بعد فریضة ...... الٰی آخر الحدیث[2] .**

ا۔ اے چادر اوڑھنے والے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جاگ رات میں۔
۲۔ کہا راوی نے عرض کی میں نے (یعنی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں) حدیث بیان کیجئے مجھ سے آنحضرتؐ کے قیام لیل کے بارے میں فرمایا حضرت عائشہؓ نے، کیا نہیں پڑھتا تو یٰۤاَیُّهَا الْمُزَمِّلُ کہا عرض کی میں نے ہاں پڑھتا ہوں، فرمایا: جب اول اس سورت کا نازل ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرتؐ نے قیام لیل کا کیا یہاں تک کہ ورم آ گیا ان کے قدموں پر اور روک لیا اللہ تعالیٰ نے خاتمہ اس سورت کا آسمان میں بارہ مہینہ تک پھر نازل ہوا آخر اُس کا اور قیام لیل فرض سے نفل ہو گیا۔

ع۱۔ المزمل آیت نمبر ا۔
ع۲۔ عن سعد بن هشام، باب فی صلوٰة اللیل، ابوداؤد: ج ا، ص ۱۸۹ (مختار اینڈ کمپنی دیوبند)

اس سے ثابت ہوا کہ تہجد قبل ہجرت ابتداء اسلام میں تطوعاً مشروع ہو چکا تھا اور اُس پر سب صحابہ رضی اللہ عنہم تطوعاً رمضان وغیر رمضان میں عملدرآمد رکھتے تھے اور تراویح کا اُس وقت میں کہیں وجود نہیں تھا، پھر بعد ہجرت کے جب صوم رمضان فرض ہوا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور اُس میں یہ فرمایا: **جعلؔ[1] اللّٰه صیامه فریضة وقیامه تطوعا** الیٰ آخر الحدیث[1]، اس روایت کو مشکوٰۃ نے بیہقی سے نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیام رمضان اس وقت تنفلا مقرر ہوا، اور اس سے یہ سمجھنا کہ تہجد جو سابق سے تطوع تھا اُس کا ذکر فرمایا ہے بعید ہے، کیونکہ اگر یہ مقصود ہوتا تو اس طرح فرماتے کہ نماز تہجد اب بھی نفل ہی ہے یا مثل اس کے کچھ الفاظ فرماتے، اس واسطے کہ تہجد پہلے سے رمضان میں جاری تھا پھر اب اُس کا ذکر کرنا کیا ضرور تھا جیسا کہ دیگر صلوٰۃ فرض و نفل کا کچھ ذکر نہیں فرمایا۔ البتہ بعض احادیث میں اعمال رمضان کی فضیلت فرمائی ہے اور اس فقرہ میں کوئی فضیلت کی بات نہیں بلکہ دوسری صلوٰۃ نفل کی مشروعیت کا ذکر ہونا ظاہر ہے۔

اور دوسری روایت سنن ابن ماجہ کی اس طرح پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿**کتبَ[2] اللّٰه علیکم صیامه وسننت لکم قیامه[2]**﴾ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باذن اللہ تعالیٰ قیام رمضان کو تطوعاً مقرر فرمایا حالانکہ تہجد خود بحکم خدا تعالیٰ قبل اس سے نفل ہو چکا تھا اور قیام رمضان کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متنفل فرمایا، سو اس سے بھی معلوم ہوا کہ تہجد و تراویح تشریعاً دو نماز ہیں، کہ دو وقت میں مقرر کی گئی ہیں اور تہجد قرآن شریف سے ثابت ہوا اور تراویح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ا۔ کر دئے اللہ تعالیٰ نے روزہ اس کے فرض اور قیام اُس کا نفل۔۱۲
۲۔ فرض کر دئے اللہ تعالیٰ نے روزہ اس کے یعنی رمضان کے اور سنت بنایا میں نے قیام اس کا۔۱۲

ع۱۔ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصوم، الفصل الثالث ص ۱۷۳، عن سلمان الفارسی، قیامه تطوعا کے بجائے مشکوٰۃ کے پیش نظر نسخہ میں ''وقیام لیله تطوعاً'' ہے۔ (فیصل پبلی کیشنز دیوبند)
ع۲۔ ابن ماجہ، باب ماجاء فی قیام شهر رمضان، ص ۱۹۵، عن ابی سلمة بن عبدالرحمٰن (مطبع ایم بشیر حسن اینڈ سنز کلکتہ)

ہر روز تہجد کو آخر شب میں پڑھا ہے، چنانچہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔ ثم[1] قلت فای حین کان یقوم من اللیل قالت کان یقوم اذا سمع الصارخ[1] اور دیگر روایات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور تراویح کو آپؐ نے اول لیل میں پڑھا ہے، مشکوٰۃ شریف میں ہے عن[2] ابی ذر قال صمنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلم یقم بنا شیئا من الشهر حتى بقي سبع فقام بنا حتى ذهب ثلث الّيل فلما كانت السادسة لم يقم بنا فلما كانت الخامسة قام بنا حتى ذهب شطر اليل فقلت يا رسول الله لو نفلتنا قيام هذه الليلة فقال ان الرجل اذا صلى مع الامام حتى ينصرف حسب له قيام ليلة فلما كانت الرابعة لم يقم بنا حتى بقي ثلث اليل فلما كانت الثالثة جمع اهله ونساءه والناس فقام بنا حتى خشينا ان يفوتنا الفلاح قلت وما الفلاح قال السحور ثم لم يقم بنا بقية الشهر رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ[2]۔

[1] پھر کہا میں نے (یعنی راوی نے) پس کس وقت تھے رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اٹھتے رات سے فرمایا جب سنتے تھے آواز مرغ کی۔۱۲

[2] مروی ہے حضرت ابوذرؓ سے کہ روزے رکھے ہم نے ساتھ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے پس نہ قیام کیا ہمارے ساتھ مہینہ میں سے یہاں تک کہ سات دن رہ گئے اور مہینہ انتیس کا تھا) پس قیام کیا ہمارے ساتھ (یعنی تئیسویں رات کو) یہاں تک کہ گزر گئی تہائی رات، پس جب چھٹی رات آئی (یعنی مہینہ کی آخر سے شمار کرتے ہوئے اور وہ انتیس والے مہینہ میں چوبیسویں رات ہے) نہ قیام کیا ہمارے ساتھ پھر جب اسی حساب سے پانچویں رات کہ فی الحقیقۃ پچیسویں ہے پیش آئی تو قیام کیا ہمارے ساتھ یہاں تک کہ نصف رات گزر گئی پس عرض کی میں نے (یعنی ابوذرؓ نے) یا رسول اللّٰہ کاش کہ زیادہ کرتے آپ ہمارے لئے قیام اُس رات کا، فرمایا: البتہ شخص جب نماز پڑھتا ہے امام کے ساتھ یہاں تک کہ امام فارغ ہو جائے لکھا جاتا ہے اُس کے حق میں قیام ساری رات کا (یعنی اگرچہ ساری رات کا قیام نہ کیا ہو) پھر جب اسی حساب سے چوتھی رات آئی (کہ وہ فی الحقیقت چھبیسویں ہے) نہ قیام کیا ہمارے ساتھ یہاں تک کہ باقی رہی تہائی رات پھر جب تیسری رات آئی کہ وہ فی الحقیقت ستائیسویں ہے) جمع کیا اپنے کنبہ کو اور لوگوں کو پس قیام کیا ہمارے ساتھ یہاں تک کہ ڈرے ہم کہ فوت ہو جائے ہم سے فلاح، عرض کی میں نے کہ کیا مراد ہے فلاح سے فرمایا کہ سحری پھر قیام نہ کیا ہمارے ساتھ باقی مہینہ میں (یعنی اٹھائیسویں اور انتیسویں کو۔۱۲

ع[1] عن مسروق عن عائشة، مسلم جلد اول، باب صلوٰة الليل وعدد ركعات النبی صلى الله عليه وسلم فی الليل وان الوتر ركعة وان الركعة صلوٰة صحيحة، ص۲۵۵ (یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند)
عن مسروق عن عائشة، بخاری ج۱ص۱۵۲، باب من نام عند السحر (مریم اجمل فاؤنڈیشن ممبئی)

ع[2] مشکوٰۃ المصابیح، باب قیام شہر رمضان۔ص۱۱۴،عن ابی ذر۔الفصل الثانی۔فیصل پبلی کیشنز دیوبند

پہلی اور دوسری دفعہ میں تو نصف لیل تک فراغت پائی اور تیسرے دن اول سے لیکر اخیر شب تک ادا فرمایا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو صلوٰۃ جداگانہ ہیں اور رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تہجد کو ہمیشہ منفرداً پڑھتے تھے کبھی بہ تداعی جماعت نہیں فرمائی اگر کوئی شخص آ کھڑا ہوا تو مضائقہ نہیں جیسا کہ مثلاً ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ خود ایک دفعہ آپؐ کے پیچھے جا کھڑے ہوئے تھے، بخلاف تراویح کے کہ اس کو چند بار تداعی کے ساتھ جماعت کر کے ادا کیا چنانچہ اسی حدیث ابی ذرؓ سے واضح ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو صلوٰۃ جداگانہ ہیں۔ اور رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تہجد کے واسطے تمام رات کبھی نہیں جاگے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا بیان تہجد میں فرماتی ہیں: ولا[1] اعلم نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قرأ القرآن كله فی ليلة واحدة ولا صلى ليلة الى الصبح الى آخر الحديث[1] اور یہ ان کی تحدید صلوٰۃ تہجد میں ہے، ورنہ صلوٰۃ تراویح میں صبح تک نماز پڑھنا روایت ابوذر سے خود ثابت ہو چکا ہے، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللّٰہ عنہا کو بھی خود اس کا علم ہے، اس واسطے کہ آپؐ نے اپنی سب اہل و نساء کو جمع کیا تھا، پھر باوجود اس امر کے جو آپ انکار احیا تمام لیل کا فرماتی ہیں تو یہ کہنا کہ آپ کو خبر نہیں یا نسیان ہوا نہایت بیجا ہے۔ بلکہ یہ وجہ ہے کہ انکار احیاء تمام لیل کا صلوٰۃ تہجد میں وارد ہوا کیونکہ سعد بن ہشام راوی حدیث صلوٰۃ تہجد ہی کو پوچھتے تھے اور اسی کے باب میں آپ نے یہ امر فرمایا تھا۔

چنانچہ مسلم میں یہ روایت موجود ہے نہ تراویح میں کہ اس کا یہاں ذکر ہی نہیں تھا علیٰ ھذا جو ابوسلمہ نے قیام رمضان کو پوچھا ہے تو وہاں بھی مراد قیام رمضان سے تہجد ماہِ رمضان کا ہے۔ غرض ان کی یہ تھی کہ تہجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا رمضان میں بہ

[1] اور نہیں دیکھا میں نے رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو کہ پڑھا ہو سارا کلام اللّٰہ ایک رات میں یا نماز پڑھی ہو ساری رات میں۔۱۲

ع[1] عن سعد بن هشام عن عائشة – مشكوة المصابيح – باب الوتر – الفصل الاول ص ۱۱۱، فیصل پبلی کیشنز دیوبند

نسبت اور شہور کے زیادہ ہوتا تھا یا نہیں۔ بخاری میں ہے: **عن[1] ابی سلمة بن عبدالرحمٰن انه سأل عائشة کیف کانت صلوٰة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی رمضان فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشرة رکعة یصلی أربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلاثا فقلت یا رسول اللّٰه اتنام قبل ان توتر قال یا عائشة اِن عینی تنامان ولاینام قلبی[1]۔**

کیونکہ ظاہر متبادر اس حدیث سے یہ ہے کہ ابوسلمہ نے خاص قیام رمضان کو سوال کیا اور حضرت عائشہؓ نے یہ فرمایا کہ رمضان میں کوئی خاص نماز نہیں تھی، بلکہ رمضان وغیر رمضان میں ہر روز گیارہ رکعت پڑھتے تھے، اس سے زیادہ کبھی نہیں پڑھتے تھے، اور ہیئۃ پڑھنے کی یہ تھی کہ چار رکعت پڑھی اور سو گئے، پھر چار رکعت پڑھی اور سو گئے، پھر تین وتر پڑھے اور دائماً یہی عادت تھی، رمضان وغیر رمضان میں اس کے خلاف نہیں۔ پس اگر اس کے یہی معنی ہیں تو یہ حدیث بہت سی روایات کے معارض ہوتی ہے اور واقع کے بھی خلاف ہے، کیونکہ حضرت عائشہؓ خود آپ ہی تیرہ رکعت روایت فرماتی ہیں، چنانچہ موطا امام مالک میں ہے: **عن[2] عائشة قالت کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یصلی باللیل ثلث عشرة رکعة ثم یصلی اذا سمع النداء للصبح برکعتین خفیفتین انتهٰی[2]۔**

---

[1] مروی ہے حضرت ابوسلمہ ابن عبدالرحمٰن سے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں (یعنی تہجد کی) کیسی تھی؟ پس فرمایا حضرت عائشہؓ نے کہ نہ زائد کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور خارج رمضان کے گیارہ رکعت پر، نماز پڑھا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعتیں پس نہ پوچھئے ان کے حسن اور درازی سے پھر پڑھتے تھے چار رکعت پس نہ پوچھئے ان کے حسن اور درازی سے پھر پڑھتے تھے تین رکعت پس عرض کی میں نے (یعنی حضرت عائشہؓ نے) کیا سوتے ہیں آپ یا حضرت وتر پڑھنے سے پہلے فرمایا آپؐ نے اے عائشہ! آنکھیں میری سوتی ہیں اور نہیں سوتا دل میرا۔۱۲

[2] مروی ہے حضرت عائشہ سے کہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے رات میں تیرہ رکعتیں پھر پڑھتے تھے جب سنتی تھی اذان صبح کی دو رکعتیں ہلکی۔۱۲

---

[1]ع عن ابی سلمة بن عبدالرحمٰن – بخاری ج:۱،ص:۱۵۴ – باب قیام النبی صلی الله علیه وسلم باللیل فی رمضان وغیره – مریم اجمل فاؤنڈیشن ممبئی۔

[2]ع عن عائشة ام المومنین، موطا امام مالک ص۴۲، صلوة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی الوتر، کتب خانہ اعزازیہ دیوبند

اور حضرت ابن عباسؓ خود تیرہ رکعت تہجد کی غیر رمضان میں نقل کرتے ہیں اور بعض دیگر صحابی بھی تیرہ رکعت روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں ہیئۃ صلوٰۃ کی بھی خلاف اس ہیئۃ مذکورہ فی حدیث عائشہؓ کے ہے۔ چنانچہ مسلم میں بذیل روایت طویلہ ابن عباسؓ سے مروی ہے: **قال[1] ابن عباس فقمت فصنعت مثل ما صنع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ثم ذهبت فقمت الی جنبه فوضع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یده الیمنی علی راسی واخذ باذنی الیمنٰی یفتلها فصلی رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم اوتر ثم اضطجع حتی جائه المؤذن فقام فصلی رکعتین خفیفتین ثم خرج فصلی الصبح[1]** اور ایک دوسری روایت میں ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو مسلم میں موجود ہے **فقام[2] فصلی فقمت عن یساره فاخذ بیدی فادارنی عن یمینه فتتامت صلوة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من اللیل ثلث عشرة رکعة ثم اضطجع فنام حتی نفخ الی اٰخر الحدیث[2]** اور زید بن خالد الجہنی سے مسلم میں روایت ہے: **عن[3] زید بن خالد الجهنی انه قال لارمقن**

---

[1] فرمایا ابن عباس نے پس اٹھا میں اور کیا میں نے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا (یعنی وضو کیا) پھر گیا میں اور کھڑا ہوا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (یعنی بائیں طرف) پس رکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنا ہاتھ اپنا میرے سر پر اور پکڑا داہنا کان میرا کھینچتے تھے اُسے (یعنی داہنی طرف کر دیا) پس پڑھی دو رکعتیں پھر دو رکعتیں پھر دو رکعتیں پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں پھر وتر پڑھے، پھر لیٹ گئے یہاں تک کہ موذن آیا پس اُٹھے اور دو رکعتیں خفیف پڑھیں پھر نکلے اور نمازِ فجر کی پڑھی۔۱۲

[2] پس اٹھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نماز پڑھی پس کھڑا ہوا میں بائیں طرف ان کی پس پکڑا ہاتھ میرا اور پھیرا داہنی طرف پس تمام نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ رکعت ہوئی پھر پڑ کر سو گئے یہاں تک کہ آپؐ کے سانس مبارک کی آواز معلوم ہوتی تھی۔۱۲

[3] مروی ہے زید بن خالد جہنی سے کہا انہوں نے ارادہ کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھنے کا پس پڑھی آپؐ نے دو رکعتیں خفیف پھر دو رکعتیں بہت طویل پھر اور دو خفیف پہلیوں سے پھر اور دو اور وہ خفیف تھیں اپنی پہلیوں سے پھر اور دو ایسی ہی پھر اور دو ایسی ہی پھر اس نماز کے ساتھ وتر ملایا پس یہ سب تیرہ رکعتیں ہوئیں۔۱۲

---

[1]ع عن ابن عباس، مسلم ج۱،ص۲۶۰، باب صلوٰة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ودعائه باللیل، یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند

[2]ع عن زید بن خالد الجهنی، مسلم ج۱،ص۲۶۲، باب صلوٰة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ودعائه باللیل، یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند

صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى ركعتين خفيفتين ثم ركعتين طويلتين طويلتين طويلتين ثم صلى ركعتين وهما دون اللتين قبلهما ثم صلى ركعتين وهما دون اللتين قبلهما ثم صلى ركعتين وهما دون اللتين قبلهما ثم صلى ركعتين وهما دون اللتين قبلهما ثم اوتر فذلك ثلث عشرة ركعة .

دیکھو یہ احادیث ثلاثہ عدد رکعات اور ہیئۃ ادا دونوں میں خلاف اُس حدیث عائشہ کے ہیں، اور اوپر حدیث ابوذر سے معلوم ہوا کہ تین روز جو آپ ﷺ نے نماز رمضان میں پڑھی اگرچہ اُس کے عدد رکعات معلوم نہیں مگر ہرگز اُس میں چار چار رکعت پڑھ کر آپ ﷺ نہیں سوئے اور تین روز دوسرے رمضان میں جو بجماعت نماز پڑھی اُس میں بھی یہ ہیئۃ ثابت نہیں ہوئی، اور احادیث میں شدۃ اجتہاد عبادت رمضان کا مذکور ہے وہ بھی اس کے خلاف ہے، کیونکہ جب سب شہور کی صلوٰۃ لیل برابر تھی تو شدۃ اجتہاد کے کیا معنی؟ اور جن روایتوں میں آیا ہے، کہ رمضان میں خصوصاً عشرہ اخیرہ میں نہیں سوتے تھے وہ بھی اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ بخاری میں ہے: اذا[1] دخل العشر شدمئزره واحيى ليله وايقظ اهله الحديث[1] اور بیہقی نے روایت کیا ہے: اذا[2] دخل رمضان لم يات فراشه حتى ينسلخ الحديث[2] .

ان دونوں حدیثوں سے شدۃ اجتہاد عبادۃ اور احیائے تمام لیل حاصل ہے نہ مساوات رمضان وغیر رمضان کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو بیان تہجد رسول اللہ صلی اللہ

۱ جب داخل ہوتا تھا اخیر عشرہ رمضان کا باندھ لیتے تھے تہ بند اپنا اور جگاتے تھے کنبہ اپنے کو۔۱۲
۲ جب داخل ہوتا تھا رمضان، نہیں آتے تھے اپنے بچھونے پر یہاں تک کہ نکل جائے۔۱۲

ع۱ عن مسروق عن عائشة، بخاری ج۱، ص۲۷۱، باب العمل فى العشر الاواخر من رمضان (مریم اجمل فاؤنڈیشن ممبئی، مختار اینڈ کمپنی دیوبند)

ع۲ لم اجد فى السنن الكبرى للبيهقى، وفى صحيح ابن خزيمة وجدت فى هذه الالفاظ، عن عائشة، كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل رمضان شدمئزره، ثم لم يات فراشه حتى ينسلخ . صحيح ابن خزيمة الجزء الثالث ص : ٣٤٢ ، باب استحباب ترك المبيت على الفراش ..... (المكتب الاسلامى بيروت)

علیہ وسلم کا سعد بن ہشام سے کیا وہ بھی اس روایت کے خلاف ہے چنانچہ روایت طویلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: فقالت[1] كنا نعد له سواكه وطهوره فيبعثه الله ماشاء ان يبعثه من اليل فيتسوك ويتوضأ ويصلى تسع ركعات لايجلس فيها الا فى الثامنة فيذكر الله ويحمده ويدعوه ثم ينهض ولايسلم ثم يقوم فيصلى التاسعة ثم يقعد فيذكر الله ويحمده ويدعوه ثم يسلم تسليما يسمعنا ثم يصلى ركعتين بعد ما يسلم وهو قاعد فتلك احدى عشرة ركعة يا بنى الخ[1] .

الحاصل نفی زیادت رکعات کی گیارہ سے اور یہ ہیئۃ خاص مخدوش ہوتی ہے، لہٰذا حق یہ ہے کہ معنی حدیث کے یہ ہیں کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے بایں وجہ کہ رمضان میں آپ کا اجتہاد عبادت زیادہ ہوتا تھا، تہجد رمضان کو پوچھا تھا، کہ آیا رمضان میں تہجد آپ کا بہ نسبت اور ایام کے زیادہ ہوتا تھا یا نہیں؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زیادہ تہجد کی نفی کی، صلوٰۃ تراویح سے اس میں کچھ بحث نہیں، نہ سوال میں نہ جواب میں۔ اور گیارہ رکعت کا ذکر اکثریہ ہے نہ کلیہ کہ اکثر تہجد کی رکعات آپ ﷺ کی گیارہ ہوتی تھیں اگرچہ احیاناً اس سے زیادہ بھی پڑھی ہیں، تو اِس حدیث میں نہ احیاناً زیادۃ تہجد کی نفی ہے اور نہ ذکر قیام رمضان کا جو سوائے تہجد کے ہے، بلکہ ذکر اُن عدد رکعات کا ہے جو اکثر اوقات تہجد رمضان وغیر رمضان میں ہوتا تھا۔ اور بعد اُس کے یہ جملہ يصلى اربعاً الخ یہ دوسرا امر ہے

۱ فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ تھے ہم تیار رکھتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسواک اور پانی وضو کا سو اٹھتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں جب اٹھاتے اللہ تعالیٰ اُن کو پس مسواک کرتے تھے اور وضو اور پڑھتے تھے نو رکعتیں نہیں بیٹھتے تھے ان میں سے مگر آٹھویں میں (یعنی وتر کی دو رکعت کے بعد اور تیسرے کی پہلی پھر یاد کرتے تھے اللہ کو اور ثنا کرتے تھے اُس کی اور دعا مانگتے تھے پھر کھڑے ہوتے تھے اور سلام نہ پھیرتے پھر پڑھتے نویں رکعت اور قعدہ کرتے اور یاد کرتے اللہ کو اور ثنا کرتے اُس کی اور دعا مانگتے پھر سلام پھیرتے ایسے سلام کہ ہمیں سنائی دیتے پھر پڑھتے تھے دو رکعت بعد سلام کے بیٹھ کر پس یہ گیارہ رکعت ہوئیں اے بیٹے !۱۲

ع۱ عن سعد بن هشام بن عامر، مسلم ج۱، ص۲۵۵-۲۵۶، باب صلوة الليل وعدد ركعات النبى صلى الله عليه وسلم فى الليل وان الوتر ركعة وان الركعة صلوة صحيحة. (یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند)

جس سے آپ کی قوۃ عبادت پر تنبیہ منظور ہے کہ نوم و یقظہ آپ ؐ کے اختیار میں تھا جب چاہیں جاگیں، جب چاہیں سوئیں، اور آپ ؐ احیانا ایسا کرتے تھے، نہ اِس ہیئۃ کو خصوصیت رمضان سے ہے نہ لزوم اُن رکعات سے۔ بلکہ یہ بعض اوقات کی حالت کا بیان ہے، اور یہ مستقل جملہ ہے۔ چونکہ قاعدہ بلاغت میں مقرر ہو چکا ہے، کہ عطف جملہ کا جملہ پر اُس وقت کرتے ہیں، کہ ہر دو جملوں میں بعض وجہ سے اتصال اور بعض وجہ سے انفصال ہو اگر بالکل اتصال ہو، یا بالکل انفصال ہو تو حرف عطف ذکر نہیں کرتے۔

پس یہاں حرفِ عطف ذکر نہ کرنا بوجہ کمال انفصال ہے، نہ بوجہ کمال اتصال چونکہ بیان شدت اجتہاد تھا اس وجہ سے اس کلام کو آپ نے ذکر کیا ورنہ جواب اُن کے سوال کا جو عدد رکعات تہجد رمضان کا استفسار تھا وہ تمام ہو چکا تھا۔ پس اس تقریر پر نہ معارضہ احادیث سے زیادۃ کا باقی رہا، اور نہ ہیئۃ کا، اور نہ احیاء تمام لیل کا، سب احادیث مطابق واقع کے اور باہم موافق ہو گئیں۔ اور یہی مراد حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تمام شب نماز نہ پڑھنا تہجد کے واسطے ہے۔ اور پڑھنا تراویح کے واسطے۔ اور بخاری نے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جماعت تراویح کو جو اول وقت میں حضرت ابیؓ کرا رہے تھے اور یہ جماعت خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مقرر کرائی ہوئی تھی، دیکھ کر یہ فرمایا: **والتی تناموں عنہا افضل من التی تقوموں**[1] تو اس سے بھی اگر مغایرت دونوں نمازوں کی نکالی جاوے تو بعید نہیں کیونکہ معنی اس قول کے یہ ہیں کہ جو نماز کہ اُس سے سو رہتے ہو تم یعنی تہجد کہ آخر رات میں ہوتی ہے، افضل ہے اُس نماز سے جو پڑھتے ہو تم یعنی تراویح کہ اول وقت پڑھتے تھے۔ اور چونکہ یہ لوگ تراویح کو پڑھ کر تہجد کو نہیں اٹھتے تھے تو حضرت عمرؓ نے اُن کو رغبت تہجد پڑھنے کی بھی دلائی کہ افضل کو ترک کرنا نہ چاہئے۔

[1] بخاری: ج۱ص۲۶۹، عن ابی هریرة، باب فضل من قام رمضان (مریم اجمل فاؤنڈیشن ممبئی)

لہٰذا اول وقت میں تراویح اور آخر میں تہجد ادا کریں ورنہ اس تراویح کو ہی اخیر وقت میں پڑھیں، کہ فضیلت بھی حاصل ہو جاوے اور آخر وقت کی تراویح سے تہجد بھی حاصل ہو جاوے، کہ بتداخل صلوٰتین دونوں نماز کا ثواب ملتا ہے اور اس سے فضیلت وقت بھی معلوم ہوگئی۔ چنانچہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے صراحتاً یہ ثابت نہیں ہوا کہ جب آپ ؐ نے اول رات میں تین روز تراویح پڑھی تو اخیر وقت میں تہجد پڑھا یا نہیں؟ واللہ اعلم۔ مگر فعل بعض صحابہ سے اِس کا نشان ملتا ہے چنانچہ ابوداؤد نے قیس بن طلق سے روایت کی ہے:[1] **فلما زارنا طلق بن علي في يوم من رمضان وامسى عندنا وافطر ثم قام بنا تلك الليلة واوتر بنا ثم انحدر الى مسجده فصلى باصحابه حتى اذا بقي الوتر قدم رجلا فقال اوتر باصحابك فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا وتران في ليلة** انتہیٰ[2]، اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ طلق بن علی نے اول لوگوں کے ساتھ موافق فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول وقت میں تراویح ادا کی، اور وتر بھی اُس کے ساتھ پڑھے، جیسا کہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور بعد اُس کے اپنی مسجد میں جا کر آخر وقت میں تہجد ادا کیا، اور اُس کے ساتھ وتر نہیں پڑھے، اور مقتدیوں کو حکم کیا کہ تم اپنے وتر پڑھ لو۔ اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے ساتھ وتر پڑھتے تھے، تو لہٰذا وہ مقتدی تہجد گزار کے ساتھ وتر پڑھنا چاہتے تھے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ دونوں وقت میں نماز پڑھی گئی اور صحابہؓ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہایت سرگرم تھے۔ سو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے وقت میں تہجد پڑھا ہوگا۔ اور یہ جو بخاری نے حضرت

[1] کہا قیس بن طلق نے زیارت کی ہمارے طلق بن علی کے دن میں رمضان کی اور شام کی ہمارے پاس اور افطار کیا پھر قیام کیا ہمارے ساتھ اُس رات میں اور وتر پڑھے ہمارے ساتھ پھر گئے اپنی مسجد کی طرف اور نماز پڑھی اپنے ساتھیوں کو یہاں تک کہ باقی رہ گئے وتر پھر آگے کیا کسی آدمی کو اور کہا وتر پڑھا اپنے ساتھیوں کو اس واسطے کہ سنا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ فرماتے تھے ایک رات میں دو دفعہ وتر نہیں۔۱۲

[2] ابوداؤد، باب في نقض الوتر، عن قيس بن طلق، ص۲۰۳ (مختار اینڈ کمپنی دیوبند)

عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے کہ فرماتے ہیں: **اذا دخل العشر شدمئزره واحیی لیله وایقظ اهله الحدیث**[ع۱] .

اس سے تین امر ثابت ہوتے ہیں اول یہ کہ ان ایام میں رسول اللہ ﷺ تمام رات جاگے ہیں اس واسطے کہ **احیی لیله** وہیں بولا جاتا ہے کہ تمام رات جاگیں۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جو انکار تمام رات کے جاگنے کا کیا ہے وہ تہجد کی نسبت ہے۔ نہ مطلقاً تو اس بیان میں خود تمام رات جاگنے کو ارشاد فرماتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ جن دو شب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کو ثلث لیل تک اور نصف لیل تک پڑھا تھا، تو بعد نصف شب کے آپؐ سوئے نہیں، کیونکہ وہ لیالی بھی داخل عشرہ تھیں۔ پھر بعد نصف شب کے غالب گمان یہ ہے کہ نوافل پڑھیں کہ وہ تہجد تھیں، کیونکہ آپؐ کی عادت رات کو نماز ہی پڑھنے کی تھی۔ بیٹھ کر ذکر کرنا یا قرآن پڑھنا معتاد نہیں، اس سے بھی اختلاف دونوں نمازوں کا مظنون ہوتا ہے۔

تیسرے یہ کہ تراویح آپؐ نے ہمیشہ پڑھی کہ اول شب میں جو کچھ پڑھتے تھے وہ تراویح تھی، اور آخر شب میں تہجد۔ سو تراویح فعلاً بھی سنت مؤکدہ ہوئی اور جو کچھ کہ آپؐ نے بخوفِ افتراض ترک کیا تھا وہ جماعت بتداعی تھی نہ نفس تراویح۔

الحاصل ان سب وجوہ سے مغایرت تہجد وتراویح کی ظاہر ہے۔ مگر ہاں ایک نماز دوسرے کے قائم مقام ہوسکتی ہے۔ کہ اگر تہجد کے وقت میں تراویح پڑھی جاوے تو تہجد بھی ادا ہو جاوے گا۔ اور یہ امر سب نوافل میں ہے مثلاً اگر بوقت ضحیٰ صلوٰۃ کسوف پڑھی جاوے تو صلوٰۃ کسوف قائم مقام صلوٰۃ ضحیٰ کے ہو جاتی ہے۔ اور اگر خسوف قمر کی نماز تہجد کے وقت پڑھی جاوے تو تہجد بھی ادا ہو جاتا ہے۔ اگرچہ بحیثیت تراویح۔ تراویح تہجد سے جدی صلوٰۃ ہے۔ اور صلوٰۃ کسوف صلوٰۃ ضحیٰ سے، اور صلوٰۃ خسوف صلوٰۃ تہجد سے مگر ثواب ہر دو کا حاصل ہو جاتا ہے، علی ھذا وقت ضحیٰ ایک ہے اور اُس

ع۱ عن مسروق عن عائشة، بخاری: ج۱، ص۲۷۱، باب العمل فی العشر والاواخر من رمضان (مریم اجمل فاؤنڈیشن ممبئی، مختار اینڈ کمپنی دیوبند)

کے فضائل میں احادیث وارد ہیں اور اول وقت اور آخر وقت دونوں وقت میں نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور ہر دو نماز علیحدہ ہیں مگر ایک کے پڑھنے سے ثواب وارد حدیث حاصل ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام رات نمازِ تراویح پڑھی تو تہجد کا بھی اُس میں تداخل ہو گیا۔ اور اگر ثلث شب تک پڑھے یا نصف تک بجماعت تو باقی شب میں منفرداً نماز ادا ہونا بظن غالب معلوم ہوتا ہے۔ مگر کسی راوی نے اس کو ذکر نہیں کیا واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعد اس کے واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام رمضان کے عدد رکعات کو قولاً محدود نہیں فرمایا، بلکہ مطلق صلوٰۃ کی رغبت دلائی اور مطلق حسب قاعدہ **المطلق یجری علی اطلاقه** یہ چاہتا ہے کہ صلوٰۃ کسی ہیئۃ اور کسی عدد سے اگر ادا کی جاوے مامور مندوب ہووے گی۔ دریں صورت پابندی کسی عدد کی نہیں ہوسکتی بلکہ مامور مختار ہے جس قدر چاہے پڑھے: **قال[۱] رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم من قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر له ماتقدم من ذنبه (الحدیث[ع۱]) وقال[۲] جعل اللّٰہ صیامه فریضة وقیامه تطوعا (الحدیث[ع۲]) وقال سننت لکم قیامه (الحدیث[ع۳])**

ان ہر دو حدیث میں بھی قیام رمضان کو مطلق ہی رکھا ہے کوئی عدد بیان نہیں فرمایا ہے، لہٰذا جیسا کہ تہجد پہلے سے مندوب تھا، ایسا ہی قیام رمضان جو تراویح ہے، مطلقاً اُمتہ پر وجناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مندوب ہوا۔ کہ ادنیٰ اس کے دو رکعت اور نہایت کی کوئی حد نہیں۔ اگرچہ ہزار یا کم زیادہ ہوں، پس بعد اس کے اگر

۱ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص قیام کرے رمضان میں اخلاص سے اور ثواب کی نیت سے بخشے جائیں گے اُس کے پہلے گناہ۔

ع۱ ابوداؤد، عن ابی هریرة، باب فی قیام شهر رمضان، ص۱۹۴ (مختار اینڈ کمپنی دیوبند)

ع۲ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصوم، الفصل الثالث ص۱۷۳، عن سلمان الفارسی، مشکوٰۃ کے پیش نظر نسخہ میں قیامه تطوعاً کے بجائے "وقیام لیله تطوعاً" ہے۔ (فیصل پبلی کیشنز دیوبند)

ع۳ ابن ماجہ، باب ماجاء فی قیام شهر رمضان، ص:۱۹۵ (مطبع ایم بشیر حسن اینڈ سنز کلکتہ)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عدد اکثر معمول فرمایا تو وہ سنت مؤکدہ ہوجاوے گا اور جس کو احیاناً ادا فرمایا وہ مستحب رہے گا۔ اور سوائے اس کے دیگر اعداد بھی مستحب رہیں گے۔ ہرگز بدعت نہیں ہوسکتے۔ اور یہ قاعدہ سب عبادات میں جاری ہے، کہ مامور مطلق اُن اعداد میں جن کو وہ شامل ہے مطلق ہی مطلوب ہوتا ہے۔ کسی عدد معین میں منحصر نہیں ہوتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے التزام سے سنت مؤکدہ اور احیاناً کرنے سے مستحب اور ماسوائے اس کے بھی مستحب۔

مثلاً حق تعالیٰ نے فرمایا: **استغفروا ربکم**[1] الآیہ اس سے استغفار مطلوب ہے اگرچہ وجوباً ہو یا ندباً بعد اُس کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **انی لاستغفر اللّٰہ فی کل یوم سبعین مرۃ**[2] تو اب اگر کوئی سبعین سے زیادہ استغفار کرے وہ اُسی امر مطلق کا فرد مطلوب ہوگا، اُس کو بدعت نہ کہہ سکیں گے۔ یہ جزئیہ بطور تنظیر لکھا گیا ہے۔ اہل علم بہت سے عبادات مستحبہ کو برین قیاس دریافت کرسکتے ہیں بناءاً علیہ جو صحابہ اور تابعین اور مجتہدین علماء نے اعداد رکعات اختیار کئے ہیں چنانچہ اُن کا ذکر آگے کیا جائے گا وہ سب انہیں احادیث کے افراد ہیں، کوئی اُن سے خارج نہیں سب مامور مندوب ہیں۔

مگر علماء حنفیہ کے نزدیک جو عدد ان میں سے فعل یا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بجماعت ثابت ہوا ہے، اُس میں جماعت کو سنت کہیں گے اور اُس کے سوائے میں جماعت کو بتداعی مکروہ فرمائیں گے، کیونکہ اُن کے نزدیک جماعت نفل بتداعی مکروہ ہے مگر جس موقع میں کہ نص سے ثابت ہوچکی ہے وہاں مکروہ نہیں۔ اسی واسطے کتب فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے، کہ اگر عدد تراویح میں شک ہوجاوے کہ اٹھارہ پڑھے یا بیس تو دو رکعت فرادی فرادی پڑھیں، نہ بجماعت بسبب اطلاق حدیث کے

---

[1] سورۂ نوح آیت ۱۰

---

[2] **عن سعید بن ابی بردۃ بن ابی موسیٰ عن ابیہ عن جدہ، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انی لاستغفر اللّٰہ واتوب الیہ فی الیوم سبعین مرۃ،** ابن ماجہ، **باب الاستغفار**، ص۲۷۹ (ایم بشیر حسن اینڈ سنز کلکتہ)

زیادہ ادا کرنا ممنوع نہیں، خواہ کوئی عدد ہو مگر جماعت بیس سے زیادہ کی ثابت نہیں جس کا ذکر آگے آوے گا۔

الحاصل قولاً کوئی عدد معین نہیں مگر آپؐ کے فعل سے مختلف اعداد معلوم ہوتے ہیں چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ کا قول جامع ترمذی میں ہے: **قال**[1] **احمد روی فی ذٰلك الوان لم یقض فیه بشيء** انتہیٰ[1] یعنی امام احمد نے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور کسی صورت کو مرجح نہیں بنایا، بلکہ سب کو جائز اور مستحب رکھا۔ از انجملہ ایک دفعہ گیارہ رکعت بجماعت پڑھنا ہے چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شب میں گیارہ رکعت تراویح بجماعت پڑھی: **وعن**[2] **جابر انه صلی بهم ثمان رکعات والوتر ثم انتظروه فی القابلة فلم یخرج الیهم رواه ابن خزیمة وابن حبان فی صحیحهما** انتہیٰ[2] مگر یہ آٹھ رکعت پڑھنا تراویح کا بجماعت مستلزم نفی زیادہ کو نہیں، اس واسطے کہ ممکن ہے بلکہ مظنون ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول آخر اس نماز کے منفرداً زیادہ پڑھی ہوں اس واسطے کہ رمضان میں آپؐ احیاء تمام لیل کا کرتے تھے، چنانچہ سابق میں گذرا، اور دیگر لیالی میں بجماعت گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھے ہوں یا منفرداً آپؐ نے زیادہ پڑھی ہوں اس کی نفی نہیں ہوسکتی، اس واسطے کہ حضرت جابرؓ نے یہ نہیں کہا کہ آپؐ نے ہر روز گیارہ رکعت پڑھیں نہ یہ کہا کہ سوائے اس کے اور کوئی رکعت نہیں پڑھی، بلکہ ایک دن کی صلوٰۃ بجماعت کا ذکر کرتے ہیں اور بس۔

---

[1] فرمایا امام احمد نے روایت کی گئی ہیں اس میں کئی صورتیں اور کچھ حکم نہ کیا امام احمد نے اس بارہ میں ۔۱۲

[2] مروی ہے جابرؓ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی صحابہؓ کے ساتھ آٹھ رکعتیں اور وتر پھر انتظار کیا، صحابہؓ نے آئندہ کی رات میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ نکلے روایت کیا اس کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں ۔۱۲

---

[1] ترمذی: ج۱ص۱۶۶، **باب ماجاء فی قیام شهر رمضان** (مختار اینڈ کمپنی دیوبند)

— پیش نظر نسخہ میں **ذٰلك** کے بجائے "**هٰذا**" ہے۔

[2] **عن جابر بن عبد اللّٰه، ابن خزیمه، باب ذکر دلیل بان الوتر لیس بفرض،** الجزء الثانی ص۱۳۸ (المکتب الاسلامی بیروت)

اور یہ واقعہ فعل ہے کہ احتمال عموم کا نہیں رکھتا اور نہ زیادہ رکعات کا معارض ہوسکتا ہے، اس واسطے کہ تعارض کے لئے وحدۃ زمان ومکان شرط ہے خصوصاً اُس شب میں کہ آپؐ نے تمام شب سب کو جمع کرکے نماز پڑھی جیسا کہ روایت ابوذر سے اوپر گذرا، اگر اس میں گیارہ رکعت پڑھی جاتی تو تطویل قیام بالضرور کوئی راوی بیان کرتا جس طرح تاخیر سجود کو ذکر کیا ہے، کیونکہ آٹھ نو گھنٹہ میں آٹھ رکعت پڑھنا نہایت دشوار ہوتا ہے تو یہ تطویل قابل ذکر تھی۔ جیسا کہ صلوٰۃ کسوف کی تطویل کو ذکر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا عجب نہیں کہ اس شب میں بیس رکعت پڑھی گئی ہوں۔ یا زیادہ اور منفرداً بھی آپؐ نے بیس رکعت بلکہ زیادہ پڑھی ہوں، اگرچہ ان تین شب کی عدد رکعات جو ابوذر نے نقل فرمایا کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا، بیس رکعت بلکہ زیادہ پڑھی ہوں اور وجہ نہ نقل کرنے کی یہ ہے کہ اعداد رکعات آپؐ کے مختلف تھے۔ اور قولاً اعداد رکعات کی تعیم تھی لہٰذا ہر روز کی اعداد کا ذکر کرنا کچھ ضرور نہیں سمجھا گیا۔

اور ابن عباس سے ابن ابی شیبہ نے جو اپنے مصنف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت پڑھنا نقل کیا ہے، اگرچہ وہ روایت ضعیف ہے مگر مؤید ہے آثارِ صحابہ سے کہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعت پڑھی ہیں اور جمہور تابعین اور فقہاء کا اس پر عمل درآمد ہے، جیسا کہ عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے:

قلت[۱] روی عبدالرزاق فی المصنف عن داؤد بن قیس وغیرہ عن

[۱] کہتا ہوں میں روایت کی عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں داؤد بن قیس سے اور ان سے انہوں نے محمد بن یوسف سے انہوں نے سائب بن یزید سے کہ تحقیق حضرت عمرؓ نے جمع کیا لوگوں کو رمضان میں ابی بن کعب اور تمیم داری کے پیچھے اکیس رکعت پر قیام کرتے تھے سو آیت والی سورتوں کے ساتھ اور فارغ ہوتے تھے صبح صادق کے طلوع کی قبیل کہتا ہوں میں (یعنی عینی) کہا ابن عبدالبر نے یہ محمول ہے اس پر کہ ایک رکعت وتر کی تھی اور کہا ابن عبدالبر نے روایت کی حارث بن عبدالرحمٰن بن ابی ذباب نے سائب بن یزید سے کہا کہ حضرت عمرؓ کی زمانہ میں قیام تئیس رکعت کے ساتھ تھا کہا ابن عبدالبر نے یہ محمول اس پر ہے کہ تین رکعتیں وتر کی تھیں اور کہا استاذ ہمارے نے یہ مراد یعنی ابن عبدالبر کی صحیح ہے ساتھ دلیل اُس کے کہ روایت کی محمد بن نصر نے روایت یزید بن خصیفہ کی سے انہوں نے سائب بن یزید سے کہ قیام کرتے تھے وہ رمضان میں بیس رکعت کے ساتھ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اور اثر حضرت علیؓ کا پس ذکر کیا اُس کو وکیع نے حسن بن صالح سے انہوں نے عمرو بن قیس سے انہوں نے ابوالحسناء سے

محمد بن یوسف عن السائب ابن یزید ان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ جمع الناس فی رمضان علی ابی بن کعب وعلی تمیم الداری علی احدی وعشرین رکعۃ یقومون بالمئین وینصرفون فی بزوغ الفجر قلت قال ابن عبدالبر ھو محمول علی ان الواحدۃ للوتر وقال ابن عبدالبر وروی الحارث بن عبدالرحمن ابن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال کان القیام علی عھد عمر بثلاث وعشرین رکعۃ قال ابن عبد البر ھذا محمول علی ان الثلاث للوتر وقال شیخنا وما حملہ علیہ فی الحدیثین صحیح بدلیل ما روی محمد بن نصر من روایۃ یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید انھم کانوا یقومون فی رمضان بعشرین رکعۃ فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالی عنہ واما اثر علی رضی اللّٰہ تعالی عنہ فذکرہ وکیع عن حسن بن صالح عن عمرو بن قیس عن ابی الحسنا عن علی رضی اللّٰہ تعالی عنہ انہ امر رجلا یصلی

انہوں نے حضرت علیؓ سے کہ انہوں نے امر کیا ایک شخص کو کہ نماز پڑھے لوگوں کے ساتھ بیس رکعت اور لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے سوا اور صحابہ پس روایت کی گئی ہے عبداللہ بن مسعودؓ سے میرا ظن یہ ہے کہ روایت کرنے والے محمد بن نصر مروزی ہیں کہا انہوں نے خبر دی ہم کو یحییٰ بن یحییٰ نے اُن کو حفص ابن غیاث نے انہوں نے اعمش سے سنا، اعمش نے زید بن وہب سے کہا اُس نے تھے عبداللہ بن مسعود پڑھتے ہمارے ساتھ رمضان کے مہینہ میں اور فارغ ہوتے تھے کچھ رات سے کہا اعمش نے کہ بیس رکعتیں تراویح کی تھیں اور تین وتر کی لیکن قائل بیس کے تابعین میں سے پس شیر بن شکل اور ابن ابی ملیکہ اور حارث ہمدانی اور عطاء ابن ابی رباح اور ابوالبختری اور سعید بن ابی الحسن البصری بھائی حسن بصری کے اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عمران عبدی ہیں اور کہا ابن عبدالبر نے یہی ہے قول اکثر علماء کا اور اسی کے قائل ہیں کوفہ کے علماء اور امام شافعی اور اکثر فقہاء اور یہی ثابت ہے ابی بن کعب سے بدون خلاف کسی صحابی کے۔۱۲

اور کہا ترمذی نے اپنی سنن میں کہ اختلاف کیا اہل علم نے قیام رمضان میں پس اعتقاد کیا بعض نے اس بات کا کہ اکتالیس رکعت پڑھے وتر کے سمیت اور یہی ہے قول مدینہ والوں کا اور اسی پر عمل کرتے ہیں وہ اور اکثر اہل علم اس پر عمل کرتے ہیں جو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور صحابہ آنحضرت سے مروی ہے یعنی بیس رکعت اور یہی ہے قول سفیان ثوری کا اور ابن مبارک کا اور امام شافعی کا اور فرمایا امام شافعی نے کہ ایسے ہی پایا ہم نے اہل مکہ کو بیس رکعت پڑھتے ہوئے اور فرمایا امام احمد نے روایت کی گئی ہیں اس میں کئی صورتیں اور نہ حکم کیا اس میں کسی طرح کا اور فرمایا اسحاق نے بلکہ ہم پسند کرتے ہیں اکتالیس رکعت جیسے کہ روایت کی گئی ابی ابن کعب سے۔۱۲

بهم رمضان عشرين ركعة واما غيرهما من الصحابة فروى ذلك عن عبد الله بن مسعود رواه محمد بن نصر المروزى قال اخبرنا يحيى بن يحيى اخبرنا حفص بن غياث عن الاعمش عن زيد بن وهب قال كان عبدالله بن مسعود يصلى لنا فى شهر رمضان فينصرف وعليه ليل قال الاعمش كان يصلى عشرين ركعة ويوتر بثلاث واما القائلون به من التابعين فشتيربن شكل وابن ابى مليكة والحارث الهمدانى وعطاء بن ابى رباح وابوالبخترى وسعيد بن ابى الحسن البصرى اخو الحسن وعبدالرحمٰن بن ابى بكر وعمران العبدى وقال ابن عبدالبر وهو قول جمهور العلماء وبه قال الكوفيون والشافعى واكثر الفقهاء وهو الصحيح عن ابى بن كعب من غير خلاف من الصحابة . انتهٰى[1]

وقال الترمذى فى سننه واختلف اهل العلم فى قيام رمضان فرأى بعضهم ان يصلى احدى واربعين ركعة مع الوتر وهو قول اهل المدينة والعمل على هذا عندهم بالمدينة واكثر اهل العلم على ما روى عن على وعمر وغيرهما من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم عشرين ركعة وهو قول سفيان الثورى وابن المبارك والشافعى وقال الشافعى وهكذا ادركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة وقال احمد روى فى ذلك الوان لم يقض فيه بشيء وقال اسحاق بل نختار احدى واربعين ركعة على ما روى عن ابى بن كعب انتهٰى[2]

اورکتب میں بھی یہ اوراس سے زیادہ منقول ہے اس کے ذکر میں تطویل ہے خلاصہ یہ کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے باب میں یہ حدیث وارد ہے کہ فرمایا رسول اللہ

[1] عمدة القارى للعينى الجزء الثامن، كتاب التراويح، باب فضل من قام رمضان، ص۲۴۵-۲۴۶ (زکریا بک ڈپو دیوبند)

[2] ترمذی جلداول، باب ما جاء فى قيام شهر رمضان، عن ابى ذر، ص۱۶۶ (مریم اجمل فاؤنڈیشن ممبئ)

صلی اللہ علیہ وسلم نے: تمسكوا[1] بعهد ابن مسعود (الحديث[1]) وكان[2] اقرب الناس هديا ودلا وسمتا برسول الله صلى الله عليه وسلم ابن مسعود (الحديث[2]) بیس رکعت پڑھتے اور اسی کا امر فرماتے تھے، تو یہ عدد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کو محفوظ تھا اسی واسطے اس کا التزام کیا اگرچہ ایک ہی دوبار سہی کہ تسنن کے واسطے ایک دفعہ کا فعل بھی کافی ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اقتدوا[3] بالَّذَين بعدى ابى بكر وعمر[3] مطلق اقتداء کا حکم تمام امور میں فرمایا انہوں نے بیس کا امر فرمایا اور نیز خلفاء ثلثہ عمر وعثمان وعلی جب کہ ان ہر سہ نے بیس کا امر فرمایا تو بمقتضاء عليكم[4] بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين[4] اس کا عمل امت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لازم فرمایا۔ اور تمام صحابہ موجودین زمانہ عمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم نے کبھی اس پر انکار نہ فرمایا اور برغبت قبول فرمایا۔

یہ اول دلیل ہے اس بات پر کہ سب کے نزدیک یہ عدد عشرین یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے نزدیک محفوظ تھا، کہ کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا اور سنت

[1] پورا عمل کرو ابن مسعود کی وصیت پر۔

[2] اور تھے اقرب لوگوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتھ از روئے سیرت کے اور چال چلن کے ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔۱۲

[3] اقتداء کرو ساتھ اُن دو کے جو بعد میرے ہوں گے یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ۔۱۲

[4] لازم بنالو اپنے پر عمل میری سنت کا اور سنت خلفاء کا جو اوروں کو ہدایت کرنے والے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔۱۲

[1] عن ابن مسعود، مشکوٰۃ المصابیح ص۵۷۸، باب جامع المناقب، الفصل الثانى (فیصل پبلی کیشنز دیوبند)

[2] عن عبدالرحمٰن بن يزيد، ما اعلم احداً اقرب سمتا وهديا ودلا بالنبى صلى الله عليه وسلم من ابن ام عبد، بخاری ج۱ص۵۳۱، مناقب عبداللہ بن مسعود (مریم اجمل فاؤنڈیشن ممبئ)
عن عبدالرحمٰن بن يزيد كان اقرب الناس الخ ترمذی ج:۲،ص:۲۲۱۔ مناقب عبدالله بن مسعود (مختار اینڈ کمپنی، دیوبند)

[3] عن ابن مسعود، مشکوٰۃ المصابیح ص۵۷۸، باب جامع المناقب، الفصل الثانى (فیصل پبلی کیشنز دیوبند)

[4] عن العرباض بن سارية، ابن ماجه، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين ص۵ (ایم بشیر حسن اینڈ سنز کلکتہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر اس پر عمل کیا اور یا یہ کہ اطلاق قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مثبت اس عدد کا بھی سمجھا، اور بطیّب خاطر اس کو قبول فرمایا، لہٰذا اس عدد کو مسنون ہی کہا جائے گا، اور اس پر کسی وجہ سے شائبہ لفظ بدعت کا رکھنا سخت مذموم ہوگا، کیونکہ اولاً مطلق قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب اعداد مطلقاً مسنون ہوگئے ہیں۔

ثانیاً خود فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احیاناً اس کا استحباب ثابت ہوا۔ ثالثاً جن صحابہ کے اقتداء پر ہم کو تاکید کی گئی تھی اُن کے فعل سے یہ عدد ثابت ہوا تو گویا ان صحابہ کا فرمانا اور عمل کرنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فرمانا اور عمل کرنا تھا، رابعاً سوائے اُن صحابہ کے دیگر صحابہ جو صدہا تھے کسی نے اس پر انکار نہ کیا، اور سب نے اس کو بطیب خاطر قبول فرمایا، پس بعد اس کے کونسی دلیل کی حاجت ہے؟ اور اس فعل حضرت عمر کی روایات صحیح ہیں اور یزید بن رومان کی حدیث میں ہرچند کہ انقطاع ہے، مگر اولاً حدیث منقطع موطا کی خود صحیح ہے کہ امام مالک صاحب کے یہاں اور سب محدثین کے یہاں قبل زمانہ شافعی سے منقطع ثقہ کی صحیح ہوتی تھی اور ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ جتنے منقطعات مالک کی ہیں اُن کا اتصال ہم نے دوسری سند سے دریافت کرلیا ہے سواء چار روایت کے، کہ یہ روایت فعل حضرت عمرؓ کی اُن چار غیر ثابت الاتصال میں داخل نہیں اور سائب بن یزید کی روایات جو اوپر مذکور ہوئیں اُسکی مؤید ہیں اور یہ صحیح ہیں۔

اور فعل حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں بھی کوئی تعارض نہیں، کہ اولاً گیارہ کا حکم کیا تھا اور پھر اکیس کا، اور پھر تیئیس کا، اور چونکہ اس میں بھی اختلاف زمان ہے لہٰذا نہ اس میں تعارض ہے اور نہ ضعف ہے۔ اور اگر یوں کہا جاوے کہ اول دفعہ آٹھ تراویح تھی اور تین وتر، اور دوسری دفعہ اٹھارہ تراویح اور تین وتر اور تیسری دفعہ میں بیس تراویح اور تین وتر تو درست ہے۔ اور یہ ہر سہ فعل باوقات مختلفہ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم تھے، لہٰذا یہ سب سنت ہیں اور کوئی معارض ایک دوسرے کے نہیں، اور

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے اوپر معلوم ہو چکا کہ تہجد میں ہے نہ تراویح میں سو وہ معارض بیس کے نہیں ہوسکتی۔ اور اگر بالفرض ہم دونوں صلوٰۃ کو ایک ہی تسلیم کریں تاہم کچھ معارضہ نہیں اس واسطے کہ یہ قول حضرت عائشہؓ کا اکثر یہ ہے نہ کلیہ اور اگر اس کو کلیہ کہا جاوے تو خود حضرت عائشہؓ تیرہ کی روایت کرتی ہیں، چنانچہ امام مالک موطا میں روایت فرماتے ہیں، اور یہ پہلے بھی گذر چکی ہے: **عن[1] عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى بالليل ثلث عشرة ركعة ثم يصلى اذا سمع النداء للصبح بركعتين خفيفتين** (الحديث[2]) پس اگر وہ روایت کلیۃً قرار دی جاوے تو یہ روایت غلط ہوجاوے گی۔ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا تیرہ رکعت روایت کرنا جو صحیحین میں ہے غلط ہوجاوے گا۔ پس یا اس روایت کو اکثر یہ بنایا جاوے تاکہ سب روایتیں صحیح رہیں یا عدم علم حضرت عائشہؓ کے اوپر حمل کیا جاوے۔ اور عدم علم پر حمل کرنا ظاہر ہے، کہ غیر مناسب ہے، پس جیسا کہ تیرا رکعت کی حضرت عائشہؓ سے اور دیگر صحابہؓ سے تصحیح ہوگئی۔ ایسا ہی اٹھارہ اور بیس اور زائد کی بھی تصحیح ہوسکتی ہے، اور جیسا کہ تیرہ اور گیارہ میں تعارض نہیں ہے، ایسا ہی بیس میں تعارض نہ رہے گا۔

بہرحال اُس حدیث ابن عباس کے مؤیدات موجود ہیں، پھر اس کے ضعف پر کیا نظر کی جاوے گی، اگر بمقابلہ گیارہ کے روایت کی صحت تیرہ رکعت کو معتبر کیا جاتا ہے، تو بیس رکعت کی روایات صحیحہ جو صحابہ کے فعل سے معتبر ہوئیں کس طرح معتبر نہ ہوں گی، بلکہ افعال صحابہؓ بھی حسب ارشاد جناب فخر عالم علیہ السلام کے مثل فعل رسول اللہ ہی کے ہوں گے۔ اب رہی یہ بات کہ بیس کے فعل کی نسبت خلفاء ثلثہ کی طرف ہے اور خلیفہ اول سے یہ فعل سرزد نہیں ہوا، تو کچھ حرج نہیں، اس واسطے کہ خلفاء صیغہ جمع

[1] مروی ہے حضرت عائشہ سے کہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے رات میں تیرہ رکعتیں پھر پڑھتے تھے جب اذان صبح کی ہوجاوے اور دو رکعتیں ہلکی۔۱۲

[2] عن عائشة ام المومنین، موطا امام مالک ص۴۲، صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الوتر (کتب خانہ اعزازیہ دیوبند)

کا ہے اور اس پر الف لام داخل ہوا ہے اور قاعدہ عربیت کا ہے کہ جب الف لام جمع پر داخل ہوتا ہے، تو وہ معنی عموم کے دیتا ہے جمع اور واحد کو دونوں کو۔ مثلاً **لا اتزوج النساء** اگر کہے تو جیسا کہ بہت عورتوں کے نکاح کرنے سے حانث ہوگا، ایسا ہی ایک اور دو سے بھی حانث ہوجاتا ہے، جیسا کہ **لایحلّ[1] لك النساء من بعد** میں ممانعت نکاح ایک کی اور بہت کی ثابت ہوتی ہے۔

پس تین خلیفہ کا عمل اس پر ہونا کافی ہے، اور اگر ایک خلیفہ بھی اُس کے اوپر عمل کرتے جب بھی کافی تھا چہ جائیکہ تین خلیفہ نے یہ کام کیا۔ اور سب صحابہ نے اُس پر اجماع کیا، اور مراد سنت الخلفاء سے حدیث میں وہ امر ہے کہ اصل اُس کی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں موجود ہو، مگر شیوع اُس کا نہیں ہوا پھر کسی خلیفہ نے اُس کا شیوع کر دیا۔ سو وہ فی الحقیقت سنت رسول اللہ ہی ہے، مگر چونکہ اُس کا شیوع خلفاء سے ہوا اس واسطے اُس کو سنت الخلفاء فرمایا، پس سنت الخلفاء وہی ہے کہ اصل اس کی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہو، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو یہ کہا تھا کہ **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین**، نہ اُس امر کو کہ مخالف سنت رسول اللہ ہو کیونکہ جو امر مخالف سنت رسول اللہ ہوگا وہ امر بدعت ہوگا، اور صحابہ بھی اُسی سنت خلفاء کو التزام کرتے تھے، کہ جس کی اصل سنت رسول اللہ میں موجود ہو، اور خلفاء کی سنت بھی ایسی ہی ہوتی ہے۔ اور جب تک کہ صحابہ کو سنت خلفاء کی اصل نہ معلوم ہوتی تھی وہ قبول نہ کرتے تھے۔ مثلاً جس وقت کہ شیخین نے زید بن ثابت کو بلا کر جمع قرآن کے واسطے کہا تو چونکہ زید کو یہ امر بدعت معلوم ہوا، تو یہ جواب دیا کہ کس طرح کرتے ہو تم اُس عمل کو جس کو رسول اللہ نے نہیں کیا۔ اور زید کہتے ہیں اگر شیخین مجھ کو پہاڑ نقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ میرے نزدیک سہل تھا اس امر سے، اور اس کی وجہ وہی تھی کہ اس کو وہ بدعت سمجھ رہے تھے، لہٰذا انہوں نے اُس کو قبول نہ کیا یہاں تک کہ حضرت صدیقؓ نے اُن کو سمجھا دیا کہ یہ بدعت نہیں بلکہ سنت ہی ہے، اُس وقت

[1] سورۃ الاحزاب آیت ۵۲

انہوں نے قبول فرمالیا۔ یہ قصہ بخاری میں موجود ہے: **عن[1] عبید بن السباق ان زید بن ثابت قال ارسل الی ابوبکر مقتل اهل الیمامة فاذا عمر بن الخطاب عنده قال ابوبکر ان عمرا تانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامة بقراء القرآن وانی اخشی ان استحر القتل بالقراء بالمواطن فیذهب کثیر من القرآن وانی اری ان تامر بجمع القرآن قلت لعمر کیف تفعل شیئا لم یفعله رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال عمر هذا واللّٰه خیر فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح اللّٰه صدری لذٰلك ورایت فی ذٰلك الذی رای عمر قال زید قال ابوبکر انك رجل شاب عاقل لانتهمك وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فتتبّع القرآنَ فاجمعه فواللّٰه لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مما امر انی به من جمع القرآن قلت کیف تفعلون شیئا لم یفعله رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال هو واللّٰه خیر فلم یزل ابوبکر یراجعنی حتی شرح اللّٰه صدری للذی شرح له صدر ابو بکر وعمرؓ[2] .**

[1] مروی ہے عبید بن سباق سے کہ تحقیق زید بن ثابت نے فرمایا کہ بھیجا کوئی آدمی حضرت ابوبکرؓ نے میری طرف جبکہ یمامہ والوں کے ساتھ مقاتلہ تھا پس ناگاہ حضرت عمرؓ کو میں نے وہاں پایا فرمایا حضرت ابوبکرؓ نے کہ حضرت عمرؓ میرے پاس آئے اور کہا کہ قتل شدید ہوا ہے یمامہ کے مقاتلہ میں قرآن کی قاریوں پر اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر ایسے ہی قتل رہا قاریوں پر اور طرفوں میں تو اکثر کلام اللہ ہمارے ہاتھوں سے جاتا نہ رہے گا اور مناسب مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ امر کریں کلام اللہ جمع کرنے کا کہا میں نے (یعنی حضرت ابوبکر نے) عمرؓ کے تئیں کیسے تجویز کرتا ہے تو ایسی بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی۔ کہا حضرت عمرؓ نے یہ بات واللہ اچھی ہے پس رہے حضرت عمرؓ اصرار کرتے یہاں تک کہ جمادیا اللہ نے سینہ میرا اس بات پر اور سمجھ گیا میں وہ بات جو حضرت عمرؓ سمجھے کہا زید بن ثابت نے فرمایا حضرت ابوبکرؓ نے تحقیق تو توانا اور عاقل ہے نہیں متہم جانتے ہم تم کو اور البتہ تھے تم لکھتے وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پس جستجو کر کلام اللہ کی اور جمع کر اُسے (کہا زیدؓ نے) پس قسم اللہ کی اگر تکلیف دیتے مجھے کسی پہاڑ کے اٹھانے کی نہ گراں گزرتا مجھ پر اُس سے کہ امر کیا اُن دونوں نے یعنی جمع کرنا کلام اللہ کا پس عرض کی میں نے کیسے تجویز کرتے ہو تم ایسے چیز کہ نہیں کیا اُس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا حضرت ابوبکرؓ نے یہ بات واللہ اچھی ہے۔ پس ایسے ہی رہے حضرت ابوبکرؓ اصرار کرتے یہاں تک کہ جمادیا اللہ نے جی میرا اُس بات پر کہ جمے تھے اُس پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ۔ ۱۲

[2] عن عبید بن السبّاق، بخاری: ج ۲، ص ۷۴۵، باب جمع القرآن (مریم اجمل فاؤنڈیشن ممبئ)

اس سے صاف ظاہر ہے، کہ قبول کرنا صحابہ کا سنت خلفاء کو اس وقت ہوتا تھا، کہ ان کے نزدیک وہ سنت موافق سنت رسول اللہ کے ہوتی تھی، پس یہ سنت عشرین رکعت بھی ایسی ہی ہے، کہ اس کی اصل سنت رسول اللہ میں موجود ہے، اسی واسطے تمام صحابہ نے اس وقت میں اُس کو قبول کیا، اور اُس پر عامل رہے، اور کسی وقت کسی ایک نے بھی صحابہ میں سے اس پر انکار نہ کیا، نہ اس کو مخالف سنت رسول اللہ سمجھا۔ اگرچہ بعض نے اُس پر عمل نہ کیا ہو بلکہ دوسرے عدد پر عمل کیا ہو کہ وہ بھی سنت سے اُن کے نزدیک ثابت تھا۔ مگر انکار ہرگز کسی نے نہیں کیا۔ اگر کسی کو دعویٰ ہے تو ظاہر کرے۔ پس جب اجماعاً اس کا ثبوت بلا انکار قرن صحابہ میں ہوگیا، تو یہ مجمع علیہ ہوگیا اور سنت رسول اللہ ہونا اس کا واضح ہوگیا: قال[1] علیہ السلام لاتجتمع امتی علی الضلالۃ[1] پس بعد ایسی دلیل قطعی کے کسی اہل فہم کو جسارت نہ ہوگی کہ اُس کو بدعت کہے مگر ہاں اِس کو بھی سنت جان کر دوسرے عدد پر جو کہ سنت سے ثابت ہے اس سے کم یا زیادہ اگر اُس پر عمل کرے تو ملامت نہیں مگر اُن لوگوں پر کہ جو آٹھ رکعت پر قناعت کرتے ہیں۔

اور اس سے زیادہ سے اعراض کرتے ہیں بسبب ترک کردینے سنت خلفاء راشدین کے کہ فی نفس الامر وہ بھی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور بقول علیہ السلام علیکم[2] بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ[2] جو کہ امر مؤکد ہے شائبہ الزام ضرور ہوگا کیونکہ مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں سنتوں کا معمول بنانا ہے یہ حکم نہیں فرمایا کہ میری سنت کو لیکر خلفاء کی سنت کو ترک کردو بلکہ دونوں پر التزام کرو کما لا یخفی، مگر اس کو بدعت کہنا نہایت زبون اور شنیع ہے بعد اس کے کسی دلیل کی حاجت نہیں۔

[1] فرمایا آنحضرت نے نہ اکٹھی ہوگی امت میری گمراہی پر۔۱۲

[2] لازمی بنالو سنت میری اور سنت خلفاء راشدین کی جو کہ ہدایت یاب ہیں کچلیوں سے پکڑو اُسے (یعنی پورے اہتمام سے)۱۲

ع[1] ابن ماجہ، باب السواد الاعظم، عن انس بن مالك: ص۲۹۱ (ایم بشیر حسن اینڈ سنز کلکتہ)

ع[2] عن العرباض بن ساریه، ابن ماجہ، باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین، ص۵ (ایم بشیر حسن اینڈ سنز کلکتہ)

اب روایت فتح الباری شرح بخاری کی نقل کی جاتی ہے کہ جس سے مذاہب علماء وفقہاء دریافت ہوجائیں، اگرچہ اوپر کی عبارات سے بھی معلوم ہوگئے تھے مگر اس میں زیادہ بسط ہے قال فی فتح الباری لم[1] یقع فی ھذہ الروایۃ عدد الرکعات

[1] بخاری کی اس روایت میں تراویح کی تعداد مذکور نہیں ہوئی جو ابی بن کعب پڑھایا کرتے تھے اور اس میں مختلف روایتیں آئی ہیں موطا مالک میں محمد بن یوسف سے روایت ہے کہ سائب بن یزید صحابی کہتے ہیں کہ وہ گیارہ رکعت تھیں اور اسی روایت (گیارہ والی) کو سعید بن منصور نے بھی دوسرے طریق سے روایت کیا ہے اور یہ بھی روایت کیا ہے کہ وہ مئین سورتیں پڑھا کرتے تھے اور طول قرأت کے سبب عصا پر تکیہ لگا کر کھڑے ہوتے تھے اور روایت کیا اس کو محمد بن نصر مروزی نے محمد بن اسحاق کے طریق سے وہ محمد بن یوسف سے اور اُس میں تیرہ رکعت بیان کی ہیں اور عبدالرزاق نے دوسرے طریق سے محمد بن یوسف سے اکیس رکعت روایت کی ہیں اور مالک نے یزید بن خصیفہ کے طریق سے اُس نے سائب بن یزید سے بیس رکعت کی روایت کی ہے اور یہ سوائے وتر کے محمول ہیں اور یزید بن رومان سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تئیس رکعت پڑھا کرتے تھے اور محمد بن نصر نے عطاء کے طریق سے روایت کی ہے کہا عطاء نے کہ میں نے لوگوں کو پایا ہے کہ تئیس رکعت مع وتر پڑھتے تھے ان روایات میں یوں تطبیق دی جاسکتی ہے کہ یہ سب روایتیں مختلف اوقات پر محمول ہیں (یعنی کبھی گیارہ رکعت اور کبھی تیرہ اور کبھی اکیس کبھی تئیس پڑھتے تھے) اور یہ بھی احتمال ہے کہ رکعتوں کی کمی زیادتی قرأت کے زیادہ اور کم ہونے کے باعث سے ہے جب قرأت زیادہ پڑھتے تو رکعتیں کم کردیتے اور بالعکس اسی تطبیق کے ساتھ داؤدی وغیرہ اہل علم نے جزم کیا ہے، اور پہلا عدد گیارہ رکعت کا آنحضرت کے فعل کے موافق ہے جو اسی باب میں حضرت عائشہ کی حدیث میں مذکور ہے اور دوسرا عدد تیرہ رکعت کا بھی اُسی کے قریب ہے اور بیس سے زیادہ یعنی اکیس اور تئیس میں جو اختلاف ہے وہ وتر کی کمی زیادتی کی وجہ سے ہے کبھی ایک وتر پڑھتے تو اکیس ہوجاتیں اور تین پڑھتے تو تئیس، اور محمد بن نصر نے روایت کی ہے کہ داؤد بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں لوگوں کو مدینہ میں چھتیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے پایا ہے، مالک نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہی قدیم سے رائج ہے اور زعفرانی سے روایت ہے کہ شافعی نے کہا کہ میں نے لوگوں کو مدینہ میں انتالیس اور مکہ میں تئیس رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے اور ان میں کسی بات پر تنگی نہیں ہے اور شافعی ہی سے روایت ہے کہ اگر لوگ قیام کو لمبا اور رکعتوں کو کم کریں تو اچھا ہے اور اگر رکعتیں زیادہ پڑھیں اور قرأت کو کم کردیں تو بھی اچھا ہے لیکن قرأت کو زیادہ کرنا اور رکعتوں کو کم کرنا میرے نزدیک محبوب تر ہے، ترمذی نے کہا زیادہ سے زیادہ اکتالیس رکعت تک مروی ہے یعنی وتر سمیت، ترمذی نے ایسا ہی ذکر کیا ہے اور تحقیق ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے کہ اسود بن یزید سینتالیس رکعت پڑھتے تھے اور بعض نے کہا اڑتیس رکعت، اس کو محمد بن نصر نے بروایت ابن ایمن مالک سے روایت کیا ہے اور اُس کے ساتھ تین وتر ملانے سے وہی اکتالیس ہوسکتی ہیں لیکن اس میں ایک وتر کی تصریح کی ہے تو اُنتالیس رکعت ہوئیں، مالک نے کہا کئی او پر سو برس سے اسی پر عمل چلا آیا ہے اور مالک سے چھتیس رکعت نفل اور تین وتر بھی منقول ہیں اور مشہور اُن سے اسی طرح ہے اور تحقیق ابن وہب نے عمری سے عمری نے نافع سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے جن (لوگوں) کا زمانہ پایا ہے، وہ اُنتالیس رکعت پڑھتے تھے کہ تین ان میں وتر ہوتی اور زرارۃ بن اوفی تابعی سے روایت ہے کہ وہ بصرہ میں لوگوں کو علاوہ وتر کے چونتیس رکعت پڑھاتے تھے اور سعید بن جبیر (تابعی کبیر) سے علاوہ وتر کے چوبیس رکعت کی روایت ہے اور بعض نے کہا علاوہ وتر کے سولہ رکعت روایت کیا اس کو محمد بن نصر نے ابی مجلز (تابعی) سے اور محمد بن نصر نے محمد بن اسحاق سے روایت کی ہے کہ مجھ کو محمد بن یوسف نے حدیث کی کہ ان کے دادا سائب بن یزید صحابی نے کہا ہم حضرت عمر کے زمانہ میں تیرہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، ابن اسحاق تابعی کہتے ہیں کہ اساتذہ سے جو ہم نے سنا ہے اس میں یہی تیرہ رکعت کی زیادہ ثابت ہیں اور وہ آنحضرت کی نماز شب کے موافق بھی ہے جو حضرت عائشہ کی حدیث میں مذکور ہے۔

التی کان یصلی بها ابی بن کعب وقد اختلف فی ذلك ففی الموطا عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انها احدی عشرة رکعة ورواه سعید بن منصور من وجه اٰخر وزاد فیه وکانوا یقرئون بالمئین[ب] ویقومون علی العصی من طول القیام ورواه محمد بن نصر المروزی من طریق محمد بن اسحاق عن محمد بن یوسف فقال ثلث عشرة ورواه عبدالرزاق من وجه اٰخر عن محمد بن یوسف فقال احدی وعشرین وروی مالك من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید عشرین رکعة وهذا محمول علی غیرالوتر وعن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بثلث وعشرین وروی محمد بن نصر من طریق عطاء قال ادرکتهم فی رمضان یصلون عشرین رکعة وثلث رکعات الوتر والجمع بین هذه الروایات ممکن باختلاف الاحوال ویحتمل ان ذٰلك الاختلاف بحسب تطویل القراءة وتخفیفها فحیث یطیل القراءة تقل الرکعات وبالعکس وبذٰلك جمع الداؤدی وغیره والعدد الاول موافق لحدیث عائشة المذکور بعد هٰذا الحدیث فی الباب والثانی قریب منه والاختلاف فیما زاد علی العشرین راجع الی الاختلاف فی الوتر وکانه کان تارة یوتر بواحدة وتارة بثلاث وروی محمد بن نصر من طریق داؤد بن قیس قال ادرکت الناس فی امارة ابان بن عثمان وعمر بن عبدالعزیز یعنی بالمدینة یقومون بست وثلاثین رکعة ویوترون بثلث وقال مالك هو الامر القدیم عندنا وعن الزعفرانی عن الشافعی رایت الناس یقومون بالمدینة بتسع وثلاثین وبمکة بثلث وعشرین ولیس فی شيء من ذٰلك ضیق وعنه قال ان اطالوا القیام واقلوا السجود فحسن وان اکثروا السجود واخفوا القراءة فحسن والاول احب الی وقال الترمذی اکثر ما قیل فیه انها تصلی احدی واربعین رکعة یعنی بالوتر کذا قال وقد نقل ابن عبدالبر عن الاسود بن یزید تصلی اربعین ویوتر بسبع وقیل ثمان وثلثین ذکره محمد بن نصر عن ابن ایمن عن مالك

وهذا یمکن رده الی الاول بانضمام ثلث الوتر لکن صرح فی روایته بانه یوتر بواحدة فتکون اربعین الا واحدة قال مالك وعلی هذا العمل منذ بضع ومائة سنة وعن مالك ست واربعون وثلث الوتر وهٰذا هو المشهور عنه وقد رواه ابن وهب عن العمری عن نافع قال لم ادرك الناس الا وهم یصلون تسعا وثلثین یوترون منها بثلث وعن زرارة بن اوفٰی انه کان یصلی بهم بالبصرة اربعا وثلثین ویوتر وعن سعید بن جبیر اربعا وعشرین وقیل ست عشرة غیر الوتر روی عن ابی مجلز عن محمد بن نصر واخرج من طریق محمد بن اسحق حدثنی محمد بن یوسف عن جده السائب بن یزید قال کنا نصلی زمن عمر فی رمضان ثلث عشرة قال ابن اسحٰق وهذا اثبت ما سمعت فی ذٰلك وهو موافق لحدیث عائشة فی صلوٰة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم من الّیل واللّٰه اعلم انتہٰی[ع1] .

الحاصل گیارہ رکعت تراویح سے جو زیادہ عدد منقول ہیں اس پر کسی نے قرونِ ثلثہ میں انکار نہیں کیا اگر چہ عمل اُس پر نہ کیا ہو تو بس جواز وسنت جملہ اعداد پر اجماع ہو گیا بعد ازاں قرون کے اگر کسی نے اُس پر انکار کیا تو وہ قابل التفات کے نہیں لہٰذا بیس رکعات کو یا اس سے زیادہ کو بدعت کہنا ہرگز سزاوار نہیں، چنانچہ واضح ہو گیا اور یہ مدعا درصورۃ اتحاد دونوں صلوٰۃ کے بھی حاصل ہے۔ بحث تفرقہ ہر دو صلوٰۃ کے بسبب سوال سائل کے کی گئی، اگر چہ رائے بعض علماء سلف سے یہ رائے خلاف ہو۔ فقط واللّٰہ تعالٰی اعلم.

کتبہ الاحقر
رشید احمد عفی عنہ گنگوہی
۱۶/شوال ۱۳۱۵ھ

[ع1] فتح الباری، المجلد الرابع، کتاب صلوٰة التراویح ص۲۵۳-۲۵۴ (مکتبة الریاض الحدیثة، البطحاء، الریاض)

[ب] پیش نظر نسخہ میں بالمأتین ہے، لیکن عمدة القاری میں بالمئین ہی ہے، دیکھئے: عمدة القاری الجزء الثامن کتاب التراویح باب فضل من قام رمضان ص:۲۴۵-۲۴۶ (زکریا بک ڈپو دیوبند)



خیر المصابیح فی عدد التراویح

بلیس رکعات تراویح

احادیث، عمل صحابہؓ اور اجماع امت کی روشنی میں

حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ

شائع کردہ

جمعیۃ علماء ہند

۱- بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی ۲ ۰۰ ۱۱ (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ
خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد

اہلِ حدیث بہت زور سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح پڑھی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بھی آٹھ ہی کا حکم دیا تھا جمہور مسلمان جو بیس تراویح پڑھتے ہیں اس کا کہیں ثبوت نہیں۔ حالانکہ نہیں سمجھتے کہ عمل سے ہر چیز کا پتہ چلتا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح پڑھی ہوتیں اور حضرت عمر رضہ کا حکم بھی آٹھ ہی کا ہوتا تو حضرات صحابہ کرامؓ تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، سلف صالحین، علماء راسخین کا عمل بیس یا بیس سے زائد کا نہ ہوتا۔ حالانکہ شترکہ ہندوستان میں دو صدی قبل پہلے بارہ سو سال تک تمام ممالک مشرق و مغرب اور جنوب و شمال میں بیس یا بیس سے زیادہ رکعت تراویح ہوتی تھیں۔ حرمین شریفین میں اب تک بیس رکعت یا بیس سے زائد تراویح پڑھتے چلے آئے ہیں۔ کیا اہلِ حدیث کے سوا جمہور امت گمراہی میں رہی یا بغیر ثبوت کے ہی بیس یا بیس سے زائد پڑھتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بارہویں صدی تک کسی مسجد میں اگر آٹھ رکعت تراویح پڑھی گئی ہوں تو اس کا ثبوت پیش کیا جائے۔

معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حتمی طور پر آٹھ رکعت نہیں پڑھی بلکہ بیس رکعت پڑھی گئی ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں بھی بیس ہی تراویح پڑھی گئی ہیں۔ ورنہ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ جیسا محقق حسب عادت کسی ایک کا مذہب آٹھ رکعت کا نقل کرتا۔ مگر تمام صحاح ستہ میں کسی ایک کا مذہب آٹھ کا نہیں ہے اور آٹھ رکعت تراویح کسی کا عمل نقل کیا گیا ہے۔

بارہ سو سال تک مسلمانوں کا کیا عمل رہا

امام بیہقی رحہ نے سنن کبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶ میں سائب بن یزید رضہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں تو قیام کی شدت کی وجہ سے لاٹھیوں پر سہارا لگاتے تھے۔

اور پانچ سطر بعد لکھتے ہیں کہ شتیر بن شکل جو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے اصحاب میں سے تھے۔ رمضان میں امامت کرتے تھے اور بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

اس کے دو سطر بعد روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو مامور کیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم کا حال تھا۔

نافع رح حضرت ابن عمر رض کے مولیٰ جو حضرت عائشہ رض اور حضرت ابو ہریرہ رض اور حضرت ابو رافع رض کے شاگرد تھے ان کا بیان ہے کہ میں نے تو لوگوں کو چھتیس تراویح اور تین وتر پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (قیام اللیل، ص ۹۲، تحفۃ الاحوذی، ج ۲، ص ۷۳)۔ نافع رح کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی ہے۔

داؤد بن قیس کا بیان ہے کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز رح متوفی ۱۰۱ھ اور ابان بن عثمان رح متوفی ۱۰۵ھ کے زمانہ میں مدینہ کے لوگوں کو چھتیس رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ نیز عمر بن عبدالعزیز نے قاریوں کو چھتیس رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ (قیام اللیل، ص ۹۱، ۹۲)۔

امام مالک رح متوفی ۱۷۹ھ کے زمانہ تک مدینہ طیبہ میں چھتیس رکعتوں کا معمول تھا۔ کبھی وتر کے اختلاف عدد کی وجہ سے اکتالیس رکعتیں ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ امام ترمذی رح نے اکتالیس کا معمول مدینہ میں ذکر کیا ہے۔ اہل مدینہ پر کیا موقوف ہے۔ بلکہ امام مالک رح کے متبعین جہاں بھی ہوتے وہاں چھتیس پر عمل ہوتا تھا۔ جیسا کہ مذہب مالکیہ کی فقہ شاہد ہے کہ مکہ معظمہ میں عطاء بن ابی رباح رح کے زمانہ تک بیس تراویح پر عمل تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ) عطاء رح کی وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی ہے اور نافع بن عمر کا بیان ہے کہ ابن ابی ملیکہ ہم کو رمضان میں بیس رکعتیں پڑھایا کرتے تھے۔ ابن ابی ملیکہ کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی۔

اور امام شافعی رح متوفی ۲۰۴ھ کا بیس پر عمل تھا۔ اور چونکہ امام شافعی رح خود بیس کے قائل تھے اس لئے ان کے بعد مکہ میں اور مکہ کے علاوہ ہر جگہ جہاں ان کے متبعین تھے سب بیس پر عمل کرتے تھے۔ چنانچہ فقہ شافعی اس کی شہادت دیتی ہے۔

—— حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ (قیام اللیل ص ۹۱ تحفۃ الاحوذی، ج ۲، ص ۷۵)۔

—— کوفہ میں سوید بن یزید (متوفی ۸۰ھ) چالیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (قیام اللیل ص ۹۲، تحفۃ الاحوذی ج ۲، ص ۷۳)۔

—— اور سوید بن غفلہ متوفی ۸۱ھ جو حضرت علی رض اور حضرت ابن مسعود رض کے صحبت یافتہ ہیں۔ بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (بیہقی ج ۲، ص ۴۹۶)۔

—— نیز علی بن ربیعہ جو حضرت علی رض و سلمان رض کے شاگرد ہیں وہ بھی بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

—— اور سعید بن جبیر جو حضرت ابن عباس رض اور دوسرے صحابہ کرام رض کے شاگرد ہیں اور بہت بڑے امام ہیں وہ اٹھائیس اور چوبیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (تحفۃ الاحوذی، ج ۲، ص ۷۳)۔

—— امام کوفہ سفیان ثوری رح متوفی ۱۶۱ھ بیس رکعت کے قائل تھے۔ (تحفۃ الاحوذی، ج ۲، ص ۷۵)

—— امام اعظم ابوحنیفہ رح متوفی ۱۵۰ھ بیس رکعت تراویح کے قائل تھے اور ان کے مقلدین جس جگہ بھی ہیں تمام بیس رکعت ہی پڑھتے ہیں۔

—— بغداد میں امام احمد م ۲۴۱ھ بیس رکعتوں کے قائل تھے۔ حنبلی مذہب کی کتب فقہ شہادت دے رہی ہیں۔ "مقنع" ج ۱، ص ۱۸۳ - میں ہے۔

"ثم التراويح وهي عشرون ركعة يقوم بها في رمضان في جماعة"

یعنی تراویح اور وہ بیس رکعت ہیں اس کو جماعت کے ساتھ رمضان میں ادا کرے۔

—— اسی طرح داؤد ظاہری رح متوفی ۲۷۰ھ بیس رکعت کے قائل تھے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۱، ص ۱۹۱، اور ان کے متبعین کا بھی بغداد اور غیر بغداد میں بیس پر عمل تھا۔

—— ائمہ خراسان میں سے عبداللہ بن مبارک رح متوفی ۱۸۱ھ بیس تراویح کے قائل تھے۔ (ترمذی)۔

عہد فاروقی سے لے کر تیسری صدی کے قریباً وسط تک مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، بغداد خراسان وغیرہ کے علماء اور ائمہ کا عمل رکعات تراویح کے باب میں یہی تھا کہ کوئی بھی آٹھ رکعت تراویح پڑھتا تھا اور نہ ہی اس پر کفایت کرتا تھا اور نہ اس پر کہیں عمل تھا۔ اس کے بعد تیسری صدی سے پہلے ہی ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ رح، امام مالک رح، امام شافعی رح، امام احمد بن حنبل رح اپنی فقہ کی تعلیم اپنے شاگردوں

گو دسے کر دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور ان کے فقہی مسالک پر عمل ہو چکا تھا اور جو آج تک جاری ہے آج چاروں اماموں کی کتب فقہیہ لاکھوں، کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ ان میں سے کسی میں بھی آٹھ رکعت پر اکتفا کی تعلیم نہیں دی گئی۔ بے شک ان ائمہ اربعہ رح کے علاوہ دیگر مجتہد اور امام بھی تھے اور ان کا کچھ عرصہ تک اتباع بھی جاری رہا۔ جیسے حضرت سفیان ثوری رح اور داؤد ظاہری رح مگر وہ بھی آٹھ کے قائل نہ تھے بلکہ بیس کے قائل تھے۔

قول و فعل نبوی سے کوئی عدد معین تراویح کا حتمی طور پر صحیح روایت سے ثابت نہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً و فعلاً عدد تراویح کا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے اس پر علماء کی شہادتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

پہلی شہادت ۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں۔

—— ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد موقت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یزاد ولا ینقص منہ فقد اخطأ الخ (فتاویٰ ابن تیمیہ رح، ج ۲، ص ۴۰)۔

—— یعنی جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کے باب میں کوئی معین عدد ثابت ہے جو کم و بیش نہیں ہو سکتا وہ غلطی پر ہے۔

دوسری شہادت علامہ سبکی رح لکھتے ہیں۔

—— اعلم انہ لم ینقل کم صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی تلک اللیالی ھل ھو عشرون او اقل الخ

(شرح منہاج منقول از تحفۃ الاخیار، ص ۱۹۔ و مصابیح، ص ۲۲)۔

—— یعنی یہ منقول نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں کتنی رکعتیں پڑھیں بیس یا کم۔

تیسری شہادت علامہ شوکانی رح نیل الاوطار میں فرماتے ہیں۔

—— والحاصل الذی دلت ... حدیث الباب وما یشابہہا ھو مشروعیۃ القیام فی رمضان والصلوۃ فیہ جماعۃ وفرادی فقصر الصلوۃ المسماۃ بالتراویح علی

عدد معين وتخصيصها بقراءة مخصوصة لم ترد به سنة الخ (نیل الاوطار ج۲ ص۲۹۸)
یعنی اس باب کی حدیثوں اور ان کے مشابہ حدیثوں کا حاصل اتنا ہے کہ رمضان میں قیام اور اکیلے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مشروع ہے پس تراویح کو کسی خاص عدد میں منحصر کر دینا اور اس میں خاص سورتوں قرأت کا مقرر کرنا ایسی بات ہے جو سنت میں وارد نہیں ہوئی۔

چوتھی شہادت مولانا وحید الزمان رح اہل حدیث لکھتے ہیں۔

ولا يتعين لصلوة ليالي رمضان يعني التراويح عدد معين الخ (نزل الابرار، ج۱، ص ۱۲۶)۔
یعنی رمضان کی راتوں کو تراویح کے لئے کوئی عدد معین نہیں ہے۔

پانچویں شہادت ابو الخیر سید نور الحسن خان رح اہل حدیث لکھتے ہیں۔

"وبالجملة عددے معین در مرفوع نیامده" (عرف الجادی ص ۸۴)۔
یعنی تراویح کا کسی حدیث مرفوع میں کوئی عدد معین نہیں آیا ہے۔

چھٹی شہادت نواب صدیق حسن خان مرحوم اہل حدیث لکھتے ہیں۔

ان صلوة التراويح سنة باصلها لما ثبت انه صلى الله عليه وسلم صلاها في ليالي ثم تركه شفقة على الامة ان لا تجب على العامة او يحسبوها واجبة ولم يأت تعيين العدد في الروايات الصحيحة المرفوعة لكن يعلم من حديث كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد في رمضان ما لا يجتهد في غيره رواه مسلم ان عددها كثير۔ (الانتقاد الرجیح، ص ۶۱)
یعنی اصل نماز تراویح سنت ہے اس لئے کہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند راتوں میں اس کو پڑھا ہے۔ پھر امت پر شفقت کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا کہ کہیں عام لوگوں پر واجب نہ ہو جائے یا اس کو واجب نہ سمجھ بیٹھیں۔ اور عدد معین مرفوع روایتوں میں نہیں ہے۔ لیکن صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں جتنی محنت و کوشش کرتے اتنی غیر رمضان میں نہیں کرتے تھے۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تراویح کا عدد زیادہ تھا۔ وصرف گیارہ یا تیرہ نہیں تھا بلکہ بیس یا زیادہ تھا۔

ساتویں شہادت علامہ جلال الدین سیوطی ؒ لکھتے ہیں۔ ان العلماء اختلفوا فی عددها ولو ثبت ذالک من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یختلف فیہ۔ الخ (مصابیح ص ۱۶)۔

ترجمہ! یعنی علماء کا تراویح کے عدد میں اختلاف ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے کوئی عدد ثابت ہوتا تو اختلاف نہیں ہو سکتا تھا۔

اہلحدیث کے ۲ دعوے ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہیں۔ دوسرا یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آٹھ تراویح کا حکم دیا تھا۔

پہلا دعویٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعت تراویح پڑھنے کے ثبوت پر حدیث ذیل پیش کرتے ہیں۔

"انہ سأل عائشۃ رضی اللہ عنہا کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی ثلاثا قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۵۴)

ترجمہ:۔ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد رمضان میں کیسی تھی؟ فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان میں زیادہ گیارہ رکعتوں سے نہیں کرتے تھے۔ چار رکعت ایسی پڑھتے تھے کہ ان کے حسن اور طول سے مت پوچھو۔ پھر چار رکعت ایسی پڑھتے تھے کہ ان کے حسن اور طول سے مت پوچھو۔ پھر تین رکعت پڑھتے تھے۔ کہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ نے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ سوتے ہیں قبل وتر کے؟ فرمایا اے عائشہ! میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں تراویح گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ اس طرح کہ آٹھ رکعت تراویح اور تین وتر۔

پہلا جواب اسی حدیث میں لفظ ولا فی غیرہ یعنی غیر رمضان میں گیارہ رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ جو دلیل اس بات کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال اس نماز تہجد کا تھا کہ جو بارہ مہینے میں پڑھی جاتی ہے۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ ؓ

سے روایت ہے۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل العشر شد میزرہ واحیٰ لیلہ وایقظ اھلہ الخ

(بخاری شریف ج ۱، ص ۲۷۱)۔

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب اخیر عشرہ رمضان کا داخل ہوتا تو تہبند مضبوط باندھتے اور ساری رات جاگتے اور اپنے اہل خانہ کو جگاتے تو سائل کو خیال آیا کہ شاید تہجد کی رکعتیں بھی زیادہ کر دیتے ہوں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ اکثر آپ تہجد کی گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔

جب یہ حدیث نماز تہجد کے بارے میں ہے تو تراویح کا اس سے کیا تعلق!

دوسرا جواب اگر بفرض محال اس کا تعلق بھی تراویح سے ہو تو اس سے بھی ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دوسری روایت میں فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف ج ۱، ص ۱۱۱)

حافظ ابن حجر رہ وغیرہ شراح حدیث نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ان دونوں مختلف بیانات میں یوں تطبیق دی ہے کہ یہ بیانات مختلف حالات اور اوقات سے تعلق رکھتے ہیں یعنی یہ کہ عام حالات و اوقات میں گیارہ سے زائد نہیں پڑھتے تھے اور کبھی کبھی تیرہ بھی پڑھتے تھے۔ لہٰذا آٹھ تراویح میں انحصار باطل ہو گیا۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رہ لکھتے ہیں۔

والصواب ان کل شئی ذکرتہ من ذلک محمول علی اوقات متعددہ واحوال مختلفة الخ (فتح الباری ج ۳، ص ۱۴)۔

اور مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری رہ نے بھی یہ تسلیم کیا ہے۔

انہ قد ثبت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان قد یصلی ثلث عشرة رکعة سوی رکعتی الفجر الخ

(تحفة الاحوذی ج ۲

یعنی یہ ثابت اور محقق ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی تیرہ رکعت فجر کی سنتوں کے سوا پڑھتے تھے۔ جب گیارہ سے زیادہ کا ثبوت ہو چکا تو اہل حدیث کا یہ دعویٰ کہ گیارہ سے زیادہ تراویح نہیں ہوتی تھیں یہ دعویٰ باطل ہو گیا۔ اور گیارہ سے زیادہ والی روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے مخالف کہنا سخت بھول اور غفلت پر مبنی ہے اسلئے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ کبھی یہ ہوا اور کبھی اس سے زائد ہوا۔

تیسرا جواب

بقول اہلحدیث جب یہ حدیث تراویح کے بارے میں ہے۔ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرما رہی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار چار رکعت پڑھتے تھے اور بہت لمبی پڑھتے تھے اور وتر تین رکعت پڑھتے تھے۔ اور بہت لمبی پڑھتے تھے تو اس حدیث پر عمل تب ہو گا جب کہ چار چار رکعت ایک سلام سے پڑھی جائیں اور تین وتر ایک سلام سے پڑھے جائیں۔ حالانکہ اہلحدیث کا اس پر عمل نہیں کہ دو دو رکعت تراویح پڑھتے ہیں اور تین وتر دو سلام سے پڑھتے ہیں یا ایک ہی وتر پڑھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث کل کی کل اہل حدیث کے نزدیک تراویح میں معمول بہا نہیں ہے۔ لہذا اس سے حنفیہ پر حجت قائم کرنا صحیح نہیں

چوتھا جواب

امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب " قیام اللیل " میں ایک باب کا عنوان یہ قرار دیا ہے :" باب عدد الرکعات التی یقوم بها الامام للناس فی رمضان"
یعنی باب ان رکعتوں کی تعداد کے بیان میں جنہیں امام لوگوں کے ساتھ رمضان میں پڑھے گا۔

اس باب میں وہ رکعات تراویح بتانے کے لئے بہت سی روایتیں لائے ہیں مگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث کو جو سب سے زیادہ صحیح اور اعلیٰ درجہ کی ہے ذکر کرنا تو درکنار اشارہ تک نہیں کیا ہے۔ جس سے صاف صاف ظاہر ہے کہ اس حدیث کا تعلق تراویح سے نہیں ہے بلکہ تہجد کے نوافل سے ہے۔

پانچواں جواب

اس حدیث کے آخر میں ہے۔

قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها فقلت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشة ان عینی تنامان ولا ینام قلبی الخ

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ سونے میں پہلے وتر پڑھنے کے، سو فرمایا اے عائشہ رضہ بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔

ظاہر ہے کہ کسی روایت میں نہیں کہ آپ آٹھ تراویح پڑھ کے سو گئے ہوں۔ اور صحابہ رضہ انتظار میں بیٹھے رہتے ہوں۔ البتہ گھر میں تہجد پڑھتے تھے اور اس میں کبھی کبھی وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں یعنی انام الخ۔ علاوہ ازیں تراویح میں تو حضرت عائشہ رضہ عورتوں کی صف میں پیچھے مردوں کے کھڑی ہوں گی اگر آپ سوتے تو پہلے مردوں کو خبر ہوتی۔ جب مردوں کو خبر نہیں تو تراویح کا معاملہ نہیں۔ معلوم ہوا کہ تہجد کا واقعہ ہے۔

چھٹا جواب

علاوہ ازیں قرطبی رہ نے حدیث عائشہ رضہ کو مضطرب نقل کیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رہ کہتے ہیں۔

قال القرطبی اشکلت روایات عائشۃ رضہ علی کثیر من اہل العلم حتی نسب بعضہم حدیثہا الی الاضطراب الخ (فتح الباری جزء ۳ ص ۱۹)۔

یعنی اکثر اہل علم پر حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مشکل ہوئی ہے۔ حتی کہ بعض محدثین نے ان کی حدیث کو اضطراب کی طرف منسوب کیا ہے پس اس حدیث سے استدلال کرنا محکم ہے۔

ساتواں جواب

اس حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مراد تہجد کے نوافل ہیں تراویح مراد نہیں، اس لئے محدثین رہ نے اس پر تعداد تراویح کا باب منعقد نہیں کیا۔

صحیح بخاری میں یہ حدیث کئی جگہ وارد ہے۔ مثلاً صفحہ ۱۵۱ میں "باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ"

اس جگہ قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل قرینہ ہے تہجد کا قیام رمضان تراویح کو کہتے ہیں اور قیام اللیل تہجد کو کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں سوال کیفیت سے ہے نہ کہ عدد سے جو کہ سوال کم سے ہے۔ اور مثلاً صفحہ ۲۶۹ پر باب فضل من قام رمضان اس میں فضیلت بیان کرنا مقصود ہے نہ کہ عدد۔ اور مثلاً صفحہ ۵۰۴، باب کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تنام عینہ ولا ینام قلبہ اس میں بھی تہجد کی کیفیت بیان کرنا ہے نہ کہ عدد تراویح اور مثلاً ص ۱۳۵ ج ۱ میں "باب ما جاء فی الوتر"

اس میں بیان ہے کہ وتر تین رکعت ہیں عدد تراویح کا بیان مقصود نہیں۔

بجان یصلی احدی عشرۃ رکعۃ کانت تلک صلوتہ تعنی باللیل فیسجد السجدۃ من ذلک قدر ما یقرأ احدکم خمسین آیۃ الخ

کس صراحت کے ساتھ نماز تہجد کو بیان کیا ہے۔حدیث میں اس قسم کے اشارات بے شمار ہیں۔

حکمت وظہر لی ان الحکمۃ فی عدم الزیادۃ علی احدی عشرۃ ان التہجد والوتر مختص بصلوۃ اللیل وفرائض النہار الظہر وھی اربع والعصر وھی اربع والمغرب وھی ثلاث وتر النہار فناسب ان تکون صلوۃ اللیل کصلوۃ النہار فی العدد جملۃ وتفصیلا الخ (فتح الباری ج ۳ ص ۸)۔

اور میرے لیے ظاہر ہوا کہ گیارہ رکعت پر زیادتی نہ ہونے میں حکمت یہ ہے کہ تہجد اور وتر رات کی نماز کے ساتھ خاص ہیں اور فرائض دن کے ظہر ہے اور وہ چار رکعت ہیں اور عصر ہے اور وہ چار رکعت ہیں۔ اور مغرب ہے اور وہ تین رکعت ہیں وتر دن کے۔

پس مناسب ہوا یہ کہ ہو رات کی نماز مثل دن کی نماز کے عدد میں (یعنی گیارہ رکعت تہجد)۔

اما مناسبۃ ثلاثۃ عشرۃ فبضم صلوۃ الصبح لکونہا نہاریۃ الی ما بعدھا الخ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۷)

یعنی مناسبت تیرہ رکعت کی صبح کی نماز کو ملانے کے ساتھ بوجہ نہاری ہونے اس کے بعد کے ساتھ۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ کے اس نکتہ اور حکمت سے معلوم ہوتا ہے کہ گیارہ اور تیرہ رکعتیں نماز تہجد میں تھیں نہ کہ تراویح میں۔

تہجد اور تراویح کی نماز الگ الگ ہیں ایک نہیں

تہجد اور تراویح علیحدہ علیحدہ ہیں ایک نہیں۔ دونوں میں فرق کئی وجوہ سے ہے۔

پہلی دلیل تہجد کی مشروعیت مکہ مکرمہ میں ہوئی ہے اور تراویح کی مدینہ طیبہ میں ہوئی۔



دوسری دلیل تہجد کی مشروعیت بنص قرآنی ہوئی ہے۔ فتہجد بہ نافلۃ لک۔ قم اللیل الا قلیلا۔ اور تراویح کی مشروعیت حدیث سے ہے۔ سننت لکم قیامہ (نسائی)۔ میں نے تمہارے لئے قیام رمضان کو مسنون کیا

تیسری دلیل تہجد کی رکعات بالاتفاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول و ماثور ہیں۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ مع الوتر تیرہ اور کم از کم سات مع الوتر ہیں۔ بخلاف تراویح کے اس کا کوئی معین عدد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں۔ جیسا کہ پہلے گزرا ہے اسلئے ائمہ مجتہدین میں اختلاف ہے۔ کوئی بیس کہتا ہے کوئی چھتیس یا زائد کہتا ہے۔

چوتھی دلیل حنبلی مذہب کی معتبر کتب فقہ میں مذکور ہے۔ چنانچہ مقنع میں ہے۔ ثم التراویح وهی عشرون رکعۃ یقوم بها فی رمضان فی جماعۃ ویوتر بعدها فی الجماعۃ فان کان له تهجد یوتر بعده۔ (مقنع ص ۱۸۴)۔

یعنی پھر تراویح ہے اور وہ بیس رکعت ہیں کہ اس کو با جماعت پڑھے۔ اور اگر وہ تہجد بھی پڑھتا ہو تو وتر تراویح کے بعد نہ پڑھے بلکہ تہجد کے بعد پڑھے۔ مقنع کے متعلق مصنف علیہ الرحمۃ کہتے ہیں۔

هذا کتاب فی الفقه علی مذهب ابی عبد الله محمد بن احمد بن حنبل رح الخ۔

یعنی یہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق فقہ کی کتاب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام احمد رح بھی تراویح اور تہجد کو الگ الگ سمجھتے تھے۔ امام بخاری رح کا بھی یہی عمل تھا۔ کیونکہ رات کے اول حصہ میں اپنے شاگردوں کو ساتھ لے کر باجماعت نماز پڑھتے تھے اور اس میں ایک ختم کرتے تھے اور سحری کے وقت اکیلے پڑھتے تھے۔

پانچویں دلیل تہجد کا وقت سونے کے بعد ہوتا ہے اور تراویح کا وقت عشاء کے بعد ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تہجد اور تراویح الگ الگ ہیں ایک نہیں ہیں۔

دوسری حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ حدثنا محمد بن حمید الرازی ثنا یعقوب بن عبد الله ثنا عیسی بن جاریۃ عن جابر رضی الله تعالی عنه قال صلی

رسول الله صلی الله علیہ وسلم فی رمضان لیلۃ ثمان رکعات والوتر فلما کان من القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج الینا فلم نزل فیہ حتی اصبحنا قال انی کرھت اوخشیت ان یکتب علیکم الوتر الخ (قیام اللیل، ص ۱۵۵)

یعنی حضرت جابر رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی ایک رات میں آٹھ رکعت اور وتر پڑھے۔ پس جب کہ آئندہ رات ہوئی اور ہم جمع ہوئے مسجد میں اور امید کی ہم نے کہ آپ ہماری طرف نکلیں گے۔ پس ہم وہیں رہے یہاں تک کہ صبح کی ہم نے۔ فرمایا کہ میں نے مکروہ سمجھا اور میں نے خوف کیا کہ فرض کیا جائے وتر۔

جواب حضرت جابر رضی اللہ تعالے عنہ سے روایت کرنے والا ایک شخص ہے اور وہ عیسیٰ بن جاریہ ہے۔

عیسیٰ بن جاریہؒ اس راوی کا حافظ ذہبی رحمہ نے "میزان الاعتدال" میں اور حافظ ابن حجرؒ نے "تہذیب التہذیب" وغیرہ میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے۔ امام فنِ جرح وتعدیل یحییٰ بن معین رح نے اس کی نسبت لکھا ہے۔ لیس بذالک وہ قوی نہیں ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اس کے پاس متعدد روایتیں منکر ہیں۔ اور امام نسائیؒ وامام ابو داؤد رح نے کہا ہے کہ منکر الحدیث ہے۔ امام نسائیؒ نے اس کو متروک بھی کہا ہے۔ اور ساجی عقیلی نے اس کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ اور ابن عدی رح نے کہا ہے کہ اس کی حدیثیں محفوظ نہیں ہیں۔

یہ چند حضرات ہیں جنھوں نے عیسیٰؒ بن جاریہ پر جرح کی ہے اور ان کے مقابل صرف ایک ابو زرعہؒ ہیں جنھوں نے عیسیٰ کو لاباس کہا ہے۔ (اس میں کوئی مضائقہ نہیں) اور دوسرے ابن حبان رح ہیں جنھوں نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ جرح مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔ لہذا عیسیٰ مجروح قرار پائے گا۔ بالخصوص جب کہ عیسیٰ پر جو جرحیں کی گئی ہیں وہ بہت سخت ہیں۔ چنانچہ امام نسائیؒ وابو داؤد رح نے اس کو منکر الحدیث لکھا ہے۔ اور مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارک پوری غیر مقلد نے "ابکار المنن" میں سخاویؒ کے حوالہ سے بغیر رد وکد کے یہ لکھا ہے۔

منکر الحدیث وصف فی الرجل یستحق بہ الترک لحدیثہ۔ (ابکار المنن ص۱۴۹)

یعنی منکر الحدیث ہونا آدمی کا ایسا وصف ہے کہ وہ اس کی وجہ سے اس بات کا مستحق ہوجاتا ہے کہ

اس کی حدیث ترک کردی جائے۔ اس سے حجت نہ پکڑی جائے اور قبول نہ کی جائے، اس لئے عیسیٰ کی یہ روایت قابل قبول نہیں۔ بالخصوص جب کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرنے میں عیسیٰ متفرد ہے۔ دوسرا کوئی اس کا مؤید و متابع موجود نہیں ہے۔ اور نہ کسی دوسرے صحابی کی حدیث اس کی شاہد ہے۔ جابر رضی سے متفرد ہونے کی یہ دلیل ہے کہ امام طبرانی رح نے عیسیٰ کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے

لا یروی عن جابر بن عبد اللّٰہ الا بھذا الاسناد ۔

یعنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بجز اس سند کے کسی دوسری سند سے یہ حدیث مروی نہیں ہے۔

اس سند کا دوسرا راوی محمد بن حمید الرازی ہے "تقریب" ہے کہ حافظ نے اس کی تضعیف کی ہے (تقریب)، غرضیکہ یہ حدیث ضعیف ہے دو وجہ سے۔ ایک عیسیٰ بن جاریہ کی وجہ سے کہ اس پر جرح قوی ہے۔ دوسرے محمد بن حمید الرازی کی وجہ سے۔ اس لئے کہ یہ ضعیف راوی ہے۔

حضرت جابر رضی کی دوسری روایت

وبہ عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، کان منی لیلۃ شئ قال وما ذلک یا ابی قال نسوۃ داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی خلفک بصلوتک فصلیت بھن ثمان رکعات و الوتر فسکت عنہ وکان شبہ الرضاء الخ ۔

(قیام اللیل ص ۹۰)

اسی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک اور روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رمضان میں حاضر ہو کر کہا کہ مجھ سے رات میں ایک بات ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کیا کہا۔ گھر کی عورتوں نے مجھ سے کہا کہ ہم نے قرآن نہیں پڑھا ہے تو ہم بھی تمہارے پیچھے نماز پڑھ لیں۔ میں نے ان کو آٹھ رکعتیں پڑھائیں اور وتر بھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت کیا اور یہ بات رضامندی کے مشابہ تھی۔

جواب اس کا جواب اتنا ہی کافی ہے کہ اس کی سند بعینہ پہلی ہے۔ جس میں عیسیٰ بن جاریہ واقع ہے اور ابھی کلام گزر چکا ہے۔ یعنی یہ راوی مجروح ہے۔ لہٰذا یہ روایت

ضعیف ہے۔

یہاں تک یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف باجماعت تراویح تین رات ثابت ہوئی ہیں۔ اور ان میں کوئی عدد متعین تراویح کا منقول نہیں ہے۔ لہٰذا عدد میں صحابہ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک اثر گیارہ تراویح کا تھا جو سائب بن یزید سے منقول ہے۔

اہل حدیث کا دوسرا دعویٰ

اس کے ثبوت کے لئے سند جو ذیل حدیث پیش کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گیارہ رکعت کا حکم کیا تھا۔

تیسری حدیث مالك عن محمد بن یوسف عن سائب بن یزید انه قال امر عمر بن الخطابؓ ابی بن کعب و تمیم الداریؓ ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ الخ

(قیام اللیل ص ۹۱ ، مؤطا امام مالک ، ص ۹۸ مطبع اصح المطابع)

یعنی امام مالک رح روایت کرتے ہیں سائب بن یزید رضہ سے اور وہ کہتے ہیں۔ امر کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کہ تراویح پڑھادیں لوگوں کو گیارہ رکعت۔ انتہی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔

پہلا جواب سائب بن یزید رضہ سے نقل کرتے ہیں محمد بن یوسف رح۔ اور ان کے شاگرد پانچ ہیں ۱: امام مالک رح ۔ ۲: یحییٰ بن قطان رح ۔ ۳: عبدالعزیز ابن محمد رح ۔ ۴: ابن اسحاق رح ۔ ۵: عبدالرزاق رح ۔ اور پانچوں میں اختلاف ہے۔

۱: امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔ کیا عمل ہوا اس کا کوئی ذکر نہیں اور اس میں رمضان کا بھی ذکر نہیں۔

۲: یحییٰ بن قطان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضہ نے ابی رضہ و تمیم رضہ پر لوگوں کو جمع کیا پس وہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ اس میں حضرت عمر رضہ کے حکم کا ذکر نہیں ہے اور رمضان کا بھی

ذکر نہیں۔

۳ ۔ عبدالعزیز بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے (اس میں نہ حکم کا ذکر ہے، نہ ابی بن کعب رضؓ و تمیم رضؓ کا، نہ رمضان کا)۔

۴ ۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں ماہِ رمضان تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ (اس میں بھی حضرت عمر رضؓ کے حکم اور ابی رضؓ اور تمیم رضؓ کا ذکر نہیں ہے۔ گیارہ کی بجائے تیرہ کا ذکر ہے)۔

۵ ۔ عبدالرزاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضؓ نے اکیس رکعت کا حکم دیا۔ (اس میں گیارہ کی بجائے اکیس کا ذکر ہے۔

سائب بن یزید
↓
محمد بن یوسفؒ

امام مالکؒ	یحییٰ بن قطانؒ	عبدالعزیز بن محمدؒ	ابن اسحاقؒ	عبدالرزاقؒ
حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں	حضرت عمرؓ نے ابیؓ اور تمیم رضؓ پر لوگوں کو جمع کیا پس وہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے	ہم حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے	ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ماہِ رمضان تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے	حضرت عمرؓ نے اکیس رکعت کا حکم دیا تھا

جب اس اختلاف میں سوائے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے گیارہ کا امر ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یحییٰ بن قطان رحؒ کی روایت میں گیارہ کا امر نہیں اور عبدالعزیز بن محمد رحؒ کی روایت میں گیارہ کا امر ہے اور نہ رمضان کا ذکر ہے اور ابن اسحاق رحؒ بجائے گیارہ کے تیرہ رکعت ذکر کرتے ہیں۔ اور عبدالرزاقؒ کی روایت میں اکیس رکعت ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ سے خود راویِ حدیث ابن اسحاق رحؒ تیرہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور ابن عبدالبر مالکی رحؒ نے اکیس کو ترجیح دی ہے۔ لہٰذا عدد کے بارے میں یہ مضطرب ہے اور

قابل بحث نہیں۔

دوسرا جواب — یہ محمد بن یوسف رہ راوی سائب بن یزید رہ کے طریق میں گفتگو تھی۔ اب محمد بن یوسف رہ کے ساتھی یزید بن خصیفہ رہ کی روایت سائب بن یزید سے سنن کبریٰ بیہقی ۲ج ۱ ص ۴۹۶ میں یہ ہے۔

عن ابی ذئب عن یزید بن خصیفة عن سائب بن یزید قال کان یقومون علی عهد عمر بن الخطاب فی شهر رمضان بعشرین رکعة الخ

یعنی ابی ذئب روایت کرتے ہیں یزید بن خصیفہ سے کہ سائب بن یزید رہ فرماتے ہیں کہ عہد فاروقی میں ان کے زمانہ کے لوگ رمضان میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

اس اثر کی سند کو امام نووی رہ، امام عراقی رہ، امام سیوطیؒ وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھو (تحفة الاخیار، ص۱۹۲۔ اور ارشاد الساری۔ تحفة الاحوذی، ص ۷۵)۔

اس روایت میں یزید کے شاگرد ابی ذئب ہیں اور یہی بات یزید سے ان کے دوسرے شاگرد محمد بن جعفر نے نقل کی ہے اور وہ روایت امام بیہقی کی دوسری کتاب " معرفة السنن و الآثار " میں ہے۔ اس کی سند کو علامہ سبکی رہ نے " شرح منہاج " میں اور ملا علی قاری رہ نے شرح موطا میں صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھو تحفة الاحوذی، ۲ج ۳، ص ۷۵۔

دیکھئے یزید کے دونوں شاگرد متفق اللفظ ہو کر یزید سے اور یزید حضرت سائبؓ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ عہد فاروقی رضؓ میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔ برخلاف محمد بن یوسف رہ کے کہ ان کے پانچ شاگرد سائب رہ کا بیان پانچ طرح نقل کرتے ہیں۔

ایسی حالت میں اصول و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ یزید بن خصیفہ رہ کی روایت پر اعتماد کیا جائے۔ مگر اہل حدیث نے محمد بن یوسف رہ کی مختلف فیہ اور مشکوک روایت پر اعتماد کر کے انصاف کا جنازہ نکال دیا ہے۔



بیس تراویح کا ثبوت

پہلی حدیث عن العرباض بن ساریۃ قال فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوابھا وعضوا علیھا بالنواجذ الخ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ)۔

یعنی تم میری سنت کو اور سنت خلفاء راشدین ومھدیین کو لازم پکڑو اور اس پر عمل کرو۔ اور داڑھوں سے مضبوط پکڑو۔

اس حدیث میں سنت خلفاء کا عطف سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے جو مقتضی اس امر کو ہے کہ خلفاء خواہ سنت نبوی کو بیان کریں خواہ مسائل اجتہادیہ میں اجتہاد کریں۔ بہر صورت خلفاء کی اتباع لازم ہے۔ اس لئے کہ علیکم کلمہ لزوم کا ہے۔ تمسکوابھا وعضوا علیھا بالنواجذ سنت نبوی اور سنت خلفاء ..... دونوں کے ساتھ لگتا ہے۔

اور بقول بعض علماء کے خلفاء سے مراد عام ہے۔ شیخ مولانا عبدالغنی صاحب رح محدث دہلوی مہاجر مکی لکھتے ہیں۔

ومن العلماء من عمم کل من کان علی سیرتہ علیہ السلام من العلماء والخلفاء کالائمۃ الاربعۃ المتبوعین المجتھدین والائمۃ العادلین کعمر بن عبدالعزیز کلھم مراد لھذا الحدیث ۔(انجاح الحاجۃ ، ص ۵)۔

یعنی جو علماء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہیں جیسے چاروں امام (امام ابوحنیفہ رح امام مالک رح ، امام شافعی رح ، امام احمد بن حنبل رح) اور عادل حکام جیسے عمر بن عبدالعزیز رح سب اس حدیث کا مصداق ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جیسے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع لازم ہے ایسے ہی سنت خلفاء راشدین کی اتباع ضروری ہے بلکہ بعض علماء کے ہاں جمہور مجتہدین کی اتباع لازم ہے۔ اب جمہور صحابہ کرام رض (تابعین رح وتبع تابعین رح) وجمہور مجتہدین رح ومقلدین ائمہ اربعہ وعمر بن عبدالعزیز رح

بیس تراویح سے کم نہیں پڑھتے تھے۔ تو بیس تراویح سے کم پڑھنا سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سنتِ خلفاءِ راشدین کے بھی خلاف ہے۔ کیوں کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد قول ہے۔ کہ تم میری سنت اور خلفاء کی سنت کو لازم پکڑو۔ اس سے ثابت ہوا کہ خلفاءِ راشدین کے قول اور فعل کی پیروی کا بھی ضروری ہے کیونکہ یہ بھی سنت ہے۔

خلفاءِ راشدین کا عمل سنت ہے

بدرالدین عینی حنفیؒ "بنایہ شرح ہدایہ" میں لکھتے ہیں۔

سیرۃ العمرین لا شك فان فی فعلهما ثواب وفی ترکهما عقاب لنا امرنا بالاقتداء بهما لقوله علیه الصلوة والسلام اقتدوا بالذین بعدی ابی بکر وعمر فاذا کان الاقتداء ماموربه یکون واجبا و تارك الواجب یستحق العقاب و العتاب الخ (مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص ۲۱۵)۔

یعنی اس میں شک نہیں کہ افعالِ حضرت ابوبکر رضؓ و حضرت عمرؓ کا اتباع کرنا ثواب ہے اور اس کے ترک میں عذاب ہے کیوں کہ ہمیں ان دونوں حضرات کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

" اقتداء کرو ان دو آدمیوں کی جو میرے بعد ہیں یعنی حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمرؓ۔"

پس ان کی اقتداء مامور بہ اور واجب ہے۔ اور واجب کے ترک کرنے والا عقاب اور عتاب کا مستحق ہے۔"

۲ : اور کمال الدین بن ہمام رحؒ "تحریر الاصول" میں لکھتے ہیں۔

قسم الحنفیۃ العزیمۃ الی فرض ما قطع بلزومه وواجب ماظن وسنۃ الطریق الدینیۃ منه علیه الصلوة والسلام و الخلفاء الراشدین او بعضهم الخ

یعنی حنفیہ نے عزیمت کی تقسیم فرض کی جانب کی ہے جس کے لزوم کا ذکر ہو۔ اور واجب کیجانب جس میں غلبۂ ظن ہو۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاءِ راشدین رضؓ کی دینی سنت کی جانب۔

۳ ۔ اور مولانا عبدالعلی رح بحر العلوم "شرح تحریر" میں لکھتے ہیں۔

ینبغی ان یراد اعم من ان یکون طریقۃ دینیۃ مستمرۃ فی الدین عنہ صلی اللہ علیہ وسلم بان باشرہ اولا بان استمر الناس علیہا باذنہ او باذن الخلفاء۔

(مجموعۃ الفتاوی ص ۲۱۵)

یعنی لائق ہے کہ عام مراد لی جائے۔ خواہ دینی طریقہ ہو جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا عملدرآمد رہا ہو۔ آپ نے خود اس پر عمل فرمایا ہو یا نہیں بلکہ لوگ آپ کے یا خلفا کے حکم سے اس کے پابند رہے ہوں۔

۴ ۔ تبیین شرح حسامی میں ہے۔

وفی عرف الشرع یراد بہا طریقۃ الدین اما للرسول او للصحابۃ رض حتی یقال سنۃ الرسول او سنۃ الخلفاء الراشدین رض

(مجموعۃ الفتاوی ۲ ج ۱ ص ۲۱۷)

اور عرف شرع میں سنت طریقۂ دین کو کہتے ہیں خواہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یا صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا ہو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور یہ خلفاء راشدین رض کی سنت ہے۔

غرضیکہ سنت کا اطلاق عام ہے۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور سنت خلفاء راشدین پر۔ تو بیس تراویح سنت خلفاء راشدین ہے اور بیس رکعت سے کم سنت خلفاء نہیں۔

دوسری حدیث

عن یزید بن خصیفۃ عن سائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمرؓ بن الخطاب فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ و قال کانوا یقرؤن بالمئین وکانوا یتوکؤن علی عصیہم فی عہد عثمانؓ بن عفان من شدۃ القیام۔ (رواہ البیہقی: ج ۲، ص ۴۹۶)۔

یعنی یزید بن خصیفہ رح کہتے ہیں کہ حضرت سائب بن یزید رض فرماتے ہیں کہ سب لوگ رمضان کے مہینہ میں حضرت عمر بن خطاب رض کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھتے تھے اور کہا کہ لوگ پڑھتے تھے۔

(سنتے تھے، سکین حضرت عثمان بن عفان رضہ کے یہاں پلے اپنی لاٹھیوں پر سہارا لگائے تھے۔ بوجہ ضعف ہونے قیام کے۔

شبہ اس حدیث میں ایک راوی ابوعبد اللہ بن فنجویہ دینوری ہے اور اس کا حال معلوم نہیں کہ ثقہ ہے یا نہیں ؟

جواب ابوعبد اللہ بن فنجویہ رح کے بارے میں ذہبی رح نے سرنے والے مشاہیر ۴۱۴ھ میں یوں ذکر کیا ہے۔

و المحدث ابوعبد اللہ الحسین بن محمد بن الحسین بن عبد اللہ بن فنجویہ الثقفی الدینوری النیشافوری۔ الخ۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۴۲)

یعنی ابن فنجویہ کو لفظ محدث سے یاد کیا ہے۔ اور ابن اثیر جزری رح نے لکھا ہے۔

" عرف بہا ابوعبد اللہ الحسین بن محمد بن الحسین فنجویہ الفنجوی الدینوری الحافظ روی عن ابی الفتح محمد بن الحسین الازدی الموصلی وابی بکر بن مالک القطعی وغیرہما روی عنہ ابواسحاق الثعلبی فاکثر فی تفسیرہ ویذکرہ کثیرا فیقول اخبرنا الفنجوی الخ

یعنی اس نسبت فنجوی کے ساتھ حافظ ابوعبد اللہ حسین مشہور و معروف ہے۔ وہ ابوالفتح ازدی اور ابوبکر قطعی وغیرہ سے حدیثیں روایت کرتے ہیں اور ان سے ابواسحاق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں بکثرت روایات نقل کی ہیں اور وہ ان کا ذکر بہت کرتا ہے۔ اور یوں کہتا ہے کہ ہم کو فنجوی رح نے خبر دی۔

اور سمعانی نے برہان دینوری رح کے شاگردوں میں اس کا نام لیا ہے۔ اور امام بیہقی رح نے اپنی سنن میں ان سے بکثرت روایت کی ہے۔

جب ذہبی رح ابن فنجویہ رح کو محدث لکھ رہے ہیں اور ابن اثیر جزری رح اس کو مشہور و معروف اور حافظ لکھ رہے ہیں۔ اور ابوالفتح رح اور ابوبکر بن مالک قطعی رح وغیرہما سے یہ روایت کر رہے ہیں اور اس سے روایت ابواسحاق ثعلبی رح کر رہے ہیں۔ تو اب ثقہ اور عادل ہونے میں کیا

شک وشبہ رہا۔

مقدمہ ابن الصلاح اصول حدیث کی مشہور کتاب ہے اس میں لکھتے ہیں۔

عدالة الراوی تارة تثبت بتنصیص المعدلین علی عدالته وتارة تثبت بالاستفاضة فمن اشتهرت عدالته بین اهل النقل اونحوهم من اهل العلم وشاع الثناء علیه بالثقة و الامانة استغنی فیه بذلك عن بینة شاهدة بعدالته تنصیصا هذا هو الصحیح فی مذهب الشافعی رح وعلیه الاعتماد فی فن اصول الفقه۔ (ص۱۰۴)

یعنی راوی کی عدالت کبھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ عادل اس کی عدالت پر تصریح کر دیں اور کبھی ثابت ہوتی ہے ساتھ شہرت اور استفاضہ کے۔ پس جس کی عدالت اہل علم کے درمیان مشہور ہو اور اس پر ثقہ ہونے کی اور امین ہونے کی تعریف شائع ہو تو وہ مستغنی ہوتا ہے ایسے بینہ سے جو اس کی عدالت پر صراحتہً شاہد ہو۔ یہی صحیح ہے مذہب شافعی رح میں اور اسی پر اعتماد ہے۔ فن اصول فقہ میں۔ بلکہ حافظ ابو عمر بن عبد البر رح نے تو اور توسیع کر کے یہاں تک کہہ دیا ہے۔

کل حامل علم معروف العنایة به فهو عدل محمول فی امره ابدا علی العدالة حتی یتبین الجرحة الخ (مقدمہ، ص۱۰۴)۔

یعنی ہر صاحب علم جس کا اشتغال علم کے ساتھ معروف ہو عادل ہے اور ہمیشہ عادل قرار دیا جائے گا جب تک اس پر جرح ثابت نہ ہو۔

اس روایت پر جرح محض تعصب ہے لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے اور اس سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد میں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ عہد عثمان غنی رض میں بوجہ طویل قیام کے لاٹھیوں پر سہارا لگاتے تھے۔

اس حدیث کو بیہقی نے معرفت میں بالاسناد الصحیح روایت کیا ہے۔ نووی رح نے خلاصہ میں اور ابن العراقی رح نے شرح تقریب میں۔ اور سیوطی رح نے مصابیح میں کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔

تیسری حدیث

عن یزید بن رومان انه قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رض فی

رمضان بثلاث وعشرين ركعة۔ (رواہ مالک اسنادہ قوی) بیہقی ج ۲ (ص ۴۹۶)۔

یعنی یزید بن رومان رح کہتے ہیں کہ سب لوگ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں تیئیس رکعت پڑھتے تھے۔

شبہ :- یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل حجت نہیں ہے۔

پہلا جواب یہ حدیث امام مالک رح کے مؤطا میں منقول ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح نے مؤطا کے متعلق " حجۃ اللہ البالغہ (ص ۱۳۳ ، ج ۱)" میں فرمایا ہے۔

قال الشافعی رح اصح الکتب بعد کتاب اللہ مؤطا امام مالک رح

واتفق اھل الحدیث علی ان جمیع ما فیہ صحیح علی رأی مالک رح

ومن وافقہ واما علی رأی غیرہ فلیس فیہ مرسل ولا منقطع

الا قد اتصل السند بہ من طرق اخری وقد صنف فی زمان

مالک رح موطات کثیرۃ فی تخریج احادیثہ ووصل منقطعہ

مثل کتاب ابن ابی ذئب وابن عیینۃ والثوری ومعمر الخ

یعنی امام شافعی رح نے فرمایا کہ کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح کتاب مؤطا امام مالک رح ہے اور محدثین کا اتفاق ہے کہ اس میں جتنی روایتیں ہیں سب امام مالک رح اور اس کے موافقین کی رائے پر صحیح ہیں (اس لئے کہ وہ لوگ مرسل کو بھی صحیح اور مقبول مانتے ہیں۔ دوسروں کی رائے پر اس میں کوئی مرسل یا منقطع ایسی نہیں ہے کہ دوسرے طریقوں سے اس کی سند متصل نہ ہو اور امام مالک رح کے زمانہ میں مؤطا کی حدیثوں کی تخریج کے لئے اور اس کے منقطع کو متصل ثابت کرنے کے لئے بہت سے مؤطا تصنیف ہوئے جیسے ابن ابی ذئب ابن عیینہ رح ثوری رح اور معمر رح کی کتابیں۔

دوسرا جواب مرسل کے قبول و عدم قبول میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام مالک رح اور امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک وہ مطلقاً مقبول ہے۔ لہذا ان حضرات کے مسلک کی بنا پر تو اس اثر کا مرسل ہونا کچھ مضر نہیں ہے۔ اور امام شافعی رح کے نزدیک اگرچہ مرسل مقبول نہیں ہے مگر وہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ جب کسی مرسل کی تائید کسی دوسری مسند یا مرسل سے ہوتی ہو اور وہ مسند یا مرسل دوسرے طریق اسناد سے مروی ہو تو مقبول ہے۔ چنانچہ ابن حجر رح شرح نخبۃ الفکر " ص ۵۰ میں فرماتے ہیں۔

وقال الشافعی رہ یقبل اذا اعتضد بمجیئہ من وجہ آخر یباین الطریق الاولی مسنداکان اومرسلاً الخ۔

اور شیخ الاسلام زکریا انصاری رہ نے یہ تقسیم بھی کی ہے کہ مرسل کا موید گو ضعیف ہو تب بھی مرسل مقبول ہو جائے گی۔ (حاشیہ شرح نخبہ)۔

خطیب بغدادی رہ "کفایہ ص ۳۸۲" میں لکھتے ہیں۔

فقال بعضہم انہ مقبول ویجب العمل بہ اذا کان المرسل ثقۃ عدلا وھذا قول مالک واھل المدینۃ وابی حنیفۃ و اھل العراق وغیرھم۔

جب یہ ذہن نشین ہو چکا تو سنئے کہ یزید بن رومان رہ کا یہ اثر اگرچہ مرسل ہے مگر اس کی تائید دوسرے کئی مرسلوں سے ہوتی ہے۔ جو عنقریب مذکور ہوں گے۔ لہٰذا بالاتفاق مقبول اور حجت ہے۔ علاوہ اس کے ہمارا اصل استدلال سائب رہ کی حدیث سے ہے۔ اور یزید بن رومان رہ کا اثر تائید کے لئے پیش کیا گیا ہے۔

چوتھی حدیث

عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب رض امر رجلا یصلی بہم عشرین رکعۃ رواہ ابوبکر ابن ابی شیبہ رہ فی مصنفہ اسنادہ مرسل قوی۔

یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا ایک آدمی کو کہ لوگوں کو بیس رکعتیں تراویح پڑھائیں۔

پانچویں حدیث

عن عبد العزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ اسنادہ مرسل قوی۔

یعنی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رمضان میں لوگوں کو مدینہ طیبہ میں بیس رکعت پڑھاتے تھے اور تین وتر پڑھاتے تھے۔



چھٹی حدیث عن عطاء قال ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثا و عشرین رکعۃ بالوتر۔ (رواہ ابن ابی شیبہ اسنادہ حسن)۔

یعنی عطاؒ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ سب لوگ تراویح کی نماز تیئیس رکعت مع وتر کے پڑھتے تھے۔

ساتویں حدیث عن ابی الخصیب قال کان یؤمنا سوید بن غفلۃ فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعۃ۔ (رواہ البیہقی، ج ۲، ص ۴۹۶۔ اسنادہ حسن)۔

یعنی ابوالخصیب رحؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سوید بن غفلہ رح ماہ رمضان میں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

آٹھویں حدیث عن نافع بن عمر قال کان ابن ابی ملیکۃ یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعۃ (رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ اسنادہ صحیح)۔

یعنی نافع بن عمر رح کہتے ہیں کہ رمضان میں ابن ابی ملیکہ ہم کو بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

نویں حدیث عن سعید بن عبید ان علی بن ربیعۃ کان یصلی بھم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث (اخرجہ ابوبکر بن ابی شیبہ فی مصنفہ واسنادہ صحیح)۔

یعنی سعید بن عبید رح سے مروی ہے کہ علی بن ربیعہ رح انہیں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت پڑھاتے تھے اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

دسویں حدیث عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر الخ (ابن ابی شیبہ والبیہقی۔ ج ۲، ص ۴۹۶)

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس تراویح اور وتر پڑھاتے تھے۔

شبہ — اس حدیث کا ایک راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان رح ہے اور وہ مجروح راوی ہے اس لئے اس کی یہ روایت ضعیف قرار دی گئی ہے۔

جواب — ابراہیم کو مجروح ثابت کرنے میں کچھ مبالغہ سے بھی کام لیا گیا ہے۔ دیکھئے ابن عدی رح ابراہیم کے متعلق کہتا ہے۔

له احادیث صالحة وهو خير من ابراهيم بن ابى حية (تہذیب ج ۱ ص۱۴۵)

اس (ابراہیم) کی حدیثیں درست بھی ہیں اور ابراہیم بن ابی حیہ سے بہتر ہے۔ اور یزید بن ہارون رح جو امام بخاری رح کے استاذ الاستاذ اور نہایت ثقہ ہیں اور زبردست حافظ حدیث تھے۔ ابراہیم رح کے بڑے مداح تھے فرماتے تھے۔

ما قضى على الناس يعنى فى زمانه اعدل فى قضاء منه الخ (تہذیب)

یعنی ہمارے زمانہ میں ان سے زیادہ عادل کوئی قاضی نہیں ہوا۔

تنبیہ — یزید رح سے بڑھ کر ابراہیم کا پرکھنے والا اور ان کے حالات سے باخبر ان جارحین میں کوئی بھی نہیں ہے اس لئے کہ یزید رح ان کے محکمہ میں کاتب یعنی ان کے منشی تھے۔ اس لئے یزید رح کی شہادت ابراہیم کے علم اور دیانت داری دونوں پر زبردست شہادت ہے۔

راوی کی عدالت — اور کسی راوی کی روایت کو قبول کرنے کے لئے دو باتیں لازمی طور پر دیکھی جاتی ہیں ایک تدین اور دوسرے اس کی قوت حافظہ۔ پس اس شہادت کے بعد ابراہیم کے تدین میں تو کوئی شک نہیں رہتا۔ اب رہی قوت حافظہ۔ تو ابن عدی رح کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم رح کا حافظہ بھی بہت زیادہ خراب نہ تھا۔ اس لئے کہ ابن عدی رح نے اقرار کیا ہے کہ ابراہیم رح کی مرویات میں درست اور ٹھیک حدیثیں بھی ہیں۔

بہر حال ہم کو اتنا تسلیم ہے کہ ابراہیم رح ضعیف راوی ہے۔ اس کی وجہ سے یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ اور ابراہیم رح کی حدیث چاہے اسناد کے لحاظ سے ضعیف ہو مگر اس لحاظ سے وہ بے حد قوی اور ٹھوس ہے کہ عہد فاروقی رض کے مسلمانوں کا علانیہ عمل بھی اسی کے موافق ثابت ہوتا ہے۔ اور ہر چہار ائمہ مجتہدین کے اقوال بھی اسی کے مطابق ہیں اور عہد فاروقی رض کے بعد سے ہمیشہ امت کا عمل بھی بلا اضافہ یا اضافہ کے ساتھ اسی کے موافق رہا ہے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مرحوم نے ایک موقعہ پر اعتراف کیا ہے کہ بعض ضعیف ایسے ہیں

جماعت کی تحقیق بالقبول سے رفع ہوگئے ہیں۔ الخ (اخبار اہلحدیث امرتسر ۱۷ اپریل ۱۹۰۸ء)

گیارہویں حدیث

وروینا عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی رضی اللہ عنہ أنہ کان یؤمھم فی رمضان بعشرین رکعۃ والوتر بثلاث وفی ذلک قوۃ الخ

(بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)۔

یعنی شتیر بن شکل سے روایت ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے تھے وہ رمضان میں بیس رکعت کے ساتھ امامت کراتے تھے اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے اور اس میں قوت ہے۔ بیہقیؒ نے اخیر عبارت میں تصریح کردی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر قوی ہے۔

عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی رضی اللہ عنہ قال دعا القراء فی رمضان فامر منھم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعۃ قال وکان علی رضی اللہ عنہ یوتر بھم وروینا ذلک عن وجہ اٰخر عن علی رض (بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)۔

یعنی ابوعبدالرحمن سلمی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے قراء کو رمضان میں بلا کر ان میں ایک آدمی کو امر کیا کہ لوگوں کو نماز پڑھائے بیس رکعت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وتر خود پڑھاتے اور یہ روایت حضرت علیؓ سے دوسرے طریق سے بھی آئی ہے۔ پہلے اثر علی رض کو قوی بتلایا۔ اور دوبارہ کہا دوسرے طریق سے بھی مروی ہے۔ تو مجموعہ اتنا قوی تر ہوگیا کہ اس میں کلام کی گنجائش ہی نہیں دوسرا طریق اگر چہ ضعیف ہو تب بھی اس کے لئے مؤید ہونا کوئی مضر نہیں۔ دوسرا طریق یہ ہے۔

عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء ان علیا امر رجلا یصلی بھم عشرین رکعۃ الخ

(مصنف ابن ابی شیبہ کذا فی الجوہر النقی بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)۔

یعنی ابی الحسناء سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو امر کیا کہ لوگوں کو نماز پڑھائے بیس رکعت۔

ابی الحسناء اگرچہ ضعیف راوی ہے مگر اس کا ضعف حدیث کے مؤید ہونے کو مضر نہیں ہے۔

ھذا الحدیث وان کان ضعیفا لکن منجبر بتعدد طرقہ الخ (ابکار المنن ص ۲۵۴)

یعنی یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے۔ لیکن وہ تعدد طرق کے ساتھ مجبر ہے۔

ولو سلم ان کلہا ضعیفۃ فہی مجموعہا تبلغ درجۃ الحسن الخ

(ابکار المنن : ص ۱۳۱)۔

یعنی اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حدیث کے سارے طرق ضعیف ہیں تو وہ مجموعی حیثیت سے درجۂ حسن کو پہنچ جاتی ہے۔

شبہ ابوالحسناء رہ کے متعلق تقریب التہذیب میں لکھا ہے کہ ابوالحسناء مجہول راوی ہے لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔

جواب اصول حدیث کا مسئلہ ہے کہ جس شخص سے دو راوی روایت کریں تو وہ شخص مجہول الذات نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب ابوالحسناء رہ سے ابو سعد رہ اور عمرو بن قیس رہ دو شخص روایت کرتے ہیں تو وہ مجہول کیسے ہوا۔ اس کو تو مستور کہتے ہیں۔ اور مستور کی روایت ایک جماعت کے نزدیک مقبول ہے اور جمہور کے نزدیک اگر اس کا کوئی مؤید ہو تو مقبول ہے اور اس کا مؤید ابو عبدالرحمن سلمی رہ موجود ہے۔

شبہ ابوالحسناء رہ کی حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے لقاء ثابت نہیں لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔

جواب ابوالحسناء رہ دو ہیں۔ ایک وہ ہے جو حکم بن عتیبہ رہ سے روایت کرتے ہیں۔ (یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے شاگرد کے شاگرد ہیں) اور اس سے شریک نخعی روایت کرتے ہیں۔ جیسا کہ تہذیب التہذیب میں اس کی تصریح ہے۔ دوسرا ابوالحسناء وہ ہے جس سے ابو سعد بقال رہ اور عمرو بن قیس رہ روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے لہٰذا جب دونوں کے شاگرد اور استاد الگ الگ ہیں تو دونوں ایک کیسے ہوئے ؟

بارہویں حدیث وقال محمد بن کعب القرظی کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی رمضان عشرین رکعۃ یطیلون فیہا القراءۃ ویوترون بثلاث الخ

(قیام اللیل ، ص ۹۱)

یعنی محمد بن کعب القرظی رہ سے مروی ہے۔ کہ سب لوگ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں ماہ رمضان میں تراویح کی بیس رکعت پڑھتے تھے۔ لمبا کرتے تھے ان میں قرأت کو اور وتر تین رکعت

پڑھتے تھے۔

تیرہویں حدیث قال الاعمش کان عبد اللہ بن مسعودؓ یصلی عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث۔ الخ (قیام اللیل، ص ۹۱)

یعنی اعمشؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔

چاروں امام بیس تراویح سے کم کے قائل نہ تھے

۱: فالمسنون عند ابی حنیفۃؒ والشافعیؒ واحمدؒ عشرون رکعۃ وحکی عن مالکؒ ان التراویح ست وثلاثون (کذا فی رحمۃ الامۃ ص)

یعنی مسنون تراویح بیس رکعت ہیں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک۔ اور حکایت کیا گیا ہے امام مالکؒ سے کہ تراویح چھتیس رکعت ہیں۔

۲: فاختار مالکؒ فی احد قولیہ وابوحنیفۃؒ والشافعیؒ واحمدؒ وداؤدؒ القیام بعشرین رکعۃ سوی الوتر وذکر ابن القاسمؒ عن مالکؒ انہ کان یستحسن ستا وثلاثین رکعۃ والوتر ثلاث رکعات (بدایۃ المجتہد)۔ (ج ۱، ص ۲۱۰)۔

یعنی امام مالکؒ نے اپنے دو قولوں میں سے ایک میں اور امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ امام احمدؒ اور امام داؤد ظاہریؒ نے بیس رکعت تراویح کا قیام پسند کیا ہے اور تین رکعت وتر اس کے علاوہ۔ اور ابن القاسمؒ نے امام مالکؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ چھتیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر کے قیام کو مستحسن سمجھتے تھے۔

وذکر ابن القاسمؒ عن مالکؒ انہ الامر القدیم یعنی القیام بست وثلاثین رکعۃ الخ

یعنی ابن القاسمؒ (شاگرد امام مالکؒ) نے امام مالکؒ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ چھتیس رکعت کا قیام قدیم معمول ہے۔ ابن رشد مالکیؒ کے اس کلام سے دو فائدے حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ امام مالکؒ نے بھی بیس تراویح کو پسند کیا ہے۔ اس کی مزید تائید قسطلانیؒ کی اس نقل سے ہوتی ہے۔

وقد قال المالكية انها كانت ثلاثة وعشرين ثم جعلت تسعا وثلاثين۔

یعنی مالکیہ نے کہا ہے کہ تراویح کی رکعتیں مع وتر تئیس تھیں پھر وہ مع وتر انتالیس کر دی گئیں۔
دوسرا اشکال نے صرف امام مالکؒ کے دو قول بتلاتے ہیں۔ ایک بیس رکعت کا دوسرا چھتیس کا۔ اور گیارہ رکعت کے قول کو اپنے مذہب کی روایات میں اتنا کمزور سمجھا کہ اس کو قابل شمار قرار نہیں دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ چاروں امام ۲۰ بیس رکعت تراویح پر متفق ہیں کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

فقہائے کرام سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت

واختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرای بعضهم ان یصلی احدی واربعین رکعة مع الوتر وهو قول اهل المدینة والعمل علی هذا عندهم بالمدینة واکثر اهل العلم علی ما روی عن علیؓ وعمرؓ وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة وهو قول سفیان الثوریؒ وابن المبارکؒ والشافعیؒ وقال الشافعیؒ وهکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة وقال احمد روی فی هذا الوان لم یقض فیه بشئ وقال اسحاق بل نختار احدی واربعین رکعة علی ما روی عن ابی بن کعبؓ الخ

(ترمذی شریف، ج ۱، ص ۱۱۲)

یعنی قیام رمضان میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔ سو بعض قائل ہیں اکتالیس رکعت مع الوتر کے یہی قول ہے اہل مدینہ کا ہے اور عمل بھی اسی پر ہے مدینہ میں۔ اور اکثر اہل علم بیس رکعت کے قائل ہیں۔ موافق اس کے حضرت علیؓ وحضرت عمرؓ وغیرہما اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور یہی سفیان ثوریؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ وشافعیؒ کا قول ہے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ میں بیس رکعت تراویح پڑھتے پایا۔ اور امام احمدؒ نے کہا تراویح میں مختلف روایات ۲۰ بیس سے لے کر اکتالیس تک ہیں اس پر کوئی حکم نہیں لگایا۔ اور امام اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ ہم اکتالیس رکعت کو اختیار کرتے ہیں۔ موافق اسکے جو حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے۔ (انتہی)۔

دیکھو زمانہ نبوی میں یا صحابہ کرام رض یا تابعین رح یا تبع تابعین رح کے زمانہ میں کہیں جماعت آٹھ کی ہوتی یا اکیلا آدمی مشہور و معروف کوئی فقیہ یا امام آٹھ رکعت پڑھتا تو امام ترمذی ضرور اسکا تذکرہ کرتے۔ امام سبکی شافعی رح لکھتے ہیں۔

ومذہبنا ان التراویح عشرون رکعۃ۔ الخ

یعنی ہمارا مذہب یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔

شیخ منصور بن ادریس حنبلی رح " کشاف القناع عن متن القناع " ص ۲۶۹ میں لکھتے ہیں

" وھی عشرون رکعۃ فی رمضان الخ

یعنی تراویح بیس رکعت ہیں رمضان میں۔ " شرح منتہی الارادات " ص ۲۵۶ - ج ۱ میں فرماتے ہیں

" وھی عشرون رکعۃ فی رمضان جماعۃ الخ "

یعنی تراویح بیس رکعت ہیں رمضان میں جماعت سے۔ " توشیح (شافعیہ) میں ہے۔

" والثالث منہا صلوۃ التراویح وھی عشرون رکعات ولو فرادی وتسن الجماعۃ الخ "

یعنی اور ان میں سے تیسری نماز تراویح ہے اور وہ بیس رکعات ہیں اگرچہ اکیلا ہی کیوں پڑھے اور جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت ہے۔" اور روضہ میں ہے۔

ومنہ صلوۃ التراویح عشرون رکعۃ کل رکعتین بتسلیمۃ۔ الخ

یعنی صلوۃ تراویح کی بیس رکعت ہیں ہر دو رکعت ایک سلام سے ہونی چاہئے۔

(کتب مالکیہ) وتتاکد صلوۃ التراویح فی رمضان عشرون رکعۃ بعد صلوۃ العشاء یسلم من کل رکعتین الخ (انوار ساطعہ)

یعنی رمضان میں نماز عشاء کے بعد بیس رکعت نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرے۔

(کتب الحنابلہ) التراویح سنۃ مؤکدۃ عشرون رکعۃ برمضان والاصل فی مسنونیتہا الاجماع۔ (نیل المآرب)۔

یعنی رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہے اور ان کا سنت ہونا اجماع سے ثابت ہے۔ الغرض جمہور صحابہ کرام رض اور ائمہ اربعہ رح سلف کا مذہب یہی ہے کہ تراویح بیس ہیں

آئمہ کسی کا مذہب نہیں۔

تعامل وتوارث — وهكذا جرى التوارث من زمان امير المؤمنين عمر رضى الله تعالى عنه الى هذا الآن و هذا

الاحكام مما اتفق عليه فقهاء المذاهب الاربع من غير خلاف لخ

حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ کے زمانہ سے لے کر اب تک یہی توارث اور تعامل رہا ہے اور یہ ان احکام میں سے ہے جن پر مذاہب اربعہ کے فقہاء بغیر کسی اختلاف کے متفق ہیں۔

عن علی رضى الله عنه انه امر رجلا يصلى بهم فى رمضان عشرين ركعة وهذا كالاجماع (مغنى ابن قدامه ج ۲ ، ص ۱۶۷)۔

حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو حکم کیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرے اور یہ مثل اجماع کے ہے۔

امام نووی شافعی رح لکھتے ہیں۔

ثم استقر الامر على عشرين فانه المتوارث ۔ الخ

یعنی پھر بیس رکعت پر امر مستقر ہوگیا بس یہی متوارث اور مسلسل عمل ہے۔

ابن حجر مکی شافعی رح نے لکھا ہے۔

ولكن اجمعت الصحابة رض على ان التراويح عشرون ركعة الخ (زرقانی)

لیکن صحابہ رض نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔

ابن تیمیہ رح فرماتے ہیں۔ وهو الذى يعمل به اكثر المسلمين ۔ الخ ۔

یعنی اور اکثر اہل اسلام اس پر عامل ہیں۔



اہل حدیث علماء سے بیس تراویح کا ثبوت

پس منع از بست و زیادہ چیزے نیست الخ (عرف الجادی ، ص ۸۴)

پس منع کرنا بیس تراویح یا زیادہ سے کوئی چیز نہیں ہے۔

نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں۔

" پس آں بزیادت عامل بسنت ہم باشد الخ " (ہدایت السائل ، ص ۱۱۸)

گیارہ سے زیادہ تراویح پڑھنے والا بھی سنت پر عامل ہے۔

نیز فرماتے ہیں۔

اما آنکہ جمع از اہل علم ایں نماز بست رکعت قرار دادہ اند و در ہر رکعتے قرأتے معین را مستحسن داشتہ ایں عدد بخصوصہ ثابت نشدہ ولیکن مجمل چیزے است کہ برآں ایں معنی صادق است کہ

انہ صلٰی انہ جماعۃ وانہ فی رمضان

پس حکم بتبدیع آں چہ معنی ۔ (بدور الاہلہ ، ص ۳۴)

ترجمہ :- لیکن جن اہل علم کی ایک جماعت نے اس نماز کو بیس رکعت قرار دیا ہے اور ہر رکعت میں معین قرأت کو مستحسن رکھا ہے یہ عدد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں لیکن ایک مجمل چیز ہے جس پر یہ صادق ہے کہ یہ نماز ہے یہ جماعت ہے یہ رمضان میں ہے پس اس کے بدعت ہونے کا حکم لگانے کا کیا معنی؟

نیز فرماتے ہیں۔

ان صلوۃ التراویح سنۃ باصلھا لما ثبت انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاھا فی لیالی ثم ترکھا شفقۃ علی الامۃ ان لا تجب علی العامۃ او یحسبوھا واجبۃ ولم یات تعین العدد فی الروایات الصحیحۃ المرفوعۃ ولکن یعلم من حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتھد فی رمضان مالا یجتھد فی غیرہ رواہ مسلم ان عددھا کان کثیراً ۔

(الانتقاد الرجیح ، ص ۶۱)

ترجمہ :- نماز تراویح اپنی اصل کے لحاظ سے سنت ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے چند راتوں میں تراویح پڑھی ہیں پھر اس اندیشہ سے کہ لوگوں پر واجب نہ ہو جائیں اور عوام انہیں واجب نہ سمجھ لیں، پڑھنا ترک فرما دیا۔ اور روایات صحیحہ مرفوعہ میں کسی (حتمی) عدد کا تعین نہیں ہے البتہ اس حدیث سے کہ

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد في رمضان مالا يجتهد في غيره - رواه مسلم -

معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کا عدد کثیر ہے۔

تطبیق اب اگر بالفرض گیارہ کا ثبوت ہو تو یوں تطبیق ہو سکتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے گیارہ کا حکم دیا اور قرأت لمبی کی۔ پھر جب اس کو مشقت سمجھا تو قرأت میں تخفیف کر دی اور تعداد بڑھا کر بیس رکعت کر دیں اور وتر تین رکعت اس کے علاوہ ہیں۔ مجموعہ تئیس رکعت ہو گئیں۔

علامہ سبکی رہ ابن عبد البر رہ سے اسی طرح تطبیق نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں۔

قال السبكي عن عبد البر اختاروا في وقت تطويل القيام فجعلوها احدى عشرة ركعة وفي وقت عدد الركعات فجعلوها عشرين وقد استقر العمل على هذا - (هداية السائل، ص ۱۳۸)

یعنی ابن عبد البر رہ سے سبکی نے نقل کیا ہے کہ ایک وقت میں تطویل قرأت کو انہوں نے پسند کیا تو گیارہ رکعت کو مقرر کر دیا۔ دوسرے وقت عدد رکعات بڑھا دیا تو بیس رکعت کو مقرر کر دیا۔ بے شک عمل سب امت کا اسی بیس رکعت تراویح پر مستقر ہوا۔

علامہ قسطلانی رہ شرح بخاری میں لکھتے ہیں۔

قال القسطلاني رح في شرح البخاري جمع البيهقي بانهم كانوا يقومون باحدى عشرة ثم قاموا بعشرين و اوتروا بثلاث وقد عدوا ما وقع في زمان عمر رض كالاجماع - (اوجز المسالك، ص ۳۹۵ ج ۲)

یعنی قسطلانی رہ نے شرح بخاری میں کہا ہے کہ بیہقی رہ نے اس طرح جمع کیا ہے کہ لوگ پہلے گیارہ رکعت سے قیام کرتے تھے۔ پھر بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھنے لگے۔ اور محققین شمار کیا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں واقع ہوا اجماع کی طرح۔ اس لئے حدیث میں آتا ہے۔

« من رأى منكم منكرا فليغيره بيده » الخ ۔

یعنی جو تم سے خلاف شرع بات ہوتے ہوئے دیکھے تو چاہیئے کہ اس کو ہاتھ سے اور زبان سے اور دل سے بدل ڈالے۔

اگر بیس خلاف شرع ہوتیں تو ہزاروں صحابہ کرام علیہم الرضوان حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کے زمانہ میں اور مابعد میں لاکھوں علماء ہوئے ہیں کوئی تو اس پر انکار کرتا۔ اور جب کسی نے انکار نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

وروى اسد بن عمرو عن ابى يوسف رح قال سألت ابا حنيفة رح عن التراويح وما فعله عمر رضى الله تعالى عنه فقال التراويح سنة مؤكدة ولم يتخرصه عمر رضى الله تعالى عنه من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعا ولم يأمر به الا عن اصل لديه وعهد من رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا فى مراقى الفلاح نقلا من الاختيار (ص ۲۲۴)۔

وفيه اشعار بكون التراويح سنة مؤكدة على الحال التى امر بها عمر رضى الله عنه وهى عشرون ركعة ۔ الخ ۔ (اعلاء السنن ج ۷ ص)

ترجمہ

اسد بن عمروؒ امام ابو یوسف رح سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ رح سے تراویح اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کے متعلق سوال کیا تو ارشاد فرمایا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنی طرف سے نہیں گھڑا اور نہ ہی بدون اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل شرعی موجود ہو اس کا حکم دیا ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے آپ کے پاس کوئی دلیل ضرور موجود ہوگی اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بیس رکعت تراویح اسی حال پر سنت مؤکدہ ہیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا حکم دیا تھا۔

۲ : ایک تطبیق کی صورت یہ ہے کہ آپ نے اکیس ، تئیس کا حکم باعتبار مجموع کے دیا تھا یعنی ہر واحد کو دس دس رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا اور وتر ایک رکعت یا تین رکعت کبھی یہ پڑھاتے اور کبھی وہ پڑھاتے۔ (اوجز المسالک : ص ۳۹۴ - ج ۲)۔

بیس۲۰ رکعت کے متعلق دوسرے علماءِ امت کے اقوال

ہر چند کہ تابعین اور اتباعِ تابعین کے خیر القرون میں بعض اکابر بیس سے زائد رکعت بھی پڑھتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ مدینۃ الرسول میں جو مہبطِ وحی اور الزازِ رسالت کا مطلع ہے ڈیڑھ سو سال تک برابر چھتیس رکعتیں معمول بہا بنی رہیں۔ تاہم انجام کار بیس پر ہی ساری امت کا اتفاق ہو گیا اور حالت بدستور سابق عود کر آئی۔ اور اصل یہ ہے کہ گو بعض بزرگ چار دن درمیانی وقفوں میں جن کو ترویحہ کہتے ہیں چار چار رکعتیں بلاجماعت ادا کر کے تعدادِ رکعت چھتیس تک پہنچا دیتے تھے لیکن جماعت بیس ہی رکعتوں کی ہوا کرتی تھی۔ اور گو صراحت کے ساتھ نام بنام سب علماءِ حق کا مسلک کتابوں میں مذکور نہ ہو۔ تاہم یہ امر یقینی ہے کہ خیر القرون کے بعد بھی تمام علماءِ اہلِ سنت باجماعت بیس ہی کا حکم دیتے تھے اور ترویحوں کے زائد نفلوں سے دستبردار ہو کر عموماً بیس۲۰ پر ہی عمل پیرا رہے ہیں۔ ذیل میں ان علماء و صلحاء متأخرین کے اسماءِ گرامی درج کئے جاتے ہیں جن کی نسبت صراحۃً مذکور ہے کہ وہ بیس رکعت کے قائل تھے۔

اِمَامُ ابْنِ عَبْدُالبرؒ :-

حافظ امام ابن عبدالبرؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک تئیس (بیس تراویح اور تین وتر) کی روایت معتبر ہے۔ اور امام مالکؒ کی روایت جس میں گیارہ رکعت (آٹھ تراویح اور تین وتر) مذکور ہیں وہم ہے۔ امام مالکؒ کے سوا دوسرے محدثین نے اکیس رکعتیں بتائی ہیں اور میں امام مالکؒ کے سوا کسی ایسے محدث کو نہیں جانتا جس نے گیارہ رکعت کی حدیث کا ذکر کیا ہو۔

(المصابیح مترجم مطبوعہ شنائی برقی پریس امرتسر ۱۵)

حافظ مغرب شیخ الاسلام امام ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبرؒ قرطبی ۳۶۸ھ میں ہسپانیہ کے شہر قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ حفظ اور اتقان میں اہلِ زمانہ کے استاد تھے۔ باجی کا قول ہے کہ اندلس (اسپین) کے اندر کوئی عالم علمِ حدیث میں ان سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔

ابن حزم ظاہریؒ لکھتے ہیں کہ کتاب تمہید ہمارے دوست ابوعمرؒ (ابن عبدالبرؒ) کی تصنیف ہے، فقہ، حدیث میں کوئی کتاب اس تصنیف کی ہم پایہ نہیں چہ جائیکہ اس سے بڑھ کر ہو۔ علامہ ابن عبدالبرؒ تمام علوم میں بیش بہا تالیفات رکھتے ہیں۔ ان کی ایک شہرۂ آفاق کتاب "کافی" جو امام مالکؒ کے مذہب پر ہے پندرہ جلدوں میں ہے۔ کتاب "استیعاب" میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے حالات

قلمبند کئے ہیں۔ یہ ایسی بلند پایہ تصنیف ہے کہ جس کی مثل کسی مصنف کی کوئی کتاب نہیں دیکھی گئی۔ ان کی بہت سی دوسری بلند پایہ تصنیفات بھی ہیں۔ جن کے نام "تذکرۃ الحفاظ" میں درج ہیں۔

حدیث، فقہ اور معانی میں بصیرت تام رکھنے کے علاوہ علم نسب و اخبار کے بھی بڑے ماہر تھے۔ ثقہ، حجت اور صاحب سنت واتباع تھے۔ پہلے ظاہری تھے۔ پھر مالکی مذہب اختیار کر لیا تھا۔

حمیدی کا بیان ہے کہ ابو عمر فقیہ، حافظ اور قرأت و خلاف اور علوم حدیث و رجال کے بڑے فاضل اور قدیم السماع بزرگ تھے۔ عمر کی پچانوے منزلیں طے کر کے ۴۶۳ھ میں واصل بحق ہوئے بیہقی ان کے ہمعصر اور عمر میں ان سے سولہ سال بڑے تھے۔

(تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد اول، صفحہ ۳۰۰)

امام محمد غزالیؒ۔

حکیم الامت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں۔

التراویح وھی عشرون رکعۃ وکیفیتھا مشھورۃ وھی سنۃ مؤکدۃ۔

(احیاء العلوم، جلد اول، ص ۱۳۹)

تراویح بیس رکعت ہیں اور اس کے پڑھنے کا طریقہ مشہور و معروف ہے تراویح سنت مؤکدہ ہے۔

قطب ربانی سید عبد القادر جیلانیؒ۔

حضرت محبوب سبحانی سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز رقم فرماتے ہیں۔

• صلاۃ التراویح سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی عشرون رکعۃ۔"

(غنیۃ الطالبین، ص ۲۶۳۔ ۲۶۷)۔

نماز تراویح حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے جو بیس رکعت ہے۔

امام ابن قدامہ حنبلیؒ۔

امام ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ المتوفی سنہ ۶۲۰ھ لکھتے ہیں۔

• والمختار عند ابی عبد اللہ فیھا عشرون رکعۃ وبھذا قال الثوری، و ابو حنیفۃ، والشافعی، وقال مالک، ستۃ وثلاثون وزعم انہ الامر القدیم وتعلق بفعل اھل المدینۃ ولنا ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما جمع الناس علی ابی بن کعب کان یصلی بھم عشرین رکعۃ۔

(مغنی ابن قدامہ مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۸۰۲)۔

امام احمد رح کے نزدیک بیس رکعت مختار ہیں۔ سفیان ثوری رح ابوحنیفہ رح اور شافعی رحمہم اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے اور امام مالک رح چھتیس رکعت کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ ایک امر قدیم ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے لوگوں کو ابی بن کعب رض کی اقتدار پر جمع کیا تو وہ بیس رکعت ہی پڑھایا کرتے تھے۔

امام نووی رح :- امام محی الدین نووی رح شارح مسلم فرماتے ہیں۔

اعلم ان صلاۃ التراویح سنۃ باتفاق المسلمین وھی عشرون رکعۃ۔ (کتاب الاذکار ص ۸۳)۔

یاد رکھو کہ نماز تراویح سنت ہے تمام مسلمان اس مسئلہ پر باہم متفق ہیں اور یہ بیس رکعت ہیں۔

شیخ ابن تیمیہ رح :- شیخ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

وقد ثبت ان ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ فی رمضان ویوتر بثلاث فرای کثیر من العلماء ان ذلک ھو السنۃ لانہ قام بین المھاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر۔

(فتاوی ابن تیمیہ ج ۱ ص ۱۸۶)۔

یہ امر پایہ شہرت کو پہنچا ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ لوگوں کو رمضان میں تراویح کی بیس رکعت اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے اسی بنا پر اکثر علماء بیس رکعت کو ہی سنت قرار دیتے ہیں کیونکہ ابی رض حضرات مہاجرین و انصار رض کی جماعت میں بیس رکعت کا قیام فرماتے تھے اور ان حضرات میں سے کسی نے کبھی ان پر انکار نہ کیا۔

علامہ سبکی رح :- علامہ سبکی رحمہ اللہ "منہاج" میں لکھتے ہیں کہ۔

اس بات کا یقین کر لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں کہ آپ نے ان راتوں میں کتنی کتنی رکعات پڑھائیں اور ہمارا مذہب بیس رکعت پڑھنے کا ہے۔ (المصابیح مترجم ص ۱۳ مطبوعہ امرتسر)۔

علامہ عینی رح :- علامہ بدرالدین عینی رح شارح بخاری رح بھی بیس رکعت کے قائل تھے چنانچہ انہوں نے شرح بخاری میں اس کے بڑے بڑے دلائل قلمبند کئے ہیں اور اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں۔

وقال ابن عبد البر وھو قول جمھور العلماء وبہ قال الکوفیون

والشافعی ؒ واحمد ؒ الفقہاء وھو الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابہ ۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری)

حافظ ابن عبدالبر ؒ نے فرمایا ہے کہ جمہور علماء کا قول بیس رکعت کا ہے اور مجتہدین کوفہ امام ابوحنیفہ ؒ اور ان کے شاگرد اور سفیان ثوری ؒ اور شافعی ؒ اور اکثر فقہاء کا یہی مسلک ہے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح طور پر یہی ثابت ہوا ہے اور کوئی صحابی اس مسلک کے خلاف نہیں گیا۔

علامہ شیخ ابن حجر عسقلانی ؒ :۔ شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ولعلھم فی وقت اخبار وا تطویل القیام علی عدد الرکعات فجعلوھا عشرین وھذا استقر العمل علی ھذا۔ (الامصابیح، ص ۱۹)۔

اور شاید صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کسی وقت قیام کی طوالت کو مختصر کرکے اور رکعتیں بڑھا کر بیس کر دیں اور پھر بیس پر ہی عمل مستحکم و استوار ہو گیا۔

امام عبدالوہاب شعرانی ؒ :۔ امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں۔

ومن ذلک قول ابی حنیفۃ، والشافعی، واحمد رحمہم اللہ ان صلاۃ التراویح فی شھر رمضان عشرون رکعۃ وانھا فی الجماعۃ افضل۔ (میزان شعرانی ؒ، ص ۱۵۲)۔

اور اسی قبیل سے امام ابوحنیفہ ؒ امام شافعی ؒ اور امام احمد رحمہم اللہ کے اقوال ہیں کہ نماز تراویح ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعت ہے اور اس کا باجماعت ادا کرنا افضل ہے۔

علامہ شامی ؒ :۔ علامہ ابن عابدین شامی الدر المختار کی شرح میں لکھتے ہیں۔

التراویح سنۃ مؤکدۃ لمواظبۃ الخلفاء الراشدین اجماعاً بعد صلاۃ العشاء وھی عشرون رکعۃ وھو قول الجمھور وعلیہ عمل الناس شرقاً وغرباً۔ (رد المحتار، ج ۱، ص ۵۱۱)۔

تراویح بالاجماع سنت مؤکدہ ہے کیونکہ اس پر خلفاء راشدین ؓ نے مواظبت فرمائی۔ اس کا وقت نماز عشاء کے بعد ہے اور اس کی رکعتیں بیس ہیں۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے اور اسی پر شرق و غرب کے مسلمانوں کا عمل ہے۔



خاتمہ

۱ : اہلِ حدیث گیارہ رکعتیں تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں اپنے سلف کے مخالف ہیں کیا نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم اور میر ابو الحسن صاحب، مولوی وحید الزمان صاحب علامہ شوکانی رح علامہ سبکی رح علامہ ابن تیمیہ رح نے بخاری شریف نہیں پڑھی تھی؟ اس لئے آج کل کے اہلِ حدیث اصح الکتب سے گیارہ کا ثبوت دیتے ہیں۔ مگر ولا فی غیرہ کہ کر بارہ ماہ کی نمازِ تہجد کیوں نہ ہو۔ بہرحال یہ بتلائیں کہ آپ کو زیادہ علم ہے یا مذکورہ حضرات کو۔

۲ : پہلی رات جب کہ ثلث رات تک تراویح پڑھی تھیں۔ اس میں آٹھ رکعت تھیں اس کے بعد آخر رات تک کچھ نہیں پڑھا صراحۃً کسی دلیل سے ثابت کیا جائے کہ سو گئے تھے یا کچھ اور پڑھتے رہے یا خاموش بیٹھے رہے تھے ایسے خاموش بیٹھے رہنا حدیث (احی لیلہ یعنی ساری رات جاگتے رہے کے خلاف ہے۔

۳ : عہدِ فاروقی سے لے کر اب تک یعنی بارہ صدی کے اواخر تک بیس رکعت یا بیس رکعت سے زائد کے سب لوگ قائل تھے۔ کہیں اور کسی مسجد میں جماعت آٹھ کی نہیں ہوتی تھی۔ اگر کہیں یا کسی مسجد میں آٹھ رکعت کی ہوتی تھی تو اس کو صاف واضح کیا جائے۔

۴ : نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم کی تحقیق میں بیس رکعت تراویح پڑھنے والا بھی سنت پر عامل ہے اور مکروہ نہیں ہے۔

۵ : اہلِ حدیث کی جرح بیس رکعت تراویح پر اصولِ حدیث کی رو سے بھی صحیح نہیں ہے۔

۶ : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کسی مسجد کے اندر جماعت آٹھ رکعت تراویح کی ہوئی ہو تو اس کا ثبوت پیش کرو۔

۷ : حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کسی مسجد کے اندر آٹھ رکعت تراویح کی جماعت ہوئی ہو یا کسی نے بیس رکعت تراویح سے انکار کیا ہو تو اس کا ثبوت پیش کیا جائے۔

۸ : سلف میں سے کس نے مسجد میں آٹھ تراویح باجماعت پڑھی اور اس پر انکار نہیں کیا؟ کس سن میں؟ اور کس شہر میں؟

۹ : بخاری شریف میں قاعدہ لکھا ہے۔

انما یؤخذ من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الآخر فالآخر۔

اس قاعدہ کی رو سے آخری فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اوّل کے لئے ناسخ ہوگا۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری رات عشاء سے سحری تک تراویح پڑھائی تھیں تو اہلِ حدیث کو چاہیئے کہ سنت کی اتباع میں ساری رات قیام کیا کریں یہاں تک کہ سحری ہوجائے۔

۱۰۔ اور اس میں عدد کی تصریح ضروری ہے کہ آخر رکعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھیں یا بیس رکعت یا زیادہ بیس سے۔

۱۱۔ محمد بن یوسف رحمہ کے شاگردوں میں اختلاف ہے۔ اس لئے آٹھ رکعت متعین نہ ہوئیں۔ کسی نے آٹھ نقل کی ہیں، کسی نے دس اور کسی نے بیس رکعت روایت کی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ پہلے فعل کو دیکھتے ہیں اور آخری فعل کو نہیں دیکھتے جس پر کہ اہلِ اسلام کا عمل مستقر ہوا جو بیس رکعت ہے۔ جیسا کہ امام نووی رح وغیرہم نے نقل کیا ہے۔

ثم استقر الامر على عشرين ركعة فانه المتوارث ۔

یعنی پھر تراویح کا معاملہ بیس رکعت پر مستقر ہوگیا۔ اور یہی اہلِ اسلام کا مسلسل عمل ہے۔



بیس (۲۰) رکعت تراویح سُنّت ہیں

حق تعالیٰ شانہٗ کے فضل و کرم سے وہ مبارک مہینہ رمضان المبارک شروع ہو گیا ہے جس کے متعلق آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ارشاد فرماتے ہیں۔

" جس نے ایمان و نیک نیتی سے رمضان المبارک کے روزے رکھے اس کے پہلے سب گناہ معاف ہو گئے اور جس نے ایمان اور نیک نیتی سے تراویح پڑھیں اس کے پہلے سب گناہ معاف ہو گئے اور جس نے ایمان و نیک نیتی سے شبِ قدر میں قیام کیا اس کے پہلے سب گناہ معاف ہو گئے " (مشکوٰۃ ص۱۶۵)

نیز آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ارشاد فرماتے ہیں :-

وَیُنَادِیْ مُنَادٍ یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَیَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص۱۷۳)

حق تعالیٰ کا منادی (ہر رات) پکارتا ہے اے نیکی کے طالب متوجہ ہو۔ اور اے بدی کے طالب رک جا۔

اس لئے ہر مسلمان بدل و جان سعی کرے گا کہ حسنِ صیام و قیامِ تراویح و تکثیرِ عبادات سے اپنے لئے ذخیرۂ عقبیٰ جمع کر دوں جو میرے لئے معاصی سابقہ کے کفارہ ہونے کے علاوہ حق تعالیٰ کی خاص رحمتوں اور فضلوں کا مورد ہو مگر جب تعدادِ تراویح کی طرف نظر کرے گا تو متحیر ہو گا کہ خدا کے ایسے بھی مقبول بندے گذرے ہیں جو ہر رات رمضان المبارک میں چالیس رکعت سے بھی زیادہ زیادہ پڑھتے رہے ہیں مگر ہمارے زمانہ کے بعض جدید مدعیانِ علم آٹھ رکعت سے زیادہ تراویح پڑھنے کو بدعت کہہ کر عوام کو بیس رکعت تراویح پڑھنے سے بھی روکنے میں سعی بے سود کرنے میں منہمک ہوتے ہیں۔ حالانکہ آٹھ رکعت سے زیادہ پڑھنے کی ممانعت نہ کہیں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قول و فعل سے صراحۃً ثابت اور نہ کہیں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول و فعل سے زیادتی کا انکار بلکہ خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہٗ سے لگاتار صلحاء عظماء امت کا بیس رکعت

تراویح اور اس سے زائد پر بالاطلاق معتد بہ تعامل چلا آیا ہے۔ پھر ہماری حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی جب ہم اس فرقہ کے زعماء سے یہ سنتے ہیں کہ بیس (۲۰) رکعت تراویح بدعت ہیں مگر خدا بھلا کرے جناب نواب صدیق حسن خان صاحب قنوجی مرحوم (اہلحدیث) کا کہ وہ اپنے فرقہ کے احوال میں ہماری حیرت یوں دور فرماتے ہیں :۔

فقد نبت فی ھذا الزمان فرقۃ ذات سمعۃ ورياء تدعی لانفسہا علم الحدیث والقرآن والعمل بہما علی العلات فی کل شان مع انہا لیست فی شئ من اھل العلم والعمل والعرفان (کذا ص)

اس زمانہ میں ایک فرقہ ریاکار شہرت پسند پیدا ہوا ہے جو اپنے لئے قرآن و حدیث کے علم و عمل کا مدعی ہے حالانکہ وہ ہر طرح سے ناقص ہونے کی وجہ سے زمرہ اہل علم اور اہل عمل اور اہل عرفان کے کسی درجہ میں نہیں ہے۔ . . . . .

فما وجدت احدا یرغب فی طریق الصالحین او یسیر سیرۃ المؤمنین . . . . . .

میں نے ان (غیر مقلدین) میں سے کسی کو نہیں پایا کہ سلف صالحین کے طریقہ کی خواہش رکھتا ہو یا سچے ایمان والوں کی پیروی کرتا ہو۔ (حوالہ بالا)

فما ھذا دین ان ھذا الا فتنۃ الارض وفساد کبیر (حطہ ص)

یہ کوئی دین نہیں بلکہ یہ تو زمین میں بہت بڑا فتنہ اور فساد عظیم ہے۔

اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ چند سطور مسئلہ تراویح کے متعلق سپرد قلم کریں تاکہ اہل انصاف کیلئے موجب طمانینت اور اہل شقاق کے لئے باعث ہدایت ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی رکعات تراویح کا ثبوت ہے

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً تراویح کی رکعات کو صراحۃً بیان نہیں فرمایا بلکہ صلوٰۃ تراویح کی ترغیب دی ہے۔

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔ رواہ الجماعۃ۔ (آثار السنن ص)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایمان و نیک نیتی سے تراویح پڑھیں اس کے پہلے سب گناہ معاف ہوئے۔

وعنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرغب في قيام رمضان من غير ان يامرهم فيه بعزيمة فيقول الخ (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ تراویح کی ترغیب دیا کرتے تھے بغیر امر وجوبی کے ۔

اسی قسم کی اور بھی قولی احادیث ہیں جن سے عدد رکعات تو معلوم نہیں ہوتا مگر ترغیب تراویح سے تکثیر رکعات تراویح کا استحسان ضرور مفہوم ہوتا ہے یعنی جس قدر زیادہ پڑھی جائیں گی افضل ہونگی اہمہ فعلاً جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شب باجماعت تراویح پڑھائی ہیں ایک روایت میں ان کی تعداد ۲۰ بیس رکعت آئی ہیں جس کو ابن ابی شیبہ اور بیہقی وغیرہما نے روایت کیا ہے مگر انصاف یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہیں ۔ دوسری روایت میں ان کی تعداد آٹھ رکعت آئی ہے جس کو طبرانی نے صغیر میں اور محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنے اپنے صحیح میں روایت کیا ہے ۔ مگر یہ روایت بھی ضعیف ہے اس لئے کہ اس کا مدار عیسیٰ بن جاریہ راوی پر ہے ۔ جو محدثین کے نزدیک ثقہ نہیں ۔

تعلیق الحسن ص۵۳ ج۲ میں ہے :-

قلت مدار على عيسى بن جارية وقال الذهبي قال ابن معين عنده مناكير وقال النسائي منكر الحديث وجاء عنه متروك وقال ابو زرعة لا باس به ۔ انتهى

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معین نے فرمایا عیسیٰ بن جاریہ کے پاس احادیث منکر ہیں ۔ نسائی نے بھی اسے منکر الحدیث کہا اور کبھی متروک کہا ۔ اور ابوزرعہ نے لاباس بہ کہا ۔

حضرت عائشہ رض کی گیارہ رکعت والی روایت کو تراویح کی تعداد سے کوئی تعلق ہی نہیں اس لئے کہ اس میں تہجد کا تذکرہ ہے ۔ علامہ قسطلانی ؒ اسی کی تائید میں فرماتے ہیں :-

واما قول عائشة الآتي في هذا الباب ان شاء الله تعالىٰ ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة فحمله اصحابنا على الوتر

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گیارہ رکعت والی روایت تہجد کے بارہ میں ہے ۔

از روئے انصاف صحیح بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایات میں کوئی خاص عدد تراویح کا مروی نہیں ہے ۔

واعلم انهم اختلفوا في عدد ركعات

البتہ صحابہ کرام اور تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین سے

التراويح ولم يقع فيما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قرأ ثلاث ليالي عدد ركعاته بطريق صحيح (بذل المجہود ص۳۰۲ ج۲)

عدد تراویح کا ثبوت ملتا ہے جس کی تعداد بیس سے کم نہیں بلکہ بیس رکعت یا اس سے زائد ہے۔

حضرت عمرؓ سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت

(۱) عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلاً یصلی بهم عشرین رکعة رواه ابوبکر بن ابی شیبة فی مصنفه و اسناده مرسل قوی (آثار السنن ص۵۵ ج۲)

یحییٰ بن سعید سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں صحابہؓ کا بیس رکعات تراویح پڑھنا

(۲) عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب فی شهر رمضان بعشرین رکعة الخ رواه البیهقی واسناده صحیح آثار السنن ص۵۳ ج۲ بذل المجهود ص۳۰۲ ج۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں صحابہ وتابعین رمضان مبارک میں بیس رکعت (بلاوتر) تراویح پڑھا کرتے تھے۔

(۳) عن یزید بن رومان انه قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة رواه مالک و اسناده مرسل قوی (آثار السنن ص۵۵ ج۲) (بذل المجهود ص۳۰۵ ج۲)

یزید بن رومان کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ماہ رمضان میں سب لوگ (مع وتر) تیئس رکعت پڑھا کرتے تھے (یعنی بیس تراویح اور تین وتر)

حضرت ابی بن کعبؓ کا بیس رکعت تراویح پڑھانا

(۴) عن عبد العزیز بن رفیع قال کان ابی بن

عبد العزیز بن رفیعؒ کہتے ہیں کہ حضرت

كعب يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعة ويوتر بثلاث اخرجه ابوبكر بن ابي شيبة في مصنفه و اسناده مرسل قوی (حوالہ بالا)

ابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رمضان کے مہینے میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر مدینہ طیبہ میں پڑھایا کرتے تھے۔

شبہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابی کے متعلق بیس رکعت تراویح کہنا صحیح نہیں اس لئے کہ خود حضرت عمرؓ کا حضرت ابی و تمیم داری کو گیارہ رکعت مع الوتر پڑھانے کا حکم معروف ہے۔

عن السائب بن يزيد انه قال امر عمر بن الخطاب ابي بن كعب و تميمان الداري ان يقوما للناس باحدى عشرة ركعة الخ (موطا امام مالک)

حضرت سائب بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے ... ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت مع وتر تراویح پڑھائیں۔

اس امر کے ہوتے ہوئے لوگوں کا بیس رکعت تراویح پڑھنا یا حضرت ابی بن کعبؓ کا بیس رکعت پڑھانا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔

جواب اوّل تو لفظ احدی عشرۃ (گیارہ رکعت) محفوظ نہیں:۔

رواه عبد الرزاق من وجه آخر عن محمد بن يوسف فقال احدى عشرين (فتح الباری ص۱۸۰ ج۴)

علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ مسند عبد الرزاق کی روایت میں اکیس رکعت ہے۔

قال ابن عبد البر روى غير مالك في هذا الحديث احدى وعشرون وهو الصحيح ولا اعلم احدا قال فيه احدى عشرة الا مالكا (زرقانی شرح موطا)

علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ امام مالک کے سوا دوسرے محدثین نے اس حدیث میں اکیس رکعت روایت کیا ہے اور یہی صحیح ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ سوا مالک کے کسی نے گیارہ رکعت کہا ہو۔

دوسرے محدثین اس میں یوں تطبیق دیتے ہیں کہ پہلے لوگوں نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعت پڑھی ہوں، پھر بیس پر امر مستقر ہوگیا۔

قال البيهقي في سننه و يمكن الجمع بين

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں روایتوں میں اس

الروايتين بانهم كانوا يقومون باحدى عشرة ثم كانوا يقومون بعشرين ويوترون بثلاث۔

طرح تطبیق ممکن ہے کہ پہلے گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔ پھر بیس رکعت تراویح اور تین وتر تیئس رکعت پڑھنے لگے ہوں۔

وقال القسطلانی فی شرح البخاری وجمع البیہقی بینہما بانھم کانوا یقومون باحدی عشرۃ ثم قاموا بعشرین واوتروا بثلاث وقد عدوا ما وقع فی زمن عمر کالاجماع۔

علامہ قسطلانیؒ شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ دونوں روایتوں میں بیہقی نے یوں جمع کیا ہے پہلے لوگ پہلے گیارہ رکعت پڑھتے تھے پھر بیس تراویح اور تین وتر پڑھنے لگے۔ حضرت عمر کے زمانہ کا یہ تعامل یعنی بیس رکعت بمنزلہ اجماع کے ہے۔

وقال السیوطی فی المصابیح وکان عمر لما امر بالتراویح اقتصر اولا علی العدد الذی اصلاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم زاد فی اخر الامر۔

علامہ سیوطیؒ مصابیح میں کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب کہ تراویح (باجماعت) کا حکم دیا تو پہلے اسی عدد پر اقتصار کیا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابتداء) پڑھا تھا۔ پھر آخر کار تعداد بڑھا دی اس لئے کہ ممکن ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی رات میں ثلث لیل تک اور دوسری میں نصف لیل تک جماعت میں آٹھ رکعت ہی پڑھائی ہوں۔ پھر انفراداً باقی بارہ رکعت پڑھ لی ہوں جیسا کہ روایت احیی اللیل اس پر شہادت دیتی ہے۔ پھر تیسری شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری تک جماعت کرائی تو اس پر تیس رکعت پڑھی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے امر ظاہر یا ابتدائی کو رخصت سمجھ کر پہلے اس کا امر کیا ہو۔ پھر حقیقۃ الامر یا آخر الامر منکشف ہونے پر بیس رکعت کی تکمیل اتباعاً للسنۃ کرا دی ہو۔ پھر اسی پر امر مستقر ہو اس سے کم معمول نہ رہا ہو کیونکہ بیس رکعت تراویح بظاہر سنت خلیفہ ثانی ہیں۔ مگر درحقیقت اس کا اصل ماخذ قول و فعل نبوی ہے۔ جو خلیفہ ثانی پر آخر کار منکشف ہوا تھا۔

وقال الشعرانی فی کشف الغمۃ کانوا یصلونہا فی اول زمان عمرؓ [illegible] عشرۃ رکعۃ وکان القاری [illegible] بین الایات حتی کان الناس [illegible]

امام شعرانیؒ کشف الغمہ میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے ابتدا خلافت کے زمانہ میں لوگ تیرہ رکعت (مع الوتر) تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اور قاری بڑی لمبی سورتیں پڑھا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ بوجہ درازی قیام (راحت کے لئے) لاٹھیوں پر

على العصي من طول القيام وكان امامهم ابي بن كعب و تميما الداري رضي الله عنهم ثم ان عمر امر يفعلها ثلاثا وعشرين ركعة ثلاث منها وتر واستقر الامر على ذالك في الامصار (تعليق حسن)

سہارا لگایا کرتے تھے اور ان کے امام ابی بن کعب اور تمیم داری تھے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعت تراویح اور تین پڑھنے کا حکم دیا اور سب شہروں میں اسی پر عمل درآمد مستقر ہوا۔

.. .. ..

علامہ قسطلانیؒ کی شہادت

لم یذکر فی هذا الحدیث عدد الرکعات التی کان یصلی بها ابی و المعروف هو الذی علیه الجمهور انه عشرون رکعة بعشر تسلیمات وذالك خمس ترویحات کل ترویحة اربع رکعات بتسلیمتین غیر الوتر وهو ثلاث رکعات (ارشاد الساری شرح البخاری)۔

اس حدیث میں تراویح کی ان رکعتوں کا عدد مذکور نہیں جن کو حضرت ابی بن کعبؓ پڑھایا کرتے تھے[له] اور یہ پانچ ترویحے ہوئے۔ ہر ترویحہ دو سلام سے چار رکعت کا ہوتا ہے۔ یہ بیس رکعت تراویح تین رکعت وتر کے علاوہ تھیں۔

حضرت علیؓ سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت۔

(۵) عن ابی الحسناء ان علیا امر رجلا ان یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة رواه ابن ابی شیبة فی المصنف (جواہر النقی صفحہ ۴۹۶)

ابی الحسناء تابعیؒ کہتے ہیں کہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت تراویح پڑھانے پر ایک آدمی کو رمضان میں مامور کیا۔

.. .. ..

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے تراویح کا ثبوت

(۶) عن زید بن وهب قال کان عبد الله

زید بن وہبؒ تابعی کہتے ہیں کہ:۔

له اور وہ معروف مذہب جس پر جمہور قائم ہیں یہ ہے کہ تراویح بیس رکعات ہیں۔

بن مسعود يصلي لنا في شهر رمضان فينصرف وعليه ليل قال الاعمش كان يصلي عشرين ركعة ويوتر بثلاث رواه محمد بن نصر المروزي (عینی شرح بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ماہ رمضان میں ہم کو تراویح پڑھا کر فارغ ہوتے حالانکہ ابھی رات باقی ہوتی۔ اعمش کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھایا کرتے تھے۔

جمہور صحابہ کرامؓ سے بیس تراویح کا ثبوت

(۷) عن عطاء قال ادركت الناس وهم يصلون ثلاثا وعشرين ركعة. رواه ابن ابي شيبة واسناده حسن

حضرت عطا تابعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرامؓ کو (وتر سمیت) ۲۳ رکعت تراویح پڑھتے ہوئے دیکھا۔ (آثار السنن ص۵۵ ج۲)

(۸) واكثر اهل العلم على ما روي عن علي وعمر وغيرهما من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم عشرين ركعة وهو قول سفيان الثوري وابن المبارك والشافعي وقال الشافعي وهكذا ادركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة (جامع ترمذی ص۹۹ ج۱)

بہت سے اہل علم بیس رکعت تراویح کے اسی طرح قائل ہیں جیسے حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ امام سفیان ثوریؒ اور عبداللہ بن مبارک اور امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح اپنے شہر مکہ معظمہ میں دیکھا ہے کہ لوگ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے ہیں۔

تابعینؒ سے بیس تراویح کا ثبوت

(۹) عن ابي الخصيب قال كان يؤمنا سويد بن غفلة في رمضان فيصلي خمس ترويحات عشرين ركعات رواه البيهقي واسناده حسن (آثار السنن ص۵۵)

ابی الخصیب کہتے ہیں کہ حضرت سوید بن غفلہ جلیل القدر متوفی ۸۱ھ ماہ رمضان میں ہمارے امام بنا کرتے تھے اور ہم کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

(۱۰) عن نافع بن عمر قال كان ابن ابي مليكة

نافع بن عمر کہتے ہیں کہ حضرت ابن ابی ملیکہ

يصلي بنا في رمضان عشرين ركعة رواه ابوبكر بن ابي شيبة واسناده صحيح (مصنف ج۲)

(تابعی) ہم کو رمضان مبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

(۱۱) عن سعيد بن عبيد ان علي بن ربيعة كان يصلي في رمضان خمس ترويحات ويوتر بثلاث اخرجه ابوبكر بن ابي شيبه في مصنفه واسناده صحيح (آثار السنن ج۲)

سعید کہتے ہیں کہ علی بن ربیعہ (تابعی) رمضان مبارک میں لوگوں کو پانچ ترویحے (بیس رکعت) تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔

(۱۲) واما القائلون به من التابعين فشتير بن شكل وابن مليكة والحارث الهمداني وعطاء بن رباح وابو البختري وسعيد بن ابي الحسن البصري اخو الحسن وعبد الرحمن بن ابي بكر وعمران العبدي وقال ابن عبد البر وهو قول جمهور العلماء وبه قال الكوفيون والشافعي واكثر الفقهاء وهو الصحيح عن ابي كعب من غير خلاف من الصحابة۔ (عینی شرح)

جو تابعین بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔
شتیر بن شکل۔ ابن ابی ملیکہ۔ حارث ہمدانی، عطا بن ابی رباح، ابو البختری۔ حضرت حسن بصری کے بھائی سعید بن ابی الحسن۔
عبد الرحمن بن ابی بکر۔ عمران عبدی

علامہ ابن عبد البر مالکی "بیس" رکعت تراویح کے متعلق فرماتے ہیں یہی قول جمہور علماء کا ہے۔ اسی کے اہل کوفہ اور امام شافعی اور اکثر فقہاء قائل ہیں اور یہی حضرت ابی بن کعب سے صحیح ہے۔ صحابہ کرام میں بھی اس کے خلاف کوئی نہیں۔

بعض سلف کا بیس رکعت سے زائد تراویح پڑھنا

غیر مقلدین کے مایۂ ناز صاحب تصنیف مولوی عبد اللہ صاحب روپڑی اپنے رسالہ "اہلحدیث کے امتیازی مسائل" کے صـ۶۶ میں لکھتے ہیں۔ بلکہ خیر قرون میں ۲۰ بیس سے بھی زیادہ پڑھی گئی ہیں۔ زرارہ بن اوفی چونتیس پڑھا کرتے تھے اور عمران بن عبدی پہلے بیس اور آخری عشرہ میں چوبیس پڑھا کرتے تھے، سعید بن جبیر بھی چوبیس اور آخری عشرہ میں اٹھائیس تک پڑھتے تھے اور عمر بن عبد العزیز اور ابان

بن عثمان کے زمانہ میں چھتیس[۲] پڑھتے تھے۔ اور ابن سیرین کہتے ہیں۔ معاذ ابو حلیمہ قاری اکتالیس پڑھتے تھے اور امام احمد بن حنبل سے امام اسحٰق نے تراویح کی بابت پوچھا تو فرمایا کہ ان میں کئی قسمیں ہیں۔ قریب قریب چالیس کے کہا گیا ہے کوئی (حرج) نہیں نفل ہیں اور امام اسحٰق کہتے ہیں کہ میں چالیسؒ ہی پسند کرتا ہوں اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ کے لوگوں کو انتالیس ہی پڑھتے دیکھا ہے۔ لیکن میرے نزدیک محبوب ترین بیسؒ ہی ہیں اور امام مالک چھتیسؒ کو پسند کرتے تھے (ملاحظہ ہو قیام اللیل لمحمد بن نصر المروزی ص ۹۱، ۹۲)
غرض کسی پر کوئی اعتراض نہیں خواہ کوئی بیس پڑھے خواہ چوبیس پڑھے خواہ چھتیس پڑھے، خواہ اڑھتالیس پڑھے۔
(انتہی بلفظہ) مذکورہ بالا ۱۲ دلائل اور معمولات سلف صالحین سے بخوبی واضح ہوگیا کہ اُمت مرحومہ میں بیس رکعت سے کم (آٹھ) وغیرہ تراویح پڑھنے کا عرف و تعامل نہ تھا، اسی لئے امام ترمذیؒ نے جہاں تعداد تراویح کے متعلق تفصیل مذاہب صحابہؓ و تابعینؒ و ائمہ دین بیان فرمائی ہے وہاں باوجود التزام ذکر مذاہب آٹھ رکعت بلکہ بیس رکعت سے کم والا کوئی مذہب نقل نہیں کیا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محدثین کے زمانہ میں آٹھ رکعت تراویح پڑھنا معروف و مروج نہ تھا۔ بلکہ یہ ہمارے زمانہ کے جدید مجتہدین کا ایجاد و اعداد شدہ ہے۔

پس بیس رکعت تراویح پڑھنا مسنون ہوا اس لئے کہ یہ سُنّت خلفاء راشدین ہے اور سنت خلفاء راشدین دو وجہ سے سُنّتِ نبوی ہی ہے۔ (۱) اوّل تو اس لئے کہ جملہ صحابہ کرامؓ عموماً خلفاء راشدینؓ خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا آئینہ ہیں۔ خلفاء کی تقریر یا امر سے صحابہ کرامؓ کا بیسؓ رکعت تراویح پر تعامل اس کے سُنّت نبوی پر مبنی ہونے کی طرف صراحۃً مشعر ہے۔
(۲) دوسرے اس لئے کہ سنت خلفاء راشدینؓ کی اتباع کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی لازم فرما دیا ہے تو گویا سُنّت خلفاء کا اتباع کرنا بعینہٖ قولِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وسترون من بعدی اختلافا شدیداً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین (مشکوٰۃ ص ۳۰)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں تم عنقریب میرے بعد سخت اختلاف دیکھو گے سو تم میری سُنّت اور میرے خلفاء راشدینؓ کی سُنّت کو لازم پکڑو (یعنی اس پر عمل کرو)

آخر میں ائمہ اربعہ کا ذکر کرنا مزید اطمینان کا باعث سمجھتے ہیں۔

ائمہ اربعہؒ کا مذہب

ومن السنن صلوٰۃ التراویح فی شھر رمضان عند ابی حنیفۃ والشافعی واحمد وھی عشرون رکعۃ بعشر

تسلیمات و۔ فعلها فی الجماعۃ افضل وقال ابو یوسف من قدر علی ان یصلی فی بیته کما یصلی مع الامام فالاحب ان یصلی فی بیته وقال مالک قیام رمضان فی البیت لمن قوی علیه احب الیّ وحکی عنه ان التراویح ست وثلاثون رکعة (رحمة الامۃ صـ۶۲)

یعنی مسنون نمازوں کے نماز تراویح ماہ رمضان میں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک، تراویح دس سلام سے بیس رکعت ہیں اور ان کو جماعت میں پڑھنا (تنہا پڑھنے سے) افضل ہے اور امام ابو یوسف نے فرمایا جو گھر میں پڑھنے پر ایسے ہی قدرت رکھتا ہے۔ جیسے (باجماعت) امام کے ساتھ پڑھنے پر اسے محبوب تر گھر میں پڑھنا ہے۔ اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے تراویح گھر میں پڑھنا زیادہ محبوب ہے۔ اور امام مالکؒ سے منقول ہے کہ تراویح کی ۳۶ رکعتیں ہیں۔

نتیجہ آٹھ تراویح پڑھنا جیسے جمہور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعین کے خلاف ہے ایسے ہی چاروں اماموں کے چاروں مذہبوں کے بھی خلاف ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اَلَا کُلُّ مَنْ لَّا یَقْتَدِیْ بِاَئِمَّةٍ
فَقِسْمَتُهٗ ضِیْزٰی عَنِ الْحَقِّ خَارِجٗ لہ

(خبردار جو دین کے اماموں کی پیروی نہ کرے گا۔ اس کی قسمت کھوٹی اور وہ حق سے خارج ہوگا)

واللہ یهدی السبیل من یشاء

Moulana Mohmmad Nazeeruddin
Chilkalguda, Secunderabad.
Cell : 9963694761

طباعت شیروانی آرٹ پرنٹرز دہلی۔۶ فون: 2943292

غیر مقلدین کے دلائل کا مسکت جواب

رکعات تراویح

مصنف

علامہ کبیر محدث شہیر

حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ



مکتبہ الحرم دیوبند یوپی

عَلَيْكُم بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْن

حدیث

رکعاتِ تراویح

جس میں پرزور دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ تمام عالم اسلام میں فاروق اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ سے برابر بیس بیس سے زیادہ رکعتوں پر عمل درآمد رہا ہے، اور بیس والی مرفوع روایت کو یکسر ناقابلِ اعتبار کہنا، اور آٹھ کی روایتوں کی تصحیح اور ان پر اعتماد از روئے تحقیق اصولِ حدیث و مسلماتِ مخالفین کی روشنی میں قطعاً صحیح نہیں ہے

تالیفات

محدثِ جلیل، امیر الہند
حضرت مولانا ابو المآثر حبیب الرحمٰن الاعظمی
رحمہ اللہ تعالیٰ

ناشر
زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی

رکعاتِ تراویح ۲۷۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

ہندوستان کے فرقہ اہل حدیث نے رکعات تراویح کے باب میں تقریباً سو برس سے جو شور وغوغا مچا رکھا ہے، اس کا وجود پہلے کبھی نہیں تھا، تمام دنیائے اسلام میں بیس یا بیس سے زیادہ رکعتیں پڑھی جاتی تھیں اور باہم کوئی رسالہ بازی یا اشتہار بازی نہیں ہوتی تھی، نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے لے کر اس غوغا سے پہلے تک دنیا کی کسی مسجد میں تراویح کی صرف آٹھ رکعتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں یعنی تقریباً ساڑھے بارہ سو برس تک مسلمانان اہل سنت بیس اور بیس سے زائد ہی کو سنت اور قابل عمل سمجھتے رہے، ساڑھے بارسو برس کے بعد فرقہ اہل حدیث نے یہ جدید انکشاف کیا کہ اب تک جو مسلمان کرتے یا سمجھتے رہے ہیں، وہ صحیح نہیں ہے صحیح یہ ہے کہ صرف آٹھ رکعتیں سنت اور قابل عمل ہیں۔

ہم اپنی اس مختصر تحریر میں اہلِ حدیث کے اس جدید انکشاف کی حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں، ہم کو امید ہے کہ اگر ٹھنڈے دل سے ہمارے معروضات کو پڑھا جائے گا تو منکشف ہو جائے گا کہ اہل حدیث کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد اور ان کا یہ انکشاف سراسر غلط ہے۔

ساڑھے بارہ سو سال تک مسلمانوں کا کیا عمل رہا

سب سے پہلے میں اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جو ساڑھے بارہ سو سال تک مسلمانوں کے عمل کے باب میں میں نے کہا ہے، سنئے! امام بیہقی نے سنن کبریٰ (جلد۲ صفحہ ۴۹۶) میں سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان میں بیس رکعتیں پڑھا

کرتے تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تو قیام کی شدت کی...... وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے، اور پانچ سطروں کے بعد روایت کرتے ہیں، کہ شتیر بن شکل جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے، رمضان میں امامت کرتے تھے، اور بیس رکعت پڑھا کرتے تھے، اس کے دوسطروں کے بعد روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نے ایک شخص کو مامور کیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرے۔

یہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ کا حال ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ۴۰ھ میں ہوئی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے ۲۳ برس بعد ۶۳ھ میں حرہ کا خونی واقعہ پیش آیا ہے امام مالک کا بیان ہے کہ حرہ کے پہلے سے اب تک کہ سو سال سے زائد ہوتے ہیں، مدینہ میں یہ عمل درآمد رہا ہے کہ اڑتیس رکعت تراویح پڑھی جاتی رہی اور اسی کی تائید صالح مولی التوأمہ کے بیان سے ہوتی ہے امام مالک اور صالح کی بتائی ہوئی تعدادوں میں جو فرق ہے وہ وتر کی رکعات کے فرق کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، بہر حال دونوں میں مشترک یہ ہے کہ حرہ سے پیشتر سے مدینہ میں بیس سے زائد پڑھنے کا معمول تھا۔

معاذ ابو حلیمہ صحابی ہیں اور ان کی شہادت حرہ کے دن ہوئی ہے، ان کے باب میں ابن سیرین کی شہادت ہے کہ وہ رمضان میں اکتالیس رکعتیں پڑھایا کرتے تھے ان تینوں بیانوں کے لئے۔[1]

نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مولی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو رافع کے شاگرد تھے ان کا بیان ہے کہ میں نے لوگوں کو چھتیس تراویح اور تین وتر پڑھتے ہوئے دیکھا اور پایا ہے[2] نافع کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی۔

داؤد بن قیس کا بیان ہے کہ میں نے عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ المتوفی ۱۰۱ھ اور ابان

---

[1] تحفۃ الاحوذی: ۲/۷۲　　[2] تحفۃ الاحوذی: ۲/۷۳

بن عثمان المتوفی ۱۰۵ھ کے زمانہ میں مدینہ کے لوگوں کو چھتیس رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔[۱] نیز عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے قاریوں کو چھتیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا۔[۲]

بہر حال امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ کے زمانہ تک مدینہ میں ۳۶ یا ۳۸ یا ۴۱ کا معمول تھا یا یوں کہئے کہ ۳۶ کا معمول تھا، اور عدد کا اختلاف وتر کے عدد کے اختلاف سے ہے۔

امام مالک کے بعد بھی وہاں یہی معمول رہا چنانچہ امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ نے ۴۱ کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ اہل مدینہ کا اسی پر عمل رہا ہے، اور مدینہ ہی پر کیا موقوف ہے، ظاہر ہے کہ جہاں امام مالک کے متبعین تھے، سب جگہ چھتیس پر عمل تھا، جیسا کہ مذہب مالکیہ کی تصنیفات شاہد ہیں۔

مکہ معظمہ میں حضرت عطاء بن ابی رباح کے زمانہ تک بیس پر عمل تھا۔[۳] عطاء کی وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی، اور نافع بن عمر کا بیان ہے کہ ابن ابی ملیکہ ہم کو رمضان میں بیس رکعتیں پڑھایا کرتے تھے، ابن ابی ملیکہ کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی ہے اور امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ کے بیان کے بموجب بھی بیس پر عمل تھا، ترمذی میں ہے "ھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین" یعنی میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت پر عامل پایا[۴] اور چونکہ امام شافعی خود بیس رکعت کے قائل تھے، اس لئے ان کے بعد مکہ اور مکہ کے علاوہ ہر جگہ جہاں ان کے متبعین تھے سب بیس پر عمل کرتے تھے، جیسا کہ شافعیہ کی کتب فقہ جو امام شافعی کے بعد سے اب تک لکھی گئی ہیں، سب شہادت دے رہی ہیں۔

اب رہا عراق (کوفہ و بصرہ وغیرہ) تو معلوم ہو چکا ہے کہ وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ

---

[۱] قیام اللیل: ص ۹۱ [۲] قیام اللیل: ص ۹۳

[۳] مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/ ۳۹۳ [۴] تحفہ الاحوذی: ۲/ ۷۶

کے حکم سے بیس پر عمل تھا، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی بیس پڑھتے تھے۔[1]

کوفہ میں اسود بن یزید المتوفی ۵۷ھ چالیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔[2]

یہ واضح رہے کہ اسود حضرت عمر، حضرت معاذ، حضرت ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہم اور دوسرے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے صحبت یافتہ تھے، اور سوید بن غفلہ المتوفی ۸۱ھ جو حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے صحبت یافتہ ہیں، بیس رکعتیں پڑھایا کرتے تھے۔[3]

اور حارث اعور جو اصحاب حضرت علی رضی اللہ عنہ میں تھے، بیس رکعتیں پڑھایا کرتے تھے۔[4]

نیز علی بن ربیعہ جو حضرت علی و سلمان فارسی رضی اللہ عنہما کے شاگرد تھے وہ بھی بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھایا کرتے تھے۔[5]

اور سعید بن جبیر جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ کے شاگرد اور بہت بڑے امام تھے، وہ اٹھائیس اور چوبیس رکعتیں پڑھایا کرتے تھے۔[6]

آپ کی شہادت ۹۵ھ میں ہوئی، امام کوفہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۶۱ھ بیس رکعتوں کے قائل تھے۔[7]

اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۵۰ھ کے بعد تو ظاہر ہے کہ ان کے تمام متبعین کا عمل بیس پر تھا، جیسا کہ خود مخالفین کو تسلیم ہے، تحفۃ الاحوذی میں ہے "وهو قول الحنفية"

اور جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کی تصنیفات سے لے کر آج تک کی کتابیں شاہد ہیں، بصرہ میں زرارہ بن اوفی جو حضرت ابوہریرہ، ابن عباس، عمران بن حصین،

---

[1] تحفة الاحوذی: ۷۵/۱　[2] تحفة الاحوذی: ۷۳/۲　[3] بیهقی: ۴۹۶/۲
[4] مصنف ابن ابی شیبه: ۴۸۳/۱ قلمی، اور ۳۹۳/۲ مطبوعه
[5] مصنف ابن ابی شیبه: ۴۸۳/۱ قلمی، اور ۳۹۳/۲ مطبوعه
[6] تحفة الاحوذی: ۷۳/۲　[7] تحفه الاحوذی: ۷۵/۲

انس، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد ہیں پہلے دو عشرہ میں ۲۸ اور عشرہ اخیرہ میں ۳۴ رکعتیں پڑھایا کرتے تھے۔[1]

ان کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی اور عبدالرحمن بن ابی بکرہ وسعید بن ابی الحسن و عمران عبدی ۸۳ھ سے قبل بصرہ کی جامع مسجد میں پانچ تراویح یعنی بیس رکعتیں پڑھایا کرتے تھے، اور آخری عشرہ میں ایک ترویحہ کا اضافہ کر دیتے تھے۔[2]

اور ابومجلز المتوفی ۱۰۰ھ یا ۱۰۹ھ چار ترویحوں یعنی سولہ رکعتوں میں ایک منزل سنایا کرتے تھے۔[3]

بغداد میں امام احمد المتوفی ۲۳۵ھ بیس رکعتوں کے قائل تھے، جیسا کہ ابن رشد مالکی نے ''ھدایة المجتهد'' (جلد ۱ صفحہ ۱۹۲) میں لکھا ہے، اور یہی حنبلی مذہب کی کتب فقہ میں مذکور ہے ''مقنع'' (جلد ۱ صفحہ ۱۸۳) میں ہے ''ثم التراویح وھی عشرون رکعة یقوم بها فی رمضان فی جماعة'' یعنی پھر تراویح اور وہ بیس رکعت ہے اس کو رمضان میں باجماعت ادا کرے مقنع کی نسبت خود اس کے مصنف کی تصریح ہے:

''ھذا کتاب فی الفقه علی مذھب ابی عبداللّٰه محمد بن احمد بن حنبل''

ترجمہ: ''یعنی یہ امام احمد کے مذہب کے مطابق فقہ کی کتاب ہے۔''

اسی طرح داؤد ظاہری المتوفی ۲۷۰ھ بھی بیس کے قائل تھے۔[4]

لہٰذا ان حضرات کے متبعین کا بھی بغداد اور غیر بغداد میں بیس پر عمل تھا۔

ائمہ خراسان میں عبداللہ بن مبارک المتوفی ۱۸۱ھ بیس کے قائل تھے۔[5]

اور اسحاق بن راہویہ المتوفی ۲۳۸ھ چالیس رکعت کے قائل تھے۔[6]

---

[1] تحفة الاحوذی: ۲/۷۳ [2] قیام اللیل: ص ۹۲ [3] قیام اللیل: ص ۹۲
[4] ھدایة المجتهد: ۱/۱۹۲ [5] ترمذی [6] ترمذی

پس ان کے ماننے والے بھی آٹھ سے زیادہ پر عامل تھے۔

یہ تھے عہد فاروقی سے لے کر تیسری صدی کے تقریباً اوسط تک کے علماء وائمہ کے مذاہب رکعات تراویح کے باب میں، اور یہ تھا اس عہد کے مسلمانوں کا معمول، مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، بغداد اور بلاد خراسان میں ایک بار اس کو آپ پھر پڑھ جایئے، اور دیکھئے کہ کوئی بھی آٹھ رکعت پر اکتفاء کرنے کا قائل تھا، اور کہیں بھی اس پر عمل تھا؟

اس کے بعد سنئے کہ تیسری صدی کے وسط سے پہلے ہی ائمہ اربعہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، مالک، شافعی، اور احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی اپنی فقہ کی تعلیم اپنے شاگردوں کو دے کر دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، اور ان کے فقہی مسالک کی اشاعت اور ان پر عمل شروع ہو چکا تھا، جو آج تک جاری ہے، آج ان چاروں اماموں کی کتب فقہیہ ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں، ان میں سے کسی میں آٹھ پر اکتفاء کی تعلیم نہیں دی گئی، یہ صحیح ہے کہ تیسری صدی کے وسط سے پہلے اور بعد میں ان چاروں کے علاوہ بعض دوسرے ائمہ کے مسلک کا اتباع بھی کچھ کچھ عرصہ تک کے لئے ہوتا رہا ہے، جیسے سفیان ثوری، اور داؤد ظاہری کے مسلک پر عمل، مگر لطف یہ ہے کہ یہ حضرات بھی آٹھ پر اکتفاء کے قائل نہیں تھے، بلکہ بیس کے قائل تھے۔

بیس اور بیس سے زائد پر امت محمدیہ کے اس قدیم عمل درآمد اور ائمہ وعلمائے سلف وخلف کے اس کو پسند اور اختیار کرنے کے مقابل میں آٹھ رکعت پر عمل کرنے کو سامنے رکھئے اور کتابوں کی ورق گردانی کیجئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد سے تیرہویں صدی کے اواخر تک دنیائے اسلام میں کسی ایک جگہ بھی اس پر عمل ہونے کا ذکر آپ کو نہیں مل سکتا، اور پوری قوت صرف کرنے کے بعد اس طویل مدت میں آٹھ پر عمل درآمد کی تصریح کہیں بھی نہیں دکھائی جاسکتی اور اس کا کوئی گھٹیا سے گھٹیا ثبوت بھی پیش نہیں کیا جاسکتا۔

زیادہ سے زیادہ اس سلسلہ میں سنن سعید بن منصور سے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ، کا وہ اثر پیش کیا جا سکتا ہے جس میں مذکور ہے کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے، لیکن سعید بن منصور کی یہ روایت نہ قابل وثوق ہے نہ ہمارے بیان کے خلاف، اس لئے کہ سائب کے اس بیان کے ناقل محمد بن یوسف ہیں، اور محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں، اور ان پانچوں کے بیان باہم مختلف ہیں، جیسا کہ نیچے دیئے ہوئے نقشہ سے صاف ظاہر ہے۔

سائب بن یزید

محمد بن یوسف

۱	۲	۳	۴	۵
امام مالک	یحییٰ قطان	عبدالعزیز بن محمد	ابن اسحاق	عبدالرزاق کے شیخ داؤد بن قیس
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں کیا عمل ہوا اس کا کوئی ذکر نہیں	حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی اور تمیم پر لوگوں کو جمع کیا پس وہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے (اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کا ذکر نہیں ہے)	ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے، (اس میں نہ حکم کا ذکر ہے نہ ابی و تمیم کا)	ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بماہ رمضان تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے، (اس میں بھی حکم اور ابی و تمیم کا ذکر نہیں ہے اور گیارہ کے بجائے تیرہ کا ذکر ہے)	حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اکیس رکعت کا حکم دیا (اس میں گیارہ کے بجائے اکیس کا ذکر ہے)

پس اصول حدیث کی رو سے یہ روایت مضطرب ہے اور اس حالت میں جب تک کہ کسی ایک طریق کو اصول کے مطابق ترجیح نہ دی جائے یا تمام طرق میں تطبیق نہ دی جائے، اس وقت تک اس روایت کو کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔

قدمائے محققین نے دونوں صورتیں اختیار کی ہیں، چنانچہ ابن عبدالبر مالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے گیارہ اور اکیس میں اکیس کو صحیح قرار دیا ہے، اور گیارہ کو راوی کا وہم بتایا ہے، اور اسی کے ساتھ تطبیق کی یہ صورت بھی لکھی ہے کہ پہلے گیارہ کا حکم رہا ہو، پھر قیام میں تخفیف کے لئے گیارہ کے بجائے اکیس رکعتیں کردی گئی ہوں۔[1]

اور زرقانی مالکی نے اسی تطبیق کو ترجیح دی ہے، اور کہا ہے کہ بیہقی نے بھی مختلف روایتوں کو اسی طرح جمع کیا ہے۔[2]

اور کچھ شبہہ نہیں کہ ترجیح سے کام نہ لینے کی صورت میں تطبیق کی یہی صورت متعین ہے، اس لئے کہ یہ جو کچھ اختلاف ہے، سائب کے شاگرد محمد بن یوسف کی روایت ہے، ...... سائب کے ایک دوسرے شاگرد یزید بن خصفیہ ہیں، ان کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، یزید کے کل شاگرد بلا اختلاف سائب کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے، اب یا تو یزید بن خصیفہ کی روایت کے مقابلہ میں محمد بن یوسف کی روایت کو ناقابل وثوق قرار دیا جائے، اس لئے کہ یزید کے شاگردوں کے بیان میں اختلاف نہیں ہے، اور محمد بن یوسف کے شاگردوں کے بیان میں باہم اختلاف ہے یا پھر محمد بن یوسف کی روایت کے اس طریق کو قابل اعتماد سمجھا جائے جو یزید کی روایت کے ساتھ متفق ہوسکتا ہو، یعنی اکیس والا طریق، اور یہ بھی نہیں تو پھر محمد بن یوسف کے تمام طرق میں اس طرح تطبیق دی جائے کہ وہ یزید کی روایت سے نہ ٹکرائیں جیسا کہ ابن عبدالرب اور زرقانی وغیرہما نے کیا ہے۔

بہر حال سنن سعید بن منصور کی یہ روایت ترجیح یا تطبیق کے بغیر قابل اعتماد نہیں ہے، اور ترجیح و تطبیق کے بعد ہمارے دعویٰ پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، اس لئے کہ ترجیح کے بعد گیارہ کا ثبوت ہی نہیں ہوگا، اور تطبیق کے بعد یہ ثابت ہوگا کہ عہد

---

[1] تحفۃ الاحوذی: ۷۴/۲ [2] تحفۃ الاخیار: ص ۱۹۱، زرقانی شرح موطا: ۲۱۵/۱

فاروقی میں ابتداءً چند روز اس پر عمل ہوا، اس کے بعد عہد فاروقی ہی میں اس پر عمل موقوف ہوگیا، اور جب سے موقوف ہوا اس وقت سے تیرہویں صدی کے اواخر تک پھر کبھی اس پر عمل درآمد نہیں ہوا یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تراویح قائم کرنے، اور بعد میں اس پر عمل درآمد کا ذکر کیا ہے، تو اس عہد میں یا اس کے بعد گیارہ کا ذکر بھولے سے بھی نہیں کیا ہے، فرماتے ہیں:

''فلما جمعهم عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنه علی ابی کان یصلی بهم عشرین رکعة ویوتر بثلاث وکان یخفف فی القراء ة بقدر مازاد من الرکعات لان ذلك اخف علی المامومین من تطویل الرکعات، ثم کان طائفة من السلف یقومون باربعین رکعة ویوترون بثلث وآخرون بست وثلثین اوتروا بثلث وهذا کله حسن سائغ''

تَرجَمَہ: ''پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ابی پر جمع کیا تو وہ ان لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرتے تھے، اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور جتنی رکعتیں زیادہ ہوگئی تھیں ان کے لحاظ سے قرأت میں تخفیف کرتے تھے، اس لئے کہ رکعتوں کے لمبے کرنے سے یہ مقتدیوں پر آسان ہے، پھر ایک گروہ سلف کا چالیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتا تھا، اور دوسرے کچھ لوگ چھتیس تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے، اور یہ سب اچھا اور خوش گوار ہے۔''

عہد فاروقی سے لے کر ہزار بارہ سو سال تک امت کے علماء وفقہاء اور عامہ مسلمین کے ایسے وسیع پیمانہ پر عمل درآمد کو اہل حدیث کوئی اہمیت نہ دیں تو ان کی ناواقفیت ہے اور نہ حقیقت میں وہ کسی کھری اور بالکل صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر مستحکم اور قابل وثوق دلیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک جن کی امامت اور علمی جلالت مسلم اور متفق علیہ ہے فرماتے ہیں:

"اجماع الناس علی شیء اوثق فی نفسی من سفیان عن منصور عن ابراھیم عن علقمہ عن ابن مسعود"[1]

ترجمہ: "یعنی ایک طرف کسی بات پر لوگوں کا اتفاق ہوا اور دوسری طرف کوئی روایت جو بسلسلہ سفیان از منصور از ابراہیم از علقمہ از ابن مسعود مروی ہے۔"

تو باوجودیکہ یہ سلسلہ دنیا کی سب سے صحیح سندوں میں شمار ہوتا ہے، پھر بھی میرے نزدیک اس سے زیادہ قابل اعتماد لوگوں کا اتفاق ہے۔

تنبیہ اوّل

اگر کوئی یہ کہے کہ مولانا مبارکپوری نے امام مالک کی گیارہ والی روایت کو ترجیح دی ہے لہٰذا اس صورت میں گیارہ کا ثبوت ہو جائے گا تو گزارش ہے کہ اولاً تو مولانا نے ترجیح کی بنیاد اس پر رکھی ہے کہ یحییٰ اور عبدالعزیز نے امام مالک کی تائید کی ہے، مگر مولانا نے غور نہیں کیا کہ یہ تینوں گیارہ کا لفظ بولنے میں تو بے شک متفق ہیں، مگر گیارہ کے باب میں تینوں تین بات کہتے ہیں، ایک کہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ کا حکم دیا، دوسرا کہتا ہے کہ ابی اور تمیم گیارہ پڑھتے تھے، اور تیسرا کہتا ہے کہ ہم گیارہ پڑھتے تھے، یعنی روایت کا مضمون بیان کرنے میں تینوں باہم مختلف ہیں، لہٰذا مولانا کو پہلے بتانا چاہئے کہ تینوں میں کس کا بیان صحیح ہے اور جب وہ تینوں میں ایک کے بیان کو صحیح باقی کو وہم قرار دے دیں گے تو ایک ہی بیان باقی رہ جائے گا، اور دوسرے سب کالعدم ہو جائیں گے، لہٰذا ان کا یہ دعوت خود ہی غلط ہو جائے گا کہ فلاں نے امام مالک کی تائید کی ہے، اور اگر وہ تینوں میں تطبیق دیتے ہیں، تو پھر گیارہ اور

[1] کفایہ للخطیب: ص ٤٣٤

اکیس کے اختلاف میں بھی وہ تطبیق ہی کا راستہ کیوں نہیں اختیار کرتے، دوسری بنیاد انہوں نے ترجیح کی اس پر رکھی ہے کہ اکیس کی روایت کو تنہا عبدالرزاق اپنی کتاب میں لائے ہیں، اور آخر عمر میں وہ نابینا ہو گئے تھے، اور ان کی یادداشت میں فرق پڑ گیا تھا، اس کے جواب میں عرض ہے کہ عبدالرزاق نے کتاب نابینا ہونے سے پہلے لکھی ہے، لہٰذا نابینائی کے بعد حافظہ خراب ہو جانے سے کتاب کی روایتوں پر کیا اثر پڑے گا؟ ہاں نابینائی کے بعد اپنی یاد سے زبانی جو روایتیں انہوں نے بیان کی ہوں، ان پر شک کا اظہار کیجئے تو معقول بھی ہے شاید مولانا کو یاد نہیں رہا کہ تغیر حافظہ کے بعد محدث اپنی یاد سے جو زبانی حدیثیں بیان کرے صرف انہی میں کلام ممکن ہے لیکن جو حدیثیں کتاب کی مدد سے بیان کرے، ان میں تغیر حافظہ کی بنیاد پر کلام ناممکن ہے جیسا کہ اصول حدیث پر معمولی نظر رکھنے والا بھی جانتا ہے۔

تنبیہ دوم

❶ مولانا مبارک پوری نے ۱۱ اور ۲۱ میں تو ۱۱ کو راجح قرار دینے کی کوشش کی لیکن گیارہ اور تیرہ والی روایتوں کے باب میں کچھ نہیں فرمایا کہ ان میں کون سی راجح ہے اگر کہئے کہ تیرہ کے باب میں مولانا تیموی کی یہ رائے اور تاویل انہوں نے مان لی ہے کہ اس میں عشاء کی دو سنتیں شامل ہیں تو مقام حیرت ہے کہ تیموی کی یہ تاویل انہوں نے کیسے مان لی، جب کہ اسی تحفۃ الاحوذی میں ایک صفحہ پہلے ۳۹ اور ۳۶ والی روایتوں میں علامہ عینی کی اسی طرح کی تاویل پر وہ اعتراض کر چکے ہیں کہیں اس کی وجہ یہ تو نہیں ہے کہ وہ مخالف مطلب تھی تو رد ہو گئی اور اس سے مطلب پورا ہوتا ہے تو قبول ہو گئی؟

مولانا مبارک پوری کے اس سکوت پر ہم کو اس لئے بھی حیرت ہے کہ تیرہ کی روایت ابن اسحاق کی ہے، اور ابن اسحاق نے سائب کی ان تمام روایتوں میں اسی کو

ترجیح دی ہے اور ترجیح کی دلیل یہ دی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نماز شب کی رکعات بھی تیرہ تھیں جیسا کہ قیام اللیل (صفحہ ۱۶۴) میں ہے، اور حافظ عبداللہ صاحب نے رکعات التراویح (صفحہ ۱۱۸) میں قیام اللیل کے حوالہ سے اور (صفحہ ۳۱) میں عینی کے حوالہ سے اس کو نقل کیا ہے، اور اسی بنا پر تراویح کے باب میں ابن اسحاق نے تیرہ رکعتوں کو اختیار کیا ہے، جیسا کہ اس کو بھی حافظ صاحب نے نقل کیا ہے، ایسی حالت میں کسی کی یہ تاویل کہ تیرہ میں شاید سنت عشاء کی دو رکعتیں شامل ہیں کب مسموع ہو سکتی ہے۔

علاوہ بریں تحفۃ الاحوذی (جلد۲ صفحہ ۷۳) میں جہاں انہوں نے یہ لکھا ہے کہ ایک قول گیارہ رکعت کا بھی ہے اور اس کو امام مالک نے اپنے لئے پسند کیا ہے، وہاں لکھا ہے کہ امام مالک سے کہا گیا کہ گیارہ رکعت مع وتر کے؟ تو انہوں نے کہا ''ہاں اور تیرہ بھی اسی کے قریب ہے'' امام مالک کے اس جواب سے ظاہر ہے کہ وہ جس طرح تراویح کی گیارہ رکعتیں مانتے تھے، اسی طرح وہ رکعتوں کی تعداد تیرہ بھی مانتے تھے، اور اس کو بھی منقول و ماثور سمجھتے تھے، لہٰذا زیر بحث روایت میں عشاء کی سنتوں کو کیوں شامل کیا جائے، کل کو تراویح ہی کی رکعات کیوں نہ مانا جائے اور گیارہ، تیرہ اور اکیس کو مختلف اوقات پر محمول کیا جائے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گیارہ اور تیرہ والی روایتوں میں حافظ ابن حجر اور حافظ عبداللہ صاحب نے اس کو تسلیم کیا۔

❷ جن لوگوں نے ائمہ کے مذاہب کو بیان کیا ہے ان میں سے کسی نے امام متبوع کا یہ قول نقل نہیں کیا ہے کہ وہ صرف گیارہ رکعت کے قائل تھے، امام مالک کا ایک قول گیارہ کا نقل کیا جاتا ہے، مگر اسی کے ساتھ خود صاحب تحفۃ الاحوذی یہ بھی لکھتے ہیں کہ اختارہ مالک لنفسہ (یعنی امام مالک نے اس کو اپنی ذات کے لئے اختیار کیا ہے) یعنی لوگوں کو اس قول پر فتویٰ نہیں دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ مالکی مذہب کی

تمام کتابوں میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ لکھا ہوا ہے کہ وہ چھتیس رکعتوں کے قائل تھے، اور ایک قول میں انہیں نے بیس کو پسند کیا ہے۔

ابن رشد مالکی ہدایۃ المجتہد (صفحہ۱۹۲) میں لکھتے ہیں ”فاختار مالك فی احد قولیه وابوحنیفة والشافعی واحمد وداود القیام بعشرین رکعة سوی الوتر وذکر ابن القاسم عن مالك انه کان یستحسن ستاوثلثین رکعة والوتر ثلاث رکعات“ یعنی امام مالک نے اپنے دو قولوں میں سے ایک میں اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی امام احمد اور امام داؤد ظاہری نے بیس رکعت تراویح کا قیام پسند کیا ہے اور تین رکعت وتر اس کے سوا اور ابن القاسم نے امام مالک سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ چھتیس رکعت تراویح اور تین وتر کے قیام کو مستحسن سمجھتے ہیں، پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں، ”وذکر ابن القاسم عن مالك انه الامر القدیم یعنی القیام بست وثلاثین“ یعنی ابن القاسم (شاگرد مالک) نے امام مالک سے یہ بھی نقل کیا ہے، کہ چھتیس رکعت کا قیام قدیم معمول ہے، ابن رشد مالکی کے اس کلام سے دو فائدے حاصل ہوئے، ایک یہ امام مالک نے بھی بیس کو پسند کیا ہے، اس کی مزید تائید قسطلانی کی اس نقل سے ہوتی ہے۔

”وقد قال المالکیه انها کانت ثلثا و عشرین ثم جعلت تسعا و ثلثین“ یعنی مالکیہ نے کہا ہے کہ تراویح کی رکعتیں (مع وتر) تئیس تھیں، پھر وہ مع وتر انتالیس کر دی گئیں۔

دوسرا یہ کہ انہوں نے امام مالک کے صرف دو قول بتائے ایک بیس کا ایک چھتیس کا اور گیارہ رکعت کے قول کو اپنے مذہب کی روایات کی رو سے اتنا کمزور سمجھا کہ اس کو قابل شمار قرار نہیں دیا، اور اڑتیس کے قول کو بھی انہوں نے الگ سے شمار نہیں کیا اس لئے کہ جس نے تراویح کی اڑتیس رکعتیں امام مالک کے قول میں بتائی ہیں، اس نے وتر کی (ایک رکعت نقل کی ہے، اور جس نے چھتیس بتائی ہیں، اس نے

وتر کی تین رکعتیں بتائی ہیں)، چنانچہ ...... کی روایت میں ان کا لفظ یہ ہے "استحب ان یقوم الناس فی رمضان بثمان و ثلثین رکعة ثم یسلم الامام والناس ثم یوترھم بواحدة" یعنی میں یہ پسند کرتا ہوں کہ لوگ رمضان میں اڑتیس رکعتیں پڑھیں، پھر امام اور مقتدی سلام پھیریں پھر امام ان لوگوں کو ایک رکعت وتر پڑھائے۔[1]

حاصل یہ کہ امام مالک کا ایک قول گیارہ رکعت کا ہے (بشرطیکہ وہ ثابت بھی ہو) دوسرا بیس کا اور تیسرا چھتیس یا اڑتیس کا ہے) اور چھتیس ہی پر ان کے اہل مذہب کا ہمیشہ سے عمل رہا ہے، ان کے متبعین میں فقط ایک شخص گیارہ رکعت کے قائل تھے، اور وہ ابوبکر بن العربی ہیں۔

اسی طرح امام احمد کی نسبت بھی منقول ہے کہ انہوں نے گیارہ اور بیس کے درمیان اختیار دیا ہے کہ یہ کرے یا وہ کرے۔ مگر ان کے اہل مذہب بیس ہی پر عمل کرتے آئے ہیں، اور ان کی فقہی کتابوں میں امام احمد کا مذہب بیس ہی رکعت منقول ہے غرض وہ تنہا بھی گیارہ رکعت کے قائل نہیں ہیں۔

اصل بحث

اس گزارش کے بعد اصل مدعا پر آتا ہوں اوپر کے معروضات سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین کے علاوہ دوسرے ائمہ اسلام تراویح کی بیس یا بیس سے زائد رکعتوں کے قائل ہیں، اور اسی پر ان کا عمل رہا ہے، مگر فرقہ اہل حدیث کا عمل اس کے خلاف ہے اور وہ آٹھ رکعتوں کا قائل ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ تراویح کی آٹھ ہی رکعتیں آنحضرت ﷺ سے بسند صحیح ثابت ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی آٹھ ہی کا حکم دیا تھا اور اس کے خلاف جو قول ہے خواہ بیس یا بیس سے زائد وہ نہ تو آنحضرت ﷺ سے بسند صحیح ثابت ہے نہ کسی ایک خلیفہ سے بسند صحیح

[1] تحفة الاحوذی: ۲/۷۳

ثابت ہے، انہوں نے اس کا حکم دیا، چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری تحفۃ الاحوذی (جلد۲صفحہ۷۳) میں لکھتے ہیں:

"وھو الثابت عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالسند الصحیح وبھا امر عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ واما الا قوال الباقیۃ فلم یثبت واحد منھا عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بسند صحیح ولا یثبت الامر بہ من احد من الخلفاء الراشدین بسند صحیح خال من الکلام"

اور یہی بات حافظ عبداللہ غازی پوری ؒ نے اپنے رسالہ رکعات التراویح میں شرح وبسط سے لکھی ہے اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرت سری نے بھی اہل حدیث مورخہ ۴ رمضان ۱۳۴۱ھ میں یہی لکھا ہے۔

اہل حدیث کے ان دعووں کو پرکھنے سے پہلے اس مسئلہ پر روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں کہ علمائے اسلام کی تحقیق میں تراویح کا کوئی معین عدد آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں۔

قول وفعل نبوی ﷺ سے تراویح کا کوئی معین عدد ثابت ہے یا نہیں

اس مسئلہ میں علمائے اسلام کے دوگروہ ہیں، ایک گروہ جس میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ، علامہ سبکی، اور سیوطی وغیرہم شامل ہیں، ان کی تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قول وفعل سے تراویح کا کوئی معین عدد ثابت نہیں چنانچہ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد معین موقت عن النبی

صلی اللّٰہ علیہ وسل لا یزید ولا ینقص فقد اخطأ."[1]
ترجمہ: "یعنی جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے تراویح کے باب میں کوئی معین عدد ثابت ہے جو کم وبیش نہیں ہوسکتا وہ غلطی پر ہے۔"

اور سبکی شرح منہاج میں لکھتے ہیں "اعلم انه لم ینقل کم صلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی تلك اللیالی هل هو عشرون او اقل[2]" یعنی یہ منقول نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان راتوں میں کتنی رکعتیں پڑھیں، بیس یا کم اور سیوطی مصابیح میں لکھتے ہیں "ان العلماء اختلفوا فی عددها ولو ثبت ذلك من فعل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یختلف فیه صفحه٤٤" یعنی علماء کا تراویح کے عدد میں اختلاف ہے، اگر آنحضرت ﷺ کے فعل سے کوئی عدد ثابت ہوتا تو اختلاف نہیں ہوسکتا تھا۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ امام شافعی نے فرمایا ہے "لیس فی ذلك ضیق ولا حد ینتهی الیه" یعنی اس میں کوئی تنگی نہیں ہے، نہ رکعات کی کوئی خاص حد ہے، کہ اس پر آکر رک جانا چاہئے امام شافعی کے اس قول کو نووی نے بیہقی کی معرفۃ السنن سے نقل کیا ہے اور قیام اللیل میں (بھی) مذکور ہے۔

علامہ شوکانی نیل الاوطار میں فرماتے ہیں "والحاصل الذی دلت علیه احادیث الباب وما یشابهها هو مشروعیة القیام فی رمضان والصلوة فیه جماعة وفرادیٰ فقصر الصلوة المسماة بالتراویح علی عدد معین و تخصیصها بقراءة مخصوصة لم ترد به سنة" یعنی اس باب کی حدیثوں اور ان کے مشابہ حدیثوں کا حاصل اتنا ہے کہ رمضان میں قیام

---

[1] مرقاۃ والانتقاد الرجیح: ص ٦٣

[2] تحفۃ الاخیار: ص ١٦ و مصابیح: ص ٤٤

اور اکیلے یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مشروع ہے، پس تراویح کو کسی خاص عدد میں منحصر کر دینا اور اس میں خاص مقدار قراءت مقرر کرنا ایسی بات ہے جو سنت میں وارد نہیں ہوئی۔

علماء کی ایک جماعت کی تو یہ تحقیق ہے لہٰذا اس جماعت کی تحقیق میں وہ تمام روایات جو آنحضرت ﷺ کی تراویح کا معین عدد بتانے کے لئے پیش کی جاتی ہیں، خواہ آٹھ ہوں یا بیس وہ سب روایتیں صحیح نہیں ہیں، یا غیر متعلق ہیں، یعنی ان میں تراویح کا نہیں بلکہ کسی دوسری نماز کا عدد بتایا گیا ہے۔

علماء کا دوسرا گروہ وہ ہے جو مانتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے عدد معین ثابت ہے جیسے فقہائے احناف میں قاضی خاں وطحاوی غیرہ اور شوافع میں رافعی وغیرہ کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ سے بیس کا عدد ثابت مانتے ہیں۔

اس گزارش کے بعد اب ہم اہل حدیث کے پہلے دعویٰ کو لیتے ہیں۔

اہل حدیث کا پہلا دعویٰ

اہل حدیث نے اپنے پہلے دعویٰ کے ثبوت میں دو دلیلیں پیش کی ہیں۔

❶ پہلی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری میں بایں الفاظ مروی ہے "ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ"، یعنی آنحضرت ﷺ رمضان وغیرہ رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

جواب: اہل حدیث کا یہ استدلال بالکل بے محل ہے، اور کسی طرح مثبت مدعا نہیں۔

اولاً: اس لئے کہ گفتگو تراویح کی رکعات میں ہے اور تراویح کی تعریف حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں یوں ذکر کی ہے "الصلوۃ فی الجماعۃ فی لیالی

رمضان التراویح"[1]

یعنی جونماز جماعت کے ساتھ رمضان کی راتوں میں پڑھی جاتی ہے، اس کا نام تراویح ہے اور حافظ عبداللہ صاحب ضمیمہ رکعات التراویح میں لکھتے ہیں نماز تراویح وہ نماز ہے جو ماہ مبارک رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے اور یہ قسطلانی (جلد۳ صفحہ ۴۸۳) میں بھی مذکور ہے، پس جب تراویح خاص رمضان کی نماز ہے، اور حدیث عائشہ میں اس نماز کا ذکر ہے جو غیر رمضان میں بھی پڑھی جاتی تھی، تو اس کو تراویح اور اہل حدیث کے مدعا سے کیا تعلق؟

اس بات کی تائید کہ اس حدیث کا تعلق تراویح سے نہیں ہے اس سے بھی ہوتی ہے، کہ حافظ ابن حجر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان کو تہجد سے متعلق قرار دے کر تہجد مع وتر کی رکعتوں کے گیارہ ہونے کی حکمت یہ ذکر کی ہے کہ تہجد اور وتر رات کی مخصوص نمازیں ہیں، اور دن کی فرض نمازیں تین ہیں، چار رکعت ظہر، چار رکعت عصر، اور تین رکعت مغرب، یہ کل گیارہ رکعتیں ہوئیں تو مناسب ہوا کہ رات کی نمازیں بھی اجمال وتفصیل دونوں میں دن کے مشابہ ہوں یعنی ان کی مجموعی تعداد بھی گیارہ ہو، اور تفصیلی طور پر رات میں بھی پہلے چار رکعتیں نفل کی، پھر چار رکعتیں نفل کی، پھر تین رکعتیں وتر کی ہوں، دیکھو فتح الباری (جلد۳ صفحہ ۱۴) میں حافظ ابن حجر کی وہ عبارت جو یوں شروع ہوتی ہے "وظهر لى ان الحكمة فى عدم الزيادة على احدى عشرة ان التهجد والوتر مختص بصلاة الليل"

میرا مقصد یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کی اس تقریر سے بھی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا تہجد کے باب میں ہونا ثابت ہے، اور اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ شوکانی وغیرہما کی تصریح آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ تراویح کا کوئی عدد معین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے اور تراویح کو کسی خاص عدد میں

---

[1] فتح الباری: ۱۷۸/٤

منحصر کرنا مثلاً یہ کہنا کہ تراویح کی گیارہ ہی رکعتیں سنت ہیں، یا تیرہ ہی رکعتیں سنت ہیں، اور تیرہ یا گیارہ پر زیادتی خلاف سنت ہے ابن تیمیہ کے الفاظ میں خطا ہے، اور شوکانی کے الفاظ میں یہ ایسی بات ہے جس کا ثبوت کسی حدیث میں نہیں ہے۔

پس ان حضرات کے نزدیک بھی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں تراویح کی رکعات کا بیان نہیں ہے اور اگر ہے تو ان کے نزدیک اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ گیارہ سے زیادہ پڑھنا خلاف سنت ہے اس لئے کہ اگر یہ مطلب ہو تو یہ خود ان کی کہی ہوئی بات کے خلاف ہوگا اور عقلاء کے کلام میں ایسا تناقض نہیں ہوتا۔

ثانیاً: اگر بالفرض اس حدیث کا تعلق تراویح ہی سے ہو تو بھی اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ سے زیادہ تراویح نہیں پڑھی، اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دوسری صحیح روایت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔[1]

حافظ ابن حجر وغیرہ شراح حدیث نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ان دونوں مختلف بیانات میں یوں تطبیق دی کہ یہ بیانات مختلف حالات اور اوقات سے تعلق رکھتے ہیں یعنی یہ کہ کسی کسی یا اکثر حالات واوقات میں گیارہ سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور کبھی کبھی تیرہ بھی پڑھ لیتے تھے حافظ لکھتے ہیں ”والصواب ان کل شی ذکرته من ذلك محمول علی اوقات متعددة واحوال مختلفة“[2]

اسی لئے حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری کو بھی ماننا پڑا کہ حق یہ ہے کہ آپ نے کبھی کبھی سنت فجر کے علاوہ بھی تیرہ رکعتیں پڑھی ہیں۔[3]

اور مولانا عبدالرحمٰن نے بھی تسلیم کیا کہ ”انه قد ثبت ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان قد یصلی ثلث عشرة رکعة سوی رکعتی الفجر التحفة الاحوذی“[4]

---

[1] بخاری [2] ۱۴/۳ [3] رکعات التراویح: ص ۵ [4] ۷۳/۲

یعنی یہ ثابت و محقق ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کبھی کبھی تیرہ رکعت فجر کی سنتوں کے سوا پڑھتے تھے پس جب گیارہ سے زیادہ پڑھنا ثابت و محقق ہے تو اہل حدیث کا یہ دعویٰ کہ رسول اللہ ﷺ کا مع وتر گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھنا ثابت نہیں، جیسا کہ حافظ عبداللہ صاحب نے رکعات تراویح میں لکھا ہے باطل ہو گیا۔

اور جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں باقرار اہل حدیث رمضان وغیر رمضان کی تمام راتوں کا حال مذکور نہیں، بلکہ بعض یا اکثر کا تو اہل حدیث کا اپنے مدعا کے ثبوت میں اس کو پیش کرنا نادانی یا تجاہل ہے۔

نیز جب اس حدیث میں تمام راتوں کا ذکر نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ اکثر راتوں کا ذکر مذکور ہے تو اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ بعض راتوں میں حضرت نے گیارہ سے زیادہ رکعتیں بھی پڑھیں ہیں.......... اور اس کے ثبوت میں کوئی حدیث پیش کرے تو اس حدیث کو حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے معارض و مخالف قرار دینا سخت بھول اور غفلت پر مبنی ہے اس لئے کہ ان دونوں باتوں میں قطعاً کوئی تضاد و تخالف نہیں کہ ① آنحضرت ﷺ اکثر راتوں میں گیارہ سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ ② اور بعض راتوں میں آپ نے گیارہ سے زیادہ پڑھی ہیں جس طرح اس میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ زید اکثر راتوں میں چھ گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتا اور بعض راتوں میں وہ سات گھنٹے تک سوتا رہا ہے، کون نہیں جانتا کہ تناقض کے لئے وحدت زمان شرط ہے۔

ثالثاً: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا پہلا فقرہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، ذرا مبہم ہے، اس سے صاف نہیں ہوتا، کہ آپ سات پڑھتے تھے، یا نو یا گیارہ اسی طرح یہ صاف نہیں ہوتا کہ وتر کی ایک رکعت پڑھتے تھے یا تین، یا تین سے زیادہ، اس لئے کہ ان صورتوں میں سے جو صورت بھی رہی ہو، اس پر صادق ہے کہ گیارہ سے زیادہ نہیں پڑھتے

تھے، مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دوسرے فقرہ میں اس ابہام کو دور کر کے ایک صورت متعین فرما دی ہے، فرماتی ہیں "یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی اربعا فلا تسال عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلاثا" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے چار رکعتیں ایسی پڑھتے تھے، پھر تین رکعتیں ایسی پڑھتے تھے کہ ان کے حسن وطول کو نہ پوچھو اس کے بعد پھر ایسی ہی چار رکعتیں پڑھتے تھے، پھر تین رکعتیں پڑھتے تھے۔

اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گیارہ سے زیادہ نہ پڑھنے کی یہ صورت متعین کر دی ہے کہ نہ سات نہ نو، بلکہ گیارہ پڑھتے تھے، اور یہ کہ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے، اسی کے ساتھ یہ بھی سن لیجئے کہ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے تحفۃ الاحوذی میں اس بات کو بھی صاف کر دیا ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ پہلی چار رکعتیں ایک ایک سلام سے اور پچھلی تین رکعتیں ایک سلام سے تھیں۔[1]

اس تمہید کے بعد اب ہماری گزارش یہ ہے کہ جب حدیث کے پہلے فقرہ سے اہل حدیث کے خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی معمول یہ ثابت ہوگا کہ آپ گیارہ سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، تو دوسرے فقرہ سے جس میں پہلے ہی فقرہ کی توضیح وتشریح کی گئی ہے، یہ ثابت ہوا کہ آپ کا دائمی معمول گیارہ پڑھنے کا اس طرح تھا کہ پہلے چار چار رکعتیں ایک ایک سلام سے پڑھتے تھے، پھر وتر کی تین رکعتیں ایک سلام سے پڑھتے تھے۔ لہٰذا اہل حدیث کو لازم تھا کہ وہ کبھی گیارہ رکعت سے کم تراویح نہ پڑھتے، اور ہمیشہ چار چار رکعتوں پر سلام پھیرتے اور ہمیشہ وتر کی تین رکعتیں ایک سلام سے پڑھتے، مگر اہل حدیث ایسا نہیں کرتے، بلکہ عموماً نو رکعتیں پڑھتے ہیں جیسا کہ ہمارے بلاد کے ہزاروں آدمی جانتے ہیں، پھر ہمیشہ دو رکعتوں پر سلام پھرتے ہیں، اور جہاں تک معلوم ہے غیر رمضان میں ہمیشہ وتر کی ایک رکعت پڑھتے ہیں اور

---

[1] تحفة الاحوذی: ۳۳۱/۱

اگر کوئی تین پڑھ بھی لیتا ہے تو دو سلام سے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خود اہل حدیث کے نزدیک یہ حدیث لازم العمل نہیں ہے، نہ اس کی خلاف ورزی سنت کی خلاف ورزی ہے، ایسی حالت میں دوسروں پر اس سے حجت قائم کرنا یا کسی دعوے کے ثبوت میں اس کو پیش کرنا بالکل خلاف انصاف ودیانت ہے اور اگر ہماری اس گرفت سے گھبرا کر اہل حدیث یہ کہنے لگیں کہ اس حدیث میں دوامی کیفیت کا بیان نہیں ہے تو گزارش ہے کہ دوامی نہیں تو اکثری تو ہے اور اہل حدیث کا عمل اکثر اوقات میں بھی اس کے مطابق نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ہے۔

رابعاً: امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب قیام اللیل میں ایک باب کا عنوان یہ قرار دیا ہے "باب عدد الرکعات التی یقوم بھا الامام للناس فی رمضان" یعنی ان رکعتوں کی تعداد کا باب جو امام لوگوں کے ساتھ رمضان میں پڑھے گا اس باب میں وہ رکعات تراویح کی تعداد بتانے کے لئے بہت سی روایتیں لائے ہیں مگر حضرت عائشہ کی اس حدیث کو جو سب سے صحیح اور اعلیٰ درجہ کی ہے ذکر کرنا تو درکنار اشارہ تک نہیں کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے علم وتحقیق میں بھی اس حدیث کا کوئی تعلق تراویح سے نہیں ہے۔

ایک شبہہ کا ازالہ

اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ تہجد اور تراویح میں کوئی فرق نہیں ہے، نماز ایک ہے نام دو ہیں اسی کو گیارہ مہینے تہجد کہتے ہیں اور اسی کو رمضان میں تراویح کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

تو سوال ہے کہ اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے؟ اور جب کہ ان دونوں میں متعدد وجوہ مغائرت کے موجود ہیں، تو ان دونوں کو ایک کہنا کیوں کر ممکن ہے؟

مغائرت (دونوں کے دو ہونے) کے وجوہ متعدد ہیں مثلاً ایک وجہ یہ ہے کہ تہجد کی مشروعیت بنص قرآنی ہوئی ہے "فتهجد به نافلة" اور "قم الليل الا قليلا" وغیرہ کی تفسیر دیکھئے اور تراویح کی مسنونیت احادیث سے ہوئی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا "سننت لكم قيامه"[1] (نسائی) یعنی میں نے رمضان کے قیام کو مسنون کیا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ تہجد کی رکعات بالاتفاق رسول اللہ ﷺ سے منقول و ماثور ہیں، اور وہ زیادہ سے زیادہ مع الوتر تیرہ اور کم سے کم سات مع الوتر ہیں، جیسا کہ ترمذی اور اس کی شرح "تحفة الاحوذی" (جلد ا صفحہ ۳۳۴) میں ہے برخلاف تراویح کے کہ اس کا کوئی معین عدد علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کی تصریح کے بموجب آنحضرت ﷺ سے منقول نہیں ہے اسی طرح تہجد کی رکعتیں بالاتفاق ائمہ کے نزدیک وتر کے ساتھ سات سے تیرہ تک ہیں اور تراویح کی رکعات میں ان کا اختلاف ہے، کوئی بیس کہتا ہے اور کوئی چھتیس، بلکہ ائمہ اربعہ کے ساتھ دوسرے ائمہ اسلام کو بھی شامل کر لیجئے، تو تراویح کا عدد وتر کو لے کر سینتالیس تک پہنچ جاتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ امام بخاری کا عمل بتاتا ہے کہ وہ دونوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھتے تھے، ان کا معمول تھا کہ رات کے ابتدائی حصہ میں اپنے شاگردوں کو لے کر باجماعت نماز پڑھتے تھے اور اس میں ایک ختم کرتے تھے، اور سحر کے وقت اکیلے پڑھتے تھے، اور ہر تیسرے دن ایک ختم کرتے تھے، اسی طرح حنفی فقہ نہیں بلکہ غیر حنفی

---

[1] ایک دوسری حدیث میں جو آیا ہے "جعل الله صيامه فريضة وقيامه تطوعا" (یعنی اللہ نے اس کے روزے کو فرض اور قیام کو تطوع بنایا ہے) تو یہ بھی صحیح ہے اس لئے کہ شارع حقیقی حق تعالیٰ ہے اور ہر شرعی حکم کا دینے والا وہی ہے اس کی مرضی کے بغیر آنحضرت ﷺ بھی کوئی حکم نہیں دے سکتے، اسی لئے اس حدیث میں قیام رضان کو تطوع بنانے کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اور چونکہ وہ حکم حق تعالیٰ ...... نے نص قرآنی کے ذریعہ نہیں دیا، بلکہ آنحضرت ﷺ کی زبان سے آپ کے الفاظ میں اس کی تشریح ہوئی، اس لئے دوسری حدیث میں ارشاد ہوا کہ میں نے مسنون کیا (۱۲ منہ)۔

فقہ کی جزئیات سے بھی دونوں کی مغائرت ثابت ہوتی ہے، چنانچہ حنبلی مذہب کی فقہی کتاب مقنع میں ہے "ثم التراویح وھی عشرون رکعة یقوم بھا فی رمضان فی جماعة ویوتربعدھا فی الجماعة فان کان له تھجد جعل الوتر بعده" [1]

یعنی پھر تراویح ہے کہ اس کو رمضان میں باجماعت پڑھے اور اس کے بعد با جماعت وتر پڑھے اور اگر وہ تہجد بھی پڑھتا ہو تو وتر تراویح کے بعد نہیں بلکہ تہجد کے بعد پڑھے، اور یہ تنہا مقنع کے مصنف کا فتویٰ نہیں ہے، بلکہ آگے جو مسئلہ مذکور ہے اس سے ثابت ہے، کہ امام احمد بھی تراویح اور تہجد کو دو قرار دیتے تھے، اور ایک کا اول شب میں اور دوسری کا آخری شب پڑھنا جائز سمجھتے تھے، وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جو تہجد اور تراویح دونوں پڑھتا ہے، یہ چاہے کہ تراویح کے بعد امام کے ساتھ وتر میں بھی شریک ہو جائے تو امام احمد کے نزدیک اس کو یہ چاہئے کہ امام جب سلام پھیرے تو یہ کھڑا ہو جائے اور مزید ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیرے تاکہ ایک رات میں دو وتر پڑھنا لازم نہ آئے محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پوتے نے مقنع کے حاشیہ میں اپنے قلم سے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ منصوص ہے، یعنی امام احمد نے اس کی تصریح کی ہے۔ [2]

تراویح اور تہجد میں مغائرت کے وجوہ اور بھی ہیں لیکن بنظر اختصار انہی تین وجہوں پر اکتفاء کرتا ہوں، اور اب خاص احناف کے اطمینان کے لئے عرض کرتا ہوں کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ بھی دونوں میں مغائرت کے قائل ہیں، اور ہر ایک کو دوسرے سے الگ نماز مانتے ہیں، حضرت گنگوہی نے بہت شرح وبسط کے ساتھ کئی اوراق میں نہایت مدلل طور پر دونوں کا جداگانہ نماز ہونا ثابت کیا ہے، اور مغائرت کی بہت سی وجہیں

---

[1] مقنع: ۱/۱۸۴ [2] ص ۲۵

ذکر کی ہیں، ان میں سے پہلی وجہ ہم نے بھی پہلے نمبر پر ذکر کی ہے، ازاں جملہ حضرت طلق بن علی کے عمل سے دونوں کا دو ہونا ثابت کیا ہے اور سنن ابی داؤد سے ان کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اول شب میں تراویح اور آخر میں تہجد پڑھتے تھے غرض ان تمام وجوہ مذکورہ کی بنا پر ان کی تحقیق یہ ہے کہ ''نماز تہجد اور نماز تراویح ہر دو صلوٰۃ جداگانہ ہیں۔''[1]

اور حضرت نانوتوی نے الحق الصریح (صفحہ۴) میں دونوں کے الگ الگ ہونے کو موجہ قرار دیا ہے۔

اہل حدیث کے پہلے دعویٰ کی دوسری دلیل

اہل حدیث دوسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ، قیام اللیل اور معجم صغیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شهر رمضان ثمان رکعات واوتر'' یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں ہمارے ساتھ آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھیں۔

اس کے متعلق سب سے پہلے یہ جان لیجئے کہ یہ واقعہ فقط ایک رات کا ہے، اس لئے کہ اس روایت میں آگے یہ مذکور ہے کہ جب دوسری رات میں صحابہ مجتمع ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ سے برآمد نہیں ہوئے اور میزان الاعتدال میں ''لیلۃ'' ایک رات کی تصریح بھی موجود ہے۔

دوسری بات یہ معلوم کر لیجئے کہ رمضان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد میں نماز پڑھنے اور آپ کے ساتھ صحابہ کے شریک ہونے کا ایک واقعہ تو وہ ہے جو صحیحین وغیرہ میں بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا منقول ہے، اس میں تین راتوں میں پڑھنا اور چوتھی رات میں حجرہ سے برآمد نہ ہونا مذکور ہے۔

دوسرا واقعہ وہ ہے جو بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ مسلم میں مذکور ہے، اور اس کی

[1] الرای النجیح: ص ۲

نسبت حافظ ابن حجر نے لکھا ہے "والظاهر ان هذا كان فى قصة اخرى" یعنی ظاہر یہ ہے کہ یہ دوسرے قصہ میں ہوا ہے۔[1]

تیسری روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے جو اس وقت زیر بحث ہے اس کی نسبت یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ وہی واقعہ ہے جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے اس لئے کہ جابر کے بیان میں صرف ایک رات نماز پڑھنا اور دوسری رات میں نہ آنا مذکور ہے، اسی لئے حافظ ابن حجر نے ان دونوں واقعوں کے ایک ہونے میں تردد کا اظہار کیا ہے۔[2]

چوتھی روایت حضرت ابوذر کی ہے جس میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سال رمضان کی تیسویں پچیسویں اور ستائیسویں رات میں مسجد کے اندر باجماعت تراویح پڑھنا بیان کیا ہے، یہ روایت ترمذی وابوداؤد وغیرہ میں ہے۔

پانچویں روایت زید بن ثابت کی ہے، جس میں رمضان کی تصریح نہیں ہے، مگر ظاہر یہی ہے کہ وہ بھی رمضان ہی کا واقعہ ہے۔

چھٹی روایت حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ ہم نے رمضان کی تیئسویں رات میں آدھی رات تک قیام کیا، پھر ستائیسویں کو قیام کیا، تو ہم کو اندیشہ ہوا کہ آج سحری نہ کھا سکیں گے ان کے علاوہ اور روایتیں بھی ہیں، غرض رمضان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز باجماعت کو بہت سے صحابہ بیان کرتے ہیں، مگر ان صحابیوں کے شاگردوں اور راویوں میں سے کوئی ایک شاگرد یا راوی ان صحابیوں سے ان رکعات کی تعداد نقل نہیں کرتا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں پڑھی تھیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ان کی حدیث کا روایت کرنے والا صرف ایک شخص ہے اور وہی ایک شخص حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ان رکعات کی تعداد نقل کرتا ہے۔

لہٰذا ویسے تو ہر حدیث کی اسناد میں نظر کرنا اور اس کے رجال کے حالات معلوم

---

[1] فتح الباری: ۸/۳ [2] فتح الباری: ۸/۳

کر کے دیکھنا کہ یہ اسناد قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ محدثین کے نقطۂ نظر سے ضروری ہے لیکن اس حالت میں کہ نماز تراویح باجماعت کے واقعہ یا واقعات کے ناقل کئی صحابیوں کے شاگرد ہیں اور ان میں کوئی بھی رکعات کا ذکر نہیں کرتا، بس ضروری ہو جاتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے راوی کا حال معلوم کیا جائے، جو تنہا رکعات کا ذکر کرتا ہے، اس لئے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے راوی عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق رجال کی کتابوں سے ناقدین رجال کی تصریحات پیش کرتا ہوں تاکہ یہ فیصلہ ہو سکے کہ اس کی روایت از روئے فن حدیث قابل اعتماد ہے، یا نہیں؟ عیسیٰ بن جاریہ کا حال اس راوی کا ذکر حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اور حافظ ابن حجر نے تہذیب وغیرہ میں کیا ہے، اور لکھا ہے کہ امام فن جرح وتعدیل یحییٰ بن معین نے اس کی نسبت لکھا ہے "لیس بذاك" وہ قوی نہیں ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کے پاس منکر روایتیں ہیں، اور امام نسائی، وامام ابوداؤد نے کہا ہے وہ منکر الحدیث ہے امام نسائی نے اس کو متروک بھی کہا ہے، اور ساجی وعقیلی نے اس کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی حدیثیں محفوظ نہیں ہیں۔ (یعنی شاذ ومنکر ہیں)۔

یہ سات حضرات ہیں جنہوں نے عیسیٰ پر جرح کی ہے، اور ان کے مقابل میں صرف ایک امام ابو ذرعہ ہیں جنہوں نے عیسیٰ کو "لا باس به" (اس میں کوئی مضائقہ نہیں) کہا، اور دوسرے ابن حبان ہیں جنہوں نے اس کو ثقاہت میں ذکر کیا ہے اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جرح مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے، لہٰذا عیسیٰ اصولاً مجروح قرار پائے گا، بالخصوص جب کہ عیسیٰ پر جو جرحیں کی گئی ہیں وہ بہت سخت ہیں، چنانچہ امام نسائی وابوداؤد نے اس کو منکر الحدیث لکھا ہے اور مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے "ابکار المنن" میں سخاوی کے حوالہ سے بغیر رد وکد کے یہ لکھا ہے "منکر الحديث وصف فی الرجل يستحق به الترك لحديثه"[1]

---

[1] بکار المنن: ص ۱۹۱

یعنی منکر الحدیث ہونا آدمی کا ایسا وصف ہے کہ وہ اس کی وجہ سے اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اس کی حدیث ترک کر دی جائے (اس سے حجت نہ پکڑی جائے اور قبول نہ کی جائے)۔

اس تصریح کے بموجب از روئے اصل عیسیٰ کی یہ روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی بالخصوص جب کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس بات کو نقل کرنے میں وہ منفرد ہے، دوسرا کوئی اس کا مؤید و متابع موجود نہیں ہے نہ کسی دوسرے صحابی کی حدیث اس کی شاہد ہے جابر سے روایت کرنے میں اس کے منفرد ہونے کی دلیل تو یہ ہے کہ امام طبرانی نے عیسیٰ کی یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے "لا یروی عن جابر بن عبداللّٰہ الا بھذا الاسناد" یعنی حضرت جابر سے بجز اس سند کے کسی دوسری سند سے یہ حدیث مروی نہیں ہے اور کسی دوسرے صحابی کی حدیث سے اس کی تائید نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے صحابہ میں اس واقعہ کو نقل کرنے والے ایک ابوذر ہیں، ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حافظ ابن حجر کی تصریح کے بموجب حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے کسی طریق میں اور مولانا عبدالرحمٰن کے اقرار کے بموجب حدیث ابوذر کے کسی طریق میں رکعات کی تعداد کا کوئی ذکر نہیں ہے، اور باقی روایات کا بھی یہی حال ہے اگر کوئی اس کے خلاف مدعی ہو تو ثبوت پیش کرے۔

اور یہی وجہ ہے کہ حافظ ذہبی نے عیسیٰ کے تذکرہ میں اس کی اس روایت کو میزان الاعتدال میں نقل کیا ہے، ان کی عادت ہے کہ وہ اس کتاب میں جس مجروح راوی کا ذکر کرتے ہیں اگر اس کی روایات میں کوئی منکر روایت ہوتی ہے تو وہ اس منکر روایت کو بھی ذکر کرتے ہیں۔

اصل میں یہ طرز ابن عدی کا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب کامل میں اختیار کیا ہے انہی کا طرز حافظ ذہبی نے اختیار کیا ہے۔ اس پر اگر یہ شبہہ کیا جائے کہ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس کو ذکر کرنے کے بعد اس کی اسناد کو متوسط درجہ کی

اسناد قرار دیا ہے لہٰذا میزان میں ذکر کرنے سے اس حدیث کا ضعیف و منکر ہونا ثابت نہ ہوگا نہ یہ لازم آئے گا کہ انہوں نے اس کو ضعیف و منکر سمجھ کر نقل کیا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولا مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے ”ابکار المنن“ میں ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد مقامات میں نہایت زور وشور سے یہ لکھا ہے کہ سند کے صحیح یا حسن ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا، ہوسکتا ہے کہ اور صرف ہو ہی نہیں سکتا بلکہ واقع ہے کہ ایک حدیث کی سند بالکل کھری ہو لیکن اس کا متن (یعنی مضمون) کسی دوسری علت کی بنا پر قطعاً صحیح و ثابت نہ ہو تو جب اسناد کے صحیح ہونے سے حدیث کا صحیح و حسن ہونا لازم نہیں آتا، تو فقط متوسط درجہ کی اسناد ہونے سے حدیث کا صحیح و حسن ہونا کیونکر لازم آئے گا دیکھئے مولانا عبدالرحمٰن صاحب ابکار المنن (صفحہ ۲۰) میں فرماتے ہیں ”سلمنا صحة اسناده لكن قد تقدر ان صحة الاسناد لا تستلزم صحة المتن“ یعنی ہم کو اسناد کا صحیح ہونا مسلم ہے، مگر ثابت ہو چکا ہے کہ اسناد کے صحیح ہونے سے متن کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا، اور (صفحہ ۶۴) میں ایک حدیث کی نسبت جس کی اسناد کو حافظ ابن حجر نے حسن قرار دیا ہے لکھتے ہیں ”مقصود الحافظ ان اسناد حديث عمار فى الضربتين حسن و الحديث ضعيف لما ذكر ومن المعلوم ان حسن الا سناد او صحته لا يستلزم حسن الحديث او صحته“ یعنی حافظ ابن حجر کا مقصود یہ ہے کہ ضربتین کے باب میں عمار کی حدیث کی سند حسن ہے، لیکن حدیث ضعیف ہے، اس سبب سے کہ ذکر کیا، اور معلوم ہے کہ اسناد کے حسن یا صحیح ہونے سے لازمی طور پر حدیث حسن یا صحیح نہیں ہوجاتی۔

اور (صفحہ ۴۹) میں ایک حدیث کے باب میں جس کے سب رجال کو ہیثمی نے ثقہ کہا ہے فرماتے ہیں ”كون رجال الحديث ثقاتا لا يستلزم صحته“ یعنی رجال حدیث کے ثقہ و معتبر ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔

اور (صفحہ ۲۰۲) میں ایک حدیث کی نسبت جس کی ابن حزم نے تصحیح کی ہے فرماتے ہیں: ”واما تصحیح ابن حزم فالظاھرانه من جھة السند ومن المعلوم ان صحة السند لا تستلزم صحة المتن“ یعنی رہی ابن حزم کی تصحیح تو ظاہر یہ ہے کہ وہ سند کے اعتبار سے ہے، اور معلوم ہے کہ سند کی صحت متن کی صحت کو مستلزم نہیں ہے۔

پس جب یہ بات ہے تو امام ذہبی نے عیسیٰ کی حدیث کی اسناد کو حسن یا صحیح بھی نہیں کہا، صرف متوسط درجہ کی کہا ہے، لہٰذا اس سے عیسیٰ کے متن حدیث کی صحت یا اس کا حسن ہونا بطریق اولیٰ لازم نہیں آسکتا، اور جیسا کہ مولانا نے (صفحہ ۶۴) میں لکھا ہے اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ حافظ ذہبی نے جو اپنی عادت کے مطابق عیسیٰ کی حدیث کو اس کے مناکیر میں ذکر کیا اور اس کی اسناد کو متوسط کہا تو ان کا مقصود یہ ہے کہ اسناد تو بہت گری ہوئی نہیں ہے لیکن حدیث کا متن منکر ہے۔

ثانیاً: حافظ ذہبی کا اس کی اسناد کو وسط کہنا خود انہی کی ذکر کی ہوئی ان جرحوں کے پیش نظر جو انہوں نے عیسیٰ کے حق میں ائمہ فن سے نقل کی ہیں، حیرت انگیز اور بہت قابل غور ہے، اسی وجہ سے علامہ شوق نیموی نے اس کو ناصواب قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ متوسط نہیں بلکہ اس سے بھی گھٹیا ہے اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے شوق نیموی کے اس کلام کا جو رد کیا ہے وہ قطعاً ناقبل التفات اور محض مقلدانہ ہے، جو ان کی شان کے بالکل خلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ ابن حجر نے ذہبی کی نسبت لکھا ہے کہ وہ رجال کے باب میں اہل استقراء تام سے ہیں یعنی کوئی راوی ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے، سب کے حالات کا وہ جائزہ لے چکے ہیں الا ماشاء اللہ لہٰذا انہوں نے جو عیسیٰ پر جرح وتعدیل کے اقوال نقل کرنے کے بعد اس اسناد کو وسط کہا ہے وہی صواب ہے۔

مولانا ہوتے تو ہم ان سے گزارش کرتے کہ جب آپ نقد رجال میں ان کو ایسا

باکمال تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اس باب میں جو حکم فرمائیں، وہی صواب ہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ جناب نے اس مقام پر جہاں ذہبی نے ایک حدیث کے باب میں فیصلہ کیا ہے کہ اس میں جابر جعفی کی وجہ سے نکارت پیدا ہوئی ہے اور عبداللہ بن نجی کو انہوں نے بری الذمہ قرار دیا ہے، وہاں آپ نے یہ لکھ دیا کہ اس سے دل مطمئن نہیں ہے، اور یہ فرما دیا کہ "جواب الذهبی محتاج الی الدليل" یعنی ذہبی کا جواب دلیل کا محتاج ہے۔[1]

اور جب ذہبی کو آپ رجال کے حالات سے ایسا باخبر مانتے ہیں تو محمد بن عبدالملک کے حق میں جو انہوں نے فیصلہ کیا کہ "ليس بحجة يكتب حديثه اعتبارا" تو آپ نے اس کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ "جرح من غير بيان السبب فلا يقدح"[2]

یعنی یہ جرح ہے جس کی وجہ نہیں بتائی گئی، اس لئے یہ کچھ مضر نہیں۔

کوئی انصاف سے بتائے کہ جب ذہبی رجال کے حالات کا پورا پورا استقراء رکھتے ہیں تو محمد بن عبدالملک پر ان کی جرح بے سبب نہیں ہوسکتی، ضرور ان کے علم میں اس جرح کے اسباب ہیں لیکن جب تک وہ اسباب کو ظاہر نہ کریں مولانا عبدالرحمٰن ان کی جرح کو ماننے اور قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، تو ہم سے وہ کیوں مطالبہ کرتے ہیں کہ ذہبی نے جو اس اسناد کو وسط کہہ دیا ہے بے سبب بیان کئے ہوئے اس کو تسلیم کرلو، اس لئے کہ ذہبی اہل استقراء تام سے ہیں، کیا ابن حجر کا حوالہ صرف ہم پر رعب جمانے کے لئے ہے، اپنے عمل کرنے کے لئے نہیں ہے۔

اس سے بڑھ کر تعجب کی بات جو مولانا کی شان تقدس اور عالمانہ احتیاط کے بالکل منافی ہے، یہ ہے کہ انہوں نے ابن حجر کا کلام بالکل ادھورا نقل کیا ہے، اور ابن حجر نے ان کو اہل استقراء تام قرار دے کر ان کے جس فیصلہ کی اہمیت و قوت ظاہر کی

---

[1] ابکار المنن: ص ۵۰ [2] ابکار المنن: ص ۷۸

ہے اس کو بالکل چھوڑ گئے، اور اس کی جگہ اپنی طرف سے ذہبی کے ایک دوسرے فیصلہ کی قوت ثابت کرنے لگے سنئے اصل قصہ یہ ہے کہ۔

حافظ ابن حجر نے شرح نخبہ میں ذہبی کا یہی فیصلہ نقل کیا ہے کہ کسی ثقہ راوی کو ضعیف قرار دینے پر دو ماہرین فن کا اتفاق نہیں ہوا ہے اسی طرح کسی ضعیف راوی کو ثقہ قرار دینے پر بھی دو ماہرین متفق نہیں ہوئے ہیں حافظ ابن حجر اسی فیصلہ کی نسبت کہنا چاہتے ہیں کہ یہ ایسے شخص کا فیصلہ ہے کہ کم ہی ایسے راوی ہوں گے جو اس کی نگاہ سے اوجھل ہوں، اور ان کی جرح وتعدیل سے وہ واقف نہ ہو تو اس نے سب راویوں کا جائزہ لے کر اور ان کی چھان بین کر کے یہ فیصلہ کیا ہوگا لہٰذا یہ فیصلہ ایک بڑے واقف کار اور نہایت وسیع النظر محقق کا فیصلہ ہے۔

حافظ ابن حجر نے یہ نہیں کہا ہے کہ ذہبی اہل استقراء تام سے ہیں تو احادیث کی اسنادوں پر ان کا حکم صواب ہے یہ تو مولانا مبارک پوری نے اپنی طرف سے لکھا ہے اور ذہبی کے صاحب استقراء تام ہونے پر اس بات کو زبردستی متفرع کر لیا ہے ورنہ جو لوگ استقراء کے معنی جانتے ہیں، وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس پر پہلی ہی بات کی تفریع صحیح ہے حافظ حجر کی پوری عبارت یہ ہے:

”قال الذهبی وهو من اهل الاستقراء التام فی نقد الرجال لم يجتمع اثنان من علماء هذا الشان قط علی توثيق ضعيف وعلی تضعيف ثقة“ [1]

اب آیئے ذہبی کے اس فیصلہ کی روشنی میں بھی حدیث زیر بحث کی اسناد پر نظر ڈالی جائے تو یہ معلوم ہی ہے کہ اس حدیث کا بنیادی راوی عیسیٰ بن جاریہ ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ چھ چھ ماہروں نے اس کی تضعیف کی ہے، لہٰذا ذہبی کے قاعدہ سے وہ ثقہ نہیں ہوسکتا، لیکن مشکل یہ ہے کہ دو ماہروں نے اس کی توثیق بھی کی ہے، لہٰذا

---

[1] شرح نخبہ: ص ۱۱۰

اس قاعدہ سے وہ ضعیف بھی نہیں، اور جب وہ ثقہ بھی نہیں، اور ضعیف بھی نہیں تو ظاہر ہے کہ اس کا حکم مجہول الحال کا حکم ہوگا، اور اس کی حدیث کا رد و قبول اس کا قرار واقعی حال معلوم ہونے پر موقوف ہوگا حاصل یہ ہے کہ اس صورت میں بھی اس کی حدیث کارآمد نہیں ہوسکتی۔

حضرت جابر کی ایک دوسری روایت

اس سلسلہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت کا ذکر بھی کیا جاتا ہے، اس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا مجھ سے رات (یعنی رمضان میں) ایک بات ہوگئی ہے، آپ نے فرمایا وہ کیا؟ انہوں نے کہا گھر کی عورتوں نے مجھ سے کہا کہ ہم نے تو قرآن پڑھا نہیں ہے، (ہم کو قرآن یاد نہیں ہے) تو ہم بھی تمہارے پیچھے نماز پڑھ لیں میں نے ان کو آٹھ رکعتیں پڑھائیں، اور وتر بھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر سکوت کیا اور گویا اس بات کو پسند کیا، روایت کے آخری الفاظ کا یہ ترجمہ حافظ عبداللہ صاحب نے کیا ہے۔

قیام اللیل (صفحہ ۹۰) میں اصل الفاظ روایت یہ ہیں: "فسکت عنه و کان شبه الرضيا" اور ان کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ پس آپ نے ان سے سکوت کیا اور وہ بات رضامندی کے مشابہ تھی۔

اس کی نسبت ہماری پہلی گزارش یہ ہے کہ اس روایت کو حافظ عبداللہ صاحب نے قیام اللیل سے نقل کیا ہے اور قیام اللیل میں اس کی سند بعینہٖ وہی ہے، جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کی سند ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، یعنی اس کے بھی ناقل و راوی وہی حضرت عیسیٰ بن جاریہ ہیں جن کا مفصل حال ہم بیان کر چکے ہیں، لہٰذا یہ روایت بھی قابل احتجاج و استدلال نہیں ہے، بلکہ چونکہ عیسیٰ منکر الحدیث ہیں، اور تنہا وہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ان دونوں باتوں کو نقل کرتے ہیں، اس لئے نہایت قوی شبہہ ہوتا ہے، کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ اپنے حافظہ کی

کمزوری کی وجہ سے کبھی یہ بیان کر دیتے ہوں، اور کبھی وہ بہرحال یہ شبہہ چاہے صحیح ہو یا نہ ہو، یہ روایت بھی عیسیٰ بن جاریہ کی وجہ سے قابل وثوق نہیں ہے۔

اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اس روایت کو مولانا عبدالرحمٰن صاحب قیام اللیل سے نہیں نقل کرتے، حالانکہ ان کے استاد حافظ صاحب نے اسی سے نقل کیا ہے، مولانا خوب سمجھتے تھے کہ قیام اللیل سے نقل کرنے میں اس کی اسناد کو صحیح ثابت کرنا پڑے گا، اور یہ ممکن نہیں ہے اس لئے انہوں نے مجمع الزوائد سے نقل کیا، کہ اس میں تو سند مذکور ہوتی نہیں، لہٰذا سند ذکر کرنے اور اس کی صحت ثابت کرنے کا بوجھ نہ پڑے گا، اور چونکہ ہیثمی نے اس کی سند نقل کئے بغیر اس کو حسن کہہ دیا ہے، لہٰذا دوسروں کو مرعوب بھی کر دیا جائے گا کہ دیکھو ہیثمی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ تدبیر کارگر نہیں ہوئی، قیام اللیل سے اس کی سند کا حال زار معلوم ہو گیا، باقی رہی ہیثمی کی تحسین تو صرف دوسروں کو مرعوب کرنے کی چیز ہے، ورنہ درحقیقت مولانا کی تحقیق میں اس میں کوئی جان نہیں ہے، چنانچہ جس طرح یہ حدیث مجمع الزاوائد میں ابویعلی سے منقول ہے اور اس کی اسناد کو ہیثمی نے حسن کہا ہے، اسی طرح سے ایک اور حدیث بھی مجمع الزوائد میں بحوالہ ابویعلی منقول ہے اور اس کی سند کو بھی ہیثمی نے حسن کہا ہے، تو اس موقع پر مولانا فرماتے ہیں:

”لم یذکر النیموی اسنادہ لینظر ولا یطمئن القلب بتحسین الھیثمی فان لہ اوھاما فی مجمع الزوائد وقد تتبع او ھامہ الحافظ ابن حجر فبلغہ فعاقبہ فترك التتبع“[1]

یعنی نیموی نے اس کی اسناد نہیں ذکر کی کہ اس میں نظر کی جاتی اور ہیثمی کی تحسین سے دل مطمئن نہیں ہے، اس لئے کہ ان کو مجمع الزوائد میں بہت وہم ہوا ہے، اور حافظ ابن حجر نے اوہام کو تلاش کے بعد تعقب لکھنا شروع کیا تھا، مگر ہیثمی کو معلوم ہوا تو

---

[1] ابکار المنن: ص ۷۵

وہ ناخوش ہوئے اس لئے حافظ ابن حجر نے تتبع کرنا چھوڑ دیا۔ خدارا انصاف! کہ جب نیموی نے ابویعلی کی ایک روایت کی سند نہیں ذکر کی اور ہیثمی کی تحسین نقل کردی، تب تو آپ نے اس کو یوں رد کردیا، لیکن جب اپنی باری آئی اور آپ نے تحفۃ الاحوذی (جلد۲ صفحہ۷۴) میں ابویعلی کی زیر بحث روایت کو مجمع الزوائد سے بلا سند ذکر کیا، اور کہا کہ ہیثمی نے اس کی اسناد کو حسن کہا ہے، یعنی آپ نے بھی وہی کیا، جو نیموی نے کیا ہے تو کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہوئی۔

ابکار المنن میں دوسرے مواقع پر بھی مولانا نے ہیثمی کی تحسین وتصحیح پر بے اطمینانی اور عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے چنانچہ (صفحہ ۱۹۹) میں لکھتے ہیں "لم يذكر النيموى سند هذا الحديث لينظر ولا يطمئن القلب على تصحيح الهيثمي" یعنی نیموی نے اس حدیث کی سند نہیں ذکر کی اور ہیثمی کی تصحیح پر دل مطمئن نہیں ہوتا۔

ثانیاً: حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کو تراویح سے متعلق قرار دینا محض تحکم اور بالکل بے دلیل ہے، روایت کے کسی ایک لفظ سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ یہ تراویح کا واقعہ ہے بلکہ اس کا گھر کے اندر کا واقعہ ہونا اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ وہ تہجد کا واقعہ ہے لہٰذا اس روایت کو تراویح کی آٹھ رکعتوں کے ثبوت میں پیش کرنے سے پہلے لازم تھا کہ اس کا تراویح ہونا روایت کے کسی لفظ سے ثابت کیا جاتا، مگر افسوس ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔

اس کے بعد مجھ کو بھی یہ گزارش کرنا ہے کہ تراویح تو بالائے طاق یہی محقق نہیں ہے کہ یہ رمضان کا واقعہ ہے اور جس نے اس واقعہ کی روایت میں فی رمضان کا لفظ بول دیا ہے، وہ اپنی طرف سے اضافہ اور اصل روایت سے ایک زائد بات ہے، جو راوی نے اپنی سمجھ سے بڑھادی ہے یعنی اصطلاح محدثین میں فی رمضان کا لفظ اس روایت میں مدرج ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت مسند

احمد (جلد ۵ صفحہ ۱۱۵) (زیادات عبداللہ) میں بھی موجود ہے اور اس میں رمضان کا قطعاً ذکر نہیں ہے، اور مجمع الزوائد میں جس کے حوالہ سے تحفۃ الاحوذی (جلد ا صفحہ ۴۷) میں یہ روایت نقل ہوئی ہے، اس میں یعنی رمضان کا لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رمضان کا نام نہیں لیا تھا عیسیٰ یا اس سے نیچے کا کوئی راوی کہتا ہے کہ جابر کی مراد رمضان سے تھی، لہٰذا جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا، بلکہ نیچے کا کوئی راوی اپنی سمجھ سے ان کا مطلب یہ بیان کرتا ہے تو وہ روایت نہ ہوئی، بلکہ فہم راوی ہوا، جو ہوسکتا ہے کہ صحیح ہو اور ہوسکتا ہے کہ صحیح نہ ہو، بہرحال بحالت موجودہ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رمضان کا یہ واقعہ بتایا ہے۔

اب رہی قیام اللیل کی روایت، تو اس میں بے شک جاء ابی فی رمضان کا لفظ ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ راوی کا تصرف اور ادراج ہے، اس لئے کہ جب سوائے عیسیٰ کے کوئی دوسرا اس واقعہ کا ناقل نہیں ہے، تو دو ہی صورتیں ممکن ہیں، ایک یہ کہ خود انہی نے تین دفعہ تین طرح بیان کیا، تو اس صورت میں چونکہ مجمع الزوائد کی روایت ظاہر کرتی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رمضان کا ذکر نہیں کیا، اس لئے قیام اللیل کی روایت میں فی رمضان کے لفظ کا مدرج ہونا ثابت ہوا، دوسری صورت یہ ہے کہ عیسیٰ نے کوئی ایک صورت اختیار کی ہو یعنی رمضان کہا ہو یا یعنی رمضان کہا ہو، یا کچھ ذکر نہ کیا ہو اور نیچے کے راویوں کے تصرفات سے یہ تین صورتیں پیدا ہوئی ہوں تو اس صورت میں فی رمضان کا لفظ اور بھی مشکوک ہو جائے گا، اور وہ حضرت جابر کا تو درکنار عیسیٰ کا بھی بیان قرار نہ پاسکے گا۔

اہل حدیث کا دوسرا دعویٰ

اہل حدیث کا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی گیارہ ہی کا حکم دیا تھا، اس دعویٰ کی دلیل اہل حدیث کے پاس بجز سائب بن یزید کے ایک اثر کے اور

کچھ بھی نہیں ہے سائب بن یزید کا یہ اثر موطائے امام مالک اور قیام اللیل میں منقول ہے، اور اس کی نسبت ابتدائے رسالہ میں ہم شرح وبسط کے ساتھ یہ دکھا چکے ہیں کہ سائب کے اثر کو ان سے محمد بن یوسف نقل کرتے ہیں، اور محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں، امام مالک یحییٰ قطان، عبدالعزیز بن محمد، ابن اسحاق، اور عبدالرزاق کے استاد (داؤد بن قیس) اور ان پانچوں میں سوائے امام مالک کے کوئی دوسرا یہ بیان نہیں کرتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ کا حکم دیا، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عبدالرزاق کے استاذ تو سرے سے گیارہ کا نام ہی نہیں لیتے، بلکہ وہ اکیس کا عدد ذکر کرتے ہیں، اسی طرح ابن اسحاق بھی گیارہ کے بجائے تیرہ کا عدد ذکر کرتے ہیں، باقی یحییٰ اور عبدالعزیز گیارہ کا عدد ضرور ذکر کرتے ہیں، مگر یہ نہیں کہتے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ کا حکم دیا، بلکہ اس کے بجائے یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابی وتمیم یا ہم لوگ گیارہ پڑھتے تھے، مگر کس کے حکم سے پڑھتے تھے اس کا کوئی ذکر نہیں، ہاں ان دونوں میں سے یحییٰ نے اتنی بات اور کہی ہے کہ ابی اور تمیم پر لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمع کیا تھا، لیکن یہ نہیں کہتے کہ انہی نے گیارہ پڑھنے کو کہا تھا، اور حافظ عبداللہ صاحب جب تک حکم کی تصریح نہ ہو حکم کو تسلیم نہیں کرتے، "رکعات التراویح" میں کئی جگہ انہوں نے اس کو لکھا ہے مثلاً ۱۹ میں یزید بن رومان کے اثر کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ جو لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے وہ بحکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس اثر کے پانچ راویوں کے بیانات میں دو اختلاف پائے جاتے ہیں ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم دینے کی تصریح میں کہ امام مالک تو حکم دینے کی تصریح کرتے ہیں، باقی چار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم دینے کا کوئی ذکر نہیں کرتے، اس اختلاف میں بالکل کھلی ہوئی اصولی بات ہے کہ امام مالک اگرچہ امام اور حافظ ہیں، مگر دوسرے چار راوی بھی اہل حدیث کی تصریحات کے بموجب ثقہ اور حافظ

ہیں، بلکہ ان میں سے یحییٰ تو حافظہ میں امام مالک کی ٹکر کے ہیں، لہٰذا ایک ثقہ حافظ کے مقابلہ میں چار ثقہ حافظوں کا بیان ترجیح پائے گا، اور اس اثر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سرے سے حکم دینا ہی ثابت نہ ہو سکے گا۔ جب تک کہ یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ امام مالک کے علاوہ دوسرے حفاظ اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم دینے کی تصریح نہیں کرتے لیکن جب انہی میں سے بعض کے بیان سے اور دوسری روایتوں سے بھی ثابت ہے کہ حضرت ابی وتمیم کو تراویح کا امام حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نے مقرر کیا تھا، اور انہی نے لوگوں کو ان دونوں کی اقتداء پر جمع کیا تھا، تو حق وصواب یہی معلوم ہوتا ہے کہ رکعات تراویح کی تعیین بھی انہی کے حکم سے ہوئی ہوگی، اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم بے شک ثابت ہو جائے گا اور رواۃ کا یہ اختلاف ختم ہو جائے گا لیکن دوسرا اختلاف پھر بھی باقی رہے گا، اور وہ اختلاف عدد کے ذکر کرنے میں ہے۔

اس اختلاف میں ابن اسحاق جو خود راوی اثر ہیں، انہوں نے تیرہ کو ترجیح دی ہے، اور کہا ہے یہی سائب کا بیان قرار پانے کا مستحق ہے، اس لئے کہ حضرت کی نماز شب کا عدد بھی تیرہ تھا۔[1]

اور ابن عبدالبر مالکی نے اکیس کو ترجیح دی ہے، اور گیارہ کو وہم قرار دیا ہے لہٰذا اس اثر سے گیارہ کے عدد کا ثبوت بھی نہ ہو سکے گا، الا یہ کہ گیارہ کی ترجیح کسی محدث سے ثابت کی جائے یا تینوں میں تطبیق کی راہ اختیار کی جائے، اور ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں، کہ اگلے محدثین میں کسی ایک محدث سے ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے تیرہ اور اکیس کے مقابل میں گیارہ کو ترجیح دی ہے، ....

....محدثین نے ترجیح اگر دی ہے تو تیرہ یا اکیس کو ورنہ یوں تطبیق دی ہے کہ پہلے گیارہ رکعتیں تھیں بعد میں اضافہ کر دیا گیا۔[2]

---

[1] رکعات التراویح: ص ۱۸

[2] مصابیح: ص ۴۴، وزرقانی شرح موطا و تحفۃ الاحبار ص ۱۹۱

پس اس تقدیر پر بھی حصر کے ساتھ یہ کہنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ ہی کا حکم دیا تھا، غلط ہو جائے گا، اور اس دعویٰ کی دلیل میں اس اثر کو پیش کرنا محض مغالطہ دینا، اور عوام کی ناواقفیت سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے۔

یہ ہے حقیقت اس اثر کی جس کو نہایت زور شور سے بیس کی مخالفت میں پیش کیا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ ہی کا حکم دیا تھا، ناظرین انصاف سے بتائیں کہ مذکورہ بالا اختلاف رواۃ کے ہوتے ہوئے حصر کے ساتھ یہ دعویٰ کرنے میں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ ہی کا حکم دیا ہے، محدثانہ احتیاط کی نہیں بلکہ منصفانہ طرز گفتگو کی کوئی معمولی سی جھلک بھی نظر آتی ہے؟

ابھی تک ہماری گفتگو صرف محمد بن یوسف کے طریق کو سامنے رکھ کر تھی، لیکن جب ہم سائب بن یزید کے دوسرے شاگرد یزید بن خصیفہ کے بیان کو بھی سامنے رکھتے ہیں، تو ہم کو اہل حدیث کی اس بے باکی اور جرأت پر اور بھی تعجب ہوتا ہے کہ حصر کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف گیارہ کا حکم دینے کی نسبت کیونکر کی گئی، اور یزید بن خصفیہ والی سائب کی اس روایت کو جس میں کوئی ادنیٰ اختلاف رواۃ نہیں ہے، کس طرح نظر انداز کیا گیا، اور اس کے مقابلہ میں محمد بن یوسف والی سائب کی اس روایت پر اپنے دعویٰ کی بنیاد کیونکر رکھی گئی، جس میں مذکورہ بالا اختلاف رواۃ موجود ہے۔

سائب کا بیس والا اثر

یزید بن خصفیہ کی یہ روایت سنن کبری بیہقی (جلد۲ صفحہ۴۹۶) میں سند و متن کے ساتھ یوں مذکور ہے:

”قد اخبرنا ابو عبداللّٰہ الحسین بن محمد بن الحسین بن فنجویہ الدینوری بالدامغان ثنا احمد بن محمد بن اسحاق السمی ثنا عبداللّٰہ بن محمد بن عبدالعزیز

البغوی ثنا علی بن الجعد انا ابن ابی ذئب عن یزید بن خصیف عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالٰی عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة“

یعنی یزید بن خصیفہ سائب بن یزید سے ناقل ہیں، سائب فرماتے ہیں کہ عہد فاروقی میں ان کے زمانہ کے لوگ رمضان میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

اس اثر کی سند کو امام نووی، امام عراقی اور سیوطی وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے۔[1]

اس روایت میں یزید کے شاگرد ابن ابی ذئب ہیں، اور یہی بات یزید سے ان کے دوسرے شاگرد محمد ابن جعفر نے بھی نقل کی ہے، اور وہ روایت بیہقی کی دوسری کتاب معرفۃ السنن والآثار میں ہے اس کی سند کو علامہ سبکی نے شرح منہاج اور علی قاری نے شرح موطا میں صحیح قرار دیا ہے۔[2]

دیکھئے یزید کے دونوں شاگرد متفق اللفظ ہو کر یزید سے اور یزید حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ عہد فارقی میں بیس پڑھتے تھے، برخلاف محمد بن یوسف کے کہ ان کے پانچ شاگرد سائب کا بیان پانچ طرح نقل کرتے ہیں، ایسی حالت میں اصول وانصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ یزید کی روایت پر اعتماد کیا جاتا، اور اہل حدیث کے وجود سے قبل اسی پر اعتماد کیا گیا، مگر حضرات اہل حدیث نے محمد بن یوسف کی مختلف فیہ اور مشکوک روایت پر اعتماد کر کے انصاف کا جنازہ نکال دیا۔

اس پر مزید ستم یہ کہ الٹے یزید کی روایت کو غایت بے باکی اور بے انصافی سے ناقابل استدلال قرار دیا، چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے سنن کبری کی روایت پر تو یہ کلام کر دیا کہ اس کی اسناد میں پہلا راوی ابوعبداللہ بن فنجویہ دینوری

---

[1] تحفة الاخیار: ص ۱۹۲ ارشاد الساری ص تحفة الاحوذی: ص ۷۵ و مصابیح ص ۴۲

[2] تحفة الاحوذی: ۷۵/۲

ہے، اور میں اس کے حال سے آگاہ نہیں ہوں جو اس اثر کی صحت کا مدعی ہو تو اس راوی کا ثقہ ہونا ثابت کرے باقی نیموی نے جو یہ لکھا ہے کہ یہ ابوعبداللہ بڑے محدثوں میں ہیں، ان کے جیسے محدثوں کی نسبت یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ وہ کیسے ہیں، تو بڑے محدث ہونے سے ثقہ ہونا لازم نہیں آتا۔[1]

مجھے مولانا کی اس غفلت اور جرأت دونوں پر سخت تعجب ہے، مولانا اگر ابن فنجویہ جیسے مشہور حافظ حدیث سے ناواقف تھے، اور ان کے حالات سے ان کو قطعاً بے خبری تھی جیسا کہ انہوں نے خود اقرار کیا ہے تو کیا وہ اس بات سے بھی بے خبر تھے، کہ جو لوگ علمی حلقہ میں معلوم و متعارف ہوں اہل علم کی مجلسوں میں انہوں نے طلب علم و استفادہ کیا ہو، اور اس کے بعد لوگ عام طور پر ان سے استفادہ اور اخذ و روایت کرتے ہوں، اور لوگوں میں ان کی عدالت وثقاہت شہرت عام رکھتی ہو، ایسے حضرات کی نسبت یہ سوال جائز نہیں ہے کہ وہ ثقہ بھی ہیں، یا نہیں بلکہ ان کی ثقاہت و عدالت کی شہرت یا دوسرے لفظوں میں اہل علم کے درمیان ان کی مقبولیت ان کے ثقہ ہونے کی ایسی دستاویز ہے جس کے مقابلہ میں ایک یا دو ماہروں کی یہ شہادت کہ وہ ثقہ ہیں کوئی قیمت نہیں رکھتی، اصول حدیث کا یہ ایسا مشہور مسئلہ ہے کہ کسی طرح یقین نہیں آتا کہ مولانا اس سے بے خبر ہوں گے؟

فان كنت لا تدرى فتلك مصيبة
وان كنت تدرى فالمصيبة اعظم

سنئے اصول حدیث کی مشہور کتاب مقدمہ ابن الصلاح میں ہے:

”عدالت الراوى تارةً تثبت بتنصيص المعدلين على عدالته وتارة تثبت بالاستفاضة فمن اشتهرت عدالته بين اهل النقل او نحو هم من اهل العلم وشاع الثناء

[1] تحفة الاحوذی: ۲/۷۵

علیه بالثقة والامانة استغنی فیه بذلك عن بینة شاهدة بعدالته تنصیصاً هذا هو الصحیح فی مذهب الشافعی وعلیه الاعتماد فی فن اصول الفقه وممن ذکر ذلك من اهل الحدیث ابوبکر الخطیب الحافظ"[1]

اور حافظ ابوبکر خطیب بغدادی نے کفایہ میں ایک مستقل باب اس کے لئے قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے "باب المحدث المشهور بالعدالة والثقة والامانة لا یحتاج الی تزکیة المعدل" میں اس باب کے جستہ جستہ فقرے نقل کرتا ہوں، لکھتے ہیں "انما یسأل عن عدالة من کان فی عداد المجهولین او اشکل امره علی الطالبین" سوال اس کی عدالت سے ہوگا جو مجہولوں کے شمار میں ہو، اور یا اس کا معاملہ پیچیدہ ہو، اور فرماتے ہیں "الشاهد والمخبر انما یحتاجان الی التزکیة متی لم یکونا مشهوری العدالة والرضا وکان امرهما مشکلا ملتبسا مجوزا فیه العدالة وغیرها" (یعنی گواہ اور راوی صفائی کے محتاج اس وقت ہیں جب ان کی عدالت اور پسندیدگی عام نہ ہو بلکہ ان کا معاملہ پیچیدہ اور مشتبہ ہو، اور ان کے حق میں عدالت وغیر عدالت دونوں تجویز کی جاتی ہو) آگے فرماتے ہیں: "والدلیل علی ذلك ان العلم بظهور سترهما واشتهار عدالتهما القوی فی النفوس من تعدیل واحد واثنین یجوز علیهما الکذب والمحاباة فی تعدیلة الخ" یعنی اس کی دلیل یہ ہے کہ شاہد وراوی کی برائیوں پر عام طور سے پردہ پڑا رہنا، اور ان کی عدالت کا شہرت پانا ایک یا دو شخصوں کی تعریف کرنا اور عادل کہنے سے کہیں زیادہ قوی اور دل میں موثر ہے، کیونکہ ان ایک یا دو کی نسبت امکان ہے کہ غلط کہتے ہوں یا رعایت کی بنا پر تعریف کرتے ہوں۔

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح: ص ۴۰

بلکہ حافظ ابوعمرو بن عبدالبر نے تو اور توسیع کر کے یہاں تک کہہ دیا کہ ”کل حامل علم معروف العناية به فهو عدل محمول فی امره ابدا علی العدالة حتی یتبین جرحه“ [۱]

یعنی ہر صاحب علم جس کا اشتغال علم کے ساتھ معروف ہو عادل ہے اور ہمیشہ عادل قرار دیا جائے گا جب تک اس پر جرح ثابت نہ ہو۔

بہر حال اتنا نہیں تو اس قدر ماننے سے تو کسی محدث کو چارۂ کار نہیں ہے جتنا کہ ابن الصلاح اور خطیب نے لکھا ہے۔

جب یہ ثابت ہو چکا تو اب سنئے کہ ابن فنجویہ کی علمی شہرت اور محدثین میں ان کی مقبولیت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت چاہئے کہ وہ بھی سنن نسائی کے اس نسخہ کے جو ہندوستان میں متداول ہے ایک راوی ہیں جنہوں نے ابن السنی سے اس کو سنا ہے، (مشتبہ ذہبی) اور ذہبی نے ۴۱۴ھ میں مرنے والے مشاہیر کے ضمن میں ان کا ذکر یوں کیا ہے ”والمحدث ابو عبداللّٰہ الحسین بن محمد بن الحسین بن عبداللّٰہ بن فنجویه الثقفی الدینوری نیشا بوری“ [۲]

اور ابن الاثیر جزری نے لکھا ہے ”عرف بها ابو عبداللّٰہ الحسین بن محمد بن الحسین بن فنجوية الفنجوئی الدینوری الحافظ روی عن ابی الفتح محمد بن الحسین الازدی الموصلی وابی بکر بن مالك القطعی وغیرهما روی عنه ابو اسحق الثعلبی فاكثر فی تفسیره ویذكر كثیرا فیقول اخبرنا الفنجوئی“ یعنی اس نسبت فنجوی کے ساتھ حافظ ابوعبداللہ حسین رحمۃ اللہ علیہ مشہور و معروف ہیں، وہ ابوالفتح ازدی اور ابوبکر قطیعی سے حدیثیں روایت کرتے ہیں، اور ان سے ابواسحٰق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں بکثرت روایت کی ہے۔

---

[۱] المقدمہ: ص ۴۰ [۲] ۲۴۴/۳

اور سمعانی نے برہان دینوری کے شاگردوں میں ان کا نام لیا ہے اور امام بیہقی نے سنن میں ان سے بکثرت روایت کی ہے۔

کیا ان تفصیلات کے بعد بھی کسی میں جرأت ہے جو یہ کہہ سکے کہ بڑا محدث ہونے سے ثقہ ہونا لازم نہیں آتا۔

اس کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ابن فنجویہ کی نسبت لکھنے کو تو مولانا یہ لکھ گئے، لیکن اگر ان کے اصول پر عمل شروع کر دیا جائے تو صحیحین کی بہت سی حدیثوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا، اور نہ معلوم کتنی ایسی روایات نکل آئیں گی جن کو ناقابل استدلال کہنا پڑے گا، شاید مولانا اس سے بھی آگاہ نہیں تھے کہ مالک بن الخیر زبادی پر ابن القطان نے یہ کلام کر دیا کہ اس کی عدالت ثابت نہیں یعنی صراحۃً اس کو کسی نے ثقہ نہیں کہا ہے، تو حافظ ذہبی (وہی حافظ ذہبی جو نقد رجال میں اہل استقراء تام سے ہیں) نے ابن القطان کا یوں رد کیا کہ "فی رواة الصحیحین عدد کثیر ما علمنا ان احدانص علی توثیقهم والجهور علی ان من کان من المشائخ قد روی عنه جماعة ولم یات بما ینکر علیه ان حدیثه صحیح"[1]

یعنی صحیحین کے راویوں میں ایک بڑی تعداد[2] ایسے راویوں کی ہے، جن کو ہمارے علم میں کسی نے صراحۃً ثقہ نہیں کہا، اور جمہور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ مشائخ حدیث میں سے جس سے ایک جماعت روایت کرے، اور وہ ایسی بات بیان نہ کرے جو اس کے دوسرے ساتھیوں کے بیان کے خلاف اور منکر ہو، تو اس کی حدیث صحیح ہے امام ذہبی نے اسی طرح کی بات (جلد ا صفحہ ۲۶۰) میں بھی کہی ہے۔

---

[1] میزان: ۳/۳

[2] مثلاً اسید بن زید جن کی نسبت حافظ ابن حجر نے لکھا ہے "لم ار لا حدفیه توثیقا" یعنی میں نے ان کے حق میں کسی کی توثیق نہیں دیکھی اس کے باوجود ان کی روایت صحیح بخاری میں موجود ہے ۱۲ منہ

بہر حال ذہبی کے اس فیصلہ کی رو سے بھی ابن فنجویہ کی روایت صحیح ہے، اس لئے کہ وہ مشائخ حدیث میں سے ہیں، ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے جن میں ابوبکر اور ابواسحق ثعلبی شامل ہیں، اور ان کے کسی ساتھی کا بیان ان کے بیان کے خلاف منقول نہیں ہے، بلکہ یزید کے دوسرے شاگرد کی روایت سے ان کی روایت کی تائید ہوتی ہے، تو ذہبی کے فیصلہ کی بنا پر ابن فنجویہ کے روایت کے صحیح ہونے میں کیا شبہہ رہ جاتا ہے۔

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ابن الصلاح نے یہ تصریح کر دی ہے کہ مشائخ حدیث کے حق میں جو شرطیں پہلے معتبر تھیں، ان سب کا لحاظ پچھلے دور کے مشائخ میں کوئی نہیں کرتا، بلکہ اتنے پر اکتفاء کی جاتی ہے کہ شیخ مسلمان عاقل بالغ ہو کھلم کھلا فسق اور بے عقلی اس کا شیوہ نہ ہو، جن نوشتوں کو اس نے سنا ہے وہ مشکوک نہ ہو اور وہ ان کا ضابطہ ہو اور وہ نوشتہ اس کے شیخ کی اصل کے مطابق ہو، اور ابن الصلاح نے لکھا ہے کہ ہم سے پہلے اس طرح کی بات امام بیہقی بھی لکھ چکے ہیں۔[1]

نیز ابن الصلاح نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی بہت سی مشہور کتابوں میں بھی بہتیرے رواۃ کے بارے میں جن کا زمانہ بہت پہلے گزرا ہے، اور ان کا باطنی حال معلوم ہونا ناممکن سا ہو گیا ہے اسی پر عمل کیا گیا ہے کہ اگر ان سے دو شخصوں نے روایت کی ہے، تو کوئی ان کے ثقہ ہونے کی تصریح کرے، یا نہ کرے اس کی روایت قبول کرتے ہیں۔[2]

اور سب سے آخر میں یہ کہ ابن الاثیر نے ابن فنجویہ کے تذکرہ میں ان کو حافظ کہا ہے اور سخاوی کی تصریح کے بموجب یہ الفاظ توثیق میں سے ہے، لہٰذا صراحۃً بھی ابن فنجویہ کی توثیق ثابت ہو گئی۔

ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے ابن فنجویہ کی روایت کو ناقابل استدلال کہنا

---

[1] ابن الصلاح: ص ۴۶ [2] ابن الصلاح: ص ۴۳

سوائے اس کے کہ غفلت پر مبنی کہا جائے اور اس کو ایک بے جا جرأت قرار دیا جائے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے معرفۃ السنن کی روایت پر دو طریق سے کلام کیا ہے ایک یہ کہ اس میں ایک راوی ابو طاہر ہیں جن کی نسبت ہم کو علم نہیں ہے کہ کسی نے ان کی توثیق کی ہے، دوسرے ابو عثمان ہیں جن کا تذکرہ ہم کو کسی کتاب میں نہیں ملا۔

ان راویوں پر مولانا کا اعتراض بعینہ وہی ہے جو ابن فنجویہ پر تھا، لہٰذا اس کا جواب بھی وہی ہے جو ابن فنجویہ کی طرف سے دیا جا چکا ہے، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے لیکن ہم مولانا کے اس جمود یا تعصب پر اظہار افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ جانتے، اور تسلیم کرتے ہوئے کہ ابو طاہر کو عبدالغافر اور سبکی وغیرہ نے امام اصحاب الحدیث اور امام المحدثین والفقہاء کہا ہے کس دیدہ و دلیری سے کہتے ہیں کہ اس سے اس کا ثقہ ہونا لازم نہیں آتا، کاش کوئی بتائے کہ محدثین نے ان کو اپنا امام تسلیم کیا، اور اہل نیشاپور نے ان کو منصب افتاء و مشیخت تفویض کیا، تو کیا یہ ان کی عدالت و ثقاہت اور فقہاء و محدثین کے ان پر کلی اعتماد کی دلیل نہیں ہے، اگر کوئی جرأت کر کے نفی میں جواب دے، تو میں بھی بلا خوف تردید کہتا ہوں کہ جب خواص و عوام اور محدثین و فقہاء کے اندر اس قدر مقبولیت و اعتماد حاصل ہونے سے بھی ثقہ ہونا لازم نہیں آتا، تو کسی ایک یا دو کے ثقہ کہہ دینے سے بطریق اولی ثقہ ہونا لازم نہ آئے گا کیونکہ جب اس جم غفیر کے عملی اظہار اعتماد سے کچھ نہیں ہوتا، تو صرف دو یا ایک کے قولی اظہار اعتماد سے کیا ہو سکتا ہے، کیا اتنے لوگ جن میں محدثین و فقہاء سب شامل ہیں کسی غیر ثقہ کو امام محدثین بنا سکتے ہیں مفتی شہر قرار دے سکتے ہیں اور اس کو شیخ تسلیم کر سکتے ہیں، تو ایک یا دو آدمی کسی غیر ثقہ کو غلط بیانی کر کے یا کسی مطلب کے لئے رو رعایت سے ثقہ نہیں کہہ سکتے؟ خطیب نے اسی بات کو کفایہ

(صفحہ ۸۷) میں بایں الفاظ لکھا ہے:

"والدليل على ذلك ان العلم بظهور سترهما واشتهار عدالتهما اقوى فى النفوس من تعديل واحدو اثنين يجوز عليهما الكذب والمحاباة فى تعديله واغراض داعية لهما الى وصفه بغير صفة وبالرجوع الى النفوس يعلم ان ظهور ذلك من حاله اقوى فى النفس"

اس کے سوا ایک اور بات بھی قابل تعجب و افسوس ہے، معلوم ہوتا ہے مولانا کو وہ تمام الفاظ وعبارات مستحضر نہیں ہیں، جن سے ایک اور راوی کی توثیق ہوتی ہے، اور یہ وہ سمجھتے ہیں کہ ثقہ ثبت اور حجت جیسے معروف و مشہور الفاظ ہی سے توثیق ہوتی ہے اگر ایسا ہے تو یہ سخت غلط فہمی اور بے خبری ہے، توثیق انہی الفاظ میں منحصر نہیں ہے حافظ سخاوی نے فتح المغیث میں اور سندی نے شرح نخبہ میں عبارات توثیق کے چھ درجے قائم کئے ہیں، اور ہر درجہ میں کئی کئی لفظ لکھے ہیں، از انجملہ چوتھے درجہ میں ثقہ، ثبت اور حجۃ کے ساتھ لفظ امام اور حافظ کو بھی الفاظ توثیق میں شمار کیا ہے، فرماتے ہیں:

"ثم ما انفرد فيه بصيغة دالة على التوثيق لثقة او ثبت او كازر محصف او حجة او امام او ضابط او حافظ"[1]

اس گزارش کے بعد میں چاہتا ہوں کہ محدثین نے ابو طاہر کے حق میں جو کہا ہے اس کو اپنے سامنے رکھ کر پوچھوں کہ کیا الفاظ امام اصحاب الحدیث اور امام المحدثین والفقہاء سے ابو طاہر کا ثقہ ہونا ثابت نہیں ہوتا؟ اور اس کا انکار تعصب اور بے خبری نہیں ہے؟

سنئے علامہ حافظ تاج الدین سبکی طبقات الشافعیہ (جلد ۳ صفحہ ۸۲) میں فرماتے

---

[1] سخاوی و سندی بحوالہ الرفع و التکمیل: ص ۱۳

ہیں:

”الفقیہ الشیخ ابو طاہر الزیادی امام المحدثین والفقہاء بنشیا بور فی زمانہ وکان شیخا ادیبا عارفا بالعربیہ سلمت الیہ الفقہاء الفتیاء بمدینة نیسا بور والمشیخة“

اور اسی کتاب میں ہے کہ عبدالغافر ابو طاہر کی نسبت کہا ہے کہ ”امام اصحاب الحدیث بخراسان وفقیھم بالاتفاق بلا مدافعة“ (وہ پورے خراسان کے بالاتفاق وبلا اختلاف امام اصحاب الحدیث اور فقیہ تھے)۔[1]

حیرت کی بات ہے کہ ایک شخص کسی راوی کو امام کہہ دے تو ازروئے اصول حدیث کی توثیق ہو جاتی ہے لیکن پورا خراسان ابو طاہر کو صرف امام نہیں، اصحاب الحدیث بالاتفاق تسلیم کرے، تو مولانا کے نزدیک ان کا ثقہ ہونا لازم نہیں آتا۔

ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

اب رہے ابوعثمان بصری تو معلوم ہے کہ ان کا نام عمرو بن عبداللہ ہے اور امام ابو طاہر کے علاوہ ان سے الحسن بن علی بن مؤمل بھی روایت کرتے ہیں، اور روایت زیر بحث کے علاوہ ان کی متعدد روایتیں سنن کبری میں موجود ہیں، اور محدثین میں سے کسی شخص نے ان کی تضعیف نہیں کی ہے، زیادہ سے زیادہ ان کی نسبت اتنی بات کہی جاسکتی ہے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ ان کو کسی نے صراحۃً ثقہ کہا ہے تو میں ذہبی کے حوالہ سے ثابت کر چکا ہوں کہ ایسے راوی تو صحیحین میں بھی بکثرت ہیں، مگر جمہور نے ان کی روایات کو صحیح تسلیم کیا ہے، اس اصول سے ابوعثمان کی روایت بھی صحیح ہے اور مذکورہ بالا بنیاد پر اس کو مجروح قرار دینا تعصب وتحکم ہے۔

آخر میں ایک بات اور رہی جاتی ہے وہ یہ کہ اگر بالفرض معرفۃ السنن کی یہ روایت ضعیف بھی ہو تو چونکہ وہ سنن کبری میں دوسرے طریق سے مروی ہے، اس

---

[1] طبقات الشافعیہ: ۳/۸۳

لئے خود مولانا ہی کی تصریح کے بموجب اس کا ضعف دفع ہو جائے گا، مولانا ابکار المنن (صفحہ ۱۷۴، ۱۷۵) میں لکھتے ہیں:

"ھذا لحدیث وان کان اسنادہ ضعیفا لکنہ منجبر بتعدد طرقہ"

مولانا نے دوسرا اعتراض اس روایت پر یہ کیا ہے کہ وہ سنن سعید و موطائے مالک کی گیارہ والی روایت اور ابن اسحاق کی ۱۳ والی روایت کی معارض ہے۔

مولانا کا یہ اعتراض بھی تعصب اور اپنی بات کی بے جا پاس سے خالی نہیں ہے، اس لئے کہ گیارہ اور تیرہ والی روایتیں بھی تو باہم متعارض ہیں، اور ہر ایک دوسرے کے خلاف ہے تو جب ان میں کوئی بھی دوسری کی معارض ہوتے ہوئے مجروح و ساقط نہیں ہوئی تو بیس والی اس بنیاد پر کیوں مجروح و ساقط ہوگی؟ اور اگر آپ ان دونوں کے تعارض کو کسی تاویل کے بھروسہ پر کالعدم سمجھتے ہیں، مثلاً یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ تیرہ والی روایت کے کسی لفظ سے تو معلوم نہیں ہوتا، مگر احتمال عقلی ہے کہ اس میں دو رکعتیں سنت عشا کی شامل ہوں تو اس احتمال کے بموجب اس میں تراویح کی رکعتیں گیارہ ہی ہوئیں، اور اس طرح وہ گیارہ والی روایت کے مخالف نہ رہی، تو گزارش ہے کہ گیارہ اور تیرہ کے تعارض کو کسی تاویل و احتمال عقلی سے دفع کرنا آپ کے لئے جائز ہے تو دوسروں کے حق میں اسی نوعیت سے گیارہ اور بیس کے تعارض کو دفع کرنا کیوں ناجائز ہے، اور اگر آپ گیارہ اور تیرہ کے تعارض کو تاویل سے کالعدم قرار دے سکتے ہیں، تو آپ سے کہیں زیادہ اعلم بالحدیث امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں گیارہ اور بیس کے تعارض کو بھی کالعدم قرار دیا ہے، اور وہ آپ کے علم میں ہے، پھر آپ نے یہ جانتے ہوئے تعارض کا دعویٰ کیوں کیا؟ کیا یہ تعصب اور عوام کو مغالطہ میں ڈالنا نہیں ہے؟

امام بیہقی نے پہلے گیارہ والی ایک روایت کو نقل کر کے لکھا ہے "ھکذا فی ھذہ الروایۃ" (یعنی اس روایت میں اسی طرح ہے، اس کے بعد بیس والی

دو روایتوں کو نقل کر کے لکھا ہے:

"ویمکن الجمع بین الروایتین فانهم کانوا یقومون باحدی عشرة ثم کانوا یقومون بعشرین ویوترون بثلاث"[1]

یعنی (گیارہ اور بیس کی) دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہے پس بے شک وہ لوگ پہلے گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے اس کے بعد بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھنے لگے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری صرف یہی نہیں کہ بیہقی کی اس تطبیق و دفع تعارض سے واقف ہیں، بلکہ تحفۃ الاحوذی (جلد۲ صفحہ ۷۶) میں اس کو انہوں نے نقل بھی کیا ہے اور امکان تطبیق و دفع تعارض پر کوئی اعتراض بھی نہیں کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان کو یہ امکان تسلیم ہے، پھر بھی انہوں نے بیس والی روایت پر اعتراض کر دیا، کہ وہ گیارہ والی کے معارض ہے، شاید اس لئے کہ جواب کا نام ہو جائے چاہے کام ہو یا نہ ہو۔

جب بیہقی کی تطبیق کا ذکر آ گیا ہے تو اسی جگہ یہ بھی ذکر کرتا چلوں تو اچھا ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن نے امکان تطبیق پر تو کوئی اعتراض نہیں کیا، لیکن اس پر اعتراض کیا ہے کہ تطبیق کی یہی صورت کیوں اختیار کی جائے، کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ لوگ (عہد فاروقی کے صحابی و تابعین) پہلے بیس پڑھتے تھے۔ اور اب بعد میں گیارہ پڑھنے لگے تھے، اور یہی ظاہر ہے اس لئے کہ گیارہ ہی پر عمل اس چیز کے مطابق ہے جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے اور بیس پر عمل اس کے مخالف ہے۔[2]

اور حافظ صاحب رکعات تراویح (صفحہ ۲۳) میں فرماتے ہیں:

''اس کا کیا ثبوت ہے کہ گیارہ کا حکم پہلے ہے اور بیس کا پیچھے، کیوں نہیں

---

[1] سنن کبری: ۴۹۶/۲ [2] تحفة الاحوذی: ۷۶/۲

جائز ہے کہ بیس ہی کا حکم پہلے ہو اور گیارہ کا حکم پیچھے۔"

اس کے متعلق ہماری گزارش یہ ہے کہ کوئی ہوش مند اور ذی علم یہ نہیں کہہ سکتا، اور اگر کوئی مولانا اور حافظ صاحب کی شہ پا کر یہ کہنے کی جرات کر بیٹھے تو وہ واقعات و روایات کی روشنی میں بالکل ناقابل قبول ہے، اس لئے کہ خلاف عقل ہونے کے ساتھ وہ خلاف واقعہ بھی ہے خلاف عقل اس لئے کہ عہد فاروقی میں گیارہ پڑھنے کا ذکر سائب کے سوا کوئی دوسرا نہیں کرتا نہ سائب کی روایت کے سوا کسی ایک روایت سے عہد فارقی میں یا اس کے بعد کسی صحابی یا تابعی کا گیارہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

اور لطف یہ ہے کہ سائب کی بھی اس روایت میں گیارہ کے ذکر کرنے پر اکتفاء نہیں ہے بلکہ حافظ اور ثقہ راویوں کا اختلاف ہے کہ اس روایت میں گیارہ کا ذکر ہے یا تیرہ کا یا اکیس کا لہٰذا بیس والی (جس کے سب راوی بیس کے ذکر پر متفق ہیں اور اس کی تائید دوسری بہت سی روایتوں سے ہوتی ہے) کے مقابل میں باقاعدہ سے تو گیارہ کا وجود ہی تسلیم کرنا مشکل ہے چہ جائیکہ اسی کو مستقل معمول (دیرپا اور آخری معمول جو پھر بدلا نہیں گیا) قرار دیا جائے اس کے ساتھ یہی رعایت بہت ہے کہ کسی درجہ میں اس کا وجود مان کر یہ کہہ دیا جائے کہ شروع میں عارضی طور پر اس پر عمل ہوا۔

اور خلاف واقعہ اس لئے کہ بیہقی نے جو تطبیق ذکر کی ہے وہ احتمال عقلی کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ واقعات کی بنیاد پر ہے یعنی ان کے نزدیک واقعۃً یہی تاریخی ترتیب ہے کہ پہلے گیارہ پر اور بعد میں بیس پر عمل ہوا، چنانچہ ان کا لفظ "فانهم كانوا يقومون الخ" ہے، بیہقی یہ نہیں کہتے کہ ممکن ہے پہلے گیارہ پڑھتے ہوں بعد میں بیس پڑھنے لگے ہوں، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ بتحقیق وہ پہلے گیارہ پڑھتے تھے، بعد میں بیس پڑھنے لگے، چنانچہ بیہقی نے ایک اور مقام پر لکھا ہے، "كان عمر امر بهذا العدد زمانا ثم كانوا يقومون على عهده بعشرين ركعة"[1]

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ دنوں تک اسی عدد (گیارہ) کا حکم دیا تھا، پھر بعد میں انہی کے عہد میں لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے، بیہقی کے علاوہ مالکیہ میں ابن خبیب بھی اس کو احتمال عقلی نہیں بلکہ واقعہ بتاتے ہیں فرماتے ہیں:

"انها كانت اولا احدى عشرة ركعة الا انهم كانوا تطيلون القراء ة فيه فثقل ذلك عليهم فزادوا فى عدد الركعات وخففوا القراء ة وكانوا يصلون عشرين ركعة غير الوتر"[1]

یعنی پہلے گیارہ رکعت تھی، مگر لوگ قراءت لمبی کرتے تھے، تو یہ گراں ہوا، اس لئے رکعتوں کی تعداد میں اضافہ اور قراءت میں تخفیف کر دی، اور لوگ وتر کے سوا بیس رکعت پڑھتے تھے۔

ظاہر ہے کہ محض ظن وتخمین سے کوئی چیز واقعہ نہیں بن سکتی اور بیہقی وابن حبیب کسی چیز کے واقعہ ہونے کا دعویٰ بلا دلیل وثبوت محض احتمال عقلی سے نہیں کر سکتے، اس لئے ان کے علم میں اس کا ثبوت ہوگا، وہ ثبوت اگرچہ ہمیں معلوم نہیں، مگر ہمارے پاس بہت سے قرائن وشواہد موجود ہیں جس سے ان کی تصدیق ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے جو واقعہ بیان کیا ہے وہی واقعہ ہے منجملہ ان قرائن کے ایک قرینہ یہ ہے کہ اگر بیس پر عمل پہلے اور گیارہ پر عمل بعد کو ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بیس پر عمل محض عارضی اور چند روزہ تھا، اور گیارہ پر عمل ا خری اور مستقل اور دیرپا تھا، تو سوال ہوتا ہے کہ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ جو عمل آخری تھا اور زیادہ دنوں باقی رہا، اس کا تو سوائے ایک مختلف فیہ اور مشکوک روایت کے کہیں ذکر نہیں ملتا، اور اس کے مقابل میں جو عارضی اور چند روزہ تھا، اور اسی عہد میں بعد کو متروک ومہجور بھی ہوگیا، اس کا ذکر روایات میں بکثرت آتا ہے، خود سائب تو بیس کا

[1] تحفة الخيار: ص ۱۹۲

ذکر کرتے ہی ہیں ان کے علاوہ تابعین میں یزید بن رومان یحییٰ بن سعید، اور عبدالعزیز بن رفیع عہد فاروقی میں بیس ہی پڑھنے کا ذکر کرتے ہیں۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اگر گیارہ پر عمل بعد کو ہوا ہوتا تو معمولی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ عہد فاروقی کے بعد وہی متوارث ہوتا، اور طبقۃً بعد طبقۃٍ (یا نسلاً بعد نسلٍ کہہ لیجئے) اسی پر عمل درآمد ہوتا، مگر عہد فاروقی کے بعد گیارہ پر عمل کا کہیں وجود نہیں ملتا، بلکہ اس کے برخلاف حضرت عثمان[1] رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی برابر بیس یا بیس سے زائد پر عمل پایا جاتا ہے جیسا کہ ابتداء میں مفصل طور پر بتایا جا چکا ہے۔

پس جب بیہقی کے خلاف کوئی یہ کہے گا کہ واقعہ یوں نہیں بلکہ یوں تھا کہ پہلے بیس اور بعد میں گیارہ پڑھتے تھے، تو اس کو ثبوت پیش کرنا پڑے گا، اور بتانا پڑے گا کہ کہاں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے کم از کم اس کو بیہقی اور ابن حبیب ہی کے کسی ہمعصر محقق کا نام لینا پڑے گا اور اگر یہ نہ کر سکے گا اور دعویٰ کر دے گا تو ایک غلط بیانی کا مرتکب اور ایک بے بنیاد بات کو واقعہ قرار دینے والا مجرم قرار پائے گا۔

فَائِدَة: ہم نے جواب نمبر ۱ میں گیارہ پر عمل کو محض عارضی اور چند روزہ قرار دیا ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے تراویح کا ذکر کرتے ہوئے جب یہ کہا ہے کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی کو امام بنایا، تو وہاں گیارہ رکعت پڑھنے کا قطعاً ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اس کے بجائے ابی کے بیس رکعت پڑھانے کا ذکر کیا ہے۔

اب غور کیجئے اگر بیس پر عمل چند دن رہ کر ختم ہو گیا ہوتا اور گیارہ پر مستقل عمل ہوا

---

[1] بیہقی میں حضرت عمر کے عہد میں بیس پڑھنے کی جو روایت ہے، اسی روایت کے آخر میں یہ فقرہ بھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ شدتِ قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے جب بیس کے ذکر کے سلسلہ میں یہ فقرہ مروی ہے، تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد عثمانی میں بھی لوگ بیس ہی پڑھتے تھے، دونوں عہدوں میں اگر تعداد اور رکعات میں اختلاف ہوتا تو راوی ضرور ذکر کرتا۔ (۱۲ منہ)

ہوتا تو ابن تیمیہ گیارہ کا ذکر کرتے یا بیس کا؟ اس سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ کی تحقیق میں بھی گیارہ پر عمل چند روزہ تھا جو چند روز رہ کر ختم ہو گیا اور مستقل عمل بیس پر رہا یا ان کے نزدیک گیارہ کا وجود ہی نہیں تھا۔

ابن تیمیہ کی یہ عبارت ہم پہلے نقل کر چکے ہیں، اس کا ابتدائی فقرہ یہ ہے: ''فلما جمعهم عمر علی ابی کان یصلی بهم عشرین رکعة ویوتر بثلاث'' پھر ابن تیمیہ نے بیس کے بعد چالیس اور چھتیس رکعت پڑھنے کا ذکر بھی کیا ہے مگر گیارہ کا ذکر بعد میں بھی نہیں کیا ہے۔

اس کے بعد مولانا نے واقعہ کی اس نوعیت (یعنی پہلے بیس پر عمل تھا، بعد میں گیارہ پر ہوا) کو ظاہر قرار دینے کی جو یہ وجہ ذکر کی ہے کہ اس لئے کہ جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے، اس کے مطابق یہی ہے اور دوسری شکل اس کے خلاف ہے۔

تو اس کی نسبت عرض ہے کہ اولاً آنحضرت ﷺ سے گیارہ رکعت تراویح کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ اوپر تفصیل سے بتایا جا چکا ہے، لہٰذا پہلے اس کو ثابت کیجئے اس کے بعد گیارہ پر عمل کو اس کے مطابق کہئے ثانیاً اگر بفرض محال ثابت بھی ہو تو جب قاضی شوکانی یہ فرماتے ہیں کہ تراویح کو کسی عدد معین میں منحصر کہنے کی کوئی دلیل حدیث میں نہیں ہے، اور ابن تیمیہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ سمجھنا غلطی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کوئی عدد معین تراویح کا ثابت ہے، جو کم و بیش نہیں ہو سکتا، (حوالہ اوپر دیکھئے) تو بیس پر عمل کو حضرت کے فعل کے مخالف کہنا غلط ہے، اس لئے کہ وہ مخالف تو اس وقت ہوتا، جب حضرت کی تراویح گیارہ میں منحصر ہوتی۔

ثالثاً تاریخی واقعات کا ثبوت تاریخی شہادتوں سے ہو سکتا ہے، قیاس آرائی سے کوئی چیز واقعہ نہیں بن سکتی، اور آپ جو فرماتے ہیں کہ بیس پر عمل پہلے اور گیارہ پر بعد میں تھا، اس لئے کہ گیارہ پر عمل حضرت کے فعل کے مطابق اور بیس پر آپ کے فعل کے خلاف ہے تو یہ محض قیاس ہے کوئی شہادت نہیں ہے لہٰذا اس سے یہ بات کہ

یہی واقعہ تھا ثابت نہیں ہوسکتی، بالخصوص جب کہ وہ قیاس بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ پہلے تو اس کی بنیاد ہی صحیح نہیں ہے جیسا کہ ابھی بتایا گیا، دوسری اگر بالفرض بنیاد صحیح بھی ہو تو جب تک یہ نہ ثابت کیجئے کہ عمل کرنے والے بھی اس بنیاد کو صحیح مانتے تھے، تب تک یہ قیاس آرائی صحیح نہیں ہوسکتی، زیادہ صاف سننا چاہتے ہوں تو سنئے کہ جب عہد فاروقی کے لوگ آنحضرت ﷺ کی تراویح کا عدد گیارہ نہ مانتے ہوں گے، یا گیارہ میں اس کو منحصر نہ سمجھتے ہوں گے، تو آپ کا یہ کہنا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی موافقت میں گیارہ کو اپنا آخری اور مستقل معمول بنایا، صحیح نہیں ہوسکتا لہٰذا پہلے اس کو ثابت کیجئے۔

جمہور امت کے دلائل

اہل حدیث کے دونوں دعوؤں اور ان کے دلائل پر کلام کرنے کے بعد اب ہم جمہور امت جن میں احناف بھی شامل ہیں) کے دلائل پیش کرتے ہیں:

(پہلی دلیل) ابوبکر بن ابی شیبہ نے مصنف[1] میں اور عبد بن حمید نے اپنے مسند میں اور بغوی نے اپنے معجم میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں[2] اور بیہقی نے سنن کبری[3] میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھتے تھے۔

اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان واقع ہے اور وہ مجروح راوی ہے، اس لئے اس کی یہ روایت ضعیف قرار دی گئی ہے، اس کو ضعیف کہنے والوں میں ابن حجر سیوطی، ابن الہمام اور عینی وغیرہم شامل ہیں، اور کچھ شبہہ نہیں کہ ابراہم بن عثمان پر سخت سخت جرحیں نقل کی گئی ہیں، مگر اس میں بھی کچھ شبہہ نہیں کہ جتنی جرحیں نقل کی جاتی ہیں سب مقبول نہیں ہیں بعض ان میں سے مردود بھی

---

[1] مصنف: ۴۸۲/۱ قلمی اور ۳۹۴/۲ مطبوعہ

[2] مصابیح: ص ۴۱ [3] سنن کبری: ۲۹۶/۲

ہیں لیکن افسوس کی بات ہے مقبول جرحوں کے ساتھ مردود جرحوں کو بھی نقل کردیا جاتا ہے۔

مثلاً نقل کیا جاتا ہے کہ شعبہ نے ابراہیم کی تکذیب کی ہے۔[1] مگر حق یہ ہے کہ شعبہ کی تکذیب قابل قبول نہیں ہے جیسا کہ حافظ ذہبی کے بیان سے ظاہر ہے ذہبی نے میزان الاعتدال (جلد ا صفحہ ۲۳) میں لکھا ہے:

"کذبه شعبة لکونه روی عن الحکم عن ابن ابی لیلی انه قال شهد صفین من اهل بدر سبعون فقال شعبة کذب واللّٰه لقد ذاکرت الحکم فما وجدنا شهد صفین احد من اهل بدر غیر خزیمة، قلت سبحان اللّٰه اما شهدها علی اماشهدها عمار"

ترجمہ: "حافظ عبداللہ صاحب اس عبارت کا یوں ترجمہ کرتے ہیں، کہ شعبہ نے اس کو اس وجہ سے جھوٹا کہا ہے کہ اس نے حکم سے روایت کی کہ ابن لیلیٰ نے کہا صفین میں ستر اہل بدر صحابی حاضر تھے، شعبہ نے کہا واللہ ابوشیبہ نے یہ بات جھوٹ کہی، میں نے خود حکم سے مذاکرہ کیا تو سوائے خزیمہ کے اور کسی کو اہل بدر سے نہیں پایا، کہ جو صفین میں حاضر ہوا، میں (ذہبی) کہتا ہوں، سبحان اللہ کیا صفین میں علی حاضر نہ تھے؟ کیا صفین میں عمار رضی اللہ عنہ حاضر نہ تھے؟"[2]

دیکھئے اس بیان سے شعبہ کی تکذیب کی حقیقت کھل گئی اور معلوم ہو گیا کہ انہوں نے اس وجہ سے تکذیب کی تھی کہ ابراہیم نے حکم کے واسطے سے ابن ابی لیلیٰ کا یہ بیان روایت کیا تھا کہ صفین میں ستر بدری صحابی شریک تھے، تو اس سے ابراہیم کا جھوٹ کیونکر ثابت ہوا، ان کا جھوٹ تو جب ثابت ہوتا کہ شعبہ جب حکم سے مذاکرہ

---

[1] تحفة الاحوذی: ۲/۷۵ بحواله عینی [2] رکعات التراویح: ص ۱۴، ۱۵

کرنے گئے تھے، تو وہ یہ کہتے کہ میں نے ابراہیم سے یہ بیان نہیں کیا، مگر شعبہ حکم کا انکار نہیں کرتے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ مذاکرہ سے صرف ایک صحابی ثابت ہوا، لہٰذا اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ حکم نے ضرور بیان کیا تھا، مگر مذاکرہ کے وقت وہ ستر کا نام نہیں بتا سکے، ایسی صورت میں الزام جو کچھ عائد ہوگا وہ حکم پر نہ کہ ابراہیم پر، پھر حافظ ذہبی نے شعبہ کے اس بیان کو بھی کہ ایک ہی صحابی ثابت ہوسکا یوں رد کر دیا، کہ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت عمار رضی اللہ عنہ بالیقین شریک تھے، تو ایک ہی کیسے ثابت ہوا، کم سے کم تین کہئے یعنی اسی طرح اور تحقیق کیجئے تو ممکن ہے اور نکل آئیں، بہر حال اس بیان سے شعبہ کی تکذیب کا ناقابل قبول ہونا واضح ہوگیا۔

علاوہ بریں کذب کا اطلاق ہمیشہ تعمد کذب (قصداً جھوٹ بولنے) پر نہیں ہوتا، بلکہ بلا ارادہ محض سہو و نسیان سے خلاف واقعہ بات بولنے پر بھی اس کا اطلاق بکثرت ہوتا ہے۔[۱]

اور نہایہ (جلد۴ صفحہ۱۳) میں اس کی متعدد مثالیں ذکر کی ہیں اور عرب کا محاورہ بتایا ہے، نیز مقدمہ فتح الباری میں بھی یہ مذکور ہے اسی طرح دوسرے کی بتائی یا کہی ہوئی خلاف واقعہ بات بے تحقیق نقل کر دے تو وہ بھی جھوٹ کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے لہٰذا شعبہ کے قول سے ابراہیم پر قصداً جھوٹ بولنے کا الزام نہ عائد ہوگا، اس لئے کہ شعبہ نے ابراہیم کے قصداً جھوٹ بولنے کی کوئی دلیل نہیں دی، اور شعبہ جیسا محتاط و پرہیزگاری عالم کسی مسلمان کو بے دلیل جھوٹا نہیں کہہ سکتا، شعبہ کی تکذیب کا مطالعہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ ابراہیم نے بے تحقیق بات نقل کر دی، یا ان سے بھول ہوئی ہے۔

غرض ابراہیم کو مجروح ثابت کرنے میں کچھ مبالغہ سے بھی کام لیا گیا ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو جس طرح جارحین کا کلام نقل کیا گیا ہے، اسی طرح ابن عدی کا یہ

---

[۱] فتح الباری: ۵۲/۱، و تلخیص حبیر: ص ۱۷۶

کلام بھی نقل کیا جاتا ہے:

"له احاديث صالحة وهو خير من ابراهيم بن ابى حية"[1]

ترجمہ: "اس کی (ابراہیم کی) حدیثیں درست بھی ہیں اور وہ ابراہیم ابن ابی حیہ سے بہتر ہے۔"

اور یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ یزید بن ہارون (جو امام بخاری کے استاذ الاستاذ اور نہایت ثقہ اور زبردست حافظ حدیث تھے) ابراہیم کے بڑے مداح تھے، فرماتے ہیں "ماقضى على الناس يعني فى زمانه اعدل فى قضاء منه"[2] یعنی ہمارے زمانہ میں ان سے زیادہ عادل کوئی قاضی نہیں ہوا، یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہئے کہ یزید سے بڑھ کر ابراہیم کا پرکھنے والا اور ان کے حالات سے باخبر ان جارحین میں کوئی بھی نہیں ہے، اس لئے کہ یزید ان کے محکمہ میں کاتب یعنی ان کے منشی تھے، اس لئے یزید کی شہادت ابراہیم کے علم اور دیانت داری دونوں کی زبردست شہادت ہے، اور کسی راوی کی روایت کے قبول کرنے کے لئے دو باتیں لازمی طور پر دیکھی جاتی ہیں، ایک اس کا تدین کہ فاسق و فاجر وغیرہ تو نہیں ہے، دوسری اس کی قوت حافظہ پس اس شہادت کے بعد ابراہیم کے تدین میں تو شک کی گنجائش نہیں رہتی۔

اب رہی قوت حافظہ تو ابن عدی کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم کا حافظہ بھی بہت زیادہ خراب نہ تھا، اس لئے کہ ابن عدی نے اقرار کیا ہے کہ ابراہیم کی روایات میں درست اور ٹھیک حدیثیں بھی ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا حافظہ بالکل خراب نہیں تھا ورنہ اس کے پاس درست حدیثیں کیوں ہوتیں۔

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ ابراہیم کے باب میں جس قدر مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں ہے وہ مجروح بے شک ہے لیکن نہ اتنا جتنا کہ بتایا جاتا ہے۔

---

[1] تهذيب: ١٤٥/١ [2] تهذيب

بہر حال ہم کو اتنا تسلیم ہے کہ ابراہیم ضعیف راوی ہے اور اس کی وجہ سے یہ حدیث بھی ضعیف ہے لیکن ابراہیم اتنا ضعیف و مجروح نہیں ہے، کہ اس کی وجہ سے یہ حدیث مصنوعی یا بے اصل روایتوں میں جگہ پانے کی مستحق ہو وہ ایسی نہ سہی کہ بالکلیہ اسی پر اعتماد کیا جائے لیکن ایسی بھی نہیں ہے کہ استدلال یا تائید کے موقع پر اس کا ذکر بھی نہ کیا جائے یہی وجہ ہے کہ امام بیہقی نے رکعات التراویح کی تعداد بیان کرنے کے لئے جو باب منعقد کیا ہے، اس میں اس کو بھی ذکر کیا ہے۔

اور حافظ عبداللہ صاحب نے امام بخاری کی جرح سکتوا عنہ پر بہت زور دے کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ اس جرح کی وجہ سے ابراہیم کی حدیثیں قابل ترک ہیں تو اس پر تفصیل کے ساتھ ہم اثر علی کی بحث میں کلام کریں گے۔

اس کے بعد مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ ابو شیبہ کی یہ حدیث چاہے اسناد کے لحاظ سے ضعیف ہو مگر اس لحاظ سے وہ بے حد قوی اور ٹھوس ہے، کہ عہد فاروقی کے مسلمانوں کا علانیہ عمل اسی کے موافق تھا، یا کم از کم آخر میں وہ لوگ اسی پر جم گئے، اور روایتوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے مسلمانوں کا عمل بھی اسی کے موافق ثابت ہوتا ہے، اور ہر چہار ائمہ مجتہدین کے اقوال بھی اسی کے مطابق ہیں۔[1] اور عہد

---

[1] امام ابوحنیفہ شافعی، اور امام احمد کے اقوال میں تو شک کی گنجائش ہی نہیں ہاں امام مالک کے باب میں ممکن ہو کوئی شبہہ کرے تو اوپر بتایا جا چکا ہے، کہ ابن رشد نے صراحۃً ان کا ایک قول بیس کا ذکر کیا ہے علاوہ بریں ابن حبیب مالکی وغیرہ یہ تصریح بھی کرتے ہیں کہ پہلے تراویح کی تیئس رکعتیں (مع وتر) تھیں بعد میں اضافہ ہوا ہے اور متعدد محققین نے اس کی بھی تصریح کی ہے درحقیقت مدینہ میں بھی بیس رکعتیں مانی جاتی تھیں مگر مکہ والے چونکہ ہر رکعت پر طواف کرتے تھے، اور دو رکعتیں طواف کی پڑھتے تھے اور اس طرح بہت ثواب کما لیتے تھے، تو مدینہ والوں نے اپنی کمی یوں پوری کی کہ ہر دو ترویحہ کے درمیان انہوں نے چار رکعتوں کا اضافہ کر لیا، اس طرح ان کی رکعتیں چھتیس ہو گئیں، اور اس تحقیق کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ اضافہ شدہ رکعات کا اکیلے اکیلے بلا جماعت پڑھنا ثابت ہے نیز یہ بھی ثابت ہے کہ کسی زمانہ میں ان سولہ رکعتوں کو اہل مدینہ اخیر شب میں پڑھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ دراصل امام مالک بھی بیس کے قائل ہیں اور اس کے ساتھ اس اضافہ کو وہ بھی مانتے ہیں جو اہل مدینہ نے کیا تھا۔

فاروقی کے بعد سے ہمیشہ امت کا عمل بھی بلا اضافہ یا اضافہ کے ساتھ اسی کے موافق رہا ہے، ان باتوں کے انضمام سے ابو شیبہ کی حدیث اس قدر قوی اور مستحکم ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد اس کو ضعیف کہہ کر جان چھڑانا ناممکن سی بات ہو جاتی ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے ایک موقع پر اعتراف کیا ہے کہ ”بعض ضعف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں۔“[1]

اس سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ بعض بعض مسائل ایسے بھی ہیں کہ ان کے باب میں سوائے ایک ضعیف حدیث کے دوسری کوئی چیز موجود نہیں ہے، مگر ساری امت کا عمل اسی پر ہے، اور تمام ائمہ کا مذہب متفقہ طور پر اسی کے مطابق ہے۔

مثلاً سارے ائمہ کا بالاتفاق مذہب یہ ہے کہ حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی وارث نہیں ہوگا، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک ضعیف حدیث کے سوا اس کی کوئی دوسری دلیل نہیں ہے، امام ترمذی اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

”هذا حديث لا نعرفه الا من حديث ابى اسحاق عن الحارث عن على وقد تكلم بعض اهل الحديث فى الحارث والعمل على هذ الحديث عند اهل العلم“[2]

یعنی ایسی حدیث ہے کہ جس کو صرف ابو اسحاق عن الحارث عن علی کے سلسلہ سے ہم پہچانتے ہیں، اور بعض محدثین نے حارث میں کلام کیا ہے، اور اہلِ علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔

حارث کے حق میں محدثین نے جو کلام کیا ہے اس کو کتب رجال میں دیکھئے کہ کتنا سخت کلام ہے۔

ابو شیبہ کی اس حدیث پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ وہ صحیحین کی حدیث

---

[1] اخبار اہلحدیث مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ [2] ترمذی مع تحفہ: ۱۷۹/۳

"ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره علٰى احدى عشرة ركعة" (یعنی آنحضرت ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے) کی مخالف ہے مگر یہ اعتراض سراسر غفلت اور ذہول پر مبنی ہے، اس لئے کہ اوپر بہت تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ موافق یا مخالف کسی کے نزدیک بھی صحیحین کی یہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں ہے، نہ اس میں دوامی عادت کا بیان ہے کیونکہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہاں تو یہ فرمایا کہ آپ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، اور دوسرے موقع پر صراحۃً فرمایا کہ فجر کی رکعتوں کو چھوڑ کر تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے تو کسی نے اس بیان کو پہلے بیان کے مخالف کہہ کر رد نہیں کیا بلکہ یہ قرار دیا کہ یہ دونوں بیان صحیح ہیں اور ان کا تعلق مختلف اوقات سے ہے، حافظ ابن حجر کا قول نقل کر چکا ہوں "والصواب ان كل شي ذكرته من ذلك محمول على اوقات متعددة واحوال مختلفة"[1]

اور باجی شارح موطا کا قول سیوطی نے تنویر الحوالک (جلد ا صفحہ ۱۴۲) میں نقل کیا ہے کہ حدیث عائشہ ما کان یزید میں آنحضرت ﷺ کی دائمی نہیں، بلکہ اکثری عادت کا بیان ہے اور تیرہ والی میں اس زیادتی کا ذکر ہے جو بعض اوقات میں ہوئی ہے، فرماتے ہیں "فان الحديث الاول اخبار عن صلاته المعتادة الغالبة والثاني اخبار عن زيادة وقعت في بعض الاوقات" پس جب حدیث صحیحین میں ہمیشہ کی عادت نہیں بتائی گئی ہے، بلکہ اکثر اوقات کی، تو جس طرح یہ کہنا کہ اکثر اوقات کے علاوہ کسی کسی وقت آپ نے تیرہ رکعتیں پڑھیں ہیں حدیث صحیحین کے خلاف نہیں ہے، اسی طرح یہ بیان کرنا کہ آپ نے بیس بھی پڑھی ہیں حدیث صحیحین کے خلاف نہیں ہوسکتا، معلوم ہوتا ہے کہ اعتراض کرنے والوں نے تدقیق نظر سے کام لئے بغیر سرسری طور پر حدیث صحیحین کے ظاہر لفظ کو دیکھا

---

[1] فتح الباری: ۱۴/۳

ہے، اور اعتراض کر دیا ہے۔

علاوہ بریں ابوشیبہ کی حدیث صحیحین کی حدیث کی مخالف اس لئے بھی نہیں ہے کہ حدیث صحیحین میں تہجد کا بیان ہے (جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے) اور حدیث ابو شیبہ میں تراویح کا پس جب اس کا تعلق تہجد سے اور اس کا تراویح سے ہے تو دونوں میں تعارض کیسے ہوا۔

(دوسری دلیل) امام بیہقی کی سنن کبری (جلد۲ صفحہ ۴۹۶) میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ راوی ہیں، "کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة" یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان کے مہینہ میں بیس رکعت پڑھتے تھے، اور اسی اثر کو امام بیہقی نے دوسرے طریق سے معرفۃ السنن میں بھی روایت کیا ہے، اور اہل حدیث کے دوسرے دعویٰ کی بحث میں ہم بتا چکے ہیں کہ دونوں اسنادیں صحیح ہیں، پہلی اسناد کو امام نووی امام عراقی اور سیوطی وغیرہ نے صحیح کہا ہے اور دوسرے کی اسناد کو سبکی اور ملا قاری نے، اور اہل حدیث کے اس اثر پر جو اعتراضات ہیں ان سب کا جواب ہم اسی بحث میں دے چکے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تراویح کی بیس رکعتوں پر عمل کا ثبوت تنہا سائب ہی کی روایت سے نہیں ہوتا، بلکہ اس کے علاوہ متعدد روایات سے ہوتا ہے۔

① ازانجملہ یزید بن رومان کی روایت ہے جو موطا مع تنویر (جلد۱ صفحہ ۱۳۸) اور سنن کبری (جلد۲ صفحہ ۴۹۶) اور قیام اللیل (صفحہ ۹۱) میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة" (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان میں تئیس رکعتیں (مع وتر) پڑھتے تھے۔

اس روایت پر اعتراض ہے کہ یزید بن رومان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں

پایا، اس لئے اس کی اسناد منقطع ہے، اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ اثر امام مالک کی موطا میں منقول ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ (جلد ا صفحہ ۱۰۶) میں فرمایا ہے "قال الشافعی اصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ مؤطا مالك واتفق اهل الحدیث علی ان جمیع ما فیه صحیح علی رای مالك ومن وافقه واما علی رای غیره فلیس فیه مرسل ولا منقطع الا قد اتصل السند به من طرق اخری وقد صنف فی زمان مالك مؤطات کثیرة فی تخریج احادیثه ووصل منقطعة مثل کتاب ابن ابی ذئب وابن عیینة والثوری ومعمر" یعنی امام شافعی نے فرمایا کہ کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح کتاب موطائے امام مالک ہے اور محدثین کا اتفاق ہے کہ اس میں جتنی روایتیں ہیں، سب امام مالک اور ان کے موافقین کی رائے پر صحیح ہیں، (اس لئے کہ وہ لوگ مرسل کو بھی صحیح مقبول مانتے ہیں) اور دوسروں کی رائے پر اس میں کوئی مرسل یا منقطع ایسا نہیں ہے کہ دوسرے طریقوں سے اس کی سند متصل نہ ہو۔ اور امام مالک کے زمانہ میں موطا کی حدیثوں کی تخریج کے لئے اور اس کے منقطع کو متصل ثابت کرنے کے لئے بہت سے موطا تصنیف ہوئے جیسے ابن ابی ذئب، ابن عیینہ، ثوری اور معمر کی کتابیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مرسل کے قبول وعدم قبول میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ مطلقاً مقبول ہے،[1] لہٰذا ان حضرات کے مسلک کی بنا پر تو اس اثر کا مرسل ہونا کچھ مضر نہیں ہے، اور امام شافعی کے نزدیک اگرچہ مرسل مقبول نہیں ہے مگر وہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ جب کسی مرسل کی تائید کسی

---

[1] خطیب بغدادی کفایہ میں لکھتے ہیں "فقال بعضهم انه مقبول ویجب العمل به اذا کان المرسل ثقة عدلا وهذا قول مالك واهل المدینة وابی حنیفة واهل العراق" (وغیرہم ص ۳۸۴)

دوسرے مرسل یا مسند سے ہوتی ہو، اور وہ مسند یا مرسل دوسرے طریق اسناد سے مروی ہو تو مقبول ہے چنانچہ حافظ ابن حجر شرح نخبہ (صفحہ۵۱) میں فرماتے ہیں ”وقال الشافعی یقبل اذا اعتضد بمجیئه من وجه اٰخر یباین الطریق الاولی مسندا کان او مرسلا“ اور شیخ الاسلام زکریا انصاری نے یہ تعمیم بھی کی ہے کہ مرسل کا موید ضعیف ہو تب بھی مرسل مقبول ہو جائے گا۔[1]

جب یہ ذہن نشین ہو چکا تو سنئے کہ یزید بن رومان کا اثر اگرچہ مرسل ہے، مگر اس کی تائید دوسرے کئی مرسلوں سے ہوتی ہے، جو ابھی مذکور ہوں گے، لہٰذا وہ بالاتفاق مقبول اور حجت ہے، علاوہ بریں ہمارا اصل استدلال سائب کے اثر سے ہے، یزید بن رومان کا اثر تائید کے لئے پیش کیا گیا ہے۔

❷ ازاں جملہ عبدالعزیز بن رفیع کا اثر ہے، جو مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے۔[2] اس کے الفاظ یہ ہیں ”کان ابی بن کعب یصلی بالناس عشرین رکعة ویوتر بثلاث“ (یعنی حضرت ابی بن کعب لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے) چونکہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی وفات اکثر لوگوں کے قول کے مطابق عہد فاروقی میں ہوئی ہے، اس لئے یہ بیان بھی عہد فاروقی سے متعلق ہے، اس اثر کے لئے مصنف ابن ابی شیبہ قلمی (صفحہ۲۸۳) دیکھئے۔

یہ اثر بھی مرسل ہے، مگر چونکہ یہ یزید بن رومان کا مؤید ہے اس لئے اس کا مرسل ہونا مضر نہیں ہے، جیسا کہ امام شافعی کی تصریح سے ثابت ہو چکا۔

❸ ازاں جملہ یحییٰ بن سعید انصاری کا اثر ہے کہ ”ان عمر بن الخطاب امر رجلا ویصلی بھم عشرین رکعة“ (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائے) یہ اثر بھی مصنف ابن شیبہ میں ہے۔[3]

یحییٰ کا یہ اثر بھی مرسل ہے مگر چونکہ مؤید ہے، اس لئے کوئی مضائقہ نہیں۔

---

[1] حاشیہ شرح نخبہ [2] آثار السنن: ۲/۵۸ [3] آثار السنن: ۱/۵۸، ۱/۴۸۳

④ ازاں جملہ خود حضرت ابی کی روایت ہے:

”ان عمر بن الخطاب امره ان يصلى بالليل فى رمضان فقال ان الناس يصومون النار ولا يحسنون ان يقرأوا فلو قرأت عليهم بالليل فقال يا امير المؤمنين ان هذاشئ لم يكن فقال قد علمت ولكنه حسن فصلى بهم عشرين ركعة“[1]

ترجمہ: ”یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی کو حکم دیا کہ لوگوں کو رات کے وقت رمضان میں نماز پڑھایا کرو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں، اور قرآن خوب اچھا پڑھنا نہیں جانتے لہٰذا کاش تم رات میں پڑھتے، ابی نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین یہ بات پہلے نہیں ہوئی (یعنی ایک امام کے ساتھ سب کا اکٹھا ہوکر پڑھنا) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں جانتا ہوں لیکن یہ اچھا ہے، چنانچہ ابی نے ان کو بیس رکعتیں پڑھائیں۔“

اس روایت کی اسناد کا حال معلوم نہیں مگر چونکہ یہ یزید بن رومان کے اثر کی مؤید ہے اس لئے اگر ضعیف الاسناد بھی ہو تو کچھ حرج نہیں جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔

⑤ ازانجملہ محمد بن کعب قرظی کا اثر ہے ”كان الناس يصلون فى زمان عمر بن الخطاب فى رمضان عشرين ركعة يطيلون فيها القراءة ويوترون بثلاث“[2]

(یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعتیں پڑھتے تھے، اور قرأت لمبی کرتے تھے، اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے) یہ اثر بھی مرسل ہے۔

⑥ ازانجملہ زید بن وہب کا اثر ہے ”كان عبدالله بن مسعود يصلى بنا

[1] کنز العمال: ۲۸٤/٤
[2] قیام اللیل: ص ۹۱

فی شهر رمضان فینصرف وعلیه لیل قال الا عمش کان یصلی عشرین رکعة ویوتر بثلث"[1]

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہم کو رمضان میں نماز پڑھاتے تھے، جب فارغ ہوکر واپس ہوتے تو ابھی رات رہتی تھی، اعمش نے کہا کہ وہ (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ) وتر کے علاوہ بیس رکعتیں پڑھتے تھے، اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

قیام اللیل میں اس اثر کی سند مذکور نہیں ہے، اور زید بن وہب اگرچہ حضرت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ہیں، بلکہ انہوں نے حضرت ابوبکر سے بھی حدیث سنی ہے لہٰذا یہ روایت متصل ہے، مگر چونکہ بیس رکعت کا ذکر باقی حصہ سے الگ کر کے یوں کیا گیا ہے کہ "قال الاعمش" اس لئے ہم نے اس روایت کو مرسل روایتوں کے ضمن میں ذکر کیا، مگر اس کا مرسل ہونا مضر نہیں ہے اس لئے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب خاص کے عمل سے اعمش کے بیان کی زبردست تائید ہوتی ہے، اور مرسل اعتضاد کے بعد مقبول ہو جاتا ہے، دیکھئے صحیح بخاری مع فتح الباری (جلد۲ صفحہ ۱۸۰) میں حدیث آمین کے آخر میں ہے، "قال ابن شهاب وکان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الامین" یہ ٹکڑا مرسل ہے مگر ابن حجر نے لکھا ہے "وهو ان کان مرسلا فقد اعتضد بصنیع ابی هریرة راویه" یعنی یہ ٹکڑا اگرچہ مرسل ہے، مگر اس کو راوی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے عمل سے مضبوطی اور تقویت حاصل ہے، لہٰذا یہاں بھی اگرچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی نسبت اعمش کا بیان مرسل ہے، مگر اعمش کے بیان کی پرزور تائید اس سے ہوتی ہے، کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب خاص شتیر بن شکل، اور سوید بن غفلہ نیز ان کے اصحاب خاص کے شاگرد ابوالبختری بیس رکعت پڑھتے تھے۔

اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کا ذکر نہیں ہے، مگر ایک امام کے ساتھ

[1] قیام اللیل: ص ۹۱

باجماعت تراویح کا اہتمام چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے عہد میں شروع ہوا ہے، اس لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد کا واقعہ تو ہو ہی نہیں سکتا، اب دو ہی احتمال ہیں، ایک یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا ہو، دوسرا یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا ہو، مگر اغلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ کا واقعہ زید بن وہب بیان کرتے ہیں۔

بہر حال یہ سارے مرسل یزید بن رومان کے مرسل کے مؤید ہیں، اور یہ کل پانچ مرسل ہیں اگر ایک بھی ہوتا تو امام شافعی کی تصریح کے بموجب یزید کا مرسل مقبول اور قابل احتجاج ہو جاتا، لیکن جب کہ پانچ پانچ مؤید اس کے موجود ہیں، تو پھر اس کے مقبول اور قابل احتجاج ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے اس حالت میں بھی اگر کوئی شخص اس کو مرسل کہہ کے نا قابل استدلال ظاہر کرتا ہے تو یہ بڑا شرمناک تعصب اور خلاف دیانت بات ہے۔

میں نے کہا تھا کہ عہد فاروقی میں بیس پر عمل ہونے کا ثبوت صرف سائب ہی کی روایت سے نہیں ہوتا، بلکہ متعدد روایات سے یہ ثابت ہے، اس کے ثبوت میں میں نے سائب کی روایت کے علاوہ چھ روایتیں پیش کیں، اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس کے بعد بھی کوئی منصف مزاج اور دیانت دار انسان یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس پر عمل نہیں تھا۔

شاید یہی وجہ ہے کہ جب بعض حضرات نے یہ دیکھا کہ بیس پر عمل ہونے کا انکار ممکن نہیں ہے تو انہوں نے گلوخلاصی کی ایک اور تدبیر سوچی، اور وہ یہ کہ بیس رکعت پڑھنے کا صراحۃً حکم دینا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ عہد فاروقی میں لوگ بیس پڑھتے ہوں، مگر صراحۃً یہ ثابت نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس پڑھنے کا حکم دیا تھا، چنانچہ حافظ عبداللہ صاحب نے بیہقی کی روایتوں کا جن کی صحت میں انہوں نے کچھ کلام نہیں کیا ہے، یہی جواب دیا کہ اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ جو لوگ تیئیس رکعت پڑھتے تھے، وہ بحکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے اور

مذکورہ بالا اثر کا بھی یہی جواب دیا ہے۔[۱]

مگر افسوس کہ یہ تدبیر بھی قطعاً کارگر نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو تراویح پر اکٹھا کرنا اور ابی کو امام بنانا پھر اپنی قائم کی ہوئی جماعت کا مسجد میں آکر مشاہدہ کرنا صحیح بخاری کے علاوہ دوسری صحاح اور غیر صحاح کی روایتوں سے محقق ہے، جس کا انکار ممکن نہیں ہے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت عمر نے بذات خود تراویح کی جماعت قائم کی، اور امام کا تقرر فرمایا، تو اس کی رکعتوں کی تعداد بھی مقرر فرمائی یا نہیں، اگر کہئے کہ انہوں نے تعداد نہیں مقرر کی، بلکہ نمازیوں کی مرضی پر اس کو چھوڑ دیا تو عرض ہے کہ اولاً یہ آپ کے مسلمات کے خلاف ہے، اس لئے کہ آپ لوگ گیارہ کا حکم ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا کرتے ہیں، پھر بھی اگر آپ اسی پر راضی ہیں تو چلئے یہی سہی لیکن صاف صاف اعلان کیجئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ کا حکم دیا، نہ بیس کا

شادم کہ از رقیبان دامن فشان گزشتی   گو مشت خاک ماہم بربادر فتہ باشد

ثانیاً اس صورت میں جب سارے نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی، ان کے عہد خلافت میں بیس پڑھتے تھے، اور ان کے شہر میں پڑھتے تھے، بلکہ جس مسجد میں وہ نماز پنجگانہ ادا فرماتے تھے، اسی مسجد میں پڑھتے تھے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ جماعت تراویح کا معائنہ کرنے بھی وہ تشریف لاتے تھے، تو یقیناً ان لوگوں کا بیس پڑھنا ان کے علم واطلاع میں تھا، اور انہوں نے روکنے کے بجائے برقرار رکھا، تو کیا یہ بات حکم دینے ہی کے برابر نہیں ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قولی سنت نہیں تو تقریری سنت بھی نہ ہوئی؟ ثالثاً یہ کہنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس کا حکم نہیں دیا، مذکورہ بالا آثار نمبر ۳، ۴ کے خلاف بھی ہے۔

اور اگر کہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم تو دیا تھا، مگر گیارہ کا، تو اس کا مطلب یہ ہوا

---

[۱] رکعات التراویح: ص ۱۹، ۲۰

کہ عہد فاروقی کے صحابہ وتابعین نے ان کے حکم کی خلاف ورزی کی، اب سوال ہے کہ یہ خلاف ورزی کیوں ہوئی؟ یہ کھلی بات ہے کہ عیاذاً باللہ سرکشی اور اتباع نفس کی وجہ سے تو ہو ہی نہیں سکتی، اس لئے کہ وہ حضرات خدا ورسول اور خلیفۂ راشد کے حد درجہ مطیع ومنقاد تھے، ان کے حق میں ایسی بدگمانی بے دینی ہے لہٰذا اس کے سوا کوئی دوسری بات نہیں ہوسکتی کہ ان کے علم میں بیس کی کوئی ایسی زبردست دلیل تھی جس کی پیروی احادیث ذیل کی پیروی سے بھی زیادہ ضروری تھی۔

"اسمعوا[1] واطیعوا ولوا امر علیکم عبد حبشی اور اقتدوا[2] بالذین بعدی ابی بکر وعمر اور علیکم بسنتی[3] وخ سنة الخلفاء الراشدین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ"

اگر بیس کی وہ دلیل کوئی کمزور دلیل ہوتی، یا وجوب اطاعت خلیفہ کی حدیثوں سے بڑھ کر واجب العمل نہ ہوتی، تو ان صریح احکام نبوی پر اس کو وہ ہرگز مقدم نہ کرتے، اور اس دلیل پر عمل کرنے کے باب میں وہ سب لوگ باہم ایسے متفق نہ ہوتے کہ کوئی ان سے الگ نظر ہی نہیں آتا، حتیٰ کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے حکم کی اس خلاف ورزی پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، بلکہ خاموش رہے، جو رضامندی کی دلیل ہے لہٰذا یہ تو تنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے بڑھ کر یعنی اجماع کی سی بات ہوئی پس اگر آپ اسی شق کو پسند کرتے ہیں تو چلئے اس کا صاف صاف اقرار واعلان کیجئے۔

الغرض اس بات کا انکار کسی طرح ممکن نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس کا حکم دیا تھا یا کم از کم وہ بیس پڑھنے سے متفق تھے، اور انہوں نے اپنے عہد خلافت میں اس کو

---

[1] سنو اور اطاعت کرو اگرچہ کوئی حبشی غلام تم پر امیر بنایا جائے۔
[2] ان دوشخصوں کی پیروی کرو جو میرے بعد ہوں گے، یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی۔
[3] تم میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم سمجھو اس کو مضبوطی سے تھام لو، اور اس کو دانت سے پکڑو۔

برقرار رکھا، اہل حدیث کو اس موقع پر ابن تیمیہ کا یہ مقولہ یاد رکھنا چاہئے ”فلما جمعهم عمر علی ابی بن کعب صلی بهم عشرين ركعة“ (حوالہ گزر چکا) اورنواب صدیق حسن خان صاحب کی یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے ”وقد عدوا ما وقع فی عهد عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنه كالاجماع[1]“ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جوصورت پیش آئی، اس کو علماء نے مثل اجماع کے شمار کیا ہے۔

(تیسری دلیل) سنن بیہقی (جلد۲ صفحہ۴۹۶) وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں قراء کو بلایا اوران میں سے ایک کوحکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھایا کرے، اور وتر حضرت علی پڑھاتے تھے، امام بیہقی اس اثر کو قوی تسلیم کرتے ہیں، اس لئے کہ انہوں نے پہلے شتیر ابن شکل کی نسبت نقل کیا ہے کہ ”وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں تھے اور لوگوں کو رمضان میں بیس رکعتیں تراویح کی اور تین وتر کی پڑھایا کرتے تھے“ اس کو نقل کرکے فرمایا کہ اس میں قوت ہے، (یعنی یہ قوی اثر ہے) پھر اس کی دلیل میں مذکورہ بالا اثر بیہقی نے نقل کیا ہے، بیہقی کی پوری عبارت ملاحظہ ہو:

”و روينا عن شتير بن شكل وكان من اصحاب علی رضی اللّٰه تعالٰی عنه انه كان يؤمهم فی رمضان بعشرين ركعة ويوتر بثلاث وفی ذالك قوة لما اخبرنا ابو الحسن بن الفضل القطان ببغداد انبأ محمد بن احمد بن عيسٰی بن عبدك الرازی ثنا ابو عامر عمرو بن تميم ثنا احمد بن عبداللّٰه بن يونس ثنا حماد بن شعيب عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی رضی

[1] عون الباري: ٤/٤٩٦ مع نيل

اللّٰہ تعالٰی عنہ قال دعا القراء فی رمضان فامر منھم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعۃ قال وکان علی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ یوتر بھم وروینا ذلک من وجہ اٰخر عن علی''

اس عبارت کے آخر میں بیہقی نے یہ بھی تصریح کر دی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر دوسرے طریق سے بھی مروی ہے، لہٰذا تنہا بھی یہ اثر قوی تھا، اور اب تو مجموعی طور پر اتنا قوی ہوگیا، کہ اس میں کلام کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ گئی، امام بیہقی نے دوسرے جس طریق کی طرف اشارہ کیا ہے، غالباً وہ ابوالحسناء کا طریق ہے جس کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے ''ثنا وکیع عن الحسن بن صالح عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء ان علیا امر رجلا یصلی بھم عشرین رکعۃ'' (یعنی ابوالحسناء سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائے۔[1]

ابوالحسناء کی یہ روایت بیہقی میں ایک دوسرے طریق سے مروی ہے اور اس طریق کو بیہقی نے ضعیف کہا ہے، مگر یہ ضعف مضر نہیں ہے، اس لئے کہ اس طریق کا مؤید مصنف کا طریق ہے۔

حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری نے رکعات التراویح میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان آثار کی سندوں پر کلام کر کے یہ کہہ دیا کہ ہے کہ یہ صحیح نہیں ہیں، مگر حافظ صاحب کا یہ کلام بیہقی، اور ابن تیمیہ کے مقابل میں کوئی وزن نہیں رکھتا بیہقی کی نسبت میں لکھ چکا ہوں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر (بروایت ابوعبدالرحمٰن سلمی) کو شتیر بن شکل کے اثر کی قوت ثابت کرنے کے لئے پیش کیا ہے، اور بیہقی کی بعینہٖ عبارت نقل کر چکا ہوں، پس اگر اس اثر میں قوت نہیں ہے تو شتیر کے اثر کی تقویت اس سے کیوں کر ہوگی۔

---

[1] الجوھر النقی مع بیھقی: ۲/۴۹۶

اور حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ (جلد۲ صفحہ ۲۲۴) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر (بروایت ابی عبدالرحمٰن) سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قائم کی ہوئی جماعت تراویح کو توڑا نہیں، بلکہ برقرار رکھا، لہٰذا ابن تیمیہ کے نزدیک بھی یہ اثر صحیح ہے، نیز حافظ ذہبی نے اپنے مختصر میں ابن تیمیہ کے اس استدلال پر ادنیٰ کلام نہیں کیا، یہ دلیل ہے کہ ان کے نزدیک ابن تیمیہ کا یہ استدلال اور اثر دونوں صحیح ہیں۔[1]

حافظ صاحب کا یہ کلام اس لئے بھی غلط ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر بروایت ابوعبدالرحمٰن پر حماد بن شعیب اور عطاء بن السائب کی وجہ سے کلام کیا ہے اور ان کو معلوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کا یہی ایک طریق نہیں ہے، بلکہ دوسرا طریق ابوالحسناء کا بھی ہے، اور اس میں مذکورہ بالا دونوں راوی نہیں ہیں لہٰذا ان پر الزام رکھنا بے سود اور بے انصافی ہے اس لئے کہ جب ابوالحسناء بھی حضرت علی سے وہی بات روایت کرتے ہیں جس کو حماد نے عطاء اور عطاء نے عبدالرحمٰن کے واسطہ سے نقل کیا ہے تو معلوم ہوا کہ ان دونوں میں سے کسی نے چاہے سہواً یا قصداً غلط بیانی نہیں کی ہے۔

فائدہ: مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے بھی تحفۃ الاحوذی (جلد۲ صفحہ ۷۵) میں اس روایت پر حماد بن شعیب کی وجہ سے نہایت شد و مد سے اعتراض کیا ہے اور شیخ ابن الہمام کی ایک عبارت نقل کر کے بڑے طنطنہ سے لکھا ہے کہ "فاثر علی هذا لا يحتج به ولا يستشهد به ولا يصلح للاعتبار فان فی سنده حماد بن شعيب وقال البخاری فيه نظر" یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر نہ اس قابل ہے کہ اس سے دلیل پکڑی جائے نہ اس لائق ہے کہ اس سے تائید حاصل کی جائے، نہ وہ اعتبار (باصطلاح محدثین) کی صلاحیت رکھتا ہے، اس لئے کہ اس کی سند میں

[1] المنتقی للذهبی مطبوعه مصر: ص ۵٤٢

حماد بن شعیب ہے، اور اس کے بارے بخاری نے فیہ نظر کہا ہے، مولانا نے ابکار المنن میں بھی کئی جگہ بخاری کی اس جرح کی اہمیت کا بہت دھوم دھام سے اظہار کیا ہے۔[1]

ہم کو یہ تسلیم ہے کہ بعض علمائے اسلام نے بھی بخاری کی اس جرح کی اہمیت ایسی ہی دکھائی ہے مگر مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے ہم کو اس جمود کی توقع نہ تھی، اس لئے کہ وہ اپنے کو مقلد تو مانتے نہیں لیکن افسوس کہ ہماری توقع غلط ثابت ہوئی، اب آیئے ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ کتنے راوی ہیں جن کے حق میں امام بخاری نے فیہ نظر کہا ہے مگر دوسرے ناقدین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور مصنّفین صحاح نے ان کی حدیثیں اپنی کتابوں میں درج کی ہیں، اور اتنے ہی پر بس نہیں، بلکہ بعض حدیثوں کی تحسین بھی کی ہے۔

❶ سنئے بریدہ بن سفیان سلمی کی نسبت بخاری نے فیہ نظر کہا ہے، مگر ابن حبان وابن شاہین نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ میں نے اس کی حدیثوں میں کوئی زیادہ منکر روایت نہیں دیکھی، اور امام نسائی نے اس کی روایت اپنے سنن میں نقل کی ہے۔

❷ تمام بن نجیح کے حق میں بخاری نے فیہ نظر لکھا ہے، اور امام فن رجال یحییٰ بن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے، اسی طرح اسمٰعیل بن عیاش نے بھی جو براہ راست تمام سے واقف ہیں، تمام کو ثقہ کہا ہے، اور بزار نے صالح الحدیث کہا ہے، اور اس سے زیادہ لطف کی بات یہ ہے کہ خود امام بخاری نے رسالہ رفع الیدین میں تمام کی روایت سے تعلیقاً ایک اثر نقل کیا ہے (سوال یہ ہے کہ جب ایسا راوی اس قابل بھی نہیں ہوتا کہ اس سے استشہاد یا اعتبار بھی کیا جا سکے تو امام بخاری نے اس کی روایت کیوں ذکر کی) نیز امام ترمذی وابوداؤد نے تمام کی روایت کو اپنے اپنے سنن میں نقل

---

[1] ابکار المنن: ص ۵۰، ۱۱۴

کیا ہے۔

❸ راشد بن داؤد صنعانی پر بھی بخاری نے یہی جرح کی ہے مگر امام فن یحییٰ بن معین نے "لیس به باس ثقة" اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور وہ معتبر ہے، کہا ہے اور دحیم نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے، اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، اور امام نسائی نے اس کی روایت سنن نسائی میں نقل کی ہے، اور حافظ نے اس کو "صدوق له اوهام" کہا ہے۔

❹ ثعلبہ بن یزید حمانی پر بھی یہی جرح بخاری نے کی ہے، مگر امام نسائی اس کو ثقہ کہتے ہیں اور ابن عدی کہتے ہیں کہ میں نے اس کی کوئی حدیث منکر نہیں پائی، اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، اور امام نسائی نے اس کی روایت مسند علی میں ذکر کی ہے، اور حافظ نے اس کو صدوق شیعی کہا ہے۔

❺ جعدہ مخزومی کے حق میں امام بخاری نے فیہ نظر کہا ہے، اور ان کی حدیث امام ترمذی نے جامع میں کم از کم تائیداً ذکر کی ہے۔[1] اور حافظ ابن حجر نے تقریب میں اس کی نسبت مقبول لکھا ہے، اور حافظ یہ لفظ اس راوی کے حق میں بولتے ہیں جس میں ایسی کوئی بات ثابت نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی حدیث قابل ترک ہو، ان کی عبارت یہ ہے:

"السادسة من ليس له من الحديث الا القليل ولم يثبت فيه ما يترك حديثه واليه الاشارة بلفظ مقبول حيث يتابع والا فلين الحديث"[2]

❻ جمیع بن عمیر تیمی کی نسبت بھی امام بخاری نے کہا ہے "فی احادیثه نظر" مگر ابو حاتم جیسے متشدد نے اس کے حق میں کہا ہے "محله الصدق صالح الحديث" (اس کا مقام راست گوئی ہے اس کی حدیث ٹھیک ہے) اور ساجی نے

[1] ترمذی مع تحفہ: ۵۰/۲
[2] تقریب: ص ۳

بھی اس کو راست گو مانا ہے، اور عجلی نے اس کو ثقہ کہا ہے، اور حافظ ابن حجر نے "صدوق یخطی و یتشیع" کہا ہے اور امام نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کی حدیثیں اپنے سنن میں داخل کی ہیں، بلکہ ترمذی نے اس کی بعض حدیثوں کو حسن بھی کہا ہے، اور حدیث حسن جیسا کہ ایک طالب علم بھی جانتا ہے۔ قابل احتجاج ہوتی ہے، جمیع بن عمیر کی ایک حدیث جس کو ترمذی نے حسن کہا ترمذی مع تحفہ (صفحہ ۴) میں ہے۔

۷ حبیب بن سالم انصاری کو بھی امام بخاری نے فیہ نظر کہا ہے، مگر ابوحاتم نے اس کو ثقہ کہا اور ابوداؤد بھی اس کو ثقہ کہتے ہیں، اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی احادیث کے متون میں سے ایک بھی منکر نہیں ہے، اور یہی وجہ ہے کہ امام مسلم نے اپنے صحیح میں اس کی روایت ذکر کی ہے، ظاہر ہے کہ امام مسلم نے چاہے احتجاجاً نہ ذکر کیا ہو، مگر اس سے تو انکار ہی نہیں ہوسکتا کہ تائید کے لئے ذکر کیا ہے، اور تنہا امام مسلم نے ہی نہیں بلکہ اصحاب سنن اربعہ نے بھی اس کی روایت نقل کی ہے نیز یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے تقریب میں اس کی نسبت "لا باس به" لکھا ہے۔

اب بتایئے کہ ایسے راوی سے تائید حاصل کرنی جائز نہیں ہے، تو ان ائمہ فن نے اپنی تصنیفات میں اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں ایسے راوی کی روایت کیوں داخل کی۔

بہرحال ہم کو اس اطلاق میں کلام ہے، کہ ایسا راوی کسی کام کا نہیں ہوتا، اور ہمارے پاس اس کے قوی دلائل ہیں جس کا تھوڑا سا نمونہ آپ نے ملاحظہ فرمایا:

اند کے پیش تو گفتم و بدل ترسیدم کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

یہاں پہنچ کر ہم کو اپنے ایک وعدہ کا ایفاء کرنا بھی ضروری ہے، ہم نے پہلی دلیل کے سلسلہ میں ابراہیم بن عثمان پر کلام کرتے ہوئے کہا تھا، کہ حافظ عبداللہ

صاحب نے امام بخاری کی جرح سکتوا عنہ پر زور دیتے ہوئے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ اس جرح کی وجہ سے ابراہیم متروک الحدیث اور اس کی حدیثیں قابل ترک ہیں، حافظ صاحب کے جواب میں ہماری گزارش یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنے الفاظ سکتوا عنہ اور فیہ نظر کا مطلب خود کچھ نہیں بتایا ہے کہ کیا ہے؟ لوگ اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے اور یہ لوگ جو کہتے ہیں ممکن ہے صحیح ہو، لیکن یقین کے ساتھ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ امام بخاری کا یہی مطلب ہے، برخلاف اس کے امام بخاری نے بعض راویوں کی نسبت جزم کے ساتھ صاف لفظوں میں کہا ہے کہ اس کی حدیث لوگوں نے چھوڑ دی ہے، ایسے راویوں کی نسبت ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ بخاری کے نزدیک متروک ہیں لہٰذا ایسے راویوں کی حدیثیں بطریقِ اولیٰ متروک اور بقول مولانا عبدالرحمٰن صاحب کسی کام کی نہیں ہو سکتیں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جب اپنا کوئی مطلب آ پڑتا ہے تو حضرات اہل حدیث ایسے راویوں کی حدیثوں کو پیش کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے، اور اس وقت ذہبی، عراقی وسیوطی کی ان تحقیقات کو بالکل بھول جاتے ہیں اس وقت اس کی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

مولانا عبدالرحمٰن نے تحقیق الکلام (جلد ا صفحہ ۶۳) میں اپنی ایک دلیل کی تائید میں عبداللہ بن عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی ہے، اور عبداللہ سے خود مولانا کی نقل کے مطابق اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ نے اس کو روایت کیا ہے، اب آیئے اور کتب رجال میں اسحاق کا حال پڑھئے حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں اور ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔

(امام بخاری نے فرمایا ہے کہ سب لوگوں نے اسحاق کو چھوڑ دیا ہے) اور صرف امام بخاری ہی نے نہیں، بلکہ ان کے علاوہ فلاس، ابوزرعہ، ابو حاتم، نسائی دارقطنی، برقانی حتیٰ کہ امام مالک و امام شافعی نے بھی اس کو متروک قرار دیا ہے، اور ابن

المدینی نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے، اور ابن معین، و ابن خراش نے اس کو کذاب کہا ہے، امام احمد نے فرمایا ہے۔

(یعنی میرے نزدیک اس سے روایت کرنا حلال نہیں ہے) اور محمد بن عاصم کہتے ہیں کہ میں جب حج کرنے گیا تھا تو امام مالک زندہ تھے، اس زمانہ میں میں نے دیکھا ہے کہ اہلِ مدینہ کے نزدیک اسحاق مذکور کا اسلام بھی مشکوک تھا۔

حیرت ہے کہ ان تمام اوصاف عالیہ کے باوجود مولانا عبدالرحمٰن اس حدیث سے جو اسحاق کی روایت کی ہوئی ہے، تائید حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، مگر ابراہیم بن عثمان وحماد بن شعیب کی روایتوں پر جرح کرتے ہیں، اور قابل استدلال ولائق اعتبار نہیں سمجھتے۔

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

اسی طرح یہاں تو ابوالحسناء کو مجہول قرار دے کر درانحالیکہ وہ قطعاً مجہول نہیں، اور اس کو مجہول کرنا بے خبری ہے[1] اس کی روایت کو مولانا عبدالرحمٰن اور حافظ صاحب دونوں نے ناقابل استدلال کہہ دیا، مگر تحقیق الکلام میں عبداللہ بن عمرو بن الحارث کی روایت اپنی تائید میں پیش کی ہے، حالانکہ وہ قطعاً مجہول ہے۔[2] اگر خیال ہو کہ عبداللہ بن عمرو کی روایت تائید کے لئے پیش کی گئی ہے تو گزارش ہے کہ ہم بھی تو ابوالحسناء کو ابوعبدالرحمٰن کی تائید ہی میں پیش کرتے ہیں، پھر کیوں ابوالحسناء کے مجہول ہونے کی فضول (بلکہ غلط) بحث اٹھائی گئی۔

حافظ صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر بروایت ابوالحسناء پر جو کلام کیا ہے وہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ ایک کلام ان کا یہ ہے کہ اس کی سند میں ابوسعد بقال راوی

---

[1] ہمارا یہ دعویٰ یاد رہے کہ حافظ ابن حجر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کے راوی ابوالحسناء کو ہرگز مجہول نہیں کہا ہے ۱۲ منہ

[2] تقریب

ہے، جو ثقہ بھی نہیں ہے اور مدلس بھی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ صاحب کو معلوم ہے کہ ابو سعد بقال کی متابعت (تائید) عمرو بن قیس نے کی ہے، اور اصول حدیث میں مصرح ہے، کہ مدلس یا ضعیف راوی کی متابعت کوئی دوسرا مدلس یا ضعیف بھی کر دے، تو اس کی روایت مقبول ہو جاتی ہے لہٰذا ابو سعد کی وجہ سے اس اسناد کی تضعیف اصولاً غلط ہے۔

ہم یہ کہنے کی جرأت تو نہیں کر سکتے کہ اصول کا ایسا موٹا مسئلہ بھی حافظ صاحب کو معلوم نہ تھا، لیکن مشکل یہ ہے کہ سب جاننے کے باوجود انہوں نے خواہ مخواہ ابو سعد پر کلام اور اس کی وجہ سے سند کو ضعیف قرار دیا اس کو کیا کہا جائے۔

حافظ صاحب کا دوسرا کلام ابوالحسناء پر ہی لکھا ہے کہ:

''اگر یہ وہی ابوالحسناء ہیں جو تقریب التہذیب میں مذکور ہیں......تو یہ ابو الحسناء مجہول بھی ہیں۔'' (صفحہ ۲۸)

حافظ صاحب کی یہ بات بھی ویسی ہی ہے، ان کو معلوم ہے کہ دو شخصوں کی روایت کے بعد کوئی راوی مجہول نہیں رہ سکتا، لہٰذا جب ابوالحسناء سے ابو سعد اور عمرو بن قیس دو شخص روایت کرتے ہیں تو وہ مجہول کہاں ہوا، اس کو مستور کہئے، اور مستور کی روایت ایک جماعت کے نزدیک بغیر کسی قید کے مقبول ہے، اور جمہور کے نزدیک اس کا کوئی مؤید ہو تو مقبول ہے، اور اس کا مؤید ابو عبدالرحمٰن سلمی موجود ہے۔

اس کے علاوہ جب ایک حدیث یا اثر متعدد طریقوں سے مروی ہو تو چاہے الگ الگ ہر طریق بجائے خود ضعیف ہو، مگر سب مل کر حسن لغیرہ کی حیثیت حاصل کر لیتے ہیں یہ مسئلہ اصول حدیث میں مصرح بھی ہے، اور اپنے مطلب کے وقت اہل حدیث کا اس پر عمل بھی ہے چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن ابکار المنن (صفحہ ۱۷۸، ۱۷۹) میں فرماتے ہیں ''هذا الحديث وان كان ضعيفا لكنه منجبر بتعدد طرقه'' (یعنی یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر تعدد طرق سے اس کی کمزوری دور ہو گئی

ہے) اور (صفحہ ۱۳۱) میں فرماتے ہیں: ”ولو سلم ان کلها ضعیفه فهی بجموعها تبلغ درجة الحسن“

تنبیہ: غنیمت ہے کہ حافظ عبداللہ صاحب نے زیر بحث ابوالحسناء کو یقین کے ساتھ تقریب والا ابوالحسناء نہیں قرار دیا، مگر مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے بلا تردد اس کو تقریب والا ہی قرار دے دیا، اور اس کے حق میں میزان سے بھی لا یعرف کا لفظ نقل کر دیا، اور یہ کچھ نہیں سوچا کہ اس صورت میں ابوالحسناء سے روایت کرنے والے تین ہوتے ہیں، تو اس کو حافظ اپنی تصریح کے خلاف مجہول کیسے لکھیں گے، نیز میزان الاعتدال میں ان کو لا یعرف تو نظر آیا مگر یہ نظر نہ آیا کہ جس کی نسبت لکھا جا رہا ہے، وہ وہ ہے جو حکم سے روایت کرتا ہے، اور اس سے شریک روایت کرتے ہیں، ایسے تعصب سے خدا بچائے۔

حافظ صاحب نے ابوالحسناء کی روایت کے منقطع ہونے کا بھی شبہہ ظاہر کیا ہے، لکھتے ہیں کہ اگر یہ وہی ابوالحسناء ہیں جو تقریب التہذیب میں مذکور ہیں تو ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لقاء ہی نہیں ہے پس یہ روایت بوجہ منقطع السند ہونے کے صحیح نہ ٹھہری[1] رجال میں پوری مہارت نہ ہونے کی وجہ سے یا کامل غور و فکر نہ کرنے سے حافظ صاحب کو یہ شبہہ ہو گیا ہے ورنہ یہ دونوں دو ابوالحسناء ہیں، تقریب والا ابو الحسناء وہ ہے جو حکم بن عتیبہ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد کے شاگرد) سے روایت کرتا ہے، اور اس سے شریک نخعی روایت کرتے ہیں، جیسا کہ خود صاحب تقریب نے تہذیب التہذیب میں اس کی تصریح کی ہے۔

اور یہ ابوالحسناء جس میں گفتگو ہو رہی ہے وہ ہے جس سے ابوسعد بقال اور عمرو بن قیس روایت کرتے ہیں، اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں لہذا جب دونوں کے شاگرد اور استاد الگ الگ ہیں تو دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ تقریب

---

[1] رکعات التراویح: ص ۳٦

والے ابوالحسناء سے صرف ایک روایت کرنے والا شریک ہے، اس لئے اس کو حافظ ابن حجر نے مجہول لکھا ہے، اگر وہ یہی ابوالحسناء ہوتا تو اس سے روایت کرنے والے تین ہو جاتے ایسی صورت میں حافظ اس کو مجہول کیسے لکھ سکتے تھے جب کہ وہ خود ہی فرماتے ہیں کہ جس سے سوائے ایک راوی کے دوسرا روایت نہ کرے، اس کی نسبت میں مجہول کا لفظ لکھوں گا، حافظ کی عبارت آگے آئے گی، پھر تقریب کے ابوالحسناء کا شاگرد آٹھویں طبقہ کا آدمی ہے، اور اس ابوالحسناء کے شاگرد پانچویں اور چھٹے طبقہ کے آدمی ہیں، لہٰذا وہ ابوالحسناء تو ساتویں طبقہ کا ہو سکتا ہے جس کا شاگرد آٹھویں طبقہ کا ہے، مگر جس کے شاگرد پانچویں اور چھٹے طبقہ کے ہوں، وہ ساتویں طبقہ کا کیسے ہو سکتا ہے۔

الحاصل دونوں کو ایک قرار دینا حافظ صاحب کی غلطی ہے، اور اگر کسی کو اسی پر اصرار ہو کہ دونوں ایک ہی ہیں تو ماننا پڑے گا، اولاً ابوالحسناء سے روایت کرنے والے تین شخص ہیں لہٰذا اصول حدیث کے رو سے وہ مجہول نہیں ہے، اور حافظ ابن حجر نے جو تقریب میں اس کو مجہول لکھا ہے، وہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ خود حافظ نے تصریح کی ہے کہ جس سے بجز ایک راوی کے کسی دوسرے نے روایت نہ کی ہو، اور اس کی توثیق بھی کسی نے نہ کی ہو، اس کے حق میں مجہول کا لفظ میں استعمال کرتا ہوں، حافظ کی عبارت یہ ہے "من لم یروعنه غیر واحد ولم یوثق والیه الاشارة بلفظ مجهول" [1]

ثانیاً جب ابوالحسناء سے طبقہ خامسہ کا آدمی روایت کرتا ہے، تو تقریب میں ابوالحسناء کو طبقہ سابعہ سے قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ جب شاگرد طبقہ خامسہ سے ہے تو استاد بطریق اولی کم از کم طبقہ خامسہ سے...... ورنہ رابعہ یا ثالثہ سے ہوگا۔

اور جب یہ دونوں باتیں تسلیم کر لی جائیں گی، تو حافظ عبداللہ صاحب کے

---

[1] تقریب: ص ۳

دونوں اعتراض ابوالحسناء کا مجہول ہونا اور اس کی روایت کا منقطع ہونا خود ہی باطل ہو جائیں گے۔

اگر کوئی کہے کہ علامہ شوق نیموی نے ابوالحسناء کی نسبت لا یعرف (یعنی وہ معروف ومشہور نہیں ہے) لکھا ہے تو غرض ہے کہ اس لفظ کی مراد مجہول العین ہونا تو ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ علامہ شوق نے خود ہی ابوالحسناء کے دونوں شاگردوں کی روایتیں نقل کی ہیں، لہٰذا ان کی مراد اس لفظ سے یہ ہے کہ اس کا حال معلوم نہیں، یعنی اصطلاح محدثین میں وہ مستور ہے، اور مستور کی روایت کو رد کرنے پر ائمہ کا اتفاق نہیں ہے، بلکہ اس میں اختلاف ہے، حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے "قد قبله جماعة بغير قيد"[1] یعنی ایک جماعت نے اس کو بغیر کسی قید کے قبول کیا ہے، اس کے بعد جمہور کا مذہب یہ بتایا ہے کہ وہ مستور کی روایت کو رد کرتے ہیں پھر تحقیقی قول یہ لکھا ہے[2] کہ مستور کی روایت نہ مقبول ہے نہ مردود، بلکہ حال ظاہر ہونے تک اس میں توقف کیا جائے گا اور حال ظاہر ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی دوسرا اسی کے برابر بھی اس کی متابعت (تائید) کر دے، تو اس کی حدیث حسن لغیرہ ہو جائے گی، چنانچہ حافظ ابن حجر شرح نخبہ میں لکھتے ہیں:

"ومتى توبع السئى الحفظ بمعتبر كان يكون فوقه او مثله لا دونه وكذا المختلط الذى لا يتميذوا لمستوروا الاسناد المرسل وكذا المدلس اذا لم يعرف المحذوف منه صار حديثهم حسنا لا لذاته بل وصفه باعتبار المجموع"[3]

یعنی جب بد حافظہ راوی کی متابعت (تائید) کسی معتبر راوی سے ہو جائے، اور

---

[1] شرح نخبہ: ص ۷۱ [2] یہ ایک فقرہ طبع اوّل میں چھپنے سے رہ گیا ہے

[3] شرح نخبہ: ص ۷۴

معتبر کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بہتر یا برابر ہو کم نہ ہو اسی طرح اگر مختلط راوی[1] کی کوئی تائید کر دے، یا مستور راوی، یا مرسل کے راوی یا مدلس کی کوئی تائید کر دے تو ان سب کی حدیثیں حسن ہو جائیں گی اپنی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ حیثیت مجموعی کے اعتبار سے۔

لہٰذا اس تصریح کے بموجب چونکہ ابوالحسناء کی متابعت ابوعبدالرحمٰن نے کی ہے اور وہ ابوالحسناء سے بڑھ کر ثقہ راوی ہے، اس لئے ابوالحسناء کی یہ روایت جمہور کے نزدیک بھی مقبول ہے۔

علاوہ بریں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کے صحیح ہونے کا ایک زبردست قرینہ یہ ہے کہ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص صحبت یافتہ اور شاگرد اور ان کے مستقر خلافت کوفہ میں رہتے تھے، وہ بیس رکعتیں پڑھتے تھے، چنانچہ شتیر بن شکل جن کی نسبت بیہقی میں ہے کہ وہ حضرت علی کے اصحاب خاص میں تھے، بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔[2]

اسی طرح عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ[3] اور سعید بن ابی الحسن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔[4] اور یہ حضرات بھی پانچ ترویحے یعنی بیس رکعتیں پڑھاتے تھے جیسا کہ قیام اللیل (صفحہ۹۲) میں ہے۔

نیز سوید بن غفلہ (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ و ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب خاص میں تھے) اور حارث اعور اور علی بن ربیعہ (یہ دونوں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے)

---

[1] ابن ابی شیبہ: ۳۹۳/۲ طبع بمبئی

[2] بیہقی: ۴۹۶/۲ اور مصنف ابن ابی شیبہ کما فی آثار السنن: ۲/۱ و قیام اللیل: ص ۹۱

[3] قیام اللیل مطبوعہ میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر چھپ گیا ہے مگر یہ غلط ہے، صحیح عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ ہے اس لئے کہ اس روایت میں بصرہ کا حال مذکور ہے جیسا کہ واقف ہی سمجھ سکتا ہے اور بصرہ کے رہنے والے ابن ابی بکرہ ہی ہیں نیز تاریخ و واقعہ کے لحاظ سے بھی ان کا نام قرین قیاس ہے

[4] تہذیب التہذیب: ۱۴۸/۶، ۱۶/۴

بھی بیس رکعات پڑھاتے تھے۔[1]

اور ابو البختری المتوفی ۸۳ھ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مستقر خلافت کوفہ کے باشندہ، اور ان کے شاگردوں (ابوعبدالرحمٰن سلمی وحارث وغیرہما) کے شاگرد اور صحبت یافتہ ہیں، وہ بھی بیس تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب خاص اور ان کے متبعین کا بیس رکعت کے اختیار کرنے پر یہ اتفاق واجتماع اس بات کی ناقابل تردید دلیل ہے، کہ انہوں نے یقیناً بیس کا حکم دیا تھا۔

علاوہ بریں حضرت علی رضی اللہ عنہ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان آثار کے صحیح ہونے کی اور اس بات کی کہ ان حضرات سے بیس رکعت کا حکم بے شک وشبہ ثابت ہے، ایک پرزور شہادت یہ بھی ہے کہ فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابوعیسیٰ ترمذی نے (سنن ترمذی) میں فرمایا کہ:

"واکثر اهل العلم علی ماروی عن علی و عمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة[3]"

اور اکثر اہل علم اس بات کے قائل ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ وحضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام سے مروی ہے، یعنی بیس رکعت کے دیکھئے امام ترمذی بھی حضرات مذکورہ بالا سے بیس رکعت کے ثبوت کو بے تامل تسلیم کرتے ہیں، کیا ان حضرات سے بیس رکعت کی روایتیں ایسی ہوتیں، جن سے نہ استدلال جائز ہوتا، نہ ان سے کسی بات کی تائید ہوسکتی، نہ وہ قابل اعتبار ہوتیں، جیسا کہ مولانا عبدالرحمٰن تحفۃ الاحوذی (جلد۲ صفحہ۷۵) میں لکھتے ہیں، تو امام ترمذی ان کا اس طرح ذکر

---

[1] ابن ابی شیبہ مطبوعہ: ۲/ ۳۹۳، بیہقی: ۲/ ۴۹۶ و آثار السنن مع تعلیق: ۲/ ۵۹

[2] تعلیق آثار السنن: ص ۶۰ و مصنف ابن ابی شیبہ: ص ۴۸۳

[3] ترمذی مع تحفہ: ۲/ ۷۲

کرتے؟ ہرگز نہیں، سوچنے کی بات ہے کہ روایت کے صحت و سقم کا علم یا ان کے نقد کا سلیقہ امام ترمذی کو زیادہ حاصل ہے یا حافظ عبداللہ صاحب اور مولانا عبدالرحمٰن کو؟

بیس رکعت پر اجماع کی بحث

مولانا عبدالرحمٰن نے تحفۃ الاحوذی (جلد ۲ صفحہ ۷۶) میں یہ بحث اٹھائی ہے اور لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس پر اجماع ہو گیا اور بلاد اسلامیہ میں اسی پر عمل قرار دیا گیا یہ بالکل باطل ہے اور باطل ہونے کی دلیل مولانا نے یہ دی ہے کہ عینی نے بیس کے علاوہ بہت سے قول نقل کئے ہیں، اور امام مالک نے فرمایا ہے کہ مدینہ میں ایک سو سال سے اوپر سے ۳۸ رکعت پر عمل جاری ہے (اور خود امام مالک نے اپنی ذات کے لئے گیارہ کو پسند کیا ہے، اور اسود چالیس رکعت پڑھتے تھے تو اجماع کہا ہوا)۔[1]

مولانا کا یہ بیان پڑھ کر مجھے سوال از آسمان جواب از ریسماں والی مثل یاد آگئی، اس لئے کہ جس نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے، اس نے خود آپ کے اقرار کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اجماع واقع ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اور عینی نے جو اقوال نقل کئے ہیں، وہ سب ان لوگوں کے ہیں، جو عہد فاروقی کے بعد کے ہیں، چنانچہ سب سے پہلا قول انہوں نے ۳۸ کا نقل کیا ہے، اور اسی کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ اس کی ابتداء حرہ سے کچھ پہلے ہوئی، اور امام مالک کے زمانہ تک اس عمل پر سو سال سے کچھ اوپر گزرے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ۲۳ھ میں ہوئی ہے اور حرہ کا واقعہ ۶۳ میں پیش آیا ہے، اور امام مالک کی ولادت ۹۳ھ میں وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی ہے۔

پس اگر ۳۸ کی ابتداء حرہ سے دس سال پہلے بھی مان لیجئے تو ۵۳ھ سے اس کی

---

[1] تحفۃ الاحوذی: ۲/۷۶

ابتداء ثابت ہوتی ہے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سے ۳۰ سال بعد۔

اب دوسرا قول ۳۶ کا لیجئے اس کو نافع اپنے ہوش کا واقعہ بتاتے ہیں، اور نافع نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہی نہیں، چنانچہ مصرح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی روایتیں منقطع ہیں بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی ان کی روایتیں مرسل ہیں۔

تیسرا اور چوتھا اور پانچواں ۳۴ اور ۲۸ اور ۲۴ کا قول زرارہ اور سعید بن جبیر کا ہے اور زرارہ وسعید نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

چھٹا قول (بشرطیکہ وہ ثابت بھی ہو) مالک کا ہے، اوران کی پیدائش ۹۳ھ میں ہوئی ہے اس کے بعد ان کو لیجئے جن کے نام آپ نے لئے ہیں، تو ان میں ایک معاذ ابوحلیمہ ہیں جو اکتالیس رکعت پڑھتے تھے، ان کا یہ عمل محمد بن سیرین نے نقل کیا ہے اور ابن سیرین کی پیدائش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دس برس بعد ہوئی ہے، لہٰذا انہوں نے اگر معاذ کو اکتالیس پڑھتے خود دیکھا ہے، تو وہ عہد فاروقی کے بعد کا قصہ ہے، اور اگر اپنی پیدائش سے پہلے کا واقعہ انہوں نے بیان کیا ہے تو یہ روایت منقطع ہے، اس لئے کہ جس سے انہوں نے اس کو سنا ہے اس کا نام نہیں لیتے، اور منقطع ہونے کے علاوہ جب تک یہ تصریح نہ دکھائی جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں معاذ اکتالیس پڑھتے تھے، تب تک اجماع کے دعویٰ پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، دوسرا قول صالح کا ہے مگر انہوں نے خود تصریح کر دی ہے، کہ میں نے حرہ سے پہلے اکتالیس پڑھتے دیکھا ہے، اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا ہے، لہٰذا حرہ سے پہلے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کے بعد کا واقعہ وہ بیان کر رہے ہیں۔

تیسرا نام آپ نے اسود بن یزید کا لیا ہے، کہ وہ چالیس رکعت پڑھتے تھے، اسود نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ بے شک پایا ہے، لیکن روایت میں قطعاً اس کا ذکر نہیں ہے، کہ اسود عہد فاروقی میں چالیس پڑھتے تھے، اور بغیر اس تصریح کے اجماع کے دعویٰ پر قدح ممکن نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس پر اجماع ہو گیا اس کے خلاف ایک روایت بھی آپ پیش نہیں کر سکے جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کسی نے اس کے خلاف کیا یا کہا، لہٰذا ایسی روایت پیش کئے بغیر یہ کہہ دینا کہ عہد فاروق میں اجماع کا دعویٰ بالکل باطل ہے، خلاف انصاف و دیانت اور محض عوام کو مغالطہ دینا ہے اور یہی وجہ ہے کہ نواب صدیق حسن صاحب نے اس کو ذکر کر کے کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ سکوت اختیار کیا ہے، فرماتے ہیں "وقد عدو اما وقع فی زمن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کالاجماع" یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو ہوا اس کو لوگوں نے اجماع کی طرح شمار کیا ہے[1] نیز یہی وجہ ہے کہ خود عینی جنہوں نے اقوال مذکورہ بالا نقل کئے ہیں، وہ خود بھی اجماع کو تسلیم کرتے ہیں[2] پھر بڑے لطف کی بات یہ ہے کہ اس دعویٰ کی مخالفت میں جتنی روایتیں اور اقوال پیش کئے گئے ہیں، ان سب میں بیس سے زائد رکعتوں کا ذکر ہے، اور ایک قول کے سوا بیس سے کم کا کوئی بھی قول نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی یہ دعویٰ کر دے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ تراویح کی رکعتیں کم از کم بیس ہیں، یا یوں کہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے اس بات پر سب کا اتفاق و اجماع ہے کہ تراویح کی رکعتیں بیس یا بیس سے زائد ہیں، تو اہل حدیث کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

اس دعویٰ کو توڑنے کے لئے سارا زور صرف کرنے کے بعد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ امام مالک کا ایک قول گیارہ کا ہے، لیکن اگر مطالبہ کر دیا جائے کہ امام مالک کی طرف اس قول کو منسوب کرنے کی کونسی قابل اعتماد سند ہے ان کے کس شاگرد نے اس کو روایت کیا ہے، اور وہ روایت کس مستند تصنیف میں ہے، تو عجب نہیں کہ دن میں تارے نظر آنے لگیں۔

---

[1] عون الباری [2] عینی شرح کنز

کہا جاتا ہے کہ احناف میں سے عینی نے اور شافعیوں میں سے جوزی نے اس کو نقل کیا ہے مگر افسوس ہے کہ دونوں نے بلا سند اس قول کی حکایت کی ہے، اور خود مالکیہ کی جو کتابیں ہمارے سامنے ہیں، ان میں کہیں اس قول کا پتہ نہیں۔

مثلاً بدایۃ المجتہد کا مصنف خود مالکی ہے، اور وہ بیس یا چھتیس کے سوا تیسرا کوئی قول امام مالک کا نقل نہیں کرتا، اور مدونہ کبری جو مذہب مالکیہ کی بہت مستند اور نہایت ضخیم کتاب ہے، اس میں بھی گیارہ رکعتوں کا کوئی ذکر نہیں ہے، بلکہ اس میں چھتیس رکعتوں سے کم کرنے کو امام مالک نے منع کیا ہے۔

نیز اس نسبت پر اعتماد اس لئے بھی نہیں ہوسکتا کہ جوزی جو امام مالک سے سیکڑوں برس بعد پیدا ہوئے، وہ نقل کرتے ہیں کہ امام نے کہا گیارہ رکعت مجھے زیادہ پسند ہے اور امام مالک کے شاگرد بلا واسطہ اور ان کے مذہب کے مدون ابن القاسم براہ راست امام مالک سے نقل کرتے ہیں کہ وہ چھتیس تراویح اور تین وتر کو پسند کرتے تھے، ابن رشد لکھتے ہیں "وذكر ابن القاسم عن مالك انه كا يستحسن ستا وثلثين ركعة والوتر ثلاث"

نیز یہی ابن القاسم فرماتے ہیں کہ میں نے خود امام مالک کو فرماتے سنا ہے کہ جعفر بن سلیمان نے میرے پاس آدمی بھیج کر دریافت کیا کہ ہم قیام رمضان کی رکعتیں کم کردیں تو میں نے اس کو منع کیا، پھر امام مالک سے پوچھا گیا کیا رکعتوں کا کم کرنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے؟ تو فرمایا ہاں! اس لئے کہ لوگ قدیم سے یہ قیام کرتے ہوئے آئے ہیں، کہا گیا کہ قیام کتنا ہے تو فرمایا کہ وتر سمیت انتالیس رکعتیں۔[1]

اور ابن ایمن بھی امام مالک کے شاگرد بلا واسطہ ہیں، وہ کہتے ہیں جیسا کہ خود تحفۃ الاحوذی (جلد۲ صفحہ۷۳) میں منقول ہے امام مالک نے فرمایا میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ لوگ رمضان میں اڑتیس رکعتیں پڑھا کریں، پھر امام و مقتدی سلام

---

[1] قیام اللیل: ص ۹۲

پھیریں اس کے بعد امام ان کو ایک رکعت وتر پڑھائے، اب انصاف سے کہئے کہ جو بات امام مالک کے بلاواسطہ شاگرد نقل کرتے ہیں، وہ قابل اعتماد ہے یا ایک حنفی اور ایک شافعی مصنف (جو امام مالک سے صدیوں بعد پیدا ہوئے) ان کی بات مقبول ہوگی۔

تنبیہ: اس موقع پر ایک اور بات بھی عرض کر دینا مناسب ہے، اور وہ یہ کہ بعض لوگوں نے بلاسند کے یہ ذکر کر دیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں بعض لوگ گیارہ پڑھتے تھے، مگر یہ بات بالکل بے اصل و بے بنیاد ہے، اس لئے کہ قیام اللیل (صفحہ۹۲) میں صاف صاف مذکور ہے "امر عمر بن عبدالعزیز القراء فی رمضان ان یقوموا لبست وثلاثین رکعة ویوتروا بثلث" (یعنی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے قاریوں کو حکم دیا کہ وہ چھتیس تراویح اور تین وتر پڑھا کریں)۔

اور داؤد بن قیس کا بیان ہے "ادرکت المدینة فی زمان ابان بن عثمان و عمر بن عبدالعزیز یصلون ستة وثلثین رکعة ویوترون بثلث"[1]

یعنی میں نے ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں مدینہ کے لوگوں کو چھتیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

اور عمرو بن مہاجر کا بیان ہے "وان عمر بن عبدالعزیز کانت تقوم العامة بحضرته فی رمضان بخمس عشرة تسلیمة وهو فی قبته لا ندری ما یصنع"[2]

یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ان کی عام رعیت رمضان میں پندرہ سلام (یعنی تیس رکعتوں) کے ساتھ قیام کرتی تھی، اور عمر اپنے خیمہ کے اندر رہتے تھے، ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا کرتے تھے ان روایت سے محقق ہوگیا کہ حضرت

[1] قیام اللیل: ص ۹۲، ۹۳ [2] قیام اللیل: ص ٦١

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے گیارہ کا حکم دیا، نہ لوگ ان کے زمانہ میں گیارہ پڑھتے تھے، بلکہ انہوں نے چھتیس کا حکم دیا، اور مدینہ میں ان کے حکم کے مطابق لوگ چھتیس ہی پڑھتے تھے، اور خود ان کی موجودگی میں ان کی عام رعیت تیس رکعت پڑھتی تھی۔

الحاصل چاہے اہلحدیث جتنا بھی زور صرف کریں، اس بات کو ثابت کرنا ممکن نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت سے بلاد اسلامیہ میں کہیں بھی گیارہ پر عمل رہا ہو، بلکہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہر جگہ بیس یا بیس سے زائد پر عمل رہا ہے۔

اب رہا یہ شبہہ کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس پر اتفاق ہو گیا تھا، تو بعد میں کسی نے مع وتر کے اکتالیس اور کسی نے انتالیس کو کیوں اختیار کیا، کیا اس سے اس متفقہ فیصلہ کی مخالفت لازم نہیں آتی، تو گزارش ہے کہ اس سے اس متفقہ فیصلہ کی مخالفت قطعاً لازم نہیں آتی، اس لئے کہ جن لوگوں نے بیس پر اضافہ کیا ہے، انہوں نے بیس کا فیصلہ رد نہیں کیا ہے، بلکہ اس فیصلہ کو مع شئے زائد تسلیم کیا ہے، اور اس فیصلہ کو مانتے ہوئے اس پر اضافہ کی بنیاد یہ تھی کہ ان کے نزدیک اس فیصلہ کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس پر اضافہ معیوب و ناپسندیدہ ہے، بلکہ اس کا مطلب ان کے نزدیک یہ تھا کہ کم از کم بیس رکعتیں ہونی چاہئیں اور اگر کوئی اضافہ کی طاقت پاتا ہو یا کثرت سجود کا ثواب حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، امام شافعی نے اس بات کو ان لفظوں میں سمجھایا ہے:

”عن الشافعی رأیت الناس یقومون بالمدینة تسعا و ثلثین رکعة قال واحب الی عشرون قال وکذلك یقومون بمکة قال ولیس فی شئ من هذه ضیق ولا حد ینتهی الیه لانه نافلة فان اطالوا القیام واقلوا السجود فحسن وهو احب الی وان اکثروا الرکوع والسجود فحسن“[1]

---

[1] قیام اللیل: ص ۹۲

یعنی امام شافعی نے فرمایا کہ میں نے مدینہ میں لوگوں کو انتالیس رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اور میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ بیس رکعتیں ہیں اور مکہ میں لوگ یہی کرتے ہیں لیکن ان میں سے (بیس یا چھتیس میں سے) کسی میں کوئی تنگی نہیں اور نہ وہ آخری حد ہے، کہ وہاں پہنچ کر رک جانا ضروری ہے اس لئے کہ یہ نفل نماز ہے پس اگر قیام لمبا کریں، اور سجدوں کی تعداد کم ہو (یعنی بیس پڑھیں) تو وہ اچھا ہے، اور وہی مجھے زیادہ پسند ہے، اور اگر رکوع وسجدہ زیادہ کریں (یعنی رکعات کی تعداد چھتیس کردیں) تو وہ بھی اچھا ہے۔

پس جیسا کہ امام شافعی نے فرمایا بیس یا چھتیس کو بزرگان سلف نے آخری حد نہیں سمجھا اس لئے کسی نے بیس کے بعد چار کسی نے آٹھ کسی نے دس کسی نے سولہ کسی نے اٹھارہ اور کسی نے پوری بیس رکعتوں کا اضافہ کر کے کثرت رکوع وسجود کا ثواب حاصل کیا ہے، اور ایک جماعت نے بیس پر اکتفاء کر کے قیام کو طول دیا، اور طول قیام کا ثواب حاصل کیا، چنانچہ اضافہ کو پسند کرنے والوں میں امام مالک اور ان کے متبعین بھی ہیں، اور مالکیہ نے تصریح کی ہے کہ تراویح مع وتر کے پہلے تئیس رکعتیں تھیں، پھر انتالیس قرار دی گئی، قسطلانی لکھتے ہیں ”وقد قال المالكية كانت ثلثا وعشرين ركعة ثم جعلت تسعاو ثلثين“ اور اس کی وجہ قسطلانی نے یہ ذکر کی ہے کہ مکہ کے لوگ دو ترویحہ کے درمیان خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے، تو اہل مدینہ نے ثواب میں ان کی برابری حاصل کرنے کے خیال سے ہر طواف کے عوض چار رکعتوں کا اضافہ کرلیا، چنانچہ اہل مکہ چار طواف کرتے تھے، تو اہل مدینہ نے سولہ رکعتوں کا اضافہ کرلیا، فرماتے ہیں:

”وانما فعل اهل المدينة هذا لا نهم ارادوا مساواة اهل مكة فانهم كانوا يطوفون سبعاً بين كل ترويحتين فجعل اهل المدينة مكان كل سبع اربع ركعات“

اور حافظ جلال الدین سیوطی مصابیح میں فرماتے ہیں:

"الخامس انها تستحب لاهل المدية ستا وثلثين ركعة تشبيها باهل مكة حيث كانوا يطوفون بين كل ترويحتين طوافا ويصلون ركعتيه ولا يطوفون"

جس حقیقت کو امام شافعی نے ذرا تفصیل سے ذکر کیا ہے اسی کو امام احمد بن حنبل نے چند مختصر لفظوں میں ادا کیا ہے، جیسا کہ قسطلانی کی نقل کے بموجب حنبلی علماء لکھتے ہیں "التراويح عشرون ولا باس بالزيادة نصا عن الامام احمد" (قسطلانی) یعنی تراویح کی رکعتیں بیس ہیں، اور زیادتی اور اضافہ میں کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ امام احمد کی صاف صاف تصریح ہے۔

اور فقہ حنبلی کی مستند کتاب الاقناع (جلد ا صفحہ ۱۴۷) میں ہے "التراويح عشرون ركعة في رمضان يجهر فيها بالقراء ة وفعلها جماعة افضل ولا ينقص منها ولا باس بالزيادة نصا."

ایک شبہہ کا دفعیہ

اگر کوئی یہ شبہہ کرے کہ ابو مجلز سولہ رکعتیں پڑھتے تھے، تو عرض ہے کہ جس روایت میں اس کا ذکر ہے وہ یہ ہے "كان ابو مجلز يصلي بهم اربع ترويحات ويقرأبهم سبع القران كل ليلة"[1]

یعنی ابو مجلز لوگوں کے ساتھ چار ترویح پڑھتے تھے، اور ان کے لئے یا ان کے ساتھ ہر رات قرآن کی ایک منزل پڑھتے تھے، اس روایت کے الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ سولہ ہی رکعتوں کے قائل تھے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ وہ چار ترویحوں میں ایک منزل سنا کر چار رکعتیں دوسرے حافظ کے پیچھے پڑھتے ہوں، یا ایک ترویحہ اکیلے اپنے گھر پڑھتے ہوں۔

[1] قیام اللیل: ص ۹۳

آج بھی بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ایک حافظ آٹھ یا دس رکعتوں میں قرآن کی ایک مقدار سنا کر دوسرے حافظ کے پیچھے باقی رکعتیں پڑھتا ہے، اور اس کا قرآن سنتا ہے۔

اور اگر کوئی زبردستی ابومجلز کو سولہ ہی کا قائل بتائے تب بھی ان کا گیارہ کا قائل ہونا یا اس پر عمل کرنا ثابت نہیں ہوا، ان تمام تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ جس نے یہ کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس پر اجماع ہو گیا، اور اس کے بعد سے بلاد اسلامیہ میں اسی پر عمل قرار پا گیا، اس نے کوئی ناحق بات نہیں کہی ہے۔

فائدہ: مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے کسی مصلحت سے یا بنظر اختصار یہ نہیں بتایا کہ یہ دعویٰ کس نے کیا ہے اس لئے میں اس کو بھی واضح کر دینا اچھا سمجھتا ہوں کہ یہ دعویٰ تنہا کسی حنفی مصنف کا نہیں ہے، بلکہ احناف کے علاوہ دوسرے حضرات بھی جو اہل حدیث کے نزدیک بہت زیادہ قابل اعتماد اور بڑے محقق ہیں، انہوں نے بھی یہ لکھا ہے مثلاً بیس پر عمل قرار پانے کا ذکر حافظ ابن عبدالبر مالکی نے کیا ہے[1] اور امام نووی شافعی نے لکھا ہے "ثم استقر الامر علی عشرین فانه المتوارث" (یعنی پھر بیس پر عمل قرار پا گیا، اس لئے کہ وہی سلف سے خلف تک برابر چلا آ رہا ہے) اور ابن قدامہ حنبلی نے مغنی میں لکھا ہے "وھذا کالاجماع" (یہ مثل اجماع کے ہے) اور ابن حجر مکی شافعی نے لکھا ہے "ولکن اجمعت الصحابة علی ان التراویح عشرون رکعة[2]" یعنی صحابہ نے اجماع کیا ہے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔

اور اتنا تو حافظ ابن تیمیہ کو بھی مسلم ہے کہ "وھو الذی یعمل به اکثر المسلمین" (اسی پر اکثر مسلمان عمل کرتے ہیں)۔

ابن تیمیہ کی تحقیق میں آج بیس پڑھنا افضل ہے

اور خود ان کی ذاتی تحقیق کی رو سے بھی آج بیس ہی پر عمل کرنا افضل ہے، ان

---

[1] مصابیح سیوطی و ہدایۃ السائل نواب صاحب: ص ۱۳۰ [2] مرقاۃ

کی تحقیق یہ ہے کہ اگر مصلیوں کو طاقت ہو کہ جس طرح آنحضرت ﷺ رمضان و غیر رمضان میں رات کی نفلی نماز پڑھتے تھے، اسی طرح لمبے لمبے قیام کرسکیں، (یہ یاد رہے کہ آنحضرت ﷺ کا قیام اتنا لمبا ہوتا کہ کبھی آدھی رات ہو جاتی اور کبھی سحری کا وقت آجاتا تھا) تب تو افضل یہ ہے کہ دس رکعتیں تراویح کی اور تین وتر کی پڑھیں اور اس کی طاقت نہ ہو تو پھر بیس پڑھنا ہی افضل ہے، ظاہر ہے کہ آج موافق یا مخالف کس میں اتنے لمبے قیام کی ہمت اور اس کا حوصلہ ہے؟ لہٰذا ابن تیمیہ کی تحقیق میں بھی آج بیس پڑھنا ہی افضل ہے۔

ابن تیمیہ اورنواب صاحب کی تحقیق میں بیس پر عمل کسی وقت بھی نہ مکروہ ہے نہ بدعت

یہ تو ابن تیمیہ کی تحقیق میں افضل کا بیان ہوا، اب سنئے کہ ان کی تحقیق یہ بھی ہے کہ کسی حال اور وقت میں بیس پر عمل کرنا نہ مکروہ ہے نہ خلاف سنت، بلکہ اچھا ہے فرماتے ہیں ”فکیف ماقام فی رمضان من ھذہ الوجوہ فقد احسن“ (یعنی مذکورہ طریقوں میں سے جس طریقہ سے رمضان میں قیام کرے اچھا ہے) نیز فرماتے ہیں ”ولا یکرہ شیء من ذلک“ (یعنی اس میں کوئی مکروہ نہیں ہے) اس کے ساتھ یہ فرماتے ہیں کہ اس بات کی تصریح امام احمد وغیرہ ائمہ نے کی ہے۔[1]

زیادہ صاف سننا چاہتے ہو تو سنو نواب صدیق حسن مرحوم لکھتے ہیں:

”واما آنکہ جمعے از اہل علم ایں نماز رابست رکعت قرار دادہ اند و در ہر رکعتے قرأتے معین را مستحسن داشتہ ایں عدد بخصوصہ ثابت نشدہ ولیکن منجملہ چیزے است کہ بر آں ایں معنے صادق است کہ ”انہ صلوۃ وانہ جماعۃ وانہ فی رمضان“ پس حکم بہ بدیع آں معنی چہ۔“[2]

---

[1] الانتقاد الرجیح: ص ۶۳ [2] بدور الاھلہ: ص ۸۳

''اور وہ کہ اہل علم کی ایک جماعت نے اس نماز کی بیس رکعتیں قرار دی ہیں، اور ہر رکعت میں قرأت کی ایک معین مقدار کو مستحسن کہا ہے، تو یہ عدد خصوصیت کے ساتھ اگرچہ ثابت نہیں ہے، لیکن ایسی چیز ہے کہ اس پر صادق ہے کہ وہ نماز ہے اور وہ جماعت ہے اور وہ رمضان میں ہے پس اس کو بدعت کہنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔''

اور ہدایۃ السائل میں بیس رکعت پر عمل کرنے والے کو بھی سنت پر عمل کرنے والا قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں۔

''مقصود آنکہ یازدہ رکعت از آنحضرت ﷺ مروی گشتہ و بست رکعت زیادت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ است وسنت نبویہ در زیادت عمریہ مغمور پس آتی بزیادت عامل بسنت ہم باشد۔'' (صفحہ ۱۳۸)

''مقصود یہ ہے کہ گیارہ رکعتیں آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں، اور بیس رکعتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اضافہ سے ہوئی ہیں، اضافہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ تعداد میں سنت نبوی (گیارہ رکعتیں) داخل و شامل ہیں پس بڑھائی ہوئی تعداد پر عمل کرنے والا سنت رسول ﷺ پر بھی عمل کرنے والا ہے۔''

نواب صاحب نے یہاں جو گیارہ رکعتوں کو آنحضرت ﷺ سے منقول کہا ہے، اس سے ان کی مراد پورے بارہوں مہینوں کی صلوٰۃ اللیل (نماز شب) ہے تراویح مراد نہیں ہے، اس لئے کہ ان کی تحقیق میں بھی رکعات تراویح کا کوئی معین عدد آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک بلا تعیین عدد بالا جمال اتنا ثابت ہے کہ سال کے گیارہ مہینوں میں جتنی رکعتیں (گیارہ یا تیرہ) رات میں پڑھتے تھے، رمضان میں اس سے زیادہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

چنانچہ ''الانتقاد الرجیح'' میں لکھتے ہیں:

''ان صلوة التراويح سنة باصلها لما ثبت انه صلى الله عليه وسلم صلاهافی ليالى ثم ترك شفقة على الامة ان لا تجب على العامة اويحسبوها واجبة ولم يات تعين العدد فی الروايات الصحيحة المرفوعة، ولكن يعلم من حديث كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد فی رمضان مالا يجتهد فی غيره رواه مسلم ان عددها كان كثيرا'' [1]

تَرْجَمَہ: ''اصل نماز تراویح سنت ہے اس لئے کہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چندراتوں میں اس کو پڑھا ہے پھرامت پرشفقت کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا کہ کہیں عام لوگوں پر واجب نہ ہو جائے، یا لوگ اس کو واجب نہ سمجھ بیٹھیں اور عدد کی تعیین صحیح مرفوع روایتوں میں نہیں آئی ہے لیکن صحیح مسلم کی ایک حدیث سے کہ آنحضرت ﷺ رمضان میں جتنی محنت وکوشش کرتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تراویح کا عدد زیادہ تھا (یعنی صرف گیارہ یا تیرہ نہیں تھا)۔''

اس تصریح سے واضح ہو گیا کہ نواب صاحب نے بدور الاہلہ میں جو گیارہ رکعتوں کو آنحضرت ﷺ سے منقول قرار دیا ہے کہ اس سے غیر رمضان کی گیارہ رکعتیں مراد ہیں، تراویح کی نہیں اوران کا مقصد یہ ہے کہ نماز شب کی سنت مستمرہ کی بنیاد پر تراویح میں بھی گیارہ رکعتوں کو سنت نبوی قرار دیا جائے تب بھی جولوگ بیس رکعتوں پر عمل کرتے ہیں ان کو سنت نبوی کا تارک نہیں کہا جاسکتا، اس لئے بیس کے ضمن میں انہوں نے گیارہ پر بھی عمل کیا، لہٰذا وہ لوگ اسوۂ فارقی کے ساتھ سنت نبوی ﷺ کے بھی پیرو ہیں۔

---

[1] الانتقاد الرجيح: ص ٦١

خاتمہ

رکعات تراویح کی تحقیق کے سلسلہ میں اوپر جو معروضات پیش کئے گئے ان سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ۔

❶ عہد فاروقی سے لے کر اب سے کچھ پہلے تک تمام مسلمانان عالم بیس یا بیس سے زائد رکعتوں کے قائل تھے، اور اسی پر عملدرآمد تھا، اس پوری مدت میں اگر ایک آدھ آدمی بیس سے کم کے قائل بھی ہوئے تو اس پر کسی مسجد میں عمل ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

❷ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم یا ان کی رضامندی سے بیس رکعات کا ثبوت ایسا پختہ ہے کہ کسی مصنف کو انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

❸ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بیس رکعت پڑھنے کی نسبت بھی بے اصل نہیں ہے، نواب صدیق حسن خان صاحب کی تحقیق میں حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ آپ رمضان میں آٹھ رکعتوں سے زیادہ پڑھتے تھے۔

❹ بیس کی روایات پر اہل حدیث حضرات جو جرح قدح کرتے ہیں، اصول حدیث بلکہ ان کے مسلمات کے رو سے ایک بھی صحیح نہیں ہے۔

تراویح کی بیس رکعتوں کے مخالف حضرات وقتاً فوقتاً جو اشتہارات شائع کیا کرتے تھے، اور اس عمل کو خلاف سنت ظاہر کرنے کے لئے جو کوششیں بروئے کار لاتے تھے، ان کے پیش نظر مذکورہ بالا امور کو صاف کرنا نہایت ضروری تھا، جو بحمد اللہ اس رسالہ کے ذریعہ خوش اسلوبی سے انجام پذیر ہوا۔

حبیب الرحمٰن الاعظمی
مئو۔ ناتھ بھنجن
۱۵ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ

رسالہ تراویح

از

حضرت مولانا غلام رسول رح

قلعہ میاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ

مع

ترجمہ ینابیع

از

شیخ الحدیث امام اہل السنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ

ناشر

مکتبہ صفدریہ

نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

رسالۂ تراویح

مصنفہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب مرحوم غیر مقلد قلعہ میہاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ جس میں انہوں نے مفتی محمد حسین صاحب بٹالوی کے اس فتویٰ کا علمی اور تحقیقی طور پر خوب رد کیا ہے کہ بیس تراویح کا کوئی ثبوت نہیں اور بیس رکعت تراویح ادا کرنے سے سنت ادا نہیں ہوتی (معاذ اللہ تعالےٰ) مولانا غلام رسول صاحبؒ نے اس بے بنیاد فتویٰ کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر کر رکھ دی ہیں اور مفتی محمد حسین صاحب کو غالی کا لقب دیا ہے۔

معہ

ترجمۂ ینابیع

از

ابوالزاہد محمد سرفراز

﴿جملہ حقوق بحق مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ محفوظ ہیں﴾

تاریخ طبع............جولائی ۲۰۱۳ء

نام کتاب.......... ینابیع ترجمہ رسالہ تراویح

تالیف..........غیر مقلد عالم مولانا غلام رسول صاحب قلعہ میاں سنگھ

ترجمہ..........امام اہل سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

مطبع.......... مکی مدنی پرنٹرز لاہور

تعداد.......... ایک ہزار (۱۰۰۰)

قیمت.......... -/۳۵ (پینتیس روپے)

ناشر.......... مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

﴿ملنے کے پتے﴾

☆ کتب خانہ صفدریہ، 0300-4257988

☆ ادارہ الانور بنوری ٹاؤن کراچی ☆ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی

☆ مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان ☆ مکتبہ حقانیہ ملتان

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور ☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور ☆ مکتبہ الحسن اردو بازار لاہور

☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی ☆ کتب خانہ مجیدیہ بوہڑ گیٹ ملتان

☆ مکتبہ صفدریہ چوہڑ چوک راولپنڈی ☆ مکتبہ حلیمیہ درہ پیزو لکی مروت

☆ مکتبہ سلطان عالمگیر اردو بازار لاہور ☆ ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور

☆ اسلامی کتب خانہ اڈا کاکی ایبٹ آباد ☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

☆ مکتبہ عثمانیہ میانوالی روڈ تلہ گنگ ☆ مکتبہ الاظہر بانو بازار رحیم یار خان

☆ اقبال بک سنٹر نزد صالح مسجد صدر کراچی ☆ مکتبہ فاروقیہ ہزارہ روڈ حسن ابدال

☆ مکتبہ علمیہ جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

☆ مکتبہ رحمانیہ قصہ خوانی پشاور ☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد

☆ مکتبہ فاروقیہ حنفیہ اردو بازار گوجرانوالہ ☆ والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ

☆ ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ☆ ظفر اسلامی کتب خانہ جی ٹی روڈ گکھڑ

فہرست مضامین

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد،

اصلاح عقیدہ کے بعد تمام عبادات میں نماز کا درجہ سب سے اعلیٰ اور افضل ہے یہ ایسی جامع عبادت ہے جس میں زبان بدن اور مال (جس سے لباس خریدا جاتا ہے۔ کیونکہ تن پوشی بھی نماز میں حسب مراتب ضروری ہے) سب شریک ہوتے ہیں اور نماز فی نفسہٖ بڑی عبادت اور تقرب خداوندی کا عمدہ ذریعہ ہے لیکن جماعت کے ساتھ نماز کا درجہ پچیس ۲۵ یا ستائیس گنا بڑھ جاتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے اور رمضان شریف میں ہر نیکی کا اجر وثواب مزید بڑھ جاتا ہے لہٰذا رمضان مبارک کے مہینہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت مطلوب ہے پس کیا ہی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو التزام کے ساتھ تراویح کی نماز میں شریک ہوتے ہیں اور بیس ۲۰ تراویح پڑھ کر اپنی آخرت کا بہتر سے بہتر ذخیرہ بناتے ہیں اس مختصر رسالہ میں تراویح کے بیس ۲۰ ہونے کا علمی اور تحقیقی طور پر مختصر ذکر کیا گیا ہے ذیل کے امور کو ذہن نشین کرنے کے بعد اصل کتاب کو غور سے پڑھیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رمضان مبارک کی راتوں میں خود بھی

خاص اہتمام کے ساتھ نماز پڑھی اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دی اور تین راتیں (۲۳، ۲۵، ۲۷ رمضان) آپ نے باجماعت نماز پڑھائی مگر اس خوف سے کہ کہیں یہ امت پر فرض نہ ہو جائے آپ نے جماعت ترک کر دی اور لوگوں کو یہ نماز گھروں میں پڑھنے کی تلقین فرمائی لیکن کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے رمضان یا ان تین راتوں میں کتنی رکعت نماز تراویح پڑھی یا پڑھائی حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ آپ نے رمضان میں بیس ۲۰ رکعتیں پڑھیں مگر اس کی سند ضعیف اور کمزور ہے اور حضرت جابرؓ کی روایت (موارد الظمآن ص ۲۳۰ وغیرہ) میں ہے کہ آپ نے آٹھ ۸ رکعت پڑھائیں لیکن اس کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ ضعیف اور کمزور راوی ہے اس لیے قطعیت اور تعیین کے ساتھ یہ بتانا نہایت ہی مشکل ہے کہ آپ نے رمضان میں کتنی تراویح پڑھیں اور پڑھائیں، یہی وجہ ہے کہ مشہور غیر مقلد عالم نواب نور الحسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ وبالجملہ عددے معین در مرفوع نیامدہ (العرف الجادی ص ۸۴ طبع بھوپال سنہ ۱۳۰۱ھ) یعنی خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کسی مرفوع حدیث میں تراویح کا عدد معین نہیں آیا۔

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت تقریباً اڑھائی سال تک رہی اور اندرونی اور بیرونی فتنے اس قدر برپا ہوئے کہ ان کو ان سے فارغ ہو کر کسی اور طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا تا آنکہ حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو ان کی خلافت میں تقریباً سنہ ۱۴ھ سے باقاعدہ جماعت کے ساتھ نماز تراویح شروع ہوئی اور اخیر میں انہوں نے حضرات صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کے اندر بیس ۲۰ رکعت کا حکم دیا اور ان کے حکم سے بیس ۲۰ رکعتیں ہوتی رہیں اور تقریباً تمام حضرات صحابہ کرامؓ کا اس پر اتفاق و اجماع ہو گیا اور کسی نے اس کا انکار نہ کیا چنانچہ علامہ موفق الدین ابن قدامہؒ اور امام شمس الدین ابن قدامہؒ اس کارروائی کو کالاجماع سے تعبیر کرتے ہیں (مغنی جلد ۱ ص ۸۰۳ و شرح مقنع جلد ۱ ص ۷۵۲ بر حاشیہ مغنی) اور اس وقت سے لے کر تقریباً سنہ ۱۲۸۴ھ تک مختلف مکاتب فکر کے لوگ اسی پر عمل کرتے رہے اور کسی نے اس کے خلاف لب ہلانے کی جرأت نہ کی۔

(۲) دیگر اسلامی ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی سبھی حضرات بیس ۲۰ رکعت تراویح ہی پڑھتے رہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کا خاندان ہندوستان میں علوم دینیہ کی تدریس و تبلیغ اور توحید و سنت کی نشر و اشاعت میں سب سے پیش پیش تھا اور یہ حضرات بھی تراویح ۲۰ رکعت ہی پڑھتے تھے اور دلائل کے ساتھ وہ بیس ۲۰ ہی ثابت کرتے تھے اگر بیس ۲۰ رکعت کی ادائیگی میں سنت کی مخالفت بلکہ اس کی بو تک بھی پیدا ہوتی تو یہ حضرات کبھی بیس ۲۰ نہ پڑھتے اور علی الخصوص حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اس کے قریب بھی نہ جاتے جو خلاف سنت کاموں کے خلاف ہمیشہ کوشاں رہے۔ چونکہ یہ ایک گونہ اجماعی مسئلہ تسلیم کیا جاتا تھا اس لیے اس کے خلاف لب کشائی کسی کو بھی گوارا نہ تھی تب سنہ ۱۲۸۴ھ میں ہندوستان کے مشہور شہر اکبر آباد میں کسی غیر مقلد مولوی صاحب نے یہ فتویٰ دیا کہ تراویح آٹھ رکعات ہیں تو اس فتویٰ کے خلاف طوفان برپا ہو گیا اور اسی سن میں مطبع لطافت آگرہ سے ایک رسالہ بنام "استفتاء التراویح" طبع ہوا جس میں اس علاقہ کے تقریباً اٹھارہ علماء کرام کے پُر زور فتوے اس میں طبع ہوئے اور عوام الناس کو اس فتنے سے آگاہ کیا گیا۔ چنانچہ حضرت مولانا فیض احمد صاحبؒ اپنے فتویٰ میں تراویح کے بیس ۲۰ ہونے کے چند حوالے درج فرمانے کے بعد ارقام فرماتے ہیں کہ "اور اسی طرح بہت سی کتابوں فقہ میں بیس ۲۰ رکعت سنت ہونے تراویح میں صراحۃً مذکور ہیں اور اجماع اہل الاسلام شرقاً و غرباً اور حرمین شریفین

زادہما اللہ شرفاً جاری و رائج ہے۔ کسی شخص نے اہلِ اسلام سے اس امر میں آج تک خلاف نہیں کیا۔ اور مخالف اس کا مبتدع ہے"۔ فیض احمد (رسالہ استفسار التراویح صد۲۲ و صد۲۳ مطبع لطافت آگرہ) اور حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب الثانیؒ طویل بحث کرتے ہوئے اپنے فتوے میں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ "مولوی عبدالحی صاحبؒ اور مولوی اسماعیل شہید و مرحوم و مغفور نے بھی کہ اس زمانۂ آخر میں کیسے محیٔ سنت اور قامع بدعت ہوئے ہیں اور از شرق تا غرب اُن کی ہدایت کا نُور مثل شمس نصف النہار کے تاباں و درخشاں ہے ایسا کلمہ (کہ بیس۲۰ رکعت خلاف سُنت ہیں) زبان پر نہ لائے بلکہ خود وہ حضرات عالیات ہمیشہ بیس۲۰ رکعت پڑھتے تھے۔ نہ کبھی آٹھ رکعت پڑھی نہ اس کا حکم دیا اھ (صد۱۲)

③ ہماری دانست کے مطابق خطۂ پنجاب میں سب سے پہلے جن صاحب نے تراویح کے آٹھ ہونے کا فتویٰ دیا ہے وہ مولوی مفتی محمد حسین صاحب بٹالوی گورداسپوری ہیں (اور خیر سے گورداسپور کا ضلع فتنوں کے لیے ایسا زرخیز رہا ہے کہ کسی دوسرے ضلع کو یہ نصیب حاصل نہیں ہو سکا۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی، مسٹر غلام احمد صاحب پرویز، مولوی سردار احمد صاحب لائلپوری، اور سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی، اسی ضلع سے نمودار ہوتے ہیں) جو اس علاقہ کے غیر مقلدین حضرات کے روح رواں تصور ہوتے تھے ان کے فتویٰ کا جواب اگر کوئی حنفی یا مقلد عالم دیتا تو باوجود معقول اور درست ہونے کے کہنے والے اس کو تعصب کی پیداوار کہہ دیتے لیکن پروردگار نے یہ کام ایک اہل حدیث اور غیر مقلد عالم سے لیا یعنی حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ قلعہ میہاں سنگھ

ضلع گوجرانوالہ جن کو غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی سے شرف تلمذ حاصل تھا چنانچہ الحیات بعد الممات میں ان کے تلامذہ میں ان کا ذکر ہے (ملاحظہ ہو صد۴۲۹) اور تاریخ اہلحدیث صد۴۲۳ میں حضرت میاں صاحبؒ کے تلامذہ میں ان کا نام اس عنوان سے صد۲۱ میں مذکور ہے "مولوی غلام رسول صاحب قلعہ میہاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ۔ جن کا علم عمیق اور تقویٰ و ورع مشہور تھا اور انہوں نے انتہائی مدلل طریقہ سے خالص علمی رنگ میں مفتی محمد حسین صاحب کے فتویٰ کا جواب دیا اور اس میں پوری دلسوزی اور ہمدردی کا اظہار فرمایا ہے اور مفتی صاحب کے بے جا غلو اور تعصب کو طشت از بام کیا ہے۔ چنانچہ مولانا ایک مقام میں مفتی محمد حسین صاحب کے غلو کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

فعل صحابہؓ و تابعینؒ و ائمۂ اربعہؒ و فعل سواد اعظم مسلمین شرقاً و غرباً از عہد عمر فاروقؓ تا ایں وقت ہمہ بیست۲۰ و سہ۳ میخوانند بخلاف ایں مفتی غالی کہ بدعت و مخالف سنت میگوید و راہِ افراط می پوید۔

حضرات صحابہ کرامؓ ائمہ اربعہؒ اور مسلمانوں کی عظیم جماعت کا عمل یہ ہے کہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک مشرق و مغرب میں تیئس ۲۳ رکعت ہی پڑھتے رہے بخلاف اس غالی مفتی کے کہ وہ اس کو بدعت اور مخالف سنت کہتا ہے اور افراط کی راہ پر چلتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے دور سے لے کر ۱۲۹۰ھ تک جس میں مولانا غلام رسول صاحبؒ نے یہ کتاب لکھی ہے۔ مولانا موصوفؒ کے علم میں کوئی بیس۲۰ رکعت تراویح کے خلاف نہ تھا۔ اور سبھی ۲۰ ہی کو سنت سمجھتے اور ادا کرتے تھے مگر مفتی محمد حسین صاحب اور اسی طرح کے

بعض اور غلو پسند لوگوں نے امت مسلمہ کی وحدت میں افتراق کی راہ پیدا کر دی اور آزادی پسند اور تن آسانی چاہنے والوں کے لیے ایک ایسا چور دروازہ کھول دیا جو دن بدن کشادہ تر ہوتا جا رہا ہے اور اس کے بند ہونے کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آرہی اور حقیقت یہ ہے کہ جو بھی غلط نظریہ اس دور میں پیش کیا جائے اس کو قبول کرنے والے لپک کر لبیک کہتے ہیں، توحید و سُنت کے خلاف شرک و بدعت زوروں پر ہے ختم نبوت کے بنیادی عقیدہ کا کھلے طور پر انکار ہو رہا ہے۔ بلکہ اس کو اُلٹا اسلام ثابت کیا جا رہا ہے۔ حدیث شریف کا انکار کیا جا رہا ہے حضرات صحابہ کرام رض پر کھلے بندوں تنقید ہو رہی ہے۔ اجماعی اور اتفاقی مسائل میں شکوک و شبہات پیدا کئے جا رہے ہیں وہ کون سی بدی اور بد عقیدتی ہے جس کو تحریر و تقریر کے زور سے اس پُر فتن دور میں پھیلایا نہیں جا رہا فالی اللہ المشتکیٰ۔ مولانا غلام رسول صاحبؒ ہی ایک اور مقام پر اس غالی مفتی پر تنقید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

وایں مفتی بسینہ زوری اعمال متبعان سنت را بدعت میگوید و سواد اعظم را از صحابہ رض و تابعینؒ و ائمہ مجتہدینؒ و علماء شرق و غرب از عہد عمر رض بن الخطاب تا امروز مخالف سنت قرار مے دہد۔

اور یہ مفتی (محمد حسین صاحب) سینہ زوری کے ساتھ سنت کی پیروی کرنے والوں کے عمل کو بدعت کہتا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اور حضرت عمر رض بن الخطاب کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک حضرات صحابہ کرام رض تابعینؒ ائمہ مجتہدینؒ کی عظیم جماعت اور مشرق و

ومغرب کے علماء کے عمل کو مخالف سنت قرار دیتا ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)

حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کے دل سے خدا خوفی نکل جاتی ہے تو اس کی زبان و قلم میں اتنی اور ایسی بے باکی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ جمہور اُمت تو درکنار حضرات صحابہ کرام رض بلکہ حضرت عمر رض بن الخطاب جیسے خلیفہ راشد کے فعل کو بھی بدعت اور مخالف سُنت کہنے سے دریغ نہیں کرتا اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ایسے بیباک لوگوں کے بدنظریات سے محفوظ رکھے (آمین)

(۲) مولانا غلام رسول صاحبؒ کا رسالہ تراویح جو جناب قاضی امام الدین صاحبؒ اور قاضی ضیاؤ الدین صاحب رح کی کوشش سے ۱۲۹۱ھ میں مطبع محمدی لاہور میں طبع ہوا تھا وہ فارسی زبان میں ہے اس وقت مسلمانوں کی اکثریت فارسی کو اس طرح باآسانی سمجھ سکتی تھی جس طرح کہ آج عموماً اردو زبان سمجھی جاتی ہے اور اب بھی اہل علم کے لیے تو ضرورت نہیں کہ اس کا ترجمہ کیا جاتا مگر عامۃ المسلمین کی خاطر اس کا ساتھ ہی اُردو میں سلیس اور قدرے آزاد ترجمہ کر دیا گیا ہے تاکہ جہاں خواص اس سے مستفید ہوں وہاں عوام بھی مولانا موصوفؒ کے علمی جواہر ریزوں سے لطف اندوز ہوں، مولانا موصوفؒ نے اپنے رسالہ میں جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے ہم نے اصل کتابوں کے جو دستیاب ہو سکی ہیں حوالے بھی حاشیہ پر درج کر دیئے ہیں تاکہ اہل علم کو تلاش کرنے میں وقت پیش نہ آئے بعض مشکل الفاظ کی تشریح مولانا موصوف رح نے بین السطور درج فرمائی ہے ہم نے وہ بھی باقاعدہ نقل کر دی ہے کہیں بین السطور اور کہیں حاشیہ پر تاکہ

ان کے قلم سے نکلا ہوا کوئی بھی بابرکت جملہ چھوٹنے نہ پائے اور جناب قاضی ضیاؤ الدین صاحب (اور ایک آدھ مقام پر ظفر الدین صاحب) نے مختصر سا حاشیہ بعض مقامات پر لکھا ہے ہم نے وہ بھی بعینہ نقل کر کے اس کا ترجمہ بھی اپنی طرف سے ساتھ لکھ دیا ہے تاکہ عوام بھی اس حاشیہ کے مطلب اور مفہوم کو سمجھ سکیں ایک دو مقام پر حاشیہ کچھ ایسے انداز سے ہے کہ مطلب خیز معلوم نہیں ہوتا اس کی طرف ترجمہ میں اشارہ کر دیا گیا ہے، اہل علم کے ہاں اگر اس کا کوئی اور [illegible] نہ ہو یا وہ اس کا بہتر مطلب واضح کر سکیں تو ہم انشاء اللہ تعالیٰ طبع جدید میں اصلاح کر کے ان کے مشکور ہوں گے۔

(۵) مولانا موصوف رح نے اصولی طور پر تراویح کے بیس ۲۰ رکعت ہونے پر ایک دلیل یہ بھی پیش کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں تراویح بیس ۲۰ رکعات ہوتی تھیں جیسا کہ امام بیہقیؒ نے صحیح سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رض کے عہد میں بھی بیس ۲۰ ہی پڑھی جاتی رہی ہیں اور چونکہ یہ حضرات خلفاء راشدینؓ میں تھے اور اس کی سنت کی پیروی کرنا ہم پر صحیح حدیث کے رُو سے لازم ہے اس لیے بیس رکعت تراویح پڑھنے والے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے حضرات خلفاء راشدین رض کی سنت پر عمل کر رہے ہیں اور ان کے علاوہ حضرات صحابہ کرام رض تابعینؒ ائمہ اربعہ اور جمہور سلف و خلف کی معیت اس پر مستزاد ہے حضرات خلفاء راشدین رض کی سنت کی پیروی کرنے کی جس حدیث کا حوالہ مولانا موصوف رح نے اجمالاً بیان کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا

ہے کہ ہم اس کی قدرے تفصیل کر دیں۔ حضرت عرباض بن ساریہ (المتوفی ۷۵ھ) روایت کرتے ہیں کہ:

صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم ثم اقبل علینا بوجہہ فوعظنا موعظۃ بلیغۃ ذرفت منہا العیون ووجلت منہا القلوب فقال رجل یا رسول اللہ کأن ہذہ موعظۃ مودع فاوصنا فقال اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبدا حبشیا فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔

(رواہ احمد جلد ۴ ص۱۲۶ و ابو داؤد جلد ۲ ص۲۷۹ والترمذی ج ۲ ص۹۲ وابن ماجہ ص۵ و [illegible] اذا النہار لم یذکر الصلوۃ)

ایک دن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں (صبح کی) نماز پڑھائی پھر اپنا رُخ مبارک ہماری طرف پھیر کر ہمیں انتہائی مؤثر اور بلیغ وعظ فرمایا جس سے ہماری آنکھوں سے آنسو بہ پڑے اور دل خوفزدہ ہو گئے اس وقت ایک شخص نے کہا یارسول اللہ گویا یہ رخصت کرنے والے کا وعظ ہے سو آپ ہمیں کچھ وصیت فرمایئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور امیر وقت کی (جو مسلمان اور عادل ہو) بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کا تاکیدی حکم دیتا ہوں اگرچہ وہ (کالا کلوٹا) حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو بلاشبہ جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ بہت اختلافات دیکھے گا پس تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین رض کی سنت لازم ہے جو ہدایت یافتہ ہیں [illegible] مذکورہ سنت

مشکوٰۃ جلد ۱ ص۲۹ و ص۳۰)

کو تم مضبوطی سے پکڑو اور اس کو اپنی داڑھوں کے نیچے خوب دباؤ اور تم نئے نئے امور سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز (جو دین میں نکالی جائے) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اِن کتابوں کے علاوہ یہ روایت موارد الظمآن ص۵۶ طبع مصر میں بھی ہے اور اس میں صلّی بنا رسول اللہ علیہ وسلم الصبح ذات یوم الخ کے الفاظ ہیں اور یہ روایت مستدرک حاکم جلد ۱ ص۹۶ میں بھی موجود ہے امام حاکمؒ اس حدیث کو سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ :۔

ھٰذا اسناد صحیح علٰی شرطھما جمیعًا ولا اعرف لہ علۃ ،،

یہ سند بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں کی شرط پر صحیح ہے اور مجھے اس میں کوئی خرابی معلوم نہیں ہے۔

اور ناقدِ فنِ رجال علّامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں صحیح لیس لہ علۃ کہ یہ حدیث صحیح ہے اس میں کوئی علّت موجود نہیں ہے (تلخیص المستدرک جلد ۱ ص۹۶) اور امام ترمذیؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ھٰذا حدیث حسن صحیح - آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے قواعد عربی کے لحاظ سے حضرات خلفاء راشدین رضؓ کی سنت کے وجوب اور لزوم اور اس کی مخالفت سے گریز و اجتناب کو جتنی ممکن تعبیریں ہو سکتی تھیں اس حدیث میں صاف طور پر ارشاد فرمادی ہیں مثلاً۔

① علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء کے جملہ میں آپ نے ان کو خلفاء کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ خلیفہ کا حکم اتنا

ہی واجب الاتباع ہوتا ہے جتنا کہ اصل کا ورنہ خلیفہ ہونے کا مطلب ہی کیا؟ یعنی اتباع اور پیروی کے لحاظ سے جو حکم اصل کا ہے وہی خلیفہ اور نائب کا ہے۔

② آپ نے اس لزوم کو لفظ علیکم سے ادا فرمایا ہے اور یہ لفظ وضعاً لزوم کے لئے آتا ہے گویا آپ نے حضرات خلفاء راشدین رضؓ کی سنت کو بھی ویسا ہی لازم اور ضروری قرار دیا جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی سُنّت لازم اور ضروری ہے۔ حافظ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ :۔

علٰی للاستعلاء حِسًّا ومعنًی فھی فی الایجاب حقیقۃ فانہ یعلو المکلف اھ (التحریر فی اصول الفقہ ص۲۰۳ طبع مصر)

یعنی لفظ علٰی حِسًّا و معنًی برتری و غلبہ کے لیے آتا ہے پس حقیقۃً وہ ایجاب میں مستعمل ہوتا ہے کیونکہ وہ مکلف پر لازم اور غالب ہوتا ہے۔

اور علّامہ صدر الشریعہؒ فرماتے ہیں کہ :۔

علٰی للاستعلاء ویراد بہ الوجوب فی علیّ دین لان الدین یعلوہ ویرکبہ معنًی اھ (التوضیح مع التلویح ص۲۶۷)

لفظ علٰی استعلاء کے لیے آتا ہے اور علیّ دین (کہ مجھ پر قرضہ ہے) کے جملہ سے مراد وجوب ہوتی ہے کیونکہ قرض ایسی چیز ہے جو معنًی مقروض پر غلبہ پاتا اور اس پر سوار ہوتا ہے۔

اور مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

فان لفظ علیکم یدل علی اللزوم وضعًا والمعطوف فی حکم المعطوف علیہ لغۃً

اس میں شک نہیں کہ لفظ علیکم وضعًا لزوم پر دلالت کرتا ہے اور معطوف لغت میں معطوف علیہ کے

فثبت بہ لزوم سُنّۃ الخلفاء کلزوم سُنّۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلّم فلا یصح التفرقۃ بینھما بالسُّنِّیَّۃ والندب فان المندوب لا یکون لازماً۔

(اعلاء السنن جلد ۷ ص۴۵)

حکم میں ہوتا ہے پس اس لفظ سے خلفاء کی سُنّت کا لزوم بھی اسی طرح ثابت ہوا جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی سُنّت لازم ہے سو ان دونوں میں سُنّیت اور استحباب کا تفرقہ درست نہیں ہے (کہ آپ کی پیروی تو سنت ہو اور حضرات خلفاء راشدین رضؓ کی مستحب ہو جیسا کہ بعض نے یہ سمجھا اور کہا ہے) کیونکہ مستحب لازم نہیں ہوتا۔

اِن تمام اقتباسات سے یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ لفظ علیٰ وضعاً لزوم اور وجوب کے لیے آتا ہے تو آپ کی سُنّت کی طرح خلفاء راشدینؓ کی سنت بھی لازم ہے۔

③ اور لفظ سُنّت کی الخلفاء کی طرف اضافت ایک الگ قرینہ اور دلیل ہے کہ خلفاء کی سُنّت لازم ہے کیونکہ حضرات صحابۂ کرام رضؓ کے باقی احاد و افراد کی اتباع اور پیروی بھی تو ما انا علیہ و اصحابی کی حدیث کے پیشِ نظر مامور اور مستحب ہے، اگر سنتِ خلفاءؓ کا بھی یہی مقام اور درجہ ہو۔ تو وجہ تخصیص باقی نہیں رہتی اور خلیفہ کا امتیاز کچھ نظر نہیں آتا حالانکہ یہ صحیح حدیث اپنے سیاق و سباق کے اعتبار سے خلفاء اور غیر خلفاء کا فرق نمایاں اور عیاں کرتی ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

④ اور اس حدیث میں آپ نے خلفاء کو راشدین فرمایا ہے اور روشن بات ہے کہ رُشد اور درست امر کی اتباع لازم ہے اور

اس کے مقابلہ میں جو عمل ہو گا وہ غیر رُشد ہو گا اور جب وہ بھلائی اور رُشد نہ رہا تو اس سے اجتناب لازم اور ضروری ہے۔

⑤ راشدین کے بعد آپ نے مہدیّین کا لفظ فرما کر اس بات کو اور مضبوط اور مؤکد کر دیا ہے کہ جب وہ حضرات ہدایت یافتہ ہیں تو ان کی اتباع اور پیروی لازم ہو گی کیونکہ اگر مہدیین کی اتباع لازم نہ ہو تو کس کی اتباع لازم ہو گی؟ اور مہدی وہی ہو سکتا ہے جس کو پروردگار کی طرف سے ہدایت کے بلند و بالا مقام پر فائز کیا گیا ہو گویا انہوں نے یہ مقام از خود حاصل نہیں کیا بلکہ ان کو مرحمت ہوا ہے۔

⑥ اور اس کے بعد آپ نے وتمسکوا بہا ارشاد فرمایا ہے یعنی اپنے کسب و اختیار اور ارادہ سے تم حضرات خلفاء راشدینؓ کی سنت کو مضبوطی سے تھامو اور پکڑو کیونکہ لفظ تمسّک باب تفعّل سے ہے اور باب تفعّل میں اکثر تکلّف کا مفہوم ملحوظ ہوتا ہے جو عامل کے کسب و اختیار اور ارادہ پر دلالت کرتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ غیر ارادی اور غیر شعوری طور پر نہیں بلکہ اپنے کسب اور ارادہ کے ساتھ میری سُنّت کی طرح تم میرے خلفاء راشدین رضؓ کی سُنّت کو بھی مضبوطی سے پکڑو اور تھامو۔

⑦ اور پھر مزید تاکید کرتے ہوئے عضوا علیہا بالنواجذ فرمایا کہ میری سُنّت کی طرح میرے خلفاء راشدینؓ کی سنت کو بھی اپنی ڈاڑھوں کے ساتھ نہایت مضبوطی سے پکڑو اور واضح امر ہے کہ جو چیز ڈاڑھوں میں پکڑی جائے گی وہ بنسبت دوسرے دانتوں میں پکڑنے کے زیادہ مضبوط ہو گی اور تمسکوا بہا اور عضوا علیہا بالنواجذ کے دونوں

حکم آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات خلفاء راشدین رضؓ کی سنت کی طرف یکساں راجع ہیں سو اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت مسلمانوں پر لازم الاتباع ہے تو سنت الخلفاء بھی لازم الاتباع ہی ہو گی کیونکہ جب دونوں کا حکم ایک ہی انداز سے بیان کیا گیا ہے تو پھر بلا کسی قطعی دلیل کے ان میں فرق کرنا بے سود اور لایعنی ہے اور اصول کے لحاظ سے اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کا حکم ایک ہوتا ہے۔

(۸) اس حدیث میں آپ نے یہ بھی واضح طور پر فرما دیا کہ جس آدمی کو طویل زندگی حاصل ہوگی اور مرور زمانہ کی وجہ سے دینی اور مذہبی ماحول بدلتا جائے گا تو ایسے شخص کو بکثرت اختلافات نظر آئیں گے اور فرمایا کہ ایسے مواقع پر ہر مسلمان کا اسلامی فریضہ یہ ہے کہ وہ میری اور میرے خلفاء راشدین رضؓ کی سُنّت کو ہمیشہ پیش نظر رکھے اور اسی کی پیروی اور اتباع کرے گویا اختلاف کے موقع پر اور اختلافی اُمور میں مسلمانوں پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے حضرات خلفاء راشدین رضؓ کی سُنّت حجت اور معیار ہے۔

(۹) اس حدیث میں آپ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ آپ کی اور آپ کے حضرات خلفاء راشدین رضؓ کی سُنّت کے مقابلہ میں جو جو اُمور اور جو جو کام رونما ہوں گے وہ خالص بدعت ہوگی اور اسی لیے آپ نے ایاکم و محدثات الامور ارشاد فرما کر ایسے اُمور کے ارتکاب سے سختی کے ساتھ نہی فرمائی ہے اس سے یہ بات بھی بالکل آشکارا ہو گئی کہ سُنّت مذکورہ کے برخلاف جو عمل بھی ایجاد کیا جائے گا گو وہ نیک نیتی ہی سے کیوں نہ ہو وہ خالص بدعت ہوگا کہیں کم اور کہیں زیادہ اور ایسے فعل سے ہر مسلمان کا بچنا ضروری ہے۔

(۱۰) اور پھر آپ نے محض لفظ بدعت پر ہی اکتفاء نہیں کی تاکہ بدعت کے دلدادہ

اور اس کے شیدائی اپنی مرضی سے بدعت کے ساتھ حسنہ کا پیوند لگا کر اس بدعت کی ترویج و اشاعت پر کمر بستہ ہو جائیں بلکہ آپ نے ایک دوسری صحیح حدیث میں بدعت کے ساتھ لفظ ضلالہ ارشاد فرما کر بدعت کا ضلالت اور گمراہی ہونا متعین فرما دیا ہے تاکہ کسی طرح بھی کسی کو کوئی شبہ پیش نہ آئے اور نہ اس کا موقع مل سکے چنانچہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ عموماً آپ خطبہ میں یہ الفاظ بھی فرمایا کرتے تھے وشر الامور محدثاتها وکل بدعة ضلالة الحديث (مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۸۵) اور بُرے کام وہ ہیں جو (دین میں) نئے نئے پیدا کئے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ایک اور روایت میں اس طرح آتا ہے آپ نے فرمایا کہ :-

وشر الامور محدثاتها وکل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار الحديث (نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۷۹)

اور نئے نئے کام (جو دین میں) گھڑے جائیں وہ بُرے ہیں اور ہر نئی چیز (جو دین میں نکالی جائے) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی (کرنے والا) دوزخ میں ہے

اور وکل ضلالة فی النار کے الفاظ کتاب الاسماء والصفات صفحہ ۶۴ للبیہقیؒ میں بھی آتے ہیں۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ الحاصل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مخصوص جوامع الکلم میں اپنی اور اپنے خلفاء راشدین رضؓ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے اور تھامنے کی اور اس کے خلاف اُمور سے گریز و اجتناب کرنے کی جس احسن پیرایہ میں تاکید در تاکید فرمائی ہے عربی کے قواعد کے لحاظ سے اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص حضرات خلفاء راشدین کی سنت سے گریز کرے اور معاذ اللہ تعالیٰ خود اسی سنت کو خلاف سُنّت اور بدعت قرار دے اور اس پر چلنے والوں کو اپنے مشائخ اور بزرگوں کی سنت پر چلنے کا طعنہ دے اور تقلید آباء و اجداد کی چوٹیں کرے تو اس جہان

ہیں اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ اور اگر وہ حضرات خلفاء راشدین رض کی سنت کو دلیل اور حجت نہ سمجھے تو اس کو کون منوا سکتا ہے؟ کون مسلمان اس کا تصور کر سکتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے قوم کے سامنے براہین و دلائل نہ پیش کیے ہوں گے مگر نہ ماننے والے یہی کہتے رہے کہ تم ہمارے سامنے کوئی دلیل نہیں پیش کر سکے۔ مثلاً حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کے سامنے جب براہان و دلیل کے ساتھ دعوے پیش کیا تو قوم یہی کہتی رہی کہ: قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ (پ ۱۲، ھود، رکوع ۵) اے ہود تو ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لے کر نہیں آیا۔

اس لیے تعصب اور تن آسانی سے کنارہ کشی اختیار کر کے بنظر انصاف جمہور امت کا ساتھ دیا جائے کیونکہ حق انہی کے ساتھ ہے اور امت کی اکثریت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات خلفاء راشدین رض کی سنت اور جمہور امت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے آمین۔

احقر الناس ابو الزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ
وصدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
۲۶ شعبان ۱۳۸۸ھ ۱۷ نومبر ۱۹۶۸ء بعد از عشاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتویٰ مولوی محمد حسین صاحب درباب عدم جواز

تراویح بیس رکعت

(مولوی محمد حسین صاحب کا فتویٰ اس بارے میں کہ بیس ۲۰ رکعت تراویح جائز نہیں)

بیس ۲۰ رکعت تراویح کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں اور جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ابن ابی شیبہ اور طبرانی اور بیہقی رہ نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیس ۲۰ رکعت پڑھتے سو ضعیف ہے، چنانچہ اقبال کیا اس امر کا حنفیوں نے بھی مثل شیخ ابن ہمام رہ اور عینی رہ اور شیخ عبد الحق رہ اور ملا علی قاری رہ نے اور جو حضرت عمر رض سے موطا میں روایت ہے کہ ان کے وقت بیس رکعتیں پڑھی گئی ہے وہ بھی ضعیف ہے اس لیے کہ اس کے راوی یزید رہ بن رومان رہ نے حضرت عمر رض کو نہیں پایا اور نہ دیکھا یہ بات کبیری شرح منیۃ المصلی میں دیکھ لے جس کا جی چاہے اور سوائے اس کے کوئی حدیث مختلف ملتزم الصحۃ کی یا منصوص الصحت پائی نہیں جاتی اور ؟ مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی رہ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا

ہے کہ صحابہ رضؓ نے بیسٹ۲۰ رکعتیں پڑھی وہ بنا بر مشہور روائتوں کے ہے اور ضعیف حدیثوں کو قبول کرکے یہ بات کہی ہے ورنہ درحقیقت صحیح روایت اس باب میں کوئی نہیں پس جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل کی محبّت ہوگی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل پر چلے گا۔ اور جس کو اپنے بزرگوں اور مشائخوں کی زیادہ محبت ہوگی وہ اپنے بزرگوں کے قول و فعل پر چلیگا۔ ہاں اگر یہ دعوے ہے کہ اُن کا فعل و قول کسی حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موافق ہے تو لازم ہے کہ اس حدیث کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے پیشتر بتلادیں ورنہ عاملین سنت کو معاف فرمادیں اور اگر یہ گمان ہو کہ بیسٹ۲۰ رکعت پڑھنے والے دونوں فریقین یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب کی سنت پر چلے تو دفع اس کا یہ ہے کہ ہرگز نہیں جس نے بیسٹ۲۰ رکعت شفع شفع پڑھی اس نے گیارہ رکعت جو وتر ہے ادا نہ کی اس لیے کہ ہیئت اور صورت کو نماز میں پورا دخل ہے اور وہ اس کا مدار ہے اس واسطے جو شخص مغرب چار رکعتیں پڑھے اس کی نماز مغرب باوجودیکہ چار کے ضمن میں تین موجود ہے ادا نہ ہوئی ایسا ہی جس نے تراویح بیسٹ۲۰ رکعت پڑھی اس کی گیارہ رکعت مسنون ادا نہ ہوئی واللہ اعلم۔ تمام شد تحریر محمد حسین صاحب مولوی بٹالہ من عینہٖ۔

الجواب از جامع معقول و منقول مولوی غلام رسول صاحب (اہلحدیث) ساکن قلعہ میاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ غفرۂ اللہ عزّہٗ۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

بعد حمد خدا و نعت رسول بشنو ایں نکتہ را بسمع قبول کہ درایں اوان ۱۲۹۰ سنہ ہجرت مقدسہ بعضے مردمان در عدد رکعات تراویح کہ باصطلاح اہلحدیث قیام رمضان میگویند اختلاف میکنند چنانچہ فاضلے محققے فتویٰ نوشتہ کہ سنت یازدہ۱۱ رکعت است و بحدیث صحیح ہمیں قدر ثابت و آنکہ بیست و سہ۲۳ رکعت میگذارند سنت ادا نمی شود و ہیچ حدیثے صحیح درایں باب مروی نیست لہٰذا روایتے چند از ثقات (جمع ثقہ بمعنی معتبر) نقل کردہ میشود کہ سنتؔ (روایت کردہ شدہ) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ادا میشود و سنت خلفاء راشدین رضؓ نیز مع زیادت اجر۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور جناب رسول اللہ صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی تعریف کے بعد قبولیت کے کانوں سے یہ نکتہ سن لو کہ اس زمانہ میں جو ہجرت مقدسہ کے لحاظ سے ۱۲۹۰ھ ہے بعض آدمی رکعات تراویح میں جن کو اہل حدیث اپنی اصطلاح میں قیام رمضان کہتے ہیں، اختلاف کرتے ہیں چنانچہ ایک فاضل محقق نے فتویٰ لکھا ہے کہ سنت گیارہ۱۱ رکعات ہیں اور صحیح حدیث سے صرف اسی قدر ثابت ہے اور جو لوگ تئیس۲۳ رکعات ادا کرتے ہیں اس سے سنت ادا نہیں ہوتی اور کوئی صحیح حدیث اِس باب میں مروی نہیں ہے لہٰذا ثقہ راویوں سے چند روایتیں نقل کی جاتی ہیں کہ (بیس۲۰ رکعت ادا کرنے سے) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت بھی ادا ہو جاتی ہے اور حضرات خلفاء راشدین رضؓ کی سنت بھی اور اس میں اجر بھی زیادہ ہے۔

لہ سنت۔ آنست کہ ہمیشگی کردہ باشد بر آں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مع ترک آں یک بار یا دو بار ۱۲

سنت وہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہمیشگی کی ہو لیکن ایک یا دو دفعہ اس کو ترک بھی کیا ہو ۱۲

قولہ بیست ۲۰ رکعت تراویح کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابن ابی شیبہؒ [1] اور طبرانیؒ اور بیہقیؒ نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیست ۲۰ رکعت پڑھتے سو ضعیف ہے چنانچہ اقبال کیا اس امر کا حنفیوں نے بھی مثل شیخ ابن ہمامؒ اور عینیؒ اور شیخ عبدالحقؒ اور ملا علی قاریؒ کے

اقوال خود مفتی مقر است کہ احادیث ضعیفہ [2] دریں باب موجود اند نہ موضوعہ وجواز عمل بر حدیث ضعیف مجمع علیہ ائمہ اسلام است در فضائل بلکہ بتعدد طرق بمرتبہ حسن [3] میرسد در لمعات است وچوں حدیث

---

[1] حدیث ابن ابی شیبہ این است کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان فی غیر جماعۃ بعشرین رکعۃ والوتر وبیہقی این را ضعیف گفتہ بعلت آنکہ راوی او ابو شیبہ است حالانکہ ابو شیبہ جد ابن ابی شیبہ آنقدر ضعف ندارد کہ روایت او مطروح ساختہ شود چنانچہ مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی در فتاویٰ تراویح تحقیق نمودہ ۱۲ محمد ضیاء الدین عفی عنہ ترجمہ :- ابن ابی شیبہؒ کی حدیث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان میں جماعت کے بغیر بیس ۲۰ رکعت اور وتر پڑھتے تھے اور بیہقیؒ نے اس کو ضعیف کہا ہے وجہ یہ بیان کی ہے کہ ابن ابی شیبہؒ کا دادا ابو شیبہؒ ضعیف ہے حالانکہ ابو شیبہؒ میں اس قدر ضعف نہیں کہ سرے سے ان کی روایت کو ہی پھینک دیا جائے جیسا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے فتاویٰ میں تراویح کی تحقیق کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے۔ یہ عبارت فتاویٰ عزیزی جلد ا ص ۱۱۹ میں اما بیہقیؒ سے شروع ہو کر روایت او مطروح مطلق ساختہ شود تک چلی جاتی ہے۔

[2] حدیث ضعیف آنست کہ شروط صحیح یا حسن را جامع نشود ۱۲۔ ترجمہ ضعیف حدیث وہ ہوتی ہے کہ صحیح یا حسن کی شرطوں کو جامع اور شامل نہ ہو۔

[3] حدیث حسن آنست کہ راوی او متاخر باشد از درجہ حافظ ضابط تاخر یسیر نہ فاحش و نرسد مرتبہ راوی ضعیف فاحش را ۱۲ ظفر الدین عفی عنہ ترجمہ :- یعنی حسن وہ حدیث ہے کہ اس کا راوی حافظ اور ضابط راوی کے درجہ سے تھوڑا سا متاخر ہو نہ یہ کہ زیادہ متاخر ہو۔ اور زیادہ ضعیف راوی کے درجہ کو بھی نہ پہنچا ہو۔

ضعیف بتعدد طرق بمرتبہ حسن میرسد آں نیز محتج بہ است (حجت گرفتہ شود بآں ۱۲) وآنچہ مشہور است کہ حدیث ضعیف در فضائل اعمال معتبر است نہ در غیر آن مفردات مراد است نہ مجموع کہ بتعدد طرق داخل حسن است نہ ضعیف مصرح بہ الائمہ انتہیٰ عبارت شیخ عبدالحق در شرح مشکوٰۃ واما الموضوع فلا یجوز العمل بہ بحال در مختار من علیہ وحال اینکہ ایں احادیث قوۃ یافتہ اند باحادیث صحیحہ دیگر کہ از فعل صحابہ کرام نقل کردہ شود۔

قولہ اور جو حضرت عمرؓ سے موطا میں روایت ہے کہ ان کے وقت بیست ۲۰ رکعتیں پڑھی گئی ہے وہ بھی ضعیف ہے اس لیے کہ اس کے راوی یزیدؒ بن رومان نے حضرت عمرؓ کو نہیں پایا اور نہ دیکھا یہ کبیری شرح منیۃ المصلی میں دیکھ لے جس کا جی چاہے اور سوائے اس کے کوئی حدیث

ترجمہ :- میں کہتا ہوں کہ مفتی خود اقرار کرتا ہے کہ ضعیف حدیثیں اس باب میں موجود ہیں نہ کہ موضوع اور جعلی اور ائمہ اسلام کا فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا اتفاقی اور اجماعی امر ہے بلکہ تعدد طرق کی وجہ سے ایسی روایت حسن کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے لمعات میں ہے کہ جب ضعیف حدیث تعدد طرق کی وجہ سے حسن کے درجہ کو پہنچ جائے تو وہ قابل احتجاج ہے۔ اور جو یہ مشہور ہے کہ ضعیف حدیث فضائل اعمال میں معتبر ہے نہ غیر میں تو اس سے مراد مفردات ہیں نہ کہ مجموع کیونکہ تعدد طرق کی وجہ سے وہ حسن میں داخل ہے نہ کہ ضعیف میں آئمہؒ نے اس کی تصریح کی ہے۔ شیخ عبدالحقؒ کی عبارت شرح مشکوٰۃ میں ختم ہوئی بہرحال رہی موضوع حدیث تو اس پر کسی حالت میں عمل جائز نہیں ہے۔ در مختار میں بعینہٖ ایسا ہی ہے اور ان احادیث کا حال یہ ہے کہ ان کو دوسری صحیح احادیث سے تقویت حاصل ہے جو حضرات صحابہ کرامؓ کے عمل سے نقل کی جائیں گی۔

صحیح کتاب ملتزم الصحۃ کے یا منصوص الصحۃ پائی نہیں جاتی اور جو مولانا شاہ عبد العزیز اور شاہ ولی اللہ دہلوی رح نے فرمایا ہے کہ صحابہ رض نے بیس۲۰ رکعت پڑھی وہ بنا بر مشہور روائتوں کے ہے اور ضعیف حدیثوں کو قبول کر کے یہ بات کہی ہے ورنہ در حقیقت صحیح روایت اس باب میں کوئی نہیں۔

اقول تصحیح ایں حدیث مرویہ یزید بن رومان رح کہ بشہادت کبیری منقطع گفتہ مع دو حدیث صحیح نوشتہ شود

قولہ پس جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل و قول کی محبت ہوگی وہ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے فعل پر چلے گا اور جس کو

ترجمہ:۔ میں کہتا ہوں کہ یزید رح بن رومان رح کی اس حدیث کی تصحیح جس کو کبیری کے حوالہ سے منقطع کہا گیا ہے وہ اور صحیح حدیثوں کے ساتھ بیان کی جائے گی۔

لہ قولہ صحیح الا حدیث صحیح آنست کہ بنقل عادل تام الضبط باشد و معلول و شاذ نہ باشد ویں را صحیح لذاتہ گویند و اگر ایں صفات اعلی را شامل نباشد لکن یافتہ شود کہ جبر ایں نقصان کند پس آنہم صحیح است لکن لا لذاتہ وایں را صحیح لغیرہ گویند بسبب نبودن صحت او بذاتہ و عدم شمول او صفات اعلی مقبول را بلکہ صحت او بغیرہ است مثل کثرۃ طرق ۱۲ ظفر الدین عفی لہٗ ترجمہ:۔ صحیح حدیث وہ ہوتی ہے جس کو عادل اور تام الضبط راوی نقل کرے اور اس میں کوئی علت بھی نہ ہو اور وہ شاذ بھی نہ ہو اور اس کو صحیح لذاتہ کہتے ہیں اور اگر حدیث ان اعلی صفات پر مشتمل نہ ہو لیکن اس کے نقصان کو پورا کرنے کے لیے کوئی چیز موجود ہو تو اس کو بھی صحیح کہتے ہیں لیکن صحیح لذاتہ نہیں بلکہ صحیح لغیرہ اس لیے کہ اس کی صحت لذاتہ نہیں ہے اور مقبولیت کی اعلی صفات بھی اس میں موجود نہیں ہیں اس کی صحت غیر کی وجہ سے ہے جیسے کثرت طرق۔

اپنے بزرگوں لہ اور مشائخوں کی زیادہ محبت ہوگی وہ اپنے بزرگوں کے قول و فعل پر چلے گا۔

اقول بمقتضائے حدیث لن یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و والدہ والناس اجمعین (رواہ البخاری ومسلم ۱۲) ہمیں علامت زیادہ محبت آنحضرت است صلی اللہ علیہ وسلم کہ اتباع سنت خلفاء الراشدین او ہم میگذاریم و تاکید تمسکوا بہا و عضوا علیہا بالنواجذ نصب العین داریم نہ کہ از کم المحتی بر یازدہ رکعت اقتصار نمودہ فعل صحابہ کرام رض بدعت مقرر کنیم و بر اجماع ایشاں قدح نمائیم و بیست و سہ ۲۳ رکعت خواندگان را تعریض کنیم بفعل مشرکین و تقلیدہا باء واجداد عامل قرار دہیم و تمسک ما دریں باب اولا احادیث مجوزیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ در فضائل عمل

لہ صاحب جامع ترمذی کہ نزد مفتی صاحب ہم ثقہ است در ترمذی گفتہ کہ عمل اکثر صحابہ رض از عمر رض و علی رض وغیرہما بیست۲۰ رکعت است و ایں جا ایں مفتی بیست۲۰ رکعت را خلاف محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قرار دادہ تعریض بتقلید مشائخ فرمودہ فافہم ۱۲ حررہ المسکین ضیاء الدین ساکن کوٹ قاضی محمد جان عفی لہ فقط۔ ترجمہ: جامع ترمذی کے مصنف نے جو مفتی صاحب کے نزدیک بھی ثقہ ہیں ترمذی میں فرمایا ہے کہ اکثر حضرات صحابہ کرام رض کا جیسے حضرت عمر رض اور حضرت علی رض وغیرہ کا عمل بیس۲۰ رکعت تراویح ہی پڑھنا۔ اور اس جگہ مفتی صاحب بیس۲۰ رکعت تراویح کو آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی محبت کے خلاف قرار دیتے ہیں اور بزرگوں کی تقلید کی طرف تعریض کرتے ہیں (یعنی بیس رکعت تراویح پڑھنے والے اپنے بزرگوں کی تقلید کی وجہ سے پڑھتے ہیں) اس کو خوب سمجھ لو۔ حضرت امام ترمذی رح کی جس عبارت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ جلد اول ص ۹۹ پر اس طرح ہے، واکثر اھل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرہما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ وھو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی و ھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ الخ۔ صفدر

بر آنہا مجمع علیہ است و ثانیاً فعل صحابہ رض و تابعین رح و ائمہ اربعہ رح و فعل سوادِ اعظم مسلمین شرقاً و غرباً از عہد عمر فاروق رض تا ایں وقت ہمہ بیست[۲۳] و سہ میخوانند بخلاف ایں مفتیِ غالی (یکے از گمراہ کنندہ) کہ بدعت و مخالفِ سنت میگوید و راہ افراط (از حد در گذشتن) می پوید۔

قولہ اگر یہ دعویٰ ہے کہ ان کا فعل و قول موافق کسی حدیث آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہے تو لازم ہے کہ اس حدیث کا پتہ تبلادیں

ترجمہ:- میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے مطابق جس میں آتا ہے کہ تم میں سے ہرگز کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے ماں باپ اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں یہی علامت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ محبت کی ہے کہ ہم آپ کے حضرات خلفاء راشدین رض کی سنت کی پیروی بھی کریں اور تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ (یعنی ان کی سنت کو مضبوطی سے پکڑو اور اس کو ڈاڑھوں سے مضبوط کرو) کو آنکھوں کے سامنے رکھیں نہ یہ کہ ہم کم ہمتی کی وجہ سے صرف گیارہ رکعات پر اکتفا کرتے ہوئے حضرات صحابہ کرام رض کے عمل کو بدعت قرار دیں اور ان کے اجماع پر طعن کریں اور تیئس رکعات پڑھنے والوں پر فعل مشرکین اور اپنے آباء واجداد کی تقلید کرنے کی چوٹ کریں اور اس باب میں ہماری پہلی دلیل آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی حدیثیں ہیں کہ فضائل اعمال میں ان پر عمل کرنا اجماعی امر ہے اور دوسری دلیل حضرات صحابہ کرام رض اور تابعین رح اور آئمہ اربعہ اور مسلمانوں کی بڑی جماعت کا عمل ہے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور سے لے کر اس وقت تک مشرق و مغرب میں جاری ہے کہ وہ تیئس[۲۳] رکعت ہی پڑھتے رہے ہیں بخلاف اس غالی مفتی (مولوی محمد حسین بٹالوی) کے کہ وہ اس کو بدعت اور مخالف سنت کہتا ہے اور افراط کی راہ پر چلتا ہے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ)

ورنہ عالمین سُنت کو معاف فرمادیں۔

اقوال حدیث صحیح ایں است کہ متمسک ما است عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ رواه احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجه و آنچہ برائے معافی متبعان (بعض گمراہان ۱۲ منہ) سنت نوشتہ عجب است کہ خوانندگان بیست رکعۃ را مطعون و متہم ببدعت و تقلید آباء میکنند و معافی از دیگراں میخواہند۔

قولہ اگر یہ گمان ہو کہ بیس[۲۰] رکعت پڑھنے والے دونوں فریقین یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور اصحاب رض کی سنت پر چلے تو دفع اس کا یہ ہے کہ ہرگز نہیں جس نے بیس[۲۰] رکعت شفع شفع پڑھی اس نے گیارہ[۱۱] رکعت جو وتر ہے ادا نہ کی اس لیے کہ ہیئت اور صورت کو نماز میں پورا دخل ہے اور وہ اس کا مدار ہے اس واسطے جو شخص مغرب کی چار رکعتیں پڑھے اس کی مغرب باوجودیکہ چار کے ضمن میں تین موجود ہیں ادا نہ ہوئی ایسا ہی جس نے تراویح بیس[۲۰] رکعت پڑھی اس کی گیارہ[۱۱] رکعت مسنون ادا نہ ہوئی۔

اقوال ہمیں دعوے ما است کہ یقیناً یازدہ سنت مؤکدہ نبویہ علیہ

ترجمہ:- میں کہتا ہوں کہ ہماری دلیل یہ صحیح حدیث ہے (جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائی ہے) کہ تم پر میری اور خلفاء راشدین رض کی سنت لازم ہے جو ہدایت یافتہ ہیں اس کو مضبوطی سے پکڑو اور ڈاڑھوں کے نیچے دباؤ۔ امام احمد رح، امام ابوداؤد رح، امام ترمذی رح اور امام ابن ماجہ رح نے اس کو روایت کیا ہے رہا سنت کی پیروی کرنے والوں سے معافی مانگنے کا معاملہ (بعض مسخرے) جیسا کہ آپ نے لکھا ہے تو یہ نہایت الوکھی بات ہے اس لیے کہ آپ بیس رکعت پڑھنے والوں پر تو بدعت کے ارتکاب کا اتہام لگاتے اور تقلید آباء کا طعنہ دیتے ہیں اور معافی (مسخروں کی طرح) دوسروں سے

۱۲ منہ

الصلوٰة والتحیۃ ادا کردیم دوازدہ رکعت مستحب معمولہ صحابہ رضی اللہ عنہم خواندیم وبرحدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین عامل شدیم وبرائے شہادت عبارت مسوی شرح موطأ تصنیف شاہ ولی اللہ نوشتہ میشود۔

اوّل باب قیام رمضان باحدی عشرۃ رکعۃ مع طول القرأۃ مالک عن سعید بن ابی سعید المقبری عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن بن عوف انہ سأل عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ:- "میں کہتا ہوں کہ یہی دعوے ہمارا ہے کہ یقیناً گیارہ رکعات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت مؤکدہ ہے جس کو ہم ادا کرتے ہیں اور بارہ رکعتیں مستحب ہیں جن کو ہم اس لیے ادا کرتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام نے ادا کی تھیں اور علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین کی حدیث پر ہم (بحمد اللہ تعالیٰ) عامل ہیں اور اس کی شہادت کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصنیف مسوی شرح موطا (امام مالکؒ) کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔"

——— پہلا باب لمبی قرآت کے ساتھ رمضان مبارک میں گیارہ رکعتوں کے ساتھ قیام کرنا امام مالکؒ سعیدؒ بن ابی سعید المقبریؒ سے روایت کرتے ہیں وہ ابو سلمہؒ بن عبد الرحمٰنؓ بن عوف سے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ رمضان میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کس طرح ہوتی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے آپ چار رکعات پڑھتے تھے تو اُن کے حسن اور لمبائی کا سوال نہ کر پھر چار پڑھتے تھے تو اُن کے حسن وطول کا سوال نہ کر۔

فی رمضان فقالت ماکان یزید فی رمضان ولا غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعاً فلا تسئل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی اربعاً فلا تسئل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی ثلثاً قالت عائشۃ فقلت یا رسول اللہ اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشۃ ان عینیّ تنامان ولا ینام قلبی، حدیث دوم ایں است مالک عن عبد اللہ بن ابی بکر انہ قال سمعت ابی یقول کنا ننصرف فی رمضان فنستعجل الخدم بالطعام مخافۃ الفجر حدیث سوم ایں است مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید قال امر عمر بن الخطاب أبی بن کعب وتمیم الداری ان یقوما للناس

ترجمہ:- پھر تین (وتر) پڑھتے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ سے سوال کیا یا رسول اللہ کیا آپ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اے عائشہؓ بیشک میری دونوں آنکھیں تو سو جاتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔ دوسری حدیث یہ ہے کہ امام مالکؒ عبد اللہؒ بن ابی بکرہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سُنا وہ فرماتے ہیں کہ ہم رمضان میں جب تراویح سے فارغ ہوتے تو خادموں سے کھانا لانے کی جلدی کرتے طلوع فجر کے ڈر سے۔ تیسری حدیث یہ ہے امام مالکؒ محمدؒ بن یوسفؒ سے اور وہ حضرت سائبؓ بن یزیدؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت اُبیؓ بن کعب اور حضرت تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ وہ گیارہ رکعتیں پڑھائیں اور امام سو سو آیتوں والی سورتیں پڑھتا تھا۔ حتیٰ کہ ہم لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پہ ٹیک لگایا کرتے تھے اور ہم طلوع فجر کے اوائل میں ہی فارغ ہوتے تھے۔ اور اس باب کے آخر میں (حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے) فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ امام احمدؒ بن حنبلؒ نے گیارہ اور تیئس ۲۳ میں اختیار دیا ہے۔ ان کی عبارت ختم ہوئی۔

بإحدى عشر ركعة وكان القارئ[امام ۱۲] يقرأ بالمئين[مجاۃ ۱۲] حتى نعتمد[۱] على العِصِيِّ من طول القيام وما كنا ننصرف إلا في فروع[۲] الفجر ودر آخر ایں باب فرمودہ وقلت[۳] خيّر احمد بين احدى عشرة وثلاث وعشرين انتهى الباب دوم باب قيام رمضان بثلاث وعشرين ركعة مع طول القراءة حديث اول مالك عن يزيد بن رومان انه قال كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلاث

ترجمہ:- دوسرا باب لمبی قرأت کے ساتھ رمضان مبارک میں تیئیس ۲۳ رکعات پڑھنے کے بارے میں پہلی حدیث امام مالکؒ یزیدؒ بن رومان رح سے روایت کرتے ہیں۔

---

[۱] في كل ركعة سورة مشتملة على مائة آية فصاعدا ۱۲ ترجمہ یعنی ہر رکعت میں ایسی سورت پڑھتے تھے جو سو یا اس سے زیادہ آیتوں پر مشتمل ہوتی تھی۔

[۲] علم ان الاتكاء جائز في صلوٰة النفل ۱۲ ترجمہ اس سے معلوم ہوا کہ نفلی نماز میں ٹیک لگانا جائز ہے [۳] اي اوائله وفرع كل شئ اعلاه ۱۲ انتهى ۱۲ طس۔ ترجمہ:- فروع الفجر سے طلوع فجر کا ابتدائی حصہ مراد ہے اور فرع ہر چیز کے بالائی حصہ کو کہتے ہیں (جیسے مثلاً درخت کی شاخیں کیونکہ وہ عموماً دیکھنے میں پہلے نظر آتی ہیں۔ اسی طرح دن کے شروع ہونے سے پہلے اس کے آثار نظر آتے ہیں جو بمنزلہ شاخوں کے ہیں۔ مقصد)

[۳] امام احمد بن حنبل رہ کے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ تراویح بیس ۲۰ رکعت ہیں چنانچہ حضرات حنابلہ کی معتبر کتاب میں ہے۔

والمختار عند ابي عبد الله رحمه الله فيها عشرون ركعة وبهذا قال الثوري وابو حنيفة والشافعي وقال مالك ستة وثلاثون اھ

(مغنی ابن قدامہ جلد ۱ صفحہ ۸۰۳)

امام ابو عبداللہ یعنی احمد بن حنبل رہ کے نزدیک تراویح میں مختار بات یہ ہے کہ وہ بیس ۲۰ رکعات ہیں اور اسی کے امام سفیان ثوری رح، امام ابو حنیفہ رہ اور امام شافعی رہ قائل ہیں اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تراویح چھتیس ۳۶ رکعات ہیں ۱۲۔ مقصد

وعشرين ركعة حديث دوم مالك عن داؤد بن الحصين انه سمع الاعرج يقول ما ادركت الناس الا وهم يلعنون الكفرة في رمضان قال وكان القارئ يقوم بسورة البقرة في ثماني ركعات فاذا قام بها في اثنتي عشرة ركعة رأى الناس[۱] انه قد خفف ودر آخر ایں باب مرقوم است قلت هو مذهب الشافعية والحنفية عشرون ركعة تراويح وثلاث وتر عند الفريقين هكذا قال المحلي عن البيهقي (مسوی ومصفی صفحہ ۱۷۴)

ترجمہ:- وہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان میں تیئیس ۲۳ رکعت پڑھتے تھے۔ دوسری[۲] حدیث امام مالکؒ داؤدؒ بن حصینؒ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے اعرجؒ سے سُنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو نہیں دیکھا مگر اس حالت میں کہ وہ رمضان میں کافروں پر لعنت کیا کرتے تھے اور امام سورہ بقرہ آٹھ رکعتوں میں پڑھ لیتا تھا لیکن جب وہ اس کو بارہ ۱۲ رکعات میں پڑھتا تو لوگ یہ خیال کرتے کہ تخفیف کی گئی ہے اور اس باب کے آخر میں لکھا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ شوافع رہ اور احناف کا یہی مذہب ہے کہ دونوں گروہوں کے نزدیک بیس ۲۰ تراویح اور تین وتر ہیں اسی طرح محلی رہ نے بیہقی رہ سے نقل کیا ہے پس باب اول کی حدیثوں کی صحت کے خود مفتی (محمد حسین صاحب) قائل ہیں کہ امام احمد رہ نے اس کو اختیار کیا ہے اور ان کو دوسرے باب کی حدیثوں کے برابر اور مساوی رکھا ہے اور دوسرے باب کی حدیثوں میں ایک اعرج" کی حدیث ہے جو معتبر تابعی تھے۔

---

[۱] فاعل رأى وانه قد خفف مفعول له الاول والثاني محذوف او استغنى بان ما بعدها من المفعولين انتهى ۱۲ س۔ یعنی لفظ الناس رأی کا فاعل ہے اور انہ خفف کا جملہ اس کا پہلا مفعول ہے اور اس کا دوسرا مفعول محذوف ہے۔ یا یہ اس سے مستغنی ہے اور اس کے مابعد والا جملہ دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

پس احادیث باب اول خود مفتی بصحت آنہا قائل است کہ امام احمد بن حنبل مختار کردہ و ثانی برابر نہادہ و احادیث باب دوم یکے حدیث اعرج است کہ تابعی معتبر است و روایات دیگر ہم ازو در موطا منقول است وازو مفتی اغماض نمودہ کہ مخالف مدعائے اوست و شافعیہ وحنفیہ ہمیں را ترجیح دادہ اند اما حدیث یزید بن رومان قابل تحقیق است پس آنچہ مفتی سند کبیری در منقطع بودن ایں حدیث منظور داشتہ و مصنف را ثقہ انگاشتہ اگر شتر مرغی نکند بعض مسائل دیگر ہم ازو نقل کردہ میشود هذه عبارته نعلم من هذه المسئلة ان التراويح عندنا عشرون ركعة بعشر تسليمات وهو مذهب الجمهور وعند مالك رحمه الله تعالى ست وثلاثون ركعة احتجاجا بعمل اهل المدينة وللجمهور مارواه البيهقى باسناد صحيح عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر رضى الله تعالى عنه بعشرين ركعة وعلى عهد عثمان رض وعلى رض

اور انہوں نے حجت گرفتن

ترجمہ: اور ان سے اور روایات بھی موطا میں منقول ہیں اور مفتی صاحب نے ان سے آنکھیں بند کر لی ہیں کیونکہ وہ ان کے دعوے کے خلاف ہیں اور شوافع و احناف نے اسی کو ترجیح دی ہے (کہ تراویح متعین طور پر بیس[۲۰] ہی ہیں)۔ رہا حضرت یزید رح بن رومان رح کی حدیث کا معاملہ تو وہ قابل تحقیق ہے سو جو کچھ مفتی صاحب نے کہا ہے کہ کبیری کی سند منقطع ہے اور اس کو منظور کر لیا ہے اور کبیری کے مصنف کو ثقہ شمار کیا ہے تو اگر وہ شتر مرغ کی عادت نہ اختیار کریں (کہ وہ شکاریوں کو دیکھ کر یا تو بھاگ جاتا ہے۔ اور اگر قاصر رہا تو آنکھیں بند کر لیتا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا) تو کبیری سے بعض مسائل اور بھی عرض کئے جاتے ہیں سو ان کی عبارت (کا معنی) یہ ہے اس مسئلہ سے معلوم ہوا کہ تراویح ہمارے نزدیک دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعات ہیں اور یہی جمہور کا مذہب ہے اور امام مالک رح کے نزدیک

مثلا وفى الموطا عن يزيد بن رومان قال كان الناس فى زمان عمر يقومون فى رمضان بثلاث وعشرين ركعة وفى المغنى عن على كرم الله وجهه انه امر رجلا ان يصلى بهم فى رمضان عشرين ركعة قال وهذا كالاجماع قال البيهقى والثلاث هى الوتر وحديث يزيد بن رومان هى الوتر ولكنه لم يدرك عمر رضى الله عنه فيكون منقطعا وهو حجة عندنا وعند مالك وما احتج به

ترجمہ: چھتیس[۳۶] رکعات ہیں کیونکہ وہ اہل مدینہ کے عمل سے حجت پکڑتے ہیں اور جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام بیہقی رح نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سائب بن یزید رض سے روایت کیا ہے کہ لوگ حضرت عمر رض کے زمانہ میں بیس[۲۰] رکعت ادا کرتے تھے اور حضرت عثمان رض اور حضرت علی رض کے دور میں بھی اتنی ہی پڑھتے تھے اور موطا میں یزید رح بن رومان رح سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر رض کے زمانہ میں رمضان میں تیئیس[۲۳] رکعات پڑھتے تھے اور مغنی جلد[۱] ص[۸۰۲]

[۱] امام ابن جریر رح فرماتے ہیں کہ حضرات تابعین رح سب کے سب اس امر پر متفق تھے کہ مرسل قابل احتجاج ہے، تابعین رح سے لے کر دوسری صدی کے آخر تک مرسل کے قبول کرنے کا ائمہ میں سے کسی نے انکار نہیں کیا (تدریب الراوی ص[۱۲۰] طبع مصر) امام سفیان ثوری رح، امام مالک رح اور اوزاعی رح اس سے احتجاج کرتے تھے (توجیہ النظر ص[۲۴۵]) امام نووی رح فرماتے ہیں کہ امام مالک رح، امام ابوحنیفہ رح، امام احمد رح اور اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ مرسل قابل احتجاج ہے اور امام شافعی رح کا یہ مذہب ہے کہ اگر مرسل کے ساتھ کوئی تقویت کی چیز مل جائے تو وہ حجت ہوگا۔ مثلا یہ کہ وہ مسندا بھی مروی ہو یا دوسرے طریق سے وہ مرسل روایت کیا گیا ہو یا بعض صحابہ کرام رض یا اکثر علماء نے اس پر عمل کیا ہو (مقدمہ شرح مسلم ص[۱۷]) اور اس روایت میں بحمد اللہ تعالی حضرت امام شافعی رح کی بیان کردہ تمام شرطیں پائی جاتی ہیں پھر اس کے حجت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ صفدر

من عمل اهل المدينة ليس بحجة لانهم يصلون فرادىٰ[1] فرادىٰ بين كل ترويحتين اربع ركعات فى مقابلة طواف اهل مكة اسبوعا بين كل ترويحتين انتهىٰ ازیں عبارت کبیری چند چیز مستفاد شد یکے[1] آنکہ بست[23] وسہ رکعت مذہب جمہورؒ است دویم آنکہ سند جمہور حدیث سائب بن یزید است بروایت بیہقی[2] سیوم آنکہ اسنادش صحیح است چہارم آنکہ معمول عہد حضرت عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ

لہ یہ ساری عبارت کبیری طبع رحیمیہ دیوبند ص۲۸۷ اور ص۲۸۸ میں موجود ہے مگر اس میں لفظ فرادیٰ ایک ہی دفعہ ہے مکرر نہیں۔ صفدر

سبحان اللہ چوں حضرت مفتی قرار داد سواد اعظم را در سواد دیدۂ خود جائے ندیدہ و مذہب جمہور را چوں بازیچۂ طفلاں ہم نہ پسندیدہ پس چہ الزام خواہد داد شخصے را کہ چوں کمال الدین ابن ہمام باصحیت صحاح ستہ و تقدیم آنہا بر بیہقی وغیرہ کتب احادیث قائل نخواہد شد بلکہ دریں مسئلہ روایت بیہقی کہ صاحب کبیری صحیح الاسناد گفتہ راجح خواہد دانست سوائے اینکہ آں کوزہ بدست خود شکست پس باقی نماند مگر خود رائی و خود ستائی وقتیکہ ہر کس را اختیار حاصل است باز ایں تشدید بر یازدہ از چیست ؟ و تعریض بر بیست[20] بتقلید آباد از کیست ؟[21] محمد ضیاء الدین قاضی عفی عنہ

یعنی سبحان اللہ جب جناب مفتی (محمد حسین) صاحب نے مسلمانوں کی عظیم جماعت کے عمل کے لیے اپنی آنکھ کی پتلی میں جگہ نہ دیکھی اور جمہور کے مذہب کو بچوں کے کھیل کی طرح پسند بھی نہ کیا تو ایسے شخص پر کیا الزام عائد کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ کمال الدین ابن ہمامؒ کہ باوجود صحاح ستہ کے صحیح ترین ہونے اور ان کے بیہقی وغیرہ کتب احادیث پر مقدم ہونے کے (ان کی ظاہری مراد کے) قائل نہ ہوئے بلکہ اس مسئلہ میں بیہقی کی روایت کو جس کو صاحب کبیری نے صحیح الاسناد کہا ہے انہوں نے راجح سمجھا ہے۔ سوائے اس کے کہ اس شخص کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ جمہور کا مخالف ہے جب اس

(باقی حاشیہ ص۳۷ پر)

مرتضیٰؓ ہمیں است پنجم[5] آنکہ کالاجماع است ششم[6] آنکہ حدیث یزید بن رومان ہر چند منقطع نوشتہ اند اما نزد حنفیہ و مالکیہ حجت قرار دادہ ہفتم آنکہ سند امام مالک در بست و ثلاثین عمل اہل مدینہ نوشتہ و در دراسات اللبیب ص۲۴۴ مرقوم است ان عمل اهل المدينة المطهرة حجة من اقوى الحجج عند نا ورى الامر فيها طريقه النقل من ذالك على

ترجمہ :- اور اسی طرح شرح مقنع جلد ۱ ص۴۵ صفدر) میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو بیس[20] رکعات پڑھائے اور فرماتے ہیں کہ یہ تو اجماع کی طرح ہے، امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ زیدؓ بن رومانؒ کی روایت میں تین وتر ہیں لیکن انہوں نے حضرت عمرؓ کو نہیں دیکھا تو یہ روایت منقطع ہوگی لیکن وہ ہمارے نزدیک اور امام مالکؒ کے نزدیک حجت ہے اور انہوں نے اہل مدینہ کے عمل سے جو احتجاج کیا ہے وہ حجت درست نہیں ہے کیونکہ اہل مکہ ہر چار رکعت کے بعد کعبہ مکرمہ کا سات مرتبہ طواف کرتے تھے اور ان کے مقابلہ میں اہل مدینہ

(صفحہ ۳۶ کا بقیہ حاشیہ) شخص نے یہ لوٹا اپنے ہاتھ سے توڑ دیا تو پھر بغیر تکبر و نخوت کے اور کیا رہ جاتا ہے؟ جب کہ ہر آدمی کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جو چاہے کرے پھر گیارہ رکعات پر یہ تشدید کس وجہ سے ہے؟ اور بیس[20] رکعت پڑھنے والوں پر تقلید آبار کی تعریض کس بنا پر؟[21]

لہ بیہق بفتح اول و ثالث شہریست نزدیک نیشاپور و گویند کہ بیہق کم سبزہ دار است و موضعے است نزد قومس ۱۲ :- ترجمہ، لفظ بیہق پہلے اور تیسرے حرف کے فتحہ کے ساتھ ایک شہر کا نام ہے جو نیشاپور کے قریب ہے اور (بعض) کہتے ہیں کہ بیہق سبزہ زار کے معنی میں ہے اور قومس کے پاس کوئی جگہ ہے۔

(نوٹ) یہ حاشیہ بین السطور اور باریک حروف میں ہے اور صاف بھی نہیں اس لیے یہ لفظ قومس ہی پڑھا جا سکتا ہے۔ صفدر)

مابری الامام الاکبر عالم المدینۃ مالک بن انس الاصبحی من ان اجتماع اھل المدینۃ حجۃ حتی انہ عولت علماء مذھبہ فی ارسال[1] الیدین حالۃ القیام فی الصلاۃ علی عمل اھلہا مع وجود المرفوع الصحیح فی قبض

ترجمہ :- ہر چار رکعت کے بعد انفرادی طور پر چار رکعت نماز پڑھتے تھے۔ ان کی عبارت ختم ہوئی۔ کبیری کی اس عبارت سے چند فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ تیئس ۲۳ رکعت جمہور کا مذہب ہے۔ دوسرا یہ کہ جمہور کی دلیل حضرت سائبؓ بن یزیدؓ کی حدیث ہے جس کو امام بیہقیؒ نے روایت کیا ہے تیسرا یہ ہے کہ اس کی سند صحیح ہے چوتھا یہ کہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں اسی پر عمل ہوتا رہا ہے پانچواں یہ کہ یہ عمل گویا اجماعی

۱ قولہ ارسال الیدین الخ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز میں بایاں ہاتھ دائیں پر رکھا تھا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا تو آپ نے میرا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا (ابوداؤد جلد ۱ ص) حضرت ابن الزبیرؓ نے فرمایا کہ (نماز میں) ہاتھ کو ہاتھ پر رکھنا سنت ہے (دارقطنی) حافظ ابن القیمؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں ثم یضع الیمنی علی ظھر الیسریٰ (زاد المعاد جلد ۱ ص) پھر آپ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے اور حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ سنت صحیحہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو ناف سے نیچے باندھنا چاہیے اور حضرت علیؓ کی حدیث اس میں صحیح ہے اور سینہ پر ہاتھ باندھنا سنت سے ممنوع ہے۔ الخ بدائع الغنائم جلد ۲ ص) حضرت امام مالکؒ سے مروی ہے کہ وہ فرضی نماز میں ہاتھ باندھنے کو مکروہ فرماتے تھے اور نفلی میں اجازت دیتے تھے (بدایۃ المجتہد جلد ۱ ص ۱۳۲) لیکن ابن عبد البر مالکیؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھ باندھنے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی اختلاف ثابت نہیں اور یہی جمہور حضرات صحابہؓ اور تابعینؒ کا قول ہے اور امام مالکؒ سے یہی نقل کیا ہے کہ ہاتھ باندھنے چاہئیں، اور امام مالکؒ سے کھلے ہاتھوں نماز پڑھنے کی روایات بھی آئی ہے۔ اب اکثر مالکیوں کا عمل اسی پر ہے (بحوالہ سبل السلام جلد ۱ ص ۲۶۰ صفدر)

الیمنی علی الیسریٰ وحملوہ علی الحاجۃ عند طول القیام انتہیٰ معنی ترجمہ: ... فوائد اعراض نمودہ کلمۂ مفید مطلب خود گرفتہ اما اینجا سوالے است جواب طلب کہ سائب بن زید کہ در ثقہ بودن او قیل و قالے نیست دو[2] حدیث متعارض از و منقول است یکے آنکہ از موطا نقل شدہ کہ حضرت عمرؓ باقامت یازدہ رکعت بابی و تمیم داری امر فرمودہ دوم[2] این حدیث بیہقی[1] برائے بیست و سہ ۲۳ رکعت آوردہ عمل بکدام کردہ آید جوابش خود

ترجمہ :- چھٹا یہ کہ حدیث حضرت یزیدؒ بن رومانؒ کو اگرچہ منقطع لکھا گیا ہے مگر وہ حنفیوں اور امام مالکؒ کے نزدیک حجت ہے ساتواں یہ کہ امام مالکؒ کی دلیل چھتیس ۳۶ رکعت کے بارے میں اہل مدینہ کا عمل لکھا ہے اور دراسات اللبیب ص ۲۴۰ میں مرقوم ہے کہ مدینہ مطہرہ کے باشندوں کا عمل ہمارے نزدیک قوی ترین حجتوں میں سے ہے اور مدینہ کے بڑے امام اور عالم حضرت امام مالکؒ کی طرح ہم بھی نقلی امور میں اہل مدینہ کے عمل کو جس پر وہ مجتمع ہوں حجت سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ حضرات مالکیہؒ نے باوجود صحیح اور مرفوع حدیث کے موجود ہونے کے جس میں نماز کے اندر دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنے کا ثبوت ہے کھلے ہاتھوں نماز پڑھنے کو ترجیح دی ہے اور انہوں نے مرفوع حدیث کو طول قیام کی ضرورت پر محمول کیا ہے مفتی (محمد حسین) صاحب نے ان سات فائدوں سے اعراض کرتے ہوئے صرف مفید مطلب کلمہ لے لیا ہے۔ اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے جو جواب طلب ہے، وہ یہ کہ سائبؓ بن یزیدؓ کے ثقہ (بلکہ وہ تو صحابہ میں شمار تھے تدریب ص ۲۳۶ طبع مصر۔ صفدر) ہونے میں کوئی قیل و قال نہیں ہے لیکن ان سے دو نقل کی ہوئی حدیثوں میں تعارض ہے۔

۱ یہ روایت سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۴۹۶ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں موجود ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں ۱۲ صفدر)

صاحب محلی از بیہقی نقلے فرمودہ "ولا ینافیہ الروایۃ السابقۃ فانہ وقع اولا ثم استقر[1] الامر علی العشرین فروی البیہقی باسناد صحیح انہم یقومون فی عہد عمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ مثلہ" باقی آنکہ روایت مؤطا از طبقۂ اولیٰ است و روایت بیہقی از طبقۂ ثالثہ پس در قوت برابر نباشد جواب در حجۃ اللہ البالغہ در حق طبقۂ ثالثہ فرمودہ "فلا یباشرھا للعمل علیہ والقول بہ الا الجہابذۃ الذین یحفظون اسماء الرجال وعلل الاحادیث انتہی" پس ہرگاہ ابن عبدالبرؒ وولی اللہ الدہلوی وعبدالحق وصاحب کبیری اسناد بیہقی را صحیح خوانند وجمہور دلیل مذہب خود ہمیں مے آرند و بلفظ اسناد صحیح تخصیص میکنند پس در صحت وقوت زیادت از حدیث مؤطا است کہ مثبت زیادت

ترجمہ: ایک یہ حدیث ہے جو موطأ (امام مالکؒ) میں آتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابیؓ اور تمیم داریؓ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا اور دوسری حدیث بیہقیؒ کی ہے جس میں تیئس ۲۳ رکعت کا ذکر ہے پھر عمل کس پر ہوگا؟ اس کا جواب خود صاحب محلی نے بیہقیؒ کے قلم سے نقل کیا ہے وہ یہ کہ پہلی روایت اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ اولاً گیارہ پر عمل ہوا پھر معاملہ بیس ۲۰ پر مستقر ہوگیا، جیسا کہ امام بیہقیؒ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں بیس ۲۰ ہی پڑھتے رہے یہ سوال کہ موطأ طبقۂ اولیٰ سے ہے اور بیہقی طبقۂ ثالثہ سے پس یہ قوت میں برابر نہیں ہیں تو اس کا جواب حجۃ اللہ البالغہ میں طبقۂ ثالثہ کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ

---

[1] امام بیہقیؒ کی ان دونوں حدیثوں کی تطبیق کے لیے اصل عبارت یوں ہے۔

ویمکن الجمع بین الروایتین فانہم کانوا یقومون باحدیٰ عشرۃ ثم کانوا یقومون بعشرین ویوترون بثلاث واللہ اعلم (جلد ۲ صفحہ ۴۹۶)

اور ان دونوں روایتوں کی تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ وہ پہلے دور میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے پھر بیس ۲۰ تراویح ادا کرتے تھے اور تین وتر۔ واللہ اعلم ۱۲ (صفدر)

است و آنکہ صاحب کبیری حدیث یزید بن رومان منقطع نوشتہ است جوابش آنست کہ ولی اللہ دہلوی در حجۃ اللہ[1] البالغہ میفرمایند باتفاق اہل حدیث جمیع احادیث موطأ صحیح است منقطع و مرسل در مؤطا نیست "فالطبقۃ الاولیٰ منحصرۃ بالاستقراء فی ثلاثۃ کتب الموطأ وصحیح البخاری وصحیح مسلم قال الشافعی[2] اصح الکتب بعد کتاب اللہ موطأ مالک واتفق اہل الحدیث علی ان جمیع ما فیہ صحیح علی رأی مالک ومن وافقہ واما علی

ترجمہ: اس طبقہ سے عمل اور قول کے لیے حجت پکڑنے کا حق صرف ان لوگوں کو حاصل ہے جو ماہر عالم اور ناقد ہوں جو راویوں کے ناموں اور حدیثوں کی علتوں کو جانتے ہوں انکی عبارت ختم ہوئی پس جب کہ امام ابن عبدالبرؒ اور شاہ ولی اللہ الدہلویؒ اور شیخ عبدالحقؒ اور صاحب کبیری نے بیہقی کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اور اسی حدیث کو جمہور اپنی دلیل گردانتے ہیں اور اسنادٌ صحیح کے لفظ

---

[1] یہ عبارت حجۃ اللہ البالغہ ص۱۳۳ طبع مصر میں مذکور ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے عجالۂ نافعہ ص۵ میں فارسی میں اس کا مفہوم درج فرمایا ہے۔ [2] ابن العربیؒ میفرماید کتاب موطا کہ ہست اصل اول وکتاب بخاری پس آں اصل دوم است و مولانا عبدالعزیز محدث دہلویؒ گفتہ کہ موطأ گویا اصل وام صحیحین است و در کمال شہرت رسیدہ وعدالت وضبط رجال این کتاب مجمع علیہ است ۱۲ ترجمہ: یعنی قاضی ابوبکر ابن العربی المالکیؒ فرماتے ہیں کہ موطا امام مالک اصل اوّل ہے اور اس کے بعد بخاری اصل دوم ہے اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ موطأ امام مالک گویا بخاری اور مسلم کی اصل اور ماں ہے اور انتہائی شہرت کو پہنچ چکی ہے اور اس کتاب کے راویوں کی عدالت اور ضبط پر اجماع واقعہ ہو چکا ہے۔

نوٹ: حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت عجالۂ نافعہ ص۵ طبع مجتبائی دہلی میں ہے۔ صفدر۔

رأی غیرہ فلیس فیہ مرسل[1] ولا منقطع[2] الا قد اتصل السند بہ من طرق اُخری فلا جرم انہا صحیحۃ من ھذا الوجہ وقد صنف فی زمان مالک موطات کثیرۃ فی تخریج احادیثہ ووصل منقطعہ مثل کتب ابن ابی ذئب وابن عیینۃ والثوری ومعمر وغیرہم ممن شارک مالکاً فی الشیوخ انتہی عبارت

ترجمہ :۔ اس کی صحت کو صراحت سے بیان کرتے ہیں اور امام نوویؒ بھی اس کو اسنادہ صحیحۃ سے تعبیر کرتے ہیں شرح مہذب جلد ۴ صـ۳۲) تو یہ حدیث صحت اور قوت میں موطا کی حدیث سے زیادہ بڑھی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں زیادت ہے (جو اصول کے لحاظ سے واجب القبول ہے) اور صاحب کبیری نے جو یہ کہا ہے کہ یزید بن رومانؒ کی حدیث منقطع ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے کہ تمام اہل حدیث کے اتفاق سے موطا کی سب حدیثیں صحیح ہیں۔

[1] قولہٗ مرسل آہ۔ وآں آنست کہ راوی مابعد تابعی دراں ساقط شود چنانچہ تابعی بگوید قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا او فعل کذا او فعل بحضرتہ کذا ۱۲۔ ترجمہ :۔ اور مرسل وہ حدیث ہے کہ تابعی کے بعد کا راوی یعنی صحابی اس میں ذکر نہ کیا جائے، مثلاً تابعی یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسا فرمایا یا ایسا کیا یا آپ کے سامنے ایسا کیا گیا ۱۲

نوٹ :۔ اس کی مزید بحث شرح نخبۃ الفکر صـ۵ وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ صفدر

[2] قولہٗ ولا منقطع آہ وآں آنست کہ سقوط دو راوی دراں بتوالی نباشد وہمچنیں است سقوط یکے فقط یا زیادہ ازاں ۱۲ محمد ظفر الدین قاضی عفی عنہ۔ ترجمہ :۔ منقطع وہ روایت ہے کہ اس میں دو راوی ساقط ہوئے ہوں مگر لگاتار سقوط نہ ہوا اور یہی حکم ہے فقط ایک یا ایک سے زیادہ راوی کے سقوط کا۔ تدریب الراوی صـ۱۲۷ طبع مصر کی عبارت اس طرح ہے ان یکون الساقط واحداً فقط او اثنین لا علی التوالی الخ۔ یعنی جس راوی کا ذکر نہیں ہوا وہ صرف ایک ہو یا دو ہوں مگر لگاتار نہ ہوں۔ صفدر)

الحجۃ۔ عزیزِ انصاف مفتی را باید دید کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی می نویسند کہ باتفاق اہل حدیث موطا صحیح است ومنقطع ومرسل درو نیست ازیں چشم پوشی نمودہ روایت فقہ کہ شخصے مقلد حنفی نوشتہ برخلاف اجماع محدثین قبول نمودہ واگر بگوید کہ مصنف کبیری ہم محدث شاگرد شیخ کمال الدین ابن ہمام است پس در جواب او گفتہ کہ بالرأس والعین روایت بیہقی کہ اسنادش صحیح نوشتہ ہم قبول بکنند کہ مال ایں منقطع وآں صحیح مروی او ومضمون حدیث اعرج یکے است

ترجمہ :۔ موطا کی روایتیں منقطع اور مرسل (جو ہیں وہ بھی درحقیقت منقطع اور مرسل) نہیں ہیں پس پہلا طبقہ عذر وخوض کے بعد تین کتابوں میں منحصر ہے۔ موطاؒ صحیح بخاری اور صحیح مسلم امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتاب موطا امام مالکؒ ہے اور اہلحدیث کا اس پہ اتفاق ہے کہ جو کچھ موطاؒ میں ہے وہ حضرت امام مالکؒ اور جو حضرات ان سے اتفاق کرتے ہیں۔ ان کی رائے کے موافق صحیح ہے (کیونکہ وہ منقطع اور مرسل کو بھی حجت اور صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ صفدر) ہے دوسرے حضرات تو ان کے نزدیک بھی موطا میں کوئی مرسل اور منقطع روایت ایسی نہیں جس کا دوسرے طریقوں سے اتصال ثابت نہ ہو چکا ہو لہٰذا اس لحاظ سے بھی یقیناً وہ صحیح ہیں اور امام مالکؒ کے زمانہ میں بہت سی کتابیں موطا کے نام پر تصنیف کی گئیں جن میں موطا کی احادیث کی تخریج کی گئی اور اس کی منقطع روایات کی متصل سندیں بیان کی گئیں جیسے ابن ابی ذئبؒ، سفیانؒ بن عیینہؒ، سفیان ثوریؒ اور معمرؒ وغیرہ کی کتابیں جو امام مالکؒ کے ساتھ ان کے اساتذہ میں شریک تھے حجۃ اللہ کی عبارت ختم ہوئی۔ اے میرے عزیز! بنظرِ انصاف مفتی (محمد حسین) صاحب کو دیکھو کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تو کہتے ہیں کہ اہل حدیث کے اتفاق سے موطا صحیح ہے اور اس میں منقطع اور مرسل نہیں (کیونکہ دوسرے طرق سے ان کا اتصال ثابت ہے۔ صفدر) مگر مفتی صاحب اس سے چشم پوشی کر کے

ودرماثبت بالسنۃ عبدالحق محدث دہلویؒ فرمودہ کان السلفؒ فی زمن عمر بن عبدالعزیز یصلون باحدیٰ عشرۃ رکعۃ قصد التشبہ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی استقر (قرار یافتہ) الامر علیہ واشتہر (شہرت یافتہ) من الصحابۃ والتابعین ومن بعدہم ہو العشرون وماروی انہا ثلاث و عشرون فلحساب الوتر معہا انتہیٰ ودر حجۃ اللہ البالغہ آوردہ وزاد ہم

ترجمہ:۔ محدثین کے اجماع کے خلاف فقہ کی روایت کی آڑ لیتے ہیں تو یہ مقلد شخص نے لکھی ہے (کیونکہ صاحب کبیری شیخ ابراہیم حلبیؒ المتوفی ۹۵۶ھ حنفی تھے اور مفتی محمد حسین صاحب پکے غیر مقلد۔ صفدرؔ) اور اگر وہ یہ کہیں کہ صاحب کبیری بھی شیخ کمال الدین ابن ہمامؒ کے شاگرد اور محدث تھے سو اس کا جواب یہ کہ سر اور آنکھوں پر جب انہوں نے بیہقی کی سند کو صحیح کہا ہے تو اس کو بھی

لہ ای بعض السلف تنہا در خانہ بوقت آخر شب بطول قرات میخواندند نہ آنکہ بعض بعد ویازدہ مفتون ماندہ در اول شب در مسجد بجماعت خواندہ بجلدی تمام بر بستر نرم و لحاف گرم خفتند چنانچہ حال بعضے از معاصران یازدہ رکعت ہمیں دیدہ کہ در جماعت مجوزان بلیست شامل شدہ تا ہشت رکعت خواندہ تخلف ورزیدہ روانہ خانہ شوند۔ ۱۲ محمد ضیاء الدین عفی عنہ

یعنی بعض سلف گھر میں تنہا آخر شب میں لمبی قرات کے ساتھ پڑھتے تھے نہ یہ کہ صرف گیارہ ہی رکعت کے دھوکہ میں آ کر تھے کہ رات کے ابتدائی حصہ میں مسجد کے اندر جلدی جلدی جماعت سے پڑھ کر نرم بستر اور گرم لحاف میں سو جاتے تھے جیسا کہ اس وقت گیارہ رکعت پڑھنے والوں میں سے بعض کا یہی حال ہے کہ بیس رکعت کو جائز سمجھنے والوں کی جماعت میں شریک ہو کر آٹھ رکعت پڑھ کر علیحدگی اختیار کر کے گھر کو روانہ ہو جاتے ہیں۔

سے یہ عبارت حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۱۸ طبع مصر میں ہے۔ صفدرؔ

ومن بعدہم فی قیام رمضان ثلاثۃ اشیاء الاجتماع لہ فی مساجدہم وذلک لانہ یفید التیسیر علی خاصتہم وعامتہم واداؤہ فی اول اللیل مع القول بان صلوٰۃ آخر اللیل مشہودۃ وہی افضل کما نبہ عمر رضی اللہ عنہ لہذا التیسیر الذی اشرنا الیہ وعددہ عشرون رکعۃ وذلک انہم راوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم شرع للمحسنین احدیٰ عشرۃ رکعۃ فی جمیع السنۃ فحکموا انہ لا ینبغی ان یکون حظ المسلم فی رمضان عند قصدہ الاقتحام فی لجۃ التشبہ بالملکوت اقل من ضعفہا انتہیٰ

صاحب تقریب (ابن حجر عسقلانی) نوشتہ یزید بن رومان المدنی مولیٰ آل الزبیر ثقۃ الخ و آنچہ از لزوم تغیر ہیئۃ مسنون باداء عشرین رکعت نوشتہ دفع آں ایں است کہ

ترجمہ:۔ قبول کیجئے کیونکہ مآل اس منقطع اور اس صحیح مروی اور اعرجؒ کی حدیث کا ایک ہی ہے (یہ تینوں روایتیں پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ صفدرؔ) اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی کتاب ماثبت بالسنۃ میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں بعض سلف گیارہ پڑھتے تھے تاکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل سے مشابہت پیدا کریں لیکن جس معاملہ پر بات ٹھہر چکی ہے اور حضرات صحابہ کرام رضؓ اور تابعینؒ اور ان کے بعد والے حضرات سے جو بات مشہور ہو چکی ہے وہ بیس ۲۰ ہی رکعت ہیں اور جس روایت میں تیئس ۲۳ کا ذکر آتا ہے اس میں تین وتروں کو ساتھ ملا کر حساب کیا گیا ہے، انکی عبارت ختم ہوئی۔ اور حجۃ اللہ البالغہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضؓ اور ان کے بعد والے حضرات نے تراویح کے بارے میں تین چیزیں زائد کی ہیں پہلی چیز مسجدوں میں اجتماع کیونکہ اس طرح سے خواص و عوام کو آسانی سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے، دوسری چیز رات کے ابتدائی حصہ میں ان کو ادا کرنا حالانکہ ان کے فرمان کے مطابق رات کے آخری حصہ کا قیام افضل ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی نماز پیش

قیاس ایں بر نماز مغرب کہ رباعی خوانند قیاس مع الفارق است سبحان اللہ ایں چہ غلو است و مبالغہ اولاً لزوم ہیئت و دوام از فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ثابت باید کرد ثبت العرش ثم انقش پس از تغیر بحث کردہ شود وقال القاضی عیاض فی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا من روایۃ سعد بن ہشام قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بتسع رکعات وحدیث عروۃ عن عائشہ باحدی عشرۃ منہن الوتر یسلم من کل رکعتین و کان

ترجمہ :- کی جاتی ہے زیادہ فرشتے اس موقع پر بکثرت حاضری دیتے ہیں جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اس سہولت پر تنبیہ فرمائی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور تیسری چیز یہ کہ تراویح انہوں نے بیس۲۰ رکعات مقرر کر دیں یہ اس لیے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے سال میں نیکوکاروں کے لیے گیارہ رکعات مقرر کی

لہ ہمچناں خالی از حق پوشی نیست آنچہ بعض کسان بعد شنیدن روایات بیست۲۰ رکعت میگویند کہ ما یازدہ رکعت بجہت آں میخوانیم کہ دیگراں بجلدی خواندہ خراب میکنند سبحان اللہ سوال از آسمان وجواب از ریسمان گفتگوئے ما در تشریع عشرین است نہ تسدید قاصرین وایشاں برلتے الطین ن خوب علاجے آموختہ پس باید کہ اگر کسی در یازدہ رکعت جلدی جلدی کند چار حکم کنند بلکہ در فرائض نیز ہمیں طریق مرعی دارند کاش ازیں علاج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را

اسی طرح یہ بات بھی حق پوشی سے خالی نہیں کہ بعض لوگ بیس۲۰ رکعت کی روایات سننے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس لیے گیارہ رکعات پڑھتے ہیں کہ دوسرے (یعنی بیس۲۰ رکعت پڑھنے والے ۔مصنف) جلدی جلدی پڑھ کر نماز کو خراب کرتے ہیں سبحان اللہ سوال آسمان سے اور جواب ریسمان سے کیونکہ ہماری گفتگو تو صرف اس امر میں ہے کہ بیس۲۰ رکعات مشروع ہیں نہ یہ کہ جلدی جلدی پڑھ کر کوتاہی کا ارتکاب کرنے والے راستی پر ہیں، اور ان لوگوں نے

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۷ پر)

یرکع رکعتی الفجر اذا جاءہ المؤذن ومن روایۃ ہشام بن عروۃ وغیرہ عن عروۃ عنہا ثلاث عشرۃ رکعۃ برکعتی الفجر وعنہ کان لا یزید فی رمضان ولا غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ اربعا اربعا وثلاثا وعنہا کان یصلی ثلاث عشرۃ ثمانیا ثم یوتر ثم یصلی رکعتین وھو جالس ثم یصلی رکعتی الفجر وقد فسرتہا فی الحدیث الآخر منہا

ترجمہ :- ہیں تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مناسب نہیں کہ مسلمان کا حصہ رمضان میں جب وہ ملکوت سے مشابہت پیدا کرنے کے لیے گہرے سمندر میں غوطہ مارنے کا ارادہ رکھتا ہے دو گنے سے کم ہو ان کی عبارت ختم ہوئی اور صاحب تقریب لکھتے ہیں کہ یزیدؒ بن رومان جو خاندان زبیرؓ کے غلام تھے ثقہ ہیں الخ رہا مفتی صاحب کا یہ اعتراض کہ بیس۲۰ رکعت پڑھنے سے نماز تراویح کی ہیئت مسنونہ بدل جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے

صفحہ ۴۶ کا بقیہ حاشیہ

اطلاع میسر شدے تا آں بہ اصحاب را کہ نماز بجلدی خواندہ بخدمت حاضر شدہ بود وایشاں امر کردند کہ قم فصل فانک لم تصل محض ہمیں گفتندے کہ یک رکعت بخواں لیکن بآہستگی فافہم ۱۲ محمد ضیاء الدین قاضی عفی عنہ۔

(جو آٹھ پڑھتے ہیں) اپنی تسلی کے لیے خوب علاج سیکھ لیا ہے پس انکو چاہیے کہ اگر کوئی شخص جلدی سے گیارہ رکعات پڑھتا ہے تو اس کو چار رکعت کا حکم دیدیں بلکہ فرائض میں بھی یہی وطیرہ ملحوظ رکھیں کاش کہ اس علاج سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع میسر ہوتی تو آپ بھی اس صحابی کو جو جلدی سے نماز پڑھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور آپ نے اس کو یہ فرمایا تھا کہ اٹھ (پھر) نماز پڑھ کیونکہ تو نے (کامل) نماز نہیں پڑھی صرف اتنا ہی ارشاد فرما دیتے کہ ایک رکعت پڑھ مگر آہستہ پڑھ اس کو بخوبی سمجھ لو یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے حکم سے نہ یہ کہ اپنی طرف سے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو احکام مفوض نہ تھے، آپ صرف احکام پہنچاتے تھے تفصیل دلائل سر میں ملاحظہ فرمائیں ۱۲ مصنف۔

ركعتا الفجر وعنها في البخاري ان صلوته صلى الله عليه وسلم بالليل سبع وتسع وذكر البخاري ومسلم بعد هذا من حديث ابن عباس ان صلوته صلى الله عليه وسلم ثلاث عشر ركعة وركعتين بعد الفجر سنة الصبح وفي حديث زيد بن خالد انه صلى الله عليه وسلم صلى ركعتين خفيفتين ثم طويلتين وذكر الحديث وقال في آخره فتلك ثلاث عشرة قال القاضي قال العلماء في هذه الاحاديث اخبار كل واحد من ابن عباس وزيد وعائشة بما شاهد واما الاختلاف في حديث عائشة فقيل هو منها وقيل من الرواة عنها فيحتمل ان اخبارها باحدى عشرة هو الاغلب وباقي رواياتها اخبار منها بما

ترجمہ:- کہ اس کو نماز مغرب پر قیاس کرنا کہ اس کی چار رکعت پڑھی جائیں قیاس مع الفارق ہے سبحان اللہ یہ نہایت غلو اور مبالغہ ہے اوّلاً اس لیے کہ پہلے اس ہیئت کا لزوم اور دوام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت کرنا چاہیئے (یعنی یہ کہ آپ ہمیشہ گیارہ رکعت ہی پڑھتے تھے) مشہور محاورہ ہے پہلے تخت بناؤ پھر اس پر نقش ونگار کرو اس کے بعد پھر تغیر ہیئت سے بحث کی جائے گی، امام قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں جو حضرت سعدؓ بن ہشامؒ کی سند سے آئی ہے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۹ رکعت پڑھتے تھے اور بسند عروہؓ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ گیارہ رکعت پڑھتے تھے جن میں وتر بھی ہوتے تھے جن کی ہر دو رکعت کے بعد سلام کہتے تھے اور جب آپ کے پاس مؤذن آجاتا تو آپ صبح کی دو سنتیں پڑھتے تھے اور حضرت ہشامؒ بن عروہؓ وغیرہ کی روایت میں جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے یہ آتا ہے کہ آپ تیرہ[12] رکعت ادا کرتے تھے جن میں صبح کی دو سنتیں بھی ہوتی تھیں اور حضرت عائشہؓ سے یہ روایت بھی آتی ہے کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے

كان يقع نادرا في بعض الاوقات فاكثره خمس عشرة بركعتي الفجر واقله سبع وذلك بحسب ما كان يحصل من اتساع (فراخی ۱۲) الوقت او ضيقه بطول قراءة كما جاء في حديث حذيفة وابن مسعود او لنوم او عذر مرض او غيره او في بعض الاوقات عند كبر السن كما قالت فلما اسن صلى الله عليه وسلم صلى سبع ركعات او تارة تعد الركعتين الخفيفتين في اول قيام الليل كما رواه زيد بن خالد وروتها عائشة بعدها وهذا في مسلم او تعد ركعتي الفجر تارة وتحذفها تارة او تعد احدهما وقد تكون عدت راتبة العشاء مع ذلك تارة وتحذفها تارة قال القاضي ولا خلاف انه ليس في ذلك حد لا يزاد عليه ولا ينقص منه وان صلوة الليل من الطاعات التي كلما زاد فيها زاد الاجر وانما الخلاف في فعل النبي صلى الله عليه وسلم وما اختاره لنفسه والله اعلم شرح النووي[1] لمسلم وملا علي قاري در مرقات آورده اعلم انه لم يوقت

ترجمہ:- زیادہ نہیں پڑھتے تھے یعنی چار چار رکعت پھر تین وتر اور ان سے یہ روایت بھی ہے کہ آپ تیرہ[12] رکعت پڑھتے تھے آٹھ اور پھر تین وتر پھر بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے اس کے بعد فجر کی سنتیں پڑھتے اور دوسری روایت میں انہوں نے فجر کی سنتوں کی تشریح کی ہے اور ان سے بخاری میں یہ روایت بھی ہے کہ آپ کی رات کی نماز سات اور نو رکعت ہوتی تھی اور بخاری و مسلم نے اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ کی روایت ذکر کی ہے کہ آپ کی رات کی نماز تیرہ رکعت ہوتی تھی اور طلوع فجر کے بعد صبح کی دو سنتیں ہوتی تھیں اور حضرت زیدؓ بن خالدؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

[1] جلد ۱ صفحہ ۲۵۲ ۱۲ صفدر

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی التراویح عددا معیناً انتہیٰ ودر باب رکعتین بعد وتر کہ نشستہ میخوانند نوشتہ قلت الصواب ان ھاتین الرکعتین فعلھما النبی صلے اللہ علیہ وسلم بعد الوتر وبیان جواز النفل جالساً ولم یواظب علیٰ ذٰلک بل فعل مرۃ او مرتین او مرات قلیلۃ ولا تغتر بقولھا کان یصلی[1] شرح نووی

ترجمہ:- تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے ہلکی دو رکعتیں پڑھیں پھر لمبی لمبی اور پھر پوری حدیث ذکر کی اور اس کے آخر میں فرمایا کہ یہ تیرہ ۱۳ رکعتیں ہو گئیں، قاضی عیاض رحؒ نے فرمایا کہ ان احادیث کے بارے میں علماء بیان کرتے ہیں کہ ان میں حضرت ابن عباسؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت عائشہ رضؓ میں سے ہر ایک نے آپ سے جو کچھ (مختلف حالات میں) دیکھا وہ بیان کر دیا ہے۔ باقی رہا حضرت عائشہ رضؓ کی روایت میں اختلاف تو اس سے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ انہی سے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے روایت کرنے والوں کی طرف سے ہے سو اس کا احتمال ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے گیارہ کے بارے

---

[1] امام نوویؒ کے جملہ کان یصلی کے آگے عبارت اس طرح ہے:۔

فان المختار الذی علیہ المحققون من الاصولیین ان لفظۃ کان لا یلزم منھا الدوام ولا التکرار وانما ھی فعل ماضٍ یدل علیٰ وقوعہ مرۃ فان دلّ دلیل علیٰ التکرار عمل بہ والّا فلا تقتضیہ بوضعھا اھ نووی شرح مسلم جلد ۱ ص۲۵۴ ۱۲ صفدر

کہ بے شک مختار اور پسندیدہ بات جس پر اہل اصول کے محققین حضرات ہیں یہ ہے کہ لفظ کان دوام اور تکرار کو مستلزم نہیں ہے یقینی امر ہے کہ یہ تو فعل ماضی ہے جو ایک دفعہ کے وقوع پر دلالت کرتا ہے پس اگر کوئی دلیل تکرار پر دلالت کرے تو اس پر عمل کیا جائے گا ورنہ لفظ کان اپنی وضع کے لحاظ سے دوام اور تکرار کو نہیں چاہتا۔

السلام۔ لہٰذا صاحب سفر السعادت[1] دریں باب ہشت صورت در نماز شب نوشتہ کہ ہمہ صحیح اند پس آنچہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمودہ کہ یازدہ رکعت در ماہ رمضان وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میخواندند ایں ہم از ایام نوبت خود کہ در سال سی و شش روز میشود خبر دادہ در روایات کمی و بیشی اگر خود عائشہؓ و از غیر ایشاں نیز در ماسبق گذشتہ پس تغیر ہیئت یازدہ ہم سنت شدہ اگرچہ در سالے بماہ رمضان بہ نیت عمل بر سنت نبویہ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ وسنت خلفاء الراشدین معمول کنند و بر تقدیر تسلیم کہ یازدہ رکعت اغلب فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احتمال باشد و حفاظت ہمیں عدد مسنون باشد

ترجمہ:- میں جو خبر دی وہی آپ کی اکثر عادت ہو اور ان کی باقی روایتیں اس پر محمول ہوں کہ آپ سے جو نادر طور پر بعض اوقات میں انہوں نے دیکھا وہ بیان کر دیا فجر کی دو رکعتیں سنت ملا کر زیادہ سے زیادہ پندرہ رکعتیں ہوتی ہیں اور کم سے سات رکعتیں اور یا یہ وقت کی فراخی اور تنگی اور طول قرأت کی وجہ سے ہوتا تھا جیسا کہ حضرت حذیفہ رضؓ اور حضرت ابن مسعود رضؓ کی حدیث میں آتا ہے یا نیند یا بیماری کے عذر یا اور کسی عذر کی وجہ سے اور یا بڑھاپے کی وجہ سے بعض اوقات میں ایسا ہوتا رہا جیسا کہ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ بوڑھے ہو گئے

---

[1] سفر السعادت کے الفاظ یہ ہیں:۔

وورد فی کیفیۃ قیام اللیل طرق ثمانیۃ کلھا صحیحۃ والمتعبد مخیر فی المواظبۃ علیٰ ای ھذہ الانواع شاء او اختیار نوع منھا فی وقت دون وقت اھ سفر السعادت برحاشیہ کشف الغمہ جلد ۱ ص۶۹ طبع مصر ۱۲ صفدر۔

کہ رات کی نماز کی کیفیت کے بارے میں آٹھ صورتیں وارد ہوئی ہیں جو سب کی سب صحیح ہیں اور عبادت کرنے والے کو اختیار ہے کہ وہ ان قسموں میں سے جس پر چاہے دوام کرے یا ان میں سے کسی قسم کو کسی ایک وقت اختیار کرے اور کسی قسم کو کسی دوسرے وقت۔

چنانکہ ادعائے مفتی است پس گوئیم کہ دوازدہ رکعت اولی بگفتۂ صحابہ رضی اللہ عنہم کہ مستحب بود ادا کردیم و یازدہ رکعت کہ مسنون است آخر ہمہ خواندیم و ہیئت وتر را ہرچند لازم نبود نگاہ داشتہ ایم پس تغیر ہیئت کجا است بلکہ مثل لزوم او محقق ادعا است و مفتی را می باید کہ عمل مومن حتی الامکان بطورے حمل کند کہ موافق سنت باشد چنانچہ در بیع دو خروار گندم و یک خروار جو بمقابلہ دو خروار جو و یک خروار گندم در باب ربوا بطورے تصریف میکنند کہ ربوا لازم نیاید حالانکہ محل عدم جواز ہم بود و ایں مفتی بسینہ زوری اعمال متبعان سنت را بدعت میگوید و سواد اعظم را از صحابہؓ و تابعینؒ و ائمہ مجتہدین و علماء شرق و غرب از عہد عمر بن الخطاب تا امروز مخالف سنت قرار میدہد بلکہ سخن را بجائے رسانیدہ کہ تعریض بافعال مشرکین نمودہ ایں را تقلید آباء و اجداد و عامل قرار دادہ امام شعرانیؒ در کشف الغمہ[له] آوردہ کانوا یصلونھا

ترجمہ:- تو سات رکعتیں پڑھتے تھے یا وہ کبھی اُن دو ہلکی پھلکی رکعتوں کو شمار کر لیتی ہوں گی جن کو آپ ابتداء قیام میں ادا کرتے تھے جیسا کہ حضرت زید رضؓ بن خالد رضؓ نے اور خود حضرت عائشہ رضؓ نے اس کے بعد ذکر کیا ہے اور یہ روایت مسلم میں ہے اور یا کبھی فجر کی دو رکعتوں کو بیان کرتی ہوں گی یا ان دونوں میں سے کبھی ایک کا ذکر کر دیتی ہوں گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے (گو بعید ہے صفدر) کہ عشاء کی دو رکعت سنتوں کا ذکر کر دیتی ہوں گی اور کبھی ان کا تذکرہ چھوڑ دیتی ہوں گی قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس میں کوئی ایسی حد متعین نہیں کہ جس میں کمی یا زیادت نہ کی جا سکے اور رات کی نماز ان نیکیوں میں سے ہے کہ وہ جتنی بھی زیادہ کی جائیں اجر بڑھتا چلا

له کشف الغمہ جلد ا صفحہ ۱۱۹ طبع مصر ۱۲ صفدر

فی اول زمان عمر رضی اللہ عنہ ثلاث عشرۃ رکعۃ وکان القاری یقرأ بالمئین من الآیات حتی کان الناس یعتمدون علی العصی من طول القیام وکان امامھم ابی بن کعب وتمیم الداری رضی اللہ عنہما ثم ان عمر رضی اللہ عنہ امر بالفعل ثلاث وعشرین رکعۃ ثلاث منہا الوتر واستقر الامر علی ذلک فی الامصار انتہی و در مختار[له] است قولہ وھی عشرون رکعۃ ھو قول الجمہور وعلیہ عمل الناس الیوم شرقا وغربا وعن مالک ست وثلاثون وذکر فی الفتح ان مقتضی الدلیل کون المسنون منہا ثمانیۃ والباقی مستحبا وذکرت جوابہ فیما علقتہ علیہ انتہی اگر بنظر تحقیق دیدہ شود از چند وجہ تغیر میدہند سنت را و غوغائے ایشاں محض بر عدد عشرین است چنانکہ اولاً در وقت تغیر دادہ اند کہ در اول شب میخوانند

ترجمہ:- جائے گا اختلاف تو صرف اس بات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل کیا تھا؟ اور آپ نے اپنے لیے کیا پسند کیا؟ واللہ اعلم۔ (نووی شرح مسلم) اور حضرت ملا علی ن القاری مرقات میں فرماتے ہیں کہ تو جان لے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تراویح میں کوئی تعداد مقرر نہیں کی، ان کی عبارت ختم ہوئی اور امام نوویؒ نے وتروں کے بعد دو رکعتوں کے بیٹھ کر پڑھنے کے باب میں لکھا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ درست بات یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وتروں کے بعد اس لیے بیٹھ کر پڑھی ہیں تاکہ عملاً وتروں کے بعد نماز کے جواز کا بیان فرما دیں نیز یہ بھی کہ نفل بیٹھ کر بھی پڑھے جا سکتے ہیں اور آپ نے اس پر مداومت

له یہ عبارت رد المحتار یعنی شامی کی ہے (ملاحظہ ہو جلد ا صفحہ ۵۲۵ طبع مصر) اور مختار کتابت کی غلطی ہے واللہ اعلم ۱۲ صفدر

سادساً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد خواب میخواندند وایشاں قبل از نوم ایں ہمہ تغیرات میکنند و مخالف سنت نمیدانند فقط عدد عشرین را متغیر ہیئت قرار ہند رحم اللہ من انصف ولم یتعسف اگر کسے تنہا بطول قرأت درخانہ یازدہ رکعت میخواند درادائے سنت اولے[1] وقابلے

ترجمہ:۔ دنوں کا ہے جو سال میں چھتیس[2] دن ان کی باری کے ہوتے تھے (کیونکہ آپ کی اور ازواج مطہرات بھی تھیں اور آپ ان کو بھی باقاعدہ باری دیتے تھے۔ صفدر) اور خود حضرت عائشہ رضہ اور اسی طرح دوسرے حضرات سے کمی بیشی کی روایات پہلے گذر چکی ہیں، لہٰذا گیارہ کی ہیئت کو بدلنا اور اس کا تغیر کرنا بھی سنت ہوا۔ اگرچہ سال میں رمضان مبارک کے ماہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات خلفاء راشدین رضہ کی سنت پر عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل اکثر گیارہ رکعات پر تھا اور اس کی حفاظت ضروری ہے جیسا کہ مفتی صاحب کا دعوٰے ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ہم پہلی بار ۱۲ رکعات حضرات صحابہ کرام کے کہنے پر پڑھتے ہیں جو مستحب ہیں اور اسی کے بعد گیارہ رکعات جو مسنون ہیں ہم ادا کرتے

[1] کاش ایں محقران سنت صحابہؓ قدرے از کید نفس متنبہ شدہ زبان از تعریضات نالائقہ باز داشتندے اگر شوق عبادت و ذوق اتباع زائد الوصف بود بایستے کہ موافق فتوی مولانا عبد العزیز محدث دہلویؒ اول شب بجماعت عامہ مومنین شامل شدہ سنت صحابہ ادا کردندے

کاش کہ حضرات صحابہ کرامؓ کی سنت کو حقیر سمجھنے والے یہ دوست نفس کی مکاریوں سے خبردار ہوتے تو نالائق قسم کی تعریضات اور چوٹوں سے زبان کو باز رکھتے اگر ان کو عبادت کا زائد الوصف شوق اور اتباع کا ذوق ہوتا تو ان کو چاہیئے تھا کہ حضرت مولانا عبد العزیز محدث دہلویؒ کے فتوی

(باقی حاشیہ صفحہ ٥٦ پر)

در سفر سعادت است وتر را گاہے در اول شب گاہ میانہ و اغلب در آخر شب میگزارند ثمّ ثانیاً[2] درمکان کہ افضل صلوٰۃ المرء فی بیتہ بصحت رسیدہ تغیر دادہ اند باجتماع ایشاں در مساجد ثالثاً[3] طول قرأت کہ بر عصا تکیہ میکردند تغیر دادہ اند رابعاً[4] اربعا اربعا و ثلاثا و اسد شدہ وایشاں مثنٰی مثنٰی و واحد میخوانند وسہ رکعت وتر راکہ دریں حدیث آمدہ ضعیف میگویند پس نیمہ حدیث نزد ایشاں قابل احتجاج است و نیمہ ضعیف و متروک العمل و عند الاستفسار میگویند سہ رکعت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواندہ بر دو سلام میدادند و حال آنکہ از شرح مسلم و سفر سعادت معلوم میشود کہ گاہی سہ[5] و گاہے یک و گاہے خمس و گاہے غیر آں میخواندند و قرأت ایں سہ اعلیٰ و کافرون و اخلاص نوشتہ اند خامسا بجماعت[1] چرا میخوانند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد چند روز جماعت ترک دادہ و افضلیت در تنہا فرمودہ

ترجمہ:۔ نہیں کی بلکہ ایک دو دفعہ یا اس سے کچھ زیادہ مرتبہ ایسا کیا ہے اور ثم کان یصلی (کہ وہ پڑھا کرتے تھے) کے لفظ سے دھوکہ نہ کھانا نووی شرح مسلم۔ اسی لیے مصنف سفر سعادت نے رات کی نماز کے باب میں آٹھ صورتیں لکھی ہیں جو سب کی سب صحیح ہیں، پس جو کچھ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے یہ خبر دینا بھی ان کا اپنی باری کے

[1] آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیئس رمضان کی رات کو باجماعت رات کی تہائی تک اور پچیسویں رمضان کو نصف تک اور ستائیسویں کو اختتام سحری تک صرف تین راتیں باجماعت نماز پڑھائی ہے ملاحظہ ہو نسائی جلد ۱ ص ۱۸۲ وغیرہ مگر غیر مقلدین حضرات پورا مہینہ باجماعت پڑھتے پڑھاتے ہیں یہ بھی تغیر سنت ہے، ۱۲ صفدر

نیست اما ایں قدر افراط کہ در حق خوانندگا بیست رکعت ایں مفتی کردہ پائے از طریقۂ انصاف بیروں نہادہ و تعریضات کہ کردہ دأب ارباب اخلاق حمیدہ نیست اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا

ترجمہ: ہیں اور طاق کی صورت کو اگرچہ وہ لازم نہ تھی ہم نے محفوظ ہی رکھا پس تغیر ہیئت کہاں سے پیدا ہوا؟ بلکہ اس کا لزوم بھی (ہمارے) دعویٰ کو ثابت کرتا ہے اور مفتی کو چاہیئے کہ حتی الوسع مومن کے عمل کا محمل ایسا قرار دے جو سنت کے موافق ہو جیسا کہ سُود کے باب میں دو خروار (خروار خرمن اور ڈھیر پر بھی بولا جاتا ہے، آپ اس کو ایک متعین مقدار سمجھ لیں) گندم اور ایک خروار جَو کو جو دو خروار جَو اور ایک خروار گندم کے مقابلہ میں فروخت کیے جائیں علماء ہیں کی اس طرح توجیہ کرتے ہیں کہ سُود لازم نہ آئے حالانکہ یہ عدم جواز کا محل بھی ہے (جبکہ مثلاً خروار گندم کو ایک خروار گندم کے مقابلہ میں سمجھا جاتے) اور یہ مفتی سینہ زوری کے ساتھ سنت کی پیروی کرنے

صفحہ ۵۵ کا بقیہ حاشیہ

کہ قیام رمضان است و در آخر شب قصد تشبہ با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہشت رکعت یا چار موافق روایت نسائی بجا می آورد ندے کہ صلوٰۃ اللیل باصطلاح محدثین ہمیں است کہ در رمضان وغیرہ برابر بود ۱۲ ضیاء الدین عفی لہ ولوالدیہ۔

کے موافق رات کے ابتدائی حصہ میں عام مومنین کے ساتھ جماعت میں شریک ہو کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سُنت کو ادا کرتے کہ یہ قیام رمضان (یعنی تراویح) ہے اور رات کے آخری حصہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کے ساتھ تشبہ پیدا کرنے کی خاطر نسائی کی روایت کے مطابق آٹھ یا چار رکعت ادا کرتے کیونکہ محدثین کرام رضی اللہ عنہم کی اصطلاح میں یہی صلوٰۃ اللیل ہے جو رمضان وغیر رمضان میں یکساں رہتی تھی۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۷۰ پر)

اِتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ۔ تمت ھذا الکتاب بعون الملک الوھاب۔

ترجمہ: والوں کے عمل کو بدعت کہتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے لے کر اس وقت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین رحمہم اللہ ائمہ مجتہدین اور شرق و غرب کے علماء کی بہت بڑی جماعت کو مخالف سُنت قرار دیتا ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) بلکہ اس مفتی نے بات یہاں تک پہنچا دی ہے کہ ان حضرات کے فعل کو تعریض کر کے مشرکین کا فعل کہتا ہے اور ان کو اپنے آباء و اجداد کی تقلید کا عامل

باقی ترجمہ صفحہ ۵۸ پر

صفحہ ۵۶ کا بقیہ حاشیہ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماکان یزید فی رمضان الحدیث کی تحقیق کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:

آں روایت محمول بر نماز تہجد است کہ در رمضان وغیر رمضان یکساں بود غالباً بعدد یازدہ رکعت مع الوتر میرسد اھ

(فتاویٰ عزیزی جلد اص ۱۱۹ طبع مجتبائی دہلی)

وہ روایت نماز تہجد پر محمول ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں یکساں ہوتی تھی اور وتر ول کو ساتھ ملا کر عموماً گیارہ رکعت ہوتی تھی۔

گویا اس لحاظ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نماز تراویح سے بالکل غیر متعلق ہے اس کا تعلق صرف نماز تہجد سے ہے جو بدستور رمضان وغیر رمضان میں ہوتی رہتی تھی اور اس میں کمی بیشی بھی ثابت ہے مگر اکثر حالات میں آٹھ رکعت تہجد اور تین وتر کل گیارہ رکعتیں ہوتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور جمہور علماء امت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اور نفس امارہ کی آزادی اور تن آسانی سے محفوظ رکھے آمین ثم آمین۔ صفدر۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ ومتبعیہ الیٰ یوم الدین۔

قرار دیتا ہے، امام شعرانیؒ کشف الغمہ میں فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمرؓ (کی خلافت) کے ابتدائی دور میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے اور امام سو سو آیات والی سورتیں پڑھتا تھا یہاں تک کہ لوگ لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگایا کرتے تھے اور ان کے امام حضرت اُبیؓ بن کعب اور حضرت تمیم داریؓ تھے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے تیئس ۲۳ رکعت پڑھنے کا حکم دیا اور یہ ان میں وتر تھے اور اس پر سب شہروں میں معاملہ پختہ ہو گیا اور در مختار میں ہے کہ ان کا قول تراویح بیس ۲۰ رکعت ہیں یہ جمہور کا قول ہے اور اسی پر آج تک مشرق و مغرب میں لوگوں کا عمل ہے اور امام مالکؒ سے چھتیس ۳۶ رکعت کا ذکر بھی آیا ہے اور فتح التقدیر میں ہے کہ دلیل اس کو چاہتی ہے کہ آٹھ رکعت سنت اور باقی مستحب ہوں لیکن میں نے اس کا جواب اس کے حاشیہ پر لکھ دیا ہے ختم ہوئی ان کی عبارت، اگر تحقیق کی نگاہ سے دیکھا جائے تو آٹھ رکعات والے حضرات کئی وجوہ سے سُنت کو بدلتے ہیں اور شور و غل صرف بیس ۲۰ کے عدد پر برپا کرتے ہیں۔ اوّلاً وقت کو بدلتے ہیں کہ وہ رات کے ابتدائی حصہ میں پڑھتے ہیں اور سفر سعادت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وتر کبھی رات کے اول حصہ میں کبھی درمیان میں اور اکثر رات کے آخری حصہ میں ادا کرتے تھے ختم ہوئی عبارت و ثانیاً انہوں نے جگہ کو بدل دیا ہے کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آدمی کے لیے بہتر یہ ہے کہ (غیر فرضی) نماز گھر میں ہو حالانکہ وہ مسجدوں میں جمع ہو کر پڑھتے ہیں و ثالثاً لمبی قرأت کو انہوں نے بدل دیا ہے حالانکہ سلف صالحین لاٹھیوں پر ٹیک لگایا کرتے تھے و رابعاً حدیث میں چار چار اور تین وارد ہوا ہے۔

اور یہ دو دو اور ایک (وتر) پڑھتے ہیں اور تین رکعت وتر کو جو اس حدیث سے ثابت ہے ضعیف کہتے ہیں (لاحول ولا قوۃ الا باللہ)

(باقی ترجمہ صفحہ ۵۹ پر ملاحظہ کریں)

پس آدھی حدیث تو ان کے نزدیک قابل احتجاج ہے اور آدھی ضعیف اور متروک العمل ہے اور پوچھنے پر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو تین وتر پڑھے ہیں آپ دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے حالانکہ شرح مسلم اور سفر سعادت سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر آپ نے کبھی تین اور کبھی ایک اور کبھی پانچ اور کبھی اس کے علاوہ بھی پڑھے ہیں اور لکھا ہے کہ ان تین وتروں میں آپ سورۃ الاعلیٰ سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص کی قرأۃ کرتے و خامساً یہ جماعت کے ساتھ کیوں پڑھتے ہیں جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چند دنوں کے بعد جماعت ترک کر دی تھی اور فرمایا کہ افضلیت تنہائی میں پڑھنے میں ہے۔ و سادساً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سونے کے بعد یہ نماز پڑھتے تھے اور یہ سونے سے پہلے پڑھ لیتے ہیں پس اتنے تغیرات کو یہ مخالف سُنت نہیں سمجھتے بس صرف بیس ۲۰ کے عدد کو مغیر سنت قرار دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو انصاف سے کام لے اور تعصب نہ کرے ہاں اگر کوئی شخص اپنے گھر میں لمبی قرأت کے ساتھ گیارہ رکعت پڑھے تو اُس کے لیے سُنت کے ادا ہونے میں کوئی قیل و قال نہیں ہے لیکن اس قدر افراط جو مفتی (محمد حسین) صاحب نے بیس ۲۰ رکعت پڑھنے والوں کے حق میں اختیار کی ہے اس طرح کرنے سے انہوں نے اپنا قدم انصاف کے دائرہ سے باہر کر دیا ہے اور جو جو تعریضات اور چوٹیں انہوں نے کی ہیں وہ اچھے اخلاق والوں کی عادت کے خلاف ہے۔ اے اللہ تعالیٰ تو ہمیں حق کو حق ہی دکھا اور اس کی پیروی کی توفیق بخش اور باطل کو باطل ہی کی صورت میں دکھا اور اس سے گریز کرنے کی توفیق مرحمت فرما (آمین ثم آمین) اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ کتاب مکمل ہوئی ہے۔

حنفی شافعی وغیرہ اختلاف کا طعنہ دینے والوں
اور فقہ کو اختلاف کا سبب کہنے والوں کی
اندرونی داستان

غیر مقلّدین کے متضاد فتوے

تالیف
حافظ عبد القدوس خان قارن
مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

ناشر
عمر اکادمی نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ پاکستان

قیمت ستائیس ۲۷ روپے

مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ کی مطبوعات

- خزائن السنن — تقریر ترمذی طبع سوم
- احسن الکلام — مسئلہ فاتحہ خلف الامام کی مدلل بحث
- تسکین الصدور — مسئلہ حیات النبی ﷺ پر مدلل بحث
- الکلام المفید — مسئلہ تقلید پر مدلل بحث
- ازالۃ الریب — مسئلہ علم الغیب پر مدلل بحث
- راہ سنت — رد بدعات پر لاجواب کتاب
- آنکھوں کی ٹھنڈک — مسئلہ حاضر و ناظر پر مدلل بحث
- احسان الباری
- طائفہ منصورہ
- ارشاد الشیعہ
- درود شریف — پڑھنے کا شرعی طریقہ
- عبارات اکابر
- تبلیغ اسلام
- گلدستہ توحید — مسئلہ توحید کی وضاحت
- دل کا سرور
- راہ ہدایت
- بانی دارالعلوم دیوبند
- ینابیع
- چراغ کی روشنی
- مسئلہ قربانی
- عیسائیت کا پس منظر
- مقام ختم نبوت — قرآن و سنت کی روشنی میں
- المسلک المنصور
- اتمام البرہان — رد توضیح البیان
- حلیۃ المسلمین — داڑھی کا مسئلہ
- توضیح المرام
- آئینہ محمدی — سیرت پر مختصر رسالہ
- شوق حدیث — حجیت حدیث پر مدلل بحث
- ملا علی قاری اور مسئلہ علم غیب و حاضر و ناظر
- تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین
- باب جنت بجواب راہ جنت
- الکلام الحاوی
- مودودی صاحب کا غلط فتویٰ
- تفریح الخواطر — بجواب تنویر الخواطر
- چہل مسئلہ — حضرات بریلویہ
- عمدۃ الاثاث — تین طلاقوں کا مسئلہ
- الشہاب المبین
- اظہار العیب
- سماع موتیٰ
- چالیس دعائیں
- مقام ابی حنیفہؒ
- صرف ایک اسلام
- حکم الذکر بالجہر
- شوق جہاد
- اطیب الکلام — ملخص احسن الکلام
- انکار حدیث کے نتائج — منکرین حدیث کا رد
- مرزائی کا جنازہ اور مسلمان
- مجذوبانہ واویلا
- اخفاء الذکر — ذکر آہستہ کرنا چاہیے

مطبوعات عمر اکادمی

- بخاری شریف — غیر مقلدین کی نظر میں
- خزائن السنن — جلد دوم کتاب الصوم
- جنت کے نظارے
- حمیدیہ
- امام ابو حنیفہؒ کا عادلانہ دفاع
- غیر مقلدین کے متضاد فتوے
- انکشاف حقیقت
- ایضاح سنت بجواب مصباح سنت
- وضوء کا مسنون طریقہ
- تین طلاقوں کے مسئلہ پر مقالہ کا جواب مقالہ
- الدروس الواضحہ فی شرح الکافیہ
- نماز قضائے عمری بدعت ہے

177 176 Blank

تحقیق

مسئلہ تراویح

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا

محمد امین صفدر

اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارا رسالہ تحقیق مسئلہ تراویح شائع ہوا تو الحمدللہ اتنا مقبول ہوا کہ اس کے کئی ایڈیشن چھپے اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ جہاں اہل سنت و الجماعت اندرون ملک و بیرون ملک اس سے مستفیض ہوئے وہیں غیر مقلدین میں صف ماتم بچھ گئی بڑی میٹنگیں ہوئیں کہ کوئی کاتب کی غلطی مل جائے تو تقریر و تشہیر سے اس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جائے کیونکہ اس جماعت کا مبلغ علم اتنا ہی ہے۔ علمی مضامین کا سمجھنا بھی ان کے بس میں نہیں تو جواب کیا دیں۔ آخر غیر مقلدین کے مدرسہ محمدیہ جلال پور پیر والا کے شیخ الحدیث مولوی سلطان محمود اور اس مدرسہ کے مدرس مولوی محمد رفیق نے مل کر برائے نام ہمارے رسالے کا جواب لکھا اور اپنے ایک شاگرد محمد ایوب صابر مدرس جامعہ محمدیہ خان پور کے نام سے چھپوایا۔ اصل مسئلہ تو رسالے میں مان لیا۔ چنانچہ لکھا ہے "ہم ان کی بیس رکعت تراویح پر کوئی اعتراض نہیں کرتے" (تحقیق تراویح صفحہ ۱۰۴) اس روایت پر کہ حضرت سوید بن غفلہؒ (جو حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد تھے) رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے، لکھتے ہیں "یہ ہمارے مسلک کے خلاف نہیں" (تحقیق تراویح صفحہ ۷۳) اس روایت پر کہ حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند بلا غبار صحیح ہے (ص ۵۱) نیز لکھتے ہیں "ہم تو کہتے ہیں کہ صحابہ کرام ۱۱، ۱۳، ۲۰، ۲۴، ۲۸، ۳۶، ۳۹ پڑھتے تھے" (ص ۵۳) پھر لکھتے ہیں "یہ تو صحیح ہے کہ بیس رکعت میں آٹھ رکعت شامل ہیں" (ص ۱۰۰) جب بیس رکعت پر خلافت راشدہ میں مواظبت مان لی تو بیس رکعت کا سنت خلفاء راشدین ہونا مان لیا۔ اور یہ بھی لکھ دیا کہ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ پر عمل کرنے سے کون بے وقوف روک سکتا ہے کہ یہ بھی تو فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے" (ص ۹۳)

نوٹ: آپ کی جماعت میں ایسے بے وقوفوں کی کمی نہیں جو ہر رمضان میں بیس رکعت کے خلاف چیلنج بازی اور اشتہار بازی کرتے ہیں۔

صاحب رسالہ نے بیس رکعت کی اتنی حیثیت تو مان لی جتنی اول شب باجماعت پورا ماہ مسجد میں ختم قرآن کے ساتھ تراویح پڑھنے کی ہے۔ جب ان پانچ باتوں کے خلاف انہوں نے کوئی رسالہ نہیں لکھا تو بیس رکعت کے خلاف رسالہ لکھ کر بقول خود بے وقوفی کا ثبوت کیوں دیا؟

دروغ گورا حافظہ نباشد۔ بیس رکعت جائز ہیں، اس میں آٹھ بھی شامل ہیں۔ دور فاروقی، دور عثمانی اور بعد میں بھی لوگ بیس پڑھتے تھے۔ مگر پھر امام مالکؒ کی طرف ایک غلط منسوب قول کے ذریعہ گیارہ سے زائد کو بدعت بھی قرار دیدیا (تحقیق تراویح ص ۳۳، ص ۹۹) امام مالکؒ ائمہ اربعہ میں سے دوسرے امام ہیں۔ ان کی فقہ باقاعدہ مرتب و مدون اور مالکیوں میں تواتر کے ساتھ معمول بہ ہے۔ فقہ مالکی کے کسی متواتر متن میں اگر یہ قول دکھادیں تو ایوب اور اس کے دونوں استادوں کو ضب (گوہ) کا ناشتہ کروادیں گے۔ اس کے ناقل مالکی فقہاء نہیں بلکہ علامہ سیوطیؒ شافعی ہیں۔ راوی بھی کوئی مالکی نہیں شافعی ہے۔ نہ سیوطیؒ کی ملاقات راوی سے نہ راوی کی امام مالکؒ سے۔ خود رسالہ میں لکھا ہے جب تک اسنادی حیثیت واضح نہ ہوگی، استدلال درست نہیں۔ (ص ۵۵)

قلابازیاں

علامہ سیوطیؒ کے اصل رسالہ میں قال الجوری من اصحابنا ہے۔ لفظ اصحابنا سے صاف ظاہر ہے کہ یہ جوری شافعی ہے اور طبقات شافعیہ ص ۳۰۷، ج ۲ پر الجوری کا ذکر ہے۔ اس کا نام علی بن الحسین القاضی ہے۔ اس کی پیدائش ۲۳۸ھ میں ہے یعنی امام مالکؒ سے تقریباً ۵۹ سال بعد پیدا ہوا۔ اور علامہ سیوطیؒ کی وفات ۹۱۱ھ ہے۔ تقریباً چھ سو سال بعد، کیا اس سند کا اتصال شیخ الحدیث مع التشکیف ثابت کرسکتے ہیں؟

اعجوبہ

مولانا عطاء اللہ حنیف غیر مقلد نے جب علامہ سیوطیؒ کا یہ رسالہ چھپوایا تو اصل رسالہ میں تو الجوری رہنے دیا مگر حاشیہ میں یہ جھوٹ لکھ دیا کہ بعض نسخوں میں الجوزی ہے بعض میں ابن الجوزی۔ حالانکہ نہ تو الجوزی کا شافعی ہونا ثابت ہے (ان کی پیدائش ۴۵۷ھ اور وفات ۵۳۵ھ) نہ امام مالکؒ اور علامہ سیوطیؒ سے ملاقات۔ اور ابن الجوزی حنبلی ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ اردو) ان کی پیدائش ۵۱۰ھ اور وفات ۵۹۷ھ میں ہے۔ ان کی بھی ملاقات نہ امام مالکؒ سے ثابت نہ علامہ سیوطیؒ سے۔

اعجوبے در اعجوبے

بیچارے ایوب صابر نے ابن الجوزی کو مالکی لکھ مارا (ص ا) یہ ان کا علمی شاہکار ہے۔ ایوب صابر صاحب نے ص ۳۲ پر ایک عنوان قائم فرمایا۔ ''امت میں گیارہ رکعت تراویح کے قائلین'' اور چودہ سو سال میں صرف ۷ آدمی تلاش کیے۔ جن میں (۱) امام مالکؒ (ان کے قول کا بے سند ہونا گزر چکا) (۲) ابوبکر ابن العربی مالکی اس کی کتاب شرح ترمذی میں اس کا یہ عمل ہمیں نہیں ملا۔ (۳) عمر بن احمد جوزی ابو احمد شرقی۔ (۴) عمر بن احمد جوری ابوالحسین (۵) وجیہ صاحب (۶) ابوالمنصور جس کا سن وفات ۴۶۹ھ ہے مگر ان کا کوئی حوالہ نہیں دیا حالانکہ خود ان کا فرمان ہے۔ ''ان پر ضروری اور لازم تھا کہ ان کے حوالے بھی ساتھ ذکر کرتے تا کہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو جاتی لیکن چونکہ یہ سفسطی اوہام وجنون تھے جن کا مقصد سے ادنیٰ سا تعلق بھی نہیں ہے۔ بنابریں حوالہ دینے سے عاجز رہے (ص ب) ہم نے کتاب الانساب سمعانی دیکھی، اس میں آٹھ تراویح کا تو اشارہ بھی نہیں البتہ ایسے نام معلوم ہوئے وہاں ہے عمر بن احمد بن محمد الجوری حدث عن ابی حامد احمد بن محمد بن الحسن الشرقی (۱۱۵/۲) اس نے لکھا عمر بن احمد جوزی ابو احمد شرقی آدھا نام شاگرد کا آدھا استاد کا پہلے میں الجوری کا جوزی بنایا اور دوسرے مین ابو حامد کو ابو احمد افسوس دل کی بصیرت

سے تو یہ پہلے ہی محروم تھے اب آنکھوں کی بصارت بھی جواب دے گئی۔ مولوی سلطان محمود تو بے چارے بوڑھے ہیں۔ دوسرے ہی غور سے دیکھ لیتے اور جس کو عمر بن احمد جوری ابوالحسین لکھا ہے اس کا اصل نام ابوالحسن احمد بن عمر الخفاف ہے باپ کو بیٹا، حسن کو حسین بنا دیا اور وجیہ صاحب ابوبکر بن ابی عبدالرحمٰن الشحامی ہے اور ابو المنصور اصحاب ابی حنیفہ میں سے ہیں۔ آٹھ رکعت تراویح کے ساتھ ان کو دور کا بھی تعلق نہیں۔ اب تو سلطان محمود کو یہ ورد کرنا چاہیے۔

اے میرے باغ آرزو کیسا ہے باغبانئے تو
کلیاں تو گو ہیں چار سو کوئی کلی کھلی نہیں

مالکی فقہ کے متون اور مالکیوں کے متواتر تعامل کے خلاف ایسا بے سند قول پیش کرنا جہالت اور خرق اجماع ہے (درمختار)

محمد امین صفدر

ابتدائیہ

نماز تراویح کے بارے میں مندرجہ ذیل سوالات کا جواب غیر مقلدین کسی حدیث صحیح غیر معارض سے نہیں دے سکے۔

(۱) جس طرح احادیث میں نماز فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء ضحیٰ تہجد، وتر نمازوں کے نام آئے ہیں، کیا کسی صحیح حدیث میں کسی نماز کا نام تراویح بھی آیا ہے یا نہیں؟

(۲) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ چار رکعت رات کے وقت پڑھتے ثم یروح واطال پھر کافی دیر تک استراحت اور وقفہ کرتے تھے (بیہقی ص ۴۹۷، ج ۲) امام بیہقیؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے مگر پوری امت نے اس نماز کا نام تراویح رکھا ہے گویا تلقی بالقبول کی وجہ سے یہ روایت مقبول ہے۔ اس تلقی بالقبول سے ہی خود غیر مقلدین نے اس نماز کا نام تراویح رکھا ہے

(۳) حضرت عمرؓ چار رکعت کے بعد ترویحہ فرماتے کہ آدمی سلع پہاڑ تک جا سکے (بیہقی ص ۴۹۷، ج ۲)

(۴) فتاویٰ علمائے حدیث ص ۲۴۱، ج ۶ پر ہے ”نماز تراویح کی تعریف علماء نے یہ لکھی ہے کہ نماز تراویح وہ نماز ہے جو ماہ رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے اور اس نماز کا نام نماز تراویح اس لیے رکھا گیا کہ لوگ اس میں ہر چار رکعت کے بعد استراحت کرنے لگے کیونکہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ کے معنے ایک مرتبہ آرام کرنے کے ہیں“۔

(۵) فتاویٰ علمائے حدیث ص ۲۴۳، ج ۶ پر ہے ”قیام رمضان نماز تراویح سے اعم ہے کیونکہ نماز تراویح میں جماعت بھی شرط ہے۔ اگر اکیلے اکیلے پڑھیں تو تراویح

نہ ہوگی بخلاف قیام رمضان کے کہ اس میں جماعت شرط نہیں خواہ جماعت کے ساتھ پڑھیں خواہ اکیلے اکیلے پڑھیں"۔

(۶) نیز لکھا ہے کہ جو کرمانی نے کہا ہے کہ قیام رمضان سے بالاتفاق نماز تراویح مراد ہے یہ انہوں نے ایک انوکھی بات کہی ہے۔ (ایضاً)

(۷) اگر تراویح پہلے وقت میں پڑھے تو صرف تراویح ہے پچھلے وقت میں پڑھے تو تہجد کے قائم مقام ہوتی ہے۔ (ایضاً ص ۳۲۹)

(۸) نماز تہجد تو سارے سال میں ہوتی ہے اور تراویح خاص رمضان میں ہے۔

(ایضاً ص ۲۳۰ ج ۶)

(۹) جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ آخر وقت میں تہجد پڑھ سکتا ہے۔ تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے۔ اول شب میں تہجد نہیں ہوتی۔

(فتاویٰ علمائے حدیث ص ۳۳۱، ج ۶)

(۴،۵،۶،۷،۸،۹) یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہوں تو وہ احادیث تحریر فرمائیں۔ اگر ثابت نہ ہوں تو ان اقوال کے لکھنے والے امتیوں کی تقلید سے مشرک ہیں یا نہیں؟

(۱۰) تراویح اور تہجد ایک نماز ہے، یہ قرآن کی آیت یا حدیث صحیح سے ثابت فرمائیں اپنے قیاسات لکھ کر شیطان نہ بنیں، امتیوں کے اقوال لکھ کر مشرک نہ بنیں۔

(۱۱) کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک نماز کا نام گیارہ مہینے تہجد ہے اور بارہویں مہینے تراویح ہے؟

(۱۲) کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ نماز گیارہ ماہ نفل ہے اور بارہویں مہینے سنت ہے؟

(۱۳) کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ گیارہ مہینے اس نماز کا وقت رات کا آخری حصہ ہے اور بارہویں مہینے اس کا وقت عشا کے فوراً بعد ہے؟

(۱۴) کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ گیارہ مہینے یہ نماز اکیلے پڑھو اور

بارہویں مہینے میں باجماعت پڑھو؟

(۱۵) کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ گیارہ مہینے اس میں قرآن ختم کرنا سنت نہیں ہاں بارہویں مہینے میں قرآن ختم کرنا سنت ہے؟

(۱۶) ایک شخص نے ساری عمر میں تین دن نماز تراویح باجماعت پڑھی ہیں اب نہیں پڑھتا کیا وہ گنہگار ہے؟

(۱۷) ایک آدمی کہتا ہے کہ نماز ضحیٰ نماز تہجد کی طرح یہ نماز تراویح بھی نفل ہے، اس نے نہ ساری زندگی میں کبھی نماز تراویح پڑھی ہے نہ نماز تہجد، نہ نماز ضحیٰ، کیا وہ گنہگار ہے (اگر ہے تو اس پر کتنے کوڑے حد ہیں)

(۱۸) جن محدثین اور فقہاء نے حدیث اور فقہ کی کتابوں میں نماز تہجد، نماز تراویح اور نماز وتر کے ابواب الگ الگ باندھے ہیں وہ لوگ منکر حدیث ہیں یا کیا؟

(۱۹) بعض غیر مقلد اس قسم کی شرط لگایا کرتے ہیں کہ خود حضرت عمرؓ کا بیس رکعت میں شامل ہونا دکھاؤ تو کیا یہ شرط کسی حدیث کے مطابق ہے۔ اگر کوئی یوں کہے کہ خود حضور ﷺ اور صدیق اکبرؓ کا اپنے ہاتھ سے قرآن جمع کرنا ثابت کرو ورنہ ہم یہ قرآن نہیں مانتے یا خود حضرت عثمانؓ سے جمعہ کی پہلی اذان دینا ثابت کرو۔ ورنہ ہم یہ اذان نہیں مانتے آیا اس کا یہ کہنا صحیح ہے؟

(۲۰) کیا خود حضرت عمرؓ کا تراویح کی جماعت میں شامل ہونا، پورا ماہ اول شب تراویح پڑھنا، پورا ماہ مسجد میں تراویح پڑھنا، پورا رمضان وتر جماعت سے پڑھنا تراویح میں پورا قرآن خود پڑھنا یا خود سننا ثابت ہے یا ان سب کاموں کو بھی چھوڑ دیا جائے گا؟

(۲۱) مولانا داؤد غزنوی اعلان فرمایا کرتے تھے کہ آٹھ تراویح سنت رسول اللہ کی ہے اور باقی بارہ رکعت مستحب ہیں۔ اس سے تمام جھگڑوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

(فتاوی علمائے حدیث ص ۲۶۵، ج ۶)

(۲۲) مدرسہ رحمانیہ (اہل حدیث) ہر سال اعلان کرتے ہیں کہ آٹھ رکعت سے زائد تراویح درست ہے اور باعث اجر بھی ہیں۔ (فتاویٰ ستاریہ ص ۱۹، ج ۳)

(۲۱، ۲۲) کسی صحیح حدیث میں ہے یا ابن ہمامؒ کے ایک شاذ قول کی تقلید ہے؟

(۲۳) فتاویٰ علمائے حدیث ص ۴۷، وص ۸۸، ج ۶ پر حدیث نبوی درج ہے کہ ''ماہ رمضان میں کہ نفلی نیکی کا کام کرے وہ ایسا ہو گا کہ اس نے اور دنوں میں گویا فرض عبادت کی''۔ کیا بیس رکعت تراویح پڑھنے والے اس ثواب کے مستحق ہوں گے یا نہیں؟

(۲۴) جو لوگ اس ثواب سے روکیں وہ قرآنی زبان میں ﴿مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ ...﴾ (خیر کو روکنے والے) اور ﴿اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی﴾ اس آدمی کی خبر دیجئے جو ایک عظیم بندے (محمد رسول اللہؐ) کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتے ہیں۔ کے مصداق ہوں گے یا نہیں؟

(۲۵) رحمانی صاحب انوار المصابیح میں بیس رکعت کے بارہ میں فرماتے ہیں۔ ''بیس رکعت پڑھنے والوں کو فاروق اعظم کیوں روکتے یہ کوئی معصیت اور منکر کام تو تھا نہیں (ص ۲۲۶) اور فرماتے ہیں حضرت عمرؓ نے بیس پر نکیر نہیں فرمائی یہی اہل حدیث کا مذہب ہے (ص ۲۲۶) معلوم ہوا آج جو بیس رکعت کے خلاف اشتہار، رسالے لکھ رہے ہیں وہ اہل حدیث نہیں ہیں منکرین صحابہ ہیں۔ مولوی محمد عثمان دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں۔ ''مقلدین کی ایک بڑی جماعت نے بیس رکعت مقرر کر کے اس بدعت شنیعہ کا ارتکاب کیا ہے (رفع الاختلاف ص ۵۴) بیس رکعت کو مستحب کہنے والے بھی اہل حدیث ہیں اور بدعت شنیعہ کہنے والے بھی۔ اس تنازع کا فیصلہ خدا و رسول سے فرما کر بتائیں کہ کون سا اہل حدیث خدا اور رسول کا منکر ہے؟

(۲۷) مولوی محمد عثمان دہلوی غیر مقلد فرماتے ہیں۔ ''جو شخص مغرب کی چار رکعات پڑھے اس کی نماز مغرب باوجود یہ کہ چار کے ضمن میں تین موجود ہیں ادا نہ ہوئی، ایسا ہی جس نے تراویح بیس رکعت پڑھی اس کی گیارہ رکعت مسنون ادا نہ ہوئی (ایضاً ص ۵) یہ

مولانا کا شیطانی قیاس ہے جس سے ساری امت بدعتی قرار پاتی ہے یا حدیث میں یہ ہے کہ بیس والے کی آٹھ ادا نہ ہوں گی تو وہ حدیث پیش فرمائیں؟

نوٹ: یہ مولوی محمد عثمان صاحب غیر مقلدین کے بہت بڑے عالم ہیں۔

اخبار محمدی دہلی میں ان کے علمی جواہر پارے چھپا کرتے تھے۔ یہ غیر مقلدین کے محدث اعظم حافظ عبداللہ روپڑی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے آپ نے اخبار محمدی دہلی میں حافظ عبداللہ روپڑی کے نام ایک کھلا خط شائع کرایا تھا جس میں روپڑی صاحب کو لکھا تھا کہ آپ طالب علمی میں علت المشائخ میں مبتلا تھے اب وہ عادت چھوٹ گئی ہے یا اب بھی باقی ہے قاعدہ تو یہ ہے کہ جب تک آپ میں صوفیت رہے گی یہ لٹکا (چسکا) بھی نہ جائے لہذا مہربانی کر کے خدا سے ڈر کر اس کا صحیح جواب دیں اور اب بھی توبہ کر لیں (اخبار محمدی ص ۱۵ کالم ۳، ۱۵ جولائی ۱۹۳۹ء) حافظ صاحب نے کوئی توبہ نامہ شائع نہیں فرمایا بلکہ سنا گیا ہے آپ کے اخص تلامذہ بھی استاد محترم کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

(۲۸) حال ہی میں فضیلت الشیخ عطیہ محمد سالم القاضی بالمحکمۃ الکبری بالمدینۃ المنورۃ والمدرس فی المسجد النبوی نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہی یہ ہے "التراویح اکثر من الف عام فی مسجد النبی علیہ الصلوۃ والسلام" جس کے مطالعہ سے پتہ چلا ہے کہ ہزار سال میں ایک ماہ رمضان بھی ایسا نہیں گزرا کہ مسجد نبوی میں پورا مہینہ آٹھ تراویح باجماعت پڑھی گئی ہوں۔ اس کے رد میں ابھی تک غیر مقلدین نے کوئی اشتہار اور رسالہ شائع نہیں کیا۔ کیا مدینہ منورہ میں بدعات کی تائید میں رسالے لکھے جائیں، ان پر عمل جاری ہو تو وہاں تردید کی ضرورت نہیں؟

(۲۹) اسی طرح جامعہ ام القریٰ مکہ المکرمہ سے بھی ایک رسالہ شائع ہوا ہے جس کا نام "اَلْهَدْیُ النَّبَوِی الصَّحِیْحُ فِیْ صَلٰوةِ التَّرَاوِیْح" ہے جس میں بیس کی

تائید اور آٹھ کی مخالفت ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شور مچائے گا کہ بیس تراویح سنت نبوی ہے تو پھر ہم خاموش رہنا گناہ سمجھیں گے لیکن ابھی تک آپ نے اس کا رد نہیں لکھا آپ کے شیخ الحدیث اور استاد بھی گناہ گار بنے بیٹھے ہیں۔

(۳۰) جو شخص بیس رکعت تراویح کو سنت کہے اس کے خلاف تو بیسیوں رسالے اور اشتہار آپ کی جماعت نے شائع کیے ہیں لیکن جو بیس رکعت تراویح کو بدعت کہتا ہے اس کے خلاف کتنے رسالے آپ نے شائع کیے ہیں ان کا نام اور پتہ بتائیں؟

۱۔ حضرت ابو سلمہؒ اپنے والد عبدالرحمٰنؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان کے مہینے کا ذکر فرمایا کہ ایسا مہینہ ہے کہ كَتَبَ اللهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ وَ سَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهُ اللہ نے تم پر روزہ فرض کیا میں نے قیام سنت کیا۔ پس جس نے اس مہینہ کے روزے رکھے اور قیام کیا، ایمان سے نیکی اور ثواب طلب کرتے ہوئے تو وہ اپنے گناہوں سے اسی طرح نکل جائے گا جس طرح کہ اس دن اسے ماں نے جنا۔

(ابن ماجہ ص ۹۴، نسائی ص ۳۰۸، ج ا مسند احمد ص ۱۹۱، ج ا)

حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تراویح سنت ہے اس کا چھوڑنا جائز نہیں۔

(کبیری ص ۴۰۰، شرح نقایہ ص ۱۰۴)

امام نوویؒ فرماتے ہیں خوب جان لو کہ نماز تراویح کے سنت ہونے پر علماء کا اتفاق ہے اور یہ بیس رکعت ہیں۔ (کتاب الاذکار ص ۸۳)

دعویٰ: بیس رکعات تراویح سنت ہیں۔

(درمختار ص ۹۸ ج ا، ہدایہ ص ۹۹ ج، شرح نقایہ ص ۱۰۴، ج ا)

سنت کی تعریف

سنت دین کا وہ پسندیدہ معمول و مروج طریق ہے، جو خواہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہو یا آپ کے صحابہ کرام سے ثابت ہو، اس کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ تم پر لازم ہے کہ میرے طریق اور میرے بعد آنے والے خلفائے راشدین کے طریق کو

اپناؤ اور اسے دانتوں سے (مضبوطی سے) تھام لو عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ سنت کا حکم یہ ہے کہ مسلمان کو اس کے زندہ کرنے کی امکانی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر وہ اسے ترک کرے تو قابل ملامت ہوگا الا یہ کہ وہ سنت پر عمل کسی عذر کی بناء پر چھوڑے۔ (ترجمہ اردو اصول الشاشی ص ۱۲۲)

معلوم ہوا کہ سنت کے لیے اس کا رائج ہونا اور عادت ہونا ضروری ہے مثلاً کھڑے ہو کر پیشاب کرنا حضرتؐ سے ثابت ضرور ہے مگر یہ عادت مبارک نہیں تھی عادت مبارکہ بیٹھ کر پیشاب کرنے کی تھی یہی سنت ہے۔ آنحضرت ﷺ کبھی ایک کپڑا بھی پہنتے کبھی دو مگر عادت مبارک تین تین کپڑوں کی تھی۔ تہ بند قمیص اور عمامہ تو تین کپڑوں کو سنت کہا جائے گا۔

۳۔ اعضائے وضو کو ایک ایک مرتبہ، دو دو مرتبہ دھونا آپؐ سے ثابت ہے مگر یہ آپ کی عادت مبارک نہ تھی عادت مبارکہ تین تین مرتبہ دھونے کی تھی اس لیے یہ سنت ہے۔

۴۔ وضو کے بعد بیوی سے بوس و کنار کرنا ثابت ہے لیکن وضو میں کلی کرنا آپ کی عادت تھی اس لیے کلی کو سنت کہا جائے گا نہ کہ بوس و کنار کو۔

۵۔ نماز میں بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنا ثابت ہے مگر عادت نہ تھی اس کے برعکس نماز کے رکوع سجود میں تسبیحات پڑھنا عادت تھی اس کو سنت کہا جائے گا۔

۶۔ بیوی سے روزہ میں بوس و کنار ثابت ہے مگر عادت نہ تھی ہاں روزہ کے لیے سحری کھانا آپ کی عادت مبارک تھی اس لیے اسے سنت کہا جائے گا۔

۷۔ خود ایوب صابر صاحب ص ۳ پر وتر کے بعد دو نفل کو ثابت مانتے ہیں مگر ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ ان پر آپ کی مواظبت ثابت نہیں۔

اس لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اگر بالفرض مختلف اعداد ہوں تو کس عدد پر مواظبت ثابت ہے اس عدد کو سنت کہا جائے گا۔ ۲۰ رکعات غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ

آٹھ رکعت آنحضرت ﷺ کی سنت ہے۔ ہم نے اس کا انکار کیا تھا کہ آٹھ رکعت پر حضورؐ کی مواظبت ثابت نہیں۔ رحمانی صاحب کی انوار المصابیح مولوی عبدالمنان نور پوری کی تعداد تراویح۔ ایوب صابر صاحب کی تحقیق تراویح اور کئی دیگر رسائل پڑھ کر ہمارا یقین اور زیادہ پختہ ہو گیا ہے کہ آٹھ رکعت تراویح ہرگز سنت نبوی نہیں کیونکہ سب نے بنیاد حدیث عائشہؓ کو بنایا ہے جس کا تراویح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، جیسا کہ تفصیل آئے گی۔ رہی حدیث جابرؓ وہ اولاً تو نہ صحیح ہے نہ حسن اسی لیے حافظ عبدالمنان صاحب اور جناب ایوب صابر صاحب نے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ چنانچہ حافظ عبدالمنان صاحب فرماتے ہیں۔ یاد رہے کہ رسول اکرم ﷺ کی نماز تراویح کی تعداد رکعات کے اثبات کا مدار حضرت جابرؓ کی یہ حدیث نہیں۔ (تعداد تراویح ص ۳۷)

ایوب صابر صاحب فرماتے ہیں مذکورہ بالا دونوں حدیثیں (جابر، ابی بن کعب) ہم نے بطور شواہد پیش کی ہیں (تحقیق تراویح ص ۲۲) پھر باوجود ضعف کے ان میں تراویح کی تعداد پوری مذکور نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ساری تراویح جماعت سے نہیں پڑھائیں چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم آپؐ کے ساتھ تراویح پڑھ رہے تھے۔ آپؐ نے نماز مختصر کی اور حجرہ (اعتکاف) میں داخل ہو گئے فَصَلّٰی صَلٰوۃً لَمْ یُصَلِّهَا عِنْدَنَا پھر نماز پڑھی جو ہمارے ساتھ نہ پڑھی تھی (مسلم ص ۳۵۲، ج ۱۔ احمد ص ۱۹۳، ج ۳۔ قیام اللیل ص ۱۵۴) حضرت انسؓ ہی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ رمضان کی رات میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک قوم آئی اور آپ کے ساتھ شریک نماز ہوئی پھر حجرہ میں داخل ہوئے اور نماز پڑھی پھر باہر تشریف لائے اور ہلکی پھلکی نماز پڑھائی۔ صبح کے وقت لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ کے پیچھے تراویح پڑھ رہے تھے آپ کبھی گھر میں جاتے کبھی باہر آتے فرمایا تمہاری وجہ سے ہی میں نے ایسا کیا۔ رواہ طبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ص ۱۷۳، ج ۳) امام احمد کی روایت میں ہے کہ آپ کئی بار حجرہ میں داخل ہوئے اور کئی بار باہر تشریف لائے۔ (ص ۱۰۳ ج ۳ ص ۱۸۵، ج ۳)

ان احادیث صحیحہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب تراویح کی جماعت کروائی ہے تو ساری رکعات جماعت کے ساتھ نہیں پڑھائیں کچھ حجرہ میں پڑھی ہیں پس حدیث جابرؓ میں باوجود ضعیف ہونے کے نہ پوری تعداد تراویح کا ذکر ہے نہ اس پر مواظبت ثابت ہے پس سنت ہرگز نہ ہوئی۔

تطبیق

محدثین اور فقہاء کا اصول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی احادیث میں ٹکراؤ کی پالیسی کی بجائے تطبیق کی پالیسی مناسب ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ آپؐ نے کچھ رکعات جماعت سے پڑھائیں۔ ہوسکتا ہے وہ حضرت جابرؓ نے بیان فرمادی ہوں اور حجرہ کے اندر کتنی رکعتیں پڑھیں حدیث جابرؓ اس سے خاموش ہے تو ضروری ہوا کہ کوئی اور حدیث تلاش کی جائے جس میں اس سے زیادہ تعداد مذکور ہو تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث مل گئی جس میں ۲۳ رکعت کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ کل رکعات ۲۳ تھیں، گیارہ باجماعت اور بارہ بلا جماعت۔ چونکہ جماعت پر آپؐ نے مواظبت نہ فرمائی اس لیے گیارہ پر مواظبت نہ ہوئی اور بیس آپ بلا جماعت پڑھتے رہے۔ پر جب حضرت عمرؓ نے حکم دیا تو پہلے باجماعت گیارہ کا حکم دیا ہو کیونکہ جماعت اتنے پر ہی ثابت تھی۔ پھر اس پر مواظبت نہ فرمائی کیونکہ حضور ﷺ نے مواظبت نہیں فرمائی تھی۔ پھر بیس رکعت اور تین وتر باجماعت پر ہی صحابہ نے مواظبت فرمائی۔ اس طرح تمام روایات میں تطبیق بھی ہوگئی اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ آٹھ رکعت نہ سنت نبوی ہے نہ سنت صحابہ، کیونکہ ان پر نہ ہی حضورؐ نے مواظبت فرمائی اور نہ ہی صحابہ نے۔ ہاں بیس رکعت سنت ہے کیونکہ اس پر مواظبت ثابت ہے صحابہ کی اجماعاً اور حضورؐ کی تلقیاً۔ (یعنی) آٹھ پر نہ مواظبت ثابت نہ صحت ثابت نہ تلقی بالقبول ثابت۔

نوٹ: جس عمل کو امت نے مجتہدین کی رہنمائی میں بالاتفاق قبول کرلیا ہو اسے تلقی بالقبول کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان المبارک

(۱) ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ آتا تو آپ رمضان المبارک میں غیر رمضان کی نسبت زیادہ کوشش فرماتے۔ (مسلم)

(۲) ام المومنینؓ ہی فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ آتا تو آپ کی نماز غیر رمضان کی نسبت بڑھ جاتی (کَثُرَتْ صَلٰوتُہٗ) اور کثرت عبادت کی وجہ سے آپ کا رنگ مبارک بدل جاتا۔ (بیہقی)

(۳) آپؓ ہی فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مبارک مہینہ آتا آپ کمر بستہ ہو جاتے اور جب تک سارا رمضان نہ گزر جاتا آپ رات کو بستر پر تشریف فرما نہ ہوتے۔

(شعب الایمان بیہقی)

(۴) آپؓ ہی فرماتی ہیں کہ جب رمضان کے آخری دس دن آتے تو آپ بھی تمام رات بیدار رہتے اور اپنی ازواج مطہرات کو بھی بیدار رکھتے۔

(بخاری ص ۲۶۹، ج ۱)

اب جو شخص یہ دعویٰ رکھتا ہو کہ میں حضور علیہ السلام کی پوری تابعداری کرتا ہوں اسے چاہیے رمضان کی ساری راتیں عبادت میں گزارے۔ اتنی عبادت کرے کہ اس کا رنگ بدل جائے، آخری دس راتوں میں اپنے گھر والوں کو بھی نہ سونے دے۔ کیا غیر مقلدین کے کسی ایک گھر میں بھی اس طریقہ پر عمل ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو پھر دین میں اور رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں ہی کم از کم جھوٹ بولنے سے توبہ کر لیں۔

(۵) آپ نے امت کو بھی رمضان میں غیر رمضان کی نسبت زیادہ عبادت کی ترغیب دلائی یہاں تک فرمایا کہ اس میں ایک نفل کا ثواب ایک فرض کے برابر ہو جاتا ہے اور ایک فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر (مشکوٰۃ) فتاویٰ علمائے حدیث ص ۴۷، ج ۶۔

بیس رکعات تراویح کی احادیث

۱۔ عَنْ ابن عباسؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ یُصَلِّی فِیْ رَمَضَانَ

عِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَالْوِتْرَ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۴، ج ۲) قلت سندہ حسن وتلقتہ الامۃ بالقبول فھو صحیح

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔ یہ حدیث سند کے اعتبار سے حسن ہے اور امت کی عملی تائید اسے حاصل ہے اس لیے یہ صحیح ہے۔

اس حدیث کے جواب میں جناب ایوب صابر صاحب فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیس رکعت کے ثبوت میں پیش کرنا پرائمری سکول کے ماسٹر کا ہی کام ہوسکتا ہے جو کہ علم حدیث واصول حدیث سے ناواقف ہو، صاحب علم آدمی اپنے مذہب کو بدنام کرنے کی خاطر اتنی حماقت کبھی نہیں کرسکتا۔ اس سے بڑھ کر افسوس ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اپنے مسلک یعنی حنفیت کو بدنام کرنے کے لیے اس رسالہ کو شائع کیا اور اس پر رقم لگائی۔ (تحقیق تراویح ص ۳۶، ۳۷)

ناظرین کرام اسلام میں عملی مسائل کا اصل دار و مدار تعامل امت پر ہے جس حدیث پر امت بلانکیر عمل کرتی چلی آرہی ہو اس کی سند پر بحث کی ضرورت نہیں ہوتی اور جس حدیث پر پوری امت نے عمل ترک کردیا ہو اس کی سند خواہ کتنی صحیح ہو وہ معلول قرار پاتی ہے "نور الانوار" میں صراحت ہے کہ جس خبر واحد کو تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو جائے اس کی سند پر بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ المعجم الصغیر للطبرانی کے آخر میں ص ۱۷۷ سے ص ۱۹۹ تک اس اصول پر مستقل رسالہ ہے جس کا نام ہے التحفۃ المرضیہ فی حل بعض مشکلات الحدیثیۃ جس میں امام شافعیؒ، امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ، علامہ سیوطیؒ، سخاویؒ، شوکانیؒ، وغیرہ سے یہ اصول واضح فرمایا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی پرائمری سکول کا ماسٹر نہیں۔ فتاویٰ علمائے حدیث ص ۷۴، ج ۶ میں تحریر ہے علاوہ ازیں ضعیف حدیث جب کہ قرون مشہود لہا بالخیر (خیر القرون) میں معمول بہ ہو وہ امت کے ہاں مقبول ہے جیسے العینان و کاء

السہ کی حدیث اور حدیث اَلْمَاءُ طَهُوْر لا يُنَجِّسُهٗ شَيْئٌ اِلا مَاغَلَبَ عَلٰی رِيْحِهٖ اَوْ طُعْمِهٖ اَوْلَوْنِهٖ کی حدیث لا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ کی اوران جیسی حدیثیں اور بہت ہیں اور امت اس بات پر متفق ہے کہ نیند ناقض وضو ہے اوران کی دلیل ضعیف حدیثیں ہیں سووہ اسناد کی حیثیت سے مردود ہیں اور معانی کے لحاظ سے مقبول ہیں۔ حافظ (ابن حجر) نے تلخیص میں کہا ابن عبدالبر نے ان علماء کی تصحیح پر تعاقب کیا ہے جنہوں نے حدیث اَلْبَحْرُ هُوَ الطُّهُوْرُ مَائُهٗ کی تصحیح کی ہے پھر بایں ہمہ اس کے صحیح ہونے کا حکم دیا ہے کیونکہ علماء نے اس کو قبول کرلیا ہے۔سواس حدیث کو اسناد کے لحاظ سے مردود اور معنی کے لحاظ سے قبول کیا ہے۔نوویؒ نے کہا ہے کہ حدیث اِلامَا غَلَبَ عَلٰی رِيْحِهٖ اَوْطُعْمِهٖ کے ضعیف کہنے پر علماء کا اتفاق ہے۔میں کہتا ہوں اور بایں ہمہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ قلیل کثیر پانی جب نجاست پڑکر رنگ یا بو یا مزہ کو بدل دے تو وہ پلید ہے۔جس طرح ابن المنذر نے کہا ہے اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ عامہ علماء کا قول یہی ہے میں نہیں جانتا کہ اس میں ان کے درمیان اختلاف ہو شوکانی نے کہا ہے کہ اہل حدیث اس زیادت کے ضعف پر اتفاق کر چکے ہیں لیکن اس کے مضمون پر اجماع ہے جس طرح کہ ابن المنذر اور ابن الملقن نے نقل کیا ہے سو اب جو لوگ اجماع کے حجت ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس زیادت کے مفاد پر اجماع اس زیادت کے صحیح ہونے کا مفید ہوگا۔اس لیے کہ یہ زیادتی ایسی ہوگئی جس کے معنی پر اجماع ہو چکا ہے اور قبولیت کی نظر پڑی ہے۔سوان کا استدلال اس زیادت سے ہے نہ اجماع سے اور سخاوی نے شرح الفیہ میں کہا ہے جب امت ضعیف حدیث کو قبول کر لے تو مذہب صحیح یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جاوے یہاں تک کہ وہ یقینی اور قطعی حدیث کو منسوخ کرنے میں متواتر حدیث کے رتبہ میں سمجھی جائے گی اور اسی وجہ سے شافعی نے حدیث لا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ کے بارے میں یہ فرمایا ہے اس کو اہل حدیث ثابت نہیں کہتے لیکن عامہ علماء نے اس کو قبول کرلیا ہے اور اس پر عمل رکھتے ہیں۔یہاں تک کہ

اس کو آیت وصیت کا ناسخ قرار دیا ہے، امام ترمذیؒ نے ص ۱۸۴،ص ۲۲۱،ص ۴۰۷ وغیرہ کئی مقامات پر فرمایا ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے مگر اس پر اہل علم کا عمل ہے۔ امام سیوطیؒ نے تدریب الراوی، نواب صدیق حسن خان نے الروضۃ الندیہ ص ۶ پر اسی اصول کو لکھا ہے۔ ان اقتباسات سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوگئی کہ اگر کسی حدیث کی سند کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہو، لیکن اس کے مضمون کو امت کی تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو تو اس پر عمل ضروری ہو جاتا ہے۔ خود اس کو ضعیف کہنے والے محدثین بھی اسی پر عمل کرتے ہیں۔

حضرات ناظرین! پانی کے پاک ناپاک ہونے کا مسئلہ وضو کی بنیاد ہے اور یقیناً تراویح سے زیادہ اہم ہے لیکن تلقی بالقبول کی وجہ سے ضعیف حدیث بھی مقبول ہے وارث کے لیے وصیت کا منع ہونا بظاہر قرآن پاک کی آیت وصیت کے خلاف ہے اور قرآن کی بظاہر مخالفت مسئلہ تراویح سے بہت اہم ہے مگر پھر بھی امت نے اس کو قبول کیا سند کے ضعف کو جھٹک دیا اور آیت قرآنی کو اس سے مخصوص یا منسوخ مان لیا یہ امت کے فقہاء اور محدثین کا مسلمہ اصول ہے۔ کسی پرائمری سکول کے ماسٹر کی خانہ ساز بات نہیں۔ جب ان اہم مسائل میں عام علماء کی تلقی بالقبول سے ضعیف احادیث درجہ متواتر تک پہنچ گئی ہیں تو وہ حدیث جس کو مہاجرین و انصار اور خلفائے راشدین کی تلقی بالقبول نصیب ہے وہ ان سے اعلیٰ درجہ کی صحیح و مقبول ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب اس حدیث کے موافق عمل کر کے خلفائے راشدین، مہاجرین، انصار، تابعین تبع تابعین اور باقی امت نہ بدنام ہوئی نہ حماقت کی تو بیچاری حنفیت اس سے کیسے بدنام ہوئی اور کیا حماقت کی؟ ہاں ساری امت کو بدنام یا احمق کہنا شاید کہنے والے کی حماقت یا بدنامی ہی ہوگی۔

اس تلقی بالقبول کی بحث کے بعد سند کی بحث کی ضرورت نہیں تاہم اس میں غیر مقلدین کی ناانصافی بتانا ضروری ہے۔ اس کی سند یوں ہے۔ حد ثنا یزید بن

ھارون قال اخبرنا ابراھیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس جب یہ حدیث ہم پیش کرتے ہیں تو غیر مقلدین ورق کے ورق سیاہ کرتے ہیں کہ ابراہیم عثمان ابوشیبہ سخت ضعیف ہے۔ اس سند کو پیش کرنا بدنامی ہے حماقت ہے۔ پرائمری سکول کے ماسٹر کا کام ہے۔

حضرات غیر مقلدین کے ہاں نماز جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا کم از کم سنت موکدہ ہے اس کی دلیل میں حکیم محمد صادق سیالکوٹی نے صلوۃ الرسول ص ۴۳۴ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جنازہ پر فاتحہ پڑھی (ابن ماجہ) صلوۃ الرسول کی تعریفیں کرنے والے حافظ محمد گوندلوی، مولانا احمد دین گکھڑوی، مولانا نور حسین گھرجاکھی، مولانا عبداللہ ثانی امرتسری، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا محمد داؤد غزنوی، ترجمان دہلی، نوائے وقت لاہور، فاران کراچی، نور توحید لکھنؤ، نوائے ملت مردان، الاعتصام لاہور، الحمرا لاہور، نوائے پاکستان لاہور، زمیندار لاہور، احسان لاہور، صحیفہ کراچی، آفاق لاہور، انقلاب لاہور، ڈان کراچی ہیں۔ اس حدیث کی سند بھی یہی ہے۔ ابراہیم بن عثمان عن حکم عن مقسم عن ابن عباس (ابن ماجہ) ظاہر ہے کہ صلوۃ الرسول کی تعریفیں لکھنے والے مذکورہ حضرات میں سے ایک بھی پرائمری سکول کا ماسٹر نہیں، لیکن نہ ان حضرات کے استدلال سے فرقہ اہل حدیث بدنام ہوا نہ ان علمائے اہلحدیث کی حماقت کا ترانہ گایا گیا۔ جنازہ میں فاتحہ کا مسئلہ تراویح سے زیادہ اہم مسئلہ ہے کیونکہ غیر مقلدین اسے فرض کہتے ہیں۔ تراویح کو آج تک کسی نے فرض نہیں کہا جس راوی کی حدیث سے فرضیت ثابت کرنا حماقت اور بدنامی نہیں ہے اس راوی کی حدیث سے سنیت ثابت کرنا کیوں حماقت ہے۔ اس جنازہ والی حدیث کے خلاف نہ کوئی ورق سیاہ کیے گئے نہ چیلنج بازی ہوئی۔

فرق

حالانکہ بیس تراویح اور نماز جنازہ میں فاتحہ کی حدیث کی سند ایک ہونے کے

باوجود ایک بہت بڑا فرق ہے کہ بیس رکعت کو تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے مگر نماز جنازہ میں فاتحہ مدینہ میں بالکل متروک تھی۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا ہمارے شہر مدینہ میں کوئی دستور نہیں (المدونۃ الکبریٰ) سند دونوں کی ایک عمل میں دونوں میں فرق، تراویح میں تلقی بالقبول کی وجہ سے ضعف ختم ہو گیا مگر پھر بھی استدلال حماقت، فاتحہ کی بحث میں متروک العمل ہونے کی وجہ سے ضعف اور بڑھ گیا مگر اس سے استدلال جائز اور درست

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے۔

راوی کا حال

کسی راوی کے ثقہ ہونے کے لیے بنیادی طور پر دو ہی باتیں ضروری ہیں۔ اس کا حفظ ثابت ہو اور عادل ہونا ثابت ہو۔ ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ کو حافظ ابن حجر نے الحافظ کہا ہے اور کسی نے اس کے حافظہ پر جرح نہیں کی۔ رہی اس کی عدالت اس کے بارہ میں امام شعبہ کی جرح کا ذہبی نے مذاق اڑایا ہے۔ باقی جارحین صرف شعبہ کے مقلد ہیں۔ تہذیب میں لکھا ہے کہ شعبہ ہمیشہ ثقہ راوی سے روایت لیتے تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ابو شیبہ سے شعبہ روایت لیتے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ شعبہ نے اپنی جرح سے رجوع کر لیا ہوگا۔ اگر رجوع مان لیا جائے تو راوی ثقہ درجہ صحیح میں ہو گا اگر رجوع ثابت نہ مانا جائے تو راوی مختلف فیہ ہوگا درجہ حسن میں آئے گا اسی لیے میں نے سندہ حسن لکھا تھا۔

اس حدیث کو نہ ماننے کا دوسرا بہانہ یہ ہے کہ یہ حدیث عائشہؓ کے خلاف ہے پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ جس حدیث کو تلقی بالقبول نصیب ہو وہ اگر قرآن کی آیت کے بھی خلاف ہو تو عمل جائز ہے چہ جائیکہ کسی مضطرب خبر واحد کے خلاف ہو۔ اور یہاں تو اختلاف بھی نہیں کیونکہ حدیث عائشہؓ تہجد کے بارہ میں ہے، یہ تراویح کے بارہ میں۔ کل کو آپ یہ نہ کہنا شروع کر دیں کہ عصر کے چار فرض اور مغرب کے تین فرض کی احادیث میں تعارض ہے۔ اگر بفرض محال یہ ایک ہی نماز کے بارہ میں ہوتیں

تو بھی آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ تین دفعہ اعضائے وضو کو دھونے والی حدیث ایک یا دو دفعہ دھونے والی حدیث کے خلاف ہے۔ تین کپڑوں والی حدیث ایک کپڑا پہننے کے خلاف ہے۔ آپ نے خود لکھا ہے کہ یہ تو صحیح ہے کہ بیس رکعت میں آٹھ شامل ہیں۔ تحقیق تراویح ص ۱۰۰۔ یہ بھی لکھا ہے ہم ان کی بیس رکعت تراویح پر کوئی اعتراض نہیں کرتے ص ۱۰۴۔ اگر بیس رکعت تراویح حدیث صحیح کے خلاف ہے تو آپ کو اعتراض کیوں نہیں۔ اگر خلاف نہیں تو بات ختم ہوئی۔

نوٹ: ایوب صابر اور ان کے شیخ الحدیث صاحبان کی ایک عادت یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں لاجواب ہو جاتے ہیں تو موقع بے موقع تقلید کو گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ اس بارہ میں میرا خیال ہے کہ ان کو وکیل اہل حدیث ہند کی ایک نصیحت یاد کرا دوں۔ انہوں نے بڑے درد دل سے فرمایا۔ ”جو شخص سچا اہل حدیث رہنا چاہتا ہے وہ اس نوٹ کو ملاحظہ کرے اور اس پر کار بند ہو ورنہ مطلق تقلید سے متنفر ہو کر اعتزال، نیچریت، مرزائیت، چکڑالویت اور دہریت میں جا پڑے گا۔ امام شافعیؒ نے اتباع قول صحابہ کا نام تقلید رکھا ہے اور ابن القیم نے بھی اس محاورہ کو مسلم رکھا ہے۔ امام شافعی اور حافظ ابن القیم کے یہ اقوال فرقہ اہل حدیث کے ان جہلا اور بعض علماء پیروان خواہش جہلا کے لیے ایک عبرت خیز و ہدایت انگیز تازیانہ ہے جو لفظ تقلید و مقلد کے نام سے چونک اٹھتے ہیں اور یہ الفاظ سنتے ہی ایسے چڑتے اور جلتے ہیں جیسے دیہاتی سکھ بانگ سننے سے یا متعصب ہندو کلمہ پڑھنے سے“ (اشاعت السنہ ص ۱۲۶، ج ۴) دیکھئے مولانا محمد حسین بٹالوی وکیل اہل حدیث ہند نے تقلید کو اذان اور کلمہ طیبہ سے تشبیہ دی ہے اور تقلید سے چڑنے والوں کو دیہاتی سکھوں اور متعصب ہندوؤں سے۔

تقلید سے آپ کو چڑ تھی ہی، اب تو حدیث سے بھی چڑ ہو گئی ہے کہ جس حدیث کو امت کی تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے اس کے خلاف گستاخانہ لہجہ اختیار کیا

اور یہ صرف ایوب صابر یا سلطان محمود کا ہی شیوہ نہیں بلکہ اپنے بڑوں سے احادیث کو رد کرنے کی عادت وراثت میں ملی ہے چنانچہ مولانا محمد حسین بٹالوی اپنے زمانہ کے غیر مقلدین کو نصیحت فرماتے ہیں۔ علماء کو یہ لائق نہیں کہ ہر ایک حدیث خصوصاً احادیث، طبقہ رابعہ سے بلا تحقیق صحت تمسک کریں اور نہ عوام کو یہ زیبا ہے کہ جو حدیث کسی کی زبان سے سن لیں یا تراجم کتب حدیث میں دیکھ لیں اس سے بلا تحقیق صحت و مراجعت علماء لپٹ جایا کریں اور اتنی ہی بساط پر اہل حدیث کہلائیں اور مطلق تقلید کو بالفاظ قحبہ زال وغیرہ وغیرہ صلوٰتیں سنائیں اور مقلدین مذاہب مجتہدین کو برائی سے یاد کریں ایسے اندھا دھند احادیث پر عمل کرنے والے محققوں اور مذاہب مشہورہ کے مقلدوں میں سر مو فرق نہیں ہے۔ ہاں فرق یہ ہے کہ وہ ائمہ مجتہدین مسلم الاجتہاد کے مقلد ہیں اور یہ غیر مجتہدین کے مقلد یہ مقلد نام کے محقق جیسے احادیث غیر صحیحہ کے تسلیم میں بے ضبطی کر رہے ہیں ویسے ہی احادیث صحیحہ وحسنہ لائق عمل کو رد کرنے میں بے ضبط ہو رہے ہیں بہت سی احادیث کو جو ائمہ مجتہدین اور محدثین کے نزدیک مانی ہوئی اور لائق عمل قرار دی گئی ہیں، یہ صرف انکے بعض راویوں کو مجروح و مطعون دیکھ کر ضعیف قرار دیتے ہیں اور یہ بھی کہہ بیٹھتے ہیں کہ جو مسئلہ اس حدیث سے فلاں امام یا مجتہد نے نکالا ہے اس کی کوئی اصل نہیں" (اشاعت السنہ ج ۱۱)

مولانا عبدالجبار غزنوی اور مولانا عبدالتواب ملتانی فرماتے ہیں:

"اور ہمارے اس زمانہ میں ایک فرقہ نیا کھڑا ہوا ہے جو اتباع حدیث کا دعویٰ رکھتا ہے اور درحقیقت وہ لوگ اتباع حدیث سے کنارے (بہت دور) ہیں۔ جو حدیثیں کہ سلف و خلف کے ہاں معمول بہا ہیں ان کو ادنیٰ سے قدح اور کمزور سی جرح پر مردود کہہ دیتے ہیں اور صحابہ کے اقوال و افعال کو ایک بے طاقت سے قانون اور بے نور سے قول کے سبب پھینک دیتے ہیں اور ان پر اپنے بے ہودہ خیالوں اور بیمار فکروں کو مقدم کرتے ہیں اور اپنا نام محقق رکھتے ہیں حاشا و کلا، اللہ کی قسم یہی لوگ ہیں جو

شریعت نبویہ کی حد بندی کے نشان گراتے ہیں۔اور ملت حنیفیہ کی بنیادوں کو کھنہ کرتے ہیں اور سنت مصطفویہ کے نشانوں کو مٹاتے ہیں اور احادیث مرفوعہ کو چھوڑ رکھا ہے اور متصل الاسانید آثار کو پھینک دیا ہے اور ان کے دفعہ کرنے کیلئے وہ حیلہ بناتے ہیں کہ جنکے لیے کسی یقین کرنے والے کا شرح صدر نہیں ہوتا نہ کسی مومن کا سر اٹھتا ہے"۔

(فتاویٰ علمائے حدیث ص ۸۰، ج ۷)

یہ غیر مقلد علماء کی شہادتیں ہیں اور قرآن پاک کے مطابق دو شہادتوں سے بات ثابت ہو جاتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ فرقہ نیا بنا ہے۔ان کا مشن حیلے بہانوں سے صحیح احادیث کو رد کرنا ملت حنیفیہ کی بنیادیں کھودنا اور سنت نبویہ کو مٹانا ہے آج اسی مشن کے علمبردار سلطان محمود جلال پوری ہیں۔

دور فاروقی وعثمانی

دور فاروقی (۱۵ھ) میں باقاعدہ نماز تراویح با جماعت کا اہتمام کیا گیا۔ (بخاری ص ۲۶۹ ج ۱ مسلم ص ۲۵۹ ج ۱) اس وقت لوگ با جماعت کتنی رکعات پڑھتے تھے۔.........ملاحظہ کیجئے

۲۔ عَنِ السَّائِبِ بن يَزِيْدَ قَالَ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً قَالَ وَكَانُوْا يَقْرَئُوْنَ بِالْمَئِيْنِ وَكَانُوْا يَتَوَكَّئُوْنَ عَلٰى عِصِيِّهِمْ فِيْ عَهْدِ عُثْمَان رضی الله عنه مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ (بیہقی ص ۴۹۶ ج ۲)

"حضرت سائب بن یزید صحابی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ (اور حضرت عثمانؓ) کے زمانہ میں (صحابہ کرام با جماعت) بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے اور قاری صاحب سو سو آیات والی سورتیں پڑھتے اور لوگ لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھیوں کا سہارا لیتے"

اس روایت کے بارہ میں خود ایوب صابر صاحب لکھتے ہیں اس حدیث کی

سند بلاغبار صحیح ہے (تحقیق تراویح ص ۵۱ البتہ یہ جھوٹ بولا ہے کہ اس میں فی عہد عثمان کے الفاظ مدرج ہیں۔

۳۔ وروی مالک من طریق یزید بن خُصَیْفَةَ عَنِ السَّائِب بن یزید عِشْرِیْنَ رَکْعَةً (فتح الباری ص ۸۰ ج ۴)

امام مالکؒ نے یزید بن خصیفہ کے طریق سے سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح تھیں۔

۴۔ وفی الموطا من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید اَنَّهَا عِشْرُوْنَ رَکْعَةً. (فتح الباری ص ۸۰ ج ۴)

ترجمہ مثل سابق۔ یہ سند مالک عن یزید بن خصیفہ عن السائب بخاری ص ۳۱۲ ج ا پر موجود ہے۔

ان دونوں روایات کی سند پر تو صابر صاحب اعتراض نہیں کر سکے۔ ہاں انکار حدیث کے جذبے نے جوش کیا تو یہ لکھا دیا کہ یہ حافظ ابن حجر کا وہم ہے اور شوکانی نے اس کے تقلید کی ہے۔ حافظ ابن حجر ۸۵۲ھ میں فوت ہوئے۔ اس وقت سے چودہویں صدی کے اختتام تک تقریباً ساڑھے پانچ صدیاں گزر چکیں، اس زمانہ میں سینکڑوں محدثین گزرے فتح الباری نایاب کتاب نہیں تھی سب کی نظر سے گزری اور موطا بھی نایاب نہ تھی۔ اتنی صدیوں میں کسی محدث نے اس حدیث کو وہم قرار دیا ہو، اس کا مستند حوالہ پیش فرمائیں ورنہ سوائے انکار حدیث کے جذبہ کے اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ موطا امام مالکؒ کے سولہ نسخے ہیں جن میں سے ہمارے پاس صرف دو ہیں۔ امام یحیٰؒ والا اور امام محمدؒ والا۔ ان دونوں میں بھی روایات کم و بیش ہیں تو جب ابن حجر اور شوکانی کے نسخہ میں یہ موجود ہے تو یہ اختلاف نسخہ اور زیادت ثقہ ہے جو اجماعاً مقبول ہے۔

۵۔ عن السائب بن یزید قال کُنَّا نَقُوْمُ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ

الْخَطَّابِ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَالْوِتْرِ.

(معرفۃ السنن بیہقی ص ۳۶۷، کنز العمال ص ۲۶۴ ج ۸)

”حضرت سائبؓ بن یزید فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ بن الخطاب کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح (باجماعت) اور وتر پڑھتے تھے“۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے (شرح المہذب) علامہ سبکی، سیوطی اور ملا علی قاری نے اس کو صحیح فرمایا اور نیموی نے اس تصحیح کو نقل فرمایا ہے۔ (آثار السنن ص ۵۵ ج ۲) ان اہل فن محدثین کی تصحیح کے بعد بیچارے ایوب صابر کی کیا حیثیت ہے ہاں جیسا کہ فتاوی علمائے حدیث سے گزرا کہ حیلے بہانوں سے احادیث کا انکار ان کی عادت قدیمہ ہے۔

ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں۔

۶۔ رُوِیَ الْحارث بن ابی ذیاب عن السائب بن یزید قال کَانَ الْقِیَامُ عَلٰی عَهْدِ عُمَرَ بِثَلَاثٍ وَّ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً.

(سندہ صحیح)

”حضرت، سائب بن یزیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے زمانہ میں لوگ بیس رکعت تراویح باجماعت پڑھتے تھے“

۷۔ عن محمد بن کَعْبِ الْقُرَظِی کَانَ النَّاسُ یُصَلُّوْنَ فِیْ زَمَانِ عُمَرؓ بن الخَطَّابِ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَیُوْتِرُوْنَ بِثَلَاثٍ.

(قیام اللیل ص ۱۵۷)

”حضرت محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں باجماعت بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے“

۸۔ عن يزيد بن رُوْمَانَ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَبن الْخَطَّابِ فِيْ رَمَضَانَ بِثَلاثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً.

(موطا امام مالک ص۴۰)

"یزید بن رومانؒ سے روایت ہے کہ سب لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان میں (باجماعت) بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے"۔

۹۔ عن يحيىٰ بن سعيد عن عُمَرَ بن الخطاب اَنَّهٗ اَمَرَ رَجُلاً اَن يُّصَلِّيَ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً.

(ابن ابی شیبہ ص۳۹۳ ج۲)

"حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے"

۱۰۔ عن الحسن اَنَّ عمر بن الخطاب جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى اُبَيّ بن كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً.

(نسخہ ابوداؤد مطبوعہ عرب ص۱۴۲۹)

"امام حسن فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کے لیے حضرت ابی بن کعبؓ کو تراویح کا امام مقرر کیا وہ بیس رکعت پڑھاتے تھے"۔

اس حدیث میں ابوداؤد کے دو نسخے ہیں بعض نسخوں میں عِشْرِيْنَ رَكْعَةً ہے۔اور بعض میں عِشْرِيْنَ لَيْلَةً ہے۔جس طرح قرآن پاک کی کسی آیت کی دو قرائتیں ہوں تو دونوں کو ماننا چاہیے۔ہم دونوں نسخوں کو تسلیم کرتے ہیں لیکن حیلے بہانوں سے انکار حدیث کے عادی سلطان محمود جلال پوری نے اس حدیث کا انکار کر دیا اور الٹا الزام علماء دیوبند پر لگا دیا کہ انہوں نے حدیث میں تحریف کی ہے حالانکہ یہ حدیث الشیخ محمد علی الصابونی الاستاذ بکلیۃ الشریعہ ودراسات الاسلامیہ جامع ام القریٰ

مکۃ المکرمہ نے بھی اپنی کتاب الھدی النبوی الصحیح فی صلوۃ التراویح ص ۵۶ پر نقل کی ہے بلکہ دیوبند کا مدرسہ بننے سے صدیوں پہلے علامہ ذہبیؒ نے اپنی مشہور کتاب سیر اعلام النبلاء ص ۴۰۰ ج ا پر ابوداؤد کے حوالہ سے عِشْرِیْنَ رَکْعَةً نقل فرمایا ہے۔ احادیث کا انکار کرنے کے لیے دوسروں پر تحریف کے الزام لگانا یہ غیر مقلدوں کے شیوخ الحدیث اور پیشہ ور واعظوں کا روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ امام اعظم سے بغض کی نحوست ہے کہ اب احادیث کا کھلم کھلا انکار ہو رہا ہے۔

۱۱۔ عن ابی بن کعب ان عمر بن الخطاب اَمَرَهٗ اَن يُّصَلِّيَ بِاللَّيْلِ فِيْ رَمَضَانَ فَصَلّٰى بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكَعَةً۔

(کنز العمال ص ۲۶۴، ج ۸)

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھے حکم دیا کہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاؤں''۔

۱۲۔ عن السَّائِبِ بن يَزِيْد اَنَّ عُمَرَ بن الخطابؓ جَمَعَ النَّاسَ فِيْ رَمَضَانَ عَلٰى اُبَيِّ بن كَعْبٍ وَتَمِيْمَ الدَّارِيْ عَلٰى اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ رَكَعَةً.

(الحدیث، عبدالرزاق ج ۴، ص ۲۶۰)

''حضرت سائب سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو خود ابی بن کعب اور تمیم داری پر جمع فرمایا وہ لوگوں کو اکیس (۲۱) رکعت پڑھاتے تھے''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة و یوتر بثلاث فرای اکثر من العلماء ان ذالک هو السنة لانه قام بین المها جرین والا نصار ولم ینکره

منکر. (فتاویٰ ابن تیمیہ قدیم ج اص ۱۸۲ جدید ص ۱۱۲ ج ۲۳)

"یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے اس لیے علماء کی اکثریت کی رائے میں بیس ہی سنت ہیں کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ کے پیچھے مہاجرین (بھی بیس ہی پڑھتے تھے) اور انصار (بھی بیس ہی پڑھتے تھے) اور کسی منکر نے بھی (بیس رکعت تراویح کے سنت ہونے کا) انکار نہیں کیا"۔

ایوب صابر صاحب نے بڑے چیلنج سے لکھا ہے کہ ابن تیمیہ کی کوئی ایسی عبارت نہیں ہے۔ اس لیے اب ہم نے اصل عربی عبارت بھی لکھ دی ہے اور دو ایڈیشنوں کا حوالہ دیا ہے۔ اب ایوب صاحب اپنے شیخ الحدیث سلطان محمود اور استاد محمد رفیق کو لے کر کسی پرائمری سکول میں داخل ہو جائیں تاکہ حرف شناسی کے بعد حوالہ تلاش کرنے کی بصیرت حاصل ہو جائے۔ ان گیارہ روایات سے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قولاً فعلاً تقریراً تشریعاً بیس رکعت تراویح پر مواظبت ثابت ہوگئی۔ ایسے ہی حضرت عثمانؓ سے بھی فعلاً تقریراً اور تشریعاً بیس رکعت تراویح پر مواظبت ثابت ہوگئی جس سے بیس رکعت کا سنت خلفاء راشدین ہونا واضح طور پر ثابت ہو گیا۔ ہمارا چیلنج ہے کہ دور فاروقی و دور عثمانی سے لے کر دور برطانیہ تک کسی ایک بھی سنی محدث یا فقیہ یا مورخ نے دور فاروقی، دور عثمانی میں بیس رکعت تراویح کی مواظبت کا انکار نہیں کیا نہ ہی دور برطانیہ سے قبل کسی مستند اسلامی کتاب میں اس مواظبت کے خلاف کوئی احتجاج ہے۔

غیر مقلدین کو احادیث کے انکار کی جولت پڑگئی ہے اس کے موافق ایوب صاحب نے پہلے تو انکار کے حیلے بہانے شروع کیے مثلاً روایت ۵ کے بارہ میں کہا کہ ابو عثمان بصری مجہول ہے مگر اس کا حوالہ اہل فن اسماء الرجال کی کتب سے پیش نہ کر سکے جب کہ علامہ سبکی، سیوطی، نووی، ملا علی قاری جیسے اہل فن محدثین نے اس کو صحیح کہا

ہے تو جاننے والے اہل فن کے مقابلے میں انجان نااہل کی بات کا کیا وزن؟ حدیث نمبر ۷، ۸، ۹، کے بارہ میں انقطاع وارسال کا شور مچایا۔ حالانکہ اسے خوب معلوم ہے کہ احناف کے ہاں خیر القرون کے ارسال کو جرح ہی نہیں مانا جاتا۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، اور امام احمدؒ تو مرسل کو ویسے ہی حجت مانتے ہیں۔ امام شافعی اور ان کی تقلید شخصی میں غیر مقلدین معتضد کو حجت مانتے ہیں دیکھو مبارک پوری کی تحقیق الکلام۔ یہ سب مراسیل معتضدہ ہیں۔ ان کے حجت ہونے کا کوئی مسلمان محدث یا فقیہ منکر نہیں ہے۔ صرف ایک مستند حوالہ تحریر کریں۔ ایوب صابر صاحب نے ان روایات کو صرف اس لیے رد کر دیا کہ فلاں راوی حضرت عمرؓ کے زمانہ سے ۲۳ سال بعد پیدا ہوا اس لیے روایت مردود ہے۔ اس طرز سے بیچارے عوام تو سمجھیں گے کہ بہت بڑی تحقیق ہے مگر جن کی کتب حدیث پر نظر ہے وہ بیچارے کانپ اٹھیں گے کہ دیکھو انکار حدیث کا دروازہ کھول دیا۔ جذبات اور تعصب سے ہٹ کر آپ غور فرمائیں کہ عیسائیوں اور نیچریوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر معجزات کا انکار اسی بنا پر کیا کہ فلاں معجزہ روایت کرنے والا صحابی تو اس وقت ابھی مسلمان بھی نہیں ہوا تھا یا ابھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا، منکرین حدیث نے بھی اکثر احادیث کا انکار اسی اصول پر کیا کہ فلاں صحابی واقعہ کا عینی شاہد نہیں ہے اس لیے سند متصل نہیں مگر علمائے محدثین نے ان سب باتوں کا ایک ہی اصولی جواب دیا کہ مراسیل صحابہ باجماع امت حجت ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے محدثین کے اس اجماعی ضابطہ کو قبول کر لیا، وہ انکار معجزات اور انکار حدیث سے بچ گئے اور جو جذبات اور تعصب کی رو میں بہہ گئے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور کتنے ہی سادہ لوح لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ صحابہ کے بعد خیر القرون کی مرسلات کے بارہ میں اختلاف ہوا۔ امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ نے ان مرسلات کو بھی قبول فرمایا اگر راوی ثقہ ہو۔ امام شافعیؒ نے اس کو قبول کرنے سے انکار فرمایا مگر انہوں نے اندازہ لگایا کہ اس طرح تو بہت سے ذخیرہ حدیث کا انکار ہو جائے گا تو انہوں نے بعض تابعین

کی مراسیل کو تو مطلقاً قبول فرمالیا اور بعض کے قبول میں یہ شرط لگادی کہ اگر اس مرسل کی تائید دوسری سند سے یا تعامل سے ہو جائے تو مقبول ہوگی ایسی مرسلات کو مراسیل معتضدہ کہا جاتا ہے جس طرح مراسیل صحابہ کے ماننے پر امت کا اجماع ہے ایسے ہی مراسیل معتضدہ کے ماننے پر امت کا اجماع ہے۔

عیسائیوں اور نیچریوں نے مراسیل صحابہ کے ماننے سے انکار کیا اور بہت سے معجزات واحادیث کا انکار کر دیا غیر مقلدین نے اجماع امت کے خلاف مراسیل معتضدہ کے ماننے سے انکار کیا اور بہت سی سنتوں کا انکار کر کے خود بھی گمراہ ہوئے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اگر غیر مقلدین اس اجماع کو نہیں مانتے تو وہ قرآن پاک کی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث سے ثابت کر دیں کہ مراسیل صحابہ گو حجت ہیں لیکن مراسیل معتضدہ حجت نہیں۔ اور مطلق مراسیل خیر القرون کے بارہ میں تینوں اماموں کا قبول کرنا فلاں حدیث کے خلاف ہے اور امام شافعیؒ کا مرسل غیر معتضد کو رد کرنا فلاں حدیث کے موافق ہے۔ اور عجیب بات تو یہ ہے کہ جن کتابوں پر یہ مدار رکھا ہے کہ فلاں راوی کب پیدا ہوا اس میں حافظ ابن حجر اور زیلعی عینی یا آثار السنن سے اقوال نقل کیے ہیں جو ان راویوں سے سینکڑوں سال بعد لکھی گئیں۔ ۲۰ سال کا انقطاع تو حجت نہیں، ۸ سو سال کا انقطاع حجت ہے۔ یہ ہی کسی حدیث سے ثابت فرمادیں اور یہ بھی ثابت فرمائیں کہ خیر القرون پر اعتماد نہ کرنا بعد میں آٹھویں صدی والوں کو ﴿اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ بنا کر مان لینا بلا چوں چرا ان کی باتوں سے ایسی احادیث کو بھی رد کر دینا جن پر پوری امت عمل کرتی چلی آرہی ہے۔ چونکہ بیس رکعت کے بارہ میں جو مراسیل ہیں وہ معتضدہ ہیں اس لیے خود امام شافعیؒ نے بھی بیس تراویح کا انکار نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا احب الی عشرون. (میرے نزدیک بیس رکعات پسندیدہ ہیں) (قیام اللیل) اور امام شافعیؒ کے مقلدین میں سے بھی کسی نے دور فاروقی کی بیس رکعت تراویح کا انکار نہ فرمایا بلکہ بیس تراویح کو بالاتفاق سنت مانا چنانچہ امام نوویؒ

کتاب الاذکار ص ۸۱، میں فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح کے سنت ہونے پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ مرسل معتضد کا حجت ہونا غیر مقلدین میں سے حکیم محمد صادق سیالکوٹی نے صلوۃ الرسول اور عبدالرحمٰن مبارک پوری نے تحقیق الکلام میں تسلیم کر لیا ہے۔ ابن القیم کی زادالمعاد ص ۱۰۳ ج ا پر بھی ہے۔ جب اس کا دل اس جواب سے مطمئن نہ ہوا تو ان گیارہ احادیث (جو محکم ہیں اور جن پر مواظبت ساری امت تسلیم کرتی ہے) کے معارضہ میں ایک مضطرب اور ایسی روایت پیش کی جس کے بارہ میں اہل سنت والجماعت محدثین اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ یا تو وہم ہے یا اس پر مواظبت نہیں ہوئی۔ اس لیے بیس کے سنت ہونے پر اس معارضہ کا کوئی اثر نہیں۔

خود ایوب صاحب نے اہل فن محدثین علامہ زرقانی، علامہ ابن عبدالبر اور امام بیہقی سے نقل کیا ہے کہ پہلے گیارہ کا حکم تھا پھر بیس کا ص ۹۷، ۹۸ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ گیارہ پر مواظبت نہیں ہوئی اس لیے وہ سنت ہرگز نہیں اور ۲۳ پر مواظبت ہوئی ہے وہی سنت ہے۔ پوری امت کے مقابلہ میں ایوب صاحب بلا کسی مستند حوالے کے اپنا وسوسہ یوں بیان کرتے ہیں ہو سکتا ہے کہ پہلے بیس ہوں پھر گیارہ مگر افسوس کہ ایسا ہوا نہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ ان دونوں مبارک زمانوں میں حضرت عائشہؓ بھی حیات تھیں اور یہ حدیث بھی روایت کرتی تھیں کہ جس نے دین میں بدعت جاری کی وہ بدعت مردود ہے۔ ان کے دل میں سنت کی محبت اور بدعت سے نفرت یقیناً غیر مقلدین کی نسبت ہزاروں گنا زائد تھی لیکن انہوں نے کبھی تہجد والی حدیث کو ان کے خلاف پیش نہ فرمایا غیر مقلدین جواب دیں کہ آخر کیا وجہ تھی یا تو حضرت عائشہؓ کو اتنی سمجھ ہی نہ تھی کہ اس حدیث کو بیس رکعت کے خلاف پیش کیا جا سکتا ہے یا سنت نبوی کے مٹنے اور بدعت کے جاری ہونے پر انہیں کوئی ملال نہ تھا۔ اور ان میں دینی غیرت غیر مقلدوں جتنی بھی نہ تھی (معاذ اللہ) اور اس دور میں مدینہ میں حضرت جابرؓ بھی

زندہ تھے جو آنحضرت ﷺ سے اپنے کانوں سے یہ حدیث سن چکے تھے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے مگر ان کے سامنے رمضان کے مقدس مہینے میں مسجد نبوی میں کھلم کھلا سنت نبوی کی مخالفت شروع ہو گئی بدعت جاری ہو گئی مگر حضرت جابرؓ نے کوئی حدیث ان کے سامنے پیش نہ کی۔

دور مرتضوی

دور فاروقی کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں بیس رکعت پر تمام مہاجرین وانصار نے مواظبت فرمائی اس کے خلاف گیارہ کی روایت کو وہم قرار دیا گیا اور پوری امت کا اجماع ہے کہ مواظبت تو اس پر یقیناً نہیں ہوئی دور عثمانی میں بھی بیس رکعت تراویح پر ہی مواظبت ہوئی۔ کسی محدث کسی فقیہ اور کسی مورخ سے اس کا انکار ثابت نہیں اور آٹھ رکعت کا اس دور میں وہمی سند سے بھی کوئی نشان نہ ملا۔ نہ کتب حدیث میں نہ کتب فقہ میں نہ کسی مستند تاریخ میں یہاں غیر مقلدین بھی صُمٌّ بُکْمٌ ہو گئے ہیں۔

۱۳۔ عَنْ اَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ السُّلَمِیِّ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ دَعَا الْقُرَّاءَ فِیْ رَمَضَانَ فَاَمَرَ مِنْھُمْ رَجُلاً یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَکَانَ عَلِیٌّ یُوْتِرُ بِھِمْ۔ (بیہقی ص۴۹۶ ج۲)

"ابوعبدالرحمن السلمیؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرے اور حضرت علیؓ خود انہیں وتر پڑھاتے تھے"

۱۴۔ عَنْ اَبِی الْحَسْنَاءِ اَنَّ عَلِیًّا اَمَرَ رَجُلاً یُصَلِّیْ بِھِمْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۳، ج۲)

"ابوالحسناءؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھایا کرے"

۱۵۔ عن ابی الحسناء اَنَّ علی ابن ابی طالب اَمَرَ رَجُلاً اَن

يُصَلِّي بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً.

(بیہقی ج ۲، ص ۴۹۷)

"ابوالحسناءؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو پانچ ترویحات بیس رکعت تراویح پڑھایا کرے۔

۱۶۔ حدثنی زید بن علی عن ابیه عن جده عن علیؓ اَنَّهٗ اَمَرَالَّذِیْ یُصَلِّی بِالنَّاسِ صَلاۃَ الْقِیَامِ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ اَن یُّصَلِّیَ بِھِمْ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً یُسَلِّمُ فِیْ کُلِّ رَکْعَتَیْنِ وَ یُرَاوِحُ مَابَیْنَ کُلِّ اَرْبَعِ رَکَعَاتٍ فَیَرْجِعُ ذُوالْحَاجَۃِ وَیَتَوَضَّا الرَّجُلُ وَاَنْ یُّوْتِرَبِھِمْ مِنْ آخِرِ اللَّیْلِ حِیْنَ الاِنْصِرَافِ. (مسند الامام زید ص ۱۳۹)

"امام زید اپنے والد امام زین العابدینؒ سے اور وہ اپنے والد حضرت امام حسینؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے جس امام کو رمضان میں تراویح پڑھانے کا حکم دیا اسے فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے ہر دو رکعت پر سلام پھیرے ہر چار رکعت کے بعد آرام کا وقفہ دے کہ حاجت والا فارغ ہو کر وضو کر لے اور سب سے آخر میں وتر پڑھائے"

ان چاروں روایات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں اور کتنے ہی اختلاف ہوئے ہوں مگر تراویح میں قطعاً کوئی اختلاف نہ تھا، سب نے بیس رکعت تراویح پر مواظبت فرمائی۔ حضرت علیؓ خود یہ حدیث روایت فرماتے تھے کہ حرم میں بدعت ایجاد کرنے والے کے نہ فرض قبول ہیں نہ نفل (بخاری ص ۱۰۸۴، ج ۲) آپ کو بدعت سے اتنی نفرت تھی کہ ایک موذن کو دیکھا کہ اذان کے بعد تثویب کر رہا ہے آپ نے فرمایا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔

(البحرالراق ج ۱ ص ۲۶۱)

ایک شخص کو عید گاہ میں نماز عید سے قبل نفل پڑھتے دیکھا تو اسے منع فرمایا، اس نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نماز پر مجھے سزا دیں گے۔ فرمایا عید سے پہلے نوافل کا ثبوت نہیں اس لیے یہ عبث ہے حرام ہے مخالفت رسول ہے اس پر اللہ تجھے سزا دے گا (کذا فی الجنتہ ص ۱۶۵) جو حضرت علیؓ دو نفل کی بدعت تو برداشت نہیں کر سکتے وہ خود بلا ثبوت بارہ زائد رکعات کا حکم کیسے دے سکتے ہیں؟ کسی مسلمہ محدث فقیہ یا مورخ نے دور مرتضوی میں بیس رکعت تراویح کی مواظبت پر انکار نہیں فرمایا اور نہ ہی اس پورے دور میں کسی وہمی یا ضعیف ترین سند سے آٹھ رکعت تراویح کا نشان ملا، نہ کتب حدیث میں نہ کتب فقہ میں نہ کتب تاریخ میں غیر مقلدین کی پوری جماعت یہاں کشتی ڈبو کے بیٹھی ہے۔ امام بیہقیؒ نے اثر علیؓ کو اثر شُتیرؒ بن شَکل کی قوت کے لیے روایت کیا ہے۔ امام ابن تیمیہ نے منہاج السنہ ص ۲۲۴ ج ۲ پر اس سے استدلال کیا ہے اور علامہ ذہبی جیسے ناقد فن نے اس پر المنتقی ص ۵۴۲ میں سکوت فرمایا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں اکثر اہل علم کا قول ہے جیسا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ سے مروی کہ بیس رکعات پڑھنی چاہیئں اور یہی قول امام سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ، اور امام شافعیؒ کا ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں اسی طرح پایا ہے کہ سب لوگ بیس رکعات پڑھتے ہیں ص ۱۳۹، ج ۱۔ ایوب صابر کو اس دور میں آٹھ تراویح کے بارے میں ہر طرف اندھیر نظر آیا تو مارے حسد کے ان روایات کے انکار پر اتر آیا۔ یہ تو اس کی جماعت کی پرانی عادت ہے۔ کبھی تو یہ شور مچایا کہ ابوالحسناء غیر معروف ہے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ احناف کے ہاں تو خیر القرون کی جہالت و تدلیس وارسال جرح ہی نہیں اور شوافع کے ہاں متابعت سے یہ جرح ختم ہوگئی۔ کیونکہ حضرت علیؓ سے بیس رکعت تراویح روایت کرنے میں ابوالحسناء اکیلے نہیں بلکہ سیدنا امام حسینؓ اور امام ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ بھی یہی روایت کرتے ہیں۔ حماد بن شعیب کی صرف وہ روایت ضعیف ہے جس میں اس کا کوئی متابع نہ ہو نہ شاہد ہو، یہاں تین سندیں اس

کے شواہد میں ہیں اور محدثین کے نزدیک تعدد طرق سے ایسے ضعف بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ عطاء بن سائب پر آخر عمر میں خلط حفظ کی جرح کی ہے جو شواہد و متابعات سے بالکل ختم ہو جاتی ہے اس لیے ایک بھی جرح موثر نہیں تمام جروح مردود ہیں۔ الحاصل خلافت راشدہ میں بلانکیر بیس رکعت تراویح پر عمل جاری رہا اور قرآن پاک میں ہے کہ دور خلافت میں وہ دین مضبوطی سے پھیلے گا جس سے خدا راضی ہے۔ (النور)

دیگر صحابہ کرام اور تابعین کا تعامل

۱۷　۔امام حسن بصری عبدالعزیز بن رفیعؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ مدینہ منورہ میں رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ ج ۲)

۱۸۔　عن زید بن وهب قال كان عبدالله بن مسعود يُصَلِّي بِالنَّاسِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَيَنْصَرِفُ وَعَلَيْهِ لَيْلٌ قَالَ الاَعْمَش كَانَ يُصَلِّي عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (قيام الليل ص ۹۱)

''زید بن وہب سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہمیں رمضان شریف میں تراویح پڑھاتے تھے۔امام اعمش بھی فرماتے ہیں کہ بیس تراویح پڑھاتے تھے''

۱۹۔　عن عطاء قال اَدْرَكْتُ النَّاسَ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ ثَلاثًاوَّ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ۔　(ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

''حضرت عطاء م ۱۱۴ھ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو بیس تراویح اور تین وتر ہی پڑھتے پایا''۔

۲۰۔　ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم اِنَّ النَّاسَ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ فِيْ رَمَضَانَ.

(کتاب الآثار ابو یوسف ص ۴۱) (۱۷، ۱۸ مراسیل معتضدہ

سے ہیں جو اجماعا حجت ہیں۔ ۱۹، ۲۰ کی سند بالکل صحیح ہے)

"امام ابو حنیفہؒ امام حماد سے وہ امام ابراہیم تابعی سے روایت کرتے ہیں کہ سب لوگ (صحابہ تابعین و تبع تابعین) رمضان میں بیس تراویح ہی پڑھا کرتے تھے"۔

۲۱۔ عن شُتَیرِ بن شکَلٍ وَکَانَ مِنْ اَصْحَابِ عَلِیٍّ اَنَّهُ کَانَ یَؤُمُّهُمْ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَیُوْتِرُ بِثَلاثٍ (بیہقی ص ۴۹۶ ج ۲)

"حضرت شُتیر بن شکلؒ جو حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے تھے رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے"۔

۲۲۔ عن اَبِی الْبَخْتَرِیْ اَنَّهُ کَانَ یُصَلِّی خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ وَ یُوْتِرُ بِثَلاث. (ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ ج ۲)

"ابو البختری م ۸۳ھ یہ بھی اصحاب علیؓ سے تھے اور بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے خلف سے شعبہ راوی ہے وھو لا یروی الا عن ثقة. (تہذیب ص ۱۴۹، ج ۳)

۲۳۔ عن ابی الخُصَیْبِ قَالَ کَانَ یَؤُمُّنَا سُوَیْدُ بْنُ غفلَةَ فِیْ رَمَضَانَ فَیُصَلِّی خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً.

"ابو الخصیب سے روایت ہے کہ حضرت سوید بن غفلہؒ م ۸۰ھ ہمیں رمضان شریف میں پانچ ترویحے بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے"۔ (بیہقی ج ۲، ص ۴۹۶)

۲۴۔ عن نافع بن عمر قال کَانَ ابْنُ اَبِیْ مُلَیْکَةَ یُصَلِّی بِنَا فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً۔

(رواہ ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ ج ۲ و اسنادہ صحیح آثار السنن ص ۵۶ ج ۲)

''نافع بن عمر سے روایت ہے کہ ابن ابی ملیکہ، م ۱۱۷ھ ہمیں بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے''

۲۵۔ عن سعید بن عُبَیْدٍ اَنَّ عَلِی بن رَبِیْعَةَ کَانَ یُصَلِّیْ بھم فِیْ رَمَضَانَ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ وَ یُوْتِرُ بِثَلاثٍ۔

سعید بن عبید سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ربیعہ (جو کبار تابعین سے تھے) ہمیں رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے''۔ (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳ اسنادہ صحیح)

۲۶۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکرہؓ (جو حضرت علیؓ کے شاگرد تھے۔ (تہذیب ج ۶ ص ۱۲۸) وہ لوگوں کو پانچ ترویحے بیس تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ (قیام اللیل ص ۱۵۸)

۲۷۔ حضرت سعید بن ابی الحسن جو حضرت علیؓ کے خاص شاگرد تھے (تہذیب ج ۴ ص ۱۶) وہ لوگوں کو پانچ ترویحے بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ (قیام اللیل ص ۱۵۸)

۲۸۔ عمران العبدی حضرت علیؓ کے خاص شاگرد بھی لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ (قیام اللیل ص ۱۵۸)

یہ خیر القرون کا تعامل ہے۔ پورے خیر القرون میں بیس رکعت کے خلاف کبھی کوئی شر کھڑا نہیں کیا گیا اور آپ حیران ہوں گے کہ اس پورے خیر القرون میں صرف آٹھ رکعت تراویح کا نام ونشان نہیں ملتا۔

نوٹ: آنحضرت ﷺ چونکہ تہجد اور وتر کی نماز اکٹھی پڑھا کرتے تھے اس لیے راوی ان سب کو ملا کر کبھی تہجد کے نام سے روایت کر دیتے ہیں کبھی وتر کے نام سے مثلاً عموماً آنحضرت ﷺ آٹھ رکعت تہجد ادا فرماتے اس کے ساتھ تین وتر ملا کر گیارہ ہو جاتیں کبھی فجر کی سنتوں کو بھی ساتھ ملا کر بیان کر دیتے تو تعداد تیرہ ہو جاتی اور کبھی شروع کے دو نفل تحیۃ الوضوء کے بھی راوی ساتھ ملا لیتا تو تعداد ۱۵ ہو جاتی۔ تو یہ صرف طرز

روایت کا اختلاف ہے نہ کہ تعداد کا اختلاف اس سے جیسے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ آنحضرت ﷺ فجر کی سنتیں ۱۵ پڑھتے تھے اسی طرح یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ وتر ۱۵ پڑھتے تھے غلط ہے۔ وتر ان میں تین ہی تھے اور فجر کی سنتیں دو ہی تھیں۔

اسی طرح اہل مکہ ہر چار رکعت کے بعد خانہ کعبہ شریف کا طواف کر لیتے تھے اہل مدینہ اس دوران چار نفل پڑھنے لگے تو بیس تراویح میں سولہ نوافل ملا کر روایت کر دیا گیا تو تعداد چھتیس ہوگئی اور چونکہ تین وتر بھی تراویح کے ساتھ پڑھتے تھے بعض نے ان کو بھی ملا کر روایت کر دیا تو تعداد انتالیس ہوگئی اور بعض نے وتر کے بعد والے نوافل کو بھی شامل روایت کرلیا تو تعداد کتالیس بیان کردی۔ ہاں بعض لوگ چار یا آٹھ نفل ملاتے تو چھ یا سات ترویحے راوی بیان کر دیتا، الغرض یہ تعداد تراویح کی سنت مقدار کا بیان نہیں بلکہ باقی نوافل وغیرہ ساتھ ملا کر روایت کردی گئی ہیں صحابہ کی بلانکیر مواظبت چونکہ بیس رکعت پر ہی ہے اس لیے سنت اس کو ہی کہا جائے گا۔ باقی کوئی جتنے نفل چاہے پڑھے کبھی اس کے خلاف احناف نے نہ رسالہ شائع کیا نہ اشتہار نہ چیلنج نہ رمضان کے مقدس مہینہ میں زائد عبادت کرنے والوں کے خلاف کوئی شر کھڑا کیا بلکہ ان لوگوں کی حوصلہ افزائی اور تعریف کرتے ہیں۔

آئمہ اربعہ

نبی پاک ﷺ کی پاک سنتوں اور خلفائے راشدین کے مقدس طریقوں کی حفاظت و تدوین جس جامعیت اور تفصیل کے ساتھ ائمہ اربعہ نے فرمائی ہے یہ مقام امت میں اور کسی کو نصیب نہیں ہوا اسی لیے پوری امت ان ہی کی رہنمائی میں پاک سنتوں پر عمل کر رہی ہے۔ ان میں سے کسی امام کی فقہ کی کسی متن میں آٹھ رکعت تراویح کو سنت اور بیس کو بدعت نہیں لکھا گیا امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ بیس کے قائل تھے اور امام مالکؒ ۲۰ تراویح ۱۶ نوافل ۳۶ کے قائل تھے۔

(بدایۃ المجتہد ص ۱۵۲، ج ۱)

اجماع امت

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح باجماعت پر اجماع ہوا۔

(۱) حضرت ملا علی قاری مکی فرماتے ہیں۔ اجمع الصحابة علی ان التراويح عشرون ركعة. (مرقات ج۳ ص۱۹۴)

(۲) وبالا جماع الذی وقع فی زمن عمرؓ اخذ ابو حنيفة والنووی والشافعی واحد والجمور واختاره ابن عبدالبر.
(اتحاف سادۃ المتقین ص۴۲۲ ج۳)

(۳) وثبت اهتمام الصحابة علی عشرين فی عهد عمر و عثمان وعلی فمن بعدهم. (حاشیہ شرح وقایہ مولانا عبدالحئی لکھنوی)

(۴) ابن حجر مکی فرماتے ہیں صحابہ نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ (انارۃ المصابیح ص۱۸)

(۵) ابن عبدالبر فرماتے ہیں وهو الصحيح عن ابی بن كعب من غير خلاف من الصحابة. (عمدۃ القاری ج۵ ص۲۶۷)

(۶) علامہ قاضی خان فرماتے ہیں وهو المشهور من الصحابة والتابعين .
(فتاویٰ قاضی خان ص۱۱۰)

(۷۔۱۳) ابن قدامہ مغنی ص۸۰۳، ج۱ میں شمس الدین شرح مقنع ص۸۵۲، ج۱ میں علامہ قسطلانی شرح بخاری میں، مولانا محمد زکریا صاحب اوجز المسالک ص۳۹۰ میں علامہ عبدالحئی لکھنوی التعليق الممجد ص۵۳ میں، ملا علی قاری شرح نقایہ ص۱۰۴ میں، نواب صدیق حسن غیر مقلد عون الباری ص۳۰۷ ج۲ میں اجماع کو نقل فرماتے ہیں۔

(۱۴۔۱۵) امام نووی باتفاق المسلمين کے لفظ سے اور ابن تيميه فلما جمعهم عمر علی ابی بن كعب سے اس اجماع کا ذکر فرماتے ہیں۔
(کتاب الاذکار ص۸۳۔ فتاویٰ ص۴۰۱ ج۴)

(۱۶۔۱۷) علامہ طحطاوی ص ۲۶۸ ج ا علامہ شرنبلالی مراقی الفلاح ص ۸۱ پر لفظ متوارث سے اجماع بیان کرتے ہیں۔

(۱۸۔۲۶) علامہ ابن الہمام فتح القدیر ص ۴۰۷ ج ا، علامہ انور شاہ عرف الشذی ص ۳۳۰۔ علامہ ابن نجیم البحر الرائق ص ۶۶ ج ۲، شیخ عبدالحق محدث دہلوی ماثبت بالسنہ ص ۲۱۷، علامہ شامی ردالمحتار ص ۵۱۱ ج ا، علامہ کاسانی البدائع والصنائع ص ۲۸۸ ج ا، علامہ سبکی المصابیح ص ۱۶، علامہ سیوطی المصابیح ص ۱۶، علامہ حلبی شرح منیہ ص ۳۸۸ پر **ثم استقر الامر علی هذا** وغیرہ الفاظ سے اس اجماع کا ذکر فرماتے ہیں اور کسی اہل فن نے اس کا انکار نہیں کیا۔

ایوب صابر تمام غیر مقلدین کو ساتھ ملا کر بلکہ غیر مقلدیت کی ترقی یافتہ اقسام نیچریوں، قادیانیوں چکڑالویوں اور اپنے محسنین برطانیہ کو ساتھ ملا کر کسی ایک حدیث کی کتاب یا متن فقہ کی مسلمہ کتاب یا مسلمہ تاریخ اسلام سے دکھادیں کہ عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح پر اجماع نہیں ہوا یا اس اجماع پر عمل جاری نہیں رہا۔ بلکہ عہد فاروقی میں اجماع صرف آٹھ رکعت پر ہوا اور ان آٹھ پر ہی امت کا تعامل وتوارث بلانکیر جاری رہا تو ہم انہیں اس محنت کے صلہ میں ایک دوضب (گوہ) ناشتہ کے لیے پیش کر دیں گے جس طرح اہل فن نے کہا کہ **كُلُّ فَاعِلٍ مَرْفُوْعٌ** اور کسی اہل فن نے اس کا انکار نہیں کیا تو تمام لوگ اس کو فن کا اجماعی مسئلہ مانتے ہیں۔ اگر کوئی نااہل اس کو نہ مانے تو اس سے اجماع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور یہ تو ایوب صابر صاحب بھی جانتے ہیں کہ قرآن پاک میں سبیل مومنین سے کٹنے والے کو اور حدیث میں اجماع اور سواد اعظم سے ہٹنے والے کو دوزخی کہا گیا ہے اسی بنا پر علامہ انور شاہؒ فرماتے ہیں **واما من اکتفی بالرکعات الثمانیة وشذعن السواد الاعظم وجعل یرمیهم بالبدعة فلیر عاقبته** (فیض الباری ص ۱۸۱ ج ۳) یعنی جو آٹھ رکعات پر اکتفا کر کے سواد اعظم سے کٹ گیا اور سواد اعظم کو بدعتی کہتا ہے وہ اپنا انجام سوچ لے۔ اور مولانا عبدالحئ لکھنوی فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعت

پڑھنے والا سنت موکدہ کا تارک ہے۔ (حاشیہ ہدایہ ص ۱۵۱ ج ۱)

مثال: جس طرح ظہر سے پہلے چار رکعت سنت موکدہ ہے اگر ان چار کے ساتھ کوئی شخص نفل ملا لے تو کوئی ملامت نہیں مگر چار رکعت سنت کی بجائی دو رکعت سنت پڑھنے والا یقیناً تارک سنت اور قابل ملامت ہے۔

ضروری تنبیہ

اہل سنت و الجماعت بالترتیب چار دلیلوں کو مانتے ہیں کتاب اللہ سنت رسول اللہ، اجماع امت، قیاس شرعی، اصول حدیث یا اصول فقہ یا اسماء الرجال کی کوئی کتاب خدا اور رسول کی لکھی ہوئی نہیں۔ اس لیے یہ اصول یا اجماعی ہوں گے یا اختلافی۔ ہم اجماعی اصولوں کو دلیل اجماع سے مانتے ہیں اور اختلافی اصولوں میں اصول احناف کے پابند ہیں۔ جس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے وہ لازم العمل ہے اس کی سند پر بحث کی ضرورت نہیں یہ اصول اجماعی ہے مرسل معتضد حجت ہے یہ اصول اجماعی ہے جس مسئلہ پر اجماع ہو اسے اسنادی بحثوں سے مختلف فیہ بنانا بھی اجماعی اصول سے انحراف ہے۔ ہاں خیر القرون میں ارسال جہالت تدلیس کا مسئلہ اختلافی ہے۔ احناف اس کو جرح نہیں سمجھتے ان کو شوافع کے اختلافی اصول ماننے پر مجبور کرنا بھی خرق اجماع ہے۔ غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ ہم صرف قرآن حدیث مانتے ہیں اس لیے وہ بتائیں کہ ان کو تو اجماعی اصول کے استعمال کا بھی حق نہیں چہ جائیکہ اختلافی اصول استعمال کریں وہ بھی ان کے خلاف جو ان کو مانتے ہی نہیں۔ اجماع امت کے خلاف غیر مقلدین جو بیس رکعت کو بدعت اور آٹھ رکعت کو سنت کہتے ہیں، ان کی اصل دلیل جس کو بنیادی سمجھتے ہیں حدیث عائشہؓ ہے۔

۱۔ لیکن اس سے استدلال کی بنیاد نماز تہجد اور نماز تراویح کا ایک ہونا ہے جس کا ثبوت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں نہ اجماع میں۔

۲۔ امت کے تمام محدثین نے اپنی احادیث کی کتابوں میں تہجد اور تراویح کے

الگ الگ ابواب قائم کیے ہیں۔

۳۔ امت کے تمام فقہاء نے خواہ وہ حنفی ہوں یا شافعی مالکی ہوں یا حنبلی کتب فقہ میں تراویح و تہجد کے ابواب الگ الگ باندھے ہیں۔ گویا محدثین و فقہاء کا یہ قطعی اجماعی مسئلہ ہے۔

(۴۔۱۵) امام مسلم، امام مالک، امام عبدالرزاق، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابوعوانہ، امام ابن خزیمہ، امام مروزی، امام دارمی، صاحب بلوغ المرام، صاحب مشکوٰۃ سب اس حدیث کو اپنی کتابوں میں لائے ہیں مگر باب تراویح میں نہیں لائے۔

۱۶۔ یہ تمام محدثین اس حدیث کو امام مالکؒ کی سند سے لائے ہیں۔ امام مالکؒ نے کبھی اس سے تراویح پر استدلال نہیں فرمایا کیونکہ وہ تو مع النوافل ۳۶ رکعات کے قائل و فاعل ہیں۔

۱۷۔ امام محمدؒ، امام بخاریؒ اور امام بیہقیؒ اس کو قیام رمضان میں لائے ہیں مگر یہ حضرات بھی تراویح اور تہجد کو ایک نہیں مانتے کیونکہ ان حضرات نے بھی تہجد کا باب تراویح سے الگ باندھا ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ قیام رمضان میں تراویح اور تہجد دونوں پڑھنی چاہئیں چنانچہ امام بخاریؒ تراویح اور تہجد دونوں پڑھا کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد)

۱۸۔ فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے نماز تہجد تو سارے سال میں ہوتی ہے اور تراویح خاص رمضان میں ہے (ص ۳۳۰ ج ۲) اس حدیث عائشہؓ میں سارے سال والی نماز کا ہی ذکر ہے جو تہجد ہے۔

۱۹۔ فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے۔ نماز تراویح میں جماعت شرط ہے اگر اکیلے اکیلے پڑھیں تو وہ تراویح نہ ہوگی (ص ۲۴۳، ج ۶) اس حدیث میں وہی نماز ہے جو آپؐ نے اکیلے پڑھی۔

۲۰۔ اس حدیث کو خود حضرت عائشہؓ نے عہد فاروقی، عہد عثمانی، عہد علوی میں کبھی

بھی بیس رکعت والوں کے خلاف پیش نہ فرمایا، ہم نے لکھا تھا کوئی ثابت کرے تو دس ہزار روپیہ انعام دیں گے ہے کوئی زندہ دل غیر مقلد مگر جواب میں سب مردہ بن گئے۔

۲۱۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کی تہجد کی نماز والی احادیث بہت سے صحابہ سے مروی ہیں۔ کسی ایک صحابی نے بھی تہجد والی روایت کو بیس رکعت تراویح والوں کے خلاف پیش نہ کیا۔

۲۲۔ صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی سب لوگ بیس تراویح اور بعض نوافل ملا کر ۳۶ پڑھتے رہے۔ کسی تابعی یا تبع تابعی نے اس تہجد والی حدیث کو ان کے خلاف پیش نہ کیا۔

۲۳۔ تمام صحابہ تابعین تبع تابعین ائمہ اربعہ اور اجماع امت کے خلاف غیر مقلدین کا سہارا ایک شاذ علمی قول ہے کہ زیلعی ابن ہمام وغیرہ چند افراد نے حدیث عائشہؓ کو حدیث ابن عباسؓ کے معارض قرار دیا ہے۔ ان کی علمی بات کا خلاصہ یہی ہے کہ حدیث ابن عباسؓ سنداً ضعیف ہے مگر تمام امت کا اجماعی تعامل بیس پر ہے اور حدیث عائشہؓ اگرچہ سنداً صحیح ہے مگر عملی طور پر تراویح کے باب میں اجماعاً متروک العمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سب حضرات ہمیشہ بیس رکعت ہی پڑھتے رہے۔ انہوں نے کبھی بیس کو بدعت نہیں فرمایا ان کی شاذ متروک العمل رائے کو پیش کرنا اور اجماعی اور معمول بہ مسئلہ کو چھوڑ دینا یہ نہایت قبیح علمی خیانت ہے۔

۲۴۔ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ آپ تو صرف قرآن حدیث کا نام لیا کرتے ہیں۔ صحابہ تابعین کی بات ماننے کو تیار نہیں، ائمہ اربعہ تک کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ میں شامل فرماتے ہیں یہ لوگ بوجہ مقلد ہونے کے آپ کے نزدیک مشرک بھی ہیں، جاہل بھی، اندھے بھی، ان کے اقوال کو کیوں پیش کیا۔ اگر یہ کہو کہ ہم نے محض الزامی طور پر پیش کیا ہے تو آپ نے مان لیا کہ اس کی کوئی تحقیقی دلیل آپ کے پاس نہیں ہے ہاں الزام بھی درست نہیں کیونکہ الزام مسلمات خصم پر مبنی ہوتا ہے۔ ہمارا مذہب متفقہ طور پر

متون میں صرف بیس رکعت تراویح سنت ہے یہ شاذ قول ایسا ہی ہے جیسے متواتر قرآن کے خلاف شاذ قرائتیں اور سنت متواترہ کے خلاف شاذ و متروک روایات اس لیے ہمارا اصول یہی ہے وان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل و خرق للا جماع قاضی کا حکم کرنا یا مفتی کا فتویٰ دینا مرجوح قول پر جہالت اور اجماع کا پھاڑنا ہے یعنی باطل اور حرام ہے۔ (درمختار ص ۱۳ ج ۱)

(۲۵۔۳۰) خود غیر مقلدین کا بھی اس حدیث پر عمل نہیں یہاں غیر رمضان کا لفظ ہے وہ غیر رمضان میں تراویح نہیں پڑھتے۔ یہاں چار چار رکعت کا ذکر ہے وہ دودو پڑھتے ہیں۔ یہاں گھر میں نماز کا ذکر ہے وہ مسجد میں پڑھتے ہیں یہاں تین وتر کا ذکر ہے وہ ایک پڑھتے ہیں یہاں بلا جماعت نماز کا ذکر ہے وہ باجماعت پڑھتے ہیں یہاں وتر سے پہلے سونے کا ذکر ہے وہ وتر سے پہلے نہیں سوتے۔ امید ہے کہ ان تیس نمبروں کا جواب قرآن وحدیث سے دیا جائے گا۔

دوسری روایت حضرت جابرؓ والی پیش کرتے ہیں یہاں انہیں تین باتیں ثابت کرنا تھیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح ہے دوسری یہ کہ اس میں آٹھ رکعت پر مواظبت ثابت ہے۔ تیسری یہ کہ جب دور فاروقی وعثمانی وعلوی میں بیس رکعت تراویح باجماعت علی الاعلان مسجد نبوی میں پڑھی جاتی تھیں تو حضرت جابرؓ نے اس حدیث کو ان کے خلاف پیش کیا تھا اور اپنی مسجد آٹھ تراویح کے لیے کوئی الگ بنائی تھی۔ مگر ایوب صاحب اور ساری کمپنی اس میں بالکل ناکام رہی ہے۔

(۱) اس کا ایک راوی یعقوب بن عبداللہ القمی ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ ایک روایت کے بعد لکھتے ہیں۔ وھذا الحدیث منکر جدا وفی اسنادہ ضعف و یعقوب ھذا ھو القمی وفیہ تشیع ومثل ھذالا یقبل تفردہ بہ (البدایہ والنہایہ ص ۳۷۵ ج ۸) یہ حدیث سخت منکر ہے اس کی سند ضعیف اور یعقوب قمی شیعہ ہے ایسے مسائل میں اس کا تفرد مقبول نہیں الغرض جہاں عظمت صحابہ یا مسلک صحابہ مجروح ہوتا ہو

وہاں ایسے راوی کا تفرد مقبول نہیں اور اس تراویح والی روایت میں بھی یہ منفرد ہے اور اس کی روایت اجماع صحابہ کے خلاف ہے۔

(۲)　دوسرا راوی عیسیٰ بن جاریہ ہے۔ امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں اس کے پاس منکر روایات ہوتی تھیں۔ امام نسائی اس کو منکر الحدیث اور متروک فرماتے ہیں۔ امام ابوزرعہؒ لا باس بہ فرماتے ہیں　(میزان الاعتدال ص ۳۳۱ ج ۲)

خود ایوب صابر نے بھی مانا ہے کہ یہ روایت بنیاد نہیں بطور شاہد ہے۔ اب شاہد کے لیے پہلے بنیاد تو بتاؤ پھر ایسی روایت جب اجماع کے خلاف ہو تو اس کے منکر ہونے میں کیا شبہ خود یہ بھی کسی حدیث وفقہ میں ثابت نہیں کہ یہ دونوں راوی ساری امت کے خلاف اپنی الگ مسجد بنا کر آٹھ تراویح پڑھا کرتے تھے۔

(۳)　پھر اس میں مواظبت تو کیا ثابت ہوتی بعض کتابوں میں لیلۃ صرف ایک رات کی صراحت ہے جو مواظبت کی تردید ہے اجماع امت کے خلاف وقتی فعل کو سنت کہنا غلط ہے۔

تیسری روایت حضرت ابی بن کعبؓ والی پیش کرتے ہیں۔ یہاں بھی تین باتیں ثابت کرنا ضروری تھا۔ ایک یہ کہ یہ روایت صحیح ہے دوسرے یہ کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی آٹھ پر از خود مواظبت ثابت ہے تیسرے یہ کہ جب دور فاروقی و عثمانی میں لوگ برملا بیس رکعت پڑھتے تھے تو حضرت ابی بن کعبؓ نے یہ روایت ان کے خلاف پیش کی تھی اور نہ ماننے کی صورت میں یہ الگ ہو کر صرف آٹھ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے مگر یہ اس میں بالکل ناکام رہے ہیں۔

(۱۔۲)　یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں وہی یعقوب اور عیسیٰ ہیں۔

(۳)　اس کی سند میں محمد بن حمید رازی ہے جس کو خود ایوب صابر بھی ثقہ نہیں مانتا اس سے جان چھڑانے کے لیے بہت بڑا دھوکہ دیا ہے کہ محمد بن حمید کاتب کی غلطی ہے مگر اس پر بارہ صدیوں میں کسی محدث کا حوالہ موجود نہیں۔ پھر یہ لکھا ہے کہ میزان

الاعتدال اور طبرانی میں اس سند میں جعفر بن حمید ہے۔ حالانکہ یہ محض جھوٹ ہے جعفر بن حمید پچھلی روایت جابرؓ کا راوی ہے جس میں حضور علیہ السلام کی اپنی نماز کا ذکر ہے یہ حدیث وہ ہے جس میں ابی بن کعبؓ کے عورتوں کو نماز پڑھانے کا ذکر ہے۔

(۴) اس میں یہ بھی ثابت نہیں کہ یہ ضرور رمضان کا واقعہ ہے کیونکہ مسند احمد اور طبرانی میں رمضان کا ذکر ہی نہیں۔ ابویعلیٰ میں یعنی رمضان ہے جو فہم راوی ہے نہ کہ روایت راوی اور قیام اللیل میں رمضان کا لفظ ہے۔

(۵) اس میں مواظبت کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ مواظبت کے خلاف یہ جملہ ہے انہ کانت منی اللیلة شئی آج رات ایک عجیب بات ہوگئی۔

(۶) پھر دور فاروقی میں حضرت ابی بن کعبؓ خود بیس رکعت پڑھاتے رہے۔

(۷) پھر یہ روایت اجماعاً متروک العمل ہے یَدُاللهِ عَلَی الْجَمَاعَةِ وَقَالَ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّار الغرض آٹھ رکعت پر نہ مواظبت نبوی ثابت ہے نہ مواظبت صحابہ بلکہ یہ مواظبت اور اجماع کے خلاف ہے۔

غیر مقلدین مندرجہ ذیل امور میں حضور علیہ السلام کی مخالفت کرتے ہیں۔

ا۔ آج کل غیر مقلدین چاند رات سے نماز تراویح کی جماعت شروع کرتے ہیں حالانکہ آنحضرت علیہ السلام نے ساری زندگی میں ایک بار بھی چاند رات سے یہ جماعت شروع نہیں کرائی یہ سنت نبوی نہیں بلکہ سنت خلفاء راشدین ہے۔

۲۔ آج کل غیر مقلدین پورا ماہ رمضان نماز تراویح باجماعت ادا کرتے ہیں حالانکہ آنحضرت علیہ السلام نے مسجد میں آئے ہوئے لوگوں کو فرمایا تھا اپنے گھر نماز پڑھو، یہ سارا مہینہ جماعت تراویح سنت نبوی نہیں بلکہ سنت خلفائے راشدین ہیں۔

۳۔ آج کل غیر مقلدین ہر سال رمضان میں تراویح باجماعت ادا کرتے ہیں جب کہ آنحضرت علیہ السلام نے صرف ایک سال آخری عشرہ میں تین دن جماعت کروائی تھی۔ یہ بھی سنت نبوی ہرگز نہیں ہے بلکہ سنت خلفائے راشدین ہے۔

۴۔ آج کل غیر مقلدین پورا مہینہ رمضان میں عشاء کے فوراً بعد نماز تراویح پڑھتے ہیں حالانکہ یہ سنت نبوی ہرگز نہیں ہم تو اسے سنت خلفائے راشدین کہتے ہیں مگر مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالقادر حصاروی فرماتے ہیں بہر حال نماز عشاء کے بعد تراویح جماعت کے ساتھ ہمیشہ ادا کرنا جیسا کہ عام طور پر مروج ہے نہ تعامل نبوی سے ثابت ہے نہ تعامل خلفائے اربعہ سے اس لیے یہ سنت نہیں جائز ہے۔
(صحیفہ اہلحدیث کراچی یکم رمضان ۱۳۹۲ھ)

۵۔ آج کل غیر مقلدین سارا مہینہ مسجد میں نماز تراویح پڑھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سنت نبوی ہرگز نہیں چنانچہ مولانا عبدالقادر حصاروی تحریر فرماتے ہیں مسجد میں جماعت سے عشاء کے بعد ہمیشہ نماز تراویح پڑھنا بدعت حسنہ ہے سنت موکدہ نہیں بلکہ سنت نبوی اور سنت خلفاء اربعہ بھی نہیں ہے (حوالہ مذکور) نیز فرماتے ہیں گھر میں تراویح پڑھنے کے یہ فضائل ہیں۔ فرضوں کے برابر ثواب ملنا، ہزار نماز سے زیادہ ثواب ملنا، گھر میں نورانیت، پیدا ہونا گھر میں خیر و برکت نازل ہونا، یہ عمل خدا اور رسول کو محبوب ہونا وغیرہ (ایضاً)

نوٹ: حصاروی صاحب فرماتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے اس فرمان سے بدعت کی دو قسمیں ثابت ہوئیں ایک حسنہ دوسری سیئہ، حسنہ وہ ہے جس کا ثبوت شارع سے ہو مگر اس کی ہیت کذائیہ کا ثبوت نہ ہو۔ اور سیئہ وہ ہے جس کا ثبوت ہی شارع سے نہ ہو یا ثبوت ہو مگر صحابہ کرام نے اس ہیئت کذائیہ پر تعامل نہ رکھا ہو۔ ایسی بدعت سے بالدوام بچنا چاہیے (ایضاً)

۶۔ آج کل غیر مقلدین نماز تراویح با جماعت میں قرآن پاک ختم کرتے ہیں حالانکہ نماز تراویح میں قرآن پاک کا ختم ہرگز سنت نبوی نہیں ہے بلکہ سنت صحابہ ہے البتہ اوکاڑہ کے غیر مقلدین نے ایک اشتہار میں اب ختم قرآن کو بدعت لکھ دیا ہے۔

۷۔ آج کل غیر مقلدین تراویح میں ختم قرآن کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ مولانا

حصاروی لکھتے ہیں۔ کسی قرآن خوان کو امام بنا کر گھر میں جماعت کرالیا کریں۔ اس طرح ختم قرآن اور جماعت کا ثواب بھی حاصل ہو جائے گا یا سورۃ قل ھو اللہ رکعت میں تین باز پڑھ لیا کریں (ملخصاً ایضاً)

۸۔ آج کل غیر مقلدین نماز تراویح کے بعد سو جاتے ہیں حالانکہ یہ سنت نبوی نہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ شروع ہوتا آپ کمر کس لیتے اور پورا مہینہ رات کو نہ سوتے، عزیزی ص ۱۲۷ ج ۳ بحوالہ شعب الایمان بیہقی، ہاں صحابہ کرام کا سو جانا ثابت ہے عہد فاروقی میں وَالَّتِیْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا الحدیث.

(بخاری ص ۲۶۹ ج ۲)

۹۔ صحیح بخاری شریف ص ۲۶۹ ج ۲ پر ہے کہ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں میں آنحضرت ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو بھی بیدار رکھتے تھے جب کہ غیر مقلدین اپنی بیویوں کو بیدار نہیں رکھتے۔

۱۰۔ آج کل غیر مقلدین تراویح میں قرآن پاک اس طرح دیکھ کر پڑھتے ہیں کہ اٹھایا ہوا ہے ورق گردانی بھی ہو رہی ہے رکوع کے وقت نیچے زمین پر رکھ دیتے اگلی رکعت میں پھر اٹھا لیتے ہیں یہ طریقہ نماز تراویح میں ہرگز ہرگز سنت نبوی سے ثابت نہیں ہے۔

ایوب صابر نے تحقیق تراویح ص ۸۷ میں امام ابو حنیفہؒ کو ان احبار و رہبان میں شامل فرمایا ہے جو اپنی طرف سے حرام کو حلال، حلال کو حرام کرتے تھے اور احناف کو ان عیسائیوں میں شامل کیا ہے جو اپنے احبار و رہبان کے حلال و حرام کرنے کو خدا اور رسول کے مقابلے میں مانتے تھے۔ ایوب صابر کے شیخ الحدیث صاحب اساتذہ اور جماعت کو اس پر بہت خوشی ہوگی کہ کتنا بڑا کارنامہ ہے کہ مسلمانوں کے امام اعظم کو ان احبار و رہبان میں شامل کر دیا جو حرام خور جھوٹے تھے۔ اہلحدیث زندہ باد کے نعرے بھی لگے ہوں گے سب حنفی عیسائی، اہل حدیث زندہ باد، مگر جن لوگوں کی قرآن و حدیث پر

نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ بخاری شریف کی حدیث کے موافق یہ خارجیوں کا وطیرہ تھا کہ کافروں والی آیات مسلمانوں پر چسپاں کیا کرتے تھے اور قرآن پاک کے مطاق یہود کا یہ وطیرہ تھا ﴿یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ...﴾ وہ کلمات خداوندی کو بے موقع استعمال کرتے تھے۔ ایوب صابر کا استدلال جب درست ہوتا کہ وہ ان احبار ور ہبان کا مجتہد ہونا قرآن حدیث سے ثابت کرتے پھر اس آیت کو مجتہد پر فٹ کرتے۔ اور یہ بھی مانتے کہ یہود کے یہ احبار ور ہبان چونکہ مجتہد تھے اس لیے ان کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اجر سے نوازا ہے۔ صواب پر دو اجر خطا پر ایک اجر۔ ایوب صابر نے قرآن کی آیت کا غلط استعمال کر کے مرزا قادیانی کی روح کو خوش کیا ہے اور اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔

قرآن و حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء دو قسم کے تھے ایک تو خدا پر جھوٹ باندھنے والے ﴿یَکْتُبُوْنَ الْکِتَابَ بِاَیْدِیْھِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ...﴾ جیسا کہ اس کا نقشہ آپ کو آپ کے مذہب کی مستند کتابوں نزل الابرار، بدور الاہلہ، عرف الجادی، ہدیہ المہدی میں نظر آئے گا۔ ان حضرات نے یہ کتابیں اس دعویٰ کے ساتھ لکھیں کہ ان کتابوں کے مسائل صرف خدا اور رسول کے مسائل ہیں۔ مگر جس اتفاق اور یقین سے آج تمام غیر مقلدین نے فیصلہ دے دیا ہے کہ ان کتابوں میں خدا رسول پر جھوٹ ہیں، اتنی صفائی سے شاید یہود و نصاریٰ نے بھی اپنے احبار ور ہبان کے خلاف بیان نہ دیا ہو۔ یہاں دو شہادتیں ملاحظہ فرمالیں۔

(۱) مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی شہادت

جماعت اہل حدیث اپنے ناقص العلم اور غیر محتاط نام نہاد علماء کی تحریروں اور تقریروں سے دھوکہ نہ کھائے کیونکہ ان میں سے بعض تو پرانے خارجی اور بے علم محض اور بعض پرانے کانگریسی ہیں جو کانگریس کا حق نمک ادا کرنے کے لیے ایک نہایت گہری زمین دوز تجویز کے تحت انگریزی پالیسی .Divide and rule (تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو) سے مسلمانوں کو اختلافی مسائل میں مشغول کر کے باہمی اتفاق

میں رکاوٹ اور مسلمانوں میں خصوصاً اہل حدیث میں تعصب پیدا کرنا چاہتے ہیں۔
(احیاء المیت ص ۳۶)

(۲) علامہ وحید الزمان کی شہادت

غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہلحدیث کہتے ہیں انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی بھی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین صحابہ اور تابعین کی قرآن کی تفسیر صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں حدیث شریف میں جو تفسیر آ چکی ہے اس کو بھی نہیں سنتے۔ (حیات وحید الزمان ص ۱۰۲ بحوالہ لغات الحدیث)

نصیحت

کاش ایوب صابر کے شیخ الحدیث مولانا سلطان محمود جلالپوری اور استاد محمد رفیق جلالپوری اپنے شاگردوں کو مولانا داؤد غزنوی سابق امیر جماعت کی یہ نصیحتیں یاد دلا دیتے۔ مولانا داؤد غزنوی فرماتے ہیں۔ ''دوسرے لوگوں کی یہ شکایت کہ اہل حدیث حضرات ائمہ اربعہ کی توہین کرتے ہیں بلاوجہ نہیں ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے حلقہ میں عوام اس گمراہی میں مبتلا ہو رہے ہیں اور ائمہ اربعہ کے اقوال کا تذکرہ حقارت کے ساتھ کر جاتے ہیں یہ رجحان سخت گمراہ کن اور خطرناک ہے ہمیں سختی کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ (داؤد غزنوی ص ۸۹)

بنی اسرائیل میں دوسری قسم کے علماء وہ تھے جن کو قرآن پاک نے ربانی فرمایا ہے اور صحیح بخاری ص ۱۶ پر ربانی کا معنی فقیہ لکھا ہے اور قرآن پاک میں حضرت موسیٰ کے ذکر کے بعد فرمایا ہے ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ معلوم ہوا ان میں ائمہ اور فقہاء بھی تھے تو امام ابوحنیفہؒ جو امام اور فقیہ ہیں ان کے لیے یہ آیات لکھنی چاہیے تھیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے کبھی یہ نہ فرمایا کہ میں خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتا ہوں بلکہ فرمایا القیاس مظھر لا مثبت میں خدا رسول کے وہ احکام جو عوام کے ذہن سے پوشیدہ

اور چھپے ہوئے ہیں صرف ان کو ظاہر کرتا ہوں، نہ پوشیدہ حکم کی تلاش گناہ ہے نہ اس ظاہر شدہ حکم پر عمل گناہ ہے ہم بھی آئمہ مجتہدین کو شارع نہیں بلکہ شارح سمجھتے ہیں وہ واسطہ فی التفہیم اور واسطہ فی البیان ہیں۔ ایوب صاحب نے دو مثالیں دی ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے شراب (خمر) کو حرام فرمایا۔ امام ابوحنیفہؒ نے خمر کو حلال کر دیا۔ حنفی اب خدا کی بات نہیں مانتے، امام ابوحنیفہ کی بات مانتے ہیں، حالانکہ امام ابوحنیفہؒ اور تمام احناف کے نزدیک خمر قطعاً حرام ہے اور پیشاب پاخانہ کی طرح نجاست غلیظہ بھی ہے جبکہ غیر مقلدین خمر کو پاک کہتے ہیں۔ ایوب صاحب جھوٹ، بہتان منافق کی نشانی ہے نہ کہ اہل حدیث کی۔ دوسری مثال یہ دی کہ رسول اقدس ﷺ سے پوچھا گیا کہ ضب (گوہ) حرام ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں لیکن میں نہیں کھاتا اور امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ضب مکروہ ہے، یہاں بھی ایوب صاحب اگر صحاح ستہ میں سے صرف ابوداؤد شریف ہی دیکھ لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ بعد میں خود حضور ﷺ نے ضب سے منع فرما دیا تھا۔ اب امام صاحبؒ کا علم کامل ہے کہ دونوں باتیں سامنے ہیں اور آخری حدیث پر فتویٰ ہے اور ایوب کا علم ناقص اور خواہ مخواہ ائمہ دین کا منہ چڑا رہا ہے۔ مولانا داؤد غزنوی کی یہ نصیحت یاد فرمالیں انہوں نے مولوی اسحاق کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا ”مولوی اسحاق جماعت اہل حدیث کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی بد عالے کر بیٹھ گئی ہے، ہر شخص ابوحنیفہ ابوحنیفہ کہہ رہا ہے کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ کہہ دیتا ہے پھر ان کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ۔ اگر کوئی بہت بڑا احسان کرے تو وہ انہیں سترہ حدیثوں کا عالم گردانتا ہے جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطہ نظر رکھتے ہوں ان میں اتحاد و یک جہتی کیونکر پیدا ہو سکتی ہے“ (داؤد غزنوی ص ۱۳۷)

آپ کے جن علماء نے ہاتھی، خچر، جنگلی بلے اور ہر سمندری جانور خواہ کتا ہو یا سؤر مینڈک ہو یا کچھوا حلال کہا ہے اور گدھ، کوے، چمگادڑ کو حلال کہا ہے بلکہ منی تک کا

کھانا ایک قول میں حلال کہا ہے۔ اس بارے میں کوئی قطعی نصوص آپ پیش کر سکتے ہیں؟ اگر آپ کو حلت کی نصوص نہ ملیں اور آپ اپنے احبار و رھبان کے خلاف ان کو حرام کہیں تو ان کی حرمت کی نصوص تحریر فرمادیں ورنہ بتائیں کہ ان کی حلت و حرمت کن احبار و رہبان سے آپ نے لی ہے، آپ نے ائمہ اربعہ کو احبار و رہبان والی آیت کا مصداق قرار دیا ہے۔ آپ کے بھائی اہل قرآن تمام محدثین، معدلین اور جارحین کو اس آیت کا مصداق قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے سب اصول بھی قیاسی اور ظنی ہیں۔

آپ نے ابن حجر، زرقانی، زیلعی، ابن ہمام رحمہم اللہ وغیرہ بہت سے علماء کے اقوال لکھے ہیں آپ ان کو خدا سمجھتے ہیں یا رسول یا اربابا من دون اللہ آپ نے بہت سے سوال و جواب اپنے قیاسات سے گھڑے ہیں جب کہ آپ کے نزدیک قیاس کار شیطان ہے۔

آپ نے تحقیق تراویح پر قلم اٹھایا۔

۱۔ آپ قرآن پاک سے نہ آٹھ تراویح کا سنت ہونا ثابت کر سکے نہ بیس رکعت تراویح کا منع ہونا۔

۲۔ آپ کسی قولی حدیث سے آٹھ رکعت باجماعت بعد عشاء مسجد میں ختم قرآن کے ساتھ اس کا نہ حکم پیش کر سکے نہ قولی حدیث سے بیس کا منع ثابت کر سکے۔

۳۔ آپ نے جو فعلی حدیث پیش کی نہ اسے صحیح ثابت کر سکے نہ اس پر مواظبت ثابت کر سکے، ہاں اس حدیث پر عمل سے انکار کر دیا جس کو تلقی بالقبول حاصل تھی۔

۴۔ خلفائے راشدین سے نہ آٹھ کی کوئی غیر مضطرب روایت پیش کر سکے نہ مواظبت ثابت کر سکے کہ آٹھ کو سنت خلفاء ہی کہا جاتا ہاں اس کے بالمقابل ان احادیث کے انکار کا گناہ سر پر لیا جن پر امت کا توارث ہے۔

۵۔ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی فقہ کے متن سے آٹھ کا سنت اور بیس کا بدعت ہونا ثابت نہ کر سکے۔ ہاں امام مالکؒ کی طرف سے بے سند قول اور ابن ہمامؒ کا

شاذ قول پیش کیا جو آپ کے اصول پر شرک اور ہمارے اصول پر باطل اور خرق اجماع اور حرام ہے۔ (در مختار)

۶۔ بعض امتیوں کے اقوال وہ بھی شاذ اور غیر متعلق پیش کر کے اپنے مشرک ہونیکا ثبوت دیا۔ بعض باتیں محض بے سند لکھ کر اپنے اصولوں پر بے دین بنے بعض اپنے قیاسات لکھ کر شیطان بنے۔

۷۔ آپ یہ فرمائیں کہ جو مسائل صراحتاً کتاب وسنت میں نہیں ملتے ہم ان مسائل کو اجتہاد وتقلید میں دائر سمجھتے ہیں کہ مجتہدین اجتہاد کر لیں، غیر مجتہدین تقلید۔ آپ کے نزدیک اجتہاد کرنا شیطان کا کام ہے اور تقلید کرنا مشرک کا۔ آخر آپ کے عوام کے لیے ایسے مسائل میں عمل کرنے کا کون سا راستہ ہے؟ وہ عوام بے چارے دلیل تفصیلی کو سمجھ تو کیا سکیں اس کی تعریف بھی نہیں کر سکتے۔ آپ کے علماء اجتہاد تو کیا کریں گے اجتہاد کی جامع مانع تعریف اور اس کی شرائط بھی ہماری کتابوں سے چوری کیے بغیر نہیں بتا سکتے۔ آپ کے عوام اپنے علماء سے ایسے مسائل پوچھیں، بغیر تفصیلی دلیل جانے تو مشرک بنیں نہ پوچھیں تو ساری عمر جاہل بے عمل رہیں اور جاہل بے عمل ہی مریں، بہرحال اس کا جواب آپ کے ذمہ ہے پیچھے جو سوالات گزرے ان کا جواب بھی آپ کے ذمہ ہے جو نہ آپ نے دیا اور نہ دے سکتے ہیں، میں اپنی اس تحریر کو یہیں ختم کرتا ہوں۔

وما علینا الا البلاغ المبین.

محمد امین صفدر اوکاڑوی

خلافت راشدہ　　یا اللہ مدد　　حق چار یارؓ

اصلی کلمہ اسلام

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

الکلام الفصیح فی رکعات التراویح

نماز تراویح
اور
مذاہب اہل حدیث

مؤلفہ

حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی

چیئرمین حق چار یارؓ اکیڈمی گجرات

ناشر

حق چار یارؓ اکیڈمی

مدرسہ حیات النبیؐ، محلہ حیات النبیؐ گجرات

رکعات تراویح

اور

مذاہب اہل حدیث

مولف

حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی

ناشر

حق چار یار اکیڈمی

جامع مسجد حیات النبیؐ، محلہ حیات النبیؐ، گجرات

نام کتاب .... رکعات تراویح اور مذاہب اہل حدیث

مولف .... حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی

ناشر .... حق چار یارؓ اکیڈمی، محلہ حیات النبیؐ، گجرات

صفحات ۱۵۲

تعداد ۱۱۰۰

طبع اول .... اکتوبر ۲۰۰۲ء

قیمت .... ۴۸ روپے

ملنے کے پتے

مدنی جامع مسجد، چکوال

جامع مسجد امام اعظم ابوحنیفہؒ واٹر سپلائی روڈ سرگودھا

دفتر ماہنامہ حق چار یار، ذیلدار روڈ، اچھرہ، لاہور

مکتبہ صفدریہ، نزد گھنٹہ گھر، گوجرانوالہ

مکہ کتاب گھر، اردو بازار، لاہور

قاری محمد ریاض، مرکزی جامع مسجد شیرانوالہ باغ، گوجرانوالہ

فہرست عنوانات

باب دوم: عہد نبویﷺ کی رکعات تراویح

باب سوم: سنت خلفائے راشدینؓ

باب چہارم: تعامل خیر القرون

باب پنجم: رکعات تراویح اور اجماع امت

باب ششم: اصطلاح تراویح اور تعداد تراویح

باب ہفتم: سنن التراویح

باب ہشتم: مذاہب غیر مقلدین

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم ۔ اما بعد

برادران اہل سنت والجماعت! یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اہل سنت والجماعت کے تمام مکاتب فکر کے نزدیک نماز تراویح ایک مستقل اور مسنون عبادت ہے جو اپنی معروف ہیئت و کیفیت اور اپنے مخصوص نتائج وثمرات کے حوالے سے ایک جداگانہ حیثیت رکھتی ہے کسی مستقل عبادت کو غیر مستقل، عارضی اور وقتی صورت ہرگز نہیں جیسے کہ عصر حاضر کے غیر مقلدین حضرات اسے تہجد کی تبدیل وقتی صورت کے حوالے سے متعارف کرانے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں۔ فرمان نبوی کی روشنی میں نماز تراویح حصول اجر وثواب اور امید نجات ومغفرت کا ایک نمونی ذریعہ ہے جس کے ادا کرنے والے کے لیے غفر لہ ما تقدم من ذنبہ کی نبوی سند موجود ہے۔

لیکن بدقسمتی سے برصغیر پاک وہند کے اندر جونہی عہد میں فرنگی سامراج کی رسوائے زمانہ پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کے تحت غیر مقلدین کے نومولود فرقے نے حصول برکات کے لیے نماز تراویح کو بھی عنوان کارزار بنا کر تفریق وانتشار کی بھینٹ چڑھا دیا اور رمضان المبارک کے بابرکت وپرعظمت مہینہ میں رکعات تراویح کے نام سے ایسا دنگل کھڑا کر دیا کہ بجائے اس کے کہ اپنے پیدا کردہ سلاسل ہونے کا افسوس جاتا رہا کیونکہ رمضان المبارک میں بھی اس کی تحریک مسلسل روشنی کو قیادت اور کارندے میسر آ گئے۔ یہ ایک مسلمہ اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ برصغیر کے فرنگی اقتدار سے قبل رکعات تراویح کے عنوان پر بحث ومناظرے کے آثار کہیں بھی نظر نہیں آتے۔ تفریق وفساد کی اس بھٹی میں جھونکنے کے لیے سارا ایندھن فرنگی سامراج کا فراہم کردہ ہے یعنی جس مسئلہ پر پوری امت مسلمہ کا اندازہ غیر مبدل

وحدت موجود تھی، اسے بھی متنازعہ بنا کر امت کی وحدت پارہ پارہ کر دی گئی۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

زیر نظر رسالہ ''الکلام الفصیح فی رکعات التراویح'' تقریباً دو سال قبل ترتیب دیا گیا تھا لیکن دیگر مصروفیات کی وجہ سے اس پر نظر ثانی کا موقع نہیں مل رہا تھا۔مناظر اسلام، وکیل احناف حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ اس کا بے ترتیب ومنتشر مسودہ ملاحظہ فرما چکا تھے اور جلد اس کی اشاعت پر مصر تھے لیکن قانون قدرت کے تحت وہ اس کی اشاعت تک اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور مطبوعہ حالت میں اسے ملاحظہ نہ فرما سکے۔البتہ یہ چیز میرے لیے قابل مسرت واطمینان ہے کہ اس رسالہ کا کثیر حصہ ان کی نظر سے گزر چکا ہے۔خدا تعالیٰ ان کی قبر پر اپنی ان گنت رحمتیں برسائے اور انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔آمین یا رب العالمین۔

اس رسالہ میں اہل سنت والجماعت کے متواتر ومتوارث نظریہ رکعات تراویح کی ترجمانی کی گئی ہے۔اپنے ناقص علم وفہم کے مطابق ہم نے بھرپور کوشش کی ہے کہ زیر بحث مسئلہ کا کوئی پہلو بھی تشنہ نہ رہے اور ہر پہلو پر مدلل وضروری بحث کر لی جائے۔اس مقصد میں ہم کہاں تک کامیاب ہو سکے ہیں؟ یہ فیصلہ کرنا قارئین کرام کا کام ہے۔بہرحال بشری کمزوریوں کے تحت رونما ہونے والی اغلاط اور کوتاہیوں پر ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں اور حضور الٰہی میں دعا گو ہیں کہ خدا تعالیٰ اس رسالہ کو جملہ اہل اسلام کی ہدایت ونجات کا ذریعہ بنائے۔آمین یا رب العالمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

خاکپائے احناف وننگ اسلاف

عبدالحق خان بشیر

مدرسہ حیات النبیؐ، محلہ حیات النبیؐ، گجرات

باب اول

عہد نبوی ﷺ کی جماعت تراویح اور مختلف نقطہ ہائے نظر

اہل سنت والجماعت کے عقائد وافکار کی روشنی میں احکامات شرعیہ کے بنیادی مآخذ صرف قرآن وسنت ہیں اور یہی دستور اسلامی کا ''سپریم لا'' ہیں۔ باقی تمام دلائل شرعیہ جزوی، ذیلی اور ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس اظہار حقیقت کے بعد یہ بھی امر واقعہ ہے کہ ہمارا زیر بحث موضوع (قیام رمضان) قرآنی احکامات سے ہرگز متعلق نہیں بلکہ اس کا تمام تر انحصار سنت نبویؐ اور اس کے ذیلی دلائل (یعنی سنت خلفاء راشدینؓ، تعامل صحابہ کرامؓ اور اجماع امت وغیرہ) پر ہے اس لیے پہلے ہم عہد نبوی کی اس باجماعت نماز کا جائزہ لیں گے جو اس مسئلہ کی اساس وبنیاد ہے۔

عہد نبوی کی جماعت تراویح

اس بارے میں کتب احادیث کے اندر چار روایات مذکور ہیں۔ آیئے پہلے وہ ملاحظہ فرمالیں۔

(۱) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ رمضان المبارک کے روزے رکھے۔ پورا مہینہ آپ نے (فرائض کے علاوہ) ہمیں کوئی نماز نہ پڑھائی۔ جب مہینہ ختم ہونے میں سات دن باقی رہ گئے تو آپ نے ہمیں ایک تہائی رات تک نماز پڑھائی۔ اگلی رات ہمیں نماز نہ پڑھائی۔ پانچ دن باقی رہ گئے تو آپ نے ہمیں نصف رات تک نماز پڑھائی۔ اگلی رات پھر نماز نہ پڑھائی۔ تین دن باقی رہ گئے تو آپ نے ہمیں اختتام سحری کے قریب تک نماز پڑھائی۔ پھر اس کے بعد نماز نہ پڑھائی۔ (ابوداؤد ج ا ص ۱۹۵۔ ترمذی ج ا ص ۱۶۶۔ نسائی ج ا ص ۱۸۲۔ ابن ماجہ ص ۹۵)

(۲) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں رمضان

المبارک کی تیئیسویں شب کو تہائی رات تک، پچیسویں شب کو نصف رات تک اور ستائیسویں شب کو اختتام سحری کے قریب تک نماز پڑھائی۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۸۲۔ قیام اللیل للمروزیؒ ص ۱۵۴)

(۳) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ماہ رمضان میں مسجد کے اندر کپڑے کا ایک خیمہ بنوایا اور رمضان المبارک میں کئی رات تک اس میں نماز پڑھی حتیٰ کہ لوگ بکثرت جمع ہو کر آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگے۔ ایک رات لوگ بکثرت جمع ہوئے مگر آپ اپنے خیمہ سے باہر تشریف نہ لائے۔ لوگوں نے آوازیں بلند کیں اور خیمہ کے دروازہ پر کنکریاں پھینکیں تاکہ آپ باہر نکل کر نماز پڑھائیں۔ آپ غصہ کی حالت میں باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ تمہارا یہ عمل جاری رہا تو مجھے خطرہ ہے کہ یہ نماز تم پر کہیں فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم اسے قائم نہ رکھ سکو۔ جاؤ اپنے گھروں میں جا کر یہ نماز پڑھو کیونکہ فرائض کے علاوہ تمہاری بہترین نماز وہی ہے جو گھروں میں ادا کی جائے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۱۔ مسلم ج ۱ ص ۲۶۶)

(۴) ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان کی ایک شب مسجد کے اندر نماز پڑھی اور چند صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بھی آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ دوسری رات لوگ زیادہ جمع ہوئے اور آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ تیسرے یا چوتھے روز لوگ بکثرت جمع ہوئے مگر آپ باہر تشریف نہ لائے۔ صبح کے وقت لوگوں سے فرمایا، تمہارا حال مجھ سے پوشیدہ نہ تھا لیکن مجھے یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں یہ نماز بھی تم پر فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم اسے قائم کرنے سے قاصر رہو۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۶۹۔ مسلم ج ۱ ص ۲۵۹۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۹۵)

یہی وہ باجماعت نماز نبوی ہے جسے قیام رمضان کا نام دیا گیا ہے اور قیام رمضان کی مسنون حیثیت عملی اعتبار سے اسی جماعت کے محور پر گھومتی ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے آپ کی اقتدا میں یہ نماز پڑھی لیکن ان کے جوش عبادت میں شدت کی وجہ سے شفقت نبوت نے خوف فرضیت کی بنا پر ان کو اس باجماعت نماز سے منع فرما دیا کہ شاید بعد کی امت اسے قائم رکھنے سے قاصر رہے۔

عمل نبوی ﷺ میں عمل صحابہ

روایات صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق خوف فرضیت کی بنا

پر صحابہ کرامؓ نے اقتداءِ پیغمبرؐ میں تو قیام رمضان باجماعت ترک کر دیا لیکن انفرادی طور پر اور متفرق جماعتوں کی صورت میں اس نماز کا سلسلہ جاری رکھا چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ :

کان الناس یصلون فی المسجد فی رمضان اوزاعا یعنی صحابہ کرامؓ ٹولیوں کی صورت میں مسجد کے اندر نماز پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۵) امام بغویؒ اور علامہ عینیؒ لفظ اوزاع کا معنی متفرق جماعتیں کرتے ہیں۔ (شرح السنۃ ج ۲ ص ۱۱۹۔ عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۲۶) اور حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ وحاصلہ ان بعضھم کان یصلی منفردا وبعضھم یصلی جماعۃ یعنی عہد نبویؐ میں بعض صحابہؓ قیام رمضان انفرادی طور پر ادا کرتے اور بعض جماعت کرا لیتے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۵۲)

حضرت ثعلبہ بن مالک القرظی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ :

''ماہ رمضان کی ایک شب آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ کچھ لوگ مسجد کے کونے میں باجماعت نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ کچھ لوگوں کو زیادہ قرآن پاک یاد نہیں، اس لیے وہ ابی بن کعبؓ کی اقتدا میں قرآن پاک سن رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، قد احسنوا۔ یا اچھا کر رہے ہیں۔ یا فرمایا، قد اصابوا۔ یہ صحیح کر رہے ہیں۔ ولم یکرہ ذالک لھم اور ان کے اس عمل کو آپ نے ناپسند نہ فرمایا۔'' (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۴ ص ۳۹)

یعنی عہد نبویؐ میں اقتداءِ پیغمبرؐ کی باجماعت نماز کا سلسلہ ختم ہونے کے باوجود قیام رمضان بھی جاری تھا اور صحابہ کرامؓ کے عمل کی صورت میں متفرق جماعتوں کا سلسلہ بھی موجود تھا جو آنحضرت ﷺ کے علم میں تھا اور آپ نے اس سلسلے کو ناپسند نہیں فرمایا جو آپ کی تقریری سنت ہونے کی دلیل ہے البتہ اس کی مسنون صورت متعین نہ ہونے کی وجہ سے بعض صحابہ کرامؓ یہ نماز انفرادی طور پر پڑھ لیتے اور بعض چھوٹی چھوٹی متفرق جماعتیں کرا لیتے۔

نوٹ: یہاں یہ حقیقت ذہن نشین رکھنی ضروری ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مذکورہ نماز میں رکعات کا ذکر کہیں بھی نہیں ملتا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی یہ نماز غیر متعین رکعات پر مبنی تھی ورنہ یہ بات ناقابل

فہم اور نا قابل تسلیم ہے کہ جماعت صحابہؓ کی کثیر تعداد ایک نماز کو مستقل طور پر ادا کرنے اور اس نماز کی مسنون متعین رکعات ان کے حوالے سے منقول و مذکور نہ ہوں اور پھر بخاری و مسلم کے حوالے سے حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت میں گزر چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ کے خیمہ سے باہر تشریف نہ لانے پر آوازیں بلند کیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ سورۂ حجرات کی ان آیات کے نزول سے قبل کا ہے جن میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سامنے اپنی آواز بلند کرنے اور آپ کو حجرہ کے باہر سے آوازیں دینے کو اعمال ضائع ہونے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے اور حبط اعمال کی یہ آیات قبیلہ بنو تمیم کے وفد کی آمد پر نازل ہوئیں جب انہوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو حجرہ کے باہر کھڑے ہو کر آوازیں دینی شروع کیں اور یہ وفد محرم الحرام ۹ ہجری میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۳ ص ۴۷۔ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۸۵) جبکہ ۸ ہجری کا رمضان حضور علیہ السلام کا فتح مکہ کی مہم میں صرف ہوا اور ۱۱ ہجری کے ربیع الاول میں آپ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ اس اعتبار سے اگر حضرت زید بن ثابتؓ کا واقعہ قیام رمضان ۷ ہجری میں بھی تسلیم کیا جائے تو بھی اس کے بعد صحابہ کرامؓ نے عہد نبوی کے تین رمضان گزارے ہیں۔ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ اگر قیام رمضان کی رکعات متعین ہیں تو ہر سال پورے شوق و اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کے باوجود صحابہ کرامؓ سے ان کی متعین رکعات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا؟

مختلف نقطہ ہائے نظر

سب سے پہلے زیر بحث مسئلے سے متعلق ان نقطہ ہائے نظر کا جائزہ لینا ضروری ہے جو قیام رمضان کے بارے میں اب تک سامنے آ چکے ہیں اور ہمارے ناقص مطالعہ کے مطابق وہ تین ہیں:

پہلا نقطہ نظر: اس بارے میں پہلا نقطہ نظر جمہور اہل سنت والجماعت کا ہے جو قیام رمضان کو ایک مسنون اور مستقل عبادت قرار دیتے ہیں۔ کسی مستقل عبادت کی ثانوی یا غیر مستقل صورت تسلیم نہیں کرتے۔ زیر نظر رسالہ میں بحمد اللہ تعالیٰ اسی نقطہ نظر کی وضاحت و ترجمانی کی گئی ہے۔

دوسرا نقطہ نظر: اس بارے میں دوسرا نقطہ نظر عصر حاضر کے بعض غیر مقلدین کا ہے جو قیام رمضان کی مسنون حیثیت کو تو تسلیم کرتے ہیں (اگرچہ ان میں سے بعض اسے بدعت

وضلالت بھی قرار دیتے ہیں۔ اس کی تفصیلات آخری باب میں ملاحظہ فرمایئے) لیکن اس کی مستقل حیثیت تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں یعنی نہ تو وہ روافض کی طرح اس کی مشروعیت سے انکاری ہیں اور نہ اہل سنت کی طرح اس کی مستقل حیثیت کے اقراری بلکہ ان دونوں کے درمیان اپنا ایک جداگانہ مسلک رکھتے ہیں کہ قیام رمضان اور تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔ چنانچہ

مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ فرماتے ہیں کہ

''بعض لوگ تراویح اور تہجد کو الگ الگ دو نمازیں سمجھتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ اس کی کوئی دلیل حدیث سے نہیں ملتی۔'' (رسول اکرم کی نماز ص ۹۸)

ایک اور غیر مقلد محقق حکیم محمد صادق سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ

''حضورﷺ جو تہجد اور وتر غیر رمضان میں نیند سے اٹھ کر پڑھتے تھے، رمضان میں وہی تہجد اور وتر تراویح کے نام سے نیند سے قبل بعد عشا پڑھ لیتے تھے۔'' (صلوۃ الرسول ص ۳۸۰)

حالانکہ تراویح بعد کی اصطلاح ہے۔ آنحضرتﷺ نے تراویح کے نام سے کبھی کوئی نماز نہیں پڑھی۔

تیسرا نقطہ نظر: اس بارے میں تیسرا نقطہ نظر روافض کا ہے جو باجماعت قیام رمضان کو بدعت وضلالت قرار دیتے ہیں چنانچہ روافض کی مستند کتب میں یہ صراحت موجود ہے کہ

''اے لوگو، رمضان کی راتوں میں نوافل کی جماعت اور اس کے لیے اجتماع بدعت ہے، گناہ ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم کی طرف لے جانے والی ہے۔'' (من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۸۸)

عصر حاضر کے منکرین حدیث بھی اسی تیسرے نقطہ نظر کے موید ہیں چنانچہ ان کے پیشوا مولوی عبد اللہ چکڑالوی (جو پہلے غیر مقلد تھے، بعد میں ترقی کر کے منکر حدیث بن گئے) نے ایک رسالہ ''البیان الصریح لاثبات کراہۃ التراویح'' کے نام سے تحریر کیا جس میں قیام رمضان کو بدعت وضلالت ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی گئی۔

قادیانیت، رافضیت اور غیر مقلدیت کی فکری وحدت

اپنے اپنے مخصوص عقائد ونظریات کے اعتبار سے قادیانیت، رافضیت اور غیر مقلدیت تینوں الگ الگ مکاتب فکر ہیں لیکن اہل سنت والجماعت بالخصوص احناف کے خلاف متعدد مقامات پر ان

تینوں کے درمیان بعض مسائل میں فکری وحدت و یک جہتی پائی جاتی ہے۔ انہی میں سے ایک فکر تہجد وتراویح کو ایک نماز قرار دینے کی ہے۔ روافض بھی تہجد وتراویح کو غیر مقلدین کی طرح ایک ہی نماز قرار دے کر اس کی گیارہ رکعات مانتے ہیں چنانچہ ان کی مستند کتب میں لکھا ہے کہ :

''عبداللہ بن سنان نے امام جعفر صادق سے قیام رمضان کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ سنت فجر اور وتر سمیت تیرہ رکعتیں ہیں۔'' (من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۸۹)

اور روافض کے عصر حاضر کے امام آیت اللہ الخمینی لکھتے ہیں کہ پہلے آٹھ رکعات نماز تہجد کی نیت سے دو دو رکعت کر کے نماز صبح کی طرح پڑھیں گے، پھر دو رکعت نماز شفع کی نیت سے پھر ایک رکعت نماز وتر کی نیت سے پڑھیں گے۔ (آئین سعادت ص ۱۸۱)

بعینہ یہی نقطہ نظر قادیانیوں کا ہے جو ان کی فقہ حنفی کے خلاف لکھی گئی فقہ احمدیہ ص ۳۸ میں مذکور ہے اور مرزا غلام احمد قادیانی کے عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے مرزا بشیر احمد ایم اے لکھتے ہیں کہ :

''ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ۱۸۹۵ء میں مجھے تمام ماہ رمضان قادیان میں گزارنے کا اتفاق ہوا اور میں نے تمام مہینہ حضرت (مرزا قادیانی) صاحب کے پیچھے نماز تہجد یعنی تراویح ادا کی۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ وتر اول شب پڑھ لیتے اور نماز تہجد ۸ رکعات آخر شب میں ادا فرماتے۔'' (سیرت المہدی ج ۲ ص ۱۲) گویا

تھیں میری اور رقیب کی راہیں جدا جدا
آخر کو دونوں ہم در جاناں پہ جا ملے

کیا تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہیں؟

مذکورہ تینوں نقطہ ہائے نظر میں سے اب ہم اس نقطہ نظر پر بحث کریں گے جو دلائل و براہین کی روشنی میں صداقت پر مبنی ہے اور اس کی حقانیت روز روشن کی طرح واضح ہے اور وہ نقطہ نظر جمہور اہل سنت والجماعت کا ہے جو تہجد اور تراویح کو دو الگ الگ اور مستقل نمازیں قرار دیتے ہیں۔ آیئے ان کے دلائل ملاحظہ فرمایئے۔

پہلی دلیل، تہجد قرآنی مسئلہ ہے

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ قیام رمضان کا تعلق سنت نبوی سے ہے جبکہ تہجد خالص قرآنی مسئلہ

ہے۔سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیت فتھجد بہ نافلۃ لک اس پر صریح دلیل ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں۔

﴿دوسری دلیل﴾ تہجد کی فرضیت منسوخ ہو چکی تھی

اوراق گزشتہ میں بصراحت گزر چکا ہے کہ قیام رمضان کا باجماعت سلسلہ خوف فرضیت کی وجہ سے ترک کیا گیا جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز تہجد ہرگز نہیں ہو سکتی کیونکہ نماز تہجد مکی زندگی میں کچھ عرصہ تک فرض رہ چکی تھی جس کے بعد اس کی فرضیت منسوخ کر دی گئی لہٰذا دوبارہ اس کی فرضیت کا اندیشہ نہ تھا چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ نے سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات میں قیام لیل فرض فرمایا۔ایک سال تک آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے یہ فرض نماز ادا کی۔ایک سال بعد سورہ کا آخری حصہ نازل ہوا جس میں تخفیف کا حکم آیا۔فصار قیام اللیل تطوعا بعد فریضۃ تو قیام لیل کی فرضیت ختم ہوگئی اور وہ نفل ہو گیا۔(مسلم ج ۱ ص ۲۵۶۔ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۰)

مشہور تابعی حضرت سعید بن الجبیرؒ فرماتے ہیں کہ دس برس تک آپ اور صحابہ کرامؓ قیام کرتے رہے۔دس سال بعد سورۂ مزمل کا آخری حصہ نازل ہوا۔(تفسیر مواہب الرحمٰن پارہ ۲۹ ص ۲۵۶)

جمہور ائمہ اہل سنت کے نزدیک ترتیب وحی کے اعتبار سے سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات کا نزول تیسرے نمبر پر ہوا۔پہلے سورۂ علق کی پہلی پانچ آیات، پھر سورۂ فاتحہ اور پھر سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔اس اعتبار سے گویا بعثت نبوی کے فوراً بعد نماز تہجد فرض ہو چکی تھی۔حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت کے مطابق ایک سال بعد اور دیگر روایت کے مطابق پانچ نمازوں کی فرضیت کے بعد تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی۔مورخ اسلام حضرت مولانا علامہ سید محمد سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پہلے رات کی نماز دیر تک فرض تھی۔بعدازیں فاقرء وا ما تیسر من القرآن کی آیت سے یہ منسوخ ہو گیا اور صرف تھوڑی رات تک نماز فرض رہ گئی۔اس کے بعد نماز پنج گانہ نے اس حکم کو بھی منسوخ کر دیا۔''(سیرت النبی ج ۲ ص ۶۹ حاشیہ)

گویا فرضیت کے ایک سال بعد وقت تہجد میں تخفیف ہوئی اور نماز پنج گانہ کے بعد مطلقاً اس کی فرضیت ختم کر کے اسے نفل بنا دیا گیا اور پانچ نمازیں واقعہ معراج میں فرض ہوئیں اور یہ واقعہ معراج

بتحقیق جمہور ۱۰ نبوی میں پیش آیا۔ اب قطع نظر اس سے کہ فرضیت تہجد ایک سال بعد منسوخ ہوئی یا دس سال بعد، دوبارہ اس کی فرضیت کا اندیشہ باقی نہ رہا البتہ قیام رمضان کی فرضیت کا خطرہ موجود تھا جو اس کے مستقل نماز ہونے کی واضح دلیل ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ممکن ہے بعض غیر مقلدین یہ دعویٰ کریں کہ تہجد کی دوبارہ فرضیت کا خدشہ صحابہ کرامؓ کے جوش عبادت کی وجہ سے تھا لیکن ان کا یہ دعویٰ بایں وجہ نا قابل تسلیم ہوگا کہ صحابہ کرامؓ کے جوش عبادت کی یہ کیفیت نئی نہ تھی بلکہ مکی زندگی میں وہ اس کیفیت سے پوری طرح گزر چکے تھے چنانچہ:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یا ایہا المزمل کا نزول ہوا تو لوگ قیام رمضان کی طرح قیام کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ) بلکہ حضرت جابرؓ تو فرماتے ہیں کہ رات کو تہجد میں کھڑا ہونا ہم پر ضروری کر دیا گیا تھا۔ ہم نے یہاں تک عبادت کی کہ ہمارے پاؤں متورم ہو گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رخصت اتاری۔ (الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۱)

گویا ان کے قیام لیل میں بھی قیام رمضان کی پوری کیفیت آشکارا تھی اور وہ جوش عبادت کے شدید مراحل اور روحانی لذتوں سے پوری طرح آشنا تھے اس لیے اس کی ازسرنو فرضیت کا کوئی اندیشہ نہ تھا البتہ ۲ ہجری میں جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو قیام رمضان کے سلسلے میں صحابہ کرامؓ کے اندر شدت پیدا ہونے لگی اس لیے آنحضرت ﷺ کو اس جدید عبادت کی فرضیت کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔

تیسری دلیل: نماز تہجد پیغمبر پر فرض تھی

جمہور ائمہ اہل سنت کے نزدیک نماز تہجد کی فرضیت امت پر تو ساقط ہو چکی تھی لیکن آنحضرت ﷺ پر بدستور باقی تھی جیسا کہ تفسیر مدارک التنزیل ج ۳ ص ۱۸۳ اور تفسیرات احمدیہ لملا جیونؒ ص ۶۰۵ وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔ امام ابو نصر مروزیؒ اپنی قیام اللیل میں امام ابو اسحاقؒ، امام مجاہدؒ، امام حسن بصریؒ اور امام ابو امامہؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ لا تکون نافلۃ اللیل الا للنبی ﷺ یعنی رات کی نماز صرف حضور علیہ السلام پر فرض تھی۔ (ص ۳۲) اور غیر مقلدین کے سردار اہل حدیث مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں کہ:

''(اے پیغمبر ﷺ) رات کے ایک حصے میں نیند سے اٹھ کر قرآن کے ساتھ نماز تہجد پڑھا کر یعنی نماز تہجد میں بھی قرآن ہی پڑھا کر چونکہ تو امت کے لیے ایک نمونہ اور نقشہ ہے۔ تیری اطاعت ان پر واجب ہے۔ اس لیے کوئی یہ نہ سمجھے کہ تہجد کی نماز کا حکم تجھ کو جو ہوا، تو سب امت پر تہجد کی نماز فرض ہوگئی۔ نہیں بلکہ یہ حکم تیرے حق میں اوروں سے زیادہ ہے۔ تیرے پر فرض ہے، اوروں پر فرض نہیں۔'' (تفسیر ثنائی ج ۲ ص ۲۱۰)

شاید اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ:

''اگر نیند یا کسی تکلیف کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی نماز تہجد رہ جاتی تو آپ دن کے وقت اس کی قضا کرتے اور بارہ رکعات ادا فرماتے'' (نسائی ج ۱ ص ۱۸۲۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۰۰)

اب غیر مقلدین سے ہمارا سوال یہ ہے کہ:

(۱) اگر نماز تہجد واقعی آپ پر فرض تھی تو قرآن پاک کی اصطلاحی نماز گیارہ ماہ اپنے اصل نام (یعنی تہجد) سے اور بارہویں مہینہ کسی دوسرے نام (یعنی قیام رمضان) سے کیونکر متعارف ہوسکتی ہے؟ کیا قرآن وسنت میں اس کی کوئی اور نظیر موجود ہے؟

(۲) اور اگر نماز تہجد آپ پر فرض نہ تھی تو اس پر آپ کی مواظبت کی وجہ سے یہ سنت موکدہ کیوں نہیں؟ حالانکہ اہل سنت کے ہاں یہ مسلمہ قاعدہ موجود ہے کہ

جو امور فقط آنحضرت ﷺ کے واسطے خاص تھے (مثلاً ایک وقت میں چار سے زائد شادیاں، اور نیند کا ناقض وضو نہ ہونا وغیرہ) ان کو چھوڑ کر باقی امور میں دیکھنا چاہیے کہ اگر وہ آپ پر فرض تھا اور امت پر صریح فرض نہیں کیا گیا تو وہ امت پر مستحب ہوتا ہے۔ اگر نہ کریں تو ملامت بھی نہ ہوگی۔ اور اگر وہ آپ پر نفل تھا جس کو برابر مداومت سے ادا کیا تو وہ امت کے واسطے موکدہ سنت ہے۔ نہ کریں تو ملامت کے قابل ہے۔ (تفسیر مواہب الرحمٰن پارہ ۲۹ ص ۲۵۴) اور علامہ ابن عابدین شامی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ تہجد کے سنت یا مستحب ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے کیونکہ فرامین پیغمبر ﷺ سے اس کا مستحب ہونا ظاہر ہوتا ہے اور آپ کی عملی مواظبت اس کے سنت ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہے اس لیے کہ جب کسی نفل عبادت پر آپ کی مواظبت ثابت ہوجائے تو وہ امت کے لیے سنت ہوجاتی ہے اسی لیے جو لوگ تہجد کو آپ کے حق میں فرض نہیں

مانتے، وہ اسے امت کے لیے سنت قرار دیتے ہیں اور جو لوگ اسے آپ کے لیے فرض مانتے ہیں، وہ اسے امت کے لیے مستحب قرار دیتے ہیں۔ (درمختار ج ۲ ص ۲۴) حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک آپ پر بھی تہجد کی فرضیت منسوخ ہو چکی لہٰذا وہ آپ کے لیے بھی نفل ہے اور آپ کی مواظبت کی وجہ سے امت پر سنت موکدہ ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۵ ص ۴۶۸)

غیر مقلدین پر لازم ہے کہ وہ اس بات کی وضاحت کریں کہ قیام رمضان اگر تہجد ہی کا دوسرا نام ہے تو پھر مواظبت کی وجہ سے وہ تہجد وتراویح کو سنت مؤکدہ کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ تفصیلات آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔

بلیغ اشارہ

گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کسی عذر کی بنا پر اگر رات کو تہجد کی نماز رہ جاتی تو وہ دن کو بارہ رکعات ادا فرماتے۔ ہمارے ناقص فہم کے مطابق اس میں یہ بلیغ اشارہ موجود ہے کہ تہجد کی اصل رکعات بارہ ہیں۔ (جیسا کہ آئندہ اوراق میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ آپ نے بارہ سے زائد رکعات تہجد ادا نہیں کیں البتہ اس سے کم چار تک بھی آپ نے ادا فرمائی ہیں) لیکن صحت وحالات کی مناسبت سے آپ کو اس میں کمی کا اختیار دیا گیا البتہ قضا ہونے کی صورت میں آپ پوری بارہ رکعات ادا فرماتے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ غیر مقلدین کو اس پہلو پر غور کرنا چاہیے کہ قضا ہونے کی صورت میں بہرصورت بارہ رکعات ادا کرنا آٹھ رکعات کے یقینی ہونے کی صاف نفی کرتا ہے۔

• چوتھی دلیل، تہجد کا وقت بعد النوم ہے

احادیث صحیحہ کی روشنی میں تہجد کا وقت سو کر اٹھنے کے بعد ہے اور تراویح کا وقت نماز عشا کے بعد کا اور یہی جمہور اہل سنت کا نظریہ ہے چنانچہ:

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ینام اولہ ویقوم آخرہ یعنی آنحضرت ﷺ اول شب نیند فرماتے اور آخر شب تہجد پڑھتے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۵۴) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ **والتهجد بعد النوم** (تفسیر ابن عباسؓ ص ۱۸۱) حضرت شاہ ولی اللہ الحنفی دہلویؒ فرماتے ہیں کہ تہجد کی سنتوں میں سے کہ نیند سے بیدار ہو کر ذکر کرے، مسواک کرے، وضو کرے اور گیارہ یا

تیرہ رکعات پڑھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۵۰۱) بعض غیر مقلدین کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ تراویح کا وقت عشا کی نماز کے بعد اول رات کا ہے اور تہجد کا آخر رات کا۔ (فتاویٰ علماء حدیث ج ۶ ص ۲۵۱)

سوال یہ ہے کہ جب دونوں نمازوں کے مسنون اوقات ہی الگ الگ ہیں تو دونوں کی شرعی حیثیت جدا جدا کیوں نہ ہوگی؟

«پانچویں دلیل» دونوں کے ابواب جدا جدا ہیں

ائمہ محدثین نے کتب احادیث کے اندر تہجد اور قیام رمضان کے ابواب جدا جدا قائم کیے ہیں جو ان کے الگ الگ نمازیں ہونے کی دلیل ہیں۔ مثلاً

بخاری ج ۱ ص ۱۵۱ میں تہجد اور ص ۲۶۹ میں قیام رمضان، مسلم ج ۱ ص ۲۵۳ میں صلوٰۃ اللیل اور ص ۲۵۹ میں قیام رمضان، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۵ میں تہجد اور ص ۱۹۴ میں قیام رمضان، ترمذی ج ۱ ص ۹۹ میں تہجد اور ص ۲۵۹ میں قیام رمضان، نسائی ج ۱ ص ۱۸۱ میں تہجد اور ص ۱۸۲ میں قیام رمضان، ابن ماجہ ص ۹۴ میں تہجد اور ص ۹۵ میں قیام رمضان، موطا امام مالک ص ۹۵ میں قیام رمضان اور ص ۹۹ میں تہجد، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۵ میں تہجد اور ص ۱۱۴ میں قیام رمضان، موطا امام محمد ص ۱۱۷ میں تہجد اور ص ۱۳۸ میں قیام رمضان، قیام اللیل مروزی ص ۱۵ میں تہجد اور ص ۱۵۱ میں قیام رمضان، بلوغ المرام ص ۸۳ میں صلوٰۃ التطوع اور ص ۱۵۲ میں قیام رمضان، ریاض الصالحین ص ۵۱۲ میں تہجد اور ص ۵۱۹ میں قیام رمضان کے ابواب قائم کیے گئے ہیں۔

اگر ائمہ حدیث کے نزدیک یہ ایک ہی نماز ہوتی تو وہ ہرگز ان کے الگ الگ ابواب قائم نہ کرتے اور حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدین بھی تہجد و تراویح کو حقیقتاً دو ہی نمازیں سمجھتے ہیں کیونکہ اپنی کتب میں بھی وہ ان دونوں کے الگ الگ باب قائم کرتے ہیں مثلاً نواب نور الحسن خان غیر مقلد نے عرف الجادی میں اور مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ نے ''رسول اکرم کی نماز'' میں دونوں کے الگ الگ باب قائم کیے ہیں۔

«چھٹی دلیل» فرامین پیغمبر ﷺ

اگر آنحضرت ﷺ کے فرامین وارشادات کی روشنی میں بھی دیکھا جائے تو قیام رمضان کا مستقل نماز ہونا صاف معلوم ہوتا ہے چنانچہ:

فرمان نبویؐ ہے کہ کتب اللہ علیکم صیامہ وسننت لکم قیامہ (ابن ماجہ ص ۹۵۔ نسائی ج ۱ ص ۱۳۹) اس حدیث کی شرح میں امام کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ وسننت لکم قیامہ کا فرمان نبوی قیام رمضان کی سنیت پر دلالت کرتا ہے اور اس سے بالا جماع تراویح مراد ہے۔ (اعلاء السنن ج ۷ ص ۵۷) دوسرے مقام پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: من صام رمضان وقام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه یعنی جس نے ایمان اور فکر صالح کے ساتھ رمضان کا قیام کیا اور رمضان کے روزے رکھے اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے گئے۔
(بخاری ج ۱ ص ۲۶۹۔ مسلم ج ۱ ص ۲۵۹)

یہ دونوں احادیث مبارکہ صاف اعلان کر رہی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک روزے اور قیام دونوں رمضان کی مخصوص عبادات ہیں۔ پہلی من جانب اللہ فرض اور دوسری من جانب رسول سنت ہے۔ چونکہ نماز تہجد تو ترغیب پیغمبرؐ کی بنا پر صحابہ کرامؓ پہلے ہی ادا کر رہے تھے اس لیے اسے کسی نئے عنوان سے مسنون کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اسے اسی عنوان سے رمضان کے اضافی ثواب کے ساتھ متعارف کرایا جا سکتا تھا جیسے فرض نمازوں اور دیگر عبادات میں رمضان المبارک کے اضافی ثواب کی روایات بکثرت موجود ہیں۔ نیز نماز تہجد کی نسبت جب قرآن پاک کے اندر خدا تعالیٰ کی طرف موجود ہے تو پھر صرف رمضان کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کو اس کی نسبت اپنی طرف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

ساتویں دلیل، سیرت رسول ﷺ

فرامین پیغمبرؐ کے بعد اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں بھی ہمیں اس حقیقت کا جائزہ لینا ہے کہ کیا واقعی آپ کی رمضان اور غیر رمضان کی نماز ایک تھی یا رمضان کے اندر اس میں کوئی کمی بیشی رونما ہوتی تھی؟ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ:

جب ماہ رمضان آتا تو تغیر لونہ آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ وکثرت صلوته اور آپ کی نماز میں اضافہ ہو جاتا۔ (شعب الایمان للبیہقی ج ۳ ص ۳۱۰) یجتهد فی العشر الاواخر ما لا یجتهد فی غیره۔ بقیہ ایام کی نسبت آخری عشرے میں آپ عبادت کے اندر زیادہ کوشش فرماتے۔ (مسلم ج ۱ ص ۳۷۲)

یعنی غیر رمضان کی نسبت رمضان المبارک کے اندر آپ کی عبادت میں کثرت پیدا ہو جاتی اور

اسی کثرت صلوٰۃ کا نام زبان نبویؐ میں قیام رمضان اور اصطلاح شریعت میں تراویح ہے چنانچہ

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ آپ رمضان میں دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ نماز پڑھتے باعتبار رکعت کے بھی اور باعتبار خشوع کے بھی۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۴۵۰) اور نواب صدیق حسن خان غیر مقلدؒ فرماتے ہیں کہ احادیث صحیحہ میں (رمضان کی اضافی) رکعات کی تعیین نہیں آئی البتہ حدیث ما لا یجتھد فی غیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عددھا کان کثیرا یعنی رکعات کی تعداد بکثرت تھی۔ (الانتقاد الرجیح ص ۶۱)

نواب صاحب اس جگہ تین چیزوں کا برملا اعتراف فرمار ہے ہیں:

(۱) قیام رمضان مستقل نماز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تہجد وتراویح الگ الگ پڑھتے تھے۔ حوالہ آگے اپنے مقام پر آئے گا ان شاء اللہ۔ (۲) احادیث صحیحہ سے قیام رمضان کی رکعات ثابت نہیں۔ (۳) البتہ رکعات کی تعداد بکثرت تھی۔

اب غیر مقلدین سے ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر حدیث عائشہ صدیقہؓ (یزید فی رمضان و لا فی غیرہ) کو تہجد وتراویح دونوں پر محمول کیا جائے تو کثرت صلوتہ اور ما لا یجتھد فی غیرہ کی روایات عائشہؓ کا مطلب ومفہوم کیا ہوگا؟ کیونکہ بظاہر دونوں دوام پر دلالت کرتی ہیں۔ پہلی حدیث کا مطلب ہے کہ آپ رمضان وغیر رمضان میں ہمیشہ گیارہ رکعات پڑھتے تھے، ان میں اضافہ نہ فرماتے۔ اور دوسری احادیث کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے اندر آپ کی نماز میں ہمیشہ کثرت پیدا ہو جاتی تھی۔ کیا غیر مقلدین ان روایات میں تطبیق پیدا کرسکیں گے؟ جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہمارے موقف کے مطابق پہلی حدیث عائشہؓ رمضان وغیر رمضان کی نماز تہجد پر دلالت کرتی ہے اور دوسری روایات عائشہؓ قیام رمضان کی مستقل حیثیت پر لہٰذا دونوں الگ الگ اور مستقل نمازیں ٹھہریں۔

نکتہ عجیبہ

کثرت کا اطلاق یوں تو ایک عدد کی زیادتی پر بھی ہو جاتا ہے لیکن عرفاً اس کا اطلاق تقریباً دوگنا چیز پر ہوتا ہے۔ اس پہلو سے اگر دیکھا جائے تو آپ کے قیام اللیل کا معمول رات کے آخری تہائی حصہ میں تھا جس میں آپ عموماً گیارہ رکعات ادا فرماتے۔ چونکہ رمضان المبارک میں آپ کا معمول شب بیداری کا تھا اس لیے ایک تہائی کی گیارہ رکعات کے حساب سے تین تہائیوں کی تینتیس رکعات بنتی

ہیں۔ تین وتر الگ کر کے فی تہائی دس رکعات رہ جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے غالباً آپ کی ترتیب اس طرح ہوگی کہ پہلی دو تہائیوں میں بیس رکعات قیام رمضان اور آخری تہائی میں معمول کے تہجد کبھی گیارہ اور کبھی تیرہ ادا فرماتے۔ نواب صدیق حسن خان کا جملہ ان عددھا کان کثیر ۹ بھی بظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

دسویں دلیل، عہد نبوی کا اقدام

روایات صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عہد نبویؐ میں بھی تہجد و تراویح کو الگ الگ اور مستقل نمازیں تسلیم کرنے کا واضح تصور موجود تھا۔ چنانچہ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ

> عہد نبوی میں ایک بار ہلال رمضان نظر نہ آیا تو فارادوا ان لا یصوموا و لا یقوموا۔ روزہ نہ رکھنے اور قیام نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ اچانک وادی حرہ سے ایک اعرابی نے حاضر خدمت ہو کر چاند دیکھنے کی شہادت دی چنانچہ اس کے ایمان و اعتقاد کی تصدیق کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کے حکم پر حضرت بلالؓ نے اعلان کیا: ان یصوموا و ان یقوموا۔ لوگو روزہ بھی رکھو اور قیام بھی کرو۔ (دار قطنی ج ۲ ص ۱۵۹)

یہ روایت بھی شہادت دیتی ہے کہ صیام رمضان کی طرح قیام رمضان بھی ہلال رمضان کے ساتھ مشروط ہے ورنہ آپ چاند نظر نہ آنے کی بنا پر قیام رمضان سے منع نہ فرماتے اور طلوع چاند کی اطلاع پر قیام رمضان کا اعلان نہ فرماتے۔ ممکن ہے غیر مقلدین حضرات اس روایت پر یہ اعتراض کریں کہ امام دار قطنی اس روایت کے آخر میں فرماتے ہیں کہ ولم یقل فیہ ویقوموا غیر حماد یعنی اس روایت میں یقوموا کے الفاظ حماد کے علاوہ کسی سے منقول نہیں گویا یہ حماد کی زیادت ہے لیکن غیر مقلدین کا یہ اعتراض بایں وجہ نا قابل قبول ہوگا کہ حماد بن سلمہ باتفاق محدثین ثقہ راوی ہے اور ثقہ راوی کی زیادت باتفاق محدثین مقبول و معتبر ہے۔

گیارہویں دلیل، صحابی کا عمل

مشہور صحابی رسول حضرت عقبہ بن عامرؓ (جو ہجرت رسول کے وقت مسلمان ہو کر دس سال خدمت رسول میں رہے اور ۵۸ ہجری میں وفات پائی) کے بارے میں امام محمد بن نصر مروزیؒ فرماتے ہیں کہ:

> لم یکن عقبة بن عامر اذا رای الھلال رمضان یقوم تلک اللیلة حتی یصوم

یوما ثم یقوم بعد ذالک یعنی حضرت عقبہ بن عامرؓ ہلال رمضان کو دیکھ کر اسی رات قیام رمضان نہ کرتے بلکہ دوسرے دن روزہ رکھنے کے بعد رات کو قیام کرتے۔ (قیام اللیل ص ۱۵۶)

ممکن ہے وہ صوم کی فرضیت اور قیام کی سنیت کا لحاظ کرتے ہوئے فرض کو سنت پر مقدم کرتے ہیں جیسا کہ علامہ احمد بن علی المقریزیؒ (التوفی ۸۴۵ھ) اسی روایت کے حاشیے میں فرماتے ہیں کہ:

کانہ رضی اللہ عنہ لم یقم اول لیلۃ حذرا من تاخیر ما ھو احق و آکد وھو الصوم لافتراضہ وتقدیم ما ھو دونہ وھو القیام فقدم زمانا ما ھو اقدم رتبۃ و آخر ما ھو الآخر یعنی وہ اس خیال سے روزہ کو قیام پر مقدم کرتے کہ روزہ فرض ہونے کے اعتبار سے مقدم ہے اور قیام فرض نہ ہونے کے اعتبار سے موخر۔ (قیام اللیل ص ۲۱۸ مطبوعہ اہل حدیث اکادمی فیصل آباد)

قطع نظر اس سے کہ قیام کو صوم سے موخر کرنے کی علت کیا تھی؟ یہ حقیقت واضح ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ جیسا جلیل القدر صحابی قیام رمضان کو رمضان ہی کی عبادت جانتا تھا۔

•دسویں دلیل• دوسرے صحابی کا عمل

تہجد وتراویح کو الگ الگ نماز سمجھنے کی بنا پر صحابہ کرامؓ دونوں کو الگ الگ ہی ادا فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت قیس بن طلقؒ تابعی فرماتے ہیں کہ:

ہمارے والد طلق بن علیؓ (صحابی) ماہ رمضان میں ایک روز ہمارے گھر تشریف لائے۔ آپ نے روزہ افطار کیا اور رات کو ہمیں وتر سمیت نماز پڑھائی۔ پھر اپنی مسجد میں تشریف لے گئے اور اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی لیکن وتروں کے لیے کسی اور کو آگے کر دیا اور فرمایا، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ ایک رات میں دو دفعہ وتر نہیں۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۳)

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت طلق بن علیؓ نے اول شب گھر کے اندر تراویح پڑھائی اور آخر شب مسجد کے اندر تہجد پڑھائی اور وتر تراویح کے ساتھ ادا فرمائے۔ ان کے اس عمل سے معلوم ہو گیا کہ وہ بھی تہجد اور تراویح کو الگ الگ نماز ہی سمجھتے تھے اور الگ الگ ہی ادا کرتے تھے۔

ایک مغالطہ اور اس کا جواب

عام طور پر غیر مقلدین یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ عہد نبویؐ میں ایام ثلاثہ کی

باجماعت نماز کے علاوہ آپ کا کوئی اور نماز پڑھنا ثابت نہیں لیکن ان سے ہمارا سوال یہ ہے کہ۔

(۱) جس عمل کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی مداومت ثابت ہو چکی ہو، کیا اس کے لیے ہر روز کے عمل کا علیحدہ ثبوت تلاش کرنا صحیح اور ممکن بھی ہے؟..... (۲) ایام ثلاثہ میں اگر باجماعت نماز کے علاوہ کسی اور نماز کا ذکر موجود نہیں تو کیا یہ عدم ذکر عدم وجود پر دلیل بن سکتا ہے؟.....

(۳) ایام ثلاثہ کی پہلی شب میں آپ ایک تہائی رات تک اور دوسری شب میں نصف رات تک باجماعت نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ ان دونوں راتوں کے بقیہ حصے آپ نے کیسے گزارے؟ نیند میں یا عبادت میں؟ اگر عبادت میں گزارے تو وہ عبادت کون سی تھی؟ اگر وہ عبادت نماز تھی (جیسا کہ رات کی عبادت آپ کی نماز ہی ہوتی تھی) تو غیر مقلدین کا دعویٰ باطل اور اگر کوئی اور عبادت تھی تو احادیث صحیحہ سے اس کا ثبوت دیا جائے۔..... (۴) باقی رہی بات تیسری شب کی کہ اس میں باجماعت نماز اختتام سحری کے قریب ختم ہوئی۔ کسی اور نماز کے پڑھنے کا وقت ہی نہیں بچا ہوگا تو اس پر ہمارا سوال یہ ہے کہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں اختتام جماعت اور اختتام سحری کے درمیانی وقت کی تعیین بتائی جائے تاکہ فیصلہ کیا جا سکے کہ اس مین نماز تہجد ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ پھر اس کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس درمیانی وقت میں آپ نے سحری کھائی یا نماز پڑھی؟ اور یہ بھی ممکن ہے کہ قلت وقت کی بنا پر نماز تہجد رہ گئی ہو جو آپ نے حسب معمول دن کو قضا کر لی ہو۔

غرضیکہ اگر اس کی تحقیق قیاس ہی کی بنیاد پر کرنی ہے تو قیاس غالب یہ کہتا ہے کہ آپ نے نماز تہجد ضرور ادا کی ہوگی جیسا کہ بعض غیر مقلدین بھی اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ (تفصیلات آخری باب میں ملاحظہ فرمایئے) جہاں تک ہمارے موقف کا تعلق ہے تو قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی الحنفی فرماتے ہیں کہ:

''جناب رسول اللہ ﷺ کے فعل سے صراحتاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جب آپ نے اول رات میں تین روز تراویح پڑھی تو اخیر وقت میں تہجد پڑھا یا نہیں؟ مگر فعل بعض صحابہؓ سے اس کا نشان ملتا ہے۔ اس حدیث (جو قیس بن طلقؓ کے حوالے سے اوپر گزر چکی ہے۔ بشیر) سے معلوم ہوا کہ دونوں وقت میں نماز پڑھی گئی اور صحابہ کرامؓ اتباع رسول اللہ میں نہایت سرگرم تھے سو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے وقت میں تہجد پڑھا ہوگا۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۶۱)

غور فرمایئے کہ ہمارا استدلال قول محض پر نہیں بلکہ عمل صحابی پر ہے۔

• گیارھویں دلیل: امام بخاری کا عمل

غیر مقلدین حضرات حدیث حضرت عائشہؓ (یزید فی رمضان ولا فی غیرہ) کے حوالے سے یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ امام بخاری چونکہ اس حدیث کو تہجد کے باب میں لائے ہیں اس لئے ان کے نزدیک بھی تہجد و تراویح ایک ہی نماز ہے حالانکہ امام بخاری اس حدیث کو تہجد کے باب میں بھی لائے ہیں اور قیام رمضان کے باب میں بھی جو اس بات کی صریح دلیل ہے کہ وہ اس کو رمضان و غیر رمضان دونوں میں تہجد پر ہی محمول کرتے ہیں اور اس پر ان کا اپنا عمل دلیل ہے۔ چنانچہ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ:

"رمضان کی پہلی رات ہوتی تو امام بخاری اپنے اصحاب کو نماز پڑھاتے، نماز کی ہر رکعت میں بیس آیات پڑھتے یہاں تک کہ (اول شب کی نماز میں مہینے کے اندر) ایک قرآن پاک ختم کرتے۔ پھر سحری کے وقت تیرہ رکعات نماز (تہجد) پڑھتے اور اس میں ایک قرآن تین راتوں میں مکمل کرتے۔ (ھدی الساری لحافظ ابن حجرؒ ص ۴۹۲۔ تیسیر الباری نواب وحید الزمان غیر مقلد ج اص ۴۹۔ نصرت الباری لمولوی عبدالستار امام غرباء اہل حدیث ص ۴۳)

امام بخاریؒ کے اس عمل سے دو باتیں صاف ظاہر ہو جاتی ہیں۔ پہلی یہ کہ امام بخاری حدیث عائشہ صدیقہؓ سے تہجد و تراویح کو ایک ہی نماز ہرگز مراد نہیں لیتے ورنہ خود ان کا اپنا عمل اس کے خلاف نہ ہوتا۔ دوسری یہ کہ وہ حدیث عائشہ صدیقہؓ (احدی عشرۃ رکعۃ) کو رکعات تہجد کے لئے بھی تعیین کی دلیل نہیں بناتے ورنہ وہ خود اس کے خلاف عمل کرتے ہوئے بارہ رکعات تہجد ادا نہ کرتے۔

• بارھویں دلیل: رکعات تہجد مقرر نہیں

اگلے باب میں ہم اس پر ان شاء اللہ العزیز تفصیلی بحث کریں گے کہ فریقین (اہل سنت والجماعت اور غیر مقلدین) اس بات پر متفق ہیں کہ رکعات تہجد متعین نہیں جبکہ رکعات تراویح کی تعیین (بیس یا آٹھ) پر دونوں فریق متفق ہیں جو دونوں نمازوں کے الگ الگ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

• تیرھویں دلیل: کیفیت تہجد متعین نہیں

اگلے باب میں ہم ان شاء اللہ العزیز اس پر بھی بحث کریں گے کہ فریقین اس بات پر بھی متفق ہیں

کہ رکعات تہجد کی طرح کیفیت تہجد بھی متعین نہیں جبکہ تراویح کی کیفیت فریقین کے نزدیک متعین ہے یعنی دو دو رکعت کر کے ادا کرنا جو اس کے مستقل اور تہجد سے الگ نماز ہونے کی دلیل ہے۔

• چودھویں دلیل • اسلاف کے اقوال و عمل

امام بخاریؒ کا عمل بیان ہو چکا ہے کہ وہ تہجد اور تراویح الگ الگ پڑھتے تھے۔ امام مالک بن انسؒ کے بارے میں امام ابن الحاجؒ فرماتے ہیں کہ :

امام مالکؒ نے فرمایا جبکہ آپ لوگوں کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتے، کہ امام وتر پڑھاتا ہے تو میں نکل آتا ہوں، وتر ان کے ساتھ نہیں پڑھتا۔ پس امام مالکؒ اس بارے میں نمونہ ہیں کہ (تراویح کے بعد) وتر نہ پڑھے بلکہ اپنے گھر میں نفل (تہجد) پڑھنے کے بعد وتر پڑھے۔ میرے آقا ابو محمدؒ مسجد میں با جماعت تراویح کے بعد وتر پڑھتے اور گھر آ کر جتنی توفیق ہوتی نفل (تہجد) پڑھتے اور دوبارہ وتر نہ پڑھتے۔ اور فرماتے تھے کہ میرے شیخ ابو الحسنؒ زیات بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

(المدخل لابن الحاج ج ۲ ص ۲۹۹ بحوالہ حدیث اور اہل حدیث ص ۶۸۲)

گویا اسلاف امت کے درمیان یہاں تک اختلاف واقع ہوا کہ وتر نماز تراویح کے ساتھ پڑھنے افضل ہیں یا نماز تہجد کے ساتھ؟؟ اگر وہ دونوں کو الگ الگ نمازیں نہ مانتے تو یہ اختلاف بھی واقع نہ ہوتا چنانچہ

فقہ حنبلی کی مستند کتاب ''مقنع'' میں بہ صراحت مذکور ہے کہ ''رمضان میں بیس رکعات نماز تراویح باجماعت پڑھنے کے بعد وتر بھی باجماعت ادا کرے۔ **فان کان لہ تہجد جعل الوتر بعدہ** لیکن اگر اس نے تہجد پڑھنے ہیں تو پھر وتر تہجد کے بعد پڑھے۔ (ج ۱ ص ۱۷۴) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ تراویح کے بعد باجماعت نوافل مکروہ ہیں کیونکہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تعقب (یعنی جماعت کے بعد جماعت) مکروہ ہے۔ حضرت انسؓ بھی اسے مکروہ جانتے تھے۔ پس تراویح کے بعد سو کر اٹھ کے نوافل و تہجد پڑھے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۳۰۴) قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ تراویح تہجد کے غیر ہے۔ تہجد کے پڑھنے سے تراویح ساقط نہیں ہوتی۔ (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۹۵) تہجد و تراویح ہر دو صلوٰۃ جداگانہ ہیں کہ ہر دو کی تشریح اور احکام جدا ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۵۳)

ان حوالہ جات سے بھی ظاہر ہے کہ فقہاء حنابلہ اور بالخصوص حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے نزدیک بھی تہجد وتراویح الگ الگ نمازیں ہیں جن کے اپنے اپنے اوقات اور اپنے اپنے احکامات ہیں۔

پندرھویں دلیل۔ غیر مقلد علماء کے اقوال و عمل

غیر مقلدین کے اپنے اسلاف میں سے نواب صدیق حسن خانؒ، نواب وحیدالزمان خانؒ، مولانا میاں نذیر حسین دہلویؒ، اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ جیسے علما بھی تہجد وتراویح کو جدا جدا نمازیں تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی تفصیلات آخری باب میں ملاحظہ فرمائیے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اسلاف دیوبند میں سے حضرت مولانا علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تہجد وتراویح کو ایک ہی نماز قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ اس لیے کہ وہ حدیث عائشہؓ سے قیام رمضان کا استدلال کرنے کے باوجود تراویح کی بیس رکعات مسنون قرار دیتے ہیں اور گیارہ رکعات کے قائلین کو بدعتی کہتے ہیں۔ (تفصیلات آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیے) چنانچہ شاہ صاحبؒ کے داماد اور شارح بخاریؒ حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ فرماتے ہیں کہ:

میں نے سوال کیا کہ اس حدیث (عائشہؓ) سے تو آٹھ تراویح ثابت ہوتی ہیں تو شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ دیکھنا یہ ہے کہ خلفاء راشدینؓ کی سنت آیا سنت نبی ہے یا نہیں؟.... نبی کے فرمان کے مطابق خلفاء راشدینؓ کے عمل کو دیکھا جائے اور ان کا اتباع لازمی طور پر کیا جائے تاکہ اختلاف رفع ہو جائے..... جب روایات متعارض آ رہی ہیں تو کیوں نہ خلفاء راشدینؓ کے تعامل پر عمل کیا جائے۔'' (ملفوظات محدث کشمیری ص ۳۶۴)

گویا علامہ کاشمیریؒ حدیث عائشہؓ کے علاوہ عہد نبویؐ کے قیام رمضان کی دیگر روایات کو بھی درست اور صحیح مانتے ہیں اسی لیے تو ان میں تعارض تسلیم کرتے ہیں۔ نیز وہ خلفاء راشدینؓ کا عمل بیس تراویح تسلیم کرتے ہیں اور اسی کو حجت مانتے ہیں اور پھر ان کے تہجد وتراویح کو ایک قرار دینے کے موقف کی تائید اسلاف دیوبند میں سے کسی نے بھی نہیں کی۔

لطیفہ

غیر مقلدین شاہ صاحبؒ کا یہ حوالہ نقل کر کے بڑے جذباتی انداز میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس

حوالے سے احناف کی کمر ٹوٹ گئی حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ احناف فقہ حنفی کے مقلد ہیں، شاہ صاحب کے مقلد نہیں۔ اس لیے ان کی کمر کو الحمدللہ کوئی فکر نہیں کیونکہ ان کے دامن میں شاہ صاحبؒ کے سوا بھی بہت کچھ موجود ہے۔ البتہ غیر مقلدین کو اپنی نرم و نازک کمر کی فکر کرنی چاہیے کیونکہ ان کے دامن تحقیق سے نواب صدیق حسن خانؒ، نواب وحید الزمان خانؒ، مولانا میاں نذیر حسین دہلویؒ اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کو نکال دیا جائے تو پیچھے بچتا ہی کیا ہے؟ اس لیے غیر مقلدین کو ہمارا یہ ہمدردانہ مشورہ ہے کہ وہ ہماری مضبوط و محفوظ کمر کی فکر کرنے کے بجائے اپنی بل کھاتی نازک سی کمر کے ٹوٹے ہوئے مہروں کو جوڑنے کی کوئی سبیل کریں۔

کیا وتر اور تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں؟

یہاں ہم اس غلط فہمی کا ازالہ کر دینا بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ جس طرح تہجد اور تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں اسی طرح وتر اور تہجد بھی دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک وتر ایک مستقل نماز ہے جو نماز عشا سے بھی الگ ہے اور نماز تہجد سے بھی جدا یعنی نہ وہ نماز عشا کا حصہ ہے اور نہ نماز تہجد کا۔ اس کا وقت نماز عشا کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک ہے البتہ آنحضرت ﷺ چونکہ اکثر و بیشتر اسے نماز تہجد کے آخر میں ادا فرماتے تھے اور امت کو بھی یہ ترغیب دیتے تھے کہ اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وترا۔ اپنے قیام لیل کو وتر بناؤ یعنی وتر تہجد کے آخر میں ادا کرو۔ (مسلم ج ا ص ۲۵۷) اس لیے کتب احادیث کے اندر نماز تہجد کو صلوٰۃ الوتر بھی کہا گیا ہے حالانکہ نماز وتر نماز تہجد کا حصہ ہرگز نہیں۔ آیئے اس کے دلائل ملاحظہ فرمایئے۔

دلیل اول : آنحضرت ﷺ نے اکثر و بیشتر نماز وتر نماز تہجد کے ساتھ ادا کی ہے لیکن بسا اوقات نماز تہجد کے علاوہ بھی ادا فرماتے تھے۔ چنانچہ

> حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اوتر رسول اللہ ﷺ من اول اللیل و اوسطہ و آخرہ یعنی آنحضرت ﷺ نے نماز وتر کبھی اول شب ادا فرمائی، کبھی وسط شب اور کبھی آخر شب میں۔ (مسلم ج ا ص ۲۵۵۔ ابوداؤد ج ا ص ۲۰۳۔ ترمذی ج ا ص ۱۰۳) دوسرے مقام پر حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ من کل اللیل قد اوتر رسول اللہ ﷺ یعنی آپ نے رات کے ہر حصے میں وتر پڑھے۔ (بخاری ج ا ص ۱۳۶۔ مسلم ج ا ص ۲۵۵) اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے فرمایا:الوتر ھی بین صلوۃ العشاء الی طلوع الفجر ۔ وتر کا وقت عشا کے بعد سے طلوع فجر تک ہے۔ (ابن ماجہ ص ۸۳)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نماز وتر کو مستقل اور علیحدہ نماز قرار دیتے تھے۔

دلیل دوم: آنحضرت ﷺ نماز وتر کی ایسی ترغیب دیتے تھے جو نماز تہجد کی نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں آپ نے تین بار فرمایا:الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا۔ وتر حق ہیں، جو وتر نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۱) ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا: ان اللہ وتر یحب الوتر فاوتروا یا اھل القرآن ۔ اے قرآن کو ماننے والو، اللہ وتر ہے اور وہ وتر کو پسند کرتا ہے پس تم وتر پڑھا کرو۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۰۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۰۳۔ ابن ماجہ ص ۸۲) ایک اور روایت میں فرمایا کہ من نام عن الوتر او نسیہ فلیصل اذا ذکرہ اذا استیقظ ۔ اگر نیند یا نسیان کی وجہ سے کسی کے وتر رہ جائیں تو وہ یاد آنے پر یا بیدار ہونے پر ادا کرے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۰۶۔ ابن ماجہ ص ۸۴) یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ کان النبی ﷺ من اللیل فاذا اوتر قال قومی فاوتری یا عائشۃ . جب آنحضرت ﷺ نماز تہجد سے فارغ ہو کر نماز وتر پڑھنے لگتے تو مجھے جگاتے اور فرماتے، عائشہ اٹھو وتر پڑھو۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۳۶۔ مسلم ج ۱ ص ۲۵۵) ان روایات سے بھی صاف ظاہر ہے کہ وتر، تہجد سے الگ ایک مستقل نماز ہے۔

دلیل سوم: آنحضرت ﷺ نے امت کو وتر نماز تہجد کے ساتھ ادا کرنے کی ترغیب ضرور دی لیکن ساتھ یہ بھی فرمایا کہ من خاف ان لا یقوم آخرہ ولیوتر اولہ ومن طمع ان یقوم آخرہ فلیوتر آخر اللیل . جسے اندیشہ ہو کہ سحری کے وقت نہ اٹھ سکے گا وہ اول شب وتر پڑھ کر سوئے اور جسے امید ہو کہ وہ سحری کے وقت بیدار ہو سکے گا پس وہ وتر آخر رات میں پڑھے۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۸۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۰۳۔ ابن ماجہ ص ۸۴) یہ روایت بھی دلیل ہے اس بات کی کہ وتر ایک مستقل نماز ہے۔

دلیل چہارم: آنحضرت ﷺ نے بعض صحابہؓ کو حکم اور بعض کو وصیت فرمائی کہ وتر رات کو سونے سے پہلے پڑھو چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اوصانی خلیلی بثلاث : صیام ثلاثۃ ایام من کل شھر ورکعتی الضحی وان اوتر قبل ان انام. میرے خلیل آنحضرت ﷺ

نے مجھے وصیت کی تین چیزوں کی: ہر ماہ تین روزے رکھنے کی، چاشت کی دو رکعتیں پڑھنے کی اور سونے سے قبل وتر پڑھنے کی۔ (مسلم ج۱ ص۲۵۰۔ نسائی ج۱ ص۱۸۹) بخاری ج۱ ص۱۳۵ میں ہے: اوصانی رسول اللہ ﷺ بالوتر قبل النوم اور ترمذی ج۱ ص۱۰۳ کے الفاظ ہیں: امرنی رسول اللہ ﷺ ان اوتر قبل ان انام۔ اسی طرح مذکورہ تین چیزوں کی وصیت کی روایت حضرت ابو الدرداءؓ سے ابوداؤد ج۱ ص۲۰۳ میں بھی مذکور ہے بلکہ بعض روایات میں تو آپ نے وتر پڑھے بغیر سونے سے منع فرمایا جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ نہانی ان انام الا علی وتر۔ مجھے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے وتر پڑھے بغیر سونے سے منع فرمایا۔ (قیام اللیل مروزی ص۲۷۱) اس روایت سے بھی ظاہر ہے کہ وتر ایک مستقل نماز ہے۔

دلیل پنجم: آنحضرت ﷺ کی اس تاکید و وصیت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ اور دیگر اسلاف امت کا وتر پڑھنے کا معمول مختلف تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پوچھا کہ آپ وتر کس وقت پڑھتے ہیں۔ عرض کیا سونے سے پہلے۔ آپ نے فرمایا آپ احتیاط پر عمل کرتے ہیں۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ سے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں سونے کے بعد سحری کے وقت اٹھ کر پڑھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم نے عمل قوی اختیار کیا۔ (قیام اللیل ص۲۷۵) حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تہجد پڑھنے کے بعد وتر اول رات کو پڑھتے تھے اور میں بھی رات کو سونے سے پہلے وتر پڑھ لیتا ہوں۔ (قیام اللیل ص۲۹۰) حضرت فاروقؓ عمل قوی اختیار کرنے کے باوجود فرماتے تھے کہ ان الاکیاس الذین یوترون اول اللیل وان الاقویاء الذین یوترون آخر اللیل وھو افضل۔ عقلمند لوگ اول رات میں اور قوی لوگ آخر رات میں پڑھ سکتے ہیں۔ (ابوداؤد ج۱ ص۲۰۳) حضرت فاروقؓ نے اشعث بن قیسؓ سے فرمایا اے اشعث احفظ عنی شیئا سمعتہ من رسول اللہ ﷺ۔ آنحضرت ﷺ سے سنی ہوئی کچھ چیزیں مجھ سے محفوظ کر لے۔ ان میں سے ایک یہ ہے ولا تنامن الا علی وتر۔ وتر پڑھے بغیر سونا نہیں۔ (قیام اللیل ص۲۷۱) چنانچہ امام شعبیؒ بھی رات وتر پڑھ کر سوتے تھے (ترمذی ج۱ ص۱۰۳) اور امام ترمذیؒ تو فرماتے ہیں: وقد اختار قوم من اھل العلم من اصحاب النبی ﷺ ومن

بعدھم ان لا ینام الرجل حتی یوتر کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد کے دیگر اہل علم کی ایک جماعت نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ آدمی وتر پڑھے بغیر نہ سوئے۔ (ترمذی ج ا ص ۱۰۳) ان روایات سے صاف طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وتر ایک مستقل نماز ہے جو تہجد کے ساتھ بھی پڑھی جاسکتی ہے اور رات کو سونے سے پہلے عشا کی نماز کے بعد بھی۔

دلیل ششم: نماز وتر کے بارے میں فقہاء اربعہ کا مستقل فتویٰ موجود ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالرحمٰن الجزیریؒ فرماتے ہیں کہ نماز وتر تین ائمہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک سنت موکدہ ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ا ص ۳۳۵)

دلیل ہفتم: ائمہ محدثینؒ نے اپنی اپنی کتب احادیث میں کتاب الوتر کے نام سے مستقل ابواب قائم کیے ہیں چنانچہ امام محمد بن نصر مروزیؒ نے اس موضوع پر جو مستقل کتاب قیام اللیل کے نام سے تالیف فرمائی ہے، اس میں انہوں نے قیام اللیل، قیام رمضان اور کتاب الوتر کے نام سے الگ الگ ابواب باندھے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تینوں الگ الگ اور مستقل نمازیں ہیں۔

باب دوم

عہد نبوی ﷺ کی رکعات تراویح

اوراق گزشتہ میں ہم بدلائل قاہرہ ثابت کر چکے ہیں کہ تہجد وتراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں اور وتر ان دونوں سے الگ ایک تیسری مستقل نماز ہے۔ اب ہم اس باب میں رکعات تراویح کے لیے فریقین کی طرف سے پیش کی جانے والی روایات کا جائزہ لیں گے جو اصولی طور پر تین ہیں۔ لیجیے ملاحظہ فرمایئے۔

پہلی روایت، حدیث عائشہ صدیقہ

تہجد وتراویح کو ایک نماز اور اس کی گیارہ رکعات ثابت کرنے کے لیے غیر مقلدین کا سب سے بڑا استدلال حدیث عائشہ صدیقہؓ سے ہے لہٰذا ہم سب سے پہلے اسی کا جائزہ لیں گے کہ کیا یہ حدیث غیر مقلدین کی دلیل بن سکتی ہے؟

> حضرت ابوسلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رمضان المبارک میں آنحضرت ﷺ کی نماز کیسی ہوتی تھی؟ انہوں نے فرمایا، رمضان اور غیر رمضان میں آپ گیارہ رکعات سے زائد نہ پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعت پڑھتے۔ تو ان کے حسن ادائیگی اور طول قیام وسجود کے بارے میں نہ پوچھ۔ پھر چار رکعت اسی طرح پڑھتے، پھر تین رکعت پڑھتے۔ میں نے سوال کیا: اتنام قبل ان توتر؟ یارسول اللہ، کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ فرمایا، میری آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا۔ (بخاری ج ا ص ۱۵۴۔ مسلم ج ا ص ۲۵۴۔ ابوداؤد ج ا ص ۱۸۹۔ نسائی ج ا ص ۱۹۱)

ہمارا موقف یہ ہے کہ اس حدیث سے نہ تہجد وتراویح کا ایک ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ حتمی طور پر اس کی گیارہ رکعات ثابت ہوتی ہیں۔ آیئے غیر مقلدین کے دعوے کے جوابات ملاحظہ فرمالیجیے۔

جواب اول: سیاق کلام: مذکورہ حدیث عائشہؓ کے سیاق کلام پر اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ روایت صرف تہجد کے متعلق ہے، قیام رمضان سے اسے دور کا واسطہ بھی نہیں۔

﴿پہلا قرینہ﴾ اس کا پہلا قرینہ سائل کا حضرت عائشہؓ سے سوال ہے اور ان سے اسی نماز کے بارے میں سوال کیا جاسکتا ہے جو ان کے حجرے میں پڑھی گئی۔ مسجد کی نماز کے بارے میں ان سے سوال چہ معنی دارد؟ جبکہ اس وقت ایام ثلاثہ کی باجماعت نماز میں شرکت کرنے والے بے شمار صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ گویا سائل حضرت عائشہؓ سے ان کے حجرے کے اندر ادا کی جانے والی نماز کے بارے میں سوال کر رہا ہے کہ وہ کیسی تھی؟ اور صحابہ کرامؓ اسی نماز کے بارے میں حضرت عائشہؓ کو سب سے زیادہ باخبر سمجھتے تھے۔ چنانچہ:

> سعد بن ہشامؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے آنحضرت ﷺ کے وتر (یعنی نماز تہجد) کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کیا میں تجھے ایسی ہستی کی خبر نہ دوں جو روئے زمین پر آپ کے وتر کو سب سے زیادہ جاننے والی ہے؟ انہوں نے پوچھا، وہ کون سی ہے؟ فرمایا حضرت عائشہؓ چنانچہ سعد حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچے اور ان سے آپ کے وتر کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا، آپ گیارہ رکعات پڑھتے تھے، ضعف آگیا تو نو رکعات پڑھنے لگے۔ (مسلم ج ا ص ۲۵۶ ملخصاً)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حضور علیہ السلام کی نماز تہجد کے بارے میں ہی سب سے زیادہ باخبر جانتے تھے اور اسی کے بارے میں ان سے سوال کرتے تھے، خواہ وہ رمضان کی ہوتی یا غیر رمضان کی؟

﴿دوسرا قرینہ﴾ اس کا دوسرا قرینہ حضرت عائشہؓ کے جواب میں "یزید فی رمضان و لا فی غیرہ" کے الفاظ ہیں جو اس حقیقت کی واضح دلیل ہیں کہ وہ اسی نماز کا ذکر کر رہی ہیں جو رمضان وغیر رمضان میں ان کے سامنے پڑھی گئی اور سائل کا مقصد سوال بھی یہی ہے کہ رمضان میں اول شب کی نماز کے بعد آخر شب کی نماز حسب معمول رہتی تھی یا اس میں فرق آتا تھا؟ اس کے جواب میں فرمایا، وہ

عموماً گیارہ رکعات ہی رہتی تھیں۔

﴿تیسرا قرینہ﴾ اس کا تیسرا قرینہ حضرت عائشہؓ صدیقہؓ کے جواب میں ''اتنام قبل ان توتر '' کے اضافی جملے ہیں جو بصراحت نماز تہجد پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ حضرت عائشہؓ رکعات تو رمضان وغیر رمضان دونوں کی بیان فرما رہی ہیں لیکن کیفیت صرف غیر رمضان کی ذکر کر رہی ہیں کیونکہ رمضان کے بارے میں تو وہ خود فرماتی ہیں کہ ''جب ماہ رمضان آتا تو آپ عبادت کے لیے کمربستہ ہو جاتے اور پورا ماہ رمضان بستر پر تشریف نہ لاتے۔ (شعب الایمان ج۳ ص۳۱۰)

جب رمضان المبارک میں آپ رات کو آرام فرماتے ہی نہ تھے تو اتنام قبل ان توتر کا سوال کیسا؟ معلوم ہوا کہ یہ صرف نماز تہجد کا ذکر ہے جو رمضان وغیر رمضان دونوں میں پڑھی جاتی رہی البتہ کیفیت صرف غیر رمضان کی ذکر کی گئی ہے۔

﴿جواب نمبر۲﴾ چار چار رکعت: مذکورہ حدیث عائشہؓ میں چار چار رکعات پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ نماز تراویح بالاتفاق دو دو رکعات کر کے پڑھی جاتی ہے جو اس کے مستقل نماز ہونے کی دلیل ہے۔

﴿جواب نمبر۳﴾ بلا جماعت: اس میں بلا جماعت نماز کا ذکر ہے جبکہ با جماعت نماز کی روایت میں خود حضرت عائشہؓ رکعات کا ذکر نہیں کرتیں (روایت گزر چکی ہے) جو دونوں کے الگ الگ نمازیں ہونے کی دلیل ہے۔

﴿جواب نمبر۴﴾ گھر میں: اس میں گھر کے اندر نماز پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ مسجد کی نماز کے بارے میں اپنی روایت کے اندر حضرت عائشہؓ رکعات کا ذکر نہیں کرتیں۔

﴿جواب نمبر۵﴾ کتاب التہجد میں: یہ حدیث اکثر محدثین نے اپنی کتب کے اندر کتاب التہجد میں نقل کی ہے جبکہ حضرت عائشہؓ کی با جماعت نماز والی روایت قیام رمضان کے باب میں لائے ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: بعض غیر مقلدین یہ دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ امام محمد بن حسن الشیبانی الحنفیؒ نے یہ حدیث عائشہؓ قیام رمضان کے باب میں نقل کی ہے جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس حدیث کو قیام رمضان پر ہی محمول کرتے ہیں حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔

اولاً اس لیے کہ امام محمدؒ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلد اور فقہ حنفی کے مجتہد فی المذہب ہیں۔ بے شمار مسائل میں انہوں نے امام اعظم سے اختلاف کیا ہے جو فقہ حنفی کی جملہ کتب میں مذکور ومنقول ہے لیکن اس مسئلے میں ان کا اپنے امام سے اختلاف کسی جگہ مذکور نہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس مسئلے میں اپنے امام سے متفق ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہؒ تو بیس رکعات نماز تراویح کو مستقل حیثیت سے سنت نبوی مانتے ہیں۔

وثانیاً اس لیے کہ امام محمدؒ نے اپنی موطا میں صلوٰۃ اللیل اور قیام رمضان کے الگ الگ باب قائم کیے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ دونوں نمازوں کو الگ الگ تسلیم کرتے ہیں۔

وثالثاً اس لیے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے گیارہ رکعات والی دو روایات نقل کی ہیں۔ ایک صلوٰۃ اللیل کے باب میں عروہ بن زبیرؓ سے اور دوسری قیام رمضان کے باب میں ابوسلمہؓ سے۔ اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ وہ گیارہ رکعات کو رمضان وغیر رمضان میں تہجد کے لیے ہی مانتے ہیں۔

ورابعاً اس لیے کہ انہوں نے قیام رمضان کے باب میں حضرت عائشہؓ سے باجماعت قیام رمضان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے ترغیب قیام رمضان بلاعزیمت کی روایات بھی نقل کی ہیں جس سے ظاہر ہے کہ وہ زیر بحث حدیث عائشہؓ کو رمضان میں تہجد ہی کے لیے لائے ہیں۔ یہ قرائن وشواہد اس بات کی صریح دلیل ہیں کہ امام محمد نہ تو تہجد وتراویح کو ایک نماز سمجھتے ہیں اور نہ حدیث عائشہؓ کو تراویح پر محمول کرتے ہیں۔

جواب ششم۔ رمضان میں کثرت صلوٰۃ: قیام رمضان کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کثرت صلوتہ اور ما لا یجتھد فی غیرہ کی روایات گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہیں۔ جبکہ زیر بحث حدیث عائشہؓ صرف تہجد پر دلالت کرتی ہے۔

جواب ہفتم۔ حدیث عائشہ کی اضطرابی کیفیت: اگر مذکورہ حدیث عائشہؓ کو بالفرض تہجد وتراویح پر محمول کر بھی لیا جائے تو بھی اس کی اضطرابی کیفیت کی بنا پر اس سے رکعات وکیفیت کی تعیین ممکن نہیں کیونکہ اس بارے میں حضرت عائشہؓ سے مروی روایات باہم

معارض ومضطرب ہیں۔ان میں قرار موجودنہیں۔(اضطرابی کیفیت سے لغوی معنی مراد ہے،محدثین کا اصطلاحی مفہوم اس سے مراد نہ لیا جائے جو ضعف روایت پر دلالت کرتا ہے)

⭑اضطرابی کیفیت کا پہلا پہلو۔اختلاف رکعات: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی مختلف روایات کی روشنی میں رکعات تہجد کی تعیین انتہائی مشکل ودشوار ہے کیونکہ ان سے مروی روایت میں رکعات کا اختلاف واضح طور پر موجود ہے مثلاً

(۱) **تیرہ رکعات:** حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ **یصلی بالليل ثلاث عشرة ركعة.** رات کو تیرہ رکعات پڑھتے۔ **ثم يصلي اذا سمع النداء بالصبح ركعتين خفيفتين** ۔پھر اذان فجر کے بعد دو ہلکی رکعتیں پڑھتے۔(بخاری ج۱ص۱۵۶۔ابوداؤد ج۱ص۱۸۹۔ ابن ماجہ ص۹۸) تیرہ رکعات تہجد کی روایات حضرت ابن عباسؓ سے نسائی ج۱ص۲۱۴ میں،حضرت سیدہ میمونہؓ سے بخاری ج۱ص۱۳۵ میں اور حضرت زید بن خالد الجہنیؓ سے ابوداؤد ج۱ص۱۹۲ میں بھی منقول ہیں اسی لیے مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ غیر مقلد تحفۃ الاحوذی ج۲ص۳۷ میں،مولانا عبداللہ غازی پوریؒ غیر مقلد فتاوی علمائے حدیث ج۲ص۲۱۱ میں اور مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ "رسول اکرم کی نماز" ص ۱۰۱ میں تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے سنت فجر کے علاوہ بھی تیرہ رکعت پڑھنا ثابت ہے حتیٰ کہ نواب صدیق حسن خانؒ غیر مقلد تو تہجد بالالتزام بارہ رکعات پڑھتے تھے۔(مآثر صدیقی ج۴ص۶۴)

(۲) **گیارہ رکعات:** حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ **كان يصلي من الليل احدى عشرة ركعة** آپ رات کو گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔(مسلم ج۱ص۲۵۳۔ترمذی ج۱ص۱۰۰)

(۳) **نو رکعات:** حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ **كان يصلي من الليل تسع ركعات.** آپ رات کو نو رکعات پڑھتے تھے۔(نسائی ج۱ص۱۹۳۔ابوداؤد ج۱ص۱۹۱)

(۴) **سات رکعات:** حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ **فلما اسن وثقل صلى سبعا.** جب آپ عمر رسیدہ ہو کر گرانی محسوس کرنے لگے تو رات کو سات رکعات پڑھتے۔(نسائی ج۱ص۱۹۲)

مذکورہ روایات عائشہ کے مطابق آپ کے قیام لیل یا بالفاظ غیر مقلدین قیام رمضان کی رکعات

مختلف تھیں تو گیارہ رکعات تراویح کی حتمی تعیین کے لیے حدیث عائشہؓ کیسے دلیل بن سکتی ہے؟

رکعات تہجد اور اقوال سلف: مختلف روایات میں رکعات تہجد کے اسی اختلاف کی بنا پر قاضی ابوالفضل عیاض اندلسی المالکیؒ فرماتے ہیں کہ رکعات تہجد کی ایسی کوئی حد مقرر نہیں جس میں کمی بیشی ممکن نہ ہو۔ **ان صلوة الليل من الطاعات التي كلما زاد فيها زاد الاجر** ۔ یہ نفلی عبادت ہے۔ جتنی زیادہ پڑھیں، اتنا ہی زیادہ اجر ہے۔ (نووی حاشیہ مسلم ج۱ص۲۵۳) علامہ عبد الرحمٰن ابن الجوزی الحنبلیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے تہجد کی مختلف روایات وارد ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں ۔بعض اوقات آپ کی رکعات کم اور قراءت لمبی ہوتی اور بسا اوقات آپ قراءت مختصر کر کے رکعات بڑھا لیتے ۔ (الوفاء مترجم ص۵۵۴) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے تہجد کی مختلف رکعات نقل کی گئی ہیں جو مختلف اوقات کے اعتبار سے ہیں۔ وقت میں گنجائش زیادہ ہوئی تو زیادہ پڑھ لیں ورنہ کم پڑھ لیں۔کوئی خاص تحدید تہجد کی رکعات میں ایسی نہیں جس سے کم وبیش جائز نہ ہو۔ (خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی ص۲۲۰)

رکعات تہجد اور اقوال غیر مقلدین: غیر مقلدین کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ ان کے اپنے اسلاف بھی رکعات تہجد کی تعیین نہیں مانتے چنانچہ نواب وحید الزمان خان فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابن قیمؒ نے وتر سمیت رکعات تہجد کی آٹھ قسمیں ذکر کی ہیں۔ **وهي كلها كافية مطابقة للسنة** ۔ وہ ساری کفایت کرنے والی اور سنت کے مطابق ہیں۔ (نزل الابرار ج۱ص۱۲۲۔کنز الحقائق ص۳۰) مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً متعدد احادیث مروی ہیں جن میں رکعات (تہجد) کی تعداد چھ، سات، نو، گیارہ، تیرہ تک مروی ہے۔ وقت اور ہمت کے لحاظ سے جس قدر پڑھ سکے، شرعاً درست ہے۔ (رسول اکرم کی نماز ص۹۶)

مذکورہ روایات، اقوال سلفؒ اور اقوال غیر مقلدین کی روشنی میں تہجد کی تین صورتیں سامنے آتی ہیں۔

(۱) وقت پر موقوف: پہلی صورت یہ ہے کہ رکعات تہجد کا انحصار وقت پر تھا۔ اگر وقت زیادہ ملا تو آپ نے رکعات زیادہ پڑھ لیں اور اگر وقت کم ملا تو رکعات کم پڑھ لیں۔ ..... **(۲) کیفیت پر**

موقوف: دوسری صورت یہ ہے کہ رکعات تہجد کا انحصار طبعی کیفیت پر تھا۔ اگر قراءت طویل کرنے کو جی چاہا تو رکعات کم کر دیں اور اگر رکعات زیادہ پڑھنے کو جی چاہا تو قراءت مختصر کر دی۔..... (۳) صحت پر موقوف: تیسری صورت یہ ہے کہ رکعات تہجد کا انحصار صحت پر تھا۔ صحت اچھی تھی تو آپ تیرہ یا گیارہ رکعات ادا فرماتے۔ جسمانی کمزوری کی وجہ سے صحت متاثر ہوئی تو نو یا سات رکعات پر اکتفا کر لیا۔

غیر مقلدین سے سوال: ان تینوں صورتوں کو سامنے رکھ کر غیر مقلدین سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا واقعی نماز تراویح کا انحصار وقت، طبعی کیفیت اور صحت پر ہے؟ کیا ہر آدمی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ قلت وقت یا طبعی کیفیت یا علالت و کمزوری کی بنا پر رکعات تراویح میں تخفیف کر لے؟ اور کیا بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے وہ مستقل چار تراویح پر اکتفا کر سکتا ہے؟ کیونکہ تہجد کی کم از کم مسنون تعداد یہی ہے۔ اور کیا غیر مقلدین ایسا کوئی اشتہار شائع کرنے کا پروگرام رکھتے ہیں جس میں یہ اعلان ہو کہ تراویح کی کم از کم رکعات چار اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہیں؟ کیونکہ رکعات کی یہ تعداد حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے اور نہیں کر سکیں گے تو پھر ان کے موقف میں دورنگی کیوں ہے؟

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

اضطرابی کیفیت کا دوسرا پہلو، اختلاف کیفیت: حدیث عائشہؓ کی اضطرابی کیفیت کا دوسرا پہلو اختلاف کیفیت کا ہے یعنی حضرت عائشہؓ سے مروی روایت میں رکعات کی طرح کیفیت تہجد بھی غیر معین ہے۔ مثلاً

تیرہ رکعات کی مختلف کیفیات: حضرت عائشہؓ سے تیرہ رکعات کی دو کیفیتیں منقول ہیں۔ پہلی دس رکعات اور تین وتر کی۔ اس کے لیے حضرت عائشہؓ سے عشر و ثلاث کے الفاظ منقول ہیں یعنی دس رکعات اور تین وتر۔ (ابوداؤد ج اص ۱۹۳) اور دوسری آٹھ رکعات اور پانچ وتر کی۔ اس کے لیے حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ آپ تیرہ رکعات پڑھتے۔ ویوتر منھا بخمس۔ ان میں سے پانچ وتر ہوتے۔ (مسلم ج اص ۲۵۴۔ ابوداؤد ج اص ۱۸۹)

گیارہ رکعات کی مختلف کیفیات: حضرت عائشہؓ سے گیارہ رکعات کی چھ

کیفیتیں منقول ہیں:

(۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعات اکٹھی پڑھتے، پھر دو رکعات پڑھتے، اور پھر ایک رکعت۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۸۲۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۰) (۲) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ آٹھ رکعات پڑھتے ویوتر برکعة اور ایک رکعت وتر پڑھتے۔ ثم یصلی رکعتین وھو جالس پھر بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۴۔ نسائی ج ۱ ص ۱۸۷۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۹) (۳) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ نو رکعت پڑھتے تو آٹھویں رکعت پر بیٹھتے۔ ولا یسلم ثم یصلی التاسعة ثم یسلم ثم یصلی رکعتین۔ سلام نہ پھیرتے، نویں رکعت پڑھ کر سلام پھیرتے۔ پھر دو رکعت پڑھتے۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۹۳) (۴) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ دس رکعات دو دو کر کے پڑھتے ویوتر بواحدة، پھر ایک وتر پڑھتے۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۴) (۵) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ چھ رکعات دو دو کر کے پڑھتے ویوتر بخمس پھر پانچ وتر پڑھتے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۲) (۶) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ آٹھ رکعات چار چار کر کے پڑھتے پھر تین وتر پڑھتے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۵۴۔ مسلم ج ۱ ص ۲۵۴)

نو رکعات کی مختلف کیفیات : حضرت عائشہؓ سے نو رکعات کی چار کیفیات منقول ہیں:

(۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ستٍ و ثلاث۔ آپ چھ رکعتیں اور تین وتر پڑھتے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۳) (۲) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ چھ رکعت پڑھتے ثم یوتر برکعة ثم یصلی رکعتین وھو جالس۔ پھر ایک وتر پڑھتے اور دو رکعت بیٹھ کر ادا فرماتے۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۸۷) (۳) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ سات رکعات پڑھتے لا یقعد الا فی آخرھن۔ صرف آخری رکعت پر قعدہ فرماتے۔ پھر دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۹۳) اسی کی دوسری کیفیت حضرت عائشہؓ اس طرح بیان فرماتی ہیں کہ آپ چھٹی رکعت پر بیٹھتے، سلام نہ پھیرتے، ساتویں رکعت پڑھ کر سلام پھیرتے۔ (ایضاً ص ۱۹۳) (۴) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ آٹھ رکعات پڑھتے ویوتر بالتاسعة اور ایک وتر پڑھ کر نو رکعت پوری کر لیتے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۱)

کیفیات تہجد کے بارے میں ہم نے صرف روایات عائشہؓ پر اکتفا کیا ہے، دیگر صحابہ کرامؓ سے مروی روایات ذکر نہیں کیں۔ ان کی روشنی میں یہ فیصلہ بآسانی کیا جاسکتا ہے کہ یہ صرف نماز تہجد کی مختلف حالتیں ہیں جو تراویح پر ہرگز جاری نہیں ہوسکتیں کیونکہ تراویح کی معین کیفیت (دو دو رکعت اور تین وتر) متواتر ومتوارث ہے۔ کیا غیر مقلدین ایسا ایک اشتہار شائع کرنے کا حوصلہ کریں گے جس میں حضرت عائشہؓ سے مروی تہجد کی مذکورہ کیفیات اور دیگر صحابہ کرامؓ سے مروی کیفیات کے مطابق نماز تراویح ادا کرنے کو سنت قرار دیا جائے؟

جواب ہشتم۔ اقوال ائمہ امت: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث عائشہؓ کے بارے میں اقوال سلف بھی پیش کردیے جائیں تاکہ سمجھنے میں مزید آسانی ہوجائے۔ چنانچہ

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ **فی هذا الوان لم يقض فيه شئ**۔ حدیث عائشہؓ کے مختلف رنگ ہیں، ان کی روشنی میں فیصلہ کرنا دشوار ہے۔ (ترمذی ج۱ ص ۱۹۹) امام محمد بن احمد القرطبی فرماتے ہیں کہ روایات عائشہؓ نے اکثر علما کو مشکل میں مبتلا کردیا **حتى نسب بعضهم حديثها الى الاضطراب** یہاں تک کہ بعض محدثین نے اسے مضطرب قرار دے دیا۔ (فتح الباری ج۳ ص۱۶) مولانا محمد زکریاؒ مہاجر مدنی فرماتے ہیں کہ بعض علما نے اس اختلاف کو دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ حضرت عائشہؓ کی روایتیں مضطرب یعنی ضعیف ہیں لیکن مضطرب کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس میں کیا اشکال کہ گیارہ رکعات، اکثر اوقات اور عام معمول کے اعتبار سے ہوں اور کبھی کبھی آپ نے ان سے کم وبیش بھی پڑھی ہوں۔..... بعض لوگ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکالتے ہیں کہ تراویح بھی آٹھ رکعات ہیں حالانکہ اس روایت سے تو تہجد کا صرف آٹھ رکعات ہونا بھی معلوم نہیں ہوتا، چہ جائیکہ تراویح۔ اس حدیث کو تراویح سے کوئی تعلق نہیں۔ (خصائل نبوی ص ۲۲۴) اسی لیے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فتاویٰ عزیزی ص ۴۵۱ میں، علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ مجموعہ فتاویٰ ص ۲۳۸ میں اور مولانا سید امیر علی رام پوریؒ تفسیر مواہب الرحمٰن پارہ ۱۵ ص ۲۱۹ میں فرماتے ہیں کہ حدیث عائشہؓ تہجد کے بارے میں ہے۔ ان ٹھوس اور ناقابل تردید دلائل وبراہین کے باوجود بھی اگر غیر مقلدین حدیث عائشہؓ کو تراویح پر محمول کرنے پر بضد ہوں تو ہٹ دھرمی ایک لاعلاج مرض ہے۔

جہاں میں عام ہے میرے الم کی داستاں لیکن وہ مجھ سے سن نہیں سکتے، میں ان سے کہہ نہیں سکتا

* دوسری روایت، حدیث جابر بن عبد اللہ

تراویح کے لیے دوسری دلیل حدیث جابر بن عبد اللہؓ پیش کی جاتی ہے۔ حضرت جابرؓ سے اس بارے میں تین روایات مروی ہیں۔ دو آٹھ رکعات کی اور ایک بیس رکعات کی۔ ہم تینوں کا مختصر جائزہ لینا چاہیں گے۔

﴿پہلی حدیث جابرؓ﴾: حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان کی ایک رات آپ نے ہمیں آٹھ رکعتیں پڑھائیں۔ اگلی رات ہم دوبارہ جمع ہوئے مگر آپ تشریف نہ لائے۔ صبح کے وقت آپ نے فرمایا: **خشیت ان یکتب علیکم الوتر** میں ڈرا کہ یہ وتر تم پر فرض نہ کر دیا جائے۔ (ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۳۸۔ موارد الظمآن ص ۲۳۰۔ قیام اللیل للمروزی ص ۱۱۴) امام طبرانی فرماتے ہیں کہ **لا یروی عن جابر الا بھذا الاسناد**۔ اس سند کے علاوہ حضرت جابرؓ سے یہ روایت منقول نہیں (المعجم الصغیر ص ۱۰۸) گویا اس روایت کی ایک ہی سند ہے اور وہ انتہائی کمزور ہے۔ اس میں دو راوی ضعیف ہیں:

(۱) اس میں پہلا راوی عیسیٰ بن جاریہ ہے۔ **فیہ لین** اس میں کمزوری ہے۔ (حاشیہ ابن خزیمہ ص ۱۳۸ و تقریب التہذیب ص ۲۷۰) ابن معین اس کے بارے میں فرماتے ہیں **عندہ مناکیر**۔ اس کے پاس منکر روایتیں ہیں۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں وہ منکر الحدیث تھا۔ امام نسائی فرماتے ہیں وہ متروک الحدیث تھا۔ ابن عدی فرماتے ہیں **احادیثہ غیر محفوظۃ** اس کی حدیثیں غیر محفوظ (یعنی منکر و شاذ) ہیں۔ ساجی اور عقیلی اسے ضعفا میں شمار کرتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۱۱۔ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۰۷) علامہ ذہبیؒ نے اس کی منکر روایتوں کی مثال میں یہی روایت پیش کی ہے۔ (میزان ج ۳ ص ۳۱۱) حتیٰ کہ غیر مقلدین کے مکتبہ اثریہ جامع مسجد اہل حدیث سانگلہ ہل نے جو ''قیام اللیل للمروزی'' شائع کی ہے، اس کے ص ۱۱۴ کے حاشیہ پر بھی عیسیٰ بن جاریہ کو ''فیہ لین'' تسلیم کیا گیا ہے۔

(۲) اس میں دوسرا راوی یعقوب قمی ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں، **لیس بالقوی**، وہ ثقہ نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۵۲) اور امام حافظ ابن کثیر الشافعیؒ فرماتے ہیں: **فیہ تشیع** اس میں

شیعیت تھی۔(البدایہ والنہایہ ج ۸ص ۲۷۵) گویا یہ راوی بھی ضعیف ہے۔

حاصل بحث: مذکورہ بحث کا حاصل یہ ہے کہ:

(۱) حضرت جابرؓ سے یہ روایت نقل کرنے میں عیسیٰ بن جاریہ منفرد ہے جو جمہور ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف وکمزور ہے۔(۲) عیسیٰ بن جاریہ سے یہ روایت لینے میں یعقوب قمی منفرد ہے جیسا کہ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ **لیس بذالک لا اعلم احدا روی عنه غیر یعقوب۔** میں نہیں جانتا کہ یعقوب کے علاوہ عیسیٰ بن جاریہ سے کسی نے یہ روایت نقل کی ہو۔(میزان الاعتدال ج ۳ص ۳۱۱)امام طبرانی فرماتے ہیں کہ **تفرد به یعقوب وهو ثقة۔** اس روایت میں یعقوب متفرد ہےاور وہ ثقہ ہے۔(المعجم الصغیرص ۱۰۸) یعنی یعقوب قمی بھی نقل روایت میں متفرد ہےاوراس کی ثقاہت متنازع فیہ ہے۔اگر وہ ضعیف ہے(جیسا کہ دارقطنی وابن کثیر کا موقف ہے) تو اس کے ضعف کی وجہ سے یہ روایت نا قابل قبول ٹھہری اور اگر بالفرض وہ ثقہ ہےتو غیر ثقہ راوی (عیسیٰ بن جاریہ) سے نقل روایت میں منفرد ہونے کی بنا پراس کی یہ روایت نا قابل اعتماد ٹھہری کیونکہ ثقہ کا تفرد ثقہ ہی سے قبول کیا جاسکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ عسقلانی اس روایت کے بارے میں متردد ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث (یعنی عہد نبوی کی باجماعت تراویح) کے جتنے طرق ہیں، میں نے ان میں سے کسی طریق میں یہ نہیں دیکھا کہ آپ نے ان راتوں میں کتنی رکعتیں پڑھائی تھیں لیکن ابن خزیمہ وابن حبان نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ آپ نے ان راتوں میں علاوہ وتر کے آٹھ رکعت پڑھائی تھیں۔(فتح الباری ج ۴ص ۲۹۷) حافظ ابن حجرؒ کا یہ تردد صاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ بھی حدیث جابرؓ کی صحت پر مطمئن نہیں ہیں۔باقی رہا علامہ ذہبیؒ کا اس روایت کی سند کو **اسناده وسط** قرار دینا (میزان الاعتدال) تو یہ دو وجہ سے محل نظر ہے۔

(۱) علامہ ذہبیؒ نے جب اپنے قائم کردہ اصول کے مطابق میزان ج ۳ص ۳۱۱ میں عیسیٰ بن جاریہ کی منکر روایت کی حیثیت سے یہی روایت پیش کی ہےتو اس کے بعد اسے **اسناده وسط** قرار دینا ان کے اپنے اصول کے منافی ہے۔(۲) امام یحییٰ بن معین، امام ابوداؤد، امام نسائی، اور امام ابن عدی جیسے ائمہ کی عیسیٰ بن جاریہ پر شدید جرح موجود ہے اسی لیے علامہ نیمویؒ فرماتے

ہیں کہ علامہ ذہبیؒ نے تو اسے اسنادہ وسط کہا ہے،بل اسنادہ دون الوسط حالانکہ اس کی سند وسط درجے سے کم ہے۔(التعلیق الحسن ص۲۰۲)

اور پھر اس روایت کو اگر سند سے ہٹ کر متن کے حوالے سے دیکھا جائے تو بھی ناقابل یقین معلوم ہوتی ہے۔

(۱) اس لیے کہ یہ روایت حضرت ابوذر غفاری، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت زید بن ثابت، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وعنہم کی ان روایات کے سراسر منافی ہے جن میں تین دن باجماعت کا ذکر ہے جبکہ اس روایت میں صرف ایک رات کی نماز کا ذکر ہے۔ دوسری رات آپ نماز کے لیے تشریف نہیں لائے۔ (۲) اگر سند کے ضعف اور متن کے فرق کو نظر انداز کر کے بھی جائزہ لیا جائے تو نتیجہ یہی سامنے آتا ہے کہ تین رات کی باجماعت نماز کے اندر رکعات مختلف ہونے کی وجہ سے باقی صحابہ کرامؓ نے رکعات کا ذکر نہیں کیا اور حضرت جابرؓ نے ایک رات کی رکعات بیان کر دیں۔ (شاید وہ پہلی دو راتوں کی نماز میں شریک نہ ہو سکے ہوں جیسا کہ ان کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب) گویا تین راتوں کی متفرق رکعات میں سے آٹھ رکعات صرف ایک رات کی ہیں۔ دوسری راتوں میں ممکن ہے رکعات کی یہ تعداد نہ رہی ہو لیکن بدقسمتی سے غیر مقلدین حضرات اس واضح فرق کو محسوس کرنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہیں۔

دوسری حدیث جابرؓ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب ایک دن آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ، کان من اللیلۃ شیٔ آج رات ایک عجیب واقعہ پیش آ گیا۔ میرے گھر کی خواتین نے مجھے کہا کہ ہم تیری اقتدا میں نماز کے اندر قرآن پاک سنیں گی۔ میں نے ان کو آٹھ رکعات اور وتر پڑھائے۔ آپ نے یہ سن کر خاموشی اختیار کی گویا کہ اس پر اپنی رضا کا اظہار فرمایا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۱۵ ملخصاً) اس روایت میں بھی متعدد کمزوریاں موجود ہیں:

(۱) مسند احمد اور طبرانی کی روایت میں رمضان کا لفظ موجود نہیں۔ ابو یعلی کی روایت میں یعنی رمضان کے الفاظ ہیں جو فہم راوی پر دلالت کرتے ہیں اور قیام اللیل ص۹۲ کی روایت میں رمضان کا

لفظ موجود ہے۔ یعنی اس روایت سے تو سرے سے یہی تعیین نہیں ہوتی کہ یہ واقعہ رمضان کا ہے یا غیر رمضان کا۔ ممکن ہے خواتین خانہ نے نماز تہجد کے اندر قرآن سننے کی خواہش ظاہر کی ہو اور حضرت ابی بن کعبؓ نے انہیں تہجد ہی کی نماز پڑھائی ہو۔...... (۲) حضرت ابی بن کعب خود اسے عجیب واقعہ کی حیثیت سے بیان فرما رہے ہیں جو دلیل ہے کہ ان کے سامنے تعیین رکعات کی نظیر موجود نہ تھی اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے بھی چونکہ رکعات متعین نہ تھیں اس لیے آپ نے اسے ناپسند نہ فرمایا۔.... (۳) یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی رضا صرف عورتوں کی امامت کی حد تک ہو کہ عورتوں نے آپ کی اقتدا میں جو نماز پڑھی، اس میں کوئی قباحت نہیں اور رکعات کی طرف آپ نے عدم تعیین کی بنا پر توجہ ہی نہ فرمائی ہو۔..... (۴) لیکن یہ ساری بحثیں اس صورت میں ممکن ہیں کہ یہ روایت سند کے اعتبار سے صحیح ثابت ہو جائے جبکہ سند کے اعتبار سے اس کا ضعف گزشتہ روایت سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ اس میں عیسیٰ بن جاریہ اور یعقوب قمی کے علاوہ محمد بن حمید رازی بھی ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ضعیف ہے۔ (تقریب التھذیب ص ۲۹۵) ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ضعیف ہے۔ یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں کثیر المناکیر۔ بکثرت منکر روایتیں رکھتا ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں فیه نظر یعنی وہ انتہائی کمزور ہے۔ ابو زرعہؒ فرماتے ہیں کذاب ہے۔ اسحاق فرماتے ہیں اشھد انه کذاب میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے۔ صالح جزرہ فرماتے ہیں ما رایت اجرا علی الله منه۔ میں نے اللہ تعالیٰ پر اس سے زیادہ جری شخص کوئی نہیں دیکھا۔ ہر چیز کے بارے میں حدیث بیان کر دیتا ہے۔ لوگوں کی حدیثیں بدل دیتا ہے۔ ابن خراش فرماتے ہیں کان والله یکذب۔ خدا کی قسم جھوٹا ہے۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں لیس بثقة (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۹) امام بخاریؒ نے اسے نظر انداز کیا ہے۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ نے اس کی روایت قبول نہیں کی۔ (تہذیب التھذیب ج ۹ ص ۱۳۱) امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اکثر اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔ (الوسیلہ مترجم ص ۱۲۰)

غور فرمایئے کہ اس روایت کے اندر گزشتہ روایت سے بھی زیادہ ضعف موجود ہے لیکن غیر مقلدین صرف ہٹ دھرمی کی بنا پر پھر بھی اس سے استدلال کر رہے ہیں۔

﴿تیسری حدیث جابرؓ﴾ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رمضان کی ایک رات آپ

باہر(مسجد میں)تشریف لائے فصلی الناس اربعة وعشرین رکعة واوتر بثلاثة اورلوگوں کو چوبیس رکعات (چارفرض اوربیس تراویح) اورتین وتر پڑھائے۔ (تاریخ جرجان لابی القاسم حمزہ بن یوسف السہمی ص ۳۱۷)

اس روایت میں بھی محمد بن حمید رازی ہے جس کا ضعف بیان ہو چکا ہے چنانچہ شیخ ناصر الدین الالبانی غیر مقلد اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے فان محمد بن حمید وشیخه عمر بن هارون متهمان بالکذب کیونکہ محمد بن حمید رازی اور اس کا استاد عمر بن ہارون دونوں متہم بالکذب ہیں۔(سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة ج ۲ص ۳۷) گویا شیخ البانی بھی اس روایت کو محمد بن حمید رازی کی وجہ سے ضعیف قرار دے رہے ہیں۔اگر رازی کی وجہ سے یہ روایت کمزور ہے تو پچھلی روایت کیسے صحیح قراردی جاسکتی ہے؟

تیسری روایت حدیث عبد اللہ ابن عباس

تراویح کے لیے تیسری دلیل حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے:

وہ فرماتے ہیں کہ بے شک آنحضرت ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر۔رمضان المبارک میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ص ۴۹۶۔مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ص ۳۹۴۔المعجم الکبیر ج ۱۱ص ۳۹۳)

اس روایت کی سند بھی کمزور ہے کیونکہ اس میں ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبہ راوی ائمہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے چنانچہ شعبہ فرماتے ہیں کذاب ہے۔ابن معین کہتے ہیں لیس بثقة۔امام احمد فرماتے ہیں ضعیف ہے۔سکت عنه البخاری۔امام بخاری نے اسے نظرانداز کیا ہے۔امام نسائی فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے۔علامہ ذہبی فرماتے ہیں له مناکیر۔اس کے پاس منکر روایتیں ہیں۔امام ترمذی فرماتے ہیں منکر الحدیث ہے۔(الحاوی للفتاویٰ ج ۱ص ۳۴۷)ابن عدی کہتے ہیں لین۔اس میں کمزوری ہے۔(نصب الرایہ ج ۲ص ۱۵۳)ابن حجرؒ فرماتے ہیں ضعیف ہے۔(فتح الباری ج ۲ص ۳۱۷)لہٰذا سند کے اعتبار سے اس روایت سے استدلال بھی درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اس مفصل ومدلل بحث سے یہ حقیقت تو پوری طرح بے نقاب ہوچکی کہ حدیث عائشہ صدیقہ تو اپنی اضطراری کیفیت کی بنا پر رکعات کے لیے دلیل نہیں بن سکتی۔باقی رہیں دیگر روایات تو ان کا نقشہ ملاحظہ

فرمالیجیے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	۱	۸ رکعت اور وتر (ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۳۸)
	۲	۸ رکعات اور وتر (قیام اللیل ص ۹۲)
	۳	۲۰ رکعات اور تین وتر (تاریخ جرجان ص ۳۱۷)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ	۱	۲۰ رکعات اور وتر (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۴)

سطور بالا میں آپ با حوالہ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ چاروں روایات سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں لیکن ان کے درمیان چند ایسے فرق نمایاں ہیں جنہیں محسوس کرنے کے لیے کسی گہری نگاہ کی ضرورت نہیں۔ معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان بھی انہیں بآسانی محسوس کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کا دل حقیقت پسندی اور فکر آخرت سے محروم نہ ہو۔

(۱) حدیث جابرؓ باہم متعارض و متناقض ہے۔ اس کے تین طرق میں سے دو آٹھ رکعت پر دلالت کرتے ہیں اور ایک بیس رکعات پر جبکہ حدیث ابن عباسؓ متعارض نہیں ہے۔

(۲) حدیث جابرؓ کی آٹھ رکعات کا متابع موجود نہیں جبکہ حدیث ابن عباسؓ کا متابع حدیث جابرؓ کی بیس رکعت والی روایت موجود ہے اور یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ ضعیف روایت کا متابع ضعیف روایت کی صورت میں بھی موجود ہو تو اس کا ضعف کم ہو جاتا ہے۔

(۳) حدیث جابرؓ کی آٹھ رکعت والی روایت کو امت کا تلقی بالقبول حاصل نہیں جبکہ حدیث ابن عباسؓ کو امت کے تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے اور امت کا تلقی بالقبول ضعف روایت کو بالکل ختم کر دیتا ہے۔

(۴) اسلاف امت میں سے جن اکابر نے حدیث جابرؓ کی سند کی توثیق کی ہے، ان میں سے کوئی بھی رکعات تراویح کے لیے اس سے استدلال نہیں کرتا بلکہ رکعات تراویح کے لیے وہ سب بزرگ عہد فاروقی کی روایات سے استدلال کرتے ہیں۔

(۵) حدیث جابرؓ سے رکعات تراویح کے لیے کسی محدث نے استدلال نہیں کیا جبکہ اس کے برعکس متعدد ائمہ کرام نے حدیث ابن عباسؓ سے باقاعدہ استدلال کیا ہے۔

حدیث ابن عباسؓ سے ائمہ کا استدلال : علامہ ابن الجوزی الحنبلیؒ الوفاء باحوال المصطفیٰ ص ۵۶۰ میں بیس رکعات نماز تراویح کے ثبوت کے لیے حدیث ابن عباسؓ پیش فرماتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا قیام رمضان بیس رکعت تھا کما جاء فی حدیث ابن عباسؓ جیسا کہ حدیث ابن عباس میں موجود ہے۔ (تحفۃ الاخیار ص ۲۱۱) شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ الحنفی فرماتے ہیں کہ حدیث ابن عباسؓ صحیح و سالم ہے، قابل عمل ہے کیونکہ فعل صحابہؓ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۴۵۲) علامہ ابن قدامہ الحنبلیؒ فرماتے ہیں کہ بیس رکعات نماز تراویح سنت موکدہ ہے: **واول من سنہ رسول اللہ ﷺ ونسبت الی عمر لانہ جمع الناس علی ابی بن کعب**۔ سب سے پہلے اسے آنحضرت ﷺ نے سنت قرار دیا۔ حضرت عمرؓ کی طرف اس کی نسبت صرف اتنی ہے کہ انہوں نے قوم کو (ایک امام) حضرت ابی بن کعبؓ پر جمع کر دیا۔ (مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۸۰۰) یہاں تک کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں **التراویح عشرون رکعۃ سنۃ موکدۃ ولم یخرجہ عمر من تلقاء نفسہ** ۔ بیس رکعت تراویح سنت موکدہ ہیں جو حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے ایجاد نہیں کیں۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۲۰) گویا رکعات تراویح کے لیے اسلاف کا حدیث ابن عباسؓ سے استدلال موجود ہے۔

حدیث جابرؓ کی توثیق کرنے والے اکابر کا استدلال: حدیث جابرؓ کی توثیق کے لیے غیر مقلدین چند اکابر کا نام پیش کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ان اکابر نے حدیث جابرؓ کی توثیق کی ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں ہے کہ غیر مقلدین کا یہ دعویٰ درست ہے یا نہیں، لیکن ہم ان شاء اللہ العزیز یہ بات باحوالہ ثابت کر سکیں گے کہ وہ اکابر اگر حدیث جابرؓ کی توثیق کرتے بھی ہیں تو رکعات تراویح کے لیے اس سے استدلال ہرگز نہیں کرتے بلکہ رکعات تراویح کے لیے ان کا استدلال عہد فاروقیؓ کی روایات سے ہے۔ آیئے ان اکابر کا استدلال ملاحظہ فرمالیجیے۔

(۱) **حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعیؒ**: حدیث جابرؓ کی توثیق کرنے والے اکابر میں غیر مقلدین

سب سے پہلا نام حافظ ابن حجرؒ کا پیش کرتے ہیں حالانکہ حافظ ابن حجرؒ رکعات تراویح کے لیے عہد فاروقیؓ کی یزید بن رومان اور یزید بن خصیفہ والی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ **عن عمر انہ جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعۃ**۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ابی بن کعبؓ کی اقتدا میں جمع کیا اور انہوں نے بیس رکعات نماز تراویح پڑھائیں۔ (الدرایہ ج ۱ ص ۱۲۳۔ وتلخیص الحبیر ج ۲ ص ۲۱)

(۲) علامہ بدر الدین عینی الحنفیؒ: اس بارے میں دوسرا نام علامہ عینی کا پیش کیا جاتا ہے حالانکہ وہ بھی رکعات تراویح کے لیے عہد فاروقیؓ کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **انھم کانوا یقومون علی عھد عمر بعشرین رکعۃ وعلی عھد عثمان وعلی مثلہ فصار اجماعا**۔ یعنی عہد فاروقی، عہد عثمانی اور عہد علوی میں لوگ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے اور اسی پر اجماع منعقد ہو گیا۔ (حاشیہ کنز الدقائق ج ۱ ص ۴۰)

(۳) امام جلال الدین سیوطی الشافعیؒ: اس بارے میں تیسرا نام امام سیوطیؒ کا پیش کیا جاتا ہے حالانکہ وہ بھی عہد فاروقیؓ کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سائب بن یزید سے بسند صحیح ثابت ہے **کانوا یقومون علی عھد عمر فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ**۔ عہد فاروقیؓ میں لوگ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۴۸)

(۴) علامہ ملا علی قاری الحنفیؒ: اس بارے میں چوتھا نام علامہ علی قاریؒ کا پیش کیا جاتا ہے حالانکہ وہ بھی عہد فاروقی کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **نعم ثبت العشرون من زمن عمر**۔ ہاں (اگرچہ حدیث ابن عباسؓ ضعیف ہے لیکن) عہد فاروقیؓ میں بیس رکعات ثابت ہیں۔ (مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹۴)

(۵) علامہ عبدالحیٔ لکھنوی الحنفیؒ: اس بارے میں پانچواں نام علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ کا پیش کیا جاتا ہے حالانکہ وہ بھی عہد فاروقیؓ کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ **ثبت اھتمام الصحابۃ علی عشرین فی عھد عمر وعثمان وعلی من بعدھم** یعنی عہد فاروقی، عہد عثمانی،

عہد علوی اور ان کے بعد صحابہ کرامؓ کے اہتمام سے بیس رکعات تراویح ثابت ہیں۔(عمدۃ الرعایہ ج ا ص ۱۷۵)

(۶) حافظ کمال الدین ابن ہمام الحنفیؒ: اس بارے میں چھٹا نام حافظ ابن ہمامؒ کا پیش کیا جاتا ہے کہ وہ فتح القدیر ج اص ۳۳۴ میں آٹھ رکعات تراویح کو سنت اور بارہ رکعات کو مستحب قرار دیتے ہیں حالانکہ حافظ ابن ہمام اسی فتح القدیر کے ص ۳۳۳ پر تسلیم کرتے ہیں کہ ثبت العشرون من زمن عمر یعنی حضرت عمرؓ کے عہد میں بیس رکعات ثابت ہیں یعنی حافظ ابن ہمامؒ عہد فاروقیؓ کی بیس رکعات سے انکار نہیں کر رہے ہے بلکہ صرف ان کی حکمی حیثیت سے اختلاف کر رہے ہیں۔تراویح ان کے نزدیک بھی بیس رکعات ہی ہیں البتہ وہ آٹھ رکعت پر سنت نبوی سے ثابت ہونے کی وجہ سے سنت موکدہ اور بارہ رکعات پر سنت خلفاء راشدینؓ سے ثابت ہونے کی وجہ سے مستحب ہونے کا حکم جاری کرتے ہیں۔لیکن علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ ان کے اس موقف کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سنت خلفاء راشدینؓ بھی سنت نبوی کی طرح سنت ہے جیسا کہ اصول میں سنت کا اطلاق سنت نبویؐ اور سنت خلفاء راشدینؓ دونوں پر ہوتا ہے:فیکون فعل الفاروق الاعظم ایضا سنة پس فاروق اعظمؓ کا بیس رکعات تراویح والا فعل بھی سنت نبوی کی طرح سنت ہے۔(العرف الشذی ص ۳۰۹)

اس بحث سے پوری طرح واضح ہو چکا کہ غیر مقلدین کے نزدیک جو اکابر واسلاف حدیث جابرؓ (آٹھ رکعات والی) کی توثیق کرتے ہیں،وہ بھی رکعات تراویح کے لیے اسے بنیاد نہیں بناتے اور نہ اس سے استدلال کرتے ہیں بلکہ عہد فاروقیؓ کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے ڈنکے کی چوٹ بیس رکعات تراویح کا اثبات کرتے ہیں اور غیر مقلدین حضرات اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی حدیث کی محض صحت وثقاہت ہی کافی نہیں ہوتی جب تک کہ اس سے استدلال نہ کیا جائے۔ورنہ بخاری ومسلم اور دیگر کتب حدیث کی وہ بے شمار روایات غیر مقلدین کے لیے وبال جان بن جائیں گی جن کی صحت وثقاہت مسلمہ ہے لیکن منسوخ ہونے کی بنا پر ان سے استدلال جائز نہیں اور نہ ان پر عمل کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔کیا بخاری کے اندر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے اور نماز کے اندر خارجی گفتگو کرنے کی روایات کی صحت کے اندر کوئی شبہ کیا جاسکتا ہے؟اور کیا غیر مقلدین محض ان کی صحت کی بنیاد پر انہیں عمل

کی بنیاد بنا سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر حدیث جابرؓ کی محض صحت ثابت کرنے سے کیا فائدہ؟

ہم نے حدیث جابرؓ اور حدیث ابن عباسؓ کے درمیان پانچ واضح فرق بیان کر دیے ہیں۔ اس کے باوجود حدیث جابرؓ سے استدلال کرنا اور حدیث ابن عباسؓ کو یکسر نظر انداز کر دینا خالص غیر مقلدانہ جسارت ہے جسے علم و تحقیق کی دنیا میں مبنی بر انصاف ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: یہاں یہ غلط فہمی پیدا کی جا سکتی ہے کہ جب مذکورہ علما آٹھ رکعات کو سنت نبوی تسلیم کرتے ہیں تو پھر رکعات تراویح کے لیے عہد فاروقیؓ کی روایات سے کیوں استدلال کرتے ہیں؟ تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ وہ اپنی تحقیق کے مطابق آٹھ رکعات کو سنت نبوی قرار دینے کے باوجود سنت خلفاء راشدینؓ کو نظر انداز نہیں کرتے چنانچہ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ **وجمع بینهما بانه وقع اولا ثم استقر الامر علی العشرین فانه المتوارث**۔ یعنی گیارہ اور بیس رکعات کی روایات کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ پہلے گیارہ رکعات پڑھی جاتی تھیں پھر بیس پر معاملہ پختہ ہو گیا اور یہی متواتر و متوارث عمل ہے۔ **لهذا ان قیام رمضان سنة احدی عشرة بالوتر فی جماعة فعله علیه السلام وکونها عشرین سنة الخلفاء الراشدین**۔ گیارہ رکعات سنت نبوی اور بیس رکعت سنت خلفاء راشدین ہے۔ (مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹۴) یہی موقف علامہ قسطلانی الشافعیؒ کا التعلیق الحسن ج ۲ ص ۵۳ میں، امام بیہقی الشافعیؒ کا السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶ میں، علامہ سلیمان الباجی المالکیؒ کا المنتقی شرح الموطا ص ۲۰۸ میں، امام سیوطی الشافعیؒ کا المصابیح ص ۳۹ میں اور حافظ ابن حجر الشافعیؒ کا فتح الباری ج ۵ ص ۵۷ میں مذکور ہے۔

غیر مقلدین کا دوہرا معیار

علماء اہل سنت کو غیر مقلدین سے ہمیشہ یہ شکایت رہی ہے کہ کسی روایت کو قبول یا رد کرنے کے لیے ان کے ہاں دوہرا معیار پایا جاتا ہے یعنی ان کے پاس لینے اور دینے کے پیمانے جدا جدا ہیں۔ آئیے آپ بھی اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرما لیجیے۔ حدیث ابن عباسؓ کے راوی ابراہیم بن عثمان اور حدیث جابرؓ کے راوی عیسیٰ بن جاریہ اور محمد بن حمید رازی کے بارے میں غیر مقلدین کے ہاں کس قدر بعد المشرقین پایا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

قال ابن عدیؒ	ابراہیم بن عثمان	لین الحدیث	غیر مقلدین نے کہا	درست ہے
قال ابن حجرؒ	عیسیٰ بن جاریہ	لین الحدیث		غلط ہے
قال الذہبیؒ	ابراہیم بن عثمان	لہ مناکیر		درست ہے
قال ابن معینؒ	عیسیٰ بن جاریہ	لہ مناکیر		غلط ہے
قال النسائیؒ	ابراہیم بن عثمان	متروک الحدیث		درست ہے
قال ابوداوٗدؒ	عیسیٰ بن جاریہ	منکر الحدیث		غلط ہے
قال احمدؒ	ابراہیم بن عثمان	ضعیف		درست ہے
قال الساجیؒ والعقیلیؒ	عیسیٰ بن جاریہ	ضعیف		غلط ہے
قال البیہقیؒ واحمدؒ	ابراہیم بن عثمان	ضعیف		درست ہے
قال ابن حجرؒ والذہبیؒ	محمد بن حمید رازی	ضعیف		غلط ہے
قال الذہبیؒ	ابراہیم بن عثمان	لہ مناکیر		درست ہے
قال یعقوب بن شیبۃؒ	محمد بن حمید رازی	کثیر المناکیر		غلط ہے
قال البخاریؒ	ابراہیم بن عثمان	سکت عنہ		درست ہے
قال البخاریؒ	محمد بن حمید رازی	فیہ نظر		غلط ہے
قال شعبۃؒ	ابراہیم بن عثمان	کذاب		درست ہے
قال ابوزرعۃؒ واسحاقؒ وابن خراشؒ	محمد بن حمید رازی	کذاب		غلط ہے
قال ابن معینؒ	ابراہیم بن عثمان	لیس بثقۃ		درست ہے
قال النسائیؒ	محمد بن حمید رازی	لیس بثقۃ		غلط ہے

نوٹ: غیر مقلدین کے معروف امام حافظ محمد عبداللہ روپڑیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ جس

راوی کے حق میں فیہ نظر فرمادیں تو اس کی حدیث سے نہ استدلال پکڑا جا سکتا ہے نہ وہ دوسری روایت کی شاہد ہو سکتی ہے اور نہ وہ متابعت کا کام دے سکتی ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۳۲۴۔ تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۵۷) اور امام بخاری محمد بن حمید رازی کے بارے میں فیہ نظر ہی تو فرمارہے ہیں۔ اب اس کی روایت سے استدلال کیونکر صحیح ہوگا؟

مولانا عبد الرحمن مبارک پوری کا فیصلہ: اس مدلل بحث کے بعد بھی اگر غیر مقلدین حدیث جابرؓ کی صحت پر بضد ہوں تو بھی انہیں اس کی صحت فائدہ نہیں دیتی کیونکہ ان کے پیشوا مولانا عبدالرحمن مبارک پوریؒ غیر مقلد ایک حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سلمنا صحة اسناده لكن تقرر ان صحة الاسناد لا يستلزم صحة المتن یعنی اس کی سند کا صحیح ہونا تسلیم لیکن یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ سند کے صحیح ہونے سے متن کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ (ابکار المنن ص ۲۰) گویا عملی حوالہ سے کسی روایت کی سند کی صحت بھی فائدہ نہیں دیتی جب تک کہ متن حدیث کو امت کا تلقی بالقبول حاصل نہ ہو اور یہی ہمارا موقف ہے کہ حدیث جابرؓ اگر سند کے اعتبار سے بالفرض صحیح ثابت ہو بھی جائے تو امت کا تلقی بالقبول حاصل نہ ہونے کی وجہ سے وہ قابل استدلال نہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: بعض غیر مقلدین یہ دھوکہ بھی دیتے ہیں کہ عیسیٰ بن جاریہ کی تو بعض ائمہ نے توثیق بھی کی ہے جبکہ ابراہیم بن عثمان کی کسی نے توثیق نہیں کی حالانکہ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ بعض ائمہ نے ابراہیم کی بھی توثیق کی ہے مثلاً ابن عدیؒ فرماتے ہیں له احاديث صالحة وخير من ابراهيم ابن ابى حية یعنی ابراہیم کے پاس صالح روایات بھی ہیں اور وہ ابراہیم بن ابی حیہ سے بہتر ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۴۵) اور امام بخاریؒ کے استاد یزید بن ہارون فرماتے ہیں ہمارے زمانے میں ابراہیم بن عثمان سے زیادہ عادل قاضی کوئی نہیں گزرا۔ (تہذیب ج ۱ ص ۱۴۵) لیکن یہ بات ہم بار بار واضح کرنا چاہیں گے کہ حدیث ابن عباسؓ سے ہمارا استدلال صحت سند کی بنیاد پر نہیں بلکہ امت کے تلقی بالقبول کی بنیاد پر ہے۔ غیر مقلدین میں اگر اخلاقی جرات ہے تو وہ اس اعتبار سے اس کی تردید کریں۔ هل منكم رجل رشيد؟

حاصل بحث: اس پوری بحث کے بعد جو دیانتدارانہ نتیجہ سامنے آتا ہے، وہ یہی ہے کہ

عہد نبویؐ کی رکعات تراویح سے متعلق تمام روایات سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ قیام رمضان کی بہت ترغیب دیتے لیکن اس سلسلے میں کوئی تاکیدی حکم نہیں فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی اور معاملہ اسی طرح رہا۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۶۹۔ مسلم ج ۱ ص ۲۵۹) حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کسی تاکیدی حکم کے بغیر قیام رمضان کی ترغیب فرماتے تھے۔ (نسائی ج ۱ ص ۲۳۷)

اسی لیے جمہور اہل سنت والجماعت کا موقف یہی ہے کہ کسی صحیح روایت سے عہد نبویؐ کی رکعات تراویح ثابت نہیں۔ علامہ تاج الدین سبکی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ **اعلم انه لم ینقل کم صلی رسول الله ﷺ تلک اللیالی هل هو عشرون او اقل. مذهبنا ان التراویح عشرون رکعة۔** یعنی آنحضرت ﷺ سے باجماعت نماز تراویح کے ایام ثلاثہ میں رکعات ثابت نہیں البتہ ہمارا مذہب بیس تراویح کا ہے۔ (تحفۃ الاخیار ص ۱۱۶۔ الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۳۵۰) علامہ ابن تیمیہ الحنبلیؒ فرماتے ہیں کہ بے شک آنحضرت ﷺ سے رکعات تراویح کا کوئی عدد معین ثابت نہیں۔ (مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹۴) نیز فرماتے ہیں کہ **ومن ظن ان قیام رمضان فیه عدد معین موقت عن النبی ﷺ لا یزید ولا ینقص فقد اخطا** یعنی جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ آپ ﷺ سے قیام رمضان کی رکعات کے لیے ایسا عدد معین ثابت ہے کہ اس میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی، وہ غلطی پر ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ۲ ص ۲۵۱) قاضی شوکانیؒ غیر مقلد فرماتے ہیں کہ نماز تراویح کو رکعات کے کسی عدد معین سے محدود کرنا یا کسی خاص قراءت کے ساتھ مخصوص کرنا سنت نبویؐ سے ثابت نہیں۔ (نیل الاوطار ج ۴ ص ۵۳) اسی طرح شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے فتاوی عزیزی ص ۴۵۲ میں، نواب وحید الزمان خان نے کنز الحقائق ص ۳۰ اور نزل الابرار ج ۱ ص ۱۲۶ میں اور نواب نور الحسن خان نے عرف الجادی ص ۸۴ میں یہی موقف اختیار کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے رکعات تراویح کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ اسی لیے امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ:

ولو ثبت عددها بالنص لم تجز الزیادة علیه لاهل المدینة والصدر الاول کانوا اورع من ذلک اگر رکعات تراویح کا عدد معین نص سے ثابت ہوتا تو خیر القرون کے اہل مدینہ ان میں ہرگز زیادتی نہ کرتے کیونکہ وہ (بعد والے لوگوں سے) زیادہ متقی و پرہیزگار

تھے۔(الحاوی للفتاویٰ ج ا ص ۳۴۸) نیز فرماتے ہیں کہ **ان العلماء اختلفوا فی عددها ولو ثبت ذالک من فعل النبی ﷺ لم یختلف فیه** ۔ بے شک علمانے رکعات تراویح میں اختلاف کیا ہے۔ اگر سنت نبویؐ سے ان کا عدد معین ثابت ہوتا تو علما اس میں اختلاف ہرگز نہ کرتے۔(مصابیح للسیوطی ص ۴۲)

اور یہ ہے بھی حقیقت کہ رکعات تراویح میں اختلاف خیر القرون یا اس کے قریب زمانہ میں پیدا ہوا۔ اگر آنحضرت ﷺ سے رکعات تراویح بصراحت ثابت ہوتیں تو اختلاف ہرگز پیدا نہ ہوتا۔ معلوم ہوا کہ یہ ائمہ کرامؒ نہ تو حدیث جابرؓ کی صحت کو قبول کرتے ہیں اور نہ حدیث عائشہؓ کو تراویح پر محمول کرتے ہیں۔

نوٹ: یہاں ہم ایک بار پھر یہ وضاحت کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ جن ائمہ نے حدیث ابن عباسؓ سے استدلال کیا ہے، وہ اس کی صحت وثقاہت کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس پر امت کے تلقی بالقبول کی وجہ سے کیا ہے۔ ورنہ سند کے اعتبار سے حدیث ابن عباسؓ کا ضعف بھی مسلم ہے۔

باب سوم

سنت خلفائے راشدینؓ

گزشتہ باب میں بالتفصیل گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے باجماعت قیام رمضان چند دن فرمایا۔ پھر اسے امت پر فرضیت کی وجہ سے ترک فرما دیا۔ اور یہ بھی بدلائل قاہرہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ اس باجماعت نماز کی رکعات کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے نہیں ملتا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان گھروں یا مسجدوں میں جو نماز ادا کرتے تھے، اس کی رکعات کا ثبوت بھی دستیاب نہیں۔ اس سلسلے میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایات بھی گزر چکی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اس نماز کی ترغیب دیتے تھے لیکن اس کے لیے کسی قسم کا تاکیدی حکم نہ فرماتے تھے۔ چونکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک سنت نبویؐ کے بعد سب سے بڑی دلیل سنت خلفاء راشدینؓ ہے، اس لیے اب ہم اسی دلیل کے حوالے سے بحث کریں گے کہ خلفائے راشدینؓ کے ہاں رکعات تراویح کی تعداد کیا ہے؟

عہد صدیقیؓ میں نماز تراویح

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد قرآن پاک کے وعدۂ خلافت کے مطابق تمام انصار ومہاجرین صحابہؓ نے بالاتفاق حضرت سیدنا امام صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ منتخب کرلیا اور وہی خلیفہ بلافصل قرار پائے۔ آپ کے زمانہ خلافت میں بھی نماز تراویح کا وہی سلسلہ جاری رہا جو عہد نبویؐ کے آخری ایام میں موجود تھا یعنی انفرادی یا متفرق جماعتوں کی صورت میں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ:

ثم کان الامر علی ذلک فی خلافة ابی بکر وصدرا من خلافة عمر (بخاری ج ۱ ص ۲۶۹۔ مسلم ج ۱ ص ۲۵۹) یعنی پھر عہد نبویؐ والا یہ معاملہ خلافت صدیقیؓ اور عہد فاروقیؓ کے

آغاز میں اسی طرح قائم رہا۔

گویا عہد صدیقیؓ میں بھی قیام رمضان کا وہی عہد نبویؐ والا طرز قائم رہا۔ چنانچہ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں کہ:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں نماز تراویح باجماعت کا انتظام نہ تھا بلکہ خلافت اولیٰ کے عہد میں بھی نہ تھا۔ لوگ متفرق طور پر پڑھتے تھے۔'' (فتاویٰ ثنائیہ ج ا ص ۵۴۶) ''ایک حق پسند کے لیے یہ بات قابل غور ہے کہ جماعت تراویح جو آج اسلامی ممالک میں مروج ہے، یہ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جاری ہوئی تھی۔ خلافت اولیٰ کے زمانے میں اس کا نام ونشان تک نہیں پایا جاتا۔'' (ایضاً ص ۵۵۱)

یعنی عہد صدیقیؓ میں نہ مستقل طور پر باجماعت قیام رمضان تھا اور نہ متفرق جماعتوں میں رکعات کی کوئی تعیین۔ چنانچہ مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ غیر مقلد اور مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ غیر مقلد فتاویٰ نذیریہ ج ا ص ۶ ۲۳ ص ۲۴۰ میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کا حال صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ وہ کتنی رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ اگر عہد نبویؐ میں رکعات تراویح کی تعیین موجود ہوتی تو صدیق اکبرؓ سے بڑھ کر کون ان سے باخبر ہوتا؟

عہد فاروقی کی جماعت تراویح

۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳ھ کو امام صدیق اکبرؓ نے سفر آخرت اختیار فرمایا اور انہی کے انتخاب پر امام فاروق اعظمؓ نے خلافت سنبھالی۔ تقریباً دو ماہ بعد رمضان المبارک آ گیا۔ اس موقع پر آغاز رمضان میں آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عکیم الجہنیؒ فرماتے ہیں کہ:

''ماہ رمضان کی اول شب نماز مغرب کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے فرمایا: **هذا الشهر كتب عليكم صيامه ولم يكتب عليكم قيامه فمن استطاع منكم ان يقوم فليقم فانها نوافل الخير فمن لم يستطع فلينم على فراشه** . ''یہ وہ مہینہ ہے جس کے روزے تم پر فرض کیے گئے لیکن اس کا قیام تم پر فرض نہیں کیا گیا۔ پس تم میں سے جو قیام کی طاقت رکھتا ہے، وہ قیام کرے کیونکہ یہ نوافل اس کے لیے بہتر ہیں اور جو تم میں سے قیام کی طاقت نہیں رکھتا، وہ اپنے بستر پر نیند کرے۔'' (مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۲۶۶)

گویا خلافت فاروقیؓ کے آغاز میں نماز تراویح کی سابقہ کیفیت برقرار تھی اور اس کا درجہ نوافل یا استحبابی سنت کا رہا لیکن اگلے سال فاروق اعظمؓ نے باجماعت تراویح کے لیے سرکاری حکم جاری فرمادیا چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ فرماتے ہیں کہ:

''رمضان المبارک کی ایک شب کو میں حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا تو لوگ الگ الگ اور متفرق ٹولیوں کی صورت میں نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر میں ان کو ایک امام پر جمع کردوں تو بہتر ہوگا۔ پھر آپ نے اس کا پختہ ارادہ کرلیا۔ کچھ دن بعد آپ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتدا میں جمع کردیا۔ اس کے بعد ایک رات ہم نکلے تو لوگ مسجد کے اندر ایک امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: نعمت البدعة هذه۔ یہ ایک اچھا طریقہ ہے۔'' (بخاری ج ا ص ۲۶۹)

متفرق جماعتوں کا سلسلہ ختم کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے حضرت نوفل بن ایاس الہذ لیؒ فرماتے ہیں کہ:

''ہم عہد فاروقیؓ میں مسجد کے اندر متفرق جماعتوں کی صورت میں قیام رمضان کرتے تھے اور لوگ خوش الحان قاریوں کی طرف مائل تھے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو فرمایا: اتخذوا القرآن اغانی۔ لوگوں نے قرآن کو گانا سمجھ رکھا ہے۔ خدا کی قسم اگر مجھے توفیق ملی تو میں اس طرز کو بدل دوں گا۔ تین دن سے زائد نہ ہوئے تھے کہ آپ نے ابی بن کعبؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' (کنز العمال ج ۸ ص ۲۶۴۔ طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۵۹)

غالباً تین دن امام فاروق اعظمؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے:

وقد كان علي يحث عمر على اقامة هذه السنة الى ان اقامها ۔ یعنی حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو اس (باجماعت نماز تراویح کی) سنت کے قائم کرنے پر ابھارا یہاں تک کہ انہوں نے اسے قائم کردیا۔'' (مستدرک حاکم ج ا ص ۴۴۰) اور خود حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ قیام رمضان کے لیے مسجد میں حاضر ہوا کہ حضرت عمرؓ نے مجھے فرمایا کہ **یا ابا الحسن فتحوض الناس على الصلوة حتى تصيبهم البركة فامر الناس بالقيام** ۔ اے علیؓ، لوگوں کو (باجماعت) قیام رمضان پر ابھارو تا کہ وہ اس کی برکات پوری طرح حاصل کرسکیں۔ پھر

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو قیام کا حکم دیا۔ (کنز العمال ج ۸ ص ۲۶۵) تاریخی روایات کے مطابق حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتدا میں لوگوں کو قیام رمضان کے لیے جمع کرنے کا واقعہ خلافت فاروقیؓ کے دوسرے سال یعنی ۱۴ ہجری کا ہے۔ (ملاحظہ فرمایئے تاریخ الخلفاء للسیوطیؒ ص ۲۰۹۔ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۸۹۔ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۱۵)

مذکورہ حوالہ جات کی روشنی میں فاروق اعظمؓ کے اس فعل کے دو بنیادی سبب نظر آتے ہیں۔

پہلا ایک مسجد میں متفرق جماعتوں کا سلسلہ ختم کرنا جو مستقبل میں مسلمانوں کے درمیان باہمی جنگ وجدال کا ذریعہ بن سکتی تھیں لیکن افسوس کہ فاروق اعظمؓ نے تو جماعت پر تفریق کا راستہ بند کیا لیکن غیر مقلدین نے رکعات پر وحدت امت پارہ پارہ کردی اور دوسرا عظمت قرآن کو دلوں میں برقرار رکھنا تاکہ لوگ خوش الحانیوں میں مبتلا ہو کر قرآن سے ثانوی سلوک نہ کرنے لگیں۔ چنانچہ یہ ایک اتفاقی مسئلہ ٹھہرا۔ **فکان عمر اول من جمع الناس علی قاری واحد.** کہ حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو ایک امام پر جمع کیا۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۴ ص ۲۶۲) امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں: **وذالک صریح فی انها لم تکن فی عهد رسول الله ﷺ** ۔یعنی یہ اس بات پر صریح دلیل ہے کہ عہد نبویؐ میں تراویح کا یہ (باجماعت) سلسلہ موجود نہ تھا۔ (الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۳۴۸) اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں کہ اس پر ساری امت کا اتفاق ہے کہ (تراویح کا) جماعتی انتظام خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ نے کیا۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۴۶)

مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ رمضان المبارک کی راتوں میں سرکاری گشت کے دوران، جو کہ ان کا معمول تھا، مدینہ منورہ کی مختلف مساجد میں پہنچے تو وہاں متفرق جماعتوں کا سلسلہ نظر آیا جسے انہوں نے بعض خطرات وخدشات کی بنا پر ناپسند فرمایا اور تمام لوگوں کو ایک امام کی اقتدا میں جمع کر کے انہوں نے قیام رمضان کے اندر جماعتی وحدت پیدا کردی۔

دوسرا سرکاری حکم

پھر حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ مختلف مساجد کے اندر محنت وصحت کے لحاظ سے ہر قسم کے لوگ نماز پڑھنے والے موجود ہیں۔ کچھ ان میں سے ضعیف وکمزور ہیں اور کچھ محنت کش اور مزدور ہیں جو دن بھر کی

محنت ومزدوری یاضعف وکمزوری کی بناپرطویل قیام کی ہمت نہیں رکھتے۔ چنانچہ ان کی رعایت میں:

ان عمر دعا القراء فی رمضان فامر اسرعهم قراء ة ان یقرا بثلاثین آیة والوسط خمسة وعشرین آیة والبطیء عشرین آیة. حضرت عمرؓ نے (مختلف مساجد کے اندر) تراویح پڑھانے والے قراء کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ تیز رفتار قاری ہر رکعت میں تیس آیات پڑھے۔ درمیانی رفتار والا پچیس آیات اور سست رفتار قاری ہر رکعت میں بیس آیات پڑھے۔ (کنزالعمال ج ۸ص ۲۶۴۔ مصنف عبدالرزاق ج ۴ص ۲۶۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۲) چنانچہ مشہور تابعی حضرت سعید بن الجبیرؒ کے بارے میں منقول ہے کہ: یقرا فی کل رکعة بخمس وعشرین آیة۔ وہ تراویح کی ہر رکعت میں پچیس آیات پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۲)

حضرت فاروق اعظمؓ کے اس سرکاری حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف دنیوی معاملات میں لوگوں کی حالت وکیفیت کی خبر نہیں رکھتے تھے بلکہ دینی امور میں بھی ان کی حالت وکیفیت پر گہری نظر رکھتے تھے اور ایسے جملہ معاملات کی براہ راست خود نگرانی کرتے تھے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اس دور میں تیز رفتاری کا یہ تصور ہرگز نہ تھا جو بدقسمتی سے ہمارے زمانے کے حفاظ قرآن میں پایا جاتا ہے یعنی یعلمون اور تعلمون کے سوا کچھ بھی سمجھ نہیں آتا۔ بلکہ تجوید وترتیل قرآن کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے قراء قرآن کی طبعی رفتار میں جو فرق تھا، اس کے مطابق فیصلہ کیا گیا۔ غالباً حضرت فاروق اعظمؓ نے ان سے قران پاک سن کر ان کی رفتار کا جائزہ لے کر اس کے مطابق حکم صادر فرمایا۔

قیام رمضان باجماعت کا اجرا یا احیا؟

اس مقام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب عہد نبویؐ میں باجماعت تراویح کا باقاعدہ سلسلہ موجود نہ تھا تو یہ فاروق اعظمؓ کی طرف سے ایک نئے سلسلے کا اجرا ہے جو بدعت ہے۔ اس کے جواب میں ہمارا موقف یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کا یہ اتفاقی واجماعی نظریہ ہے کہ خاتم النبیینؐ ہونے کی بنا پر آنحضرت ﷺ پر نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا لہٰذا اس کے بعد کسی چیز کے حلال وحرام یا فرض ہونے کا اندیشہ بھی باقی نہ رہا۔ چونکہ قیام رمضان کو حضور علیہ السلام خود اپنی سنت قرار دے چکے تھے جس کا حکم سنیت بدستور باقی تھا۔ دوسری طرف آپ نے اس کی جماعت کے سلسلے کو بھی پسند فرمایا جسے صرف خوف

فرضیت کی وجہ سے جاری نہ رکھا یعنی اس کی جماعت حضور علیہ السلام کو پسند تھی لیکن جب آپ دار فنا سے دار البقا کی طرف کوچ فرما گئے تو وحی کا سلسلہ بند ہونے کی بنا پر خوف فرضیت ختم ہو گیا لہٰذا امام فاروق اعظمؓ نے حضور علیہ السلام کی سنت کو وہ طرز دوبارہ دے دیا جو خود حضورؐ نے اختیار و پسند فرمایا تھا۔ اس اعتبار سے یہ قیام رمضان کا اجرا ہرگز نہیں بلکہ اس کا احیا تھا۔

عہد فاروقی کی رکعات تراویح: چونکہ یہ ثابت ہو چکا کہ باجماعت قیام رمضان کی سنت نبوی کا احیا حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا اور وہی جماعت اپنی ہیئت و رکعات کے لیے معیار و اتھارٹی کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے اب ہم عہد فاروقیؓ کی باجماعت نماز کی ان روایات کا جائزہ لینا چاہیں گے جن میں رکعات کا تذکرہ موجود ہے۔

پہلی روایت: **عن ابن ابی ذئب عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب فی شهر رمضان بعشرین رکعة و کانوا یقرؤن بالمئین و کانوا یتوکئون علی عصیهم فی عهد عثمان من شدة القیام**

حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ ہم عہد فاروقیؓ میں بیس رکعت قیام رمضان کرتے تھے اور قاری ہر رکعت میں سو سو آیات پڑھتا تھا اور عہد عثمانیؓ میں تو طول قیام کی وجہ سے لوگوں کو لاٹھیوں کا سہارا لینا پڑتا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۹۶۔ عمدۃ القاری للعینی ج ۱۱ ص ۱۲۷۔ نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۹۸)

علامہ بیہقیؒ، امام نوویؒ، امام بغویؒ، علامہ عراقیؒ، امام سیوطیؒ، علامہ نیمویؒ، علامہ سبکیؒ، علامہ زیلعیؒ اور علامہ عینیؒ جیسے ائمہ حدیث اس روایت کی توثیق کرتے ہوئے اس کی سند کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ (ملاحظہ فرمایئے السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶۔ شرح مہذب ج ۲ ص ۳۲۔ التعلیق الحسن ص ۲۰۳۔ شرح السنۃ للبغویؒ ج ۴ ص ۱۲۰۔ آثار السنن ج ۲ ص ۵۴۔ تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۵۔ تحفۃ الاخیار ص ۱۹۲ وغیرہ)

یہی وجہ ہے کہ جب عصر حاضر کے معروف غیر مقلد الشیخ ناصر الدین الالبانی نے اس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے غیر مقلدانہ کوشش کی تو مدرس حرم الشیخ اسماعیل بن محمد الانصاری نے "تصحیح حدیث

صلوٰۃ التراویح عشرین رکعۃ'' کے نام سے اس کے جواب میں ایک رسالہ تالیف فرمایا جو ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں بیروت سے طبع ہوا۔ اس میں شیخ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام نوویؒ، علامہ زیلعیؒ، امام سبکیؒ، ابن العراقیؒ، علامہ عینیؒ، امام سیوطیؒ، ملا علی قاریؒ اور علامہ نیمویؒ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (ص ۷) یعنی ان اصحاب فن کے مقابلے میں بے چارے البانی کا انکار کیا حیثیت رکھتا ہے۔

غیر مقلدانہ دورخی پالیسی: غیر مقلدین کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ جب وہ حدیث جابرؓ میں عیسیٰ بن جاریہ کی صحت وثقاہت ثابت کرنے سے عاجز آ جاتے ہیں تو پھر ان چند ائمہ کا سہارا لیتے ہیں جنہوں نے حدیث جابرؓ کو صحیح تسلیم کیا ہے حالانکہ وہی اکابر مذکورہ حدیث (سائب بن یزیدؓ کی توثیق کرنے والے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ حضرات جب حدیث جابرؓ کی توثیق کریں تو قابل قبول، اور اگر حدیث سائب بن یزیدؓ کی توثیق کریں تو ناقابل قبول۔ آخر کیوں؟ حالانکہ ان اکابر کی طرف سے دونوں روایتوں کی توثیق میں واضح فرق موجود ہے۔ حدیث جابرؓ کی وہ صرف توثیق کرتے ہیں، نہ اس پر ان کا عمل ہے اور نہ رکعات تراویح کے لیے وہ اس سے استدلال کرتے ہیں جیسا کہ گزشتہ اوراق میں اس کی باحوالہ بحث گزر چکی ہے۔ اس کے برعکس وہ ابن ابی ذئب والی روایت کی توثیق بھی کرتے ہیں، اس پر عمل بھی کرتے ہیں اور اس سے استدلال بھی کرتے ہیں جیسا کہ ان شاء اللہ العزیز اس کی بحث آئندہ اوراق میں آئے گی۔

دوسری روایت: عن محمد بن جعفر عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال كنا نقوم في زمان عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر. یعنی ہم عہد فاروقیؓ میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۴ ص ۴۲۔ کنز العمال ج ۸ ص ۲۶۴) علامہ سبکیؒ، امام نوویؒ، اور ملا علی قاریؒ اس روایت کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ (ملاحظہ فرمایئے التعلیق الحسن ص ۲۰۴۔ آثار السنن ج ۲ ص ۵۴۔ تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۵)

غیر مقلدین اس روایت کی سند پر تو کوئی اعتراض تلاش نہ کر سکے البتہ اسے مرسل قرار دے کر قبول کرنے سے انکار کر دیا حالانکہ مرسل روایت کے قبول کرنے میں اگرچہ ائمہ اہل سنت کے درمیان

اختلاف موجود ہے لیکن جمہور ائمہ اہل سنت مرسل روایت کو قبول اور اس سے استدلال کرتے ہیں چنانچہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہے۔ (کتاب العلل ج ۲ ص ۲۳۹) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اکثر فقہا کے نزدیک مرسل حدیث بھی حجت ہے۔ (مقدمہ مسلم ص ۱۷) امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن جریرؒ نے فرمایا کہ تابعین سب کے سب مرسل کے قابل احتجاج ہونے پر متفق تھے۔ دوسری صدی کے آخر تک کسی نے اس سے انکار نہیں کیا۔ بقول علامہ ابن عبد البرؒ امام شافعیؒ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے مرسل کے ساتھ احتجاج کا انکار کیا ہے۔ (تدریب الراوی ص ۱۲۰) نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں کہ مراسیل کے ساتھ گزشتہ زمانے میں علما احتجاج کرتے تھے مثلاً سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ لیکن جب امام شافعیؒ آئے تو انہوں نے مراسیل کی حجیت میں کلام کیا۔ (الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ ص ۱۰۶)

معلوم ہوا کہ خیر القرون میں امام شافعیؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مرسل روایت کی حجیت سے انکار کیا لیکن امام شافعیؒ کا انکار بھی چند شرائط پر مبنی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ مرسل کے ساتھ اگر تقویت پہنچانے والی کوئی چیز مل جائے تو وہ مرسل بھی حجت ہوگی مثلاً کوئی مسند یا دوسری مرسل روایت اس کی تائید میں موجود ہو یا بعض صحابہؓ یا اکثر علما کا اس پر عمل ہو۔ (مقدمہ مسلم ص ۱۷)

اس پوری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ ہماری پیش کردہ دوسری روایت دیگر تمام ائمہ کرامؒ کے نزدیک اس لیے حجت ہے کہ وہ مرسل کو حجت مانتے ہیں۔ باقی رہے امام شافعیؒ تو وہ ان کے نزدیک بھی حجت ہے کیونکہ یہ ان کی تمام شرائط پر پوری اترتی ہے۔ وہ مرسل روایت کو حجت ماننے کے لیے اپنی پیش کردہ شرائط میں سے صرف ایک شرط کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن یہاں تو یہ روایت ان کی ہر شرط پر پورا اترتی ہے۔ مثلاً:

(۱) وہ فرماتے ہیں کہ وہ مرسل روایت حجت ہے جس کی تائید میں کوئی مسند روایت موجود ہو تو ہماری پیش کردہ اس روایت کی تائید میں دو مسند روایتیں موجود ہیں۔ پہلی حدیث ابن عباسؓ اور دوسری حدیث جابرؓ (بیس رکعت والی)۔

(۲) وہ فرماتے ہیں کہ وہ مرسل روایت حجت ہے جس کی تائید میں کوئی دوسری مرسل روایت

موجود ہوتو ہماری پیش کردہ اس روایت کی تائید میں ایک نہیں، متعدد مرسل روایات موجود ہیں جیسا کہ آپ اسی باب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

(۳) وہ فرماتے ہیں کہ وہ مرسل روایت حجت ہے جس پر بعض صحابہؓ کا عمل ثابت ہو تو ہماری اس پیش کردہ روایت پر ہمارے نزدیک تو صحابہ کرامؓ کا عملی اجماع ثابت ہے جیسا کہ آئندہ سطور میں ان شاء اللہ العزیز اس پر بحث آئے گی۔ لیکن بعض صحابہ کرامؓ کا اس پر عمل تو غیر مقلدین کے ہاں بھی ثابت ہے جیسا کہ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فتاویٰ ثنائیہ ج۱ص ۶۵۳ میں، مولانا محمد اسماعیل سلفی تحریک آزادی فکر ص ۲۴۳ میں، مولانا ابو البرکاتؒ فتاویٰ برکاتیہ ص۸۱ میں اور مولانا عبد الرحمٰن کیلانیؒ آئینہ پرویزیت حصہ پنجم ص ۸۲۴ میں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بعض صحابہ کرامؓ سے بیس رکعات تراویح پڑھنا ثابت ہے۔ اس اعتبار سے بھی ہماری پیش کردہ روایت امام شافعیؒ کے نزدیک حجت قرار پاتی ہے۔

(۴) وہ فرماتے ہیں کہ وہ مرسل روایت حجت ہے جس پر اکثر علما کا عمل ثابت ہو تو ہماری پیش کردہ اس روایت پر ہمارے نزدیک تو اجماع امت ہے لیکن غیر مقلدین کے نزدیک بھی اس پر اکثر علما کا عمل ثابت ہے حتیٰ کہ خود امام شافعیؒ کا اس پر اپنا عمل ثابت ہے۔ آئندہ ابواب میں اس کی تفصیلات ملاحظہ فرمالیجیے۔ اس کے باوجود اسے قبول کرنے سے انکار کرنا ایک خالص غیر مقلدانہ (یعنی احمقانہ) حرکت ہے۔

تیسری روایت: **عن مالک بن انس عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید انها عشرون رکعة** ۔ کہ تراویح بیس رکعات ہیں۔ (فتح الباری ج۴ص ۲۵۳۔ السنن الصغیر للبیہقی ج۱ص ۲۳۷) قاضی شوکانی غیر مقلد فرماتے ہیں: **وفی المؤطا من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید انها عشرون رکعة** (نیل الاوطار ج۲ص ۲۹۸) علامہ زیلعیؒ، امام نوویؒ اور امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (نصب الرایہ ج۲ص ۱۵۴۔ مرقاۃ ج۳ص ۱۹۴۔ شرح السنۃ ج۴ص ۱۲۰)

اس روایت سے بھی صاف اور واضح الفاظ میں ثابت ہے کہ عہد فاروقیؓ میں تراویح بیس رکعات ہی پڑھی جاتی تھیں۔

پہلا اعتراض: کراچی کی عثمانی پارٹی کے ایک مخبوط الحواس غیر مقلد نے اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں یزید بن خصیفہ منکر الحدیث تھا حالانکہ یزید بن خصیفہ بخاری کا راوی ہے اور ہماری مذکورہ روایت کی سند (مالک عن یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید) بخاری ج ا ص ۳۱۲ پر بعینہ موجود ہے لہٰذا اسے کمزور قرار دینا خالص غیر مقلدیت کی دلیل ہے۔ گویا غیر مقلدین کے نزدیک بخاری کا راوی (بلکہ بخاری کی پوری سند) اگر حنفیوں کی کسی دلیل میں آ جائے تو وہ نا قابل اعتماد و مجروح ہے۔ آخر اس ہٹ دھرمی کا کیا علاج ہے؟

دوسرا اعتراض: اس روایت پر غیر مقلدین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ روایت موطا میں موجود نہیں حالانکہ یہ اعتراض سراسر باطل و مردود ہے کیونکہ یہ حقیقت یقیناً غیر مقلدین سے بھی پوشیدہ نہیں کہ موطا کے بے شمار نسخے ہیں جن میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب ''بستان المحدثین'' میں موطا کے سولہ نسخوں کا ذکر فرمایا ہے جبکہ بعض نسخوں تک ان کی رسائی بھی نہیں ہو سکی۔ غور فرمایئے کہ علامہ عبد الرحمٰن بن خلدون المالکیؒ کے نزدیک احادیث موطا کی کل تعداد تین سو کے قریب ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۲۷) جبکہ علامہ ابن المدنیؒ کے نزدیک ان کی تعداد ایک ہزار ہے۔ (تاریخ الحدیث لعبد الصمد صارم ص ۸۱) جب موطا میں مروی روایات کی تعداد میں ہی اقوال متفرق ہیں اور فرق سینکڑوں سے متجاوز ہے تو یقینی بات ہے کہ حافظ ابن حجرؒ اور قاضی شوکانیؒ کی رسائی موطا کے کسی ایسے نسخے تک ضرور ہوگی جس میں مذکورہ روایت موجود ہو۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ امام مالکؒ سے تقریباً ایک ہزار علما نے موطا کو نقل کیا ہے۔

تیسرا اعتراض: اس روایت پر غیر مقلدین کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اس روایت کو اس سند کے ساتھ موطا اور امام مالک کی طرف منسوب کرنا حافظ ابن حجرؒ اور قاضی شوکانیؒ کا وہم ہے۔ جہاں تک قاضی شوکانی کا تعلق ہے تو وہ جانیں اور غیر مقلدین لیکن حافظ ابن حجرؒ پر یہ اعتراض بایں وجہ نا قابل قبول ہے کہ نہ حافظ ابن حجرؒ کی شخصیت غیر معروف ہے اور نہ ان کی فتح الباری کبھی نایاب رہی ہے۔ وہ نویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ جب پانچ سو سال میں کسی محدث و محقق نے ان کی اس روایت کو وہم قرار نہیں دیا تو غیر مقلدین کا تعصب پر مبنی یہ بے بنیاد الزام کیسے قبول کیا جا سکتا ہے؟

چوتھی روایت: عن حارث بن عبد الرحمن عن ابن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال کان القیام علی عهد عمر بثلاث وعشرین رکعة.
یعنی لوگ عہد فاروقیؓ میں ۲۳ رکعت پڑھتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۲۶۲)
علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ اس میں تین وتر ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۲۷)

بعض غیر مقلدین نے اس روایت میں ثلاث وعشرین رکعة کے جملے کو ابن ابی ذباب کا وہم قرار دے کر اس روایت کو رد کرنے کی مذموم کوشش کی ہے لیکن یہ اس صورت میں وہم تسلیم کیا جاتا کہ دیگر روایات سے متصادم ہوتا۔ جب یہ جملہ دیگر اکثر روایات کے عین مطابق ہے تو اسے وہم کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟

پانچویں روایت: عن دائود بن قیس عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید. حضرت عمرؓ نے ماہ رمضان میں لوگوں کو ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ پر جمع کیا علی احدیٰ وعشرین رکعۃ اور انہوں نے اکیس رکعات پڑھائیں۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۴ ص ۲۶۰) علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک وتر تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۲۷)

گزشتہ روایت میں تیئیس رکعات کا اور اس میں اکیس رکعات کا جوذکر ہے، اس کا فرق بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اکیس اور تیئیس کا اختلاف وتروں کی وجہ سے تھا۔ کبھی ایک وتر پڑھا جاتا تھا اور کبھی تین۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۵۲) یہ روایت بھی بیس رکعت تراویح پر صریح دلیل ہے۔

الشیخ البانی کا عجیب اعتراض: الشیخ ناصرالدین البانی اس روایت کی صحت سے تو انکار نہ کر سکے البتہ یہ اعتراض کر دیا کہ امام عبدالرزاق بن الہمام کی آخر عمر میں بینائی ختم ہو گئی تھی۔ سوال یہ ہے کہ کیا حافظ ابن ہمامؒ نے یہ کتاب نابینا ہونے کے بعد مرتب کی تھی؟ اور پھر کیا ان کے نابینا ہونے کا اثر صرف اسی ایک روایت پر پڑے گا یا گیارہ ضخیم جلدوں میں پھیلی ہوئی ان کی پوری ''مصنف'' متاثر ہوگی؟ خدا تعالیٰ ضد اور ہٹ دھرمی سے محفوظ فرمائے کہ یہ اچھے بھلے سکالر کو بھی غیر مقلد بنا دیتی ہے۔

چوتھی روایت : عن محمد بن اسحاق عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید قال کنا نصلی فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان ثلاث عشرۃ رکعۃ ۔ یعنی ہم رمضان المبارک کے اندر عہد فاروقیؓ میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۵۳)

تیرہ رکعت تراویح کا مسلک محمد بن اسحاق کا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۲۶) وہ فرماتے تھے: وھذا اثبت ما سمعت فی ذالک ۔ میں نے اس بارے میں جتنی روایات سنی ہیں، ان میں زیادہ ثابت تیرہ رکعت ہے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۵۴) بلکہ وہ فرماتے ہیں، میں نے گیارہ رکعت کی کوئی حدیث نہیں سنی کیونکہ آنحضرت ﷺ کانت لہ من اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ ۔ رات کو تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ (قیام اللیل ص ۱۵۷ و عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۲۷)

ساتویں روایت : عن عبد العزیز بن محمد عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدیٰ عشرۃ رکعۃ ۔ ہم عہد فاروقیؓ میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ اس کی ہر رکعت میں سو سو آیات کی تلاوت کرتے تھے۔ طول قیام کی وجہ سے لاٹھیوں کا سہارا لیتے اور طلوع فجر کے قریب گھروں کو واپس لوٹتے تھے۔ (الحاوی للفتاوی ج ص ۳۴۹)

آٹھویں روایت : عن یحییٰ بن سعید القطان عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید ۔ ہم عہد فاروقیؓ میں نماز پڑھتے تھے احدی عشرۃ رکعۃ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۲)

یہ بھی محمد بن یوسف کا وہم ہے جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔ مذکورہ گیارہ اور تیرہ رکعات والی روایات کے درمیان تطبیق پیدا کرتے ہوئے مولانا عبداللہ غازی پوریؒ غیر مقلد فرماتے ہیں کہ اسی طرح ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں لوگ تیرہ رکعتیں پڑھتے رہے ہوں اور اول کی دو رکعتوں کے ہلکے ہونے سے سائب بن یزید کبھی ان کا شمار کرتے ہوں اور تیرہ رکعت روایت کرتے ہوں اور کبھی نہیں شمار کرتے ہوں اور گیارہ روایت کرتے ہوں۔ (فتاویٰ علماء حدیث ج ۶ ص ۲۲۲) گویا مولانا غازی

پوریؒ کے نزدیک بھی عہد فاروقیؓ میں گیارہ رکعت کی بجائے تیرہ رکعت زیادہ یقینی ہیں۔ کاش وہ سائب بن یزید کی بیس رکعت والی روایات پر بھی ایک نظر ڈال لیتے اور ان میں بھی تطبیق پیدا کرنے کی کوشش فرما لیتے لیکن غالبًا انہوں نے محمد بن اسحاق کے احسان کا بدلہ چکایا ہے اور اس کا دفاع اس لیے ضروری سمجھا ہے کہ اس کی روایت فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں ان کے موقف کا دفاع کرتی ہے۔ انہوں نے اس کے لیے اپنا گیارہ رکعت والا مسلک بھی قربان کر دیا۔ گویا اس کے لیے انہوں نے حدیث عائشہؓ اور حدیث جابرؓ تک سے دست برداری اختیار کر لی۔

نویں روایت : **عن مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید.** حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں اور قاری ہر رکعت میں سو سو آیات تلاوت کرتا تھا یہاں تک کہ طول قیام کی وجہ سے ہم لاٹھیوں کا سہارا لیتے اور طلوع فجر کے قریب ہماری واپسی ہوتی۔ (موطا امام مالک ص ۹۸۔ کنز العمال ج ۸ ص ۲۶۳)

اس روایت میں بھی **احدیٰ عشرۃ** کا جملہ محمد بن یوسف کا وہم ہے۔ ہم ساتویں اور آٹھویں روایت کے ضمن میں بھی یہ بیان کر چکے ہیں کہ ان میں **احدیٰ عشرۃ** کا جملہ محمد بن یوسف کا وہم ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ غیر مقلدین کی طرح بلا دلیل نہیں بلکہ اس پر ہمارے پاس ٹھوس دلیل موجود ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عبد البرؒ مالکی (جو کہ امام مالکؒ کے مقلد اور موطا امام مالک کے بہت بڑے شارح ہیں) فرماتے ہیں کہ **هذه الرواية وهم والذی اصح انهم كانوا يقومون علی عهد عمر بعشرين ركعة** ۔ یہ گیارہ رکعت والی روایت وہم ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ عہد فاروقیؓ میں لوگ بیس رکعت ادا کرتے تھے۔ (مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹۲) اب یہ وہم کس کا ہے؟ علامہ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک اکیس رکعت والی روایت زیادہ صحیح ہے **ولا اعلم احدا قال فيه احدی عشرة ركعة الا مالک الاغلب عندی ان قوله احدی عشرة وهم** ۔ میں نہیں جانتا کہ امام مالکؒ کے علاوہ کسی نے گیارہ رکعت کی روایت نقل کی ہو لہٰذا میرے نزدیک یہ گیارہ رکعت کا جملہ امام مالکؒ کا وہم ہے۔ (زرقانی شرح موطا ج ۱ ص ۲۱۵۔ المصابیح ص ۱۵۔ التمہید ج ۱ ص ۱۱۴۔ الحاوی للفتاوی ص

۳۵۰) جبکہ علامہ ظفر احمد عثمانی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہم امام مالکؒ کا نہیں بلکہ محمد بن یوسف کا ہے۔ فانه قال مرة احدی وعشرین ومرة احدی عشرة وتارة ثلث عشرة ۔ وہ کبھی اکیس رکعت روایت کرتا ہے، کبھی تیرہ رکعت اور کبھی گیارہ رکعت۔ (اعلاء السنن ج ۷ ص ۷۳) اور محمد بن یوسف کی متفرق روایات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وہم اسی کا ہے۔ اس کی مزید تفصیل آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیے۔

دسویں روایت: عن مالک بن انس عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة ۔ یعنی عہد فاروقیؓ میں لوگ تیئیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ (موطا امام مالک ص ۴۰۔ شعب الایمان ج ۳ ص ۱۷۷) امام بغویؒ اور علامہ نیمویؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن ص ۲۰۵۔ شرح السنۃ ج ۴ ص ۱۲۰) البتہ یہ روایت مرسل ہے اور مرسل ہونے ہی کی وجہ سے میاں نذیر حسین دہلویؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں، منقطع ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۶۳۷)

گویا اس روایت میں اس کے سوا کوئی کمزوری نہیں کہ یہ مرسل ہے اور مرسل کی حجیت پر ہم گزشتہ اوراق میں بحث کر چکے ہیں لیکن یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ یہ روایت مراسیل موطا میں سے ہے اور موطا کے مراسیل بلا اختلاف حجت ہیں یعنی یہ روایت مراسیل موطا میں سے ہونے کی بنا پر بھی حجت ہے اور امام شافعیؒ کی شرائط کے مطابق بھی۔ (امام شافعیؒ کی شرائط گزشتہ اوراق میں پھر ملاحظہ فرما لیجیے)

گیارھویں روایت: عن مالک بن انس عن یحییٰ بن سعید القطان عشرین رکعة (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۲) علامہ نیمویؒ فرماتے ہیں رجاله ثقات لیکن یحییٰ بن سعید نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ (التعلیق الحسن ص ۲۰۶) گویا اس روایت میں بھی مرسل ہونے کے علاوہ کوئی کمزوری نہیں اور مرسل کی حجیت واضح ہو چکی۔

بارھویں روایت: عن حسن عن عبد العزیز بن رفیع کان ابی بن

كعب يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعة ويوتر بثلاث .
یعنی ابی بن کعب ماہ رمضان کے اندر مدینہ میں بیس رکعت اور تین وتر پڑھاتے۔ (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳۔ عبدالرزاق ج ۴ ص ۲۶۰) امام بغویؒ اس کی سند کو صحیح اور علامہ نیمویؒ اسے مرسل قوی فرماتے ہیں۔ (شرح السنۃ ج ۴ ص ۱۲۲۔ آثار السنن ص ۲۰۶)

جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ کے مدرس الشیخ محمد علی الصابونیؒ نے بیس رکعت تراویح کے لیے اس روایت سے استدلال کیا ہے۔ (الہدی النبوی الصحیح ص ۵۶) اس روایت پر بھی صرف مرسل ہونے کا اعتراض ہے کیونکہ عبدالعزیز بن رفیع نے حضرت ابی بن کعبؓ کو نہیں دیکھا۔

نیرھویں روایت: **عن الحسن البصري ان عمر بن الخطاب جمع الناس على ابي بن كعب فكان يصلي لهم عشرين ركعة .** یعنی ابی بن کعب عہد فاروقیؓ میں بیس رکعات پڑھاتے تھے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۲)

ابوداؤد کے بعض نسخوں میں عشرین لیلۃ اور بعض میں عشرین رکعۃ کے الفاظ ہیں اسی لیے ابوداؤد کے حوالے سے صاحب مشکوٰۃ، امام بیہقی، اور علامہ زیلعی وغیرہ ائمہ عشرین لیلۃ کے الفاظ نقل کرتے ہیں جبکہ علامہ ذہبیؒ، سید امیر علی رام پوریؒ اور مولانا فیض الحسن سہارن پوریؒ وغیرہ ائمہ عشرین رکعۃ کے الفاظ نقل کرتے ہیں اور ابوداؤد کے ہمارے ہاں مروجہ نسخے میں بھی عشرین رکعۃ کے الفاظ منقول ہے۔ مولوی عنایت اللہ اثری غیر مقلد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے مولانا سید امیر علی رام پوریؒ نے ۱۳۱۴ھ۔ ۱۸۹۶ء میں بحوالہ ابوداؤد عین الہدایہ ج ۱ ص ۵۳۲ میں عشرین لیلۃ کو عشرین رکعۃ بنا دیا اور ۱۳۴۵ھ۔ ۱۹۲۶ء میں مولوی فیض الحسن دیوبندیؒ نے جو ابوداؤد طبع کرائی، اس میں بھی عشرین رکعۃ طبع کرا دیا۔ (مکاشیب العجابہ ص ۱۰۳)

اثری صاحب کا یہ الزام سراسر غیر مقلدانہ ہے کیونکہ مولانا سید امیر علی رام پوریؒ سے تقریباً ساڑھے پانچ سو سال قبل علامہ شمس الدین ذہبیؒ الشافعی آٹھویں صدی ہجری میں اپنی معروف کتاب ''سیر اعلام النبلاء'' میں بحوالہ ابوداؤد عشرین رکعۃ کے الفاظ نقل فرما چکے ہیں اور اگر بالفرض اس کی ذمہ داری سید امیر علی رام پوریؒ پر بھی ڈالی جائے تو بھی علماء احناف اس سے بری الذمہ ہیں کیونکہ متعصب

غیر مقلد اسکالر محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں کہ مولانا سید امیر علی، سید نذیر حسین دہلویؒ کے شاگرد اور مسلکاً اہل حدیث تھے۔ (فقہائے ہند ج ۵ ص ۵۹)

﴿لطیفہ﴾ غیر مقلدین کی علمی بے بسی: غیر مقلدین کی یہ بہت بڑی کمزوری ہے کہ وہ علماء احناف کے ناقابل تردید دلائل سے عاجز آ کر بسا اوقات حدیث کے الفاظ کا ہی انکار کر دیتے ہیں۔ ۱۹۳۳ء میں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے مسلم شریف کی حدیث ابوموسیٰ اشعریؓ میں **اذا قرأ فانصتوا** کے الفاظ کے مستند ہونے سے انکار کر دیا۔ رئیس الاحناف حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ محدث گوجرانوالہ نے اس پر گرفت کی۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ فریقین کے درمیان ثالث قرار پائے اور انہوں نے مولانا امرتسریؒ کے خلاف مولانا عبدالعزیزؒ کے حق میں فیصلہ دیا۔ اس کی روداد ''کیفیت مناظرہ تحریری'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ علامہ ندویؒ کے اس فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے (بلکہ مولانا امرتسریؒ کی علمی بے بسی کا اعتراف کرتے ہوئے) مولوی عنایت اللہ اثری فرماتے ہیں کہ

''چونکہ تیر نکل چکا تھا اس لیے وہی ہوا جس کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا (یعنی فیصلہ خلاف ہو گیا) محترم مولانا (امرتسریؒ) صاحب چونکہ اخباری مشاغل اور مناظرانہ استحضار کی وجہ سے تدریس حدیث کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اس لیے مخارج حدیث میں موصوف کی نظر وسیع نہیں ہو سکی۔''

(البیان المستطاب ص ۳۸)

اب اگر غیر مقلدین ابوداؤد کے کسی نسخے میں **عشرین رکعۃ** کے الفاظ کا انکار کرتے ہیں تو اسے ان کی عادت ثانیہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

چودھویں روایت: **عن یحییٰ بن سعید الانصاری عن عمر امر رجلا ان یصلی بھم عشرین رکعۃ**۔ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۲۸۴۔ ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳) امام بغویؒ اور علامہ نیمویؒ اس کی سند کو مرسل قوی فرماتے ہیں۔ (شرح السنۃ ج ۴ ص ۱۲۲۔ آثار السنن ص ۲۰۶)

پندرھویں روایت: **عن محمد بن کعب القرظی کان الناس**

يصلون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان عشرين ركعة يطيلون فيها القراءة ويوترون بثلاث. لوگ عہد فاروقیؓ میں طویل قراءت اور تین وتروں کے ساتھ بیس رکعات قیام رمضان کرتے تھے۔ (قیام اللیل ص ۱۵۷)

سولہویں روایت: عن مالک عن داؤد بن الحصين عن الاعرج. ماہ رمضان میں لوگ تراویح کے اندر کفار پر لعنت بھیجتے۔ امام آٹھ رکعت میں سورہ بقرہ ختم کرتا۔ فاذا قام بها في اثنتي عشرة ركعة رای الناس انه قد خفف۔ جب کبھی بارہ رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ اس نے نماز ہلکی کر دی۔ (موطا امام مالک ص ۹۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد فاروقیؓ میں رکعات تراویح بارہ سے زائد تھیں۔ عموماً قاری آٹھ رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھتا اور باقی رکعات میں اس کے علاوہ منزل پڑھتا۔ اور اگر کبھی سورۂ بقرہ آٹھ رکعت کی بجائے بارہ رکعات میں پڑھتا تو قیام مختصر ہونے کی وجہ سے لوگوں کو نماز ہلکی محسوس ہوتی۔ گویا اس روایت میں بارہ سے زائد کی نفی موجود نہیں لیکن مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ عمر بن الخطاب میں عام طور پر آٹھ رکعت تراویح پڑھی جاتی تھیں اور کبھی کبھی بارہ رکعت پڑھ لی جاتی تھیں۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ا ص ۶۳۷)

حالانکہ اس روایت میں قراءۃ وقیام کے طول واختصار کا ذکر ہے، تعیین رکعات کا اس میں تذکرہ تک موجود نہیں بلکہ سیاق کلام تو صاف ظاہر کرتا ہے کہ رکعات بارہ سے زائد تھیں اور دیگر روایات سے اسے ملایا جائے تو وہ بیس تھیں۔ اسی لیے علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بیس تراویح کے لیے یہ حدیث صحیح قوی دلیل ہے اور صحابہؓ کے زمانے میں اس پر عمل درآمد ہوتا تھا۔ (ملفوظات محدث کشمیری ص ۳۶۵) لیکن اگر بالفرض صرف بارہ بھی تسلیم کر لی جائیں تو آٹھ کی قطعیت ختم ہو جاتی ہے۔ پھر نہ حدیث عائشہؓ باقی رہتی ہے نہ حدیث جابرؓ اور نہ حدیث محمد بن یوسفؒ۔ کیا غیر مقلدین یہ اشتہار شائع کرنے کے لیے تیار ہیں کہ رکعات تراویح عہد فاروقیؓ میں بارہ بھی ثابت ہیں، لہٰذا کبھی آٹھ اور کبھی بارہ پڑھنی چاہییں؟

سترھویں روایت: عن ابی بن کعب ان عمر بن الخطاب امرہ ان یصلی باللیل فی رمضان فصلی بھم عشرین رکعۃ. حضرت عمرؓ نے مجھے تراویح پڑھانے کا حکم دیا پس میں نے ان کو بیس رکعات تراویح پڑھائیں۔ (کنز العمال ج ۴ ص ۲۸۴)

غور فرمائیے مذکورہ سترہ روایت میں سے بارہ روایات بیس رکعات تراویح کا ثبوت فراہم کرتی ہیں، تین روایات گیارہ رکعات کی خبر دیتی ہیں، ایک روایت تیرہ رکعات کی نشان دہی کرتی ہے اور ایک روایت میں بارہ رکعات تک کا ثبوت موجود ہے اور اس سے زائد کی نفی موجود نہیں۔

مذکورہ روایات کی روشنی میں اس بحث کا دل چسپ پہلو یہ ہے کہ اختلاف رکعات صرف ایک راوی محمد بن یوسف کے سلسلہ روایت میں پایا جاتا ہے۔ باقی تمام سلسلوں میں وحدت موجود ہے۔ تفصیل کے لیے صفحہ ۷۸ تا ۸۰ پر مذکورہ روایات کے دو نقشے ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا عبد الرحمن مبارک پوری کا فیصلہ: ہم بصراحت ثابت کر چکے ہیں کہ مذکورہ تمام روایات مرسل ہونے کے باوجود صحیح اور قابل عمل ہیں لیکن غیر مقلدین انہیں قبول نہ کرنے پر بضد ہیں۔ اگر ہم بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیں کہ یہ تمام روایات ضعیف ہیں تو بھی ضعیف روایات کا مجموعہ حسن کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جیسا کہ مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوریؒ فرماتے ہیں کہ ولو سلم ان کلھا ضعیفۃ فھی مجموعھا تبلغ درجۃ الحسن یعنی اگر تسلیم کر لیا جائے کہ روایت کے تمام طرق ضعیف ہیں تو بھی سب کا مجموعہ حسن کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ (ابکار المنن ص ۲۰۲)

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ غیر مقلدین کی ضعیف روایات کا مجموعہ بھی حسن کا درجہ حاصل کرتا ہے اور ہماری مرسل روایات (جو جمہور ائمہ محدثین کے نزدیک ویسے ہی قابل قبول ہیں) کا مجموعہ بھی یہ درجہ حاصل کرنے سے محروم ہے۔

اسلاف امت کا استدلال: اس تفصیلی بحث کی روشنی میں اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ مذکورہ سترہ روایات میں سے اسلاف امت نے کن روایات سے استدلال کیا ہے اور کن پر عمل کیا ہے۔ وہی روایات ہمارے لیے قابل قبول ہوں گی۔ آیئے اسلاف امت کا استدلال ملاحظہ فرمائیے:

(۱) حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعیؒ یزید بن رومان اور یزید بن خصیفہ کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عن عمر انہ جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بھم فی شھر رمضان عشرین رکعۃ۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ابی بن کعب پر جمع کیا اور انہوں نے بیس رکعات تراویح پڑھائیں۔ (تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۲۔ الدرایہ فی تخریج الھدایہ ج ۱ ص ۱۲۳)

(۲) امام ابن تیمیہ الحنبلیؒ انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فلما جمعھم عمر علی ابی بن کعب کان یصلی بھم عشرین رکعۃ۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے بیس رکعات تراویح پڑھائیں۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۲ ص ۲۷۲)

(۳) علامہ تاج الدین سبکی الشافعیؒ بھی انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ومذھبنا ان التراویح عشرون رکعۃ لما روی البیھقی وغیرہ باسناد صحیح عن السائب بن یزید۔ بیہقی نے سائب بن یزید سے صحیح سند کے ساتھ جو روایت نقل کی ہے، اس کی بنا پر ہمارا مذہب یہی ہے کہ تراویح بیس رکعات ہیں۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۲۵۰)

(۴) امام جلال الدین سیوطیؒ الشافعی بھی انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: وفی سنن البیھقی وغیرہ باسناد صحیح عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عھد عمر بعشرین رکعۃ۔ سند صحیح سے ثابت ہے کہ عہد فاروقیؓ میں لوگ بیس رکعات پڑھتے تھے۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۲۴۸)

(۵) امام محی الدین نووی الشافعیؒ بھی انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ واحتج اصحابنا لما رواہ البیھقی وغیرہ بالاسناد الصحیح عن السائب بن یزید ....عشرین رکعۃ۔ ہمارے اصحاب کا استدلال صحیح سند سے ثابت بیس رکعات والی روایت سے ہے۔ (المجموع شرح المھذب ج ۴ ص ۳۲)

(۶) امام موفق الدین ابن قدامہ الحنبلیؒ بھی انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے

نقشہ نمبر 1

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ	۱	ابن ابی ذباب	۱	عشرین رکعة	مصنف عبدالرزاق ج۴ص۲۶۲
	۲	یزید بن خصیفہ	۱	ابن ابی ذئب۔عشرین رکعة	السنن الکبریٰ ج۲ص۴۹۶
			۲	محمد بن جعفر۔عشرین رکعة	معرفۃ السنن والآثار ج۴ص۴۲
			۳	مالک بن انس۔عشرین رکعة	فتح الباری ج۴ص۲۵۳
	۳	محمد بن یوسف	۱	داؤد بن قیس۔احدی وعشرین	عبدالرزاق ج۴ص۲۶۰
			۲	محمد بن اسحاق۔ثلث عشرة رکعة	فتح الباری ج۴ص۲۵۳
			۳	عبدالعزیز بن محمد۔احدی عشرة رکعة	الحاوی للفتاویٰ ج۱ص۳۴۹
			۴	یحییٰ بن سعید۔احدی عشرة رکعة	ابن ابی شیبہ ج۲ص۳۹۲
			۵	مالک بن انس۔احدی عشرة رکعة	موطا امام مالک ص۹۸

نقشہ نمبر ا میں سلسلہ روایت حضرت سائب بن یزید سے شروع ہوتا ہے اور ان سے ان کے تین شاگرد روایت کرتے ہیں۔ پہلے شاگرد ابن ابی ذباب ان سے بیس رکعات کی روایت کرتے ہیں۔ دوسرے شاگرد یزید بن خصیفہ اپنے تین شاگردوں (ابن ابی ذئب، محمد بن جعفر اور مالک بن انس) کے ذریعے ان سے بیس رکعات کی روایت بلا اختلاف نقل کرتے ہیں۔ تیسرے شاگرد محمد بن یوسف اپنے پانچ شاگردوں کے ذریعے ان سے تین مختلف روایات نقل کرتے ہیں۔ تین شاگردوں (عبدالعزیز بن محمد، یحیٰی بن سعید اور مالک بن انس) کے ذریعے گیارہ رکعات کی، ایک شاگرد محمد بن اسحاق کے ذریعے تیرہ رکعات کی اور ایک شاگرد داؤد بن قیس کے ذریعے اکیس رکعات کی روایت نقل کرتے ہیں۔ گویا ساری گڑبڑ اسی تیسرے شاگرد کی متفرق روایات میں ہے لہٰذا اصول کے مطابق تیسرے شاگرد کی متفرق روایات میں سے وہی روایت قبول کی جاسکتی ہے جو باقی شاگردوں کی روایات کے مطابق ہے اور وہ اکیس رکعات والی روایت ہے (یعنی بیس تراویح اور ایک وتر) دیگر تمام روایات کو وہم راوی قرار دے کر نظر انداز کر دیا جائے گا۔

پھر اس بحث کا یہ پہلو بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ تیسرے شاگرد (محمد بن یوسف) سے گیارہ رکعات کی روایات نقل کرنے والے دو شاگردوں کی اپنی روایات باہم متصادم ہیں۔ ان میں سے ایک شاگرد یحیٰی بن سعید القطان ہیں جن سے دو روایات منقول ہیں۔ ایک گیارہ رکعات کی (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۲ میں) اور دوسری بیس رکعات کی (ابن ابی شیبہ ہی میں) چونکہ ان کی بیس رکعات کی روایت دیگر روایات سے ملتی ہے اس لیے اسے قبول کیا جائے گا اور گیارہ رکعات والی روایت کو ان کے استاد محمد بن یوسف کا وہم قرار دے کر چھوڑ دیا جائے گا۔

غور فرمایئے کہ حضرت سائب بن یزید کے تیسرے شاگرد (محمد بن یوسف) کے پانچ شاگردوں میں سے جو تین شاگرد (عبدالعزیز بن محمد، یحیٰی بن سعید اور امام مالکؒ) گیارہ رکعات کی روایت نقل کرتے ہیں، ان میں سے بھی دو شاگرد (یحیٰی بن سعیدؒ اور امام مالکؒ) بیس رکعات کی روایات کے بھی راوی ہیں۔ اس صورت حال میں گیارہ رکعات کی روایت کو کہیں دوربین سے ہی تلاش کیا جاسکتا ہے۔

نقشہ نمبر 2

۱	یزید بن خصیفہ	امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ	عشرین رکعۃ	فتح الباری ج ۴ ص ۲۵۳
۲	یحییٰ بن سعید القطان		عشرین رکعۃ	ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۲
۳	یزید بن رومان		عشرین رکعۃ	موطا ص ۹۸
۴	داؤد بن الحصین		اثنتی عشرۃ رکعۃ	موطا ص ۹۹
۵	محمد بن یوسف		احدی عشرۃ رکعۃ	موطا ص ۹۸

اس نقشہ کے مطابق امام مالکؒ رکعات تراویح کے بارے میں اپنے پانچ استادوں سے تین مختلف روایات نقل کرتے ہیں۔ تین استادوں (یزید بن خصیفہ، یحییٰ بن سعید اور یزید بن رومان) سے بیس رکعات کی، ایک استاد محمد بن یوسف سے گیارہ رکعات کی، اور ایک استاد داؤد بن الحصین سے کم از کم بارہ رکعات کی جس میں زائد رکعات کی نفی نہیں ہوتی اور دیگر روایات کی روشنی میں وہ بیس رکعات پر ہی دلالت کرتی ہے لہٰذا ان میں سے باقی تمام روایات کو قبول کیا جائے گا اور گیارہ رکعات والی روایت کو وہم راوی قرار دے کر نظر انداز کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء مالکیہ کے ممتاز ترجمان علامہ ابن عبد البرؒ اسے وہم راوی ہی قرار دیتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ولنا ان عمر لما جمع الناس علی ابی بن کعب کان یصلی لھم عشرین رکعۃ۔ ہمارے لیے یہ دلیل ہے کہ ابی بن کعب بیس رکعات پڑھاتے تھے۔ (المغنی ج ۱ص ۷۹۹)

(۷) علامہ ابن عبد البر مالکیؒ بھی انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وھو الصحیح عن ابی بن کعب عشرین رکعۃ من غیر خلاف من الصحابۃ ۔صحیح بات یہی ہے کہ ابی بن کعبؓ بغیر اختلاف صحابہؓ کے بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ص ۱۲۷)

(۸) الشیخ عبد الحق محدث دہلویؒ الحنفی بھی انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عندنا عشرون رکعۃ لما روی البیھقی باسناد صحیح۔ ہمارے نزدیک بیہقی کی سند صحیح کے ساتھ بیس رکعات تراویح ہی ثابت ہیں۔ (ماثبت بالسنۃ ص ۲۰۹)

(۹) محشی بخاری مولانا احمد علی سہارنپوری الحنفیؒ بھی انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ واحتج اصحابنا والشافعیۃ والحنابلۃ بما رواہ البیھقی باسناد صحیح عن السائب بن یزید عشرین رکعۃ یعنی ہمارے اصحاب احناف، شوافع اور حنابلہ بیس رکعت والی صحیح روایت سے ہی استدلال کرتے ہیں۔ (حاشیہ بخاری ج ۱ص ۱۰۱) اس بارے میں حوالہ جات بکثرت موجود ہیں۔ ہم نے اہل السنّت والجماعت کے چاروں مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے چند مستند اکابر کے حوالہ جات پر اکتفا کیا ہے جو عہد فاروقیؓ کی بیس رکعات والی روایات سے باقاعدہ استدلال کرتے ہیں اور انہی روایات پر ان کا عمل بھی ہے۔

غیر مقلدین سے ایک سوال: جبکہ غیر مقلدین حضرت صرف نقل روایت سے دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ اگر تعامل سلف کے بغیر صرف نقل روایت دلیل بن سکتی تو بخاری شریف کی بے شمار ایسی روایات کو امام بخاریؒ اور (بخاری بخاری کرنے والے غیر مقلدین) کا مذہب قرار دیا جاسکتا ہے جن پر امام بخاریؒ سمیت اسلاف امت کا عمل نہیں بلکہ انہی روایات کی آڑ میں منکرین حدیث انکار حدیث کی تحریک پر عمل پیرا ہیں۔ اس لیے غیر مقلدین سے ہمارا سوال یہ ہے کہ وہ اکابر امت کے چند

ایسے حوالے پیش کریں جن میں انہوں نے عہد فاروقیؓ کی آٹھ رکعات والی روایات سے استدلال کرتے ہوئے ان پر اپنے عمل کی بنیاد رکھی ہو لیکن ہمارا چیلنج ہے کہ ان شاء اللہ العزیز قیامت تک ایسا نہ کر سکیں گے اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے بارے میں آٹھ رکعات پڑھنے کا جو حوالہ پیش کیا جاتا ہے، ہم ثابت کریں گے کہ ان کی طرف منسوب یہ روایات صحیح نہیں۔

روایات میں تطبیق: اس مقام پر ہم اس بحث کو بھی تشنہ نہیں چھوڑنا چاہتے کہ موطا امام مالکؒ کی آٹھ رکعات والی روایت جب صحت وثقاہت کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے تو اس میں وہم راوی کے نظریہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اس سے استدلال کیوں درست نہیں؟ تو اس کے بارے میں یہ بات ذہن نشین رکھیے کہ ہم غیر مقلدین کی طرح فرضی اور ہوائی باتوں پر یقین نہیں رکھتے بلکہ بحمد اللہ تعالیٰ اسلاف امت کی تحقیقات کی روشنی میں باحوالہ بات کرتے ہیں۔ ہم نے روایات کی تفصیل نقشہ کی صورت میں سامنے لاکر واضح کیا تھا کہ **احدی عشرۃ رکعۃ** کا جملہ وہم راوی معلوم ہوتا ہے اور اس کے لیے ہم نے حافظ ابن عبد البرؒ المالکی کا حوالہ بھی دیا تھا لیکن بعض ائمہ اہل سنت اس جملہ کو وہم راوی قرار دینے کے بجائے گیارہ رکعات تراویح کے عمل کو عہد فاروقیؓ کے ابتدائی دور کا واقعہ تسلیم کرتے ہیں جسے بعد میں ترک کر کے بیس رکعات کا عمل اختیار کرلیا گیا۔ ہمیں ان ائمہ کرامؒ کا یہ موقف تسلیم کرنے سے بھی انکار نہیں۔ ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو۔ چنانچہ:

(۱) امام ابو بکر بیہقی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ **و کان عمر امر بھذا العدد زمانا ثم کانوا یقومون علی عھدہ بعشرین رکعۃ** یعنی عہد فاروقیؓ میں کچھ عرصہ تک گیارہ رکعات پر عمل رہا پھر بیس رکعات کا عمل شروع ہوگیا۔ (مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹۴۔ تحفۃ الاخیار ص ۱۹۱) دوسرے مقام پر فرماتے ہیں **ویمکن الجمع بین الروایتین بانھم کانوا یقومون باحدی عشرۃ ثم کانوا یقومون بعشرین** یعنی دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ پہلے گیارہ رکعات کا عمل تھا، پھر بیس رکعات کا جاری ہوگیا۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶) نیز فرماتے ہیں **ثم استقر الامر علی العشرین وھو المتوارث** ۔ پھر بیس رکعات پر عمل پختہ ہوگیا اور یہی عمل جاری ہوگیا۔ (بحوالہ فتح الملہم ج ۲ ص ۳۲۰) گویا امام بیہقی کے نزدیک آٹھ رکعات والی روایات سے استدلال اب اس لیے صحیح

نہیں رہا کہ اس پر تو عہد فاروقیؓ میں ہی عمل متروک ہو چکا تھا اور اسی عہد میں یہ قاعدہ بیس کا عمل جاری ہو چکا تھا۔

(۲) امام ابن حبیب المالکیؒ فرماتے ہیں کہ انها كانت اولا احدى عشرة ركعة لا انهم كانوا يطيلون القراءة فيه فثقل ذالك عليهم فزادوا في عدد الركعات وخففوا القراءة وكانوا يصلون عشرين ركعة غير الوتر . عہد فاروقیؓ میں پہلے تو قراءت کے ساتھ گیارہ رکعات پڑھی جاتی تھیں جو طول قیام کی وجہ سے بوجھل محسوس ہونے لگیں۔ پھر قراءت مختصر کر کے رکعات بڑھا کر وتر کے علاوہ بیس کر دی گئیں۔ (تحفۃ الاخیار ص ۱۹۲) گویا امام ابن حبیبؒ کے نزدیک بھی گیارہ رکعات کا عمل عہد فاروقیؓ میں ہی متروک ہو چکا تھا۔

(۳) علامہ ابن عبدالبرؒ المالکی فرماتے ہیں کہ اختار في وقت تطويل القيام فحصول احدى عشرة وفي وقت عدد الركعات فجعلوها عشرين وقد استقر العمل على هذا یعنی پہلے طول قیام کے ساتھ گیارہ رکعات تھیں، پھر رکعات بڑھا کر بیس کر دی گئیں اور یہی پر معاملہ پختہ ہو گیا۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۴۔ ہدایۃ السائل ص ۱۳۸) گویا علامہ ابن عبدالبرؒ کے نزدیک بھی اگر گیارہ رکعات کا جملہ وہم راوی نہیں تو متروک العمل ضرور ہے اور بیس رکعات پختہ ہیں۔

(۴) علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ عہد فاروقیؓ میں پہلے گیارہ رکعات تھیں پھر وتروں سمیت تیئیس رکعات ہو گئیں۔ قد عدد ما وقع في زمان عمر كالاجماع ۔ پھر اس بیس کے عدد پر عہد فاروقیؓ میں ہی اجماع منعقد ہو گیا۔ (ارشاد الساری ج ۳ ص ۲۲۶۔ اوجز المسالک ج ۲ ص ۳۹۵) گویا علامہ قسطلانیؒ کے نزدیک بھی گیارہ کا عمل عہد فاروقیؓ میں متروک ہو گیا اور بیس کے عمل پر اجماع ہو چکا تھا۔

(۵) علامہ سید محمد انور شاہ کاشمیری الحنفیؒ فرماتے ہیں ؛ وخفف في القراءة وكثرها بازدياد الركعات فجعلها عشرين مكان العشرة یعنی حضرت عمرؓ نے (طویل قیام کی وجہ سے) قراءت میں تخفیف کر کے اس کی جگہ رکعات بڑھا دیں، پس وہ دس کے بجائے بیس رکعات ہو گئیں۔

(فیض الباری ج ۲ص ۴۲۰)

چنانچہ یہی موقف امام ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی المالکیؒ کا زرقانی شرح موطا ج ۱ص ۲۱۵ میں، امام جلال الدین سیوطی الشافعیؒ کا الحاوی للفتاویٰ ج ۱ص ۳۴۹ میں، علامہ ملا علی قاری الحنفیؒ کا مرقات ج ۳ص ۱۹۲ میں، نواب قطب الدین دہلویؒ غیر مقلد کا مظاہر حق ج ۱ص ۴۴۶ میں، امام محی الدین نووی الشافعیؒ کا مرقات ج ۳ص ۱۹۴ میں، امام محمد بن عبدالباقی زرقانی الشافعیؒ کا زرقانی ج ۱ص ۲۱۵ میں اور نواب وحیدالزمان خان غیر مقلد کا ترجمہ موطا میں منقول ہے۔ جب ان تمام ائمہ کرامؒ کے نزدیک گیارہ رکعات تراویح کا عمل عہد فاروقیؓ میں ہی متروک ہو چکا تھا اور اس کی جگہ بیس رکعات کا عمل بالاجماع جاری ہو چکا تھا تو پھر اسے اپنے عمل کی بنیاد کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ **فاعتبروا یا اولی الالباب ان کنتم تعقلون.**

بعض ائمہ کرامؒ کے نزدیک عہد فاروقیؓ کا ابتدائی عمل گیارہ کی بجائے تیرہ رکعات کا تھا جسے بعد میں ترک کر کے بیس رکعات کا عمل جاری کیا گیا چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ **وکانوا یصلونها فی اول زمان عمر بثلاث عشرة رکعة ثم ان عمر بفعلها ثلاث وعشرین رکعة واستقر الامر علی ذالک فی الامصار** ۔یعنی عہد فاروقیؓ میں ابتداء تیرہ رکعات پڑھی جاتی تھیں پھر حضرت عمرؓ نے عملاً حکم جاری فرمایا اور تئیس رکعات ہو گئیں اور تمام شہروں میں اسی پر معاملہ پختہ ہو گیا۔ (کشف الغمہ ج ۱ص ۱۲۱)

حاصل بحث: عہد فاروقیؓ کی رکعات تراویح سے متعلق جملہ روایات کی فنی حیثیت اور ان کی روشنی میں اسلاف امت کے تحقیقی اقوال آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اس تفصیلی بحث کے بعد تین نکتہ نظر ہمارے سامنے آتے ہیں۔

پہلا یہ کہ قیام رمضان میں سنت نبویؐ بیس رکعات ہیں اور عہد فاروقیؓ میں اسی کا احیا فرمایا گیا۔ اس بارے میں تیرہ اور گیارہ رکعات کی روایات وہم راوی پر مبنی ہیں۔

دوسرا یہ کہ سنت نبویؐ تیرہ رکعات ہیں اور عہد فاروقیؓ میں ابتداء اسی پر عمل جاری ہوا جو بعد میں تیرہ کے بجائے بیس رکعات کے عمل میں تبدیل کر دیا گیا اور پھر اسی پر اجماع ہو گیا۔ گیارہ رکعات کی

روایات وہم راوی پر مبنی ہیں۔

نمبر ۱ یہ کہ سنت نبوی گیارہ رکعات ہیں اور عہد فاروقیؓ میں ابتداء یہی عمل جاری ہوا جو بعد میں گیارہ کے بجائے بیس میں تبدیل ہو گیا اور پھر اسی پر اجماع منعقد ہو گیا۔ تیرہ رکعات کا قول شاذ ہے۔

ان تینوں نکتہ ہائے نظر کو ملاحظہ فرمایئے۔ ان تینوں سے ہمارے موقف ونظریہ کی تائید ہوتی ہے اور تان آخر کار بیس رکعات پر ہی ٹوٹتی ہے کہ اسی پر صحابہ کرامؓ کا اتفاق اور امت کا اجماع ہوا اور باقی رکعات کا اگر واقعی وجود تھا تو ان پر عمل عہد فاروقیؓ سے ہی متروک ہو چکا تھا۔

عہد عثمانی اور عہد علوی میں قیام رمضان

یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو چکنے کے بعد کہ عہد فاروقیؓ میں بیس رکعات تراویح پر صحابہ کرامؓ کا اجماع منعقد ہو چکا تھا، اب ہم عہد عثمانیؓ اور عہد علویؓ کی رکعات تراویح کا جائزہ لینا چاہیں گے۔ اسی باب کے گزشتہ اوراق میں ابن ابی ذئب کے حوالہ سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ عہد فاروقیؓ اور عہد عثمانی میں لوگ طویل قیام کے ساتھ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶) اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ اس روایت کی توثیق کرنے والوں میں امام بیہقی، امام نووی، امام بغوی، علامہ عراقی، امام سیوطی، علامہ نیموی، علامہ سبکی، علامہ زیلعی، علامہ عینی، اور علامہ ملا علی قاری جیسے ائمہ حدیث شامل ہیں لیکن غیر مقلدین کی یہ بدقسمتی ہے کہ وہ ان جید ائمہ کی توثیق شدہ روایت کو مختلف حیلوں اور بہانوں کے ساتھ مسترد کرنے کے درپے ہیں۔ جب وہ سند کے اعتبار سے اس کی ثقاہت کا انکار نہ کر سکے تو انہوں نے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ عہد فاروقیؓ وعثمانی میں لوگ بیس رکعات پڑھتے تو تھے لیکن ان کا یہ عمل حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے پوشیدہ تھا اور انہیں اس کی خبر نہ تھی۔ غیر مقلدین نے ان خلفاء راشدینؓ کو عصر حاضر کے حکمرانوں پر قیاس کر لیا ہے جنہیں اپنے مفادات سے ہٹ کر کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی حالانکہ کتب احادیث کے اندر جہاں ان کے دور میں لوگوں کے بیس رکعات پڑھنے کا ذکر موجود ہے، وہاں یہ وضاحت بھی مذکور ہے کہ: **ان عمر وعثمان کانا یقومان فی رمضان مع الناس** ۔ یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ رمضان میں لوگوں کے ساتھ مل کر قیام کرتے تھے۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۹۴)

یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ لوگوں کے بیس رکعات تراویح کے عمل سے غافل نہ تھے بلکہ اس

اجتماعی عمل میں باقاعدہ شریک تھا۔ اور یہ ممکن بھی کیسے تھا کہ ان کے ادوار میں ایک خلاف سنت عمل مساجد کے اندر اجتماعی شکل اختیار کر گیا اور العیاذ باللہ تعالیٰ وہ اس سے بے خبر رہے؟ حالانکہ مفتی اعظم حکومت سعودیہ الشیخ ابن بازؒ فرماتے ہیں کہ: **والثلاث والعشرون فعلها عمر رضي الله عنه والصحابة فليس فيها نقص وليس فيها اخلال بل هي من السنن سنن الخلفاء الراشدينؓ** یعنی تیئیس رکعات حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کا اپنا فعل ہے جس میں نہ نقص ہے اور نہ حرج بلکہ یہ خلفاء راشدینؓ کی سنتوں میں سے ہے۔ (مجموع فتاویٰ الشیخ ابن باز ج ۱ ص ۳۰۲)

(۱) حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ **وثبت باهتمام الصحابة على عشرين في عهد عمر وعثمان وعلى فمن بعدهم** یعنی صحابہ کرامؓ کے اہتمام سے ثابت ہے کہ عہد فاروقیؓ، عہد عثمانیؓ، عہد علویؓ اور ان کے بعد بھی بیس رکعات تراویح کا عمل جاری رہا۔ (عمدة الرعایة ج ۱ ص ۱۷۵۔ التعلیق المجد ص ۱۴۰)

(۲) حضرت ابو الحسناءؒ فرماتے ہیں کہ **ان عليا امر رجلا يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة** یعنی حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو رمضان میں بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۲۸۴۔ ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

اس روایت پر غیر مقلدین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں ابو الحسناء مجہول ہے حالانکہ ان کا یہ اعتراض خلاف حقیقت ہے چنانچہ ان کے اس اعتراض کے جواب میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ فرماتے ہیں کہ:

> ''ابو الحسناء دو ہیں۔ ایک حکیم بن عتبہ سے روایت کرتا ہے اور اس سے شریک نخعی روایت کرتے ہیں۔ اسی کو حافظ ابن حجرؒ نے مجہول قرار دیا ہے۔ دوسرا حضرت علیؓ سے روایت کرتا ہے اور اس سے ابو سعد بقال اور عمرو بن قیس روایت کرتے ہیں۔ مذکورہ روایت میں یہی ابو الحسناء ہے۔''
> (رکعات تراویح ص ۷۸)

معلوم ہوا کہ ابو الحسناء دو ہیں۔ جسے حافظ ابن حجرؒ مجہول قرار دے رہے ہیں، وہ ہمارا راوی نہیں۔ اور جو ہماری روایت کا راوی ہے، وہ مجہول نہیں کیونکہ جس راوی سے دو شاگرد روایت کر رہے ہیں، وہ

مجہول نہیں رہتا اور ابوالحسناء سے دو شاگرد ابو سعد بقال اور عمرو بن قیس روایت کرتے ہیں۔ اگر بالفرض یہ وہی ابوالحسناء ہے جس کو حافظ ابن حجر مجہول قرار دیتے ہیں تو پھر بھی اسے مجہول قرار دینا حافظ ابن حجرؒ کا وہم ہے۔ چنانچہ ہماری پیش کردہ روایت پر اعتراض کرتے ہوئے جب شیخ البانیؒ نے ابوالحسناء کو مجہول قرار دیا تو مدرس حرم الشیخ اسماعیل بن محمد الانصاری نے اس کے جواب میں لکھا کہ:

''ناصر الدین البانی اور حافظ ابن حجرؒ نے ابوالحسناء کو مجہول قرار دیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابو بشر الدولابی الحنفیؒ نے اپنی کتاب ''الاسماء والکنیٰ'' میں یحییٰ بن معین کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ابوالحسناء سے شریک نخعی اور حسن بن صالح کوفی روایت کرتے ہیں۔ **والمقرر فی قواعد الحدیث ان روایة اثنین عن الراوی ترفع عنه اسم الجهالة**۔ اور اصول حدیث کے مقررہ ضابطہ کے مطابق جس راوی سے دو شاگرد روایت کریں، اس پر سے جہالت کا الزام ختم ہو جاتا ہے اور یہ اصول امام دارقطنی نے اپنی سنن میں، حافظ ابن عبد البرؒ نے ''الاستذکار'' میں اور خطیب بغدادی نے ''کفایہ'' میں بیان کیا ہے۔'' (تصحیح حدیث صلوٰۃ التراویح عشرین رکعۃ ص۲۹)

شیخ البانی کو یہی جواب الشیخ یحییٰ بن عبداللہ بن مانع الحمیری الشافعی (نائب المدیر للاوقاف دبئی متحدہ عرب امارات) نے اپنے رسالہ القول الصحیح فی صلوٰۃ التراویح ص ۶۱ میں دیا ہے۔ گویا جس ابو الحسناء کو حافظ ابن حجرؒ مجہول قرار دے رہے ہیں، وہ بھی مجہول نہیں کیونکہ اس سے اس کے دو شاگرد شریک نخعی اور حسن بن صالح کوفی روایت کرتے ہیں لہٰذا اس پر بھی جہالت کا الزام ختم ہو گیا۔

(۳) حضرت عبدالرحمٰن السلمیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قراء کو بلایا **فامر منهم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعة و کان علی یوتر بهم**۔ ان میں سے ایک قاری کو بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا اور خود حضرت علیؓ نے لوگوں کو وتر پڑھائے۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶)

اسی روایت سے استدلال کرتے ہوئے حضرت امام ابن تیمیہ الحنبلیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی قائم کی ہوئی جماعت کو توڑا نہیں بلکہ اسے برقرار رکھا۔ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۲۴) ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے زمانوں میں بھی بیس رکعات تراویح ہی پڑھی جاتی تھی اور وہ خود اس تراویح کے عمل میں شریک رہتے تھے۔

تعصب یا جہالت؟ لیکن غیر مقلدین کے تعصب کا یہ عالم ہے کہ وہ ان تمام روایات اور ان کی روشنی میں منقول اقوال سلف کو نظر انداز کرتے ہوئے بضد ہیں کہ خلفاء راشدینؓ کے عمل سے بیس رکعات تراویح ثابت نہیں چنانچہ مولانا میاں نذیر حسین دہلویؒ فرماتے ہیں کہ

''جب حضرت عمرؓ نے ۸ رکعات تراویح پڑھانے کا حکم کیا تو ظاہر ہے کہ خود بھی گیارہ ہی رکعات پڑھتے رہے ہوں گے اور خلفاء راشدینؓ میں سے حضرت ابوبکر و حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہم کا حال صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ یہ لوگ کے رکعت (تراویح) پڑھتے تھے۔'' (فتاویٰ نذیریہ ج ا ص ۲۳۶)

اور ص ۲۴۰ پر بعینہ یہی موقف مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ نے اختیار کیا ہے۔ ان حضرات کے اس موقف کو تعصب کے سوا کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ حالانکہ علامہ عبدالرحمٰن الجزیریؒ فرماتے ہیں کہ:

''**وقد بين فعل عمر ان عددها عشرون حيث انه جمع الناس اخيرا على هذا العدد في المسجد ووافقه الصحابة على ذالك ولم يوجد لهم مخالف من بعدهم من الخلفاء الراشدين**۔ بے شک حضرت عمرؓ کے عمل نے ظاہر کر دیا کہ تراویح کی تعداد بیس ہے کیونکہ انہوں نے مسجد کے اندر لوگوں کو بالآخر اسی عدد پر جمع کر دیا اور صحابہ کرامؓ نے ان کی موافقت کی اور ان کے بعد کے خلفاء راشدینؓ میں سے بھی کسی نے ان سے اختلاف نہیں کیا۔'' (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۳۴۱)

نیز گزشتہ صفحات میں مفتی اعظم سعودی عرب الشیخ بن باز کے مجموعہ فتاویٰ کے حوالے سے یہ فتویٰ بھی گزر چکا ہے کہ بیس رکعات تراویح حضرت عمرؓ سے ثابت اور خلفاء راشدینؓ کی سنت ہے۔

حضرت علیؓ کی دعائیں حضرت عمرؓ کے لیے: حضرت عمرؓ کی طرف سے جماعت تراویح کے احیا کا عمل حضرت علیؓ کو اتنا پسند تھا کہ باوجود اس کے کہ وہ اس کے احیا کی مشاورت میں خود شریک تھے لیکن حضرت عمرؓ کو اس عمل پر دعائیں دیتے تھے۔ چنانچہ ابو اسحاق ہمدانی فرماتے ہیں کہ:

''رمضان کی پہلی شب حضرت علیؓ مسجد میں داخل ہوئے۔ چراغ روشن تھے اور (نماز تراویح میں) قرآن پڑھا جا رہا تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: **نور الله لك يا ابن الخطاب في**

فبرک کما نورت مساجد الله تعالیٰ بالقرآن ۔اے عمر بن الخطاب، اللہ تیری قبر کو اسی طرح منور کرے جس طرح تو نے اللہ تعالیٰ کی مساجد کو تلاوت قرآن سے روشن کر دیا۔" (کنز العمال ج ۲ ص ۲۸۴ ۔قیام اللیل ص ۱۵۶)

دوران تراویح مساجد کے اندر تین قسم کے انوار جمع تھے ۔ایک ظاہری اور دو باطنی ۔ظاہری نور ان قندیلوں کا تھا جو اس وقت مساجد کے اندر بکثرت جلائی جاتی تھیں جس کے بارے میں علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودیؒ فرماتے ہیں کہ مسجد کے اندر روشنی کے لیے چراغ بکثرت جلانے کا سلسلہ حضرت عمرؓ نے اس وقت شروع کیا لما جمع الناس فی التراویح علی امام واحد جب انہوں نے تراویح کے لیے لوگوں کو ایک امام پر جمع کیا۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۶۷۰) دوسرا نور قیام رمضان کی جماعت کا تھا جس کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ وہی ہیں جنہوں نے ماہ صیام کو نماز تراویح (کی جماعت) سے منور فرمایا۔ (ازالۃ الخفاء مترجم ج ۳ ص ۱۸۴) اور تیسرا نور نماز تراویح کے اندر تلاوت قرآن کا تھا جس کی طرف اشارہ کر کے حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کو دعائیں دے رہے ہیں۔

سنت خلفاء راشدینؓ کی شرعی حیثیت: یہ معلوم ہو چکنے کے بعد کہ بیس رکعات تراویح خلفاء راشدینؓ کی سنت ہے، یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ سنت خلفاء راشدینؓ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بدقسمتی سے غیر مقلدین نے اس مسئلے میں بھی جمہور اہل سنت سے اختلاف کرتے ہوئے سنت خلفاء راشدینؓ کو حجت شرعیہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ مولانا میاں نذیر حسین دہلویؒ فرماتے ہیں کہ خلفاء راشدینؓ کے کسی عمل پر مواظبت سے بھی سنت موکدہ ثابت نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۶۴۲ ۔تفصیلی حوالہ ساتویں باب میں ملاحظہ فرمائیں) اور نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں کہ وذهب الجمهور الی ان اجماع الخلفاء الاربعة لیس بحجة وهو الحق. جمہور کے نزدیک خلفاء اربعہ (حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت عثمان ذی النورینؓ اور حضرت حیدر کرارؓ رضی اللہ عنہم) کا اجماع حجت نہیں اور یہی حق ہے۔ (حصول المامول ص ۶۵)

حالانکہ اہل سنت کے نزدیک خلفاء راشدینؓ کی سنت اور اجماع حجت شرعیہ ہے چنانچہ علامہ محمد

انور شاہ کاشمیریؒ فرماتے ہیں کہ سنت خلفاء راشدینؓ بھی سنت نبویؐ کی طرح سنت ہے **کما فی الاصول ان السنة سنة الخلفاء وسنته عليه السلام** جیسا کہ اصول میں سنت کا اطلاق سنت نبویؐ اور سنت خلفاء راشدینؓ دونوں پر کیا گیا ہے۔ (العرف الشذی ص ۳۰۹) اور حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ فقہا اور اصولیین کے نزدیک سنت وہ ہے **ما واظب عليه النبی** ﷺ **او الخلفاء الراشدون** جس پر آنحضرت ﷺ یا خلفاء راشدینؓ نے مواظبت اختیار کی ہو۔ (اعلاء السنن ج ۷ ص ۶۹)

ہمارے فقہاء کرام کا استدلال حدیث: **عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين** (مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۶۔ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۹۔ ترمذی ج ۲ ص ۹۲۔ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۹۶۔ ابن ماجہ ص ۵) سے ہے اسی لیے کتب حدیث میں اس کی صراحت مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شرابی کو چالیس چالیس کوڑے لگائے اور حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے۔ **وكل سنة**، ان میں ہر عمل سنت ہے۔ (مسلم ج ۲ ص ۷۲۔ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۶۱) یہی وجہ ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک شرابی کے لیے حد اسی کوڑے ہے۔ (فتاویٰ عالم گیری ج ۳ ص ۲۸۵۔ ہدایہ ج ۱ ص ۵۰۸)

علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ، امام محمدؒ اور امام مالکؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ جب ہمارے پاس دو مختلف حدیثیں پہنچیں اور یہ خبر بھی پہنچے کہ ان میں سے ایک حدیث پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے عمل کیا ہے اور دوسری ترک کی ہے تو **كان في ذالك دلالة ان الحق في ما عملا به** ۔ قابل عمل وہی حدیث ہوگی جس پر ان حضرات نے عمل کیا ہے۔ (التمہید ج ۳ ص ۳۵۳) گویا حدیث رسول پر عمل کے لیے صرف صحت سند ہی کافی نہیں بلکہ تعامل خلفاء راشدینؓ بھی دیکھا جائے گا۔ چنانچہ حافظ ابن رجب الحنبلیؒ فرماتے ہیں کہ:

> **والسنة هي الطريق المسلوكة فيشمل ذلك التمسك بما كان عليه هو والخلفاء الراشدون وهذه السنة الكاملة** ۔ سنت وہ راستہ ہے جس پر آنحضرت ﷺ اور خلفاء راشدینؓ چلے اور یہی سنت کاملہ ہے۔ (جامع العلوم ج ۱ ص ۱۹۱)

حاصل بحث: زیر نظر باب کے ٹھوس حوالہ جات کی روشنی میں یہ حقیقت پوری طرح واضح

ہو چکی ہے کہ

(۱) بیس رکعات نماز تراویح حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ تینوں خلفاء راشدینؓ کی ہے۔ (۲) اور خلفاء راشدینؓ کی سنت پر امت کے لیے سنت نبوی ﷺ کی طرح عمل لازم ہے۔

اس کے بعد بھی بیس رکعات تراویح کے سنت ہونے سے انکار کرنا خالص غیر مقلدیت نہیں تو کیا ہے؟

باب چہارم

تعامل خیر القرون

صحابہ کرامؓ اور رکعات تراویح

سنت خلفاء راشدینؓ کی روشنی میں رکعات تراویح کی تفصیلی بحث کے بعد اب ہم تعامل صحابہ کرامؓ کی روشنی میں رکعات تراویح کا جائزہ لینا چاہیں گے۔ اتنی بات تو غیر مقلدین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بعض صحابہ کرامؓ بیس رکعات پڑھتے تھے۔ (ملاحظہ فرمایئے "تحریک آزادی فکر" ص۲۴۲۔ فتاویٰ برکاتیہ ص۸۱۔ فتاویٰ ثنائیہ ج۱ ص۶۵۳) لیکن ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ بیس رکعات تراویح پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو چکا تھا۔ آیئے اس کی تفصیلات ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) زید بن وہب فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ رمضان میں ہمارے ساتھ نماز پڑھتے۔ امام اعمشؒ فرماتے ہیں: **کان یصلی عشرین رکعة ویوتر بثلاث** یعنی وہ تیئیس رکعات پڑھتے۔ (قیام اللیل ص۱۵۷) (۲) حافظ ابن حجر مکی الشافعیؒ فرماتے ہیں: **ولکن اجتمعت الصحابة علی ان التراویح عشرون رکعة** ۔ بیس رکعت تراویح پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو چکا ہے۔ (المصابیح ص۱۸۔ تحفۃ الاخیار ص۱۹۷) (۳) علامہ ابن تیمیہ الحنبلیؒ فرماتے ہیں کہ بیس رکعات سنت ہے **لانه قام بین المهاجرین والانصار ولم ینکره منکر** (اس لیے کہ مہاجرین وانصار صحابہؓ کی موجودگی میں پڑھی گئیں اور کسی نے ان سے انکار نہیں کیا۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج۲۳ ص۱۱۲) (۴) علامہ ملا علی قاریؒ مرقاۃ ج۳ ص۱۹۳ میں (۵) علامہ عبد الحیٔ لکھنویؒ التعلیق المجد ص۱۴۰ میں (۶) علامہ قسطلانیؒ ارشاد الساری ج۳ ص۲۲۶ میں (۷) علامہ قاضی خانؒ فتاویٰ ج۱ ص۱۱۰ میں (۸) علامہ شمس الدین الحنبلیؒ شرح مقنع ج۱ ص۸۵۲ میں (۹) امام نووی الشافعیؒ کتاب الاذکار ص۸۳ میں (۱۰) علامہ طحطاوی الحنفی

طحطاوی ص ۲۴۹ میں (۱۱) علامہ شرنبلالی الحنفی مراقی الفلاح ص ۸۱ میں (۱۲) حافظ ابن ہمام الحنفی فتح القدیر ج۱ ص ۳۰۷ میں (۱۳) علامہ ابن نجیم الحنفی البحر الرائق ج۲ ص ۶۶ میں (۱۴) شیخ عبد الحق محدث دہلوی ما ثبت بالسنۃ ص ۲۱۷ میں (۱۵) علامہ ابن عابدین شامی الحنفی رد المحتار ج۱ ص ۴۷۴ میں (۱۶) علامہ کاسانی الحنفی بدائع الصنائع ج۱ ص ۲۸۸ میں (۱۷) علامہ تاج الدین سبکی الشافعی مصابیح ص ۱۲ میں (۱۸) امام جلال الدین سیوطی مصابیح ص ۱۶ میں (۱۹) علامہ حلبی الحنفی شرح منیۃ المصلی ص ۳۶۹ میں (۲۰) اور امام ابو حامد غزالی الشافعی احیاء العلوم میں بیس رکعت تراویح پر صحابہ کرام کا اجماع نقل کرتے ہیں۔ (۲۱) اور امام ابن قدامہ الحنبلی حدیث ابن سائب وغیرہ حضرات کی نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: وھذا کالاجماع ۔ یہ بمنزلہ اجماع صحابہؓ کے ہے۔ (مغنی ج۱ ص ۸۰۳)

گویا مختلف فقہی مذاہب سے تعلق رکھنے والے مندرجہ بالا ائمہ بیس رکعات تراویح پر اجماع صحابہؓ منعقد ہونے پر متفق ہیں اور اس پر کوئی قابل ذکر انکار موجود نہیں۔

تعامل صحابہؓ کی شرعی حیثیت

بیس رکعات تراویح پر اجماع صحابہؓ کے تذکرہ کے بعد تعامل صحابہؓ کی شرعی حیثیت پر مختصر بحث بھی ضروری ہے کیونکہ اس مسئلے پر بھی غیر مقلدین جمہور اہل سنت سے الگ نظریہ رکھتے ہیں۔ آیئے ان کے نظریہ کی ایک جھلک ملاحظہ فرمایئے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں کہ میرا مذہب اور عقیدہ یہ ہے کہ میں خدا اور رسول کے سوا کسی ایک یا کئی اشخاص کا قول یا فعل حجت شرعیہ نہیں جانتا۔ (مظالم روپڑی ص ۵۶) مولانا محمد حسین بٹالویؒ فرماتے ہیں کہ امام شوکانی نے دلیل عدم حجت اقوال صحابہؓ یہ بیان کی ہے کہ خدا تعالیٰ نے بجز آنحضرت ﷺ کے کسی کا اتباع کسی پر لازم نہیں کیا۔ کتاب و سنت اور اجماع امت اس پر شاہد ہیں۔ (ایضاً ص ۵۷) مولانا میاں نذیر حسین دہلویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ سے حجت شرعیہ قائم نہیں ہو سکتی۔ (ایضاً) نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کی تفسیر قرآن حجت نہیں۔ (بدور الاہلہ ص ۱۳۹) نواب نور الحسن خان فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کا اجتہاد امت کے کسی فرد پر حجت نہیں۔ (عرف الجادی ص ۲۰۷)

غیر مقلدین کے مذکورہ نظریات کے بالکل برعکس اہل السنت والجماعت کا نظریہ یہ ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے امت کے تہتر فرقوں کی خبر دی اور فرمایا ان میں سے ایک فرقہ ناجی ہے۔ پوچھا گیا، کون سا؟ فرمایا اہل السنت والجماعت۔ پوچھا گیا، سنت اور جماعت سے کیا مراد ہے؟ فرمایا، وہ طریقہ جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں۔ (الملل والنحل لعلامہ عبدالکریمؒ شہرستانی ج ا ص ۱۳)

گویا اس فرمان نبوی کے مطابق نام کے اعتبار سے اہل سنت والجماعت اور پہچان کے اعتبار سے **ما انا علیه و اصحابی** مدار نجات ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے نقش قدم پر چلو، بدعات سے بچو، **فقد کفیتم**۔ یہ تمہاری نجات کے لیے کافی ہے۔ (الاعتصام للشاطبیؒ ج ا ص ۵۴) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی اقتدا ان کے عہد میں بھی کی جائے گی اور بعد میں بھی۔ (شرح مسلم ج ا ص ۲۸۶) امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ علما جو باتیں صحابہؓ سے روایت کریں، وہ لے لو اور جو اپنی طرف سے بیان کریں، وہ چھوڑ دو۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۲۵۶) کیونکہ یہ اصول موجود ہے کہ **اذا تنازع الخبران عن النبی ﷺ نظر الی ما عمل به اصحابه من بعده۔** جب آنحضرت ﷺ سے دو مختلف حدیثیں منقول ہوں تو پھر صحابہ کرامؓ کے عمل کو دیکھو کہ ان کا عمل ان میں سے کس حدیث پر ہے۔ (وہی عمل سنت ہوگا) ابوداؤد ج ا ص ۳۷۶) علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون المالکیؒ فرماتے ہیں کہ جب صحابہ کرامؓ خود طعن و تشنیع سے پاک ہوئے تو ان کے اجماع پر کون مومن یہ شک کر سکتا ہے کہ وہ نعوذ باللہ بغیر کسی دلیل شرعی کے متفق القول والعمل ہو گئے ہوں گے۔ (مقدمہ ص ۴۴۴) مولانا عبدالجبار غزنویؒ غیر مقلد فرماتے ہیں کہ جس امر کا ترک باجماع صحابہؓ بنقل صحیح ثابت ہو جائے تو بموجب قاعدۂ محدثین اس کا متروک العمل ہونا دلیل نسخ ہے۔ (اثبات الالہام والبیعۃ ص ۷)

ان حوالہ جات کو بار بار ملاحظہ فرمائیے اور فریقین (اہل سنت والجماعت اور غیر مقلدین) کے نظریات کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ چنانچہ اہل سنت کے نظریہ کی تائید میں علامہ فاخر الہ آبادی غیر مقلد فرماتے ہیں کہ اہل سنت فرقہ ناجیہ ہے جنہوں نے سیرت نبوی اور صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلنے کو اپنا شعار بنالیا ہے۔ **ما انا علیه و اصحابی** ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ (رسالہ نجاتیہ ص ۴۷) مولوی عنایت اللہ اثری غیر مقلد فرماتے ہیں کہ علیؓ نے فرمایا اہل سنت وہ ہیں جو سنن نبوی پر عامل ہوں اور اہل بدعت وہ ہیں جو ان کے خلاف ہوں۔ اہل جماعت صحابہؓ ہیں اور اہل تفریق وہ ہیں جو ان سے الگ ہوں۔ امام

زہریؒ فرماتے ہیں کہ عہد رسالت میں لوگ اہل سنت تھے۔ (جفان الجفایہ ص ۱۴۶)

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ غیر مقلدین کا شمار اہل سنت کی مخالفت کی وجہ سے اہل بدعت میں اور تعامل صحابہ سے علیحدگی کی وجہ سے اہل تفریق میں ہوتا ہے کیونکہ جب براہین قاطعہ سے ثابت ہو چکا کہ بیس رکعات تراویح پر صحابہ کرامؓ کا بھی اجماع ہے اور ان کے بعد کے تمام اہل سنت والجماعت کا بھی تو اس سے اختلاف وعلیحدگی بدعت وتفریق کے سوا کیا کہلا سکتی ہے؟

تراویح مدینہ منورہ میں

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خلافت راشدہ کے دار الخلافہ کی حیثیت سے عہد فاروقیؓ میں تراویح کو اجتماعی شکل دینے کا آغاز مدینہ منورہ سے ہوا۔ ہم بالتفصیل بیان کر چکے ہیں کہ عہد خلافت راشدہ میں مدینہ منورہ کے اندر بیس رکعات تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں۔ اس کے بعد اس میں کیا کیا تغیر آئے؟ اور ان کے اسباب کیا تھے؟ اب ہم اس پر مختصر بحث کریں گے اور یہ بحث ہم نے چار حصوں میں تقسیم کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) مدینہ منورہ کے اندر رکعات تراویح میں تغیر کب اور کتنا آیا؟ : خلافت راشدہ موعودہ کے ختم ہونے کے تقریباً تیئیس سال بعد واقعہ حرہ کے قریب (۴۰ ہجری میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت پر خلافت راشدہ موعودہ کا دور ختم ہو گیا اور واقعہ حرہ ۶۳ ہجری میں اس وقت پیش آیا جب واقعہ کربلا کے بعد اصحاب مدینہ نے حضرت عبد اللہ بن حنظلہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے یزید کی بیعت توڑ دی تو یزیدی فوجوں نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کر کے جو قتل وغارت کا بازار گرم کیا، تاریخ میں اسے واقعہ حرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) مدینہ منورہ میں رکعات تراویح بڑھا دی گئیں چنانچہ علامہ سلیمان الباجیؒ فرماتے ہیں کہ:

> وکان الامر علی ذالک الی یوم الحرة فثقل علیهم القیام فنقصوا من القراءة وزادوا الرکعات فجعلت ستا وثلاثین غیر الشفع والوتر یعنی واقعہ حرہ تک بیس رکعات کا دستور رہا۔ پھر لوگوں نے طول قیام کے بجائے کثرت رکعات اختیار کر کے وتروں کے علاوہ رکعات چھتیس کر دیں۔ (زرقانی شرح موطا ج ۱ ص ۲۳۹) رکعات میں یہ اضافہ واقعہ

حرہ کے کتنا عرصہ بعد ہوا؟ کہا جاتا ہے کہ یہ تبدیلی اس وقت آئی جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مدینہ منورہ کے حاکم وگورنر تھے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ص ۵۴۳) اور حضرت عمر بن عبد العزیز ۸۷ ہجری سے ۹۳ ہجری تک مدینہ کے گورنر رہے۔

گویا رکعات کے اندر یہ تبدیلی عہد خلافت راشدہ کے تقریباً پچاس سال بعد آئی البتہ امام ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن حلیمہ صحابی قبل از واقعہ حرہ بھی اکتالیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۴) کیونکہ وہ واقعہ حرہ میں شہید ہوئے لیکن یہ ان کا انفرادی عمل تھا۔ ممکن ہے تراویح بیس رکعات پڑھنے کے بعد نوافل پڑھتے ہوں اور کسی نے ان کی تراویح سمیت ساری رکعات شمار کر لی ہوں اور بعد کے حضرات نے ان کی نسبت صحابیت کی وجہ سے انہی کے عمل کی بنیاد پر رکعات بڑھالی ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ چنانچہ

حضرت داؤد بن قیس فرماتے ہیں کہ ادرکت الناس فی امارۃ ابان بن عثمان و عمر بن عبد العزیز یعنی بالمدینۃ یقوم بست وثلاثین رکعۃ ویوترون بثلاث ۔ میں نے مدینہ منورہ کے اندر ابان بن عثمان اور عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں لوگوں کو چھتیس رکعات اور تین وتر پڑھتے دیکھا۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۲۰۔ ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳) امام شافعیؒ فرماتے ہیں رایت الناس یقومون بالمدینۃ بتسع وثلاثین ۔ میں نے مدینہ میں لوگوں کو انتالیس رکعات (چھتیس رکعات اور تین وتر) تراویح پڑھتے ہوئے دکھا۔ (کتاب الام ج ۱ ص ۱۲۵)

رکعات تراویح کی تعداد بیس سے چھتیس تک واقعہ حرہ سے پہلے پہنچی یا بعد میں؟ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ یہ تبدیلی عہد خلافت راشدہ کے بہت بعد عمل میں آئی۔ **عہد خلافت راشدہ میں چھتیس رکعات کا وجود نہ تھا۔**

(۲) **رکعات میں اضافہ کیوں ہوا؟** : یہ تو معلوم ہو چکا کہ رکعات تراویح میں اضافہ واقعہ حرہ کے قریب ہوا اور سولہ یا بیس رکعات کا ہوا۔ اب ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ یہ اضافہ کیوں ہوا؟ اس کی وجہ کیا بنی؟ چنانچہ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ نے تشبیھا لاھل مکۃ اہل مکہ سے مشابہت کے لیے چھتیس رکعات اختیار کر لیں کیونکہ اہل مکہ

ہر چار رکعات کے بعد طواف کعبہ کر لیتے تھے و لا یطوفون بعد الخامسۃ اور پانچویں ترویحہ کے بعد وہ طواف نہیں کرتے تھے۔ پس اہل مدینہ طواف کی جگہ ہر چار رکعات کے بعد چار رکعات نفل پڑھ لیتے تھے۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ا ص ۳۴۸) یعنی چار ترویحوں کے بعد چار چار رکعات پڑھانے سے سولہ رکعات زائد ہو کر چھتیس رکعات بن گئیں۔

رکعات بڑھانے کی یہی علت علامہ ابن قدامہ الحنبلیؒ نے مغنی ج ۲ ص ۱۶۷ میں، شیخ عبدالحق دہلویؒ نے ماثبت بالسنۃ ص ۲۱۰ میں، علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ نے فتاویٰ ص ۲۳۸ میں، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے فتاویٰ عزیزی ص ۲۳۸ میں اور علامہ ابن عبدالبرؒ وابن حبیب مالکیؒ نے زرقانی ج ا ص ۲۳۹ میں بیان کی ہے۔ گویا ان کی اضافی رکعات نماز تراویح کا حصہ نہ تھیں بلکہ درمیان کی نفلی عبادت میں شامل تھیں۔

مسئلہ: اہل مکہ واصحاب مدینہ کے اسی عمل کی بنیاد پر فقہاء کرام نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ پھر ترویحہ کے بعد بیٹھنے کے وقت لوگوں کو اختیار ہے، چاہے تو تسبیح پڑھتے رہیں، چاہے تو خاموش بیٹھے رہیں۔ مکہ کے لوگ سات مرتبہ طواف کر لیتے تھے اور مدینہ کے لوگ چار رکعات بڑھا لیتے تھے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۱۸۵)

ضروری وضاحت: مذکورہ بحث سے یہ وضاحت بھی سامنے آ جاتی ہے کہ مختلف آثار میں جو چھتیس یا چالیس رکعات کا اختلاف موجود ہے، وہ پانچویں ترویحہ کے بعد کے عمل پر موقوف ہے۔ جو حضرات پانچویں ترویحہ کے بعد چار رکعات ادا کرتے، ان کی رکعات چالیس ہو جاتیں اور جو پانچویں ترویحہ کے بعد چار رکعات ادا نہ کرتے، ان کی رکعات کی تعداد چھتیس ہوتی اور پانچویں ترویحہ کے بعد استراحت کے حکم شرعی کے بارے میں فقہاء کرام کے اختلاف کی مختصر بحث آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیے۔

(۲) اضافی رکعات کی مسنون حیثیت: گزشتہ اوراق میں ہم دلائل کے ساتھ باحوالہ بحث کر چکے ہیں کہ سنت نبوی، تعامل خلفاء راشدینؓ اور اجماع صحابہؓ کی روشنی میں رکعات تراویح کا عدد بیس سے متجاوز ہرگز نہ تھا۔ اس اعتبار سے بیس سے زائد رکعات کا تعلق مسنون عمل

سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ان کی حیثیت صرف نوافل کی ہوگی بلکہ ائمہ مجتہدین کے درمیان تو بین الترویحتین (یعنی دو ترویحوں کے درمیان) نوافل پڑھنے کے بارے میں بھی اختلاف موجود ہے۔ بعض کے نزدیک وہ جائز ہیں اور بعض کے نزدیک مکروہ چنانچہ فقہ مالکی کے نامور ترجمان امام ابن قاسمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ سے سوال کیا عن التنفل فی ما بین الترویحتین۔ دو ترویحوں کے درمیان نفل پڑھنے کے بارے میں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ لا باس بذالک۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ (اعلاء السنن ج ۷ ص ۶۸) جبکہ امام ابن قدامہ الحنبلیؒ فرماتے ہیں کہ و کرہ ابو عبد اللہ التطوع بین الترویحتین۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بین الترویحتین نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔ (المغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۸۰۵) شمس الائمہ امام سرخسی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ قال ابو حنیفة یصلی عشرین رکعة کما ھو السنة ویصلی الباقی فرادی کل تسلیمتین اربع رکعات وھذا مذھبنا وقال الشافعی لا باس باداء الکل جماعة یعنی امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بیس رکعات باجماعت پڑھے جیسا کہ سنت ہے۔ باقی چار چار رکعات دو سلاموں کے ساتھ اکیلا پڑھے اور یہی ہمارا مذہب ہے جبکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ نوافل بھی باجماعت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ (مبسوط ج ۲ ص ۱۴۴)

گویا ان حوالہ جات کی روشنی میں تین نقطہ نظر سامنے آتے ہیں:

پہلا امام احمد بن حنبلؒ کا جن کے نزدیک بین الترویحتین نوافل پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے۔

دوسرا امام مالک اور امام شافعی کا جن کے نزدیک بین الترویحتین باجماعت نوافل پڑھنا بھی جائز ہے اور بلا جماعت بھی۔

تیسرا امام اعظم ابو حنیفہ کا جن کے نزدیک بین الترویحتین باجماعت نوافل مکروہ اور بلا جماعت جائز ہیں۔

ائمہ مجتہدین کے اس اختلاف سے ظاہر ہے کہ بیس رکعات سے زائد اضافی رکعات کی حیثیت صرف نوافل کی ہے اسی لیے اہل مدینہ کے چھتیس یا چالیس رکعات اختیار کرنے کے عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے امام موفق الدین ابن قدامہ الحنبلیؒ فرماتے ہیں کہ:

(اہل مدینہ نے چھتیس رکعات کا عمل اختیار کیا لیکن) وما کان اصحاب رسول اللہ ﷺ

اولی واحق ان یتبع ۔صحابہ کرامؓ کا عمل ان سے فائق ہے اور وہ اتباع کے زیادہ حق دار ہیں۔ (المغنی ج ا ص ۱٦۷)

اور واقعی حقیقت یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ فرمان نبوی کے مطابق نجوم ہدایت اور معیار حق وصداقت ہونے کی بناپر اتباع و پیروی کے اولین حق دار ہیں اور یہی جمہور اہل سنت کا نظریہ ہے۔

(ی) مدینہ منورہ میں تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ :

یہ حقیقت واضح ہو چکنے کے بعد کہ اہل مدینہ کا عمل چھتیس رکعات کا تھا اور ان کی بیس سے زائد اضافی رکعات کی حیثیت سنت کی نہ تھی بلکہ صرف نوافل کی تھی۔اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مدینہ منورہ میں رکعات تراویح کا عمل ہمیشہ چھتیس کا رہا یا اس میں کوئی تغیر وتبدل رونما ہوتا رہا؟ چنانچہ مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے سابق قاضی الشیخ عطیہ سالم نے مسجد نبوی کے اندر نماز تراویح کی چودہ سوسالہ تاریخ پر ''التراویح اکثر من الف عام'' کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف فرمائی ہے۔اس میں وہ فرماتے ہیں کہ:

> ''عہد خلافت راشدہ میں مسجد نبوی کے اندر بیس رکعات تراویح پڑھی جاتی تھیں جو بعد میں بڑھا کر چھتیس رکعات کر دی گئیں اور تیسری صدی ہجری کے آخر تک وہاں چھتیس رکعات کا عمل جاری رہا۔ پھر چوتھی صدی ہجری کے آغاز سے لے کر آٹھویں صدی کے وسط تک مسجد نبوی میں بیس رکعات تراویح پر عمل جاری رہا اور آٹھویں صدی کے وسط سے لے کر چودھویں صدی کے وسط تک رات کے اول حصے میں بیس رکعات پڑھی جاتیں اور آخری حصے میں سولہ رکعات پڑھی جاتیں۔ پھر جب چودھویں صدی کے وسط میں حکومت سعودیہ کا قیام عمل میں آیا تو مسجد نبوی کے اندر پھر بیس رکعات پر اکتفا کر لیا گیا۔اب پہلی دس رکعتیں پانچ سلاموں کے ساتھ شیخ عبد العزیز پڑھاتے ہیں اور آخری دس رکعات پانچ سلاموں کے ساتھ شیخ عبدالمجید پڑھاتے ہیں۔
>
> **فیکون العشرون رکعة کاملة** (ملخصاً)

اور الشیخ عیسیٰ بن عبداللہ بن مانع الحمیری الشافعی (نائب مدیر الاوقاف دبئی متحدہ عرب امارات) فرماتے ہیں کہ جب حافظ زین الدین عراقی الشافعیؒ (المتوفی ۸۰٦) مسجد نبوی کے امام تھے تو انہوں نے

خلفاء راشدینؓ کی سنت کا احیا فرمایا۔ **فکان یصلی التراویح اول اللیل بعشرین رکعة علی المعتاد ثم یقوم آخر اللیل فی المسجد بست عشرة رکعة واستمر ذالک عمل اهل المدینة بعده فهم علیه الی الان** یعنی وہ اول شب ہمیشہ بیس رکعات تراویح پڑھاتے اور آخر شب مسجد کے اندر سولہ رکعات نوافل پڑھاتے اور اس کے بعد آج تک یہی عمل جاری ہے۔
(القول الصحیح فی صلاۃ التراویح ص ۱۸)

الشیخ عطیہ سالم اور الشیخ حمیری کے مذکورہ فرامین سے تین باتیں بخوبی واضح ہو جاتی ہیں۔

پہلی یہ کہ عہد خلافت راشدہ میں تراویح کی رکعات بیس ہی تھیں اور یہی خلفاء راشدینؓ کی سنت ہے۔ دوسری یہ کہ اہل مدینہ نے عہد خلافت راشدہ کے بعد چھتیس رکعات کا جو عمل جاری کیا، وہ تیسری صدی ہجری کے آخر یا آٹھویں صدی کے وسط تک جاری رہا لیکن اس کے بعد پھر سے سنت خلفاء راشدینؓ کے مطابق بیس رکعات تراویح کا احیاء ہوا۔ البتہ اہل مدینہ تراویح کے درمیان جو سولہ رکعات نفل زائد پڑھتے تھے، وہ تراویح سے کاٹ کر سحری کے وقت میں منتقل کر دیے گئے اور ان کی جماعت سحری کے وقت ہونے لگی اور یہ عمل چودھویں صدی کے وسط تک جاری رہا۔ تیسری یہ کہ چودھویں صدی کے وسط میں حکومت سعودیہ کے قیام کے بعد سحری کے وقت پڑھی جانے والی سولہ رکعات کا باجماعت سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا اور تراویح بیس رکعات ہی پڑھی جاتی رہیں۔ یاد رہے کہ حکومت سعودیہ کا قیام ۱۳۴۶ھ۔۱۹۲۶ء میں اس وقت عمل میں آیا جب سلطان عبدالعزیز بن سعودؒ نے مملکت حجاز کی عنان اقتدار سنبھالی۔ گویا عہد خلافت راشدہ سے لے کر عہد حکومت سعودیہ تک مسجد نبوی کے اندر نماز تراویح کی رکعات بیس یا چھتیس ہی رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ الشیخ عطیہ سالم آٹھ رکعات تراویح کے قائلین کو چیلنج کرتے ہوئے سوال کرتے ہیں کہ

"کیا اس چودہ سو سالہ مدت کے اندر مسجد نبوی میں کبھی بھی آٹھ رکعات یا بیس رکعات سے کم تراویح کا پڑھا جانا ثابت ہے؟ (ص ۱۰۸)

یہ حقائق اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ مسجد نبوی کے اندر آٹھ رکعات تراویح عہد خلافت راشدہ سے لے کر آج تک کبھی بھی نہیں پڑھی گئی لہٰذا مدینہ منورہ اور مسجد نبوی کی نسبت استعمال کر کے امام جد

نبوی کے نام سے اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے والے آٹھ رکعات کے قائلین کو اپنے طرز عمل پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے۔

تراویح مکہ مکرمہ میں

مدینہ منورہ کے بعد اب ہمیں اسلام کے سب سے بڑے مرکز مکہ مکرمہ کی رکعات تراویح کا جائزہ لینا ہے۔ ناقابل تردید تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ عہد فاروقیؓ سے لے کر آج تک مکہ مکرمہ اور مسجد حرام کے اندر صرف بیس رکعات تراویح ہی پڑھی گئی ہیں۔ کبھی بھی ان میں کمی بیشی نہیں ہوئی۔ چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وبمکة بثلاث وعشرین یعنی مکہ مکرمہ کے لوگ تیئیس رکعات تراویح پڑھتے۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۶۱۔ فتح الباری ج ۴ ص ۲۲۵) امام شافعیؒ فرماتے ہیں: رایت الناس یقومون بمکة بثلاث وعشرین۔ میں نے مکہ مکرمہ کے اندر لوگوں کو تیئیس رکعات تراویح ہی پڑھتے دیکھا۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۲۲۰۔ کتاب الام ج ۱ ص ۱۲۵) مشہور تابعی حضرت عطاء ابن ابی رباحؒ فرماتے ہیں کہ ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثة وعشرین رکعة۔ میں نے مکہ مکرمہ کے اندر لوگوں کو دیکھا کہ وہ تیئیس رکعات تراویح ہی پڑھتے ہیں۔ (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳۔ قیام اللیل ص ۱۵۸) حضرت عطاء ابن ابی رباحؒ نے ۱۱۵ ہجری میں وفات پائی۔ گویا ۱۱۵ ہجری تک بھی مکہ مکرمہ کے اندر نماز تراویح بیس رکعات ہی پڑھی جاتی تھیں۔ دوسرے مشہور تابعی حضرت ابن ابی ملیکہؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ کے اندر بیس رکعات پڑھاتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳) اور حضرت ابن ابی ملیکہؒ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد خلافت میں قاضی کے عہدہ پر فائز تھے اور ۱۱۷ ہجری میں وفات پائی۔

ان حوالہ جات سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ عہد خیر القرون میں مکہ مکرمہ کے اندر بھی بیس رکعات تراویح ہی رائج تھی اسی لیے جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ کی طرف سے کلیة الشریعة والدراسات الاسلامیہ مکہ مکرمہ کے استاد الشیخ محمد علی صابونیؒ کا ایک رسالہ ''الھدی النبوی الصحیح فی صلوٰة التراویح'' کے نام سے شائع کیا گیا ہے جس میں الشیخ صابونی نے عہد خلافت راشدہ سے لے کر عہد حکومت سعودیہ تک مکہ مکرمہ اور مسجد حرام کے اندر ہمیشہ بیس رکعات تراویح پڑھے جانے کا

ثبوت دیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

فکم تودی فیھما صلوۃ التراویح من عھد الصحابۃ الی زماننا ھذا؟ الست تودی فیھما الصلوۃ عشرین رکعۃ؟ عہد صحابہؓ سے لے کر آج تک تم حرمین شریفین میں کتنی رکعات تراویح ادا کرتے ہو؟ کیا تم وہاں بیس رکعات نہیں پڑھتے؟ (ص ۵۶)

غور فرمایئے کہ ایک طرف قاضی مدینہ و مدرس مسجد نبوی الشیخ عطیہ سالم کی للکار ہے اور دوسری طرف استاد کلیۃ الشریعۃ مکہ مکرمہ الشیخ محمد علی صابونی کا چیلنج ہے کہ ہے کوئی غیر مقلد جو مسجد نبوی اور مسجد حرام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کسی بھی وقت وہاں آٹھ رکعات تراویح کا عملی ثبوت فراہم کر سکے؟ لیکن آج تک کوئی غیر مقلد اس کا جواب نہیں دے سکا اور نہ ان شاء اللہ العزیز قیامت تک دے سکتا ہے۔

تعامل تابعینؒ و تبع تابعینؒ

سنت خلفاء راشدینؓ، تعامل صحابہ، اور تاریخ حرمین شریفین کے حوالے سے بیس رکعات تراویح کے ٹھوس ثبوت فراہم کرنے کے بعد اب ہم تابعین و تبع تابعین کے عمل کے حوالے سے بھی رکعات تراویح کا جائزہ لینا چاہیں گے۔

(۱) مشہور تابعی حضرت سعید بن الجبیرؒ رمضان المبارک میں (نماز تراویح کی) امامت فرماتے تو ایک رات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت میں اور ایک رات حضرت عثمان غنیؓ کی قراءت میں تلاوت کرتے۔ **فکان یصلی خمس ترویحات** ۔وہ پانچ ترویحے پڑھاتے۔**فاذا کان العشر الاواخر صلی ست ترویحات** ۔اور آخری عشرے میں چھ ترویحے پڑھاتے۔(عبدالرزاق ج ۴ ص ۲۶۶۔ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳۔ قیام اللیل ص ۱۵۸) یعنی حضرت سعید بن جبیرؒ تراویح تو پانچ ترویحے (یعنی بیس رکعات) ہی پڑھاتے البتہ آخری عشرے میں **یجتھد فی العشر الاواخر ما لا یجتھد فی غیرہ** کی سنت نبوی پر عمل کرنے کے لیے ایک ترویحہ (یعنی چار رکعات) کا اضافہ کر لیتے۔ حضرت سعید بن الجبیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت انس بن مالکؓ جیسے جلیل القدر صحابہ سے علم حاصل کیا۔ ۹۵ ہجری میں ان کو حجاج بن یوسف نے کوفہ کے اندر انتہائی ظالمانہ طریقے سے شہید کر دیا۔ گویا ۹۵ ہجری تک کوفہ کے اندر بھی بیس

رکعات تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں۔

(۲) یونس بن عبید (جو حسن بصریؒ وابن سیرینؒ کے شاگرد اور سفیان ثوریؒ وشعبہؒ کے استاد ہیں اور ۱۳۹ میں وفات پائی) فرماتے ہیں کہ ابن اشعث کے فتنہ سے قبل بصرہ کی جامع مسجد میں، میں نے عبدالرحمٰن بن ابی بکرہؒ، سعید بن ابی الحسنؒ اور عمران العبدیؒ کو دیکھا: کانوا یصلون خمس ترا ویح فاذا دخل العشر الاواخر زادوا واحدۃ۔ وہ لوگوں کو پانچ ترویحے پڑھاتے اور آخری عشرے میں ایک ترویحہ (چار رکعت) کا اضافہ کر لیتے۔ (قیام اللیل ص ۱۵۸) گویا ان حضرت کے نزدیک بھی تراویح بیس رکعات تھیں البتہ آخری عشرے میں عمل نبوی کے ساتھ تشبیہ ومناسبت کے لیے ایک ترویحہ بڑھا لیتے۔ یاد رہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہؒ، حضرت سعید بن ابی الحسنؒ، اور عمران العبدیؒ تینوں حضرت علی المرتضٰی کے شاگرد تھے۔ (ملاحظہ فرمایئے تہذیب التہذیب) اور روایت میں جس فتنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ عبدالرحمٰن بن الاشعث کا فتنہ ہے جو ۸۱ ہجری میں بصرہ کے اندر برپا ہوا۔ گویا ۸۱ ہجری تک بصرہ میں بھی بیس رکعات کا ہی رواج تھا۔

(۳) حضرت شتیر بن شکل رمضان میں لوگوں کو تراویح پڑھاتے بعشرین رکعۃ ویوتر بثلاث. بیس رکعت اور تین وتر کے ساتھ۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۹۶۔ ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳۔ قیام اللیل ص ۱۵۸) یہ بھی حضرت علیؓ کے شاگرد تھے اور کوفہ میں قیام پذیر تھے۔

(۴) حارث بن الاعور الہمدانی رمضان میں لوگوں کو تراویح پڑھاتے بعشرین رکعۃ ویوتر بثلاث بیس رکعت اور تین وتر۔ (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۳) حارث ہمدانی، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد تھے۔ ۶۵ ہجری میں کوفہ کے اندر وفات پائی۔

(۵) حضرت عبداللہ بن المبارکؒ بیس رکعات تراویح کے قائل تھے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۹۹) عبد اللہ بن مبارکؒ مشہور تابعی ہیں اور علماء خراسان میں سے تھے۔ ۱۸۱ ہجری میں وفات پائی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۶۵۷) گویا سرزمین خراسان میں بھی بیس رکعات ہی پڑھی جاتی تھیں۔

(۶) حضرت امام سفیان ثوریؒ بھی بیس رکعات کے قائل تھے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۹۹) مشہور تابعی اور کوفہ کے رہنے والے تھے۔ ۱۶۱ ہجری میں بصرہ کے اندر وفات پائی۔

(۷) سعید بن فیروز ابوالبختری کان یصلی خمس ترویحات ویوتر بثلاث ۔ پانچ ترویحے اور تین وتر پڑھاتے ۔ (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳) کوفہ کے رہنے والے تھے ۔ ۸۳ھ میں وفات پائی ۔ (تقریب ص ۱۲۵)

(۸) علی بن ربیعہ تراویح پڑھاتے خمس ترویحات ویوتر بثلاث ۔ پانچ ترویحے اور تین وتر (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳) واسنادہ صحیح (آثار السنن ص ۴۷۵) یہ بھی کوفہ کے رہنے والے تھے ۔

(۹) سوید بن غفلہ تراویح پڑھاتے خمس ترویحات عشرین رکعة (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶) اسنادہ حسن (آثار السنن ص ۴۷۴) سوید بن غفلہ عہد نبوی میں اسلام قبول کر چکے تھے لیکن صحبت نبوت سے محروم رہے ۔ جس دن آنحضرت ﷺ کے جسد اطہر کی تدفین ہو رہی تھی، اس دن وہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے ۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ میں سے ہیں ۔ (۸۰،۸۱ یا ۸۲ میں وفات پائی)

(۱۰) حضرت شبرمہ بن شکل نے تراویح پڑھائی خمس ترویحات عشرین رکعة ۔ پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات ۔ (مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹۲ ۔ التعلیق الممجد ص ۱۴۰) یہ بھی اصحاب حضرت علیؓ میں سے تھے ۔ تلک عشرة کاملة

انہی روایات کی روشنی میں علامہ بدرالدین الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ :

''تابعین میں سے شتیر بن شکل، ابن ابی ملیکہ، حارث ہمدانی، عطاء بن ابی رباح، ابوالبختری، سعید بن ابی الحسن بصری، عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ، اور عمران عبدی وغیرہ بیس رکعات کے قائل تھے ۔ علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ وھو قول جمھور العلماء وبه قال الکوفیون والشافعي واکثر الفقھاء وھو الصحیح ۔ یہی مسلک جمہور علما کا ہے، اصحاب کوفہ (یعنی امام اعظم ابوحنیفہ وغیرہم)، امام شافعی اور اکثر فقہا کا اور یہی صحیح ہے ۔'' (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۲۷)

گویا خیر القرون میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سمیت تمام بلاد اسلامیہ میں بیس رکعات تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں اگرچہ حضرت امام مالکؒ، اسود بن یزیدؒ، زرارہ بن ابی اوفیؒ اور اسحاق بن راہویہؒ وغیرہ

حضرات بطور نوافل اس میں زیادتی کے بھی قائل تھے اور اس زیادتی پر عمل پیرا بھی تھے لیکن بیس رکعات سے کم کا تصور سوائے محمد بن اسحاق (جو تیرہ رکعات کے قائل تھے) اور امام ابوبکر بن العربیؒ کے (جن کے گیارہ رکعات پڑھنے کا ذکر آتا ہے) کہیں بھی نہیں ملتا۔ اگر بالفرض بیس رکعات کی روایات (حدیث ابن عباسؓ وغیرہ) ضعیف بھی ہوں تو بھی تعامل خیر القرون کی وجہ سے ان کا ضعف ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ غیر مقلدین کا بھی یہ فتویٰ موجود ہے کہ

''علاوہ ازیں ضعیف حدیث جب قرون مشہود لہا بالخیر میں معمول بہ ہو تو وہ امت کے ہاں مقبول ہے۔'' (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۶ ص ۴۷)

اب یہ فیصلہ کرنا تو غیر مقلدین کا کام ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی امت ہیں یا نہیں؟ اگر امت ہیں تو پھر انہیں تعامل خیر القرون کی بنا پر بیس رکعات کی روایات کو قبول کرنا پڑے گا اور اگر وہ انہیں قبول نہیں کرتے تو......

ان کو غرور حسن ہے مجھ کو سرور عشق
وہ بھی نشے میں چور ہیں میں بھی پیے ہوئے

باب پنجم

رکعات تراویح اور اجماع امت

سنت خلفاء راشدینؓ، تعامل صحابہؓ اور تعامل خیر القرون پر مدلل بحث کے بعد اب ہم آتے ہیں اجماع امت کی طرف۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ بیس رکعات نماز تراویح کو تلقی بالقبول اور اجماع امت حاصل ہے۔ ہم اپنی اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کریں گے: (۱) بیس رکعات تراویح پر اجماع امت ہے۔ (۲) اجماع امت شرعی حجت ہے۔

(۱) بیس رکعات تراویح پر اجماع امت ہے: سب سے پہلے اجماع امت کی تعریف جاننا ضروری ہے چنانچہ الشیخ احمد امیٹھوی المعروف ملاجیونؒ فرماتے ہیں کہ:

''لغت میں اجماع کہتے ہیں کسی چیز پر متفق ہوجانا۔ **وفی الشریعة اتفاق مجتهدین صالحین من امة محمد ﷺ فی عصر واحد علی امر قولی او فعلی** ۔ شریعت میں اجماع کہتے ہیں کہ ایک زمانہ کے صالحین مجتہدین کا کسی ایک امر قولی یا فعلی پر متفق ہوجانا۔ (نور الانوار ص ۲۲۳)

یعنی اجماع سے بے علم و بے شعور اور تقویٰ و فکر صالح سے محروم افراد کا ہڑبونگ مراد نہیں بلکہ صالحین فقہا کا اتفاق مراد ہے۔ ہم گزشتہ باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ عہد خلافت راشدہ میں بیس رکعات نماز تراویح پر صحابہ کرام کا اجماع منعقد ہو چکا تھا جس کا اعتراف جمہور ائمہ اہل سنت فرما چکے ہیں اور طبقات امت میں سے قبول و اتباع کے حوالے سے سب سے برتر و افضل اجماع صحابہؓ ہے جیسا کہ یہ اصول موجود ہے کہ:

فالاقوی اجماع الصحابة نصا پس سب سے قوی و مضبوط اجماع، صحابہ کرامؓ کا ناطق اور صریح اجماع ہے۔ (نور الانوار ص ۲۲۶)

چونکہ اہل سنت والجماعت کے جملہ مکاتب فکر (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) اجماع صحابہؓ کو واجب الاتباع تسلیم کرتے ہیں اس لیے ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اجماع صحابہؓ کی روشنی میں بیس رکعات نماز تراویح پر اہل سنت کے تمام مکاتب فکر کا بھی اجماع ہے۔ آیئے اس کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

فقہ حنفی اور رکعات تراویح: سب سے پہلے ہم فقہ حنفی کے حوالہ سے بحث کریں گے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے تمام مقلدین بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں:

(۱) امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: **یصلی عشرین رکعة** ۔ بیس رکعت تراویح پڑھنی چاہیے جیسا کہ سنت ہے۔ (المبسوط سرخسی ج ۲ ص ۱۴۴) (۲) علامہ قاضی خان فرماتے ہیں: **مقدار التراویح عند اصحابنا والشافعي عشرون رکعة** ۔ ہمارے اور امام شافعیؒ کے نزدیک بیس رکعات ہیں پانچ ترویحوں کے ساتھ۔ (فتاویٰ ج ۱ ص ۱۱۲) (۳) علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ تراویح سنت موکدہ ہیں **وهي عشرون رکعة وهو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقا وغربا** ۔ وہ بیس رکعات ہیں اور یہی قول جمہور ہے اور مشرق و مغرب میں لوگوں کا اسی پر عمل ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۶۰) (۴) علامہ محمد بن محمد حلبیؒ فرماتے ہیں: **ان التراويح عندنا عشرون رکعة وهو مذهب الجمهور** ۔ ہمارے نزدیک بیس رکعات ہیں اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔ (کبیری ص ۳۸۸) (۵) علامہ حسن الوفائی شرنبلالیؒ فرماتے ہیں: **التراويح سنة وهي عشرون رکعة بعشر تسليمات** ۔ تراویح کی بیس رکعات دس سلاموں کے ساتھ سنت ہیں۔ (نور الایضاح ص ۴۷) (۶) امام سرخسیؒ فرماتے ہیں: **فانها عشرون رکعة سوى الوتر عندنا** (المبسوط ج ۲ ص ۱۴۴) (۷) علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں: **التراويح عشرون رکعة وعليه عمل الناس شرقا وغربا** (البحر الرائق ج ۲ ص ۶۶) (۸) علامہ ابوالبرکات نسفیؒ فرماتے ہیں: **التراويح عشرون رکعة بعشر تسليمات** (کنز الدقائق ج ۱ ص ۴۰) (۹) علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی فرماتے ہیں کہ **واما قدرها فعشرون رکعة وهذا قول عامة العلماء** ۔ تراویح کی مقدار جمہور علما کے نزدیک بیس رکعات ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۸۸) (۱۰) علامہ برہان الدین مرغینانی فرماتے ہیں **فيصلي بهم امامهم خمس ترويحات** ۔ پس لوگوں کا امام ان کو پانچ ترویحے پڑھائے۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۳۰) (۱۱)

علامہ کمال الدین ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: ثبت العشرون من زمن عمرؓ (فتح القدیر ج ا ص ۳۳۳)
(۱۲) علامہ علاؤ الدین حصکفی دمشقیؒ فرماتے ہیں کہ وھی عشرون رکعة (درمختار ج ا ص ۶۶۰)
(۱۳) علامہ بدر الدین العینیؒ فرماتے ہیں کہ انها عدد عشرون رکعة وبه قال الشافعی واحمد ونقله القاضی عن جمهور العلماء ۔ تراویح بیس رکعات ہیں یہی امام شافعی وامام احمد کا مسلک ہے اور قاضی عیاض اندلسیؒ نے جمہور علما کے حوالے سے یہی مسلک نقل کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ص) (۱۴) حضرت مجدد الف ثانی سفر وحضر میں نماز تراویح بیس رکعات ادا کرتے ہے۔ (جواہر مجددیہ ص ۶۳۔ حضرت مجدد الف ثانی از سید زوار حسین شاہ ص ۲۵۴) (۱۵) حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں تراویح کی تعداد بیس رکعات ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۵۰۵) مشہور غیر مقلد عالم مولانا ابوالبرکات احمد فرماتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ بارہویں صدی کے مجدد ہیں۔ (فتاویٰ برکاتیہ ص ۲۶) (۱۶) شیخ احمد بن محمد بغدادیؒ فرماتے ہیں: فیصلی بهم امامهم خمس ترویحات (المختصر للقدوری ص) (۱۷) علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں: التراویح وهی عشرون رکعة (حاشیہ نور الایضاح ۲۷۰) (۱۸) علامہ عبد الحئ لکھنویؒ فرماتے ہیں: التراویح عشرین رکعة (التعلیق المجد ص ۱۴۰) ثبت اهتمام الصحابة علی عشرین فی عهد عمر وعثمان وعلی فمن بعدهم (عمدۃ الرعایہ ص ۲۰۷) فعلی هذا التعریف یکون السنة الموکدة هو عشرون رکعة لثبوت مواظبة الخلفاء علیها وان لم یثبت مواظبة الرسول ﷺ علیها فمودی ثمان رکعات یکون تارکا للسنة الموکدة ۔ پس اس تعریف کے اعتبار سے (کہ جس عمل پر خلفاء راشدینؓ کی مواظبت ثابت ہو، وہ بھی سنت موکدہ ہے) بیس رکعات تراویح خلفاء ثلاثہ کی مواظبت کی وجہ سے سنت موکدہ ہے اگرچہ اس پر آنحضرت ﷺ کی مواظبت ثابت نہیں لیکن آٹھ رکعات پڑھنے والا تارک سنت موکدہ ہے۔ (حاشیہ ہدایہ ج ا ص ۱۳۱) (۱۹) صاحب شرح وقایہ فرماتے ہیں کہ: سن التراویح عشرون رکعة بعد العشاء (شرح الوقایہ ص ۲۰۷) (۱۹) قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ بیس رکعات تراویح باجماعت سنت ہیں۔ (مالا بدمنہ ص ۵۶) (۲۱) شاہ عبد العزیز دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ امر بھی ضروریات دین سے ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ تراویح کی بیس رکعات ہیں اور اسی پر عمل کرنا چاہیے۔ (فتاویٰ

عزیزی ص۴۵۲)(۲۲) مولانا احمد علی سہارنپوریؒ فرماتے ہیں کہ احناف، شوافع اور حنابلہ بیس رکعات تراویح پر متفق ہیں۔ (حاشیہ بخاری ج۱ ص۱۰۱) (۲۳) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد تراویح کی بیس رکعات ہی مشہور ہیں۔ (ما ثبت بالسنۃ ص۲۱۰) (۲۴) علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اجمع الصحابة علی ان التراویح عشرون رکعة۔ بیس رکعات تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے۔ (مرقاۃ ج۳ ص۱۹۴) (۲۵) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ بیس رکعات تراویح پر صحابہ کرام، جمہور تابعین اور فقہا کا عمل ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ص۳۶۵) جو لوگ آٹھ رکعات تراویح پڑھتے ہیں، وہ تارک فضیلت سنت ہیں۔ (ایضاً ص۳۷۷) (۲۶) مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ باقی رہی تراویح، اس میں جو آج کل کے ملانوں نے تخفیف نکال دی ہے یعنی بیس کی آٹھ کردی ہیں تو ہر ایک کو بوجہ آسانی یہ بات پسند آتی ہے پر یہ بات کوئی نہیں سمجھتا کہ آٹھ رکعتیں جو حدیث میں آئی ہیں، وہ تہجد کی رکعتیں ہیں۔ تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز۔ تراویح کی بیس ہی رکعتیں ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہزار ہا صحابہؓ تھے۔ اس زمانے سے لے کر آج تک کسی نے بیس رکعت پر کچھ حجت نہ کی تھی مگر آج کل ایسے ان پڑھ امی عالم پیدا ہوئے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمرؓ اور صحابہؓ کی بھی غلطی نکالی۔ سبحان اللہ یہ منہ اور مسور کی دال۔ (تصفیۃ العقائد ص۴۵) (۲۷) علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ولم یقل احد من الائمة الاربعة باقل من عشرین رکعة فی التراویح والیه ذهب جمهور الصحابة۔ ائمہ اربعہ میں سے بیس سے کم کا کوئی بھی قائل نہیں اور یہی جمہور صحابہؓ کا عمل ہے۔ (العرف الشذی ص۳۰۸) علمانے حضرت عمر سے بیس رکعات تراویح کے ثبوت پر اتفاق کیا ہے۔ پس جو آٹھ رکعات پر اکتفا کر کے سواد اعظم سے کٹ گیا اور انہیں بدعتی کہتا ہے، وہ اپنا انجام سوچ لے۔ (فیض الباری ج۲ ص۴۲۰) (۲۸) مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں تراویح کی بیس ہی رکعت مسنون ہیں۔ تعلیم الاسلام ص۱۴۹) (۲۹) فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ تراویح میں پانچ ترویحے ہیں اور ہر ترویحہ میں چار رکعات ہیں دو سلاموں کے ساتھ۔ (ج۱ ص۱۸۴) فتاویٰ عالمگیری وقت کے پانچ سو جید علما کا مرتب کردہ ہے۔

ہر دور کے جید علمائے احناف کے حوالہ جات آپ ملاحظہ فرما چکے۔ ان سے اندازہ کر لیجیے کہ بیس

رکعات تراویح کے بارے میں علمائے احناف کا نظریہ متواتر، اجماعی اور غیر متزلزل ہے اور وہ ہر دور میں اسی کے قائل و عامل رہے ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ

فقہ مالکی اور رکعات تراویح : گزشتہ باب میں گزر چکا ہے کہ اصحاب مدینہ نے واقعہ حرہ کے بعد سولہ رکعات نوافل (جو بین الترویحتین پڑھے جاتے تھے) کو بھی تراویح کے ساتھ شامل کر دیا تھا۔ چونکہ وہ ان نوافل کو تراویح کی طرح باجماعت ادا کرتے تھے اس لیے دیکھنے والوں کو ان کی رکعات چھتیس محسوس ہونے لگیں اور امام مالکؒ کے نزدیک چونکہ اہل مدینہ کا عمل بھی حجت ہے اس لیے انہوں نے بھی اپنے فقہی اصول کے مطابق وہی عمل اختیار کر لیا چنانچہ :

امام ابن العربی المالکیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالک کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی حدیث اہل مدینہ میں مشہور ہو جاتی ہے تو وہ سند کی تنقیح سے مستغنی ہو جاتی ہے۔ (شرح ترمذی بحوالہ اختلاف الائمہ ص ۸۲) علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ انتہائے محبت یہ ہے کہ جمہور اسلام کے خلاف امام مالک مکہ معظمہ پر مدینہ منورہ کو برتری دیتے ہیں۔ (حیات مالک ص ۸۷) مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ فرماتے ہیں کہ ''امام مالک ۹۳ ہجری کے قریب پیدا ہوئے۔ ۱۷۸ کے قریب انتقال فرمایا۔ عام طور پر کبار صحابہؓ ۳۰ھ سے پہلے ہی دینی خدمات کے سلسلے میں عراق، شام، فارس وغیرہ مفتوحہ ممالک کی طرف تشریف لے جا چکے تھے۔ دار الخلافہ ہونے کی وجہ سے مدینہ میں علوج کی کثرت ہو گئی تھی جو دنیوی مقاصد کے لیے مدینہ کو تقریباً اپنا مسکن بنا چکے تھے۔ شہادت عثمان اور بعد کے واقعات وحوادث کا ایک سبب اہل الرائے اور کبار صحابہؓ کی عدم موجودگی بھی تھی۔ ان حالات میں اہل مدینہ کے عمل کو کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ بلکہ قرین قیاس تو یہ ہے کہ اس وقت کے عمل کو کوئی اہمیت نہ دی جائے۔'' (جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث ص ۳۵) اہل مدینہ بعض اہم سنتوں کو ترک کر چکے تھے۔ (ایضاً ص ۳۶)

مولانا سلفی مرحوم کے نزدیک بھی امام مالک کا اہل مدینہ کے عمل کو دلیل بنانا درست نہیں اور ویسے بھی عہد صحابہ کے بعد اہل مدینہ کے عمل کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا بالخصوص ان مسائل میں جن پر قرآن وسنت، سنت نبویؐ اور تعامل صحابہؓ سے دلیل موجود ہے اسی لیے امام حافظ ابن القیم الحنبلیؒ فرماتے ہیں :

وعمل اهل المدينة الذي يحتج به ما كان في زمن الخلفاء الراشدينؓ واما

عملهم بعد موتهم وبعد انقراض عصر من بها من الصحابة فلا فرق بينهم وبين عمل غيرهم

یعنی اہل مدینہ کا عمل صرف خلفاء راشدینؓ کے زمانے میں حجت ہے۔ خلفاء راشدینؓ کی وفات اور صحابہ کرامؓ کا دور گزر جانے کے بعد اہل مدینہ کے عمل اور بعد کے لوگوں کے عمل میں کوئی فرق نہیں۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۶۸)

بہر حال امام مالکؒ نے اپنے قاعدہ اور اصول کے مطابق اہل مدینہ کا چھتیس رکعت کا عمل اپنا لیا حالانکہ یہ عمل خلفاء راشدینؓ سے ہرگز ثابت نہیں چنانچہ لکھا ہے کہ وحکی عنہ التراویح ست وثلاثون رکعۃ۔ امام مالکؒ سے چھتیس رکعات تراویح بیان کی گئی ہیں۔ (رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ ج ۱ ص ۵۶۔ عینی شرح بخاری ج ۴ ص ۱۲۶۔ مبسوط سرخسی ج ۲ ص ۱۴۴۔ شرح السنۃ للبغوی ج ۴ ص ۱۲۲۔ مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۸۰۳، وغیرہم)

لیکن علامہ ابن رشد مالکیؒ فرماتے ہیں کہ واختار مالک فی احد قولیہ وابو حنیفۃ والشافعی واحمد وداؤد القیام بعشرین رکعۃ سوی الوتر وذکر ابن القاسم عن مالک انہ کان یستحسن ستا وثلاثین رکعۃ والوتر ثلاث

پس امام مالکؒ نے ایک قول کے مطابق امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام داؤد ظاہریؒ کی طرح بغیر وتروں کے بیس رکعات اختیار کیں جبکہ ابن القاسم کا بیان ہے کہ امام مالکؒ چھتیس رکعات اور وتر پسند کرتے تھے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۱۴) شیخ ابن القاسم فقہ مالکی کے ممتاز ترجمان ہیں اور مذہب مالکی میں پہلی تصنیف المدونۃ الکبریٰ انہی کی ہے۔ ۱۹۱ھ میں وفات پائی۔

علامہ ابن رشدؒ کی مذکورہ تحقیق کے مطابق امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام داؤد ظاہریؒ کا بیس رکعات تراویح پر اتفاق ہے البتہ امام مالک کے اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک بیس کا اور دوسرا چھتیس کا۔ علامہ ابن رشدؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی عمل امام مالکؒ کا اہل مدینہ کی اتباع میں چھتیس رکعت کا تھا لیکن بعد میں انہوں نے اسے ترک کر کے بیس رکعات کا عمل اپنا لیا۔ اور یہ بات اس لیے بھی قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اکثر علماء مالکیہ بیس رکعات تراویح پر ہی عمل پیرا ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن عبد البر المالکیؒ فرماتے ہیں کہ اکثر فقہا اور جمہور علما کے نزدیک تراویح بیس

رکعات مسنون ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ص ۱۲۷) اور علامہ ابن عبد البر کے بیس رکعات تراویح کے قائل ہونے کا اعتراف مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ نے تحفۃ الاحوذی ج ۲ص ۷۴ پر اور نواب صدیق حسن خانؒ نے ہدایۃ السائل ص ۱۳۸ میں بھی کیا ہے۔ علامہ زرقانی مالکیؒ فرماتے ہیں کہ عہد فاروقیؓ میں پہلے گیارہ رکعت پڑھی گئیں پھر بیس پر عمل پختہ ہوگیا۔ (زرقانی شرح موطا ج ۱ص ۲۱۵) اور علامہ ابن رشد المالکیؒ کا حوالہ گزر چکا ہے۔ علماء مالکیہ کے انہی اقوال کی روشنی میں علامہ عبدالرحمٰن الجزیریؒ فرماتے ہیں کہ **المالكية قالوا عدد التراويح عشرون ركعة سوى الشفع والوتر** ۔ علماء مالکیہ کا قول یہی ہے کہ تراویح وتر اور شفع کے بغیر بیس رکعات ہیں۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۱ص ۳۴۲)

اس سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ نے بھی بالآخر بیس رکعات کا عمل اختیار کرلیا تھا اور ان کے مقلدین کا عمل بھی بیس رکعات کا ہی تھا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: غیر مقلدین عام طور پر یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ علامہ بدر الدین العینیؒ نے عمدۃ القاری ج ۱۱ص ۱۲۷ میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے اپنے لیے آٹھ رکعات تراویح کا عمل اختیار کیا حالانکہ علامہ عینیؒ کو ضرور اس بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے کیونکہ امام مالکؒ کے اپنے مقلدین میں سے کوئی بھی امام مالکؒ سے آٹھ رکعات کا عمل نقل نہیں کرتا اور نہ فقہ مالکیہ کی کسی مستند کتاب میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ اس کے برعکس علماء مالکیہ امام مالکؒ سے چھتیس رکعات کا عمل نقل کرتے ہیں لیکن بعد میں اسے ترک کرکے بیس رکعات اختیار کرنے کا عمل نقل کرتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام مالکؒ کی طرف منسوب آٹھ رکعات کا قول درست نہیں۔

فقہ شافعی اور رکعات تراویح: گزشتہ اوراق میں کئی حوالوں سے گزر چکا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی رکعات تراویح بیس ہیں اور ان کے مقلدین کا بھی بیس رکعات پر اتفاق ہے چنانچہ

(۱) امام محمد بن ادریس الشافعیؒ فرماتے ہیں **احب الی عشرون لانه روى عن عمر وكذالك يقومون بمكة** ۔ مجھے بیس رکعات تراویح محبوب ہیں کیونکہ وہ حضرت عمرؓ سے

مروی ہیں اور اہل مکہ کا اسی پر عمل ہے۔ (کتاب الام ج ۱ص ۱۲۵۔ قیام اللیل ص ۱۵۰۔ المختصر للمزنی ص ۲۱) (۲) امام محی الدین نووی الشافعیؒ فرماتے ہیں: اعلم ان صلوٰۃ التراویح سنۃ بالاتفاق وھی عشرون رکعۃ۔ بیس رکعات تراویح باتفاق علما سنت ہیں۔ (کتاب الاذکار ص ۸۳) مذھبنا انھا عشرون رکعۃ۔ ہمارا مذہب بیس رکعات کا ہی ہے۔ (المہذب ج ۲ص ۳۲) (۳) امام ابو حامد غزالی الشافعیؒ فرماتے ہیں: التراویح وھی عشرون رکعۃ وھی سنۃ موکدۃ۔ تراویح بیس رکعات سنت موکدہ ہیں۔ (احیاء العلوم ص ج ۱۸۰۱) (۴) امام عبد الرحمٰن دمشقی الشافعیؒ فرماتے ہیں: التراویح عشرون رکعۃ (رحمۃ الامۃ ص ۵۸) (۵) امام ابو عیسیٰ محمد بن سورۃ الترمذی الشافعیؒ فرماتے ہیں: واکثر اھل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی ﷺ عشرین رکعۃ۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ وغیرہ صحابہ کرام سے مروی روایات کی بنیاد پر اکثر اہل علم بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔ (ترمذی ج ۱ص ۹۹) (۶) امام ابو بکر احمد بن حسین البیہقی الشافعیؒ فرماتے ہیں: ثم استقر الامر علی العشرین وھو المتوارث۔ پھر معاملہ بیس رکعات پر قرار پکڑا اور وہی متوارث ہوگیا۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ص ۳۵۱) (۷) امام ابن حجر مکی الشافعیؒ فرماتے ہیں ولکن اجتمعت الصحابۃ علی ان التراویح عشرون رکعۃ (مرقاۃ ج ۳ص ۱۹۱) (۸) علامہ تاج الدین سبکی الشافعیؒ فرماتے ہیں: ومذھبنا ان التراویح عشرون رکعۃ (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ص ۳۵۰) (۹) امام جلال الدین سیوطی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ سند صحیح سے ثابت ہے کہ عہد فاروقیؓ میں لوگ بیس رکعات پڑھتے تھے۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ص ۳۴۸) مولانا میر ابراہیمؒ سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ امام سیوطی خاتمۃ الحفاظ اور بالاتفاق نویں صدی کے مجدد ہیں۔ (الکواکب المضیہ ص ۹۵) (۱۰) امام عبد الوہاب شعرانی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک تراویح بیس رکعات ہیں۔ (المیزان الکبریٰ ج ۱ص ۱۸۴۔ کشف الغمہ ج ۱ص ۱۱۶) (۱۱) امام بغوی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین انھم کانوا یصلون عشرین رکعۃ (شرح السنۃ ج ۴ص ۱۲۲) (۱۲) علامہ عراقی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ بیس رکعات تراویح ابو حنیفہؒ، ثوریؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور جمہور کا مذہب ہے۔ (شرح التقریب ج ۴ص ۲۷۶) (۱۲) الشیخ عیسیٰ بن عبد اللہ الحمیری الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ بیس

رکعات تراویح پر پوری امت اور تمام ائمہ متفق ہیں۔ وانما الخلاف فی من زاد ۔ البتہ اختلاف ان سے زائد رکعات میں ہے۔ (القول الصحیح فی صلاۃ التراویح ص ۱۷)

شافعی المذہب مذکورہ علما کے اقوال وفتاوی سے معلوم ہوتا ہے کہ شوافع بھی سب کے سب بیس رکعات پر متفق ہیں اور اس مسئلے میں ان کے اندر کوئی اختلاف موجود نہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: بعض غیر مقلدین امام بیہقیؒ کی کتاب معرفۃ السنن والآثار ج ا ص ۴۴۷ کے حوالے سے امام شافعیؒ کا یہ مذہب بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے محمد بن یوسف کی گیارہ رکعات والی روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ھذا مذھبی ۔ یہی میرا مذہب ہے۔ لیکن غیر مقلدین کا یہ دعویٰ نا قابل تسلیم ہے کیونکہ امام شافعیؒ کی اپنی تحریرات اور ان کے مقلدین کی تحقیقات اس دعویٰ کی نفی کرتی ہیں کیونکہ

(۱) اگر یہ بات درست ہوتی تو خود امام بیہقی عہد فاروقیؓ میں گیارہ رکعات کے عمل کو متروک اور بیس رکعات کے عمل کو جاری ومتوارث کیوں تسلیم کرتے؟ جیسا کہ مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹۲، تحفۃ الاخیار ص ۱۹۱ اور السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶ وغیرہ کے حوالے سے ان کا مذہب گزشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے۔ (۲) امام شافعیؒ کے مقلدین میں سے امام نوویؒ، امام غزالیؒ، امام ترمذیؒ، امام ابن حجر مکیؒ، امام سبکیؒ، امام سیوطیؒ، امام شعرانیؒ، امام بغویؒ اور امام عراقیؒ جیسے ائمہ بیس رکعات کے مذہب کو جمہور کا مذہب قرار دیتے ہوئے اسے کیوں قبول کرتے؟ (۳) خود امام شافعیؒ اپنی معروف کتاب "الام" ج ا ص ۱۲۵ میں یہ کیوں فرماتے کہ احب الی عشرون ۔ میں بیس رکعات کو پسند کرتا ہوں۔ امام شافعیؒ کی اپنی اس تحریر کے مقابلے میں ان کی ذات کے بارے میں کسی دوسرے کی تحقیق کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟

ان نا قابل تردید حوالہ جات کی روشنی میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ معرفۃ السنن والآثار میں امام شافعیؒ کی طرف منسوب ھذا مذھبی کا جملہ یا تو الحاقی ہے اور یا یہ وہم راوی پر مبنی ہے۔

فقہ حنبلی اور رکعات تراویح: حنابلہ کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے مقلدین بھی بیس رکعات تراویح پر متفق ہیں اگر چہ بعض حضرات سے امام احمد بن

حضرات ! اس بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمیشہ بیس رکعت پڑھی جاتی رہی ہیں
تھیں جیسا کہ امام ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ امام احمد کے نزدیک بیس رکعت تراویح مختار تھیں۔ (المغنی ج ا ص
۸۰۳) شمس الدین ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ جیسا حسبہ بن حبیب ہے علی عشرۃ وثلاث
وعشرین رکعۃ یعنی امام احمد کے نزدیک بیس رکعت میں سے تین پڑھی گئیں ۔۔۔ کہا گیا ہے
ہے المغنی میں ایک جگہ حضرت کے نزدیک امام ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ والمختار
عند ابی عبد اللہ فیہا عشرون رکعۃ وبہذا قال الثوری وابو حنیفۃ والشافعی یعنی مختار
اور راجح قول کے مطابق امام احمد بیس رکعت کے قائل تھے جیسا کہ سفیان ثوری، ابو حنیفہ اور امام شافعی کا بھی
یہی مذہب ہے۔ (المغنی ج ا ص ۸۰۳) اور بعض حضرات نے تحقیق میں وضاحت کے ساتھ ذکر کی
روشنی میں دیکھا جائے تو ان میں سے صحیح صورت یہ ہے کہ

(۱) امام ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں کہ وقیام شہر رمضان عشرون رکعۃ وہی
سنۃ موکدۃ (المغنی ج ا ص ۸۰۳) (۲) شیخ عبد القادر جیلانی حنبلی فرماتے ہیں کہ تراویح
کی بیس رکعت ہیں، پانچ ترویحوں کے ساتھ۔ (غنیۃ الطالبین ص ۳۰۳) (۳) امام ابن الجوزی
حنبلی فرماتے ہیں تراویح کی بیس رکعت ہیں۔ (ابواب ص ۵۵) (۴) امام ابن تیمیہ
حنبلی فرماتے ہیں فانہ قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ
ویوتر بثلاث ۔ بے شک یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے لوگوں کو بیس
رکعات اور تین وتر پڑھائے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۳ ص ۱۱۲) ان قیام رمضان لم یوقت
النبی ﷺ فیہ عددا معینا بل کان ہو صلی لا یزید فی رمضان ولا فی غیرہ
علی ثلاث عشرۃ رکعۃ لکن کان یطیل الرکعات فلما جمعہم عمر علی ابی
بن کعب کان یصلی بہم عشرین رکعۃ ثم یوتر بثلاث ۔ آنحضرت ﷺ نے
رکعات تراویح کی تعداد متعین نہیں بلکہ آپ رمضان وغیر رمضان میں تیرہ رکعات سے زائد نہ
پڑھتے تھے لیکن جب حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ابی بن کعبؓ کی اقتدا میں جمع کیا تو انہوں نے بیس
رکعات اور تین وتر پڑھائے۔ (شرح السنۃ للبغوی ج ۴ ص ۱۲۳)

گویا امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک اول تو سنت نبوی رمضان وغیر رمضان میں تیرہ رکعات کی ہے اور

پھر اس میں بھی عہد فاروقیؓ میں اضافہ کر کے بیس رکعات کر دی گئیں۔ اب رکعات تراویح کے لیے عہد فاروقیؓ کا عمل ہی دلیل وحجت قرار پایا۔ چنانچہ حنابلہ کی مستند کتاب ''مقنع'' ج ۱ ص ۱۸۴ میں لکھا ہے: ثم التراویح وھی العشرون اور ان کی ایک اور مستند کتاب ''الاقناع'' میں اس طرح وضاحت کی گئی ہے کہ التراویح عشرون رکعۃ ولا ینقصھا ولا باس بالزیادۃ۔ تراویح بیس رکعات ہیں، ان میں کمی کرنا جائز نہیں البتہ (بطور نوافل) اس میں زیادتی کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ (ج ۱ ص ۱۴۷) ان حوالہ جات کی روشنی میں امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب رکعات تراویح سے متعلق سمجھنا اور معلوم کرنا دشوار نہیں۔

فقہ ظاہری اور رکعات تراویح: اسلامی تاریخ کے اندر فقہ کے مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے علاوہ ''ظاہریہ'' کے نام سے ایک پانچویں مکتب فکر کا نشان بھی ملتا ہے جس کے پیشوا امام داؤد ظاہریؒ اور علامہ ابن حزم ظاہریؒ تھے۔ یہ مکتبہ فکر فکری اعتبار سے ترک تقلید کی طرف مائل تھا اور احادیث کے ظاہری مفہوم کو ہی قابل عمل جانتا تھا۔ اس ظاہری مکتب فکر کے نزدیک بھی رکعات تراویح بیس ہی ہیں جیسا کہ علامہ ابن رشد مالکیؒ نے بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۰۲ میں اور امام نووی الشافعیؒ نے المہذب ج ۲ ص ۳۲ میں امام داؤد ظاہریؒ کا یہی مذہب نقل کیا ہے کہ وہ بیس رکعات تراویح کے قائل تھے۔

اجماع امت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟: یہ معلوم ہو چکنے کے بعد کہ بیس رکعات تراویح پر امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے، بیس رکعات سے کم کا تصور کہیں موجود نہیں اور اس سے زائد کا جو اختلاف ہے، وہ بیس رکعات کے اجماع کو متاثر نہیں کرتا کیونکہ زائد رکعات کی حیثیت صرف نوافل کی ہے جو اہل مدینہ نے نسبت کے لیے اختیار کی گئی۔ اب ہم مسئلہ کے اس پہلو کی وضاحت بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ اجماع امت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اجماع سے کن لوگوں کا اجماع مراد ہے؟: حجیت اجماع کی بحث سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ ائمہ اہل سنت کے ہاں کن لوگوں کا اجماع قابل قبول ہے چنانچہ شیخ احمد امیٹھوی المعروف ملا جیونؒ فرماتے ہیں کہ ''ان لوگوں کا اجماع معتبر ہے جو مجتہد اور متقی ہوں، فاسق اور

خواہشات کی پیروی کرنے والے نہ ہوں۔" (تفہیمات احمدیہ ص ۳۶۳)

اب اس تعریف کی روشنی میں تیس رکعات تراویح کے قائلین مذکورہ ائمہ واصحاب علم پر یہ تعریف صادق آتی ہے یا نہیں؟ اگر ان پر یہ تعریف صادق آتی ہے (اور بلا شک وشبہ آتی ہے) تو پھر ان کے اجماع کو قبول نہ کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ پھر حکیم امت حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (جنہیں بالاتفاق بارہویں صدی کا مجدد تسلیم کیا گیا ہے) نے تو اجماع کی تعریف اور آسان کر دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ، امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ جس مسئلہ پر متفق ہو جائیں، وہ اجماع امت کہلائے گا۔ (عقد الجید) لیکن بدقسمتی سے غیر مقلدین حسب عادت اس مسئلے میں بھی اہل سنت سے اختلاف کرتے ہیں چنانچہ نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں کہ

وذهب الجمهور الى ان اجماع الائمة الاربعة ابى حنيفة والشافعي ومالك واحمد ليس بحجة۔ یعنی جمہور کا مسلک یہی ہے کہ ائمہ اربعہ کا اجماع حجت نہیں۔
(حصول المامول ص ۶۵)

وہ کون سے جمہور ہیں جو ائمہ اربعہ کے اجماع کو حجت نہیں مانتے، نواب صاحب نے اس کا ذکر مناسب نہیں سمجھا۔ ممکن ہے ان کے پیش نظر ریاست بھوپال (جہاں کے وہ نواب تھے) کے جمہور ہوں کیونکہ امت مسلمہ کے جمہور کا تو یہ موقف ہرگز نہیں۔ غالباً نواب صاحب کو یہ شوشہ اس لیے چھوڑنا پڑا کہ امت تو ائمہ اربعہ کی تقلید پر بھی متفق ہے اور اس پر اجماع امت پایا جاتا ہے۔ اگر ائمہ اربعہ کے اجماعی فیصلوں کو ناقابل قبول اور ناقابل اعتماد ٹھہرا دیا جائے تو امت کا نظریہ تقلید خود بخود کمزور ہو جائے گا کیونکہ جب ان کے اجماعی فیصلے حجت نہیں تو ان کے انفرادی قیاسی فیصلے کیونکر حجت ہوں گے؟ اور یہی نواب صاحب کا بھی مقصود ہے۔

اجماع حجت شرعیہ ہے: بہرحال ہمارے نزدیک اجماع امت حجت ہے۔ اور اس بارے میں آنحضرت ﷺ کا یہ واضح ارشاد موجود ہے کہ ان الله لا يجمع امتى على الضلالة۔ خدا تعالیٰ میری امت کو کسی گمراہی پر جمع نہ فرمائے گا۔

... گویا جس طرح خدا تعالیٰ نے قرآن پاک کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی، اسی طرح فرمان نبوی

کے مطابق خدا تعالیٰ نے امت کی اجمائی فکر کو بھی اپنی حفاظت میں لے لیا۔ آیئے اب اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں اسلاف امت کا نقطہ نظر ملاحظہ فرمایئے اور فیصلہ کیجیے کہ اجماع امت حجت شرعیہ ہے یا نہیں؟ چنانچہ:

(۱) امام ابن تیمیہ الحنبلیؒ فرماتے ہیں کہ اہل سنت کا لفظ نص کو متضمن ہے اور جماعت کا اجماع کو لہٰذا اہل السنّت والجماعت وہ لوگ ہیں جو نص اور اجماع کے متبع ہیں۔ (منہاج السنۃ ج ۳ ص ۲۷۲) دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ تلقی بالقبول (اجماع امت) کو متواتر ہی کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ **اما السلف فلم یکن بینھم فی ذالک نزاع** ۔اسلاف کے اندر اس بارے میں کوئی اختلاف موجود نہ تھا۔ (الصواعق المحرقۃ ج ۲ ص ۳۷۳)

(۲) امام حافظ ابن عبد البر المالکیؒ فرماتے ہیں کہ **وھکذا اجماع الامۃ اذا اجتمعت علی شیٔ فھو الحق الذی لا شک فیہ** ۔ جب امت کسی چیز پر متفق ہو جائے تو اس کے حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ (التمہید ج ۴ ص ۲۶۷) دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ اس حدیث (**البحر ھو الطھور ماؤہ**) کو محدثین سند کے اعتبار سے ضعیف قرار دیتے ہیں **ولکن عندی صحیح لان العلماء تلقوہ بالقبول** لیکن میرے نزدیک یہ حدیث علما کے تلقی بالقبول کی وجہ سے صحیح ہے۔ (الاستذکار)

(۳) امام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ **اجماع الناس علی شیٔ اوثق فی نفسی من سفیان عن منصور عن ابراھیم عن علقمۃ عن ابن مسعودؓ** یعنی ایک طرف درجہ اول کی مضبوط (ثقہ راویوں پر مشتمل) سند کے ساتھ مروی حدیث ہو اور دوسری طرف اجماع امت تو وہ اجماع اس حدیث سے زیادہ قابل قبول ہوگا۔ (کفایہ خطیب ص ۴۳۴)

(۴) امام جلال الدین سیوطیؒ الشافعی فرماتے ہیں کہ **المقبول ما تلقاہ العلماء بالقبول وان لم یکن اسناد صحیح** ۔ جس چیز کو علما کا تلقی بالقبول حاصل ہو، اگر چہ وہ صحیح سند سے ثابت نہ ہو وہ مقبول ہے۔ (شرح نظم الدرر) دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ **یحکم للحدیث**

بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم يكن له اسناد صحيح ۔ علماء کے تلقی بالقبول سے
حدیث کی صحت پختہ ہو جاتی ہے اگرچہ اس کی سند صحیح نہ ہو۔ (تدریب الراوی)

(۵) حضرت مجدد الف ثانی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ اجماع نصوص غیر متواترہ سے قوی تر حجت ہے کیونکہ اجماع کا مدلول قطعی ہوتا ہے اور نصوص غیر متواترہ کا ظنی۔ (مکتوبات)

(۶) علامہ ابن خلدون المالکیؒ فرماتے ہیں کہ فقہ نفسی اگر حدیث قطعی کے مخالف ہو تو امام ابو حنیفہؒ اس حدیث کو ضعیف قرار دے کر رد کر دیا کرتے۔ (مقدمہ ص ۳۶۹) یعنی ایک طرف قوی تر اجماعی عمل ہوتا اور دوسری طرف حدیث صحیح تو حضرت امام اعظمؒ امت کے اجماعی عمل کو قبول کرتے۔

(۷) امام ابوبکر جصاصؒ رازی الحنفی فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ سے دو متضاد حدیث مروی ہوں وظهر عمل السلف باحدهما كان الذي ظهر عمل السلف به اولى بالاثبات ۔ اور ان میں سے ایک پر اسلاف امت کا عمل ظاہر ہو جائے تو وہ حدیث ثبوت میں مقدم ہوگی۔ (احکام القرآن ج۱ ص ۱۷)

(۸) امام محمد بن جعفر الطحاویؒ الحنفی فرماتے ہیں کہ جب متضاد آثار سامنے آ جائیں تو وجب ان ننظر ما عليه عمل المسلمين ۔ تو یہ دیکھنا واجب ہے کہ مسلمانوں کا عمل ان میں سے کس پر ہے وہی قبول کیا جائے گا۔ (طحاوی ج۱ ص ۳۴۱)

(۹) الشیخ ملا جیون الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ جس خبر واحد کو امت کا تلقی بالقبول حاصل ہو جائے اس کی سند پر بحث کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ (نور الانوار) دوسرے مقام پر ومن يشاقق الرسول (النساء) کے تحت فرماتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہے کہ اجماع کی مخالفت حرام ہے کیونکہ رسول اور مومنوں کے راستے کی خلاف ورزی پر سخت سزا کی دھمکی دی گئی ہے پس جب مومنوں کے راستے کی خلاف ورزی حرام وممنوع ہے تو مومنوں کی راہ پر چلنا واجب ہے۔ دوسرے لفظوں میں اجماع امت حجت ہے اور اس کا منکر بھی اسی طرح کافر ہے جس طرح کتاب اور سنت متواترہ کا منکر کافر ہے نیز اجماع خبر مشہور اور خبر واحد پر مقدم ہوگا بشرطیکہ ہم تک پہنچنے تک ہر زمانہ میں مومنین کا اس پر اجماع رہا ہو۔ اجماع میں یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا کوئی داعی وسبب موجود ہو جو اس سے مقدم ہونا ضروری ہے

کہ حکم پہلے خبر واحد یا قیاس سے ثابت ہو، پھر امت اس پر اتفاق کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ یوں کہے ہم اس حکم پر اجماع کرتے ہیں یا ہر ایک یہ کام شروع کر دے۔ اس صورت میں یہ واجب ہے۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۳۶۴) دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: **ان الاجماع فی الامور الشرعیة فی الاصل یفید الیقین والقطعیة ....وقد ضل بعض المعتزلة والروافض فقالو ان الاجماع لیس بحجة** ۔ اجماع شرعی امور میں یقین اور قطعیت کا فائدہ دیتا ہے۔ بعض معتزلہ اور روافض اس مسئلے میں گمراہ ہو گئے جو کہتے ہیں کہ اجماع حجت نہیں۔ (نوار الانوار ص ۲۲۵)

(۱۰) امام معمر بن راشدؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوبکر محمد بن عبداللہ بن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ حائضہ عورت روزہ قضا کرے گی۔ میں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا **ھذا ما اجتمعت الناس علیه ولیس فی کل شئ نجد الاسناد** ۔ لوگوں کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا اور ہمیں ہر چیز میں سند نہیں مل سکتی۔ (عبدالرزاق ج ۱ ص ۳۳۲)

(۱۱) شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اجماع بھی شرعی حجت ہے، اس کا منکر کافر ہے۔ (فتاویٰ ص ۴۵۳)

(۱۲) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث (**ان اللہ لا یجمع امتی علی الضلالة**) اجماع کے قطعی ہونے کی دلیل ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۸)

(۱۳) مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں کہ بعض ضعیف ایسے ہیں جو امت کے تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے۔ (اخبار اہل حدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ بحوالہ خیر المصابیح)

(۱۴) مولانا محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد فرماتے ہیں کہ

''امت کے قبول و عمل سے بھی حدیث یقین کے مقام پر پہنچ جاتی ہے۔ حدیث **انما الاعمال بالنیات**، حدیث ذوق عسیلہ، صدقہ فطر، حرمت نکاح مع العمۃ والخالۃ، حدیث حرمت رضاع مثل نسب، تعیین عشرہ مبشرہ وغیرہ احادیث کو امت نے عملاً قبول کیا ہے۔'' (جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث ص ۵۷) ''بخاری و مسلم کی احادیث کی صحت پر امت متفق ہے اور انہیں تلقی بالقبول کا مقام حاصل ہوا'' (ایضاً ص ۵۸) ''امت کی تلقی ائمہ حدیث اور اہل حدیث کے نزدیک بے حد مضبوط قرینہ ہے۔'' (ایضاً ص ۵۸)

حاصل بحث: ان حوالہ جات کی روشنی میں یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ

(۱) قرآنی تعلیمات کے مطابق اجماع امت کی خلاف ورزی کرنے والا جہنمی ہے۔ (۲) فرمان نبوی کے مطابق امت محمدیہ کا اجماع گمراہی سے پاک ہے۔ (۳) اجماع امت اور تلقی بالقبول شرعی حجت ہے اگر چہ سند کے اعتبار سے کوئی صحیح حدیث اس کے ثبوت میں موجود نہ ہو۔ (۴) مضبوط سند کے ساتھ مروی روایت کے مقابلے میں اجماع امت زیادہ وزنی شہادت ہے۔ (۵) اجماع نصوص غیر متواترہ (خبر واحد و خبر مشہور وغیرہ) سے قوی تر ہے۔ (۶) تلقی بالقبول اگر ضعیف روایت کو بھی حاصل ہو جائے تو اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے اور متعدد روایات سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں لیکن امت کے تلقی بالقبول کی وجہ سے ان کا ضعف ختم ہو گیا۔ (۷) اہل السنت والجماعت کی پہچان یہی ہے کہ وہ نص اور اجماع کی پیروی کرنے والے ہیں۔ (۸) اجماع امت اور تلقی بالقبول کا منکر کافر و گمراہ اور منکر قرآن وسنت ہے۔

اتمام حجت: اس مذکورہ بحث کو اس پہلو سے بھی دیکھیے کہ

☆ امام ابن تیمیہؒ عہد خلافت راشدہ میں بیس رکعات پر اجماع بھی تسلیم کرتے ہیں اور قبول اجماع کو اہل سنت کی پہچان بھی قرار دیتے ہیں۔ ☆ حافظ ابن عبد البرؒ تلقی بالقبول کو حجت شرعیہ بھی مانتے ہیں اور بیس رکعات تراویح پر اجماع امت بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ☆ امام اعظم ابو حنیفہؒ تلقی بالقبول کو حجت بھی مانتے ہیں اور بیس رکعات تراویح پر اجماع بھی نقل کرتے ہیں۔ ☆ امام سیوطیؒ تلقی بالقبول کو حجت شرعیہ بھی قرار دیتے ہیں اور بیس رکعات پر امت کی تلقی کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔

گویا فقہ کے چاروں مذہب دونوں حقیقتوں کے معترف ہیں۔ اجماع و تلقی بالقبول کے حجت ہونے کے بھی اور بیس رکعات پر اجماع کے بھی۔ اس کے باوجود غیر مقلدین کا اس سے انکار و فرار دلائل شرعیہ اور حقائق تاریخیہ سے بغاوت کے مترادف ہے۔

اتباع سواد اعظم: بیس رکعات تراویح پر اجماع امت کا انعقاد آفتاب نیم روز کی طرح واضح ہے لیکن اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بیس رکعات پر اجماع امت نہیں تو اس حقیقت سے

تو غیر مقلدین کو بھی انکار نہیں کہ کم از کم یہ اصحاب علم کی اکثریت کا مذہب ضرور ہے اور اس بارے میں بھی فرمان نبوی واضح ہے کہ اتبعوا السواد الاعظم یعنی اکثریت کی پیروی کرو۔ (ابن ماجہ ص ۲۹۲۔ المعجم الکبیر للطبرانی ج ۸ ص ۳۲۸)

لہٰذا غیر مقلدین کو اس فرمان نبوی کی روشنی میں بیس رکعات تراویح سواد اعظم کے مذہب و مسلک کی حیثیت سے قبول کر لینی چاہییں لیکن غیر مقلدین کی یہ انتہائی بدنصیبی ہے کہ ان کا اتباع حدیث ان چند مخصوص مسائل سے تجاوز نہیں کرتا جو انہوں نے اپنے مسلکی تشخص و پہچان کے لیے اختیار کر رکھے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کے حال پر رحم فرمائے اور انہیں اتباع حدیث کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت جیسا ذوق سلیم عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

نوٹ: یہاں یہ حقیقت واضح رہے کہ سواد اعظم سے امت کے مسلمہ علما و فقہا مراد ہیں جن کا علم و دیانت ہر شبہ سے بالاتر ہے۔ اس سے جاہل و بے شعور عوام کا اجتماع ہرگز مراد نہیں۔

باب ششم

اصطلاح تراویح اور تعداد تراویح

سنیت و رکعات تراویح پر بحث کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قیام رمضان کے نبوی عنوان کے لیے تراویح کی متواتر اصطلاح کے حوالہ سے بھی مختصر بحث کر لی جائے کہ اس کی لغوی و اصطلاحی اور تاریخی حیثیت کیا ہے۔ اہل سنت اور غیر مقلدین دونوں اس حقیقت پر متفق ہیں کہ قیام رمضان کے لیے تراویح کی اصطلاح قرآن و حدیث سے ثابت نہیں بلکہ یہ ایک خالص اجتہادی اصطلاح ہے جو قیام رمضان کی مستقل عبادت کے لیے وضع کی گئی۔ اور اکابر سے منقول ہے۔ آیئے حقائق کے آئینہ میں یہ جاننے کی کوشش کریں کہ یہ اصطلاح مبنی بر حقیقت ہے یا خلاف حقیقت۔ اور پھر فریقین میں سے کس کے ہاں اس کا استعمال مبنی بر حقیقت ہے:

متواتر و متوارث اصطلاح: اس اصطلاح کی روشنی میں یہ امر قابل غور ہے کہ اپنے مقاصد و مفاد سے قطع نظر یہ محض ایک وقتی و ہنگامی اصطلاح ہے یا اس کے اندر واقعیت و حقیقت بھی موجود ہے۔ کیونکہ تراویح جمع ہے جو کم از کم تین افراد کا مطالبہ کرتی ہے۔ تین سے کم افراد پر بحیثیت جمع وہ دلالت ہی نہیں کرتی۔ اب حقیقت کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس کے اندر کم از کم تین ترویحوں کا وجود تسلیم کیا جائے۔ اور ایک ترویحہ چار رکعت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح تین ترویحے بارہ رکعات پر مشتمل ہوں گے۔ یعنی لفظ تراویح کی حقیقت و معنویت کا لحاظ کرتے ہوئے اس میں بارہ رکعات کا کم از کم تسلیم کیا جانا ضروری ہے۔ اس سے کم پر وہ کسی صورت صادق آ ہی نہیں سکتی۔ گویا لفظ تراویح کو اگر حقیقت کے ترازو میں تولا اور معنویت کے آئینہ میں دیکھا جائے تو بارہ رکعت سے کم کا تصور خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس تصور کو بحال رکھ کر تین سے کم ترویحے تسلیم کیے جائیں تو لفظ تراویح کی اصطلاح لغو اور بے فائدہ قرار

پڑتی ہے۔

اور پھر یہ اصطلاح کسی مخصوص زمانہ یا چند اشخاص تک محدود نہیں کہ اس کی معنوی و مقصودی حیثیت کو یکسر نظر انداز کیا جائے کیونکہ ان گنت افراد نے لاتعداد کتب میں اس اصطلاح کو بکثرت استعمال کر کے اس میں تواتر و تعامل کی صورت پیدا کر دی ہے۔ بالفاظ دیگر یہ ایک متواتر و اجماعی اصطلاح ہے اور کسی متواتر و اجماعی اصطلاح کو فقط وسیلہ کہہ کر ثابت کرنے اور اس کی معنوی حیثیت سے انکار کرنے کے لیے کم سے کم ایک دو حوالہ درکار ہے جبکہ صاحب مکتوب کے مشیر حجت کی طرف سے اس پر کوئی تحریر بھی موجود نہیں۔ آیئے اس اصطلاح کا لغوی و اصطلاحی اور تاریخی حیثیت سے جائزہ لیتے ہیں تاکہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جائے۔

لفظ تراویح کا لغوی مفہوم: سب سے پہلے ہم تراویح کے لغوی معنی پر بحث کرتے ہیں۔ چنانچہ

(۱) لغت کی معروف کتاب منجد میں ہے: التراویح جمع ترویحة وهي في الاصل اسم للجلسة مطلقة۔ یعنی تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے مطلق بیٹھنا۔ (المنجد ص ۲۸۷) لغات الحدیث میں ہے [illegible] ملاحظہ فرمائیے: التراویح بمعنی راحت و آرام [illegible] التراویح وهي جمع ترویحة وهي [illegible] معنی استراحت۔ [illegible] (۲) [illegible] المغرب فی ترتیب المعرب جلد اص ۲۵۲ (۳) [illegible] التراویح جمع ترویحة والترویحة فی الاصل اسم للجلسة [illegible] التراویح جمع ترویحة وهي في الاصل مصدر بمعنی استراحت [illegible] ص ۲۶)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ لغوی اعتبار سے [illegible] راحت حاصل کرنے [illegible]

[illegible]

وجہ سے درمیان میں راحت و آرام کی ضرورت محسوس کی گئی تو اس کی ہر چار رکعت کے بعد نمازیوں کے لیے کچھ وقفہ تجویز کیا گیا اور اس وقفہ کو ترویحہ کا نام دیا گیا۔ چنانچہ امام مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادیؒ (جو شافعی المذہب تھے تاریخ المشاہیر ص۹۴) فرماتے ہیں کہ **ترویحة شهر رمضان سمّيت بها لاستراحة بعد كل اربع ركعات** ۔ قیام رمضان میں ترویحہ نام ہر چار رکعت کے بعد آرام کے لیے رکھا گیا (القاموس المحیط جلد ا ص۲۳۲) ...... صاحب منجد فرماتے ہیں **ثم سمّيت بها الجلسة التي بعد اربع ركعات في ليالي رمضان لاستراحة الناس بها ثم سمي كل اربع ركعات ترويحة** ۔ پھر شب ہائے رمضان میں ہر چار رکعت نماز کے بعد آرام کرنے کے لیے نشست پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ پھر چار رکعت کو ترویحہ کہنے لگے۔ (ص۲۹۰) علامہ مطرزیؒ فرماتے ہیں **سمّيت الترويحة لاستراحة القوم بعد كل اربع ركعات** ۔ اس کا نام ترویحہ ہر چار رکعت کے بعد قوم کے آرام کرنے کی وجہ سے رکھا گیا۔ (المغرب جلد ا ص۳۵۲)۔ ملا غیاث الدین رامپوریؒ فرماتے ہیں کہ ان کو تراویح اس لیے کہتے ہیں کہ ہر چار رکعت کے بعد خود را راحت و آرام مید ہند۔ (غیاث اللغات ص۱۱۵)۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ چار رکعت کے بعد بیٹھ کر آرام کرنے کی وجہ سے اس کا نام ترویحہ رکھا گیا۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۱ ص۲۴)۔ صاحب کفایہ فرماتے ہیں کہ قیام رمضان میں ترویحہ ہر چار رکعت کا نام ہے۔ (کفایہ جلد ا ص ۴۰۷)۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں ترویحہ دو سلاموں کے ساتھ چار رکعت کو کہتے ہیں۔ (المہذب جلد۲ ص۳۲)۔ اور غیر مقلدین کا بھی یہی موقف ہے چنانچہ لکھا ہے کہ اس نماز کا نام تراویح اس لیے رکھا گیا کہ لوگ اس میں ہر چار رکعت کے بعد استراحت کرنے لگے۔ کیونکہ تراویح، ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ کے معنی ایک مرتبہ آرام کرنے کے ہیں۔ (فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۶ ص۲۴۱)

ان حوالہ جات سے بصراحت معلوم ہو گیا کہ قیام رمضان کی ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر استراحت کی وجہ سے ہر چار رکعت کو ترویحہ کا نام دے دیا گیا۔

تراویح کا شرعی مفہوم: تراویح کے لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم کے بعد اب ہم اس کے شرعی مفہوم کی وضاحت بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں تراویح قیام

رمضان کا دوسرا نام ہے۔ اور قیام رمضان صدیوں سے اسی عنوان سے متعارف ہے۔ چنانچہ حضرت لیث بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ سمّیت صلوٰۃ الجماعۃ فی لیالی رمضان بالتراویح۔ رمضان کی راتوں میں پڑھی جانے والی با جماعت نماز کا نام تراویح ہے۔ (زرقانی ج ا ص ۲۱۳)۔ علامہ عبدالرحمٰن الجزیریؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ ہر چار رکعت کے بعد استراحت کرتے تھے۔ ولھٰذا سمّیت تراویح۔ اس لیے اس کا نام تراویح رکھا گیا۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ا ص ۳۴۳) ملا غیاث الدین رامپوریؒ فرماتے ہیں کہ تراویح وہ بیس رکعت نماز ہے جو شب ہائے رمضان میں ادا کی جاتی ہے۔ (غیاث اللغات ص ۱۱۵) منجد میں ہے وھی اسم العشرین رکعۃ۔ شب ہائے رمضان کی بیس رکعت کو بھی تراویح کہتے ہیں۔ (ص ۲۹۰) منجد کا مصنف عیسائی ہے۔ حیرت ہے کہ ساٹھ ہزار عربی الفاظ کے لغوی معانی و مفاہیم واضح کرنے والے مصنف کے پیش نظر تراویح کا عرفی مفہوم صرف بیس رکعت نماز کی صورت میں ہی سامنے آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سامنے بھی تاریخی ذخیرہ میں سے تراویح کے لیے بیس رکعات کے علاوہ کوئی نمونہ و ثبوت موجود نہ تھا۔ ورنہ وہ اختلاف کا ذکر ضرور کرتا۔ غیر مقلدین کے نزدیک نماز تراویح کی تعریف علماء نے یہ لکھی ہے کہ نماز تراویح وہ نماز ہے جو ماہ رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد با جماعت پڑھی جائے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۶ ص ۲۴۱) ان حوالہ جات سے بصراحت معلوم ہو جاتا ہے کہ شرعی مفہوم کے اعتبار سے تراویح کا اطلاق اس نماز پر ہوتا ہے جو رمضان المبارک کی راتوں سے مخصوص ہے۔ دیگر دنوں میں نہیں پڑھی جاتی۔ اور جسے نبویؐ زبان سے قیام رمضان کا عنوان حاصل ہے۔

اصطلاح تراویح کی بناء اجتہاد: یہاں اس پہلو پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ اصطلاح تراویح کی بناء اجتہاد کیا ہے۔ اس میں اسلاف کا اختلاف موجود ہے اور دو نکتہ نظر سامنے آتے ہیں..... پہلا یہ کہ اس اجتہاد کی بنیاد حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یصلی اربع رکعات فی اللیل ثم یتروّح و اطال۔ نماز تہجد میں چار رکعت کے بعد طویل استراحت فرماتے۔ (بیہقی جلد ۲ ص ۴۹۷) ...... دوسرا یہ کہ اس اجتہاد کی بنیاد

حضرت فاروق اعظمؓ کا عمل ہے جیسا کہ حضرت زید بن وہبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ دو ترویحوں کے درمیان اتنی دیر استراحت فرماتے کہ قدر ما یذھب الرجل من المسجد الی السلع کہ آدمی مسجد نبویؐ سے سلع پہاڑ تک جا سکے۔ (کنز العمال جلد ۸ ص ۲۶۴) ۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ اس کی بناء اجتہاد فعل پیغمبرؐ پر ہے یا عمل فاروق اعظمؓ پر۔ یہ حقیقت واضح ہے کہ تراویح قیام رمضان ہی کا دوسرا نام ہے

یہ اصطلاح کب شروع ہوئی ؟: یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ ایک اجتہادی اصطلاح ہے جسے امت نے قبول کیا ہے۔ لیکن یہ اصطلاح کب متعارف ہوئی؟ امام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ قیام رمضان کا نام تراویح اس لیے رکھا گیا کہ اول ما اجتمعوا علیھا اس پر سب سے پہلے صحابہ کرامؓ نے اجماع کیا۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۲۵۰)

مشہور غیر مقلد عالم مولانا ابوالبرکاتؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں لفظ تراویح کا استعمال عام معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عثمانؓ، عمرؓ، علیؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے ادوار میں اس لفظ کا استعمال کافی ملتا ہے۔ (فتاوی برکاتیہ ص ۵۴)

دلچسپ لطیفہ : مشہور غیر مقلد عالم مولوی عنایت اللہ اثری لکھتے ہیں کہ اسے نبویؐ زبان میں قیام رمضان کا نام دیا گیا ہے۔ تابعین اور ان کے اتباع میں اسے تراویح کے نام سے پکارا گیا ہے۔ جیسا کہ ابراہیم نخعیؒ سے قیام اللیل میں مروی ہے۔ (جفان الجعابیہ ص ۱۷۳) اثری صاحب صاف لفظوں میں یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ تراویح کی اصطلاح عصر حاضر یا ماضی قریب کی ایجاد کردہ نہیں بلکہ تابعین و تبع تابعین کے ہاں بکثرت مستعمل تھی۔ اور ابراہیم نخعیؒ جیسا امام اس کا راوی ہے۔ لیکن یہ نقل کرنے کے بعد اثری صاحب فرماتے ہیں کہ

''دوستوں نے تراویح کا نام اسے اس لیے دیا ہے کہ بیس رکعت ثابت ہوں کہ یہ ترویحہ کی جمع ہے جو چار رکعتوں کا ہوتا ہے۔ تو بیس رکعت پانچ ترویحے ٹھہرے اور آٹھ رکعت دو ترویحے ہوئے۔ تراویح (یعنی جمع) نہیں۔'' (ایضاً ص ۱۷۴)

اثری صاحب کی بدحواسی ملاحظہ فرمایئے کہ وہ مسلکی تعصب وہٹ دھرمی میں مبتلا ہو کر حقائق کو مسخ

کرنے کی کیسی جسارت کرر ہے ہیں۔ اگر لفظ تراویح بیس رکعت کے اثبات کے لیے وضع کیا گیا ہے تو یہ خیر القرون بالخصوص عہد خلافت راشدہ کا اجتہاد ہے جسے بالا جماع قبول کیا گیا ہے۔ اگر اس لفظ سے واقعی بیس رکعت ثابت ہوتی ہیں تو اثری صاحب اور دیگر غیر مقلدین اس سے انحراف کیوں کرر ہے ہیں؟ بہر حال یہ حقیقت واضح ہے کہ قیام رمضان کے لیے تراویح کی اصطلاح عہد خلافت راشدہ اور خیر القرون میں بھی بکثرت موجود تھی۔

استراحت کی شرعی حیثیت : ہر چار رکعت کے بعد عمل صحابہؓ وتابعینؒ سے استراحت ثابت ہونے کے بعد اس استراحت کی شرعی حیثیت کا جاننا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں کہ ہر چار رکعت کا نام ترویحہ، استراحت کی وجہ سے رکھا گیا۔ **کما هو السنة فيها** جیسا کہ وہ استراحت سنت ہے۔ (البحر الرائق جلد۲ص ۶۶) صاحب ہدایہ فرماتے ہیں **والمستحب في الجلوس بين الترويحتين مقدار الترويحة** ۔ دو ترویحوں کے درمیان ایک ترویحہ کے برابر بیٹھنا مستحب ہے۔ (ہدایہ جلد اص ۱۳۱) گویا یہ استراحت احناف کے نزدیک سنت غیر موکدہ ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت فقہ حنفی کی جملہ کتب میں موجود ہے۔ اور علامہ عبد الرحمٰن جزیریؒ فرماتے ہیں کہ ہر ترویحہ پر استراحت احناف، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اتباع سلف کی بنا پر مستحب ہے۔ اور مالکیہ کے نزدیک اگر قیام لمبا ہو تو **اتباعا لفعل الصحابة**ؓ مستحب ہے ورنہ نہیں۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اص ۳۴۳)

دوران استراحت حکم : جب یہ استراحت مستحب ہے تو پھر اس استراحت کے دوران کیا عمل اختیار کرنا چاہیے؟ اس کے بارہ میں علامہ کاسانی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ تسبیح پڑھے **لا حول ولا قوة** کا ورد کرے تکبیر پڑھے **ويصلى على النبى**ؐ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے۔ (بدائع الصنائع جلد اص ۲۹۰ ج) اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اس استراحت میں لوگوں کو اختیار ہے، چاہے تسبیح پڑھیں، چاہے خاموش رہیں۔ مکہ کے لوگ سات مرتبہ طواف کر لیتے تھے۔ اور مدینہ کے لوگ چار رکعت اور بڑھا لیتے تھے۔ (جلد اص ۱۸۵) گویا اس میں کوئی عمل مسنون ومخصوص

نہیں۔ البتہ بعض فقہاء نے عوام کی سہولت کے لیے یہ دعا لکھی ہے۔

سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزة والعظمة والقدرة والکبریاء والجبروت سبحان الملک الحیّ الذی لا یموت سبّوح قدوس ربنا و رب الملائکة والروح لا الہ الا اللہ نستغفر اللہ ونسئلک الجنة ونعوذ بک من النار (شامی جلد۱ ص۵۲۲)

تسلسل تراویح : عہد خیر القرون سے لے کر عصر حاضر تک اس متواتر و اجماعی اصطلاح کی روشنی میں اب ہمیں یہ جائزہ لینا ہے کہ کتب حدیث و سیر میں لفظی اعتبار سے کتنے ترویحوں کا ثبوت ملتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) سوید بن غفلہ رمضان میں نماز پڑھاتے۔ خمس ترویحات (سنن الکبریٰ جلد۲ ص ۴۹۶ و شرح السنہ جلد۲ ص۱۲۲) (۲) ابوالبختری نماز پڑھاتے تھے۔ خمس ترویحات (مصنف ابن ابی شیبہ جلد۲ ص ۳۹۳) (۳) علی بن ربیعہ نماز پڑھاتے تھے۔ خمس ترویحات (ایضاً جلد۲ ص ۳۹۳) (۴) عن ابی الحسناء حضرت علیؓ نے نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ خمس ترویحات ۔ (کنز العمال جلد۸ ص ۲۶۴) (۵) ابو حنیفہؒ عن حماد عن ابراھیمؒ ان الناس کانوا یصلون خمس ترویحات۔ (کتاب الآثار لابی یوسف ص ۴۱) (۶) سعید بن جبیر نماز پڑھاتے خمس ترویحات و فی العشر الاواخر ست ترویحات ۔ (عبدالرزاق جلد۴ ص ۲۶۶) (۷) عبدالرحمٰن بن ابی بکرہؓ سعید بن ابی الحسنؒ اور عمران العبدیؒ نماز پڑھاتے۔ خمس تراویح (قیام اللیل ص ۱۵۸) (۸) شبرمہ بن شکل نے نماز پڑھائی۔ خمس ترویحات (مرقات جلد۳ ص۱۹۲)

ان آثار میں بصراحت پانچ ترویحوں کا ذکر ہے۔ ان کے علاوہ بعض ائمہ سے ست ترویحات اور سبع ترویحات کے الفاظ تو ملتے ہیں لیکن پانچ سے کم صرف ابومجلز وغیرہ سے اربع ترویحات کے الفاظ ملتے ہیں۔ کسی مقام پر لفظی اعتبار سے تین یا اس سے کم ترویحوں کا ثبوت نہیں ملتا۔ کیا غیر مقلدین کوئی حوالہ پیش کر سکتے ہیں جس میں یہ وضاحت ہو کہ صحابہ کرامؓ تابعین یا تبع تابعین میں سے فلاں بزرگ دو ترویحے یا تین ترویحے پڑھتے، پڑھاتے تھے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

پانچویں ترویحہ کے بعد استراحت کا حکم : حتیٰ کہ فقہاءِ کرام نے تو پانچویں ترویحہ کے بعد استراحت کے حکم شرعی پر بھی بحث کی ہے۔ چنانچہ ...... علامہ کاسانی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ کیا پانچویں ترویحہ کے بعد بھی استراحت مستحب ہے؟ بعض حضرت نے کہا' ہاں اور بعض نے کہا' نہیں۔ امام سیوطی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ اہل مکہ ہر چار رکعت کے بعد طواف کعبہ کر لیتے تھے **ولا یطوفون بعد الخامسة** ۔ پانچویں ترویحہ کے بعد وہ طواف نہیں کرتے تھے۔ (الحاوی للفتاویٰ جلد ۱ ص ۳۴۸) امام سیوطیؒ نے اسی پانچویں ترویحہ کے بعد استراحت کے حوالہ سے اہل مدینہ کی رکعات کا اختلاف بیان کیا ہے کہ جو لوگ پانچویں ترویحہ کے بعد چار رکعت نوافل نہ پڑھتے ان کی رکعات چھتیس ہوتیں اور جو پانچویں ترویحہ کے بعد بھی چار رکعت نوافل پڑھتے ان کی رکعات چالیس ہو جاتیں۔ اسی لیے بعض ائمہ کے نزدیک پانچویں ترویحہ کے بعد بھی استراحت مستحب ہے جیسا کہ نور الایضاح ص ۲۷ ماثبت بالسنۃ ص ۲۱۱ فتاویٰ مولانا عبدالحیٰ ص ۲۳۸ ہدایہ جلد ۱ ص ۱۲۳ اور الدر المختار جلد ۱ ص ۶۶۱ میں مذکور ہے کہ **وکذا بین الخامسة والوتر** ۔ اسی طرح پانچویں ترویحہ اور وتر کے درمیان استراحت بھی مستحب ہے۔

قطع نظر اس سے کہ پانچویں ترویحہ کے بعد استراحت مستحب ہے یا مکروہ۔ یہ حقیقت واضح ہے کہ نماز تراویح پانچ ترویحوں پر موقوف ہے۔ اگر پانچ ترویحے نہ ہوتے تو پانچویں ترویحہ کے بعد حکم استراحت پر اختلاف رونما نہ ہوتا۔ خدا تعالیٰ غیر مقلدین کو سمجھ عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

باب ہفتم

سنن التراویح

زیرنظر باب میں ہم نماز تراویح کی سنتوں پر مختصر بحث کریں گے تاکہ یہ حقیقت مزید نکھر کر سامنے آجائے کہ تہجد وتراویح میں فرق ہے اور تراویح تہجد سے الگ اپنے مخصوص و مستقل احکامات رکھتی ہے۔

(۱) تراویح سنت موکدہ ہے: تراویح کی شرعی حیثیت کے بارہ میں غیر مقلدین کے متضاد نظریات آپ ان شاء اللہ العزیز آخری باب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ لیکن اس بات پر غیر مقلدین کا تقریباً اجماع ہے کہ تراویح سنت موکدہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس کا ایک مستند حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

> سوال: تراویح سنت موکدہ ہے یا غیر موکدہ؟ اصول فقہ کی روشنی میں سنت موکدہ کی تعریف کیا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے جس کام پر مواظبت اختیار کی وہ سنت موکدہ ہے یا نہیں؟
>
> جواب: اصول فقہ کی تمام کتابوں میں سنت موکدہ کی تعریف اس قدر کی گئی ہے کہ وہ کام جس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشگی اختیار کی ہے، صحابہ کرام علیہم الرضوان کی مواظبت کو اصولیین میں سے کسی نے بھی سنت موکدہ قرار نہیں دیا۔ تراویح پر اگرچہ صحابہ کرامؓ کی مواظبت ثابت ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مواظبت ثابت نہ ہونے کی وجہ سے یہ سنت موکدہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۶۴۲)

جو لوگ صحابہ کرامؓ کے افعال واقوال حتیٰ کہ ان کے اجتہاد و تفسیر قرآن تک کو حجت نہ مانتے ہوں، ان کی طبیعتیں اجماع صحابہؓ اور سنت خلفاء راشدینؓ کو سنت موکدہ کی حیثیت سے کیسے قبول کر سکتی ہیں؟ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تہجد و تراویح ایک ہی نماز کے دو نام ہیں تو کیا تہجد پر آنحضرت صلی

اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مواظبت ثابت نہیں؟ یہ گتھی تو کوئی غیر مقلد ہی سلجھا سکے گا۔ لیکن یہ واضح ہو چکا ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک تراویح سنت موکدہ نہیں جبکہ جمہور ائمہ اہل سنت کے نزدیک تراویح سنت موکدہ ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالرحمٰن الجزیریؒ فرماتے ہیں کہ

نماز تراویح تین اماموں (امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ) کے نزدیک سنت عین موکدہ ہے اور مالکیہ کے نزدیک ہر مرد وزن کے لیے امر مستحب تاکیدی ہے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد۱ ص۵۴۱)

اس بارہ میں فقہاء احناف کے اقوال ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں ان التراویح سنة لایجوز ترکھا۔ تراویح سنت ہے جس کا ترک کرنا جائز نہیں۔ (المبسوط سرخسی جلد۲ ص۱۴۵، کبیری ص۴۰۰ وغیرہ) (۲) وقال صدر الشھید ھوالصحیح۔ صدر الشہیدؒ نے کہا یہی صحیح ہے۔ (اعلاء السنن جلد۷ ص۶۳) (۳) التراویح سنة موکدة لمواظبة النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم والخلفاء الراشدینؓ اجماعاً۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ کی مواظبت کی وجہ سے تراویح بالاجماع سنت موکدہ ہے۔ (ردالمحتار جلد۱ ص۵۱۱) (۴) التراویح سنة موکدة لمواظبة الخلفاء الراشدین للرجال والنساء اجماعاً۔ خلفاء راشدینؓ کی مواظبت کی وجہ سے تراویح مرد وزن پر بالاجماع سنت موکدہ ہے۔ (الدرالمختار جلد۱ ص۶۵۹) (۵) تراویح باجماع صحابہؓ اور باجماع ائمہ اہل سنت، سنت موکدہ ہے ومنکرھا مبتدع، ضال مردود الشھادة۔ اس کا منکر بدعتی، گمراہ اور مردود الشہادت ہے۔ (جامع الرموز جلد۱ ص۹۵) (۶) تراویح خلفاء راشدینؓ کی مواظبت کی وجہ سے سنت ہے۔ (شرح الوقایہ جلد۱ ص۱۷۶) (۷) تراویح سنت موکدہ ہے جیسا کہ ہمارے جمہور اصحاب نے اس کی صراحت کی ہے۔ (التعلیق المجد ص۱۴۰) (۸) تراویح باجماع صحابہؓ سنت ہے اس کا منکر بدعتی وگمراہ ہے۔ (طحطاوی جلد۱ ص۲۷۰) (۹) تراویح کا ادا کرنا سنت موکدہ ہے۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی دفتر اول مکتوب نمبر۴۵) (۱۰) تراویح سنت موکدہ ہیں، بلا عذر ان کو ترک کرنے والا عاصی وگنہگار ہے۔ خلفاء راشدینؓ وجمیع صحابہؓ وسلف صالحین سے ان کی مواظبت ثابت ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد۴ ص۲۸۱)

مذکورہ حوالہ جات سے تین چیزیں بصراحت ثابت ہوگئی۔ پہلی یہ کہ نماز تراویح پر خلفاء راشدینؓ کی مواظبت ثابت ہے۔ دوسری یہ کہ خلفاء راشدینؓ کی کسی عمل پر مواظبت اس کے سنت موکدہ ہونے کی دلیل ہے۔ تیسری یہ کہ تراویح سنت موکدہ ہے جبکہ غیر مقلدین حضرات ان میں سے پہلی چیز کا تو اقرار کرتے ہیں' باقی دونوں چیزوں سے انکاری ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سنت خلفاء راشدینؓ کی محبت احناف کے دل میں زیادہ ہے یا غیر مقلدین کے دل میں۔ نیز نماز تراویح کے ساتھ اہل سنت احناف کا انس و تعلق زیادہ ہے جو اسے سنت موکدہ مانتے ہیں یا غیر مقلدین کا جو اسے استحبابی درجہ دے کر اختیاری عبادت قرار دے رہے ہیں۔

(۲) تراویح کی بیس رکعت سنت موکدہ ہیں: یہ ہم اگلے باب میں ان شاء اللہ العزیز واضح کریں گے کہ غیر مقلدین کے نزدیک جس طرح نماز تراویح سنت موکدہ نہیں اسی طرح ان کی رکعات کی کوئی تعداد بھی مسنون نہیں۔ جبکہ اہل سنت احناف کے ہاں تراویح کی بیس رکعت سنت موکدہ ہیں۔ جیسا کہ:

(۱) امام اعظمؒ فرماتے ہیں: **یصلی عشرین رکعة کما هو السنة** ۔ بیس رکعت پڑھے جو کہ سنت ہیں۔ (المبسوط جلد ۲ ص ۱۶۶) (۲) علامہ عبدالحئی لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح سنت موکدہ ہیں اور آٹھ رکعت پڑھنے والا سنت موکدہ کا تارک ہے۔ (حاشیہ ہدایہ جلد ۱ ص ۱۵۱) (۳) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں جو لوگ آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں وہ تارک فضیلت سنت ہیں۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۴۴۳) (۴) تراویح بیس رکعت سنت موکدہ ہیں اس کے خلاف کرنے والا حنفیہ کے نزدیک تارک سنت ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند جلد ۴ ص ۲۹۶) (۵) فقہ حنفی کے مفتی بہ قول کے مطابق بیس رکعت تراویح ہی سنت موکدہ ہیں۔ (الدر المختار جلد ۱ ص ۹۸۔ ہدایہ جلد ۱ ص ۱۳۱ شرح نقایہ جلد ۱ ص ۱۰۴ جواہر الفقہ جلد ۱ ص ۳۸۱ وغیرہ)

گویا فقہاء احناف کے نزدیک جس طرح نماز تراویح سنت موکدہ ہے' اسی طرح اس کی بیس رکعات بھی سنت موکدہ ہیں۔ یہی مسلک و فتوی شوافع فقہاء کا ہے جیسا کہ علامہ نووی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ **اعلم ان صلوٰة التراویح سنة باتفاق العلماء وهی عشرون رکعة** ۔ یعنی بیس رکعت

تراویح علماء کے اتفاق سے سنت ہے۔ (کتاب الاذکار ص ۸۳) اور یہی مذہب و مسلک فقہاء حنابلہ کا ہے جیسا کہ علامہ موفق الدین ابن قدامہ الحنبلیؒ فرماتے ہیں وقیام شهر رمضان عشرون رکعة يعني صلوٰة التراويح وهي سنة موكدة ۔یعنی بیس رکعت تراویح سنت موکدہ ہے۔ (المغنی جلد ۲ ص ۱۶۶) گویا حنفی، شافعی اور حنبلی تینوں مکاتب فکر بیس رکعت تراویح کے سنت موکدہ ہونے پر متفق ہیں۔

(۳) تراویح مساجد میں ادا کرنا سنت ہے: جماعت و رکعات تراویح کی سنیت کا ذکر کرنے کے بعد مقام تراویح کی اولویت و افضلیت کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے کہ تراویح ادا کرنے کے لیے افضل مقام گھر ہے یا مسجد؟ غیر مقلدین کے اس بارہ میں متفرق مذاہب ہیں جن کی تفصیلات آپ آئندہ باب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ البتہ فقہاء اہل سنت اور ان میں سے بالخصوص فقہاء احناف کے نزدیک نماز تراویح مساجد میں ادا کرنا مسنون ہے۔ چنانچہ

(۱) علامہ جزیریؒ فرماتے ہیں وافضل صلاتها في المسجد باتفاق ثلاثة من الائمة وخالف المالكية ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ) کے نزدیک بالاتفاق تراویح مسجد میں افضل ہے۔ البتہ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۱ ص ۳۴۲) (۲) ان صلوٰة التراويح في مساجد المسلمين سنة مسنونة ۔ تراویح مساجد میں ادا کرنا مسنون ہے۔ (مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۴۴۰) (۳) صحیح یہی ہے کہ تراویح کا جماعت سے مسجد میں ادا کرنا افضل ہے۔ (الدر المختار جلد ۱ ص ۶۶۱) (۴) گھر میں اگر جماعت سے تراویح ادا کرے گا تو جماعت کی فضیلت مل جائے گی۔ البتہ مسجد کی فضیلت سے محروم ہوگا۔ (عالمگیری جلد ۱ ص ۱۸۵) (۵) سب لوگ اگر مسجد میں تراویح کی نماز چھوڑ دیں تو گنہگار ہوں گے۔ (عالمگیری جلد ۱ ص ۱۸۵) (۶) نماز تراویح مسجدوں میں پڑھنا سنت ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند جلد ۴ ص ۲۶۹)

گویا فقہاء احناف کے نزدیک نماز تراویح کا مساجد کے اندر ادا کرنا ہی افضل ہے۔ گھروں میں تراویح ادا کرنے سے آدمی فضیلت مسجد سے محروم رہتا ہے اور حنابلہ و شوافع کا بھی یہی مذہب و مسلک ہے۔

(۴) تراویح باجماعت سنت ہے: تراویح کے اندر چوتھی سنت اسے

باجماعت ادا کرنا ہے۔ غیر مقلدین کے اس بارہ میں متضاد فتاویٰ آئندہ باب میں ملاحظہ فرمایئے۔ لیکن فقہاء احناف اسے بھی مسنون قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ

(۱) حضرت ملا علی قاری الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں لوگوں کی سستی کی وجہ سے نماز تراویح باجماعت پڑھنا افضل ہے۔ (مرقات جلد۳ ص۱۸۶) (۲) علامہ شرنبلالی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ صلوتها بالجماعة سنة كفاية ۔اس کی جماعت سنت کفایہ ہے۔ (نورالایضاح ص ۷۲) (۳) تراویح کو باجماعت ادا کرنا سنت کفایہ ہے۔ اگر تمام اہل محلہ نے اس کی جماعت ترک کردی فقد تركوا السنة توانہوں نے سنت کو ترک کردیا۔ (منیۃ المصلی ص۱۰۰) (۴) والسنة فيها الجماعة ۔تراویح میں جماعت سنت ہے۔ (ہدایہ جلد۱ ص۱۳۱) (۵) والجماعة فيها سنة على الكفاية ۔جماعت تراویح کے اندر سنت کفایہ ہے۔ (الدرالمختار جلد۱ ص۶۶۱) (۶) تراویح میں جماعت سنت ہے' ترک کرنے والے گنہگار ہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد۴ ص۲۵۵)

یادرہے کہ شوافع کا بھی یہی مسلک ہے۔ چنانچہ علامہ نووی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح قول کے مطابق ہمارے اصحاب نے باجماعت تراویح کی افضلیت پر اتفاق کیا ہے۔ بل ادعى بعضهم فيه اجماع الصحابه بلکہ بعض نے تو اس پر اجماع صحابہؓ کا دعویٰ کیا ہے۔ (مرقاۃ جلد۳ ص۱۸۶) اور امام بیہقی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ هذا لفضيلة صلوة التراويح فى الجماعة ۔نماز تراویح کی یہ فضیلت تو جماعت سے حاصل ہوتی ہے۔ (شعب الایمان جلد۳ ص۱۷۹)

گویا یہ مسئلہ تقریباً اجماعی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ علامہ نووی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ اور ان کے جمہور اصحاب، امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ اور بعض مالکیؒ علماء کے نزدیک نماز تراویح میں جماعت افضل ہے۔ كما فعله عمر بن الخطاب والصحابة ۔جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرامؓ کا فعل ہے نیز تمام مسلمانوں کا اس پر مستقل عمل ہے۔ لانه من الشعائر الظاهرة ۔کیونکہ یہ اسلام کے ظاہری شعائر میں سے ہے۔ (نووی حاشیہ مسلم جلد۱ ص۲۵۹) ۔علامہ کاسانی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ نماز تراویح کی سنتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اسے باجماعت اور مسجد میں ادا کیا جائے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے اسے مسجد میں باجماعت ادا کیا۔ لہٰذا اسے مسجد کے اندر باجماعت ادا

کرنا ہی سنت ہے۔ البتہ اس کی کیفیت کے بارہ میں اختلاف ہے کہ یہ سنت موکدہ ہے یا سنت کفایہ۔
(بدائع الصنائع جلد ۱ ص ۲۸۸)

(۵) تراویح میں ختم قرآن سنت ہے: تراویح کی پانچویں سنت یہ ہے کہ اس میں قرآن پاک ختم کیا جائے اور فقہاء احناف کی کتب میں اس کی صراحت موجود ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

لان السنة فی التراویح الختم مرة ۔نماز تراویح میں ایک مرتبہ ختم قرآن سنت ہے۔
(الدر المختار جلد ۱ ص ۶۶۲۔ اعلاء السنن جلد ۷ ص ۶۴۔ فتاوی دار العلوم جلد ۴ ص ۲۴۷)

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک نماز تراویح میں ختم قرآن بھی مسنون ہے۔ لیکن یہ سنت موکدہ نہیں بلکہ سنت مستحبہ ہے۔ مذکورہ بحث کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ اہل سنت بالخصوص فقہاء احناف کے نزدیک نماز تراویح میں پانچ سنتیں ہیں۔ (۱) نماز تراویح سنت ہے (۲) اس کی بیس رکعات سنت ہیں (۳) اس کا مسجد میں ادا کرنا سنت ہے (۴) اس کا باجماعت ادا کرنا سنت ہے (۵) اس میں کم از کم ایک قرآن کا ختم کرنا سنت ہے۔

غیر مقلدین سے ایک سوال: اب غیر مقلدین سے ہمارا سوال یہ ہے کہ مسجد حرام اور مسجد نبوی سمیت دنیا میں پچانوے فی صد سے زائد مساجد میں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی ہیں۔ اب جو شخص ان میں سے کسی مسجد میں باجماعت نماز پڑھتا ہے اسے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے؟ (۱) آٹھ رکعت تراویح پڑھ کے اور بارہ رکعت تراویح چھوڑ کر تقریباً دو تہائی حصہ قرآن سننے سے محروم رہے یا (۲) بیس رکعت تراویح پڑھ کر پورا قرآن سننے کی فضیلت حاصل کرے۔ بینوا توجروا ۔ویسے ان کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ مفتی اعظم سعودیہ الشیخ ابن باز کا فتویٰ یہ ہے کہ

السنة للمقتدی مع الامام ولو صلی ثلاث وعشرین رکعة ۔مقتدی کا اپنے امام کے ساتھ نماز مکمل کرنا سنت ہے۔ اگرچہ وہ تیئیس رکعت پڑھے۔ (مجموع فتاوی الشیخ ابن باز جلد ۱ ص ۳۰۲)

باب ہشتم

مذاہب غیر مقلدین

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیس رکعات تراویح کی مخالفت میں چودہ سو سالہ امت مسلمہ کو علی الاعلان دعوت مبارزت دینے اور اجماع امت کو برملا بدعت قرار دینے والے عصر حاضر کے نومولود فرقہ غیر مقلدین کے تراویح سے متعلق متضاد مذاہب بھی نقل کر دیے جائیں تا کہ ارباب بصیرت پر ان کی اصلیت بھی آشکارا ہو جائے۔

پہلا مذہب: تراویح بدعت ضلالت ہے: تیسرے باب میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد خلافت میں جماعت تراویح کا اجرا نہیں فرمایا بلکہ سنت نبویؐ کا احیا فرمایا ہے لیکن روافض اسے ایجاد فاروقی قرار دے کر بدعت کہتے ہیں۔ بدقسمتی سے بعض معروف غیر مقلدین کا موقف بھی روافض کی طرح یہی ہے چنانچہ

نواب صدیق حسن خان بھوپالی ''اولیات فاروق اعظمؓ'' کے تحت فرماتے ہیں کہ انہوں نے قیام شہر رمضان مسنون کیا۔ (تکریم المومنین بتقویم خلفاء راشدین ص ۸۲) نواب صاحب کے فرزند نواب نور الحسن خان فرماتے ہیں کہ آج کل کی مروجہ تراویح عہد نبویؐ میں ثابت نہیں بلکہ ایجاد حضرت عمر است۔ (عرف الجادی ص ۸۴) یعنی باپ اور بیٹا دونوں اس پر متفق ہیں کہ مروجہ تراویح کا سنت نبویؐ سے تعلق نہیں بلکہ یہ فاروقی ایجاد ہے۔ اب اس فاروقی ایجاد کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ وہ باپ (نواب صدیق حسن خان) کی زبانی سن لیجیے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا کہنا نعمت البدعة هذه قابل قبول نہیں کیونکہ کوئی بدعت قابل تعریف نہیں بلکہ ہر بدعت گمراہی ہے ولم یقل بانها سنة ۔ تراویح کو سنت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (الانتقاد الرجیح

ص ۶۲ بحوالہ فتح المبین ص ۴۴۸)

غور طلب امر یہ ہے کہ جب تراویح سنت نہیں بلکہ بدعت ضلالت ہے تو پھر اس کی جماعت ورکعات کے بارے میں سیرت نبویؐ سے استدلال کیوں جائز ہوگا؟ چنانچہ اس کے جواب میں مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ فرماتے ہیں کہ:

''اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ سنت خلفاء راشدینؓ بیس رکعات تراویح ہے اور آنحضرت ﷺ نے سنت خلفاء راشدینؓ کی اتباع کا حکم فرمایا ہے۔ پس کہنا غیر مقلدین کا کہ بیس رکعت بدعت عمریؓ ہے، جہالت ہے۔'' (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۴ ص ۲۸۹)

دوسرا مذہب: تراویح بدعت حسنہ ہے: غیر مقلدین کے دوسرے مذہب کے مطابق تراویح بدعت حسنہ ہے چنانچہ

مولوی عبدالقادر حصاروی لکھتے ہیں کہ ''بہر حال نماز عشا کے بعد تراویح جماعت کے ساتھ ہمیشہ ادا کرنا جیسا کہ عام طور پر مروج ہے، نہ تعامل نبویؐ سے ثابت ہے نہ تعامل خلفاء اربعہ سے اس لیے یہ سنت نہیں ..... جائز ہے، بدعت حسنہ ہے، سنت موکدہ نہیں بلکہ سنت نبویؐ اور سنت خلفاء اربعہ بھی نہیں۔'' (صحیفہ اہل حدیث یکم رمضان ۱۳۹۲ھ) غالباً یہ وہی مولوی عبدالقادر حصاروی ہیں جو روایتی غیر مقلدانہ جوش عصبیت کا عظیم شاہکار اور بڑے پہنچے ہوئے غیر مقلد ہیں۔ انہوں نے ''سباحة الجنان بمناكحة اهل الايمان'' کے نام سے ایک خالص غیر مقلدانہ ذوق کی کتاب لکھی ہے جس میں وہ اپنے غیر مقلد بھائیوں کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں کہ ''حنفیوں کے عقائد واعمال ذکر کر کے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ مشرک اور بدعتی ہیں اور بدعتی کے بارے میں حدیث سے یہ ثابت ہے کہ وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح آٹے سے بال۔ جب قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہوگیا کہ مشرکین کو نکاح نہ دو اور نہ مشرکہ عورتوں سے نکاح کرو تو پھر اس زمانے کے مدعیان بالحدیث کس منہ سے اہل حدیث بنتے ہیں جو اہل بدعت حنفی مذہب والوں کو اپنی لڑکیاں دے رہے ہیں؟ یہ دیدہ ودانستہ قرآن وحدیث کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔'' (ص ۱۵)

سنی، حنفی مسلمانوں کو مشرک وبدعتی قرار دینا حصاروی صاحب کا ''میڈ ان برطانیہ'' خالص غیر

مقلدانہ ذوق تحقیق ہے اور حنفیوں کو لڑکیاں دینا بھی غیر مقلدین کی سردردی ہے لیکن حصاروی صاحب کا یہ فلسفہ ہمارے لیے ناقابل فہم ہے کہ نماز تراویح جب سنت نبوی بھی نہیں، اور تعامل خلفاء راشدینؓ سے بھی ثابت نہیں تو پھر وہ جائز اور بدعت حسنہ کیسے ہے؟

تیسرا مذہب۔ تراویح نفلی عبادت ہے: گزشتہ سطور میں فتاوی نذیریہ ج ا ص ۶۴۲ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ تراویح سنت موکدہ نہیں۔ غیر مقلدین کے تیسرے مذہب کے مطابق تراویح ایک نفلی عبادت ہے چنانچہ

مولوی عنایت اللہ اثری لکھتے ہیں کہ نماز تراویح سنت زائدہ ہے۔ (جنان المجیہ ص ۹۴) مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ لکھتے ہیں کہ نماز تراویح بھی نفلی ہے۔ (رسول اکرم کی نماز ص ۹۸) یہ نفلی عبادت ہے۔ (مقالات مولانا غزنوی ص ۷۷) نماز تراویح ایک قسم کی نفلی نماز ہے، اس پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ (فتاوی برکاتیہ ج ۲ ص ۲۸۹)

غور فرمایئے کہ نماز تراویح جب نفلی عبادت ہے نہ اس کے ترک سے گناہ ہوتا ہے اور نہ اس کے پڑھنے پر کسی کو مجبور کیا جاسکتا ہے تو پھر اس کی رکعات پر جھگڑا کیسا؟ اور کیا یہ تراویح کی مسنون حیثیت کو مجروح اور کمزور کرنے کی سازش نہیں؟

چوتھا مذہب۔ تہجد و تراویح ایک ہی نماز ہے: غیر مقلدین کے چوتھے مذہب کے مطابق تہجد و تراویح ایک ہی نماز ہے چنانچہ

حکیم صادق سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ "نماز تراویح اور تہجد دراصل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ رات کی نماز غیر رمضان میں جب سو کر اٹھنے کے بعد پڑھی جائے تو تہجد کہلاتی ہے اور اگر رمضان میں سونے سے قبل عشا کے ساتھ پڑھ لی جائے تو اس کو تراویح کہتے ہیں۔" (صلوۃ الرسول ص ۳۷۸) مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ فرماتے ہیں کہ "رمضان المبارک میں تراویح یا رمضان کا قیام یہ وہی نماز ہے جس کا ذکر پہلے تہجد کے نام سے ہوا۔ آنحضرت ﷺ اسے تمام سال پڑھتے تھے۔ رمضان المبارک میں اس قدر رعایت دی گئی کہ سونے سے پہلے عشا کی نماز کے ساتھ بھی پڑھی جاسکتی ہے اور رات کے آخری حصے میں جاگنے کے بعد بھی۔" (رسول اکرم کی نماز ص ۹۸)

پانچواں مذہب، تہجد و تراویح جدا جدا نمازیں

تنبیہ: غیر مقلدین کے پانچویں مذہب کے مطابق تہجد وتراویح الگ الگ نمازیں ہیں چنانچہ

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں کہ ''نماز تہجد تو سارا سال ہوتی ہے اور تراویح خاص رمضان میں۔'' (فتاویٰ ثنائیہ ج ا ص ۶۵۶) دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ (عبداللہ چکڑالوی کی) ''ساری کوشش کا خلاصہ یہی ہے کہ پہلے وقت کی نماز اور پچھلے وقت کی ایک ہی ہے، دو نہیں۔ یہی تراویح جو اول وقت پڑھی جاتی ہے، تہجد کی نماز ہے اور کوئی نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعویٰ پر بھی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے کیونکہ تہجد کا معنی ہے نیند سے اٹھ کر نماز پڑھنا۔ حدیث عائشہؓ سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اول شب اور آخر شب کی نماز ایک ہی ہے بلکہ اگر اس سے کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ آنحضرت ﷺ گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔'' (اہل حدیث کا مذہب ص ۹۲) ''جس نماز تراویح کی سنیت کے ہم مدعی ہیں اس کا یہاں (حدیث انی خشیت ان یفرض علیکم میں) کوئی ذکر نہیں۔ یہ حدیث نماز تہجد سے متعلق ہے.... ہمارا دعویٰ اول شب کی نماز کے سنت ہونے کا ہے۔'' (ایضاً ص ۹۲) ''تراویح کا وقت عشا کی نماز کے بعد اول رات کا ہے اور تہجد کا آخر رات کا۔'' (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۶ ص ۲۵۱) ''بہرحال قیام لیل غیر قیام رمضان ہے۔'' (نزل الابرار ص ۳۰۴ از نواب وحید الزمان) سید علی حسن خان اپنے والد نواب صدیق حسن خان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ نماز تراویح ہمیشہ آٹھ رکعات کے ساتھ ادا کرتے تھے اور نماز تہجد بالالتزام بارہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ (مآثر صدیقی ج ۴ ص ۶۴) شاید نواب صاحب اسی طرح اپنی بیس رکعات پوری کر لیتے ہوں۔ مولانا میاں نذیر حسین دہلویؒ رمضان المبارک میں بحالت قیام دو دفعہ قرآن سنتے۔ ایک دفعہ اول شب تراویح میں اپنے شاگرد حافظ احمد محدث سے اور پھر نماز تہجد میں اپنے پوتے حافظ عبدالسلام سے۔ (نتائج التقلید ص ۲۹)

ان حوالہ جات سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ غیر مقلدین کے پانچویں مذہب کے مطابق تہجد وتراویح دو الگ الگ اور مستقل نمازیں ہیں۔

چھٹا مذہب، حضور علیہ السلام نے تراویح کے

علاوہ تہجد کی نماز نہیں پڑھی: غیر مقلدین کے چھٹے مذہب کے مطابق آنحضرت ﷺ نے رمضان المبارک میں تراویح کے علاوہ تہجد ادا نہیں فرمائے چنانچہ حکیم صادق سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے رمضان میں تہجد نہیں پڑھی۔ پس تہجد مع وتر رمضان میں تراویح بن گئی۔ (صلوٰۃ الرسول ص ۳۱۰) اور مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے رمضان میں فرائض کے علاوہ تراویح کے سوا کوئی نماز ثابت نہیں۔ (رسول اکرم کی نماز ص ۹۸)

ساتواں مذہب، حضور علیہ السلام سے تراویح کے علاوہ تہجد ثابت ہے: غیر مقلدین کے ساتویں مذہب کے مطابق آنحضرت ﷺ سے رمضان میں تراویح کے علاوہ تہجد پڑھنے کا ثبوت موجود ہے چنانچہ

مولوی عنایت اللہ اثری لکھتے ہیں کہ رمضان المبارک کی تین راتوں میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اپنی مسجد میں جو با جماعت نماز پڑھائی تھی، اس میں اپنے آٹھ رکعات اور وتر علیحدہ تھے۔ (جفان الجعابیہ ص ۱۷۴ حاشیہ) مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں کہ رہی یہ بات کہ جن تین دنوں میں آپ نے اول شب تراویح پڑھی تھیں، ان دنوں میں آخر شب بھی نماز پڑھی ہوگی، یہ تو گیارہ رکعات سے زیادہ ہوگئیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں صورتیں ممکن ہیں یعنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضور نے ان دنوں میں نماز تہجد پڑھی ہے مگر چونکہ تمام عمر کے لحاظ سے تین دن کی مقدار ایسی قلیل ہے جس کی کوئی نسبت ہی نہیں ملتی اس لیے عائشہ رضی اللہ عنہا نے عام طور پر نفی کر دی کہ آنحضرتؐ نے کبھی زیادہ نہیں پڑھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان تین دنوں میں حضورؐ نے اسی اول شب کی نماز کو تہجد کے قائم مقام قرار دے کر پھر تہجد نہ پڑھی ہو لیکن کسی نماز کا دوسری نماز کے قائم مقام ثواب میں ہو جانے سے ان دونوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا۔ دیکھو جمعہ ظہر کے قائم مقام ہو جاتا ہے مگر دونوں ایک نہیں۔'' (اہل حدیث کا مذہب ص ۹۳)

گویا مولانا امرتسری مرحوم آنحضرت ﷺ سے تراویح کے علاوہ تہجد ادا کرنے کی مطلق نفی نہیں کرتے بلکہ دونوں نمازیں ادا کرنے کی امکانی صورت بیان کر رہے ہیں۔

آٹھواں مذہب، قیام رمضان اور تراویح الگ الگ

نمازیں ہیں : غیر مقلدین کے آٹھویں مذہب کے مطابق تراویح، قیام رمضان سے الگ نماز ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

قیام رمضان کا لفظ جو احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے، اس سے علی التحقیق وہ نماز مراد ہے جو ماہ رمضان المبارک کی راتوں میں عشا کے بعد جماعت کے ساتھ خواہ اکیلے اکیلے پڑھی جائے، دونوں صورتوں میں قیام رمضان حاصل ہو جائے گا اور نماز تراویح بغیر جماعت کے حاصل نہ ہوگی۔ کرمانی نے جو کہا ہے کہ قیام رمضان سے بالاتفاق تراویح مراد ہے، یہ انہوں نے ایک انوکھی بات کہی۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ٦ ص ۲۴۳) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک تراویح ایک تیسری نماز ہے کیونکہ ان کے نزدیک تہجد کی جماعت درست نہیں۔ (اہل حدیث کا مذہب ص ۹۱)

تراویح بغیر جماعت کے درست نہیں اور قیام رمضان دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

نواں مذہب: تراویح باجماعت اور بلا جماعت دونوں صورتوں میں درست ہے : غیر مقلدین کے نویں مذہب کے مطابق نماز تراویح جماعت کے ساتھ بھی پڑھی جا سکتی ہے اور بغیر جماعت کے بھی چنانچہ مولوی عنایت اللہ اثری لکھتے ہیں کہ تراویح خواہ باجماعت پڑھے یا اکیلا خواہ گھر میں یا مسجد میں، یہ سب درست ہے۔ (لواء الاسلام ص ۳۱)

دسواں مذہب: تراویح بغیر جماعت کے جائز نہیں :
غیر مقلدین کے دسویں مذہب کے مطابق نماز تراویح بغیر جماعت کے جائز نہیں چنانچہ لکھا ہے کہ قیام رمضان نماز تراویح سے اہم ہے کیونکہ نماز تراویح میں جماعت بھی شرط ہے۔ اگر اکیلے اکیلے پڑھیں تو تراویح نہ ہوگی۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ٦ ص ۲۴۳)

گیارہواں مذہب: پورا مہینہ باجماعت تراویح غیر مسنون ہے : غیر مقلدین کے گیارہویں مذہب کے مطابق رمضان کا پورا مہینہ نماز تراویح باجماعت ادا کرنا غیر مسنون ہے چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی فرماتے ہیں کہ

"رمضان کا پورا مہینہ نماز تراویح کا التزام [illegible] مسلمانوں میں [illegible] حصہ [illegible]

کو پڑھتی ہے [illegible] قرآن [illegible] تھے [illegible] حضرت [illegible]

حکم نہیں کیا تھا کہ پورا رمضان تراویح کی جماعت ہو [illegible]

کا اہتمام بھی نہیں ہوا تھا کہ خود حضرت عمرؓ [illegible] تھے" [illegible]

حصہ پنجم ص ۱۳۳)

پورا مہینہ باجماعت نماز تراویح پڑھنے کے لیے حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا یا نہیں؟ [illegible] ہوا ہے یا نہیں؟ اور حضرت عمرؓ اس میں شریک ہوتے تھے یا نہیں؟ یہ بحث [illegible] ہے یہاں یہ معلوم ہو گیا کہ غیر مقلدین کا گیارہواں مذہب کیا ہے؟

بارہواں مذہب: تراویح و تہجد [illegible] الگ الگ گیارہ رکعتیں ہیں: غیر مقلدین کے بارہویں مذہب کے مطابق تہجد کی گیارہ اور تراویح کی الگ گیارہ رکعتیں ہیں چنانچہ مولوی عنایت اللہ اثری لکھتے ہیں کہ

بخاری و مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ (۱) رمضان المبارک یا (۲) اس کے علاوہ ماہ میں رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ نمبر ۱ میں جو تہجد ہے جو کہ گھر میں اکیلے بوقت سحری پڑھی جاتی ہے۔ اور نمبر ۲ میں رمضان میں اول رات باجماعت جہری قراءت کے ساتھ مسجد میں پڑھی جاتی ہے۔ ایسے [illegible] قیام رمضان کا نام دیا گیا ہے۔ (حقائق [illegible] ص ۷۳) رمضان المبارک کی تین راتوں میں رسول اللہ نے صحابہ کرامؓ کو اپنی مسجد میں جو باجماعت نماز پڑھائی تھی اس میں آپ [illegible] رکعات اور وتر علیحدہ تھے۔ (ایضاً ص ۷۶ حاشیہ)

یعنی قیام رمضان کی گیارہ رکعات الگ تھیں اور تہجد کی گیارہ رکعات الگ۔ یہاں یہ بات وضاحت طلب ہے کہ کیا دونوں نمازوں کے لیے وتر الگ تھے؟ یا ایک ہی وتر دو بار پڑھے گئے؟ حالانکہ مولانا محمد اسماعیل سلفی فرماتے ہیں کہ

اگر پہلی رات وتر ادا ہو جائیں تو دوبارہ وتر پڑھنا درست نہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے لا وتران فی لیلة۔ ایک ہی رات میں دو دفعہ وتر نہ پڑھے جائیں۔ ایسے ہی [illegible]

گے بلکہ جوڑا ہو جائیں گے۔ (رسول اکرم کی نماز ص ۹۶) اور الشیخ بن باز فرماتے ہیں کہ لا ینبغی لاحد ان یصلی وترین فی لیلۃ یعنی ایک رات میں دو دفعہ وتر پڑھنا کسی کے لیے جائز نہیں۔ (مجموعۂ فتاوی ج ۱ ص ۲۸۹)

لطیفہ: بعض غیر مقلدین نے ایک ہی رات میں دو دفعہ وتر پڑھنے کی یہ عجیب صورت نکالی ہے کہ اگر کوئی شخص اول رات وتر پڑھ کر سو جاتا ہے اور پھر پچھلی رات کو اس کی آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ تہجد پڑھنا چاہتا ہے تو پہلے ایک رکعت پڑھ لے۔ یہ رکعت وتروں کے ساتھ مل کر جفت ہو جائے گی اور وتر ختم ہو جائیں گے۔ پھر تہجد سے فارغ ہو کر وتر پڑھ لے۔ (صحیفہ اہل حدیث جون ۱۹۶۴ء ص ۲۳) سوال یہ ہے کہ قبل از تہجد پڑھی جانے والی ایک رکعت رات کے وتروں کے ساتھ مل کر تو جفت ہو جائے گی لیکن اس کی اپنی منفرد حیثیت کیا ہوگی؟ منفرد حیثیت کی بنا پر اگر وہ وتر ہی ہے تو کیا ایک ہی شب میں یہ دوسری بار وتر ادا کر کے فرمان نبوی کی خلاف ورزی لازم نہ آئے گی؟ ممکن ہے کوئی عقلمند غیر مقلد یہ کہہ دے کہ اس سے فرمان نبوی کی خلاف ورزی ہرگز لازم نہیں آتی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے تو ایک رات میں دو دفعہ وتر پڑھنے سے منع فرمایا ہے جبکہ ہم نے تو تین دفعہ وتر پڑھے ہیں۔ سونے سے قبل، تہجد سے قبل اور تہجد کے بعد۔ پھر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وتر کے بغیر تہجد ادا نہیں ہوتے کہ اس کے لیے اتنے پاپڑ بیلے جا رہے ہیں؟ اسی لیے مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ فرماتے ہیں کہ

> ''بعض آثار میں وتر توڑنے کا ذکر آیا ہے یعنی سحری کے وقت ایک رکعت پڑھ کر شفع کر دے پھر نوافل پڑھ کر آخر میں وتر پڑھے۔ یہ بھی کمزور سی بات ہے۔ جب نماز ایک دفعہ ادا ہو گئی تو اسے دوبارہ پڑھنا درست نہیں۔'' (رسول اکرم کی نماز ص ۹۷)

۶۔ تیرھواں مذہب، تراویح گھروں میں پڑھنا افضل

ہے: غیر مقلدین کے تیرہویں مذہب کے مطابق نماز تراویح گھر میں ادا کرنا افضل ہے چنانچہ ان کے شیخ الحدیث مولوی محمد یونس قریشی لکھتے ہیں کہ تہجد اور تراویح کی نماز آخر شب میں اپنے اپنے گھروں میں پڑھنا افضل ہے۔ (دستور المتقی ص ۱۴۰) مولانا عبدالقادر حصاروی لکھتے ہیں کہ گھر میں تراویح پڑھنے سے فرضوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔ ہزار نماز سے زیادہ ثواب حاصل

ہوتا ہے۔ گھر میں نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ خیر و برکت نازل ہوتی ہے۔ یہ عمل خدا اور رسول کو محبوب ہے۔ (صحیفہ اہل حدیث یکم رمضان ۱۳۹۲ھ)

غور فرمایئے یہ فضیلت و افضلیت پڑھ کر کس کم بخت کا جی چاہے گا، مسجد میں جا کر تراویح پڑھنے کو؟ کہیں یہ دشمنان عمرؓ کی طرف سے مسجدیں ویران کرنے کی گہری سازش تو نہیں؟ امام علی مرتضیٰؓ تو امام فاروق اعظمؓ کو تراویح کے ذریعہ مساجد آباد کرنے پر دعائیں دے رہے ہیں لیکن یہاں تو غیر مقلدین کی گنگا ہی الٹی بہتی ہے۔

چودھواں مذہب: تراویح کی رکعات متعین نہیں: غیر مقلدین کے چودہویں مذہب کے مطابق رکعات تراویح غیر معین ہیں۔ چنانچہ

قاضی شوکانی فرماتے ہیں کہ تراویح کا عدد معین سنت سے ثابت نہیں۔ (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۹۸) نواب وحید الزمان خان لکھتے ہیں کہ ولا یتعین له عدد معین یعنی رکعات تراویح کی تعداد معین نہیں۔ (کنز الحقائق ص ۳۰۔ نزل الابرار ج ۱ ص ۱۲۶) نواب نور الحسن خان لکھتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ کی نماز میں ۱۱، ۲۰، ۲۱ اور ۲۳ رکعات کا اختلاف موجود ہے و بالجملہ عددے معین در مرفوع نیامدہ۔ کسی مرفوع روایت میں رکعات تراویح کا عدد معین مذکور نہیں۔ (عرف الجادی ص ۸۴) مولانا محمد اسماعیل سلفی فرماتے ہیں کہ بداہتاً معلوم ہے کہ قیام رمضان مع وتر ۹، ۱۱، ۱۳ صحیح احادیث میں موجود ہے۔ (تحریک آزادی فکر ص ۲۴۲) تہجد کی طرح تراویح میں بھی تعداد کی پابندی فرض نہیں، کم و بیش ہو جائیں تو بھی درست ہے۔ (رسول اکرم کی نماز ص ۹۸)

سوال یہ ہے کہ جب کسی مرفوع حدیث میں رکعات تراویح کا عدد معین موجود نہیں، عہد فاروقی میں حضرت ابی بن کعبؓ کی نماز کے اندر رکعات کا اختلاف موجود ہے تو پھر حدیث عائشہؓ و حدیث جابرؓ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

پندرھواں مذہب: رکعات تراویح کا تعلق امور اجتہادیہ سے ہے: ہم دلائل و براہین کے ساتھ واضح کر چکے ہیں کہ رکعات تراویح کا تعلق

سنت خلفاء راشدینؓ، تعامل صحابہؓ اور اجماع امت سے ہے لیکن غیر مقلدین کے پندرہویں مذہب کے مطابق رکعات تراویح کا تعلق نہ تو سنت نبویؐ سے ہے اور نہ سنت خلفاء راشدینؓ سے بلکہ اس کا تعلق قیاسی و اجتہادی امور سے ہے چنانچہ مولوی عنایت اللہ اثری فرماتے ہیں کہ تراویح تو ۸، ۲۰، ۴۰ تک پڑھی جاتی ہیں۔ یہ امور اجتہادیہ ہیں۔ ان میں اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ (جفان الجفایہ ص ۱۶۵) اثری صاحب اپنی غیر مقلد برادری کو دعوت دے رہے ہیں کہ رکعات تراویح کا معاملہ اجتہادی ہے، اسے سنت نبویؐ اور تعامل صحابہ سے تلاش کرنا درست نہیں۔ اجتہاد کو فعل شیطانی قرار دینے والوں کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ انہیں رکعات تراویح کے لیے بھی اجتہاد جیسے شیطانی فعل سے گزرنا ہوگا۔

سولہواں مذہب، تراویح میں گیارہ رکعات مسنون، باقی بدعت ہیں: غیر مقلدین کے سولہویں مذہب کے مطابق نماز تراویح کی گیارہ رکعات مسنون ہیں اور باقی بدعت ہیں اور یہ مذہب ہے غیر مقلدین کے محسن اعظم مولانا محمد حسین بٹالویؒ کا (جنہوں نے اپنے حق الخدمت کے طور پر حکومت برطانیہ سے غیر مقلدین کے لیے لفظ اہل حدیث سرکاری طور پر الاٹ کرایا) چنانچہ انہوں نے باقاعدہ اشتہار شائع کر کے اعلان کیا کہ جس نے تراویح بیس رکعات پڑھیں، اس کی گیارہ رکعات مسنون بھی ادا نہ ہوئیں۔ (بحوالہ رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع ص ۲۲) خطہ پنجاب میں بٹالوی صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے آٹھ تراویح کی سنیت کا نعرہ بلند کیا حالانکہ اس سے قبل پورے خطے میں بیس رکعات تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں چنانچہ مولانا عبدالمجید سوہدرویؒ غیر مقلد فرماتے ہیں کہ لاہور میں آٹھ تراویح کی ترویج آپ (بٹالوی صاحب) ہی سے ہوئی۔ (سیرت ثنائی ص ۴۵۲) مولوی محمد عثمان دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ مقلدین کی ایک بڑی جماعت نے بیس رکعات مقرر کر کے بدعت شنیعہ کا ارتکاب کیا ہے۔ (رفع الاختلاف ص ۵۴)

سترہواں مذہب، تراویح کی گیارہ رکعات مسنون، باقی مستحسن ہیں: غیر مقلدین کے سترہویں مذہب کے مطابق نماز تراویح کی گیارہ رکعات مسنون اور باقی مستحسن ہیں چنانچہ

مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ اور تابعین ۲۰، ۲۸، ۴۱ رکعت پڑھتے رہے۔

نوافل کی کثرت مستحسن ہے۔ زیادہ کو کسی نے برا نہیں کہا۔ (تحریک آزادی فکر ص ۲۴۲) بعض آثار میں اور بعض ائمہ سے بھی بیس رکعت تک اور اس سے زیادہ کا بھی ذکر آیا ہے۔ اگر کوئی بطور نفل پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (رسول اکرمؐ کی نماز ص ۱۰۱) مولانا محمد داؤد غزنوی فرماتے ہیں کہ اہل حدیث آٹھ رکعت تراویح سنت سمجھ کر پڑھتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص یا کوئی جماعت بیس یا چالیس رکعات تراویح پڑھے تو اسے بدعت نہیں کہتے۔ (مقالات داؤد غزنوی ص ۷۷) اسی لیے مولانا داؤد غزنویؒ اعلان فرمایا کرتے تھے کہ آٹھ تراویح سنت رسول اللہ ﷺ کی ہے اور باقی بارہ رکعات مستحب ہیں۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۶ ص ۲۶۵) نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں کہ اہل علم کی ایک جماعت نے اس نماز کی بیس رکعتیں قرار دی ہیں۔ یہ عدد اگرچہ خصوصیت کے ساتھ ثابت نہیں لیکن رمضان میں جماعت اور نماز پر صادق آتا ہے پس اسے بدعت کہنے کا کوئی معنی نہیں۔ (بدور الاہلہ ص ۸۳) اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بہت سے صحابہ کرامؓ اور ائمہ اسلام سے بیس رکعت تراویح پڑھنا ثابت ہے جیسا کہ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اس سوال کہ صحابہ کرامؓ میں کسی صحابی نے بیس رکعات تراویح پڑھی ہیں یا نہیں؟ کے جواب میں فرماتے ہیں کہ انفرادی طور پر بعض صحابہؓ نے بیس بھی پڑھی ہیں، چالیس بھی پڑھی ہیں مگر جماعت آٹھ ہی کی ہوتی تھی۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۶۵۳)

یہ بحث تو ہم تفصیل سے کر چکے ہیں کہ خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی باجماعت تراویح بیس رکعت تھی یا آٹھ لیکن مولانا سلفی اور مولانا امرتسری کے مذکورہ حوالہ جات سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ تراویح کے عنوان سے بیس رکعات صحابہ کرامؓ سے ثابت ہیں اور فتاویٰ برکاتیہ میں بھی یہ مذکور ہے کہ صحابہ کرامؓ سے بیس یا اکتالیس رکعت تراویح پڑھنا منقول ہے۔ (ص ۸۱) سوال یہ ہے کہ جب صحابہ کرامؓ سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت موجود ہے تو پھر بیس رکعت کو بدعت کہنا اور ان کے پڑھنے سے روکنا کتنی بڑی جسارت ہے۔

مولانا امرتسری کا فتویٰ: اسی لیے مولانا ثناء اللہ امرتسری بیس رکعات تراویح سے روکنے والے کو گنہ گار قرار دیتے ہیں چنانچہ

ان سے سوال ہوا کہ احناف لوگ امام اہل حدیث کے پیچھے آٹھ رکعات تراویح ادا کر کے باقی

بارہ رکعات اپنے مذہب کے مطابق کسی امام کے پیچھے اسی مسجد میں باجماعت پڑھتے ہیں، کیا اہل حدیث ان کو منع کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا امرتسریؒ فرماتے ہیں کہ اہل حدیث ان کو منع نہیں کر سکتے۔ کریں گے تو گنہ گار ہوں گے۔ تراویح کی رکعات مسنونہ آٹھ ہی ثابت ہیں تاہم باقی نوافل سے تو کم نہیں۔ خصوصاً اس حال میں کہ بہت سے ائمہ اسلام کا بھی مذہب ہے۔ پس بند کرنا گناہ ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ا ص ۵۸۶)

مولانا امرتسری مرحوم کے مذکورہ فتویٰ سے یہ بات پوری طرح عیاں ہو چکی ہے کہ بیس رکعات تراویح بہت سے ائمہ اسلام کا مذہب ہے اس لیے اگر اہل سنت والجماعت احناف کو کسی وجہ سے غیر مقلدین کی مسجد کے اندر غیر مقلد امام کی اقتدا میں تراویح پڑھنے کا اتفاق ہو جائے تو وہ اسی مسجد میں تراویح کی اپنی بقیہ رکعات کسی سنی حنفی امام کی اقتدا میں پوری کر سکتے ہیں۔ غیر مقلدین انہیں ہرگز روک نہیں سکتے۔ اگر روکیں گے تو گنہ گار ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ غیر مقلدین کی مسجد میں اگر کسی حنفی کو اپنے حنفی امام کی اقتدا میں بیس رکعات تراویح پوری کرنے سے روکنا گناہ ہے تو احناف کو ان کی اپنی مساجد میں بیس رکعات پڑھنے سے منع کرنا کتنا بڑا گناہ ہوگا؟ اور پھر اسے بدعت قرار دے کر اس کے خلاف تقریری وتحریری محاذ قائم کر لینا تو یقیناً اس سے بھی بڑا گناہ ہوگا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

مفتی اعظم سعودیہ شیخ ابن باز کا فتویٰ: غیر مقلدین کی مساجد میں ان کے امام کی اقتدا میں آٹھ رکعات پڑھ کر اسی مسجد کے اندر اپنی بقیہ بارہ رکعات اپنے حنفی امام کی اقتدا میں پوری کرنے کا حکم اہل سنت والجماعت احناف کے بارے میں آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی غیر مقلد اہل سنت والجماعت احناف، شوافع، حنابلہ یا مالکیہ کی مسجد میں نماز تراویح پڑھنے کے لیے آئے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ وہ امام کی اقتدا میں بیس پوری کرے یا آٹھ پڑھ کر چلا جائے؟ اس بارے میں سعودی عرب کے مفتی اعظم الشیخ ابن بازؒ کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے۔

ان سے سوال کیا گیا کہ بیس رکعات تراویح پڑھانے والے امام کے پیچھے صرف گیارہ رکعت پر اکتفا کر کے باقی رکعات امام کے پیچھے نہ پڑھنے والے کا یہ فعل کیا موافق سنت ہے؟ اس کے جواب میں امام حرم فرماتے ہیں کہ:

السنة الاتمام مع الامام ولو صلی ثلاثا وعشرین رکعة لان الرسول ﷺ قال من قام مع الامام حتی ینصرف کتب اللہ لہ قیام لیلتہ وفی اللفظ الآخر بقیة لیلتہ فالافضل للمأموم ان یقوم مع الامام حتی ینصرف سواء صلی احدی عشرة رکعة او ثلاث عشرة او ثلاثا وعشرین او غیر ذالک ھذا ھو الافضل ان یتابع الامام حتی ینصرف والثلاث وعشرون فعلھا عمر رضی اللہ عنہ والصحابة فلیس فیھا نقص ولیس فیھا اخلال بل ھی من السنن سنن الخلفاء الراشدینؓ (مجموع الفتاویٰ ج ۱ص ۳۰۲، ۳۰۵)''امام کے ساتھ نماز پوری کرنا سنت ہے اگرچہ وہ تیئیس رکعات پڑھائے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے امام کے ساتھ آخر تک قیام کیا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے پوری رات یا بقیہ رات کے قیام کا بھی ثواب لکھ دیتے ہیں۔ افضل یہی ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ نماز پوری کرے خواہ امام گیارہ رکعات پڑھائے یا تیرہ رکعات یا تیئیس رکعات یا اس کے علاوہ۔ نماز کے آخر تک امام کی اقتدا افضل ہے اور تیئیس رکعات تراویح حضرت عمرؓ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کا فعل ہے جس میں نہ کوئی حرج ہے اور نہ کوئی نقص بلکہ یہ خلفاء راشدینؓ کی سنتوں میں سے ہے''

غور فرمائیے کہ الشیخ ابن بازؒ صاف طور پر یہ فتویٰ دے رہے ہیں کہ تیئیس رکعات نماز تراویح پڑھانے والے امام کی اقتدا میں نماز پوری کرنا ہی سنت و افضل ہے اور درمیان میں چھوڑ کر چلے جانا خلاف سنت اور خلاف افضل ہے لہٰذا غیر مقلدین پر لازم ہے کہ وہ حنفیوں کو درمیان میں تراویح چھوڑنے پر اکسانے کے بجائے خود بھی حنفی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی صورت میں تیئیس رکعات پوری کریں اور درمیان میں چھوڑ کر سنت و افضلیت کے تارک نہ بنیں۔

یاد رہے کہ شیخ ابن باز کا موقف یہ ہے کہ الافضل فی قیام رمضان ان یصلی المسلمون فی مساجدھم احدی عشرة رکعة او ثلاث عشرة رکعة یعنی قیام رمضان میں افضل یہ ہے کہ مسلمان مساجد میں گیارہ یا تیرہ رکعات ادا کریں۔ (مجموع الفتاویٰ ج ا ص ۳۰۱) لیکن اس کے باوجود وہ تیئیس رکعات کو حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کا فعل بھی تسلیم کرتے ہیں اور خلفاء راشدینؓ کی سنت بھی نیز وہ حدیث ابن عمر (صلوة اللیل مثنی مثنی) کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ و دل علیھا

حديث ابن عمر رضى الله عنه لان النبى ﷺ لم يحدد فيه عددا معينا بل قال صلاة الليل مثنى مثنى یعنی یہ حدیث اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قیام رمضان کے لیے کوئی عدد متعین نہیں کیا بلکہ یہی فرمایا کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔(ایضاً ص۳۰۲ وص۳۰۵) گویا شیخ ابن بازؒ کے استدلال سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود تو گیارہ یا تیرہ رکعات پڑھی ہیں لیکن امت کے لیے کوئی حد مقرر نہیں کی البتہ خلفاء راشدینؓ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کا تعامل تیئیس رکعات کا ہی ہے۔

اٹھارھواں مذہب، بیس تراویح سنت خلفاء راشدین

ـــــــ : غیر مقلدین کے اٹھارہویں مذہب کے مطابق بیس رکعات نماز تراویح پڑھنا سنت خلفاء راشدینؓ ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے چنانچہ نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں کہ گیارہ رکعتیں آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں اور بیس رکعتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اضافے سے ہوئی ہیں۔اضافے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ تعداد میں سنت نبویؐ (گیارہ رکعت) بھی داخل وشامل ہے، پس بڑھائی ہوئی رکعات پر عمل کرنے والا بھی سنت پر عمل کرنے والا ہے۔(ہدایۃ السائل ص ۱۳۸) نواب وحید الزمان خان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح بیس رکعتیں پڑھنا منقول ہے۔(تیسیر الباری ج ۲ ص ۳۳۳) بیس رکعات تراویح کی خلفاء راشدینؓ سے منقول ہیں۔(ایضاً ج ۲ ص ۶۷۹) بہرحال آنحضرت ﷺ سے بیس رکعتیں تراویح کی پڑھنا ثابت نہیں ہے بلکہ صرف آٹھ رکعتیں پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔بیس رکعتیں حضرت عمرؓ کے زمانے سے منقول ہیں تو آٹھ رکعتیں سنت نبویؐ اور سنت خلفاء راشدینؓ دونوں ہیں اور بیس رکعتیں سنت ہیں خلفاء راشدینؓ کی اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تمسکوا بسنتى وسنة الخلفاء الراشدينؓ (ترجمہ موطا ج ص)

چنانچہ سنت خلفاء راشدینؓ کے مطابق اہل سنت والجماعت کے متواتر مذہب بیس رکعات کے خلاف جب مولانا محمد حسین بٹالوی نے اشتہار شائع کیا اور اس میں بیس رکعت تراویح کو بدعت قرار دیا تو میاں نذیر حسین دہلویؒ کے شاگرد رشید اور مولانا محمد عبد اللہ غزنویؒ کے مرید خاص مشہور غیر مقلد عالم مولانا غلام رسول صاحب (قلعہ میاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ) نے بٹالوی صاحب کو غالی مولوی قرار دیتے

ہوئے ان کا رد لکھا۔ فرماتے ہیں:

''لہٰذا ہم چند ثقہ روایتیں پیش کرتے ہیں۔ ان سے آنحضرت ﷺ کی سنت پر بھی عمل ہوتا ہے اور خلفاء راشدینؓ کی سنت پر بھی اور اس میں اجر بھی زیادہ ہے۔'' (رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع ص۲۳) ''عہد فاروقی سے لے کر اس وقت تک صحابہ کرام، تابعین، ائمہ اربعہ اور مشرق و مغرب کے مسلمانوں کے سواد اعظم کے عمل سے تئیس رکعات پڑھی جاتی ہیں۔'' (ایضاً ص۲۸)

قلاز یانہ عبرت: غیر مقلدین کے مذکورہ اختلاف مذاہب سے یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ آج تک اندرون خانہ تراویح کی شرعی حیثیت اور اس کی رکعات کی مسنون پوزیشن پر بھی کوئی متفقہ اور مسلمہ رائے قائم نہیں کر سکے اور اس بارے میں مختلف و متضاد نظریات کے معجون مرکب کی بنیاد پر انہوں نے صرف احناف کے خلاف ایک متوازی و مقابل محاذ قائم کر رکھا ہے ورنہ مسئلہ کی متفقہ اور مسلمہ حیثیت سے وہ بھی باخبر ہیں۔ خدا تعالیٰ انہیں احناف دشمنی کے مہلک و خطرناک مرض سے نجات عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ　　　کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

سوال نامہ

مذکورہ مذاہب غیر مقلدین کی روشنی میں عصر حاضر کے غیر مقلدین سے ہمارا سوال ہے کہ:

(۱) کیا واقعی تراویح بدعت ضلالت ہے؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اگر نہیں تو نواب صدیق حسن خان کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟

(۲) کیا واقعی تراویح سنت نہیں، بدعت حسنہ ہے؟ اگر نہیں تو مولوی عبد القادر حصاروی کے بارے میں کتابچہ کب شائع ہوگا؟

(۳) کیا واقعی تراویح نفلی واختیاری عبادت ہے جسے بلاعذر ترک کرنے میں کوئی گناہ نہیں؟

(۴) کیا واقعی سنت کے مطابق تہجد و تراویح ایک ہی نماز ہے؟ اگر ایک ہی ہے تو نواب صدیق حسن، میاں نذیر حسین، نواب وحید الزمان اور مولانا امرتسری کے خلاف اشتہار کب شائع ہوگا جو دونوں کو الگ الگ قرار دیتے تھے؟

(۵) کیا واقعی قیام رمضان، تراویح سے الگ کوئی نماز ہے؟ اگر الگ نماز ہے تو اس کی رکعات کتنی ہیں؟

(۶) کیا واقعی نماز تراویح باجماعت کے بغیر جائز نہیں؟ اگر کوئی پڑھ لے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ تراویح ادا ہوگی

یا نہیں؟

(۷) کیا واقعی تہجد اور تراویح کی الگ الگ گیارہ رکعات ہیں؟ اگر ہیں تو سنت کی روشنی میں ان کی ترتیب کیا ہوگی؟

(۸) تراویح اول شب پڑھنی افضل ہے یا آخر شب؟ سنت نبوی کی روشنی میں وضاحت فرمائیے۔

(۹) تراویح گھر میں پڑھنی افضل ہے یا مسجد میں؟ اور جو گھر میں پڑھنے کو افضل قرار دیتے ہیں، ان پر کیا فتویٰ ہوگا؟

(۱۰) کیا واقعی تراویح کی رکعات متعین نہیں؟ اگر متعین ہیں تو ۹، ۱۱، ۱۳، ۲۰، ۴۰ تراویح پڑھنے کی اجازت دینے والوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر رکعات متعین نہیں ہیں تو آٹھ اور بیس کا جھگڑا کرنے کے مقاصد کیا ہیں؟

(۱۱) کیا واقعی تراویح کی گیارہ رکعات مسنون اور باقی بدعت ہیں؟ اگر بدعت ہیں تو پڑھنے والوں کا کیا حکم ہے؟ فتویٰ دینے سے قبل گزشتہ اوراق میں ان کی فہرست ضرور ملاحظہ فرمالیجیے۔ اور اگر بدعت نہیں تو انہیں بدعت قرار دینے والوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۱۲) کیا واقعی تراویح کی گیارہ رکعات مسنون اور باقی مستحسن ہیں؟ اگر مستحسن ہیں تو پڑھنے والوں کے خلاف مناظرہ بازی اور اشتہار بازی کا سلسلہ کیوں؟ کیا مستحسن عمل سے کسی کو روکنا جائز ہے؟

(۱۳) کیا واقعی بیس رکعات سنت خلفاء راشدینؓ نہیں؟ اگر نہیں تو مفتی اعظم سعودیہ شیخ ابن باز پر کیوں فتویٰ جاری نہیں ہوتا جو بیس رکعات کو سنت خلفاء راشدینؓ قرار دیتے ہیں؟

(۱۴) کیا واقعی غیر مقلدین کی مساجد میں احناف کو اپنی بیس رکعات تراویح اپنے امام کی اقتدا میں پوری کرنے سے روکنا گناہ ہے؟ اگر نہیں تو سردار اہل حدیث مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے بارے میں کیا رائے ہے؟

(۱۵) کیا واقعی غیر مقلدین کو اہل سنت کی مساجد میں سنی امام کے پیچھے بیس رکعات پوری کرنا ضروری ہیں؟ اگر نہیں تو الشیخ بن بازؒ پر کب فتویٰ جاری ہوگا جو اسے سنت قرار دیتے ہیں؟

اپنے ناقص علم ومطالعہ کی بنیاد پر ہم نے مستند کتب کے حوالے سے مسئلہ تراویح کے جملہ پہلوؤں پر مدلل بحث قارئین کے سامنے پیش کر دی ہے اور غیر مقلدین کے اس بارے میں متضاد نظریات بھی تحریر کر دیے ہیں تاکہ مسئلہ تراویح کو اس کی پوری حقیقت کے ساتھ سمجھنے میں آسانی رہے۔ خدا تعالیٰ اسے عمومی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

خاک پائے احناف وننگ اسلاف

عبدالحق خان بشیر

مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر کی

تالیفات

(۱) قادیانیت کے نشیب وفراز

(۲) سیرت وشہادت امام مظلوم سیدنا عثمان غنیؓ (زیرطبع)

(۳) شرعی پردہ۔آبرو کا ضامن یا آرزو کا دشمن؟ (زیرطبع)

(۴) تاریخ ومسلک علماء دیوبندؒ (زیرطبع)

(۵) برصغیر پاک وہند کے بزرگان دین کے
غیرمقلدین کی گہری سازش

(۶) عقائد ونظریات اہل سنت والجماعت (زیرطبع)

(۷) تنظیم فکرولی اللّٰہی اپنے افکار کے آئینے میں (زیرطبع)

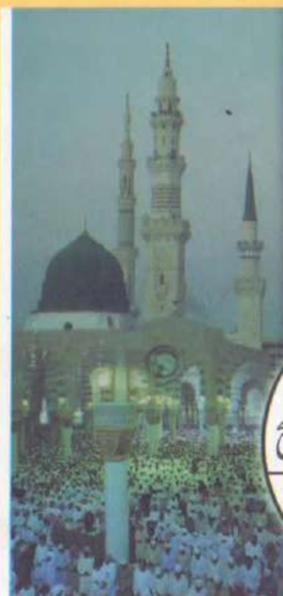
(۸) مولانا عطاء اللہ بندیالوی کے فریب وفراڈ

(۹) نماز تراویح اور مذاہب اہل حدیث

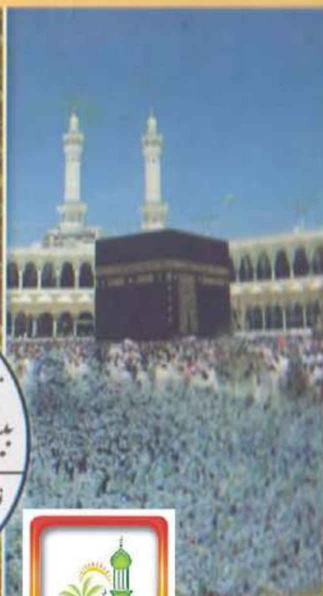
(۱۰) حرم نبوی سے کربلائے معلیٰ تک (زیرترتیب)

استقرالامر علی عشرین رکعۃ

مسنون تراویح







عرب وعجم کے تمام
مسلمانوں کا اتفاقی واجماعی مسئلہ

بیس رکعات تراویح

تعداد مسنون تراویح پر منصفانہ
اور محققانہ تبصرہ



تالیف: مولانا ابواحمد نور محمد قادری تونسوی

معاون: مولانا محمد احمد اللہ



مکتبہ عثمانیہ

ترنڈہ محمد پناہ
تحصیل لیاقت پور
03007809356

استقر الامر على عشرين ركعة

مسنون تراویح

وکیل احناف، استاذ العلماء، قدوۃ الصلحاء

مولانا ابواحمد نور محمد قادری تونسوی

معاون: مولانا محمد احمد اللہ



مکتبہ عثمانیہ

ترنڈہ محمد پناہ
تحصیل لیاقت پور
03007809356

نام کتاب.......................مسنون تراویح

نام مصنف.......................مولانا نور محمد تونسوی حفظہ اللہ

سن اشاعت.......................جولائی 2012

تعداد.......................1100

ناشر.......................مکتبہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ

ملنے کے پتے

مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ 87 جنوبی

سرگودھا 0321-6353540

مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ رائے ونڈ

مکتبہ الخیر نزد جامعہ خیر المدارس ملتان

قرآن محل ڈیرہ اسماعیل خان

مکتبہ جمال قاسمی سہراب گوٹھ کراچی

0334-3441039

دارالایمان زبیدہ سنٹر لاہور

رابطہ نمبر: 0321-4602218

مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

مکتبہ دار العلوم کبیر والہ

رعایتی کتب خانہ جامعہ مخزن العلوم خانپور

مکتبہ نوجوانان احناف یوسف آباد دلہ

زاک روڈ پشاور

0301-819223

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور



فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ و اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ ارسلہ بالھدی ودین الحق لیظھر علی الدین کلہ و کفی باللہ شھیدا ارسلہ بین یدی الساعۃ بشیرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا فھدی بہ من الضلالۃ بصر بہ من العمی وارشد بہ من الغیی وفتح بہ اعینا عمیا واذانا صما وقلوبا غلفا فبلغ الرسالۃ وادی الامانۃ ونصح الامۃ وجاھد فی اللہ حق جھادہ وعبد ربہ حتی اتاہ الیقین من ربہ صلی اللہ تعالی علیہ وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وبناتہ واتباعہ وسلم تسلیما کثیرا۔ ففرق بین الحق والباطل والھدی والضلال والرشاد والغیی وطریق اھل الجنۃ واھل النار وبین اولیائہ واعدائہ۔

امابعد بندہ عاجز ابو احمد نور محمد قادری تونسوی اپنے دینی، مذہبی اور مسلکی بھائیوں کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ سپاہ فقہاء پاکستان العالمی کی طرف سے مسئلہ تراویح کے متعلق ایک چیلنج جو تقریباً چار صفحات پر مشتمل تھا، شائع ہوا۔ سرورق پر درج تھا تراویح" بیس رکعات ہی سنت ہے" پھر اس کے نیچے ان الفاظ میں چیلنج دیا گیا کہ ہماری پیش کردہ احادیث وآثار کو قرآن وحدیث کے صریح حوالہ سے ضعیف ثابت کرنے والے کو =/50،00000 پچاس لاکھ نقد انعام۔ اور اس کے نیچے لکھا ہے ناشر سپاہ فقہاء پاکستان العالمی اب آپ سب سے پہلے اس چیلنج کے مضمون کو لفظاً بلفظ پڑھیے کہ اس میں کیا لکھا ہے۔

چیلنج کا مضمون:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ برادرانِ اسلام! اسلام ایک عالمگیر مذہب اور مکمل ضابطہ حیات ہے یہ زندگی کے ہر پہلو پر انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔ عقائد، عبادات، معاملات

معاشرت وغیرہ تمام پہلوؤں کی اس میں وضاحت موجود ہے۔ اسلام میں ایک اہم رکن نماز ہے جو روزانہ پانچ مرتبہ پڑھی جاتی ہے قرآن واحادیث میں اس رکن کی بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے فقہاء اسلام نے قرآن وحدیث کو آسان الفاظ میں سمجھادیا۔

o نیکیوں کا سیزن رمضان المبارک ہے اس میں انسان جو نیکی کر سکتا ہے اس میں سستی نہ کرنی چاہیے۔

o رمضان شریف میں روزہ اور نماز تراویح کو بہت زیادہ اہمیت ہے کیونکہ غیر رمضان میں دونوں چیزیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔ نماز تراویح بیس رکعات ہی سنت رسول اللہ ہے دور صحابہ وتابعین میں اولیاء اللہ سارے بیس رکعات تراویح ادا فرماتے تھے اور آج تک حرم مکہ مکرمہ اور حرم نبوی میں نماز تراویح بیس رکعات پڑھی جاتی ہے اور یہی امت کی نجات کا راستہ ہے کیونکہ تراویح کے ہر سجدہ پر 1500 نیکیوں کا وعدہ ہے۔ الحدیث

o لیکن کچھ لوگ عرصے سے غیر مقلدین (نام نہاد اہلحدیث) نے امت میں فتنہ ڈالنا شروع کیا ہے کہ تراویح آٹھ رکعات ہے اور ان کا یہ دعویٰ بالکل باطل ہے اگر غیر مقلدین اپنے اس دعویٰ کو قرآن یا حدیث صحیح صریح سے ثابت کردیں کہ جس کتاب کا لکھنے والا نہ مجتہد ہو اور نہ مقلد ہم غیر مقلدین کو فی حدیث =/50,00000 پچاس لاکھ نقد انعام دیں گے

بیس تراویح کے دلائل:

1: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ.

ابن ابی شیبہ ج2 ص294 طبرانی ج11 ص393، مسند عبد بن حمید ص218

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعات اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

2: عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ فَصَلَّى النَّاسَ اَرْبَعَةً عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَاَوْتَرَ بِثَلَاثَةٍ.

تاریخ جرجان لابی قاسم ص275

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں ایک رات باہر تشریف لائے اور صحابہ کو چوبیس رکعتیں (یعنی چار عشاء کی اور بیس تراویح کی) پڑھائیں اور تین وتر پڑھائے۔

نوٹ: نماز تہجد اور تراویح میں فرق ہے غیر مقلدین کی باتوں سے دھوکہ نہ کھائیں کیونکہ تہجد سارا سال پڑھی جاتی ہے اور تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے۔

3: عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ جَمَعَ النَّاسَ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَكَانَ يُصَلِّي بِهِمْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً.

ابوداؤد ج1 ص202 بحوالہ سیر اعلام النبلاء ج1 ص400، ابن منیع کذا فی کنز العمال ج8 ص409، ابن ابی شیبہ ج2 ص393، موطا ج1 ص98، بیہقی ج2 ص 496، مختصر قیام اللیل ص157، معرفۃ السنن والآثار ج4 ص42، ارشیف ملتقی اہل التفسیر باب عدد رکعات التراویح منذ عہد الصحابۃ جز1 ص1694 فتاویٰ الشیخ ابن جبرین باب فتاویٰ رمضانیہ جز24 ص7، موسوعہ الدین النصیحہ باب فتاوی رمضان ونوازل الصیام والقیام جز4 ص88

ترجمہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کر دیا وہ ان کو بیس رکعات پڑھاتے تھے۔

نوٹ: امام احمد فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود بھی جماعت کے ساتھ تراویح پڑھتے تھے۔

المغنی لابن قدامہ ج2 ص168

4: ابو عبدالرحمٰن فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاریوں کو بیس رکعات تروایح پڑھانے کا حکم دیا۔

ابن ابی شیبہ ج2 ص393، بیہقی ج2 ص496

نوٹ: امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت جابر، حضرت علی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم تراویح جماعت کے ساتھ پڑھا کرتے ہیں۔

المغنی ج2 ص168

5: امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔

مختصر قیام اللیل ترمذی ص157

6: فقہاء اسلام امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ بھی بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے اور ان کا مذہب بیس رکعات تراویح کا ہے۔

غیر مقلدین سے سوالات:

1. کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا رمضان تراویح پڑھی ہے؟
2. کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ باجماعت تراویح پڑھائی ہے؟
3. کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا رمضان مسجد میں تراویح پڑھائی ہے؟
4. کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح میں پورا قرآن ختم کیا یا حکم دیا؟
5. کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باجماعت تراویح کا حکم دیا ہے؟
6. کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو رکعت تراویح کا حکم دیا ہے؟

نوٹ: واضح حدیث سے جواب دیں۔

❖ ان میں سے اکثر حوالہ جات کتاب "حدیث اور اہلحدیث" سے نقل کئے گئے ہیں۔ یہ ہے چیلنج کا مضمون اور متن متین جو بلفظہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔

غیر مقلدین کا رد عمل:

یہ مذکورہ بالا چیلنج مشتمل بر چار صفحات چلتا پھرتا لیاقت پور پہنچا۔ تو وہاں غیر مقلدین کی مرکزی جامع مسجد کے خطیب حافظ محمد اسلم جو کہ مدینہ یونیورسٹی کے فاضل اور ایم۔ اے اسلامیات بھی ہیں انہوں نے اس چیلنج کے خلاف ایک رسالہ تصنیف کیا جس کا نام "تعداد مسنون تراویح" تجویز کیا۔

حافظ محمد اسلم غیر مقلد کا یہ رسالہ 16 صفحات پر مشتمل ہے اس رسالہ میں انہوں نے بزعم خویش بیس رکعات تراویح کی احادیث کو ضعیف بنانے کی کوشش کی ہے اور آٹھ رکعات تراویح کے دلائل دیے ہیں اور دعویٰ کیا ہے کہ تہجد اور تراویح ایک نماز کے دو نام ہیں یعنی جو نماز سارا سال تہجد کے نام سے رات کے آخری حصہ میں ادا کی جاتی ہے۔

وہ نماز رمضان المبارک کے مہینے میں تراویح بن جاتی ہے یعنی تراویح کوئی مستقل علیحدہ نماز نہیں ہے بلکہ تہجد اور تراویح دونوں ایک چیز ہیں حالانکہ اصول کے مطابق غیر مقلدین کو چاہیے تھا کہ اس چیلنج کا جواب یوں دیتے کہ ایک حدیث چیلنج کی شرائط کے مطابق پیش کرتے اور پچاس لاکھ کا انعام حاصل کرتے۔ یعنی حدیث کی کسی ایسی کتاب سے اپنا آٹھ تراویح والا دعویٰ ثابت کر دیتے جس کا لکھنے والا نہ مجتہد ہو اور نہ مقلد، پس غیر مقلدین کو شرائط کے مطابق حدیث دکھا کر پچاس لاکھ کا مطالبہ زیب دیتا تھا نہ کہ 4 صفحات پر مشتمل چیلنج کا جواب 16 صفحات پر مشتمل رسالہ کے ساتھ اپنے فریق کو لاجواب کرتے انعام حاصل کرنے کے آسان طریقہ کار کو چھوڑ کر بے اصولی اور بے راہ روی اختیار کرنا، صرف اور صرف غیر مقلدین ہی کو زیب دیتا ہے۔

باقی رہا غیر مقلدین کا یہ خدشہ کہ چیلنج دینے والے کا نام اور پتہ درج نہیں اگر ہم شرائط کے مطابق آٹھ تراویح والی حدیث دکھا بھی دیں تو ہمیں انعام کون دے گا؟

تو میں گزارش کروں گا کہ یہ چیلنج آپ کے اشتہاروں، رسالوں اور چیلنجوں کی طرز پر ہے گمنام اشتہاروں اور دعووں کے موجد تم خود ہو لہٰذا ایسے طرز بیان سے آپ کا ناراض ہونا خود غلط ہے اگر یہ طریقہ غلط ہے تو غیر مقلدین نے اس کو کیوں اپنا رکھا ہے آئے دن تمہارے گمنام اور لا پتہ اشتہار اور چیلنج شائع ہو رہے ہیں بلکہ غیر مقلدین کی مساجد اور مدارس کی دیواروں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ پس اگر یہ غلط ہے تو اس غلط کے بانی اور پہل کرنے والے تم خود ہو معاف رکھنا اپنے طرز عمل پر خفا کیوں ہوتے ہو لیکن اس کے باوجود بندہ عاجز تمام غیر مقلدین کو یقین دہانی کراتا ہے کہ آپ چیلنج کی شرائط کے مطابق اپنی آٹھ تراویح والا دعویٰ کسی ایک صحیح صریح حدیث سے ثابت کر دیں انعام کی فکر نہ کریں اہل السنت والجماعت کے ہر ایک فرد اور ملت حنفیہ کا بچہ بچہ آپ کے انعام کا ذمہ دار ہے جب بھی آپ حدیث دکھائیں گے تو انعام آپ کو ضرور مل جائے گا لیکن شرائط کے مطابق حدیث تلاش کرنا اور پھر اس کو پیش کرنا دنیائے غیر مقلدیت کے بس کی بات نہیں۔ حدیث تو بڑی بات ہے دنیا میں تو حدیث کی ایسی کتاب کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے جس کا مولف نہ مجتہد اور نہ مقلد جب ایسی کتاب کا وجود نہیں تو حدیث کہاں سے تلاش کی جائے گی۔

اگر غیر مقلدین کو یہ اعتراض ہے کہ یہ شرط صحیح نہیں ہے تو گزارش یہ ہے کہ یہ شرط بھی غیر مقلدین کے اصول کے عین مطابق ہے کیونکہ غیر مقلدین کے نزدیک ائمہ مجتہدین کی تقلید، حرام بلکہ شرک ہے اور ائمہ مجتہدین کے مقلدین مشرک ہیں معاذ اللہ۔

پس اگر غیر مقلدین کسی مجتہد کی کتاب سے حدیث دکھائیں گے تو بقول خود حرام اور شرک کا ارتکاب لازم آئے گا اور کسی مقلد کی کتاب سے حدیث دکھائیں گے تو مشرک کی بات پر اعتماد کرنا پڑے گا جب کہ مشرکین نا قابل اعتماد ہیں لہٰذا یہ شرط غیر مقلدین کے اصول کے بالکل مطابق اور صحیح ہے اس شرط کو غلط کہنا خود اپنے مسلک کو غلط کہنے کے مترادف ہے۔

ہاں! غیر مقلدین اگر اس شرط سے اپنی جان چھڑانا چاہتے ہیں تو اپنے فتوے سے رجوع کریں یعنی ائمہ مجتہدین کی تقلید اور اتباع کو حرام اور شرک کہنا بھی چھوڑ دیں اور مقلدین کو مشرک کہنا بھی چھوڑ دیں پھر تو یہ شرط واقعی صحیح نہیں ہے لیکن غیر مقلدین جب تک اپنا فتوی واپس نہیں لیتے یہ شرط بالکل ان کے اصول کے عین مطابق ہے اور ان پر لازم ہے کہ آٹھ تراویح کی حدیث کسی ایسی کتاب سے دکھائیں جس کا مولف نہ مجتہد ہو اور نہ مقلد بلکہ غیر مقلدین پر فرض اور واجب ہے کہ اپنا ہر عقیدہ اور ہر عمل اسی شرائط کے مطابق حدیثوں سے ثابت کریں کیونکہ ائمہ مجتہدین کو برا کہنا ان کے مقلدین کو مشرک ٹھہرانا پھر ان کی لکھی ہوئی کتابوں سے حدیثیں پیش کرنا اور استدلال کرنا پرلے درجے کی ناانصافی اور زیادتی ہے ۔

لہٰذا سپاہ فقہاء کے چیلنج میں موجود شرط خود غیر مقلدین کی اپنی لائی ہوئی بلا ہے جس سے گلو خلاصی غیر مقلدین سے ناممکن ہے بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ غیر مقلد حافظ محمد اسلم صحیح شرائط کے مطابق چیلنج کا جواب دے کر پچاس لاکھ کا انعام حاصل نہ کر سکا۔ لیکن 16 صفحات پر مشتمل ایک رسالہ بنام " تعداد مسنون تراویح "لکھ کر چیلنج کا برائے نام جواب دینے کی کوشش کی، لیکن اس برائے نام جواب دینے میں بھی غیر مقلد نے غلط بیانیوں سے کام لیا اور خلاف واقعہ باتیں لکھیں حالانکہ غلط بیانی کرنا اور خلاف واقعہ باتیں لکھنا اہل علم کا شیوہ نہیں ہے۔

اب بندہ عاجز آپ کی خدمت میں وہ غلط بیانیاں پیش کرتا ہے جو کہ غیر مقلد کے قلم سے سرزد ہوئیں۔

کیا تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے ؟:

غیر مقلد کی پہلی غلط بیانی کہ نماز تراویح اور نماز تہجد ایک نماز ہے حافظ محمد اسلم غیر مقلد نے اپنے رسالے میں یہ دعویٰ متعدد مقامات پر دہرایا ہے کہ نماز تراویح اور نماز تہجد ایک نماز ہے حالانکہ یہ ان کی محض غلط بیانی ہے اور بے بنیاد دعویٰ ہے جس کی دلیل نہ تو کتاب

اللہ میں ہے اور نہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہیں نہیں فرمایا کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ "تراویح" اور "تہجد" ایک نماز ہے۔ کسی صحابی، تابعی اور تبع تابعی سے بھی یہ ثابت نہیں کہ اس نے کہا ہو کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے الغرض خیر القرون سے غیر مقلد کا یہ دعویٰ قطعاً ثابت نہیں ہے بلکہ کسی فقیہ، محدث اور مفسر نے آج تک یہ دعویٰ نہیں کیا کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے۔

اگر حافظ محمد اسلم غیر مقلد کے پاس اپنے اس دعویٰ کی کوئی دلیل کتاب وسنت سے ہوتی تو وہ اس کو بیان کرتا۔ لیکن آپ اس کے پورے رسالے کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں آپ کو قرآن مجید کی ایک آیت نہیں ملے گی جس میں کہا گیا ہو کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے اور نہ ہی ایک حدیث ملے گی جس میں کہا گیا ہو کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے اب آپ ایک طرف غیر مقلدین کے تقریروں اور تحریروں میں ببانگ دہل یہ دعوے اور نعرے سماعت فرماتے ہیں کہ "اہلحدیث (غیر مقلدین) کے دو اصول قال اللہ قال الرسول" اور دوسری طرف ان کے بے بنیاد اور جھوٹے دعوے کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے جو کہ نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے بلکہ قرآن وحدیث کی بیسیوں تصریحات موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نماز ہے۔

نمازِ تراویح اور نمازِ تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں:

1. تراویح کو فقہاء محدثین "قیامِ رمضان" کہتے ہیں جبکہ تہجد کا نام "قیام اللیل" ہے۔
2. تراویح کی نماز مدینہ منورہ میں شروع ہوئی جبکہ تہجد کی نماز مکہ مکرمہ سے جاری وساری ہوئی۔
3. تراویح ابتداء سے سنت کی حیثیت سے رائج ہوئی ہے جبکہ تہجد ابتداء فرض تھی پھر منسوخ ہو کر نفل بنی۔

4. تراویح کا ثبوت حدیث نبوی سے ہے جبکہ نماز تہجد قرآن مجید سے ثابت ہے۔
5. تراویح کی نماز اجتماعی ہے جبکہ تہجد کی نماز انفرادی ہے۔
6. تراویح رمضان المبارک کی مخصوص نماز ہے جبکہ تہجد سارے سال کی عام نماز ہے، رمضان ہو یا غیر رمضان۔
7. تراویح کا افضل وقت عشاء کے بعد سونے سے پہلے جبکہ تہجد سونے کے بعد پڑھی جاتی ہے۔
8. تراویح اول شب میں ادا کی جاتی ہے جبکہ تہجد کا افضل وقت رات کا آخری حصہ ہے۔
9. تراویح کی نماز دو دو رکعات کر کے پڑھی جاتی ہے جبکہ تہجد چار چار رکعات پڑھنا ثابت ہے۔
10. تراویح میں تداعی (بلانا) ہے جبکہ نماز تہجد میں تداعی نہیں ہے۔
11. نماز تراویح کے متعلق آپ کو خطرہ تھا کہ شاید فرض ہو جائے اسی لیے آپ نے جماعت کی پابندی نہیں کی جبکہ نماز تہجد کے بارے میں فرضیت کا کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ ایک دفعہ اس کی فرضیت منسوخ ہو چکی تھی لہٰذا کوئی خطرہ نہ تھا۔
12. تراویح کی نماز کو مسجد میں ادا کرنا افضل ہے جب کہ نماز تہجد گھر میں ادا کی جانے والی نماز ہے۔
13. بہت سے محدثین نے تراویح و تہجد کے ابواب کو یوں علیحدہ بیان کیا ہے کہ نماز تراویح کو محدثین "قیام رمضان" میں بیان کیا ہے جبکہ تہجد کو "قیام اللیل" میں بیان کیا ہے۔
14. تراویح کی نماز میں محنت و مشقت زیادہ ہے جبکہ تہجد میں اتنی محنت نہیں ہے۔
15. تراویح کی نماز ساری رات پڑھی جا سکتی ہے جبکہ تہجد کچھ دیر سو لینے کے بعد پڑھی جاتی ہے۔
16. تراویح سنت موکدہ ہے جبکہ تہجد نفل ہے۔
17. تراویح کی نماز باجماع صحابہ بیس رکعات ہے جبکہ تہجد کی نماز اکثر آٹھ رکعات ہے بعض اوقات کم و بیش پڑھنا بھی ثابت ہے۔
18. تراویح کا اطلاق نماز تہجد پر درست نہیں ہے کیونکہ تراویح جمع ہے "ترویحہ" کی اور ترویحہ کا لغوی معنی ہے سکون و اطمینان کرنا چونکہ نماز تراویح میں ہر چار رکعات کے بعد

"ترویحہ "یعنی سکون اور اطمینان کیا جاتا ہے اس لیے اس کو "نماز تراویح" کہا جاتا ہے کیونکہ بیس رکعات تراویح میں پانچ ترویحے بن جاتے ہیں لہٰذا بیس رکعات کو تراویح کہنا درست ہے جبکہ تہجد کی آٹھ رکعات ہیں جس میں دو ترویحے بنتے ہیں لہٰذا وہ " ترویحتین "تو بن سکتی ہے، "تراویح" نہیں۔

19. حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ بخاری وغیرہ کتب حدیث میں موجود ہے کہ جب انہوں نے تراویح کی جماعت کو دیکھا تو فرمایا وَالَّتِي يَنَامُونَ أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي يَقُومُونَ يُرِيدُ آخِرَ اللَّيْلِ۔ یعنی تراویح کی یہ نماز جو آپ لوگ رات کے اول حصہ میں پڑھ رہے ہو بہت اچھا عمل ہے لیکن رات کے آخری حصہ میں پڑھی جانے والی نماز تہجد وہ اس سے افضل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد لوگوں کو تراویح کی نماز کے ساتھ ساتھ نماز تہجد کی ترغیب دینا تھا کہ جس طرح تم لوگ اول شب میں تراویح پڑھتے ہو اس طرح آخر شب میں تہجد بھی پڑھا کرو۔

20. امام مالک، حضرت ابو محمد اور شیخ ابو الحسن زیات رحمہم اللہ نماز تراویح کے بعد رات کے آخری حصہ میں تہجد پڑھا کرتے تھے۔

المدخل لابن الحاج ج 2 ص 299

21. امام بخاری کا معمول تھا کہ رمضان المبارک میں رات کے ابتدائی حصہ میں اپنے شاگردوں دے ساتھ باجماعت نماز تراویح ادا کرتے تھے اور ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے اور ہر رکعت میں بیس آیات پڑھتے تھے اور سحری کے وقت تہجد اکیلے پڑھتے تھے اور ہر تیسرے دن ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے۔

الھدی الساری مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۳۵۲۔ تاریخ بغداد۔

فرقہ غیر مقلدین کے بانی مبانی میاں نذیر حسین دہلوی بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے۔

(الحیاۃ بعد المات)

22. تراویح اور تہجد کے میں اتنے سارے فروق کو سامنے رکھ کر ان دونوں نمازوں کے ناموں کا اختلاف خود ان کے علیحدہ علیحدہ نماز ہونے کی دلیل ہے کہ ایک کا نام "تراویح" ہے جبکہ دوسری کا نام تہجد ہے ایسے حالات میں اختلافِ نام ہی اختلافِ ذات کی دلیل ہے۔

23. دین اسلام میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ دو چیزوں کے نام بھی مختلف ہوں اور ذات و صفات کا بھی اختلاف ہو اور اوقات و حالات کا بھی اختلاف ہو اور اس کے باوجود وہ دونوں ایک چیز ہوں پس ایسی نظیر کا نہ ملنا ان کے فرق کی دلیل ہے۔

24. حافظ محمد اسلم غیر مقلد لکھتے ہیں: نماز تہجد تو رسول اللہ پر فرض تھی اور امت کے لیے سنت ہے۔

تعداد مسنون تراویح ص14

غیر مقلدین نے تہجد تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرض قرار دی لیکن تراویح کے متعلق یہ وضاحت نہ کی کہ وہ آپ کے لیے فرض ہے یہ سنت؟ اگر غیر مقلدین کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح؛ تہجد کی طرح فرض تھی تو قرآن و حدیث سے دلیل پیش کی جائے اور اگر تراویح آپ کے لیے سنت تھی تو لازم آئے گا کہ ایک ہی نماز فرض بھی ہے اور سنت بھی۔ لہذا خود غیر مقلدین کے طرز عمل سے معلوم ہو گیا ہے کہ تراویح اور تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ تراویح "سنت" ہے جبکہ تہجد "فرض" ہے۔ ایک ہی نماز پر فرض و سنت دونوں کا اطلاق درست نہیں ہے۔

25. فقہ حنبلی کی مشہور کتاب "المبدع شرح المقنع" میں ہے: ثم التراویح وهي عشرون رکعة يقوم بها في رمضان في جماعة ويوتر بعدها في الجماعة فان كان له تهجد جعل الوتر بعده.

المبدع شرح المقنع باب صلوۃ التطوع ج2 ص21

ترجمہ: یعنی پھر تراویح بیس رکعات ہے اس کو رمضان میں باجماعت ادا کرے اور اس کے بعد وتر باجماعت پڑھے پس اگر اس کو رات کے آخری حصہ میں تہجد پڑھنی ہے تو وتر اس کے بعد پڑھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ بھی تہجد اور تراویح کو الگ الگ سمجھتے تھے۔

26. الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان میں ایک عنوان ہے فصل فی التراویح اس کے بعد دوسرا عنوان ہے فصل فی صلوۃ اللیل جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نمازیں ہیں۔

27. مسلم شریف میں ہے: عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ فَجِئْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ وَجَاءَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَامَ أَيْضًا حَتّٰى كُنَّا رَهْطًا فَلَمَّا حَسَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّا خَلْفَهُ جَعَلَ يَتَجَوَّزُ فِي الصَّلَاةِ ثُمَّ دَخَلَ رَحْلَهُ فَصَلّٰى صَلَاةً لَا يُصَلِّيهَا عِنْدَنَا۔

مسلم ج2 ص755

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کی کسی رات ایک نماز باجماعت پڑھائی راوی کہتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ساتھ کھڑا ہو گیا اور ایک دوسرا شخص آیا وہ بھی کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ ہم ایک جماعت بن گئے جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ ہم آپ کے پیچھے ہیں تو نماز کو مختصر کرنے لگے اس کے بعد گھر تشریف لے گئے اور ایک اور نماز پڑھی جو ہمارے ساتھ (جماعت کے ساتھ) نہ پڑھی تھی۔

ظاہر ہے کہ پہلی نماز تراویح تھی اور دوسری نماز تہجد تھی جس سے معلوم ہوتا کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نماز ہے۔

انکارِ تراویح کی ایک انوکھی صورت:

کسی چیز کے انکار کی عموماً دو صورتیں رائج ہیں ایک یہ کہ کھلم کھلا اور برملا اس چیز کے وجود کا انکار کر دیا جائے جس طرح کہ روافض نماز تراویح کے وجود کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تراویح نام کی کوئی نماز ہی نہیں ہے اور دوسرا طریقہ ہے کہ اس چیز کے نام کو برقرار رکھ کر اس کے شرعی مفہوم و مصداق کو تبدیل کر دیا جائے جس کو فقہاء کی اصطلاح میں "زندقہ" بھی کہا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ جنات اللہ تعالیٰ کی کوئی مستقل مخلوق نہیں ہے بلکہ جنگلوں اور پہاڑوں میں بسنے والوں انسانوں کو "جنات" کہا گیا ہے کہ کیونکہ یہ لوگ عموماً شہروں اور آبادیوں سے چھپے رہتے ہیں لہٰذا یہی جن ہیں لیکن ہمارے علماء نے اس کو "جنات" کے وجود کے انکار کی ایک انوکھی صورت قرار دیا ہے اس طرح ایک شخص کہتا ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مستقل علیحدہ طور پر مخلوق نہیں ہے بلکہ روحانی قوت کو "ملائکہ" کہا گیا ہے ہمارے علماء اس کو وجودِ ملائکہ کے انکار کی ایک انوکھی صورت قرار دیا ہے۔

اس طرح اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ "شیطان" اللہ تعالیٰ کی کوئی مستقل علیحدہ طور پر مخلوق نہیں ہے بلکہ شیطان کا اطلاق نفس انسانی پر کیا گیا ہے یعنی شیطان اور نفس ایک چیز کے دو نام ہیں تو ہمارے علماء نے اس کو بھی انکار شیطان کی ایک انوکھی صورت قرار دیا ہے۔ اس طرح اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ جنت دوزخ کوئی مستقل مقام اور مستقل مخلوق نہیں ہے بلکہ جس شخص کی دنیاوی زندگی خوشحالی کے ساتھ گزر رہی ہے تو یہ اس کے لیے جنت و بہشت ہے ورنہ یہی دنیاوی زندگی اس کی دوزخ ہے۔ ہمارے علماء نے اس کو بھی انکارِ بہشت وانکارِ دوزخ کی ایک انوکھی صورت قرار دیا ہے اس طرح اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ عذابِ قبر برحق اور سچ ہے لیکن قبر زمین کے اس حصہ کو نہیں کہا جاتا جس میں مردہ دفن کیا جاتا ہے بلکہ قبر کا اطلاق روح

کے مقام پر ہوتا ہے اور وہی قبر ہے اور اسی میں حساب وکتاب اور اسی میں جزا و سزا دی جاتی ہے تو ہمارے علماء نے اس کو بھی انکارِ عذاب قبر کی ایک انوکھی صورت قرار دیا ہے۔

اس طرح غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ تراویح کوئی مستقل طور پر علیحدہ نماز نہیں ہے بلکہ سارا سال تہجد کے نام سے جو نماز پڑھی جاتی ہے رمضان المبارک کے مہینے میں اس کو تراویح کہا جاتا ہے گویا ایک ہی نماز ہے جس کے دو نام رکھے گئے ہیں ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ یہ انکارِ تراویح کی ایک انوکھی صورت ہے جس کو غیر مقلدین نے اپنایا ہے۔

غیر مقلد اور روافض:

ایسے کئی عقائد و مسائل ہیں جن میں غیر مقلد کا روافض سے الحاق ہو جاتا ہے مثلاً۔

1. غیر مقلدین؛ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معیارِ حق نہیں مانتے اور نہ ان کی بات کو حجت تسلیم کرتے ہیں اور یہی عقیدہ روافض کا بھی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معیارِ حق نہیں سمجھتے۔
2. غیر مقلدین؛ سلف صالحین کے حق میں بد ظنی اور بد گمانی کرتے ہوئے اخلاق سے گری ہوئی زبان استعمال کرتے ہیں اسی طرح روافض بھی سلف صالحین کے حق میں گندی زبان استعمال کرتے ہیں۔
3. غیر مقلدین؛ ائمہ دین و فقہاء اسلام اور ان کے پیروکاروں کو اپنے سب و شتم کا نشانہ بناتے ہیں جبکہ روافض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے پیروکاروں پر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے ہیں۔
4. غیر مقلدین؛ طلاق ثلاثہ کے قائل نہیں ہیں اور روافض بھی طلاق ثلاثہ کو نہیں مانتے
5. غیر مقلدین؛ اہل السنت والجماعت کے ساتھ بغض رکھتے ہیں اس طرح روافض بھی ان سے بغض و عناد رکھتے ہیں۔

6. غیر مقلدین؛ بیس تراویح کے منکر ہیں اور روافض بھی تراویح کے منکر ہیں۔

7. غیر مقلدین؛ نماز جنازہ جہراً با آواز بلند ادا کرتے ہیں اور روافض بھی نماز جنازہ جہر (اونچی آواز) سے پڑھتے ہیں۔

تہجد اور تراویح کو ایک نماز بنانے کی وجہ:

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس زمانے سے لے کر تیرہویں صدی کے اواخر تک تمام مسلمانانِ عالم تہجد اور تراویح کو دو الگ الگ نمازوں کی حیثیت سے دیکھتے، سمجھتے اور پڑھتے رہے کہ ہر ایک نماز کا وقت بھی جدا ہے تعداد بھی جدا ہے اور طریقہ ادا بھی جدا ہے اور بقیہ صفات و حالات بھی مختلف ہیں جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ تیرہویں صدی کے بعض غیر مقلدین نے حسب عادت اہل السنت والجماعت سے مسئلہ تراویح میں اختلاف کر کے راہ تفرد اختیار کی کہ تراویح بیس رکعات نہیں بلکہ آٹھ رکعات ہیں حالانکہ حرمین شریفین سمیت تمام بلاد اسلامیہ میں تمام مسلمان تیرہ سو سال سے بالاتفاق بیس رکعات پڑھتے چلے آ رہے ہیں اس طویل عرصے میں مسلمانوں کی کسی مسجد میں آٹھ رکعات تراویح عملاً نہیں پڑھی گئی۔ لیکن جب تیرہویں صدی کے اواخر میں بعض غیر مقلدین نے بیس رکعت مسنون تراویح کا انکار کر کے آٹھ تراویح کا مسئلہ گھڑا تو ان کو کوئی صحیح حدیث اپنے مدعٰی کو ثابت کرنے کے لیے نہ ملی تو مجبور ہو کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ تراویح کوئی مستقل علیحدہ نماز نہیں ہے بلکہ تہجد کی نماز کو رمضان المبارک کے ایک مہینے میں تراویح کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ صحیح حدیثوں میں تہجد کی نماز کی آٹھ رکعتیں ثابت ہیں۔ پس جب یہ دعویٰ کیا جائے گا کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے تو اس طریقہ کے تراویح کی آٹھ رکعتیں خود بخود ثابت ہو جائیں گی، یہ ہے وہ مجبوری جس کی وجہ سے غیر مقلدین نے نماز تراویح اور نماز تہجد کو ایک بنایا لیکن تفقہ فی الدین سے

محروم لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اس تحریف معنوی سے آٹھ تراویح کا ثبوت نہیں ہو گا بلکہ خود تراویح کے وجود کا انکار لازم آئے گا۔

یعنی غیر مقلدین نے تہجد کی آٹھ رکعات سے تراویح کے آٹھ رکعات کے ثبوت کی تو کوشش کی لیکن ان کی بے راہ روی سے خود تراویح کا وجود خطرے میں پڑ گیا بلکہ ناپید ہو گیا۔

تہجد و تراویح کو کس نے یکجان کیا اور کب کیا؟:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور سے لے کر 1290ھ تک تمام مسلمانان عالم تہجد و تراویح کو دو الگ نمازیں سمجھتے رہے اور الگ الگ کر کے پڑھتے رہے تہجد سارا سال رات کے آخری حصہ میں انفرادی طور پر ادا کی جاتی رہی جبکہ نماز تراویح بیس رکعات صرف رمضان المبارک میں رات کے اول حصہ باجماعت پڑھی جاتی رہی، لیکن تیرھویں صدی کے بالکل اواخر میں غیر مقلدین کے ایک عالم مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے تہجد اور تراویح کو یکجان بنا کر آٹھ رکعات تراویح کا فتویٰ جاری کیا۔

اس دور کے غیر مقلدین علماء نے بٹالوی صاحب کے اس فتویٰ کو مردود قرار دیا اور بٹالوی صاحب کو مبتدع اور غالی کہا لیکن بد قسمتی سے غیر مقلدین نے بٹالوی کی تقلید شخصی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال کر آٹھ رکعات تراویح پڑھنا شروع کر دی اور دو علیحدہ علیحدہ نمازوں کو خلط ملط کر کے ایک کہنا شروع کر دیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے رسالہ تراویح مولفہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب کا قلعہ میہان سنگھ گوجرانوالہ مع ترجمہ ینابیع از حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ شیخ الحدیث نصرت العلوم گوجرانوالہ۔

قارئین کرام! آپ نے تراویح اور تہجد کے کئی فرق بھی معلوم کر لے اور جس مجبوری کی وجہ سے تراویح اور تہجد کو ایک بنایا گیا وہ بھی آپ نے جان لی اور جس شخص نے سب سے پہلے تراویح اور تہجد کو یک جان آٹھ رکعات تراویح کا فتویٰ دیا اس شخصیت کو بھی آپ نے

جان لیا اور جس سنہ میں یہ فتویٰ جاری ہوا وہ بھی آپ نے معلوم کرلیا اور اس دور کے غیر مقلدین کا ردعمل اور اس دور کے غیر مقلدین کا طرز عمل بھی آپ نے جان لیا اور اب آپ کی خدمت میں یہ بات پیش کی جارہی ہے کہ دو الگ الگ نمازوں کو ایک بنانے سے صحیح صریح حدیثوں کی مخالفت لازم آتی ہیں۔

تہجد، تراویح اور صحیح احادیث کی مخالفت:

غیر مقلدین مجبور ہیں ان کو آٹھ رکعات تراویح کی کوئی صحیح اور صریح حدیث دستیاب نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کا کہیں وجود ہے تو انہوں نے مجبوراً نماز تہجد کو نماز تراویح کہنا شروع کردیا لیکن یہ نہ سوچا کہ تہجد کو تراویح بنانے سے کئی صحیح حدیثوں کی مخالفت لازم آتی ہے کیونکہ صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور نماز کی محنت بڑھ جاتی تھی۔ نماز سمیت تمام عبادات میں اضافہ ہو جاتا تھا آپ عبادات کے لیے کمربستہ ہو جاتے تھے بلکہ ساری رات جاگتے تھے اور بستر پر نہ آتے تھے مندرجہ ذیل احادیث کا بغور مطالعہ کیجئے۔

حدیث 1: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهُ وَأَحْيَا لَيْلَهُ وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ.

بخاری ج 1 ص 271، مسلم ج 1 ص 372، کنز العمال

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان کے آخری عشرہ میں آپ کمر ہمت کس لیتے تھے خود بھی ساری رات بیدار رہتے اور ازواج مطہرات کو بھی جگاتے۔

حدیث 2: قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ.

مسلم ج 1 ص 372

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں جو کوشش و محنت عبادت میں فرماتے وہ باقی بیس دنوں کے بھی زائد ہوتی تھی۔

حدیث 3: عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ شَدَّ مِئْزَرَهُ ثُمَّ لَمْ يَأْتِ فِرَاشَهُ حَتّٰى يَنْسَلِخَ۔

شعب الایمان للبیہقی ج3 ص310

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ محترمہ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں: جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کمر ہمت کس لیتے تھے اور اپنے بستر پر تشریف نہ لاتے یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا۔

حدیث 4: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ وَكَثُرَتْ صَلَاتُهُ وَابْتَهَلَ فِي الدُّعَاءِ وَأَشْفَقَ مِنْهُ۔

شعب الایمان ج3 ص310

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو رسول اللہ کا رنگ بدل جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ نماز پڑھتے۔ خوب گڑگڑا کر دعائیں مانگتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے۔

قارئین کرام! آپ مندرجہ بالا چاروں حدیثوں کو بغور پڑھیں اور بار بار پڑھیں جن کو روایت کرنے والی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں وہ فرماتی ہیں کہ پورے رمضان کے مہینے میں خصوصاً آخری عشرہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت میں محنت و کوشش بڑھ جاتی تھی۔ آپ نماز وغیرہ عبادات کے لیے کمربستہ ہو جاتے تھے۔ خود بھی جاگتے تھے اور اپنی ازواج مطہرات کو بھی جگاتے تھے آپ کی نمازیں زیادہ ہو جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ بستر پر

تشریف نہ لاتے تھے ظاہر ہے کہ جو نماز آپ کی زیادہ ہو جاتی تھی کثرت صلوتہ وہ تراویح کی نماز تھی۔ کیونکہ نماز تہجد تو رمضان ہو یا غیر رمضان وہ تو بقول سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا آٹھ رکعات سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ پس ثابت ہوا کہ رمضان کے مہینے میں جو نماز بڑھ جاتی تھی جس میں آپ زیادہ محنت کرتے تھے اور خود بھی جاگتے تھے اور اپنی ازواج مطہرات کو بھی جگاتے تھے حتی کہ بستر پر آرام بھی نہیں کرتے تھے وہ نماز تراویح ہے جو رمضان المبارک کی خاص نماز ہے نہ کہ نماز تہجد جو کہ حسب معمول ایک طرح سارا سال پڑھی جاتی تھی حتیٰ کے رمضان کہ مہینہ میں بھی اس میں اضافہ نہ ہوتا تھا۔

پس اگر غیر مقلدین کی منطق کے مطابق تہجد اور تراویح کو ایک نماز قرار دے دیا جائے تو ان چاروں احادیث کا انکار اور مخالفت لازم آتی ہے لہذا دو مختلف نمازوں کو ایک کہنا اور بنانا خود غلط ہے۔ ثابت ہوا کہ تراویح؛ رمضان المبارک کی مخصوص نماز ہے اور تہجد سارے سال کی عام نماز ہے دونوں کی رکعتیں، اوقات، کیفیت اور کمیت سب کچھ مختلف ہے۔ اتنے سارے اختلاف کے باوجود دونوں کو ایک قرار دینا۔ احداث فی الدین ہے۔

حافظ محمد اسلم غیر مقلد کی قیاس آرائی:

یہ بات واضح ہو گئی کہ تراویح اور تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں جن میں بیسیوں فرق ہیں لیکن غیر مقلد نے دعویٰ کیا کہ یہ دونوں ایک نماز کے نام ہیں اب اس دعویٰ پر دلیل کی ضرورت تھی غیر مقلد اپنے اصول کے مطابق قرآن وحدیث سے تو کوئی دلیل پیش نہ کر سکا لیکن اپنے قیاس فاسد سے اس دعویٰ کو یوں ثابت کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کی تین راتوں میں نماز تراویح باجماعت پڑھائی۔ رمضان المبارک کی تئیسویں کی رات کو تہائی رات تک اور پچیسویں کی رات کو آدھی رات تک اور ستائیسویں کی رات کو اتنی

لمبی نماز پڑھائی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو سحری کے فوت ہوجانے کا خطرہ لاحق ہوگیا۔

تعداد مسنون تراویح ملخصا

کیا تہجد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی؟:

اس کے بعد غیر مقلد لکھتے ہیں: تو نماز تہجد کا کیا بنا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کب ادا کی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کس وقت پڑھی؟ حالانکہ تہجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ نماز تراویح ہی نماز تہجد تھی۔

ایضا ص2

غیر مقلد کے قیاس کے دو مقدمے ہیں اور ایک نتیجہ ہے۔ پہلا مقدمہ یہ ہے کہ نماز تہجد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جن تین راتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح باجماعت پڑھائی اُن میں آپ نے تہجد نہیں پڑھی اس سے نتیجہ یہ نکالا کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے۔ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پڑھایا وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح بھی تھی اور تہجد بھی۔ اگر ان دونوں کو ایک نماز قرار نہ دیا جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تہجد والا فرض فوت ہوتا ہے۔ لہٰذا قیاس آرائی کر کے تراویح اور تہجد کو ایک نماز بنا کر اللہ کے نبی کو تہجد والے فریضہ سے سبکدوش کیا گیا ہے۔ یہ ہے غیر مقلد کا قیاس جس کے ذریعہ وہ تراویح اور تہجد کو یکجان کرنا چاہتے ہیں۔ ماشاءاللہ! غیر مقلد کے قیاس کے دونوں مقدمے بھی غلط ہیں اور نتیجہ بھی غلط۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی:

حافظ محمد اسلم کے لیے مقام افسوس ہے موصوف بے شک فاضل مدینہ یونیورسٹی ہیں اور ایم۔اے اسلامیات بھی اور اپنے مسلک کی مسجد کے خطیب بھی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ان میں قیاس کرنے کی اہلیت موجود ہے؟ کیا ان میں قیاس کے شرائط پائے

جاتے ہیں؟ کیا اس قیاس میں قیاس صحیح کی ساری شرائط موجود ہیں؟ کیا ان کا یہ قیاس کتاب وسنت سے مستنبط ہے؟ کیا حافظ صاحب اور ان کی جماعت کے نزدیک قیاس حجت شرعیہ ہے؟ غیر مقلدین تو قیاس کو کارِ شیطان (ابلیس مردود کا کام) سمجھتے ہیں۔ اگر یہ بات درست ہے تو حافظ صاحب نے کارِ شیطان کا ارتکاب کیوں کیا؟ اگر ائمہ کرام وفقہاءِ عظام قیاس کریں تو ناجائز اور غلط۔ جب غیر مقلدین قیاس کریں وہ صحیح اور درست! یہ کیوں؟ اور کتنے افسوس کا مقام ہے ایک طرف تو دھڑا دھڑ نعرے بازی ہو رہی ہے کہ اہلحدیث غیر مقلد کے دو اصول قال اللہ و قال الرسول اور دوسری طرف تراویح کو تہجد بنانے کے لیے قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں اہل السنت والجماعت سے تو قرآن وحدیث کا مطالبہ کرتے ہو اور خود قیاس پیش کرتے ہو؟ اسے کہتے ہیں۔

؎ شرم تم کو مگر نہیں آتی۔

اگر حافظ صاحب میں ہمت اور قوت ہے تو حدیث سے ثابت کریں کہ ان تین راتوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کے بعد اعلان فرمایا ہو کہ لوگو تراویح اور تہجد ایک نماز کے دو نام ہیں لہٰذا تمہیں اب تہجد پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ نے ایسا کوئی اعلان نہیں فرمایا بلکہ یقیناً نہیں فرمایا تو یہ غیر مقلدین کا نِرا قیاس ہے کہ تراویح اور تہجد ایک نماز کے دو نام ہیں اور اس کی اس قیاس آرائی پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

قیاس کا پہلا مقدمہ غلط:

غیر مقلد کے قیاس کا پہلا مقدمہ ہی غلط ہے کہ تہجد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی حافظ محمد اسلم غیر مقلد فاضل مدینہ یونیورسٹی نے یہ دعویٰ کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد فرض تھی لیکن اس کا دعوی قطعاً بے بنیاد ہے اور اس کی کوئی دلیل غیر مقلدین کے پاس نہیں ہے کہ تادم زیست آپ پر تہجد فرض رہی اگر اس دعویٰ پر ان کے پاس کوئی

دلیل ہوتی تو ضرور پیش کرتے اور یہ حقیقت ہے کہ غیر مقلدین کا یہ دعویٰ نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے۔ حالانکہ حدیث و تفسیر کی کتابوں سے یہ بات ثابت ہے کہ ابتداء اسلام میں جب سورۃ مزمل کا ابتدائی حصہ نازل ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر قیام اللیل یعنی تہجد کی نماز فرض کی گئی چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم راتوں کو اتنی لمبی تہجد پڑھتے تھے کہ ان کے قدموں پر ورم آجاتا تھا اور بہت بڑی مشقت اٹھانی پڑتی تھی۔

پس اللہ نے ایک سال یا کم و بیش کے بعد تخفیف فرمائی اور رعایت کر دی جس کا ذکر سورۃ مزمل کے آخری حصہ میں ہے اور اس عرصہ میں نماز پنجگانہ بھی فرض ہوئی جس کی وجہ سے نماز تہجد کی فرضیت کو منسوخ کر دیا گیا، پس اس کے بعد نماز تہجد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری امت کے لیے نفل کی حیثیت سے باقی رہی۔ اب دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

دلیل نمبر 1: أَنْبِئِينِي عَنْ قِيَامِ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ أَلَيْسَ تَقْرَأُ هٰذِهِ السُّورَةَ يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُلْتُ بَلَى قَالَتْ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ افْتَرَضَ قِيَامَ اللَّيْلِ فِي أَوَّلِ هٰذِهِ السُّورَةِ فَقَامَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ حَوْلًا حَتّٰى انْتَفَخَتْ أَقْدَامُهُمْ وَأَمْسَكَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ خَاتِمَتَهَا اثْنَيْ عَشَرَ شَهْرًا ثُمَّ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ التَّخْفِيفَ فِي آخِرِ هٰذِهِ السُّورَةِ فَصَارَ قِيَامُ اللَّيْلِ تَطَوُّعًا بَعْدَ أَنْ كَانَ فَرِيضَةً۔

مسلم ج1 ص256 نسائی ج1 ص182

ترجمہ: حضرت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے قیام کے متعلق بتا تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کیا تو یا ایھا المزمل نہیں پڑھتا، میں نے کہا کیوں نہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے اس سورۃ کے شروع میں قیام اللیل تہجد کو فرض کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک سال تک اس کی پابندی

رتے رہے سورۃ کا آخری حصہ اللہ تعالی نے بارہ مہینے تک آسمان میں روک رکھا سال بھر کے بعد آخری حصہ نازل ہوا جس میں قیام اللیل کی فرضیت منسوخ ہو کر تخفیف ہو گئی اور اس کے بعد قیام اللیل تہجد صرف نفل و مستحب رہ گیا۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا صاف لفظوں میں بتلا رہی ہیں کہ نماز تہجد ایک سال تک فرض رہی بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور تطوع یعنی نفل و مستحب کی حیثیت سے باقی رہی اور واضح رہے کہ یہ منسوخ ہونا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری امت کے حق میں ہے۔

نووی شرح مسلم کا حوالہ:

چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ شارح مسلم لکھتے ہیں۔ھذا ظاھر انه صار تطوعا فی حق رسول الله صلی الله علیه وسلم والامة. فاما الامة فهو تطوع بالاجماع واما النبی فاختلفوا فی نسخه فی حقه والاصح عندنا نسخه....انه لا واجب الا الصلوة الخمس۔

نووی شرح مسلم ج1 ص256

ترجمہ: ظاہر بات یہ ہے کہ نماز تہجد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری امت کے حق میں نفل ہو گئی۔ لیکن امت کے حق میں تو اجماع ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ آیا آپ کے حق میں تہجد نفل ہوئی یا نہ اور زیادہ صحیح بات ہمارے نزدیک یہ ہے کہ نماز تہجد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی منسوخ ہو کر نفل رہ گئی ہے۔

پس مذکورہ بالا حدیث اور اس کی شرح سے ثابت ہوا کہ تادم زیست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تہجد فرض نہیں رہی بلکہ آپ اور آپ کی امت کے حق میں تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور نفل باقی رہی۔

دلیل نمبر 2: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال فی المزمل قم اللیل الا قلیلاً نصفه نسختها الآیة التی فیها علم ان لن تحصوه فتاب علیکم فاقروا ماتیسر من القرآن.

ابوداؤد ج1 ص192

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورہ مزمل کے ابتدائی حصہ جس میں تہجد کی فرضیت بیان کی گئی ہے کہ کو آخری حصہ یعنی علم ان لن تحصوہ نے منسوخ کر دیا۔ یعنی شروع سورۃ میں جو نماز تہجد فرض کی گئی تھی وہ آخر سورۃ کے ذریعہ منسوخ ہوگئی ہے اور اب نفل ہے۔

پس اس روایت سے بھی ثابت ہوا کہ نماز تہجد کی فرضیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمیت پوری امت کے حق منسوخ ہوئی اور اب صرف نفل کی حیثیت سے باقی ہے کیونکہ اس روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا اس لیے تو امام ابوداؤد نے یوں باب قائم کیا ہے باب نسخ قیام اللیل یعنی نماز تہجد کے منسوخ ہوجانے کا باب ہے پس یہ منسوخیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے حق میں عام ہے۔

دلیل نمبر 3: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری میں یوں باب قائم کیا ہے باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونومہ وما نسخ من قیام اللیل وقولہ یا ایھا المزمل قم اللیل الا قلیلا نصفه الی قولہ سبحا طویلا وقولہ علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم.

بخاری ج1 ص153

بخاری: باب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رات میں اور سو جانا اور رات کی نماز میں جو منسوخ ہوا اور اللہ نے اسی باب میں فرمایا (سورہ مزمل) میں ہے کہ کپڑا لپیٹنے والے رات کو نماز میں کھڑا رہ آدھی رات یا اس سے کے کچھ کم سبحا طویلا تک اور فرمایا اللہ جانتا ہے کہ تم رات کو اتنی عبادت کو نہ نباہ سکو گے تو تم معاف کر دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے سورۃ مزمل کے ابتدائی حصہ میں نماز تہجد کو فرض کیا گیا اور آخری حصہ کے ذریعہ تہجد کی فرضیت کو منسوخ کر دیا گیا اور اب نماز تہجد نفل کی حیثیت سے باقی ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے چونکہ باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد کی یہ منسوخیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی ہے اسی لیے تو امام بخاری نے آپ کا مستثنیٰ نہیں کیا بلکہ حکم نسخ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے حق میں عام کیا۔

دلیل نمبر4: امام دار قطنی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں یوں قائم کیا ہے باب صلوۃ النافلۃ فی اللیل والنہار یعنی دن رات میں نفل نماز پڑھنا پھر اس باب کے تحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد والی نماز درج کی۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فیما بین ان یفرغ من صلوۃ العشاء الی الفجر احدی عشر رکعۃ۔

سنن دار قطنی ج1 ص410

ترجمہ: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد سے فجر تک گیارہ رکعات نماز تہجد پڑھتے تھے۔

حدیث مذکور میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعات نماز تہجد بیان فرما رہی ہیں اور اس نماز تہجد کو امام دار قطنی صلوۃ النافلۃ یعنی نفل

نماز بتا رہے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نماز تہجد نفل کی حیثیت سے باقی رہی تھی۔

دلیل نمبر5: صحیح ابن حبان میں عنوان یوں قائم کیا ذکر الخبر الدال علی ان صلوۃ اللیل جعلت للمصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نفلاً بعد ان کان الفرض علیہ فی البدایۃ

یعنی اس حدیث کا ذکر جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صلوۃ اللیل (تہجد) ابتداء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرض ہونے کے بعد نفل ہو گئی۔

قارئین کرام! آپ انصاف فرمائیں کہ اس عنوان میں کتنے واضح لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ ابتداء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز تہجد فرض تھی اور بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نفل بن گئی اس عنوان میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کی تصریح موجود ہے اور پھر اس عنوان کے تحت یہ حدیث درج ہے عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی احب ان یداوم علیھا و کان اذا شغلہ عن قیام اللیل نوم او مرض او وجع صلی من النھار اثنتی عشر قرکعۃ۔

الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج4 ص112

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نماز پڑھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مداومت پسند ہوتی اور جب نماز تہجد نیند مرض اور کسی درد وغیرہ کی وجہ سے آپ کی رہ جاتی تو آپ دن میں بارہ رکعات پڑھ لیتے تھے۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز تہجد فرض نہ تھی ورنہ نیند درد وغیرہ کی وجہ سے آپ فرض کو ہرگز ترک نہ فرماتے البتہ آپ کو ہر عمل پر مداومت یعنی ہمیشگی پسند تھی اس لیے تہجد کا اہتمام فرماتے تھے اگر رات کو کسی وجہ سے نہ پڑھتے تو دن کو پڑھ لیتے تھے تاکہ مداومت جاری رہے۔ یعنی دن کو قضاء کرنا فرضیت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس لیے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مداومت پسند تھی۔

دلیل نمبر 6: امام ابن خزیمہ نے اپنی کتاب صحیح ابن خزیمہ میں یوں عنوان قائم کیا ہے جماع ابواب صلوۃ التطوع باللیل یعنی رات میں نفل نماز کے ابواب کو جامع اس باب کے تحت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث بیان کی جس میں ابتدائی آیتوں میں صلوۃ اللیل تہجد کی فرضیت کاذکر ہے اور آخری حصہ میں اس کی فرضیت کی منسوخیت کاذکر ہے۔

صحیح ابن خزیمہ ج2 ص 171

ان تمام ابواب میں امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے آپ کی تہجد وغیرہ کاذکر کیا ہے اور اس کو "صلوۃ التطوع" کہا ہے اور "تطوع" کے لفظ کا غیر فرض پر اطلاق ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ اللیل یعنی تہجد فرض نہیں ہے بلکہ تطوع ہے۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے چند مزید باب ملاحظہ فرمائیں جس میں انہوں نے تہجد کو تطوع کہا ہے:

باب الامر بالاقتصاد فی صلوۃ التطوع.	ایضاج2 ص198
باب التسلیم فی کل رکعتین من صلوۃ التطوع. صلوۃ اللیل والنہار جمیعاً	ایضاج2 ص214
جماع ابواب صلوۃ التطوع قاعداً.	ایضاج2 ص235
باب إکثار النبی من التطوع جالساً بعد ما اسن.	ایضاج2 ص237
باب نسخ فرض قیام اللیل.	ایضاج2 ص171
باب استحباب قیام اللیل.	ایضاج2 ص174
باب ان صلوۃ اللیل افضل الصلوات بعد الفریضۃ	ایضاج2 ص176

ان تمام عنوانات اور ابواب سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ اللیل یعنی تہجد خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی منسوخ ہو کر تطوع اور نفل بن کر رہ گئی تھی۔

دلیل نمبر 7: اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: ومن اللیل فتہجد بہ نافلۃً لک

سورۃ بنی اسرائیل 79

ترجمہ: یعنی اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی سو اس میں تہجد پڑھا کیجئے جو آپ کے لیے زائد چیز ہے۔

اس آیت پاک میں خود اللہ تعالیٰ نماز تہجد کو نفل فرمارہے ہیں چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جمہور علماء کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ فرضیت اس نماز کی امت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سے منسوخ ہوگئی البتہ بطور استحباب اس کی ادائیگی سب کے لیے باقی رہی اور آیت مذکورہ میں نافلۃ لک اپنے اصطلاحی معنی اس میں بحکم نفل ہے۔

معارف القرآن ج8 ص598

تفسیر مظہری میں ہے والمختار عندی ان افتراض قیام اللیل نسخ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایضاً وکان لہ تطوعاً کما ھو مدلول الایۃ صریحاً

تفسیر مظہری ج5 ص468، ج10 ص115

یعنی میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ قیام اللیل یعنی نماز تہجد کی فرضیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منسوخ کر دی گئی ہے اور آپ کے لیے بھی وہ نفل نماز تھی جس طرح کہ وہ اس آیت کا صریح مدلول ہے اور یہی کچھ تفسیر احکام القرآن ج5 ص95 میں لکھا ہے۔

نوٹ: بعض مفسرین نے نافلۃ کی تفسیر فریضہ زائدۃ سے کی ہے لیکن یہ ایک تاویل ہے اور مرجوع تفسیر ہے جمہور مفسرین کے نزدیک وہی پہلی تفسیر معتبر اور رائج ہے کیونکہ اس کو احادیث صحیحہ کی تائید حاصل ہے دیکھیے تفسیر قرطبی مظہری معارف القرآن اور یہ دوسری تفسیر قرآن مجید کے ظاہر الفاظ کے خلاف بھی ہے۔

دلیل نمبر8: قال سمعت المغیرۃ رضی اللہ عنہ یقول ان کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیقوم او لیصلی حتی یرم قدماہ اوساقاہ فیقال لہ فیقول افلا اکون عبداً شکوراً۔ بخاری ج1 ص152

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اتنا کھڑے رہتے یا اتنی نماز پڑھتے کہ آپ کے پاؤں یا پنڈلیوں پر ورم ہو جاتا جب آپ سے اس بارے میں کہا جاتا تو آپ فرماتے کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اتنا لمبا قیام فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر ورم آجاتا اور جب آپ کو کہا جاتا کہ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہو؟ آپ تو عند اللہ مغفور ہیں تو آپ جواب دیتے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ نماز تہجد مجھ پر فرض ہے اس لیے میں مشقت اٹھاتا ہوں بلکہ فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ تہجد آپ پر فرض نہ تھی بلکہ بطور شکرانے کے آپ پڑھتے تھے۔

دلیل نمبر 9: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوران سفر فرائض کے علاوہ باقی نمازیں سواری پر پڑھ لیتے تھے اور صلوۃ اللیل (تہجد) سواری پر پڑھنا آپ سے ثابت ہے پس اگر تہجد آپ پر فرض ہوتی تو آپ سواری سے اتر کر پڑھتے جیسا کہ فرائض کے لیے اترتے تھے۔ پس تہجد سواری پر ادا کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ آپ پر تہجد فرض نہ تھی۔

دلیل نمبر 10: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ اللیل (تہجد) بیٹھ کر بھی پڑھتے تھے حالانکہ فرض نمازوں میں قیام کرنا فرض ہے اگر تہجد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض ہوتی تو آپ تھکاوٹ کی وجہ سے بیٹھ کر ادا نہ فرماتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد آپ پر فرض نہ تھی۔

دلیل نمبر 11: آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ترغیب دیا کرتے تھے کہ فرض نمازوں کے علاوہ بقیہ نمازیں گھر میں پڑھنا افضل ہے یعنی فرائض مسجد میں افضل ہیں اور دیگر نمازیں گھر میں بہتر ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد اکثر گھر میں پڑھا کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد آپ پر فرض نہیں تھی ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد مسجد میں ادا فرماتے کیونکہ فرض تو مسجد میں ادا کئے جاتے ہیں۔

دلیل نمبر 12: شریعت میں پانچ نمازیں فرض ہیں جن کو نماز پنجگانہ بھی کہا جاتا ہے معراج کے موقع پر بھی پانچ نمازیں فرض کی گئیں اور ان پانچ نمازوں کو صلوۃ مکتوبہ بھی کہا جاتا ہے پس اگر چھٹی نماز بھی فرض تسلیم کرلی جائے اگرچہ صرف حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہی کیوں نہ ہو۔ تو یہ پانچ کا عدد لایعنی بن جائے گا لہٰذا یہ پانچ کا عدد دلیل ہے اس بات کی چھٹا فرض کوئی نہیں۔

قارئین کرام! مذکورہ بالا قرآن وحدیث کے دلائل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نماز تہجد حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم تادم زیست فرض نہیں رہی بلکہ کچھ عرصہ بعد سب سے نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور پھر نفل ومستحب کے درجہ میں باقی اور جاری وساری رہی پس ان دلائل کی وجہ سے حافظ محمد اسلم غیر مقلد کا دعویٰ باطل ٹھہرا کہ تہجد آپ پر فرض تھی اور اس دعویٰ کے بطلان کے ساتھ غیر مقلد کے قیاس کا ایک بازو بھی ٹوٹ گیا کیونکہ غیر مقلد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر نماز تہجد فرض قرار دے کر یوں قیاس آرائی کرنا چاہتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی نماز کو اتنا لمبا کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سحری کھانے کا وقت بھی مشکل سے ملا تو تہجد تو آپ کی نہ ہوئی بلکہ چھوٹ گئی حالانکہ تہجد تو فرض تھی اور اس کا چھوڑنا کبیرہ گناہ ہے لہٰذا آپ کے فرض کو بچانے کے لیے کہہ دیا جائے کہ تہجد اور تراویح ایک نماز کے دو نام ہیں۔

پس اس قیاس آرائی سے آپ کا تہجد والا فرض چھوٹنے سے بچ جائے گا لیکن جب کتاب وسنت کے روشن اور واضح دلائل سے ثابت ہوگیا کہ نماز تہجد حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض نہ تھی بلکہ نفل اور مستحب تھی اگر تراویح کی عبادت نے اس کی جگہ اور وقت لیا تو ایک نفلی عبادت کے چھوٹنے سے تو کوئی حرج بھی نہیں اور نفلی عبادت کو چھوڑ دیا کوئی گناہ بھی نہیں ہے۔ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو نیند کے غلبہ اور

ور۔۔۔ مرض کی وجہ سے بھی نماز تہجد چھوڑ دیتے تھے پس جو نفلی عبادت غلبہ نیند کی وجہ سے چھوڑی جاسکتی ہے اگر اس کو کسی دوسری اہم عبادت کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا تو کون سا حرج واقع ہو جائے گا اور کون سا گناہ لازم آئے گا؟

نوٹ: آپ نے پڑھ لیا کہ جمہور علماء کرام اور تمام محدثین عظام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کو فرض نہیں کہتے بلکہ اس کو "تطوع" اور نفل کا نام دیتے ہیں خود قرآن مجید میں بھی تہجد کو نفل کہا گیا ہے اور مفسرین حضرات بھی تہجد کی فرضیت کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں لیکن اس سب کے باوجود اگر حافظ محمد اسلم غیر مقلد بعض علماء کے مرجوح اور بے بنیاد قول کا سہارا لیتا ہے تو اس کو سب سے پہلے اپنا قرآن وحدیث والا اصول توڑنا ہو گا اور پھر ان علماء کے قول کے اندھی تقلید کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال کر قرآن وحدیث کی ۔۔ بحات کو چھوڑنا ہو گا اور آباء واجداد احبار ورہبان کی کوری تقلید کی وجہ سے اپنے اوپر اپنا شرک فی الرسالۃ کا فتویٰ چسپاں کرنا ہو گا تب کہیں آپ کا اقوال العلماء سے سہارا مضبوط بنے گا لیکن کیا فائدہ اگر تقلید کر کے ایمان بگاڑ کر اپنا ایک جھوٹا دعویٰ ثابت کیا تو کیا حاصل۔ واضح ہو کہ ۔ جو کچھ کہا گیا۔ غیر مقلدین کے اصولوں کے مطابق ہے۔

حضرات گرامی تمام محدثین جو کہ حقیقی اہلحدیث ہیں حضور اکرم ۔لی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کو تطوع،نفل غیر الفریضۃ،غیر المکتوبۃ لکھتے اور کہتے ہیں اگر حافظ اسلم غیر مقلد ان سب کے برخلاف آپ کی تہجد کو فرض کہتا ہے تو لازماً یہ جعلی اور نقلی اہلحدیث ہی ہو گا

قیاس کا دوسرا مقدمہ بھی غلط ہے:

حافظ محمد اسلم غیر مقلد کے قیاس کا دوسرا مقدمہ کہ جن تین راتوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح باجماعت پڑھائی ان راتوں میں آپ نے تہجد نہیں پڑھی کیونکہ پہلی رات میں تو آپ نے تہائی رات تک تراویح پڑھائی اور دوسری رات میں آپ نے آدھی

رات تک تراویح پڑھائی پہلے رات کی دو تہائی اور دوسری رات کی ایک نصف جو تراویح سے باقی بچی؟ آپ نے کہاں خرچ کیا آپ بقیہ وقت میں یوں ہی فارغ بیٹھے رہے؟ حالانکہ یہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا واقعہ ہے اور حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ آپ ساری رات جاگتے تھے اور بستر پر بھی تشریف نہ لاتے تھے تو سوال یہ ہے کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بقیہ وقت میں نماز تہجد نہیں پڑھی تو کیا کیا؟ ظاہر ہے کہ ان راتوں میں آپ نے تراویح باجماعت پڑھی اور بقیہ ،دقات میں نماز تہجد پڑھی اور یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا جیسا کہ حدیثوں سے واضح ہے کہ چنانچہ احادیث میں ہے: عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ فَجِئْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ وَجَاءَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَامَ أَيْضًا حَتَّى كُنَّا رَهْطًا فَلَمَّا حَسَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّا خَلْفَهُ جَعَلَ يَتَجَوَّزُ فِي الصَّلَاةِ ثُمَّ دَخَلَ رَحْلَهُ فَصَلَّى صَلَاةً لَا يُصَلِّيهَا عِنْدَنَا۔

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کی رات میں نماز پڑھ رہے تھے پس میں آیا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا اور ایک شخص آیا وہ بھی کھڑا ہو گیا حتی کہ ہم ایک جماعت بن گئے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا پیچھے کھڑا ہونا محسوس کیا تو آپ نے اپنی نماز کو مختصر کرنا شروع کر دیا پھر نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھر چلے گئے اور وہاں جا کر آپ نے ایک اور نماز پڑھی جو ہمارے پاس نہیں پڑھی تھی۔

چونکہ یہ واقعہ رمضان المبارک کی کسی رات کا ہے لہٰذا جو نماز آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ پڑھی وہ تراویح کی نماز تھی اور جو نماز گھر جا کر پڑھی وہ آپ کی تہجد کی نماز تھی۔ پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تراویح علیحدہ پڑھتے تھے اور رات کے آخری حصہ میں تہجد علیحدہ پڑھتے تھے اور اس سے زیادہ واضح دلیل وہ حدیث ہے جس کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ہمیشہ رمضان ہو یا غیر رمضان پابندی کے ساتھ رات کے آخری حصہ میں آٹھ رکعات تہجد اور تین رکعات وتر کل گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔

بہر حال! یہ گیارہ رکعتیں آپ کی مستقل نماز تھی اور ادھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کی جن تین راتوں میں اول شب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو جو تراویح پڑھائی وہ بیس رکعات تھی۔

مصنف ابن ابی شیبہ

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول شب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیس رکعات نماز تراویح پڑھائی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ظاہر ہے اور بقیہ رات کے آخری حصہ میں حسب معمول سارے سال والی نماز تہجد پڑھی جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ظاہر ہے۔

حافظ محمد اسلم غیر مقلد کا بے بنیاد دعویٰ:

بندہ عاجز کی مذکورہ بالا گزارشات سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیس رکعات نماز تراویح پڑھا کر رات کے بقیہ حصہ میں گھر جا کر فارغ نہیں بیٹھے رہے بلکہ حسب معمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعات نماز تہجد پڑھی کیونکہ وہ تو آپ کے سارے سال کا معمول اور دستور تھا اس لیے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت ملنے کی صورت میں ترک نہیں کیا لیکن اس کے برعکس غیر مقلد کا ایک بے بنیاد دعویٰ سنیئے لکھتے ہیں بالفرض اگر نماز تراویح اور تہجد کو الگ الگ دو نمازیں تسلیم کیا جائے تو اس صورت میں 11+20=31 رکعت بن جاتی ہیں جب کہ اس تعداد کی کوئی صحیح حدیث تو کیا کسی ضعیف روایت میں بھی دلیل نہیں ملتی اور نہ ہی دنیا کا کوئی عالم آج تک یہ ثابت کر سکا ہے کہ جن تین راتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح باجماعت ادا فرمائی تھی تراویح سے قبل یا بعد

نماز تہجد الگ ادا فرمائی ہو۔ حالانکہ نماز تہجد تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی اور امت کے لیے سنت ہے ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین.

تعداد مسنون تراویح ص4

قارئین کرام! غیر مقلد کے اس جھوٹے دعوے کو پڑھیں اور پھر مذکورہ بالا حدیثوں کو بھی دیکھیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول شب میں بیس رکعات تراویح پڑھائی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق آپ نے آخر شب میں حسب معمول و حسب سابق گیارہ رکعات پڑھیں۔ پس ان دونوں صحیح حدیثوں سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی شب میں 13 رکعات پڑھیں لیکن غیر مقلد کہتا ہے کہ یہ تو کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں۔

فاضل مدینہ یونیورسٹی کو معلوم ہونا چاہیئے کہ الحمدللہ یہ 31 رکعتیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں کیونکہ جب آپ بیس رکعات تراویح سے فارغ ہوئے تو وقت باقی ہے۔ اول رات میں دو تہائی اور دوسری رات میں نصف شب پس اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بقایا وقت میں حسب معمول گیارہ رکعات نہیں پڑھیں تو کیا کیا۔ دنیا کا کوئی غیر مقلد ثابت کر دے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو راتوں میں اپنا معمول چھوڑ دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو فرماتی ہیں کہ آپ رمضان ہو یا غیر رمضان اپنا گیارہ رکعات والا معمول پورا فرماتے تھے پس غیر مقلدین زور لگائیں اور ثابت کریں کہ ان دو راتوں میں آپ نے اپنا معمول چھوڑ دیا۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

علماء اہل السنت والجماعت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیثوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ثابت کر دیا کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں رات کے آخر حصہ میں نماز تہجد ادا فرمایا کرتے تھے اور ان دو راتوں

ہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معمول کے مطابق نماز تہجد اپنے وقت میں ادا کی۔ اب یہ بات غیر مقلدین کے ذمہ ہے کہ وہ ثابت کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دوراتوں میں نماز تہجد چھوڑ کر اپنے معمول کے خلاف کیا۔ معمول ہمارے علماء نے ثابت کیا اور خلاف معمول کا ثبوت غیر مقلدین کے ذمہ ہے لیکن معمول کی خلاف ورزی نہ آج تک ثابت کر سکے ہیں نہ قیامت تک کر سکیں گے۔فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکافرین۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ہاں! باقی رہا آخری اور تیسری رات کا معاملہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تراویح کو اتنا لمبا فرمایا کہ نماز تہجد کا وقت مقررہ وقت بھی اس میں کھپ گیا جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد علیحدہ نہ پڑھ سکے۔ لیکن صرف ایک رات کی وجہ سے ساری زندگی کے معمول کو نظر انداز کر کے تراویح اور تہجد کو ایک نماز بنا دینے کو غیر مقلدانہ اقدام تو کہا جاسکتا ہے لیکن اس کو دانشمندانہ اقدام نہیں کہا جاسکتا۔

تراویح اور تہجد کو پوری دنیا کے مسلمان عہد اول سے دو مختلف نمازیں سمجھتے چلے آ رہے ان دونوں نمازوں کی رکعات مختلف ہیں اوقات مختلف ہیں کیفیات مختلف ہیں۔ ادائیگی کے طریقے مختلف ہیں حتی کہ نام بھی مختلف ہیں کیا ان سب اختلافات سے اسی لیے چشم پوشی کر لی جائے گی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک رات کی تہجد چھوٹ نہ جائے۔ اللہ کے بندے! آپ کی تہجد آپ پر فرض نہ تھی بلکہ نفل نماز تھی اگر تراویح کی نماز اتنی طویل ہو گئی کہ نماز تہجد کا وقت نہ بچ سکا تو کیا فرق پڑ گیا جس کی وجہ سے تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی کے معمول اور رمضان وغیر رمضان کے معمول کا انکار کر دیا۔

عجیب طریقہ ہے ایک رات کی تہجد کو بچانے کا جس کی وجہ سے احادیث صحیحہ کا انکار لازم آرہا ہے اور محدثین کی تکذیب ہو رہی ہے۔ بہر حال! نماز تراویح کے طویل ہو جانے کی وجہ سے اگر ایک رات کی نماز تہجد جو کہ در حقیت ایک نفل نماز ہے حسب معمول ادا نہ ہو سکی اس کی وجہ سے احادیث صحیحہ کا انکار کر کے اور محدثین کو جھٹلا کر، تراویح اور تہجد کو ایک نماز قرار دینا نہایت ہی مذموم حرکت، ظالمانہ اقدام اور دین کی تحریف بلکہ تراویح اور تہجد میں سے کسی ایک عبادت کا انکار اور خرق اجماع ہے

غیر مقلدین کا خواہ مخواہ واویلا:

غیر مقلد لکھتا ہے: مقام غور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ساری رات انتظار کرتے رہے یا کونین کے تاجدار کی اقتداء میں نماز ادا کرتے رہے اور سحری کے کھانے کے لیے بھی بہت کم وقت میسر آیا تو نماز تہجد کا کیا بنا؟

تعداد مسنون تراویح ص2

غیر مقلد صاحب کا یہ واویلا بلا وجہ اور خواہ مخواہ کا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کا کیا بنا؟ غیر مقلد ہمارے علماء سے پوچھتا ہے کہ آخری شب جبکہ تراویح اتنی طویل ہوگئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سحری کھانے کا وقت بھی کم میسر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کا کیا بنا؟ الحمد للہ ہمارے علماء اہل السنت والجماعت نے وضاحت فرمادی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کا اس رات کیا بنا؟ وہ عنقریب آپ کی خدمت میں پیش بھی کیا جارہے لیکن اے غیر مقلدین کا گروہ تم بتاؤ تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کو کیا بنایا؟ کیسے بنایا؟ بنایا یا بگاڑا؟ تم نے جو یہ کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تراویح پڑھائی اسی کا دوسرا نام تہجد ہے کیا نام کی تبدیلی سے تہجد ادا ہو گئی دو مستقل نمازوں کو ایک نماز بنا کر تم نے تراویح یا تہجد کے وجود کا انکار کر دیا؟ یا اس کو کچھ بنا دیا؟

یادرکھو! تم نے تہجد کو بنایا نہیں بلکہ بگاڑا ہے کیونکہ تمہاری منطق کی رو سے دو میں ایک کاانکارلازمی ہے اس کو کہتے ہیں الٹاچور کوتوال کوڈانٹے۔

حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سارے سال والی نماز تہجد کو بگاڑ کر الٹا اہل السنت و الجماعت سے پوچھتے ہیں کہ آپ کی تہجد کا کیابنا؟

تہجد کا کیا بنا؟:

حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تراویح اور تہجد دو الگ الگ نمازیں تھیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول سے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تراویح رمضان المبارک کے مہینے میں عشاء کی نماز کے بعد سونے سے پہلے ادا کیا کرتے تھے اور نماز تہجد سونے کے بعد رات کے آخری حصہ میں ادافرمایا کرتے تھے یہ ہے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک جیسا آپ نے پوری زندگی عمل کیااور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی پوری زندگی تراویح اور تہجد کو دو مستقل علیحدہ علیحدہ نمازیں سمجھتے رہے اور ان کو اپنے اپنے اوقات میں ادا کرتے رہے اور حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری امت بھی ان دو نمازوں کو جدا جدا نمازیں سمجھتی رہی اور علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے اوقات میں ادا کرتی رہی ان دو نمازوں کو ایک سمجھنے یابنانے کاتصور بھی کسی مسلمان کے ذہن میں نہیں آیا۔ باقی جس رات ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تراویح کو طویل کردیا حتی کہ تہجد کا وقت بھی تراویح میں کھپ گیاتو صرف اس ایک رات میں بامر مجبوری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح؛ تہجد کے قائم مقام ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد آپ کی تراویح کے ضمن میں اداہوتی جس کو ہمارے فقہاءِ کرام "تداخل" سے تعبیر کرتے ہیں۔

مثلاً چاشت کے وقت سورج گرہن ہوجائے تو اس وقت جو شخص صلوۃ الکسوف سورج گرہن کی نماز پڑھے گاتواس کی یہ صلوۃ الکسوف چاشت کی نماز کے قائم مقام ہوجائے گی

اور چاشت کی نماز سورج گرہن کی نماز کے ضمن میں ادا ہو جائے گی یعنی صلوۃ الضحیٰ کا صلوۃ الکسوف میں "تداخل" ہو جائے گا حالانکہ دونوں نمازیں جدا جدا ہیں لیکن اس خاص صورت میں ایک کا دوسری میں تداخل ہو گیا یا رات کی حصے میں اگر چاند گرہن ہو جائے اور اس وقت کسی شخص کی جاگ ہو جائے اور وہ شخص اٹھ کر صلوۃ الخسوف پڑھ لے تو اس شخص کی صلوۃ الخسوف نماز تہجد کے قائم مقام ہو جائے گی اور صلوۃ الخسوف کے ضمن میں نماز تہجد ادا ہو جائے گی حالانکہ صلوۃ الخسوف اور تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ لیکن اس خاص صورت میں ایک نماز کا دوسری نماز میں تداخل ہو جائے گا یا تحیۃ المسجد ایک مستقل نماز ہے لیکن مسجد میں جا کر آدمی جو نماز بھی ادا کرتا ہے وہ تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جاتی ہے حالانکہ تحیۃ المسجد ایک مستقل علیحدہ نماز ہے لیکن بطریق تداخل کسی دوسری نماز کے ضمن میں ادا ہو جاتی ہے۔

اس طرح اس خاص رات میں جبکہ تراویح کے طویل ہو جانے کی وجہ سے تہجد کی نماز کے لیے وقت نہ بچا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز تہجد تراویح کے ضمن میں بطریق تداخل ادا ہو گئی لیکن واضح رہے کہ کسی وقت میں ایک نماز کا دوسری نماز میں تداخل کے ذریعہ ادا ہو جانا اور بات ہے اور ہمیشہ کے لیے دو نمازوں کو ایک بنا دینا بالکل اور بات ہے اس پہلی صورت کو فقہاء اسلام نے اختیار کیا جبکہ دوسری صورت غیر مقلد کی ایجاد کردہ ہے ان دونوں نمازوں کے درمیان بیسیوں فروق کو مد نظر رکھ کر اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کے معمول کو دیکھ کر پہلی صورت کو اختیار آسان ہے۔

جبکہ دوسری صورت کو ٹھکرانا بھی آسان ہے اگر غیر مقلدین بصورت تداخل نماز تہجد کی ادائیگی کو تسلیم نہیں کرتے تو پھر ان کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو تسلیم کر لینا چاہیے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ جس رات غلبہ نیند یا درد و مرض کی وجہ سے آپ کی رات کی نماز رہ جاتی تو آپ دن میں اتنی رکعتیں پڑھ لیا کرتے تھے یہ بھی گویا آپ کا ایک معمول تھا پس جس رات آپ کی تراویح لمبی ہو گئی اور تہجد کا وقت نہ بچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب

...ل دن میں اتنی رکعتیں پڑھی ہوں گی۔ یہ نرا احتمال نہیں ہے بلکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی ...ہا کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول کی اس کو تائید حاصل ہے۔ ...حال اس ایک خاص رات میں بامر مجبوری آپ کی نماز تہجد تراویح کے ضمن میں ادا ہوئی یا پھر ...رالرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دن کو اپنی نماز تہجد ادا کی یہ ہے سلامتی کی راہ جس کو فقہاء اسلام نے اختیار کیا ہے اور اسی کو محدثین کرام کی تائید حاصل ہے قرآن وحدیث کے نصوص سے ...ی یہی معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء کرام کی رائے درست اور برحق ہے۔ باقی رہا غیر مقلدین کا یہ ...ہنا کہ تراویح اور تہجد ایک نماز کے دو نام ہیں جو نماز سارا سال تہجد کے نام سے رات کے آخری ...ے میں ادا کی جاتی ہے وہی نماز رمضان المبارک کے مہینے میں اول شب میں ادا کرنے کی وجہ ...ے تراویح کہلاتی ہے ورنہ نماز تراویح کوئی مستقل نماز نہیں ہے یہ ایک ایسی رائے ہے جس کو نہ قرآن مجید کی تائید حاصل ہے نہ حدیث کی نہ مفسرین کی اور نہ محدثین کی بلکہ یہ رائے چودھویں صدی کی اختراع ہے جس کو مولوی محمد حسین بٹالوی وغیرہ غیر مقلدین نے ایجاد کیا ہے بلکہ تراویح کے وجود کو ختم کرنے کی ایک سازش ہے اور رمضان المبارک کے بابرکت مہینہ میں تقلیل نماز کر کے مسلمانوں کو کثرت صلوۃ سے محروم رکھنے کا ایک گھناؤنا پروگرام ہے اور کثرت صلوۃ وغیرہ احادیث کے مقابلہ میں دشمنان اسلام کی ایک چال ہے۔

ایک توضیح:

اگر اب بھی کوئی شخص اپنی نماز تراویح کو اتنا لمبا کر دے کہ نماز تہجد کا وقت بھی اس میں کھپ جائے تو فقہاء اسلام کے نزدیک اس کی نماز تہجد اس کی تراویح کے ضمن میں ادا ہو جائے گی اسی طرح اگر کسی صحابی یا کسی اور بزرگ سے یہ منقول ہے کہ اس نے نماز تراویح سحری کے وقت تک پڑھی تو اس خاص صورت میں بھی اس کی نماز تہجد؛ نمازِ تراویح کے ضمن میں ادا ہو گئی یہ ہے فقہاء اسلام کی صحیح سوچ۔ اب اس قسم کے واقعات کو دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ

کرلینا کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یہ دو نمازیں ہیں ہی نہیں گندی سوچ ہے اور ترک تقلید کا برا انجام ہے اور بے راہ روی کی شرمناک مثال ہے یہاں تک آپ پر غیر مقلدین کی قیاس آرائی کا بطلان بالکل واضح ہوگیا۔

غیر مقلدانہ استدلالات اور ان کے جوابات:

حافظ محمد اسلم غیر مقلد نے نماز تراویح اور نماز تہجد کو یکجان اور ایک نماز بنانے کی کوشش کی تا کہ اس تحریف معنوی سے آٹھ رکعات تراویح ثابت ہو جائے لیکن آپ کو معلوم ہے کہ وہ اپنے اس بے بنیاد دعوے کے اثبات میں بری طرح ناکام رہے بلکہ ان کا یہ دعوے قرآن وحدیث کے خلاف نکلا۔ پھر انہوں نے چند احادیث کا سہارا لیا اور کوشش کی کہ ان سے آٹھ رکعات تراویح ثابت ہو جائے لہٰذا اب آپ فرداً فرداً ان کے استدلالات کو دیکھئے اور ان کے جوابات کو بھی دیکھئے اور خود انصاف کیجئے کہ آیا غیر مقلدین کے پاس آٹھ رکعات تراویح کے ثبوت میں کوئی دلیل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ کیسی ہے۔

حدیثِ عائشہ سے غیر مقلدانہ استدلال:

غیر مقلد لکھتا ہے:عن ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن انہ سال عائشۃ رضی اللہ عنہا کیف کانت صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ؛ وقالت ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدیٰ عشر رکعۃً ۔الخ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں کیسے نماز پڑھا کرتے تھے؟ سیدہ نے فرمایا رمضان ہو یا غیر رمضان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

(بخاری ج1 ص104، مسلم شریف ج1 ص204 ابوداؤد شریف ج2 ص40، نسائی شریف ج1 ص248، ترمذی شریف ج1 ص99، مؤطا امام مالک ص102، طحاوی ج1 ص194، مؤطا امام محمد ص138)

اس حدیث سے نماز تراویح کی تعداد متعین ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے معمولات کو سب سے زیادہ جاننے والی ہم سب کی قابل احترام ماں سیدہ عائشہ رضی اللہ
عنہا نے وضاحت فرمائی ہے کہ چاہے رمضان ہو یا رمضان کے علاوہ باقی مہینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کا معمول رات کو گیارہ رکعات پڑھنا تھا اس سے زیادہ آقا نے نماز تراویح نہیں پڑھی۔

تعداد مسنون تراویح ص 2

قارئین کرام! جواب سے پہلے مذکورہ بالا حدیث کا بقیہ حصہ آپ کی خدمت میں
پیش کیا جاتا ہے جس کو حافظ محمد اسلم نے جان بوجھ کر چھوڑ دیا تاکہ پوری حدیث آپ کے
سامنے آجائے اور بندہ عاجز کے جوابات کو سمجھنا آسان ہو جائے حدیث کے بقیہ حصہ کے الفاظ
یہ ہیں: یصلی اربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی اربعاً فلا تسئل عن
حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلاثاً قالت عائشة فقلت یارسول الله اتنام قبل ان توتر
فقال یاعائشة ان عینی تنامان ولا ینام قلبی۔

بخاری ج 1 ص 154

ترجمہ (سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سائل کو بتارہی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم رمضان اور رمضان کے علاوہ کی راتوں میں گیارہ رکعتیں کس طرح پڑھتے تھے) پہلے چار
رکعتیں پڑھتے تھے ان کی خوبی اور لمبائی کا کیا پوچھنا! پھر چار رکعتیں پڑھتے ان کی خوبی اور لمبائی کا
کیا پوچھنا! پھر تین رکعتیں پڑھتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے کہا
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا عائشہ میری آنکھیں (ظاہر میں) سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

یہ ہے مکمل حدیث جس سے غیر مقلد حجت پکڑتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی
اللہ عنہا کی روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان و غیر رمضان کی راتوں میں

گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے جس میں تین رکعت وتر شامل ہوتے تھے اور بقیہ آٹھ رکعتیں تراویح ہوتیں۔

الجواب باسم ملہم الصواب:

غیر مقلد کا اس حدیث سے آٹھ رکعات تراویح پر استدلال کرنا بالکل باطل اور مردود ہے اس لیے کہ

اولاً: اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی (صلوۃ اللیل) یعنی نماز تہجد کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد اکثر اور عموماً گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں تین رکعات وتر بھی شامل ہوتے تھے پس اس حدیث کو نماز تراویح پر محمول کرنا جہالت اور کم علمی کا نتیجہ ہے خود حدیث پاک میں چند قرائن ایسے موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کا بیان نہ ہے کہ تراویح کا۔ ملاحظہ فرمایئے۔

1: سیدہ عائشہ صدیقہ کے الفاظ ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ.

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اس میں غور کرنے سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ نماز بتا رہی ہیں جو رمضان اور غیر رمضان میں یعنی سارے سال میں پڑھی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سارے سال کی نماز، نماز تہجد ہے نہ کہ نماز تراویح کیونکہ وہ تو رمضان المبارک کی خاص نماز ہے۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث میں آپ کی تہجد والی نماز کا بیان ہے کہ وہ وتروں سمیت گیارہ رکعت ہوتی تھی، نماز تراویح سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

2: حضرت ابو سلمہ جس نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان المبارک کی راتوں میں کیسی ہوتی تھی؟ ان کا مقصد بھی نماز تہجد کے

یا ۔ یں تھا کہ رمضان کی راتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد میں اضافہ ہو جاتا تھا یا ۔؟ ہوتا۔ سائل کے سامنے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ وہ حدیثیں تھیں ان میں بیان کیا گیا کہ نسبتہً آپ کی محنت رمضان المبارک میں بڑھ جاتی تھی آپ کی نماز میں اضافہ ہو جاتا تھا تو سائل نے سمجھا کہ شاید آپ کی نماز تہجد بھی اضافہ ہو جاتا ہو گا۔

جس کے جواب میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد بدستور گیارہ رکعات ہوتی تھی اس میں اضافہ نہ ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے آپ کی محنت نماز تراویح میں بڑھ جاتی اور اضافہ بھی اسی میں ہوتا تھا باقی رہی تہجد وہ تو رمضان ہو یا غیر رمضان بدستور گیارہ رکعات ہوتی تھی۔ پس سائل کا سوال بھی نماز تہجد کے متعلق تھا اور سیدہ کا جواب بھی نماز تہجد کے متعلق ہے۔ اس پوری حدیث میں بیان ہی نماز تہجد کا ہے اس کو نماز تراویح سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

:3 اس حدیث کے آخر میں ہے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔

ظاہر ہے کہ کسی روایت میں نہیں آیا کہ آپ آٹھ تراویح پڑھ کے سو گئے ہوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انتظار میں بیٹھے رہے ہوں۔ البتہ گھر میں تہجد پڑھتے تھے اور اس میں کبھی کبھی وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ علاوہ ازیں تراویح میں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عورتوں کی صف میں مردوں کے پیچھے کھڑی ہوتی ہوں گی اگر آپ سوتے تو پہلے مردوں کو خبر ہوتی جب مردوں کو خبر نہیں تو تراویح کا معاملہ نہیں ہے بلکہ نماز تہجد کا واقعہ ہے جس کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں۔

4: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں: کان یصلی احدیٰ عشرۃ رکعۃ کانت تلک صلوتہ تعنی بالليل فيسجد السجدة من ذلك قدر مايقرء احدكم خمسين آية قبل ان يرفع راسه۔

بخاری ج 1 ص 135

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گیارہ رکعتیں (وتر اور تہجد کی) پڑھا کرتے تھے رات کو نماز آپ کی یہی تھی ان میں سجدہ اتنی دیر تک کرنے کہ آپ کے سر اٹھانے سے پہلے تم میں کوئی پچاس آیتیں پڑھ لے۔

حدیث مذکورہ بالا کے الفاظ کس قدر نماز تہجد کی وضاحت کر رہے ہیں بلکہ ان الفاظ کا ترجمہ نواب وحید الزمان غیر مقلد کے ترجمہ بخاری شریف سے نقل کیا گیا اور نواب وحید الزمان نے بریکٹ میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ رات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ وہ تین وتر اور آٹھ تہجد کی رکعتیں ہوتی تھیں۔

پس معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں نماز تہجد کا بیان ہے نماز تراویح سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

5: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ رمضان المبارک کے مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز زیادہ ہو جاتی تھی (کثرت صلوتہ) اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ فرماتی ہیں کہ رمضان وغیر رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اگر سیدہ کا یہ بیان ایک ہی نماز کے متعلق قرار دیا جائے تو ان کی دو حدیثوں میں تعارض لازم آئے گا۔ لہذا حقیقت یہ ہے کہ سیدہ کا یہ بیان کہ آپ کی نماز ماہ رمضان میں زیادہ ہو جاتی تھی اس کا تعلق نماز تراویح سے ہے کیونکہ واقعی نماز تراویح رمضان المبارک کی ایک اضافی نماز ہے اور سیدہ کا بیان کہ آپ صلی اللہ علیہ

، ملم کی نماز رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ ہوتی تھی تو اس کا تعلق نماز تہجد

۔ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد سارا سال یکساں چلتی تھی۔ رمضان کے مہینہ

ں بھی، وہ حسب معمول پڑھی جاتی تھی اس خاص تہجد والی نماز میں اضافہ نہ ہوتا تھا۔

۱۱ محدثین رحمہ اللہ اس حدیث کو تعداد رکعات تراویح کی بجائے تہجد سے متعلقہ

ابواب میں ذکر فرماتے ہیں مثلاً صحیح بخاری میں مندرجہ ذیل ابواب میں ہے۔

باب ماجاء فی الوتر	ج1ص135
باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ	ج1ص154

واضح ہو کہ اس باب میں فی رمضان وغیرہ کے الفاظ امام بخاری نے لکھ کر واضح کر دیا

ا۔ اس حدیث میں اس نماز کا ذکر ہے جو رمضان و غیر رمضان سارا سال پڑھی جاتی ہے اور وہ

نماز تہجد ہے صرف رمضان المبارک میں پڑھی جانے والی نماز تراویح مراد نہیں ہے۔

باب فضل من قام رمضان	ج1ص269
باب کان النبی تنام عینہ ولا ینام قلبہ	ج1ص503

الغرض امام بخاری سمیت تمام محدثین رحمہم اللہ نے اس حدیث سے تعداد

رکعات تراویح ثابت نہیں کیے بلکہ اس حدیث سے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز

تہجد کی رکعات کو ثابت کیا ہے۔

۱: امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب "قیام اللیل" میں ایک باب کا عنوان قائم

کیا ہے باب عدد الرکعات التی یقوم بہا الامام للناس فی رمضان۔ یعنی باب ان رکعتوں

کی تعداد کے بیان میں جنہیں امام لوگوں کے ساتھ رمضان میں پڑھے گا۔

اس باب میں وہ رکعات تراویح بتانے کے لیے بہت سی روایتیں لائے ہیں مگر سیدہ

عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو جو سب سے زیادہ صحیح اور اعلیٰ درجہ کی ہے ذکر کرنا تو درکنار

اشارہ تک نہیں کیا۔ جس سے صاف صاف ظاہر ہے کہ اس حدیث کا تعلق تراویح سے نہیں بلکہ تہجد کے نوافل سے ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو قیام اللیل یعنی نماز تہجد کے باب میں بیان کیا اور قیام رمضان یعنی نماز تراویح کے باب میں اس کو ذکر نہیں کیا۔ قیام رمضان کی فضیلت کی احادیث نقل کر کے امام ترمذی رحمہ اللہ نے تعداد تراویح کے متعلق بہت سے علماء کے اقوال نقل کئے ہیں کہ ترواتح کی کتنی رکعتیں ہیں لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے آٹھ رکعات تراویح کا قول کسی سے نقل نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے زمانہ تک کسی امام، فقیہہ اور مفسر نے اس حدیث کو سامنے رکھ کر آٹھ رکعات تراویح کا مذہب نہیں اپنایا ورنہ امام ترمذی رحمہ اللہ آٹھ رکعات تراویح والے مذہب کو بھی نقل فرماتے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کے دور تک تمام محدثین رحمہم اللہ اس حدیث سے نماز تہجد مراد لیتے رہے پورے خیر القرون میں کسی نے اس حدیث کو سامنے رکھ کر آٹھ رکعات تراویح کا قول نہیں کیا۔ پس ثابت ہوا کہ خیر القرون کے تمام مسلمان یہی سمجھتے رہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں تہجد کا بیان ہے نہ کہ تراویح کا۔

اسی طرح "الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان" میں ایک عنوان یوں قائم کیا گیا ہے فصل فی التراویح یعنی یہ فصل تراویح کے بیان میں ہے اس عنوان کے تحت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت بیان نہیں کی گئی اس کے بعد ایک اور عنوان یوں قائم کیا گیا فصل فی قیام اللیل یہ فصل قیام اللیل یعنی تہجد کے بیان میں ہے اور اس فصل میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بیان کی ہے پس محدثین کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کا بیان ہے نہ کہ نماز تراویح کا بیان ہے۔

۱۱ تاریخ الخلفاء کے مؤلف کی تحقیق کے مطابق بیس رکعات نماز تراویح کی باقاعدہ
ابتداء ۱۶ھ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شروع ہوئی۔ پھر آج
تک حرمین شریفین میں اور تمام دیگر اسلامی ممالک میں یہ بیس رکعات تراویح کا عمل، تسلسل
اور تواتر و توارث کے ساتھ قائم و دائم ہے جس کا انکار غیر مقلدین بھی نہیں کر سکتے اور سیدہ عائشہ
صدیقہ رضی اللہ عنہا کا وصال 57ھ میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا۔
اس لحاظ سے پورے بیالیس سال ہر رمضان المبارک کے مہینہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ
عنہا کے سامنے مسجد نبوی کے اندر بیس رکعات تراویح پڑھی جاتی رہی۔ پورے بیالیس سال
کے طویل عرصہ میں سیدہ نے ایک دفعہ بھی کسی ایک نمازی کو نہیں کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم تو تراویح آٹھ رکعات پڑھتے تھے تم نے بیس رکعات کیوں شروع کر رکھی ہیں؟

پس امی جان سلام اللہ علیھا کا بیس رکعات تراویح پر خاموش رہنا اور یہ نہ کہنا کہ تم
نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، دلیل ہے اس بات کی ان کی حدیث میں آٹھ
رکعات تہجد کا بیان ہے نہ کہ تراویح کا۔ ورنہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہرگز ہرگز مخالفت
حدیث پر صبر نہ فرماتی اور خاموش نہ رہتی بلکہ اعتراض و تنکیر فرماتی۔

۹: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ شارح بخاری رات کی نماز گیارہ رکعات پڑھنے کی
حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وظهر لی ان الحكمة فی عدم الزيادة على احدى عشرة ان
التهجد والوتر مختص بصلوة الليل وفرائض النهار الظهر وهی اربع والعصر وهی اربع
والمغرب وهی ثلاث وتر النهار فناسب ان تكون صلوة الليل صلوة النهار فی العدد
جملةً وتفصيلاً۔

فتح الباری ج3ص17

ترجمہ: اور میرے لیے ظاہر ہوا کہ گیارہ پر زیادتی نہ ہونے میں حکمت یہ ہے کہ تہجد اور وتر
رات کی نماز کے ساتھ خاص ہیں اور فرائض دن کے ظہر ہے وہ چار رکعات ہیں اور عصر ہے وہ چار

رکعت ہیں اور مغرب ہے وہ تین رکعت ہیں وتر دن کے۔ پس مناسب ہوا کہ ہو رات کی نماز مثل دن کی نماز کے عدد میں یعنی گیارہ رکعات تہجد۔

یعنی حکمت یہ ہے کہ دن کے فرائض گیارہ رکعات ہیں لہٰذا مناسب ہوا کہ رات کی نماز تہجد تین رکعات وتر سمیت گیارہ رکعات ہو۔

اس عبارت میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تصریح کر دی ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں رات کی نماز گیارہ رکعتیں ہیں ان میں آٹھ رکعات تہجد ہے اور تین رکعات وتر ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ شارح بخاری کے نزدیک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کا بیان ہے نہ کہ نماز تراویح کا۔

10: حافظ محمد اسلم غیر مقلد سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو دلیل بنا کر نماز تراویح کا عدد معین کر رہے ہیں حالانکہ غیر مقلدین کے بڑے بڑے مشاہیر علماء کہتے ہیں کہ نماز تراویح کا تعین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کا بیان ہے نہ کہ نماز تراویح کا ورنہ وہ کیسے کہتے ہیں کہ تراویح کا عدد معین آپ سے ثابت نہیں۔ دیکھئے۔

1. امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: تراویح کا عدد معین آپ سے ثابت نہیں ہے۔

فتاویٰ ابن تیمیہ ج2 ص401

2. علامہ قاضی شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: تراویح کی تعداد حدیث سے ثابت نہیں۔

نیل الاوطار ج1 ص46

3. علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: تراویح کی تعداد معین نہیں ہے۔

نزل الابرار ج1 ص126

4. ابوالخیر میر نورالحسن خان لکھتے ہیں: تراویح کی تعداد معین کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں

عرف الجادی ص84

٦ نواب صدیق خان صاحب لکھتے ہیں: تراویح کی تعداد معین صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

الانتقاد الرجیح ص61

ان حضرات کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ کی حدیث میں نماز تہجد کی رکعتوں کا بیان ہے اس حدیث کو نماز تراویح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ثانیاً: حافظ محمد اسلم غیر مقلد کا استدلال حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس لیے باطل ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو یہ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان ہو یا غیر رمضان گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے یہ اکثر واغلب اوقات کی بات ہے ورنہ خود سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت ہے کہ آپ رات کی نماز کبھی 7 رکعتیں، 9 رکعتیں، کبھی 11 رکعتیں، کبھی 13 رکعتیں بمع وتر کے پڑھتے تھے۔ یہ اختلاف مختلف اوقات پر محمول ہے پس بقول غیر مقلد آپ کی یہ نماز تہجد نماز تراویح ہے تو اس سے آٹھ رکعات کی تخصیص و تعیین تو بالکل ثابت نہیں ہوتی کیونکہ آپ نے مختلف اوقات میں مختلف رکعتیں پڑھی ہیں۔ مثلاً سات، نو، گیارہ اور تیرہ پس ان میں سے تین رکعات نکال دیے جائیں تو آپ کی تہجد کی چار، چھ، آٹھ، دس رکعتیں بچ جاتی ہیں۔ پس اگر تہجد ہی تراویح ہے تو غیر مقلد کی آٹھ والی تعیین و تخصیص باطل ہے کیونکہ پھر تو نماز تراویح کبھی 4 رکعات کبھی 6 رکعات کبھی 8 رکعات اور کبھی 10 رکعت بنتی ہے لہٰذا آٹھ رکعات تراویح کو متعین کرنا خود حدیث کے خلاف ہے۔

ثالثاً: غیر مقلد کا آٹھ رکعات تراویح پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو حجت اور دلیل بنانا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ خود غیر مقلدین اس حدیث کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کے خلاف عمل پیرا ہیں اگر سیدہ کی یہ حدیث صحیح ہے اور قابل احتجاج ہے تو اس کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ مثلاً

1: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نماز تہجد چار چار رکعتیں ہوتی تھیں جبکہ غیر مقلدین اپنی تراویح دو دو کر کے پڑھتے ہیں۔

2: اس حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر تین رکعت پڑھتے تھے جبکہ غیر مقلدین ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں۔

3: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بیان سے واضح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز گھر میں پڑھی جبکہ غیر مقلدین نماز تراویح مساجد میں پڑھتے ہیں۔

4: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز اکیلی بغیر جماعت کے پڑھی جبکہ غیر مقلدین تراویح کی جماعت کا اہتمام کرتے ہیں۔

شاید غیر مقلدین کہیں کہ دوسری حدیث سے نماز تراویح مسجد میں باجماعت ادا کرنا ثابت ہے تو جواباً عرض ہے کہ غیر مقلدین اس دوسری حدیث کی بھی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز تراویح باجماعت صرف تین راتوں میں پڑھائی۔ لہٰذا غیر مقلدین کو اس حدیث پر پورا پورا عمل کر کے تین راتیں مسجد میں نماز تراویح باجماعت اس ترتیب سے ادا کرنی چاہیے کہ 23 کی رات کو تہائی رات تک پھر ایک رات کو وقفہ کر کے 25 کی رات کو نصف رات تک پھر ایک رات کا وقفہ کرتے سحری تک تراویح پڑھیں حتی کہ ان کو سحری کھانے کا وقت بھی بمشکل ملے تب کہیں نام نہاد اہلحدیثوں کا حدیث پر پورا پورا عمل ہو گا۔ ورنہ تو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت لازم آئے گی نام ہو اہلحدیث اور کام ہو خلاف حدیث پھر تو اپنے ہی عمل سے اپنے ہی دعوے کی تکذیب وتردید ہو گئی۔

5: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز وتروں سمیت 7 رکعتوں سے لے کر 13 رکعتوں تک ہوتی تھی

...ان غیر مقلدین وتر سمیت ہمیشہ 9 رکعات پڑھتے ہیں نہ کم نہ زیادہ۔ جبکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ ...ہا کی حدیث سے کم بھی ثابت ہے اور زیادہ بھی۔

قارئین کرام! کتاب وسنت کے معقول اور وزنی دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کی رکعتوں کی تعداد کو بیان کیا ہے اور سیدہ کی حدیث کو نماز تراویح سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی اس حدیث میں کوئی ایسا قرینہ اور اشارہ موجود ہے جس سے معلوم ہو کہ اس حدیث میں نماز تراویح کا بیان ہے بلکہ خود حدیث میں واضح قرائن موجود ہیں جو نماز تہجد پر دلالت کرتے ہیں لیکن فاضل مدینہ یونیورسٹی ایم۔اے اسلامیات نے سینہ زوری کر کے بے بنیاد اور بے دلیل دعویٰ کر دیا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نماز تراویح کی تعداد متعین ہو جاتی ہے حالانکہ اس حدیث سے تو نماز تہجد کی رکعتوں کی تعداد متعین ہوتی ہے لیکن اس جھوٹے دعوے کے ساتھ ساتھ آپ فاضل غیر مقلد کی مزید ناانصافی ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نبوی میں ملاوٹ اور امی عائشہ پر بہتان:

حافظ محمد اسلم غیر مقلد سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا حدیث جس میں حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان المبارک (کی راتوں میں) نماز کی کیفیت سے متعلق سوال کیا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قابل احترام ماں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے وضاحت فرمائی ہے کہ بیشار رمضان ہو یا رمضان کے علاوہ باقی مہینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول رات کو گیارہ رکعات پڑھنا تھا اس سے زیادہ آقا نے نماز تراویح نہیں پڑھی۔

تعداد مسنون تراویح ص 2

حضرات گرامی! فاضل مدینہ یونیورسٹی کے اس آخری جملہ کو غور سے پڑھیے بیشار رمضان ہو یا رمضان کے علاوہ باقی مہینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول رات کو

گیارہ رکعات پڑھنا تھااس سے زیادہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح نہیں پڑھی۔ خط کشیدہ الفاظ جعلی، نقلی، مصنوعی اور بناوٹی ہیں لیکن غیر مقلد نے خوف خدا سے بیزار اور آخرت کی پیشی سے بے نیاز ہو کر یہ جھوٹ حدیث نبوی میں شامل کیا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان و افتراء کیا۔ حالانکہ یہ جھوٹا جملہ نہ تو حدیث نبوی میں ہے اور نہ ہی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایانا معلوم ایسا جھوٹ لکھتے وقت فاضل مدینہ یونیورسٹی کی حیاء کہاں چلی گئی تھی؟؟

اذالم تستحیی فافعل ماشئت

؎ بے حیا باش ہرچہ خواہی کن

حضرات گرامی! ایک طرف غیر مقلدین کے عامل بالحدیث ہونے کے دعوؤں کو سنیئے اور دوسری طرف احادیث صحیحہ میں اپنی طرف سے ملاوٹ کرکے ان کی اصلی اور حقیقی شکل کو بگاڑنے کی ناپاک کوشش کو ملاحظہ فرمایئے اور پھر خود انصاف کیجئے کہ عمل بالحدیث کے جھوٹے دعوے میں کتنی صداقت ہے اور کتنی ملاوٹ؟

غیر مقلدین کا اردو خواندہ لوگوں کو دھوکہ:

عربی دان حضرات تو حدیث کو دیکھ کر سمجھ جائیں گے کہ اصل حدیث میں لفظ تراویح موجود نہیں ہے بلکہ غیر مقلدین نے اپنی طرف سے ملاوٹ کردی ہے لیکن اردو خواندہ لوگوں کو تو غیر مقلدین نے زبردست دھوکہ دیا ہے کیونکہ وہ تو صرف اردو عبارات پر اکتفا کرتے ہیں پس جو شخص بھی غیر مقلدین کی اس ملاوٹ کو دیکھے گا وہ اس کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھے گا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول سمجھے گا اور یوں وہ بے چارہ ساری زندگی دھوکہ میں رہے گا کہ ہماری قابل احترام اماں نے فرمایا ہے کہ اس سے زیادہ آقا صلی اللہ

،، ملم نے نماز تراویح نہیں پڑھی۔ حالانکہ یہ سراسر دھوکہ ہے بالکل دھوکہ اور خالص ، ، ب بلکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان ہے۔

،، ب الاحترام ماں کاعدم احترام:

آپ کو معلوم ہے کہ حیات نبوی میں منافقین نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ ض اللہ عنہا پر اتہام لگایا تھا اور بہتان افتراء کیا تھا لیکن اللہ نے سورۃ نور نازل فرما کر سیدہ کی ،عالی اور برات پیش کی تھی۔ اب مدعیان حدیث ایک طرف تو سیدہ کو واجب الاحترام ماں کہہ ہے ہیں دوسری طرف اس پاک دامن ماں پر بہتان گھڑ رہے ہیں اور جھوٹ کی نسبت اس کی ا ات مقدسہ کی طرف کر رہے ہیں۔ لہٰذا بندہ عاجز اس موقع پر وہی کچھ لکھ رہا ہے جو کچھ اللہ لعالی نے منافقین کے بہتان کے جواب میں فرمایا ہے سبحانك هذا بهتان عظيم۔ اولئك ،، ؤن مما يقولون.

،۔ مانگا انعام:

ساری دنیا کے غیر مقلدین مل کر زور لگائیں پورا زور لگائیں بلکہ ایڑی چوٹی کا زور لگائیں او ر یدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا طاہرہ مطہرہ رضی اللہ عنھا کی طرف منسوب کردہ یہ جھوٹا جملہ حدیث کی کسی کتاب سے ثابت کر دیں اور بندہ عاجز کو دکھائیں پس منہ مانگا انعام حاصل ا یں۔

چندہ چھوڑیے، انعام لیجیے:

غیر مقلد حافظ محمد اسلم نے اپنے رسالے کے آخری صفحہ پر اپنی مسجد اہلحدیث کے لیے چندہ کی اپیل کی ہے بندہ عاجز حافظ صاحب کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ آپ کو چند ے کی کیا ضرورت پڑی ہے آپ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف جس بات کی ، ت لی ہے اس سے زیادہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح نہیں پڑھی اس کو حدیث سے

ثابت کر کے انعام حاصل کر لیں دو منزلہ مسجد کی بجائے چار منزلہ مسجد بنالیں بڑا آسان کام ہے ادھر آپ ثبوت پیش کریں ادھر انعام کا وعدہ پورا ہو گیا، ان شاء اللہ العزیز۔

بندہ عاجز نے تو منہ مانگا انعام دینا ہے لیکن سپاہ فقہاء نے تو پچاس لاکھ انعام مقرر کر رکھا ہے اگر حافظ اسلم ان کی شرط کے مطابق ثبوت پیش کر دیں تو پچاس لاکھ کو اس طرف سے بھی حاصل کر سکتے ہیں صرف دو ثبوت پیش کریں اور کروڑ پتی بن جائیں گے لیکن

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین.

غیر مقلدین کا عذر لنگ:

حافظ محمد اسلم نے چند علماء کرام اور ائمہ فن کے حوالہ جات پیش کر کے لکھا ہے کہ ان علماء کرام نے کہا ہے کہ قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے۔

غیر مقلد کی یہ بات ان کے اپنے وضع کردہ اصولوں کے خلاف ہے ان کے تو اصول ہی قرآن وحدیث ہیں باقی تو کسی کی بات نہ حجت ہے نہ دلیل۔ غیر مقلدین کے نزدیک تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بات بھی حجت اور دلیل نہیں بن سکتی۔ ائمہ فقہاء کی تقلید تو شرک بن جاتی ہے جہاں صحابی اور امام کی بات حجت نہیں وہاں نووی کرمانی کاندھلوی اور لکھنوی کی بات کیسے حجت بن سکتی ہے؟ کیا مجبوری کے وقت قرآن وحدیث کو چھوڑ کر علماء کرام اور ائمہ فن کی تقلید کا پٹہ گلے میں ڈال کر تھوڑا سا شرک کر لینا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو قرآن وحدیث سے ثبوت پیش کرو اگر ثبوت نہیں ہے تو خواہ مخواہ کیوں تقلیدی پٹے گلے میں ڈال کر مشرک بنتے ہو تم تو حدیث کے مدعی ہو حدیث کی بات کرو علماء اور ائمہ کے اقوال کیوں پیش کرتے ہو؟

شاید غیر مقلد صاحب یہ سمجھے کہ اہل السنت والجماعت تو اقوال العلماء کو تسلیم کرتے ہیں اس لیے ہم نے علماء کے اقوال پیش کئے ہیں تو جواباً عرض ہے کہ بے شک علماء اہل السنت والجماعت بزرگان دین اور سلف صالحین کی بیان کردہ تشریحات کو اپنے لیے مشعل راہ اور ان کی پیروی کو ذریعہ نجات اور ان کے راستے کو صراط مستقیم سمجھتے ہیں۔ ہمارے علماء کرام نے جو یہ فرمایا کہ قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے تو بر سر و چشم علماء اہل السنت اس کو تسلیم کرتے ہیں لیکن غیر مقلدین جو یہ کہتے ہیں کہ قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے اس کی دلیل ان کے پاس کیا ہے؟ اس کی دلیل قرآن وحدیث ہے تو پیش کیا جائے؟ اور اس کی دلیل اگر اقوال العلماء ہیں تو کیا اقوال العلماء غیر مقلدین کے ہاں حجت ہیں؟ ہماری حجت تو اپنے پیش کردی ذرا اپنی حجت تو پیش کر کے دکھاؤ؟ قرآن نے کہا ہے کہ قیام رمضان سے مراد تراویح ہے یا حدیث نے؟

اقوال العلماء پیش کرنے کے باوجود بھی غیر مقلد کی مطلب پورا نہیں ہوا کیونکہ علماء نے کہا ہے کہ قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے لیکن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جس کے ترجمے میں غیر مقلد نے تراویح کا لفظ گھسیڑا ہے وہاں تو قیام رمضان کا لفظ بھی موجود نہیں وہاں تو یہ الفاظ ہیں صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان اور بخاری شریف کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کانت تلك صلوته تعني باللیل یعنی رات کی نماز پس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں قیام رمضان کا کوئی لفظ موجود نہیں ہے جس کا ترجمہ نماز تراویح کیا جائے بلکہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں تو صلوۃ اللیل کا لفظ ہے جس کا مطلب نماز تہجد ہے نہ کہ تراویح۔ اس لیے بندہ عاجز نے کہا کہ غیر مقلد کا یہ عذر؛ عذرِ لنگ ہے۔ افسوس کہ اقوال العلماء کا پیش کرنا غیر مقلد کو سود مند ثابت نہ ہوا۔

ایک توضیح:

اگر کہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو قیام رمضان کے عنوان کے تحت بیان کیا گیا ہے تو اس سے یہ سمجھ لینا کہ تہجد اور تراویح ایک نماز ہے بہت بڑی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کیونکہ ایسی بات کسی محدث، امام، اور فقیہ نے نہیں کہی ورنہ وہ اس بات کی وضاحت کرتے بلکہ اس طریقہ سے ان کا مقصد لوگوں کو یہ ترغیب دینا ہے کہ رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں نماز تراویح بھی ادا کیا کرو یعنی جس طرح اول شب میں نماز تراویح پڑھتے ہو اسی طرح رمضان المبارک کے مہینہ میں آخر شب کو نماز تہجد بھی ادا کیا کرو تاکہ تراویح اور تہجد دونوں نمازوں کا ثواب وسعادت حاصل ہوجائے جس طرح کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس طرح کی ترغیب دی تھی۔

غیر مقلدین سارا سال نماز تراویح پڑھیں:

غیر مقلدین نے جب حدیث میں ملاوٹ کی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف جھوٹی نسبت کی تو اس کی نقد سزا ان کو یہ ملی کہ اپنی بناوٹی حدیث کی رو سے ان پر سارے سال کی نام تراویح لاگو ہوگئی کیونکہ غیر مقلدین نے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی طرف سے ملاوٹ کرکے اس کو یوں بنا دیا: بیٹا رمضان ہو یا رمضان کے علاوہ باقی مہینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول گیارہ رکعات پڑھنا تھا اس سے زیادہ آقا نے نماز تراویح نہیں پڑھی اس عبارت میں غور کریں اس سے واضح ہو رہا ہے کہ آقا علیہ السلام رمضان ہو یا رمضان کے علاوہ باقی مہینے گیارہ رکعات تراویح سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے یعنی آقا علیہ السلام تراویح رمضان میں بھی پڑھتے تھے اور رمضان کے علاوہ اور مہینوں میں بھی پڑھتے تھے البتہ گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے لہذا غیر مقلدین کو چاہیئے کہ اپنی بنائی ہوئی حدیث کے مطابق سارا سال نماز تراویح پڑھیں کیونکہ ان کی حدیث سے یہی کچھ ثابت ہے۔

امام بخاری کے نام پر دھوکہ:

حافظ محمد اسلم غیر مقلد لکھتا ہے:(الف):امام بخاری رحمہ اللہ ہے نے باب فضل ماہ رمضان میں بھی اس حدیث کو بیان فرمایا اس حدیث سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین رات نماز تراویح پڑھانے کی حدیث نقل کی ہے اور اس سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو نماز تراویح پڑھانے کی حدیث اور اس سے پہلے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فضیلت تراویح کی حدیث نقل کی ہے۔

(ب) چاروں احادیث نماز تراویح کے بارے میں ہیں۔

تعداد مسنون تراویح ص 7

حافظ محمد اسلم غیر مقلد: امام بخاری رحمہ اللہ کے نام پر اردو خواندہ لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں کہ امام بخاری آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے اور انہوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے آٹھ رکعات تراویح ثابت کی ہے۔ حالانکہ یہ خالص دھوکہ ہے نہ تو امام بخاری آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں اور نہ ہی ان کا مقصد حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کو ثابت کرنا ہے۔ امام ترمذی؛ امام بخاری کے شاگرد ہیں انہوں نے اپنی کتاب میں تراویح کے متعلق ائمہ کا اختلاف نقل کیا ہے کہ نماز تراویح کتنی رکعتیں ہیں لیکن انہوں نے آٹھ رکعات تراویح کا مذہب نقل ہی نہیں کیا، نہ امام بخاری کا اور نہ کسی اور کا۔

اگر امام بخاری آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہوتے تو ان کا شاگرد اپنے استاد امام بخاری کے مذہب کو ضرور نقل کرتا۔ معلوم ہوا کہ امام بخاری آٹھ رکعات تراویح کے بالکل قائل نہ تھے نہ ہی امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری میں آٹھ رکعات تراویح کا باب قائم کیا ہے اور نہ ہی امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے آٹھ رکعات تراویح ثابت کی ہے۔

بلکہ خود امام بخاری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نماز تہجد مراد لیتے ہیں نہ کہ تراویح چنانچہ امام بخاری نے ایک باب یوں باندھا ہے باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان وغیرہ ج 1 ص154 اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ امام بخاری اس حدیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوۃ اللیل (تہجد) مراد لیتے ہیں اسی لیے تو باب میں "فی رمضان وغیرہ" کا لفظ درج کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ نماز رمضان اور رمضان کے علاوہ میں پڑھی جاتی ہے اور وہ تہجد ہے اس طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب فضل من قام رمضان" میں جو یہ حدیث بیان فرمائی ہے تو اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ رمضان المبارک میں بھی نماز تہجد کا پڑھنا فضیلت کا باعث ہے یعنی صرف تراویح پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ تراویح اول شب میں پڑھ کر آخر شب میں نماز تہجد کی فضیلت بھی حاصل کی جائے دنیا کا کوئی غیر مقلد یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ امام بخاری آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے اور آٹھ رکعات تراویح پڑھتے تھے اور وہ نماز تراویح اور نماز تہجد کو ایک نماز سمجھتے تھے۔

پس حافظ محمد اسلم غیر مقلد نے امام بخاری رحمہ اللہ کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دیا ہے اور ان کی مذکورہ بالا عبارت ان کے دھوکے کا منہ بولتا ثبوت ہے بلکہ غیر مقلد کا آخری جملہ "چاروں احادیث نماز تراویح کے بارے میں ہیں" خالص جھوٹ ہے کیونکہ یہ بات دلائل سے ثابت ہو چکی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث تہجد کے متعلق ہے نہ کہ تراویح کے۔

امام مسلم کے نام پر دھوکہ:

غیر مقلد لکھتا ہے:" امام مسلم نے صحیح مسلم میں یوں باب باندھا ہے: باب الترغیب فی قیام رمضان وھو التراویح۔

تعداد مسنون تراویح ص7

اس کا معنی ہے یہ باب ہے قیام رمضان کی ترغیب میں اور وہ تراویح ہے اس عبارت میں غیر مقلد نے امام مسلم رحمہ اللہ کے نام پر عام لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ وہ بھی آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے۔ حالانکہ امام مسلم نے کہیں نہیں لکھاہے کہ تراویح آٹھ رکعات ہے اور نہ ہی ان کی کتاب صحیح مسلم میں آٹھ رکعات تراویح کا کوئی باب موجود ہے باقی باب میں جو لکھا گیاہے کہ قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے یہ تو اتفاقی بات ہے اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے لیکن یہ تو نہیں کہا گیاہے کہ تراویح آٹھ رکعات ہے۔ غیر مقلدین کے ساتھ جھگڑا تو اسی بات میں ہے پھر لطف کی بات تو یہ ہے کہ اس باب میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بھی بیان نہیں کی گئی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھ رکعات تہجد کا بیان ہے اگر اس باب میں سیدہ کی تہجد والی حدیث بیان ہوتی تو پھر بھی غیر مقلد کو دھوکہ دینے کی کچھ گنجائش مل جاتی۔ لیکن اس باب میں تو تہجد والی حدیث بھی نہیں پھر بھی غیر مقلد نے امام مسلم رحمہ اللہ کے نام پر سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دیاہے۔

فاضل مدینہ یونیورسٹی کی جہالت:

حدیث کے طلبہ جانتے ہیں کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح کے باب خود نہیں باندھے بلکہ ان کے کسی شاگرد یا کسی اور محدث نے صحیح مسلم کے ابواب قائم کئے ہیں لیکن فاضل مدینہ یونیورسٹی اس بات سے انجان ہیں بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ امام مسلم نے اپنی کتاب کے باب خود قائم کئے ہیں اس لیے تو لکھ دیاہے کہ "اگر امام مسلم نے صحیح مسلم میں یوں باب باندھا ہے۔" حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے۔

امام محمد کے نام پر دھوکہ:

حافظ محمد اسلم غیر مقلد لکھتاہے: (ج) امام محمد تلمیذ رشید امام ابو حنیفہ نے بھی باب قیام شهر رمضان مافیہ من الفضل میں یوں ترتیب رکھی ہے۔

1. تین رات نماز پڑھانے کی حدیث۔
2. تعداد تراویح کی حدیث یہ دونوں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں۔
3. فضیلت نماز تراویح۔
4. عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو نماز تراویح کا امام مقرر فرمانا

تعداد مسنون تراویح ص 7

غیر مقلد مذکورہ بالا عبارت کے ذریعے اردو خواندہ لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید امام محمد رحمہ اللہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں حالانکہ یہ غیر مقلد کا دھوکہ ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ قطعاً آٹھ رکعات تراویح کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی وہ تہجد اور تراویح کو ایک سمجھتے ہیں اگر غیر مقلدین میں ہمت ہے تو امام محمد رحمہ اللہ سے آٹھ رکعات تراویح کا قول دکھائیں لیکن سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ خیر القرون میں تو کوئی شخص بھی آٹھ رکعات تراویح کا قائل نہیں تھا اور نہ ہی کوئی شخص تراویح اور تہجد کو ایک سمجھتا تھا۔ یہ تو غیر مقلدین کی بعد کی اختراع ہے البتہ امام محمد رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جس میں نماز تہجد کا بیان ہے اس باب میں ذکر کر کے مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ رمضان المبارک بابرکت مہینے میں جس طرح اول شب میں تراویح ادا کر کے ثواب وفضیلت حاصل کی جاتی ہے اسی طرح آخری شب میں رمضان وغیر رمضان میں پڑھی جانے والی نماز تہجد ابھی ادا کر کے تہجد کی فضیلت اور ثواب بھی حاصل کیا جائے۔

غیر مقلد کا یہ کہنا کہ امام محمد رحمہ اللہ نے حدیث تراویح بیان کی جھوٹ ہے اور امام محمد رحمہ اللہ پر بہتان ہے اور غیر مقلد نے اپنے اس طرز بیاں سے لوگوں کو دھوکہ دینے کی ناپاک کوشش کی ہے جس سے امام محمد رحمہ اللہ کا دامن پاک اور صاف ہے امام محمد رحمہ اللہ نے کہیں نہیں فرمایا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں نماز تراویح کا بیان ہے بلکہ

امام محمد رحمہ اللہ نے تو لکھ دیا کہ جس چیز پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے وہی اللہ کے نزدیک اچھی اور پسندیدہ ہے اور ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں کا اجماع بیس رکعات تراویح پر ہوا ہے۔

دیکھیے لان المسلمین قد اجمعوا علی ذلک ورأوہ حسناً۔

مؤطا امام محمد ص143

پوری دنیا کے غیر مقلد مل کر یہ نہیں دکھا سکتے کہ امام محمد رحمہ اللہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے باقی سیدہ کی حدیث کو یہاں نقل کرنے سے یہ نتیجہ اَخذ کرنا غلط ہے کہ امام صاحب نے اس سے تعداد تراویح بیان کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ وہ رمضان میں تہجد کی ترغیب دینا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سیدہ کی حدیث کو صلوۃ اللیل یعنی نماز تہجد میں بیان کر آئے ہیں۔

علامہ لکھنوی کی عبارت کا غلط ترجمہ:

اللہ اکبر! غیر مقلد نے علامہ عبدالحی لکھنوی کی عبارت کا ترجمہ غلط کر دیا: چنانچہ لکھتا ہے:(7) علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی لکھتے ہیں: قیام شھر رمضان یسمی التراویح جمع ترویحۃ لانھم اول ما اجتمعوا علیھا کانوا یستریحون بین کل تسلیمتین۔

(مؤطا مع تعلیق الممجد ص138)

قیام رمضان کا نام تراویح رکھا گیا۔ تراویح کا واحد ترویحہ ہے اول جس پر اجماع قائم ہوا وہ یہی تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین ہر دو رکعات کے بعد آرام کرتے تھے۔

وتروں کی پہلی دو رکعت سمیت پانچ ترویحے ہوتے ہیں۔

تعداد مسنون تراویح ص7،8

قارئین کرام! غیر مقلد حافظ محمد اسلم نے بین تسلیمتین کا ترجمہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ ہر دو رکعت کے بعد آرام کرتے تھے، غلط کیا ہے۔ کیونکہ تسلیمتین کا ترجمہ دو رکعات نہیں ہے بلکہ چار رکعات ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ ہر چار رکعات کے بعد آرام کرتے تھے کسی نماز سے فارغ ہوتے وقت جب

دائیں بائیں سلام پھیرا جاتا ہے اس کو فقہ اور حدیث کی اصطلاح میں تسلیم کہا جاتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے کان یختم الصلوۃ بالتسلیم۔

مشکوۃ ص75

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو تسلیم کے ساتھ ختم فرماتے تھے اور ایک حدیث میں تحلیلھا التسلیم ایک اور حدیث میں ہے انقضاؤھا التسلم یعنی تسلیم پر نماز ختم ہو جاتی ہے اور ہدایہ میں ہے۔کل ترویحۃ بتسلیمتین یعنی نماز تراویح کا ہر ترویحہ چار رکعات بتسلیمتین یعنی دو سلاموں سے ادا کیا جائے پس ثابت ہوا کہ نماز تراویح میں ہر دو رکعات کے بعد ایک تسلیم ہوتا ہے اور ہر چار رکعات کے بعد تسلیمتین یعنی دو تسلیم ہوتے ہیں عہد اول میں دو دو رکعتوں کے بعد آرام نہیں کیا جاتا تھا بلکہ چار چار رکعتوں کے بعد آرام کیا جاتا تھا چنانچہ مولانا عبد الحی لکھنوی ہدایہ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں الترویحۃ اسم لاربع رکعات یعنی چار رکعتوں کا نام ترویحہ ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ حضرات ہر چار رکعات کے بعد آرام کیا کرتے تھے۔پس تسلیمتین جو دراصل تسلیمۃ کا تثنیہ ہے اس کا معنی ہے چار رکعات۔لیکن فاضل مدینہ یونیورسٹی نے اپنی جہالت کی وجہ سے اس کا معنی دو رکعات کیا ہے۔میں یہ تو نہیں سمجھتا کہ مدینہ یونیورسٹی کی یہی تعلیم ہے البتہ ترک تقلید ائمہ عظام کی یہ نقد سزا ہے کہ غیر مقلد مدینہ یونیورسٹی میں داخل رہنے کے باوجود تسلیمتین کا صحیح ترجمہ نہ کر سکا

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیوان تشنہ مے آرد سکندر را

اذا کان الطباع طباع سوء
فلا ادب یفید و لا ادیب

وتروں کو تراویح میں داخل کرنے کا غیر مقلدانہ کرتب:

غیر مقلد نے جب علامہ عبدالحی رحمہ اللہ کی عبارت کا غلط ترجمہ کیا اور ہر دو رکعات کو ترویحہ قرار دیا حالانکہ باتفاق علماء ترویحہ چار رکعات کا ہوتا ہے اور بیس رکعات تراویح میں پانچ ترویحے بن جاتے ہیں اور حدیثوں میں صاف لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پانچ ترویحے پڑھتے تھے اور ہر ترویحے کے بعد آرام کرتے تھے۔ غیر مقلد نے جب دو رکعات کو ترویحہ بنا دیا تو آٹھ رکعات تراویح کے پانچ ترویحے نہیں بن سکتے تھے کیونکہ ظاہر ہے کہ آٹھ رکعات کے بقول غیر مقلد چار ترویحے بن سکتے ہیں پس غیر مقلد نے تراویح کے پانچ ترویحے بنانے کے لیے وتروں کی پہلی دو رکعت کو تراویح میں داخل کر دیا تاکہ پانچ ترویحے مکمل ہو جائیں۔

جب تین نمازیں ایک بن گئیں:

پہلے غیر مقلد نے تراویح کو تہجد میں گم کر کے تہجد و تراویح کو ایک نماز قرار دیا اور اب وتروں کو تراویح میں گم کر دیا نتیجہ یہ نکلا کہ وتر کو شامل کیا تراویح میں اور تراویح کو شامل کیا تہجد میں لہٰذا نہ وتر رہے نہ تراویح۔ گویا یک نہ شد دو شد ہمارے علماء تو کہتے ہیں کہ غیر مقلدین نے تراویح کو تہجد میں مدغم کر کے تراویح کا انکار کیا لیکن خود غیر مقلدین کی کتابیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے وتروں کو مدغم کیا تراویح میں اور تراویح مدغم کیا تہجد میں اس طریقہ کار سے ان لوگوں نے تین نمازوں کو ایک بنا دیا جیسا کہ تین طلاقوں کو ایک بناتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ تین کو ایک بنانا ان کی پرانی عادت ہے۔

تراویح آٹھ رکعات یا دس؟

آپ نے دیکھ لیا کہ غیر مقلد نے آٹھ رکعات تراویح میں وتروں کی دو رکعات شامل کیں تب دس رکعات کے پانچ ترویحے تیار ہوئے اب سوال یہ ہے کہ تراویح غیر مقلدین کے نزدیک آٹھ رکعات ہے یا دس؟ اگر تراویح کو آٹھ رکعات بناتے ہیں تو پانچ ترویحے نہیں بنتے

حالانکہ نماز تراویح میں پانچ ترویحے تو مسلّم ہیں جس کو خود غیر مقلدین نے بھی تسلیم کر لیا ہے اور اگر وتروں کی دو رکعات کو آٹھ میں شامل کیا جائے تو پانچ ترویحے تو بن جائیں گے لیکن تراویح آٹھ کی بجائے دس رکعات بن جائے گی۔ لہٰذا غیر مقلدین وضاحت فرمائیں کہ تراویح کی تعداد آٹھ رکعات ہے یا دس؟

علامہ عبدالحی لکھنوی کے نام پر دھوکہ:

غیر مقلد حافظ محمد اسلم حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ وہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے حالانکہ یہ بالکل خالص دھوکہ ہے کیونکہ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ثم استقر الامر علی عشرین:

التعلیق الممجد مؤطا محمد ص143

تراویح کا مسئلہ بیس رکعات پر پختہ ہوا یعنی بیس رکعات تراویح پر اجماع امت ہے۔

اشفاق الرحمٰن کاندھلوی کے نام پر دھوکہ:

حافظ محمد اسلم غیر مقلد لکھتا ہے: (ہ) مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی رحمہ اللہ ثم السندی حنفی کشف الغطاء تعلیق مؤطا مالک ص96 میں لکھتے ہیں قال الکرمانی اتفقوا علی ان المراد بقیام رمضان صلوۃ التراویح کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بالاتفاق قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے۔

(و) ما جاء فی قیام شهر رمضان ویسمی التراویح کما تقدم قال الکرمانی اتفقوا علی ان المراد بقیام رمضان التراویح وبه جزم النووی وغیره.

ص97 کشف الغطا

بالاتفاق قیام رمضان کا معنی نماز تراویح ہے امام نووی رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ نے اسی اپنا موقف قائم کر لیا ہے یہی دلائل متفقہ ہیں جن کی وجہ سے ہم نے حدیث کے ترجمے میں نماز تراویح پڑھتے تھے، لکھا ہے۔

تعداد مسنون تراویح ص8

حافظ محمد اسلم غیر مقلد: حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی رحمہ اللہ کے نام پر عوام الناس کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ وہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے حالانکہ یہ خالص دھوکہ ہے مولانا موصوف بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: والظاھر عندی مارجحه ابن عبدالبر لان جل المرویات نص فی انها کانت عشرین رکعۃ.

کشف الغطاء حاشیہ مؤطا امام مالک ص98

میرے نزدیک بھی بات وہی ہے جس کو ابن عبد البر نے ترجیح دی ہے بیس رکعات تراویح کیونکہ بڑی بڑی روایات اس بارے میں واضح ہیں کہ نماز تراویح بیس رکعات ہے۔

باقی اس مقام پر جو علماء کی عبارات نقل کی گئی ہیں ان میں تو یہ کہا گیا ہے کہ قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے اس بات میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے اختلاف تو اس بات میں ہے کہ تراویح کتنی رکعات ہے حالانکہ مذکورہ بالا علماء میں سے کسی نے نہیں کہا کہ نماز تراویح آٹھ رکعات ہے خواہ امام کرمانی رحمہ اللہ ہو یا امام نووی رحمہ اللہ، کاندھلوی صاحب ہوں یا کوئی اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ نماز تراویح آٹھ رکعات ہے۔

غیر مقلدین ان علماء کے نام پر عوام الناس کو دھوکہ دے رہے ہیں اور جان بوجھ کر دھوکہ دے رہے ہیں وہ علماء تو یہ فرماتے ہیں کہ حدیث وفقہ میں جہاں قیام رمضان کا لفظ آیا ہے اس سے نماز تراویح مراد ہے اس بات کو نقل کرنے سے غیر مقلدین کو کوئی فائدہ ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس سے اس کا مدعیٰ ومقصد ثابت ہوتا ہے بلکہ دھوکہ دینے کی نیت سے ان علماء کا نام استعمال کیا ہے کہ یہ سارے علماء ہمارے ہم خیال ہیں حالانکہ ان میں سے کوئی عالم بھی غیر

مقلدین کا ہم خیال اور ہم مسلک نہیں ہے بلکہ یہ علماء کرام مقلد ہیں اور ائمہ کرام کی تقلید کو سلامتی ایمان واعمال کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔

”تراویح“ کس لفظ کا ترجمہ ہے؟:

جہاں قیام رمضان کا لفظ نہیں غیر مقلد نے وہاں بھی تراویح کا معنی کیا ہے آپ کو معلوم ہے کہ غیر مقلد نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اپنی طرف سے لفظ تراویح کی ملاوٹ کی ہے اور خود غیر مقلد کو بھی اس ملاوٹ کا احساس ہوا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں نہ تو تراویح کا لفظ موجود ہے اور کوئی قرینہ تو غیر مقلد نے اپنی اس ملاوٹ اور خیانت پر پردہ ڈالنے کے لیے کہا کہ فلاں فلاں علماء نے قیام رمضان کا معنی تراویح سے کیا ہے جن کی وجہ سے ہم نے حدیث کے ترجمے میں نماز تراویح پڑھتے تھے لکھا ہے۔ لیکن غیر مقلد کا یہ عذر بھی عذر لنگ ہے بلکہ عذر گناہ بدتر از گناہ کی بدترین مثال ہے کیونکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں قیام رمضان کا لفظ ہی موجود نہیں ہے۔

آپ اس حدیث کی سب سندات کو دیکھیں اور ہر سند کے الفاظ کو مدِ نظر رکھیں آپ کو کسی روایت میں قیام رمضان کا لفظ نظر نہیں آئے گا جب قیام رمضان کا سرے سے لفظ ہی نہیں ہے تو تراویح کا لفظ حدیث نبوی میں کیوں ملایا گیا؟ حدیث عائشہ میں قیام رمضان کی بجائے ”صلوۃ اللیل“ کا لفظ خود بخاری کی ایک روایت میں موجود ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں نماز تہجد کا بیان ہے نہ کہ نماز تراویح کا۔ اسی طرح سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں رمضان وغیر رمضان کا لفظ موجود ہے جس سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ اس حدیث میں اس نماز کا بیان ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں پڑھی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ سارے سال کی نماز تو تہجد ہے نہ کہ نماز تراویح کیونکہ وہ تو صرف رمضان کی نماز ہے۔

پس جس حدیث میں " قیام رمضان " کا لفظ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسا قرینہ موجود ہے جو تراویح پر دلالت کرے بلکہ صلوۃ اللیل (تہجد) کی تصریح موجود ہے اور تہجد کے واضح قرائن بھی موجود ہیں پھر بھی حدیث نبوی کے ترجمہ میں لفظ تراویح کی ملاوٹ کرنا خیانت علمی کی بدترین مثال ہے، عوام الناس کو دھوکے اور اندھیرے میں رکھنے کی شرمناک سازش ہے اور حدیث کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرنے کا سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ اعاذنا الله تعالى و جميع المسلمين من شرهم ومكرهم وخداعهم

امام ابن ہمام کا شاذ قول:

حافظ محمد اسلم غیر مقلد لکھتا ہے: امام ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ نے ام المومنین رضی اللہ عنہا والی حدیث سے نتیجہ نکالا ہے: فتحصل من هذا كله قيام رمضان سنته احدى عشر ركعةً بالوتر فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم.

فتح القدیر شرح ہدایہ ج1 ص334 طبع مصر

حاصل بحث یہ ہے کہ نماز تراویح وتر سمیت گیارہ رکعات ہی سنت ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قدر نماز تراویح ادا کی۔ قال ابن همام ان ثمانية ركعات سنة مؤكدة.

العرف الشذی ج1 ص166

امام ابن ہمام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آٹھ رکعات نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے۔

تعداد مسنون تراویح ص8

الجواب باسم ملہم الصواب:

غیر مقلدین لوگ عجیب ذہنیت کے مالک ہوتے ہیں جب تقلید کی مذمت کرنے لگتے ہیں تو خیر القرون کے مجتہدین عظام کی تقلید کو شرک کہہ ڈالتے ہیں اور جب نیچے اترتے ہیں تو آٹھویں، نویں، دسویں، گیارہوں، بارھویں، تیرھویں اور چودھویں صدی کے علماء کی تقلید کا

پٹہ گلے میں ڈال کر خود شرک فی الرسالۃ کا ارتکاب کرنے میں شرم وعار محسوس نہیں کرتے بلکہ اس کورانہ تقلید پر اتراتے ہیں اور فخر کرتے ہیں۔

قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ امام ابن ہمام رحمہ اللہ کا یہ قول شاذ اور مرجوح ہے اور ان کا ذاتی تفرد ہے ہمارے علماء نے اس کی تصریح کر دی ہے چنانچہ امام ابن ہمام رحمہ اللہ کے عظیم شاگرد علامہ قاسم بن قطلوبغا فرماتے ہیں: لاعبرة بابحاث شیخنا یعنی ابن الهمام التی خالفت المنقول یعنی فی المذهب.

شامی ج1ص225

ترجمہ: ہمارے شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ کی وہ بحثیں جن میں منقول فی المذہب مسائل کی مخالفت ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

پس امام ابن ہمام رحمہ اللہ کا یہ کہنا ہے کہ آٹھ رکعات تراویح سنت اور بارہ رکعات مستحب ہے اور اسی طرح سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تہجد والی حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بیس رکعات تراویح والی حدیث کے معارض سمجھنا خلاف اجماع ہے اور شاذ قول ہے اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ جہاں تک تعلق ہے پہلی بات کا تو وہ اس لیے ناقابل اعتبار ہے کہ جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل سنت ہے اسی طرح خلفاء راشدین کا عمل بھی سنت ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکو بها و عضوا علیها بالنواجذ ..الخ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجه رحمهم الله.

یعنی تم پر میری سنت کو اور سنت خلفاء راشدین ومهدیین کو لازم پکڑو اور اس پر عمل کرو اور ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑو۔

اس حدیث شریف میں خلفاء راشدین کی سنت کو لازمی قرار دیا گیا ہے جبکہ ابن ہمام رحمہ اللہ اس کو سنت مؤکدہ کی بجائے مستحب سمجھتے ہیں لہٰذا ان کی یہ بات شاذ، مرجوح اور

خلاف اجماع ہے اسی طرح ان کی دوسری بات کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے معارض ہے یہ بھی ناقابل اعتبار ہے کیونکہ بڑی تفصیل سے یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں نماز تہجد کا بیان ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں نماز تراویح کا بیان ہے اور تہجد و تراویح علیحدہ علیحدہ دو نمازیں ہیں اور ان میں بیسیوں فرق ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ ہر ایک حدیث کا اپنا اپنا موقع و محل ہے لہٰذا امام ابن ہمام رحمہ اللہ کا ان کو آپس میں معارض سمجھنا خلافِ اجماع ہے اور شاذ ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

باقی حافظ محمد اسلم غیر مقلد نے امام ابن ہمام رحمہ اللہ کا ادھورا قول نقل کر کے سادہ لوح لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ امام ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ آٹھ رکعات تراویح کا قائل ہے حالانکہ وہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل نہیں بلکہ وہ بھی پوری امت کی طرح بیس رکعات تراویح کے قائل ہے البتہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آٹھ رکعات سنت نبوی ہے اور بارہ رکعات خلفاء راشدین کے عمل سے ثابت ہونے کی وجہ سے مستحب ہے۔ بہر حال وہ بھی آٹھ کا نہیں بلکہ بیس تراویح ہی کے قائل ہیں۔

چنانچہ لکھتے ہیں: ثم استقر الامر علی العشرین فانہ المتوارث۔

فتح القدیر ج1 ص407

یعنی بالآخر تراویح کے مسئلہ نے بیس رکعات پر استقرار پکڑا پس عمل توارث کے ساتھ چلا آرہا ہے۔

قارئین کرام! آپ نے معلوم کر لیا کہ امام ابن ہمام رحمہ اللہ بیس رکعات تراویح کے ہی قائل ہیں البتہ ان کا صحابہ کرام رضی اللہ کے عمل کو مستحب سمجھنا اور تہجد و تراویح کی الگ الگ حدیثوں کو ایک دوسرے کا معارض سمجھنا شاذ، خلافِ اجماع ہے اور تفرد ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ غیر مقلدین ائمہ مجتہدین کی تقلید کرنے کو گناہ سمجھتے ہیں لیکن ان کے

مقلدین کی تقلید پر ناز کرتے ہیں۔ بہر حال غیر مقلدین کو معلوم ہونا چاہئے کہ امام ابن ہمام رحمہ اللہ یا کوئی شخص اگر کسی مسئلہ میں جمہور علماء فقہاء سے کٹ کر راہ تفرد اختیار کرتا ہے تو اہل السنت والجماعت کے نزدیک کسی بڑے سے بڑے آدمی کا تفرد اور شاذ قول نا قابل اعتبار ہے ایسے شاذ اقوال سے حجت پکڑنا اور دوسروں کو الزام دینا دیانت داری کے خلاف ہے اور غیر مقلدین ہی ایسا کام کر سکتے ہیں، کسی اہل علم کا یہ شیوہ نہیں ہو سکتا۔

ایک وضاحت:

غیر مقلدین کی پرانی عادت ہے کہ علماء اہل السنت والجماعت اور فقہاء احناف کی کتابوں سے بعض اقوال اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں اور بعض اقوال پر نکتہ چینی کر کے عوام الناس کو مسلک حقہ اہل السنت والجماعت سے متنفر اور بد ظن کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں جیسا کہ حافظ محمد اسلم غیر مقلد نے کیا ہے کہ علماء اہل السنت والجماعت کی کتابوں کے حوالہ جات نقل کر کے لوگوں کو باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ یہ سب علماء آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں حالانکہ کوئی سنی عالم آٹھ رکعات تراویح کا قائل نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں وضاحت از حد ضروری ہے کہ فقہ حنفیہ کی کتابوں میں قرآن و حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ جات کے ساتھ علماء کرام کی آراء و اقوال اور تشریحات بھی شامل ہیں جن میں بعض اقوال، مرجوح، شاذ، غیر مفتٰی بہ، اور غیر معمول بہا بھی موجود ہیں لیکن یہ اقوال غیر معتبر ہیں جس کی تصریح خود ان کتابوں میں بھی موجود ہے جن میں یہ اقوال پائے جاتے ہیں اور وہ اقوال معتبر ہیں جو راجح ہوں مفتی بہ ہوں اور ان پر باقاعدہ عمل ہوتا ہو۔ واضح رہے کہ بعض غیر مفتٰی بہ شاذ اور مرجوح اقوال کی وجہ سے پوری فقہ کے عظیم الشان ذخیرہ کو نا قابل اعتبار کہہ دینا پرلے درجے کی ناانصافی اور حماقت ہے جس طرح کہ ذخیرہ احادیث میں ہر قسم کی حدیثیں اور روایتیں موجود ہیں مثلاً: ضعیف، متروک العمل اور

... وغیرہ حتی کہ موضوع روایتیں بھی ذخیرہ احادیث میں موجود ہیں ان کی وجہ سے تمام حدیثوں کو ناقابل اعتبار کہہ دینا، ظلم اور حماقت ہے اور یہی حال فقہ کا بھی ہے۔ در حقیقت فقہ ... ان مسائل کو کہتے ہیں جو مستند ہوں، راجح ہوں، شاذ اور خلاف اجماع نہ ہوں، مفتٰی بہ ہوں ... باقاعدہ ان پر عمل ہوتا ہو۔ یقین جانیئے کہ غیر مقلدین؛ اہل السنت والجماعت کی کتابوں ... جو مسائل نقل کر کے اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں یا پھر ان پر تنقید کرتے ہیں وہ وہی ... مسائل ہوتے ہیں جن کو ہمارے علماء؛ شاذ، مرجوح، غیر مفتٰی بہ کہہ کر غیر معتبر بنا چکے ہیں جن ... ان کا عمل بھی نہیں ہے جیسا کہ منکرین حدیث غیر معتبر حدیثوں کو چن چن کر لوگوں کے سامنے پیش کر کے لوگوں کو حدیثوں سے متنفر اور بد ظن کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں یہی حال غیر مقلدین کا فقہ حنفیہ کے ساتھ ہے۔ فقہ حنفیہ کے معتبر مسائل نہ تو غیر مقلدین کی تائید ... تے ہیں اور نہ ہی غیر مقلدین ان پر کسی قسم کی تنقید کر سکتے ہیں اور جو اقوال غیر مقلدین اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں یا پھر ان پر تنقید کرتے ہیں وہ در حقیقت معتبر ہی نہیں البتہ عوام ہمارے غیر مقلدین کی اس عیاری اور چالبازی سے دھوکہ کھا جاتے ہیں حالانکہ اہل السنت والجماعت کا اصول ہے وان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع

در مختار ج1 ص31

یعنی قاضی کا حکم کرنا یا مفتی کا فتویٰ دینا مرجوح قول پر جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے۔ یعنی باطل اور حرام ہے۔

علامہ ابنِ نجیم حنفی کے نام پر دھوکہ:

حافظ محمد اسلم لکھتے ہیں: (ج) ابن نجیم المصری حنفی اپنی کتاب "بحر الرائق" میں فرماتے ہیں نوقد ثبت ان ذٰلك كان احدى عشرة ركعة بالوتر كما ثبت فى الصحيحين من حديث عائشة فيكون المسنون على اصول مشائخنا ثمانية منها۔

(بحر الرائق ج2 ص66)

غیر مقلد حسب عادت یہاں ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ کے نام پر دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ وہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے۔ لیکن یہ غیر مقلد کا جھوٹ اور دھوکہ ہے چنانچہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:قوله عشرون ركعة بيان لكميتها وهو قول الجمهور لما فى المؤطا عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون فى زمن عمر بن الخطاب رضى الله عنه بثلاث وعشرين ركعة وعليه عمل الناس شرقاً وغرباً۔

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج2 ص66)

ترجمہ : مصنف کا قول ہے کہ تراویح بیس رکعات ہے یہ نماز تراویح کے عدد کا بیان ہے کہ وہ بیس رکعات ہے اور یہی جمہور کا قول ہے اس لئے کہ مؤطا امام مالک رحمہ اللہ میں یزید بن رومان رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ 23 رکعات پڑھتے تھے (بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر) مشرق اور مغرب میں لوگوں کا اسی پر عمل ہے۔

غیر مقلدین کی جہالت:

آپ نے علامہ ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ کا مسلک پڑھ لیا کہ وہ بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہی جمہور کا قول ہے اور اسی پر مشرق اور مغرب کے تمام مسلمانوں کا عمل ہے اس کے بعد امام ابن نجیم رحمہ اللہ نے علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کا وہ شاذ اور مرجوح قول نقل کیا ہے جس کا جواب آپ پڑھ چکے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلد نے جو عبارت نقل کی ہے اس سے پہلے ابن نجیم نے صاف لکھا ہے "ذكر المحقق فى فتح القدير ما حاصله الخ "یعنی محقق ابن ہمام رحمہ اللہ نے جو کچھ فتح القدیر میں ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ یہ مقولہ ابن ہمام رحمہ اللہ کا ہے جس کو ابن نجیم رحمہ اللہ نے بحر الرائق میں نقل کیا ہے لیکن غیر مقلد اس کو خود ابن نجیم رحمہ اللہ کی طرف نسبت کر رہے ہیں حالانکہ یہ ابن نجیم رحمہ اللہ کی بات نہیں ہے

بالا تو ابن ہمام رحمہ اللہ کی ہے علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے تو صرف اس کو نقل کیا ہے اور
اس کے ساتھ اتفاق بھی نہیں کیا بلکہ بیس رکعات تراویح کو جمہور کا قول قرار دیا اور اسی کو
قول بہا کیا ہے۔ پس ابن ہمام رحمہ اللہ کی بات کو ابن نجیم رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرنا
جہالت ہے جس کا ارتکاب غیر مقلد نے کیا ہے۔

امام طحاوی حنفی کے نام پر دھوکہ:

حافظ محمد اسلم لکھتے ہیں: "طحطاوی حنفی نے بھی شرح در مختار میں یہی لکھا ہے۔"

تعداد مسنون تراویح ص8

یہ بھی غیر مقلد کا دھوکہ ہے کیونکہ امام طحطاوی حنفی رحمہ اللہ آٹھ رکعات تراویح
کے قائل نہیں بلکہ وہ بھی دوسرے علماء احناف کی طرح بیس کے قائل ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ
بیس رکعات تراویح پر توارث کے ساتھ اجماع ہے۔

طحطاوی ج1 ص468

ملا علی قاری حنفی کے نام پر دھوکہ:

غیر مقلد حافظ محمد اسلم لکھتا ہے: (ی) ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں
اعلم انه لم یوقت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فی التراویح عدداً معینا بل لا
یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدیٰ عشر قرکعةً (مرقاۃ شرح مشکوۃ)

تعداد مسنون تراویح ص9

غیر مقلد اس عبارت سے ملا علی قاری رحمہ اللہ کے نام پر دھوکہ دینا چاہتا ہے
حالانکہ مذکورہ بالا عبارت ملا علی قاری رحمہ اللہ کی نہیں بلکہ انہوں نے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا
قول نقل کیا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ "حنفی" ہے اور باقی حنفیوں کی طرح وہ بیس رکعات
تراویح کا قائل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: لکن اجمع الصحابة علی ان التراویح عشرون رکعةً
یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیس رکعات تراویح پر اجماع ہے۔ مرقاۃ ج3 ص194

اسی طرح ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح نقایہ ص 104 میں بھی بیس رکعات تراویح پر اجماع نقل کیا ہے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی کے نام پر دھوکہ :

حافظ محمد اسلم غیر مقلد لکھتا ہے:(ک) مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں آٹھ رکعتیں اور تین رکعات وتر باجماعت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین راتوں سے زیادہ منقول نہیں اس لئے کہ امت پر نماز تراویح فرض نہ ہو جائے۔ مجموعہ فتاویٰ ج1 ص354
تعداد مسنون تراویح ص9

غیر مقلد؛حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے کہ وہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے حالانکہ یہ خالص دھوکہ ہے بلکہ جھوٹ ہے کیونکہ مذکورہ بالا عبارت جس کو غیر مقلد نے فتاویٰ عبدالحی سے نقل کی ہے مجھے باوجود تلاش اور تتبع کے مجموعہ فتاویٰ میں نہیں ملی اور امید قوی ہے کہ یہ عبارت مجموعہ فتاویٰ میں نہیں ہوگی کیونکہ مجموعہ فتاویٰ میں باب التراویح میں ایک سوال اور جواب موجود ہے آپ اس کو پڑھیں جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ غیر مقلد نے مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ پر جھوٹ بولا ہے کیونکہ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات پر جھوٹ بولنے سے حیا نہیں کرتا اس کے سامنے مولانا عبدالحی رحمہ اللہ کیا چیز ہے۔ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ کے مجموعہ فتاویٰ سے سوال اور جواب ملاحظہ فرمائیں۔

سوال : حنفیہ بست رکعت تراویح سوائے وتر میخوانند و در حدیث صحیح از عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وارد شدہ ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ پس سند بست رکعت چیست؛

جواب: روایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا محمول بر نماز تہجد است کہ در رمضان و غیر رمضان یکساں بود و غالباً بعد یازدہ رکعت مع الوتر بر سند و دلیل بریں محل آنست کہ راوی ایں حدیث ابو سلمہ است در نیہ ایں حدیث میگوید قالت عائشہ رضی اللہ عنہا فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنام قبل ان توتر قال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی کذا رواہ البخاری ومسلم و نماز تراویح در عرف آں وقت قیام رمضان میگفتند و در صحاح ستہ بروایات صحیحہ مرفوعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعین عدد قیام رمضان مصرح نشدہ اینقدر ہست کہ قالت عائشہ کان رسول اللہ یجتھد فی رمضان مالا یجتھد فی غیرہ رواہ مسلم لیکن در مصنف ابن ابی شیبہ و سنن بیہقی بروایت ابن عباس وارد شدہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یصلی فی رمضان جماعۃ بعشرین رکعۃ والوتر و رواہ البیہقی فی سننہ باسناد صحیح عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون فی عہد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ۔

مجموعہ فتاوی مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ ص59,58

کتنی بڑی وضاحت کے ساتھ مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ فرمارہے ہیں کہ بیس رکعات تراویح صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہے۔

مولانا موصوف اپنی ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں: ان مجموع عشرین رکعۃ فی التراویح سنۃ موکدۃ لانہ مما واظب علیہ الخلفاء وان لم یواظب علیہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقد سبق ان سنۃ الخلفاء ایضاً لازم الاتباع وتارکہا آثم وان کان اثمہ دون اثم تارک السنۃ النبویۃ فمن اکتفی علی ثمان رکعات یکون مسیئاً لترکہ سنۃ الخلفاء وان شئت ترتیبہ علی سبیل القیاس فقل عشرون رکعۃ فی التراویح مما واظب علیہ الخلفاء الراشدون وکل ما واظب علیہ الخلفاء سنۃ موکدۃ ثم تضمہ مع

ان کل سنة مو کدة یأثم تارکها فینتبع عشرون رکعة یاثم تارکہا و مقدمات ھذا القیاس قد اثبتنا ھا فی الاصول السابقہ۔

تحفۃ الاخیار فی احیاء سنۃ سید الابرار ص 209

ترجمہ: تراویح میں بیس رکعات سنت مؤکدہ ہیں اس لئے کہ اس پر خلفائے راشدین نے مداومت کی ہے اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مداومت نہیں کی اور پہلے بتایا جا چکا ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت بھی واجب الاتباع ہے اور اس کا چھوڑنے والا گنہگار ہے اگرچہ اس کا گناہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ترک کرنے والے سے کم ہے لہٰذا جو شخص آٹھ رکعات پر اکتفاء کرے وہ برا کام کرنے والا ہے کیونکہ اس نے خلفاراشدین کی سنت ترک کردی اگر تم قیاس کے طریقے پر اس کی ترتیب سمجھنا چاہو تو یوں کہو بیس رکعات تراویح پر خلفاء راشدین نے مواظبت کی اور جس پر خلفاء راشدین نے مواظبت کی ہو وہ سنت مؤکدہ ہے لہٰذا بیس رکعات تراویح بھی سنت مؤکدہ ہے پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملاؤ کہ سنت مؤکدہ کا تارک گنہگار ہوتا ہے لہٰذا بیس رکعات کا تارک بھی گنہگار ہوگا۔ اس قیاس کے مقدمات ہم اصول سابقہ میں ثابت کر چکے ہیں۔

قارئین کرام! آپ نے پڑھ لیا کہ مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات تراویح پڑھ کر بقیہ رکعتوں کو چھوڑنے والا گنہگار ہے کیونکہ بیس رکعات تراویح سنت مؤکدہ ہے لیکن غیر مقلد لوگوں کو یہ باور کرانے میں مصروف ہیں کہ مولانا عبد الحی رحمہ اللہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں۔یقیناً یہ نسبت جھوٹی ہے اور مولانا موصوف پر اتہام ہے

حاشیہ ہدایہ کا حوالہ:

مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ ہدایہ کے حاشیہ پر رقمطراز ہیں:فمودی ثمان رکعات یکون تارکا للسنة المؤکدة۔

(حاشیہ ہدایہ ج1 ص 131 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

یعنی صرف آٹھ رکعات تراویح ادا کرنے والا سنت مؤکدہ کا تارک (گناہ گار) ہے کیونکہ سنت مؤکدہ کوترک کرنا گناہ ہے۔

اس طرح مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے مؤطاامام محمد کے حاشیہ پر لکھا:

بیس رکعات تراویح پر اجماع ہے اور نمازتراویح سنت مؤکدہ ہے۔

اتنی بڑی وضاحت اور صراحت کے باوجود لوگوں کو دھوکہ دینا کہ مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں صرف غیر مقلدین کا کام ہو سکتا ہے۔

<u>عین الھدایہ ترجمہ ہدایہ کے نام پر دھوکہ:</u>

حافظ محمد اسلم غیر مقلد لکھتے ہیں: عین الھدیہ ترجمہ ہدایہ میں ہے تراویح صحیح حدیث سے مع وتر گیارہ رکعات ہی ثابت ہیں۔

(ص562)

اس عبارت سے غیر مقلد مترجم ہدایہ جسٹس امیر علی رحمہ اللہ کے نام پر دھوکہ دینا چاہتا ہے کہ وہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے حالانکہ یہ دھوکہ بلکہ جھوٹ ہے جو صرف غیر مقلد کو زیب دیتا ہے کہ مترجم ہدایہ صاف صاف لفظوں میں لکھتے ہیں کہ بیس رکعات تراویح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت ہے اور اسی پر اجماع امت ہے اور آٹھ رکعات تراویح پر اکتفا کرنے والا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور خلفاء راشدین کی سنت کا مخالف ہے اور برا کرنے والا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: "لیکن محصل یہ ضرور نکلا ہے کہ 20 رکعات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت قولی ، فعلی اور خلفاء راشدین کی سنت اور مسلمانوں کا اتفاق سب جمع ہیں اور اگر اس نے آٹھ پر اقتصار کیا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور سنت خلفاء راشدین وجماعت مسلمین سے مخالفت لازم ہے اور ادنیٰ درجہ اس کا کراہت، اساءت ہے اسی واسطے جن نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ

سے روایت کیا کہ تراویح کا ترک جائز نہیں اور صدر شہید رحمہ اللہ نے کہا یہی صحیح ہے۔ عینی رحمہ اللہ نے کہا کہ 20 رکعات ہمارا و شافعی و احمد رحمہم اللہ کا مذہب ہے اور قاضی رحمہ اللہ نے اس کو جمہور علماء کا قول نقل کیا ہے۔ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک حافظ کو حکم دیا جس نے رمضان میں بیس رکعات پڑھائیں اور کہا کہ یہ بمنزلہ اجماع کے ہے۔

عین الھدایہ ج 1 ص 723

مزید لکھتے ہیں: "مترجم کہتا ہے کہ اعداد رکعات جب کہ امر توفیقی ہے تو لامحالہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا 20 پر جمع کرنا و ابی بن کعب رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا قبول کرنا بدون اس کہ نہ ہوگا کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پایا گیا اور اس وقت میں ابن ابی شیبہ و طبرانی کی روایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے 20 پڑھائیں، قوی ہو جاوے گی اور حدیث ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ رمضان و غیر رمضان میں گیارہ پر زیادہ نہیں کیا اس کے مخالف نہیں جبکہ تہجد و تراویح علیحدہ ہوں اور ظاہر کلام مشائخ حنفیہ یہی ہے پس تراویح 20 پڑھائیں اور تہجد میں 11 پر زیادہ نہیں کیا۔

عین الھدایہ ج 1 ص 422

پس ثابت ہوا کہ ہدایہ کا مترجم بیس رکعات تراویح کا قائل ہے نہ کہ آٹھ کا۔ غیر مقلد نے ان کی طرف آٹھ تراویح کی جھوٹی نسبت کی ہے۔

علامہ کشمیری کے نام پر دھوکہ:

حافظ محمد اسلم غیر مقلد لکھتا ہے: "سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہی ثابت: ولامعاص من تسلیم ان تراویحه علیه السلام کانت ثمانیة رکعات۔ (العرف الشذی ج 1 ص 166، 101)

تعداد مسنون تراویح ص 9

حسب عادت غیر مقلد سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے کہ سید علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں حالانکہ یہ سراسر دھوکہ ہے۔علامہ کشمیری رحمہ اللہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ بیس تراویح کے قائل ہیں اور آٹھ رکعات پڑھنے والے کو سواد اعظم (اہل السنت والجماعت) سے خارج سمجھتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:واما من اکتفیٰ بالرکعات الثمانیہ وشذ عن السواد الاعظم و حمل یرمیھم بالبدعۃ فلیر عاقبۃ۔

(فیض الباری شرح صحیح بخاری ج3ص181)

یعنی جو شخص آٹھ رکعات پر اکتفا کر کے سواد اعظم سے کٹ گیا اور سواد اعظم کو بدعتی کہتا ہے وہ اپنا انجام سوچ لے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں: لم یقل احد من الائمۃ الاربعۃ باقل من عشرین رکعۃ فی التراویح والیہ جمھور الصحابۃ رضی اللہ عنھم...وقال ابن ھمام ان ثمانیۃ رکعات سنۃ مؤکدۃ وثنتی عشر رکعۃً مستحبۃ وما قال بھذا احد اقول ان سنۃ الخلفاء الراشدین ایضاً یکون سنۃ الشریعۃ لما فی الاصول ان السنۃ سنۃ الخلفاء وسنۃ علیہ السلام وقد صح فی الحدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین فیکون فعل الفاروق الاعظم ایضا سنۃً...ففی التاتارخانیۃ سئل ابو یوسف اباحنیفۃ رحمہ اللہ ان اعلان عمر بعشرین رکعۃً ھل کان لہ عھد منہ علیہ السلام قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ ما کان عمر مبتدعا ای لعلہ یکون لہ عھد فدل علی ان عشرین رکعۃً لا بد لہ من ان یکون لھا اصل منہ علیہ السلام...واستقر الامر علی عشرین رکعۃً۔

العرف الشذی علی حاشیۃ الترمذی ج1ص99،100

ترجمہ: ائمہ اربعہ میں سے کسی نے نہیں کہا کہ نماز تراویح بیس رکعات سے کم ہے اور اسی طرف جمہور صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم گئے ہیں اور ابن ہمام رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ آٹھ رکعات سنت مؤکدہ ہے اور بارہ رکعات مستحب ہے اور یہ بات کسی نے نہیں کہی (یعنی ابن ہمام رحمہ اللہ کا تفرد ہے) میں کہتا ہوں کہ خلفاء راشدین کی سنت بھی شریعت کی سنت ہے کیونکہ اصول میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفاء راشدین کی سنت، سنت ہے اور یہ بات صحیح حدیث میں ہے کہ تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین مھدیین کی سنت لازم ہے، فاروق اعظم کا عمل بھی سنت ہے۔ تاتارخانیہ میں ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو بیس رکعات تراویح کا اعلان کیا ہے کیا انہوں نے اس کا علم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پایا ہے؟ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (معاذ اللہ) مبتدع نہیں تھے یعنی شاید ان کے پاس اس کا علم تھا یہ بات دلالت کرتی ہے کہ لامحالہ بیس رکعات تراویح کی اصل خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور تراویح کا استقرار بیس رکعات پر ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ سے تراویح کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: دیکھنا یہ ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت آیا سنت نبی ہے یا نہیں؟ جیسا کہ حدیث یہ ہے: فانہ من یعش منکم بعدی فیسریٰ اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔ رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ (مشکوٰۃ) اور فرمایا سنو کہ مسئلہ کی تحقیق فی نفسہا ہوتی ہے نہ کہ کسی کے عمل کو دیکھ کر۔ جب یہ بات ہے اور اتنا شدید اختلاف ہے کہ کوئی دوسرے کی بات سنتا ہی نہیں تو نبی کے فرمانے کے مطابق خلفاء راشدین مھدیین کے عمل کو دیکھا جائے اور ان کا اتباع لازمی طور پر کیا جائے تاکہ اختلاف رفع

ہو جائے۔ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خلفاء راشدین مهدیین حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مهدیین کے متعلق فرماتے ہیں کہ جن کو باری تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ کیا گیا ہو حق کی طرف اور فرمایا یہ جو حدیث ہے نوکان القاری یقرء سورۃ البقرۃ فی ثمان رکعات فاذاقام بھا فی اثنا عشر رکعۃ رای الناس انہ قد خفف. رواہ مالک۔

تو فرمایا کہ بیس تراویح کی یہ حدیث صحیح دلیل قوی ہے اور صحابہ کے زمانہ میں اس پر عمل درآمد ہوتا تھا اور بھی مؤطا مالک میں بہت سی روایات موجود ہیں جو صریح طور پر بیس رکعات پر دلالت کرتی ہیں اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بھی حضرت ابیؓ رضی اللہ عنہ بھی لوگوں کو بیس تراویح پڑھاتے تھے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ پاک میں بھی اسی پر عمل ہوتا تھا اور حدیث ابو داؤد وغیرہ میں ہے۔راوی کہتا ہے:حتی خفنا الفلاح اگر آٹھ ہی کا شوق ہے تو اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا کہ "حتی خفنا الفلاح" کہ ہم کو سحری کا خطرہ ہو گیا ہے۔

جماعت کو چھوڑ جانا اور یہ کہنا کہ ہم آٹھ پڑھ کر چلے ہیں اور جا کر سو جانا یا اور کوئی باتوں میں لگ جانا یہ تو حدیث کے خلاف ہوا تو اتنا لمبا پڑھنا چاہیے کہ سحری کا وقت نکلنے کا خطرہ ہو جائے۔جب روایت متعارض آرہی ہے تو کیوں نہ خلفاء راشدین کے تعامل پر عمل درآمد کیا جائے (اور حدیث ما انا علیہ واصحابی صاف بتلارہی ہے کہ اصحاب کے تعامل کو نہیں چھوڑنا چاہیے ورنہ یہ صریح دلیل ہے صحابہ کے بغض کی والعیاذ باللہ)........ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:من احبھم فبحبی احبھم فمن ابغضھم فببغضی ابغضھم یہ حدیث ترمذی شریف میں ہے۔یہ کتنی بڑی وعید ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے

اتباع کے متعلق فرمائی ہے اس پر عمل درآمد کرنا چاہیے اس وعید سے ڈرنا چاہیے۔ خدا ہم کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اتباع کی توفیق بخشیں۔

ملفوظات محدث کشمیری ص363،366

آپ نے پڑھ لیا کہ سید محمد انور شاہ رحمہ اللہ بڑی وضاحت اور صراحت سے بیان فرما رہے ہیں کہ تعامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ وہ بھی سنت ہے اور تعامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چھوڑ دینا بغض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دلیل ہے۔ لہٰذا نماز تراویح بیس رکعات پڑھنا ضروری ہے۔

امام ابن تیمیہ کے نام پر دھوکہ:

حافظ محمد اسلم غیر مقلد لکھتا ہے: علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قیامہ باللیل هو وترہ یصلی باللیل فی رمضان وغیرہ احدی عشر رکعۃ۔ (فتاوی ابن تیمیہ ص148 ج1)

تعداد مسنون تراویح ص9

حافظ محمد اسلم غیر مقلد اپنی عادت کے مطابق امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نام پر عوام الناس کو دھوکہ دینا چاہتا ہے کہ وہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے حالانکہ یہ دھوکہ اور جھوٹ ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا عبارت میں وضاحت موجود ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کو بیان کر رہے ہیں اس لیے قیام اللیل کا لفظ موجود ہے جس کا معنی نماز تہجد ہے اور اسی طرح رمضان وغیر رمضان کا لفظ بھی دلالت کر رہا ہے کہ یہ وہ نماز ہے جو سارا سال پڑھی جاتی ہے اور وہ تہجد ہے نہ کہ تراویح کیونکہ وہ تو صرف رمضان المبارک کی نماز ہے اور امام ابن تیمیہ بھی بیس رکعات تراویح کے منکر نہیں ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں: فانہ قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ فی رمضان ویوتر

بثلاث فرای کثیر من العلماء ان ذالك هو السنة لانه قام بین المهاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر۔

فتاویٰ ابن تیمیہ ج1 ص191

ترجمہ: یقیناً یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رمضان المبارک کے مہینے میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔ پس بہت سے علماء اس کو سنت لکھتے ہیں اس لیے کہ انہوں نے مہاجرین وانصار کے درمیان کھڑے ہو کر بیس تراویح پڑھائیں اور کسی انکار کرنے والے نے انکار نہیں کیا۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ھو الذی یعمل بہ اکثر المسلمین۔

فتاویٰ ابن تیمیہ ج2 ص401

یعنی بیس رکعات تراویح پر اکثر مسلمان عمل پیرا ہیں۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: وعن ابی عبد الرحمٰن السلمی ان علیا دعا القراء فی رمضان فامر رجلا منھم یصلی بالناس عشرین رکعة۔

منہاج السنہ ج4 ص224

یعنی حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کے قاریوں کو رمضان میں بلایا اور ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔

غیر مقلدین کی بدنیتی:

غیر مقلد؛ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نام پر عوام الناس کو دھوکہ دینا چاہتا ہے کہ وہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں جبکہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں صاف طور پر لکھتے ہیں: تراویح کا عدد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعین نہیں ہے۔

فتاویٰ ابن تیمیہ ج2 ص401

البتہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں اور دیگر کتابوں میں یہ بات تسلیم کی ہے کہ بیس رکعات تراویح پر مہاجرین وانصار اور خلفاء راشدین بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتفاق کیا ہے بہت سے لوگ اس کو سنت کہتے ہیں اور اکثر المسلمین کا اسی پر عمل ہے۔ پس غیر مقلد کا ان سب باتوں پر پردہ ڈال کر ان کی طرف آٹھ رکعات تراویح کی نسبت کرنا دیانت داری کے خلاف ہے۔ بلکہ بددیانتی ہے۔

علامہ سیوطی کے نام پر دھوکہ:

حافظ محمد اسلم غیر مقلد لکھتا ہے: علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لم یثبت انه صلی الله علیه وسلم صلی عشرین رکعة والوجه الثانی انه قد ثبت فی صحیح البخاری وغیره ان عائشة سئلت عن قیام رسول الله صلی الله علیه وسلم فی رمضان فقالت ما کان یزید رمضان ولا فی غیره علی احدی عشر رکعة (المصابیح فی الصلوۃ التراویح ص603)

تعداد مسنون تراویح ص9

اف اللہ! غیر مقلد اپنی پرانی سابقہ عادت وروایت کے مطابق یہاں بھی امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے نام پر دھوکہ دینا چاہتا ہے کہ وہ بھی آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں حالانکہ وہ آٹھ کے نہیں بلکہ بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں، چنانچہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ علامہ سبکی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: "ومذهبنا ان التراویح عشرون رکعة لما روی البیهقی وغیره بالا سناد الصحیح عن السائب بن یزید الصحابی رضی الله تعالیٰ عنه قال کنا نقوم علی عهد عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه بعشرین رکعة والوتر.

الحاوی للفتاوی ج1 ص350

اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ نماز تراویح بیس رکعات ہے اس لیے کہ بیہقی وغیرہ نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت سائب بن یزید صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم

اوگ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بیس رکعات تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔ پھر لکھا ہے "استقر العمل علی ھذا۔ یعنی بالآخر بیس رکعات تراویح پر عمل پختہ ہوا یعنی خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیس رکعات پر اتفاق اور اجماع کیا ہے۔

غیر مقلدین کی بددیانتی:

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کے حافظ محمد اسلم غیر مقلد نے علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی جو عبارت نقل کی ہے۔ وہ اصل کتاب میں اکٹھی نہیں ہے بلکہ علیحدہ علیحدہ دو صفحات کی دو عبارتوں کو یکجا کر کے " فاضل " مدینہ یونیورسٹی ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ دو مختلف مقامات کی عبارتوں کو بغیر کسی اشارے اور قرینے کے یکجا کرنے کا مقصد لوگوں کو یہ دھوکہ دینا ہے کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کہہ رہے ہیں کہ بیس رکعات تراویح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں جبکہ آٹھ رکعات ثابت ہے۔ حالانکہ امام جلال الدین سیوطی کے نزدیک تراویح کا عدد معین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں: ولو ثبت ذلك من فعل النبي صلى الله عليه وسلم لم يختلف فيه۔ یعنی اگر نماز تراویح کا عدد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتا تو اس میں اختلاف نہ ہوتا۔

الحاوی للفتاوی ج 1 ص 348

ایک مقام پر لکھتے ہیں: "وانما صلی لیالی صلوة لم یذکر عددها۔

ترجمہ: جن چند راتوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح باجماعت پڑھی ان کی تعداد مذکور نہیں ہے۔

ایضاً ج 1 ص 347

البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل سے بالآخر نماز تراویح کی بات بیس رکعات پر پختہ ہوئی۔ امام ابن تیمیہ اور امام سیوطی رحمہما اللہ وغیرہ سند کے لحاظ سے حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہا کی بیس رکعات تراویح والی حدیث کو ضعیف کہتے ہیں لیکن جمہور علماء اہل السنت والجماعت کہتے ہیں کہ تعامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے وہ حدیث صحیح ہے اور قابل احتجاج ہے اور تعامل صحابہ؛ امام ابن تیمیہ اور امام سیوطی کو بھی تسلیم ہے اور ان حضرات نے اپنی کتابوں میں اس کی تصریح بھی کر دی ہے اور تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کی وجہ سے استقرار العمل علی ھذا کا حتمی فیصلہ لکھتے ہیں۔ یعنی بیس رکعات پر عمل پختہ ہے۔

پس جو شخص یہ کہتا ہو کہ عدد تراویح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ منقول نہیں ہے البتہ تعامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وجہ سے استقرار العمل علی ھذا یعنی بیس رکعات تراویح پر استقرار عمل ہوا۔ اب ایسے شخص کے متعلق لوگوں کو یہ تاثر دینا کہ وہ بیس رکعات تراویح کی بجائے آٹھ رکعات کا قائل ہے بھلا دیانت وامانت کے خلاف نہیں ہے تو کیا ہے؟ میری دانست کے مطابق تو یہ کام صرف اور صرف غیر مقلد ہی کر سکتا ہے۔

حافظ محمد اسلم نے آخر ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کو اپنا ہم خیال سمجھ کر ان کی یہ عبارت نقل کر دی ہے: واما ما رواہ ابن ابی شیبۃ من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃً والوتر فاسنادہ ضعیف وقد عارضہ حدیث عائشۃ ھذا الذی فی الصحیحین مع کونہا اعلم بحال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلا من غیرہا واللہ اعلم۔

(فتح الباری ج4 ص319)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ مسئلہ تراویح میں قطعاً غیر مقلد نہ تھے بلکہ وہ تو امام شافعی رحمہ اللہ کے پکے مقلد تھے اور شافعیہ کا بیس رکعات تراویح پر اتفاق چلا آرہا ہے یہ ناممکن ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اپنے امام کی تقلید کو چھوڑ کر غیر مقلد بن جائیں اور اس عبارت میں جو کچھ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہنا چاہتے ہیں وہ ایک فن اصول حدیث کی بات ہے

ایلن دیکھنا یہ ہے کہ صحیحین میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جو روایت موجود ہے اس میں صاف لکھا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان ہو یہ غیر رمضان آٹھ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے اور جو نماز رمضان اور غیر رمضان میں برابر پڑھی جاتی ہے وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد ہے نہ کہ تراویح کی لہٰذا کہاں رہا تعارض؟

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے پوری زندگی میں ایک رمضان میں بھی آٹھ رکعات تراویح نہیں پڑھی اگر وہ آٹھ کے قائل ہوتے تو یقیناً عمل بھی اسی پر کرتے نیز حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بیس رکعات تراویح والی دوسری حدیث کو صحیح کہا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے امام رافعی رحمہ اللہ کے واسطے سے نقل کیا ہے:

انه صلی الله علیه وسلم صلی بالناس عشرین رکعة لیلتین فلما کان اللیلة الثالثة اجتمع الناس فلم یخرج الیهم ثم قال من الغدانی خشیت ان تفرض علیکم فلا تطیقو نها من حدیث عائشة دون عدد الرکعات.

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "متفق علی صحته" اس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔

(تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافع الکبیر ج1 ص119)

معلوم ہوا حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے نزدیک جس روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعات تراویح پڑھنا ثابت ہے اس کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ کے نام پر دھوکہ:

غیر مقلد حافظ محمد اسلم نے سید الفقہاء والمحدثین، امام الائمہ، امام اعظم سیدنا نعمان بن ثابت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نام پر بھی دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے، لکھتا ہے: عن ابی

حنیفۃ رحمہ اللہ عن ابی جعفر ان صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل کانت ثلث عشرۃ رکعۃ منھن ثلاث رکعات الوتر و رکعتا الفجر۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ؛ ابو جعفر سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تیرہ رکعتیں ہوا کرتی تھی جس میں تین وتر اور دو فجر کی سنتیں شامل تھیں۔مسند امام اعظم ص187 باب التہجد

تعداد مسنون تراویح ص4،3

غیر مقلد مذکورہ بالا عبارت کے ذریعہ عوام الناس کو یہ دھوکہ دینا چاہتا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ بیس رکعات تراویح کی بجائے آٹھ رکعات کے قائل تھے۔ حالانکہ یہ غیر مقلد کا سو فیصد دھوکہ ہے کیونکہ غیر مقلد نے مسند امام اعظم سے جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے وہ تہجد کے متعلق ہے نہ کے تراویح کے۔ خود حدیث میں صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل کے الفاظ موجود ہیں جن کا معنیٰ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز تیرہ رکعات ہوتی تھی اور رات کی نماز سے مراد تہجد ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد تیرہ رکعات ہوتی تھی وتر بھی اس میں شامل ہوتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ غیر مقلد نے حدیث میں " صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل " کے الفاظ موجود ہیں باللیل کا ترجمہ چھوڑ دیا ورنہ اس کا بھرم کھل جاتا اور اردو خواندہ لوگ سمجھ جاتے کہ امام صاحب تو نماز تہجد کی رکعات ثابت کر رہے ہیں نہ کہ نماز تراویح کی لیکن بالآخر غیر مقلد نے باب التہجد کا حوالہ دے کر خود اپنا بھرم کھول دیا کہ سیدنا امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس حدیث کا تعلق نماز تہجد سے ہے نہ کہ تراویح سے۔ لیکن غیر مقلد نے دھوکہ دینے میں امام صاحب کے نام کو بھی معاف نہیں کیا۔

امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک:

مناسب ہے کہ آپ کے سامنے امام صاحب رحمہ اللہ کا مسلک بھی نقل کر دیا جائے تا کہ غیر مقلد کا دھوکہ مزید کھل کر سامنے آجائے۔ کتاب الآثار لابی یوسف میں روایت موجود ہے

"ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم ان الناس کانوا یصلون خمس ترویحات فی رمضان "

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ حماد سے وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک لوگ رمضان میں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات پڑھاتے۔

فتاویٰ قاضی خان کا حوالہ:

فتاوی قاضی خان میں ہے:"التراویح سنۃ مؤکدۃ للرجال والنساء توارثھا الخلف عن السلف من لدن تاریخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا و ھکذا روی الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ انھا سنۃ لاینبغی ترکھا ....وقد واظب علیھا الخلفاء الراشدون رضی اللہ عنھم وقال علیہ السلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء من بعدی."

فتاویٰ قاضی خان برحاشیہ فتاویٰ عالمگیریہ ج 1 ص 332

ترجمہ: نماز تراویح مردوں اور عورتوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک ہر دور کے اخلاف (بعد والوں) نے اپنے اسلاف (پہلے والوں) سے اس کو توارث سے پایا ہے اور اسی طرح حسن رحمہ اللہ نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ بے شک تراویح سنت ہے اس کو چھوڑنا، نامناسب ہے، پھر لکھتے ہیں:

مقدار التراویح عند اصحابنا والشافعی رحمہ اللہ ماروی الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ قال القیام فی شھر رمضان سنۃ لاینبغی ترکھا یصلی اھل کل مسجد فی مسجدھم

کل لیلۃ سوی الوتر عشرین رکعۃ خمس ترویحات بعشر تسلیمات یسلم فی کل رکعتین۔

فتاویٰ قاضی خان ص234

ترجمہ: تراویح کی مقدار ہمارے اصحاب وامام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ ہے جو حسن رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے فرمایا قیام رمضان (تراویح) سنت ہے اس کو ترک کرنا، نامناسب ہے۔ ہر مسجد والے اپنی مسجد میں ہر رات وتروں کے علاوہ بیس رکعات تراویح پڑھیں۔ پانچ ترویحے۔ دس سلاموں کے ساتھ اور ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیں۔

بدایۃ المجتہد کا حوالہ:

بدایۃ المجتہد میں ہے: فاختار مالک فی احد قولیہ وابو حنیفۃ والشافعی و احمد وداؤد رحمھم اللہ القیام بعشرین رکعۃ سوی الوتر ۔

بدایۃ المجتہد ج1 ص210

ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے دو قولوں میں سے ایک میں اور امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور داؤد ظاہری نے بیس رکعات تراویح کا قیام پسند کیا ہے، سوائے وتر کے۔

رحمت الامۃ کا حوالہ:

رحمۃ الامت میں ہے: "فالمسنون عند ابی حنیفۃ والشافعی و احمد رحمھم اللہ عشرون رکعۃ"۔

رحمت الامۃ ص23

ترجمہ: امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور احمد رحمہم اللہ کے نزدیک مسنون تراویح بیس رکعات ہیں۔

قارئین کرام! فقہ حنفیہ کے تمام متون اور شروحات میں التراویح عشرون رکعات اور خمس ترویحات کی تصریح موجود ہے لیکن اتنی بڑی تصریحات کے باوجود غیر

مقلد کا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نام پر عوام الناس کو دھوکہ دینا اور ان کی طرف آٹھ رکعات تراویح کی جھوٹی نسبت کرنا نہایت تعجب خیز ہے اور حیران کن۔

صدیق اکبر، سائب بن یزید اور امام مالک کے نام پر دھوکہ:

حافظ محمد اسلم غیر مقلد کہتا ہے: "سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے: کنا ننصرف فی رمضان فنستعجل الخدام بالطعام مخافۃ الفجر۔ ہم جب نماز تراویح سے فارغ ہو کر گھروں کو لوٹتے تو فجر طلوع ہونے کے خوف سے خدام کو کھانے جلدی لانے کو کہتے کہ کہیں سحری فوت نہ ہو جائے۔

موطا امام مالک باب قیام رمضان

امام مالک رحمہ اللہ نے قیام رمضان کے عنوان کے تحت حدیث پاک کو بیان کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ فجر کے قریب تک نماز تراویح کا قیام جاری رہتا تھا۔

عزیز بھائیو! غور فرمایئے کہ تراویح کی نماز طلوع فجر کے قریب تک جاری ہے تو تہجد کس وقت ادا کی جاتی تھی؟ کیا کوئی عقل مند کہے گا کہ عشاء کے بعد تہجد ادا فرما لیتے تھے اور پھر طلوع فجر کے قریب تک تراویح پڑھتے تھے؟

حدیث سائب بن یزید رضی اللہ عنہ: وما کنا ننصرف الا فی فروع الفجر

(موطا امام مالک باب القیام رمضان)

ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فجر طلوع ہونے کے قریب قریب تراویح سے فارغ ہوا کرتے تھے یہ اور اس جیسی دیگر روایات اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاں نماز تراویح اور نماز تہجد دو چیزیں نہ تھیں بلکہ گیارہ ماہ تک پڑھی جانے والی نماز تہجد کو ہی رمضان المبارک میں نماز تراویح کہا کرتے تھے اور یہی نماز عشاء کی نماز سے لے کر طلوع فجر کے قریب تک مختلف اوقات میں ادا کی جاتی تھی۔

تعداد مسنون تراویح ص 3

الجواب باسم ملہم الصواب:

مذکورہ بالا عبارت میں غیر مقلد نے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کی طرف ایک جھوٹ کی نسبت کردی کہ ان حضرات کے نزدیک نماز تراویح اور نماز تہجد دو چیزیں نہ تھیں بلکہ ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے اور غیر مقلد ان حضرات کے نام سے لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں کیونکہ یہ بات نہ تو اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اور نہ ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز تراویح اور نماز تہجد ایک نماز کے دو نام ہیں اور نہ ہی سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے فرمائی ہے کہ نماز تراویح اور نماز تہجد ایک چیز ہیں اور نہ ہی کسی صحابی یا تابعی اور تبع تابعی سے کوئی ایسی بات منقول ہے بلکہ پورے خیر القرون میں کسی ایک شخص نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ نماز تراویح اور نماز تہجد ایک چیز ہے۔

یہ بات تو غیر مقلد کا اختراع ہے اور ان کی اپنی ایجاد کردہ اصطلاح ہے امام مالک رحمہ اللہ اور دیگر فقہا کرام اور ائمہ عظام سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں۔ غیر مقلد نے امام مالک رحمہ اللہ پر بہتان اور افتراء کیا ہے کیونکہ وہ نہ تو تراویح اور تہجد کو ایک سمجھتے ہیں اور نہ ہی آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں آگے چل کر بندہ عاجز آپ کی خدمت میں امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب پیش کرے گا۔ ان شاء اللہ۔ باقی غیر مقلد کا حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے استدلال کرنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ان دونوں روایتوں میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ ہم کون سی نماز سے ایسے وقت میں فارغ ہوتے تھے کہ خدام کو جلد سحری لانے کو کہتے تھے تاکہ سحری کا کھانا فوت نہ ہو جائے؟ یا کون سی نماز میں ایسے وقت میں فارغ ہوتے تھے کہ صبح صادق کے طلوع ہونے کا وقت قریب ہو جاتا تھا؟ نماز تراویح سے یا

تراویح اور تہجد دونوں سے ؟ کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں اول شب میں نماز تراویح اور آخر شب میں نماز تہجد کا معمول تھا، دلائل پہلے گزر چکے ہیں۔

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان کی ساری نماز ؛ نماز تراویح تھی تو پھر بھی غیر مقلد کا مدعیٰ اور مقصد حاصل نہیں ہوتا ہے کیونکہ جب ان کی نماز تراویح اتنی لمبی ہو جاتی کہ نماز تہجد کا وقت آجاتا تو تہجد کا نماز تراویح میں تداخل ہو جاتا اور نماز تراویح نماز تہجد کو قائم مقام ہو جاتی اس طریقہ سے ان کی نماز تہجد ؛ نماز تراویح کے ضمن میں ادا ہو جاتی تھی۔ اگر غیر مقلد اس کا بھی انکار کرتا ہے تو پھر بھی اس کا مدعیٰ حاصل نہیں ہوتا کہ نماز تراویح اور نماز تہجد ایک نماز کے دو نام ہیں کیونکہ تراویح ادا کرتے کرتے اگر نماز تہجد کا وقت نہیں بچا تو کیا حرج ہے ؟ کیونکہ نماز تہجد تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے ایک نفل اور مستحب نماز تھی۔

پس اگر ایک عبادت کی وجہ سے دوسری عبادت کا وقت نہیں بچا تو کوئی حرج بھی نہیں ہے کیونکہ وہ ایک نفلی عبادت تھی لہذا کسی خاص وقت میں نماز تہجد کو مستقلا علیحدہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے خود تہجد یا تراویح کا انکار کر دینا اور دو جدا جدا نمازوں کو ایک بنا دینا سراسر ظلم اور ناانصافی ہے جس کا ارتکاب صرف غیر مقلدین ہی کر سکتے ہیں۔ پھر ظلم بالائے ظلم یہ ہے کہ اس قیاس آرائی کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ائمہ عظام کی طرف بلا دلیل منسوب کر دینا اور لوگوں کو دھوکہ دینا کہ یہ سب حضرات تراویح اور تہجد کو ایک نماز سمجھتے تھے۔ سبحانك هذا بهتان عظيم. لاشك فيه ولاريب فيه

غیر مقلدین کی جہالت:

مذکورہ بالا اثر کا ایک راوی، ابو بکر انصاری تابعی ہیں جس کو غیر مقلد نے اپنی جہالت سے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمجھ لیا ہے یہ ہے فاضل مدینہ یونیورسٹی کے علم کا حدود اربعہ۔

تراویح اور تہجد دونوں کا کیا بنا؟

غیر مقلد کو صرف ایک ہی فکر ہے کہ جن راتوں میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نماز تراویح اتنی لمبی پڑھی کہ تہجد کا وقت نہ بچا تو تہجد کا کیا بنے گا؟ پس تہجد کو بچانے کے لیے قیاس آرائی کی جائے کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں حالانکہ نماز تہجد کو بچانے کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً ایک یہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز تراویح اتنی طویل ہو گئی کہ تہجد کا وقت آ گیا تو نماز تہجد کا نماز تراویح میں تداخل ہو گیا اور تراویح اس خاص صورت میں تہجد کے قائم مقام ہو گئی اور تہجد اس مخصوص صورت میں تراویح کے ضمن میں ادا ہوئی اور یہ نہایت معقول صورت ہے۔ لیکن غیر مقلد کا عجیب مزاج ہے کہ معقول باتوں کا انکار کرتے ہیں اور نامعقول باتوں کو اپنا لیتے ہیں۔

قارئین کرام! یہ ایک حقیقت ہے اور معقول بات ہے کہ نماز تراویح؛ نماز تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں اور ان دونوں میں بیسیوں فرق ہیں اور عام حالات میں ان دو نمازوں کو اپنے اپنے اوقات میں علیحدہ علیحدہ ادا کیا جاتا ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک نماز نہیں کہا کسی صحابی، تابعی اور تبع تابعی نے بھی ان کو ایک نماز نہیں کہا کسی محدث، مفسر اور فقیہہ نے ان کو ایک نماز نہیں کہا۔ خیر القرون کے کسی مسلمان نے ان کو ایک نماز نہیں کہا بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور سے لے کر آج تک تمام مسلمانانِ عالم ان کو الگ الگ دو نمازیں سمجھتے اور پڑھتے ہیں۔

ہاں! ایک خاص صورت میں جبکہ تراویح کی نماز اتنی طویل ہو گئی کہ نماز تہجد کو مستقل طور پر علیحدہ ادا کرنے کا وقت نہ بچا تو علماء اہل السنت والجماعت نے فرمایا کہ اس خاص صورت میں نماز تہجد؛ نماز تراویح کے ضمن میں ادا ہو گئی اور نماز تراویح؛ نماز تہجد کے قائم مقام ہو گی جبکہ علماء اسلام اور فقہاءِ امت اس عمل کو تداخل سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن غیر مقلد نے

اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے اس معقول بات کا انکار کر کے ایک غیر معقول بات کہنا شروع کر دی کہ گیارہ ماہ نماز تہجد کے نام سے ادا کی جانے والی نماز بارہویں ماہ مبارک میں نماز تراویح بن جاتی ہے گویا دو نام ایک نماز کے ہیں۔ یعنی غیر رمضان میں جو تہجد کہلواتی ہے وہ رمضان میں تراویح بن جاتی ہے اور جب رمضان گزر جاتا ہے تو پھر وہ نماز تہجد کہلوانے لگ جاتی ہے۔ حالانکہ یہ بات قطعاً غلط اور نامعقول ہے نہ اللہ نے ایسے فرمایا ہے، نہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ کسی اور مسلمان نے یہ بات کسی دور میں کی ہے۔

خیر! کسی خاص صورت میں نماز تہجد کو علیٰحدہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے اس کو علیحٰدہ نماز نہ سمجھنا اور اس کو تراویح کے ساتھ یکجان کر دینا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر نماز تہجد کو اس خاص صورت میں علیحدہ ادا کرنے کی وجہ سے اس کو تراویح سمجھ لیا گیا تو جس رات صحابہ کرام نے نہ نماز تراویح پڑھی اور نہ نماز تہجد بلکہ ساری رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے رہے کہ آپ آئیں گے اور ہمیں نماز پڑھائیں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف نہ لائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس رات نہ نماز تراویح ہوئی اور نہ نماز تہجد ہوئی۔ چنانچہ خود غیر مقلد حافظ محمد اسلم لکھتا ہے: اور اگلی رات ہم صبح کے قریب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں رہے مگر آپ تشریف نہ لائے دریافت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس لیے نہیں آیا کہ کہیں امت پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے۔

تعداد مسنون تراویح ص2

پس غیر مقلد خود اعتراف کر رہا ہے کہ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لیے باہر تشریف نہیں لائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتظار میں صبح کے قریب تک بیٹھے رہے اور کوئی نماز نہ پڑھی۔ لہٰذا اب غیر مقلد یہاں کیا کہے گا کہ صحابہ کرام کی تراویح کا کیا بنا اور تہجد کا کیا بنا؟ جب انہوں نے تراویح لمبی کر دی اور تہجد

نہیں پڑھی تو غیر مقلد نے کہہ دیا کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے اور جب انہوں نے نہ تراویح پڑھی اور نہ تہجد !تو اب غیر مقلد کیا کرے گا؟ان کی تراویح کا کیا بنا؟ اور ان کی تہجد کا کیا بنا؟

لہٰذا اب غیر مقلد کو اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے ایک اور غیر معقول بات کو اپنانا چاہیے کہ جس رات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ تراویح پڑھی اور نہ تہجد البتہ عشاء کی نماز تو یقیناً پڑھی ہو گی کیونکہ وہ فرض ہے لہٰذا تراویح، تہجد اور نماز عشاء ایک نماز ہیں اور یہ تینوں نام ایک ہی نماز کے ہیں جس طرح نماز تراویح اور نماز تہجد کی عام ادائیگی کی صورت میں تراویح، تہجد اور عشاء کی نماز کو یکجان سمجھنا نامعقول بات ہے اسی طرح تہجد کو علیحدہ ادا نہ کرنے کی صورت میں تراویح اور تہجد کو یکجان کہنا بھی ایک نامعقول صورت ہے جس کو غیر مقلد ہی اختیار کر سکتے ہیں۔

امام دارالہجرۃ امام مالک کا مذہب:

آپ نے پڑھ لیا کہ غیر مقلد نے امام مالک رحمہ اللہ کی طرف ایک جھوٹی بات کی نسبت کر دی کہ وہ تراویح اور تہجد کو ایک نماز سمجھتے تھے حالانکہ یہ سراسر جھوٹ اور ان پر بہتان ہے انہوں نے اپنی کسی کتاب میں ایسی بات نہیں لکھی اور نہ ہی ان کے مدونہ مذہب کی کتابوں میں یہ بات موجود ہے۔ اگر غیر مقلد کی یہ بات صحیح ہوتی کہ امام مالک تراویح اور تہجد کو ایک نماز سمجھتے تھے تو پھر بقول غیر مقلد تہجد کی آٹھ رکعتیں متعین ہیں پس امام مالک رحمہ اللہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہوتے۔ حالانکہ امام مالک رحمہ اللہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔ دو حوالے "رحمت الامۃ" اور "بدایۃ المجتہد" کے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کے بیان میں گزر چکے ہیں چند مزید حوالجات سنیئے۔

انوار ساطعہ کا حوالہ:

تتاكد صلوة التراويح فى رمضان عشرون ركعةً بعد صلوة العشاء يسلم من كل ركعتين. (انوار ساطعہ)

یعنی رمضان میں نماز عشاء کے بعد بیس رکعات نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرے۔

قسطلانی کا حوالہ:

وقد قالت المالكية انها كانت ثلاثاًوعشرين ثم جعلت تسعاًو ثلاثين.

(قسطلانی)

یعنی مالکیہ لکھتے ہیں: نماز تراویح وتر سمیت تیئس (23) رکعتیں تھیں پھر ان کو انتالیس (39) بنایا گیا۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مالکیہ کے نزدیک اصل نماز تراویح بیس رکعات سنت مؤکدہ ہے البتہ بیس رکعات نماز تراویح میں چونکہ چار رکعات کے بعد آرام وسکون کا وقفہ ہوتا تو اہل مکہ ہر ترویحے کے بعد بجائے آرام وسکون کے کعبۃ اللہ کا طواف کرتے تھے تاکہ نماز تراویح کے ساتھ ساتھ طواف کا ثواب بھی حاصل کرلیا جائے اور اہل مدینہ چونکہ طواف تو نہیں کرسکتے تھے اس لیے وہ نماز تراویح کے ہر ترویحہ کے بعد چار رکعت نفل انفرادی طور پر ادا کرلیتے تھے تاکہ طواف کعبۃ اللہ کی عبادت کا بدل ہو جائے اس طریقہ سے ان کی تراویح کے دوران 16 رکعات نفل کا اضافہ ہو جاتا تھا اور تین وتر کو ان کے ساتھ شامل کیا جائے تو ان کی کل 49 رکعات بن جاتی تھیں۔

تفصیل کے لیے دیکھیے۔ المغنی ابن قدامہ، فتاوی قاضی خان

اوجز المسالک کا حوالہ:

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ مالکیہ کا مذہب نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لكن الذي جرى عليه العمل سلفاًو خلفاً هو الاول.

اوجز المسالک ج1 ص397

یعنی مالکیہ کے سلف وخلف کا عمل بیس رکعات تراویح پر ہے۔

پس مذکورہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ امام مالک رحمہ اللہ اور اس کے مقلدین کا مذہب بیس رکعات تراویح ہے اور 36 یا ان سے زیادہ کی نسبت جو امام مالک رحمہ اللہ کی طرف کی جاتی ہے اس کی حقیقت بھی کھل کر آپ کے سامنے آگئی ہے۔

نیز جن حضرات نے بیس رکعات تراویح پر اجماع امت کیا ہے۔ مثلاً

امام نووی رحمہ اللہ	امام شافعی رحمہ اللہ	امام قسطلانی رحمہ اللہ
صاحب المغنی رحمہ اللہ	ملا علی قاری رحمہ اللہ	صاحب نیل المآرب رحمہ اللہ
ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ	علامہ ابن البر مالکی رحمہ اللہ	سید مرتضی الزبیدی رحمہ اللہ

اس اجماع امت کی تصریح سے بھی امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب واضح ہوتا ہے کہ وہ بھی بیس رکعات کے قائل ہیں اور اجماع امت میں شامل ہیں ورنہ اجماع امت کا کیا مطلب؟

غیر مقلدین کے دعوے کی تکذیب کا ایک اور طریقہ:

غیر مقلد حافظ محمد اسلم کا دعویٰ ہے کہ نماز تراویح کی تعداد آٹھ رکعات متعین ہے اس طریقہ سے کہ تراویح اور تہجد ایک نماز کے دو نام ہیں اور تہجد کی آٹھ رکعات حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے متعین ہے پس جب تراویح اور تہجد ایک نماز بن جائے گی تو خود بخود تراویح کی آٹھ رکعات متعین ہو جائیں گی حالانکہ بہت سے علماء کرام کے نزدیک نماز تراویح کی تعداد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعین نہیں ہے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے بیس رکعات متعین ہوئی۔ مثلاً

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ "فتاوی ابن تیمیہ" میں	علامہ سبکی رحمہ اللہ "شرح المنہاج" میں
علامہ سیوطی رحمۃ اللہ "المصابیح" میں	علامہ شوکانی رحمہ اللہ "نیل الاوطار" میں
وحید الزمان "نزل الابرار" میں	نور الحسن خان "عرف الجادی" میں

نواب صدیق حسن خان صاحب نے الانتقاد الرجیح میں لکھا ہے کہ نماز تراویح کی تعداد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعین نہیں ہے بلکہ اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیس رکعات تراویح متعین ہے پس اگر مذکورہ بالا علماء جو کہ غیر مقلدین کے محبوب معتمد علیہم اور راہ نما ورہبر ہیں نماز تراویح اور نماز تہجد کو ایک نماز سمجھتے تو وہ یوں ہرگز نہ کہتے کہ نماز تراویح کی تعداد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعین نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ یہ سارے حضرات نماز تراویح اور نماز تہجد کو جدا جدا دو نمازیں سمجھتے ہیں اور ان دو نمازوں کو قطعاً ایک نماز نہیں سمجھتے۔ پس ان حضرات کا یہ کہنا کہ نماز تراویح کی تعداد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعین نہیں ہے۔ غیر مقلد کے مذکورہ بالا دعویٰ کی کھلم کھلا تکذیب ہے کہ تراویح آٹھ رکعات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعین ہے اور نماز تراویح اور نماز تہجد ایک نماز کے دو نام ہیں

تراویح اور تہجد الگ الگ نمازیں ہیں ...... کبار علماء کی تصریحات:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا خاندان نے قرآن وحدیث کی خدمت اور تعلیم وتدریس اور پاک وہند میں شرک وبدعت کا قلع قمع کیا اور سنت نبوی کی اشاعت وترویج کی، بدعات اور رسومات سے یہ خاندان بہت سخت متنفر تھا۔ امام الموحدین شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ بھی اسی خاندان کے چشم وچراغ ہیں پاک وہند کے تمام علماء ومشائخ بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی خاندان کے تلمیذ اور شاگرد ہیں یا پھر ان کے علوم کے خوشہ چین ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں، اسی خاندان کے تمام علماء ومشائخ بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے اور نماز تراویح کو علیحدہ علیحدہ دو نمازیں سمجھتے تھے۔

فتاویٰ عزیزی کا حوالہ:

چنانچہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ سے ایک سوال کیا گیا کہ بیس رکعات تراویح کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت عمر رضی اللہ عنہ کہا گیا ہے جبکہ حدیث بخاری

میں تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے؟ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ جواب میں لکھتے ہیں:

"آں روایت محمول بر نماز تہجد است کے در رمضان وغیر رمضان یکساں بود غالباً بعدد یازدہ رکعات مع الوتر میر سد...... وقد سبق عن ما یتواھم معارضاً له اعنی حدیث ابی سلمه عن عائشة المتقدم ذکرہ لیس معارضاً له بالحقیقة فبقی سالماً کیف وقد تاید بفضل الصحابة۔

فتاویٰ عزیزی ص 161

یعنی سیدہ کی حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کا بیان ہے (نہ کہ نماز تراویح کا) کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد رمضان ہو یا غیر رمضان یکساں رہتی تھی اکثر وتر سمیت گیارہ رکعات ہوتی تھیں۔ باقی رہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث جس میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح بیس رکعات پڑھائی تو وہ حدیث عائشہ کے خلاف اور معارض نہیں ہے (کیونکہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں نماز تہجد کا بیان ہے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں نماز تراویح کا بیان ہے تراویح اور نماز ہے اور تہجد اور نماز لہٰذا حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نہ معارض ہے نہ خلاف) پس جب حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما؛ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے معارض نہ ہوئی تو ساقط نہ ہوگی بلکہ سالم رہے گی یعنی قابل حجت اور قابل عمل ہوگی کیونکہ اس کو عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تائید حاصل ہے چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیس رکعات تراویح پر عمل کیا، لہٰذا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث (بیس رکعات تراویح) والی صحیح اور قابل حجت ہوگئی۔

فتاویٰ عزیزی کا ایک اور حوالہ:

حضرت شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں: "بریں عدد اجماع شد بود بعد از تحقیق اجماع مراعاۃ ایں عدد ہم از ضروریات گشت در حق قرون متاخرہ...... خصوصاً چوں آں امر مجمع علیہ شعار اہل حق گردد وما بہ الامتیاز اہل بدعت شود۔

فتاویٰ عزیزی ص120

یعنی بیس رکعات تراویح پر اجماع منعقد ہوا ہے اور اجماع کے ثابت ہو جانے کے بعد بیس رکعات تراویح بعد والے لوگوں کے لیے ضروریات (دین) سے ہو گئی خصوصاً جبکہ وہ اجماعی امر (تراویح) اہل حق کی علامت ہو جائے اور اہل بدعت سے ما بہ الامتیاز بن جائے۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ خاندان شاہ ولی اللہ کا سب سے بڑا عالم جس کو "مسند الہند" کا لقب دیا جاتا ہے اور جس کو بیک وقت تمام علوم دینیہ میں مجتہدانہ دسترس حاصل تھی جس کو غیر مقلدین علماء بھی اپنا استاذ اور شیخ سمجھ کر فخر کرتے ہیں۔ وہ شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کتنی بڑی وضاحت اور صفائی کے ساتھ تصریح فرمارہے ہیں کہ نماز تراویح اور نماز ہے جو کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے ثابت ہے اور نماز تہجد اور نماز ہے جو کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے۔ نماز تراویح بیس رکعات بغیر وتروں کے ہے اور نماز تہجد وتر سمیت گیارہ رکعات ہے۔

ان دو حدیثوں میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہے بلکہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے تو بیس رکعات کو مجمع علیہ قرار دیا ہے اور اس کو شعار اہل حق اور ضروریات دین سے کہا ہے اور اہل بدعت یعنی شیعہ سے مسلمانوں کا ما بہ الامتیاز قرار دیا ہے۔ یعنی بیس رکعات تراویح سے کم کرنے والا شیعوں سے مشابہت رکھتا ہے کیونکہ بیس رکعات تراویح مسلمانوں کا شیعوں سے ایک قسم کی جداگانہ علامت ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ کا حوالہ:

خود شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ بھی بیس رکعات تراویح کے قائل اور اس پر عامل ہیں، لکھتے ہیں: وعددہ عشرون رکعۃ. یعنی نماز تراویح بیس رکعات ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ ج2 ص18

فتاویٰ ثنائیہ کا حوالہ:

غیر مقلدین کے مشہور عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری سے پوچھا گیا کہ کیا نماز تہجد اور نماز تراویح ایک نماز ہے یا علیحدہ علیحدہ ہے؟ تو آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ۔ نماز تہجد سارے سال میں ہوتی ہے اور تراویح خاص رمضان میں۔

فتاویٰ ثنائیہ ج1 ص656

فتاویٰ ثنائیہ کا ایک اور حوالہ:

پھر سوال کیا گیا کہ جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کہ وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ پھر آخر رات میں تہجد پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ پڑھ سکتا ہے تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے اول شب میں تہجد نہیں ہوتی۔

فتاویٰ ثنائیہ ج1 ص682

فتاویٰ ثنائیہ کا مزید ایک اور حوالہ:

پھر سوال کیا گیا کہ رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد دونوں ہیں یا تہجد ہے بدل تراویح؟ تو اِس سوال کا جواب دیا کہ اگر تراویح پہلے وقت میں پڑھے تو صرف تراویح ہے پچھلے پہر پڑھے تو تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔

فتاویٰ ثنائیہ ج1 ص654

قارئین کرام! آپ نے پڑھ لیا کہ غیر مقلد عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری کتنے واضح لفظوں میں فرق بتا رہے ہیں کہ تراویح اور نماز ہے اور تہجد اور نماز ہے۔ البتہ جب نماز تراویح تہجد کے وقت میں داخل ہو جاتی ہے تو وہ تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہے اور اہل علم خوب جانتے ہیں کہ بعض مخصوص حالات میں ایک نماز کا کسی دوسری نماز کے قائم مقام ہو جانا اور بات ہے جیسا کہ بعض اوقات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نماز تراویح اتنی طویل ہو گئی کہ نماز تہجد کے قائم مقام ہو گئی اور ایک عبادت کے پورے تشخص کو ختم کر کے دونوں کو ایک بنا دینا بالکل اور بات ہے۔ اول الذکر صورت بالکل صحیح اور معقول ہے جب کہ ثانی الذکر ایک غیر معقول صورت ہے جس کو غیر مقلدین نے اپنایا۔

بذل المجہود شرح ابی داؤد کا حوالہ:

آپ اور تصریح بھی ملاحظہ فرمایئے۔ فخر المتکلمین، محدث جلیل شارح سنن ابی داؤد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ حدیث سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق فرماتے ہیں: "فان هذا الحديث لا تعلق له بالتراويح لا نفيا ولا اثباتا فكانها صلوة اخرى والاستدلال بهذا الحديث على ان التراويح ثماني ركعات لغو هذا كتب مولانا محمد يحيى المرحوم من تقرير شيخه.

بذل المجہود شرح ابی داؤد ج6 ص290

یعنی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گیارہ رکعات والی حدیث کو نماز تراویح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ نفیاً نہ اثباتاً کیونکہ وہ تو اور نماز ہے اور آٹھ رکعات تراویح پر اس حدیث سے استدلال کرنا لغو وبیہودہ ہے اس طرح حضرت مولانا محمد یحیٰ رحمہ اللہ نے اپنے شیخ کی تقریر سے لکھا ہے۔

حضرات گرامی! غیر مقلد نے جن حضرات کے نام پر دھوکہ دینے کی کوشش کی کہ نماز تراویح اور نماز تہجد ایک نماز ہے اور نماز تراویح آٹھ رکعات ہے۔ ان سب کا جواب مع

الدلائل آپ کی خدمت میں پیش ہو چکا ہے کہ ایسی بات نہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی صحابی، تابعی اور تبع تابعی سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی محدث ومفسر نے یہ بات کہی ہے اور نہ ہی کسی امام کا مذہب ہے۔ علماء اسلام اور بزرگان دین کے دامن اس اتہام سے پاک وصاف ہیں کیونکہ پوری امت مسلمہ تراویح اور تہجد کو ہمیشہ سے دو الگ الگ نمازیں سمجھتی اور پڑھتی چلی آرہی ہے یہ بات چودھویں صدی کے غیر مقلدین کی اختراع کردہ ہے کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے در حقیقت دو نمازوں میں سے ایک نماز کے تشخص کو ختم کرنے کی خطرناک سازش ہے اور نماز تراویح کی حیثیت واہمیت بلکہ حقیقت کو ختم کرنے کا ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے جس کے پس پشت شیعہ کا ناپاک ہاتھ ہے۔

اقوال شاذہ نقل کرنے میں دھوکہ:

بعض علماء کے بعض شاذ اقوال ایسے ملتے ہیں جن سے بظاہر غیر مقلدین کے مدعٰی کی تائید ہوتی ہے اور غیر مقلدین اکثر ایسے شاذ اقوال کو پیش کرتے ہیں اور اپنی کتابوں میں ان کی خوب تشہیر کرتے ہیں اور ایسے اقوال دیکھا کر لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ ہمارے ہمنوا ہیں فلاں عالم ہمارے ساتھ ہیں وغیرہ وغیرہ لیکن علماء اہل السنت والجماعت بار بار یہ وضاحت فرما چکے ہیں کہ یہ چند اقوال شاذ، مرجوح غیر مفتٰی بہ اور غیر معتبر ہیں کیونکہ جمہور علماء بیس رکعات تراویح کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہیں اور اسی پر اجماع صحابہ اور اجماع امت ہے۔ بعد میں آنے والے شخص کا قول اگر اجماع امت کے خلاف ہے تو وہ شاذ، تفرد اور ناقابل عمل ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہے۔ لیکن غیر مقلدین اس سب کے باوجود ان اقوال شاذہ کو اچھالتے رہتے ہیں اور اپنے دلائل کی فہرست میں اضافہ کرنے کی غرض سے ان شاذ باتوں کی بھرتی کرتے رہتے ہیں۔

لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ یہ غیر مقلدین شاذ اور خلاف اجماع باتوں کو نقل کرتے وقت بھی عوام الناس کو دھوکہ دیتے ہیں کیونکہ اپنے مطلب کی ادھوری بات نقل کرتے ہیں حق تو یہ ہے کہ اس عالم کی پوری بات اور اس کا جو بھی موقف ہو وہ عوام الناس کے سامنے رکھا جائے لیکن غیر مقلدین کا طرز عمل یہ ہے کہ وہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں اس لیے ادھوری بات نقل کرتے ہیں تاکہ حقیقت کھل کر سامنے نا آجائے اور لوگ حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے اندھیرے میں رہیں اور یہ سمجھتے رہیں کہ ان کے پاس بھی دلائل ہیں اور علماء کے اقوال ہیں۔ حالانکہ در حقیقت نہ تو غیر مقلدین کے پاس دلائل ہیں اور نہ ہی ان کو اقوال العلماء کی تائید حاصل ہے بلکہ دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔

ناانصافی کی حد ہو گئی:

غیر مقلدین بعض علماء سے یہ جملہ نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعات تراویح ثابت نہیں ہے یا آٹھ ثابت ہیں یا آٹھ سنت ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ باتیں خلاف اجماع ہونے کی وجہ سے شاذ اور غیر معتبر ہیں جس کی ہمارے علماء نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں تصریح فرمادی ہے۔ بہر حال !صاحب الحاجہ کا الاعمیٰ کے تحت غیر مقلدین اپنا من بھاتا مطلب حاصل کرنے کے لیے کتابوں سے یہ غیر مقبول اور شاذ اقوال نقل کرتے ہیں اور وہ بھی ادھورے۔ کیونکہ جن کتابوں سے یہ غیر معتبر اقوال نقل کرتے ہیں انہیں کتابوں میں مذکورہ بالا جملوں کے ساتھ یہ جملے بھی لکھے ہوتے ہیں مثلاً

1) بیس رکعات تراویح پر اجماع صحابہ ہے۔

2) بیس رکعات پر اجماع ائمہ ہے۔

3) بیس رکعات تراویح پر اجماع امت ہے۔

4) بیس رکعات تراویح پر استقرار عمل ہے۔

5) بالآخر بیس رکعات تراویح پر عمل پختہ ہوا۔

6) بیس رکعات تراویح جمہور کا مذہب ہے۔

7) بیس رکعات تراویح پر اکثریت عمل کرتی ہے۔

8) شرفاو غربا بیس رکعات پر عمل جاری ہے۔

9) بیس رکعات تراویح تواتر اور توارث سے ثابت ہے۔

ناانصافی کی حد ہو گئی ہے کہ ایک تو شاذ قول نقل کر کے عوام الناس کو دھوکہ دینا اور پھر ایسے قول کی نقل میں بھی دھوکہ دینا۔ اور آخری بات کو جو کہ فیصلہ کن ہے کو چھپا دینا۔ نقل نہ کرنا بلکہ چھوڑ دینا۔ بہر حال جن کتابوں یہ شاذ اقوال پائے جاتے ہیں وہ یہ آخری فیصلہ بھی موجود ہوتا ہے۔ اور حقیت یہ ہے کہ علماء محققین جب کسی مسئلہ کی تحقیق کرتے ہیں۔ تو دوران تحقیق اس میں جملہ اقوال و آراء کو نقل کرتے ہیں تو شاذ مرجوح، غیر مفتٰی بہ اور غیر معتبر اقوال بھی آجاتے ہیں، دلائل بھی ہر طرف سے نقل کیے جاتے ہیں، ہر جانب سے دلائل کے جوابات بھی نقل کیے جاتے ہیں، دلائل کو کمزور کرنے کے لیے اعتراضات بھی نقل کیے جاتے ہیں، تعارضات بھی پیش کیے جاتے ہیں اور تعارض کے رفع کی صورتیں بھی بتائی جاتی ہیں۔ بہر حال جس مسئلہ میں تحقیق ہو رہی ہوتی ہے اس کے تمام پہلو بیان کیے جاتے ہیں اور موافق و مخالف باتیں جمع کی جاتی ہیں لیکن آخر میں فیصلہ کیا جاتا ہے اور راجح مسلک کو بیان کیا جاتا ہے۔

یہی کچھ مسئلہ تراویح میں ہوا ہے اور جس نے بھی مسئلہ تراویح میں بحث اور تحقیق کی ہے اسی نے بالآخر یہ فیصلہ دیا ہے کہ بیس رکعات تراویح پر استقرار عمل ہے یا بیس رکعات تراویح اجماع ہے یا بیس رکعات جمہور کا مذہب ہے۔ پس درمیان کے شاذ اقوال نقل کرنا اور آخری فیصلہ کو چھپا دینا غیر مقلدین کا ہی کام ہو سکتا ہے۔

غیر مقلدین عام طور پر سوال کرتے ہیں:

اگر غیر مقلدین سوال کریں :

- کس نے کہا کہ بیس رکعات تراویح پر استقرار عمل ٹھہرا؟
- کس نے کہا کہ بیس رکعات تراویح پر اجماع امت ہے ؟
- کس نے کہا کہ بیس رکعات تراویح جمہور اور اکثر کا مذہب ہے؟
- کس نے کہا کہ بیس رکعات تراویح توارث اور تواتر سے ثابت ہے؟

تو علماء اہل السنت والجماعت نے ان سب سوالوں کا جواب بڑی تفصیل سے اپنی کتابوں میں دیا ہے اور صحیح حوالہ جات سے لکھا ہے کہ

- ✓ کس نے استقرار عمل کا قول کیا ہے!
- ✓ کس نے اجماع نقل کیا ہے!
- ✓ کس نے توارث اور تواتر کا دعوی کیا ہے!
- ✓ کس نے بیس پر باقاعدہ عمل کیا!

چند حوالہ جات بندہ عاجز اپنے علماء کی کتابوں سے نقل کر کے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے تحقیق مزید کے لیے مناظر اسلام ترجمان اہل سنت وکیل احناف حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ و دیگر علماء حق کی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں خصوصاً استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد رحمہ اللہ کی کتاب "خیر المصابیح فی عدد التراویح" کا ضرور مطالعہ فرمائیں ان شاء اللہ تشفی و تسلی ہو گی۔

استقرار عمل بیس رکعات تراویح پر ہوا

1) علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" ج 1 ص 407 میں

2) علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے "العرف الشذی" ص 430 میں

3) علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے "البحر الرائق" ج2ص66 میں

4) عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "ماثبت بالسنۃ" ص288میں

5) علامہ شامی رحمہ اللہ نے "ردالمحتار" ج1ص511میں

6) علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے "البدائع والصنائع" ج1ص288میں

7) علامہ سیوطی اور علامہ سبکی رحمہا اللہ نے "المصابیح" ص16میں

8) علامہ حلبی رحمہ اللہ نے "شرح منیہ 388" میں

9) ملا علی قاری رحمہ اللہ نے "شرح نقایہ" میں

10) قاضی شوکانی رحمہ اللہ نے "نیل الاوطار" ج1ص295میں

11) علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے "المحلیٰ" میں

12) علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے "التعلیق الممجد" ص143میں

13) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے "اوجز المسالک" ص397میں

14) علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے "کشف الغمہ" میں

اس کے علاوہ بیسیوں علماء کرام نے اپنی کتب میں اس کو لکھا ہے کہ بیس رکعات تراویح پر استقرار عمل ہوا اور بالآخر بیس رکعات تراویح والی بات پختہ ہوئی۔

قارئین کرام! یہ سارے علماء محققین مسئلہ تراویح کی تحقیق کے دوران ہر قسم کے اقوال وآراء اور مخالف وموافق دلائل نقل کرنے کے بعد بالآخر جو حتمی اور آخر فیصلہ لکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ استقر العمل علی ھذا یا استقر الامر علی ھذا یعنی بیس رکعات تراویح پر استقرار پر عمل ہوا یا بیس رکعات تراویح کی بات پختہ ہوئی یہ ان کا فیصلہ اور ان کا مذہب وعمل ہے۔

غیر مقلدین کی بری عادت:

لیکن غیر مقلدین کیا کرتے ہیں؟ کرتے یہ ہیں کہ تحقیق کے دوران واقع ہونے والے شاذ، مردود، خلاف اجماع اور غیر مقبول وغیرہ معتبر اقوال نقل کر کے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ لوگ آٹھ تراویح کے قائل ہیں یا تراویح و تہجد ایک نماز ہے حالانکہ یہ سب علماء کرام بیس رکعات تراویح کے قائل اور عامل ہیں۔

بیس رکعات تراویح پر اجماع ہے:

1) ملا علی قاری رحمہ اللہ نے "شرح نقایہ" ص104 اور "مرقات" ج3ص194 میں

2) علامہ مرتضیٰ الحسن زبیدی رحمہ اللہ نے "اتحاف سادۃ المتقین" ج3ص422 میں

3) مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے "حاشیہ شرح وقایہ" میں

4) ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے "انارۃ المصابیح" ص18 میں

5) ابن قدامہ رحمہ اللہ نے "مغنی" ج1ص803 میں

6) علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے "شرح بخاری" میں

7) شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ نے "اوجز المسالک" ج1ص390 میں

8) علامہ شمس الدین رحمہ اللہ نے "شرح مقنع" ج1ص852 میں

9) نواب صدیق حسن خان غیر مقلد نے "عون الباری" ج2ص307 میں

10) امام نووی رحمہ اللہ نے "کتاب الاذکار" ص83 میں

11) شیخ منصور بن ادریس رحمہ اللہ نے "کشف القناع" میں

12) علامہ عینی رحمہ اللہ نے "عمدۃ القاری شرح بخاری" میں

13) ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے بحوالہ ملا علی قاری رحمہ اللہ "مرقات" میں

14) مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے "الرائی النجیح" ص19 میں

15) صاحب شرح کبیر رحمہ اللہ نے اپنی "شرح کبیر" میں

16) جسٹس سید امیر علی رحمہ اللہ نے "عین الھدایہ ترجمہ ہدایہ" ج1 ص723 میں

17) مولانا غلام رسول رحمہ اللہ نے "رسالہ تراویح" ص17، 18 میں

18) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "فتاویٰ عزیزی" ص120 میں

19) مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے "تالیفات رشیدیہ" ص323 ص756 میں

اس کے علاوہ بیسیوں کبار علماء نے اپنی کتب میں فرمایا ہے کہ بیس رکعات تراویح پر اجماع صحابہ اور اجماع امت ہے۔ قارئین کرام! یہ سب علماء کرام فرماتے ہیں کہ بیس رکعات تراویح پر اجماع امت ہے لیکن ان حضرات کی طرف شاذ و مردود قول کی نسبت کر کے لوگوں کو دھوکہ دینا کہ یہ لوگ آٹھ تراویح کے قائل ہیں غیر مقلدین کا کام ہے۔

بیس رکعات تراویح جمہور اور اکثریت کا مذہب ہے:

1) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے "فتاویٰ" ج1 ص191 ج1 ص140 میں کہا ہے کہ بیس رکعات تراویح اکثریت کا مذہب ہے۔

2) علامہ عینی رحمہ اللہ نے ابن عبد البر کے حوالہ سے کہا جمہور علماء کا مذہب بیس رکعات ہے۔

3) علامہ شامی رحمہ اللہ نے "در مختار" ج1 ص511 میں کہا ہے کہ بیس رکعات تراویح جمہور کا مذہب ہے۔

4) امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "ترمذی شریف" ج1 ص 99 میں فرمایا ہے کہ بیس رکعات تراویح اکثریت کا مذہب ہے۔

5) قاضی خان رحمہ اللہ نے اپنے "فتاویٰ" ص110 میں فرمایا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کا مشہور مذہب بیس رکعات تراویح ہے۔

6) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے "اوجز المسالک" ص383 میں فرمایا ہے کہ بیس رکعات تراویح جمہور کا مذہب ہے۔

7) "نیل المآرب" میں لکھا ہے کہ بیس رکعات تراویح اکثریت کا مذہب ہے بحوالہ اوجز المسالک ج1 ص397۔

8) فخر المتکلمین مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ سہارنپوری نے "بذل المجہود" ج2 ص205 میں لکھا ہے کہ اکثریت کا مذہب بیس رکعات تراویح ہے

9) علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے "عرف الشذی" ص281 میں فرمایا ہے کہ بیس رکعات تراویح جمہور کا مذہب ہے۔

بیس رکعات تراویح تواتر و توارث سے ثابت ہے:

بیس رکعات تراویح کے ثبوت میں حرمین شریفین کا متواتر اور توارث عمل بھی ایک معتبر دلیل ہے کیونکہ عہد اول سے حرم مکہ اور حرم مدینہ میں آج تک تسلسل کے ساتھ بیس رکعات تراویح پڑھی جارہی ہے۔ ایک رات بھی ایسی نہیں گزری کہ حرمین شریفین میں آٹھ رکعات تراویح ادا کی گئی ہو پس چودہ سو سال کا یہ مسلسل و تواتر عمل بیس تراویح کے لیے ایک ٹھوس ثبوت ہے جس کو دنیا کا کوئی غیر مقلد ٹھکرا نہیں سکتا۔

علامہ طحطاوی اور ابن ہمام کا حوالہ:

علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب طحطاوی علی مراقی الفلاح ص468 میں لکھا ہے کہ بیس رکعات تراویح توارث سے ثابت ہے اور اسی طرح خود مراقی الفلاح میں بھی یہی لکھا ہے کہ بیس رکعات تراویح توارث سے ثابت ہے امام ابن ھمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر ج1 ص407 میں بیس رکعات تراویح کو متوارث کہا ہے۔

قارئین کرام! جو علماء فرماتے ہیں کہ بیس رکعات تراویح تواریث سے ثابت ہے یا جمہور واکثریت کا مذہب ہے ان کے متعلق لوگوں کو یہ تاثر دینا کہ وہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے کتنا بڑا دھوکہ ہے اور یہ کام غیر مقلدین کو ہی زیبا ہے۔

بیس رکعات تراویح پڑھنے اور پڑھانے والے صحابہ وتابعین کرام:

1) سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں صحابہ (باجماعت) بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔ بیہقی ج2 ص296

2) حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعات تراویح (باجماعت) پڑھتے تھے۔

(آثار السنن بحوالہ بیہقی)

3) حضرت یزید بن رومان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔

آثار السنن بحوالہ مؤطا امام مالک

4) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب پر جمع فرمایا پس وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے۔

نسخہ ابوداؤد مطبوعہ عرب، سیر اعلام النبلاء ج1 ص400، الھدی النبوی الصحیح فی الصلوۃ التراویح 56 للشیخ محمد علی الصابونی الاستاذ بکلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیہ جامعہ ام القری مکہ مکرمہ۔ جامع المسانید والسنن لابن کثیر دمشقی

5) حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا کہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھاؤں۔

کنز العمال ج8 ص460

6) حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی ا ن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما پر جمع فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو اکیس رکعت پڑھائیں۔

مصنف عبد الرزاق ج4 ص260

7) حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہمارمضان المبارک میں لوگوں کے ساتھ ہی باجماعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

المدونۃ الکبریٰ ج1ص194

8) ابو عبد الرحمٰن سلمی رحمہ اللہ سے روایت ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے رمضان میں قاریوں کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھایا کرے۔

بیہقی ج2ص496

9) ابو الحسناء سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات تراویح پڑھائے۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج2ص393

10) حضرت حسن رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس امام کو رمضان میں تراویح پڑھانے کا کہا تو اسے حکم دیا وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔

مسند الامام زید ص139

11) امام حسن بصری رحمہ اللہ عبد العزیز بن رفیع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں رمضان میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج2ص393

12) زید بن وھب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں رمضان المبارک میں نماز تراویح پڑھاتے تھے اور امام اعمش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیس رکعات پڑھاتے تھے۔

قیام اللیل ص 157

13) حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھتے پایا۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص393

14) امام نخعی تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سب لوگ یعنی صحابہ و تابعین رمضان میں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔

کتاب الآثار لابی یوسف ص41

15) حضرت شتیر بن شکل رضی اللہ عنہ جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہیں فرماتے ہیں: میں رمضان میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتا تھا۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص393

16) ابوالبختری رضی اللہ عنہ (83ھ) یہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں ہیں بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص393

17) ابو خصیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت سوید بن غفلہ رحمہ اللہ (80ھ) ہمیں رمضان میں پانچ ترویحے بیس رکعات تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

آثار السنن ص253 بحوالہ بیہقی

18) حضرت نافع بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابن ابی ملیکہ ہمیں بیس رکعات تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

آثار السنن ص253 بحوالہ ابن ابی شیبہ

19) سعید بن عبید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ربیعہ (جو کہ کبار تابعین میں سے ہیں) ہمیں رمضان میں بیس رکعات تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص313

20) حضرت عبد الرحمن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ (تلمیذ حضرت علی رضی اللہ عنہ) لوگوں کو پانچ ترویحے بیس رکعات تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

قیام اللیل ص158

21) حضرت سعید بن ابی الحسن رضی اللہ عنہ (تلمیذ حضرت علی رضی اللہ عنہ) وہ لوگوں کو پانچ ترویحے بیس رکعات تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

قیام اللیل ص158

22) حارث بن ابی ذیاب؛ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعات تراویح باجماعت پڑھتے تھے۔

ابن عبد البر

23) حضرت محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں باجماعت بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے۔

قیام اللیل ص157

24) حضرت ابو اسحاق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: حضرت حارث اعور جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ رمضان المبارک کی راتوں میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین پڑھایا کرتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبۃ ج2ص393

25) حضرت یونس رحمہ اللہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے ابن الاشعث کے فتنہ (83ھ) سے پہلے جامع مسجد بصرہ میں دیکھا کہ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکرہ، حضرت سعید بن ابو الحسن اور حضرت عمران عبدی رحمہم اللہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے۔

مختصر قیام اللیل ص58

26) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں (لوگوں) کو بیس رکعات تراویح پڑھتے پایا۔

ترمذی ج1 ص112

27) علامہ سبکی نے ابن عبد البر رحمہا اللہ سے روایت کیا ہے کہ بے شک عمل بیس رکعات تراویح پر پختہ ہوا۔

ہدایۃ السائل ص138

28) امام ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

المغنی لابن قدامہ ج1 ص802

29) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

فتاویٰ ابن تیمیہ ج1 ص186

30) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بیس رکعات تراویح پر عمل مستحکم ہوا۔

المصابیح ص16

31) علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مغرب و مشرق میں یعنی پوری دنیا میں بیس رکعات تراویح پر عمل ہو رہا ہے۔

شامی ج 1 ص521

32) یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص393

33) عبد العزیز بن رفیع رحمہ اللہ سے روایت ہے: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان المبارک کے مہینہ میں مدینہ منورہ میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

آثار السنن بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ

34) شرح کبیر کے حاشیہ دسوقی میں لکھا ہے: وتر سمیت تیئس 23 رکعت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا عمل رہا۔

اوجز المسالک

35) تمام مالکیہ کا سلفاً وخلفاً بیس رکعات تراویح پر عمل چلا آرہا ہے۔

اوجز المسالک

36) حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیس رکعات تراویح کا اہتمام کیا۔

حاشیہ شرح وقایہ، التعلیق الممجد حاشیہ مؤطا امام محمد ص209

37) امام کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔

بدائع الصنائع ج1 ص288

38) مولانا غلام رسول غیر مقلد قلعہ میہاں سنگھ تلمیذ میاں نذیر حسین دہلوی لکھتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین وائمہ وسواد اعظم مسلمین کا عمل جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے اس وقت تک مشرق ومغرب میں جاری ہے وہ تیئس 23 مع وتر کے ہے۔

رسالہ تراویح ص28

39) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بیس رکعات تراویح پر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے مواظبت کی۔

ماثبت بالسنۃ ص88

40) جسٹس امیر علی رحمہ اللہ مترجم ہدایہ فرماتے ہیں: بیس رکعات تراویح پر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے مواظبت یعنی ہمیشگی وپابندی فرمائی۔

عین الہدایہ ترجمہ اردو ہدایہ ج1 ص721

41) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بیس رکعات تراویح والی حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کی وجہ سے ہر قسم کی جرح سے سالم ہے۔

فتاویٰ عزیزی ص120

42) خاتم المحدثین امام العصر حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بیس رکعات تراویح حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا فعل و عمل ہے۔

عرف الشذی ص281

43) امام دار الہجرۃ امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔

مؤطا امام مالک

44) علامہ زین الدین بن نجیم مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے اور مشرق و مغرب میں اسی پر عمل ہے۔

البحر الرائق ج2 ص66

45) ائمہ اربعہ اور ان کے تمام مقلدین بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔

ترمذی شریف ج1 ص166

46) ائمہ اربعہ اور ان کے تمام مقلدین بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔

فتاوی قاضی خان ج1 ص112

47) ائمہ اربعہ اور ان کے تمام مقلدین بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔

بدایۃ المجتہد ج1 ص152

48) ائمہ اربعہ اور ان کے تمام مقلدین بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔

المغنی لابن قدامہ ج2 ص197

49) علامہ سید انور شاہ محدث کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام بھی بیس رکعات تراویح سے کم کا قائل نہیں ہے۔

عرف الشذی ص281

50) غیر مقلدین کا مشہور عالم مترجم صحاح ستہ وغیرہ نواب وحید الزمان لکھتا ہے: صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔

مؤطا امام مالک مترجم ص101 ملخصا

51) حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔

حاشیہ بخاری ج1 ص154

52) نہایۃ المراد میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔

نہایۃ المراد

53) امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔

(ترمذی)

ایک ضروری وضاحت:

ابھی ابھی العرف الشذی کے حوالے سے امام العصر خاتم المحدثین علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا ایک قول گزرا ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی بیس سے کم کا قائل نہیں چنانچہ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا تو صرف ایک ہی قول ہے کہ نماز تراویح بیس رکعات ہی ہے البتہ امام مالک رحمہ اللہ کا بیس کے علاوہ ایک قول بیس سے زائد کا بھی ہے بہر حال بیس سے کم کسی امام کا قول نہیں ہے۔ہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لی جائے کہ جو

بیس سے زائد امام مالک کی طرف منسوب ہیں ان کی حقیقت بندہ عاجز نے واضح کر دی ہے کہ اہل مدینہ بیس رکعات تراویح کے درمیان ہر ترویحے کے بعد آرام کرنے کی بجائے زائد نفل پڑھا کرتے تھے جن کو تراویح میں شمار کیا جانے لگا جس کی وجہ سے تعداد بیس سے زیادہ سمجھی جانے لگی۔یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے مقلدین کا عمل بیس ہی پر ہے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ بیس رکعات تراویح پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اور عہد اول سے لے کر آج تک پوری امت اسی پر عمل پیرا ہے۔

اس لیے امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: جس عمل کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالی کے نزدیک بھی اچھا ہوتا ہے اور جس کو تمام مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ تعالی کے نزدیک بھی برا ہوتا ہے۔

مؤطا امام محمد ص143،144

پس ثابت ہوا کہ بیس رکعات تراویح باجماعت ادا کرنا تمام مسلمانوں کے عمل کی وجہ سے ایک اچھا کام ہے۔مذکورہ بالا تمام حوالہ جات میں یہ تصریح ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین کے خیر القرون میں باقاعدہ بیس رکعات تراویح عملاً پڑھی گئی، ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین نے بھی بیس رکعات تراویح پر باقاعدہ عمل کیا۔اسی طرح ہر دور کے تمام مسلمانوں نے مشرق و مغرب میں باقاعدہ بیس رکعات تراویح پر عمل کیا۔بندہ عاجز کے پیش کردہ تمام حوالہ جات میں "عمل" کی تصریح موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیس رکعات تراویح پوری امت کا معمول ہے خواہ مشرق ہو یا مغرب، شمال ہو یا جنوب، الغرض دنیا میں کوئی ایسا خطہ نہیں ہے جس میں مسلمان عملاً بیس رکعات تراویح نہ پڑھتے ہوں تمام مسلمانوں کا بیس رکعات تراویح ادا کرنا، خود اس کی حقانیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

اہل السنت والجماعت خاص طور پر سوال کرتے ہیں:

بندہ عاجز نے متعدد کتب کے حوالہ جات سے ثابت کیا ہے کہ بیس رکعات تراویح پر استقرار ہوا اور بیس رکعات تراویح کی بات بالآخر پختہ ہوئی۔اب بندہ عاجز غیر مقلدین سے سوال کرتا ہے کہ بتائیں

❖ کس نے کہا ہے کہ آٹھ رکعات تراویح پر استقرار ہوا؟

❖ کس کتاب میں لکھا ہے کہ آٹھ رکعات تراویح کی بات بالآخر پختہ ہوئی ؟

اس طرح راقم نے متعدد کتابوں سے ثابت کیا ہے کہ بیس رکعات تراویح پر اجماع صحابہ اور اجماع امت ہے۔اب بندہ عاجز غیر مقلدین سے سوال کرتا ہے کہ

کس کتاب میں لکھا ہے اور کس نے کہا ہے کہ آٹھ رکعات پر تراویح اجماع صحابہ اور اجماع امت ہوا ہے۔؟

اسی طرح بندہ عاجز نے متعدد کتابوں سے ثابت کیا ہے کہ بیس رکعات تراویح جمہور اور اکثریت کا مذہب ہے۔پس غیر مقلدین کو چاہیئے کہ وہ ثابت کریں کہ کس نے کہا ہے کہ آٹھ رکعات تراویح جمہور اور اکثریت کا مذہب ہے۔؟

اسی طرح بندہ عاجز نے کافی کتابوں کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ بیس رکعات تراویح "توارث" سے ثابت ہے۔لہٰذا غیر مقلدین بتائیں کہ کس نے کہا ہے کہ آٹھ رکعات تراویح "توارث" سے ثابت ہے۔

اسی طرح بندہ عاجز نے تقریباً پچاس سے زائد کتابوں سے ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین بمع اپنے مقلدین کے ہر دور میں اور مشرق و مغرب میں باقاعدہ عملاً بیس رکعات تراویح پڑھتے چلے آرہے ہیں۔اب غیر مقلدین کے ذمہ

ہے کہ وہ بتائیں کہ آٹھ رکعات تراویح عملاً کس نے پڑھی ؟کہاں پڑھی ؟اور کس دور میں عملاً آٹھ رکعات تراویح کی جماعت ہوئی۔؟

چودہ سو سالہ تاریخ میں صرف ایک رات ثابت کر دیں کہ حرمین شریفین کے لوگ آٹھ رکعات تراویح پڑھ کر بھاگ کھڑے ہوں اور مسجد کعبہ اور مسجد نبوی خالی ہوگئی ہو۔ بہر حال جس طرح بندہ نے ہر دور کے مسلمانوں سے بیس رکعات کا عمل ثابت کیا ہے اسی طرح غیر مقلدین کسی دور کے مسلمانوں سے آٹھ رکعات تراویح کا عمل ثابت کریں۔ دیدہ باید !

قارئین کرام! شاذ، مردود اور نامعقول اقوال نقل کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو علماء کے نام پر دھوکہ اور فریب دینا تو آسان ہے لیکن اگر غیر مقلدین میں ہمت ہے تو ثابت کریں کہ بالآخر استقرار عمل آٹھ رکعات پر ہوا، جمہور کا مذہب آٹھ رکعات ہے، اکثریت آٹھ والوں کی ہے، آٹھ رکعات پر اجماع امت ہے، ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین آٹھ کے قائل ہیں اور مشرق و مغرب کے تمام مسلمان ہر دور میں عملاً آٹھ رکعات تراویح پڑھتے چلے آرہے ہیں۔

چند مزید حوالہ جات :

54) امام غزالی رحمہ اللہ بیس رکعات تراویح کے قائل تھے۔

احیاء علوم الدین ج1 ص139

55) قطب ربانی سید عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ بیس رکعات تراویح کے قائل تھے۔

غنیۃ الطالبین ص464،567

56) امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ بیس رکعات تراویح کے قائل تھے۔

ترمذی شریف ج1 ص99

57) امام محدیث سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بیس رکعات تراویح کے قائل تھے۔

ترمذی شریف ج1 ص99

حافظ محمد اسلم غیر مقلد کی کذب بیانی:

آپ کی خدمت میں بیسیوں حوالہ جات پیش کیے جا چکے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے اور بیس رکعات تراویح پر اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اور اجماع امت ہے۔ لیکن غیر مقلد کیسی دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے رسالہ میں ایک عنوان قائم کر کے ایک مبینہ و مسلمہ حقیقت کا انکار کرتا ہے۔ لکھتا ہے: "کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہم سے بیس رکعات تراویح پڑھنا ثابت نہیں۔"

تعداد مسنون تراویح ص12

اسلام کی پوری چودہ سو سالہ تاریخ میں کسی ایک مسلمان نے ایسا جھوٹا دعویٰ نہیں کیا پوری دنیا کے غیر مقلد جمع ہو کر زور لگائیں اور ایڑی چوٹی کا زور لگائیں کہ کس نے کہا ہے کہ کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات پڑھنا ثابت نہیں۔ سوائے غیر مقلدین کے کون ہے جو اتنا بڑا جھوٹ بولے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیس کا انکار ایسے ہے جیسے کوئی شخص مکہ یا مدینہ کا انکار کر دے یا پھر دعویٰ کرے کہ پاکستان میں نہ لاہور کا شہر ہے نہ کراچی کا۔ کون ہے عقل کا ایسا اندھا جو تواترات کا انکار کرے اور مسلمہ حقائق کو جھٹلائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیس رکعات تراویح کا انکار تو بداہت کے خلاف ہے یہ تو ایک عام شہرت یافتہ بات ہے پوری دنیا کے مسلمان لاکھوں کی تعداد میں حج کے فریضہ کی ادائیگی کے لیے مکہ جاتے ہیں اور وہاں سے مدینہ منورہ جاتے ہیں وہاں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آتے ہیں کہ حرم مکہ اور حرم مدینہ میں باقاعدہ تسلسل کے ساتھ بیس رکعات تراویح کا دستور چلا آرہا ہے۔

کسی ایک رمضان میں اور رمضان کی کسی ایک رات میں بیس رکعات تراویح کو ترک نہیں کیا گیا اور بیس رکعات تراویح ادا کرنے کا دستور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شروع ہوا ہے اور آج تک یہ تسلسل قائم ہے۔

راقم کی معلومات کے مطابق حافظ محمد اسلم بھی اپنی آنکھوں سے بیس رکعات تراویح پڑھتے ہوئے وہاں کے مسلمانوں کو دیکھ کر آئے ہیں کہ اس مسلسل عمل میں ایک رات کے لیے کبھی انقطاع نہیں ہوا۔ کتنی عجیب بات ہے اور کتنی بڑی جسارت اور کتنا بڑا جھوٹا دعویٰ ہے کہ بیس رکعات تراویح کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ کیا کوئی غیر مقلد بتا سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو بیس رکعات تراویح نہیں پڑھی تو حرمین شریفین میں بیس رکعتیں کیسے آگئیں؟ کب آگئیں؟ ان کو کون لایا؟ سعودیہ حکومت اور وہاں کے علماء نے اس نوایجاد کو تبدیل کیوں نہیں کیا؟

پس حرمین شریفین کے مسلسل، متواتر اور متوارث عمل سے چشم پوشی کر کے بیس رکعات تراویح کا سرے سے انکار کر دینا غیر مقلد ہی کا کام ہے ورنہ کسی مسلمان نے آج تک یہ دعویٰ نہیں کیا "بیس رکعات تراویح کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ سے پڑھنا ثابت نہیں ہے۔" اگر حافظ محمد اسلم غیر مقلد میں ہمت ہے تو اپنا یہ دعویٰ قرآن حدیث سے ثابت کرے اور منہ مانگا انعام حاصل کرے۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے   یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

عجیب بات:

❖ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں ہم سب بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے

❖ تابعین وتبع تابعین کہتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔

❖ ائمہ مجتہدین اور ان کے مقلدین کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔

❖ محدثین اور فقہاء اسلام کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔

لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ غیر مقلد کہتا ہے کہ کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات تراویح پڑھنا ثابت نہیں۔

عجیب تر بات:

حافظ محمد اسلم غیر مقلد نے جن علماء کرام کی عبارات پیش کر کے اردو خواندہ لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ یہ سب حضرات آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے اور تراویح و تہجد کو ایک نماز سمجھتے تھے۔ وہ سب علماء کرام فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔ خواہ وہ

- امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہوں یا امام مالک رحمہ اللہ۔
- امام محمد رحمہ اللہ ہوں یا مترجم ہدایہ رحمہ اللہ۔
- سیوطی و عسقلانی رحمہا اللہ ہوں یا ملا علی قاری رحمہ اللہ۔
- ابن ہمام و ابن تیمیہ رحمہا اللہ ہوں یا طحاوی و لکھنوی رحمہا اللہ۔
- کرمانی و کاندھلوی رحمہا اللہ ہوں یا ابن نجیم مصری و کشمیری رحمہم اللہ۔

الغرض جتنے علماء کرام کے نام پر غیر مقلد نے دھوکہ دیا ہے وہ سب کے سب یہی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔ لیکن کتنی عجیب تر بات ہے کہ غیر مقلد کہتا ہے کہ کسی بھی صحابی سے بیس رکعات تراویح پڑھنا ثابت نہیں۔

عجیب ترین بات:

غیر مقلد کے اپنے رہبر و رہنما غیر مقلد علماء

- نواب وحید الزمان
- مولانا غلام رسول آف قلعہ میہاں سنگھ
- نواب صدیق حسن خان

❖ قاضی شوکانی

وغیرہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے لیکن کتنی عجیب ترین بات ہے کہ غیر مقلد کہتا ہے کہ کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات تراویح پڑھنا ثابت نہیں۔

حدیث جابر سے غیر مقلد کا استدلال اور اس کا ابطال:

غیر مقلد حافظ محمد اسلم نے اپنی قیاس آرائی سے یہ نتیجہ نکالا کہ نماز تراویح اور نماز تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں بندہ نے ان دونوں نمازوں کے درمیان بیسیوں فرق بیان کر کے ثابت کیا کہ نماز تراویح اور نماز تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں اور کتاب وسنت اور اقوال العلماء نے غیر مقلد کے قیاس کو فاسد قرار دیا۔ اسی طرح غیر مقلد نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے آٹھ رکعات تراویح ثابت کرنے کی کوشش کی تو بندہ عاجز نے کتاب وسنت کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کا بیان ہے نہ کہ نماز تراویح کا لہٰذا غیر مقلد کا استدلال باطل ٹھہرا۔ اب غیر مقلد نے آٹھ رکعات تراویح کے اثبات میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے چنانچہ اپنے رسالہ میں حدیث جابر رضی اللہ عنہ کا عنوان قائم کر کے لکھتا ہے: ”عن جابر بن عبد الله رضی الله عنهما قال صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فی شهر رمضان ثمان رکعات والوتر فلما کانت القابله ۔اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج فلم یخرج فلم نزل فیه حتی اصبحنا ثم دخلنا فقلنا یارسول الله اجتمعنا البارحة فی المسجد ورجونا ان تصلی بنا فقال انی خشیت ان یکتب علیکم۔ (الطبرانی فی الصغیر، قیام اللیل، ترمذی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں ہمیں آٹھ رکعات نماز پڑھائی اور پھر وتر پڑھائے، اگلی رات ہم صبح کے قریب تک آپ کے انتظار میں رہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائے۔ دریافت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس لیے نہیں آیا کہ کہیں امت پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے۔ ملاحظہ فرمائیں ! تعداد کا تعین بھی ہے اور نماز کا تعین بھی۔ کیا عمل کرنے کو دل چاہتا ہے؟

تعداد مسنون تراویح ص 5, 6

الجواب باسم ملہم الصواب:

غیر مقلد کی پیش کردہ یہ روایت نا قابل قبول قسم کی ضعیف اور منکر ہے کیونکہ اس کو روایت کرنے والے راوی ضعیف اور منکر الحدیث ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ روایت نا قابل استدلال ہے چنانچہ اس میں پہلا راوی "محمد بن حمید" ہے جس کے بارے میں

- یعقوب بن شیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: محمد بن حمید بہت مُنکَرْ(اوپری قسم کی) حدیثیں بیان کرنے والا ہے۔
- امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی حدیث میں نظر یعنی اعتراض ہے
- امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا کہ وہ ثقہ راوی نہیں ہے۔
- جوزجانی نے کہا ہے کہ وہ ردی المذہب (گندے مذہب والا) غیر ثقہ ہے۔
- صالح بن محمد رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ پر جسارت کرنے والا نہیں دیکھا وہ لوگوں کی حدیثوں کو لے کر الٹ پلٹ کر دیتا تھا اور یہ بھی کہا کہ میں نے دو شخصوں سے جھوٹ میں زیادہ ماہر نہیں دیکھا ایک سلیمان شاذکونی اور دوسرا محمد بن حمید اہل الری کے مشائخ اور حفاظ کی ایک جماعت نے محمد بن حمید کے ضعف پر اتفاق کیا ہے۔
- ابن خراش رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ محمد بن حمید کوئی چیز نہیں۔

- ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ وہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔ تہذیب التہذیب ج9 ص127

پھر اس روایت کے دوسرے راوی " یعقوب بن عبد اللہ بن سعد بن مالک الاشعری ابو الحسن القمی " ہیں جو کہ محمد بن حمید کے استاد ہیں۔ ان کے بارے میں

- امام دار قطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لیس بالقوی " یعنی یعقوب قمی کوئی قوی راوی نہیں ہے۔

تہذیب التہذیب ج11 ص391، میزان الاعتدال ج3 ص324

- علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یعقوب قمی ضعیف ہے اور اس میں تشیع پایا جاتا ہے اور اس کا تفرد ناقابل قبول ہے۔

البدایہ والنہایہ ج8 ص375

روایت مذکورہ کے تیسرے راوی "عیسیٰ بن جاریہ " ہیں جو کہ یعقوب قمی کے استاد ہیں ان کے بارے میں

- تقریب میں لکھا ہے کہ "فیہ لین " اس میں ضعف ہے۔
- امام ابن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں عندہ مناکیر یعنی اس کے پاس منکر روایتیں ہیں

تہذیب التہذیب ج8 ص207

- ابو داؤد نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے۔

ایضاً

- ساجی اور عقیلی نے اس کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔

ایضاً

- ابن عدی نے کہا ہے کہ احادثیہ غیر محفوظۃ یعنی اس کی حدیثیں محفوظ نہیں ہیں

ایضاً

- نیز نسائی نے اس کو متروک اور منکر الحدیث کہا ہے۔

پس اتنے بڑے ائمہ فن کی شدید جرح کے مقابلہ میں صرف ابو ذرعہ کا لا بأس کہنا اور ابن حبان کا ثقات میں شمار کرنا بوجوہ ذیل مرجوح اور جرح راجح ہے۔

اصول حدیث کے قاعدہ کے مطابق:

- تعدیل پر جرح مفسر کو ترجیح ہوتی ہے۔
- جرح کرنے والوں کی ایک جماعت ہے اور وہ مُسَلَّم امام ہیں۔
- جرح بہت شدید ہے حتی کہ جارحین نے (منکر الحدیث) کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے جس کے متعلق مشہور غیر مقلد عالم عبد الرحمٰن مبارک پوری؛ علامہ سخاوی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ منکر الحدیث وصف فی الرجل یستحق به الترك لحدیثه یعنی منکر الحدیث ہونا راوی کی ایسی وصف ہے جس کی وجہ سے اس کی حدیث ترک کرنے کی مستحق ٹھہرتی ہے۔

ابکار المنن ص 191

پس ثابت ہوا کہ اس روایت کے تینوں راوی بالترتیب محمد بن حمید، یعقوب قمی، عیسی بن جاریہ ضعیف، غیر ثقہ، غیر قوی اور منکر الحدیث ہیں۔ لہذا یہ روایت نا قابل اعتبار اور نا قابل استدلال ہے اور غیر مقلد کا اس سے دلیل پکڑنا اور حجت لانا خود غلط اور اصول حدیث کے خلاف ہے۔

ایک اور حقیقت:

بعض روایتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو بالاتفاق متروک العمل ہوتی ہیں مثلاً جمع بین الصلوٰتین بلا عذر شرعی کی حدیث بخاری شریف میں مروی ہونے کے باوجود متروک العمل ہے اور ایسی حدیثوں پر عمل کرنا اور استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ متروک العمل ہو چکی ہیں لہذا آٹھ رکعات تراویح کی حدیث بھی متروک العمل ہے کسی دور میں مسلمانوں نے اس پر عمل نہیں کیا:

- نہ خیر القرون میں اس پر عمل ہوا نہ بعد میں۔
- نہ کسی امام نے اس پر عمل کیا اور نہ ہی کسی امام کے مقلدین نے۔
- نہ تو حرمین شریفین میں اس پر عمل ہوا اور نہ کسی اور ملک میں۔

الغرض آٹھ رکعات تراویح پر کسی دور میں اور کسی ملک میں عمل نہیں ہوا لہٰذا آٹھ رکعات تراویح والی حدیث متروک العمل ہونے کی وجہ سے مردود اور ناقابل احتجاج ہے اور ایسی حدیثوں کو پیش کرنا اور ان پر عمل کرنا صرف اور صرف غیر مقلدین کا ہی کام ہو سکتا ہے۔

ایک تنبیہ:

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال میں اس حدیث کے اسناد کے متعلق لکھا ہے کہ "اسنادہ وسط" یعنی اس کا اسناد درمیانے درجہ کا ہے لیکن علامہ شوق نیموی رحمہ اللہ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ بل اسنادہ دون وسط یعنی اس کے اسناد کو وسط کہنا درست نہیں ہے بلکہ اس کا اسناد "وسط" سے بھی گھٹیا ہے۔

التعلیق الحسن علی آثار السنن ص249

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کردہ یہ روایت اگر صحیح ہوتی تو خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اس وقت پیش کرتے جبکہ انہوں نے بیس رکعات تراویح پر اجماع واتفاق کر لیا تھا حالانکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس وقت بقید حیات موجود تھے کیونکہ ان کی وفات 70ھ کے بعد ہوئی ہے تقریباً پچپن برس تک ان کے سامنے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں بیس رکعات تراویح باقاعدگی کے ساتھ پڑھی جاتی رہی لیکن انہوں نے کسی کو یہ یاد نہ دلایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو آٹھ رکعات تراویح پڑھائی تھی اور تم نے بیس کیسے بنالیں؟ پس ان کا بیس رکعات تراویح پر خاموش رہنا اور

آٹھ رکعات کو ظاہر نہ کرنا دلیل ہے اس بات کی یہ آٹھ رکعات تراویح والی حدیث جابر صحیح نہیں ہے جب حدیث صحیح نہیں ہے تو استدلال خود بخود باطل ٹھہرے گا۔

حدیث ابی سے غیر مقلدانہ استدلال اور اس کا ابطال:

حافظ محمد اسلم غیر مقلد حدیث ابی ابن کعب کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں: عن جابر قال جاء ابی بن کعب الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله صلی الله علیه وسلم انه کان منی اللیلة شیئ یعنی فی رمضان قال وماذاك یا ابی؟ قال نسوة فی داری قلن إنّا لا نقرء القرآن فنصلی بصلاتك قال فصلیت بهن ثمان رکعات واوترت فکانت سنة الرضا ولم یقل شیاً

(مسند ابی یعلیٰ، مجمع الزوائد ج3 ص74، قیام اللیل ص90، آثار السنن ج1 ص202)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے عرض کی آج رات رمضان میں مجھ سے ایک کام سرزد ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا؟ عرض کرتے ہیں کہ رات کو گھر کی عورتوں نے مجھ سے کہا کہ ہم قرآن پاک کی پوری طرح تلاوت نہیں کر سکتیں لہٰذا ہم آپ کی اقتداء میں نماز پڑھیں گی تو میں نے انہیں آٹھ رکعات اور وتر پڑھائے۔ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی جو امت کے لیے سنت الرضاء بن گئی۔ عزیز بھائی جس عمل کو محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا وہ آپ کو پسند کیوں نہیں آتا۔

تعداد مسنون تراویح ص6

الجواب باسم ملہم الصوب:

حافظ محمد اسلم غیر مقلد اس روایت سے بھی آٹھ رکعات تراویح ثابت کرنا چاہتے ہیں حالانکہ محدثین کے نزدیک یہ روایت بھی ضعیف، مردود اور متروک العمل ہے۔ جس کی وجہ سے یہ روایت ناقابل احتجاج ہے کیونکہ سابقہ روایت کے راوی، محمد بن حمید، یعقوب قمی، اور

عیسیٰ بن جاریہ۔ اس روایت کے بھی راوی ہیں جن کا حال آپ معلوم کر چکے ہیں پس جب دونوں حدیثوں کی سند ایک جیسی ہے تو دونوں کا حکم بھی ایک ہے کہ یہ دونوں حدیثیں صحیح نہیں ہیں بلکہ منکر، متروک العمل اور مردود قسم کی ضعیف ہیں حتی کہ خود حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل بھی اس کے خلاف ہے چنانچہ وہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھایا کرتے تھے اگر آٹھ رکعات کی نسبت ان کی طرف صحیح ہوتی تو وہ اس کو صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے اور ظاہر کرتے حالانکہ انہوں نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ پس حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ کا آٹھ رکعات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ظاہر نہ کرنا دلیل ہے اس بات کی آٹھ رکعات والی حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ ان کی طرف غلط طریقہ سے منسوب کر دی گئی ہے۔

ہمارے بعض علماء کرام نے فرمایاہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نماز تہجد کا ذکر ہے نہ کہ نماز تراویح کا کیونکہ مسند احمد اور طبرانی میں رمضان کا لفظ موجود نہیں ہے اور ابو یعلیٰ میں یعنی رمضان کا لفظ موجود ہے جو کہ فہم راوی ہے نہ کہ حدیث۔ پس یہ قرینہ ہے کہ حدیث ابی کعب رضی اللہ عنہ میں آٹھ رکعات تہجد کا ذکر ہے نہ کہ نماز تراویح کا۔ بہر حال اس حدیث سے آٹھ رکعات تراویح ثابت نہیں ہو سکتی چاہے غیر مقلد جتنا مرضی زور بھی لگا لیں صحیح حدیثوں کو معمول بہا ہونے کے باوجود ترک کر دینا اور ضعیف روایتوں کو غیر معمول بہا ہونے کے باوجود اپنا لینا غیر مقلدین ہی کا کام ہے۔

"بوقت ضرورت روا باشد"

باقی رہا ہیثمی رحمہ اللہ کا مجمع الزوائد میں اس روایت کو "حسن" کہنا تو یہ محض بے دلیل ہے کیونکہ غیر مقلدین کے علامہ عبد الرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں: لا یطمئن القلب

بتحسین الهیثمی فان له اوهاما یعنی ہیثمی رحمہ اللہ کی تحسین سے دل مطمئن نہیں ہوتا کیونکہ ان کو مجمع الزوائد میں اوہام ہوئے ہیں۔

ابکار المنن ص75

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: لا یطمئن القلب علی تصحیح الهیثمی۔ یعنی ہیثمی کی تصحیح پر دل مطمئن نہیں ہوتا۔

ابکار المنن ص199

پس جب غیر مقلدین کے علماء کا ہیثمی کی تصحیح و تحسین پر دل مطمئن نہیں ہوتا تو صرف ہیثمی کے "حسن" کہنے پر آٹھ رکعات والی حدیث پر غیر مقلدین کا دل کیونکر مطمئن ہو گا یا پھر "بوقت ضرورت روا باشد" کے اصول کو اپنائیں گے؟

بیس رکعات تراویح کے بعض دلائل پر غیر مقلدانہ جرح:

غیر مقلد حافظ محمد اسلم نے اپنے آٹھ رکعات تراویح والے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے دو روایتیں پیش کیں جن کی شرعی حیثیت آپ کے سامنے واضح کر دی گئی کہ یہ دونوں روایتیں، ضعیف، منکر اور متروک العمل ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار اور مردود ہیں۔ اب غیر مقلد نے "بیس تراویح کے متعلق کچھ معروضات" کی شہ سرخی قائم کر کے بیس رکعات تراویح کے بعض دلائل پر بے جا اور متعصبانہ جرح کر کے ان کو ضعیف اور کمزور بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے "یزید بن رومان کی روایت" کا عنوان قائم کر کے لکھتا ہے: "کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعةً۔

(مؤطا امام مالک ج 1 ص 138)

یزید بن رومان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رمضان میں لوگ 23 رکعت تراویح کا قیام فرماتے تھے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یزید بن رومان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت 23 ہجری میں ہوئی اور یزید بن رومان کی وفات سن 130ھ میں (مؤلف) چنانچہ

- حافظ بھی نصب الرایہ ج1ص154 میں اس کی تائید فرماتے ہیں۔
- امام نووی رحمہ اللہ بھی اس اثر کو کمزور کہہ رہے ہیں۔

(المجموع ج4ص33)

- امام بیہقی رحمہ اللہ اس اثر کو مرسل قرار دیتے ہیں اس لیے کہ یزید بن رومان کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں ہے۔
- علامہ عینی رحمہ اللہ بھی اس روایت کو کمزور قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں انقطاع ہے۔

عمدۃ القاری ج55ص357

پس یہ روایت اس قابل نہیں کہ اس سے دلیل لی جاسکے جبکہ یہ روایت ضعیف اور منقطع ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح روایت کے مخالف ہے جس میں 11 رکعات کا ذکر ہے۔

تعداد مسنون تراویح ص11

غیر مقلد کی جرح کا خلاصہ یہ ہے کہ اس اثر کا راوی حضرت یزید بن رومان ہے اور ائمہ فن رجال کے کہنے کے مطابق اس کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے لہذا اس کی سند میں انقطاع ہے جس کی وجہ سے یہ روایت مرسل ہے اور اس ارسال کی وجہ سے یہ روایت ضعیف اور کمزور ہے۔ نیز یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح روایت کے مخالف ہے جس میں 11 رکعات کا ذکر ہے لہذا دو وجہ سے یہ روایت نا قابل احتجاج ہے ایک

مرسل ہونے کی وجہ سے دوسرا گیارہ رکعات والی روایت کے مخالف ہونے کی وجہ سے۔ پس اب آپ غیر مقلد کی جرح کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

الجواب باسم ملہم الصواب:

غیر مقلد کی یہ متعصبانہ جرح بچند وجوہ باطل اور مردود ہے:

اولاً: اس لیے کہ غیر مقلد نے لکھا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یزید بن رومان کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے یہ دراصل امام مالک رحمہ اللہ کی تقلید ہے حالانکہ کسی شخص کی بات پر اعتماد کر کے اس کی تقلید کرنا غیر مقلدین کے نزدیک شرک اور حرام ہے لہٰذا غیر مقلد نے ائمہ فن رجال کی بات پر اعتماد کر کے شرک اور حرام کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ غیر مقلدین کے نزدیک اصول صرف اور صرف دو ہیں: قال اللہ وقال الرسول یعنی قرآن وحدیث۔ پس غیر مقلدین کو اپنے اصولوں کے مطابق کسی بھی روایت کی صحت وسقم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی بات پیش کرنی چاہیے یا اللہ تعالیٰ کے رسول کی بات، اگر غیر مقلدین نے کسی امام کی بات پیش کی کہ فلاں امام نے یہ لکھا ہے اور فلاں امام نے یوں لکھا ہے تو اس سے شرک تقلیدی لازم آئے گا۔ لہٰذا ایسی جرح سے کیا فائدہ؟ جس کی وجہ سے تقلید کے پٹے گلے پڑ جائیں اور قرآن وحدیث ہاتھ سے چھوٹ جائے اور اماموں کی بات پر اعتماد کرنا پڑ جائے۔ پس غیر مقلدین جب ائمہ فقہ کی بات پر اعتماد نہیں کرتے تو ان کو کسی امام کی بات پر اعتماد کرنا زیب نہیں دیتا لہٰذا ابوقت جرح وتعدیل قرآن وحدیث سے دلیل پیش کریں نہ کہ اماموں کی باتیں۔ عوام الناس کو تو یہ کہتے پھرتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی مانو؛ کسی امام کی بات نہ مانو! لیکن خود قرآن وحدیث کو چھوڑ کر اماموں کی تقلید کرتے ہیں اور ان کی باتوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لم تقولون مالا تفعلون..... کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا

تفعلون کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے "دیگراں رانصیحت، خودرا فضیحت۔" پس جس جرح سے شرک وحرام کا ارتکاب لازم آئے تو وہ خود مردود قرار پاتی ہے۔

ثانیاً: غیر مقلد حافظ محمد اسلم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اہل السنت والجماعت کے پاس بیس رکعات تراویح کے اثبات میں بیسیوں دلائل موجود ہیں جن میں سے چند بندہ عاجز نے لکھ بھی دیے ہیں لہٰذا کسی ایک روایت یا اثر پر جرح کرنے کے باوجود بیس رکعات تراویح پر کوئی اثر بھی نہیں پڑتا کیونکہ بیس رکعات تراویح تو آثار کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے۔ مثلاً حدیث الباب کے مضمون کی ایک روایت بیہقی میں موجود ہے کہ حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح (علاوہ وتر) پڑھا کرتے تھے۔

بیہقی، آثار السنن، بذل المجہود، اعلاء السنن

امام بیہقی، امام نووی اور دیگر محدثین رحمہم اللہ نے اس اثر کو صحیح کہا ہے امام نووی رحمہ اللہ نے "خلاصہ" میں اور ابن العراقی نے "شرح تقریب" میں اور امام سیوطی نے "مصابیح" میں اس اثر کو صحیح کہا ہے۔ پس جب صحیح سند کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے تو حضرت یزید بن رومان کے اثر میں انقطاع اور ارسال ثابت کرنے سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا کیونکہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگوں کا بیس رکعات تراویح پڑھنا تو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے اور مسلم ہے لہٰذا غیر مقلد کی جرح بے سود، بے کار اور بے اثر ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

ثالثاً: خود امام بیہقی رحمہ اللہ نے یزید بن رومان کے اس اثر کو "مرسل قوی" کہا ہے۔

ج1ص496

اسی طرح امام نیموی رحمہ اللہ نے بھی اس کو "مرسل قوی" کہا ہے۔

آثار السنن

پس جب حضرت یزید بن رومان کا یہ اثر محدثین کے نزدیک مرسل ہونے کو باوجود قوی ہے تو قابل احتجاج ہے نہ کہ نا قابل احتجاج۔ لہٰذا غیر مقلد کی جرح مردود ہے۔

رابعاً: علماء اہل حدیث کے نزدیک ہر مرسل روایت، ضعیف اور نا قابل احتجاج نہیں ہوتی بلکہ بہت سی مرسل روایات صحیح اور قابل احتجاج ہوتی ہیں بلکہ اسلام کی ابتدائی دو صدیوں میں مرسل روایات کے قبول کرنے پر مسلمانوں کا اجماع اور اتفاق رہا ہے اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرسل روایات کو قبول کرنے پر آج تک مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

حاشیہ الفیہ عراقی کا حوالہ:

امام سیوطی رحمہ اللہ بحوالہ امام ابن جریر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: اجمع التابعون علی قبول المرسل ولم یات عنہم انکارہ ولا من احد من الائمہ الی رأس المأتین.

حاشیہ الفیہ العراقی ص22

یعنی ابن جریر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تمام تابعین نے مرسل حدیث کے قبول کرنے پر اتفاق کیا ہے اور ان میں سے کوئی بھی اس کا انکاری نہیں اور نہ ہی دوسری صدی کے اخیر تک اماموں میں سے کسی امام نے اس کا انکار کیا ہے۔

فواتح الرحموت کا حوالہ:

مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں "وان کان المرسل من غیرہ فالاکثر و منہم الائمۃ الثلاثۃ الامام ابو حنیفۃ والامام مالک والامام احمد قال یقبل مطلقاً اذا کان الراوی ثقۃً۔

فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص459

ترجمہ: صحابی کے علاوہ کسی اور کی مرسل روایت اکثر علماء جن میں تینوں امام، ابو حنیفہ، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ بھی شامل ہیں اس کو مطلقاً قبول کرتے ہیں بشرطیکہ اس کا راوی ثقہ ہو۔

بحر العلوم کا حوالہ:

ابن عباس، براء بن عازب، سعید بن مسیب، امام شعبی، ابو العالیہ، محمد بن سیرین، ابراہیم نخعی، حسن بصری وغیر ھم صحابہ و تابعین کی عام عادت تھی کہ حدیث بطریق ارسال بیان فرمایا کرتے تھے: فان ذالک اجماع علی قبول المراسیل بحر العلوم ص461

توجیہ النظر کا حوالہ:

تو ان لوگوں کا یہ طرز عمل اس بات پر اجماع ہے کہ مرسل حدیثیں مقبول ہیں۔
امام سفیان ثوری، امام مالک اور امام اوزاعی رحمہم اللہ مرسل سے احتجاج کرتے تھے۔

توجیہ النظر ص245

مقدمہ شرح مسلم کا حوالہ:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد اور اکثر فقہاء کا مذہب ہے یہ ہے کہ مرسل روایتیں قابل احتجاج ہیں۔

مقدمہ شرح مسلم ص17

رسالہ تراویح از غلام رسول کا حوالہ:

مولانا غلام رسول آف قلعہ میہان سنگھ لکھتے ہیں: حدیث یزید بن رومان ہر چند منقطع نوشتہ اند امانزد حنفیہ و مالک حجت قرار دادہ۔ یعنی یزید بن رومان کی حدیث کو گو علماء نے منقطع لکھا ہے مگر حنفیہ اور امام مالک کے نزدیک حجت ہے۔

(رسالہ تراویح)

کسی روایت کا مرسل ہونا نہ تو عیب ہے اور نہ ہی جرح بلکہ مرسل روایت کا راوی اگر ثقہ ہو تو وہ حجت اور معتبر ہے۔

خامسا: اسلام کی ابتدائی دو صدیوں میں مرسل کے مقبول ہونے پر اجماع اور اتفاق رہا ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور دیگر بہت سے علماء مرسل روایت کو قبول کرتے ہیں البتہ دو سو سال کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ نے مطلقاً ہر مرسل روایت کے قبول کرنے سے انکار کیا ہے لیکن چند شرائط کے ساتھ وہ بھی مرسل کو حجت سمجھتے ہیں۔

مقدمہ شرح مسلم کا حوالہ:

امام نووی رحمہ اللہ ان شرائط کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ومذهب الشافعی رحمه الله انه اذا انضم الى المرسل ما يعضده احتج به وذلك بان يروى ايضاً . سندا او مرسلاً من جهة اخرى او يعمل به بعض الصحابة او اكثر العلماء.

مقدمہ شرح مسلم للنووی

یعنی امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جب مرسل حدیث کے اس کا کوئی مقوی مل جائے مثلاً کسی دوسرے طریق وہی روایت مسنداً یا مرسلاً مروی ہو یا اس پر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل رہا ہو یا اکثر علماء کا عمل ہو تو اسے حجت سمجھا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور علماء کرام اور ائمہ عظام کے نزدیک مرسل روایت کے راوی اگر ثقہ ہوں تو وہ حجت ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مرسل روایت کو اگر کسی اور طریقہ سے تقویت حاصل ہو جائے تو وہ حجت ہے۔ الغرض مراسیل صحابہ اور مراسیل معتضدہ کے مقبول ہونے پر تمام علماء وفقہاء کا اجماع ہے اور الحمد للہ کہ حضرت یزید بن رومان کی اس مرسل روایت میں مقبولیت کی تمام شرائط پائی جاتی ہیں۔ مثلاً

1. یزید بن رومان خود ثقہ اور معتبر راوی ہیں۔ امام مالک کے استاذ اور شیخ ہیں۔

اسکاف المبطاص40

2. یزید بن رومان کی اس مرسل روایت کو دوسرے کئی طرق سے تقویت حاصل ہے تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

3. صحابہ کرام اور علماء حضرات کا اس روایت پر باقاعدہ عمل رہا ہے۔

پس یہ روایت مرسل ہونے کے باوجود قابل احتجاج ہے کیونکہ اس کا راوی ثقہ ہے اور اس کو دوسرے کئی طرق سے تقویت حاصل ہے اور صحابہ و تابعین اور علماء کرام کے عمل سے اس کو تائید حاصل ہے۔ پس غیر مقلد کا اس کو مرسل کہہ کر ضعیف و کمزور کہنا مردود ہے۔

یزید بن رومان کی یہ مرسل روایت مؤطا امام مالک میں موجود ہے اور مؤطا مالک کی سب روایتیں صحیح ہیں بلکہ اس کی منقطع روایتیں بھی متصل کے حکم میں ہیں۔

حجۃ اللہ البالغہ کا حوالہ:

چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں: قال الشافعی رحمہ اللہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ مؤطا امام مالک رحمہ اللہ واتفق اھل الحدیث علی ان جمیع ما فیہ صحیح علی رای مالک رحمہ اللہ ۔ ومن وافقہ واما علی رای غیرہ فلیس فیہ مرسل ولا منقطع الا قد اتصل السند بہ من طرق اُخری وقد ضعف فی زمان مالک رحمہ اللہ موطات کثیرۃ فی تخریج احادیثہ ۔ ووصل منقطعہ مثل کتاب ابن ابی ذئب وابن عیینہ والشوری ومعمر ...الخ

حجۃ اللہ البالغہ ج1 ص106

یعنی امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح کتاب "مؤطا امام مالک" ہے اور محدثین کا اتفاق ہے کہ اس میں جتنی روایتیں ہیں سب امام مالک اور اس کے موافقین کی رائے پر صحیح ہیں۔ (اس لئے کہ وہ لوگ مرسل کو بھی صحیح اور مقبول مانتے ہیں) اور

لیکن دوسرے لوگوں کی رائے پر اس میں کوئی مرسل یا منقطع ایسی نہیں ہے کہ دوسرے طریقوں سے اس کی سند متصل نہ ہو اور امام مالک رحمہ اللہ کے زمانہ میں مؤطا کی حدیثوں کی تخریج کے لئے اور اس کے منقطع کو متصل ثابت کرنے کے لئے بہت سے مؤطا تصنیف ہوئے جیسے ابن ابی ذئب، ابن عیینہ، ثوری، معمر رحمہم اللہ کی کتابیں۔

پس ثابت ہوا کہ مؤطا امام مالک کی تمام روایتیں صحیح ہیں اور اس کی منقطع اور مرسل روایتیں بھی دوسرے طرق سے متصل ہیں اور حضرت یزید بن رومان کی یہ روایت بھی مؤطا امام مالک میں موجود ہے لہٰذا تمام محدثین کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق صحیح، حجت، معتبر اور قابل احتجاج ہے بلکہ متصل کے حکم میں ہے پس غیر مقلد کا اس کو مرسل و منقطع کہہ کرنا قابل حجت بنانا خود غلط اور مردود ہے۔

سادساً: مذکورہ بالا جوابات اس صورت پر مبنی ہیں کہ بر سبیل تنزل حضرت یزید بن رومان کی روایت کو مرسل تسلیم کر لیا گیا ہے اور اصول حدیث کی رو سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مراسیل صحابہ اور مراسیل معتضدہ، صحیحہ بالاتفاق حجت ہیں اور قابل احتجاج۔ آج تک کسی ایک شخص نے مراسیل معتضدہ یعنی تقویت یافتہ کا انکار نہیں کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت یزید بن رومان کی یہ روایت اصول حدیث کے قاعدہ کے مطابق مرسل نہیں بلکہ "متصل" ہے۔

تدریب الراوی کا حوالہ:

چنانچہ امام سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وان روی التابعی عن الصحابی قصه ادرك وقوعها فمتصل و كذا ان لم يدرك وقوعها ولكن اسنده رجاله والا فمنقطع.

تدریب الراوی للسیوطی

یعنی اہل حدیث (محدثین) کا اصول ہے کہ اگر تابعی؛ صحابی سے کوئی ایسا قصہ بیان کرے جس کا وقوع خود اس نے پایا ہو یا اگر اس کا وقوع خود نہ پایا ہو اس کے رجال کا اسناد کرے تو وہ روایت متصل ہوگی ورنہ منقطع۔

چونکہ حضرت یزید بن رومان ثقہ راوی اور تابعی ہے انہوں نے اپنے دور کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کو بیس رکعات تراویح پڑھتے دیکھا ہے اور یہ بھی ان کو اپنے دور کے لوگوں سے یقیناً معلوم ہوا تھا کہ بیس رکعات تراویح کا یہ عمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے باقاعدگی کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ تو ان کا یہ کہنا کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اصول حدیث کی رو سے متصل ہی ہے اور متصل کے راوی اگر ثقہ ہوں تو وہ بالاتفاق حجت ہے۔ پس جب اصول حدیث کی رو سے یہ روایت مرسل نہیں بلکہ متصل ہے تو غیر مقلد کا اس کو مرسل ہونے کی وجہ سے ناقابل احتجاج بنانا، خود غلط اور مردود ہوگا۔

فرقہ اہل حدیث اور خصوصاً حافظ محمد اسلم سے چند سوال:

1. غیر مقلد کہتا ہے: امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یزید بن رومان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہے۔ بتایا جائے کہ امام مالک نے کس کتاب میں یہ بات فرمائی ہے؟
2. غیر مقلد لکھتا ہے: امام نووی رحمہ اللہ بھی اس اثر کو کمزور کہہ رہے ہیں۔ سوال ہے کہ امام نووی کی وہ عبارت پیش کرے جس سے معلوم ہو کہ یہ اثر کمزور ہے۔؟
3. حافظ کہتا ہے: علامہ عینی رحمہ اللہ بھی اس روایت کو کمزور قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں سوال یہ ہے کہ علامہ عینی رحمہ اللہ کی عبارت پیش کریں جس میں لکھا ہو کہ یہ اثر کمزور ہے؟
4. غیر مقلد لکھتا ہے: امام بیہقی رحمہ اللہ اس کو مرسل قرار دیتے ہیں حالانکہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس روایت کے متعلق فرمایا ہے۔ مرسل قوی یعنی یہ روایت مرسل قوی ہے۔

سوال یہ ہے کہ لفظ مرسل کو نقل کرنا اور قوی کے لفظ کو چھوڑ دینا جھوٹ اور خیانت کے زمرہ میں آتا ہے یا نہیں۔ نیز یہ بھی بتایا جائے کہ جھوٹ اور خیانت کے ساتھ ساتھ یہ دھوکہ بھی ہے یا نہیں؟

بندہ عاجز کے فہم کے مطابق غیر مقلد نے یہ سارا جھوٹ بولا ہے نہ تو امام نووی اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے اس کو "کمزور" کہا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے اہل علم نے اس کو "ضعیف" کہا ہے بلکہ یہ سب کچھ غیر مقلد کی طرف سے علماء دین کی باتوں میں جھوٹ کی ملاوٹ ہے تاکہ لوگوں کو دھوکہ دینا آسان ہو جائے۔ ہاں انقطاع وار سال کا ذکر کیا ہے جس کے بارے میں بندہ عاجز نے دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ ثقہ راویوں کے مراسیل معتضدہ حجت اور قابل قبول ہیں حضرت یزید بن رومان کی یہ روایت بھی مرسل معتضدہ اور قوی ہے بلکہ متصل ہے اور محدثین کے نزدیک مقبول اور معمول بہا ہے۔ محض مرسل ہونا کوئی عیب نہیں ہے۔ الحمد للہ غیر مقلد کے پہلے اعتراض کا جواب مکمل ہوا کہ یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے کمزور ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب:

غیر مقلد نے حضرت یزید بن رومان کی روایت پر دوسرا اعتراض یہ کیا ہے: یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح روایت کے مخالف ہے جس میں 11 رکعات کا ذکر ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے آپ اس روایت کو بیک نظر ملاحظہ فرمالیں۔ پھر بعد میں اس کا جواب آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ مالك عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انه قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیماً الداری ان یقوما للناس باحدی عشرة رکعة قال وکان القاری یقرء بالمئین حتی کنا نعتمد علی العصی من طول القیام وما کنا ننصرف الا فی فروع الفجر.

موطا امام مالک ص98

ترجمہ : سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات پڑھانے حکم دیا راوی (سائب بن یزید رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ امام سو سو آیتیں ایک رکعت میں پڑھاتا تھا یہاں تک کہ ہم عصا پر سہارا لگاتے تھے اور ہم فجر کے قریب تک فارغ نہیں ہوتے تھے۔

قارئین کرام! یہ ہے وہ روایت جس کو غیر مقلد نے صحیح قرار دیتے ہوئے حضرت یزید بن رومان کی روایت کو اس کے مخالف بنا کر کمزور کرنے کی کوشش کی ہے لیکن حضرت یزید بن رومان کی اس روایت پر غیر مقلد کا یہ اعتراض ہر لحاظ سے نا قابل قبول اور مردود ہے کیونکہ علماء اہل السنت والجماعت نے حضرت سائب بن یزید کی مذکورہ بالا روایت کے...... جس سے آٹھ رکعات تراویح ثابت ہوتی ہے........ کئی جوابات دیے ہیں لہٰذا آپ ان جوابات کو ملاحظہ فرمائیں اور انصاف فرمائیں کہ کون سی روایت قابل قبول ہے۔

جواب اول:

حضرت سائب بن یزید کی آٹھ رکعات تراویح والی یہ روایت متروک العمل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے اس پر عمل کرنا ترک ہوا۔ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے دور میں بیس رکعات تراویح پر عمل ہوتا رہا، ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی آٹھ رکعات پر عمل متروک رہا۔ ائمہ اربعہ کے ادوار میں بھی بیس رکعات والی روایت معمول بہا رہی اور آٹھ رکعات والی روایت متروک العمل رہی ، محدثین کرام کے ادوار میں بھی آٹھ رکعات تراویح کو کسی نے نہیں اپنایا حتی کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ترمذی شریف میں تعداد تراویح کے متعلق اقوال نقل کیے لیکن آٹھ رکعات تراویح والا قول کسی سے نقل نہیں کیا۔

اگر امام ترمذی کے دور تک کسی عالم، محدث اور فقیہ کا قول آٹھ رکعات تراویح کا ہوتا تو امام ترمذی رحمہ اللہ ضرور اس کو نقل فرماتے پس معلوم ہوا کہ بیس رکعات والی روایات معمول بہا اور آٹھ رکعات والی روایت متروک العمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حرمین شریفین میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مبارک دور سے بیس رکعات تراویح کا مسلسل عمل چلا آرہا ہے اور کبھی بھی حرمین شریفین میں آٹھ رکعات تراویح نہیں پڑھی گئی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آٹھ رکعات والی روایت متروک العمل ہے۔ دیکھئے حضرت سائب بن یزید کی یہ آٹھ رکعات والی روایت مؤطا امام مالک میں موجود ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ آٹھ رکعات تراویح کا قائل نہیں ہوا بلکہ وہ بیس رکعات تراویح کا قائل ہے اور اس کے تمام مقلدین آج تک بالاتفاق بیس رکعات پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کا ایک قول بیس رکعات سے زیادہ کا تو ہے لیکن آٹھ کا قول نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہ آٹھ رکعات والی روایت متروک العمل ہے۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا حالانکہ حضرت ابی کعب اور حضرت تمیم داری رحمہ اللہ خود بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت متروک العمل ہے اور بیس رکعات والی روایت معمول بہا ہے۔ اسی طرح تمام علماء محدثین کا یہ کہنا کہ بیس رکعات تراویح پر استقرار عمل ہوا، بیس رکعات تراویح کی بات پختہ ہوتی، بیس رکعات تراویح پر اجماع امت ہے، بیس رکعات تراویح جمہور اور اکثر اہل علم کا مذہب ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ بیس رکعات تراویح معمول بہا ہے اور آٹھ رکعات تراویح والی روایت متروک العمل ہے۔ ورنہ کوئی تو کہتا کہ آٹھ رکعات تراویح پر استقرار عمل ہوا یا آٹھ رکعات تراویح پر بات پختہ ہوئی یا آٹھ رکعات تراویح پر اجماع امت ہوا وغیرہ وغیرہ۔ پس آٹھ رکعات کے متعلق ایسی کسی بات کا منقول نہ ہونا دلیل ہے اس بات کی کہ آٹھ

رکعات والی روایت متروک العمل ہے حتی کہ غیر مقلدین علماء بھی آٹھ رکعات والی روایت کو متروک العمل سمجھتے رہے۔

چنانچہ جب چودھویں صدی کے ایک غیر مقلد مولوی محمد حسین بٹالوی نے آٹھ رکعات تراویح کا دعویٰ کیا اور بیس تراویح کا انکار کیا تو اس دور کے غیر مقلدین علماء نے اس کی تردید کی، اس کے خلاف آواز اٹھائی حتی کہ حضرت مولانا غلام رسول قلعہ میہان سنگھ والے نے ان کے خلاف ایک رسالہ فارسی زبان میں بنام تراویح تصنیف کیا اور اس رسالہ میں انہوں نے بیس کے منکر اور آٹھ کے قائل کے مبتدع اور خارق اجماع قرار دیا۔ معلوم ہوا کہ چودھویں صدی تک غیر مقلدین علماء آٹھ رکعات والی روایت کو متروک العمل سمجھتے رہے۔ اب غیر مقلد کا حضرت یزید بن رومان کی روایت کو حضرت سائب بن یزید کی متروک العمل روایت کے مخالف کہہ کر رد کرنا۔ خود مردود اور ناقابل قبول ہے اور حضرت یزید بن رومان کا اثر قوی اور صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ معمول بہا ہونے کی وجہ سے قابل قبول اور قابل عمل ہے کیونکہ محدثین کے نزدیک تعامل امت کی وجہ سے سنداً ضعیف روایت قابل قبول ٹھہرتی ہے اور متروک العمل روایت خواہ سنداً قوی ہو لیکن متروک عمل کی وجہ سے ناقابل قبول بن جاتی ہے۔

<u>جواب دوم:</u>

مؤطا امام مالک میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی یہ روایت صحیح السند ہونے کے باجود مضطرب المتن ہے یعنی اس کے متن میں شدید اختلاف و اضطراب ہے کیونکہ اس روایت کو حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے اس کے دو شاگرد ہیں:

1) محمد بن یوسف رحمہ اللہ 2) یزید بن خصیفہ رحمہ اللہ

پھر محمد بن یوسف سے روایت کرنے والے ان کے پانچ شاگرد ہیں:

1) امام مالک رحمہ اللہ ﴿ اپنے مؤطا میں ﴾

2) یحییٰ بن سعید القطان ﴿مصنف ابن ابی شیبہ میں﴾

3) عبد العزیز بن محمد ﴿سنن سعید بن منصور میں﴾

4) محمد بن اسحاق ﴿قیام اللیل میں﴾

5) عبد الرزاق بواسطہ داؤد بن قیس وغیرہ ﴿مصنف عبد الرزاق میں﴾

محمد بن یوسف رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے یہ پانچ حضرات ہیں لیکن ان کے الفاظ مختلف ہیں۔ چنانچہ پہلے تین حضرات گیارہ رکعات نقل کرتے ہیں اور چوتھا راوی تیرہ رکعات نقل کرتا ہے۔ جبکہ پانچواں راوی اکیس رکعات نقل کرتا ہے پھر کسی روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کا ذکر ہے اور کسی میں حضرت عمر کے حکم کا ذکر نہیں، کسی روایت میں رمضان کا لفظ ہے اور کسی میں نہیں۔ اس لئے علماء محدثین نے اس روایت کو "مضطرب المتن" کہا ہے یہ محمد بن یوسف رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے پانچ راویوں کا خلل ہے کہ سب کے سب اختلاف اور اختلاط کا شکار ہیں۔ جبکہ محمد بن یوسف رحمہ اللہ کے دوسرے ساتھی یزید بن خصیفہ ہیں وہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات تراویح نقل کرتے ہیں اور حضرت یزید بن خصیفہ رحمہ اللہ کے دو شاگرد ہیں:

1) ابن ابی الذئب رحمہ اللہ۔ 2) محمد بن جعفر رحمہ اللہ۔

ان دونوں شاگردوں کی روایت میں کوئی اختلاف اور اختلاط نہیں بلکہ دونوں بالاتفاق بیس رکعات نقل کرتے ہیں۔ ابن ابی الذهب عن یزید بن خصیفه عن السائب بن یزید کی روایت سنن کبریٰ بیہقی ج 2 ص496 میں موجود ہے جس کو نووی، سیوطی، امام عراقی رحمہم اللہ وغیرہ نے صحیح کہا ہے اور محمد بن جعفر عن یزید بن حصیفه عن السائب بن یزید کی روایت معرفۃ السنن والآثار میں موجود ہے۔ جس کی امام سبکی رحمہ اللہ نے شرح المنہاج میں اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مؤطا میں تصحیح کی ہے۔

الغرض حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی محفوظ روایت جو کہ بیہقی نے اپنی کتابوں نقل کی ہے وہ حضرت یزید بن رومان رضی اللہ عنہ کی روایت کے مخالف نہیں بلکہ موافق ہے کیونکہ دونوں روایتوں میں بیس رکعات تراویح کا ذکر ہے اور حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت جو کہ حضرت یزید بن رومان رضی اللہ عنہ کی روایت کے مخالف ہے وہ متن کے لحاظ سے مضطرب اور نا قابل استدلال ہے۔ اسی لئے تو امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے بیس رکعات تراویح والی روایت کو ترجیح دی ہے جبکہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مصنف عبد الرزاق میں موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں : وکان القیام علی عھد عمر ثلاثة وعشرین رکعةً۔

عبد الرزاق ج4 ص462

یعنی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قیام (رمضان) وتروں سمیت تیئیس (23) رکعات ہوتا تھا۔ بندہ عاجز کی گزارشات کی تفصیل درج ذیل کتب میں ملاحظہ فرمائیں:

- فتح الباری
- ارشاد الساری
- تحفۃ الاخیار
- تحفۃ الاحوذی
- اوجز المسالک
- کشف الغطا حاشیہ موطا امام مالک وغیرہ

اس سارے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یزید بن رومان اور حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما کی محفوظ روایت میں کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے بلکہ ان دونوں حضرات کی روایات سے بالاتفاق بیس رکعات تراویح ثابت ہے اور مخالفت والی روایت مضطرب ہونے کی وجہ سے نا قابل اعتبار ہے پس غیر مقلد کا اعتراض ہر لحاظ سے مردود ہے۔

جواب سوم:

علماء محدثین نے فرمایاہے کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جس میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے کسی راوی کا وہم ہے کیونکہ بیس رکعات تراویح ایک مسلمہ حقیت ہے جس پر اجماع امت ہے خود حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات ترواتح صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے لہٰذا اتنی بڑی حقیقت کی موجودگی میں گیارہ رکعات والی روایت کو وہم راوی قرار دیناہی عین انصاف ہے۔

جواب چہارم:

بعض علماء محدثین نے فرمایاہے کہ حضرت سائب یزید رضی اللہ عنہ کی یہ روایت جس میں گیارہ رکعات کا ذکر ہے یہ بیس رکعات تراویح کی روایت کی مخالف نہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح کے دوامام مقرر فرمائے تھے۔ حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما، جیساکہ اس روایت میں تصریح موجود ہے پس اس روایت میں گیارہ رکعات ایک امام کی تعداد ہے نہ کہ دونوں کی۔ یعنی ایک امام وتر سمیت گیارہ رکعات پڑھاتا تھااور دوسرا امام بقیہ بارہ رکعات پڑھادیتا تھا جس سے بیس رکعات تراویح مکمل ہوجاتی تھی۔ یا وتروں کے علاوہ دس رکعت ایک امام پڑھاتا تھااور دس رکعات دوسرا امام پڑھاتا تھا یہ روایت حضرت یزید بن رومان رضی اللہ عنہ کی روایت کے مخالف نہیں ہے بلکہ موافق ہے۔

اوجزالمسالک اور کشف الغطاء

جواب پنجم:

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت یزید بن رومان اور حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما کی اس روایت کے درمیان یوں تطبیق دی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابتداءً آٹھ رکعات کا حکم دیا لیکن بعد میں بیس رکعات تراویح کا حکم دیااور بالآخر استقرار عمل

بیس تراویح پر ہوا اور بیس رکعات تراویح کی بات پختہ ہوئی۔ انجام کار بیس رکعات تراویح پر اجماع صحابہ اور اجماع امت ہوا۔ یعنی بیس رکعات تراویح سے کم وبیش کے اقوال بالکل ابتدائی دور کی باتیں ہیں لیکن آخری اور حتمی فیصلہ جس پر اتفاق ہوا وہ بیس رکعات تراویح کا ہے اور یہی نماز تراویح کی آخری شکل وصورت ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں بالاجماع مقرر اور طے ہوئی ۔اب کسی شخص کو ان ابتدائی اقوال کو سامنے رکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پوری امت سے اختلاف کرنے اور کٹنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ جو چیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے معمول بہا چلی آرہی ہے اس کو معمول بہا ہی رہنا چاہئے اس لئے تو شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: "بعد از تحقیق اجماع مراعاۃ ایں عدد ہم از ضروریات گشت در حق قرون متاخرہ..... الخ۔

فتاوی عزیزی ص120

یعنی بیس رکعات تراویح پر اجماع منعقد ہو جانے کے بعد اس عدد کی رعایت بعد والے لوگوں کے لئے ضروری ہے۔

❖ کیونکہ بیس رکعات سے کم وبیش، اقوال متروک ہو چکے ہیں اور بیس رکعات تراویح بشمول صحابہ پوری امت کی معمول بہا ہے۔

جواب ششم:

مؤطا امام مالک میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی یہ روایت جس میں وتر سمیت گیارہ رکعت کا ذکر کیا گیا ہے مؤطا امام مالک ہی میں موجود ایک اور صحیح روایت کے خلاف ہے کیونکہ اس روایت میں آٹھ سے زائد رکعتوں کا ثبوت ہے وہ حدیث یہ ہے "مالك عن داؤد بن الحصين انه سمع الاعرج يقول ما ادركت الناس الا وهم يلعنون الكفرة

فی رمضان قال وکان القاری یقرء بسورة البقرة فی ثمان رکعات فان اقام بھا فی اثنتی عشرة رکعةً رای الناس انه قد خفف۔

موطاامام مالک ص99

ترجمہ : داؤد بن الحصین نے سنا عبدالرحمن بن ہرمز اعرج سے وہ کہتے تھے میں نے لوگوں کو پایا کہ وہ رمضان میں کافروں پر لعنت کرتے تھے اور امام پڑھتا تھا سورہ بقرہ آٹھ رکعتوں میں۔ جب بارہ رکعتوں میں پڑھتا تھا تو لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ تخفیف کی۔

مذکورہ بالا صحیح روایت سے صاف صاف معلوم ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف آٹھ رکعات تراویح نہیں پڑھتے تھے بلکہ نماز تراویح آٹھ رکعات سے زائد یعنی بیس رکعات پڑھا کرتے تھے کیونکہ ان کا امام جب سورہ بقرۃ جیسی سورۃ آٹھ رکعات میں ختم کرنے کی بجائے بارہ رکعات میں جا کر ختم کرتا تھا تو لوگ محسوس کرتے تھے کہ امام صاحب نے ہمارے ساتھ رعایت کر دی ہے۔ ظاہر کہ آٹھ رکعات سے زائد اور بیس سے کم کا تو کوئی قول نہیں ملتا ہے اور بیس تراویح کی تعداد بیسیوں روایات و آثار صحیح سے ثابت ہے لہٰذا آٹھ سے زائد پڑھنے والے یقیناً بیس ہی پڑھتے تھے، چنانچہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ لکھتے ہیں فیه دلیل علی ان التراویح اکثر من ثمانی رکعات.

اوجزالمسالک شرح موطاامام مالک ص400

یعنی اس روایت میں دلیل موجود ہے کہ نماز تراویح آٹھ رکعات سے زیادہ ہے۔

ملفوظات محدث کشمیری کا حوالہ:

خاتم المحدثین امام العصر سید علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بیس تراویح کی یہ حدیث صحیح دلیل قوی ہے اور صحابہ کے زمانہ میں اس پر عمل درآمد ہوتا تھا اور بھی موطاامام مالک میں بہت سی روایت موجود ہیں جو صریح طور پر بیس پر دلالت کرتی ہیں۔

ملفوظات محدث کشمیری ص365

پس جب موطاامام مالک کی صحیح حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز تراویح آٹھ نہیں بلکہ بیس رکعات پڑھی جاتی تھی تو موطاامام مالک کی کسی روایت سے آٹھ رکعات تراویح ثابت کرنا قطعادرست نہیں ہے بلکہ باطل اور مردود ہے اور نا قابل قبول ہے۔

لہٰذا موطاامام مالک میں موجود ہے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی گیارہ رکعات والی روایت یا تو وہم راوی ہے یا پھر ایک امام کی تعداد تراویح کا ذکر ہے یا پھر پہلے والا ابتداء معاملہ ہے جو کہ بالاتفاق صحابہ کرام متروک ہوا اور آج تک متروک ہے اور قیام قیامت تک ہی متروک رہے گا۔ کیونکہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت میں جو کہ بیہقی میں موجود ہے بیس رکعات کی تصریح موجود ہے۔

حفظ ماتقدم:

قارئین کرام! حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی بیس رکعات تراویح والی حدیث بیہقی کی سنن کبریٰ اور معرفۃ الآثار میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے جس کے تمام راوی ثقہ، عادل اور معروف ہیں۔ الحمدللہ غیر مقلد حافظ محمد اسلم نے بھی اس پر کسی قسم کی جرح نہیں کی لیکن بعض متعصب اور متعسف غیر مقلدین نے اس حدیث کے ایک راوی ابو عبد اللہ بن فنجویہ دینوری رحمہ اللہ پر یوں جرح کی ہے کہ اس کا حال معلوم نہیں ہے یعنی غیر معروف راوی ہے اس لیے بندہ عاجز حفظ ماتقدم کے تحت اس راوی کا مشہور و معروف ہونا اور ثقہ و محدث ہونا آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ شاید حافظ محمد اسلم غیر مقلد میری اس کتاب کے جواب میں یہ متعصبانہ اور متعسفانہ جرح نقل کر کے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی بیس رکعات تراویح والی روایت کو کمزور کرنے کی کوشش کرے تو بندہ اس جرح کا جواب پیشگی ان کی خدمت میں عرض کئے دیتا ہے تاکہ کسی غیر مقلد کو خوامخواہ بے جا جرح کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

تذکرۃ الحفاظ کا حوالہ :

علامہ ذہبی رحمہ اللہ 414ھ میں وفات پانے والے مشاہیر میں سے ہیں۔ ابو عبد اللہ فنجویہ رحمہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: والمحدث ابو عبد الله الحسين بن محمد بن الحسين بن عبد الله بن فنجويه الثقفي الدينوري النيشافوري. تذکرۃ الحفاظ ج3 ص244

یعنی علامہ ذہبی نے ابو عبد اللہ فنجویہ رحمہ اللہ کو محدث قرار دیا ہے اور مشاہیر میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

ابن اثیر جزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: عرف بها ابو عبد الله الحسين بن محمد بن الحسين فنجويه الفنجوي الدينوري الحافظ روى عن ابي الفتح محمد بن الحسين الازدي الموصلي وابي بكر بن مالك القطعي و غيرهما روىٰ عنه، ابو اسحاق الثعلبي فاكثر في تفسيره و يذكر كثيراً فيقول اخبرنا الفنجويه الخ۔

یعنی اس نسبت فنجوی کے ساتھ حافظ ابو عبد اللہ الحسین مشہور و معروف ہیں اور وہ ابو الفتح ازدی اور ابو بکر قطعی وغیرہ سے حدیثیں روایت کرتے ہیں اور ان سے ابو اسحاق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں بکثرت روایات نقل کی ہیں اور وہ ان کا ذکر بہت کرتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ ہم کو فنجوی رحمہ اللہ نے خبر دی۔ اس کے علاوہ سمعانی نے برہان دینوری رحمہ اللہ کے شاگردوں میں اس کا نام شمار کیا ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں ان سے بکثرت روایت کی ہے۔ جب امام ذہبی رحمہ اللہ؛ ابن فنجویہ رحمہ اللہ کو محدث لکھ رہے ہیں اور ابن اثیر جزری رحمہ اللہ اس کو مشہور و معروف اور "حافظ" لکھ رہے ہیں اور ابو الفتح اور ابو بکر بن مالک قطعی وغیرہ سے یہ روایت کر رہے ہیں اور اس سے ابو اسحاق ثعلبی رحمہ اللہ روایت کر رہے ہیں تو اب ثقہ اور عادل ہونے میں کیا شک وشبہ رہا؟ نیز اہل اصول کے نزدیک کسی راوی کی

تعدیل کے لئے اس پر کسی شہادت کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اس پر جرح کا نہ پایا جانا اور اہل فن میں اس کی شہرت تعدیل کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

مقدمہ ابن الصلاح کا حوالہ:

عدالة الراوی تارة تثبت بتنصیص العدلین علی عدالته و تارة تثبت بالاستفاضه فمن اشتهرت عدالته بین اهل النقل او نحوهم من اهل العلم و شاع الثناء علیه بالثقة والامانة استغنی فیه بذلك عن بینة شاهدة بعدالة تنصیصاً هذا هو الصحیح فی مذهب الشافعی و علیه الاعتماد فی فن اصول الفقه۔

مقدمہ ابن الصلاح ص40

یعنی راوی کی عدالت کبھی اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ دو عادل اس کی عدالت پر تصریح کر دیں اور کبھی یوں ثابت ہوتی ہے شہرت اور استفاضہ کے ساتھ۔ پس جس کی عدالت اہل علم کے درمیان مشہور ہو اور اس پر ثقہ اور امین ہونے کی تعریف عام ہو تو وہ مستغنی ہوتا ہے ایسے گواہوں سے جو اس کی عدالت پر صراحۃ شاہد ہوں۔ شافعی مذہب میں یہی صحیح ہے اور فن اصول فقہ میں اس پر اعتماد ہے۔

بلکہ علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے تو اور توسیع کر کے یہاں تک کہہ دیا ہے "کل حامل علم معروف العنایة به فهو عدل محمول فی امره ابدا علی العدالة حتی یتبین الجرحه.......الخ۔

مقدمہ ص40

یعنی ہر صاحب علم جو علم کی مشغولیت کے ساتھ معروف ہو وہ عادل ہے اور ہمیشہ عادل قرار دیا جائے گا جب تک اس پر جرح ثابت نہ ہو۔

پس الحمد للہ مذکورہ بالا اصول کے تحت ثابت ہوا کہ ابو عبد اللہ الحسین فنجوی المحدث الحافظ بذات خود، ان کے اساتذہ اور ان سے روایت کرنے والے اہل علم میں مشہور و

معروف ہے ان پر کسی قسم کی جرح منقول نہیں۔ لہٰذا حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی بیس رکعات تراویح والی حدیث حسب تصریح محدثین صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ عادل اور مشہور و معروف ہیں۔ نیز یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت یزید بن رومان رضی اللہ عنہ کا اثر صحیح اور قوی ہے اور وہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت کے مخالف نہیں بلکہ موافق ہے اور ان دونوں حضرات کی روایتوں سے بیس رکعات تراویح ثابت ہے اور اس پر اجماع صحابہ و اجماع امت ہے اور بیس سے کم و بیش کے اقوال متروک العمل ہیں استقرار عمل صرف اور صرف بیس پر ہے۔

متروک العمل باتوں کو رواج دے کر امت میں اختلاف و انتشار پیدا کرنا غیر مقلدین کی پرانی عادت ہے حالانکہ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ کسی بات کا معمول بہا ہونا اس کے مقبول ہونے کی علامت ہے اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے متروک العمل ہونا اس کے مردود ہونے کی دلیل ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ غیر مقلدین بااصول نہیں بلکہ بے اصولے ہوتے ہیں اسی لئے بے اصولیاں کرتے ہیں۔

روایت یحییٰ بن سعید پر غیر مقلدانہ جرح:

غیر مقلد حافظ محمد اسلم نے ابن ابی شیبہ کی روایت کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے مروی ابن ابی شیبۃ فی المصنف عن وکیع عن مالک عن یحی بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلاً ان یصلی بھم عشرین رکعۃً.

مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص79

ابن ابی شیبہ (المصنف) میں وکیع عن مالک عن یحی بن سعید کا بیان کرتے ہیں کہ عمر بن الخطاب نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ ان کو 20 رکعات پڑھائے لیکن یہ اثر بھی منقطع ہے مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری (تحفۃ الاحوذی ج 2 ص 85) میں فرماتے ہیں کہ علامہ شوق نیموی رحمہ اللہ نے اس اثر کے رجال کو ثقہ کہا ہے لیکن یحییٰ کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ

سے نہیں ہے پس نیموی رحمہ اللہ کا کہنا درست ہے کہ اثر میں انقطاع ہے اس لئے استدلال کے قابل نہیں۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو اثر صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی ابن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو 11 رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا اس کے صراحۃً مخالف ہے اور جو حکم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے اس کے بھی مخالف ہے۔

تعداد مسنون تراویح ص 12

الجواب باسم ملہم الصواب:

غیر مقلد نے حضرت یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ کی اس روایت پر جو جرح کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت کی سند منقطع ہے کیونکہ نیموی رحمہ اللہ ومبارکپوری کہتے ہیں کہ یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں ہے اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ بقول غیر مقلد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی ابن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما کو 11 رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔ یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ کی روایت اس کے صراحۃ مخالف ہے۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ روایت حکم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی مخالف ہے۔

غیر مقلد کے یہ تینوں اعتراض فضول، بودے، نکمے اور مردود ہیں کیونکہ علماء اہل السنت والجماعت کے پاس بیس تراویح کے ثبوت میں بیسیوں دلائل و آثار ہیں اگر دو چار پر جرح ثابت بھی ہو جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ جب بہت سے آثار و روایات جمع ہو جائیں تو اگرچہ فرداً فرداً سارے ہی ضعیف ہوں لیکن سب مل کر قابل قبول ہونے کی قوت حاصل کر لیتے ہیں اور ایک دوسرے کو تقویت دے کر درجہ حسن حاصل کر لیتے ہیں جبکہ بیس تراویح کے بہت سے آثار ایسے ہیں جن پر کوئی جرح بھی نہیں ہے، مثلاً: حضرت سائب بن یزید رضی

اللہ عنہ کی روایت بالکل صحیح ہے اور اس پر غیر مقلد نے کوئی جرح بھی نہیں کی۔ لہٰذا ایسی صحیح روایت کی موجودگی میں تائید کرنے والی روایات پر جرح کرنے سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کے باوجود ہم بالترتیب غیر مقلد کے تینوں اعتراضات کا جواب دیتے ہیں آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

انقطاع سند کا مسئلہ:

غیر مقلد کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس اثر کی سند میں انقطاع ہے لہٰذا قابل استدلال نہیں جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ غیر مقلد کے اعتراضات بودے قسم کے، فضول اور گھسے پٹے ہیں سب سے پہلے اعتراض کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

ہماری نظر میں یہ اعتراض اس لئے مردود ہے کہ ہر منقطع و مرسل روایت ناقابل استدلال نہیں ہوتی بلکہ وہ مرسل روایتیں جن کے راوی ثقہ ہوں اور ان کو کسی دوسرے طرق سے تائید و تقویت حاصل ہو تو ایسے مراسیل متعضدہ بالاتفاق حجت اور قابل استدلال ہیں۔ مراسیل متعضدہ کو تو کسی محدث نے بھی ناقابل استدلال نہیں کہا اور الحمد للہ بیس رکعات تراویح کے اثبات میں جتنے مراسیل بھی پیش کئے جاتے ہیں وہ سب کے سب قوی ہیں اور دوسرے طرق سے ان کو تقویت بھی حاصل ہے اور حضرت یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ کی اس روایت کو بھی علماء محدثین، مرسل قوی، کہتے ہیں۔

آثار السنن ص253

اس مسئلہ کی پوری تحقیق پہلے گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے پس یہ مرسل قوی ہونے کی وجہ سے قابل استدلال ہے اور غیر مقلد کا اس کو ناقابل استدلال کہنا، غلط اور مردود ہے۔ غیر مقلد نے اس اثر کو اس لئے ناقابل استدلال بنایا ہے کہ نیموی رحمہ اللہ اور مبارکپوری کہتے ہیں کہ یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا نیموی رحمہ اللہ اور مبارکپوری کی ملاقات یحیٰ بن سعید سے ثابت ہے؟ اگر

نہیں تو خود ان کی بات منقطع ہونے کی وجہ سے نا قابل استدلال ہے۔ نیموی رحمہ اللہ اور مبار کپوری کی بات منقطع و مرسل ہونے کے باوجود قابل استدلال ہے اور یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ کی بات منقطع ہونے کی وجہ سے نا قابل استدلال ہے یہ کیوں؟ اور کیسے؟ غیر مقلدین مل کر فیصلہ صادر فرمائیں۔

کیا اثر یحیٰ بن سعید، اثر عمر بن خطاب کے خلاف ہے:

اب غیر مقلد کا دوسرا اعتراض بھی دیکھ لیجیے کہ حضرت یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ کا یہ اثر جس میں بیس رکعات تراویح کا ثبوت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صحیح اثر کے خلاف ہے جس میں انہوں نے حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔

قارئین کرام! یہ اعتراض بھی لغو، فضول اور مردود ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح اور محفوظ اثر بروایۃ بیہقی عن یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید یہی ہے کہ انہوں نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما کو بیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ پس حضرت یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ کی یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صحیح اور محفوظ حکم کے بالکل موافق ہے نہ کہ مخالف۔

باقی رہی امام مالک رحمہ اللہ کی گیارہ رکعات والی روایت تو اس کے بارے میں یہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ یہ روایت کسی راوی کا وہم ہے یا گیارہ رکعات مع وتر ایک امام کی تعداد ہے جبکہ بقیہ نماز تراویح دوسرا امام پڑھاتا تھا۔ اس طرح بیس کی تعداد مکمل ہوتی تھی کیونکہ حضرت سائب بن یزید اور یزید بن رومان رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ بات وضاحت سے ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو بیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گیارہ رکعات ایک امام کی

تعداد ہے نہ کہ دونوں کی کیونکہ دنوں اماموں کی نماز تراویح کی تعداد تو بیس رکعات مسلمہ طور پر ثابت ہے اور خود امام مالک رحمہ اللہ کی دوسری روایت میں آٹھ رکعات تراویح کی تردید موجود ہے کہ جب امام صاحب سورۃ بقرہ جیسی سورۃ بارہ رکعت میں ختم کرتا تو لوگ محسوس کرتے تھے کہ رعایت اور تخفیف ہو گئی ہے۔

یا پھر گیارہ رکعات والا اثر ابتدائی اور متروک ہے۔ کیوں کہ استقرار عمل تو یقیناً بیس رکعات تراویح پر ہوا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یحیٰی بن سعید رحمہ اللہ کا اثر قوی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صحیح اور محفوظ اثر کے عین موافق ہے اور دونوں اثروں سے بیس رکعات تراویح قطعی طور پر ثابت ہے لہٰذا غیر مقلد کا مخالفت بین الاثرین والا اعتراض بالکل مردود اور فضول ہے۔

اثر یحیٰی بن سعید حکم رسول کے خلاف ہے:

رہا غیر مقلد کا اس اثر پر تیسرا اعتراض کہ حضرت یحیٰی بن سعید رحمہ اللہ کا یہ اثر جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے اس کے بھی مخالف ہے۔

قارئین کرام! غیر مقلد کا یہ اعتراض دراصل جھوٹ کا پلندا ہے اور بالکل سفید جھوٹ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات علیہ السلام والصلوۃ پر سراسر بہتان ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری زندگی کسی ایک صحابی کو آٹھ رکعات تراویح پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ بندہ عاجز پوری دنیا غیر مقلدیت کو چیلنج کرتا ہے کہ پورا زور لگا کر بلکہ سر منہ کا زور لگا کر اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ثابت کریں کہ

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس وقت آٹھ رکعات تراویح کا حکم دیا؟
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آٹھ رکعات تراویح کا حکم کس کو دیا؟
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آٹھ رکعات تراویح کا حکم کب دیا؟

❖ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم کسی کتاب میں ثابت ہے؟

❖ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے ثابت ہے؟

❖ کس راوی سے ثابت ہے؟

❖ حدیث کی کتاب میں ثابت ہے؟

❖ فقہ کی کس کتاب میں لکھا ہے؟

واللہ باللہ ثم تاللہ؛ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو کسی شخص کو آٹھ رکعات تراویح پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ یہ تو غیر مقلد کا خالص جھوٹ اور نرا بہتان ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ کے پاک پیغمبر کی طرف منسوب کر دیا۔ سبحانك هذا بهتان عظيم۔

پوری دنیائے غیر مقلدیت! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ثابت کرو۔ ورنہ آپ کی سخت وعید کے لئے تیار رہو۔ من كذب على متعمدا فليتبوا مقعدة من النار، رواه البخاري . یعنی جو شخص میری طرف جھوٹ بات منسوب کرے اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ڈھونڈ لے۔

مظاہر حق شرح مشکوۃ کا حوالہ:

نواب قطب الدین رحمہ اللہ شارح مشکوۃ اس کی شرح میں لکھتے ہیں اس لئے کہ ایسا بدبخت جو دنیا کی سب سے بڑے صادق و مصدق ہستی پر بہتان باندھتا ہے وہ اسی سزا کا مستحق ہے کہ اسے جہنم کے شعلوں کے حوالے کر دیا جائے۔ اس بارے میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے علماء متفقہ طور پر یہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کی طرف کسی ایسی بات اور کسی ایسے عمل کی نسبت کرنا جو واقعتاً آپ سے ثابت نہیں ہے حرام اور گناہ ہے اور ایسا کاذب انسان خدا کے سخت عذاب میں گرفتار کیا جائے گا اور بعض علماء مثلاً امام محمد جوینی

رحمہ اللہ نے تو اس جرم کو اتنا قابل نفرین اور سخت خیال کیا ہے کہ وہ ایسے شخص کے بارے میں کفر کا حکم لگاتے ہیں۔

مظاہر حق ج1 ص232

بہر حال حافظ محمد اسلم غیر مقلد نے جو یہ کہا ہے کہ حضرت یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ کا یہ اثر حکمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالف ہے۔ خالص کذب بیانی ہے اور نرا بہتان ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آٹھ رکعات تراویح کا حکم زندگی بھر نہیں دیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آٹھ کا حکم ثابت نہیں ہے تو حضرت یحیٰ بن سعید کا اثر کیسے اس کا مخالف ٹھہرا!؟ الحمد للہ ثابت ہو گیا کہ یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ کا اثر مرسل قوی ہے اسی لئے قابل استدلال ہے یعنی انقطاع کوئی جرح نہیں ہے اور نہ یہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی کسی صحیح اور محفوظ روایت کے خلاف ہے اور نہ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کے مخالف ہے یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے بھی عین مطابق ہے۔

دھوکے کی انتہاء

آپ نے گذشتہ اوراق میں دیکھ لیا حافظ محمد اسلم غیر مقلد نے علماء اسلام، فقہاء دین، بزرگان امت، ائمہ عظام اور محدثین کرام رحمہم اللہ کے نام پر سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی معاف نہ کیا، اب تو دھوکہ بازی کی انتہاء کردی کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ کے نام پر بھی دھوکہ دینا شروع کر دیا کہ بیس رکعات تراویح والی روایات حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالف ہیں۔ غیر مقلد اردو خواندہ لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا ہے کہ شاید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آٹھ رکعات تراویح کا حکم دیا ہے اور بیس والی روایات اس کے خلاف ہیں۔

حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آٹھ رکعات تراویح کا حکم ثابت ہی نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک شخص کو بھی زندگی بھی آٹھ رکعات تراویح کا حکم دیا ہی نہیں۔ یہ ہے

- انجام ترک تقلید کا۔
- نتیجہ سلف صالحین کی راہ چھوڑنے کا۔
- ثمرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متروکہ اعمال کو اپنانے کا۔
- سزا ہے فقہاء عظام کے خلاف گندی زبان استعمال کرنے کی اور دین میں نئی راہ نکالنے کی۔

آٹھ رکعات تراویح خود حکم رسول کے خلاف ہے:

غیر مقلد نے تو سادہ لوح لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ بیس رکعات تراویح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے خود آٹھ رکعات کو رواج دینا پھیلانا، عام کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ.

مشکوٰۃ شریف ص 30 بحوالہ احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ

ترجمہ: تم میرے اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کو لازم جانو اور اسی طریقہ پر بھروسہ رکھو اور اس پر مضبوط رہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا اور خلفاء راشدین مھدیین کی سنت کو بھی لازم پکڑنے کا حکم دیا کیونکہ "فعلیکم" کلمہ لزوم کا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم اور ضروری ہے اسی طرح "عضوا علیھا بالنواجذ" کی تاکید بھی ان دونوں کے لئے ہے۔

پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلفاء راشدین کی پیروی اور اتباع کا حکم دیا ہے تو ان کی پیروی در حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی ہو گی۔ پس بیس رکعات تراویح پڑھنا، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ بالا حکم کے خلاف ہے اور یہ بات پختہ دلائل سے ثابت ہو چکی ہے کہ خلفاء راشدین نے بیس رکعات تراویح پر ہیشگی کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیس پر اجماع کیا ہے اور عہد اول میں بیس رکعات تراویح پر استقرار ہوا۔ حضرت سائب بن یزید، حضرت یزید بن رومان رضی اللہ عنہما اور حضرت یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ کی روایات اور دیگر تابعین کرام رحمہم اللہ کی روایات سے صحیح سند کے ساتھ بیس رکعات پڑھنا ثابت ہو چکا ہے اور بیس سے کم وبیش کے اقوال متروک اور غیر محفوظ ہو چکے ہیں جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی چھوڑ دیا ہے اور خیر القرون کے لوگوں نے بھی چھوڑ دیا ہے حتی کہ 11 رکعات والی روایت کو خود امام مالک رحمہ اللہ نے چھوڑ دیا ہے۔ پس بالاتفاق بیس رکعات تراویح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کا حکم دیا ہے اور آٹھ رکعات پڑھ کر بقیہ تراویح چھوڑنے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی مخالفت کر رہے ہیں جبکہ غیر مقلد الٹا بیس رکعات تراویح والوں کو مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا الزام دیتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے: "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔" حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت خود کرتے ہیں اور الزام دوسروں کو دیتے ہیں۔ ع میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اگر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو نقل فرمائیں تو وہ بھی امت کے لئے واجب الاتباع ہے اور اگر کسی مسئلہ میں اجتہاد فرمائیں تو وہ بھی امت کے لئے واجب الاتباع ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کے لئے اپنی اور ان کی سنت کو واجب الاتباع قرار دیا ہے۔

خلفاء میں تعمیم: بعض علماء کرام نے خلفاء کے لفظ میں تعمیم کرتے ہوئے ائمہ مجتہدین کو بھی ان میں شامل کیا ہے کیونکہ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ہیں اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس میں شامل قرار دیا ہے۔

انجاح الحاجہ کا حوالہ:

شیخ عبد الغنی محدث دہلوی مہاجر مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "ومن العلماء من عمم کل من کان علی سیرته علیه السلام من العلماء والخلفاء کالائمة الاربعة المتبوعین المجتهدین والائمة العادلین کعمر بن عبد العزیز کلهم فموارد لهذا الحدیث۔

انجاح الحاجہ ص 5

یعنی جو علماء اور خلفاء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر ہیں جیسے چاروں ائمہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) اور عادل حکام جیسے عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ وہ سب کے سب اس حدیث کے مصداق ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سنت لازم الاتباع ہے اسی طرح ائمہ متبوعین کی مسائل اجتہادیہ میں اتباع لازم ہے کیونکہ وہ بھی خلفاء میں شامل ہیں۔

بنایہ شرح ہدایہ کا حوالہ:

یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ خلفاء راشدین کا عمل سنت ہے: حدیث مذکورہ بالا سے بھی یہی ثابت ہوا کہ صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل سنت شرعی ہے اور ان کے قول و فعل کی پیروی ضروری ہے چنانچہ بدر الدین عینی حنفی "بنایہ شرح ہدایہ" میں لکھتے ہیں:

"سیرة العمرین لا شك فی ان فعلها ثواب و فی تر کها عتاب لانا امر بالاقتداء بهما لقوله علیه والصلوة والسلام اقتدوا بالذین بعدی ابی بکر و عمر فاذ کان الاقتداء مامورا به یکون واجباً وتارك الواجب یستحق العقاب والعتاب۔

مجموعۃ الفتاویٰ ج 1 ص 15.

یعنی اس میں شک نہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اعمال کی پیروی کرنا کار ثواب ہے اور ان کی پیروی کو ترک کرنا باعث عذاب ہے کیونکہ ہمیں ان دونوں کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ " اقتدا کرو ان دو شخصوں کی جو میرے بعد ہیں یعنی ابو بکر صدیق اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما" پس ان کی اقتدا امامور بہ اور واجب ہے اور واجب کا ترک کرنے والا عقاب اور عتاب کا مستحق ہوتا ہے۔

تحریر الاصول کا حوالہ:

کمال الدین ابن ہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں" قسم الحنفیه العزیمة الی فرض ما قطع بلزومه وواجب ما ظن و سنة الطریق الدینیة منه علیه الصلوة والسلام والخلفاء الراشدین او بعضهم۔

تحریر الاصول

یعنی حنفیہ نے عزیمت کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے: فرض، واجب اور سنت۔

- فرض وہ ہے جس کا لزوم دلیل قطعی سے ثابت ہو۔
- واجب وہ ہے جس کا لزوم غلبہ ظن سے ثابت ہو۔
- سنت اس دینی طریقہ کو کہتے ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے ثابت ہو۔

خلفاء میں تعمیم: بعض علماء کرام نے خلفاء کے لفظ میں تعمیم کرتے ہوئے ائمہ مجتہدین کو بھی ان میں شامل کیا ہے کیونکہ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ہیں اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس میں شامل قرار دیا ہے۔

انجاح الحاجہ کا حوالہ:

شیخ عبد الغنی محدث دہلوی مہاجر مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: " ومن العلماء من عمم کل من کان علی سیرته علیه السلام من العلماء والخلفاء کالائمة الاربعة المتبوعین المجتهدین والائمة العادلین کعمر بن عبد العزیز کلهم فموارد لهذا الحدیث۔

انجاح الحاجہ ص 5

یعنی جو علماء اور خلفاء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر ہیں جیسے چاروں ائمہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) اور عادل حکام جیسے عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ وہ سب کے سب اس حدیث کے مصداق ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سنت لازم الاتباع ہے اسی طرح ائمہ متبوعین کی مسائل اجتہادیہ میں اتباع لازم ہے کیونکہ وہ بھی خلفاء میں شامل ہیں۔

بنایہ شرح ہدایہ کا حوالہ:

یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ خلفاء راشدین کا عمل سنت ہے: حدیث مذکورہ بالا سے بھی یہی ثابت ہوا کہ صحابہ کرام خصوصا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل سنت شرعی ہے اور ان کے قول وفعل کی پیروی ضروری ہے چنانچہ بدر الدین عینی حنفی" بنایہ شرح ہدایہ" میں لکھتے ہیں:

"سیرۃ العمرین لا شک فی ان فعلھا ثواب و فی ترکھا عتاب لانا امرنا بالاقتداء بھما لقولہ علیہ والصلوۃ والسلام اقتدوا بالذین بعدی ابی بکر و عمر فاذا کان الاقتداء مامورا بہ یکون واجباً و تارك الواجب یستحق العقاب والعتاب.

مجموعۃ الفتاویٰ ج 1 ص 215

یعنی اس میں شک نہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اعمال کی پیروی کرنا کار ثواب ہے اور ان کی پیروی کو ترک کرنا باعث عذاب ہے کیونکہ ہمیں ان دونوں کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ" اقتداء کرو ان دو شخصوں کی جو میرے بعد ہیں یعنی ابو بکر صدیق اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما" پس ان کی اقتداء مامور بہ اور واجب ہے اور واجب کا ترک کرنے والا عقاب اور عتاب کا مستحق ہوتا ہے۔

تحریر الاصول کا حوالہ:

کمال الدین ابن ہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں" قسم الحنفیہ العزیمۃ الی فرض ما قطع بلزومہ وواجب ما ظن و سنۃ الطریق الدینیۃ منہ علیہ الصلوۃ والسلام والخلفاء الراشدین او بعضھم۔

تحریر الاصول

یعنی حنفیہ نے عزیمت کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے: فرض، واجب اور سنت۔

- فرض وہ ہے جس کا لزوم دلیل قطعی سے ثابت ہو۔
- واجب وہ ہے جس کا لزوم غلبہ ظن سے ثابت ہو۔
- سنت اس دینی طریقہ کو کہتے ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے ثابت ہو۔

مجموعۃ الفتاویٰ کا حوالہ:

مولانا عبد الحئی صاحب بحر العلوم "شرح تحریر" فرماتے ہیں: "ینبغی ان یراد اعم من ان یکون طریقۃ مستمرۃ فی الدین عنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بان باشرہ او لا بان استمر الناس علیہا باذنہ او باذن الخلفاء۔

مجموعۃ الفتاویٰ ص 215

یعنی مناسب ہے کہ عام مراد لی جائے خواہ دینی طریقہ بدستور جاری ہونے والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بایں طور ثابت ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا ہو یا نہ؟ بایں طور کہ لوگوں نے اس طریقہ پر بدستور عمل جاری رکھا ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے حکم سے۔

تبیین شرح حسامی کا حوالہ:

وفی عرف الشرع یراد بہا طریقۃ الدین اما للرسول او للصحابۃ رضی اللہ عنہم حتی یقال سنۃ الرسول او سنۃ الخلفاء الرشدین۔

تبیین شرح حسامی

یعنی عرف شرع میں سنت اس طریقہ دین کو کہتے ہیں خواہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہو یا خلفاء راشدین کا طریقہ۔

جامع العلوم والحکم کا حوالہ:

حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" والسنۃ ھی الطریق المسلوک فیشمل ذالک التمسک بما کان علیہ ھو و خلفاء الراشدین من الا عتقادات والاعمال والاقوال وھذہ ھی السنۃ الکاملۃ۔

جامع العلوم والحکم ج1 ص191

یعنی سنت اس راہ کا نام ہے جس پر چلا جائے اور یہ اس راہ کا تمسک ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء راشدین عامل تھے عام اس سے کہ وہ اعتقادات ہوں یا اعمال واقوال اور یہی سنت کاملہ ہے۔

قارئین کرام! مذکورہ بالا دلائل اور حوالہ جات سے ایک تو یہ بات ثابت ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ اور آپ کے خلفاء راشدین کا طریقہ جو کہ امت میں جاری وساری ہوا "سنت" ہے اور دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ سنت، اس رواج پانے والے دینی طریقہ کو کہتے ہیں خواہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہو۔ دوسرے لفظوں میں جس کام کو خیر القرون میں دین سمجھ کر اپنایا گیا اور رائج کیا گیا وہ سنت ہے پس سنت کی مذکورہ بالا تعریف کو سامنے رکھ کر یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ بیس رکعات تراویح سنت شرعی ہے بلکہ سنت مؤکدہ ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی بیس رکعات تراویح پڑھی گئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ عن ابن عباس) اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی بیس رکعات کا رواج ہوا بلکہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل اور حکم سے بیس رکعات تراویح پر مواظبت (ہمیشگی) ہوئی۔

بحر الرائق، رد المحتار

پس؛ بیس رکعات تراویح کا خیر القرون میں رواج پانا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں اس کا رائج ہونا اور اس عمل کا مستمر اور بدستور جاری وساری ہونا اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا بیس پر ہمیشگی فرمانا، اس کے سنت مؤکدہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اس کے برخلاف آٹھ کا نہ رائج ہونا ثابت ہے اور نہ ہی اس کا جاری وساری ہونا اور نہ ہی آٹھ کا عمل مستمرہ ہے اور نہ ہی آٹھ پر خلفاء راشدین کی ہمیشگی ثابت ہے چونکہ بیس رکعات تراویح میں سنت شرعی کی سب علامات

صاحب مرقاۃ الاصول، صاحب المحیط اور صاحب النہر رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں اور میں نے اس کو ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہما اللہ تائید کی تصریحات کے ساتھ مؤید کیا ہے۔

غور فرمائیں کہ علامہ عبد الحی رحمہ اللہ کتنی بڑی صفائی کے ساتھ وضاحت فرمارہے ہیں کہ جس کام پر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم ہیشگی فرمائیں وہ کام شرعاً سنۃ مؤکدۃ ہے اور اس کا تارک گناہ گار ہے اور بیس رکعات تراویح پر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی ہیشگی ثابت ہے لہٰذا بیس رکعات تراویح کا تارک گناہ گار ہے اور تمام علماء حنفیہ کا یہ فیصلہ ہے اور اسی فیصلہ کو ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہما اللہ کی تائید بھی حاصل ہے اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو سنت نہ سمجھنا ایک غلط اور مردود نظریہ ہے کیونکہ ایسا نظریہ قرآن وحدیث کی تصریحات سے متصادم ہے کیونکہ قرآن وحدیث کے دلائل سے یہی ثابت ہے کہ خلفاء راشدین کا طریقہ امت کے لئے لازم الاتباع اور ضروری ہے۔

علامہ عبد الحی رحمہ اللہ نے غیر مقلدین کو اپنے زمانہ کا جاہل کہہ کر الذین ضل سعیہم فی الحیوٰۃ الدنیا وھم یحسبون انہم یحسنون صنعاً کا مصداق قرار دیا ہے اور بزرگوں کی طرف جھوٹی باتیں نسبت کرنے والا کہا ہے۔ آٹھ رکعات تراویح پر اکتفا کرنے والوں کو گناہ گار بتایا ہے اور ان کے نظریہ کو معقول ومنقول کے خلاف کہا ہے لیکن حافظ محمد اسلم غیر مقلد کی ڈھٹائی کا اندازہ لگایئے کہ وہ ان کی ایک عبارت کا غلط ترجمہ کر کے اور دوران تحقیق واقع ہونے والے شاذہ، مرجوحہ قول کو نقل کر کے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ علامہ عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ ہمارے ہم خیال اور ہم نوا ہیں۔

غیر مقلدین خلفاء راشدین کے عمل کو حجت نہیں سمجھتے:

علماء اہل السنت والجماعت صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل کو حجت نہیں سمجھتے اور ان کی پیروی کو ضروری جانتے ہیں بلکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو

معیار حق کہتے ہیں لیکن غیر مقلدین ؛صحابہ کرام کو بمع خلفاء راشدین کو معیار حق نہیں سمجھتے اور ان کی بات کو حجت نہیں مانتے ۔یہی وجہ ہے کہ غیر مقلدین بیس رکعات کے قائل نہیں ہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیس رکعات پر ہیشگی کی ہے اور اتفاق کیا ہے اسی طرح غیر مقلدین طلاق ثلاثہ کو موثر نہیں سمجھتے حالانکہ طلاق ثلاثہ کے مؤثر ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔اسی طرح غیر مقلدین نماز جمعہ کی دوسری اذان کو چھوڑ جاتے ہیں کیونکہ یہ اذان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں باتفاق صحابہ رائج ہوئی ہے۔ویسے ان کی کتابوں میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ "در قول صحابی حجت نیست" عرف الجادی وغیرہ

چونکہ یہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کو شرعی طور پر حجت نہیں سمجھتے لہٰذا بیس رکعات تراویح پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

آمدم بر سر مطلب:

بات دور چلی گئی حالانکہ بندہ عاجز یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ کا اثر نہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے خلاف ہے اور نہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ کا بیس رکعات تراویح والا یہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے موافق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہے اور غیر مقلد کی جرح مردود اور ناقابل قبول ہے۔

اثر علی المرتضیٰ پر غیر مقلدانہ جرح:

حافظ صاحب؛حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اثر کا عنوان قائم کر کے لکھتا ہے یہ اثر دو سندوں کے ساتھ مروی ہے۔

سند اول: عن ابی الحنساء ان علیاً امر رجلا یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعۃً۔

ابن ابی شیبہ ج2 ص9

ابو حنساء روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات پڑھائے۔

امام بیہقی اس اثر کو ذکر کرنے کے بعد اس کی سند کو ضعیف قرار دیتے ہیں چنانچہ امام ذہبی رحمہ اللہ ابو الحسناء راوی کے بارے میں لا یعرف اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مجہول کے اوصاف ذکر کرتے ہیں۔ نیز ابو الحسناء اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان دو واسطے گرے ہوئے ہیں یہ اثر منفصل ہے۔

دوسری سند: عن حماد بن شعیب عن عطاء بن السائب عن عبد الرحمٰن السلمی عن علی قال دعا علی رضی اللہ عنہ القراء فی رمضان فامر منھم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعة وکان یوتر بھم۔

بیہقی ج2 ص..

حماد بن شعیب؛عطاء سے ، عطاء؛ابو عبد الرحمن سلمی سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا تو ان میں سے ایک قاری کو بیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ وتر پڑھاتے تھے۔ اس اثر کی سند کمزور ہے عطا بن سائب کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اور حماد بن شعیب بھی سخت ضعیف راوی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس کے بارے میں کبھی فیہ نظر، اور کبھی منکر الحدیث کے الفاظ تحریر فرماتے ہیں اور امام بخاری جب کسی راوی کے متعلق یہ الفاظ استعمال فرمائیں تو وہ راوی نہ تو قابل اعتبار ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی روایت استشہاد کے قابل ہوتی ہے۔

تعداد مسنون تراویح ص 14,13

الجواب باسم ملہم الصواب:

مذکورہ بالا دو روایتوں کے علاوہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کئی اور روایتیں بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے

تھے اور ان کے حکم کے مطابق ان کے دورِ خلافت میں لوگ بھی بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے لیکن غیر مقلد حافظ محمد اسلم نے صرف مذکورہ بالا دو روایتوں پر جرح کر کے ان کو کمزور کرنے کی کوشش کی ہے اس کی یہ جرح ہر لحاظ سے فضول اور نا قابل قبول بلکہ مردود ہے۔

اولاً: اس لئے کہ بیسیوں آثار و روایات سے صحابہ و تابعین کا بیس رکعات تراویح پڑھنا ثابت ہے چند ایک پر جرح کرنے سے اصل مسئلے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لہٰذا غیر مقلد کی جرح غیر مؤثر ہونے کی وجہ سے نا قابل قبول ہے کیونکہ روایات صحیحہ کثیرہ سے بیس رکعات تراویح پڑھنا ثابت ہو چکا ہے۔

ثانیاً: اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ علماء حنفیہ کے نزدیک خیر القرون کی جہالت، تدلیس، ارسال اور انقطاع کوئی جرح نہیں اور شوافع کے ہاں متابعت اور تقویت سے یہ جرح ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات تراویح روایت کرنے میں ابو الحسناء اکیلے نہیں ہیں بلکہ سیدنا حضرت حسین اور امام عبد الرحمٰن سلمی رضی اللہ عنہما بھی روایت کرتے ہیں حماد بن شعیب کی صرف وہ روایت ضعیف ہے جس میں اس کا نہ کوئی متابع ہو اور نہ شاہد۔ یہاں تین سندیں اس کے شواہد میں موجود ہیں اور اہل اصول کے نزدیک تعدد طرق سے ایسے ضعف بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ عطاء بن سائب پر آخر عمر میں خلط حفظ کی جرح کی ہے وہ بھی شواہد و متابعات سے بالکل ختم ہو جاتی ہے لہٰذا غیر مقلد کی کوئی جرح بھی مؤثر نہیں ہے بلکہ تمام جروح مردود ہیں۔

ثالثاً: ابو الحسناء مجہول نہیں ہے کیونکہ اس سے ابو سعد اور عمرو بن قیس رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں اور جس شخص سے دو آدمی روایت کرنے والے ہوں وہ مجہول نہیں بلکہ مستور کہلاتا ہے اور مستور کی روایت بعض علماء کے نزدیک قابل قبول ہے اور جمہور کے نزدیک اگر اس کا

کوئی مؤید موجود ہو تو اس کی روایت مقبول ہوتی ہے اور یہاں اس کے مؤید موجود ہیں لہٰذا ابو الخنساء کی روایت قابل قبول ہے۔

ابو الخنساء نامی دو راوی ہیں:

ابو الخنساء بھی دو ہیں ایک وہ ہیں جو حکم بن عتبہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں اور اس سے شریک نخعی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں جیسا کہ تہذیب التہذیب میں اس کی تصریح موجود ہے دوسرا ابو الخنساء رحمہ اللہ وہ ہے جس سے ابو سعد بقال اور عمرو بن قیس رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے پس دونوں کے استاد بھی الگ الگ ہیں اور شاگرد بھی الگ الگ لہٰذا دونوں کو ایک بتانا درست نہیں ہے۔

رابعاً: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی بیس رکعات تراویح کی روایات سے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنہ ج 4 ص 224 میں احتجاج کیا ہے اور امام ترمذی نے اپنی کتاب سنن ترمذی ج 1 ص 112 میں احتجاج کیا ہے اور جن علماء نے کہا ہے کہ بیس رکعات تراویح پر اجماع صحابہ ہوا یا خلفاء راشدین نے ہمیشگی کی ہے تو ان کی بنیاد بھی یہ روایتیں ہیں یعنی وہ انہیں روایات سے احتجاج کرتے لہٰذا ماہرین فن احادیث کا ان روایات کو حجت اور دلیل بنانا یہ دلیل ہے اس بات کی یہ روایات قابل حجت ہیں ورنہ امام ابن تیمیہ اور امام ترمذی و دیگر محدثین رحمہم اللہ ان سے استدلال نہ کرتے۔ ثابت ہوا کہ غیر مقلد کا جرح کرنا فضول اور مردود ہے۔

خامساً: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات تراویح کی روایات صحیح اور قابل اعتماد ہیں کیونکہ ان کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد بیس رکعات تراویح کے قائل اور عامل ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات کی روایات قابل اعتماد ہیں۔ امام

بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وروینا عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی رضی اللہ عنہ انہ کان یومھم فی رمضان بعشرین رکعۃ والوتر بثلاث وفی ذلک قوۃ۔

بیہقی ج2 ص496

یعنی شتیر بن شکل رحمہ اللہ سے روایت ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے تھے وہ رمضان میں بیس رکعات کے ساتھ امامت کراتے تھے اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے اور اس میں قوۃ ہے۔

❖ امام بیہقی رحمہ اللہ نے تصریح کی کہ اس اثر میں قوت ہے یعنی قوی اور قابل احتجاج ہے۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوسرے شاگرد، عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ، سعید بن الحسین، حارث، اعور، علی بن ربیعہ اور سوید بن غفلہ رحمہم اللہ بھی بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔ اسی طرح ابو عبدالرحمٰن سلمی اور حارث اعور کے شاگرد رحمہم اللہ بھی بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے مثلاً ابوالبختری رحمہ اللہ وغیرہ۔ بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کے عمل کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ ان سب کے استاد محترم سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے اور ان سے بیس کی روایات صحیح اور درست ہیں۔

مسند الامام زید کا حوالہ:

اسی طرح آل علی رضی اللہ عنہم بھی ان سے بیس رکعات تراویح نقل کرتے ہیں:

حدثنی زید بن علی عن ابیہ عن جدہ عن علی رضی اللہ عنہ انہ امر الذی یصلی بالناس صلوۃ القیام فی شھر رمضان ان یصلی بھم عشرین رکعۃ یسلم فی کل رکعتین و تراوح ما بین کل اربع رکعات فیرجع ذوالحاجۃ و یتوضا الرجل وان یوتر بھم من آخر اللیل من الانصراف.

مسند الامام زید ص139

ترجمہ : امام زید رحمہ اللہ اپنے والد حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے وہ اپنے والد حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس امام کو رمضان میں تراویح پڑھانے کا حکم دیا اسے فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے ہر دو رکعت پر سلام پھیرے ہر چار رکعت کے بعد آرام کا وقفہ دے کر حاجت والا فارغ ہو کر وضو کرے اور سب سے آخر میں وتر پڑھائے۔

آل علی رضی اللہ عنہم کی نقل اور عمل سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات تراویح کی روایات درست اور قابل اعتماد ہیں اور غیر مقلد کی ان پر جرح ناقابل قبول اور مردود ہے۔

سادساً: بر سبیل تنزل اگر غیر مقلد کی مذکورہ بالا روایات پر غیر مؤثر جرح تسلیم بھی کرلی جائے تو کیا غیر مقلدین:

1. حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آٹھ رکعات تراویح ثابت کر سکتے ہیں؟
2. کوئی ایک روایت دکھا سکتے ہیں جس سے ثابت ہو کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آٹھ رکعات تراویح پڑھی ہو؟
3. یا آٹھ رکعات تراویح پڑھانے کا کسی کو حکم دیا ہو؟
4. چاہے وہ روایت، مرسل، منقطع، ضعیف اور مجروح بھی کیوں نہ ہو؟

بہر حال! جیسی بھی ہو لیکن اس میں آٹھ رکعات تراویح کا ثبوت تو ہو پس اگر پوری دنیائے غیر مقلدیت مل کر اور پورا زور لگا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اور ضعیف سے ضعیف روایت نہیں دکھا سکتے جس سے آٹھ ثابت ہوں تو بیس تراویح کی بیسیوں روایات صحیح اور قابل استدلال ہیں اور غیر مقلد کی جرح ہر لحاظ سے نامقبول اور مردود ہے۔

سابعاً: غیر مقلد حافظ محمد اسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی بیس رکعات والی روایات پر بے اصولی جرح کر کے شیعہ مذہب کو تقویت دی ہے اور شیعوں کو خوش کیا ہے کیونکہ شیعہ لوگ خود نماز تراویح کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کے نزدیک نماز تراویح کی بدعت حضرت عمر اور دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایجاد کی ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نماز تراویح کا کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن علماء اہل السنت والجماعت مذکورہ بالا روایات بطور ثبوت کے پیش کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز تراویح خود بھی پڑھتے تھے اور لوگوں کو بھی پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔

جو روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شیعوں کے سامنے پیش کی جاتی ہیں ان سب میں بیس کی تصریح موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے اور بیس ہی کا حکم دیتے تھے۔ اگر ان بیس رکعات تراویح والی روایات پر غیر مقلد کی جرح قبول کر لی جائے تو اس سے صرف بیس رکعات تراویح کی نفی نہ ہو گی بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مطلق نماز تراویح کی نفی ہو جائے گی یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خود نماز تراویح کا ثبوت مہیا نہ ہو سکے گا کیونکہ روایات تو وہی ہیں جن سے نماز تراویح کا بھی ثبوت ہے اور تعداد تراویح کا بھی۔ پس غیر مقلد کی بیس پر جرح کرنے سے شیعہ مذہب کی تائید ہو گی اور شیعہ کے دعویٰ کی تصدیق ہو گی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نماز تراویح کا کوئی ثبوت نہیں ہے لہٰذا غیر مقلد کی سب جرح مردود ہیں اور نا قابل قبول۔ کیونکہ ان کی جرحات تسلیم کرنے سے مذہب شیعہ کی تصدیق و تائید ہوتی ہے ورنہ غیر مقلد ایسی کوئی ایک روایت دکھائے جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نماز تراویح تو ثابت ہو اور بیس کا اس میں ذکر نہ ہو تا کہ شیعہ کا تو منہ بند کیا جائے اگر غیر مقلد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات والی روایات کے علاوہ کوئی ایک روایت پیش نہیں کر سکتا جس میں نماز تراویح کا تو ثبوت ہو اور بیس کا ثبوت نہ ہو۔

تو ظاہر ہے کہ غیر مقلد نے صرف اور صرف شیعوں کو خوش کرنے کے لئے بیس رکعات والی روایات پر جرح کی ہے پس ایسی جرح کی حیثیت خود بخود متعین ہو جاتی ہے بلکہ جرح کرنے والوں کی حیثیت بھی متعین ہوتی ہے۔ فافهم، ثم فافهم ولا تكن من الغافلين.

❖ خدا برا کرے تعصب کا یہ لوگ تعصب میں آکر بیس کو ختم کرنے کے در پے ہوئے اور اپنی آٹھ کو ختم کر دیا بلکہ خود نماز تراویح کے وجود کو خطرہ میں ڈال دیا۔

ثامناً: غیر مقلد کی یہ جرح کہ ابو الحسناء اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان سے دو واسطے گرے ہوئے ہیں اس لئے مردود ہے کیونکہ جس شخص نے یہ بات کہی ہے اس کے اور ابو الحسنا کے درمیان نامعلوم کتنے واسطے گرے ہوئے ہیں۔ اگر درمیان کے واسطوں کا گرا ہوا ہونا جرح ہے تو جرح خود مجروح ہے پس جب جرح؛ مجروح ٹھہرے گی تو روایت جرح سے محفوظ رہے گی۔

اثر ابی ابن کعب پر غیر مقلدانہ جرح:

غیر مقلد حافظ جی "ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا اثر" عنوان قائم کر کے لکھتا ہے اس اثر کی بھی دو سندیں ہیں اور ایک سند میں عبد العزیز بن رفیع، ابی بن کعب کے بارے میں بیان کرتا ہے کہ وہ رمضان میں مدینۃ الرسول میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج4 ص90

اس سند میں عبد العزیز اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے جبکہ ان کی وفات میں تہذیب التہذیب کے حوالہ سے ایک سو سال سے بھی زیادہ کا فاصلہ ہے۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے اثر کی دوسری سند علامہ ضیاء المقدسی المختارہ میں ابو جعفر راوی سے وہ ربیع بن انس سے وہ ابو العالیہ وہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ذکر کرتے ہیں: ان عمر رضی الله عنه امر ابيا ان يصلي بالناس في رمضان فقال ان الناس

یصومون النھار ولا یحسنون ان یقرؤ افلو قرات القرآن علیھم باللیل فقال یا امیر المؤمنین ھذا شئی لم یکن! فقال قد علمت ولکنہ احسن فصلی بھم عشرین رکعۃً.

المختارہ ج1 ص384

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ عوام الناس رمضان میں دن کو تو روزے رکھتے ہیں لیکن رات کا قیام بوجہ قرآن نہ یاد ہونے کے زیادہ قرات نہیں کر سکتے۔ اگر ہو سکے تو آپ ان کو تراویح میں قرآن سنائیں۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ ایک نیا کام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بھی جانتا ہوں لیکن یہ صورت حال بہتر ہے چنانچہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس تراویح پڑھائیں۔

اس اثر کی سند بھی ضعیف ہے اس اثر میں ابو جعفر راوی جس کا نام عیسٰی بن معامان ہے امام ذہبی رحمہ اللہ اس کو کمزور راویوں میں شمار کرتے ہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں سیئی الحفظ اور حافظ ابن قیم نے صاحب المنا کیر کہا ہے زاد المعادج 1 ص99

تعداد مسنون تراویح ص14,15

الجواب باسم ملہم الصواب:

غیر مقلدین کی اس اثر پر بھی جرح غیر مؤثر اور مردود ہے:

اولاً: اس لئے کہ بیس رکعات تراویح روایات کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے لہذا چند ایک روایات پر جرح کرنے سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ثانیاً: خیر القرون میں ارسال، انقطاع جرح نہیں خصوصاً جبکہ ایسی مرسل، منقطع روایات کو دوسرے کئی طرق سے تائید و تقویت حاصل ہو یعنی مراسیل معتضدہ بالاتفاق حجت ہیں۔

ثالثاً: علامہ شوق نیموی رحمہ اللہ نے اس کو "مرسل قوی" کہا ہے لہٰذا غیر مقلد کی جرح مردود ہے۔

رابعاً: کنز العمال ج 8 ص 409 میں بحوالہ ابن منیع رحمہ اللہ خود حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت موجود ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حکم سے بیس رکعات تراویح پڑھائی اسی طرح سائب بن یزید، یزید بن رومان رضی اللہ عنہما اور یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ کی صحیح روایات پہلے گزر چکی ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صحابہ و تابعین بیس رکعات تروایح پڑھا کرتے تھے اور مصنف عبد الرزاق ج 4 ص 262 میں صحیح السند روایت موجود ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وتر سمیت تیئیس 23 رکعات تراویح پڑھی جاتی تھی۔ پس مذکورہ بالا آثار و روایات سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے اثر کو اتنی تقویت و تائید حاصل ہوتی ہے کہ غیر مقلد کی غیر مؤثر جرح مردود بن کر رہ جاتی ہے۔

خامساً: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا اثر سے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے احتجاج کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: فانه قد ثبت ان ابی بن كعب رضی الله عنه كان يقوم بالناس عشرين ركعةً فی رمضان۔

مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج 1 ص 191!

یعنی یقیناً یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت ابی بن کعب رمضان المبارک کے مہینے میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں: قام بهم ابی بن كعب فی زمن عمر بن الخطاب رضی الله عنهم عشرين ركعةً۔

مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج 1 ص 148

یعنی حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعات تراویح پڑھائی۔

مزید لکھتے ہیں: فلما جمعهم عمر على ابی بن كعب كان يصلی بهم عشرين ركعة۔

مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ ج 2 ص 401

یعنی پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر لوگوں کو جمع کیا تو وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ان آثار سے استدلال کرنا دلیل ہے اس بات کی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اثر صحیح اور قابل استدلال ہے اور غیر مقلد کی جرح مردود ہے۔

سادساً: اگر حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کا یہ بیس رکعات تراویح والا اثر بقول غیر مقلد نا قابل استدلال ہے تو کیا غیر مقلد کسی صحیح روایت سے یہ ثابت کر سکتا ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عملاً آٹھ رکعات تراویح پڑھی ہے یا پڑھائی ہے؟ واضح رہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کی روایت میں گیارہ رکعات کا حکم ہے آگے اس پر عمل کی تصریح نہیں ہے۔ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے وتر سمیت گیارہ رکعات پڑھائی تو یہ گیارہ ایک امام کی تعداد تراویح ہے۔ جبکہ بقیہ نماز تراویح دوسرا امام پڑھاتا تھا پس گیارہ رکعات تک ایک امام کی اور بارہ رکعات دوسرے امام کی مجموعہ وتروں سمیت تیئیس 23 رکعت تراویح بن جاتی ہے کیونکہ وتروں کے علاوہ بیس رکعات تراویح کی تصریح بیہقی، موطا امام مالک، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابن شیبہ وغیرہ کی صحیح روایات میں موجود ہے۔ حوالہ جات پہلے گزر چکے ہیں ملاحظہ فرمالیں۔

پس حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے عملاً صرف اور صرف آٹھ پڑھنا ثابت نہیں پس جب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے عملاً آٹھ پر اکتفا ثابت نہیں ہے اور بیس

رکعات تراویح عملاً پڑھنا ثابت ہے تو غیر مقلد کی جرح مردود ہے ورنہ نہ آٹھ ثابت ہوں گی نہ بیس۔ لہٰذا خود نماز تراویح کا وجود ہی خطرہ میں پڑ جائے گا کیونکہ آٹھ پر اکتفا ثابت نہیں اور بیس پر غیر مقلد جرح کرتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ نہ آٹھ ہوں گی نہ بیس۔

سابعاً: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے اس اثر پر غیر مقلد کی جرح اس لئے بھی مردود ہے کیونکہ اس اثر کی تائید سنن ابو داؤد کی ایک روایت سے ہوتی ہے اور وہ یہ ہے: عن الحسن ان عمر بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب مکان یصلی بھم عشرین رکعۃً.

نسخہ ابو داؤد مطبوعہ عرب ص1429

ترجمہ: حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے لئے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو تراویح کا امام مقرر کیا وہ بیس رکعات پڑھایا کرتے تھے۔

اس حدیث میں ابو داؤد کے دو نسخے ہیں۔ بعض نسخوں میں عشرین رکعۃً اور بعض میں عشرین لیلۃً ہے جس طرح قرآن پاک کی کسی آیت کی دو قرائتیں ہوں تو دونوں کو ماننا چاہئے۔ ہمارے علماء دونوں نسخوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن غیر مقلدین کے مفتی اعظم سلطان محمود جلالپوری نے اس حدیث کا انکار کر دیا ہے اور الٹا علماء دیوبند کثر اللہ سوادھم پر الزام لگایا ہے کہ انہوں نے حدیث میں تحریف کی ہے اور ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اور اس کا نام رکھا ہے۔ نعم الشھود علی تحریف الغالین فی سنن ابی داؤد. حالانکہ اپنے اس دعویٰ پر انہوں نے کوئی وزنی دلیل اور شہادت پیش نہیں کی بلکہ شہود پیش کئے 1318ء تک ہندوستانی نسخوں میں عشرین لیلۃ کا لفظ مطبوع ہے اور یہ بھی کہا کہ صاحب مشکوٰۃ نے بھی ابو داؤد نے بھی عشرین لیلۃ کا لفظ نقل کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر عشرین رکعۃً کا لفظ کسی نسخہ میں ہوتا تو مولانا خلیل احمد سہارنپوری بذل المجھود میں اس کا ذکر کرتے۔

یہ ہیں مولانا سلطان محمود جلالپوری کے شہود جو کہ شہود بننے کے قابل نہیں کیونکہ ہندوستان کے نسخوں میں عشرین لیلۃ کے مطبوع ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے ممالک کے مطبوعہ نسخوں میں بھی عشرین لیلۃ مطبوع ہو گا اسی طرح اگر صاحب مشکوۃ اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کا قول کہ عشرین رکعۃً والے نسخہ کا علم نہ ہو سکا تو لازم نہیں کہ یہ نسخہ ہے ہی نہیں۔

حقیقت حال یہ ہے علماء دیوبند کثر اللہ سوادھم اس جھوٹے الزام سے بالکل بری ہیں اور نہ ہی ان کا یہ شیوہ ہے کیونکہ ان کے پاس اپنے مسلک حنفیہ کی تائید میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لاکھوں دلائل موجود ہیں اجماع امت اور اجتہاد فقہاء اس پر مستزاد ہے پس ان کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں میں اور دینی کتابوں میں خیانت وتحریف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہاں! یہ خیانت وتحریف تو غیر مقلدین کا کام ہے جن کے پاس اپنے مخصوص مسائل پر قرآن وحدیث کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور نہ ہی ان کو اجماع امت کی تائید حاصل ہے پس قیاس اور اجتہاد کی چاشنی سے بے بہرہ لوگ جب اپنے آپ کو ہر قسم کے دلائل سے عاری پاتے ہیں تو قرآن وحدیث اور دینی کتابوں میں تحریف وخیانت کر کے لوگوں کو دھوکہ دینے کی سعی ناتمام کرتے ہیں۔

چنانچہ گذشتہ سالوں میں غیر مقلدین نے شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی مشہور زمانہ کتاب "غنیۃ الطالبین" کو سعودیہ حدیث منزل سے شائع کیا ہے اور اس میں یہ تحریف کر دی کہ عشرین رکعۃً کو احدی عشر مع الوتر بنا دیا تاکہ لوگ دھوکہ کھائیں کہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے۔ حالانکہ شیخ صاحب رحمہ اللہ بیس رکعات کے قائل تھے اور ان کی کتاب میں بھی عشرون رکعۃ کا لفظ موجود ہے جس کا مطلب ہے کہ

نماز تراویح بیس رکعات ہیں لیکن غیر مقلدین نے عشرون رکعۃً کے لفظ کو اڑا کر احدی عشر مع الوتر رکھ دیا۔

الغرض یہ خیانتیں تحریفات دھوکے اور جھوٹ بولنا وغیرہ وغیرہ؛ غیر مقلدین کی پرانی عادت ہے لیکن یہ سب کچھ کرنے کے باوجود الزام علماء دیوبند کو دیتے ہیں اس پر تو الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کی مثال بجا طور پر سچی آتی ہے آپ بندہ عاجز کی اس بات کی تصدیق کرنا چاہتے ہیں تو مناظر اسلام پاسبان ملت حنفیہ، وکیل اہل السنت والجماعت حضرت مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمہ اللہ کی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں یا پھر "حدیث اور اہل حدیث" کا مطالعہ کریں۔

افسوس کی انتہاء ہے کہ غیر مقلدین کے مفتی اعظم مولانا سلطان محمود جلالپوری نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ پر الزام تراشا کہ انہوں نے اپنی کتاب "ایضاح الادلہ" میں قرآن مجید کی تحریف کی ہے...... العیاذ باللہ... حالانکہ شیخ الہند رحمہ اللہ کو اشتباہ ہوا ہے۔ اور یہ اشتباہ عموماً حفاظ قرآن اور ائمہ مساجد کو لگ ہی جاتا ہے لیکن اس کو آج تک کسی عالم دین نے تحریف قرآن قرار نہیں دیا کیونکہ یہ ایک بشری کمزوری ہے۔ نسیاناً اشتباہ لگ جانا تو کوئی گناہ ہی نہیں لیکن غیر مقلدین کے مفتی اعظم جناب جلالپوری نے تو اس کو تحریف قرآن مجید قرار دے دیا ہے۔ الامان والحفیظ، کسی نے خوب کہا۔

؎ المرءُ یقیس علی نفسہ۔

در حقیقت شیخ الہند رحمہ اللہ قرآن مجید کی آیت اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم سے فقہاء کرام کی اتباع و تقلید ثابت کرنا چاہتے تھے کیونکہ اولی الامر سے عادل حکمران اور فقہاء کرام دونوں مراد ہیں۔ اور شیخ الہند رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا آیت سے اثبات تقلید پر استدلال بالکل صحیح ہے جس کا غیر مقلدین کے پاس کوئی جواب بھی نہیں ہے لیکن نسیاناً شیخ الہند نے آیت یوں لکھ دی: فردوہ الی اللہ والرسول والی اولی الامر منکم

اور اس پر قرینہ شیخ الہند رحمہ اللہ کی اگلی عبارت ہے چنانچہ آیت کے بعد لکھتے ہیں: سو دیکھئے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات انبیا کرام علیہم السلام وجملہ اولو الامر واجب الاتباع ہیں۔

ایضاح الادلہ ص93،92

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی اردو عبارت میں اتباع اور اطاعت کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ حضرت صاحب اطیعوا اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر لکھنا چاہتے تھے اور استدلال کرنا چاہتے تھے لیکن نسیاناً فردوہ الی اللہ والرسول والی اولی الامر تحریر ہو گیا۔ لیکن کمال کر دیا غیر مقلدین کے مفتی اعظم محدث العصر نے کہ اس نسیانی اشتباہ کو تحریف قرآن گردانا اور خود کو یحمل ھذا العلم من خلف عدولہ ینفون عنہ. تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاھلین کا مصداق ٹھہرا کہ علماء دیوبند علماء اہل السنت والجماعت پر "لتبتعن سنن من قبلکم شبرا بشبر و ذراعا بذارع۔ والی حدیث چسپاں کر دی۔

بہر حال! غیر مقلدین کے مفتی اعظم محدث العصر کے اس جارحانہ رویہ سے بندہ عاجز کے علم میں یوں اضافہ ہوا کہ یحرفون الکلم عن مواضعہ کی عملی تفسیر کھل کر سامنے آگئی اور بخاری شریف میں جن لوگوں کو "شرار الخلق" کہا گیا ہے اور ان کی یہ پہچان بتائی گئی ہے انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المومنین۔ پس ایسے لوگوں کا چہرہ بھی بے نقاب ہو کر سامنے آ گیا ہے الغرض، علماء حق، علماء دیوبند جو کہ ما انا علیہ واصحابی کا مصداق اور سلف صالحین کی راہ پر گامزن اور اہل السنت والجماعت کے صحیح ترجمان ہیں وہ اسی قسم کی الواث اور آلودگیوں سے بالکل مبرا ہیں کیونکہ تحریف، تلبیس، قطع وبرید، خیانتیں، جھوٹ اور دھوکہ بازی وغیرہ ان لوگوں کا کام ہے جو کہ سلف صالحین کی راہ صراط مستقیم کو چھوڑ کر اور ائمہ دین کی اتباع اور تقلید سے منہ موڑ کر اور جادہ اہل حق سے ہٹ کر نئی راہ اختیار کر چکے ہیں۔

علماء دیوبند کثر اللہ سوادھم نے سنن ابو داؤد میں قطعاً تحریف نہیں کی بلکہ عرب شریف میں ابو داؤد کا جو نسخہ چھپا ہے اس میں عشرین رکعۃً کا لفظ موجود ہے اور سعودی عرب کے الشیخ محمد علی الصابونی نے بھی اپنی کتاب الھدی النبوی الصحیح فی صلوۃ التراویح ص 56 پر یہ حدیث نقل کی ہے اور مدرسہ دیوبند بننے سے صدیوں پہلے علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب سیر اعلام النبلاء ج 1 ص 400 پر ابو داؤد کے حوالے سے عشرین رکعۃً نقل فرمایا ہے۔

اثر عبداللہ بن مسعود پر جرح کا جواب:

حافظ محمد اسلم نے "عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر" کا عنوان قائم کرکے لکھا ہے: عن زید بن وھب کان عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یصلی بنا فی شھر رمضان فینصرف و علیہ لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعۃ و یوتر بثلاث۔

ترجمہ: زید بن وھب بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رمضان میں تراویح سے فارغ ہوتے تو ابھی رات باقی ہوتی۔ اعمش بیان کرتے ہیں کہ آپ 20 رکعات تراویح پڑھاتے تھے۔

قیام اللیل ص 19

مولانا مبارکپوری اس اثر کو منقطع قرار دیتے ہیں اس لیے جبکہ اعمش کی ملاقات عبداللہ بن مسعود سے نہیں ہے بلکہ اس اثر کو معضل کہنا مناسب ہے۔ تحفۃ الاحوذی ج 2 ص 75

تعداد مسنون تراویح ص 15

الجواب باسم ملھم الصواب:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ اثر قابل احتجاج ہے اور غیر مقلد کی اس پر جرح چندہ وجوہ سے مردود اور ناقابل قبول ہے۔

اولاً: اس لیے کہ بیس رکعات تراویح کے آثار وروایات بکثرت موجود ہیں اور صحیح ہیں لہٰذا ان میں سے کسی ایک پر جرح کرنے سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

چنانچہ بندہ عاجز نے اس رسالہ میں چالیس سے زائد آثار پیش کئے ہیں جن سے بیس رکعات تراویح ثابت ہوتی ہے اور غیر مقلد نے ان میں سے صرف پانچ پر جرح کی ہے۔ لہٰذا چند ایک پر جرح کرنے سے بیس تراویح قطعاً متاثر نہیں ہوتی ہے۔

ثانیاً: خیر القرون میں ارسال وانقطاع کوئی جرح نہیں ہے جبکہ کسی دوسرے طریق سے اس کو تائید اور تقویت بھی حاصل ہو چکی اور بیس رکعات تراویح کے جتنے آثار بھی مرسل یا منقطع ہیں وہ سب کے سب دوسرے طریقوں سے تائید وتقویت یافتہ ہیں اور ایسے مرسل اور منقطع سب کے نزدیک حجت ہیں کیونکہ یہ مراسیل معتضدہ ہیں لہٰذا جرح باطل ومردود ہے۔

ثالثاً: جن علماء نے کہا ہے کہ بیس رکعات تراویح پر اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ہے یا بالآخر استقرار عمل بیس پر ہوا۔ ان کی دلیل وبنیاد یہ اور اس جیسے دوسری روایات ہیں پس علماء کا اس قسم کی روایات پر اعتماد کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ روایات قابل احتجاج ہیں جب یہ روایات وآثار قابل احتجاج ہیں تو غیر مقلدین کی جرح خود بخود باطل ومردود ہے۔

رابعاً: اگر بالفرض حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیس رکعات تراویح والی یہ روایت مجروح اور ناقابل احتجاج ہے تو کیا غیر مقلدین کہیں سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے آٹھ رکعات تراویح پڑھیں ہیں؟ اگر ان سے آٹھ رکعات تراویح ثابت نہیں ہے تو بیس رکعات والی صحیح اور قابل احتجاج ہے ورنہ آٹھ ثابت ہوں گی نہ بیس۔

خامساً: مبارک پوری اگر اس اثر کو اس لیے ناقابل احتجاج بناتے ہیں کہ اعمش کی ملاقات عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نہیں ہے تو جواباً عرض یہ ہے کہ کیا مبارکپوری کی ملاقات

اعمش سے ثابت ہے اگر نہیں تو خود مبارکپوری کی جرح منقطع ہونے کی وجہ سے باطل ومردود ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر صحیح اور قابل حجت ہے۔

غیر مقلدین کی جہالت..... امام شافعی وترمذی پر بہتان:

غیر مقلد درج ذیل عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں: "امام شافعی اور امام ترمذی رحمہا اللہ کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیس رکعات تراویح کے اثر کو ضعیف قرار دینا" امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیس رکعات تراویح مروی ہے۔

سنن ترمذی ج2 ص24

امام ترمذی رحمہ اللہ؛ امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات نقل فرمائیں ہیں ان دونوں اقوال میں مروی صیغہ مجہول عدم جزم پر دلالت کرتا ہے جس سے اس کی تضعیف واضح ہے امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں المجموع ج1 ص63 محققین علماء کا قول ہے کہ اگر حدیث ضعیف ہو تو اس میں قال، فعل امر، نہی جزم کے صیغے استعمال نہیں ہوتے بلکہ روی، نقل، بلغنا، حکی، یقال، یذکر، یروی، یرفع، یعزی، تمریض کے صیغے استعمال ہوتے ہیں ظاہر ہے کہ جزم کے صیغے صحیح احادیث آثار واقوال کے لیے موضوع ہیں اور تمریض کے صیغے غیر صحیح احادیث میں استعمال کیے جاتے ہیں لیکن جمہور فقہاء بلکہ جمہور اہل علم محدثین کے ماسویٰ اس میں تساہل کر جاتے ہیں چنانچہ یہ لوگ صحیح حدیث کو (روی عنہ) مجہول صیغہ کے ساتھ اور ضعیف روایت کو (قال) جزم کے صیغہ کے ساتھ بیان کر جاتے ہیں ان کا یہ طریق راہ صواب کے خلاف ہے ۔وفقھم اللہ للصواب (ملخص نماز تراویح)

تعداد مسنون تراویح ص12.13

الجواب باسم ملہم الصواب:

غیر مقلد اپنی مذکورہ عبارت میں حضرت عمر، حضرت علی ودیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی بیس رکعات تراویح کے دلائل پر غیر عادلانہ بلکہ ظالمانہ جرح کر کے اپنی جہالت کا بیّن ثبوت فراہم کررہا ہے اور اس جرح کی جھوٹی نسبت امام شافعی اور امام ترمذی رحمہما اللہ کی طرف کر کے ان پاکباز اماموں کے دامن کو آلودہ کررہا ہے۔

سب سے پہلے آپ کی خدمت میں ان پاکباز اماموں کی عبارات پیش کی جاتی ہیں تاکہ آپ ان حضرات کی عبارت میں غوروخوض کریں اور پھر انصاف کریں کہ یہ حضرات بیس کے دلائل کو تقویت دے رہے ہیں اور تائید کررہے ہیں یا جرح اور تضعیف کررہے ہیں ؟

بندہ عاجز ہر منصف مزاج اہل علم وانصاف کو دعوت دیتا ہے کہ وہ خود سوچ سمجھ کر فیصلہ فرمائیں کہ غیر مقلد کی بات میں کتنی صداقت ہے اور کتنی خیانت ؟ کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ؟ کتنی حقیقت ہے اور کتنا دھوکہ؟

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **اختلف اھل العلم فی قیام رمضان فرای بعضھم ان یصلی احدی و اربعین رکعةً مع الوتر وھو قول اھل المدینة والعمل علی ھذا عندھم بالمدینه واکثر اھل العلم علی ماروی عن علی و عمر وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم عشرین رکعةً وھو قول سفیان الثوری وابن مبارك والشافعی وقال الشافعی وھٰکذا وادرکت ببلدنا مکة یصلون عشرین رکعةً.**

ترمذی شریف ج1ص99

ترجمہ : قیام رمضان میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے سو بعض وتروں سمیت اکتالیس رکعات کے قائل ہیں اور یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور ان کا عمل بھی اس پر ہے اور اکثر اہل علم بیس رکعات کے قائل ہیں۔ موافق اس کے حضرت علی، حضرت عمر وغیرھما اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے اور سفیان ثوری اور عبد اللہ بن مبارک اور شافعی رحمہم اللہ کا قول

بھی یہی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ میں بیس رکعات تراویح پڑھتے پایا۔

قارئین! آپ نے امام ترمذی رحمہ اللہ کی عبارت مع ترجمہ دیکھ لی اب امام شافعی رحمہ اللہ کی عبارت بھی مع ترجمہ دیکھ لیں امام شافعی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں واحب الی عشرون لانہ روی عن عمر رضی اللہ عنہ و کذلک یقومون بمکۃ ویوترون بثلاث۔ (مختصر المزنی)

ترجمہ: مجھے بیس رکعات تراویح پسند ہے کیونکہ بیس رکعات تراویح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اسی طرح مکہ مکرمہ میں بھی لوگ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے۔

قارئین کرام! آپ امام شافعی اور امام ترمذی رحمہما اللہ کی مذکورہ بالا عبارت کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں کیا ان دونوں عبارتوں میں جرح اور تضعیف کی کوئی بات نظر آتی ہے؟ اس میں رد اور تردید کا کوئی کلمہ موجود ہے؟ کیا آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ امام شافعی اور امام ترمذی رحمہما اللہ بیس رکعات تراویح کے دلائل کو مجروح کر رہے ہیں ؟ کیا مذکورہ بالا عبارات میں کوئی ایسا قرینہ موجود ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ بیس رکعات تراویح ثابت کرنے والے آثار ضعیف اور کمزور ہیں؟ حالانکہ در حقیقت امام شافعی اور امام ترمذی رحمہما اللہ مذکورہ بالا عبارات کے ذریعے بیس رکعات تراویح کو تقویت دے رہے ہیں اور بیس رکعات تراویح کے آثار کی پر زور تائید کر رہے ہیں۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ احب الی عشرون فرما کر بیس رکعات تراویح کو محبوب اور پسندیدہ قرار دے رہے ہیں، جبکہ امام ترمذی رحمہ اللہ اکثریت اہل علم کا بیس پر عمل پیرا ہونا بتا کر بیس رکعات تراویح کی تصدیق اور تائید فرما رہے ہیں اسی طرح اہل مکہ کا بیس پر عمل بتا کر بھی یہ حضرات بیس رکعات تراویح کو تقویت ہے اور امام شافعی اور امام ترمذی رحمہما

اللہ کے دور سے لے کر آج تک کسی عالم، محدث اور فقیہ نے یہ نہیں کہا کہ مذکورہ عبارات میں امام شافعی اور امام ترمذی رحمہا اللہ نے بیس رکعات تراویح کے آثار کی تضعیف کی ہے اور یقین جانیے کہ امام شافعی اور امام ترمذی رحمہا اللہ کے گمان میں یہ بات بھی نہ آئی ہو گی کہ ہماری عبارات کو بعض لوگ اُلٹا ہماری منشاء و مطلب کے خلاف استعمال کریں گے معمولی عربی دان بھی جب مذکورہ بالا عبارات میں غور کرے گا تو وہ یقیناً اس نتیجے پر پہنچے گا کہ ان عبارات میں بیس تراویح کی تصدیق کی گئی اور بیس کے آثار کی تائید کی گئی لیکن غیر مقلدین نے اپنی جہالت کی انتہا کر دی کہ مذکورہ بالا عبارات میں امام شافعی اور امام ترمذی رحمہا اللہ بیس رکعات تراویح کے آثار کی تضعیف کر رہے ہیں۔ سبحانك هذا بهتان عظيم . اولئك مبرؤن مما يقولون۔ غیر مقلد کے ظالم قلم نے کسی کو بھی معاف نہیں کیا بلکہ ہر محدث اور ہر فقیہ کے پاک دامن کو آلودہ کرنے کی کوشش کی اور ہر ایک کے نام پر دھوکہ دیا بس یہی کام اور دھندا ہے غیر مقلدین کا۔

باقی غیر مقلد نے اپنے اس جھوٹے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے دلیل یہ پیش کی کہ ان دونوں بزرگوں نے اپنی عبارات میں "روی" کا لفظ استعمال کیا ہے اور "رُوِیَ" ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور مجہول کے صیغے تمریض اور تضعیف کے لیے ہوتے ہیں لہٰذا رُوِیَ کا صیغہ استعمال فرما کر ان بزرگوں نے بیس رکعات تراویح کے آثار کی تضعیف کر دی ہے، الامان والحفیظ یہ ہے غیر مقلد کا مبلغ علم اور فاضل مدینہ یونیورسٹی کا فہم اور یہ ہے ایم ۔ اے اسلامیات کی علمی سوجھ بوجھ، اور یہ ہے خطیب جامع مسجد محمدی اہلحدیث کا تعلیمی معیار اور علمی حدود اربعہ اور یہ ہے وہ شخصیت جس کی غیر مقلدین اندھی تقلید کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے کٹ کر اس کی بات پر اعتماد کلی کرتے ہیں۔

حالانکہ اس کو تو اتنا پتہ بھی نہیں ہے کہ مجہول کے صیغے ہمیشہ تمریض وتضعیف کے لیے استعمال نہیں ہوئے دیکھئے: قِیْلَ، یُقَالُ مجہول کے صیغے ہیں اور قرآن مجید میں بھی استعمال ہوئے ہیں کیا مجہول ہونے کی وجہ سے آیات قرانیہ کو ضعیف کہا جائے گا؟ معاذ اللہ! اور حدیث کی کتابوں میں خصوصا بخاری شریف اور صحاح ستہ میں "رُوِیَ، یُرْوٰی" صحیح حدیثوں کے لئے بھی استعمال ہوئے ہیں اسی لئے تو اصول حدیث کے مُسَلَّم امام ابن الصلاح رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ "رُوِیَ" صحیح اور ضعیف دونوں قسم کی حدیثوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ صرف اور صرف مجہول کے صیغہ کو دیکھ کر جھٹ تمریض اور تضعیف کا حکم لگادینا ایک غیر دانشمندانہ اقدام ہے بلکہ جس کلام میں مجہول کا صیغہ استعمال ہوا ہے اس کلام کے سیاق وسباق کو دیکھنا چاہیے، انداز تحریر وتقریر کو دیکھنا چاہیے، روئے سخن کو دیکھنا چاہیے، طرز ادا کو دیکھنا چاہیے اور اندرونی قرائن کو اور بیرونی دلائل کو دیکھنا چاہیے۔ پھر فیصلہ کرنا چاہیے کہ یہاں مجہول کا صیغہ صحیح میں استعمال ہوا یا غیر صحیح میں؟ اور یہاں کلام کا سیاق وسباق اور انداز تحریر اور اندرونی بیرونی قرائن ودلائل سب کے سب بتارہے ہیں کہ "رُوِیَ" کا صیغہ تصدیق اور تائید کے لئے استعمال ہو رہا ہے نہ کہ تمریض وتضعیف کے لئے۔

غیر مقلد نے تو آنکھیں بند کر کے اندھا دھند "روی" کو زبردستی تمریض وتضعیف کے لئے بنا کر صرف اپنی جہالت کو ثابت نہیں کیا بلکہ امام شافعی اور امام ترمذی رحمہا اللہ کے مقدس دامن کو ایسا داغدار کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو عالم قبر وبرزخ میں بتادیں کہ غیر مقلدین نے تمہارے اوپر یہ بہتان تراشی کی ہے اور آپ کی عبارتوں سے تمہارے مطلب کے خلاف من بھاتا معنی کشید کیا ہے تو یقیناً ان کی روحیں کانپ اٹھیں گی اور ان کی جسد تڑپ اٹھیں گے۔ خیر! یوم جزاء دور نہیں ہے جب حشر اجساد ہوگا اور ہر ایک کے ساتھ منصفانہ سلوک کیا جائے گا تو امام شافعی اور امام ترمذی رحمہا اللہ جب رب ذوالجلال کی دربار میں استغاثہ کریں کہ

غیر مقلدین نے ہمارے اوپر کیوں بہتان باندھا؟ اور جھوٹی بات کی نسبت ہماری طرف کیوں کی؟ اور کذب بیانی اور بہتان طرازی سے ہمارے دامن کو آلودہ کیا؟ پس غیر مقلد یوم الحساب میں اس مقدمہ کی جواب دہی کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ ہاں! اب توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

اگر غیر مقلد توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں لہٰذا اس کے لئے سوائے توبہ کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ علماء اسلام اگر کسی قول کو ضعیف قرار دیتے ہیں تو وہاں اس کے مقابلہ میں صحیح قول پیش کرتے ہیں اور دلائل کے ساتھ اس کی ترجیح بھی بیان کرتے ہیں اگر مذکورہ بالا عبارات میں بیس رکعات تراویح کی بقول غیر مقلد تضعیف کی گئی ہے تو صحیح قول کہاں ہے؟ کیا امام ترمذی اور امام شافعی رحمہما اللہ نے آٹھ رکعات تراویح کا ذکر کیا ہے؟ آٹھ کے قول کی تصحیح کی ہے؟ آٹھ کی کوئی دلیل بیان کی ہے؟ ان بزرگوں نے تو آٹھ رکعات تراویح کا قول بھی نقل نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دور میں نہ کوئی آٹھ رکعات تراویح کا قائل تھا، نہ عامل۔ ورنہ ان کی کتابوں میں آٹھ کا ذکر تو ضرور ملتا۔

باقی اہل مدینہ کا 41 یا 36 وغیرہ پڑھنا اس لئے ہے کہ وہ لوگ بین ترویحتین کچھ نوافل انفرادی طور پر پڑھ لیا کرتے تھے۔ تغلیباً سب کو تراویح کہا جا رہا ہے ورنہ نماز تراویح ان کے نزدیک بھی بیس رکعات ہی تھی۔ ان حضرات کا بیس کو ذکر کرنا اور آٹھ کا ذکر نہ کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ نماز تراویح ان کے نزدیک بیس رکعات ہے اور اسی کی انہوں نے تائید کی ہے جیسا کہ ان کی عبارات سے ظاہر اور واضح ہے لیکن غیر مقلد نے خواہ مخواہ ان بزرگوں کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کرکے ان کے دامن کو آلودہ کرنے کی ناکام کوشش کی اور یوم الحساب کی پیشی کی پرواہ بھی نہیں کی۔

رُوِیَ یُرْوٰی کے صیغے کا صحیح حدیثوں کے لئے استعمال:

امام بخاری، امام ترمذی و دیگر محدثین کرام نے رُوِیَ کے صیغہ کا صحیح حدیثوں میں استعمال کیا ہے لہٰذا چند مثالیں آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں جن سے غیر مقلد کا جھوٹا دعویٰ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

مثال اول:

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں ایک باب یوں قائم کرتے ہیں: "باب الرقی بفاتحة الکتاب ویُذْکَرُ عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم " اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۃ فاتحہ کے ساتھ دم کرنے کو "یُذْکَرُ" کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا اور یُذْکَرُ، مجہول کا صیغہ ہے حالانکہ سورۃ فاتحہ کے ساتھ دم کرنے کی حدیث صحیح ہے اور خود بخاری شریف میں موجود ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مجہول کے صیغے صحیح حدیثوں کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں۔

بخاری ج2 ص854

مثال دوم:

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ویُذْکَرُ عن عبد اللہ بن السائب قرء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم المومنون فی الصبح حتی اذا جاء ذکر موسی وھارون او ذکر عیسی اخذتہ سعلة فرکع.

بخاری ج1 ص106

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مضارع مجہول کے صیغے "یُذْکَرُ" سے بیان کیا ہے حالانکہ یہ حدیث صحیح ہے اور صحیح سند کے ساتھ مسلم شریف ص....... پر موجود ہے پس معلوم ہوا کہ مجہول کے صیغہ صحیح حدیثوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

مثال سوم:

امام بخاری رحمہ اللہ ایک باب کا عنوان یوں قائم کرتے ہیں "باب ما یُذْکَرُ فی الصدقۃ للنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی باب میں یہ حدیث بیان کی "اما لا ناکل الصدقۃ"

بخاری ج1 ص202

یہ حدیث صحیح ہے خود امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کے لئے "یُذْکَرُ" مضارع مجہول کا صیغہ استعمال کر رہے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ صحیح حدیثوں کے لئے بھی مجہول کے صیغے استعمال ہوتے ہیں۔

مثال چہارم:

امام بخاری رحمہ اللہ ایک باب کا عنوان یوں قائم کرتے ہیں: "باب ما یُذْکَرُ من صوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم و افطارہ" پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث بیان کی ہے "ما صام النبی صلی اللہ علیہ وسلم شھراً کاملا قط غیر رمضان...... الحدیث.

بخاری ج1 ص264

مثال پنجم:

امام بخاری رحمہ اللہ ایک باب کا یوں عنوان قائم کرتے ہیں: "باب ما یُذْکَرُ فی الفخذ قال ابو عبد اللہ ویُرْوٰی عن ابن عباس و جرھد و محمد بن جحش عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الفخذ عورۃ۔

بخاری ج1 ص53

اس روایت میں امام بخاری رحمہ اللہ نے یُذْکَرُ، یُرْوٰی مجہول کے دو صیغے استعمال فرمائے ہیں حالانکہ یہ حدیث صحیح ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت جرھد، حضرت محمد بن جحش رضی اللہ عنہم نے اس کو روایت کیا ہے اور یہ حدیث ترمذی، ابو داؤد، احمد، طبرانی، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم وغیرہ کتب حدیث میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے اور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس کو جامع صغیر میں صحیح کہا ہے۔ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو احوط کہہ کر صحیح تسلیم کیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یُذْکَرُ، یُرْوٰی وغیرہ مجہول کے صیغے صحیح حدیثوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

مثال ششم:

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک باب یوں قائم کیا ہے: "باب ما قِیْلَ فی قتال الروم

بخاری ج 1 ص 409

قتال روم کی حدیث صحیح ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس صحیح کے لئے لفظ "قِیْلَ" استعمال فرمایا ہے اور قِیْلَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے پس ثابت ہوا کہ مجہول کے صیغے صحیح حدیثوں کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں۔

مثال ہفتم:

امام بخاری رحمہ اللہ ایک باب یوں قائم کرتے ہیں "باب ما قِیْلَ فی الرماح و یُذْکَرُ عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعل رزقی تحت ظل رمحی وجعل الذلۃ والصغار علی من خالف امری۔

بخاری ج 1 ص 408

امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو یُذْکَرُ اور قِیْلَ کے لفظ سے روایت کیا ہے جبکہ یُذْکَرُ مضارع مجہول اور قِیْلَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے حالانکہ یہ حدیث حسن بلکہ صحیح ہے اور

مسند احمد اور جامع صغیر میں بحوالہ مسند احمد، ابو یعلیٰ، طبرانی موجود ہے پس ثابت ہوا کہ مجہول کے صیغے حسن اور صحیح حدیثوں کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں۔

مثال ہشتم:

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: واحسن شئی فی ذلك ما رُوِیَ عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قراء بالشمس وضحٰها والتین والزیتون.

ترمذی شریف ج1 ص41

اس جگہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے "رُوِیَ" ماضی مجہول کا صیغہ استعمال فرمایا اور اس حدیث کو احسن قرار دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "رُوِیَ" مجہول کا صیغہ ہمیشہ ضعیف حدیثوں کے لئے استعمال نہیں ہوتا بلکہ صحیح، حسن اور احسن حدیثوں کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

مثال نہم:

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عن عائشة قالت صلی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم خلف ابی بکر فی مرضه الذی مات فیه قاعداً. قال ابو عیسی حدیث عائشة حدیث حسن صحیح غریب وقد رُوِیَ عن عائشة عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال اذا صلی الامام جالساً فصلوا جلوسا و رُوِیَ عنها ان النبی صلی الله علیه وسلم خرج فی مرضه و ابوبکر یصلی بالناس فصلی الی جنب ابی بکر والناس یأتمون بابی بکر و ابو بکر یأتم بالنبی صلی الله علیه وآله وسلم و رُوِیَ عنها ان النبی صلی الله علیه وسلم صلی خلف ابی بکر قاعداً ورُوِیَ عن انس بن مالك ان النبی صلی الله علیه وسلم صلی خلف ابی بکر وهو قاعد یه حدثنا بذلك عبد الله بن ابی زیاد نا شبابة بن سوار نا محمد بن طلحه عن حمید عن ثابت عن انس قال صلی الله علیه وسلم فی مرضه خلف ابی بکر قاعدا فی الثوب متوشحا به قال ابو عیسی هذا حدیث

حسن صحیح و ھکذا رواہ یحی بن ایوب عن حمید عن انس و قد رواہ غیر واحد عن حمید عن انس ولم یذکروا فیہ عن ثابت ومن ذکر فیہ عن ثابت فھو اصح۔

ترمذی ج1 ص83

مندرجہ بالا حدیثوں کے لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے چار دفعہ رُوِیَ ماضی مجہول کا صیغہ استعمال کیا حالانکہ ان حدیثوں کو خود صحیح کہا۔ پس ثابت ہوا کہ "رُوِیَ" وغیرہ مجہول کے صیغے صحیح حدیثوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

مثال دہم:

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وقد رُوِیَ ھذا الحدیث من اوجہ کثیرۃ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ینزل اللہ تبارک و تعالیٰ حین یبقی ثلث اللیل لآخر وھذا اصح الروایات۔

ترمذی شریف ج1 ص59

اس حدیث کو امام ترمذی "اصح الروایات" فرمارہے اور اس میں رُوِیَ ماضی مجہول کا صیغہ استعمال فرمارہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح حدیثوں کے لئے بھی مجہول کے لئے صیغے استعمال کئے جاتے ہیں۔

مثال یازدہم:

ترمذی میں ہے: ورُوِیَ عن ابن المبارک انہ لما حضرتہ الوفاۃ جعل رجل یلقنہ لا الہ الا اللہ واکثر علیہ فقال لہ عبداللہ اذا قلت مرۃ فانا علی ذلک مالم اتکلم بکلام وانما معنی قول عبداللہ انما اراد ما رُوِیَ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کان آخر قولہ لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ۔

ترمذی شریف ج1 ص192

مذکورہ بالا حدیث کے لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے رُوِیَ ماضی مجہول کا صیغہ استعمال فرمایا حالانکہ یہ حدیث صحیح ہے اور ابوداؤد ج2 ص88 مستدرک حاکم اور مسند احمد میں موجود ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس کو جامع صغیر میں صحیح کہا ہے۔

قارئین کرام! یہ چند مثالیں بندہ عاجز نے آپ کی خدمت میں پیش کر دی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ محدثین کرام کی کتب حدیث ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ قِیْلَ، یُقَالُ، رُوِیَ، یُرْوٰی، ذُکِرَ، یُذْکَرُ وغیرہ مجہول کے صیغے ہمیشہ ہمیشہ تضعیف و تمریض کے لئے استعمال نہیں ہوتے بلکہ بکثرت یہ صیغے صحیح حدیثوں کے لئے بھی مستعمل ہوتے ہیں۔ لہٰذا قرائن وشواہد اور دلائل کو دیکھ کر اور سیاق وسباق پر نظر رکھ کر یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ اس موقع پر مجہول کا صیغہ تضعیف کے لئے ہے یا تصدیق اور تائید کیلئے؟

امام ترمذی اور امام شافعی رحمہما اللہ کی مذکورہ بالا عبارات میں رُوِیَ کا صیغہ یقیناً تصدیق کے لئے استعمال کیا گیا ہے عربی زبان کا ادنیٰ ذوق رکھنے والا ہر طالب علم یہی کچھ سمجھے گا لیکن غیر مقلد نے ان عبارات میں موجود رُوِیَ کے صیغہ کو تمریض اور تضعیف کے لئے بنا کر "یحرفون الکلم عن مواضعہ" کی شرمناک مثال قائم کی ہے اور تحریف معنوی کی بدترین نظیر پیش کی ہے۔

غیر مقلدین کا اعتراف حقیقت:

غیر مقلد لکھتا ہے:[1] "جمہور فقہاء بلکہ جمہور اہل علم، محدثین کے ماسوی اس میں تساہل کر جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ صحیح حدیث (رُوِیَ عَنْہُ) مجہول صیغہ کے ساتھ اور ضعیف روایت کو (قال) جزم کے صیغے کے ساتھ بیان کر جاتے ہیں۔

[1] تعداد مسنون تراویح ص 3

دیکھئے غیر مقلد کتنے واضح لفظوں میں اعتراف کر رہا ہے کہ جمہور فقہاء بلکہ جمہور اہل علم کی یہ عادت اور یہ معمول ہے کہ وہ تمریض اور مجہول کے صیغے صحیح حدیثوں کے لئے استعمال کرتے ہیں اگرچہ تساہلاً ہی سہی۔ بہر حال! ان کا ایک معمول تو ہے پس جمہور اہل علم کی اس عادت کو جانتے ہوئے ہر جگہ مجہول کا صیغہ دیکھ کر تمریض اور تضعیف کا حکم صادر کر دینا بہت بڑی جسارت اور دیدہ دلیری ہے۔

امام بخاری و ترمذی درجہ محدثیت سے خارج:

ظلم بالائے ظلم یہ کہ غیر مقلد نے امام بخاری اور امام ترمذی رحمہا اللہ کو محدثین کی فہرست سے خارج کر دیا کہتا ہے:" جمہور اہل علم، محدثین کے ماسویٰ۔ اس میں تساہل کر جاتے ہیں یعنی محدثین کے علاوہ باقی سب اہل علم یہ تساہل کر جاتے ہیں کہ مجہول کا صیغہ صحیح حدیثوں میں استعمال کر جاتے ہیں لیکن محدثین یہ تساہل نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی یہ ان کی عادت ہے گویا غیر مقلد نے محدثین کی جماعت تو اس تساہل اور عادت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ تساہل اور یہ عادت امام بخاری اور امام ترمذی رحمہا اللہ میں بھی پائی جاتی ہے چنانچہ ان کی کتابوں میں اس تساہل کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں اور چند مثالیں بندہ عاجز نے آپ کی خدمت میں پیش بھی کر دی ہیں۔

پس غیر مقلد کے "محدثین کے ماسویٰ" کہنے سے امام بخاری رحمہ اللہ اور امام ترمذی رحمہ اللہ محدثین کی فہرست سے خارج ہوں گے کیونکہ وہ تو یہ تساہل کرتے ہیں یا پھر غیر مقلد کا "محدثین" کو اس تساہل سے مستثنیٰ قرار دینا جھوٹ اور باطل ٹھہرے گا۔ دو میں سے ایک بات تو ضرور ہو گی یا تو امام بخاری اور امام ترمذی رحمہا اللہ محدثین میں سے نہیں ہیں یا پھر غیر مقلد نے "محدثین کے ماسویٰ" کا لفظ غلط کہا ہے۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا:

لطف کی بات تو یہ ہے کہ غیر مقلد کے اصول سے غیر مقلد کا اپنا مذہب ضعیف اور مجروح ہو گیا غیر مقلد نے یہ اصول بتایا کہ مجہول کا صیغہ جہاں بھی ہو گا تمریض اور تضعیف کیلئے ہو گا۔ لیکن بد قسمتی سے یہی مجہول کا صیغہ خود غیر مقلد کی قلم سے آٹھ رکعات والی روایت کے لئے استعمال ہو گیا، چنانچہ لکھتے ہیں: اس کے ساتھ ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح روایت کے مخالف ہے جس میں گیارہ رکعات کا ذکر ہے۔

تعداد مسنون تراویح ص 11

دیکھئے غیر مقلد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے گیارہ رکعات والی روایت کو "مروی" کے لفظ سے ذکر کر رہے ہیں اور "مروی" اسم مفعول ہونے کی وجہ سے مجہول اور تمریض کا صیغہ ہے پس غیر مقلد نے "مروی" کا لفظ استعمال کر کے آٹھ رکعات تراویح والی روایت کو خود ضعیف اور مجروح کر کے ناقابل احتجاج بنا دیا اور یہ ہے بھی حقیقت کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات تراویح کا حکم دینا اور اس پر عمل کرنا اور کرانا صحیح اور متصل سند سے ثابت شدہ حقیقت ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے اور اب الحمد للہ غیر مقلد نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ گیارہ رکعات والی روایت "مروی" یعنی ضعیف اور مجروح ہے۔

مجموعہ تضاد کا معجون مرکب:

آپ غیر مقلد کی مذکورہ بالا عبارت میں غور کریں انہوں نے لفظ "مروی" اور لفظ "صحیح" میں یوں ترکیب بنائی ہے "مروی صحیح" حالانکہ غیر مقلد خود بتا چکے ہیں کہ رُوِیَ یُرْوٰی مَرْوِیٌّ وغیرہ مجہول کے صیغے ضعیف حدیثوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں نہ کہ صحیح کے لئے یعنی جو روایت رُوِیَ یُرْوٰی اور مَرْوِیٌّ ہو گی وہ صحیح نہ ہو گی اور جو صحیح ہو گی وہ رُوِیَ یُرْوٰی اور مَرْوِیٌّ نہ ہو گی لیکن یہاں فاضل مدینہ یونیورسٹی اور ایم۔ اے اسلامیات نے اپنی غیر

مقلدیت کے تمام ریکارڈ توڑ کر "مروی صحیح" کی ترکیب بنادی جبکہ غیر مقلد کے اصول کے مطابق یہ ترکیب مجموعہ تضاد ہے کیونکہ بقول غیر مقلد اس کا معنی ہے ضعیف صحیح اور بندہ عاجز کے نزدیک یہ ترکیب غیر مقلد کے علم کا شاہکار بھی ہے۔فاعتبروا یا اولی الابصار۔

قارئین کرام! الحمد للہ معقول دلائل سے ثابت ہوا کہ رُوِیَ یُرْوٰی یُنْکَرُ وغیرہ مجہول کے صیغے، ضعیف اور صحیح دونوں قسم کی روایات وآثار میں استعمال ہوتے ہیں اور امام ترمذی اور امام شافعی رحمہا اللہ کی عبارات میں بھی یہ صیغے صحیح روایات کے لئے استعمال ہوئے ہیں نہ کہ ضعیف روایات کیلئے جیسا کہ غیر مقلد نے سمجھا۔دونوں اماموں کی عبارات میں مذکور رُوِیَ کے صیغے کو تضعیف کے لئے سمجھنا غیر مقلد کے سوئے فہم کا نتیجہ ہے۔یہاں تک غیر مقلد کی تمام جروح کا فرداً فرداً جواب مکمل ہوا اور اب اس کی مذکورہ بالا تمام جروح کا مشترکہ جواب ملاحظہ فرمائیں۔

غیر مقلد کی تمام جروح کا مشترکہ جواب:

جواب 1:

بیس رکعات تراویح پر دلالت کرنے والے آثار و روایات کی تعداد پچاس سے زائد ہے جن میں سے چند آثار کو میں نے اس رسالہ میں بھی درج کئے ہیں اور غیر مقلد نے صرف چند ایک پر جرح کی اور وہ بھی خلاف اصول ہے چنانچہ بندہ عاجز نے اس کی تمام جروح کا مدلل اور مکمل جواب بھی دے دیا ہے اور بقیہ آثار پر کوئی جرح نہیں کی اور نہ ہی وہ مجروح ہیں بلکہ اصول حدیث کے مطابق صحیح ہیں اور محدثین نے ان کو صحیح، حسن، قوی اور قابل احتجاج کہا ہے، جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ لیکن اگر بالفرض والمحال یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ یہ سارے آثار ضعیف ہیں تب بھی جرح غیر موثر ہی رہے گی کیونکہ محدثین کے نزدیک ایک مضمون کی چند حدیثیں اگرچہ فرداً فرداً ضعیف ہوں لیکن یہ سب مل کر اتنی قوت حاصل

کرلیتی ہیں کہ قابل احتجاج اور قابل عمل بن جاتی ہیں کیونکہ وہ بوجہ تعدد طرق درجہ حسن حاصل کر لیتی ہیں، چنانچہ مولانا عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قد یروی الحدیث الضعیف من اوجہ فیبلغ بمجموعہا درجۃ الحسن ویسمی الحسن لغیرہ۔ کوثر النبی ص14

یعنی کبھی ضعیف حدیث کئی طرق سے مروی ہوتی ہے پس وہ اپنے مختلف طرق کی وجہ سے درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہے اور اس کا نام حسن لغیرہ رکھا جاتا ہے۔

ابکار المنن کا حوالہ:

مبارکپوری لکھتے ہیں: "ھذا الحدیث وان کان ضعیفاً لکنہ منجبراً بتعدد طرقہ " یعنی یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر تعدد طرق کی وجہ سے اس کا ضعف دور ہو گیا۔

ابکار المنن ص179,178

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: "ولو سلم ان کلھا ضعیفۃ فھی لمجموعھا تبلیغ درجۃ الحسن.

ص131

یعنی اگر بالفرض یہی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ طرق سب کے سب ضعیف ہیں تو پھر بھی مجموعہ طرق کی وجہ سے درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہے۔

پس اس " اصولِ حدیث " کے تحت غیر مقلد چاہے ایڑی چوٹی کا پورا زور بھی لگالے تو پھر بھی بیس تراویح کے بیسیوں آثار و دلائل کی قوت میں اور حجت ہونے میں کوئی فرق اور اثر نہیں پڑے گا۔ لہٰذا غیر مقلد کی تمام جروح باطل، غیر مؤثر اور مردود ہیں اور بیس کے بیسیوں آثار، قوی اور محفوظ ہیں۔

جواب2:

بیس رکعات تراویح کے آثار وروایات کو "تلقی بالقبول" کا درجہ حاصل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک پوری امت مسلمہ نے بیس رکعات تراویح کو قبول کیا ہے اور اصولِ حدیث کے تحت جس روایت کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو جائے تو وہ صحیح اور حجت بن جاتی ہے اگرچہ اس کی سند ضعیف کیوں نہ ہو۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: " یحکم للحدیث بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم یکن له اسناد صحیح۔

تدریب الراوی

یعنی جب کسی حدیث کو تمام لوگ قبول کرلیں تو اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا جائے گا اگرچہ اس کا اسناد صحیح نہ بھی ہو۔

یعنی جس حدیث کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو جائے تو اس کی سند اور رواۃ دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ سند کے ضعیف وکمزور ہونے کے باوجود وہ تلقی بالقبول کی وجہ سے صحیح اور حجت ہے۔ مندرجہ ذیل محدثین نے بھی اس اصول کو اپنی کتب میں تحریر کیا ہے۔

الاستذکار اور التمہید لابن عبد البر رحمہ اللہ — توضیح الافکار لصنعانی بحوالہ ابن حجر رحمہ اللہ

الفقیہ والمتفقہ لخطیب بغدادی رحمہ اللہ — اعلام الموقعین لابن قیم رحمہ اللہ

اور ان حضرات نے اس کی چند مثالیں بھی بیان کی لہذا وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

1. لا وصیة لوارث — هو الطهور ماءه

3. اذا اختلف المتبايعان فی الثمن والسلعه قائمة تحالفا۔

4. الدية على العاقلة — الدینار اربعة وعشرون قیراطا

مندرجہ بالا احادیث کی سندات ضعیف ہیں لیکن تلقی بالقبول کی وجہ سے یہ حدیثیں صحیح اور قابل احتجاج ہیں۔

ماخوذ از صحیح حدیث صلوۃ التراویح عشرین رکعتۃ، مولفہ الشیخ اسماعیل بن محمد انصاری

ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں: بعض ضعیف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے ارفع ہو جاتے ہیں۔

اخبار الحدیث 19 اپریل 1907

پس جب بیس تراویح کے روایت کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے اور ان کی سندات پر بحث کرنا ایک فضول اور نکما کام ہے تو غیر مقلد کی تمام جروح غیر مؤثر بلکہ مردود ٹھہریں گی۔

جواب 3:

بیس رکعات تراویح کے آثار وروایات کے پیش نظر عہد اول سے لے کر آج تک تسلسل کے ساتھ بیس رکعات تراویح پر عمل چلا آرہا ہے اور اس تعامل الناس سے حدیث اور روایت اتنی قوت حاصل کر لیتی ہے کہ اس کی سند دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ خود تعامل الناس اس روایت کی صحت کا ضامن ہے۔ چنانچہ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "وقول الترمذی العمل علیہ عند اھل العلم یقتضی قوۃ اصلہ وان ضعف خصوص ھذا الطریق۔

فتح القدیر ج1 ص188

یعنی امام ترمذی رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ اہل علم کا اس پر عمل ہے اس کے اصل کی قوت کا تقاضا کرتا ہے اگرچہ یہ خاص طریق ضعیف بھی ہو۔

چونکہ بیس رکعات تراویح کے آثار وروایات کو تعامل الناس کی اتنی تقویت حاصل ہے کہ اب اس کے سندات کے دیکھنے اور پرکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لہذا غیر مقلد کی تمام جروح غیر مؤثر بلکہ مردود اور ناقابل قبول ہیں۔

جواب 4:

ائمہ اربعہ امام ابو حنیفہ، امام مالک فی قول، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں اور ان کا استدلال انہیں روایات و آثار سے ہے جن سے بیس رکعات تراویح ثابت ہوتی ہے اور محدثین کے اصول کے تحت جب مجتہد کسی حدیث استدلال کرے تو یہ اس کی صحت کی دلیل ہے۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ المجتھد اذا استدل بحدیث کان ذلک تصحیالہ منہ کذا فی التحریر لابن الھمام وغیرہ۔

فتاوی شامی ج4 ص57

یعنی جب مجتہد کسی حدیث سے استدلال کرے تو یہ اس کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح سمجھی جائے گی۔

نوٹ: شروط الائمۃ الخمسۃ للحازمی پر تعلیقاً امام کوثری نے بھی اس کی کئی بار وضاحت کی ہے۔ومعلوم ان استدلال المجتھد بحدیث تصحیح لہ ۔

ص 56 ص59

پس جب ائمہ اربعہ اور دیگر تمام مجتہدین نے بیس کے آثار و روایات سے استدلال کر کے بیس کا قائل اور عامل بنے ہیں تو ان سب کی طرف سے ان آثار و رویات تصحیح ہو گئی۔ لہذا غیر مقلد کی جرح باطل اور مردود ٹھہریں گی کیونکہ ائمہ مجتہدین نے ان کی تصحیح کر دی ہے باقی امام مالک رحمہ اللہ سے ایک قول بیس سے زائد کا بھی ہے لیکن بندہ عاجز نے اس کی حقیقت سابقہ اوراق میں واضح کر دی ہے اور تمام اصحاب مالک کا عمل بیس ہی کے قول پر ہے۔

جواب 5:

الحمد للہ بیس رکعات تراویح کے دلائل صحیح، حسن اور قوی ہیں اور ان کو کئی دوسرے قرائن وشواہد کی تائید وتقویت بھی حاصل ہے حالانکہ علماء اصول کے ہاں کسی ضعیف حدیث کو کسی دوسرے قرینے سے تائید حاصل ہو جائے تو وہ پایہ صحت کو پہنچ جاتی ہے۔

چنانچہ محقق علی الاطلاق امام ابن ھمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اذا تاید الضعیف بما یدل علی صحته من القرائن کان صحیحاً۔

فتح القدیر ج 1 ص 283

یعنی جب کسی ضعیف حدیث کو ایسے قرائن کی تائید حاصل ہو جائے جو اس کی صحت پر دلالت کرنے والے ہوں تو وہ حدیث صحیح ہو گی۔

حالانکہ بیس رکعات تراویح کے آثار وروایات باوجودیکہ خود صحیح اور قوی ہونے کے ان کو کئی قرائن وشواہد کی تائید حاصل ہے جو ان کی صحت پر دلالت کرنے والے ہیں لہذا غیر مقلد کی ایسے آثار پر جروح غیر مؤثر اور باطل ہے بلکہ مردود وفضول ہے۔

جبکہ اس کے برخلاف آٹھ رکعات تراویح کے آثار بذات خود ضعیف اور متروک ہیں اور ان کو صحت پر دلالت کرنے والے قرائن وشواہد میں سے کسی قرینے کی تائید بھی حاصل نہیں ہے یعنی آٹھ کے آثار کو نہ تو تعدد طرق کی تقویت حاصل ہے اور نہ ہی ان کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے بلکہ ان کو "تلقی بالرد" کا سامنا ہے اسی طرح نہ تو ان کو تعامل الناس کی تائید حاصل ہے اور نہ ہی استدلال مجتہد کی قوۃ۔

جواب 6:

بیس رکعات تراویح کے دلائل وآثار اتنے قوی اور مضبوط ہیں کہ وہ اجماع امت کی بنیاد قرار پا چکے ہیں پس جس مسئلہ پر اجماع ہو جائے اس کے دلائل کی سندات کو دیکھنے اور

پرکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی چنانچہ علماء اصول لکھتے ہیں: "ان اجماع المجتہدین حجة لا یجوز لاحد خلافه والائمة الم. جتہدون اذا اختلفوا فی مسئلة فی ای عصر کان علی اقوال کان اجماعاً منهم علی ان ماعداها باطل ولا یجوز لمن بعدهم احداث قول آخر

نور الانوار، التوضیح والتلویح، احکام الاحکام، فواتح الرحموت وغیرہ

یعنی مجتہدین کا اجماع حجت ہے کسی ایک کو اس کے برخلاف کرنے کا حق نہیں ہے اور ائمہ مجتہدین کسی زمانہ میں اگر کسی مسئلہ میں اختلاف کریں تو یہ بھی اجماع ہے کہ اس کے ماسوا اقوال باطل ہیں اور ان کے بعد والوں کو ان کے اقوال کے علاوہ ایک نئے قول پیدا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

جب بیس رکعات تراویح پر اجماع ہو چکا ہے اور اجماع بھی ایک حجت شرعیہ ہے لہٰذا اس اجماع کی موجودگی میں آٹھ کا قول کرنا باطل اور ناجائز ہے کیونکہ یہ تو خلاف اجماع ہے پس اجماعی مسئلہ کے رواۃ پر جرح کرنا مردود اور باطل ہے اور پرلے درجے کی بے اصولی ہے۔ آٹھ رکعات پر اجماع تو کجا۔ ڈھونڈنے سے آٹھ کا نہ تو کوئی قائل ملتا ہے نہ فاعل۔

جواب 7:

علماء اصول فرماتے ہیں: الحدیث المرفوع الضعیف اذا تاید باقوال الصحابة او قول اکثر العلماء فهو مقبول فحتج به کالمرسل عند من لا یحتج به اذا تاید بشیء من ذلك کان حجة اتفاقا.

تدریب الراوی، انہاء السکن

یعنی مرفوع ضعیف حدیث کو جب اقوال صحابہ یا اکثر علماء کے قول کی تائید حاصل ہو جائے تو وہ مقبول اور قابل احتجاج ہے جیسا کہ حدیث مرسل جن لوگوں کے نزدیک قابل احتجاج نہیں ہے جب اس کو ان چیزوں میں سے کسی چیز کی تائید حاصل ہو جائے تو وہ بالاتفاق حجت بن جاتی ہے۔

الحمدللہ بیس رکعات تراویح کے دلائل روایات صحیحہ سے ثابت ہیں اور ان کو اقوال صحابہ اور اقوال اکثر علماء کی تائید حاصل ہے لہٰذا غیر مقلد کی تمام جرح باطل، غیر اصول اور مردود ہیں۔ مندرجہ بالا اصول ماخوذ از اعلاء السنن ج14 ص 392,391

غیر مقلد کی چند مزید غلط بیانیاں:

غیر مقلد اپنے رسالہ کے آخری صفحہ پر لکھتا ہے: اس مختصر بحث سے ثابت ہوا کہ سلف وخلف کا یہ مسلک ہے کہ قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے اور نماز تراویح حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین رات ادا کی اس کی تعداد وتر سمیت گیارہ رکعات ہے۔

تعداد مسنون تراویح ص16

قارئین کرام! غیر مقلد نے اس چھوٹی سی عبارت میں ایک سچ کے ساتھ دو جھوٹ اور ایک دھوکہ شامل کر کے حق و باطل کی ملاوٹ کر دی۔ غیر مقلد کا یہ کہنا صحیح ہے "سلف و خلف کا یہ مسلک ہے کہ قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے۔"

اہل السنت والجماعت بھی یہی کہتے ہیں کہ قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے اور نماز تہجد کا نام قیام اللیل ہے اور یہ اہل السنت والجماعت کی دلیل ہے نماز تراویح اور نماز ہے اور نماز تہجد اور نماز ہے کہ کیونکہ دونوں نمازوں سے نام جدا، جدا ہیں۔ یہاں تک غیر مقلد کی صحیح بات ختم ہوئی آگے غلط بیانی ملاحظہ فرمایئے۔

غیر مقلد کا یہ کہنا: "نماز تراویح حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین رات ادا کی۔" جھوٹ اور غلط بیانی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح صرف تین رات ادا نہیں فرمائی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے رمضان المبارک کے مہینے میں باقاعدہ نماز تراویح اول شب میں نماز تہجد آخر شب میں ادا فرمایا کرتے تھے اور یہی آپ کا معمول تھا یہی آپ کی عادت مبارکہ تھی۔ الا ماشاء اللہ

ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نمازِ تراویح تین رات پڑھائی۔ یعنی جماعت تین رات کرائی اور بقیہ راتوں میں آپ نے نماز تراویح انفرادی طور پر ادا کی۔ غیر مقلد حافظ جی کا یہ کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح تین رات ادا کی غلط بیانی ہے بلکہ جھوٹ ہے۔

اس عبارت میں غیر مقلد نے دوسرا جھوٹ یہ بولا کہ اس کی تعداد وتر سمیت گیارہ رکعات ہے حالانکہ وتر سمیت گیارہ رکعات نماز تراویح کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ یہ بات بڑی تفصیل سے پہلے گزر چکی ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ کی حدیث بخاری جس میں گیارہ رکعات کا ذکر ہے اس کا تعلق نماز تہجد سے ہے جو انفرادی نماز ہے جو آپ نے گھر میں ادا کی جس کو صرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح کا ذکر نہیں کیونکہ نماز تراویح تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تین رات باجماعت مسجد میں پڑھائی اور اس میں گیارہ رکعت کی کوئی تصریح نہیں ہے بلکہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں بیس رکعت کی تصریح موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بیس رکعات نماز تراویح پڑھائی اسی لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بعد میں بیس رکعات تراویح پر اجماع اور اتفاق کر لیا اور ان کا اجماع و اتفاق بیس رکعات تراویح والی حدیث کی تصحیح ہے۔ ھکذا فی الاصول۔ پس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہمراہ باجماعت مسجد نبوی میں ادا کی جانے والی نماز تراویح کو وتر سمیت گیارہ رکعات کہنا غیر مقلد کی غلط بیانی اور جھوٹ ہے۔ غیر مقلد نے اس عبارت میں دھوکہ یہ دیا کہ ایک سچ کے ساتھ دو جھوٹ اس طریقہ سے شامل کیے ہیں کہ جب عام قاری غیر مقلد کی مذکورہ بالا عبارت کو پڑھے گا تو یہی سمجھے گا یہ تینوں باتیں سچ

ہیں، حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور سلف وخلف یہی کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات نماز تراویح ادا کی اور وتر سمیت گیارہ رکعات ادا کی۔

حالانکہ یہ آخری دو باتیں غلط اور جھوٹ ہیں اور غیر مقلد نے دو جھوٹوں کو ایک سچ کے ساتھ ملا کر سب کو سچ باور کرانے کی بے کار کوشش کر کے عام قاری کو دھوکہ دینے کی سعی ناتمام کی ہے۔ آپ غیر مقلد کی دیانت داری کا اندازہ لگائیں صرف اڑھائی سطری عبارت میں دو جھوٹ اور ایک دھوکہ ایسا، گویا کہ عام پڑھنے والا اس کو حدیث سمجھے اور اس کو حدیث سمجھ کر عمل کرے اور اہل حدیث بن جائے پس اس قسم کی مصنوعی حدیثوں پر عمل کرنے کی وجہ سے یہ اہل حدیث ہیں نہ کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے۔

غیر مقلد مزید لکھتا ہے:" ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعات دو، دو کر کے پڑھتے تھے اور ہر دو رکعات کے بعد سلام پھیرتے تھے۔ یسلم بین کل رکعتین ویوتر بواحدۃ (مسلم، ابن ماجہ، طحاوی ص 195)

تعداد مسنون تراویح ص 16

قارئین کرام! غیر مقلد نے اس عبارت میں بھی غلط بیانی سے کام لیا ہے غیر مقلد نے اپنے پورے رسالہ میں یہ بات کہیں ذکر ہی نہیں کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تراویح دو، دو کر کے پڑھتے تھے بلکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بخاری وغیرہ کی روایت جو غیر مقلد نے اپنے رسالہ میں بھی ذکر کی ہے اس میں صاف لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چار، چار کر کے پڑھتے تھے۔ البتہ غیر مقلد نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ حصہ چھوڑ دیا کیونکہ اس کی خواہش نفس کے خلاف تھا۔ بہر حال غیر مقلد نے پہلے اپنے رسالہ میں دو، دو رکعات پڑھنے کو ثابت نہیں کیا لیکن یہاں لکھ دیا کہ " ہم ثابت کر چکے ہیں " یہ غیر مقلد کی غلط بیانی ہے۔ اب یہاں جو مسلم وغیرہ سے حدیث نقل کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو

رکعات کے بعد سلام پھیر دیتے تھے تو اس کا تعلق نماز تراویح سے نہیں بلکہ نماز تہجد سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد میں ہر دو رکعات کے بعد سلام پھیر دیا کرتے تھے۔

علماء کرام نے اس قسم کی روایات کو مختلف احوال اور مختلف اوقات پر محمول فرما کر تطبیق دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی چار رکعات کے بعد اور کبھی دو رکعات کے بعد نماز تہجد میں سلام پھیرا کرتے تھے۔ بہر حال یہ روایات تو نماز تہجد کے متعلق ہیں جو آپ گھر میں اکیلے ادا کیا کرتے تھے جس کو دیکھنے اور روایت کرنے والی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا معاملہ ہے لیکن غیر مقلد نے یہاں سادہ لوح لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ اس حدیث کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نماز تراویح سے ہے جس کو آپ نے تین راتیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو با جماعت پڑھائیں حالانکہ یہ سراسر دھوکہ ہے اور خیانت ہے گویا کہ غیر مقلد نے اس تین سطری عبارت میں ایک غلط بیانی اور ایک دھوکہ مزید سمو دیا۔

غیر مقلد مزید لکھتا ہے: یہ بھی ہم ثابت کر چکے ہیں کہ نماز تہجد اور نماز تراویح ایک ہی نماز کے دو نام ہیں جو نماز تہجد غیر رمضان میں ادا ہوتی تھی وہی نماز تہجد رمضان میں نماز تراویح ہوتی تھی۔ سید محمد انور شاہ کشمیری حنفی رحمہ اللہ کی تحقیق ملاحظہ فرمائیے۔

ولم يثبت في رواية من الروايات انه عليه السلام صلى التراويح والتهجد عليحدة في رمضان.

العرف الشذی ج 1 ص 166

یعنی کسی روایت سے ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان مبارک میں نماز تراویح اور نماز تہجد علیحدہ علیحدہ ادا کی ہو۔

تعداد مسنون تراویح ص 16

قارئین کرام! غیر مقلد کا یہ دعویٰ کہ "ہم ثابت کر چکے ہیں کہ نماز تہجد اور نماز تراویح ایک ہی نماز کے دو نام ہیں" غلط ہے۔ غیر مقلد نے اپنا یہ جھوٹا دعویٰ نہ تو اللہ کے قرآن سے ثابت کیا ہے اور نہ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے حالانکہ غیر مقلدین کے اصول صرف دو ہیں۔ قرآن وحدیث اور بس غیر مقلد کو چاہیے تھا کہ قرآن دکھاتے یا حدیث کہ نماز تہجد اور نماز تراویح ایک ہی نماز کے دو نام ہیں لیکن قرآن پیش کیا نہ حدیث۔

مرتا کیا نہ کرتا:

ہاں! مرتا کیا نہ کرتا کے اصول کے تحت غیر مقلد نے بعض ائمہ کرام کی اندھی تقلید کا پھندا اپنے گلے میں ڈال کر اور اپنے اصول کو توڑ کر ان کی عبارات سے ان کی منشاء کے خلاف من مانا مطلب کشید کر کے اپنے جھوٹے دعویٰ کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس سب کے باوجود اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے میں بری طرح ناکام رہا۔ افسوس کہ قرآن وحدیث بھی چھوڑا، اندھی تقلید کا پٹہ بھی گلے میں ڈالا، ائمہ کے اقوال نقل کر کے شرک فی الرسالہ کا ارتکاب بھی کیا لیکن دعویٰ پھر بھی ثابت نہ ہو سکا۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

غیر مقلد نے اپنے دعویٰ کو سچا کرنے کے لئے جتنی عبارات پیش کی ہیں ان کے مدلل جوابات پہلے گزر چکے ہیں تفصیل وہاں دیکھ لیں۔ کسی امام، کسی عالم، کسی بزرگ اور کسی فقیہ ومحدث نے نہیں کہا کہ نماز تہجد اور نماز تراویح ایک نماز کے دو نام ہیں۔ یہ بات صرف اور صرف غیر مقلدین کے منہ اور قلم سے نکلتی ہے جس کا قرآن وحدیث اور فقہ میں نام ونشان نہیں ہے نماز تہجد اور نماز تراویح کے دسیوں فرق آپ کی خدمت میں پہلے پیش کئے جا چکے ہیں نظر ثانی فرمالیں۔

باقی رہا! عرف الشذی کا حوالہ تو اس سے بھی غیر مقلد کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔
کیونکہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔ چنانچہ خود عرف الشذی میں شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات کا علم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پایا اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ بیس رکعات تراویح پر اجماع صحابہ ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں بیس رکعات سے کم کا کوئی امام بھی قائل نہیں ہے اور ملفوظات محدث کشمیری میں سید محمد انور شاہ فرماتے ہیں جو شخص بیس رکعات تراویح کا قائل نہیں ہے اور بیس رکعات نہیں پڑھتا اس کے دل میں بغض صحابہ ہے اور فیض الباری میں فرماتے ہیں کہ جو شخص بیس رکعات تراویح کا منکر اور تارک ہے اس کو اپنا انجام دیکھ لینا چاہیے۔

لہٰذا کسی شخص کو امام کشمیری کے نام سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے باقی حضرت کشمیری صاحب کا یہ فرمانا کہ جن راتوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح باجماعت پڑھی ان راتوں میں آپ سے تہجد علیحدہ پڑھنا ثابت نہیں ہے یہ بات انہوں نے اپنی معلومات کے مطابق کہی ہے کیونکہ سب کچھ جاننے والی تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے فوق کل ذی علم علیم۔ ہمارے علماء نے مسلم شریف سے ثابت کر دیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک نماز مسجد میں باجماعت پڑھی اور ایک نماز گھر جا کر پڑھی پہلی تراویح کی نماز تھی اور دوسری نماز تہجد تھی اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ بات ثابت ہے۔

ویسے یہ بات واضح اور ظاہر بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی رات تہائی رات تک اور دوسری رات آدھی رات اور تیسری رات سحری تک نماز تراویح باجماعت پڑھائی تو پہلی دو راتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیہ وقت کہاں خرچ کیا؟ جبکہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ساری رات جاگتے تھے اور بستر پر تشریف نہ لاتے تھے تو سوال یہ ہے کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیہ رات

یونہی بیٹھے بیٹھے گزار دی؟ حالانکہ خود سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بتاتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان ہو یا غیر رمضان نماز تہجد کی وتر سمیت گیارہ رکعات پڑھتے تھے تو کیا کسی روایت سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تہجد والا یہ معمول ان تین راتوں میں چھوڑ دیا؟

نہیں نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ معمول نہیں چھوڑا اور نہ ہی ترک معمول کی کوئی دلیل موجود ہے اور ثبوت کے لئے یہی معمول خود دلیل ہے باقی رہا آخری رات کا مسئلہ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح لمبی ہوئی تو ہمارے علماء فرماتے ہیں جبکہ آپ کی نماز تراویح اتنی طویل ہو گئی کے تہجد کے وقت میں داخل ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد؛ نماز تراویح کے ضمن میں ادا ہوئی اور آپ کی تراویح آپ کی تہجد کے قائم مقام بن گئی

پس ثابت ہوا کہ امام کشمیری رحمہ اللہ کی عبارت سے غیر مقلد کا مدعا ہرگز ثابت نہیں ہوتا بلکہ غیر مقلد امام کشمیری رحمہ اللہ کے نام پر سادہ لوح لوگوں کو خواہ مخواہ دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ امام کشمیری رحمہ اللہ نہ ان کے ہم نوا ہیں نہ ان کے ہم خیال بلکہ وہ تو بیس چھوڑنے کو بغض صحابہ کی علامت قرار دیتے ہیں العیاذ باللہ۔ یقین جانئے کہ قرآن وحدیث کو پس پشت ڈال کر خود ساختہ حدیثوں پر عمل کر کے اہل حدیث کہلوانے والوں کو امام کشمیری رحمہ اللہ اور دیگر کسی امام کے دامن میں پناہ نہیں مل سکتی اور نہ ان کو کسی امام کے دامن میں پناہ لینے کا حق ہے کیونکہ یہ لوگ خود تو کہتے ہیں کہ اماموں کی تقلید شرک ہے اور پھر وہی تقلید خود کرنے لگ جاتے ہیں اور خود کہتے ہیں کہ قیاس، کارِ شیطان ہے پھر قیاس آرائی کر کے نماز تہجد اور نماز تراویح کو ایک بنانے لگ جاتے ہیں۔

لہٰذا ان کو چاہیے کہ ایسے شرک اور ایسے کار شیطانی سے بچ کر اپنا مدعا صرف اور صرف قرآن وحدیث سے ثابت کریں کہ نماز تہجد اور نماز تراویح ایک نماز کے دو نام ہیں جو غیر مقلد قرآن وحدیث کی بجائے اماموں کی عبارات پیش کرتا ہے وہ بقول خود تقلیدی شرک

میں مبتلا ہے اور جو قیاس آرائی سے کام چلاتا ہے وہ بقول خود کار شیطان میں پھنسا ہے۔ اعاذنا اللہ و جمیع المسلیمن۔ غیر مقلد نے اپنے رسالہ میں آخری جملہ یہ تحریر کیا ہے "فافهم فلا تكن من المتعصبين"

تعداد مسنون تراویح ص16

بندہ عاجز جواباً عرض کرتا ہے: اتأمرون الناس بالبر و تنسون انفسكم افلا تعقلون...... لم تقولون مالا تفعلون..... كبر مقتا عند الله ان تقولوا مالا تفعلون

دیگراں را نصیحت خود را فضیحت

الحمدللہ غیر مقلد کے رسالہ کا جواب مکمل ہوا۔ الحمدلله على حسن التوفيق حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه.

17 ذیقعدہ ۱۴۲۰ ابمطابق 2000-02-24

ضمیمہ:

قارئین کرام! غیر مقلد کے سولہ صفحات والے رسالہ "تعداد مسنون تراویح" کا جواب تو مکمل ہو گیا اس کی ہر دلیل ہر جرح اور ہر اعتراض کا مدلل و مسکت جواب دیا گیا اور صحابہ و تابعین کے صحیح اور قوی آثار و روایات سے بیس رکعات تراویح کو ثابت کیا گیا لیکن چند مزید دلائل اور مفید باتیں جن کا تعلق مسئلہ تراویح سے ہے آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے تا کہ آپ کو اس مسئلہ میں مزید بصیرت حاصل ہو جائے۔

بیس تراویح کے چند دلائل:

1 عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص294، بیہقی ج2 ص496، معجم کبیر ج11 ص393، مسند عبد بن حمید ص218

ترجمہ : حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعات اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

2 عن جابر بن عبد اللہ قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فی رمضان فصلی الناس اربعۃ وعشرین رکعۃ واوتر بثلاث۔

تاریخ جرجان لابی قاسم حمزہ بن یوسف السہمی متوفی 728 ہجری ص275

ترجمہ : حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رمضان المبارک میں ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چوبیس رکعات (چار عشاء کے فرض اور بیس تراویح) پڑھائی اور تین رکعات وتر پڑھے۔

مذکورہ بالا صحیح روایتوں میں بیس رکعات تراویح کی تصریح موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بیس رکعات نماز

تراویح پڑھائی۔ انہی روایات کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیس رکعات پر اجماع کیا انہی کے پیش نظر سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم پایا تب بیس کا حکم دیا اور انہی روایات کی وجہ سے کسی صحابی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض نہیں کیا۔ بعض لوگ خواہ مخواہ ان روایت کی سندات کی بحث شروع کر دیتے ہیں اور بعض رواۃ پر جرح کرنے لگ جاتے ہیں حالانکہ یہ حدیثیں، تلقی بالقبول، تعامل امت، اجماع صحابہ اور استدلال مجتہدین وغیرہ کے ذریعہ صحت کا وہ مقام حاصل کر چکی ہیں کہ ان اسناد اور رواۃ کی دیکھنے اور پرکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تلقی بالقبول وغیرہ کی تصدیق، تائید اور تصحیح نے ان کو اسناد سے بے نیاز کر دیا ہے جن علماء نے ان حدیثوں کو سند کے لحاظ سے ضعیف کہا ہے یہ ان کی ایک فنی بحث ہے جو انہوں نے لکھ دی ورنہ ضعیف کہہ کر ان کا مقصد اس کو ناقابل قبول بنانا نہیں ہے بلکہ وہ فنی لحاظ سے اس کی سند کو ضعیف کہنے کے باوجود اس کو دلیل، حجت اور قابل قبول سمجھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ فنی طور پر سند کو ضعیف کہنے والے علماء سب کے سب بیس رکعات تراویح کے قائل اور بیس پر عمل کرنے والے ہیں پس اگر ان کا مقصد ان کو ناقابل بنانا ہوتا تو وہ خود بیس کے عامل اور قائل نہ ہوتے پس معلوم ہوا کہ تلقی بالقبول وغیرہ کی وجہ سے یہ حدیث صحیح اور قابل قبول ہے ایسی روایتوں کے راویوں پر جرح کرنا فضول ہے۔ یہاں سے غیر مقلدین کا دھوکہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ ان حدیثوں کے متعلق علماء کے یہ اقوال تو نقل کرتے ہیں کہ فلاں نے کہا، یہ روایت ضعیف، فلاں نے کہا اس کا فلاں راوی مجروح ہے لیکن یہ نہیں بتلاتے کہ ضعیف کہنے والوں اور جرح کرنے والوں کا مسلک کیا ہے؟ وہ خود کتنی رکعات تراویح کے قائل تھے اور کتنی پڑھتے تھے؟

پس ان کی جرح نقل کرنا اور ان کے اپنے عمل کو چھپانا خالص دھوکہ ہے ورنہ غیر مقلد کسی ایک عالم کا نام بحوالہ بتائیں کہ اس نے ان روایات کو ضعیف کہہ کر بیس رکعات چھوڑ

کر آٹھ پر عمل کیا ہو۔ ان شاء اللہ اسلام کی پوری چودہ سو سالہ تاریخ میں کوئی ایک عالم بھی ایسا نہ ملے گا اگر غیر مقلد ہمارے علماء سے سوال کریں کہ کوئی ایسا عالم دکھاؤ جس نے بیس والی روایت کو ضعیف کہنے کے باوجود بیس پر عمل کیا ہو تو بندہ عاجز عرض کرے گا کہ غیر مقلد نے اپنے رسالہ میں جتنے علماء کا نام لے کر عوام الناس کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے وہ سارے کے سارے بیس کے قائل تھے اگرچہ انہوں نے ان کی سند کو ضعیف کہا لیکن عمل اور قول بیس کا کیا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ مذکورہ روایتیں تلقی بالقبول، تعامل امت اور اجماع صحابہ کی وجہ سے ضعف سے صحیح اور قابل عمل ہیں، چاہے سند کیسی بھی ہو۔ کیونکہ محدثین نے اصول بتایا ہے کہ سند کے ضعیف ہونے سے حدیث کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا۔

تدریب الراوی للسیوطی

<u>نوٹ :</u> اس اصول کی چند نظائر سابقہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔

3 شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں: لیکن ایک اور علامت جو آج تک چلی آرہی ہے رکوع کی علامت ہے اور اس کی تعیین قرآن کریم کے مضامین کے لحاظ سے کی گئی ہے یعنی جہاں ایک سلسلہ کلام ختم ہوا وہاں رکوع کی علامت (حاشیہ پر حرف ع) بنا دی گئی۔ احقر کو جستجو کے باوجود مستند طور پر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ رکوع کی ابتداء کس نے اور کس دور میں کی ؟ البتہ یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ اس علامت کا مقصد آیات کی ایسی متوسط مقدار کی تعیین ہے جو ایک رکعت میں پڑھی جا سکے اور اس کو "رکوع" اسی لئے کہتے ہیں کہ نماز میں اس جگہ پہنچ کر رکوع کیا جائے پورے قرآن میں 540 رکوع ہیں اسی طرح اگر تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے تو ستائیسویں شب میں قرآن ختم ہو سکتا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیریہ فصل فی التراویح ج1 ص94)

مقدمہ تفسیر معارف القرآن ص46

قارئین! اگر تراویح کی بیس رکعات ہوں تو ہر رکعت میں ایک رکوع تلاوت کرنے سے ستائیسویں شب کو قرآن مجید کا ختم ہوتا ہے اگر تراویح آٹھ رکعات فرض کرلی جائیں تو اس ترتیب سے آدھا ختم بھی ناممکن ہے پس جس دور میں "رکوع" کی علامت قرآن مجید کے حاشیہ پر لگائی گئی اس دور کے تمام مسلمانوں میں بیس رکعات تراویح پڑھنے کا عام رواج تھا یقیناً بیس کا یہ علم انہوں نے پہلے والے مسلمانوں سے حاصل کیا تھا اور بعد کے مسلمانوں نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ پس رکوع کی علامت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور کے مسلمان بیس تراویح کے قائل اور عامل چلے آرہے ہیں اور یہ عملی تسلسل بیس تراویح کی ایک وزنی دلیل ہے۔

اجماعِ امّت کی شرعی حیثیت:

آپ پڑھ چکے ہیں کہ بیس رکعات تراویح پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پوری امت کا اجماع ہے اور اجماع بھی ایک "شرعی حجت" ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔

سورۃ نساء آیت نمبر 115

ترجمہ: اور جو شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ آیت مذکورہ بالا کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اس آیت میں دو چیزوں کا جرم عظیم اور دخولِ جہنم کا سبب ہونا بیان فرمایا ہے۔ نمبر ایک مخالفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ ظاہر ہے کہ مخالفت رسول کفر اور وبال عظیم ہے دوسرے جس کام پر سب مسلمان متفق ہوں اس کو چھوڑ کر ان کے خلاف کوئی راستہ

اختیار کرنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اجماعِ امت حجت ہے یعنی جس طرح قرآن وسنت کے بیان کردہ احکام پر عمل کرنا واجب ہے اسی طرح امت کا اتفاق جس چیز پر ہو جائے اس پر بھی عمل کرنا واجب ہے اور اس کی مخالفت گناہ عظیم ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا۔ ید اللہ علی الجماعۃ من شذ شذ فی النار، یعنی جماعت کے سر پر اللہ کا ہاتھ ہے اور جو شخص جماعت مسلمین سے علیحدہ ہو گا وہ علیحدہ کر کے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا اجماعِ امت کے حجت ہونے کی دلیل قرآن مجید میں ہے؟ آپ نے قرآن سے دلیل معلوم کرنے کے لئے تین روز تک مسلسل تلاوت قرآن کو معمول بنایا ہر روز دن میں تین مرتبہ اور رات میں تین مرتبہ پورا قرآن ختم کرتے تھے بالآخر یہ مذکورہ آیت ذہن میں آئی اور اس کو علماء کے سامنے بیان کیا۔ تو سب نے اقرار کیا کہ اجماع کی حجیت پر یہ دلیل کافی ہے۔

معارف القرآن ج2 ص547،546

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ آیت مذکورہ بالا کی تفسیر میں " حجیت اجماعِ امت " کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں: اُصولِ شریعت چار ہیں: کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماعِ امت اور قیاس۔ اجماع کے معنٰی لغت میں اتفاق رائے کے ہیں اور اصطلاحِ شریعت میں ایک زمانہ میں مجتہدین اور علماء ربانیین اور راسخین فی العلم کا کسی دینی امر پر اتفاق رائے کر لینے کا نام "اجماع" ہے اور جس طرح قرآن وحدیث حجت ہیں اسی طرح اجماع بھی حجت ہے اور اجماع کی حجیت کتاب وسنت اور اجماعِ امت اور قیاسِ عقلی سے ثابت ہے منجملہ ان آیات قرآنیہ کے جن سے علماء نے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا یہ آیت ہے یعنی وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفت کرے یا مسلمانوں کی راہ کو چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرے تو اس کا انجام جہنم ہے۔ معلوم ہوا کہ جس راہ کو مسلمانوں نے

اختیار کیا اور اُسی کا ترجمہ اجماع ہے اس کی مخالفت ایسی ہی موجب عذاب ہے جیسے رسول کی مخالفت موجب عذاب ہے پس جس طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم حجت اور واجب التسلیم ہے اسی طرح اجماع بھی حجت اور واجب التسلیم ہوگا اور حدیث میں ہے لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى ضَلَالَةٍ یعنی میری امت گمراہی پر اجماع نہیں کر سکتی۔ معلوم ہوا کہ جو حکم اجماع سے ثابت ہوگا وہ سراسر ہدایت ہی ہوگا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض علماء نے اس حدیث کو متواتر المعنٰی کہا ہے یعنی اس مضمون کی حدیثیں اس کثرت سے آئی ہیں کہ سب سے مل کر یہ مضمون حدِ تواتر کو پہنچ جاتا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے بہت غور و فکر کے بعد اس آیت سے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے اور وہ بہترین اور نہایت قوی استنباط ہے۔

تفسیر ابن کثیر ج1 ص555

اور حدیث میں ہے ید اللہ علی الجماعۃ من شذ شذ فی النار اخرجہ الترمذی یعنی جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوا وہ علیحدہ ہی جہنم میں جائے گا (ترمذی) اور خلفاء راشدین خصوصاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ رہا کہ جب کسی مسئلہ میں اشکال پیش آتا تو جو صحابہ اہل الرائے اور اہل فقہ تھے ان کو جمع کر کے مشورہ کرتے اور جس پر وہ متفق ہو جاتے اس کے مطابق حکم صادر فرماتے اور قیاس عقلی و فطری کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اجماع کو حجت مانا جائے۔"

تفسیر معارف القرآن ادریسی ج2 ص158

پس آیت مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ اجماعِ امت حجت شرعیہ ہے اسی طرح احادیث شریفہ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ اجماعِ امت حجت ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ

اللّٰهَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ اَوْ قَالَ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی ضَلَالَۃٍ وَیَدُ اللّٰہِ مَعَ الْجَمَاعَۃِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ اِلَی النَّارِ۔

ترمذی شریف ج2 ص39

نوٹ: یہ روایت تھوڑے لفظی اختلاف کے درج ذیل کتب میں بھی موجود ہے:

ابوداؤد ج2 ص234، سنن دارمی ج1۔42، ابن ماجہ ص292، جامع صغیر للسیوطی ج1 ص87

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ میری امت کو...... یا فرمایا...... امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔

جماعت کو لازم پکڑنے کی تاکید اور جماعت سے راہ تفرد اختیار کرنے کی مذمت بکثرت حدیثوں میں وارد ہے۔ اسی لئے تو مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے بحوالہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرمایا ہے کہ اجماعِ امت کی حجیت پر دلالت کرنے والی روایات مضمون کے لحاظ سے متواتر المعنٰی ہیں۔

اجماعِ امت کی حجیت کے دلائل اور بھی بہت ہیں لیکن بندہ عاجز انہیں پر اکتفا کرتا ہے۔ الغرض اجماعِ امت کے حجت ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے اس مسئلہ کی تحقیق مزید کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ فرمائیں:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی منہاج السنۃ ج1 ص256	امام ابن قیم رحمہ اللہ کی اعلام الموقعین ج1 ص67
امام ابن قیم رحمہ اللہ کی بدائع الفوائد ج4 ص77	امام سبکی رحمہ اللہ کی طبقات سبکی ج1 ص264
علامہ عینی رحمہ اللہ کی عمدۃ القاری ج3 ص223	امام آمدی رحمہ اللہ کی کتاب احکام ج2 ص140
شیخ محدث دہلوی کی کتاب ازالۃ الخفاء ج1 ص116	غیر مقلدین کی مشہور کتاب یسر من رائی ج2 ص48

قارئین کرام! جب ثابت ہو گیا کہ بیس تراویح پر پوری امت کا اجماع ہے اور اجماع ایک حجت شرعی ہے تو بیس تراویح پر اعتقاد رکھنا اور اس پر عمل کرنا لازمی اور ضروری ہے

کیونکہ آٹھ تراویح کا قول خرق للاجماع، یعنی خلاف اجماع ہے اور انکار اجماع کا ادنیٰ درجہ گمراہی ہے۔ اعاذنا اللہ و جمیع المسلمین پس بیس تراویح کا انکار کر کے آٹھ تراویح کا پرچار کرنا کسی طرح بھی گمراہی سے کم نہیں ہے۔

بیس تراویح کا تارک گناہ گار ہے:

یہ بات کتاب و سنت کے روشن دلائل سے ثابت شدہ ہے کہ بیس رکعات تراویح سنت مؤکدہ ہے کیونکہ اس پر صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی ہمیشگی ثابت اور جس کام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی ہمیشگی ہو وہ کام سنت موکدہ کہلاتا ہے پس بیس تراویح خلفاء راشدین کی ہمیشگی کی وجہ سے سنت مؤکدہ ہے اور ظاہر ہے کہ سنت مؤکدہ کا تارک گناہ گار ہے چنانچہ حضرت مولانا علامہ عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ ہدایہ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں فمودی ثمان رکعات تارکاً للسنة المؤکدة یعنی (صرف) آٹھ رکعات پڑھنے والا سنت مؤکدہ کا تارک ہے۔

حاشیہ ہدایہ ج 1 ص 131

اور مؤطا امام محمد کے حاشیہ پر لکھتے ہیں: قوله تطوعاً اطلاق التطوع على التراويح باعتبار انها زائدة على الفرائض وبهذا المعنى يطلق التطوع على جميع السنن فلا ينافي ذلك كونه سنة مؤكدة كما صرح به الجمهور من اصحابنا وغيرهم اخذ من المواظبة النبوية الحكميه ومن المواظبة الحقيقية من الصحابة ومن المواظبة التشريعة من الخلفاء۔

التعلیق الممجد علی مؤطا محمد ص 143

یعنی تطوع کا اطلاق تراویح پر اس اعتبار سے ہے کہ یہ تراویح فرائض سے ایک زائد نماز ہے اور اسی معنی کے لحاظ سے "تطوع" کا اطلاق تمام سنتوں پر ہوتا ہے۔ پس اس معنیٰ کی وجہ سے یہ اطلاق تراویح کی سنت موکدہ ہونے کے منافی نہیں ہے جس طرح کہ ہمارے اصحاب اور

دوسرے حضرات کے جمہور نے اس بات کی تصریح کردی ہے (کہ نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے) یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت حکمیہ اور صحابہ کرام کی مواظبت حقیقیہ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی مواظبت تشریعیہ سے حاصل کی گئی ہے۔

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں: وقد نصصت فی تعلیقاتی علی الھدایۃ انہ آثم لترکہ سنۃ الخلفاء.

السعایہ ج 1 ص 168

اور تحقیق میں نے ہدایہ کے حاشیہ میں واضح کردیا ہے کہ آٹھ رکعات تراویح پر اکتفا کرکے بیس تراویح کو چھوڑنے والا گنہگار ہے اس لئے کہ وہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کا تارک ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیس رکعات تراویح اہل حق کی پہچان اور اہل بدعت سے مابہ الامتیار ہے لہٰذا بیس تراویح کی حفاظت وپابندی ضروریات سے ہے۔

فتاویٰ عزیزی ص 119

مترجم ہدایہ جسٹس امیر علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لیکن محصل یہ ضرور نکلا کہ بیس رکعات میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت قولی وفعلی اور خلفائے راشدین کی سنت اور مسلمانوں کا اتفاق سب جمع ہیں اور اگر آٹھ پر اختصار کیا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور سنت خلفاء راشدین وجماعت مسلمین سے مخالفت لازم ہے اور ادنی درجہ اس کا کراہیت اساءت ہے۔"

عین الھدایہ ترجمہ ہدایہ ج 1 ص 723

غیر مقلدین کے مشہور عالم تلمیذ سید نذیر حسین دہلوی حضرت مولانا غلام رسول قلعہ میہان سنگھ والے بیس رکعات تراویح کے منکر اور آٹھ کے مدعی کو "غالی مفتی" کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ "غلو فی الدین" حرام اور بہت بڑا گناہ ہے۔

رسالہ تراویح مترجم ص28

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي صاف بتلا رہی ہے کہ اصحاب رضی اللہ عنہم کے تعامل کو نہیں چھوڑنا چاہیے ورنہ یہ صریح دلیل ہے صحابہ کے بغض کی۔ العیاذ باللہ۔

ملفوظات محدث کشمیری ص365

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں نَفْقِيَامُ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرِ هُوَ السُّنَّةُ الْمُؤَكَّدَةُ يُضَلَّلُ تَارِكُهَا وَيُلَامُ مَنْ نَقَصَ عَنْهَا.

اعلاء السنن ج7 ص47

یعنی قیام رمضان بیس رکعات مع وتر سنت موکدہ ہے اس کا تارک گمراہ ہے اور گھٹانے والا قابل ملامت۔

پس مذکورہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ بیس رکعات تراویح سنت موکدہ ہے۔ اور اس کا تارک، منکر اور آٹھ پڑھ کر نمازیوں کی صفوں کو چیر کر بھاگ کھڑا ہونے والا اور بیس تراویح چھوڑنے والا، گمراہ، گناہ گار، غالی اور قابل ملامت ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کو ہر قسم کی گمراہی، بے راہ روی اور غلو فی الدین سے محفوظ رکھے آمین۔

غیر مقلدین کا ایک بے ہودہ سوال:

غیر مقلدین اہل السنت والجماعت سے ایک بے ہودہ اور فضول سوال کرتے ہیں کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح پڑھی تھی؟ کیا وہ تراویح کی جماعت میں شامل ہوتے تھے؟ لیکن یہ سوال فضول ہے۔ کیونکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء سے بیس

رکعات کا حکم دینا اور بیس رکعات کا اہتمام کرنا اور باقاعدہ جاری کرنا صحیح سندوں کے ساتھ ثابت ہے تو ایسے سوال کرنے کا سوائے مغالطہ آمیزی اور انتشار پیدا کرنے کے کوئی اور مقصد نہیں بن سکتا۔ یہ تو ایسے ہیں جیسے کوئی شخص سوال کرے کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان دینا اور تکبیر کہنا ثابت ہے؟ حالانکہ اذان وتکبیر کی سنت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جاری ہوئی اور پوری زندگی یہ عمل آپ کی مرضی ومنشاء کے مطابق آپ کے سامنے ہوتا رہا اور اسی کو علماء اسلام مواظبت تشریعی کہتے ہیں اور علماء نے تصریح کی ہے کہ بیس رکعات تراویح پر خلفاء راشدین کی مواظبت یعنی ہمیشگی ہے۔ پس ایسی صورت حال میں یہ سوال کرنا کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح پڑھی تھی؟ یقیناً فضول اور بے ہودہ ہے اور ایک قسم کی فتنہ انگیزی ہے اور نماز تراویح کی حیثیت واہمیت کو گھٹانے کی ایک ناپاک سازش ہے۔

ویسے امام احمد رحمہ اللہ نے تصریح بھی کردی ہے کہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم نماز تراویح جماعت کے ساتھ ادا فرمایا کرتے تھے۔

المغنی لابن قدامہ

ایک بے بنیاد وبے دست وپا روایت کا سہارا:

غیر مقلدین اپنی اختراع کردہ آٹھ رکعات کو ثابت کرنے کے لئے مندرجہ ذیل روایت کا سہارا لیتے ہیں کیونکہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کی مثل بہت مشہور ہے۔

وہ ایک حکایت ہے جس کو امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے امام سبکی رحمہ اللہ کے حوالہ سے اپنی کتاب "المصابیح" میں نقل کیا ہے کہ "ہمارے اصحاب میں سے الجوری" نے مالک سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا جس چیز پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا مجھے وہ پسند ہے اور وہ گیارہ رکعات ہیں اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے۔ اس کو کہا گیا وتر سمیت گیارہ رکعت؟ کہا جی ہاں اور تیرہ رکعات قریب ہے۔

المصابیح شامل الحاوی للفتاوی ج 1 ص 350

قارئین کرام! اس بے سند، بے بنیاد اور بے دست و پا حکایت کو دلیل اور حجت بنا کر غیر مقلدین امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے۔ حالانکہ مذکورہ بالا حکایت کے ناقل "الجوری" کی تاریخ پیدائش طبقات شافعیہ میں 238 ہجری لکھی ہے یعنی امام مالک رحمہ اللہ سے تقریبا 59 سال بعد کیونکہ امام مالکؒ کی تاریخ وفات 179 ہجری ہے۔ الجوری صاحب نے نہ تو امام مالک رحمہ اللہ کو دیکھا اور نہ ان کا زمانہ پایا نامعلوم درمیان میں کتنے واسطے چھوٹے ہوئے ہیں اور وہ واسطے کیسے ہیں؟ اسی طرح امام سیوطی رحمہ اللہ جو کہ "الجوری" سے اس حکایت کے ناقل ہیں ان کا سنہ وفات 911 ہجری ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام سیوطی اور الجوری کے درمیان کئی صدیوں کا طویل فاصلہ ہے اور نامعلوم درمیان میں کتنے واسطے ہیں جو مجہول ہی مجہول ہیں۔ لیکن کمال ہے غیر مقلدین کا کہ ایسی بے بنیاد حکایت کو اپنی دلیل بناتے ہیں۔

بالفرض امام مالک رحمہ اللہ آٹھ کے قائل ہوتے تو ان کا کوئی شاگرد آٹھ کو نقل کرتا ان کی مدونہ فقہ میں آٹھ کا قول ملتا امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی کتاب میں امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرتے۔ حالانکہ امام مالک کی مدونہ فقہ میں یہ قول نہیں ملتا۔ ان کے کسی شاگرد نے یہ قول نقل نہیں کیا امام ترمذی نے امام مالک کا یہ مذہب نقل نہیں کیا۔ اس بات کا ناقل صرف اور صرف الجوری ہے جو کہ امام مالک کی وفات کے 59 سال بعد پیدا ہوا اور اس سے پھر نقل کرنے والے امام سبکی اور امام سیوطی ہیں جو ان کے سینکڑوں سال بعد دنیا میں تشریف لائے۔

کوئی غیر مقلد بتا سکتا ہے کہ مالکیوں نے کبھی ایک رات کے لئے اس حکایت پر عمل کیا ہے؟ جبکہ حوالہ پہلے گذر چکا ہے کہ امام مالک کے تمام مقلدین مشرق اور مغرب میں بیس تراویح پر مسلسل عمل کرتے چلے آرہے ہیں کیا امام مالک کے مقلدین کو اپنے امام کا مذہب معلوم نہ ہو سکا اور غیر مقلدین کو معلوم ہو گیا؟

حقیقت یہ ہے کہ حکایت بے سند اور بے بنیاد ہونے کی وجہ سے نا قابل اعتبار ہے حضرت یزید بن رومان اور حضرت یحیی بن سعید وغیرہ سابقین کی مراسیل معتضدہ کو رد کرنے والے غیر مقلدین نامعلوم کس طرح اپنی عقل کی آنکھوں کو بند کر کے ایک بے سند و بے بنیاد بات کو تسلیم کر لیتے ہیں اور اس پر اپنے مذہب کی عمارت کھڑی کر لیتے ہیں اور پھر اپنے اس جھوٹ کو سچ کر ثابت کرنے کے لئے کبھی تو الجوری کو الجوزی کو الجوزی اور کبھی ابن الجوزی بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ جو کچھ بھی کیا جائے بات تو وہی ایک ہے کہ اس حکایت کی سند ہی نہیں ہے اگر بالفرض اس سند بات کو مان بھی لیا جائے تو کیا غیر مقلدین کے نزدیک امام مالک کی بات حجت ہے؟ کیا غیر مقلدین کے نزدیک امام مالک کی تقلید جائز ہے؟ پھر یہ جھوٹی حکایت کیوں پیش کرتے ہیں؟ وجہ یہ ہے کہ تمام علماء اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے اقوال میں حق محصور ہے کسی بھی مسئلہ میں ائمہ اربعہ کے اقوال سے خروج جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے "خرق اجماع" لازم آتا ہے پس اس خرق اجماع کے الزام سے بچنے کے لئے غیر مقلدین نے اس جھوٹی حکایت کا سہارا لیکر امام مالک رحمہ اللہ کو اپنا ہم مذہب بنانے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ غیر مقلدین صرف مسئلہ تراویح میں نہیں بلکہ دیگر کئی مسائل میں خرق اجماع کا ارتکاب کر چکے ہیں حتی کہ بعض مسائل میں روافض سے بھی الحاق کر چکے ہیں۔ مذکورہ بالا حکایت کے غلط ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے امام سبکی رحمہ اللہ کے حوالہ سے جو اقتباس اپنی کتاب " المصابیح" میں نقل کیا ہے اس کے اول میں یہ عبارت درج ہے کہ " مذھبنا ان التراویح عشرون رکعة لما روی البیھقی وغیرہ بالاسناد الصحیح عن السائب بن یزید الصحابی، قال کنا نقوم علی عھد عمر ،بعشرین رکعة . -

المصابیح ص350

یعنی ہمارا مذہب یہ ہے کہ نماز تراویح بیس رکعات ہے اس لئے کہ امام بیہقی وغیرہ نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے

روایت کی ہے کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بیس رکعات پڑھا کرتے تھے اور پھر اس حکایت کے بعد یہ عبارت لکھی ہے کہ "استقرار العمل علی ھذا" یعنی بالآخر بیس رکعات تراویح پر بات پختہ ہوئی۔ پس امام سبکی اور امام سیوطی رحمہا اللہ کا مذکورہ بالا حکایت کو ان دو عبارتوں کے درمیان رکھنا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ آٹھ والی حکایت صحیح نہیں ہے بلکہ بیس رکعات تراویح ہمارا مذہب ہے اور استقرار سب مسلمانوں کا بیس ہی پر ہے اور بیس ہی کی بات پختہ ہے۔

بہر حال ائمہ اربعہ امام مالک سمیت بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں اور ان سب کے مقلدین عملاً بیس رکعات تراویح پڑھتے ہیں امام مالک رحمہ اللہ کی طرف بیس سے زائد کی جو نسبت کی جاتی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ ترویحین کے درمیان مطلق نوافل کو نماز تراویح میں شمار کر کے تعداد بتائی گئی ہے جیسا کہ حدیثوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد میں وتروں کی تین رکعات کو شمار کر کے تعداد بتائی گئی ہے ورنہ امام مالک رحمہ اللہ بھی بیس تراویح کے ہی قائل ہیں کیونکہ آٹھ رکعات تراویح کا موجد تو مولوی محمد حسین بٹالوی غیر مقلد ہے۔ جس نے آٹھ رکعات تراویح اختراع کر کے ایک نئی راہ اختیار کی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا دامن تو آٹھ کی اختراع سے پاک و منزہ ہے۔

غیر مقلدین، الجوری، الجوزی اور ابن الجوزی کی اندھی تقلید کے چاہے جتنے پٹے بھی اپنے گلے میں ڈال کر زور لگائیں ان شاء اللہ اس حکایت مکذوبہ کی صداقت ثابت نہیں ہو سکے گی

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
کبھی خوشبو آ نہیں سکتی کاغذ کے پھولوں سے

غیر مقلدین کو تکثیر صلوۃ سے چڑ ہے:

ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے غیر مقلدین کو کثرت صلوۃ سے کچھ چڑ ہے کیونکہ :

1 فرض نمازوں کے بعد نوافل یہ نہیں پڑھتے الاماشاء اللہ۔

2 شب برات میں نوافل پڑھنے کو یہ بدعت کہتے ہیں۔(فتاوی ستاریہ ج1ص59)

3 وتر تین کی بجائے ایک رکعت پڑھنے پر یہ اکتفاء کرتے ہیں۔

4 تراویح بیس رکعات کے بجائے آٹھ رکعات پر یہ زور دیتے ہیں۔

5 تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کو یہ اچھا نہیں سمجھتے۔

6 مسافر کے لئے حالت فرصت واطمینان میں سنتیں پڑھنے کے یہ قائل نہیں ہیں۔

7 اگر کسی منافی صلوۃ عمل کرنے سے نماز فاسد بھی ہو جائے تاہم صرف سجدہ سہو پر اکتفاء کر لینے کو یہ کافی سمجھتے ہیں اسے لوٹانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے۔

8 اگر بے وضو یا جنبی امام نماز پڑھادے تو ان کے یہاں مقتدیوں کو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

9 کسی نے جان بوجھ کر نمازیں نہ پڑھی ہوں تو ان نمازوں کی ان کے یہاں قضا نہیں ہے صرف توبہ کافی ہے۔

10 جمعہ کے دن جمعہ کے بعد صرف دو رکعات پڑھ کر یہ راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔

11 جمعہ اور عید دونوں ایک دن اکٹھے ہو جائیں تو جمعہ کی نماز میں ان کے یہاں رخصت ہے۔ مرضی ہے پڑھو یا نہ پڑھو۔ فالی اللہ المشتکی.

حدیث اور اہلحدیث ص842

❖ ان سب باتوں کا مجموعہ صرف اور صرف غیر مقلدین میں پایا جاتا ہے۔

علماء اہل السنت والجماعت کے غیر مقلدین سے چند سوالات:

1 موجودہ دور کے غیر مقلدین آٹھ رکعات تراویح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ثبوت میں بخاری شریف کی تہجد والی حدیث پیش کرتے ہیں جبکہ

غیر مقلدین کے سلف کہتے ہیں کہ تراویح کی تعداد معین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے اب سوال یہ ہے کہ کیانواب صدیق حسن خان، مہر نور الحسن خان، مولوی وحید الزمان خان، قاضی شوکانی اور امام ابن تیمیہ نے بخاری شریف نہیں پڑھی تھی؟ بتلائیں کہ آپ کو زیادہ علم ہے یاان حضرات کو۔

2 اول شب ثلث شب تک اور دوم شب نصف شب تک نماز تراویح پڑھی گئی اگر وہ آٹھ رکعات تھی تو بقیہ شب آپ نے کیا کیا؟ کچھ پڑھایا ویسے خاموش بیٹھے رہے؟ حالانکہ حدیث میں ہے "احیی لیلہ" یعنی آپ ساری رات جاگتے رہے۔

3 عہد فاروقی سے لے کر آج تک تمام مسلمان بیس رکعات تراویح کے قائل اور عامل چلے آرہے ہیں اور کسی مسجد میں آٹھ کی جماعت نہیں ہوتی تھی اگر کسی مسجد میں آٹھ کی جماعت ہوتی ہو تو واضح کریں۔

4 نواب صدیق حسن خان غیر مقلد فرماتے ہیں کہ بیس رکعات تراویح پڑھنے والا بھی عامل سنت ہے کیا آپ کے نزدیک نواب صدیق حسن نے صحیح کہا ہے یاغلط؟

5 غیر مقلدین بیس رکعات تراویح کے جن دلائل پر جرح کرتے ہیں کیا وہ جرح اصول حدیث کے مطابق صحیح ہے یاغلط؟ مدلل جواب دیں۔

6 حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کبھی مسجد کے اندر آٹھ رکعات تراویح کی جماعت ہوئی ہو تو ثبوت پیش کرو۔

7 حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آٹھ رکعات تراویح کی جماعت ہوتی ہو تو ثبوت پیش کرو۔ اس دور میں اگر کسی نے بیس کا انکار کیا ہو تو اس کا نام بتاؤ؟

8 سلف صالحین میں سے کس نے مسجد میں آٹھ رکعات تراویح باجماعت پڑھی؟ کس شہر میں؟ اور کس سنہ میں آٹھ کی جماعت ہوئی؟

9 جن تین راتوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تراویح باجماعت پڑھائی۔ آخری رات آپ نے اپنی نماز کو اتنا لمبا کیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سحری کے فوت ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہوا۔ اور بخاری شریف میں ہے "انما یوخذ من فعل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الآخر فالآخر" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل کو لیا جائے گا اس پر عمل کیا جائے گا۔ پس غیر مقلدین بتائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس آخری رات والے عمل کو کیوں نہیں اپناتے اور ساری رات نماز تراویح کیوں نہیں پڑھتے ہیں حالانکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ہے اور امام بخاری فرماتے ہیں کہ آخری عمل کو لیا جائے گا۔

10 جن تین راتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح باجماعت پڑھائی کیا کسی صحیح حدیث میں تصریح موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں آٹھ رکعات تراویح پڑھائی ہے اگر آٹھ کی تصریح موجود ہے تو صحیح حدیث دکھاؤ؟

11 جس طرح نماز پنج گانہ کے نام صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں اسی طرح قیام رمضان کا نام " نماز تراویح" کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے؟ اگر لفظ تراویح کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے تو پیش کرو۔

12 غیر مقلدین کہتے ہیں کہ " تراویح اور تہجد ایک نماز ہے" اپنا یہ دعویٰ قرآن کی کسی آیت یا حدیث صحیح سے ثابت کریں۔ اپنے قیاسات لکھ کر بقول خود شیطان نہ بنیں، امتیوں کے اقوال لکھ کر بقلم خود مشرک نہ بنیں۔

13 کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک نماز کا نام گیارہ مہینے تہجد ہے اور بارہویں مہینے تراویح ہے؟

14 کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ نماز گیارہ مہینے نفل ہے اور بارھویں مہینے سنت ہے؟

15 کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ گیارہ مہینے اس نماز کا وقت رات کا آخری حصہ ہے اور بارھویں مہینے اس کا وقت عشاء کے فوراً بعد ہے؟

16 کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ گیارہ ماہ اس نماز کو اکیلا پڑھو اور بارھویں مہینے باجماعت پڑھو۔

17 ایک شخص نے ساری عمر میں تین راتوں میں نماز تراویح باجماعت پڑھی ہے اب نہیں پڑھتا ہے کیا ایسا آدمی گنہگار ہے؟ دلیل سے جواب دو۔

18 ایک آدمی نماز تراویح کو نماز تہجد کی طرح نفل سمجھتا ہے اور پوری زندگی نہ تہجد پڑھی نہ تراویح کیا یہ شخص گناہ گار ہے؟ اگر ہے تو اس کی سزا کتنے کوڑے ہے؟

19 جن فقہاء و محدثین نے نماز تراویح و نماز تہجد کے الگ الگ ابواب و عنوان قائم ہیں کیا وہ گناہ گار ہیں؟

20 غیر مقلدین مطالبہ کرتے ہیں کہ دکھاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس رکعات تراویح میں شامل ہوئے کیا یہ مطالبہ حدیث سے ثابت ہے؟ اگر کوئی شخص یہ مطالبہ کرے کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن دکھاؤ تب میں قرآن کو مانوں گا کیا یہ مطالبہ صحیح ہے؟

21 کیا خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کی جماعت میں شامل ہونا پورا ماہ اول شب پڑھنا، پورا ماہ مسجد میں پڑھنا، پورا ماہ رمضان وتر جماعت سے پڑھنا، تراویح میں پورا قرآن خود پڑھنا یا خود سننا ثابت ہے؟ اگر نہیں تو کیا سب کاموں کو کرنا چاہیے یا چھوڑ دینا چاہیے؟

22 مولانا داؤد غزنوی اعلان فرمایا کرتے تھے کہ آٹھ رکعات سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے اور باقی بارہ مستحب ہیں۔ فتاویٰ اہلحدیث ج6 ص245۔ کیا یہ بات درست ہے یا غلط؟

23 مولانا غزنوی کا یہ اعلان حدیث سے ثابت ہے یا امام ابن ہمام وغیرہ کے شاذ قول کی تقلید ہے؟

24 فتاویٰ اہلحدیث ج6 ص47 میں حدیث نبوی لکھی ہے کہ ماہ رمضان میں نفلی نیکی کا کام کرے وہ ایسا ہوگا کہ اس نے اور دنوں میں گویا فرض عبادت کی۔ کیا بیس رکعات تراویح پڑھنے والے اس ثواب کے مستحق ہوں گے یا نہیں؟

25 اور جو لوگ اس نیکی اور ثواب سے روکیں کیا وہ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ "اور" أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ " کے مصداق ہوں گے یا نہیں؟

26 غیر مقلد رحمانی صاحب انوار المصابیح میں لکھتے ہیں کہ " بیس رکعات پڑھنے والوں کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کیوں روکتے۔ یہ کوئی معصیت اور منکر کام تو تھا نہیں اور لکھتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس پر نکیر نہیں فرمائی یہی اہلحدیث کا مذہب ہے۔ ص226

27 محمد عثمان غیر مقلد کہتا ہے:"غیر مقلدین کی ایک بڑی جماعت نے بیس رکعات مقرر کر کے اس بدعت شنیعہ کا ارتکاب کیا ہے (رفع الاختلاف ص54) بیس کو مستحب کہنے والے بھی اہلحدیث اور اس کو بدعت شنیعہ کہنے والے بھی اہلحدیث فیصلہ فرمائیں کہ کون سا اہلحدیث سچا ہے اور کون سا جھوٹا۔ کس کی بات قرآن وحدیث کے مطابق ہے اور کس کی مخالف؟

28 غیر مقلدین تہجد اور تراویح کو ایک نماز سمجھتے ہیں اسی لئے رمضان المبارک میں عشاء کے متصل پڑھی جانے والی نماز تراویح کو تہجد کہتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ بقیہ گیارہ مہینوں میں رات کے آخری حصہ میں پڑھی جانے والی نماز تہجد کو تراویح کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

29 سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بخاری جس کو غیر مقلدین آٹھ رکعات تراویح کی دلیل بناتے ہیں۔ اس میں تو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (4،4 اور 3) پڑھتے تھے جبکہ غیر مقلدین نماز تراویح (2،2،2،2 اور 1) پڑھتے ہیں کیا یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت ہے یا مخالفت؟

30 کیا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث آدھی صحیح اور آدھی غلط ہے اسی لئے نصف پر عمل کیا اور نصف پر عمل چھوڑ دیا؟

31 غیر مقلدین تہجد اور تراویح کو ایک نماز سمجھتے ہیں اور رمضان المبارک میں بعد از عشاء پڑھی جانے والی نماز تراویح کو تہجد کہتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ گیارہ ماہ رات کے آخری حصہ میں پڑھی جانے والی نماز تہجد کو تراویح کہنا صحیح ہے یا نہ۔ اگر صحیح ہے تو کیوں؟ اگر صحیح نہیں ہے تو کیسے؟

32 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح کی جماعت تین رات کرائی اور پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ یہ نماز گھر میں پڑھا کرو۔ غیر مقلدین اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتے۔؟

33 غیر مقلدین پورا مہینہ نماز تراویح کی جماعت کا اہتمام کرتے ہیں اور اس میں ختم کا بھی التزام کرتے ہیں بتائیں یہ کس کی سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی؟

34 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں نماز تہجد کی مختلف رکعتیں ادا کی ہیں مثلاً وتروں کے علاوہ چار رکعتیں، چھ رکعتیں، آٹھ رکعتیں، دس رکعتیں، بارہ رکعتیں اور آپ کی نماز تہجد کی یہ رکعتیں صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں غیر مقلدین صرف آٹھ رکعات پڑھ کر آٹھ والی حدیث پر عمل کرتے ہیں اور بقیہ حدیثوں پر عمل نہیں کرتے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

35 جب غیر مقلدین کے نزدیک تہجد اور تراویح ایک نماز ہے۔ تو انہی کی منطق کی رو سے نماز تراویح کبھی چار، کبھی چھ، کبھی آٹھ، کبھی دس، کبھی بارہ رکعات ہونی چاہئے۔ لیکن غیر

مقلدین چار، چھ، دس اور بارہ رکعت تراویح کے تارک ہیں کیا ان کو اس کی وجہ سے تارک سنت کہنا صحیح ہے اور ترک سنت کی وعیدیں ان پر چسپاں کرنا درست ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟

36 حرمین شریفین میں بیس رکعات تراویح کب سے شروع ہوئی اور جب سے بھی شروع ہوئی کسی نے اس پر نکیر کی ہے یا بلا نکیر چلی آرہی ہے؟

37 پہلی صدی سے لے کر اب تک کس نے انکار کیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بیس رکعات تراویح نہیں پڑھتے تھے۔

38 فضیلۃ الشیخ عطیۃ محمد سالم القاضی بالمحکمۃ الکبری بالمدینۃ المنورۃ والمدرس فی المسجد النبوی نے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا جس کا نام ہے التراویح اکثر من الف عام فی المسجد النبی علیہ الصلوۃ والسلام جس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہزار سال میں ایک ماہ رمضان بھی ایسا نہیں گزار کہ مسجد نبوی میں پورا مہینہ آٹھ تراویح باجماعت پڑھی گئی ہوں اس کے رد میں ابھی تک غیر مقلدین نے کوئی اشتہار اور رسالہ شائع نہیں کیا، کیا مدینہ منورہ میں بدعات کی تائید میں رسالے لکھے جائیں ان پر عمل جاری ہو تو وہاں تردید کی ضرورت نہیں؟

39 اسی طرح جامعہ ام القری مکہ مکرمہ سے بھی ایک رسالہ شائع ہوا ہے جس کا نام "الھدی النبوی الصحیح فی الصلوۃ التراویح" ہے جس میں بیس کی تائید اور آٹھ کی مخالفت ہے لیکن آج تک کسی غیر مقلد نے اس کی رد میں کتاب نہیں لکھی۔ آخر کیا وجہ ہے؟

40 قیام رمضان کو نماز تراویح کہنا سنت ہے یا بدعت؟

41 نماز تراویح فرض ہے یا واجب، سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ، مستحب ہے یا نفل بہر حال اس کا جو درجہ ہے دلیل سے واضح کریں۔

42 فرض، واجب، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ، مستحب اور نفل کی قرآن و حدیث سے تعریف ثابت کریں جو جامع اور مانع ہو۔

غیر مقلدین احناف کی مساجد میں کیوں آتے ہیں؟

اہم فتویٰ

غیر مقلدین کے چودھویں صدی کے مجدد اعظم کے پوتے عبد الغفار سلفی حنفیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے یوں گوہر افشانی کرتے ہیں اہل حدیث کی نماز غیر اہل حدیث کی اقتداء میں بہتر نہیں۔ اگر سنت اور صحیح مسلک و اشاعت کی خاطر احناف کی اقتداء میں نماز پڑھی جائے تو جائز کیا بلکہ ضروری ہے کیونکہ آپ احناف کی مسجد میں جاکر صحیح طریقہ کے مطابق صحیح وضو کریں گے پھر نماز سنت طریقہ کے مطابق آمین، رفع یدین پڑھیں گے مقلدین کو متبعین سنت کی نماز کا علم ہوگا وہ آپ سے دریافت کریں گے۔ آپ نے آمین کیوں کہی؟ رفع یدین کیوں کیا؟ آپ ان کو جواب دیں گے سننے والوں میں دس ہوں گے تو ایک تو آپ کا حامی بھی ہوگا اس طرح آپ کا مسلک پھیلے گا اگر اس پوری کارروائی کی ہمت و جرات نہ ہو تو پھر آپ اہل حدیث مسجد بنانے کی الگ کوشش کریں اور تا قیام مسجد اپنی نماز گھر پر پڑھیں۔

عبد الغفار سلفی

فتاوی ستاریہ ج4 ص28

منقول از حدیث اور اہل حدیث ص 131

خاتمہ:

اللھم صل علی روح محمد فی الارواح

اللھم صلی علی جسد محمد فی الاجساد

اللّٰھم صلی علی قبر محمد فی القبور الی یوم البعث النشور۔

بعدومن صلی وصام۔ وبعدومن قعدوقام۔

اللھم صلی علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد صلوۃ تنجینا بھامن جمیع الاھوال والآفات وتقضی لنا بھا جمیع الحاجات وتطھرنامن جمیع السئیات وترفعنا بھا اعلی الدرجات وتبلغنا بھا اقصی الغایات من جمیع الخیرات فی الحیٰوۃ وبعد الممات انک علی کل شئی قدیر۔

فقط:

ابواحمد نور محمد قادری تونسوی

خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یارخان

بوقت 4 بج کر 20 منٹ بروز بدھ

یادداشت:

غیر مقلد حافظ محمد اسلم کے رسالے تعداد مسنون تراویح کا جواب 2-11-99 کو شروع ہوا اور 15-3-2000 کو ختم ہوا۔

تمت بالخیر

کتابیات

01) قرآن کریم

02) تفسیر ابن کثیر

03) تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی

04) معارف القرآن، مفتی محمد شفیع عثمانی

05) معارف القرآن، مولانا محمد ادریس کاندھلوی

06) صحیح البخاری، امام محمد بن اسماعیل البخاری

07) صحیح مسلم شریف

08) سنن نسائی شریف

09) سنن ترمذی شریف

10) سنن ابوداؤد شریف

11) نسخہ ابوداؤد مطبوعہ عرب، امام ابوداؤد

12) سنن ابن ماجہ شریف

13) سنن طحاوی شریف

14) مؤطا امام مالک

15) مصنف ابن ابی شیبہ

16) مصنف عبد الرزاق

17) مؤطا امام محمد

18) صحیح ابن خزیمہ

19) مسند احمد بن حنبل

20) تاریخ جرجان امام ابوقاسم السہمی

21) مسند عبد بن حمید

22) مسند الامام زید

23) اعلاء السنن

24) آثار السنن

25) بیہقی شریف

26) مشکوٰۃ

27) معجم کبیر، امام طبرانی

28) کتاب الآثار، امام ابو یوسف

29) قیام اللیل

30) انجاح الحاجہ

31) شعب الایمان، امام بیہقی

32) مختصر قیام اللیل

33) انہاء السکن

34) المصابیح

35) المدونۃ الکبریٰ

36) ابن عبد البر

37) مختصر المزنی

38) ابکار المنن

39) المدخل، امام ابن الحاج

40) المبدع شرح المقنع

41) کنز العمال،

42) سنن دار قطنی

43) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان

44) تحفۃ الاخیار فی احیاء سنۃ سید الابرار

45) المختارہ

46) جامع العلوم والحکم

47) المجموع

48) المغنی، امام ابن قدامہ

49) مؤطا امام محمد، امام محمد

50) مؤطا امام مالک مترجم

51) تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافع الکبیر

52) حاشیہ الفیہ العراقی

53) تحریر الاصول

54) مقدمہ ابن الصلاح

55) تدریب الراوی، امام سیوطی

56) العرف الشذی مولانا انور شاہ کشمیری

57) التعلیق الممجد علی مؤطا محمد

58) الانتقاد الرجیع

59) مظاہر حق، نواب قطب الدین

60) فیض الباری شرح صحیح بخاری

61) فتح الباری شرح صحیح البخاری، ابن حجر عسقلانی

62) اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک

63) بذل المجہود

64) حاشیہ مؤطا امام محمد

65) قسطلانی

66) حاشیہ بخاری

67) اسکاف المبطا

68) عمدۃ القاری، علامہ عینی

69) مقدمہ شرح مسلم

70) غنیۃ الطالبین، سید عبد القادر جیلانی

71) حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ

72) نیل الاوطار

73) حدیث اور اہلحدیث

74) فتح القدیر شرح ہدایہ

75) عین الہدایہ

76) حاشیہ ہدایہ

77) حاشیہ شرح وقایہ
78) السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ
79) البحر الرائق شرح کنز الدقائق
80) بدائع الصنائع
81) ماثبت بالسنۃ
82) بدایۃ المجتہد
83) الحاوی للفتاویٰ
84) ہدایۃ السائل
85) التوضیح والتلویح
86) فواتح الرحموت
87) نور الانوار، ملا جیون
88) تبیین شرح حامی
89) فتاویٰ شامی
90) ایضاح الادلہ، شیخ محمود حسن دیوبندی
91) مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ، امام ابن تیمیہ
92) مجموعہ فتاوی مولانا عبد الحی لکھنوی
93) فتاویٰ قاضی خان برہامش عالمگیریہ
94) فتاویٰ عزیزی، شاہ عبد العزیز
95) فتاویٰ ثنائیہ، ثناء اللہ امرتسری
96) رسالہ تراویح، مولانا غلام رسول غیر مقلد
97) رسالہ تراویح مترجم

98) نزل الابرار

99) عرف الجادی

100) الحیاۃ بعد الممات

101) ملفوظات محدث کشمیری مولانا انور شاہ کشمیری

102) منہاج السنہ

103) احیاء علوم الدین، امام غزالی

104) البدایہ والنہایہ، امام ابن کثیر

105) اخبار الحدیث

106) رحمت الامۃ

107) نہایۃ المراد

108) احکام الاحکام

109) توجیہ النظر

110) کشف الغطاء

111) شرح نقایہ

112) مرقات

113) اتحاف سادۃ المتقین

114) انارۃ المصابیح

115) شرح مقنع

116) عون الباری

117) کتاب الاذکار

118) کشف القناع

119) الرائی النجیح

120) شرح کبیر

121) خیر المصابیح فی عدد التراویح

122) کشف الغمہ

123) المحلی

124) شرح نقایہ

125) شرح منیہ

126) شرح المنہاج

127) سیر اعلام النبلاء

128) الھدی النبوی الصحیح فی الصلوۃ التراویح

129) طحطاوی علی مراقی الفلاح

130) مراقی الفلاح

131) ابن منیع

132) ارشیف ملتقی اہل التفسیر باب عدد رکعات التراویح منذ عہد الصحابہ

133) فتاویٰ الشیخ ابن جبرین

134) موسوعہ الدین النصیحہ

135) تعداد مسنون تراویح، حافظ محمد اسلم غیر مقلد

علاوہ ازیں دیگر کتب بھی راقم کے سامنے موجود رہیں۔

مؤلف کی تالیفات

الحیات بعد الوفات یعنی قبر کی زندگی
تبلیغی جماعت کا شرعی مقام
حقیقی نظریات صحابہ
معیار صداقت
تبلیغی جماعت اور مشائخ عرب
تبلیغی جماعت اور علماء عرب
عقیدہ حیات قبر اور علم وفہم میت کی حدیث
اسلام کے نام پر ہوئی پرستی
منکرین حیات قبر کی خوفناک چالیں
شان ابی حنیفہ رحمہ اللہ در احادیث شریفہ
تحقیق المسئلتین
غیر مقلدین عوام غیر مقلدین علماء کی نظر میں
روح کی آڑ میں مسلمہ حقائق کا انکار
البرھان القوی فی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم
سیدنا علی اور سیدنا امیر معاویہ کی آپس میں محبت و عقیدت

جمع الروایات فی اثبات الدعا بعد المکتوبات
جہاد نفس
زبدۃ التحقیقات فی اثبات الدعاء بعد المکتوبات
عذاب قبر کی صحیح صورت کے منکر کا شرعی حکم
تبلیغی اعمال کی شرعی حیثیت
سوال گندم جواب چنا
ھو الکذاب
عتیق الرحمٰن کی قلابازیاں (زیر طبع)
نماز جنازہ میں مسنون دعاء (زیر طبع)
شان سیدنا ابی سفیان
مسنون تراویح
عقیدہ حیات قبر اور علماء اسلام
مقالات تونسوی
مجموعہ سوالات وجوابات



مکتبہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ تحصیل لیاقت پور
068
5671350

رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ

مؤلف

حافظ ظہور احمد الحسینی غفرلہ

فاضل

وفاق المدارس العربیہ پاکستان ٭ جامعہ اشرفیہ لاہور



ناشر

مدرسہ عربیہ حنفیہ تعلیم الاسلام

محلہ زاہد آباد مدینہ مسجد حضرو ☆ ضلع اٹک پاکستان ☆ فون 057-2311400

165

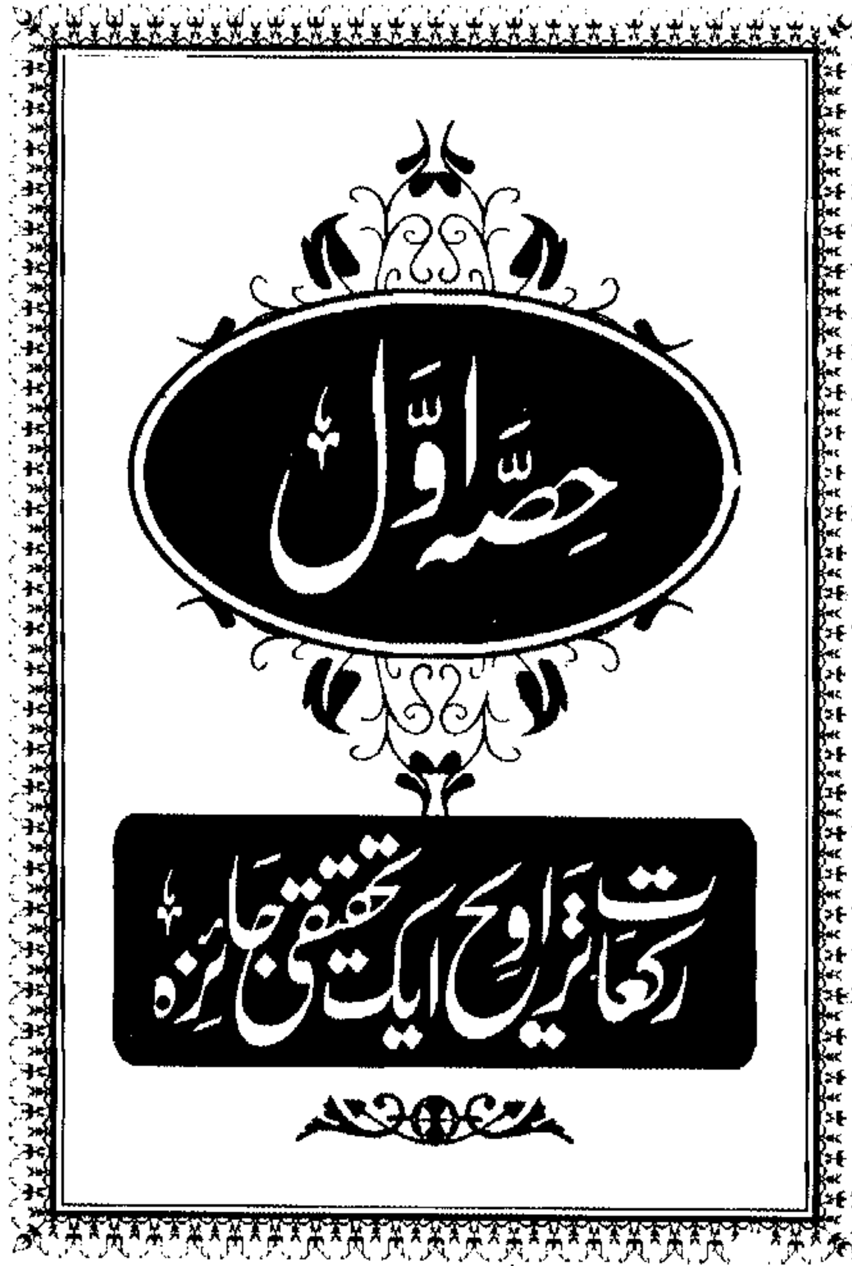
انتساب

احقر اپنی اس کاوش کو امام اہل السنت، پاسبان مسلک حقہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا **محمد سرفراز خان صفدر** دامت برکاتہم کے اسم گرامی سے انتساب کرتا ہے۔ جو اسلاف امت کے جانشین اور اکابر اہل السنت والجماعت علمائے دیوبند کثر اللہ سوادھم کے معتمد علیہ ہیں۔ جنہوں نے تعلیمات اکابر اہل السنت والجماعت رحمہم اللہ کی نشر واشاعت اور مسلک حقہ کی پاسبانی کو اپنا مقصد حیات بنایا اور جن کی تصانیف عالیہ سے انشاء اللہ ہمیشہ متلاشیان حق راہ حق پاتے رہیں گے اور باطل لرزہ براندام رہے گا۔

احقر

حافظ ظہور احمد الحسینی

فہرست مضامین


حصہ اوّل
رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ

حرفِ اوّلیں



نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم وعلی اٰله واصحابه الطیبین الطاهرین وعلی من تبعهم باحسان الی یوم الدین۔

امابعد:۔دین اسلام میں نماز کی بہت بڑی اہمیت ہے،اس لیے حدیث میں اس کو عِمَادُ الدِّین (دین کا ستون) قرار دیا گیا ہے۔اور پھر یہ ایسی مہتم بالشان عبادت ہے کہ روزِ قیامت سب سے پہلا سوال نماز ہی کا ہوگا۔

روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اوّلین پرسش نماز بود

نماز کی جملہ اقسام میں سے ایک نماز تراویح بھی ہے جو صرف رمضان المبارک میں ادا کی جاتی ہے اور تراویح کی کم از کم تعداد بیس رکعات مسنون ہے۔اس پر خیر القرون سے لے کر تقریباً تیرھویں صدی کے آخر تک تمام عالم اسلام کا اتفاق رہا ہے۔انگریز کے زمانہ میں نومولود جماعت غیر مقلدین جو بزعم خود اہلحدیث کہلاتے ہیں،انہوں نے اس سنّت کا انکار کیا۔افسوس کہ جب سے اس برصغیر (پاک وہند) پر انگریز منحوس نے اپنے ناپاک قدم رکھے اور بڑے بڑے فتنوں اور مسائل نے جنم لیا وہاں اس فتنہ کی بھی خوب آب وتاب سے آبیاری کی گئی کہ مسلمانوں کے اس اتفاقی عمل کی کوئی شرعی حیثیت نہیں،بیس تراویح پڑھنا قطعاً حدیث سے ثابت نہیں،تراویح تو صرف آٹھ رکعات پڑھنا ہی مسنون ہیں اور اس کے علاوہ تراویح کا کوئی عدد مسنون نہیں بلکہ بدعت اور ناجائز ہے۔گویا صدیوں سے مسلمانوں کے اس اتفاقی عمل کو بھی اختلافات کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔چنانچہ سب سے پہلے ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں ہندوستان کے مشہور شہر اکبر آباد میں ایک غیر مقلد مولوی صاحب نے یہ فتوی دیا کہ تراویح صرف آٹھ رکعات ہیں تو اس فتوی کے خلاف ایک طوفان برپا ہوگیا اور اسی سال مطبع لطافت آگرہ سے ایک رسالہ بنام ''استفتاء

التراویح'' طبع ہوا جس میں اس علاقہ کے تقریباً اٹھارہ (۱۸) علمائے کرام کے پرزور فتوے طبع ہوئے اور عوام الناس کو اس فتنہ سے آگاہ کیا گیا۔ [۱]

اسی طرح خطہ پنجاب میں سب سے پہلے جس شخص نے تراویح کے آٹھ ہونے اور بیس تراویح کے رد میں فتوی جاری کیا وہ بھی ایک غیر مقلد عالم مفتی محمد حسین بٹالوی گورداسپوری [۲] تھے۔ انھوں نے یہ فتوی ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۲ء میں دیا۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مفتی بٹالوی صاحب کے فتوی کا جواب بھی ان ہی کے ایک اہم مسلک عالم اور غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نزیر حسین صاحب دہلویؒ کے شاگرد خاص مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ ساکن قلعہ میہاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ کی طرف سے آیا۔ میاں صاحب موصوف نے بٹالوی صاحب کے فتوی کا جواب پرزور طریقہ سے ایک رسالہ بنام ''رسالہ تراویح'' کی صورت میں لکھا۔ یہ رسالہ سب سے پہلے فارسی زبان میں ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۳ء میں مطبع محمدی لاہور کی طرف سے شائع ہوا اور پھر ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۵ء میں مولانا سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتہم کے اردو ترجمہ کے ساتھ مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ سے دوبارہ شائع ہو چکا ہے۔ [۳]

---

[۱] مقدمہ ترجمہ ''ینابیع''۔ ص ۷

[۲] محمد حسین بٹالوی: موصوف جماعت غیر مقلدین کے ایک سرکردہ عالم اور برٹش گورنمنٹ کے نہایت وفادار ساتھی تھے۔ آپ نے انگریز کی وفاداری میں جہاد کی منسوخیت میں ایک مستقل رسالہ بنام ''الاقتصاد فی مسائل الجہاد'' لکھا۔ اس رسالہ میں انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ موجودہ انگریز حکومت کے خلاف جہاد کرنا منسوخ ہے اور پھر آپ کو اس کے معاوضہ میں انگریز حکومت کی طرف سے جاگیر عطا کی گئی۔ چنانچہ مسعود عالم ندوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے اس کے معاوضہ میں سرکار انگریزی سے انہیں جاگیر بھی ملی تھی''۔ ''ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک'' (ص ۲۹) مولوی عبد المجید سوہدروی غیر مقلد لکھتے ہیں: ۔آپ نے (انگریز) حکومت کی خدمت بھی کی اور انعام میں جاگیر پائی۔ سیرت ثنائی '' (ص ۳۷۳)۔ مولانا بٹالوی کی کوششوں سے ہی انگریز حکومت نے فرقہ غیر مقلدین کو جماعت اہلحدیث کا نام الاٹ کیا۔ دیکھئے ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک (ص ۲۱۲)

[۳] اس رسالہ کے اقتباسات ہم اس کتاب میں انشاء اللہ جابجا ذکر کریں گے۔

اس فتنہ کے آغاز سے لے کر آج سو سال سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے لیکن یہ فتنہ اب تک موجود ہے اور

جب بھی رمضان المبارک کا مقدس مہینہ جہاں اپنی رحمتیں اور برکتیں لے کر نمودار ہوتا ہے وہاں غیر مقلدین کا یہ غوغہ اور شور شرابا بھی سر اٹھالیتا ہے کہ تراویح صرف آٹھ رکعات مسنون ہیں۔ اس سے زیادہ پڑھنا بدعت اور ناجائز ہے اور طرح طرح کے رسائل اور اشتہارات کی بھرمار شروع ہو جاتی ہے۔ عوام الناس چونکہ علمی تم سے ہوتے ہیں اس لیے جب وہ غیر مقلدین کا یہ پروپیگنڈہ سنتے ہیں تو وہ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ شاید ہمارے پاس بیس تراویح کے اثبات میں کوئی دلیل موجود نہیں۔ اس لیے علماء اہلسنت والجماعت نے غیر مقلدین کے اس پروپیگنڈہ کے جواب میں بیس تراویح کے ثبوت میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ''الرائ النجیح'' مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ صاحب کی '' رکعات التراویح'' اور مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری صاحبؒ کی ''التوضیح عن رکعات التراویح'' بطور خاص قابل ذکر ہیں لیکن پھر بھی ضرورت تھی کہ اس موضوع پر ایک جامع ترین کتاب لکھی جائے جس میں غیر مقلدین کے پیدا کردہ تمام شکوک وشبہات کو رفع کیا جائے۔ چنانچہ ہم نے اسی جذبہ کے تحت یہ کتاب ''رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ'' ترتیب دی جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کتاب کو ہم نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، حصہ اول میں بیس تراویح کے حق میں ٹھوس اور جامع انداز سے دلائل کو جمع کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ غیر مقلدین کی طرف سے ان دلائل پر واردشدہ اعتراضات واشکالات کے تحقیقی اور مثبت انداز سے جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔ اور حصہ دوئم میں آٹھ تراویح کے اثبات میں ذکر کردہ دلائل کا جائزہ لیا گیا ہے ہم نے کوشش کی ہے کہ کتاب میں شروع سے لے کر آخر تک جو بات بھی لی جائے وہ مستند اور باحوالہ ہو، اور تمام دلائل کو فریق ثانی (غیر مقلدین) کے مُسلّمات کی روشنی میں ذکر کیا گیا ہے اس لئے قارئین کو کتاب کے ہر عنوان میں فریق ثانی کے معتبر علماء کے حوالے ملیں گے۔

مقدّمہ

مقدمہ [1] میں تراویح سے متعلق چند ضروری مباحث پیش خدمت ہیں۔انشاء اللہ ان کے ذہن نشین ہونے کے بعد کتاب ھٰذا کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔واللہ الموفق للصواب۔

(۱) لفظ تراویح

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:۔"والتراویح جمع ترویحة وھی المرة الواحدة من الراحة کتسلیمة من السلام" [2] تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ ایک دفعہ آرام کرنے کو کہتے ہیں جیسے تسلیمہ ایک دفعہ سلام پھیرنے کو کہتے ہیں۔علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:۔"والتراویح جمع ترویحة ویجمع ایضا علیٰ ترویحات" [3] تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ کی جمع ترویحات بھی آتی ہے۔

(۲) نماز تراویح کی وجہ تسمیہ

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نماز تراویح کی وجہ تسمیہ یوں بیان کرتے ہیں:"سمیت الصلوة فی الجماعة فی لیالی رمضان التراویح لانهم اول ما اجتمعوا علیها کانوا تر یحون بین کل تسلیمتین" [4]

جو نماز رمضان کی راتوں میں باجماعت ادا کی جاتی ہے اس کا نام تراویح رکھا گیا ہے۔اس لئے کہ جب صحابہ کرام ؓ پہلی مرتبہ اس نماز پر مجتمع ہوئے تو وہ ہر دو سلام (چار رکعتوں) کے بعد ترویحہ یعنی آرام کیا کرتے تھے۔

"فتاویٰ علمائے حدیث" میں ہے کہ:۔"نماز تراویح کی تعریف علماء نے یہ لکھی ہے کہ نماز تراویح وہ

---

[1] یہ مقدمہ چند اضافہ جات کے ساتھ علیحدہ بھی بنام "مسنون نماز تراویح" چھپ چکا ہے [2] فتح الباری ۴/۷۷۸

[3] عمدة القاری ۸/۲۴۱ [4] فتح الباری ۴/۷۷۸

نماز ہے جو ماہ رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے اور اس نماز کا نام تراویح اس لیے رکھا گیا ہے کہ لوگ اس میں ہر چار رکعات کے بعد استراحت کرنے لگے کیونکہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ کے معنی ایک دفعہ آرام کرنے کے ہیں۔ ۱

(۳) نماز تراویح کی ابتداء۔

تراویح کی نماز سب سے پہلے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں شروع ہوئی اور خود نبی کریم ﷺ نے اس سنت کا آغاز فرمایا۔ اس کے بعد دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو تراویح کی ایک جماعت پر جمع فرمایا۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:۔

''واول من سنۃ رسول اللہ ﷺ ...ونسبت الی عمر رضی اللہ عنہ لانہ جمع الناس علی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ'' ۲ سب سے پہلے نماز تراویح کی سنت رسول اللہ ﷺ نے شروع فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اس کی نسبت اس لئے کی جاتی ہے کہ انھوں نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر جمع فرمایا۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ رقمطراز ہیں:۔ وصلاۃ التراویح سنۃ مؤکدۃ، سنّھا رسول اللہ ﷺ و تنسب الی عمر رضی اللہ عنہ لانہ جمع النّاس علی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ۳ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو مسنون کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اس سنّت کی نسبت اس لیے کی جاتی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر جمع فرمایا۔

(۴) نماز تراویح عہد نبوی میں

آنحضرت ﷺ سے آپ کی پوری زندگی میں صرف تین رات باجماعت نماز تراویح پڑھنا ثابت ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ نماز امت پر فرض نہ ہو جائے، اس کو باجماعت ادا کرنا ترک کر دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے اپنے گھروں میں انفرادی طور پر نماز پڑھنے کی تاکید فرما دی۔ نبی ﷺ کی اس تین دن کی نماز کو متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عائشہؓ، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور حضرت نعمان بن

۱۔ ۲/۲۲۱ ۲۔ المغنی ۱/۸۰۲۔ ۳۔ مجموع مؤلفات الشیخ محمد بن عبدالوہاب ۴/۱۱۷۔

بشیر ﷺ وغیرہ نے مختلف الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ [1] ان تین دنوں میں نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو تراویح کی کتنی رکعات پڑھائیں؟ اس بارہ میں کسی بھی صحیح السند روایت میں کچھ منقول نہیں، اور اس موضوع پر جتنی بھی روایات ذکر کی جاتی ہیں وہ یا تو سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں یا اُن روایات کا مسئلہ تراویح سے کوئی تعلق نہیں ہے [2] اور خود غیر مقلدین کے اکابر کو بھی یہ بات تسلیم ہے کہ کسی بھی صحیح روایت میں رسول اللہ ﷺ سے رکعات تراویح کی تعداد مروی نہیں ہے چنانچہ اس موضوع پر چند علمائے غیر مقلدین کی آراء ملاحظہ کریں۔

(۱) قاضی محمد شوکانیؒ صاحب غیر مقلد اس موضوع پر تمام روایات کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

''والحاصل ان الذی دلت علیه احادیث الباب ومایشابهها هو مشروعية القيام فی رمضان والصلاةفيه جماعةوفرادی، فقصر الصلاة المسماةبالتراويح علیٰ عددمعين وتخصيصهابقراءةمخصوصةلم يردبه سنة''۔ [3]

حاصل یہ ہے کہ اس باب میں ذکر کردہ احادیث اور ان کی ہم مثل دوسری احادیث سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف رمضان میں قیام اور اس کو اکیلے اور باجماعت ادا کرنے کی مشروعیت ہے، پس اس نماز کو جس کا نام تراویح ہے اس سے کوئی عدد معیّن کر لینا اور اس کو کسی مخصوص قراءۃ کے ساتھ خاص کر دینا سنّت سے ثابت نہیں۔

---

[1] دیکھئے ''بخاری'' ۱/ ۲۶۹، ''مسلم'' ۱/ ۲۵۹، ''نسائی'' ۱/ ۲۳۸ وغیرہ۔

[2] جس طرح ان تین راتوں میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی تعداد رکعات کسی صحیح مرفوع روایت میں وارد نہیں ہوئی، اسی طرح آپ ﷺ نے ان تین راتوں کے علاوہ جتنے دن اپنے گھر میں یہ نماز ادا فرمائی اس کی تعداد رکعات بھی کسی صحیح السند روایت میں منقول نہیں۔ البتہ ایک مشہور روایت جو کہ حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے، میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔ ''مصنف ابن ابی شیبہ'' وغیرہ لیکن اس روایت کا ایک راوی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ متکلم فیہ ہے مگر چونکہ اس روایت کی تائید میں خلفائے راشدین و دیگر صحابہ ؓ کے آثار موجود ہیں اور امت کی تلقی بالقبول بھی اس روایت کو حاصل ہے۔ اس وجہ سے یہ روایت قابل عمل ہے اس کی تفصیل شروع کتاب میں ملاحظہ کریں۔

[3] ''نیل الاوطار'' شرح منتقی الاخبار (۳/ ۵۳)۔

(۲) علامہ وحید الزمان صاحب غیر مقلد مترجم صحاح ستہ لکھتے ہیں:۔ ''ولا یتعین **لصلوۃ** لیالی [illegible]'' ۔ ل رمضان المبارک کی راتوں کی نماز یعنی تراویح کیلئے (احادیث میں) کوئی عدد معین نہیں۔

(۳) غیر مقلدین کے مجدد اور سب سے بڑے محقق مولانا نواب صدیق حسن خان صاحب تحریر کرتے ہیں :۔ ''ولم یات تعین العددفی الروایات الصحیحة المرفوعة'' ۲ ۔ تراویح کا کوئی معین عدد (نبی علیہ السلام سے) کسی بھی صحیح مرفوع روایت میں وارد نہیں ہوا۔

(۴) نواب صاحبؒ کے صاحبزادے اور مشہور غیر مقلد عالم نواب نور الحسن خان صاحبؒ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ ''وبالجملہ عددیے معیّن در مرفوع نیامدہ'' ۳ ۔
خلاصہ یہ ہے کہ کسی مرفوع روایت میں تراویح کا کوئی معین عدد مذکور نہیں۔

(۵) تراویح عہد خلفائے راشدین میں :۔

گذشتہ سطور میں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں صرف تین رات تراویح کو جماعت کے ساتھ ادا فرمایا اور پھر اس کے بعد صحابہ کرام ؓ کو تلقین فرما دی کہ وہ اس نماز کو اپنے اپنے گھروں میں پڑھیں اور خود بھی وفات تک اس کو گھر میں ہی پڑھتے رہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پورے زمانہ خلافت اور حضرت عمر فاروق ؓ کے ابتدائی ایام خلافت میں یہی صورت حال رہی کہ سب لوگ انفرادی طور پر بلا جماعت یا پھر چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں منقسم ہو کر تراویح ادا کرتے تھے۔ چونکہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو خلافت پر فائز ہوتے ہی مختلف قسم کے فتنوں کا مقابلہ کرنا پڑا، فتنہ منکرین زکوۃ، فتنہ مرتدین قبائل اور جھوٹے مدعیان نبوت (مسیلمہ کذاب وغیرہ) کے طرح طرح کے فتنے آپ کے دور خلافت میں نمودار ہوئے اور پھر آپ کا عرصہ خلافت بھی بہت قلیل تھا۔ اس طرح آپ کا پورا وقت ہی ان فتنوں کی سرکوبی اور بیخ کنی کی نظر ہو گیا اور کسی اور طرف متوجہ ہونے کا آپ

ل ۔نزل الابرار (۱/۱۲۶)۔ ۲ ۔الانتقاد الرجیح (ص ۶۱)۔ ۳ العرف الجاری (ص ۸۴)۔

کوموقع ہی نہ مل سکا۔لہذا تراویح کا معاملہ اسی طرح رہا۔لیکن حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد جب خلافت کی باگ ڈور حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھوں میں لی تو اس وقت حالات پرسکون ہو چکے تھے اور فتنے بھی ختم ہو چکے تھے۔اس لئے حضرت عمرؓ کو اس پرسکون فضا میں دین کی اشاعت کا کام آسانی سے کرنے کا موقع مل گیا۔چنانچہ آپؓ نے جہاں دین کے اور بہت سے کام شروع کروائے اس طرح آپ تراویح کے مسئلہ کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور اپنے زمانہ خلافت کے دوسرے سال یعنی رمضان المبارک ۱۴ھ میں پھر سے ایک امام کی اقتداء میں سب لوگوں کو تراویح کی جماعت پر اکٹھا فرمادیا اور مشہور صحابی حضرت ابی بن کعبؓ اس جماعت کے امام مقرر ہوئے۔اس طرح نبی کریمﷺ کی اس سنت کو جس کو آپﷺ نے امت پر فرض ہونے کے خوف سے ترک کردیا تھا،حضرت عمر فاروقؓ نے بحیثیت خلیفہ راشد ہونے کے اس کو پھر سے جاری فرمادیا۔ [1] حدیث کی کتابوں میں اس واقعہ کی تفصیل مذکور ہے۔چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؓ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ میں (دور فارقی میں) رمضان المبارک کی ایک رات حضرت عمر بن خطابؓ کے ہمراہ مسجد (نبوی) کی طرف جانکلا تو دیکھا کہ لوگ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں،کوئی تو اکیلا نماز (تراویح) پڑھ رہا ہے اور کوئی نماز پڑھارہا ہے اور لوگ اس کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں،اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:بخدا میرا خیال ہے کہ اگر ان سب لوگوں کو ایک قاری (امام) کی اقتداء میں جمع کردیا جائے تو بہت اچھا ہو۔پھر انھوں نے سب کو حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جمع کردیا۔

حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ پھر میں جب کسی دوسری رات حضرت عمرؓ کے ساتھ (مسجد کی طرف) سے گزرا تو دیکھا سب لوگ اپنے قاری (ابی بن کعبؓ) کی اقتداء میں نماز (تراویح) پڑھ رہے ہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:"نعم البدعة هذه یہ بدعت (نئی چیز) بہت اچھی ہے۔ [2]

(۶) خلفائے راشدین کے دور میں رکعات تراویح کی تعداد۔خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروقؓ

---

[1] ۔دیکھئے طبقات ابن سعد (۳/۲۰۲)،العرف الشذی (ص ۳۰۹) وغیرہ۔ [2] بخاری (۱/۲۶۹)،موطا امام مالک (ص ۷۱) وغیرہ

نے ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جو جماعت تراویح کی قائم فرمائی تھی اس کی رکعات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ چنانچہ نواب نورالحسن صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:۔''ودر قدر صلوۃ أبی اختلاف است که از یازده تابست ویك وبست وسه''۔ ۱؎ حضرت ابی بن کعبؓ نے جوتراویح کی نماز پڑھائی تھی تو اس کی تعداد میں اختلاف ہے گیارہ سے اکیس اور تیئس رکعات تک مروی ہے۔

ان اقوال میں سے راجح اور صحیح قول سند کے اعتبار سے کیا ہے؟ اس کی تحقیق تو انشاءاللہ کتاب میں اپنے مقام پر آئے گی۔ ہم نے یہاں صرف یہ جائزہ لینا ہے کہ علمائے محققین جو روایات کے پرکھنے کے ماہر ہیں ان کی تحقیق کیا ہے؟ اور ان کے نزدیک حضرت عمرؓ کی قائم کردہ جماعت تراویح کی رکعتوں کی تعداد کیا تھی؟ آیئے چند مشہور اور کبار محققین کی آراء ملاحظہ کریں۔

مشہور اور کبار محققین کی آراء:

(۱) امام محمد بن ادریس الشافعیؒ فرماتے ہیں:۔

''فاماقیام شهر رمضان احب الی عشرون لانه روی عن عمرؓ''۔ ۲؎

رمضان المبارک میں قیام (تراویح) کی مجھے بیس رکعتیں پڑھنا پسندیدہ ہے کیونکہ یہ حضرت عمرؓ سے منقول ہیں۔

(۲) امام ابوعیسیٰ الترمذیؒ فرماتے ہیں:۔

''واکثر اهل العلم علیٰ ماروی عن علیؓ وعمرؓ وغیرهما من اصحاب النبیﷺ عشرین رکعة''۔ ۳؎

اکثر اہل علم بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں جو حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور نبیﷺ کے دیگر صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔

(۳) عظیم محقق علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ بیس رکعات کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

۱؎ العرف الجاری (ص۸۴)　۲؎ کتاب الام (۱/۱۲۵)　۳؎ جامع الترمذی (۱/۹۹)

"وھوصحیح عن ابی بن کعب من غیرخلاف من الصحابۃ۔" [۳]

حضرت ابی بن کعب ﷛ سے بھی صحیح طور پر یہی ثابت ہے اور کوئی صحابی اس کا مخالف نہیں ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ﷛ سے جو گیارہ رکعات کا قول نقل کیا جاتا ہے، وہ صرف وہم ہے۔ [۱]

(۴) علامہ ابن قدامہ حنبلی تحریر فرماتے ہیں:۔

"ان عمر ﷛ لما جمع الناس علی ابی بن کعب ﷛ کان یصلی لھم عشرین رکعۃ"۔ [۲]

حضرت عمر ﷛ نے جب لوگوں کو حضرت ابی بن کعب ﷛ پر جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔

(۵) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ ؒ اپنے فتاوٰی میں رقم طراز ہیں:۔

"ولما جمع عمر علیٰ ابی بن کعب ﷛ کان یصلی بھم عشرین رکعۃ ثم یوتر بثلاث" [۳]

جب حضرت عمر ﷛ نے صحابہ کرام ﷛ کو حضرت ابی بن کعب ﷛ کی اقتداء میں جمع کیا تو وہ انہیں بیس رکعت تراویح اور پھر تین وتر پڑھاتے تھے۔

(۶) امام تقی الدین ابوبکر الحصنی ؒ فرماتے ہیں:۔

"فجمعھم علی ابی بن کعب ﷛ وواظب لھم عشرین رکعۃ واجمع الصحابۃ ﷛ معہ علی ذالك"۔ [۴]

حضرت عمر ﷛ نے صحابہ کرام ﷛ کو حضرت ابی بن کعب پر جمع فرمایا اور تراویح کی بیس رکعتیں ان کے لئے ہمیشہ کے لیے مقرر فرمائیں اور سب صحابہ ﷛ نے حضرت عمر ﷛ کے ساتھ اس بات پر اتفاق کرلیا۔

(۷) امام زین الدین عراقی ؒ (استاذ حافظ ابن حجر عسقلانی) لکھتے ہیں:

---

[۳] عمدۃ القاری شرح بخاری (ج ص) [۱] دیکھیے زرقانی شرح مؤطا (۲۱۵/۱)۔ [۲] المغنی (۷۹۹/۱)

[۳] مجموعۃ الفتاوٰی (۵۲۰/۱۱) مطبوعہ ریاض [۴] کتاب الاخیار (۱۷۲/۱)

[illegible] لماجمع الناس علی صلاۃ التراویح فی شهر رمضان مقتدین بابی بن [illegible] عشرین رکعۃ غیرالوتروھوثلاث رکعات [1]۔

[illegible] حضرت عمر نے لوگوں کو رمضان المبارک کے مہینہ میں نماز تراویح کے لیے حضرت ابی بن کعب کی اقتداء میں جمع کیا تو وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

(۸) غیر مقلدین کے مسلمہ شیخ الاسلام شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ رقم طراز ہیں:۔

"ان عمر ﷺ جمع الناس علیٰ ابی بن کعب ﷺ یصلی بھم عشرین رکعۃ" [2]۔

حضرت عمر ﷺ نے لوگوں کو ابی بن کعب ﷺ کی امامت پر جمع کیا تو وہ انھیں بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔

(۹) نواب صدیق حسن خان صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

"وبست رکعت زیادت عمربن الخطاب است"۔ [3]

بیس رکعات تراویح میں بارہ رکعات کا اضافہ حضرت عمر ﷺ کے حکم سے ہوا۔

(۱۰) مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ غیر مقلد بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ کی قائم کردہ جماعت تراویح کی تعداد بیس تھی [4]۔

تلك عشرۃ کاملۃ

---

[1] طرح التثریب فی شرح التقریب (۳/۸۸)

[2] مجموع مؤلفات الشیخ محمد بن عبدالوہاب (ص۴/۱۱۷)

[3] ہدایۃ السائل (ص۱۳۸) بحوالہ رکعات التراویح (ص۹۴) مؤلفہ مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ

[4] دیکھیے رسالہ تراویح مع ترجمہ "ینابیع" (ص۱۰)

ناظرین!

اسلافِ امت اور علمائے کرام کی مذکورہ تصریحات سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کی قائم کردہ جماعت کی تعداد جو صحیح طور پر ثابت ہے، وہ صرف بیس رکعات ہے کیونکہ ان حضرات نے یہاں حضرت عمرؓ سے بیس رکعات کا تذکرہ فرمایا لیکن انھوں نے بیس کے علاوہ کسی اور عدد کا بھولے سے بھی ذکر نہیں کیا۔ اگر حضرت عمرؓ سے بیس رکعات کے علاوہ کوئی اور عدد ثابت ہوتا تو یہ حضرات اس کو بھی ضرور ذکر کرتے ،اس کے بالمقابل آپ کو تیرہ سو سال میں ایک بھی کوئی ایسی قابل قدر ہستی نہیں نظر آئے گی جس نے یہ کہا ہو کہ حضرت عمرؓ نے بیس کے علاوہ کسی اور عدد کا حکم فرمایا تھا۔ لہٰذا یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ حضرت عمرؓ نے تراویح کی جو جماعت تشکیل دی تھی اس کی صحیح تعداد بیس رکعات تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضٰیؓ یکے بعد دیگرے اقتدارِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے، ان دونوں حضرات کے دورِ خلافت میں بھی حضرت عمرؓ کے دور کی طرح بیس تراویح کا ہی رواج رہا۔ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضٰی کے دورِ خلافت میں بیس رکعات کی تفصیلی روایات انشاء اللہ آگے آ رہی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت راشدہ کے اس دور میں تراویح بیس رکعات ہی پڑھی جاتی تھیں۔

(۷) حضرات خلفائے راشدین کا طریقہ بھی عین سنت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کو جس طرح سنت کہا جاتا ہے اسی طرح حضرات خلفائے راشدین کا جاری کردہ طریقہ بھی سنت کی تعریف میں داخل ہے۔ چنانچہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ سنت کی تعریف میں لکھتے ہیں: والسنة هي الطريق المسلوك فيشتمل ذالك التمسك بما كان عليه هو و خلفاء الراشدون من الاعتقادات والاعمال والاقوال وهذه هي السنة الكاملة"[۱] سنت اس طریقہ کا نام ہے جس پر چلا جائے اور یہ اس (طریقہ کا) تمسک ہے جس پر آنحضرت ﷺ اور

---

[۱] جامع العلوم والحکم (۱/۱۹۱) بحوالہ "راہ سنت" (ص ۳۱)۔

آپ کے خلفائے راشدین عامل تھے، چاہے وہ اعتقادات ہوں یا اعمال یا اقوال اور یہی سنت کاملہ ہے۔ چونکہ بیس تراویح کی جماعت حضرت عمرؓ نے قائم کی جو خلفائے راشدین میں سے ہیں اور ان کے بعد خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ اور خلیفہ رابع حضرت علی المرتضیٰؓ نے آپ کی موافقت کی ہے۔ لہذا بیس تراویح کی جماعت بھی عین سنت ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''فلما کان عمر ؓ جمعھم علیٰ امام واحد وھوابی بن کعب ؓ الذی جمع الناس علیه بامر عمربن الخطاب ؓ وعمر ؓ ھومن خلفاء الراشدین حیث یقول ﷺ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی عضوا علیھا بالنواجذ یعنی اضراس لانھا اعظم فی القوة وھذاالذی فعله ھو السنة'' [1]

جب حضرت عمرؓ نے سب لوگوں کو ایک امام پر جمع فرما دیا اور وہ امام حضرت ابی بن کعبؓ ہیں کہ جن کی امامت پر لوگ حضرت عمر بن الخطابؓ کے حکم پر جمع ہوئے اور حضرت عمرؓ خلفائے راشدین میں سے ہیں جنکی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے اس کو ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑو۔الحدیث۔ نبی ﷺ نے ڈاڑھوں کا ذکر اس لئے کیا کہ یہ پکڑنے میں زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔الغرض حضرت عمرؓ نے جو کام سرانجام دیا وہ بالکل سنت ہے۔

(۸) بیس تراویح سنت مؤکدہ ہیں:۔

جس سنت پر رسول اللہ ﷺ یا آپ کے خلفاء نے ہمیشگی نہ کی ہو بلکہ اس کو انھوں نے کبھی کبھی سرانجام دیا ہو اس کو تو سنت غیر مؤکدہ کہتے ہیں لیکن جس کام کو آپ ﷺ یا آپ کے خلفائے راشدین نے ہمیشہ کیا ہو اور اس پر مواظبت فرمائی ہو اس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں۔ چونکہ بیس تراویح حضرات خلفائے راشدینؓ کی قائم کردہ ہیں اور اس پر انہوں نے مواظبت بھی کی ہے لہذا بیس تراویح کا پڑھنا بھی سنت مؤکدہ ہے۔

---

[1] فتاوی ابن تیمیہ (۲۲/۲۳۴) بحوالہ نماز پیمبر (ص۲۵۴)۔

علمائے کرام نے بیس تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے کی باقاعدہ تصریح کی ہے۔ چنانچہ چند حوالے ہدیۂ ناظرین ہیں۔

(۱) حجۃ الاسلام امام محمد الغزالیؒ فرماتے ہیں:۔

التراویح وھی عشرون رکعۃ و کیفیتھا مشھورۃ وھی سنۃ مؤکدۃ۔ [1]

تراویح بیس رکعات ہیں اور ان کی کیفیت مشہور ہے اور یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

(۲) مشہور محدث امام ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:۔

"وقیام شھر رمضان عشرون رکعۃ یعنی صلوۃ التراویح وھی سنۃ مؤکدۃ [2]

قیام رمضان یعنی نماز تراویح بیس رکعات ہیں اور یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

(۳) عظیم محقق علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:۔

"التراویح سنۃ مؤکدۃ لمواظبۃ الخلفاء الراشدین اجماعا بعد صلوۃ العشاء وھی عشرون رکعۃ" [3]

نماز عشاء کے بعد تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا بالاتفاق خلفائے راشدین کی مواظبت سے ثابت ہے اور وہ بیس رکعات ہیں۔

(۴) علامہ عبدالحی صاحب لکھنویؒ فرماتے ہیں:۔

وصرحوا ایضا بان عشرین رکعۃ سنۃ مؤکدۃ۔ [4]

علمائے کرام نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ بیس تراویح سنت مؤکدہ ہیں۔

علامہ (ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی) ارقام فرماتے ہیں:

صلوۃ التراویح او قیام شھر رمضان عشرون رکعۃ وھی سنۃ مؤکدۃ۔ [5]

نماز تراویح یا قیام رمضان بیس رکعات ہیں اور یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

---

[1] احیاء العلوم (۱/۱۶۷) [2] المغنی (۱/۸۰۲) [3] رد المحتار (۱/۵۲۱)

[4] تحفۃ الاخیار ص (۴۰) [5] الفقہ الاسلامی وادلتہ (۲/۷۲)

(۹) بیس رکعات سے کم تراویح پڑھنا گناہ اور موجب وبال ہے۔

اب یہ بات ثابت ہوگئی کہ بیس تراویح سنت مؤکدہ ہیں اور سنت مؤکدہ کا عمداً ترک کرنا عصیان اور گناہ ہے۔لھذا بیس تراویح سے کم پڑھنا گناہ اور سنت مؤکدہ کا ترک کرنا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ (جو غیر مقلدین کے ہاں بھی بڑی قابل قدر شخصیت ہیں [1]) اس بات کو نہایت واضح طریقہ سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ان مجموع عشرین رکعة فی التراویح سنة مؤکده لانه مماواظب علیه الخلفاء وان لم یواظب علیه النبی ﷺ وقدسبق ان سنة الخلفاء ایضالازم الاتباع وتارکها آثم وان کان اثمه دون اثم تارك السنة النبویة فمن اکتفٰی علیٰ ثمان رکعات یکون مسیئالترکه سنة الخلفاء وان شئت ترتیبه علیٰ سبیل القیاس فقل عشرون رکعة فی التراویح مماواظب علیه الخلفاء الراشدون وکل مماواظب علیه الخلفاء سنة مؤکدة ثم تضمه مع ان کل سنة مؤکدة یاثم تارکها،فینتج عشرون رکعة یاثم تارکهاومقدمات هذالقیاس قد اثبتناها فی الاصول السابقة۔ [2] ترجمہ: تراویح میں بیس رکعات سنت مؤکدہ ہیں اس لئے کہ اس پر خلفائے راشدین نے ہمیشگی کی ہے اگرچہ حضور ﷺ نے اس پر ہمیشگی نہیں کی، اور پہلے یہ گزر چکا ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت بھی واجب الاتباع ہے اور اس کو چھوڑنے والا گناہ گار ہے اگرچہ اس کا گناہ حضور ﷺ کی سنت ترک کرنے والے سے کم درجہ کا ہے۔ لھذا جو شخص آٹھ رکعات پر اکتفاء کرے وہ

---

[1] علامہ عبدالحیؒ لکھنویؒ۔ مولانا ارشادالحق اثری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: برصغیر پاک وہند میں جن حضرات کو تبحر علمی، جودت وذہانت، فہم وفراست اور زہد وتقوٰی کے ساتھ ساتھ کثرت تصنیف کا شرف حاصل ہے، ان میں حضرت مولانا علامہ عبدالحی لکھنویؒ بھی ہیں۔ اثری صاحب مزید لکھتے ہیں: ۔مولانا لکھنوی فقہی مکتب فکر کے اعتبار سے حنفی علماء میں شمار ہوتے ہیں مگر ان کے ہاں وہ فقہی جمود نہیں جو عموماً برصغیر کے حنفی علماء میں پایا جاتا ہے ہفت روزہ الاعتصام ۴ جون تا ۱۰ جون ۱۹۹۹ء ص ۲۰،۲۱۔ع والفضل ماشهدت بہ الاعداء [2] تحفة الاخیار" (ص ۶۷۔۶۸) مشمولہ مجموعہ رسائل لکھنویؒ (۴/ ۳۰۷۔۳۰۸)

برا کام کرنے والا ہے کیونکہ اس نے خلفائے راشدین کی سنت کو ترک کیا۔ اگر تم قیاسی طریقہ پر اس کی ترتیب سمجھنا چاہو تو یوں کہو: بیس رکعت تراویح پر خلفائے راشدین نے مواظبت کی اور جس پر خلفائے راشدین نے مواظبت کی ہو وہ سنت مؤکدہ ہے لھذا بیس رکعت بھی سنت مؤکدہ ہیں۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملاؤ کہ ہر سنت مؤکدہ کو ترک کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے لھذا بیس رکعات کا تارک بھی گناہ گار ہو گا۔ اس قیاس کے مقدمات ہم سابقہ اصول میں ثابت کر چکے ہیں۔

(۱۰) تراویح تہجد کی نماز سے الگ ایک جدا نماز ہے۔

نماز تراویح اور نماز تہجد دونوں جداگانہ نمازیں ہیں۔ جو نماز اول شب میں ادا کی جاتی ہے اس کو نماز تراویح یا قیام رمضان کہا جاتا ہے اور جو نماز آخر شب میں پڑھی جائے اس نماز کو تہجد یا قیام اللیل کہتے ہیں۔ یہ تمام اہل اسلام کا متفقہ مسئلہ ہے لیکن آج کل کے غیر مقلدین حضرات جس طرح رکعات تراویح کے مسئلہ میں تمام اہل سنت والجماعت سے کٹ کر صرف آٹھ تراویح کے قائل ہیں اسی طرح اس جماعت کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ اس جماعت کے ایک سرکردہ رکن مولوی عبداللہ چکڑالوی (جو بعد میں منکر حدیث ہو گئے تھے) نے سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ نماز تراویح اور نماز تہجد دونوں ایک ہی نماز ہیں اور چونکہ یہ انوکھا مسئلہ جس طرح تمام اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف تھا اسی طرح یہ مسئلہ خود غیر مقلدین کے اکابر کی تصریحات سے بھی متصادم تھا اس لئے خود جماعت غیر مقلدین میں بھی اس کی مخالفت کی گئی۔ چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الاسلام، فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے سب سے پہلے اس فتوی کے خلاف آواز اٹھائی اور مولوی چکڑالوی کی زبردست تردید کی۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

ایسے صاف اور صحیح جواب کو پا کر بھی ان مولوی صاحب (عبداللہ چکڑالوی) نے قبول نہیں کیا بلکہ اس کے جواب میں بہت کوشش کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے وقت کی نماز اور پچھلے وقت کی نماز ایک ہی ہے دو نہیں یہی تراویح جو اول وقت میں پڑھی جاتی ہے تہجد کی نماز ہے اور کوئی نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعوی پر بھی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے۔ کیونکہ تہجد کے معنی نیند سے اٹھ

کرنماز پڑھنا قاموس میں ہے تَہَجَّدَ اِسۡتَیۡقَظَ اِنۡتَھٰی۔[1]

موجودہ غیر مقلدین بھی عبداللہ چکڑالوی کی تقلید میں تراویح اور تہجد دونوں کوایک ہی نماز قرار دیتے ہیں لیکن ان کے شیخ الاسلام کا فرمان ابھی گزرا کہ اس دعوی پر کوئی بھی دلیل موجود نہیں ہے پھر غیر مقلدین کس دلیل کی بنیاد پر دونوں نمازوں کوایک قرار دیتے ہیں۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

تراویح اور تہجد میں وجوہ فرق: نماز تراویح اور نماز تہجد میں کئی وجوہ سے فرق ہے لیکن ہم بطور نمونہ مشتے از خروارے صرف دس وجوہ فرق بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) تراویح کو قیام رمضان جبکہ تہجد کو قیام اللیل کہتے ہیں اور یہ دونوں جدا جدا نمازیں ہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد علامہ وحیدالزمان لکھتے ہیں واما قیام اللیل فھو غیر قیام رمضان[2]۔

قیام اللیل قیام رمضان کے علاوہ ہے۔

(۲) تراویح اور تہجد کا وقت بھی جدا جدا ہے۔ چنانچہ فتاوی علمائے حدیث میں ہے: تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد اول شب کا ہے اور تہجد کا آخر شب کا ہے[3]۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں: ۔تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے اول شب میں تہجد نہیں ہوتی[4]۔

مولانا صلاح الدین یوسف صاحب غیر مقلد (سابق ایڈیٹر ہفت روزہ الاعتصام) لکھتے ہیں: بہر حال تہجد کا مفہوم رات کے پچھلے پہر اٹھ کر نوافل پڑھنا ہے، ساری رات قیام اللیل کرنا خلاف سنت ہے۔ نبی ﷺ رات کے پہلے حصے میں سوتے اور پچھلے حصے میں اٹھ کر تہجد پڑھتے۔ یہی طریقہ سنت ہے[4]۔

جبکہ تراویح کے متعلق حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی ستائیسویں شب سحری تک پوری رات قیام کیا تھا[5]۔ معلوم ہوا کہ تراویح تہجد سے جدا نماز ہے۔

---

[1] اہل حدیث کا مذہب (ص۹۶) بحوالہ حدیث اور اہل حدیث (ص۲۹۰) [2] نزل الابرار (ص۳۰۴) [3] (۲۵۱/۲)
[4] فتاوی ثنائیہ (۴۳۱/۱)۔ [4] تفسیری حواشی قرآن مجید (ص۷۸۹) مطبوعہ شاہ فہد قرآن مجید پرنٹنگ پریس سعودی عرب [5] ابوداود (۱۹۵/۱)، ترمذی (۹۹/۱)

(۳) تراویح اور تہجد میں ایک وجہ فرق یہ بھی ہے کہ نماز تراویح بالاتفاق سنت مؤکدہ ہے [1]۔
جبکہ نماز تہجد کسی کے نزدیک بھی سنت مؤکدہ نہیں بلکہ سنت غیر مؤکدہ یا مستحب ہے۔
(۴) نماز تراویح عید کی نماز کی طرح اسلام کے شعائر ظاہرہ (وہ عبادات جن کو بطور اشتہار ادا کیا جاتا ہے) میں سے ہے [2]۔ لیکن تہجد کی نماز شعائر ظاہرہ میں داخل نہیں ہے۔
(۵) نماز تہجد کی مشروعیت بنص قرآنی ہوئی۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: ''وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ'' [3] اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد پڑھا کیجئے جو کہ آپ کے لیے زائد چیز ہے۔
نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا'' [4]
رات (کے وقت نماز) میں کھڑے ہو جاؤ مگر کم (ترجمہ مولانا جوناگڑھی غیر مقلد)۔
اس آیت کی تفسیر میں مولانا صلاح الدین یوسف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ آپ چادر چھوڑ دیں اور رات کو تھوڑا قیام کریں یعنی نماز تہجد پڑھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی بناء پر نماز تہجد آپ کے لیے واجب تھی [5]۔ جبکہ نماز تراویح کی مشروعیت احادیث سے ہوئی۔
چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''ان اللہ تبارک وتعالیٰ فرض صیام رمضان وسنة لکم قیامہ'' [6]۔ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے رمضان کے روزے کو فرض کیا ہے اور میں نے اس کے قیام (تراویح) کو تمہارے لئے سنت قرار دیا ہے۔
(۶) پہلے یہ گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں صرف تین رات تراویح کو باجماعت مدینہ منورہ کے اندر ادا فرمایا۔ پھر اس خدشہ کا اظہار کرتے ہوئے تراویح کو باجماعت پڑھانا چھوڑ دیا کہ کہیں یہ نماز امت پر فرض نہ ہو جائے، لیکن تہجد کی فرضیت اس سے پہلے ہی مکہ مکرمہ میں منسوخ ہو چکی تھی۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے: ''ان اللہ عزوجل افترض قیام اللیل فی

---

[1] جامع الرموز (۱/۹۵)، المغنی لابن قدامہ (۱/۸۰۲)، غیرہ
[2] نیل الاوطار (۳/۵۷) للشوکانی غیر مقلد [3] سورۃ بنی اسرائیل آیت ۷۹
[4] سورۃ المزمل مکیۃ آیت: ۲۔ [5] تفسیری حواشی (ص ۱۶۴۴) [6] سنن نسائی (۱/۳۳۹)

اول هذه السورة فقام نبی اللہ ﷺ واصحابه حولا وامسك الله تعالیٰ خاتمتها اثنی عشر شهرا فی السماء حتی انزل اللہ فی آخر هذه السورة التخفیف فصار قیام اللیل تطوعا بعد الفریضة[1]۔

بے شک اللہ عزوجل نے اس سورۃ (المزمّل) کے شروع میں قیام اللیل (تہجد) کو فرض کیا تو نبی ﷺ اور ان کے صحابہ کرام ؓ ایک سال تک قیام یعنی تہجد پڑھتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے آخری حصہ کو بارہ ماہ تک آسمان میں روکے رکھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے آخر میں تخفیف نازل کی تو قیام اللیل فرض ہونے کے بعد تطوعاً جاری ہوا۔

اب اگر تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہوتی تو تہجد کی فرضیت تو پہلے سے مکہ مکرمہ میں (کیونکہ سورۃ المزمل کی ہے) منسوخ ہو چکی تھی تو پھر دوبارہ مدینہ منورہ میں اس کے فرض ہونے کا کیا خوف تھا جس کا نبی ﷺ نے خدشہ ظاہر فرمایا۔ معلوم ہوا کہ تہجد اور تراویح دونوں علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔

(۸) آنحضرت ﷺ، صحابی رسول حضرت طلق بن علی ؓ، امام بخاریؒ اور دیگر ائمہ محدثین سے ثابت ہے کہ وہ تراویح کے بعد تہجد بھی پڑھا کرتے تھے۔ اور خود غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔ ذیل میں اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

آنحضرت ﷺ کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن تین راتوں میں صحابہ کرام ؓ کو تراویح پڑھائی، ان میں سے ایک رات آپ ﷺ نے علیحدہ بھی نماز پڑھی اور وہ تہجد کی نماز تھی۔ چنانچہ حضرت انس ؓ سے روایت ہے:

عن انس ؓ قال کان رسول اللہ ﷺ یصلی فی رمضان، فجئت فقمت الی جنبه وجاء رجل فقام ایضا حتی کنا رهطا فلما احس النبی ﷺ انا خلفه جعل یتجوز فی الصلاة ثم دخل رحله فصلی صلوة لا یصلیها عندنا[2]

---

[1] سنن کبریٰ (۲/۵۰۰)، کتاب القراءۃ (ص ۳) للبیہقی [2] مسلم (۱/۳۵۲)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ اللہ (ایک رات) رمضان المبارک میں نماز (تراویح) پڑھ رہے تھے، میں آیا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا، ایک دوسرے صحابیؓ تشریف لائے وہ بھی اسی طرح کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ہماری ایک جماعت بن گئی۔ نبی ﷺ نے جب یہ محسوس فرمایا کہ ہم آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہیں تو آپ ﷺ نے نماز کو مختصر کر کے ختم کر دیا اور اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے اور وہاں آپ ﷺ نے وہ نماز (تہجد) پڑھی جو ہمارے پاس نہیں پڑھی تھی۔

اب ظاہر ہے کہ جو نماز آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو پڑھائی وہ نماز تراویح تھی اور جو اپنے حجرے میں جا کر نماز پڑھی وہ نماز تہجد تھی۔ کیونکہ آپ ﷺ تہجد کی نماز ہمیشہ اپنے حجرہ میں پڑھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے آپؓ فرماتی ہیں: ''کان رسول اللہ ﷺ یصلی من اللیل فی حجرتہ''[1]

رسول اللہ ﷺ رات کی نماز اپنے حجرہ میں پڑھا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں حضرت انس کے الفاظ ''یصلی صلوۃ لا یصلیھا عندنا'' بھی صراحتاً اس پر دال ہیں کہ آپ ﷺ نے جو نماز حجرہ میں ادا فرمائی وہ اس نماز سے جدا تھی جو آپ ﷺ نے مسجد میں صحابہ کے ساتھ پڑھی، حجرہ والی نماز نماز تہجد تھی جبکہ آپ ﷺ نے مسجد میں جو نماز ادا کی وہ نماز تراویح تھی۔

صحابی رسول ﷺ حضرت طلق بن علیؓ کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا۔

حضرت طلق بن علیؓ کے صاحبزادے حضرت قیس بن طلق اپنے والد کا قصہ بیان کرتے ہیں: ''قال زارنا طلق ؓ بن علی فی یوم من رمضان وامسیٰ عندنا وافطر ثم قام بنا تلك اللیلة واوتر بنا ثم انحدر الی مسجده فصلّی با صحابه حتی اذا بقی الوتر قدم رجل فقال اوتر با صحابك فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا وتران فی لیلة''[2]۔

حضرت قیسؒ بن طلقؓ فرماتے ہیں کہ (ہمارے والد) حضرت طلقؓ بن علی رمضان المبارک میں ایک دن ہمارے پاس ملاقات کیلئے تشریف لائے اور شام تک ہمارے پاس ہی رہے اور یہیں روزہ افطار کیا۔ پھر آپؓ نے اسی رات ہمیں نماز (تراویح) پڑھائی اور وتر بھی پڑھائے، پھر اپنی مسجد کی طرف

[1] بخاری (۱/۱۰۱)   [2] سنن ابی داؤد (۱/۳۱۰)

گئے اور اپنے ساتھیوں کو نماز (تہجد) پڑھائی یہاں تک کہ وتر باقی رہ گئے تو اپنے ایک ساتھی کو آگے کر دیا اور فرمایا تم اپنے ساتھیوں کو وتر پڑھاؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہوتے۔

اس اثر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے تراویح کے بعد تہجد کی نماز پڑھی کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے جو نماز پہلی دفعہ گھر میں پڑھی پھر اس کو مسجد میں جا کر دوبارہ دہرا دیا ہو اس لئے کہ احادیث میں ایک ہی نماز کو دو دفعہ پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ لا تصلوا صلوۃ في يوم مرتين [1]۔ کہ ایک ہی نماز کو دن میں دو مرتبہ نہ پڑھو۔

امام مالک، امام ابومحمد اور شیخ ابوالحسن زیات بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔

فقہ مالکی کے مشہور محقق علامہ محمد بن عبدریؒ المعروف بہ ابن امیر الحاج نے اپنی کتاب المدخل میں نقل کیا ہے کہ امام دار الہجرۃ حضرت امام مالک، حضرت ابومحمد اور مشہور بزرگ حضرت شیخ ابوالحسن زیات بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے۔[2]

امام بخاری بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔

امام المحدثین حضرت امام بخاریؒ بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ وحید الزمان صاحبؒ غیر مقلد آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: امام حاکم ابوعبداللہ نے بسند روایت کیا ہے مقسم بن سعید سے کہ محمد ابن اسمٰعیل بخاری جب رمضان کی پہلی رات ہوتی تو لوگ ان کے پاس جمع ہوتے، وہ نماز تراویح پڑھاتے اور ہر رکعات میں بیس آیتیں پڑھتے یہاں تک کہ قرآن ختم کرتے پھر سحر کو (نماز تہجد میں) نصف سے لیکر تہائی قرآن تک پڑھتے اور تین راتوں میں ختم کرتے اور دن کو ایک قرآن ختم کرتے اور افطار کے وقت ختم ہوتا تھا اور سحر کے وقت تیرہ رکعات (تہجد کی) پڑھتے اور ایک رکعات وتر کی ہوتی [3]

---

[1] ایضا (۸۶/۱) [2] دیکھئے کتاب ''المدخل لابن الحاج'' (۲۹۹/۲) طبع بیروت۔

[3] دیکھئے تیسیر الباری شرح بخاری (۳۹/۱)

امام ابومحمد اصفہانی المتوفی ۔۔۔ھ بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔

امام ابومحمد عبداللہ بن محمد اصبہانی المعروف با بن اللبان، جومشہور شافعی فقیہ ابو حامد اسفراینی کے شاگرد تھے، کے بارے میں منقول ہے کہ وہ پورے رمضان میں لوگوں کونماز تراویح پڑھاتے تھے اور ہر روز جب تراویح سے فارغ ہوجاتے تو مسجد میں ہی نماز تہجد پڑھتے رہتے تھے یہاں تک کہ فجر طلوع ہوجاتی تھی[1]۔

غیر مقلدین کے شیخ الکل بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔

غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ[2] بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ انکے حالات میں لکھا ہے:۔رمضان شریف میں آپ صبح سے شام تک درس جاری رکھتے۔ رات بحالت قیام دو دفعہ قرآن مجید سنتے، ایک دفعہ اول رات نماز تراویح میں اپنے شاگرد حافظ احمد محدث اور فقیہ سے تین پارے ترتیل اور تجوید کے ساتھ سنتے، پھر نماز تہجد میں اپنے پوتے حافظ عبدالسلام سے ایک پارہ روزانہ سنتے[3]۔

ان آثار سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ تراویح کے بعد تہجد پڑھنا جائز ہے اور یہ دونوں جدا جدا نمازیں ہیں اسی طرح ان آثار سے غیر مقلدین کے اس دعوٰی کی بھی تردید ہوجاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یا کسی صحابی ﷜، یا کسی سلف سے تراویح کے بعد تہجد پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

(۸) امیر المؤمنین خلیفہ راشد حضرت فاروق اعظم ﷜ بھی تراویح اور تہجد کو علیحدہ علیحدہ نماز سمجھتے

---

[1] تاریخ بغداد (۱۰/۱۴۳) [2]۔مولانا میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ:۔موصوف جماعت غیر مقلدین میں نہایت قدر ومنزلت کے مالک تھے۔اس کا اندازہ ایک مقتدر غیر مقلد عالم مولانا بدیع الدین شاہ راشدی کے انکے بارے میں ان القابات سے لگایا جاسکتا ہے" شیخ الکل امام المتقین ،سید المحدثین ،تاج الفقہاء، علم العلماء ،جامع العلوم النقلیۃ والعقلیۃ ناصر السنۃ النبویۃ ،عمدۃ العاملین، حجۃ اللہ علی الخلق، مجدد القرن الامام المحدث الفقیہ الاصولی الشیخ شیخنا السید نذیر حسین الخ"۔"ہدایۃ المستفید"(۱/۱۰۰)۔بحوالہ"حدیث اور اہل حدیث"(ص۱۳۴) [3] نتائج التقلید (ص۲۹)،بحوالہ"خزائن السنن"(۳/۲۸)

تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے تراویح کی جماعت کو دیکھ کر لوگوں سے فرمایا: ''والتی تنامون عنها افضل من التی تقومون'' [۱] حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: ۔ معنی اس قول کے یہ ہیں

کہ جو نماز کہ اس سے سو رہتے ہو تم یعنی تہجد کہ یہ آخر رات میں ہوتی ہے افضل ہے اس نماز سے جو پڑھتے ہو تم یعنی تراویح کہ اس کو اول وقت پڑھتے تھے اور چونکہ یہ لوگ تراویح کو پڑھ کر تہجد کو نہیں اٹھتے تھے تو حضرت عمر ؓ نے ان کو رغبت تہجد پڑھنے کی بھی دلائی کہ افضل کو ترک کرنا نہیں چاہیے [۲] ۔

علامہ ابن الحاج مالکیؒ لکھتے ہیں: ''وماقاله عمر ؓ بن الخطاب فانما هو محمول على غيرهم لا عليهم اذانهم رضى الله عنهم جمعوابين الفضيلتين من قيام اول الليل وآخره'' [۳] حضرت عمر فاروق ؓ کا یہ فرمان صحابہ کرام ؓ کے علاوہ دوسرے لوگوں پر محمول ہے کیونکہ صحابہ کرام ؓ تو اول رات کے قیام (تراویح) اور آخر رات کے قیام (تہجد) دونوں کی فضیلت جمع کر لیتے تھے۔ معلوم ہوا کہ حضرت عمر ؓ بھی دونوں کو جدا جدا نماز سمجھتے تھے [۴] ۔

---

۱ ''بخاری'' (۲۹۹/۱) وغیرہ ۲ الرائی النجیح (ص۷) ۳ ''المدخل'' (۲۹۹/۲)

۴ بعض غیر مقلدین حضرات حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی ایک عبارت کو پیش کر کے حضرت عمر ؓ کے اس قول کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حضرت عمر ؓ نے ان دونوں نمازوں کو جدا جدا نہیں قرار دیا ہے بلکہ دونوں کو ایک نماز کہا ہے۔ چنانچہ ہم حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ عبارت کا ترجمہ مولانا نذیر احمد رحمانی غیر مقلد کے قلم سے پیش کرتے ہیں اور پھر اس پر اپنا تبصرہ کریں گے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں: ۔ اس مسلک کی تائید حضرت عمر ؓ کے اس فعل سے بھی ہوتی ہے کہ وہ خود آخر شب میں اپنے گھر پڑھا کرتے تھے حالانکہ لوگوں کو یہ حکم دیا تھا وہ جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھا کریں۔ وہ خود جماعت میں شریک نہیں ہوا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے تھے کہ نبی ﷺ کا طریقہ یہی تھا کہ آپ آخر شب میں پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر ؓ نے لوگوں کو متنبہ بھی کر دیا تھا جو نماز تم اول شب میں پڑھتے ہو اس کو اگر آخر شب میں پڑھا کرو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ؓ نے تراویح اور تہجد کی رمضان میں دونوں کو ایک ہی قرار دیا۔ انوار المصابیح (ص۸۳) بحوالہ فیض الباری (۴۲۰/۲)

جواب: حضرت شاہ کشمیری کی طرف سے اس عبارت کا انتساب کچھ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

اولاً: اس عبارت کی بنیاد دو باتوں پر ہے۔ نمبر ا: حضرت عمر ؓ تراویح بجائے اول شب لوگوں کے ساتھ مسجد میں پڑھنے کے

(۹) سب ائمہ حدیث بھی تراویح اور تہجد میں مغائرت کے قائل ہیں۔ چنانچہ تمام مشہور محدثین نے تراویح کا الگ باب قائم کیا ہے اور تہجد کا باب الگ قائم کیا ہے مثلاً امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں، امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں، امام ابوداؤدؒ، امام ترمذیؒ، امام نسائیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے اپنی اپنی سنن میں، امام مالکؒ ورامام محمدؒ نے موطا میں، امام عبدالرزاقؒ اور امام ابی شیبہؒ نے اپنی اپنی مصنف میں، امام بیہقیؒ نے سنن الکبریٰ وغیرہ میں، امام دارقطنیؒ نے اپنی سنن میں، امام بغویؒ نے المصابیح میں، امام خطیب

= کے گھر میں آخر شب میں پڑھتے تھے۔ نمبر۲: حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ نبی ﷺ کا عمل بھی تراویح کو آخر شب میں پڑھنے کا تھا لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں، پہلی اس لئے کہ خود حضرت عمرؓ کا لوگوں کے ساتھ (اول شب) مسجد میں تراویح پڑھنا ہی ثابت ہے چنانچہ مدونہ کبریٰ (۱/۱۹۴) میں ہے ان عمر ؓ وعثمان ؓ کانا یقومان فی رمضان مع الناس ۔ نیز اگر حضرت عمرؓ گھر میں ہی تراویح پڑھتے تھے تو اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ ضرور آخر شب میں ہی تراویح ادا کرتے تھے۔ اور دوسری بات اس لیے غلط ہے کہ خود شاہ صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ: ان الذی ثبت عنہ ﷺ ھو التراویح اول اللیل ۔ معارف السنن (۵/۵۵۲) بے شک نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ اول شب میں تراویح پڑھا کرتے تھے۔ نیز فرماتے ہیں:۔ لکن الاحادیث الصریحۃ ان قیامہ ﷺ بھم فی رمضان کان فی اول اللیل ۔ حوالہ سابق ۔ یعنی صریح احادیث میں ہے کہ نبی ﷺ صحابہ کے ساتھ قیام (تراویح) اول شب پڑھتے تھے۔ پس جب اس قول کی بنیاد ہی غلط ہے تو اس غلط بنیاد پر قائم قول کو کیسے صحیح باور کیا جا سکتا ہے؟۔ **ثانیا:۔** حضرت کشمیری کی حضرت عمرؓ کے اس فرمان کے بارہ میں بیان کردہ یہ توجیہ ان کی ہی ایک دوسری توجیہ جو انہوں نے حضرت عمرؓ کے اس فرمان کے تحت ہی بیان کی ہے، سے متصادم ہے چنانچہ حضرت اس قول کی توجیہ بیان کرتے ہیں: ان غرض عمر الفاروق ؓ انکم تنامون آخراللیل وتصلون اولہ مع ان الاولیٰ بکم ان تطیلوھاالیٰ آخراللیل ''معارف السنن'' (۵/۵۵۲) یعنی حضرت عمرؓ کی غرض اس اپنے فرمان سے یہ تھی کہ تم آخر رات کو تو سو جاتے ہو اور اول رات تراویح پڑھتے ہو۔ حالانکہ تمہارے لیئے بہتر یہ ہے کہ تم اس نماز کو آخر شب تک لے جاؤ۔ اب شاہ صاحب اپنے اس بیان میں صاف اقرار کر رہے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ تم تراویح تو اول شب ہی پڑھو لیکن اس کو ذرا لمبا کر کے تہجد کے وقت تک لے جاؤ تا کہ تم کو بتداخل صلوٰتین (تراویح اور تہجد) دونوں کا ثواب ملتا رہے اور مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب کے حوالہ سے آگے آرہا ہے کہ تداخل صلوٰتین سے دو نمازوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا اور حضرت کشمیریؒ نے اسی توجیہ کو راجح قرار دیا ہے دیکھئے معارف السنن ۔ معلوم ہوا کہ حضرت کی بیان کردہ پہلی توجیہ مرجوح ہے لہذا غیر مقلدین کا اس توجیہ (جو خود صاحب توجیہ کے نزدیک بھی مرجوح ہے) سے استدلال کرنا باطل ہے۔

تبریزیؒ نے مشکوۃ میں، امام ابوحنیفہؒ نے کتاب الآثار میں، امام خوارزمیؒ نے مسند امام اعظم میں، امام ابن نصر مروزیؒ نے قیام اللیل میں، امام ابن تیمیہؒ نے منتقی الاخبار میں، امام ابن حجر عسقلانی نے بلوغ المرام میں تراویح کا باب الگ باندھا ہے اور تہجد کا باب الگ قائم کیا ہے۔ ان محدثین کرام کا تراویح اور تہجد کے الگ الگ باب باندھنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک دونوں جدا جدا نماز ہیں یہاں تک کہ غیر مقلدین کی کتب حدیث صلوۃ الرسول وغیرہ میں بھی دونوں کے الگ الگ باب موجود ہیں۔

(۱۰) ائمہ حدیث کی طرح فقہائے کرام بھی تراویح اور تہجد کو علیحدہ علیحدہ نماز سمجھتے ہیں اور تمام کتب فقہ میں تراویح اور تہجد کا الگ الگ باب قائم ہے اور ان دونوں کے مسائل جدا جدا لکھے گئے ہیں بلکہ کتب فقہ میں تو تراویح اور تہجد کے الگ الگ ہونے کی باقاعدہ تصریح موجود ہے۔ فقہاء احناف نے تو ہمیشہ اس کا اہتمام فرمایا ہے دوسرے ائمہ فقہ کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

فقہ حنبلی کی معتبر کتاب ''المقنع'' میں ہے:۔ ''ثم التراویح وھی عشرون رکعۃ یقوم بھا فی رمضان فی جماعۃ ویوتر بعدھا فی الجماعۃ فان کان لہٗ تھجد جعل الوتر بعدہ[1]۔

پھر تراویح کی نماز ہے اور اس کی بیس رکعتیں ہیں کہ ان کو رمضان المبارک میں باجماعت پڑھے اور اس کے بعد وتر کو بھی جماعت کے ساتھ پڑھے اور اگر تہجد بھی پڑھنے ہوں تو پھر وتر کو تہجد کے بعد پڑھے۔

فقہ مالکی کی کتاب ''المدخل'' میں ہے:'' ینبغی للمکلف انہ اذا صلی المغرب یعجل فطرہ ثم یقوم فیصلی بحزبین ونصف او اکثر قبل العشاء ثم یخرج فیصلی مع الناس القیام ویوتر معھم ثم ینام ماقدر لہ ثم یقوم لتھجدہ فیصلی ماتیسر لہ مما بقی علیہ من اللیل[2]۔ مکلّف (بالغ) کیلئے مناسب ہے کہ جب وہ مغرب کی نماز پڑھے تو جلدی افطار کرلے پھر نماز (اوابین) کیلئے کھڑا ہو جائے اور نماز میں ڈھائی پارے یا اس سے زیادہ پڑھے۔ پھر (مسجد کی طرف) نکلے اور لوگوں کے ساتھ قیام یعنی تراویح پڑھے پھر سو جائے جو اس کے مقدر میں ہے، سونے کے بعد تہجد پڑھنے کیلئے کھڑا ہو جائے اور جس قدر آسانی ہو باقی رات نماز نفل (تہجد) پڑھے۔

---

[1] کتاب المقنع (ص۱۸۴) [2] (۳۰۰/۲)

علامہ ابن رشد مالکیؒ تہجد اور تراویح میں تقابل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔" وان التراویح التی جمع علیها عمر ﷺبن الخطاب مرغب فیهاوان کانو ااختلفوا فی ای افضل اهی اوالصلوة آخرالليل ؟ اعنی التی کانت صلوة رسول اللہ ﷺ لکن الجمهور علیٰ ان صلوة آخرالليل افضل[1] -

تراویح جس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جمع کیا اس میں رغبت دی گئی ہے، اگر چہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ تراویح افضل ہے یا آخری رات کی نماز (تہجد) افضل ہے؟ یعنی جو رسول اللہ ﷺ کی نماز تھی لیکن جمہور کے نزدیک آخر رات کی نماز (تہجد) افضل ہے۔

"الفقہ الاسلامی وادلتہ" (جو چاروں فقہ کے مسائل پر مشتمل کتاب ہے) میں ہے:۔

فان کان له تهجد جعل الوتر بعده استحبابا لقوله ﷺ اجعلوا آخر صلوتكم بالليل وترا وان لم يكن له تهجد جعل الوترمع الامام لينال له فضيلة الجماعة[2]

اگر کسی نے تراویح کے بعد تہجد پڑھنے ہوں تو مستحب ہے کہ وتر کو تہجد کے بعد پڑھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ۔ اور اگر تراویح کے بعد تہجد نہیں پڑھنی تو پھر وتر کو امام کے ساتھ پڑھ لے تا کہ اس کو جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے۔

شارح بیجوری شافعیؒ لکھتے ہیں: و کیف کانت صلوته ﷺ فی رمضان ای فی لياليه وقت التهجد زيادة علىٰ ماصلاها بعد العشاء من التراويح [3]۔

اور رسول اللہ ﷺ کی رمضان میں نماز کیسی ہوتی تھی یعنی رمضان کی راتوں میں تہجد کے وقت کہ جو نماز تراویح کے علاوہ تھی جس کو رسول ﷺ عشاء کے بعد پڑھتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ (جن کو غیر مقلدین اہل حدیث اور غیر مقلد قرار دیتے ہیں) بھی تراویح اور تہجد کو جدا جدا نماز قرار دیتے تھے۔ چنانچہ حدیث عائشہؓ کے بارہ میں لکھتے ہیں:۔

حضرت عائشہؓ جس نماز کا ذکر کر رہی ہے اس سے مراد تہجد کی نماز ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں

---

[1] "بدایۃ المجتہد" (۱/۱۵۳) [2] (۲/۷۵) [3] بیجوری شرح شمائل ترمذی (ص ۱۴۳) بحوالہ نماز مسنون (ص ۶۲۲)

برابر تھی۔ اس کو صلوۃ اللیل کہتے ہیں۔ لیکن تراویح کی نماز اس کے علاوہ ہے کہ محدثین کرام کے عرف میں اسے قیام رمضان کہتے ہیں۔ ۱؎

ان حوالہ جات سے واضح ہوگیا کہ فقہائے کرام بھی تراویح اور تہجد دونوں کے جدا جدا ہونے کے قائل ہیں ورنہ وہ کبھی بھی ان دونوں کے علیحدہ علیحدہ ہونے کی تصریح نہ کرتے اور نہ تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کی اجازت دیتے کیونکہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک ہی نماز کو دو دفعہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے ۲؎ ۔

خود غیر مقلدین کے علماء نے بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد سے سوال کیا گیا کہ جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ آخر رات تہجد پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ مولانا صاحب جواب میں لکھتے ہیں: پڑھ سکتا ہے تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے۔ اوّل شب میں تہجد نہیں ہوتی ۳؎ ۔

اسی طرح فتاوی علماء حدیث میں ہے: تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد اول شب کا ہے اور تہجد کا آخر شب کا ہے ۴؎ ۔

خواجہ محمد قاسم غیر مقلد لکھتے ہیں: ماہ رمضان میں اکثر لوگ یہ مسئلہ پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رات کے پہلے حصے میں قیام کر چکا ہو تو وہ پچھلے حصے میں بھی قیام کر سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بلکل کر سکتا ہے کیونکہ نبی ﷺ سے ایک ہی رات کے مختلف حصوں میں قیام کرنا ثابت ہے ۵؎ ۔

قارئین:۔ غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں ان ٹھوس دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت ہوگیا کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نماز ہے اور غیر مقلدین کا یہ دعویٰ قطعاً بے بنیاد ہے کہ یہ دونوں ایک ہی نماز ہیں۔ نیز ان کا یہ دعوی خود ان کے اپنے اکابر کے مسلک کے بھی خلاف ہے۔ ان دس دلائل کے علاوہ اور بھی کئی دلائل ہمارے پیش نظر ہے لیکن بوجہ اختصار ان ہی دس دلائل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ انصاف پسند کے لے لیے یہی کافی ہیں۔ تلك عشرة كاملة۔

۱؎ حاشیہ مالا بد منہ (ص ۷۸)

۲؎ سنن ابی داؤد (۱/۸۶) ۳؎ فتاوی ثنائیہ (۱/۶۸۲) ۴؎ (۶/۲۵۱) ۵؎ حی علی الصلوۃ (ص ۳۹)

چند شبہات کا ازالہ :

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحبؒ کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ تراویح اور تہجد کو ایک قرار دینے والوں کے پاس ایک بھی دلیل موجود نہیں، البتہ غیر مقلدین کے چند شبہات ہیں جن کو وہ اپنے زعم میں بہت وزنی دلائل سمجھتے ہیں اور ان ہی چند شبہات کو غیر مقلدین کا تقریباً ہر مصنف دہراتا ہے۔

اس لئے اب ان شبہات کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں۔

شبہ نمبر ۱:۔ مولانا نذیر احمد رحمانی اور مولوی محمد قاسم خواجہ وغیرہ غیر مقلدین لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جن تین راتوں میں صحابہ کرامؓ کو تراویح پڑھائی اس کے بعد ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے تہجد بھی پڑھی ہو بلکہ آخر شب کی نماز کے متعلق تو آتا ہے کہ آپ ﷺ نے آخر شب تک قیام کیا۔ معلوم ہوا کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے [۱]۔

جواب :۔ اس شبہ کے کئی جوابات ہیں لیکن ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کا جواب خود غیر مقلدین کے اپنے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب کی طرف سے دیا جائے جو انھوں نے عبداللہ چکڑالوی منکر حدیث کو دیا تھا۔ چنانچہ امرتسری صاحب عبداللہ چکڑالوی کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :۔ رہی یہ بات کہ جن تین دنوں میں آپ ﷺ نے اول شب تراویح پڑھی تھی ان دنوں میں آخر شب بھی نماز پڑھی ہوگی، یہ تو گیارہ رکعت سے زیادہ ہوگئی اور اگر نہیں پڑھی ہوگی تو ارشاد خداوندی فَتَهَجَّدْ کی تعمیل نہ ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں صورتیں ممکن ہیں یعنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے ان دنوں میں نماز تہجد پڑھی ہو مگر چونکہ تمام عمر کے لحاظ سے تین دن کی مقدار ایسی قلیل ہے کہ جس کی کوئی نسبت ہی نہیں ملتی اس لئے حضرت عائشہؓ نے عام طور پر نفی کر دی کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی زیادہ نہیں پڑھیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان تین دنوں میں حضور ﷺ اسی اول شب کو قائم مقام پچھلی رات کی نماز کے کر کے پڑھی ہو لیکن کسی نماز کا دوسری نماز کے قائم مقام ثواب میں ہو جانے سے ان دونوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا دیکھو جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے مگر دونوں ایک نہیں، جمعہ کے واسطے کئی ایک شرائط ہیں جو ظہر کیلئے نہیں [۲]۔

---

[۱] صلٰوۃ التراویح (ص ۸۲)، حی علی الصلوۃ (ص ۳۴)وغیرہ   [۲] اہلحدیث کا مذہب (ص ۹۷)

اب غیر مقلدین حضرات کی مرضی ہے کہ اپنے شیخ الاسلام کا یہ جواب پسند کرتے ہیں یا عبداللہ چکڑالوی منکر حدیث کی بات مانتے ہیں!

ع پسند اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا

شبہ نمبر۲:۔ حافظ محمد زبیر علی زئی پیر دادی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:۔بعض لوگوں کا یہ دعوی ہے کہ تہجد اور تراویح علیحدہ علیحدہ دو نمازیں ہیں۔ان کے اصول پر نبی ﷺ نے ۲۳ رکعات تراویح (۲۰+۳) پڑھیں جیسا کہ ان لوگوں کا عمل ہے اور اسی رات کو گیارہ رکعات تہجد (۸+۳) پڑھیں جیسا کہ ان کے نزدیک صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔یہاں پر اشکال یہ ہے کہ اس طرح تو یہ لازم آتا ہے کہ ایک رات میں آپ ﷺ نے دو دفعہ وتر پڑھے حالانکہ نبی ﷺ نے فرمایا: لا وتران فی لیلۃ ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں...الخ[1]

مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: بموجب قول بعض حنفیہ حضرت عائشہؓ کی روایت گیارہ رکعات والی اور حضرت ابن عباس ؓ کی روایت بیس تراویح اور تین وتر مزید والی کو یوں جمع کیا جائے کہ قیام رمضان اور نماز تہجد جدا جدا نمازیں ہیں تو اس صورت میں ایک رات دو دفعہ وتر پڑھنے ثابت ہوتے ہیں اور یہ عمل اس حدیث کے خلاف ہے جو آنحضرت ﷺ نے فرمائی کہ ایک رات میں دو وتر جائز نہیں ہیں[2]

جواب:۔ پہلے یہ گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف تین رات صحابہ کرام ؓ کو نماز تراویح پڑھائی۔ اس کے علاوہ باقی دنوں میں آپ ﷺ نے گھر میں ہی بلا جماعت تراویح ادا فرمائیں۔اب ان جن تین دنوں میں آپ ﷺ نے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھیں ان میں وتر کس وقت پڑھے؟ آیا تراویح کے متصل بعد یا پھر آخر میں تہجد پڑھنے کے بعد؟ تو اس کی کسی صحیح روایت میں تصریح نہیں ملتی۔لیکن ظاہر یہی ہے کہ آپ ﷺ نے تراویح کے بعد ہی صحابہ کرام ؓ و تابعین کو وتر بھی پڑھا دیئے اور پھر تہجد پڑھنے کے بعد وتر کا اعادہ نہیں کیا جیسا کہ حضرت طلق ؓ بن علی کے عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ آپ نے جب

[1] نور المصابیح (ص ۱۴) [2] انارۃ المصابیح (ص ۴۲)

اپنے ساتھیوں کو نماز تراویح پڑھائی تو وتر بھی ساتھ ہی پڑھا دیئے اور پھر جب تہجد پڑھی تو وتر کا اعادہ نہیں کیا۔ یہ روایت دلیل نمبر ۲ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

جہاں تک غیر مقلدین کا یہ اشکال ہے کہ حدیث ابن عباس ؓ اور حدیث عائشہؓ میں تطبیق دینے سے آپ ﷺ کا دو دفعہ وتر پڑھنا لازم آتا ہے، تو یہ اشکال بالکل غلط ہے کیونکہ حضرت ابن عباس ؓ کی روایت میں یہ وضاحت نہیں کہ آپ ﷺ نے بیس تراویح پڑھنے کے متصل بعد وتر پڑھے بلکہ اس میں تو صرف اتنا مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیس تراویح اور تین وتر پڑھے۔ اب یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے اول شب میں بیس تراویح پڑھ کر وتر چھوڑ دیئے ہوں اور پھر آخر شب آٹھ رکعت تہجد پڑھ کر وتر پڑھے ہوں جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرما رہی ہیں۔ بہر حال یہ ساری تفصیل تو اس وقت ہے جب یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباس ؓ ایک ہی رات کا واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ دونوں حضراتؓ آپ ﷺ کی علیحدہ علیحدہ رات کی نماز کی کیفیت بیان کر رہے ہیں تو پھر سرے سے یہ اشکال ہی وارد نہ ہوگا کیونکہ پھر اس صورت میں اگر یہ بھی کہا جائے کہ حضرت ابن عباس ؓ کی بیان کردہ کیفیت نماز میں رسول اللہ ﷺ نے اول شب تراویح کے ساتھ ہی وتر بھی پڑھ لئے تو بھی درست ہے اور اس کا حضرت عائشہؓ کی روایت سے بھی تعارض نہیں ہوگا جس میں آپؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر تہجد کے بعد آخر شب میں پڑھے کیونکہ دونوں روایتیں دو مختلف زمانوں پر محمول ہوں گی۔ یعنی کبھی تو آپ ﷺ نے وتر اول شب ہی تراویح کے بعد پڑھ لیے جیسا کہ حضرت ابن عباس ؓ فرما رہے ہیں اور کبھی آپ ﷺ نے وتر آخر شب تہجد کے بعد پڑھے جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

اور نبی ﷺ کا رات کے مختلف حصوں میں وتر پڑھنا خود حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے جیسا کہ خود غیر مقلدین کے ایک عالم خواجہ محمد قاسم نے تصریح کی ہے[1]۔

باقی رہا نبی ﷺ کا یہ فرمان: اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل وتراً۔ اپنی رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ، تو اس فرمان کا تعلق صرف استحباب سے ہے کیونکہ آپ ﷺ کا وتر کے بعد بھی نوافل پڑھنا ثابت ہے[2]۔

---

[1] حی علی الصلوٰۃ (۳۸) بحوالہ بخاری (۱/۱۳۶) [2] دیکھئے ہفت روزہ ''الاعتصام'' (ص ۶) ۱۷ اپریل ۱۹۹۲ء

الغرض حضرت ابن عباس ﷺ کی حدیث کو تراویح پر محمول کرنے اور حضرت عائشہؓ کی حدیث کو تہجد پر محمول کرنے سے کسی صورت میں بھی آپ ﷺ کا رات میں دو دفعہ وتر پڑھنا لازم نہیں آتا۔

جواب ثانی:۔ غیر مقلدین کے مذہب پر تو یہ اشکال وارد ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ ان کے نزدیک اگر کوئی آدمی عشاء کے بعد وتر پڑھ لے اور پھر وہ آخر رات میں اگر تہجد پڑھنا چاہے تو تہجد کے بعد وہ دوبارہ بھی وتر پڑھ سکتا ہے اور پہلے وتروں کے ساتھ ایک رکعت ملا کر ان کو دوگانہ بنا لے چنانچہ نواب وحید الزمان صاحب لکھتے غیر مقلد ہیں:

ولو صلى الوتر بعد العشاء ثم استيقظ في آخر الليل واراد صلوٰة الليل فالافضل له ان ينقض وتره السابق بضم ركعة ثم يصلي صلوٰة الليل ثم يوتر هابر كعة لانه لا وتر ان في ليلة ۔[1]

اگر کسی نے وتر عشاء کے بعد پڑھ لیے، پھر وہ رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوا اور اس کا ارادہ تہجد پڑھنے کا ہوا تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ پہلے وتر کو ایک رکعت ملا کر توڑ دے اور پھر نماز تہجد پڑھے پھر اس کے بعد وتر پڑھ لے کیونکہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہوتے۔

شبہ نمبر۳:۔ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کو بھی تسلیم ہے کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔[2]

جواب:۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ قول بھی غیر مقلدین کیلئے کچھ مفید نہیں ہوسکتا ہے۔

اولاً: یہ ایک امتی بلکہ مقلد امتی کا قول ہے اور غیر مقلدین کا دعوی تو یہ ہے کہ ہم صرف قرآن وحدیث کو حجت مانتے ہیں۔ مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں:۔ ہم اہل حدیث ہیں۔ ہمارا نعرہ ہے۔

؎ اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن　　　پس حدیث مصطفی بر جان مسلم داشتن

ہم کہا کرتے ہیں:۔

؎ ہوتے ہوئے مصطفی کی گفتار　　　مت دیکھ کسی کا قول وکردار [3]

---

[1] نزل الابرار (۱/۱۴۴)　[2] فیض الباری (۲/۴۲۰)، العرف الشذی (۱/۱۶۶)　[3] انوار المصابیح (ص۴۰)

اب نہ جانے کس مجبوری میں آکر غیر مقلدین نے اپنے نعرہ کو چھوڑ دیا اور امتی کے قول کو گلے لگالیا۔ مولانا نذیر صاحب نے بھی اپنی کتاب میں اسی قول کو دلیل نمبر ۴ کے طور پر پیش کیا ہے۔ اِنّا لِلّٰہِ ....

ع بنتے ہو وفادار تو وفا کر کے دکھاؤ
کہنے کی وفا اور ہے کرنے کی وفا اور

غیر مقلدین حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ کے قول سے نہ تو استدلال کر سکتے ہیں اور نہ اس کو دلیل الزامی میں پیش کر سکتے ہیں کیونکہ دلیل الزامی کیلئے بھی دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ اوّل:۔ دلیل الزامی کیلئے کوئی بنیاد یعنی کوئی تحقیقی اور استدلالی دلیل موجود ہو اور وہ غیر مقلدین کے پاس ندارد۔

دوسرے:۔ دلیل الزامی کیلئے ضروری ہے کہ وہ مقابل کے مسلمات کی روشنی میں ہو اور وہ دلیل غیر شاذ ہو جبکہ حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ قول بشرط ثبوت خود علمائے احناف بلکہ تمام اہل سنت فقہاء کے خلاف ہے، بلکہ اکابرین دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ وغیرہ کی تصریحات سے بھی متصادم ہے[۱]۔ بالخصوص جب کہ حضرت شاہ صاحبؒ خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عامۃ العلماء ان

---

[۱] ۔ تراویح اور تہجد کی مغائرت میں اکابرین دیوبندؒ کی تصریحات:۔

﴿۱﴾ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں: تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز۔ تصفیۃ العقائد (ص ۴)۔ نیز آپ نے اپنی کتاب الحق الصریح میں بھی تراویح اور تہجد کے جدا جدا ہونے پر بھی محققانہ بحث کی ہے۔ دیکھئے (ص ۳ تا ۴)۔

﴿۲﴾ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: نماز تہجد اور نماز تراویح ہر دو صلوٰۃ جداگانہ ہیں کہ ہر ایک کی تشریح اور احکام جدا ہیں۔ الرائی النجیح (ص ۲) پھر آپ نے (ص ۳ تا ۱۰) تک تفصیلی اور تحقیقی بحث کی ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔

﴿۳﴾ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ فرماتے ہیں: صلوٰۃ اللیل سے چونکہ تہجد مراد ہوتا ہے لہذا سائل کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے فرمادیا کہ تہجد رمضان وغیرِ رمضان میں برابر تھا۔ اس سے تراویح کی نفی نہیں نکلتی کیونکہ وہ صلوٰۃ مستقلہ علیحدہ ہے عرفاً اس کو صلوٰۃ الیل نہیں کہتے۔ محدثین اور فقہاء اس کو تہجد کے علاوہ مستقل باب میں بیان کرتے ہیں الخ۔ دیکھئے "الورد الشذی" علی جامع الترمذی (ص ۱۰۵) مرتبہ: مولانا سیّد اصغر حسین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند ناشر معہد الخلیل کراچی۔

دونوں نمازوں کے جدا جدا ہونے کے قائل ہیں۔ لہذا غیر مقلدین کا حضرت شاہ صاحب کے اس شاذ قول کو لے کر علمائے دیوبند کے خلاف دلیل الزامی میں پیش کرنا بھی باطل ہے۔ ثانیاً:۔ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ بھی من جملہ تراویح اور تہجد میں مغائرت کے قائل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: قال عامة العلماء ان التراویح وصلوٰة اللیل نوعان مختلفان والمختار عندی انهما واحد وان اختلفت صفاتهما کعدم المواظبة علی التراویح واداء ها بالجماعة واداء ها فی اوّل اللیل تارة وایصالها الی الاخریٰ بخلاف التهجد فانه کان فی آخر اللیل ولم یکن فیه الجماعة۔ ؎

اکثر علماء کہتے ہیں کہ تراویح اور تہجد دو مختلف قسم کی نمازیں ہیں اور میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ دونوں ایک ہی ہیں اگر چہ ان کی صفات مختلف ہیں جس طرح کہ (نبی ﷺ کی طرف) سے تراویح پر مواظبت نہ ہونا اور اسے جماعت سے ادا کرنا اور کبھی اس کو رات کے شروع میں ہی پڑھ لینا اور کبھی اس کو سحری تک لے جانا، بخلاف تہجد کے کہ یہ (آپ ﷺ کی نماز) رات کے آخری حصہ میں ہوتی تھی اور اس میں جماعت نہ تھی الخ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ عبارت سے واضح ہے کہ وہ بھی تراویح اور تہجد میں کئی لحاظ سے فرق کرتے ہیں اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی نماز تراویح تہجد سے کئی لحاظ سے مختلف تھی۔ البتہ وہ دیگر علمائے کرام سے صرف اس قدر اختلاف رکھتے ہیں کہ نبی ﷺ سے کسی حدیث میں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے ایک رات میں تراویح کے بعد نماز تہجد بھی پڑھی ہو کہ جس کی وجہ سے کہا جائے کہ تراویح اور تہجد من کل الوجوہ علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔ لیکن جب حضرت کشمیریؒ نے خود تسلیم کر لیا ہے کہ نبی ﷺ کی یہ دونوں نمازیں کئی صفات سے میں باہم مختلف تھیں تو ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ نمازیں قرار دینے کیلئے یہی دلیل کافی ہے۔ باقی رہا ان کا یہ فرمانا کہ نبی ﷺ سے ایک رات میں تراویح کے بعد تہجد پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں تو یہ بات درست نہیں کیونکہ ہم پہلے صحیح مسلم (۱/۳۰۲) کے حوالہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ

؎ فیض الباری (۲/۴۲۰)

رسول اللہ ﷺ نے ایک رات میں تراویح کے علاوہ بھی نماز پڑھی ہے جو تہجد کی نماز تھی، اگر حضرت کشمیریؒ کی تحقیق میں یہ بات نہیں آئی اور وہ اس طرف متوجہ نہ ہو سکے تو یہ کوئی عیب یا عجیب بات نہیں۔ ایسی غلطی کا لگ جانا انسانی فطرت میں داخل ہے۔ علم محیط کلی صرف خاصہ خداوندی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بڑے سے بڑا محدث بھی غلطی اور خطا سے مبّرا نہیں۔ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ ایک محدث کہتا ہے فلاں حدیث ثابت نہیں یا فلاں بات کسی حدیث سے ثابت نہیں حالانکہ وہ حدیث صحیح سند کے ساتھ متون حدیث میں موجود ہوتی ہے۔ اور خود غیر مقلدین کو بھی یہ تسلیم ہے مثلاً مشہور محدث امام ابوداؤد سجستانیؒ (جن کا درجہ حضرت کشمیریؒ سے کئی گنا زیادہ ہے) فرماتے ہیں: لیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم ۔[1] جمع تقدیم کے متعلق کوئی صحیح حدیث نہیں۔ لیکن علامہ شوکانیؒ غیر مقلد جمع تقدیم کی تائید میں متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: وقد عرفت ان بعضها صحیح وبعضها حسن وذلک یرد قول ابی داؤد لیس فی جمع التقدیم حدیث قائم۔ تمہیں معلوم ہوگیا کہ ان میں سے کچھ احادیث صحیح ہیں اور کچھ حسن درجہ کی ہیں۔ اس سے امام ابوداؤد کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ جمع تقدیم کیلئے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے [2]۔

پس بقول غیر مقلدین امام ابوداؤد جیسے بڑے محدث سے غلطی کا صدور ممکن ہے اس لئے اگر کسی روایت کے متعلق علامہ کشمیریؒ نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے اور وہ روایت ثابت ہے تو انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اس روایت کو بھی تسلیم کیا جائے۔ اور یہ بھی بات ملحوظ خاطر رہے کہ العرف الشذی اور فیض الباری وغیرہ حضرت علامہ کشمیریؒ کی اپنی تصانیف نہیں ہیں کہ یہ یقین سے کہا جائے کہ علامہ کشمیری نے یہ بات ضرور ارشاد فرمائی بلکہ یہ کتابیں تو ان کی املائی تقاریر کا مجموعہ ہیں جن کو ان کی وفات کے بعد ان کے شاگردوں نے کتابی صورت میں جمع کر دیا ہے اور ناقلین سے سننے یا نقل کرنے میں غلطی کا بھی امکان ہو سکتا ہے۔ خود علامہ کشمیری کے شاگرد رشید اور داماد حضرت مولانا سیّد احمد رضا بجنوریؒ نے ''انوار الباری شرح صحیح بخاری'' میں ان کتب کے ایسے بے شمار تسامحات کی نشاندہی فرمائی ہے، فتفکر۔

---

[1] ابوداؤد مع عون المعبود (۱/۴۶۸) [2] نیل الاوطار (۳/۲۲۸) بحوالہ حی علی الصلوۃ (ص ۱۳۷)۔

شبہ نمبر۴ ۔ مولانا نذیر احمد رحمانی، حافظ زبیر علی زئی وغیرہ غیر مقلدین لکھتے ہیں: امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب قیام اللیل میں لکھا ہے کہ بعض علمائے سلف اس بات کے قائل ہیں کہ جو شخص تراویح پڑھے اس کو پھر تہجد نہیں پڑھنا چاہئے اور بعض علماء نے مطلق نفل کی اجازت دی ہے۔ علماء سلف کا یہ اختلاف صاف دلیل ہے اس بات کی کہ ان کے نزدیک یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں۔ [1]

جواب ۔ ہم تراویح اور تہجد میں فرق کی وجہ نمبر ۱۰ میں متعدد معتبر کتابوں کے حوالے سے نقل کر آئے ہیں کہ تمام مکاتب فکر کے فقہاء اور خود علمائے غیر مقلدین نے بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ اور ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت طلق بن علی ؓ اور کئی بڑے بڑے اور مشہور ائمہ محدثین اور فقہاء کرام بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے۔ خود غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی کا معمول بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کا تھا۔ اب ہم موجود غیر مقلدین سے ادب کے ساتھ درخواست کرتے ہیں کہ صرف چند معتبر علماء کے نام ہی گنوادیں جنھوں نے تراویح کے بعد تہجد پڑھنے سے منع کیا ہو۔ ہم ان سے یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ اگر تراویح کے بعد تہجد پڑھنا منع ہے تو پھر آپ کے شیخ الکل مولانا نذیر صاحب دہلوی تراویح کے بعد تہجد کیوں پڑھا کرتے تھے؟ کیا وہ اس ممانعت میں داخل نہیں؟ پھر آج بھی اسلام کے دونوں مرکزوں مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں تراویح کے بعد باقاعدہ تہجد کی نماز ہوتی ہے۔ کیا آپ غیر مقلدین نے ان کے خلاف کوئی فتوی جاری کیا ہے؟ دیدہ باید۔

الغرض غیر مقلدین کے تمام ذکر کردہ شبہات بے جان ہیں اور ان کے پاس تراویح اور تہجد کو ایک قرار دینے کیلئے کوئی ایک دلیل بھی موجود نہیں۔ لھذا ثابت ہوگیا کہ تراویح اور تہجد دونوں جدا جدا نمازیں ہیں۔ قارئین کرام! نماز تراویح سے متعلق یہ چند اہم بنیادی مباحث تھے جن کو کتاب سے پہلے ذکر کرنا ضروری تھا۔

آخر میں اہل علم حضرات کی خدمت میں التماس ہے کہ مجھے اپنی علمی بے مائیگی، کم فہمی اور نااہلی کا پورا پورا اعتراف ہے۔ اس کے باوجود میں نے اپنی بساط کے مطابق پوری کوشش کی ہے کہ کتاب کی ہر بحث

---

[1] ''انوار المصابیح'' (ص ۸۳)، ''نور المصابیح'' (ص ۱۶) بحوالہ ''فیض الباری''

مکمل اور واضح ہو اور اس کا کوئی پہلو بھی تشنہ نہ رہنے پائے۔حوالہ جات نقل کرنے میں بھی پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔پھر بھی کتاب میں غلطیوں کا پایا جانا بعید از امکان نہیں۔اس لئے اہل علم حضرات کی خدمت میں درخواست ہے کہ دوران مطالعہ کتاب میں اگر کوئی سقم نظر آئے تو جائز طریقہ پر اس کی نشاندہی فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔انشاءاللہ کسی غلطی کی آگاہی کے بعد اس کی اصلاح میں کوئی پس وپیش نہیں ہوگا۔اگر کتاب میں کوئی تکرار نظر آئے تو اس کو کسی فائدے یا مجبوری پر محمول کیا جائے۔
آخر میں برادر محترم حضرت الاستاد مولانا حافظ نثار احمد الحسینی مد ظلھم کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اپنے ذاتی کتب خانہ سے کما حقہ استفادہ کا موقع عنایت فرمایا اور دوران تالیف کتاب سرپرستی اور بہترین مشوروں سے نوازا۔ان کے علاوہ ان تمام دوستوں کا ممنون ہوں جنہوں نے کتاب کی طباعت کے دوران جس قدر بھی تعاون کیا خصوصاً برادرم حافظ محمد اسمٰعیل اور حافظ محمد عباس کا جنہوں نے کمپوزنگ کی اور حضرت مولانا سیّد کفایت بخاری زید مجدہٗ کا جنہوں نے مسودہ کی تصحیح فرمائی۔

جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

حق تعالیٰ شانہٗ اس حقیر کی کوشش کو قبول فرما کر عوام الناس کیلئے نافع اور راقم الحروف،اس کے والدین، اساتذہ اور مشائخ کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے۔آمین

ع　　　ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ نبیّہٖ محمد وعلیٰ اٰلہ وصحبہٖ اجمعین برحمتك یاارحم الرحمین۔

ظہور احمد الحسینی

حضرو(اٹک)پاکستان


بیس تراویح
عہدِ نبوی ﷺ میں

حدیث نمبر ۱ [illegible] ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ کان یصلی فی شہر رمضان عشرین [illegible] [illegible] والوتر [illegible] رواہ [illegible] الرازی فی کتاب الترغیب له :ویوتر بثلاث۔ [1]

ترجمہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعت (تراویح) اور تین وتر پڑھتے تھے۔

حدیث ابن عباس پر اعتراضات کے جوابات:۔

اعتراض نمبر ۱:۔ غیر مقلدین کی طرف سے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ العبسیؒ ضعیف ہے۔ اس کو امام بیہقیؒ، امام زیلعیؒ، امام نسائی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ امام بخاری نے اس کے بارے میں سکتوا عنہ اور امام ابو حاتمؒ نے سکتوا عنہ اور ترکوا حدیثہ فرمایا ہے، امام احمدؒ نے اس کو منکر الحدیث اور امام ابن عدیؒ نے اس کو لین کہا ہے اور اس کی حدیث کو انھوں نے اپنی کتاب الکامل میں ابوشیبہ کی مناکیر میں ذکر کیا ہے۔ امام شعبہؒ نے اس کی ایک روایت کے بارے میں کَذَبَ کہا ہے۔ [3]

بعض غیر مقلدین تو اس حدیث کو موضوع تک قرار دیتے ہیں، العیاذ باللہ من ذالک۔

جواب نمبر ۱:۔ اس روایت کا راوی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ اگر چہ مجروح ہے لیکن یہ اتنا ضعیف نہیں ہے کہ اس کی روایات کو بالکل رد یا موضوع [4] قرار دے دیا جائے کیونکہ ائمہ رجال نے اس کی توثیق بھی کی

۱ مصنف ابن ابی شیبہ [illegible] (۲۸۴/۲) [illegible] السنن الکبری للبیہقی (۴۹۶/۱) ۲ نیل الاوطار (۵۳/۳)۔

۳ [illegible] (ص۱۲۹ [illegible])

۴ غیر مقلدین کا ابراہیم ابوشیبہ کی روایات کو موضوع کہنا باطل ہے۔ اولاً۔ آج تک کسی بھی معتبر اور ثقہ محدث نے اس کو موضوع نہیں کہا ورنہ دلیل پیش کی جائے۔ دیدہ باید۔ ثانیا:۔ ابوشیبہ کی کم از کم ایک روایت ترمذی میں بھی موجود ہے اور غیر مقلدین کے مشہور محقق مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب نے تصریح کی ہے کہ ترمذی میں ایک بھی موضوع حدیث نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: قلت الاحادیث الضعاف موجودة فی جامع الترمذی وقد بین "

ہے۔ چنانچہ امام شعبہ بن الحجاجؒ نے اس سے روایت لی ہے۔ ؁

اور غیر مقلدین کے ہاں یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ امام شعبہ صرف اسی راوی سے روایت لیتے ہیں جو ثقہ راوی ہو اور اس کی احادیث صحیح ہوں۔ چنانچہ مولانا عبدالرؤف سندھو غیر مقلد لکھتے ہیں: شیخ احمد شاکر (جو غیر مقلدین کے بہت بڑے عالم تھے۔ ناقل) فرماتے ہیں کہ محمد بن مہران سے شعبہ نے بھی روایت لی ہے اور وہ ثقہ ہی سے روایت لیتے ہیں ؂ ۔ علامہ شوکانی اور مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری وغیرہ غیر مقلدین علماء امام شعبہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔ وھو لا یحمل عن مشائخھم الا صحیح حدیثھم ؃ امام شعبہؒ اپنے مشائخ سے صرف وہی حدیث بیان کرتے ہیں جو صحیح ہوتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر ابوشیبہ اتنا ہی ضعیف راوی ہے اور اس کی حدیث صحیح نہیں تو پھر امام شعبہؒ نے اس سے روایت کیوں بیان کی ہے؟

(۲) امام ابن عدی ابوشیبہ کے بارے میں فرماتے ہیں: لہ احادیث صالحۃ ؄ کہ ابوشیبہ کی احادیث درست ہیں۔ ؅ واضح رہے کہ امام ابن عدی نے ابوشیبہ کی احادیث کو تو صالح کہا ہے لیکن انہوں نے

= الترمذی نفسہٗ ضعفھا وابان علتھا واما وجود الموضوع فیہ فکلا ثم کلا۔ "تحفۃ الاحوذی" (۱/۱۸۱) میں کہتا ہوں کہ ضعیف حدیثیں ترمذی میں موجود ہیں اور خود ترمذی نے ان کا ضعف بیان کیا ہے اور ان کی علت کو ظاہر کیا ہے۔ باقی رہا اس میں موضوع حدیث کا وجود تو وہ ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ پس جب ترمذی میں ایک بھی حدیث موضوع نہیں ہے تو پھر ابوشیبہ کی احادیث کیسے موضوع ہیں حالانکہ اس کی حدیث بھی ترمذی میں موجود ہے۔

؁ تہذیب الکمال (۱/۳۹۰)، تہذیب التھذیب (۱/۱۴۴) ؂ القول المقبول شرح صلوٰۃ الرسول (ص ۳۸۶)

؃ "نیل الاوطار" ۱/۱۶" ابکار المنن" ص ۱۴۷، ۱۵۰ وغیرہ۔ ؄ تھذیب الکمال (۱/۳۹۳)

؅ غیر مقلدین کی طرف سے اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگرچہ ابن عدی نے ابوشیبہ کی روایات کے بارے میں لہ احادیث صالحۃ فرمایا ہے لیکن اس قول سے اس کی مذکورہ روایات کو کیا فائدہ ہوا کیونکہ انہوں نے اس روایت کو ابوشیبہ کی مناکیر میں شمار کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مذکورہ روایت اس کی صالح حدیثوں میں شامل نہیں ہے۔ مھسلہ انوار المصابیح (ص ۱۸۳) وغیرہ۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ خود غیر مقلدین (مولانا نذیر رحمانی وغیرہ) نے تسلیم کیا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ امام ابن عدی کسی راوی کی روایت کو منکر شمار کریں تو وہ روایت فی الواقع بھی منکر ہی ہو۔ چنانچہ مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں: ابن عدی کا یہ صنیع صرف مجروح راوی کے ساتھ خاص نہیں اور نہ یہ بات ہے کہ (جس روایت کو وہ =

عیسی بن جاریہ (جو رسول اللہ ﷺ سے مروی گیارہ رکعات والی روایت کے راوی ہیں) کے بارہ میں فرمایا ہے: احادیثہ غیر محفوظۃ کہ اس کی احادیث غیر محفوظ ہیں۔ [1] اب جس کی روایات صالح اور درست ہیں وہ تو غیر مقلدین کے نزدیک نہایت ضعیف راوی ہے لیکن جس کی احادیث غیر محفوظ اور شاذ ہیں، وہ غیر مقلدین کے ہاں اونچے درجہ کا ثقہ راوی ہے۔ غیر مقلدین کا یہ بھی عجیب انصاف ہے؟

(۳) امام بخاریؒ کے استاذ الاستاذ حضرت یزید بن ہارونؒ جو ابوشیبہؒ کے زمانہ قضاء میں ان کے کاتب اور منشی تھے، وہ بھی ابوشیبہ کے بڑے مداح تھے۔ چنانچہ وہ اس کے بارے میں یہاں تک فرماتے تھے۔

ماقضی علی الناس رجل یعنی فی زمانہ اعدل فی قضاء منہ [2]

ابراہیم ابوشیبہ سے بڑھ کر اپنے زمانے میں کوئی قاضی عادل نہیں ہوا۔

اب جو شخص قضاء اور لوگوں کے ساتھ معاملات میں اتنا بڑا عادل ہے وہ نبی ﷺ کی حدیث بیان کرنے میں عادل کیوں نہیں ہوگا؟ اور راوی کے ثقہ ہونے کیلئے بنیادی طور پر دو ہی چیزیں دیکھی جاتی ہیں، ایک ضبط یعنی قوت حافظہ اور دوسری عدالت۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

لابدفی کون الشخص ثقۃ من شیئین العدالۃ والضبط۔ [3]

راوی کے ثقہ ہونے کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ نمبر ۱۔ عدالت۔ نمبر ۲۔ قوت حافظہ۔

اب امام ابن عدی کا ابوشیبہ کے بارے میں لہ احادیث صالحۃ کہنا ابوشیبہ کے ضبط اور قوت حافظہ کو ثابت کرتا ہے کیونکہ اس کا حافظہ اگر قوی نہیں تھا تو اس کے پاس صالح اور درست حدیثیں کیسے آگئیں؟ اور یزید بن ہارون کی اس شہادت کے بعد تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اونچے درجے کا عادل تھا۔

(۴) امام ابن عدی نے ابوشیبہ کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے: وھو وان نسبوہ الی الضعف خیر من ابراہیم بن ابی حیۃ۔ [4] لوگوں نے اگرچہ ابوشیبہ کو ضعف کی طرف منسوب کیا ہے لیکن وہ

منکر شمار کریں۔ ناقل) وہ روایت منکر ہوتی ہے جیسا کہ علامہ مئوی کہہ رہے ہیں بلکہ وہ روایت ذکر کرتے ہیں جس پر جرح و انکار کیا گیا یہ ضروری نہیں کہ فی الواقع وہ منکر ہو بھی۔ انوار المصابیح (ص ۱۲۶)۔ اب رحمانی صاحب کے اعتراض کا جواب خود ان ہی کے قلم سے دیئے گئے جواب زیادہ سے بہتر کیا ہو سکتا ہے؟ کَفٰی بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا۔

[1] تھذیب التھذیب (۸/ ۱۸۷) [2] "تھذیب الکمال" (۱/ ۳۹۲) [3] ابکار المنن (ص ۱۶۹) [4] تھذیب الکمال (۱/ ۳۹۳)

ابراہیم بن ابی حیہ سے بہتر ہے۔

ابراہیم بن ابی حیہ کے بارے میں امام الرجال حضرت یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: شیخ ثقہ کبیر ۱ یہ شیخ ہیں اور بہت بڑے ثقہ ہیں۔ یہ امام ابن معین کی طرف سے ابراہیم بن ابی حیہ کی زبردست اور مقرر توثیق ہے کیونکہ لفظ ثقہ الفاظ تعدیل میں سے تو ہے ہی، لفظ شیخ بھی الفاظ تعدیل میں سے ہے ۲۔ نیز مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: اصول حدیث کے طالب علم پر مخفی نہیں کہ مقرر توثیق تعدیل میں درجہ اوّل کے الفاظ میں شمار ہوتے ہیں ۳۔ اگرچہ ابن ابی حیہ پر جرح بھی کی گئی ہے ۴۔ لیکن اس کی بہت بھاری توثیق بھی کی گئی ہے لھذا یہ مختلف فیہ راوی ہے اور غیر مقلدین کے مشہور محدث حافظ محمد گوندلوی

۱ لسان المیزان (۵۳/۱) ۲ دیکھئے توضیح الکلام (۴۸۰/۱)

۳ توضیح الکلام (۲۶۸/۱) ۴ چنانچہ امام نسائی اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ضعیف۔ ابن المدینی فرماتے ہیں لیس بشیء، امام ابو حاتم اور امام بخاری فرماتے ہیں: منکر الحدیث، امام دارقطنی فرماتے ہیں: متروک، ابن حبان نے بھی جرح کی ہے نور المصابیح (ص) از زبیر علی زئی غیر مقلد۔ بحوالہ ''لسان المیزان'' (۵۳/۱)۔ لیکن یہ سب جرحیں خود غیر مقلدین کے نزدیک مبہم اور غیر مفسر ہیں۔ چنانچہ زبیر علی زئی پیرداوی غیر مقلد لکھتے ہیں: صرف ضعیف یا متروک یا منکر الحدیث کہہ دینا جرح مفسر نہیں ہے۔ رسالہ رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۶۵)۔ مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: متروک جرح غیر مفسر ہے۔ ''توضیح الکلام'' (۱۴۳/۱)۔ مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں: مستند علماء نے اس (لفظ منکر الحدیث) کے جرح مبہم ہونے کی تصریح کی ہے۔ ''انوار المصابیح'' (ص ۱۱۹)۔ مولانا محمد گوندلویؒ تو امام بخاریؒ کی جرح منکر الحدیث کو بھی غیر مفسر کہتے ہیں۔ دیکھئے ''خیر الکلام'' (ص ۱۶۴)۔ پس جب یہ تمام جرحیں خود غیر مقلدین کے نزدیک مبہم ہیں اور متعدد علمائے غیر مقلدین علماء نے تصریح کی ہے کہ جرح مبہم توثیق کے بعد معتبر نہیں ہوتی۔ چنانچہ مولانا محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں: مبھم جرح توثیق کے بعد مقبول نہیں ہوتی۔ ''خیر الکلام'' (ص ۱۵۸)۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ جرح مبہم معتبر نہیں ہے۔ دیکھئے ابکار المنن (ص ۸۰، وغیرہ)۔ مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ جب کسی راوی کی تعدیل و توثیق کسی حاذق اور ماہر فن محدث نے کی ہو تو اس کے حق میں جرح مفسر ہی مقبول ہوگی غیر مفسر اور مبہم جرحوں کا اعتبار نہ ہوگا۔ انوار المصابیح (ص ۱۳۸)۔ لھذا جب ابراہیم بن ابی حیہ کی امام یحییٰ بن معین جیسے ماہر اور حاذق نے زبردست توثیق کر دی ہے تو پھر اس کے حق میں ان جرحوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جو بقول غیر مقلدین سب مبہم اور غیر مفسر ہیں۔

صاحب لکھتے ہیں۔ کہ جب راوی مختلف فیہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوتی ہے [1]۔ بنابریں جب ابن ابی حیہ اس درجہ کا راوی ہے کہ بقول غیر مقلدین اس کی حدیث حسن ہے تو پھر ابراہیم ابوشیبہ جو اس سے بہتر ہے اس کی حدیث کیوں قابل قبول نہیں؟

آپ اپنے ہی اصول بقاعدہ خود ہی ذرا غور کریں ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

ابوشیبہ پر کی گئی جرحوں کا جائزہ:۔

ماقبل تفصیل کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ابوشیبہ پر جتنی بھی جرحیں کی گئی ہیں، تقریباً وہ سب جرحیں خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مبہم اور غیر مفسّر ہیں: مثلاً امام ابوداوٗدؒ، امام بیہقیؒ اور امام زیلعیؒ وغیرہ نے اس کو ضعیف اور امام نسائیؒ وغیرہ نے اس کو متروک کہا ہے اور پہلے ابن ابی حیہ کے تذکرہ میں غیر مقلدین کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ یہ جرحیں مبہم ہیں: نیز یہ بات بھی متعدد علمائے غیر مقلدین کے حوالے سے گزر چکی ہے کہ جرح مبہم معتبر نہیں ہے۔

اب ان جرحوں کی حیثیت خود غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں ملاحظہ ہوں۔

﴿۱﴾ امام بخاری اور امام ابوحاتم نے ابوشیبہ کے بارے میں سکتوا عنہ اور ترکوا عنہ فرمایا ہے اور ان دونوں جملوں سے انہوں نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا بلکہ دوسروں لوگوں کی رائے نقل کی ہے۔ اور یہ کلام بھی موجب جرح نہیں کیونکہ جرح کرنے والے مجہول ہیں چنانچہ اس قسم کی ایک جرح لینوہ کے بارے میں مولانا ارشادالحق اثری لکھتے ہیں: امام دارقطنی نے اگر لینوہ کہا ہے تو اس کو لین کہنے والے مجہول ہیں لھذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ [2] نیز لکھتے ہیں:۔

اگر جارح مجہول ہے تو اہل علم نے جرح کو قبول نہیں کیا۔[3] مزید لکھتے ہیں: یہ کلام موجب جرح نہیں کیونکہ یہ مجہول آدمی سے ہے کہ کس نے یہ کہا ہے[4]۔ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: ابن ابی حاتم کا قول ''تکلموا فیہ'' کئی لحاظ سے مردود ہے (۲) یہ جرح غیر مفسر ہے (۳) اس کا جارح نہ معلوم ہے۔ [5]

کیا ہم بھی غیر مقلدین سے ایسے ہی انصاف کی توقع رکھ سکتے ہیں؟ دیدہ باید۔

---

[1] ''خیر الکلام'' (ص ۲۲۸) [2] ''توضیح الکلام'' (۱/۵۴۴) [3] ایضاً [4] ایضاً [5] نور العینین (ص ۸۸)

﴿۳﴾ امام احمد نے ابوشیبہ کو منکر الحدیث کہا ہے لیکن اول تو یہ جرح بھی غیر مقلدین کے نزدیک مبہم ہے جیسا کہ گزر چکا۔ ثانیاً: امام احمد کی لفظ منکر الحدیث کے بارے میں اصطلاح ہی جدا ہے۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: امام احمد نے کسی کو منکر الحدیث بالفرض کہا بھی ہے تو اس کو جرح مفسر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ منکر الحدیث امام احمدؒ کی اصطلاح میں اس پر بولا جاتا ہے جو غریب حدیث لائے اور غریب حدیث صحیح بھی ہو سکتی ہے [1]۔ مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: امام احمد اور اس قسم کے لوگ کسی کو منکر کہتے ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قابل احتجاج نہیں ہے [2]۔

(۴) امام شعبہ نے ابوشیبہ کی مطلق تکذیب نہیں کی بلکہ صرف ایک قصہ میں اس کے بارے میں کذّبَ فرمایا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: و کذّبه شعبة فی قصة [3]۔ اور وہ قصہ کیا تھا؟ اس کو حافظ ذہبیؒ نے یوں بیان کیا ہے:۔ امام شعبہ نے ابوشیبہ کو اس لئے جھٹلایا کہ اس نے حکم سے یہ روایت بیان کی کہ حضرت ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں جنگ صفین میں ستر اہل بدر نے شرکت کی تھی۔ امام شعبہ نے فرمایا اس نے غلط بیانی کی۔ واللہ میں نے اس بارے میں حکم سے مذاکرہ کیا تو ہم نے سوائے حضرت خزیمہ ؓ کے کسی اہل بدر کو نہیں پایا جس نے جنگ صفین میں شرکت کی ہو [4]۔ اس بیان سے واضح ہو گیا کہ امام شعبہؒ نے ابوشیبہؒ کی مطلق تکذیب نہیں کی بلکہ صرف ایک واقعہ بیان کرنے میں اسے جھٹلایا ہے اور اس قصہ میں بھی ابوشیبہ کا کوئی قصور نہیں۔ کیوں کہ انھوں نے تو یہ روایت امام حکم سے نقل کی تھی۔ اب اگر یہ روایت غلط ہے تو اس میں قصور امام حکمؒ کا ہے کہ انھوں نے ہی یہ روایت بیان کی نہ کہ ابوشیبہ نے۔

پھر جب شعبہ نے حکم سے اس بارے میں مذاکرہ کیا تو حکم نے بھی یہ انکار نہیں کیا کہ انھوں نے یہ روایت ابوشیبہ سے نہیں بیان کی بلکہ وہ تو الٹا شعبہ کے ساتھ اس بارے میں مذاکرہ کیلئے تیار ہو گئے لیکن وہ سوائے ایک کے کسی دوسرے اہل بدری کی شرکت جنگ صفین میں ثابت نہ کر سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکم نے ابوشیبہ کے سامنے یہ روایت ضرور بیان کی تھی ورنہ وہ امام شعبہ سے مذاکرہ کرنے اور ستر (۷۰) اہل بدر کے اسماء ڈھونڈنے کی بجائے صاف انکار کر دیتے کہ انھوں نے یہ روایت ہی بیان نہیں کی۔

---

[1] توضیح الکلام (۱/۵۰۰)، مولانا صفدر اپنی تصانیف کے آئینے میں (ص ۴۱)

[2] خیر الکلام (ص ۴۹) بحوالہ احسن الکلام (۱/۳۱۴) [3] تھذیب (۱/۱۴۵) [4] میزان الاعتدال (۱/۲۳)

پس امام حکم کو بھی تسلیم ہے کہ انہوں نے ابوشیبہؒ سے یہ روایت بیان کی ہے۔ اب اگر یہ واقعہ غلط ہے تو اس کا قصور امام حکم کے سر ہے کیونکہ وہ ہی صاحب واقعہ ہیں اور دلیل بھی ان کے ذمہ ہے۔ لھذا حکم کی وجہ سے امام شعبہؒ کا ابوشیبہ کی تکذیب کرنا غلط اور نا قابل قبول ہے۔

امام شعبہ کا دعوٰی کہ صفین میں حضرت خزیمہ ﷺ کے سوا کوئی بدری شریک نہیں ہوا، درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ذہبیؒ نے امام شعبہؒ کی اس جرح کا یوں مذاق اڑایا ہے:۔ قلت سبحان اللہ اما شھدھا علی اما شھدھا عمار۔[1] میں کہتا ہوں کہ سبحان اللہ! کیا حضرت علی ﷺ نے جنگ صفین میں شرکت نہیں کی تھی؟ کیا حضرت عمار ﷺ نے شرکت نہیں کی تھی (اور یہ دونوں اھل بدر میں سے ہیں)۔

یعنی امام شعبہ نے صرف اس وجہ سے ابوشیبہؒ کی تکذیب کر دی کہ بجائے ستر بدری صحابہ ﷺ کے صرف ایک حضرت خزیمہ ﷺ کی شرکت ثابت ہوسکی حالانکہ امام ذہبیؒ کے مطابق حضرت خزیمہ ﷺ کے علاوہ حضرت علی ﷺ اور حضرت عمار ﷺ کی بھی جنگ صفین میں شرکت ثابت ہے۔ معلوم ہوا کہ امام ذہبیؒ کے نزدیک بھی ابوشیبہ پر امام شعبہؒ کی یہ جرح غلط ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے نزدیک بھی شعبہ کی یہ تکذیب قابل قبول نہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں ابوشیبہ کے بارے میں متروک الحدیث لکھا ہے [2] اور حافظ نے متروک الحدیث کو الفاظ جرح کے طبقہ عاشرہ میں شمار کیا ہے جبکہ جس راوی پر کذب کی تہمت لگائی گئی ہے اس کو انھوں نے طبقہ الحادیۃ عشرۃ میں شمار کیا ہے اور جس راوی پر کذب کا اطلاق کیا گیا ہے اس کو انھوں طبقہ الثانیۃ عشرۃ میں شمار کیا ہے [3]۔

لھذا جب حافظ ابن حجر نے ابوشیبہ کو نہ طبقہ حادیہ عشرہ میں شمار کیا اور نہ طبقہ ثانیہ عشرۃ میں شمار کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک نہ ابوشیبہ پر کذب کی تہمت صحیح ہے اور نہ اس پر کذب کا اطلاق درست ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور ان کی اس کتاب تقریب التھذیب کے متعلق مولانا نذیر

---

[1] میزان الاعتدال (۳۲/۱) [2] دیکھئے ''انوار المصابیح'' (ص۴۸۱) [3] دیکھئے مقدمہ تقریب (۵۲/۱)

احمد رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں: حافظ نے یہ بھی لکھا ہے اس کتاب میں کسی راوی پر وہی حکم لگاؤں گا جو اس کے حق میں کہے گئے اقوال میں سب سے زیادہ صحیح اور اس کے متعلق بیان کئے گئے اوصاف میں زیادہ مناسب ہوگا ۱؎ ۔

پس جب بقول مولانا رحمانی حافظ ابن حجر کے نزدیک ابوشیبہ کے بارے میں تکذیب کا قول غیر صحیح اور غیر مناسب ہے تو پھر غیر مقلدین کس منہ سے ابوشیبہ کی تکذیب پر کمر بستہ ہیں۔؟

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

ثانیا: یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں کذب قصداً جھوٹ بولنے کے معنٰی میں نہ ہو کیوں کہ کذب کا اطلاق صرف قصداً جھوٹ بولنے پر نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی اس کا اطلاق کسی بات کو بلاتحقیق نقل کرنے پر بھی ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کی کئی مثالیں مقدمہ فتح الباری میں ذکر کی ہیں ۲؎ ۔

اور یہی معنی قرین قیاس ہے کیوں کہ امام شعبہؒ جنھوں نے خود ابراہیم ابوشیبہ سے روایت لی ہے (اور غیر مقلدین کو اقرار ہے کہ وہ صرف ثقہ راوی سے روایت لیتے ہیں) وہ کیسے ابوشیبہ کو جھوٹا کہہ سکتے ہیں۔ اس صورت میں کَذَبَ کا مطلب ہوگا کہ ابوشیبہ نے بلاتحقیق حکم کی روایت کو آگے بیان کردیا کہ جنگ صفین میں ستر بدری صحابہ ﷺ نے شرکت کی تھی، فلا اشکال۔ یا یہاں کَذَبَ خَطَأً کے معنٰی میں ہے یعنی ابوشیبہ سے یہ روایت بیان کرنے میں خطا اور غلطی ہوئی ہے کیوں کہ کَذَبَ خَطَأً کے معنٰی میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: وقد يطلق الكذب على الخطاء۔ ۳؎

علامہ طاہر صدیقی الفتنیؒ اور علامہ ابن الاثیر جزریؒ لکھتے ہیں: وقد استعملوا الكذب على الخطاء۔ ۴؎

محدثین کبھی کبھی کذب کو خطا اور غلطی کے معنٰی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔

غیر مقلدین حضرات بھی ضرورت پڑنے پر کَذَبَ کو خطا کے معنٰی میں استعمال کرتے ہیں چنانچہ امام مالکؒ

۱؎ انوار المصابیح (ص ۱۱۶) بحوالہ تقریب۔ ۲؎ دیکھئے رکعات التراویح (ص ۵۷ مؤلفہ: مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ)

۳؎ مقدمہ فتح الباری (ص ۱۸۰) ۴؎ مجمع بحار الانوار (۳۹۰/۴)، النہایۃ (۱۵۹/۴)

نے حدیث کے ایک راوی محمد بن اسحاق کو کذاب (بہت بڑا جھوٹا) قرار دیا ہے۔اس پر مولانا ارشادالحق اثری امام یحیٰ بن معینؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں غالباً انھوں (یعنی امام مالک ناقل) نے کلام میں غلطی (خطاء) کی بنا پر کذاب کہا ہے [1]۔کیا غیر مقلدین ابراہیم ابوشیبہ کے ساتھ بھی یہی انصاف کریں گے؟

ثالثاً: بالفرض اگر مان بھی لیا جائے کہ کذب یہاں اپنے اصلی معنیٰ (جھوٹ) میں ہی مستعمل ہے تو پھر امام شعبہ کی طرف سے ابوشعبہ پر یہ ایک جرح ہے لیکن امام شعبہ کا اس سے روایت لینا اس کی توثیق ہے (جیسا کہ غیر مقلدین کے حوالے سے گزر چکا ہے) اور مولانا ارشادالحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: ایک ہی امام کے قول میں اختلاف ہو تو ترجیح توثیق کو ہوتی ہے [2]۔

پس بالفرض اگر امام شعبہ نے ابوشیبہ کی تکذیب بھی کی ہے تو اس سے روایت لے کر اس کی توثیق کر دی۔ لھذا ان کی توثیق کرنا ان کے جرح کرنے پر راجح ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

﴿۵﴾ مولانا نذیر رحمانی صاحب علامہ زیلعیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ابن عدی نے اس (ابراہیم ابوشیبہ) کو لین کہا ہے [3]۔ اب لین کا لفظ الفاظ جرح میں کس درجہ کا ہے؟ اس کا جواب خود مولانا رحمانی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: محدثین نے فیہ لین اور لین الحدیث کو بہت ہلکے اور معمولی درجہ کے الفاظ جرح میں شمار کیا ہے [4]۔ نیز لکھتے ہیں: معلوم ہوا کہ جس راوی کے متعلق فیہ لین یا لین الحدیث کہا ہو اس کی روایت قابل طرح وترک نہیں ہے [5]۔

قارئین:۔ یہ ہیں ابوشیبہ پر کی گئی مبہم اور غیر متعلق جرحیں جو خود غیر مقلدین کے ہاں بھی قابل قبول نہیں۔ اور اس آخری جرح سے تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ابوشیبہ اگر چہ مجروح اور کمزور راوی ہے لیکن یہ اتنا کمزور نہیں کہ اس کی حدیث کو ترک کر دیا جائے لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین کا تعصب اور ان کی بے انصافی ملاحظہ کریں کہ جو جرحیں خود ان کے نزدیک بھی نا قابل قبول ہیں، ان ہی کے بل بوتے وہ ابوشیبہ کو کس طرح سخت سے سخت ضعیف قرار دیکر اس کی یہ بیس تراویح والی روایت کو موضوع تک قرار دینے سے نہیں

---

[1] دیکھئے "توضیح الکلام" (۱/۲۴۰) [2] "توضیح الکلام" (۱/۵۳۴) [3] انوارالمصابیح (ص۱۷۰)

[4] انوارالمصابیح (ص۱۱۵) [5] ایضاً

ہو کتے، اس کی وجہ محض یہ ہے کہ یہ روایت ان کے مذہب کے خلاف ہے لیکن یہی راوی ابوشیبہ جب ان کے مذہب کے موافق کوئی روایت نقل کرتا ہے تو پھر ابوشیبہ نہ تو ضعیف ہے اور نہ اس کی روایت موضوع ہے۔ والی اللہ المشتکیٰ۔ مثلاً مشہور غیر مقلد لکھاری مولانا صادق سیالکوٹی صاحب کی کتاب صلوٰۃ الرسول غیر مقلدین کے درمیان نہایت مشہور اور معتبر کتاب سمجھی جاتی ہے اور یہ کتاب غیر مقلدین کے تمام اکابر (مولانا داؤد غزنوی، مولانا اسمٰعیل سلفی، مولانا عبداللہ امرتسری، مولانا نور حسین گرجاکھی، مولانا احمد دین لکھا گکھڑوی اور مولانا محمد گوندلوی وغیرہ کی مصدقہ ہے۔ اس کتاب میں مولانا سیالکوٹی نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی دلیل کے طور پر ابن ماجہ کے حوالہ سے حضرت ابن عباس ؓ کی روایت پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے [1]۔ حالانکہ یہ روایت بھی ترمذی اور ابن ماجہ میں اسی ابوشیبہ سے مروی ہے لیکن پھر بھی مولانا سیالکوٹی صاحب بڑے طمطراق سے اس روایت سے استدلال کر رہے ہیں اور خود انہوں نے بھی اور اُن کی کتاب کے تمام مصدقین نے بھی اس روایت کے راوی ابوشیبہؒ کے ضعف کی طرف ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں کیا۔ یہ ہے غیر مقلدین کا انصاف!

ع این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

بہرحال ہمیں یہ تسلیم ہے کہ ابوشیبہ مجروح راوی ہے لیکن اس کی روایت کو موضوع کہنا اور بالکل رد کر دینا یہ بے انصافی ہے۔ اگر یہ ہماری بات تسلیم نہ ہو تو آیئے اہل سنت والجماعت اور غیر مقلدین دونوں کی مسلمہ شخصیت اور غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلویؒ صاحب کے استاذ الاستاذ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کی بات کو مان لیا جائے۔ چنانچہ شاہ صاحب اپنے فتاوٰی میں اسی بیس تراویح والی روایت ابن عباس ؓ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: امام بیہقی ایں روایت را تضعیف نمودہ بعلت آنکہ راوی ایں حدیث جدابی بکرابی شیبہ است حالانکہ جد ابی بکر بن ابی شیبہ آں قدر ضعف ندارد کہ روایت او مطروح ساختہ شود [2]۔ بیہقیؒ نے اس روایت کو اس بنا پر ضعیف قرار دیا ہے کہ اس روایت کا ایک راوی ابوشیبہ جو ابوبکر بن ابی شیبہ کا

---

[1] صلوۃ الرسول (ص ۴۳۴) [2] فتاوٰی عزیزیہ (۱/۱۱۹)

دادا ہے ضعیف ہے حالانکہ ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا اس قدر ضعیف نہیں کہ اس کی روایت کو مسترد کر دیا جائے۔

یہ ہے اس شخصیت کا فیصلہ جس کو خود غیر مقلدین بھی اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ ؎

ضد چھوڑیئے بر سر انصاف آیئے　　　انکار ہی رہے گا میری جان کب تلک

جواب ثانی: ۔اس حدیث کی سند کو اگر چہ کتنا ہی ضعیف مان لیا جائے لیکن بہرحال یہ بات ضرور ہے کہ اس حدیث کا متن بالکل صحیح اور قابل عمل ہے [1]۔ کیونکہ اس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہے کہ تمام امت نے بالاتفاق اس کے مضمون (بیس تراویح) کو عملی طور پر قبول کیا ہے۔خصوصاً حضرات خلفائے راشدین ﷺ اور دیگر صحابہ ﷺ کے دور مسعود میں اس حدیث کو شرف قبولیت حاصل رہا اور تمام صحابہ کرام ﷺ اس کے مضمون پر اجماع اور اتفاق کیا ہے۔یہ بات خود غیر مقلدین کے اکابر کو بھی تسلیم ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے رئیس المحققین نواب صدیق حسن خان صاحب یہ حقیقت بے چوں وچرا تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد عدوا ما وقع فی زمن عمر ﷺ کالاجماع [2]۔ حضرت عمر ﷺ کے دور میں جو طریقہ بیس تراویح کا رائج ہوا اسکو علماء نے مثل اجماع کے شمار کیا ہے۔مولانا وحید الزمان غیر مقلد رقم طراز ہیں:۔کوئی یہ وہم نہ کرے کہ حضرت عمر ﷺ نے اپنی طرف سے (تراویح کی جماعت مقرر کر کے۔ناقل) دین میں ایک بات شریک کر دی جسکا اختیار ان کو نہ تھا،اسی طرح بیس رکعت تراویح کا حکم اپنی رائے سے دے دیا۔

حاشا وکلا کہ حضرت عمر ﷺ ایسا کرتے بلکہ انہوں نے طریقہ نبوی ﷺ کا اتباع کیا۔آنحضرت ﷺ کی حیات میں ایک ہی امام کے پیچھے سب نے تراویح پڑھی۔ایک مسجد میں متعدد جماعتیں ایک ہی وقت آنحضرت ﷺ کے عہد میں کبھی نہیں ہوئیں۔اسی طرح حضرت عمر ﷺ نے ضرور آنحضرت ﷺ کو بیس

---

[1] جس طرح حدیث کی سند کا صحیح ہونا اس کے متن کی صحت کو مستلزم نہیں ہے کما قالہ المبارکپوری فی "ابکار المنن" (ص ۲۸) اسی طرح سند کا ضعیف ہونا بھی اس کے متن کے ضعف کو مستلزم نہیں چنانچہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری امام ترمذی کے قول ھذا الحدیث لایصح من قبل اسنادہ (یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے) کے تحت لکھتے ہیں: ای من جہۃ اسنادہ وان کان صحیحا باعتبار معناہ۔ "تحفۃ الاحوذی" (۱/۱۴۶) یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اگر چہ اس کا معنیٰ (مضمون) صحیح ہے۔معلوم ہوا کہ کوئی حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کے باوجود مضمون کے لحاظ سے صحیح ہو سکتی ہے جیسا کہ یہ مذکورہ حدیث ابن عباس ﷺ ہے۔ [2] عون الباری (۱/۳۱۷)

رکعتیں تراویح کی بھی پڑھتے دیکھا ہوگا۔ گو ہم تک یہ روایت بہ سند صحیح نہیں پہنچی۔ اس کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان منکرالحدیث ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کا زمانہ اس سے بہت پہلے تھا۔ ان کو بہ سند صحیح یہ پہنچ گئی ہوگی یا انہوں نے خود دیکھا ہوگا [1]۔ مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: حضرات صحابہ کرامؓ، ائمہ اربعہ اور مسلمانوں کی عظیم جماعت کا عمل یہ ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک مشرق ومغرب میں تیئس (۲۰ تراویح اور ۳ وتر) ہی پڑھتے ہیں [2]۔ ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ حدیث ابن عباسؓ سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کے باوجود تعامل اور توارث سے مؤید ہے اور تمام صحابہ کرامؓ اور امت مسلمہ کی طرف سے اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور یہ طے شدہ اصول ہے کہ جس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے وہ سند کے اعتبار سے کتنی ہی ضعیف کیوں نہ ہو پھر بھی وہ قابل عمل اور قابل حجت ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: بعض ضعف ایسے بھی ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں [3]۔

فتاوٰی علمائے حدیث میں ہے: ضعیف حدیث جبکہ قرون مشہود لھا بالخیر (خیر القرون۔ ناقل) میں معمول بہ ہو وہ امت کے ہاں مقبول ہے [4]۔ نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: اگر کوئی حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف بھی ہو لیکن اس کے مضمون پر پوری امت کا عمل ہو تو اس حدیث پر عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس کو ضعیف کہنے والے علماء بھی اس پر عمل کرتے ہیں [5]۔

علامہ ابن حزم ظاہریؒ غیر مقلد فرماتے ہیں: جب کوئی مرسل حدیث ہو یا کوئی ایسی حدیث ہو جس کے راوی میں ضعف ہو اور ہم یہ دیکھیں کہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے اور سب اس کے قائل ہیں تو یقیناً ہم یہ جان لیں گے کہ وہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے [6]۔ قاضی محمد شوکانی غیر مقلد ایک حدیث کی تحقیق میں امام خطابیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں: یہ ایسی حدیث ہے کہ اس کے قبول کرنے پر فقہاء نے بالاتفاق اس حدیث کو قبول کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی کوئی اصل ہے اگر چہ اس

---

[1] لغات الحدیث (مادہ وزع) [2] رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص ۲۸) [3] اخبار اہل حدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء۔ بحوالہ رکعات تراویح (ص ۶۱) [4] (۲/۴۷) [5] الروضۃ الندیۃ (ص ۶) [6] توجیہ النظر (ص ۵۰) بحوالہ تسکین الصدور (ص ۳۳)

کی سند میں کلام ہے جیسا کہ فقہاء نے لاوصیۃ لوارث والی روایت کو قبول کر کے اس سے احکام مستنبط کیے ہیں حالانکہ اس کی سند میں جو ضعف ہے وہ ظاہر ہے [1]۔

مولانا اسمٰعیل سلفی صاحب غیر مقلد (سابق ناظم اعلیٰ جمعیت اہل حدیث) ابن ماجہ کی ایک ضعیف روایت کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وقدقبل جمهور الامة روايةابن ماجةمع ضعفها [2]۔

ابن ماجہ کی اس حدیث کو ضعیف ہونے کے باوجود جمہور امت نے قبول کیا ہے۔

پس جب اکابرین غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے کہ حدیث ابن عباس ﷺ کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور ان کو یہ بھی اقرار ہے کہ اگر کوئی حدیث ضعیف بھی ہو تو تلقی بالقبول کی وجہ سے اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے، لھذا یہ حدیث خود غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں بھی بالکل صحیح اور قابل عمل ہے۔

حدیث نمبر۲: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ امام رافعیؒ سے نقل کرتے ہیں: انه ﷺ صلى بالناس عشرين ركعة ليلتين فلما كان في الليلة الثالثة اجتمع الناس فلم يخرج اليهم ثم قال من الغد خشيت ان تفرض عليهم فلاتطيقوها [3]۔

ترجمہ: نبی ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کو (رمضان المبارک کی) دوراتوں میں بیس بیس رکعتیں (تراویح کی) پڑھائیں۔ جب تیسری رات ہوئی تو صحابہ کرام ﷺ پھر جمع ہوئے لیکن نبی ﷺ تشریف نہیں لائے، پھر دوسرے دن فرمایا کہ مجھے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے اور پھر تم اس کی طاقت نہ رکھو۔

اس روایت کی سند اگر چہ علامہ رافعیؒ نے ذکر نہیں کی لیکن اگر ضعیف بھی ہو تو تلقی بالقبول سے مؤید ہونے کی وجہ سے صحیح ہے۔

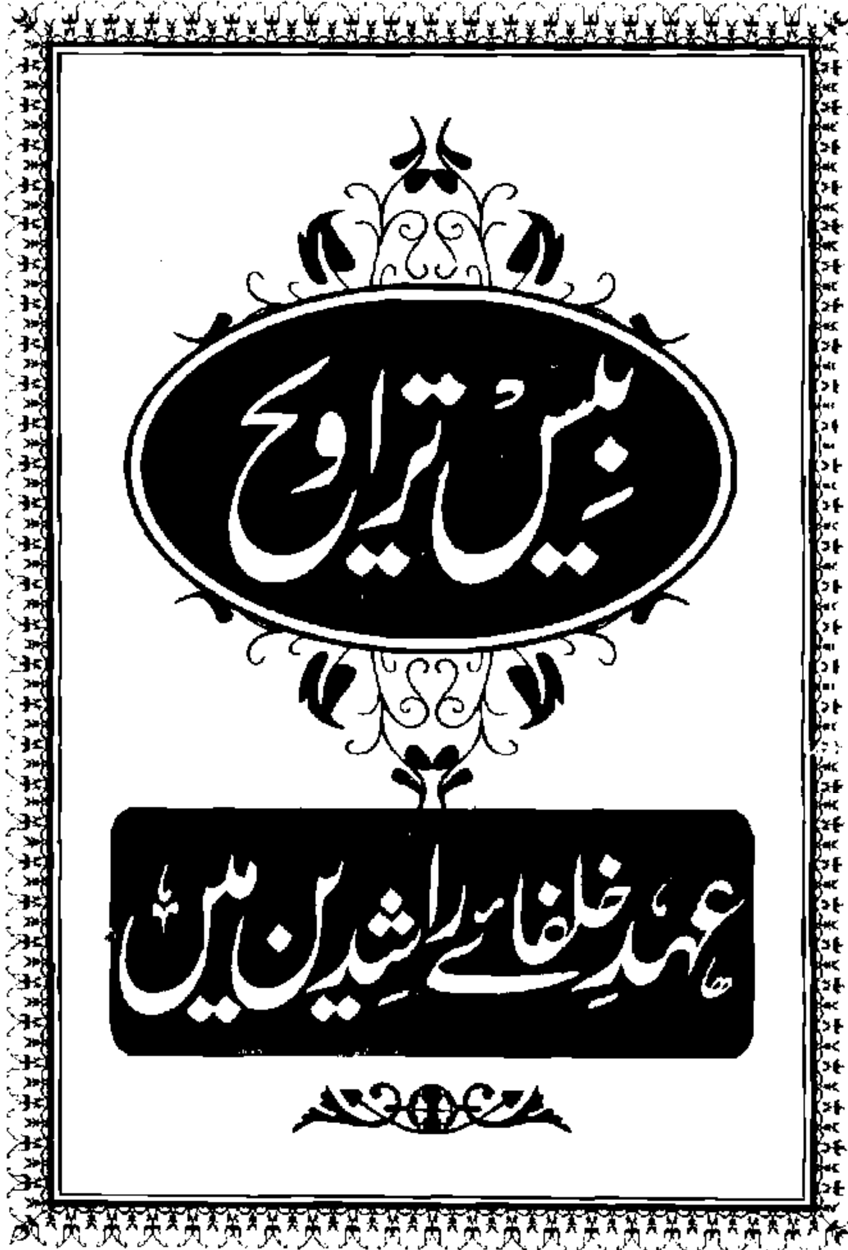
حدیث نمبر۳: عن جابر بن عبدالله ﷺ خرج النبي ﷺ ذات ليلة في رمضان فصلى الناس اربعة وعشرين ركعة واوتر بثلثة [4]۔

---

[1] نیل الاوطار (۵/۲۳۸) [2] حرکۃ انطلاق الفکری (ص ۲۴۱) [3] تلخیص الحبیر (۲/۲۱) [4] تاریخ جرجان لابی قاسم بن حمزہ یوسف السھمی (۲۷۵) بحوالہ حدیث اور اہل حدیث (ص ۶۳۵)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں ایک رات نبی ﷺ باہر تشریف لائے اور صحابہ کرامؓ کو چوبیس رکعتیں (۴ عشاء کی اور بیس تراویح کی) پڑھائیں اور تین رکعات وتر پڑھے۔




بیس تراویح
عہدِ خلفائے راشدین میں

اب وہ روایات ملاحظہ ہوں جن میں خلفائے راشدین کا بیس تراویح پڑھنے کا حکم یا ان کے عہد میں بیس تراویح پڑھے جانے کا ذکر ہے۔ اور آغاز عہد فاروقی سے متعلق روایات سے کیا جائے گا کیوں کہ بیس تراویح کی جماعت کا باقاعدہ آغاز ان ہی کے دور مسعود میں ہوا۔

بیس تراویح عہد فاروقی میں

روایت نمبر ۱: امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ [۱] فرماتے ہیں: حدثنا وکیع [۲] عن مالک [۳] عن یحیی بن سعید [۴] ان عمر بن الخطاب امر رجلا ان یصلی بھم عشرین رکعۃ [۵]۔

ترجمہ: حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب نے ایک آدمی (حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ) کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔

یہ روایت سند کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے البتہ یہ روایت مرسل ہے کیوں کہ اس کے راوی حضرت یحییٰ بن سعید تابعیؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ لیکن مرسل روایت عند الجمہور حجت ہے۔

۱۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ بالاتفاق ثقہ امام ہیں، حافظ ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: الحافظ عدیم النظر، الثبت النحریر۔ تذکرۃ الحفاظ (۲/۴۳۲)

۲۔ وکیع بن الجراح الکوفیؒ۔ حافظ ذھبیؒ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: الحافظ۔ الامام الثبت، محدث العراق، احد الائمۃ الاعلام۔ تذکرۃ (۲/۲۸۲)، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: ثقہ، حافظ، عابد، تقریب التھذیب (۲/۲۸۴) مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ لکھتے ہیں: احد الائمۃ الاعلام ثقۃ حافظ۔ تحفۃ الاحوذی (۲/۲۴) مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں: احد الائمۃ الاثبات۔ التعلیق المغنی (۲/۱۷)

۳۔ امام مالک بن انس ائمہ اربعہ میں سے ایک جلیل القدر امام ہیں، ان کی ثقاہت اور جلالت قدر پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: الفقیہ، امام دار الھجرۃ، راس المتقنین و کبیر المثبتین۔ تقریب (۲/۱۵۱)

۴۔ یحییٰ بن سعید الانصاری التابعی، امام احمد، یحییٰ بن معین، ابوحاتم، ابن حبان، عجلی وغیرہ ائمہ رجال نے آپ کی توثیق کی ہے۔ امام بخاریؒ کے اُستاذ، امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں کبار تابعین کے بعد یحییٰ بن سعید اور ابن شہاب جیسا کوئی تابعی نہیں ہے۔ دیکھئے الجرح والتعدیل (۹/۱۴۹)، تذکرۃ (۱/۱۳۷) وغیرہ

۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۵)

حجیت مرسل کی بحث

مرسل روایت ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ) اور جمہور فقہاء و محدثین (امام اوزاعی، امام سفیان ثوریؒ وغیرہ) کے نزدیک مطلق حجت ہے۔ تمام تابعین کرام بھی اس کی حجیت کے قائل ہیں [1]۔

البتہ امام شافعیؒ اور ان کے ہم فکر محدثین اور فقہاء کے نزدیک ہر مرسل روایت حجت نہیں بلکہ مرسل معتضد حجت ہے۔ مرسل معتضد کا مطلب یہ ہے کہ اس مرسل کی تائید کسی دوسری روایت سے (خواہ وہ مسند ہو یا مرسل) سے ہوچکی ہو، یا اس پر صحابہ کرام ﷺ یا اکثر علماء نے عمل کیا ہو [2]۔ مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ صاحب نے بھی تصریح کی ہے کہ مرسل معتضد سب کے نزدیک حجت ہے [3]۔ شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے تو یہ بھی تعمیم کی ہے کہ مرسل روایت کا مؤید ضعیف روایت بھی ہو تب بھی وہ حجت ہے [4]۔

غرض مرسل معتضد سب علماء کے نزدیک حجت ہے۔ خود غیر مقلدین علماء بھی اس کی حجیت کے قائل ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوریؒ ابوقلابہ کی ایک مرسل روایت کے ذیل میں لکھتے ہیں: اگر یہ حدیث مرفوعاً غیر محفوظ اور مرسلاً محفوظ ہے تو بھی حجت ہے کیونکہ حدیث عبادہؓ وغیرہ سے اس کا اعتضاد ثابت ہے اور مرسل معتضد کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے [5]۔ غیر مقلد محقق مولانا عبدالرؤف اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: اگر اس بات کو نہ بھی تسلیم کیا جائے تب بھی مرسل حجت ہے کیونکہ اس کی تائید میں مرفوع صحیح روایات ہیں [6]۔ نیز عبدالرؤف صاحب محمد بن یحییٰ بن حبان کی ایک مرسل روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ مرسلاً بھی مروی ہے اور یہ حدیث اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے [7]۔

---

[1] چنانچہ علامہ ابن جریرؒ فرماتے ہیں: اجمع التابعون باسرهم على قبول المرسل ولم يأت منهم انكاره ولا عن احد من الائمة الى رأس المأتين، تدریب الراوی (۱/۱۶۷) حضرات تابعین سب کے سب اس بات پر متفق تھے کہ مرسل قابل قبول ہے۔ اور تابعین سے لے کر دوسری صدی کے آخر تک کسی شخص نے اس کے حجت ہونے سے انکار نہیں کیا۔ [2] دیکھئے مقدمہ شرح مسلم للنووی (ص ۱۷) شرح نخبۃ الفکر (ص ۵۱)، زاد المعاد (۱/۱۰۳) وغیرہ [3] ابکار المنن (ص ۱۴۴/۱۴۳) [4] حاشیہ شرح نخبۃ الفکر لشیخ الاسلام بحوالہ رکعات التراویح (ص ۶۵)، حجۃ اللہ البالغہ (۱/۱۴۰) [5] تحقیق الکلام (۱/۹۵) مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان۔ [6] القول المقبول فی شرح صلوٰۃ الرسول (ص ۳۷۰) [7] القول المقبول (ص ۶۲۱) طبع رابع

علامہ شوکانی غیر مقلد امام ابن شہاب زہری کی ایک مرسل روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وھذا وان کان مرسلاً لکنہ معتضد بما سبق ۱؎ کہ یہ روایت اگرچہ مرسل ہے لیکن سابقہ روایات سے معتضد اور مؤید ہے۔ مولانا صادق سیالکوٹی غیر مقلد مرسل طاؤس کو معرض استدلال میں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: گو یہ حدیث مرسل ہے لیکن دوسری مستند احادیث سے ملکر قوی ہوگئی ہے ۲؎۔ ہفت روزہ الاعتصام کے مفتی مولانا ثناء اللہ مدنی ایک مرسل روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: مشارٌ الیہ روایت ابوقتادہ اگرچہ منقطع (مرسل) ہے پھر اس میں لَیث بن ابی سلیم ضعیف راوی ہے۔ لیکن بعض نے شواہد کی بناء پر اس کو قابل عمل سمجھا ہے ۳؎ ۔ ۴؎

علامہ ابن حزم ظاہری غیر مقلد کا حوالہ حدیث نمبر۱ کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ اگر کوئی حدیث ضعیف یا

۱؎ نیل الاوطار (۳۴۹/۳) ۲؎ صلوٰۃ الرسول (ص ۱۸۸) ۳؎ ہفت روزہ الاعتصام ۲۷ محرم ۱۴۲۰ء (ص)

۴؎ ان مذکورہ بالا مثالوں سے جس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرسل معتضد بالاتفاق حجت ہے، اسی طرح یہ بات بھی اظہر من الشمس ہوگئی کہ علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی کبار تابعین کی طرح صغار اور اوساط تابعین کی مرسل معتضد بھی حجت ہیں جیسا کہ آپ نے اوپر کتاب میں پڑھ لیا ہے کہ مولانا مبارکپوری صاحب اور مولانا عبدالرؤف نے ابوقلابہ کی مرسل معتضد کو حجت کہا ہے حالانکہ ابوقلابہ کو حافظ ابن حجرؒ نے تابعین کے طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔ تقریب (۴۹۴/۱) اور اس طبقہ والوں کو انہوں نے اوساط تابعین میں سے بتلایا ہے، ایضاً (۲۵/۱)۔ نیز شیخ عبدالرؤف نے محمد بن یحیٰی بن حبان کی مرسل معتضد کو بھی حجت کہا ہے اور محمد بن یحیٰی کو حافظ نے طبقہ رابعہ کا راوی کہا ہے۔ ایضاً (۱۴۴/۲) حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک طبقہ رابعہ والے وہ ہیں جو طبقہ ثالثہ والوں کے قریب ہیں ایضاً (۲۵/۱)۔ اسی طرح قاضی شوکانی نے امام زہری کی مرسل معتضد کو حجت کہا ہے حالانکہ زہری کو بھی حافظ ابن حجرؒ نے طبقہ رابعہ میں شمار کیا ہے ایضاً (۲۵/۱)۔ اور صادق سیالکوٹی صاحب حضرت طاؤس کی مرسل معتضد کو قوی کہہ رہے ہیں جبکہ طاؤس طبقہ ثالثہ کے ہیں جو اوساط تابعین کا طبقہ ہے۔ تقریب (۴۴۹/۱)۔ اسی طرح مولانا ثناء اللہ صاحب ابوالخلیل بصری کی مرسل سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ وہ طبقہ سادسہ کے ہیں، ایضاً (۴۴۳/۱) طبقہ سادسہ والوں کو حافظ ابن حجر نے صغار تابعین کا ہم عصر قرار دیا ہے ایضاً (۲۵/۱)۔ اب جبکہ یہ علمائے کرام جن میں مولانا مبارک پوری، قاضی شوکانی اور مولانا سیالکوٹی جیسے اکابرین غیر مقلدین بھی شامل ہیں، صغار اور اوساط تابعین کی مراسیل معتضدہ کی حجیت کا اقرار کر رہے ہیں تو پھر آج کل کے بعض اصاغر غیر مقلدین کا صغار اور اوساط تابعین کی مراسیل کو یہ کہہ کر رد کر دینا کہ صرف کبار تابعین کی مراسیل حجت ہیں۔ (انوار المصابیح ص ۲۷۸/۲۸۱)، خود اپنے اکابر کی تصریحات کی روشنی میں باطل ہے۔

مرسل ہی کیوں نہ ہو لیکن لوگوں کے عمل سے مؤید ہونے کی وجہ سے قابل حجت ہے۔اسی طرح نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد نے بھی مرسل معتضد کے حجت ہونے کی تصریح کی ہے [1]۔

الغرض:۔

مرسل معتضد کے حجت اور صحیح ہونے پر پوری امت (بشمول غیر مقلدین) کا اتفاق ہے اور چونکہ حضرت یحییٰ بن سعید انصاری کی مذکورہ روایت بھی مرسل معتضد ہے اس لئے کہ اس کی تائید دیگر کئی مسند اور مرسل روایات سے ہو رہی ہے، نیز اس پر صحابہ کرام ﷺ اور اکثر علماء نے عمل بھی کیا ہے [2]۔ لھذا اس روایت کے حجت اور صحیح ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔

روایت نمبر ۲:۔امام مالکؒ فرماتے ہیں: عن یزیدبن رومان [3] انه قال کان الناس یقومون في زمان عمربن الخطاب ﷺ في رمضان بثلث وعشرین رکعة۔ [4]

ترجمہ:۔حضرت یزید بن رومانؒ تابعی سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ لوگ (صحابہ کرام ﷺ وتابعین عظام) حضرت عمر ﷺ بن خطاب کے زمانہ خلافت میں ماہ رمضان میں تیئس رکعات (۲۰ تراویح اور ۳ وتر) پڑھتے تھے۔

اس روایت پر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ منقطع (مرسل) ہے کیونکہ یزید بن رومان کی حضرت عمر ﷺ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔لیکن یہ اعتراض بھی مردود ہے کیونکہ یہ روایت بھی مرسل معتضد ہے اور ابھی گزرا ہے کہ مرسل معتضد بالاتفاق حجت ہے۔

جواب ثانی:۔

یہ مؤطا امام مالک کی مرسل روایت ہے اور مؤطا میں جتنی بھی مرسل روایات ہیں ان کے صحیح

---

[1] دیکھئے دلیل الطالب (ص ۳۲۵) [2] ترمذی (۹۹/۱) [3] حضرت یزید بن رومان، امام مالک وغیرہ کے استاذ اور حضرت انس ﷺ اور حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ وغیرہ صحابہ کرام ﷺ کے شاگرد ہیں۔یہ بالاتفاق ثقہ تابعی ہیں، امام یحییٰ بن معینؒ، امام نسائی اور امام حبان وغیرہ نے آپ کی توثیق کی تھذیب التھذیب (۳۲۵/۱۱)۔حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی آپ کو ثقہ شمار کیا ہے، تقریب التھذیب (۳۲۳/۲)۔ [4] مؤطا امام مالک (ص ۴۰)

اور قابل حجت ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ ومامن مرسل فی الموطاالاوله عاضداوعواضدفالصواب ان الموطا صحیح لایثتتنیٰ منه شئی۔[1] مؤطا کی کوئی ایسی مرسل روایت نہیں ہے جس کیلئے کوئی ایک یا ایک سے زیادہ مؤید موجود نہ ہوں۔ پس صحیح یہ ہے کہ مؤطا کی تمام روایات بلا استثناء صحیح ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: شیخ ابن عبدالبر مالکیؒ نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں مؤطا کی تمام مراسیل کا وصل ثابت کر دکھایا ہے اور لکھا ہے کہ مؤطا میں کل اکسٹھ مراسیل ہیں، جن میں سے چار روایتیں ایسی ہیں جن کا اتصال ثابت کرنے سے ہم قاصر رہے ہیں۔ باقی تمام مراسیل ومنقطعات کا اتصال دوسرے طرق واسناد سے محدثین پر واضح ہو چکا ہے۔ اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ نے وہ چاروں روایتیں ذکر کیں ہیں لیکن ان میں یہ مذکورہ روایت شامل نہیں ہے[2]۔

مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوریؒ اور مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے نقل کرتے ہیں: واتفق اهل الحدیث علیٰ ان جمیع مافیه صحیح علیٰ رأی مالك ومن وافقه واماعلیٰ رأی غیره فلیس فیه مرسل ولا منقطع الا قداتصل السندبه من طرق اخریٰ فلاجرم انهاصحیحة من هذا الوجه۔[3] تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ مؤطا میں جتنی بھی روایات ہیں، وہ سب امام مالکؒ اور ان کے موافقین کی رائے پر صحیح ہیں، رہے دوسرے حضرات (جو مرسل کو حجت نہیں مانتے۔ ناقل) تو ان کے نزدیک بھی مؤطا میں کوئی ایسی مرسل یا منقطع روایت نہیں جس کا دوسرے طریقوں سے اتصال ثابت نہ ہوتا ہو پس اس لحاظ سے بلاشبہ وہ (مرسل ومنقطع) روایات بھی صحیح ہیں۔

نیز مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ غیر مقلد فرماتے ہیں: صاحب کبیری نے جو یہ کہا ہے کہ یزید بن رومان کی حدیث منقطع ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغۃ

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ (۱/۱۸) [2] مصفی شرح مؤطا مطبوعہ دہلی (ص ۷، ۸)، بحوالہ التوضیح عن رکعات التراویح (ص ۱۱۴، ۱۱۵) [3] مقدمہ تحفۃ الاحوذی (ص ۳۰)، رسالہ تراویح مع ترجمہ "ینابیع" (ص ۴۱) بحوالہ "حجۃ اللہ البالغۃ" (۱/۱۳۳)۔

میں فرمایا ہے تمام اہل حدیث کے اتفاق سے مؤطا کی سب حدیثیں صحیح ہیں۔ ۱

مشہور غیر مقلد محدث حافظ محمد گوندلوی صاحب (سابق امیر جماعت اہل حدیث) لکھتے ہیں:

ائمہ حدیث کا اتفاق ہے کہ مؤطا کی جملہ احادیث امام مالکؒ کے ہاں ضرور صحیح ہیں اور ان کے ہم خیال بھی آپ سے ان کی صحت میں متفق ہیں اور جو ان کے ہم نوا نہیں، اس قدر انہیں بھی تسلیم ہے کہ اس میں کوئی ایسی مرسل، منقطع نہیں جو اسند مروی نہ ہو (مگر چند امور کما ثبت بالتتبع) بلا شبہ اس حیثیت سے یہ بھی صحیح ہیں ۲۔

مولوی محمد قاسم خواجہ غیر مقلد لکھتے ہیں: مؤطا امام مالک جس کے متعلق شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں امام شافعیؒ کا قول ہے یہ مؤطا کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے اور تمام اہل حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کی تمام حدیثیں صحیح ہیں ۳۔ لھذا جب سب محدثین اور خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مؤطا کی تمام مرسل روایات صحیح ہیں تو پھر مؤطا کی مذکورہ مرسل روایت پر ان کا اعتراض فضول ہے۔

جواب ثالث:۔ یزید بن رومان کی مذکورہ حدیث کو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "فتح الباری" میں ذکر کر کے سکوت فرمایا ہے اور اس پر کسی قسم کی جرح نہیں کی اور متعدد علمائے غیر مقلدین نے تصریح کی ہے کہ حافظ ابن حجر کا کسی حدیث کو فتح الباری میں ذکر کر کے اس پر جرح نہ کرنا اس حدیث کے صحیح یا کم از کم حسن ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب ایک حدیث (جس پر حافظ ابن حجر نے سکوت کیا ہے اور جرح نہیں کی) لکھتے ہیں: ذکرہ الحافظ ابن حجر فی فتح الباری وھو حسن عندہٗ علی مااشترط فی اوائل مقدمۃ فتح الباری الخ ۴۔

اسی طرح ایک اور حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: وسکت (ابن حجر) عن حدیث وائل و حدیث ھلب فلو کانا ایضاً ضعیفین عندہٗ لبیّن ضعفھما ولانہٗ قال فی اوائل مقدمۃ فتح الباری الخ ۵۔

---

۱ رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص۴۲) ۲ التحقیق الراسخ (ص۱۶، ۱۷) ۳ حی علی الصلوٰۃ (ص۱۸)
۴ ابکار المنن (ص۴۵) ۵ حوالہ سابق (ص۱۰۶)

مولانا عبدالرؤف سندھو لکھتے ہیں: فتح الباری میں حافظ ابن حجر کا سکوت اسکے حسن ہونیکی علامت ہے۔ [1]

حافظ زبیر علی زئی مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد کے حوالہ سے لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر نے سائب بن عامر کے اثر کو فتح الباری میں نقل فرما کر سکوت فرمایا ہے۔لھذا ان کی شرط کے اعتبار سے یہ اثر ان کے نزدیک کم از کم حسن تو ضرور ہے [2]۔

الغرض یہ روایت غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں ہر لحاظ سے صحیح ہے۔

اعتراض ثانی:۔

غیر مقلدین حضرات اس روایت پر یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ روایت حضرت عمرؓ کے حکم سے خالی ہے اس میں صرف یہی ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس تراویح پڑھتے تھے۔ اس میں اس امر کی تصریح نہیں کہ جو لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے وہ بحکم حضرت عمرؓ پڑھتے تھے [3]۔

جواب:۔ یہ اعتراض بھی کئی وجہ سے باطل ہے۔

(۱) اگرچہ اس روایت میں حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح نہیں لیکن دیگر روایات میں تو حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح موجود ہے۔ مثلاً حضرت یحییٰ بن سعید انصاری کی روایت جو ابھی گزری ہے، اسی طرح ابی بن کعبؓ کی روایت [4] اور حضرت حسن بصریؒ کی روایت [5] میں حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح موجود ہے۔لھذا جن روایات میں حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح نہیں ان کو بھی ان کے حکم والی روایات پر محمول کیا جائے گا کیونکہ ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر بیان کرتی ہے۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: اور اصول کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے:۔الحدیث یفسر بعضه بعضا کہ ایک حدیث دوسری کی وضاحت کرتی ہے [6]۔

(۲) خود غیر مقلدین کے اکابر کو بھی یہ بات تسلیم ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو لوگ بیس تراویح

---

[1] القول المقبول (ص ۴۴۴) [2] نور العینین (ص ۱۴۵) حاشیہ نمبر ا۔ [3] رکعات تراویح (۱۹) از حافظ عبداللہ غازیپوری، تعداد قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۷۰) از حافظ زبیر علی زئی، تعداد تراویح (ص ۶۲) از حافظ عبدالمنان نور پوری وغیرہ [4] دیکھئے کنز العمال (۴۰۹/۸) [5] سنن ابی داؤد (۲۰۲/۱) [6] توضیح الکلام (۴۸۹/۱، ۵۴۴)

پڑھتے تھے وہ حضرت عمرؓ کے حکم اور فرمان سے ہی پڑھتے تھے، اس کی تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے، فلیراجع الیھا۔

(۳) یہ اعتراض ہی فضول ہے کیونکہ یہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت اور مدینہ جیسے شہر کا واقعہ ہے (اس لئے کہ اس روایت کے راوی حضرت یزید بن رومان مدنی ہیں۔ نیز متصل آئندہ روایت میں مدینہ منورہ کی تصریح ہے) اور حضرت عمرؓ نے ہی لوگوں کو تراویح کی جماعت پر اکٹھا فرمایا اور اس کی ترغیب دی بلکہ آپؓ کا لوگوں کے ساتھ تراویح پڑھنا بھی ثابت ہے۔ چنانچہ مدونہ کبرٰی میں ہے: ان عمرؓ و عثمانؓ کانایقومان فی رمضان مع الناس۔[1] حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ لوگوں کے ساتھ تراویح پڑھتے تھے۔ اور بخاری و مؤطا وغیرہ کے حوالہ سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ: حضرت عمرؓ نے اپنی مقرر کردہ جماعت تراویح کا معائنہ بھی فرمایا اور اس کو نعمت البدعۃ سے تعبیر فرمایا: اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کا یہ بیس تراویح پڑھنا حضرت عمرؓ کے زیر علم تھا[2]۔ نیز جب حضرت عمرؓ نے تراویح کی جماعت قائم فرمائی اور حضرت ابی بن کعبؓ کو اس کا امام مقرر فرمایا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے انھوں نے اس کی تعداد مقرر نہ فرمائی ہو اور اسے لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا ہو؟ [3] بالفرض مان لیا جائے کہ یہ لوگ خود اپنی مرضی سے بیس تراویح پڑھتے تھے تو کیا حضرت عمرؓ نے ان کو اس فعل سے منع فرمایا تھا؟ ہرگز نہیں۔ پس حضرت عمرؓ کا باوجود اس کا علم ہونے کے لوگوں کو اس فعل سے منع نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کے اس عمل میں ان کی رضامندی بھی شامل تھی اور ان کے نزدیک یہی سنت تھی۔ ورنہ حضرت عمرؓ جیسا متبع سنت اور عاشق رسول صحابی کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ ان کے ماتحت رعایا کوئی غلط یا خلاف سنت کام سرانجام دیں۔ لھذا اگر بالفرض یہ ان کی قولی یا فعلی سنت نہیں تو ان کی تقریری سنت ضرور ہے۔

(۴) خود غیر مقلدین کے اپنے دلائل (روایات عمرؓ) میں سوائے مؤطا امام مالک کی روایت کے

---

[1] (۱/۱۹۴) [2] مولانا نذیر رحمانی صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ لوگوں کا بیس تراویح پڑھنا حضرت عمرؓ کے زیر علم تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: حضرت عمرؓ نے بیس (تراویح) پر نکیر نہیں فرمائی۔ یہی اہل حدیث کا مذہب بھی ہے، انوار المصابیح (۲۴۴)۔ [3] حدیث نمبر ۱ کے ذیل میں مولانا وحید الزمان غیر مقلد کا یہ بیان گزر چکا ہے کہ جس طرح حضرت عمرؓ نے تراویح کی جماعت قائم کی اسی طرح انہوں نے خود ہی تراویح کی تعداد بھی مقرر کی تھی۔

حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا نذیر احمد رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں: امام مالک کی روایت میں (حضرت عمرؓ کے) حکم دینے کا ذکر ہے اور دوسروں کی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے [1]۔ لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین ان روایات میں حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح نہ ہونے کے باوجود بھی بڑے طمطراق سے ان کا استدلال کرتے ہیں اور وہاں وہ جو عذر بیان کرتے ہیں وہ بھی ذرا ملاحظہ کریں۔

چنانچہ یحییٰ بن سعید کی روایت کے ذیل میں حافظ عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: یہ درست ہے کہ یحییٰ بن سعید کے بیان میں حضرت عمرؓ کے حکم کا ذکر نہیں مگر اس کے بیان میں حضرت عمرؓ کے حکم کی نفی بھی تو نہیں [2]۔ کیا ہم بھی غیر مقلدین سے ایسے انصاف کی توقع رکھ سکتے ہیں۔ دیدہ باید!

روایت نمبر۳: امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ روایت کرتے ہیں: ثنا حمید بن عبدالرحمن عن حسن عن عبدالعزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر بثلاث۔ [3]

ترجمہ: حضرت عبدالعزیز بن رفیع تابعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ (عہد فاروقی میں) لوگوں کو مدینہ منورہ میں بیس رکعات (تراویح) اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ سند کے پہلے راوی امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ صاحب مصنف کا تذکرہ روایت نمبر ۱ میں گزر چکا ہے۔ دوسرے راوی حمید بن عبدالرحمٰن الرؤاسی ابوعوف الکوفی ہیں۔ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ: یہ ثقہ تھے، امام احمدؒ بھی ان کی تعریف کرتے ہیں، امام ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، امام ابن سعد فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے، امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ثبت، عاقل اور ناسک تھے۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان جیسے لوگ کم دیکھے ہیں [4]۔ تیسرے راوی حسن بن صالح بن حیی بھی بالاتفاق ثقہ ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ انکو ثقہ، صحیح الروایہ اور راثبت فی الحدیث کہتے ہیں، امام نسائیؒ، امام یحییٰ بن معینؒ اور امام ابو حاتمؒ بھی ان کو ثقہ بتلاتے ہیں۔ امام ابوزرعہؒ

---

۱ انوار المصابیح (ص ۲۳۷) ۲ تعداد تراویح (ص ۱۳۴) ۳ مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۵)

۴ دیکھئے تھذیب التھذیب (۳/۳۴)، تذکرۃ الحفاظ (۱/۲۸۸)۔

" فرماتے ہیں کہ حسن بن صالح میں اتقان (روایت حدیث میں پختگی)، فقہ، عبادت اور زہد چاروں چیزیں جمع تھیں، عبدہ بن سلیمان کا قول ہے کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی حسن بن صالح کو عذاب دینے سے حیا (درگزر) فرمائیں گے [1]۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقۃ فقیہ، عابد۔ [2]

چوتھے راوی حضرت عبدالعزیز بن رُفیع ثقہ تابعی ہیں، امام احمدؒ، امام یحییٰ بن معینؒ، امام ابوحاتم رازیؒ اور امام نسائیؒ وغیرہ ان کو ثقہ کہتے ہیں، امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ عبدالعزیز بن رفیع ثقہ تابعی ہیں، امام یعقوب بن شیبہؒ فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث حجت کا درجہ رکھتی ہیں [3]۔ حافظ ابن حجرؒ نے آپ کو ثقہ بتلایا ہے۔ [4]

اور حضرت ابی ؓ بن کعب مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ غرض یہ روایت بالکل صحیح اور مرسل معتضد ہے جس کے حجت ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

روایت نمبر ۴:۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں: حدثنا شجاع بن مخلد نا هیشم انا یونس بن عبید عن الحسن ؓ ان عمر ؓ بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب ؓ فکان یصلی لهم عشرین رکعة۔ [5]

ترجمہ:۔ حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ؓ بن الخطاب نے لوگوں کو حضرت ابی ؓ بن کعب (کی اقتدا) پر اکٹھا فرمایا تو وہ لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) پڑھاتے تھے۔

﴿ف﴾ سنن ابی داؤد کا وہ نسخہ جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کی تصحیح کے ساتھ مطبع مجتبائی دہلی سے طبع ہوا تھا اس میں یہ روایت عشرین رکعة کے الفاظ سے نقل ہوئی ہے اور اس کے حاشیہ پر یہ عبارت بھی لکھی ہوئی ہے: کذا فی نسخۃ مقروءۃ علی الشیخ مولانا محمد اسحاق" یعنی اسی طرح عشرین رکعة کے الفاظ اس نسخہ میں ہیں جو شیخ مولانا محمد اسحاق صاحب دہلوی (جو غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نزیر حسین صاحبؒ دہلوی کے بھی استاذ ہیں) کے سامنے پڑھا جاتا تھا۔ اسی طرح امام شمس الدین الذھبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ (جو

---

[1] " تھذیب الکمال" (۴/۳۴۹) تھذیب التھذیب [2] تقریب (۱/۲۰۵) [3] " تھذیب الکمال" (۱۱/۴۹۶) " تھذیب التھذیب" ۶/۳۰۔ [4] تقریب (۱/۲۰۳) [5] سنن ابی داؤد (۱/۲۰۳) طبع میر کتب خانہ کراچی و مطبع مجتبائی دہلی۔

بالاتفاق ثقہ اور معتبر امام ہیں) نے بھی یہی روایت سنن ابی داؤد کے حوالہ سے عشرین رکعۃ کے الفاظ کے ساتھ نقل فرمائی ہے۔ [1]

اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ المتوفی ۷۷۴ھ اور امام ابن قدامہ حنبلیؒ المتوفی ۶۲۰ھ نے بھی یہ روایت بحوالہ سنن ابی داؤد عشرین رکعۃ کے الفاظ سے نقل کی ہے [2]۔

لیکن مشکوٰۃ، تحفۃ الاشراف وغیرہ میں یہ روایت عشرین رکعۃ کی بجائے عشرین لیلۃ کے الفاظ سے درج ہے۔ اب موجودہ غیر مقلدین ان حوالوں کو لیکر یہ واویلا کرتے ہیں کہ عشرین رکعۃ والا نسخہ محرّف ہے اور دیوبندیوں کے شیخ الہند نے اس میں تحریف کر کے عشرین لیلۃ کو عشرین رکعۃ بنادیا ہے لیکن غیر مقلدین کا یہ محض غیر مقلدانہ واویلا اور جاہلانہ شور شرابہ ہے کیونکہ حضرت شیخ الہند کی ولادت ۱۲۶۸ھ میں ہوئی جبکہ ان کی ولادت سے بھی کئی سو سال پہلے امام ذہبیؒ حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن قدامہ وغیرہ محدثین نے یہی روایت عشرین رکعۃ سے نقل فرمائی ہے اور شیخ الہند کی ولادت سے کئی عرصہ پہلے مسند الہند حضرت شاہ اسحاق دہلویؒ کے سامنے بھی یہی عشرین رکعۃ والا نسخہ پڑھا جاتا تھا۔ اور اگر مولانا نذیر حسین دہلوی صاحب ؒ غیر مقلد شاہ اسحاق صاحب کے شاگرد ہیں تو انہوں نے بھی دوران سبق یہی نسخہ حضرت شاہ صاحب سے پڑھا ہوگا۔ تو کیا اب غیر مقلدین حضرات ان سب بزرگوں کو بھی شیخ الہند کی طرح محرّف اور غلط کار ہونے کا الزام لگائیں گے۔ دیدہ باید! لیکن

ع مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے

غیر مقلدین عشرین رکعۃ والے نسخے کو غلط ثابت کرنے کیلئے جو دلائل ذکر کرتے ہیں کہ فلاں فلاں کتاب میں یہ روایت عشرین لیلۃ کے ساتھ درج ہے تو یہ دلائل ہمارے دعوٰی کے خلاف نہیں ہیں اور نہ ہی ان سے عشرین رکعۃ والے نسخہ کا محرّف ہونا لازم آتا ہے کیونکہ ان سے تو صرف عشرین لیلۃ والے نسخہ کا اثبات ہوتا ہے کہ عشرین لیلۃ والا نسخہ بھی ثابت ہے اور اس سے ہمیں کوئی انکار نہیں کیونکہ ہمارا دعوٰی یہ نہیں کہ ہر نسخہ میں عشرین رکعۃ کے الفاظ ہیں بلکہ ہمارا دعوٰی تو یہ ہے کہ ابوداؤد کے بعض

---

[1] سیر اعلام النبلاء (۱/۴۰۴) [2] جامع المسانید والسنن (رقم الحدیث ۲۶)، المغنی (۲/) بحوالہ تنبیہ الغافلین (ص ۳۱-۳۵)

نسخوں میں یہ روایت عشرین رکعۃ کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں عشرین لیلۃ کے ساتھ درج ہے۔حضرت شیخ الہند کے نسخہ کا محرف ہونا تو تب لازم آتا جب غیر مقلدین کم ازکم کسی ایک ہی معتبر محدث کا حوالہ پیش کر دیتے کہ عشرین رکعۃ والا نسخہ محرف ہے۔لیکن یہ بات غیر مقلدین قیامت کی صبح تک ثابت نہیں کر سکتے۔انشاء اللہ تعالیٰ،اس کے برخلاف ہم نے امام ذہبیؒ وغیرہ چوٹی کے محدثین کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ عشرین رکعۃ والا نسخہ ثابت ہے۔باقی اگر کسی نسخہ میں عشرین رکعۃ کے الفاظ نہیں اور اس کی بجائے عشرین لیلۃ کے الفاظ ہیں تو اس سے عشرین رکعۃ والے نسخہ کا محرف یا الحاقی ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ مشہور غیر مقلد محقق مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ صاحب نے تصریح کی ہے کہ: کتب حدیث میں متعدد روایات اور عبارات ایسی ہیں جو بعض نسخوں میں ہیں اور بعض نسخوں میں نہیں مگر کوئی بھی ان کو الحاقی نہیں بتلاتا [1]۔لھذا اگر کسی نسخہ میں عشرین رکعہ کی بجائے عشرین لیلۃ کے الفاظ درج ہیں تو اس سے عشرین رکعۃ والے نسخہ کا محرف ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ عشرین رکعۃ والا نسخہ بھی ثابت ہے اور اس سے بیس رکعات تراویح پر استدلال بھی درست ہے۔اور اگر غور سے دیکھا جائے تو عشرین رکعۃ والا نسخہ ہی راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی باقی روایات میں بھی یہی عشرین رکعۃ کے الفاظ آئے ہیں مثلا عبدالعزیز بن رفیع کا اثر جو ابھی گزرا ہے اس میں بھی یہی الفاظ ہیں: یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة،کنزالعمال [2] کی روایت میں ہے: فصلی بھم عشرین رکعة،اسی طرح روایت نمبرا جو یحییٰ بن سعید سے مروی ہے اس میں بھی یہ الفاظ ہیں:ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امر رجلاً(ای ابی بن کعب رضی اللہ عنہ)ان یصلی بھم عشرین رکعة۔حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:فلما جمعھم عمر علیٰ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کان یصلی بھم عشرین رکعة [3]۔

حافظ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:ولنا ان عمر رضی اللہ عنہ جمع الناس علیٰ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کان یصلی لھم عشرین رکعة [4]۔

[1] تحقیق الکلام(۱۴۹/۲) [2] (۴۰۹/۸) [3] مجموعۃ الفتاویٰ(۵۲۰/۱۱) [4] المغنی(۷۹۹/۱)

معلوم ہوا کہ عشرین رکعت والا نسخہ ہی راجح ہے اور غیر مقلدین کا ابوداؤد کے اس نسخہ کو محرف کہنا باطل ہے۔

اب اس حدیث کی سند کے راویوں کا حال ملاحظہ کریں۔

﴿۱﴾ امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی جو ثقہ حافظ اور سنن ابی داؤد وغیرہ کے مصنف اور بڑے علماء محدثین میں سے ہیں۔ ۱

﴿۲﴾ شجاع بن مخلد الفلاس البغوی: امام ابن معینؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں ان کو پہچانتا ہوں، ان میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ بہت اچھے شیخ (بزرگ) اور ثقہ ہیں، امام ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، امام ابوزرعہؒ اور امام احمدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام ابن قانعؒ اور حسین بن فہمؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور ثبت ہیں۔ ۲ حافظ ابن حجر ان کو صدوق لکھتے ہیں۔ ۳

﴿۳﴾ ھیشم بن بشیر السلمی الواسطی ثقہ راوی ہیں۔ امام ابن مھدیؒ، امام عجلیؒ، امام ابوحاتمؒ، امام ابوزرعہؒ، امام ابن سعدؒ وغیرہ محدثین نے ان کو ثقہ، صدوق اور حافظ قرار دیا ہے۔ البتہ یہ مدلس راوی ہیں۔ لیکن انہوں نے یہ حدیث انا (اخبرنا) سے بیان کی ہے لھذا ان کا مدلس ہونا یہاں مضر نہیں۔ چنانچہ امام ابن سعدؒ فرماتے ہیں: کان ثقه کثیر الحدیث ثبتا یدلس کثیرا فما قال فی حدیثه أنا فهو حجة و مالم یقل فلیس بشیء ۴ ھیشم ثقہ، کثیر الحدیث، ثبت اور کثیر التدلیس ہیں پس جب وہ حدیث میں انا (اخبرنا) کہیں تو وہ حجت ہیں اور جب یہ لفظ نہ کہیں تو پھر یہ کوئی شی نہیں ہیں۔

﴿۴﴾ یونس بن عبید العبدی ثقہ تابعی اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ حافظ ابن حجر ان کے بارے میں لکھتے ہیں ثقہ، ثبت، فاضل ورع ۵۔

﴿۵﴾ امام حسن بن ابوالحسن بصریؒ مشہور اور جلیل القدر امام ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ ان کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں۔ ثقہ فقیہ، فاضل مشہور ۶۔

---

۱ تقریب التھذیب (۳۸۲/۱) ۲ دیکھئے تھذیب التھذیب (۳۱۲/۴) ۳ تقریب التھذیب (۳۱۲/۱)
۴ تھذیب التھذیب (۵۹/۱۱) ۵ تقریب التھذیب (۳۴۹/۲) ۶ تقریب التھذیب (۲۰۲/۱)

روایت نمبر۵:۔امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:اخبرناابوطاہر الفقیہ قال اخبرناابو عثمان البصری حدثناابواحمدبن عبدالوہاب قال اخبرناخالدابن مخلدقال حدثنا محمد بن جعفرقال حدثنی یزیدبن خصیفة عن السائب بن یزیدقال کنانقوم فی زمان عمربن الخطاب ﷺ بعشرین رکعة والوتر[۱]۔

ترجمہ:۔حضرت سائب بن یزید ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:ہم (نبی ﷺ کے صحابہ ﷺ) حضرت عمر ﷺ بن الخطاب کے زمانہ خلافت میں بیس رکعات اور(تین) وتر کے ساتھ قیام کرتے تھے۔

اس روایت کی سند کوامام سبکیؒ نے شرح منہاج میں اور ملاعلی قاریؒ نے شرح مؤطا میں صحیح قرار دیا ہے [۲]۔

اسی طرح امام عراقیؒ بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں [۳]۔

اس روایت پر غیر مقلدین نے دوطرح سے کلام کیا ہے۔

اوّلاً:۔ابوطاہر فقیہ کی کسی نے توثیق نہیں کی۔ثانیاً:۔اس روایت میں ابوعثمان بصری مجہول ہے۔چنانچہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں:اس روایت میں ایک راوی ابوطاہر ہے جن کی نسبت ہم کو علم نہیں کہ کسی نے ان کو ثقہ قرار دیا ہو۔دوسرے ابوعثمان ہیں جن کا تذکرہ ہم کو کسی کتاب میں نہیں ملا لھذا یہ روایت ضعیف ہے [۴]۔

لیکن غیر مقلدین کے اس اعتراض کی دونوں شقیں باطل ہیں۔اول اس لئے کہ ائمہ رجال نے ابوطاہر محمد بن محمش کی باقاعدہ توثیق کی ہے۔چنانچہ حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن العمادؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:الفقیہ الشافعی عالم نیساپورومسندھا ......وکان قانعاًمتعفاً......وروی عنہ الحاکم مع تقدمہ واثنی علیہ [۵]۔

یہ نیشاپور کے عالم اور مسند تھے اور دنیا سے قناعت کرنے والے اور پاک دامن،شافعی المسلک فقیہ تھے۔ امام حاکم نے ان سے باوجود متقدم ہونے کے روایت بھی کی ہے اوران کی تعریف بھی کی ہے۔نیز امام

---

۱ معرفة السنن والآثار(۴۲/۴) ۲ تحفة الاحوذی(۷۵/۲) ۳ طرح التثریب(۸۸/۳) ۴ تحفة الاحوذی(۷۵/۲) ۵ العبر (۲۱۸/۲)،شذرات الذھب(۱۹۲/۳)

ذہبیؒ اس کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں: مسند نیسابور العلامۃ ابوطاہر محمد بن محمش الزیادی ۔[1]

امام سبکیؒ فرماتے ہیں: الفقیہ شیخ ابوطاہر زیادی امام المحدثین والفقہاء بنیسابور فی زمانہ، وکان شیخاً ادیباً، عارفاً بالعربیۃ سلمت الیہ الفقہا الفتیاء بمدینۃ نیسابور والمشیخۃ۔[2]

یعنی فقیہ شیخ ابوطاہر زیادی اپنے زمانہ کے نیساپور شہر کے تمام محدثین اور فقہاء کے امام تھے اور وہ شیخ، ادیب اور عربی زبان کے عالم تھے، نیساپور شہر کے تمام فقہاء نے فتوی نویسی اور بزرگی ان کو سونپ دی تھی۔ امام سبکی علامہ عبدالغافر سے ان کے بارے میں نقل کرتے ہیں: ۔امام اصحاب الحدیث بخراسان وفقیہہم بالاتفاق بلا مدافعۃ[3]۔

یعنی وہ پورے خراسان کے بالاتفاق اور بلا اختلاف امام اصحاب الحدیث اور ان کے فقیہ تھے۔ اب جبکہ امام حاکمؒ، امام ذہبیؒ اور ابن العماد نے ابوطاہر کی توثیق کی ہے۔ اسی طرح امام سبکی اور علامہ عبدالغافر نے ابوطاہر کو شیخ اور امام کے القاب سے ملقب فرمایا ہے اور لفظ شیخ اور لفظ امام بھی الفاظ توثیق میں سے ہیں۔ چنانچہ امام سیوطیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے لفظ شیخ کو کلمات توثیق میں شمار کیا ہے[4] اسی طرح امیر صنعانی نے بھی قصب السکر میں لفظ شیخ کو الفاظ تعدیل میں شمار کیا ہے[5]۔ مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: شیخ کا لفظ الفاظ تعدیل میں شمار ہوتا ہے[6]۔ اسی طرح مولانا زین الدین عراقیؒ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری غیر مقلد اور مولانا سلطان محمود صاحب غیر مقلد نے بھی لفظ شیخ کو الفاظ تعدیل میں شمار کیا ہے[7]۔

اسی طرح لفظ امام بھی الفاظ توثیق میں ہے چنانچہ علامہ سخاویؒ اور علامہ سندھی نے اس کا کلمات توثیق میں شمار کیا ہے[8] (9)۔

---

[1] العبر (۱۲۹/۲) [2] طبقات الکبری (۸۳/۳) بحوالہ رکعات التراویح (ص۴۸) [3] ایضاً [4] دیکھئے تدریب الراوی (۲۱۳/۱) شرح نخبۃ الفکر (ص۱۳۴) [5] قصب السکر فی نظم نخبۃ الفکر (ص۱۵۸) مع شرح نخبۃ الفکر۔

[6] توضیح الکلام (۴۸۰/۱) [7] دیکھئے "الفیۃ الحدیث مع التعلیقات الاثریۃ" (ص۴۶) "ابکار المنن" (ص۱۴۰) "اصطلاحات المحدثین" (ص۲۱) [8] الرفع والتکمیل (ص۱۴) (9)۔ اعتراض: ۔مولانا نذیر احمد رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: حافظ سخاوی نے ۔۔۔ لکھا ہے اس کا منشا یہ ہے کہ جب کسی عادل کے حق میں یہ الفاظ (امام اور حافظ) استعمال کئے جائیں گے تو اس وقت ان ۔۔۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی لفظ امام کو کلمات توثیق میں شمار کیا ہے ۔ [1] ۔

اب جبکہ امام حاکم، امام سبکی، امام عبدالغافر، امام ذہبیؒ، علامہ ابن العماد نے با قاعدہ ابو طاہر کو ثقہ قرار دیا ہے تو پھر یہ مجہول کیسے ہے؟ اور خود غیر مقلدین کے مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالجلیل سوانی بھی ابو طاہر کو ثقہ کہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ابو طاہر فقیہ محمد بن محمد بن محمش مشہور ثقات سے ہیں [2] ۔

نیز اس کی مذکورہ روایت کو امام سبکیؒ اور ملا علی قاریؒ نے صحیح قرار دیا ہے اور مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: جب کسی حدیث کو صحیح کہا جاتا ہے تو اس کے ضمن میں اس کے راویوں کی توثیق بھی آجاتی ہے [3]۔ حافظ زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد ایک راوی (محمد بن یحییٰ الصفار جس کو کسی امام نے بھی ثقہ نہیں کہا) کے بارے میں لکھتے ہیں: بیہقی نے اس کی حدیث کی تصحیح کر کے اس کی توثیق کی ہے [4]
نیز موصوف ایسے ہی ایک اور راوی کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں: الحاکم والذہبی کا اس کی حدیث کو صحیح کہنا اس کی توثیق ہے [5]۔ مولانا محمد گوندلویؒ غیر مقلد ایک راوی کے متعلق لکھتے ہیں: ۔ دار قطنی نے اس اثر کو صحیح کہا ہے۔ ان کے ہاں یہ راوی مجہول نہیں [6] ۔

بنا بریں جب امام سبکیؒ اور ملا علی قاریؒ نے ابو طاہر فقیہ کی حدیث مذکورہ کو صحیح کہہ کر اس کی توثیق کی ہے اور امام حاکمؒ وغیرہ حضرات نے صراحتاً اس کی توثیق کر دی تو پھر غیر مقلدین کیسے اس کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مجہول ہے اور اس کی کسی نے توثیق نہیں کی، بلکہ امام سبکی اور امام عبدالغافر نے تو اس کے بارے میں یہاں تک فرمایا ہے کہ نیشاپور شہر کے تمام محدثین اور فقہاء نے ابو طاہر کو اپنا امام اور مقتداء

= کا شمار الفاظ توثیق میں ہوگا۔ انوار المصابیح (ص ۲۲۴) جواب: اگر رحمانی صاحب کی یہ بات بالکلیہ تسلیم بھی کر لی جائے تو پھر بھی ابو طاہر فقیہ کے حق میں یہ کوئی معتز نہیں کیوں کہ جب امام سبکیؒ اور ملا علی قاریؒ نے اس کی حدیث کو صحیح کہہ کر اس کی توثیق کر دی ہے اور امام سبکی اور امام عبدالغافرؒ نے اس کے بارے میں شیخ کہا ہے جو بالاتفاق الفاظ توثیق میں سے ہے تو اس سے ابو طاہر کا ثقہ اور عادل ہونا ثابت ہو گیا۔ لھذا جب اس کے حق میں لفظ امام استعمال کیا گیا تو چونکہ یہ لفظ ایک عادل کے حق میں استعمال کیا گیا ہے تو گویا رحمانی صاحب کے بیان کردہ قاعدہ کے موافق بھی ابو طاہر کے حق میں لفظ امام الفاظ توثیق میں سے ہے۔

[1] دیکھیے ''الکواکب الدریۃ'' (ص ۶۵) [2] ''فتاوی اہلحدیث'' (۱/۵۱۱)
[3] تعداد تراویح (ص ۴۶) [4] الکواکب الدریۃ (ص ۴۵) [5] ایضاً (ص ۶۵) [6] خیر الکلام (ص ۲۲۱)

تسلیم کیا ہے۔ اور ذہبی اور علامہ ابن العماد نے اس کو مسند نیشاپور کہا ہے۔ اب جس شخص کو نیسا پور جیسے شہر (جو ہر وقت بڑے بڑے محدثین اور فقہاء کا مسکن رہا ہے) کے محدثین اور فقہاء بلا اختلاف اپنا امام تسلیم کرتے ہوں تو ایسے شخص کی ثقاہت اور عدالت میں کیا شک ہوسکتا ہے؟ کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ تمام محدثین اور فقہاء ایک غیر ثقہ اور غیر معروف العدالۃ شخص کو اپنا امام تسلیم کریں۔ لھذا اگر انھوں نے ابو طاہر فقیہ کو اپنا امام مانا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تمام شہر کے محدثین اور فقہاء کے حلقہ میں ابو طاہر کی عدالت اور ثقاہت مشہور و معروف تھی اور ایسا شخص جس کی عدالت اہل علم کے ہاں مشہور و معروف ہو تو اس کی عدالت کے متعلق سوال ہی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں: فمن اشتہرت عدالته بین اهل العلم وشاع الثناء علیه کفی فیها[1]۔

جس شخص کی عدالت اہل علم میں مشہور و معروف ہو اور اس کی تعریف عام ہو تو یہ اس کی عدالت کیلئے کافی ہے۔

بنا بریں اگر ابو طاہر فقیہ کی محدثین (امام سبکی، امام عبد الغافر، ملا علی قاریؒ وغیرہ) نے توثیق نہ بھی کی ہوتی تو ان محدثین اور فقہاء کا اس کو اپنا امام اور رہنما تسلیم کرنا ہی اس کی عدالت اور ثقاہت کیلئے کافی تھا لیکن جب ان محدثین نے اس کی باقاعدہ توثیق بھی کر دی تو پھر اس کے عادل اور ثقہ ہونے میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں رہا۔

اسی طرح غیر مقلدین کے اعتراض کی دوسری شق بھی باطل ہے کہ اس روایت کے دوسرے راوی ابو عثمان بصری مجہول ہیں:۔ اولاً ائمہ حدیث اور ائمہ رجال میں سے کسی امام نے ابو عثمان کو مجہول نہیں قرار دیا بلکہ ائمہ حدیث امام سبکیؒ، ملا علی قاریؒ اور امام عراقیؒ وغیرہ نے اس کی حدیث کو صحیح کہہ کر اس کی توثیق کی ہے (جیسا کہ غیر مقلدین حضرات کے حوالے سے گزر چکا ہے)۔ اگر ابو عثمان بصری مجہول ہوتے تو پھر یہ بڑے بڑے محدثین اس کی راویت کو کیسے صحیح کہہ سکتے تھے۔ کیوں کہ کسی روایت کے صحیح ہونے کیلئے شرط ہے کہ اس کی سند میں کوئی مجہول راوی نہ ہو۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد محدث مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ لکھتے ہیں: جس روایت میں مجہول راوی ہو وہ ضعیف ہوتی ہے[2]۔

---

[1] تقریب مع تدریب الراوی (۱/۲۵۵) [2] خیر الکلام (ص ۴۰۶)

ثانیا: ابوعثمان (عمرو بن عبداللہ) البصری سے ابوطاہر فقیہ اور حسن ابن علی بن مؤمل وغیرہ نے روایت کی ہے اور اس مذکورہ روایت کے علاوہ اور بھی کئی روایات السنن الکبریٰ للبیہقیؒ میں ان سے مروی ہیں [1]۔ اور کسی محدث نے ان کی تضعیف نہیں کی بلکہ امام سبکیؒ، ملاعلی قاریؒ اور امام عراقیؒ وغیرہ نے اس کی حدیث کی تصحیح کر کے اس کی توثیق کی ہے اور اصول حدیث کا یہ متفقہ اصول ہے کہ جس شخص سے دو راوی روایت کر دیں تو اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے اور وہ مجہول نہیں رہتا کیونکہ مجہول عندالمحدثین اس کو کہتے ہیں جس سے صرف ایک راوی روایت کرے اور اس کی توثیق بھی نہ کی گئی ہو چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: من لم یروعنه غیرواحدولم یوثق والیه الاشارةبلفظ مجهول [2]۔

جس شخص سے سوائے ایک راوی کے دوسرا کوئی راوی روایت نہ کرے اور کسی نے اس کی توثیق بھی نہ کی ہو تو اس کی طرف لفظ مجہول سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد علامہ ابن حزم کے دارقطنی کے ایک راوی کو مجہول کہنے پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وھو جرح مردود فقدروی عنہ ثلاثة [3]۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: محمد بن یحییٰ الصفار سے دو ثقہ روایت کر رہے ہیں۔

نمبر ۱: محمد بن سلیمان بن فارس۔ نمبر ۲: محمد بن عبدالسلام۔ لھذا وہ مجہول نہیں ہے [4]۔

مولانا ابومحمد عبدالستار الحماد غیر مقلد لکھتے ہیں: اور محدثین کا اصول ہے کہ جس آدمی سے کم از کم دو راوی روایت کرنے والے ہوں اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے [5]۔

نیز لکھتے ہیں: علمائے جرح و تعدیل نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی ایسا راوی ہے جسے کسی نے بھی ثقہ نہ کہا ہو اور نہ کسی سے اس کے متعلق جرح ہی منقول ہو، اگر اس سے روایت لینے والے کئی ایک ثقہ راوی ہوں اور اس سے کوئی منکر حدیث بیان نہ کریں تو اس کی مرویات کو قبولیت کی سند حاصل ہوگی [6]۔

حماد صاحب مزید لکھتے ہیں: بلکہ حافظ منادی مجہول العدالۃ کی روایت کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ اخبار و احادیث کی بنیاد راوی کے ساتھ حسن ظن پر ہے اور کسی شخص سے اگر کئی ایک ثقہ

---

[1] التعلیق الحسن (ص۲۵۱) [2] مقدمہ تقریب التھذیب (ص۳) [3] التعلیق المغنی (۹/۳)

[4] الکواکب الدریہ (ص۴۵) [5] ہفت روزہ الاعتصام (ص۱۹) ۱۶ ستمبر ۱۹۹۴ء [6] ایضاً۔

راوی روایات نقل کرتے ہوں تو اس سے حسن ظن کو تقویت پہنچتی ہے، ہشیم بن عمران کی مذکورہ روایت کو ہمارے شیخ (البانی غیر مقلد) نے اور ہم نے انہی دلائل کی وجہ سے اسنادہ حسن کہا ہے۔ [1]

قارئین: غیر مقلدین کے ان اقتباسات کو سامنے رکھتے ہوئے اندازہ لگائیں کہ جس راوی کی کسی محدث نے ادنیٰ توثیق بھی نہ کی ہو، صرف اس سے نقل کرنے والے دو راوی ہوں تو اس کی روایت تو غیر مقلدین کے ہاں حسن ہے اور اس کو سند قبولیت حاصل ہے لیکن جس راوی (ابو عثمان بصری) کی روایت کو محدثین نے صحیح کہہ کر اس کی توثیق بیان کی ہے اور اس سے کم از کم دو راوی روایت کرنے والے بھی ہیں تو پھر بھی وہ راوی غیر مقلدین کی نظروں میں مجہول ہے۔ والی اللہ المشتکی !

غیر کی آنکھ کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

باقی رہا مولانا مبارکپوری صاحب کا یہ کہنا کہ ابو عثمان کا تذکرہ ہمیں کسی کتاب میں نہیں ملا تو جواباً عرض ہے کہ مبارک پوری صاحب کے عدم علم سے ابو عثمان کا مجہول ہونا لازم نہیں آتا کیوں کہ خود مبارکپوری صاحب کے ہی ہم مسلک محدث حافظ گوندلویؒ ایک راوی کے متعلق فرماتے ہیں: مگر عدم علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مجہول ہو [2]۔ الغرض غیر مقلدین کے اعتراض کی دونوں شقیں باطل ہیں اور اس روایت کے پہلے دونوں راوی قطعاً مجہول نہیں ہیں۔ اسی طرح روایت کے باقی راوی بھی سب ثقہ ہیں۔ چنانچہ تیسرے راوی ابو احمد بن عبد الوہاب فراء ہیں، امام نسائی فرماتے ہیں یہ ثقہ ہیں، امام مسلم بن حجاج فرماتے ہیں یہ ثقہ اور صدوق ہیں، امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے [3]۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ عارف [4]۔ چوتھے راوی خالد بن مخلد القطوانی الکوفی ہیں، امام یحییٰ بن معین ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ما بہ بأس۔ امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں: ھو من المکثرین وھو عندی انشاء اللہ لا بأس بہ۔ یعنی یہ کثیر الحدیث ہیں اور میرے نزدیک انشاء اللہ ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام ابن حبانؒ اور امام ابن شاہینؒ نے ان کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ امام عجلی فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں اور ان میں تھوڑا سا تشیع ہے۔

---

[1] ایضاً۔ [2] خیر الکلام (ص ۲۴۸) [3] "تھذیب التھذیب" (۳۱۹/۹) [4] تقریب (۱۰۸/۲)

عثمان بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور صدوق ہیں۔ نیز یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کے راوی ہیں [1]

پانچویں راوی محمد بن جعفر بن ابی کثیر الانصاری ہیں امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں، امام ابن المدینی فرماتے ہیں: یہ معروف محدث ہیں، امام نسائی فرماتے ہیں کہ یہ صالح اور مستقیم الحدیث ہیں، امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں اور امام ابن حبانؒ نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں [2]۔

چھٹے اور ساتویں راوی یزید بن خصیفہ اور سائب بن یزید ؓ کا تذکرہ روایت نمبر ۸ میں آئے گا۔ الغرض یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

روایت نمبر ۶: عبدالرزاق عن السلمی عن الحارث بن عبدالرحمان ابن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال کنا ننصرف من القیام علیٰ عھد عمر ؓ وقد دنا فروغ الفجر و کان القیام علیٰ عھد عمر ؓ ثلاثة وعشرین رکعة [3]۔

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید ؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر ؓ کے عہد خلافت میں قیام (تراویح) سے اس وقت فارغ ہو کر لوٹتے تھے جب طلوع فجر قریب ہوتا اور حضرت عمر ؓ کے دور میں قیام (تراویح) کی تعداد تیئیس رکعات تھی۔

علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: ھذا محمول علیٰ ان الثلاث للوتر [4]۔ یہ تیئیس رکعات اس پر محمول ہے کہ ان میں تین رکعتیں وتر کی تھیں۔

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ اب اس روایت کے ہر ہر راوی کے حالات ملاحظہ ہوں۔

(۱) امام عبدالرزاق الحمیریؒ مشہور مصنف اور بالاتفاق ثقہ امام ہیں، امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے حدیث میں عبدالرزاق سے بہتر کسی کو دیکھا ہے تو انھوں نے فرمایا کسی کو نہیں، امام ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ عبدالرزاق ان محدثین میں سے ہیں جن کی حدیث درست ہوتی ہے، امام ابوحاتم فرماتے

---

[1] دیکھئے تہذیب التہذیب (۳/۱۱۶) [2] دیکھئے تہذیب (۹/۹۴) [3] مصنف عبدالرزاق (۴/۲۶۱)

[4] عمدۃ القاری (۸/۲۴۶)

ہیں ان کی حدیث لکھی جاتی ہے اور اس سے احتجاج کیا جاتا ہے۔اسی طرح ابوداؤد، فریابی، امام ذہلی، امام یعقوب بن شیبہ اور امام ابن حبان وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے [1]۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ عبدالرزاق حفاظ اور اثبات میں سے اور صاحب تصانیف بزرگ ہیں اور تمام ائمہ نے آپ کی توثیق کی ہے سوائے عباس بن عظیم عنبری کے، کہ انھوں نے ان کے بارے میں ایسی بات کہی جس میں انھوں نے حد سے تجاوز کیا ہے اور ائمہ رجال میں سے کسی امام نے اس میں ان کی موافقت نہیں کی [2]۔

امام عبدالرزاق آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے اور ان کے حافظہ میں تغیر آ گیا تھا لھذا جن لوگوں ان سے آخر عمر میں سماعت کی تھی انھوں نے ان سے کچھ منکر حدیثیں بھی نقل کی ہیں۔ان لوگوں میں سے ایک اسحاق بن ابراہیم دبری بھی ہیں جنھوں نے سے حالت اختلاط میں سنا تھا اور یہی اسحاق دبری مُصَنَّف عبدالرزاق کے بنیادی راوی ہیں۔اب بعض غیر مقلدین مصنف کی جملہ روایات کو یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ چونکہ مصنف کا بنیادی راوی اسحاق دبری کا امام عبدالرزاق سے سماع بعد الاختلاط کا ہے لھذا اس کی جملہ روایات منکر ہیں لیکن غیر مقلدین حضرات کا یہ اشکال غلط ہے کیوں کہ امام عبدالرزاق نے اپنی یہ کتاب نابینا ہونے سے پہلے حالتِ صحت میں لکھی تھی اور اصول حدیث کی وجہ سے محدث جب زمانہ اختلاط میں جو روایات زبانی بیان کرے وہ تو منکر شمار کی جاتی ہیں لیکن اس دوران جو روایات وہ اپنی کتاب سے بیان کرے جس کو اس نے حالت صحت میں تصنیف کیا تھا ان روایات پر اس کے اختلاط کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔یہ بات خود اکابر غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے۔چنانچہ حافظ عبدالمنان نور پوری غیر مقلد لکھتے ہیں: مختلط سے اختلاط کے بعد آدمی کے سماع کے درمیان اور اختلاط کے بعد اس سے اس کی وہ تصنیف کردہ کتاب روایت کرنے کے درمیان جو اس نے اختلاط سے پہلے تصنیف کی فرق ہے [3]۔

لھذا امام عبدالرزاق سے دبری نے جو روایات زبانی سنی تھیں ان میں تو کلام کرنے کی گنجائش ہے لیکن اس نے جو روایات ان سے ان کی تصنیف کردہ کتاب سے سنی تھیں ان کی صحت میں کوئی شک و

---

[1] '' تھذیب الکمال'' (۱۱/۳۵۰ تا ۳۵۲) '' تھذیب التھذیب'' (۶/۲۸۰،۲۸۱) [2] ھدی الساری مقدمہ فتح الباری (ص ۵۸۹) [3] تعداد تراویح (ص ۱۹۱)

شبہ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ حافظ ابن الصلاحؒ اور حافظ ابن حجرؒ اسحاقؒ دبری موصوف کے ترجمہ میں فرماتے ہیں: وانما الکلام فی الاحادیث التی عندہ فی غیر التصانیف، فھی التی فیھا المناکیر وذلک لاجل سماعه منه فی حالة الاختلاط۔ [1]

اسحاق دبری کی عبدالرزاق سے ان روایات میں کلام ہے جو اس کے پاس تصانیف کے علاوہ ہیں کیونکہ ان میں منکر روایات بھی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دبری نے عبدالرزاق سے حالت اختلاط میں سماعت کی تھی۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: من سمع منه بعد ما عمی فلیس بشئی وما کان فی کتبه فھو صحیح وما کان لیس فی کتبه فانه کان یلقن فیتلقن [2]۔

جس نے امام عبدالرزاق سے نابینا ہونے کے بعد سماعت کی ہے وہ کوئی شئی نہیں ہے اور جو اس کی کتابوں میں ہے وہ صحیح ہے اور جو اس کی کتابوں میں نہیں تو اس میں جب اس کو تلقین کی جاتی تھی تو وہ تلقین کو قبول کر لیتا تھا۔

مصنف عبدالرزاق سے متعلق مزید تفصیل انشاءاللہ حصہ دوئم میں آئے گی۔

(۲) محمد بن فلیح السلمی: یہ امام عبدالرزاق کے استاد اور صحیح بخاری وغیرہ کے راوی ہیں۔ امام دارقطنی ان کو ثقہ کہتے ہیں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ بعض ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے اور یہ اپنے باپ (فلیح) سے زیادہ ثقہ ہیں، امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں: ما بہ بأس (ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے)۔ نیز فرماتے ہیں: لیس بذاك القوی مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: لیس بذاك القوی جس کے مفہوم میں صرف درجہ کاملہ کی نفی مراد ہے۔ لہذا یہ جرح لیس بہ باس کے معارض نہیں [3]۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ: محمد بن فلیح ثقہ ہیں اور میں نے ان سے حدیث لکھی ہے [4]۔

---

[1] "لسان المیزان" (۴۶۱/۱) "مقدمہ ابن الصلاح" (ص) [2] ھدی الساری (ص ۵۸۹) [3] "توضیح الکلام" (۴۷۴/۱) [4] دیکھئے "تھذیب الکمال" ۱۵۹/۱۷؛ "تھذیب التھذیب" (۳۶۰/۹) "میزان الاعتدال" ( )

(۳) حارث بن عبدالرحمن بن ابی ذبابؒ:۔

امام ابوزرعہ رازی ان کے بارے میں فرماتے ہیں: لیس بہ باس، امام مقبری فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں، امام یحیٰی بن معین فرماتے ہیں کہ یہ مشہور (محدث) ہیں، امام ابن حبانؒ اور امام ابن قانعؒ نے ان کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ نیز امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ متقنین میں سے ہیں، امام مسلم نے ان سے اپنی صحیح میں، امام بخاری نے خلق افعال العباد میں اور دیگر ائمہ نے اپنی اپنی کتب حدیث میں ان سے روایات نقل کی ہیں [۱]۔

(۴) حضرت سائب بن یزید ﷛ صحابی رسول ہیں۔

الغرض یہ روایت بالکل صحیح ہے اور اس کا ہر ہر راوی بالکل ثقہ ہے۔

---

[۱] دیکھئے "تھذیب الکمال" ۴/۴۵، "تھذیب التھذیب" (۲/۱۶۸) "میزان الاعتدال" (۱/۴۳۸)

بیس تراویح عہد فاروقی و عہد عثمانی میں

روایت نمبر ۷: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: وقد اخبرنا ابو عبداللہ الحسین ابن محمد بن الحسین ابن فنجویه الدینوری بالدامغان ثنا احمد بن محمد بن اسحاق السنی ثنا عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز البغوی ثنا علی بن الجعد انبأنا ابن ابی ذئب عن یزید بن خصیفه عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ قال کانوا یقومون علیٰ عهد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شهر رمضان بعشرین رکعة قال و کانوا یقرؤن بالمئین و کانوا یتوکؤن علیٰ عصیّهم فی عهد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدة القیام [1]۔

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیس رکعات (تراویح) کے ساتھ قیام کرتے تھے اور (قراء حضرات) سوسو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگ شدت قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔

چونکہ اس روایت کا آخری جملہ لوگ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شدت قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے بیس رکعات کے ضمن میں مروی ہے تو اس سے ظاہر یہی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کی کی طرح بیس رکعات تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں کیونکہ جب راوی حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس رکعات کے پڑھے جانے کا ذکر کیا تو اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس کے علاوہ کسی اور عدد پر عمل ہوتا تو راوی ضرور اس کو بھی ذکر فرماتے۔ پس راوی کا اس موقعہ پر سکوت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی عہد فاروقی کی طرح بیس تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں۔ کیونکہ سکوت فی محل البیان بیان ہی ہوتا ہے۔

نیز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی بیس تراویح پر عمل درآمد ہونا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عہد عثمانی میں بھی بیس تراویح پر ہی عمل رہا۔

---

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی (۴۹۶/۲)۔

اس مذکورہ روایت کو متعدد محدثین مثلاً امام نوویؒ، امام سیوطیؒ، امام ابن العراقیؒ اور علامہ نیمویؒ وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے [1]۔ مولوی ایوب صابر صاحب غیر مقلد اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: اس حدیث کی سند بلا غبار صحیح ہے [2]۔

اب اس روایت کے ہر ہر راوی کا تذکرہ اور توثیق کتب اسماء الرجال سے ملاحظہ ہو۔

(۱) صاحب سنن امام احمد بن حسین البیہقیؒ مشہور محدث اور جلیل القدر امام ہیں علامہ ذھبیؒ ان کے متعلق لکھتے ہیں: الامام، الحافظ، العلامۃ، شیخ الخراسان [3]

(۲) ابوعبداللہ حسین ابن فنجویہ الدینوری: حافظ ابن حجر عسقلانی حسن بن محمود کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: وشیخه هو الحسن بن عبداللہ بن فنجویه حافظ کبیر مصنف نیز فرماتے ہیں کہ یہ معروف راوی ہیں [4]۔ اسی طرح حافظ موصوف محمد بن علی المعتصم الھاشمی کے ترجمہ میں بھی ابن فنجویہ کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے [5]۔

(۱) امام ذہبیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں، الامام المحدث، بقیۃ المشائخ امام شیرویہ اپنی تاریخ میں ابن فنجویہ کے بارے میں لکھتے ہیں: کان ثقه صدوقا، کثیر التصانیف [6]۔

علامہ ابن العماد فرماتے ہیں: ابن فنجویه ثقه مصنفا [7]۔

علامہ نیموی لکھتے ہیں: فهو من کبار المحدثین لا یسئل عن مثله [8]۔

اس سے مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب غیر مقلد کا یہ مطالبہ پورا ہو گیا کہ: فَمَنْ یدعی صحة هذا الاثر ان یثبت کونه ثقه قابلا للا حتجاج [9]۔ یعنی جو شخص اس اثر کی صحت کا مدعی ہو اس پر لازم ہے کہ وہ ابن فنجویہ کا ثقہ اور قابل احتجاج ہونا ثابت کرے۔

(۳) احمد بن محمد بن اسحاق السنی: یہ مشہور کتاب عمل الیوم واللیلہ کے مصنف اور سنن نسائی کے راوی ومرتب ہیں۔ حافظ ذہبیؒ طبقات الحفاظ میں ان کے بارے میں فرماتے ہیں: کان دینا خیرا صدوقا

---

[1] دیکھئے آثار السنن مع التعلیق الحسن (ص۲۵۱) [2] تحقیق التراویح (۵۱) [3] تذکرۃ الحفاظ (۳/۳۰۹)

[4] دیکھئے لسان المیزان (۲/۲۹۵، ۲۹۶) طبع بیروت [5] ایضا (۵/۳۰۱) [6] سیر اعلام النبلاء (۱۷/۳۸۳، ۳۸۴)

[7] شذرات الذھب (۳/۲۰۰) [8] التعلیق الحسن (ص۲۵۱) [9] تحفۃ الاحوذی (۲/۷۵)

اختر السنن وسماه المجتبیٰ ۱؎۔

نیز حافظ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں: الحافظ، الامام، الثقۃ ۲؎۔

حافظ تاج الدین سبکیؒ فرماتے ہیں: کان رجلا صالحا فقیھا ۳؎۔

(۴) عبداللہ بن محمد البغویؒ۔ علامہ خطیب بغدادی ان کے بارے میں لکھتے ہیں: کان ثقۃ، ثبتا، مکثرا، فھما، عارفا۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: ثقۃ، جبل، امام من ائمۃ الحدیث ۴؎۔

امام ذہبیؒ ان کو الحافظ، الامام اور الحجۃ کے القاب سے یاد فرماتے ہیں ۵؎۔

(۵) علی بن الجعد:۔ یہ امام بخاری کے استاذ ہیں، اور امام بخاریؒ نے تیرہ حدیثیں ان سے اپنی صحیح میں روایت فرمائی ہیں، نیز یہ نہایت ثقہ راوی ہیں۔ چنانچہ امام صالح ان کو ثقہ بتلاتے ہیں، امام نسائی ان کو صدوق کہتے ہیں، امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں: کان صدوقا فی الحدیث۔ امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں: کان متقنا صدوقا۔ نیز فرماتے ہیں کہ محدثین میں سے میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو علی بن الجعد کی طرح احادیث یاد رکھنے والا ہو۔ امام ابن قانع فرماتے ہیں: ثقۃ ثبت۔ امام محمد بن صالح اور امام مطین بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں، امام فن الرجال حضرت یحییٰ بن معین ان کو ثقہ صدوق، ثقہ صدوق دو دفعہ کہہ کر ان کی ڈبل توثیق کرتے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ علی بن الجعد ربانی العلم ہیں ۶؎۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ ثبت رمی بالتشیع ۷؎۔

(۶) محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب:

یہ ثقہ، صدوق اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ سعید بن المسیبؒ کے مشابہ تھے، امام یحییٰ بن معین، امام یعقوب بن شیبہؒ، امام نسائی، امام احمد، امام ابن سعد، امام ابن حبان، امام خلیلی، امام مالک وغیرہ تمام ائمہ رجال نے ان کی زبردست توثیق کی ہے ۸؎۔ امام بخاریؒ اور حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں

۱؎ التعلیق الحسن للنیمویؒ (ص۲۵۱) ۲؎ تذکرہ (۹۳۹/۳) ۳؎ طبقات الکبریٰ (۳۹/۳)

۴؎ التعلیق الحسن (ص۲۵۱) ۵؎ سیر اعلام النبلاء (۴۴۰/۱۴) ۶؎ دیکھئے تہذیب الکمال (۲۱۶/۱۳، ۲۱۷)، تہذیب التہذیب (۲۵۸/۷) ۷؎ تقریب التہذیب (۶۸۹/۱) ۸؎ تہذیب (۳۰۳/۹، ۳۰۴)

کہ یہ بڑے ائمہ ثقات میں سے ایک امام ہیں اوران کی عدالت وثقاہت عندالمحدثین متفق علیہ ہے [1]۔

حافظ ابن حجر ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقه فقيه فاضل۔ [2]

(۷) یزید بن عبداللہ بن خصیفہ: امام احمد بن حنبل، امام ابوحاتم، اورامام نسائی وغیرہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ثقة حجة۔ امام ابن سعد فرماتے ہیں کان عابداً، ناسکا، کثیر الحدیث، ثبتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: و کان ثقة ساموناً [3]۔

علامہ ابن عبدالبرؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: وهو يزيد بن خصيفة بن يزيد بن عبدالله الكندي بن اخي السائب بن يزيد الكندي و كان ثقة ساموناً محدثاً محسناً [4]۔

(۸) حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ: ۔ صحابی رسول ﷺ ہیں اور آپ کے والد حضرت یزید رضی اللہ عنہ بھی اصحاب رسول ﷺ میں سے ہیں۔ حضرت سائب اپنے والد کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک تھے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورخلافت میں انہیں ایک بازار کا نگران مقرر کیا تھا [5]۔

مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ صاحب غیر مقلدان کے بارے میں لکھتے ہیں: انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ یقیناً پایا ہے۔ کیونکہ وہ صحابی رضی اللہ عنہ ہیں اور مدینہ منورہ میں سب صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد فوت ہوئے [6]۔

لھذا یہ روایت بالکل صحیح ہے اور متصل السند ہے اس روایت کا ہر ہر راوی نہایت ثقہ اور عادل ہے۔

اعتراض نمبر ۱: حافظ زبیر علی زئی پیرداوی غیر مقلد اس روایت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس روایت کا ایک راوی علی بن الجعد تشیع کے ساتھ مجروح ہے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تنقیص کرتا تھا ایسے مختلف فیہ راوی کی روایت مؤطا امام مالک کی صحیح روایت کے خلاف کیوں کر پیش کی جاسکتی ہے؟ [7]

---

[1] ''تاریخ الکبیر'' (۱/۱۵۲)، ''میزان الاعتدال'' (۳/۳۲) [2] ''تقریب التھذیب'' (۲/۱۰۵)

[3] ''تھذیب الکمال'' (۲۰/۳۳۵، ۳۳۶)'' تھذیب التھذیب'' (۱۱/ ۲۹۸)

[4] التمہید شرح مؤطا (۶/۲۳۱) [5] تقریب التھذیب (۱/ ۳۲۸) [6] انارۃ المصابیح (ص ۲۸)۔

[7] تعداد رکعات، قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۲۸)

جواب ۔ یہ اعتراض کئی وجوہ سے باطل ہے۔ **اولاً**: علی بن الجعد بخاری شریف کے راوی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے باوجود محتاط ہونے کے ان سے تیرہ حدیثیں اپنی کتاب صحیح بخاری میں روایت کی ہیں [1]۔ اسی طرح حافظ نے تقریب التھذیب [2] میں اور امام سیوطیؒ نے ''تدریب الراوی'' [3] میں علی بن الجعد کو بخاری شریف کے راویوں میں شمار کیا ہے۔ اب معترض موصوف کو چاہئے کہ وہ مذکورہ روایت پر اعتراض کرنے سے پہلے یہی اعتراض امام بخاری پر کرے کہ انھوں نے ایسے راوی کی روایات اپنی صحیح میں کیوں داخل کی ہیں۔ دیدہ باید لیکن

ع مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے

ثانیاً: علی بن الجعد نہایت ثقہ وعادل راوی ہیں، تمام کبار محدثین نے ان کی توثیق کی ہے اور امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح میں ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ مولانا نذیر احمد رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: جمہور ائمہ مسلمین نے ان دونوں کتابوں (بخاری مسلم) کا صحیح ہونا تسلیم کیا ہے جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ان کے راویوں کی عدالت پر جمہور امت کا اتفاق ہے [4]۔

خود معترض زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں: اصحاب صحیح کا کسی راوی سے صحیح میں اخراج اس راوی کی ان کے نزدیک توثیق ہوتی ہے [5]۔ پس جب علی بن الجعد ثقہ راوی ہیں اور ان کی توثیق غیر مقلدین اور خود معترض کے نزدیک بھی ثابت ہے تو پھر ان کا شیعی ہونا صحت حدیث کے منافی نہیں۔ کیونکہ خود معترض زبیر صاحب نے لکھا ہے کہ: جس راوی کا ثقہ وصدوق ہونا ثابت ہو جائے اس کا قدری، خارجی، رافضی، شیعی، معتزلی، جہمی، مرجی وغیرہ ہونا صحت حدیث کے خلاف نہیں ہے بشرطیکہ وہ داعی بدعت کی طرف نہ ہو [6]۔ اور علی بن جعد کا داعی بدعت کی طرف ہونا ہرگز ثابت نہیں۔ لھذا اس روایت کا صحیح ہونا اور اس پر اعتراض کا باطل ہونا خود معترض کے نزدیک بھی ثابت ہوگیا۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

---

[1] تھذیب التھذیب (۷/۲۸۵) [2] (۱/۶۸۹) [3] (۱/۲۷۹) [4] ''انوار المصابیح'' (ص ۲۱۹)

[5] تعداد رکعات قیام رمضان کا جائزہ (ص ۱۷) [6] نور العینین (ص ۲۵)

ثالثاً: حافظ ابن حجرؒ نے علی بن الجعد کے بارہ میں رُمِی بالتشیع ۱؎ فرمایا ہے یعنی اس پر شیعہ ہونے کا الزام لگایا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس کے بالمقابل یعقوب القمی (جو گیارہ رکعات کے راوی ہیں) کو حافظ ابن حجرؒ نے بالجزم شیعہ قرار دیا ہے ۲؎۔

اب جس راوی پر صرف تشیع کا الزام ہے اس کی روایت تو غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف ہے لیکن جو بالیقین شیعہ راوی ہے اس کی روایت غیر مقلدین کے ہاں قابلِ قبول ہے۔

ع ناطقہ سر بگریباں اسے کیا کہیے

رابعاً: علی بن الجعد اگر شیعہ ہے بھی تو وہ متقدمین شیعہ میں سے ہے اور علمائے متقدمین کی اصطلاح میں شیعہ اس کو کہتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے اور اس کو تفضیلی شیعہ بھی کہتے ہیں۔ ان متقدمین شیعوں میں موجود شیعوں کی طرح کفریہ عقائد (تکفیر صحابہ رضی اللہ عنہم، انکار قرآن اور عقیدہ رجعت وغیرہ) نہیں پائے جاتے تھے بلکہ جو شخص ان کفریہ عقائد کا معتقد ہوتا تھا اس کو علمائے قدیم رافضی اور غالی شیعہ سے پکارتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: والتشیع محبة علی رضی اللہ عنہ وتقدیمه علی الصحابة رضی اللہ عنہم فمن قدّمه علیٰ ابی بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ فهو غال فی التشیع ویطلق علیه رافضی والافشیعی فان انضاف الیٰ ذلك السب او التصریح بالبغض فغال فی الرفض وان اعتقدالرجعةالی الدنیا فاشد فی الغلو ۳؎

یعنی اصطلاح قدیم میں شیعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور ان کو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل سمجھنے کا نام ہے۔ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر مقدم سمجھتا ہے تو وہ غالی شیعہ ہے اسی کو رافضی کہا جاتا ہے ورنہ اس کو شیعی کہتے ہیں۔ پھر اگر اس کے ساتھ سب وشتم یا بغض ونفرت کا اظہار بھی ہو تو وہ رافضیت میں غلو کرنے والا ہے اور اگر وہ (حضرت علیؓ) کے دوبارہ دنیا میں آنے کا عقیدہ رکھتا ہو تو وہ غلو میں بھی آگے ہے۔

۱؎ تقریب (۱/۶۸۹) ۲؎ دیکھئے "البدایة والنهایة" (۳/۳۷۵) ۳؎ "هدی الساری" (۴۵۹)

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: متقدمین عرف میں شیعہ اس کو کہتے ہیں جو صرف حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دے [1]۔ چونکہ موجودہ شیعوں میں بھی رافضیوں کی طرح کفریہ عقائد پائے جاتے ہیں اس لئے اب شیعہ اور رافضی کا مصداق ایک ہی ہے لیکن اصطلاح قدیم میں ان دونوں میں فرق تھا۔ پس جو راوی صرف تشیع کے ساتھ مجروح ہو اور اس میں رافضیوں کے کفریہ عقائد نہ پائے جاتے ہوں تو ایسے راوی کی روایت قابل قبول ہوتی ہے کیونکہ ایسے تفضیلی راویوں کی روایتیں تو صحیحین میں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ صرف امام سیوطیؒ نے تقریباً پچیس راوی ایسے شمار کئے ہیں جو تشیع کے ساتھ مجروح ہیں [2]۔ اور امام حاکم تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم تو ایسے راویوں سے بھری ہوئی ہے [3]۔ البتہ باقرار غیر مقلدین صحیحین میں غالی اور تبرائی شیعوں کی روایت لینے سے اجتناب کیا گیا ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الحدیث اور ہفت روزہ الاعتصام کے مفتی ثناء اللہ مدنی صاحب لکھتے ہیں: صحیح بخاری میں کسی غالی مذہبی (شیعہ وغیرہ۔ ناقل) کی روایت نہیں لی گئی [4]۔ اور چونکہ علی بن الجعد بھی بخاری شریف کے راوی ہیں، لھذا ان پر یہ الزام لگانا کہ وہ حضرت امیر معاویہؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ کی تنقیص کرتے تھے بالکل غلط ہے جو لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث کہلواتے ہیں ان کو بخاری شریف کے راویوں پر ایسے اعتراض کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

باقی رہا یہ سوال کہ ایسے راوی کی روایت مؤطا کی روایت کے خلاف کیوں کر پیش کی جاسکتی ہے؟ تو اس کا جواب بزرگ غیر مقلد عالم مولانا میاں غلام رسول صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔ میاں صاحب اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: جب امام ابن عبد البرؒ اور شاہ ولی اللہ دہلوی اور شیخ عبد الحق اور صاحب کبیری نے بیہقی کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اور اسی حدیث کو جمہور اپنی دلیل گردانتے ہیں اور اسناد صحیح کے لفظ سے اس کی صحت کو صراحت سے بیان کرتے ہیں تو یہ حدیث صحت اور قوت میں مؤطا کی حدیث

---

[1] رسالہ مولانا سرفراز صفدر صاحب اپنی تصانیف کے آئینے میں (ص ٦٦) [2] دیکھئے تدریب الراوی (١/٢٧٩)

[3] حوالہ سابق [4] الاعتصام (ص ١٣) ٢٨ مئی ١٩٩٩ء

[illegible] والی [illegible] زیادہ ہے (جو اصول کے لحاظ سے واجب القبول ہے) ۔[1]

[illegible] جواب غیر مقلدین کیلئے اور کیا ہوسکتا ہے؟ اور اگر اس سے بھی زیادہ [illegible] ہے تو پھر حصہ دوئم کا انتظار کریں۔ وہاں ہم مؤطا کی روایت کے جواب میں اس پر تفصیل سے بحث کرینگے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اعتراض ثانی:۔ بعض غیر مقلدین نے لکھا ہے کہ گیارہ رکعات والی روایت بیس رکعات والی روایت پر راجح ہے کیونکہ گیارہ رکعات والی روایت۔ کے راوی محمد بن یوسف کے حق میں حافظ ابن حجر نے تقریب میں ثقہ ثبت دو لفظ استعمال کیے ہیں جب کہ بیس رکعات کے راوی یزید بن خصیفہ کے حق میں حافظ نے صرف ایک لفظ ثقہ استعمال کیا ہے۔ لھذا محمد بن یوسف کی روایت یزید کی اس بیس رکعات والی روایت پر راجح ہے۔

جواب:۔ ان دونوں روایتوں میں سے کون سی روایت راجح ہے؟ اس کی تفصیلی بحث تو حصہ دوئم میں آئے گی۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے، کہ اگر غیر مقلدین کے اس بیان کردہ قاعدہ ترجیح کو سامنے رکھا جائے تو پھر بھی یزید کی روایت محمد بن یوسف کی روایت پر راجح ہے کیونکہ یزید کے ترجمہ میں ابھی گزرا کہ امام یحییٰ بن معین جو جرح اور تعدیل کے امام ہیں، نے یزید کے حق میں ثقہ حجۃ دو لفظ استعمال کیے ہیں جبکہ انھوں نے محمد بن یوسف کے حق میں صرف ایک لفظ ثقہ کہا ہے [2] ۔

اسی طرح امام محمد بن سعد نے یزید کے حق میں چار لفظ (عابد، ناسک، کثیر الحدیث اور ثبت) استعمال کیے ہیں جبکہ محمد بن یوسف کے حق میں ان سے کچھ بھی منقول نہیں۔ اسی طرح علامہ ابن عبد البرؒ نے بھی ان کے حق میں ثقہ، مامون، محدث اور محسن کے چار توثیقی الفظ استعمال کیئے ہیں۔ نیز اگر حافظ ابن حجر نے تقریب میں محمد بن یوسف کے حق میں دو لفظ استعمال کئے ہیں تو انھون نے اپنی دوسری کتاب تھذیب التھذیب میں یزید بن خصیفہ کے حق میں بھی دو لفظ ثقہ اور مامون استعمال فرمائے ہیں۔ لھذا غیر مقلدین کے بیان کردہ قاعدہ ترجیح کے موافق بھی یزید کی روایت راجح ہے۔

---

[1] رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص ۴۲) [2] دیکھئے تھذیب (۹/۵۳۴)

اسی طرح غیر مقلدین کی اس روایت کو مرجوع قرار دینے کی یہ دلیل بھی باطل ہے کہ گیارہ رکعات کے راوی محمد بن یوسف حضرت سائب ﷺ کے قریبی رشتہ دار ہیں کیونکہ حضرت سائب ﷺ ان کے نانا یا ماموں یا چچا تھے۔ لھذا ان کی روایت یزید بن خصیفہ (جو حضرت سائب ﷺ کے رشتہ دار نہیں ہیں) کی روایت پر راجح ہوگی [1]۔ لیکن یہ بھی غیر مقلدین کا زا وہم ہے کیوں کہ یزید بن خصیفہ بھی حضرت سائب ﷺ کے رشتہ دار یعنی بھانجے تھے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے حضرت سائب بن یزید ﷺ کے ترجمہ میں ان سے روایت کرنے والے راویوں کو شمار کرتے ہوئے جب یزید بن خصیفہ کو شمار کیا تو فرمایا: وابن اختہ یزید بن عبداللہ بن خصیفہ و جماعۃ [2]۔ یعنی حضرت سائب ﷺ سے ان کے بھانجے یزید بن خصیفہ نے بھی روایت کی ہے، جب کہ علامہ ابن عبدالبرؒ کی رائے ہے کہ یہ حضرت سائب ﷺ کے بھائی کے بیٹے یعنی بھتیجے ہیں، جیسا کہ ان کا حوالہ گزر چکا ہے۔ لھذا غیر مقلدین کی یہ وجہ ترجیح بھی باطل ہوگئی اور غیر مقلدین کے اس صحیح روایت پر تمام تر اعتراضات ھباءً منثورا ہو گئے۔

بیس تراویح عہد مرتضوی میں

حضرت علی المرتضٰی ﷺ کے دور خلافت میں بھی حضرت عمر فاروق ﷺ اور حضرت عثمان غنی ﷺ کے دور کی طرح بیس تراویح پر عمل درآمد رہا۔ ذیل میں عہد مرتضوی کے متعلق چند روایات ملاحظہ کریں۔

روایت نمبر ۸: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: اخبرنا ابوالحسین بن الفضل القطان ببغداد، انا محمد بن احمد بن عیسیٰ بن عبدك الرازی، ثنا ابوعامر عمرو بن تمیم، ثنا احمد بن عبداللہ بن یونس، ثنا حماد بن شعیب، عن عطاء بن السائب، عن ابی عبد الرحمن السلمی، عن علی ﷺ قال: ودعا القراء فی رمضان فامر منهم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعۃ قال و کان علی ﷺ یوتر بهم [3]۔

ترجمہ: حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی ﷺ نے رمضان المبارک میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) پڑھائے اور ان کو وتر خود حضرت علی ﷺ پڑھاتے تھے۔

---

[1] انارۃ المصابیح (۴۰) [2] "تھذیب التھذیب" (۳/۴۵۰) [3] سنن الکبریٰ للبیھقی (۲/۴۹۶)

غیر مقلدین کی طرف اس روایت پر دو اعتراض کئے جاتے ہیں۔

اعتراض اول: اس روایت کا ایک راوی حماد بن شعیب ہے جسے امام ابن معین، امام نسائی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام بخاریؒ نے اس کے بارے میں فیہ نظر کہا ہے جبکہ امام ابن الھمام نے تصریح کی ہے کہ جس راوی کے بارہ میں امام بخاریؒ فیہ نظر فرمائیں تو اس کی روایت نہ قابل احتجاج واستدلال ہو سکتی ہے اور نہ ہی قابل استشہاد ہوتی ہے [1]۔

جواب: حماد بن شعیب مختلف فیہ راوی ہے۔ اگر چہ بعض ائمہ نے اس کی تضعیف کی ہے لیکن بعض آئمہ نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿۱﴾ امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں: یکتب حدیثه مع ضعفه۔ یعنی اس کی حدیث ضعف کے باوجود لکھی جا سکتی ہے [2]۔ اور مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: یکتب حدیثہ کا لفظ الفاظ تعدیل میں شمار ہوتا ہے [3]۔

﴿۲﴾ امام ابن حبان نے اس کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے [4]۔

﴿۳﴾ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: اخرج لهٗ مع هذا الحکم فی مستدرکه [5]۔ یعنی امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اس کی احادیث کی تخریج کی ہے۔ اور غیر مقلدین کو یہ بات تسلیم ہے کہ مستدرک حاکم کی روایات صحیح ہیں۔ چنانچہ مولانا سلطان محمود صاحب (شیخ الحدیث مدرسہ دار الحدیث محمدیہ جلالپور) لکھتے ہیں: جس کتاب میں کسی مصنف کی ملحوظ شرائط کے مطابق ایسی صحیح احادیث جمع کی جائیں جو اس مصنف نے اپنی کتاب میں درج نہ کی ہوں جیسے مستدرک حاکم [6]۔

﴿۴﴾ امام بیہقیؒ بھی حماد کی مذکورہ روایت کو قوی مانتے ہیں چنانچہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد شتیر بن شکل کا اثر ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: وفی ذالک قوة۔ اس کے بعد انہوں نے یہی مذکورہ روایت

---

[1] "تحفۃ الاحوذی" ۲/۷۵، "تعداد تراویح" ص ۱۰۰ وغیرہ۔ [2] لسان المیزان (۲/۳۴۸) [3] "توضیح الکلام (۱/۵۴۷)
[4] الاکمال للحسینی مع تھذیب الکمال (۵/۵۲۸) طبع دار الفکر بیروت [5] لسان المیزان (۲/۳۴۸)
[6] اصطلاحات المحدثین (ص ۲۹)

شتیر کے اثر کو قوی ثابت کرنے کیلئے مع السند ذکر فرمائی ہے ۱؎ ۔پس جب یہ روایت عند البیہقیؒ شتیر بن شکل کے اثر کی تقویت اور قوت کا سبب ہے تو پھر یہ روایت خود کیسے قوی نہ ہوگی؟

﴿۵﴾ اسی طرح یہ روایت امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک بھی صحیح ہے کیونکہ انہوں نے اسی حماد بن شعیب والی روایت سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی قائم کی ہوئی جماعت (بیس تراویح) کو توڑ نہیں بلکہ برقرار رکھا ۲؎۔ اور مشہور غیر مقلد محدث محمد گوندلوی صاحبؒ (سابق امیر جماعت اہلحدیث) لکھتے ہیں:

کہ محدثین کا کسی روایت کو نقل کر کے استدلال کرنا اور اس پر جرح نہ کرنا اس کی صحت کی دلیل ہے ۳؎ ۔ مولانا ارشاد الحق اثری ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں: امام بیہقی نے صراحت کی ہے کہ اس سے امام بخاری نے استدلال کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت حسن صحیح ہے ۴؎ ۔

﴿۶﴾ پھر امام ذہبیؒ جیسے ناقد ماہر رجال نے بھی اپنی مختصر میں اس روایت کو اور حافظ ابن تیمیہؒ کے اس سے اس استدلال کو بلا ٹوک ونکیر ذکر فرمایا ہے اور حماد بن شعیب اور اس کی روایت پر ادنیٰ نقد بھی نہیں کیا ۵؎ معلوم ہوا کہ امام ابن تیمیہؒ اور حافظ ذہبیؒ دونوں کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے۔

﴿۷﴾ اس روایت کی صحت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ محدث کبیر امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ حضرت علیؓ سے مروی بیس تراویح والی روایت کو صحیح مانتے ہوئے اس سے استدلال کرتے ہیں ۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

واکثراھل العلم علی ماروی عن علیؓ وعمرؓ وغیرھمامن اصحاب النبیﷺ عشرون رکعۃ ۶؎ ۔

مولانا عبداللہ روپڑیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں: ۔اہل علم سے صحابہؓ وتابعین وغیرہ مراد ہیں۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے کئی جگہ اس کی تصریح کی ہے اور جس مسئلہ کی بابت امام ترمذی والعمل علی ھذا عند اھل العلم کہتے ہیں ۔ اگر اس مسئلہ میں اختلاف نہ ہو تو پھر حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ۔ اگر اختلاف ہو تو کچھ

۱؎ دیکھئے سنن کبریٰ (۲/۴۹۶) ۲؎ دیکھئے منہاج السنۃ (۲/۲۲۴) ۳؎ التحقیق الراسخ (ص ۸۸)

۴؎ توضیح الکلام (۱/۲۰۶) ۵؎ المنتقی للذہبیؒ (ص ۵۴۸) بحوالہ رکعات التراویح (ص ۷۲) ۶؎ ترمذی (۱/۹۹)

تقویت پہنچ جاتی ہے بشرطیکہ اس حدیث کے مقابل کوئی حدیث نہ ہو [1] ۔اور یہاں بھی اس حدیث کے مقابل کوئی حدیث نہیں ہے۔لھذا یہ حدیث بھی امام ترمذیؒ کے نزدیک قوی ہے۔

﴿۸﴾ محدث امام ابن قدامہ حنبلیؒ اس روایت سے استدلال کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وھذا کا لاجماع [2] ۔

لھذا حماد بن شعیب کی توثیق راجح ہے اور اس کی یہ مذکورہ روایت عندالمحدثین صحیح ہے۔باقی رہا امام بخاریؒ کا حماد بن شعیب کے بارے میں فیہ نظر فرمانا اور بقول ابن الھمام وغیرہ جس راوی کے بارے میں امام بخاریؒ فیہ نظر فرمادیں تو ایسے راوی کی روایت نہ تو قابل حجت ہوتی ہے اور نہ ہی قابل تائید، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بیان کردہ قاعدہ باقرار غیر مقلدین کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہے۔چنانچہ مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری غیر مقلد امام ذہبیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

قال البخاری فیه نظر ولایقول هذاالافیمن یتهم غالباً۔ [3]

مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: کہ کثیراً اور غالبًا کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ حکم کلی نہیں اکثری ہے [4] ۔نیز مولانا رحمانی لکھتے ہیں کہ محدثین نے اس امر کی تصریح کردی ہے کہ امام بخاریؒ کی اس جرح کی شدت زیادہ سے زیادہ اکثری ہے کلی نہیں [5] ۔مولانا ارشادالحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: امام بخاریؒ کی جرح فیہ نظر کو بھی عموماً اہل علم نے اسی درجہ میں شمار کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کا یہ حکم عمومی نہیں اکثری ہے [6] ۔یہی وجہ ہے کہ بے شمار راوی ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں امام بخاریؒ نے فیہ نظر فرمایا ہے لیکن اس کے باوجود ائمہ رجال نے ان کو ثقہ ٹھرایا ہے بلکہ مصنفین صحاح اور خود امام بخاریؒ اور دیگر محدثین نے ایسے راویوں کی روایات کو اپنی کتب میں استدلال اور استشہاد دونوں اعتبار سے ذکر فرمایا ہے۔ بطور نمونہ صرف چند ایسی مثالیں ملاحظہ کریں۔

---

[1] فتاوی اہل حدیث (۱/۱۰۸) [2] المغنی (۱/۸۰۳) [3] ابکار المنن (ص۵۸)

[4] ''انوار المصابیح'' (ص۳۳۵) [5] ایضاً (ص۳۳۴) [6] توضیح الکلام (۲/۳۱۲)

﴿۱﴾ تمام بن نجیح:۔ امام بخاریؒ نے ان کے بارے میں بھی فیہ نظر فرمایا ہے لیکن اس کے باوجود اپنی کتاب جزء رفع یدین میں ان سے روایت لی ہے اسی طرح امام ابوداؤد اور امام نسائی وغیرہ نے اپنی اپنی سنن میں ان سے روایت نقل کی ہیں اور امام یحییٰ بن معین اور یعقوب بن سفیان وغیرہ نے ان کو ثقہ اور امام بزار نے صالح الحدیث کہا ہے [1]۔

﴿۲﴾ عباد بن کثیر رملیؒ کے حق میں بھی امام بخاریؒ نے فیہ نظر فرمایا لیکن دیگر ائمہ حدیث کی طرح خود بھی ان کی روایات اپنی مشہور کتاب الادب المفرد میں لی ہیں [2]۔

﴿۳﴾ حبیب بن سالم انصاری کے بارے میں بھی امام بخاریؒ نے یہی الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن یہ صحیح مسلم وغیرہ کے راوی ہیں اور امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ: ان کی روایات میں ایک روایت بھی منکر نہیں ہے [3]۔

﴿۴﴾ منھال بن خلیفہ العجلیؒ: ان کے بارے میں بھی امام بخاریؒ فرماتے ہیں: فیہ نظر، لیکن یہ سنن ابی داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ کے راوی ہیں اور امام ابن خزیمہؒ نے بھی اپنی صحیح میں ان کی روایات ذکر کی ہیں [4]۔ اور خود علمائے غیر مقلدین مثلاً حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا مبارکپوری صاحب، حافظ عبد المنان نور پوری صاحب اور شیخ عبدالرؤف سندھو نے تصریح کی ہے کہ صحیح ابن خزیمہ کی تمام روایات صحیح ہیں اور اس کے سارے راوی ثقہ ہیں [5]۔

صرف ان چند مثالوں کو ہی سامنے رکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی راوی کے بارہ میں امام بخاریؒ کے فیہ نظر کہنے کے باوجود وہ راوی ثقہ اور اس کی بیان کردہ روایات صحیح اور قابل استدلال ہو سکتی ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ امام بخاریؒ کی اس جرح کی اہمیت اور شدت اگر ہے بھی تو وہ صرف امام بخاری کے نزدیک ہے ورنہ وہ راوی دوسرے ائمہ حدیث کے نزدیک ثقہ ہو سکتا ہے اسکا کچھ نمونہ درج بالا مثالوں میں آپ نے ملاحظہ کرلیا ہے اور اس بات کا بھی غیر مقلدین کو اقرار ہے۔ چنانچہ مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ ان الفاظ کی جرح کی شدت اور اہمیت امام بخاریؒ کے نزدیک ہے دوسرے محدثین

---

[1] "تھذیب الکمال" (۳/۲۱۱،۲۱۲) [2] تھذیب الکمال (۹/۴۲۰) [3] ایضاً (۴/۱۱۹) [4] ایضاً (۱۸/۴۱۰)

[5] کتاب رفع یدین اور آمین (ص ۱۲۲،۱۲۳) تحفۃ الاحوذی (۲/)، تعداد تراویح (ص ۳۴)، القول المقبول (ص ۴۲)

کے نزدیک ان الفاظ کی یہ حیثیت نہیں ہے [1]۔ اور رحمانی صاحب امام سخاویؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ لھذا فیہ نظر اور سکتوا عنہ کو سخت الفاظ میں شمار کرنا خاص کر انہی کے اعتبار سے ہے اور اس کے ساتھ اس تعبیر میں چشم پوشی اور درگزر بھی ہے [2]۔ اور آخر میں لکھتے ہیں: تو اس سے یہ بات خود ہی ثابت ہو جاتی ہے کہ ایسے راوی بھی ہیں جن کے حق میں امام بخاریؒ نے فیہ نظر یا سکتوا عنہ کہا ہے مگر دوسرے ناقدین کے نزدیک وہ معتبر ہیں بلکہ خود امام بخاریؒ کے نزدیک بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایسا راوی بالکل نا کارہ ہی ہو [3]۔

لھذا جب غیر مقلدین کو یہ دونوں باتیں تسلیم ہیں تو پھر اگر امام بخاریؒ نے حماد بن شعیب کے بارے میں فیہ نظر کہہ دیا ہے لیکن دیگر محدثین امام ابن عدی، امام ابن حبان اور امام حاکم وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے اور امام ابن تیمیہؒ، امام ذہبیؒ، امام ترمذیؒ، امام بیہقیؒ وغیرہ نے اس کی روایت کو قابل استدلال سمجھا ہے تو انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ غیر مقلدین حضرات اپنے بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں حماد بن شعیبؒ کی مذکورہ روایت کو بھی تسلیم کر لیں اور اس کو بالکل ہی نا کارہ راوی کہنا چھوڑ دیں۔

ثانیاً: اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حماد بن شعیب ضعیف راوی ہے اور اس کی وجہ سے یہ روایت بھی ضعیف ہے تو پھر بھی مضر نہیں کیونکہ حضرت علیؓ سے بیس رکعات والی روایت حماد کے طریق کے علاوہ دیگر طرق سے بھی مروی ہے، کما سیاتی تفصیلھا، اور وہ طرق حماد کی اس روایت کے لیے مؤید ہیں جس کی وجہ سے حماد والی روایت کا ضعف ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اصول حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ جس ضعیف روایت کی تائید دیگر طرق سے ہو جائے تو اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب ایک ضعیف روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ھذا الحدیث وان کان ضعیفا لکنہ منجبر بتعدد طرقہ [4]۔

مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: کہ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر کثرت طرق سے اس کا ضعف جاتا رہا [5]۔ پس حماد بن شعیب اتنا ضعیف راوی نہیں ہے کہ کثرت طرق سے بھی اس کی روایت کا ضعف ختم نہ ہو۔

---

[1] انوار المصابیح (۲۳۵) [2] ایضاً (ص ۲۳۶) [3] ایضاً (ص ۲۴۰) [4] ابکار المنن (ص ۱۸۶) [5] خیر الکلام (ص ۲۵۲)

اعتراض ثانی: اس روایت کا دوسرا راوی عطاء بن سائب آخر عمر میں اختلاط کے عارضہ میں مبتلا ہو گیا تھا اور جن راویوں نے اس سے قبل الاختلاط روایت کی ہے ان میں حماد بن شعیب کا نام نہیں ہے۔ لھذا یہ روایت عطاء سے بعد الاختلاط مروی ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے [1]۔

جواب: عطاء بن السائب اگرچہ آخر عمر میں عارضہ اختلاط میں مبتلا ہو گئے تھے لیکن وہ اتنے مختلط نہیں ہوئے تھے کہ ان کی احادیث ضعیف قرار پائیں بلکہ اختلاط کے باوجود ان کی احادیث عندالمحدثین کم از کم حسن ضرور ہیں۔ چنانچہ امام ہیثمیؒ ایک روایت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وفیه عطاء بن السائب وفیه کلام وھو حسن الحدیث [2] اس روایت میں عطاء بن ثابت ہیں اگرچہ (اختلاط کی وجہ سے) ان میں کلام ہے لیکن ان کی حدیث حسن ہے۔ امام ذہبیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: تابعی مشہور حسن الحدیث [3]۔ امام حاکم عطاء کی ایک روایت جس کو ان سے جریر بن عبدالحمید نے نقل کیا ہے، صحیح الاسناد کہا ہے [4]۔ حالانکہ جریر کا سماع بعد الاختلاط کا ہے [5]۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ عطاء کے بارے میں لکھتے ہیں: وکان اختلط بآخرہ ولم یفحش حتی یستحق ان یعدل به عن مسلك العدول [6]۔ یعنی عطاء بن سائب اگرچہ آخر عمر میں عارضہ اختلاط میں مبتلا ہو گئے تھے (لیکن) وہ اتنے فاحش اور زیادہ مختلط نہیں ہوئے کہ وہ اختلاط کی وجہ سے عادل اور ثقہ راویوں کی راہ سے تجاوز کر جائیں۔ امام مسلم نے بھی عطاء بن سائب کو مقدمہ مسلم میں قابل اعتماد اور طبقہ ثانی کے راویوں میں شمار کیا ہے کہ جن سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایات لی ہیں [7]۔

اسی طرح امام ابوحاتم کے نزدیک بھی عطاء قابل اعتبار راوی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم حصین بن عبد الرحمٰن اور عطاء بن سائب برابر ہیں محلھم محل الصدق یکتب حدیثھم ولا یحتج بھم [8]۔

---

[1] مصلہ انوار المصابیح (ص ۲۸۸، ۲۸۹) [2] مجمع الزوائد (۳/۳۵) [3] المغنی فی الضعفاء (۲/۵۹)

[4] المستدرک (۱/۳۴۸) [5] تدریب الراوی (۲/۴۲۳) [6] تھذیب التھذیب (۷/۱۸۵)

[7] دیکھئے مقدمہ مسلم (ص ۳) [8] الجرح والتعدیل (۱/۱۳۳)

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں کہ لا تحتج کے الفاظ راوی کے صدوق ہونے کے منافی نہیں [1]۔
نیز فرماتے ہیں: خلاصتہ المرام راوی کا (ابو حاتم کے نزدیک) لیس بحجتہ ہونا اس کے صدوق بلکہ ثقہ ہونے کے منافی نہیں [2]۔ اور چونکہ امام ابو حاتم نے عطاء بن سائب کے بارہ میں محل الصدق اور یکتب حدیثہ فرمایا ہے جو الفاظ تعدیل میں سے ہیں لھذا امام ابو حاتم کا ان کے بارہ میں لا تحتج فرمانا مضر نہیں اور یہ عطاء کے ثقہ اور صدوق ہونے کے منافی نہیں ہے نیز محدث کبیر امام بخاریؒ کے نزدیک بھی عطاء کی متابعت والی روایت صحیح ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی صحیح میں عطاء کی ایک متابعت والی روایت ذکر فرمائی ہے حالانکہ اس روایت کو عطاء سے نقل کرنے والے ھشیم راوی ہیں [3]۔ جن کا عطاء سے سماع بالیقین عطاء کے زمانہ اختلاط کا ہے۔ چنانچہ امام عجلیؒ فرماتے ہیں: فاما من سمع منه (ای عطاء بن سائب) بعد الاختلاط فهو مضطرب الحديث منهم هشيم وخالد بن عبدالله [4]۔

اب جبکہ عطاء بن سائب کی حالت اختلاط والی روایت صحیح بخاری میں بھی موجود ہے اور باقرار غیر مقلدین صحیح بخاری میں مختلط راویوں کی جتنی روایات موجود ہیں وہ سب صحیح ہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد مولانا ارشاد الحق اثری صاحب ایسے راویوں کی روایات کے متعلق لکھتے ہیں: ان کی روایات (صحیح بخاری) میں موجود ہیں مگر ہم نے بحمد اللہ یہ ثابت کیا ہے کہ یہ روایات صحیح ہیں اور صحیح بخاری کی صحت پر ان روایات کی وجہ سے کوئی فرق نہیں آتا [5]۔

بنا بریں جب عندالمحدثین (امام ہیثمیؒ، امام حاکمؒ، حافظ ابن حجرؒ، امام ابو حاتمؒ اور امام بخاریؒ وغیرہ کے نزدیک بھی عطاء بن سائب کی اختلاط والی روایات صحیح ہیں اور ان کی صحت کا خود غیر مقلدین کو بھی اقرار ہے تو پھر اس کی مذکورہ روایت جس کی تائید حضرت علیؓ کی دیگر روایات سے بھی ہو رہی ہے وہ کیونکر صحیح نہیں ہوگی؟

ثانیا: چونکہ حضرت علیؓ سے بیس تراویح اس روایت کے علاوہ دیگر روایات میں بھی مروی ہیں جو کہ عطاء کی مذکورہ روایت کے لیے مؤید ہیں۔ اور اصول حدیث میں طے شدہ ہے کہ مختلط راوی کیمتابعت

---

[1] توضیح الکلام (۱/۲۳۰) [2] ایضاً (ص۲۲۹) [3] ''تدریب الراوی'' (۱/۳۲۴)
[4] ''تھذیب الکمال'' (۱۳/۵۷)، ''الجوہر النقی'' (۳/۳۸، ۳۹)۔ [5] توضیح الکلام (۲/۴۷۰)

اور تائید جب کسی دوسری روایت سے ہو جائے تو پھر مختلط سے مروی روایت معتبر اور قابل حجت سمجھی جاتی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: ومتیٰ توبع السئی الحفظ بمعتبر کان یکون فوقه اومثله لا دونه و کذا، المختلط الذی لا یتمیز ولمستور والاسناد المرسل و کذا المدلس صار حدیثهم حسنا لالذاته بل وصفه باعتبار المجموع [1]۔

یعنی جب سیئ الحفظ راوی کی متابعت اور تائید کسی معتبر راوی سے ہو جائے جو مرتبہ میں اس سے بہتر یا برابر ہو کم نہ ہو، اسی طرح مختلط راوی جس کی روایات میں تمیز نہ ہو سکے (کہ یہ روایات اس کے حالت اختلاط سے پہلے کی ہیں یا بعد کی) اور اسی طرح مستور، مرسل اور مدلس کی کوئی تائید کر دے تو ان سب کی روایات حسن ہو جائیں گی اپنی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ مجموعی حیثیت کے اعتبار سے [2]۔

خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مختلط کی روایت عند المتابعت صحیح ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن صاحب ایک مختلط راوی کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: واما اختلاطه قبل موته بقلیل کما قاله الحافظ فی التقریب فیقتضی ان یکون حدیثه ضعیفا مالم یثبت انه رواه قبل اختلاطه لکنه قد شهده حدیث وائل بن حجر وهلب الطائی [3]۔

باقی رہا اس کو موت سے تھوڑا عرصہ پہلے اختلاط ہونا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تقریب میں فرمایا ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی روایت ضعیف ہو جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے یہ حدیث اختلاط سے پہلے روایت کی ہے لیکن اس کے لیے وائل بن حجر اور ھلب طائی کی احادیث شاہد ہیں۔ مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: مبارکپوری صاحب ابواسحاق کو مختلط لکھتے ہیں لیکن طحاوی میں ابواسحاق کا متابع موجود ہے۔ لهذا ابواسحاق پر اعتراض فضول ہے [4]۔

پس جب مختلط کی روایت عند المتابعت خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی معتبر ہے تو پھر عطاء بن سائب کی متابعت والی روایت پر ان کا اعتراض بھی فضول ہے۔ اور یہ روایت بالکل صحیح ہے اب اس روایت کے دیگر

---

[1] ''شرح نخبۃ الفکر'' (ص۹۱) [2] علامہ شوکانی غیر مقلد نے تصریح کی ہے کہ ایسی حسن لغیرہ روایت عند الجمہور حجت ہے چنانچہ فرماتے ہیں: وبهذا ان الحدیث من قسم الحسن لغیره وهو محتج به عند الجمهور۔ ''نیل الاوطار'' (۳۱۴/۴) [3] ابکار المنن (ص۱۱۵) [4] توضیح الکلام (۵۱۴/۱، ۵۱۵)

راویوں کا حال ملاحظہ ہوں۔

(۱) امام بیہقیؒ جو بالاتفاق ثقہ امام ہیں۔

(۲) ابوالحسین بن الفضل القطان البغدادی: مولانا ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد انکے بارے میں لکھتے ہیں: امام بیہقی اور خطیب کے مشہور استاذ ہیں امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بالاتفاق ثقہ ہیں۔ ۱
حافظ ابن حجرؒ ان کی ایک روایت کو اسنادہ جید فرماتے ہیں۔ ۲

(۳) محمد بن احمد بن عیسیٰ بن عبدک الرازی۔ یہ امام دارقطنیؒ وغیرہ محدثین کے استاد ہیں۔ علامہ خطیبؒ انکو ثقہ بتلاتے ہیں۔ ۳

(۴) ابو عامر عمرو بن تمیم:۔ حافظ ابن حجر نے محمد بن اسماعیل ابوالحسین الرازی کے ترجمہ میں علامہ خطیب کے حوالہ سے انکو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ ۴

(۵) احمد بن عبداللہ بن یونس:۔ امام احمد بن حنبلؒ ان کو شیخ الاسلام کہتے ہیں امام ابو حاتم فرماتے ہیں: کان ثقتہ متقنا امام نسائی اور امام ابن حبان فرماتے ہیں: ثقتہ، امام ابن سعد اور امام عجلی ان کو ثقہ اور صاحب سنتہ والجماعتہ فرماتے ہیں، امام ابن قانع فرماتے ہیں: ثقتہ مامونا ثبتہ، امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ (یہ کوفہ کے صالحین اور اہل سنت میں سے ہیں۔ ۵

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ آپکے بارے میں لکھتے ہیں: ثقتہ حافظ۔ ۶

(۶) حماد بن شعیب اور (۷) عطاء بن سائب کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

(۸) ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب السلمیؒ: یہ ثقہ تابعی ہیں، امام عجلیؒ انکے بارے میں فرماتے ہیں: کوفی تابعی ثقۃ، امام نسائی فرماتے ہیں: ثقۃ، محمد بن عمیر فرماتے ہیں: کان ثقۃ کثیر الحدیث علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ تمام محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، امام بخاری اپنی کتاب التاریخ الکبیر میں لکھتے ہیں کہ: انھوں نے حضرت علی ؓ، حضرت عثمان ؓ اور حضرت ابن مسعود ؓ سے سماعت

---

۱ اسباب اختلاف الفقہاء (ص ۶۱) بحوالہ سیر اعلام النبلاء (۱۷/۳۳۱)، تاریخ بغدادی (۲/۲۴۶)
۲ تلخیص الحبیر (ص) ۳ دیکھئے تاریخ بغداد (۱/۳۳۴،۳۳۳) ۴ لسان المیزان (۵/۸۹)
۵ مصلہ'' تھذیب الکمال'' ۱/۱۸۴،'' تھذیب التھذیب'' (۱/۴۴) ۶ تقریب (۱/۳۹)

حدیث کی ہے، علامہ واقدی لکھتے ہیں کہ جنگ صفین میں یہ حضرت علیؓ کے ساتھ شریک تھے [1]۔
(۹) حضرت علی المرتضیٰؓ خلیفہ رسول ﷺ اور داماد رسول ﷺ ہیں۔ الغرض یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

روایت نمبر۹:۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں: ثنا وکیع عن حسن بن صالح عن عمرو ابن قیس عن ابی الحسناء ان علیاً امر رجلا یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعة [2]۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوالحسناء روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) پڑھائے [3]۔

اس روایت پر غیر مقلدین نے دو اعتراض کیے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت علیؓ سے اس روایت کو نقل کرنے والے ابوالحسناء مجہول ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے ان کو مجہول اور حافظ ذہبیؒ اور علامہ نیمویؒ نے لایُعرف کہا ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کیا کہ ابوالحسناء کی حضرت علیؓ سے ملاقات بھی ثابت نہیں۔ لھذا یہ روایت منقطع بھی ہے۔

جواب:۔ غیر مقلدین کے یہ دونوں اعتراض باطل ہیں۔ اس لئے کہ ابوالحسناء سے دو ثقہ راوی عمرو بن قیس اور ابوسعد البقال یہ روایت نقل کر رہے ہیں اور روایت نمبر۵ میں ابوعثمان بصری کے تذکرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ جس راوی سے ایک سے زائد راوی روایت کر دیں تو اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے اور اس کو مجہول نہیں کہا جاتا۔

البتہ جس راوی سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کریں اور اس کے بارے میں کسی سے توثیق

---

[1] ''تھذیب الکمال'' ۱۰/۸۰، ''تھذیب التھذیب'' ۵/۱۶۱۔ [2] مصنف ابن ابی شیبہ (۳/۲۸۵)

[3] اس روایت کے پہلے راوی حضرت وکیع کا تذکرہ روایت نمبر ا میں اور حسن بن صالح کا تذکرہ روایت نمبر ۳ میں گزر چکا ہے۔ تیسرے راوی عمرو بن قیس الملائی بلا اتفاق ثقہ ہیں۔ امام احمد، امام ابن معین، امام ابوحاتم، امام نسائی، امام ابو زرعہ، امام ثوری، امام عجلی، امام ترمذی اور امام ابن حبان وغیرہ سب محدثین ان کو ثقہ بتلاتے ہیں۔ دیکھئے تھذیب التھذیب (۸/۹۲)۔ حافظ ابن حجرؒ انکے بارے میں لکھتے ہیں: ثقة عابدٌ متقن، تقریب (۱/۷۴۴)۔ چوتھے راوی ابو الحسناء کا ترجمہ اوپر کتاب میں مذکور ہے۔

منقول نہ ہوتو ایسے راوی کو کو مستور یا مجہول الحال کہتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: من روی عنه اثنان فصاعدا ولم یوثق والیه الاشارة بلفظ مستور او مجهول الحال ؎۱

یعنی جس راوی سے آگے ایک سے زائد راوی روایت کریں اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو تو اس کی طرف لفظ مستور یا مجہول الحال سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ علامہ مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: مستور تو اسے کہتے ہیں کہ جس سے دو شخص روایت کریں اور کسی نے اس کی توثیق نہ کی ہو ؎۲ ۔

مولانا حافظ محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: جس شخص سے دو راوی روایت کر دیں تو اس کو مجہول نہیں، مستور کہتے ہیں ؎۳ ۔

مولانا سلطان محمود صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ جس سے روایت لینے والے تو کئی ہوں مگر اس کے بارہ میں جرح وتعدیل معلوم نہ ہو اسے مستور بھی کہتے ہیں ؎۴ ۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: اصول حدیث میں یہ مقرر ہے کہ جس سے دو ثقہ روایت کریں وہ مجہول العین نہیں رہتا بلکہ اس کی جہالت عین ختم ہو جاتی ہے۔ مستور وہ ہوتا ہے جس کی کسی نے بھی توثیق نہ کی ہو ؎۵ ۔

ابوالحسناء مجہول نہیں مستور ہیں:۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس راوی سے دو راوی روایت کریں تو اس کو محدثین کی اصطلاح میں مجہول نہیں بلکہ مستور کہتے ہیں اور یہ بات خود غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے۔ چونکہ ابوالحسناء سے بھی دو راویوں نے یہ روایت بیان کی ہے اور اس کے کم از کم دو شاگرد ہیں ؎۶ ۔ لھذا اس کو مجہول کہنا غلط ہے بلکہ یہ مستور راوی ہے۔

؎۱ تقریب (ص ۲۵) ؎۲ تحقیق الکلام (۱/۷۹) ؎۳ خیر الکلام (ص ۱۶۸) ؎۴ اصطلاحات المحدثین (ص ۱۹) ؎۵ الکواکب الدریہ (ص ۳۲) ؎۶ مولانا رحمانی صاحب نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس پر یہ اعتراض کر دیا کہ عمرو بن قیس اور ابو سعد بقال کو ابوالحسناء کے شاگرد قرار دینا وہم ہے کتب رجال سے اسکا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ انوار المصابیح (ص ۳۰۰) لیکن ان دونوں کو ابوالحسناء کا شاگرد قرار دینا وہم نہیں بلکہ رحمانی صاحب کا اس سے انکار کرنا خود انکا وہم ہے کیونکہ علمائے غیر مقلدین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ دونوں ابوالحسناء کے شاگرد ہیں چنانچہ مولانا رحمانی صاحب کے =

حافظ ابن حجر عسقلانی نے جس ابوالحسناء راوی کو مجہول اور حافظ ذہبیؒ نے لایعرف کہا ہے وہ یہ ابوالحسناء نہیں جو مذکورہ روایت کا راوی ہے بلکہ وہ شریک نخعیؒ کا استاد ہے اور اس سے صرف ایک ہی راوی شریک روایت کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ مجہول ہے، جیسا کہ حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال [1] میں، حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان [2] اور تھذیب [3] میں اور حافظ ابوالحجاج مزی نے تھذیب الکمال [4] میں اس کی تصریح کی ہے۔ یہاں جس ابوالحسناء میں کلام ہو رہا ہے اس سے صرف ایک راوی نہیں بلکہ کم از کم دو راوی روایت کرتے ہیں اور وہ خود حضرت علی المرتضیٰ ﷛ سے روایت کرتے ہیں۔ جبکہ پہلے ابوالحسناء حکم سے، جو حضرت علی ﷛ کے شاگرد حنش کے شاگرد ہیں، سے روایت کرتے ہیں [5]۔ لھذا غیر مقلدین کا ان دو مختلف راویوں کو ایک قرار دے کر مذکورہ روایت کے راوی ابوالحسناء کو مجہول ثابت کرنا غلط ہے۔ اگر غیر مقلدین حضرات ان دونوں کو ایک ہی قرار دینے پر بضد ہیں تو پھر اس صورت میں ابوالحسناء سے روایت کرنے والے دو کی بجائے تین راوی ہو جائیں گے، دو (عمرو بن قیس اور ابوسعد بقال) مذکورہ روایت کے راوی اور ایک شریک نخعیؒ۔ پھر غیر مقلدین کس اصول کے تحت ابوالحسناء کو مجہول قرار دینگے؟ دیدہ باید

خلاصہ کلام:۔ ابوالحسناء دو راوی ہیں اور جن ابوالحسناء کو ابن حجرؒ وغیرہ نے مجہول قرار دیا ہے وہ اس مذکورہ روایت کے راوی نہیں ہیں بلکہ مذکورہ روایت کے راوی ابوالحسناء اصول حدیث کی رو سے مستور راوی ہیں اور علامہ نیمویؒ کی مراد بھی ابوالحسناء کو لایعرف کہنے سے اس کا مستور ہونا ہے کیونکہ انھوں نے خود ابوالحسناء کے دونوں شاگردوں کی روایتیں ذکر کیں ہیں [6]۔

لھذا علامہ نیمویؒ کی تحقیق کے مطابق بھی مذکورہ روایت کے راوی ابوالحسناء مستور ہیں اور لایعرف کا اطلاق جس طرح مجہول راوی پر ہوتا ہے اسی طرح اس کا اطلاق مستور راوی پر بھی کیا جاتا ہے۔

= استاذ الاساتذ حافظ عبداللہ غازیپوری لکھتے ہیں: اس روایت کی سند میں ایک راوی ابوالحسناء بھی ہیں جو ابوسعد بقال کے شیخ ہیں۔ رکعات التراویح (ص ۳۰) پس جب ابوسعد بقال جو غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف بھی ہے اور مدلس بھی اس کو ابوالحسناء کا شاگرد ہونا تسلیم کر لیا ہے تو پھر ابوالحسناء کے دوسرے شاگرد عمرو بن قیس جو بالاتفاق ثقہ ہیں اور مدلس بھی نہیں ہیں ان کا ابوالحسناء کا شاگرد ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہو گیا۔ [1] (۵۰۱/۴) [2] (۴۵۹/۷) [3] (۷۴/۱۲) [4] (۱۷۹/۲۱) [5] دیکھئے تھذیب الکمال (۱۸۰/۲۱) [6] دیکھئے التعلیق الحسن (ص ۲۵۵،۲۵۴)

مستور راوی کی روایت کا حکم

مستور کی روایت کے بارے میں ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ مطلق مقبول ہے لیکن جمہور اس کا رد کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ تحقیق یہ ہے کہ مستور کی روایت نہ مطلق مقبول ہے اور نہ مطلق مردود، بلکہ اس میں ظاہر حال تک توقف کیا جائے گا[1]۔ پھر آگے مختلط وغیرہ راویوں کے ضمن میں لکھتے ہیں: اگر مستور وغیرہ کی متابعت کوئی دوسرا معتبر راوی جو کہ اس کے مثل یا اس سے بہتر ہو، کر دے تو مستور وغیرہ کی روایت حسن ہو جائے گی[2]۔ حافظ صاحب کی یہ پوری عربی عبارت روایت نمبر ۸ کے ذیل میں مختلط کی بحث میں گزر چکی ہے۔ اسی طرح امام سیوطی حدیث ضعیف کی تعریف کے تحت لکھتے ہیں: ثم قسّمه ابن الصلاح الیٰ اقسام کثیرۃ باعتبار فقد صفت من صفات القبول الستة، وهی الاتصال، والعدالة، والضبط، والمتابعة فی المستور وعدم الشذوذ، وعدم العلة[3]۔ اس خط کشیدہ عبارت پر غور کریں اس سے واضح ہے کہ مستور کی روایت تب ضعیف ہوگی جب اس کی متابعت نہ کی گئی ہو۔ لیکن اگر اس کی متابعت کوئی دوسرا راوی کر دے تو پھر مستور کی روایت صحیح اور مقبول ہو جائے گی۔ چونکہ ابوالحسناء بھی مستور راوی ہے اور اس کی متابعت ابوعبد الرحمن السلمیؒ نے کی ہے (جو روایت نمبر ۸ کے راوی اور بالاتفاق ثقہ تابعی ہیں)۔ لھذا ابوالحسناء کی روایت بھی متابعت کی وجہ سے صحیح اور قابل اعتبار ہوگی۔ خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مستور کی روایت متابعت کی صورت میں قابل حجت ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے محقق اعظم مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب حدیث حسن لغیرہ کی تعریف میں لکھتے ہیں: الحسن لغیرہ وهو الذی یکون حسنهٗ بسبب الاعتضاد نحو حدیث المستور الخ[4]۔ یعنی حسن لغیرہ وہ حدیث ہے جس کو کسی اعتضاد اور تائید کے سبب حسن قرار دیا جائے جیسے مستور کی حدیث۔

مختلط کی بحث میں قاضی شوکانی غیر مقلد کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ حسن لغیرہ عند الجمہور حجت ہے وھو المطلوب۔

---

[1] (شرح نخبۃ الفکر (ص ۸۷) [2] ایضاً (ص ۹۱) [3] تدریب الراوی (۱/۱۴۴) [4] تحفۃ الاحوذی (۱/۱۹۹)

ابوالحسناء پر دوسرے اعتراض کا جواب:۔

غیر ملقدین کا دوسرا اعتراض کہ ابوالحسناء کا حضرت علیؓ سے لقاء ثابت نہیں ہے، یہ بھی باطل ہے کیونکہ پہلے اعتراض کے جواب میں یہ گزر چکا کہ ابوالحسناء دو ہیں ایک وہ جس سے صرف ایک راوی شریک نخعیؒ روایت کرتے ہیں اور وہ خود حکمؒ سے روایت کرتے ہیں جو کہ حضرت علیؓ کے شاگرد حنش کے شاگرد نہیں اور یہ ابوالحسناء طبقہ سابعہ کے راوی ہیں ۱؎ ۔اس طبقہ کا کسی صحابیؓ سے بھی لقاء ممکن نہیں ہے ۔اور دوسرے ابوالحسناء جو مذکورہ روایت کے راوی ہیں ان کا حضرت علیؓ سے لقاء ممکن ہے کیونکہ ان کے شاگرد ابوسعد البقال تابعین میں سے ہیں اور صحابی رسول حضرت انسؓ بن مالک اور کبار تابعین سے روایت کرتے ہیں اور خود سلیمان اعمش وغیرہ تابعین کے استاذ ہیں ۲؎ ۔

اسی طرح ابوالحسناء کے دوسرے شاگرد عمرو بن قیس کبار اتباع تابعین میں سے ہیں اور ممکن ہے کہ یہ بھی تابعین میں سے ہوں کیونکہ وہ طبقہ سادسہ میں سے ہیں ۳؎ ۔اس طبقہ کا صحابہ کرامؓ سے لقاء ممکن ہے کیونکہ اس طبقہ والے طبقہ خامسہ والوں کے ہم عصر ہیں جن کی صحابہ کرامؓ سے لقاء اور سماع دونوں ثابت ہیں ۔اب جس راوی کے شاگرد تابعین میں سے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ خود کبار یا اوساط تابعین میں سے یقیناً ہوں گے جن کا حضرت علیؓ سے لقاء اور سماع دونوں ممکن ہیں اور یہی اتصال سند کے لئے کافی ہیں ۔کیونکہ سند کے اتصال کے لئے راوی اور مروی عنہ کے درمیان امکان لقاء اور سماع ہی ضروری ہے ۔ثبوت لقاء یا سماع ضروری نہیں ۔چنانچہ مشہور غیر مقلد محدث حافظ محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں: باقی رہا یہ اعتراض کہ مکحول کا سماع محمود سے ثابت نہیں، عدم ثبوت صحت حدیث کے منافی نہیں کیونکہ صحت حدیث کیلئے صرف استاد اور شاگرد کی ملاقات کا ممکن ہونا کافی ہے عدم ثبوت سے نفی لازم نہیں آتی ۴؎ ۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ: اتصال سند کیلئے معاصرت شرط ہے اور معاصرت کا مطلب عند المحدثین یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات ممکن ہو ۵؎ ۔

۱؎ تقریب (۳۸۴/۲) ۲؎ دیکھئے "تھذیب الکمال" (۲۸۹/۷) ۳؎ تقریب (۷۴۴/۱)

۴؎ خیر الکلام (ص ۱۶۷) ۵؎ ابکار المنن (ص ۱۳۵/۱۳۶)

مولانا ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: اور اصول حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ اتصال سند کے لیے امکان لقاء ہی کافی ہے جیسا کہ امام مسلم نے کہا ہے [1]۔

پس جب ابو الحسناء اور حضرت علی ﷺ کے درمیان ملاقات اور سماع ممکن ہے اور یہی اتصال سند اور صحت حدیث کے لئے کافی ہے تو پھر غیر مقلدین کا اس روایت پر دوسرا اعتراض بھی رفع ہو گیا کہ ابو الحسناء اور حضرت علی ﷺ کے درمیان لقاء ثابت نہ ہونے کی وجہ سے یہ حدیث منقطع اور ضعیف ہے۔ بالفرض مان ہی لیا جائے کہ ابو الحسناء کا حضرت علی ﷺ سے لقاء نہیں ہے تو بھی اس حدیث کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اس صورت میں یہ روایت مرسل معتضد ہو جائے گی کیونکہ اس کی تائید سابقہ روایت سے ہو رہی ہے اور اس پر صحابہ کرام ﷺ اور علمائے امت کا عمل بھی ہے اور مرسل معتضد بالاتفاق حجت ہے جس کی تفصیل روایت نمبر ا کے ذیل میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔ اگر اس تحقیق کو سامنے رکھا جائے تو غیر مقلدین کا پہلا اعتراض بڑی آسانی سے رفع ہو جائے گا کیونکہ جس ابو الحسناء کو مجہول کہا گیا ہے اس کے اور حضرت علی ﷺ کے درمیان کم از کم دو واسطے ہیں اور جو ابو الحسناء مذکورہ روایت کے راوی ہیں ان کے اور حضرت علی ﷺ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو صرف ایک ہی واسطہ ہوگا۔ لھذا غیر مقلدین کا ان دونوں کو ایک قرار دیکر ان کے اس روایت پر کیے گئے دونوں اعتراض باطل ہو گئے اور اس کا یہ روایت صحیح ہونا ثابت ہو گیا۔

اس روایت کے دیگر راویوں کا تذکرہ اس روایت کے شروع کے حاشیہ میں گزر چکا ہے جو سب ثقہ ہیں نیز اس روایت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت علی ﷺ کے تربیت یافتہ اور خصوصی شاگرد شتیر بن شکل، عبدالرحمن بن ابی بکرہ، سعید بن ابی الحسن، سوید بن غفلہ، علی بن ربیعہ اور حارث اعور وغیرہ بھی بیس تراویح پڑھاتے تھے۔ ان کے آثار عنقریب ذکر کیے جائیں گے انشاء الله تعالیٰ۔

روایت نمبر ۱۰:۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: اخبرنا ابو عبدالله ابن فنجویه الدینوری ثنا احمد ابن محمد اسحاق السنی ثنا احمد بن عبدالله البزار ثنا سعدان بن

[1] توضیح الکلام (۲/۵۹۱)

يزيد ثنا الحكم بن مروان السلمی انبأ الحسن بن صالح عن ابی سعد البقال عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالب ﷺ امر رجلا ان یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعة [1]۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوالحسناء سے روایت ہے کہ حضرت علی ﷺ بن ابی طالب نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحات یعنی بیس تراویح پڑھائے [2]۔

اس روایت کے بارے میں امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں ضُعف ہے۔

علامہ ابن الترکمانیؒ لکھتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ اس سند کا ضعف ابوسعد البقال کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ متکلم فیہ راوی ہے لیکن مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت (جو ابھی گزری ہے) میں (عمرو بن قیس) اس کا متابع موجود ہے جس سے اس کے ضعف کی تلافی ہوجاتی ہے [3]۔

اگر چہ بعض ائمہ نے ابوسعد البقال کی تضعیف بھی کی ہے لیکن وہ جمہور ائمہ رجال کے ہاں ثقہ ہیں۔ چنانچہ

(۱) امام ابوہشام رفاعی فرماتے ہیں: وکان ثقۃ، (۲) امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں: صدوق کان لا یکذب (۳) ابواسامہ فرماتے ہیں: حدثنا ابو سعد و کان ثقة کہ ابوسعد نے ہم سے حدیث بیان کی اور وہ ثقہ تھے (۴) امام ساجیؒ فرماتے ہیں: صدوق، (۵) امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی (۲/۶۹۷) [2] اس روایت کے راویوں کے مختصر حالات ملاحظہ ہوں۔ نمبر ا۔ ابن فتحویہ الدینوری اور احمد بن اسحاق السنی کا تذکرہ روایت نمبر ۷ کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ نمبر ۳۔ احمد بن عبداللہ ابو جعفر البزار۔ امام یوسف قواسؒ نے ان کو اپنے ثقہ مشائخ میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح احمد بن محمد بن فضل الجراح نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے تاریخ بغداد (۴/۴۴۹، ۴۵۰) نمبر ۴۔ سعدان بن یزید: یہ امام ابوحاتم اور ابن ابی حاتم وغیرہ بڑے بڑے محدثین کے استاد ہیں، امام ابوحاتم اور ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ: یہ صدوق راوی ہیں۔ حوالہ سابق (۹/۲۰۲) والجرح والتعدیل (۴/۲۹۰)۔

(۵) حکم بن مروان السلمی الکوفی۔ امام ابوحاتم ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔ لا باس بہ، الجرح والتعدیل (۳/۱۲۹)

(۶) حسن بن صالح کا ترجمہ روایت نمبر ۳ میں گزر چکا ہے جبکہ ابوسعد البقال کا ترجمہ اوپر کتاب میں مذکور ہے۔ الغرض یہ روایت صحیح یا کم از کم حسن ضرور ہے۔ [3] دیکھئے "الجوہر النقی" (۲/۶۹۷) فی رد علی البیہقی۔

لکھی جاسکتی ہے۔(۶)امام ابوداؤدفرماتے ہیں:اقرأ الناس کہ لوگوں میں سب سے بڑے قاری ہیں۔ (۷)امام عقیلیؒ اور امام ہیثمی فرماتے ہیں کہ:وثقہٗ وکیع کہ امام وکیع نے ابوسعد کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (۸)حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شریک نخعیؒ سے پوچھا کہ آپ ابوسعد البقال کو پہچانتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا:اعرفه عالی الاسناد میں ابوسعد کو پہچانتا ہوں۔وہ اونچی سند والے ہیں(۹)علامہ ہیثمی فرماتے ہیں:ھو ثقة مدلس [1]۔(۱۰)علامہ منذریؒ لکھتے ہیں:ابو سعد وقد وثق یعنی ابوسعد کی توثیق کی گئی ہے [2]۔(۱۱)امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی تاریخ میں متعدد مقامات پر ابوسعد البقال کی مختلف روایات کو صحیح قرار دیا ہے [3]۔(۱۲)امام ترمذیؒ نے بھی اپنی جامع میں مختلف مقامات پر ان کی احادیث کو حسن کہا ہے [4]۔(۱۳)حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی فتح الباری [5] میں ابوسعد کی ایک حدیث کو حسن کہا ہے۔(۱۴)ابوسعد البقال امام بخاری کے ہاں بھی ثقہ ہیں۔چنانچہ امام ترمذی نے اپنی کتاب العلل الکبیر میں اپنے استاذ امام بخاری سے ابوسعد کے بارے میں مقارب الحدیث ہونا نقل کیا ہے [6]۔مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ:لفظ مقارب الحدیث ہر حال میں الفاظ تعدیل اور توثیق میں سے ہے [7]۔خود امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ادب المفرد میں ان سے روایت بھی لی ہے۔چنانچہ حافظ ابوالحجاج مزیؒ ابوسعد بقال کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:روی له البخاری فی الا دب والترمذی وابن ماجة [8]۔معلوم ہوا کہ ابوسعد بقال امام بخاری کے نزدیک بھی ثقہ ہیں اور ان سے ابوسعد کے بارے میں جو منکر الحدیث ہونا نقل کیا جاتا ہے۔وہ غلط ہے۔ کیونکہ جس راوی کو امام بخاری مقارب الحدیث کہہ کر اس کی توثیق کر رہے ہیں اور ان سے روایت بھی بیان کرتے ہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ امام بخاری اس کو منکر الحدیث کہہ دیں۔حالانکہ حافظ عبداللہ روپڑی صاحب غیر مقلد نے تصریح کی ہے کہ:امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ جس کے حق میں میں منکر الحدیث کہہ دوں

---

[1] دیکھئے" تھذیب الکمال"(۷/۲۹۰)" تھذیب التھذیب"(۴/۷۱)"مجمع الزوائد"(۲/۱۰۸)و(۱/۳۳۸)
[2] الترغیب والترھیب(۴/۸۰) [3] مثلاً تاریخ طبری(۱/۱۱،۲۵،۲۸،۲۹)بحوالہ معارف السنن(۲/۳۱۲) [4] مثلاً دیکھئے جامع الترمذی(۲/۱۷۵)باب ماجاء فی الدعاء اذااصبح واذاامسیٰ [5] (۶/۱۸۶) [6] نصب الرایۃ (۴/۳۶۶) [7] مقدمہ تحفۃ الاحوذی(ص۱۹۵) [8] تھذیب الکمال(۷/۲۹۱)

اس سے روایت لینی حلال نہیں ہے [1]۔

لھذا امام بخاری کی طرف اس جرح کی نسبت غلط ہے اور اگر اس جرح کی نسبت ان کی طرف صحیح بھی ہو تو مولانا ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: ایک ہی امام کے قول میں اختلاف ہو تو ترجیح توثیق کو ہوتی ہے [2]۔ لھذا اثری صاحب کی تصریح کے مطابق ابوسعد بقال کے بارہ میں امام بخاریؒ کی توثیق ہی راجح ہے۔ (۱۵) ابوسعد بقال امیر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہؒ کے نزدیک بھی ثقہ ہیں کیونکہ انھوں نے اس سے روایت لی ہے [3]۔ اور حدیث نمبر ا کے ذیل میں ابراہیم ابوشیبہ کے تذکرہ میں متعدد علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ امام شعبہ صرف ثقہ راوی سے ہی روایت لیتے ہیں۔ (۱۶) امام حاکمؒ نے ابوسعد بقال کو کوفہ کے اُن ثقہ اور مشہور ائمہ حدیث میں شمار کیا ہے جن کی احادیث مشرق سے لیکر مغرب تک بطور تبرک جمع کی جاتی ہیں [4]۔

ان ٹھوس حوالہ جات سے ثابت ہو گیا کہ ابوسعد البقال (سعد بن مرزبان العبسی الکوفی) جمہور کے ہاں ثقہ اور صدوق ہیں۔ رہا ان کا مدلس ہونا تو اس کا جواب یہ ہے کہ عمرو بن قیس جو سابقہ روایت کے راوی ہیں اور نہایت ثقہ اور غیر مدلس ہیں، انہوں نے ابوسعد کی متابعت کی ہے۔ اور جب مدلس راوی کی کوئی ثقہ راوی متابعت کر دے تو مدلس کی عن والی روایت قابل قبول ہو جاتی ہے [5]۔ خود غیر مقلدین حضرات مولانا عبدالرحمن مبارکپوری [6] مولانا محمد گوندلوی صاحب اور حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کی تصریح کی ہے [7]۔

لھذا ابوسعد کے مدلس ہونے کیوجہ سے اس روایت کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

تلك عشرة كاملة

---

[1] رفع یدین اور آمین (ص ۳۲) [2] "توضیح الکلام" (۵۳۴/۱) [3] تھذیب الکمال (۲۸۹/۷)
[4] معرفت علوم الحدیث (ص ۳۲۷) [5] دیکھئے شرح نخبۃ الفکر (ص ۹۱) مطبوع فاروقی کتب خانہ ملتان
[6] دیکھئے مقدمہ تحفۃ الاحوذی (ص ۱۹۳) [7] خیر الکلام (ص ۱۶۱)، نور العینین (ص)

چندروایات بطور شواہد: ۔ مذکورہ دس روایات دورخلافت راشدہ سے متعلق بیس تراویح کے اثبات میں بطوراصل اوراستدلال کے تھیں ۔اب ان کی تائیداوراستشہاد میں چندروایات ذکر کی جاتی ہیں ۔ چونکہ یہ روایات بطورتائیداورمتابعت کے ہیں،اس لیے ان کی اسناد پر تحقیق نہیں کی جائے گی اور نہ ان پر وارد کسی اعتراض کا جواب دیا جائے گا ۔ کیونکہ اگر یہ روایات بالفرض ضعیف بھی ہوں تب بھی ان کو سابقہ صحیح روایات کی تائید میں پیش کیا جاسکتا ہے ۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد مولانا محمد گوندلوی صاحب ایک مقام پر چند روایات بطور متابعت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ان روایات کے بعض راوی اگرچہ ضعیف ہیں مگر متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی حرج نہیں [1] ۔

پہلی روایت بطور شاہد: عن ابی بن کعب ؓ ان عمر ؓ بن الخطاب امره ان یصلی باللیل فی رمضان فقال ان الناس یصومون النهار ولا یُحْسِنُوْنَ ان یقرأوا فلو قرأت علیهم باللیل فقال یاامیرالمؤمنین هذاشیئ لم یکن فقال قد علمت ولکنه حسن فصلی بهم عشرین رکعة [2] ۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ نے ان کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں رات کے وقت نماز (تراویح) پڑھایا کریں،حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں لیکن اچھی طرح قرآن مجید پڑھنا نہیں جانتے، پس کاش! تم رات کے وقت ان کو (تراویح میں) قرآن سناتے ۔ حضرت ابی بن کعب ؓ نے عرض کیا: اے امیرالمؤمنین یہ ایک ایسی چیز ہے جو پہلے نہیں تھی ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو مجھے بھی معلوم ہے لیکن یہ ایک اچھی چیز ہے چنانچہ حضرت ابی بن کعب ؓ نے لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) پڑھائیں ۔

دوسری روایت: عن محمد بن کعب ؓ کان الناس یصلون فی زمان عمر ؓ بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعته یطیلون فیها القراءة ویوترون بثلاث [3] ۔

ترجمہ: حضرت محمد بن کعب قرظیؒ سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمر ؓ کے زمانہ خلافت میں بیس رکعات

---

[1] خیرالکلام (ص۲۳۳) [2] کنزالعمال (۸/۴۰۹) [3] قیام اللیل (ص۱۵۷)

(تراویح) پڑھا کرتے تھے اوران میں لمبی قرأت کرتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے۔

تیسری روایت: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: وروی مالك من طريق يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد عشرين ركعة [1]۔ قاضی محمد شوکانیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں: وفي الموطا من طريق يزيد بن خصيفه عن السائب بن يزيد انها عشرون ركعة [2]۔

ترجمہ: امام مالک نے موطا میں یزید بن خصیفہؒ کے واسطہ سے حضرت سائب بن یزید ﷺ سے نقل کیا ہے کہ تراویح (حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں) بیس رکعتیں تھیں۔

﴿ف﴾ مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: اس اثر کو موطا امام مالک، موطا امام محمد اور سنن کبریٰ للبیہقی میں تلاش کیا مگر ان سب کتب میں سے کسی ایک میں بھی نہیں پایا۔ لیکن کہا جا سکتا ہے کہ موطا کے نسخے سولہ ہیں۔ متداول نسخہ میں نہیں تو کیا بات ہوئی الخ [3]۔

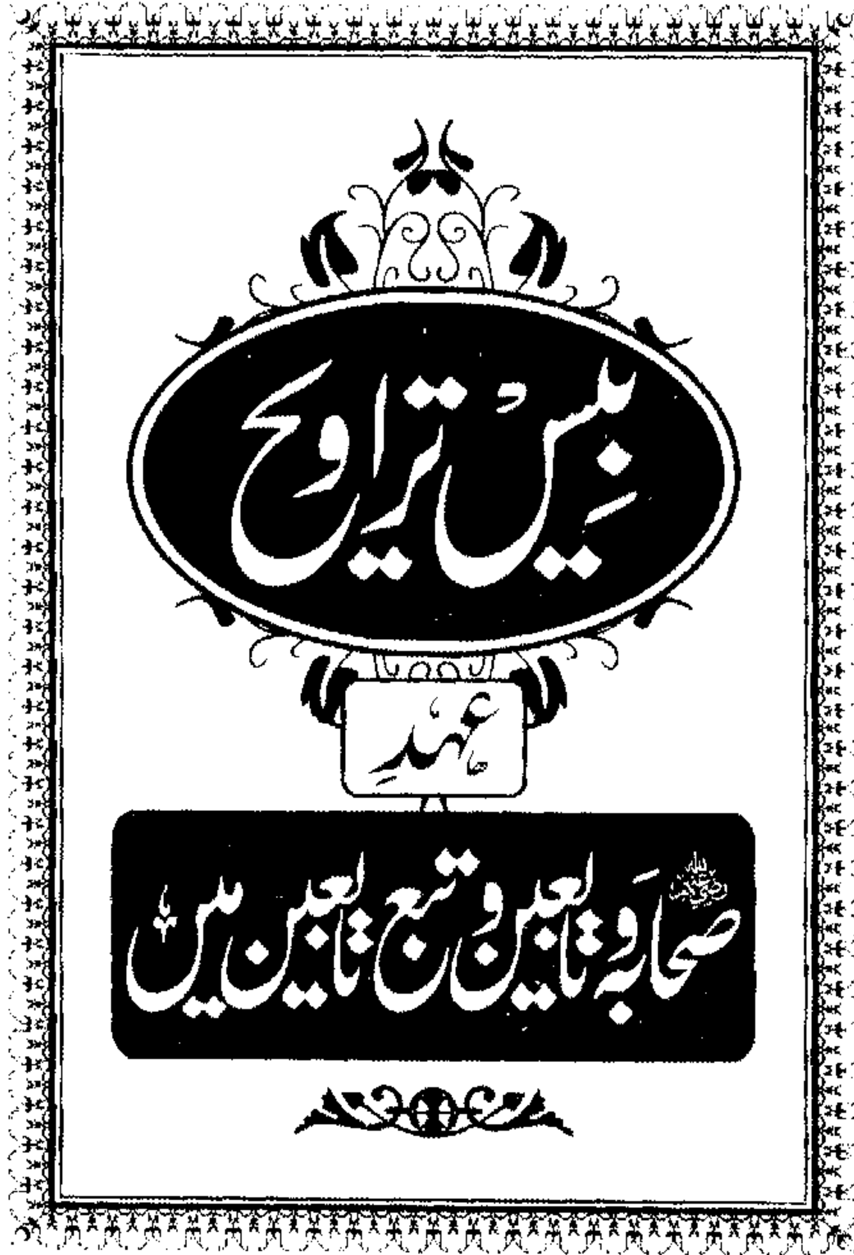
چوتھی روایت: عن علی ﷺ انه امر الذي يصلي بالناس صلوة القيام في شهر رمضان ان يصلي بهم عشرين ركعة۔ [4]

ترجمہ: حضرت علیؓ نے ایک شخص کو جو رمضان المبارک میں نماز تراویح پڑھاتے تھے، حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) پڑھائے۔



[1] فتح الباری (۴/) [2] نیل الاوطار (۵۳/۳) [3] تعداد تراویح (ص ۶۱)

[4] مسند زید بن علی (ص ۱۳۹)


بیس تراویح
عہد
صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین میں

حضرات خلفائے راشدین ﷺ کے عہد سے متعلق روایات کے بعد اب دیگر صحابہ کرام ﷺ، تابعین اور تبع تابعین عظام کے کچھ آثار ذکر کئے جاتے ہیں۔ صحابہ کرام ﷺ کے آثار تو بلا شک حجت شرعیہ ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے خود اپنے ان جانثاروں کے راستے پر چلنے کی تلقین اور فضیلت بیان فرمائی ہے ۔ چنانچہ ایک روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ان بنی اسرائیل تفرقت علیٰ ثنتین وسبعین ملة وتفرق امتی علیٰ ثلاث وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوامن هی یارسول الله ؟قال ما انا علیه واصحابی [1] ۔

ترجمہ: بنی اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی ۔ یہ سب کے سب فرقے دوزخ میں جائیں گے مگر صرف ایک فرقہ :۔ صحابہ کرام ﷺ نے آپ ﷺ سے پوچھا وہ کون سا فرقہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ جو میرے اور میرے صحابہ ﷺ کے طریقہ پر کار بند رہے ۔

غیر مقلدین کے محدث اعظم حافظ عبداللہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں: اقوال صحابہ ﷺ سے استدلال کرنا ٹھیٹھ اسلام میں داخل ہے [2] ۔ مولانا اسماعیل سلفی صاحب تحریر کرتے ہیں: بے شک اہل حدیث قرآن وسنت کے ساتھ صحابہ کرام ﷺ اور سلف صالحین کے اقوال کو بھی اسلام کے اصول میں سے ایک اصل شمار کرتے ہیں [3] ۔

صحابہ کرام ﷺ کے بعد تابعین اور اتباع تابعین کے آثار حجت شرعیہ کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ ﷺ کے بعد تابعین اور پھر انکے بعد اتباع تابعین کے نقش قدم پر چلنے کی وصیت فرمائی ہے چنانچہ حضرت عمر فاروق ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اوصیکم باصحابی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم [4] ۔

---

[1] ترمذی (۸۹/۲) [2] ضمیمہ اہل حدیث (ص ۳) بحوالہ راہ سنت (ص ۳۸) [3] حرکة انطلاق الفکری (ص ۱۵۳) [4] مستدرک حاکم (۱۱۴/۱)۔

ترجمہ: میں تمہیں اپنے صحابہ کے (نقش قدم پر چلنے کی) وصیت کرتا ہوں پھر ان لوگوں کے بارے میں جو ان سے ملیں گے یعنی تابعین کرام، پھر ان کے بارے میں جو ان سے ملیں گے یعنی اتباع تابعین۔

امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر (صحیح) ہے۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ؓ کے آثار کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے آثار یکے بعد دیگرے حجت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین عظام اور فقہائے کرام اپنی اپنی کتب میں صحابہ ؓ کے آثار کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے آثار ذکر کرنے کا التزام کرتے ہیں اور ان سے حجت پکڑتے ہیں۔ مثلاً امام المحدثین حضرت امام بخاریؒ جن کی کتاب صحیح بخاری جو کتاب اللہ کے بعد سب سے معتز اور مہتم بالشان کتاب شمار ہوتی ہے۔، میں تابعین اور تبع تابعین کے آثار کو بڑی کثرت کے ساتھ پیش فرماتے ہیں۔ مثلاً باب مایقع من النجاسات من السمن والماء کے تحت متعدد تابعینؒ کے آثار اپنے مدعیٰ کے اسبات میں پیش کیے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: وقال الزھری لاباس بالماء مالم یضرہ طعم اوریح اولون، وقال حماد لابأس بریش المیتۃ، وقال الزھری فی عظام الموتیٰ نحو الفیل وغیرہ ادرکت ناسامن سلف العلماء یمتشطون بھا و یدھنون فیھا لا یرون بہ باسا، وقال ابن سیرین، وابراھیم لابأس بتجارۃ العاج [1]۔
مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں: جس طرح صحیح بخاری قال الحسن البصری سے بھری پڑی ہے اسی طرح وقال ابراہیم النخعی سے بھی بھری پڑی ہے [2]۔

پس جب رسول اللہ ﷺ بھی صحابہ ؓ، تابعین اور تبع تابعین کے نقش قدم پر چلنے کی وصیت اور تاکید فرما گئے ہیں اور تمام محدثین اور فقہاء ان کے آثار کو حجت گردانتے ہیں تو پھر آج کے دور میں کچھ لوگ اگر یہ دعویٰ کر بیٹھیں کہ ان تینوں جلیل القدر طبقوں کے آثار کی کچھ وقعت نہیں ہے تو یہ دعویٰ صرف اور صرف ''چھوٹا منہ بڑی بات'' کا ہی مصداق ہے، اب وہ آثار ملاحظہ کریں جن میں صحابہ کرام ؓ تابعین اور تبع تابعین کے بیس رکعات پڑھنے کا ذکر ہوگا۔

---

[1] صحیح بخاری (۱/ ۳۷) [2] تاریخ اہل حدیث (ص ۱۲۹)

اثر نمبرا:۔ امام محمد بن نصر مروزی فرماتے ہیں:اخبرنا یحییٰ بن یحییٰ اخبرنا حفص بن غیاث عن الاعمش عن زید بن وھب قال کان عبدالله بن مسعود صلی لنافی شھر رمضان فینصرف وعلیہ لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعة ویوتر بثلاث [1]۔

ترجمہ: حضرت اعمشؒ ،حضرت زید بن وھبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ ہم کو رمضان المبارک میں نماز (تراویح) پڑھاتے تھے اور ہم جب فارغ ہو کر واپس لوٹتے تھے تو ابھی رات باقی ہوتی تھی حضرت اعمش (جن کے بارے میں امام قاسم بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں:هو اعلم الناس بقول عبدالله بن مسعود ﷺ [2] ۔کہ اعمش حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اقوال کو سب لوگوں سے زیادہ جاننے والے ہیں) یہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود ﷺ بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔

اس روایت کے سارے راوی ثقہ ہیں [3]۔ مشہور غیر مقلد ناقد شیخ البانی اس روایت کے بارے

---

[1] قیام اللیل (۹۱) عمدة القاری (۲۴۶/۸) [2] تاریخ بغدادی (۱۱/۹)

[3] اس روایت کے سارے راوی بالاتفاق ثقہ ہیں۔ پہلے راوی امام محمد بن نصر المروزی قیام اللیل کے مصنف ہیں۔ حافظ ابن حجر ان کے بارے میں لکھتے ہیں:الفقیه ثقة حافظ امام جبل ۔ تقریب (۱۴۰/۲)۔ دوسرے راوی یحییٰ بن یحییٰ بن بکیر التمیمی النیسابوری صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کے راوی ہیں۔ حافظ ابن حجر ان کے بارے میں لکھتے ہیں:ثقة ثبت امام ، تقریب (۳۱۸/۲)۔ تیسرے راوی حفص بن غیاث بھی ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام ابن معین ،امام عجلیؒ ،امام ابن نمیر، امام ابوحاتم ،امام نسائی اور امام ابن مہدی وغیرہ نے ان کی زبردست توثیق کی ہے۔ امام یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں: اوثق اصحاب الاعمش حفص بن غیاث ، کہ اعمش کے شاگردوں میں حفص بن غیاث سب سے زیادہ ثقہ ہیں دیکھئے تھذیب التھذیب (۳۱۶/۲) اور ان کی یہ روایت بھی اعمش سے ہے۔ چوتھے راوی حفص بن غیاث نخعی کے استاذ سلیمان بن مہران بھی بالاتفاق ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام شعبہؒ ،امام عجلی ،امام وکیع ،امام یحییٰ بن معین وغیرہ سب محدثین آپ کی تعریف اور توثیق کرتے ہیں۔ دیکھئے تھذیب (۲۲۲/۴)، پانچویں راوی حضرت زید بن وہب حضرات خلفائے راشدین ،حضرت ابن مسعود ﷺ ،حضرت ابوذر غفاری ﷺ ،حضرت حذیفہ ﷺ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ وغیرہ صحابہ کرام ﷺ کے شاگرد اور بالاتفاق ثقہ تابعی ہیں۔ تھذیب (۴۲۷/۳)

میں لکھتے ہیں کہ:اس اثر کی سند اعمش تک صحیح ہے ۱۔البتہ غیر مقلدین کی طرف سے اس روایت پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے۔ کیونکہ حضرت اعمشؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو نہیں پایا،ان کی ولادت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات کے بعد ہوئی۔اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے محدث شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ تحریر فرماتے ہیں: زید بن وہب حضرت ابن مسعودؓ کے اصحاب میں سے ہیں بلکہ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بھی حدیث سنی ہے۔ لھذا یہ روایت متصل ہے مگر چونکہ بیس رکعات کا ذکر باقی حصہ سے الگ کر کے یوں کیا گیا ہے کہ: قال الاعمش الخ اس لیے ہم نے اس روایت کو مرسل روایتوں کے ضمن میں ذکر کیا ہے مگر اس کا مرسل ہونا مضر نہیں۔اس لیے کہ ابن مسعودؓ کے اصحاب خاص (شتیر بن شکل،ابن ابی ملیکہ،سوید بن غفلہ وغیرہم ناقل) کے عمل سے اعمش کے بیان کی زبردست تائید ہوتی ہے اور مرسل اعتضاد کے بعد مقبول ہو جاتا ہے دیکھئے صحیح البخاری میں حدیث آمین کے آخر میں ہے:قال ابن شهاب اکان رسول الله ﷺ يقول آمين ،،یہ ٹکڑا مرسل ہے۔مگر ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے:وهو وان كان مرسلا فقد اعتضد بصنيع ابی هريرهؓ راويه ۔یعنی یہ ٹکڑا اگرچہ مرسل ہے مگر اس کو راوی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کے عمل سے مضبوطی اور تقویت حاصل ہے ۲۔ لھذا یہاں بھی اگرچہ ابن مسعودؓ کی نسبت اعمش کا بیان مرسل ہے مگر اعمش کے بیان کی پرزور تردید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کے اصحاب خاص شتیر بن شکل اور سوید بن غفلہ نیز ان کے اصحاب خاص کے شاگرد ابوالبختری بیس رکعت پڑھتے تھے ۳۔

---

۱ حاشیہ صلوۃ التراویح (ص۱۷) ۲ حافظ ابن حجرؒ کے اس قول سے غیر مقلدین کا یہ شبہ بھی دور ہو گیا کہ اعمش کی مرسل روایت اعتضاد کے بعد بھی مقبول نہیں کیونکہ کہ وہ صغار تابعین میں سے ہیں اور مرسل معتضد صرف کبار تابعین کی حجت ہے،محصلہ انوار المصابیح (ص۲۸۲)اس شبہ کے ازالہ کی تفصیل یہ ہے کہ ابن شہاب زہری جو کبار تابعین میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ طبقہ رابعہ میں سے ہیں(تقریب (۲/۱۳۳)جن کے متعلق مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں: چوتھا طبقہ وہ ہے جو تابعین کے طبقہ وسطی کے قریب ہے۔انوار المصابیح (ص۲۸۰)۔اب جب زہری کبار تابعین میں سے نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود حافظ ابن حجرؒ جو شافعی المسلک ہیں،ان کے نزدیک زہری کی مرسل روایت اعتضاد کے بعد مقبول ہے تو پھر اعمش کی مرسل معتضد روایت کیوں مقبول نہیں؟ ۳ رکعات تراویح (٦٧)

اس روایت پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اعمش مدلس ہے اور مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے اور یہ روایت بھی اعمش نے عن کے ساتھ بیان کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابھی اعتراض نمبر ا کے جواب میں گزرا ہے کہ ہمارا استدال اس روایت کے اس ٹکڑے سے ہے جو اعمش کا اپنا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعود ﷛ بیس رکعات پڑھاتے تھے اور جو انھوں نے اپنے استاد زید بن وھب سے عن کے ساتھ روایت بیان کی ہے وہ ہمارا مستدل ہی نہیں ہے لھذا یہ اعتراض ہی فضول ہے۔

نیز علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں: و کان عامة حديث الاعمش عند حفص بن غياث على الخبر والسماع ا ۔ یعنی امام اعمش کی اکثر روایات جو حفص بن غیاث نے روایت کی ہیں وہ خبر اور سماع پر محمول ہیں۔ اور یہ مذکورہ روایت بھی اعمش سے حفص بن غیاث نے ہی بیان کی ہے۔

اثر نمبر۲: امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں: حدثنا ابن نمير ۲ عن عبدالملك ۳ عن عطاء قال ادركت الناس وهم يصلون ثلاثا وعشرين ركعته بالوتر ۴۔

ترجمہ: حضرت عطاء بن ابی رباحؒ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے (صحابہ کرام ﷛ اور تابعین عظام) کو وتر سمیت تیئیس (۲۳) رکعات تراویح پڑھتے پایا ہے۔

علامہ نیمویؒ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: اس کی سند حسن ہے ۵ ۔

﴿ف﴾ اس اثر کے مرکزی راوی حضرت عطاء بن ابی رباح عظیم فقیہ اور جلیل القدر تابعی ہیں ان کی جن حضرات سے ملاقات ہوئی وہ صحابہ کرام ﷛ اور تابعین عظام تھے۔ چنانچہ مولانا مبارک پوری صاحب نے خود ان کا اپنا بیان نقل کیا ہے۔ حضرت عطاء خود فرماتے ہیں کہ میں نے دوسو اصحاب ﷛ رسول ﷺ کی

ا تاریخ بغداد (۸/۱۹۵) ۲ عبداللہ بن نمیر الھمد انی الکوفی ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ حافظ ابن حجر ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ثقة صاحب حديث من اهل السنة، تقریب (۱/۵۴۲)۔ ۳ عبدالملک بن ابی سلیمان: یہ صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں ان سے معلق روایات لی ہیں۔ امام یحیٰی بن معینؒ، امام احمد، امام نسائی، امام عجلی، امام ابن سعد اور امام ترمذی وغیرہ نے انہیں ثقہ اور حافظ قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ امام ابوزرعہ نے ان کے بارے میں ما باس به اور سفیان ثوری نے ثقہ، متقن اور فقیہ فرمایا ہے۔ دیکھئے تھذیب التھذیب (۶/۳۹۶، ۳۹۷) ۴ مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۵) ۵ آثار السنن (ص ۲۵۳)

زیارت کی ہے [1]۔ آپ کا مرتبہ فقہ میں اتنا بلند تھا کہ حضرت ابن عباس ﷜، حضرت ابن عمر ﷜ اور حضرت ابو جعفر (امام باقرؒ) فرمایا کرتے تھے: اے لوگو! تم ہمارے پاس مسائل پوچھنے آجاتے ہو، حالانکہ تم میں عطاء بن ابی رباح موجود ہیں۔ امام ابن حبان اور حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: عطاء فقہ، علم، تقوٰی، اور فضیلت کے لحاظ سے سب تابعین کے سردار ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے تھے کہ میں جن لوگوں سے ملا ہوں ان میں عطاء بن ابی رباح سے بہتر کسی کو نہیں پایا آپ کی وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی [2]۔

اب اس جلیل القدر تابعی نے اپنی پوری زندگی میں صحابہ ﷜ اور تابعین کو صرف بیس رکعات تراویح اور تین وتر ہی پڑھتے پایا ہے۔

اثر نمبر ۳:۔ ابو یوسف: قال حدثنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراھیم ان الناس کانوا یصلون خمس ترویحات فی رمضان [3]۔

ترجمہ:۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ہم سے حضرت حمادؒ کے واسطہ سے حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت بیان کی ہے لوگ (یعنی صحابہ کرام ﷜ اور تابعین عظام) رمضان المبارک میں پانچ ترویحے (یعنی بیس تراویح) پڑھا کرتے تھے۔

اس اثر کی سند سلسلۃ الذھب یعنی سونے کی ایک لڑی ہے۔ اس سند کے چاروں راوی مشہور ائمہ کرام اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقہاء اور محدثین ہیں، ان میں آخر الذکر تین تو جلیل القدر تابعین ہیں اور چوتھے کبار تبع تابعین میں سے ہیں۔ ان حضرات کی توثیق اور تعدیل بیان کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں کیونکہ ان کی ثقاہت اور عدالت تو چڑھتے سورج سے بھی زیادہ روشن اور ظاہر ہے۔ البتہ بطور تبرک ان چاروں ہستیوں کا مشہور ائمہ رجال سے مختصر مختصر تذکرہ اور توثیق ہدیہ ناظرین ہے۔

﴿۱﴾ امام ابو یوسفؒ: امام ابو حنیفہؒ کے سب سے بڑے شاگرد اور اسلام کے پہلے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے۔ امام ابن کامل فرماتے ہیں کہ امام یحیٰی بن معینؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام علی بن مدینیؒ ان سب کبار ائمہ رجال کا اس پر اتفاق ہے کہ امام ابو یوسف ثقہ ہیں [4]۔ نیز امام ابن معین آپ کو صاحب

---

[1] تحفۃ الاحوذی ( ) [2] مصلہ تھذیب الکمال (۱۳/۴۹، ۵۰) تھذیب التھذیب (۷/۱۸۲) میزان الاعتدال (۳/۷۰)، تحفۃ الاحوذی ( ) [3] کتاب الآثار بروایۃ الامام ابی یوسف (ص ۴۱) [4] تاریخ بغداد (۱۴/۲۴۶)

محدثین اور صاحب سنن لکھتے ہیں۔ امام نسائی اور امام بیہقی آپ کو ثقہ کہتے ہیں ۱۔

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسف حافظ اور کثیر الحدیث تھے ۲۔

امام ابو حاتم، امام ابن حبان، امام ابن عدی، امام محمد بن صباح اور امام مزنی وغیرہ نے بھی آپ کی توثیق کی ہے ۳۔

﴿۲﴾ سراج الامہ امام ابوحنیفہؒ۔ آپ کی جلالت شان، علم، فقاہت، تقویٰ، اور ثقاہت بیان کرنے میں تمام ائمہ محدثین وفقہاء اور مؤرخین رطب اللسان ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ: تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں ۴۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: سبحان اللہ امام ابوحنیفہؒ تو علم، ورع، زہد وتقویٰ اور دار آخرت کو اختیار کرنے میں اس مقام کو حاصل کر چکے ہیں جس کو کوئی نہیں پا سکتا ۵۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ ایسے شخص تھے کہ اگر تم سے اس ستون کے متعلق گفتگو کریں کہ یہ سونے کا ہے تو وہ یقیناً ایک مضبوط دلیل سے ثابت کر دکھائیں گے ۶۔ مشہور محدث امام سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں: میری آنکھ نے ابوحنیفہؒ کی طرح کوئی نہیں دیکھا ہے ۷۔

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے امام ابوحنیفہؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ سے نہ ملایا ہوتا تو میں بدعتی ہوتا ۸۔ امام بخاریؒ کے استاذ الاستاذ امام یزید بن ہارون فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ امام الرجال یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہؒ نہایت عادل اور ثقہ ہیں، ایسے شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس کی ابن المبارک اور وکیع نے توثیق کی ہے ۹۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: ابوحنیفہؒ، امام الاعظم، فقیہ العراق، امام متورع، عالم، عامل اور کبیر الشان تھے ۱۰۔ مشہور غیر مقلد محقق نواب صدیق حسن خان بھی آپ کو امام اعظم کے نام سے یاد کرتے تھے ۱۱۔

---

۱ تذکرۃ الحفاظ (۱/۲۱۴) ۲ تاریخ ابن خلکان (۲/۳۰۳) ۳ لسان المیزان (۶/۳۹۰) ۴ تاریخ بغداد (۱۳/۳۴۶)
۵ مناقب الامام ابی حنیفۃ للذھبیؒ (ص ۲۷) ۶ اکمال فی اسماء الرجال (ص ۲۷) ۷ ایضاً ۸ مناقب الامام للذہبی (ص ۱۸) ۹ ''مناقب للکردی'' (ص ۱۰۱) ۱۰ تذکرۃ الحفاظ (۱/۱۵۸) ۱۱ دیکھئے تقصار جیوو الاجرار (ص ۹۳)

مولانا مبارک پوری صاحب اپنی کتاب تحقیق الکلام اور مولانا صادق سیالکوٹی صاحب صلوۃ الرسول میں جابجا امام صاحب کو امام اعظم کے لقب سے یاد کرتے ہیں ۱۔ مشہور مورخ اور محقق علامہ ابن الندیمؒ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ تابعین میں سے ہیں کیونکہ انہوں نے کئی صحابہ ﷺ سے ملاقات کی ہے ۲۔ علامہ خوارزمیؒ لکھتے ہیں کہ: علماء کا اس پر اتفاق ہے امام صاحبؒ نے صحابہ کرام ﷺ سے روایات نقل کی ہیں لیکن ان کی تعداد میں اختلاف ہے ۳۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ: امام صاحب نے حضرت عبداللہ بن اوفیٰ اور حضرت انس ﷺ سے ملاقات کی ہے ۴۔

علامہ خطیبؒ اور حافظ مزیؒ نے بھی تصریح کی ہے کہ امام صاحب کو حضرت انس ﷺ سے شرف ملاقات حاصل ہے ۵۔ حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ: امام صاحب نے حضرت انس ﷺ سے کئی بار ملاقات کی تھی ۶۔ حافظ عراقیؒ نے بھی آپ کو تابعین میں شمار کیا ہے ۷۔

ان محققین کے علاوہ دیگر محققین مثلاً علامہ ابن حجر مکیؒ، امام عبداللہ بن مبارکؒ، امام ابن جوزی اور امام سیوطی وغیرہ نے بھی امام صاحبؒ کے تابعی ہونے کی تصریح کی ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک اپنی نظم میں امام صاحب کی مدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کفی نعمان فخرا ما رواہ   من الاخبار عن غرر اصحابہ

یعنی امام ابوحنیفہ النعمان کے فخر کیلئے یہی کافی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ ﷺ سے روایات نقل کی ہیں۔ ۸

﴿۳﴾ امام حماد کوفیؒ:۔ امام حماد بن ابی سلیمان امام ابوحنیفہؒ، امام سفیان ثوری اور امام اعمش وغیرہ بڑے بڑے محدثین اور فقہاء کے استاذ اور مشہور فقیہ اور ثقہ تابعی ہیں آپؒ نے حضرت انس ﷺ بن مالک "جو رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص تھے، سے سماعت اور روایت حدیث کی ہے۔ تمام ائمہ رجال اور محدثین آپ کی توثیق اور جلالت شان کے معترف ہیں۔ امام ابو اسحاق شیبانیؒ اور امام معمرؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے

---

۱ مثلاً دیکھئے تحقیق الکلام (۱/۵،۱۱۰)(۸۲/۲) وصلوۃ الرسول (ص ۱۲۰، ۱۹۷، ۴۴۳ وغیرہ) ۲ فہرست (۲۹۸/۱)
۳ تنسیق النظام (ص ۱۰) ۴ ایضاً ۵ تاریخ بغداد (۳۲۵/۱۳) تھذیب الکمال () ۶ تذکرۃ الحفاظ (ص ۱۲۶/۱)
۷ دیکھئے التقیید والایضاح (ص ۳۳۲) ۸ مقدمہ عمدۃ الرعایہ (ص؟)

حماد سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔ امام یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں کہ: حماد مجھے مغیرہ سے بھی (جو بہت بڑے ثقہ امام ہیں۔ ناقل) زیادہ محبوب ہیں، امام الرجال یحییٰ بن معینؒ سے کسی نے پوچھا کہ مغیرہ اور حماد میں کون اثبت ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: حماد: تیز فرمایا کہ حماد ثقہ ہیں۔ امام شعبہ آپ کو صدوق اللسان کہتے ہیں ۱۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ صاحب لکھتے ہیں کہ: حماد بن ابی سلیمان بالاتفاق مقبول ہیں ۲۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں جابجا ان کے آثار کو ذکر فرمایا ہے ۳۔

بقول بعض علماء امام حماد آخر عمر میں عارضہ اختلاط میں مبتلا ہو گئے تھے لیکن وہ اس کے باوجود بھی امام نخعیؒ کی روایتوں میں خطاء نہیں کرتے تھے ۴۔ یہی وجہ ہے کہ امام دارقطنی ان کی ایک روایت جو حماد سے عبدالاعلیٰ بن ابی الشمارور نے روایت کی ہے، کو صحیح حسن کہا ہے ۵۔ حالانکہ عبدالاعلیٰ بھی ان کے آخری تلامذہ میں سے ہیں معلوم ہوا کہ ان کی ابراہیم نخعی سے تمام روایات صحیح ہیں۔

﴿۴﴾ امام ابراہیم نخعیؒ: ۔ مشہور فقیہ، تابعی اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ان کی توثیق، جلالت شان اور فقہی کمالات پر سب کا اتفاق ہے ۶۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: امام نخعیؒ فقیہ العراق، صاحب اخلاص اور بلند مرتبت علماء میں سے تھے۔ اور وہ حدیث کو جاننے میں صرّاف اور نقاد تھے ۷۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ: ابراہیم ذکی (ذہین)، حافظ اور صاحب سنۃ تھے ۸۔ امام محمد بن سعد فرماتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ بچپن میں حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے اور اصحاب رسول ﷺ حضرت زید بن ارقم ؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ اور حضرت انس ؓ بن مالک سے سماعت حدیث بھی کی تھی ۹۔ امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ: انھوں نے اگرچہ کسی صحابی ؓ سے حدیث بیان نہیں کی لیکن صحابہ ؓ کی ایک جماعت سے ملاقات ضرور کی ہے اور حضرت عائشہؓ کی بھی زیارت کی تھی ۱۰۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ: تمام

---

۱ مصلہ تھذیب الکمال (۵/۱۸۸ تا ۱۹۳) ۲ ابکار المنن (ص ۱۹۹) ۳ مثلاً دیکھئے (۱/۳۷) باب مایقع من النجاسات من السمن والماء ۴ دیکھئے تھذیب التھذیب (۳/۱۷) ۵ سنن دارقطنی مع التعلیق المغنی (۲/۱۹۸) ۶ تھذیب الاسماء واللغات (۴/۳۰۱) ۷ تذکرہ الحفاظ (۱/۶۹) ۸ سیر اعلام النبلاء (۵/۴۲۷)
۹ ایضاً (ص ۴۲۹) ۱۰ ایضاً

محدثین نے خواہ انھوں نے ابراہیم نخعی کی صحابہ کرام ﷺ سے سماعت حدیث کا اقرار کیا ہو یا انکار، سب کے سب نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے [1]۔ نیز قاضی محمد شوکانی غیر مقلد اور مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد نے بھی ان کو تابعین میں شمار کیا ہے [2]۔ امام ذہبیؒ نے آپ کو واسع الروایۃ اور امام ابن سعد نے کثیر الحدیث کہا ہے۔ امام عجلیؒ، امام ابوزرعہؒ اور امام نسائیؒ وغیرہ محدثین نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے [3]۔

﴿ف﴾ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ حسن بصریؒ، سعید بن المسیبؒ، ابراہیم نخعیؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ یہ چاروں (تابعین) تمام شہروں کے امام ہیں اور جب یہ چاروں کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں تو پھر میں ان کے علاوہ کسی اور (کے قول) کی طرف توجہ نہیں کرتا اور نہ ان کی مخالفت کرنے والوں کی پرواہ کرتا ہوں [4]۔ بحمد اللہ تراویح کی بیس رکعات ہونے پر بھی یہ چاروں ائمہ کبار متفق ہیں۔ ابراہیم نخعیؒ اور حضرت عطاء بن ابی رباح کے آثار ابھی گزرے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کی روایت بھی ماقبل بیس تراویح عہد خلفائے راشدین میں گزر چکی ہے۔ سعید بن المسیبؒ کی ولادت حضرت عمر ﷺ کے زمانہ خلافت کے دوسرے سال ۱۴ھ میں ہوئی۔ اور حضرت عمر ﷺ اور ان کے بعد حضرت عثمان غنی ﷺ کے دور خلافت میں مدینہ منورہ میں بیس رکعات تراویح پڑھی جاتی رہیں۔

اثر نمبر۴:۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں: حدثنا وکیع [5] عن نافع بن عمرؒ [6] قال کان ابن ابی ملیکۃ یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعۃ [7]۔

ترجمہ:۔ حضرت نافع بن عمرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہؒ ہم کو رمضان المبارک میں بیس رکعات (تراویح) پڑھاتے تھے۔

علامہ نیمویؒ فرماتے ہیں کہ اس اثر کی سند صحیح ہے [8]۔

﴿ف﴾ حضرت عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ بڑے تابعین میں سے ہیں، یہ عبادلہ اربعہ (عبداللہ بن

---

[1] سیر اعلام النبلاء (۵/۴۲۷) [2] نیل الاوطار (۳/۳۲۰، ۳۲۳) التحقیق الراسخ (ص ۱۵۵) [3] سیر الاعلام (۵/۴۲۴)
[4] تھذیب الکمال (۱/۵۰) [5] حضرت وکیع کا ترجمہ روایت نمبر ۱ میں گزر چکا ہے۔ [6] حضرت نافع بن عمر بن عبداللہ الجمحیؒ صحاح ستہ کے راوی ہیں، حافظ ابن حجرؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقۃ ثبت، تقریب (۲/۲۳۸)۔
[7] مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۵) [8] آثار السنن (ص ۲۵۴)

عمر ؓ، عبداللہ بن مسعود ؓ، عبداللہ بن زبیر ؓ، عبداللہ بن عباس ؓ) اور عبداللہ بن جعفر ؓ، حضرت ابو سعید ؓ، حضرت عثمان غنی ؓ، حضرت اسماءؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، اور عبداللہ بن سائب ؓ مخزومی وغیرہ صحابہ کرام ؓ کے شاگرد ہیں۔

امام ابن حبان کتاب الثقات میں فرماتے ہیں کہ: انھوں نے اسی صحابہ کرام ؓ کی زیارت ہے اور یہ خود حضرت عطاء بن ابی رباحؒ، عبدالعزیز بن ابی رفیعؒ اور عمرو بن دینارؒ وغیرہ جلیل القدر تابعین کے استاد ہیں۔ نیز یہ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کے دور خلافت میں مکہ کے قاضی اور بیت اللہ کے مؤذن تھے اور حضرت سائب بن یزید صحابی ؓ کی وفات کے بعد بیت اللہ کے امام مقرر ہوئے۔ تمام ائمہ رجال نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی اور ۱۱۷ھ تک تمام لوگ ان کی اقتداء میں بیس تراویح ہی پڑھتے رہے [1]۔

اثر نمبر ۵:۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: اخبرنا ابو زکریا [2] بن ابی اسحاق، ثنا ابو عبداللہ [3] محمد بن یعقوب، ثنا محمد بن عبدالوہاب [4] ثنا جعفر [5] بن عون، ثنا ابو الخصیب [6] قال کان یؤمنا سوید بن غفلۃ فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعۃ [7]۔

---

[1] ان کے حالات کے لیے دیکھئے تھذیب التھذیب (۵/۳۰۶) [2] ابو زکریا بن ابی اسحاق مزکی علامہ ذہبیؒ ان کو مسند نیشاپور لکھتے ہیں، تذکرۃ الحفاظ (۳/۲۲۵)۔ علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ: وہ ادیب، مؤرخ، کثیر العلوم تھے اور نیشاپور میں علم حدیث کا درس دیتے تھے، تاریخ بغداد (۱۴/۲۳۹) بحوالہ احسن الکلام (۱/۱۲۸)۔ علامہ ابن العماد لکھتے ہیں: شیخ العدالۃ ببلدہ کان صالحاً زاہداً ورعاً صاحب حدیث کابیہ، شذرات الذھب (۳/۲۰۲)۔

[3] ابو عبداللہ نیشاپوری بالاتفاق ثقہ اور مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ حافظ ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: الامام الحافظ الکبیر و کان من أئمۃ ھذا الشان، تذکرۃ الحفاظ (۳/۵۵) [4] محمد بن عبدالوہاب بھی ثقہ اور حافظ الحدیث ہیں۔ دیکھئے تھذیب الکمال (۱۷/۱۵) وغیرہ [5] جعفر بن عون المخزومی: امام ابن معین، امام احمد، امام ابو حاتم، امام ابن حبان، امام ابن شاہین، امام ابن قانع وغیرہ آئمہ رجال نے ان کو ثقہ اور صدوق کہا ہے تھذیب (۲/۱۰۱)۔

[6] ابو الخصیب زیاد بن عبدالرحمن القیسی: امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے تہذیب (۳/۳۷۹)۔ اور مولانا مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ: ابن حبان کی توثیق عند المحدثین معتبر ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف ابن حبان کی توثیق سے بھی جہالت ختم ہو سکتی ہے۔ تحقیق الکلام (۱/۸۲) [7] السنن الکبریٰ للبیہقی (۲/۴۹۶)

ترجمہ: حضرت ابوالخصیب ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام بن سوید غفلہ ؒ ہمیں رمضان المبارک میں بیس تراویح پڑھاتے تھے۔

علامہ نیموی ؒ فرماتے ہیں کہ: اس اثر کی سند حسن ہے ۱ ۔

﴿ف﴾ حضرت سوید غفلہ ؒ کبار تابعین میں سے ہیں، یہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی مسلمان ہو گئے تھے لیکر شرف ملاقات سے محروم رہے جب یہ آپ ﷺ سے ملاقات کیلئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کی وفات ہو چکی تھی اور صحابہ کرام ؓ آپ کو لحد میں اتار چکے تھے اس طرح یہ شرف صحابیت سے محروم رہ گئے۔ بعض محدثین نے ان کو صحابہ ؓ میں شمار کیا ہے، واللہ اعلم۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد انھوں نے خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام ؓ حضرت ابی بن کعب ؓ، حضرت ابوذر غفاری ؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ وغیرہم سے استفادہ کیا اور ان سے روایت حدیث کی تمام مشہور ائمہ رجال نے ان کی توثیق و تعریف کی ہے ۲ ۔ ان کی وفات ۸۱ھ میں کوفہ کے شہر میں ہوئی ۳ ۔ تمام لوگ ۸۱ھ تک حضرت سوید ؒ کی اقتداء میں بیس تراویح پڑھتے رہے۔

اثر نمبر ۶ :۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہ ؒ فرماتے ہیں: ثنا الفضل ۴ بن دکین عن سعید بن عبید ۵ أنّ علی بن ربیعة کان یصلی بھم فی رمضان خمس ترویحات و یوتر بثلاث ۶ ۔

ترجمہ: حضرت سعید بن عبید ؒ سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ربیعہ تابعی لوگوں کو پانچ ترویحات یعنی بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

علامہ نیموی ؒ اس اثر کی سند کو صحیح کہتے ہیں ۷ ۔

﴿ف﴾ حضرت علی بن ربیعہ الاسد الکوفی حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ انھوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ، حضرت سلمان فارسی ؓ، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اور

---

۱ آثار السنن (ص ۲۵۳) ۲ محصلہ تھذیب التھذیب (۲۷۸/۴)، تذکرۃ الحفاظ (۵۲/۱) ۳ تقریب (۳۰۴/۱)
۴ فضل بن دکین کوفی ثقہ ثبت اور صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں نیز یہ امام بخاری کے بڑے شیوخ میں شمار ہوتے ہیں۔ تقریب (۱۱/۲) ۵ سعید بن عبید الطائی الکوفی بھی ثقہ اور بخاری و مسلم وغیرہ کے راوی ہیں، تقریب (۳۶۰/۱)
۶ مصنف ابن ابی شیبہ (۲۸۵/۲) ۷ آثار السنن (ص ۲۵۴)

حضرت مرہ بن جندب رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان سے تربیت حاصل کی۔ امام ابن حبانؒ، امام ابن سعدؒ، امام عجلیؒ، امام ابن نُمیرؒ، امام نسائیؒ اور امام ابن معینؒ وغیرہ محدثین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ یہ کوفہ کے بڑے اور قدیم مشائخ میں سے تھے [1]۔

اثر نمبر ۷:۔ امام ابن ابوبکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں:

حدثنا وكيع عن سفيان [2] عن ابی اسحاق [3] عن عبداللّٰہ بن قيس [4] عن شتير بن شكل انه كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر [5]۔

ترجمہ: عبداللہ بن قیس سے روایت ہے کہ حضرت شتیر بن شکل رمضان المبارک میں بیس رکعات (تراویح) اور (تین) وتر پڑھاتے تھے۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ: اس اثر میں قوۃ ہے [6]۔

﴿ف﴾ حضرت شتیر بن شکل صحابی رسول اللہ حضرت شکل بن حمید العبسی الکوفیؒ کے صاحبزادے ہیں۔ انھوں نے اپنے والد حضرت شکل رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام حبیبہؓ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے اور یہ کوفہ میں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خصوصی شاگرد اور ان کے تربیت یافتہ تھے۔ انھوں نے زمانہ جاہلیت بھی پایا تھا اور یہ ثقہ تابعی ہیں، بعض حضرات (امام ابوموسیٰ وغیرہ) نے ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار کیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ ان کی وفات حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوئی [7]۔

---

[1] ان کے حالات کیلئے دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۴/۲۸۹)، تھذیب التھذیب (۷/۳۲۰) وغیرہ [2] حضرت امام سفیان ثوریؒ بالاتفاق ثقہ امام ہیں۔ حافظ ابن حجر ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقۃ حافظ، فقیہ، عابد امام حجۃ۔ تقریب (۱/۳۷۱) [3] ابو اسحاق سلیمان بن ابی سلیمان الشیبانی ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں، تقریب (۱/۳۸۶)۔ امام ابوحاتم، امام نسائی، امام ابن معین اور امام عجلیؒ وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ: یہ تمام محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، تھذیب (۴/۱۹۷)۔ [4] یہ ثقہ اور کبار تابعین میں سے ہیں۔ دیکھئے تھذیب التھذیب (۳/۲۳۵) [5] مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۵) [6] السنن الکبری (۲/۴۹۶) [7] دیکھئے تھذیب التھذیب (۴/۱۱۱)

اثر نمبر ۸: امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں: حدثنا ابومعاویة [1] عن حجاج [2] عن ابی اسحاق [3] عن الحارث انه کان یؤم الناس فی رمضان باللیل بعشرین رکعة ویوتر بثلاث ویقنت قبل الرکوع [4]۔

ترجمہ: حضرت ابواسحٰق سے مروی ہے کہ حضرت حارث اعورؒ رمضان المبارک میں رات کو لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) اور تین وتر پڑھاتے تھے اور دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

﴿ف﴾ حارث بن عبداللہ الھمدانی الاعور حضرت علی المرتضیٰ کے شاگردوں میں سے اور کبار علمائے تابعین میں سے ہیں۔ گو یہ روایت حدیث میں متکلم فیہ ہے۔ علامہ شوکانی ان کے بارے میں امام ابوبکر بن ابی داؤد سے نقل کرتے ہیں: کان افقه الناس وافرض الناس واحسب الناس تعلم الفرائض من علی ﷺ یعنی یہ لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ، سب سے بڑے علم الفرائض کے ماہر اور سب سے بڑے حساب جاننے والے تھے، انھوں نے علم الفرائض حضرت علیؓ سے حاصل کیا تھا۔ نیز شوکانی صاحب حافظ ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: وکان من اوعیة العلم [5]۔ یعنی حارث اعور علم کے جامع تھے۔ مولانا نذیر احمد رحمانی صاحب لکھتے ہیں: حدیث فقہ، تفسیر وغیرہ بہت سے علوم کے اعتبار سے ان کا شمار بڑے علماء میں ہے [6]۔

---

[1] ابومعاویہ محمد بن حازم ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں، تقریب (۲/۷۰)۔

[2] حجاج بن ارطاۃ مختلف فیہ راوی ہیں، نیل الاوطار (۳/۳۲۵)۔ مولانا محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں کہ جب راوی مختلف فیہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوتی ہے، خیر الکلام (ص ۲۳۸)۔ البتہ حجاج مدلس ہیں لیکن پہلے گزر چکا ہے کہ تدلیس متابعت سے مرتفع ہو جاتی ہے اور چونکہ حارث کی مذکورہ روایت حضرت علی ﷺ کے دیگر شاگردوں کی روایت سے متعضد ہے۔ لھذا یہاں حجاج کی تدلیس قادح نہیں ہے۔ [3] ابواسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی بالاتفاق ثقہ راوی ہیں۔ ان کے تفصیلی حالات کیلئے دیکھئے۔ تھذیب التھذیب (۸/۶۳، ۶۴)، میزان الاعتدال ( ) [4] مصنف ابن ابی شیبہ (۲۸۵)

[5] نیل الاوطار (۳/۳۲۵) [6] انوار المصابیح (ص ۲۰۶)

اثر نمبر ۹: امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں: حدثنا غندر ۱؎ عن شعبة ۲؎ عن خلف ۳؎ عن الربیع ۴؎ واثنیٰ علیه خیراً عن ابی البختری انه کان یصلی خمس ترویحات فی رمضان ویوتر بثلاث ۵؎ ۔

ترجمہ: حضرت ربیعؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوالبختریؒ رمضان المبارک میں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات (تراویح) اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

﴿ف﴾ حضرت سعید بن فیروز ابوالبختریؒ حضرت بن عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوسعید الخدریؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ کے شاگرد ہیں۔ اسی طرح یہ حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی اور حارث اعور وغیرہ (اصحاب حضرت علیؓ) تابعین کے بھی شاگرد اور تربیت یافتہ تھے۔ امام ابن معین، امام ابوزرعہ، امام ابوحاتم اور ابن حبان وغیرہ نے ان کو ثقہ اور صدوق قرار دیا ہے۔ امام حبیب بن ابی ثابت فرماتے ہیں کہ ابوالبختری ہم سب سے بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ حلال بن خبابؒ فرماتے ہیں کہ یہ کوفہ کے فضلاء میں سے تھے۔ آپ کی وفات ۸۳ھ میں ہوئی ۶؎ ۔

۱؎ محمد بن جعفر العزلی المعروف بغندر: یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام ابوحاتم، امام ابن حبان، امام مستملی اور امام عجلی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ غندر امام شعبہ کی احادیث میں ان کے تمام شاگردوں میں سب سے زیادہ ثقہ اور محبوب ہیں۔ دیکھئے تھذیب التھذیب (۹۶/۹)۔ اور یہ روایت بھی ان کی امام شعبہؒ سے ہے۔ ۲؎ امام شعبہ بن حجاج بالاتفاق ثقہ امام ہیں۔ امام سفیان ثوری ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ حدیث کے فن میں امیر المؤمنین ہیں اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے احادیث کے راویوں کی تحقیق کی اور سنت کی حفاظت کی، تقریب (۴۱۸/۱)۔ ۳؎ خلف بن حوشب الکوفی العابد: امام شعبہ کے استاذ اور نہایت ثقہ راوی ہیں، امام سفیان بن عیینہ، امام نسائی، امام ابن حبان اور امام عجلیؒ وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے تھذیب (۱۴۹/۳)۔ اور یہ روایت ان سے امام شعبہ نے روایت کی ہے اور حدیث نمبر ا کے ذیل میں متعدد علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ امام شعبہ صرف ثقہ راوی سے ہی روایت لیتے ہیں اور وہی حدیث بیان کرتے ہیں جو صحیح ہوتی ہے۔ ۴؎ ربیع بن لوط انصاری کوفی حضرت براء بن عازبؓ کی اولاد میں سے ہیں اور ثقہ راوی ہیں، تقریب (۲۹۵/۱)۔ ۵؎ مصنف ابن ابی شیبہ (۲۸۵/۲) ۶؎ دیکھئے تھذیب التھذیب (۷۲/۴)

اثر نمبر ۱۰:۔امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

واکثراھل العلم علیٰ ماروِی عن علی ﷺ وعمر ﷺ وغیرھما من اصحاب النبی ﷺ عشرین رکعۃ وھو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ [۱]۔

ترجمہ: اکثر اہل علم بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں جیسا کہ حضرت علی ﷺ، حضرت عمر ﷺ اور دیگر صحابہ کرام ﷺ سے مروی ہے اور یہی امام سفیان ثوری، امام عبداللہ بن مبارک اور امام شافعیؒ کا قول ہے۔اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے ہی پایا ہے۔

﴿ف﴾ امام ترمذیؒ کے اس فرمان سے معلوم ہوگیا کہ صحابہ کرام ﷺ کی طرح حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور امام شافعیؒ تینوں جلیل القدر ائمہ کرام بھی بیس تراویح کے ہی قائل تھے اور یہ تینوں حضرات اتباع تابعین کے سرداروں میں سے ہیں۔اول الذکر امام سفیان ثوری اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدث، فقیہ اور زاہد تھے یہ وہ ابو اسحاق شیبانی، اعمش، منصور، مغیرہ اور حماد بن ابی سلیمان کوفی وغیرہ جلیل القدر تابعین کے شاگرد اور امام شعبہ، امام مالک، امام اوزاعی، عبداللہ بن مبارک اور عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ کبار محدثین کے استاذ ہیں۔ان کی ثقاہت وعدالت اور جلالت شان پر تمام ائمہ محدثین کا اتفاق ہے [۲]۔ثانی الذکر امام عبداللہ بن مبارک حدیث، فقہ، شجاعت، زہد وعبادت، ورع اور فصاحت وغیرہ ہر خصلت میں کامل اور اکمل تھے۔امام اسماعیل بن عیاشؒ فرماتے ہیں کہ اس روئے زمین پر ابن المبارک کے مثل کوئی شخص نہیں ہے اور میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی ایسی اچھی خصلت پیدا کی ہو جو اللہ نے ان میں نہ رکھی ہو یہ جلیل القدر امام متعدد تابعین مثلاً امام ابوحنیفہ، حضرت اعمش اور یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ کے شاگرد اور امام شعبہ، ابن مہدی اور فضیل بن عیاضؒ وغیرہ محدثین کے استاذ ہیں [۳]۔ثالث الذکر امام محمد ادریس شافعیؒ ائمہ اربعہ میں سے ایک جلیل القدر امام اور دوسری صدی ہجری

---

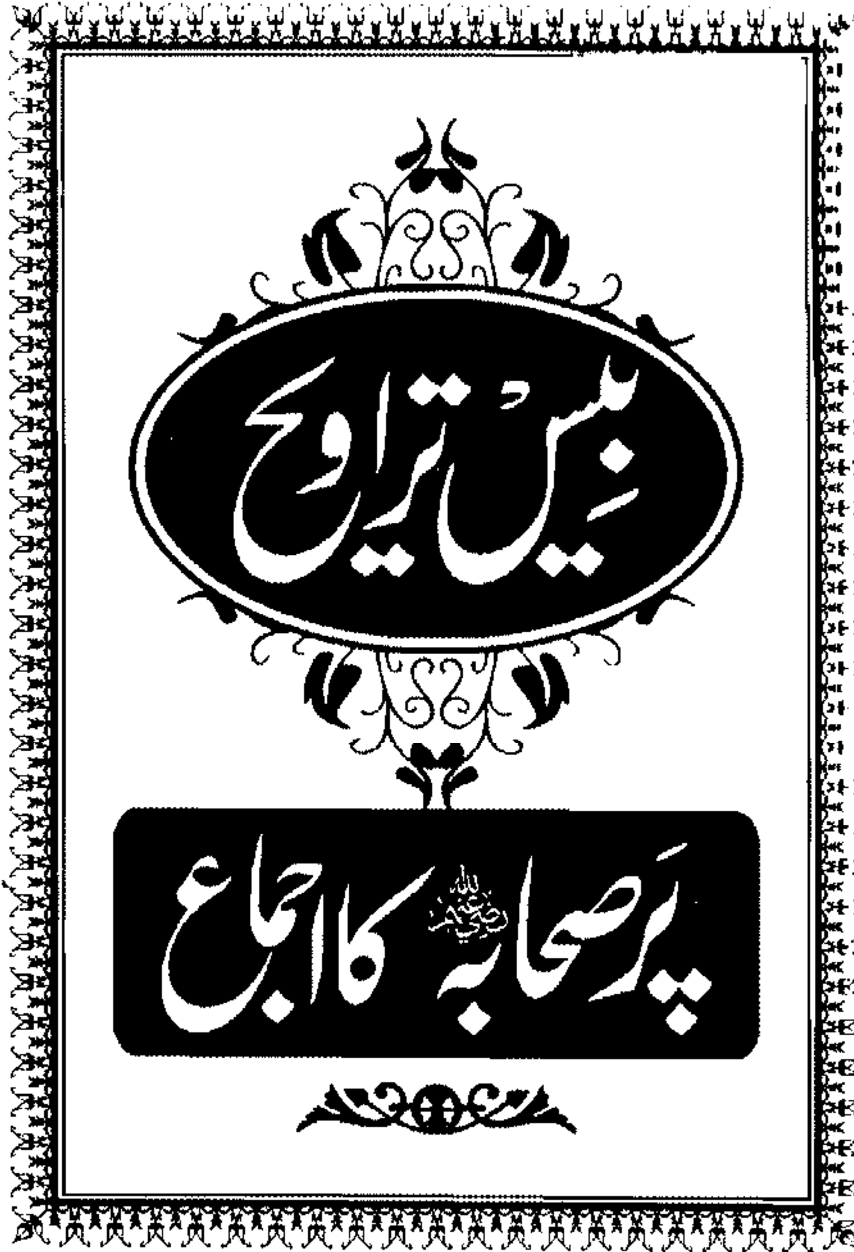
[۱] جامع الترمذی (۱/۱۹۱) [۲] دیکھئے تھذیب التھذیب (۴/۱۱۴)

[۳] ان کے حالات کیلئے دیکھئے تھذیب التھذیب (۵/۳۸۲) وغیرہ

کے مجدد تھے۔ وہ امام مالک، امام محمد (صاحب امام ابی حنیفہ)، سفیان بن عیینہ وغیرہ کے شاگرد اور امام احمد بن حنبلؒ امام عبداللہ بن الزبیر الحمیدی اور ابراہیم بن منذر الحزامی کے استاذ تھے۔ یہ جلیل القدر امام خود بھی بیس تراویح ہی کو پسند کرتے اور اس وقت کے مکہ مکرمہ کے تمام تابعین اور اتباع تابعین سے بھی بیس رکعات تراویح ہی نقل کرتے ہیں۔

قارئین! یہ آثار ان طبقوں کے ذکر کئے گئے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے خیر القرون اور خیر الناس کے القاب سے نوازا ہے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید فرمائی ہے اور ان میں سے کوئی بھی ہستی بیس تراویح سے کم کی قائل نہیں تھی اور خیر القرون کا زمانہ ۲۲۰ھ تک رہا ہے۔ گویا ۲۲۰ھ تک تمام لوگ کم از کم بیس تراویح کے قائل و فاعل تھے۔




بیس تراویح
پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع

اجماع صحابہ ﷺ حجت ہے:

قرآن وسنت کے بعد اجماع بالخصوص اجماع صحابہ ﷺ ایک مستقل اور ٹھوس دلیل ہے۔ اس کی حجیت پر تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے اور ان میں کوئی فرد ایسا نہیں جو اجماع صحابہ ﷺ کا منکر ہو۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تحریر فرماتے ہیں: ان اهل السنة والجماعة متفقون على ان اجماع الصحابة حجة ۱۔

بے شک تمام اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ اجماع صحابہ ﷺ حجت ہے۔

امام ابو جعفر طحاویؒ فرماتے ہیں: لما كان فعل اصحابُ رسول الله ﷺ جميعاً فعلا يجبُ به الحجة كان كذلك اجماعهم على القول اجماعاً يجبُ به الحجة ۲۔ جب رسول ﷺ کے تمام صحابہ کرام ﷺ کسی ایک امر پر متفق ہو جائیں تو وہ لازماً حجت ہے اسی طرح ان کا کسی قول پر اجماع بھی لازماً حجت ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ خلفائے راشدین ﷺ اور دیگر صحابہ کرام ﷺ کے ذکر شدہ آثار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سب صحابہ کرام ﷺ بیس تراویح پر عمل پیرا رہے اور کسی صحابی ﷺ سے بیس رکعات کے علاوہ اور کوئی عدد تراویح منقول نہیں جو کہ بیس تراویح پر صحابہ ﷺ کے اجماع ہونے کی دلیل ہے۔ اب علمائے امت میں سے چند کبار اور مسلمہ شخصیات کے حوالے ذکر کیے جاتے ہیں جنھوں نے اس بات کی صاف تصریح کی ہے کہ بیس تراویح پر جمیع اصحاب ﷺ رسول ﷺ کا اجماع واتفاق رہا ہے اور کوئی صحابی بھی اس کے خلاف نہیں گیا۔ چنانچہ

(۱) علامہ ابن حجر مکیؒ شافعیؒ شارح مشکوۃ فرماتے ہیں: ولكن اجمعت الصحابة ﷺ على ان التراويح عشرون ركعة ۳۔ صحابہ کرام ﷺ نے اس پر اجماع کیا ہے کہ تراویح بیس رکعات ہیں۔

(۲) محدث ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں: لكان ما فعلهٗ عمر ﷺ واجمع الصحابة فى عصره اولىٰ بالاتباع ۴۔ جو طریقہ بیس تراویح کا حضرت عمر ﷺ نے رائج کیا اور صحابہ کرام ﷺ نے ان کے

---

۱ فتح الباری (۲۶۶/۱۳) ۲ شرح معانی الآثار (۲۹/۲) ۳ (مرقاۃ المفاتیح (۱۹۴/۳) عن رقاۃ المصابیح (ص ۱۸) ۴ مغنی (۸۰۲/۱)

زمانہ میں اس پر اجماع کیا ہے وہ اتباع کے زیادہ لائق ہے۔

(۳) شارح بخاری علامہ قسطلانیؒ لکھتے ہیں: وقد عدّوا ما وقع فی زمن عمر رضی اللہ عنہ کالاجماع [۱]۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو معمول (بیس تراویح کا) جاری ہوا اسے علماء نے بمنزلہ اجماع کے شمار کیا ہے۔

(۴) مشہور محقق علامہ شیخ منصور بن یونس بہوتی حنبلیؒ لکھتے ہیں: وھذا فی مظنة الشھرة بحضرة الصحابة رضی اللہ عنہم فکان اجماعاً [۲]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں بیس تراویح کا حکم دینا عام شہرت کے موقع پر تھا اسلئے یہ بیس تراویح پر اجماع ہوا۔

(۵) علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ فرماتے ہیں: وھو الصحیح عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ من غیر خلاف من الصحابة [۳]۔ بیس تراویح ہی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر ثابت ہے اور کوئی صحابی اس کے خلاف نہیں ہے۔

(۶) امام تقی الدین ابوبکر الحصنیؒ فرماتے ہیں: فجمعھم علی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ و واظب لھم عشرین رکعة واجمع الصحابة معه علی ذالك [۴]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع فرمایا اور بیس تراویح ان کیلئے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مقرر فرمائیں اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیس تراویح پر اجماع اور اتفاق کرلیا۔

(۷) فقیہ کبیر علامہ علاء الدین کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں: ان عمر رضی اللہ عنہ جمع اصحاب رسول اللہ ﷺ فی شھر رمضان علی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فصلی بھم کل لیلة عشرین رکعة ولم ینکر علیه احد فیکون اجماعًا منھم علی ذلك [۵]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رمضان المبارک میں حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کیا تو انھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہر رات بیس تراویح پڑھائیں اور اس پر کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے انکار نہیں کیا تو یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیس تراویح پر اجماع ہوگیا۔

---

[۱] ارشاد الساری (۳/۴۲۶) [۲] کشف القناع عن متن الاقناع (۱/۳۹۲) [۳] عمدة القاری (۸/۲۴۶) [۴] کتاب الاخیار (۱/۱۷۲) [۵] بدائع الصنائع (۱/۲۸۸)

(۸) [illegible] قطب الدین محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں: اجماع ہوا صحابہ ﷺ کا اس

[illegible]

(۹) [illegible] اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں فانہ قد ثبت

[illegible] ﷺ [illegible] رکعة ویوتر بثلاث فرأى كثير من

[illegible] لانه قام بين المهاجرين والانصار ولم ينكره منكر ۲۔

[illegible] ثابت شدہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب ﷺ لوگوں کو رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح اور

تین وتر پڑھاتے تھے۔ اس لئے اکثر علماء کے نزدیک یہی سنت ہے کیونکہ انھوں نے یہ کام مہاجرین اور

انصار صحابہ ﷺ کے سامنے کیا اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

(۱۰) مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان صاحب بھی اس بات کو بلاٹوک ونکیر تسلیم کرتے ہیں

لـ وقدعدّوا ماوقع فی عهد عمر ﷺ کالاجماع ۳۔

یہ طریقہ بیس تراویح کا حضرت عمر ﷺ کے دورِ خلافت میں رائج ہوا، اس کو علماء نے اجماع کی طرح شمار کیا

ہے۔ یاد رہے کہ نواب صاحب کو غیر مقلدین چودھویں صدی کا مجدد کہتے ہیں۔ اب غیر مقلدین کو اپنے

مجدد کا فیصلہ کھلے دل سے تسلیم کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی ان کو توفیق عطا فرمائیں آمین۔

تلك عشرة كاملة ۔



---

۱ مظاہر حق قدیم (۱/۲۳۶) ۲ الفتاویٰ الکبریٰ (۱/۲۲۷) طبع بیروت ۳ عون الباری شرح بخاری (۴/۳۰۷)



بیس تراویح
پر
اُمت کا تواتر و توارث

تواتر وتوارث کی اہمیت:

جس کام کو پوری امت یا امت کی اکثریت مسلسل اور لگاتا سرانجام دیتی رہے، اس کو تواتر اور توارث کہتے ہیں۔امت مرحومہ کا کسی عمل پر تواتر اور توارث بھی اجماع کی طرح ایک ٹھوس دلیل اور حجت قاطعہ ہے۔اس کی وجہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ: قرآن کریم میں یہ ارشاد باری ہے: وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ [1] ۔یعنی جو میری طرف رجوع کرتا ہے میں اس کے راستے کی تابعداری کرو۔

چونکہ امت مسلمہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف انابت اور رجوع کرتی ہے اس لیئے اس کی اتباع بھی واجب ہے [2] ۔اس طرح غیر مقلدین کے عظیم محقق اور نواب صدیق حسن خان صاحب کے صاجزادے نواب میر علی اصغر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ: امت مرحومہ خطاء سے معصوم ہے۔جس چیز کو امت صحیح کہے گی اور اس پر عمل پیرا ہوگی تو ضروری ہے کہ نفس الامر میں بھی وہ چیز صحیح اور حق ہی ہو [3] ۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ گذشتہ تین ابواب سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خیر القرون یعنی عہد فاروقی (۱۴ھ) سے لیکر تبع تابعین کے دور یعنی تیسری صدی ہجری کے وسط تک تمام امت مسلمہ لم ازلم بیس تراویح پر ہی عمل پیرا رہی۔اب ہم نے اس باب میں یہ جائزہ لینا ہے کہ خیر القرون کے بعد کے زمانہ (چوتھی صدی ہجری) سے لے کر تیرھوی صدی کے آخیر (۱۲۸۴ھ) تک یعنی رکعات تراویح میں اختلاف پیدا ہونے سے پہلے پہلے امت مسلمہ کا عمل کیا رہا ہے اور تمام عالم کے مسلمان کتنی رکعات تراویح پڑھتے رہے ہیں؟ ہم اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے چوتھی صدی ہجری سے تیرھویں صدی تک کے چیدہ چیدہ اور جید علمائے محدثین وفقہاء کے آراء اس بارہ میں ذکر کرتے ہیں جن سے ثابت ہو جائے گا کہ اس اختلاف سے پہلے تمام عالم اسلام کا مجموعی عمل بیس تراویح پر ہی رہا ہے چنانچہ۔

(۱) چوتھی اور پانچویں صدی کے عظیم محقق، محدث اور فقیہ علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ (و۳۶۸ھ/ف۴۶۳ھ)

---

[1] (سورۃ لقمان آیت نمبر ۱۵) [2] معارج الوصول (ص ۱۳) [3] حاشیہ دلیل الطالب (۸۸۲) بحوالہ عمدۃ الاثاث (۴۳) از مولانا سرفراز صفدر صاحب دامت برکاتہم

فرماتے ہیں:وقداستقرالعمل علیٰ ھذا [1]۔
بے شک امت مسلمہ کا عمل بیس تراویح پر ہی مستقر اور ہمیشہ ہمیشہ ہوگیا۔

(۲) ساتویں صدی کے مشہور محدث اور فقیہ، شارح مسلم امام یحییٰ بن شرف نووی (و ۶۳۱ھ ف ۶۷۶ھ) اپنی کتاب خلاصہ میں فرماتے ہیں:ثم استقرالامر علی العشرین فانہٗ ھوالمتوارث۔ [2]
پھر بیس تراویح پر ہی معاملہ مستقر اور پختہ ہوگیا پس یہی امت کا متوارث اور مسلسل عمل ہے۔

(۳) آٹھویں اور نویں صدی کے شیخ الاسلام، حافظ الدنیا شیخ ابن حجر عسقلانیؒ (۷۷۳ھ۔ف ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:ولعلھم فی وقت اجازواتطویل القیام علی عدد الرکعات فجعلوھا عشرین رکعۃ وقداستقرالعمل علیٰ ھذا [3]۔شاید صحابہ کرام ﷺ نے قیام کی طوالت کو مختصر کر کے اور رکعتیں بڑھا کر بیس کر دیں اور پھر بیس پر ہی معاملہ ہمیشہ کیلئے محکم واستوار ہوگیا۔

(۴) دسویں صدی کے مشہور صوفی بزرگ، قطب العارفین، کثیر التصانیف علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ (و ۸۸۹ھ۔ف ۹۷۳ھ) فرماتے ہیں:وقد استقر العمل علیٰ ذالک فی الامصار [4]۔
اور اہل اسلام کا تمام شہروں میں بیس رکعات پر ہی ہمیشہ کیلئے عمل قرار پایا۔

(۵) دسویں صدی کے ہی عظیم فقیہ علامہ زین العابدین بن نجیم مصری (ف ۹۷۰ھ) رقمطراز ہیں:وعلیہ عمل الناس شرقاًو غرباً [5]۔اور بیس رکعات تراویح پر ہی مشرق ومغرب کے تمام مسلمانوں کا عمل ہے۔

(۶) برصغیر کے بہت بڑے عالم اور گیارھویں صدی کے مشہور محدث شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (ف ۱۰۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:والذی استقرعلیہ الامر واشتھرمن الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم ھوالعشرون [6]۔جس قول پر عمل ہمیشہ کیلئے رہا اور صحابہ کرام ﷺ اور تابعین عظام اور ان کے بعد آنے والے لوگوں میں جو بات مشہور ہو چکی ہے وہ بیس رکعات تراویح ہی ہے۔

(۷) بارھویں صدی کے مالکی فقیہ اور عظیم محقق علامہ الشیخ الدردیر المالکی (ف ۱۲۰۱ھ) لکھتے ہیں:لکن

---

[1] ھدایۃ السائل للنواب صدیق حسن (ص ۱۳۸) [2] فتح القدیر (۱/۳۳۴) [3] المصابیح (ص ۱۶) [4] کشف الغمۃ (۱/۱۴۷) [5] البحر الرائق (۲/۶۶) [6] ماثبت بالسنۃ مترجم (ص ۳۶۴)

الذی جری علیه العمل سلفاً وخلفاً هوالاول[1] ۔
لیکن جس عدد تراویح پر سلف اور خلف کا عمل ہمیشہ جاری رہا وہ پہلا (یعنی بیس رکعات کا) قول ہے۔

(۸) خاتم المحققین، تیرھوی صدی کے عظیم فقیہ اور مصنف علامہ ابن عابدین شامیؒ (ف ۱۲۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں: وعلیه عمل الناس شرقاً وغرباً[2] ۔ بیس رکعات تراویح پر تمام مشرق اور مغرب کے مسلمانوں کا عمل ہے۔

(۹) غیر مقلدین کے عظیم عالم اور ان کے شیخ الکل کے شاگرد مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ بھی اس حقیقت کو کھلے دل سے تسلیم کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: حضرات صحابہ کرام ؓ، ائمہ اربعہ اور مسلمانوں کی عظیم جماعت کا عمل یہ ہے کہ وہ حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک مشرق و مغرب میں تیئس (۲۰ تراویح اور تین وتر) ہی پڑھتے ہیں[3] ۔

(۱۰) ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں جب انگریزی دور حکومت میں سب سے پہلے کسی غیر مقلد مولوی صاحب نے ہندوستان کے شہر اکبرآباد میں یہ فتوی دیا کہ تراویح آٹھ رکعات ہیں تو اسی سال مطبع لطافت آگرہ سے ایک رسالہ بنام استفتاء التراویح طبع ہوا جس میں اس علاقے کے تقریباً اٹھارہ علمائے کرام کے پرزور فتوے طبع ہوئے اور عوام الناس کو اس فتوے سے آگاہ کیا گیا۔ چنانچہ حضرت مولانا فیض احمد صاحبؒ اسی رسالہ میں تحریر کرتے ہیں: اور اسی طرح بہت سی کتابوں فقہ میں بیس رکعات تراویح سنت ہونے کا حکم صراحۃً مذکور ہے اور اجماع اہل الاسلام شرقاً وغرباً اور حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً جاری و رائج ہیں۔ کسی شخص نے اہل اسلام سے اس امر میں آج تک خلاف نہیں کیا اور مخالف اس کا مبتدع ہے[4] ۔

تلك عشرة كاملة



---

[1] شرح کبیر مع حاشیۃ الدسوقی (۱/۳۱۵) [2] رد المحتار (۲/۴۵) [3] رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص ۲۸) [4] رسالہ استفتاء تراویح (ص ۲۲، ۲۳) بحوالہ ترجمہ ینابیع (ص ۹)

قارئین کرام: درج بالا بیانات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ خیر القرون سے لے کر غیر مقلدین کے آٹھ تراویح کے فتوے ۱۲۸۴ھ تک تمام امت مسلمہ کا بیس تراویح پر ہی تعامل اور توارث رہا اور تیرہ سو سال میں کوئی بھی مسلمان بیس تراویح سے کم کا قائل نہیں تھا۔ البتہ شروع میں کچھ حضرات بیس تراویح سے زائد رکعات بھی بطور نوافل کے پڑھتے رہے لیکن ان میں سے کوئی بھی بیس رکعت سے کم کا قائل نہیں تھا اور بیس سے زائد جو رکعات پڑھی جاتی رہی اس پر بھی عمل کچھ عرصہ ہی رہا اور پھر پوری امت مسلمہ کا بیس رکعات پر ہی نسلا بعد النسل عمل رہا، جیسا کہ درج بالا علمائے محدثین وفقہاء کے بیانات سے واضح ہے اور آج بھی بحمد اللہ پورے عالم اسلام (سوائے شرذمہ قلیلہ کے) اور اسلام کے دونوں مرکزوں حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا میں بیس تراویح ہی پڑھی جاتی ہیں۔

اعتراض: غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ یہ دعوی کرنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیس تراویح پر اجماع ہوگیا اور اس کے بعد سے پوری امت کا بیس تراویح پر ہی عمل قرار پایا، یہ دعوی غلط ہے۔ کیونکہ تراویح کے مسئلہ میں بڑا اختلاف ہے۔ علامہ عینی حنفی نے بیس کے علاوہ تقریبا دس اختلافی اقوال رکعات تراویح کی بابت ذکر کئے ہیں۔ چنانچہ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: علماء کا قیام رمضان کے مستحب عدد میں بہت سے اقوال پر اختلاف ہے بعض اکتالیس رکعات کے قائل ہیں، بعض انچاس، بعض اڑتیس، بعض چھتیس، بعض چونتیس، بعض اٹھائیس، بعض چوبیس، بعض تئیس، بعض سولہ، بعض تیرہ اور بعض گیارہ رکعات کے قائل ہیں۔ اور اسی کو امام مالک نے اپنے لئے اختیار کیا اور ابوبکر بن العربی کا بھی یہی مؤقف ہے [1]۔ اسی طرح امام سیوطی نے بھی اپنے اصحاب میں سے جوری کے حوالہ سے امام مالک کا مذہب گیارہ رکعات نقل کیا ہے۔ بعض علماء مثلاً امام احمدؒ اور امام تیمیہؒ تو سرے سے کسی حد کے قائل ہی نہیں۔ لھذا بیس رکعات پر اجماع کا دعوی باطل ہے۔ [2]

---

[1] تحفۃ الاحوذی (۲/۷۶)، صلوٰۃ التراویح (ص ۱۳) شائع کردہ اصحاب اہل حدیث اٹک شہر، تعداد تراویح (ص ۳۵، ۳۶) بحوالہ عمدۃ القاری [2] تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۷۶) شائع کردہ جماعت اہل حدیث حضرو ضلع اٹک، انارۃ المصابیح (ص ۱۸) وغیرہ۔

جواب:۔ غیر مقلدین کا یہ اعتراض بالکل مردود اور باطل ہے۔

اولاً ۔ ہم نے ماقبل سطور میں تیرہ سو سال کے بڑے بڑے علمائے محدثین اور فقہاء (جن کی عدالت، ثقاہت اور جلالت شان خود غیر مقلدین کے ہاں بھی مسلم ہے) کے حوالے پیش کیے ہیں جنہوں نے تصریح کی ہے کہ بیس تراویح پر تمام صحابہ کرام ﷺ کا اجماع رہا ہے اور پوری امت مسلمہ بھی بیس تراویح پر ہی عمل پیرا رہی اور غیر مقلدین کے خود اپنے اکابر میں سے نواب صدیق حسن خان اور مولانا میاں غلام رسول صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے (جیسا کہ ان کے حوالے گزر چکے ہیں) اور علامہ عینیؒ جن کے ذکر کردہ اختلافی اقوال کی بناء پر غیر مقلدین نے یہ اعتراض کیا ہے، وہ خود بھی اس اجماع کو تسلیم کرتے ہیں [1]۔ کیا ان سب ثقہ شخصیات کا یہ دعوی کرنا باطل ہے: اس کے بالمقابل ہمارا غیر مقلدین کو چیلنج ہے کہ وہ ہندوستان میں انگریز منحوس کے آنے سے پہلے تیرہ سو سال کے محدثین اور فقہاء میں سے کسی ایک ثقہ شخصیت کا حوالہ پیش کر دیں جس نے یہ کہا ہو کہ: صحابہ کرام ﷺ کا بیس تراویح پر اجماع منعقد نہیں ہوا اور نہ ہی صحابہ ﷺ کے بعد امت کا عمل بیس رکعات پر قرار پایا۔ اگر یہ حوالہ غیر مقلدین پیش کر دیں تو ہم بھی اپنا دعوی اجماع واپس لے لیں گے دیدہ باید۔ لیکن

نہ تلوار اٹھے گی نہ خنجر ان کے   یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ثانیاً:۔ غیر مقلدین کا یہ اعتراض دو شقوں پر مشتمل ہے۔ (۱) صحابہ کرام ﷺ کا عہد عمر ﷺ میں بیس تراویح پر اجماع منعقد نہیں ہوا۔ (۲) صحابہ ﷺ کے بعد امت کا مجموعی عمل بیس تراویح پر قرار نہیں پایا۔ لیکن اس اعتراض کے لئے دلیل یہ پیش کی کہ علامہ عینیؒ نے بیس تراویح کے علاوہ بہت سے اختلافی اقوال ذکر کئے ہیں حالانکہ علامہ عینیؒ نے جتنے بھی اقوال ذکر کئے ہیں، وہ ان لوگوں کے ہیں جو صحابہ کرام ﷺ کے بعد کے ہیں اور خود غیر مقلدین کو بھی اس کا اقرار ہے چنانچہ مولانا نذیر احمد رحمانیؒ صاحب لکھتے ہیں: عینیؒ نے جو اقوال نقل کئے ہیں ان میں اکثر تو بے شک وہی ہیں جو عہد فاروقی کے بعد کے ہیں [2]۔ (۲)

---

[1] دیکھئے البنایہ شرح ہدایہ (۱/۱۶۷) [2] انوار المصابیح (ص ۳۵۶) (۲)۔ البتہ رحمانی صاحب نے اس پر یہ اعتراض کر دیا کہ بعض آثار ایسے بھی ہیں جن کو علامہ عینیؒ نے ذکر نہیں کیا بلکہ وہ آثار مولانا مبارک پوریؒ صاحب نے ذکر کئے ہیں=

= ان آثار سے حضرت عمر ﷜ کے دور میں بیس تراویح پر اجماع ہونے کا دعویٰ باطل ہوجاتا ہے۔ وہ آثار یہ ہیں۔

(۱) حضرت معاذ بن الحارث ابوحلیمہ ﷜ جو صحابی ہیں، یہ اکتالیس رکعتیں لوگوں کو پڑھاتے تھے، قیام الیل (ص ۹۱)۔ حضرت ابوحلیمہ ﷜ تراویح کے امام حضرت عمر ﷜ ہی کے زمانہ میں تھے اور حضرت عمر ﷜ نے ان کو تراویح کا امام مقرر کیا تھا، اصابۃ (۴۲۸/۲)۔

(۲) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ﷜ نے حضرت ابی بن کعب ﷜ کو تراویح کا امام مقرر کیا۔ وہ لوگوں کو چھتیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔ قیام الیل (ص ۹۲) یہ روایات منقطع ہیں لیکن منقطع روایت عندالاحناف حجت ہے۔

(۳) اسود بن یزید نخعیؒ تابعی چالیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اور اسود نے حضرت عمر ﷜ کا زمانہ بے شک پایا ہے اور ان کے عمل کے بارے میں روایت میں کسی زمانہ کی کوئی خصوصیت اور قید مذکور نہیں ہے تو حنفیہ کے اصول (مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے) کے مطابق جب کسی معتبر دلیل سے کسی زمانہ کی تخصیص ثابت نہ ہوجائے، یہ اطلاق اپنے عموم پر باقی رہتے ہوئے حضرت عمر ﷜ کے زمانہ کو بھی شامل ہوگا۔

(۴) حضرت نافع جو حضرت ابن عمر ﷜ کے مولیٰ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہ ﷜ کے شاگرد ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے لوگوں کو چھتیس تراویح اور تین وتر پڑھتے ہوئے دیکھا اور پایا ہے۔ نافع نے حضرت عمر ﷜ کا زمانہ نہیں پایا لیکن جن صحابہ ﷜ کے شاگرد ہیں انہوں نے حضرت عمر ﷜ کا زمانہ پایا ہے اور ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو حضرت نافع نے چھتیس رکعتیں پڑھتے پایا ہے ان میں یہ صحابہ ﷜ بھی شامل ہیں تو ان میں کسی نے ان کو نہیں بتایا کہ ہم عہد فاروقی میں بیس پڑھتے تھے اور اس کے گزر جانے کے بعد چھتیس پڑھنے لگے۔

(۵) وہب بن کیسان جو بڑے بڑے صحابہ ﷜ کے شاگرد ہیں، ان کا بیان ہے کہ رمضان میں لوگ برابر تراویح کی چھتیس اور وتر کی تین رکعتیں پڑھتے چلے آرہے ہیں۔ آج تک اسی پر عمل جاری ہے، قیام الیل (ص ۹۱)۔ وہبؒ کے کلام سے ظاہر ہے کہ انھوں نے یہ صرف اپنے زمانے کا حال نہیں بتلایا بلکہ بہت پہلے کا سلسلہ بتارہا ہے ہیں حتیٰ کہ عہد فاروقی کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔ یہ عہد اگرچہ انھوں نے نہیں پایا لیکن حنفیہ کے نزدیک تابعی کی منقطع روایت حجت ہے۔ لھذا بیس پر اجماع اور اسی پر عمل کے ٹھہراؤ کے دعوے باطل ہیں۔ ملخصلہ انوار المصالح (ص ۳۵۷ تا ۳۶۸)۔

جواب: رحمانی صاحب اور دیگر غیر مقلدین جنھوں نے اپنی کتابوں کے بیسیوں صفحات صرف اس بات کو ثابت کرنے کے لئے سیاہ کردیئے ہیں کہ حضرت عمر ﷜ کے دور میں گیارہ رکعات سے زیادہ (بیس، چھتیس وغیرہ) پڑھنا ثابت نہیں ہے اور اب صرف احناف دشمنی اور پوری امت کے بالمقابل اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد چمکانے کے شوق میں اپنے سابقہ مؤقف کو یکمشت یہ کہہ کر رد کردیا کہ حضرت عمر ﷜ کے دور میں بیس رکعات سے زیادہ چھتیس رکعات وغیرہ پڑھنا بھی =

= ثابت ہے۔ اب اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس سے زائد کا پڑھا جانا غیر مقلدین نے تسلیم کر لیا تو عہد فاروقی میں بیس رکعات کا پڑھے جانا بطریق اولیٰ ثابت ہو گیا حالانکہ اسی بات کو وہ پہلے بڑے شد و مد کے ساتھ رد کر چکے ہیں۔

چنانچہ مولانا نذیر رحمانی ایک مقام پر لکھتے ہیں: پس اس فرمان فاروقی (گیارہ رکعات) کے ہوتے ہوئے اولاً تو ہمیں یہ تسلیم ہی نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس پر عمل ہوا کیونکہ اس (گیارہ رکعات) کے مقابلہ میں جو روایتیں پیش کی جاتی ہیں ان کی صحت ثابت نہیں۔ انوار المصابیح (ص ۲۲۸) تقریباً یہی بات مولانا مبارکپوری صاحب نے تحفۃ الاحوذی (۲/۷۳) میں، اور دیگر غیر مقلدین نے اپنی اپنی کتب میں درج کی ہے۔ اب ہم غیر مقلدین کو انصاف اور دیانت کا واسطہ دے کر (بشرطیکہ ان میں انصاف اور دیانت کی کوئی شئی ہے) پوچھتے ہیں کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں گیارہ رکعات سے زیادہ تراویح کا پڑھنا ثابت نہیں تو اب آپ نے یہ کیسے تسلیم کر لیا ہے کہ عہد عمر رضی اللہ عنہ میں بیس سے زائد رکعات بھی پڑھی جاتی رہیں!

ع مانئے حسن کو نہ انہیں سمجھئے پہنچے وہاں

جواب ثانی: مولانا نذیر رحمانی صاحب نے جتنے بھی آثار ذکر کئے ہیں ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں چھتیس رکعات کا پڑھا جانا ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ انہوں نے پہلا اثر حضرت معاذ بن الحارث ابوحلیمہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے کہ یہ صحابی اکتالیس رکعات لوگوں کو پڑھاتے تھے۔ لیکن:

(۱) اولاً تو حضرت ابوحلیمہ کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے، اگر ابن عبدالبر وغیرہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے تو امام ابن حبان وغیرہ نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔ دیکھئے تھذیب التھذیب (۱۰/ ۱۸۸)

اور خود غیر مقلدین کے مشہور محقق علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ بھی ان کی صحابیت کو مختلف فیہ قرار دیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں معاذ بن الحارث القاری، وھو مختلف فی صحبتہ، التعلیق المغنی (ج ۲ ص ۴۰)

(۲) ثانیاً۔ اس اثر سے (بشرط صحت) ان کا عہد عمر رضی اللہ عنہ میں اکتالیس رکعات کا پڑھانا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ روایت میں عہد عمر رضی اللہ عنہ کی کوئی تصریح نہیں اور حضرت ابوحلیمہ کا عہد فاروقی کے بعد بھی تراویح پڑھانا ثابت ہے۔ دیکھئے قیام لیل (ص ۹۰) بحوالہ معارف السنن (۵/۵۵۵)۔

جب تک یہ تصریح نہ دکھائی جائے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی اکتالیس رکعات پڑھاتے تھے اس وقت تک اس اثر کو عہد عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق قرار دینا نری زبردستی ہے۔ نیز اس اثر کو روایت کرنے والے ابن سیرینؒ ہیں اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ اب اگر انھوں نے یہ واقعہ عہد عمر رضی اللہ عنہ کا بیان کیا ہے تو یہ روایت مرسل ہے اور اگر انہوں نے =

=حضرت عمرؓ کے عہد کے بعد اپنی زندگی کا واقع بیان کیا ہے تو یہ روایت مسند اور متصل ہے اور ظاہر ہے کہ یہ روایت مسند ہے اور ابن سیرین نے یہ واقعہ اپنی زندگی کا بیان کیا ہے۔ کیونکہ غیر مقلدین کے دو بڑے اکابر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب اور مولانا محمد گوندلوی (خیر سے یہ دونوں مولانا نذیر رحمانی صاحب کے استاذ ہیں) نے تصریح کی ہے: جب حدیث کے مسند (متصل) اور مرسل ہونے کا اختلاف ہو تو روایت مسند ہی ہوگی۔ ابکار المنن (ص ۱۲۶)، خیر الکلام (ص ۲۲۹) بحوالہ احسن الکلام (   )۔ پس جب یہ روایت بقاعدہ غیر مقلدین مسند اور متصل ہے تو پھر غیر مقلدین کا اس روایت کو مرسل اور منقطع قرار دے کر (حالانکہ مرسل اور منقطع روایت غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف ہے) اس کو عہد فاروقی سے متعلق قرار دینا محض جی بہلانے والی بات ہے۔

(۲) دوسرا اثر رحمانی صاحب نے حضرت حسن بصریؒ کا ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو تراویح کا امام مقرر کیا تو وہ لوگوں کو چھتیس رکعاتیں پڑھاتے تھے۔ یہ اثر اوّل تو منقطع ہے جو غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں۔

ثانیاً جواب اوّل میں گزر چکا ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک عہد عمرؓ سے متعلق گیارہ رکعات کے علاوہ جتنی روایات ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ لھذا غیر مقلدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ پہلے ان روایات کا صحیح ہونا ثابت کریں۔ پھر انہیں معرض استدلال میں پیش کریں۔ دیدہ باید۔

(۳) تیسرا اثر اسود بن یزید نخعی کا ہے کہ وہ چالیس رکعتیں پڑھتے تھے۔ انہوں حضرت اسود نے حضرت عمرؓ کا زمانہ بے شک پایا ہے لیکن روایت میں یہ تصریح نہیں کہ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی چالیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور جب تک یہ بات ثابت نہ ہو جائے کہ وہ یہ چالیس رکعتیں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پڑھتے تھے اس وقت یہ دعویٰ کرنا کہ وہ حضرت عمرؓ کے عہد میں چالیس رکعتیں پڑھتے تھے، بلا دلیل ہے جو قابل مسموع نہیں۔ بلکہ سب صحابہؓ کا حضرت عمرؓ کے عہد میں بیس رکعات پر مجتمع ہونا اور کسی صحابیؓ کا اس کے مخالف نہ ہونا اور پھر تمام بڑے بڑے محدثین کا یہ بات تسلیم کرنا کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں سب صحابہؓ کا بیس تراویح پر اجماع رہا ہے یہ زبردست اور معتبر دلیل ہے کہ اسود بن یزید نخعی عہد عمرؓ میں چالیس رکعتیں نہیں پڑھتے تھے اور اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ وہ عہد عمرؓ میں بھی چالیس رکعتیں پڑھتے تھے تو پھر بھی ان کے اس عمل سے صحابہ کرامؓ کے اس اجماعی عمل پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ ایک تابعی کا عمل کسی بھی صحابیؓ کے مقابلے میں حجت نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ یہ عمل تمام صحابہؓ کے عمل کے خلاف ہو۔

(۴) چوتھا اثر حضرت نافع کا ہے کہ میں نے اہل مدینہ کو چھتیس رکعات پڑھتے پایا ہے۔ حضرت نافع کی پیدائش حضرت عمرؓ کی شہادت کے کئی برس بعد ہوئی۔ اب حضرت نافع نے نہ اپنا عمل ذکر کیا اور نہ صحابہ کرامؓ کا عمل نقل کیا ہے بلکہ=

لیکن جو لوگ عہد فاروقی کے بعد کے ہیں ان کا عمل اور اختلاف عہد فاروقی میں صحابہ کرام ﷺ کے اجماع پر کیسے اثر انداز ہو سکتا ہے؟

ثالثاً ۔ علامہ عینیؒ نے صحابہ کرام ﷺ کے بعد کے لوگوں کے جو آثار ذکر کیے ہیں ان میں بھی سوائے تین

انہوں نے صرف یہ کہا ہے کہ میں نے مدینہ والوں کو چھتیس رکعات پڑھتے پایا ہے۔ اتنی سی بات پر صحابہ کرام ﷺ کے بیس تراویح کے اجماع کو صرف اس لئے رد کر دینا کہ حضرت نافع جو فلاں فلاں صحابی کے شاگرد ہیں، نے اہل مدینہ کو چھتیس رکعتیں پڑھتے پایا ہے، یہ محض غیر مقلدانہ ضد اور عناد ہے۔ مشہور محدث امام ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں :لو ثبت ان اهل المدينة كلهم فعلوه لكن ما فعله عمر ﷺ واجمع عليه الصحابة ﷺ اولىٰ بالاتباع ۔المغنی (۸۰۳/۱) اگر یہ بات ثابت بھی ہو جائے کہ تمام اہل مدینہ چھتیس رکعتیں پڑھتے تھے تو پھر بھی جو طریقہ حضرت عمر ﷺ نے بیس تراویح کا رائج کیا اور تمام صحابہ ﷺ نے ان کے عہد میں اس پر اجماع کر لیا وہ اتباع کے زیادہ لائق ہے۔

(۵) پانچواں اثر مولانا رحمانی نے وہب بن کیسان کا نقل کیا ہے کہ رمضان میں لوگ برابر تراویح کی چھتیس رکعات اور وتر کی تین رکعتیں پڑھتے چلے آر ہے ہیں لیکن مولانا رحمانی صاحب نے خود تسلیم کیا ہے کہ وہب نے حضرت عمر ﷺ کا زمانہ نہیں پایا۔ اب اگر انہوں نے حضرت عمر ﷺ کے زمانے کا حال بیان کیا ہے تو ان کا یہ اثر مرسل اور منقطع ہے اور اگر انہوں نے اپنے زمانے کا حال بیان کیا ہے تو اس صورت میں یہ اثر مسند اور متصل ہے اور اثر کا مسند اور متصل ہونا ہی راجح ہے کیونکہ حضرت ابو حلیمہ ﷺ کے اثر میں غیر مقلدین کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ جب روایت کے مرسل اور مسند ہونے کا اختلاف ہو تو وہ روایت مسند ہی ہوگی۔ لھذا یہ روایت مسند ہی ہے اور حضرت وہبؒ نے اپنے زمانے کے لوگوں کا حال بیان کیا ہے اور ان کے زمانے کے لوگوں کا عمل صحابہ کرام ﷺ کے اجماعی عمل پر ذرہ بھر بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ نیز وا ہب بن کیسان کو حافظ ابن حجرؒ نے طبقہ رابعہ کا راوی بتلایا ہے، تقریب (۲۹۳/۲)۔ اور طبقہ رابعہ کے متعلق خود رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ: چوتھا طبقہ وہ ہے جو تابعین کے طبقہ وسطیٰ کے قریب ہے، جن کی اکثر روایتیں کبار تابعین سے لی گئی ہیں صحابہ ﷺ سے نہیں۔ انوار المصابیح (ص ۲۸۰)۔ پس رحمانی صاحب کی تصریح کے مطابق وہب کی اکثر روایات کبار تابعین سے مروی ہیں صحابہ کرام ﷺ سے نہیں۔ پھر رحمانی صاحب کا خود اپنے ہی طے شدہ اصول کی روشنی میں یہ کہنا باطل ہو گیا کہ وہب نے بڑے بڑے صحابہ ﷺ سے روایات بیان کی ہیں۔ اور وہ ان کے صحبت یافتہ اور شاگرد ہیں۔ لھذا جن صحابہ ﷺ کے وہ شاگرد یافتہ ہیں ان کو انہوں نے چھتیس رکعات پڑھنے پایا ہے۔ انوار المصابیح (ص ۳۶۸)۔ کیونکہ جب بقول رحمانی صاحب وہبؒ کی صحابہ ﷺ سے روایات مروی ہی نہیں تو پھر وہ بڑے بڑے صحابہ ﷺ کے شاگرد کیسے ہو ئے اور انھوں نے صحابہ ﷺ کو چھتیس رکعات کیسے پڑھتے پایا ہے؟ الغرض مولانا نذیر رحمانی صاحب نے جتنے بھی آثار اس دعویٰ کو ثابت =

اقوال کے سب بیس رکعت سے زائد کے اقوال ہیں: ان اقوال سے صحابہ کرام ﷺ کے بیس تراویح پر اجماع ہو جانے کے دعوٰی پر تو قدح ممکن ہی نہیں، اسی طرح ان سے ہمارے دوسرے دعوٰی کہ صحابہ کرام ﷺ کے بعد تمام بلاد اسلامیہ میں بھی بیس رکعات پر عمل قرار پایا'' پر بھی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بیس رکعات سے زائد جو رکعات پڑھی جاتی رہیں وہ ہمارے دعوٰی اور موقف کے خلاف نہیں، اس لئے کہ صحابہ کرام ﷺ کے بعد جو اسلاف بیس تراویح سے زائد رکعتیں پڑھتے تھے۔ ان کے نزدیک بھی اصل اور مسنون تراویح بیس رکعات ہی تھیں اور باقی رکعتیں بطور نوافل کے تھیں۔ چنانچہ مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد علامہ عینیؒ کے ذکر کردہ ان اختلافی اقوال کو نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں: میں کہتا ہوں عمدۃ القاری کے مصنف (علامہ عینیؒ) کے اس مسئلہ میں کلام سے واضح ہے کہ علماء کا تقریباً دس اقوال پر اختلاف قیام رمضان کے مستحب عدد کے بارے میں ہے اس کے مسنون عدد کے بارے میں نہیں [1]۔

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ بیس تراویح سے زائد تراویح کے قائل ہیں وہ بھی بیس تراویح کے مسنون ہونے کو رد نہیں کرتے بلکہ وہ اس اجماعی عمل (بیس تراویح) کو تسلیم کرتے ہوئے مع الزائد رکعات کے قائل ہیں کیونکہ ان حضرات کا نظریہ یہ تھا کہ تراویح کی کم از کم مقدار تو بیس رکعات مقرر ہے لیکن زائد کی کوئی حد مقرر نہیں، اس میں جتنی بھی رکعات کا اضافہ کیا جائے، کار ثواب ہے۔ مثلاً امام مالکؒ اور ان کے متبعین چھتیس رکعات کے قائل ہیں لیکن ان کے نزدیک بھی اصل تراویح بیس رکعات ہی ہیں اور سولہ رکعات زائد بطور نوافل بڑھا دی گئی ہیں۔ چنانچہ امام علامہ قسطلانیؒ شرح بخاری میں لکھتے ہیں: وقد قال

= کرنے کیلئے ذکر کیے ہیں کہ عہد عمر ﷺ میں سب صحابہ کرام ﷺ کا بیس تراویح پر اجماع نہیں ہوا، ان میں سے ایک اثر سے بھی یہ دعوٰی ثابت نہیں ہوتا اور رحمانی صاحب کی اس سلسلہ میں سب کوششیں اور منطقی موشگافیاں بے کار اور لا حاصل ہیں۔ انہوں نے فتاوٰی قاضی خان وغیرہ سے جو چند آثار نقل کیے ہیں کہ عہد فاروقی اور عہد مرتضوی میں چھتیس رکعتیں پڑھی جاتی تھیں تو یہ سب آثار بھی بلا سند ہیں اور مشہور غیر مقلد اور رحمانی صاحب کے ہم استاد مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں کہ: بلا سند بات مقبول نہیں۔ توضیح الکلام (۱/۱۱۷)

[1] تعداد تراویح (ص ۱۲۷)

المالكية كانت ثلثاو عشرين ركعة ثم جعلت تسعاًو ثلاثين ۱۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ تراویح وتر سمیت تیئیس رکعات ہی تھیں پھر سولہ رکعات (بطور نوافل بڑھا کر) انتالیس رکعات (۳۶ تراویح اور ۳ وتر) قرار دی گئیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل مکہ ہر ترویحہ (چار رکعت) کے بعد بجائے آرام کرنے کے کعبۃ اللہ کا طواف کرتے تھے تا کہ زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کیا جاسکے اور چونکہ مکہ کے علاوہ دیگر جگہوں میں طواف کی سہولت میسّر نہیں، اس لیے بیت اللہ سے دور رہنے والے لوگ اہل مکہ کے ساتھ ثواب میں برابری حاصل کرنے کیلئے ہر ترویحہ کے بعد طواف کی جگہ نوافل پڑھنے لگے ان حضرات کے نوافل کی تعداد مختلف تھی چنانچہ جو لوگ ہر ترویحہ کے بعد چار رکعت نفل پڑھتے تھے، ان کی تراویح کی مجموعی تعداد ان زوائد نوافل سمیت بغیر وتر کے چھتیس اور وتر سمیت انتالیس ہو جاتی تھی۔

جیسا کہ امام مالک اور اہل مدینہ کا معمول تھا اور کچھ لوگ انتالیس رکعتوں کے علاوہ دو رکعتیں وتر کے بعد پڑھتے تھے تو ان کی رکعات کی مجموعی تعداد اکتالیس ہو جاتی تھی جیسا کے حضرت معاذ بن حارث ابوحلیمہ وغیرہ کا معمول تھا۔ اور جو حضرات صرف ایک ترویحہ (چار رکعت) کا اضافہ کرتے تھے ان کی تعداد چوبیس رکعات اور جو دو ترویحوں کا اضافہ کرتے تھے ان کی رکعات کی تعداد اٹھائیس ہوتی جیسا کہ حضرت سعید بن جبیرؒ وغیرہ کے بارے میں منقول ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بالمقابل جو حضرات (ائمہ ثلاثہ وغیرھم) صرف بیس رکعات کے قائل تھے وہ بھی بیس سے زائد رکعات پڑھنے والوں کو منع نہیں کرتے۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بیس رکعات سے زیادہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے کہ پہلے سنت کے مطابق بیس رکعات جماعت سے پڑھے اور باقی سولہ (یا کم و بیش) رکعات تنہا تنہا پڑھی جائیں ۲۔

اسی طرح امام شافعیؒ فرماتے ہیں:۔ رأیت الناس یقومون بالمدینة تسعاًو ثلاثین رکعة واحب الی عشرون قال و کذالك یقومون بمکة۔ قال ولیس فی شیٔ من هذه

۱۔ ارشاد الساری شرح البخاری بحوالہ رکعات التراویح (ص ۹۰) از مولانا اعظمیؒ

۲۔ مبسوط للسرخسیؒ (۲/۱۴۴) بحوالہ التوضیح عن رکعات التراویح (ص ۳۶)

ضیق ولا حد ینتھیٰ الیه لانہٗ نافلة،فان اطالوا القیام واقلوا السجود فحسن وھو احب الی،وان اکثروا الرکوع والسجود فحسن[1] -

میں نے لوگوں کو مدینہ منورہ میں انتالیس رکعات (۳۶ تراویح اور تین وتر) پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور میرے نزدیک پسندیدہ بیس رکعات پڑھنا ہے اور مکہ مکرمہ میں بھی لوگ بیس رکعات ہی پڑھتے ہیں لیکن ان (بیس اور چھتیس رکعات میں سے کسی میں کوئی تنگی نہیں اور نہ اس میں کوئی آخری حد ہے کہ وہاں پہنچ کر رک جانا ضروری ہے۔اس لئے کہ یہ نفلی نماز ہے۔لھذا لوگ اگر قیام لمبا کریں اور سجدوں کی تعداد کم کریں یعنی بیس رکعات ہی پڑھیں تو وہ اچھا ہے اور یہی مجھے زیادہ پسندیدہ ہے اور اگر رکوع وسجود زیادہ کریں (اور چھتیس رکعات پڑھیں) تو وہ بھی اچھا ہے۔

اسی طرح تیسرے امام،امام احمد بن حنبل کی بھی یہی رائے ہے کہ تراویح کم از کم بیس رکعات ہی ہیں اور زیادہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ قسطلانی حنبلی علماء سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:التراویح عشرون رکعة ولاباس بالزیادة نصاعن الامام احمد[2] -

تراویح کی رکعتیں بیس ہیں اور بیس سے زیادہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام احمد سے اس کی تصریح منقول ہے۔



---

[1] قیام اللیل (ص ۹۲)، فتح الباری (۳/۲۵۳)   [2] ارشاد الساری بحوالہ رکعات التراویح (ص ۹۱)

اور حنبلی کی معتبر کتاب الاقناع میں امام احمد کا مسلک یوں لکھا ہے

والتراویح عشرون رکعة تفعل فی رمضان یجهر فیها بالقرأة وفعلها جماعة افضل ولا ینقص منها ولا بأس بالزیادة [1]۔ تراویح کی رمضان المبارک میں بیس رکعتیں ہیں جن میں جہر سے قرأۃ کی جائے اور ان کو جماعت سے پڑھنا افضل ہے اور بیس سے کم تراویح نہ کی جائیں، البتہ زیادہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس ساری تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ ان ائمہ کرام میں رکعات التراویح کی بابت کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے۔ جو لوگ مثلاً امام مالک وغیرہ بیس رکعات سے زائد پڑھتے تھے ان کے نزدیک بھی اصل تراویح بیس رکعات ہی ہیں اور جو حضرات صرف بیس رکعات کے قائل ہیں وہ بھی بیس رکعات سے زیادہ پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے۔ گویا تمام فریق کم از کم بیس رکعات تراویح کے مسنون ہونے پر متفق ہیں، پھر اس کے بعد کچھ حضرات زائد رکعات کے پڑھنے کو بہتر جانتے تھے اور اکثر حضرات صرف بیس رکعات پڑھنے کو ہی افضل سمجھتے تھے۔ البتہ وہ بیس سے زائد رکعات پڑھنے کو ناجائز نہیں کہتے تھے۔ لھذا علامہ عینیؒ نے بیس تراویح سے زائد کے اقوال ذکر کیے ہیں ان سے نہ تو بیس تراویح پر اجماع صحابہ ﷺ کی نفی ہوتی ہے اور نہ ان سے بیس تراویح پر امت کے تعامل اور توارث کی نفی ہوتی ہے۔ اور جو تین اقوال علامہ عینیؒ نے بیس رکعات سے کم کے نقل کئے ہیں ان میں سے ایک قول سولہ رکعت کا ہے جو کہ ابو مجلزؒ کے بارے میں مروی ہے چنانچہ علامہ عینیؒ نقل کرتے ہیں: انه کان یصلی بهم اربع ترویحات ویقرأ لهم سبع القرآن فی کل لیلة رواه محمد بن نصر من روایة عمران بن حدیر عن ابی مجلز۔ [2]

یعنی حضرت ابو مجلزؒ لوگوں کو چار ترویحے (سولہ رکعات) پڑھاتے تھے اور ہر رات قرآن مجید کا ساتواں حصہ سناتے تھے۔ لیکن اس اثر سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ابو مجلزؒ صرف سولہ رکعات پر ہی اکتفا کرتے تھے بلکہ اس اثر سے صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقتدیوں کو سولہ رکعات میں قرآن مجید کا ساتواں حصہ سناتے تھے اب ممکن ہے کہ وہ پہلے سولہ رکعات میں اپنی مقررہ مقدار تلاوت لوگوں کو سنا کر باقی چار یا اس

---

[1] کتاب الاقناع (۱/۱۱۹) [2] عمدۃ القاری (۸/۲۴۵)

سے زائد رکعتیں کسی دوسرے حافظ کے پیچھے پڑھ لیتے ہوں یا اپنے گھر میں اکیلے ہی پڑھ لیتے ہوں کیوں کہ آج بھی بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ایک حافظ بعض رکعتوں میں اپنی مقررہ مقدار تلاوت سنا کر باقی کسی دوسرے حافظ کے پیچھے مکمل کر لیتا ہے۔ لھذا اس اثر سے یہ ثابت کرنا کہ حضرت ابو مجلزؒ صرف سولہ رکعتیں ہی پڑھتے تھے بالکل غلط ہے [1]۔

دوسرے دو قول (گیارہ اور تیرہ رکعات کے) علامہ عینیؒ اور امام سیوطیؒ نے نقل کیے ہیں۔ ان دونوں قولوں کی نسبت امام مالک کی طرف کی جاتی ہے لیکن یہ نسبت ان کی طرف غلط ہے کیونکہ ان کا مسلک اور مستند قول بیس یا چھتیس رکعات کا ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ اگلے باب میں آئے گی۔ دوسری وہ شخصیت جن کی طرف گیارہ رکعات کا قول منسوب کیا جاتا ہے، وہ علامہ ابو بکر بن العربیؒ ہیں لیکن ان کی طرف بھی اس قول کی نسبت غلط ہے۔

علامہ ابن العربیؒ کا مسلک: غیر مقلدین کی طرف سے علامہ ابن العربیؒ کا مسلک گیارہ رکعات ثابت کرنے کیلئے ان کی کتاب عارضۃ الاحوذی سے ایک ادھوری اور نامکمل عبارت پیش کی جاتی۔ اس لیے ہم ان کی پوری عبارت قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ ان کا صحیح مسلک سب پر واضح ہو جائے۔

---

[1] بعض غیر مقلدین نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر اس روایت کے الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ابو مجلزؒ سولہ ہی رکعتوں کے قائل تھے تو پھر ان روایتوں سے بھی جن میں بیس رکعتوں کا ذکر ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فلاں صحابی یا فلاں تابعی بیس ہی کے قائل تھے۔

جواب: یہ اشکال بالکل غلط ہے کیونکہ صحابہ کرام ﷺ کے بارے میں تو محدثین کا اتفاق ہے کہ وہ سب حضرت عمر ﷺ کے دور میں بیس ہی رکعتیں پڑھتے تھے (محدثین کے یہ حوالے پہلے گزر چکے ہیں) اور کسی محدث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے کہا ہو کہ کسی صحابی نے حضرت عمر ﷺ کے دور میں بیس رکعتوں کے علاوہ کسی عدد تراویح پر عمل کیا ہو۔ لہذا صحابہ کرام ﷺ کی روایات پر ابو مجلزؒ کے اس اثر کو قیاس کرنا غلط ہے۔ اگر عہد فاروقی کے بعد کسی تابعی وغیرہ سے بیس رکعات سے زائد تراویح بطور نوافل پڑھنا ثابت ہو جائے تو یہ ہمارے دعوی اور موقف کے خلاف نہیں ہے۔ لہذا محدثین کی تصریحات (عہد فاروقی میں سب صحابہ ﷺ کا بیس تراویح پر اجماع ہو گیا اور اس کے بعد تمام امت کا یہی اجماعی عمل قرار پایا) کی روشنی میں یہ کہنا حق بجانب ہے کہ حضرت ابو مجلزؒ بیس تراویح سے کم کے قائل نہیں تھے۔

علامہ ابن العربیؒ تراویح سے متعلق بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: واما صلوة النبی ﷺ فلم یکن لها حد واما التی بعد ذلک فروی مالک عن ابی بن کعب ﷺ کان یقوم بالناس باحدی عشرة رکعة فخالفه الناس فقالوا احدی وعشرین رکعة وروی مالک انهم کانوا یقومون فی زمان عمر ﷺ بن الخطاب بثلث وعشرین رکعة وروی ابن القاسم عن مالک تسع وثلاثین والصحیح ان یصلی احدی عشر رکعة صلوة النبی ﷺ وقیامه فاما غیر ذلک من الاعداد فلا اصل له ولا حد فیه فاذا لم یکن بد من الحد فما کان النبی ﷺ زاد فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشرة رکعة وهذه الصلاة هی قیام اللیل فوجب ان یقتدی فیها بالنبی ﷺ [1] ۔

یعنی نبی ﷺ کی نماز تراویح میں کوئی حد مقرر نہیں ہے اور ان کے بعد (خلفائے راشدین کے دور میں) تو امام مالکؒ نے حضرت ابن ابی کعب ﷺ سے روایت کی ہے کہ وہ گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور دوسرے محدثین نے (اس میں) ان کی مخالفت کی ہے اور انھوں نے ابی بن کعب ﷺ کی نماز اکیس رکعات ہونا نقل کیا ہے اور خود امام مالکؒ نے بھی روایت کی ہے کہ لوگ حضرت عمر بن خطاب ﷺ کے زمانہ میں تیئس رکعات پڑھتے تھے اور علامہ ابن القاسم نے امام مالکؒ کا مسلک انتالیس رکعات (۳۶ تراویح اور تین وتر) نقل کیا ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ گیارہ رکعات پڑھی جائیں، یہی نبی ﷺ کی نماز اور قیام تھا۔ اس کے علاوہ اعداد کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی حد ہے۔ پس جب کوئی حد مقرر کرنا ضروری ہی ہو تو نبی رسول اللہ ﷺ رمضان ہو یا غیر رمضان گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، یہ نماز آپ ﷺ کی قیام اللیل (تہجد) تھی لہذا ضروری ہے کہ قیام اللیل (تہجد) میں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کی جائے۔

اب اس عبارت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ ابن العربیؒ ہرگز صرف گیارہ رکعات کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ تو صاف اقرار کر رہے ہیں کہ نبی ﷺ کی نماز تراویح گیارہ وغیرہ رکعات کی کوئی حد مقرر نہیں اور جس حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

---

[1] عارضة الاحوذی (۱۹/۴)

اس کا تعلق ان کے نزدیک نماز تراویح سے نہیں بلکہ نماز تہجد سے ہے۔ کیونکہ انھوں نے اس نماز کو قیام ا للیل فرمایا ہے اور قیام اللیل (نماز تہجد) اور قیام رمضان (نماز تراویح) میں بڑا فرق ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں: واما اللیل فھو غیر قیام رمضان [1]۔ اس کی مزید تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

اسی طرح علامہ ابن العربیؒ کی عبارت ''والصحیح ان یصلی احدیٰ عشرۃ رکعۃ'' کا تعلق بھی تراویح کی بجائے نماز تہجد سے ہے کیوں کہ اگر اس کو تراویح سے متعلق قرار دیا جائے تو پھر ابن العربیؒ کے کلام میں دو طرح کا صریح تناقض لازم آئے گا۔ اوّل یہ کہ اس عبارت میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ گیارہ رکعت پڑھی جائیں یہی نبی ﷺ کی نماز تراویح۔ (علیٰ زعم غیر المقلدین) اور قیام ہے حالانکہ پہلے انھوں نے اس بات سے انکار کیا کہ: واماصلوۃ النبی ﷺ فلم یکن لھا حد کہ نبی ﷺ کی نماز تراویح میں کوئی حد مقرر نہیں۔ ثانیاً یہاں علامہ ابن العربیؒ نے فرمایا ہے کہ گیارہ کے علاوہ جتنے اعداد ہیں ان کی کوئی اصل نہیں حالانکہ پہلے انھوں نے اقرار کیا ہے کہ امام مالک وغیرہ نے ابی بن کعب ؓ سے گیارہ، اکیس اور تیئس رکعات نقل کی ہیں اور ان میں سے بعض کی صحت کا خود غیر مقلدین کو بھی اقرار ہے۔ لھذا علامہ موصوف کی عبارت کو اس صریح تناقض سے بچانے کیلئے لازماً ماننا پڑے گا کہ عبارت کے پہلے حصے کا تعلق تو نماز تراویح سے ہے جبکہ دوسرے حصے (والصحیح ان یصلی احدیٰ عشرۃ رکعۃ سے آخر عبارت تک) کا تعلق نماز تہجد سے ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کی نماز تراویح میں تو (گیارہ وغیرہ رکعات کی) کوئی حد مقرر نہیں ہے لیکن ان کی نماز تہجد کی تعداد گیارہ رکعات ہیں اور یہی بہتر ہے۔ گویا علامہ موصوف کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی نماز تراویح کی تعداد مقرر نہیں لیکن نماز تہجد میں آپ سے گیارہ رکعات مروی ہیں۔ فلا تناقض فیھما۔

بالفرض اگر غیر مقلدین کی یہ بات مان ہی لی جائے کہ والصحیح ان یصلی احدیٰ عشرۃ رکعۃ کا تعلق بھی نماز تراویح سے ہے تو پھر بھی اس سے غیر مقلدین کا مدّعیٰ ثابت نہیں ہو سکتا کیوں کہ

---

[1] نزل الابرار (ص ۳۰۴)

اس عبارت میں آگے یہ الفاظ بھی ہیں ولا حد فیہ کہ اس میں رکعات کی کوئی حد مقرر نہیں حالانکہ غیر مقلدین اس میں حد کے قائل ہیں اور وہ گیارہ رکعات سے زیادہ پڑھنے کو وہ ناجائز اور بدعت کہتے ہیں۔

لہٰذا غیر مقلدین حضرات کا علامہ ابن العربیؒ کو صرف گیارہ رکعات کے قائلین میں کھڑا کرنا باطل ہے اور یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ وہ ہرگز صرف گیارہ رکعات کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ امام مالکؒ کے مقلد ہونے کی وجہ سے بیس یا چھتیس رکعات کے قائل تھے۔

الحاصل اس ساری تفصیل سے غیر مقلدین کے اس اعتراض کی حقیقت واضح ہوگئی کہ تراویح کے مسئلہ میں ائمہ کرام کا بڑا اختلاف ہے۔ لھذا بیس تراویح پر اجماع یا تعامل کا دعوی باطل ہے۔ نیز یہ بات اچھی طرح سے ثابت ہوگئی کہ امت مسلمہ میں کوئی مقتدر ہستی ایسی نہیں گزری جو بیس تراویح سے کم کی قائل ہو۔ علامہ عینیؒ نے جو تین اقوال بیس رکعات سے کم کے نقل کئے ہیں ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور دیگر جو اختلافی اقوال انھوں نے بیس رکعات سے زائد کے ذکر کئے ہیں ان سے بیس تراویح پر اجماع صحابہ ﷺ اور تعامل امت پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ کیونکہ صحابہ ﷺ کے بعد جو لوگ کچھ عرصہ کیلئے بیس رکعات سے زائد رکعتیں پڑھتے رہے ان کے نزدیک بھی اصل تراویح بیس رکعات تھیں اور زائد رکعتیں بطور نوافل کے تھیں اور وہ بھی کچھ عرصہ کیلئے آخر کار پھر پوری امت کا عمل نسلاً بعد النسل بیس رکعات تراویح ہی قرار پایا جیسا کہ کبار علمائے محدثین اور فقہاء کے اقوال کثیر تعداد میں ذکر ہو چکے ہیں لھذا یہ دعوی کرنا حق بجانب ہے کہ بیس تراویح پر اجماع صحابہؓ اور اسی پر تعاملِ امت رہا ہے۔

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غیر مقلدین کے اس دعوی کا جائزہ لیں کہ امام احمد بن حنبل اور حافظ ابن تیمیہؒ تو رکعات تراویح میں سرے سے کسی حد کے ہی قائل نہیں ہیں تو پھر یہ کیسا اجماع اور تعامل ٹھہرا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک تو دیگر ائمہ کرام کی طرح بیس رکعات مسنون ہونے کا ہے جیسا کہ مختصراً گزر چکا ہے اور مزید تفصیل انشاءاللہ آئندہ آئے گی۔ ہم یہاں قارئین کے سامنے صرف شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کی اس مسئلہ میں تحقیق پیش کرتے ہیں تا کہ ان کا صحیح موقف اور نظریہ قارئین کو معلوم ہو جائے اور اس کے لئے ان کے فتاوی وغیرہ سے بطور اختصار صرف چند اقتباسات قارئین کی نذر کرتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق:

(۱) حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق میں رسول اللہ ﷺ سے رکعات تراویح کے متعلق کوئی عدد منقول نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں: ان نفس قیام رمضان لم یوقت رسول اللہ ﷺ فیہ عددا معیّنا ؎۱۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے تراویح میں کوئی عدد مقرر نہیں فرمایا۔

(۲) جو حضرات یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ تراویح سے متعلق نبی ﷺ سے کوئی خاص عدد (گیارہ وغیرہ) منقول ہے جیسا کہ آج کل کے غیر مقلدین کا نظریہ ہے، ان کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد معین موقت عن النبی ﷺ لا یزید ولا ینقص فقد اخطأ ؎۲۔ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ تراویح میں کوئی تعداد معین ہے جو نبی ﷺ نے مقرر فرمائی ہے جسے نہ زیادہ کیا جا سکتا ہے اور نہ کم کیا تو وہ شخص غلطی پر ہے۔

(۳) بعض حضرات گیارہ یا تیرہ رکعات کو سنت ثابت کرنے کیلئے ر ۔ ث حضرت عائشہؓ کا سہارا لیتے ہیں لیکن حافظ ابن تیمیہؒ کو ان کا یہ استدال پسند نہیں۔ اس لئے ان پر رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: وقال طائفة قد ثبت فی الصحیح عن عائشة أن النبی ﷺ لم یکن یزید فی رمضان ولا فی غیرہ من ثلاثة عشرہ رکعات واضطرب فی ہذا الاصل لما ظنوہ من معارضة الحدیث الصحیح لما ثبت من سنة الخلفاء الراشدین وعمل المسلمین ؎۳۔ ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ صحیح روایات میں حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، حالانکہ اس اصل میں اضطراب ہے کیونکہ علمائے محدثین نے یہ خیال فرمایا ہے کہ یہ روایت اس صحیح حدیث کے معارض ہے جس میں خلفائے راشدین کی سنت اور دیگر مسلمانوں کا عمل (بیس رکعات) ثابت ہے۔

؎۱ مجموعۃ الفتاوی (۸۲۰/۱۱) طبع ریاض ثانی ایڈیشن ؎۲ (ایضا) ؎۳ الفتاوی الکبری (۲۷/۱) طبع بیروت

(۴) امام ابن تیمیہؒ کا نظریہ بھی دیگر ائمہ کی طرح یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیس تراویح پر جمع فرمایا تھا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلا اختلاف حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں بیس تراویح پڑھتے رہے اور یوں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیس تراویح پر اجماع ہو گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: فلما جمعهم عمر رضی اللہ عنہ علیٰ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کان یصلی بهم عشرین رکعة ثم یوتر بثلاث [1]۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع فرمایا تو وہ انھیں بیس تراویح اور پھر تین وتر پڑھاتے تھے۔

نیز حافظ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

قدثبت ان ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کان یقوم بالناس عشرین رکعة فی قیام رمضان ویوتر بثلاث فرأی کثیر من العلماء ان ذالك هوالسنة لانه قام بین المهاجرین والانصار ولم ینکره منکر [2]۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین) کو رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ اس لئے اکثر علماء کے نزدیک یہی سنت ہے کیونکہ یہ فعل (بیس تراویح کا) انھوں نے مہاجرین اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے کیا اور کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار نہیں کیا۔

(۵) حافظ ابن تیمیہؒ کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی طرح بیس تراویح پڑھی جاتی رہیں۔ چنانچہ جب رافضیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگایا کہ انھوں نے بیس تراویح کی جماعت قائم کر کے بدعت کا ارتکاب کیا ہے تو حافظ صاحبؒ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے رافضیوں کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

لوکان ای عمل عمر رضی اللہ عنہ فی التراویح قبیحا منهیا عنه لکان علی رضی اللہ عنہ ابطله لما صارا میرالمومنین وهو بالکوفة فلما کان جاریا ذالك مجری عمر رضی اللہ عنہ دل علی استحباب ذلك بل روی عن علی رضی اللہ عنہ انه قال نوّرالله علی عمر رضی اللہ عنہ قبره کما نوّر علینا مساجدنا [3]۔

---

[1] مجموعۃ الفتاویٰ (۲۰/۱۱ ۵) [2] الفتاوی الکبریٰ (۲۲۷/۱) [3] منہاج السنۃ (۲۲۴/۲)

اگر حضرت عمر ﷺ فاروق کا بیس تراویح کی جماعت قائم کرنا قبیح اور منھی عنہ ہوتا تو حضرت علی ﷺ اس کو ختم کر دیتے جب وہ کوفہ میں امیر المومنین تھے۔پس جب ان کے دور میں بھی حضرت عمر ﷺ کا یہ طریقہ جاری رہا تو یہ اس عمل کے اچھا ہونے پر دلالت کرتا ہے بلکہ حضرت علی ﷺ سے نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عمر ﷺ کی قبر کو روشن کرے جس طرح حضرت عمر ﷺ نے ہمارے لئے ہماری مساجد کو روشن کر دیا۔پھر حافظ صاحبؒ نے ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ کے طریق سے حضرت علی ﷺ کی پوری روایت نقل فرمائی ہے جس میں حضرت علی ﷺ کا ایک شخص کو بیس تراویح پڑھانے کا حکم مذکور ہے۔یہ پوری روایت مع السند پہلے گزر چکی ہے۔

(۲) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ تراویح کی مختلف صورتیں ذکر کرنے کے بعد اپنی رائے کا یوں اظہار کرتے ہیں: والافضل یختلف باختلاف احوال المصلین فان کان فیھم احتمال لطول القیام فالقیام بعشرة رکعات وثلاث بعدھا کما کان النبی ﷺ یصلی لنفسہ فی رمضان وغیرہ ھوالافضل،وان کانوا لایحتملونہ فالقیام بعشرین ھوالافضل وھوالذی یعمل بہ اکثر المسلمین فانہ وسط بین العشرین وبین الاربعین،وان اقام باربعین وغیرھا جاز ذالک ولا یکرہ شیء من ذالک[1] ۔

افضل صورت تراویح پڑھنے کی ان سب طریقوں میں نمازیوں کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہے۔پس اگر نمازیوں میں لمبا قیام کرنے کی طاقت ہو جس طرح کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں رات کی نماز پڑھتے تھے تب تو افضل یہ ہے کہ دس رکعتیں تراویح کی اور تین رکعتیں وتر کی پڑھی جائیں۔اور اگر نمازیوں میں لمبا قیام کرنے کی طاقت نہ ہو تو پھر بیس پڑھنا ہی افضل ہے اور اسی پر اکثر مسلمانوں کا عمل ہے اور یہ دس اور چالیس کا درمیانی عدد ہے اور اگر چالیس وغیرہ رکعتیں پڑھی جائیں تب بھی جائز ہے اور ان میں سے کوئی صورت بھی مکروہ نہیں ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ کی مذکورہ عبارت کو اگر سامنے رکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی

---

[1] مجموعۃ الفتاویٰ (۱۱/۵۲۰)

تحقیق میں آج کے دور میں بیس تراویح پڑھنا ہی افضل ہے اور دس یا آٹھ تراویح پڑھنا تب افضل ہے جب نمازیوں میں اتنے لمبے قیام کی طاقت ہو جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ لمبا قیام کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کا رات کی نماز میں کتنا لمبا قیام ہوتا تھا؟ اس کے بارے میں حافظ ابن تیمیہؒ خود ہی لکھتے ہیں کہ: فان النبی ﷺ کان یطیل القیام باللیل حتی قد ثبت عنه فی الصحیح من حدیث حذیفه رضی اللہ عنہ انه کان یقرأ فی الرکعة بالبقرة والنساء وآل عمران فکان طول القیام یغنی عن تکثیر الرکعات [1]۔

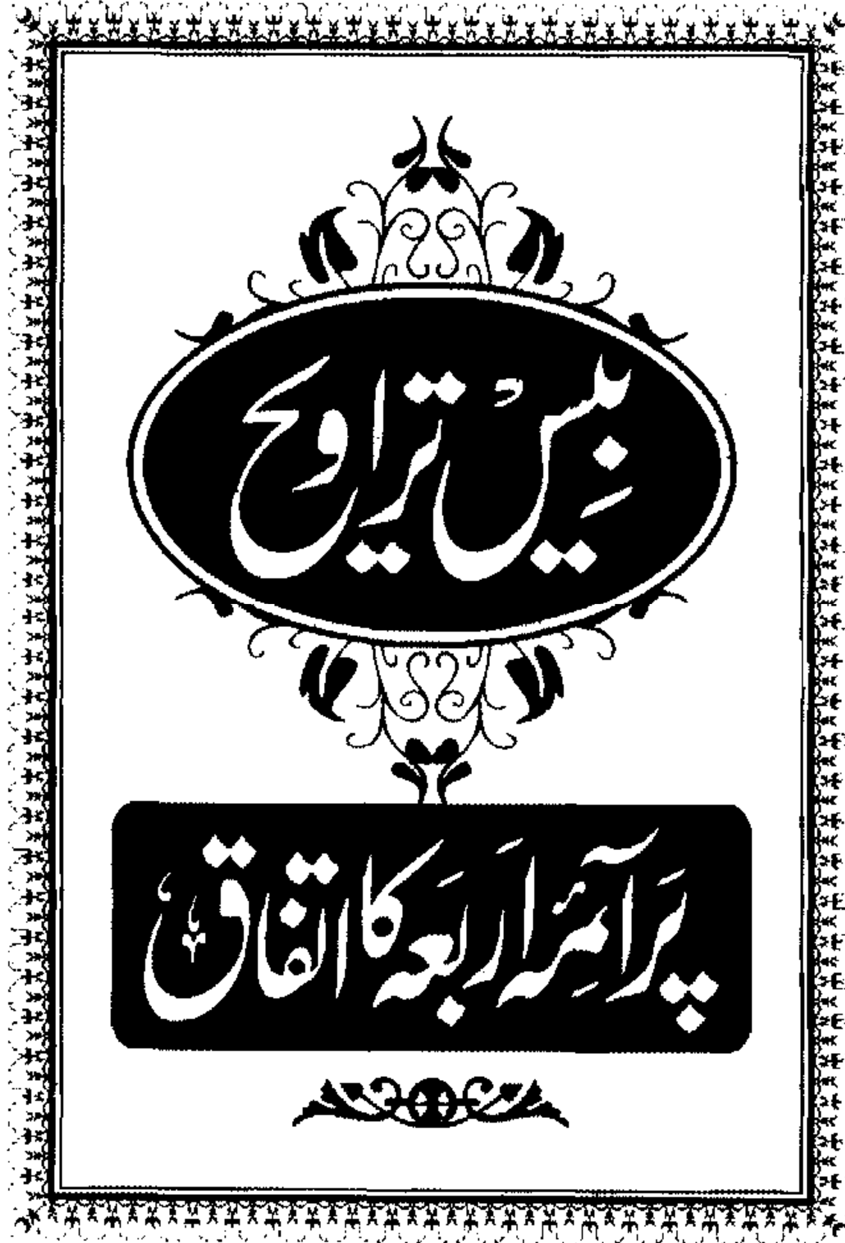
نبی کریم ﷺ رات کی (نفلی) نماز میں طویل قیام کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ صرف ایک رکعت میں سورۃ بقرۃ، سورۃ النساء اور سورۃ آل عمران (تقریباً سوا پانچ پارے) تلاوت فرمادیتے تھے۔ پس آپ ﷺ کا طول قیام ہی رکعات کے زیادہ کرنے کا بدل ہو جاتا تھا۔

ظاہر ہے کہ اب اتنے طویل قیام کی کس میں ہمت اور طاقت ہے کہ صرف ایک رکعت میں سوا پانچ پاروں کی مقدار تلاوت کر سکے؟ کیا غیر مقلدین جو صرف آٹھ تراویح پر ہی اکتفا کر بیٹھتے ہیں وہ اتنا لمبا قیام کرتے ہیں کہ جتنا حافظ ابن تیمیہؒ نبی ﷺ کا قیام بتلا رہے ہیں؟ حالانکہ ان کے قیام کی حالت تو یہ ہے کہ غیر مقلدین کے ہی ایک بزرگ عالم حافظ عبدالمنان نور پوری صاحب اپنے لوگوں کی نماز تراویح کے قیام کی کیفیت بتلاتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ: ہمارے علاقے میں آج کل عملی صورت یہی ہے کہ جو لوگ گیارہ یا تیرہ رکعت پڑھتے ہیں ان کی قرأۃ تیس رکعت پڑھنے والوں کی قرأت کے برابر ہوتی ہے [2]۔

پس حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق کی رو سے آج کے دور میں بیس تراویح پڑھنا ہی افضل ہے اور آٹھ یا دس رکعات پڑھنا تب افضل ہوگا جب نمازیوں میں طویل قیام کرنے کی ہمت ہو اور وہ غیر مقلدین کے ہاں ندارد۔

---

[1] الفتاوی الکبری (۱/۲۲۸) [2] تعداد تراویح (ص ۱۷۲)


بیس تراویح
پر آئمہ اربعہ کا اتفاق

پچھلے صفحات میں دیگر مباحث کے ضمن میں ائمہ اربعہ کی رکعات تراویح سے متعلق آراء پر کچھ نہ کچھ لکھا جاچکا ہے۔ اس باب میں چاروں ائمہ میں سے ہر ایک امام کے مسلک پر سیر حاصل بحث کی جائے گی۔ واللہ الموفق للصواب۔

﴿۱﴾ امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کا مسلک:۔

امام حسن بن زیاد اپنے استاد امام ابوحنیفہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: القیام فی شہر رمضان سنة لاینبغی ترکھایصلی لاہل کل مسجدفی مسجدھم کل لیلة سوی الوتر عشرین رکعة خمس ترویحات بعشرتسلیمات یسلم فی کل رکعتین [۱]۔ رمضان المبارک میں تراویح پڑھنا سنت (مؤکدہ) ہے اس کا ترک کرنا جائز نہیں۔ ہر مسجد والوں کیلئے ان کی مسجد میں ہر رات وتر کے علاوہ بیس رکعتیں پڑھی جائیں۔ یہ بیس رکعتیں پانچ ترویحوں اور دس سلاموں کے ساتھ ہوں کہ ہر دو رکعت کے ساتھ سلام پھیرا جائے۔

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں: قال ابوحنیفه یصلی عشرین رکعة کماھوالسنة [۲]
امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تراویح کی بیس رکعتیں پڑھی جائیں جیسا کہ سنت ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے تراویح اور حضرت عمرؓ کے (بیس تراویح کے مقرر کرنے کے) عمل کے متعلق پوچھا تو انھوں نے جواب میں فرمایا: التراویح سنة مؤکدة ولم یتخرصه عمرؓ من تلقاء نفسه ولم یکن فیه مبتدعاولم یأمربھاالا عن اصل لدیه وعھدمن رسول اللہ ﷺ [۳]۔

تراویح سنت مؤکدہ ہے اور حضرت عمرؓ نے (بیس تراویح مقرر کرکے) اپنی طرف سے کچھ اختراع نہیں کیا اور نہ وہ اس معاملہ میں کوئی بدعت ایجاد کرنے والے تھے۔ انھوں نے جو بھی حکم دیا وہ کسی دلیل کی بناء پر تھا جو ان کے پاس موجود تھی اور ان کا یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے کسی عہد پر مبنی تھا۔

---

[۱] فتاوی قاضی خان (۱/۱۲۱) [۲] المبسوط (۲/۱۴۴) للسرخسی
[۳] مراقی الفلاح شرح نور الایضاح (ص۲۲۴) مع حاشیة الطحطاوی

امام ابوحنیفہؒ کا یہ مسلک فقہ حنفی کی تمام کتب فقہ (قدوری، ہدایہ، کنز الدقائق وغیرہ) اور کتب فتاوی (شامی، عالمگیری، قاضی خان وغیرہ) میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ فلیراجع الیھامن شاء

﴿۲﴾ امام شافعیؒ کا مسلک:۔

حضرت امام شافعیؒ خود فرماتے ہیں: فاماقیام شھر رمضان احب الیّ عشرون لانہ روی عن عمرؓ و کذلک یقومون بمکۃ ویوترون بثلث [۱]۔ رمضان المبارک کے قیام (تراویح) میں مجھے بیس رکعت پسند ہیں کیوں کہ یہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے اور مکہ مکرمہ میں بھی لوگ بیس رکعات (تراویح) اور تین وتر پڑھتے ہیں۔

امام ترمذیؒ لکھتے ہیں: واکثراھل العلم علیٰ ماروی عن علی وعمر وغیرہ من اصحاب النبی ﷺ عشرون رکعۃ وھوقول الثوری وابن المبارک والشافعی، وقال الشافعی وھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ [۲]۔

اکثر اہل علم بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں جیسا کہ حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے منقول ہے اور یہی امام سفیان ثوریؒ، امام عبداللہ بن مبارک اور امام شافعیؒ کا قول ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھتے ہی پایا ہے۔

امام شافعیؒ کا یہ بیس رکعات والا مسلک ان کی فقہ کی تمام کتب (شرح مھذب، توشیح وغیرہ) میں مذکور ہے اور بیس تراویح کے علاوہ ان سے کچھ بھی ثابت نہیں۔

﴿۳﴾ امام احمدؒ کا مسلک:۔

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی بیس تراویح پڑھنا ہی مسنون ہے اور یہی مسلک ان کا فقہ حنبلی کی معتبر کتب میں مذکور ہے۔ چنانچہ ہم حنبلی کی کتب سے ان کا صحیح مسلک نقل کرتے ہیں ۔۔۔ کے بعد دیگر فقہ کے علمائے کرام کے حوالوں سے اس پر بحث کریں گے۔ فقہ حنبلی کی سب سے معتبر کتاب المغنی (جس

---

[۱] کتاب الام (۱/۱۲۵) مختصر المزنی (ص ۲۱) [۲] جامع الترمذی (۱/۱۹۱)

کے بارے میں امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: وھو اجل کتب الحنابلة ل ۔

میں امام احمدؒ کا مسلک یوں نقل کیا گیا ہے: والمختار عندابی عبداللہ رحمه اللہ فیھا عشرون رکعة ۲ ۔ امام ابوعبداللہ احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تراویح میں مختار بیس رکعات پڑھنا ہے۔

(۲) فقہ حنبلی کی دوسری مستند کتاب الاقناع میں انکا مسلک یوں مذکور ہے: التراویح عشرون رکعة فی رمضان یجھر فیھا بالقراءة وفعلھا جماعة افضل ولا ینقص منھا ولا بأس بالزیادة ۳ ۔ رمضان المبارک میں تراویح کی بیس رکعتیں ہیں جن میں جہر سے قراءت کی جائے اور ان کو جماعت سے پڑھنا افضل ہے۔ بیس سے کم رکعات نہ کی جائیں اور بیس سے زیادہ رکعات پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳) فقہ حنبلی کی کتاب مقنع میں ہے: ثم تراویح وھی عشرون رکعة یقوم بھا فی رمضان فی جماعة ۴ ۔ تراویح کی بیس رکعات ہیں۔ ان کو رمضان المبارک میں با جماعت ادا کیا جائے۔

اس کتاب کے مصنف خود اپنی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں: ھذا کتاب فی الفقه علیٰ مذھب ابی عبداللہ احمد بن حنبل۔ کہ یہ کتاب امام احمد بن حنبلؒ کی فقہ پر مشتمل ہے۔

(۴) کشف القناع میں حنبلی مذہب یوں لکھا گیا ہے: وھی عشرون رکعة فی رمضان ۵ ۔

(۵) فقہ حنبلی کی کتاب شرح منتہی الارادات میں ہے: وھی عشرون رکعة فی رمضان ۶ ۔

(۶) حافظ ابن تیمیہ حنبلیؒ بھی امام احمدؒ کا مسلک بیس رکعات تراویح ہی بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ اپنے فتاوی میں رقم طراز ہیں: والتراویح ان صلاھا کمذھب ابی حنیفه والشافعی واحمد عشرین رکعة ۷ ۔

ل الحاوی للفتاوی (۱/۱۶۸) مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان) ۲ کتاب المغنی لابن قدامۃ (۱/۲۹۸)

۳ کتاب الاقناع (۱/۱۱۷) بحوالہ رکعات التراویح (ص ۹۱) ۴ کتاب المقنع (۱/۱۸۳)

۵ کشف القناع عن متن الاقناع (ص ۲۲۷) ۶ شرح منتہی الارادات (۱/۲۵۶)۔ بحوالہ خیر المصابیح (ص ۴۵)

۷ الفتاوی الکبریٰ (۴/۲۲۷) مطبوعہ مصر۔

(۷) شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی حنبلی امام احمدؒ کے مسلک کے بارے میں لکھتے ہیں:
والمختار عنداحمدؒ عشرون ركعة ۔[1] امام احمد کے نزدیک مختار بیس رکعات تراویح ہیں۔
(۸) شارح بخاری علامہ قسطلانیؒ، حنبلی علماء سے امام احمدؒ کا مسلک یوں نقل کرتے ہیں: التراويح عشرون ركعة ولاباس بالزيادة نصاعن الامام احمد [2] ۔ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں اور بیس سے زائد رکعات پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ یہی امام احمد بن حنبلؒ کی تصریح ہے۔

حنبلی علماء کے علاوہ دیگر علمائے محققین کے ہاں بھی امام احمدؒ کا مسلک بیس تراویح ہی ہے۔

چنانچہ ابن رشد مالکیؒ لکھتے ہیں: فاختار مالك في احدقوليه وابوحنيفة والشافعي واحمد وداؤدالقيام بعشرين ركعة سوى الوتر۔ [3] امام مالک نے اپنے ایک قول میں اور امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور علامہ داؤد ظاہریؒ نے وتر کے علاوہ بیس رکعات تراویح کو اختیار کیا ہے۔ امام نووی شافعیؒ فرماتے ہیں: هذامذهبناوبه قال ابوحنيفه واصحابهٗ واحمدو داؤد وغيرهم [4] ۔

بیس تراویح ہی ہمارا مذہب ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب، امام احمد اور علامہ داؤد ظاہری اور دیگر علماء بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام عبدالوہاب شعرانی رقم طراز ہیں: ومن ذالك قول ابي حنيفة والشافعي واحمد رحمهم اللّٰه تعالىٰ انَّ صلوة التراويح في شهر رمضان عشرون ركعة وان في الجماعة افضل [5] ۔ اور اسی قبیل سے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا قول ہے کہ نماز تراویح ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعات ہیں اور تراویح کو جماعت سے ادا کرنا افضل ہے۔ علامہ محمد بن عبدالرحمٰن شافعیؒ فرماتے ہیں: فالمسنون عندابي حنيفة والشافعي واحمدعشرون ركعة [6] ۔
امام ابوحنیفہؒ، امام شافعی اور امام احمدؒ کے نزدیک مسنون تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔

---

[1] مجموعۂ مؤلفات شیخ ابن عبدالوہابؒ (۱۱۷/۴) [2] ارشادالساری بحوالہ رکعات التراویح (ص۹۱)
[3] بدایۃ المجتہد (۱۵۶/۱) [4] مجموع شرح مہذب (۳۲/۴) [5] المیزان الکبریٰ (ص۱۵۳) [6] رحمۃ الامۃ (ص۲۳)

قارئین! حنبلی وغیر حنبلی علمائے محققین کے مذکورہ بیانات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امام احمدؒ کا مسلک بھی دیگر ائمہ کرام کی طرح بیس تراویح کے مسنون ہونے کا ہے اور ان کے نزدیک بیس سے کم تراویح پڑھنا جائز نہیں ان کا یہی قول ان کی تمام کتب فقہ میں مذکور ہے اور تمام حنبلی المسلک علماء بھی اپنے امام کی اتباع میں بیس تراویح کے ہی قائل ہیں اور آج بھی حرمین شریفین کے ائمہ جو حنبلی المسلک ہیں، رمضان المبارک میں بیس تراویح ہی پڑھاتے ہیں۔ والحمدللّٰہ علیٰ ذلك۔

اب غیر مقلدین کی ہٹ دھرمی ملاحظہ کیجئے کہ وہ ان ٹھوس اور کثیر حوالہ جات کے باوجود امام احمدؒ کا مسلک بیس تراویح ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ امام احمدؒ تو سرے سے کسی حد کے قائل ہی نہیں تھے اور استدلال میں امام احمد کا ایک مجمل قول پیش کرتے ہیں جس کو امام ترمذیؒ نے پیش کیا ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: قال احمد روی فی ھذاالوان لم یقض فیه شئی [1]۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ رکعات تراویح میں مختلف روایات ہیں۔ انھوں نے کسی خاص چیز کا فیصلہ نہیں کیا۔ لیکن غیر مقلدین کا اپنے موقف پر اس قول سے استدلال کرنا باطل ہے کیونکہ :

(۱) امام ترمذیؒ کا یہ نقل کردہ قول تحدید رکعات کے بیان سے ساکت ہے جبکہ اس کے بالمقابل دیگر بہت سے ائمہ ناقلین کے نقل کردہ اقوال تحدید رکعات (بیس رکعات) میں ناطق ہیں اور یہ مشہور اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ ناطق کو ساکت قول پر ترجیح ہوتی ہے۔

(۲) ہم نے پیچھے تفصیل سے فقہ حنبلی کی معتبر کتابوں سے ثابت کردیا ہے کہ امام احمدؒ کا مختار قول بیس رکعات کا ہی ہے۔ اب اس کے مقابلے میں امام ترمذیؒ جو غیر حنبلی المسلک ہیں، کے ایک مجمل قول کی کوئی حیثیت نہیں رہتی کیوں کہ کسی صاحب مذہب کے متعلق وہی قول معتبر سمجھا جاسکتا ہے جو اس کے اہل مذہب کی اپنی کتابوں میں منقول ہو۔ اس کے مقابلے میں کسی غیر اہل مذہب کا نقل کردہ قول خواہ وہ ناقل کتنا ہی ثقہ ہو، غیر معتبر اور شاذ سمجھا جاتا ہے کیوں کہ صاحب البیت ادری بمافیه۔

---

[1] ترمذی (۹۹/۱)

(۳) بالفرض اگر امام ترمذیؒ کے اس نقل شدہ قول کو معتبر بھی مان لیا جائے تو پھر اس قول کا تعلق بیس تراویح سے زائد رکعات سے ہوگا کیوں کہ پہلے حنبلی علماء کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ امام احمد بیس تراویح سے کم پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے البتہ بیس سے زائد جتنی بھی رکعات پڑھی جائیں وہ ان میں اختیار دیتے ہیں۔

اب امام ترمذیؒ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ: امام احمدؒ نے فرمایا (بیس رکعات سے زائد) تراویح میں مختلف روایات (۴۰ سے لے کر ۴۱ رکعات تک) مروی ہیں اور انھوں نے (بیس سے زائد) رکعات مقرر کرنے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے بیس سے لے کر اکتالیس تک مختلف اقوال ذکر کئے ہیں لیکن بیس سے کم کا ایک قول بھی ذکر نہیں کیا معلوم ہوا کہ امام ترمذیؒ کے نزدیک بھی امام احمدؒ کے قول کا تعلق بیس سے زائد رکعات کے متعلق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۴) امام مالکؒ کا مسلک: امام مالکؒ سے رکعات تراویح کی بابت دو روایتیں منقول ہیں:

نمبر ۱: بیس رکعات جیسا کہ دیگر ائمہ ثلاثہ وغیرہم کا مذہب ہے اور مالکیہ میں سے علامہ ابن عبد البرؒ وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے اور فقہ مالکی کی کتب انوار ساطعہ اور دسوقی وغیرہ میں امام مالکؒ کا یہی مسلک مذکور ہے۔

نمبر ۲: چھتیس رکعات، اور اسی قول کو اکثر مالکیوں نے اختیار کیا ہے اور یہی امام مالکؒ کا مشہور اور معتبر قول ہے۔ اس قول کو امام مالکؒ سے ان کے دو شاگردوں (علامہ ابن القاسم اور علامہ ابن ایمن) نے براہ راست نقل کیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن رشد مالکیؒ اور علامہ ابوبکر بن العربی مالکیؒ لکھتے ہیں: وذکر ابن القاسم عن مالك انه کان یستحسن ستا وثلثین رکعة والوتر ثلث [۱]۔ علامہ ابن القاسمؒ نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ چھتیس رکعات (تراویح) اور تین رکعات وتر پڑھنے کو پسند کرتے تھے۔

﴿ف﴾ امام عبد الرحمٰن بن قاسمؒ امام مالکؒ کے براہ راست اور جلیل القدر شاگرد ہیں جو فقہ مالکی کے مدون بھی ہیں۔ تمام ائمہ رجال (امام نسائی، امام حاکم، امام خطیب، امام ابن حبان، امام یحییٰ بن معین، امام ابوزرعہ) وغیرہ نے ان کی توثیق وتعریف کی ہے [۲]۔

---

[۱] بدایۃ المجتہد (۱/۱۵۲)، عارضۃ الاحوذی (۴/۱۹) [۲] دیکھئے "تہذیب التہذیب" (۶/۲۵۲)

مالکیوں کے نزدیک امام مالکؒ کی سب سے معتبر روایت وہی سمجھی جاتی ہیں جو ان سے ابن القاسم نے نقل کی ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: اعتمادھم فی الاحکام والفتوی علی ما رواہ ابن القاسم عن مالک سواہ وافق مافی المؤطاام لا[1]

مالکیوں کے نزدیک اعتماد اور دارومدار احکام اور فتاوی میں اس روایت پر ہوتا ہے جو ابن القاسم امام مالک سے روایت کریں چاہے وہ روایت مؤطا امام مالک کے موافق ہو یا نہ ہو۔

امام مالک کے دوسرے ثقہ شاگرد علامہ ابن الایمنؒ نے بھی ان سے انتالیس رکعات وتر سمیت نقل کی ہیں۔ چنانچہ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: روی ابن الایمن عن مالک قال یستحب ان یقوم الناس فی رمضان بثمان وثلثین رکعۃ یسلم الامام والناس ثم یوتر بھم واحدۃ[2]۔

علامہ ابن ایمنؒ نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مستحب ہے کہ لوگ رمضان المبارک میں اڑتیس رکعات پڑھیں پھر امام اور مقتدی سلام پھیر دیں اور پھر امام انھیں ایک رکعت وتر پڑھائے۔ علامہ عینیؒ اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ابن ایمن نے وتر کی دو رکعت تراویح کے ساتھ شامل کر دی ہیں اور ان سب اڑتیس رکعات کو قیام رمضان (تراویح) کا نام دے دیا ہے ورنہ امام مالکؒ سے مشہور روایت چھتیس رکعات اور تین وتر ہیں (جیسا کہ ابن القاسمؒ نے ان سے نقل کیا ہے)۔ بہر حال دونوں صورتوں میں تعداد ایک ہی ہے یعنی انتالیس رکعات مع الوتر۔ [3]

پس جب امام مالکؒ سے ان کے دونوں شاگرد وتر سمیت انتالیس رکعات نقل کر رہے ہیں اور فقہ مالکی کی اکثر کتابوں میں امام مالک کا یہی قول درج ہے تو اسی قول کو ترجیح دی جائے گی اور مالکیوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے علمائے محققین نے بھی امام مالک سے یہی چھتیس رکعات کا قول نقل کیا ہے۔

(۱) چنانچہ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: وقال مالک ستۃ وثلاثون [4]۔ امام مالک چھتیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔

(۲) امام نوویؒ فرماتے ہیں: وقال مالک التراویح تسع ترویحات وھی ستۃ وثلاثون

---

[1] تعجیل المنفعۃ (ص۴) [2] عمدۃ القاری (۲۴۵/۸) طبع دار الفکر بیروت [3] ایضاً [4] المغنی (۸۰۲/۱)

رکعۃ غیر الوتر ۱؎ ۔امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تراویح نو ترویحے ہیں اور یہ وتر کے علاوہ چھتیس رکعتیں بنتی ہیں۔

(۳) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: عن مالك ست وثلاثون وثلاث الوتر وھذاھو المشھور ۲؎ ۔

امام مالکؒ سے چھتیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر منقول ہیں اور یہی ان کا مشہور قول ہے۔

(۴) علامہ ابن عبدالرحمٰن شافعیؒ لکھتے ہیں: وحکی عن مالك ان التراویح ست وثلثون ۳؎

امام مالک سے چھتیس رکعات تراویح منقول ہیں۔

(۵) امام سیوطیؒ لکھتے ہیں: وعن مالك التراویح ست وثلثون رکعۃ غیر الوتر ۴؎ ۔

امام مالک سے روایت ہے کہ تراویح کی وتر کے علاوہ چھتیس رکعتیں ہیں۔

(۶) علامہ بدرالدین عینیؒ تحریر کرتے ہیں: وعندمالك تسع ترویحات بستۃ وثلاثین رکعۃ غیرالوتر ۵؎ ۔امام مالکؒ کے نزدیک نو ترویحے یعنی وتر کے علاوہ چھتیس رکعات ہیں۔ نیز علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: فالمشھورعن مالك ست وثلاثون والوتربثلاث ۶؎ ۔

امام مالک کا مشہور قول چھتیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر کا ہے۔

(۷) برصغیر کے مشہور محدث شیخ عبدالحق محدث دھلویؒ لکھتے ہیں: وقال مالك ست وثلثون اوتسع وثلثون مع الوتر ۷؎ ۔امام مالکؒ (بغیر وتر کے) چھتیس اور وتر سمیت انتالیس رکعات کے قائل ہیں۔

(۸) علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں: وعن مالك ست وثلاثون ۸؎ ۔امام مالک سے چھتیس رکعات نقل کی گئی ہیں۔

(۹) علامہ شوکانیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں: وقال مالك الامرعندناتسع وثلاثون ۔ ۹؎

۱؎ (مجموع شرح مھذب (۳۲/۴) ۲؎ فتح الباری (۲۵۲/۴) ۳؎ رحمۃ الامۃ (ص ۲۳) ۴؎ مصابیح (ص ۹)

۵؎ العنایۃ شرح ہدایہ (۱/ ۸۶۷) ۶؎ عمدۃ القاری شرح بخاری (۲۴۵/۸) ۷؎ ماثبت بالسنۃ مع ترجمہ مومن کے ماہ وسال (ص ۲۱۷) ۸؎ ردالمحتار (۵۱۱/۱) ۹؎ نیل الاوطار (۶۱/۳)

امام مالک فرماتے ہیں کہ تراویح کا حکم ہمارے نزدیک تین وتر سمیت انتالیس رکعات ہیں۔

(۱۰) مولانا میاں غلام رسول صاحب "غیر مقلد فرماتے ہیں: سند امام مالك درست وثلاثین

عمل اہل المدینة وسنته ۱؎۔

امام مالکؒ کی دلیل چھتیس رکعات کے بارے میں اہل مدینہ کا عمل لکھا گیا ہے۔

تلك عشرة كاملة۔

۱؎ رسالہ تراویح مع بیان ہیچ (ص ۳۷)

علمائے کرام کے ان کثیر بیانات کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ مالکی علماء کی طرح غیر مالکی علماء کے نزدیک بھی امام مالک کا صحیح اور مشہور قول چھتیس رکعات تراویح کا ہے اور یہ بات خود غیر مقلدین کے دو چوٹی کے بزرگوں کو بھی تسلیم ہے لیکن اس کے باوجود بعض غیر مقلدین ان سب حوالہ جات سے بالکل آنکھیں بند کر کے امام مالک کا مذہب آٹھ تراویح کا بتلاتے ہیں۔

؎ بسوخت عقل زحیرت ایں چہ بوالعجبیست

یہ لوگ استدلال میں علامہ عینی کا ایک بلا سند قول اور علامہ سیوطیؒ کا ایک ضعیف قول جس کی سند نہایت منقطع ہے پیش کرتے ہیں۔لیکن ان کا یہ استدلال باطل ہے۔پہلے علامہ عینیؒ کے ذکر کردہ قول کا جواب ملاحظہ کریں۔اس کے بعد علامہ سیوطیؒ کے منقولہ قول پر بحث کی جائے گی۔

علامہ عینیؒ کے امام مالک سے ذکر کردہ گیارہ رکعات والے قول کی حقیقت: اولاً علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں امام مالک سے جو گیارہ رکعات کا قول نقل کیا ہے اس کی کوئی سند یا حوالہ پیش نہیں کیا۔ اس کے بالمقابل انھوں نے امام مالک سے جو انتالیس رکعات مع الوتر کا قول پیش کیا ہے اس کو انھوں نے مع السند ذکر کیا ہے، لھذا گیارہ رکعات والا قول انتالیس رکعات والے قول کے مقابلے میں مرجوح ہے۔ثانیاً: علامہ عینیؒ نے خود عمدۃ القاری، العنایۃ شرح ہدایہ وغیرہ اپنی کتابوں میں تصریح کی ہے کہ امام مالک کا مذہب چھتیس رکعات کا ہے بلکہ انھوں نے عمدۃ القاری میں تو اسی قول کو ان کا مشہور قول بتلایا ہے۔ جیسا کے یہ حوالے پہلے گزر چکے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ خود علامہ عینیؒ کے ہاں بھی امام مالک کی طرف منسوب گیارہ رکعات کا قول غیر مشہور اور شاذ ہے۔اب جو قول خود ناقل کے نزدیک غیر مشہور اور شاذ ہے اس شاذ قول سے امام مالک کا مذہب گیارہ رکعات نقل کرنا۔ ع مدعی سست گواہ چست کا مصداق ہے۔

ثالثاً: علامہ عینیؒ نے امام مالک کا جو قول چھتیس رکعات کا نقل کیا ہے، وہ امام مالک کے براہ راست شاگردوں (علامہ ابن القاسم، علامہ ابن الایمن) وغیرہ کی روایات کے موافق ہے اور ان کا یہی قول فقہ مالکی کی کتب میں مذکور ہے، جبکہ گیارہ رکعات کا قول نہ تو امام مالک کے کسی شاگرد نے ان سے نقل کیا ہے اور نہ ہی یہ قول فقہ مالکی کی کسی کتاب میں درج ہے۔لھذا صحیح قول ان کا چھتیس رکعات ہے اور ان کی

طرف منسوب گیارہ رکعات کا قول ضعیف اور غیر معتبر ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے ذکر کردہ قول کی حقیقت:

علامہ سیوطیؒ نے مصابیح اور الحاوی میں امام مالک سے گیارہ رکعات کا قول یوں نقل کیا ہے:

قال الجوری من اصحابنا عن مالك انه قال الذی علیه الناس عمر بن الخطاب ﷺ احب الی وھو احدی عشر رکعة[1]۔ لیکن غیر مقلدین کا اس قول سے بھی استدلال باطل ہے۔ اولاً: اس قول کے ناقل علامہ سیوطیؒ نے خود تصریح کی ہے کہ امام مالک کا مذہب چھتیس رکعات تراویح کا ہے۔ سیوطیؒ کا یہ حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔ لھذا یہ قول خود ناقل کے نزدیک بھی غیر معتبر ہے۔ جو قول خود ناقل کے ہاں بھی غیر معتبر ہو اس سے استدلال کرنا چہ معنٰی دارد؟

ثانیاً: امام مالک سے اس قول کو روایت کرنے والے جوری ہیں اور ان کی ملاقات امام مالک سے تو کجا ان کے شاگردوں سے بھی ثابت نہیں، کیونکہ امام مالکؒ کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی[2]۔ جبکہ جوری[3]۔ کی پیدائش ۲۳۷ھ کی ہے یعنی وہ امام مالک کی وفات کے ۵۹ سال بعد پیدا ہوئے۔ ان کا نام علی بن الحسین القاضی ہے اور وہ علامہ ابو بکر نیشاپوری کے شاگردوں میں سے ہیں اور شافعی المسلک ہیں[4]۔ جوری سے اس قول کو نقل کرنے والے علامہ سیوطیؒ کی ولادت ۹۱۱ھ میں ہوئی۔ اب جوری اور ان سے ناقل علامہ سیوطی کے درمیان سینکڑوں سال کا طویل عرصہ ہے اور درمیان میں سند کی کئی کڑیاں غائب ہیں۔ گویا نہ اس قول کے راوی کی ملاقات اپنے مروی عنہ سے ہے اور نہ ہی ناقل کی ملاقات منقول عنہ سے ہے۔ لھذا ایسے منقطع السند قول پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے، جب کہ یہ قول امام مالکؒ کے براہ راست شاگردوں کی روایات کے بھی مخالف ہے۔ اب غیر مقلدین کے بوالعجمی ملاحظہ کریں کہ جو بات امام مالکؒ

---

[1] المصابیح (ص ۸)، الحاوی (ص) [2] تقریب (۱۵۲/۲) [3] بعض غیر مقلدین اس سند کے انقطاع پر پردہ ڈالنے کیلئے جوری کی جگہ جوزی یا ابن الجوزی کہہ دیتے ہیں حالانکہ ان کا نام نہ جوزی ہے اور نہ ابن الجوزی ہے بلکہ جوری ہے چنانچہ علامہ تاج الدین سبکیؒ لکھتے ہیں: علی بن الحسین القاضی ابو الحسین الجوری بضم الجیم ثم الواؤ الساکنہ ثم الراء نسبة الیٰ جور بلدة من بلاد فارس۔ طبقات الشافعیة (۳۰۷/۲)

[4] دیکھئے طبقات الشافعیہ (۳۰۷/۲)

سے ان کے شاگرد نقل کررہے ہیں تمام محققین اسے (چھتیس رکعات کو) ہی امام مالکؒ کا مذہب بتلاتے ہیں اور یہی قول فقہ مالکی کی کتب میں مذکور ہے بلکہ خود غیر مقلدین کے اپنے اکابر (قاضی شوکانی اور غلام رسول صاحب وغیرہ کو بھی امام مالک کا مسلک یہی ہونا تسلیم ہے لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین کے ہاں امام مالک کا یہ قول تو قابل اعتماد نہیں لیکن اس کے برخلاف جس قول کو علامہ عینیؒ نے بلا سند اور علامہ سیوطیؒ نے نہایت منقطع سند کے ساتھ ذکر کیا ہے (حالانکہ علامہ عینیؒ اور علامہ سیوطیؒ کے نزدیک بھی امام مالک کا مذہب چھتیس رکعات کا ہے) وہ قول ان کے نزدیک قابل اعتماد ہے۔

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے !

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے !

الغرض امام مالکؒ کا مذہب چھتیس رکعات تراویح کا ہے اور گیارہ رکعات والے قول کی نسبت ان کی طرف غلط ہے اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ امام مالکؒ اور دیگر اہل مدینہ کے نزدیک تراویح کی اصل رکعات بیس ہی تھیں لیکن پھر انھوں نے اہل مکہ کے ساتھ ثواب میں برابری حاصل کرنے کیلئے سولہ نوافل کا اضافہ کرلیا جس کی وجہ سے تراویح کی تعداد چھتیس رکعات ہوگئی، چنانچہ امام نوویؒ، علامہ ابن قدامہ اور دیگر محققین اہل مدینہ کے ان سولہ رکعات کے اضافہ کی وجہ میں لکھتے ہیں: وسببه ان اهل مكة كانوا يطوفون بين كل ترويحتين طوافاًويصلون ركعتين ولايطوفون بين الترويحة الخامسة فارادواهل المدينةمساواتهم فجعلوامكان كل طواف اربع ركعات نزادواست عشرةركعةواوتروبثلاث فصارالمجوع تسعاوثلاثين [1]۔

امام مالک اور دیگر اہل مدینہ کا چھتیس رکعات پڑھنے کا سبب یہ ہے کہ اہل مکہ ہر دو ترویحوں کے درمیان یعنی چار رکعات کے بعد کعبۃ اللہ کا طواف کرتے تھے اور دو رکعت طواف کی پڑھتے تھے جبکہ پانچویں ترویحہ کے بعد طواف نہیں کرتے تھے۔ لھذا اہل مدینہ نے ان کے ساتھ برابری کیلئے ہر طواف کی جگہ چار رکعات

---

[1] مجموعہ شرح مھذب اللنووی (۴/۱۳۳)۔ المغنی لابن قدامہ (۱/۸۰۲)، مصابیح للسیوطی (ص ۹)، ارشاد الساری (؟) بنی شرح ھدایہ (۱/۸۶۷)، ماثبت بالسنۃ مترجم للشیخ عبدالحق دھلویؒ (۳۶۴) وغیرہ

زائد پڑھنا مقرر کرلیں اور سولہ رکعات کا اضافہ کردیا اور تین رکعتیں وتر کی پڑھتے تھے۔اس طرح ان کی تراویح کی مجموعی تعداد وتر سمیت انتالیس رکعات ہوگئی۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ امام مالک کے نزدیک بھی دیگر ائمہ ثلاثہ کی طرح اصل تراویح بیس رکعات ہی تھیں اس طرح بیس تراویح پر چاروں ائمہ کرام کا اتفاق ہے اور ان میں سے کوئی بھی امام بیس رکعات سے کم تراویح کا قائل نہیں ہے۔

ائمہ اربعہؒ کی اتباع سواد اعظم کی اتباع ہے:

چونکہ ائمہ اربعہؒ کے مقلدین ہر دور میں اکثریت میں رہے ہیں اور اب تو تمام عالم کے مسلمان سوائے شرذمہ قلیلہ (غیر مقلدین) کے سب ائمہ اربعہ کے ہی مقلد ہیں اور دیگر تمام مذاہب ختم ہو چکے ہیں۔اس لئے اب ائمہ اربعہ کی اتباع ہی سواد اعظم کی اتباع ہے اور ان کے مذاہب سے خروج سواد اعظم سے خروج ہے۔چنانچہ امام الھند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔:قال رسول اللہ ﷺ اتبعوا سوداالاعظم ولما اندر ست المذاهب الحقةالاهذه الاربعة كان اتباعها اتباعا لسود الاعظم والخروج عنهاخروجاعن السوادالاعظم [1]۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سواد اعظم کی پیروی کرو،اور جب کہ ان مذاہب اربعہ کے سوا باقی مذاہب حقہ مٹ چکے ہیں تو اب ان مذاہب کا اتباع سواد اعظم کا اتباع ہوگا اور ان سے خروج سواد اعظم سے خروج ہوگا۔پہلے گزر چکا ہے کہ بیس تراویح پر چاروں ائمہ کرام متفق ہیں اور ان میں سے کوئی بیس تراویح سے کم کا قائل نہیں۔لھذا جو شخص بھی بیس تراویح سے کم کا قائل ہوگا وہ بقول حضرت شاہ ولی اللہؒ سواد اعظم سے نکلنے والا شمار ہوگا اور جو آدمی اپنے آپ کو سواد اعظم میں سے نکالتا ہے اس کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:فانه من شذشذفی النار الحدیث [2] ۔کہ جو سواد اعظم سے جدا ہوا وہ آگ میں ڈال دیا گیا۔اللہ تعالیٰ تمام مسلمین کو ہمیشہ سواد اعظم کی اتباع میں ہی قائم رکھے اور سواد اعظم سے نکلنے کے وبال سے ہر ایک کو بچائے آمین۔

---

[1] عقد الجید (ص ۳۷) بحوالہ اختلاف امت اور صراط مستقیم (ص۲۹۴) [2] مشکوۃ (ص۳۰)

بیس تراویح ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے علاوہ دیگر علمائے امت کی نظر میں

جس مسئلہ پر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اتفاق ہو جائے اس پر مزید کسی شخصیت کا حوالہ دینے کی ضرورت تو نہیں کیونکہ فیہ کفایۃ لمن لہ ھدایۃ لیکن چونکہ ہمارا مقصد اپنے قارئین کی ہر ممکن تسلی کرانا ہے اس لئے ائمہ اربعہ کے ارشادات عالیہ کے بعد بیس تراویح پر دیگر علمائے امت میں سے بھی چیدہ چیدہ اور متفق علیہ شخصیات کی آراء حوالہ قرطاس کی جاتی ہیں تا کہ یہ اجماعی مسئلہ قارئین کے سامنے بالکل واضح ہو جائے۔

(۱) قطب ربانی محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں: صلوۃ التراویح سنۃ النبی ﷺ ...... وھی عشرون رکعۃ[۱]۔

نماز تراویح نبی ﷺ کی سنت ہے...... اور تراویح بیس رکعات ہیں [۲]۔

(۲) قطب العارفین امام عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں: ان صلوۃ فی شھر رمضان عشرون رکعۃ وانھا فی الجماعۃ افضل [۳]۔ بے شک نماز تراویح رمضان المبارک میں بیس رکعات ہیں اور ان کو جماعت سے ادا کرنا افضل ہے۔

(۳) حجۃ الاسلام امام ابوحامد محمد غزالیؒ تحریر کرتے ہیں: التراویح وھی عشرون رکعۃ وکیفیتھا مشھورۃ وھی سنۃ مؤکدۃ [۴]۔ تراویح بیس رکعات ہیں جن کی کیفیت مشہور ہے اور یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

---

[۱] غنیۃ الطالبین (ص ۴۶۵) [۲] تنبیہ:۔ غیر مقلدین کے مطبع مکتبہ سعودیہ کراچی نے جو غنیۃ الطالبین طبع کی ہے اس میں انہوں نے تحریف کر کے شیخ جیلانیؒ کے رکعات تراویح کے متعلق الفاظ: وھی عشرون رکعۃ (تراویح کی بیس رکعتیں ہیں) کو وھی احدی عشرۃ مع الوتر (تراویح کی وتر سمیت گیارہ رکعتیں ہیں) سے بدل دیا ہے۔ انا للہ...... غیر مقلدین کی اس بے رحمانہ تحریف پر بہت سے دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن بطور اختصار صرف ایک حوالہ جو ان کے محدث اعظم مولانا عبداللہ روپڑی کا ہے پیش خدمت ہے۔ چنانچہ مولانا لکھتے ہیں:۔ غنیۃ الطالبین کی عبارت وھی عشرون رکعۃ حدیث کے الفاظ نہیں بلکہ یہ غنیۃ الطالبین والے کی اپنی عبارت ہے۔ فتاوی اہل حدیث (۱/۶۶۱)۔ اب غیر مقلدین کی اس تحریف پر اس سے بڑی اور دلیل کیا ہو سکتی ہے؟ [۳] میزان (ص ۱۵۳) [۴] احیاء العلوم (۱/۱۳۹)

(۴) شارح مسلم امام محی الدین نوویؒ لکھتے ہیں: اعلم ان صلوۃ التراویح سنۃ باتفاق المسلمین وھی عشرون رکعۃ یسلم من کل رکعتین ۱۔ جان لوکہ نماز تراویح باالاتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک سنت ہے اور یہ بیس رکعات ہیں جن میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے۔

(۵) مشہور محدث اور فقیہ، حافظ المغرب علامہ ابن عبدالبرؒ بیس تراویح کے متعلق فرماتے ہیں: وھو قول جمہور العلماء، وھوالاختیار عندنا ۲۔ یہ بیس تراویح جمہور علماء کا قول ہے اور ہمارے (مالکیہ) نزدیک بھی یہی پسندیدہ ہے۔

(۶) مشہور محقق، شارح حدیث امام سبکیؒ فرماتے ہیں: ومذہبنا ان التراویح عشرون رکعۃ ۳۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ تراویح بیس رکعات ہیں۔

(۷) شیخ الاسلام امام ابوزکریا انصاریؒ رقمطراز ہیں: وھی عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات فی کل لیلۃ فی شھر رمضان ۴۔ تراویح رمضان المبارک کی ہر رات میں دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعتیں ہیں۔

(۸) شیخ احمد الدرویر مالکیؒ لکھتے ہیں: وھی ثلاث وعشرون رکعۃ بالشفع والوتر کما کان علیہ العمل۔ ۵ تراویح وتر سمیت تیئس رکعات ہیں، جیسا کہ اسی پر عمل بھی ہے۔

(۹) امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دھلویؒ فرماتے ہی: وعدده عشرون رکعۃ وذلك انھم رأوا النبی ﷺ شرع للمحسنین احدی عشرۃ رکعۃ فی جمیع السنۃ فحکموا انہ لاینبغی ان یکون حظ المسلم فی رمضان عندقصده الاقتحام فی لجۃ التشبہ بالملکوت اقل من ضعفھا ۶۔ اور قیام رمضان (تراویح) کی بیس رکعتیں ہیں اور یہ اس لئے کہ صحابہ کرام ؓ نے دیکھا کہ نبی ﷺ نیکوکاروں کیلئے (تہجد) کی گیارہ رکعتیں پورا سال

---

۱ کتاب الاذکار (ص ۸۳) ۲ طرح التثریب فی شرح التقریب (۳/۸۸) ۳ المصابیح (ص ۱۴)

۴ شرح روضۃ الطالب (۱/۲۰۰) بحوالہ القول المبین (ص ۲۵۱) ۵ شرح الکبیر (۱/۳۱۵)

۶ حجۃ اللہ البالغۃ (۲/۱۸) مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی

مقرر کی ہیں، انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ رمضان المبارک میں جب مسلمان تشبہ بالملکوت کے دریا میں غوطہ لگانے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کا حصہ سال بھر والی نماز کی رکعتوں کے دوگنا سے کم نہیں ہونا چاہیے۔

(۱۰) علامہ سید منصور بن علی ناصف (من علماء الازھر) لکھتے ہیں: صحابہ کرام ﷺ نے تراویح کی بیس رکعات مقرر کی ہیں اور پھر اس پر مداومت کی۔ پس یہ صحابہ کرام ﷺ کی اجماعی رائے ہوئی جس کو انھوں نے فعل حسن سمجھ کر اختیا کیا۔ فھو عند اللہ حسن (صحابہ ﷺ کا یہ عمل عند اللہ بھی اچھا عمل ہے)، اس حدیث کی رو سے جس کو امام مالکؒ نے نقل کیا ہے کہ جس چیز کو مومنین اچھا سمجھیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے الحدیث [1]۔

تلك عشرة كاملة۔

---

[1] التاج الجامع الاصول فی احادیث الرسول (۶۶/۲) بحوالہ الدر المنضود شرح اردو سنن ابی داؤد (۵۶۳/۲)

بیس تراویح کا ثبوت علمائے غیر مقلدین سے:

احادیث رسول، آثار صحابہ، آثار تابعین و تبع تابعین، اجماع صحابہؓ، توارث امت اور ائمہ اربعہؒ و دیگر علمائے امت کے ارشادات کے بعد اب بیس تراویح کے اثبات میں خود غیر مقلدین کے اپنے اکابر کے کچھ اقوال وارشادات بھی نقل کیے جاتے ہیں تاکہ اصاغر غیر مقلدین جو ہر طرف بیس تراویح کے خلاف مور چہ زن ہیں ان پر حجت تام ہو جائے کیونکہ افضل الشھادات ماشھدت بہ الاعداء۔

(۱) علامہ داؤد بن علی الظاہریؒ جو فرقہ ظاہریہ کے امام اور غیر مقلدین کے ہاں نہایت قدر و منزلت کے مالک ہیں، یہ بھی بیس تراویح کے قائل تھے اور ان کے مذہب میں بیس تراویح پڑھنا ہی مسنون ہے۔ [۱]

(۲) غیر مقلدین کے مجدد العصر اور رئیس المحققین نواب صدیق حسن خان صاحب بھی بیس تراویح کو مسنون کہتے ہیں چنانچہ موصوف لکھتے ہیں: پس آں بزیادت عامل بسنت ہم باشد۔ [۲]
پس حضرت عمرؓ کی بڑھائی ہوئی تعداد یعنی بیس تراویح پر عمل کرنے والا بھی سنت پر عمل کرنے والا ہے۔ نیز جو غیر مقلدین بیس تراویح کو بدعت قرار دیتے ہیں ان کا رد کرتے ہوئے نواب صاحب لکھتے ہیں: اما آنکه جمع از اهل علم ایں نماز بست رکعات قرار ده اندو در هر دو رکعتے قرأت متعین رامستحسین داشته ایں عدداز حضور ﷺ ثبت نشده است ولیکن چیزے است براں ایں معنٰی صادق است انه صلوٰة وانه جماعة وانه رمضان پس حکم مبتدع آں چه معنٰی؟ [۳]۔

اہل علم کی ایک جماعت نے اس نماز کی بیس رکعتیں قرار دی ہیں اور ہر دو رکعت کے اندر قرأت کی متعین مقدار کو اچھا سمجھا ہے تو یہ عدد مخصوص اگرچہ حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس پر صادق آتا ہے کہ یہ جماعت ہے اور یہ رمضان المبارک میں ہے پھر اس کو بدعت کہنے کا کیا مطلب ہے؟

(۳) مشہور غیر مقلد عالم اور نواب صاحب کے صاحبزادے مولانا نور الحسن خان صاحب تحریر کرتے

---

[۱] دیکھئے بدایۃ المجتہد (۱/۱۶۶)، شرح مہذب للنوویؒ (۴/۳۲) [۲] ہدایۃ السائل (۱۲۸) [۳] بدور الاہلۃ (ص ۸۳)

ہیں۔پس منع ازبست وزیادہ چیزے نیست [1]۔پس بیس رکعت تراویح یا اس سے زیادہ رکعات سے منع کرنا کوئی چیز نہیں رکھتا۔

(۴)اہل عرب کی مشہور علمی شخصیت شیخ محمد عبدالوہاب نجدیؒ بھی بیس تراویح کے قائل تھے چنانچہ شیخ موصوف تحریر کرتے ہیں۔ولناان عمرؓ جمع الناس علیٰ ابی بن کعبؓ کان یصلی بھم عشرین رکعۃ [2]۔

بیس تراویح کے اثبات میں ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ پر جمع کیا تو وہ لوگوں کو بیس تراویح پڑھاتے تھے۔

﴿ف﴾شیخ موصوف اگرچہ حنبلی المسلک ہیں جیسا کہ ان کی تصنیفات سے ظاہر ہے لیکن چونکہ پاک وہند کے غیر مقلدین ان کو غیر مقلد ہونے کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کا متبع اور تابعدار ٹھہرا کر اہل عرب سے ان کی تعلیمات پھیلانے کے نام سے پیسے بٹورتے ہیں۔لھذا ان کا یہ فتوی غیر مقلدین پر حجت ہے اور اس کا ماننا ان پر فرض بھی ہے اور قرض بھی۔

(۵)مولانا نذیر احمد رحمانی صاحب غیر مقلد(جن کی کتاب انوارالمصابیح پر غیر مقلدین کی رکعات تراویح میں ساری تحقیقات کا مدار ہے اور اس کے بعد غیر مقلدین کی جتنی کتابیں،''نورالمصابیح''وغیرہ،لکھی گئی ہیں وہ سب اسی کا سرقہ اور چربہ ہیں)حضرت عمرؓ کے دور میں بیس تراویح پڑھے جانے کے متعلق لکھتے ہیں:فاروق اعظمؓ اس سے روکتے کیوں؟یہ کوئی معصیت اور منکر کام تو تھا نہیں۔ [3]

نیز لکھتے ہیں حضرت عمرؓ نے بیس پر نکیر نہیں فرمائی یہی اہل حدیث کا مذھب بھی ہے [4]۔

(۶)غیر مقلدین کے محدث اعظم مولانا عبداللہ روپڑیؒ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ:ہاں حضرت عمرؓ وغیرہ کے زمانہ میں بیس(تراویح)پڑھی گئی ہیں [5]۔

نیز لکھتے ہیں:غرض کسی پر کوئی اعتراض نہیں۔خواہ کوئی بیس پڑھے،خواہ چوبیس پڑھے،خواہ چھتیس پڑھے، خواہ اڑتالیس پڑھے،خواہ چالیس [6]۔

---

[1] العرف الجادی(ص۸۴) [2] مجموعہ مؤلفات شیخ محمد بن عبدالوہاب(۴/۱۱۷) [3] انوارالمصابیح(ص۲۳۲)
[4] ایضاً(ص۲۳۳) [5] اہل حدیث کے امتیازی مسائل(ص۹۹) [6] ایضاً(ص۱۰۲)

(۷) غیر مقلدین کے مشہور مرکز مدرسہ رحمانیہ کے مدرسین اور محدث نے اپنے رسالہ 'محدث' میں یہ بیان دیا تھا کہ آٹھ سے زیادہ (بیس) تراویح پڑھنا درست اور باعث اجر ہے۔ ۱

(۸) غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دھلویؒ کے شاگرد خاص اور غیر مقلدین کے بزرگ عالم دین مولانا میاں غلام رسول صاحب بھی بیس تراویح کے زبردست حامی اور صرف آٹھ تراویح کو مسنون کہنے والوں کے سخت مخالف تھے اور جب مفتی محمد حسین بٹالوی غیر مقلد نے آٹھ تراویح کے سنت اور بیس تراویح کے بدعت ہونے کا فتوٰی دیا تو اس فتوٰی کا رد سب سے پہلے میاں صاحب نے ہی ایک رسالہ کی صورت میں لکھا، چنانچہ وہ اپنے رسالہ میں مفتی بٹالوی کے فتوی کا رد کرنے کے بعد آخر میں بڑی دلسوزی سے فرماتے ہیں: یہ مفتی سینہ زوری کے ساتھ سنت کی پیروی کرنے والوں کے عمل (بیس تراویح) کو بدعت کہتا ہے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین، ائمہ مجتہدین، اور مشرق ومغرب کے علماء کی بہت بڑی جماعت کو مخالف سنت قرار دیتا ہے۔ العیاذ باللہ ۲۔

(۹) مشہور غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمان مترجم صحاح ستہ کا ارقام فرماتے ہیں: ۔کوئی یہ وہم نہ کرے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے (تراویح کی جماعت مقرر کر کے۔ ناقل) دین میں ایک بات شریک کردی جس کا اختیار ان کو نہ تھا، اسی طرح بیس رکعت کا حکم اپنی رائے سے دے دیا۔ حاشا وکلا۔ کہ حضرت عمرؓ ایسا کرتے بلکہ انہوں نے طریقہ نبویﷺ کا اتباع کیا...... حضرت عمرؓ نے ضرور آنحضرتﷺ کو بیس رکعتیں تراویح کی بھی پڑھتے دیکھا ہوگا، گو ہم تک یہ روایت بہ سند صحیح نہیں پہنچی۔

اس کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان منکر الحدیث ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کا زمانہ اس سے بہت پہلے تھا ان کو بہ سند صحیح یہ (روایت) پہنچ گئی ہوگی یا انہوں نے خود (رسول اللہﷺ کو بیس رکعات تراویح پڑھتے۔ ناقل) دیکھا ہوگا ۳۔

---

۱ فتاوٰی ستاریہ (۱۹/۳) ۲ "رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع" (ص۵۶، ۵۷) ۳ لغات الحدیث، مادہ وزغ۔

(۱۰) غیر مقلد عالم اور شاعر مولانا حافظ محمد لکھوی صاحب اپنی پنجابی کی ایک نظم میں بیس تراویح کو آٹھ تراویح پر ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

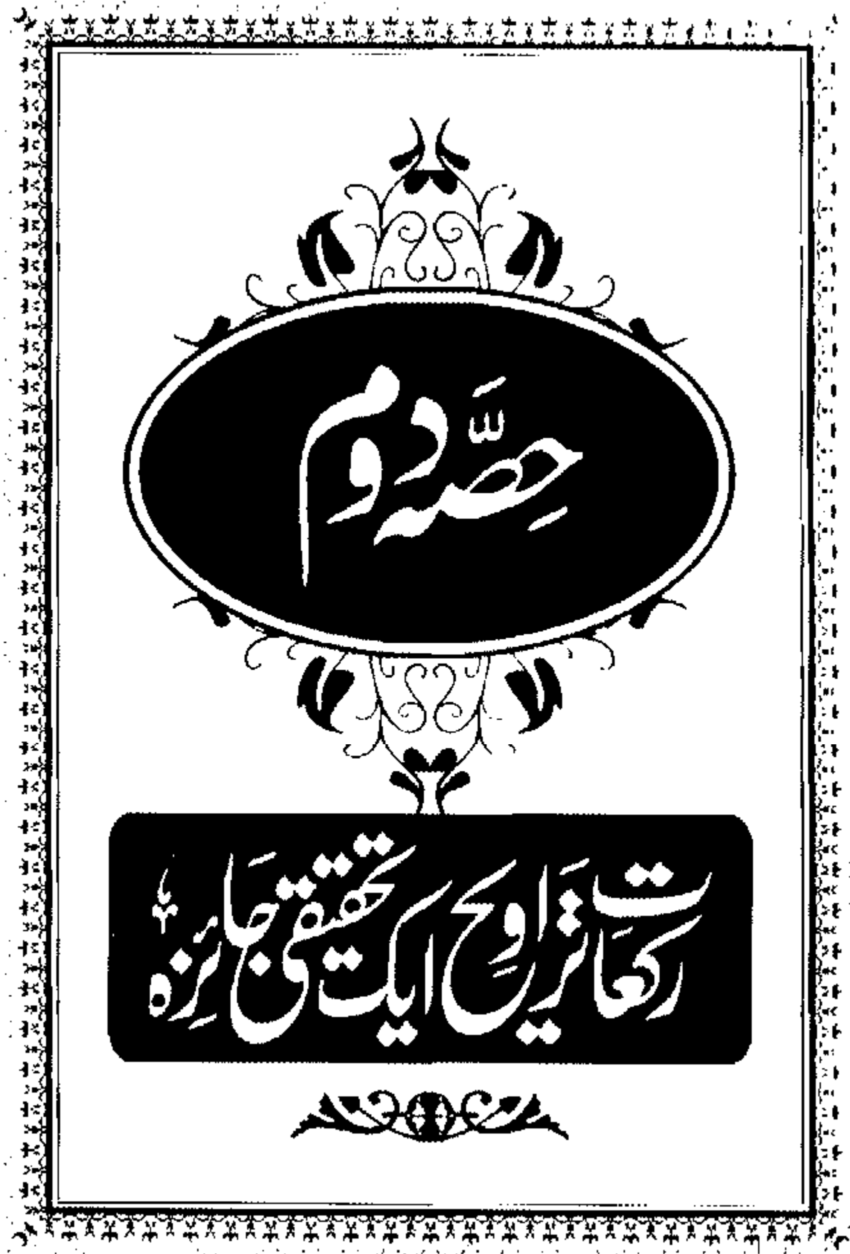
بعضے آٹھ رکعاتاں پڑھدے بعضے ویہ (۲۰) رکعاتاں

جتنی ودھ عبادت رب دی اتنیاں ہی ودھ براتاں [1]

تلك عشرة كاملة

---

[1] مجاہد الاسلام (ص ۱۰) بحوالہ خزائن السنن (۴۱/۳)


حصہ دوم
رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ

باسمہ سبحانہ

حصہ اول میں احادیث رسول ﷺ، آثار صحابہ ؓ، آثار تابعین وتبع تابعین، اجماع صحابہ ؓ تواتر امت، ائمہ اربعہ اور دیگر علمائے کرام (بشمول علمائے غیر مقلدین) کے اقوال سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ تراویح کا مسنون عدد بیس تراویح ہے اور بیس تراویح سے کم تراویح پڑھنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ ان دلائل پر غیر مقلدین کی طرف سے وارشدہ تقریباً تمام اعتراضات کے مسکت اور ٹھوس جوابات بھی قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں۔ حصہ دوئم میں ہم غیر مقلدین حضرات کے دعوی کہ تراویح صرف آٹھ رکعات ہی مسنون ہیں کا جائزہ لیں گے اور اس دعوی کے اثبات میں وہ جتنے دلائل پیش کرتے ہیں ان کی حقیقت بھی تفصیل کے ساتھ قارئین کے سامنے واضح کریں گے انشاء اللہ تعالی۔ لیکن اس سے پہلے رکعات تراویح سے متعلق غیر مقلدین کے چند مختلف نظریات ملاحظہ فرمالیں۔

غیر مقلدین کے تراویح اور رکعات تراویح سے متعلق چند مختلف نظریات

(۱) غیر مقلدین کے سنجیدہ حضرات جیسے نواب صدیق حسن خان صاحب، مولانا میاں غلام رسول صاحب وغیرہ حضرات جمہور امت کی طرح بیس تراویح کے مسنون ہونے کے قائل ہیں جیسا کہ آپ حصہ اول میں ان کے اقوال ملاحظہ کر چکے ہیں۔

(۲) غیر مقلدین میں جو سخت اور متعصب قسم کے لوگ ہیں وہ صرف گیارہ رکعات کو ہی مسنون کہتے ہیں اور ان کا دعوی ہے کہ صرف گیارہ رکعات ہی رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمر ؓ سے ثابت ہیں اور گیارہ کے علاوہ کوئی اور عدد تراویح نہ نبی ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی خلیفہ راشد سے منقول ہے۔ چنانچہ مولانا عبد الرحمن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: وھو الثابت عن رسول اللہ ﷺ بالسند الصحیح وبھا امر عمر بن الخطاب ؓ، واما الاقوال الباقیۃ فلم یثبت واحد منھا عن رسول اللہ ﷺ بسند صحیح ولا یثبت الامر بہ من احد من الخلفاء الراشدین بسند صحیح خال من الکلام [1]۔

---

[1] تحفۃ الاحوذی (۲/۷۳)

گیارہ رکعات کا مسنون ہونا ہی نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے اور اسی کا حضرت عمرؓ نے حکم فرمایا تھا اور گیارہ رکعات کے علاوہ باقی جتنے اقوال ہیں ان میں سے ایک بھی صحیح سند کے ساتھ جس میں کلام نہ ہو، نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی خلفائے راشدین میں سے کسی ایک خلیفہ سے ثابت ہے۔

(۳) غیر مقلدین میں بعض ایسے حضرات بھی ہیں جو گیارہ رکعات سے زائد تراویح پڑھنے کو بدعت تک کہہ دیتے ہیں العیاذ باللہ۔ چنانچہ مولوی محمد عثمان دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں: مقلدین کی ایک بڑی جماعت نے بیس رکعت مقرر کر کے بدعت شنیعہ کا ارتکاب کیا ہے [۱]۔

مولوی یونس قریشی غیر مقلد لکھتے ہیں: البتہ بیس یا تیئس کی تعداد معین اور خاص کرنا درست نہیں کیونکہ اس عمل کے بدعت ہوجانے کا خوف ہے [۲]۔

(۴) بعض حضرات غیر مقلدین جو سنت تو صرف آٹھ رکعات تراویح کہتے ہیں البتہ آٹھ سے زائد کو وہ بدعت نہیں کہتے بلکہ مستحب کہتے ہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد مصنف مولانا صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: رسول اللہ کی سنت پاک تو آٹھ رکعات تراویح ہی ہے اور اس سے زائد پڑھنا سنت نہیں بلکہ نافلہ عبادت ہے [۳]

مولانا نذیر احمد رحمانیؒ لکھتے ہیں: اہل حدیث بھی یہی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے فعل سے جو تعداد بسند صحیح ثابت ہے وہ سنت اور بہتر ہے۔ باقی نفلی نماز کی حیثیت سے اس کی کوئی تحدید و تعیین نہیں ہے، جس سے جتنی ہوسکے پڑھے [۴]۔ مولانا داؤد غزنویؒ امیر جماعت اہل حدیث اعلان فرمایا کرتے تھے کہ آٹھ تراویح سنت رسول اللہ کی ہے اور باقی بارہ رکعت مستحب ہیں [۵]۔

(۵) غیر مقلدین میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی ہے جو نماز تراویح کو جماعت سے ہی پڑھنے کے مخالف ہیں اور حضرت عمرؓ کے قائم کردہ اس طریقہ جماعت کو نعوذ باللہ بدعت عمری اور بدعت ضلالہ گر دانتے ہیں چنانچہ جماعت غیر مقلدین کے سرخیل اور ان کے مشہور محقق علامہ امیر یمانیؒ صاحب جماعت تراویح کے متعلق لکھتے ہیں: والمحافظة عليها هو الذى نقول انه بدعة [۶]۔

تراویح کی جماعت کے ساتھ باقاعدگی سے ادائیگی کو ہم بدعت کہتے ہیں۔ اس سے چند سطور قبل

---

[۱] رفع الاختلاف (ص۵۴) بحوالہ تحقیق مسئلہ تراویح (ص۸) [۲] دستور المتقی (ص۱۴۲) [۳] صلوۃ الرسول (ص۳۸۵) [۴] انوار المصابیح (ص۴۴) [۵] فتاوی علمائے حدیث (۲۶۵/۶) [۶] سبل السلام (۱۱/۲)

امیر یمانی صاحب لکھتے ہیں:ان عمرؓ هو الذی جعلها جماعة علیٰ معیّن وسماها بدعة واما قوله نعم البدعة فلیس فی البدعة ما یمدح بل کل بدعة ضلالة[1]۔
حضرت عمرؓ نے ہی تراویح کو ایک مقرر کردہ امام کے ساتھ جماعت کی صورت دی اور اس کا نام بدعت رکھا، آپ کا یہ قول کہ یہ اچھی بدعت ہے تو بدعت کوئی بھی قابل تعریف نہیں بلکہ ہر بدعت ضلالۃ (گمراہی) ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

(۶) جماعت غیر مقلدین کے بعض علماء تراویح کی جماعت کو سنت نہیں سمجھتے لیکن یہ سابقہ جماعت کی نسبت تھوڑے نرم ہیں اور اس کو بدعت ضلالہ کی بجائے بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد مولانا عبدالقادر حصاروی صاحب لکھتے ہیں: مسجد میں جماعت سے عشاء کے بعد ہمیشہ تراویح پڑھنا بدعت حسنہ ہے سنت مؤکدہ نہیں، بلکہ سنت نبوی اور سنت خلفاء اربعہ بھی نہیں ہے[2]۔

(۷) بعض دوسرے غیر مقلدین سابقہ غیر مقلدین کے بالمقابل تراویح کے لیئے جماعت کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلدین کے فتاویٰ علمائے حدیث میں تراویح کے لیے جماعت کو شرط قرار دیا گیا ہے[3]۔

(۸) قاضی شوکانی وغیرہ غیر مقلدین تراویح کو جماعت اور بلا جماعت دونوں صورتوں میں ادا کرنے کو جائز کہتے ہیں[4]۔

حضرات! یہ ہیں غیر مقلدین کے اکابر کے تراویح اور رکعات تراویح سے متعلق تقریباً آٹھ قسم کے مختلف نظریات، ان میں سے ہر ایک نظریہ دوسرے سے بالکل جدا اور مختلف ہے اب ہم موجودہ جماعت اہل حدیث (غیر مقلدین) کی خدمت میں بصد ادب عرض کرتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں فیصلہ کریں کہ ان مذکورہ نظریات میں سے کون کون سا نظریہ درست اور کون کون سا غلط ہے؟ موجودہ جماعت اہل حدیث (غیر مقلدین) کا اب کون سا نظریہ ہے؟ یہ بھی بتلایا جائے کہ آپ کے جن اکابر نے بدعت کو سنت اور مستحب یا سنت اور مستحب کو بدعت کہا ہے، قرآن وحدیث کی رو سے ان کے بارے میں آپ کا

---

[1] ایضاً [2] صحیفہ اہل حدیث کراچی کیم رمضان ۱۳۹۲ھ بحوالہ رسالہ تحقیق مسئلہ تراویح (ص ۴۲) [3] دیکھئے فتاویٰ علمائے حدیث (۶/۲۴۳) [4] نیل الاوطار (۳/۵۳)

کیا فیصلہ ہے؟ جب تک جماعت یہ فیصلہ نہیں کر پاتی ہم ان کے جواب کے آنے تک یہی کہیں گے۔

لائے ہیں بزم دوست سے یار خبر الگ الگ کس کا یقین کیجیے کس کا یقین نہ کیجیے

آٹھ اور بیس تراویح کے دلائل میں موازنہ

حصہ اول میں بیس تراویح کے اثبات میں ٹھوس اور صریح دلائل آپ نے ملاحظہ کر لیے ہیں اب صرف آٹھ تراویح کے اثبات میں غیر مقلدین کے ذکر کردہ دلائل مع جوابات ملاحظہ کریں تا کہ تصویر کے دونوں رخ آپ پر واضح ہو جائیں اور آپ دونوں قسم کے دلائل میں صحیح طور پر موازنہ کر سکیں: کیونکہ مشہور ہے کہ:

وبضدها تتبين الاشياء ع

تنبیہ ضروری:۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ہم حصہ دوئم میں بھی یہی کوشش کریں گے کہ جوبات بھی کہی جائے وہ مدلل اور با حوالہ ہو۔ انشاء اللہ العزیز یہاں بھی حصہ اول کی طرح تمام حوالہ جات غیر مقلدین کے مستند اور مسلمہ علماء کی تصریحات کی روشنی میں ہونگے۔ وَمَاتَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

آٹھ تراویح کے اثبات میں غیر مقلدین کے دلائل کا جائزہ

پہلی دلیل۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا: ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رمضان ہو یا غیر رمضان رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعات سے زائد نہیں پڑھتے تھے، آپ ﷺ چار رکعات پڑھتے ان کی خوبی اور درازی کے بارے میں نہ پوچھو، پھر آپ ﷺ چار رکعات پڑھتے پس ان کی خوبی اور درازی کے بارے میں نہ پوچھو، پھر آپ تین رکعات (وتر) پڑھتے، الخ [1]۔ جبکہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز کے فارغ ہونے کے بعد صبح تک گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے اور ایک وتر پڑھتے تھے، الخ [2]۔

جواب: اپنے دعویٰ میں غیر مقلدین کی اس مرکزی دلیل کے متعدد جوابات میں سے صرف دس جوابات

---

[1] صحیح بخاری (۲۶۹/۱) [2] صحیح مسلم (۲۵۴/۱)

ہدیہ ناظرین ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ یہ دونوں حدیثیں (کیفیت کے لحاظ سے) ایک دوسرے سے معارض ہیں کیونکہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے اور ایک وتر پڑھتے تھے جب کہ بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ آٹھ رکعاتیں چار چار کر کے پڑھتے تھے یعنی ہر چار رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے اور تین وتر (ایک سلام کے ساتھ) پڑھتے تھے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے مشہور محدث اور مصنف مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ صاحب اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
ظاہر یہی ہے کہ پہلی چار چار رکعتیں ایک ایک سلام سے اور پچھلی تین رکعتیں (وتر کی) ایک سلام سے تھیں[۱]۔ علامہ امیر یمانیؒ صاحب غیر مقلد اس حدیث کے الفاظ یصلی اربعًا کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں: یحتمل انها متصلات وهو الظاهر ویحتمل انها منفصلات وهو بعید۔[۲]
احتمال ہے کہ یہ چار رکعتیں اکٹھی یعنی ایک سلام کے ساتھ تھیں اور یہی اس کے ظاہر معنی ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ چار رکعتیں علیحدہ علیحدہ یعنی دو سلاموں کے ساتھ ہوں لیکن یہ (حقیقت سے) بعید ہے۔

غیر مقلدین کے مجلہ ہفت روزہ الاعتصام کے مفتی اور شیخ الحدیث حافظ ثناءاللہ مدنی اس سوال کے جواب میں کہ کیا چار نوافل اکٹھے ایک سلام کے ساتھ پڑھے جاسکتے ہیں" لکھتے ہیں: صحیح بخاری وغیرہ میں تہجد کے بیان میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے: کان یصلی اربعا کہ نبی ﷺ چار رکعات پڑھتے تھے اور ظہر کے فرض سے پہلے بھی بخاری میں چار رکعات کی تصریح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چار نوافل اکٹھے پڑھنے کا جواز ہے [۳]۔ مولانا صادق سیالکوٹی صاحبؒ غیر مقلد اپنی مشہور کتاب صلوۃ الرسول ﷺ میں اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کا غالب معمول یہ تھا کہ آپ آٹھ رکعت تہجد چار چار رکعات کی نیت سے دو سلام میں پڑھتے تھے اور پھر تین وتر [۴]۔ مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد نے بھی ان چار رکعتوں کو ایک سلام کے ساتھ قرار دیا ہے [۵]۔ غیر مقلدین کے اکابرین کی ان تصریحات سے ثابت ہو گیا کہ بخاری والی روایت میں

---

[۱] تحفۃ الاحوذی (۱/۳۳۱) [۲] سبل السلام (۲/۱۳) [۳] الاعتصام (ص۵) (۱۲ تا ۱۸ فروری ۱۹۹۹ء)
[۴] صلوۃ الرسول (ص۲۷۰) [۵] رسالہ تراویح (ص۵۸)

یہ چار چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ تھیں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ ہر چار رکعات کے بعد سلام پھیرتے تھے اور یہ صحیح مسلم کی روایت سے معارض ہے جس میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے تھے۔ اسی طرح بخاری والی روایت میں ہے کہ آپ تین وتر (ایک سلام کے ساتھ) پڑھتے تھے جب کہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ایک وتر پڑھتے تھے۔ نیز یہ دونوں روایتیں عدد کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے کے مخالف ہیں کیونکہ بخاری شریف کی روایت میں آٹھ رکعات (قیام اللیل) اور تین رکعات (وتر) کا ذکر ہے جب کہ مسلم شریف کی روایت میں صرف ایک وتر (بقول غیر مقلدین) اور دس رکعات قیام اللیل کا ذکر ہے۔ اب یہ دونوں روایتیں عدد اور کیفیت دونوں اعتبار سے ایک دوسرے سے معارض ہیں اور دو باہم معارض روایتوں سے غیر مقلدین کا حجت پکڑنا باطل ہوگیا کیونکہ اذا تعارضا تساقطا۔

اس تفصیل سے بعض غیر مقلدین کا یہ عذر لنگ بھی باطل ہوگیا کہ صحیح مسلم کی روایت صحیح بخاری کی روایت کیلئے مفسّر ہے کیونکہ جب خود غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں ثابت ہوگیا کہ یہ دونوں حدیثیں عدد اور کیفیت دونوں اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف اور معارض ہیں تو پھر ایک دوسرے کیلئے مفسر کیسے ہوگئیں؟

(۲) اس حدیث سے رکعات تراویح پر استدلال ہی فضول ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ اس حدیث میں جس نماز کا تذکرہ فرما رہی ہیں وہ تہجد کی نماز ہے، اس کا تراویح کی نماز سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ چنانچہ روایت مسلم میں تو سرے سے رمضان کا ذکر ہی نہیں لھذا یہ روایت تو موضوع (رکعات تراویح) سے ہی خارج ہے اور بخاری کی روایت میں اگرچہ رمضان کا ذکر ہے لیکن اس میں ساتھ غیر رمضان کا لفظ بھی صریح ہے جو کہ اس کے نماز تہجد ہونے پر دال ہے کیونکہ غیر رمضان میں تراویح نہیں ہوتیں بلکہ جو نماز پورا سال (رمضان و غیر رمضان میں) پڑھی جاتی ہے وہ نماز تہجد کہلاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کئی بڑے بڑے محدثین نے اس حدیث کو تہجد سے متعلق قرار دیا ہے۔ مثلاً علامہ شمس الدین کرمانیؒ شارح بخاری اس حدیث میں فرماتے ہیں: اماان امرادبھا صلوٰۃ الوتروالسوال والجواب واردان علیه [1]۔

---

[1] الکوکب الدراری شرح بخاری (۱/۱۵۵)

اس حدیث سے مراد وتر (تہجد) کی نماز ہے اور (حضرت عائشہؓ سے) سوال اور (ان کا) جواب تہجد کے متعلق تھا۔

علامہ ابوبکر بن العربیؒ شارح ترمذی فرماتے ہیں:

فما كان النبي ﷺ يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة وهذه هي قيام الليل فوجب ان يقتدى فيها بالنبي ﷺ [1]۔

نبی ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ یہ آپ ﷺ کی نماز قیام اللیل (تہجد) تھی۔ پس واجب ہے کہ اس میں آپ ﷺ کی اقتداء کی جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ شارح بخاری اس روایت عائشہؓ کو تہجد سے متعلق قرار دے کر گیارہ رکعات (تہجد مع الوتر) کی حکمت یہ بیان فرماتے ہیں: وظهرلي الحكمة في عدم الزيادة على احدى عشرة ان التهجد والوترمختص بصلوٰة الليل وفرائض النهارالظهروهي اربع، والعصر وهي اربع والمغرب وهي ثلاث وترالنهارفتناسب ان تكون صلوٰة الليل كصلوٰة النهارفي العددجملة وتفصيلاً [2]۔

میرے لیے ظاہر ہوا کہ گیارہ رکعات سے زائد رکعت نہ ہونے کی حکمت یہ ہے کہ تہجد اور وتر رات کی نماز کے ساتھ خاص ہیں اور دن کے فرائض گیارہ ہیں، ظہر کے چار فرض، عصر کے چار فرض، اور مغرب کے تین فرض جو دن کے وتر ہیں پس مناسب ہوا کہ رات کی نماز بھی اجمال اور تفصیل دونوں میں دن کی نماز کے مشابہ ہو جائے۔

قاضی عیاض مالکیؒ نے بھی حضرت عائشہؓ کی تمام روایات کو جن میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کا ذکر ہے، تراویح کی بجائے صلوٰۃ اللیل (نماز تہجد) کے متعلق قرار دیا ہے [3]۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: وصحيح آنست كه آنچه آنحضرت ﷺ گزاردوہمه تہجدبود كه يازده ركعت باشد [4]۔

---

[1] عارضۃ الاحوذی شرح ترمذی (۴/۱۹) [2] فتح الباری شرح بخاری (۳/۳۲۸، ۳۲۹) [3] دیکھئے شرح مسلم للنووی (۱/۲۵۴) [4] بحوالہ فقہ حنفی قرآن وحدیث کی نظر میں (ص)

صحیح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جو گیارہ رکعات پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: روایت محمول برنماز تہجداست کہ دررمضان وغیررمضان یکساں بودا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت تہجد پر محمول ہے کہ وہ رمضان وغیر رمضان میں برابر تھی۔

قاضی محمد بن علی شوکانیؒ غیر مقلد تحریر کرتے ہیں: وقدورد عن عائشہؓ فی الاخبار عن صلوتہ باللیل روایات مختلفۃ...... ومنھاعندالشیخین انہ ما کان یزید ﷺ فی رمضان ولافی غیرہ علی احدیٰ عشرۃ رکعۃ یصلی اربعاً ۲۔

حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز (تہجد) کے متعلق مختلف روایات مروی ہے ان میں سے ایک بخاری اور مسلم کی روایت بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ مشہور غیر مقلد مولانا صادق سیالکوٹی صاحب کا یہ حوالہ حدیث حضرت عائشہؓ کی تشریح میں ماقبل میں گزر چکا ہے کہ: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کا غالب معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ آٹھ رکعات تہجد چار چار رکعات کی نیت سے دو سلام میں پڑھتے تھے ۳۔

اسی طرح مولانا ثناء اللہ مدنی غیر مقلد کا یہ حوالہ بھی گزر چکا جس میں وہ اس حدیث کو تہجد سے متعلق قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: صحیح بخاری وغیرہ میں تہجد کے بیان میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے: کان یصلی اربعاً کہ نبی ﷺ چار رکعات پڑھتے تھے ۴۔

پس جب محدثین کرام اور خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی اس حدیث کا تعلق نماز تہجد سے ہے اور مقدمہ میں تفصیل سے یہ بحث گزر چکی ہے کہ تراویح اور تہجد علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں تو پھر غیر مقلدین کا اس تہجد والی حدیث سے آٹھ تراویح پر استدلال کرنا خود بخود باطل ہو گیا۔

(۳) ہماری اس بات کی تائید کہ مذکورہ حدیث کا تعلق تراویح سے نہیں بلکہ تہجد سے ہے، اس سے بھی ہوتی ہے کہ ائمہ حدیث نے تراویح اور تہجد کے الگ الگ باب باندھے ہیں اور اس حدیث کو تراویح کے باب میں ذکر

---

۱ فتاوی عزیزیہ (ص ۱۲۵) ۲ نیل الاوطار (۳/۳۹) ۳ صلوۃ الرسول (ص ۳۷۰) ۴ ہفت روزہ الاعتصام (ص ۵) ۱۲ تا ۱۸ جنوری ۱۹۹۹ء)

کرنے کی بجائے تہجد کے باب میں ذکر فرمایا ہے۔مثلاً امام مالکؒ نے اپنی مؤطا ۱ میں، امام مسلمؒ نے اپنی صحیح ۲ میں، امام ترمذیؒ نے جامع الترمذی ۳ میں، امام ابوداؤد نے سنن ابی داؤد ۴ میں، امام نسائی نے سنن نسائی ۵ میں، امام خطیب تبریزیؒ نے مشکوٰۃ المصابیح ۶ میں، حافظ ابن القیم نے زاد المعاد ۷ میں، امام محمد بن نصر المروزی نے قیام اللیل ۸ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بلوغ المرام ۹ مع سبل السلام میں اور دیگر محدثین نے بھی اپنی اپنی کتب حدیث میں اس حدیث کو تہجد کے باب میں ذکر کیا ہے اور تراویح کا باب الگ قائم کیا ہے اور اس میں اس حدیث کا ذکر کرنا تو کجا اس کی طرف ادنیٰ اشارہ بھی نہیں کیا۔اسی طرح محمد صادق سیالکوٹیؒ صاحب غیر مقلد نے بھی اپنی کتاب الصلوٰۃ الرسول ۱۰ میں اس حدیث کو تہجد کے باب میں ذکر کیا ہے معلوم ہوا کہ اس حدیث کا تعلق تراویح کی بجائے تہجد سے ہے ۱۱ ۔

---

۱ (ص۴۳) ۲ (۱/۲۵۴) ۳ (۱/۵۸) ۴ (۱/۱۹۶) ۵ (۱/۲۵۴) ۶ (۱/۱۰۶) ۷ (۱/۸۶)

۸ (ص۹۱) ۹ (۲/۱۳) ۱۰ (ص۴۰۶) ۱۱ اشکال۔غیر مقلدین حضرات اس حدیث کو تراویح سے متعلق قرار دینے کیلئے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ، امام محمدؒ، امام بیہقیؒ اور علامہ نیمویؒ نے اس حدیث پر تراویح کے ابواب باندھے ہیں۔لھذا ان ائمہ کے نزدیک اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے۔نور المصابیح (ص۱۳) وغیرہ لیکن غیر مقلدین کا یہ اشکال محض خیال اور وہم ہے۔

اوّلاً:۔امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں اس حدیث کو کئی ابواب میں ذکر فرمایا ہے۔مثلاً باب قیام النبی ﷺ فی رمضان وغیرہ'' میں بھی اس کو ذکر کیا۔اب رمضان وغیرہ کے الفاظ صراحتاً اس پر دال ہیں کہ امام بخاریؒ کی مراد یہاں تہجد کی نماز کا بیان کرنا ہے کیونکہ غیر رمضان میں نماز تراویح نہیں پڑھی جاتی۔اسی طرح امام بخاریؒ نے اس حدیث کو باب فضل من قام رمضان کے تحت بھی ذکر فرمایا ہے۔اس باب سے امام بخاریؒ کا مقصد صرف قیام رمضان کی فضیلت بیان کرنا ہے، اس کی تعداد اور رکعات بیان کرنا ان کا مقصود نہیں ہے جیسا کہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کیونکہ اگر امام بخاریؒ کا مقصد قیام رمضان کی تعداد بیان کرنا ہوتا تو وہ باب کا عنوان فضل من قام رمضان کی بجائے عدد قیام رمضان قائم کرتے۔اذ لیس فلیس۔

نیز یہ کہنا بھی غلط ہے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث پر تراویح کا باب باندھا ہے کیونکہ انہوں نے یہاں باب کا عنوان قیام رمضان (قام رمضان) قائم کیا اور غیر مقلدین کے مستند فتاویٰ ''فتاویٰ علمائے حدیث'' میں ہے کہ: قیام رمضان نماز تراویح سے اعم ہے اور نیز علامہ کرمانیؒ کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: جو کرمانیؒ نے کہا ہے کہ: قیام رمضان سے بالاتفاق نماز تراویح مراد ہے یہ انہوں نے انوکھی بات کہی ہے۔فتاویٰ علمائے حدیث (۲/۲۴۳) بحوالہ تحقیق التراویح (ص۶)

پس جب غیر مقلدین کے نزدیک قیام رمضان کا لفظ عام ہے جو تراویح اور تہجد دونوں کو شامل ہے۔تو پھر اگر امام بخاریؒ =

= نے قیام رمضان والے عمومی باب میں اس تہجد والی حدیث کو بھی ذکر کردیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے نزدیک بھی اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے۔

ثانیاً:۔ امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب السنن الکبریٰ میں اس حدیث پر باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان'' کا عنوان قائم کیا ہے لیکن امام بیہقیؒ کے اس عنوان میں اجمال ہے کہ قیام سے یہاں مراد قیام اللیل ہے یا قیام رمضان؟ عین ممکن ہے کہ ان کی مراد یہاں قیام سے عام ہو جو قیام اللیل اور قیام رمضان دونوں کو شامل ہے۔ پھر اس عام عنوان کے تحت انہوں نے قیام اللیل اور قیام رمضان دونوں قسم کی احادیث کو ذکر فرمادیا۔ بالفرض اگر یہاں قیام سے صرف قیام رمضان ہی مراد ہے تو پھر بھی امام بیہقیؒ کے نزدیک اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ ابھی فتاویٰ علمائے حدیث کے حوالہ سے گزرا ہے کہ قیام رمضان تراویح سے اعم ہے جو تراویح اور تہجد دونوں کو شامل ہے۔ فلا اشکال۔

ثالثاً:۔ امام محمدؒ نے اس حدیث عائشہؓ کو اپنی کتاب موطا میں باب قیام شہر رمضان و ما فیہ من الفضل'' کے تحت فرمایا ہے۔ اس باب سے امام محمدؒ دو چیزوں پر استدلال کرنا چاہتے ہیں۔ **اول**: قیام شہر رمضان کا اثبات بلا عدد رکعات اس کے لئے انہوں نے قیام شہر رمضان کا عنوان قائم کیا۔ **ثانی**: رمضان المبارک میں عبادت (تہجد وغیرہ) کرنے کی فضیلت کا بیان اس کیلئے انہوں نے و مافیہ من الفضل (یعنی رمضان المبارک میں جو فضیلت ہے اس کا بیان) کا عنوان قائم کیا ہے۔ اب اس باب کے تحت انہوں نے پہلے نمبر پر حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث ذکر کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ کا رمضان المبارک میں تین دن نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور تعداد رکعات کا اس میں کوئی تعین نہیں ہے۔ اور دوسرے نمبر پر حضرت عائشہؓ کی مذکورہ روایت نقل کی جس میں رسول اللہ ﷺ کا نماز تہجد کی گیارہ رکعات پڑھنا مذکور ہے۔ اب باب کی پہلی حدیث کا تعلق عنوان کے پہلے حصے قیام شہر رمضان سے ہے اور دوسری حدیث کا تعلق عنوان کے دوسرے حصے و مافیہ من الفضل سے ہے کیونکہ رمضان المبارک میں نماز تہجد پڑھنے کی بہت زیادہ فضیلت ہے، اس لئے امام موصوف نے اس تہجد والی حدیث کو باب کے دوسرے عنوان و مافیہ الفضل کے تحت ذکر فرمادیا۔ لھذا اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے نزدیک حدیث مذکورہ کا تعلق نماز تراویح سے ہے۔

رابعاً: علامہ نیمویؒ نے اگر چہ اس حدیث پر التراویح بثمان رکعات کا باب باندھا ہے لیکن ان کی اس تبویب سے یہ استدلال کرنا کہ ان کے نزدیک اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے غلط ہے کیونکہ ان کی کتاب آثار السنن کا مطالعہ کرنے والے پر مخفی نہیں کہ ان کی پوری کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ وہ پہلے اپنے مخالف مسلک کے مطابق باب قائم کرتے ہیں اور اس کے تحت وہ دلائل ذکر کرتے ہیں جن سے مخالف نے استدلال کیا ہے، خواہ ان مستدلات کا تعلق انکے نزدیک مذکورہ باب =

(۴) اگر اس صحیح السند حدیث کا تعلق تراویح سے ہوتا جیسا کہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے تو پھر بڑے بڑے محدثین اور فقہاء کرام کبھی بھی یہ نہ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ سے رکعات تراویح کی بابت کوئی بھی عدد کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں حالانکہ بخاری شریف کی یہ روایت ان کے زیر نظر اور زیر مطالعہ تھی وہ حضرات آج کل کے غیر مقلدین سے احادیث کے جاننے اور سمجھنے میں زیادہ ماہر تھے اور عصر حاضر کا کوئی غیر مقلد عالم ان کے علم وفضل کے پاسنگ بھی نہیں ہوسکتا۔ اس کے باوجود یہ جبال علم صاف صاف اقرار کرتے ہیں کہ کسی بھی صحیح روایت میں نبی ﷺ کی نماز تراویح کی تعداد منقول نہیں۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں: ان العلماء اختلفوا في عددها ولو ثبت من فعل النبي ﷺ لم يختلف فيها [1]۔ علمائے کرام نے تراویح کے عدد میں اختلاف کیا ہے اور اگر تراویح کا کوئی خاص عدد نبی ﷺ سے ثابت ہوتا تو وہ اس میں اختلاف نہ کرتے۔ نیز سیوطیؒ لکھتے ہیں: وانما صلّى ليالي صلوة لم يذكر عددها [2]۔

نبی ﷺ نے صرف چند راتیں تراویح کی نماز پڑھی جس کا کوئی عدد (صحیح احادیث میں) مذکور نہیں۔

= ہوا نہیں اسکے بعد وہ اپنے مسلک کے مطابق باب قائم کر کے اپنے مستدلات ذکر فرماتے ہیں۔ صرف ابواب الوتر میں ان کی بیان کردہ ترتیب دیکھ لیں کہ رکعات وتر کی تعداد بیان کرتے وقت انہوں نے پہلے باب الوتر بخمس او اکثر من ذلك کا عنوان قائم کر کے اس قسم کی احادیث کو جمع کیا۔ پھر باب الوتر برکعۃ قائم کر کے اس کے تحت اس موضوع کی احادیث ذکر فرمائیں اور پھر اس کے بعد اپنے مسلک کے مطابق الوتر بثلاث رکعات کا باب قائم کر کے اس کے تحت اپنی مستدل احادیث کو جمع فرمایا۔ حالانکہ ان کے نزدیک صرف تین رکعات وتر پڑھنا ہی جائز ہے بعینہ اسی طرح انہوں نے رکعات تراویح بیان کرتے وقت پہلے غیر مقلدین کے مسلک کے مطابق باب التراویح بثمان رکعات قائم کر کے ان کے مستدلات کو ذکر کیا اور اس میں حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث کو بھی ذکر کیا اور پھر آخر میں اپنے مسلک کے مطابق باب فی التراویح بعشرین رکعات قائم کر کے اپنے مستدلات ذکر کیے۔ لھذا اگر انہوں نے غیر مقلدین کے مسلک کے مطابق حدیث عائشہؓ کو تراویح کے باب میں ذکر کیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خود علامہ نیمویؒ کے نزدیک بھی اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے۔ پس غیر مقلدین کا یہ کہنا غلط ثابت ہوگیا کہ امام بخاریؒ، امام بیہقیؒ، امام محمدؒ اور علامہ نیمویؒ کے نزدیک حدیث حضرت عائشہؓ کا تعلق تراویح کے باب سے ہے۔

[1] المصابیح (ص ۴۷) الحاوی للفتاوی (۱/۳۱۵) [2] المصابیح (؟)، الحاوی (ص ۳۱۴)

نیز تراویح کی تعداد کے بارے میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ولوثبت عددها بالنص لم تجز زیادة علیه [1] اگر تراویح کا کوئی عدد کسی (صحیح) نص سے ثابت ہوتا تو اس پر زیادتی جائز نہ ہوتی۔ امام سیوطیؒ کی ان عبارات سے جہاں غیر مقلدین کے اس دعوی کی تردید ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صرف آٹھ رکعات تراویح کا عدد ثابت ہے وہیں ان کا سیوطیؒ کی ان عبارات کی یہ تاویل کرنا بھی باطل ہو جاتا ہے کہ امام سیوطیؒ کی مراد ان عبارات سے بیس تراویح کی نفی کرنا ہے۔ اس لئے کہ وہ تو مطلق عدد کی نفی فرما رہے ہیں جو آٹھ، بیس وغیرہ سب کو شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسئلہ رکعات تراویح میں غیر مقلدین کے سب سے بڑے وکیل مولانا نذیر احمد رحمانی صاحب غیر مقلد بھی نہ مانتے مانتے یہ حقیقت ماننے پر مجبور ہو گئے کہ: اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ امام سیوطیؒ کے نزدیک بجائے بیس کے اگر آٹھ رکعات بلا وتر ثابت ہیں جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح ابن حبان وغیرہ کے حوالے سے انھوں نے بیان کیا ہے تو اس پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ (انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے) لوثبت ذالك من فعل النبی ﷺ لم یختلف فیه تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ معارضہ اس وقت صحیح ہوتا جب امام سیوطیؒ اس عدد کو تحدید وتعیین کے ساتھ ثابت مانتے [2]۔

معلوم ہوا کہ امام سیوطیؒ رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث کو رکعات تراویح کی تحدید میں ثابت نہیں مانتے۔ والفضل ماشهدت به الاعداء

اسی طرح امام تاج الدین سبکیؒ شرح منہاج میں لکھتے ہیں: اعلم انه لم ینقل کم صلی رسول اللہ ﷺ فی تلك اللیالی هل هو عشرون اواقلّ و مذهبنا انها عشرون رکعة [3] جان لو کہ یہ منقول نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جن راتوں میں نماز تراویح پڑھی وہ بیس رکعات تھیں یا اس سے کم (آٹھ وغیرہ) اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں [4]۔

---

[1] الحاوی (۱/۴۱۵) [2] انوار المصابیح (ص ۵۰) [3] مصابیح (ص ۱۴۴) الحاوی (۱/۴۱۷) [4] بعض غیر مقلدین (مولانا نذیر رحمانی صاحب وغیرہ نے امام سبکیؒ کی مذکورہ بالا عبارت کی یہ توجیہ کی ہے کہ: اعلم انه لم ینقل الخ ..... تو ان کا مقصد یہ ہے کہ صحیحین یا سنن کی جن روایتوں میں تین راتوں کی تفصیلات مذکور ہیں ان روایتوں میں کوئی عدد منقول نہیں ہے کہ رکعات کی تعداد بیس ہے یا اس سے کم۔ یہ منشا نہیں کہ مطلقاً فعل نبوی سے تراویح کا کوئی عدد منقول ہی نہیں۔ =

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ومن ظن ان قیام رمضان فیه عدد معین موقت عن النبی ﷺ لا یزید ولا ینقص فقد أخطأ [1]۔

انوار المصابیح (ص ۱۰۱) وغیرہ میں غیر مقلدین کی بیان کردہ یہ توجیہ محض دفع الوقتی ہے کیونکہ امام سبکیؒ نے اپنی اس عبارت میں نہ تو صحیحین یا سنن کی روایات کی طرف اشارہ کیا ہے اور نہ ہی انھوں نے رسول اللہ کی تین دن والی تراویح کی جماعت کا تذکرہ کیا بلکہ انہوں نے تو مطلق عدد تراویح کی نفی فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جتنی بھی راتیں نماز تراویح پڑھی خواہ جماعت کے ساتھ یا بلا جماعت ان کی رکعات کی تعداد کسی بھی صحیح راویت میں منقول نہیں ہے، نہ صحیحین وسنن کی روایات میں اور نہ ہی صحیح ابن حبان یا قیام اللیل وغیرہ کی کسی روایت میں۔ لھذا غیر مقلدین کا مطلق کسی عدد کی نفی سے اپنے مطلب کیلیے صرف خاص عدد کی نفی مراد لینا بلا دلیل اور محض ہوائی دعوی ہے۔

اسی طرح مولانا رحمانی صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ علامہ سبکیؒ نے جوری کے حوالہ سے امام مالک کا یہ قول بلا رد وانکار نقل کیا ہے کہ حضرت عمر ﷺ نے لوگوں کو جس عدد تراویح پر جمع کیا وہ مجھے پسندیدہ ہے اور وہ گیارہ رکعات ہیں اور یہی رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گیارہ رکعات کی بابت ان کو امام مالکؒ کا یہ قول تسلیم ہے کہ: ھی صلوة رسول اللہ ﷺ۔ محصلہ انوار المصابیح (ص ۴۵) لیکن اول تو رحمانی صاحب کا یہ کہنا ہی غلط ہے کہ اس قول کو علامہ سبکیؒ نے نقل کیا ہے کیونکہ اس ضعیف قول کو نقل کرنے والے امام سیوطیؒ ہیں نہ کہ امام سبکیؒ جیسا کہ سیوطیؒ کے کلام سے واضح ہے۔ اور خود رحمانی صاحب کے ہم مسلک غیر مقلدین کو بھی یہ بات تسلیم ہے۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: سیوطیؒ اپنے اصحاب میں سے امام جوزی کا قول نقل کرتے ہیں کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ جس پر حضرت عمر ﷺ نے لوگوں کو جمع کیا وہ گیارہ رکعات تھیں...... الخ انارۃ المصابیح (ص ۲۴) بحوالہ التوضیح عن رکعت التراویح (ص ۱۲۰)۔ حافظ زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: امام سیوطیؒ نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر ﷺ نے لوگوں کو گیارہ رکعاتوں پر جمع کیا وہی رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے۔ صلوۃ التراویح (ص ۱۳) ناشر: اصحاب الحدیث اٹک شہر۔ پس جب علامہ سبکیؒ نے اس قول کو نقل ہی نہیں کیا تو پھر رحمانی صاحب یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے اس قول کو تسلیم بھی کر لیا ہے۔

ع بسوقت عقل ز حیرت ایں چہ بوالعجبیست

ثانیا: اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ امام سبکیؒ نے ہی اس قول کو نقل کیا ہے تو پھر بھی یہ کہنا غلط ہے کہ انہوں نے اس قول کی صحت کو بھی تسلیم کر لیا ہے کیونکہ انہوں نے تو اس ضعیف اور منکر قول کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ: و مذھبنا انھا عشرون رکعة۔ (ہمارا مذہب یہ ہے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں) کیا رحمانی صاحب یا کوئی بھی غیر مقلد امام سبکیؒ جیسے متبع سنت اور عاشق صادق عالم کے بارے میں یہ تصور کر سکتا ہے کہ وہ یہ کہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمر ﷺ کی نماز تراویح تو گیارہ رکعت تھیں لیکن میرا مذہب بیس رکعات کا ہے۔ اذ لیس فلیس [1] مجموعۃ الفتاوی (۵۲۰/۱۱)

جوشخص یہ گمان کرتا ہے کہ تراویح میں کوئی عدد معیّن ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا ہے کہ جسے نہ زیادہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کم تو وہ شخص غلطی پر ہے۔ نیز فرماتے ہیں: وانہٗ لا یتوقت فی قیام رمضان فان النبی ﷺ لم یتوقت فیھا عدداً[1]۔

تراویح میں کوئی عدد مقرر نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں کوئی عدد مقرر نہیں فرمایا[2]۔

خود غیر مقلدین کے اپنے بڑے بڑے رہنما بھی یہ حقیقت کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ رکعات تراویح کی بابت رسول اللہ ﷺ سے کوئی عدد صحیح روایت سے مروی نہیں ہے۔ علمائے غیر مقلدین کی یہ عبارات مقدمہ میں گزر چکی ہیں۔ یاد دہانی کے لیے دوبارہ نذر قارئین ہیں۔

---

[1] الفتاوی الکبریٰ (۲۲۷/۱) [2] غیر مقلدین حضرات نے اپنی عادت مستمرہ کے موافق حافظ ابن تیمیہؒ کی ان واضح اور صریح عبارتوں سے جان چھڑانے کیلئے وہی روش اختیار کی جو وہ امام سبکیؒ وغیرہ علماء کی عبارتوں کے ساتھ انجام دے چکے ہیں۔ چنانچہ مولانا نذیر رحمانی صاحب حافظ موصوفؒ کی مذکورہ بالا عبارت کی یوں توجیہ بیان کرتے ہیں:۔ حافظ ابن تیمیہؒ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کے فعل سے اگرچہ گیارہ یا تیرہ رکعات ثابت ہیں لیکن ان کی تحدید کسی حدیث میں نہیں ہے۔ گویا انہوں نے نبی ﷺ کے فعل سے گیارہ رکعات کی نفی نہیں کی بلکہ اس کی تحدید وتعیین کی نفی کی ہے یعنی نبی ﷺ کی کسی قولی یا فعلی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس بارے میں آپ ﷺ نے رکعات کی کوئی حد مقرر فرمائی ہو کہ اس میں نہ کوئی کمی ہو سکے اور نہ زیادتی اور یہی بات ہم اہل حدیث بھی کہتے ہیں کہ گیارہ رکعات نبی ﷺ کے فعل سے ثابت ہے اور یہی سنت اور بہتر ہے لیکن اس کے ساتھ اگر کوئی شخص اس سے کم وبیش بطور نوافل پڑھنا چاہے تو اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ ملخصہ انوار المصابیح (ص ۴۴)۔

لیکن رحمانی صاحب کی یہ ساری توجیہ محض حافظ ابن تیمیہؒ کی عبارت سے جان چھڑانے کیلئے ایک ناکام حیلہ اور بے سود تدبیر ہے کیونکہ غیر مقلدین کے مذہب اور حافظ ابن تیمیہؒ کے موقف میں زمین اور آسمان کا فرق ہے، غیر مقلدین حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے صرف گیارہ رکعات کو مسنون کہتے ہیں نہ گیارہ سے کم اور نہ ہی گیارہ رکعات سے زائد کو وہ سنت سمجھتے ہیں اور یہی تحدید اور تضییق ہے جس کو حافظ ابن تیمیہؒ غلطی اور خطاء بتلا رہے ہیں تو پھر غیر مقلدین اور حافظ ابن تیمیہؒ کا موقف ایک جیسا کیسے ہوسکتا ہے کیا عصر حاضر کے غیر مقلدین جو صرف گیارہ رکعات کے قائل ہیں وہ گیارہ رکعات سے کم یا اس سے زائد رکعات پڑھنے کو سنت کہنے کیلئے تیار ہیں ہرگز نہیں، بلکہ ان میں سے بعض تو گیارہ رکعات سے زائد تراویح پڑھنے کو بدعت اور حرام تک کہہ دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

اگر یہ تحدید اور تضییق نہیں جس کا ابن تیمیہؒ سختی سے رد کر رہے ہیں تو نہ جانے یہ تحدید کس چیز کا نام ہے؟ رہا یہ کہنا =

قاضی محمد بن علی شوکانی حضرت عائشہؓ کی مذکورہ روایت سمیت اس موضوع سے متعلق متعدد روایات

[illegible] کے بعد فرماتے ہیں: والحاصل ان الذی دلت علیه احادیث الباب وما

[illegible] الامام فی رمضان والصلوٰۃ فیه جماعة وفرادی فقصر الصلوٰۃ

[illegible] وتخصیصها بقراءۃ مخصوصة لم یرد به سنة۔

خلاصہ کلام [illegible] اس باب میں ذکر کردہ احادیث اور ان جیسی دوسری احادیث سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف رمضان المبارک میں قیام اور اس کو اکیلے اکیلے یا جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی مشروعیت ہے۔ پس اس نماز کو جس کا نام تراویح ہے کسی عدد معیّن پر بند کر دینا (جیسا کہ آج کل کے غیر مقلدین جو کہ صرف آٹھ رکعات کو سنت نبوی کہتے ہیں۔ ناقل) اور کسی مخصوص قرأت کے ساتھ خاص کر دینا رسول اللہ ﷺ کی سنت میں وارد نہیں ہوا۔

گویا شوکانی صاحب کے نزدیک رکعات تراویح کی بابت جتنی بھی احادیث ذکر کی جاتی ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں یا وہ تراویح سے غیر متعلق ہیں۔ نیز شوکانی نے یہاں مطلق سنت کی نفی کی ہے جو سنت قولی، سنت فعلی اور سنت تقریری تینوں کو شامل ہے۔ لھذا اس سے غیر مقلدین کی تینوں دلیلوں (سنت فعلی بروایت عائشہؓ و بروایت جابرؓ اور سنت تقریری بروایت ابی بن کعبؓ) کی نفی اور ان کے دعوی کا باطل ہونا ثابت ہو گیا۔

[illegible] نے تسلیم کیا کہ رسول اللہ ﷺ گیارہ یا تیرہ رکعات سے زائد نہیں پڑھتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ [illegible] گیارہ [illegible] والی روایت [illegible] ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اس حدیث میں اضطراب ہے اور یہ کہ یہ [illegible] کے خلاف ہے اور انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے اگر کوئی گیارہ یا تیرہ رکعات پڑھنا چاہے بھی [illegible] سے جتنا رسول اللہ ﷺ قیام کرتے تھے یعنی صرف ایک رکعت میں [illegible] پارے (حافظ صاحب کی یہ تمام عبارتیں حصہ اول میں گزر چکی ہیں فلیراجع الیھا)۔ کیا غیر مقلدین حافظ ابن تیمیہؒ کی ان باتوں کو تسلیم کرتے ہیں؟

الغرض غیر مقلدین حافظ ابن تیمیہؒ کی عبارات کی جو بھی تاویل کرنا چاہیں کر لیں لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ثابت ہے کہ وہ ایسے شخص کو خطا کار کہتے ہیں جو حضرت عائشہؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے صرف گیارہ رکعات کو مسنون سمجھتا ہے۔

[illegible] نیل الاوطار (۵۳/۳)

اس طرح علامہ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (جن کو غیر مقلدین چودھویں صدی کے مجدد اور محقق اعظم کے لقب سے پکارتے ہیں) فرماتے ہیں کہ: ولـم یات تعیین العدد فی الروایات الـصـحیحة الـمرفـوعة ۱؎ ۔ اور تراویح کے عدد (گیارہ یا تیرہ رکعات وغیرہ) کی تعیین صحیح مرفوع روایتوں میں نہیں آئی ہے۔

نواب صاحب کے صاحبزادے اور مشہور غیر مقلد عالم نواب نور الحسن خان صاحب فرماتے ہیں: وبالجملة عددے معین درمرفوع نیامده ۲؎ ۔ خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی مرفوع روایت میں تراویح کا کوئی معین عدد مذکور نہیں۔

غیر مقلدین کے معتبر اور مستند عالم علامہ وحید الزمان غیر مقلد مترجم صحاح ستہ (جن کے بارے میں مشہور غیر مقلد مولانا بدیع الدین شاہ راشدی یہ القاب بیان کرتے ہیں: نواب عالی جناب، عالم باعمل، فقیہ وقت، صحب السنة وحید الزمان بن مسیح الزمان الدکنی ۳؎) بھی ہے اس حقیقت کو کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں: ولا یتعین لصلوة لیالی رمضان یعنی تراویح عدد معین ۴؎ ۔ اور رمضان المبارک کی رات کی نماز یعنی تراویح کے لیے (احادیث میں) کوئی عدد معین نہیں ہے۔

مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد (جو غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دھلویؒ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں ۵؎ ۔ نے حضرت ملا علی قاریؒ کا یہ قول بلا رد و انکار نقل کیا ہے: اعلم انه لم یوقت رسول اللہ ﷺ فی التراویح عددا معینا ۶؎ ۔ جان لو کہ رسول اللہ ﷺ نے تراویح میں کوئی تعداد مقرر نہیں فرمائی۔

قارئین: محدثین کرام اور علمائے غیر مقلدین کے ان مذکورہ بالا بیانات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ سے رکعات تراویح کی بابت کوئی معیّن عدد منقول نہیں۔ لھذا عصر حاضر کے غیر مقلدین کا حضرت عائشہؓ کی روایت سے جو دراصل نماز تہجد سے متعلق ہے، رکعات تراویح پر استدلال کرنا بالکل غلط اور اپنے ہی اکابر کی تصریحات کی خلاف ورزی ہے۔

۱؎ الانتقاد الرجیح (ص ۶۱) ۲؎ العرف الجادی (ص ۸۴) ۳؎ ہدایۃ المستفید (۱/۱۰۳) ۴؎ نزل الابرار (۱/۱۲۶)

۵؎ تاریخ اہلحدیث (ص ۴۳۳) ۶؎ رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص ۴۹، ۵۰)

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے   اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

جواب نمبر۵: حضرت عائشہ صدیقہؓ اس حدیث میں جس نماز کا تذکرہ فرما رہی ہیں، وہ آپ ﷺ آخر شب میں پڑھتے تھے۔ چنانچہ اس نماز کے وقت کی بابت جب ان سے پوچھا گیا تو جناب صدیقہؓ نے فرمایا: کان ینام اوله ویقوم اٰخره فیصلی ۱؎ ۔یعنی آپ ﷺ رات کے پہلے حصہ میں آرام فرماتے تھے اور آخری حصہ میں اٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔اسی طرح ایک اور ایک سوال کے جواب میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کان یقوم اذاسمع السارخ ۲؎ ۔رسول اللہ نماز کے لئے اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب (آخر شب) مرغ کی آواز سنتے تھے۔مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ سونے کے بعد (آخر شب) یہ نماز پڑھتے تھے ۳؎ ۔اور آخر شب میں جو نماز پڑھی جاتی ہے،وہ تہجد کی نماز ہے نہ کہ تراویح کی۔ چنانچہ غیر مقلدین کے فتاوی علمائے حدیث میں ہے کہ: تراویح کا وقت اول شب کا ہے اور تہجد کا آخر شب کا ہے ۴؎ ۔ غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے اول شب میں تہجد نہیں ہوتی ۵؎ ۔

مولانا صلاح الدین یوسف غیر مقلد (سابق ایڈیٹر الاعتصام) لکھتے ہیں: بہر حال تہجد کا مفہوم رات کے پچھلے پہر اٹھ کر نوافل پڑھنا ہے ساری رات قیام اللیل کرنا خلاف سنت ہے۔ نبی ﷺ رات کے پہلے حصے میں سوتے اور پچھلے حصے میں اٹھ کر تہجد پڑھتے ۶؎ ۔

بنا بریں غیر مقلدین کا رسول اللہ ﷺ کی آخری شب کی نماز (تہجد) سے اول شب کی نماز (تراویح) پر استدلال کرنا خود اپنے طے شدہ اصولوں کی روشنی میں باطل ہو گیا۔

جواب نمبر۶: بالفرض غیر مقلدین کا دعوی مان ہی لیا جائے کہ اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے اور تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے تو پھر بھی ان کا اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے صرف آٹھ رکعت پر اکتفا کرنا اور اسی عدد کو سنت کہنا غلط ہے۔ کیونکہ جس طرح نبی کریم ﷺ کا آٹھ رکعات پڑھنا ثابت ہے۔

۱؎ بخاری (۱/۱۵۴) بحوالہ حی علی الصلوۃ (ص۳۶) از خواجہ محمد قاسم غیر مقلد ۲؎ بخاری (۱/۱۵۲) ۳؎ رسالہ تراویح (ص۵۹) ۴؎ (۶/۲۵۱) ۵؎ فتاوی ثنائیہ (۱/۴۳۱) ۶؎ تفسیری حواشی (ص۷۸۹) مطبوعہ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ پریس سعودی عرب

اسی طرح آپ ﷺ سے آٹھ رکعات سے کم اور آٹھ رکعات سے زائد کا پڑھنا بھی ثابت ہے۔ صرف حضرت عائشہؓ سے ہی رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کی متعدد صورتیں منقول ہیں جن کی صحت کا خود غیر مقلدین کے علماء کو بھی اقرار ہے۔ چنانچہ علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں: وقد ورد عن عائشہؓ فی الاخبار عن صلاتہ ﷺ باللیل روایات مختلفہ الخ [1]۔

حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ سے رات کی نماز سے متعلق مختلف روایتیں روایت کی گئی ہیں۔

اس کے بعد شوکانی صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی مختلف صورتیں (دس رکعات، آٹھ رکعات، نو رکعات مع الوتر، سات رکعات مع الوتر وغیرہ) بلا رد و انکار نقل فرمائیں۔ اسی طرح غیر مقلدین کے ایک دوسرے بڑے عالم علامہ امیر یمانیؒ لکھتے ہیں: اعلم انہ قد اختلفت الروایات عن عائشہؓ فی کیفیۃ صلاتہ ﷺ فی اللیل وعددھا، فقد روی عنھا سبع وتسع واحدی عشرۃ سوٰی رکعتی الفجر ومنھا ھذہ الروایۃ: کان یصلی من اللیل عشر رکعات ویوتر بسجدۃ ای رکعۃ ویرکع رکعتی الفجر فتلک ثلاث عشرۃ رکعۃ الخ [2]۔

جان لو کہ حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کی کیفیت اور تعداد میں روایات مختلف ہیں چنانچہ آپ ﷺ سے سات رکعات، نو رکعات، گیارہ رکعات (مع الوتر) علاوہ دو رکعات سنت فجر کے مروی ہیں اور ان روایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز دس رکعات پڑھتے تھے اور ایک رکعت وتر اور دو رکعات سنت فجر پڑھتے تھے، یہ کل تیرہ رکعات ہوئیں

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ صبح کی دو سنتوں سمیت پندرہ رکعات پڑھتے تھے الخ۔

مولانا میاں غلام محمد رسول صاحب لکھتے ہیں کہ: امام قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے جو حضرت سعد بن ہشامؒ کی سند سے آتی ہے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نو رکعت (مع الوتر) پڑھتے تھے اور بسند عروہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ گیارہ رکعت پڑھتے تھے جن میں وتر بھی ہوتے تھے جن کی ہر دو رکعت کے بعد سلام کہتے تھے اور جب آپ کے پاس مؤذن آ چکتا تو آپ ﷺ صبح

---

[1] نیل الاوطار (۳/۳۹) [2] سبل السلام (۲/۱۳)

کی دو سنتیں پڑھتے تھے اور حضرت ہشام بن عروہؓ کی روایت میں جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، یہ آتا ہے کہ آپ ﷺ تیرہ رکعات ادا کرتے جن میں صبح کی دو سنتیں بھی ہوتی تھیں اور حضرت عائشہؓ سے یہ روایت بھی آئی ہے کہ آپ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور ان سے یہ روایت بھی ہے کہ آپ ﷺ تیرہ رکعت پڑھتے تھے آٹھ اور پھر تین وتر اور پھر بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے تھے۔ اور ان سے بخاری میں یہ بھی ہے کہ آپ کی رات کی نماز سات اور نو رکعت ہوتی تھی (مع الوتر) ۱۔

خاں صاحب فرماتے ہیں کہ: مصنف سفر سعادت نے (رسول اللہ ﷺ کی) رات کی نماز کے باب میں آٹھ صورتیں لکھی ہیں جو سب کی سب صحیح ہیں۔ پس جو کچھ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے یہ خبر دینا بھی ان کا اپنی باری کے دنوں کا ہے جو سال کے چھتیس دن ان کی باری کے ہوتے تھے۔ خود حضرت عائشہؓ اور اسی طرح دوسرے حضرات سے گیارہ سے کم اور زیادہ کی روایت گزر چکی ہیں ۲۔ غیر مقلدین کے محدث اعظم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ صاحب لکھتے ہیں انه ثبت ان رسول الله ﷺ كان قد يصلي ثلاث عشرة ركعة سوى ركعتي الفجر ۳۔

یہ ثابت ہے رسول اللہ ﷺ نے کبھی فجر کی دو رکعات کے علاوہ بھی تیرہ رکعات پڑھی ہیں۔

مولانا عبداللہ غازیپوریؒ نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ: حق یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کبھی سنت فجر کے علاوہ بھی تیرہ رکعتیں پڑھی ہیں ۴۔ مولانا صادق سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں کہ: حضرت عائشہ سے رسول خدا کی نماز سے متعلق پوچھا تو جناب صدیقہؓ نے فرمایا کہ: کبھی سات رکعتیں، کبھی نو اور کبھی گیارہ رکعتیں مع وتر پڑھتے ۵۔

نیز سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: ۔ سات رکعت تہجد میں اگر وتر ایک رکعت پڑھیں تو تہجد چھ رکعت ہوئی۔ اور اگر وتر تین رکعت پڑھیں تو نماز تہجد چار رکعت ہوئی ۶۔ محمد قاسم خواجہ لکھتے ہیں: عائشہ صدیقہؓ قیام نبوی کے بارے میں فرماتی ہیں: یہ سات یا نو یا گیارہ رکعتیں ہوتی تھیں علاوہ فجر کی دو سنتوں کے ۷۔

---

۱ رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص۴۸،۴۹) ۲ ایضاً (ص۵۱) ۳ تحفۃ الاحوذی (۲/۷۳) ۴ رکعات التراویح (ص۵) ۵ صلوۃ رسول (ص۲۶۹) ۶ ایضاً ۷ حی علی الصلوۃ (ص۳۰)

اس طرح مولانا نذیر احمد صاحب تحریر کرتے ہیں: حضرت عائشہؓ کا خود بخاری شریف [1] میں بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ سات بھی پڑھتے تھے نو بھی اور گیارہ بھی۔ [2]

پس جب صرف حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کی تعداد سے متعلق مختلف روایات مروی ہیں اور آپ ﷺ کا آٹھ سے کم اور آٹھ سے زائد رکعات پڑھنا بھی ثابت ہے اور ان سب روایات کی صحت خود غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے تو پھر غیر مقلدین حضرات یہ کیسے دعوای کر سکتے ہیں کہ صرف آٹھ رکعات تراویح پڑھنا ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

ع بسوخت عقل زحیرت ایں چہ بوالعجبیست

جواب نمبر ۷: حضرت عائشہؓ کی اس حدیث میں اس قدر اختلافات (جن کا ہلکا سا نمونہ آپ نے علمائے غیر مقلدین کے مذکورہ بالا بیانات میں دیکھ لیا ہے) کو دیکھتے ہوئے بعض محدثین نے اس حدیث کو ہی مضطرب قرار دیا ہے۔

علامہ محمد شوکانیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں: ولاجل هذا الاختلاف نسب بعضهم حديثها الى الاضطرب [3]۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ان اختلافات کی وجہ سے بعض علمائے محدثین نے ان کی حدیث کو اضطراب کی طرف منسوب کیا ہے۔

علامہ امیر یمانیؒ غیر مقلد تحریر کرتے ہیں: ولما اختلفت الفاظ حديث زعم البعض انه حديث مضطرب [4]۔

جب حضرت عائشہؓ کے الفاظ میں اختلاف ہوا تو بعض محدثین نے اس کو مضطرب خیال کیا ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: واضطرب فی هذا الاصل [5] اس اصل (حدیث عائشہؓ) میں اضطراب ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: قال القرطبی اشكلت روايات عائشةؓ على

---

[1] (۱/۱۵۳) [2] انوار المصابیح (ص۴۳) [3] نیل الاوطار (۳/۳۹) [4] سبل السلام (۲/۱۳) [5] الفتاوی الکبری (۱/۱۲۷)

كثير من اهل العلم حتى نسب بعضهم حديثها الى الاضطرب [1]۔

علامہ قرطبیؒ [2] فرماتے ہیں کہ بہت سے اہل علم پر حضرت عائشہؓ کی روایات مشکل ہوئی ہیں یہاں تک کہ بعض اہل علم نے ان کی اس حدیث کو ہی اضطراب کی طرف منسوب کیا ہے۔

اب جن محدثین نے اس حدیث کو مضطرب قرار دیا ہے ان کی تحقیق کی رو سے تو یہ حدیث ہی نا قابل حجت ہے۔ کیونکہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب غیر مقلد نے تصریح کی ہے کہ: حدیث مضطراب قابل احتجاج نہیں ہوسکتی [3]۔

جواب نمبر ۸: حدیث عائشہؓ کی روایات میں اختلاف کی وجہ سے جن علماء نے اس حدیث کو مضطرب قرار دیا ہے ان کے بالمقابل دیگر علمائے کرام جنہوں نے اس کو مضطرب کہنے کی بجائے ان سب روایات میں تطبیق کا راستہ اختیار کیا ہے ان کی تحقیق کی رو سے بھی اس حدیث سے صرف آٹھ رکعات تراویح پر استدلال کرنا غلط ہے۔ کیونکہ ان علماء کے نزدیک بھی اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کی تمام راتوں کی نماز کا حال مذکور نہیں بلکہ ان کے نزدیک یا تو اس روایت میں اکثر راتوں کا ذکر ہے اور یا یہ تمام روایات آپ ﷺ کے متعدد اوقات اور مختلف حالتوں سے متعلق ہیں۔ چنانچہ امام نوویؒ، قاضی عیاض مالکیؒ سے حضرت عائشہؓ کی روایات میں تطبیق ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: واما الاختلاف فی حدیث عائشہؓ فقیل هو منها و قیل من الرواة عنها فیحتمل ان اخبارها باحدی عشرة هو الاغلب وباقی روایایتها اخبار منها بما كان يقع نادرا فی بعض الاوقات فاكثره خمس عشرة بركعتی الفجر واقله سبع وذلك بحسب ما كان يحصل من اتساع الوقت اوضيقه بطول قراءة كما جاء فی حديث حذيفة ﷺ وابن مسعود ﷺ اولنوم اوعذر مرض اوغيره اوفی بعض الاوقات عند كبرالسن كما قالت فلما اسن ﷺ صلى سبع ركعات [4]۔

---

[1] فتح الباری (۳/۳۳۹) [2] علامہ عبداللہ قرطبیؒ: مولانا ارشادالحق اثریؒ غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: علامہ قرطبیؒ فقہ مالکی کے مسلمہ امام ہیں ان کے کلام کو بلا دلیل رد کرنا بھی بہت بڑی جسارت ہے۔ ''توضیح الکلام'' (۱/۶۵) [3] تحقیق الکلام (۲/۷)

[4] شرح مسلم للنوویؒ (۱/۲۵۴)

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں جو اختلاف ہے، تو اس کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اختلاف ان ہی سے منقول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اختلاف ان سے نقل کرنے والے راویوں کی طرف سے ہے چنانچہ احتمال ہے کہ حضرت عائشہؓ نے گیارہ رکعات کے بارے میں جو خبر دی ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی اکثر عادت ہو اور انھوں نے اپنی دیگر روایات میں جو خبر دی ہے وہ ان صورتوں پر محمول ہوں جو آپ ﷺ سے بعض اوقات میں صادر ہوئیں۔ پس یہ دو رکعات سنت فجر ملا کر زیادہ سے زیادہ پندرہ رکعات اور کم سے کم سات رکعات ہیں یا یہ وقت کی فراخی اور تنگی اور طول قراءت کی وجہ سے ہوتا تھا جیسا کہ حضرت حذیفہ ؓ اور حضرت ابن مسعود ؓ کی حدیث میں آتا ہے یا نیند یا بیماری وغیرہ کے عذر یا بڑھاپے کی وجہ سے بعض اوقات ایسا ہوتا رہا جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول ﷺ (آخر عمر میں) بوڑھے ہو گئے تو سات رکعتیں پڑھتے تھے[1]...... وغیرہ وغیرہ۔ آخر میں قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ رات کی نماز میں (رسول اللہ ﷺ کی طرف سے) کوئی ایسی حد مقرر نہیں کہ جس میں کمی یا زیادتی نہ کی جا سکے اور رات کی نماز ان نیکیوں میں سے ہیں کہ وہ جتنی بھی زیادہ کی جائے ثواب بڑھتا جائے گا۔ اختلاف تو صرف اس بات میں ہے کہ نبی ﷺ کا عمل کیا تھا اور انہوں نے اپنے لیے کیا پسند فرمایا واللہ اعلم۔

---

[1] ﴿ف﴾ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا آخری معمول رات کی نماز میں تین وتر سمیت سات رکعتیں پڑھنے کا تھا۔ اب غیر مقلدین جو اپنے آپ کو قرآن وحدیث کا بلاشرکت غیرے عامل سمجھتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ گیارہ رکعات سنت کہنے کی بجائے سات رکعات کو سنت کہیں کیونکہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں احادیث نبویہ پر عمل پیرا ہونے کے لیے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ: انما یؤخذ من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الآخر فالآخر۔ صحیح بخاری (۹۶/۱) کہ نبی ﷺ کا جو آخری عمل ہوگا وہ لیا جائے گا۔ اس ضابطہ کی رو سے رسول ﷺ کی سنت تین وتر سمیت سات رکعات بنتی ہے لیکن غیر مقلدین اس کے برخلاف صرف گیارہ رکعات کو سنت کہتے ہیں نہ گیارہ سے کم اور نہ گیارہ سے زائد کو۔ معلوم ہوا کہ غیر مقلدین نہ تو قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہونے کے دعوی میں سچے ہیں اور نہ وہ (امام بخاری وغیرہ) محدثین کرام کی تصریحات کو مانتے ہیں۔ ہم اس موقع پر غیر مقلدین حضرات کو ان کے ہی ایک بہت بڑے عالم مولانا محمد جوناگڑھی کا ایک شعر یاد دلاتے ہیں۔

بنتے ہو وفادار تو وفا کر کے دکھاؤ کہنے کی وفا اور ہے کرنے کی وفا اور

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت عائشہؓ کی ان مختلف روایات میں یوں تطبیق بیان فرمائی ہے: والصواب ان [illegible] ذكرته من ذلك محمول علىٰ اوقات متعددة و احوال مختلفة ۱؎ ۔
[illegible]ت بات یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کی نماز سے متعلق جتنی روایات بیان فرمائی ہیں یہ [illegible]عدد اوقات اور مختلف حالتوں پر محمول ہیں۔ اسی طرح قاضی شوکانیؒ غیر مقلد اور علامہ امیر یمانیؒ غیر مقلد نے بھی حضرت عائشہؓ کی ان روایات میں یہی تطبیق دی ہے کہ یہ سب روایتیں رسول اللہ ﷺ کے متعدد اوقات اور مختلف احوال سے متعلق ہیں اور یہ سب صورتیں جائز ہیں ۲؎ مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ غیر مقلد نے اپنے رسالہ تراویح میں ان روایات میں مختلف تطبیقات نقل فرمائی ہیں اور اس دعوے کو غلط ثابت کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی گیارہ رکعات والی روایت میں رسول اللہ ﷺ کا دائمی عمل مذکور ہے ۳؎ ۔
اب جن علمائے کرام نے حضرت عائشہؓ کی روایات میں بجائے اضطراب کہنے کے ان سب روایات میں یہ تطبیقات ذکر کی ہیں ان کے نزدیک بھی آٹھ رکعات (یا گیارہ رکعات مع الوتر) نبی کریم ﷺ کا دائمی عمل نہیں تھا بلکہ ان کے ہاں بھی مختلف موقعوں پر آپ ﷺ سے آٹھ سے زائد اور آٹھ سے کم رکعات پڑھنا بھی ثابت ہے۔ اور مولانا نذیر احمد رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: جس عدد کا پڑھنا ایک دفعہ بھی ثابت ہو وہ بے شک سنت ہے ۴؎ ۔ چہ جائیکہ اس عدد کا متعدد بار پڑھنا ثابت ہو۔ لھذا ان علمائے کرام کی تحقیق میں بھی صرف آٹھ رکعات پڑھنا ہی سنت نہیں بلکہ کبھی آٹھ سے کم اور کبھی آٹھ سے زائد رکعات پڑھنا اور آٹھ رکعات پڑھنے کی ہیئت کو بدلنا بھی سنت ہونا چاہیے اور یہ بات صرف ہم نہیں کہتے بلکہ یہ بات خود غیر مقلدین کے بہت بڑے عالم مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ میاں صاحب فرماتے ہیں: پس جو کچھ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے، یہ خبر دینا بھی ان کا اپنی باری کے دنوں کا ہے جو سال میں چھتیس دن ان کی باری کے ہوتے تھے اور خود حضرت عائشہؓ اور اس طرح دوسرے حضرات (صحابہ کرامؓ) سے (گیارہ رکعات سے) کم و بیش کی روایات پہلے گزر چکی ہیں۔ لھذا گیارہ رکعات کی ہیئت کو بدلنا اور اس

۱؎ فتح الباری (۳/۳۳۱) ۲؎ نیل الاوطار (۳/۳۹)، سبل السلام (۲/۱۳) ۳؎ دیکھئے رسالہ تراویح مع ینابیع (ص ۴۶ تا ۵۶) ۴؎ انوار المصابیح (ص ۶۴)

کا تغیر کرنا بھی سنت ہوا[1] ۔ بنابریں موجود غیر مقلدین کا حدیث عائشہؓ سے استدلال کرتے ہوئے صرف آٹھ رکعات پر اقتصار کرنا اور اسی عدد کو سنت کہنا خود بخود باطل ہو گیا۔

جواب نمبر ۹: اگر بالفرض مان لیا جائے کہ صرف آٹھ رکعات کا پڑھنا ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے لیکن جب حضرت عمر فاروقؓ نے بحیثیت خلیفہ راشد ان میں اضافہ فرما دیا اور تراویح کی بیس رکعات مقرر کر دیں تو اب صرف آٹھ رکعات کا پڑھنا سنت نہیں بلکہ بیس رکعات کا پڑھنا ہی سنت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنے فرمان علیکم بِسُنَّتِیْ وسُنَّةِ الْخلفاء الراشدین المهد یّین الحدیث [2] ۔ میں اپنی سنت کی طرح اپنے خلفائے راشدین کی سنت کو بھی امت کیلئے لازم اور ضروری قرار دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ غیر مقلدین کے معتدل اور انصاف پسند علماء صرف آٹھ رکعات تراویح کو سنت نہیں کہتے بلکہ وہ بیس رکعات کو بھی سنت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلدین کے مجدد العصر نواب صدیق حسن خان صاحبؒ ان نکتہ کو یوں بیان کرتے ہیں: مقصود آنکه یازده رکعت از آنحضرت ﷺ مروی گشته وبسنت رکعت زیادت عمرؓ بن الخطاب است وسنت نبویه درزیادت عمرؓ به معمور پس آتی بزیادت عامل بسنت هم باشد [3] ۔

مقصود یہ ہے کہ گیارہ رکعتیں آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں اور بیس رکعتیں حضرت عمرؓ کے اضافہ سے ہوئی ہیں۔ اضافہ کے بعد حضرت عمرؓ کی مقرر کردہ تعداد میں سنت نبوی داخل وشامل ہے لھذا بڑھائی ہوئی تعداد (بیس رکعات) پر عمل کرنے والا بھی (رسول اللہ ﷺ کی) سنت پر عمل کرنے والا ہے۔

مولانا میاں غلام رسول صاحب اپنے رسالہ تراویح کے خطبہ میں فرماتے ہیں کہ: بیس رکعات تراویح ادا کرنے سے آنحضرت ﷺ کی سنت بھی ادا ہو جاتی ہے اور حضرات خلفائے راشدین کی سنت بھی اور اس میں اجر بھی زیادہ ہے۔ [4]

اب اگر غیر مقلدین حضرات اپنے اکابر کا یہ فیصلہ تسلیم کر لیں تو تراویح کے مسئلہ میں اختلافات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ دیدہ باید!

---

[1] رسالہ تراویح مع ینابیع (ص۵۴، ۵۵) [2] ترمذی (۹۴/۲) [3] ہدایۃ السائل (ص۱۳۸) بحوالہ رکعات التراویح (ص۹۴)
[4] رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص۲۳)

جوب نمبر ۱۰: حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث پر غیر مقلدین کا خود اپنا عمل نہیں بلکہ ان کا عمل تو اس حدیث کے سراسر خلاف ہے کیونکہ:

(۱) اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پورا سال یہ نماز پڑھتے تھے جبکہ غیر مقلدین اس نماز کو صرف ماہ رمضان میں التزام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

(۲) حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ یہ آٹھ رکعت چار چار رکعت کی نیت سے دو سلام میں پڑھتے تھے ۱۔ بلکہ غیر مقلدین ان آٹھ رکعتوں کو دو دو کر کے چار سلاموں میں پڑھتے ہیں۔

(۳) اس حدیث میں ہے کہ رسول ﷺ تین وتر پڑھتے تھے اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: ظاہر یہی ہے کہ وتر کی یہ تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ تھیں ۲۔ جبکہ غیر مقلدین صرف ایک وتر پڑھتے ہیں اور اگر کوئی تین وتر پڑھتا بھی ہے تو دو سلام کے ساتھ۔

(۴) اس حدیث میں ہے کہ پیغمبر عالم ﷺ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے تھے جبکہ غیر مقلدین وتر سونے سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں۔

(۵) مذکورہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ یہ آٹھ رکعتیں نہایت خوبی اور درازی کے ساتھ پڑھتے تھے لیکن غیر مقلدین یہ آٹھ رکعتیں مختصر اور ہلکی پھلکی پڑھتے ہیں۔

(۶) حضرت عائشہؓ اس حدیث میں جس نماز کا تذکرہ کر رہی ہیں وہ آپ ﷺ آخر شب (سحری کے وقت) میں پڑھتے تھے ۳۔ لیکن غیر مقلدین تراویح نماز عشاء کے متصل بعد پڑھتے ہیں۔

(۷) آنحضرت ﷺ یہ نماز سونے کے بعد پڑھتے تھے۔ ۴ جبکہ غیر مقلدین یہ نماز سونے سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں۔

(۸) اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کا یہ نماز گھر میں پڑھنا مذکور ہے (کیونکہ حدیث ھذا میں حضرت عائشہؓ اور آپ ﷺ کے درمیان بات چیت کرنے کا جو ذکر ہے یہ دلیل ہے کہ یہ نماز آپ ﷺ گھر میں ہی پڑھتے تھے) بلکہ ایک روایت میں تو رسول ﷺ نے نماز تراویح کو گھر میں پڑھنے کا حکم فرمایا ہے ۵۔

---

۱ صلوۃ الرسول (ص ۲۷۰) ۲ تحفۃ الاحوذی (۱/۳۳۳) ۳ بخاری (۱/۱۵۴)

۴ رسالہ تراویح (ص ۵۹) از مولانا غلام رسول صاحب غیر مقلد ۵ بخاری (۱/۱۵۴)

لیکن غیر مقلدین اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تراویح مسجدوں میں پڑھتے ہیں۔

(۹) حدیث میں مذکورہ نماز کو آپ ﷺ نے بلا جماعت ادا فرمایا لیکن غیر مقلدین اس کو جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں بلکہ ان کے فتاویٰ علمائے حدیث میں تو تراویح کے لیے جماعت کو شرط قرار دیا گیا ہے [۱]۔

(۱۰) اس حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ آٹھ رکعات پڑھنے کے بعد وتر بھی بلا جماعت پڑھتے تھے لیکن غیر مقلدین پورا رمضان وتر کو تراویح کے ساتھ باجماعت پڑھتے ہیں۔

تلك عشرة كاملة۔

غیر مقلدین حضرات نے اس حدیث کی صرف ایک شق (آٹھ رکعات) کو تو لے لیا لیکن اس حدیث کی ان دیگر شقوں کو جو ان کے موقف کے خلاف تھیں ٹھکرا دیا۔ گویا

میٹھا میٹھا ہپ ہپ کڑوا کڑوا تھو۔

اسی طرح وہ حدیث عائشہؓ سے استدلال کرنے کی وجہ سے اپنے اوپر وارد شدہ اعتراضات کا جواب دینے کیلئے حضرت عمر فاروقؓ کے قائم کردہ طریقہ جماعت سے تو استدلال کرتے ہیں لیکن ان کی مقرر کردہ بیس رکعات والی سنت کو ترک کر دیتے ہیں۔

یہ لوگ بھی غضب کے ہیں، دل پر یہ اختیار! شب موم کر لیا سحر آہن بنا لیا

حضرات! یہ ہے غیر مقلدین کی آٹھ تراویح کے اثبات میں پہلی اور مرکزی دلیل جس کو وہ اپنے زعم میں ایک غیر متزلزل پہاڑ سمجھتے ہیں لیکن بحمد اللہ ہمارے ذکر کردہ ان دس جوابات (جو غیر مقلدین کے مسلمات اور ان کے اکابر کی تصریحات کی روشنی میں ذکر کیے گئے ہیں) سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث کا غیر مقلدین کے دعویٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس حدیث سے ان کا مدعا ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا۔ ان دس جوابات کے علاوہ اس دلیل کے اور بھی کئی جوابات ہمارے پیش نظر ہیں لیکن طوالت کے خوف سے ان ہی دس جوابات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ انصاف پسند کیلئے یہی دس جوابات کافی ہیں۔

تلك عشرة كاملة۔ وفيه كفاية لمن له هداية۔

---

[۱] (۲۴۳/۶)

دلیل نمبر ۲: حدیث جابر الانصاری ؓ۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری ؓ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں نماز پڑھائی۔ آپ ﷺ نے آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھے [۱]۔

جواب نمبر ا: یہ روایت غیر مقلدین کے بیان کردہ قاعدہ کے موافق منقطع ہے کیونکہ اس روایت کو حضرت جابر ؓ سے نقل کرنے والے راوی عیسیٰ بن جاریہ ہیں جن کے متعلق حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: من الرابعۃ [۲] کہ وہ چوتھے طبقہ کے راوی ہیں۔ اور چوتھے طبقہ کے متعلق مولانا نذیر احمد رحمانیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: چوتھا طبقہ وہ ہے جو تابعین کے طبقہ وسطیٰ کے قریب ہے جن کی اکثر روایتیں کبار تابعین سے لی گئی ہیں، صحابہ ؓ سے نہیں [۳]۔

سو جب عیسیٰ بن جاریہ چوتھے طبقہ کے راوی ہیں اور بقول مولانا رحمانیؒ اس طبقہ والوں کی احادیث صحابہ کرام ؓ سے مروی نہیں ہیں تو پھر جب عیسیٰ نے بھی اس روایت کو حضرت جابر ؓ سے نقل کیا ہے جو صحابی رسول ہیں تو غیر مقلدین کے اصول کے مطابق عیسیٰ کی یہ روایت حضرت جابر ؓ سے منقطع ٹھہری اور منقطع روایت غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں بالخصوص جبکہ عیسیٰ نے یہ روایت حضرت جابر ؓ سے لفظ عن کے ساتھ بیان کی ہے اور لفظ عن کے متعلق مولانا نذیر رحمانی لکھتے ہیں: عن میں احتمال معاصرت اور امکان لقاء کی گنجائش ہے مگر حافظ ابن حجر کے قول کے بموجب صرف احتمال اور امکان کافی نہیں بلکہ معاصرت کا ثبوت شرط ہے اور حافظ ابن الصلاح کے قول کے بموجب تو ملاقات کا ثبوت بھی شرط ہے [۴]۔ بنابریں غیر مقلدین حضرات کا فرض ہے کہ وہ اس روایت کا اتصال ثابت کرنے کیلئے عیسیٰ بن جاریہ اور حضرت جابر ؓ کے درمیان ملاقات کا ثبوت یا کم از کم معاصرت ہی ثابت کر دیں ورنہ اس روایت سے استدلال کرنا چھوڑ دیں۔

---

[۱] صحیح ابن خزیمہ (۱۳۸/۲)، صحیح ابن حبان (۶۴/۴)، قیام اللیل (ص ۱۹۷) [۲] تقریب (۷۶۹/۱)

[۳] انوار المصابیح (ص ۲۸۰) [۴] ایضاً (ص ۲۹۵، ۲۹۶)

جواب نمبر۲:۔اس حدیث کی سند کے اتصال وانقطاع سے قطع نظر بھی اس حدیث سے استدلال کرنا غلط ہے کیونکہ یہ حدیث نہایت ضعیف سند سے مروی ہے اس روایت کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے میں عیسیٰ بن جاریہ منفرد ہیں اور عیسیٰ روایت حدیث میں نہایت ضعیف اور مجروح راوی ہیں ۔پھر عیسیٰ بن جاریہ سے بھی اس روایت کو صرف ایک راوی یعقوب قمی نے نقل کیا ہے اور یعقوب قمی بھی ضعیف راوی ہیں ۔قیام اللیل وغیرہ میں اس روایت کا ایک تیسرا راوی محمد بن حمید الرازی بھی بالاتفاق ضعیف اور کذاب ہے لھذا ایسی روایت جس کی سند ظلمات بعضھافوق بعض کا مصداق ہو اس سے حجت لینا ہر گز جائز نہیں ۔اب اس روایت کے تینوں راویوں کا حال ملاحظہ کریں ۔

﴿۱﴾عیسیٰ بن جاریہ کا تعارف: حافظ ابن حجر عسقلانی تھذیب التھذیب [۱] میں، حافظ ابوالحجاج مزی تھذیب الکمال [۲] میں اور حافظ ذہبیؒ میزان الاعتدال [۳] میں عیسیٰ بن جاریہ کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ:

(۱) امام الجرح والتعدیل حضرت یحییٰ بن معین فرماتے ہیں لیس بذاك کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے ۔

(۲) امام ابن معین اس کے بارے میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ: عندہ مناکیر کہ اس کے پاس منکر روایتیں ہیں ۔

(۳) امام ابوداؤد فرماتے ہیں: روی مناکیر کہ ابن جاریہ نے منکر روایتیں نقل کی ہیں ۔

(۴) امام ابوداؤد اس کے بارے میں یہ بھی فرماتے ہیں: منکر الحدیث کہ یہ منکر الحدیث ہے [۴] ۔

(۵) امام نسائی بھی اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں ۔اور منکر الحدیث راوی کون سا ہوتا ہے ۔اس کی بابت مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد حافظ ابن حجر سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جس کی غلطیاں زیادہ ہوں یا غفلت باکثرت ہو یا فسق ظاہر ہو، اس کی حدیث منکر ہے ۔ [۵]

---

[۱] (۱۸۶/۸) [۲] (۵۴۳،۵۴۴/۱۴) [۳] (۳۱۱/۳) [۴] مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: امام ابوداؤد اور حافظ ابن حجر یہی دو حضرات ایسے ہیں جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ نہ متشدد ہیں اور نہ متساہل ۔امام ابوداؤد نے بے شک عیسیٰ بن جاریہ کو منکر الحدیث کہا ہے ۔یہی جرح امام نسائی نے بھی کی ہے ۔انوار المصابیح (ص ۱۱۲) ۔اس اقتباس سے حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد کا یہ کہنا غلط ثابت ہو گیا کہ: ابوداؤد کی جرح ثابت نہیں ہے ۔رسالہ تعداد رکعات قیام کا تحقیقی جائزہ (ص ۶۴) [۵] توضیح الکلام (۶۲۸/۲)

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب غیر مقلد منکر الحدیث راوی کے بارے میں لکھتے ہیں: حتی تکثر المناکیر فی روایته وینتهی الیٰ ان یقال فی منکر الحدیث لان منکر الحدیث وصف فی الرجل یستحق به الترك بحدیثه ۱؎ ۔

منکر الحدیث وہ راوی ہے جو منکر روایتیں اتنی کثرت سے بیان کرے کہ بالآخر اس کو منکر الحدیث کہا جانے لگے کیونکہ منکر الحدیث راوی میں ایسا وصف ہے کہ اس کی وجہ سے وہ اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اس کی حدیث ترک کر دی جائے ۔

مولانا محمد گوندلوی صاحب سابق امیر جماعت الحدیث لکھتے ہیں: دوسری عبارت یعنی منکر الحدیث سے قابل اعتبار جرح ثابت ہوتی ہے ۔ ۲؎

حافظ محمد اسحاق صاحب غیر مقلد (مدرس جامعہ رحمانیہ لاہور) ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں: ان دونوں راویوں کے ضعیف بلکہ اول الذکر کے منکر الحدیث ہونے کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ حدیث ضعیف جدا یا منکر کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہے ۳؎ ۔ مولانا ارشاد الحق اثری تحریر فرماتے ہیں: البتہ منکر الحدیث کے الفاظ راوی کے ضعف پر دلالت کرتے ہیں ۴؎ ۔ نیز اثری صاحب الرفع والتکمیل سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: پہلے الفاظ قابل اعتبار جرح نہیں برعکس دوسرے منکر الحدیث کے کہ وہ راوی پر ایسی جرح ہے جس کا اعتبار کیا جاتا ہے ۵؎ ۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: سوار منکر الحدیث یعنی سخت ضعیف ہے ۔ ۶؎

ان اقتباسات سے ثابت ہو گیا کہ لفظ منکر الحدیث خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی انتہائی سخت، قابل اعتبار اور مفسر جرح ہے ۔ ۷؎

۱؎ ابکار المنن (ص ۱۹۹) ۲؎ خیر الکلام (ص ۱۷۰) ۳؎ ہفت روزہ الاعتصام (ص ۲۰) ۷ اگست ۱۹۹۲ء) ۴؎ توضیح الکلام (۴۹۹/۱) ۵؎ ایضاً (ص ۴۹۸) ۶؎ ماھنامہ الحدیث (ص ۱۵، ستمبر ۲۰۰۴) ۷؎ اشکال: مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد عیسیٰ بن جاریہ پر لفظ منکر الحدیث سے کی گئی جرح کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: محدثین کے اطلاقات میں منکر الحدیث کا لفظ مختلف معانی میں مستعمل ہے بعض معنیٰ کے اعتبار سے تو یہ سرے سے کوئی جرح کا لفظ ہی نہیں چہ جائیکہ یہ کوئی شدید جرح ہو چنانچہ =

= (۱) حافظ عراقی لکھتے ہیں کہ بسا اوقات محدثین کسی راوی پر منکر الحدیث کا اطلاق اس لیے کر دیتے ہیں کہ اس نے صرف ایک ہی حدیث روایت کی ہے۔ الرفع والتکمیل (ص ۱۴)

(۲) حافظ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں کہ: کبھی یہ لفظ ثقہ راوی پر بھی بول دیتے ہیں جبکہ اس نے ضعیف راویوں سے منکر حدیثیں روایت کی ہوں۔

(۳) حافظ ذہبیؒ میزان میں لکھتے ہیں کہ: محدثین جب کسی راوی کی بابت منکر الحدیث کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے ان کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ اس کی جتنی روایتیں ہیں وہ سب منکر ہیں بلکہ اس کی جملہ روایتوں میں سے اگر بعض بھی منکر ہوں تو اس کو منکر الحدیث کہہ دیتے ہیں (الرفع والتکمیل)۔

دیکھئے ان اطلاقات کے مفہوموں میں باہم کتنا فرق ہے۔ اس لئے جب تک کسی معتبر دلیل سے ثابت نہ ہو جائے کہ امام ابوداؤد وغیرہ نے عیسیٰ بن جاریہ کو کس معنی کے اعتبار سے منکر الحدیث کہا ہے، اس وقت تک قطعی طور پر یہ حکم لگا دینا کہ اس کی یہ روایت قابل قبول نہیں ہوسکتی نری زبردستی ہے۔ انوار المصابیح (ص ۱۱۸)

لیکن رحمانی صاحب کا یہ جواب (حسب عادت) محض سینہ زوری اور دفع الوقتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے لفظ منکر الحدیث کے اصل معنیٰ (جو علمائے غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہیں) چھوڑ کر جتنے بھی ضمنی معانی یہاں ذکر کیے ہیں ان میں سے ایک معنیٰ بھی یہاں عیسیٰ بن جاریہ کے بارہ میں مراد نہیں ہوسکتا۔ اوّل معنیٰ کا مراد نہ ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ عیسیٰ بن جاریہ سے صرف ایک ہی حدیث مروی نہیں بلکہ کئی اور روایات بھی مروی ہیں۔ مثلاً متصل آئندہ روایت جابر ﷺ جس میں حضرت ابی بن کعب ﷺ کا اپنے گھر میں آٹھ رکعات پڑھانے کا ذکر ہے۔ اس روایت کو بھی حضرت جابر ﷺ سے نقل کرنے والے یہی ابن جاریہ ہیں۔ لھذا پہلے معنیٰ کا یہاں مراد نہ ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اسی طرح لفظ منکر الحدیث کا دوسرا معنیٰ جو رحمانی صاحب نے حافظ سخاوی سے نقل کیا ہے، وہ بھی یہاں مراد نہیں کیونکہ عیسیٰ بن جاریہ نے ان راویوں سے (بشرط ثبوت) روایات نقل کیں ہیں:۔ حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ، حضرت جبیر بن عبداللہ البجلی ﷺ، حضرت شریک ﷺ، حضرت سالمؒ بن عبداللہ ﷺ، سعید بن المسیبؒ، اور ابوسلمہؒ بن عبدالرحمن ﷺ، بن عوف۔ تھذیب الکمال (۱۴/۵۳۳)، تھذیب التھذیب (۸/۱۸۶) اور یہ سب راوی ثقہ اور عادل ہیں بلکہ اوّل الذکر تینوں صحابہ کرام ﷺ میں سے ہیں۔ اور باقی سب ثقہ اور مشہور تابعینؒ ہیں۔ لھذا یہ معنیٰ لینا کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ خود تو ثقہ راوی ہیں لیکن اس نے ضعیف راویوں سے منکر حدیثیں روایت کی ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالك۔

اور لفظ منکر الحدیث کے تیسرے معنیٰ جو رحمانی صاحب نے حافظ ذہبیؒ سے الرفع والتکمیل کے حوالہ سے ذکر کئے ہیں، اس کی اصل نہیں ہے کیونکہ الرفع والتکمیل میں مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے حافظ ذہبی۔ یہ قول یوں نقل کیا ہے کہ: حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں عبداللہ بن معاویہ الزهیری کے ترجمہ میں لکھا ہے: قولهم منكر الحديث =

= لا یعلمون به ان کل مارواه منکرالخ ۔الرفع و التکمیل (ص ۲۰۱) لیکن حافظ ذہبیؒ کے یہ الفاظ عبداللہ زھیری کے ترجمہ میں میزان الاعتدال کے کسی مطبوعہ نسخے میں موجود نہیں ہیں جیسا کہ شیخ ابوغدہ عبدالفتاح صاحب نے الرفع والتکمیل کے حاشیہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ دیکھئے حاشیہ نمبر۳ الرفع والتکمیل (ص ۲۰۱) مطبوعہ مکتبہ الدعوۃ الاسلامیہ پشاور۔ اور میزان الاعتدال کا جو نسخہ خود غیر مقلدین کے مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخو پورہ نے شائع کیا ہے اس میں بھی عبداللہ زہیری کے ترجمہ میں حافظ ذہبیؒ کے یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا لکھنویؒ کا یہ الفاظ نقل کرنا ان کے سہو قلم کا نتیجہ ہے۔ واللہ اعلم۔ اور بالفرض اگر حافظ ذھبیؒ کے یہ الفاظ میزان کے کسی نسخہ میں ہوں بھی تو پھر بھی یہ الفاظ عیسیٰ بن جاریہ کے حق میں کچھ بھی مفید نہیں کیونکہ اس سے جتنی روایات مروی ہیں ان کے متعلق کسی محدث نے یہ تصریح نہیں کی کہ عیسیٰ کی مروی روایات میں سے صرف بعض روایات منکر ہیں اور باقی صحیح ہیں اور یہ کہ اس کی یہ مذکورہ روایت ان منکر روایتوں میں شامل نہیں ہے۔ اذلیس فلیس۔

الغرض رحمانی صاحب نے جتنے معانی بھی لفظ منکر الحدیث کے ذکر کیے ہیں، ان میں سے کوئی معنی بھی عیسیٰ بن جاریہ جیسے منکر الحدیث راوی کے بارے میں مراد نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس کے حق میں وہی معنی مراد ہیں جو ہم نے غیر مقلدین کے علماء سے نقل کئے ہیں۔ اور اس پر دلیل اور قرینہ یہ ہے کہ امام الجرح والتعدیل حضرت یحییٰ بن معینؒ نے اس کے بارے میں عندہ مناکیر اور امام ابوداؤدؒ نے روی مناکیر فرمایا ہے اور مولانا ابراہیم سیالکوٹی غیر مقلد اور مولانا عبداللہ روپڑی غیر مقلد نے عندہ مناکیر اور لہ مناکیر کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس کی کئی حادیث (یعنی بکثرت) منکر ہیں۔ سیرت المصطفیٰ (ص ۱۳۸)، فتاویٰ اہلحدیث (۳۱۴/۱) اسی طرح ابن معین کے الفاظ عندہ مناکیر جملہ اسمیہ ہے جس میں دوام اور استمرار ہوتا ہے۔ اب عندہ مناکیر کا مطلب ہوگا کہ اس راوی نے بکثرت منکر روایتیں نقل کی ہیں اور بعینہ یہی معنی لفظ منکر الحدیث کا مولانا مبارکپوری صاحب وغیرہ غیر مقلدین نے نقل کیا ہے کہ جو راوی بکثرت منکر روایتیں نقل کرے الخ۔ لھذا رحمانی صاحب کا شکوہ دور ہوگیا کہ لفظ منکر الحدیث کا یہ معنی لینے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

اشکال ثانی: ۔ مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ لفظ منکر الحدیث جرح مبہم ہے کیونکہ مستند علماء نے اس کے جرح مبہم ہونے کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ علامہ ابوالحسن سندھیؒ لکھتے ہیں: کسی محدث کا کسی راوی کے حق میں منکر الحدیث کہنا ایسی جرح ہے جو بیان سبب سے خالی ہے۔ کیونکہ اس جرح کا حاصل یہ ہے کہ یہ راوی ضعیف ہے اور اسی کے اس نے ثقات کی مخالفت کی ہے لھذا ضعیف کہنا بلاشبہ جرح مبہم ہے الخ۔ انوار المصابیح (ص ۱۱۹، ۱۲۰) بحوالہ الرفع التکمیل۔

جواب: ۔ رحمانی صاحب نے دعویٰ تو یہ کیا ہے کہ مستند علماء نے اس کے جرح مبہم ہونے کی تصریح کی ہے لیکن ان کو کافی کوشش ومحنت کے باوجود اس دعویٰ کے اثبات میں صرف علامہ سندھی کا ہی حوالہ مل سکا ورنہ رحمانی کا اپنی پوری کتاب میں یہ طرز ہے کہ اگر کسی مسئلہ کی تحقیق میں کوئی ضعیف سے ضعیف قول بھی ہاتھ آجائے تو اس کو بھی ذکر کرنے سے دریغ =

(۶) امام نسائی نے عیسیٰ بن جاریہ کو منکر الحدیث کے ساتھ ساتھ متروک بھی فرمایا ہے۔ اور مشہور غیر مقلد مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں کہ: کذاب، متروک، لیس بثقہ کے الفاظ شدید جرح میں شمار ہوتے ہیں [۱]۔ نیز اثری لیس بثقہ جس لفظ کو انہوں نے متروک کے ہم درجہ شمار کیا ہے فرماتے ہیں: یہ الفاظ جرحی کلمات میں دوسرے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں جن کی روایت قابل استشہاد و اعتبار نہیں [۲]۔ اب بقول مولانا اثری عیسیٰ بن جاریہ پر امام نسائیؒ نے اتنی شدید جرح کی ہے کہ ایسے راوی کی روایت سے استدلال تو کیا اس کی روایت متابعت اور استشہاد میں بھی پیش کرنے کے قابل نہیں۔ لیکن اس کے باوجود

= نہیں معلوم ہوتا ہے کہ لفظ منکر الحدیث کو جرح مبہم کہنے والوں کے دلائل کی کل کائنات صرف علامہ سندھیؒ کا یہ قول ہے۔ لیکن الحمدللہ ہم نے صرف غیر مقلدین کے کئی مستند علماء کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ یہ مفسر اور نہایت سخت جرح ہے اور رحمانی صاحب کے استاذ اور غیر مقلدین کے محقق اعظم مولانا مبارکپوری صاحب کا حوالہ گزر چکا ہے کہ لفظ منکر الحدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ راوی کثرت سے منکر روایتیں بیان کرے اور یہی جرح مفسر ہے کیونکہ جرح مفسر کا مفہوم یہی ہے کہ اس میں جرح کا سبب مذکور ہو اور لفظ منکر الحدیث میں بھی جرح کا سبب یعنی راوی کا کثرت سے مناکیر نقل کرنا موجود ہے لہذا اس کو جرح مبہم کہنا غلط ہے۔ رحمانی صاحب نے علامہ سندھیؒ کا جو قول نقل کیا ہے کہ یہ جرح مبہم ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر انہوں نے لفظ منکر الحدیث کو جرح مبہم کہا تو ساتھ انہوں نے یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ جب یہ اس معنی میں ہو کہ یہ راوی ضعیف ہے اور اس نے ثقہ راوی کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں اذ حاصلہ انہ ضعیف خالف الثقۃ۔ الرفع والتکمیل (ص ۲۰۴) لیکن جس معنی میں علامہ سندھیؒ نے لفظ منکر الحدیث کو جرح مبہم کہا ہے وہ معنی عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کو منکر الحدیث کہنے کے ساتھ عندہ مناکیر بھی کہا گیا ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ یہ لفظ اس راوی کے حق میں بولا جاتا ہے جس نے کثرت سے منکر روایتیں نقل کی ہوں اور یہ جرح مفسر ہے اور خود علامہ سندھیؒ بھی اس معنی میں لفظ منکر الحدیث کو جرح مفسر مانتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: وانما تضر کثر المناکیر و کثرۃ مخالفۃ الثقات۔ حوالہ سابق۔ راوی کا کثرت سے منکر روایتیں نقل کرنا اور کثرت سے ثقات کی مخالفت کرنا مضر یعنی جرح مفسر ہے۔ لھذا جس معنی میں عیسیٰ بن جاریہ منکر الحدیث ہے اس معنی میں یہ لفظ خود علامہ سندھیؒ کے نزدیک بھی جرح مضر اور مفسر ہے تو یوں غیر مقلدین کا آخری سہارا علامہ سندھیؒ کا قول بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ …

ع   جن پہ تکیہ تھا وھی پتے ھوا دینے لگے

[۱] توضیح الکلام (۲/۶۰۸) [۲] حوالہ سابق (ص ۷۱۷)

غیر مقلدین حضرات اپنے طے شدہ اصولوں کی ذرا برابر پروا نہیں کرتے اور عیسٰی بن جاریہ کی روایت سے صرف استشہاد ہی نہیں بلکہ استدلال کیے بیٹھے ہیں۔

ع **این چہ بوالعجبیست**

(۷) امام ابن عدی فرماتے ہیں: احادیثہ غیر محفوظة کہ عیسٰی بن جاریہ کی بیان کردہ حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔ مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد اس جملہ کی وضاحت میں لکھتے ہیں: یعنی محفوظ کا مقابل اور اس کا غیر ہیں جن کو اصطلاحاً شاذ کہتے ہیں [۱]۔ اب غیر مقلدین کے وکیل اعظم مولانا رحمانی صاحب نے تسلیم کر لیا ہے کہ ابن جاریہ کی بیان کردہ حدیثیں غیر محفوظ اور شاذ ہیں اور جس راوی کی روایتیں شاذ ہوں وہ راوی کیسا ہوتا ہے؟ ایسے راوی کا تعارف بھی رحمانی صاحب کے قلم سے ملاحظہ کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اگر حفظ کے اعتبار سے بہت گرا ہوا راوی نہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوگی اور اگر اس کے خلاف ہو یعنی حفظ کے اعتبار سے بہت گرا ہوا راوی ہو تو البتہ (اس کی) وہ روایت شاذ و منکر کہی جائے گی [۲]۔

گویا عیسٰی بن جاریہ حفظ کے اعتبار سے اتنا گرا ہوا راوی ہے کہ بقول رحمانی صاحب غیر مقلد اس کی وجہ سے اس کی حدیثیں غیر محفوظ اور شاذ ہیں۔ اور یہ بات بھی یاد رہے کہ یہی امام ابن عدیؒ جنہوں نے عیسٰی بن جاریہ کی روایتوں کو غیر محفوظ اور شاذ فرمایا ہے انہوں نے حدیث ابن عباس ﷺ کے راوی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہؒ کی روایتوں کو صالح اور درست کہا ہے [۳]۔ اب ابوشیبہ کی بیان کردہ حدیث تو غیر مقلدین کے نزدیک موضوع اور نہایت ضعیف ہے لیکن جس راوی (عیسٰی بن جاریہ) کی روایات ابن عدی کے نزدیک غیر محفوظ ہیں اس کی بیان کردہ یہ حدیث غیر مقلدین کے ہاں قابل استدلال ہے۔

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

(۸) امام عقیلیؒ نے عیسٰی بن جاریہ کو ضعفاء یعنی ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔

(۹) امام ساجیؒ نے بھی اس کو ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے [۴]۔

---

[۱] انوار المصابیح (ص ۱۱۷) [۲] ایضاً (ص ۱۲۳) [۳] تهذیب الکمال (۱/۳۹۳) [۴] اشکال: مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں عیسٰی بن جاریہ کے جارحین میں چار حضرات ابن معین، نسائی، عقیلی، ابن عدی کا متعنتین میں شمار ہونا تو بالکل واضح ہے، اسی طرح ساجی جرح و تعدیل کے باب میں مثبت اور متیقظ نہ تھے بلکہ متساہل یا متشدد تھے اور ایسے لوگوں کی =

(۱۰) شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے بارے میں لکھتے ہیں: فیہ لین ۱؎ ۔
کہ عیسیٰ بن جاریہ روایت حدیث میں کمزور (یعنی ضعیف) ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فیہ لین کو الفاظ جرح وتعدیل کے چھٹے طبقہ میں شمار کیا ہے ۲؎ ۔

علامہ احمد شاکر غیر مقلد فرماتے ہیں کہ: حافظ ابن حجرؒ کے بیان کردہ طبقات میں سے صرف پہلے چار طبقوں کی روایات حجت ہیں۔ اور چوتھے طبقہ کے بعد والے طبقات والے راوی کی روایات مردود ہیں الا کہ وہ روایت کثرت طرق سے مروی ہو ۳؎ ۔ ۳؎ تلك عشرة كاملة

= جرح وتعدیل مقبول نہیں۔ محصلہ انوار المصابیح (ص ۱۱۲)۔ جواب: ۔ رحمانی صاحب کا یہ اشکال بالکل بے وقعت ہے کیونکہ اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ حضرات متشدد اور متعنت تھے تو پھر بھی انکی جرح مقبول ہے کیونکہ ابن جاریہ کے جارحین میں امام ابوداؤد اور حافظ ابن حجر بھی ہیں جن کے متعلق خود رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ: یہ نہ متشدد ہیں اور نہ متساہل۔ ایضاً (ص ۱۱۲) رحمانی صاحب یہ اصول بھی کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ: جب متشدد جارح کی موافقت کوئی معتدل جارح کردے تو پھر متشدد جارح کی جرح بھی مقبول ہوجاتی ہے۔ انوار المصابیح (۱۱۳) بحوالہ الرفع التکمیل (ص ۱۸)۔ پس جب امام نسائی اور امام ابن معین وغیرہ کی موافقت امام ابوداؤد اور حافظ ابن حجر نے کی ہے جو بقول رحمانی صاحب جرح تعدیل میں نہایت معتدل ہیں تو پھر رحمانی صاحب کا امام نسائی، امام ابن معین، امام ابن عدی، امام ساجی اور امام عقیلی کو متشدد کہہ کر ان کی جرح کو رد کرنا انصاف ودیانت سے جی چرانے والی بات ہے۔ ۱؎ تقریب التھذیب (۷۷/۱۹)

۲؎ انوار المصابیح (ص ۱۱۶) بحوالہ التقریب (ص ۱) ۳؎ الباعث الحثیث (ص ۱۰۷)۔

(۳) اشکال: ۔ مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ: حافظ ابن حجرؒ کی جرح سے عیسیٰ کی روایت کا ترک ہونا لازم نہیں آتا انہوں نے تقریب میں صرف فیہ لین کہا ہے۔ محدثین نے فیہ لین اور لین الحدیث کو بہت ہلکے اور معمولی درجہ کے الفاظ جرح میں شمار کیا ہے۔ الخ ..... انوار المصابیح (ص ۱۱۵)۔ نیز فرماتے ہیں کہ امام دارقطنی جیسے ناقد رجال کے نزدیک ایسا راوی نہ ساقط العدالت ہے اور نہ اس کی حدیث قابل ترک۔ ایضاً (ص ۱۱۶) جواب: ۔ غیر مقلدین حضرات کی عادت شریفہ ہے کہ جب کوئی روایت ان کے مسلک اور خواہش کے موافق ہو تو وہ اسے سر آنکھوں پر رکھتے ہیں چاہے اس میں کوئی کتنا ہی ضعیف راوی کیوں نہ ہو اور پھر اس راوی پر کی گئی جرح کو وہ طرح طرح کی رکیک تاویلوں اور مختلف بہانوں سے ٹال دیتے ہیں۔ لیکن اسی قسم کی جرح جب کسی ایسے راوی پر ہو جس کی روایت سے ان کے مسلک پر زد پڑتی ہو تو پھر یہ حضرات اس جرح کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لیتے ہیں اور اس جرح کے سہارے وہ اس راوی اور اس کی مروی روایت کو ضعیف سے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ یہی حال نذیر رحمانی صاحب کا ہے کہ یہاں یہ روایت ان کے مسلک کے موافق آئی تو اس کے =

حضرات ! عیسیٰ بن جاریہ پر مشہور ائمہ رجال کی طرف سے یہ مذکورہ دس کلمات جرح منقول ہیں اوران میں سے اکثر جرحیں (عنده مناکیر،منکر الحدیث اورمتروک وغیرہ) خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی سخت اور نہایت سخت ہیں جیسا کہ ان میں سے ہرایک جرح کے ذیل میں غیر مقلدین کے مستند علماء کے حوالے آپ نے ملاحظہ کئے ہیں۔ ان میں سے اگر ایک جرح بھی عیسیٰ بن جاریہ پر عائد ہوتی تو یہ اس کی اس روایت کے ضعیف اور نا قابل استدلال ہونے کیلئے کافی تھی چہ جائیکہ عیسیٰ ان تمام جرحوں کے ساتھ مجروح ہے لیکن غیر مقلدین کی ہٹ دھرمی ملاحظہ ہو کہ ان کو عیسیٰ بن جاریہ پر کی گئی ان جرحوں کے سنگین ہونے کا اقرار بھی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس کو ثقہ ٹھہرانے اوراس کی مذکورہ روایت کو قابل استدلال بنانے میں سرتا پاؤں غرق ہیں۔ انا للہ......

عیسیٰ بن جاریہ کو ثقہ ثابت کرنے کی ایک کوشش اوراس کا جواب:۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ عیسیٰ بن جاریہ جمہور علماء کے نزدیک ثقہ،صدوق یا حسن الحدیث ہے۔ چنانچہ (۱) ابوزرعہ نے اس کے بارے میں کہا: لا بأس به۔ (۲) ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا۔

= راوی عیسیٰ بن جاریہ پر حافظ ابن حجرؒ کی جرح فیہ لین کو یوں کہہ کر ٹال دیا کہ یہ بہت ہلکی اور معمولی درجہ کی جرح ہے اس سے راوی کا ضعیف ہونا اوراس کی روایت کا قابل ترک ہونا لازم نہیں آتا۔ لیکن ان کا دوغلا پن ملاحظہ کریں کہ جب حافظ ابن حجرؒ کی یہی جرح غیر مقلدین کے مسلک کے مخالف راویت کے راوی پر آئی تو اسے فوراً قبول کرلیا اوراس روایت اوراس کے راوی کو سخت ضعیف قرار دے دیا۔ چنانچہ رحمانی صاحب ایک روایت کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ورنہ حق تو یہ ہے کہ یہ روایت ہی صحیح نہیں ہے اس کا ایک راوی نضر بن شیبان بالکل ضعیف ہے، انوار المصابیح (ص ۸۷)۔

حالانکہ نضر بن شیبان کے بارے میں بھی حافظ ابن حجر نے تقریب التھذیب میں لین الحدیث کہا ہے،تقریب (۲/۳۴۵) جو بقول رحمانی صاحب نہایت ہلکی اور معمولی درجہ کی جرح ہے۔ اب قارئین اندازہ کریں کہ عیسیٰ بن جاریہ اور نضر بن شیبان پر حافظ ابن حجرؒ نے ایک ہی قسم کی جرح کی ہے لیکن عیسیٰ بن جاریہ تو اس جرح کی وجہ سے رحمانی صاحب کے نزدیک ضعیف نہ ہوا بلکہ بدستور ثقہ ہی ہے اوراس کی روایت بھی صحیح اور قابل احتجاج ہے لیکن نضر بن شیبان حافظ صاحب کی سی جرح ہے کے باوجود رحمانی صاحب کی نظروں میں بالکل ضعیف ٹھہرا اوراس کی حدیث بھی ضعیف قرار پائی۔

والی اللہ المشتکیٰ

؎ تیری بات کو بت حیلہ گر نہ قرار ہے نہ قیام ہے ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کبھی شام ہے کبھی صبح ہے، کبھی صبح ہے کبھی شام ہے

(۳)ابن خزیمہ نے اس کی حدیث کی تصحیح کی۔(۴)الہیثمی نے اس کی حدیث کی تحسین کی۔(۵)البوصیری نے زوائد سنن ابن ماجہ میں اس کی حدیث کی تحسین کی۔(۶)حافظ منذری نے اس کی ایک حدیث کو باسناد جید کہا۔(۷)الذھبی نے اس کی منفرد حدیث کے بارے میں اسنادہ وسط کہا۔(۸)بخاری نے التاریخ الکبیر میں اسے ذکر کیا اور اس پر طعن نہیں کیا۔(۹)حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس کی حدیث پر سکوت کیا۔یہ سکوت اس کی حدیث کی تحسین یا تصحیح کی دلیل ہے۔قواعد علوم الحدیث (ص ۵۵)۔(۱۰)ابوحاتم الرازی نے اسے ذکر کیا اور اس پر کوئی جرح نہیں کی۔ابوحاتم کا سکوت راوی کی توثیق ہوتی ہے۔حوالہ سابق۔لھذا یہ سند حسن ہے [1]۔

جواب:۔زبیر صاحب نے عیسیٰ بن جاریہ کو ثقہ اور حسن الحدیث ثابت کرنے کیلئے یہ جتنی شقیں ذکر کی ہیں ان میں سے ایک شق سے بھی اس کا ثقہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔زبیر صاحب کی ذکر کردہ ہر ہر شق کا جواب خود ان کے ہم مسلک اور مستند علماء کے قلم سے ملاحظہ کریں۔

(۱)امام ابوزرعہ کا ابن جاریہ کو لابأس بہ کہنا اس کے لئے کچھ مفید نہیں ہے۔

جس راوی کو سات بڑے بڑے آئمہ رجال نے ضعیف،منکر الحدیث اور متروک وغیرہ قرار دیا ہو،ان کے مقابلے میں صرف امام ابوزرعہ کے لا بأس بہ کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔کیونکہ عنقریب علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے یہ بحث آنے والی ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے بالخصوص جبکہ جرح مفسر ہو۔نیز لا بأس بہ کا لفظ خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی الفاظ تعدیل میں سے نہایت ہلکا اور کمزور ہے۔اس سے اس راوی کی رویت کا قابل احتجاج ہونا لازم نہیں آتا۔چنانچہ مشہور غیر مقلد مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:ارجوانه لاباس به یکتب حدیثہ،یعتبر بہ ایسے الفاظ ہیں کہ ان کے حاملین کی روایت قابل احتجاج نہیں ہوسکتی [2]۔

نیز لکھتے ہیں کہ:ایسے راوی کی روایات صرف متابعات میں قبول ہوتی ہیں [3]۔

بنابریں غیر مقلدین کا عیسیٰ بن جاریہ کی روایت سے احتجاج کرنا باطل ہوگیا۔اور یہ بات یاد رہے

---

[1] نور المصابیح (ص ۱۸) [2] توضیح الکلام (۱/۱۳۲) [3] ایضاً

کہ زبیر علی زئی مولانا ارشاد اثری اور ان کی کتاب توضیح الکلام کے نہایت مداح ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں: مولانا ارشادالحق اثری صاحب کی توضیح الکلام کا مطالعہ کریں۔ یہ اس موضوع پر لاجواب شاہکار کتاب ہے [1]۔ اب ہم نے زبیر صاحب کے مطالبہ پر اس لاجواب اور شاہکار کتاب کا مطالعہ کر کے زبیر صاحب کی پہلی شق کا جواب دے دیا ہے۔ الحمدللہ

(۲) ابن حبانؒ کا کسی راوی کو ثقات میں ذکر کرنا غیر مقلدین کے نزدیک غیر معتبر ہے۔

امام ابن حبان نے اگر چہ عیسیٰ بن جاریہ کو ثقات میں ذکر کیا ہے لیکن ابن حبانؒ کا کسی راوی کو ثقات میں ذکر کرنا غیر مقلدین کے نزدیک غیر معتبر ہے اور وہ اس سلسلہ میں ان کے نزدیک متساہل شمار ہوتے ہیں چنانچہ مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد ایک راوی کو ابن حبان کے ثقات میں شمار کرنے پر لکھتے ہیں: ابن حبان نے اس کو ثقات میں شمار کیا ہے مگر ابن حبان کا تساہل مشہور ہے [2]۔

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابن حبان متساہل ہیں [3]۔

مولانا عبدالرؤف سندھو غیر مقلد لکھتے ہیں: واضح رہے کہ ابن حبان کا اس ثقات میں ذکر کرنا معتبر نہیں کیونکہ وہ مجاہیل کو ثقات میں شمار کرتے ہیں [4]۔

مولانا ارشادالحق اثری لکھتے ہیں: ابن حبان متساہل ہیں [5]۔

شیخ البانی غیر مقلد ایک راوی کے بارہ میں لکھتے ہیں: وانما وثقه ابن حبان وهو معروف بتساهله [6]۔

ایک اور راوی کے بارے میں لکھتے ہیں: حافظ ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے مگر ان کا ثقات میں ذکر کرنا معتبر نہیں [7]۔ مولانا رفیق سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: ابن حبان کی توثیق کو ائمہ رجال کچھ وقعت نہیں دیتے [8]۔

---

[1] الکواکب الدریہ (ص ۵۸) [2] خیر الکلام (ص ۲۵۲) [3] تحقیق الکلام (۱/۷۷) [4] القول المقبول (ص ۳۲۵)
[5] توضیح الکلام (۲/۲۶۹) [6] سلسلۃ احادیث الضعیفۃ (۱/۴۲۶) [7] ایضاً (ص ۵۲۰) [8] ہفت روزہ الاعتصام (ص ۱۸) ۹ ستمبر ۱۹۹۴ء۔

غیر مقلدین کے محدث اعظم مولانا عبداللہ روپڑیؒ لکھتے ہیں:۔ابن حبان کا تساہل مشہور ہے۔ ذرا سے سہارے پر ثقوں میں شمار کر لیتے ہیں ۱؎۔

زبیر صاحب کے استاذ اور مشہور غیر مقلد عالم عبدالمنان نور پوری صاحب بھی لکھتے ہیں کہ: مگر تصحیح میں ابن حبان اور ابن خزیمہ کا تساہل مشہور ہے ۲؎۔

لھذا جب خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی امام ابن حبان کا کسی راوی کو ثقات میں شمار کرنا غیر معتبر ہے تو پھر اگر ابن حبان نے عیسیٰ بن جاریہ کو بھی تساہل برتتے ہوئے ثقات میں شمار کر دیا ہے تو اس سے ابن جاریہ کا ثقہ ہونا کیسے لازم آئے گا؟

(۳)ابن خزیمہؒ نے حدیث ابن جاریہ کی تصحیح نہیں فرمائی

امام ابن خزیمہؒ نے عیسیٰ بن جاریہ کی مذکورہ روایت کو قطعاً صحیح نہیں کہا۔لھذا زبیر صاحب کا یہ کہنا جھوٹ ہے اور ابن خزیمہ جیسے عظیم محدث پر صریح بہتان ہے کہ انہوں نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ البتہ امام ابن خزیمہؒ اور ان کے شاگرد امام ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں مذکورہ روایت کو ذکر کیا ہے ۳؎۔ لیکن کیا ان دونوں اہل علم کا کسی حدیث کو محض اپنی اپنی صحیح میں ذکر کرنا اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے؟اس سوال کا جواب ہم سے نہیں بلکہ زبیر صاحب کے ممدوح اور ہم مسلک مولانا ارشاد الحق اثری صاحب سے ملاحظہ کریں۔چنانچہ اثری صاحب اسی قسم کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: جیسے ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان ہیں مگر ان کی بھی تمام روایات صحیح نہیں ۴؎۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابن خزیمہ یا ابن حبان کا کسی حدیث کو اپنی صحیح میں لانے سے اس حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا بلکہ امام ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں جن احادیث کی صراحتاً تصحیح کی ہے،ان احادیث کی صحت بھی غیر مقلدین کو تسلیم نہیں ہے۔چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب امام ابن خزیمہؒ کے ایک حدیث کو صحیح قرار دینے کے جواب میں لکھتے ہیں:في تصحيح ابن حزيمه نظر ۵؎۔

۱؎ فتاویٰ اہل حدیث (۲/۵۰۸) ۲؎ تعداد تراویح (ص ۳۴) ۳؎ انوار المصابیح (ص ۱۳۸)،از:مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد۔تعداد تراویح (ص ۳۴)از:مولانا عبدالمنان نور پوری غیر مقلد ۴؎ توضیح الکلام (۲/۲۶۴)
۵؎ ابکار المنن (ص ۱۰۰)

امام ابن خزیمہ کی تصحیح میں نظر ہے۔

غیر مقلد محقق مولانا عبدالروف سندھو صاحب ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے ملاحظہ ہوں صحیح ابن خزیمہ (۲/ ۲۷) مگر یہ حدیث صحیح نہیں۔ [۱]

پس جب غیر مقلدین کے نزدیک ابن خزیمہ کا اپنی صحیح میں کسی حدیث کی تصحیح کرنا اس حدیث کی صحت کو مستلزم نہیں تو پھر عیسٰی بن جاریہ کی مذکورہ حدیث جس کی ابن خزیمہ نے تصحیح بھی نہیں کی بلکہ صرف اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے، اس کا صحیح ہونا کیوں کر لازم آئے گا؟۔ غالبًا یہی وجہ ہے کہ زبیر صاحب کے استاذ مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد کو اس حدیث کی صحت میں توقف ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حافظ ابن حبان اور حافظ ابن خزیمہ نے اپنی اپنی صحیح میں بیان کیا ہے جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ حدیث ان دونوں جلیل القدر وسیع العلم کے نزدیک صحیح ہے مگر تصحیح میں ان کا تساہل مشہور ہے اور اس کی سند میں عیسٰی بن جاریہ ہے جس پر کلام کتب رجال میں مذکور ہے [۲]۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(۴) علامہ ہیثمی کی تصحیح وتحسین بھی غیر مقلدین کے ہاں معتبر نہیں [۳]۔

علامہ ہیثمیؒ نے اگر چہ مذکورہ حدیث کو حسن کہا ہے لیکن ہیثمیؒ کی تصحیح اور تحسین غیر مقلدین کی نظروں میں غیر معتبر اور ناقابل اعتماد ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: ولا یطمئن القلب بتحسین الهیثمی فان له اوهاما فی مجمع الزوائد [۴]

ہیثمی کی تحسین سے دل مطمئن نہیں ہے کیونکہ ان کو مجمع الزوائد میں بہت وہم ہوئے ہیں۔ نیز مبارکپوری

---

[۱] القول المقبول (ص ۳۶۲) [۲] تعداد تراویح (ص ۳۴) [۳] علامہ ہیثمیؒ نے اگر چہ اس حدیث کی سند کو حسن کہا ہے لیکن اس کے راوی ابن جاریہ کو ثقہ نہیں کہا۔ زبیر علی زئی نے مجمع الزوائد (۲/ ۱۵۸) کا حوالہ دیا ہے کہ ہیثمیؒ نے اسے ثقہ کہا ہے لیکن ان کے محولہ صفحہ پر عیسٰی بن جاریہ کی توثیق تو کیا اس کا نام بھی نہیں ہے۔ بالفرض اگر علامہ ہیثمی نے کہیں اس کو ثقہ کہا بھی ہے تو غیر مقلدین کو ان کی توثیق سے اتفاق نہیں ہے، جیسا کہ اوپر کتاب میں علمائے غیر مقلدین سے حوالے مذکور ہیں۔ [۴] ابکار المنن (ص ۵۷)

صاحب علامہ ہیثمیؒ کے ایک حدیث کو صحیح کہنے پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ ولا یطمئن القلب علی تصحیح الھیثمی [1] علامہ ہیثمیؒ کی تصحیح پر دل مطمئن نہیں ہے۔

مولانا محمد گوندلوی کے بارے میں زبیر صاحب لکھتے ہیں: شیخ الاسلام، حجۃ الاسلام، شیخ القرآن والحدیث، الامام الثقہ المتقن الحجۃ، المحدث الفقیہ، الاصولی محمد گوندلوی رحمہ اللہ۔ [2]

زبیر صاحب کے یہ انتہائی ممدوح غیر مقلد عالم علامہ ہیثمیؒ کی تصحیح پر اپنا ردعمل یوں ظاہر کرتے ہیں: ہیثمی کی تصحیح میں نظر ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: فان لہ اوھام (کہ ان کے بہت سے وہم ہیں) کذا فی تاج المکلل [3]۔ زبیر صاحب کے دوسرے ممدوح مولانا ارشاد الحق اثری رقمطراز ہیں: اور جہاں تک کسی حدیث کے متعلق علامہ ہیثمیؒ کے حکم کا تعلق ہے تو یقین جانیے مجمع الزوائد میں بیسوں ایسے مقامات ہیں جہاں ائمہ فن نے علامہ ہیثمیؒ کے حکم سے اتفاق نہیں کیا [4]۔ شیخ عبدالرؤف سندھو غیر مقلد لکھتے ہیں: دوسری بات علامہ ہیثمی پر کلیۃً اعتماد کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ ان کے بہت سے اوہام ہیں کمالا یخفی [5]۔

نیز سندھو صاحب ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اس کی سند کو حسن کہا ہے مگر ان کا یہ کہنا درست نہیں۔ اس کی سند میں عاصم بن عبیداللہ ہے جو ضعیف ہے [6]۔

بنابریں جب غیر مقلدین کے نزدیک علامہ ہیثمیؒ کی کسی حدیث کی تحسین تا تصحیح کرنے سے اس حدیث کا صحیح یا حسن ہونا لازم نہیں آتا تو پھر اگر انہوں نے عیسیٰ بن جاریہ جیسے ضعیف راوی کی روایت کو بھی حسن کہہ دیا ہے تو انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ غیر مقلدین کو اپنے بڑوں کی اتباع میں ان کے اس حکم پر بھی اعتماد نہیں کرنا چاہیئے۔

(۵) علامہ بوصیری کی تحسین بھی غیر مقلدین کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتی:

علامہ بوصیریؒ نے عیسیٰ بن جاریہ کی مذکورہ روایت کو حسن نہیں کہا اور اگر انہوں نے اس کے علاوہ اس کی کسی اور حدیث کی تحسین کی بھی ہے تو ان کی تحسین و تصحیح پر بھی غیر مقلدین کا اعتماد نہیں ہے۔

---

[1] ایضاً (ص۱۹۹) [2] الکواکب الدریہ (ص۷) [3] التحقیق الراسخ (ص۵۷) [4] توضیح الکلام (۲/۴۰۹)
[5] القول المقبول (ص۳۳۵) [6] ایضاً (۴۷۴)

چنانچہ انھوں نے زوائد سنن ابن ماجہ میں کئی احادیث کے متعلق صحیح یا حسن کا حکم لگایا ہے لیکن غیر مقلدین حضرات ان کے اس فیصلہ کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ مثلاً ابن ماجہ کی ایک حدیث کے متعلق علامہ بوصیری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے لیکن شیخ البانی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ مجھے اس میں توقف ہے ۔ ۱؎

علاوہ ازیں مولانا ارشادالحق اثری صاحب غیر مقلد نے یہ بات بھی صاف کردی ہے کہ: حدیث کی صحت کا دارومدار رواۃ (راویوں) پر ہوتا ہے۔ اگر کوئی راوی ضعیف ہے تو اسے کوئی صحیح کہتا ہے، تو کہتا رہے اس سے روایت صحیح نہیں ہو جاتی۔ بے خطا ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور بس ۲؎ ۔

لھذا اگر علامہ بوصیری یا علامہ ہیثمی وغیرہ نے عیسیٰ بن جاریہ جیسے ضعیف راوی کی روایت کو حسن کہہ بھی دیا ہے تو بقول اثری صاحب اس سے اس کی حدیث کا حسن یا صحیح ہونا لازم نہیں آتا جب تک کہ عیسیٰ کی توثیق نہیں ہو جاتی اور عیسیٰ کی توثیق زبیر صاحب کے بس میں تو کیا پوری دنیائے غیر مقلدیت بھی اگر اپنا سارا زور صرف کر لے تو بھی اس کی توثیق ثابت نہیں کر سکتی۔

(۶) حافظ منذریؒ غیر مقلدین کی نظر میں اہل فن رجال میں سے نہیں

یہی حافظ منذریؒ اپنی اسی کتاب الترغیب میں ایک روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: ورجالہ ثقات کہ اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ اس پر شیخ البانیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں: واسنادہ ضعیف فیہ عنعنة الولیدبن مسلم و عبیداللہ بن ابی بردہ ولم یوثقہ احد حتی ولاابن حبان فلایغتر بقول المنذری ورجالہ ثقات ۳؎ ۔

اب ایک راوی کو حافظ منذریؒ کے صراحتاً ثقہ کہنے کے باوجود وہ راوی غیر مقلدین کے محقق زمان اور محدث اعظم کی نظروں میں غیر ثقہ ہے تو پھر اگر منذریؒ نے ابن جاریہ جیسے ضعیف راوی کی حدیث کو اگر جید کہا بھی ہے تو اس سے اس کا ثقہ ہونا کیسے لازم آ گیا؟

ع بسوخت عقل زحیرت ایں چہ بوالعجبیست

۱؎ تحقیق المشکاۃ (۲۵۳/۱) ۲؎ توضیح الکلام (۶۳/۲) ۳؎ تحقیق مشکاۃ (۸۲/۱)

حافظ منذریؒ نے عیسیٰ بن جاریہ کی کونسی حدیث کے بارے میں اسنادہ جید کہا ہے؟اس کی زبیر صاحب نے کوئی بھی وضاحت نہیں کی ہے اور راقم المعروف نے الترغیب کی جلد اول کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے لیکن ہم کو اس میں ابن جاریہ کی کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس کی سند کو حافظ منذریؒ نے جید کہا ہو لھذا زبیر صاحب کو چاہئے کہ وہ وضاحت کریں کہ منذریؒ نے ابن جاریہ کی کونسی حدیث کو جید کہا ہے یا کس ادارہ کی شائع کردہ الترغیب کے فلاں صفحہ پر یہ الفاظ انہوں نے کہے ہیں۔

(۷) حافظ ذہبیؒ کے نزدیک ابن جاریہ کی مذکورہ حدیث منکر ہے

حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں عیسیٰ بن جاریہ پر ائمہ رجال سے سخت جرح نقل کی ہے اور اس کے تذکرہ میں اس کی مذکورہ روایت کو بھی ذکر کیا ہے اور بقول غیر مقلدین ذہبیؒ کی عادت ہے کہ وہ میزان الاعتدال میں جس مجروح راوی کا تذکرہ کرتے ہیں تو اگر اس راوی کی روایات میں کوئی منکر روایت ہوتی ہے تو وہ اس روایت کو بھی ذکر کردیتے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلد محقق شیخ عبدالراؤف سندھو ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ حدیث سخت ضعیف ہے کیونکہ بخاری اور ابوحاتم نے ابوالزعیزعہ کو منکر الحدیث جدا کہا ہے ذہبی نے اس کے ترجمہ میں اس حدیث کا بھی ذکر کیا ہے ۱۔ سندھو صاحب ایک اور حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: یہ حدیث نہایت ضعیف ہے۔اس کی سند میں عمرو بن معین متروک ہے۔ ذہبیؒ نے اس کے ترجمہ میں جن احادیث کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے ۲۔ معلوم ہوا کہ حافظ ذھبیؒ کا کسی مجروح راوی کی روایت کو اس کے ترجمہ میں ذکر کرنا اس روایت کے منکر ہونے کی دلیل ہے۔

لہٰذا اگر انہوں نے عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں اس کی مذکورہ روایت کو بھی ذکر کیا ہے تو یہ ابن جاریہ کے ضعیف اور اس حدیث کے منکر ہونے کی دلیل ہے نہ کہ اس کے ثقہ ہونے کی۔ اگر یہ کہا جائے کہ علامہ ذہبیؒ نے تو ابن جاریہ کی حدیث کے بارے میں اسنادہ متوسط بھی کہا ہے جو اس کی مذکورہ حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ علامہ ذہبیؒ نے تو ابویوسف عن ابی حنیفہ کی سند کو سند عالی سے تعبیر کیا ہے، لیکن غیر مقلدین اس عظیم المرتبت امام عالی شان کی روایت کو صحیح

---

۱ القول المقبول (ص ۵۲۷) بحوالہ میزان الاعتدال (۵۳۸۳) ۲ ایضاً (ص ۵۲۳) ۳ توضیح الکلام (۲/ ۲۶۷)

نہیں سمجھتے۔ چنانچہ مولانا ارشادالحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: علامہ ذہبیؒ انا ابو یوسف انا ابو حنیفہ کی سند کو عالی کہتے ہیں مگر ہر عالی سند صحیح نہیں ہوتی [1]۔ نیز لکھتے ہیں: مؤلف احسن الکلام کا یہاں ایک دوسری سند کو عالی ثابت کردینا اس طریق کے صحت کی قطعاً دلیل نہیں [2]۔

قارئین: غیر مقلدین کی ستم ظریفی کا اندازہ لگائیں کہ علامہ ذہبیؒ کے امام ابو حنیفہؒ کی سند کو عالی کہنے کے باوجود بھی غیر مقلدین امام صاحب کی سند کو صحیح ماننے کیلئے تیار نہیں لیکن عیسی بن جاریہ جس کی سند کو علامہ ذہبیؒ کے محض متوسط (جو عالی سے کم درجہ ہے) کہہ دینے سے وہ اسے ثقہ اور اس کی حدیث کو صحیح ماننے کا ہم مطالبہ کررہے ہیں۔

یہ سب سوچ کر دل لگایا ہے ناصح نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں

(۸) کیا امام بخاریؒ کا کسی راوی کو تاریخ الکبیر میں ذکر کرنا اس کی توثیق ہے؟

امام بخاریؒ کا کسی راوی کو اپنی کتاب تاریخ کبیر میں بلا جرح وتعدیل کے ذکر کرنا خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی اس راوی کی توثیق کو مستلزم نہیں۔ کیونکہ امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر میں رواۃ کی ایک بڑی تعداد کا تذکرہ بلا جرح وتعدیل کیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ راوی علمائے غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف اور مجہول ہیں اور ان کی روایات کو صحیح نہیں سمجھا جاتا۔ چنانچہ صرف چند مثالیں بطور نمونہ ملاحظہ کریں۔

(۱) مولانا عبدالرؤف سندھو غیر مقلد ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ روایت نہایت گھٹیا درجہ کی ہے۔ اس روایت کا پہلے راوی عبدالوارث مولیٰ انس ﷺ بن مالک ہے۔ اسے امام بخاریؒ نے تاریخ الکبیر میں ذکر کیا مگر اس کے بارے میں کوئی جرح وتعدیل ذکر نہیں کی الخ [2]۔

(۲) سندھو صاحب ایک اور حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں: ابو مسلم کو بخاری نے الکنیٰ (ص ۶۸) (تاریخ الکبیر) میں اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں ذکر کیا ہے مگر دونوں میں سے کسی نے بھی اس کے بارے میں کوئی جرح وتعدیل ذکر نہیں کی ہے۔ احمد البناء نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔ قُلتُ (میں کہتا ہوں) اس کی سند کو جید قرار دینے کیلئے ابو مسلم کی ثقاہت کا علم ضروری ہے ورنہ سند ضعیف ہے [3]۔

---

[1] ایضاً (ص ۶۶۸) [2] القول المقبول (ص ۵۲۷) بحوالہ التاریخ الکبیر (۶/۱۱۸) [3] ایضاً (ص ۶۷۰)

(۸) مولانا ارشاد الحق اثری صاحب ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ابن بجاد محمد بن بجاد ہے اور وہ موسیٰ بن سعد کا پوتا ہے جب کہ بجاد موسیٰ کے صاحبزادے ہیں ان کا امام بخاری نے التاریخ الکبیر (۴۴/۱) میں، امام ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (۲۱۳/۳) میں ذکر کیا ہے مگر کوئی جملہ توثیق وتوصیف کا نقل نہیں کیا [۱]۔

پھر آخر میں ان کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: محمد بن بجاد اور موسیٰ بن سعد دونوں مجہول ومستور ہیں لھذا اس کی سند کو صحیح کہنا درست نہیں [۲]۔

صرف ان چند مثالوں کو ہی سامنے رکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام بخاری کے کسی راوی کو تاریخ الکبیر میں بلا طعن ذکر کرنے سے اس راوی کا ثقہ ہونا لازم نہیں آتا۔ لھذا غیر مقلدین کے اصول کی روشنی میں یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ اگر امام بخاریؒ نے عیسٰی بن جاریہ کو بھی تاریخ الکبیر میں بلا طعن ذکر کیا ہے تو اس سے اس کی توثیق ثابت نہیں ہوتی۔

(۹) حافظ ابن حجرؒ کے سکوت کے ساتھ غیر مقلدین کا دوغلا پن

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اگر فتح الباری میں عیسٰی بن جاریہ کی مذکورہ روایت پر سکوت کیا ہے تو حافظ نے فتح الباری میں کئی ایسی روایات پر بھی سکوت کیا ہے جہاں غیر مقلدین ان کے سکوت کو غلط کہتے ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالرؤف سندھوایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ نہایت ضعیف ہے۔ ابن حجر نے اس حدیث کو مصنف سعید سے منسوب کیا ہے اور اس پر سکوت کیا ہے۔ لھذا حافظ کا سکوت درست نہیں [۳]۔

نیز اگر حافظ ابن حجرؒ کا فتح الباری میں کسی روایت پر سکوت کرنا اس روایت کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے تو پھر انھوں نے اسی فتح الباری میں حضرت یزید بن خصیفہؒ اور یزید بن رومانؒ کی بیس رکعات والی روایات پر بھی سکوت کیا ہے۔ ان روایتوں کی صحت غیر مقلدین کو کیوں تسلیم نہیں؟ نیز حصہ اول میں ہم یزید بن رومان کی مرسل روایات کے ذیل میں کئی علمائے غیر مقلدین کے حوالے ذکر کر چکے ہیں کہ حافظ ابن حجر کا فتح الباری میں کسی روایت پر سکوت اس روایت کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے

---

[۱] توضیح الکلام (۷۴۱/۲) [۲] ایضاً (ص ۷۴۳) [۳] القول المقبول (ص ۴۴۴)

(ان حوالوں میں زبیر صاحب اور ان کے استاد حافظ عبدالمنان صاحب کا بھی حوالہ شامل ہے) لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین یزید بن خصیفہ اور یزید بن رومان کی روایات جن پر حافظ نے فتح الباری میں سکوت کیا ہے، کو صحیح یا حسن ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ ان مذکورہ روایات کی صحت کو محدثین اور غیر مقلدین کے معتدل علماء نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اب یہ روایات تو حافظ ابن حجر کے سکوت کے باوجود غیر مقلدین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں اور یہاں ایک نہایت ضعیف روایت کو صحیح ثابت کرنے کیلئے مولانا ظفر عثانی صاحب کے حوالہ سے حافظ ابن حجر کے سکوت کو اس ضعیف روایت کی صحت کی دلیل قرار دیا جا رہا ہے۔ والی اللہ المشتکی۔

خیر یہ تو حافظ ابن حجر کے سکوت کا غیر مقلدین کے ہاں حال ہے کہ اپنے مطلب کی روایات پر ان کا سکوت تو روایات کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے اور اپنے مسلک کے خلاف روایات پر ان کا سکوت فوراً رد کر دیا جاتا ہے۔

لیکن حافظ کے سکوت سے قطع نظر جن روایات کو فتح الباری وغیرہ میں انھوں نے صراحتاً صحیح یا حسن قرار دیا ہے وہ روایات بھی اگر غیر مقلدین کے منشاء کے موافق نہ ہوں تو پھر یہ حضرات حافظ ابن حجر پر بداعتمادی اور ان کی سخت مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔ غیر مقلدین حضرات کے صرف چند ایسے حوالے بطور مشتے نمونہ از خروارے ذکر کیے جاتے ہیں تاکہ قارئین پر واضح ہو جائے کہ یہ لوگ حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق پر کتنا اعتماد کرتے ہیں؟ چنانچہ

(۱) مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب حافظ ابن حجر کے ایک حدیث کو حسن قرار دینے کے جواب میں لکھتے ہیں: قلتُ في تحسين اسناده نظر[1]۔ میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر کا اس حدیث کو حسن کہنا محل نظر ہے۔

(۲) اسی طرح مبارکپوری صاحب ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ففي قول الحافظ باسناد صحيح ايضانظر[2]۔ حافظ ابن حجر کے قول کہ یہ سند صحیح ہے میں بھی نظر ہے۔

---

[1] ابکار المنن (ص۹۸) [2] ایضاً (ص؟)

(۳) قاضی محمد شوکانی ایک حدیث کے بارے میں رقمطراز ہیں: وحسّنه الحافظ فی الفتح وفی الاسناده عبدالله بن محمد بن مقیل وفیه مقال ۱؎ ۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کو حسن کہا ہے حالانکہ اس کی سند میں عبداللہ بن محمد بن مقیل راوی ہے جس میں کلام ہے۔

(۴) مشہور غیر مقلد شیخ ناصر الدین البانی حافظ ابن حجر کی ایک حدیث کی تحسین کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ان قول الحافظ فی الفتح اسناده حسن غیر حسن ۲؎ ۔ بے شک حافظ ابن حجر کا فتح الباری میں اس حدیث کی سند کو حسن کہنا غیر حسن اور ناپسندیدہ ہے۔

(۵) مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۱۰/۴) اس کی سند کو قوی کہا ہے مگر یہ درست نہیں ۳؎ ۔

قارئین: صرف ان چند مثالوں کو ہی سامنے رکھ کر آپ غیر مقلدین کے دوغلا پن اور ان کے مکروفریب کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے مطلب کیلئے حافظ ابن حجر کی تحقیق کو اتنی فوقیت دیتے ہیں کہ اپنے مسلک کی تائید میں وارد شدہ کسی روایت پر ان کے صرف سکوت کرنے کو ہی اس روایت کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل گردانتے ہیں لیکن دوسری طرف اگر کوئی روایت ان کے مسلک کے خلاف جاتی ہو تو وہاں حافظ ابن حجر کا سکوت کرنا تو کیا ان کا صراحتاً اس روایت کو صحیح یا حسن کہنا بھی غیر مقلدین کی نظروں میں ناقابل اعتماد اور مشکوک ٹھرتا ہے۔

یہ لوگ بھی غضب کے ہیں دل پر یہ اختیار — شب موم کرلیا سحر آہن بنا لیا

(۱۰) امام ابو حاتم کے سکوت کا حال غیر مقلدین کی نظر میں:۔

امام ابو حاتم کا کسی اور راوی پر سکوت اور جرح نہ کرنا بھی غیر مقلدین کے نزدیک اس راوی کی توثیق کو مقتضی نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں: بعض حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ امام ابن ابی حاتم جس راوی پر سکوت کریں وہ ثقہ ہوتا ہے تو یہ قاعدہ بھی صحیح نہیں۔ خود امام ابن ابی حاتم

۱؎ نیل الاوطار (۳۴۲/۳) ۲؎ سلسلۃ احادیث الضعیفۃ رقم (۳۴۰) ۳؎ مولانا سرفراز صفدر صاحب اپنی تصانیف کے آئینے میں (ص ۱۶۹)

نے صراحت کر دی ہے کہ جس راوی کے متعلق کوئی جرح یا تعدیل نقل نہیں کی گئی تو ان کا ذکر محض تکمیلاً ہے اگر کوئی طعن مل گیا تو بالآخر اس کو نقل کر دیں گے [1]۔

مولانا سید محب اللہ شاہ پیر آف جھنڈا لکھتے ہیں: اور امام ابن ابی حاتم اور ابن حبان کے متعلق جو فرمایا یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کا مقتضیٰ تو یہ ہوا کہ جس راوی کا بھی امام ابن ابی حاتم اپنی الجرح وتعدیل میں ذکر کریں اور اس پر کچھ بھی حکم۔ جرحاً وتعدیلاً۔ نہ لگائیں اس کے متعلق یہی کہنا چاہیے کہ اس میں طعن یا عیب ہوتا تو امام ابن ابی حاتم سے پوشیدہ نہ رہتا حالانکہ کسی طعن یا توثیق کے عدم ذکر سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ امام موصوف کو ان کے متعلق (اپنے والد ابو حاتم یا دیگر ائمہ سے۔ ناقل) کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی حالت میں علمائے حدیث یہی فرماتے ہیں کہ یہ راوی مجہول الحال، غیر معروف اور مستور ہے [2]۔

بنابریں اگر امام ابن ابی حاتم نے الجروح والتعدیل میں عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق اپنے والد امام ابو حاتم سے کوئی جرح نقل نہیں فرمائی تو مذکورہ علمائے غیر مقلدین کی تصریحات کی روشنی میں اس سے ابن جاریہ کی توثیق بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔

الحاصل: زبیر علی زئی صاحب نے عیسیٰ بن جاریہ کو ثقہ ثابت کرنے کیلئے جتنی بھی شقیں ذکر کی تھیں، ان میں سے ہر ایک شق کا بطلان غیر مقلدین کے مستند علماء کی روشنی میں ثابت ہو گیا اور یہ بات اچھی طرح ثابت ہو گئی کہ زبیر صاحب نے ایک ضعیف راوی کو ثقہ ثابت کرنے کیلئے جتنا خس وخاشاک اکٹھا کیا تھا۔ اس سے ابن جاریہ کی ذرا بھی توثیق ثابت نہیں ہو سکتی اور بالفرض اگر اس کی کوئی معمولی توثیق ثابت بھی ہو جائے تو بھی اس پر محدثین کرام کی کی گئی سخت اور مفسر جرح کے مقابلے میں یہ معمولی سی توثیق کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ خود علمائے غیر مقلدین نے تصریح کی ہے کہ جرح بالخصوص مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے استاذ العلماء اور محدث مولانا محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں: جرح تعدیل پر مقدم ہوا کرتی ہے خصوصاً جب مفسر ہو [3]۔ نیز لکھتے ہیں راجح اور صحیح نقادان فن کی نظر میں یہی

---

[1] حاشیہ توضیح الکلام (۱۴۱/۲ ۷) [2] ہفت روزہ الاعتصام (ص ۱۱) ۲۵ نومبر ۱۹۹۴ء) [3] التحقیق الراسخ (ص ۱۱۴)

ہے کہ جرح مفسر اور تعدیل کا تعارض ہوتو جرح کو ترجیح ہے عام اس سے کہ معدلین زائد ہوں یا کم [1]۔

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: جبکہ جرح مفسر کی موجودگی میں توثیق معتبر نہیں [2]۔

خود زبیر علی زئی لکھتے ہیں: اگر جرح مفسر اور تعدیل مفسر باہم برابر ہوتو جرح مقدم ہوگی [3]۔

پس جب غیر مقلدین کے اصولوں کی روشنی میں ثابت ہوگیا کہ عیسیٰ بن جاریہ پر کی گئی ائمہ حدیث کی جرح مفسر اور نہایت سخت ہے تو اس کے مقابلے میں اگر اس کی کچھ تھوڑی بہت توثیق ثابت بھی ہو جائے تو وہ بقول علمائے غیر مقلدین جرح مفسر کے مقابلے میں غیر معتبر ہے۔ لھذا عیسیٰ بن جاریہ اصولاً ضعیف ٹھہرے۔

ابن جاریہ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ متفرد بھی ہے۔

علاوہ ازیں عیسیٰ بن جاریہ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ اس روایت کو نقل کرنے میں متفرد بھی ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا راوی حضرت جابرؓ سے اس زیادت (آٹھ رکعات) کو نقل نہیں کرتا۔

چنانچہ امام طبرانیؒ حضرت جابرؓ کی مذکورہ روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: لا یروی عن جابر بن عبداللہؓ الا بھذا الاسناد [4]۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے یہ آٹھ رکعات کی روایت اس (عیسیٰ بن جاریہ کی) سند کے علاوہ کسی اور سند سے مروی نہیں ہے......

اور اصول حدیث کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ ضعیف راوی کی منفرد روایت قابل قبول نہیں ہوتی، بالخصوص جب کہ آنحضرت ﷺ کی تین راتوں کی نماز کو نقل کرنے والے (حضرت ابوذرؓ، حضرت انسؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عائشہؓ، اور حضرت نعمان بن بشیرؓ وغیرہ) متعدد صحابہ کرامؓ ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک سے بھی رسول اللہ ﷺ کی نماز تراویح کی تعداد رکعات منقول نہیں کہ اس سے ابن جاریہ کی اس روایت کی تائید ہو سکے۔ لھذا ابن جاریہ کی یہ روایت نا قابل عمل ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ: مولانا نذیر احمد رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ عیسیٰ بن جاریہ کا تفرد غیر مقبول نہیں کیونکہ

---

[1] حوالہ سابق (ص ۱۷۲) وخیر الکلام (ص ۴۵) [2] توضیح الکلام (۲۷۱/۲)

[3] نور العینین (ص ۴۲) [4] المعجم الصغیر (۱۹۰/۱)

اس کے تفرد کی صورت یہ ہے کہ اس نے ایک ایسی بات بیان کی ہے جس کے بیان سے دوسرے راوی ساکت ہیں اور محدثین (حافظ ابن الصلاح وغیرہ) نے تصریح کی ہے کہ منفرد راوی جو حفظ وضبط کے اعلیٰ درجہ پر فائز نہ ہو لیکن وہ حفظ وضبط کے اعتبار سے بہت گرا ہوا بھی نہ ہو تو اس منفرد راوی کی زیادتی بشرطیکہ اپنے سے اوثق راوی کی روایت کے مخالف نہ ہو تو وہ مقبول ہے۔ اس بیان کے لحاظ سے عیسیٰ کا یہ تفرد غیر مقبول نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ جو جرحیں اس پر کی گئی ہیں وہ سب غیر مقبول اور غیر ثابت ہیں اور ان کے مقابلے میں اس کی تعدیل وتوثیق معتبر ہے۔ لھذا حفظ وضبط کے اعتبار سے اگر وہ بہت اعلیٰ درجہ پر نہ ہو تو بہت گرا ہوا بھی نہیں ہے۔ بنابریں اس کی یہ حدیث کم سے کم حسن ہوگی ضعیف یا منکر نہیں۔

نیز جب یہ ثابت ہو چکا کہ عیسیٰ ثقہ راوی ہے اور اس نے ایک زائد بات بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے آٹھ رکعات باجماعت پڑھی تھی اور یہ بات دوسرے راوی بیان نہیں کرتے تو حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق اس کی یہ زیادت راجح اور مرجوح کا مقابلہ کئے بغیر مقبول ہوگی اور اس سے زیادت میں اس کا متفرد ہونا ہرگز اس کی روایت کیلئے کسی قدح کا موجب نہیں ہے [1]۔

جواب: رحمانی صاحب کا یہ نرا وہم اور مغالطہ ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ ثقہ راوی ہے اور اس پر کی گئی تمام جرحیں غیر مقبول ہیں۔ ابن جاریہ جس پایہ کا ثقہ راوی ہے اس کی حقیقت تو ہم اچھی طرح طشت از بام کر چکے ہیں اور یہ بات بھی خود علمائے غیر مقلدین کے تسلیم شدہ اصولوں کی روشنی میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اس پر ائمہ حدیث کی طرف سے اتنی سخت اور معتبر جرحیں کی گئی ہیں کہ ایسے راوی کی روایت سے استدلال تو کجا اس کی روایت متابعت میں پیش کرنے کے بھی قابل نہیں۔ تو پھر ایسے راوی کا تفرد کیوں کر قبول کیا جا سکتا ہے؟

ثانیاً: بالفرض اگر مان لیا جائے کہ عیسیٰ بن جاریہ ثقہ راوی ہے لیکن یہ بات تو رحمانی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ وہ حفظ وضبط کے اعلیٰ درجہ پر فائز نہیں ہے۔ [2] تو پھر ایسے راوی کی زیادتی کیسے معتبر ہو سکتی ہے! کیونکہ خود علمائے مقلدین نے ثقہ راوی کی زیادت اور تفرد کے قبول ہونے کیلئے شرط لگائی ہے کہ وہ راوی احفظ واتقن ہو۔ چنانچہ رحمانی صاحب کے ہم مسلک اور ہم استاذ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے

---

[1] مصلہ انوار المصابیح (ص ۱۲۱ تا ۱۲۵) [2] انوار المصابیح (ص ۱۲۳)

ہیں: صحیح قول یہ ہے کہ ثقہ کی زیادتی مطلقاً قبول نہیں بلکہ اس کا مدار قرائن پر ہے اور قبولیت میں شرط اول یہ ہے کہ زیادت کرنے والا احفظ واتقن ہو۔ [1]

مولانا محمد گوندلوی صاحب جو رحمانی صاحب کے استاذ ہیں، فرماتے ہیں کہ: باقی رہا زیادتی ثقہ کا قبول وعدم قبول، سو ثقہ کی زیادتی مطلقاً قبول نہیں ہوتی کسی جگہ ہوتی ہے اور کسی جگہ نہیں۔ کیوں کہ ثقہ غلطی کر جاتا ہے ان الثقۃ قد یغلط مشہور مقولہ ہے [2]۔ نیز گوندلوی صاحب علامہ ابن عبدالبرؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: انما تقبل اذ کان راویھا احفظ واتقن الخ [3]۔

یعنی ثقہ راوی کی زیادتی اس وقت قبول کی جاتی ہے جب اس زیادتی کا راوی احفظ واتقن ہو۔

اب غیر مقلدین حضرات کی ناانصافی اور دوغلا پن ملاحظہ کریں کہ مسئلہ رفع یدین اور قرأۃ خلف الامام میں تو وہ عاصم بن کلیب اور سلیمان التیمی جیسے بالاتفاق ثقہ راویوں کی زیادت کو قبول نہیں کرتے اور یہاں مسئلہ تراویح میں اپنی مطلب براری کیلئے عیسٰی بن جاریہ جیسے ضعیف اور متروک راوی کی زیادت کو بھی بڑے طمطراق سے قبول کر رہے ہیں۔

آپ اپنے جور و جفا پر خود ذرا غور کریں   ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

روایت جابرؓ کے دوسرے راوی یعقوب قمی کا تعارف۔

عیسٰی بن جاریہ کا شاگرد یعقوب بن عبداللہ القمی بھی ضعیف اور شیعہ راوی ہے۔ چنانچہ امام دار قطنیؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: لیس بالقوی کہ یہ راویت حدیث میں قوی نہیں ہے [4]۔

مشہور محدث اور امام الرجال علامہ ابن کثیرؒ اس کی ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

وھذا الحدیث منکر اجدا وفی اسنادہ ضعف ویعقوب ھذا ھو القمی وفیہ تشیع ومثل ھذا لایقبل تفردہٗ بہ۔ [5]

یہ حدیث انتہائی منکر ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے اور یعقوب القمی شیعہ ہے۔ ایسے مسائل میں اس

---

[1] توضیح الکلام (۲/۲۶۱) [2] التحقیق الراسخ (ص۱۲۲) [3] ایضا (ص۱۴) [4] میزان الاعتدال (۳/۳۲۲) وغیرہ

[5] البدایۃ والنھایۃ (۸/۳۷۵)

کا تفرد قبول نہیں کیا جاتا۔اور چونکہ یعقوب قمی مذکورہ روایت میں بھی منفرد ہے اور اس کی یہ روایت اجماع صحابہ ؓ اور تعامل امت کے بھی خلاف ہے۔لھذا اس کی یہ روایت بھی غیر معتبر ہے۔

غیر مقلدین کے مسلمہ امام علامہ محمد شوکانی (حافظ عبداللہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں: امام محمد بن علی یمنی شوکانی: متاخرین اہل حدیث میں یہ عالم بھی ایک بے مثل جامع و ماہر جمیع فنون اصول وفروع معقول ومنقول اور مجتہد مطلق گزرے ہیں......ان کا ایک رسالہ القول المفید فی رد التقلید بھی ہے ان کے اکتساب سے ہزار ہا لوگ اہل حدیث ہوئے [1])۔غیر مقلدین کے بڑے امام، بھی یعقوب قمی کو ضعیف کہتے ہیں۔چنانچہ وہ ایک حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: وفی اسنادہ یعقوب بن عبداللہ القمی وجعفربن ابی المغیرة القمی وفیھمامقال [2]۔

اس حدیث کی سند میں یعقوب بن عبداللہ قمی اور جعفر بن المغیرہ قمی ہیں اور ان دونوں میں کلام ہے۔

یعقوب قمی کو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش کا جواب۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: یعقوب القمی ثقہ ہے اسے جمہور علماء نے ثقہ قرار دیا ہے۔ (۱) ابن حزیمہ نے اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔(۲) ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۳) نور الدین الھیثمی نے اس کی حدیث کو حسن قرار دیا۔(۴) حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی منفرد حدیث پر سکوت کیا اور یہ سکوت اس کی حدیث کی تحسین یا تصحیح کی دلیل ہے۔(۵) جریر بن عبدالحمید اسے مومن آل فرعون کہتے تھے۔(۶) ابن مہدی نے اس سے روایت بیان کی اور ابن مہدی صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔(۷) بخاری نے تعلیقات میں اس سے روایت لی اور اپنی التاریخ الکبیر میں اس پر طعن نہیں کیا۔لہذا وہ ان کے نزدیک بقول (ظفر احمد) تھانوی ثقہ ہے۔(۸) حافظ ذہبی نے کہا: صدوق (۹) نسائی نے کہا: لیس بہ بأس۔(۱۰) ابوالقاسم الطبرانی نے کہا ثقہ [3]۔

جواب یعقوب القمی کو ثقہ ثابت کرنے کیلئے زبیر صاحب کی ذکر کردہ یہ تمام شقیں بھی محض ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مترادف ہیں۔ان میں سے پہلی چار شقوں کا جواب تو عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں ہو چکا ہے

---

[1] تعریف اہل حدیث (ص ۸۸) [2] نیل الاوطار (۴/۲۸۷) [3] مھلہ نور المصابیح (ص ۱۷)

دیگر شقوں کی صورت حال ملاحظہ فرمائیں۔

(۵) مؤمن آل فرعون کا لفظ راوی کی توثیق نہیں۔

مومن آل فرعون کوئی توثیق و تعدیل کا کلمہ نہیں ہے کہ اس سے یعقوب قمی کا ثقہ ہونا لازم آئے۔ زبیر صاحب کا حق بنتا ہے کہ وہ پہلے اس کلمہ کو الفاظ تعدیل میں سے ہونا ثابت کریں، اس کے بعد اس کو یعقوب کی توثیق کے دلائل میں بھرتی کریں۔

(۶) ابن مہدیؒ کا یعقوب قمی سے روایت لینا

امام ابن مہدیؒ نے اگرچہ یعقوب قمی سے روایت بیان کی ہے لیکن کیا ان کا اس سے روایت لینا اس کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے؟ اس بارہ میں خود علمائے غیر مقلدین کی آراء ملاحظہ ہوں۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں: یحیٰی بن سعید قطان کے متعلق جو عموماً معروف ہے کہ وہ ثقات ہی سے روایت لیتے ہیں اور حسن بن عمارہ سے بھی انہوں نے روایت لی ہے تو بھی یہ حسن کی توثیق کیلئے کافی نہیں جبکہ امام یحیٰی کے متعلق دوسرے محدّثین (امام ابن مہدی وغیرہ۔ ناقل) کی طرح یہ قاعدہ بھی کوئی کلی اصول نہیں بلکہ اکثریتی ہے [1]۔ غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلوی صاحب ایک راوی کے متعلق لکھتے ہیں: بعض نے لکھا ہے کہ بڑے بڑے لوگوں نے اس سے روایت لی ہے۔ سو یہ توثیق کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ جرح کے باوجود ائمہ کا روایت لینا ثابت ہے [2]۔

علاوہ ازیں امام ابن مہدیؒ نے خود تصریح فرمادی ہے کہ وہ فضائل اعمال وغیرہ کی روایت میں تساہل برتتے ہیں اور ضعیف راویوں سے بھی روایات لے لیتے ہیں۔ چنانچہ مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے:

عن عبدالرحمٰن بن مہدی یقول اذارویناعن النبی ﷺ شددنافی الاسانید وانتقدناالرجال واذا روینا فی فضائل الاعمال والثواب والعقاب والمباحات والدعوات تساھلنافی الاسانید [3]۔

امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ فرماتے ہیں کہ ہم جب آنحضرت ﷺ سے حلال وحرام اور احکام کی روایات نقل

---

[1] توضیح الکلام (۲/۶۱۸) [2] التحقیق الراسخ (ص ۱۱۴) [3] المستدرک (۱/۴۹۰)

کرتے ہیں تو اسانید اور ان کے راویوں کی تنقید میں تشدد سے کام لیتے ہیں اور جب فضائل اعمال، ثواب وعقاب، مباحات اور دعاؤں کے بارہ میں روایات نقل کرتے ہیں تو اسانید میں تساہل (نرمی) برت لیتے ہیں۔

بنابریں اگر امام ابن مہدیؒ نے یعقوب قمی سے بھی روایت بیان کی ہے تو یہ اس کی توثیق کی دلیل نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ امام موصوف نے اس سے روایت لیتے ہوئے اسی تساہل سے کام لیا ہو اور وہ ضعفاء سے بھی روایات لے لیتے ہیں: فاذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

(۷) امام بخاریؒ کا کسی راوی سے معلق روایت لینا۔

عیسٰی بن جاریہ کے تذکرہ میں علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ امام بخاریؒ کا کسی راوی کو تاریخ الکبیر میں بلاطعن ذکر کرنا اس راوی کی توثیق پر دال نہیں۔ رہا امام بخاری کا اپنی صحیح میں کسی راوی سے تعلیقات روایت بیان کرنا تو یہ بھی غیر مقلدین کے نزدیک اس راوی کی توثیق اور اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے محدث اعظم حافظ عبداللہ روپڑی صاحب تحریر فرماتے ہیں: جیسے بخاری میں تعلیقات ہیں اور ان کی صحت ضروری نہیں [1]۔

نیز لکھتے ہیں: بخاری اصح الکتاب ہے لیکن تعلیقات بخاری (جن کی سند بالکل پوری ذکر نہیں ہوتی) ان میں بھی کئی محل گفتگو بھی ہیں [2]۔

مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں، صحیح بخاری میں معلق روایات امام بخاری کا موضوع اور مقصود نہیں۔ لھذا ان سے کسی سند کے بارے میں استدلال صحیح نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اپنے النکت میں صحیح بخاری کی معلق روایات کے بارے میں بڑی نفیس بحث کی ہے اور اس کی تعلیقات کی اقسام بیان کرتے ہوئے ایک قسم ذکر کی ہے کہ امام بخاری کبھی بالجزم ایسی معلق روایت بھی لاتے ہیں جو انقطاع کی بنا پر ضعیف ہوتی ہے [3]۔ نیز لکھتے ہیں: معلق روایات امام بخاری کے مقصود سے خارج ہیں۔ ان میں وہ بطور تنبیہ ذکر کرتے ہیں ان سے استدلال واحتجاج مقصود نہیں [4]۔

---

[1] رفع یدین اور آمین (ص ۱۳۰) بحوالہ اظہار التحسین (ص ۶۱) [2] فتاوی اہل حدیث (۱/۵۱۸)

[3] توضیح الکلام (۲/۵۷۶) [4] ایضاً (ص ۵۷۷)

(۸) ذہبیؒ کا قمی کو صدوق کہنا غیر مقلدین کو مفید نہیں۔

حافظ ذہبیؒ کا یعقوب قمی کو صدوق کہنا بھی غیر مقلدین حضرات کو کچھ مفید نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لفظ ان کے نزدیک راوی کو ثقہ ثابت کرنے کیلئے کافی نہیں۔ چنانچہ ان کے بہت بڑے بزرگ عالم مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحب فرماتے ہیں کہ صدوق کا لفظ مراتب تعدیل میں نہایت گھٹیا درجہ کا ہے [۱]۔

شیخ البانی غیر مقلد حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کہے گئے لفظ صدوق سے متعلق لکھتے ہیں:

ومما لا شك فيه عندنا ان اباحنيفة من اهل الصدق ولكن ذلك لا يكفي ليحتج بحديثه حتى ينضم اليه الضبط والحفظ وذلك مما لم يثبت في حقه [۲]۔

اور ہمارے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اہل صدق میں سے ہیں لیکن یہ ان کی حدیث کے قابل احتجاج ہونے کیلئے کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ ضبط اور حفظ نہ ملے ہوں اور یہ دونوں چیزیں امام صاحب کے حق میں ثابت نہیں ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک ولعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

اب غیر مقلدین حضرات کی ستم ظریفی ملاحظہ کریں کہ امام صاحب کی تعریف و توثیق میں تمام بڑے بڑے محدثین اور فقہاء رطب اللسان ہیں لیکن غیر مقلدین کے نزدیک لفظ صدوق ان کی حدیث کے قابل احتجاج ہونے کیلئے کافی نہیں لیکن یعقوب قمی جیسے ضعیف اور شیعہ راوی کے حق میں یہ لفظ اس کی حدیث کے قابل حجت ہونے کی دلیل ہے واعجبا۔

نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تمہاری ظلم کیشی کو — بہت سے ہو چکے ہیں گرچہ تم سے ستمگر پہلے

(۹) امام نسائی کا قمی کو لیس بہ باس کہنا غیر مقلدین کے نزدیک اس کی توثیق کے لئے کافی نہیں

عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ لا بأس بہ وغیرہ کے الفاظ سے اس راوی کی حدیث کا قابل احتجاج ہونا لازم نہیں آتا اور چونکہ لیس بہ بأس بھی اس کے ہم درجہ اور ہم معنی لفظ ہے، اس لئے اگر امام نسائی نے یعقوب قمی کے بارے میں لیس بہ باس فرمایا ہے تو بھی اس سے بقول اثری صاحب یعقوب کی روایت کا قابل حجت ہونا لازم نہیں آتا۔

---

[۱] انارۃ المصابیح (ص ۳۹) [۲] سلسلۃ احادیث الضعیفۃ (۱/؟)

(۱۰) امام طبرانی کی توثیق کا جواب

امام طبرانیؒ نے کوثی کو ثقہ کہا ہے لیکن غیر مقلدین کے استاذ العلماء اور سابق امیر جماعت اہلحدیث مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ: صرف ثقہ کہہ دینا کافی نہیں خصوصاً ایسے موقع پر کہ جرح مفسر ومفصل ہو۔ اور یعقوب قمی کے حق میں بھی جرح مفسر وارد ہے۔ کیونکہ علامہ ابن کثیرؒ نے اس کی روایت کو منکر جدا کہا ہے اور مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: جس کی غلطیاں زیادہ ہوں یا غفلت باکثرت ہو یا فسق ظاہر ہو اس کی حدیث منکر ہے ۔ اور یہی جرح مفسر ہے۔ نیز یعقوب قمی عیسیٰ بن جاریہ سے اس روایت کو نقل کرنے میں بھی متفرد ہے اور کوئی دوسرا راوی اس کا متابع نہیں اور علامہ ابن کثیرؒ کی تصریح کے مطابق یہ حالت انفراد میں قابل حجت نہیں ہے۔ لھذا اگر بالفرض اس کو ثقہ بھی مان لیں پھر بھی اس کے منفرد ہونے کی وجہ سے اس کی مذکورہ روایت سے احتجاج کرنا درست نہیں۔

روایت جابرؓ کے تیسرے راوی محمد بن حمید الرازی کا تعارف

قیام اللیل وغیرہ میں اس روایت کو یعقوب قمی سے نقل کرنے والا محمد بن حمید الرازی بھی ائمہ رجال کے نزدیک نہایت ضعیف، کذاب اور متروک راوی ہے۔ اگرچہ صحیح ابن خزیمہ وغیرہ کتب حدیث میں اسی روایت کو ابن حمید رازی کے علاوہ دیگر راویوں نے بھی یعقوب قمی سے نقل کیا ہے لیکن مابعد آنے والی روایت جو حضرت جابرؓ سے مروی ہے اس روایت کو نقل کرنے میں محمد بن حمید الرازی متفرد ہے۔ لھذا اس کا تفصیلی تعارف کتاب رجال سے ملاحظہ ہو: (۱) امام یعقوب بن شیبہ سدوسیؒ اس کو کثیر المناکیر فرماتے ہیں۔ (۲) امام بخاریؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: فیہ نظر۔ (۳) امام ابراہیم جوزجانیؒ اس کو ردی المذہب اور غیر ثقہ فرماتے ہیں۔ (۴) امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں کہ وہ جھوٹ بولتا تھا۔
(۵) عبدالرحمٰن بن یوسفؒ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم محمد بن حمید رازی جھوٹا تھا۔ (۶) اسحاق بن منصورؒ فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن حمید اور عبید بن اسحاق عطار دونوں کذاب ہیں۔
(۷) امام نسائیؒ اور امام ابن وارہؒ وغیرہ نے بھی اس کو کذاب قرار دیا ہے۔ (۸) امام ابوعلی نیساپوری

---

۱ التحقیق الراسخ (ص ۱۲۶) ۲ توضیح الکلام (۲/ ۶۲۸)

فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابن خزیمہ سے عرض کیا کہ اگر آپ محمد بن حمید الرازی سے حدیث بیان کرتے تو بہت اچھا تھا کیونکہ امام احمدؒ نے اس کی تعریف کی ہے۔اس پر ابن خزیمہؒ نے فرمایا کہ: امام احمدؒ نے اس کو پہچانا نہیں۔اگر وہ بھی ہماری طرح اس کو پہچان لیتے تو وہ اس کی بالکل تعریف نہ کرتے۔
(۹) امام ابن حبانؒ نے بھی اس پر جرح کی ہے۔(۱۰) ابونعیم بن عدیؒ فرماتے ہیں کہ میں امام ابوحاتمؒ کے پاس ان کے گھر حاضر تھا اور ان کے پاس رے کے مشائخ اور حفاظ کی ایک جماعت بیٹھی تھی۔جب انھوں نے محمد بن حمید رازی کا ذکر چھیڑا تو سب نے بالاتفاق فرمایا کہ وہ روایت حدیث میں نہایت ضعیف ہے۔ اور اس نے ایسی حدیثیں بیان کی ہیں جو اس نے سنی تک نہیں ہیں [۱]۔

ناظرین! آپ نے ملاحظہ کرلیا ہے کہ حضرت جابرؓ کی مذکورہ روایت کے یہ تینوں راوی نہایت ضعیف اور متروک ہیں۔لھذا جو روایت ایسے ضعیف راویوں کی سند پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا مصداق ہو، اس کو تراویح جیسے اہم مسئلہ میں کیسے پیش کیا جاسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ غیر مقلدین کا ایک سنجیدہ طبقہ اس حقیقت کو محسوس کرتے ہوئے اس راویت کو معرض استدلال میں پیش کرنے سے دستبردار ہوگیا ہے۔چنانچہ غیر مقلدین کے ایک بڑے عالم مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب لکھتے ہیں: یاد رہے کہ رسول اکرم ﷺ کی نماز تراویح کی تعداد رکعات کے اثبات کا اعتبار حضرت جابرؓ کی یہ حدیث نہیں [۲]۔

مولانا ایوب صابر مدرس جامعہ محمدیہ خانپور حضرت جابرؓ کی مذکورہ روایت اور مابعد آنے والی روایت ذکر کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں: مذکورہ بالا دونوں حدیثیں ہم نے بطور شواہد پیش کی ہیں [۳]۔

ان علماء کے نزدیک گویا یہ دونوں حدیثیں استدلال میں پیش کرنے کے قابل ہی نہیں ہیں اور مولانا عبدالرؤف غیر مقلد نے تو انصاف پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صاف لکھ دیا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کی سند عیسیٰ بن جاریہ کی وجہ سے ضعیف ہے [۴]۔

تیرے رندوں پہ کھل گئے سارے اسرار دین ساقی ہوا جب علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین ساقی

---

[۱] دیکھئے تھذیب الکمال (۱۶/ ۲۲۱ تا ۲۲۶) تھذیب التھذیب (۹/ ۱۱۴، ۱۱۵) وغیرہ۔
[۲] تعداد تراویح (ص ۳۴) [۳] تحقیق تراویح (ص ۲۲) [۴] دیکھئے القول المقبول (ص ۶۰۷، ۶۱۰) طبع رابع

غیر مقلدین کی دلیل نمبر۳ واقعہ ابی بن کعب بروایت جابر رضی اللہ عنہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اورعرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ! رات کو یعنی رمضان میں مجھے ایک واقعہ پیش آ گیا۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا اے اُبی کیا بات ہوئی ؟ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے گھر کی عورتوں نے مجھ سے کہا کہ ہمیں قرآن یاد نہیں اس لئے ہم آپ کی اقتداء میں نماز پڑھیں گی تو میں نے ان کو آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھادیں۔ آنحضرت ﷺ نے سن کر سکوت فرمایا گویا کہ آپ نے اس کو پسند فرمایا۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: امام ہیثمی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: اسے ابویعلیٰ نے روایت کیا اور اس طرح طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے ۔ ۱ ۔مولوی سرفراز دیوبندی لکھتے ہیں: اپنے وقت میں اگر علامہ ہیثمی کو صحت اور سقم کی پرکھ نہیں تو اور کس کو تھی ۲ ۔

جواب اول: اس حدیث کی سند بھی وہی ہے جو سابقہ حدیث کی تھی اور اس میں بھی تینوں ضعیف راوی (عیسیٰ بن جاریہ، یعقوب قمی اور محمد بن حمید رازی) موجود ہیں، بلکہ آخر الذکر راوی کو تو متعدد اماموں نے کذاب اور وضاع قرار دیا ہے۔ مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: جس (حدیث) کو کسی شخص وضاع یا کذاب نے بیان کیا وہ موضوع ہے ۳ ۔ ماشاءاللہ! ایسے ہی کذاب راویوں کی بیان کردہ موضوع روایات پر غیر مقلدین کے مذہب کا مدار ہے۔ والی اللہ المشتکی۔ علامہ ہیثمیؒ نے جو اس حدیث کو حسن کہا، اس کا جواب سابقہ روایت کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ ان کی تصحیح وتحسین غیر مقلدین کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔

باقی حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے علامہ ہیثمیؒ کے بارے میں جو لکھا ہے تو ان کی مذکورہ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ: علامہ ہیثمی علوم حدیث کی ایک مسلمہ شخصیت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حدیث کی صحت وسقم پرکھنے کا قوی ملکہ نصیب فرمایا ہے۔ ان کی ہر بات کو لہ اوھام کہہ کر بلا دلیل رد کر دینا (جیسا کہ غیر مقلدین کی ان کے بارے میں رائے ہے)

---

۱ مجمع الزوائد (۲/۷۴) ۲ احسن الکلام (۱/۲۳۳)۔ منقول از نور المصابیح (ص ۱۹) ۳ التحقیق الراسخ (ص ۱۲)

بالکل غلط ہے۔ حضرت کی عبارت کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ علامہ ہیثمی کی ہر تصحیح و تحسین کو بلا دلیل قبول کرلیا جائے خواہ اس سند میں محمد بن حمید رازی جیسے کذاب اور عیسٰی بن جاریہ جیسے متروک اور منکر الحدیث راوی موجود ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ صفدر صاحب مدظلہٗ علامہ ہیثمیؒ کو علل حدیث کا ماہر ماننے کے باوجود ان کی اگر کوئی بات دلائل سے غلط ثابت ہو جائے تو اس کا رد فرماتے ہیں۔ مثلاً علامہ ہیثمیؒ کے ایک ضعیف حدیث کو صحیح قرار دینے کے جواب میں لکھتے ہیں: اگر محض بلا دلیل کہنے سے روایت صحیح ہو سکتی تو یہ صحیح ہے ورنہ اس کی صحت پر کوئی دلیل موجود نہیں اور یہ روایت بھی ضعیف ہے [1]۔

معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ نہ تو مطلق علامہ ہیثمیؒ کی تصحیح و تحسین کو رد کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی ہر بات کو جو قرائن کی روشنی میں غلط ثابت ہو، قبول کرتے ہیں۔ لھذا غیر مقلدین کا ایک حنفی مقلد عالم کی آڑ لے کر اس موضوع روایت کو حسن ثابت کرنا باطل ہے۔

جواب ثانی: اس روایت کو بھی حضرت جابرؓ سے نقل کرنے والا عیسٰی بن جاریہ ہے، جس کو حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں طبقہ رابعہ کا راوی بتلایا ہے اور گزشتہ روایت میں مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ طبقہ رابعہ والوں کی روایات صحابہ کرام سے مروی نہیں ہیں۔ لھذا غیر مقلدین کے اصول کے مطابق ابن جاریہ کی حضرت جابرؓ سے مروی یہ روایت بھی منقطع ٹھری اور منقطع روایت غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں۔

جواب ثالث: اس روایت کی سند سے قطع نظر بھی اس سے آٹھ تراویح پر استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ اس روایت سے تو یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے حضرت ابیؓ کا بیان کردہ یہ واقعہ ضرور رمضان یا تراویح سے متعلق ہی ہو۔ اس لئے کہ مسند احمد اور طبرانی کی روایت میں تو سرے سے رمضان کا لفظ ہی نہیں اور مجمع الزوائد [2] میں بحوالہ مسند ابی یعلی یعنی رمضان کا لفظ ہے جو روایت کا حصہ نہیں بلکہ راوی کا اپنا فہم ہے اور قیام اللیل میں اگرچہ رمضان کا لفظ ہے لیکن بوجہ قرینہ سابقہ اس میں رمضان کا لفظ مدرج ہے۔

اب ممکن ہے کہ یہ لفظ خود حضرت جابرؓ کا فرمودہ ہو جو اس روایت کے پہلے راوی ہیں یا پھر نیچے

---

[1] احسن الکلام (۲/۱۲۷) طبع پنجم [2] (۲/۷۴)

کے ضعیف راویوں (عیسٰی بن جاریہ، یعقوب قمی اور محمد بن حمید رازی) میں سے کسی ایک کا تصرف ہو۔ فاذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ بنابریں جب اس روایت میں رمضان کا لفظ ثابت ہی نہیں تو پھر اس سے آٹھ تراویح پر استدلال کیسے کیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ نماز تراویح تو صرف خاص رمضان میں ہی پڑھی جاتی ہے نہ کہ پورا سال اور یہاں روایت میں رمضان کا لفظ ثابت ہی نہیں تو پھر اس عام دلیل سے خاص رمضان کی نماز (تراویح) پر استدلال کرنا چہ معنی دارد؟۔

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اگر اس روایت کا تعلق تراویح سے نہیں تو پھر تہجد سے ہوگا، اس صورت میں تہجد کا جماعت کے ساتھ پڑھنا ثابت ہوتا ہے حالانکہ عندالاحناف تہجد کی جماعت مکروہ ہے [1]۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ احناف کے نزدیک تہجد وغیرہ نوافل کی جماعت مطلق مکروہ نہیں ہے بلکہ اس کو تداعی کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے [2]۔ اگر چند آدمی اتفاقی طور پر اکٹھے ہو جائیں اور بلا تداعی نوافل کی جماعت کرالیں (جیسا کہ مذکورہ بالا روایت میں حضرت ابی بن کعب ﷺ کا اپنے گھر کی عورتوں کو بلا تداعی نوافل کی جماعت کرانا) تو اس صورت میں عندالاحناف بھی تہجد کی جماعت بلا کراہت جائز ہے۔

جواب رابع: اس روایت میں اضطراب بھی ہے جیسا کہ ابھی گزرا ہے کہ بعض روایتوں میں رمضان کا لفظ ہے اور بعض روایتوں میں یعنی رمضان کا لفظ ہے اور بعض روایتوں میں تو سرے سے رمضان کا ذکر ہی نہیں۔ اسی طرح قیام اللیل وغیرہ میں حضرت ابی ﷺ کا رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنا واقعہ بیان کرنا مذکور ہے جب کہ مسند احمد وغیرہ کی روایت میں حضرت ابی ﷺ اپنا واقعہ بیان نہیں کر رہے بلکہ یہ واقعی کسی دوسرے نا معلوم شخص کا نقل فرما رہے ہیں۔ چنانچہ مسند احمد وغیرہ کی روایت کے الفاظ یوں ہیں:

عن جابر ﷺ بن عبداللہ عن ابی ﷺ بن کعب قال جاء رجل الی النبی ﷺ عملت الیلۃ قال ماھو قال نسوۃ معی فی الدار......الخ [3]۔

لھذا یہ روایت مضطرب ہے اور غیر مقلدین بھی مانتے ہیں کہ حدیث مضطرب قابل احتجاج نہیں ہو سکتی [4]۔

---

[1] انوار المصابیح (ص ۱۵۸) وغیرہ [2] دیکھئے فتاوی شامی (۱/۵۲۴)، فتاوی بزازیہ (۴/۳۱) وغیرہ

[3] مسند احمد بحوالہ انوار المصابیح (ص ۱۶۲) [4] تحقیق الکلام (۲/۷)

الغرض اس روایت سے استدلال اور احتجاج کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔

غیر مقلدین کی دلیل نمبر ۴: امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ بن کعب اور حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں ۱۔

جواب: اس روایت سے استدلال کرنا بھی کئی وجوہ سے باطل ہے۔ (۱) یہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ رسول ﷺ اور خلیفہ راشد کا قول ہے جبکہ غیر مقلدین حضرات کے نزدیک صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا قول ہی حجت ہے۔ باقی کسی صحابی یا تابعی وغیرہ کا قول ان کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین صاحب دھلویؒ لکھتے ہیں: زیرا کہ قول صحابی حجت نیست ۲۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں: وافعال الصحابة رضی اللہ عنہم واقوالهم لا حجة فيها ۳۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے افعال اور ان کے اقوال حجت نہیں ہیں۔

غیر مقلدین کے استاذ العلماء اور محدث حافظ محمد گوندلوی صاحب فرماتے ہیں: تابعین کے اقوال بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال اختلافی امور میں حجت نہیں ہوتے ۴۔ نواب صدیق صاحب کے صاحبزادے اور مشہور غیر مقلد عالم نواب نور الحسن خان صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: قول صحابی حجت نباشد ۵۔

شیخ عبدالرؤف سندھو صاحب لکھتے ہیں: قول صحابی حجت نہیں ہے ۶۔ غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب فرماتے ہیں کہ: اہل حدیث کے مذہب میں خدا اور رسول کے کلام کے سوا کسی کے قول و فعل کو حجت شرعیہ کی حیثیت سے جگہ نہیں ہے ۷۔

بلکہ فرقہ غیر مقلدین میں تو ماشاء اللہ ایسے لوگوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے جو حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے جاری کردہ طریقہ اور ان کی سنت کو بدعت ضلالۃ اور گمراہی تک کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے مشہور اور مستند عالم علامہ امیر یمانی صاحبؒ خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ جماعت تراویح کو بدعت ضلالہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: عرفت ان عمر رضی اللہ عنہ هو الذی جعلها جماعة علىٰ معيّن وسماها بدعة۔ واما قوله نعم البدعة فليس فی البدعة ما

---

۱ مؤطا امام مالک (ص ۱۱۴)، السنن الکبریٰ للبیہقی (۲/۴۹۶) ۲ فتاویٰ نذیریہ (۱/۳۴۰) ۳ نیل الاوطار (۴/۷۱)

۴ خیر الکلام (ص ۲۴۹) ۵ عرف الجادی (ص ۳۸، ۴۴ وغیرہ) ۶ القول المقبول (ص ۳۴۷) ۷ مظالم روپڑی (ص ۵۰)

يمدح بل كل بدعة ضلالة[1]۔

تم نے یہ جان لیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نے تراویح کو ایک مقرر کردہ امام کے ساتھ جماعت کی صورت دی اور اس کا نام بدعت رکھا، آپ کا یہ قول کہ یہ اچھی بدعت ہے تو بدعت کوئی بھی قابل تعریف نہیں بلکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ نیز امیر یمانی صاحب حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے کسی بھی قول وفعل کو حجت نہیں مانتے، چنانچہ لکھتے ہیں۔ ان الصحابة رضی اللہ عنہم خالفوا الشیخین فی مواضع ومسائل فدل انھم لم یحملوا الحدیث علیٰ ان ماقالوه وفعلوه حجة [2] ۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئی مسائل میں شیخین (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، وحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کی مخالفت کی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے حدیث کا مطلب یہ نہیں سمجھا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم جو کچھ کہیں یا کریں وہ حجت ہے۔

اب جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال کو حجت نہیں مانتے بلکہ ان کی سنت کو بدعت اور گمراہی قرار دیتے ہیں۔العیاذ باللہ۔تو ایسے لوگوں کو یہ حق کیسے پہنچ سکتا ہے کہ وہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے قول یا فعل سے حجت پکڑیں؟

(۲) اس روایت کی سند اگرچہ صحیح ہے لیکن اس کا متن ضعیف ہے[3] ۔کیونکہ محدثین کرام نے اس روایت کے راوی امام مالک کے قول گیارہ رکعات کو وہم قرار دیا ہے [4] ۔

---

[1] سبل السلام شرح بلوغ المرام (۱۲/۲) [2] ایضاً (ص۱۱) [3] مولانا مبارکپوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ان صحة السند لا یستلزم صحة المتن۔ ابکار المنن (ص۲۸) بے شک سند کا صحیح ہونا متن کے صحیح ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ مولانا محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں اور صحت سند صحت متن کو مستلزم نہیں ہے۔ التحقیق الراسخ (ص۱۱۷) [4] اگر یہ اشکال کیا جائے کہ امام مالکؒ جیسے جلیل القدر محدث اور ثقہ راوی سے کیسے وہم ہوسکتا ہے تو مولانا مبارکپوریؒ صاحب اسی اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ان الثقة قد یهم ویغلط کہ کبھی کبھی ثقہ راوی بھی وہم اور غلطی کر جاتا ہے۔ابکار المنن (ص۱۵۹)۔مولانا گوندلوی صاحب لکھتے ہیں۔ان الثقة قد یغلط (ثقہ راوی بھی کبھی کبھی غلطی کر جاتا ہے) مشہور مقولہ ہے۔التحقیق الراسخ (ص ۱۲۲) مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں: حدیث میں ایسی غلطیوں سے امام مالک، سفیان ثوری، شعبہ، یحییٰ بن سعید ایسے حفاظ واثبات بھی محفوظ نہ رہ سکے تو وہ آخر انسان ہی ہیں اور خطا ونسیان انسان کے خمیر میں ہے۔امام ابن مبارک فرماتے ہیں کہ وہم سے کون محفوظ رہا ہے۔توضیح الکلام (۵۹۱/۲)

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

چنانچہ مشہور مالکی فقیہ اور عظیم محقق علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: ان الاغلب عندی ان قوله احدی عشرة وهم[1]۔

میرے نزدیک غالب گمان یہ ہے کہ امام مالک کا قول گیارہ رکعات وہم ہے۔ نیز فرماتے ہیں: روی غیرمالك فی هذاالحدیث احدی وعشرون وهوالصحیح ولااعلم احدا قال فیه احدی عشرة الامالکا[2]۔ امام مالکؒ کے علاوہ دیگر راویوں نے اس حدیث میں تراویح کی اکیس رکعات نقل کی ہیں اور یہی صحیح ہے اور میں نہیں جانتا کہ امام مالکؒ کے سوا کسی دوسرے محدث نے گیارہ رکعات کا قول اس حدیث میں نقل کیا ہو۔ اب علامہ ابن عبدالبرؒ باوجود امام مالکؒ کے مقلد ہونے کے کھلے دل سے اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس حدیث میں گیارہ رکعات کا قول امام مالکؒ کا وہم اور انکا تفرد ہے[3] اور غیر مقلدین کے عظیم محدث حافظ محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

---

[1] زرقانی شرح موطا (۱/۲۱۵) وغیرہ [2] ایضا [3] اشکال: بعض حضرات نے لکھا ہے کہ امام مالک کی طرف وہم کی نسبت کرنا غلط ہے کیونکہ وہ گیارہ رکعات کے قول کو نقل کرنے میں متفرد نہیں ہیں بلکہ عبدالعزیز بن محمد الدراوردیؒ اور یحییٰ بن سعید قطان نے بھی ان کی متابعت کی ہے اور انہوں نے بھی محمد بن یوسف سے امام مالک کی طرح گیارہ رکعات کا قول نقل کیا ہے۔ لیکن یہ اشکال غلط ہے۔ اولا: عبدالعزیز دراوردی کی متابعت تو کالعدم ہے کیونکہ وہ خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی ضعیف راوی ہے۔ کماسیأتی تفصیلہ۔ نیز اس روایت میں لوگوں کا حضرت عمرؓ کے دور میں گیارہ رکعات پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ امام مالک کی روایت میں لوگوں کا عمل مذکور نہیں بلکہ صاف حضرت عمرؓ کے حکم دینے کی تصریح ہے۔ اسی طرح یحییٰ بن سعید کی روایت بھی امام مالک کی روایت سے مختلف ہے کہ امام مالک کی روایت میں تو ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابیؓ اور حضرت تمیمؓ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم فرمایا جبکہ یحییٰ کی روایت میں حضرت عمرؓ کے اس حکم کا ذکر نہیں بلکہ اس میں حضرت ابیؓ اور حضرت تمیم کا گیارہ پڑھانا مذکور ہے۔ لھذا امام یحییٰ کی روایت امام مالک کی روایت سے مختلف ہونے کی وجہ سے اسکے متابع نہیں بن سکتی۔ البتہ امام مالک کی روایت کا مضمون اور مصنف عبد الرزاق کی روایت کا مضمون اور الفاظ ایک جیسے ہیں لیکن تعداد رکعات کے بیان میں فرق ہے۔ امام مالک کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابیؓ اور حضرت تمیم داریؓ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا جبکہ عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ انہوں نے ان دونوں کو اکیس رکعات پر جمع کیا (یعنی حکم دیا) تھا۔ اب ان دونوں کی روایت میں سے اکیس رکعات والی روایت کو علامہ ابن عبدالبرؒ نے ترجیح دی ہے اور امام مالک کی گیارہ رکعات والی روایت کو انہوں =

جس حدیث کی سند کے رجال ثقات ہوں، بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں ہوتی لیکن کسی محدث کو کسی علت خفیہ (وہم وغیرہ۔ ناقل) پر اطلاع ہو جائے اور وہ کہے کہ اس میں علت ہے تو وہ معلّل ہے [1]۔ چونکہ علامہ ابن عبد البرؒ جو مشہور محدث ہیں انہوں نے اس حدیث پر وہم کا حکم لگایا ہے لھذا اگر اس حدیث کے راوی ثقہ بھی ہیں تو بھی یہ حدیث معلل اور نا قابل حجت ہے۔

(۳) اس روایت کے نا قابل استدلال ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس روایت کے متن میں اضطراب بھی ہے جس کی تفصیل انشاءاللہ دلیل نمبر ۴ کے ذیل میں آئے گی۔

(۴) اگر اس روایت کے متن کو وہم اور مضطرب نہ بھی کہا جائے بلکہ مذکورہ روایت اور بیس رکعات والی روایت میں تطبیق دی جائے جس کو بعض محدثین نے اختیار کیا ہے تو پھر بھی اس روایت پر عمل کرنا جائز نہیں۔

کیونکہ ان محدثین کرام کے نزدیک گیارہ رکعات پر عمل چند روز تک ہی رہا، پھر یہ عمل منسوخ ہو کر بیس رکعات پر ہمیشہ کے لیئے عمل قرار پایا۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا میاں غلام رسول صاحب فرماتے ہیں: ایک یہ حدیث ہے جو موطا (امام مالک) میں آتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابیؓ اور تمیم داریؓ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا اور دوسری حدیث بیہقی کی ہے جس میں تئیس رکعت کا ذکر ہے پھر عمل کس پر ہوگا؟ اس کا جواب خود صاحب محلی نے امام بیہقی کے قلم سے نقل کیا ہے وہ یہ کہ پہلی روایت

= نے وہم قرار دیا ہے اور اس روایت پر غور نہ کرنے کی وجہ سے بعض لوگوں کو اشتباہ ہو گیا اور انہوں نے کہہ دیا کہ امام مالکؒ کی روایت کیلئے عبد العزیز دراوردی اور یحیٰ قطان کی روایت متابع ہیں حالانکہ ان دونوں کی روایات امام مالک کی روایت سے مضمون کے لحاظ سے مختلف ہیں جیسا کہ ابھی گزرا تو پھر یہ روایات اس کے لئے متابع کیسے ہیں؟

ثانیاً: اگر تسلیم بھی کرلیں کہ یہ دونوں روایتیں امام مالک کی روایت کیلئے متابع ہیں اور امام مالک کی روایت کی طرف علامہ ابن عبد البرؒ کا وہم کی نسبت کرنا غلط ہے تو پھر بھی ان کا اس روایت پر وہم کا حکم لگانا صحیح ہے کیونکہ غیر مقلدین کے ایک بہت بڑے عالم مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی محدث کسی حدیث پر بہ سبب مخالفت بقیہ احادیث کے وہم کا یقین کرلے لیکن نسبت وہم میں غلطی بھی کرلے تو بھی وہم کا حکم صحیح ہوگا۔ دیکھئے التحقیق الراسخ (ص ۱۲) اور چونکہ علامہ ابن عبد البرؒ (جن کا محدث ہونا غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے) نے اس حدیث پر بہ سبب مخالفت بقیہ احادیث کے وہم کا حکم لگایا ہے لھذا اگر ان سے وہم کی نسبت میں غلطی بھی ہوگئی ہے تو پھر بھی بقول مولانا محمد گوندھلوی مرحوم ان کا اس حدیث پر وہم کا حکم لگانا صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔ [1] التحقیق الراسخ (ص ۱۲)

اس کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اولاً گیارہ پر عمل ہوا پھر معاملہ بیس پر مقرر ہو گیا [1]۔

امام بیہقیؒ کے علاوہ علامہ زرقانیؒ، علامہ عینیؒ، علامہ باجی مالکیؒ، علامہ سیوطیؒ، حافظ ابن تیمیہؒ، علامہ شوکانیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ نیمویؒ وغیرہم مشاہیر علمائے کرام نے بھی اسی تطبیق کو اختیار کیا ہے [2]۔

اب مذکورہ علمائے کرام کی ذکر کردہ تطبیق کی وجہ سے اس روایت پر عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ منسوخ روایت نا قابل عمل ہوتی ہے۔

(۵) اس روایت کے بنیادی راوی امام مالکؒ کا اپنا عمل بھی اس روایت کے خلاف ہے کیونکہ حصہ اول میں تفصیل سے گزر چکا ہے کہ امام مالک کا مذہب بیس یا چھتیس رکعات کا ہے۔

(۶) اس روایت کے مرکزی راوی حضرت سائب ﷺ بن یزید کا اپنا عمل اس روایت کے خلاف ہے کیونکہ حصہ اول میں صحیح السند روایت سے ان کا اپنا عمل گزر چکا کہ ہم حضرت عمر ﷺ بن الخطاب کے زمانہ خلافت میں بیس رکعات کے ساتھ قیام کرتے تھے۔

(۷) حضرت ابی ﷺ بن کعب (جن کو اس روایت میں حضرت عمر ﷺ نے تراویح پڑھانے کا حکم فرمایا) کا اپنا عمل بھی اس روایت کے خلاف ہے کیونکہ وہ خود حضرت عمر ﷺ کے زمانہ خلافت میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے جیسا کہ ان کی روایات حصہ اول میں گزر چکی ہیں۔ نیز غیر مقلدین کے مسلمہ امام شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: فلما جمعهم عمر ﷺ علی ابی بن کعب ﷺ کان یصلی بهم عشرین رکعة ثم یوتر بثلاث [3]۔

جب حضرت عمر ﷺ نے لوگوں کو حضرت ابی ﷺ کی امامت پر جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

بنابریں اس روایت کے تینوں راویوں کا عمل اپنی مروی روایت کے خلاف ہے حالانکہ اگر کسی روایت کے ایک راوی کا عمل بھی اپنی مروی روایت کے خلاف ثابت ہو جائے تو وہ روایت نا قابل عمل ہوتی ہے۔ اور یہ قاعدہ خود علمائے غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے۔ چنانچہ بزرگ غیر مقلد عالم مولانا ابراہیم سیالکوٹی

---

[1] رسالہ تراویح مع ینابیع (ص ۴۰) [2] تعداد تراویح (ص ۱۶۵) از: مولانا عبد المنان نور پوری صاحب غیر مقلد وانوار المصابیح (ص ۲۳۳) از: مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد [3] مجموعۃ الفتاوی (۵۲۰/۱۱)

صاحب لکھتے ہیں: اگر راوی کا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو اس کی روایت قابل عمل نہ ہوگی [۱]۔

نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ومخالفت راوی از مروی دلیل است بر آنکه راوی علم ناسخ دارد چه حمل آں بر سلامت واجب است [۲]۔

راوی کا اپنی مروی روایت کے خلاف عمل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ راوی اس روایت کو منسوخ کر دینے والی روایت کا علم رکھتا ہے کیونکہ اس کو راوی کی عدالت کو سلامتی پر محمول کرنا واجب ہے۔

مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد ایک روایت کو نا قابل عمل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس ﷛ کا خود اپنی مروی عنہ کے خلاف کرنا، اس کے صاف معنی یہی ہیں کہ یہ روایت قبل مشروعیت کی ہے [۳]۔

نیز گوندلوی صاحب ایک اور روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: اسی طرح مجاہد جسے آپ ابن عمر ﷛ کے فعل عدم رفع کا ناقل بتاتے ہیں، خود اس کا عمل اس کے مروی عنہ کے خلاف ہے۔ یہ ضرور بتلاتا ہے کہ یہ روایت اس کے نزدیک معمول بہ نہیں [۴]۔

ان اقتباسات سے ثابت ہو گیا کہ روایت کے کسی ایک راوی کا عمل بھی اپنی مروی روایت کے خلاف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ روایت قابل عمل نہیں جبکہ اس مذکورہ روایت کے تینوں راویوں کا عمل اپنی مروی روایت کے خلاف ہے تو پھر یہ روایت معمول بہ کیسے بن سکتی ہے؟

﴿۸﴾ حضرت عمر ﷛ سے جس طرح گیارہ رکعات نقل کی جاتی ہیں اسی طرح ان سے بیس رکعات کی روایات بھی صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہیں اور بیس والی روایات گیارہ والی روایات پر کئی وجوہ سے راجح ہیں۔ مثلاً

اوّلاً: بیس رکعات والی روایات بہ نسبت گیارہ والی روایات کے زیادہ اور کثیر ہیں۔

ثانیاً: بیس والی روایات اجماع صحابہ ﷛ اور تعامل امت سے مؤید ہیں جبکہ گیارہ والی روایات نہ تو اجماع صحابہ ﷛ سے مؤید ہیں اور نہ ہی تعامل امت سے۔

---

[۱] انارۃ المصابیح (ص ۲۹) بحوالہ التوضیح عن رکعات التراویح (ص ۱۶۶) [۲] دلیل الطالب (ص ۲۷۶)

[۳] التحقیق الراسخ (ص ۱۳۲) [۴] ایضاً (ص ۱۷۰)

ثالثاً:۔ تمام بڑے بڑے محدثین اور ائمہ کبار مثلاً امام شافعیؒ، امام نوویؒ، علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ، حافظ ابن تیمیہؒ وغیرہم اور علمائے غیر مقلدین میں سے نواب صدیق حسن خانؒ اور مولانا میاں غلام رسولؒ وغیرہما نے بھی گیارہ والی روایات کے مقابلے میں بیس رکعات والی روایات کو ترجیح دی ہے۔ مذکورہ علماء کی یہ عبارات مقدمہ میں گزر چکی ہیں، لیکن کسی محدث سے یہ ثابت نہیں کہ اس نے بیس والی روایات کے مقابلے میں گیارہ والی روایات کو ترجیح دی ہو۔

رابعاً:۔ مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ غیر مقلد نے مذکورہ گیارہ والی روایات کے مقابلے میں بیس والی روایات کی ایک وجہ ترجیح یہ بھی بیان کی ہے کہ: یہ حدیث صحت اور قوت میں مؤطا کی (گیارہ رکعات والی) حدیث سے زیادہ بڑی ہوئی ہے کیونکہ اس میں زیادت ہے (جو اصول حدیث کے لحاظ سے واجب القبول ہے)[1]

ان مذکورہ بالا وجوہ ترجیح کی بناء پر بیس رکعات والی روایات گیارہ رکعات والی روایات پر راجح ہیں۔ لھذا یہی قابل عمل ہیں۔

﴿۹﴾ مذکورہ بالا روایت میں گیارہ رکعات کا ذکر ہے اور یہ غیر مقلدین کے دعوی کے خلاف ہے کیونکہ ان گیارہ رکعات میں اگر ایک رکعات وتر کی شمار کی جائے، جیسا کہ غیر مقلدین کا عمل ہے تو پھر تراویح کی دس رکعات ہو جائیں گی حالانکہ غیر مقلدین صرف آٹھ تراویح کی سنیت کے قائل ہیں اور اگر گیارہ رکعات میں آٹھ رکعات تراویح اور تین رکعتیں وتر کی شمار کی جائیں تو یہ بھی غیر مقلدین کے موقف کے خلاف ہے کیونکہ یہ تین وتر کی بجائے صرف ایک رکعت وتر کی پڑھتے ہیں۔ الغرض دونوں صورتوں میں یہ روایت غیر مقلدین کے مدعیٰ کے مخالف ہے۔

﴿۱۰﴾ احتیاط بھی بیس رکعات والی روایات پر عمل کرنے میں ہیں کیونکہ بیس رکعات ادا کرنے سے آٹھ رکعات پر خود بخود عمل ہو جاتا ہے کہ آٹھ بھی بیس میں داخل اور شامل ہیں لیکن اس کے برخلاف آٹھ تراویح کے پڑھنے سے بیس رکعات والی روایات پر عمل نہ کرنا لازم آتا ہے۔ اس لئے احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے

---

[1] رسالہ تراویح (ص ۴۲)

کہ آٹھ رکعات کی بجائے بیس رکعات تراویح ادا کی جائیں۔تلك عشرۃ کاملۃ

غیر مقلدین کی دلیل نمبر۵:۔

حضرت سائب رضی اللہ عنہ بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے زمانہ میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے، سنن سعید بن منصور

الجواب ۔ اس روایت میں صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعات کے پڑھے جانے کا ذکر ہے، اس میں نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تصریح ہے اور نہ ان کا اپنا عمل مذکور ہے اور جب تک روایت میں خلیفہ راشد کا حکم یا ان کا عمل ذکر نہ ہو اس وقت تک غیر مقلدین اس روایت کو حجت ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں ۔ چنانچہ حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری حضرت یزید بن رومان کی روایت (جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعات پڑھے جانے کا ذکر ہے) کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: اس میں اس امر کی تصریح نہیں کہ جو لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے وہ بحکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے ۱؎ ۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: ابن ابی ذہب رضی اللہ عنہ کی روایت تو فاروقی حکم سے یکسر خالی ہے۔لھذا موضوع سے خارج ہے ۲؎ ۔

مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب لکھتے ہیں: جس قدر آثار ذکر کئے گئے ہیں، ان میں صرف یہی بتایا گیا ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھتے تھے تو ظاہر بات ہے کہ اتنے سے لوگوں کے عہد فاروقی میں بیس پڑھنے سے بیس رکعات کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہونا لازم نہیں آتا ۳؎ ۔

مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں: سنن کبریٰ اور معرفۃ السنن کی جن روایتوں کو (کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے) حنفی مذہب کی دلیل میں پیش کیا گیا ہے کہ: ان میں تو ''علی عھد عمربن الخطاب رضی اللہ عنہ'' اور ''فی زمان عمربن الخطاب رضی اللہ عنہ'' سے زیادہ کچھ نہیں ہے نہ کسی شہر کا ذکر ہے اور نہ کسی مسجد کا ۴؎ ۔

۱؎ رکعات تراویح (ص۱۹) ۲؎ تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص۷۰) ۳؎ تعداد تراویح (ص۶۲)
۴؎ انوار المصابیح (ص۲۳۱)

ان مذکورہ بالا علمائے غیر مقلدین کے اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ روایت میں جب تک حضرت عمرؓ کے حکم یا عمل کا ذکر نہ ہو وہ روایت موضوع سے خارج اور نا قابل حجت ہے اور چونکہ مذکورہ روایت میں بھی حضرت عمرؓ کے حکم اور ان کے اپنے عمل کی کوئی تصریح نہیں ہے۔لھذا غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں یہ روایت بالکل نا قابل احتجاج اور موضوع سے خارج ہے۔

جواب ثانی:۔اس روایت سے استدلال باطل ہے کیونکہ اس روایت کے مرکزی راوی عبدالعزیز بن محمد الدراوردی پر ائمہ حدیث نے ایسی جرحیں کی ہیں جن کی وجہ سے خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی اس کی حدیث سے احتجاج جائز نہیں ہے۔چنانچہ (۱) امام احمد بن زبیرؒ فرماتے ہیں: لیس بشیء کہ یہ کچھ نہیں ہے۔(۲) امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ لیس بالقوی یہ روایت حدیث میں مضبوط نہیں ہے۔نیز فرماتے ہیں کہ اس کی احادیث عبیداللہ عمری سے منکر ہیں۔

(۳) امام محمد بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ: یہ ویسے تو ثقہ اور کثیر الحدیث ہے لیکن روایت حدیث میں غلطیاں کرتا ہے۔(۴) امام ابن حبانؒ کتاب الثقات میں اس کو خطا کار بتلا تے ہیں۔(۵) امام ابو حاتم فرماتے ہیں: لا یحتج بہ کہ یہ قابل حجت نہیں ہے [۱]۔(۶) حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: یہ صدوق ہے لیکن دوسرے محدثین کی کتابوں سے احادیث نقل کرنے میں غلطیاں کرتا تھا [۲]۔

(۷) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ: لیس بشیء یہ روایت حدیث میں کچھ نہیں ہے۔نیز فرماتے ہیں کہ جب یہ زبانی روایت بیان کرتا ہے تو وہم کر جاتا ہے اور باطل روایات نقل کرتا ہے۔نیز فرماتے ہیں کہ یہ لوگوں کی کتابوں سے احادیث نقل کرنے میں خطا اور وہم کر جاتا ہے۔

(۸) امام سعد بن سعیدؒ فرماتے ہیں: فیہ لین۔یہ روایت حدیث میں کمزور ہے [۳]۔

(۹) امام ساجیؒ فرماتے ہیں کہ: یہ اگرچہ سچے اور امانت دار لوگوں میں سے ہے لیکن کثیر الوہم ہے [۴]۔

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں کہ: کثیر الوہم جرح مفسر ہے [۵]۔

---

۱ تھذیب الکمال (۱۱/۵۲۷،۵۲۸) تھذیب التھذیب (۶/۳۵۲،۳۵۳) الجرح التعدیل (   )

۲ تقریب التھذیب (۱/۲۰۷) ۳ میزان الاعتدال (۲/۶۳۳،۶۳۴) الکاشف (۲/۱۷۸) تھذیب (۶/۳۵۳)

۴ ایضاً ۵ دیکھئے توضیح الکلام (۱/۲۷۹)

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: جس شخص کی روایات میں خطا و اوہام زیادہ ہوں تو اس کی حدیث ترک کر دی جاتی ہے ۱۔ (۱۰) مشہور محدث اور امام الرجال حضرت ابوزرعہ کی تعریف میں مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں: وہ ابوزرعہ جن کی خصوصیات اور کمال فن کو حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التھذیب میں تقریباً تین صفحے میں ذکر کیا ہے۔ سب سے پہلا لفظ یہ ہے ابوزرعة الرازی احد الائمة الحفاظ۔ الخ ۲۔ حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: امام ابوزرعہ تو انتہائی معتدل اور علل حدیث کے مسلم استاد تسلیم کیے جاتے ہیں ۳۔ یہ ابوزرعہ غیر مقلدین کے انتہائی ممدوح امام فرماتے ہیں کہ: عبدالعزیز دراوردی سیء الحفظ (برے حافظے والا) راوی ہے اور بسا اوقات اپنے حافظہ سے کچھ بیان کرتا ہے تو غلطی کر جاتا ہے ۴۔ مولانا سلطان محمود صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: کاذب، سیء الحفظ وغیرہ جرح مفسر ہے ۵۔ مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: سوء حفظ، الحاق، وضع سب جرحیں مفسر ہیں ۶۔ مولانا ارشاد الحق اثری اور مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب بھی سیئی الحفظ کو جرح مفسر کہتے ہیں ۷۔ اور عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں علمائے غیر مقلدین کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ جرح مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے اگرچہ تعدیل کرنے والے زیادہ ہوں۔ اور چونکہ خود غیر مقلدین کے نزدیک عبدالعزیز دراوردی قابل ترک راوی ہے اور اس پر جرح مفسر کی گئی ہے۔ لھذا اس کی مذکورہ بالا حدیث ضعیف ٹھہری اور شیخ عبدالروف غیر مقلد کے نزدیک تو دراوردی کی روایت تو معتبر ہی نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اس کی ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں: اور دراوردی غلطیاں کرتے ہیں جیسا کہ ابن سعد، ابوزرعہ اور ابن حبان وغیرہ نے کہا ہے۔ لھذا ان کا اس حدیث کو مرفوعاً روایت کرنا معتبر نہیں ۸۔

اعتراض: حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: عبدالعزیز صحاح ستہ کا راوی ہے اور جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق ہے۔ اس کی عبیداللہ العمری سے روایت پر جرح ہے اور ہماری پیش کردہ روایت عبیداللہ سے نہیں ۹۔

---

۱ نور العینین (ص۶۳) ۲ انوار المصابیح (ص۱۳۶) ۳ نور العینین (ص۱۲۸) ۴ تھذیب التھذیب (۶/۳۵۳)
۵ اصطلاحات المحدثین (ص۲۰) ۶ التحقیق الراسخ (ص۱۱۴) ۷ دیکھیے توضیح الکلام (۲/۶۳۰)، ابکار المنن (ص۱۶۸، ۱۶۹) ۸ القول المقبول (ص۵۵۸) طبع رابعہ ۹ تعداد رکعات قیام رمضان (ص۷۰)

جواب:۔زبیر صاحب کے ذکر کردہ اعتراض کی تینوں شقیں باطل ہیں ہر شق کا جواب نمبروار ملاحظہ کریں۔

(۱) عبدالعزیز دراوردی صحاح ستہ کا راوی نہیں کیونکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس سے احتجاج نہیں کیا بلکہ اس کی روایت کو مقرون بالغیر یعنی دوسرے ثقہ راوی کی روایت کے ساتھ ملا کر روایت کیا ہے۔ چنانچہ مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں:

عبدالعزیز بن محمد الدراوردی قد اخرج له مسلم فی صحیحه واحتج به واخرج له البخاری مقرونا بعبد العزیز بن ابی حازم[۱]۔

امام مسلم نے تو اس کی حدیث سے صحیح مسلم میں احتجاج کیا ہے لیکن امام بخاری نے اس کی روایت کو ابن ابی حازم کی روایت کے ساتھ ملا کر روایت کیا۔ گویا صرف دراوردی کی روایت پر اعتماد نہیں کیا۔

اور مولانا نذیر رحمانی صاحب نے تصریح کی ہے کہ ایسے راوی کو بخاری کا راوی نہیں کہتے [۲]۔

مولانا مبارکپوری صاحب نے بھی دراوردیؒ کو بخاری کا راوی شمار نہیں کیا۔ چنانچہ وہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: قد احتج به مسلم واصحاب السنن [۳]۔ کہ امام مسلم اور اصحاب سنن نے اس سے احتجاج کیا ہے (نہ کہ بخاری نے)

اگرچہ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں اس کی روایت سے احتجاج کیا ہے لیکن خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک کسی راوی کی روایت سے صحیح مسلم میں احتجاج کیا گیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے صحیح مسلم کی روایت کے علاوہ جو بھی روایت کی ہو وہ بھی صحیح ہو۔ چنانچہ عظیم غیر مقلد عالم قاضی شوکانی ایک روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: وفیه عبدالله بن عمر العمری فیه مقال وقد اخرج له مسلم [۴]۔

اس روایت میں عبداللہ بن عمر العمری راوی ہے جس میں کلام ہے اگرچہ امام مسلم نے اس سے (اپنی صحیح میں) تخریج کی ہے۔ معلوم ہوا غیر مقلدین کے نزدیک صرف صحیح مسلم کا راوی ہونے سے

---

[۱] التعلیق المغنی (۱/۳۴۵) [۲] دیکھئے انوار المصابیح (ص ۲۲۰) [۳] ابکار المنن (ص ۲۲۹)

[۴] نیل الاوطار (۳/۳۳۰)

اس کی ہر حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔

(۲) عبدالعزیز دراوردی کو جمہور محدثین نے ثقہ اور صدوق نہیں کہا، صرف چند محدثین نے اس کی توثیق کی ہے اس کے بالمقابل اکثر ائمہ حدیث نے باقرار غیر مقلدین اس پر سخت اور مفسر جرح کی ہے، جیسا کہ بحوالہ گزر چکا ہے۔ اور اگر بالفرض مان ہی لیا جائے کہ اس کی توثیق کرنے والوں کی تعداد اس کے جارحین سے زیادہ ہے لیکن یہ بات تو بہر حال غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے کہ اس پر جرح مفسر کی گئی ہے اور عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں خود علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ جرح مفسر کو توثیق پر ترجیح ہوتی ہے اگر چہ توثیق کرنے والے زیادہ ہوں۔ لھذا عبدالعزیز بااصول غیر مقلدین بھی ضعیف ٹھہرے۔

ثانیا:۔ غیر مقلدین عبدالعزیز دراوردی جیسے راوی کے بارے میں عموماً یہ فیصلہ کیا کرتے ہیں کہ جن محدثین نے اس کی توثیق کی ہے وہ اس کی ذات کے اعتبار سے ہے اور جنہوں نے اس کی تضعیف کی ہے وہ اس کے برے حافظہ اور کثرت اوہام کی وجہ سے کی ہے۔ چنانچہ خود معترض زبیر صاحب ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں: جن لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے وہ اس کی ذات کے لحاظ سے ہے مگر برے حافظے اور کثرت اوہام وخطا کیوجہ سے ضعیف ٹھہرا [1]۔ کیا زبیر صاحب سے ہم یہاں بھی ایسے ہی فیصلے کی توقع رکھ سکتے ہیں؟ دیدہ باید!

ع نگاہ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں

(۳) زبیر صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اس کی عبداللہ العمری کی روایت پر جرح ہے کیونکہ آپ نے ملاحظہ کر لیا ہے کہ امام نسائیؒ کے علاوہ دیگر محدثین نے اس پر مطلق جرح کی ہے۔ اور امام نسائیؒ سے بھی اس پر دو قسم کی جرح منقول ہے ایک مطلق جرح اور ایک عبیداللہ عمری کی روایت کی وجہ سے۔ اب زبیر صاحب کا ان جارحین کی جروحات کو امام نسائی کی ایک جرح پر محمول کرنا بلا دلیل اور محض ہوائی قلعہ فتح کرنا ہے۔

---

[1] نورالعینین (ص ۶۲)

دلیل نمبر ۶:۔ یحییٰ بن سعید القطان حضرت سائب ؓ بن یزید ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر ؓ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب ؓ اور حضرت تمیم داری ؓ کی امامت پر جمع کیا ہے پس وہ دونوں گیارہ رکعات پڑھاتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ)۔

جواب اوّل:۔ یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح تعداد رکعات کے سلسلہ میں حضرت عمر ؓ کے حکم یا عمل سے خالی ہے۔ کیونکہ اس روایت میں صرف یہی ہے کہ حضرت عمر ؓ نے لوگوں کو حضرت ابی ؓ اور حضرت تمیم ؓ کی اقتداء پر جمع کیا لیکن اس میں یہ تعین نہیں ہے کہ انہوں نے ہی گیارہ رکعات کی تعداد مقرر فرمائی یا حضرت ابی ؓ اور حضرت تمیم ؓ خود اپنی مرضی سے گیارہ رکعات پڑھاتے تھے۔ جب تک روایت میں حضرت عمر ؓ کا حکم یا ان کے حکم کی تصریح نہ ہو تو وہ غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں ہے [۱]۔

جواب ثانی:۔ اس روایت کے متن میں اضطراب ہے اور اضطراب کی تفصیل یہ ہے کہ اس روایت کو حضرت سائب بن یزید ؓ سے نقل کرنے والے محمد بن یوسف مدنی ہیں جن سے اس روایت کو ان کے پانچ شاگردوں نے بیان کیا ہے: (۱) امام مالکؒ (۲) عبدالعزیز دراوردیؒ (۳) یحییٰ بن سعید القطانؒ

---

[۱] مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ درست ہے کہ یحییٰ بن سعید کے بیان میں حضرت عمرؓ کے حکم کا ذکر نہیں مگر اس کے بیان میں حضرت عمر ؓ کے حکم کی نفی بھی تو نہیں۔ تعداد تراویح (ص ۱۴۴) لیکن نور پوری صاحب کا یہ جواب محض دفع وقتی اور راہِ فرار اختیار کرنے کا ایک بہانہ ہے کیونکہ اگر اس روایت میں حضرت عمر ؓ کے حکم کی نفی نہیں تو بیس رکعات والی روایات میں بھی حضرت عمر ؓ کے حکم کی نفی نہیں ہے۔ پھر غیر مقلدین (بشمول نور پوری صاحب) نے ان روایات پر یہ اعتراض کیوں کیا تھا کہ ان روایات میں حضرت عمر ؓ کے حکم کی تصریح نہ ہونے کی وجہ سے یہ نا قابل حجت ہیں۔ اب غیر مقلدین کے اس دوغلہ پن کو تجاہل عارفانہ کہا جائے یا پھر تعصب مذہبی کا شاخسانہ قرار دیا جائے؟ اس کا فیصلہ کرنا غیر مقلدین کے سر ہے نیز اگر غیر مقلدین کی طرف سے یہ کہا جائے کہ دراودی کی روایت میں حضرت عمر ؓ کے حکم کی اگر چہ تصریح نہیں لیکن مؤطا کی روایت میں ان کے حکم کی تصریح موجود ہے اس کے جواب میں عرض ہے کہ جناب! بالکل: لیکن یزید بن رومان وغیرہ کی روایات میں بھی اگر چہ حضرت عمر ؓ کے حکم کی تصریح نہیں ہے لیکن بیس والی دیگر روایات میں تو حضرت عمر ؓ کے حکم کی تصریح موجود ہے۔ پھر وہ روایات آپ کے نزدیک کیوں نا قابل حجت ہیں؟۔

چال سب چلتے ہیں مگر بندہ پرور دیکھ کر ٹھوکریں مت کھایئے چلئے سنبھل کر

(۴) محمد بن اسحاقؒ (۵) داؤد بن قیسؒ۔ اوران پانچوں کی بیان کردہ روایات یوں ہیں:۔

(۱) محمد بن یوسف سے ان کے پہلے شاگرد امام مالک یوں نقل کرتے ہیں: حضرت عمر ﷺ نے ابی بن کعب ﷺ اور تمیم داری ﷺ کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں ۱؎۔

(۲) دوسرے شاگرد عبدالعزیز یوں نقل کرتے ہیں کہ: حضرت سائب ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمر ﷺ کے زمانہ میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے ۲؎۔

(۳) تیسرے شاگرد یحییٰ بن القطان بیان کرتے ہیں کہ: حضرت عمر ﷺ نے حضرت ابی بن کعب ﷺ اور حضرت تمیم داری ﷺ پر لوگوں کو جمع فرمایا۔ پس وہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھاتے تھے ۳؎۔

(۴) چوتھے شاگرد محمد بن اسحاق اپنے استاد کا بیان یوں نقل کرتے ہیں کہ: حضرت سائب ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر ﷺ کے زمانہ میں رمضان المبارک میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے ۴؎۔

(۵) پانچویں شاگرد داؤد بن قیس جو امام عبدالرزاق کے استاذ ہیں، یوں بیان کرتے ہیں کہ: حضرت عمر ﷺ نے رمضان المبارک میں لوگوں کو حضرت ابی بن کعب ﷺ اور حضرت تمیم داری ﷺ کی اقتداء میں اکیس رکعت پر جمع کیا تھا ۵؎۔

اب محمد بن یوسف کے پانچوں شاگردوں کے بیانات عدد اور کیفیت دونوں اعتبار سے ایک دوسرے سے مخالف ہیں۔

عدد کے اعتبار سے اختلاف یوں ہے کہ پہلے تین شاگرد تو گیارہ رکعات نقل کرتے ہیں اور چوتھے شاگرد محمد اسحاق (جو غیر مقلدین کے نزدیک نہایت ثقہ راوی ہیں) تیرہ رکعت نقل کرتے ہیں ۶؎۔

۱؎ مؤطا مالک (ص ۹۸) ۲؎ سنن سعید بن منصور بحوالہ الحاوی (۱/۳۴۹) ۳؎ مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۳) ۴؎ قیام اللیل بحوالہ التعلیق الحسن (ص ۲۰۳) ۵؎ مصنف عبدالرزاق (۴/۲۶۰) ۶؎ بعض غیر مقلدین نے علامہ نیمویؒ کے حوالہ سے ابن اسحاق کی روایت کی یہ توجیہ ذکر کی ہے کہ ان تیرہ رکعتوں میں عشاء کی دو رکعات سنت شامل ہیں لیکن یہ توجیہ بلا دلیل اور محض احتمال عقلی پر مبنی ہے اور خود غیر مقلدین حضرات گیارہ اور بیس رکعات والی روایات کے درمیان محدثین کرام (امام بیہقی، علامہ نیموی وغیرہ) کی کی گئی توجیہ کو احتمالی اور بلا دلیل کہہ کر رد کر چکے ہیں۔ چنانچہ حافظ عبدالمنان نور پوری صاحب لکھتے ہیں: حافظ بیہقی، حافظ ابن حجر، علامہ زرقانی، علامہ شوکانی، علامہ عینی، علامہ شوق صاحب نیموی، علامہ باجی اور دیگر =

جبکہ پانچویں شاگرد داؤد بن قیس کی روایت میں اکیس رکعات کا ذکر ہے ۔ ا ۔

= مشاہیر علماء کرام رحمہم اللہ کی تحریرات میں بلکہ بندہ نے اپنی ناقص یاداشت کے مطابق گیارہ کا حکم پہلے ہونے اور بعد میں اکیس کردینے کی آج تک کوئی دلیل نہ پڑھی ہے اور نہ کسی سے سنی ہے ..... نیز لکھتے ہیں :مذکورہ (علماء کی) تطبیق احتمال پرمبنی ہے ۔تعداد تراویح (ص ۱۶۵،۱۶۶) ۔مولانا عبد اللہ غازیپوری صاحب لکھتے ہیں :اس کا کیا ثبوت ہے کہ گیارہ کا حکم پہلے ہے اور بیس کا پیچھے ۔رکعات تراویح (ص ۲۲) ۔اب قارئین اندازہ لگائیں کہ ان سب بڑے بڑے محدثین کی بیان کردہ تطبیق اور توجیہ تو غیر مقلدین کی نظروں میں بلا دلیل اور احتمالی ہونی کی وجہ سے مردود ہے لیکن علامہ نیموی ؒ کی گیارہ اور تیرہ رکعات کے درمیان کی گئی توجیہ مقبول ہوگئی حالانکہ علامہ نیموی نے بھی اپنی اس توجیہ پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی اور نہ ہی آج تک کوئی غیر مقلد اس کی دلیل پیش کر سکا ہے اور نہ کر سکتا ہے ۔

ثانیاً: ۔اس روایت کے راوی محمد بن اسحاق نے خود تیرہ رکعتوں کو اختیار کیا ہے اور اسی عدد کو ترجیح دی ہے ۔فتح الباری (۴/ ۲۰۵) بحوالہ انوار المصابیح (ص ۲۵۲) ،عمدۃ القاری (۵/ ۳۵۶) بحوالہ تعداد تراویح (ص ۱۲۸) ۔اب خود اس روایت کا راوی ان تمام تیرہ رکعتوں کو تراویح کی رکعات سمجھ رہا ہے اور اس نے ان تیرہ رکعتوں میں عشاء کی دو سنتوں کو شمار نہیں کیا ۔ اور مولانا مبارکپوری صاحب نے لکھا ہے کہ :راوی اپنی مروی روایت کا مطلب دوسروں سے بہتر جانتا ہے ۔تحفۃ الاحوذی (۱/ ۲۵۷) ۔لھذا یہ تاویل کرنا خود بخود باطل ہوگیا کہ ان تیرہ رکعتوں میں عشاء کی دو رکعات سنت شامل ہیں ۔

ا غیر مقلدین نے اس روایت سے جان چھڑانے کیلئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اس روایت کو ہی ضعیف قرار دے دیا ۔

ع نہ رہے بانس نہ بجے بانسری

چنانچہ زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں : یہ روایت متعدد وجوہ سے مردود ہے :نمبر ا ۔یہ ثقات کے خلاف ہے لھذا شاذ ہے ۔ نمبر ۲ ۔مصنف کے اصل نسخہ میں اختلاف ہے :امام سیوطی نے مصنف عبد الرزاق سے گیارہ کا عدد نقل کیا ہے ۔نمبر ۳ ۔اس روایت پر حنفیہ و دیوبندیہ کا عمل نہیں ہے ۔نمبر ۴ ۔مصنف کا راوی الدبری ضعیف و مصحف ہے ،تعداد رکعات قیام رمضان کا جائزہ (ص ۶۸) ۔لیکن زبیر صاحب کی یہ سب تحریر محض رام کہانی ہے ۔ان کی ہر ہر شق کا جواب ملاحظہ ہوں :

نمبر ا ۔داؤد بن قیس کی روایت شاذ نہیں ہے کیونکہ شاذ روایت (بقول مولانا گوندلوی) وہ ہوتی ہے جس میں ثقہ راوی اوثق کی مخالفت کرے ۔التحقیق الراسخ (ص ۱۰) اور داؤد بن قیس کی روایت دیگر چار راویوں (امام مالک وغیرہ) کی روایتوں کے منافی نہیں بلکہ اس میں زیادتی ہے جو ان کی روایات میں نہیں ہے ،یعنی باقی راوی تو گیارہ یا تیرہ رکعتیں نقل کرتے ہیں جب کہ داؤد ان سے زیادہ یعنی اکیس رکعتیں نقل کرتے ہیں اور وہ بالاتفاق ثقہ راوی ہے ۔ایسے راوی کی زیادت خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مقبول ہے ۔چنانچہ گوندلوی صاحب لکھتے ہیں :زیادتی ثقہ اس وقت مقبول ہوتی ہے جب اس پر کسی محدث نے وہم کا حکم نہ لگایا ہو ۔التحقیق الراسخ (ص ۱۱۱) جس روایت پر علامہ ابن عبد البر ؒ جیسے مُسلّمہ محدث نے وہم کا حکم =

= لگایا ہے وہ روایت تو غیر مقلدین کے نزدیک ثابت نہیں لیکن اس روایت پر ہندوستان میں انگریز کے آنے سے پہلے پہلے کسی نے بھی تنقید نہیں کی وہ روایت غیر مقلدین کی نظر میں ثابت ہو گئی یہ انصاف ہے

(۲) مصنف عبدالرزاق کے کسی نسخہ میں گیارہ کا عدد مذکور نہیں ہے اور زبیر صاحب نے امام سیوطی کی کتاب کا حوالہ نہیں دیا کہ انہوں نے کہاں گیارہ کا عدد نقل کیا ہے۔ زبیر صاحب کے ممدوح مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں: ایسی بے حوالہ بات قابل التفات ہی نہیں ہے۔ انوار المصابیح (ص ۳۱۲)۔

ثانیا: اور اگر مان ہی لیا جائے کہ امام سیوطیؒ نے مصنف عبدالرزاق سے گیارہ کا عدد نقل کیا ہے تو کیا زبیر صاحب اور ان کی تمام پارٹی مصنف کے کسی اصل نسخہ سے یہ روایت گیارہ کے عدد کے ساتھ نکال کر دکھا سکتے ہیں اور اگر نہ دکھا سکیں تو پھر (زبیر صاحب کی اپنی زبان سے) ہم پر امام سیوطی کے نام کا رعب ڈالنے کی کوشش نہ کریں۔ دیکھئے زبیر صاحب کی تعداد قیام رمضان۔ (ص ۷۰، ۷۳)۔

ع ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

ثالثاً: بالفرض اگر سیوطیؒ نے مصنف کے حوالہ سے گیارہ کا عدد ذکر کیا ہے تو انہوں نے موطا کے حوالہ سے حضرت سائب بن یزید ﷺ کی بیس رکعات والی روایت بھی نقل کی ہے۔ دیکھئے الحاوی للفتاوی (۱/ ۳۳۶) مطبوعہ دار العلمیۃ بیروت۔ اب غیر مقلدین کو چاہیئے کہ وہ موطا میں عشرون والا نسخہ بھی تسلیم کر لیں ورنہ وہ مصنف عبدالرزاق کے گیارہ رکعات والے نسخہ سے بھی دستبردار ہو جائیں۔ دیدہ باید!

(۳) زبیر صاحب کے ذکر کردہ اعتراض کی تیسری شق کہ "اس روایت پر حنفیہ دیوبندیہ کا عمل نہیں ہے" نہایت عجیب اور حیرت انگیز ہے۔ کیونکہ احناف کے پاس تو الحمدللہ اپنے موقف کے اثبات میں روایات کثیرہ صحیحہ موجود ہیں۔ پھر احناف کو اس مضطرب روایت سے استدلال کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ البتہ غیر مقلدین کے مذہب کا سارا مدار ایسی مضطرب اور ضعیف روایتوں پر ہے۔ اس لیے ان کو احناف کی بجائے اپنی فکر کرنی چاہیئے۔

(۴) زبیر صاحب کے اعتراض کی چوتھی شق بھی باطل ہے کیونکہ مصنف عبدالرزاق کتب حدیث میں سے ایک معتبر اور مستند کتاب ہے اور خود علمائے غیر مقلدین کو بھی اس کا اقرار ہے۔ چنانچہ زبیر صاحب کے نہایت ممدوح مولانا محمد گوندلوی صاحب نے مصنف عبدالرزاق کو کتب حدیث کے طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔ دیکھئے التحقیق الراسخ (ص ۱۸)۔ اور گوندلوی صاحب طبقہ ثالثہ کی احادیث کے بارے میں لکھتے ہیں: وہ لوگ جو ان کی جانچ پڑتال اچھی طرح کر سکیں، ان پر عمل کر سکتے ہیں، ایضاً (ص ۲۰)۔ شروع سے لیکر آج تک علمائے امت مصنف عبدالرزاق کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور کبھی کسی نے اس کو غیر معتبر نہیں ٹھہرایا بلکہ غیر مقلدین بھی اس کی احادیث کو اپنے مستدلات میں پیش کرتے ہیں اور ان کو درست =

= مانتے ہیں۔صرف چند ایسی مثالیں بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

نمبر۱: مولانا ارشاد الحق اثری صاحب مصنف عبدالرزاق (۲/۱۳۹) سے حضرت عمرؓ کے اثر کو استدلال میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ اثر سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔توضیح الکلام (۱/۵۲۶)۔مولانا عبدالرؤف سندھو غیر مقلد ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں: امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں سفیان ثوری سے حضرت ابو ہریرۃؓ پر موقوف روایت کیا ہے اور ترجیح بھی اسی موقوف کو ہوگی کیونکہ عبدالرزاق ثقہ اور حافظ ہیں۔القول المقبول (ص۴۷۳) خود معترض زبیر علی زئی نے بھی مصنف عبدارزاق کی کئی احادیث سے استدلال کیا ہے اور ان کو صحیح قرار دیا۔مثلاً مصنف (۲/۶۹) کی ایک روایت (طاؤس) سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: واسنادہ صحیح۔نور العینین (ص۱۲۳)۔اور (۳/۲۹۷) سے حضرت نافع کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: واسنادہ صحیح۔ایضاً (ص۸۱)۔اسی طرح (۲/۶۹) سے حضرت وہب بن منبہ کے اثر کو استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔واسنادہ صحیح داؤد ثقہ۔ایضاً (ص۱۳۸)۔

اب ہم زبیر صاحب کو انصاف و دیانت (بشرطیکہ ایسی کوئی شے ان میں موجود ہو) کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ اگر مصنف عبدالرزاق کا بنیادی راوی ہی ضعیف و مصحف ہے تو پھر وہ روایات جن سے آپ نے یا آپ کے بڑوں نے استدلال کیا ہے اور صراحتاً ان کو صحیح کہا ہے وہ کس کھاتے میں جائیں گی !

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

دوسرا اعتراض:۔اس روایت پر مولانا مبارکپوری صاحب غیر مقلد نے یہ کہا ہے کہ اکیس رکعات کی روایت غیر محفوظ ہے کیونکہ ان الفاظ (اکیس رکعات) کو روایت کرنے میں امام عبدالرزاق منفرد ہیں اور وہ اگر چہ ثقہ اور حافظ ہیں مگر وہ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے تو ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا......الخ۔تحفۃ الاحوذی (۲/۷۴) لیکن مبارکپوری صاحب کا یہ نرا وہم ہے کیونکہ امام عبدالرزاق نے اپنی کتاب نابینا ہونے سے پہلے لکھی ہے اور ان کی کتاب کی روایات خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی درست ہیں۔لھذا اگر کتاب لکھنے کے بعد ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا تو اس سے ان کی کتاب والی روایات پر کیا فرق پڑتا ہے؟ البتہ انہوں نے نابینا ہونے کے بعد جو روایات زبانی بیان کی ہیں ان میں کلام کرنے کی گنجائش ہے لیکن مذکورہ روایت تو ان کی کتاب والی روایات میں سے ہے۔اس لئے غیر مقلدین کا اس روایت پر اعتراض کرنا چہ معنی دارد؟ اس کی مزید تفصیل حصہ اول میں گزر چکی ہے۔الغرض غیر مقلدین کے اس روایت پر جتنے اعتراضات ہیں وہ سب باطل ہیں اور یہ روایت محمد بن یوسف کے دیگر چار شاگردوں کی روایات سے صحت میں کم نہیں۔

یہ اختلاف تو ان پانچوں کی روایتوں میں عدد کے اعتبار سے تھا۔ اب اس میں کیفیت کے لحاظ سے جو اختلاف ہے وہ ملاحظہ کریں:۔ امام مالکؒ کی روایت میں حضرت عمرؓ کے حکم کا ذکر ہے کہ انہوں نے حضرت ابیؓ اور حضرت تمیمؓ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم فرمایا تھا لیکن عمل کیا ہوا؟ اس کا روایت میں کوئی تذکرہ نہیں ہے اور علامہ امیر یمانی صاحب غیر مقلد کا بیان پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے کئی مسائل میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے [1]۔

اس لئے ممکن ہے کہ صحابہ کرامؓ گیارہ سے زائد رکعات پڑھتے ہوں جیسا کہ دیگر روایات سے پتہ چلتا ہے...... بلکہ مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد نے یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو گیارہ رکعات کا حکم دیا تھا وہ وجوبی نہیں تھا اور اختلاف کی گنجائش خود خلیفہ ہی کی طرف سے موجود تھی۔ اس لئے (جو لوگ بیس وغیرہ رکعات پڑھتے تھے) ان کے حکم کی خلاف ورزی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا [2]۔

بنابریں اس روایت میں صرف حضرت عمرؓ کا حکم مذکور ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے اس حکم پر عمل بھی ہوا ہے تاکہ گیارہ رکعات کو حضرت عمرؓ کی سنت قرار دیا جائے۔

دوسرے راوی حضرت یحییٰ قطانؒ کی روایت امام مالک کی روایت سے بالکل مختلف ہے۔

کیونکہ امام مالک کی روایت میں تو حضرت عمرؓ کا ابیؓ بن کعب اور تمیم داریؓ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم مذکور ہے جبکہ یحییٰ کی روایت میں حضرت عمرؓ کے حکم کا کوئی ذکر نہیں بلکہ اس میں حضرت ابیؓ اور حضرت تمیمؓ کا اپنا عمل مذکور ہے کہ وہ گیارہ رکعات پڑھاتے تھے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ غیر مقلدین ان دونوں باتوں میں فرق کرتے ہیں کہ جس روایت میں حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح ہو اس کو حجت مانتے ہیں اور جس روایت میں ان کا حکم مذکور نہ ہو اس کو حجت نہیں مانتے۔ اب امام مالکؒ اور حضرت یحییٰؒ دونوں ایک ہی استاد سے روایت بیان کر رہے ہیں لیکن دونوں کے بیان کی تعبیر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ تو ان دونوں کی روایتوں کا آپس میں اختلاف تھا جب کہ ان کے تیسرے ساتھی عبدالعزیز دراوردیؒ کی روایت ان دونوں سے مختلف ہے کیونکہ اس کی روایت میں نہ تو حضرت عمرؓ کے

---

[1] سبل السلام (۱۵/۲) [2] انوار المصابیح (ص ۲۳۲)

حکم کا ذکر ہے اور نہ ہی حضرت ابی رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کی امامت کا کوئی تذکرہ ہے بلکہ اس میں حضرت سائب رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان مذکور ہے کہ ہم گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ اب اندازہ لگائیں کہ محمد بن یوسف کے یہ تینوں شاگرد گیارہ کے عدد پر متفق ہونے کے باوجود اپنے بیانات کی تعبیر میں باہم کتنے مختلف ہیں جبکہ ان کے چوتھے اور پانچویں ساتھی محمد بن اسحاقؒ اور داؤد بن قیسؒ کی روایتیں تو ان تینوں کی روایتوں سے عدد اور کیفیت دونوں اعتبار سے مختلف ہیں۔ محمد اسحاق کی روایت میں ہے کہ ہم تیرہ رکعات پڑھتے تھے جبکہ داؤدؒ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی رضی اللہ عنہ اور تمیم رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں اکیس رکعت پر جمع کیا تھا۔ روایت میں ایسے ہی اختلاف کو اضطراب کہا جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب حافظ ابن الصلاح کے حوالہ سے لکھتے ہیں: مضطرب حدیث وہ ہے جس میں روایت مختلف ہو جائے چنانچہ کوئی اسے ایک طرح سے روایت کرے اور کوئی دوسرے طریقہ سے جو پہلے کے مخالف ہو [1]۔ اور مضطرب روایت قابل احتجاج نہیں ہے [2]۔ اب محمد بن یوسف کے شاگردوں کے بیانات میں اس قدر اختلافات کے باوجود اگر محمد بن یوسفؒ کی روایت کو مضطرب نہ قرار دیا جائے جیسا کہ غیر مقلدین حضرات کی رائے ہے تو پھر اس روایت پر عمل کرنے کیلئے دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو ان پانچوں طُرق میں سے کسی ایک طریق کو ترجیح دی جائے یا پھر ان سب میں تطبیق کا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے اور یہ دونوں صورتیں غیر مقلدین کے مدّعیٰ کے خلاف ہیں۔ چنانچہ مشہور محدث علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ نے یہ دونوں صورتیں اختیار کی ہیں۔ انھوں نے گیارہ، تیرہ اور اکیس والی روایات میں اکیس کے عدد کو ترجیح دی ہے اور گیارہ رکعت والی روایت کو وہم قرار دیا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی تطبیق بتلائی ہے کہ ممکن ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے گیارہ رکعات کا حکم دیا ہو اور پھر گیارہ کی بجائے اکیس رکعات کر دی گئی ہوں [3]۔ علامہ زرقانی نے بھی اس تطبیق کو پسند کیا ہے [4]۔ ان ائمہ حدیث اور ماہرین فن کی تطبیق کے مقابلہ میں بعض غیر مقلدین (مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا عبداللہ غاری پوری، حافظ عبدالمنان وغیرہ نے ان روایات میں تطبیق کی یہ صورت ذکر کی ہے کہ پہلے اکیس پر عمل ہوتا رہا اور پھر آخر میں گیارہ

---

[1] تعداد تراویح (ص ۱۴۹) بحوالہ علوم الحدیث (۸۴) [2] تحقیق الکلام (۲/۷) [3] زرقانی شرح مؤطا (۱/۲۳۹)

[4] ایضاً

رکعتیں کردی گئیں ۱؎ ۔لیکن محدثین کرام اور ماہرین فن کے مقابلہ میں مبارکپوری صاحب وغیرہ غیر مقلدین کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کی حیثیت محدثین کے مقابلہ میں محض اناڑی کی ہے اور اناڑی کے مقابلہ میں ماہرفن کی بات کو ہمیشہ ترجیح ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ماہرفن کی بات مانی جائے اناڑی کی کون سنتا ہے ۲؎ ۔لھذا محدثین کرام کی تطبیق یا ترجیح کے مقابلے میں غیر مقلدین کی بات کو کچھ بھی وقعت نہیں دی جاسکتی ۔الحاصل محمد بن یوسف کی روایت کے پانچوں طرق کو مضطرب قرار دیا جائے یا ان میں تطبیق یا ترجیح دی جائے، جو بھی طریقہ محدثین کرام کے اصولوں کی روشنی میں اختیار کیا جائے، اس سے غیر مقلدین اپنا (گیارہ رکعات کی مسنونیت کا) دعویٰ ہرگز ثابت نہیں کر سکتے ۔لھذا یہ روایت غیر مقلدین کیلئے حجت نہیں ہے۔

یہ ساری تفصیل تو محمد بن یوسف عن السائب رضی اللہ عنہ بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت کے پانچوں طرق کے متعلق تھی لیکن اگر اس کے ساتھ یزید بن خصیفہ جو حضرت سائبؓ کے دوسرے شاگرد اور محمد بن یوسف کے ہم استاذ ساتھی ہیں، کی روایت کو سامنے رکھا جائے تو پھر لامحالہ محمد بن یوسف کی روایت کے مقابلہ میں یزید بن خصیفہ کی روایت کو ترجیح ہوگی کیونکہ محمد بن یوسف کی روایت میں ان کے پانچوں شاگردوں کے بیانات میں شدید اختلافات ہیں جس کی تفصیل آپ ملاحظہ کر چکے ہیں جبکہ یزید بن خصیفہ کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت یزید بن خصیفہ سے ان کے تینوں شاگرد (ابن ابی ذہب، محمد بن جعفر اور امام مالک) متفق اللفظ ہو کر نقل کرتے ہیں کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے۔ حضرت سائب رضی اللہ عنہ بن یزید رضی اللہ عنہ کے تیسرے شاگرد اور محمد بن یوسف اور یزید بن خصیفہ کے ساتھی حارث بن عبدالرحمٰن بن ابی ذبابؒ کی روایت بھی یزید بن خصیفہ کی روایت کے مؤید ہے۔ کیونکہ اس میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر کے پڑھے جانے کا ذکر ہے ۳؎ ۔لھذا غیر مقلدین کا یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمٰن کی بے بنیاد اور غیر مضطرب روایات

۱؎ دیکھئے تحفۃ الاحوذی (۲/ ۷۶۸)، رکعات تراویح (ص ۲۳)، تعداد تراویح (ص ۶۹) ۲؎ انوار المصابیح (ص ۱۳۶)

۳؎ اشکال: بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اگر محمد بن یوسف کی روایت ان کے شاگردوں کے مختلف بیانات ہونے کی وجہ سے مضطرب ہے تو پھر یزید بن خصیفہ کی روایت بھی مضطرب ہے کیونکہ ان کے شاگردوں کے بیانات میں بھی

= اختلاف ہے چنانچہ یزید کے پہلے شاگرد ابن ابی ذئب کا بیان ہے کہ: حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں: لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔ دوسرے شاگرد محمد بن جعفر کی روایت میں ہے کہ: حضرت سائبؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔ اب پہلے کی روایت میں حضرت سائبؓ اپنے عمل کی بجائے دوسرے لوگوں کا عمل نقل کر رہے ہیں جبکہ یزید کے دوسرے شاگرد محمد بن جعفر کی روایت میں حضرت سائبؓ اپنا عمل ذکر کر رہے ہیں۔ اسی طرح ابن ابی ذئب کی روایت وتر کے ذکر سے ساکت ہے جبکہ محمد بن جعفر کی روایت میں وتر کا بھی ذکر ہے (اسی طرح یزید بن خصیفہ کے ساتھی حارث بن عبدالرحمٰن کی روایت میں بھی تین رکعت وتر کا ذکر ہے)۔ نیز ابن ابی ذئب کی روایت میں ایک زائد جملہ ہے کہ: لوگ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں شدت قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے" لیکن یزید کے دوسرے شاگرد محمد بن جعفر اور یزید کے ہم استاذ حارث بن عبدالرحمٰن کی روایتوں میں نہ تو عہد عثمان کا ذکر ہے اور نہ ہی کیفیت ادا کا۔ لھذا بیس رکعت والی روایت بھی مضطرب ٹھہری۔ محصلہ انوار المصابیح (ص ۲۴۵، ۲۴۶)، تعداد تراویح (ص ۱۵۲)۔ لیکن غیر مقلدین کا یہ اشکال بالکل بے اصل ہے اور محض گیارہ رکعات والی مضطرب روایت کو بچانے کیلئے ایک غیر مقلدانہ حیلہ ہے۔ کیونکہ محمد بن یوسف کی گیارہ رکعات والی روایت میں جو اختلاف ہے اور یزید بن خصیفہ کی بیس والی روایت میں جو (ظاہری) اختلاف ہے، ان دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے اس لیے کہ محمد بن یوسف کے شاگردوں کے بیانات میں جو اختلاف ہے وہ اختلاف معارضہ اور منافات کے قبیل سے ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا بیان دوسرے سے بالکل مختلف اور دوسرے کے بیان کے منافی ہے حتی کہ پانچوں شاگرد رکعات تراویح کے عدد پر بھی باہم متفق نہیں ہیں، کوئی ان میں سے گیارہ رکعات نقل کرتا ہے، کوئی تیرہ رکعات اور کوئی اکیس رکعات نقل کر رہا ہے۔ اسی طرح ان میں کوئی تو حضرت عمرؓ کا حکم نقل کر رہا ہے کوئی حضرت عمرؓ کے حکم کی بجائے حضرت ابیؓ اور حضرت تمیمؓ کی امامت کا تذکرہ کر رہا ہے، اور کوئی حضرت عمرؓ کے دور میں گیارہ یا تیرہ رکعات پڑھنے کا ذکر کر رہا ہے، روایات میں ایسے ہی اختلاف کو اصول حدیث کی رو سے اضطراب کہا جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل یزید بن خصیفہ کے شاگردوں کی روایات میں اختلاف کی یہ نوعیت نہیں بلکہ ان کے سب شاگرد بیس رکعات کے عدد پر باہم متفق ہیں۔ باقی ان کے بیانات کی تعبیر میں جو معمولی سا اختلاف ہے تو وہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ ظاہری ہے جس کو اضطراب نہیں کہا جاتا۔ مثلاً یزید کے شاگرد ابن ابی ذئب کی روایت کے الفاظ ہیں: کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطابؓ فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ الخ۔ اور محمد بن جعفر کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ ۔۔الخ۔ اب دونوں کی روایتوں کا مفہوم ایک ہے کیونکہ کانوا یقومون کا مصداق بھی صحابہ کرامؓ اور کبار تابعین ہیں اور کنا نقوم کا مصداق بھی صحابہ کرامؓ =

کے مقابلے میں محمد بن یوسف کی مضطرب روایت کو ترجیح دینا صریح زیادتی اور انصاف و دیانت سے بھی کوسوں دور ہے بالخصوص جب کہ یزید بن خصیفہ اور حارث کی روایات کی تائید حضرت عمرؓ کے عہد سے

= اور کبار تابعین ہیں ۔ اب ان دونوں کے بیانوں میں کیا فرق ہو سکتا ہے؟

اگر محمد بن جعفر کے بیان میں وتر کا ذکر زائد ہے جس سے ابن ابی ذئب کی روایت ساکت ہے۔ اسی طرح ابن ابی ذئب کی روایت میں حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں تراویح پڑھے جانے کی کیفیت مذکور ہے جس کا محمد بن جعفر کی روایت میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ تو یہ ان دونوں کی روایتیں محمد بن یوسف کے شاگردوں کی روایات کی طرح باہم ایک دوسرے سے معارض اور منافی نہیں کہ ان کو مضطرب قرار دیا جائے بلکہ ان دونوں میں جو معمولی فرق ہے وہ صرف ''بیان اور سکوت'' کا فرق ہے کہ ایک کی روایت میں ایک چیز کا ذکر ہے جس سے دوسرے کی روایت میں سکوت ہے۔ مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: سکوت اور بیان میں کوئی منافات اور معارضہ نہیں ہے۔ انوار المصابیح (ص ۲۴۷)۔ غیر مقلدین کے استاذ العلماء اور محدث اعظم حافظ گوندلوی صاحبؒ لکھتے ہیں: ایسا ہو ہی جاتا ہے کہ ایک چیز کا بعض طرق میں ذکر ہوتا ہے اور بعض میں نہیں تو ایسے راوی کے ثقہ ہونے کی صورت میں روایت کا ضعف لازم نہیں آتا۔ التحقیق الراسخ (ص ۸۲)۔

نیز لکھتے ہیں: محدثین کے ہاں مسلمہ ہے کہ ایک روایت میں ایک چیز کا عدم ذکر اس سے دوسرے طریق میں آجائے تو معمول بہ ہوگی۔ ایضاً (ص ۸۴)۔ لھذا غیر مقلدین کا یزید بن خصیفہ کے شاگردوں کے بیانات میں اپنی طرف سے فرضی اختلافات بنا کر اس کو مضطرب کہنا باطل ہے اور ان کا محمد بن یوسف کی مضطرب روایت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ یہ تفصیل تو یزید بن خصیفہ کے شاگردوں کی روایت کے متعلق تھی۔ اس کے ساتھ یزید بن خصیفہ کے ہم استاذ حارث بن عبدالرحمٰن کی روایت ملاحظہ کریں۔ چنانچہ حارث اپنے استاد حضرت سائب کا بیان یوں نقل کرتے ہیں کہ: حضرت عمرؓ کے دور میں قیام تیئیس رکعات کا تھا۔ علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ان تیئیس رکعات میں تین رکعات وتر کی ہوتی تھیں۔ عمدۃ القاری (۲۴۶/۸)۔ اب حارث کی روایت بالکل یزید بن خصیفہ کے شاگردوں کی روایات کی طرح ہے صرف اتنا فرق ہے کہ وہاں صرف وتر کا ذکر تھا اور یہاں حارث کی روایت میں وضاحت سے تین رکعات وتر کا ذکر ہے۔ اور مولانا ارشاد اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: الحدیث یفسر بعضہ بعضا۔ کہ ایک حدیث دوسری کی وضاحت کرتی ہے۔ توضیح الکلام (۴۸۹/۱، ۵۴۴)۔ الغرض حضرت سائبؓ سے ان کے دونوں شاگرد یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمٰن اور پھر ان کے سب شاگرد متفق ہو کر نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے دور میں صحابہ کرامؓ اور تابعین کرام بیس رکعات پڑھتے تھے اور ان کے بیانات میں باہم کوئی اختلاف نہیں۔ اس کے بالمقابل حضرت سائبؓ کے تیسرے شاگرد محمد بن یوسف کے شاگردوں کی روایات میں شدید اختلافات ہونے کیوجہ سے وہ روایت مضطرب ہے۔

متعلق دیگر آثار سے بھی ہوتی ہے جبکہ محمد بن یوسف کی روایات کی تائید میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ہے جو ان کی روایات کی تقویت کا سبب بن سکے۔

غیر مقلدین کے چند شبہات

قارئین کرام:

غیر مقلدین کی طرف سے آٹھ تراویح کے اثبات میں پیش کردہ دلائل کا جائزہ تو آپ نے بخوبی لے لیا کہ غیر مقلدین کے پاس ایک بھی ایسی ٹھوس دلیل نہیں کہ جس سے صرف آٹھ رکعات کا رسول اللہ ﷺ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہونا ثابت ہو سکے۔

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اختتام کتاب سے قبل ان کے عوام میں پھیلائے گئے چند اہم شبہات کی بھی وضاحت کرتے جائیں تا کہ سطحی الذھن عوام ان کے مکروفریب میں نہ آسکیں۔

وماتوفیقی الاباللہ۔

شبہہ اولیٰ: علامہ ابن الہمامؒ جو فقہ حنفی کے مشہور محقق اور مجتہد ہیں، وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ صرف آٹھ رکعات ہی سنت ہیں باقی بارہ رکعات مستحب ہیں [1]۔

اسی طرح علام ابن نجیمؒ نے البحر الرائق میں اور علامہ طحطاویؒ نے شرح درمختار میں شیخ ابن الھمام کی بات کو بلا انکار نقل کیا ہے [2]۔

جواب: علامہ ابن الھمامؒ بیس رکعات تراویح کا انکار نہیں کرتے۔ البتہ وہ ان بیس میں سے صرف آٹھ رکعات کو سنت اور باقی بارہ رکعات کو مستحب کہتے ہیں۔ ان کا یہ قول ان کے تفردات میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور علامہ عبدالحی لکھنویؒ وغیرہ علمائے کرام نے تصریح کی ہے کہ یہ ان کا تفرد ہے اور ان کے علاوہ امت مسلمہ میں کوئی بھی جلیل القدر ہستی اس قول کی قائل نہیں ہے [3]۔ اس مسئلہ کے علاوہ اور بھی کئی مسائل میں انہوں نے تفرد اختیا کیا ہے اور ان کے ایسے تفردات غیر معتبر اور

---

[1] صلوۃ الرسول (ص ۴۱۵)، انوار المصابیح (ص ۳۱) و دیگر کتب غیر مقلدین بحوالہ فتح القدیر (۳۳۴/۱) لابن الھمامؒ

[2] انوار المصابیح (ص ۳۲) [3] دیکھئے العرف الشذی (ص ۳۰۹)، حاشیہ ھدایہ (۱۵۱/۱) وغیرہ

نا قابل عمل سمجھے جاتے ہیں خود غیر مقلدین کو بھی اس کا اقرار ہے۔

علامہ ابن الھمام کے تفردات غیر مقلدین کی نظر میں:

غیر مقلدین کے مشہور عالم مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں: علامہ ابن الھمام کو فقہ حنفی میں اجتہادی مقام حاصل تھا۔ انھوں نے کئی مسائل میں اپنے ہم فکر علماء سے اختلاف کیا ہے لیکن ان کے اختلاف کو خود علمائے احناف نے بنظر استحسان نہیں دیکھا۔ چنانچہ انہی کے شاگرد علامہ قاسم قطلو بغا اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں: شیخ ابن ہمامؒ کے وہ مباحث جو مذہب کے مخالف ہیں، ان پر عمل نہ کیا جائے [1]۔ علامہ قاسمؒ کا یہ قول علامہ کشمیریؒ نے العرف الشذی (ص ۵۰) میں بھی نقل کیا ہے۔ لھذا حنفی مذہب کے خلاف ان کا جو بھی قول ہوگا وہ مقبول نہیں ہوگا چہ جائیکہ اسے حنفی مذہب باور کرلیا جائے [2]

مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد ایک مسئلہ کے ذیل میں لکھتے ہیں: علامہ ابن الھمام حنفی باوجود فقیہ ہونے کے اس سواد اعظم سے شذوذ فرماتے ہیں [3]۔

اب غیر مقلدین خود ہی بتلائیں کہ اس سے زیادہ ہم ان کی کیا تسلی کرا سکتے ہیں۔

کیا ہی خوب ہو کہ غیر پردہ کھولے جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

باقی رہا مولانا نذیر رحمانی صاحب کا یہ کہنا کہ علامہ ابن نُجیمؒ اور علامہ طحطاویؒ نے بھی شیخ ابن الھمامؒ کے اس قول کو بلا انکار نقل کیا ہے۔ لھذا ان کا بھی یہی نظریہ ہے تو رحمانی صاحب کی یہ غلط فہمی ہے کیونکہ یہ دونوں بزرگ دیگر علمائے اہل سنت کی طرح بیس تراویح کے مسنون ہونے کے قائل ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن نُجیمؒ رکعات تراویح کے متعلق اپنا نظریہ یوں بیان فرماتے ہیں: وسن رمضان عشرون رکعة وعليه عمل الناس شرقاً وغرباً [4]۔

رمضان المبارک میں مسنون بیس رکعات ہیں اور اس پر تمام مشرق و مغرب کے لوگوں کا عمل ہے۔

اسی طرح علامہ طحطاوی بھی بیس رکعات کو سنت کہتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: وهي عشرون ركعة۔ الحكمة في تقديرها بهذا العدد مساواة المكمل وهي السنن للمكمل وهي

---

[1] البحر الرائق (۱۲۵/۵) [2] توضیح الکلام (۵۴۵/۲) [3] التحقیق الراسخ (ص ۲۲) [4] البحر الرائق (۷۲/۲)

الفرائض الاعتقادیۃ والعلمیۃ [1]۔اور تراویح کی بیس رکعتیں ہیں اور تراویح کی بیس رکعات ہونے میں حکمت یہ ہے کہ مُکمِّل جو (بیس رکعات) سنن ہیں وہ مکمل جو فرائض علمیہ واعتقادیہ ہیں، کے برابر ہو جائے۔لھذا یہ کہنا غلط ہے کہ ان دونوں حضرات کا نظریہ بھی علامہ ابن الھمام کی طرح ہے۔

انھوں نے علامہ ابن الھمام کا قول نقل کیا ہے تو وہ محض ان کا تفرد بتلانے کیلئے ہے، یہ نہیں کہ یہ دونوں بھی علامہ ابن الھمام کی طرح آٹھ رکعات کے سنت اور بارہ رکعات کے مستحب ہونے کے قائل ہیں بلکہ انہوں نے تو بیس رکعات کو سنت کہہ کر شیخ ابن الھمام کے قول کی تردید کر دی ہے۔

شبہ ثانیہ: مولانا نذیر احمد رحمانی لکھتے ہیں کہ: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب ماثبت بالسنۃ میں لکھا ہے کہ: بعض سلف حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے تاکہ ان کا عمل رسول اللہ ﷺ کے عمل کے مطابق اور مشابہ ہو۔یصلون جمع کا صیغہ ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا کرنے والے متعدد حضرات تھے۔نیز اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس عمل کا داعی اور محرک کوئی اجتہادی عمل نہ تھا بلکہ محض رسول اللہ ﷺ کی سنت کے اتباع کا جذبہ ہی اس کا محرک اور داعی تھا [2]۔

الجواب: اس اثر سے استدلال کئی وجوہ سے باطل ہے۔اولاً: شیخ عبدالحق نے اس کی کوئی سند ذکر نہیں کی اور مولانا ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد ایک اثر کے بارے میں لکھتے ہیں: امام ابن قدامہ نے اس اثر کی کوئی سند ذکر نہیں کی۔لھذا بلا سند کوئی بات مقبول نہیں [3]۔

اب امام ابن قدامہ جیسے محدث کی بات غیر مقلدین کے نزدیک مقبول نہیں تو پھر شیخ عبدالحق جن کا درجہ یقیناً ابن قدامہؒ سے کم ہے، ان کی بات بلا سند کیسے مقبول ہوگی! فیاللعجب۔بلکہ خود شیخ عبدالحقؒ نے اپنے اس قول کو روی صیغہ تمریض سے ذکر کر کے اس قول کے ضعیف اور غیر معتبر ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ثانیاً: حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے عہد سے متعلق اس اثر کی کوئی سند موجود نہیں۔اس کے بالمقابل صحیح السند اثر سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے دور میں لوگ چھتیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے [4]۔

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح (ص۲۲۵) [2] انوار المصابیح (ص۳۸۰) [3] توضیح الکلام (۱/۱۱۷) [4] مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۵)، قیام اللیل (ص۹۱)

اسی طرح ان سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے قاریوں کو چھتیس رکعات تراویح پڑھنے کا حکم دیا تھا[1]۔ بلکہ خود غیر مقلدین کے محدث اعظم حافظ عبداللہ روپڑیؒ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ: حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں چھتیس رکعات پڑھی جاتی تھیں[2]۔

اب ان صحیح السند آثار کو چھوڑ کر شیخ عبدالحق دہلوی کے ذکر کردہ بلاسند قول کو گلے لگا لینا یہ غیر مقلدین کا محض تجاہل عارفانہ ہے۔

ثالثاً: اس میں بعض سلف کا ذکر ہے اور بعض سلف نامعلوم ہیں کہ وہ کون لوگ تھے؟ حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: نامعلوم لوگوں کا عمل کوئی شرعی حجت نہیں[3]۔

رابعاً: اس اثر سے تو یہ بھی ظاہر نہیں کہ وہ بعض نامعلوم لوگ گیارہ رکعات تراویح کی پڑھتے تھے یا تہجد کی پڑھتے تھے؟ فاذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

شبہ ثالثہ: مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ: نبی ﷺ سے تراویح کی آٹھ ہی رکعتیں صحیح طور پر ثابت ہیں۔ بیس رکعات والی روایت کی سند ضعیف ہے اور اس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے[4]۔

جواب: علامہ کشمیریؒ کی تحقیق فی رکعات التراویح۔

علامہ کشمیریؒ موجودہ غیر مقلدین کی طرح صرف آٹھ رکعات کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ بھی دیگر علمائے اہل سنت کی طرح بیس رکعات کو مسنون سمجھتے ہیں انہوں نے اگرچہ بیس رکعات والی مرفوع حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس کو باعتبار عمل کے صحیح کہتے ہیں۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول: ما کان عمر ﷺ مبتدعا" کی شرح میں فرماتے ہیں: لابد من ان یکون لها اصل من النبی ﷺ وان لم یبلغنا بالاسناد القوی: [5] ضروری ہے کہ ان بیس رکعات کیلئے کوئی اصل نبی ﷺ سے ہو اگرچہ وہ ہم تک قوی سند کے ساتھ نہیں پہنچی۔ حضرت شاہ صاحبؒ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بیس رکعات

---

[1] قیام اللیل (ص۹۲) [2] اہلحدیث کے امتیازی مسائل (ص۱۰۱) [3] تعداد رکعات قیام رمضان (ص۳۰)
[4] انوار المصابیح (ص۱۷۲)، تعداد رکعات قیام رمضان (ص۲۳) بحوالہ العرف الشذی (۱/۱۱۶) [5] العرف الشذی (۱/۳۰۸)

تراویح پر تمام امت کا اجماع ہے اور بیس سے کم رکعات کا کوئی بھی قائل نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: لم یقل احد من الائمۃ باقل من عشرین رکعۃ فی التراویح والیہ ذھب جمھور الصحابۃ رضی اللہ عنہم [1]۔ ائمہ میں سے کوئی بھی امام بیس تراویح سے کم کا قائل نہیں اور بیس تراویح ہی اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔

علامہ ابن الھمام کے قول کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقال ابن الھمام ان ثمانیۃ رکعات سنۃ مؤکدۃ وثنتی عشرۃ رکعۃ مستحبۃ وما قال لھذا احد [2]۔ علامہ ابن الھمامؒ فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات سنت مؤکدہ ہیں اور بارہ رکعات مستحب ہیں لیکن اس طرح کی بات (ان کے علاوہ) کسی نے بھی نہیں کہی۔

نیز شاہ صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیس رکعات مقرر فرمانے کے بارے میں فرماتے ہیں:

فقد تلقاہ الامۃ بالقبول [3]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو امت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہے۔

حضرت انور شاہ صاحبؒ کے مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ بیس رکعات کو ہی سنت کہتے ہیں اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بیس رکعات والی روایت ضعیف ہونے کے باوجود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پوری امت کے عمل سے مؤید ہے اور حضرت شاہ صاحب کے نزدیک اگر کوئی حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف بھی ہو لیکن تلقی بالقبول کی وجہ سے وہ روایت قابل عمل ہو جاتی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: وذَھَبَ بعضھم الیٰ ان الحدیث اذا تأیدھا بالعمل ارتقی من حال الضعف الیٰ مرتبۃ القبول۔ قلت وھو الاوجہ عندی [4]۔

بعض محدثین کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث جب امت کے عمل سے مؤید ہو جائے تو وہ ضعف کی حالت سے نکل کر درجہ قبول تک پہنچ جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہی بات زیادہ درست ہے۔

بنابریں غیر مقلدین کا حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کے بارے میں یہ تاثر دینا کہ وہ صرف آٹھ رکعات کو سنت اور بیس رکعات کو ضعیف کہتے ہیں، یہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ

---

[1] ایضاً [2] ایضاً (ص ۳۰۹) [3] ایضاً [4] فیض الباری (۳/۴۰۹) [5] فیض الباری (۳/۱۸۱)

ہرگز صرف آٹھ رکعات کے سنت کے قائل ہونے کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ تو ان لوگوں کے بارے میں جو صرف آٹھ رکعات کے قائل ہیں، یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

واما من اکتفی بالرکعات الثمانیة وشذ عن السواد الاعظم وجعل یرمیهم بالبدعة فلیر عاقبته ؎۔

جو شخص صرف آٹھ رکعات پر اکتفا کر کے سواد اعظم سے کٹ گیا اور وہ سواد اعظم پر بدعت کا الزام لگا تا ہے تو وہ اپنا انجام سوچ لے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تمام مسلمانوں کو حق وصداقت پر قائم ودائم رکھے اور ہمیشہ سواد اعظم کی معیت واتباع نصیب فرمائے اور اہل حق کے ساتھ تعصب وعناد اور ہٹ دھرمی سے جملہ اہل اسلام کا مامون ومحفوظ رکھے۔

آمین بجاہ النبی الکریم وسید الانبیاء والمرسلین وصلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وعلیٰ من اتبعھم باحسان إلی یوم الدین۔

احقر العباد

ظہور احمد الحسینی غفرلہٗ

شوال المکرم ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۴ جنوری ۲۰۰۱ء

شب الجمعہ المبارک

العدد الصحیح

فی رکعات التراویح

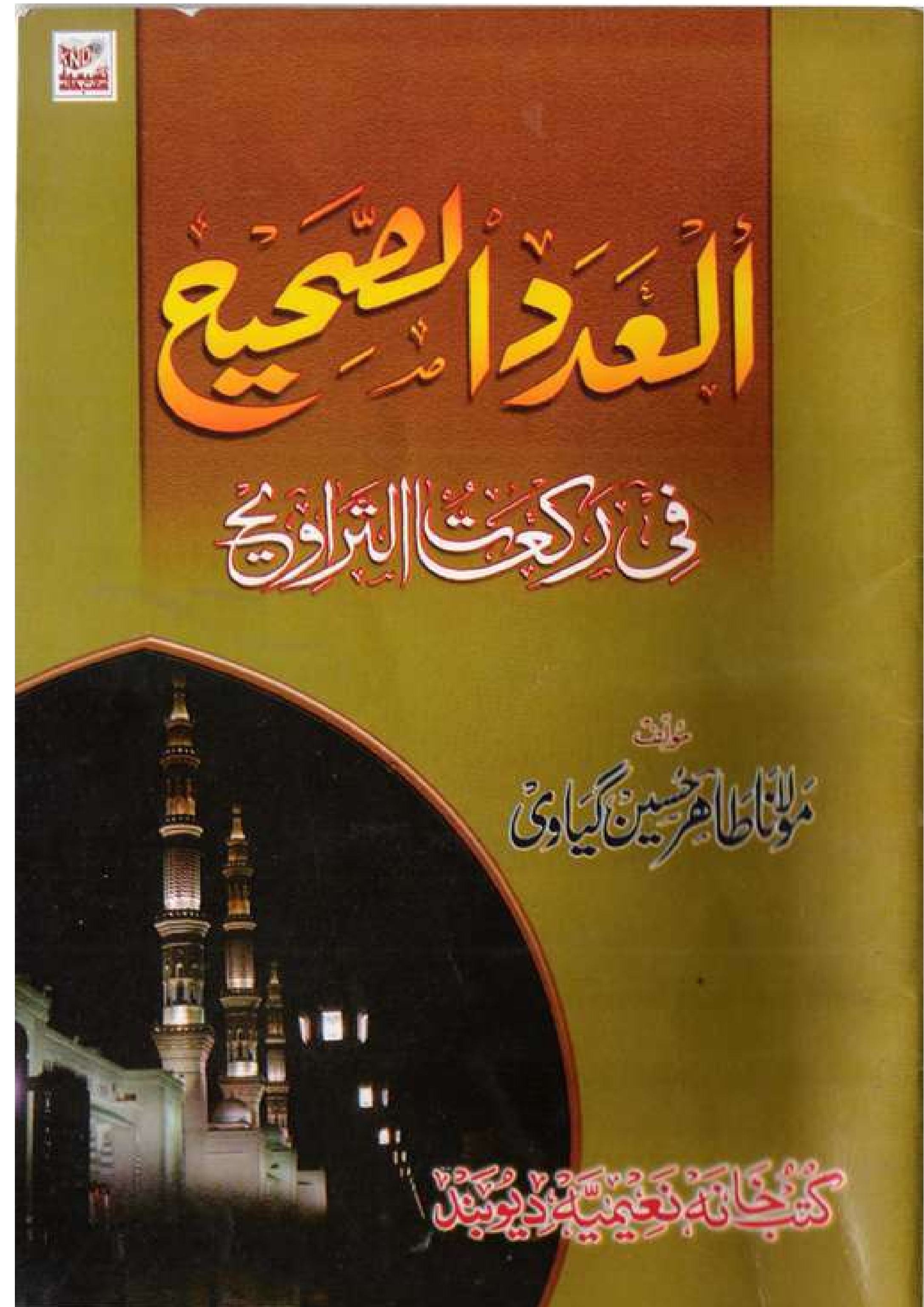
مؤلف

حضرت الحاج مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی

مہتمم دار العلوم حسینیہ پلاموں

ناشر

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند یوپی



نام کتاب	العدد الصحیح فی رکعات التراویح
مؤلف	سلطان المناظرین حضرت الحاج مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مہتمم دارالعلوم حسینیہ پلاموں
سن اشاعت	۲۰۰۹ء
کمپوزنگ	حرا کمپیوٹرس (اشرف علی قاسمی) 9719511183
طباعت	....
ناشر	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند یوپی

فہرست مضامین

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

العدد الصحیح فی رکعات التراویح

الحمد للّٰہ حمداً کثیراً لعدد غیر محدود والصلوۃ والسلام علی جمیع الانبیاء والمرسلین خصوصاً علی محمد خاتم النبین صلاۃ کثیرۃ وسلاما غیر محدود وعلی الہ واصحابہ اتباعہ اجمعین!

اس رسالہ کی وجہ تالیف یہ ہے کہ نماز تراویح کی رکعتوں کے متعلق بعض غیر مقلدین حضرات نے بیجا تشدد بلکہ بیحد تعصب اختیار کر لیا ہے اس سلسلہ میں انہوں نے بعض رسائل بھی تحریر کئے ہیں جن میں ثابت کرنا چاہا ہے کہ بیس رکعتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدینؓ و دیگر صحابہ کرامؓ میں سے بھی کسی سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہیں اور اس سلسلہ کی تمام مرفوع وموقوف روایتوں کو انہوں نے اصول حدیث سے بے نیاز ہو کر سخت مجروح قرار دیا ہے احناف کے متعلق ان کی گفتگو کا انداز نہ صرف غیر عادلانہ بلکہ سخت جارحانہ ہو گیا ہے چنانچہ حال میں مولوی علی احمد نامی ایک غیر مقلد صاحب نے ''اظہار الحق الصریح'' کے نام سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس میں علم و دیانت کا خوب خوب مذاق اڑایا گیا ہے اور بزعم خود انہوں نے بہت بڑا کام انجام دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کا مقصد صرف حنفیہ کی مخالفت اور ان پر حملہ کرنا ہے، چاہے اس کے لئے ان کو کتنا ہی غیر اخلاقی اور جاہلانہ

طریقہ کیوں نہ اختیار کرنا پڑے چنانچہ ان حضرات نے اپنے رسائل میں یہ خدمت خوب انجام دینے کی کوشش فرمائی ہے مثلاً ملا علی قاری نے ابن تیمیہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا تھا **لم یوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التراویح عددا معینا بل لا یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی ثلث عشرۃ رکعۃ الخ** مولوی نذیر احمد مرحوم شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ و مولوی علی احمد دونوں حضرات نے مذکورہ بالا عبارت میں ثلث عشرۃ رکعۃ کو احدی عشرۃ رکعۃ بنا ڈالا ہے اسی طرح قاضی شوکانی کی عبارت نقل کرنے میں خوب خوب خیانتیں کی ہیں وغیرہ وغیرہ بہر حال ان ہی اسباب کے پیش نظر ضرورت محسوس کی گئی کہ کسی مخصوص کتاب یا کسی خاص فرد کو زیر بحث لائے بغیر خالص علمی پہلو سے دونوں فریق کے دلائل پر گفتگو کی جائے اور ان کا علمی جائزہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ واقعی احادیث صحیحہ سے زیادہ قریب کون فریق ہے اور سنت رسولؐ و تعامل صحابہ کرامؓ کس کے ساتھ ہے، فی الحال صرف مرفوع روایات سے متعلق مختصر سی بحث اور تحقیق کی جارہی ہے اور موقوف روایتوں نیز تعامل صحابہؓ و توارث عملی کی بحث دوسرے حصہ کیلئے ملتوی کی جاتی ہے بلکہ مرفوع روایتوں میں بھی زیادہ تر بخاری و مسلم یا صحاح ستہ کی احادیث ہی سے استدلال کیا جائیگا۔ غیر صحاح ستہ کی بہ مشکل دو تین حدیثیں زیر بحث لائی گئی ہیں لیکن ان کی توثیق وصحت سے متعلق پوری وضاحت و تفصیل کردی گئی ہے تاکہ کسی کیلئے اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔ امید ہے کہ رسالہ ہذا منصف مزاج حضرات کیلئے بصیرت کا سبب ہوگا وما توفیقی الا باللہ۔

سب سے پہلے موضوع بحث کی تعیین ضروری ہے

تراویح کی رکعتوں کے سلسلہ میں جب بحث و تحقیق کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو سب سے پہلے جو بات ضروری ہوجاتی ہے وہ یہ ہے کہ اصل مبحث متعین اور واضح کرلیا جائے اور گفتگو کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے موضوع گفتگو واضح طریقہ پر

مقرر کیا جائے تاکہ کسی فریق کی بات سمجھنے میں کوئی طالب حق کسی طرح کی الجھن میں مبتلا نہ ہونے پائے اس سے ہم تراویح کی رکعتوں کے سلسلہ میں غیر مقلدین اور حنفیہ دونوں فریق کا موقف و مسلک انہیں کے الفاظ میں پیش کردینا ضروری سمجھتے ہیں۔

احناف کا موقف کیا ہے

علمائے محققین کی تصریح کے مطابق بالعموم حنفی کتابوں میں نماز تراویح کو سنت مؤکدہ بتایا گیا ہے اور اس کی بیس رکعتوں کو بھی سنت مؤکدہ ہی بیان کیا گیا ہے چنانچہ مراقی الفلاح علی ھامش طحاوی صفحہ ۲۳۵ پر ہے **وھی سنۃ مؤکدۃ** یہ سنت غیر کفایہ اور مؤکدہ ہے

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ تحریر فرماتے ہیں۔

اما صفتها فهی سنة كذا روی الحسن عن ابی حنیفة انه قال القیام فی شهر رمضان سنة لا ینبغی تركها و كذا روی عن محمد انه قال التراویح سنة الا انها لیست بسنة رسول الله صلی الله علیه وسلم .... لكن الصحابة واظبوا علیها فكانت سنة الصحابة.

تراویح کی حیثیت کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ سنت ہے جیسا کہ حسن بن زیاد نے ابو حنیفہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ رمضان کے مہینہ میں نماز تراویح سنت ہے جس کا ترک کرنا جائز نہیں اور اسی طرح کی بات امام محمد رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ تراویح سنت ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں ہے بلکہ صحابہ کرام نے اس پر مواظبت فرمائی ہے لہذا وہ صحابہ کی سنت ہے۔

(بدائع الصنائع ج اول صفحہ ۲۸۸)

ان تصریحات سے نماز تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا حنفیہ کے نزدیک بالکل واضح ہے لہذا بعض کتابوں میں جو اس کو نفل لکھ دیا گیا ہے وہ مذہب مختار کے خلاف ہے اور یا پھر نفل سے مراد ان حضرات کی بھی سنت مؤکدہ ہی ہے اس لئے کہ فقہائے

کرام کبھی کبھی غیر واجب پر نفل کا اطلاق کردیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نماز تراویح واجب نہیں ہے لہذا اس کو نفل کہا گیا تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ وہ غیر واجب ہے یعنی سنت مؤکدہ ہے نفل سے مراد سنت مؤکدہ بھی لیا جاتا ہے اس کی تصریح مولانا عبد الحی فرنگی محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

والنوافل جمع نافلة وهو لغة الزائدة ويطلق شرعا على صلوٰة ليست بفرض ولا بواجبة اعم من ان تكون سنة مؤكدة او مستحبا.

اور نوافل جمع ہے نافلہ کی، نافلہ کی معنی لغت میں زائدہ کے ہیں لیکن شریعت میں ایسی نماز پر اطلاق ہوتا ہے جو فرض اور واجب نہ ہو خواہ سنت موکدہ ہو یا مستحب۔

(عمدۃ الرعایہ صفحہ/۱۹۹)

اس وضاحت کے بعد یہ بات از خود واضح ہو جاتی ہے کہ نماز تراویح تمام حنفی حضرات کے یہاں سنت موکدہ ہے خواہ اس کو نفل یا مستحب سے یاد کیا گیا ہو یا صراحۃً سنت موکدہ ہی کا لفظ اس کے واسطے استعمال کیا گیا ہو دونوں کا مفہوم و مدلول ایک ہی ہے دونوں لفظوں کا اصطلاحی فرق اس جگہ ملحوظ نہیں ہے۔

ایک ضروری بات اس جگہ یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ نماز تراویح ہی کی طرح اس کی بیس رکعتیں بھی علمائے احناف کے نزدیک سنت موکدہ ہیں محققین کے نزدیک اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے صرف علامہ ابن ہمام حنفیؒ نے اس سے اختلاف کیا ہے ان کا خیال ہے کہ تراویح کی آٹھ رکعتیں تو سنت ہیں اور بقیہ بارہ رکعتیں مستحب ہیں۔ (دیکھئے فتح القدیر جلد اول صفحہ ۳۳۴)

لیکن ابن ہمام کی یہ رائے جمہور حنفیہ کے خلاف ہونے کے علاوہ دلائل کے لحاظ سے بھی قابل قبول نہیں ہے اسی لئے محققین علمائے احناف نے ان کی اس ذاتی رائے کو قبول نہیں کیا ہے اور ان کے اس تفرد کی پرزور تردید کردی ہے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل دو حوالے نقل کردینا کافی ہے۔ علامہ محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وذهب الشيخ ابن الهمام فی الفتح ١ . ٣٣٤ الیٰ ان الثمان من العشرين سنة والبقية مستحبة وذكر ان ذلك مقتضى الدليل ای الفرق بين سنتهٖ وسنة الخلفاء الراشدين وستعلم ما فيه وهٰذا قول لم يقل به احد. (معارف السنن جلد/٦ صفحه ٢٢٥ و٢٢٦)

شیخ بن ہمام فتح القدیر جلد/۱ صفحہ/۳۳۴ میں اس طرف گئے ہیں کہ آٹھ رکعتیں بیس میں سے سنت ہیں اور بقیہ مستحب ہیں اور انہوں نے بتایا ہے کہ دلیل کا تقاضہ یہی ہے یعنی حضورؐ کی سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کے مابین فرق یہی چاہتا ہے اور بہت جلد تم کو معلوم ہوجائیگی وہ کمزوری جو اس قول میں ہے اور یہ تو ایسی بات ہے کہ (حنفیہ میں سے) کسی نے نہیں کہی ہے۔

اسی طرح علامہ ابن ہمام کا رد کرتے ہوئے علامہ عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ومحققوهم يعرفونها بما واظب عليه الرسول او خلفاءه واليه يشير عبارات الفقهاء فی مواضع شتى وهو المستفاد من حديث عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين اخرجه ابو داؤد وابن ماجة فان كلمة عليكم تدل على اللزوم وكذا عطف سنة الخلفاء على سنتهٖ واليه اشار بعض اعيان دهلی فی كتابه ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء فما فی فتح القدير ندب الى سنة الخلفاء بهذا اللفظ لا يخلو عن شیء فعلیٰ هٰذا التعريف يكون السنة الموكدة هو عشرون ركعة.

(حاشيه هدايه صفحه/ ١٣١ جلد/اول)

اور محققین احناف سنت کی تعریف میں کہتے ہیں کہ یہ وہ عمل ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو یا آپ کے خلفاء نے مواظبت کی ہو اور اسی تعریف کی طرف مختلف مواقع پر فقہاء کرام کی عبارتیں اشارہ کرتی ہیں بلکہ یہی مفہوم علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین جس کی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے تخریج

کی ہے اس حدیث سے بھی سمجھا جاتا ہے کیونکہ لفظ ''علیکم'' لزوم پر دلالت کرتا ہے اسی طرح سنتی پر سنۃ الخلفاء کا عطف بھی لزوم ہی کا فائدہ دیتا ہے اور سنت کے اس معنی کی طرف دہلی کے بعض ممتاز علماء (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں اشارہ فرمایا ہے لہذا فتح القدیر میں جو یہ ہے کہ اس لفظ سے خلفاء کی سنت کو مستحب قرار دیا گیا ہے تو یہ کہنا ضعف سے خالی نہیں ہے لہذا اس تعریف کے پیش نظر سنت موکدہ بیس رکعت ہی ہوگی۔

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن ہمام کی رائے سے احناف کو اختلاف ہے اور جمہور کے مقابلہ میں ابن ہمام کی رائے ان کے یہاں معمول بہا نہیں ہے بلکہ از روئے دلیل بھی ابن ہمام کی رائے کمزور ہے لہذا ان وضاحتوں کے سامنے آجانے کے بعد احناف کا موقف تراویح کے سلسلہ میں یہی ہوگا کہ ان کے نزدیک نماز تراویح اور اس کی بیس رکعتیں دونوں سنت موکدہ ہیں۔

غیر مقلدین حضرات کا موقف کیا ہے؟

بالعموم غیر مقلدین علمائے کرام کا خیال نماز تراویح کے سلسلہ میں یہ ہے کہ وہ نماز نفل ہے سنت موکدہ نہیں ہے۔ نیز یہ کہ اس کی رکعتیں صرف آٹھ ہیں اور آٹھ سے زیادہ رکعتیں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور نہ ہی صحابہ کرام سے خصوصاً خلفائے راشدین سے تو ہرگز آٹھ سے زیادہ ثابت ہی نہیں چنانچہ مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارکپوری فرماتے ہیں:۔

قلت القول الراجح المختار الاقوى من حيث الدليل هو هذا القول الاخير الذى اختاره مالك لنفسه اعنى احدى عشرة ركعة وهو الثابت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بالسند الصحيح وبها امر عمر بن الخطابؓ واما الاقوال الباقية فلم يثبت واحد منها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بسند صحيح ولا ثبت الامر به

عن احد من الخلفاء الراشدين بسند خال عن الكلام.

میں کہتا ہوں راجح مختار اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ قوی بات یہی آخر والی ہے جس کو امام مالک نے اپنے واسطے پسند فرمایا ہے یعنی گیارہ رکعت اور یہی بسند صحیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے بلکہ اسی کا امر کرنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے اور باقی اقوال میں سے ایک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح ثابت نہیں اور نہ خلفائے راشدین میں سے کسی کا حکم ہی اس کے بارے میں ایسی سند سے ثابت ہو سکا ہے جو کلام سے خالی ہو۔ (تحفۃ الاحوذی صفحہ ۷۳/ جلد ۲)

بالکل یہی بات شرح وبسط کے ساتھ رسالہ رکعات تراویح میں حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری نے بھی کہی ہے اور حال میں مولوی احمد نامی ایک غیر مقلد صاحب نے اپنے رسالہ ''اظہار الحق الصریح صفحہ ۱۶'' پر تحریر فرمایا ہے۔

ہمارا کہنا ہے کہ تراویح نفل نماز ہے جس کا پڑھنا باعث ثواب ہے لیکن نہ پڑھنے سے کوئی گناہ نہیں ہوگا اور اس کی رکعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علاوہ وتر آٹھ رکعتوں سے زیادہ ثابت نہیں ہے۔

ان حوالوں سے صاف واضح ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک نماز تراویح ایک نفل نماز ہے اور اس کی رکعتیں صرف آٹھ ہیں، آٹھ سے زیادہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں نہ کسی صحابی سے بالخصوص خلفائے راشدین میں سے کسی سے بسند صحیح ہرگز ثابت نہیں ہے۔

علمائے غیر مقلدین کے موقف کی تنقیح

اس جگہ یہ بات اچھی طرح خیال کر لینا ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی سے آٹھ رکعت ثابت ہونے کا دعوی ایک دوسری چیز ہے اور صرف آٹھ کے ثابت ہونے کا دعوی یعنی آٹھ سے زیادہ کا انکار کرنا ایک دوسری چیز ہے دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے اس فرق کو ایک مثال کے ذریعہ ذہن نشین کیا

جاسکتا ہے مثلاً زید کے پاس کچھ روپے ہیں جس کے متعلق خالد کا دعوی ہے کہ صرف آٹھ روپے ہیں آٹھ سے زائد روپے ہرگز زید کے پاس نہیں ہیں۔ محمود کا دعوی ہے کہ زید کے پاس آٹھ روپے ضرور ہیں اب زید کی تلاشی لی گئی تو بیس روپے نکل آئے ایسی صورت میں خالد کے دعوی کا باطل ہونا تو بالکل ظاہر ہے لہذا خالد کا دعوی غلط ہو کر رہ جاتا ہے لیکن زید کے پاس بیس روپے نکل آنے سے محمود کے دعوی پر کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ بیس میں بہر حال آٹھ روپے بھی موجود ہیں جو محمود کا دعوی ہے لہذا اسکا دعوی اپنی جگہ درست ہے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ کسی وقت زید کے پاس آٹھ ہی روپے ہوں گے اگر چہ اس وقت بیس ہیں لہذا محمود کا دعوی پہلی حالت کے لحاظ سے اپنی جگہ درست ہے اس مثال کے ذہن نشین ہوجانے کے بعد یہ سمجھ لینا چاہیے کہ غیر مقلدین حضرات کا دعوی محمود کی طرح یہ نہیں ہے کہ آٹھ رکعتیں ثابت ہیں بلکہ خالد کی طرح ان کا دعوی یہ ہے کہ آٹھ رکعتوں سے زیادہ ثابت ہی نہیں ہے لہذا ایک مرتبہ بھی دس یا بارہ یا چودہ یا سولہ یا اٹھارہ یا بیس رکعتیں ثابت ہوجانے سے غیر مقلدین حضرات کے دعوی کا باطل اور غلط ہوجانا بالکل واضح ہوجائیگا۔ اگر یہ فرق آپ نے محسوس کرلیا ہے تو آئندہ صفحات میں آپ دیکھیں گے کہ غیر مقلدین حضرات کے اس دعوی حصر کی وجہ سے کتنی صحیح مرفوع متصل حدیثوں کی تکذیب ہوتی ہے اور کتنی روایتوں کا انکار لازم آتا ہے۔

ایک ضروری تنبیہ

غیر مقلدین حضرات اپنی دلیل میں سب سے وزن دار روایت جو پیش فرماتے ہیں وہ ہے حدیث عائشہؓ جس کا تذکرہ اگلے صفحہ پر آرہا ہے لیکن ان حضرات نے اس روایت کے سہارے ایک مغالطہ بھی مختلف موقع پر دینے کی کوشش فرمائی ہے لہذا اس کا ازالہ ضروری ہے مغالطہ یہ ہے کہ اس روایت کی وجہ سے وہ اپنے دعوی کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سر تھوپ کر یہ فرمادیتے ہیں کہ آٹھ رکعتوں میں حصر کا

دعوی تو ہم نے نہیں کیا ہے یہ دعوی تو حضرت عائشہؓ کا ہے۔ بنا بریں یہ بات سمجھ لینا ضروری ہوجاتا ہے کہ کسی بات کا روای وناقل ہونا اور چیز ہے اور اس بات کا مدعی ہونا ایک دوسری چیز ہے حضرت عائشہؓ کی حیثیت صرف راوی وناقل کی ہے مدعی کی حیثیت نہیں ہے اگر ہر راوی اپنی روایت کردہ بات کا مدعی قرار دیا جائیگا تو خاص اس حدیث تراویح کے سلسلہ میں بخاری ومسلم کی روایت میں تیرہ رکعت بھی حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اور راوی ومدعی کے فرق کے علاوہ ایک خاص بات حدیث عائشہؓ میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے گو کہ بفرض محال دعوی بھی اگر کیا ہے تو گیارہ میں حصر کا دعوی کیا ہے نہ کہ آٹھ میں۔ متن حدیث میں آٹھ کا لفظ تو ہے ہی نہیں، گیارہ کا لفظ ہے لہذا حصر بھی ثابت ہوگا تو گیارہ میں اور گیارہ میں حصر مان لینے کی صورت میں وتر کی رکعتیں بھی صرف تین ہی ہمیشہ پڑھنی ضروری ہوں گی اس سے کم وبیش جائز نہ ہوں گی حالانکہ غیر مقلدین حضرات اس بات کو تسلیم نہیں کرتے ہیں لہذا اپنی بات حضرت عائشہؓ کے سر تھوپنا محض فریب ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اب اظہار الحق الصریح صفحہ/۱۱ کی ان سطروں پر غور فرمائیے لکھتے ہیں:

”کوئی بھی حق وانصاف پسند اسے پڑھ کر یہی کہے گا کہ دعوی تو گیارہ سے زیادہ نہ پڑھنے کا حضرت عائشہؓ کا ہے جسے اہل حدیث بطور دلیل کے نقل کرتے ہیں“

معروضات بالا کو ذہن نشین کرلینے کے بعد اب غیر مقلدین حضرات کی دلیل ملاحظہ فرمائیے۔

نماز تراویح کے آٹھ رکعت میں حصر کی دلیل

فقالت ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد في رمضان ولا في غيره علىٰ احدى عشرة ركعة يصلي اربعا فلا تسال عن حسنهن وطولهن ثم يصلي اربعا فلا تسال عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلثا قالت عائشة فقلت يا رسول الله اتنام قبل ان توتر فقال يا

عائشة ان عینی تنامان و لا ینام قلبی.

(معلوم کرنے پر) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے چار رکعت ادا فرماتے تھے ان رکعتوں کی درازی اور عمدگی کا کیا کہنا ہے پھر چار رکعت ادا فرماتے تھے ان رکعتوں کی درازی اور عمدگی کا کیا کہنا ہے؟ اس کے بعد تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ: آپ وتر پڑھنے سے پہلے ہی سو جاتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا اے عائشہ! میری دونوں آنکھیں یقیناً سو جاتی ہیں لیکن میرا دل بیدار رہتا ہے۔ (بخاری جلد اول صفحہ ۱۵۴)

اس حدیث کے سلسلہ میں کسی طرح کی گفتگو کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس حدیث سے آٹھ رکعتوں میں حصر ثابت کرنے کیلئے مندرجہ ذیل باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

(۱) یہ ثابت ہونا ضروری ہے کہ یہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی اور ہمیشہ کا ہے اس کے خلاف ایک مرتبہ بھی آپ نے آٹھ سے زیادہ رکعتیں نہیں پڑھی ہیں ورنہ حصر ثابت نہ ہوگا۔

(۲) یہ بات بھی ضروری ہے کہ وتر کی نماز تین رکعتوں سے زیادہ پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی ثابت نہ ہو کیونکہ حدیث بالا سے گیارہ رکعتوں میں حصر سمجھا جاتا ہے جس میں تین رکعت وتر علیحدہ کر لینے سے تراویح کی آٹھ رکعت ثابت ہوتی ہے خود حدیث کے اندر آٹھ رکعت میں حصر نہیں مذکور ہے لہٰذا گیارہ پر ہی آٹھ کے حصر کا دار و مدار ہو جاتا ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ وتر کی رکعتیں تین سے زیادہ کبھی ثابت نہ مانی جائیں ورنہ استدلال غلط ہو جائے گا۔

(۳) یہ بات بھی ثابت ہونی ضروری ہے کہ حدیث بالا میں جس نماز کو حضرت عائشہؓ نے بتایا ہے وہ نماز تراویح ہے جو در حقیقت نماز تہجد ہی کا دوسرا نام ہے

اس طرح نماز تہجد اور نماز تراویح دونوں ایک ہی نماز ہے ورنہ دونوں نمازوں کو الگ الگ ماننے کی صورت میں اس بات کا قوی امکان ہو جاتا ہے کہ اس حدیث میں نماز تہجد کا ذکر ہو نہ کہ تراویح کا اور پھر تراویح پر اس سے استدلال کرنا غلط ہو جائے۔

(۴) یہ ثابت ہونا بھی ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری معمول یہی تھا کیوں کہ صحیح حدیثوں سے اس سے زیادہ رکعتوں کا پڑھنا معلوم ہوتا ہے پھر حصر کیسے باقی رہے گا لہٰذا حصر کے باقی و ثابت رکھنے کی صرف یہی ایک صورت ہوگی کہ حدیث بالا کو پہلی تمام حدیثوں کے لئے ناسخ مانا جائے اور اسی کو آخری معمول قرار دیا جائے۔

(۵) حدیث بالا میں کسی طرح کا ضعف یا اور کوئی فنی عیب نہ ہو کیوں کہ اگر ضعف یا اور کوئی اسی طرح کا عیب نکل آیا تو اس حدیث سے استدلال ہی درست نہ ہوگا اور پھر حصر کا دعوی غلط ہو جائے گا۔

مذکورہ بالا پانچ باتوں پر غور کرنا غیر مقلدین کے استدلال کی صحت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ ہم سب سے پہلے نمبر ۵ کے سلسلہ میں کچھ عرض کرتے ہیں اس کے بعد دوسرے نمبر پر حسب ضرورت گفتگو ہوگی۔

حدیث عائشہؓ سے استدلال کرنا ضعف سے خالی نہیں ہے

غیر مقلدین حضرات کا مذکورہ بالا روایت سے استدلال کرنا اس لئے ضعیف ہے کہ اس حدیث کی دو حیثیت ہے ایک سند کے لحاظ سے اس کا صحیح ہونا، دوسرے متن اور مضمون حدیث کا صحیح ہونا، جہاں تک سند کی صحت کا تعلق ہے تو اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی سند بالکل صحیح ہے اور بخاری و مسلم میں ہونا ہی اس کی سند کی صحت کے لئے بہت بڑی ضمانت ہے لہٰذا بلحاظ سند یہ روایت بے غبار ہے لیکن جہاں تک متن اور مضمون حدیث کی حیثیت کا تعلق ہے تو اس کی صحت میں محدثین کو سخت کلام ہے حتیٰ

کہ متن حدیث کی کمزوری اور نقص کی وجہ سے بعض محدثین اس روایت کو مضطرب یعنی ضعیف قرار دیتے ہیں جیسا کہ یہ بات حوالہ کے ساتھ اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔
رہی بات کہ کسی حدیث کا بہ لحاظ سند صحیح ہونا دوسری چیز ہے اور بلحاظ متن صحیح ہونا ایک دوسری چیز ہے دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم نہیں ہیں تو یہ محدثین کا ایک مسلمہ اصول ہے اگر غیر مقلدین حضرات کو اس کے تسلیم کرنے میں تذبذب ہو تو مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کے یہ حوالے بغور ملاحظہ فرمائیں۔ تحریر فرماتے ہیں:

سلمنا صحة اسناده لكن قد تقرر ان صحة الاسناد لا يستلزم صحة المتن. (ابكار المنن صفحه/ ٢٠)

ہم کو اسناد کا صحیح ہونا مسلم ہے مگر ثابت ہو چکا ہے کہ اسناد کے صحیح ہونے سے متن کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔

دوبارہ پھر فرماتے ہیں:

كون رجال الحديث ثقات لا يستلزم صحته.

(ابكار المنن صفحه/ ٤٩)

رجال حدیث کے ثقہ و معتبر ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔

آگے چل کر اسی کتاب میں پھر فرماتے ہیں:

ومن المعلوم ان حسن الاسناد او صحته لا يستلزم حسن الحديث او صحته. (ابكار المنن صفحه/ ٦٤)

اور معلوم ہے کہ اسناد کے حسن یا صحیح ہونے سے لازمی طور پر حدیث حسن یا صحیح نہیں ہو جاتی۔

اسی اصول کی ایک مرتبہ اور اسی کتاب میں وضاحت فرماتے ہیں:

ومن المعلوم ان صحة السند لا يستلزم صحة المتن.

(ابكار المنن صفحه/ ٤٠٢)

اور معلوم ہے کہ سند کی صحت متن کی سند کو مستلزم نہیں۔

اس تاکیدی اصول حدیث کے پیش نظر حدیث عائشہؓ کا بلحاظ سند صحیح ہونا تو تسلیم ہے لیکن بہ لحاظ متن وہ حدیث مضطرب ہے جیسا کہ بعض محدثین کا خیال ہے لہٰذا اس ضعیف روایت سے کسی طرح حصر پر استدلال کرنا صحیح نہ ہوگا۔ رہی یہ بات کہ یہ روایت بخاری و مسلم کی ہے تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ بخاری و مسلم کی حدیث کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ روایت کا متن و مضمون بھی اپنے ظاہری معنی پر باقی رہتے ہوئے بالکل صحیح ہو جائے بلکہ اس کی سند کا صحیح ہونا بھی اس کیلئے کافی ہو سکتا ہے۔ خیال رہے کہ یہ بات خاص حدیث عائشہؓ کے ہی سلسلہ میں نہیں کہی جارہی ہے بلکہ بخاری کی بعض دوسری حدیثیں بھی اس انداز کی ہیں کہ ان کا متن اپنے ظاہری مفہوم و مراد سے اگر نہ ہٹایا جائے اور ان کے معانی میں کوئی تاویل و توجیہ نہ کی جائے تو وہ مضمون اور متن حدیث نہ صرف ضعیف بلکہ بالکل غلط ہو جاتے ہیں۔ بطور مثال اس وقت صرف ایک روایت پیش خدمت ہے۔ بخاری جلد ثانی میں تعلیقاً یہ روایت موجود ہے:

عن ابن المسيب قال وقعت الفتنة الاولىٰ يعنى مقتل عثمان فلم تبق من أصحاب بدر احداً ثم وقعت الفتنة الثانية يعنى الحرة فلم تبق من اصحاب الحديبية احداً. (بخاری جلد/ ٢ صفحه/ ٥٧٣)

حضرت ابن مسیب سے مروی ہے کہ پہلے فتنہ یعنی شہادت عثمانؓ کے واقعہ نے بدری صحابہ میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ پھر دوسرے فتنہ یعنی واقعۂ حرہ نے شرکائے حدیبیہ میں سے ایک صحابی کو بھی نہ چھوڑا۔

دیکھئے کتنی صراحت کے ساتھ اس روایت میں یہ دونوں باتیں مذکور ہیں:

(۱) شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بدری صحابہ میں سے ایک بھی زندہ نہ رہا۔

(۲) واقعۂ حرہ کے بعد صلح حدیبیہ کا شریک کوئی صحابی زندہ نہ رہا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں بالکل یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ غلط ہیں۔ شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے بہت بعد تک بدری صحابہ میں سے مندرجہ ذیل صحابہ کرام زندہ تھے: حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بدری ہیں لیکن شہادت عثمانؓ کے بعد جنگ جمل

میں شہید ہوئے ہیں۔ اسی طرح حضرت عمار بن یاسر، حضرت علی، اور حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہم سب کے سب بدری ہیں لیکن واقعۂ اولی یعنی شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بہت بعد جنگ صفین تک بقید حیات تھے۔ ایسے ہی عبداللہ بن عمر، سلمۃ بن الاکوع، زید بن خالد الجہنی، زید بن ارقم رضی اللہ عنہم یہ تمام صحابہ بیعت رضوان یعنی صلح حدیبیہ کے اندر شریک رہ چکے تھے لیکن واقعۂ حرہ کے بعد تک ان میں سے ہر ایک صحابی زندہ موجود تھا۔ حضرت سلمۃ بن الاکوع کی وفات ۷۳ھ میں ہوئی دیکھئے تہذیب التہذیب جلد/۴ صفحہ/۱۵۰۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال بھی ۷۳ھ میں ہوا، دیکھئے تہذیب التہذیب جلد/۵ صفحہ/۲۲۸۔ اور زید بن ارقم اور زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہما کا انتقال بھی تقریباً ۶۸ھ میں واقعہ حرہ کے بہت بعد ہوا ہے لہذا ان حقائق کے پیش نظر ابن مسیب کی روایت ہی کی طرح حدیث عائشہؓ کے ظاہری حصر میں کوئی نہ کوئی توجیہ وتاویل کرنی ہوگی ورنہ متن حدیث کے اضطراب کی وجہ سے حدیث عائشہؓ کو ضعیف کہنا پڑے گا۔ چنانچہ جن محدثین نے حضرت عائشہؓ کی ان روایتوں کو اور دوسرے صحابہ کی ان حدیثوں کو جن میں گیارہ کے بجائے تیرہ یا اس سے زائد رکعتوں کا پڑھنا مذکور ہے سامنے رکھ کر دونوں کے درمیان تاویل وتوجیہ کے ذریعہ اختلاف وتضاد دور نہیں فرمایا ہے ان محدثین نے حدیث عائشہؓ کو رکعتوں کے سلسلہ میں مضطرب اور ضعیف قرار دیدیا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ زرقانی اور علامہ بدر الدین عینی رحمہم اللہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:

وقال القرطبی اشکلت روایات عائشة علی کثیر من اھل العلم حتی نسب بعضھم حدیثھا الی الاضطراب.

(فتح الباری ج/۵ ص/۶۰۱)

علامہ قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایتیں بہت سے اہل علم کے لئے دشواری کا سبب بن گئی ہیں حتی کہ بعض اہل علم نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کو

مضطرب ہی قرار دیدیا ہے۔

یہی بات علامہ زرقانی اور عینی نے بھی تحریر فرمائی ہے دیکھئے عمدۃ القاری ج/۷ ص/۱۸۷ بلکہ ان حضرات کے علاوہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے، فرماتے ہیں:

واھل العلم یقولون ان الاضطراب عنھا فی الحج والرضاع وصلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل وقصر صلاۃ المسافر.

اہل علم کا ارشاد ہے کہ حج کے مسئلہ میں اور رضاعت کے مسئلہ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے مسئلہ میں اور مسافر کی نماز کے قصر کے مسئلہ میں حضرت عائشہؓ سے اضطراب ہوا ہے۔

(تنویر الحوالک ص/۱۴۲ جلد اول، وعمدۃ القاری ص/۱۸۷ جلد/۷)

اسی بات کی طرف امام نووی رحمۃ اللہ علیہ بھی اشارہ فرما رہے ہیں:

واما الاختلاف فی حدیث عائشة فقیل ھو منھا وقیل من الرواۃ عنھا.

حدیث عائشہؓ کے اختلاف واضطراب کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ سے اضطراب ہوا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے روایت کرنے والوں سے اضطراب ہوا ہے۔ (نووی ج/۱ ص/۲۵۳)

اضطراب کسی سے ہوا ہو بہر حال اضطراب موجود ہے اب اس اضطراب واختلاف کو کسی تاویل وتوجیہ سے اگر دور نہ کیا جائے جیسا کہ اکثر محدثین نے کیا ہے تو پھر اس بات کے تسلیم کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ حدیث عائشہؓ ضعیف ہے جیسا کہ حوالجات بالا سے بعض محدثین کا موقف معلوم اور واضح ہوتا ہے لہذا حصر کے ساتھ حدیث عائشہؓ سے استدلال کرنا غیر مقلدین حضرات کیلئے کسی طرح درست نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ حدیث مضطرب ہے یعنی ضعیف ہے جس سے استدلال جائز نہیں، اضطراب اور ضعف کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے ہی مروی ہے:

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي بالليل ثلث عشرة ركعة ثم يصلي اذا سمع النداء بالصبح ركعتين خفيفتين (بخاری ج/۱ ص/۱۵۶، ومؤطا مالک مع تنویر ج/۱ ص/۱۴۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت تیرہ رکعت پڑھتے تھے پھر جب صبح کی اذان سنتے تو دو رکعت ہلکی پھلکی پڑھ لیتے تھے۔

یہی حدیث تھوڑے بہت الفاظ کے اختلاف کے ساتھ مسلم مع نووی جلد اول ص/۲۵۴ نیز مشکوۃ ص/۱۱۱ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس میں پوری صراحت کے ساتھ یہ بات مذکور ہے کہ فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ تیرہ رکعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے اس کے علاوہ بھی حضرت عائشہؓ کے متعلق بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جن سے صراحتاً رکعتوں میں اختلاف ظاہر ہوتا ہے۔ ان حدیثوں میں سے بعض کا ذکر اپنے مقام پر آئیگا۔ بہرحال ان وجوہ کے پیش نظر بعض محدثین نے حدیث عائشہؓ کو مضطرب قرار دیا ہے لیکن اکثر محدثین اضطراب کو دور کرنے کے لئے مختلف تاویل وتوجیہ کرتے ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والصواب ان كل شيء ذكرته من ذلك محمول علىٰ اوقات متعددة واحوال مختلفة

صحیح بات تو یہ ہے کہ جو کچھ حضرت عائشہؓ نے نقل فرمایا ہے وہ مختلف اوقات متعدد واقعات پر محمول ہوگا۔ (فتح الباری ج/۳ ص/۱۴)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

فان الحديث الاول اخبار عن صلاته المعتادة الغالبة والثاني اخبار عن زيادة وقعت في بعض الاوقات. (تنویر الحوالک ص/۱۴۲ ج/۱)

یقیناً حضرت عائشہؓ کی پہلی روایت میں اکثری معمول اور عادت غالبہ کا بیان

ہے اور دوسری روایت میں اس زیادتی کا تذکرہ ہے جو کبھی کبھی وقوع میں آتی تھی۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان اخبارها باحدى عشرة هو الاغلب وباقي رواياتها اخبار منها كان يقع نادراً في بعض الاوقات (نووی جلد/۱ ص/۲۵۳)

بلاشبہ حضرت عائشہؓ کا گیارہ رکعت نقل کرنا اکثر حالت سے متعلق ہے اور ان کی دوسری روایتوں میں اس (زیادتی) کا ذکر ہے جو بعض وقت اور کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔

اکثر محدثین جنہوں نے حدیث عائشہ کے اضطراب کو غلط قرار دیا ہے انہوں نے اضطراب کو دور کرنے کے لئے یہی توجیہ اختیار فرمائی ہے اور اس کے علاوہ دوسری توجیہات وتاویلات کا تذکرہ بھی کیا ہے لیکن وہ قابل قبول اور کچھ زیادہ مضبوط نہیں ہیں۔ تمام نشیب وفراز پر نگاہ ڈالنے کے بعد سب سے زیادہ قوی ومضبوط توجیہ یہی ہے کہ گیارہ رکعت پڑھنا اکثری معمول قرار دیا جائے اور تیرہ یا اس سے زائد پڑھنا بھی ثابت تسلیم کیا جائے مگر وہ بعض وقت اور کبھی کبھی پڑھنے کا معمول سمجھا جائے۔ بہرحال آٹھ رکعت میں حصر صرف انہیں لوگوں کے نزدیک درست ہے جو حضرت عائشہؓ کو مضطرب قرار دیتے ہیں ورنہ تمام محدثین اس حصر کو جو سرسری طریقہ پر حدیث عائشہؓ سے مفہوم ہوتا ہے غلط ہی قرار دیتے ہیں اور اس میں تاویل وتوجیہہ ضرور کرتے ہیں۔

حدیث عائشہ کے خلاف خود حضرت عائشہؓ کی دوسری روایتوں کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ کی روایت کردہ حدیثیں بھی ہیں مثلاً حضرت ابن عباسؓ کی روایت جو بخاری ومسلم دونوں میں ہے بلکہ صحیحین کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے:

(۱) **عن كريب ان ابن عباس اخبره انه بات عند ميمونة وهي خالته فاضطجعت في عرض الوسادة واضطجع رسول الله صلى الله عليه وسلم واهله في طولها فنام حتى انتصف الليل او قريباً منه فاستيقظ يمسح النوم عن وجهه ثم صلى ركعتين ثم**

رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم اوتر ثم اضطجع حتی جاءه المؤذن فقام فصلی رکعتین ثم خرج فصلی الصبح .

(بخاری اول ص/۱۳۵)

حضرت کریب راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو بتایا ہے کہ وہ اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس رات کے وقت تھے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں تکیہ کے عرض میں لیٹ رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زوجہ محترمہ تکیہ کے طول میں محو استراحت ہوگئیں، حضورؐ سو گئے حتی کہ جب آدھی رات یا اس سے قریب گذر گیا تو آپ بیدار ہوئے اور چہرے سے نیند دور فرمائی پھر دو رکعت پڑھی پھر دو رکعت پڑھی اس کے بعد دو رکعت پڑھی اس کے بعد پھر دو رکعت پڑھی پھر دو رکعت پڑھی اس کے بعد پھر دو رکعت پڑھی تب پھر وتر پڑھ کر لیٹ گئے یہاں تک کہ جب موذن آپ کی خدمت میں آیا تو آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعت پڑھ کر صبح کی فرض نماز ادا فرمائی

یہ حدیث مسلم مع نووی ج/۱ص/۲۶۰ نسائی ص/۲۴۱ موطا مالک مع تنویر ج/۱ص/۱۴۲ نیز ابوداؤد وغیرہ میں ہے علامہ عینی فرماتے ہیں ورواہ الائمۃ الستۃ ج/۷ ص/۲۰۳ یعنی اس حدیث کو صحاح ستہ میں سارے ائمہ نے نقل فرمایا ہے:

اس حدیث میں سنت فجر اور سنت عشار کے علاوہ بارہ رکعت پڑھنے کی صراحت موجود ہے، ابن عباسؓ کی اس مرفوع متصل روایت کے علاوہ زید ابن خالد الجہنی کی یہ روایت بھی حدیث عائشہ کے حصر کو باطل کر دیتی ہے۔

(۲) عن زید بن خالد الجهنی انه قال لارمقن صلاة رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی رکعتین خفیفتین ثم صلی رکعتین طویلتین طویلتین ثم صلی رکعتین وهما دون اللتین قبلهما ثم صلی رکعتین وهما دون اللتین قبلهما ثم صلی رکعتین وهما دون اللتین قبلهما ثم صلی رکعتین وهما دون اللتین قبلهما ثم اوتر فذلك

ثلث عشرة رکعة. (مسلم مع نووی ج/۱ ص/۲۶۲)

حضرت زید بن خالد جہنی سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں آج رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ضرور غور سے دیکھوں گا فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے دو رکعت معمولی نماز پڑھی اس کے بعد دو رکعت لمبی دراز یعنی بہت لمبی نماز ادا فرمائی اس کے بعد پھر دو رکعت پڑھی جو پہلی دو رکعت سے کم دراز تھی اس کے بعد پھر دو رکعت پڑھی جو اس کے پہلے والی سے کم دراز تھی اس کے بعد دو رکعت اور پڑھی جو اس کے پہلے والی سے دراز کم تھی پھر اس کے بعد دو رکعت پڑھی جو اس پہلے والی سے دراز کم تھی، پھر وتر ادا فرمایا تو یہ کل تیرہ رکعت ہوئیں۔

یہ روایت بھی مسلم کے علاوہ موطا مالک[1] مع تنویر ج/۱ص/۱۴۳ مشکوۃ ص/۱۰۶ ابوداؤد و نسائی، ابن ماجہ اور شمائل ترمذی وغیرہ میں موجود ہے۔ دیکھئے عمدۃ القاری ج/۷ص/۲۰۳

اس حدیث میں بھی علاوہ سنت فجر و سنت عشار بارہ رکعت پڑھنا مذکور ہے، سنت فجر اور سنت عشار اس میں شامل نہیں ہے دیکھئے تحفۃ الاحوذی ج/۲ص/۳۷ اور سنت فجر یا عشار کا شامل کرنا حدیث کے ظاہر الفاظ کے خلاف بھی ہے کیوں کہ زید بن خالد رضی اللہ عنہ نے قصداً جس نماز کے دیکھنے کا ارادہ فرمایا تھا وہ ان کے الفاظ میں رات کی نماز ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فجر کے وقت کے پہلے ہی وہ نماز پڑھی گئی تھی لہذا سنت فجر کو اس میں شامل کرنا زبردستی کی بات ہے اور سنت عشار تو کوئی مخفی نماز نہ تھی کہ خواہ مخواہ حضرت زید اس کے دیکھنے کا قصداً اہتمام فرماتے اب یہ بھی غور فرمائیے کہ تیرہ رکعت تک جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں ان میں محدثین کی طرف سے

---

[1] موطا کے راویوں میں یحیی بن یحیی نامی ایک راوی ہیں جن سے روایت میں دو غلطیاں ہوگئی ہیں اول یہ کہ پہلی دو رکعتوں میں انہوں نے خفیفتین کی جگہ طویلتین کہہ دیا ہے اور دوسری غلطی یہ ہے کہ انہوں نے طویلتین دو مرتبہ کے بجائے تین مرتبہ کہہ دیا ہے اس میں یحیی کا کوئی متابع نہیں ہے اور یہ ان کی غلطی ہے۔ لہذا ہمارے استدلال پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا (دیکھئے تنویر الحوالک ج/۱ص/۱۴۳)

اس قسم کی تاویل وتوجیہ پیش کی گئی ہے:

(۱) دو رکعت عشار کی سنت بھی اس میں شامل کرلی گئی ہے

(۲) دو رکعت فجر کی سنت کو اس میں شمار کرلیا گیا ہے۔

(۳) وتر تین رکعتوں سے زیادہ پڑھی گئی تھی اس لئے تیرہ رکعتیں ہوگئیں ورنہ اصل نماز تو آٹھ ہی رکعت تھی لہذا رکعتوں کی زیادتی وتر میں ہوئی ہے نہ کہ تراویح میں۔

(۴) تراویح کی آٹھ رکعتوں سے قبل معمولی دو رکعت پڑھنے کا معمول تھا لیکن چونکہ وہ آٹھ لمبی رکعتوں سے مختصر ہوتی تھیں اس لئے بعض میں ان کا ذکر نہیں کیا اور بعض حدیثوں میں ان کا ذکر کردیا گیا اس لئے آٹھ سے زیادہ رکعت ہوگئی ہے۔ اسی قسم کی تاویلات غیر مقلدین حضرات کی طرف سے بھی پیش کی جاتی ہیں چنانچہ مولوی علی احمد صاحب اظہار الحق الصریح ص/۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں:

رہا تیرہ تو اس کے متعلق جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں محدثین کرام برابر صراحت کرتے چلے آئے ہیں کہ تیرہ رکعتوں میں بعض جگہ تو خود ہی حضرت عائشہ نے صراحت کردی ہے فجر کی دو رکعت سنتوں کو لے کر تیرہ رکعتیں پڑھیں جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے حضرت عائشہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے متعلق پوچھا گیا **فقالت سبع وتسع واحدیٰ عشرۃ سوی رکعتی الفجر** یعنی انہوں نے بتلایا کہ سات اور نو اور گیارہ فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ تھی اس کے بعد ہی بخاری میں دوسری حدیث ہے **یصلی من اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ منہا الوتر ورکعتی الفجر** یعنی تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے ان میں وتر اور فجر کی دو رکعتیں بھی ہوتی تھیں کہیں فجر کے علاوہ تیرہ رکعتوں کا ذکر ہے تو اس میں فرض عشار کے بعد سنتوں کو بھی شمار کرلیا گیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں پڑھا کرتے

تھے اس کی اور بھی کئی صورتیں ہیں جن سے گیارہ سے زیادہ کا حصر باطل نہیں ہوتا'' انتہی بلفظہ۔

مولوی علی احمد صاحب نے اسی بات کو دوبارہ اپنی کتاب کے صفحہ/۳۷ وصفحہ/۳۸ پر ذکر فرمایا ہے لیکن احمد صاحب کی یہ ساری تاویلیں غلط اور بے سود ہیں جس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

اوّلاً

اس لئے کہ گذشتہ صفحات میں بخاری ودیگر کتابوں کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ والی حدیث میں صراحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ بارہ رکعتیں وتر اور سنت فجر کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً آدھی رات کے وقت خواب سے بیدار ہوکر پڑھی ہیں لہذا سنت فجر کے شامل کرنے کا تو سوال ہی ختم ہوجاتا ہے رہی سنت عشار کو شامل کرنے کی تاویل تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ عشار کی سنت کو بھی اس حدیث میں شامل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ خواب سے بیدار ہوکر تقریباً آدھی رات کے وقت عشار کی سنت کا ادا کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے پھر زبردستی اس روایت میں اس کو شامل کرنا ایک بے بنیاد اور بالکل بے ثبوت بات ہوگی، البتہ کوئی غیر مقلد اگر سنت عشار کو آدھی رات کے وقت خواب سے بیدار ہوکر پڑھنا ثابت کردے تو اس روایت میں اس کا شامل کرنا درست تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

ثانیاً

زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت میں صراحت موجود ہے کہ پہلی دو رکعتیں جو معمولی اور ہلکی ہوتی تھیں وہ عشار کے متصل نہیں پڑھی گئی تھیں بلکہ تراویح یا تہجد میں انہیں لمبی لمبی دس رکعتوں کے ساتھ ادا کی گئی تھیں کیا مولوی علی احمد یا کوئی دوسرے غیر مقلد صاحب کسی صحیح روایت سے اس بات کا ثبوت فراہم کرسکتے ہیں کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی تہجد کے ساتھ ملا کر عشاء کی سنت پڑھی ہے پھر محض کسی کے احتمال نکال دینے سے کوئی بات کیونکر درست ہو جائیگی جبکہ وہ بات ہی سرے سے بے ثبوت ہے علاوہ بریں عشاء کی سنت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ میں ادا فرماتے تھے جہاں ازواج مطہرات بھی ہوتی تھیں اور راوی زید بن خالد ہیں جو غیر محرم ہیں تو کیا حجرہ میں سنت عشاء پڑھتے ہوئے زید بن خالد دیکھ رہے تھے اور آپ کی ازواج مطہرات زید بن خالد جہنی سے پردہ نہ فرمایا کرتی تھیں؟ ان امور کے علاوہ بعض باتوں کی طرف اشارہ پہلے بھی کر چکا ہوں جن کی وجہ سے زید بن خالد کی حدیث میں سنت عشاء کے شامل کرنے کی تاویل محض بے کار اور بے بنیاد احتمال کے سوا کچھ نہیں ٹھہرتی۔

ثالثاً

حدیث میں سنت عشاء کمرہ میں پڑھنا تو ثابت ہے جیسا کہ بخاری وغیرہ میں آتا ہے **ورکعتین بعد العشاء فی بیتہ** بخاری ج ۱/ص ۱۵۷ یعنی دو رکعت بعد نماز عشاء اپنے حجرہ میں ادا فرمایا کرتے تھے لیکن یہ بات تو کسی حدیث سے ثابت کرنا مشکل ہے کہ سو کر اٹھنے کے بعد عشاء کی سنت ادا فرماتے تھے یا تہجد اور تراویح کے ساتھ آدھی رات میں ادا فرماتے تھے۔

رابعاً

مسلم مع نووی ج ۱/ص ۲۵۴ اور دوسری کتابوں میں حضرت عائشہؓ سے علاوہ سنت فجر جو تیرہ رکعت پڑھنا منقول ہے اس کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے **یصلی ثمان رکعات ثم یوتر ثم یصلی رکعتین وھو جالس فاذا اراد ان یرکع قام فرکع ثم یصلی رکعتین بین النداء والاقامۃ من صلوۃ الصبح** یعنی دو رکعتیں وتر کے بعد بیٹھ کر ادا فرمائی جاتی تھیں لہٰذا عشاء کی سنت کو ان

تیرہ رکعتوں میں شامل کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ وتر کے بعد بھی عشاء کی سنت پڑھنا درست ہے، کیا بعد وتر عشاء کی سنت بیٹھ کر پڑھنے کا جواز کسی صحیح حدیث سے غیر مقلد حضرات ثابت کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو خواہ مخواہ سنت عشاء کو ان تیرہ رکعتوں میں شامل کرنا زبردستی کی بات نہیں تو اور کیا ہے۔

خامساً

سنت عشاء کو ان رکعتوں میں شامل کرنے کی تاویل کے متعلق امام نووی فرماتے ہیں:

وتاوّلوا حدیث ابن عباس انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی منھا رکعتی سنۃ العشاء وھو تاویل ضعیف مباعد الحدیث۔

(مسلم مع نووی ج ۱/ص ۲۶۰)

لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ والی حدیث میں یہ تاویل کر لی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رکعتوں میں دو رکعت عشاء کی سنت بھی شامل کر لی تھی، یہ تاویل نہایت ضعیف ہونے کے علاوہ حدیث سے دور کر دینے والی بھی ہے۔

کیا غیر مقلدین حضرات اسی تاویل کو اختیار اور پسند فرماتے ہیں جو صرف یہ کہ حد درجہ کمزور ہے بلکہ عمل بالحدیث سے بھی دور کر دیتی ہے۔

سادساً

بارہ رکعت سنت عشاء وسنت فجر و وتر کے علاوہ پڑھنا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح خود حضرت عائشہؓ ہی کے ذریعہ مروی ہے تو پھر سنت عشاء یا سنت فجر کو اس میں شامل کرنا غلط ہونے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ مسلم مع نووی جلد اول ص ۲۵۶ ونسائی مجتبائی ص ۲۳۸ وبیہقی میں حضرت عائشہ سے یہ روایت موجود ہے:

اذافاتته الصلوٰة من الليل من وجع او غيره صلى من النهار ثنتى عشرة ركعة. (مسلم ج/۱ ص/۲۵۶)

فرماتی ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی تکلیف وغیرہ کی وجہ سے رات کی نماز رہ جاتی تھی تو آپ دن میں بارہ رکعت قضا کے طور پر پڑھا کرتے تھے۔

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ رات والی نماز چھوٹ جاتی تھی تو دن کے وقت ان کی قضا بارہ رکعت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے اس سے اظہر من الشمس ہوگیا کہ رات کی بارہ رکعتوں میں ہر وقت سنت عشار یا سنت فجر شامل نہیں ہوتی تھی بلکہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تراویح اور تہجد دو الگ الگ نماز ہیں کیونکہ تراویح کی قضا نہ پڑھی جاتی ہے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے[1] اس کے برخلاف تہجد کی قضا اس حدیث میں واضح طریقہ سے مذکور ہے لہذا ثابت ہوا کہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں اور دونوں کے احکام بھی الگ الگ ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ تیرہ رکعتوں والی احادیث میں یہ تاویل کرنا کہ وتر کی رکعتوں میں زیادتی ہوتی تھی یہ بھی بالکل غلط ہے کیوں کہ اس روایت میں نہ وتر کی رکعتوں کا کوئی ذکر ہے نہ اس کی قضا کا تذکرہ ہے پس معلوم ہوا کہ وہ زیادتی تراویح یا تہجد کی رکعتوں میں ہوتی تھی نہ کہ وتر کی اور وتر کی رکعتوں میں اضافہ اس لئے بھی غلط ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں بحوالہ بخاری سات اور نو رکعتوں کا پڑھنا بھی وارد ہے لہذا جب اس کمی کو وتر کی رکعتوں میں تسلیم نہیں کیا جاتا تو اضافہ بھی وتر میں کیوں مانا جائے جبکہ ظاہر یہی ہے کہ کمی اور زیادتی دونوں ایک ہی نماز میں ہوا کرتی تھی بنابریں صحیح بات یہی ہے کہ اضافہ اور کمی کبھی جو وقوع میں آئی ہے وہ درحقیقت تراویح یا تہجد کی ہی رکعتوں میں ہوئی

[1] اور اگر کوئی غیر مقلد اسی حدیث سے تراویح کی قضا پر استدلال کرے تو اس سے کہا جائیگا کہ آٹھ رکعت میں تراویح کے حصر کا جو دعویٰ ہے پہلے اس کا غلط ہونا تسلیم کیجئے ورنہ آٹھ رکعت تراویح کی قضا کے ثبوت کے لئے کوئی دوسری حدیث پیش فرمائیے۔ ۱۲

ہے نہ کہ وتر میں لہذا بعض محدثین نے جو چار تاویلیں پیش فرمائی تھیں ان میں سے تین تو بالکل غلط اور بے بنیاد ثابت ہوئیں کیوں کہ وہ ہر جگہ نہیں چسپاں کی جاسکتی ہیں۔ البتہ آخری ایک توجیہ کچھ قوت رکھتی ہے اور بہتر معلوم ہوتی ہے چنانچہ متعدد محدثین نے اس کو راجح اور مختار بھی فرمایا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث عائشہؓ کے اضطراب کو بیان کرتے ہوئے اس کے دور کرنے کے لئے اس تاویل کا تذکرہ بایں الفاظ فرمارہے ہیں:

سياتى بعد خمسة ابواب ان رواية ابى سلمة عنها ان ذٰلك كان اكثر ما يصليه فى الليل ولفظه ماكان يزيد فى رمضان ولا غيره علىٰ احدى عشرة الحديث وفيه مايدل على ان ركعتى الفجر من غيرها فهو مطابق رواية القاسم واما ما رواه الزهرى عن عروة عنها كما سياتى فى باب ما يقرأ فى ركعتى الفجر بلفظ ان يصلى بالليل ثلاث عشرة فظاهره يخالف ما قدّم فتحتمل ان تكون اضافت الى صلوٰة الليل سنة العشاء لكونه يصليها فى بيته وما كان يفتتح به صلوٰة الليل فقد ثبت عند مسلم من طريق سعد بن هشام عنها انه كان يفتتها بركعتين خفيفتين وهٰذا ارجح فى نظرى لان رواية ابى سلمة التى دلت على الحصر فى احدى عشرة جاء فى صفتها عند المصنف وغيره يصلى اربعاً ثم اربعاً ثم ثلاثاً فدل على انها لم تتعرض للركعتين الخفيفتين وتعرضت لهما فى رواية الزهرى والزيادة من الحافظ مقبولة وبهذا يجمع بين الروايات. (فتح البارى ص/۶۰۱ ج/۵)

پانچ بابوں کے بعد قریب میں ہی ابوسلمہ کی روایت حضرت عائشہ سے آرہی ہے کہ گیارہ رکعت پڑھنا اکثری معمول تھا اس روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان یا غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھا کرتے تھے مگر زیر بحث روایت میں اس بات کی دلیل ہے کہ ان گیارہ رکعتوں

میں فجر کی سنت شامل نہ ہوتی تھی بنا بریں یہ روایت حضرت قاسم کی روایت کے مطابق ہے لیکن زہری نے جو عروہ کے واسطہ سے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے جس کا ذکر باب **ما یقرأ فی رکعتی الفجر** میں بایں الفاظ آرہا ہے کہ حضور رات میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے تو یہ حدیث بظاہر گذشتہ روایت کے خلاف ہے لیکن ممکن ہے حضرت عائشہ نے اس تیرہ والی روایت میں عشار کی سنت بھی شمار کرلی ہو کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشار کی سنت حجرۂ مبارکہ میں ہی پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عائشہ نے ان دو رکعتوں کو شامل کرلیا ہو جو صلوٰۃ اللیل کے شروع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے جیسا کہ مسلم کے اندر سعد بن ہشام نے خود حضرت عائشہؓ سے ہی اس بات کو روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز دو معمولی اور ہلکی رکعتوں سے شروع فرماتے تھے میری نگاہ میں یہی تاویل زیادہ راجح ہے اس لئے کہ ابوسلمہ کی روایت جس کے ذریعہ گیارہ رکعت کے حصر پر استدلال کیا جاتا ہے اسکی کیفیت امام بخاری اور دوسرے محدثین کے نزدیک یہ آئی ہے کہ پہلے چار رکعت پڑھتے تھے پھر چار رکعت پڑھتے تھے اس کے بعد تین رکعت پڑھتے تھے تو یہ چار چار کی کیفیت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عائشہؓ نے دو ہلکی رکعتوں کا جو ابتدار میں پڑھی جاتی تھیں ان کا تذکرہ ابوسلمہ کی گیارہ والی حدیث میں چھوڑ دیا ہے اور ان کا تذکرہ زہری والی حدیث میں کردیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ صحیح الحفظ راوی کی زیادتی قبول کرلی جاتی ہے نیز اس توجیہ کے ذریعہ حضرت عائشہ کی تمام روایتوں میں جمع و توفیق بھی ہو جاتی ہے۔

حافظ ابن حجر کے اس طویل بیان سے دو باتیں بالکل صاف طریقہ پر معلوم ہو جاتی ہیں:

پہلی بات تو یہ کہ حدیث عائشہ جس سے سرسری طریقہ پر گیارہ رکعتوں میں حصر سمجھا جاتا ہے وہ درحقیقت حصر نہیں ہے بلکہ اکثری معمول ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ سے جن روایتوں میں تیرہ رکعتیں منقول

ہیں ان میں راجح یہی ہے کہ سنت عشار یا سنت فجر شامل نہیں ہیں بلکہ وہ دو رکعتیں شامل ہیں جو صلوٰۃ اللیل کی ابتدار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے تاکہ چستی پیدا ہو جائے اور نیند کا غلبہ دور کرکے نشاط کے ساتھ بقیہ رکعتوں کو ادا کیا جاسکے ان دو رکعتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کبھی شمار کرلیا اور کبھی ان دو رکعتوں کو شمار نہیں کیا ہے، جن روایتوں میں تیرہ رکعتوں کا تذکرہ ہے ان میں یہ دونوں رکعتیں شامل کرلی گئیں ہیں اور جن میں گیارہ کا تذکرہ ہے ان میں یہ دونوں رکعتیں شمار نہیں کی گئی ہیں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ گیارہ کا حصر حقیقی نہیں ہے بلکہ وہ عادت غالبہ اور اکثری معمول کی ایک تعبیر ہے اس کو حقیقی حصر سمجھ کر زیادتی کا انکار کرنا غلط ہے یہی بات حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک راجح و مختار ہے دوسرے محدثین نے بھی اسی تاویل کو پسند فرمایا ہے چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری جو غیر مقلدین کے جلیل القدر عالم ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں:

فالاحسن فی الجواب ان یقال انه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یفتتح صلوته باللیل برکعتین خفیفتین کما فی هذا الحدیث وروی مسلم عن عائشةؓ قالت کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا قام من اللیل افتتح صلوته برکعتین خفیفتین وروی ایضاً عن ابی هریرة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال اذا قام احدکم من اللیل فلیفتتح صلوته برکعتین خفیفتین فقد عدّت هاتان الرکعتان الخفیفتان فصار قیام اللیل ثلث عشرة رکعة ولما لم تُعَدّ لما کان رسول اللّٰه علیه وسلم یخففهما صار احدی عشرة رکعة واللّٰه اعلم.

(تحفة الاحوذی ص/ ۷۴ ج/ ۲)

بہتر جواب یہی ہے کہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صلوٰۃ اللیل دو ہلکی رکعتوں سے شروع فرمایا کرتے تھے جیسا کہ اس حدیث زید بن خالد جہنی میں آیا ہے اور مسلم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم جب رات کی نماز میں کھڑے ہوتے تو اپنی نماز دو مختصر رکعتوں سے شروع فرماتے تھے۔ نیز مسلم ہی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ ان کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص صلوٰۃ اللیل کا ارادہ کرے تو نماز دو ہلکی رکعتوں سے شروع کرے لہذا جب ان دو ہلکی رکعتوں کو شمار کرلیا گیا تو قیام اللیل کی تیرہ رکعتیں ہوگئیں اور جب ان دونوں رکعتوں کو اس وجہ سے شمار نہ کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مختصر طریقہ پر ادا کرتے تھے تو قیام اللیل کی گیارہ رکعتیں ہوئیں۔

مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری کے اس بیان سے بھی وہی دونوں باتیں معلوم ہوئیں جن کا تذکرہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے تحت آچکا ہے لہذا اعادہ کی ضرورت نہیں ہے بالکل اسی خیال کا اظہار علامہ زرقانی نے حافظ بن حجر کے انداز میں فرمایا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

فیحتمل انہا اضافت صلوٰۃ الی اللیل سنۃ العشاء لانہ کان یصلیہا فی بیتہ او ما کان یفتتح بہ صلوٰۃ اللیل کما فی صحیح مسلم من طریق سعد بن ہشام انہ کان یفتتحہا برکعتین خفیفتین وھذا ارجح فی نظری۔ (تحفۃ الاخیار ص/٢١٢)

ممکن ہے حضرت عائشہؓ نے تیرہ والی حدیث میں عشاء کی سنت بھی شامل کرلی ہو اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے حجرہ میں ادا فرماتے تھے یا حضرت عائشہؓ نے تیرہ والی حدیث میں ان دو رکعتوں کو شمار کرلیا ہو جو رات کی نماز کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں سعد بن ہشام کے طریق سے مروی ہے کہ رات کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو معمولی رکعتوں سے شروع فرماتے تھے۔ یہی بات میرے خیال میں قابل ترجیح ہے۔

محدثین کی ان تصریحات سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ حضرت عائشہؓ کا حصر اپنے ظاہر حال پر باقی نہیں ہے جس کا غیر مقلد حضرات کو دعوی ہے بلکہ

جملہ محققین کے نزدیک کم از کم دس رکعتیں وتر نیز سنت فجر اور سنت عشاء کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنا ثابت ہے جس کا انکار کا مطلب بے شمار صحیح، مرفوع، متصل حدیثوں کی تکذیب کے سوا کچھ بھی نہیں ہے بنا بریں حصر کا دعوی باطل ہے اور آٹھ سے زائد رکعتوں کا ثابت ہونا جملہ محدثین کی نگاہ میں راجح اور صحیح ہے۔

غیر مقلدین کا دعوئ حصر باطل ہے!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رکعات کی تعداد کے متعلق جو مختلف روایتیں بسند صحیح منقول ہیں ان کے درمیان جمع وتطبیق کے سلسلہ میں محدثین نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ آپ ملاحظہ کرچکے جن کا حاصل یہی نکلتا ہے آٹھ رکعتوں میں حصر کا ماننا کسی حالت میں درست نہیں ہے اور کم از کم دس رکعتوں کا تسلیم کرنا ایک ناگزیر حقیقت ہے جن میں وہ دو رکعتیں بھی شامل ہیں جن کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد یا تراویح کی ابتداء فرمایا کرتے تھے اگرچہ بحوالہ مسلم بارہ رکعت کا رات میں پڑھنا اور کسی وجہ سے چھوٹ جانے کی صورت میں بارہ رکعت سے اس کی قضا کرنا گذر چکا ہے جس کے بعد آٹھ رکعت میں حصر کا دعوی علم حدیث سے بے خبری یا تجاہل عارفانہ ہی کہا جائے گا لیکن آئندہ صفحات میں آٹھ رکعت میں حصر کے دعوی کا باطل ہونا دوسری صحیح روایات کے ذریعہ بھی واضح کیا جائیگا اور اس وقت یہ بات روشن ہو جائیگی کہ محدثین نے جس تاویل کو قابل ترجیح اور احسن فرمایا ہے وہ اگرچہ دوسری تاویلوں کی نسبت سے ان کے کہنے کے مطابق ویسے احسن ہی ہے لیکن اس سے بھی بہتر اور بے غبار حقیقت وہی ہے جس کو حافظ ابن حجرؒ نے صواب فرمایا ہے یعنی یہ کہ مختلف اوقات اور متعدد واقعات پر رکعتوں کے اختلاف کو محمول کیا جائے اس طرح حضرت عائشہؓ کے علاوہ دیگر صحابہ کرام سے جو روایتیں مروی ہیں ان سب کے درمیان جمع وتطبیق ہو جائے گی اور سب روایتیں مختلف اوقات پر فٹ کرلی جائیں گی جس کے بعد اختلاف وتضاد کا کوئی سوال ہی باقی نہیں

رہتا ہے اگر حدیث میں لفظ کان کی وجہ سے دوام نظر آرہا ہو تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ لفظ ''کان'' ہمیشہ دوام واستمرار ہی کا معنی نہیں دیا کرتا ہے بلکہ ایک مرتبہ فعل کا وقوع پذیر ہو جانا بھی اس لفظ کے مفہوم کو ادا کر دیتا ہے چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فان المختار الذی علیه الاکثرون والمحققون من الاصولیین ان لفظة کان لا یلزم منها الدوام ولا التکرار وانما هی فعل ماضی یدل علی وقوعه مرة. (نووی ج/۱ ص/۲۵۴).

بلا شبہ مذہب مختار جس پر اکثر لوگ ہیں اور جو اصولیین میں سے محققین کا مذہب ہے وہ یہ ہے کہ لفظ کان کے لئے دوام وتکرار ضروری نہیں ہے بلکہ یہ لفظ تو فعل ہے جو ایک مرتبہ کے وقوع پر دلالت کرتا ہے اور بس۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ کان[1] صرف ایک بار وقوع فعل چاہتا ہے تو گویا یہ موجبہ جزئیہ ہے یعنی ایجاب وجزئی پر دلالت کرتا ہے لہٰذا ''ما کان'' جو اس کا سلب ہے وہ سالبہ جزئیہ اور جزئی نفی پر ہی دلالت کریگا بنا بریں ''ما کان'' سے دوام مراد لینا اسی طرح باطل ہے جس طرح سعید بن المسیب کی روایت میں لم تبق سے سلب کلی اور انکار مطلق مراد لینا غلط ہے بلکہ دونوں جگہوں پر اکثری حکم ہی مراد لینا درست ہے جیسا کہ محدثین نے اس کی صراحت کردی پھر ان بحثوں سے قطع نظر کرتے ہوئے درج ذیل باتوں پر غور کرنے سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ خود حضرت عائشہؓ دوامی عمل کیوں کر بیان فرماسکتی ہیں۔

(۱) حضرت عائشہؓ کے علاوہ دیگر ازواج مطہرات کے حجروں میں جب رات گذارنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معلوم اور ضروری معاملہ ہے تو پھر حضرت عائشہؓ ہمیشہ کے معمول پر کیسے مطلع ہو سکتی ہیں کہ وہ دوامی عمل

[1] اگر بالفرض لفظ ''کان'' سے دوام واستمرار سمجھا جائے گا تو تیرہ اور سولہ اور بیس رکعتوں والی روایتوں میں بھی یہ لفظ موجود ہے۔۱۲

روایت فرمائیں گی لہٰذا دوامی عمل کی نقل حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب کرنا خود حضرت عائشہؓ کے لئے خلاف شان ہے کیونکہ دوامی اطلاع کے بغیر دوام کی روایت کرنا غیر محتاط لوگوں سے تو ممکن ہے لیکن حضرت عائشہؓ کے لئے ہرگز مناسب نہیں ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر میں بسا اوقات کسی زوجۂ مطہرات خصوصاً حضرت عائشہؓ کے بغیر راتوں میں رہنا معلوم اور یقینی امر ہے، ظاہر ہے ان راتوں میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہوگی پھر حضرت عائشہؓ کا ہر رات کی رکعتوں پر مطلع ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہے ایسی صورت میں وہ ہر رات کی نماز کی رکعتوں کو اور دوامی معمول کو کیوں کر بیان فرمائیں گی؟

(۳) خاص حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں بھی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام دائمی طور پر بفرض محال تسلیم کر لیا جائے تب بھی ہمیشہ رات کی نماز کی رکعتوں کا ان کے علم میں آجانا مشکل بات ہے کیونکہ وہ خود فرماتی ہیں کہ بہت مرتبہ ایسا ہوا کہ حضورؐ ہمارے حجرہ میں رات کے وقت نماز میں مشغول ہوتے تھے اور میں بے خبر سوئی رہتی تھی حتیٰ کہ جب آپ وتر پڑھنا چاہتے تو مجھ کو اس وقت بیدار کردیتے اور میں بیدار ہو جاتی تھی اس وقت گھر میں چراغ بھی نہ ہوتا تھا غور کرنے کی بات ہے اندھیرے کمرہ میں سویا رہنے والا آدمی رکعتوں کی تعداد پر ہمیشہ مطلع کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لئے دوامی اطلاع کے بغیر حضرت عائشہؓ کی طرف اس کی روایت منسوب کرنا ان کی شانِ رفیع میں بہت بڑی جسارت ہے اور حضرت عائشہؓ کی تکذیب ہے کیونکہ وہ فرماتی ہیں:

کان یصلی صلوته باللیل وهی معترضة بین یدیه فاذا بقی الوتر ایقظها فاوترت. (مسلم ص/۲۵۵ ج/۱)

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضور رات کی نماز میں مشغول رہتے تھے اور وہ ان کے سامنے سوئی رہتی تھیں حتیٰ کہ جب صرف وتر باقی رہ جاتا تو حضور انکو بیدار کر دیتے اور وہ وتر ادا فرماتی تھیں۔

یہی حدیث بخاری میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے:

قالت كنت انام بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجلاى فى قبلته فاذا سجد غمزنى فقبضت واذا قام بسطتهما قالت والبيوت يومئذ ليس فيها مصابيح. (بخاری اول ص/٥٦)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوئی ہوتی تھی میرے دونوں پاؤں حضورؐ کے قبلہ کی جانب ہوتے تھے حضور سجدہ میں جاتے میرے پاؤں دبا دیتے میں اپنے دونوں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب حضورؐ کھڑے ہو جاتے میں اپنے دونوں پاؤں پھیلا دیتی تھی نیز حضرت عائشہؓ ہی کا بیان ہے کہ ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

یہ حدیث مؤطا امام مالک مع تنویر ص/١٣٩ جلد اول پر بھی موجود ہے کیا کوئی شخص ہوش وحواس قائم رہتے ہوئے حضرت عائشہؓ کی کسی روایت سے ان کے اس مستند بیان کے سامنے یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ انہوں نے حضور کا دائمی معمول نقل فرمایا ہے یا یہ کہ ان کو ہمیشہ رکعتوں کی تعداد کا علم ہو جاتا تھا اس جگہ یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ ابتک کی ساری گفتگو تو صرف ان روایات کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں یا صرف اتنی رکعتوں کو بیان کرتی ہیں جو حضرت عائشہؓ سے منقول ہیں اور وہ روایتیں بخاری ومسلم یا ان میں سے کسی ایک میں مروی ہونے کے ساتھ ہی ساتھ صحاح کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں لیکن اگر دائرہ گفتگو میں تھوڑی وسعت سے کام لیا جائے اور تمام ذخیرۂ حدیث کی روشنی میں رکعتوں کی تعداد معلوم کی جائے تو حصر کا دعوی کرنے والوں کے لئے کسی ضعیف سے ضعیف توجیہ کا سہارا بھی باقی نہیں رہ سکتا ہے اور اس بات کے تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں

ہے کہ رکعتوں کا اختلاف مختلف حالات اور واقعات کی وجہ سے روایتوں میں پیدا ہوگیا ہے چنانچہ مسند احمد بن حنبل کی زیادات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى من الليل ست عشرة ركعة سوى المكتوبة.

هيثمى ج/٢ ص/٢٧٢، تهذيب التهذيب ج/٥ ص/٤٥)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں فرض نماز کے علاوہ سولہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔

اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر کے استاد علامہ ہیثمی فرماتے ہیں رجاله ثقات یعنی اس حدیث کے تمام راوی معتبر اور ثقہ ہیں علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں اسناده حسن (عمدۃ القاری ج/٧ ص/٢٠٣)

یعنی اس حدیث کی سند حسن ہے نیز حافظ بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو قبول کیا ہے اور جن لوگوں نے اس کے قبول کرنے میں تامل ظاہر کیا ہے ان کا رد فرماتے ہیں اور اس حدیث کی صحت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلت تعصب الجوزجانى على اصحاب على معروف ولا انكار على عاصم فيما روى هذه عائشةؓ اخص ازواج النبى صلى الله عليه وآله وسلم تقول لسائلها عن شىء من احوال النبى صلى الله عليه وسلم سل عليا فليس بعجب ان يروى الصحابى شيئا يرويه غيره من الصحابة بخلافه ولا سيما فى التطوع.

(تهذيب التهذيب ج/٥ ص/٤٦)

میں کہتا ہوں کہ جوزجانی کا تعصب حضرت علیؓ کے شاگردوں کے معاملہ میں مشہور ومعلوم ہے حالانکہ حضرت عاصم بن حمزہ جنہوں نے یہ سولہ رکعت کی روایت کی ہے اس میں ان پر انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے یہ حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی بہت خاص ازواج میں سے ہیں مگر جب کوئی شخص ان سے حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کے حالات دریافت کرتا تو فرمادیتی تھیں کہ حضرت علیؓ سے معلوم کرلو لہٰذا اس میں
تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ ایک صحابی کسی بات کو ایک طرح نقل کرے اور دوسرا اس
کے خلاف اسی بات کو دوسری طرح نقل کرے خاص کر نفل نماز کے متعلق تو تعجب
کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر نے بیس رکعت کو اشارتاً تسلیم کرلیا ہے

اس حدیث سے کسی تاویل کے بغیر سولہ رکعت پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور اگر
یہ کہا جائے کہ ان سولہ رکعتوں میں وہ دو مختصر اور معمولی رکعتیں شمار نہیں کی گئی ہیں جو
رات کی نماز کے ابتداء میں پڑھنے کا معمول تھا اور وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھی
جانے والی نماز بھی اس میں شامل نہیں ہے جیسا کہ بحوالہ مسلم پہلے یہ دونوں بات گذر
چکی ہے لہٰذا ان چار رکعتوں کو شامل کر لینے کے بعد بیس رکعت تراویح بسند صحیح یا کم از کم
بسند حسن ثابت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے بلکہ اس سے زائد کی روایت کے قبول
کرنے میں بھی حافظ ابن حجر کی تصریح کے مطابق تردد کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ صحابہ
کرام کسی بات کے نقل کرنے میں مختلف ہو ہی جاتے ہیں بالخصوص نماز نفل کے
بارے میں تو اس کی بہت گنجائش ہے، اور ابن حجر کی اس تصریح سے حدیث ابن عباسؓ
کے قبول کرنے کی تائید ہوتی ہے لہٰذا بیس رکعتوں کے لئے انکار کی کوئی وجہ باقی نہیں
رہ جاتی اور نہ روایت ابن عباسؓ کو دوسری صحیح حدیثوں کے معارض و مخالف کہہ کر رد
کرنے کا کوئی جواز باقی رہ جاتا ہے جب کہ یہ بات اپنی جگہ سب کو معلوم ہے کہ
رکعتوں کا اختلاف کسی ایک ہی واقعہ کے سلسلہ میں نہیں ہے بلکہ مختلف واقعات سے
متعلق ہے حدیث ابن عباسؓ پر تو تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں پیش کی جائے گی
یہاں صرف اس مناسبت سے اس کا نقل کردینا ضروری سمجھا گیا کہ ابن حجر نے اس کو
قبول کرنے کی طرف بھی اپنی آخری عبارت میں اشارہ کردیا ہے حضرت ابن عباسؓ کی

روایت یہ ہے:

قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی شهر رمضان
غیر جماعة بعشرین رکعة والوتر. (بیهقی اول ص ۴۹۶)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں
جماعت کے بغیر بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

ان احادیث اور ان سے متعلق محدثین کرام کی تصریحات کو سامنے رکھنے
کے بعد یہ حقیقت ناقابل انکار ہوجاتی ہے کہ جو لوگ حنفیوں کی مخالفت میں صرف
آٹھ ہی رکعتیں ہمیشہ پڑھتے ہیں اور صرف اسی مقدار کو جائز و سنت سمجھتے ہیں اس
سے زائد کو کسی طرح روا نہیں سمجھتے وہ نہ صرف یہ کہ حدیث بن عباسؓ کے خلاف
کرتے ہیں بلکہ بے شمار دوسری صحیح مرفوع متصل روایتوں کی تکذیب بھی کرتے ہیں
یا کم از کم یہ کہ ان روایتوں پر ان کا عمل نہیں ہو پاتا ہے اس لئے اگر ان کو کہا جائے کہ
وہ عامل بالحدیث نہیں بلکہ تارکِ حدیث ہیں تو کوئی بیجا نہ ہوگا پس حدیث ابن عباسؓ
کو ضعیف کہہ کر آٹھ سے زائد رکعتوں کے ثبوت سے وہ اپنی گلوخلاصی کیلئے اور انکار
حدیث کے لئے جو راستہ اختیار کرتے ہیں وہ نہایت شرمناک ہے اور صحیح حدیثوں کی
تضحیک کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ

اس جگہ ایک مغالطہ بھی بعض غیر مقلدین حضرات دیا کرتے ہیں وہ یہ کہ اگر
بیس رکعتوں کے پڑھ لینے سے آٹھ رکعتوں کی حدیث پر عمل ہوجاتا ہے تو ایسی صورت
میں بیس کی تحدید کیوں ہے چالیس اور چھتیس رکعتیں کیوں نہ پڑھی جائیں تاکہ بیس
رکعتوں اور آٹھ رکعتوں کی حدیثوں پر بھی عمل ہوجائے اور علماء کے اختلاف سے بھی
بچا جاسکے۔

اس مغالطہ کی بنیاد دراصل ایک فریب پر ہے جس کا جواب یہ ہے کہ بیس

رکعت اگر چہ بسند ضعیف ہی سہی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں بالخصوص صحابہ کرام کے تعامل سے جب کہ اس کا ضعف بھی زائل ہو جاتا ہے اور بیس رکعتیں سنت ہو جاتی ہیں لہٰذا اس تعداد کی تحدید سنیت کی وجہ سے ہے نہ کہ جواز کے لئے اور بالفرض سنت رسولؐ نہ بھی ہو تو بیس رکعت جمہور صحابہ کی سنت تو ہے ہی بنا بریں بیس رکعتوں کی تحدید اس لئے ہے کہ وہ سنت سمجھ کر پڑھی جاتی رہی ہیں محض جواز چالیس اور چھتیس کے لئے تو ہو سکتا ہے مگر بیس سے زائد رکعتوں کا کسی ضعیف سند سے بھی سنت رسولؐ ہونا ثابت نہیں ہے اور نہ ہی کسی صحیح سند سے سنت صحابہ ہونا ہی پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتا ہے اس لئے بیس کی تحدید اپنی جگہ ایک معقول وجہ رکھتی ہے جو بیس سے زائد کے لئے ہرگز موجود نہیں ہے مگر غیر مقلدین حضرات سنیت اور جواز کے اس فرق کو یا تو محسوس ہی نہیں کرتے اور یا پھر قصداً لوگوں کو فریب میں ڈالنا چاہتے ہیں اس وضاحت کے بعد یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں رہ جاتی کہ رکعتوں کے سلسلہ میں تمام حدیثوں پر اگر عمل ہے تو حنفیہ کا ہے غیر مقلدین کا عمل صرف بعض حدیثوں پر ہے تمام حدیثوں کے لحاظ سے تو وہ تارکین حدیث ہی کہلانے کے مستحق ہیں حقیقتاً عامل بالحدیث احناف ہیں جنہوں نے ایسا طریقہ اختیار فرمایا کہ جس سے تمام حدیثوں پر عمل ہو جائے[1] یعنی بیس رکعت پر عمل کر لینے والا سنت رسول جو آٹھ رکعت ہے اس پر عمل کر لیتا ہے۔)

احناف کی دلیل تہجد اور تراویح کے فرق پر منحصر نہیں ہے

ناظرین کو یہ بات خیال رکھنی چاہیئے کہ ابتک کی ساری بحثیں یہ فرض

[1] اور یہ ایسی بات ہے جس کو خود غیر مقلدین کے جلیل القدر عالم نواب صدیق خانصاحب نے تسلیم کیا ہے چناں چہ تحریر فرماتے ہیں مقصود آنکہ یازدہ رکعت از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مروی گشتہ وست رکعت زیادت عمر بن الخطاب است وسنت نبویہ درزیادت عمر مغمور لیس آتی بہ زیادت عامل بہ سنت ہم باشد (ہدایۃ السائل ص/۱۳۸۶)

کر لینے کے بعد کی گئی ہیں کہ نماز تہجد اور نماز تراویح دونوں ایک ہی نماز ہیں جیسا کہ غیر مقلدین حضرات کا دعوی ہے اگر چہ اپنی جگہ اس بات کا قوی امکان ہے بلکہ دلائل وقرائن کی روشنی میں دونوں نمازوں کا الگ الگ دو نماز ہونا ہی درست ہے جیسا کہ بعض جگہوں پر اس کی طرف اشارہ گذر چکا ہے تاہم چونکہ ہمارے اصل مدعا کے ثبوت پر دونوں نمازوں کو ایک فرض کر لینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا اور بنیادی حقیقت کا انکشاف اس پر منحصر نہیں تھا اس لئے ہم نے اختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی گفتگو اسی مفروضہ پر شروع کی ہے کہ دونوں نماز ایک ہی ہیں مگر اب گذشتہ حدیثوں میں جس نماز کا ذکر ہے اس کو نماز تہجد پر محمول کر کے خاص ان حدیثوں پر بحث کی جاتی ہے جن سے خصوصیت کے ساتھ باجماعت رمضان میں تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے اس سلسلہ میں وارد شدہ تمام روایتیں جو مستند ہیں اور مختلف صحابہ کرام سے مروی ہیں ان میں سے کسی ایک میں بھی رکعتوں کی تعداد کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے یہ روایتیں درج ذیل صحابہ کرام سے مروی ہیں:

(۱) حضرت عائشہؓ (بخاری جلد ۱ ص/۲۶۹ و مسلم ج ۱ ص/۲۵۹) اس روایت میں تین راتوں کے اندر باجماعت نماز تراویح پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکور ہے اور چوتھی رات باہر جماعت کیلئے تشریف نہ لانے کا ذکر ہے لیکن رکعتوں کی تعداد کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

(۲) حضرت ابوذرؓ سے (نسائی ج ۱ ص/۱۸۲ وغیرہ) اس حدیث میں ایک سال رمضان کی تیئسویں، پچیسویں اور ستائیسویں راتوں میں باجماعت نماز تراویح ادا کرنا منقول ہے لیکن رکعتوں کی تعداد کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ (مسلم بحوالہ فتح الباری ج ۲ ص/۷) اس روایت میں بھی رکعتوں کی تعداد کا قطعاً کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔

(۴) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۱۴) اگرچہ اس روایت میں رمضان کا ذکر نہیں ہے مگر ظاہر یہی ہے کہ واقعہ رمضان ہی کا ہے مگر اس حدیث میں بھی رکعتوں کی تعداد کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(۵) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ (نسائی اول ص ۱۸۲) اس میں رمضان کی تیسویں، پچیسویں اور ستائیسویں راتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز تراویح پڑھنا مذکور ہے لیکن رکعتوں کی تعداد منقول نہیں ہے۔

(۶) حضرت جابرؓ (ابن حبان وابن خزیمہ وغیرہ بحوالہ فتح الباری ج ۵ ص: ۵۹۷) اس روایت میں صرف ایک رات باجماعت نماز تراویح پڑھنے کا ذکر ہے اور آٹھ رکعتوں کی تعداد بھی وارد ہے لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

کیا آنحضرتؐ نے صرف ایک ہی رمضان میں تراویح باجماعت ادا فرمائی ہے؟

جن صحابۂ کرام کے اسمائے گرامی واقعہ کی روایت کے سلسلہ میں اوپر شمار کرائے گئے ہیں ان تمام صحابہ نے کسی ایک ہی واقعہ کو نقل فرمایا ہے یا چند واقعات ہیں اور ایک سے زائد مرتبہ باجماعت تراویح آپ نے ادا فرمائی ہے جس کو مختلف صحابہ نے اپنے اپنے علم کے اعتبار سے نقل کر دیا ہے اسی لئے روایتوں میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا ہے محدثین کے بیان اور قرائن وحالات سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے جملہ روایات میں کسی ایک ہی واقعہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ مختلف واقعات ہیں جن کا تذکرہ ان روایتوں میں کیا گیا ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جس واقعہ کو نقل فرمایا ہے وہ اس واقعہ کے علاوہ ہے جس کو حضرت عائشہؓ بیان فرما رہی ہیں، حافظ ابن حجر

عسقلانیؒ اس کی تصریح فرماتے ہیں۔

والظاهر ان هذا كان في قصة اخرى. (فتح الباری ص ۵۹۷ ج ۵)

ظاہر یہی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جس واقعہ کی روایت فرمائی ہے وہ ایک دوسرا واقعہ ہے۔

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رمضان کی جس رات کا واقعہ نقل کیا ہے ممکن ہے یہ وہی رمضان ہو جس کا واقعہ حضرت عائشہؓ نے نقل فرمایا ہے اور اس بات کا بھی امکان موجود ہے کہ یہ رات کسی دوسرے رمضان کی ہو اور یہ واقعہ ہی دوسرا ہو اگر حضرت عائشہؓ اور حضرت جابرؓ کی روایتوں میں ایک ہی واقعہ تسلیم کیا جائے تو بھی حضرت جابرؓ کی روایت میں صرف ایک رات کی جماعت کا ذکر ہے اس کے برخلاف حضرت عائشہؓ کی روایت میں تین راتوں میں جماعت کا ہونا صراحت کے ساتھ مذکور ہے اسی سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

فان كانت القصة واحدة احتمل ان يكون جابر ممن جاء في الليلة الثالثة فلذلك اقتصر على وصف ليلتين.

(فتح الباری ج ۵ ص ۵۹۷)

اگر حضرت جابرؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں کا واقعہ ایک ہی ہو تو اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت جابرؓ ان لوگوں میں ہوں جو تیسری رات جماعت میں شریک ہوئے یہی وجہ ہے حضرت جابرؓ نے صرف دو ہی راتوں کے متعلق بیان دیا ہے اور پہلی دو راتوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔

دوسری بات یہ بھی غور کرنے کی ہے کہ ان تمام روایتوں میں جن کے اندر مختلف صحابۂ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جماعت سے رمضان میں نماز تراویح ادا فرمانا نقل کیا ہے ان میں دوسری چیزوں کی تفصیل تو مذکور ہے لیکن کسی صحیح روایت میں رکعتوں کی تعداد کا کوئی ذکر نہیں آیا ہے البتہ ان تمام روایتوں کے درمیان حضرت جابرؓ

کی روایت ایسی ہے کہ جس میں ایک رات آٹھ رکعت پڑھنے کا بیان موجود ہے مگر یہ روایت ہی سرے سے صحیح نہیں ہے، اور ان کے علاوہ کسی صحابی نے رکعتوں کا تذکرہ نہیں کیا ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ کی روایت کے ذیل میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں۔

ولم جاء فی بشیء من طرقه بیان عدد صلوته فی تلك اللیالی

(فتح الباری ج/۵ ص/۵۹۷)

حضرت عائشہؓ والی حدیث کے کسی طریق میں ان رکعتوں کی تعداد کا ذکر نہیں آیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں ادا فرمائی تھیں۔

اسی طرح حضرت ابوذرؓ کی روایت کے متعلق مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارک پوری تحریر فرماتے ہیں۔

اعلم انه لم یرد فی حدیث ابی ذر هذا بیان عدد الرکعات التی صلاها رسول الله صلی الله علیه وسلم فی تلك اللیالی.

(تحفة الاحوذی ج/۲ ص/۷۳)

خوب ذہن نشین کرلو کہ حضرت ابوذرؓ کی اس حدیث میں ان رکعتوں کی تعداد کا ذکر نہیں آیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں ادا فرمائی ہے۔

حدیث جابرؓ قابل احتجاج نہیں ہے

دیگر صحابۂ کرام سے جو روایتیں ہیں ان میں سے بھی کسی میں ان رکعتوں کی تعداد کا کوئی تذکرہ نہیں ہے جو ان راتوں میں باجماعت ادا کی گئی ہیں اگر غیر مقلدین حضرات کے علم میں حدیث جابرؓ کے علاوہ کوئی روایت موجود ہے تو اس کی نشاندہی فرمائیں۔ باقی رہا حضرت جابرؓ کی روایت کا معاملہ تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ وہ حدیث رکعتوں کی تعداد کے معاملہ میں قابل احتجاج ہے ہی نہیں جس کی درج ذیل

وجوہات ہیں:

(۱) صحاح کی وہ حدیثیں جن کے اندر ان راتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا باجماعت نماز تراویح ادا کرنا وارد ہے وہ سب کی سب رکعتوں کی تعداد سے بالکل خاموش ہیں ایسی صورت میں حضرت جابرؓ کی روایت کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو اس روایت میں رکعتوں کی تعداد کا اضافہ دوسری صحیح حدیثوں کے معارض ومخالف کہا جائے گا یا ان پر زیادتی شمار کی جائیگی۔ تعارض کی صورت میں حدیث جابرؓ قابل اعتبار ہی نہیں ٹھہرتی ہے کیوں کہ وہ عیسیٰ بن جاریہ راوی کے منکر ہونے کی وجہ سے سخت قسم کی ضعیف روایت ہے اور ظاہر ہے احادیث صحاح کے مقابلہ میں ضعاف کا اعتبار نہیں ہوتا اور اگر زیادتی تسلیم کرلی جائے تب بھی حدیث جابرؓ سے اس زیادتی کا جواز ممکن نہیں اس لئے کہ عیسیٰ بن جاریہ غیر ثقہ اور ضعیف الحفظ ہے۔ جس کی زیادتی قابل قبول نہیں ہوتی ہے۔ لیکن ضعیف الحفظ اور غیر ثقہ ہونے کے باوجود اگر اس زیادتی کو قبول کرلیا جائے تو پھر حدیث ابن عباسؓ کی زیادتی کیوں قبول نہ کی جائے گی جس کا ضعف تعامل وتوارث اور دوسرے قرائن کی وجہ سے ختم بھی ہوجاتا ہے بالخصوص جب کہ حدیث بن عباسؓ میں صحیح حدیثوں کے تعارض کا امکان بھی نہیں ہے کیونکہ صحاح کی تمام حدیثوں میں باجماعت نماز ادا کرنے کا واقعہ منقول ہے اور حدیث ابن عباسؓ میں جماعت کے بغیر نماز پڑھنے کا تذکرہ ہے بس دونوں دو الگ الگ واقعہ سے متعلق ہیں البتہ حدیث جابرؓ میں چونکہ باجماعت ہی نماز کا ذکر ہے اس لئے اس کا احادیث صحاح کے معارض ومخالف ہونا عین ممکن ہے۔

(۲) حدیث جابرؓ کو بفرض محال قابل احتجاج تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس سے صرف

ایک رات میں آٹھ رکعتوں کا پڑھنا معلوم ہوسکتا ہے بقیہ دوراتوں کے متعلق اس سے رکعتوں کی تعداد کے سلسلہ میں کوئی روشنی نہیں ملتی۔اس لئے تمام راتوں کی رکعتوں کی تعداد کیلئے حدیث جابرؓ کو استدلال میں پیش کرنا خود حدیث جابرؓ کے خلاف استدلال کرنا ہے کیونکہ اس حدیث میں صرف ایک رات کی جماعت کا ذکر کیا گیا ہے چنانچہ امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال جلد دوم ص/۳۱۱ پر حدیث جابرؓ کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

عن عیسیٰ بن جاریه عن جابرؓ قال صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم لیلة فی رمضان ثمان رکعات والوتر فلما کان فی القابلة اجتمعنا ورجونا ان یخرج فلم نزل حتی اصبحنا قال فدخلنا علی النبی صلی الله علیه وسلم فقلنا یا رسول الله صلی الله اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان تخرج الینا فقال انی کرهت ان یکتب علیکم الوتر اسناده وسط. (میزان الاعتدال ج/۲ ص/۳۱۱)

عیسیٰ بن جاریہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ انہوں نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو رمضان میں ایک رات آٹھ رکعتیں نماز پڑھائیں اور وتر بھی پھر جب اگلی رات ہوئی اور ہم سب مسجد میں جمع ہوئے اور ہم سب پرامید تھے کہ حضور ﷺ نکلیں گے لہٰذا ہم سب صبح تک ٹھہرے رہے کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (اعتکاف والے حجرہ میں) آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم لوگ مسجد میں جمع تھے اور امید رکھتے تھے کہ آپ ہماری طرف تشریف لائیں گے اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہ تھا کہ وتر تم پر فرض کردی جائے۔امام ذہبی کہتے ہیں اس روایت کی سند وسط ہے۔

اس روایت میں حضرت جابرؓ نے صراحت فرمائی ہے کہ جماعت سے میں نے صرف ایک رات نماز ادا کی تھی دوسری رات حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

تشریف ہی نہ لائے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے حوالہ سے یہ بات گذر چکی ہے کہ حضرت جابرؓ صرف تیسری رات جماعت میں شریک ہوئے تھے پہلی ان دونوں راتوں کی جماعت میں وہ شریک نہ ہوسکے تھے جن کا تذکرہ حضرت عائشہؓ وغیرہا کی صحیح حدیثوں میں موجود ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت جابرؓ نے صرف دوراتوں کی تفصیل بیان فرمائی ہے ایک اس رات کی جس میں وہ بذات خود شریک جماعت تھے دوسری اس رات کی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لاسکے تھے چنانچہ یہ وضاحت خود حضرت جابرؓ کی روایت میں پوری صراحت کے ساتھ موجود ہے لیکن اسکے باوجود حدیثِ جابرؓ کو تینوں رات باجماعت پڑھی جانے والی نماز کی رکعتوں کی تعداد کے معاملہ میں دلیل بنانا کس قدر حیرت کی بات ہے لہٰذا مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری کا حدیث جابرؓ سے یہ استدلال کسی طرح درست نہیں ہے اور ان کا مندرجہ ذیل بیان ایک مغالطہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے، فرماتے ہیں۔

لکن قد ورد بیانه فی حدیث جابر وهو انه صلی الله علیه وسلم صلی فی تلك اللیالی ثمان رکعات ثم اوتر.

(تحفة الاحوذی ج/۲ ص/۷۳)

لیکن رکعتوں کی تعداد کا تذکرہ حدیث جابر میں آیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں آٹھ رکعت پڑھی اس کے بعد وتر ادا فرمائی تھی۔

غور فرمایئے حدیث جابرؓ میں صرف لیلةً ایک رات کی تصریح موجود ہے مگر کتنی دلیری کے ساتھ اس کو مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے "لیالی" بنادیا ہے کیا یہ بات ان کی علمی ثقاہت کے لئے باعث عار نہیں ہے؟

(۳) حدیث جابر کے ذریعہ ان صحیح حدیثوں پر اضافہ اس لئے بھی درست نہ ہوگا کہ اس بات کا بھی قوی امکان موجود ہے کہ حدیث جابر والا واقعہ دوسرا ہو اور ان حدیثوں میں جس واقعہ کا بیان ہو وہ کوئی دوسرا واقعہ ہو چنانچہ حافظ

ابن حجر عسقلانیؒ کی منقولہ عبارت میں اس کے امکان کی طرف اشارہ موجود ہے پھر ایسی صورت میں ایک دوسرے واقعہ کی زیادتی کو کسی دوسرے واقعہ پر اضافہ کی دلیل بنانا ہی غلط ہوگا۔

(۴) حدیث جابرؓ کے معارض ومخالف اسی درجہ کی دوسری روایت بھی موجود ہے چنانچہ بیہقی کی ایک روایت میں آیا ہے۔

صلی بھم عشرین رکعة بعشر تسلیمات لیلتین ولم یخرج فی الثالثة. (تحفة الاخیار ص/۱۹۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعت نماز پڑھائی دس سلاموں کے ساتھ دو رات لیکن تیسری رات تشریف نہ لائے۔

اگرچہ حدیث جابر ہی کی طرح یہ روایت بھی ضعیف ہے لیکن اس کا بیان حدیث جابر کے خلاف ہے۔ پھر اس کو قبول نہ کرنا اور حدیث جابر کے اضافہ کو قبول کر لینے کیلئے کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ علامہ ذہبی نے حدیث جابر کی سند کو وسط فرمایا ہے اور ابن حبان وغیرہ نے اپنی اپنی صحیح میں اس کی تخریج فرمائی ہے تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ امام ذہبی کی تردید علامہ نیموی نے فرمادی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حدیث جابر کسی طرح وسط کہلانے کی مستحق نہیں ہے کیونکہ اس کی تمام سندوں میں عیسی بن جاریہ جیسا منکر راوی موجود ہے کوئی سند اس روایت کی راوی مذکور سے خالی نہیں ہے اگر غیر مقلدین کے علم میں ہو تو حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں پھر متفق علیہ مجروح راوی کی موجودگی میں کسی کے وسط لکھ دینے یا اپنی صحیح میں اس کی تخریج کر دینے سے وہ روایت صحیح نہیں ہوجاتی ہے بلکہ عیسی بن جاریہ کے ترجمہ میں امام ذہبیؒ نے ذکر ہی اس واسطے فرمایا ہے کہ بات علم میں آجائے کہ یہ روایت منکر ہے اس لئے کہ ذہبی کی میزان الاعتدال میں یہ عادت ہے کہ جس راوی کا ترجمہ لکھتے ہیں اگر اس سے کوئی روایت منکر ہوتی ہے تو اس کا ذکر

بھی فرمادیتے ہیں مزید یہ کہ پہلے بھی یہ بتایا جاچکا ہے کہ سند کے صحیح ہوجانے سے حدیث کا صحیح ہوجانا کوئی ضروری بات نہیں ہے بنا بریں اگر حدیث جابر کی سند بفرض محال وسط بھی ہو تو اس حدیث جابر کا صحیح ہونا کیونکر لازم آسکتا ہے بالخصوص جبکہ اس کے خلاف روایتیں موجود ہیں اور قرائن بھی اس کی موافقت نہیں کرتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ تمام سند میں عیسٰی بن جاریہ موجود ہے تو اس کی صراحت طبرانی میں بایں الفاظ مذکور ہے۔

لا یروی عن جابر بن عبد اللہ الا بھذا الاسناد.

(طبرانی صغیر ص/۱۰۸)

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اس سند کے علاوہ کسی دوسری سند سے یہ روایت نہیں ملتی ہے۔

اب عیسٰی بن جاریہ کے متعلق محدثین کی رائیں ملاحظہ فرمایئے:

(۱) یحیی ابن معین فرماتے ہیں **لیس بذلک لا اعلم احداً روی عنه غیر یعقوب** یعنی وہ تو روایت کا اہل ہے ہی نہیں، مجھے نہیں معلوم کہ یعقوب کے علاوہ بھی کسی نے اس سے روایت کی ہے۔ یہی یحیی بن معین نے دوسری روایت کے مطابق فرمایا **عندہ مناکیر** عیسٰی بن جاریہ کے پاس صرف منکر روایتیں ہیں۔

(۲) امام نسائی امام داؤد فرماتے ہیں منکر الحدیث یعنی عیسی بن جاریہ منکر ہے، امام نسائی یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ متروک راوی ہیں۔

(۳) ساجی اور عقیلی نے اس کا نام ضعیف راویوں کی فہرست میں درج فرمایا ہے۔

(۴) ابن عدی نے فرمایا احادیثہ غیر محفوظة یعنی عیسی بن جاریہ کی تمام حدیثیں منکر اور غیر محفوظ ہیں۔

(۵) ابوزرعہ فرماتے ہیں **لا بأس به** کوئی خاص مضائقہ نہیں۔

(۶) ابن حبان نے اس کا تذکرہ ثقات میں فرمایا ہے۔

(دیکھئے تہذیب التہذیب ص/۲۰۷ ج/۸ و میزان ج/۲ ص/۳۱۱)

چھ حضرات کی مفسر اور واضح جرح کے ہوتے ہوئے صرف دو آدمی کی مبہم اور غیر واضح توثیق اصول حدیث کی روشنی میں قابل توجہ نہیں ہو سکتی اس لئے عیسیٰ ابن جاریہ پر تنقید کرنے والوں نے ان کا منکر الحدیث ہونا تضعیف کی علت کے طور پر ذکر فرمایا ہے جس کے بعد ان کی تمام جرحیں مفسر ہو جاتی ہیں اس کے برخلاف ابوزرعہ اور ابن حبان نے توثیق کی کوئی وجہ ذکر نہیں کی ہے بلکہ ابوزرعہ نے توثیق کی کمزوری واضح کرنے کے لئے سب سے کم وزن توثیق کا کلمہ جو ممکن تھا وہی استعمال فرمایا ہے یعنی لا بأس بہ کہا ہے بنا بریں عیسیٰ بن جاریہ متفق علیہ ضعیف اور منکر ٹھہرتے ہیں اور انکی مذکورہ روایت قطعاً لائق توجہ نہیں ہوگی، بالخصوص غیر مقلدین حضرات کے نزدیک، کیونکہ ان کے جلیل القدر عالم مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارکپوری فرماتے ہیں۔

منکر الحدیث وصف فی الرجل یستحق بہ الترک لحدیثہ.

(ابکار المنن ص/۱۹۱)

منکر ہونا راوی کا ایسا عیب ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی روایت کردہ حدیث قابل ترک ہو جاتی ہے۔

حضرت جابرؓ کی مذکورہ بالا روایت میں اضطراب بھی ہے کیونکہ حضرت جابرؓ سے ایک دوسری روایت میں تراویح کی بیس رکعات بھی منقول ہے بنا بریں آٹھ رکعت والی ان کی روایت ضعیف ہونے کے علاوہ بیس رکعت سے معارض ہونے کی وجہ سے مردود بھی ہے اور حضرت جابرؓ کی بیس رکعت والی روایت حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے موافق بھی ہے اور اس کی سند بھی دوسری ہے اس لئے تعدد طرق کی وجہ سے بیس رکعت کا ثبوت بسند صحیح ہو گیا واضح رہے کہ حضرت جابرؓ کی بیس رکعت والی

حدیث میں نہ تو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ ہے اور نہ ہی عیسیٰ بن جاریہ جیسا مجروح کوئی راوی ہے نہ یعقوب بن عبد اللہ القمی جیسا کوئی شیعہ راوی ہے۔ محدث السہمی حمزہ بن یوسف المتوفی ۴۲۷ھ اپنی کتاب تاریخ جرجان صفحہ/۲۷۵ پر پوری سند کے ساتھ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرماتے ہیں۔

عن جابر بن عبد اللہؓ قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلة فی رمضان فصلی الناس اربعة وعشرین رکعة واوتر بثلثة.

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رمضان میں ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور لوگوں کو چوبیس رکعات پڑھائیں (یعنی چار عشاء کی اور بیس رکعت تراویح کی) اور تین رکعت وتر پڑھیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت سے بیس رکعت تراویح ثابت ہے

نماز تراویح کی رکعتوں کے سلسلہ میں جس طرح حضرت جابرؓ سے آٹھ رکعتوں کی تعداد مروی ہے اگرچہ بسند ضعیف ہی سہی بالکل اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے بیس رکعتوں کی تعداد بھی مروی ہے چنانچہ عبد ابن حمید نے اپنی مسند میں، امام بغوی نے اپنی معجم میں، طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں، بیہقی نے جلد اول ص/۶۹۴ پر اور امام ابوبکر ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف جلد اول قلمی صفحہ/۳۸۲ پر یہ روایت نقل فرمائی ہے۔

ابو سعد المالینی ثنا ابو احمد بن عدی الحافظ ثنا عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز ثنا منصور بن ابی مزاحم ثنا ابو شیبة عن الحکم عن مقسم عن ابن عباسؓ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر

رمضان غير جماعة بعشرين ركعة والوتر تفرد به ابو شيبة ابراهيم بن عثمان العبسي الكوفي وهو ضعيف. (بيهقي ج/١ ص/٤٩٦)

ابوسعد مالینی سے حدیث بیان کی ابواحمد بن عدی حافظ نے اور ان سے بیان کیا عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز نے اور ان سے حدیث بیان کیا منصور بن ابی مزاحم نے اور ان سے حدیث بیان کی ابوشیبہ نے جو روایت کرتے ہیں حکم سے اور حکم مقسم سے اور مقسم حضرت بن عباسؓ سے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینے میں جماعت کے بغیر بیس رکعتیں اور وتر پڑھا کرتے تھے امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی کوفی اس میں متفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔

اس حدیث کے سلسلہ میں بالعموم دو اعتراضکئے جاتے ہیں اول یہ کہ اس کی سند ابوشیبہ ابراہیم کی وجہ سے ضعیف ہے اور استدلال کے لائق نہیں ہے۔ دوم یہ کہ حضرت عائشہؓ کی صحیح مرفوع متصل روایت جس میں آٹھ سے زائد کی نفی ہے اس کے خلاف اور معارض ہے بنا بریں حدیث ضعیف کا جب حدیث صحیح سے تعارض ہوگا تو ضعیف قابل ترک اور ناقابل احتجاج ٹھہرے گی۔ انہیں دو باتوں کو بالعموم تمام معترضین بار بار دہراتے ہیں چنانچہ حدیث ابن عباسؓ کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

واما ما رواه ابن ابي شيبة من حديث ابن عباسؓ كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر فاسناده ضعيف وقد عارضه حديث عائشةؓ هذا الذي في الصحيحين مع كونها اعلم بحال النبي صلى الله عليه وسلم ليلا من غيره.

(فتح الباري ج/٨ ص/٣١٧)

اور وہ روایت جس کو ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کے طور

پر نقل فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھا کرتے تھے تو اس کی سند ضعیف ہے اور اس کے خلاف حضرت عائشہؓ کی یہ روایت جو بخاری و مسلم میں منقول ہے وہ موجود ہے پھر یہ کہ حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے معمول کو دوسروں کی نسبت بہت زیادہ اچھی طرح جانتی ہیں۔

حدیث ابن عباسؓ پر تنقیدی بیان کا تجزیہ

ابن حجرؒ کے اس مفصل اور طویل بیان کا خلاصہ تین باتوں میں آجاتا ہے۔

(۱) حضرت ابن عباسؓ کی روایت ضعیف ہے۔

(۲) حضرت عائشہؓ کی روایت جو بخاری و مسلم کی ہے اس کے معارض و مخالف ہونے کی وجہ سے حدیث ابن عباسؓ ناقابل توجہ ہے۔

(۳) حضرت عائشہؓ آٹھ رکعت بتاتی ہیں اور حضرت ابن عباسؓ بیس رکعت۔ ظاہر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے معاملہ میں حضرت عائشہؓ کی معلومات زیادہ ہے اور صحیح ہے لہٰذا وہی قابل قبول ہوگی۔

ان تینوں باتوں کے سلسلہ میں کچھ بہت زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ بالکل اس کے خلاف خود ابن حجر عسقلانیؒ نے ہی اپنا بیان ایک موقع پر دیدیا ہے جس کے بعد یہ کہنا کسی طرح صحیح نہ ہوگا کہ موصوف نے اس جگہ کھلے تعصب سے کام لیا ہے ورنہ ان تینوں اعتراضوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے اگر حدیث ابن عباسؓ میں ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے سند میں ضعف ہے اور اس لئے یہ حدیث قابل قبول نہیں ہے تو گذر چکا ہے حضرت علیؓ کی روایت جس میں سولہ رکعتوں کا ذکر ہے اس کے اندر بھی ایک راوی عاصم بن ضمرہ ہیں جن پر بعض محدثین نے وہی تنقید فرمائی ہے جو ابراہیم بن عثمان پر کی ہے لیکن یہی ابن حجر ہیں کہ وہاں اس ضعف کو نظر انداز کر گئے ہیں اور اگر کسی نے اس کے ضعف پر زور دیا تھا تو خود حافظ ابن حجر نے

اس کو متعصب قرار دیدیا ہے لیکن چونکہ اس روایت میں سولہ رکعت کا معاملہ تھا جس سے حنفیہ کا استدلال نہ ہوسکتا تھا اس لئے وہ روایت نہ صرف یہ کہ قبول کی گئی بلکہ اس کی صحت پر زور دیا گیا اور یہاں بیس رکعت کی بات جو صراحتاً حنفیہ کی تائید کرتی ہے اس لئے اس کو کسی طرح ضعیف اور ناقابل استدلال ٹھہرادینا ہے۔ اس وضاحت سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ تعارض کا افسانہ بھی بالکل بے بنیاد ہے اگر حدیث عائشہؓ سے حدیث ابن عباسؓ کا تعارض اس کے قبول کرنے میں رکاوٹ ہے تو ظاہر ہے کہ یہ تعارض تو حضرت علیؓ کی روایت میں بھی موجود ہے۔ یہ بات تو کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ آٹھ رکعتوں سے بیس رکعتوں کا تو تعارض ہے مگر سولہ رکعتوں سے کوئی تعارض نہیں ہے لہذا یہ ایک حقیقت ہے کہ تعارض وتخالف کا بہانہ محض بے بنیاد ہے کیوں کہ اس جگہ تعارض کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے یہ تو ایک قسم کا اضافہ اور زیادتی ہے اور نوافل کے سلسلہ میں زیادتی کی کافی گنجائش ہے اور اسی لئے اس معاملہ میں مختلف بیانات کو قبول کرلیا جاتا ہے پھر یہ کہ تعارض تو جب ہوتا جبکہ دونوں بیانات ایک ہی واقعہ سے متعلق ہوتے حالانکہ حدیث ابن عباسؓ میں اس بات کی صراحت ہے کہ جماعت کے علاوہ بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے، اور حدیث جابرؓ یا حدیث عائشہؓ میں جماعت کا تذکرہ ہے پھر صاف طریقہ پر معلوم ہوجاتا ہے کہ دونوں الگ الگ واقعہ سے متعلق روایت فرمارہے ہیں پس ایسی صورت میں تعارض کا سوال کیا ہوتا ہے؟ اس لئے ہم عرض کریں گے کہ حافظ ابن حجر کے اس بیان کو سمجھنے کے لئے ان کا وہ بیان دوبارہ پڑھ لیا جائے جو تہذیب التہذیب کے حوالے سے حدیث علیؓ کے ذیل میں پہلے نقل کیا جاچکا ہے، انشاء اللہ مطلع بالکل صاف ہوجائے گا۔ یہ بات بھی سخت تعجب کا باعث ہے کہ ایک جگہ حضرت علیؓ کو علی الاطلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال واحوال سے زیادہ واقف خود حضرت عائشہؓ کے مقابلہ میں یہی ابن حجر بتاچکے ہیں لیکن اس جگہ حضرت عائشہؓ کے متعلق یہ

فرماتے ہیں کہ انہیں رات کے معمول کا زیادہ علم تھا حالانکہ واقعات وقرائن اس کے بالکل خلاف ہیں کیونکہ سفر کی حالت میں حضرت عائشہؓ کا غیر موجود ہونا اور عدل وانصاف کی بناء پر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں جتنی راتیں بسر کی جاتی تھیں دیگر ازواج میں سے ہر ایک کے حجرہ میں اتنی راتوں کا گذارنا ہی قرین قیاس ہے۔ پھر حضرت میمونہؓ کے حجرہ میں حضرت ابن عباسؓ کا رات کے وقت موجود ہونا بخاری ومسلم کے حوالہ سے گذرہی چکا ہے علاوہ بریں خاص حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں جو راتیں گذری ہیں انہیں راتوں کی نمازوں کا حضرت عائشہؓ کے علم میں ہونا غیر یقینی ہے بلکہ صحیحین کے حوالہ سے گذرچکا ہے کہ بسا اوقات وہ بے خبر سوئی ہوتی تھیں کمرہ میں تاریکی ہوتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مصروف نماز ہوتے تھے لیکن ان سب کے باوجود حضرت عائشہؓ کو ہی علی الاطلاق اعلم اور رات کے معمول سے زیادہ واقف قرار دینا نہ معلوم علم ودیانت کا کون سا تقاضہ ہے اور ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت عائشہؓ ہی اعلم بحال النبی لیلاً اور زیادہ واقف کار ہیں تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ کوئی جزوی اور اتفاقی واقعہ بھی ایسا پیش نہیں آسکتا جس کا علم حضرت عائشہؓ کو نہ ہو بلکہ حضرت ابن عباسؓ کو ہوجائے کیا وہ واقعہ نہیں ہے کہ کسی خاص معاملہ کا علم کم واقف کار کو ہوجاتا ہے لیکن زیادہ واقف کار کبھی کبھی اس سے باخبر نہیں ہوپاتا ہے۔ پھر ان بے بنیاد اور رکیک اعتراضوں کے ذریعہ کسی حقیقت کے انکار کا بہانہ تلاش کرنے سے کیا فائدہ ہے؟ انہیں اسباب وجوہات پر کافی غور کرنے کے بعد غالباً شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اس خیال کے ظاہر کرنے کی ضرورت محسوس فرمائی ہے چنانچہ ابن عباسؓ کے سلسلہ میں حضرت موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

امام بیہقی ایں روایت را ضعیف ترنمودہ بعلت آں کہ راوی ایں حدیث جدابی بکر بن شیبہ است، کہ ابوشیبہ است، حالانکہ ابوشیبہ جد ابوبکر بن شیبہ القدر ضعف ندارد

کہ روایت او را مطروح مطلق ساختہ شود آری اگر معارض او حدیث می بود البتہ ساقط می شد و آنچہ مروی شدہ **ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ** مراد ازاں نماز تہجد است کہ در رمضان وغیرہ برابر بود و او را **صلوٰۃ اللیل** می گفتند اما تراویح غیر آنست کہ در عرف شاں بقیام رمضان مسمّی می بود چناں چہ دلالت کند بر آں حدیث اجتہاد از مسلم۔ (فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۱۱۹)

بیہقی نے اس روایت کو بہت زیادہ ضعیف دکھانے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے راوی امام ابوبکر بن شیبہ کے دادا ابوشیبہ ہیں حالانکہ ان کے اندر اتنا ضعف نہیں پایا جاتا کہ ان کی روایت کو بالکل مردود سمجھا جائے البتہ اگر اس کے خلاف کوئی صحیح حدیث ہوتی تو نا قابل اعتبار سمجھا جاتا۔ (لیکن یہ بات یہاں نہیں ہے) اور وہ جو مروی ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ سے زائد نہ پڑھتے تھے تو اس سے مراد تہجد کی نماز ہے جو رمضان اور غیر رمضان سب میں برابر تھی اور اس کو صحابہ کرام صلوٰۃ اللیل کہا کرتے تھے لیکن تراویح تو اس کے علاوہ ایک الگ نماز ہے جو صحابہ کے عرف عام میں قیام رمضان کے نام سے مشہور تھی جیسا اس کی دلیل مسلم کی روایت میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں یا اسکے آخری عشرہ میں زیادہ عبادت فرمایا کرتے تھے۔

بلکہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ تو حدیث ابن عباسؓ کا ضعف تسلیم ہی نہیں کرتے ہیں فرماتے ہیں نہ تو وہ کسی حدیث صحیح خصوصاً حدیث عائشہؓ کے معارض ہے اور نہ ہی اس کا ضعف باقی ہے کیوں کہ وہ توارث وتعامل کی تائید کے بعد بالکل صحیح اور درست روایت ہو جاتی ہے جس سے استدلال کیا جا سکتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

وقد سبق ان ما یتوھم معارضاً اعنی حدیث ابی سلمۃ عن عائشۃؓ المتقدم ذکرہ لیس معارضا لہ بالحقیقۃ فبقی سالما کیف وقد ایّد بفعل الصحابۃ۔ (فتاویٰ عزیزیہ جلد اول ص/ ۱۲۰)

اور یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ جو وہم کیا جاتا ہے کہ اس حدیث یعنی ابوسلمہ والی جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے جس کا پہلے تذکرہ آچکا ہے اس کے خلاف یہ حدیث ابن عباسؓ ہے تو در حقیقت یہ اس کے خلاف و معارض نہیں ہے لہٰذا یہ بالکل سالم و درست روایت ہے اور کیوں نہ صحیح ہو جب کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حدیث ابن عباسؓ کی سند میں ضعف تسلیم کرلیا جائے تب بھی وہ حدیث اصول کی روشنی میں صحیح ہے

میں کہتا ہوں کہ یہ بات درست ہی تسلیم کرلی جائے کہ حدیث ابن عباسؓ کی سند ضعیف ہے تو اس کی وجہ سے حدیث کا ضعیف ہونا لازم تو نہیں آتا ہے یہ بات تو کئی مرتبہ پہلے بھی وضاحت کے ساتھ آچکی ہے کہ اصول حدیث کے لحاظ سے سند کی صحت یا اس کے ضعف سے نفس حدیث کا صحیح یا ضعیف ہو جانا کوئی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اسکا امکان ہے کہ اس کی صحت سند کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے معلوم ہو جائے اور پھر سند کا ضعف زائل اور کالعدم تصور کیا جائے یہاں یہی صورت ہے اس لئے محدثین فرماتے ہیں کہ اگر کسی حدیث کی سند میں ضعف ہو لیکن صحابہ کا اس پر تعامل وتوارث رہا ہو تو اس حدیث کو صحیح اور قابل استدلال سمجھا جائے گا۔ یہ اصول حدیث کا ایک مسلمہ قاعدہ ہے چنانچہ علامہ جزائری فرماتے ہیں۔

اذا ورد حدیث مرسل او فی احد ناقلیہ ضعف فوجدنا ذلک الحدیث مجمعا علی اخذہ والقول بہ علمنا یقینا انہ حدیث صحیح لاشک فیہ۔ (توجیہ النظر مصری ص/ ۵۰)

اور جب کوئی مرسل حدیث ہو یا کوئی ایسی حدیث ہو جس کے کسی راوی میں ضعف ہو اور ہم یہ دیکھیں کہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے اور سب اس کے قائل ہیں

تو یقیناً ہم یہ جان لیں گے کہ وہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

رمضان کی تراویح کے سلسلہ میں حدیث ابن عباسؓ پر جمہور صحابہ کا تعامل اور اتفاق رہ چکا ہے بلکہ امت نے خیر القرون کے زمانہ میں اس حدیث پر نہ صرف عمل کیا ہے بلکہ کسی انکار کے بغیر اس پر عمل کیا ہے جو اس حدیث کی صحت کی دلیل ہے اور اس کے ضعف کو کالعدم کردینے کیلئے بہت کافی ہے باقی رہا بعض لوگوں کا اس کے خلاف عمل کرنا یا اس سے زائد رکعتوں کا پڑھنا تو اس کو انکار کیلئے دلیل نہیں بنایا جاسکتا اور نہ ہی وہ اس حدیث کے انکار کی وجہ سے ایسا کرتے تھے بلکہ اس کی دوسری وجہ تھی لہذا مذکورہ بالا اصول حدیث کی روشنی میں حدیث ابن عباسؓ بالکل صحیح اور قابل احتجاج ہے۔ خیر القرون کے بعد کا انکار واختلاف حدیث کی صحت کے لئے مضر نہیں ہے اس بات کے علاوہ بھی دوسری باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان پر غور کیا جائے تو اس حدیث سے امام ابوحنیفہؒ کا استدلال صحیح معلوم ہوتا ہے ان باتوں کو ہم ترتیب کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

(۱) اس روایت میں ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ہیں جن کی وجہ سے اس حدیث میں ضعف پیدا ہوگیا ہے ان کا انتقال ۱۶۹ھ میں ہوا ہے پیدائش معلوم نہ ہوسکی اغلب یہی ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بہت کم عمر ہیں لیکن انہیں کے معاصرین میں سے ہیں لہذا اس جگہ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ تک اگر حدیث پہونچی ہوگی تو اس میں ابراہیم بن عثمان کا واسطہ درمیان میں ہونا کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ نہ ہونا ہی عین ممکن ہے جیسا کہ قرائن سے یہی بات واضح اور درست معلوم ہوتی ہے اس لئے یہ کہنا کسی طرح ازروئے یقین صحیح نہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ضعیف ہے کیونکہ ضعف تو اس حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کے بعد والوں کے لئے درمیانی راوی کے ضعیف ہوجانے کی وجہ سے پیدا ہوا۔ ہے امام ابوحنیفہؒ تک تو تمام راوی ثقہ تھے ان میں کوئی بھی راوی ضعیف موجود نہ تھا بنابریں یہی روایت امام ابو

حنفیہؒ کے زمانہ میں بالکل بے عیب اور صحیح تھی اور اس سے استدلال کرنا اپنی جگہ درست تھا اور اس بات کا قرینہ کہ امام ابوحنیفہؒ نے اسی حدیث سے بیس رکعتوں پر استدلال فرمایا ہے یہ ہے کہ انہوں نے ان رکعتوں کی تعداد کو کسی صحابہؓ بالخصوص فاروق اعظمؓ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ثابت مانا ہے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے۔

لم یتخرص عمر التراویح من تلقاء نفسه ولم یکن فیه مبتدعا ولم یامر به الا عن اصل لدیه و عهد من النبی صلی الله علیه وسلم وهی سنة عین مؤكدة. (مراقی الفلاح علیٰ هامش الطحطاوی ص/۲۳۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح اپنی اٹکل سے نہیں نکالی تھی نہ کوئی بدعت ایجاد کی انہوں نے اسے پڑھنے کا حکم اس حدیث کی بنیاد پر دیا جو ان کے علم میں تھی اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جاری تھی لہذا یہ سنت غیر کفایہ اور مؤکدہ ہے۔

مراقی الفلاح کی یہ عبارت مولوی علی احمد نے اپنی کتاب اظہار الحق الصریح ص/۱۱۱ پر نقل فرمائی ہے اور اس جگہ امام ابوحنیفہؒ کی فقاہت وفراست کی بڑی مدح خوانی بھی کی ہے لیکن اپنی خاص افتاد طبع کی وجہ سے مولوی علی احمد صاحب نے اس جگہ دو دو کجروی اختیار فرمائی ہے اول یہ کہ مراقی الفلاح کی عبارت انہوں نے صرف لفظ سنة تک ہی نقل کی ہے اس کے آگے سے لفظ عَیْنٍ مؤكدةٌ غائب کر گئے ہیں جس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ تراویح کو سنت غیر کفایہ اور موکدہ نہ کہا جائے دوسری کجروی یہ کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ مذکورہ عبارت سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی تراویح کی آٹھ رکعتیں ہی درست ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور جس کو حضرت عمرؓ نے بھی رائج کیا ہے حالانکہ ایک معمولی فہم کا آدمی بھی اس فریب کو محسوس کرلیگا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو تراویح کی رکعتیں بیس ہیں پھر وہ ثبوت آٹھ کا کیوں پیش فرمائیں گے؟ ظاہر ہے وہ تو اپنے معلوم ومشہور مذہب

یعنی بیس رکعتوں کے لئے ثبوت فراہم کریں گے لہذا مذکورہ بالا عبارت کا صاف مطلب یہی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ تراویح کی بیس رکعتوں کے متعلق بتارہے ہیں کہ یہ حضرت عمرؓ کی ایجاد کردہ بدعت نہیں ہے بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کرام کی سنت ہے۔

(۲) اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی وجہ سے ضعف ہے کیوں کہ ان کو ضعیف اور منکر راویوں میں شمار کیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کو متفق علیہ ضعیف قرار دیا ہے یا بے حد ضعیف راوی کی حیثیت سے ان پر اظہار رائے کیا ہے تو ان کا نظریہ درست نہیں ہے کیونکہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ نہ تو متفق علیہ ہی ضعیف ہیں اور نہ ہی اس قدر ضعیف ہیں کہ بالکل نا قابل اعتبار اور مردود ہو جائیں کیونکہ جہاں بہت سے لوگوں نے ان کو منکر یا ضعیف کہا ہے وہاں دو مستند محدثین نے ان کی زبردست توثیق بھی فرمائی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تمام جرحوں کے ساتھ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں۔

وقال عباس الدوری عن یحیی بن معین قال قال یزید بن هارون ما قضی علی الناس رجل یعنی فی زمانه اعدل فی قضاء منه وکان یزید علی کتابته ایام کان قاضیا. (تهذیب التهذیب ج/۱ ص/۱۴۵)

عباس دوری یحیی بن معین سے راوی ہیں کہ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ یزید بن ہارون نے بتایا کہ لوگوں پر کوئی شخص ابراہیم بن عثمان شیبہ کے زمانہ میں ان سے زیادہ قضا کے معاملہ میں عادل نہ تھا اور یہ یزید بن ہارون ان کی قضا کے دور میں ان کے کاتب ومنشی تھے۔

گذر چکا ہے کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کا انتقال ۱۶۹ھ میں ہوا ہے جو خیر القرون کا زمانہ ہے اب اس دور کی تاریخ اٹھا کر دیکھ جائیے کیسے کیسے ثقہ اور عادل

قاضیوں کا نام کثرت سے ملتا ہے لیکن یحیی بن معین جیسا نقاد یہ کہتا ہے کہ یزید بن ہارون نے اس دور کے تمام قاضیوں سے زیادہ عادل ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کو قرار دیا ہے جبکہ یزید بن ہارون خود ان کے منشی اور کاتب رہ چکے ہیں اور ان کے حالات کے سلسلہ میں نہایت معتبر اور قریبی ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا ان کا بیان ابراہیم کے حق میں بڑا وزن رکھتا ہے خیر القرون کے دور میں قاضی مقرر کیا جانا بجائے خود ان کے علم وفضل اور تقوی وطہارت کی بڑی ضمانت تھی اور یہ ہی ایک شہادت ان کے ثقہ ہونے کے لئے بہت کافی تھی مگر معاملہ اتنا ہی نہیں ہے بلکہ ابوشیبہ ابراہیم تو اپنے دور کے تمام قاضیوں کے مقابلہ میں اعدل قضاء کا امتیاز بھی رکھتے ہیں اس سے بڑھ کر ثقہ اور معتبر ہونے کی اور کون سی دلیل چاہئے لیکن اس توثیق کے علاوہ دوسری توثیق بھی حافظ ابن حجرؒ نے تحریر فرمائی ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

وقال ابن عدی له احادیث صالحة وهو خیر من ابراهیم بن ابی حبیبة. (تهذیب التهذیب ج/۱ ص/۱۴۵)

ابن عدی فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی بہت سی حدیثیں درست ومحفوظ ہیں اور وہ ابراہیم بن ابی حبیبہ سے بہتر اور افضل ہیں۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ پر جتنی جرحیں کی گئی ہیں ان سب کا حاصل دو ہے ایک تو یہ کہ وہ منکر ہیں دوسرے یہ کہ وہ ضعیف ہیں لیکن ان دونوں جرحوں کے مقابلہ میں جو توثیق نقل کی گئی اس میں ابن عدی نے ان کی روایت کردہ حدیثوں کو صالح ومحفوظ بتا کر ان کے حافظہ کی صحت اور قوۃ ضبط کی توثیق کردی ہے لہٰذا ان دونوں توثیقوں کی روشنی میں قوۃ حفظ کی معمولی سی کمزوری کے باوجود ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ حافظ اور ثقہ ٹھہرتے ہیں بنا بریں ان کی روایت میں جو رکعتوں کی تعداد کا اضافہ ہے وہ قبول کیا جائے گا کیوں کہ حافظ بن حجر عسقلانیؒ کے حوالہ سے یہ اصول حدیث پہلے بھی گذر چکا ہے۔

والزيادة من الحافظ مقبولة. (فتح الباری ص/ ٦٠١ ج/٥)
حافظ راوی کی زیادتی قبول کرلی جاتی ہے۔

عیسیٰ بن جاریہ اور ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ عیسی بن جاریہ جو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کے مقابلہ میں زیادہ ضعیف اور زیادہ سئی الحفظ ہے اس کی زیادتی غیر مقلدین حضرات کے نزدیک قبول کرلی جاتی ہے مگر ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ جو عیسی بن جاریہ سے بدرجہا سلیم الحفظ اور قوی راوی ہیں ان کا اضافہ قبول کرنا ان کے نزدیک اصول حدیث کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ دونوں پر جرحیں محدثین نے کی ہیں ان سب پر غور سے نگاہ ڈالنے کے بعد یہی واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ دونوں راوی منکر اور ضعیف ہیں لیکن عیسی بن جاریہ میں ضعف ونکارت زیادہ ہے اور ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ میں اس سے بہت کم ہے کیوں کہ علاوہ دوسری شہادتوں کے خود تنقید کرنے والوں میں ابن عدی نے بھی اس فرق کو واضح کردیا ہے چنانچہ عیسی بن جاریہ کے متعلق وہ فرماتے ہیں احاديثه غير محفوظة یعنی اس کی تمام حدیثیں غیر محفوظ اور منکر ہیں اس کے برخلاف یہی ابن عدی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کے متعلق فرماتے ہیں احاديثه صالحة ان کی بعض حدیثیں محفوظ اور غیر منکر ہیں، معلوم ہوا کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ اپنے حافظہ کے لحاظ سے عیسی بن جاریہ سے بہت فائق ہیں۔ اسی طرح فن تنقید کے جلیل القدر امام یحییٰ بن معین نے ایک روایت کے مطابق ابراہیم بن عثمان کی مدح وتوثیق فرمائی ہے جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا ہے لیکن ائمہ فن میں کسی نے بالخصوص یحییٰ بن معین سے کسی روایت کے مطابق بھی عیسیٰ بن جاریہ کی

توثیق نہیں ثابت ہے بلکہ اس پر سخت قسم کی جرح ہی منقول ہے ان وضاحتوں کے سامنے آجانے کے بعد بھی عیسیٰ بن جاریہ کی زیادتی کو قبول کرنا اور ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی زیادتی کو مسترد کردینا صریح تعصب نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ خصوصاً جب کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی تائید میں قولی اور فعلی دونوں قسم کی مرفوع متصل حدیثیں بھی موجود ہیں چنانچہ فعلی شہادت یہ ہے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ روایت نقل فرمائی ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد في رمضان مالا يتجهد في غيره.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اتنی محنت وکوشش فرماتے تھے کہ رمضان کے علاوہ میں نہ ہوتی تھی۔

اسی طرح امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل فرمایا ہے۔

عن عائشة قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا دخل العشر شد ميزره واحيى ليله وايقظ اهله. (بخاری جلد اول ص/ ٢٧١)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آجاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہ بند کس لیتے تھے اور شب بیداری فرماتے تھے اور اہل خانہ کو جگائے رکھتے تھے۔

ان دونوں حدیثوں میں جس محنت واجتہاد کی کثرت کا ذکر ہے اس سے مراد طویل قرات اور لمبی رکعت بھی ہوسکتی ہے لیکن قرائن اس کے خلاف ہیں اسی لئے محدثین نے اس سے رکعت کی زیادتی اور عدد کا اضافہ مراد لیا ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں صاحب مشہور غیر مقلد عالم تصریح فرماتے ہیں۔

ولكن يعلم من حديث كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد في رمضان مالا يجتهد في غيره رواه مسلم ان عددها كان كثيراً.

(الانتقاد الرجيح ص/ ٦١)

لیکن مسلم کی حدیث مذکورہ بالا سے یہ صاف طریقہ پر سمجھا جاتا ہے کہ رمضان میں جو نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے اس کا عدد زیادہ ہوتا تھا۔

طویل قرأت اور درازیٔ رکعت پر محمول کرنے کی تردید کرتے ہوئے عدد کے اضافہ پر ہی محمول کرنے کو مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری نے بھی دونوں حدیثوں کے سلسلہ میں بہتر اور احسن قرار دیا ہے۔

(دیکھئے تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۷۴)

(۴) حدیث ابن عباسؓ کی تائید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے نفلی نماز کے سلسلہ میں رکعتوں کی تعداد کا حق خود نمازی کو عطا فرمایا ہے اور کثرت وقلت نمازی کے پسند پر موقوف کر دیا ہے لہٰذا اگر بیس رکعت کی کثیر تعداد کو اس طرح بھی دیکھا جائے تو نہ صرف جواز بلکہ سنت قولی کے ذیل میں آجاتی ہے چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الصلوٰۃ خیر موضوع فمن شاء فلیقلل ومن شاء فلیستکثر.

(تحفۃ الاخیار ص ۲۱۰)

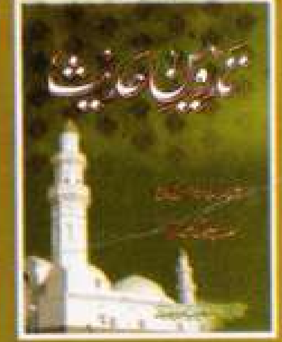
نفل نماز تو ایک بہترین اختیاری عبادت ہے لہٰذا جس کا جی چاہے زیادہ کرلے اور جس کا جی چاہے رکعتوں کی تعداد کم کرلے۔

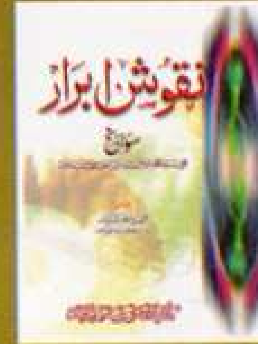
واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین.

سید طاہر حسین گیاوی

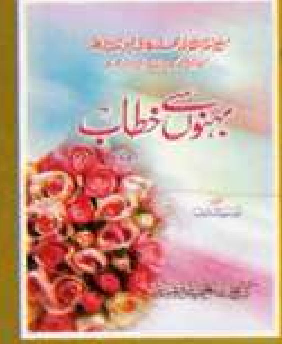
رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

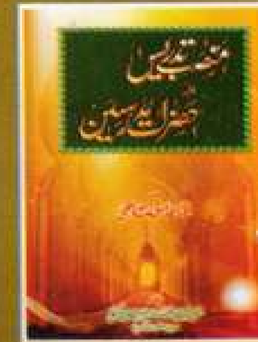
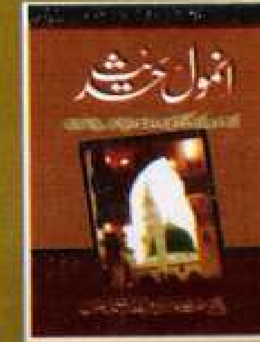
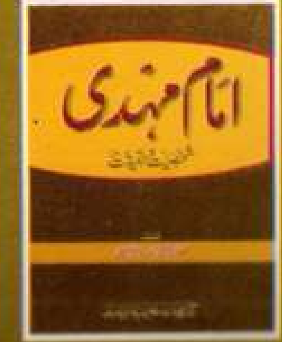


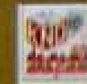











حقوقِ طبع محفوظ ہیں

بیس عدد رکعاتِ تراویح کے اثبات میں ایک بلند پایہ محققانہ تصنیف

المسمّٰی

التوضیح



رکعات التراویح

مُصنّفہ

حضرت علامہ ابوالقاسم رفیق دلاوری صاحب مدظلہم



اسلامیہ ٹرسٹ اندرون لوہاری گیٹ کوچہ بیرکی بنداں لاہور

جامعۂ مدنیہ

(رجسٹرڈ)

اور اس کے اغراض و مقاصد

جامعہ مدنیہ کا نصب العین تبلیغِ اسلام ہے ۔جس کے حاصل کرنے کے لیے :

۱۔ عامۃ المسلمین میں علوم دینیہ ، قرآن ، حدیث ، فقہ ، عقائد اور اس کے متعلقہ علوم کی ترویج و اشاعت ۔

۲۔ قرآن ، حدیث ، فقہ اور عقائد کی ایسی مکمل اور محققانہ تعلیم کا انتظام جس میں ضروریات دین و مقتضیات عصریہ کا خاطر خواہ لحاظ رکھا جائے اور جس سے محققانہ نظر رکھنے والے ماہرِ علومِ دینیہ پیدا ہوں ۔

۳۔ فضلائے علوم دینیہ کو دوسرے ممالک کی زبانیں یا قانون وغیرہ سکھانا تاکہ ان کو ادائیگی فریضۂ تبلیغ میں آسانی پیدا ہو ۔

۴۔ گریجویٹ اور تعلیمِ نو حاصل کرنے والے طلبہ اور بچوں کے لیے تعلیم دین کا انتظام کرنا اور قیامِ مکاتب قرآنیہ ۔

۵۔ اسلامی مذہب و فکر کے متعلق اعلیٰ محققانہ مضامین و کتب کی تصنیف ، تدوین ، ترتیب ، تراجم اور ان کی اشاعت کا انتظام و اہتمام کرنا ۔

۶۔ دیگر ایسے اقدامات جو تعلیماتِ اسلامیہ کی اشاعت اور مذکورہ بالا مقاصد کی فروغ کے ضامن ہوں ۔

۷۔ بنی نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کے لیے مناسب اداروں کا قیام ۔

جامعہ مدنیہ آپ کی ہر قسم کی معاونت کا صحیح مستحق ہے

منجانب : امیرِ جامعۂ مدنیہ لاہور

بیس رکعت تراویح کے اثبات میں ایک بلند پایہ محققانہ تصنیف

المسمیٰ

بالتوضیح

عن

رکعات التراویح

مؤلفہ

حضرت علامہ مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری صاحب دام فیضہم

برائے

اسلامیہ ٹرسٹ

کوچہ سرکی بنداں۔ اندرون لوہاری گیٹ لاہور

فہرست مضامین

التوضیح عن رکعات التراویح

صفحہ

دیباچہ

اَلحمدُ للہِ رب العالمین والصّلوٰۃ والسلام عَلیٰ خیر خلقہٖ
سیدنا محمد وّ آلہ واصحٰبہٖ اجمعین ؕ

امّا بعد رمضان المبارک نہایت با برکت مہینہ ہے لیکن جہاں ماہ صیام کی آمد ہر سال مسلمانوں پر خیر و برکت اور لطف و رحمت کے ہزاروں دروازے کھول دیتی ہے۔ وہاں اس خراب آباد ہندوستان کے اندر مذہبی رنگ میں ایک شر بھی ظہور کرتا ہے اور وہ جماعت "اہل حدیث" کا یہ پروپیگنڈا ہے کہ "بیس رکعت تراویح کی کوئی اصل نہیں" ہر سال اہل سنت و جماعت کے سروں پر اس مکروہ نشریہ کے طوفان اٹھتے ہیں اور بہت سے ناواقف حنفی یہ سمجھتے ہوئے اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے ہیں کہ شاید اہل سنت کے پاس بیس رکعت کا کوئی ثبوت نہ ہوگا۔

۱۹۲۸ء میں راقم الحروف دہلی گیا وہاں ایک دوست نے بتایا کہ آج کسی غیر مقلد نے اشتہار تقسیم کئے ہیں کہ بیس رکعت تراویح بدعت ہے۔ میں یہ سنکر سخت حیرت زدہ ہوا کہ آج کفرزار ہندوستان میں وہ وقت بھی دیکھنے میں آیا کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کی سنت کو جو در اصل خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ بدعت کہا جاتا ہے اس کے بعد جب راقم لاہور میں تھا تو ۱۹۳۶ء کے آواخر میں سیکرٹری صاحب انجمن

اہلِ حدیث برانڈرتھ روڈ لاہور کی طرف سے ایک رسالہ بنام "رکعاتِ تراویح" تقسیم کیا گیا جس کے آخری صفحہ پر لکھا تھا کہ آٹھ رکعت سے زیادہ تراویح کا کوئی ثبوت نہیں اور جو روایتیں بیس رکعت کے حق میں پیش کی جاتی ہیں۔ ان کے راوی ضعیف اور جھوٹے ہیں۔" میں نے سیکرٹری صاحب سے مل کر گذارش کی کہ مسلمانوں کے موجودہ دورِ انحطاط میں ایسی افتراق انگیز تحریروں کی اشاعت مفادِ ملی کے خلاف ہے۔ اس لئے آئندہ ایسے اقدام سے پہلوتہی کرنی چاہیئے۔" انہوں نے جواب دیا کہ ہر شخص کو حق ہے کہ جس چیز کو وہ صحیح سمجھتا ہے اس کو دوسروں تک پہنچائے۔" مگر ظاہر ہے کہ وحدتِ قومی کی طرف سے آنکھیں بند کر کے فروعی اختلافات کا فتنہ کھڑا کرنا اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا کہاں تک قرینِ دانش ہے۔

چونکہ احناف لاہور کی کسی جماعت نے سیکرٹری صاحب کے رسالہ کی طرف التفات نہ فرمایا۔ اس لئے انہوں نے اگلے سال یعنی ۱۹۳۷ء کے رمضان المبارک میں پھر ایک دو ورقہ شائع کر کے آٹھ رکعت کے سنتِ نبوی ہونے پر زور دیا اور بیس رکعت تراویح کی قطعی نفی کر کے بزعم خود اہلِ سنت کے جسدِ بے حس پر تازیانہ تنبیہ رسید کیا۔ چنانچہ اس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اس دو ورقہ کے جواب میں احناف کی طرف سے ۴۲ صفحات کا ایک رسالہ اور ایک دو ورقہ شائع ہوا جس پر عامۂ احناف مطمئن ہو گئے اور بادی النظر میں فضا پُرسکون ہو گئی۔

لیکن اس کے بعد رمضان ۱۳۶۱ھ کے آغاز میں ایک "اہل حدیث" دوست نے مولانا ابو تمیم محمد ابراہیم[1] صاحب میر سیالکوٹی کا ایک رسالہ موسومہ بہ "انارۃ المصابیح لاداء صلوٰۃ التراویح"

[1] ہمارا یہ جوابی رسالہ مولانا ابراہیم صاحب کی حیات میں لکھا گیا تھا اب طبع ہو رہا ہے۔ حامد میاں عفرلہٗ

میرے حوالے کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرات "اہل حدیث" کی شر انگیزی کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب کے رسالہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تالیف آج سے ڈیڑھ سال پیشتر اکتوبر ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس رسالہ میں کبھی حسب معتاد آٹھ رکعت کو سنت نبویہ اور عمل صحابہ قرار دیتے ہوئے بیس رکعت کو بے اصل ٹھہرانے کی کوشش کی گئی ہے اور بزعم خود ان رسالوں کی تردید کی ہے جو لاہور میں "اہل حدیث" کی تحریروں کے جواب میں شائع ہوئے تھے۔

گو "اہل حدیث" کا رویہ مدت سے اشتعال انگیز چلا آرہا ہے۔ تاہم خاکسار راقم التحریر نے اس نزاع کو فروعی اختلاف قرار دے کر کبھی قابل التفات نہ سمجھا اور قطعاً گوارا نہ کیا کہ اس "لاطائل بحث" میں اُلجھ کر اپنے قیمتی اوقات کا خون کروں۔ لیکن آخر میں نے دیکھا کہ یہ جماعت امن و سکون کو گناہ عظیم سمجھتی ہے اور اس نے اتحاد بین المسلمین کی طرف سے آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے۔ اس لئے مولانا ابو تمیم محمد ابراہیم سیالکوٹی کا پروپیگنڈا دیکھ کر میں نے معاً محسوس کیا کہ اب اس مسئلہ کی طرف توجہ کرنا ناگزیر ہے۔ اور بادلِ ناخواستہ ارادہ کرلیا کہ ایک رسالہ لکھ کر جماعت "اہل حدیث" کی غلط فہمی دور کردی جائے اور ان لوگوں پر واضح کر دیا جائے کہ بیس رکعت تراویح کسی حنفی یا شافعی کا دماغی اختراع نہیں بلکہ سلف سے خلف تک اسی پر عملدرآمد ہوتا چلا آیا ہے۔

اگر اس رسالہ کی اشاعت کے بعد جماعت "اہل حدیث" نے اپنی معتاد افتراق پسندانہ روش کی اصلاح کرلی تو یہ اس بات کا عملی اعتراف ہوگا کہ اُس پر اس مسئلہ کے تمام پہلو بخوبی روشن ہو گئے ہیں۔ اس لئے خلوص نیت کے ساتھ کسی مزید نشریہ کو بیکار سمجھ کر خاموش ہو گئی ہے۔ ورنہ ہر شخص یہ باور کرنے پر مجبور ہوگا کہ یہ لوگ اپنی اقلیت کی زیست

بقا کے لئے اس قسم کی ہنگامہ خیزی اور غوغہ آرائی پر مجبور ہیں۔

یاد رہے کہ ان اوراق میں حوالوں سے صرف ماخذ بتانا مقصود ہے پس جہاں کہیں کسی بیان پر متعدد کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہوں۔ وہاں یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ کتابیں اس بیان میں باہم متفق ہیں۔ بلکہ محض یہ جتلانا منظور ہے کہ یہ چیز فلاں فلاں کتاب سے اخذ کی گئی ہے۔ مثلاً پانچویں فصل میں مروزی اور عینی شرح صحیح بخاری کا حوالہ ہے۔ وہاں یہ غرض نہیں کہ یہ سارے نام مروزی اور عینی دونوں نے یکساں قلمبند کئے ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ یہ اسماء مبارکہ ان دونوں سے ماخوذ ہیں اسی طرح ایک جگہ ترمذی شریف اور المغنی کا حوالہ ہے وہاں بھی یہ مراد ہے کہ یہ نام ان دو کتابوں سے لئے گئے ہیں نہ یہ کہ دونوں میں سے ہر ایک نے یہ سارے نام دیئے ہیں۔ اگر قارئین کرام اس تصریح کو ذہن نشین رکھیں گے تو اکثر اشکالوں اور غلط فہمیوں سے محفوظ رہیں گے۔

"اہل حدیث" کے جن بیانات کے اخیر میں کوئی حوالہ نہیں وہ یا تو ان کے زبانی اقوال ہیں جو وقتاً فوقتاً مسموع ہوئے یا وہ جوابات ہیں جن کے دیئے جانے کا ان کی طرف سے احتمال وامکان ہوسکتا ہے میں نے یہ احتمالی جوابات اس کوشش میں دیئے ہیں کہ ابھی سے ان کی طرف سے احتمالی جواب الجواب بھی پیش کر کے بحث کو کوتاہ کیا جائے بعض جگہ ان میں سے کوئی بھی صورت نہیں بلکہ محض سلسلۂ کلام کے اتصال کے لئے یا غرض مقصد کو ذہن نشین کرنے کی خاطر بھی بطور اعتراف حقیقت ان کی طرف سے کچھ لکھدیا ہے۔ کیونکہ ایسا نہ کیا جاتا تو بعض جگہ سلسلۂ کلام بے ربط رہ جاتا۔

مؤلف عفی عنہ
از لاہور

مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۴۲ء

فصل ۱

شارع علیہ السلام کی رکعاتِ تراویح کا بروایت صحیح منقول نہ ہونا

اہل حدیث۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے آٹھ رکعت تراویح ہی بسندِ صحیح ثابت ہے (انارۃ المصابیح مولفہ مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی صفحہ ۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا نصاب (آٹھ رکعت) خدا کے نزدیک ذکرِ کثیر ہے (ایضاً صفحہ ۱۳)

اہل سنت۔ غلط ہے۔ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات نماز تراویح پڑھائی تھی لیکن کسی صحیح روایت سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ آپ نے ان راتوں میں کتنی کتنی رکعتیں پڑھائیں۔ علامہ شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

فانہ ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃً فی رمضان ویوتر بثلاثٍ فرأی کثیر من العلماء ان ذٰلک ھو السنۃ لانہ قام بین المھاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر واستحب آخرون تسعۃً وثلاثین رکعۃً بناءً علی انہ عمل اھل المدینۃ القدیم وقال طائفۃٌ قد ثبت فی الصحیح عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ

کیونکہ ثابت ہے کہ حضرت ابی بن کعب لوگوں کو بیس رکعت رمضان میں پڑھایا کرتے تھے اور تین وتر بھی تو بہت سے علماء کا تو خیال ہے کہ یہی سنت ہے کیونکہ انہوں نے تمام مہاجرین اور انصار میں پڑھائی اور کسی نے انکار نہ کیا۔ دوسرے علماء نے انتالیس رکعت مستحب سمجھی ہیں اس بنا پر کہ یہ اہل مدینہ کا پرانا عمل تھا اور کچھ لوگوں نے کہا کہ صحیح روایت میں حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الله علیہ وسلم لم یکن یزید فی رمضان ولا فی غیرہ من ثلاث عشرۃ رکعۃ" واضطرب فی هذا الاصل لما ظنوہ من معارضۃ الحدیث الصحیح لما ثبت من سنۃ الخلفاء الراشدین وعمل المسلمین والصواب ان ذالك جمیعہ حسن کما قد نص علی ذالك الامام احمد رضی الله عنہ وانہ لایتوقت فی قیام رمضان عدد فان النبی صلی الله علیہ وسلم لم یوقت فیها عددًا۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۱۹۱)

رمضان یا غیر رمضان میں تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھاتے تھے اور اس قاعدہ میں (جو حضرت عائشہؓ نے ذکر فرمایا) بہت تردد پیش آیا کیونکہ علماء نے اسے دوسری حدیث صحیح کے معارض سمجھا کیونکہ یہ ثابت ہے کہ سنت خلفاء راشدین اور عمل مسلمین (دونوں بیس یا زائد ہیں) اور صحیح یہ ہے کہ سب صورتیں بہتر ہیں جیسے امام احمدؒ نے تصریح کی ہے اور یہ کہ قیام رمضان میں کوئی عدد مقرر نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کوئی عدد مقرر نہیں فرمایا۔

علامہ علی قاریؒ لکھتے ہیں ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد معین موقت عن النبی صلی الله علیه وسلم لایزید ولا ینقص فقد اخطاء (مرقات جلد ۲ ص۱۷۵)
جو شخص یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ تراویح کی کوئی مقررہ تعداد ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے قول یا فعل سے) متعین فرمایا ہو اور اس میں کمی بیشی نہ ہوسکتی ہو تو وہ غلطی پر ہے۔

ظاہر ہے کہ جب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قول یا فعل سے کسی تعداد کی تعیین نہیں فرمائی۔ تو اس سے ان حضرات کی غلط فہمی پر مہر تصدیق ثبت ہوگئی جو آٹھ رکعت کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بتا رہے ہیں۔ اسی طرح اور سنئے۔ علامہ سیوطیؒ نقل فرماتے ہیں۔

قال السبکی فی شرح المنهاج اعلم انہ لم ینقل کم صلی رسول الله صلی الله علیہ وسلم

علامہ سبکیؒ نے شرح منہاج میں لکھا ہے کہ یقین کر لو کہ (کسی صحیح روایت میں) منقول نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تلك الليالي هل هو عشرون او اقل قال ومذهبنا ان التراويح عشرون ركعة لما روى البيهقي وغيره بالاسناد الصحيح عن السائب بن يزيد الصحابي رضي الله عنه بعشرين ركعة والوتر۔

نے ان راتوں میں کس قدر رکعتیں پڑھائیں بیس یا بیس سے کم؟ لیکن ہمارا مذہب بیس رکعت پڑھنے کا ہے کیونکہ بیہقی وغیرہ نے سند صحیح کے ساتھ سائب بن یزید صحابیؓ سے (عہد فاروقی میں) وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھنے کی روایت کی ہے۔

(المصابیح فی صلوٰۃ التراویح مترجم مجموعہ ثنائی پریس امرتسر صفحہ ۱۴)

اسی طرح قاضی شوکانی رح لکھتے ہیں۔

والحاصل ان الذی دلت علیہ احادیث الباب وما یشابہھا هو مشروعیة القیام فی رمضان والصلوٰة فیه جماعة وفرادی فقصر الصلوٰة المسماة بالتراویح علی عدد معین وتخصیصها بقراءة مخصوصة لم یرد به سنة (نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۹۹)

اس باب کی حدیثوں کا خلاصہ: قیام رمضان کی مشروعیت اور اس میں نماز ادا کرنا ہے خواہ جماعت سے ہو یا تنہا پس نماز تراویح کو کسی عدد معین پر محدود کرنا یا کسی خاص قرأت کے ساتھ مخصوص کرنا سنت میں وارد نہیں ہوا یعنی سنت نبوی سے رکعات کی معین تعداد یا کوئی خاص قرأت ثابت نہیں۔

اسی طرح مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رقمطراز ہیں (ما لا بدمنہ حاشیہ ۳ صفحہ ۸، دیکھئے)

غرض قرون اولیٰ میں نماز تراویح مختلف رکعتوں میں ادا کی جاتی تھی کہیں وتر کے علاوہ چالیس رکعت پڑھتے تھے کہیں چھتیس اور کہیں بیس اور ہندوستان کے "اہل حدیث" تو تمام اسلامی دنیا اور مذاہب اسلام کے برخلاف اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ ہی بنا

رہے ہیں یعنی اپنی آٹھ رکعت ہی میں مگن ہیں۔ اب جائے غور ہے کہ اگر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح کی تعدادِ رکعات کسی صحیح روایت سے ثابت ہو جاتی تو اس اختلاف کا کہیں وجود نہ ہوتا اور حاملین شریعت از خود قلت کو چھوڑ کر کثرت پر عمل پیرا نہ ہوتے۔ سیوطی رقمطراز ہیں۔

ان العلماء اختلفوا فی عددھا ولو ثبت	علماء میں اختلاف ہے کہ تراویح کی کتنی رکعتیں ہیں
ذالک من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم	اگر رکعتوں کی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل
لم یختلف فیہ کعدد الوتر والرواتب	سے ثابت ہو جاتی تو اس بارہ میں اسی طرح کوئی اختلاف
رُوِیَ عن الاسود بن یزید انہ کان	نہ پایا جاتا جس طرح وتر اور سنن موکدہ کی تعداد میں کوئی
یصلیھا اربعین رکعۃ غیر الوتر و	اختلاف نہیں۔ اسود بن یزیدؒ وتر کے علاوہ چالیس
عن مالکٍ التراویح ست وثلاثون	رکعت پڑھا کرتے تھے اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ تراویح
رکعۃ غیر الوتر لقول نافع ادرکتُ	کی رکعتیں وتر کے علاوہ چھتیس ہیں کیونکہ امام نافعؒ کا
الناسَ وھم یقومون رمضانَ	بیان ہے کہ میں نے اہل مدینہ کو رمضان میں ۳۹ رکعت
بتسعٍ وثلثینَ رکعۃ و یوترون	تراویح پڑھتے پایا جن میں وتر رکعتیں داخل ہیں۔
منھا بثلٰث۔	(المصابیح مطبوعہ امرتسر صفحہ ۸-۹)

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اہل مدینہ کے عمل سے بھی استدلال کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

وانما صلی لیالی صلوٰۃ لَم یُذکر	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چند رات نماز تراویح
عددھا (المصابیح ص ۳) ولو ثبت	پڑھی تو اس کی رکعتوں کی تعداد کسی صحیح روایت
عددھا بالنص لم یجز الزیادۃ علیہ	میں) مذکور نہیں اور اگر نص سے اس کی تعداد

لاهل المدينة والصدر الاول كانوا اورع من ذالك ومن طالع كتب المذهب خصوصًا شرح المهذب ورائ تصريحه وتعليله في وسائلها كقراءتها ووقتها وسنة الجماعة فيها بفعل الصحابة واجماعهم علم علم اليقين انه لو كان خبر مرفوع لاحتج به۔ (المصابیح ص ۱۰)	رکعات ثابت ہوجاتی تو اہل مدینہ کو زیادہ رکعتیں پڑھنا جائز نہ ہوتا رہا حالانکہ صدر اول کے لوگ (متاخرین کی نسبت) بہت زیادہ متقی تھے اور جو کوئی مذہب (شافعی) کی کتابوں کا مطالعہ کرے خصوصًا شرح مہذب اور اس کی تصریح اور تعلیل کو دیکھے جو اس میں تراویح کی قرأت اور وقت کے متعلق کی گئی ہے اور جماعت تراویح کو فعل صحابہ اور اجماع کے ساتھ مسدود بتایا ہے تو اسے علم الیقین کے درجہ میں معلوم ہوجائے گا کہ اگر عدد رکعات کے متعلق کوئی مرفوع حدیث موجود ہوتی تو اس کو بطور دلیل پیش کیا جاتا۔

ان تحقیقات سے معلوم ہوا کہ محدثین کرام رح کے نزدیک تعداد رکعات کے متعلق کوئی سنت نبوی ثابت نہیں اور اگر آٹھ رکعت تراویح کی حدیث مرفوع جو حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے صحیح ہوتی تو حضرات محدثین یہ کبھی نہ لکھتے کہ رکعات تراویح کی تعداد ہادی انام صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

اہل حدیث ۔ سُبکی، شوکانی اور سیوطی رحمہم اللہ کے بیانات غلط ہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آٹھ رکعت تراویح پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو امام محمد بن نصر مروزی رح قیام اللیل ص ۱۶۰ پر لکھتے ہیں۔

حدثنا محمد بن حمید الرازی حدثنا	ہم سے حدیث بیان کی محمد بن حمید رازی نے،

یعقوب بن عبد اللہ حدثنا عیسیٰ بن جاریہ عن جابرٍ رضی اللہ عنہ قال صلّٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعاتٍ والوتر الحدیث۔	انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی یعقوب بن عبد اللہ نے انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی عیسیٰ بن جاریہ نے انہوں نے روایت کی جابر رض سے کہ جابر رض نے کہا نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں آٹھ رکعت علاوہ وتر کے (رکعات تراویح مولفہ سکرٹری اہل حدیث صفحہ ۷، انارۃ المصابیح مولفہ سیالکوٹی صاحب ص ۲۰)

اہل سنت ۔ کیا اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں ؟

اہل حدیث ۔ ہاں سب نہایت ثقہ ہیں

اہل سنت ۔ محمد بن حمید رازی اور عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق محدثین کی کیا رائے ہے ؟

اہل حدیث ۔ ہاں یہ دونوں بھی نہایت ثقہ ہیں۔ محمد بن حمید رازی ابوعبداللہ نے ابن مبارک وغیرہ سے روایت کی ۔ محمد بن حمید رازی کی نسبت یحییٰ بن معین سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہے اس سے کوئی خطرہ نہیں اور عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق بھی محدثین نے لاباس بہ لکھا ہے یعنی اس سے بھی کوئی خطرہ نہیں۔

اہل سنت ۔ آپ نے ان دونوں کے حال پر پردہ ڈال کر ملمع سازی سے کام لیا ہے ۔ یہ دونوں راوی نہایت ضعیف ہیں ۔ اگر محمد بن حمید رازی کو ایک یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے تو نصف درجن سے زیادہ حضرات اس کو ناقابل اعتماد ٹھہرا رہے ہیں ۔ اسی طرح عیسیٰ بن جاریہ کو بھی نصف درجن سے زیادہ ثقات نے ضعیف اور ناقابل اعتماد قرار دیا ہے ۔

محمد بن حُمید رازی امام سخاوی لکھتے ہیں کہ ضعیف ہے۔ نسائیؒ نے محمد بن حمید رازی کی نسبت کہا ہے کہ ثقہ نہیں۔ یعقوبؒ بن شیبہ کا بیان ہے کہ محمد بن حمید مُنکر حدیثیں بکثرت روایت کرتا ہے (اگر راوی بہت غلطی کرتا ہو یا غافل یا کثیر الوہم یا فاسق یا بدعتی ہو یا اس کی روایت معتمد لوگوں کے بیان کے خلاف ہو تو اس کی حدیث کو منکر کہتے ہیں) امام بخاریؒ نے فرمایا کہ محمد بن حمید کی حدیث میں احتیاط چاہیئے۔ ابوزرعہؒ نے کہا کہ جھوٹا ہے۔ جوزجانیؒ نے کہا کہ ردی المذہب اور غیر ثقہ ہے۔ اسحٰق کوسج کہتے تھے کہ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ ابن حمید کذّاب ہے۔ فضلکؒ رازی کا بیان ہے کہ میرے پاس ابن حمید کی پچاس ہزار حدیثیں جمع ہیں لیکن میں ان میں سے ایک حرف بھی کسی سے روایت نہیں کرتا۔ ابوؒ علی نیشاپوری کا بیان ہے کہ میں نے ابن خزیمہ سے کہا کہ اگر آپ ابن حمید سے اسناد لیں تو بہت خوب ہو۔ کیونکہ احمد بن حنبل نے اس کی نسبت اچھی شہادت دی ہے۔ ابن خزیمہ نے جواب دیا کہ امام احمد اس کے حال سے بیخبر ہیں۔ اگر ہماری طرح وہ بھی اس حقیقت سے باخبر ہوتے تو اس کو قطعاً اچھا نہ سمجھتے۔ صالح بن محمد اسدی کا بیان ہے کہ میں نے محمد بن حمید رازی سے بڑھکر کسی کو خدا پر جری نہیں پایا۔ یہ شخص لوگوں سے حدیثیں حاصل کرکے ان میں ردو بدل کرلیتا تھا۔

صالح بن محمد یہ بھی کہتے تھے کہ میں نے دو شخصوں کے برابر دنیا میں کسی کو دروغ گو نہیں دیکھا ایک محمد بن حمید رازی اور دوسرا سلیمان شاذکونی صالح جزرہ کہتے ہیں کہ ابن حمید کو ہم بیان میں جھوٹا سمجھتے تھے میں نے اس شخص سے بڑھکر کسی کو حق تعالیٰ پر زیادہ جری نہیں پایا۔ لوگوں سے حدیثیں حاصل کرکے ان میں ردو بدل کرلیتا تھا ابن خراش کہتے ہیں کہ ابن حمید نے ہم سے حدیث کی روایت کی لیکن خدا کی قسم وہ جھوٹ بولتا تھا اور مُتعدد معتبرات سے منقول ہے کہ ابن حمید حدیثیں چراتا تھا۔ ابونعیم کا بیان ہے کہ ابو حاتم رازی کے پاس مشائخ رے اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت بیٹھی تھی ابن حمید کا تذکرہ چھڑ گیا سب نے بالاتفاق کہا کہ وہ حدیث میں نہایت ضعیف ہے ایسی ایسی حدیثیں روایت کرنے لگتا ہے جو اس نے کہیں سے سنی نہیں ہوتیں اس کی ایک عادت یہ تھی

کہ بصریوں اور کوفیوں کی حدیثیں حاصل کر کے رازیوں کی طرف سے روایت کر دیتا تھا۔
(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۱۲۹-۱۳۰، میزان الاعتدال مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۵۰)

عیسیٰ بن جاریہ | دوسرے راوی عیسیٰ بن جاریہ مدنی کا بھی یہی حال ہے۔ وہ بھی درجۂ ثقاہت سے گرا ہوا ہے۔ شیخ ابن حجر عسقلانیؒ تقریب میں لکھتے ہیں کہ فیہ لین (وہ روایت حدیث میں کمزور ہے) اور فرماتے ہیں کہ یہ چوتھے درجہ کا آدمی (یعنی ثقہ) نہیں ہے (تقریب التہذیب مطبوعہ دہلی ص ۲۹۵) اور علامہ ممدوح "تہذیب التہذیب" میں رقم فرما ہیں کہ یحییٰ بن معین کا بیان ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ کے پاس منکر حدیثیں ہیں نسائی نے کہا کہ منکر الحدیث ہے اور اس سے جو حدیثیں پہنچی ہیں وہ متروک ہیں۔ امام ابوداؤد محدث نے بھی فرمایا ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ منکر الحدیث ہے اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ میں اس کو نہیں پہچانتا۔ وہ منکر حدیثیں روایت کرتا تھا۔ اسی طرح ساجی اور عقیلی نے بھی عیسیٰ بن جاریہ کو ضعفاء میں شمار کیا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ ابن جاریہ کی حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۲۰۷، میزان الاعتدال مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۳۱۱)

غرض جس روایت میں پے در پے دو راوی ضعیف ہوں اس سے استدلال کرنا اور اس کو اس طمطراق سے پیش کرنا کہ گویا وہ کوئی حدیث متواتر یا بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی ہی کو زیب دیتا ہے اگر اس قسم کی کوئی لنگڑی لولی روایت ہمارے دعوے کی موید ہوتی تو ہمیں کبھی اس کے اظہار تک کی جرات نہ ہوتی چہ جائیکہ اس کو بار بار پیش کر کے اس پر اتراتے اور زمین آسمان کے قلابے ملا کر چیلنج پر چیلنج شائع کرتے۔

اہل حدیث۔ محمد بن حمید رازی تو خیر ضعیف سہی لیکن بن جاریہ تو ایسا ضعیف نہیں کہ اس کی بات کو قطعی لغو اور جھوٹ سمجھ لیا جائے۔ چنانچہ علنبہ رازی جعفر بن حمید نے بھی اُس سے حضرت جابرؓ کی حدیث بدیں الفاظ نقل کی ہے۔

قال علنبسہ الرازی جعفر بن حمید حدثنا یعقوب القمی عن عیسٰی بن جاریہ عن جابر قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات والوتر فلما کان فی القابلۃ اجتمعنا ورجونا ان یخرج فلم نزل حتی اصبحنا۔	علنبہ رازی جعفر بن حمید نے کہا کہ ہم سے یعقوب قمی نے حدیث بیان کی۔ یعقوب قمی نے عیسٰی بن جاریہ سے سُنا اور عیسٰی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو رمضان میں آٹھ رکعت تراویح اور وتر پڑھائے۔ دوسری رات ہم پھر جمع ہوئے اور آنحضرتؐ کی تشریف آوری کے منتظر رہے۔ لیکن
(میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۱۱)	آپ نہ آئے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

اہل سنّت۔ اس روایت میں یعقوب قمی اور عیسٰی بن جاریہ دو راوی ضعیف ہیں۔ یعقوب بن عبداللہ قمی کی نسبت گو لیس بہ باس (اس میں تھوڑا ضعف ہے) لکھا ہے لیکن دارقطنی فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے یعقوب قمی سے تعلیقاً روایت کیا ہے۔ (میزان الاعتدال مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۳۲۴)

اہل حدیث۔ امام طبرانی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

حدثنا عثمان بن عبید اللہ الطلحی الکوفی ثنا یعقوب بن عبد اللہ القمی	ہم سے عثمان بن عبداللہ کوفی نے بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہم سے یعقوب بن عبداللہ قمی نے

؂ آج ۱۶ دسمبر ۱۹۸۵ء کو طبرانی کی معجم صغیر دیکھی اس میں عثمان عبیداللہ طلحی کا نام نہیں ملا۔ منہ

عن عیسیٰ بن جاریہ عن جابر بن عبد اللہ	عیسیٰ بن جاریہ سے انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ
قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ	سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہیں
علیہ وسلم فی شہر رمضان الخ	رمضان میں نماز پڑھائی الخ

اہل سنت ۔ اس حدیث میں بھی وہی دو ضعیف راوی یعقوب قمی اور عیسیٰ بن جاریہ موجود ہیں ۔

یہ حقیقت قابل غور ہے کہ جس شخص کے خلاف علامہ ابن حجر عسقلانیؒ امام یحییٰ بن معین، ابوداؤد محدثؒ نسائیؒ محدثؒ، ساجی، عقیلی اور ابن عدی جیسے سات معزز و محترم گواہ شہادت کے لئے صف بستہ کھڑے ہوں ۔ اگر اس کی تائید میں کوئی ایک آدھ کمزور سی آواز اُٹھے بھی تو اُسے کون سن سکتا ہے ۔ اس سے قطع نظر ابو زرعہ کا لا باس بہ (اس روایت میں کوئی حرج نہیں) کہنا خود اس کی ثقاہت کی نفی ہے ۔ کیونکہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ کسی قدر ضعیف ہے ۔

اہل حدیث ۔ میں نے گزارش کی کہ عنبسہ رازی جعفر بن حمید نے بھی عیسیٰ بن جاریہ سے حدیث جابرؓ نقل کی ہے ۔

اہل سنت ۔ لیکن جس صورت میں کہ ابن جاریہ ضعیف اور ناقابل اعتماد ہے تو اس سے جو روایت بھی نقل کی جائے گی ۔ وہ ضعیف اور ناقابل التفات ہو گی ۔ عنبسہ رازی کی جو حدیث اوپر درج کی گئی ہے ۔ اس میں عیسیٰ بن جاریہ کے علاوہ ایک راوی یعقوب بن عبداللہ قمی بھی قابل اعتماد نہیں ۔ گو طبرانیؒ نے اسے ثقہ اور نسائیؒ نے لیس بہ باس (اس میں کچھ زیادہ ضعیف نہیں) لکھا ہے لیکن دار قطنی

نے اسے ضعیف بتایا ہے۔ دیکھو تہذیب التہذیب (جلد ۱ ص ۱۹۳) میزان الاعتدال ذہبی جلد ۳، تعلیقاً (ایضاً) صفحہ ۴۳۴) امام ذہبی لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اس سے تخریج کی ہے

اہل حدیث۔ اچھا اگر آپ دونوں روایتوں کو مسترد کرتے ہیں تو ہم آٹھ رکعت تراویح کے سنت رسول اللہ ہونے کی تائید میں ایک اور حدیث پیش کرتے ہیں سنئے۔ امام محمد بن نصر مروزیؒ نے کتاب قیام اللیل میں جابرؓ سے روایت کی ہے کہ ابی بن کعبؓ رمضان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! رات ایک بات ہوگئی۔ آپ نے فرمایا کیا بات ہوگئی؟ ابیؓ نے عرض کیا کہ میرے گھرانے کی عورتوں نے کہا کہ ہمیں قرآن یاد نہیں۔ اس لئے ہم تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گے اور تمہاری اقتدا کریں گے۔ تو میں نے ان کو وتر اور آٹھ رکعتیں پڑھا دیں۔ آنحضرتؐ نے یہ سن کر سکوت کیا گویا اس بات کو پسند فرمایا۔ رواہ ابو یعلیٰ وا ورده الہیثمی فی مجمع الزوائد۔ (رکعات تراویح مولفہ سکرٹری صاحب صفحہ ۸)

اہل سنت۔ یہاں بھی آپ کے دونوں مریض محمد بن حمید رازی اور عیسیٰ بن جاریہ بستر علالت پر پڑے ہیں۔ پہلے ان دونوں کا علاج کرا لیجئے اس کے بعد پھر کوئی اور بات کہئے۔

اہل حدیث۔ آپ نے حضرت جابر کی تیسری حدیث کو بھی اسی سے ارسال کر دیا۔ حالانکہ شیخ ابن حجر عسقلانیؒ نے حدیث جابرؓ کو قابل وثوق بتایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے حدیث مذکورہ بالا کی کسی سند میں یہ نہیں دیکھا ہے

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں کتنی رکعتیں پڑھائی تھیں لیکن ابن خزیمہ اور ابن حبان نے جابرؓ سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں وتر کے علاوہ آٹھ رکعتیں پڑھائی تھیں پس یہ روایت صحیح ہے یا حَسَن ہے ضعیف نہیں ہے کیونکہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴ میں اس امر کی تصریح فرمادی ہے کہ ہم جو حدیث فتح الباری میں ذکر کریں گے۔ وہ یا صحیح ہوگی یا حَسَن (رکعات تراویح مولفہ سکرٹری صاحب صفحہ ۶)

اہل سنت۔ غلط ہے۔ علامہ ابن حجرؒ نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ ہم جو حدیث بھی فتح الباری میں درج کریں گے۔ وہ صحیح یا حَسَن ہوگی۔ سیکرٹری صاحب! جب آپ لوگ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں اور بزعم خود دوسروں کو بھی حق ہی کی طرف بلاتے ہیں۔ تو پھر جھوٹ بول کر اپنا الو سیدھا کرنے کی اتنی کوشش کیوں ہے۔ حق تعالیٰ آپ لوگوں کو عصبیت جاہلیت سے نجات بخشے اور اگر بالفرض علامہ ممدوح نے ایسا لکھا ہی ہوتا تو بھی کسی طرح درخور التفات نہ تھا۔ کیونکہ (۱) انہوں نے خود ہی اپنی بیش بہا تالیفات تقریب التہذیب اور تہذیب التہذیب میں عیسیٰ بن جاریہ کو ضعیف بتایا ہے اور اس کی بُری طرح گت بنائی ہے (۲) انہوں نے شرح نخبۃ الفکر میں حدیث صحیح یا حسن کی جو تعریف کی ہے۔ وہ عیسیٰ بن جاریہ کی روایت پر صادق نہیں آتی (۳) اگر حافظ ابن حجر نے واقعی یہ فرمایا ہے کہ ہم جو حدیث بھی فتح الباری میں درج کرینگے وہ صحیح ہوگی یا حسن ہوگی" تو حضرات اہل حدیث بیس رکعت تراویح کی ان روایات پر کیوں عمل پیرا نہیں جن کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں درج فرمایا ہے مثلاً یزید بن خصیفہ کی صحیح روایت (دیکھو فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۱۸۰)

اور یزید بن رومان رحمہ اللہ کی روایت دیکھو فتح الباری جلد ۴ ص (۲۵۴)
چوتھی وجہ یہ کہ امام مالکؒ آٹھ رکعت تراویح کے قائل نہ تھے۔ بلکہ ان کا مسلک ۳۶ رکعت کا تھا۔ کما سیاتی ۔[1]

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھ تراویح پڑھنے کی کوئی روایت بھی قابل وثوق نہیں ہے پس مقدسین "اہل حدیث" جو ہر جگہ حدیث جابرؓ کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں انہیں ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ اس حدیث کی کچھ بھی اصلیت نہیں بلکہ محض عیسیٰ بن جاریہ کی افسانہ تراشی ہے۔

اور حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھ رکعت پڑھنے کی حدیث درایۃً بھی صحیح نہیں کیونکہ تراویح کی تیسری رات تو آپ نماز عشاء سے فراغت پاکر ساری رات تراویح اور وتر میں مصروف رہے تھے یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ کو یہ خطرہ محسوس ہوا تھا کہ شاید سحری کھانے کا وقت نہ مل سکیگا۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں۔

فَقَامَ بِنَا حَتّٰی خَشِیْنَا — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ برابر نماز پڑھتے رہے۔
اَنْ یَّفُوْتَنَا الْفَلَاحُ — یہاں تک کہ ہمیں یہ خطرہ محسوس ہوا کہ سحری کا کھانا نہ کھا سکینگے

اور اگر عیسیٰ بن جاریہ کے بیان کو صحیح باور کر لیا جائے تو لازم آئیگا کہ ساری رات گیارہ رکعتوں میں بیت گئی اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ قرأت، رکوع و سجود وغیرہ معمول و معتاد سے بہت زیادہ طوالت اختیار کی گئی ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا اور اگر

---

[1] دیکھو چوتھی فصل جہاں دسویں روایت کے ذیل میں گیارہ اقوال سے ثابت کیا گیا ہے کہ امام مالکؒ کا مذہب چھتیس رکعت تراویح کا تھا۔

ایسا ہوتا تو جس طرح حضرت ابو ذرؓ نے نماز تراویح کی حدیث میں تاخیر سحر کا ذکر فرمایا ہے یا جس طرح نماز خسوف کی حدیثوں میں قرأت اور رکوع وسجود کی تطویل مذکور ہے۔ اسی طرح لازم وضرور ہے کہ تراویح کی حدیثوں میں بھی قرأت کی غیر معمولی تطویل یا رکوع وسجود کی حد سے بڑھی ہوئی درازی کا ذکر ہوتا۔ نماز خسوف کے متعلق ابن عباس کا بیان ہے

فَقَامَ قِیَامًا طَوِیلاً نَحْوًا مِنْ قِرَاءَةِ الْبَقَرَةِ (بخاری ومسلم)

آنحضرت نے بڑا طویل قیام کیا اور سورہ بقر کے برابر لمبی قرأت پڑھی۔

اور ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں۔

مَا رَكَعْتُ رُكُوعًا قَطُّ وَلَا سَجَدْتُ سُجُودًا قَطُّ كَانَ اَطْوَلَ مِنْهُ (بخاری ومسلم)

میں نے کبھی رکوع وسجود ایسا نہیں کیا جو نماز خسوف کے رکوع وسجود سے زیادہ طویل ہو۔

چونکہ تمام روایات نماز تراویح کی کسی ایسی نمایاں خصوصیت کے ذکر سے خالی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے وتر سمیت تیئس ۲۳ یا شاید اس سے بھی زیادہ رکعتیں پڑھائی ہوں گی۔ ورنہ یہ امر کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے کہ معتاد قرأت اور معمولی رکوع وسجود کے ساتھ ساری شب گیارہ رکعتوں کی نذر ہوگئی ہو۔

اہل حدیث۔ آپ نے آٹھ رکعت تراویح کے سنت نبوی ہونے کی تمام روایتوں کو رد کر دیا حالانکہ آٹھ رکعت تراویح کا سنت نبوی ہونا تمام اکابر حنفیہ نے تسلیم کیا ہے چنانچہ شیخ ابن الہمامؒ نے جو حنفیوں میں بڑے پایہ کے عالم ہوئے ہیں۔ کتاب فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ قیام رمضان جو سنت ہے وہ وتر سمیت گیارہ رکعت ہے۔ جیسے آنحضرتؐ نے باجماعت اپنے فعل سے ادا کیا اسی طرح علامہ عینی حنفی جو مذہب حنفی کی

کی حمایت میں اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ صدیقہ کی گیارہ رکعت والی حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ آپ نے صحابہؓ کو آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے ہیں لیکن صحابہؓ نے اس بات پر اجماع کیا۔ کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ اسی طرح امام زیلعیؒ تخریج الہدایہ میں قیام ماہ رمضان کے باب میں پہلے صحیح ابن حبان والی روایت کا ذکر کرتے ہیں۔ جو حضرت جابر انصاری سے مروی ہے کہ آنحضرت نے رمضان میں صحابہ کے ساتھ قیام کیا اور ان کو آٹھ رکعات پڑھائیں اور وتر بھی پڑھے اسی طرح مولانا عبدالحی لکھنوی نے جو زمانہ حال کے حنفیہ میں تبحر علوم اور حدیث دانی میں بے مثل ہوئے ہیں۔ موطائے امام محمدؒ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت جابرؓ کی حدیث سے روایت کیا کہ آپ نے صحابہ کو آٹھ رکعات پڑھائیں اور پھر وتر پڑھے اور یہ بہت صحیح ہے۔" مذکورہ بالا علماء حضرات حنفیہ کے گھر کے گواہ ہیں۔ ان کی تصریحات سے صاف واضح ہے کہ آٹھ رکعات والی صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ کی حضرت جابر والی حدیث سب کے نزدیک صحیح ہے۔ (انارۃ المصابیح مولفہ سیالکوٹی صاحب ص ۱۴-۱۹) اور علی قاریؒ مرقات میں فرماتے ہیں کہ اصل میں تراویح گیارہ رکعت ہی ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے اور طحطاوی میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح آٹھ رکعت ہی پڑھی ہے" اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کتاب "ما ثبت بالسنہ" میں لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گیارہ رکعت تراویح سے زیادہ ثابت نہیں (سیکرٹری صاحب انجمن اہل حدیث برانڈرتھ روڈ لاہور کی دو ورقی جو انہوں نے نومبر ۱۹۳۰ء میں شائع کی تھی)

اہل سنت۔ سیالکوٹی صاحب اور ان کے ارادت مند سکرٹری صاحب کی متذکرہ صدر تحریروں سے مترشح ہوتا ہے کہ بعض متاخرین حنفیہ جن کے اسماء گرامی انہوں نے زیب رقم کئے ہیں۔ حدیث جابرؓ کی بنا پر آٹھ رکعت تراویح کو سنت نبوی قرار دیتے تھے۔ اگر بالفرض ان دونوں صاحبوں کے بیانات صحیح ہیں اور واقعی بیان کردہ علماء احناف رحمہم اللہ نے یہی لکھا ہے تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ ضرورت داعی نہ ہونے کے باعث وہ درپے تحقیق نہ ہوئے ہوں گے۔ اور انہوں نے محض اس شہرت کی بنا پر آٹھ رکعت کو سنت نبوی خیال کر لیا ہو گا کہ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان کی تمام حدیثیں صحیح ہیں اور اس امر کو ہر فہمیدہ انسان تسلیم کرے گا کہ علماء سے بھی لغزش ہو جاتی ہے اور اس سے انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی بھی بچا ہوا نہیں۔ لغزش انبیاء کرام سے بھی ہو جاتی تھی مگر وہ خطا پر مستمر نہیں رہتے تھے۔ کیونکہ ان کو فوراً وحی سے تنبیہ کر دیا جاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کل کے پرخود غلط "اہل حدیث" نے بیس رکعت کی نفی کرتے ہوئے جب آٹھ رکعت کے سنت نبوی ہونے پر زور دیا تو ہم نے دریائے تحقیق کی غواصی شروع کر دی۔ آخر بعد تفتیش و تفحص اس نتیجہ پر پہنچے کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان کی روایت جس کی بنیاد پر اتنی بڑی بڑی سر بفلک عمارتیں کھڑی کی جا رہی ہیں اور سیالکوٹی صاحب کی جماعت نے اتنا اودھم مچا رکھا ہے اور اہل سنت و جماعت مطعون کئے جا رہے ہیں۔ سرے سے نہایت ضعیف اور قطعی ناقابل عمل ہے۔ اگر دور حاضر کی طرح ان علمائے حنفیہ نور اللہ قبورہم کے سامنے بھی بیس رکعت تراویح کے ثبوت سے انکار کیا جاتا اور ہماری طرح ان کو بھی راویوں کے کھوٹا کھرا پن پرکھنے کے لئے محک امتحان سے کام لینے کی

ضرورت پیش آتی تو یہ کبھی ممکن نہ تھا کہ وہ آٹھ رکعت کو سنت نبوی قرار دیتے۔ سیالکوٹی پارٹی نے ان کی اس بے التفاتی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سخت دھاچوکڑی مچا رکھی ہے لیکن میں سیالکوٹی صاحب اور ان کی پارٹی کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ بڑوں بڑوں سے فروگزاشت ہو جاتی ہے۔ یہ علماء حنفیہ جن کے نام مولانا سیالکوٹی صاحب اور سیکرٹری صاحب نے درج کئے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد تھے۔ اگر بالفرض خود حضرت امام ابو حنیفہؒ سے بھی کوئی غلطی ہو گئی ہو تو اس غلطی کی پیروی جائز نہیں، چہ جائیکہ ان کے مقلدوں کی فروگذاشت کسی پر حجت ہو سکے۔ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبلؒ سے کہا گیا کہ عبداللہ بن مبارکؒ تو اس مسئلہ میں یوں کہتے ہیں۔ فرمایا عبداللہ بن مبارک کچھ آسمان سے نہیں اُترے ہیں۔ اسی طرح کسی نے یوں فرمایا تھا۔ امامؒ نے جواب دیا تم میرے سامنے سنت کی واضح دلیل پیش کرو اور اصل کو لازم پکڑو جب دل میں کسی کی بزرگی سمائی ہو تو اس کی وجہ سے حکم شریعت نہیں چھوڑا جائے گا۔ (تلبیس ابلیس ابن جوزیؒ)

اس سے قطع نظر حضرات مذکورین رحمہم اللہ نے حدیث جابرؓ کی نسبت یہ کہیں نہیں لکھا کہ یہ صحیح الاسناد ہے اور اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے راویوں کی فرداً فرداً تحقیق کئے بغیر محض ناقلانہ حیثیت سے اس روایت کو درج کر دیا ہے اور اگر کبھی اس کے راویوں کو جرح و تعدیل کے معیار پر پرکھنے کی نوبت آتی۔ تو ہماری طرح وہ حضرات بھی ابن جاریہ کی روایت کی صحت سے انکار کر دیتے۔ اور اگر بالفرض کسی نے حدیث جابرؓ کو صحیح الاسناد لکھا ہے تو اس نے ایسا لکھنے میں غلطی کی ہے۔ الغرض مولانا ابراہیم صاحب اور ان کے پیرووں کو حنفی علماء کی آڑ لینا

کسی طرح مناسب نہیں۔ ہاں ان کے پاس کوئی صحیح حدیث ہو۔ تو اس کو شوق سے پیش کریں لیکن وہ اس قسم کی کوئی حدیث قیامت تک پیش نہیں کر سکیں گے۔

اہل حدیث۔ آئمہ محدثین تمام کے تمام آٹھ رکعت تراویح کی حدیث کو بالاتفاق صحیح جانتے ہیں (انارۃ المصابیح۔ مولفہ مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی ص ۲۰)

اہل سنت۔ وہ کونسی حدیث ہے جس کو آئمہ محدثین بالاتفاق صحیح مانتے ہیں؟ اگر ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے کہ حضرت احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے تو وہ گیارہ رکعتیں وتر سمیت تہجد کی تھیں۔ چنانچہ انشاء اللہ العزیز فصل دوم میں اس کو بدلائل ثابت کیا جائیگا اور اگر سیالکوٹی صاحب نے اس سے حدیث جابر رضی اللہ عنہ مراد لی ہے تو وہ کسی طرح معیار صحت پر پوری نہیں اترتی۔ چنانچہ اسی فصل میں اس حدیث کے راوی محمد بن حمید رازی اور عیسیٰ بن جاریہ کا کچا چٹھا درج کرکے اس کا ضعف ثابت کیا جا چکا ہے۔

اہل حدیث۔ حافظ ابن حجرؒ وغیرہ محدثین نے حدیث جابرؓ کو صحیح کہا ہے (مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی کا مضمون مندرجہ "اہل حدیث" امرتسر مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۱۴ء)

اہل سنت۔ اگر سیالکوٹی صاحب اپنے دعوے میں صادق تھے۔ تو ان پر لازم تھا کہ حافظ ابن حجرؒ وغیرہ محدثینؒ کی عبارتیں نقل کرکے اور حوالہ دے کر بتایا ہوتا کہ انہوں نے کس کس کتاب کے کس کس صفحہ پر اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور اگر بالفرض کسی نے صحیح ہی کہا ہو تو بھی اس کا قول قابل التفات نہ ہوگا۔ کیونکہ حدیث جابرؓ جو محض عیسیٰ بن جاریہ کا افترا ہے۔ کسی طرح صحیح حدیث کے معیار پر پوری نہیں اترتی اور

عیسٰی بن جاریہ کے سوا دنیا میں کوئی راوی ایسا نہیں جس نے آٹھ رکعت تراویح کا پڑھنا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کیا ہو۔ چنانچہ طبرانی معجم صغیر میں عیسٰی بن جاریہ کی حدیث جابرؓ نقل کرکے اخیر میں لکھا ہے۔ لایروی عن جابر بن عبداللہ الا بھذا الاسناد۔ یعنی عیسٰی بن جاریہ کی سند کے سوا اس حدیث کی اور کوئی سند نہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ جتنے راویوں نے بھی عیسٰی بن جاریہ کی روایت نقل کی۔ ان کے سلسلہ رداۃ میں یعقوب قمی ضرور آتا ہے حالانکہ یعقوب قمی بھی ضعیف ہے۔ چنانچہ امام یحیٰی بن معین فرماتے ہیں لا اعلم احداً اروی عنہ غیر یعقوب القمی (میں نہیں جانتا کہ یہ حدیث یعقوب قمی کے سوا کسی دوسرے راوی نے بھی عیسٰی بن جاریہ سے روایت کی ہو۔ کتاب الجرح والتعدیل لابی حاتم الرازی مطبوعہ حیدرآباد جلد ۳ ص ۲۷۳) اور لطف یہ ہے کہ خود امام مالکؒ نے جو حدیث جابرؓ کے اہم ترین راوی ہیں۔ اس حدیث کو قابل عمل نہیں سمجھا۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ آٹھ رکعت کی سنت نبوی سمجھتے ہوئے چھتیس رکعت کو اپنا مذہب قرار دیتے اور نویں فصل کے مطالعہ سے قارئین کرام کو حق الیقین معلوم ہو جائیگا کہ امام مالک کا مذہب چھتیس رکعت تراویح کا تھا

اہل حدیث بہت سے حنفی محققین نے لکھا ہے کہ بیس رکعت تراویح میں سے آٹھ رکعت سنت رسول اللہ ہے اور باقی بارہ رکعت نفل ہیں۔

اہل سنت - اگر کسی نے یہ لکھا ہے تو غلط لکھا ہے۔ ہاں خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ چھتیس میں سے بیس رکعت سنت اور باقی سولہ مستحب ہیں۔ چنانچہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ رقم فرماتے ہیں۔

تراویح ہمارے نزدیک بیس رکعت ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ تراویح چھتیس رکعت مسنون ہے بعض کا قول ہے کہ جو شخص امام مالک کے مسلک پر چل کر چھتیس رکعت پڑھنا چاہے تو وہ ایسا کرنے کا مجاز ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ پہلے سنت کے مطابق بیس رکعت جماعت سے پڑھیں اور باقی سولہ رکعتیں تنہا تنہا پڑھی جائیں۔ یہی ہمارا مذہب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ تمام کی تمام چھتیس رکعتوں کو باجماعت ادا کرنے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں جیسا کہ امام مالک نے فرمایا ہے کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک ایک نوافل کو باجماعت ادا کرنا مستحب ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر نوافل کی جماعت (بتداعی) مستحب ہوتی۔ تو مجتہدین عظام جو قائم اللیل تھے۔ ضرور ایسا کرتے اور (بجز ان مواقع کے جو نصوص سے ثابت ہیں) نوافل کا باجماعت پڑھا جانا نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں منقول ہے اور نہ عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اور نہ تابعین وغیرہ کے زمانہ میں۔ پس یہ قول کہ ۲۰ رکعت کے بعد سولہ رکعتیں بھی باجماعت ادا کی جائیں۔ ساری امت کے خلاف ٹھہرتا ہے۔ (مبسوط سرخسی مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۴۴)

اسی طرح علامہ عینی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں۔

امام پانچ ترویحے پڑھائے تاکہ مجموعہ بیس رکعت ہو جائے۔ یہی ہمارا اور امام شافعی اور امام احمد کا مذہب ہے اور قاضی نے جمہور علماء سے یہی نقل کیا ہے اور مروی ہے کہ اسود بن یزیدؒ ہر رات چالیس رکعت پڑھا کرتے تھے اور امام مالکؒ کے نزدیک تو ترویحے یعنی وتر کے علاوہ چھتیس رکعتیں ہیں۔ امام مالکؒ نے اہل مدینہ کے عمل سے تمسک کیا ہے اور اصحاب شافعیہ نے اپنے بیس رکعت کے مسلک

پر بیہقی کی اس صحیح روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضرت سائب بن یزید صحابی فرماتے ہیں۔ کہ صحابہ و تابعین حضرت عمر کے زمانہ میں اور اسی طرح حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے ایام خلافت میں بھی بیس رکعت پڑھا کرتے تھے اور مغنی میں روایت کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھا دے اور کہا ہے کہ بیس رکعت تراویح پر گویا اجماع قائم ہے اور امام مالک نے جو چھتیس رکعت تراویح بتائی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل مکہ ہر ترویحہ (چار رکعت) کے بعد طواف کرکے دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔ البتہ پانچویں ترویحہ کے بعد طواف نہیں کرتے تھے۔ پس اہل مدینہ نے بھی اس فضیلت کا قصد کیا پس انہوں نے ہر طواف کی جگہ دو دو رکعت پڑھنی شروع کیں۔ اس پر بیس پر سولہ رکعت کا اضافہ کر لیا حالانکہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل سب سے زیادہ اتباع کے قابل ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو کوئی اس مسئلہ میں امام مالکؒ کی پیروی کرنا چاہے وہ اس کا مجاز ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ بیس رکعت جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں جیسا کہ مسنون ہے اور باقی (سولہ رکعت) تنہا پڑھیں۔ کیونکہ یہ سولہ رکعت تراویح نہیں بلکہ نفل ہیں اور نفلوں کی جماعت (بجز ان نوافل کے جن کا جماعت سے پڑھنا مسنون ہے) مکروہ ہے۔ (عینی شرح ہدایہ مطبوعہ نولکشور جلد اول ص ۸۶۷)

اور سنیئے ہم نے بدلائل قاطعہ ثابت کر دیا ہے کہ حدیث جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ محض عیسیٰ بن جاریہ کا افترا ہے اور اس کے سوا دنیا میں کوئی ایسا راوی نہیں جس نے بیان کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت تراویح پڑھی ہوں۔ بایں ہمہ ہم کہتے ہیں کہ اگر بفرض محال سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت

تراویح جماعت کے ساتھ پڑھی ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے اس سے زائد تراویح کی کوئی اور رکعت نہیں پڑھی۔ کیونکہ گمان غالب یہ ہے کہ آپ نے ان آٹھ رکعتوں سے پہلے اور پیچھے اور رکعتیں بھی پڑھی ہوں۔ کیونکہ آنجناب کا معمول تھا کہ رمضان کے آخری عشرہ میں شب بیدار رہتے تھے۔ حضرت جابرؓ نے اپنی روایت میں ہرگز یہ نہیں کہا کہ آپ نے ہر روز گیارہ رکعتیں پڑھیں اور نہ یہ کہا کہ آپ نے ان کے سوا کوئی اور رکعت نہیں پڑھی بلکہ محض ایک دن کی نماز باجماعت کا ذکر فرمایا ہے۔

فصل ۲

تہجد اور تراویح کی مغائرت

اہل حدیث۔ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز کے دو مختلف نام ہیں۔ تراویح وہی نماز ہے جس کا نام قیام اللیل یا صلوٰۃ اللیل ہے! و راس نماز کا نام رمضان شریف میں قیام رمضان ہے۔ (رکعات تراویح مرتبہ سیکرٹری صاحب صفحہ ۴)

اہل سنت۔ اگر تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے تو پھر آپ لوگ رمضان کی طرح سال کے دوسرے گیارہ مہینوں میں تراویح کیوں نہیں پڑھتے؟

اہل حدیث۔ تراویح کو صرف رمضان میں اور تہجد کو غیر رمضان میں پڑھنے کا حکم ہے۔

اہل سنت - یہ حکم کس آیت یا روایت میں مذکور ہے۔

اہل حدیث - (لاجواب وخاموش)

اہل سنت - کیا رمضان المبارک میں اس شخص کے لئے شرعاً تہجد پڑھنے کی کوئی ممانعت وارد ہے جو تراویح پڑھ چکا ہو۔

اہل حدیث - ایک رات میں تراویح اور تہجد کا جمع کرنا مسنون طریقہ نہیں۔

اہل سنت - دعوے کے لئے دلیل چاہیے۔ لیکن آپ اس دعوے کی دلیل قیامت تک نہیں لا سکیں گے۔ اچھا سنئے۔ حدیث ابوذرؓ میں ہے۔ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ أَهْلَهُ وَالنَّاسَ فَقَامَ بِنَا حَتَّى خَشِينَا أَنْ يَفُوتَنَا الْفَلَاحُ ۔

(جب تراویح کی تیسری رات ہوئی تو ہادی انام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا اور آپ نے ہمارے ساتھ اتنا قیام کیا کہ ہمیں سحری کا وقت جاتے رہنے کا خدشہ لاحق ہوا (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشاء کے بعد جو تراویح پڑھانی شروع کی تو اس اثنا میں پچھلی رات ہوگئی اور تہجد کا وقت آگیا لیکن آپ نے اپنے قیام کو جاری رکھا اور اسی قیام میں نماز تہجد بھی پڑھا دی یا دوسرے لفظوں میں دونوں کو باہم ممزوج کر دیا۔ دیکھئے خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت سے ایک رات میں تراویح اور تہجد دونوں نمازوں کا جمع کرنا ثابت ہوگیا اور یہ سمجھنا کہ آنسرورؐ کی ساری نماز تراویح تھی صحیح نہیں کیونکہ اس لحاظ سے کہ نماز تہجد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی۔ آپ دصبح صادق سے پہلے اسے لامحالہ ادا کرنا تھا۔ زرقانیؒ لکھتے ہیں۔

کان قیام اللیل فرضاً علیہ صلی اللہ علیہ وسلم — نماز تہجد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی۔
دون امتہ (زرقانی شرح موطا جلد اول ص ۲۱۱) — امت پر فرض نہ تھی۔

جب تراویح پڑھتے پڑھتے نماز تہجد کا وقت آجاتا تھا تو عہد نبوی کی طرح خلافت راشدہ میں بھی تراویح اور تہجد کو باہم ملا دیتے تھے اور پڑھتے پڑھتے آخر شب کر دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ کا بیان ہے کہ جب ہم رمضان میں قیام (تراویح اور تہجد) سے فراغت پا کر لوٹتے تو اس خیال سے خادموں کو کھانا لانے کی جلدی کرتے کہ مبادا سحر کا وقت جاتا رہے (موطاے امام مالکؒ) اس سے بھی ثابت ہوا کہ تراویح اور تہجد دونوں نمازیں پڑھی جاتی تھیں یا باہم ملا کر ایک کر دی جاتی تھیں اور یہ تداخل تمام نفلی نمازوں میں مشروع ہے۔ مثلاً اگر خسوف قمر کی نماز پچھلی رات میں پڑھی جائے تو تہجد بھی ادا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح چاشت کے وقت آفتاب کو گہن لگے تو صلوٰۃ کسوف کے ساتھ صلوٰۃ ضحیٰ بھی ادا ہو جاتی ہے اور گو یہ نمازیں الگ الگ ہیں۔ مگر ثواب دونوں کا حاصل ہوتا ہے پس جن راتوں میں سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ نے اخیر رات تک نماز جاری رکھی۔ گو ان میں تراویح کے بعد تہجد ادا کر کے دونوں نمازوں کو ممتیز نہیں فرمایا۔ تو بھی دونوں ادا ہو گئیں۔

اور گو کسی روایت میں صراحۃً مذکور نہیں مگر یہ بالکل ممکن ہے کہ آپ نے پہلے تراویح کی بیس اور اس کے بعد تہجد اور وتر کی گیارہ یا زیادہ رکعتیں پڑھائی ہوں کیونکہ یہ امر کسی طرح قرین قیاس نہیں کہ رات بھر میں گیارہ رکعتیں ہی پڑھی گئی ہوں ماہ صیام کے اندر عبادت میں آپ کا غیر معمولی انہماک اس بات کو مقتضی ہے کہ رکعتوں کی تعداد بہت کثیر ہو کیونکہ اگر آپ گیارہ رکعتوں میں ہی ساری رات گذار دیتے اور

ہر رکعت میں غیر معمولی طویل قرأت فرماتے تو رمضان شریف اس تطویل قرأت کے ذکر سے کبھی خاموش نہ ہوتیں۔

اہلِ حدیث ۔ اچھا ایک متفق علیہ حدیث جس سے آپ کو بھی چون وچرا کی گنجائش نہ ہوگی پیش کی جاتی ہے اس سے ثابت ہوگا کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں بخاری اور مسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض کے صاحبزادہ ابوسلمہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض سے پوچھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیونکر تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ گیارہ رکعت (مع وتر) سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں" اس حدیث میں سائل رمضان شریف کی نماز پوچھ رہا ہے نہ صرف تہجد کی۔ ورنہ رمضان کی قید بیکار ہے۔ (رکعات تراویح مرتبہ سیکرٹری صاحب صفحہ ۴۰، ۴۱) چونکہ اس متفق علیہ حدیث میں شارع علیہ السلام کا قیام اللیل گیارہ رکعت مذکور ہے اور قیام اللیل تراویح اور تہجد سب کو محیط ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعت تراویح ہی وتر سمیت ادا فرمایا کرتے تھے۔

اہلِ سنت ۔ اس روایت کو نماز تراویح سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اُمّ المومنین رض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کا ذکر فرمایا ہے جو رمضان اور غیر رمضان تمام مہینوں میں پڑھی جاتی ہے۔ ابوسلمہ کو شبہ ہوا تھا کہ رمضان المبارک عبادت کا مہینہ ہے حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم اس میں عبادت الٰہی کے لئے خاص طور پر شب بیدار رہتے تھے اس لئے عجیب نہیں کہ آپ رمضان میں رکعات تہجد کو بھی بڑھا دیتے ہوں گے اس شبہ کی بنا پر انہوں نے تہجد رمضان کے متعلق استفسار کیا۔ لیکن

امّ المومنین نے فرمایا کہ نہیں آپ رمضان اور غیر رمضان میں رعموماً وتر سمیت گیارہ رکعت ہی پڑھا کرتے تھے۔ مَا کَانَ یَزِیْدُ (زیادہ نہیں کرتے تھے) میں نفیٔ زیادت خود اس امر کا قرینہ ہے کہ یہ سوال اس نماز کے متعلق تھا جس کی رکعتیں سائل کو پہلے سے معلوم تھیں اور اب بوجہ رمضان ان میں اضافہ کا احتمال تھا۔ ظاہر ہے کہ تراویح تو غیر رمضان میں مشروع ہی نہیں پس رمضان میں اس کی زیادتی کا اشتباہ بےمحل تھا۔ البتہ تہجد کے متعلق نفیٔ زیادت صحیح ہو سکتی ہے۔ اور جواب میں حضرت صدیقہؓ کا نہ رمضان میں اور نہ غیر رمضان میں فرمانا اس بات کا صاف قرینہ ہے کہ تراویح سے متعلق سوال ہی نہ تھا کیونکہ تراویح تو غیر رمضان میں ہوتی نہیں بلکہ سوال تہجد کی نسبت تھا جو سال بھر میں یکساں ادا کی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ خود حدیث مذکور کے الفاظ صراحۃً دال ہیں کہ سوال تہجد کے متعلق تھا۔ کیونکہ خود ابوسلمہؓ نے اسی سلسلۂ استفسار میں ام المومنینؓ سے یہ بھی پوچھا تھا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر سے پہلے سو جاتے تھے تو ام المومنینؓ نے جواب دیا کہ میں نے آنحضرتؐ سے اس کے متعلق دریافت کیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں لیکن دل بیدار رہتا ہے (یعنی) سو جاتا ہوں۔ بخاری ومسلم) اس سے بھی ثابت ہوا کہ یہ سوال تہجد ہی کے متعلق تھا کیونکہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کا تہجد کے بعد وتر سے پہلے تو محو خواب ہونا ثابت ہے تراویح اور وتر کے درمیان سونا ثابت نہیں۔ اس کے علاوہ اگر حدیث صدیقہ رض کو تراویح پر بھی مشتمل سمجھا جائے تو یہ مضطرب ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقم فرما ہیں۔

وقال طائفۃ قد ثبت فی الصحیح عن عائشۃؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

لم یکن یزید فی رمضان ولا فی غیرہ من ثلاثۃ عشرۃ رکعۃ واضطرب فی هذا الاصل لما ظنوہ من معارضۃ الحدیث الصحیح لما ثبت من سنۃ الخلفاء الراشدین وعمل المسلمین۔ (فتاوی ابن تیمیہ جلد اول صفحہ ۱۸۵)

ترجمہ علماء کی ایک جماعت کے حسب بیان اُم المومنین عائشہؓ صحیح حدیث میں فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے پس اس اصل میں اضطراب ہے کیونکہ یہ اس بنا پر اس حدیث صحیح کی معارض ہے جس میں خلفائے راشدین کی سنت اور مسلمانوں کا عمل (بیس رکعت) مذکور ہے]

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت صدیقہؓ کی حدیث نماز تراویح سے غیر متعلق ہے۔ انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ نماز تہجد کے متعلق فرمایا۔

یہاں یہ امر خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ ام المومنین صدیقہؓ کی حدیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ (یا تیرہ) رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ اس کے راوی امام مالکؒ ہیں اگر یہ حدیث تراویح پر بھی مشتمل ہوتی تو ضرور تھا کہ امام مالکؒ کا مذہب آٹھ رکعت تراویح کا ہوتا حالانکہ امام مالک چھتیس رکعت تراویح کے قائل تھے (چنانچہ نویں فصل میں انشاء اللہ العزیز اس دعوے کے دلائل پیش کئے جائیں گے) اگر حدیث عائشہؓ کے مفہوم میں نماز تراویح بھی داخل ہوتی تو امام مالکؒ چھتیس رکعت کے بجائے آٹھ رکعت پر عمل پیرا ہو کر سنت نبوی کا احیاء فرماتے مگر چونکہ وہ آٹھ رکعت کے قائل نہیں۔ اس لئے ثابت ہوا کہ حدیث عائشہؓ کا تعلق صرف تہجد سے ہے۔

اہل حدیث۔ یہ عذر کہ تراویح اور تہجد دو الگ نمازیں ہیں، سراسر بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔ اول اس وجہ سے کہ بیس تراویح والی روایت باتفاق محدثین ضعیف ہے۔

اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ وتر آپ ان بیس کے بعد ہی پڑھ لیتے تھے اور یہ کسی روایت میں مذکور نہیں کہ نماز وتر مسجد میں پڑھ چکنے کے بعد آپ نے گھر پر جا کر تہجد کے وقت پھر کوئی نماز پڑھی ہو۔ دوم یہ کہ اگر بموجب قول بعض حنفیہ حضرت عائشہؓ کی روایت گیارہ رکعات والی اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیس تراویح اور تین وتر مزید والی کو یوں جمع کیا جائے کہ قیام رمضان اور نماز تہجد جدا جدا نمازیں ہیں تو اس صورت میں ایک رات میں دو دفعہ وتر پڑھنے ثابت ہوتے ہیں اور یہ عمل اس حدیث کے خلاف ہے جو آنحضرتؐ نے فرمائی کہ ایک رات میں دو وتر جائز نہیں ہیں۔ (ابوداؤد) کیونکہ دو وتر پڑھنے سے مجموعہ شفع ہو جاتا ہے اور وتر ٹوٹ جاتے ہیں۔ (انارۃ المصابیح مولفہ سیالکوٹی صاحب ص ۳۴)

اہل سنت۔ باوجودیکہ حنفیہ میں سے ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث کی صحت کا کوئی قائل نہیں تاہم سیالکوٹی صاحب نے اپنے رسالہ "انارۃ المصابیح" کے آٹھ صفحے اس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کی رائیگاں کوشش میں برباد کر دیئے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب یہ بالاتفاق ضعیف ہے تو سیالکوٹی صاحب کو اس سے استدلال کرنے کا بھی کوئی حق نہ تھا تاہم ان کے پاس خاطر سے یہ جتلا دینا مناسب ہے کہ آخری عشرہ رمضان کی جن پہلی دو راتوں میں حضور سید کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت تہجد سے پہلے نماز تراویح سے فراغت پائی ان میں آپ تراویح کے بعد صبح تک نماز تہجد ہی پڑھتے رہے ہوں گے کیونکہ آپ ان راتوں میں ساری رات مصروف نماز رہا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ لَا اَعْلَمُ نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَامَ لَیْلَۃً حَتَّی الصَّبَاحِ غَیْرَ رَمَضَانَ۔ (مجھے علم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے سوا دوسری راتوں میں کبھی صبح تک ساری رات قیام فرمایا ہو۔ صحیح مسلم) اور قیام خاص نماز پڑھنے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح صحیح بخاری میں ہے

اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِیْزَرَہٗ وَ اَحْیٰی لَیْلَہٗ وَ اَیْقَظَ اَھْلَہٗ (جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کے لئے کمربستہ ہو جاتے اور شب بیدار رہتے اور اپنے اہل بیت کو بھی بیدار رکھتے) اور بیہقی نے روایت کی۔ اِذَا دَخَلَ رَمَضَانَ لَمْ یَاتِ فِرَاشَہٗ حَتّٰی یَنْسَلِخَ (جب رمضان آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک بستر پر قدم نہ رکھتے جب تک رمضان گزر نہ جاتا) اگر سرور عالم و عالمیان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلی اور دوسری رات میں تراویح کے بعد نماز وتر بھی پڑھا دی تھی۔ تو وتر کو تہجد کے بعد دوبارہ نہ پڑھا ہوگا کیونکہ ایک رات میں دو وتر نہیں اور گو کسی روایت میں صراحۃً مذکور نہیں کہ تراویح پڑھانے کے بعد آپ نے تہجد کے وقت کوئی اور نماز پڑھی لیکن چونکہ آپ رمضان میں عموماً اور عشرہ اخیرہ میں خصوصاً رات کے وقت استراحت نہ فرماتے تھے۔ بلکہ شب بھر مصروف قیام رہتے۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ آپ تراویح کے بعد تہجد میں کلام مجید پڑھتے رہتے ہوں گے۔ کیونکہ آپ رمضان کی راتوں میں ایک ایک رات میں قرآن ختم فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں لَا اَعْلَمُ نَبِیُّ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَرَأَ الْقُرْاٰنَ کُلَّہٗ فِیْ لَیْلَۃٍ وَّلَا صَلّٰی لَیْلَۃً اِلَی الصُّبْحِ وَلَا صَامَ شَھْرًا کَامِلًا غَیْرَ رَمَضَانَ (مسلم و مروزی) (میں نہیں جانتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے سوا کسی ایک رات میں پورا قرآن ختم کیا ہو یا صبح تک ساری رات نماز پڑھی ہو یا سارا مہینہ روزے رکھے ہوں)

اس بیان کی تائید ایک صحابی حضرت طلق بن علیؓ کے فعل سے بھی ہوتی ہے۔ جنہوں نے نماز تراویح اور وتر پڑھانے کے بعد اپنی مسجد میں پہنچ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھی تھی اور وتر کو مکرر نہیں ادا فرمایا تھا۔

عن قیس بن طلق قال زارنا طلق بن علی فی یوم من رمضان وامسیٰ عندنا

وافطر ثم قام بنا تلك الليلۃ واوتر بنا ثم انحدر الی مسجدہ فصلی باصحابہ حتیٰ اذا بقی الوتر قدم رجلاً فقال اوتر باصحابک فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاوتران فی لیلۃ۔ (ابوداؤد و نسائی) (قیس بن طلق کا بیان ہے کہ ماہ رمضان میں ایک دن میرے والد طلق بن علیؓ ہمارے پاس آئے۔ شام تک ہمارے پاس رہے اور یہیں روزہ افطار کیا۔ پھر رات کو ہمیں نماز (تراویح) پڑھائی اور وتر بھی پڑھائے یہاں سے فارغ ہو کر اپنی مسجد کی طرف گئے اور اپنے ساتھیوں کو نماز (تہجد) پڑھائی یہاں تک کہ وتر باقی رہ گئے۔ پھر کسی کو آگے کر کے کہا کہ تم ان لوگوں کو وتر پڑھا دو اور میں اس لئے وتر نہیں پڑھاتا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ ایک رات میں دو وتر نہیں۔

اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وتر کے بعد بھی تہجد اور دوسرے نوافل پڑھے جا سکتے ہیں۔ رہا خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ رات کے وقت وتر کو تمام نمازوں کے اخیر میں رکھو تو یہ اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو وتر اخیر رات میں پڑھے چنانچہ بعض اکابر کا یہی مذہب ہے۔ (دیکھو فتح الباری جلد ۲ ص ۳۲۸) اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق کوئی ممانعت وارد نہیں۔ غرض مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کا استدلال جو انہوں نے تراویح اور تہجد کے الگ الگ ہونے کی نفی میں کیا تھا باطل ہو گیا۔

اہل حدیث۔ اچھا یہ نہیں تو اور ثبوت لیجئے۔ امام محمدؒ نے اپنے مؤطا میں عنوان باب یوں باندھا ہے۔ باب قیام شہر رمضان وما فیہ من الفضل۔ پھر اس کے ذیل میں حضرت عائشہؓ والی زیر بحث روایت جس میں رمضان اور غیر رمضان میں صرف گیارہ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے، ذکر کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ امام محمدؒ کے نزدیک موافق قول محدثین کے حضرت عائشہؓ والی روایت قیام رمضان پر بھی شامل ہے۔ لہٰذا حنفی علماء اپنے امام و

مجتہد کے خلاف عذر کر کے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں ٹال سکتے۔ ہذا والحمد للہ
(انارۃ المصابیح ص ۴۴)

اہل سنت۔ اگر امام محمدؒ نے کہیں لکھا ہوتا کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز کے دو مختلف نام ہیں تو آپ کا استدلال بجا تھا۔ ورنہ اس لحاظ سے کہ تراویح اور تہجد دونوں رات کی نفلی نمازیں ہیں اور ماہ رمضان میں جو نماز تہجد پڑھی جائے گی۔ تراویح کی طرح اس پر بھی قیام رمضان کا اطلاق ہو سکیگا۔ اس لئے امام محمدؒ یا کسی دوسرے محدث نے دونوں نمازوں کی روایتیں ایک جگہ جمع کر دیں تو اس سے دونوں نمازوں کا متحد ہونا لازم نہیں آتا۔ اگر ہمارا بیان صحیح نہیں اور تراویح اور تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔ تو حضرت علامہ سیالکوٹی ازراہ کرم بتائیں کہ (۱) موطا امام مالکؒ میں تراویح اور تہجد کے ابواب الگ الگ کیوں ہیں اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کی حدیث زیر بحث تراویح کے باب میں کیوں درج نہیں کی گئی؟ (۲) اسی طرح یہ بھی ارشاد ہو کہ ترمذیؒ نے حضرت صدیقہؓ کی حدیث کو تہجد کے باب میں اور احادیث تراویح کو جداگانہ باب میں کیوں درج کیا ہے؟ (۳) اس بات کا بھی جواب دیا جائے کہ ابو داؤدؒ نے حضرت عائشہؓ کی حدیث صلواۃ اللیل (تہجد) کے باب میں کیوں قلمبند کی ہے اور قیام شہر رمضان کا باب الگ کیوں باندھا ہے؟ (۴) مسلم شریف میں ام المومنینؓ کی حدیث مذکورہ صلواۃ اللیل میں کیوں مندرج ہے اور تراویح کا باب تہجد سے الگ کیوں ہے؟ (۵) امام مروزیؒ نے قیام اللیل صفحہ ۴۷) میں ام المومنین عائشہؓ کی حدیث کو قیام اللیل (تہجد) میں کیوں درج کیا اور تراویح کی تعداد رکعت کا الگ باب کیوں باندھا؟ (۶) بیہقی نے سنن کبریٰ میں اور علامہ ولی الدین خطیب نے مشکوٰۃ المصابیح میں تراویح اور تہجد کے ابواب الگ

الگ کیوں قائم کیے ہیں؟ (د) اسی طرح مولانا سیالکوٹی صاحب اس بات کی بھی عقدہ کشائی کریں کہ علامہ ابن قیمؒ نے تراویح اور تہجد کے باب الگ الگ کیوں باندھے ہیں اور حدیث عائشہؓ کو تہجد کے باب میں کیوں قلمبند کیا ہے؟ (ملاحظہ ہو زاد المعاد جلد اول صفحہ ۸۶) میں مولانا سیالکوٹی صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر امام محمدؒ کو اس بات کا علم ہوتا کہ تیرھویں صدی کے اخیر میں خاک ہند سے ایک ایسا فرقہ ظاہر ہوگا جو بیس رکعت تراویح کی نفی کرتے ہوئے تراویح اور تہجد کی نمازوں کو ایک بتائے گا تو وہ حدیث عائشہؓ کے اندراج میں ذرا احتیاط سے کام لیتے۔

اہل حدیث۔ اگر نماز تہجد اور قیام رمضان الگ الگ چیزیں ہیں تو معاذ اللہ امام مالکؒ پر حرف آئیگا کہ ان کو اتنی تمیز نہیں کہ باب تو باندھتے ہیں قیام رمضان کا اور اس کے ذیل میں حدیث کا مفہوم تہجد لیتے ہیں۔ (رکعات تراویح مرتبہ سکرٹری صاحب ص ۴)

اہل سنت۔ آپ بالکل غلط بیانی اور مغالطہ دہی سے کام لے رہے ہیں۔ موطا امام مالکؒ میں تہجد کے باب الگ الگ نہیں ہیں اور اُم المومنین کی حدیث بھی تراویح کے باب میں مندرج نہیں ہے اور مجھے اس پر سخت تعجب ہے کہ جھوٹ کو سچ بنانے کی کوشش تو آپ کرتے ہیں لیکن میں الٹا آپ کی حرکت مذبوحی کو دیکھ کر عرق ندامت میں غرق ہوا جاتا ہوں۔

اہل حدیث (بقیہ عبارت سے) اچھا اور لیجئے۔ امام بخاریؒ حضرت عائشہؓ کی روایت کو لکھتے وقت اس کا عنوان باب قیام رمضان باندھتے ہیں نہ کہ باب تہجد۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز تہجد اور قیام رمضان الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی چیز ہے۔ ورنہ معاذ اللہ حضرت عائشہؓ اور امام بخاریؒ پر حرف آئیگا کہ ان کو اتنی تمیز نہیں کہ باب تو باندھتے ہیں قیام رمضان کا اور اس کے ذیل میں حدیث کا مفہوم تہجد لیتے ہیں۔

اہل سنت۔ تعجب ہے کہ آپ لوگ ایک بے اصل بات کے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟

سیکرٹری صاحب: معاف کیجئے۔ صحیح بخاری کے ابواب اور ترجمۃ الباب کا سمجھنا آپ جیسوں کے بس کا روگ نہیں ہاں کا سمجھنا "یک من علم را دہ من عقل باید" کا مصداق ہے۔ امام بخاریؒ نے کتاب الاذان میں صلوٰۃ اللیل (تہجد) کا اور کتاب الصوم میں تراویح کا باب باندھا ہے۔ یہ مغائرت اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ امام بخاری کے نزدیک بھی تراویح اور تہجد دو علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں امام بخاری علیہ الرحمۃ نے کتاب الصوم میں روزے کے متعلق اور ابواب درج کرتے کرتے ایک باب باندھا ہے "باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نکتب ولا نحسب" اور اس کے ذیل میں ابن عمرؓ کی یہ روایت سپرد قلم کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِنَّا اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ لَا نَکْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ (ہم پیغمبروں کا گروہ امی (ناخواندہ) لوگ ہیں نہ لکھ سکتے ہیں اور نہ حساب جانتے ہیں)

اسی طرح امام بخاریؒ نے باب نزول عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) میں حضرت ابوہریرہؓ کی وہ حدیث درج فرمائی جس میں حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی نگرانی اور سیاست انبیا (علیہم السلام) کے ذمہ تھی جب ایک نبی انتقال فرماتا تو دوسرا نبی اس کا قائم مقام ہو جاتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہ پیدا ہوگا البتہ خلفاء وسلاطین ہوتے رہیں گے اور ان کی بڑی کثرت ہوگی صحابہ نے عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! تو پھر ہمیں آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا کہ جس خلیفہ کے ہاتھ پر پہلے بیعت کر لو اس بیعت کو پورا کرو اور خلفاء کے حقوق پورے کرتے رہو۔ حق تعالیٰ خلفا وسلاطین سے رعایا کے متعلق باز پرس کرے گا۔

ظاہر ہے کہ جہاں ابواب سے ان حدیثوں کی مناسبت کا یہ عالم ہو وہاں اہلحدیث جیسے ظاہریوں کا تراویح اور تہجد کی وحدت پر حدیث عائشہؓ سے استدلال کرنا عقل و خرد کو منہ چڑانا ہے بیالکوٹی صاحب اور ان کے سکرٹری صاحب کی یہ طفلانہ دلیل بازی بالکل اس شعر کا مصداق ہے ؎

چہ خوش گفت سعدی در زلیخا　　　　اَلا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا

اصل یہ ہے کہ حضرات محدثین کسی ادنیٰ مناسبت سے بھی کوئی حدیث کسی باب میں درج فرما دیتے تھے چونکہ نماز تراویح رمضان میں پڑھی جاتی ہے اس بنا پر امام بخاریؒ نے تراویح کی حدیثیں کتاب الصلوٰۃ کی بجائے کتاب الصوم میں درج فرمائیں۔ (دیکھو صحیح بخاری جلد اول مطبوعہ میرٹھ ص ۲۶۹) اور اس لحاظ سے کہ تراویح اور تہجد دونوں شبانہ نمازیں ہیں اس مناسبت سے اگر امام بخاری نے حدیث ام المومنینؓ کو قیام رمضان کی حدیثوں کے ضمن میں کتاب الصوم کے ماتحت درج کر دیا تو اس سے یہ استدلال کرنا کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے نہایت بوالعجبی ہے میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ امام مسلمؒ، ترمذیؒ ابوداؤدؒ وغیرہم نے حدیث عائشہؓ کو قیام رمضان میں نہیں بلکہ تہجد کے باب میں درج کیا ہے۔ اگر بالفرض سارے محدثین کرامؒ بالاتفاق تراویح اور تہجد کی حدیثوں کو ایک باب میں یا حدیث عائشہؓ کو قیام رمضان کے باب میں درج فرماتے تو مولنا سیالکوٹی صاحب اور سیکرٹری صاحب کا استدلال کسی حد تک قابل التفات ہو سکتا تھا لیکن حالت یہ ہے کہ دو ایک کے سوا حدیث کی جس کتاب کو بھی اٹھا کر دیکھو اس میں تراویح اور تہجد کے باب الگ الگ پائے جاتے ہیں اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث مذکورہ قیام اللیل یعنی تہجد کے باب میں درج ہے اور لطف یہ ہے کہ جہاں نسائی رحمۃ اللہ نے قیام رمضان، تہجد اور وتر کے الگ الگ باب قائم کئے ہیں وہاں ام المومنین کی اس حدیث کو جس میں رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے۔ وتر کے باب میں مندرج فرمایا ہے ایسی حالت میں سیالکوٹی صاحب اور سیکرٹری صاحب سے جو علم و فہم کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہیں عجب نہیں کہ جس طرح آج انہوں نے بکمال خوش فہمی تہجد اور تراویح کو ایک بنا دیا ہے۔ اسی طرح وہ نسائی شریف میں حدیث عائشہؓ کو وتر کے باب میں دیکھ کر کہنے لگیں کہ وتر اور تراویح ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔ الغرض میں دونوں صاحبوں سے درخواست کروں گا کہ آئندہ لیسے اپجو یہ رونہ گا راستدلال کر کے لوگوں کو اپنے اوپر

نہ ہنسائیں۔ اصل یہ ہے کہ جس فرقہ میں مولوی ابو تمیم محمد ابراہیم صاحب جیسے بزرگوار محدث بنے بیٹھے ہوں اور سیکرٹری صاحب جیسے حضرات مصنف بے بدل کی حیثیت سے امتیازی کرسی پر براجمان ہوں وہاں علم دین کی یہی گت بنے گی ؎

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی — اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

اہل حدیث۔ (شرمندہ ہوکر) اچھا آپ اپنی طرف سے کوئی ایسی قطعی دلیل پیش کر سکتے ہیں جس سے تراویح اور تہجد کی مغائرت ثابت ہو؟

اہل سنت۔ ہاں بہت سے دلائل ہیں۔ سنئے۔

پہلی دلیل۔ نماز تہجد آغاز اسلام میں مکہ معظمہ کے اندر تمام امت پر فرض ہوئی اور ایک سال کے بعد فرضیت منسوخ ہوکر تطوعاً جاری رہی (ابوداؤد عن عائشہ ام المومنینؓ) اور تراویح پڑھنے کا حکم مدینہ منورہ میں اس وقت ہوا جب ہجرت کے بعد صوم رمضان فرض ہوا اور ہادئ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهٗ وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهٗ (اللہ تعالےٰ نے رمضان کے روزے فرض اور میں نے اس کا قیام مسنون کیا ہے۔ ابن ماجہ) اس سے ظاہر ہے کہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں۔

دوسری دلیل۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کو ہمیشہ اخیر رات میں پڑھتے تھے۔ چنانچہ مروی ہے۔ عن مسروق قال سالت عائشہ رضی اللہ عنہا متی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقوم قالت کان یقوم اذا سمع الصارخ (بخاری ومسلم) وعن الاشعث قال اذا سمع الصارخ قام فصلّی (بخاری) (مسروقؒ کا بیان ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کس وقت اٹھا کرتے تھے؛ فرمایا جب مرغ کی اذان سنتے تھے اور اشعث نے کہا کہ آپ مرغ کی آواز سنکر اٹھتے اور نماز پڑھا کرتے تھے۔

اور نماز تراویح آپ نے اور خلفاء راشدین، دوسرے صحابہ، تابعین، اتباع تابعین اور دوسرے علماء امت نے ہمیشہ پہلی رات پڑھی ہے چنانچہ علامہ ابوالطیب سندی لکھتے ہیں۔

فقام بنا حتی ذھب ثلث اللیل ظاھر فی انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی معھم النوافل جماعۃ اول اللیل ففیہ دلیل للجمھور علی ان التراویح یصلی اول اللیل مع الجماعۃ (شرح ترمذی ابوالطیب سندی مطبوعہ نظامی کانپور جلد ۲ ص ۱۴۹) (جملہ فقام بنا الخ اس بات کے ثبوت میں ایک ظاہر اور روشن دلیل ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کو نوافل جماعت کے ساتھ پڑھائیں۔ تو اس میں جمہور کے لئے یہ دلیل ہے کہ تراویح شروع رات میں جماعت سے پڑھی جائیں)

اور لغت میں ہجود اور تہجد رات کے سونے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ہجد فلاں (فلاں شخص سو گیا) اور متہجد وہ شخص ہے جو نیند چھوڑ دے اسی بنا پر شریعت کی اصطلاح میں تہجد نیند سے بیدار ہوکر نماز پڑھنے کو کہتے ہیں بعض علماء نے لکھا ہے کہ تہجد کے معنی نیند کے بعد اٹھنے کے ہیں۔ یہی معنی حضرت علقمہؓ اور حضرت اسودؓ سے منقول ہیں اور اسی پر اکثر مفسرین نے اتفاق کیا ہے اور علامہ ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں فتہجد بہ کے یہ معنی لکھے ہیں کہ نیند سے علیحدہ ہو جا اور اس کو چھوڑ دے کیونکہ یہ صیغہ تَفَعُّل ہے اور صیغہ تفعل ازالہ کے لئے آتا ہے۔

"تیسری دلیل" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح کو اہتمام کے ساتھ جماعت کثیرہ کے ساتھ ادا فرمایا لیکن تہجد کو آپ ہمیشہ منفرداً پڑھتے تھے۔ ہاں اگر کوئی شخص از خود آشامل ہوتا تھا۔ تو اس کی شرکت میں مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔

چوتھی دلیل۔ تراویح سال میں صرف ایک مہینہ پڑھنے کا حکم ہے لیکن تہجد سال کے بارہ مہینے پڑھی جاتی ہے۔

پانچویں دلیل۔ حضور مفخر موجودات علیہ التحیۃ والسلام تہجد کے لئے رات بھر کبھی نہ جاگے

لیکن تراویح کو جو آپ نے نمازِ عشاء کے بعد سے شروع کیا تو صبح صادق سے پہلے تک اسی میں مصروف رہے گویا تہجد کو بھی اسی میں منضم فرما دیا۔

چھٹی دلیل۔ تراویح میں کم از کم ایک مرتبہ پورا قرآن سُننا خلفاء راشدین کی سنت ہے یعنی تہجد میں قرأت کی کوئی مقدار متعین نہیں۔

ساتویں دلیل۔ تہجد کی کم از کم چار اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں مسنون ہیں لیکن تراویح کم از کم بیس رکعت خلفاء راشدین رض کی سنت ہے۔

آٹھویں دلیل۔ حدیث ابوذر غفاری رض سے ثابت ہے کہ تین رات جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح پڑھائی تو اس کے درمیان آپ سوئے نہیں لیکن تہجد میں آپ عموماً چار چار رکعتیں پڑھ کر محوِ خواب ہو جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ ابوسلمہ نے ام المومنین صدیقہ رض سے دریافت کیا کہ حضور فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں نماز (تہجد) کس طرح ادا فرماتے تھے؟ ام المومنین نے فرمایا کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد نہ کرتے تھے۔ پہلے چار رکعت پڑھتے تھے ان چار رکعتوں کے حسن و خوبی اور ان کی درازی کا حال کچھ نہ پوچھو۔ اس کے بعد اور چار رکعتیں پڑھتے تھے ان کے حسن اور درازی کی بھی تعریف نہیں ہو سکتی۔ ان کے بعد تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ (ایک مرتبہ) میں نے گذارش کی یارسول اللہ! کیا آپ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں؟ فرمایا۔ عائشہ! میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں لیکن دل بیدار رہتا ہے (بخاری) غرض تہجد گزاری کی ہئیت یہ تھی کہ چار رکعتیں پڑھیں اور سو گئے۔ پھر چار رکعتیں پڑھیں اور استراحت فرمانے لگے۔ پھر اخیر میں تین رکعت وتر ادا فرماتے۔ یہ تو نمازِ تہجد کی کیفیت تھی لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ رکعات تراویح کے درمیان یا تراویح کے اختتام کے بعد وتر سے پہلے آپ نے آرام فرمایا ہو۔

نویں دلیل۔ تراویح کے بعد وتر کا جماعت کے ساتھ پڑھنا خلفاء کی سنت ہے لیکن اگر وتر کو تہجد کے بعد پڑھیں تو ان کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا معمول و مشروع نہیں۔

دسویں دلیل۔ ایک فرق یہ ہے کہ ایک گمراہ فرقہ قیام رمضان کو (معاذ اللہ) بدعت فاروقی قرار دیتا ہے اور تراویح کا نام سن کر جل بھن جاتا ہے لیکن اُسے تہجد سے کوئی پرخاش نہیں۔ بلکہ عجب نہیں کہ ان کے خاص خاص لوگ تہجد گزار بھی ہوں۔ گویہ گم کردہ رہ جماعت نماز تراویح کو معاذ اللہ ضلالت اور موجب گناہ قرار دیتی ہے لیکن حقیقت نفس الامر اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ حضور سید کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی جماعت محض اس خدشہ کی بنا پر ترک کر دی تھی۔ کہ مبادا نماز تراویح بھی امت پر فرض ہو جائے لیکن جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت کے آغاز میں دیکھا کہ اب اس خدشہ کا کوئی امکان نہیں تو انہوں نے اس کا احیا فرما کر اس کو سنت دائمی قرار دیا۔ پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ایک تو احیاء سنت کا اجر عظیم ملیگا۔ دوسرے جس قدر مخلوق نماز تراویح باجماعت ادا کرتی رہے گی اس کا ثواب بھی انہیں برابر قیامت تک ملتا رہے گا۔ اللّٰھم زد فزد۔

گیارھویں دلیل۔ تراویح اور تہجد کی مغائرت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو رمضان کی راتوں میں تراویح پڑھنے کی ترغیب دیتے تھے لیکن بطریق وجوب حکم نہ دیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے رمضان میں تراویح کو حق سمجھکر خاص رضائے الٰہی کے لئے قیام کیا اس کے تمام معاصی بخشے جائیں گے (مؤطا امام مالکؒ) لیکن آپ نے تراویح کی ترغیب دیتے ہوئے مدت العمر کبھی ایک مرتبہ بھی یہ نہ جتلایا کہ قیام شب اور قیام رمضان ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔

بارھویں دلیل۔ ایک فرق یہ ہے کہ تہجد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی تراویح فرض نہ تھی۔ اگر یہ دونوں نمازیں ایک ہوتیں تو آپ تراویح پڑھنا کبھی نہ چھوڑتے۔

تیرھویں دلیل۔ ایک دلیل قاضی شوکانی نے یہ نقل کی ہے کہ عید کی طرح نماز تراویح بھی اسلام کے ظاہری شعائر میں داخل ہے۔ (دیکھو نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۹۵) لیکن نماز تہجد شعائر ظاہرہ اسلامیہ میں داخل نہیں۔

چودھویں دلیل۔ فرقہ "اہل حدیث" کے استاد الکل مولنا سید نذیر حسین صاحب دہلوی مرحوم میاں صاحب کے استاد الاستاذ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تراویح اور تہجد کے مغائر ہونے کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"آنچہ مروی شدہ ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ مراد ازاں نماز تہجد است کہ در رمضان وغیرہ برابر بود وآں را صلوٰۃ اللیل می گفتند اما تراویح غیر آن است کہ در عرف شان بقیام رمضان مسمیٰ بود چنانچہ دلالت می کند برآں حدیث اجتہاد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتہد فی رمضان ما لا یجتہد فی غیرہ رواہ مسلم و در بخاری ومسلم مروی است اذا دخل العشر الاخر من رمضان احیا لیلہ والقیظ اھلہ وجد وشد المیزر یعنی ہرگاہ عشرہ اخیرہ رمضان می آمد شب آں را احیا می فرمود واہل خانہ را بیدار می ساخت وکوشش می نمود وازار محکم می بست یعنی بغایت مستعد می گردید (حاشیہ مالا بد منہ مطبوعہ کانپور ص ۴۸)

وہ روایت ماکان یزید الخ کی جو مروی ہے اس سے نماز تہجد مراد ہے جو کہ رمضان اور رمضان کے سوا برابر تھی اور صلٰوۃ اللیل کہتے تھے۔ لیکن تراویح اس کے سوا ہے کہ ان حضرات کے عرف میں قیام رمضان کا نام دے رکھا تھا۔ چنانچہ حدیث اجتہاد کہ کان یجتہد الحدیث اس پر دلالت کرتی ہے اور بخاری ومسلم میں ہے کہ جب رمضان کا عشرہ اخیرہ آیا کرتا تھا تو آپ اسکی راتوں کو عبادت میں گذارا کرتے تھے اہل خانہ کو جگایا کرتے تھے اور نہایت کوشش ومستعدی سے عبادت فرماتے تھے۔

پندرھویں دلیل ۔ بخاری وغیرہ محدثین ناقل ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جماعت تراویح کو حضرت ابی بن کعب اول شب میں پڑھا رہے تھے اور یہ جماعت خود امیرالمؤمنین عمرؓ کی مقرر کی ہوئی تھی دیکھ کر فرمایا والتی تنامون عنہا افضل من التی تقومون ۔ جو نماز کہ اس سے سو رہتے ہو یعنی تہجد جو آخر رات میں ہوتی ہے اس نماز سے افضل ہے جو پڑھ رہے ہو یعنی تراویح۔ چونکہ عامۃ المسلمین نماز تراویح پڑھ لینے کے بعد تہجد نہیں پڑھتے تھے ۔ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو ترغیب دلائی کہ تہجد کی طرف سے تغافل نہ برتنا چاہئے کہ وہ تو تراویح سے بھی افضل ہے حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کا یہ مطلب تھا کہ جہاں تم لوگ تراویح پر کمربستہ رہتے تو آخری رات میں تہجد بھی پڑھ لیا کرو کہ وہ تراویح سے بھی افضل ہے اس سے بھی دونوں نمازوں کی مغایرت ثابت ہوتی ہے ۔

اہل حدیث ۔ آپ نے طلق بن علی صحابیؓ کا واقعہ نسائی اور ابوداؤد سے نقل کیا ہے کہ وہ ایک جگہ تراویح پڑھا کر اپنے مکان کو واپس آئے تو لوگوں کو (تہجد کی) نماز پڑھائی۔ کیا آپ اس کے علاوہ بھی کوئی ایسی نظیر پیش کر سکتے ہیں جس میں کسی عالم ربانی نے تراویح پڑھنے کے بعد نماز تہجد ادا کی ہو؟

اہل سنت ۔ گو تفحص اور تتبع سے اس کے بھی نظائر ملیں گے لیکن بہت کم مل سکیں گے اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہمارے علمائے حق بھی حضرات "اہل حدیث" کی طرح نماز تراویح پڑھ لینے کے بعد عبادت اور رجوع الی اللہ کی طرف سے رات بھر کے لئے فارغ اور مطمئن ہو جاتے اور لمبی تان کر سو جاتے تھے۔ بلکہ یہ سبب ہے کہ وہ عموماً شب بیدار رہتے تھے اور اگر ان میں سے کوئی سو جاتا تھا تو بھی نماز تہجد ضرور ادا کرتا تھا ۔ علامہ محمد عبدری مالکی معروف بہ ابن الحاج رحمہ اپنی کتاب المدخل میں فرماتے ہیں "احادیث میں ہے کہ جب صحابۂ کرام نماز تراویح سے فراغت پاکر

اپنے گھروں کو مراجعت فرماتے تو اس خوف سے اپنے خادموں کو کھانا لانے کی جلدی کرتے کہ مبادا صبح ہو جائے اور طول قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے۔ اس طرح صحابہ کرام کو معاً پہلی اور پچھلی رات کے قیام (تراویح اور تہجد) کی دونوں فضیلتیں حاصل ہو جاتی تھیں۔ حضرات صحابہؓ ہمارے سردار اور پیشوا ہیں اور محب اپنے محبوب کا مطیع اور مرضی شناس ہوتا ہے۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ان کے آثار مبارکہ کی پیروی کریں لیکن عہد حاضر میں عام طور پر یہ مشکل نظر آتا ہے کہ مساجد میں عامۃ الناس کے ساتھ رات بھر نماز پڑھی جا سکے۔ تاہم کوشش کرنی چاہیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اس سنت کو عملی جامہ پہنائیں اور اس کی یہ صورت ہے کہ مسجد میں تو لوگوں کے ساتھ اسی قدر قیام کر لیں جس قدر کہ میسر ہو۔ اس کے بعد گھر پہنچ کر ساری رات نماز میں کھڑے رہیں اور اگر کوئی دشواری نہ ہو تو اپنے اہل و عیال کو بھی شب بیداری میں شریک رکھیں۔ ورنہ خود ہی تنہا مصروف نماز رہیں اور بہتر یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے اتباع میں نماز وتر تمام نفلی نمازوں (تہجد وغیرہ) کے بعد پڑھی جائے۔ امام مالکؒ مسجد میں جماعت کے ساتھ وتر نہیں پڑھتے تھے بلکہ تراویح پڑھنے کے بعد گھر آکر مصروف نماز ہوتے اور اخیر رات میں تہجد کے اختتام پر وتر ادا فرماتے تھے لیکن اگر کسی نے وتر کو اول شب میں امام کے ساتھ پڑھ لیا ہو تو اس کو تہجد کے بعد دوبارہ نہیں پڑھنا چاہیے۔ چنانچہ میرے شیخ ابو محمد رحمہ اللہ پہلے تو مسجد میں امام کے پیچھے تراویح اور وتر ادا فرماتے تھے اس کے بعد مکان پر پہنچ کر مصروف نماز رہتے اور وتر کا اعادہ نہیں فرماتے تھے اور حضرت ابو محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ سیدی ابو الحسن زیات بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

(کتاب المدخل جلد ۲ صفحہ ۱۴۴)

اس بیان سے ثابت ہوا کہ نہ صرف امام مالک، شیخ ابو الحسن زیات اور شیخ ابو محمد رحمہم اللہ ہی تراویح کے بعد تہجد بھی ادا فرماتے تھے بلکہ ہر مومن قانت کو جو زادِ آخرت کی فراہمی کا احساس مند

ہو۔ یہی راہ عمل اختیار کرنی چاہیے۔"

غرض ان لوگوں کے زعم میں آٹھ کی منسوخی کے بعد بیس رکعت کا عمل ہمیشہ کے لئے مستحکم ہوگیا۔ علامہ شیخ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں۔

ولعلہم فی وقت اختاروا تطویل القیام علی عدد الرکعات فجعلوھا عشرین وقد استقر العمل علی ھذا (المصابیح مطبوعہ امرتسر صفحہ ۱۷) (اور شاید صحابہ کرام رضؓ نے کسی وقت تطویل قیام کو کم کرکے رکعتوں کی تعداد بڑھا دی اور آٹھ سے بیس کر دی گئیں اور اسی پر عمل مستحکم ہوگیا۔

اگر ان حضرات کا خیال صحیح مان لیا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اگر آٹھ رکعت کا کوئی وجود تھا تو بھی آٹھ رکعت تراویح باجماع صحابہ منسوخ ہو چکی ہے پس ظاہر ہے کہ ہمارے "اہل حدیث" دوستوں نے تمام امت مرحومہ کے طریق عمل سے منہ موڑ کر ایک منسوخ شدہ مسلک سے جی بہلا رکھا ہے اور یہ بیچارے اپنی نادانی سے آغاز کار کی پرانی لکیر کو ہی ابتک پیٹتے چلے جا رہے ہیں۔

لیکن ممکن ہے کہ علامہ بیہقیؒ قاضی باجیؒ اور علامہ ابن حجر رحمہم اللہ کا خیال صحیح نہ ہو۔ کیونکہ ان حضرات کے زعم میں رکعات کی کمی بیشی قرأت کی تطویل وتخفیف پر مبنی تھی اور یہ ایک اختیاری امر تھا حالانکہ عدد رکعات کی تعیین تو ان چیزوں میں سے ہے جن میں قیاس کو کوئی دخل نہیں۔ راقم آثم کی تحقیق کے بموجب آٹھ رکعت تراویح تو کبھی پڑھی ہی نہیں گئی۔ البتہ بیس رکعتیں ہر زمانے میں ہر جگہ معمول بہا رہی ہیں لیکن یہ تعداد بھی بغیر سند وثبوت کے نہ تھی۔ بیس رکعت تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا تعامل صحابہ اور امر خلفاء سے تو بلاشبہ ثابت ہی ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو درایۃً خود شارع علیہ السلام سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ گو روایۃً اس کے ثبوت میں گفتگو ہو۔ صحابہ کرامؓ کا بلا انکار اس عدد کو قبول کر لینا اور پھر اس پر مواظبت کرنا اس بات

کا قوی ثبوت ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے بیس رکعت کی کوئی نہ کوئی قولی یا فعلی سنت ضرور خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پیش نظر ہو گی۔ ورنہ اس عدد کو نہ صرف قرون مشہود لہا بالخیر میں بلکہ اس کے بعد بھی ہر زمانے میں بلانکیر معمول بہا بننا کبھی نصیب نہ ہوتا۔

فصل ۱۳

آٹھ اور بیس کی روایتوں میں تطبیق کی کوشش

دنیا میں صرف ایک علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ کی ممتاز شخصیت ہے جس نے امام مالکؒ کے مقلد ہونے کے باوجود سب سے پہلے یہ صدا بلند کی کہ گیارہ رکعت (آٹھ تراویح اور تین وتر) کی روایت امام مالکؒ کے وہم یعنی غلط فہمی کا نتیجہ ہے" ورنہ علامہ ممدوح کے ہمعصر بیہقی رحمہ اللہ یا بیہقیؒ کے بعد کے علماء ہمیشہ امام مالکؒ کی عظمت کے سامنے سرافگندہ رہے اور انہوں نے اسے غلط فہمی پر محمول کرنے کے بجائے اس کی ہمیشہ بیس رکعت کی روایتوں سے مطابقت کرنے کی کوشش کی۔ ان علماء کا خیال ہے کہ تراویح اور تہجد دونوں رات کی نمازیں ہیں۔ اس علت مشترک کی بنا پر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کے پیش نظر ابتداء میں آٹھ رکعت تراویح کا حکم دیا تھا لیکن جب دیکھا کہ حبیب رب العلمین صلی اللہ علیہ وسلم کو لیالی رمضان میں کثرت عبادت سے خاص شغف تھا تو آٹھ کے بجائے بیس رکعتیں کر دیں اور آٹھ کا عمل ہمیشہ کے لئے متروک ہو گیا۔ چنانچہ علامہ بیہقیؒ آٹھ اور بیس رکعت کی روایتیں درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

ویمکن الجمع بین الروایتین فانہم کانوا یقومون باحدی عشرۃ ثم کانوا یقومون بعشرین ویوترون بثلاث (السنن الکبریٰ جلد۲ ص ۴۹۶) (دونوں قسم کی روایتوں میں جمع اور تطبیق کی یہ صورت ہے کہ پہلے گیارہ رکعتیں (آٹھ تراویح اور تین وتر) پڑھی گئیں۔ پھر بیس تراویح اور تین وتر کے ساتھ قیام کیا گیا)

اسی طرح قاضی سلیمان بن خلف اندلسی معروف بہ باجیؒ رقم فرماتے ہیں۔

ویحتمل ان یکون عمر امرہم باحدی عشرۃ رکعۃ وامرہم مع ذالک بطول القراءۃ یقرأ القاری بالمئین فی الرکعۃ لان التطویل فی القراءۃ افضل الصلوۃ فلما ضعف الناس عن ذالک امرہم بثلاث وعشرین علی وجہ التخفیف عنہم من طول القیام واستدرک بعض الفضیلۃ بزیادۃ الرکعات (کتاب المنتقی شرح موطا جلد اول ص ۲۰۸ - ۲۰۹) (احتمال ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا ہو اور طویل قرات کے لئے ارشاد فرمایا ہو اور قاری ایک ایک رکعت میں سو سو آیتیں پڑھتا ہو۔ کیونکہ طویل قرات والی نماز افضل ہوتی ہے لیکن اس کے بعد جب لوگ اس طوالت قرات سے عاجز آگئے ہوں تو قرات کی درازی میں تخفیف کر کے تئیس رکعتیں کر دی گئی ہوں اور طویل قرات کی فضیلت رکعات کے اضافہ سے حاصل کی گئی ہو)

مگر بیہقیؒ وغیرہ علماء نے آٹھ اور بیس کی روایتوں میں تطبیق دینے کی جو کوشش کی ہے۔ وہ محض ایک ناکام جدوجہد اور سراسر خیال آفرینی ہے کیونکہ کوئی روایت اس واہمہ پر روشنی نہیں ڈالتی کہ پہلے آٹھ تھیں پھر بیس کر دی گئیں اور یہ جو کہا گیا ہے کہ تطویل قیام کی بجائے رکعتیں بڑھا دی گئیں۔ تو یہ بھی ایک بے اصل بات ہے۔ کیونکہ جس طرح آٹھ رکعت کی روایت میں طویل قرات مذکور ہے۔ اسی طرح بیس کی روایتوں میں بھی تطویل قرات کا تذکرہ موجود ہے چنانچہ خود علامہ بیہقیؒ روایت فرماتے ہیں۔

عن یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب

رضی اللہ عنہ فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ قال وکانوا یقرؤن بالمئین وکانوا یتوکون علی عصیہم فی عہد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدۃ القیام (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۲ ص ۴۹۶) (یزید بن خصیفہ تابعیؒ کا بیان ہے کہ حضرت سائب بن یزید صحابی رضؓ فرماتے تھے کہ صحابہ تابعین رمضان میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں بیس رکعت کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ ایک ایک رکعت میں سو سو آیتیں پڑھی جاتی تھیں اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں لوگ شدت قیام کے باعث اپنی لاٹھیوں سے ٹیکا لگا لیتے تھے)

اسی طرح امام مروزیؒ نے روایت کی ہے۔

عن السائب بن یزید رضؓ انہم کانوا یقومون فی رمضان بعشرین رکعۃ ویقرؤن بالمئین من القرآن وانہم یعتمدون علی العصی فی زمان عمر بن الخطاب وعن محمد بن کعب القرظیؒ کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعۃ یطیلون فیہا القراءۃ ویوترون بثلاث قیام اللیل مروزی ص ۹۱)

(حضرت سائب بن یزید صحابیؓ کا بیان ہے کہ صحابہ وتابعین رمضان میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے اور قرأت کی مقدار ایک ایک رکعت میں سو سو آیت تھی اور عہد فاروقی میں لوگ اپنی اپنی لاٹھیوں کے سہارے پر کھڑے ہوتے تھے اور محمد بن کعب قرظیؒ کہتے ہیں کہ عہد فاروقی میں لوگ رمضان المبارک میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے جن میں طویل قرأت ہوتی تھی اور وتر کی تین رکعتیں پڑھی جاتی تھیں)

اسی طرح چوتھے باب کی چھٹی روایت ملاحظہ ہو جس میں عبدالرزاق محدث ناقل ہیں کہ بیس تراویح کی ایک ایک رکعت میں سو سو آیتیں پڑھی جاتی تھیں اور لوگ فجر سے تھوڑا پہلے اپنے گھروں کو مراجعت کرتے تھے۔

چونکہ امام مالکؒ نے آٹھ کی بھی روایت کردی اس لئے بعض حضرات امام مالک رحمہ اللہ کی

بلند شخصیت کے پیش نظر تعمق سے کام لئے بغیر امام ممدوح کی غلط فہمی کا اعتراف کرنے کے بجائے معاً تطویل و تطبیق کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت امام کی غلط فہمی تسلیم کئے بغیر جمع بین الروایتیں کسی طرح ممکن نہیں۔ علامہ ابن البرؒ کی طرح نہایت جرات اور صفائی کے ساتھ کہہ دینا چاہیئے کہ امام مالکؒ سے بھول ہوئی۔ ان کی غلط فہمی یہ تھی کہ اپنے استاد محمد بن یوسف رحمہ اللہ کی زبان سے اکیس کے عدد کو گیارہ سمجھ لیا۔ آٹھویں فصل میں انشاء اللہ العزیز اس مسئلہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائیگا۔

فصل ۴

۲۰ رکعت پر خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کا تعامل

اہل حدیث ۔ زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی صحابی سے بھی بیس رکعت یا بیس رکعت سے زیادہ تراویح پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہے۔ بلکہ صحابہؓ نے جو اپنی تراویح کی رکعتوں کی کبھی تصریح کی ہے۔ تو اسی قدر جس قدر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے یعنی آٹھ رکعت (فتاویٰ نذیریہ جلد اول صفحہ ۳۹۲)

اہل سنت ۔ یہ دعویٰ سراپا غلط اور بے بنیاد ہے کسی صحیح روایت کے بموجب عہد رسالت میں کسی صحابی کا نہ آٹھ رکعت پڑھنا ثابت ہے، نہ بیس رکعت اور نہ بیس سے زیادہ ۔ اور فصل اول میں اس امر کو اچھی طرح واضح کیا جا چکا ہے کہ حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے جن تین راتوں میں نماز تراویح پڑھائی تھی، کوئی صحیح روایت اس کی تعدادِ رکعات پر روشنی

نہیں ڈالتی۔ عہد رسالت میں بعض صحابہ نماز تراویح اپنے اپنے گھروں میں پڑھتے تھے اور بعض مسجد میں لیکن مسجد میں بھی بہیئت اجتماعی ایک امام کے پیچھے نہیں پڑھی جاتی تھی بلکہ چھوٹی چھوٹی متفرق جماعتیں ہوتی تھیں۔ تعداد کے متعلق میرا گمان ہے کہ تمام حضرات عام نوافل کی طرح اپنے اپنے مذاق اور رجحان طبع کے اقتضاء سے کم و بیش رکعتیں پڑھتے ہونگے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پوری خلافت اور خلافت فاروقی کے ابتدائی ایام تک یہی حالت قائم رہی۔ چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی بغاوتوں کی الجھنوں میں پھنس گئے اور ان کی مدت خلافت بھی نہایت مختصر تھی اس لئے وہ جماعت تراویح کی سنت کے احیاء اور اس قسم کی دوسری عام اصلاحات کی طرف توجہ نہ فرما سکے۔ حضرت خلافت مآبؓ ایسے ضروری امور میں منہمک تھے کہ جن کی دینی اہمیت جماعت تراویح کے احیاء کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی۔ مثلاً مرتدین و مانعین زکوٰۃ سے حرب و قتال شام کی طرف لشکر کشی مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی جیسے دجالوں کے فتنوں کی سرکوبی وغیر ذالک من المہات۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ داعی اجل کو لبیک کہنے سے پہلے ہر قسم کے فتنے اور شورشیں فرو کر چکے تھے اور مہمات امور کو درپاہ کر کے اپنے جانشین کے لئے کامیابی کے راستے صاف کر گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت کو زینت بخشی ہے تو اس وقت تک خلافت مقدسہ ہر قسم کے داخلی اور خارجی خرخشوں سے پاک ہو چکی تھی اس سے واضح ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نہایت مساعد حالات میں زمام خلافت ہاتھ میں لی اور انہیں ترقی و اصلاحات کے لئے نہایت سازگار فضا میسر ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے دوسرے سال یعنی ۱۴ھ میں جماعت تراویح کی سنت کو بطریق تشریع زندہ کیا۔ اس سلسلہ میں حکم دیا کہ تمام مرد حضرت ابی بن کعب انصاریؓ کے پیچھے اور

عورتیں حضرت تمیم داریؓ کی اقتدا میں مجتمعاً صلاۃ تراویح ادا کریں۔ بیہقی کی روایت سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت تمیم داری رضؓ کے بعد سلیمان بن ابی حثمہ اور سلیمان کے بعد عرفجہ ثقفی بھی یکے بعد دیگرے خواتین کی امامت کرتے رہے (سنن کبری جلد۲ ص ۴۹۴)

حضرت امیرالمومنین عمر فاروق رضؓ نے لوگوں کو شروع ہی سے بیس رکعت تراویح پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ اس کی تحقیق انشاء اللہ العزیز آٹھویں فصل میں قارئین کرام کی نظر سے گزرے گی فصل سابق میں لکھا گیا تھا کہ جمہور علماء کی طرح علامہ ابن عبدالبرؒ بھی بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں اور ان کے زعم میں آٹھ رکعت کی روایت امام مالکؒ کے وہم کا نتیجہ ہے اور یہ بھی بتایا گیا تھا کہ بعض علماء نے آٹھ اور بیس تراویح کی روایتوں میں تطبیق کی کوشش کی ہے لیکن وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے جس چیز کو جمع بین الروایتین کی بنیاد قرار دیا یعنی قرأت میں تخفیف ہو کر عدد رکعات میں اضافہ کیا جاتا سو سے اس کا ہی کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بہرحال یہ تو علمائے حق کے مزعومات ہیں لیکن ان کے مقابلہ میں ذرا ہمارے اہل حدیث بزرگوں کا استبداد اور ان کی ہٹ دھرمی ملاحظہ ہو کہ انہیں آٹھ رکعت کی روایت کو امام مالکؒ کا وہم قرار دینے یا آٹھ اور بیس رکعت کی روایتوں میں تطبیق دینے کے بجائے سرے سے بیس رکعت کی نفی پر اصرار ہے۔ لیکن وہ بیچارے بھی ایسا کرنے میں معذور ہیں کیونکہ خواہ آٹھ رکعت کو امام مالکؒ کی غلط فہمی کا نتیجہ قرار دیا جائے۔ یا جمع بین الروایتین کی کوشش کی جائے۔ ان دونوں صورتوں میں آٹھ رکعت تراویح غلط ریود ہو جاتی ہے لیکن میں کہوں گا کہ بیس رکعت تراویح سے اعراض و انکار بلاشبہ عین نصف النہار کے وقت آفتاب عالمتاب کے وجود سے انکار کرنا ہے۔ اگر انصاف و دیانت کی حبل المتین ہاتھ میں نہ ہوتی۔ تو جس طرح مقتدایان "اہل حدیث" بیس رکعت کے وجود سے

انکاری ہیں۔ اسی طرح میں بھی آٹھ رکعت کی طرف سے کانوں پر ہاتھ رکھنے لگتا اور ان حضرات کے نقش قدم پر چل کر لکھ دیتا کہ موطا کی جس روایت سے آٹھ رکعتیں ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے راوی جھوٹے اور ناقابل اعتبار ہیں لیکن بحمداللہ میں تقوی اور خشیت الٰہی کی دولت سے محروم نہیں ہوں۔ خدائے عزیز ہر حق پوشی اور عصبیت جاہلیت سے ہر کلمہ گو کو بچائے۔ رب جلیل نے فرمایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

(۸:۵) (مومنو! خلوص کے ساتھ حقوق اللہ پر قائم رہو تمہیں انصاف کے ساتھ گواہی دینے پر آمادہ رہنا چاہئے رہنا کسی جماعت کی عداوت تمہیں ترک عدل پر آمادہ نہ کرے۔ عدل و انصاف کا شیوہ اختیار کرو کہ انصاف پرہیزگاری سے قریب تر ہے اور خدا سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے)

حضور خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے فرمایا ہاں۔ عرض کیا گیا کیا مومن بخیل ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں۔ پھر پوچھا گیا۔ کیا مومن دروغ گو ہو سکتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ (رواہ مالک والبیہقی فی الشعب) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو اس سے اس قدر تعفن پیدا ہوتا ہے کہ اس کا (محافظ) فرشتہ (اس تعفن کی تاب نہ لاکر) اس سے کوس بھر دور چلا جاتا ہے۔ (ترمذی)

اہل حدیث ۔ ہم پر حق پوشی، عصبیت، جاہلیت اور دروغ گوئی کا الزام سراسر بیجا ہے۔ آٹھ رکعت سے زیادہ تراویح کا کوئی ثبوت ہی نہیں ملتا اور جو روایتیں اور اقوال بیس رکعت کی تائید میں پیش کئے جاتے ہیں۔ ان کے راوی ضعیف اور جھوٹے ہیں۔ کیا لاہور کے حق پرست علماء اس حقیقت کی چہرہ کشائی کی تکلیف گوارا کریں گے؟ کہ بیس رکعت تراویح بے اصل

چیز ہے) کیا ان میں ایمانی جرات ہے کہ امت محمدیہ کو (تراویح کا) صحیح طریق عبادت (آٹھ رکعت پڑھنا) بتائیں؟ (رکعات تراویح مرتبہ سکرٹری صاحب صفحہ ۱۶) ان موقوف روایتوں کا حال ہم آئندہ دکھائیں گے کہ یہ بھی ضعیف طریق سے مروی ہیں۔ (انارۃ المصابیح صفحہ ۱۹ حاشیہ)

اہل سنت۔ اچھا آپ بیس رکعت تراویح کے متعلق کس قسم کا ثبوت چاہتے ہیں؟

اہل حدیث۔ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہونا چاہئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیس رکعتیں پڑھائیں یا پڑھیں یا پڑھنے کا حکم دیا۔

اہل سنت۔ یہ تو میں پہلے بھی گذارش کر چکا ہوں کہ صحیح روایتیں اس بیان سے قطعاً خاموش ہیں کہ حضور خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام رمضان کی تین راتوں میں کتنی کتنی رکعتیں پڑھائیں کسی صحیح حدیث میں نہ بیس کا ذکر ہے نہ آٹھ کا۔ اس لئے سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ عمل نہ آپ پیش کر سکتے ہیں نہ ہم البتہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے آئینہ عمل میں سنت نبوی کی جھلک دکھائی جا سکتی ہے۔

اہل حدیث۔ اچھا خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کا عمل ہی دکھا دو۔

اہل سنت۔ بہتر سنئے۔

پہلی روایت۔ شیخ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں۔

وروی مالک من طریق یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید عشرین رکعۃً وھذا محمول علی غیر الوتر (فتح الباری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۱۸۰)

(امام مالکؒ نے بطریق یزید بن خصیفہؒ حضرت سائب بن یزید صحابی سے بیس رکعتیں روایت کی ہیں اس تعداد میں وتر داخل نہیں)

اہل حدیث۔ موطا مالک کے اس نسخہ میں جو ہمارے پاس ہے یہ روایت موجود نہیں۔

اہل سنت۔ ممکن ہے کہ نہ ہو کیونکہ موطا کے سولہ نسخے ہیں جو امام مالکؒ کے مختلف شاگردوں

نے قلمبند کئے۔ ان میں باہم کچھ نہ کچھ اختلاف پایا جاتا ہے یعنی کچھ روایتیں بعض نسخوں میں مندرج ہیں۔ مگر دوسروں میں درج ہونے سے رہ گئی ہیں۔ یہ اختلاف و انتشار دیکھ کر علامہ ابن عبدالبرؒ نے کتاب التقصی کے نام سے ایک تصنیف مدون کی جس میں علاوہ ان احادیث کے جن پر مؤطا کے تمام نسخے متفق ہیں۔ وہ حدیثیں بھی مؤطا کے مختلف نسخوں سے لے کر درج کیں۔ جو بعض نسخوں میں موجود تھیں اور دوسروں میں قلم انداز ہو گئی تھیں (دیکھو بستان المحدثین مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۹۔۲۷) پس ظاہر ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے مؤطا کی یہ روایت جس میں یزید بن خصیفہ تابعیؒ سائب بن یزید صحابیؓ سے بیس رکعت نقل کرتے ہیں یا تو مؤطا کے ان نسخوں سے نقل کی ہو گی جو مصر میں متداول ہوں گے یا کتاب التقصی سے اخذ کی ہو گی جس میں علامہ ابن عبدالبرؒ نے مؤطا کے تمام نسخوں کی احادیث کا استقصا فرمایا ہے۔

بہر حال اس میں آپ کے لئے انکار و اعراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ آپ کی جماعت کے روح رواں اور مقتدائے اعظم قاضی شوکانی نے بھی اس کو بیس رکعت تراویح کے اثبات میں نقل فرمایا ہے۔ چنانچہ قاضی موصوف رقمطراز ہیں۔

وفی المؤطا من طریق یزید بن خصیفۃؒ عن السائب بن یزید انہا عشرون رکعۃ (نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۹۸-۲۹۹) (مؤطا میں بطریق یزید بن خصیفہؒ حضرت سائب بن یزید صحابیؓ سے بیس رکعتیں روایت کی گئی ہیں)

اہل حدیث۔ اچھا۔ یزید بن خصیفہ راوی جو امام مالکؒ کے استاد اور حضرت سائبؓ بن یزید صحابی کے شاگرد ہیں ثقہ ہیں یا غیر ثقہ؟

اہل سنت۔ علامہ ابن حجرؒ یزید بن عبداللہ بن خصیفہ کندی مدنیؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد اور سائب بن یزید اور محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان اور عمرو بن

عبداللہ بن کعب سے اور اُن سے امام مالکؒ، ابو علقمہ فروی، سفیان ثوری، سفیان بن عُیینہ اور دوسرے حضرات نے روایت کی۔ امام احمد، ابو حاتم اور نسائی نے ان کو ثقہ بتایا ہے ابن معین نے انہیں ثقہ حجت قرار دیا ہے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ یزید بن عبداللہ بن خصیفہ عابد، ناسک، کثیر الحدیث اور ثقہ تھے۔ ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ یہ درج کر کے ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ وہ حضرت سائب بن یزید صحابی رضؓ کے برادر زادہ تھے بہرحال وہ ثقہ ماموں تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۳۴۰)

اہل حدیث ۔ کیا امام مالکؒ کے علاوہ کسی اور امام حدیث نے بھی بیس رکعت تراویح کو حضرت سائب بن یزید صحابی سے روایت کیا ہے؟

اہل سنت ۔ ہاں مروزیؒ، بیہقیؒ وغیرھما نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ لیکن یہ تو فرمایئے کہ امام مالکؒ کی متذکرہ صدر حدیث کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟

اہل حدیث ۔ ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

اہل سنت ۔ دیکھئے بیہقیؒ سُنن کبریٰ میں چند راویوں کے نام درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں

عن ابن ابی ذئب عن یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عھد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ قال وکانوا یقرؤن بالمئین وکانوا یتوکؤن علی عصیھم فی عھد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدۃ القیام (السنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۴۹۶) (ابن ابی ذئب رحؒ نے یزید بن خصیفہ رحؒ سے روایت کی کہ حضرت سائب بن یزید صحابیؓ نے فرمایا کہ ماہ رمضان میں صحابہ و تابعین بیس تراویح پڑھا کرتے تھے۔ ایک ایک رکعت میں قرآن کی سو سو آیتیں پڑھی جاتی تھیں اور امیر المومنین عثمان ذو النورین رضؓ کے عہد مبارک میں لوگ شدت قیام کی تاب نہ لا کر اپنی اپنی لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے۔

اہل حدیث ۔ سائب بن یزید صحابی سے بسند صحیح مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں گیارہ رکعات کے ساتھ قیام کیا جاتا تھا۔ جو سعید بن منصور اور امام مالکؒ کی روایت سے امام سیوطی کی کتاب (مصابیح) کے خلاصہ سے نقل ہو چکا ہے اور اس سند کو امام سیوطیؒ نے فی غایۃ الصحۃ کہا ہے پس سائب بن یزیدؓ کی روایت گیارہ رکعت کی صحیح ہے نہ کہ بیس کی۔ (انارۃ المصابیح مؤلفہ سیالکوٹی صاحب ص ۲۷)

اہل سنت ۔ مولانا سیالکوٹی صاحب نے اپنی آنکھوں پر تعصب اور تنگ نظری کی جو عینک لگا رکھی ہے۔ اس سے انہیں مفید مطلب بات کے سوا کوئی چیز سوجھائی نہیں دیتی اگر یہ عینک آنکھوں پر نہ ہوتی تو انہیں صاف دکھائی دیتا کہ جس طرح سیوطیؒ نے گیارہ رکعت کی روایت کو صحیح کہا ہے۔ اسی طرح حضرت سائب بن یزیدؓ کی اس حدیث کو بھی صحیح بتایا ہے جس میں بیس رکعتیں مذکور ہیں۔ چنانچہ سیوطی اپنی اسی کتاب (مصابیح) میں رقمطراز ہیں۔

وفی سنن البیھقی وغیرہ باسناد صحیح عن السائب بن یزید الصحابی قال کانوا یقومون علی عھد عمر بن الخطاب فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ (مصابیح مطبوعہ ثنائی برقی پریس امرتسر ص ۸) (اور سنن بیہقی اور حدیث کی دوسری کتابوں میں صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت سائب بن یزید صحابیؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ ماہ رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

اور لطف یہ ہے کہ سیوطیؒ نے صرف اپنی اس تحقیق پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ علی رغم انف سیالکوٹی علامہ سبکی رحمہ اللہ کا بیان نقل کر کے بھی اپنی تحقیق کی تصدیق و توثیق فرمائی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

وقال السبکی فی شرح المنھاج اعلم انہ لم ینقل کم صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلک اللیالی ھل ھو عشرون او اقل، ومذھبنا ان التراویح عشرون رکعۃ لما روی البیھقی وغیرہ بالاسناد الصحیح عن السائب بن یزید الصحابی رضی اللہ عنہ بعشرین رکعۃ۔ (مصابیح ترجمہ

امام سیوطیؒ ص ۱۴) (سبکی نے شرح منہاج میں لکھا ہے کہ یاد رکھو کہ کسی صحیح روایت میں) منقول نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں کتنی کتنی رکعتیں پڑھیں بیس یا کم زیادہ) اور ہمارا مسلک یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہے کیونکہ بیہقیؒ نے اسناد صحیح کے ساتھ حضرت سائب بن یزید صحابی رض سے بیس رکعتیں روایت کی ہیں۔

یاد رہے کہ سیوطیؒ کے اس رسالہ مصابیح کو کسی حنفی نے طبع کرا کر شائع نہیں کیا۔ بلکہ اس کو کچھ عرصہ پیشتر جماعت اہل حدیث کے روح رواں اور سرگروہ اعظم مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری فاتح قادیاں اطال اللہ عمرہ نے بزعم خود بیس رکعت تراویح کی نفی میں اپنے ثنائی برقی پریس امرتسر میں چھاپ کر شائع کیا تھا۔

اہل حدیث سنن بیہقی کی جو روایت آپ نے اوپر درج کی اس کے راویوں کی کیا حالت ہے؟

اہل سنت جب سیوطیؒ اور سبکی جیسے ناقدین فن اس کو صحیح الاسناد لکھ رہے ہیں تو پھر کسی شک اور وہم کی کہاں گنجائش ہے؟

اہل حدیث ۔ تاہم کچھ نہ کچھ تو روشنی ڈالنی چاہئے۔

اہل سنت ۔ حضرت سائب بن یزید صحابیؓ کی نسبت سیالکوٹی صاحب نے لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کا زمانہ یقیناً پایا ہے۔ کیونکہ وہ صحابی ہیں بلکہ مدینہ شریف میں سب صحابہ کے بعد فوت ہوئے۔ (انارۃ المصابیح ص ۲۸) اب آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ بیس رکعت پڑھنے والے وہ سینکڑوں صحابہ کرام تھے جو عہد فاروقی میں مدینہ طیبہ کے اندر اقامت فرما تھے۔ حضرت سائب بن یزید صحابیؓ کے شاگرد یزید بن خصیفہؒ کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے۔ یزید بن خصیفہؒ کے شاگرد ابن ابی ذئبؒ کی نسبت علامہ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں "محمد بن عبدالرحمن بن مغیرہ بن حارث بن ابی ذئب معروف بہ ہشام بن شعبہ قرشی عامری ابوالحارث مدنیؒ نے

عبداللہ بن سائب بن یزید، حارث بن عبدالرحمٰن قرشی، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، قاسم بن عباس نافع مولیٰ ابن عمر، زہری، محمد بن منکدر وغیرہم سے اور ان سے سفیان ثوری، معمر، عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید قطان، عبداللہ بن وہب اور دوسرے حضرات نے روایت کی۔ ابو داؤد محدث کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ کو یہ فرماتے سنا کہ ابن ابی ذئبؒ سعید بن مسیب کے مشابہ تھے۔ امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ کیا ابن ابی ذئب کے بعد ان کے شہر میں ان کا کوئی جانشین اور نعم البدل ہوا؟ فرمایا نہیں۔ نہ ان کے شہر میں اور نہ کسی دوسری جگہ" یعقوب بن سفیان کا بیان ہے کہ امام احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ امام مالک زیادہ عالم ہیں یا ابن ابی ذئب؟ فرمایا کہ ابن ابی ذئب امام مالکؒ سے زیادہ متقی و پرہیزگار اور سلاطین کے سامنے ان سے زیادہ حق گو تھے۔ ایک مرتبہ ابن ابی ذئبؒ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے پاس گئے، اور نہی عن المنکر کا حق ادا کرتے ہوئے خلیفہ سے برملا کہہ دیا کہ تیرے دروازے پر ظلم کا علانیہ ارتکاب ہو رہا ہے۔" ابن حبان نے لکھا ہے کہ ابن ابی ذئب ثقہ اور اہل مدینہ کے فقہاء وعباد میں سے تھے اور ان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ حق گوئی میں تیغ بے نیام تھے۔ یحییٰ بن معین اور نسائی نے بھی ان کو ثقہ بتایا ہے (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۰۶)

ابن ابی ذئبؒ سے یہ روایت ان کے شاگرد علی بن جعد کو پہنچی تھی۔ علی بن جعد بن عُبَید جوہریؒ ثقہ ثبت ہیں، سنہ ۲۳۰ھ میں انتقال فرمایا (تقریب التہذیب ص ۲۶۹) علی بن جعدؒ سے یہ حدیث عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز بغویؒ نے روایت کی۔

تیسری روایت۔ متذکرہ صدر دونوں روایتوں کی تائید مروزیؒ کی روایت سے ہوتی ہے علامہ عینی رحمہ اللہ شرح صحیح بخاری میں رقمطراز ہیں۔

روی محمد بن نصر من روایۃ یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید انہم کانوا یقومون

فی رمضان بعشرین رکعتہ (محمد بن نصر مروزیؒ نے یزید بن خصیفہ سے روایت کی کہ سائب بن یزید صحابیؓ نے فرمایا کہ صحابہ و تابعین رمضان میں ۲۰ رکعت کے ساتھ قیام کرتے تھے۔

اور علامہ مروزیؒ کے متعلق مولانا سیالکوٹی لکھتے ہیں "امام محمد بن نصر مروزیؒ بڑے پایہ کے امام حدیث ہیں (انارۃ المصابیح)

چوتھی روایت۔ شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں۔

(روی البیہقی فی معرفۃ السنن والآثار عن السائب بن یزیدؓ قال کنا نقوم فی خلافۃ عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ والوتر قال النووی فی الخلاصۃ اسنادہ صحیح (فتح القدیر جلد اول ص ۲۰۵) (بیہقیؒ نے کتاب معرفۃ السنن میں روایت کی کہ حضرت سائب بن یزید صحابیؓ نے فرمایا کہ ہم حضرت عمرؓ کی خلافت میں بیس رکعت تراویح اور وتر کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ امام نووی نے خلاصہ میں لکھا ہے کہ اس حدیث کا اسناد صحیح ہے۔

اہل حدیث۔ یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ اس لئے قابل عمل نہیں۔

اہل سنت۔ کیا ایسی حدیث بھی ضعیف ہو سکتی ہے جس کو امام نوویؒ جیسے محدث اور نقاد فن صحیح الاسناد کہیں۔

اہل حدیث۔ ہاں بڑوں بڑوں سے غلطی ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کا ایک راوی ابو عثمان بصری قابل اعتبار نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں کہا کہ وہ مشہور معتزلی ہے۔

عہ وھذا الاثر من ھذا الوجہ قد صحح اسنادہ العلامہ السبکی فی شرح المنہاج وعلی القاری فی شرح الموطا قال اخبرنا ابو طاہر الفقیہ قال نا ابو عثمان البصری قال حدثنا ابو احمد بن عبد الوہاب قال اخبرنا خالد بن مخلد قال حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنی یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید۔

لوگوں کو بدعت کی دعوت دیتا تھا۔ محدثین کی ایک جماعت نے اسے کاذب بتایا ہے ملاص ۲۸۶)
امام بخاریؒ "کتاب الضعفاء الصغیر" میں لکھتے ہیں کہ امام یحییٰ بن سعید قطانؒ نے ابوعثمان عمرو بن
عُبَید بصری کو ترک کر دیا تھا مطر بن وراق نے کہا وہ کاذب ہے (صفحہ ۲۶) امام نسائی کتاب
الضعفاء والمتروکین میں فرماتے ہیں کہ ابوعثمان عمرو بن عُبَید بصری متروک الحدیث ہے
(صفحہ ۲۳) حافظ صفی الدین احمد خلاصہ میں فرماتے ہیں کہ عمرو بن عُبَید تمیمی معتزلہ کا سردار ہے
عمرو بن علی نے اسے ترک کر دیا تھا اور یونس بن عبید نے اسے جھوٹا کہا۔ نتیجہ ایسے
شخص کی روایت معتبر نہیں (انارۃ المصابیح مولفہ سیالکوٹی صاحب ص ۲۶-۲۷)

اہل سنت۔ مولانا سیالکوٹی اطال اللہ عمرہٗ ایک اسلامی فرقہ کے پیشوا ہونے کی
حیثیت سے ہمارے لئے بھی واجب الاحترام ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یا تو بڑھاپے نے ان
کی عقل ماردی ہے یا تعصب و تنگ حوصلگی کا مرضِ صعب ان کو حق و باطل میں تمیز کرنے کی
مہلت نہیں دیتا۔ امام بیہقیؒ نے معرفۃ السنن کی متذکرہ صدر روایت جس پر سیالکوٹی صاحب
نے اتنا جوش و خروش دکھایا اپنے استاد علامہ ابوطاہر فقیہؒ سے اور انہوں نے اپنے استاد عمرو
بن عبداللہ ابوعثمان بصریؒ سے سنی تھی یعنی بیہقیؒ اور ابوعثمان بصریؒ میں صرف ایک واسطہ ہے
بیہقیؒ نے ۴۵۸ھ میں اور ان کے استاد الاستاذ ابوعثمان بصریؒ نے ان سے قریباً چالیس سال
پہلے یعنی ۴۱۸ھ کے قریب اس سرائے فانی کو الوداع کہا تھا۔ ان کے علاوہ دو اور بھی ابوعثمان
بصری ہیں (۱) جعد بن دینار یشکری ابوعثمان بصری رحمہ اللہ جنہوں نے حضرت انس بن مالک
رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصریؒ وغیرہما سے روایت کی (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۸۰) (۲)
عمرو بن عُبَید تمیمی ابوعثمان بصری معتزلی جو مذہب حق اہل سنت و جماعت سے روگرداں ہو کر
واصل بن عطاء رئیس المعتزلہ کے اغوا سے معتزلی ہو گیا تھا ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور ۱۴۳ھ میں

مرا (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۷۰) ان تینوں میں سے پہلے دونوں ثقہ ہیں اور آخرالذکر یعنی تمیمی ضعیف ہے چونکہ سیالکوٹی صاحب کی دلی آرزو ہے کہ حق کو مقہور و مستور کر کے شعار باطل کو فروغ دیں، اس لئے انہوں نے کوشش کی کہ تینوں میں سے ایسے شخص کو چھانٹ لیں جو جرح کا محتمل ہو اور بسہولت اعتراضات کا آماجگاہ بن سکے تاکہ روایت کو ضعیف ٹھہرا کر اہل حق کو نیچا دکھانے کا موقع ہاتھ آئے۔ چنانچہ ان کی نگاہِ انتخاب ان میں سے تیسرے شخص پر پڑی اور انہوں نے دھڑلے سے عمرو بن عُبَید معتزلی پر اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دی، حالانکہ اگر سیالکوٹی صاحب کی آنکھوں پر تعصب کی چربی نہ چھائی ہوتی۔ تو انہیں صاف نظر آتا کہ بیہقیؒ کے استاد الاستاذ ابو عثمان بصریؒ تو عَمرو بن عُبَید معتزلی سے جس پر انہوں نے اس شد و مد سے یورش کی ہے، کوئی ڈھائی سو سال پیچھے پیدا ہوئے تھے۔ شیخ ابن حجر امام بخاریؒ، امام یحییٰ بن سعید قطانؒ اور نسائیؒ نے جس ابو عثمان بصری کو ضعیف بتایا ہے۔ وہ بیہقیؒ کے استاد الاستاذ نہیں بلکہ وہی معتزلی نابکار تھا جو امام حسن بصریؒ کی صحبت ترک کر کے واصل بن عطا کی ٹولی میں جا ملا تھا۔ سیالکوٹی صاحب قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں۔ لیکن اس پیرانہ سالی میں بھی مغالطہ دہی اور بطالت کوشی کا بھوت ان کے سر پر سوار ہے۔ اس قسم کی خفیف الحرکتی کسی طرح ان کے شایانِ شان نہیں ہے۔

اہل حدیث۔ ہم یہ جتلا دینا چاہتے ہیں کہ حضرات حنفیہ کا قدم فن حدیث کی روایت اور اس کی صحت و سقم کی معرفت میں مجموعی طور پر بہت پیچھے ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ قدرت کی طرف سے اس کام کے لئے پیدا ہی نہیں کئے گئے اور یہ بات ہم تعصب یا حمایت مذہبی کی بنا پر نہیں بلکہ حال واقعی اور آئمہ محدثین کی تصریحات سے کہتے ہیں۔ یہ تو ان کے بزرگ علماء کا حال ہے کہ وہ اس فن میں کم مایہ ہیں۔ لیکن ان کے چھوٹے علماء جن کے قبضہ

میں عوام ہیں وہ تو اور ہی غضب ڈھاتے ہیں کہ لوگوں تک علم کو صحت و صفائی کے ساتھ نہیں پہنچاتے۔ بلکہ حق کو چھپا کر اور حق و باطل کو ملا کر یا تحریف کرکے ان سے اپنے مقاصد پورے کراتے ہیں۔ (انارۃ المصابیح ص ۲۶)

اہل سنت۔ سیالکوٹی صاحب علم حدیث میں جس قابلیت کے مالک ہیں اور فن حدیث کی روایت اور اس کی صحت و سقم کی معرفت میں ان کی جو شخصیت ہے وہ اس رسالہ کا مطالعہ کرنے والوں پر کچھ تو واضح ہو چکی ہوگی اور کچھ انشاء اللہ العزیز آئندہ اوراق میں واضح ہو جائے گی۔ بایں ہمہ بے مائیگی انہیں اپنی ہمہ دانی کا اتنا غرور ہے کہ دنیا کے کسی حنفی کو خاطر ہی میں نہیں لاتے ان کی تحریریں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ گو وہ بذات خود سیالکوٹ کی گلیوں میں جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں لیکن ان کے طاغوت آشیاں دماغ نے کبر و غرور کے فلک ہفتم میں بسیرا کر رکھا ہے۔ ہندوستان میں جس قدر غیر مقلد مولوی پائے جاتے ہیں، وہ مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں اور مولوی نذیر حسین صاحب مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلوی حنفی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے اس اعتبار سے تمام علماء "اہل حدیث" حنفیوں کے شاگرد ہوئے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے کسی غیر مقلد کے پاس کوئی سند حدیث ایسی نہ مل سکے گی جس کے سلسلہ مشائخ میں متعدد حنفی اساتذہ و محدثین کرام کے اسماء گرامی زیب قرطاس نہ ہوں۔ ایسی حالت میں سیالکوٹی صاحب کا حنفیوں کو علم حدیث سے بے بہرہ بتانا سعدی شیرازی کے اس شعر کا مصداق ہے۔

کس نیاموخت علم تیر از من   کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

اہل حدیث۔ کیا آپ مشہور محدثین کرام میں سے کسی ایسے بزرگ کا نام بتا سکتے ہیں جو حنفی مذہب کا پیرو ہو؟

اہل سنت۔ امام وکیع بن الجراح اور امام یحییٰ بن سعید قطان رحمہما اللہ دونوں

حنفی تھے اور امام ابو حنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے (دیکھو تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد اول ص ۲۸۰-۲۸۲) پس جس مذہب کی پیروی کرنے والی اتنی بڑی بڑی جلیل القدر شخصیتیں ہوں ان کو علم حدیث سے بے بہرہ بتاتے ہوئے ذرا شرم کرنی چاہیئے۔ حماد بن زیدؒ حضرت وکیعؒ کو سفیان ثوریؒ پر اور یحییٰ بن معین رحمہ اللہ ان کو حضرت عبداللہ بن مبارک پر ترجیح دیتے تھے۔ (حوالہ مذکور و تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۷) آج سیالکوٹی صاحب اپنی کوتاہ نظری سے حنفیوں کو یہ طعنہ دے رہے ہیں کہ انہیں حدیث کی صحت و سقم کی معرفت حاصل نہیں حالانکہ اسلام میں سب سے پہلے جس بزرگ ہستی نے اس فن یعنی راویوں کی جرح و تعدیل میں کتاب لکھی وہ ایک حنفی عالم امام یحییٰ بن سعید قطانؒ تھے وہ اس رتبہ کے بزرگ تھے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ میری آنکھوں نے ان کی کوئی نظیر نہیں دیکھی۔ یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، احمد بن حنبلؒ، ابو خیثمہ رحمہم اللہ جیسے آئمہ اعلام سب ان کے شاگرد تھے۔ (دیکھو لسان المیزان جلد اول ص ۷)

پانچویں روایت۔ اب پانچویں روایت ملاحظہ ہو۔

قال ابن عبدالبرؒ وروی الحارث بن عبدالرحمٰن ابن ابی ذباب عن السائب بن یزیدؓ قال کان القیام علیٰ عہد عمرؓ بثلاث وعشرین رکعۃ ھذا محمول علیٰ ان الثلاث الوتر (عینی شرح بخاری جلد ۵ ص ۳۵۷)

(ابن عبدالبر محدثؒ فرماتے ہیں کہ حارث بن عبدالرحمٰن بن ابی ذبابؒ نے حضرت سائب بن یزید صحابیؓ سے روایت کی کہ حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں قیام رمضان تیئس رکعت کے ساتھ ہوتا تھا۔ ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ ان میں تین رکعتیں وتر کی ہیں۔

اہل حدیث تقریب میں ابن ابی ذباب کی بابت صدوق یہم لکھا ہے صدوق

کا لفظ مراتب تعدیل میں نہایت گھٹیا درجہ کا ہے۔ پھر اس کے ساتھ وہ وہمی بھی ہے۔
(انارۃ المصابیح ص ۳۹)

اہل سنت ۔ ابن ابی ذباب مراتب تعدیل میں گھٹیا ہی سہی مگر عادل ہی تو ہیں۔ اس سے قطع نظر علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں :۔ میں کہتا ہوں کہ ابن حبانؒ نے ابن ابی ذباب کو ثقات میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ مُتقن (محکم واستوار) تھے (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۴۸) پس ان سے احتجاج درست ہے۔

اہل حدیث ۔ مگر آپ نے جو یہ پانچ روائتیں پیش کی ہیں ان میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ جو صحابۂ کرامؓ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے وہ حسب فرمان حضرت عمرؓ پڑھتے تھے یا اپنی مرضی سے؟ (رکعات تراویح ص ۱۲) خلفائے راشدین میں سے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حضرت عمرؓ کے حکم سے عموماً تمام لوگوں کا گیارہ رکعت پڑھنا نہایت صحیح سند سے ثابت ہے اور آپ کے زمانہ میں آپ کے حکم سے عموماً تمام لوگوں کا ۲۳ رکعت مع وتر پڑھنا ہرگز ہرگز کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں (فتاوائے نذیریہ جلد اول صفحہ ۳۳۹)

اہل سنت ۔ افتراق امت کی حدیث میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ناجی فرقہ وہ ہے جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں (ترمذی و ابن ماجہ) اس حدیث میں امت مابعد کو مطلقاً صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ خلفائے راشدینؓ وغیرہم کی کوئی تخصیص نہیں پس یہ کہنا کہ "ان حدیثوں میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ صحابۂ کرام جو بیس رکعت پڑھتے تھے وہ حسب فرمان حضرت عمرؓ پڑھتے تھے یا اپنی مرضی سے؟" انتہا درجہ کی نادانی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کوئی حامل وحی اور صاحب شریعت نہیں تھے کہ صحابہ کرامؓ کے لئے ان کے حکم کی پابندی ضرور تھی۔ یہ حضرات خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے تربیت یافتہ تھے۔ انہیں سنن ہدیٰ اور احکام شریعت میں فاروق اعظمؓ یا کسی دوسرے خلیفۂ راشد کی راہنمائی کی احتیاج نہیں تھی۔ ان حضرات کی تو یہ شان تھی کہ اگر بالفرض کبھی خلفائے راشدینؓ سے کوئی بھول چوک ہوجاتی تو بہت سے صحابۂ کرامؓ اس کی اصلاح کرسکتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔ ایک سال حج کے موقعہ پر امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعتیں ادا کیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو خبر ملی تو متاسف ہوکر فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں بھی دو ہی رکعتیں تھیں۔ اب یہ کیا انقلاب ہے (صحیح بخاری جلد اول ص ۱۴۷)

اس سے قطع نظر یہاں چند روایتیں ایسی بھی درج کی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ تمام لوگ حضرت عمر فاروقؓ ہی کے حکم سے بیس رکعت پڑھتے تھے۔

چھٹی روایت۔ اب چھٹی روایت ملاحظہ ہو۔

عن السائب بن یزید ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس فی رمضان علی ابی بن کعب وتمیم الداری علی احدی وعشرین رکعۃ رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ (فتح الباری جلد ۴ ص ۱۸۰) (حضرت سائب بن یزید صحابیؓ کا بیان ہے کہ عمر بن خطابؓ نے لوگوں کو رمضان میں حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کی اقتدا میں (و ترسمیت) اکیس رکعت پر جمع کیا۔

اس روایت میں جو ۲۱ رکعت کی تعداد بتائی گئی ہے سو اس میں ایک رکعت نماز وتر داخل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ایک رکعت وتر بھی پڑھ لیتے تھے۔ علامہ ابن حجرؒ نے یہ روایت بلا اسناد تلخیص کی ہے اور حدیث کا آخری حصہ بھی حذف کردیا ہے لیکن یہاں یہی روایت عینی کی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری (جلد ۵ ص ۳۵۷) سے مکمل اور بالاسناد درج کی جاتی ہے۔

روی عبدالرزاق فی المصنف عن داؤد بن قیس وغیرہ عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس فی رمضان علی ابی بن کعب وعلی تمیم الداری علی احدی وعشرین رکعۃ یقومون بالمئین وینصرفون فی فروع الفجر قلت قال ابن عبدالبر ھو محمول علی ان الواحدۃ الوتر۔

(محدث عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں داؤد بن قیس وغیرہ سے اور انہوں نے محمد بن یوسف سے روایت کی۔ کہ حضرت سائب بن یزید صحابی نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو رمضان میں ابی بن کعب اور تمیم داری کی اقتدا میں اکیس رکعت پر جمع کیا تھا۔ ایک ایک رکعت میں سو سو آیتیں پڑھی جاتی تھیں اور لوگ فجر سے تھوڑا پہلے گھروں کو لوٹتے تھے۔ ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ اکیس میں ایک رکعت وتر کی ہے۔

اہل حدیث۔ اس حدیث کے راوی کیسے ہیں؟

اہل سنت سب ثقہ ہیں۔ اس کے پہلے راوی عبدالرزاق محدث کے استاد امام داؤد بن قیس ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی ان کی نسبت لکھتے ہیں داؤد بن قیس صنانی نے وہب بن منبہ سے اور ان سے ان کے پوتے سلیمان بن ایوب بن داؤد بن قیس اور عبدالرزاق اور ہشام بن یوسف نے روایت کی ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۹۹) داؤد بن قیس ثقہ اور صالح الحدیث ہیں (انارۃ المصابیح ص ۳۹) دوسرے راوی داؤد بن قیس کے استاد محمد بن یوسف ہیں جو امام مالکؒ کے بھی استاد تھے۔ ان کے متعلق خود سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں کہ محمد بن یوسف مدینہ شریف کے بڑے معزز اور عظیم الشان لوگوں میں سے ہیں۔ حدیث میں ان کا پایہ بہت بلند ہے۔ محمد بن یوسف اپنے استاد سائب بن یزید صحابیؓ کے نواسے یا بھانجے یا بھتیجے ہیں یعنی قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے گھر کے آدمی تھے۔ (انارۃ المصابیح صفحہ ۴۰) اچھا آپ کے پاس اس روایت کا کیا جواب ہے؟

اہل حدیث۔ حارث بن ابی ذباب اور داؤد بن قیس کی روایتیں آپس میں مختلف

ہیں۔کیونکہ حارث بن ابی ذباب حضرت سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے وقت ۲۳ رکعت کے ساتھ قیام ہوتا تھا اور دوسری میں داؤد بن قیس امام مالکؒ کے استاد محمد بن یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے رمضان میں لوگوں کو حضرت اُبی اور تمیم داری پر اکیس رکعات پر جمع کیا تھا (انارۃ المصابیح مولفہ سیالکوٹی صاحب صفحہ ۳۸)

اہل سنّت۔ ان روایتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ جب کبھی وتر کی ایک رکعت پڑھی گئی تو کل اکیس ہوئیں اور جب وتر تین رکعت پڑھے گئے۔تو مجموعی تئیس رکعتیں ہوئیں

ساتویں روایت۔ اور سنئے!

حدثنا وکیع عن مالک بن انس عن یحییٰ بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلاً ان یصلی بھم عشرین رکعۃ رواہ ابن شیبۃ فی مصنفہ (ہم کو امام وکیعؒ نے خبر دی۔انہوں نے امام مالکؒ سے روایت کی کہ انہوں نے یحییٰ بن سعیدؒ سے سُنا کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص (اُبیّ بن کعبؓ) کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھایا کریں)

یحییٰ بن سعید انصاری نجاری ابوسعید مدنیؒ امام مالکؒ کے استاد تھے انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، سعید بن مسیّبؒ، قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ، زہری، نافع مولیٰ ابن عمر وغیرہم سے اور ان سے امام مالک، ابن اسحاق، ابن ابی ذئب، اوزاعی، شعبہ، سفیان، ثوری، ابن جریج، یزید بن ہارون وغیرہم نے روایت کی۔ابن سعد کا بیان ہے کہ یحییٰ بن سعید انصاری ثقہ کثیر الحدیث حجت اور ثبت تھے۔امام احمد بن حنبلؒ یحییٰ بن معین، ابوحاتم، ابوزرعہ، نسائی کے نزدیک ثقہ ہیں۔حضرت انسؓ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی صحابی سے حدیث نہیں سنی ۱۴۳ھ میں انتقال فرمایا (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۲۲۲)

اہل حدیث۔ واقعی یحییٰ بن سعید جرح و تعدیل کے امام ہیں۔تقریب التہذیب میں

ان کی تعریف میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔ ثقہ متقن، امام قدوہ اور حاشیہ تقریب میں ان کے شاگرد امام احمدؒ کا قول منقول ہے کہ میری آنکھوں نے ان کی مثل کسی کو نہیں دیکھا۔ محمد بن بشار نے ان کو امام اہلِ زمانہ کہا ہے (انارۃ المصابیح ص ۳۵)

اہل سنت۔ پھر تو آپ ان کے بیان کو بالکل سچا سمجھتے ہوں گے؟

اہل حدیث۔ یہ روایت بوجہ منقطع السند ہونے کے صحیح نہیں ہے یحییٰ بن سعید انصاری نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا (رکعات تراویح مولفہ سکرٹری صاحب ص ۱۳)

اہل سنت۔ کیا انہوں نے ثقہ عادل، امام اہل زمانہ اور خصوصاً جرح و تعدیل کے امام ہونے کے باوجود بلا تحقیق ایک بے اصل چیز روایت کر دی؟ یا تو انہیں معتبر اور سچا سمجھو یا ان اوصاف سے متصف نہ مانو۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اور مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی تو کچھ کہیں وہ آپ لوگوں کے نزدیک وحی آسمانی متصور ہو لیکن امام اہل زمانہ ایسے بزرگ ہستی کے بیان پر اعتبار نہ کیا جائے کہ جس کی مثال امام احمد رحمہ اللہ نے کسی کو نہ دیکھا تھا۔ یہ کیا ہوا بھئی ہے بہرحال ان روایات سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ اور دوسرے حضرات جو بیس تراویح پڑھتے تھے۔ وہ امیر المومنین عمر فاروقؓ ہی کے حکم کی تعمیل تھی۔

رہا سیکرٹری صاحب کا یہ عذر کہ اس روایت میں انقطاع ہے سو اس کے متعلق التماس ہے کہ اگر کسی حدیث کے راوی ثقہ ہوں تو اس کا مرسل یا منقطع ہونا کچھ بھی مضرت رساں نہیں ہوتا مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا سلسلہ اسناد اخیر سے ساقط ہو یعنی صحابی مذکور نہ ہو اور اگر ایک راوی درمیان سے ساقط ہو تو اس کو منقطع کہتے ہیں یحییٰ بن سعید انصاری رحمہ کی روایت جو اوپر درج ہوئی یہ مرسل ہے۔ حدیث مرسل حجت ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ شرح مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

ومذهب مالك وابی حنیفة واحمد واکثر الفقهاء انه یحتج به ومذهب الشافعی انه اذا انضم الی المرسل ما یعتضد به احتج وذالك بان یروی ایضاً مسنداً او مرسلاً من جهة اخری او یعمل به بعض الصحابة او اکثر العلماء۔ (امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ امام احمدؒ اور اکثر فقہا کا یہ مذہب ہے کہ حدیث مرسل حجت ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک وہ اس وقت حجت ہے جب کوئی اور مُسند یا مُرسل روایت جو دوسرے طریق سے مروی ہو اس کو تقویت پہنچاتی ہو۔ یا اس پر بعض صحابہ یا اکثر علماء نے عمل کیا ہو)

اسی طرح جماعت اہل حدیث کے معتمد و مستند بزرگ علامہ ابن قیمؒ بھی حدیث مرسل کو حجت مانتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

والمرسل اذا اتصل به عمل وعضده قیاس او قول صحابی او کان مرسله معروفاً باختیار الشیوخ ورغبته عن الروایة عن الضعفاء والمتروکین ونحو ذالك مما یقتضی قوته عمل به (زاد المعاد جلد اول ص ۱۰۳) (جب کوئی عمل بھی اس مرسل روایت سے متصل ہو اور قیاس یا قول صحابی اس کو تقویت دیتا ہو یا وہ مرسل حدیث مشائخ کے اختیار کرنے سے شہرت حاصل کر چکی ہو اور اس میں ضعفاء و متروکین سے اعراض کیا گیا ہو یا اسی قسم کی کوئی اور ایسی صورت ہو جس سے اس مرسل میں قوت پیدا ہو جائے۔ تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک، اور امام احمد رحمہم اللہ نے روایت مرسل کو صرف اس شرط کے ساتھ قبول فرمایا ہے کہ تابعی ثقہ ہو۔ اس کے سوا انہوں نے کوئی قید نہیں لگائی۔ ان حضرات نے حدیث مرسل کے مقبول ہونے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ ثقہ تابعی نے اپنے کامل وثوق اور حتمی اعتماد ہی کی بنا پر اس کو ارسال کیا ہے۔ اور اگر اس کے نزدیک روایت صحیح نہ ہوتی۔ تو وہ اس کو ارسال نہ کرتا۔ ثقہ تابعی حدیث کو عموماً اس وقت مرسل کرتا تھا جب اس کو حدیث کی صحت

پر کامل وثوق ہوتا تھا اور وہ شہرہ آفاق ہونے کی وجہ سے زبانِ زدِ خاص وعام ہوتی تھی۔ اور شمنیؒ کہتے ہیں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ تابعی نے وہ روایت ثقات کی ایک جماعت سے سنی تھی اور اسے اس کی صحت پر حق الیقین تھا لیکن روایت کرتے وقت نہ تو وہ (بوجہ طولِ عمل ہونے کے) ان تمام اساتذہ کے نام بیان کرتا تھا جن سے روایت پہنچی ہوتی تھی اور نہ ان کثیر التعداد حضرات میں سے کسی ایک کو ترجیح دے کر تنہا ایک کی طرف منسوب کر سکتا تھا۔ اس بنا پر وہ سہولت اسی میں دیکھتا تھا کہ اُس کو مُرسل کر دے۔

بہرحال اب دیکھ لیجئے کہ نہ صرف امام ابو حنیفہؒ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے مسلک کے مطابق یہ اور تمام دوسری مُرسل روایتیں جو اس فصل میں مندرج ہونگی واجب العمل ہیں بلکہ امام شافعیؒ اور علامہ ابن قیمؒ کے شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے بھی یہ روایتیں واجب الاتباع ہیں کیونکہ نہ صرف حضرت سائب بن یزید صحابی رضؓ کی متذکرہ صدر روایتیں ان کی موید ہیں بلکہ صحابہ کرام تابعین اتباع تابعین اور ساری ملتِ اسلامیہ کا تعامل بھی ان کو تقویت پہنچا رہا ہے۔

اہل حدیث۔ گو آئمہ مجتہدین نے مُرسل حدیث کو حجت گردانا ہے لیکن محدثین کرامؒ ان سے متفق نہیں ہیں۔

اہل سنت۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آئمہ مجتہدین کی چشم بصیرت جس درجہ تیز اور حقیقت شناس واقع ہوئی ہے حضرات محدثینؒ کی سطحی نظر اس کی تہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ محدث اور مجتہد میں وہی فرق ہے جو کسی عطار اور طبیب حاذق میں پایا جاتا ہے جس طرح عطار کے پاس مفردات کے انبار ہوتے ہیں لیکن ان ادویہ کے افعال و خواص کی اُسے خبر نہیں ہوتی۔ اسی طرح گو محدثین کرام رحمہم اللہ احادیثِ نبویہ کے حامل ہیں مگر ارشاداتِ نبویہ کی حقیقتِ نفس الامر اور مغز اور تہ تک پہنچنا مجتہدین عظام ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ علامہ ابن جوزیؒ رقم فرما ہیں کہ

محدث پچاس برس تک دور دراز سفر اختیار کر کے حدیثیں لکھتا اور سنتا اور کتابیں جمع کرتا رہتا ہے۔ مگر یہ نہیں جانتا کہ ان میں کیا احکام ہیں۔ اور اگر اس کی نماز میں کوئی حادثہ پیش آجائے تو اپنے بعض نوجوان شاگردوں سے جو فقہ پڑھکر اس کے پاس حدیث سننے آئے ہوں پوچھتا ہے کہ مسئلہ کس طرح ہے؟ اسی قسم کے محدثوں کو دیکھکر لوگوں کو محدثین پر یہ طعن کرنے کی گنجائش ملی کہ وہ کتابوں کے ڈھیر ہیں لیکن نہیں جانتے کہ ان کے پاس کیا ہے (تلبیس ابلیس مطبوعہ دہلی ص ۱۶۵)

اسی معنیٰ میں سید الخلق خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَّرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد) (فقہ کے بہت سے اٹھانے والے فقیہ نہیں ہوتے اور بعض حاملین فقہ اس کو اپنے سے زیادہ فقیہ کی طرف پہنچاتے ہیں)

یعنی حدیث کے اکثر یاد رکھنے والوں کو خود اس حدیث کا منشاء و مفہوم معلوم نہیں ہوتا اور بعض اس کا مفہوم سمجھتے ہیں لیکن جس کے پاس اس حدیث کی روایت کرتے ہیں وہ ان سے زیادہ تفقہ کا مالک ہوتا ہے پس لازم ہے کہ جس طرح حدیث سنی ہو انہی الفاظ میں دوسرے کے پاس پہنچا دے مجتہد خود اس کا مطلب سمجھ لے گا" امید ہے کہ اس تصریح کے بعد حضرات "اہل حدیث" حدیث کے منقطع السند ہونے کی حجت بازی چھوڑ دیں گے۔

آٹھویں روایت۔ عن عطاء قال ادرکتہم فی رمضان یصلون عشرین رکعۃ و ثلث رکعات الوتر (قیام اللیل مروزی مطبوعہ لاہور ص ۹۱) (عطاء تابعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرامؓ کو رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے پایا ہے۔

عطاء بن ابی رباح اسلم تابعی قرشی رحمہ اللہ نے حضرات ابن عباس، ابن عمر، ابن عمرو، ابن زبیر، معاویہ، اسامہ بن زید، جابر بن عبداللہ، زید بن ارقم، عبداللہ بن سائب مخزومی، عقیل

بن ابی طالب، رافع بن خدیج، ابو درداء، ابو سعید خدری، ابو ہریرہ، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ ام المومنین ام سلمہ، ام ہانی وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بذاتِ خود اور امیر المومنین عثمان ذوالنورین، عتاب بن اسید، اوس بن صامت اور فضل بن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم سے بطریق ارسال روایت کی اور عطاء بن ابی رباحؒ سے مجاہد، زہری، اعمش، اوزاعی، ابن جریج، ابن اسحاق، امام جعفر صادق، عبد العزیز بن رفیع، قتادہ، ابن ابی لیلیٰ، امام ابوحنیفہ، ہمام بن یحییٰ رحمہم اللہ اور دوسری خلق کثیر نے روایت کی۔ ابن سعد کا قول ہے کہ عطاءؒ اور مجاہدؒ پر ان کے اپنے وقتوں میں عموماً اور عطاء پر خصوصاً اہل مکہ کا فتویٰ ختم ہو گیا۔ عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے دو سو صحابہ رضوان اللہ علیہم کو دیکھا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ اے اہل مکہ! تعجب ہے کہ تم لوگ میرے پاس آ جمع ہوتے ہو حالانکہ عطاء تمہارے پاس موجود ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی یہی فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ابو جعفر (امام محمد باقرؒ) کے پاس لوگوں کا بڑا ہجوم ہوا انہوں نے مجمع سے خطاب کر کے فرمایا۔ لوگو! تمہیں عطاء سے فیض حاصل کرنا چاہیے۔ واللہ وہ مجھ سے بہتر ہیں۔ اور ابو جعفرؒ فرمایا کرتے تھے کہ مناسکِ حج کا اب عطاءؒ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں رہا۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے جن لوگوں کو دیکھا ان میں عطاءؒ سے افضل کسی کو نہ پایا۔ ابن حبانؒ نے عطاءؒ کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور وہ ثبت حجت اور کبیر الشان امام ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۲۰۲)

ظاہر ہے کہ جب حضرت عطاءؒ جیسی جلیل القدر ہستی نے جس کو تقریباً دو سو اصحاب رضوان اللہ علیہم کی دید کا شرف حاصل تھا صحابہ کرامؓ کو رمضان المبارک میں بیس تراویح پڑھتے پایا تو پھر بیس رکعت پر اجماعِ صحابہؓ ہونے کی نسبت کیا شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے؟

اہلِ حدیث ۔ (خاموش دلا جواب)

اہلِ سنت ۔ نویں روایت ۔ آٹھویں روایت کی تائید ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔ عن عطاءؒ قال ادرکتُ النّاسَ وھم یصلّون ثلاثًا و عشرین رکعۃً رواہ ابن ابی شیبہ واسنادہ حسن (آثار السنن ۲ ص ۵۵)

(عطاءؒ تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ وتابعین کو تئیس رکعت پڑھتے پایا ہے ۔

دسویں روایت ۔ یزید بن رومانؒ کا بیان ہے کہ لوگ (صحابہ وتابعین) رمضان میں حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں تئیس رکعت (بیس تراویح اور تین وتر) پڑھا کرتے تھے ۔ رواہ مالک فی المؤطا ۔ حضرت یزید بن رومان تابعیؒ امام مالکؒ کے استاد تھے ۔ انہوں نے حضرت انسؓ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور دوسرے حضرات سے روایت کی ۔ عالم کثیر الحدیث ثقہ تھے ۔ نسائی نے ان کو ثقہ بتایا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۳۲۵)

اہلِ حدیث ۔ اس کو حدیث کہنا لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا ہے کیونکہ یہ تو یزید بن رومان کا قول ہے جس کی سند مذکور نہیں اور بغیر سند کے کوئی روایت قابل غور نہیں ہو سکتی ۔ چہ جائیکہ اس پر عمل یا اعتقاد کی بنیاد رکھی جا سکے ۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ یزید بن رومان نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا ۔ کیونکہ حضرت عمرؓ ۲۳ھ میں شہید ہوئے اور یزید بن رومان ۱۳۰ھ میں فوت ہوا (خلاصہ وغیرہ) پس جب وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا تو اسے حضرت عمرؓ کے زمانہ کا علم بغیر کسی واسطہ کے نہیں ہو سکتا اور وہ مذکور نہیں ۔ (انارۃ المصابیح ص ۲۸)

اہلِ سنت ۔ یہ روایت مرسل ہے اور مرسل کے حجت ہونے کی نسبت ساتویں روایت

کے ذیل میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس صورت میں یزید بن رومانؒ بذات خود ثقہ و عادل ہیں تو اگر انہوں نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ انہوں نے یقیناً اپنے راست باز ثقہ اساتذہ مثلاً حضرت انسؓ، حضرت ابن زبیرؓ وغیرہما سے اس کو سنا ہوگا کسی صادق البیان اور ثقہ عادل کا کسی عادل ثقہ راوی سے سنے بغیر کچھ روایت کر دینا اس کی شان ثقاہت کے خلاف ہے۔ اس لئے یا تو اس کے بیان کو باور کرو یا اس کی ثقاہت اور راستبازی سے انکار کر دو۔ روایت مرسل کی مثال یوں سمجھو کہ مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی معروف بہ میاں صاحب حدیث میں مولانا شاہ محمد اسحاقؒ کے شاگرد تھے اور شاہ محمد اسحٰق صاحب مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے۔ اب فرض کرو کہ مولوی نذیر حسین صاحب نے اپنے شاگردوں سے ذکر کیا کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے یوں فرمایا تھا تو کیا آپ لوگ میاں صاحب کو اس بیان میں جھوٹا سمجھیں گے ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ ثقہ عادل ہیں اور ثقہ راوی کا بیان مسترد نہیں کیا جا سکتا اور گو میاں صاحب نے شاہ عبدالعزیزؒ کو نہیں دیکھا لیکن ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے استاد شاہ اسحٰقؒ سے جو ایک ثقہ عادل تھے سن کر ہی یہ واقعہ بیان کیا ہوگا۔ پس میاں صاحب کا بیان مقبول اور ان لوگوں پر حجت ہے۔ جو ان کو صادق البیان اور راست گو یقین کرتے ہیں اسی طرح جب کسی مرسل حدیث کے راوی ثقہ عادل ہوں تو کسی تابعی کا اپنے صحابی استاد کا نام ذکر نہ کرنا روایت کو ناقابل وثوق نہیں ٹھہرا سکتا۔ اور اگر ہم ان کی روایتوں کو دروغ اور ناقابل التفات سمجھیں گے۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم عیاذاً باللہ ان کو دروغ گو سمجھتے ہیں ایسی حالت میں ان کی مسند روایتوں سے بھی اعتماد اٹھ جائیگا اور علم حدیث کی ساری عمارت ہی پیوند خاک ہو جائے گی۔ اگر روایات حدیث میں سے تابعین عظام کو الگ کر دیا جائے۔ تو گویا ہم نے سہ منزلہ مکان کی درمیانی منزل گرا دی۔ اس صورت میں

نہ تو تیسری منزل قائم رہ سکے گی اور نہ سب سے نچلی منزل کو بقا نصیب ہو گی۔

اس سے قطع نظر علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ نے فرمایا ہے کہ موطا میں جس قدر مرسل حدیثیں ہیں وہ سب کی سب مسند یعنی متصل ہیں۔ چنانچہ علامہ ممدوح نے ایک کتاب تصنیف کی۔ جس میں موطا کی تمام مرسل منقطع اور معضل حدیثوں میں سے ہر ایک کی سند پیش کر کے سب کا وصل ثابت کر دکھایا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۶) میں فرماتے ہیں۔

واتفق اهل الحديث على ان جميع ما فيه صحيح على رای مالك ومن وافقه واما على رای غيره فليس فيه مرسل ولا منقطع الا قد اتصل السند به من طرق اخرى فلا جرم انها صحيحة من هذا الوجه۔ (اور ائمہ حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ موطا کی تمام روایتیں امام مالکؒ اور ان کے موافقین کے نزدیک صحیح ہیں۔ ان کے سوا دوسرے محدثین کے نزدیک موطا میں کوئی مرسل یا منقطع روایت ایسی نہیں جن کا دوسرے طرق سے اتصال ثابت نہ ہو۔ اس وجہ سے بلاشبہ مرسل و منقطع روایتیں بھی صحیح ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ نے مصفّٰی شرح موطا میں مراسیل موطا کے متعلق سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ یہاں شاہ صاحب کی تحریر کا اقتباس درج کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ موطا کے التزام صحت کی نسبت امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ کی زمین پر کتاب اللہ کے بعد کوئی کتاب امام مالکؒ کی کتاب سے زیادہ صحیح نہیں ہے۔ حافظ مغلطائیؒ کا قول ہے کہ سب سے پہلے جس نے صحیح کتاب تصنیف کی وہ امام مالکؒ ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ کتاب موطا امام مالکؒ کے نزدیک اور ہر اس شخص کے نزدیک صحیح ہے جس نے مرسل منقطع وغیرہ قسم کی حدیثوں سے استدلال کرنے میں امام مالکؒ کی تقلید کی ہے یعنی علماء اس بارے میں مختلف ہیں کہ مرسل اور منقطع حدیثوں پر عمل کرنا صحیح ہے یا نہیں پس امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور اکثر علمائے تبع تابعین کے نزدیک مرسل اور منقطع روایت پر عمل کرنا صحیح ہے۔ ان حضرات کے نزدیک نہ صرف حضرت عمرؓ اور ان جیسے دوسرے

حضرات کا قول دلیل ہے۔ بلکہ تابعین مدینہ کی کسی جماعت کا اتفاق بھی دلیل ہوسکتا ہے پس امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ اور تمام اتباعِ تابعین کے نزدیک کتاب مؤطا ساری کی ساری صحیح ہے ؛ اور سیوطیؒ نے شیخ ابن حجرؒ کے اس بیان پر کچھ اضافہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مرسل اور منقطع روایت امام مالکؒ اور ان کے ہم خیال آئمہ کے نزدیک بلا کسی شرط کے حجت ہے۔ اسی طرح ہمارے (شوافع کے) نزدیک بھی اس وقت حجت ہے جب کسی مرفوع یا صحابی کی موقوف روایت سے مؤید ہو اور موطا میں کوئی مرسل ایسی نہیں جو اسی لفظ یا اس کے معنیٰ کی روایات مرفوعہ سے مُعتَضَد و مؤید نہ ہو پس یہ کہنا صحیح ہے کہ مؤطا جمیع آئمہ کے نزدیک صحیح ہے۔

اور فقیر (شاہ ولی اللہؒ) کہتا ہے کہ اصحاب صحاح ستہ اور حاکم نے مستدرک میں امام مالکؒ کی مرسل حدیثوں کا اتصال اور ان کی موقوف روایتوں کا رفع ثابت کرنے کی بڑی بڑی کوششیں کی ہیں پس اس اعتبار سے یہ کہنا بے جا نہیں کہ یہ تمام کتابیں موطا ہی کی شرحیں اور اس کے متممات ہیں۔ اور شیخ ابن عبدالبر مالکیؒ نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں مؤطا کی تمام مراسیل کا وصل ثابت کر دکھایا ہے اور لکھا ہے کہ مؤطا میں کل اکسٹھ مراسیل ہیں۔ جن میں سے چار روایتیں ایسی ہیں جن کا اتصال ثابت کرنے سے ہم قاصر رہے ہیں۔ باقی تمام مراسیل و منقطعات کا اتصال دوسرے طُرق و اسناد سے محدثین پر واضح ہو چکا ہے (مصفّٰی شرح مؤطا مطبوعہ دہلی ص ۷-۸)

اسی طرح شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

قال الشافعي اصح الكتُبِ بعد كتاب الله مُؤطّا مالكٍ واتفق اهلُ الحديث انّ جميعَ ما فيه صحيحٌ على رأي مالكٍ ومن وّافقهُ واما على رأي غيرهِ فليس فيه مرسلٌ ولا منقطعٌ الاّ قد اتصلَ السندُ بهِ في طرقٍ اُخرى فلاجَرَمَ انّها صحيحةٌ من هذا الوجه (امام شافعی نے فرمایا ہے کہ قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب موطا امام مالک ہے اور تمام محدثین اس بات پر متفق ہیں۔

کہ جو حدیث بھی موطا میں ہے وہ امام مالک اور ان کے ہم خیال علماء کے نزدیک صحیح ہے اور دوسرے علماء کے نزدیک موطا کی تمام حدیثیں اس لئے صحیح ہیں کہ موطا کی کوئی مرسل اور منقطع حدیث ایسی نہیں جس کی سند دوسرے طریقوں سے متصل نہ ہو پس ان کے نزدیک بھی موطا کی تمام حدیثیں صحیح ہیں)

اس بیان کے بعد شاہ ولی اللہؒ نے وہ چاروں روایتیں مصفّٰی میں درج کر دی ہیں۔ جن کا اتصال ثابت نہیں ہو سکا۔ ان چار میں یزید بن رومانؒ کی مندرجہ بالا روایت کہ جس کو غیر متصل اور ضعیف ثابت کرنے کے لئے سیالکوٹی صاحب ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں داخل نہیں ہے۔ جو صاحب چاہیں ان چاروں روایتوں کو مصفّٰی (ص ۷۔ ۸) میں دیکھ لیں۔ غرض مؤطا کی تمام حدیثیں بلا استثنا صحیح ہیں اور جو اعتراض یزید بن رومانؒ کی روایت پر کیا گیا تھا۔ اس کی غلطی علی رؤس الاشہاد ظاہر ہو گئی۔

اہل حدیث ۔ یہ خیال کہ موطا مالک کی جملہ مرسل و منقطع روایات کا اتصال ثابت ہے اس لئے یہ انقطاع یزید بن رومان کی روایت کو قبولیت کے درجے سے نہیں گرا سکتا صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ بات جملہ روایات کی نسبت علی الاطلاق درست نہیں۔ بلکہ صرف ان روایات کے متعلق ہے جو مسند اور آنحضرت کی طرف نسبت کی گئی ہیں۔ دیکھیے حافظ ابن حزم اندلسی محلّٰی میں فرماتے ہیں۔ فَاِنْ ذَكَرُوْا قَوْلَ مَالِكٍ بَلَغَنِيْ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلٰى عُثْمَانَ الخ اس پر حافظ ابن حزم فرماتے ہیں ھٰذَا بَلَاغٌ لَا يَصِحُّ یعنی یہ بلاغ صحیح نہیں ہے۔ دیکھو محلّٰی جلد ۳ ص ۸۸ (اناردة المصابیح ص ۳۰)

اہل سنت ۔ مولٰنا سیالکوٹی صاحب کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ از راہ نوازش علامہ ابن حجر عسقلانیؒ شیخ جلال الدین سیوطیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے الفاظ جو اوپر قلمبند ہوئے غور سے پڑھیں اگر وہ ان کے مطالعہ کی زحمت گوارا فرمائیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ

چار روایتوں کے سوا امام مالکؒ کی جملہ مُرسل و منقطع روایات کا اتصال ثابت ہے اور انہیں اس حقیقت کا بھی احساس ہو جائے گا کہ یزید بن رومانؒ کی روایت ان چار میں داخل نہیں اور اگر وہ اور ان کے ہم مشرب لوگ ہٹ دھرمی سے باز نہ آئیں تو اس کا ہمارے پاس کچھ علاج نہیں ہے بیالکوٹی صاحب نے ابن حزم ظاہری کی عبارت ہمارے سامنے ناحق پیش کی ہمارے نزدیک وہ کوئی مستند اور صحیح المشرب عالم ربّانی نہیں تھے اس لئے ہم ان کے قول کو کسی طرح حجت نہیں مانتے۔ اور اگر مولانا محمد ابراہیم صاحب ابن حزم کی صحیح اعتقادی اور مذہبی حیثیت معلوم کرنا چاہیں تو وہ ذرا تکلیف فرما کر امام ذہبیؒ کی کتاب تذکرۃ الحفاظ (جلد ۳ کے صفحات ۳۴۲-۳۴۷) پڑھ جائیں۔ اس کے بعد ہمارے مقابلہ میں ابن حزم کے قول سے استدلال کرنے کی جرأت کریں۔ اور اگر بالفرض ابن حزم ظاہری مستند علماء میں سے ہیں تو بھی آئمہ جمہور کے مقابلہ میں ان کی رائے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ مُوطا کے متعلق ابن حزم کی رائے اس لحاظ سے بھی قابل التفات نہیں کہ وہ مالکیوں سے سخت کینہ و بغض رکھتے تھے اور شاید اسی بنا پر انہوں نے مُوطائے مالکؒ کی مقبولیت اور قدر و منزلت زائل کرنے کی کوشش کی جو صریحًا ایک خلاف دیانت فعل ہے۔

اہل حدیث۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ علامہ ابن حزم نے مُوطا کی قدر و وقعت گھٹائی ہو کیونکہ یہ تو بدعتیوں کا خاص شعار ہے جو مولوی محمد شریف صاحب متوطن کوٹلی لوہاراں مغربی ضلع سیالکوٹ کے حصے میں آیا ہے۔ دجل، خیانت، کج فہمی، غلط گوئی، مغالطہ دہی، بہتان، افترا، زیغ قلبی سے صحیح و ثابت شدہ حق کا انکار، تخلیط و التباس حق و باطل، کتمان حق، لوگوں کی نظر میں امام مالکؒ اور ان کی کتاب مُوطا کی قدر و وقعت گھٹانا جو اہل بدعت کی خاص نشانی ہے غرض کوئی کمال ایسا نہیں جو محمد شریف صاحب سے چھوٹا ہو۔ (انارۃ المصابیح صفحہ ۱۳۱)

اہلِ سنت ۔ مولوی محمد شریف پر تو یہ محض اتہام وافترا معلوم ہوتا ہے البتہ ابن حزم ظاہری نے بلاشبہ مؤطا کی قدر و منزلت گھٹانے کی کوشش کی ہے چنانچہ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ کسی نے ابن حزم کے سامنے ذکر کیا کہ تصنیفات میں جلیل القدر کتاب مؤطا ہے تو ابن حزم نے کہا نہیں بلکہ قابل احترام کتابیں یہ ہیں "صحیحین، صحیح سعید بن سکن، منتقی مرتبہ ابن جارود، منتقی مرتبہ قاسم بن اصبغ، مصنف طحاوی، مسند بزار، مسند ابن ابی شیبہ، مسند احمد بن حنبل، مسند ابن راہویہ، مسند طیالسی، مسند حسن بن سفیان، مسند سنجر، مسند عبداللہ بن محمد مسندی، مسند یعقوب بن شیبہ، مسند علی بن المدینی، مسند ابن ابی عزرہ اور وہ کتابیں جو خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے ساتھ مخصوص ہونے میں ان کتابوں کی قائم مقام ہیں۔ ان کے بعد وہ کتابیں جن میں آنحضرتؐ کا اور آپ کے غیر کا کلام مخلوط ہے مثلاً مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مصنف بقی بن مخلد، کتاب محمد بن نصر مروزی، کتاب ابی بکر بن منذر اکبر و اصغر، پھر مصنف حماد بن سلمہ، مصنف سعید بن منصور، مصنف وکیع، مصنف فریابی، مؤطا مالک بن انس، موطا ابن ابی ذیب، مؤطا ابن وہب، مسائل احمد بن حنبل، فقہ ابی عبید اور فقہ ابی ثور (تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۳۴۸-۳۴۷)

غرض ابن حزم نے مؤطاے مالکؒ کو قریب قریب تمام کتابوں سے مؤخر کر دیا۔ حالانکہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے کتاب اللہ کے بعد کوئی کتاب مؤطاے مالکؒ سے زیادہ صحیح نہیں ہے اور ابن عربیؒ نے فرمایا کہ مؤطا اصل اول ہے اور صحیح بخاری اصل ثانی ہے اور قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ مؤطا احادیث کے اعتبار سے صحیح تر اور دلائل کے لحاظ سے قوی تر اور فقہی مسلک کے نقطۂ نظر سے واضح تر ہے اور حاسدوں کے علی الرغم اس کتاب کی صحت پر ہر زمانہ میں تمام امت کا اجماع قائم رہا ہے۔ وغیر ذالک من الاقوال۔

علمائے حق سے قطع نظر خود ہمارے سیالکوٹی صاحب نے امام مالکؒ پر بہت کچھ مدح و تحسین کے پھول برسائے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ امام مالکؒ آئمۂ متبوعین کے سرتاج ہیں۔ امام شافعی کا قول ہے کہ امام مالکؒ تابعین کے بعد خدا کی خلقت پر اس کی حجت ہیں معن بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ی اور ت کا فرق بھی محفوظ رکھتے تھے۔ امام بخاری کے استاد علی بن مدینیؒ و ہیبؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ زمین کے مشرق و مغرب میں ہمارے نزدیک علم حدیث پر امام مالکؒ سے بڑھکر کسی کا احسان نہیں (انارۃ المصابیح ص ۲۸-۲۹) لیکن بوالعجبی دیکھو کہ باایں ہمہ ثنا و منقبت ہمارے سیالکوٹی صاحب بھی مؤطا کی قدر و منزلت گھٹا کر اپنے فتویٰ کے بموجب اپنے بدعتی ہونے کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔

اہل حدیث۔ (چیں بہ جبیں ہوکر) میں نے مؤطا کی کونسی قدر و منزلت گھٹائی ؟

اہل سنت۔ آپ یزید بن رومانؒ کی روایت اور مؤطا کی دوسری مراسیل کو ناقابل التفات قرار دے کر اس سے روگردانی کر رہے ہیں۔

اہل حدیث۔ اگر یزید بن رومان کی روایت امام مالکؒ کے نزدیک صحیح ہوتی تو ان کا عمل اس کے خلاف نہ ہوتا اور حنفی علمائے اصول بالتصریح فرماتے ہیں کہ اگر راوی کا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو اُس روایت پر عمل نہیں کیا جائیگا (نورالانوار ص ۱۹۰) رہا اس امر کا ثبوت کہ امام مالکؒ کا اپنا مختار مذہب گیارہ رکعت کا ہے یہ ہے کہ سیوطی اپنے اصحاب میں سے امام جوزی کا قول نقل کرتے ہیں کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ جس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جمع کیا تھا۔ وہ گیارہ رکعت تھی ؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں اور تیرہ بھی اس کے قریب ہے۔ (انارۃ المصابیح ص ۲۴ ، ۲۹)

۱ **اہل سنت۔** تمام روایتیں اس حقیقت پر متفق ہیں کہ امام مالک کا مذہب چھتیس رکعت تراویح کا ہے لیکن جوزی نام کسی شخص نے ازراہ بےعلمی امام مالکؒ کی طرف گیارہ رکعتیں منسوب

کر دی ہیں اور مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے بھی مفید مطلب پاکر کمال جسارت اس سے کورانہ استدلال کر دیا ہے معلوم نہیں یہ جوزی جس کا نام سیالکوٹی صاحب نے اس طمطراق سے پیش کیا کون شخص ہے اور کس طبقہ کا آدمی ہے لیکن حیرت ہے کہ اس غریب کو اتنا بھی علم نہیں کہ امام مالکؒ کا مذہب دوسرے اہل مدینہ کی طرح چھتیس رکعت کا تھا۔ سیالکوٹی صاحب کی عادت ہے کہ جس کسی کی کوئی ادا انہیں بھا جاتی ہے اُسی کے سر پر امامت کا تاج رکھ دیتے ہیں۔ ان کے قلم کرشمہ ساز نے جوزی نام کسی شخص کو اپنے ڈھب کا پایا تو اس کو امامت کا منصب بخش دیا اگر بازار مذہب میں امامت کوئی ایسی ہی ارزاں جنس ہے کہ جوزی جیسے قاصر العلم بھی اس کے امیدوار ہیں تو عجب نہیں کہ کل کلاں خود سیالکوٹی صاحب اور ان کے پیر و سکرٹری صاحب بھی امامت کے تخت پر جلوہ افروز نظر آئیں۔ چونکہ جوزی نے مطلب کی ایک بات کہہ دی اس لئے وہ امام ہے لیکن اگر وہ حقیقت میں امام اور مقتدر لئے زمانہ ہوتا مگر اس کے باوجود وہ کوئی ایسی بات کہہ دیتا جو سیالکوٹی صاحب کی مطلب پرستی کے خلاف ہوتی تو وہ معاً اس کی طرف سے آنکھیں پھیر لیتے۔ دیکھئے امام داؤد بن قیس رحمہ اللہ کا یہ قصور تھا کہ انہوں نے بیس رکعت تراویح کی روایت کر دی، اس لئے سیالکوٹی صاحب ان سے خفا ہو گئے اور یہ حیلہ تراش کر ان کی امامت سے انکار کر دیا کہ کتب احادیث میں ان کی روایتیں معیار معہود سے کم ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ "داؤد بن قیس ثقہ ہیں، صالح الحدیث ہیں لیکن قلیل الحدیث ہیں۔ علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کی روایات کوئی تیس کے قریب ہیں۔" اس مقدار سے وہ درجۂ امامت تک نہیں پہنچ سکتے۔ (انارۃ المصابیح ص ۳۹) لیکن سیالکوٹی صاحب از راہ کرم اپنے اس معیار کے ماتحت ذرا یہ بھی تو فرمائیں کہ جوزی جس کو انہوں نے درجۂ امامت بخشا ہے اس کی کتنی روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں؟ اور اگر ایک بھی نہیں تو مولوی صاحب کو اپنی خود غرضی و نفس پرستی پر کچھ

ندامت محسوس کرنی چاہیئے۔

بالجملہ اگر جوزی اتنا بے خبر تھا تو کم از کم سیالکوٹی صاحب کو تو امام مالکؒ کے مسلک کی طرف سے یوں آنکھیں بند نہ کر لینی چاہیئے تھیں۔ کاش وہ تعصب اور عصبیت کی بھول بھلیوں میں پھنس کر جادۂ حق سے ایسی بری طرح منحرف نہ ہوا کریں۔ اب میں مولوی صاحب کو متنبہ کرتا ہوں کہ امام مالک کا مذہب آٹھ رکعت کا نہیں تھا بلکہ وہ چھتیس رکعت تراویح کے قائل تھے اور چھتیس ہی پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ ذیں فصل میں انشاء اللہ العزیز اس تفصیل مدیہ ناظرین ہو گی۔

ابن قاسم کا بیان ہے کہ جعفر بن سلیمان نے امام مالک رح کے پاس آدمی بھیج کر دریافت کیا کہ کیا میں قیام رمضان میں تخفیف کر سکتا ہوں؟ امام مالکؒ نے انہیں منع کیا اور تخفیف کو ناپسند فرمایا۔ ابن قاسم سے پوچھا گیا کہ اس وقت مدینہ منورہ میں تراویح کی کتنی رکعتیں پڑھی جاتی تھیں کہا وتر سمیت انتالیس رکعتیں۔ اور حسب روایت ابن امین امام مالکؒ نے فرمایا کہ مستحب یہ ہے کہ لوگ رمضان میں اڑتیس رکعتیں پڑھیں۔ ان سے فارغ ہو کر امام ایک رکعت وتر پڑھائے اور یہ عمل مدینہ منورہ میں ایک صدی سے بھی زیادہ عرصہ سے جاری ہے۔ (قیام اللیل مروزی مطبوعہ لاہور ص ۹۲)

حضرت ابن عمرؓ کے آزاد غلام نافعؒ کا بیان ہے کہ میں نے اہل مدینہ کو انتالیس رکعتیں پڑھتے پایا ہے جن میں تین وتر داخل تھے۔ اسی کو امام مالک نے اختیار کیا ہے۔ لیکن امام شافعیؒ نے وتر کے علاوہ بیس رکعتیں اختیار کی ہیں (کتاب المنتقیٰ شرح موطا جلد اول ص ۲۰۸) ان روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں کبھی وتر کی ایک رکعت پڑھی جاتی تھی کبھی تین۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔

ثم بعد ذالك كان الناس بالمدينة ضعفوا عن طول القيام فكثروا الركعات حتى بلغت تسعًا وثلاثين۔ (فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد اول ص ۱۸۵) (اس کے بعد جب مدینہ منورہ

میں لوگ طول قیام سے تھک کر کمزور ہو گئے۔ تو رکعتوں کی تعداد (بیس سے) بڑھا دی گئی یہاں تک کہ یہ تعداد انتالیس رکعت تک پہنچ گئی۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ "فتح الباری" میں لکھتے ہیں:۔

روی محمد بن نصر من طریق داؤد بن قیسؒ قال ادرکت الناس فی امارۃ ابان بن عثمان وعمر بن عبد العزیز یعنی بالمدینۃ یقومون بست وثلاثین رکعۃ ویوترون بثلاث وقال مالک ھو الامر القدیم عندنا (فتح الباری جلد ۴ ص ۱۸۰-۱۸۱)

(حسب روایت محمد بن نصر مروزیؒ داؤد بن قیسؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابان بن عثمان اور عمر بن عبد العزیز کے زمانوں میں اہل مدینہ کو چھتیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے پایا ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں قدیم سے اسی قدر رکعتوں کا معمول چلا آتا ہے۔

شیخ ابن حجرؒ آگے چل کر رقم فرما ہیں:۔

عن مالک ست وثلاثون[1] وثلاث الوتر وھذا ھو المشھور (فتح الباری جلد ۴ ص ۱۸۱)

(امام مالکؒ سے چھتیس رکعت تراویح اور تین وتر منقول ہیں اور ان کی طرف سے یہی تعداد مشہور ہے۔

فرقہ اہل حدیث کے سرتاج قاضی شوکانی لکھتے ہیں:۔

وقال مالک الامر عندنا بتسع وثلاثین (نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۹۸)

(امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں تراویح کا حکم انتالیس رکعت ہے۔

قاضی صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ اصل نسخہ میں غلطی سے ثلاثون کی جگہ اربعون نقل ہو گیا ہے۔ اس لئے یہاں اس غلطی کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ مؤلف ۱۲

وروی عن مالك ست وثلاثون وثلاث الوتر قال فی الفتح وھذا المشھور عند

(نیل الاوطار جلد۲ ص ۲۹۹) (امام مالکؒ سے ۳۶ رکعت تراویح اور تین وتر منقول ہیں۔ فتح الباری میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ کا یہی مشہور مسلک ہے

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

والذی استقر علیہ الامر واشتھر من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم ھو العشرون وما رُوی انھا ثلث وعشرون فبحساب الوتر معھا وقال مالك ست وثلثون او تسع وثلثون مع الوتر (ماثبت بالسنۃ ص ۲۱۷) (اور وہ حکم جس پر اجماع ہوا اور صحابہؓ تابعین اور علمائے مابعد میں مشہور چلا آتا ہے وہ بیس رکعت ہے اور یہ جو روایت ہے کہ تراویح تئیس رکعت ہے تو وہ تین وتر ملا کر ہے۔ اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ تراویح ۳۶ رکعت یا وتر سمیت ۳۹ رکعت ہے۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں۔

التراویح سنۃ مؤکدۃ لمواظبۃ الخلفاء الراشدین اجماعًا بعد صلوٰۃ العشاء الی الفجر وھی عشرون رکعۃ وھو قول الجمھور وعلیہ عمل الناس شرقًا وغربًا وعن مالك ست وثلاثون (رد المختار جلد اول صفحہ ۵۱۱) (تراویح سنت مؤکدہ ہے کیونکہ خلفاء راشدین رضؓ نے اس پر مواظبت فرمائی اور اس کے سنت مؤکدہ ہونے پر اجماع ہے اور اس کا وقت عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ہے۔ اس کی رکعتیں بیس ہیں اور یہی جمہور کا قول ہے۔ اسی پر شرق و غرب کے لوگوں کا عمل ہے اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ تراویح ۳۶ رکعت ہے)

امید ہے کہ اسی قدر روایات و اقوال سیالکوٹی صاحب کی آنکھوں سے حق پوشی کی پٹی اتارنے کے لئے کافی ہوں گے۔

اہل حدیث اور امام مالک کا (آٹھ رکعت کا) مذہب تو حنفی مذہب کے متعصب حامی

علامہ عینی کو بھی تسلیم ہے۔

اہل سنت۔ اگر آپ راست بیانی سے کام لے رہے ہیں تو آپ کا فرض تھا کہ علامہ عینی کے الفاظ نقل کر دیتے۔ حالانکہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے امام مالکؒ کا مذہب چھتیس رکعت کا کا بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو لکھتے ہیں۔

وعند مالك رحمہ اللہ تسع ترویحات بستۃ وثلاثین رکعۃ غیر الوتر واحتج علی ذالك بعمل اهل المدینۃ (عینی شرح ہدایہ مطبوعہ نولکشور جلد اول ص ۸۷)

(امام مالکؒ کے نزدیک نو ترویحے چھتیس رکعتوں کے ساتھ ہیں علاوہ وتر کے اور انہوں نے اس پر اہل مدینہ کے عمل سے استدلال کیا ہے۔

گیارہویں روایت۔ یزید بن رومان رحمہ اللہ کی روایت کی صرف ایک امام مالکؒ ہی نے تخریج نہیں کی۔ بلکہ دوسرے آئمہ حدیث نے بھی اس کو روایت کیا ہے چنانچہ بیہقی رقم فرماتے ہیں۔

عن یزید بن رومانؒ قال کان الناس یقومون علی عہد عمرؓ فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ (سنن بیہقی جلد ۲ ص ۴۹۶) (یزید بن رومانؒ کا بیان ہے کہ لوگ (صحابہ و تابعین) حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں رمضان میں (وتر سمیت) تئیس رکعت پڑھتے تھے۔

بارہویں روایت۔ قال محمد بن کعب القرظیؒ کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرون رکعۃ یطیلون فیها القراءۃ ویوترون بثلاث۔ رواہ المروزی۔ (محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عہد فاروقی میں لوگ (صحابہ و تابعین) رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے جن میں قرات بہت طویل ہوتی تھی۔ وتر کی تین رکعتیں پڑھی جاتی تھیں)

محمد بن کعب قرظی مدنی رحمہ اللہ نے ۴۰ھ میں پیدا ہوئے جلیل القدر تابعی تھے۔ ان کے والد کعب یہودی تھے۔ کعب بھی اسیران بنو قریظہ میں داخل تھے۔ چونکہ نابالغ ہونے کی وجہ سے رہا

کر دیئے گئے۔ محمد بن کعبؒ نے حضرات علی بن ابی طالب، ابن مسعود، عمرو بن عاص، ابوذر غفاری، ابو درداء، فضالہ بن عبید، مغیرہ بن شعبہ، معاویہ، کعب بن عجرہ، ابوہریرہ، زید بن ارقم، ابن عباس، ابن عمر، عبد اللہ بن جعفر، براء بن عازب، جابر بن عبد اللہ انصاری، انس بن مالک وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایت کی۔ ابن سعد نے کہا ہے کہ محمد بن کعب ثقہ عالم کثیر الحدیث، اور ورع تھے۔ عجلی نے ان کی نسبت کہا کہ مدنی تابعی، ثقہ، صالح عالم قرآن تھے۔ ابن حبانؒ کا بیان ہے کہ محمد بن کعب علم و فقہ کے اعتبار سے اہل مدینہ کے افاضل العلماء میں داخل تھے۔ ان کے سال وفات میں ۱۰۸ھ سے ۱۲۰ھ تک مختلف اقوال ہیں۔ مسجد میں بیٹھے درس دے رہے تھے کہ مسجد کی چھت گر پڑی اور وہ اپنے شاگردوں سمیت دب کر عالم بقا کو رخصت ہو گئے۔ حضرت محمد بن کعبؒ کی فضیلت میں اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ وہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی کا مصداق ٹھہرتے ہیں۔ چنانچہ مختلف طرق سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کاہنوں میں سے ایک شخص ظاہر ہو کر اس خوبی سے قرآن کا درس دیگا کہ اس کے بعد کسی شخص کے درس قرآن میں وہ وصف نہ پایا جائے گا۔ ربیعہؒ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آپس میں کہا کرتے تھے کہ وہ محمد بن کعب ہیں اور کاہن بنو قریظہ اور بنو نضیر ہیں اور عون بن عبد اللہؓ (بن جعفر بن ابی طالب) نے فرمایا ہے کہ میں نے قرآن کی تاویل و تفسیر کا عالم محمد بن کعب سے بڑھکر کسی کو نہیں پایا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۲۱-۴۲۲)

تیرھویں روایت۔ امام محمد بن نصر مروزیؒ روایت فرماتے ہیں۔

اخبرنا یحیی بن یحیی اخبرنا حفص بن غیاث عن الاعمش عن زید بن وھب قال کان عبد اللہ بن مسعودؓ یصلی لنا فی شھر رمضان فینصرف وعلیہ لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث (ہم کو یحیی بن یحیی نے انہیں حفص بن غیاث نے اور

انہیں اعمشؒ نے خبر دی کہ زید بن وہب کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود صحابیؓ ہمیں ماہ رمضان میں تراویح پڑھا کر لوٹتے تو اعمشؒ کہتے ہیں کہ وہ بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے اور ایسے وقت لوٹتے تھے کہ رات باقی ہوتی تھی)

اب ان راویوں کی الگ الگ تعدیل ملاحظہ ہو۔

یحییٰ بن یحییٰ یحییٰ بن یحییٰ بن بکیر تمیمی حنظلی، ابوذکریا نیشاپوریؒ نے امام مالکؒ حفص بن غیاث، سلیمان بن بلال وغیرہم سے اور ان سے بخاری، مسلم وغیرہما نے روایت کی۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ خراسان نے عبداللہ بن مبارکؒ کے بعد یحییٰ بن یحییٰ جیسا انسان پیدا نہیں کیا۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ یحییٰ بن یحییٰ ثقہ تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۹۷)

حفص بن غیاث حفص بن غیاث بن طلق نخعی ابوعمر کوفی۔ کوفہ اور بغداد کے قاضی رہے ہیں۔ انہوں نے سلیمان تیمی، عبیداللہ بن عمر، یحییٰ بن سعید انصاری، اعمش، سفیان ثوری، امام جعفر صادق وغیرہم سے اور ان سے امام احمد، اسحٰق، ابن معین، ابوداؤد، ابوخیثمہ، یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری نے روایت کی۔ یحییٰ قطان نے بھی ہمعصر ہونے کے باوجود ان سے روایت کی۔ ابن معین نے کہا ثقہ ہیں۔ عجلی نے کہا ثقہ مامون فقیہ تھے۔ بسا اوقات امام وکیع بن جراح سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ فرماتے کہ ہمارے قاضی کے پاس جاؤ اور پوچھو۔ نسائی اور ابن خراش نے ان کو ثقہ بتایا ہے اور ابن حبانؒ نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ ۱۹۴ھ میں انتقال فرمایا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۴۱۶)

اعمشؒ سلیمان بن مہران اسدی معروف بہ اعمشؒ نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کی لیکن ان سے سماع ثابت نہیں۔ اسی طرح عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے بھی روایت کی لیکن کہتے ہیں کہ مرسل ہے۔ اعمشؒ سے سلیمان تیمی، شعبہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ابو اسحٰق فزاری، عبداللہ بن مبارک، فضیل بن عیاض وغیرہ لوگوں نے روایت کی جن میں

سے سب سے آخری شخص ابونعیم تھے۔ اعمش نے حضرت ابوبکرہ ثقفی صحابی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا اور ان کی رکاب تھامی تھی اور انہوں نے اعمش سے کہا تھا کہ بیٹا! خدا نے تمہیں مکرم کیا ہے ابن مدینی کا قول ہے کہ چھ حضرات امت محمدی کے لئے علم کا ذخیرہ چھوڑ گئے۔ عمرو بن دینار مکہ میں، زہری مدینہ میں، ابو اسحٰق سبیعی اور اعمش کوفہ میں اور قتادہ اور یحییٰ بن ابی کثیر بصرہ میں۔ ہشیم کہتے ہیں کہ میں نے اعمش سے بڑھکر کوفہ میں کسی کو قرآن کا عالم نہیں پایا ابن عیینہ کا مقولہ ہے کہ اعمش تین باتوں میں اپنے اقران و اماثل سے گوئے سبقت لے گئے۔ قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے، حدیث کے سب سے بڑے حافظ تھے، فرائض کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ حدیث میں جو شفا مجھے اعمش سے نصیب ہوئی۔ وہ کسی دوسرے سے میسر نہ ہوئی۔ ابن عمار کا قول ہے کہ حدیث میں اعمش سے زیادہ ثابت قدم میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ عجلی کہتے ہیں کہ حدیث میں ثقہ ثبت اور اپنے زمانہ میں اہل کوفہ کے محدث تھے ۶۱ھ میں عاشورا کے دن اس روز پیدا ہوئے جس دن کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جرعۂ شہادت نوش فرمایا۔ عیسیٰ بن یونس کہتے ہیں کہ ہم نے اعمش کی شان کا کوئی انسان نہیں دیکھا اور نہ اعمش کی طرح کسی کی نظر میں اغنیاء و سلاطین کی تحقیر ہوئی اور لطف یہ ہے کہ انتہا درجہ کے محتاج اور فاقہ مست تھے۔ امام وکیع بن جراح فرماتے ہیں کہ تقریباً دو سال تک اعمش کے پاس میری آمد و رفت رہی۔ انہوں نے کبھی ایک رکعت بھی نہ چھوڑی اور ستر سال کی عمر میں ان کی کوئی تکبیر تحریمہ بھی فوت نہ ہوئی۔ خزیمی کہتے ہیں کہ اعمش نے رحلت کے وقت دنیا میں کسی کو اپنے جیسا عبادت گزار نہ چھوڑا۔ ابن معین نے کہا ثقہ ہیں۔ نسائی نے کہا، ثقہ ثبت ہیں۔ ۱۴۸ھ میں بعمر ۸۸ سال رحلت فرمائی۔

(تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۲۳)

زید بن وهبؒ۔ زید بن وہب جُہنی ابو سلیمان کوفیؒ نے حضور سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے اشتیاق زیارت میں مدینہ منورہ کا قصد کیا لیکن ابھی راستہ ہی میں تھے کہ آفتاب رسالت رحمت الٰہی کے شفق میں مستور ہو گیا۔ زیدؒ نے حضرت عمرؓ عثمانؓ علیؓ ابوذر غفاریؓ عبداللہ بن مسعودؓ حُذیفہؓ ابو درداءؓ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم سے اور ان سے اعمش عبدالعزیز بن رُفیع وغیرہما نے روایت کی یحییٰ بن معین نے کہا ثقہ ہیں۔ ابن خراش نے کہا ثقہ ہیں ۹۶؁ھ میں انتقال فرمایا۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے ابن سعدؒ نے کہا کہ ثقہ کثیر الحدیث تھے۔ عجلی نے کہا ثقہ ہیں۔ ابن عبدالبرؒ نے استیعاب میں لکھا ہے کہ زید بن وہب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات میں مشرف باسلام ہوئے اور آنحضرت کی طرف ہجرت کی لیکن شرفِ ادراک سے مشرف نہ ہوسکے (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۴۲۷)

اہل حدیث۔ یہ روایت منقطع السند ہے کیونکہ اعمش جو اس قول کا ذمہ دار ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات سے تیس برس بعد پیدا ہوا (رکعات تراویح مولفہ سیکرٹری صاحب ص ۱۳)

اہل سنت۔ انقطاع کے غیر مضر ہونے کے متعلق پہلے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن اس روایت میں تو کوئی انقطاع بھی نہیں کیونکہ اعمشؒ نے زید بن وہبؒ سے اور زیدؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سُنا تھا (دیکھو عینی شرح صحیح بخاری جس میں تمام راویوں کے نام درج ہیں) اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود صحابیؓ وہ جلیل القدر ہستی ہے کہ جس کی شان میں حضرت فخر الاولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تَمَسَّكُوْا بِعَهْدِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ (عبداللہؓ بن مسعود کے حکم پر مضبوطی سے جمے رہو) اور فرمایا

مَاحَدَّثَكُمْ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَصَدِّقُوْا (جو کچھ ابن مسعود تم سے بیان کریں اس کو صحیح مانو۔ ترمذی)
اور حضرت حذیفہ کا بیان ہے کہ وقار، اعتدال پسندی اور راست روی کے اعتبار سے حضور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ (بخاری)

اہل حدیث۔ قیام اللیل مروزی کے اس نسخہ میں جو ملتان کے اہل حدیث (مولوی عبدالغفار اور مولوی عبدالتواب صاحبان) نے بمقام لاہور طبع کرایا تھا سلسلہ رواۃ میں صرف اعمش کا نام ہے۔ دوسرے راویوں کے نام نہیں ہیں۔

اہل سنت۔ یہ تو ملتان کے اہل حدیث ہی سے دریافت کرنا چاہئے کہ راویوں کے نام کہاں غائب غلہ ہو گئے۔

چودھویں روایت۔ محمد بن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں۔

کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعۃ یطیلون فیھا القرأۃ ویوترون بثلٰث (قیام اللیل مروزی مطبوعہ لاہور صفحہ ۹۱)

(لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اس میں طویل قرأت کرتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے۔

محمد بن کعب قرظی مدنی رحمہ اللہ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کے آواخر یعنی ۴۰ھ میں متولد ہوئے عباس بن عبدالمطلب، علی بن ابی طالب، ابن مسعود، عمرو بن عاص، ابوذر غفاری، ابودرداء رضی اللہ عنہم سے روایت کی لیکن کہا گیا ہے کہ یہ سب روایتیں مرسل ہیں۔ اور فضالہ بن عُبید، مغیرہ بن شعبہ، امیر معاویہ، کعب بن عجرہ، ابوہریرہ، زید بن ارقم، ابن عباس ابن عمر، عبداللہ بن جعفر، براء بن عازب، جابر، انس وغیرہم رضی اللہ عنہم سے اور محمد بن کعب

سے محمد بن منکدر وغیرہ نے روایت کی۔ ابن سعد نے کہا ثقہ عالم کثیر الحدیث ورع تھے عجلی نے کہا کہ تابعی ثقہ صالح اور قرآن کے بڑے عالم تھے۔ ابوداؤد کا بیان ہے کہ محمد بن کعب نے حضرت علی، معاویہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے حدیث کی سماعت کی ہے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف طُرق سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کاہنوں کے دو فرقوں میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا کہ جو قرآن کا ایسی دراست کے ساتھ درس دے گا کہ اس کے بعد کوئی دوسرا شخص اس خوبی سے قرآن کی تعلیم نہ دے سکیگا۔ ربیعہ کا بیان ہے کہ ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ وہ محمد بن کعب ہیں اور دو کاہن بنو قریظہ اور بنو نضیر یہود کے دو قبیلے ہیں۔ جب عہد نبویؐ میں لشکر اسلام نے بنو قریظہ کو قید کیا ہے تو محمد بن کعب کا باپ بھی ان قیدیوں میں داخل تھا لیکن عدم بلوغ کی وجہ سے رہا کر دیا گیا تھا اس کے بعد معلوم نہیں کہ وہ مسلمان ہوگیا تھا یا اس کے فرزند محمد بن کعب قرظیؒ سعادت ایمان سے بہرہ مند ہوئے۔ عون بن عبداللہ کہا کرتے تھے کہ میں نے محمد بن کعب سے بڑھکر کسی کو مفسر قرآن نہیں پایا۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ محمد بن کعب علم اور فقہ میں اہل مدینہ کے فضلا میں سے تھے۔ مسجد میں بیٹھے درس دے رہے تھے کہ مسجد کی چھت اُن پر آ پڑی اور وہ اپنے شاگردوں سمیت جرعۂ شہادت پی کر عالم آخرت کو چلے گئے۔ یہ ۱۰۸ھ یا اس سے کسی سال بعد کا حادثہ ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۲۱ - ۴۲۲)

پندرھویں روایت۔ عبدالعزیز بن رفیع کا بیان ہے کہ حضرت اُبَیّ بن کعب صحابی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے (اخرجہ ابن ابی شیبہ فی مصنفہ واسنادہ قوی) عبدالعزیز بن رُفیع اسدی مکی طائفیؒ کوفہ میں سکونت فرما تھے انہوں نے حضرت انسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عباسؓ

رضی اللہ عنہم سے اور دوسرے حضرات سے روایت کی۔ امام احمدؒ یحییٰ بن معین، ابو حاتم، نسائی وغیرہ محدثین نے ان کو ثقہ بتایا ہے۔ عجلیؒ نے کہا کہ ثقہ تابعی تھے۔ یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے کہ عبدالعزیز بن رُفیع کی حدیث حجت ہے (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۳۳۷)

اہل حدیث ۔ یہ روایت بھی منقطع السند ہے کیونکہ عبدالعزیز بن رفیع جو اس واقعۂ نماز تراویح اُبی بن کعب کے راوی ہیں انہوں نے اُبی بن کعبؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ ابی بن کعب ۳۲ھ میں یا اس سے پہلے وفات پا چکے تھے اور عبدالعزیز بن رفیع ۵۰ھ کے بعد پیدا ہوئے۔ (رکعات تراویح ص ۱۵)

اہل سنت ۔ چونکہ عبدالعزیزؒ ثقہ راست گو ہیں اس لئے ان کے بیان کی صداقت پر شبہ کرنا حماقت ہے اگر انہوں نے حضرت اُبیؓ کو نہیں دیکھا تو اپنے دوسرے صحابی اساتذہ مثلاً حضرات انسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے سُنا ہوگا۔ چونکہ عبدالعزیزؒ خود ثقہ ہیں اس لئے ان کی روایت ہمارے سر آنکھوں پر ہے اور ہمارے "اہل حدیث" دوستوں کے لئے یہ امر سخت قابل شرم بلکہ ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ وہ اہل حدیث کہلا کر تابعین عظامؒ کی مرسلات پر طعن کرتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ ناعاقبت اندیشی ان کے چلڑاوی حریفوں کا ہاتھ مضبوط کر رہی ہے۔ کیونکہ اگر تابعین عظام رحمہم اللہ کو دروغ گو اور ناقابل اعتماد سمجھا جائے گا۔ تو سرے سے حدیث نبوی کی ساری عمارت ہی منہدم ہو جائیگی اور یہ نام نہاد "اہل حدیث" شاید یہ سن کر مایوس ہوں گے کہ ان کے پیر و مرشد شیخ ابن تیمیہؒ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے کہ حضرت اُبی بن کعبؓ بیس رکعت پڑھایا کرتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :۔

قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث فرای

كثير من العلماء ان ذالك هو السنة لانہ قام بين المهاجرين والانصار ولم ينكره منكر۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد اول ص ۱۸۶) (یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا ہے کہ حضرت اُبی بن کعبؓ لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے اسی بنا پر اکثر علماء بیس رکعت کو سنت قرار دیتے ہیں کیونکہ حضرت اُبیؓ مہاجرین وانصار کے درمیان بیس رکعت کے ساتھ قیام فرماتے تھے اور ان میں سے کسی نے کبھی اس تعداد پر انکار نہ کیا

سولہویں روایت۔ یہ تو وہ بیانات تھے جو حضرت اُبیؓ کے فعل کے متعلق دوسروں نے دیئے اب حضرت اُبیؓ کا اپنا بیان ملاحظہ ہو۔

عن اُبی بن کعب ان عمر بن الخطاب امرہ ان یصلی باللیل فی رمضان فقال ان الناس یصومون النهار ولا یحسنون ان یقرأوا فلو قرأت علیهم باللیل فقال یا امیر المومنین هذا شئ لم یکن فقال قد علمت ولکنہ حسن فصلی بهم عشرین رکعۃ (کنز العمال جلد ۴ ص ۲۸۴ بحوالہ ابن منیعؒ) (اُبی بن کعبؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے مجھے حکم دیا کہ میں رمضان کی راتوں میں لوگوں کو تراویح پڑھاؤں اور فرمایا کہ عامۃ الناس جو دن کو روزہ دار رہتے ہیں وہ رات کو اچھی طرح قرآن پڑھنے سے قاصر ہیں اس لئے کیا خوب ہو کہ تم رات کے وقت انہیں قرآن سنا دیا کرو میں نے کہا امیر المومنین! یہ کام (جماعت تراویح کا اہتمام) پہلے سے ہوتا نہیں آرہا ہے اس لئے میں ایسا کرنے سے معذور ہوں، حضرت خلافت مآبؓ نے فرمایا مجھے معلوم ہے لیکن یہ کام پسندیدہ ہے" پس اُبیؓ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھاتے رہے۔

سترھویں روایت۔ عن ابی عبدالرحمن السلمی عن علی رضی الله عنہ قال دعا القراء فی رمضان فامر منهم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعۃ قال وکان رضی الله عنہ یوتر بهم رواہ البیهقی فی السنن الکبریٰ۔ (ابو عبدالرحمن سلمیؒ کا بیان ہے کہ امیر المومنین علیؓ

نے رمضان میں قاریوں کو بلا بھیجا اور ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے اور حضرت علیؓ وتر خود پڑھایا کرتے تھے۔

اہل حدیث۔ اس کی سند میں دو راوی حماد بن شعیب اور عطاء بن سائب ضعیف ہیں (رکعات تراویح ص ۱۴)

اہل سنت۔ گو اس کے دو راوی مجروح ہیں لیکن خود امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ یہ دوسرے طریق سے بھی حضرت علیؓ سے مروی ہے (دیکھو سنن کبریٰ جلد ۲ ص ۴۹۶) مزید براں اس روایت کو امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کے شاگرد شتیر بن شکل رحمہ اللہ کے فعل سے بھی تقویت ہوتی ہے۔ جو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔ اور بیہقی نے اس روایت کی نسبت لکھا ہے۔ وفی ذالک قوۃ (یہ روایت قوی ہے) (دیکھو سنن کبریٰ جلد ۲ ص ۴۹۶) اس کے علاوہ امام ترمذی کا بیان بھی جو انشاء اللہ العزیز آئندہ فصل پر مشتمل ہوگا۔ اس روایت کا زبردست موید ہے۔ یاد رہے کہ وہ روایتیں جن میں بیس تراویح کے پڑھے جانے کا ذکر ہے۔ دو ایک کو مستثنٰی کرنے کے بعد سب کی سب اسناداً صحیح ہیں اور جو ضعیف ہیں وہ بھی اس لحاظ سے صحیح کا حکم رکھتی ہیں کہ صحاح کی روایتیں ان کی مصدق ہیں۔ دیکھو اگر کوئی اطلاع پہلے کسی غیر معتبر ذریعہ سے حاصل ہو اور پھر وہی اطلاع نہایت قابل وثوق ذرائع سے بھی موصول ہو جائے۔ تو اس وقت غیر معتبر راویوں کی خبر بھی صحیح مانی جاتی ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ بالفرض پہلے عام بازاری لوگ رویت ہلال کی شہادت دیں۔ اس وقت تک اس اطلاع پر عمل کرنے میں تامل ہوتا ہے لیکن اس کے بعد عادل گواہ گزر جائیں۔ تو ان بازاریوں کی خبر بھی خبر متواتر کا حکم رکھتی ہے۔

اٹھارھویں روایت۔ عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے اس کو ابن ابی شیبہ عبداللہ بن حمید اور طبرانی نے اور بیہقی نے سنن میں اور ابوالقاسم بغوی نے معجم الصحابہ میں روایت کیا۔

اہل حدیث ۔ اس حدیث کا ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ضعیف ہے ۔

(انارۃ المصابیح ص ۲۴)

اہل سنت ۔ بعض محدثین نے اس حدیث کو ضعیف تو کہا ہے لیکن موضوع کسی نے نہیں کہا اور ضعف بھی ایسا ہے جو منافی یقین نہیں ۔ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح اس حدیث کی نسبت فرماتے ہیں ۔

در مصنف ابن ابی شیبہ و سنن بیہقی بروایت ابن عباس رض وارد شدہ کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان فی غیر جماعۃ بعشرین رکعۃ والوتر اما بیہقی این روایت را ضعیف نمودہ بعلت آنکہ راوی این حدیث جد ابی بکر بن ابی شیبہ است کہ ابوشیبہ است حالانکہ جد ابی بکر بن شیبہ آں قدر ضعیف ندارد کہ روایت او مطروح ساختہ شود۔ آرے اگر معارض او حدیث صحیح می بود البتہ ساقط می شد (فتاوی عزیزیہ)

(مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے لیکن بیہقی رح نے اس روایت کو اس بنا پر ضعیف بتایا ہے کہ اس کا ایک راوی ابوشیبہ جو امام ابوبکر بن ابی شیبہ رح کا دادا تھا ضعیف ہے ۔ حالانکہ ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا اس قدر ضعیف نہیں ہے کہ اس کی روایت مسترد کر دی جائے ۔ ہاں اگر کوئی حدیث صحیح اس کی معارض ہوتی تو البتہ اس کی روایت ساقط ہو جاتی ۔

اس سے قطع نظر کہ کوئی صحیح روایت حدیث ابن عباس رض کی معارض نہیں بعض مؤیدات اس کی صحت کا یقین دلاتے ہیں ۔ اس لئے اس کا اسنادی ضعف کسی طرح منافی یقین نہیں ہے حدیث ابن عباس رض کا سب سے بڑا مؤید خلفائے راشدین کا عمل ہے کہ امت مالبعدجن کے

نقشِ قدم پر چلنے کی مامور ہے۔ چنانچہ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ (میری اور خلفائے راشدین کی سنتوں کا التزام رکھنا) دوسرا مؤید علی الاطلاق صحابۂ کرامؓ کا عمل ہے۔ چونکہ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل سنتِ نبوی کا عملی نمونہ تھا۔ اس لئے ان کا فعل خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فعل متصور ہے۔ اور حدیث مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ (ناجی فرقہ وہ ہے جس پر میں اور میرے صحاب کاربند ہیں) میں حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے اصحاب کے طریق ہدایت کو مساوی حیثیت میں رکھا ہے۔ اسی بنا پر ابوداؤد محدث رحمہ اللہ نے صواب وخطا کا ایک نہایت زرین اصول یہ بتایا ہے کہ اگر کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول شدہ روایات میں اختلاف ہو تو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کس روایت کو اپنا معمول بہا بنایا۔ ان نفوس قدسیہ نے جو پہلو اختیار کیا ہوگا وہی حق وصدق اور قابل عمل سمجھا جائیگا۔" پس آخری خلفأ ثلاثہ کے ازمنۂ مقدسہ میں صحابۂ کرام کا بیس رکعت پڑھنا اور اس پر اجماعی اہتمام اور مداومت کرنا محدثین کے نزدیک ثابت ہے اس لئے گو ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث ابراہیم بن عثمان راوی کی وجہ سے ضعیف کہی جاتی ہے لیکن اس لحاظ سے کہ خلفائے راشدین کا عمل اور صحابۂ کرامؓ کی مواظبت اس کی مؤید ہے۔ یہ حدیث نہ صرف قوی ہے۔ بلکہ تواتر معنوی کا حکم رکھتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ علمائے امت کے عمل سے بھی کسی ضعیف حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے۔

چنانچہ علامہ علی قاری رحمہ اللہ مرقات باب علی الماموم میں بحوالۂ نوویؒ رقم طراز ہیں فکان الترمذی یرید تقویۃ الحدیث بعمل اھل العلم (ترمذیؒ نے اہل علم کے تعامل سے تقویت حدیث کا قصد کیا ہے) اسی طرح متعدد علماء نے تصریح کی ہے کہ صحتِ حدیث کی ایک دلیل اہل علم کا اس پر عمل پیرا ہونا ہے گو اس کا اسناد قابل وثوق نہ ہو چنانچہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری پرچہ اہل حدیث مورخہ

۱۹ اپریل ۱۹۰۸ء میں لکھتے ہیں کہ بعض ضعف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں (ص ۲۰)
اور پھر علماء ہیں سے آئمہ مجتہدین کا استدلال کرنا بالخصوص کسی ضعیف حدیث کی تصحیح کر دیتا ہے۔
جب کسی مجتہد نے کسی حدیث سے کوئی مسئلہ مستنبط کیا تو معلوم ہوا کہ وہ حدیث اس کے نزدیک
صحیح تھی۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں وکفانا لصحۃ الحدیث استدلال مجتھد بہ
(کسی حدیث سے مجتہد کا استدلال کرنا اس کی صحت کی کافی دلیل ہے المیزان الکبریٰ ص ۶۰) اور علامہ شامی لکھتے
ہیں۔ ان المجتھد اذا استدل بحدیث کان تصحیحًا لہ کما فی التحریر وغیرہ (جب مجتہد کسی
حدیث سے استدلال کرے تو یہ استدلال اس حدیث کی تصحیح کرتا ہے۔ رد المختار جلد ۴ صفحہ ۱۸)

اب دیکھو کہ امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد بلکہ امام مالک کا مسلک بھی حدیث ابن عباس کے
موافق ہے۔ اس لئے اس حدیث کا اسنادی ضعف دور ہو جاتا ہے۔ بدایۃ المجتہد جلد اول ص ۱۷۹)
میں آئمہ مجتہدین کے مسلک کے متعلق لکھا ہے۔

واختلفوا فی المختار من عدد الرکعات التی یقوم بھا الناس فی رمضان فاختار مالك فی
احد قولیہ وابو حنیفۃ والشافعی واحمد وداؤد القیام بعشرین رکعۃ سوی الوتر وذکر ابن
القاسم عن مالك انہ کان یستحسن ستا وثلاثین رکعۃ والوتر ثلاثًا (کتاب التراویح ص ۲۰۷)
(تراویح کے مختار عدد میں اختلاف ہے ابوحنیفہ شافعی احمد داؤد ظاہری اور امام مالکؒ نے ایک روایت میں وتر
کے علاوہ بیس رکعت پسند کیں۔ ابن القاسم کا بیان ہے کہ امام مالک ۳۶ رکعت تراویح اور تین وتر کو مستحسن قرار دیتے تھے

ان امور سے قطع نظر ایک اور بدیہی اصول یہ ہے کہ اگر درایت کسی ضعیف حدیث کو تقویت
پہنچا رہی ہو تو وہ صحیح کی ہم پلہ ہو جاتی ہے چنانچہ یہ ارشاد ربانی اس اصول کا گواہ ہے۔
وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ
أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ (۴ : ۸۳) (اور جب ان کے پاس امن

یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اس کو خوب شہرت دیتے ہیں (حالانکہ اگر وہ خاموش رہکر اس خبر کے بارہ میں) پیغمبرؐ یا اہل الرائے حضرات (اکابر صحابہ) کی طرف رجوع کرتے تو ان میں سے جو افراد حقیقت نفس الامر کو بھانپ لیتے ہیں وہ اس اطلاع کی اصلیت معلوم کر لیتے (اور شہرت دینے والوں کو جتلا دیتے کہ اس کا مشہور کرنا مناسب ہے یا نہیں۔ تو غلط خبر کے مشتہر ہونے کی نوبت نہ آتی)

اگر وہ اطلاع جس کی طرف قرآن کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے صحیح ہوتی تو اس کی اشاعت پر کچھ ملازمت نہ تھی اور اگر درایت ضعف روایت کی تلافی کر کے اس کو قابلِ وثوق نہیں بنا دیتی۔ تو آیت میں جملہ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ کے کچھ معنی نہیں بنتے۔ الغرض چونکہ درایت بھی حدیث ابن عباسؓ کی موید ہے۔ اس لئے یہ حدیث یقیناً قابلِ قبول ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ کوئی صحیح روایت اس کی معارض بھی نہیں اور صحابہ کرام جمہور تابعین آئمہ مجتہدین اور فقہار کا اس پر عملدرآمد ہے۔

انیسویں روایت۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ رسالہ مصابیح میں لکھتے ہیں۔

ثم رايتُ فی تخریج احادیث الشیخ الکبیر شیخ الاسلام ابن حجرؒ مانصہ قول الرافعیؒ اِنہٗ صلی اللہ علیہ وسلم صلّی بالناس عشرین رکعۃً لیلتین فلما کان فی اللیلۃ الثالثۃ اجتمع الناس فلم یخرج الیہم ثم قال من الغد خشیتُ اَن تُفرض علیکم فلا تطیقوھا۔

(مصابیح مطبوعہ امرتسر ص ۱۰)۔ (پھر میں نے تخریج احادیث شیخ کبیر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کو دیکھا تو اس میں انہوں نے امام رافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دو راتوں میں بیس بیس رکعتیں پڑھائیں جب تیسری رات ہوئی تو صحابہ پھر جمع ہوئے لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم رنجہ نہ فرمایا پھر دوسرے دن فرمایا کہ مجھے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ نماز بھی تم پر فرض نہ ہو جائے اور پھر اس کی طاقت نہ رکھو۔

امام جلیل ابوالقاسم رافعیؒ مصنف شرح کبیر مسمٰی بہ عزیز حافظ عبدالعظیم منذریؒ کے استاد

تھے ابن الصلاح کا قول ہے کہ میرے خیال میں بلادِ عجم کے اندر ایسی بلند پایہ شخصیت کوئی نہیں دیکھی گئی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ خیال بالکل صحیح ہے اور اس میں شک وشبہ کا کوئی شائبہ نہیں۔ امام نووی نے فرمایا ہے کہ رافعیؒ صالحین متمکنین امت میں سے تھے۔ ان کی کرامات کثیرہ ہیں۔ ابوعبداللہ محمد بن محمد اسفرائینی کا بیان ہے کہ رافعیؒ ہمارے شیخ دین کے ستون اور ناصر السنۃ ہیں وہ مجتہد زمانہ اور علوم دینیہ میں یگانہ تھے معزوین میں حدیث اور تفسیر کی مجلسیں قائم کر کے افادۂ خلق میں مصروف رہے (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جلد ۵ ص ۱۲۰)

ظاہر ہے کہ اتنے بڑے فاضل یگانہ ومحدث زمانہ کے پاس بالضرور کوئی صحیح ومرفوع حدیث پہنچی ہوگی۔ ورنہ وہ اس یقین اور وثوق کے ساتھ نہ فرماتے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دو راتوں میں بیس بیس رکعتیں پڑھی تھیں۔ اور اگر ان کا بیان کسی کمزور اساس پر قائم ہوتا تو حافظ عسقلانیؒ جیسے نقادِ فن اس کو اس طمطراق سے پیش نہ فرماتے۔ افسوس ہے کہ امام رافعیؒ کی کتب حدیث خاکسار راقم الحروف کی دسترس سے باہر ہیں ورنہ ان میں سے کوئی نہ کوئی صحیح مرفوع حدیث سیالکوٹی صاحب کے سامنے پیش کردی جاتی۔

فصل ۵

تابعین اور اتباع تابعینؒ کا بیس رکعت پر عمل پیرا ہونا

اب یہاں حضرات تابعین اور اتباع تابعین کا قول وفعل پیش کیا جاتا ہے صحابہ کرامؓ کی طرح ان حضرات میں بھی کوئی بزرگ آٹھ تراویح کے قائل نہ تھے۔ بلکہ قریباً سب بیس

رکعت پر عمل پیرا تھے۔ جو تابعین بیس تراویح اور تین وتر ہی کو صحیح قیام رمضان قرار دیتے تھے۔ ان میں سے بعض کے یہ نام ہیں۔ عطاء بن ابی رباح، ابوالبختری، شتیر بن شکل، ابن ابی ملیکہ، حارث ہمدانی، سعید بن ابی الحسن (امام حسن بصریؒ کے بھائی) عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عمران عبدی رحمہم اللہ (عینی شرح صحیح بخاری و قیام اللیل مروزی مطبوعہ لاہور ص ۹۲) یونس کا بیان ہے کہ میں نے ابن اشعث کے فتنہ سے پہلے عبدالرحمٰن بن ابی بکر، سعید بن ابی الحسن اور عمران عبدی کو رمضان المبارک میں جامع مسجد کے اندر پانچ ترویحے (بیس رکعت) پڑھتے دیکھا لیکن جب آخری عشرہ آتا تو یہ حضرات ایک ترویحہ (چار رکعت) کا اضافہ کر دیتے اور دو قرآن ختم کرتے (قیام اللیل مروزی صفحہ ۹۱) اب انفرادی حیثیت سے بیس تراویح کے متعلق بعض تابعین عظام کا مسلک ملاحظہ ہو۔

ابن ابی ملیکہؒ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ کے استاد امام ابوبکر ابن ابی شیبہؒ نے روایت کی ہے کہ نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کا بیان ہے کہ ابن ابی ملیکہؒ ہمیں رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے اور سند اس کی صحیح ہے۔" عبداللہ بن عبیداللہ بن عبداللہ بن ابی ملیکہؒ ایک جلیل القدر تابعی تھے۔ جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تیس اصحاب رضی اللہ عنہم کو دیکھا تھا۔ ثقہ عادل تھے۔ (تقریب التہذیب صفحہ ۲۰۶) اور نافعؒ جو اس اثر کے راوی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر صحابیؓ کے غلام تھے جنہیں بعد میں آزاد کر دیا گیا تھا انہوں حضرات عبداللہ بن عمر، ابوہریرہ، ابوسعید خدری، رافع بن خدیج، ام المومنین صدیقہ، ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے اور ان سے زہری، اوزاعی، امام مالک وغیرہم نے روایت کی۔ ابن سعد نے کہا ثقہ کثیر الحدیث تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ اسناد حدیث میں سے اصح الاسانید وہ ہے جو امام مالکؒ نے نافعؒ سے اور نافع نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے

روایت کی ہو۔ امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں یہ سنتا ہوں کہ نافعؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں تو پھر میں اس حدیث کو کسی دوسرے راوی کی زبانی سننے سے مستغنی ہو جاتا ہوں۔ عجلی نے کہا نافعؒ ثقہ ہیں۔ ابن خراش نے کہا ثقہ نبیل ہیں۔ نسائی نے کہا ثقہ ہیں۔ ۱۱۷ھ اور ۱۲۰ھ میں سے کسی سال یا ان دونوں کے درمیان داعئ حق کو لبیک کہا (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۴۱۴)

علی بن ربیعہؒ۔ ابن ابی شیبہؒ نے سعید بن عُبَیدؒ سے روایت کی کہ علی بن ربیعہ تابعیؒ ہیں رمضان مبارک میں پانچ ترویحے (بیس رکعت) اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔ اور اس کی سند بھی صحیح ہے۔ سعید بن عُبَید بن زید بن عُقبہ راوی ثقہ ہیں۔ (دیکھو تقریب التہذیب صفحات ۱۲۵، ۱۴۷) اور علی بن ربیعہ بن فضلہ والبی مغیرہ کوفی تابعیؒ بھی ثقہ تھے۔ (تقریب التہذیب ص ۲۷۱)

شُتَیر بن شَکل۔ اسی طرح عبداللہ بن قیس کا بیان ہے کہ شُتَیر بن شَکل تابعیؒ رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ) اور بیہقیؒ نے روایت کی کہ شُتَیر بن شَکلؒ جو امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے شاگردوں میں سے تھے لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے بیہقیؒ نے کہا یہ روایت قوی ہے (السنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۴۹۶)

شُتَیر بن شَکل بن حمید عبسی ابو عیسیٰ کوفی رحمۃ اللہ نے امیر المومنین علی، عبداللہ بن مسعود، ام المومنین حفصہ، ام المومنین ام حبیبہ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کی۔ نسائی نے کہا ثقہ ہیں۔ ابن حبان نے ان کو زمرۂ ثقات میں داخل کیا ہے۔ عجلی نے کہا ثقہ ہیں۔ ابو موسیٰ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ انہوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا تھا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۳۱۲)

سُوَید بن غفلہ بیہقیؒ نے ابوالحصیبؒ سے روایت کی کہ حضرت سُوَید بن غفلہؒ ہم کو رمضان المبارک میں پانچ ترویحے (بیس رکعت تراویح) پڑھایا کرتے تھے (السنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۴۹۶) یہ روایت بھی صحیح الاسناد ہے۔ اس کے راوی ابوبکر بن ابی اسحاق، ابوعبداللہ محمد بن یعقوب، محمد بن عبدالوہاب، جعفر بن عون، ابوالخصیب زیادہ بن سعد بن عبدالرحمٰن خراسانی سب کے سب ثقہ ہیں۔ اور سوید بن غفلہ ابوامیہ جعفی کوفیؒ نے جاہلیت کا زمانہ پایا اور عین اس وقت جبکہ صحابہ کرامؓ حضور سید الاولین و آخرین علیہ الف الف صلوٰۃ وسلام کی تدفین سے فارغ ہوئے تھے مدینہ منورہ پہنچے۔ حضرت سُوَیدؒ فتح یرموک میں شامل تھے انہوں نے حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذوالنورین، علی مرتضیٰ، ابن مسعود، بلال، ابی بن کعب، ابوذر غفاری، ابودرداؓ سلیمان بن ربیعہ، حسن بن علی، زر بن حُبَیش رضی اللہ عنہم سے اور ان سے ابواسحاق، ابراہیم نخعی، شعبی، عبدالعزیز بن رفیع رحمہم اللہ اور دوسرے حضرات نے روایت کی حسین جعفی کے والد علی کا بیان ہے کہ سویدؒ ہمیں ماہ رمضان میں کھڑے ہو کر قرآن سنایا کرتے تھے۔ حالانکہ ان ایام میں ان کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی۔ ۸۰ھ یا ۸۱ھ یا ۸۲ھ میں عمر کی ایک سو تیس منزلیں طے کر کے روضۂ رضوان کو تشریف فرما ہوئے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۷۹)

اتباع تابعین میں جن حضرات کا مذہب خاص طور پر بیس تراویح مذکور ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبل، امام سفیان ثوری، امام عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ (ترمذی شریف صفحہ ۹۹-۱۰۰)، المغنی مصنفہ امام ابن قدامہ حنبلی مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۸۰۲) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں بیس رکعت کو ہی محبوب رکھتا

۱؎ واضح رہے کہ آپ کا شمار تابعین میں ہے۔

ہوں اور مکہ معظمہ میں بیس رکعت ہی پڑھی جاتی ہیں (قیام اللیل مروزی مطبوعہ لاہور ص ۹۲)

فصل ۶

بیس رکعت کے متعلق دوسرے علمار امت کے اقوال

ہرچند کہ تابعین اور اتباع تابعین کے خیر القرون میں بعض اکابر بیس سے زائد رکعات بھی پڑھتے رہے ہیں یہاں تک کہ مدینۃ الرسول میں جو مہبط وحی اور انوار رسالت کا مطلع ہے ڈیڑھ دو سو سال تک برابر چھتیس رکعتیں معمول بہا بنی رہیں تاہم انجام کار بیس پر ہی ساری امت کا اتفاق ہوگیا اور حالت بدستور سابق عود کر آئی اور اصل یہ ہے کہ گو بعض بزرگ چار درمیانی وقفوں میں جن کو ترویحہ کہتے ہیں چار چار رکعتیں بلا جماعت ادا کر کے تعداد رکعت چھتیس تک پہنچا دیتے تھے لیکن جماعت بیس ہی رکعتوں کی ہوا کرتی تھی اور گو صراحت کے ساتھ نام بنام سب علمار حق کا مسلک کتابوں میں مذکور نہ ہو۔ تاہم یہ امر یقینی ہے کہ خیر القرون کے بعد بھی تمام علمائے اہل سنت وجماعت بیس ہی کا حکم دیتے اور ترویحوں کے زائد نفلوں سے دستبردار ہو کر عموماً بیس پر ہی عمل پیرا رہے ذیل میں ان علمار وصلحاء متاخرین کے اسماء گرامی درج کئے جاتے ہیں جن کی نسبت صراحۃً مذکور ہے کہ وہ بیس رکعت کے قائل تھے۔

امام ابن عبد البرؒ حافظ امام عبد البرؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک تیئس (بیس تراویح اور تین وتر) کی روایت معتبر ہے۔ اور امام مالکؒ کی روایت جس میں گیارہ رکعت (آٹھ تراویح اور تین وتر) مذکور ہیں وہم ہے۔ امام مالکؒ کے سوا دوسرے محدثین نے اکیس رکعتیں بتائی ہیں اور میں امام مالکؒ کے سوا کسی ایسے محدث کو نہیں جانتا جس نے گیارہ رکعت

کی حدیث کا ذکر کیا ہو (المصابیح مترجم مطبوعہ ثنائی برقی پریس امرتسر ص ۱۵)

حافظ مغرب شیخ الاسلام امام ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر قرطبیؒ ۳۶۸ھ میں ہسپانیہ کے شہر قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ حفظ اور اتقان میں اہل زمانہ کے استاد تھے۔ باجی کا قول ہے کہ اندلس (اسپین) کے اندر کوئی عالم علم حدیث میں ان سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا ابن حزم ظاہریؒ لکھتے ہیں کہ کتاب تمہید ہمارے دوست ابو عمر (ابن عبدالبرؒ) کی تصنیف ہے فقہ حدیث میں کوئی کتاب اس تصنیف کی ہمپایہ نہیں چہ جائیکہ اس سے بڑھکر ہو" علامہ ابن عبدالبرؒ تمام علوم میں بیش بہا تالیفات رکھتے ہیں۔ ان کی ایک شہرۂ آفاق کتاب کافی جو امام مالک کے مذہب پر ہے پندرہ جلدوں میں ہے۔ کتاب "استیعاب" میں صحابہ کرام کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ یہ ایسی بلند پایہ تصنیف ہے کہ جس کی مثل کسی مصنف کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ ان کی بہت سی دوسری بلند پایہ تصنیفات بھی ہیں جن کے نام تذکرۃ الحفاظ" میں درج ہیں۔ حدیث، فقہ اور معانی میں بصیرت تام رکھنے کے علاوہ علم نسب واخبار کے بھی بڑے ماہر تھے۔ ثقہ حجت اور صاحب سنت واتباع تھے۔ پہلے ظاہری تھے پھر مالکی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ حُمیدیؒ کا بیان ہے کہ ابو عُمر فقیہ، حافظ اور قرأت وخلاف اور علوم حدیث و رجال کے بڑے فاضل اور قدیم السماع بزرگ تھے عمر کی ۹۵ منزلیں طے کر کے ۴۶۳ھ میں واصل بحق ہوئے۔ بیہقیؒ کے ہمعصر اور عمر میں ان سے سولہ سال بڑے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد اول صفحہ ۳۲۸)

امام محمد غزالیؒ حکیم الامت امام محمد غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

التراویح وھی عشرون رکعۃ وکیفیتھا مشھورۃ وھی سنۃ مؤکدۃ (احیاء العلوم جلد اول ص ۱۳۶)

(تراویح بیس رکعت ہے اور اس کے پڑھنے کا طریقہ مشہور و معروف ہے۔ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔)

قطب ربّانی سیّد عبدالقادر جیلانیؒ ۔ حضرت محبوب سبحانی سیّد عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز رقم فرماہیں۔

صلاۃ التراویح سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی عشرون رکعۃ (غنیۃ الطالبین ص ۲۶۷ھ ۵۷۶)

(نماز تراویح جو حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ بیس رکعت ہے۔

امام ابن قدامہ حنبلیؒ ۔ امام ابن قُدامہ حنبلیؒ المتوفی سن ۶۲۰ھ لکھتے ہیں۔

والمختار عند ابی عبداللہ فیھا عشرون رکعۃ وبھذا قال الثوری وابو حنیفہ والشافعی وقال مالک ستۃ وثلاثون وزعم انہ الامر القدیم وتعلق بفعل اھل المدینۃ ولنا ان عمر رضی اللہ عنہ لما جمع الناس علی اُبیّ بن کعب کان یصلی لھم عشرین رکعۃ

(المغنی مطبوعہ مصر جلد اول ص ۸۰۲) (امام احمدؒ کے نزدیک بیس رکعت مختار ہیں سفیان ثوری، ابو حنیفہ اور شافعی رحمہم اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے اور امام مالک چھتیس رکعت کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ ایک امر قدیم ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی بن کعب کے اقتدا پر جمع کیا تو وہ بیس رکعت ہی پڑھایا کرتے تھے۔

امام نوویؒ ۔ امام محی الدین نوویؒ شارح مسلمؒ فرماتے ہیں۔

اعلم ان صلاۃ التراویح سنۃ باتفاق المسلمین وھی عشرون رکعۃ (کتاب الاذکار ص ۸۳)

(یاد رکھو کہ نماز تراویح سنت ہے تمام مسلمان اس مسئلہ میں باہم متفق ہیں اور یہ بیس رکعت ہے

شیخ ابن تیمیہؒ ۔ شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

قد ثبت ان اُبیّ بن کعبؓ کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ فی رمضان ویوتر بثلاث فرای کثیر من العلماء ان ذالک ھو السنۃ لانہ قام بین المھاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر (فتاوی ابن تیمیہ جلد اول صفحہ ۱۸۶) (یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہے کہ حضرت اُبیّ بن کعبؓ لوگوں کو

رمضان میں تراویح کی بیس رکعت اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔ اسی بنا پر اکثر علما بیس رکعت کو ہی سنت قرار دیتے ہیں کیونکہ اُبیؓ حضرات مہاجرین و انصار کی جماعت میں بیس رکعت کا قیام فرماتے تھے اور ان حضرات میں سے کسی نے کبھی ان پر انکار نہ کیا۔

علامہ سبکیؒ۔ علامہ سبکیؒ منہاج میں لکھتے ہیں کہ اس بات کا یقین کرو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں کہ آپ نے ان راتوں میں کتنی کتنی رکعات پڑھائیں اور ہمارا مذہب بیس رکعت پڑھنے کا ہے (المصابیح مترجم مطبوعہ امرتسر ص ۱۴)

علامہ عینیؒ۔ علامہ بدرالدین عینیؒ شارح بخاریؒ بھی بیس رکعت کے قائل تھے چنانچہ انہوں نے شرح بخاری میں اس کے بڑے بڑے دلائل قلمبند کئے اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں۔

وقال ابن عبدالبرؒ وھو قول جمھور العلما وبہ قال الکوفیون والشافعیؒ اکثر الفقہاؒ وھو الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلافٍ من الصحابۃ (عینی شرح بخاری)

(حافظ ابن عبدالبرؒ نے فرمایا ہے کہ جمہور علما کا قول بیس رکعت کا ہے اور مجتہدین کوفہ (امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد اور سفیان ثوریؒ) اور شافعی اور اکثر فقہا کا یہی مسلک ہے اور حضرت ابی بن کعبؓ سے بھی صحیح طور پر یہی ثابت ہوا ہے اور کوئی صحابی اس مسلک کے خلاف نہیں گیا۔

علامہ شیخ ابن حجر عسقلانی۔ شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں۔

ولعلھم فی وقتٍ احتاجوا الی تطویل القیام علی عدد الرکعات فجعلوھا عشرین و قد استقر العمل علی ھذا (المصابیح ص ۱۶)

(اور شاید صحابہ کرامؓ نے کسی وقت قیام کی طوالت کو مختصر کر کے اور رکعتیں بڑھا کر بیس کر دیں اور پھر بیس پر ہی عمل مستحکم و استوار ہو گیا۔

امام عبدالوہاب شعرانیؒ۔ امام عبدالوہاب شعرانیؒ رقم فرما ہیں۔

ومن ذالك قول ابی حنیفۃ والشافعی واحمد رحمہم اللہ ان صلاۃ التراویح فی شہر رمضان عشرون رکعۃ وانہا فی الجماعۃ افضل (میزان شعرانی ص ۱۵۰)

(اور اسی قبیل سے امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے اقوال ہیں کہ نماز تراویح ماہ رمضان مبارک میں بیس رکعت ہے اور اس کا باجماعت ادا کرنا افضل ہے)

علامہ شامیؒ - علامہ ابن عابدین شامی الدر المختار کی شرح میں لکھتے ہیں۔

التراویح سنۃ مؤکدۃ لمواظبۃ الخلفاء الراشدین اجماعًا بعد صلاۃ العشاء وہی عشرون رکعۃ وہو قول الجمہور وعلیہ عمل الناس شرقًا وغربًا (رد المحتار جلد اول ص ۵۱۱) (تراویح بالاجماع سنت مؤکدہ ہے کیونکہ اس پر خلفائے راشدین رض نے مواظبت فرمائی اس کا وقت نماز عشا کے بعد ہے اور اس کی رکعتیں بیس ہیں یہی جمہور علماء کا قول ہے اور اسی پر شرق و غرب کے مسلمانوں کا عمل ہے)

فصل ۷

علامہ ابن عبدالبرؒ کا بیان کہ ۸ رکعت تراویح وہم ہے

اہل سنت - چھٹی فصل میں جو باتیں حوالۂ قرطاس ہوئیں ان سے یہ حقیقت عالم آشکارا ہو جاتی ہے کہ خلافت فاروقی و مرتضوی میں تراویح بیس ہی رکعت پڑھی جاتی تھی۔ فصل مذکور میں حضرت عطاء بن ابی رباح تابعیؒ کی یہ شہادت بھی قلمبند ہو چکی ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیس رکعت ہی ادا فرماتے تھے اور عطاء بن ابی رباح وہ بزرگ ہیں۔ جنہوں نے دو سو صحابہ کو دیکھا تھا فصل چہارم میں یہ بھی دکھایا جا چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن

مسعود اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہما بیس ہی رکعتیں پڑھاتے تھے۔ ان میں سے موخر الذکر وہ بزرگ ہیں جنہیں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت میں مردوں کا امام متعین فرمایا تھا اور جن کی طرف امام مالک رحمۃ اللہ کی غلط فہمی کے صدقہ سے آٹھ رکعتیں منسوب کی جاتی ہیں صحابہ، تابعین اور اتباع تابعین لاکھوں کی تعداد میں گزرے ہیں۔ ان نفوس قدسیہ میں سے ایک بزرگ ہستی بھی ایسی نہ مل سکے گی جس نے کبھی آٹھ رکعت تراویح ادا کی ہو۔ ان لاکھوں نظائر کے مقابلہ میں صرف دو شہادتیں آٹھ تراویح کا کچھ لنگڑا لولا سا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں پہلی امام مالک کی روایت۔ دوسری عبد العزیز بن محمد کا بیان۔ ان میں سے عبد العزیز بن محمد کی روایت جو سنن سعید بن منصور میں منقول ہے ضعیف ہے اور امام مالک کی روایت کے متعلق علامہ ابن عبد البر مالکی محدث رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ یہ امام مالک کا وہم یعنی غلط فہمی ہے کہ انہوں نے اکیس کو گیارہ سمجھ لیا چنانچہ علامہ زرقانی شرح موطا میں لکھتے ہیں۔

وقال ابن عبد البر روی غیر مالک فی ھذا الحدیث احد و عشرون وھو الصحیح ولا اعلم احدا قال فیہ احدی عشرۃ الا مالکا و یحتمل ان یکون ذالک اولا ثم خفف عنہم طول القیام ونقلہم الی احدی و عشرین الا ان الاغلب عندی ان قولہ احدی عشرۃ وھم (زرقانی جلد اول ص ۲۱۵)

(ابن عبد البر کہتے ہیں کہ امام مالک کے سوا دوسروں نے تراویح کی حدیث اکیس رکعت (بیس تراویح اور ایک وتر) روایت کی ہے اور یہی صحیح ہے اور مجھے امام مالک کے سوا کسی دوسرے محدث کا علم نہیں جس نے گیارہ رکعتیں (آٹھ تراویح اور تین وتر) روایت کی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے آٹھ تراویح ہی پڑھی گئی ہوں۔ پھر طول قیام میں تخفیف کی گئی ہو اور رکعتیں بڑھا کر اکیس کر دی گئی ہوں لیکن میرے نزدیک گمان غالب یہ ہے کہ گیارہ رکعت کا قول وہم ہے۔

علامہ ابن عبدالبرؒ نے دو احتمال پیش کئے ہیں۔ پہلا یہ کہ اوائل میں آٹھ رکعتیں پڑھی گئی ہوں اور پیچھے بیس کر دی گئی ہوں۔ دوسرا یہ کہ امام مالکؒ نے رکعات کی تعداد سمجھنے میں غلطی کی ہو لیکن ان میں سے پہلا احتمال قطعًا غلط ہے۔ کیونکہ میں چوتھی فصل میں دلائل قاطع ثابت کر آیا ہوں کہ بیس کی تعداد تخفیف قرأت کا نتیجہ اور تطویل قرأت کا بدل نہیں ہے کیونکہ بیس رکعت میں بھی وہی طویل قرأت ہوتی تھی جو امام مالکؒ نے گیارہ رکعت (آٹھ تراویح اور تین وتر) کی روایت میں بیان فرمائی ہے۔ غرض جب پہلا احتمال باطل ہو گیا تو دوسری شق ثابت ہو گئی۔ کہ امام مالک رحمہ اللہ ہی کو غلط فہمی ہوئی۔

یہاں اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ ابن عبدالبرؒ خدانخواستہ کوئی امام مالکؒ کے معاند نہیں تھے کہ خواہ مخواہ ان پر طعن کرتے۔ بلکہ مالکی المذہب ہونے کی حیثیت سے ان کے دل میں امام مالک کی محبت اور عقیدت مندی کا وہی جذبہ کارفرما تھا جو ہم حنفیوں کے دلوں میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ممدوح پورے تفحص اور استقصاء اور انتہائی غور و خوض کے بعد ہی ایسی بات زبانِ قلم پر لائے ہونگے پس ان کی مخلصانہ رائے کسی طرح پس پشت ڈالنے کے قابل نہیں ہے اور جہاں تک خاکسار راقم التحریر کے مرکب تحقیق کی تگ و دو ممکن تھی اس نے وہاں تک رسائی حاصل کی آخر انتہائی تفتیش و تدقیق کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ امام مالکؒ کی قوت سامعہ نے سمجھنے میں خطا کی ہے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے تو اپنے رجحانِ طبع اور گمانِ غالب کا اظہار فرمایا تھا لیکن میرے نزدیک اس کو قطعیت اور حق الیقین کا درجہ حاصل ہے۔

اس اذعان و یقین اور قطعیت کے چند وجوہ ہیں۔ وجہ اول یہ ہے کہ امام مالکؒ نے اپنے جس استاد محمد بن یوسف رحمہ اللہ سے سن کر گیارہ رکعتیں مؤطا میں مندرج فرمائیں

امام مالک کے ہم سبق امام داؤد بن قیسؒ نے انہی محمد بن یوسفؒ سے سن کر اکیس رکعتیں روایت کیں (ملاحظہ ہو چوتھی فصل کی چھٹی روایت) دوسری وجہ یہ ہے کہ خود امام مالکؒ نے اپنے دوسرے استاد یزید بن خصیفہؒ سے بیس رکعت کی بھی روایت کی ہے (ملاحظہ ہو چوتھی فصل کی پہلی روایت) تیسری وجہ یہ ہے کہ خود امام مالکؒ نے اپنے تیسرے استاد یزید بن رومانؒ سے بھی بیس رکعت روایت کی ہے (ملاحظہ ہو چوتھی فصل کی دسویں روایت)

چوتھی وجہ یہ ہے کہ امام مالک کے چوتھے استاد یحیٰی بن سعیدؒ سے بھی بیس رکعتیں ہی مروی ہیں (دیکھو چوتھی فصل کی ساتویں روایت) پانچویں وجہ یہ ہے کہ روایات مذکورہ سے قطع نظر جن کا سلسلہ اسناد حضرت سائب بن یزید صحابیؓ پر منتہی ہوتا ہے حضرت سائب بن یزیدؓ اپنے ارشد تلامذہ محمد بن یوسف اور یزید بن خصیفہ رحمہما اللہ کے علاوہ اپنے دوسرے شاگردوں سے بھی بیس رکعت ہی روایت فرماتے تھے (ملاحظہ ہو چوتھی فصل کی پانچویں روایت) چھٹی وجہ یہ ہے کہ گو بعض علماء نے آٹھ اور بیس کی روایات میں یوں تطبیق دینے کی کوشش کی کہ ابتداء میں آٹھ رکعتیں پڑھی گئیں اور پیچھے بیس کر دی گئیں۔ لیکن حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے اپنے بیان سے (جو چوتھی فصل کی پندرھویں روایت پر مشتمل ہے) یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ حضرت اُبی بن کعبؓ نے آغاز کار ہی میں امیر المومنین عمرؓ کے فرمان کے بموجب بیس رکعت پڑھانی شروع کی تھی۔ ساتویں وجہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ تابعین عظام اور حضرات اتباع تابعین اور تمام دوسرے علماء امت سلفاً و خلفاً ہمیشہ بیس رکعت بلکہ بعض اس سے بھی زیادہ پڑھتے رہے ہیں۔ آٹھویں وجہ یہ ہے کہ خود امام مالکؒ نے آٹھ کے بجائے ہمیشہ چھتیس رکعتیں پڑھیں اور لوگوں کو چھتیس کا حکم دیتے رہے (دیکھو چوتھی فصل کی دسویں روایت کے ذیل میں اہل سنت کا چھٹا بیان) اور مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے اس بات پر زوردار استدلال کیا ہے کہ

اگر راوی کا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو اس کی روایت قابل عمل نہ ہو گی (دیکھو انارۃ المصابیح ص ۲۹)

الغرض مذکورہ وجوہ و اسباب ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ امام مالک کو غلط فہمی ہوئی انہوں نے اپنے ایک استاذ محمد بن یوسف سے روایت سنتے وقت احدی و عشرین (اکیس) کو احدی عشر (گیارہ) سمجھ لیا۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ محمد بن یوسف رحمہ اللہ اپنے ایک شاگرد داؤد بن قیس سے تو اکیس رکعت روایت کرتے اور اپنے دوسرے شاگرد امام مالک سے گیارہ رکعتیں بیان فرماتے اور خود امام مالک اپنے ایک استاد سے گیارہ اور دوسرے سے اکیس رکعتیں روایت کرنے لگتے۔

اہل حدیث۔ واہ غلط فہمی کی بھی ایک ہی کہی۔ کیا امام مالک جیسے حبر نحریر سے بھی اس قسم کی خوفناک غلطی کا امکان ہے؟

اہل سنت۔ ہاں ان سے بھی بڑے بڑے اکابر غلط فہمی کا شکار ہو سکتے ہیں چنانچہ اسی معنی میں ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بعض صحابہ سے فرمایا کہ تم تو سچے لوگوں سے روایت کرتے ہو لیکن بعض مرتبہ سامعہ غلطی کر جاتا ہے۔ مزید براں دیکھو مولوی شریف کا رسالہ کتاب التراویح ص ۵۲ سطر ۴۔

علامہ علی قاری نے اپنی موضوعات میں حدیثوں کے ناقابل وثوق ہونے کے جو اصول بتائے ہیں اُن میں ایک یہ ہے کہ جو روایت صریح حدیثوں کے خلاف ہو وہ قابل اعتماد نہیں ہوتی (موضوعات علی قاری ص ۹۲) چونکہ کتب حدیث عام طور پر بیس کی صریح حدیثوں سے مملو اور آٹھ کی روایت سے خالی ہیں اور بسیط ارض پر صرف امام مالک ہی کی ایک ایسی ہستی ہے جس نے دنیا میں سب سے پہلے آٹھ رکعت تراویح کا تذکرہ چھیڑا۔ اس سے بھی قیاس ہوتا ہے کہ امام محمد غلطی سے اکیس کو گیارہ سمجھ گئے۔

روایتی غلط فہمی کی ایک مثال یہ ہے کہ بعض فقہا کے نزدیک اس چیز کے کھانے سے

وضو ٹوٹ جاتا ہے جو آگ پر پکی ہو جب حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ مسئلہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے حضور سید انام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا تو انہوں نے کہا کہ اس بنا پر تو لازم آتا ہے کہ ہمیں گرم پانی سے بھی وضو نہیں کرنا چاہیئے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ برادر زادے جب تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنو تو ضرب الامثال اور کہاوتیں نہ کہا کرو۔ (سنن ابن ماجہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۳۷۔۳۸) ظاہر ہے کہ ابن عباسؓ جناب ابو ہریرہؓ کو خدانخواستہ غلط گو نہیں سمجھتے تھے لیکن انہوں نے خیال کیا کہ ان سے روایت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہے۔

اہل حدیث۔ غضب ہے کہ مؤطا امام مالکؒ کی متصل السند روایت کو شاذ بنا کر ضعیف کر دیا جائے۔ حالانکہ یزید بن رومانؒ کی غیر متصل السند روایت کو سہارا دینے کے لئے سارا زور اس بات پر لگا دیا ہے کہ مؤطا امام مالکؒ کی سب روایتیں ثابت و صحیح ہیں۔ تو کیا ان سب کے مجموعہ میں یہ گیارہ رکعت والی روایت موجود نہیں ہے؟ سچ ہے چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد۔ اگر یہ گیارہ رکعت والی روایت ضعیف ہے تو آپ کا کلیہ ٹوٹ گیا کہ مؤطا کی سب روایتیں صحیح ہیں کیونکہ موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ ہوتی ہے (ایساغوجی) اور اگر کلیہ درست ہے تو امام مالکؒ کی گیارہ رکعت والی متصل السند روایت بھی صحیح ہے۔ (انارۃ المصابیح ص ۴۱)

اہل سنت۔ مؤطا کی تمام روایتیں اسناداً اور روایۃً صحیح ہیں لیکن اگر کوئی روایت درایت کے اعتبار سے غیر صحیح ہو تو وہ اس دعوے کے خلاف نہیں کیونکہ بعض دفعہ ثقہ راویوں سے بھی سمجھنے میں خطا ہو جاتی ہے اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں اس کے لئے نہ نفقہ ہے نہ سکنیٰ لیکن جمہور علماء عموماً اور حنفیہ

کرام خصوصاً فرماتے ہیں کہ تین یا کم جتنی بھی طلاقیں دی جائیں۔ شوہر پر واجب ہے کہ عدت کے زمانہ تک مطلقہ کے کھانے کپڑے اور جائے اقامت کا کفیل رہے۔ فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہ تھیں۔ ان کے شوہر ابو عمرو بن حفصؓ نے ان کو تین طلاقیں دیدیں طلاق کے وقت خود ابو عمروؓ مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے۔ ابو عمروؓ کے وکیل نے فاطمہؓ کے پاس کچھ جو بھیجے فاطمہؓ پر یہ نفقہ شاق گذرا۔ ابو عمرو کے وکیل کو اس ناگواری کا علم ہوا تو کہلا بھیجا کہ واللہ ہم پر تمہارا کوئی حق نہیں "یہ سن کر فاطمہؓ آستان نبوت میں حاضر ہوئیں اور سارا ماجرا بارگاہ نبوی میں پیش کیا۔ ہادی انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واقعی تمہارے لئے کوئی نفقہ و سکنیٰ نہیں۔ تم ابن ام مکتومؓ کے گھر میں عدت گزار لو۔ کیونکہ وہ ایک نابینا آدمی ہیں۔ (صحیح مسلم)

اس روایت کی صحت میں کسی کو کلام نہیں لیکن اس کے باوجود عہد فاروقی میں ایک عورت کو تین طلاقیں دی گئیں تو یہ مسئلہ پیش ہوا کہ مطلقہ ثلاثہ کا نان نفقہ شوہر پر واجب ہے یا نہیں؟ جناب فاطمہؓ بنت قیس نے شہادت دی۔ کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفقہ اور مکان نہیں دلوایا تھا۔" آخر حضرت فاروق اعظمؓ نے فیصلہ کیا کہ ہم خدا کی کتاب اور آنحضرتؐ کی سنت کو ایک عورت کے بیان پر نہیں چھوڑ سکتے۔ جس کی نسبت ہم کو معلوم نہیں کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔ امام شعبیؒ نے ایک مجلس میں فاطمہؓ کی متذکرہ صدر روایت بیان کی تو اسود بن یزیدؒ نے ان کو کنکریاں ماریں کہ تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ کا مذکورہ واقعہ نقل کیا (صحیح مسلم کتاب الطلاق) حضرت عمرؓ کی طرح ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی فاطمہؓ کا قول مسترد کر دیا تھا۔

ما لفاطمة ألا تتقي الله تعني في قولها لا سكنى ولا نفقة (بخاری)

(فاطمہؓ کو کیا ہو گیا؟ کیا وہ اس قول میں خدا سے نہیں ڈرتیں کہ مطلقہ کے لئے سکنیٰ اور نفقہ نہیں ہے؟

حضرت صدیقہؓ کا بیان ہے کہ جس مکان میں فاطمہ بنت قیسؓ کو عدت گزارنی تھی وہ ویران اور غیر آباد تھا اس لئے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نقل مکان کی اجازت دے دی تھی۔ (بخاری)

ظاہر ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ یا اُم المؤمنین صدیقہؓ نے فاطمہ بنت قیسؓ کو معاذ اللہ دروغ گو نہیں سمجھا بلکہ ان کے بیان کو غلط فہمی پر محمول کیا پس جس طرح ہم صحیح مسلم کی روایت کو صحیح باور کرتے ہوئے گمان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کو غلط فہمی ہوئی۔ اسی طرح ہمیں یقین ہے کہ گیارہ رکعت کی روایت جو مؤطا میں ہے اسناداً بالکل صحیح ہے لیکن ہمارے "اہل حدیث" حضرات کی بدقسمتی سے امام مالکؒ اکیس کو گیارہ سمجھنے میں غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے۔

اہل حدیث۔ امام مالکؒ اس روایت میں منفرد نہیں ہیں بلکہ سعید بن منصور محدثؒ نے بھی اپنی سنن میں عبدالعزیز بن محمد سے انہوں نے محمد بن یوسف سے جو امام مالکؒ کے استاد ہیں امام مالکؒ کی مثل گیارہ رکعت روایت کی ہیں۔ جیسا کہ امام سیوطیؒ نے اپنے رسالہ المصابیح میں حافظ ابن عبدالبرؒ کے جواب میں کہا ہے کہ "معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن عبدالبرؒ اس حدیث کے متعلق مصنف سعید بن منصور پر مطلع نہیں ہوئے تھے جنہوں نے اس روایت کو مثل امام مالکؒ کے روایت کیا ہے یعنی سعید بن منصور نے عبدالعزیز بن محمد سے روایت کیا وہ محمد بن یوسف سے روایت کرتے ہیں جو امام مالکؒ کے استاد ہیں اور علامہ زرقانی نے بھی شرح مؤطا میں اسے ذکر کیا ہے لیکن آپ[1] نے اس کے نقل کرنے میں خیانت کی ہے۔
(انارۃ المصابیح ص ۳۴-۳۵)

---

[1] مولوی محمد یوسف صاحب کوٹلوی سے

اہل سنت۔ زرقانی کے الفاظ یہ ہیں۔

ولا وہم مع ان الجمع بالاحتمال الذی ذکرہ قریب وبہ جمع البیہقی ایضاً وقولہ ان مالکاً انفرد بہ لیس کما قال فقد رواہ سعید بن منصور من وجہ آخر عن محمد بن یوسف فقال احدی عشرۃ کما قال مالک۔ (زرقانی جلد اول ص ۲۱۵)

(امام مالکؒ کے بیان میں کوئی وہم (غلط فہمی) نہیں۔ اور گو کہ دونوں روایتوں میں اس احتمال پر جس کا خود ابن عبدالبرؒ نے ذکر کیا تطبیق آسان ہے۔ چنانچہ بیہقیؒ نے بھی ان میں اسی طرح مطابقت کی ہے۔ سعید بن منصور نے بھی دوسرے طریق سے امام مالکؒ کی طرح گیارہ رکعتیں محمد بن یوسف سے روایت کی ہیں۔

اہل حدیث۔ امام سیوطیؒ اور علامہ زرقانی کی تحریروں سے ثابت ہوا کہ امام مالکؒ کو کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی اور اگر ان کو غلط فہمی ہوگئی تھی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ایک اور راوی عبدالعزیز بن محمد بھی آٹھ رکعت کی روایت میں امام مالکؒ کا ہمنوا ہوتا۔

اہل سنت۔ لیکن مولانا کو یہ معلوم ہو کہ سعید بن منصور کی روایت صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کا راوی عبدالعزیز بن محمد ضعیف تھا ہے۔ عبدالعزیز بن محمد بن عبید ابو محمد مدنی کی نسبت ابوزرعہ نے لکھا ہے کہ ان کا حافظہ خراب تھا جب کبھی اپنے حافظہ کے بھروسہ پر زبانی روایت کرتے تو عموماً خطا کرتے۔ نسائی نے ان کی نسبت ایک جگہ لکھا کہ قوی نہیں اور دوسری جگہ فرمایا کہ لیس بہ باس (یعنی کچھ زیادہ قابل اعتماد نہیں) اور حسب بیان نسائی عبدالعزیز بن محمد نے عبید اللہ بن عمر سے جو حدیثیں روایت کیں وہ سب منکر ہیں۔ ابن سعد کا قول ہے کہ عبدالعزیز بن محمد یوں تو ثقہ کثیر الحدیث تھے لیکن روایت میں بڑی غلطیاں کرتے تھے۔ ابن حبان نے لکھا ہے کہ ثقہ ہیں لیکن ساتھ ہی بڑے غلط کار بھی ہیں۔ ساجی نے کہا کہ صادق امین لیکن کثیر الوہم ہیں۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ عبدالعزیز نے جو کچھ اپنی کتاب میں

سے روایت کی وہ تو صحیح ہے لیکن جو دوسروں کی کتابوں سے روایت کی وہ وہم ہے عبدالعزیز دوسرے محدثوں کی کتابوں سے حدیثیں نقل کرنے میں غلطیاں کرتے تھے۔ بسا اوقات عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کی حدیث کو عبید اللہ بن عمرو کی طرف سے روایت کر دیتے۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ میں عبدالعزیز پر حاتم بن اسمٰعیل کو ترجیح دیتا ہوں۔ یحییٰ بن معین نے عبدالعزیز کی نسبت لکھا ہے لیس بہ باس (یعنی کچھ ایسے قوی نہیں) مری کا بیان ہے کہ امام بخاریؒ نے تنہا عبدالعزیز کی روایت نہیں لی جب تک کہ اسے مقرون لغیرہ نہیں کر لیا (یعنی دوسرے ثقہ راوی کی روایت لا کر اس کو تقویت نہیں پہنچا لی) عبدالعزیز کے سال وفات میں اختلاف ہے ۱۸۶ھ سے ۱۸۹ھ تک مختلف اقوال ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۳۵۴)

غرض عبدالعزیز کی روایت کسی طرح قابل اعتماد نہیں کیونکہ وہ اوہام کا سرچشمہ اور غلط کاریوں کا منبع تھے اور یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ جب امام بخاریؒ نے عبدالعزیز کی روایت کو اس وقت تک قابلِ اعتنا نہیں سمجھا جب تک کسی ثقہ راوی کی روایت سے استشہاد نہیں کر لیا تو عبدالعزیز کا بیان امام مالکؒ کی روایت کو کہاں تک تقویت پہنچا سکتا ہے؟ مزید برآں آپ نے اوپر پڑھا کہ عبدالعزیز کثیر الوہم تھے اور مولانا سیالکوٹی نے اس بات پر زور دیا ہے کہ وہمی کی روایت مقبول نہیں۔ چنانچہ مولوی محمد یوسف صاحب متوطن کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کی تحریر کے جواب میں فرماتے ہیں کہ "کوئی راوی اکیس روایت کرتا ہے کوئی تیئیس اور ایک ان میں سے وہمی ضعیف ہے اس لئے ان کی روایتیں شاذ اور ضعیف یا ناقابل اعتبار ہوں گی" (انارۃ المصابیح ص ۱۳۹) پس اس اعتبار سے بھی عبدالعزیز کا بیان ناقابل قبول ہے۔

اہل حدیث۔ کیا امام مالکؒ اور عبدالعزیز بن محمد دونوں یکساں غلط فہمی کا شکار ہو گئے

اہل سنت۔ امام مالکؒ اور عبدالعزیز ہمعصر تھے اور دونوں کا مسکن مدینہ منورہ تھا۔

دونوں نے محمد بن یوسف رحمۃ اللہ سے استفادہ کیا پس ممکن ہے کہ عبدالعزیزؒ نے کبھی امام مالکؒ سے گیارہ رکعت کی روایت سُنی یا ان کے مؤطا میں دیکھی ہو اور چونکہ ان کا حافظہ سخت خراب تھا اس لئے پیچھے یہ یاد نہ رہا ہو کہ میں نے یہ روایت امام مالک سے سنی تھی یا اپنے استاد محمد بن یوسف سے۔ اور جب سعید بن منصور محدث نے ان سے حدیثیں لکھیں تو عبدالعزیزؒ نے یہ روایت بھی اسی طرح اپنی سند سے بیان کر دی ہو جس طرح دوسری حدیثیں اپنے استاد محمد بن یوسفؒ سے روایت کیں اور اس التباس کی خاص وجہ یہ تھی کہ امام مالکؒ نے بھی اس کو اپنے اور عبدالعزیزؒ دونوں کے اُستاد محمد یوسف ہی سے روایت کیا تھا۔

اہل حدیث۔ محمد بن اسحاق نے بھی محمد بن یوسف سے اور انہوں نے سائب بن یزید صحابیؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت اُبی بن کعبؓ گیارہ رکعت پڑھاتے تھے اس کو محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل میں روایت کیا ہے۔

اہل سنت۔ گو بہت سے بزرگوں نے محمد بن اسحاق بن یسار راوی کو ثقہ بتایا ہے لیکن اکثر محققین کے نزدیک وہ شخص قابل اعتماد نہیں۔ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ مغازی میں علم کا دریا تھا لیکن فن حدیث میں متقن یعنی محکم و استوار نہیں تھا۔ اس کی حدیثیں رتبۂ صحت سے گری ہوئی ہیں۔ نسائی نے کہا قوی نہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد اول ص ۱۵۶) ابن ندیم کا بیان ہے کہ ابوعبداللہ محمد بن اسحٰق بن یسار مطعون تھا اور اس کی روش ناپسندیدہ تھی اور وہ ایک حسین و جمیل آدمی تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ امیر مدینہ کو اطلاع ملی کہ ابن اسحٰق عورتوں سے عشق بازی کرتا اور حسن و عشق میں منہمک ہے۔ حاکم نے اس کو بلوا کر کوڑے لگوائے اور مسجد نبوی کے پچھواڑے بیٹھنے سے منع کر دیا۔ اس کی ایک بے احتیاطی یہ تھی کہ جو کچھ یہود و نصاریٰ سے سنتا اسے اپنی کتاب میں درج کر لیتا اور اپنی کتابوں میں اول اہل علم کے لقب سے یاد کرتا۔ اصحاب حدیث اس کی

تضعیف کرتے اور اس کو دروغ گو خیال کرتے تھے۔ (کتاب الفہرست ابن ندیم ص ۹۲ مطبوعہ لیپزگ جرمنی)

شیخ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق نے قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رض زہری، ابن منکدر، مکحول، عطا بن ابی رباح، یزید بن رومان وغیرہ حضرات سے روایت کی۔ امام مالکؒ نے اس کی نسبت فرمایا کہ وہ دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔ امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ محمد بن اسحٰق کی ہزار ایسی حدیثیں ہیں جن میں وہ بالکل منفرد ہے۔ محمد بن اسحٰق مدینہ منورہ کی ایک خاتون فاطمہ بنت منذر سے بھی حدیثیں روایت کرتا تھا۔ لیکن فاطمہ کے شوہر ہشام بن عروہ نے بیان کیا کہ واللہ اس شخص نے میری بیوی کو کبھی نہیں دیکھا۔ یعقوب بن اسحٰق بن سامری کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے پوچھا کہ اگر ابن اسحٰق کسی حدیث میں منفرد ہو تو آپ اس کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔ تو امام نے فرمایا کہ ہرگز نہیں واللہ! وہ تو ایک ہی حدیث کسی جماعت کی طرف سے روایت کرتا ہے۔ تو بھی راویوں کے کلام کو ایک دوسرے سے ممیز نہیں کرتا۔ ابو داؤدؒ محدث کا بیان ہے کہ میں نے امام احمدؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ابن اسحٰق حدیثیں جمع کرنے کا شائق تھا اس لئے وہ ادھر ادھر سے لوگوں کی کتابیں لے کر اپنی کتاب میں نقل کر لیتا۔ امام احمدؒ کا بیان ہے۔ کہ جب ابن اسحٰق بغداد آیا تو اس بات کی پروا کئے بغیر کہ کس قماش کے آدمی سے حدیثیں جمع کر رہا ہے۔ وہ کلبی وغیرہ سے بھی روایتیں لے لیتا۔ حنبل بن اسحٰق کا بیان ہے کہ ابو عبداللہ (امام احمدؒ) فرماتے تھے کہ ابن اسحٰق حجت نہیں ہے۔ مرہ نے کہا وہ قوی نہیں ہے۔

ابن یونس کہتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق سنہ ۱۱۹ھ میں اسکندریہ آیا۔ وہ اہل مصر کی ایک جماعت کی طرف سے ایسی حدیثیں روایت کرتا تھا جو اس کے سوا کسی دوسرے شخص سے مروی نہیں۔ اسی طرح سلیمان تیمی، امام یحییٰ بن سعید قطان اور وہیب بن خالد نے اس کو جھوٹا بتایا ہے۔ دارقطنی فرماتے تھے

کہ آئمہ حدیث محمد بن اسحٰق کے بارے میں بڑے مختلف البیان ہیں۔ کوئی اس کو ثقہ بتاتا ہے اور کوئی غیر ثقہ لیکن وہ حجت نہیں ہے۔ ابن اسحٰق مدینہ منورہ میں رہتا تھا لیکن اس کے بعد کوفہ، جزیرہ اور رے سے ہوتا ہوا بغداد پہنچا اور یہیں بود و باش اختیار کر لی آخر اسی جگہ ۱۵۰ھ سے ۱۵۳ھ تک کسی سال مر گیا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۳-۴۶)

اب ظاہر ہے کہ جس شخص کے خلاف ایسی ایسی شہادتیں اور ایسے سنگین الزامات ہوں اگر وہ حقیقتاً ایسی معتبر اور سچا بھی ہو اور دو چار دس بلکہ سو دو سو آدمی بھی اس کی طرف سے صفائیاں پیش کریں تو بھی اس پر کہاں تک اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

اہل حدیث: لیکن آپ کی طرح حنفی مذہب کی بے جا حمایت پر ادھار کھائے ہوئے شوق نیموی بھی ایک اور متابعت کا ذکر کرتے ہیں اور وہ متابعت کوئی چھوٹا آدمی نہیں کرتا بلکہ یحییٰ بن سعید کرتے ہیں جو جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ (انارۃ المصابیح ص ۳۵)

اہل سنت: معلوم نہیں شوق نیموی صاحب جو حنفی مذہب کی بیجا حمایت پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ کون بزرگ ہیں اور ان کی علمی حیثیت کیا ہے لیکن سیالکوٹی صاحب کو یاد رہے کہ ہم شخصیت پرست نہیں ہیں۔ مارا نص باید قص نباید۔ اگر سیالکوٹی صاحب کے پاس کوئی صحیح روایت ہوتی تو اسے پیش کرتے۔ لیکن چونکہ ان کا کیسہ دلائل خالی ہو چکا تھا اس لئے وہ نیموی صاحب کی آڑ لینے لگے۔ اب بھی ہم سیالکوٹی صاحب سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی صحیح روایت موجود ہے تو شوق سے پیش کریں ورنہ خس و خاشاک کا کمزور سہارا انہیں کچھ بھی نفع نہیں دے سکتا اور ان سب چیزوں کے علاوہ ایک خاص قابل توجہ امر یہ ہے کہ امام مالکؒ اور عبدالعزیز بن محمد کی روایتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے امام مالکؒ نے اپنے استاد محمد بن یوسف سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ حضرت سائب بن یزید

صحابیؓ فرماتے تھے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم دیا (مؤطا امام مالکؒ) اور عبدالعزیز بن محمد نے اپنے استاد محمد بن یوسف سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ حضرت سائب بن یزید صحابی فرماتے تھے کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ (مصابیح مطبوعہ امرتسر صفحہ ۱۲)

امام ابن عبدالبرؒ نے لکھا تھا کہ میرے نزدیک گیارہ رکعت کی روایت میں امام مالکؒ کو وہم یعنی غلط فہمی ہوئی ہے اور میں نہیں جانتا کہ امام مالکؒ کے سوا کسی اور نے بھی گیارہ رکعت کا ذکر کیا ہو لیکن سیوطی نے امام ابن عبدالبرؒ کے اس قول کی مخالفت کی اور لکھا۔

وکانہ لم یقف علی مصنف سعید بن منصور فی ذالک فانہ رواہا مثل مالک عن عبدالعزیز بن محمد عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید (گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں مصنف سعید بن منصور پر مطلع ہی نہیں ہوئے کیونکہ انہوں نے اس کی روایت مالکؒ کی ہی طرح عبدالعزیز بن محمد عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید کی ہے)

اور زرقانی نے لکھا وقولہ ان مالکا انفرد بہ لیس کما قال فقد رواہ سعید بن منصور من وجہ آخر عن محمد بن یوسف فقال احدی عشرۃ کما قال مالک (زرقانی شرح مؤطا جلد اول ص ۲۱۵)

لیکن میں کہتا ہوں کہ واقعی امام مالکؒ اس روایت میں بالکل منفرد ہیں کہ حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا کیونکہ عبدالعزیز بن محمد کا بیان یہ ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ اور ان دونوں بیانوں میں بڑا فرق ہے۔ فتأمل۔

فصل ۹

بیس رکعت سے زائد تراویح

تراویح ترویح کی جمع ہے۔ ترویح لغت میں راحت پہنچانے کو کہتے ہیں۔ قیام رمضان میں چار چار رکعتیں پڑھنے کے بعد کچھ دیر تک جو بیٹھ کر سستاتے ہیں اس کو ترویح یا ترویحہ کہتے ہیں۔ ترویحہ سے تین فائدے مدنظر ہیں۔ پہلا یہ کہ ذرا آرام کر لینے سے طبیعت کسی قدر تازہ دم اور پرسکون ہو جاتی ہے۔ دوسرا رکعتوں کی گنتی میں سہولت رہتی ہے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ مسبوق یعنی وہ شخص جو پیچھے سے آکر جماعت میں شامل ہوا ہو وہ اپنی فوت شدہ رکعت کو اس وقفہ کے دوران میں باطمینان ادا کر لیتا ہے۔ گو خلافت راشدہ میں صحابہ و تابعین سنت خلفا یعنی بیس رکعت پر ہی عمل پیرا تھے لیکن اس دور کے بعد بعض بزرگ ہستیوں کا ولولۂ عمل بیس سے بھی زیادہ رکعتوں کا مشتاق رہنے لگا چنانچہ یہ حضرات ترویحوں کے دوران میں آرام و استراحت کم بجائے نفلیں پڑھ کر اپنے جذبۂ شوق کو تسکین دینے لگے۔ ان بزرگوں کی نوافل گذاری کی تعداد مختلف تھی۔ ابتدا میں تو خاص خاص شائقین عبادت ہی ترویحوں میں دو دو یا چار چار رکعت نفل ادا فرماتے تھے اور دوسرے لوگ بیٹھ کر تسبیح و ذکر میں مصروف رہتے تھے لیکن اس کے بعد عامۃ المسلمین میں بھی نوافل گزاری کی تحریک ہوئی اور ہر شخص ان میں سرگرم عمل نظر آیا پس جو حضرات ترویحوں میں دو دو رکعت نفل ادا کرتے تھے ان کی نماز وتر کے علاوہ اٹھائیس رکعت بنتی تھی اور جو لوگ وتر کی جماعت سے پہلے تراویح کے اختتام

پر بھی دوگانہ پڑھتے تھے۔ ان کی رکعتیں تیس تک پہنچتی تھیں بعض نفوس ایسے تھے جو ترویحوں میں صرف دو مرتبہ دو دو رکعت پر اکتفا کرتے تھے۔ ان کی نماز تراویح چوبیس رکعت ہوتی تھی اور جو حضرات ہر ترویحہ میں چار چار نفل ادا فرماتے تھے ان کی رکعتیں وتر کے علاوہ چھتیس تک شمار میں آتی تھیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مدت کے بعد بعض مقامات پر وہ نوافل بھی جماعت کے ساتھ پڑھے جانے شروع ہو گئے۔ جو ترویحوں میں منفرداً پڑھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ انجام کار چھتیس رکعتوں کو بھی بعض جگہ اہتمام و التزام کے لحاظ سے وہی حیثیت حاصل ہو گئی جو عہد خلافت میں بیس رکعتوں کی تھی۔ اب یہاں یہ بتایا جاتا ہے کہ بیس سے زائد پڑھنے والے کون کون بزرگ تھے اور ان کی رکعتوں کی تعداد کتنی کتنی تھی؟

عمرو بن مہاجر کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ رمضان میں تیس رکعت پڑھا کرتے تھے۔ ورقا بن ایاس کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ ہمیں رمضان میں پہلی سے بیس تاریخ تک چھ ترویحے (چوبیس رکعت) پڑھایا کرتے تھے لیکن جب آخری عشرہ آتا تو ایک ترویحہ بڑھا دیتے۔ ذکوان حرشی کا بیان ہے کہ زرارہ بن اوفیؒ رمضان میں چھ ترویحے (چوبیس رکعت) پڑھاتے لیکن آخری عشرہ میں سات ترویحے کر دیتے۔ محمد بن سیرینؒ کا بیان ہے کہ معاذ بن حارث انصاریؓ جو خندق کے سال پیدا ہوئے اور ۶۳ھ میں فتنۂ حرہ میں جرعۂ شہادت نوش فرمایا اکتالیس رکعتیں پڑھایا کرتے تھے اور ابن ابی ذئبؒ نے صالحؒ سے روایت کی کہ میں نے اہل مدینہ کو واقعہ حرہ سے پیشتر اکتالیس رکعت پڑھتے پایا ہے اس تعداد میں وتر کی پانچ رکعتیں بھی داخل تھیں اور داؤد بن قیسؒ کا بیان ہے کہ میں نے اہل مدینہ کو ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ کے ایام حکومت میں چھتیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے پایا۔ نافعؒ کہتے ہیں کہ میں نے اہل مدینہ کو جب کبھی دیکھا تو چھتیس رکعت

تراویح اور تین وتر پڑھتے دیکھا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل مدینہ کو انتالیس رکعت پڑھتے دیکھا لیکن میں بیس تراویح کو پسند کرتا ہوں اور عبدالرحمٰن بن اسودؒ لوگوں کو چالیس رکعت تراویح اور (ایک رکعت) وتر پڑھایا کرتے تھے۔ اسحٰق کا بیان ہے کہ ہم چالیس رکعت تراویح کو پسند کرتے ہیں جس میں قرأت بہت ہلکی اور مختصر ہونی چاہئے (قیام اللیل مترجم مطبوعہ لاہور ص ۹۲، ۱۰۹)

معلوم ہوا کہ یہ اسحٰق جن کا ابھی ذکر آیا محمد بن اسحٰق صاحب مغازی کے والد اسحٰق بن یسار ہیں محمد بن اسحٰق کا تذکرہ دسویں فصل میں بالتفصیل گذر چکا ہے۔ اسحٰق بن یسارؒ نے امیر معاویہؓ کو دیکھا تھا اور حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) عروہ بن زبیر وغیرہما سے روایت کی ابن معین نے کہا ثقہ ہیں ابو زرعہ نے بھی ثقہ بتایا اور لکھا ہے کہ اپنے بیٹے محمد بن اسحٰق سے بہت زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں داخل کیا ہے لیکن دار قطنی نے کہا کہ اسحٰق بن یسار حجت نہیں (تہذیب التہذیب جلد اول ص ۲۵۷)

امام ترمذیؒ رقم فرما ہیں۔

واختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرأی بعضهم ان یصلی احدی واربعین رکعة مع الوتر وهو قول اهل المدینة والعمل علی هذا عندهم بالمدینة واکثر اهل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وهکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة وقال احمد روی فی هذا الوان لم یقض فیه بشئ وقال اسحٰق بل نختار احدی واربعین رکعة علی ما روی عن ابی بن کعب (جامع ترمذی ابواب الصوم مطبوعہ مجتبائی ص ۹۹-۱۰۰)

(رکعاتِ تراویح کے متعلق اہل علم میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک وتر سمیت اکتالیس رکعتیں پڑھنی چاہئیں یہی اہل مدینہ کا قول ہے جس پر مدینہ منورہ میں عمل درآمد ہو رہا ہے اور اکثر اہل علم کا مسلک جیسا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے اصحابؓ نے فرمایا بیس رکعت کا ہے اور یہی سفیان ثوری عبداللہ بن مبارک اور شافعی کا قول ہے اور امام شافعی نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس تراویح ہی پڑھتے پایا ہے اور امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ رکعات تراویح کی کئی صورتیں روایت کی گئی ہیں جن میں کوئی تعداد قطعی نہیں ہے اور اسحٰق نے کہا کہ ہم اکتالیس رکعت پسند کرتے ہیں جیسے کہ اُبی بن کعبؓ سے روایت کیا گیا ہے۔

یہاں یہ امر خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ رکعات تراویح کے متعلق مروزی اور ترمذی رحمہما اللہ نے علماء کے جو مذاہب درج کئے ہیں ان میں آٹھ رکعت کا کوئی ذکر نہیں۔ اگر امام مالکؒ کی روایت جس میں آٹھ رکعت تراویح اور تین وتر مذکور ہیں قابل اعتنا ہوتی یا خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ نے واقعی حضرت اُبی بن کعبؓ کو آٹھ تراویح پڑھانے کا حکم دیا ہوتا جیسا کہ مؤطا میں مذکور ہے یا سلف صالح میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت تراویح سے روشناس ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ علماء حق میں سے کسی نہ کسی نے آٹھ تراویح کا مسلک اختیار نہ کیا ہوتا اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ علماء امت میں کوئی بھی آٹھ تراویح کا قائل نہیں یہاں تک کہ خود امام مالکؒ بھی جنہوں نے آٹھ کی روایت کی تخریج کی آٹھ تراویح کے قائل نہ ہوئے بلکہ جماعتِ اہل حدیث کے رکن رکین جناب قاضی شوکانی کو بھی آٹھ تراویح سوجھائی نہ دی۔ تو عقل بالبداہت فیصلہ کرتی ہے کہ آٹھ تراویح کا نرالا مسلک صرف ہندوستان کے اہل حدیث حضرات کی دماغی پیداوار ہے جو علم حدیث میں بصیرت نہ رکھنے کے باعث غلط فہمیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔

بیس رکعت کے بجائے چھتیس یا چھتیس سے زائد تراویح پڑھنے کا جس طرح رواج ہوا اس کی کیفیت اوپر لکھی جا چکی ہے لیکن شیخ جلال الدین سیوطی ؒ نے اہل مدینہ کے چھتیس تراویح پڑھنے کی بنا یہ قرار دی ہے کہ مکہ معظمہ میں بیس رکعت پڑھی جاتی تھی لیکن اہل مکہ دو دو ترویحوں

یعنی ہر آٹھ رکعت کے بعد بیت اللہ کا طواف کرتے اور اس سے فارغ ہو کر دوگانہ نماز پڑھتے تھے۔ البتہ پانچویں ترویحہ یعنی بیسویں رکعت کے بعد طواف نہیں کرتے تھے۔ اہل مدینہ نے ارادہ کیا کہ مکہ والوں کی مشابہت کر کے حصول ثواب میں ان کی مساوات حاصل کریں پس اہل مدینہ نے ہر ترویحہ کے بعد چار چار نفل پڑھنے شروع کئے (مصابیح مترجم مطبوعہ امرتسر ص ۹)

فصل ۹

امام مالک رحمۃ اللہ کا مذہب (۳۶ رکعت)

آئمہ اربعہ میں سے امام مالکؒ تو چھتیس رکعت تراویح کے قائل تھے لیکن ابوحنیفہ، شافعی اور احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب بیس رکعت کا تھا۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کو بے دلیل اس بات پر سخت اصرار ہے کہ امام مالکؒ آٹھ رکعت تراویح کے قائل تھے لیکن یہاں بدلائل ثابت کیا جائیگا کہ امام ممدوح کا مذہب چھتیس رکعت تراویح کا تھا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل بیانات اس دعوے کی قطعی دلیل ہیں۔

(۱) امام ترمذی محدث رحمہ اللہ رقم فرما ہیں۔

واختلف اھل العلم فی قیام رمضان فرای بعضھم ان یصلی احدی واربعین رکعۃ مع الوتر وھو قول اھل المدینۃ والعمل علی ھذا عندھم بالمدینۃ (جامع ترمذی جلد اول ص ۹۹)

(رکعات تراویح کے متعلق اہل علم میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک وتر سمیت اکتالیس رکعت (چھتیس تراویح اور پانچ وتر یا ۳۸ تراویح اور تین وتر یا ۴۰ تراویح اور تین وتر یا چالیس تراویح اور ایک وتر) پڑھی جائیں۔ یہ قول اہل مدینہ (امام مالکؒ وغیرہ) کا ہے اور مدینہ منورہ میں اکتالیس رکعتیں ہی پڑھی جاتی ہیں۔

(۲) امام ابن قدامہ حنبلی المتوفی ۶۲۰ھ رقم فرما ہیں۔

والمختار عند ابی عبد اللہ رحمہ اللہ فیہا عشرون رکعۃ وبہذا قال الثوری وابوحنیفہ والشافعی وقال مالک ستۃ وثلاثون وزعم انہ الامر القدیم وتعلق بفعل اہل المدینۃ۔

(المغنی مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۸۰۲) (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک بیس رکعت کا عمل پسندیدہ ہے ثوری، ابوحنیفہ اور شافعی رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور امام مالک چھتیس رکعت کے قائل ہیں انہوں نے فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ میں قدیم سے چھتیس رکعت پڑھتے چلے آئے ہیں۔ یہ عدد اہل مدینہ کے فعل سے متعلق ہے۔

(۳) سیوطیؒ رقمطراز ہیں

وعن مالک التراویح ست وثلثون رکعۃ غیر الوتر (مصابیح مترجم مطبوعہ امرتسر صفحہ ۹)

(امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ تراویح کی نماز وتر کے علاوہ چھتیس رکعت ہے)

فصل ۱۰

آٹھ رکعت پر اصرار کرنے والا خاطی گنہگار ہے

پہلے بارہا لکھا جا چکا ہے کہ بیس رکعت تراویح خلفاء راشدینؓ کی سنت ہے اور حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت اور سنۃ الخلفاء کو مساوی حیثیت میں رکھا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا

مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرٰی اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

(تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ بڑے اختلاف دیکھے گا ایسی حالت میں میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کا التزام رکھنا اور اسی پر اعتماد کرنا اور اسے ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑ لینا (یعنی انتہائی محافظت کرنا)

لیکن یاد رہے کہ اس حدیث میں سنۃ الخلفاء سے وہ امر مراد ہے جس کی اصل کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں موجود ہو مگر عہد رسالت میں اس کا اجراء و شیوع نہ ہوا ہو اور پھر دورِ خلافت میں کسی خلیفہ نے اس کا اجرا فرما دیا ہو سو وہ فعل بھی درحقیقت خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے لیکن اس لحاظ سے کہ اس کا شیوع ایک یا متعدد خلفاء کے ہاتھوں سے ہوا۔ وہ سنت سنۃ الخلفاء کے نام سے مشہور ہوئی۔ پس سنت خلفاء فی الحقیقت وہی فعل ہے جس کی اصل شارع علیہ السلام کی سنتِ سنیہ میں موجود ہو۔ اسی بناء پر صحابہ کرام ؓ اسی سنۃ الخلفاء کی پیروی کرتے تھے جن کی اصل سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہوتی تھی۔ ورنہ مسترد کر دیتے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے حضرت زید بن ثابت انصاری ؓ کو طلب فرما کر جمع قرآن کے لئے کہا تو انہیں یہ امر بدعت معلوم ہوا اور تعمیل امر سے عذر خواہی کی اور کہا آپ حضرات ایسے فعل پر کیوں اقدام کرتے ہیں۔ جسے شارع علیہ السلام نے نہیں کیا۔ حضرت زید ؓ کو شیخین کا یہ حکم اتنا ناگوار تھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر شیخین مجھ کو پہاڑ کے ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے۔ تو میرے لئے وہ کام اس سے آسان تھا۔ غرض حضرت زید کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ یہاں تک حضرت ابوبکر صدیق ان کو یہ سمجھانے میں کامیاب ہو گئے کہ یہ اقدام بدعت نہیں بلکہ سنت ہے اور حضرت زید ؓ نے تسلیم کر کے اس کام کو شروع کر دیا۔

سالار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات تراویح پڑھا کر اس کی جماعت بخوف فرضیت ترک فرما دی تھی لیکن جب امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوسرے سال اس سنت نبوی کا احیاء فرمانا چاہا اور حضرت اُبی بن کعب ؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو تراویح میں قرآن سنایا کریں۔ تو انہوں نے التزام جماعت سے انکار فرمایا اور کہا کہ آپ ایسا کام کیوں کرتے ہیں جو پہلے سے نہیں چلا آتا ہے۔ حضرت خلافت مآب ؓ نے فرمایا مجھے اس کا

علم ہے لیکن یہ ایک پسندیدہ فعل ہے (کنز العمال جلد ۴ ص ۲۸۴) یہ سُن کر حضرت اُبیؓ مان گئے اور نماز تراویح پڑھانی شروع کر دی۔ غرض جب تک صحابہ کرامؓ کو یقین نہیں ہو جاتا تھا کہ یہ فعل سنت نبوی کے مطابق ہے۔ اُس وقت تک وہ خلفاء کی کسی سنت کے قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ اور میں پہلے ثابت کر آیا ہوں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت تراویح کا امر فرمایا اور حضرت عمرؓ ان دو بزرگوں میں سے ایک ہیں جن کی نسبت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اقتدوا بالذین بعدی ابی بکر و عمر (ان دو کی اقتدا کرو۔ جو میرے بعد صاحب امر ہونگے یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) اور نہ صرف حضرت عمر فاروقؓ نے بلکہ حضرت عثمان اور علی رضی اللہ عنہما نے بھی بیس ہی کا حکم دیا اور خود بھی اسی تعداد پر عمل پیرا رہے اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو آخری تین خلافتوں میں موجود تھے کبھی اس تعداد پر انکار نہ فرمایا بلکہ اسی کو معمول بہا بنائے رکھا۔ تو یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بیس کی تعداد خود حضور پُر نُور سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے محفوظ تھی اور اس پر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر عملدرآمد کیا۔

پس بیس رکعت تراویح بھی ایک ایسا امر ہے جس کی اصل سنتِ نبوی میں موجود تھی۔ اسی وجہ سے تمام صحابہ نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل پیرا رہے اور کسی وقت کسی صحابی نے اس سے اعراض نہ کیا اور نہ اس کو سنت نبوی کے خلاف سمجھا پس ثابت ہوا کہ بیس رکعت تراویح جو خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا متفقہ عمل ہے خود سنت رسول اللہ ہے ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ جو لوگ سنت رسول اللہ سے منہ موڑ کر ایک موہوم چیز یعنی آٹھ رکعت کے آستانہ پر دھونی رمائے بیٹھے ہیں اور یہاں سے ٹلنے اور ہٹنے کا نام نہیں لیتے۔ وہ بلا شبہ قابلِ ملامت اور مبتدع ہیں کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصد دونوں سنتوں کو معمول بہا بنانا تھا آپ نے قطعاً

یہ نہیں فرمایا تھا کہ میری سنت کو لے کر سنتِ خلفاء سے روگردانی کرنا بلکہ آپ نے دونوں سنتوں کے التزام کا ارشاد فرمایا کیونکہ دونوں سنتوں کی حیثیت یکساں ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد کی بحث جمعہ میں فرمایا کہ سنت وہ ہے جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل یا خلفائے راشدین کے قول یا فعل سے ثابت ہو۔ سنت کی اس تعریف کے ماتحت یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا کہ کم سے کم بیس رکعت تراویح سنت ہے۔

”بیس رکعت تراویح سنت موکدہ ہے“

اس سے قطع نظر یہ امر یقینی ہے کہ بیس رکعت پر خلفائے راشدین نے مواظبت فرمائی اور ہر وہ امر جس پر خلفائے راشدین مواظبت فرما رہے ہوں وہ سنت موکدہ ہے پس بیس رکعت جو سنت موکدہ ہے اس کا تارک عند اللہ معتوب اور مستحق ملامت ہے۔ مزید براں علامہ بدر الدین عینی نے بنایہ شرح ہدایہ کی بحث طہارت میں لکھا ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی سیرت مبارکہ کا اتباع باعث اجر و ثواب اور عدم اتباع باعث عذاب اُخروی ہے کیونکہ ہم ان کی اقتداء کے مامور ہیں پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیس رکعت تراویح کا اقتدا واجب ہے اور اس کا تارک عتاب و عذاب اُخروی کا مستحق ہوگا پس جو کوئی بیس تراویح سے اعراض کرے یا اس کے سنت ہونے کا اعتقاد نہ رکھے۔ وہ بلاشبہ بدعتی گنہگار ہے۔ یہ وہ سنت ہے جو ساڑھے تیرہ سو سال سے مشرق سے مغرب تک تمام اہل حق کی مختار اور معمول بہا رہی ہے اور سلف سے خلف تک تمام اکابر دین اس کو مانتے چلے آئے ہیں۔ ایسی سنت کو ترک کرنا اور اس کے خلاف ایک نیا راستہ جو تیرہ سو سال تک کسی کو نہیں سوجھا تھا اختیار کرنا غیر سبیل المومنین کا اتباع کرنا ہے۔

کاش! مولوی محمد ابراہیم صاحب اور اُن کے گم کردگانِ راہ ہم خیال آٹھ رکعت کی بدعت کو چھوڑ کر بیس رکعت کی سنّتِ خلفا، پر جو درحقیقت خود سنّتِ نبوی ہے۔ عمل پیرا ہوں۔ آٹھ رکعت تراویح ایک محدث چیز ہے جس پر سختی سے جمے رہنا سخت مآل نااندیشی اور حرمان نصیبی ہے حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ (رواہ مسلم) (بلاشبہ کلاموں میں سے بہترین کلام کتاب اللہ ہے اور راستوں میں سے بہترین راہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریق ہے اور چیزوں میں سے بدترین چیز وہ ہے جو دین میں نئی نکالی گئی ہو اور ہر بدعت گمراہی ہے۔)

کیا سیالکوٹی صاحب اور ان کے پیرو سیکرٹری صاحب میری عرضداشت کو سمع قبول سے سُنینگے؟

فصل ۱۱

امام ترمذیؒ کے بیان سے "اہل حدیث" کی رُوگردانی

اہل سنت۔ حدیث اور شروح حدیث کی جس کتاب کو بھی اُٹھا کر دیکھو اس سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ ساری ملت اسلامیہ ہمیشہ بیس رکعت کی سنت فاروقی یا اس سے زائد رکعتوں پر عمل پیرا رہی ہے یہی وجہ ہے کہ صحاح ستہ میں آٹھ رکعت تراویح کا کہیں بھولے سے بھی ذکر نہیں۔ البتہ جامع ترمذی میں منقول ہے کہ حضرت عمر فاروق اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہما نے بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ امام ترمذی رقم فرما ہیں۔

واکثر اہل العلم علیٰ مَا رُوِیَ عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃً (ترمذی شریف مطبوعہ مجتبائی جلد اول ص ۹۹ - ۱۰۰)

(حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابہ نے بیس تراویح پڑھنے کا حکم دیا۔ اسی بنا پر اکثر اہل علم بیس ہی کے قائل ہیں)

اب حضرات "اہل حدیث" کا فرض ہے کہ یا تو ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر ترمذی شریف کے اس بیان کو اُسوۂ عمل بنائیں ورنہ اہل حدیث کہلانے سے شرمائیں۔ کیونکہ بصورتِ انکار و اعراض ان پر یہ مصرع صادق آئے گا "برعکس نہند نام زنگی کافور" یعنی اہل حدیث وہ ہے۔ جو حدیث کو نہ مانے۔

اہل حدیث۔ واقعی ہم ترمذی کے اس بیان کو نہیں مانتے کیونکہ امام ترمذی نے کوئی حدیث درج نہیں کی بلکہ محض اپنی تحقیق پیش کر دی ہے۔

اہل سنت بہت سی حدیثیں ضعیف بلکہ موضوع اور بعض مُأوّل یا منسوخ ہوتی ہیں۔ اس لئے اگر کوئی محدث اپنی تحقیق پیش کرے جو روایتوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہوتا ہے تو وہ کسی طرح صحیح روایتوں سے کم قابل اعتماد نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ ایک ایسی چیز ہے جو میزان حق وصدق پر پوری اتر چکی ہے۔

اہل حدیث۔ نہیں۔ ہم نہیں مانتے کیونکہ ترمذی رحمہ اللہ نے یہ نہیں کہا حدثنا فلان عن فلان عن فلان۔

اہل سنت۔ واقعی اس کی تصدیق ہو گئی کہ آج کل کا "اہل حدیث" وہ ہے جو حدیث کا منکر ہو۔ اگر یہی چیز آپ کے مفید مطلب ہوتی اور کوئی حنفی کسی اصل کی بنا پر اس کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا تو آپ لٹھ لے کر اس کے پیچھے پڑ جاتے کہ دیکھو یہ مقلد لوگ محدث

کے بیان کو جھوٹا سمجھتے ہیں لیکن اب آپ ہی ترمذی شریف کو پس پشت ڈال کر حیلہ جو بیاں کر رہے ہیں۔ یہ بڑی شرم کی بات ہے۔

اہل حدیث۔ اگر ہم نے کسی حدیث نبوی کا انکار کیا ہوتا تو طعن و تشنیع بجا تھی۔ ہم تو صرف امام ترمذیؒ کی بات کو مسترد کرتے اور ناقابل وثوق ٹھہراتے ہیں۔

اہل سنت۔ آخر ناقابل وثوق ٹھہرانے کی وجہ کیا ہے؟ کیا امام ترمذیؒ کا علمی پایہ کچھ کمزور ہے؟ کیا وہ تنقید حدیث میں کچھ سست تھے؟

اہل حدیث۔ نہیں مگر ہم ان کی بات نہیں مانتے۔

اہل سنّت۔ سنئے جب کوئی محدّث کوئی بات صیغۂ جزم کے ساتھ بیان کرے مثلاً لکھے کہ فلاں نے یوں کہا یا فلاں نے یہ ذکر کیا تو یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اس محدث کے نزدیک اس کا اسناد ثابت ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی "مصطلحات حدیث" میں لکھتے ہیں:۔

وقد یفرق فیھا بان ما ذکر بصیغۃ الجزم والمعلوم کقولہ قال فلانٌ او ذکر فلانٌ دلّ علی ثبوت اسنادہ عندہ فھو صحیح قطعًا وما ذکرہ بصیغۃ التمریض والمجھول کقیل ویقال وذُکِرَ ففی صحتہ عندہ کلام ولکنہ لما اوردہ فی کتابہ کان لہ اصل ثابت ولھذا قالوا تعلیقات البخاری متصلۃ صحیحۃ۔

(اس میں فرق اس طرح کیا جاتا ہے کہ جو بات جزم اور معلوم کے صیغہ میں بیان کی گئی ہو مثلاً محدث کا یہ قول کہ فلاں نے کہا یا فلاں نے ذکر کیا تو یہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ محدث کے نزدیک اس کا اسناد ثابت ہے پس وہ قطعاً صحیح ہے اور جو بات صیغۂ مجہول یا غیر مطمئن طرز تعبیر میں کہی ہو مثلاً یہ "کہا گیا ہے" یا "کہا جاتا ہے" یا "ذکر کیا گیا ہے" تو اس کی صحت میں محدث کو کلام ہوتا ہے لیکن جب اس نے اس کو اپنی کتاب میں درج کیا تو

تو اس کے نزدیک اس کی اصل بھی ثابت ہے۔ اسی واسطے کہتے ہیں کہ بخاری کی تعلیقات متصل صحیح ہیں)

یہاں امام ترمذیؒ جزم و قطعیت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیس رکعت ثابت ہیں پس کوئی وجہ نہیں کہ آپ اس کی صحت سے انکار کریں۔

اہل حدیث۔ ہم نہیں مانتے۔

اہل سنت۔ نفسانیت اور ہٹ دھرمی کا علاج تو لقمانؒ کے پاس بھی نہیں تھا لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا امام بخاریؒ کی تعلیقات کو صحیح مانتے ہو۔ مثلاً امام بخاری رح رقم فرما ہیں۔

باب ما یقع من النجاسات فی السمن والماء وقال الزھری لاباس بالماء مالم یغیرہ طعمٌ او ریحٌ او لونٌ وقال حماد لاباس بریش المیتۃ وقال الزھری فی عظام الموتیٰ نحو الفیل وغیرہ ادرکتُ ناسًا من سلف العلماء یمتشطونَ بھا ویَدّھِنُون فیھا لایرون بہ باسًا وقال ابن سیرین و ابراھیم لاباس بتجارۃ العاج۔

(باب۔ گھی یا پانی میں کوئی ناپاک چیز پڑ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ زہری نے کہا کہ جب تک مزہ، بُو یا رنگ تبدیل نہ ہو اس پانی میں کوئی خرابی نہیں اور حماد نے کہا کہ مردار کے بال اور پر پاک ہیں اور زہری کا بیان ہے کہ مُردار کی ہڈیوں مثلاً ہاتھی (دانت) وغیرہ کے متعلق میں نے متعدد علماء سلف کو دیکھا کہ اس سے کنگھی کرتے اور ان میں تیل رکھتے تھے اور محمد بن سیرین اور ابراہیم نخعی کا مقولہ ہے کہ ہاتھی دانت کی تجارت میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور اس سے آگے چل کر لکھتے ہیں۔

باب لایجوز الوضوء بالنبیذ ولا بالمسکر وکرھہ الحسن وابو العالیہ وقال عطاء التیمم احب الیّ من الوضوء بالنبیذ واللبنِ۔ (باب۔ نبیذ اور نشہ آور چیز سے

وضو درست نہیں حسنؒ اور ابوالعالیہؒ نے نبیذ سے وضو کرنے کو مکروہ جانا اور عطا بن ابی رباح تابعیؒ نے فرمایا ہے کہ میرے نزدیک نبیذ یا دودھ سے وضو کرنے کی نسبت تیمم کرلینا بہتر ہے۔

ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ نے ان تعلیقات میں کوئی روایت بیان نہیں فرمائی۔ بلکہ محض اپنی تحقیق کی بنا پر تابعینِ عظام کے مذاہب و مسالک درج کردیئے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا آپ امام بخاریؒ کو ان بیانات میں محقق اور صادق و راست گو سمجھتے ہیں یا نہیں ؟

اہل حدیث ۔ سچا یقین کرتے ہیں۔

اہل سنت ۔ تو پھر امام ترمذیؒ کو متذکرہ صدر تعلیق یعنی حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال بلا سند بیان کرنے میں صادق البیان کیوں نہیں جانتے۔ اور بیس رکعت کے ارشادات مرتضوی و فاروقی پر عمل پیرا کیوں نہیں ہوتے ؟

اہل حدیث ۔ (خاموش)

اہل سنت ۔ یہاں سے مبی سیالکوٹی صاحب کے اس بیان کی لغویت عالم آشکارا ہوگئی۔ جو انہوں نے لکھا تھا کہ "یہ دعویٰ کہ بیس رکعت تراویح کا تقرر خلفاء کے حکم یا عمل سے کیا گیا ہے۔ محدثین کے نزدیک پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ (انارۃ المصابیح ص ۲۹)

فصل ۱۲

فرقہ "اہل حدیث" کا خرقِ اجماع اور بیجا استبداد

اہل سنت ۔ ابن حجر ہیثمی مکی کا بیان ہے کہ صحابہ نے اس بات پر اجماع کیا

کہ تراویح بیس رکعت ہے۔ (انارہ المصابیح صفحہ ۱۸)

اہل حدیث۔ زمانہ خلافت میں بیس پر اجماع کا دعویٰ خیالی ہے اس پر دلیل کوئی نہیں۔ (انارۃ المصابیح صفحہ ۱۸)

اہل سنت۔ حضرات قارئین کرام کو ان روایتوں سے جو چوتھی فصل میں حوالہ قرطاس ہوئیں۔ حق الیقین معلوم ہو چکا ہوگا کہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بیس رکعت تراویح کا اجرا فرمایا تھا اور یہ کہ جملہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بیس رکعت ہی پڑھتے تھے اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی نے نہ تو بیس کو چھوڑ کر کسی اور عدد کو معمول بہا بنایا اور نہ کبھی کسی نے اس تعداد کے خلاف احتجاج کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمام صحابہؓ کا اس پر اجماع ہو چکا تھا۔ نور الانوار میں اجماع کے اقسام میں ایک قسم اجماع سکوتی بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔

ورخصۃ وھو ان یتکلم او یفعل البعض دون البعض اے یتفق بعضھم علی قول او فعل وسکت الباقون منھم لا یردون علیھم بعد مضی مدۃ التامل ویسمی ھذا اجماعا سکوتیا وھو مقبول عندنا (نور الانوار ص ۲۱۹)

(اجماع کی ایک قسم رخصت ہے اور اس کی یہ صورت ہے کہ بعض صحابہ کوئی بات کہیں یا کوئی کام کریں اور باقی اس پر سکوت کریں اور کوئی مخالفت د تردید نہ ہو۔ تو اس کا نام اجماع سکوتی رکھا گیا ہے اور یہ ہمارے یہاں مقبول ہے۔

اور اس کی مقبولیت کا باعث یہ ہے کہ خود کسی خلاف سنت فعل کا ارتکاب تو درکنار نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی شخص کو اسوۂ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی کام کرتے دیکھکر خاموش نہیں رہتے تھے۔ کیونکہ نہی عن المنکر کا فرض ادا کرنے کی جگہ مداہنت کرلنے

والے اور خاموشی اختیار کرنے والے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گونگا شیطان قرار دیا ہے۔ صحابہ کرام عاملانِ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ان کی شانِ رفیع سے یہ امر بہت بعید ہے کہ انہوں نے کسی صحابی کو خلاف سنت فعل کرتے دیکھکر سکوت کیا ہو۔ اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان نفوس قدسیہ کو بارگاہ نبوت سے تعداد تراویح کے متعلق قطعی علم حاصل ہو چکا تھا اسی وجہ سے انہوں نے نہ صرف سکوت فرمایا بلکہ خود اس پر عمل پیرا بھی رہے چنانچہ حضرت عطا تابعی" کا یہ بیان چوتھی فصل میں گذر چکا ہے کہ میں نے صحابہ کرام کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے پایا ہے" عطا رحمہ اللہ نے قریباً دوسو صحابہ رض کو دیکھا تھا جن میں بعض سے حدیث کی روایت بھی کی۔

الغرض امیر المومنین عمر اور ان کے جانشین خلفاء رضی اللہ عنہم کا بیس رکعت کا حکم دینا حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ یاد رہے کہ حدیث مرفوع کی دو قسمیں ہیں۔ مرفوع حقیقی و مرفوع حکمی۔ مرفوع حقیقی شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول یا فعل کو کہتے ہیں اور مرفوع حکمی کسی صحابی کا وہ قول و فعل ہے جس میں رائے واجتہاد کو دخل نہ ہو۔ شرح نخبۃ الفکر میں مرفوع حکمی کی مثال یہ لکھی ہے۔

مثال المرفوع من القول حكما لا تصريحا ما يقول الصحابى لم ياخذ عن الاسرائيليات مالا مجال للاجتهاد فيه ومثال المرفوع من الفعل حكما ان يفعل الصحابى مالا مجال للاجتهاد فيه فينزل على ان ذالك عنده عن النبى صلى الله عليه وسلم۔

(شرح نخبۃ الفکر صفحہ ۷۶) (جو صحابی اسرائیلی روایت سے اجتناب کرتا ہو اس کے اس قول یا فعل کو مرفوع حکمی کہتے ہیں جس میں رائے واجتہاد کو دخل نہ ہو اور ایسے صحابی کا وہ فعل حکماً مرفوع ہے جس میں اجتہاد و قیاس کو دخل نہ ہو ایسی حالت میں یہ یقین کیا جائے گا کہ صحابی کو اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

علم وبصیرت حاصل ہے)

اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسی تعداد کو معمول بہا بنانا بھی فعلاً حدیث مرفوع کا حکم رکھتا ہے۔ اسی طرح کسی صحابی کے اختلاف وتردید نہ کرنے سے اجماع صحابہ ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

قد ثبت ان أبیّ بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ فی رمضان و یوتر بثلاث فرای کثیر من العلماء ان ذالک ھو السنۃ لانہ قام بین المھاجرین والانصار و لم ینکرہ منکر۔ (فتاوائے ابن تیمیہ جلد اول ص ۱۸۶)

(یہ امر ثابت شدہ ہے کہ حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ اس لئے اکثر علماء نے بیس رکعت کو ہی سنت نبوی قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ حضرات مہاجرین وانصار کے سامنے بیس رکعت کا قیام کرتے تھے اور کسی نے ان کے فعل پر انکار و اعتراض نہ کیا تھا)

اسی طرح قسطلانی لکھتے ہیں۔

وقد عدوا ما وقع فی زمن عمر رضی اللہ عنہ کالاجماع (اوجز المسالک ص ۳۹۰، التعلیق الممجد ص ۵۲)

(علماء نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کو مثل اجماع قرار دیا ہے)

اور کتاب تحفۃ الاخیار میں ہے۔

ولکن اجمع الصحابۃ علی ان التراویح عشرون رکعۃ۔

(بیس رکعت تراویح پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو چکا ہے)

یہ تصریحات سیالکوٹی صاحب کے اس دعویٰ کی اچھی طرح قلعی کھول دیتی ہیں کہ "بیس پر اجماع کا دعوےٰ خیالی ہے۔" ان واضح بیانات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرات "اہل حدیث" خرق اجماع کے مجرم ہیں اور انہوں نے تمام امت مسلمہ سے علیحدہ ہو کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ

ہی ہے اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ ابن تیمیہ، قاضی شوکانی اور ظاہری المذہب علماء ر
بیس ہی کے قائل تھے۔ تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہو جاتی ہے کہ ہمارے
ستان کے مدعیان عمل بالحدیث صحیح معنیٰ میں غیر مقلد اور پکے آزاد منش ہیں۔

اہل حدیث۔ بیس رکعت پر امت کا اتفاق بتانا غلط ہے۔ کیونکہ اسلاف میں بعض
س یا اکتالیس یا چھتیس رکعتیں بھی پڑھا کرتے تھے۔

اہل سنت۔ بیس سے زائد رکعتیں ہمارے مسلک کے خلاف نہیں کیونکہ جماعت کے
تو عموماً تراویح بیس رکعت ہی پڑھی جاتی تھی۔ البتہ جب لوگ چار چار رکعتوں کے بعد
ی دیر آرام و استراحت کے لیے جس کو ترویحہ کہتے ہیں بیٹھتے تھے تو اس میں بعض شائقین
چار رکعت نفل با جماعت پڑھ لیتے تھے پس ان زائد سولہ رکعتوں کو شمار نہ کیا جائے۔ تو پھر
رکعت تراویح بیس ہی رہ جاتی ہیں اور اگر زائد نوافل کو شمار کیا جائے۔ تو وتر سمیت انتالیس
بر وتر چھتیس بنتی ہیں اور اگر ان دو رکعتوں کو بھی اس گنتی میں شامل کر لیں جو وتر کے بعد
پڑھتے تھے۔ تو مجموعہ اکتالیس رکعت ہو جاتا ہے۔ غرض ان مختلف اعداد میں باہم
تعارض نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ہندوستان کے اس شرذمۂ قلیلہ کے سوا امت مرحومہ
ی بھی بیس رکعت کے خلاف نہیں بلکہ ساری امت کا متفق علیہ عمل ہے۔

کاش مولوی محمد ابراہیم صاحب اور ان کی جماعت "اہل حدیث" کو یہ سمجھنے کی توفیق
ساری امت کی مخالفت اور تمام مقتدایان ملت کے طریق عمل سے سرتابی کبھی مثمر خیر
ہو سکتی۔ ہمارے اہل حدیث دوستوں کو یہ ارشاد ربانی دلیل راہ بنانا چاہیے۔

یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ
مِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا (۴ : ۱۱۵)

(اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھٹ کر چلتا ہے۔ بعد اس کے کہ اس پر ہدایت واضح ہو جاتی ہے اور مومنوں کے سوا دوسری راہ چلتا ہے ہم اس کو وہ دیدیتے ہیں جو وہ لینا چاہتا ہے اور اسے جہنم میں جلاتے ہیں۔ وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔)

اور جماعت اہل حدیث کے شر ذمہ قلیلہ کے لئے یہ حقیقت انتہا درجہ کی ماتم انگیز ہے کہ دنیا کا کوئی امام کوئی مجتہد اور کوئی محدث آٹھ رکعت تراویح کا قائل نہیں۔ چنانچہ محدث ترمذیؒ نے جہاں اکابر سلف کے مذاہب کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہاں آٹھ رکعت تراویح کا کوئی مسلک نہیں بتایا۔ اگر کوئی صحابی، کوئی تابعیؒ، کوئی تبع تابعی، یا دنیا کا کوئی اور امام آٹھ رکعت کا قائل ہوتا۔ تو ترمذی رحمہم اللہ اس کے اظہار میں کبھی بخل سے کام نہ لیتے۔ ترمذیؒ کی تصریح ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔

واختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرأی بعضهم ان یصلی احدی واربعین رکعة مع الوتر وهو قول اهل المدینة والعمل علی هذا عندهم بالمدینة واکثر اهل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وهکذا ادرکت ببلدنا مکة یصلون عشرین رکعة وقال احمد روی فی هذا الوانٌ لم یقض فیه بشیٔ وقال اسحق بل نختار احدی واربعین رکعة علی ماروی عن ابی بن کعب۔

(ترمذی شریف ابواب الصوم مطبوعہ مجتبائی دہلی جلد اول صفحہ ۹۹-۱۰۰)

(قیام رمضان کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ تو بعض حضرات نے یہ مناسب سمجھا کہ اکتالیس رکعتیں وتر سمیت ہوں اور یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور ان کے یہاں مدینہ منورہ میں اس پر عمل بھی ہے۔ اور اکثر اہل علم اسی مسلک پر ہیں جو حضرت علی و عمر وغیرہما دیگر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ بیس رکعتیں

پڑھیں اور یہی سفیانؒ ثوری ابن مبارکؒ اور شافعیؒ کا مسلک ہے اور امام شافعیؒ نے کہا کہ میں نے اپنے شہر مکہ میں اسی طرح سے پایا کہ بیس رکعتیں پڑھتے ہیں اور امام احمد نے فرمایا کہ اس بارے میں طرح طرح سے روایت کی گئی ہے کسی خاص چیز کا فیصلہ نہیں کیا گیا۔ اسحقؒ نے فرمایا کہ ہم اکتالیس رکعتیں پسند کرتے ہیں۔ جیسے کہ ابی بن کعب سے روایت ہے۔ (ترمذی شریف ابواب الصوم مطبوعہ مجتبائی دہلی جلد اول ص ۹۹-۱۰۰)

وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلَی الْاِتْمَامِ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا اَبَدًا اَبَدًا دَائِمًا ۔

خاتمہ

اخیر میں یہ جتلا دینا بھی مناسب ہے کہ اس مجلہ کی تکمیل کے کچھ عرصہ بعد حضرت علامہ مولوی ابو یوسف محمد شریف صاحب خطیب، جامع کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کی طرف سے ان کا رسالہ موسومہ "کتاب التراویح" بھی راقم الحروف کے پاس پہنچ گیا یہی وہ رسالہ ہے جس کے مقابلہ میں مولانا سیالکوٹی نے رسالہ انارۃ المصابیح زیب رقم فرمایا تھا لیکن کتاب التراویح اور انارۃ المصابیح دونوں کا مطالعہ کرنے سے ہر منصف مزاج اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ سیالکوٹی صاحب نے "کتاب التراویح" کے کم از کم اسی فی صدی دلائل وبیانات کو جن کی طرف سے وہ بالکل لاجواب تھے۔ بالکل چھوا تک نہیں ہے اور جن دلائل کے جواب میں کچھ بساط جرات پر قدم رکھا ہے، ان میں بھی بری طرح منہ کی کھائی ہے۔ اس لئے میں سیالکوٹی صاحب کو خلوص دل سے مشورہ دیتا ہوں کہ ان کے لئے مرزائیت کی تردید ہی دینی خدمت کا بہترین مشغلہ ہے۔ علمائے احناف کے منہ لگنا ان کے لئے کسی طرح زیب نہیں دیتا اور نہ یہ ان کے یا کسی دوسرے غیر مقلد مولوی کے بس کا روگ ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

ضروری عرضداشت

(۱)

آج سے تقریباً پندرہ سال قبل ۱۹۴۲ء میں محترم حضرت مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری صاحب نے یہ رسالہ تحریر فرمایا لیکن اس کی اشاعت کی نوبت نہ آسکی۔ اتفاقاً احقر کو مولانا موصوف سے شرف ملاقات حاصل ہوا اور چونکہ "اسلامیہ ٹرسٹ" علمی اور تحقیقی مضامین کی اشاعت اپنا مقصد بنائے ہوئے ہے اس لئے موصوف نے جب اس رسالہ کا تذکرہ فرمایا تو ہم نے درخواست کی کہ یہ ہمیں عنایت فرما دیا جائے۔ ہم اسے طبع کرائیں گے۔ چنانچہ آپ نے بطیب خاطر اسے منظور فرماتے ہوئے رسالہ عنایت فرما دیا۔ جو بحمد اللہ طبع ہو کر ہدیہ ناظرین ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین

(۲)

اسلامیہ ٹرسٹ (وقف) کی آمدنی ادارہ جامعہ مدنیہ (رجسٹرڈ) کے لئے وقف کی گئی ہے جو کہ ایک تعلیمی ادارہ ہے۔ جہاں تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ قرآن پاک۔ تجوید اور تمام علوم دینیہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ قارئین کرام سے استدعا ہے کہ اس ادارہ کو اپنے مصارف خیر میں شمار کرتے ہوئے اس کی زائد سے زائد امداد فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

الداعی الی الخیر

مینجر اسلامیہ ٹرسٹ

گلی سرکی بندان۔ اندرون لوہاری دروازہ۔ لاہور

(مطبوعہ الہلال پرنٹنگ پریس لاہور)

بیس عدد رکعاتِ تراویح کے اثبات میں ایک بلند پایہ محققانہ تصنیف

المسمّٰی

التوضیح



رکعات التراویح

مصنفہ

حضرت علامہ ابوالقاسم رفیق دلاوری صاحب مدظلہم



اسلامیہ ٹرسٹ اندرون لوہاری گیٹ لاہور



دورِ جدید کے ایک عظیم سعودی سکالر کی بہترین تحریر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
صحابہ کرامؓ، آئمہ مجتہدینؒ
محدثینؒ اور علماء امت
کے
نظر میں

نمازِ تراویح

مصنف
فضیلۃ الشیخ حضرت
العلامہ محمد علی الصابونی
استاذ ام القریٰ
یونیورسٹی مکہ مکرمہ سعودی عرب

مترجم
حافظ
محمد اکرم مجددی

نظرثانی
حضرت علامہ حافظ
محمد اشرف مجددی

ناشر
اسلامی کتب خانہ اقبال روڈ سیالکوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب	الھدی النبوی الصحیح فی صلاۃ التراویح
نام مصنف	فضیلۃ الشیخ حضرت العلام محمد علی الصابونی استاذ ام القریٰ یونیورسٹی، مکہ مکرمہ
مترجم	حافظ محمد اکرم مجددی خادم دارالعلوم مجددیہ، مجدد آباد، سیالکوٹ
نظر ثانی	حافظ محمد اشرف مجددی مہتمم مدینۃ العلم جامعہ مجددیہ محلہ نور آباد فتح گڑھ سیالکوٹ
کمپوزنگ	شیروانی کمپیوٹر اینڈ پرنٹرز، مجاہد روڈ سیالکوٹ
طابع	گنج شکر پرنٹرز
ناشر	اسلامی کتب خانہ اقبال روڈ سیالکوٹ
قیمت	

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

میں اپنی اس حقیر کاوش کو اپنے والد ماجد حافظ محمد حسین نقشبندی مرحوم کے ساتھ منسوب کرتا ہوں، جنکی تربیت، توجہ اور دعاؤں سے بندہ کچھ علم دین حاصل کرسکا اور وعظ وتقریر اور تدریس کے ساتھ ساتھ بذریعہ تحریر مسلک حق اہل سنت وجماعت کی اشاعت و ترویج میں حصہ لینے کے قابل ہوا۔

والد مرحوم کے ساتھ انتساب کرنے کے ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ اگر بندہ کا یہ عمل بارگاہ خداوندی میں قبول ہو جائے تو اس کا ثواب مرحوم و مغفور کو پہنچتا رہے۔

محمد اکرم مجددی
۲۳ شعبان المعظم
بروز جمعۃ المبارک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کیلئے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے اور سب سے آخر میں آقائے نامدار مدنی تاجدار حبیب کردگار حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو بھیجا، چونکہ نبوت کا دروازہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر بند ہو گیا تو بعد میں دین کی تبلیغ کا کام آپکی امت کے علمائے ربانین کے سپرد ہو گیا اور یہی لوگ انبیاء کرام کے وارث بھی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اصلاح اور دین اسلام کی ترویج و اشاعت کیلئے سب سے پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کام کیا اور یہ مقام پایا کہ اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم ترجمہ: میرے صحابہ (آسمان کے) ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کسی کی اقتداء اور پیروی کروگے ہدایت پا جاؤ گے، پھر ان حضرات صحابہ میں سے خلفائے راشدین کو یہ مقام ملا کہ آقائے دو جہاں نے ارشاد فرمایا علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تم پر میرا طریقہ اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ لازم ہے، یعنی میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو اپنانا اور اس پر عمل کرنا امت محمدیہ کیلئے بہت ضروری ہے اسی میں کامیابی وکامرانی ہے۔

بعض کام ایسے ہیں جنکو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نہ کیا یا ہمیشہ نہیں کیا صرف چند دن کیا اور خلفائے راشدین علیہم الرضوان نے یا ان میں سے کسی ایک نے اس کام کو ہمیشہ کیلئے جاری کیا اور پورے انتظام وانصرام کے ساتھ اسکو جاری رکھا، جس طریقہ کے ساتھ انہوں نے کوئی کام کیا اسی کے مطابق آج تک جاری ہے۔

واضح رہے کہ وہی گروہ حق پر ہوگا جو خلفائے راشدین کے عمل کو مستقل طور پر اپنانے والا ہوگا، مثلاً قرآن پاک کو ایک کتاب کی صورت میں لکھوانا، نماز تراویح کو دیکھ لیجئے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکو باجماعت صرف تین رات تک ادا فرمایا اور جب صحابہ کرام کا شوق اور ہجوم دیکھا تو پھر نماز تراویح پڑھانا چھوڑ دیا کہ کہیں میری امت پر نماز تراویح فرض نہ ہو جائے۔ پھر حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسکو باقاعدہ طور پر قائم کیا اور علیحدہ علیحدہ نماز تراویح ادا کرنے والوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمع کر دیا اور آپ ہمیشہ صحابہ کرام کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھاتے رہے اور آج تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریباً پچانوے فی صد امت بیس رکعت نماز تراویح ادا کر رہی ہے، اگرچہ بعض لوگ آٹھ رکعت نماز تراویح پڑھتے ہیں جو کہ صحابہ کرام کے عمل کے خلاف ہے اور جمہور امت کی مخالفت ہے۔

جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت نماز تراویح کا انتظام اور اہتمام کیا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیس رکعت نماز تراویح کی جماعت کرواتے رہے تو اس دوران کسی صحابی نے اختلاف نہیں کیا اور نہ مذکورہ تعداد کا انکار کیا۔

ہمارے برصغیر پاک وہند میں یہ وبا ہے کہ معمولی معمولی مسائل پر اختلاف، جھگڑا اور مناظرے ہو رہے ہیں اور قوم کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا جا رہا ہے اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ یہاں انگریز جو مسلمانوں کا دشمن ہے وہ کچھ دیر حکومت کر کے انکو لڑنے جھگڑنے اور گروہ گروہ بننے کا سبق دے گیا ہے، حالانکہ عرب ممالک میں بھی اختلاف موجود ہے، اور چاروں اماموں کے مقلدین اور غیر مقلدین (سلفی) موجود ہیں لیکن وہاں یہ لڑائی نہیں ہے، ہر کوئی اپنے مسلک کے مطابق کام کر رہا ہے، اور دوسرے کو تنقید کے تیر نہیں مارتا، ایران کو دیکھ لو وہاں شیعہ سنی اکٹھے رہتے ہیں ہمارے ملک کی طرح وہاں آپس میں جنگ نہیں ہے۔

برصغیر پاک وہند میں نماز تراویح کی تعداد، امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا اور نہ پڑھنا، آمین آہستہ یا بلند کہنا، رفع یدین کرنا اور نہ کرنا، ان تمام کاموں اور ایسے

ہی دیگر کئی معاملات میں سخت جھگڑا ہے، لیکن عرب ممالک میں ان مسائل پر کوئی جھگڑا نہیں ہے، حرمین شریفین کو دیکھ لیجئے، وہاں چاروں ائمہ کرام کے مقلدین اپنے اپنے طریقہ پر نماز پڑھتے ہیں لیکن کوئی دوسرا اسے یہ نہیں کہتا کہ تونے غلط طریقہ سے نماز پڑھی ہے، تیری نماز نہیں ہوئی۔

زیر نظر کتاب " الھدی النبوی الصحیح فی صلاۃ التراویح " کے مصنف فضیلہ الشیخ حضرت العلام مولانا محمد علی الصابونی ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ نے اپنی اس کتاب میں مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ یہ وقت سنت اور بدعت کے جھگڑے کا نہیں ہے، بلکہ اس وقت قوم کو اکٹھا کرنے اور متفق و متحد رکھنے کی ضرورت ہے، اولیٰ اور غیر اولیٰ کی بحثوں میں پڑنے کی بجائے ملحد و بے دین کمیونسٹوں سے مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ مسلمان آپس میں معمولی معمولی مسائل پر لڑ لڑ کر اپنی طاقت کمزور کرتے رہیں، اور فرقہ بندی اور گروہ بندی میں پڑ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔

یہ بہت نازک وقت ہے، وقت کی نزاکت کا لحاظ رکھتے ہوئے اختلافات کو چھوڑ کر بے دینوں اور اسلام کے دشمنوں کے خلاف جہاد کیجئے۔

اس حقیر نے اس کتاب کو نوجوان نسل کیلئے بہت بہتر اور مفید پایا تو اپنے کرم فرما حاجی محمد صدیق صاحب موضع بھڈال ضلع سیالکوٹ کے ایماء پر اس کتاب کا ترجمہ شروع کیا، اگرچہ بندہ کو اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کے پیش نظر یہ کام مشکل نظر آیا، کہ من آنم کہ من دانم

حاجی صاحب کے اصرار پر یہ کام شروع کردیا یہ کتاب بھی حاجی صاحب موصوف مکہ مکرمہ سے لیکر آئے اور بندہ کو عطا کی، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ترجمہ پایا تکمیل تک پہنچا

بندہ نے ترجمہ کیا اور اپنے برادر بزرگوار اور استاذ محترم حضرت علامہ حافظ محمد اشرف صاحب مجددی صاحب کو نظر ثانی کیلئے گذارش کی تو آپ نے انتہائی مصروفیت کے باوجود اپنا قیمتی وقت صرف کرکے ترجمہ پر نظر ثانی فرمائی اور مفید مشوروں سے نوازا اور کتاب چھپوانے میں تعاون فرمایا، بندہ اگر برادر بزرگوار کا

شکریہ نہ ادا کرے تو بہت غیر مناسب ہوگا۔ قارئین کرام کو ترجمہ میں جہاں کہیں کوئی خوبی نظر آئے تو حضرت العلام قبلہ حافظ محمد اشرف مجددی صاحب کی راہنمائی تصور کریں، اور جہاں خامی نظر آئے تو راقم السطور کی کم مائیگی اور بے بضاعتی پر محمول کریں اور بندہ کو مطلع ضرور فرمائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں درست کرسکے۔

محترمی شہباز اللہ خان شیروانی کمپیوٹر کمپوزر پروپرائیٹر شیروانی کمپیوٹرز اینڈ پرنٹرز مجاہد روڈ اشرف پلازہ، سیالکوٹ اور جناب قاری نذیر احمد نقشبندی موہڑوی صاحب پروپرائیٹر دانش آرٹس کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ انہوں نے کمپوزنگ اور دوسرے معاملات میں تعاون فرمایا اور کتاب کو جلد از جلد لانے میں بندہ کی مدد کی۔

آخر میں دعا ہے کہ مولا کریم قارئین کو پڑھ کر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

مولا کریم اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر بندہ کیلئے

ذریعہ نجات بنائے

حافظ محمد اکرم مجددی

خادم دار العلوم مجددیہ مجدد آباد

ضلع سیالکوٹ

نوٹ: حاشیہ کے نمبر کتاب میں دیدیئے ہیں حواشی آخر میں دیکھ لیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآنی ہدایات

اللہ تعالیٰ اپنی معزز کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ایاما معدودات (البقرہ آیت ۱۸۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! فرض کئے گئے ہیں تم پر روزے جیسے فرض کئے گئے تھے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے کہ کہیں تم پرہیزگار بن جاؤ، یہ گنتی کے چند روز ہیں

۲۔ اللہ تعالیٰ اپنی اتاری ہوئی محکم کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینت من الھدی والفرقان، فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ (البقرہ آیت ۱۸۵)

ترجمہ: ماہ رمضان المبارک جس میں اتارا گیا قرآن اس حال میں کہ یہ راہ حق دکھاتا ہے اور اس میں روشن دلیلیں ہیں ھدایت کی اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی، سو جو کوئی پاوے تم میں سے اس مہینہ کو وہ یہ مہینہ روزے رکھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صحابہ کرام کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

کانوا قلیلا من الیل ما یھجعون وبالاسحارھم یستغفرون (الذاریات آیت نمبر ۱۷)

ترجمہ: یہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت (اپنی خطاؤں) کی بخشش طلب کرتے تھے۔

ارشادات نبوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا

من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفرلہ ماتقدم من ذنبہ (راوہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: جس نے رمضان المبارک میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے قیام کیا اس کے گذشتہ گناہ بخش دئے گئے۔

۲۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا آپ پر اللہ کی رحمتیں اور سلام نازل ہو۔

ان اللہ فرض علیکم صیام رمضان و سننت لکم قیامہ، فمن صامہ و قامہ ایمانا واحتسابا غفرلہ ماتقدم من ذنبہ (رواہ اصحاب السنن)

بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کئے اور میں نے تمہارے لئے اس کا قیام مسنون کردیا، پس جس کسی نے اس (رمضان) کا روزہ رکھا اور ایمان رکھتے ہوئے اور ثواب کی نیت سے اسکا قیام کیا اس کے گذشتہ گناہ بخش دیئے گئے۔

(ایماناً) اللہ کے وعدہ کی تصدیق کرتے ہوئے اور اللہ کریم کے پاکیزہ فریضہ کا اعتقاد رکھتے ہوئے۔

(احتسابا) اللہ کی بارگاہ سے اجر و ثواب طلب کرتے ہوئے۔ نہ کہ دنیاوی غرض کیوجہ سے۔

۳۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اتاکم رمضان شھر برکۃ، یغشاکم اللہ فیہ فیحط فیہ الخطایا، ویستجیب فیہ الدعاء ینظر اللہ تعالیٰ الی تنافسکم فیہ، ویبا می بکم الملائکۃ فاروا اللہ من انفسکم خیرا، فان الشقی من حرم فیہ رحمۃ اللہ عزوجل (رواہ النسائی)

ترجمہ: تم پر رمضان آیا جو بڑی برکت والا مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ اس میں تمہیں اپنی رحمت میں ڈھانپ لیتے ہیں، اور اس میں خطاؤں کو معاف فرما دیتے ہیں، اور اس میں دعا قبول فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے تنافس یعنی نیک کام میں آگے بڑھنے کو دیکھتے ہیں اور تمہارے بارے ملائکہ سے فخر کرتے ہیں پس اللہ تعالیٰ کو اپنی طرف سے نیکی دکھاؤ، بدنصیب وہ شخص ہے جو اس مہینہ میں بھی اللہ بزرگ و برتر کی رحمت سے محروم رہ جائے۔

(تنافسکم) نیک کام اور اطاعت و فرمانبرداری میں تمہارا آگے بڑھنا۔

دعا

اے اللہ ہمیں اخلاص نیت، بات میں سچائی، برائی سے دوری عطا فرما، اور ہمیں نفسانی خواہشات کی پیروی سے محفوظ فرما، ہمیں فتنوں کی گمراہیوں سے بچا.
اے رب العالمین ہمارا خاتمہ بہتری اور سعادت کے ساتھ فرما.

دعائے ماثورہ

اللھم انی اعوذ بک من منکرات الاخلاق والاعمال والاھواء
اے اللہ! میں اخلاق، اعمال اور نفسانی خواہشات کی برائی سے تیری پناہ میں آتا ہوں.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمد اللہ تبارک و تعالیٰ ونصلی علیٰ صفوۃ خلقہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، الداعی الی اللہ بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وعلیٰ آلہ واصحابہ والتابعین لھم باحسان الی یوم الدین

حمد و صلوۃ کے بعد قیام رمضان یعنی نماز تراویح کے بارے میں یہ ایک چھوٹا سا بہت فائدہ مند رسالہ ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ، سچائی اور حق کو اپنی حقیقت کی طرف پھیر دے گا، یعنی حق کو واضح کردے گا، اور حجت اور دلیل کے ساتھ ان لوگوں کے فاسد خیالات اور شبہات کو دور کردیگا جو خیال کرتے ہیں کہ قیام رمضان بیس رکعت نماز (تراویح) دین میں بدعت پیدا کی گئی ہے، اور وہ گیارہ رکعتوں پر اکتفا کرکے سنت مطہرہ کو زندہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں انہوں نے نہ جانا کہ وہ اپنے اس عمل کیوجہ سے حق سے ہٹ رہے ہیں اور سنت کی مخالفت کر رہے ہیں اور اس امت کے سلف صالحین اور اخلاف (متاخرین علماء) پر جہالت اور گمراہی کا عیب لگا رہے ہیں بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے سکوت اور خاموشی کو برائی کیطرف اور انکے اجماع کو ایسی بدعت کیطرف منسوب کرتے ہیں جو سنت مطہرہ کے مخالف ہے، حالانکہ اس کا حکم عمر (فاروق) رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاکیزہ اور نیک صحابہ کرام نے اس کو جاری رکھا ہے. (یہ لوگ) اس عمل کیساتھ (لوگوں) کی سوچوں میں گڑبڑ پیدا کر رہے ہیں اور مسلمانوں میں تفریق ڈال رہے ہیں انکے اجتماع کو جدا جدا کرنے کے باوجود وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ کوئی بڑا عمدہ کام کر رہے ہیں.
میں نے اس رسالہ کو مندرجہ ذیل طریقہ کے مطابق مرتب کیا ہے.

۱. بحث کا ابتدائیہ
۲. نماز تراویح کا حکم اور اسکی فضیلت
۳. سب سے پہلے جس نے نماز تراویح ادا کی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

۴. اس نماز کا نام نماز تراویح کیوں رکھا گیا
۵. تراویح کی رکعات کی تعداد اور اس میں علماء کے اقوال
۶. اس کا ثبوت کہ بیس رکعت تراویح ادا کرنا سنت ہے
۷. حرمین شریفین ہمارے مرکز اور مقتدا ہیں
۸. شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا فتویٰ جو ان شکوک و شبہات کا رد کرتا ہے
۹. فاروق اعظمؓ کے عمل کو مضبوطی سے تھامنا سنت رسولؐ کو مضبوطی سے تھامنا ہے
۱۰. نوجوانوں کو میری نصیحت اور بحث کا خاتمہ

میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمیں فتنوں کی گمراہیوں سے بچائے اور ہمیں نفسانی خواہشات کی پیروی سے محفوظ رکھے، اور ہمیں خلوص نیت عطا فرمائے. ہمیں شہرت اور خودنمائی کی محبت سے دور رکھے، بیشک وہ سننے والا اور دعا قبول کرنے والا ہے.

بحث کا ابتدائیہ

مسلمانوں پر کئی صدیاں اور طویل زمانہ گزر گیا اور وہ خیریت کیساتھ بھائی بھائی رہے، ایک دوسرے سے محبت کرتے اور آپس میں تعاون کرتے رہے. رمضان میں نماز تراویح پڑھتے رہے اور ان میں الفت، محبت اور اتفاق ہی رہا، اسلام نے انکو اپنی آسان تعلیمات اور بنیادی ہدایات میں جمع رکھا، کسی چیز نے ان کی صفائی اور نظافت کو مکدر نہ کیا، یا انکی جماعت میں اختلاف نہ ڈالا، رمضان ہو یا غیر رمضان، کیونکہ قرآن اور رحمان کی اطاعت وفرمانبرداری ہی میں مصروف رہے.

پھر یہ فکری جمود اور علمی ترقی میں رکاوٹ کا دور آگیا کہ مسلمانوں نے کسی ایسی چیز کو نہ پایا، جس سے بامقصد اور اہم کام کیطرف اپنے آپ کو لے جائیں سوائے فروعی مسائل میں مشغول ہونے اور بنیادی اصولوں کو ترک کرنے کے حالانکہ انکی زیادہ توجہ ایسے امور کیطرف ہونی چاہیئے تھی جو زیادہ اہم اور ضروری

تھے، اور ان میں فروعات (چھوٹے مسائل) کیوجہ سے اختلاف چل نکلا جو مسلمانوں کے پیچھے رہ جانے کا ایک سبب بن گیا اور انسانی تہذیب وترقی کی راہ پر گامزن ہونے کی بجائے مسلمانوں کو پیچھے دھکیل دیا، حالانکہ یہ لوگ تہذیب وتمدن میں قائد اور راہنما تھے.

تعجب یہ ہے کہ جو اس بوجھ کو یعنی اسلام کے درست طریقہ سے انحراف کا بار اٹھا رہے ہیں وہ عام لوگ نہیں بلکہ خاص لوگ ہیں جو امت کی سرداری کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں اور جنکو صاحب علم تصور کیا جاتا ہے، اور دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ سلف صالحین کی سنت کو زندہ کرنا چاہتے ہیں اور یہ زعم رکھتے ہیں کہ وہ بڑے محقق ہیں اور علم کے اس بلند درجے پر فائز ہیں کہ جس پر عصر حاضر کے اکثر علماء نہیں پہنچے، بلکہ کبھی کبھی بعض علماء کے مقابلہ میں غرور کرنے لگتے ہیں یہاںتک کہ ان کے بارے خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ائمہ مجتہدین کے درجے پر پہنچ چکے ہیں پھر مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کیلئے سلف صالحین اور جمہور علماء کے مذہب ومسلک کے خلاف عجیب عجیب آراء اور تعجب خیز مسائل پیش کرتے ہیں، کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

یا علماء العصر یا ملح البلد
مایصلح الملح اذا الملح فسد

ترجمہ: اے زمانے کے علماء اے ملک کے صاحب علم حضرات! جب علماء ہی بگڑ جائیں تو ان کی اصلاح کون کریگا.

وہ دین جو دلوں کو جوڑتا ہے، صفوں میں اتحاد پیدا کرتا ہے، اور اخوت اسلامیہ کے ستونوں کو مضبوط بناتا ہے آج کل وہی دین جہالت، نفسانی خواہشات کے غلبے، جھگڑے، مغالطے، فرقہ بندی اور نزاع کا سبب بنا ہوا ہے، اور اس اخوت ایمانی کے عہد کو پارہ پارہ کرنے کی دعوت دیتا ہے، جس اخوت ایمانی سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے اتحاد کو قائم رکھا ہے. (ارشاد ربانی ہے کہ)

انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم

ترجمہ: بے شک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں، پس صلح کرادو اپنے دو بھائیوں کے درمیان

وائے ناکامی! شہرت پسند شیوخ کی تقلید کرتے ہوئے اور اندھے تعصب کے مختلف خیالات کیوجہ سے مسلمان دور حاضر کے لتنے افسوسناک، غمناک اور دردناک حالات میں مبتلا ہوگئے ہیں، وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم اس مصیبت زدہ دور میں اجتہاد کے اہل ہیں، مسلمانوں کے درمیان عداوت اور فرقہ بندی کی آگ بھڑکاتے ہیں اور معمولی معمولی معاملات میں فتنوں کو اٹھاتے ہیں، جیسے تسبیح پر شمار کرنا، نماز میں دونوں ہاتھ چھوڑنا یا باندھنا، نماز تراویح، عالم کے ہاتھ کو بوسہ دینا، آنے والے مہمان کیلئے کھڑا ہونا، جماعت بن کر اللہ کا ذکر کرنا، اور قاری کا تلاوت کرنے کے بعد "صدق اللہ العظیم" کہنا، اسی طرح کے اور کام بھی ہیں، جن میں جھگڑے اور مناظرے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ دین اسلام ایسے امور میں وسعت اور آسانی رکھتا ہے، لہذا حرام وحلال کے احکام کو چھوڑ کر افضل اور غیر افضل کے دائرے میں اپنی دوڑ کو محدود نہ کرو. ان جزئی اور فروعی مسائل کو ان لوگوں نے ان بڑے بڑے اصولی مسائل کی جگہ رکھدیا ہے جنکا اہتمام کرنا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے، مثلا عقیدہ کے مسائل، کلمہ اسلام کی بنیاد پر وحدت قائم رکھنا، تباہ کن تحریکوں، دعوت دین کے نام پر دین کے خلاف کام کرنے والی تنظیموں، الحاد و بے دینی کے تیر برسانے والی انجمنوں کے مقابلہ کیلئے صف بستہ رہنا، اور اس اخلاقی بگاڑ کی اصلاح کرنا جو نوجوان مردوں اور عورتوں میں تیزی سے پھیل رہا ہے.

گویا مسلمان آج اس کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں کہ کون ہے جو انکو پارہ پارہ کرے اور انکے اجتماع کو بکھیر دے، جبکہ استعماری دشمن نے انکو پہلے ہی جدا جدا کر رکھا ہے، اور انکو چھوٹے چھوٹے گروہ اور ٹولے بنا دیا ہے، (ارشاد ربانی)

کل حزب بما لدیھم فرحون

ترجمہ: ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اسی پر خوش ہے.

اور اس سے بڑھ کر شکست کھانے اور مغلوب ہونیکی بات یہ ہے کہ قطع تعلقی آپس میں دشمنی، جھگڑا اور اختلاف جسمیں مسلمان آج مبتلا ہیں اسکو دینی غیرت کا نام دیکر احیائے سنت کے نام سے کبھی سلف صالحین کے نام سے اور کبھی کسی اور طریقہ سے پیش کرتے ہیں حالانکہ اسلاف اس سے بری اور آزاد تھے

اور یہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ بڑا خبیث قسم کا دھوکا ہے جنگی تدبیریں دشمن لوگ مسلمانوں کیلئے کر رہے ہیں تاکہ بڑے بڑے کاموں سے ہٹا کر انکو چھوٹے چھوٹے کاموں میں مشغول کردیں اور انکی اپنی لڑائی کو سخت کر کے انکے اتحاد کو پارہ پارہ کردیں، اور انکی جماعت کو فرقہ فرقہ بنا دیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات بینات میں مسلمانوں کو اس سے ڈرایا ہے، پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا

ترجمہ: اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی سب مل کر اور جدا جدا نہ ہونا اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی جبکہ تم تھے (آپس میں) دشمن، پس اس نے الفت پیدا کردی تمہارے دلوں میں تو بن گئے تم اسکے احسان کے بدلے بھائی بھائی.

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو بہت عظمت والا ہے

ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاء ھم البینت واؤلئک لھم عذاب عظیم!

ترجمہ: اور نہ ہو جانا ان لوگوں کی طرح جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور اختلاف کرنے لگے تھے اس کے بعد بھی جب آچکیں تھیں ان کے پاس روشن نشانیاں اور ان لوگوں کیلئے عذاب ہے بہت بڑا

اگر یہ سلفی بننے والے مسلمانوں کو اس حال میں چھوڑ دیں تو انکا کیا نقصان ہے کہ وہ آٹھ رکعت یا بیس رکعت پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہاتھ سے شمار کریں یا تسبیح سے اور اللہ کا ذکر علیحدہ علیحدہ کریں یا جماعت سے کریں، اگر ان کا مقصد دین کی خدمت ہے تو اپنی کوششیں ملحدوں، بے دینوں اور کیمونسٹوں کے مقابلہ کیلئے وقف کردیں، بجائے اس کے کہ وہ اپنا مقصد عبادت گذار نمازیوں کا مقابلہ کرنا بنالیں، انکو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد یاد کرنا چاہیئے جو ہادی اور امین ہیں

ان ھذا الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ

ترجمہ: بے شک یہ دین آسان ہے اور مقابلہ کرکے دین پر کوئی غالب نہیں آسکے گا

مگر دین ہی اس پر غالب آئیگا

اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ

بشروا ولا تنفروا، ویسروا ولا تعسروا

خوشخبری سناؤ (دین سے) نفرت نہ دلاؤ اور (دین کو) آسان کرو مشکل نہ بناؤ

اے اللہ! ہمارے دلوں میں ہدایت القا کردے اور ہمیں نفسانی خواہشات کی اتباع سے محفوظ فرما، اور ہمیں فتنوں کی گمراہیوں سے بچا، اے تمام جہانوں کے پالنے والے (آمین)

ہم چاہتے ہیں کہ اب اپنا مقصد یعنی نماز تراویح کے بارے نبوت کی ہدایت کا بیان شروع کریں، پس ہم کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مدد اور توفیق مانگتے ہیں۔

نماز تراویح

نماز تراویح کا حکم اور اس کی فضیلت

نماز تراویح! یہ وہ نماز ہے جو رمضان المعظم کے مہینے کی راتوں میں نماز عشاء کے بعد اور وتروں سے پہلے ادا کی جاتی ہے۔

یہ نماز مردوں اور عورتوں کیلئے سنت ہے، اس سنت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لگاتار ادا کیا اور لوگوں کو اس کے ادا کرنے کی رغبت دلائی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صحابہ کرام اور تابعین (حضرات) نے ان کو ہمیشہ ادا کیا، یہ رمضان المبارک کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، مسلمانوں کے دلوں میں اسکی بہت عظمت و شان ہے، رب العالمین کے ہاں اسکی بڑی قدر و منزلت اور فضیلت ہے۔

صحیح حدیث میں ہے جس کو امام بخاری نے بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:۔

من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ماتقدم من ذنبہ

ترجمہ: جس نے رمضان میں ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے قیام کیا اسکے گذشتہ گناہ بخش دیئے گئے

حدیث شریف کا معنیٰ یہ ہے کہ جس نے رمضان المبارک کی راتیں نماز، ذکر اور تلاوت قرآن کے ساتھ اور ایمان رکھتے ہوئے اور اس سے اجر و ثواب چاہتے ہوئے گذاریں، اللہ تعالیٰ اسکے گذشتہ صغیرے کبیرے گناہ بخش دے گا، لیکن کبیرے گناہ کیلئے بڑی پکی توبہ کی ضرورت ہے، جیسا کہ بہت سے فقہاء نے اس کی وضاحت کی ہے۔

سب سے پہلے نماز تراویح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی

ابن قدامہ نے اپنی جامع کتاب المغنی میں کہا ہے کہ جس کی عبارت یہ ہے :۔

وھی سنة موکدة واول من سنھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: یہ (نماز تراویح) سنت مؤکدہ ہے اور اس کو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری فرمایا ہے۔

(ا) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے قیام کے متعلق رغبت دلاتے تھے بغیر اس کے کہ ان کو حکم دیکر لازمی قرار دیتے۔

پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :۔

من قام رمضان ایماناً واحتسابا غفرلہ ماتقدم من ذنبہ (رواہ مسلم)

ترجمہ: جس نے رمضان میں قیام کیا اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور ثواب کی نیت رکھتے ہوئے تو اسکے گزشتہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ (مسلم شریف)

(ب) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز ادا فرمائی تو آپکے ساتھ لوگوں نے بھی نماز پڑھی، پھر آئندہ رات نماز پڑھائی تو لوگ زیادہ ہوگئے، تیسری یا چوتھی رات اور زیادہ لوگ جمع ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکی طرف نہ نکلے پھر جب صبح ہوئی تو فرمایا:۔

قد رأیت الذی صنعتم فلم یمنعنی من الخروج الیکم الا انی خشیت ان تفرض علیکم ۳

ترجمہ: میں نے دیکھا جو تم نے کیا، پس مجھے تمہاری طرف نکلنے سے صرف اس بات نے روکا کہ تم پر (یہ نماز) فرض کردی جائے گی۔

(ج) وعن ابی ھریرة قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا الناس فی رمضان یصلون فی ناحیة المسجد، فقال ! ماھؤلاء ، قیل ھؤلاء ناس لیس معھم قرآن، وابی بن کعب یصلی بھم ، وھم یصلون صلاتہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصابوا ونعم ماصنعوا (راوہ ابو داؤد) ۴

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلے گیا۔ دیکھتے ہیں کہ لوگ رمضان میں مسجد کی ایک طرف نماز پڑھ رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا؟ عرض کیا گیا یہ وہ لوگ ہیں جنکو قرآن یاد نہیں ہے اور حضرت ابی بن کعب انکو نماز پڑھا رہے ہیں، اور وہ انکے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انہوں نے جو کیا بہت اچھا کیا (ابو داؤد شریف)

نماز تراویح کی نسبت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف کی گئی ہے کیونکہ انہوں نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ جمع کیا اور وہ انکو نماز پڑھاتے رہے۔

(امام) بخاری نے عبدالرحمان بن عبدالقاری سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ میں رمضان کی رات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا، کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ گروہ گروہ بن کر علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ رہے تھے، ایک آدمی اکیلے نماز پڑھتا ہے، اور ایک آدمی نماز پڑھتا ہے، اور اس کے ساتھ ایک گروہ نماز پڑھ رہا ہے۔ حضرت عمر (فاروق) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ اگر میں انکو ایک قاری کے ساتھ جمع کردوں تو بہتر ہوگا، یعنی افضل اور نیکی کے زیادہ قریب ہوگا، پھر آپ نے پختہ ارادہ فرمایا اور ان کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں جمع کردیا۔

عبدالرحمان بن عبدالقاری نے کہا پھر میں ایک رات فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کیساتھ باہر نکلا، جبکہ لوگ مسجد میں اپنے قاری کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں تو عمر (فاروق) رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ :۔

نعمت البدعة ھذہ ۵

ترجمہ: یہ اچھی بدعت ہے۔

نیز فرمایا کہ جو سو گئے ہیں وہ قیام کرنے والوں سے افضل ہیں، اس سے آپکی مراد رات کے آخری حصہ میں قیام کرنے والے ہیں جو رات کے پہلے حصے میں سو جاتے تھے، (اور رات کے پچھلے حصے میں نماز تراویح پڑھتے تھے) اور اکثر لوگ رات کے اول حصے میں قیام کرتے تھے، اسکو امام بخاری نے بیان کیا۔ ۶

ان احادیث مبارکہ صحیحہ سے ہمیں اچھی طرح واضح اور روشن ہو جاتا ہے کہ سب سے پہلے ہمارے آقا رسول خدا نبی آخرالزمان تاجدار انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین یا چار رات نماز پڑھائی پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام پر شفقت اور رحمت فرماتے ہوئے مسجد میں انکے پاس تشریف نہیں لائے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر تراویح فرض ہوجانے کا خوف کیا، یعنی اگر میں مسلسل پڑھاتا رہا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھتے رہے تو امت پر کہیں نماز تراویح فرض نہ ہوجائے۔

اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جس کو امام بخاریؒ اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج فی جوف اللیل وذلک فی رمضان

ترجمہ: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے درمیانی حصے میں باہر تشریف لائے اور یہ رمضان کا واقعہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز پڑھی تو آپ کے ساتھ بہت سے لوگوں نے نماز پڑھی، لوگ اس بارے ایک دوسرے سے گفتگو کرنے لگے تو پہلے سے زیادہ لوگ جمع ہوگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رات باہر تشریف لائے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، لوگ اس بارے (آپس میں) ذکر کرتے رہے، پس تیسری رات مسجد میں بہت زیادہ لوگ جمع ہوگئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، جب چوتھی رات ہوئی تو مسجد، مسجد والوں سے عاجز آگئی، یعنی لوگ اس قدر آگئے کہ مسجد میں لوگ نہ سماتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس باہر (نماز پڑھانے کیلئے تشریف نہ لائے، لوگ الصلوۃ الصلوۃ (نماز۔ نماز) کہنے لگے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کیطرف تشریف نہ لائے، یہانتک کہ آپ فجر کی نماز کیلئے باہر تشریف لائے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوگئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے پھر توحید ورسالت کی گواہی کے بعد ارشاد فرمایا۔

امابعد فانہ لم یخف علی شانکم اللیلۃ ، لکننی خشیت ان تفرض

علیکم صلوۃ اللیل فتعجزوا عنھا ؛

ترجمہ: تمہاری رات کی حالت مجھ پر پوشیدہ نہیں تھی لیکن میں ڈر گیا تھا کہ تم پر رات کی نماز (تراویح) فرض ہو جائیگی، پس تم اس کے ادا کرنے سے عاجز آجاؤ گے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ

فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والامر علی ذالک

ترجمہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دار فانی سے رحلت فرماگئے اور معاملہ اسی طرح رہا۔

نماز تراویح کی وجہ تسمیہ

قیام رمضان کی نماز کا نام تراویح رکھا گیا ہے کیونکہ وہ بہت رکعتوں والی ایک لمبی نماز ہے، نمازی اس میں ہرچار رکعت کے بعد آرام کرتے ہیں پھر اسی طرح نماز پڑھتے رہتے ہیں، پس اس لئے اس کا نام نماز تراویح رکھا گیا ہے۔

ابن منظور نے لسان العرب میں کہا ہے کہ

" تراویح " ترویحہ کی جمع ہے اور اسکا معنیٰ ایک دفعہ آرام کرنا ہے جیسے سلام سے تسلیمۃ ایک دفعہ سلام کرنا، اور ترویحہ رمضان کے مہینہ میں آرام کرنا ہے۔ اس کا نام لوگوں کے ہرچار رکعت کے بعد آرام کرنے کیوجہ سے رکھا گیا ہے، پھر ابن منظور نے کہا راحت " آرام " تعب (تھکاوٹ) کی ضد ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ

ارحنا یا بلال

ترجمہ: اے بلال ہمیں راحت پہنچایئے

یعنی نماز کیلئے آذان دیجئے، ہم اسے ادا کرکے آرام پائیں گے، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے راحت وآرام حاصل کرتے تھے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرگوشی کرنا ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

وجعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ

ترجمہ: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

پس نماز تراویح تب قیام رمضان کی نماز ہے، جس طرح ان احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا جنکو ہم نے ذکر کیا ہے۔

نماز تراویح کی رکعات کی تعداد

نماز تراویح نوافل مؤکدہ (سنت مؤکدہ) میں سے ہے، جس طرح اس پر پہلی گذرنے والی احادیث شریفہ دلالت کرتی ہیں. اور یہ وتر کے علاوہ بیس رکعت ہیں اور وتر سمیت تیئیس رکعت ہو جاتی ہیں. خلیفہ راشد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک سے ہمارے اس زمانہ تک متقدین سف صالحین کا یہی طریقہ رہا ہے اور امت کا اسی پر اتفاق ہے اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ کو راضی رکھیں. اس معاملہ میں ائمۂ اربعہ مجتہدین میں سے کسی فقیہ نے اختلاف نہیں کیا مگر وہ جو امام دارالہجرات امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ

تراویح میں ان کا قول چھتیس رکعت تک ہے، انہیں سے دوسری روایت ہے جس میں وہ اہل مدینہ کے عمل سے دلیل پکڑتے ہیں

پھر حضرت نافع سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ

ادرکت الناس یقومون رمضان بتسع وثلاثین رکعة یوترون منها بثلاث [8]

ترجمہ: میں نے لوگوں کو پایا کہ وہ رمضان میں انتالیس رکعت قیام کرتے ہیں ان میں تین رکعت وتر پڑھتے ہیں.

لیکن اس بارے میں مشہور روایت جس پر جمہور (شوافع، حنابلہ اور احناف) کا اتفاق ہے پس وہ بیس رکعت ہیں، اس پر مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے اور مکمل اجماع ہے. اور لڑائی جھگڑے کے شر میں اللہ تعالیٰ مومنوں کیلئے کافی ہے.

ائمۂ مجتہدین کے دلائل

(ا) احتج ائمة المذاهب علی انها عشرون رکعة بما رواه البیهقی وغیره بالاسناد الصریح الصحیح "عن السائب بن یزید" رضی الله عنه . الصحابی المشهور . انه قال ! "کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی الله عنه . فی شهر رمضان بعشرین رکعة [9]

(ب) واحتجوا ایضا بما رواه مالک فی الموطا. البیهقی ایضا عن "یزید بن رومان" قال "کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب رضی الله عنه . بثلاث وعشرین رکعة" یعنی یصلون التراویح عشرین رکعة ویوترون بثلاث رکعات [10]

(ج) واحتجوا کذلک بما روی عن الحسن ان عمر رضی الله عنه جمع الناس علی "ابی بن کعب" فکان یصلی لهم عشرین رکعة ولا یقنت بهم الا فی النصف الثانی , فاذا کان العشر الاواخر من رمضان تخلف ابی فصلی فی بیته , فکانوا یقولون "ابق ابی [11]

(ا) ائمۂ مذاہب نے (تراویح) کے بیس رکعت ہونے پر اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے جو بیہقی وغیرہ نے اسناد صریح اور صحیح سے روایت کی ہے.

سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو مشہور صحابی ہیں، انہوں نے کہا (لوگ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ماہ رمضان میں بیس رکعت قیام کرتے تھے.

(ب) انہوں نے اس حدیث سے بھی دلیل پکڑی ہے جو امام مالک نے مؤطا میں روایت کی اور بیہقی نے بھی یزید بن رومان سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تیئیس رکعت ادا فرماتے تھے، یعنی نماز تراویح بیس رکعت پڑھتے اور تین رکعت وتر ادا کرتے.

(ج) اس طرح انہوں نے (ائمۂ اربعہ) نے اس روایت کو بھی دلیل بنایا ہے کہ جو (حضرت امام) حسن سے روایت ہے، بیس رکعت پڑھا رہے تھے، اور دعائے قنوت صرف رمضان کے آخری نصف میں پڑھتے.

پس جب رمضان کا آخری عشرہ ہوتا تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ تراویح نہ پڑھاتے اور وہ اپنے گھر میں نماز پڑھتے تو لوگ کہتے تھے ابی بھاگ گئے.

اس کے علاوہ ابن قدامہ نے مغنی میں بیان کیا ہے کہ اجماع اس پر ہے کہ وہ (نماز تراویح) بیس رکعت ہیں (اور امام) رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت کا رد کیا ہے جس میں چھتیس رکعت کا ذکر ہے. امام ابن قدامہ بیان کرتے ہیں

ماہ رمضان المبارک کا قیام یعنی نماز تراویح بیس رکعت ہیں اور وہ سنت مؤکدہ ہیں اور سب سے پہلے جس نے اسکو سنت قرار دیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ہیں اور تراویح کی نسبت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف کی گئی ہے کیونکہ انہوں نے لوگوں کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمع کیا، پس وہ انکو نماز پڑھاتے تھے

پس روایت کی گئی ہے کہ فاروق اعظم رمضان شریف میں ایک رات مسجد کیطرف نکلے کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ مسجد میں جدا جدا نماز ادا کر رہے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں انکو ایک قاری کے ساتھ جمع کر دوں (تو بہتر ہے) پھر آپ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمع کر دیا پھر ایک اور رات باہر نکلے جبکہ لوگ اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

نعمت البدعة هذه ۱۲

ترجمہ: یہ بہت اچھی بدعت ہے۔

پھر ابن قدامہ نے فرمایا! ابو عبداللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مختار قول تراویح کے بارے میں یہی ہے کہ یہ بیس رکعت ہیں اور یہی امام ثوری، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے فرمایا ہے اور امام مالک علیہ الرحمۃ نے فرمایا چھتیس رکعت ہیں انہوں نے مدینہ والوں کے عمل سے اسکو معلق کیا ہے اور ہمارے لئے دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمع کیا تو وہ انکو بیس رکعت پڑھاتے تھے اور امام مالک نے بھی یزید بن رومان سے بھی روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان المبارک کے اندر تئیس رکعت قیام کرتے تھے (یعنی تین وتر اور بیس رکعت نماز تراویح ادا کرتے تھے)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت پڑھاتے اور یہ عمل اجماع کی طرح ہے۔ ابن قدامہ نے کہا

اگر ثابت ہو جائے کہ تمام اہل مدینہ نے اس طرح کیا ہے یعنی چھتیس رکعت پڑھی ہیں تو اس کے مطابق ہوتا، جو حضرت عمر نے کیا ہے اور آپکی خلافت میں

جس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا وہ عمل سب سے زیادہ اتباع کے لائق ہے۔

اور بعض اہل علم نے کہا ہے کہ مدینہ والوں نے یہ اس لئے کیا ہے کہ وہ مکہ سے برابری چاہتے تھے، (یعنی ثواب میں ان کے برابر ہونا) کیونکہ مکہ والے ہر دو ترویحوں کے درمیان سات چکر کا طواف کرتے تو مدینہ والوں نے ہر سات چکروں کی جگہ چار رکعت (نوافل) کرلئے اور جس عمل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے اختیار کیا وہ اتباع کا سب سے زیادہ حقدار اور بہتر ہے۔

مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجدوں کے پاس سے گذرے اور ماہ رمضان میں وہاں قندیلیں (روشن) دیکھیں تو فرمایا

نور الله على عمر قبره كما نور علينا مساجدنا

ترجمہ: اللہ عمر کی قبر روشن کرے جس طرح انہوں نے ہماری مسجدیں روشن کیں۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام رمضان کے مہینہ میں لوگوں کے ساتھ اس قدر قراءت کرے جو ان پر آسان ہو اور ان پر بوجھ نہ بنے اور کام اس کے مطابق ہو جو لوگ برداشت کرلیں۔

قاضی علیہ الرحمۃ نے فرمایا! (ماہ رمضان) میں ایک ختم (قرآن) سے کم کرنا مستحب نہیں ہے، لوگوں کو پورا قرآن سننا چاہیئے، مقتدیوں کی تکلیف کو ناپسند کرتے ہوئے ایک قرآن سے زیادہ نہ کرے، ابن قدامہ کا کلام ختم ہوا

میں کہتا ہوں (مؤلف کتاب صابونی) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب تراویح بیس رکعت ہیں اسی وجہ سے ائمہ مجتہدین کا اجماع بیس رکعت (تراویح) کے افضل ہونے پر ہے۔

شیخ دردیر کی کتاب " اقرب المسالک علی مذہب امام مالک " جز اول صفحہ ۵۵۲ میں اس کا واضح بیان ہے۔

" رمضان میں تراویح عشاء کے بعد بیس رکعت ہیں، ہر دو رکعت پر سلام پھیرے، شفع اور وتر کے بغیر[۱۲] نماز تراویح میں ایک قرآن مجید کا ختم کرنا مستحب ہے، اس طریقہ پر کہ ہر رات کو ایک پارہ پڑھے اور اسکو بیس رکعت پر تقسیم کردے، اور اگر باجماعت تراویح کی نماز سے مساجد خالی نہ ہو جائیں تو اپنے گھر اکیلے نماز تراویح پڑھ لینا بھی جائز ہے[۱۲]، اگر اس فعل سے مسجدوں کا خالی چھوڑ دینا لازم آئے یعنی

لوگ زیادہ گھر میں ہی نماز ادا کرنے لگیں اور مساجد میں جانا چھوڑ دیں تو انکو مسجدوں میں جماعت کیساتھ ادا کرنا ہی بہتر ہے۔ ۱۵

اسی طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کا اس پر اجماع ہونے کی وجہ سے امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں کہ نماز تراویح بیس رکعت ہیں۔

امام ابن عبدالبر نے فرمایا ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بارے یہی صحیح ہے کہ انہوں نے صحابہ کو اختلاف کے بغیر بیس رکعت پڑھائیں۔

مختصر المزنی میں ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

"میں نے لوگوں کو مدینہ میں دیکھا کہ وہ انتالیس رکعت ادا کرتے ہیں اور مجھے بیس رکعت پسند ہیں کیونکہ یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اسی طرح مکہ (مکرمہ) میں لوگ بیس رکعت ادا کرتے ہیں اور تین رکعت وتر پڑھتے ہیں۔

امام ترمذی کا کلام

امام ترمذی نے اپنی جامع جو سنن ترمذی کے نام سے مشہور ہے فرمایا ہے کہ اکثر اہل علم اسی پر ہیں جو حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور انکے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہ کبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (نماز تراویح) بیس رکعت ہیں اور یہی قول حضرت امام سفیان ثوری، امام ابن مبارک اور امام شافعی علیہم الرحمۃ کا ہے

اور امام شافعی نے فرمایا میں نے اسی طرح لوگوں کو اپنے شہر مکہ مکرمہ میں پایا کہ وہ بیس رکعت پڑھتے ہیں۔

ائمہ اربعہ کے بارے ابن رشد کا قول

ابن رشد نے "بدایۃ المجتھد" میں کہا ہے کہ امام مالک نے اپنے دو قولوں میں سے ایک میں اور امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ قیام رمضان وتروں کے علاوہ بیس رکعت ہیں۔

اما نووی کا قول

امام نووی نے المجموع جلد نمبر ۲ صفحہ نے ۵۲۶ میں جو کہا ہے وہ یہ ہے کہ "ہمارا مذہب یہ ہے کہ نماز تراویح دس سلاموں کے ساتھ وتر کے علاوہ بیس رکعت ہیں، اور یہ پانچ ترویحے ہیں اور ترویحہ دو سلام کیساتھ چار رکعت ہیں اور یہی ابو حنیفہ انکے اصحاب، ابو یوسف اور امام محمد وغیرھم، امام احمد اور امام داؤد وغیرہ نے کہا ہے اور اسی قول کو قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے جمہور علماء سے نقل کیا ہے

امام مالک کا قول

نماز تراویح نو ترویحے ہیں اور وہ چھتیس رکعت وتر کے علاوہ ہیں۔

ہمارے اصحاب (جمہور ائمہ) نے اس روایت کو دلیل بنایا ہے جو بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ

كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى شهر رمضان بعشرين ركعة . وكانوا يتوكئون على عصيهم فى عهد عثمان من شدة القيام

ترجمہ: لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان کے مہینہ میں بیس رکعت (نماز تراویح) ادا کرتے تھے، اور دو سو آیات کے ساتھ قیام کرتے تھے اور عہد عثمانی میں قیام کے سخت ہونے کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں پر ٹیک لگا لیتے تھے۔

یزید بن رومان سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تئیس رکعت ادا کرتے تھے۔ اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں یزید بن رومان سے روایت کیا ہے، اسکو بیہقی نے بھی روایت کیا ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے کیونکہ یزید بن رومان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

بیہقی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ ان دونوں روایتوں کو اس طریقہ پر جمع کیا جائے کہ وہ بیس رکعت (نماز تراویح) ادا کرتے تھے اور تین رکعت وتر اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے کہ

قیام رمضان بعشرین رکعه

ترجمہ: قیام رمضان (نماز تراویح) بیس رکعت ہیں.

امام ابن تیمیہ کا موقف

امام ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ

ثابت ہوگیا کہ حضرت ابی بن کعب رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت اور تین وتر پڑھاتے تھے، پس اکثر علماء کی رائے ہے کہ یہی سنت ہے کیونکہ مہاجرین اور انصار نے قیام (بیس رکعت) کیا اور کسی نے انکار نہیں کیا.

عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کا موقف

مجموعہ فتاویٰ نجدیہ میں ہے کہ شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نے رکعات تراویح کی تعداد کے بارے سوال کے جواب میں ذکر کیا ہے کہ

ان عمر رضی الله عنه لما جمع الناس علی ابی بن کعب کانت صلوتهم عشرین رکعة

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمع کیا تھا تو ان کی نماز (تراویح) بیس رکعت تھی.

پس یہ بہت زیادہ ارشادات جو ائمہ علماء مسلمین اور سلف صالحین کے ہیں جن سے یہ عمل ثابت ہوتا ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں.

گویا کہ نماز تراویح کے بارے وہ موقف جس پر آج مسلمان ہیں وہ یہ ہے کہ نماز تراویح بیس رکعت ہے یہی حق ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور یہی وہ موقف ہے جو صحابہ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے، ان سب پر اللہ راضی ہو.

اور ائمہ مجتہدین (چاروں مذاہب کے اماموں) کا اجماع ہے یہی وہ لوگ ہیں جو ہر زمانہ اور ہر وقت میں ہدایت کے جھنڈے اور علم کے منارے ہیں. اور یہی وہ موقف ہے جس کا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا، یہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ ہیں

الذی جعل الحق علی لسانه وقلبه

ترجمہ: جن کے دل اور زبان پر اللہ تعالیٰ نے حق رکھدیا ہے.

جس طرح اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے.

ہمارے مقتدا ------ حرمین شریفین

ہم مسلمان ہیں اور ہمارے مقتدا ------ حرمین شریفین ہیں

مسجد حرام

جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرق و مغرب کے مسلمانوں کی مساجد کیلئے قبلہ بنایا ہے اللہ رب العزت اس کے بارے فرماتے ہیں.

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکا وهدی للعالمین

ترجمہ: بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کیلئے مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا اور سارے جہانوں کا راہنما.

مسجد نبوی شریف

(یہ وہ مسجد ہے) جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے اور اللہ بزرگ و برتر نے اپنے ارشاد میں اس مسجد اور اہل مسجد کی تعریف کی ہے.

لمسجدا سس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیه, فیه رجال یحبون ان یتطهروا والله یحب المطهرین

ترجمہ: بیشک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جسکی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اسمیں کھڑے ہو، اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے اللہ کو پیارے ہیں.

پس صحابہ کبار کے زمانہ سے ہمارے اس زمانہ تک کتنے لوگ ہیں جنہوں نے ان دونوں حرموں میں نماز تراویح ادا کی ہے کیا وہ اس میں بیس رکعت نماز (تراویح) نہیں ادا کرتے تھے، حالانکہ وہ دونوں حرم مسلمانوں کی مساجد کا قبلہ ہیں.

بیس تراویح کو بدعت کہنے والے جاہل ہیں

پس کیا یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ تمام مسلمان ایک بری چیز اور دینی امور میں سے ایک بدعت پر جمع ہوگئے اور تمام لوگ اس سے خاموش رہے حالانکہ ان میں علماء وفقہاء اور محدثین بھی موجود تھے.

کئی قومیں اور کئی صدیاں گزر گئیں اگر یہ (بیس رکعت تراویح) بدعت اور برائی ہیں تو کسی نے بھی اس برائی سے نہ روکا، جس طرح جاہلوں کا خیال ہے۔

سلفی دعوت

یہ وہی دعوت ہے جو سلف صالحین کے طریقے پر مضبوطی سے عمل کرنے کی دعوت ہے، نجد اور حجاز کے علاقہ میں یہ دعوت شروع ہوئی، سعودیہ کے علماء ایک بدعت کام پر کیسے خاموش رہتے، اور دین میں ایسی برائی کی مخالفت نہ کرتے جبکہ اس کام میں انکے ساتھ تمام عالم اسلام کے علماء بھی شریک ہیں۔

میں نے (مصنف نے) مکہ مکرمہ میں بیس سال گزارے ہیں اور امام کے پیچھے ہر رمضان المبارک کو مسجد حرام میں بیس رکعت نماز (تراویح) پڑھتے رہے ہیں، پھر ہم امام کے ساتھ تین رکعت وتر ادا کرتے ہیں، نجد و حجاز اور عالم اسلام کی چاروں اطراف کے علماء بھی اسی طرح نماز پڑھتے ہیں اور کسی نے اسکا انکار نہیں کیا اور نہ ہی اس پر اعتراض کیا ہے، کیا یہ انکی طرف سے بیس رکعت (تراویح) کے شرعی ہونے کا اقرار نہیں ہے؟

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وارضاہ کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے یہی افضل ہے پھر مشرق و مغرب میں مسلمانوں کی مسجدیں ہمارے زمانے میں نمازیوں سے بھر جاتی ہیں خصوصاً رمضان میں۔

افریقی ممالک، ملک شام، مصر، سعودیہ عرب اور پاکستان کی بڑی مسجدوں میں وہ نماز تراویح بیس رکعت پڑھتے ہیں، پس کیا یہ تمام لوگ جہالت اور گمراہی پر ہیں جس طرح سلفی بننے والے جاہلوں کا گمان ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کیسے برائی اور گمراہی پر جمع ہو سکتی ہے حالانکہ صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ

لا تجتمع امتی علی ضلالۃ

ترجمہ: میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ

ماکان اللہ لیجمع امتی علی ضلالۃ[19]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔

خطاکار ذہن مسلمانوں کو گمراہ کرنے کیلئے جمع ہیں۔

تعجب یہ کہ یہ لوگ جو شہرت کے پہاڑ کی چوٹی پر سوار ہونا پسند کرتے ہیں اور اپنی علمی فوقیت، سرداری اور تیز فہمی کے ساتھ مشہور کئے جاتے ہیں، خلاف اصول اور غلط باتیں کرتے ہیں، سلف صالحین کو جاہل بتانے اور حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیکر ہمارے اس زمانے تک کے نئے اور پرانے دور کے علماء، اسلام اور پوری امت کو گمراہ کہنے پر جمع ہیں۔

جو شخص بھی بیس رکعت نماز تراویح پڑھے اسے گمراہی کیطرف منسوب کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ اتنے آگے بڑھے کہ تراویح میں گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھنے والے کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں جو ظہر کی پانچ رکعت اور فجر کی سنت چار رکعت پڑھتا ہے اور یہ قیاس واضح طور پر باطل ہے، نیز سوئے فہمی اور کند ذہنی پر دلالت کرتا ہے اور جس طرح کہا جاتا ہے کہ

عش رجبا تری عجبا

ترجمہ: زیادہ دیر زندہ رہ تو عجیب و غریب چیزیں دیکھے گا۔

ہم نے ان حضرات میں سے بعض کا قول پڑھا ہے۔

"اس شخص کی مثال جو نماز تراویح بیس رکعت تک زیادہ کرتا ہے اس شخص کی سی ہے جو ایسی نماز پڑھتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح اسناد سے منقول نماز کے خلاف ہے، پس وہ شخص ایسا ہے جو ظہر کی پانچ رکعت اور فجر کی چار سنت پڑھتا ہے اور اس کی طرح ہے جو نماز میں دو رکوع اور کئی سجدے کرتا ہے۔

اللہ کی قسم (انکی) جہالت اور سوء فہمی دوپہر کے آفتاب سے زیادہ واضح ہے، جب یہ حال ہے تو کسی اپنے عالم کیلئے کیسے جائز ہے کہ وہ دین میں معرفت اور تحقیق کا دعویٰ کرے، بلکہ گمان کرتا ہے کہ وہ دینی امور میں اجتہاد کا درجہ رکھتا ہے اور فرض کو نفل پر قیاس کرتا پھرے اور قیام رمضان (آٹھ رکعت) میں اضافہ کو فرض نماز میں اضافہ کی طرح جانے

کیا یہ انڈے کا بینگن پر قیاس نہیں ہے جس طرح ضرب الامثال میں کہا جاتا ہے،

قیاس البیض علی الباذنجان

ترجمہ: انڈے کا بینگن پر قیاس کرنا

ایک جاہل آدمی جو دین کو نہیں سمجھتا وہ بھی چاشت کی چار رکعت پڑھنے والے اور مغرب کی نماز پانچ رکعت پڑھنے والے کے درمیان فرق کر لیتا ہے تو کہتا ہے یہ نفل نماز ہے اس میں جتنی رکعت چاہے پڑھ لے، درست ہے، اور یہ (مغرب) فرض نماز ہے اس میں تین رکعت سے زیاد درست نہیں، ایک کند ذہن جاہل اس شخص کے درمیان ضرور فرق کرے گا، جو عشاء کی نماز چھوڑ دے اور جو نماز تراویح چھوڑ دے، پہلے کے بارے کہے گا کہ وہ گمراہ اور کافر ہو گیا ہے[17]، کیونکہ اس نے فرض نماز چھوڑ دی ہے اور دوسرے کے بارے میں کہے گا کہ اس نے سنتوں میں سے ایک سنت چھوڑی ہے اس پر کوئی گناہ نہیں[18]۔ اس قیاس کو یہ بڑا محقق بننے والا کیسے جائز سمجھے گا جو اجتہاد کا دعویٰ کرتا ہے اور نماز تراویح میں زیادتی کو فرض نماز کی رکعتوں میں زیادتی کے ساتھ ملاتا ہے۔

اس دور کے محققو! کیا (احکام) میں اسی طرح استنباط ہوتا ہے۔

ہم معزز قارئین کیلئے اس رسالہ میں وہ عبارت نقل کرتے ہیں جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے جاہلوں کے رد میں لکھی ہے تاکہ دو آنکھوں والے کیلئے صبح یعنی صحیح راستہ واضح ہو جائے اور عقلمند آدمی جاہل اور عالم کے کلام کے درمیان تمیز کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے سچ فرمایا ہے کہ

وما یستوی الاعمی والبصیر ولا الظلمات ولا النور

ترجمہ: اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں اور نہ اندھیرا اور روشنی

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا فتویٰ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فتاوی کی جلد دوم صفحہ ۴۰۱ میں کہتے ہیں کہ

کہ اصل قیام رمضان کے بارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی تعداد معین نہیں کی بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں کیں[19] لیکن آپ رکعتوں کو طویل کرتے تھے، پس جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمع کیا تو وہ انکو بیس رکعت پڑھاتے تھے، پھر تین وتر پڑھاتے تھے، اس مقدار کے مطابق قراءت کو چھوٹا کر لیتے، جتنی رکعتیں زیادہ کیں۔ کیونکہ یہ چیز ماموین (مؤمنین) کیلئے ایک لمبی رکعت (پڑھنے) سے زیادہ آسان ہے یعنی لمبی لمبی رکعتیں پڑھنے سے چھوٹی رکعتیں زیادہ پڑھ لینا آسان ہے۔

پھر سلف صالحین میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو چالیس رکعت تراویح ادا کرتے اور تین وتر پڑھتے۔ اور دوسرا گروہ چھتیس رکعت نماز تراویح اور تین رکعت وتر ادا کرتا اور یہ سب کچھ جائز ہے جس طرح بھی رمضان میں قیام کریں یہ تمام طریقے اچھے ہیں۔

پھر ابن تیمیہ نے کہا، بہتر یہ ہے کہ نمازیوں کے حالات کے اختلاف کے مطابق رکعتیں مختلف ہوں، پس اگر ان میں دس رکعتیں لمبے قیام کیساتھ ادا کرنے اور اسکے بعد تین وتر پڑھنے کی طاقت ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے تو وہ افضل اور بہتر ہے۔

اور اگر انہیں لمبے قیام کی طاقت نہ ہو تو بیس رکعت افضل ہیں، اسی پر اکثر مسلمان عمل کرتے ہیں، پس بیشک یہی بیس اور چالیس دونوں میں سے زیادہ بہتر ہیں اور اگر کوئی چالیس یا اس سے کم و بیش قیام کرے تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی چیز مکروہ نہیں اس پر کئی ائمہ نے روایات بیان کی ہیں، مثلاً امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ۔

اور جو شخص گمان کرتا ہے کہ قیام رمضان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے کوئی تعداد معین ہے کہ نہ اس سے زیادہ کی جا سکتی ہیں اور نہ کم تو اس نے غلطی کی۔ ۲۰

میں (مؤلف کتاب) کہتا ہوں اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ پر رحم فرمائے وہ علم میں ایک بلند حیثیت رکھتے تھے، عقل اور سمجھ میں علم کی حیثیت رکھتے تھے اور انکا کلام جو ہم نے نقل کیا ہے ان کے فتاویٰ سے ہے۔

وہ ایسے نام نہاد دعویدار علماء کا رد کرتے ہیں جو کند ذہنی اور بدفہمی کے سبب علمائے کرام پر فخر کرتے ہیں۔ کاش! وہ ہمارے اس زمانے تک زندہ رہتے تاکہ اس دور کے مجتہدوں، محققوں اور جدت پسند مجددوں کو دیکھ لیتے جو سونے کو ایندھن اور کنکریوں کے ترازو سے تولتے ہیں، شاذ اور منکر اقوال پر فتوے دیتے ہیں، اور ان سے سادہ لوح عوام کی عقلوں (جذبات) کو بھڑکاتے ہیں اور ان میں سلف صالحین کو گمراہ کہتے اور ائمہ مجتہدین کو غلط ثابت کرتے ہیں جو ہدایت اور دین کے مینار ہیں۔

اللہ تعالیٰ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر رحم فرمائے انہوں نے کہا ہے کہ

ما جادلت عالما الا وغلبته وما جادلني جاهل الا وغلبني

ترجمہ: جب میں نے کسی عالم سے بحث کی تو اس پر میں ہی غالب آیا اور جب مجھ سے کوئی جاہل جھگڑا تو وہ ہی مجھ پر غالب آیا

بعض لوگ تو اتنے بے حیا ہوگئے ہیں کہ یہاں تک کہہ دیتے ہیں گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھنا بدعت اور گمراہی ہے اگرچہ یہ کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا، لیکن ہم کیا کہیں اللہ تعالیٰ جہالت اور کند ذہنی کو ہلاک کرے جس نے یہ کہا سچ کہا ہے۔

اذا ما الجهل خيم في بلاد
رايت اسود ما مسخت قرودا

ترجمہ شعر: جب جہالت کسی علاقہ میں خیمہ لگالیتی ہے تو اس علاقہ کے سرداروں کو دیکھے گا کہ بندروں میں تبدیل ہوگئے ہیں۔

میں نے اپنے کان سے سنا ہے کہ ائمہ مجتہدین کے بارے کہتے ہیں کہ وہ

گمراہی کے امام ہیں انہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور امت کو گمراہ کردیا اور (دلیل میں) وہ آیت پیش کرتے ہیں جو یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی، پس اسکو ائمہ اعلام پر لگاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنکی مذمت اللہ تعالیٰ نے اپنی معزز کتاب میں فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ۔

ان الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا لست منهم في شيء

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے دین میں (بہت سے) رستے نکالے اور کئی فرقے ہوگئے ان میں سے تم کو کچھ نہیں۔

مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی اور ائمہ مجتہدین کے حق میں نازل نہیں ہوئی، جس طرح یہ بے وقوف جاہل خیال کرتے ہیں۔

اور گویا کہ انہوں نے فقیہ مجتہد کے متعلق نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی سنا ہی نہیں۔

اذا اجتهد فاصاب فله اجران واذا اجتهد فاخطاء فله اجر واحد

ترجمہ: جب وہ اجتہاد کرتا ہے اور حق بات پالیتا ہے تو اس کیلئے دو اجر ہیں اور جب اجتہاد کرتا ہے اور غلطی ہوجاتی ہے تو پھر بھی ایک اجر ہے۔

گویا کہ جو کچھ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے: رفع الملام عن ائمۃ الاعلام" میں لکھا ہے انہوں نے پڑھا ہی نہیں ہے اور ہم ڈرتے ہیں کہ ہم ایسے زمانے میں پہنچ جائیں جس میں کمینے جاہل، علم اور فتویٰ کی کرسی پر براجمان ہوں۔

اور یہ وہ زمانہ ہے جس سے ہمیں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف کے ذریعے ڈرایا ہے جس کو بخاری نے باب "قبض العلم" میں روایت کیا ہے۔

ان الله لا يقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتىٰ اذا لم يبق عالم اتخذ الناس رؤسا جهالا فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا (اخرجه البخاري)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ علم کو چھین کر نہیں سمیٹے گا کہ اسکو بندوں سے چھین لے گا، لیکن علم کو علماء اٹھ جانے (فوت ہوجانے) سے سمیٹے گا، یہاں تک کہ ایک

عالم باقی نہ رہے گا، لوگ جہال کو سردار بنائیں گے، ان سے سوال کیا جائیگا، پس وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، گمراہ ہونگے اور گمراہ کرینگے، اس کو بخاری نے روایت کیا ہے

وفی الحدیث الصحیح ایضاً یقول علیه الصلوٰۃ والسلام ان من اشراط الساعة ان یرفع العلم ویثبت الجهل ویشرب الخمر ویظهر الزنا وتکثر النساء ویقل الرجال حتیٰ یکون لخمسین امراۃ القیم الواحد [۲۱]

ترجمہ: ایک اور صحیح حدیث میں بھی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ بے شک قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ علم اٹھ جائے گا، جہالت عام ہوگی، شراب پی جائے گی، زنا زیادہ ہوگا، عورتوں کی کثرت ہوگی اور مرد کم ہوجائینگے، یہاںتک کہ پچاس عورتوں پر ایک نگران ہوگا

بے شک جو صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمۂ مجتہدین کو گمراہ کہتے ہیں اور امت کے سلف اور خلف کو محض اس وجہ سے گمراہی کی بدعت کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے نماز تراویح بیس رکعت پڑھی ہیں اور یہ حماقت (بیوقوفی) اور جہالت کے زیادہ قریب ہے اور (یہ نظریہ) اور بدعت اور عدم اتباع کے زیادہ لائق اور مناسب ہے۔

احمق اور بے وقوف کے سوا اور کون جرأت کریگا جو صحابہ کرام اور تابعین عظام کو بدعت کے ساتھ موصوف کریگا خبردار! یہ دھوکا بازی، غلط راہ اختیار کرنا، بیوقوفی اور جہالت ہے، بے شک یہی جماعت کی قوت کو توڑنا ہے اور مسلمانوں اور انکی جماعت کے طریقے سے نکلنا ہے جس سے قرآن کریم نے ہمیں ڈرایا ہے، جب اس نے فرمایا

ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ماتولی ونصله جهنم وساءت مصیرا [۲۲]

ترجمہ: اور جو شخص مخالفت کرے (اللہ کے) رسول کی اس کے بعد کہ روشن ہوگئی ہدایت کی راہ اور چلے اس راہ پر جو الگ ہے، مسلمانوں کی راہ سے تو ہم پھرنے دینگے اسے جدھر وہ خود پھرا ہے اور ڈال دیں گے اسے جہنم میں اور یہ بہت بری پلٹنے کی جگہ ہے۔

بے شک یہ تکبر ہے اور شہرت کے راستے میں نفسانی خواہشات کی اتباع ہے اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب فرمایا سچ فرمایا

الکبر بطر الحق وغمط الناس [۲۳]

ترجمہ: تکبر حق سے دور ہونا ہے اور اسے قبول نہ کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے اور اپنی رائے پر مغرور ہونا ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کو مضبوطی سے پکڑنا

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مضبوطی سے پکڑنا ہے

ہم بات جلد ختم کرتے ہیں اور اس زمانہ کے ائمۂ اجتہاد سے کہتے ہیں کہ

۔ بیشک جو کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا یا جس کا حکم فرمایا ہے وہ دین میں بدعت نہیں ہے، بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کو مضبوطی سے تھامنا ہے اور مندرجہ ذیل دلائل کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع ہے۔

۱۔ بیشک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فاروق رکھا ہے۔
کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے حق و باطل اور ہدایت وگمراہی کے درمیان امتیاز کیا، پس وہ فاروق (یعنی فرق کرنے والے) عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

۲۔ وہ ملہم ہیں جو اپنے نور بصیرت سے وہی بات کہتے ہیں جو حق، درست، بہتر اور ہدایت والی ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکے بارے ارشاد فرمایا ہے کہ

ان الله جعل الحق علی لسان عمر وقلبه [۲۴]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اور دل پر حق رکھ دیا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

لقد کان فیمن قبلکم من الامم محدثون، ای ملهمون فان یکن فی امتی احد فانه عمر [۲۵]

ترجمہ: تحقیق تم سے پہلی امتوں میں محدثین تھے، یعنی ملہم لوگ، (جن کو خدا کی طرف سے الہام ہوتا ہے) پس اگر کوئی ایک میری امت میں ہوگا تو وہ عمر ہونگے۔

۳. کئی جگہوں پر قرآن پاک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق نازل فرمایا گیا، پس بخاری نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے

وافقت ربی فی ثلاث

ترجمہ: میں نے اپنے رب کی تین جگہوں پر موافقت کی

(۱) مقام ابراہیم کے بارے، (۲) پردہ میں، (۳) بدر کے قیدیوں میں

۱. میں نے عرض کیا یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر ہم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالیں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی،

واتخذوا من مقام ابراھم مصلی (البقرہ آیت نمبر ۱۲۵)

ترجمہ: اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو

۲. اور میں نے عرض کیا یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپکی ازواج (مطہرات)، رضی اللہ عنہ کے ہاں ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، اگر آپ انکو پردہ[۲۶] کرنے کا حکم فرمادیں تو؟ پس پردے کی آیت نازل ہوئی۔

واذا سالتمو من متاعا فاسئلو من من وراء حجاب (الاحزاب آیت ۵۳)

ترجمہ: اور جب تم پیغمبر کی بیویوں سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر مانگو۔

۳. نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج (مطہرات) آپکے پاس غیرت کے بارے جمع ہوئیں تو میں نے کہا

عسی ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیراً منکن (التحریم آیت نمبر ۵)

ترجمہ: اگر پیغمبر تم کو طلاق دے دیں تو عجب نہیں کہ ان کا پروردگار تمہارے بدلے انکو تم سے بہتر بیبیاں دیدے

پس اسی طرح آیت نازل ہوئی

جب قرآن کریم عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے مطابق نازل ہوتا ہے تو صحابہ انکی بات کو کیوں نہ پکڑیں، (یعنی عمل کریں) اور انکی رائے پر کیسے اتفاق نہیں کرینگے۔

ترمذی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا

مانزل بالناس امرقط، فقالوا فیہ وقال فیہ ابن الخطاب الانزل فیہ

القرآن علی نحو ماقال عمر [۲۷]

ترجمہ: جب کبھی لوگوں کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو لوگ اس بارے اپنی رائے پیش کرتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنی رائے دیتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق قرآن نازل ہوتا۔

۴. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو خلفائے راشدین، ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقوں اور سنتوں کو مضبوطی سے تھامنے یعنی عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

وانہ من یعش منکم فسیری اختلافا کثیرا، فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین، عضوا علیھا بالنواجذ [۲۸]

ترجمہ: اور بیشک جو تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا، پس تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت لازم ہے، انکو بہت مضبوطی سے تھامے رکھنا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر

ترجمہ: ان کی اقتداء کرو جو میرے بعد ہیں یعنی ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہ

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو کسی کے طریقہ پر چلنا چاہے اسے چاہیئے کہ ان کے طریقہ پر چلے جو فوت ہوگئے، بیشک زندہ فتنہ سے امن میں نہیں ہوتا، وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں، اس امت میں سب سے افضل ہیں، دلوں کے اعتبار سے سب سے نیک ہیں، علم کے لحاظ سے زیادہ گہری نظر والے ہیں، تکلف کے اعتبار سے سب سے کم ہیں یعنی کم تکلفات میں پڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انکو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور دین کی تقویت کیلئے چن لیا، پس تم انکی فضیلت کو جانو، اور انکے نقش قدم پر چلو، انکے اخلاق اور انکی سیرت کو اپنی طاقت کے مطابق مضبوطی سے پکڑو، پس بے شک وہ سیدھے راستہ پر ہیں۔

میں کہتا ہوں، (مؤلف) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھکر اس چیز کا کون زیادہ حقدار ہے کہ اس کے طریقوں کو مضبوطی سے تھاما جائے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اتباع و فرمانبرداری کسطرح بدعت و گمراہی ہوگی، جسکو مسلمانوں نے قانون کی حیثیت دی ہو، جس طرح بعض جاہل علم کے دعویدار کہہ دیتے ہیں ابن اثیر نے اس حدیث کی شرح میں جسکو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ

نعمت البدعہ ھذہ ۲۹

ترجمہ: یہ اچھی بدعت ہے.

انہوں نے واضح طور پر لکھا ہے کہ بدعت ابتداع سے ہے اور ابتداع اگر اس بات کے خلاف ہو جسکا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے تو وہ برائی اور انکار کے زمرے میں ہے، اور اگر (وہ بات) اس عموم کے تحت واقع ہوتی ہو جسکو اللہ تعالیٰ نے بہتر جانا اور اللہ یا اسکے رسول نے اسکی طرف رغبت دلائی تو وہ تعریف کے زمرے میں آئے گی، جیسے جود وسخا کی کوئی قسم اور نیکی کا کام پس یہ پسندیدہ اعمال میں سے ہیں اور اس کی تائید حدیث کرتی ہے.

من سن سنۃ حسنۃ کان لہ اجرھا واجر من عمل بھا ۳۰

ترجمہ: جس شخص نے اچھا طریقہ جاری کیا اسکے لئے اس کا اجر اور جو اس پر عمل کرے گا اسکا اجر بھی ہے.

نماز تراویح کے بارے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد اس کی تائید کرتا ہے

نعمت البدعۃ ھذہ ۳۱

ترجمہ: یہ اچھی بدعت ہے.

جب یہ نیک اعمال سے ہے اور تعریف کے زمرے میں داخل ہے تبھی اس کا نام بدعت رکھا ہے، اور اسکی تعریف کی ہے اور اسکو اچھا کہا ہے اور یہ اس لئے کہ اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو پڑھا ہے، لیکن ترک بھی کیا ہے، اور اس پر پابندی نہیں کی اور نہ لوگوں کو اس کیلئے جمع کیا ہے. پس حضرت

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اس پر پابندی اور لوگوں کو اس پر جمع کرنا اور ان لوگوں کو اسکی طرف بلانا بدعت ہے لیکن بدعت محمودہ اور ممدوحہ یعنی وہ بدعت جسے پسند کیا گیا ہے اور جسکی تعریف کی گئی ہے. ۳۲

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے چھوڑنا صرف امت پر رحم کرنے کی وجہ سے تھا، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ ہیں جنہوں نے اس پر لوگوں کو آگاہ کیا اور اس سنت کو ہمیشہ کیلئے جاری کیا، پس ان کیلئے اس کا اجر اور ان لوگوں کے برابر اجر بھی ہے جو قیامت تک اس پر عمل کرینگے فتح الباری (شرح بخاری) میں لکھا ہے.

اور بدعت حقیقتاً وہ ہے جو سابق مثال کے بغیر ایجاد کی گئی ہو یعنی جس کی پہلے مثال موجود نہ ہو اور شریعت میں سنت کے مقابلے میں بولی جائے تو وہ مذموم ہوگی اور تحقیق یہ ہے کہ اگر وہ شریعت میں اچھے کام کے تحت ہوگی تو وہ حسنہ ہے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

نعمت البدعۃ

یہ اچھی بدعت ہے

اور اگر وہ شریعت میں برے کام کے ضمن میں آئیگی تو وہ بری ہوگی ورنہ وہ مباح کی قسم سے ہوگی. ۳۳

پھر فرمایا! اور رمضان کا قیام سنت ہے کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسکو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے اخذ کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض ہوجانے کے ڈر سے اسے چھوڑا تھا، پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے اور اس سے یعنی فرضیت کا حکم نازل ہونے کا ڈر ختم ہوگیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اسکی فضیلت تھی تو انہوں نے لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کردیا جبکہ اختلاف امت اور فرقہ بندی ہونے کا خدشہ تھا، کیونکہ ایک امام کے پیچھے جمع ہونا اکثر نمازیوں کو خوش کرتا تھا. ۳۴

اس روایت میں رکعتوں کی تعداد کا ذکر نہیں آیا، جو نماز حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پڑھاتے تھے، اس میں اختلاف کیا گیا ہے، پس یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ گیارہ

رکعت تھیں اور دو سو آیات پڑھتے تھے، اور لمبے قیام کی وجہ سے لوگ لاٹھیوں کے
سہارے کھڑے ہوتے تھے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ تیرہ رکعت تھیں اور امام مالک
رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن خصیفہ کے ذریعے روایت کی ہے کہ وہ بیس رکعت ہیں
اور یہ وتر کے علاوہ ہیں اور یزید بن رومان سے روایت ہے انہوں نے کہا
كان الناس يقومون في زمان عمر بثلاث وعشرين
ترجمہ: لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تیئیس رکعت کا قیام کرتے تھے.
اور عطاء نے کہا میں نے انکو رمضان میں بیس رکعت اور تین رکعت وتر
پڑھتے پایا اور ان روایات کو حالات کے اختلاف کیساتھ جمع کرنا ممکن ہے یا یہ
احتمال بھی ہے کہ یہ اختلاف قراءت کے لمبا کرنے اور مختصر کرنے کی وجہ سے ہو،
پس جہاں قراءت لمبی ہوگی رکعات کم ہونگی اور اس کے برعکس بھی یعنی جو قراء
ت چھوٹی کرے گا رکعات زیادہ کرے گا. ۳۵
میں کہتا ہوں (مؤلف کتاب) کہ یہ محدثین اور اہل علم میں سے محققین
کے اقوال ہیں پس کسطرح کہا جائے گا کہ (آٹھ پر) زیادتی بدعت منکرہ (سئیہ) ہے.

آٹھ تراویح پڑھنے والے سلفیوں کا حدیث

سیدہ عائشہ سے استدلال اور اس کا جواب

(سیدہ) عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال

ماكان النبي صلى الله عليه وسلم يزيد في رمضان ولا غيره على احدى عشرة ركعة الذى رواه البخارى و مسلم

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے، یہ وہ حدیث ہے جسکو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے.

دو وجہوں سے اس حدیث میں ان کیلئے آٹھ رکعت سے زیادہ تراویح پڑھنے کے ناجائز ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے.

پہلا جواب بے شک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو روایت کی ہے وہی ہے جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز دیکھی ہے اور یہ اس کے خلاف نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے زیادہ رکعتیں پڑھتے تھے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویوں میں سے وہ ایک ہیں اور آپ ہر رات تو ان کے ہاں نہیں سوتے تھے کہ قطعی اور یقینی حکم لگایا جا سکے، انہوں نے تو صرف اس بات کی خبر دی ہے جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھی ہے.

غور کرو یہی ام المومنین (سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) ہیں جو گواہی دیتی ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چاشت کی نماز پڑھتے کبھی نہیں دیکھا، جس طرح صحیح مسلم میں ابن شہاب کی حدیث میں ہے کہ وہ حضرت عروہ سے وہ (حضرت) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاشت کی نفل نماز پڑھتے کبھی نہیں دیکھا اور میں اسے ضرور پڑھتی ہوں، اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اعمال کو چھوڑ دیتے تھے، حالانکہ آپ اسے پسند فرماتے تھے، اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ اس عمل کو لوگ بھی کرینگے تو ان پر فرض ہو جائے گا، اسکو مسلم نے روایت کیا

اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں سے آپکی نماز چاشت پر ہمیشگی اور اسکی رغبت دلانا بھی ثابت ہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس کے ترک نہ کرنے کی وصیت فرمائی، جس طرح صحیح حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے، انہوں نے کہا

اوصانی حبیبی بثلاث لن ادعهن ما عشت، بصیام ثلاثة ایام من کل شهر وصلوة الضحیٰ وبان لا انام حتی اوتر ۳۶

ترجمہ: میرے حبیب نے مجھے تین چیزوں کی وصیت فرمائی کہ جبتک زندہ رہوں انکو ہر گز نہ چھوڑوں، ہر مہینہ میں تین دنوں کے روزے رکھنے، چاشت کی نماز اور یہ کہ میں وتر پڑھنے کے بغیر نہ سوؤں

اور صحیح مسلم میں عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا

ما اخبرنی احدانه رائی النبی صلی الله علیه وسلم یصلی الضحیٰ الام هانی، فانها حدثت ان النبی صلی الله علیه وسلم دخل بیتها یوم فتح مکة فصلی ثمانی رکعات، ما رأیته قط صلی صلاة اخف منها غیرانه کان یتم الرکوع والسجود ۳۷

ترجمہ: مجھے (حضرت) ام ہانی رضی اللہ عنہ کے بغیر کسی نے یہ خبر نہیں دی کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا، پس انہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن ان کے گھر تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت پڑھیں، میں نے آپکو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے اتنی ہلکی نماز پڑھی ہو، جب کہ آپ رکوع سجود مکمل کرتے تھے۔

کیا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز چاشت کا انکار صرف اس وجہ سے کر سکتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے آپکو یہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا؟ پس اسی طرح یہاں انکے اس قول میں ہے

ما کان صلی الله علیه وسلم یزید فی رمضان ولا غیرہ علی احدی عشرة رکعة الخ

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ (آخر تک) پس بیشک وہ ہمارے سامنے وہ کچھ بیان کر رہی

ہیں جو انہوں نے اپنے گھر میں دیکھا اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے علاوہ دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہ کے ہاں اس سے زیادہ بھی پڑھتے تھے۔ جس طرح یہ حضرت ابن عباس اور حضرت زید رضی اللہ عنہ اور انکے علاوہ (دیگر صحابہ) کی حدیث ثابت ہے، یہاں تک کہ امام احمد نے "زیادات علی المسند" میں حضرت علی رضی اللہ عنہا سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ

کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلی من اللیل ست عشرة رکعة سوی المکتوبة

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے علاوہ رات کی نماز سولہ رکعت پڑھتے تھے

دوسرہ جواب دوسرا امر یہ ہے کہ جو (سیدہ) عائشہ رضی اللہ عنہا نے صحیحین میں روایت کیا ہے وہ اس کے مخالف ہے، جو مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلی من اللیل ثلاث عشرة رکعة ۳۸

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے۔

بے شک اس صحیح روایت میں گیارہ رکعت سے زائد کا بیان ہے اور اسی طرح وہ روایت جو امام مسلم نے بھی حضرت زید بن خالد جہنی سے بیان کی ہے وہ اس کے مخالف ہے، انہوں نے کہا

لارمقن صلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم اللیلة، فصلیٰ رکعتین خفیفتین، ثم صلی رکعتین طویلتین طویلتین طویلتین، ثم صلی رکعتین وهما دون اللتین قبلهما ثم صلی رکعتین وهما دون اللتین قبلهما فذکر الحدیث الی ان قال! ثم اوتر فذلک ثلاث عشرة رکعة ۳۹

ترجمہ: تحقیق میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کو بہت دیر تک دیکھتا رہا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت چھوٹی پڑھیں پھر آپ نے دو لمبی لمبی رکعتیں غرضیکہ بہت ہی لمبی پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں اور یہ دونوں پہلی دو سے کم تھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں اور یہ دونوں رکعتیں پہلی دو رکعتوں سے کم تھیں، انہوں نے حدیث بیان کی یہاں تک کہ انہونے کہا پھر انہوں نے وتر پڑھے پس یہ تیرہ رکعت ہو گئیں۔ (مسلم شریف)

اس لئے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

"علماء نے کہا ہے کہ ان حدیثوں میں حضرت ابن عباس، حضرت زید اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم ہر ایک کی خبر (حقیقت کے مطابق) ہے جو انہوں نے دیکھا، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اس میں کوئی (مقرر) حد نہیں ہے جس میں نہ کمی کی جائے اور نہ زیادتی کی جائے، بے شک رات کی نماز طاعات (نوافل) میں سے ہے کہ جتنا اس میں اضافہ کرے گا اجر و ثواب زیادہ ہوگا، اختلاف صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل میں ہے اور اس میں جو انہوں نے اپنے لئے پسند فرمایا، حافظ ابن عراقی نے "طرح التثریب" میں کہا ہے

"علماء کا اس بات میں اتفاق ہے کہ قیام اللیل کیلئے کوئی حد مقرر نہیں ہے لیکن جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے تھے، اس بارے میں روایات مختلف ہیں[40] قیام اللیل کی تعداد (رکعات) مذکورہ مقرر نہ ہونے کی گواہی وہ روایت دیتی ہے جس کو ابن حبان نے حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے.

اوتروا بخمس، او بسبع او بتسع، او باحدی عشرۃ رکعۃ او باکثر من ذالک

ترجمہ: وتر پانچ رکعت یا سات یا نو یا گیارہ رکعت یا اس سے زیادہ پڑھو

یہ وہ حدیث ہے جس کو حافظ عراقی نے صحیح کہا ہے جس طرح "نیل الاوطار" اور "تحفۃ الذاکرین" میں ہے

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فتاویٰ کی پہلی جلد میں کہا

"ثابت ہوگیا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت اور تین وتر پڑھاتے تھے."

پس اکثر علماء کی رائے ہے کہ یہ سنت ہیں کیونکہ مہاجرین اور انصار (صحابہ) کے درمیان یہ قائم رہیں اور کسی انکار کرنے والے نے اسکا انکار نہیں کیا اور (علماء کے) دوسرے گروہ نے انتالیس رکعتیں مستحب سمجھیں، (اس کی) بنیاد قدیم اہل مدینہ کے عمل پر ہے، ایک گروہ نے تیرہ رکعت بتائی ہیں.

اس میں وہ سرگرداں ہیں جو خلفائے راشدین کی سنت اور مسلمانوں کے عمل سے ثابت ہے. اور درست یہ ہے کہ یہ سب حسن (اچھا) ہے جس طرح اس پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نص بیان کی ہے، اور انہوں نے قیام رمضان میں کوئی تعداد مقرر نہیں کی، اس وقت (قیام رمضان) کی رکعتوں کی قلت اور کثرت قیام کے لمبا اور چھوٹا ہونے کے موافق ہے، یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو لمبا قیام فرماتے تھے یہاںتک کہ آپ کے بارے صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ ایک رکعت میں سورۃ بقرہ، آل عمران اور سورۃ نساء پڑھتے تھے، پس طویل قیام آپکو رکعات کی کثرت سے بے نیاز کردیتا تھا.

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جب مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تو وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا، کے زمانے میں ایک جماعت ہوتے تھے. حضرت ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) انکو بیس رکعت پڑھاتے تھے، کیونکہ زیادہ قیام لوگوں پر مشکل تھا. پس رکعتوں کا بڑھانا طویل قیام کے عوض میں تھا، اور بعض سلف صالحین چالیس رکعت پڑھتے تھے. [41]

پس یہ وہ اقوال ہیں جو ہم نے ائمہ اعلام سے ذکر کئے ہیں ان اقوال سے صاحب فہم و بصیرت حضرات کے سامنے ان لوگوں کا بطلان (غلط ہونا) ظاہر ہوگیا جن کا زعم یہ ہے کہ جس نے گیارہ رکعت سے زیادہ رکعتیں ادا کیں وہ گمراہ اور بدعتی ہے اور وہ ایسا ہے جیسے اس نے ظہر کی پانچ رکعت پڑھیں.

اللہ کریم ہمیں جہالت اور پریشانی سے محفوظ رکھے، آمین

نوجوانوں کو میری نصیحت

نماز تراویح کی مفصل وضاحت اور بیان کے بعد میں اپنے مسلمان بھائیوں کو ایک نصیحت کرتا ہوں ان میں سے خصوصی طور پر نوجوانوں کو کہتا ہوں

۱. مناسب ہے کہ حق ہمیشہ پیش نظر ہو، اور مقصد اللہ کی رضا ہو، نہ خواہشات کی اتباع اور نام و نمود کی شہرت اور اگر دین کے اعتبار سے دیکھیں تو یقیناً ظاہر کی محبت ظاہر کو تباہ کردیتی ہے.

۲۔ یہ کہ ہم قوم کو اختلاف سے بچائیں اور اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق کی پوری پوری کوشش کریں، پس اللہ کریم نے ہمیں فرقہ بازی سے بچنے کی ہدایت کی ہے اور ہمیں وحدت و اتفاق کی دعوت دی ہے۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا

ترجمہ: اور سب مل کر خدا کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔

اور ہمیں اختلافات اور فرقہ بازی کے خطرے سے آگاہ کیا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاء ھم البینت واولئک لھم عذاب عظیم

ترجمہ: اور نہ ہو جانا ان لوگوں کی طرح جو فرقوں میں بٹ گئے تھے، اور اختلاف کرنے لگے تھے، اس کے بعد بھی جب آچکی تھیں ان کے پاس روشن نشانیاں اور ان لوگوں کیلئے عذاب بہت بڑا ہے (آل عمران آیت نمبر 105)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصبرین

ترجمہ: اور خدا اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا، اور صبر سے کام لو کہ خدا صبر کرنے والوں کا مددگار ہے۔

تذھب ریحکم کا معنیٰ ہے کہ تمہاری قوت، طاقت اور بہادری چلی جائے گی۔

۳۔ تم پر لازم ہے کہ تم جماعت کی صفوں میں ملو اور جماعت کے ساتھ ہو جاؤ اور الگ راہ اختیار کرنے کو ترک کر دو اور مسلمانوں کی جماعت سے انحراف چھوڑ دو۔

پس اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ماتولیٰ ونصلہ جھنم وساءت مصیراً (النساء آیت نمبر ۱۱۵)

ترجمہ: اور جو شخص مخالفت کرے (اللہ کے) رسول کی اسکے بعد کہ روشن ہو گئی، اس کیلئے ہدایت کی راہ اور چلے اس پر جو الگ ہے مسلمانوں کی راہ سے تو ہم

پھرنے دینگے اسے جدھر وہ خود پھرا ہے اور ڈال دیں گے اسے جہنم میں اور یہ بہت بری پلٹنے کی جگہ ہے۔

اور جماعت سے خارج ہونا ہلاکت ہے، ہوتا یہی ہے کہ بکریوں کے ریوڑ سے جدا ہونے والی بکری کو بھیڑیا کھا جاتا ہے۔

علیکم بالجماعۃ فان یداللہ مع الجماعۃ، ومن شذ شذ فی النار

ترجمہ: تم پر جماعت لازم ہے، پس بیشک اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو علیحدہ ہوا وہ دوزخ میں گیا۔

جیسا کہ نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ صحیح خبر منقول ہے کہ

۴۔ قیل و قال اور زیادہ جھگڑے کو چھوڑ دو کیونکہ دینی معاملات میں جھگڑا اور ریاکاری امت کیلئے ہلاکت کا سبب ہے، جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

ماضل قوم بعد ھدی کانوا علیہ الا اوتوا الجدل

ترجمہ: ہدایت کے بعد قوم صرف اس لئے ہی گمراہ ہو گئی کہ وہ جھگڑے میں پڑ گئی۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد تلاوت فرمایا

ماضربوہ لک الا جدلا بل ھم قوم خصمون (الزخرف آیت ۵۸) [۴۲]

ترجمہ: انہوں نے تم سے یہ نہ کہی مگر ناحق جھگڑنے کو، بلکہ وہ جھگڑالو لوگ ہیں۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

انما ھلک من کان قبلکم باختلافھم فی الکتاب [۴۳]

ترجمہ: تم سے پہلے لوگ صرف کتاب میں اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئے

۵۔ دعوۃ الی اللہ (اللہ کی طرف دعوت) میں حکمت کے طریقہ پر چلو، اور تم پر اپنے تمام معاملات میں نرمی لازمی ہے۔

فان الرفق لایکون فی شیء الازانہ ولا ینزع من شیء الاشانہ [۴۴]

ترجمہ: پس یقیناً نرمی جس چیز میں بھی ہو گی اسے مزین کر دے گی اور جس چیز سے نکال دی جائیگی اسے خراب کر دے گی۔

جس طرح سید الخلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "زندگی میں تمہارا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا" دلوں کو محبت اور صفائی پر جمع کرنا ہونا چاہیئے اور دینی امور

میں گہرائی اور تشدد سے بچو"

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

هلک المتنطعون هلک المتنطعون

ترجمہ: گہرائی میں پڑنے والے ہلاک ہوگئے گہرائی میں پڑنے والے ہلاک ہوگئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کو تین مرتبہ بیان فرمایا۔

اور نبوت کی ہدایت کی پیروی کرو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ میں سے کسی کو کسی کام کیلئے بھیجتے تو انکو فرماتے

بشروا ولا تنفروا ویسروا ولا تعسروا

ترجمہ: خوشخبری سناؤ، نفرت نہ دلاؤ اور آسانی کرو تنگی نہ کرو یعنی دین کو آسان کرکے پیش کرو مشکل انداز میں پیش نہ کرو۔

اور وہ سنو جو حبیب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو معلم اور مرشد ہونے کی حیثیت میں ارشاد فرمایا۔

انکم فی زمان من ترک فیه عشر ما امربه هلک، ثم یاتی زمان من عمل فیه بعشر ما امربه نجا (رواه الترمذی فی باب الفتن)

ترجمہ: یقیناً تم ایسے زمانے میں ہو جو شخص ان امور میں جن کا حکم دیا گیا ہے اس کے دسویں حصے پر (عمل کرنا) چھوڑ دے گا تو ہلاک ہو جائے گا، پھر ایسا زمانہ آئے گا جو مامور بہ (حکم کئے گئے) کاموں میں دسویں حصہ پر عمل کرے گا تو نجات پا جائیگا

اس حدیث کو ترمذی نے باب الفتن میں روایت کیا

۶۔ علمائے عاملین ائمہ مجتہدین کے اقوال کو مضبوطی سے تھامے رکھو پس وہ دینی امور میں خاص مقام رکھنے والے ہیں اور ان اہل ھواء کی اتباع سے بچو یعنی ان نفسانی خواہشات کے پجاریوں کو چھوڑو جو علم میں بلندی کے دعویدار ہیں جو تمہیں ائمہ اعلام کے آراء کو چھوڑ دینے کی دعوت دیتے ہیں اس حجت اور دلیل کے ساتھ کہ مذاہب کی اتباع گمراہی ہے تاکہ تم ان کے ایسے خیالات کو اپنا لو جن میں انہوں نے سلف خلف اور جمہور علماء کے خلاف کیا ہے، اور انکا مقصد صرف ظاہریت کی محبت ہے جو ظاہریت کو بھی تباہ کر دیتی ہے، پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں اہل علم اور (دینی امور میں) خاص مقام رکھنے والے لوگوں کی طرف رجوع کرنے کا

حکم فرمایا ہے۔

فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون (الانبیاء آیت ۸)

ترجمہ: تو اے لوگو! تم علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو

اور فرمایا کہ

ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم (النساء آیت ۸۳)

ترجمہ: اور اگر لوٹا دیتے اسے رسول (کریم) کی طرف اور باقتدار لوگوں کی طرف اپنی جماعت سے تو جان لیتے اس خبر (کی حقیقت) کو وہ لوگ جو نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں۔

پس ائمہ مجتہدین ہدایت کے چراغ اور نور اور روشنی کی مشعلیں ہیں اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ جب امام دار الہجرات امام مالک، عالم مکہ امام شافعی، امام اہل سنت امام احمد اور امام ابو حنیفہ جنکے علم نے مشرق و مغرب کو گھیر لیا ہے اور امام ابن تیمیہ بالاتفاق شیخ الاسلام تھے۔ جب یہ ائمہ اعلام سلف صالحین نہیں ہیں اور وہ شریعت اور دین میں ہمارے مقتدا نہیں ہیں تو پھر ہم کس کی اقتداء کریں؟ کیا ہم ان لوگوں کی اقتداء کریں جو مخالفت اور علیحدگی کے خواہش مند ہیں جبکہ فقہائے کرام عورتوں کیلئے سونا پہننے کے جواز پر جمع ہیں تو وہ کہتے ہیں نہیں یہ حرام ہے جائز نہیں ہے پس سونے کے کڑے پہننے کی حرمت پر نصوص وارد ہوئی ہیں۔

جب فقہائے کرام قرآن مجید کے چھونے کیلئے طہارت کے واجب ہونے پر جمع ہیں تو انہوں نے کہا کے بے وضو پر طہارت واجب نہیں ہے اور انہوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم بھلا دیا۔

والا یمس القرآن الا طاهر

ترجمہ: اور یہ کہ قرآن کو نہ چھوئے مگر پاک آدمی

جب فقہائے عظام نے کہا کہ جنبی کیلئے قرآن کریم کا پڑھنا جائز نہیں ہے تو وہ کہتے ہیں کہ جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اوقات (حالات) میں اللہ کا ذکر کرتے تھے، جس طرح حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی۔

تلاوت قرآن اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے درمیان بہت بڑے فرق میں انہوں نے

(سلفی علماء نے) جہالت اختیار کی، انکے فاسد فہم کے مطابق تو جنبی جمعہ کی نماز بھی پڑھ سکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

فاسعوا الی ذکر اللہ

ترجمہ: تو اللہ کے ذکر کیطرف جلدی کرو

تمام مفسرین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مراد خطبے کا سننا اور نماز کا ادا کرنا ہے، جب علمائے کرام ملاقات کیلئے آنے والے کے واسطے کھڑا ہونے کے جواز پر متفق ہیں تو وہ کہتے ہیں قیام حرام ہے، کیونکہ قیام (کھڑا ہونا) نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے، پس جو کسی شخص کیلئے کھڑا ہوا گویا اس نے ایک شخص کی عبادت کی، انکی ذہنیت پر افسوس، اسی قیاس کے مطابق مناسب ہے کہ ہم قراءت (قرآن پڑھنا) اور قعود (التحیات کی صورت میں بیٹھنا) کو حرام قرار دیدیں کیونکہ وہ دونوں نماز کے ارکان میں سے ہیں۔

عش رجبا تری عجبا

ترجمہ: زیادہ دیر زندہ رہ، تو عجیب وغریب چیزیں دیکھے گا۔

اے نوجوانو! ہم چاہتے ہیں کہ تم حکم لگانے میں جلد بازی سے کام نہ لو اور تم علم اور فقہ اپنے ان اصحاب (صاحب علم لوگوں) سے حاصل کرو، جو اپنے علم اور دین میں مضبوط ہیں۔

امام زہری علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ یہ علم دین ہے پس دیکھو کہ اپنا دین کس سے حاصل کررہے ہو۔ 45

اے نوجوانو! علم کے جھوٹے دعویداروں سے بچو، جو شہرت اور غلبہ کو پسند کرتے ہیں، اگرچہ علماء کی عزت کو مجروح کرنے اور سلف صالحین میں ائمہ اعلام پر طعن کے ذریعے ہو۔

اور یقیناً میں ڈرتا ہو کہ ہم اس زمانہ میں آپہنچے ہیں کہ جس میں جاہل لوگ بڑے بنے ہوئے ہیں، جن کے بارے میں (محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں خبری دی ہے کہ جس کو بخاری نے روایت کیا ہے کہ

ان اللہ لایقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من صدور العباد، ولکن یقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤوسا جہالا، فسئلوا فافتوا

بغیر علم فضلوا واضلوا

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں سمیٹیں گے کہ اس کو بندوں کے سینوں سے نکال دیں گے بلکہ علم کو علماء کے اٹھالینے کیساتھ سمیٹ دینگے، یہاںتک کہ کوئی عالم نہیں رہے گا، لوگ جاہلوں کو سردار بنالینگے، پس ان سے سوال کیے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتوے دینگے، گمراہ ہونگے اور گمراہ کرینگے۔

ہم آخری نصیحت اپنے ان بھائیوں کیلئے پیش کررہے ہیں جو جہالت سے سلفی بن رہے ہیں ہم انہیں کہتے ہیں کہ

۱۔ جزوی امور میں فتنوں کو بھڑکانا، ابھارنا اور مسلمانوں کو تشویش میں ڈالنا کیا سلف صالحین کا طریقہ ہے؟

۲۔ کیا امت کو گمراہ کرنا سلف صالحین اور علمائے امت کو جاہل کہنا انکو سنت کی مخالفت اور بدعت اختیار کرنے کے طعنے دینا سلف صالحین کا عمل ہے؟

۳۔ کیا جمہور اہل اسلام سے الگ رائے قائم کرنا اور مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہونا اور اس دور کے بعض شیوخ کے اقوال سے چمٹے رہنا سلف صالحین کا طریقہ ہے۔ اس امت کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو

تمہارا مقصد اخلاص، سچائی اور سلف صالحین کے طریقہ پر مضبوطی سے عمل ہونا چاہیئے، شہرت، نفسانی خواہشات کی اتباع اور ظاہریت کی محبت نہیں ہونی چاہیئے

ان عجیب وغریب غیر مانوس اور خلاف قیاس آراء کو چھوڑو اور اپنی جدوجہد دین سے پھرنے والے کمیونسٹوں اور عیسائیت کی دعوت دینے والوں کے مقابلہ میں وقف کردو۔

اس امت کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، جس گروہ بندی، اختلاف اور نقصان میں ہم مبتلا ہیں یہی ہمارے لئے کافی ہے

ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ مسلمان اور اسلام کی دعوت دینے والے طاقتور، سرکش، دشمن اور بغاوت، کیمونزم، آزاد خیالی اور بے دینی کا مقابلہ کریں۔

ہم ایسے دور میں ہیں جس میں فتنے موجیں مار رہے ہیں یہ ایسا دور ہے جس میں

ایمان اور کفر کے درمیان جنگ ہے، یہ وقت سنت اور بدعت کی لڑائی کا نہیں (یعنی یہ وہ وقت نہیں جس میں سنت اور بدعت میں جھگڑا کیا جائے) لوگوں کو چھوڑ دو، آٹھ رکعت تراویح پڑھیں یا بیس رکعت.

ان کو چھوڑ دو وہ اکیلے اکیلے اللہ کی تسبیح کریں یا جماعت کی صورت میں تسبیح کریں، اگر ــ اگر تم سچے مخلص ہو اور سلف صالحین کے طریقہ کی اتباع کا ارادہ رکھتے ہو تو ان لوگوں کو لہو ولعب اور رقص وسرود کی مجلسوں کی بجائے ذکر کے حلقوں میں جمع ہونے دو.

لوگوں کی عبادت میں خلل اندازی نہ کرو، احکام دین پر خود مطلع نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان علماء اور سلف صالحین پر دین میں بدعت جاری کرنے کی تہمت نہ لگاؤ، یا اس وجہ سے کہ تم ان دلائل سے ناواقف ہو جس پر علماء اور ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم نے اعتماد کیا ہے.

اگر ایک آدمی کلی طور پر نماز تراویح سے رک جاتا ہے تو اس کا جرم اور گناہ اس شخص کے گناہ سے ہلکا ہے، جو مسلمانوں کی جماعت کو جدا جدا کر دیتا ہے، اور دشمنی وفساد پھیلاتا ہے، پس یقیناً نماز تراویح سنت ہے اور مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد اور کلمہ پر اجتماع فرض ہے.

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

ترجمہ: اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی کو سب مل کر اور جدا جدا نہ ہونا

تم کس طرح ایک سنت کی وجہ سے امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر رہے ہو؟

ہم اس ذات سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں خطا اور لغزش سے محفوظ فرمائے اور ہمیں حق، ہدایت اور سلف صالحین کے طریقہ کے التزام پر لائے، اور ہمیں دین میں سمجھ عطا فرمائے تاکہ ہمارے احکام دلیل اور بصیرت پر مبنی ہوں.

یقیناً وہ بہترین ہدایت دینے والا اور سیدھی راہ دکھانے والا ہے.

بحث کا خاتمہ

جو کچھ آج کل مسلمان مشرق ومغرب میں بیس رکعت نماز تراویح کے بارے کر رہے ہیں وہی حق ہے جس پر نصوص کریمہ دلالت کرتی ہیں یہی راستہ ہے جس پر سلف صالحین چلے ہیں اور ائمہ اعلام کا اس پر اجماع ہے اور ملت اسلامیہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے لیکر ہمارے اس زمانے تک متفق ہے، نماز تراویح بیس رکعت نبوت کی راہنمائی کے مطابق ہے اور سنت نبوی شریف صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالف نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی اتباع میں ہے.

فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين

ترجمہ: تم پر مرا طریقہ اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ لازمی ہے

بلکہ یہ عمل منتشر لوگوں کو جمع کرتا ہے اور مسلمانوں کو ایک ہو جانے کی دعوت دیتا ہے، خصوصاً اس پر قدیم اور جدید دور کے ائمہ اعلام کا اجماع ہے، اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندے، اپنے رسول اور ہمارے آقا ومولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپکی آل اور آپکے تمام اصحاب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، اور تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے.

مکۃ المکرمہ
غرۃ شہر رمضان
۱۴۰۳ھ

کتبہ
خادم الکتاب والسنۃ
محمد علی الصابونی

حواشی

(۱) الترغیب والترھیب میں یہاں فینزل الرحمۃ بھی ہے یعنی رحمت نازل فرماتے ہیں
(۲) دیکھو "الفقہ الواضح علی المذاہب الاربعہ" ازڈاکٹر محمد بکر اسماعیل صفحہ ۲/ ۲۵
(۳) صحیح مسلم ۱/ ۵۲۷
(۴) حذا الحدیث فی اسنادہ مسلم بن خالد المخزومی وھو ضعیف کما قال ابو داؤد قال الحافظ فی الفتح والمحفوظ ان عمر رضی اللہ عنہ ھو الذی جمع الناس علی ابی ابن کعب الفتح ۴/ ۲۱۸
(۵) بخاری شریف
(۶) المغنی لابن قدامہ
(۷) رواہ البخاری ۳/ ۲۲۰ فی الصلوۃ التروایح - دیکھو جامع الوصول ۶/ ۱۱۷
(۸) شرح المھذب ۳/ ۵۲۷
(۹) السنن الکبری للحافظ البیھقی فی باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شھر رمضان ۲/ ۴۹۶
(۱۰) موطا امام مالک میں اس کے آگے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی سند مرسل قوی ہے
(۱۱) المغنی ۲/ ۱۶۷ لابن قدامہ الحنبلی وذکرانہ رواہ ابو داؤد
(۱۲) رواہ البخاری فی صحیحہ
(۱۳) یعنی وتر ایک سلام کیساتھ پڑھتے تھے
(۱۴) یہ نماز تراویح کی بات ہے اسے مسجد میں پڑھنا بہتر ہے لیکن اس کے ساتھ فرض بھی مسجد میں ادا کرنا نہ چھوڑ دیں
(۱۵) شرح الصغیر علی اقرب المسالک ج ۱/ ۵۵۲
(۱۶) رواہ اصحاب السنن
(۱۷) اگر کوئی فرض نماز کا انکار کرے تو ہو جاتا ہے (مترجم)
(۱۸) یعنی کبیرہ گناہ نہیں ہے (مترجم)
(۱۹) یہ روایت تہجد کے بارے میں ہے، دیکھو بخاری باب قیام اللیل
(۲۰) فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۲/ ۴۰۱ اور دیکھو جو فقیہ محدث شیخ اسماعیل انصاری نے اپنے مضبوط رسالے "تصحیح حدیث صلاۃ التراویح عشرین رکعۃ" میں لکھا ہے، پس اس میں بیمار کی شفاء ہے، یہ موصوف حکومت سعودیہ کے دار الافتاء کے رکن ہیں
(۲۱) اخرجہ البخاری عن حدیث انس بن مالک وانظر جواہر البخاری
(۲۲) سورۃ النساء، آلایۃ (۱۵۵)
(۲۳) یہ اس حدیث کا حصہ جسے امام بخاری نے بیان کیا ہے

(۲۴) اسکو ترمذی نے بیان کیا ہے - مناقب میں اور فرمایا ہے کہ حدیث صحیح حسن ہے دیکھیے جامع الوصول ۸/ ۶۰۸
(۲۵) بخاری ۷/ ۴۰ باب مناقب عمر - ابن اثیر نے جامع الوصول میں کہا ہے "محدثون" حدیث میں اسکی تفسیر کی ہے کہ وہ ملہم ہیں اور ملہم وہ ہے جو کسی چیز کے بارے ظن اور فراست سے خبر دے
(۲۶) یہ بات پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہے
(۲۷) اسکو ترمذی نے بیان کیا ہے - اس کی اسناد حسن ہے اور دیکھیے جامع الوصول
(۲۸) اسکو ابو داؤد اور ترمذی نے بیان کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے
(۲۹) بخاری شریف
(۳۰) جامع الوصول ۱/ ۲۸۰
(۳۱) بخاری شریف
(۳۲) جامع الاوصول فی احادیث الرسول، لابن الاثیر ۱/ ۲۸۱
(۳۳) فتح الباری لابن حجر عسقلانی علی شرح البخاری ۴/ ۲۵۳
(۳۴) اس سے بخاری کی وہ روایت مراد ہے جو عبدالرحمان بن عبد القاری سے مروی ہے کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان المبارک کی ایک رات باہر نکلا تو دیکھا کہ لوگ علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ رہے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں انکو ایک قاری کے پاس جمع کردوں، تو پھر آپ نے تمام لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمع کر دیا یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے (مترجم)
(۳۵) فتح الباری ۴/ ۲۵۲، ۲۵۳
(۳۶) اخرجہ مسلم ۱/ ۴۹۹
(۳۷) صحیح مسلم ۱/ ۴۹۷
(۳۸) صحیح مسلم ۱/ ۵۳۱
(۳۹) اخرجہ مسلم ۱/ ۵۳۲
(۴۰) رسالہ التراویح عشرون رکعۃ از علامہ شیخ اسماعیل انصاری
(۴۱) دیکھیں فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ج ۱ صفحہ ۱۶۸-۱۶۹
(۴۲) ترمذی شریف حدیث نمبر ۳۲۵۰ ابن ماجہ باب اجتناب البدع واحمد فی المسند ۵/ ۲۵۲ اور فرمایا کہ اسکی سند صحیح ہے
(۴۳) اخرجہ مسلم فی العلم
(۴۴) مسلم شریف - ابو داؤد شریف باب فضل الرفق
(۴۵) امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں یہ قول امام محمد بن سیرین کیطرف منسوب کیا ہے (مترجم)

ماخذ و مراجع

قرآن مجید

بخاری شریف	امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ
مسلم شریف	امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری رحمہ اللہ
نسائی شریف	امام ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی رحمہ اللہ
ابو داؤد شریف	امام ابو داؤد سلیمان اشعث رحمہ اللہ علیہ
ترمذی شریف	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ علیہ
مؤطا	امام مالک رحمہ اللہ علیہ
مسند	امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ
السنن الکبریٰ	امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ
جامع الاصول	امام ابو السعادت المبارک محمد ابن الاثیر جزری رحمہ اللہ
فتح الباری	امام ابن حجر عسقلانی
الترغیب والترہیب	ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری
جامع بیان العلم وفضلہ	امام محدث ابو عمر یوسف بن عبدالبر رحمہ اللہ
نیل الاوطار	قاضی محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ
تحفۃ الذاکرین	قاضی محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ
المغنی	امام ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ
شرح المھذب	امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف شافعی نووی رحمہ اللہ
المجموع	امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف شافعی نووی رحمہ اللہ
بدایۃ المجتہد	امام ابن رشد مالکی رحمہ اللہ
اقرب المسالک علی مذہب الامام مالک	الشیخ الدردیر مالکی رحمہ اللہ

الشرح الصغیر علی اقرب المسالک	-
طرح التثریب	حافظ عراقی
فتاویٰ	الشیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ
رفع الملام عن الائمۃ الاعلام	الشیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ
لسان العرب	علامہ ابن منظور
مجموعۃ الفتاوی النجدیہ	-
صلاۃ التراویح عشرون رکعۃ	الشیخ اسماعیل الانصاری سعودی
الفقہ الواضح علی المذاہب الاربعہ	ڈاکٹر محمد بکر اسماعیل
تصحیح حدیث صلاۃ التراویح عشرین رکعۃ	الفقیہ المحدث الشیخ اسماعیل الانصاری رکن دار الافتاء۔ سعودی عرب

مشائخ نقشبندیہ مجددیہ کا بے مثال تذکرہ

حضراتُ القُدس

- کتاب مذکور کے مصنف خواجہ بدرالدین سرہندی علیہ الرحمۃ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے ہیں۔ آپ نے حضرت امام ربانی کی خدمت میں سترہ سال رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اپنے زمانہ کے ممتاز علماء اور مصنفین میں آپ کا شمار ہوتا ہے
- اس کتاب میں مصنف علیہ الرحمۃ نے خلفاء اربعہ (حضرت صدیق، فاروق، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم) سے لے کر امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولادِ امجاد اور آپ کے خلفاء تک سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے تمام اولیائے کرام کے مفصل حالات نہایت تحقیق سے قلمبند فرمائے ہیں۔
- مشائخ نقشبندیہ مجددیہ کے حالات پر آج تک جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں یہ کتاب بڑی جامع اور مستند ہونے کی وجہ سے سب سے بلند درجہ رکھتی ہے اس لیے اس کا ترجمہ آسان اردو میں کرایا گیا ہے تاکہ ہر اردو خواں اس سے بخوبی فائدہ اٹھا سکے۔
- اولیائے نقشبندیہ مجددیہ کے حالات، کرامات اور ارشادات سے روحانی فیض حاصل کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کیجیے۔

مکتبہ نعمانیہ۔ اقبال روڈ سیالکوٹ

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور علامہ اقبالؒ

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے ؛ اسی کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار

ملک کے مشہور و معروف دانشور اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مظہریہ کے چشم و چراغ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب (ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی) کا ایک تحقیقی مقالہ ہے، پروفیسر صاحب نے امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور مفکر پاکستان ڈاکٹر علامہ محمد اقبال (مرحوم) کے مختصر حالات درج کرنے کے بعد تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ علامہ اقبال شیخ مجدد کے علم و روحانیت سے بہت متاثر ہوئے اور کئی بار سرہند شریف حاضری دی، شیخ مجدد اور شاعر مشرق سے تعلق رکھنے والے حضرات کو پہلی فرصت میں اسکا مطالعہ کرنا چاہیئے، مزار مجدد اور مزار اقبال کا فوٹو بھی شامل کتاب ہے، سائز ۱۸×۲۲، صفحات ۱۰۰، سرورق رنگین اور مضبوط، طباعت آفسٹ، کاغذ سفید،

: قیمت صرف ۶/۷۵ روپے :

آدابِ رسول

مصنفہ فاضل جلیل مولانا محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی قادری چشتی

سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل، تعظیم و توقیر اور آداب کا مفصل بیان، قرآنی آیات، احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام کے عمل اور بزرگانِ دین کے اقوال و افعال سے پیش کئے گئے ہیں، علاوہ ازیں بزرگانِ دین کے آداب، قرآن مجید کے آداب، قبلہ کے آداب، شعائر اللہ کے آداب، شانِ نبوت میں گستاخی کے نتائج بڑے شرح و بسط سے بیان کئے گئے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت رکھنے والوں کیلئے لاجواب تحفہ ہے۔ سائز ۱۸×۲۲ طباعت آفسٹ کاغذ سفید، صفحات ۱۴۴

قیمت ۸/۲۵ روپے

مکتبہ نعمانیہ اقبال روڈ، سیالکوٹ

مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ کی مثنوی شریف سے منتخب حکایات کا مجموعہ

بہارِ مثنوی

تالیف

قطبِ وقت حضرت علامہ مفتی محمد محمود الوری رحمۃ اللہ علیہ

- مؤلف علیہ الرحمۃ کی بہترین اور لاجواب کاوش۔
- علماء، خطباء، طلباء اور مذہبی ذوق رکھنے والے حضرات کیلئے بے مثال تحفہ۔
- حکایات اور تمثیلات کی زبان میں معرفت و حقیقت کے نادر و نایاب مسائل کا حل۔
- سالکوں اور صوفیوں کے لیئے تعلیم و تصوف اور مقاماتِ سلوک طے کرنے کا طریقہ۔
- وادیٔ ضلالت میں بھٹکنے والوں کے لیئے نیکی اور بدی کے راستہ کی وضاحت۔
- معاشرہ کے زخم رسیدہ ناسوروں کی نشاندہی اور ان کا علاج۔
- اُمتوں کے اسبابِ زوال کی توضیح اور کامرانی و شادکامی کا راستہ۔
- شائقین علم و خرد کے لیئے خیر و شر میں فرق کرنے کی میزان۔

اسلام کا درد رکھنے والوں اور اصلاحی و تعمیری ذہن کے مالک احباب کے لیئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری اور فائدہ بخش ہے۔

جلد اعلیٰ اور مضبوط ـــــ ٹائیٹل رنگین ـــــ قیمت -/۴۲ روپے
ملنے کا پتہ مکتبہ نعمانیہ اقبال روڈ سیالکوٹ پاکستان

نمازِ تراویح

۲۰ رکعات

سنت موکدہ ہے

غیر مقلدین کے اعتراضات کے مدلل جوابات

متکلم اسلام
مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

تراویح بیس رکعت

سنت مؤکدہ ہے

مع

غیر مقلدین کے شبہات واعتراضات کے جوابات

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

سرپرست: مرکز اہل السنت والجماعت، سرگودھا

ترتیب وپیشکش

احناف میڈیا سروس

www.ahnafmedia.com

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

برادران اہل السنت والجماعت! رمضان شریف کا مہینہ عالمِ روحانیت کا موسم بہار ہے۔ دن کو فرض روزہ رکھنا اور رات کو سنت تراویح ادا کرنا اس مبارک مہینہ کی مخصوص عبادات ہیں۔ حدیث مبارک میں ارشاد ہے:

شَهْرٌ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهٗ وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهٗ۔

سنن ابن ماجۃ: ص94، باب ماجاء فی قیام شہر رمضان

ترجمہ: اس مہینہ کے روزے اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض فرمائے ہیں اور میں نے اس کے قیام (تراویح) کو تمھارے لیے سنت قرار دیا ہے۔

اس ماہِ مبارک کی برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس میں ایک نفل کا ثواب فرض کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر کر دیا جاتا ہے۔

مشکوۃ المصابیح: ج1، ص173

اس لیے اللہ والے ان مبارک گھڑیوں کو غنیمت سمجھتے ہیں اور ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہونے دیتے کہ شائد آئندہ سال ہمیں یہ مقدس گھڑیاں نصیب ہوں یا نہ ہوں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ شَدَّ مِئْزَرَهٗ، ثُمَّ لَمْ يَأْتِ فِرَاشَهٗ حَتّٰى يَنْسَلِخَ۔

شعب الایمان للبیہقی: ج3، ص310

ترجمہ: جب رمضان کا مہینہ آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمرِ ہمت کس لیتے اور اپنے بستر پر تشریف نہ لاتے، یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا۔

لیکن جب رمضان کی آخری دس راتیں آتیں تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی

فرماتی ہیں کہ:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهَا۔

صحیح مسلم: ج1، ص372، باب الاجتہاد فی العشر الاواخر الخ

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری دس دنوں میں جو کوشش فرماتے وہ باقی دنوں میں نہ فرماتے تھے۔

نیز امت کو بھی اس مہینے میں عبادت کی ترغیب دیتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔

صحیح بخاری: ج1، ص10، باب تطوع قیام رمضان من الایمان

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے رمضان میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے تراویح پڑھی تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں خود بھی بکثرت عبادت فرماتے تھے اور امت کو بھی بکثرت عبادت کی ترغیب دیتے تھے۔ اس لیے اس ماہ میں زیادہ سے زیادہ جتنی عبادت ہو سکے پوری ہمت اور کوشش سے کرنی چاہیے۔

قیام رمضان:

قیام رمضان (تراویح) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعت فرمایا۔ اسی پر حضرات خلفاءِ راشدین میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ائمہ مجتہدین و

حضرات مشائخ رحمہم اللہ عمل پیرا رہے، بلاد اسلامیہ میں چودہ سو سال سے اسی پر عمل ہوتا رہاہے اورامت کا اسی پر اجماع ہے۔ آنے والے سطور میں اس کی وضاحت آرہی ہے۔

لفظ تراویح:

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَالتَّرَاوِيحُ جَمْعُ تَرْوِيحَةٍ وَهِيَ الْمَرَّةُ الْوَاحِدَةُ مِنَ الرَّاحَةِ كَتَسْلِيمَةٍ مِنَ السَّلَامِ.

فتح الباری شرح صحیح البخاری ج4 ص317

ترجمہ: تراویح ''ترویحہ'' کی جمع ہے اور ترویحہ ایک دفعہ آرام کرنے کو کہتے ہیں، جیسے ''تسلیمہ'' ایک دفعہ سلام کرنے کو کہتے ہیں۔

نمازِ تراویح کی وجہ تسمیہ:

''ترویحہ'' وہ نشست ہے جس میں کچھ راحت لی جائے۔ چونکہ تراویح کی چار رکعتوں پر سلام پھیرنے کے بعد کچھ دیر راحت لی جاتی ہے،اس لیے تراویح کی چار رکعت کو ایک ''ترویحہ'' کہاجانے لگا اور چونکہ پوری تراویح میں پانچ ترویحے ہیں، اس لیے پانچوں کا مجموعہ ''تراویح'' کہلاتا ہے۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سُمِّيَتِ الصَّلٰوةُ فِي الْجَمَاعَةِ فِي لَيَالِي رَمَضَانَ التَّرَاوِيحَ ؛ لِأَنَّهُمْ اَول ما اجتمعوا عليها كانوا يستريهون بين كل تسليمتين۔

فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج4، ص317

ترجمہ: جو نماز رمضان کی راتوں میں باجماعت ادا کی جاتی ہے اس کا نام ''تراویح'' رکھا گیاہے، اس لیے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ پہلی بار اس نماز پر مجتمع ہوئے

تو وہ ہر دو سلام (چار رکعتوں) کے بعد آرام کیا کرتے تھے۔

تراویح سنت مؤکدہ ہے

حضور علیہ السلام نے قیام رمضان کو سنت قرار دیا ہے جیسا کہ ابھی باحوالہ گزرا ہے۔ آپ علیہ السلام کے بعد حضرات خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اس پر مواظبت فرمائی جیسا کہ ہم اس کا بیان کریں گے، اور یہی مواظبت دلیل ہے کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔

سنن ابی داؤد: ج2، ص290، باب فی لزوم السنۃ

ترجمہ: تم میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین (رضی اللہ عنہم) کی سنت کو اپنے اوپر لازم پکڑو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔

اس حدیث مبارک میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت پر لفظ "علیکم" (تم پر لازم ہے) اور عضوا علیہا بالنواجذ (مضبوطی سے تھام لو) سے عمل کرنے کی تاکید فرمائی اسی طرح حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت پر بھی عمل کرنے کی تاکید فرمائی جو کہ تراویح کے سنت موکدہ ہونے کی دلیل ہے۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی باجماعت نماز تراویح؛ تین راتیں:

آپ علیہ السلام سے تراویح کی جماعت صرف تین دن ثابت ہے، پورا مہینہ آپ علیہ السلام نے صحابہ رضی اللہ عنہ کو کوئی نماز نہ پڑھائی جیسا کہ احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- رَمَضَانَ فَلَمْ يَقُمْ بِنَا شَيْئًا مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى بَقِيَ سَبْعٌ فَقَامَ بِنَا حَتَّى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتَّى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ نَفَّلْتَنَا قِيَامَ هَذِهِ اللَّيْلَةِ. قَالَ فَقَالَ «إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا صَلَّى مَعَ الإِمَامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ». قَالَ فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ أَهْلَهُ وَنِسَاءَهُ وَالنَّاسَ فَقَامَ بِنَا حَتَّى خَشِينَا أَنْ يَفُوتَنَا الْفَلاَحُ.... ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ.

سنن ابی داؤد ج1 ص204، باب فی قیام شہر رمضان

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے، آپ نے پورا مہینہ ہمیں رات میں نماز نہیں پڑھائی یہاں تک کہ سات دن باقی رہ گئے تو (تیئسویں رات میں) آپ نے ہمیں نماز پڑھائی یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی جب چھ دن رہ گئے تو نماز نہیں پڑھائی پھر جب پانچ دن رہ گئے تو نماز پڑھائی (یعنی پچیسویں رات میں) یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی میں نے عرض کی: یارسول اللہ! اگر آپ اس رات کے باقی حصے میں بھی ہمیں نفل پڑھادیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا!، آپ نے فرمایا: جب کوئی شخص امام کے ساتھ نماز (عشاء) پڑھے پھر اپنے گھر واپس جائے تو اسے پوری رات کے قیام کا ثواب ملے گا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب چار دن باقی رہ گئے تو آپ نے ہمیں نماز نہیں پڑھائی، جب تین دن باقی رہ گئے تو آپ نے اپنے گھر والوں، عورتوں اور دیگر لوگوں کو جمع کیا اور نماز پڑھائی (یعنی ستائیسویں رات) اتنی لمبی نماز پڑھائی کہ ہمیں اندیشہ ہونے لگا کہ ہم سے سحری رہ جائے گی، پھر باقی ایام بھی آپ نے ہمیں نماز نہیں پڑھائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعدادِ رکعتِ تراویح:

دلیل نمبر 1:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2 ص284 باب کم یصلي فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ. المعجم الکبیر للطبرانی ج5 ص433 رقم 11934، المنتخب من مسند عبد بن حمید ص218 رقم 653، السنن الکبری للبیہقی ج2 ص496 باب مَارُوِيَ فِي عَدَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ.)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔

فائدہ: اس کی سند حسن درجہ کی ہے، امت کے تلقی بالقبول کی وجہ سے صحیح شمار ہو گی۔

شبہ:

زئی صاحب غیر مقلد نے لکھا: "یہ حدیث موضوع و من گھڑت ہے"

(تعدادِ رکعات قیام رمضان: ص28)

اور یہ بات نقل کی: "وھو ضعیف- هذا حديث ضعيف" (ایضاً)

نیز اس کے ایک راوی ابراہیم بن عثمان پر جرح بھی کی ہے۔ یہی کچھ غلام مصطفی غیر مقلد نے لکھا ہے۔ (آٹھ رکعت نماز تراویح: ص6)

جواب نمبر 1:

اللہ تعالیٰ جناب کو فہم نصیب فرمائے۔ حدیث کے بارے میں نقل کیا کہ یہ ضعیف ہے اور حکم لگایا "موضوع و من گھڑت ہے" کیا ضعیف حدیث موضوع ہوتی

ہے ؟[جبکہ زیرِ بحث حدیث درجۂ حسن کی ہے، اور مؤیدات کی وجہ سے قوی تر ہے۔ تفصیل آگے آرہی ہے] اگر یہی اصول جناب کے ہاں مسلم ہے تو سننِ اربعہ اور دیگر کتبِ حدیث کی جن روایات کو محدثین ضعیف بتلاتے ہیں ان پر شوق سے "موضوع" کا حکم لگائیے۔ جناب کی جانب سے حدیث کی "عظیم خدمت" ہو گی۔

اولاً:۔۔ "ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ العنبسی" جن پر موصوف نے جرح کی ہے وہ اتنا بھی مجروح نہیں کہ اس کی روایت کو رد کر دیا جائے، بلکہ بعض محدثین سے اس کی تعدیل و توثیق اور مدح و ثناء بھی ثابت ہے۔

1: امام شعبہ بن الحجاج م 160ھ نے ابوشیبہ سے روایت لی ہے۔

(تہذیب الکمال للمزی: ج1، ص268، تہذیب التہذیب: ج1 ص136)

اور غیر مقلدین کے ہاں اصول ہے کہ امام شعبہ اس راوی سے روایت لیتے ہیں جو ثقہ ہو اور اس کی احادیث صحیح ہوں۔

(القول المقبول فی شرح صلوۃ الرسول: ص386، نیل الاوطار: ج1 ص16)

اگر ابوشیبہ اتنا ضعیف راوی ہوتا جتنا زئی صاحب کہتے ہیں تو پھر امام شعبہ ان سے روایت نہ لیتے۔

2: امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ الاساتذہ حضرت یزید بن ہارون رحمہ اللہ، ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ کے زمانۂ قضاۃ میں ان کے کاتب تھے اور ان کے بڑے مداح تھے، فرماتے ہیں: "ماقضی علی الناس یعنی فی زمانہ اعدل فی قضاء منہ"

(تہذیب الکمال ج1 ص270)

ترجمہ: ابراہیم بن عثمان کے زمانۂ قضاء میں ان سے بڑھ کر کوئی قاضی نہیں ہوا۔

3: امام ابن عدی فرماتے ہیں: لہ احادیث صالحۃ (تہذیب الکمال ج1 ص270)

ترجمہ: ابوشیبہ کی احادیث درست ہیں۔

مزید فرماتے ہیں: وهو وإن نسبوه إلى الضعف خير من إبراهيم بن أبي حية۔
(تہذیب الکمال ج1 ص270)

ترجمہ: لوگوں نے ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی طرف ضعیف ہونے کی نسبت کی ہے، لیکن یہ ابراہیم بن ابی حیہ سے بہتر ہے۔

اور ابراہیم بن ابی حیہ کے بارے میں امام یحیٰ بن معین فرماتے ہیں: شيخ، ثقة كبير ۔
(لسان المیزان ج1 ص53، رقم الترجمۃ 127)

ترجمہ: یہ شیخ ہیں اور بڑے ثقہ ہیں۔

تو جب ابراہیم بن ابی حیہ امام یحییٰ بن معین کے ہاں ثقہ ہے تو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ حد درجہ ضعیف کیوں؟ اور اس کی حدیث موضوع و من گھڑت کیوں؟

ثانیاً:۔۔ ابراہیم بن عثمان پر کی گئی جروح میں سے بعض جروح مبہم و غیر مفسر ہیں اور بعض جروح غیر مقبول اور مردود بھی ہیں۔ مثلاً زئی صاحب نے لکھا ہے: ”اسے شعبہ نے جھوٹا کہا ہے۔“ (تعدادِ رکعات قیام رمضان: ص29)

حالانکہ علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر کی پوری عبارت سامنے رکھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام شعبہ کی یہ جرح ناقابل قبول ہے۔ خود علامہ ذہبی کے ہاں بھی یہ جرح غلط ثابت ہوتی ہے۔ عبارت یہ ہے:

كذبه شعبة لكونه روى عن الحكم عن ابن ابى ليلىٰ انه قال شهد صفين من اهل بدر سبعون فقال شعبة كذب والله لقد ذاكرت الحكم فما وجدنا شهد صفين احدا من اهل بدر غير خزيمة ۔قلت: سبحان الله! اما شهد ها علي؟اما شهدها عمار؟

(میزان الاعتدال للذہبی: ج1 ص84)

ترجمہ: امام شعبہ نے ابراہیم بن عثمان کو جھوٹا اس وجہ سے کہا ہے کہ اس نے حکم سے روایت کی کہ ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ جنگ صفین میں ستر بدری صحابہ شامل تھے۔ شعبہ نے کہا: واللہ! ابراہیم بن عثمان نے تو جھوٹی بات کہی ہے۔ میں نے خود امام حکم سے مذاکرہ کیا تو سوائے حضرت خزیمہ کے کسی کو اہل بدر سے نہیں پایا۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں: سبحان اللہ! کیا صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر نہ تھے؟ کیا صفین حضرت عمار رضی اللہ عنہ حاضر نہ تھے؟

اس تفصیل سے امام شعبہ کی تکذیب کی حقیقت واضح ہو گئی کہ انہوں نے تکذیب صرف اس وجہ سے کی تھی کہ ابراہیم نے حکم کے واسطے سے ابن ابی لیلیٰ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صفین میں ستر بدری صحابہ شریک تھے۔ تو اس سے ابراہیم کا جھوٹا ہونا کیسے ثابت ہوتا ہے؟ بلکہ جھوٹ تو اس وقت ثابت ہوتا کہ جب شعبہ حکم کے پاس مذاکرہ کرنے گئے تو حکم سرے سے اس بیان کا انکار کر دیتے لیکن حکم اس کا انکار نہیں کرتے، بلکہ مذاکرہ سے صرف ایک صحابی ثابت ہوا۔ معلوم ہوا کہ امام حکم نے بیان کیا تھا لیکن اب وہ ستر کا عدد ثابت نہ کر سکے۔ تو اس میں ابراہیم کا کیا قصور ہے؟! علاوہ ازیں علامہ ذہبی نے بھی امام شعبہ کے اس بیان کو یوں رد کر دیا کہ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی تو یقیناً شریک تھے۔ تو پھر متعین ایک ہی کیسے ثابت ہوا؟ کم سے کم تین کہیے یعنی اس طرح اور تحقیق کر لیجیے، ممکن ہے اور نکل آئیں۔ معلوم ہوا کہ امام ذہبی کے نزدیک بھی شعبہ کی یہ جرح مردود ہے، لیکن علی زئی صاحب کی "دیانت" کو بھی داد دیجیے۔

ثالثاً:۔۔۔ ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ پر کچھ کلام بھی کیا گیا ہے اور اسے ضعیف بھی بتلایا گیا ہے لیکن یہ اتنا بھی ضعیف نہیں کہ اس کی روایت کو مطلقاً ترک کر دیا جائے بلکہ دیگر

مؤیدات کی وجہ سے (جن کا بیان آگے آرہاہے)یہ روایت اس قدر مستحکم و قوی ہو جاتی ہے کہ ضعیف کہہ کر جان چھڑانا ناممکن سی بات ہے۔چنانچہ محدث شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی فرماتے ہیں:

"ابو شیبہ کی یہ حدیث چاہے اسناد کے لحاظ سے ضعیف ہو مگر اس لحاظ سے وہ بے حد قوی اور ٹھوس ہے کہ عہد فاروقی کے مسلمانوں کا علانیہ عمل اس کے موافق تھا یا کم از کم آخر میں وہ لوگ اسی پر جم گئے اور روایتوں سے حضرت علی کے زمانہ کے مسلمانوں کا عمل بھی اسی کے موافق ثابت ہوتا ہے اور ہر چار ائمہ مجتہدین کے اقوال بھی اسی کے مطابق ہیں اور عہد فاروقی کے بعد سے ہمیشہ امت کا عمل بھی بلا اضافہ یا اضافہ کے ساتھ اس کے موافق رہاہے۔ان باتوں کے انضمام سے ابو شیبہ کی حدیث اس قدر قوی و مستحکم ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد اس کو ضعیف کہہ کر جان چھڑانا ناممکن سی بات ہو جاتی ہے۔"

(رکعات تراویح ص60)

جواب نمبر2:

اس روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور قاعدہ ہے کہ اگر کسی روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو روایت صحت کا درجہ پالیتی ہے۔

1:امام شافعیؒ (204ھ)فرماتے ہیں:

حدیث لا وصیہ لوارث إنہ لا یثبتہ أهل الحدیث ولکن العامہ تلقتہ بالقبول وعملوا بہ حتی جعلوۃ ناسخا لآیہ الوصیہ لہ۔

(فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث للسخاوي ج1 ص289)

ترجمہ: محدثین اس حدیث کو ثابت نہیں مانتے لیکن علماء نے اس کو قبول کر لیاہے اور

اس پر عمل بھی کرتے ہیں، حتیٰ کہ ان محدثین علماء نے اس حدیث کو آیت وصیت کا ناسخ قرار دیا ہے۔

2: امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (911ھ) فرماتے ہیں:

قال بعضهم يحكم للحديث بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم يكن له اسناد صحيح.

(تدریب الراوی ص29)

ترجمہ: بعض محدثین کا موقف ہے کہ حدیث پر صحیح ہونے کا حکم اس وقت (بھی) لگایا جائے گا جب امت اس حدیث کو قبول کر لے، اگرچہ اس کی سند صحیح نہ ہو۔

3: حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و ذهب بعضهم الى ان الحديث اذا تأيد بالعمل ارتقى من حال الضعف الى مرتبة القبول. قلت: و هو الاوجه عندي.

(فیض الباری شرح البخاری: ج3، ص:409 کتاب الوصایا، باب الوصیۃ لوارث)

ترجمہ: بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ کسی حدیث کی تائید جب (امت کے) تعامل کے ساتھ ہو تو وہ درجہ ضعف سے درجہ قبولیت پا لیتی ہے۔ میں (علامہ کشمیری رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ یہی رائے میرے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے۔

4: غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری نے اعتراف کیا: "بعض ضعف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں"

(اخبارِ اہل حدیث مورخہ 19 اپریل 1907 بحوالہ رسائلِ اعظمی ص331)

لہذا یہ روایت تلقی بالقبول ہونے کی وجہ سے یہ روایت صحیح و حجت ہے۔

جواب نمبر 3:

اس حدیث کو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ سے روایت کرنے والے چار محدث

ہیں:

1: یزید بن ہارون:(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2 ص284)

2: علی بن جعد:(المعجم الکبیر للطبرانی ج5 ص433 رقم 11934)

3: ابو نعیم فضل بن دکین:(المنتخب من مسند عبد بن حمید ص218 رقم 653،)

4: منصور بن ابی مزاحم:(السنن الکبری للبیھقی ج2 ص496)

اور یہ چاروں حضرات ثقہ ہیں:

1: یزید بن ہارون: ثقہ، متقن۔(تقریب التہذیب ص638)

2: علی بن جعد: ثقہ، صدوق۔(سیر اعلام النبلاء للذہبی: ج10 ص466)

3: ابو نعیم فضل بن دکین: ثقہ ثبت۔(تقریب التہذیب ص475)

4: منصور بن ابی مزاحم: ثقہ۔ (تقریب التہذیب ص576)

ان ثقہ و عظیم محدثین کا ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ سے بیس رکعت نقل کرنے میں متفق ہونا قوی تائید ہے کہ یہ حدیث ثابت و صحیح ہے ورنہ یہ ثقہ حضرات اس طرح متفق نہ ہوتے۔

دلیل نمبر2:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللہِ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَۃٍ فِیْ رَمَضَانَ فَصَلَّی النَّاسَ اَرْبَعَۃً وَّعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَاَوْتَرَ بِثَلَاثَۃٍ۔

(تاریخ جرجان للسہمی ص317، فی نسخۃ 142)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں ایک رات تشریف لائے اور لوگوں کو چار (فرض) بیس رکعت (تراویح)

اور تین وتر پڑھائے۔

فائدہ: اس حدیث کی سند حسن درجہ کی ہے۔

فائدہ: اس روایت کو تلقی امت بالقبول حاصل ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفاء راشدین میں سے حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم، تابعین، ائمہ اربعہ اور مشائخِ امت رحمہم اللہ نے اس پر عمل فرمایا ہے اور بلادِ اسلامیہ و حرمین شریفین میں اسی بیس رکعت کا معمول رہا ہے۔ محدثین حضرات نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ تلقی امت بالقبول سے حدیث درجہ صحت کو پا لیتی ہے۔[حوالہ جات گزر چکے ہیں]

لہذا یہ روایت درجہ صحیح کو پہنچ جاتی ہے۔

شبہ:

اس میں دو راوی محمد بن حمید الرازی اور عمر بن ہارون البلخی ضعیف ہیں۔

جواب:

یہ حسن الحدیث درجہ کے راوی ہیں۔

محمد بن حمید الرازی: (م248ھ)

آپ ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، کے راوی ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج:5 ص:547)

اگرچہ بعض محدثین سے جرح منقول ہے لیکن بہت سے جلیل القدر ائمہ محدثین نے آپ کی تعدیل و توثیق اور مدح بھی فرمائی ہے مثلاً:

1: امام احمد بن حنبل: وثقہ (ثقہ قرار دیا)۔

(طبقات الحفاظ للسیوطی ج:1 ص:40)

اور ایک بار فرمایا”لایزال بالری علم مادام محمد بن حمید حیاً“۔(جب تک محمد بن حمید زندہ ہیں مقام ری میں علم باقی رہے گا)

(تہذیب الکمال للمزی ج:8ص:652)

2: امام یحی بن معین: ثقة ،لیس به باس، رازی کیس[ثقہ ہے اس احادیث پر کوئی کلام نہیں، سمجھ دار ہے](ایضاً)

3: امام جعفر بن عثمان الطیالسی: ثقة۔(تہذیب الکمال ج:8ص:653)

4: علامہ ابن حجر:الحافظ[حافظ ہے]۔

(تہذیب التھذیب ج:5ص:547)

5: علامہ ہیثمی ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:” وفی اسناد بزار محمد بن حمید الرازی وھو ثقة “[بزاز کی سند میں محمد بن حمید الرازی ہے اور وہ ثقہ ہے]۔

(مجمع الزوائد ج:9ص:475)

چونکہ اس پر کلام ہے اور اس کی توثیق بھی کی گئی ہے،لہذا اصولی طور پر یہ حسن درجہ کا راوی ہے۔

عمر بن ہارون البلخی:(م294ھ)

آپ ترمذی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں۔بعض حضرات نے جرح کی ہے لیکن بہت سے ائمہ نے آپ کی تعدیل وتوثیق اور مدح وثناء میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں:

”الحافظ،الامام ،المکثر، عالم خراسان ،من اوعیة العلم“[علم کا خزانہ تھے] کثیر الحدیث،وارتحل[حصول علم کے اسفار کئے] ثقة،مقارب الحدیث۔

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج:1ص:249،248،سیر اعلام النبلاء ج:7ص:148تا152،تہذیب التہذیب ج:4ص:315تا317)

لہذا اصولی طور پر آپ حسن الحدیث درجہ کے راوی ہیں۔

تنبیہ: راقم نے سہ ماہی مجلہ "قافلہ حق" ج:4 ش:3 میں ایک تحقیقی مضمون "مسئلہ 20 تراویح ۔۔۔ دلائل کی روشنی میں" تحریر کیا تھا بعض آل حدیث نے الحدیث ش 76 میں بازاری زبان استعمال کر کے اس پر لایعنی اعتراض کئے جن میں سے ایک اعتراض اس حدیث پر بھی تھا جس کا جواب ادارہ کی جانب سے اگلے شمارہ میں بعنوان "بوتل فروش یا ایمان فروش" دے دیا گیا، افادۃً پیش خدمت ہے:

بوتل فروش یا ایمان فروش

بوتل فروش صاحب لکھتے ہیں کہ: "گھمن نے ترجمہ میں بددیانتی کی ہے۔ چار رکعت فرض کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے کیونکہ اس من گھڑت روایت سے چوبیس رکعات تراویح کا ثبوت ملتا تھا"۔ (الحدیث ش 76 ص 33)

جائزہ:

حدیث مبارک کے متن میں الفاظ موجود ہیں [اربعة وعشرین رکعة واوتر بثلاثة] اس میں جماعت کے ساتھ ادا کی گئی مکمل نماز کا ذکر ہے اور یہ ہر وہ شخص سمجھتا ہے جو عقل کی نعمت سے محروم نہ کر دیا گیا ہو کہ رمضان المبارک میں امام پہلے باجماعت چار فرض اور پھر بیس رکعات تراویح اور آخر میں تین رکعات وتر پڑھاتا ہے مثلاً:

1: امام ابن بطال م 449ھ نے حضرت عطاء بن ابی باح سے " یصلون ثلاثا وعشرین رکعة" نقل کیا یعنی وہ حضرات 23 رکعات ادا فرماتے تھے اور پھر یوں وضاحت فرمائی" الوتر منها ثلاثا "کہ ان میں تین رکعات وتر ہے۔

(شرح البخاری لابن بطال ج 3 ص 146)

2: امام ابن عبد البر م 463ھ نے سائب بن یزید سے "وکان القیام علی عهده [یعنی علی عهد عمر] بثلاث وعشرین رکعة "یعنی حضرت عمر کے زمانہ مبارک میں 23 رکعت ادا کی جاتی تھیں اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ "وهذا محمول علی ان الثلاث للوتر" یہ اس بات پر محمول ہے کہ تین رکعات وتر ہوتے تھے۔

(التمہید لابن عبد البر ج3 ص519، الاستذکار لابن عبد البر ج2 ص96 ومثلہ فی عمدۃ القاری علی البخاری لحافظ العینی عن ابن عبد البر ج8 ص245)

3: امام ابن عبد البر نے ہی سیدنا اب عباس سے مرفوعاً یہ الفاظ تخریج فرمائے ہیں کہ " کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة" کہ آپ رمضان میں بیس رکعات ادا فرماتے تھے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وهذا ایضا سوی الوتر اور یہ وتر کے علاوہ کی نماز ہے۔ (التمہید لابن عبد البر ج4 ص519)

4: امام ابن حجر ج852ھ نے سیدنا سائب بن یزید سے "عشرین رکعة" نقل فرمایا اور پھر یوں وضاحت فرمائی کہ وهذا محمول علی غیر الوتر اور یہ وتر کے علاوہ پر محمول ہے۔(فتح الباری ج4 ص321)

خلفاء راشدین اور تراویح:

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کرنے لگے تھے، مختلف جماعتوں میں یا متفرق ہو کر الگ الگ ٹولیوں میں بٹ کر تراویح پڑھتے رہتے تھے۔ حضور علیہ السلام دیکھتے تھے لیکن کبھی اس پر ناپسندیدگی یا ناگواری کا اظہار نہیں کیا بلکہ پسندیدگی کا اظہار فرما کر رضامندی کی سند عطا فرمائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ فرماتے ہیں:

خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلی الله علیه وسلم- فَإِذَا أُنَاسٌ فِي رَمَضَانَ يُصَلُّونَ فِي نَاحِيَةِ

الْمَسْجِدِ فَقَالَ « مَا هَؤُلاَءِ ». فَقِيلَ هَؤُلاَءِ نَاسٌ لَيْسَ مَعَهُمْ قُرْآنٌ وَأُبَىُّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّى وَهُمْ يُصَلُّونَ بِصَلاَتِهِ. فَقَالَ النَّبِىُّ -صلى الله عليه وسلم- « أَصَابُوا وَنِعْمَ مَا صَنَعُوا ».

(سنن ابی داؤد ج1 ص204، باب فی قیام شہر رمضان)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ مسجد کے ایک کونے میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا: یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ جواب دیا گیا کہ یہ لوگ حافظ قرآن نہیں ہیں اس لیے ابی بن کعب کی اقتداء میں نماز (تراویح) ادا کر رہے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہوں نے اچھا کیا اور صحیح کیا۔

اسی مضمون کی ایک دوسری روایت حضرت ثعلبہ بن ابی مالک القرظی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ:

قَالَ : « قَدْ أَحْسَنُوا ، أَوْ قَدْ أَصَابُوا ». وَلَمْ يَكْرَهْ ذَلِكَ لَهُمْ.

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2 ص495)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہوں نے اچھا کیا یا یہ فرمایا کہ صحیح کیا اور یہ چیز آپ نے ان کے لیے ناپسند نہیں کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام انصار ومہاجرین نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرلیا۔ آپ کے زمانہ خلافت میں بھی نماز تروایح کا وہی سلسلہ جاری رہا جو عہد نبوی کے آخری ایام میں موجود تھا یعنی انفرادی یا متفرق جماعتوں کی صورت میں۔ چنانچہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ثُمَّ كَانَ الْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا۔

(صحیح البخاری: ج1 ص269، باب فضل من قام رمضان)

ترجمہ: عہد نبوی والا یہ معاملہ خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ اور عہد فاروقی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور تک اسی طرح قائم رہا۔

یعنی عہد صدیقی میں نہ مستقل طور پر باجماعت قیام رمضان تھا اور نہ متفرق جماعتوں میں رکعتوں کی کوئی تعیین۔ وجہ یہ تھی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے مختصر دور خلافت میں ارتداد، جھوٹے نبیوں اور مانعین زکوۃ وغیرہ جیسے فتنوں سے نبرد آزما ہونا پڑا، اس لیے اس امر کی طرف باقاعدہ توجہ نہ دی جا سکی۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا باجماعت تراویح کا اہتمام:

22 جمادی الثانی 13ھ کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سفر آخرت اختیار فرمایا اور انہی کے انتخاب پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی۔ تقریباً دو ماہ بعد رمضان المبارک آ گیا۔ اس موقع پر آغاز رمضان میں آپ رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عکیم الجہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان کی اول شب نماز مغرب کے بعد حضرت عمر نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے فرمایا:

فان هذا الشهر كتب عليكم صيامه، ولم يكتب عليكم قيامه، فمن استطاع منكم ان يقوم فليقم فانها نوافل الخير فمن لم يسقطع فلينم على فراشه۔

(مصنف عبد الرزاق: ج4 ص204، باب قیام رمضان)

ترجمہ: یہ وہ مہینہ ہے جس کے روزے تم پر فرض کیے گئے ہیں لیکن اس کا قیام تم پر فرض نہیں کیا گیا۔ پس تم میں سے جو قیام کی طاقت رکھتا ہے وہ قیام کرے کیونکہ یہ نوافل خیر ہیں اور جو قیام کی طاقت نہ رکھے وہ بستر پر نیند کرے۔

گویا خلافت فاروقی کے آغاز میں نماز تراویح کی سابقہ کیفیت برقرار تھی

اوراس کا درجہ نوافل یااستحبابی سنت کارہا، لیکن اگلے سال فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے باجماعت تراویح کے لیے سرکاری حکم جاری فرمادیا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عبد القاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک کی ایک رات کو میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی جانب نکلا، دیکھا کہ لوگ متفرق ٹولیوں کی صورت میں نماز پڑھ رہے تھے۔

فَقَالَ عُمَرُ إِنِّي أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هَؤُلَاءِ عَلَى قَارِءٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرَى وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ

(صحیح البخاری: ج1 ص269، باب فضل من قام رمضان)

ترجمہ: تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں ان کو ایک امام پر جمع کردوں تو بہتر ہوگا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کا پختہ ارادہ کرلیا۔ کچھ دن بعد آپ نے لوگوں کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کردیا۔ اس کے بعد ایک رات ہم نکلے تو لوگ مسجد میں ایک امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ اچھا طریقہ ہے۔

سابقہ صفحات میں واضح ہوا کہ باجماعت تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین دن پڑھائی، اس پر مداومت نہ فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اول شخص ہیں جنہوں نے باقاعدہ باجماعت قیام رمضان کا اجراء فرمایا۔

تراویح کے سنت فاروقی ہونے کا مطلب:

نماز تراویح کو "سنت فاروقی" اس لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے باقاعدہ جماعت کا اہتمام کیا اور پورا مہینہ اس کی ادائیگی

کا حکم فرمایا چنانچہ علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی لکھتے ہیں:

وفی الاوائل للعسکری: اول من سن قیام رمضان عمر سنۃ اربع عشرۃ۔

(الحاوی للفتاوی: ج1، ص336)

ترجمہ: علامہ عسکری کی کتاب "الاوائل" میں ہے کہ رمضان کی جماعت کا باقاعدہ قیام حضرت عمر نے سن چودہ ہجری میں جاری فرمایا۔

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

ان عمر بن الخطاب اول من جمع الناس علی قیام شھر رمضان الرجال علی ابی بن کعب والنساء علی سلیمان بن ابی حثمۃ۔

(الحاوی للفتاوی ج1 ص336، السنن الکبری للبیھقی ج2 ص494)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو قیام رمضان یعنی تراویح پر مجتمع فرمایا چنانچہ مردوں کا امام حضرت ابی بن کعب اور عورتوں کا امام حضرت سلیمان بن ابی حثمہ کو بنایا۔

الحاصل نفس تراویح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے اور اس کا باقاعدہ قیام اور باجماعت جاری کرنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو تین دن جماعت تراویح کروائی ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پورا ماہ اس کا اہتمام کیوں کروایا ہے؟

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا ماہ اسے اس لیے

باجماعت ادا نہیں فرمایا تاکہ یہ امت پر فرض نہ ہو جائے اور امت اس کی ادائیگی سے عاجز آکر گنہگار نہ ہو۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَشِيتُ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَا قُمْتُمْ بِهِ۔

(سنن النسائی: ج1 ص237، باب الحث علی الصلاۃ فی البیوت الخ)

ترجمہ: مجھے اس بات کا ڈر ہوا کہ یہ نماز کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے، اگر فرض ہو جائے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اسے ادا نہ کر سکو۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو سلسلہ وحی بھی بند ہو گیا۔ اب اس کے فرض ہونے کا احتمال بھی ختم ہو گیا تو اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منشاء نبوت کو سامنے رکھتے ہوئے پورا مہینہ اس کے باقاعدہ اہتمام کا حکم دیا۔ چنانچہ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

استنبط عمر ذلك من تقرير النبي صلى الله عليه و سلم من صلى معه في تلك الليالي وأن كان كره ذلك لهم فإنما كرهه خشية أن يفرض عليهم ... فلما مات النبي صلى الله عليه و سلم حصل الأمن من ذلك ورجح عند عمر ذلك ... وإلى قول عمر جنح الجمهور۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج4 ص320)

ترجمہ: کہ صحابہ آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناپسندیدگی کے باوجود منع نہیں فرما رہے تھے وجہ اس ناپسندیدگی کی یہ تھی کہ کہیں یہ نماز ان پر فرض نہ ہو جائے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو اس کے فرض ہونے کا خوف نہ رہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں یہی بات راجح ٹھہری کہ تراویح کے باجماعت پڑھنے کا باقاعدہ اہتمام کیا جائے اور جمہور حضرات نے آپ کی

بات کو قبول کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تعدادِ رکعتِ تراویح:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی تراویح کی تعداد رکعت بیان کرنے والے چھ حضرات ہیں۔ یہ تمام حضرات بیس رکعات ہی روایت کرتے ہیں (مضطرب وضعیف روایات کا کوئی اعتبار نہیں) ذیل میں روایات پیش خدمت ہیں:

1: حضرت ابی بن کعب:

عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ اَنَّ عُمَرَ اَمَرَ اُبَیًّا اَنْ یُّصَلِّیَ بِالنَّاسِ فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَ اِنَّ النَّاسَ یَصُوْمُوْنَ النَّہَارَ وَ لَایُحْسِنُوْنَ اَنْ یَّقْرَأُ وْا فَلَوْ قَرَأْتَ الْقُرْآنَ عَلَیْہِمْ بِاللَّیْلِ فَقَالَ: یَاآمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ! ھٰذَا شَیْئٌ لَمْ یَکُنْ۔ فَقَالَ: قَدْعَلِمْتُ وَلٰکِنَّہٗ اَحْسَنُ۔ فَصَلّٰی بِہِمْ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً۔

(مسند أحمد بن منیع بحوالہ اتحاف الخیرۃ المہرۃ للبوصیري ج2 ص424 باب في قیام رمضان وماروي في عدد رکعاتہ،)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا کہ میں رمضان شریف کی رات میں نماز (تراویح) پڑھاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایاکہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور (رات) قرأت (قرآن) اچھی نہیں کرتے۔ تو قرآن مجید کی رات کو تلاوت کرے تو اچھاہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:"اے امیر المومنین !یہ تلاوت کا طریقہ پہلے نہیں تھا۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:" میں جانتاہوں لیکن یہ طریقہ تلاوت اچھاہے"تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس

رکعات نماز (تراویح) پڑھائی۔

فائدہ: اس روایت کی سند صحیح اور راوی ثقہ ہیں۔

اعتراض:

آل حدیث نے لکھا: ”یہ روایت اتحاف الخیرۃ المھرۃ للبوصیری میں بغیر کسی سند کے احمد بن منیع کے حوالے مذکور ہے۔ سر فراز صفدر دیوبندی لکھتے ہیں کہ ”بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی“ (مقدار رکعات قیام رمضان ص74)

غلام مصطفی ظہیر غیر مقلد نے بازاری زبان استعمال کرتے ہوئے لکھا: ”بے سند روایات وہی پیش کرتے ہیں جنکی اپنی کوئی سند نہ ہو۔“ (آٹھ رکعت نماز تراویح ص8)

جواب:

اللہ تعالی جناب کو اخلاق حسنہ عطا فرمائے، الاحادیث المختارہ للمقدسی میں یہ روایت سند کے ساتھ موجود ہے۔ جناب کی ”تسلی“ کے لئے سند پیشِ خدمت ہے:

أخبرنا أبو عبداللہ محمود بن أحمد بن عبدالرحمن الثقفی بأصبھان أن سعید بن أبي الرجاء الصیرفی أخبرھم قراءۃ علیہ أنا عبدالواحد بن أحمد البقال أنا عبیداللہ بن یعقوب بن إسحاق أنا جدی إسحاق بن إبراھیم بن محمد بن جمیل أنا أحمد بن منیع أنا الحسن بن موسی نا أبو جعفر الرازی عن الربیع بن أنس عن أبي العالیۃ عن أبي بن کعب أن عمر أمر أبیا أن یصلی بالناس فی رمضان الحدیث

[الاحادیث المختارۃ للمقدسی ج3 ص367 رقم 1161]

تنبیہ:۔۔۔ علامہ ابن تیمیہ حضرت ابی بن کعب کے بیس رکعت پڑھانے کو ثابت مانتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث فرأی اکثر من العلماء ان ذلک ھو السنۃ لانہ قام بین المھاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر"۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ قدیم ص186 / ج1، فتاویٰ ابن تیمیہ جدید ص112 ج23)

ترجمہ: یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابی بن کعب لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ اس لئے علماء کی اکثریت کی رائے میں بیس ہی سنت ہیں کیونکہ حضرت ابی بن کعب نے بیس رکعت مہاجرین اور انصار صحابہ کے سامنے پڑھی ہیں اور کسی نے بھی (بیس تراویح کے سنت ہونے کا) انکار نہیں کیا۔

(تجلیات صفدر ج3 ص317 تا318)

2: حضرت سائب بن یزید:

1: عَنْ یَزِیْدِ بْنِ خُصَیْفَۃَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیدَ قَالَ: کَانُوا یَقُومُونَ عَلَی عَھْدِ عُمَرَ فِی شَھْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِینَ رَکْعَۃً وَإِنْ کَانُوا لَیَقْرَءُونَ بِالْمِئِینِ مِنَ الْقُرْآنِ،

(مسند ابن الجعد ص413 رقم الحدیث 2825)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام حضرت عمر رضی اللہ عنہ [اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ] کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے اور قاری صاحب سو سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے۔

فائدہ: اس روایت کی سند بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

2: عن یزید بن خصیفۃ عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیدَ قَالَ: کَانُوا یَقُومُونَ عَلَی عَھْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فِی شَھْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِینَ رَکْعَۃً وَکَانُوا یَقْرَءُونَ بِالْمِئِینِ، وَکَانُوا یَتَوَکَّؤنَ عَلَی عُصِیِّھِمْ فِی عَھْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مِنْ

شِدَّةِ الْقِيَامِ.

(السنن الکبریٰ للبیھقی ج2ص496باب مَارُوِیَ فِی عَدَدِ رَکَعَاتِ الْقِیَامِ فِی شَھْرِ رَمَضَانَ.)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ صحابہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ[اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ]کے زمانہ میں[صحابہ کرام باجماعت] بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے اور قاری صاحب سو سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور لوگ لمبے قیام کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں لاٹھیوں کا سہارا لیتے۔

فائدہ: اس روایت کی سند بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

3: روی مالك من طريق يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد عشرين ركعة۔

(نیل الاوطار للشوکانی ج2ص514)

ترجمہ: امام مالک نے یزید بن خصیفہ کے طریق سے سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ (عہد فاروقی میں) بیس رکعت تروایح تھیں۔

تنبیہ: یہ طریق صحیح البخاری ج1ص312پر موجود ہے۔

4: عن السائب بن يزيد قال...القيام على عهد عمر ثلاثة وعشرين ركعة۔

(مصنف عبد الرزاق ج4ص201، حدیث نمبر7763)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تین رکعت (وتر) اور بیس رکعت (تراویح) پڑھی جاتی تھی۔

5: عن السائب بن يزيد قال: كنا نقوم في زمان عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر۔

(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج2ص305باب قیام رمضان رقم الحدیث1365)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر کے زمانے میں بیس رکعت تروایح اور وتر پڑھتے تھے۔

تصحیح روایت سائب بن یزید:

1: امام نووی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔(مرقات ج2ص194)

2: علامہ نیموی نے فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے(التعلیق الحسن علی آثار السنن ص222)

بعض شبہات کا ازالہ:

بعض الناس نے اس پر مضحکہ خیز شبہات کئے ہیں مثلاً:

1: اس روایت میں قیام کرنے والوں کا تعارف نامعلوم ہے۔۔۔ ان لوگوں کے نام بتائیں۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔(تعداد رکعات قیام رمضان: ص77، 78)

جواب: روایت میں واضح موجود ہے کہ یہ لوگ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے دور کے لوگ ہیں۔ ظاہر ہے یہ صحابہ و تابعین ہی ہیں، کوئی غیر مسلم نہیں۔ کیونکہ معرفۃ السنن للبیہقی میں ہے کہ سائب بن یزید خود فرماتے ہیں: "کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب "[حوالہ سابقہ] کہ "ہم" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں الخ

اور سائب بن یزید صغار صحابہ میں سے ہیں۔(تقریب التہذیب: ص263)جو اپنے ہم عصر اصحاب یعنی کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کی تراویح کا ذکر فرمارہے ہیں۔ اگر بعض الناس کو حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ اور اس دور کے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعارف نہ ہو اپنی "تحقیق" کو داد دیں اور اس اثر صحیح پر لایعنی اعتراض سے باز رہیں۔

2: آل حدیث نے لکھا: یہ روایت شاذ ہے۔(تعداد رکعات قیام ص16)

جواب: آل حدیث کا یہ قول بلا دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ سائب بن یزید کا یہ اثر شاذ نہیں اس لیے کہ یہ ابی بن کعب، یزید بن رومان، عبد العزیز بن رفیع، یحیٰ بن سعید، محمد بن کعب القرظی کی روایات کے مطابق ہے جن میں بیس رکعات کا ذکر ہے۔ (تفصیل آگے آرہی ہے)

3: حضرت محمد بن کعب القرظی:

قال محمد بن کعب القرظی کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعۃ۔

(قیام اللیل للمروزی ص157)

ترجمہ: محمد بن کعب القرظی (جو جلیل القدر تابعی ہیں) فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس رکعت (تراویح) پڑھتے تھے۔

شبہ:

یہ روایت مرسل و منقطع ہے، کیونکہ محمد بن کعب القرظی کی حضرت عمر بن الخطاب سے ملاقات ثابت نہیں۔

جواب:

محمد بن کعب القرظی [م120ھ] خیر القرون کے ثقہ محدث ہیں۔

(تقریب التہذیب ص534)

اور جمہور محدثین خصوصاً احناف و موالک کے ہاں خیر القرون کا ارسال و انقطاع مضر صحت نہیں۔

(قواعد فی علوم الحدیث للعثمانی ص138 وغیرہ)

پس روایت صحیح و قابل استدلال ہے۔

4: حضرت یزید بن رومان:

عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ أَنَّهُ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً۔

(موطا امام مالک: ص98)

ترجمہ: یزید بن رومان کہتے ہیں کہ لوگ (صحابہ و تابعین) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تیئیس رکعتیں پڑھتے تھے (بیس تراویح اور تین وتر)

اس حدیث کی سند بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

شبہ:

بعض غیر مقلد شبہ پیش کرتے ہیں کہ یزید بن رومان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا، اس لئے یہ سند منقطع ہے۔ (تعداد رکعات قیام رمضان ص77)

جواب نمبر1:

یہ اثر موطا امام مالک (ص98) میں موجود ہے اور موطا امام مالک کے متعلق محدثین کی رائے یہ ہے:

قال الشافعي: أصح الكتب بعد كتاب الله موطأ مالك، واتفق أهل الحديث على أن جميع ما فيه صحيح على رأي مالك ومن وافقه، وأما على رأي غيره فليس فيه مرسل ولا منقطع إلا قد اتصل السند به من طرق أخرى، فلا جرم أنها صحيحة من هذا الوجه، وقد صنف في زمان مالك موطآت كثيرة في تخريج أحاديثه ووصل منقطعه، مثل كتاب ابن أبي ذئب وابن عيينة والثوري ومعمر۔

(حجۃ اللہ البالغۃ: ص281، باب طبقات کتب الحدیث)

ترجمہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح کتاب موطا

امام مالک ہے اور محدثین کا اتفاق ہے کہ اس میں جتنی روایتیں ہیں سب امام مالک اور ان کے موافقین کی رائے پر صحیح ہیں۔(اس لئے کہ وہ لوگ مرسل کو بھی صحیح ومقبول مانتے ہیں)اور دوسروں کی رائے پر اس میں کوئی مرسل یا منقطع ایسا نہیں ہے کہ دوسرے طرق سے اس کی سند متصل نہ ہو ، اور امام مالک کے زمانے میں موطا کی حدیثوں کی تخرتج کے لیے اور اس کے منقطع کو متصل ثابت کرنے کے لیے بہت سے موطا تصنیف ہوئے جیسے ابن ابی ذئب، ابن عیینہ، ثوری اور معمر کی کتابیں۔

پس لاعلم لوگوں کا اعتراض باطل ہے۔

جواب نمبر2:

یزید بن رومان م130ھ ثقہ راوی ہیں۔(تقریب التہذیب ص632)

اور پہلے وضاحت سے گزر چکا ہے کہ خیر القرون کا انقطاع وارسال عند المحدثین خصوصاً احناف ومالکیہ کے ہاں صحت حدیث کے منافی نہیں۔پس روایت صحیح و قابل استدلال ہے۔

پس اعتراض باطل ہے۔

جواب نمبر3:

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وقال الشافعي: يُقْبَلُ إن اعْتَضَد بمجيئه مِن وجهٍ آخرَ يُبايِنُ الطريقَ الأُولى، مسنَداً أو مرسَلاً۔

(نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر: ص101)

ترجمہ: امام شافعی فرماتے ہیں کہ مرسل کی تائید جب کسی دوسرے طریق سے ہو جائے جو طریق اول کے مباین ہی کیوں نہ ہو تو مقبول ہوتی ہے چاہے وہ دوسرا طریق

مسند ہو یا مرسل۔

اور یزید بن رومان کے اثر کو دیگر کئی مرسلوں سے تائید حاصل ہے (جن کا بیان آگے آرہاہے) پس یہ اثر بالاتفاق مقبول ہے۔

5: حضرت یحیٰ بن سعید:

عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَمَرَ رَجُلاً يُصَلِّي بِهِمْ عِشْرِينَ رَكْعَةً.

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج2 ص285، باب کم یصلی في رمضان من رکعۃ)

ترجمہ: یحی بن سعید کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے۔

شبہ:

بعض آل حدیث نے لکھا: یحی بن سعید نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں پایا، لہذا یہ روایت منقطع ہے۔

(ملخصاً مقدار قیام رمضان ص76)

جواب:

امام یحی بن سعید م 144ھ خیر القرون کے ثقہ ونیک محدث ہیں۔ (تقریب التہذیب ص622)

اور پہلے وضاحت سے گزر چکاہے کہ خیر القرون کا انقطاع وارسال عند الجمہور خصوصاً عند الاحناف صحت حدیث کے منافی نہیں۔ پس اثر صحیح ہے۔

6: حضرت عبد العزیز بن رفیع

آپ رحمہ اللہ مشہور تابعی ہیں۔ حضرت انس، حضرت ابن زبیر، حضرت ابن عباس،

حضرت ابن عمر اور دیگر صحابہ کے شاگرد ہیں، صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

(تہذیب التہذیب: ج4ص189،190)

آپ فرماتے ہیں:

كَانَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فِي رَمَضَانَ بِالْمَدِينَةِ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2ص285کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔

اس کی سند صحیح ہے اور تمام راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔

فائدہ: مشہور قول کے مطابق حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی۔

(تہذیب التہذیب: ج1ص178)

گویا عبد العزیز بن رفیع نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی تراویح کو ذکر کیا ہے، اس لیے ہم ان کی روایت اس باب میں لائے ہیں۔

شبہ:

بعض غیر مقلدین نے لکھا: عبد العزیز بن رفیع کی حضرت ابی بن کعب سے ملاقات ثابت نہیں، لہذا یہ روایت منقطع ہے۔

جواب:

امام عبد العزیز بن رفیع م130ھ صحاح ستہ کے راوی ہیں اور خیر القرون کے ثقہ راوی ہیں۔ (تقریب التہذیب ص389)

اور جمہور محدثین خصوصاً عند الاحناف خیر القرون کا ارسال وانقطاع مضر صحت نہیں۔

(تفصیل گزر چکی ہے) پس اعتراض باطل ہے اور روایت ٹھیک ہے۔

7: حضرت حسن بصری

عن الحسن ان عمر بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب فی قیام رمضان فکان یصلی بھم عشرین رکعۃ۔

(سنن ابی داؤد ج1 ص211 باب القنوت فی الوتر)

ترجمہ: حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب کی امامت پر جمع فرمایا۔ وہ لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھاتے تھے۔

فائدہ: اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔

شبہ:

بعض الناس نے لکھا: "عشرین رکعۃ" کے الفاظ دیوبندی تحریف ہے۔ محمود الحسن دیوبندی (1268-1339) نے یہ تحریف کی ہے، "عشرین لیلۃ" بیس راتیں کی بجائے "عشرین رکعۃ" بیس رکعتیں کر دیا۔ (آٹھ رکعت نماز تراویح ص9)

بعض نے یوں لکھا: یہ بات سفید جھوٹ ہے۔ (مقدار رکعات قیام رمضان ص30)

جواب:

اولاً:۔۔۔ حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ ایک غیر مقلد سلطان محمود جلالپوری کے جواب میں فرماتے ہیں:

" ابو داؤد کے دو نسخے ہیں، بعض نسخوں میں عشرین رکعۃ اور بعض میں عشرین لیلۃ ہے۔ جس طرح قرآن پاک کی دو قرأتیں ہوں تو دونوں کو ماننا چاہیے،

ہم دونوں نسخوں کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن حیلہ بہانے سے انکار حدیث کے عادی سلطان محمود جلالپوری نے اس حدیث کا انکار کر دیا اور الٹا الزام علماء دیوبند پر لگا دیا۔"

(تجلیات صفدر ج3ص316)

ثانیاً:۔۔۔جلیل القدر محدثین و محققین نے اس روایت کو نقل کیا اور "عشرین رکعة" ہی نقل کیا ہے، مثلاً:

1: علامہ ذہبی نے ابوداؤد کے حوالے سے "عشرین رکعة" نقل کیا۔

(سیر اعلام النبلاء ج3ص176، 177، تحت ترجمہ ابی بن کعب رقم الترجمہ:223)

2: علامہ ابن کثیر۔(جامع المسانید والسنن ج1ص55)

3: الشیخ محمد علی الصابونی۔(الھدی النبوی الصحیح فی صلوۃ التراویح ص56)

4: شیخ الہند مولانا محمود حسن۔(سنن ابی داؤد بتحقیق شیخ الہند ج1ص211)

5: نسخہ مطبوع عرب۔(ص1429 بحوالہ تجلیات صفدر ج3ص316)

یہ 5 حوالہ جات لاعلم لوگوں کو چپ کرانے کے لیے کافی ہیں۔

فائدہ: حضرت عمر کے زمانے میں پڑھی جانے والی تراویح کے چھ راوی گزر چکے ہیں جو "عشرین رکعة" نقل کرتے ہیں، یہ زبردست تائید ہے کہ "عشرین رکعة" والا نسخہ ابی داؤد بھی صحیح و ثابت ہے۔ والحمد للہ

خلاصہ روایات:

ان روایات سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قولاً، فعلاً اور تقریراً بیس رکعت تراویح پر مواظبت ثابت ہوگئی اور یہ عمل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام مہاجرین اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں شروع فرمایا جس کا کسی

نے بھی انکار نہیں کیا۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة فی قیام رمضان ویوتر بثلاث فرای کثیرمن العلماء ان ذلك هو السنة لانه اقامه بین المهاجرین والانصار ولم ینکره منکر۔

(فتاوی ابن تیمیہ ج23ص122)

ترجمہ: یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابی بن کعب لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے اس لیے علماء کی اکثریت کی رائے میں بیس ہی سنت ہیں کیونکہ حضرت ابی بن کعب نے مہاجرین اورانصار کو بیس ہی پڑھائیں۔ اور کسی نے بھی (بیس تراویح کے سنت ہونے کا) انکار نہیں کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تعدادِ رکعتِ تراویح:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی تراویح بیس رکعت ہی پڑھی جاتی تھی، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تھی۔ قراء حضرات دو دو سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور مقتدی شدت قیام کی وجہ سے تھک جاتے اور لاٹھیوں کا سہارا لیتے۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَكَانُوا يَقْرَءُونَ بِالْمِئِينِ، وَكَانُوا يَتَوَكَّئُونَ عَلَى عُصِيِّهِمْ فِي عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ.

(السنن الکبری للبیہقی ج2ص496باب مَارُوِیَ فِی عَدَدِ رَکَعَاتِ الْقِیَامِ فِی شَہْرِ رَمَضَانَ)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ (اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کے زمانہ میں (صحابہ کرام باجماعت) بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے اور قاری صاحب سو سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور لوگ لمبے قیام کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

دور میں لاٹھیوں کا سہارا لیتے۔

فائدہ: اس روایت کی سند بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

اس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیس رکعت تراویح پر عمل ثابت ہوتا ہے نیز حضرات خلفاء خود بھی لوگوں کے ساتھ شریک ہو کر تراویح ادا کرتے۔ چنانچہ فقہ مالکی کی مشہور کتاب المدونۃ الکبری میں تصریح ہے:

ان عمر وعثمان کانا یقومان فی رمضان مع الناس فی المسجد۔

(ج1ص194)

ترجمہ: حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما رمضان المبارک میں لوگوں کے ساتھ ہی باجماعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے تعدادِ رکعتِ تراویح:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی تراویح بیس رکعت ہی پڑھی جاتی تھی۔ اس تراویح کو روایت کرنے والے تین حضرات ہیں۔ ان کی مرویات پیشِ خدمت ہیں:

1: حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما:

رَوَى الْاِمَامُ الْحَافِظُ زَيْدُ بْنُ عَلِيِّ الْهَاشِمِيُّ فِيْ مُسْنَدِهٖ كَمَا حَدَّثَنِيْ زَيْدُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ اَمَرَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ صَلَاةَ الْقِيَامِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ اَنْ يُّصَلِّيَ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً يُّسَلِّمُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُرَاوِحَ مَابَيْنَ كُلِّ اَرْبَعِ رَكْعَاتٍ۔

(مسند الامام زید ص159، 158)

ترجمہ: امام زید رحمہ اللہ اپنے والد امام زین العابدین رحمہ اللہ سے وہ اپنے والد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے جس امام کو رمضان میں تراویح پڑھانے کا حکم دیا اسے فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے، ہر دو رکعت پر سلام پھیرے، ہر چار رکعت کے بعد آرام کا اتنا وقفہ دے کہ حاجت والا فارغ ہو کر وضو کر لے اور (یہ بھی حکم دیا کہ قاری) سب سے آخر میں وتر پڑھائے۔

فائدہ: اس روایت کی سارے راوی اہل بیت کے ہیں اور ثقہ ہیں۔

2: حضرت ابو عبد الرحمن السلمی:

عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : دَعَا الْقُرَّاءَ فِي رَمَضَانَ ، فَأَمَرَ مِنْهُمْ رَجُلاً يُصَلِّي بِالنَّاسِ عِشْرِينَ رَكْعَةً. قَالَ : وَكَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُوتِرُ بِهِمْ..

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج2ص496)

ترجمہ: ابو عبد الرحمن سلمی سے روایت ہے کہ حضرت علی نے رمضان میں قاریوں کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرے اور حضرت علی خود انہیں وتر پڑھاتے تھے۔

شبہ نمبر 1:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس میں ایک راوی حماد بن شعیب ضعیف ہے۔

جواب:

اولاً:۔۔۔اگرچہ حماد بن شعیب کی بعض ائمہ نے تضعیف کی ہے لیکن دیگر ائمہ نے اس کی توثیق بھی کی ہے مثلاً:

1: امام ابن عدی فرماتے ہیں: یکتب حدیثہ مع ضعفہ (لسان المیزان: ج2 ص348)

یعنی اس کی حدیث اس کے ضعف کے باوجود لکھی جاسکتی ہے۔

اور ارشاد الحق اثری غیر مقلد کے نزدیک "یکتب حدیث" کا جملہ الفاظ تعدیل میں شمار ہوتا ہے۔(توضیح الکلام ج1 ص547)

2: امام ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے ۔(تہذیب الکمال: ج8 ص378)

3: علامہ ابن تیمیہ نے اسی حماد بن شعیب والی روایت سے استدلال کیا ہے۔ (منہاج السنہ ج2 ص224)

4: امام بیہقی نے اس اثر علی کو اثر شتیر بن شکل کی قوت کے لیے روایت کیا ہے جو دلیل ہے کہ یہ امام بیہقی کے نزدیک قوی ہے۔(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2 ص996)

5: علامہ ذہبی جیسے ناقد فن نے اس پر المنتقیٰ ص542 پر سکوت فرمایا ہے۔ (تجلیات صفدر ج3 ص323)

6: امام ترمذی حضرت علی سے مروی اس بیس رکعت والی روایت کو صحیح مانتے ہیں جب ہی تو استدلال کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

واکثر اهل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة۔(سنن الترمذی ج1 ص166)

ترجمہ: اکثر اہل علم کا موقف بیس رکعت ہی ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

لہذا اصولی طور پر حماد بن شعیب حسن الحدیث درجہ کا راوی ہے اور حدیث مقبول ہے۔

ثانیاً:۔۔۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور کی تراویح کے راوی حضرت حسین اور

ابو الحسناء بھی ہیں۔ لہٰذا اس سند میں اگر ضعف ہو (جبکہ یہ حسن درجہ کی روایت ہے) تو ان مویدات کی وجہ سے ختم ہو جائے گا۔

شبہ نمبر 2:

ایک غیر مقلد نے لکھا: "عطاء بن السائب "مختلط راوی ہے، حماد بن شعیب ان لوگوں میں سے نہیں جنہوں نے اس سے قبل الاختلاط سنا ہے۔

(آٹھ رکعت نماز تراویح ص 13)

جواب:

اولاً:۔۔۔ عطاء بن السائب اگر آخر عمر میں مختلط ہو گئے تھے لیکن اتنے بھی نہیں کہ ان کی احادیث ضعیف قرار دی جائیں بلکہ باجود اختلاط کے محدثین کے ہاں ان کی احادیث کم از کم "حسن" درجہ کی ضرور ہیں۔ مثلاً:

1: امام ہیثمی ایک روایت کے تحت لکھتے ہیں: "وفیہ عطاء بن السائب وفیہ کلام وھو حسن الحدیث" (مجمع الزوائد ج 3 ص 142، باب التکبیر علی الجنازۃ)

ترجمہ: اس روایت میں عطاء بن السائب ہے، اس میں کلام ہے لیکن ان کی حدیث حسن درجہ کی ہے۔

2: علامہ ذہبی فرماتے ہیں: تابعی مشهور حسن الحدیث۔

(المغنی فی الضعفاء: ج 2 ص 59، رقم الترجمۃ 4121)

ترجمہ: یہ مشہور تابعی ہیں اور ان کی حدیث حسن درجہ کی ہوتی ہے۔

3: امام حاکم عطاء بن السائب کی ایک روایت جسے جریر بن عبد الحمید نے روایت کیا ہے، کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

صحیح الاسناد (المستدرک للحاکم: ج 5 ص 350، کتاب التوبۃ والإنابۃ)

حالانکہ جریر کا سماع بعد الاختلاط کا ہے۔(الشذا الفیاح من علوم ابن الصلاح:ج2ص750)

معلوم ہوا آپ اختلاط کے باوجود "حسن الحدیث" ہیں۔

4: حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: وكان اختلط بآخره ولم يفحش حتى يستحق ان يعتدل به عن مسلك العدول۔(تہذیب التہذیب ج4ص493)

ترجمہ: عطاء بن السائب آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے لیکن اتنے فاحش اور زیادہ مختلط بھی نہیں ہوئے کہ وہ اختلاط کی وجہ سے عادل (وثقہ) ہیں راویوں کی راہ سے تجاوز کر جائیں۔

5: امام مسلم: انہوں نے عطاء بن السائب کو مقدمہ مسلم میں قابل اعتماد اور طبقہ ثانیہ کا راوی شمار کیا ہے جن سے صحیح مسلم میں روایت لی ہے۔(مقدمہ مسلم ص:3)

لہذا یہ حسن الحدیث راوی ہے اور روایت حسن درجہ کی ہے۔

ثانیاً:۔۔۔اس روایت کی مؤید دیگر روایات بھی ہیں جن میں حضرت حسین اور حضرت ابو الحسناء کے طریق ہیں۔ پس یہ روایت مؤیدات کی وجہ سے حجت و قابل اعتماد ہے۔

3: حضرت ابو الحسناء:

عَنِ أَبِي الْحَسْنَاءِ: أَنَّ عَلِيًّا أَمَرَ رَجُلاً يُصَلِّي بِهِمْ فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2ص285، السنن الکبری ج2ص497)

ترجمہ: ابو الحسناء سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھائے۔

فائدہ: اس روایت کی سند حسن درجہ کی ہے۔

فائدہ: اس روایت میں حضرت علی کرم اللہ وجھہ کے "حکم" دینے کا ذکر ہے۔

شبہ:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ابو الحسناء مجہول العین ہے، لہذا روایت ضعیف ہے۔

جواب:

اولاً:۔۔۔ عند الاحناف خیر القرون کی جہالت، تدلیس اور ارسال جرح ہی نہیں اور شوافع کے ہاں متابعت سے یہ جرح ختم ہو گئی کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعت تراویح روایت کرنے میں ابو الحسناء اکیلے نہیں بلکہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور امام ابو عبد الرحمن سلمی بھی یہی روایت کرتے ہیں۔

(تجلیات صفدر ج3 ص328)

ثانیاً:۔۔۔ ابو الحسناء سے دو راوی یہ روایت نقل کر رہے ہیں:

1: عمرو بن قیس۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص285)

2: ابو سعید البقال۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج2 ص497)

اور یہ دونوں بالترتیب ثقہ اور صدوق ہیں۔ (تقریب التہذیب ص456 و ص299)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں؛ من روی عنہ اکثر من واحد ولم یوثق الیہ الاشارۃ بلفظ مستور او مجھول الحال۔ (تقریب التہذیب: ص111)

ترجمہ: جس راوی سے ایک سے زائد راوی روایت کریں اور اس کی توثیق کی گئی ہو تو اس کی طرف لفظ مستور یا مجہول الحال سے اشارہ کیا جاتا ہے۔

یہاں ابو الحسناء سے بھی دو راوی یہ روایت کر رہے ہیں۔ لہذا اصولی طور پر یہ مجہول نہیں بلکہ مستور راوی بنتا ہے۔ غیر مقلدین کا اسے مجہول العین کہہ کر روایت رد کرنا شرمناک ہے۔

الحاصل ابوالحسناء مستور راوی ٹھہرتا ہے اور محدثین کے ہاں قاعدہ ہے کہ مستور کی متابعت کوئی دوسرا راوی کرے جو مرتبہ میں اس سے بہتر یا برابر ہو تو اس کی روایت حسن ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

”ومتى تُوبعَ السيءُ الحفظ بمُعْتَبَرٍ: كأنْ يكونَ فَوْقَهُ، أو مِثلَهُ، لا دونه، وكذا المختلِط الذي لم يتميز، والمستور، والإسناد المرسل، وكذا المدلَّس إذا لم يُعْرف المحذوف منه صار حديثُهم حسناً، لا لذاته، بل وصْفُهُ بذلك باعتبارِ المجموع“

(نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر: ص234)

ترجمہ: جب سئی الحفظ راوی کی متابعت کسی معتبر راوی سے ہو جائے جو مرتبہ میں اس سے بہتر یا برابر ہو کم نہ ہو، اسی طرح مختلط راوی جس کی روایت میں تمیز نہ ہو سکے اور اسی طرح مستور، مرسل اور مدلس کوئی تائید کر دے تو ان سب کی روایات حسن ہو جائیں گی اپنی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ مجموعی حیثیت کے اعتبار سے۔

ابوالحسناء کی متابعت ابوعبدالرحمن نے کی ہے۔

(السنن الکبری للبیھقی ج2ص496)

اور یہ ابوالحسناء سے بڑھ کر ثقہ راوی ہے۔ اس لئے ابوالحسناء کی یہ روایت جمہور کے نزدیک بھی مقبول ہے۔

خلاصہ روایات: ان روایات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیس رکعت تراویح پر مواظبت کی گئی۔

دیگر صحابہ وتابعین اور بیس رکعت تراویح:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن زمانوں کے خیر اور تمام زمانوں

سے بہتر ہونے کی خبر دی ہے وہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ، تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ ہے۔امام بخاری حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آپ علیہ السلام کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ الحديث۔

(صحیح البخاری: ج1 ص362، باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ)

ترجمہ: تمام زمانوں میں سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر وہ جو اس کے ساتھ ملا ہے، پھر وہ جو اس کے ساتھ ملا ہے۔

حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی چشم دید گواہ ہیں، ان کی راست گفتاری اور صدق مقال پر ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ شاہد ہے جس طرح انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو دیکھا اسی پر ہمیشہ کاربند رہے، اسی طرح حضرات تابعین رحمہ اللہ نے بھی حضرت صحابہ رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال کو لیا اور پوری زندگی کے لیے راہِ عمل بنا لیا۔

تراویح کے بارے میں جس طرح حضرات خلفاء راشدین کا عمل تھا کہ بیس رکعت پڑھتے اور حکم دیتے رہے دیگر صحابہ کرام اور تابعین عظام وغیرہ بھی بیس رکعت ہی پڑھتے پڑھاتے رہے۔ ذیل میں ان شخصیات میں سے چند کا عمل پیش کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بیس رکعت تراویح ہی پڑھی اور پڑھائی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

مشہور قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ ان کو یہ سعادت حاصل تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک اٹھاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی تھی

کہ اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا فرما۔ ان کے بارے میں حضرت زید بن وھب فرماتے ہیں:

كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ يُصَلِّيْ بِنَا فِيْ شَهْرِ رَمْضَانَ فَيَنْصَرِفُ وَ عَلَيْهِ لَيْلٌ، قَالَ الْاَعْمَشُ: كَانَ يُصَلِّيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ۔

(قیام اللیل للمروزی ص157)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رمضان میں ہمیں تراویح پڑھاتے تھے اور گھر لوٹ جاتے تو ابھی رات باقی ہوتی تھی۔ حدیث کے راوی اعمش فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

فائدہ: اس روایت کی مکمل سند عمدۃ القاری شرح البخاری للعلامۃ العینی میں موجود ہے، افادۃً نقل کی جاتی ہے:

رواه محمد بن نصر المروزي قال أخبرنا يحيى بن يحيى أخبرنا حفص بن غياث عن الأعمش عن زيد بن وهب قال كان عبد الله بن مسعود۔

(عمدۃ القاری ج8 ص246 باب فضل من قام رمضان)

اور یہ سند امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ:

آپ جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سب سے بڑا قاری ہونے کا لقب عطا فرمایا۔ آپ کے بارے میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ حضرت عبد العزیز بن رفیع رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

كان ابي بن كعب يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعة ويوتر بثلاث۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص285 کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح

اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔

اس کی سند صحیح ہے اور تمام راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔

شبہ:

آل حدیث نے لکھا: عبد العزیز بن رفیع کی حضرت ابی بن کعب سے ملاقات ثابت نہیں، لہذا یہ روایت منقطع ہے۔ (مقدار قیام رمضان از زئی غیر مقلد ص76)

جواب:

امام عبد العزیز بن رفیع م130ھ صحاح ستہ کے راوی ہیں اور خیر القرون کے ثقہ محدث ہیں۔

(تقریب التہذیب: ص389)

اور جمہور محدثین خصوصاً عند الاحناف خیر القرون کا ارسال وانقطاع مضر صحت نہیں۔ (تفصیل گزر چکی ہے) پس اعتراض باطل ہے۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ:

آپ مشہور جلیل القدر تابعی ہیں۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمرو، حضرت ابن عمر، حضرت معاویہ وغیرہ کے شاگرد ہیں، دو سو صحابہ رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے (تہذیب ج4 ص488)

آپ فرماتے ہیں:

ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثاوعشرین رکعۃ بالوتر۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج2 ص285)

ترجمہ: میں نے لوگوں (صحابہ و تابعین) کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے پایا ہے۔

فائدہ: اس روایت کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

امام ابراہیم النخعی:

مشہور فقیہ اور اہل کوفہ کے نامور مفتی ہیں۔ امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔ (تہذیب التہذیب: ج1 ص168)

آپ فرماتے ہیں:

ان الناس کانوا یصلون خمس ترویحات فی رمضان

(کتاب الآثار بروایۃ ابی یوسف: ص 41 باب السہو)

ترجمہ: لوگ رمضان میں پانچ ترویحے (بیس رکعت) پڑھتے تھے۔

اس روایت کی سند بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

چند شبہات کا ازالہ:

غیر مقلد زئی صاحب نے اس روایت پر چند شبہات کئے۔ ان کے جوابات پیشِ خدمت ہیں تاکہ موصوف کا مبلغِ علم معلوم ہو جائے۔

شبہ نمبر 1:

یوسف بن ابی یوسف کی توثیق نامعلوم ہے۔

جواب:

اولاً:۔۔۔ اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جب کتاب کی نسبت صاحب کتاب کی طرف مشہور ہو تو نیچے کے راوی دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

لان الکتاب المشهور الغنی بشهرته عن اعتبار الاسناد منا الی مصنفه

(النکت لابن حجر ص56)

ترجمہ: جو کتاب مشہور ہو (کہ فلاں مصنف کی ہے) تو اس کی شہرت ہمارے اور مصنف

کتاب کے درمیان سند دیکھنے سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

لہذا توثیق کا سوال باطل ہے۔

ثانیاً:۔۔۔الجواہر المضیئۃ میں علامہ قرشی نے ان کے حالات لکھے ہیں جن سے ان کا فقیہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور فقیہ ہونا توثیق ہے (دیکھئے الجواہر المضیئۃ ص438۔439)

شبہ نمبر2:

قاضی ابو یوسف پر جرح۔۔۔

جواب:

اولاً:۔۔۔یہ جرح مردود ہے، اس لئے کہ امام ابو حنیفہ سے ان کی مدح وثناء اور توثیق ثابت ہے کہ جب ایک بار امام ابو یوسف بیمار ہوئے اور امام ابو حنیفہ عیادت کے لیے آئے تو فرمایا: "ان یمت ھذا الفتی فھو اعلم من علیھا واوما الی الارض"

[اگر یہ جوان فوت ہو گیا تو علم کا نقصان ہو گا کیونکہ یہ زمین پر اعلم ہے]

ثانیاً:۔۔۔ائمہ جرح وتعدیل اور محدثین نے آپ کو حافظ الحدیث ،اثبت فی الحدیث،صاحب السنۃ ،افقہ الفقھاء، سید الفقھاء ،ثقۃ وغیرہ فرمایا ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے حسن التقاضی من سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی للعلامۃ الکوثری)

لہذا ان پر جرح باطل ہے۔

سیدنا شتیر بن شکل:

نامور تابعی ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ نیز حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ام حبیبہ، حضرت حفصہ سے بھی روایت لی ہے۔

(تہذیب التہذیب:ج3ص138)

آپ کے بارے میں روایت ہے:

عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ: أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ.

(مُصنف ابن اَبِي شيبة: ج2 ص285 باب كم يصلي فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ)

ترجمہ: حضرت شتیر بن شکل لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح اور (تین رکعت) وتر پڑھاتے تھے۔

فائدہ: اس روایت کی سند حسن درجہ کی ہے۔

سیدنا ابو البختری:

آپ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابو سعید وغیرہ کے شاگرد ہیں اہل کوفہ میں اپنا علمی مقام رکھتے تھے۔ (تہذیب ج2 ص679)

آپ کے بارے میں روایت ہے

عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ: أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ فِي رَمَضَانَ وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ.

(مُصنف ابن اَبِي شيبة: ج2 ص285 باب كم يصلي فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ.)

کہ آپ رمضان میں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔

فائدہ: اس روایت کی سند حسن درجہ کی ہے۔

سیدنا سوید بن غفلہ:

آپ مشہور تابعی ہیں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور دیگر غیرہ صحابہ کی زیارت کی ہے اور ان سے روایت لی ہے۔

(تہذیب التہذیب: ج3 ص107)

آپ کے بارے میں ابو الخصیب روایت کرتے ہیں:

كَانَ يَؤُمُّنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ فِي رَمَضَانَ فَيُصَلِّي خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ عِشْرِينَ رَكْعَةً.

(السنن الکبری للبیہقی ج2 ص496 باب مَا رُوِيَ فِي عَدَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ.)

ترجمہ: حضرت سوید بن غفلہ ہمیں رمضان میں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

سیدنا ابن ابی ملیکہ:

مشہور تابعی ہیں، اہل علم میں اپنا مقام رکھتے تھے، تیس صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ (تہذیب التہذیب:ج4ص559)

آپ کے متعلق نافع بن عمر کہتے ہیں:

كَانَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ يُصَلِّي بِنَا فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً.

(مصنف ابن ابی شیبہ:ج2ص285باب کم یصلي فِي رَمَضَانَ مِن رُكْعَةٍ.)

ترجمہ: حضرت ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان میں بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

فائدہ: اس ک ی سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

سیدنا سعید بن جبیر:

آپ کبار تابعین میں سے ہیں، حضرت ابن عباس، حضرت ابن زبیر، حضرت ابن عمر، حضرت عدی بن حاتم وغیرہ سے روایت لی ہے۔ اہل کوفہ میں علمی مقام رکھتے تھے۔ حجاج بن یوسف نے ظلماً قتل کیا تھا۔ (تہذیب التہذیب:ج2ص625)

آپ کے بارے میں اسماعیل بن عبد المالک فرماتے ہیں:

كان سعيد بن جبير يؤمنا في شهر رمضان فكان يقرأ بالقراءتين جميعا يقرأ ليلة بقراءة بن مسعود فكان يصلي خمس ترويحات۔

(مصنف عبد الرزاق: ج4ص204باب قیام رمضان)

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ رمضان کے مہینے میں ہماری امامت کرواتے تھے آپ دونوں قراء تیں پڑھتے تھے ایک رات ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی

قرأت (اوردوسری رات حضرت عثمان کی قرأت) آپ رحمہ اللہ پانچ ترویحے (یعنی بیس رکعت) پڑھتے تھے۔

سیدنا علی بن ربیعہ:

آپ مشہور تابعی ہیں۔ حضرت علی، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت سمرہ بن جندب جیسے جلیل القدر صحابہ کے شاگرد ہیں۔ حدیث میں قابل اعتماد ہستی تھے۔

(تہذیب التہذیب: ج4ص596)

حضرت سعید بن عبید رحمہ اللہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

أَنَّ عَلِيَّ بْنَ رَبِيعَةَ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فِي رَمَضَانَ خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ وَيُوتِرُ بِثَلاَثٍ.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج2ص285باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

ترجمہ: حضرت علی بن ربیعہ رحمہ اللہ رمضان میں پانچ ترویحے (یعنی بیس رکعت) اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔

فائدہ: اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔

سیدنا حارث:

عَنِ الْحَارِثِ: أَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّ النَّاسَ فِي رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُ بِثَلاَثٍ

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2ص285باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

ترجمہ: حضرت حارث رحمہ اللہ لوگوں کو رمضان کی راتوں میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر، سیدنا سعید بن ابی الحسن، سیدنا عمران العبدی:

یہ تینوں حضرات حضرت علی کے شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت یونس رحمہ اللہ سے

روایت فرماتے ہیں:

ادرکت مسجد الجامع قبل فتنة ابن الاشعث یصلی بھم عبدالرحمن بن ابی بکر وسعید بن ابی الحسن وعمران العبدی کانوا یصلون خمس ترا ویح۔

(قیام اللیل للمروزی:ص158)

ترجمہ: میں نے ابن الاشعث کے فتنہ سے پہلے جامع مسجد بصرہ میں دیکھا کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ، حضرت سعید بن ابی الحسن اور حضرت عمران عبدی رحمہ اللہ لوگوں کو پانچ ترویحے (بیس رکعت) پڑھاتے تھے۔

خلاصہ روایات: ان روایات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور تابعین کرام رضی اللہ عنہ رمضان مبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

جمہور علماء کا موقف اور اجماع امت:

(1)۔۔ملا علی قاری فرماتے ہیں:

اجمع الصحابہ علی ان التراویح عشرون رکعة۔

(المرقات ج3ص194)

ترجمہ: تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیس رکعت تراویح ہونے پر اجماع کیا ہے۔

نیز شرح نقایہ میں لکھتے ہیں:

فصار اجماعا لما روی البیھقی باسناد صحیح: انھم کانوایقیمون علی عھد عمر بعشرین رکعة وعلی عھد عثمان وعلی رضی اللہ عنہ۔

(ج1ص342، فصل فی صلاة التراویح)

ترجمہ: پس (بیس رکعت) پر اجماع ہوگیا کیونکہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں بیس

رکعتیں پڑھتے تھے، ایسے ہی خلافت عثمان اور خلافت علی رضی اللہ عنہما میں بھی۔

(2)۔۔

وبالاجماع الذی وقع فی زمن عمر اخذ ابوحنیفة والنووی والشافعی واحمد والجمهور واختاره ابن عبدالبر۔

(اتحاف سادۃ المتقین ج3 ص422 بحوالہ تجلیات صفدر ج3 ص328)

ترجمہ: اس اجماع کی وجہ سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا تھا، امام ابو حنیفہ، امام نووی، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ اور جمہور حضرات نے (بیس رکعت تراویح) کو اختیار کیا ہے اور اسی کو علامہ ابن عبد البر نے بھی پسند کیا ہے۔

(3)۔۔ امام ترمذی فرماتے ہیں:

واکثر اهل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة۔

(سنن الترمذی ج1 ص166)

ترجمہ: اکثر اہل علم کا موقف بیس رکعت ہی ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(4)۔۔ مشہور فقیہ، ملک العلماء علامہ ابو بکر الکاسانی رحمہ اللہ اپنی کتاب بدائع الصنائع میں اس اجماع کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

والصحیح قول العامة لماروی ان عمر رضی الله عنه جمع ابی بن کعب فیصلی بهم فی کل لیلة عشرین رکعة ولم ینکر علیه احد فیکون اجماعا منهم علی ذلك۔

(بدائع الصنائع ج1 ص644)

ترجمہ: صحیح عام علماء ہی کا قول ہے، اس لیے کہ یہ روایت کی گئی ہے کہ حضرت عمر نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان المبارک میں حضرت ابی بن کعب رضی

اللہ عنہ کی امامت میں جمع کیا انہوں نے ان کو ہر رات بیس رکعت پڑھائیں اوراس پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ پس یہ صحابہ کرام کی طرف سے بیس رکعت پر اجماع ہو گیا۔

(5)۔۔مشہور محدث علامہ ابوزکریا یحیی بن شرف نووی دمشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اعلم ان صلاۃ التراویح سنة باتفاق العلماء وهی عشرون رکعة۔

(کتاب الاذکار ص226)

ترجمہ: جان لیں کہ نماز تراویح باتفاق علماء سنت ہے اور یہ بیس رکعتیں ہیں۔

(6)۔۔علامہ ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وهو قول جمهور العلماء وبه قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقهاء وهو الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابة۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج8 ص246)

ترجمہ: بیس رکعت تراویح جمہور علماء کا قول ہے اور یہی قول اہل کوفہ، امام شافعی اور اکثر فقہاء کرام کا ہے اور حضرت ابی بن کعب سے بھی یہی قول صحت سے مروی ہے، صحابہ میں سے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔

(7)۔۔خاتمہ المحققین وسیع النظر عالم علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(وهی عشرون رکعة)هو قول الجمهور وعلیه عمل الناس شرقا وغربا۔

(ردالمحتار لابن عابدین شامی ج2 ص495)

ترجمہ: بیس رکعت ہی جمہور کا قول ہے اوراسی پر شرقاغربا پوری امت کا عمل ہے۔

(8)۔۔استاذ المحدثین فقیہ النفس، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ اپنے رسالہ الحق الصریح میں فرماتے ہیں:

الحاصل ثبوت بست رکعت باجماع صحابہ رضی اللہ عنہ درآخر زمان عمر رضی اللہ عنہ ثابت شد پس سنت باشد وکسیکہ از سنت آہ انکار دارد خطاست۔(الحق الصریح ص14)

خلاصہ یہ کہ بیس رکعات کا ثبوت اجماع صحابہ سے ثابت شدہ ہے، لہذا یہی سنت ہے اور جو شخص اس کے سنت ہونے کا انکار کرے وہ غلطی پر ہے۔

بلاد اسلامیہ میں تعداد تراویح:

بلاد اسلامیہ، اسلامی تعلیمات کے آئینہ دار ہوتے ہیں خصوصاً جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا دور مبارک ہو تو ان میں اسلام کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ رمضان المبارک میں جب ان پر نظر ڈالی جائے تو ان میں مسلمان بیس تراویح پڑھتے نظر آتے ہیں۔ ذیل میں مشہور اسلامی شہروں میں پڑھی جانے والی تراویح کی مختصر تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

اہل مکہ:

1: امام دار الهجرۃ امام مالک بن انس فرماتے ہیں:

وبمكة بثلاث وعشرين (نیل الاوطار: ج1 ص514)

مکہ میں تیئیس رکعت (بیس تراویح اور تین وتر) پڑھے جاتے ہیں۔

2: امام عطاء بن ابی رباح مشہور تابعی ہیں۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر وغیرہ جلیل القدر صحابہ کے شاگرد ہیں دو سو صحابہ کرام کی زیارت کی ہے۔

(تہذیب التہذیب: ج4 ص488)

آپ مکی ہیں، اپنے شہر میں پڑھی جانے والی تراویح کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ادركت الناس وهم يصلون ثلاث وعشرين ركعة بالوتر۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج2 ص285 باب کم یصلي في رمضان من رکعۃ)

میں نے لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے پایا ہے۔

3: مشہور امام فقیہ محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں: هكذا ادركت ببلدنا بمكة

یصلون عشرین رکعۃ

(جامع الترمذی: ج1 ص166)

میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھتے پایا ہے۔

اہل مدینہ:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خلافت راشدہ کے دارالخلافہ کی حیثیت سے عہد فاروقی میں تراویح کو اجتماعی شکل دینے کا آغاز مدینہ منورہ سے ہوا، جیسا کہ ماقبل باتفصیل گزرا کہ دور صدیقی و عثمانی میں مدینہ منورہ میں بیس رکعت ہی پڑھی جاتی رہی۔

1: حضرت ابن ابی ملیکہ مشہور تابعی ہیں، تیس صحابہ کرام کی زیارت کی ہے۔ آپ مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں (تہذیب التہذیب: ج3 ص559)

آپ کے متعلق نافع بن عمر فرماتے ہیں:

کان ابن ابی ملیکۃ یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعۃ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج2 ص285 باب کم یصلي فِي رَمَضَانَ مِنْ رُكْعَةٍ)

حضرت ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان میں بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

2: حضرت داؤد بن قیس رحمہ اللہ جو مدینہ کے رہنے والے تھے، مشہور محدث وحافظ تھے، فرماتے ہیں:

ادرکت الناس بالمدینۃ فی زمن عمر بن عبدالعزیز وابان بن عثمان یصلون ستا وثلاثین رکعۃ ویوترون بثلاث

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج2 ص285 باب کم یصلي فِي رَمَضَانَ مِنْ رُكْعَة)

میں نے مدینہ میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اورابان بن عثمان کے دور میں لوگوں کو چھتیس رکعت (تراویح) اور تین رکعت وتر پڑھتے پایا ہے۔

36 رکعات تراویح کیسے بنی؟ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

تشبیہا باھل مکۃ حیث کانوا یطوفون بین کل ترویحتین طوافا ویصلون رکعتیہ ولایطوفون بعدالخامسۃ فاراد اھل المدینۃ مساواتھم فجعلوا مکان کل طواف اربع رکعات،(الحاوی للفتاوی ج1ص336)

ترجمہ: اہل مدینہ نے اہل مکہ کی مشابہت کے لیے 36رکعات اختیار کرلیں کیونکہ اہل مکہ چار رکعت کے بعد طواف کعبہ کرلیتے تھے اور پانچویں ترویحۃ کے بعد طواف نہیں کرتے تھے۔ پس اہل مدینہ طواف کی جگہ پر4رکعات کے بعد4رکعات (نفل) پڑھ لیتے تھے۔

گویاان کی اضافی رکعات تراویح کا حصہ نہ تھیں بلکہ درمیان کی نفلی عبادت میں شامل تھیں۔تراویح فقط بیس رکعات ہی تھیں۔

اہل کوفہ:

کوفہ ایک اسلامی شہر ہے جو عہد فاروقی میں 17ھ میں بحکم امیر المومنین تعمیر کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے عظیم المرتبت صحابی کو تعلیم و تدریس کے لیے کوفہ شہر بھیجا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے دارالخلافہ بنایا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس شہر میں چار ہزار حدیث کے طلبہ اور چار سو فقہاء موجود تھے۔ امام بخاری فرماتے کہ میں شمار نہیں کرسکتا کہ کوفہ طلب حدیث کے لیے کتنی مرتبہ گیا ہوں۔(مقدمہ نصب الرایۃ للکوثری ملخصًا)

1: کوفہ کے مشہور فقیہ، مفتی اہل کوفہ حضرت ابراہیم بن یزید نخعی فرماتے ہیں:

الناس کانوا یصلون خمس ترویحات فی رمضان(کتاب الاثار:ص41)

لوگ(صحابہ وتابعین)رمضان میں پانچ ترویحے(یعنی بیس رکعت)پڑھتے تھے۔

2: مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیر جنہوں حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر وغیرہ

جیسے القدر صحابہ سے علم حاصل کیا کوفہ ہی میں شہید کیے گئے، آپ کے بارے میں منقول ہے:

عن إسماعيل بن عبد الملك قال كان سعيد بن جبير يؤمنا في شهر رمضان فكان يقرأ بالقراءتين جميعا يقرأ ليلة بقراءة بن مسعود فكان يصلي خمس ترويحات

(مصنف عبد الرزاق ج4 ص204 باب قیام رمضان)

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیرؒ رمضان کے مہینے میں ہماری امامت کرواتے تھے آپ دونوں قراء تیں پڑھتے تھے ایک رات ابن مسعودؓ کی قرأت (اور دوسری رات حضرت عثمان کی قرأت) آپؒ پانچ ترویحے (یعنی بیس رکعت) پڑھتے تھے۔

3: حضرت شتیر بن شکل، حضرت علی کے شاگرد تھے کوفہ میں رہائش پذیر تھے۔ آپ کے بارے میں روایت ہے:

عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ: أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ.

(مُصنف ابن أبي شيبة، ج2 ص285 باب كم يصلي فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ)

حضرت شتیر بن شکل لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔

4: حضرت حارث ہمدانی، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد تھے، 65ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ آپ کے بارے میں روایت ہے:

عَنِ الْحَارِثِ : أَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّ النَّاسَ فِي رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُ بِثَلاَثٍ

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2 ص285 باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

حضرت حارثؒ لوگوں کو رمضان کی راتوں میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

5: مشہور تابعی امام سفیان ثوری کوفہ کے رہنے والے تھے، 161ھ میں وفات پائی۔
آپ بھی بیس رکعات تراویح کے قائل تھے:

قال الترمذی رحمہ اللہ : روی عن عمر و علی وغیرھما من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ وھو قول الثوری۔

(سنن الترمذی ج1 ص166 باب ماجاء فی قیام شھر رمضان)

ترجمہ: اکثر اہل علم کا موقف بیس رکعت ہی ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہی موقف امام سفیان ثوری کا بھی ہے۔

اہل بصرہ:

حضرت یونس بن عبید جو حضرت حسن بصری اور امام ابن سیرین کے شاگرد اور سفیان ثوری و شعبہ کے استاد ہیں، فرماتے ہیں:

ادرکت مسجدالجامع قبل فتنۃ ابن الاشعث یصلی بھم عبدالرحمن بن ابی بکر وسعید بن ابی الحسن وعمران العبدی کانوا یصلون خمس تراویح۔

(قیام اللیل للمروزی ص158)

ترجمہ: میں نے ابن الاشعث کے فتنہ سے پہلے جامع مسجد بصرہ میں دیکھا کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ، حضرت سعید بن ابی الحسن اور حضرت عمران عبدی رحمہ اللہ لوگوں کو پانچ ترویحے (بیس رکعت) پڑھاتے تھے۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور بیس رکعات تراویح:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سنتوں اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے مقدس طریقوں کی حفاظت و تدوین جس جامعیت اور تفصیل کے ساتھ حضرات

ائمہ اربعہ نے فرمائی ہے یہ مقام امت میں کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ اسی لیے پوری امت ان ہی کی رہنمائی میں پاک سنتوں پر عمل کررہی ہے، یہ تمام ائمہ بیس رکعات کے قائل تھے، تفصیل پیش خدمت ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ:

امام اعظم فی الفقہاء امام ابو حنیفہ اور آپ کے تمام مقلدین بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔

1: علامہ ابن رشد اپنی مشہور کتاب بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں:

فاختار ۔۔۔ابو حنیفۃ۔۔۔ القیام بعشرین رکعۃ سوی الوتر ۔(ج1ص214)

امام ابو حنیفہ کے ہاں قیام رمضان بیس رکعت ہے، وتر علاوہ ہیں۔

2: امام فخر الدین قاضی خان حنفی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

عن ابی حنیفۃ قال القیام فی شھر رمضان سنۃ۔۔۔۔ کل لیلۃ سوی الوتر عشرین رکعۃ خمس ترویحات (فتاوی قاضی خان ج1ص112)

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ رمضان میں ہر رات بیس رکعت یعنی پانچ ترویحے وتر کے علاوہ پڑھنا سنت ہے۔

3: علامہ ابن عابدین شامی جو فقہ حنفی کے عظیم محقق ہیں، فرماتے ہیں:

(قولہ وعشرون رکعۃ) وھو قول الجمھور وعلیہ عمل الناس شرقاوغربا

(ردالمحتار ج2ص495)

بیس رکعتیں ہی جمہور کا قول ہے اور اسی پر شرقاغربا پوری امت کا عمل ہے۔

امام مالک بن انس رحمہ اللہ:

امام مالک نے ایک قول کے مطابق بیس رکعت تراویح کو مستحسن کہا ہے۔ چنانچہ علامہ

ابن رشد فرماتے ہیں:

واختار مالك فی احد قولیه ....القیام بعشرین رکعة (بدایه المجتهد ج1ص214)

ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے ایک قول میں بیس رکعت تراویح کو اختیار فرمایا ہے۔

دوسرا قول چھتیس رکعت کا ہے جن میں بیس رکعت تراویح اور سولہ نفل تھیں تفصیل گزر چکی ہے۔

امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ:

ائمہ اربعہ میں سے مشہور امام ہیں، آپ فرماتے ہیں:

احب الی عشرون ....وکذالك یقومون بمکة (قیام اللیل ص159)

مجھے بیس رکعت تراویح پسند ہے، مکہ میں بھی بیس رکعت پڑھتے ہیں۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

وهکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة۔

(جامع الترمذی ج1ص166 باب ماجاء في قیام شهر رمضان)

میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھتے پایا ہے۔

مشہور شافعی عالم محقق العصر امام نووی دمشقی فرماتے ہیں:

اعلم ان صلوة التراویح سنة باتفاق العلماء وهی عشرون رکعة۔

(کتاب الاذکار: ص226)

جان لو کہ تراویح باتفاق علماء سنت ہے اور یہ بیس رکعت ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

آپ بیس رکعت تراویح کے قائل تھے۔ چنانچہ فقہ حنبلی کے ممتاز ترجمان

امام ابن قدامہ لکھتے ہیں:

والمختار عندابي عبدالله (احمد بن حنبل)فيها عشرون ركعة وبهذا قال الثوري وابوحنيفه والشافعي (المغنی ج1ص802)

ترجمہ: مختار قول کے مطابق امام احمد بن حنبل بیس رکعت کے قائل تھے اور یہی مذہب امام سفیان ثوری، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا ہے۔

مشائخ عظام اور بیس رکعت تراویح:

امت مسلمہ میں جو مشائخ گزرے ہیں ان کا عمل، اخلاق اور حسنِ کردار اس امت کے لیے قابل اتباع ہے، ان کی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو وہ بھی بیس رکعت پر عمل پیرا نظر آتے ہیں جو یقیناً رشد وہدایت کی دلیل ہے۔ چند مشہور مشائخ کی تصریحات پیش خدمت ہیں۔

1: شیخ ابو حامد محمد غزالی م505ھ:

التراويح وهي عشرون ركعة و كيفيتها مشهورة وهي سنة مو كدة.

(احیاء العلوم ج1ص123)

ترجمہ: تراویح بیس رکعتیں ہیں جن کا طریقہ معروف اور مشہور ہے اور یہ سنت موکدہ ہیں۔

2: شیخ عبد القادر جیلانی م561ھ:

آپ علوم اسلامیہ کے ہر فن میں بے بدل عالم، تصوف وسلوک کے مشہور امام تھے اپنی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین میں تراویح سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

صلوة التراويح سنة النبي وهي عشرون ركعة،(ص: 267، 268)

تراویح کی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے اور یہ بیس رکعت ہے۔

3: شیخ امام عبد الوہاب شعرانی م973ھ:

آپ مشہور محدث ،فقیہ اور سلسلہ تصوف میں ایک خاص مقام کے مالک تھے۔ اپنی مشہور زمانہ کتاب ”المیزان الکبریٰ“میں تحریر فرماتے ہیں:

التراویح فی شہر رمضان عشرون رکعۃ (ص153)

ترجمہ:تراویح رمضان میں بیس رکعت ہے۔

حرمین شریفین اور بیس رکعات تراویح:

اسلام کے دو مقدس حرم؛ حرم مکہ و حرم مدینہ میں چودہ سو سال سے بیس رکعت سے کم تراویح پڑھنا ثابت نہیں بلکہ بیس رکعت ہی متوارث و متواتر عمل رہا ہے۔چنانچہ مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے سابق قاضی شیخ عطیہ سالم نے مسجد نبوی میں نماز تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر”التراویح اکثر من الف عام“ کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف فرماکر ثابت کیا ہے کہ چودہ سو سالہ مدت میں بیس رکعت متواتر عمل ہے، اس سے کم ثابت نہیں۔جامعہ ام القری مکہ مکرمہ کی طرف سے کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ مکہ مکرمہ کے استاذ شیخ محمد علی صابونی کا ایک رسالہ ”الہدی النبوی الصحیح فی صلوۃ التراویح“ کے نام سے شائع کیا گیا ہے جس میں شیخ صابونی نے عہد خلافت راشدہ سے لے کر عہد حکومت سعودیہ تک مکہ مکرمہ و مسجد حرام میں ہمیشہ بیس رکعات تراویح پڑھے جانے کا ثبوت دیا ہے۔

خلاصہ کلام:

مذکورہ احادیث وآثار، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کے افعال، ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے اقوال سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

(1)۔۔۔ آپ علیہ السلام نے لوگوں کو قیام رمضان کی بہت ترغیب دی، خود بھی پڑھتے رہے، تین دن اس کی جماعت کرائی اور امت کے لیے اسے مسنون قرار دیا۔

(2)۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت ثابت ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت جابر بن عبداللہ کی احادیث سے ظاہر ہے۔ چونکہ ان روایات کو امت کی تلقی بالقبول حاصل ہے اس لیے یہ صحیح لغیرہ کے درجہ میں ہیں۔

(3)۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر مواظبت فرمائی اور بیس رکعت پر امت کو جمع کیا۔ تمام مہاجر وانصار صحابہ کی موجودگی میں اس پر اجماع ہو گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی بیس رکعت ہی پڑھی جاتی رہی۔

(4)۔۔۔ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور حضرات تابعین بھی بیس رکعت تراویح کے قائل وفاعل رہے۔

(5)۔۔۔ ائمہ اربعہ رحمہ اللہ اوران کے مقلدین بیس رکعت ہی پڑھتے چلے آرہے ہیں، گویا یہ عملا متوارث ومتواتر ہے۔

(6)۔۔۔ بلاد اسلامیہ خصوصاً مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بصرہ وکوفہ وغیرہ میں بیس رکعت ہی پڑھی جاتی رہی ہے۔

(7)۔۔۔ امت مسلمہ کے مشائخ وبزرگان بیس رکعت پر ہی عمل پیرا رہے۔

(8)۔۔۔ عرصہ چودہ سوسال سے اسلام کے عظیم مراکز حرمین شریفین میں بیس رکعت ہی پڑھائی جاتی ہیں اور آج بھی رمضان المبارک کی بہاروں میں بیس رکعت ہی پڑھی جاتی ہے۔

اللہ تعالی ہمیں بھی اس سنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

غیر مقلدین کے موقف اور شبہات کی حقیقت

محترم قارئین! سابقہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ نماز تراویح بیس رکعات ہی ہیں، لیکن غیر مقلدین اس متوارث عمل کو چھوڑ کر آٹھ رکعت پر اکتفاء کرتے نظر آتے ہیں۔ اپنے خود ساختہ موقف پر چند "دلائل" پیش کرتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان کے اس موقف اور دلائل کا جائزہ لیتے ہیں۔

نمبر 1:

غیر مقلدین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بڑے زور و شور سے پیش کرتے ہیں کہ اس سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہے۔ روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلمہ بن عبد الرحمن نے ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیسی ہوتی تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

"ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعا فلاتسئل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی اربعا فلاتسئل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی ثلاثا"

(صحیح بخاری)

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعتیں پڑھے، پس کچھ نہ پوچھو کتنی حسین و لمبی ہوتی تھیں، اس کے بعد پھر چار رکعت پڑھتے، کچھ نہ پوچھو کتنی حسین اور لمبی ہوتی تھیں، پھر تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

جواب نمبر1:

اس روایت سے آٹھ رکعت تراویح پر استدلال باطل ہے، اس لیے کہ:

1: اس میں ”رمضان وغیر رمضان“ میں ہمیشہ گیارہ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے، غیر رمضان میں نہیں۔ حدیث کے جملہ ”ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ“ سے یہی بات سمجھ میں آرہی ہے۔

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس سے وہ نماز مراد ہے جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں پڑھی جاتی ہے اور وہ نمازِ تہجد ہے [وضاحت آگے آرہی ہے]

2: اس حدیث میں گیارہ رکعت تنہا پڑھنے کا ذکر ہے نہ کہ جماعت کے ساتھ اور تراویح جماعت سے پڑھی جاتی ہے۔

3: اس میں ایک سلام سے چار رکعت کا ذکر ہے جبکہ تراویح ایک سلام سے دو دو رکعت پڑھی جاتی ہیں۔

جواب نمبر2:

محدثین کے نزدیک بھی یہ حدیث تراویح کے متعلق نہیں۔ کیونکہ عام طور پر حضرات محدثین کا طرز یہ ہے کہ تہجد کے لیے ”باب قیام اللیل“ اور تراویح کے لیے ”باب قیام رمضان“ قائم کرتے ہیں۔ مثلاً۔۔۔

نام کتاب	باب تہجد	باب تراویح
صحیح بخاری	باب فضل قیام اللیل	باب فضل من قام رمضان
صحیح مسلم	باب صلوۃ اللیل	باب الترغیب فی قیام رمضان وھو التراویح

سنن ابی داؤد	باب فی صلوۃ اللیل	باب قیام شہر رمضان
سنن ترمذی	باب فی فضل صلوۃ اللیل	باب ماجاء فی قیام شہر رمضان
سنن نسائی	کتاب قیام اللیل	ثواب من قام وصام
سنن ابن ماجہ	باب ماجاء فی قیام اللیل	باب ماجاء فی قیام شہر رمضان
موطا امام مالک	باب فی صلوۃ اللیل	باب فی قیام رمضان
موطا امام محمد	باب فی صلوۃ اللیل	باب قیام شہر رمضان
مشکوۃ شریف	باب فی صلوۃ اللیل	باب قیام شہر رمضان
ریاض الصالحین	باب فضل قیام اللیل	باب استحباب قیام رمضان وھو التراویح
صحیح ابن حبان	فصل قیام اللیل	فصل فی التراویح
مجمع الزوائد	باب فی صلوۃ اللیل	قیام رمضان
سنن کبری للبیہقی	باب فی صلوۃ اللیل	باب فی قیام شہر رمضان
جمع الفوائد	صلوۃ اللیل	قیام رمضان والتراویح وغیر ذالک
قیام اللیل للمروزی	باب فی صلوۃ اللیل	قیام رمضان
بلوغ المرام	صلوۃ التطوع	قیام رمضان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت کو محدثین نے باب صلوۃ اللیل (یعنی تہجد کے باب) میں ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً

صحیح البخاری۔۔۔ج1ص154 کتاب التہجد

صحیح مسلم۔۔۔ ج1ص254 باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل

سنن ابی داؤد۔۔۔ج1ص189 باب صلاۃ اللیل

سنن الترمذی۔۔۔ج1ص98باب صلاۃ اللیل

موطاامام مالک۔۔۔ص99باب فی صلوۃ اللیل

سنن النسائی۔۔۔ج1ص237کتاب قیام اللیل

زاد المعاد لابن القیم۔۔۔ص 125 قیام اللیل

حضرات محدثین کا اس حدیث کو قیام اللیل(یعنی تہجد کے باب) میں ذکر کرنا دلیل ہے کہ یہ تہجد سے متعلق ہے نہ کہ تراویح کے متعلق۔

جواب نمبر2پر اعتراض:

اس روایت کو امام بخاری "باب فضل من قام رمضان" اور امام محمد "باب قیام شھر رمضان" میں بھی لائے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ تراویح کے متعلق ہے۔

جواب:

امام بخاری اور امام محمد اس روایت کو تہجد اور قیام رمضان وغیرہ میں لائے تاکہ ثابت کریں کہ تہجد جس طرح غیر رمضان میں پڑھی جاتی ہے اسی طرح رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے۔

فائدہ: غیر مقلدین کا خود بھی اس روایت پر عمل نہیں، اس لیے کہ اس روایت میں رمضان اور غیر رمضان میں تین رکعات وتر کا ذکر ہے لیکن غیر مقلدین ایک وتر پڑھ کر گھر کی راہ لیتے ہیں۔

نمبر2:

غیر مقلدین آٹھ رکعت تراویح پر یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں:

عن جابر بن عبداللہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان ثمان رکعات واوتر ،فلما کانت القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج ،فلم نزل فیہ حتی اصبحنا ثم دخلنا ،فقلنا یا رسول اللہ اجتمعنا البارحۃ فی المسجد ورجونا ان تصلی بنا فقال انی خشیت ان یکتب علیکم

(المعجم الصغیر للطبرانی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رمضان کی ایک رات میں آٹھ رکعتیں اور تین وتر پڑھائے۔ جب دوسری رات ہوئی تو ہم مسجد میں جمع ہو گئے۔ ہم اس امید میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے، ہم اسی انتظار میں بیٹھے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم رات کو اس امید پر جمع ہوئے تھے کہ آپ ہمیں نماز پڑھائیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس بات کا خوف تھا کہ یہ نماز تم پر کہیں فرض نہ ہو جائے۔[اس لیے نہیں پڑھائی]

یہی روایت صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، اور قیام اللیل للمروزی میں بھی موجود ہے۔

جواب:

مذکورہ کتب میں یہ روایت دو سندوں سے آتی ہے۔

1: اسحاق – ابو الربیع – یعقوب قمی – عیسی بن جاریۃ – جابر بن عبد اللہ

2: محمد بن حمید الرازی – یعقوب قمی – عیسی بن جاریۃ – جابر بن عبد اللہ

ان دونوں طریق میں درج ذیل رواۃ ضعیف و مجروح ہیں۔

عیسی بن جاریہ:

حضرت جابر بن عبد اللہ سے نقل کرنے والے صرف ایک راوی ہیں عیسی

بن جاریہ، انہی پر اس روایت کا مدار ہے، ابن خزیمہ کے حاشیہ پر اس کے بارے میں لکھا ہے: عیسی بن جاریہ فیہ لین (صحیح ابن خزیمہ ج1 ص 531)

ترجمہ: عیسیٰ بن جاریہ میں کمزوری ہے۔

دیگر محدثین نے بھی اس پر جروح کی ہیں:

1: امام یحیٰ بن معین: لیس بذاك عنده مناکیر [یہ شخص قوی نہیں نیز اس کے پاس منکر روایات پائی جاتی ہے]

2: امام نسائی: منکر الحدیث [اس کی حدیث میں نکارت پائی جاتی ہے]

3: امام ابو داؤد: منکر الحدیث [اس کی حدیث میں نکارت پائی جاتی ہے]

4: امام نسائی: متروك الحدیث [اس کی روایات کو محدثین نے ترک کر دیا ہے]

5: امام ابن عدی: احادیثه غیر محفوظة [اس کی احادیث غیر محفوظ ہیں]

6: امام ساجی: ضعفاء میں شمار کیا۔

7: امام عقیلی: ضعفاء میں شمار کیا۔

(میزان الاعتدال ج3 ص312، تہذیب التہذیب ج5 ص193، 192)

یعقوب قمی:

یہ راوی دونوں سندوں میں موجود ہے۔ اس کا نام یعقوب بن عبداللہ القمی ہے۔ یہ بھی مجروح راوی ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: لیس بالقوی۔

(میزان الاعتدال ج5 ص178)

یہ حدیث میں قوی نہیں ہے۔

پس یہ روایت ضعیف، متروک اور صحیح روایات کے مقابلے میں نا قابل حجت ہے۔

نمبر 3:

حدثنا عبد الاعلی حدثنا یعقوب عن عیسی بن جاریة حدثنا جابر بن عبد اللہ قال جاء ابی ابن کعب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان کان منی اللیلة شئی یعنی فی رمضان قال وما ذاك یا ابی قال: نسوة فی داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی بصلاتك قال فصلیت بهن ثمان رکعات ثم اوترت قال فکان شبه الرضاء ولم یقل شیئا ۔

(مسند ابی یعلی)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! آج رات میرے ساتھ ایک بات پیش آئی یعنی رمضان میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابی! وہ کیا بات ہے؟، حضرت ابی نے کہا: میرے گھر میں عورتیں تھیں، انہوں نے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھ سکتیں، اس لیے ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گی، تو میں نے انہیں آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے۔ تو یہ رضاء کی مثل ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا۔

جواب نمبر 1:

اس سند میں وہی عیسی بن جاریہ اور یعقوب القمی موجود ہیں، جو سخت مجروح اور ضعیف ہیں۔ ان پر جرح ہم ماقبل میں ذکر کر آئے ہیں۔ لہذا یہ روایت سخت ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں۔

جواب نمبر 2:

اس روایت کے تمام طرق جمع کریں تو کئی قرائن ملتے ہیں کہ اس روایت میں

اضطراب ہے۔

1: یہ روایت تین کتابوں میں ہے۔ مسند احمد میں سرے سے "رمضان" کا لفظ ہی نہیں، مسند ابی یعلی میں "یعنی رمضان "کا لفظ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فہم راوی ہے نہ کہ روایت، قیام اللیل مروزی میں "فی رمضان" کا لفظ ہے جو یقیناً کسی تحتانی راوی کا ادراج ہے۔ جب اس روایت میں "فی رمضان" کا لفظ ہی مدرج ہے تو اسے تراویح سے کیا تعلق رہا؟

2: مسند ابی یعلی اور قیام اللیل للمروزی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خود حضرت ابی بن کعب کا ہے جبکہ مسند احمد کی روایت میں الفاظ ہیں: عن جابر عن ابی بن کعب قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ و سلم الخ.. [حضرت جابر حضرت ابی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کسی اور کا ہے، حضرت ابی بن کعب کا نہیں۔

3:۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آٹھ رکعت پڑھنے والا یہ کہتا ہے: "انہ کان منی اللیلۃ شئی" [رات مجھ سے یہ کام سرزد ہوگیا] اور "عملت اللیلۃ عملاً "[میں نے آج رات ایسا عمل کیا]۔ معلوم ہوا کہ اس نے اسی رات آٹھ پڑھیں تھیں اس سے پہلے معمول آٹھ کا نہیں تھا، اس لئے تو اس نے کہا کہ میں نے یہ انوکھا کام کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے کہ جب یہ خود اس کام کو انوکھا سمجھ رہا ہے تو خواہ مخواہ اس کی تردید کیوں کی جائے۔

نمبر 4:

سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ابی بن کعب

اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں۔

(موطاامام مالک)

جواب 1:

یہاں چند امور قابل غور ہیں۔

امر اول: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کی تراویح کے ناقل یہ راوی ہیں:

نمبر شمار	راوی	تعداد رکعت	ماخذ
1	السائب بن یزید	تفصیل آگے	----
2	یزید بن رومان	23[مع الوتر]	موطاامام مالک
3	عبد العزیز بن رفیع	20	مصنف ابن ابی شیبہ
4	ابی بن کعب	20	مسند احمد بن منیع
5	یحیی بن سعید	20	مصنف ابن ابی شیبہ
6	محمد بن کعب القرظی	20	قیام اللیل للمروزی
7	حسن بصری	20	سنن ابی داؤد

یہ تمام رواۃ بیس رکعت تراویح ہی روایت کرتے ہیں، رہے سائب بن یزید تو ان کی روایت کی تفصیل درج ذیل ہے:

سائب بن یزید کے تین شاگرد ہیں:

نمبر شمار	راوی	تعداد رکعت	ماخذ
1	یزید بن خصیفہ	20	السنن الکبریٰ
2	حارث بن عبد الرحمن ابی ذباب	23[مع الوتر]	مصنف عبد الرزاق

3	محمد بن یوسف	تفصیل آگے	---

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سائب بن یزید کے تین شاگردوں میں سے یزید بن خصیفہ بیس اور حارث بن عبد الرحمن ابی ذباب تیئس [مع الوتر] نقل کرتے ہیں، البتہ محمد بن یوسف نے دو باتوں میں اختلاف کیا ہے۔

1: یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبد الرحمن ابی ذباب قاریوں کی تعداد نہیں بتاتے لیکن محمد بن یوسف نے بتائی ہے کہ دو تھے؛ ابی بن کعب اور تمیم داری۔

2: اول الذکر دو راوی تراویح بیس ہی نقل کرتے ہیں لیکن اس نے تراویح کی تعداد گیارہ، تیرہ اور اکیس نقل کی۔

محمد بن یوسف کے شاگردوں کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

نمبر شمار	راوی	تعداد رکعت	ماخذ
1	امام مالک	11	موطا امام مالک
2	یحیی بن سعید القطان	11	مصنف ابن ابی شیبہ
3	عبد العزیز بن محمد الدَّرَاوَرْدِی	11	سعید بن ابی منصور
4	محمد بن اسحاق	13	قیام اللیل للمروزی
5	داؤد بن قیس وغیرہ	21	مصنف عبد الرزاق

اس سے واضح ہوتا ہے کہ محمد بن یوسف کے پانچوں شاگردوں کے بیانات عدد و کیفیت کے لحاظ سے باہم مختلف ہیں کہ۔۔۔

1: پہلے تین شاگرد گیارہ نقل کرتے ہیں اور محمد بن اسحاق تیرہ، جبکہ پانچواں شاگرد داؤد بن قیس اکیس رکعات نقل کرتا ہے۔

2: امام مالک کی روایت میں گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم ہے عمل کا ذکر نہیں، یحیی القطان کی روایت میں حکم کا ذکر نہیں، عبد العزیز بن محمد کی روایت میں گیارہ رکعت تو ہیں لیکن نہ حکم ہے اور نہ ابی بن کعب اور تمیم داری کا ذکر۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں تیرہ رکعت کا ذکر ہے لیکن نہ حکم ہے اور نہ ابی و تمیم کا ذکر، اور داؤد بن قیس کی روایت میں حکم تو ہے لیکن گیارہ کی بجائے اکیس کا ذکر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن یوسف کی یہ روایت شدید مضطرب ہے اور اضطراب فی المتن وجہ ضعف ہوتا ہے:

والاضطراب یوجب ضعف الحدیث۔

(تقریب النووی مع شرحہ التدریب: ص234)

ترجمہ: اضطراب روایت کو ضعیف بنا دیتا ہے۔

لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب2:

امام مالک کا اپنا عمل اس کے خلاف ہے کیونکہ وہ بیس کے قائل ہیں۔ علامہ ابن رشد لکھتے ہیں:

واختار مالك فی احد قولیه .....القیام بعشرین رکعة

(بدایہ المجتہد ج1 ص214)

ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے ایک قول میں بیس رکعت تراویح کو اختیار فرمایا ہے۔

اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ راوی کا عمل اگر اپنی روایت کے خلاف ہو تو اس بات کی دلیل ہے کہ روایت ساقط ہے۔

(المنار مع شرحہ نور الانوار: ص190)

لہذا یہ روایت ساقط العمل ہے۔

جواب 3:

اس روایت کے مرکزی راوی سائب بن یزید کا اپنا عمل اس کے خلاف ہے کیونکہ ان سے بسند صحیح مروی ہے:

عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ والوتر۔

(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی: ج2ص305 کتاب الصلوۃ)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر کے زمانے میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔

فائدہ: چونکہ یہ روایت تمام رواۃ کی مرویات کے خلاف تھی اس لیے علماء نے اس کے بارے میں دو موقف اختیار کیے ہیں۔

- ترجیح
- تطبیق

ترجیح:

اس روایت (گیارہ رکعت) کو راوی کا وہم قرار دے کر مرجوح قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

ان الاغلب عندی ان قولہ احدی عشرۃ وھم (الزرقانی شرح موطا: ج1ص215)

ترجمہ: میرے نزدیک غالب (راجح) یہی ہے کہ راوی کا قول "احدی عشرۃ" [گیارہ رکعت] وہم ہے۔

تطبیق:

بعض حضرات نے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً:

1: علامہ بدر الدین عینی:

لعل هذا كان من فعل عمر اولا ثم نقلهم الى ثلاث وعشرين.

(عمدۃ القاری: ج8 ص246)

ترجمہ: ممکن ہے یہ (گیارہ رکعت) حضرت عمر کا پہلے کا عمل ہو جو تیئیس رکعات (بیس تراویح اور تین وتر) تک جا پہنچا ہو۔

2: ملا علی قاری:

وجمع بينهما بانه وقع اولا (اى احدى عشرة ركعة فى زمان عمر)ثم استقر الامر على العشرين فانه المتوارث

(المرقاۃ علی المشکوۃ ج3 ص194)

ترجمہ: ان دونوں میں تطبیق یوں بھی دی جا سکتی ہے کہ یہ پہلے کا عمل ہو، پھر بیس رکعت پر معاملہ ٹھہر گیا ہو اور یہی عمل امت میں متواتر و متوارث چلا ہے۔

3: علامہ محمد بن علی النیموی:

وجمع البيهقى بينهما كانوا يقومون باحدى عشرة ثم قاموا بعشرين واوتروا بثلاث وقدعدوا ماوقع فى زمن عمر كالاجماع.

(حاشیۃ آثار السنن ص221)

ترجمہ: امام بیہقی نے ان میں تطبیق یوں دی کہ (ممکن ہے) پہلے یہ لوگ گیارہ پڑھتے ہوں، پھر بیس رکعت تراویح اور تین وتر پر کاربند رہے ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیس رکعات تراویح

از افادت: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت والجماعت:

تراویح بیس رکعت سنت مؤکدہ ہے۔

(رد المحتار: ج2ص496،597، بدایہ المجتہد ج1ص214، قیام اللیل ص159، جامع الترمذی: ج1ص166 باب ماجاء فی قیام شہر رمضان)

مذہب غیر مقلدین:

تراویح کی تعداد آٹھ رکعت ہے۔ (تعداد رکعات قیام رمضان از زبیر علی زئی، آٹھ رکعت نماز تراویح از غلام مصطفیٰ ظہیر وغیرہ)

دلائل اہل السنت والجماعت

احادیث مرفوعہ

دلیل نمبر1: قال الامام الحافظ المحدث أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي (م 235 ھ) : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2ص284 باب کم یصلی فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ، المعجم الکبیر للطبرانی ج5ص433رقم 11934، المنتخب من مسند عبد بن حمید ص218رقم 653، السنن الکبریٰ للبیہقی ج2ص496 باب مَا رُوِيَ فِي عَدَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ.)

تحقیق السند: اسنادہ حسن وقد تلقتہ الامۃ بالقبول فھو صحیح.

اعتراض: اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ ہے جو عند المحدثین ضعیف ہے۔

جواب1: ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ پر بعض ائمہ نے جرح کی تو ہے لیکن یہ اتنا بھی ضعیف نہیں کہ اس کی روایت کو چھوڑ دیا جائے، کیونکہ کئی محدثین نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔

1: امام شعبہ بن الحجاج م160ھ نے ابوشیبہ سے روایت لی ہے۔ (تہذیب الکمال للمزی: ج1 ص268، تہذیب التہذیب: ج1ص136)
اور غیر مقلدین کے ہاں اصول ہے کہ امام شعبہ اس راوی سے روایت لیتے ہیں جو ثقہ ہو اور اس کی احادیث صحیح ہوں۔

(القول المقبول فی شرح صلوۃ الرسول: ص386، نیل الاوطار: ج1ص36)

2: امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ الاساتذہ حضرت یزید بن ہارون رحمہ اللہ، ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کے زمانۂ قضاۃ میں ان کے کاتب تھے اور ان کے بڑے مداح تھے، فرماتے ہیں: "ماقضی علی الناس یعنی فی زمانہ اعدل فی قضاء منہ". (تہذیب الکمال ج1ص270)

3: امام ابن عدی فرماتے ہیں: لہ احادیث صالحۃ (تہذیب الکمال ج1ص270)

مزید فرماتے ہیں: وهو وإن نسبوه إلى الضعف خير من إبراهيم بن أبي حية. (تہذیب الکمال ج1ص270)

اور ابراہیم بن ابی حیہ کے بارے میں امام یحیٰ بن معین فرماتے ہیں: شیخ، ثقۃ کبیر. (لسان المیزان ج1ص53، رقم الترجمۃ 127)

لہذا جب ابراہیم بن ابی حیہ ثقہ ہے تو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ بدرجہ اولی ثقہ ہونا چاہیے۔

جواب 2: اس روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ اگر کسی روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو روایت صحت کا درجہ پا لیتی ہے۔ مثلاً

1: قال السیوطی: قال بعضهم يحكم للحديث بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم يكن له اسناد صحيح. (تدریب الراوی ص29)

2: قال الشيخ العلامة محمد انور شاه الكشميري: وذهب بعضهم الى ان الحديث اذا تايد بالعمل ارتقى من حال الضعف الى مرتبة القبول. قلت: وهو الاوجه عندي. (فیض الباری شرح البخاری: ج3، ص:409 کتاب الوصایا، باب الوصیۃ لوارث)

3: غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری نے اعتراف کیا: "بعض ضعف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں"

(اخبارِ اہل حدیث مورخہ 19 اپریل 1907 بحوالہ رسائل اعظمی ص331)

لہذا تلقی بالقبول ہونے کی وجہ سے یہ روایت بھی صحیح و حجت ہے۔

جواب نمبر 3: اس حدیث کو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ سے روایت کرنے والے چار محدث ہیں:

1: یزید بن ہارون: (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5 ص225)

2: علی بن جعد: (المعجم الکبیر للطبرانی: ج5 ص433 رقم 11934)

3: ابو نعیم فضل بن دکین: (المنتخب من مسند عبد بن حمید: ص218 رقم 653،)

4: منصور بن ابی مزاحم: (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2 ص496)

اور یہ چاروں حضرات ثقہ ہیں:

1: یزید بن ہارون: ثقه، متقن۔ (تقریب التہذیب ص637)

2: علی بن جعد: ثقه، صدوق۔ (سیر اعلام النبلاء للذہبی: ج7 ص579)

3: ابو نعیم فضل بن دکین: ثقه ثبت۔ (تقریب التہذیب ص475)

4: منصور بن ابی مزاحم: ثقه۔ (تقریب التہذیب ص576)

ان ثقہ و عظیم محدثین کا ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ سے بیس رکعت نقل کرنے میں متفق ہونا قوی تائید ہے کہ یہ حدیث ثابت و صحیح ہے ورنہ یہ ثقہ حضرات اس طرح متفق نہ ہوتے۔

دلیل نمبر 2:

روى الامام المورخ أبو القاسم حمزة بن يوسف السهمي الجرجاني (م427ھ): حدثنا أبو الحسن علي بن محمد بن أحمد القصري الشيخ الصالح رحمه الله حدثنا عبد الرحمن بن عبد المؤمن العبد الصالح قال أخبرني محمد بن حميد الرازي حدثنا عمر بن هارون حدثنا إبراهيم بن الحناز عن عبد الرحمن عن عبد الملك بن عتيك عن جابر بن عبد الله قال خرج النبي صلى الله عليه وسلم ذات ليلة في رمضان فصلى الناس أربعة وعشرين ركعة وأوتر بثلاثة.

(تاریخ جرجان للسہمی ص317، فی نسخۃ 142)

اسناده حسن ورواته ثقات۔

فائدہ: اس روایت میں چار رکعت فرض، بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر کا ذکر ہے۔

اعتراض: اس میں دوراوی ہیں؛ محمد بن حمید الرازی اور عمر بن ہارون البلخی اور دونوں ضعیف ہیں۔

جواب: یہ حسن الحدیث درجہ کے راوی ہیں۔

محمد بن حمید الرازی:(م248ھ)

آپ ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں۔(تہذیب التہذیب:ج5ص547)

اگرچہ بعض محدثین سے جرح منقول ہے لیکن بہت سے جلیل القدر ائمہ محدثین نے آپ کی تعدیل و توثیق اور مدح بھی فرمائی ہے مثلاً:

1: امام فضل بن دکین(م218ھ): عَدَّلَهٗ. (تاریخ بغداد:ج2ص74)

2: امام یحییٰ بن معین(م233ھ): ثقة ،لیس به باس، رازی کیس.(تاریخ بغداد:ج2ص74، تہذیب الکمال للمزی:ج8ص652)

3: امام احمد بن حنبل(م241ھ): وثقه (طبقات الحفاظ للسیوطی ج1ص40)

وقال ایضاً: لایزال بالری علم مادام محمد بن حمید حیاً. (تہذیب الکمال للمزی:ج8ص652)

4: امام محمد بن یحییٰ الذہلی(م258ھ): عَدَّلَهٗ. (تاریخ بغداد:ج2ص73)

5: امام ابوزرعہ الرازی(م263ھ): عَدَّلَهٗ. (تاریخ بغداد:ج2ص73)

6: امام محمد بن اسحاق الصاغانی(م271ھ): عَدَّلَهٗ. (سیر اعلام النبلاء:ج8ص293)

7: امام جعفر بن ابی عثمان الطیالسی(م282ھ): ثقة. (تہذیب الکمال:ج8ص653)

8: امام ابونعیم عبد الملک بن محمد بن عدی الجرجانی(م323ھ): لان ابنَ حمیدٍ من حفاظِ اهلِ الحدیثِ. (تاریخ بغداد:ج2ص73)

9: امام الدارقطنی(م385ھ): اسناده حسن.[وفیہ محمد بن حمید الرازی].(سنن الدار قطنی:ص27رقم الحدیث27)

10: امام خلیل بن عبد اللہ بن احمد الخلیلی(م446ھ): کان حافظاً عالماً بهذا الشان، رضیه احمد و یحییٰ. (تہذیب التہذیب:ج5ص550)

11: علامہ شمس الدین ذہبی(م748ھ): العلّامة، الحافِظ الکبِیر. (سیر اعلام النبلاء:ج8ص292)

وقال ایضاً: الحافظ و کان من اوعیة العلم. (العبر فی خبر من غبر:ج1ص223)

12: علامہ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی (807): " وفی اسناد بزار محمد بن حمید الرازی وهو ثقة.(مجمع الزوائد:ج9ص475)

13: حافظ ابن حجر(م852ھ): حافظ ضعیف و کان ابن مَعین حسنَ الرای فیه. (تقریب التہذیب:ص505)

14: علامہ جلال الدین سیوطی(م911ھ): وثقه احمد و یحییٰ و غیر واحد. (طبقات الحفاظ للسیوطی:ص216رقم479)

15: امام احمد بن عبد اللہ الخزرجی(م923ھ): الحافظ، و کان ابن مَعین حسنَ الرای فیه. (خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال للخزرجی:ص333)

چونکہ اس پر کلام ہے اور اس کی توثیق بھی کی گئی ہے، لہذا اصولی طور پر یہ حسن درجہ کا راوی ہے۔

عمر بن ہارون البلخی:(م294ھ)

آپ ترمذی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں۔ بعض حضرات نے جرح کی ہے لیکن بہت سے ائمہ نے آپ کی تعدیل و توثیق اور مدح و ثناء میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں:

الحافظ، الامام، المکثر، عالم خراسان، من اوعیة العلم، کثیر الحدیث، وارتحل، ثقة، مقارب الحدیث.

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی:ج1ص249،248، سیر اعلام النبلاء:ج7ص148 تا152، تہذیب التہذیب:ج4ص762 تا765)

لہذا اصولی طور پر آپ بھی حسن الحدیث درجہ کے راوی ہیں۔

احادیث موقوفہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تعدادِ رکعتِ تراویح:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی تراویح کی رکعات کی تعداد بیان کرنے والے سات حضرات ہیں۔ یہ تمام حضرات بیس رکعات ہی روایت کرتے ہیں (مضطرب وضعیف روایات کا کوئی اعتبار نہیں) ذیل میں روایات پیش خدمت ہیں:

1: حضرت ابی بن کعب:

عن أبي بن كعب أن عمر أمر أبيا أن يصلي بالناس في رمضان فقال إن الناس يصومون النهار ولا يحسنون أن يقرؤا فلو قرأت القرآن عليهم بالليل فقال: يا أمير المؤمنين هذا شيء لم يكن فقال قد علمت ولكنه أحسن فصلى بهم عشرين ركعة.

(مسند احمد بن منیع بحوالہ اتحاف الخیرۃ المہرۃ للبوصیری: ج2 ص424 باب فی قیام رمضان وماروی فی عدد رکعاتہ)

اسنادہ صحیح و رواتہ ثقات.

اعتراض:

آل حدیث نے لکھا: "یہ روایت اتحاف الخیرۃ المہرۃ للبوصیری میں بغیر کسی سند کے احمد بن منیع کے حوالے مذکور ہے۔ سرفراز صفدر دیوبندی لکھتے ہیں کہ "بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی" (تعداد رکعات قیام رمضان ص74 از علی زئی غیر مقلد)

ایک اور صاحب نے بازاری زبان استعمال کرتے ہوئے لکھا: "بے سند روایات وہی پیش کرتے ہیں جنکی اپنی کوئی سند نہ ہو۔"

(آٹھ رکعت نماز تراویح ص8)

جواب:

اولاً... الاحادیث المختارہ للمقدسی میں یہ روایت سند کے ساتھ موجود ہے جو کہ پیشِ خدمت ہے:

أخبرنا أبو عبدالله محمود بن أحمد بن عبدالرحمن الثقفي بأصبهان أن سعيد بن أبي الرجاء الصيرفي أخبرهم قراءة عليه أنا عبدالواحد بن أحمد البقال أنا عبيدالله بن يعقوب بن إسحاق أنا جدي إسحاق بن إبراهيم بن محمد بن جميل أنا أحمد بن منيع أنا الحسن بن موسى نا أبو جعفر الرازي عن الربيع بن أنس عن أبي العالية عن أبي بن كعب أن عمر أمر أبيا أن يصلي بالناس في رمضان الحديث. [الاحادیث المختارۃ للمقدسی ج3 ص367 رقم 1161]

ثانیاً:... علامہ ابن تیمیہ حضرت ابی بن کعب کے بیس رکعت پڑھانے کو ثابت مانتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

قد ثبت ان ابی بن كعب كان يقوم بالناس عشرين ركعة ويوتر بثلاث فرأى اكثر من العلماء ان ذلك هو السنة لانه قام بين المهاجرين والانصار ولم ينكره منكر. (فتاویٰ ابن تیمیہ قدیم: ج1 ص186، فتاویٰ ابن تیمیہ جدید: ج23 ص56)

2: حضرت سائب بن یزید:

1: عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال: كانوا يقومون على عهد عمر في شهر رمضان بعشرين ركعة وإن كانوا ليقرءون بالمئين من القرآن.

(مسند ابن الجعد ص413 رقم الحدیث 2825، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج2 ص305 باب قیام رمضان رقم الحدیث 1365، السنن الکبری للبیہقی ج2 ص496 باب مَا رُوِيَ فِي عَدَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ.)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری.

2: روی مالك من طريق يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد عشرين ركعة. (نیل الاوطار للشوکانی ج3ص57)

فائدہ: یہ طریق صحیح البخاری (ج1ص312) پر موجود ہے۔

3: عن السائب بن يزيد قال...القيام على عهد عمر ثلاثة وعشرين ركعة. (مصنف عبد الرزاق ج4ص201، حدیث نمبر7763)

4: عن السائب بن يزيد قال: كنا نقوم في زمان عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر.

(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج2ص305 باب قیام رمضان رقم الحدیث1365)

تصحیح روایت سائب بن یزید:

1: نیز امام نووی نے اس کی سند کو "صحیح" کہا ہے۔(مرقات المفاتیح: ج3ص345)

2: علامہ نیموی نے فرمایا: یہ حدیث "صحیح" ہے (التعلیق الحسن علی آثار السنن: ص222)

3: حضرت محمد بن کعب القرظی:

قال محمد بن كعب القرظي كان الناس يصلون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان عشرين ركعة. (قیام اللیل للمروزی ص157)

شبہ:

یہ روایت مرسل ہے، کیونکہ محمد بن کعب القرظی کی حضرت عمر بن الخطاب سے ملاقات ثابت نہیں۔

جواب:

محمد بن کعب القرظی [م120ھ] خیر القرون کے ثقہ محدث ہیں۔ (تقریب التہذیب ص534)

اور خیر القرون کا ارسال جمہور محدثین خصوصاً احناف و موالک کے ہاں صحت حدیث کے منافی نہیں۔

4: حضرت یزید بن رومان:

عن يزيد بن رومان انه قال كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلث وعشرين ركعة.

(موطا امام مالک ص98)

اسناده صحيح على شرط البخاري و مسلم.

شبہ:

غیر مقلد شبہ کرتے ہیں کہ یزید بن رومان نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا، اس لئے یہ سند منقطع ہے۔(تعداد رکعات قیام رمضان ص77)

جواب نمبر1:

یہ اثر موطا امام مالک (ص98) میں موجود ہے اور موطا امام مالک کے متعلق محدثین کی رائے یہ ہے:

قال الشافعي: أصح الكتب بعد كتاب الله موطأ مالك، واتفق أهل الحديث على أن جميع ما فيه صحيح على رأي مالك ومن وافقه، وأما على رأي غيره فليس فيه مرسل ولا منقطع إلا قد اتصل السند به من طرق أخرى، فلا جرم أنها صحيحة من هذا الوجه، وقد صنف في زمان مالك موطآت كثيرة في تخريج أحاديثه ووصل منقطعه، مثل كتاب ابن أبي ذئب وابن عيينة والثوري ومعمر. (حجۃ اللہ البالغۃ: ص281، باب طبقات کتب الحدیث، وفی نسخۃ: ج1ص305 قدیمی کتب خانہ)

جواب نمبر2:

یزید بن رومان م130ھ ثقہ راوی ہیں۔(تقریب التہذیب ص632) اور خیر القرون کے ثقہ محدث ہیں۔

اور جمہور محدثین خصوصاً احناف وموالک کے ہاں خیر القرون کا ارسال وانقطاع مضر صحت نہیں۔(قواعد فی علوم الحدیث للعثمانی ص138وغیرہ) پس اعتراض باطل ہے۔

جواب نمبر3:

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

وقال الشافعي: يُقْبَلُ إن اعْتَضَد بمجيئه مِن وجهٍ آخرَ يُبايِنُ الطريقَ الأُولى، مسنَداً أو مرسَلاً.

(نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر: ص101، فی نسخۃ: ص86 مکتبہ رحمانیہ)

اور یزید بن رومان کے اثر کو دیگر کئی مرسلوں سے تائید حاصل ہے (جن کا بیان آگے آرہا ہے) پس یہ اثر اب بالاتفاق مقبول ہے۔

5:حضرت یحیٰ بن سعید:

عن يحيى بن سعيد ان عمر بن الخطاب امر رجلا يصلي بهم عشرين ركعة. (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5ص223)

شبہ:

بعض آل حدیث نے لکھا: یحی بن سعید نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں پایا، لہذا یہ روایت منقطع ہے۔(ملخصاً مقدار قیام رمضان ص76)

جواب:

امام یحی بن سعید م144ھ خیر القرون کے ثقہ ونیک محدث ہیں۔(تقریب التہذیب ص622)

اور پہلے وضاحت سے گزر چکا ہے کہ خیر القرون کا انقطاع وارسال عند الجمہور خصوصاً عند الاحناف صحت حدیث کے منافی نہیں۔ پس اثر صحیح ہے۔

6: حضرت عبد العزیز بن رفیع

آپ رحمہ اللہ مشہور تابعی ہیں۔ حضرت انس، حضرت ابن زبیر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور دیگر صحابہ کے شاگرد ہیں، صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ج4ص189،190)

آپ فرماتے ہیں:

كَانَ أُبَيّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فِي رَمَضَانَ بِالْمَدِينَةِ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُ بِثَلاَثٍ.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج5ص224 کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

اسناده صحيح ورواته ثقات

فائدہ: مشہور قول کے مطابق حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب: ج1ص178) گویا عبد العزیز بن رفیع نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی تراویح کو ذکر کیا ہے، اس لیے ہم ان کی روایت اس باب میں لائے ہیں۔

7: حضرت حسن بصری:

عن الحسن ان عمر بن الخطاب جمع الناس على ابي بن كعب في قيام رمضان فكان يصلي بهم عشرين ركعة.

(سنن ابی داؤد ج1ص203 باب القنوت فی الوتر)

اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔

شبہ:

بعض الناس نے لکھا: "عشرین رکعۃ" کے الفاظ دیوبندی تحریف ہے۔ محمود الحسن دیوبندی (1268-1339) نے یہ تحریف کی ہے، "عشرین لیلۃ" بیس راتیں کی بجائے "عشرین رکعۃ" بیس رکعتیں کر دیا۔ (آٹھ رکعت نماز تراویح ص9)

بعض نے یوں لکھا: یہ بات سفید جھوٹ ہے۔ (مقدار رکعات قیام رمضان ص30)

جواب:

اولاً: ..... حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ ایک غیر مقلد سلطان محمود جلالپوری کے جواب میں فرماتے ہیں:

" ابو داؤد کے دو نسخے ہیں، بعض نسخوں میں عشرین رکعۃ اور بعض میں عشرین لیلۃ ہے۔ جس طرح قرآن پاک کی دو قرأتیں ہوں تو دونوں کو ماننا چاہیے، ہم دونوں نسخوں کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن حیلہ بہانے سے انکار حدیث کے عادی سلطان محمود جلالپوری نے اس حدیث کا انکار کر دیا اور الٹا الزام علماء دیوبند پر لگا دیا۔" (تجلیات صفدر ج3 ص316)

ثانیاً: ..... جلیل القدر محدثین و محققین نے اس روایت کو "عشرین رکعۃ" کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے، مثلاً:

1: علامہ ذہبی نے ابو داؤد کے حوالے سے "عشرین رکعۃ" نقل کیا۔ (سیر اعلام النبلاء ج3 ص177، 176 تحت ترجمہ ابی بن کعب)

2: علامہ ابن کثیر۔ (جامع المسانید والسنن ج1 ص55)

3: الشیخ محمد علی الصابونی۔ (الہدی النبوی الصحیح فی صلوۃ التراویح ص56)

4: شیخ الہند مولانا محمود حسن۔ (سنن ابی داؤد بتحقیق شیخ الہند ج1 ص211)

5: نسخہ مطبوع عرب۔ (ص1429 بحوالہ تجلیات صفدر ج3 ص316)

یہ 5 حوالہ جات لاعلم لوگوں کو چپ کرانے کے لیے کافی ہیں۔

فائدہ: حضرت عمر کے زمانے میں پڑھی جانے والی تراویح کے چھ راوی گزر چکے ہیں جو "عشرین رکعۃ" نقل کرتے ہیں، یہ زبردست تائید ہے کہ "عشرین رکعۃ" والا نسخہ ابی داؤد بھی صحیح و ثابت ہے۔ والحمد للہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تعدادِ رکعتِ تراویح:

كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَكَانُوا يَقْرَءُونَ بِالْمِئِينِ ، وَكَانُوا يَتَوَكَّؤنَ عَلَى عُصِيِّهِمْ فِي عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ.

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2 ص496 باب مَارُوِيَ فِي عَدَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم.

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تعدادِ رکعتِ تراویح:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بیس تراویح کو روایت کرنے والے تین حضرات ہیں۔ ان کی مرویات پیشِ خدمت ہیں:

1: حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما:

حدثنی زید بن علی عن ابیہ عن جدہ عن علی انہ امر الذی یصلی بالناس صلاۃ القیام فی شہر رمضان ان یصلی بہم عشرین رکعۃ یسلم فی کل رکعتین ویراوح مابین کاربع رکعات فیرجع ذوالحاجۃ ویتوضأ الرجل وان یوتر بہم من آخر اللیل حین الانصراف. (مسند الامام زید ص159، 158، فی نسخۃ: ص155)

2:حضرت ابو عبد الرحمن السلمی:

عن ابی عبدالرحمن السلمی عن علی قال دعا القراء فی رمضان فأمر منهم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعة وکان علی یوتر بهم. (السنن الکبری للبیہقی ج2ص496)

شبہ نمبر1:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس میں ایک راوی حماد بن شعیب ضعیف ہے۔

جواب:

اولاً:... اگرچہ حماد بن شعیب کی بعض ائمہ نے تضعیف کی ہے لیکن دیگر ائمہ نے اس کی توثیق بھی کی ہے مثلاً:

1: امام ابن عدی فرماتے ہیں: یکتب حدیثه مع ضعفه (لسان المیزان: ج2ص348)

یعنی اس کی حدیث اس کے ضعف کے باوجود لکھی جاسکتی ہے۔

ارشاد الحق اثری کے نزدیک "یکتب حدیث" کا جملہ الفاظ تعدیل میں شمار ہوتا ہے۔(توضیح الکلام ج1ص547، فی نسخۃ: ص496)

2: امام ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے۔(تہذیب الکمال: ج8ص378)

3: علامہ ابن تیمیہ نے اسی حماد بن شعیب والی روایت سے استدلال کیا ہے۔ (منہاج السنہ ج2ص224)

4: امام بیہقی نے اس اثر علی کو اثر شتیر بن شکل کی قوت کے لیے روایت کیا ہے جو دلیل ہے کہ یہ امام بیہقی کے نزدیک قوی ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2ص496)

5: علامہ ذہبی جیسے ناقد فن نے اس پر المنتقیٰ ص542 پر سکوت فرمایاہے۔ (تجلیات صفدر ج3ص323)

6: امام ترمذی حضرت علی سے مروی اس بیس رکعت والی روایت کو صحیح مانتے ہیں جب ہی تو استدلال کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں: واکثر اهل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة۔(سنن الترمذی ج1ص166)

لہذا اصولی طور پر حماد بن شعیب حسن الحدیث درجہ کا راوی ہے اور حدیث مقبول ہے۔

ثانیاً:.... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور کی تراویح کے راوی حضرت حسین اور ابو الحسناء بھی ہیں۔ لہذا اس سند میں اگر ضعف ہو(جبکہ یہ حسن درجہ کی روایت ہے) تو ان مویدات کی وجہ سے ختم ہو جائے گا۔

شبہ نمبر2:

عطاء بن السائب "مختلط راوی ہے، حماد بن شعیب ان لوگوں میں سے نہیں جنہوں نے اس سے قبل الاختلاط سنا ہے۔ (آٹھ رکعت نماز تراویح ص13)

جواب:

اولاً:.... عطاء بن السائب اگر آخر عمر میں مختلط ہو گئے تھے لیکن اتنے بھی نہیں کہ ان کی احادیث ضعیف قرار دی جائیں بلکہ باجود اختلاط کے محدثین کے ہاں ان کی احادیث کم از کم "حسن" درجہ کی ضرور ہیں۔ مثلاً:

1: قال الہیثمی تحت حدیث: "وفیه عطاء بن السائب وفیه کلام وهو حسن الحدیث "(مجمع الزوائد ج3ص142، باب التکبیر علی الجنازۃ)

2: علامہ ذہبی: تابعی مشهور حسن الحدیث (المغنی فی الضعفاء ج2ص59، رقم الترجمۃ 4121)

3: امام حاکم عطاء بن السائب کی ایک روایت جسے جریر بن عبد الحمید نے روایت کیا ہے، کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: صحیح الاسناد. (المستدرک للحاکم ج5ص350، 351 کتاب التوبۃ والانابۃ)

حالانکہ جریر کا سماع بعد الاختلاط کا ہے۔(الشذا الفیاح من علوم ابن الصلاح: ج1 ص453. طبع دار ابن حزم)

معلوم ہوا آپ اختلاط کے باوجود "حسن الحدیث" ہیں۔

4: حافظ ابن حجر: وكان اختلط بآخره ولم يفحش حتى يستحق ان يعتدل به عن مسلك العدول۔(تہذیب التہذیب ج4 ص493) کہ عطاء بن السائب آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے لیکن اتنے فاحش اور زیادہ مختلط بھی نہیں ہوئے کہ وہ اختلاط کی وجہ سے عادل (وثقہ) ہیں راویوں کی راہ سے تجاوز کر جائیں۔

5: امام مسلم: انہوں نے عطاء بن السائب کو مقدمہ مسلم میں قابل اعتماد اور طبقہ ثانیہ کا راوی شمار کیا ہے جن سے صحیح مسلم میں روایت لی ہے۔(مقدمہ مسلم: ص3)

لہذا یہ حسن الحدیث راوی ہے اور روایت حسن درجہ کی ہے۔

ثانیاً:.... اس روایت کی مؤید دیگر روایات بھی ہیں جن میں حضرت حسین اور حضرت ابو الحسناء کے طریق ہیں۔ پس یہ روایت مؤیدات کی وجہ سے حجت و قابل اعتماد ہے۔

3: حضرت ابو الحسناء:

عَنِ أَبِي الْحَسْنَاءِ: أَنَّ عَلِيًّا أَمَرَ رَجُلاً يُصَلِّي بِهِمْ فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً. (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5 ص223، السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2 ص497)

اسنادہ حسن

فائدہ: اس روایت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے "حکم" دینے کا ذکر ہے۔

شبہ: غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ابو الحسناء مجہول ہے، لہذا روایت ضعیف ہے۔

جواب: **اولاً:۔۔۔** عند الاحناف خیر القرون کی جہالت، تدلیس اور ارسال جرح ہی نہیں اور شوافع کے ہاں متابعت سے یہ جرح ختم ہو جاتی ہے۔ اس روایت میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعت تراویح روایت کرنے میں ابو الحسناء اکیلے نہیں بلکہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور امام ابو عبد الرحمن سلمی بھی یہی روایت کرتے ہیں۔(تجلیات صفدر ج3 ص324)

ثانیاً:۔۔۔ ابو الحسناء سے دو راوی یہ روایت نقل کر رہے ہیں:

1: عمرو بن قیس۔(مصنف ابن ابی شیبہ: ج5 ص223)

2: ابو سعید البقال۔(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2 ص497)

اور یہ دونوں بالترتیب ثقہ اور صدوق ہیں۔(تقریب التہذیب ص456 وص299)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: من روى عنه اكثر من واحد ولم يوثق اليه الاشارة بلفظ مستور او مجهول الحال.(تقریب التہذیب ص111)

یہاں ابو الحسناء سے بھی دو راوی یہ روایت کر رہے ہیں۔ لہذا اصولی طور پر یہ مجہول نہیں بلکہ مستور راوی بنتا ہے۔ غیر مقلدین کا اسے مجہول العین کہہ کر روایت کو رد کرنا شرمناک ہے۔

الحاصل ابو الحسناء مستور راوی ٹھہرتا ہے اور محدثین کے ہاں قاعدہ ہے کہ مستور کی متابعت کوئی دوسرا راوی کرے جو مرتبہ میں اس سے بہتر یا برابر ہو تو اس کی روایت حسن ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

" ومتى توبع السئی الحفظ بمعتبر كان يكون فوقه او مثله لا دونه وكذا المختلط الذى لا يتميزوا المستور والاسناد المرسل وكذا المدلس صار حديثهم حسنا لا لذاته بل وصفه باعتبار المجموع " (نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر: ص120)

ترجمہ: جب سئی الحفظ راوی کی متابعت کسی معتبر راوی سے ہو جائے جو مرتبہ میں اس سے بہتر یا برابر ہو کم نہ ہو۔ اسی طرح مختلط راوی جس کی روایت میں تمیز نہ ہو سکے اور اسی طرح مستور، مرسل اور مدلس کوئی تائید کر دے تو ان سب کی روایات حسن ہو جائیں گی اپنی ذات کی وجہ سے بلکہ مجموعی حیثیت کے اعتبار سے۔

ابو الحسناء کی متابعت ابو عبد الرحمن نے کی ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2ص496)

اور یہ ابو الحسناء سے بڑھ کر ثقہ راوی ہے۔ اس لئے ابو الحسناء کی یہ روایت جمہور کے نزدیک بھی مقبول ہے۔

دیگر صحابہ کرام و تابعین عظام

1: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

کان ابن مسعود رضی الله عنه یصلی بنا فی شهر رمضان فینصرف وعلیه لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعة ویوتر بثلاث. (قیام اللیل للمروزی ص157)

فائدہ: اس روایت کی مکمل سند عمدۃ القاری شرح البخاری للعلامۃ العینی میں ہے جو کہ یہ ہے:

رواه محمد بن نصر المروزی قال أخبرنا یحیی بن یحیی أخبرنا حفص بن غیاث عن الأعمش عن زید بن وهب قال کان عبد الله بن مسعود. (عمدۃ القاری ج8ص246 باب فضل من قام رمضان)

اسناده صحیح علی شرط البخاری و مسلم.

2: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ:

حضرت عبد العزیز بن رفیع رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر بثلاث۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج2ص224 کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

اسناده صحیح و رواته ثقات.

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ:

آپ فرماتے ہیں:

ادرکت الناس وهم یصلون ثلاثا وعشرین رکعة بالوتر۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج5ص224)

اسناده صحیح علی شرط البخاری و مسلم.

امام ابراہیم النخعی:

آپ فرماتے ہیں:

ان الناس کانوا یصلون خمس ترویحات فی رمضان. (کتاب الآثار بروایہ ابی یوسف ص41 باب السہو)

اسناده صحیح علی شرط الشیخین

سیدنا شتیر بن شکل:

عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ: أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ. (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5ص222)

اسناده حسن و رواته ثقات

سیدنا ابو البختری :

عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ : أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ فِي رَمَضَانَ وَيُوتِرُ بِثَلاَثٍ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5 ص224 باب کم یصلی فِی رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ)

اسنادہ حسن و رواتہ ثقات

سیدنا سوید بن غفلہ:

وَأَخْبَرَنَا أَبُو زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ : مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ أَخْبَرَنَا أَبُو الْخَصِيبِ قَالَ : كَانَ يَؤُمُّنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ فِي رَمَضَانَ فَيُصَلِّي خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ عِشْرِينَ رَكْعَةً.

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2 ص496 باب مَا رُوِيَ فِي عَدَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ)

سیدنا ابن ابی ملیکہ:

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ نَافِعِ بْنِ عُمَرَ ، قَالَ : كَانَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ يُصَلِّي بِنَا فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج5 ص223،224. باب کم یصلی فِی رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم.

سیدنا سعید بن جبیر:

عن إسماعيل بن عبد الملك قال كان سعيد بن جبير يؤمنا في شهر رمضان فكان يقرأ بالقراءتين جميعا يقرأ ليلة بقراءة بن مسعود فكان يصلي خمس ترويحات. (مصنف عبد الرزاق ج4 ص204 باب قیام رمضان)

سیدنا علی بن ربیعہ:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ عُبَيْدٍ : أَنَّ عَلِيَّ بْنَ رَبِيعَةَ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فِي رَمَضَانَ خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ وَيُوتِرُ بِثَلاَثٍ.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج5 ص224 باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

اسنادہ حسن و رواتہ ثقات.

سیدنا حارث:

عَنِ الْحَارِثِ : أَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّ النَّاسَ فِي رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُ بِثَلاَثٍ.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج5 ص224 باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

جمہور علماء کا موقف اور اجماع امت

(1)۔۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں: اجمع الصحابہ علی ان التراویح عشرون رکعۃ. (المرقات ج3 ص346)

وقال ایضاً: فصار اجماعا لما روی البیہقی باسناد صحیح انہم کانو یقیمون علی عہد عشرین رکعۃ وعلی عہد عثمان وعلی رضی اللہ عنہ.(شرح نقایہ: ج1 ص342)

(2)۔۔ علامہ سید محمد بن محمد الزبیدی المعروف مرتضیٰ بلگرامی فرماتے ہیں:

وبالاجماع الذی وقع فی زمن عمر اخذ ابو حنیفۃ والنووی والشافعی واحمد والجمھور واختارہ ابن عبد البر.

(اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین للبلگرامی: ج3 ص422)

(3)۔۔امام ترمذی فرماتے ہیں:

واکثر اهل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة.

(سنن الترمذی ج1ص166)

(4)۔۔مشہور فقیہ، ملک العلماء علامہ ابو بکر الکاسانی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب بدائع الصنائع میں اس اجماع کا تذکرہ ان الفاظ سے کرتے ہیں:

والصحیح قول العامة لماروی ان عمر رضی الله عنه جمع ابی بن کعب فصیلی بهم فی کل لیلة عشرین رکعة ولمینکر علیه احدفیکون اجماعامنهم علی ذلك.

(بدائع الصنائع ج1ص644)

(5)۔۔مشہور محدث علامہ ابوزکریا یحیی بن شرف نووی مشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اعلم ان صلاة التراویح سنة باتفاق العلماء وهی عشرون رکعة. (کتاب الاذکار ص226)

(6)۔۔علامہ ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وهوقول جمهور العلماء وبه قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقهاء وهوالصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابة.

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج8ص246)

(7)۔۔خاتمہ المحققین وسیع النظر عالم علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(وهی عشرون رکعته)هوقول الجمهور وعلیه عمل الناس شرقا وغربا. (ردالمحتار لابن عابدین الشامی: ج2ص599)

(8)۔۔استاذ المحدثین فقیہ النفس، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ اپنے رسالہ الحق الصریح میں فرماتے ہیں:

الحاصل ثبوت بست رکعت باجماع صحابه رضی الله عنه درآخر زمان عمر رضی الله عنه ثابت شد پس سنت باشد وکسیکه از سنت آه انکار دار وخطاست۔(الحق الصریح ص14)

خلاصہ یہ کہ بیس رکعات کا ثبوت اجماع صحابہ سے آخر عہد فاروقی میں ثابت شدہ ہے لہذا یہی سنت ہے اور جو شخص اس کے سنت ہونے کا انکار کرے وہ غلطی پر ہے۔

بلاد اسلامیہ میں تعداد تراویح

اہل مکہ:

1: قال الامام مالک بن انس: وبمکة بثلاث وعشرین (نیل الاوطارج3ص57)

2: قال الامام عطاء بن ابی رباح المکی التابعی: ادرکت الناس وهم یصلون ثلاث وعشرین رکعة بالوتر. (مصنف ابن ابی شیبہ ج5ص224)

3: قال الامام محمد بن ادریس الشافعی:هکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة(جامع ترمذی ج1ص166)

اہل مدینہ:

1:حضرت ابن ابی ملیکہ مشہور تابعی ہیں تیس صحابہ کرام کی زیارت کی ہے آپ مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں(تہذیب ج3ص559)

آپ کے متعلق نافع بن عمر فرماتے ہیں:

کان ابن ابی ملیکه یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعة.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج5ص223،224 باب کم یصلی فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ)

2: حضرت داؤد بن قیس رحمہ اللہ جو مدینہ کے رہنے والے تھے مشہور محدث وحافظ تھے، فرماتے ہیں:

ادرکت الناس بالمدینة فی زمن عمر بن عبدالعزیز و ابان بن عثمان یصلون ستا وثلاثین رکعة ویوترون بثلاث.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج5 ص224 باب کم یصلی فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ)

فائدہ: 36 رکعات تراویح کیسے بنی؟ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

تشبیها باهل مکة حیث کانوا یطوفون بین کل ترویحتین طوافا ویصلون رکعتیه ولا یطوفون بعدالخامسة فاراد اهل المدینة مساواتهم فجعلوا مکان کل طواف اربع رکعات. (الحاوی للفتاوی ج1 ص336)

گویا ان کی اضافی رکعات تراویح کا حصہ نہ تھیں بلکہ درمیان کی نفلی عبادت میں شامل تھیں۔ تراویح فقط بیس رکعات تھیں۔

اہل کوفہ:

کوفہ ایک اسلامی شہر ہے جو عہد فاروقی میں 17ھ میں بحکم امیر المومنین تعمیر کیا گیا حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے عظیم المرتبت صحابی کو تعلیم وتدریس کے لیے کوفہ شہر بھیجا گیا۔ حضرت علی نے اسے دارالخلافہ بنایا ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس شہر میں چار ہزار حدیث کے طلبہ اور چار سو فقہاء موجود تھے امام بخاری فرماتے کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ کوفہ طلب حدیث کے لیے کتنی مرتبہ گیا ہوں (مقدمہ نصب الرایۃ للکوثری ملخصًا)

1: کوفہ کے مشہور فقیہ ومفتی حضرت ابراہیم بن یزید نخعی فرماتے ہیں:

الناس کانوا یصلون خمس ترویحات فی رمضان. (کتاب الاثار براویۃ ابی یوسف القاضی: ص41)

2: مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیر جنہوں حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر وغیرہ جیسے القدر صحابہ سے علم حاصل کیا، کوفہ ہی میں شہید کیے گئے، آپ کے بارے میں منقول ہے: عن إسماعیل بن عبد الملك قال کان سعید بن جبیر یؤمنا فی شهر رمضان فکان یقرأ بالقراءتین جمیعا یقرأ لیلة بقراءة بن مسعود فکان یصلی خمس ترویحات. (مصنف عبدالرزاق ج4 ص204 باب قیام رمضان)

3: حضرت شتیر بن شکل، حضرت علی کے شاگرد تھے کوفہ میں رہائش پذیر تھے آپ کے بارے میں روایت ہے کہ:

عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ: أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5 ص222 باب کم یصلی فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ. اسنادہ حسن ورواتہ ثقات)

4: حارث ہمدانی (م65ھ): حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کے شاگرد تھے، کوفہ میں وفات پائی۔ آپ کے بارے میں روایت ہے:

عَنِ الْحَارِثِ: أَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّ النَّاسَ فِي رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ. (مصنف ابن ابی شیبۃ ج5 ص224)

5: مشہور تابعی امام سفیان ثوری کوفہ کے رہنے والے تھے 161ھ میں وفات پائی آپ بھی بیس رکعات تراویح کے قائل تھے،

قال الترمذی رحمه الله: روی عن عمر و علی وغیرهما من أصحاب النبی صلی الله علیه و سلم عشرین رکعة وهو قول الثوری. (سنن الترمذی ج1 ص166 باب ماجاء فی قیام شھر رمضان)

اہل بصرہ:

حضرت یونس بن عبید جو حضرت حسن بصری اور امام ابن سیرین کے شاگرد اور سفیان ثوری وشعبہ کے استاد ہیں، فرماتے ہیں:

ادرکت مسجدالجامع قبل فتنة ابن الاشعث یصلی بهم عبدالرحمن بن ابی بکر وسعید بن ابی الحسن وعمران العبدی کانوا یصلون خمس تراویح. (قیام اللیل للمروزی ص158)

ابن الاشعث کا فتنہ 83ھ میں بصرہ میں برپا ہوا تھا گویا کہ 83ھ تک بصرہ میں بھی 20 رکعات تراویح کا ہی رواج تھا۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور بیس رکعات تراویح

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ:

امام اعظم فی الفقہاء امام ابوحنیفہ اور آپ کے تمام مقلدین بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔

1: علامہ ابن رشد اپنی مشہور کتاب بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں:

فاختار ...ابو حنیفة... القیام بعشرین رکعة سوی الوتر ۔(ج1ص214)

2: امام فخر الدین قاضی خان حنفی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

عن ابی حنیفة: قال القیام فی شھر رمضان سنة... کل لیلة سوی الوتر عشرین رکعة خمس ترویحات. (ج1ص112)

3: علامہ ابن عابدین شامی جو فقہ حنفی کے عظیم محقق ہیں، فرماتے ہیں:

(قوله وعشرون رکعة) وھو قول الجمھور وعلیه عمل الناس شرقا وغربا. (رد المحتار: ج2ص599)

امام مالک بن انس رحمہ اللہ:

امام مالک نے ایک قول کے مطابق بیس رکعت تراوین کو مستحسن کہا ہے چنانچہ علامہ ابن رشد فرماتے ہیں:

واختار مالک فی احد قولیه... القیام بعشرین رکعة. (بدایۃ المجتہد: ج1ص214)

دوسرا قول چھتیس رکعت کا ہے جن میں بیس رکعت تراویح اور سولہ نفل تھیں۔ (تفصیل گزر چکی ہے)

امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ:

ائمہ اربعہ میں سے مشہور امام ہیں، آپ فرماتے ہیں:

احب الی عشرون... و کذالك یقومون بمکة (قیام اللیل ص159)

وقال ایضاً: وھکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة . (الترمذی ج1ص166 باب ماجاء في قیام شھر رمضان)

مشہور شافعی عالم محقق العصر امام نووی دمشقی فرماتے ہیں:

اعلم ان صلوة التراویح سنة باتفاق العلماء وھی عشرون رکعة۔ (کتاب الاذکار ص226)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

آپ مجتہد اور بہت بڑے محدث تھے۔ بیس رکعت تراویح کے قائل تھے۔ چنانچہ فقہ حنبلی کے ممتاز ترجمان امام ابن قدامہ لکھتے ہیں:

والمختار عند ابی عبداللہ (احمد بن حنبل) فیھا عشرون رکعة وبھذا قال الثوری وابوحنیفه والشافعی (المغنی: ج2ص366)

مشائخ کرام اور بیس رکعت تراویح

امت مسلمہ میں جو مشائخ کرام گزرے ہیں ان کا عمل واخلاق حسن کردار اس امت کے لیے قابل اتباع ہے ان کی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو وہ بھی بیس رکعت پر عمل پیرا نظر آتے ہیں جو یقیناً رشد وہدایت کی دلیل ہے چند مشہور مشائخ کی تصریحات پیش خدمت ہیں۔

1: شیخ ابو حامد محمد غزالی م 505ھ: التراویح وھی عشرون رکعة و کیفیتھا مشھورة وھی سنة موکدة. (احیاء العلوم ج1ص242،243)

2: شیخ عبد القادر جیلانی م 561ھ: صلوة التراویح سنة النبی وھی عشرون رکعة. (غنیۃ الطالبین ص268،267)

3: شیخ امام عبد الوہاب شعرانی م 973ھ: التراویح فی شھر رمضان عشرون رکعة (المیزان الکبریٰ: ص217)

حرمین شریفین اور بیس رکعات تراویح

اسلام کے دو مقدس حرم، حرم مکہ و حرم مدینہ میں چودہ سو سال سے بیس رکعت سے کم تراویح پڑھنا ثابت نہیں بلکہ بیس رکعت ہی متوارث و متواتر عمل رہا ہے۔ چنانچہ مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے سابق قاضی شیخ عطیہ سالم نے مسجد نبوی میں نماز تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر "التراویح اکثر من الف عام" کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف فرما کر ثابت کیا ہے کہ چودہ سو سالہ مدت میں بیس رکعت متواتر عمل ہے اس سے کم ثابت نہیں۔ جامعہ ام القری مکہ مکرمہ کی طرف سے کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ مکہ مکرمہ کے استاذ شیخ محمد علی صابونی کا ایک رسالہ الھدی النبوی الصحیح فی صلوۃ التراویح کے نام سے شائع کیا گیا ہے جس میں شیخ صابونی نے عہد خلافت راشدہ سے لے کر عہد حکومت سعودیہ تک مکہ مکرمہ و مسجد حرام میں ہمیشہ بیس رکعات تراویح پڑھے جانے کا ثبوت دیا ہے۔

غیر مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات

نمبر 1:

غیر مقلدین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بڑے زور و شور سے پیش کرتے ہیں کہ اس سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہے۔
روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلمہ بن عبد الرحمن نے ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیسی ہوتی تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

"ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعا فلا تسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی اربعا فلا تسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثا"

(صحیح بخاری)

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعتیں پڑھے، پس کچھ نہ پوچھو کتنی حسین و لمبی ہوتی تھیں، اس کے بعد پھر چار رکعت پڑھتے، کچھ نہ پوچھو کتنی حسین اور لمبی ہوتی تھیں، پھر تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

جواب نمبر 1:

اس روایت سے آٹھ رکعت تراویح پر استدلال باطل ہے، اس لیے کہ:

1: اس میں "رمضان و غیر رمضان" میں ہمیشہ گیارہ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے، غیر رمضان میں نہیں۔ حدیث کے جملہ "ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ" سے یہی بات سمجھ میں آ رہی ہے۔

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس سے وہ نماز مراد ہے جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں پڑھی جاتی ہے اور وہ نمازِ تہجد ہے نہ کہ نمازِ تراویح [وضاحت آگے آ رہی ہے]

2: اس حدیث میں گیارہ رکعت تنہا پڑھنے کا ذکر ہے نہ کہ جماعت کے ساتھ اور تراویح جماعت سے پڑھی جاتی ہے۔

3: اس میں ایک سلام سے چار رکعت کا ذکر ہے جبکہ تراویح ایک سلام سے دو دو رکعت پڑھی جاتی ہیں۔

جواب نمبر 2:

محدثین کے نزدیک بھی یہ حدیث تراویح کے متعلق نہیں۔ کیونکہ عام طور پر حضرات محدثین کا طرز یہ ہے کہ تہجد کے لیے "باب قیام اللیل" اور تراویح کے لیے "باب قیام رمضان" قائم کرتے ہیں۔ مثلاً...

نام کتاب	باب تہجد	باب تراویح
صحیح البخاری	باب فضل قیام اللیل	باب فضل من قام رمضان
صحیح مسلم	باب صلوۃ اللیل	باب الترغیب فی قیام رمضان وھو التراویح
سنن ابی داوٗد	باب فی صلوۃ اللیل	باب قیام شہر رمضان
سنن ترمذی	باب فی فضل صلوۃ اللیل	باب ماجاء فی قیام شہر رمضان
سنن نسائی	کتاب قیام اللیل	ثواب من قام وصام
سنن ابن ماجہ	باب ماجاء فی قیام اللیل	باب ماجاء فی قیام شہر رمضان
موطاامام مالک	باب فی صلوۃ اللیل	باب فی قیام رمضان
موطاامام محمد	باب فی صلوۃ اللیل	باب قیام شہر رمضان
مشکوۃ شریف	باب فی صلوۃ اللیل	باب قیام شہر رمضان
ریاض الصالحین	باب فضل قیام اللیل	باب استحباب قیام رمضان وھو التراویح
صحیح ابن حبان	فصل قیام اللیل	فصل فی التراویح
مجمع الزوائد	باب فی صلوۃ اللیل	قیام رمضان
سنن کبری للبیہقی	باب فی صلوۃ اللیل	باب فی قیام شہر رمضان
جمع الفوائد	صلوۃ اللیل	قیام رمضان والتراویح وغیر ذالک
قیام اللیل للمروزی	باب فی صلوۃ اللیل	قیام رمضان
بلوغ المرام	صلوۃ التطوع	قیام رمضان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت کو محدثین نے باب صلوۃ اللیل (یعنی تہجد کے باب) میں ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً

صحیح البخاری ج1ص 154 کتاب التہجد

صحیح مسلم ج1ص254 باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل

سنن ابی داوٗد ج1ص198 باب صلاۃ اللیل

سنن الترمذی ج1ص99 باب ماجاء فی وصف صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل

موَطاامام مالک ص102،103 باب ماجاء فی صلوٰۃ اللیل

سنن النسائی ج1ص237 کتاب قیام اللیل

زادالمعادلابن القیم ص 127 قیام اللیل

حضرات محدثین کا اس حدیث کو قیام اللیل (یعنی تہجد کے باب) میں ذکر کرنا دلیل ہے کہ یہ تہجد سے متعلق ہے نہ کہ تراویح سے متعلق۔

جواب نمبر2 پر اعتراض:

اس روایت کو امام بخاری "باب فضل من قام رمضان" اور امام محمد "باب قیام شہر رمضان" میں بھی لائے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ تراویح کے متعلق ہے۔

جواب:

امام بخاری اور امام محمد اس روایت کو تہجد اور قیام رمضان وغیرہ میں لائے تاکہ ثابت کریں کہ تہجد جس طرح غیر رمضان میں پڑھی جاتی ہے اسی طرح رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے۔

فائدہ: غیر مقلدین کا خود بھی اس روایت پر عمل نہیں، اس لیے کہ اس روایت میں رمضان اور غیر رمضان میں تین رکعات وتر کا ذکر ہے لیکن غیر مقلدین ایک وتر پڑھ کر گھر کی راہ لیتے ہیں۔ ع

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

نمبر2:

غیر مقلدین آٹھ رکعت تراویح پر یہ روایت بھی پیش کرتے ہیں:

عن جابر بن عبداللہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان ثمان رکعات واوتر ،فلما کانت القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج ،فلم نزل فیہ حتی اصبحنا ثم دخلنا،فقلنا یا رسول اللہ اجتمعنا البارحۃ فی المسجد ورجونا ان تصلی بنا فقال انی خشیت ان یکتب علیکم . (المعجم الصغیر للطبرانی: ج1 ص190)

یہی روایت صحیح ابن خزیمہ (ج1 ص531)، صحیح ابن حبان (ص710 باب الوتر) اور قیام اللیل للمروزی (ص155) میں بھی موجود ہے۔

جواب:

مذکورہ کتب میں یہ روایت دو سندوں سے آتی ہے۔

1: اسحاق - ابو الربیع - یعقوب قمی - عیسی بن جاریۃ - جابر بن عبد اللہ

2: محمد بن حمید الرازی - یعقوب قمی - عیسی بن جاریۃ - جابر بن عبد اللہ

ان دونوں طریق میں درج ذیل رواۃ ضعیف و مجروح ہیں۔

عیسی بن جاریہ:

حضرت جابر بن عبد اللہ سے نقل کرنے والے صرف ایک راوی ہیں عیسی بن جاریہ، انہی پر اس روایت کا مدار ہے، ابن خزیمہ کے حاشیہ پر اس کے بارے میں لکھا ہے: عیسی بن جاریہ فیہ لین (صحیح ابن خزیمہ ج1 ص531)

دیگر محدثین نے بھی اس پر جروح کی ہیں:

1: امام یحیٰی بن معین: لیس بذاك عندہ مناکیر

2: امام نسائی: منکر الحدیث

3: امام ابو داؤد: منکر الحدیث

4: امام نسائی: متروک الحدیث

5: امام ابن عدی: احادیثہ غیر محفوظۃ

6: امام ساجی: ذکرہ فی الضعفاء

7: امام عقیلی: ذکرہ فی الضعفاء

(میزان الاعتدال ج3 ص312، تہذیب التہذیب ج5 ص193، 192)

یعقوب قمی:

یہ راوی دونوں سندوں میں موجود ہے۔اس کا نام یعقوب بن عبد اللہ القمی ہے۔یہ بھی مجروح راوی ہے۔

امام دار قطنی فرماتے ہیں:لیس بالقوی. (میزان الاعتدال ج5ص178)

پس یہ روایت ضعیف، متروک اور صحیح روایات کے مقابلے میں نا قابل حجت ہے۔

نمبر3:

حدثنا عبد الاعلی حدثنا یعقوب عن عیسی بن جاریۃ حدثنا جابر بن عبد اللہ قال جاء ابی ابن کعب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کان منی اللیلۃ شئی یعنی فی رمضان قال وما ذاك یا ابی قال: نسوۃ فی داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی بصلاتك قال فصلیت بهن ثمان رکعات ثم اوترت قال فکان شبه الرضاء ولم یقل شیئاً. (مسند ابی یعلیٰ:ج3ص336)

جواب نمبر1:

اس سند میں وہی عیسی بن جاریہ اور یعقوب القمی موجود ہیں، جو سخت مجروح اور ضعیف ہیں۔ان پر جرح ہم ما قبل میں ذکر کر آئے ہیں۔ لہذا یہ روایت سخت ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں۔

جواب نمبر2:

اس روایت کے تمام طرق جمع کریں تو کئی قرائن ملتے ہیں کہ اس روایت میں اضطراب ہے۔

1:یہ روایت تین کتابوں میں ہے۔مسند احمد میں سرے سے "رمضان" کا لفظ ہی نہیں، مسند ابی یعلی میں "یعنی رمضان" کا لفظ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فہم راوی ہے نہ کہ روایت، قیام اللیل مروزی میں "فی رمضان" کا لفظ ہے جو یقیناً کسی تحتانی راوی کا ادراج ہے۔جب اس روایت میں "فی رمضان" کا لفظ ہی مدرج ہے تو اسے تراویح سے کیا تعلق رہا؟

2:مسند ابی یعلی اور قیام اللیل للمروزی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خود حضرت ابی بن کعب کا ہے جبکہ مسند احمد کی روایت میں الفاظ ہیں: عن جابر عن ابی بن کعب قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ..[حضرت جابر حضرت ابی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کسی اور کا ہے، حضرت ابی بن کعب کا نہیں۔

3:۔سب سے بڑھ کر یہ کہ آٹھ رکعت پڑھنے والا یہ کہتا ہے: "انه کان منی اللیلۃ شئی"[رات مجھ سے یہ کام سرزد ہوگیا] اور "عملت اللیلۃ عملاً"[میں نے آج رات ایسا عمل کیا]۔معلوم ہوا کہ اس نے اسی رات آٹھ پڑھیں تھیں اس سے پہلے معمول آٹھ کا نہیں تھا، اس لئے تو اس نے کہا کہ میں نے یہ انوکھا کام کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے کہ جب یہ خود اس کام کو انوکھا سمجھ رہا ہے تو خواہ مخواہ اس کی تردید کیوں کی جائے۔

نمبر4:

سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں۔ (موطاامام مالک:ص98)

جواب1:

یہاں چند امور قابل غور ہیں۔

امر اول: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کی تراویح کے ناقل یہ راوی ہیں:

نمبر شمار	راوی	تعداد رکعت	ماخذ
1	السائب بن یزید	تفصیل آگے	----
2	یزید بن رومان	23[مع الوتر]	موطا امام مالک
3	عبد العزیز بن رفیع	20	مصنف ابن ابی شیبہ
4	ابی بن کعب	20	مسند احمد بن منیع
5	یحیی بن سعید	20	مصنف ابن ابی شیبہ
6	محمد بن کعب القرظی	20	قیام اللیل للمروزی
7	حسن بصری	20	سنن ابی داؤد

ان میں سے چھ رواۃ تو بیس رکعت تراویح ہی روایت کرتے ہیں، رہے سائب بن یزید تو ان کی روایت کی تفصیل درج ذیل ہے:

سائب بن یزید کے تین شاگرد ہیں:

نمبر شمار	راوی	تعداد رکعت	ماخذ
1	یزید بن خصیفہ	20	السنن الکبریٰ
2	حارث بن عبد الرحمن ابی ذباب	23[مع الوتر]	مصنف عبد الرزاق
3	محمد بن یوسف	تفصیل آگے	---

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سائب بن یزید کے تین شاگردوں میں سے یزید بن خصیفہ بیس اور حارث بن عبد الرحمن ابی ذباب تیئس [مع الوتر] نقل کرتے ہیں، البتہ محمد بن یوسف نے دو باتوں میں اختلاف کیا ہے۔

1: یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبد الرحمن ابی ذباب قاریوں کی تعداد نہیں بتاتے لیکن محمد بن یوسف نے بتائی ہے کہ دو تھے؛ ابی بن کعب اور تمیم داری۔

2: اول الذکر دو راوی تراویح بیس ہی نقل کرتے ہیں لیکن اس نے تراویح کی تعداد گیارہ، تیرہ اور اکیس نقل کی۔

محمد بن یوسف کے شاگردوں کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

نمبر شمار	راوی	تعداد رکعت	ماخذ
1	امام مالک	11	موطا امام مالک
2	یحیی بن سعید القطان	11	مصنف ابن ابی شیبہ
3	عبد العزیز بن محمد الدَّرَاوَرْدِی	11	سعید بن ابی منصور
4	محمد بن اسحاق	13	قیام اللیل للمروزی
5	داؤد بن قیس وغیرہ	21	مصنف عبد الرزاق

اس سے واضح ہوتا ہے کہ محمد بن یوسف کے پانچوں شاگردوں کے بیانات عدد و کیفیت کے لحاظ سے باہم مختلف ہیں کہ:

1: پہلے تین شاگرد گیارہ نقل کرتے ہیں اور محمد بن اسحاق تیرہ، جبکہ پانچواں شاگرد داؤد بن قیس اکیس رکعات نقل کرتا ہے۔

2: امام مالک کی روایت میں گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم ہے عمل کا ذکر نہیں، یحیی القطان کی روایت میں حکم کا ذکر نہیں، عبد العزیز بن محمد کی روایت میں گیارہ رکعت تو ہیں لیکن نہ حکم ہے اور نہ ابی بن کعب اور تمیم داری کا ذکر۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں تیرہ رکعت کا ذکر ہے لیکن نہ حکم ہے اور نہ ابی و تمیم کا ذکر، اور داؤد بن قیس کی روایت میں حکم تو ہے لیکن گیارہ کی بجائے اکیس کا ذکر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن یوسف کی یہ روایت شدید مضطرب ہے اور اضطراب فی المتن وجہ ضعف ہوتا ہے:

والاضطراب یوجب ضعف الحدیث. (تقریب النووی مع شرحہ التدریب: ص133 النوع التاسع عشر: المضطرب)

لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب 2:

امام مالک کا اپنا عمل اس کے خلاف ہے کیونکہ وہ بیس کے قائل ہیں۔ علامہ ابن رشد لکھتے ہیں:

واختار مالك فی احد قولیه .....القیام بعشرین رکعة. (بدایۃ المجتہد: ج1ص214)

اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ راوی کا عمل اگر اپنی روایت کے خلاف ہو تو اس بات کی دلیل ہے کہ روایت ساقط ہے۔

(المنار مع شرحہ نور الانوار: ص190)

لہذا یہ روایت ساقط العمل ہے۔

جواب 3:

اس روایت کے مرکزی راوی سائب بن یزید کا اپنا عمل اس کے خلاف ہے کیونکہ ان سے بسند صحیح مروی ہے:

عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعة والوتر.

(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی: ج2ص305 کتاب الصلوۃ)

فائدہ: چونکہ یہ روایت تمام رواۃ کی مرویات کے خلاف تھی اس لیے علماء نے اس کے بارے میں دو موقف اختیار کیے ہیں۔

(۱) ترجیح (۲) تطبیق

ہر ایک کے متعلق محققین کی آراء پیش کی جاتی ہیں:

ترجیح:

اس روایت (گیارہ رکعت) کو راوی کا وہم قرار دے کر مرجوح قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

ان الاغلب عندی ان قوله احدی عشرة وهم (الزرقانی شرح موطا: ج1ص215)

کہ میرے نزدیک غالب (راجح) یہی ہے کہ راوی کا قول "احدی عشرۃ" [گیارہ رکعت] وہم ہے۔

تطبیق: بعض حضرات نے یوں تطبیق دی ہے۔ مثلاً:

1: قال العینی: لعل هذا کان من فعل عمر اولا ثم نقلهم الی ثلاث وعشرین. (عمدۃ القاری: ج8ص246)

2: قال علی القاری: وجمع بینهما بانه وقع اولا (ای احدی عشرة رکعة فی زمان عمر) ثم استقر الامر علی العشرین فانه المتوارث

(مرقاۃ المفاتیح: ج3ص345)

3: قال العلامة محمد بن علی النیموی: وجمع البیهقی بینهما کانوا یقومون باحدی عشرة ثم قاموا بعشرین واوتروا بثلاث وقد عد واما وقع فی زمن عمر کالاجماع. (حاشیۃ آثار السنن ص221)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیس رکعات تراویح کے دلائل

.....اور.....

منکرین کے اعتراضات کا علمی جائزہ

از قلم: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

راقم نے پندرہ دلائل پر مشتمل ایک پوسٹر "بیس رکعات تراویح کے دلائل" کے عنوان سے ترتیب دیا تھا جسے علمی اور عوامی حلقوں میں بے حد پزیرائی اور مقبولیت حاصل ہوئی، خصوصاً وہ حضرات جن کو غیر مقلدین کے یہ بے بنیاد دعوے سننے پڑ رہے تھے کہ "بیس رکعت تراویح کی کوئی دلیل نہیں" انہیں یہ دلائل دیکھ کر قلبی تشفی ہوئی۔ وللہ الحمد

چاہیے تو یہ تھا کہ یہ فرقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے اس عمل پر دلائل سن کر عمل کی راہ اختیار کرتا لیکن افسوس صد افسوس کہ ان دلائل پر بے بنیاد اور غیر سنجیدہ اعتراضات کر کے اس فرقہ نے مسلمانوں کے اس اجماعی موقف پر ہاتھ صاف کرنے کی ناکام کوشش کی اور انکار حدیث کرنے والوں کی صف میں شامل ہونے کی کوشش میں رہا۔

اس فرقہ کے عوام وخواص نے جو اعتراضات ان دلائل پر کیے ہیں ہم ترتیب وار ان کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ عامۃ المسلمین کی تشفی اور غیر مقلدین کی ہدایت کا سامان بنے۔ وما توفیقی الا باللہ

دلیل نمبر 1:

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ حَمْزَةُ بْنُ يُوْسُفَ السَّهْمِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْالْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ اَحْمَدَ الْقَصْرِيُّ اَلشَّيْخُ الصَّالِحُ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ اَلْعَبْدُ الصَّالِحُ قَالَ: اَخْبَرَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدِ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ هَارُوْنَ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْحَنَّازِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عَتِيْكٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ فَصَلَّى النَّاسَ اَرْبَعَةً وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَاَوْتَرَ بِثَلَاثَةٍ.

(تاریخ جرجان لحافظ حمزۃ بن یوسف السھمی ص146)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف کی ایک رات تشریف لائے۔ لوگوں کو چار رکعات فرض، بیس رکعات (تراویح) اور تین رکعات وتر پڑھائے۔

اعتراض نمبر 1:

فرقہ غیر مقلدین نے اس روایت کے دو راویوں پر اعتراض کیا ہے:

1: محمد بن حمید الرازی پر محدثین نے جرح کی ہے۔

2: عمر بن ہارون البلخی بھی مجروح ہے۔

(ضرب حق: جولائی 2012ء مضمون علیزئی)

جواب:

پہلی بات...... اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ جس روایت کے مضمون پر اجماع ہو چکا ہو اور جمہور ائمہ کا تعامل اس کے مطابق ہو تو بعض راویوں کا

ضعف چنداں مضر نہیں ہوتا(اور خیر سے یہ راوی حسن درجہ کے ہیں) بلکہ روایت صحیح شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:

وإذا ورد حديث مرسل أو في أحد ناقليه ضعيف فوجدنا ذلك الحديث مجمعاً على أخذه والقول به علمنا يقيناً أنه حديث صحيح لا شك فيه. (توجيه النظر إلى أصول الأثر: ج1 ص141)

کہ جب کوئی مرسل روایت آئے یا کوئی ایسی روایت ہو جس کے راویوں میں سے کسی میں کوئی ضعف ہو لیکن اس حدیث کو لینے اور اس پر عمل کرنے کے سلسلہ میں اجماع واقع ہو چکا ہو تو ہم یقینا یہ جان لیں گے کہ یہ حدیث "صحیح" ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

چونکہ بیس رکعت تراویح پر اجماع ہے (ملاحظہ ہو راقم کی کتاب "فضائل ومسائل رمضان") اس لیے اگر اس حدیث کے کسی راوی میں ضعف بھی ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ایسی حدیث صحیح شمار ہو گی۔

دوسری بات...... محمد بن حمید الرازی(ت248ھ) اور عمر بن ہارون البلخی(ت294ھ) کے حالات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جہاں بعض حضرات سے جرح منقول ہے وہیں کئی جلیل القدر ائمہ محدثین نے ان کی تعدیل وتوثیق اور مدح وثناء بھی فرمائی ہے۔ دونوں کے متعلق ائمہ کی تعدیل وتوثیق پیشِ خدمت ہے:

محمد بن حمید الرازی(ت248ھ)

آپ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کے راوی ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ج5ص547)

درج ذیل جلیل القدر ائمہ محدثین نے آپ کی تعدیل وتوثیق اور مدح فرمائی ہے مثلاً:

1: امام احمد بن حنبل: وثقه (ثقہ قرار دیا)۔ (طبقات الحفاظ للسیوطی: ج1ص40)

اور ایک بار فرمایا "لايزال بالري علم مادام محمد بن حميد حياً"۔ (جب تک محمد بن حمید زندہ ہیں مقام ری میں علم باقی رہے گا)

(تہذیب الکمال للمزی: ج8ص652)

2: امام یحی بن معین: ثقة، ليس به بأس، رازي كيس [ثقہ ہے اس احادیث پر کوئی کلام نہیں، سمجھ دار ہے] (ایضاً)

3: امام جعفر بن عثمان الطیالسی: ثقة۔ (تہذیب الکمال: ج8ص653)

4: علامہ ابن حجر: الحافظ [حافظ ہے]۔ (تہذیب التھذیب: ج5ص547)

5: علامہ ہیثمی ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: "وفي اسناد بزار محمد بن حميد الرازي وهو ثقة" [بزاز کی سند میں محمد بن حمید الرازی ہے اور وہ ثقہ ہے]۔ (مجمع الزوائد: ج9ص475)

6: امام دار قطنی: محمد بن حمید الرازی سے مروی ایک روایت کی سند کو "اسنادہ حسن" کہا ہے۔ (سنن الدار قطنی: تحت حدیث 75)

☆ ناصر الدین الالبانی غیر مقلد: محمد بن حمید سے مروی روایت کو "صحیح" قرار دیا ہے۔ (سنن ابن ماجۃ باحکام الالبانی: تحت حدیث 1301)

عمر بن ہارون البلخی(ت294ھ)

آپ ترمذی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج:4ص315تا317)

آپ کی تعدیل وتوثیق ان ائمہ نے فرمائی ہے۔

1: امام قتیبہ بن سعید: قد وثقه قتيبة وغيره کہ امام قتیبہ وغیرہ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد: ج1ص142)

وقال ایضاً: عمر بن هارون كان صاحب حديث کہ عمر بن ہارون محدث تھا۔ (سنن الترمذی: تحت حدیث 2762)

2: امام عبد الرحمٰن بن مہدی: ما قلت فيه الا خيرا کہ میں اس کے بارے میں خیر ہی کی بات کہتا ہوں۔ (تاریخ بغداد: ج11ص189)

اور" وكان ابن مهدي حسن الراي فيه "کہ امام عبد الرحمٰن بن مہدی اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ج:7 ص148 تا152)

3: امام بخاری:" حسن الراي فيه "کہ امام بخاری عمر بن ہارون کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔(سنن الترمذی: تحت حدیث 2762)

4: امام ابو عاصم: عمر عندنا احسن اخذا للحديث من ابن المبارك کہ ہمارے ہاں عمر بن ہارون حدیث کی طلب کے معاملے میں ابن المبارک سے زیادہ بہتر مہارت کے حامل تھے۔(تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج:1 ص248،249)

5: علامہ ذہبی: الحافظ، الامام، المكثر، عالم خراسان، من اوعية العلم "[علم کا خزانہ تھے] المحدث، وارتحل و صنف و جمع [حصول علم کے اسفار کئے، کتب تصنیف کیں اور احادیث جمع کیں] (تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج:1 ص:249،248، سیر اعلام النبلاء ج:7 ص:148 تا152)

6: حافظ ابن حجر العسقلانی: كان حافظا من كبار التاسعة. کہ آپ نویں طبقہ کے حافظ ہیں۔(تقریب التہذیب: ترجمة 4979)

7: امام ابن خزیمہ: اخرج عنه في صحيحه، اپنی صحیح میں ان سے تخریج کی ہے۔(صحیح ابن خزیمہ: حدیث نمبر 493)

تنبیہ:

اعتراض کرنے والے زبیر علی زئی کے نزدیک ابن خزیمہ کا کسی روایت کو تخریج کرنا اس کی تصحیح شمار ہوتا ہے۔(دیکھیے: القول المتین: ص26 از علیزئی غیر مقلد)

اور عمر بن ہارون البلخی سے ابن خزیمہ نے روایت لی ہے۔ (حدیث نمبر 493)

لہذا زئی اصول کے تحت بھی یہ راوی قابل احتجاج ہے۔

علی زئی صاحب پر یہ شعر صادق آتا ہے:

وہ تیرگی جو میرے نامہ سیاہ میں تھی ☆☆☆ تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ محمد بن حمید الرازی اور عمر بن ہارون البلخی پر جہاں کچھ حضرات کی جرح ملتی ہے وہاں کئی ائمہ محدثین کی تعدیل و توثیق بھی ملتی ہے، اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جس راوی کی ثقاہت وضعف میں اختلاف ہو تو اس کی روایت حسن درجہ کی ہوتی ہے، چنانچہ قواعد فی علوم الحدیث میں ہے:

اذا كان رواة اسناد الحديث ثقات وفيهم من اختلف فيه: اسناده حسن، او مستقيم او لا باس به.

(قواعد فی علوم الحدیث: ص75)

ترجمہ: جب کسی حدیث کے راوی ثقہ ہوں لیکن ایک راوی ایسا ہو جس کی تعدیل و توثیق میں اختلاف ہو تو اس حدیث کی سند حسن، مستقیم یا لا باس بہ [مقبول] درجہ کی ہو گی۔

اور یہ قاعدہ کئی محدثین کے ہاں ملتا ہے۔ مثلاً:

1: علامہ منذری (مقدمۃ الترغیب والترہیب: ج1 ص4)

2: علامہ زیلعی (نصب الرایۃ: ج1 ص62)

3: امام ابن دقیق العید (نصب الرایۃ: ج1 ص18)

4: محقق ابن الہمام (فتح القدیر: ج1 ص68)

5: علامہ جلال الدین سیوطی (التعقبات للسیوطی: ص54)

6: حافظ ابن حجر عسقلانی (تہذیب التہذیب: ج5 ص260 ترجمہ عبد اللہ بن صالح)

لہٰذا اصولی طور پر یہ روایت "حسن" درجہ کی ہے۔ مزید یہ کہ یہ روایت اس لحاظ سے بھی بے حد قوی اور ٹھوس ہے کہ عہد فاروقی اور عہد علوی میں مسلمانوں کا عمل اسی کے موافق رہا ہے (حوالہ جات آگے آ رہے ہیں)، ائمہ اربعہ کے اقوال بھی اسی کے موافق ہیں اور عہد فاروقی کے بعد پوری امت کا عمل بھی اسی کے موافق رہا ہے۔ ان باتوں کے بعد یہ حدیث اس قدر قوی ہو جاتی ہے کہ غیر مقلدین کا اسے "ضعیف" وغیرہ کہہ کر جان چھڑانا ناممکن سی بات ہو جاتی ہے۔

اعتراض نمبر2:

بعض غیر مقلدین نے یہ اشکال کیا ہے:

"گھمن نے ترجمہ میں بددیانتی کی ہے۔ چار رکعت فرض کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے کیونکہ اس روایت سے چوبیس رکعات تراویح کا ثبوت ملتا تھا۔" (الحدیث ش76 ص33)

جواب:

راقم نے سہ ماہی مجلہ " قافلہ حق "ج:4ش:3 میں ایک تحقیقی مضمون "مسئلہ 20 تراویح ... دلائل کی روشنی میں " تحریر کیا تھا۔ بعض آل حدیث نے الحدیث ش76 میں بازاری زبان استعمال کر کے اس پر لایعنی اعتراض کئے جن میں سے ایک اعتراض یہی تھا جس کا جواب ادارہ کی جانب سے اگلے شمارہ میں دے دیا گیا، افادۃً پیش خدمت ہے:

"حدیث مبارک کے متن میں الفاظ موجود ہیں [اربعة وعشرين ركعة واوتر بثلاثة] اس میں جماعت کے ساتھ ادا کی گئی مکمل نماز کا ذکر ہے اور یہ ہر وہ شخص سمجھتا ہے جو عقل کی نعمت سے محروم نہ کر دیا گیا ہو کہ رمضان المبارک میں امام پہلے باجماعت چار فرض اور پھر بیس رکعات تراویح اور آخر میں تین رکعات وتر پڑھاتا ہے۔ رکعات کی ایسی توجیہہ اور وضاحت خود محدثین و شارحین کا طریقہ ہے جن سے غیر مقلدین ناآشنا ہیں۔ چند محدثین کی اس طرز کی وضاحت پیش خدمت ہے۔

1: امام ابن بطال م 449ھ نے حضرت عطاء بن ابی باح سے " يصلون ثلاثا وعشرين ركعة " نقل کیا یعنی وہ حضرات 23 رکعات ادا فرماتے تھے اور پھر یوں وضاحت فرمائی " الوتر منها ثلاثا " کہ ان میں تین رکعات وتر ہے۔ (شرح البخاری لابن بطال ج3 ص146)

2: امام ابن عبد البر م 463ھ نے سائب بن یزید سے " وكان القيام على عهده [يعني على عهد عمر] بثلاث وعشرين ركعة " یعنی حضرت عمر کے زمانہ مبارک میں 23 رکعت ادا کی جاتی تھیں اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ " وهذا محمول على ان الثلاث للوتر " یہ اس بات پر محمول ہے کہ تین رکعات وتر ہوتے تھے۔

(التمہید لابن عبد البر ج3 ص519، الاستذکار لابن عبد البر ج2 ص96 ومثلہ فی عمدۃ القاری علی البخاری لحافظ العینی عن ابن عبد البر ج8 ص245)

3: امام ابن عبد البر نے ہی سیدنا ابن عباس سے مرفوعاً یہ الفاظ تخریج فرمائے ہیں کہ " كان يصلي في رمضان عشرين ركعة " کہ آپ رمضان میں بیس رکعات ادا فرماتے تھے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وهذا ايضا سوى الوتر اور یہ وتر کے علاوہ کی نماز ہے۔ (التمہید: ج4 ص519)

4: امام ابن حجر م 852ھ نے سیدنا سائب بن یزید سے " عشرين ركعة " نقل فرمایا اور پھر یوں وضاحت فرمائی کہ وهذا محمول على غير الوتر اور یہ وتر کے علاوہ پر محمول ہے۔ (فتح الباری ج4 ص321)

غیر مقلدین کی خدمت میں "عرض" ہے کہ یہ بددیانتی راقم کے حصہ میں آتی ہے یا دیگر محدثین و شارحین کو بھی اس کا حصہ ملے گا؟!

فوااسفا...

دلیل نمبر2 :

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ عَبْدُاللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ قَالَ اَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ عُثْمَانَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مَقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ رَمْضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2ص286؛ معجم کبیر طبرانی ج5ص433)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعات نماز(تراویح)اور وتر پڑھاتے تھے۔

اعتراض:

علیزئی صاحب غیر مقلد نے لکھا:"ھذا حدیث ضعیف"(تعدادِ رکعات قیام رمضان:ص28)

نیز اس کے ایک راوی ابراہیم بن عثمان پر جرح بھی کی ہے۔(ماہنامہ ضرب حق سرگودھا:جولائی2012ء)

یہی کچھ غلام مصطفی غیر مقلد نے لکھاہے۔(آٹھ رکعت نماز تراویح:ص6)

جواب:

اولاً:۔۔ "ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ العنبسی" جن پر غیر مقلدین نے نقل جرح کی ہے وہ اتنا بھی مجروح نہیں کہ اس کی روایت کو رد کر دیا جائے، بلکہ بعض محدثین سے اس کی تعدیل وتوثیق اور مدح وثناء بھی ثابت ہے۔

1:امام شعبہ بن الحجاج(م160ھ)نے ابوشیبہ سے روایت لی ہے۔(تہذیب الکمال للمزی:ج1ص268، تہذیب التہذیب:ج1ص136)

اور غیر مقلدین کے ہاں اصول ہے کہ امام شعبہ اس راوی سے روایت لیتے ہیں جو ثقہ ہو اور اس کی احادیث صحیح ہوں۔

(القول المقبول فی شرح صلوۃ الرسول از ابوعبدالسلام:ص386، نیل الاوطار:ج1ص16)

اگر ابوشیبہ اتنا ضعیف راوی ہوتا جتنا غیر مقلدین کہتے ہیں تو پھر امام شعبہ ان سے روایت نہ لیتے۔

2:امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ الاساتذہ حضرت یزید بن ہارون رحمہ اللہ، ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کے زمانۂ قضاۃ میں ان کے کاتب تھے اور ان کے بڑے مداح تھے، فرماتے ہیں:"ماقضی علی الناس یعنی فی زمانہ اعدل فی قضاء منہ" (تہذیب الکمال ج1ص270)

ترجمہ: ابراہیم بن عثمان کے زمانۂ قضاء میں ان سے بڑھ کر کوئی قاضی نہیں ہوا۔

3:امام ابن عدی فرماتے ہیں:لہ احادیث صالحۃ (تہذیب الکمال ج1ص270)

ترجمہ: ابوشیبہ کی احادیث درست ہیں۔

مزید فرماتے ہیں: وهو وإن نسبوه إلى الضعف خير من إبراهيم بن أبي حية. (تہذیب الکمال ج1ص270)

ترجمہ: لوگوں نے ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی طرف ضعیف ہونے کی نسبت کی ہے، لیکن یہ ابراہیم بن ابی حیہ سے بہتر ہے۔

اور ابراہیم بن ابی حیہ کے بارے میں امام یحیٰ بن معین فرماتے ہیں: ثقة كبير ،(لسان المیزان ج1ص52رقم الترجمۃ127)

ترجمہ: یہ شیخ ہیں اور بڑے ثقہ ہیں۔

توجب ابراہیم بن ابی حیہ امام یحییٰ بن معین کے ہاں ثقہ ہے تو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ حد درجہ ضعیف کیوں؟اور اس کی حدیث ضعیف کیوں؟!

ثانیاً:۔۔ ابراہیم بن عثمان پر کی گئی جروح میں سے بعض جروح مبہم وغیر مفسر ہیں اور بعض جروح غیر مقبول اور مردود بھی ہیں۔ مثلاً زئی صاحب نے لکھاہے:"اسے شعبہ نے جھوٹا کہاہے۔"(تعدادِ رکعات قیام رمضان:ص29)

لیکن علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر کی پوری عبارت سامنے رکھنے سے واضح ہو جاتاہے کہ امام شعبہ کی یہ جرح ناقابل قبول ہے۔خود علامہ

ذہبی کے ہاں بھی یہ جرح غلط ثابت ہوتی ہے۔ عبارت یہ ہے:

كذبه شعبة لكونه روى عن الحكم عن ابن ابى ليلىٰ انه قال شهد صفين من اهل بدر سبعون فقال شعبة كذب والله لقد ذاكرت الحكم فما وجدنا شهد صفين احدا من اهل بدر غير خزيمة .قلت: سبحان الله! اما شهدها على؟اما شهدها عمار ؟(میزان الاعتدال للذہبی:ج1ص84)

ترجمہ: امام شعبہ نے ابراہیم بن عثمان کو جھوٹا اس وجہ سے کہا ہے کہ اس نے حکم سے روایت کی کہ ابن ابی لیلیٰ نے کہا جنگ صفین میں ستر بدری صحابہ شامل تھے۔ شعبہ نے کہا واللہ! ابراہیم بن عثمان نے تو جھوٹی بات کہی ہے۔ میں نے خود امام حکم سے مذاکرہ کیا تو سوائے حضرت خزیمہ کے کسی کو اہل بدر سے نہیں پایا۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں: سبحان اللہ! کیا صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر نہ تھے؟ کیا صفین حضرت عمار رضی اللہ عنہ حاضر نہ تھے؟

اس تفصیل سے امام شعبہ کی تکذیب کی حقیقت واضح ہو گئی کہ انہوں نے تکذیب صرف اس وجہ سے کی تھی کہ ابراہیم نے حکم کے واسطے سے ابن ابی لیلیٰ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صفین میں ستر بدری صحابہ شریک تھے۔ تو اس سے ابراہیم کا جھوٹا ہونا کیسے ثابت ہوتا ہے؟ بلکہ جھوٹ تو اس وقت ثابت ہوتا کہ جب شعبہ حکم کے پاس مذاکرہ کرنے گئے تو حکم سرے سے اس بیان کا انکار کر دیتے لیکن حکم اس کا انکار نہیں کرتے، بلکہ مذاکرہ سے صرف ایک صحابی ثابت ہوا۔ معلوم ہوا کہ امام حکم نے بیان کیا تھا لیکن اب وہ ستر کا عدد ثابت نہ کر سکے۔ تو اس میں ابراہیم کا کیا قصور ہے؟! علاوہ ازیں علامہ ذہبی نے بھی امام شعبہ کے اس بیان کو یوں رد کر دیا کہ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی تو یقیناً شریک تھے۔ تو پھر متعین ایک ہی کیسے ثابت ہوا کم سے کم تین کہیے۔ یعنی اس طرح اور تحقیق کر لیجیے ممکن ہے اور نکل آئیں۔ معلوم ہوا کہ امام ذہبی کے نزدیک بھی شعبہ کی یہ جرح مردود ہے، لیکن علی زئی صاحب کی "دیانت" کو بھی داد دیجیے۔

ثالثاً:۔۔۔ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ پر کچھ کلام بھی کیا گیا ہے اور اسے ضعیف بھی بتلایا گیا ہے لیکن یہ اتنا بھی ضعیف نہیں کہ اس کی روایت کو مطلقاً ترک کر دیا جائے بلکہ دیگر مؤیدات کی وجہ سے (جن کا بیان آگے آ رہا ہے) یہ روایت اس قدر مستحکم و قوی ہو جاتی ہے کہ ضعیف کہہ کر جان چھڑانا ناممکن سی بات ہے۔ چنانچہ چنانچہ محدث شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی فرماتے ہیں:

"ابوشیبہ کی یہ حدیث چاہے اسناد کے لحاظ سے ضعیف ہو مگر اس لحاظ سے وہ بے حد قوی اور ٹھوس ہے کہ عہد فاروقی کے مسلمانوں کا اعلانیہ عمل اس کے موافق تھا یا کم از کم آخر میں وہ لوگ اسی پر جم گئے اور روایتوں سے حضرت علی کے زمانہ کے مسلمانوں کا عمل بھی اسی کے موافق ثابت ہوتا ہے اور ہر چار ائمہ مجتہدین کے اقوال بھی اسی کے مطابق ہیں اور عہد فاروقی کے بعد سے ہمیشہ امت کا عمل بھی بلا اضافہ یا اضافہ کے ساتھ اس کے موافق رہا ہے ان باتوں کے انضمام سے ابوشیبہ کی حدیث اس قدر کی قوی و مستحکم ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد اس کو ضعیف کہہ کر جان چھڑانا ناممکن سی بات ہو جاتی ہے" (رکعات تراویح ص60)

جواب نمبر2:

اس روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہے (یعنی امت اس پر عمل کرتی چلی آ رہی ہے اور آج تک بیس رکعت پر عمل پیرا ہے۔ ملاحظہ ہو مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے سابق قاضی شیخ عطیہ سالم کی کتاب "التراویح اکثر من الف عام" جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ مسجد نبوی میں چودہ سو سالہ مدت میں بیس رکعت تراویح متواتر عمل ہے اس سے کم ثابت نہیں) اور قاعدہ ہے کہ اگر کسی روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو روایت صحت کا درجہ پا لیتی ہے۔

1: امام شافعی (204ھ) فرماتے ہیں: حديث لا وصيه لوارث إنه لا يثبته أهل الحديث ولكن العامه تلقته بالقبول وعملوا به حتى

جعلوه ناسخاً لآية الوصية له. (فتح المغيث شرح ألفية الحديث للسخاوي ج 1 ص 289)

ترجمہ: محدثین اس حدیث کو[صحیح سند کے ساتھ] ثابت نہیں مانتے لیکن عامہ علماء نے اس کو قبول کر لیا ہے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ انھوں نے اس حدیث کو آیت وصیت کا ناسخ قرار دیا ہے۔

2: امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (911ھ) فرماتے ہیں:

قال بعضهم يحكم للحديث بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم يكن له اسناد صحيح. (تدريب الراوی ص29)

بعض محدثین فرماتے ہیں کہ حدیث پر صحیح ہونے کا حکم اس وقت بھی لگایا جائے گا جب امت اس کو قبول کر لے، اگرچہ اس کی سند صحیح نہ ہو۔

3: حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: و ذهب بعضهم الى ان الحديث اذا تايد بالعمل ارتقى من حال الضعف الى مرتبة القبول. قلت: وهو الاوجه عندي. (فیض الباری شرح البخاری: ج3، ص:409 کتاب الوصایا، باب الوصیۃ لوارث)

ترجمہ: بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ حدیث کی تائید جب عمل کے ساتھ ہو تو درجہ ضعف سے درجہ قبولیت پا لیتی ہے۔ میں (علامہ کشمیری رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ یہی رائے میرے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے۔

4: غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری نے اعتراف کیا: "بعض ضعف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں"

(اخبار اہل حدیث مورخہ 19 اپریل 1907 بحوالہ رسائل اعظمی ص 331)

لہذا یہ روایت تلقی بالقبول ہونے کی وجہ سے یہ روایت صحیح و حجت ہے۔

جواب نمبر 3:

اس حدیث کو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ سے روایت کرنے والے چار محدث ہیں۔

1: یزید بن ہارون: (مصنف ابن ابی شیبۃ ج2 ص284 باب کم یصلي في رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ)

2: علی بن جعد: (المعجم الکبیر للطبرانی ج5 ص433 رقم 11934)

3: ابو نعیم فضل بن دکین: (المنتخب من مسند عبد بن حمید ص218 رقم 653)

4: منصور بن ابی مزاحم: (السنن الکبری للبیہقی ج2 ص496 باب مَارُوِيَ فِي عَدَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ.)

اور یہ چاروں حضرات ثقہ ہیں۔

1: یزید بن ہارون: ثقه، متقن۔ (تقریب التہذیب ص638)

2: علی بن جعد: ثقه، صدوق۔ (سیر اعلام النبلاء ج10 ص466)

3: ابو نعیم فضل بن دکین: الحافظ الكبير، ثقه ثبت۔ (تقریب التہذیب ص475)

4: منصور بن ابی مزاحم: ثقه۔ (تقریب التہذیب ص576)

ان ثقہ و عظیم محدثین کا ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ سے بیس رکعت نقل کرنے میں متفق ہونا قوی تائید ہے کہ یہ حدیث ثابت و صحیح ہے ورنہ یہ ثقہ حضرات اس طرح متفق نہ ہوتے۔

دلیل نمبر 3:

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ اَنْ يُّصَلِّيَ بِاللَّيْلِ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَ اِنَّ النَّاسَ يَصُوْمُوْنَ النَّهَارَ لَايُحْسِنُوْنَ اَنْ يَّقْرَأُوْا فَلَوْ قَرَأْتَ الْقُرْآنَ عَلَيْهِمْ بِاللَّيْلِ فَقَالَ: يَااَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! هٰذَا شَيْئٌ لَمْ يَكُنْ. فَقَالَ، قَدْ عَلِمْتُ وَلٰكِنَّهُ اَحْسَنُ. فَصَلّٰى بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً

(اتحاف الخیرۃ المہرۃ علی المطالب العالیہ ج2ص424)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا کہ میں رمضان شریف کی رات میں نماز (تراویح) پڑھاؤں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور (رات) قرأت (قرآن) اچھی نہیں کرتے۔ تو قرآن مجید کی رات کو تلاوت کرے تو اچھا ہے۔" حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے امیر المومنین! یہ تلاوت کا طریقہ پہلے نہیں تھا۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں جانتا ہوں لیکن یہ طریقہ تلاوت اچھا ہے۔" تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس رکعات نماز (تراویح) پڑھائی۔

اعتراض نمبر1:

آل حدیث نے لکھا: "یہ روایت اتحاف الخیرۃ المھرۃ للبوصیری میں بغیر کسی سند کے احمد بن منیع کے حوالے مذکور ہے۔ سرفراز صفدر دیوبندی لکھتے ہیں کہ "بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی" (مقدار رکعات قیام رمضان ص74 از زئی غیر مقلد)

غلام مصطفی ظہیر نے بازاری زبان استعمال کرتے ہوئے لکھا: "بے سند روایات وہی پیش کرتے ہیں جنکی اپنی کوئی سند نہ ہو۔" (آٹھ رکعت نماز تراویح ص8)

جواب:

اللہ تعالی جناب کو اخلاق حسنہ عطا فرمائے، الاحادیث المختارہ للمقدسی میں یہ روایت سند کے ساتھ موجود ہے۔ جناب کی "تسلی" کے لئے سند پیشِ خدمت ہے:

أخبرنا أبو عبداللہ محمود بن أحمد بن عبدالرحمن الثقفي بأصبهان أن سعيد بن أبي الرجاء الصيرفي أخبرهم قراءة عليه أنا عبدالواحد بن أحمد البقال أنا عبيدالله بن يعقوب بن إسحاق أنا جدي إسحاق بن إبراهيم بن محمد بن جميل أنا أحمد بن منيع أنا الحسن بن موسى نا أبو جعفر الرازي عن الربيع بن أنس عن أبي العالية عن أبي بن كعب أن عمر أمر أبيا أن يصلي بالناس في رمضان الحديث

[الاحادیث المختارۃ للمقدسی ج3ص367رقم1161]

اعتراض نمبر2:

علی زئی غیر مقلد نے لکھا: "اس گھمنی "دلیل" کے راوی ابوجعفر الرازی کی ربیع بن انس سے روایت میں بہت اضطراب ہوتا ہے... اور یہ بھی اسی سند سے ہے، لہٰذا ضعیف ہے۔" (ماہنامہ ضرب حق سرگودھا: جولائی 2012ء، انوار الصحیفہ ص15 از علی زئی)

جواب:

قارئین کرام! آپ غیر مقلدین کی "تہذیب" ملاحظہ فرمائیں اثر خلیفہ راشد کے لیے کس طرز کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کیا یہی اخلاق محمدی ہیں؟! اگر اسی کا نام "عمل بالحدیث" ہے تو یہ غیر مقلدین کو مبارک.... خیر جواب پیشِ خدمت ہے۔

اولاً:... ابو جعفر رازی صالح الحدیث، ثقہ اور صدوق ہیں۔ ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے اور امام ذہبی فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی تضعیف کرتے کسی کو نہیں پایا۔ (بذل المجہود ج2ص223)

اور ربیع بن انس کو امام عجلی اور ابوحاتم رازی نے ثقہ کہا ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں اس کی حدیث میں کوئی اعتراض نہیں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2ص201)

نیز خود زبیر علی زئی نے ایک مقام پر لکھا ہے: "خالد بن یزید العتکی، ابوجعفر الرازی اور ربیع بن انس تینوں جمہور محدثین کی توثیق کی وجہ

سے حسن الحدیث تھے۔" (الحدیث: شمارہ 72 ص 5)

ثانیاً:... ابو جعفر رازی عن الربیع بن انس کی سند کو محققین اور خود غیر مقلدوں کے "بزرگوں" نے صحیح قرار دیا ہے مثلاً:

1: علامہ سیوطی: حضرت ابی ابن کعب کے ایک نسخہ کا ذکر کر کے جس کی سند "أَبُو جَعْفَرٍ الرَّازِيُّ عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ أَنَسٍ" ہے، فرماتے ہیں:

وهذا إسناد صحيح. (الاتقان في علوم القرآن للسيوطي: ج2 ص498 طبقة التابعين)

2: محمد حسین الذہبی: ایک روایت جس کی سند "أَبُو جَعْفَرٍ الرَّازِيُّ عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ أَنَسٍ" ہے، نقل کر کے فرماتے ہیں:

وهذه طريق صحيحة. (التفسير والمفسرون ج2 ص24)

3: امام بیہقی ایک سند کے متعلق امام ابو عبد اللہ کا قول نقل کرتے ہیں جس میں ابو جعفر الرازی ربیع بن انس سے روایت کرتے ہیں:

هَذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ. (السنن الكبرىٰ: ج2 ص201)

4: البانی صاحب اس جیسی سند کے متعلق لکھتے ہیں: "صحیح". (سنن ابی داؤد باحکام الالبانی: تحت ح 2573)

5: حاشیۃ الاحادیث المختارۃ: کئی مقامات پر ایسی سند کو "إسناده حسن" لکھا جس میں ابو جعفر الرازی ربیع بن انس سے روایت کرتے ہیں۔

(حاشیۃ الاحادیث المختارۃ: إسناده حسن رقم الحدیث 2119)

6: امام ابو عبد اللہ الحاکم اس جیسی سند کے متعلق لکھتے ہیں:

صحيح الإسناد. (المستدرك: ج2/ص434 ح3510)

ثالثاً:... اعتراض کرنے والے جناب زبیر علی زئی صاحب کے نزدیک ضیاء مقدسی کا کسی روایت کو "الاحادیث المختارۃ" میں تخریج کرنا اس روایت کی تصحیح شمار ہوتا ہے۔ (دیکھیے: تعداد رکعت قیام رمضان: ص 23)

اور یہی روایت ضیاء المقدسی نے الاحادیث المختارہ میں تخریج کی ہے۔ (حدیث نمبر 1161)

لہذا زئی اصول کے تحت بھی یہ راویت صحیح ہے۔

علی زئی صاحب پر یہ شعر صادق آتا ہے:

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں ☆☆☆ لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

رابعاً:... غیر مقلدین کے ممدوح علامہ ابن تیمیہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بیس رکعت پڑھانے کو ثابت مانتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

قد ثبت ان ابی بن كعب كان يقوم بالناس عشرين ركعة ويوتر بثلاث فرأى اكثر من العلماء ان ذلك هو السنة لانه قام بين المهاجرين والانصار ولم ينكره منكر.

(فتاویٰ ابن تیمیہ قدیم ص186 / ج1، فتاویٰ ابن تیمیہ جدید ص112 ج23)

ترجمہ: یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابی بن کعب لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ اس لئے علماء کی اکثریت کی رائے میں بیس ہی سنت ہیں کیونکہ حضرت ابی بن کعب نے بیس رکعت مہاجرین اور انصار صحابہ کے سامنے پڑھائی ہیں اور کسی نے بھی (بیس تراویح کے سنت ہونے کا) انکار نہیں کیا۔

لہذا غیر مقلدین کا اعتراض باطل ہے۔

دلیل نمبر 4:

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ الْجَوْهَرِيُّ اَنَا ابْنُ اَبِي ذِئْبٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَاِنْ كَانُوْا لَيَقْرَؤُوْنَ بِالْمِئَيْنِ مِنَ الْقُرْاٰنِ.

(مسند ابن الجعد ص 413، معرفۃ السنن و الآثار للبیہقی: ج2ص305)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان شریف کے مہینہ میں بیس رکعات (نماز تراویح) پابندی سے پڑھتے اور قرآن مجید کی دو سو آیات پڑھتے تھے۔

تحقیق السند: اس کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

اعتراض:

آل حدیث نے لکھا:

1: یہ روایت شاذ ہے... شاذ روایت ضعیف ہوتی ہے۔

2: موطا مالک کی محفوظ روایت میں آیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائے۔

(ضرب حق: جولائی 2012ء مضمون علیزئی)

بعض الناس نے لکھا: یزید بن خصیفہ نے محمد بن یوسف کی مخالفت کی ہے۔ (الحدیث شمارہ 76 ص 40، مضمون زبیر صادق آبادی)

جواب:

اس اعتراض کے جواب کے لیے تین باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

1: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تعداد رکعات تراویح

2: "یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید" کے طریق کی اسنادی حیثیت

3: کیا یزید بن خصیفہ نے محمد بن یوسف کی مخالفت کی ہے؟

پہلی بات:

جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تراویح کی رکعات کا تعلق ہے تو وہ بلا شبہ بیس ہیں (مضطرب اور ضعیف روایات کا کوئی اعتبار نہیں) تفصیل یہ ہے:

1: روایت حضرت ابی بن کعب... 20 رکعات (ملاحظہ ہو دلیل نمبر 3- اسنادہ صحیح)

2: روایت سائب بن یزید... 20 رکعات (زیر نظر روایت- اسنادہ صحیح علی شرط البخاری)

3: روایت محمد بن کعب القرظی... 20 رکعات (قیام اللیل للمروزی: ص157 - قد احتج بہ المروزی وھو صحیح عندہ)

4: روایت یزید بن رومان... 20 رکعات (موطا امام مالک: ص98- اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم)

5: روایت یحیی بن سعید... 20 رکعات (مصنف ابن ابی شیبہ: ج2ص285- اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم)

6: روایت عبد العزیز بن رفیع... 20 رکعات (مصنف ابن ابی شیبہ: ج2ص285- اسنادہ صحیح)

7: روایت حسن بصری... 20 رکعات (سنن ابی داود: ج1ص211- اسنادہ صحیح)

لہذا فرقہ اہل حدیث کا "گیارہ رکعات" کو محفوظ اور "بیس رکعات" کو شاذ گردانا باطل ہے۔

دوسری بات:

"یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید" کے طریق کی اسنادی حیثیت

1: عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ الْجَوْهَرِيُّ اَنَا اِبْنُ اَبِي ذِئْبٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ الخ (مسند ابن الجعد ص413)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری

2: اَبُوْبَکْرِ الْبَیْہَقِیُّ: اَخْبَرَنَا اَبُوْعَبْدِاللّٰہِ الْحُسَیْنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُسَیْنِ بْنِ فَنْجَوَیْہِ الدِّیْنَوَرِیُّ بِالدَّامَغَانِ ثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ السَّنِیُّ اَنْبَأَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِالْعَزِیْزِ الْبَغْوِیُّ ثَنَا عَلِیُّ بْنُ الْجَعْدِ اَنْبَأَ اِبْنُ اَبِیْ ذِئْبٍ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ خُصَیْفَۃَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ الخ (السنن الکبری للبیہقی ج2ص496)

تحقیق السند: امام نووی فرماتے ہیں: اسناد صحیح. (خلاصۃ الاحکام: تحت ح1961)

3: روی مالك من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید عشرین رکعة. (نیل الاوطار للشوکانی ج2ص514)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم

نوٹ: یہ طریق صحیح البخاری ج1ص312 پر موجود ہے۔ وللہ الحمد

تیسری بات:

کیا یزید بن خصیفہ نے محمد بن یوسف کی مخالفت کی ہے؟ اس پر تفصیلی کلام پیشِ خدمت ہے۔

تعداد رکعت کے حوالے سے حضرت سائب بن یزید سے روایت کرنے والے تین راوی ہیں:

1: یزید بن خصیفہ... 20رکعات (مسند ابن الجعد)

2: حارث بن عبد الرحمن ابی ذباب... 23رکعات [وتر سمیت] (مصنف عبد الرزاق)

3: محمد بن یوسف.... (تفصیل آگے آ رہی ہے)

سائب بن یزید کے تین شاگردوں میں سے یزید بن خصیفہ 20رکعات اور حارث بن عبد الرحمن ابی ذباب 23رکعات [مع الوتر] نقل کرتے ہیں، البتہ محمد بن یوسف نے دو باتوں میں اختلاف کیا ہے۔

1: یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبد الرحمن ابی ذباب قاریوں کی تعداد نہیں بتاتے لیکن محمد بن یوسف نے بتائی ہے کہ دو تھے؛ ابی بن کعب اور تمیم داری۔

2: یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبد الرحمن ابی ذباب تراویح بیس ہی نقل کرتے ہیں لیکن محمد بن یوسف نے تراویح کی تعداد گیارہ، تیرہ اور اکیس نقل کی۔

محمد بن یوسف کے شاگردوں کی تفصیل کچھ یوں ہے:

1: امام مالک... 11رکعات (موطا امام مالک)

2: یحیی بن سعید القطان... 11رکعات (مصنف ابن ابی شیبہ)

3: عبد العزیز بن محمد الدَّرَاوَرْدِی...11رکعات (سعید بن ابی منصور)

4: محمد بن اسحاق... 13رکعات (قیام اللیل للمروزی)

5: داؤد بن قیس وغیرہ ... 21رکعات (مصنف عبد الرزاق)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ محمد بن یوسف کے پانچوں شاگردوں کے بیانات عدد و کیفیت کے لحاظ سے باہم مختلف ہیں کہ...

۱: پہلے تین شاگرد گیارہ نقل کرتے ہیں اور محمد بن اسحاق تیرہ، جبکہ پانچواں شاگرد داؤد بن قیس اکیس رکعات نقل کرتا ہے۔

۲: امام مالک کی روایت میں گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم ہے عمل کا ذکر نہیں، یحیی القطان کی روایت میں حکم کا ذکر نہیں، عبد العزیز بن محمد کی روایت

میں گیارہ رکعت تو ہیں لیکن نہ حکم ہے اور نہ ابی بن کعب اور تمیم داری کا ذکر۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں تیرہ رکعت کا ذکر ہے لیکن نہ حکم ہے اور نہ ابی و تمیم کا ذکر، اور داود بن قیس کی روایت میں حکم تو ہے لیکن گیارہ کی بجائے اکیس کا ذکر ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ محمد بن یوسف کی یہ روایت شدید اضطراب کا شکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محققین نے اسے وہم راوی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

ان الاغلب عندی ان قوله احدی عشرة وهم (الزرقانی شرح موطا: ج1ص215)

ترجمہ: میرے نزدیک راجح یہی ہے کہ راوی کا قول "احدی عشرۃ" [گیارہ رکعت] وہم ہے۔

خلاصہ کلام:

1: یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید والی روایت صحیح و محفوظ ہے، شاذ کہنا غلط ہے۔

2: یزید بن خصیفہ کو محمد بن یوسف کا مخالف ٹھہرانا غلط ہے، کیونکہ یزید بن خصیفہ دیگر راویوں کی طرح بیس رکعت نقل کرتا ہے اور محمد بن یوسف کی روایت خود محققین کی نظر میں مضطرب اور وہم ہے اور بقاعدہ "والاضطراب یوجب ضعف الحدیث" (تقریب النووی مع شرحہ التدریب: ص234) محمد بن یوسف والی روایت ضعیف ٹھہرتی ہے۔

3: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح صحیح اسانید کے ساتھ ثابت ہے۔ وللہ الحمد

دلیل نمبر 5 :

قَالَ الْاِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ اَبُوْبَكْرِ الْبَيْهَقِيُّ اَخْبَرَنَا اَبُوْعَبْدِاللهِ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ فَنْجَوَيْهِ الدِّيْنَوَرِيُّ بِالدَّامَغَانِ ثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ السنيُّ اَنْبَأَ عَبْدُاللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ الْبَغْوِيُّ ثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ اَنْبَأَ اِبْنُ اَبِيْ ذِئْبٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَاِنْ كَانُوْا لَيَقْرَؤُوْنَ بِالْمِئَيْنِ وَكَانُوْا يَتَوَكَّئُوْنَ عَلٰى عَصِيِّهِمْ فِيْ عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ۔

(السنن الکبری للبیہقی: ج2ص496)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں رمضان شریف میں بیس رکعات (نماز تراویح) پابندی سے پڑھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ وہ قرآن مجید کی دو سو آیات تلاوت کرتے تھے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ قیام کے (لمبا ہونے کی وجہ سے) اپنی (لاٹھیوں) پر ٹیک لگاتے تھے۔

فائدہ: اس کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

تنبیہ: غیر مقلدین کی جانب سے دلیل نمبر4 اور دلیل نمبر5 پر ایک ہی اعتراض کیا گیا ہے جس کا جواب ماقبل میں سے دیا گیا ہے۔

دلیل نمبر 6 :

قَالَ الْاِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ اَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا شُجَاعُ بْنُ مَخْلَدٍ نَا هُشَيْمٌ اَنَا عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ، فَكَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً.

(سنن ابی داؤد ص1429، سیر اعلام النبلاء للذہبی: ج3ص176)

ترجمہ: حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں نماز تراویح پڑھنے کے لیے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر لوگوں کو جمع کیا تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان کو بیس رکعات (نماز تراویح) پڑھاتے تھے۔

اعتراض:

آل حدیث نے اس روایت پر دو اعتراض کیے ہیں:

1: "عشرین رکعة" کے الفاظ دیوبندی تحریف ہے۔ محمود الحسن دیوبندی (1268۔1339) نے یہ تحریف کی ہے، "عشرین لیلة" بیس راتیں کی بجائے "عشرین رکعة" بیس رکعتیں کر دیا۔ (آٹھ رکعت نماز تراویح ص9)

2: اس کی سند منقطع ہے کیونکہ حسن بصری نے عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا تھا... نیز سرفراز خان صفدر دیوبندی نے حسن بصری کی ایک منقطع روایت پر جرح کی ہے۔ (ضرب حق: جولائی 2012ء مضمون علیزئی ملخصًا)

جواب:

ہر ایک کا جواب پیشِ خدمت ہے۔

شق اول کا جواب:

اولاً:۔۔۔ حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ ایک غیر مقلد سلطان محمود جلالپوری کے جواب میں فرماتے ہیں:

"ابو داؤد کے دو نسخے ہیں، بعض نسخوں میں عشرین رکعة اور بعض میں عشرین لیلة ہے۔ جس طرح قرآن پاک کی دو قرأتیں ہوں تو دونوں کو ماننا چاہیے، ہم دونوں نسخوں کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن حیلہ بہانے سے انکار حدیث کے عادی سلطان محمود جلالپوری نے اس حدیث کا انکار کر دیا اور الٹا الزام علماء دیوبند پر لگا دیا۔" (تجلیات صفدر ج3 ص316)

ثانیاً:۔۔۔ جلیل القدر محدثین و محققین نے اس روایت کو نقل کیا اور "عشرین رکعة" ہی نقل کیا ہے، مثلاً:

1: علامہ ذہبی نے ابو داؤد کے حوالے سے "عشرین رکعة" نقل کیا۔ (سیر اعلام النبلاء ج3 ص176، 177، تحت ترجمہ ابی بن کعب رقم الترجمہ: 223)

2: علامہ ابن کثیر۔ (جامع المسانید والسنن ج1 ص55)

3: الشیخ محمد علی الصابونی۔ (الھدی النبوی الصحیح فی صلوة التراویح ص56)

4: شیخ الہند مولانا محمود حسن۔ (سنن ابی داؤد بتحقیق شیخ الہند ج1 ص211)

5: نسخہ مطبوع عرب۔ (ص1429 بحوالہ تجلیات صفدر ج3 ص316)

یہ 5 حوالہ جات لاعلم لوگوں کو چپ کرانے کے لیے کافی ہیں۔

فائدہ: حضرت عمر کے زمانے میں پڑھی جانے والی تراویح کے چھ راوی گزر چکے ہیں جو "عشرین رکعة" نقل کرتے ہیں (دلیل نمبر 4 کے تحت اعتراض کے جواب کے ذیل میں) یہ زبردست تائید ہے کہ "عشرین رکعة" والا نسخہ ابی داؤد بھی صحیح و ثابت ہے۔ والحمد للہ

شق دوم کا جواب:

امام حسن بصری (ت110ھ) کی یہ روایت مرسل ہے۔ مراسیل حسن بصری کے متعلق ائمہ محدثین کی آراء ملاحظہ ہوں:

1: امام علی بن المدینی فرماتے ہیں: حسن بصری کی وہ مرسل روایات جو ان سے ثقہ راوی روایت کریں "صحیح" ہوتی ہیں۔

(تدریب الراوی: ص124)

2: امام یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں: حسن بصری جب "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہہ کر حدیث بیان کرتے ہیں تو ہمیں اس کی اصل میں ایک یا دو حدیثیں مل جاتی ہیں۔ (تدریب الراوی: ص124)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: امام یحییٰ بن سعید القطان کی مراد حسن بصری کی وہ مراسیل ہیں جنہیں وہ صیغہ جزم اور یقین کے ساتھ بیان کریں۔ (تدریب الراوی: ص124)

ائمہ محدثین کی ان آراء کی روشنی میں عرض ہے کہ زیرِ نظر روایت امام حسن بصری سے "ہشیم بن بشیر بن القاسم السلمی" بیان کرتے ہیں جو صحیح البخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ و ثبت راوی ہیں۔(تقریب التہذیب: رقم الترجمۃ7312) نیز حسن بصری اس روایت کو "أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ ،فَكَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً" کہہ کر جزماً بیان کرتے ہیں۔لہذا محدثین کے مذکورہ قاعدہ کی رو سے یہ روایت صحیح و حجت ہے۔ وللہ الحمد

تنبیہ:

علی زئی صاحب نے حسن بصری کی ایک منقطع روایت پر جرح کے لیے امام اہل السنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیا ہے۔ عرض ہے کہ حوالہ نقل کرتے ہوئے انصاف شرط ہے۔ امام اہل السنت نے "الحسن عن عمران بن الحصین" (مستدرک الحاکم) پر جرح کی ہے جو مرسل تو ہے لیکن صیغہ "عن" کے ساتھ ہے، جزماً بیان نہیں ہوئی جبکہ ہماری پیش کردہ روایت صیغہ جزم "أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ الخ" کے ساتھ ہے۔ عنعنہ پر کی گئی جرح کو جزماً روایت پر فٹ کرنا غیر مقلدین ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ کیا غیر مقلدین میں کوئی رجل رشید نہیں؟!

دلیل نمبر 7 :

رَوَى الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ زَيْدُ بْنُ عَلِيٍّ الْهَاشِمِيُّ فِيْ مُسْنَدِهٖ كَمَا حَدَّثَنِيْ زَيْدُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهٗ أَمَرَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ صَلَاةَ الْقِيَامِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ أَنْ يُّصَلِّيَ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُرَاوِحَ مَابَيْنَ كُلِّ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ.

(مسند الامام زید بن علی ص158)

ترجمہ: حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو حکم دیا جو لوگوں کو رمضان شریف کے مہینہ میں نماز (تراویح) پڑھاتے تھے کہ وہ ان کو بیس رکعات نماز (تراویح) پڑھائیں! ہر دو رکعتوں کے درمیان سلام پھیرے اور ہر چار رکعتوں کے درمیان آرام کے لیے کچھ دیر وقفہ کرے۔

اعتراض:

آل حدیث نے لکھا:

1: "مسند زید" اہل سنت کی کتاب نہیں، بلکہ شیعوں کی کتاب ہے.

2: "مسند زید" کا بنیادی راوی ابو خالد عمرو بن خالد الواسطی کذاب (بہت جھوٹا) راوی ہے۔

(ضرب حق: جولائی 2012ء مضمون علیزئی)

جواب:

ہر شق کا جواب پیش خدمت ہے:

جواب شق اول:

اولاً...... "مسند زید" (المعروف الجموع الفقہی) شیعوں کی نہیں بلکہ سنیوں کی کتاب ہے۔ اس پر چند قرائن پیش ہیں:

[ا]: اس میں وضو کرتے ہوئے پاؤں کو دھونے کا ذکر ہے۔ (ص53) جبکہ شیعہ پاؤں کو دھونے کے بجائے پاؤں پر مسح کرتے ہیں۔

[۲]: اس میں شروع نماز کے علاوہ پوری نماز میں رفع یدین نہ کرنے کا ذکر ہے۔ (ص88) جبکہ شیعہ نماز کے اندر اور سلام کے وقت رفع یدین کرتے ہیں۔

[۳]:اس میں تراویح کا ذکر ہے۔(ص158)جبکہ شیعہ اس کے سرے سے منکر ہیں۔

[۴]:اس میں سحری تاخیر سے کھانے اور افطاری جلدی کرنے کا ذکر ہے۔(ص211)جبکہ شیعہ کا عمل اس کے برعکس ہے۔

[۵]:اس میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی روایت موجود ہے۔(ص211)جبکہ شیعہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں۔

اور بھی بہت سے حوالہ جات جمع کیے جاسکتے ہیں۔

ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ یہ اہل السنت کی کتاب ہے، اہل تشیع سے اس کا دور دور کا تعلق نہیں۔

ثانیاً...... اس کتاب کی اکثر احادیث کی تائید دیگر کتب اہل السنت سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً

(۱) حدیث نمبر1 کی تائید.... از مؤطا امام مالک حدیث نمبر32، صحیح بخاری حدیث نمبر158،162،183، صحیح مسلم حدیث نمبر236

(۲)حدیث نمبر67 کی تائید... از صحیح مسلم حدیث نمبر1389، سنن ابن ماجۃ حدیث نمبر725، مسند احمد حدیث نمبر13815

(۳) حدیث نمبر68 کی تائید... از مؤطا امام مالک حدیث نمبر1، صحیح البخاری حدیث نمبر499، سنن ابی داؤد حدیث نمبر394

(۴) حدیث نمبر70 کی تائید... از صحیح مسلم حدیث نمبر648، سنن النسائی حدیث نمبر859، سنن ابن ماجۃ حدیث نمبر1257

(۵)حدیث نمبر78 کی تائید... از سنن الترمذی حدیث نمبر3، سنن ابی داؤد حدیث نمبر61، سنن ابن ماجۃ حدیث نمبر275

(۶) حدیث نمبر85 کی تائید... از جامع الترمذی حدیث نمبر312، سنن ابی داؤد حدیث نمبر824، سنن النسائی حدیث نمبر919

(۷)حدیث نمبر102 کی تائید... از مؤطا امام مالک حدیث نمبر149، صحیح البخاری حدیث نمبر590، صحیح مسلم حدیث نمبر

(۸)حدیث نمبر104 کی تائید... از صحیح مسلم حدیث نمبر673، سنن الترمذی حدیث نمبر235، سنن النسائی حدیث نمبر783

(۹)حدیث نمبر106 کی تائید... از مسند احمد حدیث نمبر18641، مصنف ابن ابی شیبۃ حدیث نمبر3526

(۱۰)حدیث نمبر108 کی تائید... از سنن الترمذی حدیث نمبر230، صحیح ابن حبان حدیث نمبر2200، مصنف عبد الرزاق حدیث نمبر377

اس کے علاوہ بے شمار تائیدات موجود ہیں۔ یہ بھی اس بات کی قوی دلیل ہیں کہ یہ سنیوں کی کتاب ہے۔ زئی صاحب و دیگر غیر مقلدین کا اس کو شیعوں کی کتاب کہہ کر انکار کرنا غلط ہے۔

جواب شق دوم:

اولاً... مقدمہ کتاب میں شائع کنندہ شیخ عبد الواسع بن یحییٰ الواسعی نے ابو خالد الواسطی کے حالات ذکر کیے اور ان پر کی گئی جروح کا جواب دیا ہے۔ (دیکھیے مقدمہ کتاب از ص11 تا ص15)

یہی وجہ ہے کہ مصر کے مفتی اعظم اور اپنے دور کے عظیم محقق عالم شیخ محمد بخیت مطیعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کی سند کو صحیح قرار دیا۔ فرماتے ہیں:

بالسند الصحيح الى الامام الشهيد زيد بن علی الخ. (مقدمہ کتاب مسند زید: ص36)

ثانیاً... محدثین کا قاعدہ ہے کہ جس کتاب کی نسبت اپنے مصنف کی طرف مشہور ہو[کہ یہ کتاب فلاں مصنف کی ہے]تو مصنف سے لے کر ہم تک اس کی سند دیکھنے کی حاجت نہیں رہتی۔ یہ شہرت اس سند کے دیکھنے سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لان الكتاب المشهور الغنی بشهرته عن اعتبار الاسناد منا الی مصنفه(النکت لابن حجر ص56)

اور یہ قاعدہ ان محدثین و محققین کے ہاں پایا جاتا ہے؛ امام سخاوی (فتح المغیث ج1 ص44)، امام ابن حجر (النکت ص56)، علامہ جزائری (توجیہ النظر ص378)، امام سیوطی (تدریب الراوی ج1 ص147)، امام کرمانی (شرح بخاری ج1 ص7)

اور مسند زید (المعروف المجموع الفقہی) کا امام زید بن علی کی کتاب ہونا واضح ہے۔ سر دست چند حوالہ جات چند محققین اور خود غیر

مقلدین کے حوالہ جات پیش خدمت ہیں جنہوں نے اس کتاب کو حضرت امام زید کی کتاب مانا ہے:

1: علامہ شوکانی... (نیل الاوطار للشوکانی: ج1 ص297، ج2 ص244)

2: عمر رضا کحالہ.... (معجم المؤلفین: ج4 ص190)

3: غلام احمد حریری غیر مقلد... (تاریخ تفسیر و مفسرین: ص550)

لہذا نیچے والی سند دیکھنے کی حاجت ہی نہیں۔ اس لیے اس اعتراض کو لے کر کتاب کا انکار کرنا مردود ہے۔

خلاصہ کلام: اس روایت سے بیس رکعت تراویح ثابت ہے۔

دلیل نمبر 8:

قَالَ الْاِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ حَسَنِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَیْسٍ عَنْ اَبِی الْحَسْنَاءِ اَنَّ عَلِیًّا اَمَرَ رَجُلاً یُّصَلِّیْ بِھِمْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2 ص285)

ترجمہ: حضرت ابو الحسناء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات نماز (تراویح) پڑھائیں!

اعتراض:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس کی سند میں ابو الحسناء مجہول ہے.... اور اس کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔

(ضرب حق: جولائی 2012ء مضمون علیزئی، وغیرہ)

گویا یہ روایت مرسل بھی ہے۔

جواب:

اولاً:۔۔۔ عند الاحناف خیر القرون کی جہالت، تدلیس اور ارسال جرح ہی نہیں اور شوافع کے ہاں متابعت سے یہ جرح ختم ہو گئی کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعت تراویح روایت کرنے میں ابو الحسناء اکیلے نہیں بلکہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور امام ابو عبد الرحمن سلمی بھی یہی روایت کرتے ہیں۔ (تجلیات صفدر ج3 ص328)

ثانیاً:۔۔۔ ابو الحسناء سے دو راوی یہ روایت نقل کر رہے ہیں:

1: عمرو بن قیس۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص285)

2: ابو سعید البقال۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج2 ص497)

اور یہ دونوں بالترتیب ثقہ اور صدوق ہیں۔ (تقریب التہذیب ص456 و ص299)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں؛ من روی عنہ اکثر من واحد ولم یوثق الیہ الاشارۃ بلفظ مستور او مجھول الحال.

(تقریب التہذیب: ص111)

ترجمہ: جس راوی سے ایک سے زائد راوی روایت کریں اور اس کی توثیق کی گئی ہو تو اس کی طرف لفظ مستور یا مجہول الحال سے اشارہ کیا جاتا ہے۔

یہاں ابو الحسناء سے بھی دو راوی یہ روایت نقل کر رہے ہیں۔ لہذا اصولی طور پر یہ مجہول نہیں بلکہ مستور راوی بنتا ہے۔ غیر مقلدین کا اسے مجہول کہنا محل تعجب ہے۔

الحاصل ابو الحسناء مستور راوی ٹھہرتا ہے اور محدثین کے ہاں قاعدہ ہے کہ مستور کی متابعت کوئی دوسرا راوی کرے جو مرتبہ میں اس

سے بہتر یا برابر ہو تو اس کی روایت حسن ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

”ومتی تُوبِعَ السیءُ الحفظ بمُعْتَبَرٍ: كأن يكونَ فَوْقَهُ، أو مِثْلَهُ، لا دونه، و كذا المختلِط الذی لم يتميز، والمستور، والإسناد المرسل، و كذا المدلَّس إذا لم يُعْرف المحذوف منه صار حديثُهم حسناً، لا لذاته، بل وصْفُهُ بذلك باعتبارِ المجموع“

(نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر: ص234)

ترجمہ: جب سئی الحفظ راوی کی متابعت کسی معتبر راوی سے ہو جائے جو مرتبہ میں اس سے بہتر یا برابر ہو کم نہ ہو، اسی طرح مختلط راوی جس کی روایت میں تمییز نہ ہو سکے اور اسی طرح مستور، مرسل اور مدلس کوئی تائید کر دے تو ان سب کی روایات حسن ہو جائیں گی اپنی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ مجموعی حیثیت کے اعتبار سے۔

ابو الحسناء کی متابعت ابو عبد الرحمن نے کی ہے۔ (السنن الکبری للبیہقی ج2 ص496)

اور یہ ابو الحسناء سے بڑھ کر ثقہ راوی ہے۔ اس لئے ابو الحسناء کی یہ روایت جمہور کے نزدیک بھی مقبول ہے۔ لہذا روایت صحیح و حجت ہے اور اعتراض باطل و مردود ہے۔

دلیل نمبر 9:

عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ كَانَ عَبْدُاللهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ يُصَلِّيْ بِنَا فِيْ شَهْرِ رَمْضَانَ فَيَنْصَرِفُ وَ عَلَيْهِ لَيْلٌ... كَانَ يُصَلِّيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ.

(قیام اللیل للمروزی ص157)

ترجمہ: حضرت زید بن وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رمضان شریف میں ہمیں نماز (تراویح) پڑھاتے اور گھر کو لوٹ جاتے تو رات ابھی باقی ہوتی تھی آپ رضی اللہ عنہ بیس رکعات (تراویح) اور تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

اعتراض:

غیر مقلد علیزئی صاحب نے لکھا: یہ روایت بے سند ہے اور بے سند روایت مردود ہوتی ہے۔

(تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ ص81، ضرب حق: جولائی 2012ء مضمون علیزئی)

جواب:

یہ روایت ”بے سند و مردود“ نہیں بلکہ اس کی مکمل سند عمدۃ القاری شرح البخاری للعلامۃ العینی میں موجود ہے۔ زئی صاحب وغیرہ کا ”بے سند“ کا راگ الاپنا انتہائی شرمناک ہے اور بذاتِ خود مردود ہے۔ قارئین کے لیے افادۃً یہ سند یہاں نقل کی جاتی ہے:

رواہ محمد بن نصر المروزی قال أخبرنا يحيى بن يحيى أخبرنا حفص بن غياث عن الأعمش عن زيد بن وهب قال كان عبد الله بن مسعود. (عمدۃ القاری ج8 ص246 باب فضل من قام رمضان)

اس کے راویوں کی توثیق پیش خدمت ہے۔ غیر مقلدین حضرات ملاحظہ کریں اور شوق سے ”موتوا بغیظکم“ کا مصداق بنیں۔

(1) یحییٰ بن یحییٰ:

ابو زکریا یحییٰ بن یحییٰ بن بکر بن عبد الرحمن التمیمی۔ آپ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن الترمذی اور سنن النسائی کے راوی ہیں۔ ثقہ، ثبت اور امام ہیں۔ (تقریب التہذیب: 7668)

(2) حفص بن غیاث:

ابو عمر حفص بن غیاث النخعی القاضی۔ صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں۔ ثقہ اور فقیہ ہیں۔ (تقریب التہذیب: 1430)

(3) الاعمش:

سلیمان بن مہران الاعمش۔ صحیح البخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور بالاتفاق ثقہ ہیں۔

(تقریب التہذیب: 2615، الجرح والتعدیل: ج4139)

(4) زید بن وھب:

ابو سلیمان زید بن وھب الجھنی۔ آپ صحیح البخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔(تقریب التہذیب: 2159)

(5) عبد اللہ بن مسعود:

آپ مشہور صحابی ہیں اور صحابہ میں بڑے علمی مقام کے مالک تھے۔(تقریب التہذیب: 3613)

خلاصۃ التحقیق:

یہ سند امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ وللہ الحمد

دلیل نمبر 10 :

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا حُمَیْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَسَنٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِیْزِ بْنِ رُفَیْعٍ قَالَ کَانَ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ فِیْ رَمْضَانَ بِالْمَدِیْنَۃِ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَیُوْتِرُ بِثَلَاثٍ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص285؛ الترغیب والترھیب للاصبھانی ج2 ص368)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں رمضان کے مہینے میں لوگوں کو بیس رکعات نماز (تراویح) اور تین (رکعات) وتر پڑھاتے تھے۔

اعتراض:

یہ روایت منقطع ہے۔ عبد العزیز رفیع نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا تھا۔ (ضرب حق: جولائی 2012ء مضمون علیزئی)

جواب:

امام عبد العزیز بن رفیع م 130ھ صحاح ستہ کے راوی ہیں اور خیر القرون کے ثقہ محدث ہیں۔(تقریب التہذیب: ص389)

اور جمہور محدثین خصوصاً عند الاحناف خیر القرون کا ارسال وانقطاع مضر صحت نہیں۔(تفصیل گزر چکی ہے) پس اعتراض باطل ہے۔

دلیل نمبر 11 :

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرٍ قَالَ ثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ قَیْسٍ عَنْ شُتَیْرِ بْنِ شَکَلٍ اَنَّہٗ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْ رَمْضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَالْوِتْرَ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص285)

ترجمہ: حضرت شُتیر بن شکل رحمہ اللہ (حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھی ہیں) رمضان شریف میں لوگوں کو بیس رکعات نماز (تراویح) اور وتر پڑھاتے تھے۔

اعتراض:

اس روایت کی سند ابو اسحاق سبیعی مدلس اور سفیان ثوری مدلس کے عن عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔(ضرب حق: جولائی 2012ء مضمون علیزئی)

جواب نمبر 1:

ابو اسحاق السبیعی (ت 129ھ):

آپ خیر القرون کے ثقہ، مکثر اور عابد راوی ہیں۔ صحاح ستہ میں آپ سے روایات لی گئی ہیں۔ (تقریب التہذیب: 5065)

سفیان بن سعید الثوری (ت 161ھ):

آپ خیر القرون کے محدث ہیں۔ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ ثقہ، حافظ، فقیہ، عابد، امام اور حجت ہیں۔ (تقریب التہذیب: 2445)

اور احناف کے نزدیک خیر القرون کی تدلیس صحتِ حدیث کے منافی نہیں۔ (قواعد فی علوم الحدیث للعثمانی: ص 159 وغیرہ)

لہذا روایت صحیح ہے اور اعتراض باطل ہے۔

جواب نمبر 2:

تدلیس کے اعتبار سے محدثین نے رواۃ حدیث کے مختلف طبقات بنائے ہیں، بعض طبقات کی روایات کو صحت حدیث کے منافی جبکہ دوسرے بعض کی روایات کو مقبول قرار دیا ہے۔ مذکورہ دو راویوں کے بارے میں تحقیق پیشِ خدمت ہے:

ابو اسحاق السبیعی...... علامہ ابو سعید العلائی نے مدلسین کے تیسرے طبقہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر یہ طبقہ اپنی روایت میں تصریح سماع نہ کرے تو ایک جماعت ان کی روایت میں توقف کرتی ہے لیکن دوسرے حضرات محدثین نے حسن بصری، قتادہ بن دعامہ، ابو اسحاق السبیعی، ابو زبیر المکی، ابو سفیان طلحہ بن نافع اور عبد الملک بن عمیر کی روایات کو مطلقاً قبول کیا ہے۔ علامہ العلائی کے طرز بیان سے اسی موقف کو ترجیح ہوتی ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں:

وقبلهم آخرون مطلقا كالطبقة التي قبلها لأحد الأسباب المتقدمة كالحسن وقتادة وأبي إسحاق السبيعي وأبي الزبير المكي وأبي سفيان طلحة بن نافع وعبد الملك بن عمير. (جامع التحصيل للعلائي: ص 113)

امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی منجملہ انہی حضرات کے بارے میں کہا ہے کہ ان کی تدلیس کسی بھی کتاب میں صحت حدیث کے منافی نہیں۔ آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فمن المدلسين من دلس عن الثقات الذين هم في الثقة مثل المحدث أو فوقه أو دونه إلا أنهم لم يخرجوا من عداد الذين يقبل أخبارهم فمنهم من التابعين أبو سفيان طلحة بن نافع و قتادة بن دعامة وغيرهما. (معرفت علوم الحديث للحاكم ص: 103)

[واضح رہے کہ امام حاکم نے بھی انہی حضرات کا نام لیا ہے، ابو اسحاق السبیعی کے نام کی صراحت اگرچہ نہیں کی لیکن اس طبقہ کے حضرات کا ذکر کر کے "وغیرهما" کہنے میں باقی حضرات مثلاً حسن بصری، ابو اسحاق السبیعی، ابو زبیر المکی اور عبد الملک بن عمیر کی طرف واضح اشارہ ہے اور اس طرز کی تعبیرات اہل علم پر مخفی نہیں]

علامہ ابن حزم محدثین کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے ان مدلسین کی فہرست بتاتے ہیں جن کی روایتیں باوجود تدلیس کے صحیح ہیں اور ان کی تدلیس سے صحت حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

منهم كان جلة أصحاب الحديث وأئمة المسلمين كالحسن البصري وأبي إسحاق السبيعي وقتادة بن دعامة وعمرو بن دينار وسليمان الأعمش وأبي الزبير وسفيان الثوري وسفيان بن عيينة.

(الاحکام لابن حزم ج 2، ص 141، 142 فصل من یلزم قبول نقلہ الاخبار)

اور اس میں یہی امام ابو اسحاق السبیعی بھی ہیں۔

امام سفیان بن سعید الثوری.... آپ کو محدثین کی ایک جماعت جن میں امام ابو سعید العلائی، علامہ ابن حجر، محدث ابن العجمی شامل ہیں، نے "طبقہ

ثانیہ" میں شمار کیا ہے۔(جامع التحصیل فی احکام المراسیل ص113، طبقات المدلسین ص64، التعلق الامین علی کتاب التبیین لاسماء المدلسین ص92)

نیز عصرِ حاضر میں الدکتور العواد الخلف اور سید عبدالماجد الغوری نے بھی امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کو مرتبہ / طبقہ ثانیہ میں شمار کیا ہے۔(روایات المدلسین للعواد الخلف ص170، التدلیس والمدلسون للغوری ص104)

خود علی زئی غیر مقلد کے "شیخ" بدیع الدین راشدی غیر مقلد نے بھی امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کو طبقہ ثانیہ میں شمار کیا ہے۔(جزء منظوم ص89)

اور محدثین نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ طبقہ ثانیہ کے مدلس کی روایت مقبول ہے، اس کی تدلیس صحت حدیث کے منافی نہیں۔

(التدلیس والمدلسون للغوری ص104، جامع التحصیل فی احکام المراسیل ص113، روایات المدلسین للعواد الخلف ص32)

(مزید دیکھیے قافلہ حق: جلد نمبر6 شمارہ نمبر3)

لہذا یہ روایت صحیح وحجت ہے اور امام ابو اسحاق السبیعی اور امام سفیان الثوری کے عن عن کی وجہ سے ضعف کا الزام لگانا باطل ہے۔

دلیل نمبر 12 :

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ خَلْفٍ عَنْ رَبِیْعٍ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ خَیْراً عَنْ اَبِی الْبَخْتَرِیِّ اَنَّهٗ کَانَ یُصَلِّیْ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ فِیْ رَمَضَانَ وَیُوْتِرُ بِثَلَاثٍ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2 ص285)

ترجمہ: حضرت ابوالبختری رحمہ اللہ رمضان شریف میں(نماز تراویح) پانچ ترویحے(بیس رکعات) اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

اعتراض:

غیر مقلدین نے لکھا:

یہ روایت اس وجہ سے ضعیف ہے کہ اس کے دوراویوں خلف اور ربیع دونوں کا تعین نامعلوم ہے۔ (ضرب حق: جولائی 2012ء از علیزئی)

جواب:

یہ اعتراض بھی چند وجوہ سے مردود ہے، اس لیے کہ:

اولاً... "خلف" راوی سے روایت کرنے والے امام شعبہ ہیں اور امام شعبہ کی عادت ہے کہ آپ ثقہ ہی سے راویت کرتے ہیں۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

من عرف من حاله أنه لا یروی عن ثقة فأنه إذا روی عن رجل وصف بکونه ثقة عنده کمالك وشعبة الخ.

(لسان المیزان: ج1 ص14)

کہ اگر کسی شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ اس کی عادت صرف ثقہ سے روایت کرنے کی ہے، پھر وہ کسی سے روایت کرتا ہے تو یہ شخص اس کے ہاں ثقہ تصور کیا جائے گا جیسے امام مالک اور امام شعبہ وغیرہ

خود غیر مقلدین کے ہاں بھی یہی اصول ہے کہ امام شعبہ اس راوی سے روایت لیتے ہیں جو ثقہ ہو اور اس کی احادیث صحیح ہوں۔

(القول المقبول فی شرح صلوۃ الرسول: ص386، نیل الاوطار: ج1 ص16)

جب خلف ثقہ ہے تو تعیین کی چنداں ضرورت نہیں۔ علاوہ ازیں غور کیا جائے تو خلف سے مراد خلف بن حوشب الکوفی ہیں جو چھٹے طبقہ کے ثقہ راوی ہیں۔(التقریب: ص194) اس پر دلیل یہ ہے کہ خلف بن حوشب الکوفی سے روایت کرنے والوں میں اول نام شعبہ بن الحجاج کا ملتا

ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر نے اس کا ذکر کیا ہے۔(دیکھیے تہذیب التہذیب:ج3ص129)

مزید تفصیل دیکھیے:اعلاء السنن للعثمانی:ج7ص77،ص78

ثانیاً....''ربیع'' کے بارے میں خود مصنف ابن ابی شیبہ کی سند میں صراحت ہے:''وَاَثْنٰی عَلَیْہِ خَیْراً'' جو خود اس راوی کی توثیق کی دلیل ہے۔ اس لیے اس کی تعیین کی ضرورت نہیں ہے۔

خلاصہ:اس صحیح السند روایت سے بیس رکعت تراویح ثابت ہے۔وللہ الحمد

دلیل نمبر13 :

قَالَ الْاِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُکَیْنٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ عُبَیْدٍ اَنَّ عَلِیَّ بْنَ رَبِیْعَۃَ کَانَ یُصَلِّیْ بِہِمْ فِیْ رَمَضَانَ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ وَّیُوْتِرُ بِثَلَاثٍ۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2ص285)

ترجمہ:حضرت علی بن ربیعہ رحمہ اللہ رمضان شریف میں لوگوں کو پانچ ترویحے (بیس رکعات نماز تراویح)اور تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

اعتراض:

غیر مقلدین نے لکھا:

''تابعی کے اس اثر سے استدلال کئی وجہ سے غلط ہے: 1 : یہ نہ تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے اور نہ کسی صحابی کا اثر ہے۔

2: تابعی مذکور سے یہ ثابت نہیں کہ بیس رکعات سنت موکدہ ہیں اور ان سے کم و زیادہ جائز نہیں۔(ضرب حق:جولائی 2012ء مضمون علیزئی)

جواب:

اولاً..... آثار تابعین سے استدلال کرنا جلیل القدر محدثین (اصلی اہلحدیث)کا طریقہ ہے بلکہ تبع تابعین کے آثار سے بھی محدثین استدلال کرتے ہیں۔سر دست امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے دو حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

1: وَقَالَ عَطَاءٌ آمِیْنَ دُعَاءٌ. (صحیح البخاری: ج1ص107)

کہ عطاء (تابعی) کہتے ہیں کہ آمین دعا ہے۔

2: وَصَافَحَ حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ ابْنَ الْمُبَارَکِ بِیَدَیْہِ. (صحیح البخاری: ج2ص926)

کہ حماد بن زید نے ابن المبارک سے دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔(یہ دونوں تبع تابعی ہیں)

لہذا غیر مقلدین کو چاہیے کہ ''آثار تابعین'' وغیرہ کو بلا وجہ رد کرنے سے باز رہیں اور ''اہلحدیث'' ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرکے عوام کو دھوکہ نہ دیں۔

ثانیاً..... فرقہ اہلحدیث کا یہ کہنا کہ ''تابعی مذکور سے یہ ثابت نہیں کہ بیس رکعات سنت موکدہ ہیں اور ان سے کم و زیادہ جائز نہیں'' سوائے شیطانی وسوسہ کے کچھ نہیں۔اس لیے کہ علی بن ربیعہ کا بیس رکعت پڑھانا ہی دلیل ہے کہ تراویح کی تعداد بیس رکعت ہی ہے۔اگر اس سے کم ہوتی تو راوی ضرور بیان فرماتے۔حیرت ہے غیر مقلدین کی عقل پر!!

تنبیہ:اگر غور سے دیکھا جائے تو غیر مقلدین کا یہ اعتراض اور روایات کو اس طرح رد کرنے کا طرز عمل انکار حدیث کا چور دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔اس لیے کہ احادیث میں کئی احکامات ایسے ہیں جو منقول تو ہیں لیکن صراحت سے یہ ثابت نہیں کہ ان سے کم و زیادہ جائز نہیں....تو کیا غیر مقلدین کے اصول کے تحت ان احادیث و احکام کا انکار کر دیا جائے؟!(معاذ اللہ)

دلیل نمبر14 :

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا اِبْنُ نُمَیْرٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ عَطَآءٍ قَالَ اَدْرَكْتُ النَّاسَ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ ثَلَاثًا وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2ص285)

ترجمہ: جلیل القدر تابعی حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے (صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ جیسے) لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے پایا ہے۔

اعتراض:

اس اثر میں لوگوں سے کون مراد ہیں؟؟ کوئی وضاحت نہیں اور عین ممکن ہے کہ تابعین مراد ہو اور بعض تابعین کا اختلافی عمل ادلہ اربعہ میں سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ (ضرب حق: جولائی 2012ء مضمون علیزئی)

جواب:

1: اس اثر میں حضرت عطاء بن ابی رباح ہیں جنہوں نے دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے۔

(نماز نبوی: ص124 تحقیق و تخریج زبیر علیزئی)

یقینی بات ہے کہ "لوگوں" سے مراد اس دور کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ ہیں، اور صحابہ و تابعین کا عمل حجت ہے۔

2: آل حدیث کا یہ کہنا ".... تابعین کا اختلافی عمل ادلہ اربعہ میں سے کوئی دلیل نہیں ہے۔" مردود ہے، اس لیے کہ ادلہ اربعہ میں سے دوسری دلیل "سنت" ہے، جس کی تعریف یہ ہے:

الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین. (کتب اصول)

کہ دین میں جاری طریقے کا نام سنت ہے۔

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کا عمل بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جاری عمل (20 رکعت) کا ایک تسلسل ہے جو یقیناً دلیل شرعی ہے۔ غیر مقلدین کا اسے دلیل نہ ماننا انتہائی شرمناک ہے۔

تنبیہ:

خود معترض (علیزئی صاحب) نے "القول المبین" (ص53) میں ایک روایت نقل کی جس کا ترجمہ خود اسی کے الفاظ میں یہ ہے:

"میں نے عکرمہ (تابعی) سے سنا وہ کہہ رہے تھے، میں نے لوگوں کو (ان مساجد میں) اس حال میں پایا کہ جب امام ﴿غیر المغضوب علیہم ولا الضالین﴾ کہتا تو لوگوں کے آمین کہنے سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔"

یہاں بھی لفظ "لوگوں" ہے لیکن علیزئی صاحب طوطے کی طرح آنکھیں بند کر کے یہاں سے گزر گئے اور یہ "فرمانے" کی زحمت گوارا نہ کی کہ "اس اثر میں لوگوں سے کون مراد ہیں؟؟ کوئی وضاحت نہیں اور عین ممکن ہے کہ تابعین مراد ہو اور بعض تابعین کا اختلافی عمل ادلہ اربعہ میں سے کوئی دلیل نہیں ہے۔"

واقعی اس قوم نے خیانت میں یہود کے بھی کان کاٹ دیے۔

دلیل نمبر 15:

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنِ الْحَارِثِ اَنَّهٗ كَانَ يَؤُمُّ النَّاسَ فِیْ رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ وَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2 ص285)

ترجمہ: حضرت حارث رحمہ اللہ لوگوں کو رمضان شریف میں بیس رکعات نماز (تراویح) اور تین وتر باجماعت پڑھاتے تھے اور (دعائے) قنوت (جو کہ وتر میں پڑھی جاتی ہے) رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

اعتراض:

آل حدیث نے لکھا:

1: یہ روایت ابو معاویہ الضریر، حجاج بن ارطاۃ اور ابو اسحاق مدلسین کے عن عن عن کی وجہ سے حارث الاعور سے ثابت نہیں۔

2: حارث اعور بذات خود جمہور کے نزدیک مجروح، نیز شیعہ اور بقول امام شعبی: کذاب تھا۔

(ضرب حق: جولائی 2012ء مضمون علیزئی)

جواب:

ہر شق کا جواب پیش خدمت ہے:

شق اول کا جواب:

اولاً... جمہور محدثین خصوصاً احناف کے نزدیک خیر القرون کی تدلیس مقبول ہے، موجب جرح نہیں۔

(قواعد فی علوم الحدیث: ص159، تجلیات صفدر: ج3 ص328)

ثانیاً...

(1) ابو معاویہ الضریر (م295ھ) کو حافظ ابن حجر نے دوسرے طبقہ میں شمار کیا ہے۔ (طبقات المدلسین ص73)

اور دوسرے طبقہ کی تدلیس موجب جرح نہیں ہے۔

(2) حجاج بن ارطاۃ (م145ھ) خیر القرون کے راوی ہیں جن کی تدلیس موجب جرح نہیں۔ (حوالہ گزر چکا ہے)

(3) ابو اسحاق السبیعی (م129ھ) کی تدلیس کسی بھی کتاب میں موجب جرح نہیں۔ (ابو اسحاق السبیعی کے بارے میں دلیل نمبر 11 پر اعتراض کے جواب کے ذیل میں تفصیل سے کلام گزر چکا ہے)

ان حقائق کی روشنی میں عنعنہ کی وجہ سے روایت کے ضعف اور عدم ثبوت کا الزام مردود ہے۔

شق دوم کا جواب:

حارث اعور پہ بعض محدثین کی جو جرح منقول ہے اس میں سے بعض خلافِ واقع ہے اور بعض کا تعلق روایت حدیث سے نہیں بلکہ محض رائے اور فہم سے ہے۔ چنانچہ حارث اعور کے متعلق چند باتیں پیش خدمت ہیں:

اول:

حارث اعور کی تعدیل و توثیق ان حضرات نے کی ہے:

1: امام یحییٰ بن معین (قال): الحارث الاعور قد سمع من ابن مسعود. هو الحارث بن عبدالله، ليس به باس. کہ حارث اعور نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایات سنی ہیں، یہ حارث بن عبد اللہ ہے۔ یہ لاباس بہ ہے۔ ("لاباس بہ" کلمہ توثیق ہے)

(تاریخ ابن معین رقم 1427۔1751)

2: الدارمی عن ابن معین: وسالته: ای حال الحارث فی علی؟ فقال: ثقة. کہ میں نے ابن معین سے حارث کا حال پوچھا تو فرمایا: ثقہ ہے۔

(تاریخ الدارمی: رقم 233)

3: النسائی(قال):لیس بہ باس۔(سیر اعلام النبلاءج4ص153)

4:الذھبی(قال) :وکان من اوعیة العلم۔کہ حارث اعور علم کا سرچشمہ تھے۔(میزان الاعتدال للذھبی ج1ص437)

5:محمد بن سیرین(قال): کان من اصحاب ابن مسعود خمسة یوخذ عنھم ، ادرکت منھم اربعة وفاتنی الحارث فلم ارہ، وکان یفضل علیھم وکان احسنھم۔ کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے پانچ شاگردوں سے (ابن مسعود کا) علم حاصل کیا جاتا ہے، ان میں سے چار سے میں علم حاصل کر چکا ہوں لیکن حارث (اعور) سے میری ملاقات نہ ہو سکی، حارث ان چار پر فضیلت رکھتے تھے اور ان سے بہتر تھے۔

(میزان الاعتدال ج1ص438)

6:ابن حبان:اخرج عنہ فی صحیحہ۔ ان سے اپنی صحیح میں روایت لی ہے۔(صحیح ابن احبان: رقم3252)

تنبیہ :معترض زبیر علی زئی کے نزدیک ابن حبان کا تخریج کرنا دلیل صحت ہے۔ (المقول المتین:ص25)

دوم:

زئی صاحب نے کہا:(حارث اعور)بقول امام شعبی:کذاب تھا۔

عرض ہے کہ زئی صاحب نے امام شعبی کا قول نقل تو کیا لیکن اس کا مطلب و مفہوم چھٹی کا دودھ سمجھ کر پی گئے ہیں۔ لیجیے! ہم اس کا واضح مطلب محدثین کے بیانات کی روشنی میں عرض کرتے ہیں۔ علامہ ابن شاہین اپنی کتاب "تاریخ اسماء الثقات" میں نقل کرتے ہیں:

وقال أحمد بن صالح الحارث الاعور ثقة ما احفظه وأحسن ما روى عن علي واثنى عليه... قيل لاحمد بن صالح فقول الشعبي حدثنا الحارث وكان كذابا فقال: لم يكن يكذب في الحديث إنما كان كذبه في رأيه. (تاریخ اسماء الثقات: ص71، ص72)

کہ احمد بن صالح نے فرمایا: حارث اعور ثقہ تھے اور قوی حافظہ کے مالک تھے۔ احمد بن صالح نے حارث اعور کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایات کی تعریف و تحسین کی۔ احمد بن صالح سے پوچھا گیا کہ شعبی تو حارث اعور کو کذاب کہتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا: حدیث بیان کرے میں وہ کذاب نہیں تھے بلکہ وہ جو بات اپنی رائے سے کہتے تھے کذب کی نسبت اس رائے کی طرف ہے۔

امام شعبی کے قول کا یہی مطلب ان حضرات نے بھی بیان کیا ہے:

☆ حافظ ابن عبد البر المالکی (م463ھ).... [حاشیۃ موارد الظمآن بتحقیق حسین سلیم اسد: ج4ص43]

☆ حافظ شمس الدین الذہبی (م748ھ)... [سیر اعلام النبلاء: ج4ص153]

☆ حافظ ابن حجر (م852ھ)... [تقریب التہذیب: رقم الحدیث1029]

رائے میں نسبت کذب کو روایت میں کذب بنا کر پیش کرنا علی زئی جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔ اللہ تعالیٰ خیانت سے محفوظ فرمائے۔

سوم:

بقول علی زئی حارث اعور شیعہ ہے۔ لہذا روایت مردود ہے

عرض ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں:

1: بدعت مکفرہ (کافر بنا دینے والی بدعت)

2: بدعت مفسقہ (فاسق بنا دینے والی بدعت)

اگر کوئی شخص دین کے ضروری اور فطری امور کا انکار کر دیتا ہے جو تواتر سے ثابت ہوں یا ان کے برعکس اعتقاد رکھتا ہو تو یہ "بدعت مکفرہ" ہے۔ جس راوی میں یہ صفت ہو تو اس کی روایت جمہور کے ہاں مردود ہوتی ہے۔ (نزھۃ النظر: ص232 وغیرہ)

اگر کوئی شخص ایسی بدعت کا مرتکب ہو جو اس کو فاسق بنا دیتی ہے تو اس کی روایت قابل قبول ہو گی بشرطیکہ وہ عادل و ضابط ہو اور اپنی

بدعت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو اور نہ ایسی روایت بیان کرتا ہو جو اس کی بدعت کو تقویت دیتی ہو۔(مقدمۃ ابن الصلاح: ص103، ھدی الساری: ص385 وغیرہ)

اس تفصیل کی روشنی میں عرض ہے کہ تشیع کی دو قسمیں ہیں:

1: تشیع بلا غلو

2: تشیع مع الغلو (جس کو رفض کامل بھی کہتے ہیں)

قسم اول کی روایت صدق وامانت کے ساتھ مقبول ہے کیونکہ یہ راوی اس بدعت کے ساتھ ساتھ نیک، صادق اللہجہ اور دین دار ہوتے ہیں۔ اسے بدعت صغریٰ بھی کہتے ہیں۔ اس قسم کو راویوں کی روایات مقبول ہوتی ہیں۔ چنانچہ علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

فھذا کثیر فی التابعین وتابعیھم مع الدین والورع والصدق، فلو رد حدیث ھؤلاء لذھب جملة من الآثار النبویة، وھذہ مفسدة بینة. (سیر اعلام النبلاء: ج4 ص153)

یہ قسم بہت سے تابعین اور تبع تابعین میں پائی جاتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ ان حضرات میں دین داری، عبادت وریاضت اور صدق کی صفات پائی جاتی ہیں۔ اگر ان کی حدیث کو رد کر دیا جائے تو تمام آثار نبویہ جاتے رہیں گے اور یہ بہت بڑا مفسدہ ہے۔

چنانچہ "ابان بن تغلب الکوفی" کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

أبان بن تغلب الکوفی شیعی جلد، لکنه صدوق، فلنا صدقه وعلیه بدعته وقد وثقه أحمد بن حنبل، وابن معین، وأبو حاتم. (سیر اعلام النبلاء: ج4 ص153)

کہ ابان بن تغلب کوفی شیعی تو ہے لیکن سچا ہے۔ ہمیں اس کا سچا ہونا مبارک اور اس کو اس کا بدعتی ہونا مبارک۔ اس کو احمد بن حنبل، ابن معین اور ابو حاتم الرازی نے "ثقہ" قرار دیا ہے۔

جبکہ کچھ رواۃ اس کے برعکس ہوتے ہیں اور جھوٹ بولنا اور تقیہ کرنا ان کے نزدیک جزو ایمان ہوتا ہے اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی گستاخی ان کی رگ رگ میں بسی ہوتی ہے۔ اسے بدعت کبریٰ کہتے ہیں اور اس قسم کے راویوں کی روایت مردود ہے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

فھذا النوع لا یحتج بھم ولا کرامة. (سیر اعلام النبلاء: ج4 ص153)

کہ اس قسم کے راویوں کی روایت کو ہرگز دلیل نہیں بنایا جا سکتا اور نہ یہ لوگ کسی عزت واحترام کے مستحق ہیں۔

حارث اعور پر جو الزام تشیع ہے وہ قسم اول کا ہے جس کی روایت صدق وامانت کی شرائط کے ساتھ مقبول ہوتی ہے۔ اس کے متعلق محدثین کے توثیقی کلمات ماقبل میں گزر چکے ہیں۔ اگر یہ تشیع میں غالی، جھوٹا اور تقیہ باز ہوتا (معاذ اللہ) تو محدثین اس کی توثیق ہرگز نہ فرماتے۔

نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ شیعہ تراویح کے سرے سے منکر ہیں۔ اگر یہ راوی غالی اور مردود الروایۃ شیعہ ہوتا تو تراویح کے خلاف روایت کرتا جبکہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ یہ بھی قوی دلیل ہے کہ یہ مردود الروایہ نہیں بلکہ مقبول الروایہ ہے۔

الزام تشیع کی تفصیلی تردید کے لیے دیکھیے: حاشیۃ موارد الظمان بتحقیق حسین سلیم اسد الدارانی: ج4 ص45 تا ص48

لہٰذا زئی صاحب کا اس کو شیعہ قرار دے کر روایت کو رد کرنا اصلاً مردود ہے۔

خلاصہ کلام:

ان تین باتوں کی روشنی میں تحقیقی فیصلہ یہ ہے کہ حارث اعور پر بعض لوگوں کی جرح ہے لیکن جید حضرات کی توثیق بھی ثابت ہے۔ الزام کذب فی الروایۃ غلط ہے اور الزام تشیع بھی ایسا نہیں کہ ان کی روایت کو رد کر دیا جائے۔ لہٰذا یہ حسن الحدیث راوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ درج ذیل حضرات نے اس کی روایت کو "صحیح" یا کم از کم "حسن" قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

1: ناصر الدین الالبانی: الحارث الاعور سے مروی ایک روایت کی سند کو "صحیح" قرار دیا ہے۔ (سنن ابی داؤد باحکام الالبانی: تحت ح2079)

2: شعیب الارنؤوط: اس سے مروی ایک روایت کی سند کو "صحیح" قرار دیا ہے۔ (صحیح ابن حبان بتحقیق الارنؤوط: تحت ح3252)

3: حسین سلیم اسد الدارانی: اس سے مروی روایات کی سند کو "حسن" قرار دیا ہے۔ (حاشیۃ موارد الظمأن: ج4 ص43، سنن الدارمی: ج1 ص235)

4: ابو یوسف محمد بن حسن المصری: اس سے مروی ایک روایت کی سند کو "حسن" قرار دیا ہے۔ (حاشیۃ مسانید ابی یحییٰ فراس بن یحییٰ: ص87)

لہٰذا یہ روایت صحیح یا کم از کم حسن درجہ کی ہے اور اس سے بیس رکعت تراویح ثابت ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین.



تراویح کا مسئلہ متنازع نہ بنایا جائے

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

تراویح کا مسئلہ......متنازع نہ بنایا جائے

مولانا محمد الیاس گھمن مدظلہ

رمضان مقدس کا مہینہ عالم روحانیت کا موسم بہار ہے اس کی مخصوص عبادات میں دن کا روزہ اور رات کا قیام یعنی نماز تراویح بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کی برکات کا یہ عالم ہے کہ اس میں ایک نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر کر دیا جاتا ہے۔

(مشکوۃ المصابیح ج1 ص173)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ماہ مبارک میں کثرت سے عبادت فرماتے تھے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں: ''جب رمضان المبارک آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمر ہمت کس لیتے اور اپنے بستر پر تشریف نہ لاتے۔ یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا۔''

(شعب الایمان ج 3ص310)

آخری دس دنوں کے متعلق فرماتی ہیں: ''آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم آخری دس دنوں میں جو کوشش فرماتے وہ باقی دنوں میں نہ فرماتے تھے۔''

(صحیح مسلم ج1 ص372)

اس لئے اس ماہ میں جتنی بھی زیادہ سے زیادہ عبادت ہو سکے پوری ہمت اور کوشش سے کرنی چاہئے۔ لیکن بدقسمتی سے عقل وخرد سے تہی دامن اور دلائل و براہین سے نا آشنا ایک قوم نام نہاد ''اہل حدیث'' اہل اسلام کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے کی غرض سے اس مقدس ماہ میں بھی اپنی اوٹ پٹانگ حرکتوں سے باز نہیں آتی۔ اہل اسلام میں ایک خلجان پیدا کر دیتے ہیں عوام الناس کو یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ تراویح 8 رکعات ہیں 20 رکعات تراویح کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور کتب حدیث کے اردو تراجم بغلوں میں دابے یہ فتنہ پرور لوگ گلی گلی اور قریہ قریہ گشت شروع کر دیتے ہیں۔ اس لیے راقم نے یہ ضرورت محسوس کی کہ اہل السنّت والجماعت کے اس مسئلہ میں دلائل کو قلمبند کر دے ان دنوں بندہ اپنی کتاب ''نماز اہل السنّت'' کو مکمل کرنے میں مصروف ہے جو ان شاءاللہ العزیز بہت جلد زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ جائے گی اپنی اسی کتاب ''نماز اہل السنّت'' میں ایک باب ''تراویح'' کا بھی ترتیب دیا ہے اسی کا اختصار پیش کرنے لگا ہوں۔

قیام رمضان یعنی نماز تراویح آپ علیہ السلام نے بیس رکعت ادا فرمائی ہیں اس پر حضرات خلفاء راشدین، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین عظام، ائمہ مجتہدین، حضرات مشائخ رحمہم اللہ وغیرہ عمل پیرا رہے۔ بلاد اسلامیہ میں چودہ سو سال اسی پر عمل ہوتا رہا ہے اور امت مسلمہ کا اسی پر اجماع واتفاق ہے۔ چند احادیث وآثار اور فقہاء امت کی تصریحات نقل کی جاتی ہیں جو اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک عمل:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام رمضان بیس رکعت فرمایا کرتے تھے۔

1- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خرج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات لیلۃ فی رمضان فصلی الناس اربعۃ وعشرین رکعۃ واوتر بثلاثۃ.

(تاریخ جرجان للسھمی ص 142)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں ایک رات تشریف لائے اور لوگوں کو چار (فرض) بیس رکعت (تراویح) اور تین وتر پڑھائے۔

2- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ **ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر.**

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2ص286)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعت (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل:

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور مبارک میں تراویح بیس رکعت ہی پڑھی جاتی رہی ہیں۔ تصریحات پیش خدمت ہیں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مبارک دور:

1- عن ابی بن کعب رضی الله عنه ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه امر ابی بن کعب ان یصلی باللیل فی رمضان فقال: ان الناس یصومون النهار ولا یحسنون ان یقرئوافلو قرأت القرآن علیهم باللیل...... فصلی بهم عشرین رکعة.

(مسند احمد بن منیع بحواله اتحاف الخیرة المهره للبوصیری علی المطالب العالیه ج 2ص424)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم دیا کہ رمضان کی راتوں میں نماز پڑھائیں۔ چنانچہ فرمایا کہ لوگ سارا دن روزہ رکھتے ہیں اور قرات اچھی طرح نہیں کر سکتے۔ اگر آپ رات کو انہیں (نماز میں) قرآن سنائیں تو بہت اچھا ہوگا۔ پس حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے انہیں بیس رکعتیں پڑھائیں۔

2- عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة قال وکانوا یقرون بالمئتین وکانوا یتوکؤن علی عصیهم فی عهد عثمان بن عفان رضی الله عنه من شده القیام.

(السنن الکبری للبیهقی ج 2ص496)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں (صحابہ کرام باجماعت) بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور (قاری صاحبان) سوسو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور لوگ لمبے قیام کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں لاٹھیوں کا سہارا لیتے۔

3- وروی مالک من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید عشرین رکعة.

(فتح الباری لابن حجر ج 4ص321 نیل الاوطار للشوکانی ج2 ص514)

موطا امام مالک میں یزید بن خصیفہ کے طریق سے سائب بن یزید کی روایت کی ہے کہ عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح تھیں۔

4- قال محمد بن کعب القرظی کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعة.

(قیام اللیل للمروزی ص 157)

حضرت محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ (جو جلیل القدر تابعی ہیں) فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

5- عن یزید بن رومان انه قال :کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة.

(موطا امام مالک ص 98)

یزید بن رومان کہتے ہیں کہ لوگ (صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تئیس رکعتیں پڑھتے تھے (بیس تراویح اور تین وتر)

6- عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلاً یصلی بهم عشرین رکعته.

(مصنف ابن ابی شیبه ج 2ص285)

یحیی بن سعید کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے۔

7- عن الحسن ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس علی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فی قیام رمضان فکان یصلی بهم عشرین رکعة.

(سنن ابی داؤد ج1 ص211 باب القنوت الوتر)

حضرت حسن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر جمع فرمایا۔ وہ لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھاتے تھے۔

8- عن ابی بن کعب رضی الله عنه ان عمر امر ابیا ان یصلی بالناس فی رمضان... .. فصلیٰ بهم عشرین رکعة.

(الاحادیث المختاره للمقدسی ج 3ص367 رقم الحدیث1161)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم دیا کہ رمضان میں لوگوں کو نماز پڑھائیں تو آپ نے انہیں بیس رکعات پڑھائیں۔

9- عن السائب بن يزيد قال : كان القيام على عهد عمر ثلاثة وعشرين ركعة.

(مصنف عبد الرزاق ج 4ص201 حديث نمبر7763)

حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تین رکعت (وتر) اور بیس رکعت (تراویح) پڑھی جاتی تھیں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا مبارک دور

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی تراویح بیس رکعت ہی پڑھی جاتی تھی جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تھیں۔ چنانچہ حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں:

كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضى الله عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة قال وكانوا يقرئون وكانوا يتوكون على عصيهم فى عهد عثمان بن عفان رضى الله عنه من شدة القيام.

(السنن الكبرى للبيهقي ج 2ص496)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور مبارک میں (صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ) بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے اور قاری سوسو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور لوگ لمبے قیام کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا مبارک دور:

آپ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی تراویح بیس رکعت ہی پڑھی جاتی ہیں۔ درج ذیل روایات سے یہ بات واضح معلوم ہوتی ہے۔

1- حدثنى زيد بن على عن ابيه عن جده عن على انه امر الذى يصلى بالناس صلاة القيام فى شهر رمضان ان يصلى بهم عشرين ركعة. يسلم فى كل ركعتين و يراوح ما بين كل اربع ركعات فير جع ذو الحاجة و يتوضاء الرجل وان يوتربهم من آخر الليل حين الانصراف.

(مسند امام زيد ص 159.158)

امام زید اپنے والد امام زید العابدین سے وہ اپنے والد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس امام کو رمضان میں تراویح پڑھانے کا حکم دیا اسے فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے، ہر دو رکعت پر سلام پھیرے۔ ہر چار رکعت کے بعد اتنا آرام کا وقفہ دے کہ حاجت والا فارغ ہوکر وضو کرلے اور سب سے آخر میں وتر پڑھائے۔

2- عن ابى الحسناء ان عليا امر رجلا يصلى بهم فى رمضان عشرين ركعة . (مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص285)

حضرت ابوالحسناء سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھائے۔

3- عن ابى عبد الرحمن السلمى عن على رضى الله عنه قال دعا القراء فى رمضان فامر منهم رجلا يصلى بالناس عشرين ركعة وكان على يوتربهم.

(السنن الكبرى للبيهقي ج 2ص496)

حضرت ابوعبدالرحمٰن السلمی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں قاریوں کو بلایا۔ پھر ان میں سے ایک قاری کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خود انہیں وتر پڑھاتے تھے۔

دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کا عمل:

حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام رحمہم اللہ سے بھی بیس رکعت تراویح ہی منقول ہے۔ ذیل میں چند شخصیات کا عمل پیش کیا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے بیس رکعت تراویح پڑھی یا پڑھائی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

حضرت زید بن وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **كان ابن مسعود رضى الله عنه يصلى بنا فى شهر رمضان فينصرف وعليه ليل قال الاعمش: كان يصلى عشرين ركعة ويوتر بثلاث.**

(قيام الليل للمروزى ص 157)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں ہمیں تراویح پڑھاتے تھے اور گھر لوٹ جاتے تو رات ابھی باقی ہوتی تھی۔ حدیث کا راوی اعمش فرماتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ:

حضرت حسن بصری حضرت عبدالعزیز بن رفیع رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ **كان ابی بن كعب رضی الله عنه يصلی بالناس فی رمضان بالمدينة عشرين ركعة ويوتر بثلاث.**

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2ص285)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ:

جلیل القدر تابعی ہیں۔ دوسو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے، فرماتے ہیں: **ادركت الناس وهم يصلون ثلاثا وعشرين ركعة بالوتر.**

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2ص285)

میں نے لوگوں (صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ حضرات) کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے پایا ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ:

آپ اہل کوفہ کے مشہور و نامور مفتی ہیں، آپ فرماتے ہیں: **ان الناس كانوا يصلون خمس ترويحات فی رمضان.**

(كتاب الآثار بروايت ابی يوسف ص41)

لوگ رمضان میں پانچ ترویحے (بیس رکعت) پڑھتے تھے۔

حضرت شُتیر بن شکل رحمہ اللہ:

نامور تابعی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، آپ کے بارے میں ہے۔

عن شتير بن شكل وكان من اصحاب علی رضی الله عنه انه كان يومهم فی شهر رمضان بعشرين ركعة ويوتر بثلاث .

(السنن الكبرىٰ للبيهقی ج 2ص 496)

حضرت شتیر بن شکل رحمہ اللہ جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ہیں، لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔

حضرت ابوالبختری رحمہ اللہ:

اہل کوفہ میں اپنا علمی مقام رکھتے تھے۔ آپ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ وغیرہ کے شاگرد ہیں۔ آپ کے بارے میں روایت ہے۔ **انه كان يصلی خمس ترويحات فی رمضان ويوتر بثلاث.**

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2ص285)

آپ رمضان میں پانچ ترویحے (یعنی بیس رکعت) اور تین وتر پڑھتے تھے۔

حضرت سوید بن غفلۃ رحمہ اللہ:

آپ مشہور تابعی ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کی زیارت کی ہے اور ان سے روایت لی ہے۔ آپ کے بارے میں ابوالخصیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

كان يؤمنا سويد بن غفلة فی رمضان فيصلی خمس ترويحات عشرين ركعة.

(السنن الكبری للبيهقی ج 2ص496)

حضرت سوید بن غفلہ رحمہ اللہ ہمیں رمضان میں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

حضرت ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ:

جلیل القدر تابعی ہیں۔ تیس صحابہ رضی اللہ عنہم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ رحمہ اللہ کے متعلق نافع بن عمر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

کان ابن ابی ملیکة یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعة. (مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص285)

حضرت ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ ہمیں رمضان میں بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ:

آپ کبار تابعین میں سے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ سے روایات لی ہیں اہل کوفہ میں علمی مقام رکھتے تھے۔ حجاج بن یوسف نے ظلماً قتل کیا تھا۔ آپ کے متعلق اسماعیل بن عبدالملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کان سعید بن جبیر یؤمنا فی شهر رمضان فکان یقرء بقراء تین جمعیا، یقرء لیلة بقراء ة ابن مسعود فکان یصلی خمس ترویحات.

(مصنف عبد الرزاق ج 4ص204)

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ رمضان کے مہینہ میں ہماری امامت کرواتے تھے۔ آپ دونوں قرائتیں پڑھتے تھے ایک رات ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات پڑھتے اور دوسری رات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قرات آپ پانچ ترویحے (یعنی بیس رکعت) پڑھتے تھے۔

حضرت علی بن ربیعہ رحمہ اللہ:

آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ وغیرہ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ حضرت سعید بن عبید رحمہ اللہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: **ان علی بن ربیعة کان یصلی بهم فی رمضان خمس ترویحات و یوتر بثلاث .**

(مصنف ابن ابی شیبه ج2 ص285)

حضرت علی بن ربیعہ رحمہ اللہ رمضان مبارک میں پانچ ترویحے (یعنی بیس رکعت) اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔

حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ:

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک سنتوں اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مقدس طریقوں کی تدوین جس جامعیت اور تفصیل کے ساتھ حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے فرمائی یہ مقام امت میں کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ اسی لئے پوری امت ان ہی کی رہنمائی میں پاک سنتوں پر عمل کر رہی ہے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ بھی بیس رکعت تراویح کے قائل تھے۔ تفصیل پیش خدمت ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ:

1- علامہ ابن رشد رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب ''بدایۃ المجتہد'' میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں قیام رمضان بیس رکعت ہے۔

(بداية المجتهد ج 1 ص 214)

2- امام فخر الدین قاضی خان حنفی رحمہ اللہ اپنے فتاوی میں رقمطراز ہیں:

عن ابی حنفیة قال القیام فی شهر رمضان سنة ..... کل لیلة سوی الوتر عشرین رکعة خمس ترویحات.

(فتاوی قاضی خان ج1 ص12 1)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رمضان میں ہر رات بیس رکعت یعنی پانچ تراویح وتر کے علاوہ پڑھنا سنت ہے۔

امام مالک بن انس رحمہ اللہ:

امام مالک رحمہ اللہ نے ایک قول کے مطابق بیس رکعت تراویح کو مستحسن کہا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن رشد مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واختار مالک فی احد قولیه..... القیام بعشرین رکعة.

(بداية المجتهد ج 1ص214)

امام مالک رحمہ اللہ نے ایک قول میں بیس رکعت تراویح کو پسند کیا ہے۔ دوسرا قول چھتیس رکعت کا ہے جن میں بیس رکعت تراویح اور سولہ رکعات نفل تھی۔

امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ:

1- آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **احب الی عشرون ...... وکذلک یقومون بمکة.**

(قیام اللیل ص 159)

مجھے بیس رکعت تراویح پسند ہے، مکہ میں بھی بیس رکعت ہی پڑھتے ہیں۔

2- دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

وھکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة.

(ترمذی ج1 ص 166)

میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھتے پایا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

فقہ حنبلی کے ممتاز ترجمان امام ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمختار عند ابی عبد اللہ فیھا عشرون رکعة و بھذا قال الثوری و ابو حنیفة والشافعی رحمھم اللہ.

(المغنی لابن قدامہ ج 1ص802)

امام ابوعبداللہ (احمد بن حنبل رحمہ اللہ) کے نزدیک مختار اور راجح بیس رکعت تراویح ہے۔ اور امام ثوری رحمہ اللہ، امام ابوحنفیہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی بیس رکعت ہی کے قائل ہیں۔

حضرات مشائخ عظام رحمہم اللہ تعالی:

امت مسلمہ میں جو مشائخ گزرے ہیں ان کا عمل واخلاق، کردار اور سیرت اس امت کے لئے مشعل راہ ہے۔ ان کی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو وہ بھی بیس رکعت پر عمل پیرا نظر آتے ہیں جو یقیناً بیس رکعت قیام رمضان کی دلیل ہے۔ چند مشہور مشائخ عظام کی تصریحات پیش خدمت ہیں۔

شیخ ابوحامد محمد غزالی رحمہ اللہ:

آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **التراویح وھی عشرون رکعة وکیفیتھا مشھورة وھی سنة موکدة.**

(احیاء العلوم ج 1ص132)

تراویح بیس رکعتیں ہیں جن کا طریقہ معروف ومشہور ہے اور یہ سنت موکدہ ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ:

آپ اپنی مشہور کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں تراویح سے متعلق فرماتے ہیں: **صلوة التراویح سنة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وھی عشرون رکعة.**

(غنیة الطالبین ص268.267)

صلوۃ تراویح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے اور یہ بیس رکعت ہے۔

شیخ امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ:

مشہور محدث، فقیہ اور سلسلہ تصوف میں ایک خاص مقام کے مالک تھے۔ اپنی مشہور زمانہ کتاب ''**المیزان الکبری**'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''**التراویح فی شھر رمضان عشرون رکعات.**''

(المیزان الکبری ص 153)

صلوۃ تراویح رمضان المبارک میں بیس رکعات ہے۔

مسنون نمازِ تراویح

مع "8 رکعت مسنون تراویح پر اکابر علماء احناف کی شہادت" کی حقیقت

"تراویح" کے سلسلے میں غیر مقلدین کے متضاد مواقف

"غیر مقلدین کے سحر وافطار، صدقۂ فطر اور جمعہ کے دن کی عید" کی حقیقت

مولف

پروفیسر مولانا ہلال احمد

رابطہ علماء اہل سنت والجماعت (الہند)

و ایڈیٹر: اخبار "ترجمان شریعت"

مالیگاؤں 423203، ضلع ناسک، مہاراشٹر، الہند

ناشر: مجلس علمیہ آندھرا پردیش وتلنگانہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تراویح

ماہِ رمضان میں عشاء کی نماز کے بعد ایک نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے جسے تراویح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ایک زائد نماز ہے۔

احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ غرض پوری امت محمدیہ تراویح کی نماز کے مسنون ہونے کی قائل ہے سوائے روافض کے، گویا فی زمانہ تراویح کی نماز کے سلسلہ میں تین مواقف ہیں:

① روافض سرے سے نماز تراویح ہی کا انکار کرتے ہیں۔

② غیر مقلدین بھی نماز تراویح کا انکار کرتے ہیں سوائے اُن کے ایک فرقہ اہل حدیث کے۔ فرقہ اہل حدیث بھی دراصل تراویح کا منکر ہے، کیونکہ وہ تراویح کو ایک زائد نماز نہیں مانتا بلکہ وہ تاویل کرتا ہے کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے۔ اور اس میں بھی دو گروہ ہیں، ایک گروہ روزانہ تراویح کو مسنون مانتا ہے اور دوسرا چند دن تراویح کی جماعت کا قائل ہے اور روزانہ کا منکر ہے۔

③ احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ غرض جمہور امت ماہ رمضان میں روزانہ بیس رکعات نماز تراویح کے سنت ہونے کے قائل ہیں۔

بیس رکعات پر عملاً اجماع

خلیفہ راشد حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانہ سے حدوث اہل حدیث (فرقہ اہل حدیث کے پیدا ہونے) تک جمیع اہل سنت والجماعت کا معمول تھا کہ:

(۱) پوری امت (سوائے روافض) ماہ رمضان میں روزانہ تراویح باجماعت ادا کرتی رہی۔

(۲) تراویح کی نماز بالاتفاق بیس رکعات تھی۔ تقریباً بارہ سو سال سے زائد عرصہ تک امت کا اس بیس رکعات پر عملاً اجماع رہا ہے نہ کوئی محدث، نہ کوئی فقیہ، اور نہ کوئی عالم آٹھ رکعات تراویح پڑھتا تھا، نہ اس کا مطالبہ کرتا تھا اور نہ ہی، کسی کا یہ موقف رہا ہے کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے (حالانکہ وہ تمام روایات احادیث کی کتابوں میں موجود تھیں جن کا حوالہ دے دے کر آج غیر مقلدین آٹھ رکعات کا دعویٰ کرتے ہیں)۔ بلکہ حدوث اہل حدیث (فرقہ اہل حدیث کے پیدا ہونے) سے کچھ عرصہ بعد تک خود یہ غیر مقلدین بھی بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔

(ملاحظہ ہو غیر مقلدین علماء کے ابتدائی فتاوے)

(۳) زمانۂ فاروقی سے حدوث اہل حدیث تک دنیا کی کسی ایک مسجد کا نام بھی نہیں پیش کیا جا سکتا جہاں آٹھ رکعات تراویح کا معمول ہو۔

گویا زمانۂ فاروقی سے حدوث اہل حدیث تک (تقریباً بارہ سو سال سے زائد عرصہ تک) بیس رکعات تراویح پر امت کا عملاً اجماع رہا ہے اور حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے ”میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی“۔

جدید انکشافات

اپنی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد غیر مقلدین کو جدید انکشافات ہوئے کہ بارہ سو سال سے زائد عرصہ تک امت جو کرتے آئی ہے اور خود ان (غیر مقلدین) کا بھی جو عمل تھا وہ غلط تھا۔ صحیح یہ ہے کہ:

(۱) تہجد اور تراویح کی نماز ایک ہے۔

(۲) سال بھر تہجد کی نماز ”نفل“ ہے اور ماہِ رمضان میں ”سنت“ ہو جاتی ہے۔

(۳) تراویح کی نماز کی رکعات ”آٹھ“ ہیں۔

جدید انکشافات کی حقیقت

انکارِ تراویح کا نیا روپ

تراویح کے سلسلہ میں احادیث کی کتابوں میں صحیح روایات منقول ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات صحابہ کرام کو تراویح کی نماز پڑھائی اور یہ بھی منقول ہے کہ امت پر تراویح فرض نہ ہو جائے اس کے اندیشہ سے امت پر رحم کرتے ہوئے آگے نہ پڑھائی۔ اس کے بعد امت کا معمول یہ تھا کہ کسی قرآن پڑھنے والے کے پیچھے تراویح کی نماز پڑھتے۔ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری باب فضل من قام رمضان وغیرہ)

تاریخ الخلفاء میں ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے سنہ ۱۵ ھ میں تراویح کی جماعت ایک امام کے پیچھے شروع کرائی۔ احادیث کی کتابوں میں سند کیساتھ روایات موجود ہیں کہ تراویح کی جماعت میں بیس رکعات پڑھی جاتی تھیں (روایات آگے آرہی ہیں)۔ نیز یہی بیس رکعات کا معمول حضرت عثمان غنی ؓ، حضرت علی مرتضیٰ ؓ، اور اس کے بعد سے آج تک جاری ہے۔ حرمین شریفین میں آج بھی بیس رکعات تراویح کی جماعت ہوتی ہے۔

فضیلۃ الشیخ عطیہ محمد سالم القاضی بالمحکمۃ الکبریٰ بالمدینۃ المنورہ جو مسجد نبوی میں مدرس ہیں انہوں نے ایک رسالہ التراویح اکثر من الف عام فی مسجد النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے لکھا ہے کہ اور انہوں نے اس میں ثابت کیا ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک ہزار سال سے زائد عرصہ سے تراویح کی بیس رکعات کی جماعت جاری ہے۔ اسی طرح جامعۃ ام القریٰ مکۃ المکرمۃ سے ایک رسالہ الھدی النبوی الصحیح فی الصلوٰۃ التراویح کے نام سے شائع ہوا جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حرم مکہ بیت اللہ میں دور فاروقی سے آج تک تراویح کی بیس رکعات جماعت جاری ہے۔ غرض خلیفہ راشد ثانی حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانہ سے اس کا معمول رہا ہے کہ ماہِ رمضان کی راتوں میں روزآنہ بیس رکعت با جماعت نماز پڑھی جاتی رہی۔ سوائے روافض کے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

لیکن ایک نوزائدہ فرقہ غیر مقلدین کے ایک شخص عبداللہ روپڑی جو چینیاں والی مسجد لاہور کا امام تھا اور جو بعد میں فرقۂ منکرین حدیث کا بانی ہوا اس نے ایک رسالہ "القول الفصیح" میں ایک مضمون لکھا جس میں جمیع اہلسنت والجماعت کے موقف کے خلاف ''تراویح'' کو ایک زائد نماز تسلیم کرنے کی بجائے یہ لکھا کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے اور یہ دعویٰ کیا کہ تراویح کی نماز آٹھ رکعات ہے۔فرقۂ منکرین حدیث کے بانی کے اس دعویٰ کو جو دراصل انکارِ تراویح کا نیا روپ ہے، خود غیر مقلدین نے ماننے سے انکار کر دیا اور اس کے خلاف مضامین اور فتاوے لکھے۔ یہ فتاوے فرقۂ اہل حدیث کے علماء کی کتابوں میں آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں (مثلاً فتاویٰ ثنائیہ وغیرہ)۔لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ غیر مقلدین کا وطیرہ ہی اجماع کی مخالفت اور امت کے ''معمول'' کا ترک ہے۔ چنانچہ مخالفت کے باوجود غیر مقلد عالم محمد حسین بٹالوی صاحب نے ۱۲۹۰ھ میں آٹھ رکعات تراویح کا فتاویٰ دیا اور غیر مقلدین کا اسی پر عمل شروع ہوگیا۔ دور فاروقی سے لے کر مذکورہ وقت تک دنیا کی کسی مسجد میں آٹھ رکعات تراویح کا معمول نہیں تھا۔

رہ گیا آٹھ رکعات نماز کو تراویح کے نام سے موسوم کرنا تو یہ جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ تراویح جمع ہے ترویحہ کی اور ترویحہ کہتے ہیں چار رکعات کے بعد آرام کرنے کو۔اس لئے اصطلاحاً چار رکعات کو ترویحہ کہتے ہیں۔اور آٹھ رکعات کیلئے تثنیہ کا صیغہ آتا ہے یعنی ترویحتان یا ترویحتین۔اور بارہ رکعات یا اس سے زائد کیلئے لفظ تراویح کا انطباق ہوتا ہے۔اس لئے قاعدے کے مطابق لفظ تراویح آٹھ رکعات کیلئے استعمال ہو سکتا ہی نہیں۔

آٹھ رکعات کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ''تہجد اور تراویح ایک ہے'' اور یہ بات بلادلیل ہے۔غیر مقلدین قرآن یا حدیث میں یہ جملہ کہیں بتا ہی نہیں سکتے کہ ''تہجد اور تراویح ایک ہے'' یہ صرف ان کا قیاس ہے جو غلط ہے۔اس کے بالمقابل صحیح مرفوع احادیث موجود ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تراویح رمضان کی راتوں کی ایک زائد نماز ہے (تہجد سے الگ) اور اس کے الگ سے فضائل ہیں مثلاً:

(۱) "مَنْ قَامَ رَمَضَانَ..." جو کوئی رمضان کی راتوں میں ایمان اور ثواب کی نیت سے کھڑا ہوا اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردئے جاتے ہیں (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۵)

(۲) حضرت ثعلبہ بن مالک قرظیؒ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات رمضان میں نکلے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ مسجد کے گوشہ میں نماز پڑھ رہے ہیں، ارشاد فرمایا: یہ لوگ کیا کررہے ہیں ایک بتلانے والے نے بتلایا کہ یارسول اللہ! یہ لوگ حافظ نہیں ہیں، حضرت ابی ابن کعبؓ پڑھ رہے اور یہ لوگ ان کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔ ارشاد فرمایا بہت اچھا کیا اور درست کیا۔ آپ نے اس کو ناپسند نہیں قرار دیا (بیہقی، فی المعرفۃ السنن والآثار ج ۴ ص ۳۹، حدیث نمبر ۵۴۰۰، آثار السنن ج ۲ ص ۴۹ بَابٌ فِیْ جَمَاعَۃِ التَّرَاوِیْح سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۴۹۵، کذا فی ابوداؤد بَابٌ فِیْ قِیَامِ شَہْرِ رَمَضَانَ ج ۱ ص ۱۹۵)

اس روایت سے صاف ثابت ہے کہ صحابۂ کرام حضرت ابی ابن کعبؓ کے پیچھے ایک زائد نماز پڑھ رہے تھے ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوال نہ کرتے یہ لوگ کیا کررہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح باجماعت کی تائید وتوثیق فرمائی اور پسند فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ تہجد اور تراویح الگ الگ دو نمازیں ہیں ایک نہیں، دونوں کو ایک قرار دینا بالکل غلط ہے۔

(۳) تین دن نماز پڑھانے کے بعد حضرت ابوذرؓ کی روایت میں چوتھے دن نماز تراویح کیلئے حاضر نہ ہونے کی وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی: خَشِیْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَیْکُمْ صَلٰوۃُ اللَّیْلِ فَتَعْجِزُوْا عَنْھَا۔ یعنی تمہارے شوق ورغبت کو دیکھ کر مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر یہ نماز فرض قرار دے دی جائے پھر تم اس کی ادائیگی سے عاجز رہو" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۹ بَابٌ فَضْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ، صحیح مسلم ج ۱، ص ۲۵۹، بَابُ التَّرْغِیْبِ فِیْ قِیَامِ رَمَضَانَ وَھُوَ التَّرَاوِیْحُ)

اگر تہجد وتراویح ایک ہی نماز ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جملہ نہ ارشاد فرماتے کہ مجھے تراویح کی فرضیت کا اندیشہ ہوگیا۔ بلکہ یہ ارشاد فرماتے کہ: خَشِیْتُ اَنْ تُعَادَ عَلَیْکُمْ صَلٰوۃُ اللَّیْلِ فَرِیْضَۃً، یعنی مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں تم پر تہجد کی نماز دوبارہ نہ فرض کردی جائے

کیونکہ تہجد کی فرضیت ابتداء اسلام میں ہو چکی تھی پھر امت سے اسکی فرضیت ساقط کردی گئی۔

(۴) اگر تہجد و تراویح ایک ہی نمازیں ہوتیں تو تراویح کی بھی قضاء ہوتی، حالانکہ دونوں کو ایک کہنے والے بھی تراویح کی قضاء کے قائل نہیں ہیں۔ اور نہ کسی روایت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے تراویح کی قضاء فرمائی ہو۔ جبکہ تہجد کی قضاء صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ جیسے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے: اِذَافَاتَتْهُ الصَّلَاةُ مِنَ اللَّيْلِ مِنْ وَّجْعٍ اَوْغَيْرِهٖ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَىْ عَشَرَةَ رَكْعَةً یعنی آپ ﷺ سے جب تہجد کی نماز درد یا تکلیف (یا نیند و تھکان) کی وجہ سے فوت ہو جاتی تو آپ دن میں بارہ رکعت پڑھ لیتے۔" (صحیح مسلم ج۱ ص۲۵۶، بَابٌ فِیْ صَلَاةِ اللَّيْلِ، کذافی ابو داؤد ج۱ ص۱۹۰، بَابٌ فِیْ صَلَاةِ اللَّيْلِ، نسائی ج۱ ص۱۹۹، شرح السنہ ج۳ ص۶۹، حدیث نمبر ۹۸۶)۔ اور نسائی شریف میں ہے: وَكَانَ اِذَاشَغَلَهٗ عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ نَوْمٌ اَوْ مَرَضٌ اَوْوَجْعٌ صَلّٰى ثِنْتَىْ عَشَرَةَ رَكْعَةً یعنی جب بوجہ درد، مرض اور نیند تہجد کی نماز آپ سے فوت ہو جاتی تو آپ ﷺ دن کو بارہ رکعت پڑھ لیتے تھے"۔

(نسائی ج۱ ص۱۸۲، بَابُ قِيَامِ اللَّيْلِ، ترمذی ج۱ ص۱۰۰، اَبْوَابُ صَلَاةِ اللَّيْلِ)

(۵) صحیح بخاری جلد ۱ ص۲۶۹ **باب فضل من قام رمضان** میں روایت ہے کہ "حضرت فاروق اعظمؓ تراویح کے بعد تہجد کی ترغیب دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ نماز جس سے تم سو جاتے ہو (نماز تہجد) وہ افضل ہے اس نماز (تراویح) سے جو تم پڑھتے ہو"۔

(۶) اسی طرح امام بخاریؒ جن کی روایت کا غیر مقلدین حوالہ دیتے ہیں ان کا عمل بھی تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھنے کا تھا (مقدمہ فتح الباری ہدی الساری صفحہ ۴۸۲)۔ اس لئے غیر مقلدین کا تراویح کا تہجد پر قیاس غلط ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ غیر مقلدین کا تراویح کو تہجد کہنا، انکارِ تراویح کا ایک نیا روپ ہے۔

"تراویح آٹھ رکعات سنت ہے" دعویٰ کی حقیقت

غیر مقلدین آٹھ رکعات تراویح کے دلائل میں دو قسم کی روایات پیش کرتے ہیں۔
(۱) غیر صریح روایات (جو دراصل تہجد کیلئے ہیں) (۲) صریح روایات

آٹھ رکعات تراویح

غیر صریح روایات	صریح روایات
یہ تمام روایات "تہجد اور تراویح ایک ہے" کے قیاس پر مبنی ہیں جو دعویٰ بے دلیل ہے اسلئے صرف قیاس کا درجہ رکھتی ہیں۔ غیر مقلدین قیاس کے منکر ہیں اسلئے غیر صریح روایات بطور دلیل قابل قبول نہیں۔	یہ تمام روایات صرف حضرت جابرؓ سے مروی ہیں اور ان میں ایک راوی عیسیٰ بن جاریہ ہیں جن پر کلام ہے اس لئے یہ روایات "صحیح" درجہ تک نہیں پہنچ سکتیں۔ اور غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ ان کی دلیل صرف صحیح حدیث ہوتی ہے، اس لئے بطور دلیل یہ روایات بھی نا قابل قبول ہیں۔

غیر صریح روایات

حضرت ابو سلمٰی بن عبدالرحمن روایت کرتے ہیں انہوں نے سیدہ عائشہؓ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کی نماز (شبینہ) کیسی ہوتی تھی۔ فرمایا رمضان اور اسکے علاوہ گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعات پڑھتے، ان کی طوالت اور خوبی بس کیا پوچھتے ہو۔ پھر چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں۔ فرمایا عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ (صحیح بخاری کتاب الصوم، باب قیام النبی ﷺ فی رمضان وغیرہ ج ۱ ص ۱۵۴، صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ ج ۱ ص ۲۵۴)

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں	غیر مقلدین کا عمل
(۱) حدیث میں سال بھر قیام اللیل کا ذکر ہے	(۱) صرف رمضان میں تراویح پڑھتے ہیں۔
(۲) حدیث میں چار چار رکعت کا ذکر ہے	(۲) دو دو رکعت پڑھتے ہیں۔
(۳) حدیث میں آخر شب میں پڑھنے کا ذکر ہے	(۳) عشاء کے بعد فوراً پڑھتے ہیں۔
(۴) حدیث میں اکیلے نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔	(۴) جماعت سے پڑھتے ہیں۔
(۵) حدیث میں سو کر اٹھنے کے بعد کا ذکر ہے۔	(۵) عشاء کے بعد سوئے بغیر تراویح پڑھتے ہیں۔
(۶) حدیث میں گھر میں پڑھنے کا ذکر ہے۔	(۶) مسجد میں تراویح پڑھتے ہیں۔

اس لئے تراویح کی دلیل میں یہ روایت ہرگز قابل قبول نہیں۔ اس روایت کو تراویح کے سلسلے میں بطور استدلال پیش کرنا کئی وجوہ سے قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ:

(۱) اس میں اکیلے نماز پڑھنے کا ذکر ہے جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح جماعت سے پڑھائی ہے۔

(۲) اس میں اس نماز کا ذکر ہے جو رمضان، غیر رمضان سارے سال میں پڑھی جاتی ہے جب کہ تراویح سارے سال میں نہیں پڑھی جاتی۔

(۳) اس حدیث میں آخر رات نماز پڑھنے کا ذکر ہے جو تہجد ہے نہ کہ اول رات جو تراویح ہے

(۴) اس میں گھر میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ تراویح مسجد میں پڑھی جاتی ہے۔

(۵) اس میں وتر سے پہلے سونے کا ذکر ہے اور غیر مقلدین تراویح اور وتر کے درمیان مسجد میں کبھی نہیں سوتے۔

(۶) اس حدیث میں سارا سال تین وتر پڑھنے کا ذکر ہے جب کہ غیر مقلدین ایک وتر پڑھ لیتے ہیں۔

(۷) کسی حدیث میں یہ جملہ نہیں ''تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے'' اسلئے تراویح کی دلیل میں اسے نقل کرنا خیانت ہے۔

(۸) اس حدیث میں چار چار رکعات پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ تراویح میں دو دو رکعات پڑھی جاتی ہیں۔

(۹) غیر مقلدین یہ روایت امام بخاریؒ کے حوالہ سے تراویح کیلئے پیش کرتے ہیں جبکہ حضرت امام بخاریؒ کا عمل بتاتا ہے کہ وہ دونوں (تراویح اور تہجد) کو علاحدہ علاحدہ سمجھتے تھے، ہدی الساری مقدمہ فتح الباری (۴۸۲) پر ہے "رمضان المبارک کی رات کے ابتدائی حصہ میں امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کے یہاں انکے شاگرد جمع ہوجاتے پھر وہ انہیں نماز پڑھاتے اور ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے تھے ایسے ہی ختم قرآن تک سلسلہ جاری رہتا اور سحر کے وقت (تہجد میں) نصف سے تہائی قرآن تک پڑھتے اور سحر کے وقت ہر تین رات میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ اسلئے غیر مقلدین کا امام بخاریؒ کے حوالہ سے اس کو تراویح کی دلیل میں پیش کرنا نا قابل قبول ہے۔

(۱۰) اس روایت میں حضرت عائشہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار، چار اور تین رکعات پڑھتے تھے۔ اور غیر مقلدین دو دو رکعات پڑھتے ہیں، گویا ان کے نزدیک اسکی خلاف ورزی سنت کی خلاف ورزی نہیں ہیں۔ ایسی حالت میں دوسروں پر اس سے حجت قائم کرنا یا کسی دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرنا بالکل خلاف انصاف و دیانت ہے۔

اسی طرح دیگر روایات جو تراویح کے سلسلہ میں صریح نہیں ہیں (اگر چہ وہ صحیح ہوں) مگر بطور استدلال قیاس کا درجہ رکھتی ہیں قیاس سے سنت نہیں ثابت ہوتی اسلئے دلیل میں ہرگز قابل قبول نہیں ہیں۔

صریح روایات

جن روایات میں تراویح کی تعداد کا ذکر ہے وہ تمام روایات "حضرت جابر بن عبد اللہؓ" سے مروی ہیں۔ مثلاً

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان المبارک میں آٹھ رکعات (تراویح) اور وتر پڑھائی، جب دوسری رات آئی تو ہم

سب مسجد میں جمع ہوئے اور ہمیں امید تھی کہ آپ ﷺ نکلیں گے لیکن آپ ﷺ نہیں نکلے تو ہم مسجد میں صبح تک رکے رہے پھر ہم نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور کہا اے اللہ رسول ﷺ ہم سب گذشتہ رات مسجد میں جمع تھے اور ہمیں امید تھی کہ آپ ہمیں نماز پڑھائیں گے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اس بات سے ڈرا کہ کہیں تم پر فرض نہ کردی جائے۔(المعجم الصغیر للطبرانی ص ۱۹۰، قیام رمضان ص ۱۵۵، صحیح ابن خزیمہ جماع ابواب ذکر الوتر ج ۲ ص ۱۳۸ حدیث ص ۱۰۷۰، صحیح ابن حبان کتاب الصلوٰۃ ج ۵ ص ۶۲ حدیث ۲۴۰۱)

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ حضرت اُبی بن کعب ؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ (میرے دل میں) ایک رات کے متعلق کچھ ہے یعنی رمضان کی رات کے متعلق، نبی کریم ﷺ نے پوچھا اے اُبی وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ ہمارے گھر میں کچھ عورتیں تھیں انہوں نے کہا کہ ہم قرآن پڑھنا نہیں جانتیں، لہٰذا ہم آپ کی اقتدا کریں گی، فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو آٹھ رکعات اور وتر پڑھائی آپ ﷺ نے (یہ سن کر) سکوت اختیار فرمایا چنانچہ یہ رضامندی والی سنت ہوگئی۔(مسند ابی یعلیٰ ج ۳ ص ۳۳۶ حدیث ۱۸۰۱، مجمع الزوائد کتاب الصلوٰۃ، بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَؤُمُّ النِّسَاءَ ج ۲ ص ۷۴)

استدلال پر اعتراضات: پہلی روایت کے بارے میں صاحب آثار السنن نے لکھا ہے کہ (وفی اسنادہ لین) اس کی اسناد میں کلام ہے۔

دوسری روایت کے بارے میں حضرت ابی بن کعب ؓ کے اس واقعہ کے بارے میں یہی محقق نہیں ہے کہ یہ رمضان کا واقعہ ہے، کیونکہ لفظ ''فی رمضان'' اس روایت میں مدرج ہے یعنی راوی کا اپنا لفظ ہے۔(اسلئے اس روایت کو تراویح کی دلیل میں پیش کرنا ہی غلط ہے)۔

مزید یہ کہ حضرت جابر ؓ سے انکی احادیث کی روایت کرنیوالا صرف ایک شخص ہے اور وہی ایک شخص حضرت جابر ؓ کے واسطے سے ان رکعات کی تعداد نقل کرتا ہے اس کا نام ''عیسیٰ بن جاریہ'' اور اسماء الرجال کی کتابوں میں عیسیٰ بن جاریہ کا حال درج ذیل ہے۔

عیسیٰ بن جاریہ: امام یحییٰ بن معین نے اس کی نسبت لکھا ہے "لیس بذاك" وہ قوی نہیں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کے پاس متعدد منکر روایتیں ہیں۔

امام نسائی نے کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے اور کہا ہے کہ وہ متروک ہے۔

امام ابوداؤد نے کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے۔

ساجی و عقیلی نے اس کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔

ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی حدیثیں محفوظ نہیں ہیں (یعنی شاذ و منکر ہیں۔)

(تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۷۹، میزان الاعتدال ج ۵ ص ۳۷۴)

یہ سات جرحیں ہیں جو عیسیٰ بن جاریہ پر کی گئی ہیں۔ اور ان کے مقابل صرف ایک امام ابوزرعہ ہیں جنھوں نے عیسیٰ بن جاریہ کو "لا بأس به" (اس میں کوئی مضائقہ نہیں) کہا۔ اور دوسرے "ابن حبان" ہیں جنھوں نے اسکو ثقات میں سے ذکر کیا ہے۔ اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جرح مفصل تعدیل پر مقدم ہوتی ہے، لہٰذا عیسیٰ بن جاریہ اصولاً مجروح قرار پایگا۔

اس تصریح کے بموجب از روئے اصل عیسیٰ کی یہ روایت قابلِ قبول نہیں ہو سکتی بالخصوص جب کہ حضرت جابرؓ سے اس بات کا نقل کرنے میں وہ منفرد ہے، دوسرا کوئی اسکا مؤید و متابع موجود نہیں، نہ کسی دوسرے صحابی کی حدیث اسکی شاہد ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت کرنے میں اسکے منفرد ہونیکی دلیل تو یہ ہے کہ امام طبرانی نے عیسیٰ کی یہ روایت نقل کرنیکے بعد لکھا ہے لایروی عن جابربن عبدالله الابهذاالاسناد یعنی حضرت جابر سے بجز اس سند کے کسی دوسری سند سے یہ حدیث مروی نہیں ہے (بحوالہ رکعات تراویح ص ۲۸)۔

چونکہ تراویح کے سلسلے میں آٹھ رکعات پر جتنی صریح روایات ہیں ہر ایک کا مدار "عیسیٰ بن جاریہ" پر ہے اسلئے یہ روایات صحیح کے درجہ تک نہیں پہنچتیں۔ اور غیر مقلدین کے نزدیک صرف صحیح روایات ہی حجت ہیں۔ اسلئے تمام صریح روایات بطور استدلال نا قابل قبول ہیں۔ غرض "آٹھ رکعات تراویح سنت ہے" اس دعویٰ کی دلیل میں غیر مقلدین کے پاس کوئی صحیح صریح حدیث موجود نہیں ہے اسلئے انکا دعویٰ رد ہے۔

''تراویح بیس رکعات سنت ہے''

جمہور امت کے اس دعویٰ کے دلائل وشواہد

❁ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے مصنف میں، اور عبد بن حمید نے اپنے مسند میں اور بغوی نے اپنے معجم میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی نے سنن کبریٰ ج ۲ ص ۲۹۶ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ:

حدثنا یزید بن ھارن قال اخبرنا ابراھیم ان عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ﷺ ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر۔

ترجمہ: آنحضرت ﷺ رمضان میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ "كَمْ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ" ج ۵ ص ۲۲۵)

اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان واقع ہے اور وہ مجروح راوی ہے، اس لئے اس کی یہ روایت ضعیف قرار دی گئی ہے، اس کو ضعیف کہنے والوں میں ابنِ حجر، سیوطی، ابن الھمام اور عینیؒ وغیرہم شامل ہیں، اور کچھ شبہ نہیں کہ ابراہیم بن عثمان پر سخت سخت جرحیں نقل کی گئی ہیں، مگر اسمیں بھی کچھ شبہ نہیں کہ جتنی جرحیں نقل کی جاتی ہیں سب مقبول نہیں ہیں، بعض ان میں مردود بھی ہیں لیکن افسوس کی بات ہے مقبول جرحوں کیساتھ مردود جرحوں کو بھی نقل کر دیا جاتا ہے:

دلچسپ بات یہ ہے کہ جس سند سے یہ روایت منقول ہے یعنی''ابوشیبہ (ابراہیم بن عثمان) عن حکم عن مقسم عن ابن عباس ﷺ'' اسی سند سے غیر مقلدین نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی ''فرضیت'' کی دلیل لیتے ہیں۔ اس لئے اصولاً غیر مقلدین اس پر اعتراض نہیں کرسکتے۔

امام بیہقی کی سننِ کبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶ میں حضرت سائب بن یزیدؓ راوی ہیں کہ ''حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانہ میں لوگ رمضان کے مہینہ میں بیس رکعات پڑھتے تھے''،

اسی اثر کو امام بیہقی نے ''یزید بن خصیفہ'' کے طریق سے معرفۃ السنن میں بھی روایت کیا ہے۔

ویسے تو غیر مقلدین کا تعلق استدلال کے سلسلہ میں آثار سے نہیں ہے لیکن وہ مغالطہ دینے کیلئے آثار کی بحث بھی درمیان میں لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے بیس رکعات تراویح کا اثر صحیح نہیں ہے، کیونکہ مؤطا امام مالک میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعتوں کا حکم دیا۔ دراصل غیر مقلدین سعید بن منصور کی روایت کے سلسلہ میں بحث کرتے ہیں۔ لیکن سعید بن منصور کے اثر کی حقیقت درجِ ذیل ہے۔

سعید بن منصور یا مؤطا امام مالک میں حضرت سائب بن یزید سے روایت کرنے والے محمد بن یوسف ہیں اور محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں اور پانچوں کا بیان باہم مختلف ہے۔ امام مالکؒ سے بحکم حضرت عمرؓ گیارہ رکعتوں کا ذکر ہے، یحییٰ قطان سے گیارہ رکعتوں کا ذکر ہے (حضرت عمرؓ کے حکم کا تذکرہ نہیں ہے)، عبدالعزیز بن محمد سے گیارہ رکعتوں کا ذکر ہے (اس میں نہ حکم کا ذکر ہے نہ ابی وتمیم کا)، ابن اسحاق سے تیرہ رکعتوں کا ذکر ہے، عبدالرزاق کے شیخ داؤد بن قیس سے اکیس رکعتوں کا ذکر ہے بحکم حضرت عمرؓ۔ پس اصول حدیث کی رو سے یہ اثر ''مضطرب'' ہے۔ اور اس حالت میں جب تک کہ کسی ایک طریق کو اصول کے مطابق ترجیح نہ دی جائے یا تمام طرق میں تطبیق نہ دی جائے اسوقت تک کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔ جب کہ سائب بن یزید کے ایک دوسرے شاگرد یزید بن خصیفہ ہیں انکی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے یزید کے کل شاگرد بلا اختلاف سائب بن یزید کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ پس ''یزید بن خصیفہ'' کے طریق سے یہ اثر ''صحیح'' ہے۔ اور سننِ سعید بن منصور کی مذکورہ (مؤطا امام مالک کی) روایت ترجیح یا تطبیق کے بغیر قابلِ اعتماد نہیں ہے اور ترجیح کے بعد گیارہ کا ثبوت ہی نہیں ہوگا۔ اسلئے غیر مقلدین کی یہ ابلہ فریبی لائقِ توجہ ہی نہیں ہے۔ اور سننِ کبریٰ اور معرفۃ السنن کی بیس رکعات والا اثر قابلِ حجت ہے۔

مزید یہ کہ حضرت عمرؓ کے عہدِ مبارک میں تراویح کی بیس رکعتوں کا ثبوت تنہا سائب

"ہی کی روایت سے نہیں ہوتا، بلکہ اسکے علاوہ متعدد آثار سے بھی ہوتا ہے، جو درجِ ذیل ہیں۔

(۱) "حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ رمضان میں تیئیس (۲۳) رکعتیں (مع وتر) پڑھتے تھے"۔ (مؤطا مع تنویر ج ۱ ص ۱۳۸، سننِ کبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶، قیام اللیل ص ۹۱)

(۲) عبدالعزیز بن رفیع کا اثر ہے، جو مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے "حضرت اُبی بن کعب لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے" (چونکہ حضرت اُبیؓ کی وفات اکثر لوگوں کے قول کے مطابق عہد فاروقی میں ہوئی ہے، اسلئے یہ بیان بھی عہد فاروقی سے متعلق ہے) (مصنف ابن ابی شیبہ "كَمْ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ" ج ۵ ص ۲۲۴)

(۳) یحییٰ بن سعید انصاری کا اثر ہے کہ "حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائے" (مصنف ابن ابی شیبہ "كَمْ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ" ج ۵ ص ۲۲۳)

(۴) خود حضرت ابیؓ سے روایت ہے "کہ حضرت عمرؓ نے ابی کو حکم دیا کہ لوگوں کو رات کے وقت رمضان میں نماز پڑھایا کرو، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں، اور قرآن خوب اچھا پڑھنا نہیں جانتے لہٰذا کاش تم رات میں پڑھتے، اُبیؓ نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین یہ بات پہلے نہیں ہوئی (یعنی ایک امام کے ساتھ سب کا اکٹھا ہو کر پڑھنا) تو حضرت عمرؓ نے فرمایا میں جانتا ہوں لیکن یہ اچھا ہے، چنانچہ ابی نے ان کو بیس رکعتیں پڑھائیں (کنز العمال ج ۴ ص ۲۸۴ بحوالہ ابن منیع و آثار السنن ج ۲ ص ۶۰)

(۵) محمد بن کعب قرظیؒ کا اثر ہے "حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعتیں پڑھتے تھے، اور قراءت لمبی کرتے تھے، اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے) (قیام اللیل ص ۹۱)۔

(۶) زید بن وہب کا اثر ہے "حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہم کو رمضان میں نماز پڑھاتے تھے، جب فارغ ہو کر واپس ہوتے، تو ابھی رات رہتی تھی۔ اعمش نے کہا کہ وہ (حضرت ابن مسعودؓ) وتر کے علاوہ بیس رکعتیں پڑھتے تھے، اور تین رکعات وتر

پڑھتے تھے (قیام اللیل ص ۹۱)۔

درج بالا چھ (٦) آثار حضرت سائب بن یزید کے اثر کی تائید میں ہے۔

❁ سننِ بیہقی (ج ۲ ص ۴۹۶) وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قراء کو بلایا اور ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھایا کرے، اور وتر حضرت علیؓ پڑھاتے تھے، امام بیہقی اس اثر کو قوی تسلیم کرتے ہیں، اسلئے کہ انہوں نے پہلے شتیر ابن شکل کی نسبت نقل کیا ہے کہ ''وہ حضرت علیؓ کے اصحاب میں تھے، اور لوگوں کو رمضان میں بیس رکعتیں تراویح کی اور تین وتر کی پڑھایا کرتے تھے،'' اسکو نقل کر کے فرمایا کہ اسمیں قوت ہے۔ (یعنی یہ قوی اثر ہے)۔ پھر اسکی دلیل میں مذکورۂ بالا اثر بیہقی نے نقل کیا ہے، اس عبارت کے آخر میں بیہقی نے یہ بھی تصریح کردی کہ حضرت علیؓ کا یہ اثر دوسرے طریق سے بھی مروی ہے، لہٰذا تنہا بھی یہ اثر قوی تھا، اور اب تو مجموعی طور پر اتنا قوی ہو گیا کہ اسمیں کلام کی گنجائش ہی نہیں رہ گئی۔

بیس رکعات پر اجماع

حضور اکرم ﷺ کا عمل رمضان المبارک میں بیس رکعات اور وتر پڑھنے کا نقل کیا گیا ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ''بے شک رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں بیس رکعات اور وتر پڑھا کرتے تھے'' (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۲۵ مسند عبد حمید ص ۲۹۴ ج ۲ اور معجم بغوی۔ معجم کبیر)

حضرت عبدالرحمن بن عبدالقاری سے مروی ہے کہ میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ رمضان کی ایک رات میں مسجد نبوی کی جانب نکلا تو لوگ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے نظر آئے کوئی خود نماز پڑھ رہا تھا کوئی کچھ لوگوں کیساتھ لے کر پڑھ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں ان لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کردوں تو بہت عمدہ ہوتا...... حضرت ابی بن کعبؓ کی امامت میں سب کو جمع کر دیا۔ (صحیح بخاری شریف ص ۲۶۹ ج ۱، موطا امام مالک ص ۴۲)

حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ انہیں بیس رکعات پڑھائے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۲۵)

حضرت سائب بن یزیدؓ سے صحیح سند کیساتھ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعات پڑھا کرتے تھے (سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶) حضرت سائب بن یزیدؒ کا یہ اثر یزید بن خصیفہ کے طریق سے سب سے زیادہ صحیح ہے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں بیس پر اجماع ہو گیا۔ غیر مقلدین اسکے خلاف ایک روایت بھی پیش نہیں کر سکتے جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں کسی نے اس کیخلاف کیا یا کہا ہو

صحیح روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام کا اجماع بیس رکعات تراویح پر تھا نیز اُمّت مسلمہ عملاً خیر القرون سے ساڑھے بارہ سو برس تک بیس رکعات تراویح پر مجتمع رہی ہے مذکورہ عرصہ میں دنیا کی کسی مسجد کا نام تک نہیں پیش کیا جا سکتا جس میں صرف ''آٹھ رکعات'' تراویح پڑھی جاتی ہو۔ عملاً رکعات کا یہ اختلاف نو زائیدہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت اختلاف دیکھے گا پس میری سنّت اور خلفائے راشدین کی سنّت کو لازم پکڑنا جو کہ ہدایت یافتہ ہیں اسے خوب مضبوطی سے پکڑے رہو۔'' (ابوداؤد ص ۱۹۵ ج ۲۔ ترمذی ص ۹۰ ج ۲۔ ابن ماجہ ص ۵)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمہور امت کے نزدیک بیس رکعات تراویح ''سنت'' ہے تو پھر خلفاءِ راشدین کے عہد کے آثار کو ''سنت'' کیلیئے کیوں دلیل بنایا گیا؟

اس کے جوابات درج ذیل ہیں:

عملِ متوارَث : بیس رکعات تراویح دورِ نبوی اور خاص طور سے دورِ فاروقی سے بطور توارث اور تعامل منقول ہونے والا عمل بھی ہے۔ درج ذیل آیات کریمہ عملِ متوارَث کی اہمیت و نزاکت کو بتا رہی ہیں جن سے صرف نظر ممکن ہی نہیں ہے۔

(۱) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ... تم میں جو لوگ ایمان لاویں

اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائیگا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی، اور جس دین کو ان کیلئے پسند فرمایا ہے اسکو ان کیلئے قوت دے گا، اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل بہ امن کر دیگا (سورہ نور آیت نمبر ۵۵)

(۲) اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ یہ لوگ تو ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ دیں اور (دوسروں) کو بھی نیک کاموں کے کرنے کو کہیں، اور برے کاموں سے منع کریں، اور سب کاموں کا اختیار تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ (سورہ حج آیت نمبر ۴۱)

ان آیتوں میں اس حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ خلفائے راشدین میں جمیع بلاد اسلامیہ میں مختلف پہلوؤں سے نفاذ شریعت کے سلسلہ میں جو محنتیں کی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ ہیں، ان کے زمانے میں جس کسی مسئلہ پر عملاً یا قولاً اتفاق ہو گیا، خواہ وہ کسی ایک اسلامی شہر یا ملک کا اتفاق ہو یا پوری خلافت اسلامیہ کا مجموعی طور پر اتفاق ہو وہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمکین کے مرادف ہیں۔ ان آیات کی یہ تفسیر و مفہوم بہت سی تفسیر کی کتابوں میں ہے مثلاً تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۴۳۶، تفسیر بحر محیط ج ۶ ص ۴۸، تفسیر بیضاوی ج ۴ ص ۱۲۹، تفسیر کشاف ج ۳ ص ۱۶۲ وغیرہ۔ لہٰذا عہد خلافت راشدہ کے اجماعی مسائل کی خلاف ورزی ہرگز جائز نہیں ہوگی، چنانچہ تراویح کی بیس رکعات، ایک مجلس کی تین طلاقوں کا تین شمار ہونا، نکاح متعہ کی حرمت، جمعہ کی اذان اوّل کا اضافہ، عورتوں کو مسجد میں جانے سے ممانعت، قرآن کریم کو ایک صحیفہ میں جمع کرنا، یا مصحف عثمانی ہی کا سب کو پابند کیا جانا وغیرہ، یہ سب امور خیر محض ہیں، اگرچہ آنحضرت ﷺ نے انہیں نہ کیا ہو یا آپ ﷺ سے ان کے خلاف کوئی خبر واحد صحیح ہی کیوں نہ منقول ہو۔ (یعنی اس کے خلاف صحیح حدیث بھی منقول ہو تب بھی عہد خلافت راشدہ کے اجماعی مسائل کی خلاف ورزی ہرگز جائز نہیں ہے)۔

حضور ﷺ کی حدیث: ''تم پر لازم ہے میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء کی

سنت'' کے تحت بیس رکعات تراویح بھی ''سنت'' تسلیم کی گئی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاءِ راشدین کے طریقہ کو بھی سنت کہا ہے۔ مزید یہ کہ اس پر صحابہ کا اجماع بھی ہوگیا۔

بیس رکعات کا چھوڑنے والا گنہگار ہوگا

تراویح میں بیس رکعات سنت مؤکدہ ہیں اسلئے کہ ان پر خلفائے راشدین نے مواظبت فرمائی ہے اور پہلے بتایا جاچکا ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت بھی واجب الاتباع ہے اور اس کا چھوڑنے والا گنہگار ہے۔ لہٰذا جو شخص آٹھ رکعت پر اکتفا کرے وہ بُرا کام کرنے والا ہے کیوں کہ اس نے خلفائے راشدین کی سنت ترک کردی...... سنت مؤکدہ کا تارک گنہگار ہوگا۔ (تحفۃ الاخیار، ص:۲۰۹)

آٹھ رکعات کے مدعیوں سے سوالات

(۱) ایک صحیح صریح حدیث پیش کیجئے کہ ''تراویح کی نماز آٹھ رکعات ہے''؟

(۲) صحیح صریح حدیث پیش کیجئے کہ ''تراویح اور تہجد کی نماز ایک ہی ہے''۔ غیر رمضان میں اکیلے پڑھی جاتی ہے اور ''نفل'' ہوتی ہے اور رمضان میں جماعت کیساتھ، اور ''سنت'' ہوتی ہے؟

(۳) عہد فاروقی سے حدوث اہلحدیث تک (تقریباً ساڑھے بارہ سو سال) کے عرصہ میں دنیا کی کسی ایک مسجد کا نام پیش کیجئے جس میں تراویح کی جماعت آٹھ رکعات ہوتی ہو؟

"۸ رکعت مسنون تراویح پر اکابر علمائے احناف کی شہادت" کی حقیقت

جمیع اہلسنت والجماعت (احناف، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ) کے نزدیک تراویح کی بیس رکعات مسنون ہیں۔ فرقۂ اہل حدیث وغیر مقلدین کے پاس تراویح کے سلسلے میں کوئی حدیث ہوتی کہ "تراویح کی آٹھ رکعات سنت ہیں"۔ تو بغیر قیل وقال کے وہ پیش کر دیتے لیکن ان کے پاس دلیل ہے ہی نہیں۔ اسلئے وہ دوسرے طریقوں سے امت محمدیہ کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ایک کتابچہ بنام۔ "۸ رکعت مسنون تراویح پر اکابر علماءِ احناف کی شہادت"۔ شائع کر کے امت کو گمراہ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ "فقہ حنفی" فرقۂ غیر مقلدین کی طرح تو ہے نہیں کہ ان کا ہر فرد خود ایک امام ہے جو کہہ دیا وہی فرقۂ اہل حدیث یا غیر مقلدین کا موقف ہے۔ اور نہ ہی فقہ حنفی کی عمارت کوئی ریت کے ڈھیر پر ہے کہ جو چاہے اسے ڈھا دے۔ "فقہ حنفی" میں علماءِ کرام کے طبقات بھی مقرر ہیں اور اس کے مفتیٰ بہ اقوال بھی طے ہیں اسلئے کسی بھی حوالے سے کسی حنفی کا مسلک تبدیل نہیں ہوسکتا۔ مذکورہ کتابچے میں امام طحاویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ ابن ہمامؒ، ملا علی قاریؒ، مولانا عبدالحی لکھنویؒ، مولانا محمد حسن نانوتویؒ کا نام استعمال کر کے ان کو آٹھ رکعت تراویح کا قائل بتانے کی مذموم کوشش کی گئی ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ مذکورہ علماءِ کرام کی ذاتی رائے حنفی مسلک میں کوئی دلیل ہی نہیں رکھتی۔ جن مجتہدین کے اجتہادات (رائے) حنفی مسلک میں اہمیت رکھتے ہیں وہ سب متعین ہیں۔ اس لئے ان کے نام کا استحصال حنفی مسلک میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اگر مذکورہ علماء کے مذکورہ اقوال ہوتے تب بھی متعینہ موقف پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لیکن فرقۂ اہلحدیث وغیرہ مقلدین کی حالت قابل رحم ہے کہ مذکورہ علماء کے سلسلے میں بھی انھوں نے جھوٹ اور دروغ گوئی سے کام لیا۔

حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

ان کے تعلق سے غیر مقلدین نے تراویح کے سلسلہ میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت کا حوالہ تو دیا لیکن انھوں نے اس روایت کو جس حدیث کی کتاب سے نقل کیا یعنی ابویعلی سے اس کو حذف کر گئے۔ کیونکہ معلوم ہے کہ ابویعلی کی یہ روایت ''مُدْرَج'' ہے اور اس میں تراویح تو کیا لفظ ''رمضان'' ہی مرفوع حدیث میں نہیں ہے اسلئے تراویح کی دلیل میں اس حدیث کو پیش کر سکتے ہی نہیں۔ نیز یہ کہ مولانا محمد یوسفؒ نے حیاۃ الصحابہ میں مذکورہ روایت کو تراویح کے سلسلہ میں صحابیات کے شوق کو پیش کیا ہے نہ کہ تراویح کی رکعات کی تعداد کے سلسلہ میں پیش کیا۔ چونکہ غیر مقلدین کے پاس آٹھ رکعات تراویح کے سلسلہ میں کوئی صحیح صریح حدیث موجود نہیں ہے تو بیچارے، موصوف کی پیش کردہ روایت ہی کو آٹھ رکعت کی حمایت میں پیش کر دیا۔ ؎ توبہ ٹوٹی بھی تو ٹوٹے ہوئے پیمانوں سے

موصوف کا عمل: حضرت مولانا محمد یوسفؒ بیس رکعات تراویح کے قائل تھے اور اخیر دم تک اسی پر عمل کیا ہزاروں افراد آج بھی اس کے شاہد ہیں۔

علماءِ احناف کے پیش کردہ اقوال کی حقیقت

جمیع اہلسنت والجماعت (احناف، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ) کے نزدیک تراویح کی بیس رکعات سنت ہیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن علماءِ کرام میں بحث اس میں ہے کہ یہ سنت، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا یہ خلفاءِ راشدین کی سنت ہے۔

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے نماز تراویح کی رکعات کا کوئی عدد متعین طور پر ثابت ہے یا نہیں؟'' اس بحث میں علماءِ اسلام کے دو گروہ ہیں۔

''قول و فعل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کا کوئی معین عدد ثابت ہے یا نہیں''؟ محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی نے رکعاتِ تراویح ص ۱۶، ۱۷ پر مذکورہ عنوان کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ ''اس مسئلہ میں اسلام کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ جن میں شیخ الاسلام

ابن تیمیہؒ، علامہ سبکی اور سیوطی وغیرھم شامل ہیں۔ان کی تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قول وفعل سے تراویح کا کوئی معین عدد ثابت نہیں ہے۔اس جماعت کی تحقیق میں وہ تمام روایات جو آنحضرت ﷺ کی تراویح کا معین عدد بتانے کیلئے پیش کی جاتی ہیں،خواہ آٹھ ہوں یا بیس وہ سب روایتیں یا تو صحیح نہیں ہیں، یا غیر متعلق ہیں، یعنی ان میں تراویح کا نہیں بلکہ کسی دوسری نماز کا عدد بتایا گیا ہے۔(یہ حضرات بیس رکعات تراویح کو سنتِ خلفاء راشدین مانتے ہیں اور اسی پر عمل پیرا تھے)۔

علماء کا دوسرا گروہ وہ ہے جو مانتا ہے کہ آپ ﷺ سے عدد معین ثابت ہے جیسے فقہاء احناف میں قاضی خاں وطحاوی وغیرہ اور شوافع میں رافعی وغیرہ کہ یہ لوگ انحضرت ﷺ سے بیس کا عدد ثابت مانتے ہیں''۔

معلوم یہ ہوا کہ جمیع اہلسنت والجماعت علماء بیس رکعات تراویح ہی کو سنت مانتے ہیں اور اسی پر عمل پیرا ہیں۔لیکن ان میں بحث یہ ہے کہ یہ بیس رکعات کا عدد حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے یا خلفاءِ راشدین کے اجماع سے ثابت ہے اسلئے مذکورہ کتابچہ میں جتنے بھی اقوال محققین علماء کرام کے حوالے سے نقل کئے گئے ہیں ان کی تحریرات میں یہ بحث تو ہے کہ یہ تراویح کی بیس رکعات سنت کس سے ہے؟ نبی ﷺ سے یا خلفاء راشدین سے؟ لیکن سب اس بات پر متفق ہیں کہ خلفاء راشدین کے اجماع کے بعد اب بیس رکعات ہی سنت ہیں اور اسی پر عمل کرنا چاہئے۔اب ان کی نقل کردہ تحریرات کو اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ غیر مقلدین نے ان کی بحثوں سے مختلف جملے اٹھا کر اس کتابچے میں امتِ محمدیہ کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ:

اس میں شک نہیں کہ تراویح میں بیس رکعت کی حد رسول اللہ ﷺ سے محدثین کے اصولی طریقے پر مرفوعاً ثابت نہیں ہے......(اوجز المسالک شرح موطا امام مالک ج ا ص ۳۹)۔

معلوم یہ ہوا کہ یہاں موصوف پہلے گروہ کی بحث نقل کر رہے ہیں۔ جبکہ حضرت شیخ الحدیث نے اسی کتاب میں بیس رکعات سنت ہونے کی تحقیق کو پیش کیا ہے۔

موصوف کا عمل: مولانا سہارنپور میں اپنی خانقاہ میں اپنے مریدین کے ساتھ پورے ماہِ رمضان کا اعتکاف کرتے تھے اور سب لوگ بیس رکعات تراویح کا اہتمام کرتے تھے۔ آج بھی ہزاروں لوگ اس کے گواہ ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ: گیارہ رکعت تراویح (مع وتر) سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت و موکد ہے۔ (رسالہ الحق الصریح)

محدث جلیل نے رکعات تراویح کے صفحہ ۲۵ پر تحریر فرمایا ہے۔ اور اب خاص احناف کے اطمینان کیلئے عرض کرتا ہوں کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی قدس سرہ بھی دونوں تراویح و تہجد میں مغائرت کے قائل ہیں اور ہر ایک کو دوسرے سے الگ مانتے ...... اور حضرت نانوتوی نے "الحق الصریح" ص ۴ میں دونوں کے الگ الگ ہونے کو موجہ قرار دیا ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ: اہلحدیثوں نے مذکورہ کتابچے میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند لکھا ہے۔ یہ صرف احناف کو گمراہ کر کے ان کی بحث کا ناجائز فائدہ اٹھانے کیلئے کہا ہے۔ جبکہ موصوف کبھی بھی دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث نہیں رہے، بلکہ تعلیم الدین ڈھابیل کے شیخ الحدیث رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعت (تراویح) صحیح ثابت ہیں لیکن بیس رکعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضعیف سند سے مروی ہے اور اس کے ضعف پر سب کا اعتراف ہے۔

(العرف الشذی تقریر ترمذی ص ۳۲۹)

لیکن غیر مقلدین العرف الشذی کی آگے کی تحریر حذف کر گئے جس میں لکھا ہے "واما فعل الفاروق فقد تلقاہ الامۃ بالقبول ... تکون سنۃ الشریعۃ" یعنی حضرت عمر فاروقؓ کے فعل کو امت کی تلقی بالقبول حاصل ہے، بیس رکعات تراویح سنت شریعہ ہے۔

علامہ ابن ھمامؒ، ملا علی قاریؒ، مولانا عبدالحی لکھنویؒ، مولانا محمد حسن نانوتویؒ وغیرہم کے اقوال کی حیثیت بھی وہی ہے یعنی انہوں نے درج بالا بحث کو پیش کیا ہے اور انکی کتابوں سے غیر مقلدین مذکورہ جملے اٹھا کر عوام کو گمراہ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ ورنہ مذکورہ تمام علماء سے بیس رکعات تراویح کے سنت ہونے کے قائل تھے بلکہ آخیر تک ان کا عمل بیس پر ہی رہا۔

''تراویح'' کے سلسلے میں غیر مقلدین کے متضاد مواقف

نمازِ تراویح کہاں ہونی چاہئے؟

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین شب تراویح پڑھا کر پھر لوگوں سے فرمایا کہ تم اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔ (صلوٰۃ الرسول ص ۴۲۹)

☆ رسول خدا کے زمانے سے لوگ تراویح گھروں میں پڑھتے آئے تھے۔
(صلوٰۃ الرسول ص ۴۳۴)

☆ قیام رمضان، نماز تراویح سے اعم ہے کیوں کہ نماز تراویح میں جماعت بھی شرط ہے اگر اکیلے اکیلے پڑھیں تو تراویح نہ ہوگی بخلاف قیام رمضان، کے کہ اس میں جماعت شرط نہیں خواہ جماعت کے ساتھ پڑھیں خواہ اکیلے اکیلے پڑھیں۔
(فتاویٰ علماء اہل حدیث ج ۶ ص ۲۴۳)

نمازِ تراویح کیا ہے؟

☆ نماز نبوی کے مؤلف ماہِ رمضان کی ''نماز تراویح'' کو مانتے ہی نہیں انھوں نے اسے قیام رمضان کا نام دیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں ''ماہ رمضان میں تہجد اور قیام رمضان الگ الگ نہیں بلکہ ایک ہی نماز ہے'' (ص ۲۴۱)

☆ کرمانی نے جو کہا ہے کہ قیام رمضان سے بالاتفاق نماز تراویح مراد ہے یہ انھوں نے ایک انوکھی بات کہی ہے۔ (فتاویٰ علماء اہل حدیث ج ۶ ص ۲۴۳)

☆ پروفیسر عبداللہ بہاولپوری نے لکھا ''تراویح کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایجاد نہیں ہوا تھا'' یہ نام اس وقت پڑا جب لوگوں نے قیام رمضان کی تعداد بڑھادی۔
(رسائل بہاولپوری ص ۱۰۱ طبع اوّل)

نمازِ تراویح کتنے دِن ہونی چاہئے؟

☆ غیر مقلدین کے فرقہ اہل حدیث کے نزدیک پورے ماہ رمضان جماعت سے نماز تراویح سنت ہے۔

☆ غیر مقلدین کے کچھ گروہوں کے نزدیک ہے کہ تین رات سے زائد تراویح ادا کرنا بدعت ہے اسکی وجہ وہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین راتوں کو تراویح کی نماز پڑھائی ہے۔

کیا تہجد اور تراویح ایک ہے؟

☆ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام لیل (تہجد) رمضان میں قیام رمضان (تراویح) سے بدل گیا (صلوٰۃ الرسول ص ۴۳۰)

☆ اگر تراویح پہلے وقت میں پڑھیں تو صرف تراویح ہے پچھلے وقت میں پڑھے تو تہجد کے قائم مقام ہوتی ہے (فتاویٰ علماء اہل حدیث ج ۶ ص ۳۲۹)

☆ جو شخص رمضان میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ آخر وقت میں تہجد پڑھ سکتا ہے۔ تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے۔ اوّل شب میں تہجد نہیں ہوتی۔
(فتاویٰ علماء اہل حدیث ج ۶ ص ۳۳۱)

کیا نمازِ تراویح سنّت ہے؟

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شب تراویح پڑھا کر پھر لوگوں سے فرمایا کہ تم اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔ گھروں وغیرہ میں فرداً فرداً پڑھنے کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی یہی طریقہ جاری رہا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں بھی اسی پر عمل ہوتا رہا۔

پھر حضرت عمرؓ نے تراویح کی نماز جماعت سے پڑھنے کا طریقہ مقرر فرمایا۔
(صلوٰۃ الرسول ص ۴۲۹)

کتنی رکعات تراویح سنّت ہے؟

☆ تراویح میں گیارہ سے زائد تو جائز نہیں ہاں مگر گیارہ سے کم جائز ہیں حتیٰ کہ ایک رکعت بھی سنت سے ثابت ہے اور سلف کا عمل ہے۔ (صفۃ صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۰۸)

☆ مدرسہ رحمانیہ والے (اہل حدیث) ہر سال اعلان کرتے ہیں کہ آٹھ رکعت سے زائد تراویح درست ہیں اور باعث اجر بھی ہیں۔ (فتاویٰ ستاریہ ج ۲ ص ۱۹)

غیر مقلدین کے سحر وافطار، صدقۂ فطر اور جمعہ کے دن کی عید کی حقیقت

غیر مقلدین کے روزہ کی نیت

نیت کیساتھ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رُکنے کا نام رُوزہ ہے۔ رُوزے کی نیت صبح صادق سے پہلے ہی کرنی چاہئے بہتر یہی ہے۔ اگر کسی وجہ سے نہ کرسکے تو دن چڑھے (دو پہر سے کچھ قبل تک) روزے کی نیت کرنا بھی جائز ہے۔ صحیح بخاری شریف میں باب ہے۔ ''دن چڑھے روزے کی نیت کرنا'' حضرت اُمّ درداءؓ کہتی ہیں کہ حضرت ابودرداءؓ پوچھتے کیا کھانے کو کچھ ہے اگر میں کہتی کہ نہیں تو فرماتے آج میرا روزہ ہے۔ حضرت ابوطلحہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حذیفہؓ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ (صحیح بخاری شریف ج ۱ ص ۲۵۷)

اس روایت سے نیت کے تعلق سے کئی باتیں ثابت ہوئیں:

(۱) اگر صبح صادق سے شرعی نصف النھار سے پہلے تک کھانے، پینے اور جماع سے پرہیز رہا اور کسی وجہ سے صبح صادق سے پہلے نیت نہیں کرسکا تو شرعی نصف النھار سے قبل تک روزے کی نیت کرسکتا ہے۔

(۲) روزے کی نیت زبان سے کرسکتے ہیں جیسا کہ حضرت ابودارداؓ وغیرہ چھ صحابۂ کرام کے جواز کا قول پیش کیا گیا۔

صحیح بخاری کی اس روایت کے خلاف غیر مقلدین کا موقف ہے کہ روزہ کی نیت صبح صادق سے قبل ہی کرنا چاہئے ورنہ روزہ نہ ہوگا نیز وہ کہتے ہیں کہ زبان سے نیت کرنا بدعت ہے۔ کیا (۱) غیر مقلدین صحیح حدیث مرفوع پیش کرسکتے ہیں کہ زبان سے نیت نہیں کرنی

چاہئے۔(۲) دل میں روزہ کے لئے کیا نیت کرنا چاہئے صحیح مرفوع حدیث سے ثابت کریں۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ

اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آئے تم کو دھاری سفید صبح کی جُدا دھاری سیاہ سے پھر پورا کرو روزہ کو رات تک۔ (سورہ بقرہ پارہ ۲، آیت ۱۸۷)

نص صریح سے ثابت ہے کہ روزہ کیلئے ضروری ہے کہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کچھ نہ کھائے پیئے۔یعنی اگر صبح صادق کے بعد یا غروب آفتاب سے پہلے کچھ کھائے پیئے گا تو روزہ نہ ہوگا۔

روزے کو یقینی بنانے کے لیے اور روزے میں کچھ شک نہ رہے فقہائے کرام نے نقل کیا ہے کہ روزہ کیلئے، صبح صادق سے تین یا پانچ منٹ پہلے کھانا پینا روک دینا چاہئے اور غروب آفتاب کے تین یا پانچ منٹ کے بعد روزہ افطار کرنا چاہئے تا کہ روزے میں کچھ شک نہ رہے۔لیکن:

غیر مقلدین کی سحری

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ اگر صبح کی اذان کی آواز سنے اور کھاتا پیتا رہے تو کھانے پینے سے نہ رُکے اور اس کی دلیل میں غیر مقلدین ابوداؤد کی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے جب کوئی اذان کی آواز سنے برتن اسکے ہاتھ میں ہو تو برتن کو نہ رکھے یہاں تک کہ اپنی حاجت پوری کر لے (ابوداؤد ص ۳۲۱)۔

اس روایت کے بارے میں شارحین حدیث کہتے ہیں کہ یہ اُس اذان کے بارے میں ہے جو رات میں ہوتی تھی چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں ''حضرت بلال ؓ رات رہے اذان دیا کرتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھاتے پیتے رہو جب تک کہ حضرت ابن اُمّ مکتوم ؓ اذان نہ کہیں کیونکہ حضرت ابن اُمّ مکتوم ؓ اُس وقت تک اذان

نہیں دیتے جب تک کہ صبح صادق نہیں ہوجاتی" (صحیح بخاری شریف ج ۱ ص ۲۵۷)۔ جب کہ اذان فجر صبح صادق کے بعد ہوتی ہے اس لئے اگر کوئی صبح صادق کے بعد یعنی اذان سن کر بھی کھاتا پیتا رہے گا تو اس کا روزہ نہ ہوگا۔

غیر مقلدین کا افطار

اسی طرح غیر مقلدین اندازۂ حساب سے جنتری میں غروب کا وقت ہوتے ہی افطار یا اذان دینا شروع کر دیتے ہیں۔ ایک تو اندازۂ حساب دوسرے اگر گھڑی آگے ہوئی تو افطار غروب آفتاب سے پہلے ہی ہوجائے گا اور روزہ قضا کرنا ہوگا۔ احتیاط اسی میں ہے کہ تین یا پانچ منٹ انتظار کرے۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ حدیث میں تعجیل کا حکم آیا ہے اور تاخیر سے منع کیا گیا ہے۔ غروب آفتاب سے پہلے افطار تعجیل کے حکم میں نہیں آتا بلکہ سرے سے روزہ ہی نہیں ہوتا۔ اور جس تاخیر سے منع کیا گیا ہے روایت میں صراحتاً مذکور ہے کہ وہ تاخیر یہ ہے کہ آسمان پر تارے چھٹک جائیں۔ اس لئے تین یا پانچ منٹ کی تاخیر کرنا احتیاط ہے۔

غیر مقلدین کا صدقہ فطر

تمام روایات میں صدقہ فطر میں چند چیزیں دینے کا ذکر ہے مثلاً کشمش، جَو، وغیرہ۔ جب کہ غیر مقلدین گیہوں اور دوسری چیزیں بھی صدقہ فطر میں دیتے ہیں احادیث میں کہیں بھی صدقہ فطر کی قیمت (روپیوں میں) ادا کرنے کا ذکر نہیں ہے قیمت ادا کرنا ائمہ مجتہدین کا قیاس ہے لیکن غیر مقلدین صدقہ فطر کی قیمت بھی ادا کرتے ہیں۔

غیر مقلدین کی جمعہ کے دن عید

اگر جمعہ کو عید یا بقر عید ہو تو جمیع اہل سنت والجماعت کے نزدیک ہے عیدین کا خطبہ اور نماز بھی ہونی چاہئے اور جمعہ کا خطبہ اور نماز بھی ہونا چاہئے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عیدین اور جمعہ کی نماز

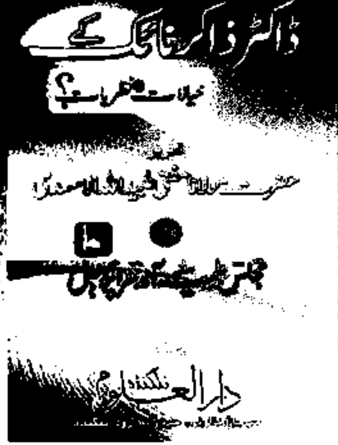
میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ پڑھتے تھے، بسا اوقات عید اور جمعہ ایک ہی دن پڑ جاتے تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔

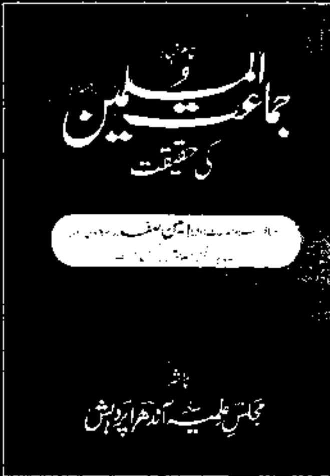
(صحیح مسلم فصل فی قرأۃ الجمعۃ ج ا ص ۲۸۸، ترمذی باب القرأۃ فی العیدین ج ا ص ۱۱۹، نسائی "ذکر الاختلاف علی النعمان بن بشیر فی القرأۃ فی صلوٰۃ الجمعۃ ج ا ص ۲۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ "ما یقرأ بہ فی العید" ج ۴ ص ۲۲۰، سنن دارمی ج ا ص ۲۹۰، ابوداؤد ج ا ص ۱۵۹)

جب کہ غیر مقلدین کا موقف یہ ہے اگر جمعہ کے دن عید ہو جائے تو جمعہ ساقط ہے (یعنی جمعہ معاف ہے) چنانچہ نواب نور الحسن صاحب لکھتے ہیں جب جمعہ اور عید ایک دن ہوں تو جمعہ رخصت ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ یہ رخصت عام ہے امام کیلئے اور عام انسانوں کیلئے۔ (عرف الجادی صفحہ ۴۳)

مجلسِ علمیہ کی مطبوعات









مجلس علمیہ آندھرا پردیش

اغراض ومقاصد کے آئینہ میں

- تنظیم مدارسِ اسلامیہ
- دعوت وتبلیغ
- تصنیف وتالیف
- اکابرِ ملت سے استفادہ
- دار المطالعہ
- دینی ماہنامہ ضیائے علم کی اشاعت
- عیسائی مشنریز کا تعاقب

ان اغراض ومقاصد کے تحت مجلس علمیہ آندھرا پردیش نے تابناک ــــ اور تاریخ ساز خدمات انجام دیئے، اس وقت یہ علماءِ حق کی نمائندہ تنظیم اور ان کا متحدہ پلیٹ فارم ہے۔ اجتماعیت اور وحدت جیسے مقصد کے پیش نظر اپنی گہری وابستگی اور بھرپور مخلصانہ تعاون کے ذریعہ مجلس علمیہ آندھرا پردیش کو مستحکم کیجئے۔

رابطہ کیلئے:

مجلس علمیہ آندھرا پردیش

مکان نمبر: 16-2-61/A/1/4، نزد مسجد اکبری، اکبر باغ، ملک پیٹ، حیدرآباد ۳۶

MAJLIS-E-ILMIYA ANDHRA PRADESH

H. No. 16-2-61/A/1/4, Near Masjid-e-Akbari, Akber Bagh,
Malakpet, Hyd-36 Ph: 040-24540177, 9247555916

مسئلہ تراویح پر

غیر مقلدین کے 10 سوالوں کا جواب
اور غیر مقلدین سے 20 سوال

مؤلف

استاذ المناظرین
حضرت مولانا منیر احمد منور صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا

ناشر: مجلس تحفظ حدیث وفقہ بہاولپور

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال نمبر 1: ...... کیا نبی پاک ﷺ سے بیس تراویح پڑھنا ثابت ہے؟

جواب: ...... جی ہاں نبی کریم ﷺ سے بیس تراویح پڑھنا ایسی حدیث کے ساتھ ثابت ہے جو محدثین کے اصولوں کے مطابق صحیح بھی ہے اور متواتر بھی ہے وہ حدیث یہ ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَّالْوِتْرَ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۶، السنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶، مسند عبد بن حمید ص ۲۱۸، اتحاف الخیرۃ المہرۃ ج ۲ ص ۴۲۴ تاریخ بغداد ج ۱۵ ص ۳۴، ذیل تاریخ بغداد ج ۱۸ ص ۱۸۹، الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۲۴۰، المعجم الکبیر ج ۵ ص ۴۳۳)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پکی بات ہے رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے اور سنن کبری بیہقی میں ہے فِيْ غَيْرِ جَمَاعَةٍ کہ رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔

محدثین حضرات نے رسول اللہ ﷺ کی تراویح کی تعداد بتانے کیلئے اس حدیث کو تراویح کے باب میں ذکر کیا ہے پس معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بیس تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔

صحتِ حدیث ...... یہ حدیث نہایت اعلی درجہ کی صحیح ہے حتی کہ متواتر ہے محدثین اور فقہاء حضرات کا اصول ہے کہ اگر حدیث کی سند میں کوئی راوی ضعیف ہو لیکن حدیث کا مضمون ایسا ہو کہ خلفاء راشدین، جماعت صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) یعنی پوری امت مسلمہ کا اس پر لگاتار عمل ہو (جس کو فقہاء کرام کی اصطلاح میں تعامل، تواتر عملی، اجماع عملی اور توارث کہا جاتا ہے اور محدثین حضرات اسے تلقی بالقبول کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں) تو وہ حدیث متواتر شمار ہوتی ہے اور وہ اپنے ثبوت میں سند کی اور راویوں کی جانچ پڑتال کی محتاج نہیں ہوتی جیسا کہ پہلی کا چاند ثبوت میں گواہوں کا محتاج ہوتا ہے لیکن چودھویں کا چاند اپنے ثبوت میں گواہوں کا محتاج نہیں ہوتا اس کے ثبوت کیلئے اس

کی ہر سو پھیلی ہوئی چاندنی کافی ہے بس اسی طرح جس حدیث پر امت کا عملی تواتر ہو تو ہر زمانہ میں ہر جگہ اس پر عمل کی روشنی اس کے ثبوت کیلئے کافی ہے رسول اللہ ﷺ کی بیس تراویح والی حدیث پر عملی تواتر ہے بس یہی اس کی صحت وثبوت کیلئے کافی ہے۔

ایک غیر مقلد نے کہا...... کہ میں حدیث کو تواتر سے نہیں مانتا صحیح سند سے مانوں گا۔

میں نے کہا...... میں قرآن کی سب آیات کی بات نہیں کرتا سورت فاتحہ کی سات آیات ہیں جو سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہیں آپ ان سات آیات میں سے ہر آیت کی سند اپنے سے رسول اللہ ﷺ تک پیش کریں۔

وہ فورا کہتا ہے...... کہ یہ تو تواتر سے ثابت ہے اس کیلئے سند کی کیا ضرورت ہے؟

میں نے کہا...... پتہ چل گیا کہ جب کوئی چیز تواتر سے ثابت ہو جائے تو اس کے ثبوت کیلئے سند کی ضرورت نہیں رہتی جب وہ ثبوت میں سند کی محتاج نہیں تو ضعف سند کی وجہ سے اس کو رد بھی نہیں کیا جا سکتا بلکہ جیسے راویوں کی توثیق سے ضعف سند کا اعتراض ختم ہو جاتا ہے اسی طرح تواتر سے بھی ضعف سند والا اعتراض ختم ہو جاتا ہے بلکہ بطریق اولی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ راویوں کی توثیق میں محدثین کی غلطی کا امکان ہوتا ہے لیکن اجماع عملی اور تواتر عملی میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔

میں نے مزید کہا...... کہ آپ اپنے ماں باپ کے نکاح کے گواہ پیش کریں تا کہ آپ کا حلالی ہونا ثابت ہو جائے۔

وہ کہنے لگا...... میں اپنے ماں باپ کے نکاح کے گواہ نہیں جانتا اس لیے گواہ پیش کرنا تو کجا میں تو گواہ بتا بھی نہیں سکتا۔

میں نے کہا...... پھر آپ کا حلالی ہونا کیسے ثابت ہوگا۔

وہ کہنے لگا...... کہ میرے باپ کا نکاح مسجد میں ہوا تھا اس نکاح میں اور ولیمہ میں ہمارے

سب گاؤں والے شریک ہوئے تھے اس لئے میں گواہ تو نہیں بتا سکتا البتہ گاؤں کے سب لوگوں کی نکاح اور ولیمہ میں شرکت سے نکاح اور میرا حلالی ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

میں نے کہا...... گواہوں کی شہادت کے بغیر آپ کے گاؤں کے لوگوں کی نکاح اور ولیمہ میں چند منٹوں کے اجتماع سے آپ کے ماں باپ کا نکاح اور آپ کا حلالی ہونا ثابت ہو سکتا ہے تو خلفاء راشدین، جماعت صحابہ، تابعین، تبع تابعین سے لے کر فرنگی دور حکومت تک صدہا سال عالم اسلام کے سب مسلمان ہر مسجد میں ہر سال ماہ رمضان میں پورا ماہ بیس تراویح پڑھتے رہے ہیں تو تمام مسلمانوں کے اس حدیث پر عملی اجماع سے یہ حدیث کیوں ثابت نہیں ہو سکتی؟ اور اگر ہر زمانہ میں ہر جگہ کے سب مسلمانوں کے اس عملی اجماع سے یہ حدیث ثابت نہیں ہو سکتی تو پھر آپ کی بستی کے لوگوں کی نکاح اور ولیمہ کے اجتماع سے آپ کا حلالی ہونا بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔

وہ کہنے لگا...... آپ کی ان مثالوں اور عقلی دلیلوں سے تو یہ بات سمجھ آتی ہے لیکن آپ اس اصول کا ثبوت محدثین اور فقہاء سے پیش کریں۔

میں نے کہا...... جناب! دیکھئے یہ فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث اصول حدیث کی کتاب ہے اس کے ص ۱۲۰ پر علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اِذَا تَلَقَّتِ الْاُمَّةُ الضَّعِيْفَ بِالْقَبُوْلِ يُعْمَلُ بِهٖ عَلَى الصَّحِيْحِ حَتّٰى اَنَّهٗ يَنْزِلُ مَنْزِلَةَ الْمُتَوَاتِرِ فِيْ اَنَّهٗ يُنْسَخُ الْمَقْطُوْعُ بِهٖ جب ضعیف حدیث کے قبول کرنے پر امت عملاً متفق ہو تو اس پر صحیح حدیث کی طرح عمل کیا جاتا ہے حتی کہ وہ متواتر شمار ہوتی ہے اور اس کے ساتھ قطعی نص بھی منسوخ ہو سکتی ہے۔

مزید حوالہ جات کیلئے عقد الجید ص ۵۲، مجموعۃ الفتاوی لابن تیمیہ ج ۱۸ ص ۲۴۷، تدریب الراوی ص ۱۵، الروضۃ الندیہ ص ۵، الفقیہ والمتفقہ للخطیب ج ۱ ص ۱۴۲، اعلام الموقعین، الاستذکار لابن عبدالبر، التمہید لابن عبدالبر،

نیز غیر مقلد شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی صاحب اپنی ایک دلیل کے متعلق لکھتے ہیں ''اس حدیث کی سند بالاتفاق ضعیف ہے لیکن اس کو تمام امت نے بالاتفاق قبول کیا ہے اس کی قبولیت پر عملی تواتر ثابت ہے'' (رسول اکرم ﷺ کی نماز ص ۹)

لہذا بیس تراویح والی اس حدیث کی سند اور اس کے راویوں پر بحث کرنا محدثین اور فقہاء کے مسلمہ اصول کے خلاف ہے رہی بات اس حدیث پر عملی اجماع اور عملی تواتر کی تو وہ آنے والے سوالات کے جواب میں ملاحظہ کیجئے گا۔

سوال نمبر 2:...... کیا نبی پاک ﷺ سے تراویح باجماعت پڑھنا ثابت ہے؟

جواب:......رسول اللہ ﷺ نے صرف تین رات تراویح باجماعت پڑھائی ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے تراویح کی جماعت نہیں کرائی اور فرمایا مجھے خوف ہوا کہ تم پر یہ نماز فرض نہ کردی جائے پس آئندہ اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیا کرو کیونکہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی **افضل** ترین نماز وہ ہے جو وہ اپنے گھر میں پڑھے اس مضمون کی حدیثیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ ،حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ،حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہیں ملاحظہ کیجئے بخاری ج ۱ ص ۱۰۱، ۲۶۹، قیام رمضان للمروزی ص ۱۵۳، ۱۵۴

ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد کے کنارے میں نماز پڑھ رہے ہیں آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا کہ حضرت یہ وہ لوگ ہیں جو اچھی طرح قرآن نہیں پڑھ سکتے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان کو نماز پڑھا رہے ہیں اور وہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں آپ نے فرمایا انھوں نے درست کیا یا یہ فرمایا کہ انھوں نے اچھا کام کیا ہے

(قیام رمضان للمروزی ص ۱۵۵)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا پسند تھا مگر فرضیت کے خوف کی وجہ سے جماعت ترک کردی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ایک سال تک تراویح انفراداً پڑھی جاتی رہی اور جماعت کا باقاعدہ اہتمام نہ کیا گیا جب فرض ہونے کا خوف نہ رہا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلافت کے دوسرے سال تراویح با جماعت کردی اگرچہ یہ کام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی کر سکتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خلافت صدیقی میں ان کو مختلف فتنوں سے سابقہ پڑا مثلاً مسیلمہ کذاب کا فتنہ، منکرین زکاۃ کا فتنہ، مرتدین قبائل کا فتنہ وغیرہ وہ ان کی سرکوبی میں مصروف رہے اور قدرت کی طرف سے ان کو خلافت کا وقت بھی تھوڑا ملا (دو سال کچھ ماہ) جسمیں وہ صرف ان فتنوں کا سدباب کر سکے اور دیگر اصلاحی امور کی طرف متوجہ نہ ہو سکے اور جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو اس وقت یہ سارے فتنے نیست و نابود ہو چکے تھے اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اصلاحی امور کی طرف متوجہ ہوئے اور مختلف اصلاحی احکام نافذ فرمائے جن کی تفصیل ازالۃ الخفاء میں دیکھی جا سکتی ہے۔

سوال نمبر 3:...... نبی پاک ﷺ نے با جماعت تراویح کی کتنی رکعات پڑھی ہیں؟

جواب:......اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ اس مضمون کی جو حدیثیں صحیح ہیں مثلاً حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا، حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہ، حدیث زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان میں رکعات کی تعداد مذکور نہیں اور جن میں تعداد مذکور ہے وہ سنداً ضعیف ہیں وہ دو حدیثیں ہیں۔

(1)......حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ماہ رمضان میں آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے۔

(2)......حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ رمضان کی آج والی رات میں مجھ سے ایک عجیب چیز صادر ہوئی آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کچھ عورتیں میرے گھر میں موجود تھیں انھوں نے کہا ہم قرآن نہیں پڑھ

سکتیں ہم آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنا چاہتی ہیں سو میں نے ان کو آٹھ رکعات اور وتر پڑھائے۔

ان دونوں حدیثوں کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں یعقوب قمی اور عیسیٰ بن جاریہ لہذا یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں اور ان میں نہ تراویح کی صراحت ہے، نہ آٹھ سے زائد رکعات کی نفی ہے۔

تشریح احادیث حدیث کی تشریح اور توضیح میں دو قاعدے ملحوظ رکھیے۔

قاعدہ نمبر 1 ...... اگر حدیث کے ایک مفہوم کے مطابق سب حدیثوں میں توافق و موافقت پیدا ہوتی ہو اور سب حدیثوں پر عمل ہو جاتا ہو اور دوسرے مفہوم کے مطابق حدیثوں میں تضاد اور ٹکراؤ پیدا ہوتا ہو اور سب حدیثوں پر عمل بھی نہ ہوتا ہو تو موافقت والا مفہوم راجح اور صحیح ہوگا اس کے مقابلہ میں حدیثوں میں تضاد پیدا کرنے والا مفہوم مرجوح اور غلط ہوگا۔

قاعدہ نمبر 2 ...... ضعیف حدیثیں اگرچہ مستقل دلیل نہیں بن سکتیں لیکن مجمل حدیثوں کی تشریح میں کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں کیونکہ محض رائے کے ساتھ تشریح کرنے سے ضعیف حدیثوں کو ملحوظ رکھ کر ان کی روشنی میں تشریح اور وضاحت کرنا ہزار درجے بہتر ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی پہلی حدیث کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعتیں پڑھائیں اس میں مفہوم کے لحاظ سے دو احتمال ہیں۔

(1) ...... ان آٹھ رکعتوں سے تہجد کی آٹھ رکعتیں مراد ہیں اور ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعت تراویح پڑھائی اور آٹھ رکعت تہجد پڑھائی ہو جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور غیر مقلدیت کے بانی میاں نذیر حسین رمضان میں تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے اور آج کل حرمین شریفین میں رمضان کے آخری عشرہ میں بیس تراویح کے بعد رات کے اخیر میں آٹھ رکعت تہجد پڑھتے ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں نہ تراویح کی صراحت ہے نہ کوئی ایسا لفظ ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ آٹھ رکعات تراویح تھی تہجد نہیں تھی

(2) ...... دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی رات تہائی رات تک، دوسری رات نصف رات تک، تیسری رات سحری تک تراویح پڑھائی (قیام

رمضان للمروزی ص۱۵۳) تو ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلی دو راتوں میں آٹھ تراویح جماعت کے ساتھ پڑھائی ہوں اور باقی بارہ رکعتیں اپنے اپنے گھروں میں پڑھ کر بیس تراویح مکمل کی ہوں مگر تیسری رات میں پوری بیس تراویح باجماعت سحری تک پڑھائی ہوں۔ اس کی تائید حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور ضعیف حدیث سے ہوتی ہے وہ یہ ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ فَصَلّٰى النَّاسَ اَرْبَعَةً وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَاَوْتَرَ بِثَلَاثَةٍ (تاریخ جرجان ج۱ ص۱۴۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کی ایک رات نکلے پس آپ نے لوگوں کو چوبیس رکعتیں (۴ فرض، ۲۰ تراویح) اور تین وتر پڑھائے اس کی سند میں ایک راوی محمد بن حمید الرازی ضعیف ہے تاہم تائید بن سکتی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آٹھ رکعت اور بیس رکعت والی اپنی دونوں قسم کی روایتوں میں رسول اللہ ﷺ کے دونوں عمل بتائے ہیں۔

اسی طرح حضرت جابر کی دوسری حدیث جس میں ابی بن کعب کے عورتوں کو آٹھ رکعت پڑھانے کا ذکر ہے اس میں بھی ممکن ہے آٹھ رکعت سے تہجد مراد ہو اور کوئی ایسا لفظ نہیں جو ان کے تراویح ہونے پر اور تہجد کے نہ ہونے پر دلالت کرے۔

آٹھ رکعت والی حدیث کی اس تشریح کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بیس تراویح والی مرفوع متواتر حدیث کے ساتھ موافقت ہو جاتی ہے...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بیس رکعت والی حدیث کے ساتھ بھی موافقت ہو جاتی ہے...... اسی طرح بیس تراویح پر تین خلفاء راشدین عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے اجماع کے ساتھ بھی موافقت ہو جاتی ہے...... اجماع صحابہ، اجماع تابعین و تبع تابعین اور اجماع ائمہ اربعہ کے ساتھ بھی موافقت ہو جاتی ہے۔ نیز اس کے مطابق آٹھ اور بیس کا ٹکراؤ بھی ختم ہو جاتا ہے اور آٹھ اور بیس والی دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل بھی ہو جاتا ہے اس لیے یہ تشریح راجح اور صحیح ہے۔ اور اس سے بیس تراویح ثابت ہوتی ہے اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس تشریح کی صحت پر مذکورہ بالا تمام امور دلائل ہیں کیونکہ اس تشریح کے مطابق

تراویح بیس رکعت ثابت ہوتی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا مرفوع متواتر حدیث اور اجماع خلفاء راشدین اجماع صحابہ اجماع تابعین وتبع تابعین اور اجماع ائمہ اربعہ بھی بیس تراویح پر ہے اس لئے یہ تشریح صحیح بھی ہے اور مدلل بھی ہے

جبکہ غیر مقلدین ان حدیثوں کی تشریح میں یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف آٹھ تراویح پڑھائی ہیں اس سے زائد انفرادا یا اجتماعا رکعتیں نہیں پڑھی گئیں اس تشریح کے مطابق غیر مقلدین کے دعوی کے دو حصے ہیں (۱) کہ آپ نے صحابہ کرام کو آٹھ تراویح پڑھائی ہے (۲) آٹھ رکعت سے زیادہ رکعتیں آپ نے اور صحابہ کرام نے انفرادا یا اجتماعا نہیں پڑھیں غیر مقلدین کے پاس دعوے کے ہر دو حصوں پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ آٹھ رکعت والی حدیثوں میں تراویح کی صراحت نہیں ہے اور غیر مقلدین ایسی کوئی حدیث پیش نہیں کر سکتے کہ جس میں آٹھ کا عدد ہو اور تراویح کی صراحت ہو اسی طرح دوسرے دعوے پر بھی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں پس یہ محض ان کی اپنی ذاتی رائے ہے اس کے باوجود آٹھ اور بیس رکعات والی حدیثوں میں ٹکراؤ بھی باقی رہ جاتا ہے۔

نیز یہ تشریح بیس تراویح والی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع متواتر، اجماع خلفاء راشدین، اجماع صحابہ، اجماع امت اور ائمہ اربعہ کے اتفاق کے بھی خلاف ہے۔

ایک غیر مقلد نے کہا...... کہ آٹھ تراویح کے اثبات اور اس سے زائد رکعات کی نفی پر دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

میں نے کہا...... غیر مقلدین کی اس دلیل پر چھ اعتراض ہیں۔

(1)...... ایک اعتراض یہ ہے کہ تمہارے دعوی اور دلیل میں مطابقت نہیں کہ یہ دونوں دعوے تراویح کے بارے میں ہیں اور جو تم نے حدیث پیش کی ہے اس میں تہجد کا ذکر ہے کیونکہ رمضان اور غیر رمضان میں تہجد پڑھی جاتی ہے۔

(2)...... دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں گیارہ سے زیادہ رکعت کی نفی ہے جبکہ صحیح

بخاری ص ۱۵۳ اور قیام اللیل للمروزی ص ۸۳ پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح صادق سے پہلے رات کو تیرہ رکعات پڑھتے اور طلوع فجر کے بعد فجر کی سنتیں پڑھتے لہذا گیارہ سے زیادہ رکعتیں ثابت ہو گئیں تو نفی کیسے درست ہے۔

(3)..... تیسرا اعتراض یہ ہے کہ غیر مقلدین نے لکھا ہے کہ تراویح کی تعداد متعین نہیں ہے علامہ شوکانی لکھتے ہیں فَقَصْرُ الصَّلَاةِ الْمُسَمَّاةِ بِالتَّرَاوِيْحِ عَلٰى عَدَدٍ مُّعَيَّنٍ لَّمْ تَرِدْ بِهٖ سُنَّةٌ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۵۸) جس نماز کا نام تراویح ہے اس کی متعین تعداد سنت سے ثابت نہیں۔ نواب وحید الزمان لکھتے ہیں وَلَايَتَعَيَّنُ لَهٗ عَدَدٌ مُّعَيَّنٌ (کنز الحقائق ص ۳۰، نزل الابرار ج ۱ ص ۲۶) تراویح کی تعداد متعین نہیں نواب نور الحسن کی کتاب عرف الجادی مصدقہ نواب صدیق حسن خان کے ص ۸۴ پر ہے و بالجملہ عدد معین در مرفوع نیامدہ خلاصہ یہ کہ کسی مرفوع حدیث میں تراویح کی متعین تعداد نہیں آئی جب غیر مقلدین کے نزدیک تراویح کی متعین تعداد کسی حدیث سے ثابت نہیں تو خواہ مخواہ احادیث سے آٹھ تراویح کو ثابت کرنا اور اس سے زائد کی نفی کرنا نبی پاک ﷺ پر اور حدیث پر جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے؟

(4)..... چوتھا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں یعنی بارہ ماہ تین وتر پڑھتے تھے جبکہ غیر مقلدین صرف ماہ رمضان میں تین وتر پڑھتے ہیں اور گیارہ ماہ خود ایک وتر پڑھتے ہیں اور دوسروں سے بھی ایک وتر پڑھانے کی کوشش کرتے ہیں گویا وہ گیارہ ماہ اس حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔

(5)..... پانچواں اعتراض یہ ہے کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے آٹھ تراویح کا اثبات اور بیس تراویح کی نفی ہوتی ہے اور بیس تراویح کا بدعت اور خلاف سنت ہونا ثابت ہوتا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے متصل مسجد نبوی میں جب بیس تراویح با جماعت کی سنت جاری کی تو کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث بیس تراویح کی نفی کیلئے پیش کی تھی یا کسی اور صحابی نے یہ حدیث پیش کی تھی؟ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں سن ۵۷ یا ۵۸ھ میں ہوئی ہے اس طویل عرصہ میں مسجد نبوی میں بیس تراویح ہوتی رہی کبھی اماں جان نے بیس تراویح کے خلاف

یہ حدیث پیش کی تھی جب بیس تراویح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے خلاف ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آخیر زندگی تک کیوں خاموش رہیں اور یہ حدیث کیوں پیش نہ کی؟

(6)...... چھٹا اعتراض یہ ہے کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا حدیث کے قرینہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں آٹھ تراویح کا اثبات اور بیس تراویح کی نفی ہے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وفات عبدالملک کی خلافت میں سن ۷۴ھ میں ہوئی ہے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سامنے مسجد نبوی میں اتنا طویل عرصہ بیس تراویح والی بدعت جاری رہی اور خلاف سنت عمل ہوتا رہا انھوں نے آٹھ رکعت والی حدیث اس بدعت اور خلاف سنت کام کے خلاف کیوں پیش نہ کی؟ اسی طرح اگر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو آٹھ تراویح پڑھائی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے قرینہ سے اس میں بھی آٹھ تراویح کا اثبات اور بیس تراویح کی نفی ہے تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی وفات خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں سن ۱۹ھ میں ہوئی ہے اس عرصہ تک حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ خود بیس تراویح پڑھاتے رہے اور انھوں نے بھی بیس تراویح کے خلاف یہ حدیث پیش نہ کی کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے غیر مقلدین میں دینی حمیت، دینی غیرت، سنت سے محبت اور بدعت سے نفرت زیادہ ہے کہ یہ لوگ تو بیس تراویح کو بدعت اور خلاف سنت ثابت کرنے کیلئے ان حضرات کی حدیثیں لکھتے اور سناتے ہیں لیکن ان حدیثوں کو بیان کرنے والے یہ جلیل القدر اکابر صحابہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ حدیثیں پیش نہیں کرتے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کا تعلق تراویح کے ساتھ نہیں بلکہ اس میں رمضان اور غیر رمضان میں تہجد پڑھنے کا ذکر ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ دونوں حدیثوں میں یا آٹھ رکعات تہجد پڑھانے کا ذکر ہے یا آٹھ تراویح باجماعت مراد ہے اور باقی بارہ رکعات تراویح گھروں میں پڑھی گئیں۔

ہمارا سوال...... غیر مقلدین کی آٹھ تراویح پر وہ حدیث دلیل بنے گی جس میں آٹھ کا عدد ہو...... تراویح کی صراحت ہو...... آٹھ رکعات کا اثبات ہو...... اور اس سے زائد رکعات کے انفراداً اور اجتماعاً پڑھنے کی ممانعت یا نفی ہو اور ایسی صحیح صریح حدیث نہ آج تک غیر مقلدین پیش کر سکے ہیں، نہ پیش کر سکتے ہیں اور نہ پیش کر سکیں گے۔ (انشاء اللہ العزیز)

سوال نمبر 4:...... حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بیس تراویح پڑھی جاتی تھیں یا آٹھ؟

جواب:...... حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ایک سال تک حسب سابق تراویح باجماعت پڑھنے کا اہتمام نہ تھا خلافت کے دوسرے سال تراویح باجماعت کا اہتمام کیا گیا اس کا ایک سبب یہ بنا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مسجد نبوی میں کچھ لوگ اکیلے تراویح پڑھ رہے ہیں اور کچھ لوگ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھ رہے ہیں اور جماعتیں بھی متعدد ہو رہی ہیں یہ منظر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اچھا نہ لگا اس لئے آپ نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر فرمایا **لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِئٍ وَّاحِدٍ لَكَانَ اَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ** اگر میں ان کو ایک قاری پر جمع کر دوں تو یہ طریقہ بہت عمدہ ہے پھر اس کا پختہ ارادہ کیا اور سب کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں تراویح پڑھنے پر جمع کیا اس کے بعد پھر ایک دن دیکھا کہ سب لوگ ایک امام کے پیچھے تراویح پڑھ رہے ہیں تو فرمایا یہ جدید طریقہ اچھا ہے (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۹) دوسرا سبب یہ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ جس قاری کی آواز اچھی ہے اس کے مقتدی زیادہ ہیں اور جس کی آواز اتنی خوبصورت نہیں اس کے پیچھے مقتدی تھوڑے ہیں جس سے آپ نے محسوس کیا کہ لوگ قرآن کو مقصود بنانے کی بجائے آواز کو مقصود بنا رہے ہیں اس لئے بھی آپ نے سب کو ایک قاری پر جمع کیا۔

رہی یہ بات کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ امام بن کر تراویح کتنی پڑھاتے تھے؟ اس کی تفصیل اور حقیقت عہد عمر رضی اللہ عنہ میں تراویح سے متعلق احادیث میں تلاش کرنی چاہیئے اس لئے پہلے وہ احادیث ملاحظہ کریں پھر یہ دیکھیں کہ محدثین وفقہاء نے ان کی کیا تشریح کی ہے جس سے اصل حقیقت واضح ہو جائے گی۔

(۱)...... حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں (سنن کبری بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

(۲)...... حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ اور تابعین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیس رکعت پڑھتے تھے (سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

(۳)...... یزید بن رومان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ لوگ (صحابہ تابعین) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۲۳ رکعتیں پڑھتے تھے (سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

(۴)...... عَنْ يَحْيٰى بْنِ سَعِيْدٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَ رَجُلًا يُّصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۲۸۵)

یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ پکی بات ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو (یعنی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو) حکم دیا کہ وہ صحابہ تابعین کو بیس رکعات پڑھائے۔

(۵)...... عبدالعزیز بن رفیع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ماہ رمضان میں مدینہ کے اندر لوگوں کو بیس رکعت اور تین وتر پڑھاتے تھے

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۲۸۵)

(۶)...... محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے (قیام رمضان للمروزی ص ۱۵۷)

(۷)...... حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دیا وہ رمضان کی راتوں میں لوگوں کو نماز پڑھائے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور قرآن اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے اگر آپ ان کو رات کے وقت تراویح میں قرآن سنائیں تو اچھا ہے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا اے امیر المؤمنین یہ ایک نئی چیز ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ مجھے معلوم ہے لیکن یہ طریقہ اچھا ہے فَصَلّٰى بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً پس ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ان کو بیس رکعتیں پڑھائیں

(اتحاف الخیرۃ المہرۃ ج ۲ ص ۴۲۵، المختارہ ج ۳ ص ۳۶۷)

تشریح احادیث...... ان احادیث کی تشریح میں بھی حنفیہ نے تطبیق کا راستہ اختیار کیا ہے یعنی ایسی تشریح کہ جس کے مطابق احادیث میں ظاہری ٹکراؤ ختم ہو کر موافقت پیدا ہو جاتی ہے اور سب حدیثوں پر عمل بھی ہو جاتا ہے چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں حدیث نمبرا میں ہے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا پھر یہی سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بتا رہے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں لوگ یعنی صحابہ تابعین بیس رکعت پڑھتے تھے اسی طرح باقی چھ حدیثوں میں بھی عہد عمر رضی اللہ عنہ میں بیس رکعت پڑھنے کا ذکر ہے اور حدیث نمبر۴ میں ہے کہ حضرت عمر نے بیس تراویح پڑھانے کا حکم دیا

اصل بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یک لخت بیس تراویح باجماعت کا حکم نہیں دیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کی جتنی رکعتیں باجماعت پڑھانا ثابت تھا یعنی آٹھ تراویح اور تین وتر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پہلے اتنی رکعت باجماعت کا حکم دیا باقی بارہ رکعت اپنے گھروں میں پڑھ کر بیس تراویح مکمل کرتے تھے لیکن تدریجا تدریجا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اخیر میں بیس تراویح باجماعت کردی اس کے بعد ہر زمانہ میں ہر جگہ ہر مسجد میں بیس تراویح پڑھی جاتی رہی ہے۔

تائیدات

(۱)......امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی آٹھ اور بیس والی دونوں روایتیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں وَيُمْكِنُ الْجَمْعُ بَيْنَ الرِّوَايَتَيْنِ فَإِنَّهُمْ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ بِإِحْدٰى عَشَرَةَ ثُمَّ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ بِعِشْرِيْنَ وَيُوْتِرُوْنَ بِثَلَاثٍ

(سنن کبری بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

ان دونوں روایتوں کو جمع کرنا ممکن ہے وہ اس طرح کہ پہلے صحابہ باجماعت گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے (بارہ رکعتیں گھروں میں پڑھتے تھے) پھر بعد میں بیس رکعت اور تین وتر باجماعت پڑھتے تھے۔

(۲)...... علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں!

وَجُمِعَ بَيْنَهُمَا بِاَنَّهُ وَقَعَ اَوَّلًا ثُمَّ اسْتَقَرَّ الْاَمْرُ عَلَى الْعِشْرِيْنَ فَاِنَّهُ الْمُتَوَارِثُ

(فتح القدیر ج۱ص۴۰۷)

عہد عمر رضی اللہ عنہ میں آٹھ رکعت با جماعت اور بیس رکعت با جماعت کی حدیثوں میں تطبیق یہ ہے کہ پہلے آٹھ رکعت با جماعت کا حکم دیا گیا مگر اخیر میں بیس رکعت با جماعت پر عمل پختہ ہو گیا کیونکہ یہی بیس تراویح کا عمل امت مسلمہ میں نسل درنسل چلتا رہا ہے۔

(۳)...... ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں!

لَعَلَّهُمْ فِيْ بَعْضِ اللَّيَالِيْ قَصَدُوْا التَّشْبِيْهَ بِهِ ﷺ فَاِنَّهُ صَحَّ عَنْهُ اَنَّهُ صَلّٰى بِهِمْ ثَمَانِيَ رَكْعَاتٍ وَّالْوِتْرَ وَاِنْ كَانَ الَّذِيْ اسْتَقَرَّ عَلَيْهِمْ اَمْرُهُمْ الْعِشْرِيْنَ (مرقاۃ المفاتیح ج۳ص۳۷۹)

جن بعض راتوں میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعتیں پڑھائیں شاید انھوں نے اس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کا ارادہ کیا ہو کیونکہ صحیح یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو آٹھ رکعت اور تین وتر جماعت کے ساتھ پڑھائے (باقی تراویح گھروں میں مکمل کی گئی اسی طرح عہد عمر میں) اگر چہ جس چیز پر صحابہ وتابعین کا عمل پختہ ہو گیا وہ بیس تراویح کا عمل ہے۔

نیز ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں نَعَمْ ثَبَتَ الْعِشْرُوْنَ مِنْ زَمَنِ عُمَرَ (مرقاۃ المفاتیح ج۳ص۳۸۲) ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے بیس تراویح ثابت ہے۔

(۴)...... علامہ عبدالرحمٰن جزیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں!

وَقَدْ بَيَّنَ فِعْلُ عُمَرَ اَنَّ عَدَدَهَا عِشْرُوْنَ حَيْثُ اَنَّهُ جَمَعَ النَّاسَ اَخِيْرًا عَلٰى هٰذَا الْعَدَدِ فِي الْمَسْجِدِ وَوَافَقَهُ الصَّحَابَةُ عَلٰى ذٰلِكَ وَلَمْ يُوْجَدْ لَهُمْ

مُخَالِفٌ مِمَّنْ بَعْدَهُمْ مِنَ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۳۴۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عملی فیصلہ نے واضح کر دیا کہ تراویح کی تعداد بیس رکعت ہے کیونکہ اخیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مسجد میں بیس تراویح با جماعت پر جمع کیا اور سب صحابہ کرام نے ان کے ساتھ موافقت کی اور بعد کے خلفاء راشدین میں سے کسی نے بھی ان کی مخالفت نہیں کی۔

(۵)......امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں!

بیس تراویح پڑھنا مجھے پسند ہے لِاَنَّهٗ رُوِیَ عَنْ عُمَرَ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہی منقول ہے (کتاب الام ج ۱ ص ۱۲۵)

(۶)......امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں!

اکثر اہل علم کا مذہب بیس رکعت تراویح ہے (جبکہ بعض ۳۶ رکعت کے قائل بھی ہیں) کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اوران کے علاوہ دیگر اصحاب نبی سے یہی مروی ہے

(جامع ترمذی ج ۱ ص ۹۹)

(۷)......امام ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں!

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے یہی (بیس تراویح) ثابت ہے اور کوئی صحابی اس کا مخالف نہیں (الاستذکار ج ۲ ص ۷۰)

(۸)......علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں!

اِنَّ عُمَرَ لَمَّا جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ كَانَ يُصَلِّيْ لَهُمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً

(المغنی ج ۱ ص ۷۹۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعت پڑھاتے

(۹)......امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں!

فَلَمَّا جَمَعَهُمْ عُمَرُ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ كَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً ثُمَّ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ (مجموعۃ الفتاوی ج۲۲ص۲۷۲)

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کیا تو وہ ان کو بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

(۱۰)......امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں!

قَدْ ثَبَتَ اَنَّ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ كَانَ يَقُوْمُ بِالنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ فَرَاٰى كَثِيْرٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ اَنَّ ذٰلِكَ هُوَ السُّنَّةُ لِاَنَّهٗ اَقَامَهٗ بَيْنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَلَمْ يُنْكِرْهُ مُنْكِرٌ (مجموعۃ الفتاوی ج۲۳ص۱۱۲)

تحقیق یہ پکی بات ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے اسی لئے جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہی طریقہ سنت ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان اس پر عمل کیا ہے اور کسی ایک نے بھی نہ اس کا انکار کیا ہے اور نہ اس پر کوئی ردوقدح کی۔

(۱۱)...... شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی لکھتے ہیں!

اِنَّ عُمَرَ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (مجموعہ رسائل الشیخ محمد بن عبدالوہاب ج ۴ص ۱۱۷)

پکی بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔

(۱۲)......امام ولی الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں!

لٰكِنَّ عُمَرَ لَمَّا جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى صَلَاةِ التَّرَاوِيْحِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ مُقْتَدِيْنَ بِاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ صَلّٰى بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً غَيْرَ الْوِتْرِ وَهُوَ ثَلَاثُ رَكْعَاتٍ (طرح التثریب فی شرح التقریب ج۳ص۸۸)

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ماہ رمضان میں لوگوں کو نماز تراویح پڑھنے کیلئے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کیا تو وہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرتے اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان کو تین وتروں کے علاوہ بیس رکعت پڑھاتے۔

نتائج عبارات

(۱)......حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابتداء صحابہ کرام کو گیارہ رکعات باجماعت پر جمع کیا انتہاءً بیس تراویح اور تین وتر باجماعت پر جمع کیا پھر یہی عمل جاری رہا۔

(۲)......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بقیہ آٹھ سالہ خلافت میں نیز اپنی اپنی خلافت میں بھی ان فیصلوں پر نہ اعتراض کیا نہ اختلاف کیا بلکہ بیس تراویح باجماعت پر متفق رہے۔ پس ان تین خلفاء راشدین کا بیس تراویح باجماعت پر اجماع ہو گیا۔

(۳)......تمام صحابہ کرام کا بیس تراویح باجماعت پر اجماع ہوا اور کسی ایک صحابی نے بھی اختلاف نہ کیا

(۴)......ان تین ادوار میں موجود تابعین میں سے بھی کسی نے اختلاف نہیں کیا اس لیے تابعین کا بھی بیس تراویح باجماعت پر اجماع ہوا۔

رہی یہ بات کہ جب حضرت عمر نے ابتداء میں گیارہ رکعات باجماعت کا حکم دیا تو صحابہ و تابعین باقی بارہ رکعات گھروں میں انفرادا پڑھتے تھے اس پر کیا دلیل ہے؟ سنیے اس پر دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس کی مرفوع متواتر حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیس تراویح پڑھتے تھے اور عہد عمر میں تین خلفاء راشدین اور اس وقت موجود تمام مہاجرین وانصار اور دیگر تمام صحابہ کرام اور سب تابعین کا بیس تراویح پر اجماع ہو گیا تو سوچنے کی بات ہے کہ یہ سب مقدس حضرات ایک خلاف سنت کام پر کیسے جمع ہو

سکتے ہیں جبکہ تواتر اور اجماع میں شرعاً وعقلاً غلطی کا ہونا محال ہے اس لیے بلا شبہ سنت تراویح بیس رکعات ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام خلاف سنت محض آٹھ تراویح پر اکتفاء کر لیتے ہوں گے یقیناً وہ بارہ رکعات گھروں میں انفراداً پڑھ کر بیس تراویح والی سنت پوری کرتے ہوں گے جبکہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے اخیر تک اور اس کے بعد بھی صرف آٹھ تراویح پڑھی گئی ہے اس سے زائد تراویح کی رکعات انفراداً یا اجتماعاً نہیں پڑھی گئیں لیکن آٹھ سے زیادہ کی نفی پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں پھر ان کی یہ تشریح حدیث مرفوع، تین خلفاء راشدین کے اجماع اور اجماع صحابہ اجماع تابعین و تبع تابعین اور اجماع امت کے بھی خلاف ہے اور اس تشریح کے مطابق حدیثوں میں تضاد و ٹکراؤ بھی پیدا ہو جاتا ہے اور خود غیر مقلدین کے مذہب کے بھی خلاف ہے کہ ان کے نزدیک تراویح کی متعین تعداد کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ لہذا غیر مقلدین کا ابتداء والی بات کو لینا اور اخیر والی بات یعنی بیس تراویح باجماعت جس پر خلفاء راشدین صحابہ تابعین تبع تابعین اور پوری امت کا اجماع ہے اس کو چھوڑ دینا تقاضائے عدل وانصاف اور تقاضائے ایمان کے خلاف ہے۔

ہمارے چار سوال

(۱)......کوئی ایک حدیث پیش کریں جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آٹھ تراویح پڑھانے کا حکم ہو اور اس سے زائد رکعات کے انفراداً واجتماعاً پڑھنے کی ممانعت ہو۔

(۲)......حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے اخیر تک آٹھ تراویح اور تین وتر کا عمل جاری رہنے کا اگر غیر مقلدین کے علاوہ کوئی صحابی یا کوئی تابعی یا کوئی تبع تابعی یا چودہ صدیوں کے علماء میں سے کوئی معتبر عالم قائل ہو تو اس کا صرف ایک حوالہ پیش کریں۔

(۳)......ہم کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے اخیر تک بیس تراویح

باجماعت کا عمل جاری رہا عرب وعجم کے غیر مقلدین اور روافض کے علاوہ چودہ صدیوں کے کسی معتبر عالم نے اس کا انکار کیا ہو تو اس کا حوالہ پیش کریں۔

(۴)......حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب بیس تراویح باجماعت کا طریقہ جاری کیا تو کسی صحابی نے انکار کیا ہو یا اس کو بدعت کہا ہو تو اس کا نام مع ثبوت پیش کریں۔

سوال نمبر 5:......عہد عمر رضی اللہ عنہ کے بعد عہد صحابہ اور تابعین میں آٹھ تراویح پڑھی جاتی تھیں یا نہیں؟

جواب:...... جب عہد عمر رضی اللہ عنہ میں بیس تراویح باجماعت شروع ہوئی تو اس کے بعد عہد صحابہ اور عہد تابعین میں ہمیشہ بیس تراویح کا عمل جاری رہا ہے ثبوت ملاحظہ کیجئے۔

(۱)......عَنْ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِیِّ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ دَعَا الْقُرَّاءَ فِیْ رَمَضَانَ فَاَمَرَ مِنْهُمْ رَجُلًا يُّصَلِّیْ بِالنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً قَالَ وَكَانَ عَلِیٌّ يُّوْتِرُ بِهِمْ

(سنن کبری بیہقی ج ۲ص۴۹۶)

ابو عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں قراء کو بلایا پھر ان میں سے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے بیس تراویح کے بعد وتر حضرت علی رضی اللہ عنہ خود پڑھاتے۔

(۲)......عَنْ اَبِی الْحَسْنَاءِ اَنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اَمَرَ رَجُلًا اَنْ يُّصَلِّیَ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (سنن کبری بیہقی ج۲ص ۴۹۷)

ابوالحسناء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس تراویح پڑھائے (چار رکعت کے مجموعہ کو ترویحہ کہا جاتا ہے اس کی جمع ترویحات ہے)۔

(۳)...... كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ يُصَلِّيْ بِنَا فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَيَنْصَرِفُ وَعَلَيْهِ لَيْلٌ قَالَ الْاَعْمَشُ كَانَ يُصَلِّيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَّيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ

(قیام رمضان للمروزی ص ۱۵۷)

زید بن وہب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ماہ رمضان میں ہمیں تراویح پڑھاتے اور تراویح سے فارغ ہوتے تو ابھی رات باقی ہوتی اعمش تابعی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

(۴)...... عَنْ عَطَاءٍ قَالَ اَدْرَكْتُ النَّاسَ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ ثَلَاثًا وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص ۲۸۵)

مکہ کے مفتی عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے صحابہ کو اس طرح پایا کہ وہ وتر سمیت تیئیس رکعتیں پڑھتے ہیں۔

(۵)...... قیام رمضان للمروزی میں ہے قَالَ عَطَاءٌ اَدْرَكْتُهُمْ يُصَلُّوْنَ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَّالْوِتْرَ ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ (ص ۱۵۸)

میں نے صحابہ کو اس حالت میں پایا کہ وہ بیس تراویح اور تین وتر پڑھتے ہیں۔

(۶)...... نَافِع لَمْ اُدْرِكِ النَّاسَ اِلَّا وَهُمْ يُصَلُّوْنَ تِسْعًا وَّثَلَاثِيْنَ رَكْعَةً وَّيُوْتِرُوْنَ مِنْهَا بِثَلَاثٍ (قیام رمضان للمروزی ص ۱۵۸)

نافع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے لوگوں کو اس طرح پایا کہ وہ وتر سمیت ۳۹ رکعت پڑھتے ہیں (۲۰ تراویح اور ۱۶ رکعت تراویح کے چار وقفوں میں اور تین وتر)

(۷)...... داود بن قیس کہتے ہیں کہ میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور ابان بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں اہل مدینہ کو اس طرح پایا کہ وہ چھتیس رکعات (یعنی بیس تراویح اور تراویح کے وقفہ کی ۱۶ رکعات) اور تین وتر پڑھتے ہیں (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص ۲۸۵)

مزید روایات سوال نمبر ۶ کے جواب میں ملاحظہ کیجئے۔

سوال نمبر 6:...... عہد صحابہ عہد تابعین وتابعین میں بیس تراویح پڑھانے والے چند ائمہ کے نام مطلوب ہیں؟

جواب:...... بیس تراویح کے ائمہ میں سے پچھلی روایات میں (۱) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر آ چکا ہے ان دو کے علاوہ دیگر بیس تراویح کے ائمہ ملاحظہ کیجئے

(۳)...... عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ وَّكَانَ مِنْ اَصْحَابِ عَلِيٍّ اَنَّهٗ كَانَ يَؤُمُّهُمْ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ وَّفِيْ ذٰلِكَ قُوَّةٌ

(سنن کبری بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

شتیر بن شکل رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ہیں وہ ماہ رمضان میں تراویح میں لوگوں کی امامت کرتے اور ان کو بیس رکعت اور تین وتر پڑھاتے اور یہ اثر بڑا قوی ہے۔

(۴)...... اَبُوْ الْخَصِيْبِ قَالَ كَانَ يَؤُمُّنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ فِيْ رَمَضَانَ فَيُصَلِّيْ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (سنن کبری بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

ابو خصیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سوید بن غفلہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان شریف میں ہمارے امام ہوتے اور وہ پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت پڑھاتے۔

(۵)...... عَنْ نَّافِعِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ ابْنُ اَبِيْ مُلَيْكَةَ يُصَلِّيْ بِنَا فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

نافع بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ ہمیں رمضان شریف میں نماز تراویح بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

(۶)...... عَنِ الْحَارِثِ اَنَّهٗ كَانَ يَؤُمُّ النَّاسَ فِيْ رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً

وَّيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

حارث رحمۃ اللہ علیہ رمضان شریف میں رات کے وقت لوگوں کی امامت کرتے اور بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے۔

(۷)......عَنْ اَبِی الْبُخْتَرِیْ اَنَّهٗ كَانَ يُصَلِّیْ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ فِیْ رَمَضَانَ وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

ابوالبختری رحمۃ اللہ علیہ ماہ رمضان میں پانچ ترویحے (بیس تراویح) اور تین وتر پڑھاتے

(۸)......عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْاَسْوَدِ يُصَلِّیْ بِنَا فِیْ رَمَضَانَ اَرْبَعِيْنَ رَكْعَةً وَّيُوْتِرُ بِسَبْعٍ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

حسن بن عبیداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن الاسود رحمۃ اللہ علیہ رمضان شریف میں ہمیں چالیس رکعتیں پڑھاتے (جن میں چار فرض بیس تراویح اور تراویح کے درمیان چار وقفوں کی سولہ رکعات) اور سات وتر پڑھاتے (یعنی چار رکعت تہجد اور تین وتر اور نوافل تہجد اور تین وتروں کے مجموعہ کو مجازاً وتر کہا گیا ہے ملاحظہ کیجئے سنن نسائی ابواب الوتر)

(۹)......عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عُبَيْدٍ اَنَّ عَلِیَّ بْنَ رَبِيْعَةَ كَانَ يُصَلِّیْ بِهِمْ فِیْ رَمَضَانَ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ وَّيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ سعید بن عبید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ علی بن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان شریف میں لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

(۱۰)......عَنْ وَرْقَاءَ قَالَ كَانَ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ يَؤُمُّنَا فِیْ رَمَضَانَ فَيُصَلِّیْ بِنَا عِشْرِيْنَ لَيْلَةً سِتَّ تَرْوِيْحَاتٍ فَاِذَا كَانَ الْعَشْرُ الْآخِرُ اعْتَكَفَ فِی الْمَسْجِدِ وَصَلّٰی بِنَا سَبْعَ تَرْوِيْحَاتٍ

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۶، قیام رمضان للمروزی ص ۱۵۸)

ورقاء رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ رمضان شریف میں ہماری امامت کرتے اور وہ ہمیں چھ ترویحے نماز پڑھاتے (یعنی بیس تراویح اور چار رکعات تہجد) اور جب آخری عشرہ ہوتا تو وہ مسجد میں اعتکاف کرتے اور ہمیں سات ترویحے پڑھاتے (یعنی چار رکعات تہجد کا مزید اضافہ کرتے)

(۱۱)...... مُحَمَّدُ بْنِ سِيْرِيْنَ اَنَّ مُعَاذًا اَبَاحَلِيْمَةَ الْقَارِيَ كَانَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ اِحْدٰى وَاَرْبَعِيْنَ رَكْعَةً (قیام رمضان للمروزی ص ۱۵۸)

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قاری معاذ ابوحلیمہ رحمہ اللہ رمضان میں لوگوں کو اکتالیس رکعتیں پڑھاتے (ان میں بیس تراویح، تراویح کے چار وقفوں کی سولہ رکعات، تین وتر اور دو تہجد کے نفل مجموعہ اکتالیس ہے)

(۱۲)...... حَبِيْبُ بْنِ اَبِيْ عَمْرَةَ كَانَ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ يُّصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ سِتَّ تَرْوِيْحَاتٍ يُّسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ (قیام رمضان للمروزی ص۱۵۸)

حبیب بن ابی عمرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں سعید بن جبیر رحمہ اللہ رمضان شریف میں نماز چھ ترویحے پڑھاتے اور ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے (یعنی بیس تراویح اور چار رکعت تہجد)

(۱۳، ۱۴، ۱۵)...... يُوْنُس اَدْرَكْتُ مَسْجِدَ الْجَامِعِ قَبْلَ فِتْنَةِ ابْنِ الْاَشْعَثِ يُصَلِّيْ بِهِمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ وَّسَعِيْدُ بْنُ اَبِي الْحَسَنِ وَعِمْرَانُ الْعَبْدِيُّ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ خَمْسَ تَرَاوِيْحَ فَاِذَادَخَلَ الْعَشْرُزَادُوْا وَاحِدَةً

(قیام رمضان للمروزی ص۱۵۸)

یونس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن الاشعث رحمہ اللہ کے فتنے سے قبل میں نے بصرہ کی جامع مسجد کو اس طرح پایا کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رحمہ اللہ اور سعید بن ابی الحسن رحمہ اللہ اور عمران عبدی رحمہ اللہ لوگوں کو پانچ ترویحے پڑھاتے ہیں یعنی بیس تراویح پھر جب آخری

عشرہ شروع ہو جاتا تو ایک ترویحہ (برائے تہجد) زیادہ کر دیتے۔

(١٦)...... ذَكْوَان الْجُرَشِيّ شَهِدْتُّ زُرَارَةَ بْنَ اَوْفٰى يُصَلِّيْ بِالْحَيِّ فِيْ رَمَضَانَ سِتَّ تَرْوِيْحَاتٍ فَاِذَا كَانَ فِيْ آخِرِ الشَّهْرِ فِي الْعَشْرِ صَلّٰى سَبْعَ تَرْوِيْحَاتٍ كُلَّ لَيْلَةٍ (قیام رمضان للمروزی ص ١٥٩)

ذکوان جرشی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے زرارہ بن اوفی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ اہل محلہ کو رمضان میں چھ ترویحے (چار فرض اور بیس تراویح) پڑھاتے ہیں پھر جب آخری عشرہ شروع ہو جاتا تو ہر رات سات ترویحے پڑھاتے (یعنی چار رکعت تہجد کا اضافہ کرتے)

(١٧)...... عَنْ شُبْرُمَةَ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ عَلِيٍّ اَنَّهٗ كَانَ يَؤُمُّهُمْ فِيْ رَمَضَانَ فَيُصَلِّيْ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ (زجاجۃ المصابیح ج١ص٣٦٦)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے شبرمہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان میں لوگوں کی امامت کرتے اور ان کو پانچ ترویحے (یعنی بیس تراویح) پڑھاتے۔

(١٨)...... عِمْرَان بْن حُدَيْر كَانَ اَبُوْ مِجْلَزٍ يُّصَلِّيْ بِهِمْ اَرْبَعَ تَرْوِيْحَاتٍ (قیام رمضان للمروزی ص١٥٨)

عمران بن حدیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابومجلز تابعی رحمۃ اللہ علیہ (تراویح کے وقفوں میں) چار ترویحے (یعنی سولہ رکعات) پڑھاتے۔

معلوم ہوا کہ یہ تراویح بیس رکعت ہوتی تھی تبھی ان کے درمیان والے چار وقفے بنیں گے۔

ہمارے دو سوال ...... جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح با جماعت شروع کی تو اس کے بعد (١) تابعین اور تبع تابعین کے دور تک تراویح کا کوئی ایک امام بتائیں جس نے عالم اسلام کی کسی مسجد میں کسی ایک رات صرف آٹھ تراویح پڑھائی ہو (٢) کوئی ایک صحابی یا تابعی یا تبع تابعی بتائیں جس نے بیس تراویح کے سنت ہونے کا انکار کیا ہو یا مسنون بیس

تراویح کو بدعت کہا ہو یا صرف آٹھ تراویح پڑھانے کا مطالبہ کیا ہو یا بیس تراویح پڑھانے پر معترض ہوا ہو اور اس پر جھگڑا کیا ہو۔

سوال نمبر 7:......تراویح کی تعداد کے بارے میں ائمہ اربعہ کا مذہب کیا ہے؟

جواب:......ائمہ اربعہ میں سے امام اعظم ابوحنیفہ ﷫، امام شافعی ﷫، امام احمد ﷫ کے نزدیک تراویح کی رکعات بیس ہیں اور امام مالک ﷫ کے ایک قول میں بیس ہیں دوسرے قول میں چھتیس رکعات ہیں لیکن اس دوسرے قول میں بھی اصل تراویح بیس رکعات ہے اس کی وجہ بعد میں بیان ہوگی پس ائمہ اربعہ کا بیس تراویح پر اتفاق ہے اور جس مسئلہ پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہو وہ مسئلہ اجماعی شمار ہوتا ہے اور جو مذہب ائمہ اربعہ کے اجماع کے خلاف ہو وہ باطل شمار ہوتا ہے تعداد تراویح میں ائمہ اربعہ کا مذہب ملاحظہ کیجئے امام ابن قدامہ حنبلی ﷫ لکھتے ہیں وَالْمُخْتَارُ عِنْدَ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ فِیْھَا عِشْرُوْنَ رَکْعَةً وَبِھٰذَا قَالَ الثَّوْرِیُّ وَاَبُوْ حَنِیْفَةَ وَالشَّافِعِیُّ وَقَالَ مَالِكٌ سِتَّةٌ وَّثَلَاثُوْنَ (المغنی لابن قدامہ ج ۱ ص ۸۰۲ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ) ابوعبداللہ امام احمد بن حنبل ﷫ کا پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہے سفیان ثوری ﷫، امام ابوحنیفہ ﷫، امام شافعی ﷫ بھی اسی کے قائل ہیں اور امام مالک ﷫ نے کہا تراویح چھتیس رکعات ہے۔ چونکہ امام مالک ﷫ نے عمر بن عبدالعزیز ﷫ کے زمانہ میں جو اہل مدینہ کا عمل تھا اس کو لیا ہے اس پر امام ابن قدامہ ﷫ لکھتے ہیں لَوْ ثَبَتَ اَنَّ اَھْلَ الْمَدِیْنَةِ کُلَّھُمْ فَعَلُوْہُ لَکَانَ مَافَعَلَہٗ عُمَرُ وَاَجْمَعَ عَلَیْہِ الصَّحَابَةُ فِیْ عَصْرِہٖ اَوْلٰی بِالْاِتِّبَاعِ قَالَ بَعْضُ اَھْلِ الْعِلْمِ اِنَّمَا فَعَلَ ھٰذَا اَھْلُ الْمَدِیْنَةِ لِاَنَّھُمْ اَرَادُوْا مُسَاوَاةَ اَھْلِ مَکَّةَ فَاِنَّ اَھْلَ مَکَّةَ یَطُوْفُوْنَ سَبْعًا بَیْنَ کُلِّ تَرْوِیْحَتَیْنِ فَجَعَلَ اَھْلُ الْمَدِیْنَةِ مَکَانَ کُلِّ سَبْعٍ اَرْبَعَ

رَكَعَاتٍ وَّمَا كَانَ عَلَيْهِ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَوْلٰى وَاَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ (المغنی لابن قدامہ ج اص ۸۰۳) اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ سارے اہل مدینہ چھتیس رکعت پڑھتے تو اس کے مقابلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل جس پر عہد عمر رضی اللہ عنہ میں صحابہ کرام کا اجماع ہوا اتباع کے زیادہ لائق ہے (جو بیس تراویح باجماعت ہے) بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اہل مدینہ کے اس عمل کی حقیقت یہ ہے کہ اہل مکہ دو ترویحوں کے درمیان وقفہ میں (پہلے، دوسرے، تیسرے اور چوتھے ترویحے کے بعد) بیت اللہ کے گرد سات چکر لگا کر طواف کرتے چونکہ اہل مدینہ طواف نہیں کر سکتے تھے تو انھوں نے ہر طواف کے عوض چار نوافل شروع کر دیے (جس کی سولہ رکعات بنتی ہیں بیس تراویح اور تراویح کے درمیان وقفہ والے سولہ نوافل ملا کر چھتیس رکعات بنتی ہیں پس ان چھتیس رکعات میں بھی اصل تراویح بیس رکعات ہے) لیکن اس کے مقابلہ میں جو صحابہ کا عمل ہے وہ اتباع کے زیادہ لائق ہے۔

(۲)...... علامہ ابن رشد مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں!

وَاخْتَلَفُوْا فِيْ الْمُخْتَارِ مِنْ عَدَدِ الرَّكَعَاتِ الَّتِيْ يَقُوْمُ بِهَا النَّاسُ فِيْ رَمَضَانَ فَاخْتَارَ مَالِكٌ فِيْ اَحَدِ قَوْلَيْهِ وَاَبُوْ حَنِيْفَةَ وَّالشَّافِعِيُّ وَاَحْمَدُ وَدَاوٗدُ الْقِيَامَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً سِوَا الْوِتْرِ وَذَكَرَ ابْنُ الْقَاسِمِ عَنْ مَالِكٍ اَنَّهٗ كَانَ يَسْتَحْسِنُ سِتًّا وَّثَلَاثِيْنَ رَكْعَةً وَّالْوِتْرُ ثَلَاثٌ (بدایۃ المجتہد ج اص ۱۷۸)

تراویح کی رکعات جن کے ساتھ لوگ رمضان میں قیام کرتے ہیں ان کی افضل و مختار تعداد میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، داود ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول میں پسندیدہ مذہب وتر کے علاوہ بیس رکعات ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ۳۶ رکعات اور تین وتر پسند کرتے تھے۔

(۳)......ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں!

وَمِنَ السُّنَنِ صَلٰوۃُ التَّرَاوِیْحِ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَالشَّافِعِیِّ وَاَحْمَدَ وَھِیَ عِشْرُوْنَ رَکْعَةً ...... وَحُکِیَ عَنْہُ اَنَّ التَّرَاوِیْحَ سِتٌّ وَّثَلَاثُوْنَ رَکْعَةً (رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ ص ۳۶)

مسنون نمازوں میں سے ماہ رمضان میں نماز تراویح ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ،امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیس رکعات ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ۳۶ رکعات منقول ہے۔

(۴)......شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں!

وَھُوَ الَّذِیْ اخْتَارَہٗ مَالِكٌ وَّاخْتَارَ الشَّافِعِیُّ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً غَیْرَ الْوِتْرِ وَمِثْلَ قَوْلِ الشَّافِعِیِّ قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ وَالْحَنَفِیَّةُ (اوجز المسالک ج ۲ ص ۳۰۳)

۳۶ رکعت کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ،امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور حنفیہ نے بیس تراویح والے قول کو اختیار کیا ہے۔

(۵)......مولانا ظفر احمد عثمانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں!

فَالْمَسْنُوْنُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَالشَّافِعِیِّ وَاَحْمَدَ عِشْرُوْنَ رَکْعَةً وَحُکِیَ عَنْ مَالِكٍ اَنَّ التَّرَاوِیْحَ سِتٌّ وَّثَلَاثُوْنَ رَکْعَةً (اعلاء السنن ج ۷ ص ۶۹)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ،امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسنون تراویح بیس رکعت ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ۳۶ رکعت تراویح کا قول بھی منقول ہے۔

(۶)......علامہ ابن عابدین شامی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں!

وَھِیَ عِشْرُوْنَ رَکْعَةً وَھُوَ قَوْلُ الْجُمْھُوْرِ وَعَلَیْہِ عَمَلُ النَّاسِ شَرْقًا وَغَرْبًا وَعَنْ مَّالِكٍ سِتٌّ وَّثَلَاثُوْنَ (ردالمحتار ج ۱ ص ۵۲۱)

تراویح بیس رکعت ہے جمہور (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ،امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ) کا قول یہی ہے اور مشرق و مغرب (یعنی پوری دنیا) میں اسی پر عمل ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ۳۶ رکعات منقول ہیں۔

(۷)......علامہ ابن نجیم مصری حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں!

وَسُنَّ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً وَّهُوَ قَوْلُ الْجُمْهُوْرِ لِمَافِي الْمُوَطَّا عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَّعَلَيْهِ عَمَلُ النَّاسِ شَرْقًاوَّغَرْبًا (البحرالرائق ج ۲ ص ۶۷)

تراویح بیس رکعت مسنون ہے جمہور کا قول یہی ہے کیونکہ موطا امام مالک میں ہے یزید بن رومان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صحابہ وتابعین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۲۳ رکعات پڑھتے تھے اور مشرق وغرب میں لوگوں کا اسی پر عمل ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ پوری دنیا میں اس وقت بیس تراویح کا منکر کوئی بھی نہ تھا۔

ہمارا سوال......ائمہ اربعہ یا ان کے مقلدین محدثین وفقہاء اور مفسرین میں سے کسی ایک معتبر عالم کا صرف ایک حوالہ نقل کریں جس نے غیر مقلدین کی طرح بیس تراویح کے سنت اور مستحب ہونے کا انکار کیا ہو۔

سوال نمبر 8:......عہد عمر رضی اللہ عنہ میں بیس تراویح با جماعت شروع ہونے کے بعد کبھی مسجد حرام اور مسجد نبوی میں بیس تراویح سے کم تراویح پڑھی گئی ہے؟

جواب:......مختصر جواب یہ ہے کہ عہد عمر رضی اللہ عنہ میں بیس تراویح با جماعت شروع ہونے کے بعد سے لے کر اب تک مسجد حرام اور مسجد نبوی میں کبھی بھی ماہ رمضان میں بیس تراویح سے کم تراویح نہیں پڑھی گئی لیکن جب بعض متعصب غیر مقلدین نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں

سلفیت کا لبادہ اوڑھ کر بیس تراویح کے بارے میں وساوس اور شبہات ڈالنے شروع کیے نیز بعض گھروں میں اور دور دراز کی بعض مساجد میں آٹھ تراویح شروع کرکے حرمین شریفین کے پرامن ماحول کو اور مسجد حرام و مسجد نبوی کے تقدس اور پاکیزہ ماحول کو پامال کرنے اور افتراق پیدا کرنے کی مذموم کوشش شروع کی تو اللہ تعالی نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے دو صاحب علم وتقوی شخصیتوں کو توفیق دی کہ انھوں نے اس فتنہ کو محسوس کرکے مسجد حرام اور مسجد نبوی میں رکعات تراویح پر گرانقدر تحقیق کرکے دو اہم رسالے مرتب کیے جن میں انھوں نے ثابت کیا کہ عہد عمر میں بیس تراویح باجماعت شروع ہونے سے لے کر اب تک مسجد حرام اور مسجد نبوی میں کبھی بھی بیس تراویح سے کم تراویح نہیں پڑھی گئی ذیل میں ہر دو رسالوں کے بعض اہم اقتباسات کا خلاصہ درج کرنا مناسب اور مفید ہوگا۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی میں بیس تراویح

ان میں سے ایک رسالہ کا نام ہے ''الهدى النبوى الصحيح فى صلاة التراويح'' نماز تراویح کے بارے میں صحیح نبوی طریقہ۔ اس کے مؤلف ہیں مفسر قرآن فضیلۃ الشیخ محمد علی الصابونی استاذ کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیہ جامعہ ام القری مکہ المکرمہ

(۱)......موصوف نے رسالہ کے ص۵۲ پر عنوان قائم کیا ہے'' نماز تراویح کی تعداد رکعات ''اس میں لکھتے ہیں وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً مِنْ غَيْرِ صَلَاةِ الْوِتْرِ وَمَعَ الْوِتْرِ تُصْبِحُ ثَلَاثًا وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً ......عَلٰى ذٰلِكَ مَضَتِ السُّنَّةُ وَاتَّفَقَتِ الْاُمَّةُ سَلَفًا وَّخَلَفًا مِنْ عَهْدِ الْخَلِيْفَةِ الرَّاشِدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اِلٰى زَمَانِنَا هٰذَا لَمْ يُخَالِفْ فِيْ ذٰلِكَ فَقِيْهٌ مِنَ الْاَئِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ الْمُجْتَهِدِيْنَ اِلَّا مَارُوِىَ عَنْ مَّالِكِ بْنِ اَنَسٍ الْقَوْلُ بِالزِّيَادَةِ فِيْهَا اِلٰى سِتٍّ وَّثَلَاثِيْنَ رَكْعَةً فِى الرِّوَايَةِ الثَّانِيَةِ عَنْهُ اَمَّا الرِّوَايَةُ الْمَشْهُوْرَةُ عَنْهُ وَهِىَ الَّتِىْ وَافَقَ فِيْهَا الْجُمْهُوْرَ الشَّافِعِيَّةَ وَالْحَنَابِلَةَ وَالْاَحْنَافَ

فَهِيَ اَنَّهَاعِشْرُوْنَ رَكْعَةً وَّعَلٰى ذٰلِكَ اتَّفَقَتِ الْمَذَاهِبُ الْاَرْبَعَةُ وَتَمَّ الْاِجْمَاعُ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ شَرَّ الْقِتَالِ -

تراویح نماز وتر کے علاوہ بیس رکعت ہیں اور وتر سمیت ۲۳ رکعت ہیں یہی سنت جاریہ ہے اور خلیفہ راشد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہمارے اس زمانہ تک اگلی پچھلی امت اسی پر متفق رہی ہے ائمہ اربعہ مجتہدین میں سے کسی فقیہ نے بھی اس میں مخالفت نہیں کی البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ۳۶ رکعت کی روایت منقول ہے لیکن ان کی مشہور روایت جمہور یعنی شافعیہ، حنبلیہ اور حنفیہ کے موافق ہے کہ تراویح بیس رکعت ہے اس پر یہ چاروں مذہب متفق ہیں اور اس کے ساتھ اجماع مکمل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو قتال کے شر سے بچا لیا۔

(۲)......از ص ۴۷ تا ۴۸ کا خلاصہ۔ مؤلف علامہ صابونی لکھتے ہیں!

فَكَمْ تُؤَدّٰى فِيْهِمَا صَلَاةُ التَّرَاوِيْحِ مِنْ عَهْدِ الصَّحَابَةِ اِلٰى زَمَانِنَا هٰذَا؟ اَلَيْسَتْ تُؤَدّٰى فِيْهِمَا الصَّلَاةُ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَهُمَا قِبْلَةُ مَسَاجِدِ الْمُسْلِمِيْنَ فَهَلْ يُعْقَلُ اَنْ يَّجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مُّنْكَرٍ مُّبْتَدَعٍ مِنْ اُمُوْرِ الدِّيْنِ وَيَسْكُتُ عَنْهُ النَّاسُ وَفِيْهِمُ الْعُلَمَاءُ وَالْفُقَهَاءُ وَالْمُحَدِّثُوْنَ وَتَمُرُّ اَحْقَابٌ وَّاَجْيَالٌ وَلَايُنْكِرُ اَحَدٌ هٰذَا الْمُنْكَرَ لَوْكَانَ ذٰلِكَ بِدْعَةً وَّمُنْكَرًا كَمَازَعَمَ الْجَاهِلُوْنَ الخ

عہد صحابہ سے ہمارے اس زمانہ تک مسجد حرام اور مسجد نبوی میں تراویح کی کتنی رکعات ادا کی جاتی ہیں؟ تو کیا ان دونوں مسجدوں میں جو تمام مساجد کا قبلہ ہیں بیس رکعات ادا نہیں کی جاتیں؟ کیا اس کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ مسلمان امور دین کو چھوڑ کر کسی بری چیز اور بدعت پر جمع ہو جائیں اور تمام لوگ جن میں علماء، فقہاء، محدثین ہوں وہ سب کے سب خاموش رہیں سالہا سال بلکہ کئی صدیاں گذر جائیں اور اس امر قبیح پر کوئی بھی انکار نہ

کرے اگر بیس تراویح امر بدعت اور گناہ ہوتا جیسا کہ ان جاہل لوگوں کا خیال ہے تو وہ ضرور اس پر انکار کرتے ...... اللہ کی قسم میں مکہ مکرمہ میں بیس سال سے ہوں اور ہر رمضان میں ہم مسجد حرام میں بیس تراویح امام کے پیچھے پڑھتے ہیں پھر ہم امام کے پیچھے تین وتر پڑھتے ہیں اور نجد، حجاز اور عالم اسلام کے ہر طرف کے بڑے بڑے علماء مسجد حرام میں اسی طرح بیس تراویح پڑھتے ہیں اور آج تک کسی نے اس کا انکار کیا نہ اس پر اعتراض کیا۔ کیا ان کا خاموشی کے ساتھ سالہا سال بیس تراویح پڑھنا اس بات کا اقرار نہیں کہ بیس تراویح امر شرعی ہے اور افضل ہے کیونکہ اس میں عمر فاروق کی سنت کی اتباع ہے ...... تعجب ہے ان لوگوں پر جو سلف صالحین کو جاہل سمجھتے ہیں اور عہد عمر سے ہمارے اس زمانے تک کی پوری امت کو اور تمام قدیم وجدید علماء کو گمراہ قرار دیتے ہیں اور جو بھی بیس تراویح پڑھتا ہے اس پر گمراہ ہونے کا فتوی لگا دیتے ہیں ...... بے شک جو صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین کو گمراہ قرار دیتا ہے اور امت کے سلف وخلف کی طرف بدعت کی نسبت کرتا ہے محض اس وجہ سے کہ وہ نماز تراویح بیس رکعت پڑھتے ہیں تو ایسا شخص بے وقوف اور جاہل ہے اور وہ اس لائق ہے کہ اس کو متبع سنت کی بجائے مبتدع قرار دیا جائے اور صحابہ تابعین کی طرف بدعت کی نسبت کرنے کی جرات کوئی احمق ہی کر سکتا ہے ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا ہے اس میں عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی اتباع حقیقت میں سنت رسول کی اتباع ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔

(۳) ...... علامہ صابونی اخیر میں ص۱۴۳ پر خاتمۃ البحث کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں

فَاِنَّ مَایَفْعَلُہُ الْمُسْلِمُوْنَ الْیَوْمَ فِیْ مَشَارِقِ الْاَرْضِ وَمَغَارِبِھَا مِنْ صَلٰوۃِ التَّرَاوِیْحِ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَّھُوَ الْحَقُّ الَّذِیْ دَلَّتْ عَلَیْہِ النُّصُوْصُ الْکَرِیْمَۃُ وَھُوَ الَّذِیْ دَرَجَ عَلَیْہِ السَّلَفُ الصَّالِحُ وَاَجْمَعَ عَلَیْہِ الْاَئِمَّۃُ الْاَعْلَامُ

وَالَّذِیْ اتَّفَقَتْ عَلَیْہِ الْاُمَّۃُ الْاِسْلَامِیَّۃُ مِنْ خِلَافَۃِ عُمَرَ الْفَارُوْقِ اِلٰی زَمَانِنَا ھٰذَا

آج زمین کے مشرق ومغرب میں جو نماز تراویح بیس رکعات پڑھی جارہی ہے یہی حق ہے عمدہ نصوص اسی پر دلالت کرتی ہیں سلف صالحین اسی پر چلتے رہے ہیں اس پر کبار علماء کا اجماع رہا ہے اسی پر پوری امت مسلمہ متفق ہے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لے کر ہمارے اس زمانہ تک۔

دوسرا رسالہ کا نام ہے التراویح اکثر من الف عام فی مسجد النبی ﷺ (مسجد نبوی میں ہزار سال سے زیادہ تراویح) اس کے مؤلف الشیخ عطیہ محمد سالم ہیں...... اس رسالہ میں مؤلف موصوف نے مسجد نبوی میں چودہ صدیوں کی تراویح کی تعداد لکھی ہے۔ اس کے چند اقتباس ملاحظہ کیجئے

(۱)......مؤلف اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں!

بعض لوگ مسجد نبوی میں امام کے ساتھ تراویح چھوڑ کر بعض دور دراز کی مساجد میں آٹھ تراویح پڑھتے ہیں ان کے سمجھانے کیلئے تو اتنی بات کافی ہے کہ تم نے نہ گھر میں تراویح پڑھنے کی فضیلت حاصل کی نہ مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت پائی اور بعض مسجد نبوی میں امام کے پیچھے آٹھ رکعتیں پڑھ کر نماز چھوڑ دیتے ہیں اور تلاوت وغیرہ کا کوئی دوسرا عمل شروع کر دیتے ہیں یہ رسالہ میں نے ان لوگوں کی اصلاح کیلئے لکھا ہے۔

(۲)......از ص ۳۱ تا ۴۵......حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گیارہ یا تیرہ رکعت سے تراویح باجماعت کی ابتداء کی پھر اخیر میں ۲۳ رکعات باجماعت ادا کردیں پھر عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تراویح میں امامت کراتے تو ظاہر ہے کہ جس چیز کا انھوں نے اپنے عہد میں حکم کیا وہ عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں وہی تراویح پڑھاتے ہوں گے اور وہ بیس تراویح ہے۔

(۳)......از ص ۴۳...... جب نصوص سے عہد عمر میں ۲۳ رکعات کی حد ثابت ہے اور

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی ۲۳ رکعات پڑھتے تھے تو ظاہر یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہی تعداد ثابت اور پختہ رہی وَاِنَّ الزِّیَادَۃَ اِنَّمَا جَاءَ تْ بَعْدُ بیس تراویح سے زیادہ تعداد اس کے بعد ہوئی ہے جو عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے زمانہ کے بعد تک وہ زیادہ تعداد جاری رہی اور عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سنہ ۱۱۱ھ میں ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سنہ ۹۳ھ میں ہے پس انھوں نے عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی عمر کے ۱۸ سال پائے ہیں اس لئے امام کے شعور نے آنکھ کھولی تو اس وقت مسجد نبوی میں ۳۶ رکعتیں پڑھی جاتی تھیں وہب بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ بھی مدینہ میں ۳۶ رکعات اور تین وتر بتاتے ہیں اور وہب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سنہ ۱۲۷ھ میں ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے اہل مدینہ کو دیکھا کہ ۳۹ رکعات پڑھتے ہیں (کتاب الام ج۱ ص۱۴۲) (یعنی ۲۰ رکعت تراویح اور تراویح کے وقفہ کی ۱۶ رکعات اور تین وتر)

دوسری صدی ...... کے اخیر تک یہ عمل جاری تھا کہ مکہ میں بیس رکعات اور مدینہ میں ۳۶ رکعات پڑھتے تھے۔

تیسری صدی ...... میں پہلے ۳۶ رکعات (یعنی ۲۰ تراویح اور تراویح کے وقفہ کی ۱۶ رکعات) اور تین وتر ملا کر ۳۹ رکعات پڑھتے پھر دو رکعت (تہجد) کا اضافہ کیا تو ۴۱ رکعات پڑھتے تھے جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔

چوتھی ، پانچویں ، چھٹی ، ساتویں صدی ...... ان چار صدیوں میں مسجد نبوی میں صرف بیس رکعات تراویح ہوتی تھی کیونکہ اس عرصہ میں شافعیہ کے اثرات غالب آ گئے تھے۔

آٹھویں صدی ...... میں پھر مسجد نبوی میں ۳۶ رکعات کا طریقہ جاری ہوا لیکن کچھ تبدیلی کے ساتھ وہ یہ کہ نماز عشاء کے بعد بیس رکعت تراویح پڑھتے اور رات کے اخیر میں ۱۶ رکعت الگ پڑھتے۔

نوویں صدی ...... قَدِ اسْتَمَرَّتْ عَلٰی سِتٍّ وَّثَلَاثِیْنَ رَکْعَۃً عِشْرِیْنَ فِیْ اَوَّلِ

اللَّيْلِ وَسِتَّ عَشَرَةَ فِیْ آخِرِهٖ وَقَدِاسْتَمَرَّ هٰذَاالْعَمَلُ اِلٰی نِهَايَةِ الْمِائَةِ التَّاسِعَةِ وَاَوَائِلِ الْمِائَةِ الْعَاشِرَةِ آٹھویں صدی میں ۳۶ تراویح کا جو طریقہ جاری ہوا یعنی بیس رکعت رات کے اول حصہ میں اور ۱۶ رکعات رات کے آخری حصہ میں تو نوویں صدی اور دسویں صدی کے اوائل تک بھی طریقہ جاری رہا۔

دسویں صدی ...... دسویں صدی شروع ہوئی تو مسجد نبوی میں ۳۶ رکعت تراویح کا طریقہ جاری تھا

گیارھویں صدی ...... غالب گمان یہ ہے کہ اس صدی میں سابقہ طریقہ میں کوئی تغیر نہ آیا تھا کیونکہ شیخ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے بارھویں صدی میں اپنے سفر مدینہ کا حال لکھا تو اس میں وہ لکھتے ہیں کہ مدینہ میں (وتر سمیت) ۳۹ رکعتیں پڑھتے ہیں۔

بارھویں صدی ...... بارھویں صدی شروع ہوئی تو تراویح کی پہلی حالت جوں کی توں باقی تھی یعنی بیس رکعتیں رات کے اول حصہ میں اور سولہ رکعات رات کے اخیر میں پڑھتے تھے اور اس کا نام ستہ عشریہ رکھ دیا گیا۔

تیرھوی صدی ...... تیرھویں صدی شروع ہوئی تو تراویح کی وہی پہلی حالت قائم تھی تیرھویں صدی میں اس میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔

چودھویں صدی ...... کے شروع میں بھی تراویح کی مذکورہ بالا تعداد اور کیفیت ادا میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی صرف یہ کہ ائمہ متعدد مقرر کر لیے گئے۔

عھد سعودی ...... سعودی دور شروع ہوتا ہے ۱۳۴۴ھ سے اس وقت مسجد نبوی میں متعدد جماعتیں ہوتی تھیں بعض نماز عشاء کے بعد صرف بیس تراویح پڑھتے اور بعض ۱۶ رکعت بھی پڑھتے۔ سعودی حکومت نے ایک جماعت کا طریقہ مقرر کیا اور تراویح حسب سابق نماز عشاء کے بعد بیس رکعت اور تین وتر پڑھتے اور اخیر رات میں سولہ رکعات اور تین وتر دوبارہ پڑھتے اگر چہ وتر دو دفعہ پڑھنا درست نہیں۔

بعد میں نماز عشاء کے بعد بیس تراویح اور آخری عشرہ میں رات کے اخیر میں دس رکعت تہجد پڑھتے ایک ختم تراویح میں ہوتا دوسرا تہجد میں اور یہی عمل اب تک جاری ہے۔

پھر مؤلف سعودی دور کے مختلف ائمہ کے احوال لکھنے کے بعد اپنے دور کے دو ائمہ تراویح کے بارے میں لکھتے ہیں نماز تراویح فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز شروع کرتے ہیں وہ دس رکعتیں پانچ سلاموں کے ساتھ پڑھاتے ہیں (یعنی ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے ہیں جن میں آدھ پارہ آدھ گھنٹے میں پڑھتے ہیں) پھر فضیلۃ الشیخ عبدالمجید دس رکعات (آدھ پارہ کے ساتھ آدھ گھنٹہ میں) پڑھاتے ہیں پھر تین وتر پڑھاتے ہیں فیکون العشرون رکعة ساعة کاملة بجزء کامل پس ایک گھنٹہ میں ایک پارہ کے ساتھ بیس رکعت تراویح مکمل ہو جاتی ہے (ص ۱۱۱)

جناب عطیہ محمد سالم نے جو مسجد نبوی میں چودہ صدیوں کی تراویح لکھی ہے اس میں بیس یا بیس سے زیادہ پڑھی گئی ہے اس سے کم نہیں اس لئے مؤلف نے آگے جا کر ص ۱۵۱ پر دو سوال کئے ہیں۔

سوال نمبرا...... مسجد نبوی میں بیس تراویح باجماعت شروع ہونے کے بعد کیا مسجد نبوی میں تراویح کی ایک ہزار سال سے زیادہ کی طویل تاریخ میں آج تک آٹھ رکعت پر یا بیس رکعت سے کم پر کبھی اکتفاء کیا گیا ہے؟ یا ۱۴ صدیوں میں بیس اور چالیس کے مابین رکعتیں پڑھی جاتی رہی ہیں؟

سوال نمبر۲...... کیا کسی مہاجر یا کسی انصاری صحابی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گیارہ رکعات والی حدیث کو دلیل بنا کر کہا ہے کہ آٹھ تراویح سے زیادہ رکعات پڑھنا ناجائز اور بدعت ہے۔

سوال نمبر 9:......نماز تراویح کے بعد اخیر رات میں تہجد پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:...... پڑھ سکتے ہیں بلکہ پڑھنی چاہیئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کے بعد تہجد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ''جو نماز تم پڑھتے ہو (یعنی تراویح اس سے وہ نماز افضل ہے جس سے تم سو جاتے ہو (یعنی نماز تہجد) (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۹) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رمضان میں تہجد پڑھتے تھے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا '' آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے'' ظاہر ہے کہ بارہ ماہ نماز تہجد پڑھی جاتی ہے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں تراویح و تہجد دونوں پڑھتے تھے جس کے دو طریقے معلوم ہوتے ہیں اگر تراویح پہلے ختم کر لیتے تو تہجد بعد میں مستقلا پڑھتے جیسا کہ جماعت والی تین راتوں میں سے پہلی دو راتوں میں اور اگر رات کے اخیر تک تراویح پڑھتے تو نصف رات کے بعد والی رکعات میں تہجد کی نیت کر لیتے نیت کے اعتبار سے دونوں نمازوں کا ثواب مل جاتا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا تراویح کے باب میں ذکر کر کے یہی اشارہ کیا ہے کہ رمضان میں تراویح کے علاوہ اخیر رات میں تہجد بھی پڑھنی چاہیئے ۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ،امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ،امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ میاں نذیر حسین بھی تراویح کے بعد تہجد میں الگ قرآن کریم ختم کرتے اسی طرح آج کل حرمین شریفین میں رمضان کے آخری عشرہ میں تراویح کے بعد تہجد میں الگ قرآن کریم ختم کرتے ہیں اور غیر مقلدین کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری سے یہی سوال کیا گیا موصوف نے جواب دیا تراویح کے بعد تہجد پڑھ سکتا ہے تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے اول شب میں تہجد نہیں ہوتی ۔ (فتاوی ثنائیہ ج ۱ ص ۶۸۲)

مزید تحقیق کیلئے ہمارا رسالہ ''نماز تراویح و تہجد میں فرق'' کا مطالعہ کیجئے

سوال نمبر 10 :...... جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح با جماعت کو بدعت کہا ہے تو یہ سنت کیسے ہے؟

جواب ...... بدعت کے دو معنی ہیں ایک لغوی معنی ہے یعنی نئی چیز دوسرا شرعی معنی یعنی اپنی طرف سے کوئی چیز بنا کر اس کو دین کا جزء بنا دینا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مراد لغوی معنی ہے یعنی پورا ماہ تراویح ایک امام کے پیچھے پڑھنا نیا طریقہ ہے لیکن اچھا ہے جیسا کہ مساجد کو پختہ بنانا، مساجد کے مینار ومحراب، اسپیکر میں اذان، اور جدید آلات جہاد اور تمام جدید مفید ایجادات وغیرہ جدید طریقے ہیں لیکن اچھے ہیں اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی لغوی معنی کے اعتبار سے نعم البدعۃ کہا ورنہ شرعی معنی کے اعتبار سے کوئی بدعت بھی اچھی نہیں ہوتی یہ اصول بھی مدنظر رہے کہ خلفاء راشدین کے جاری کردہ طریقہ کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت کہا ہے اور اس کو امت پر لازم کیا ہے اور علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین فرما کر اس کے سنت ہونے پر مہر نبوت ثبت فرما دی ہے اس لیے خلفاء راشدین کی سنت بھی سنت رسول قرار پاتی ہے اور اس کا منکر علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین کے حکم رسول اور سنت رسول کا منکر ہے پھر بیس تراویح با جماعت کے سنت ہونے پر خلفاء راشدین، صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین، ائمہ اربعہ اور پوری امت کا اجماع ہے اس لیے بیس تراویح کے سنت ہونے کا انکار کرنا اور صرف آٹھ تراویح کو سنت قرار دینا بدعی عقیدہ ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والے لوگ اہل سنت نہیں بلکہ اہل بدعت ہیں۔

غیر مقلدین سے بیس سوالات

ایک تا دس سوالات ص 12 ص 20 ص 21 ص 26 ص 30 ص 37 پر ملاحظہ کریں

سوال نمبر 11 ...... کیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا مہینہ مسجد میں تراویح پڑھی ہے؟

سوال نمبر 12 ...... کیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا مہینہ تراویح با جماعت پڑھی ہے؟

سوال نمبر 13 ...... کیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی میں کبھی پورا مہینہ اس طرح تراویح پڑھی ہے کہ

رات کے اول حصہ میں تراویح ختم کر دیتے ہوں؟

سوال نمبر 14..... کیا نبی پاک ﷺ نے تراویح میں پورا قرآن مجید ختم کیا ہے؟

سوال نمبر 15..... نبی پاک ﷺ تراویح میں جو قرآن پڑھتے تھے اس کے پاروں اور سورتوں کی ترتیب کیا تھی؟

سوال نمبر 16..... نبی پاک ﷺ تراویح میں سات قراءتوں میں سے کون سی قراءت پڑھتے تھے عاصم کوفی کی قراءت یا کسی اور قاری کی قراءت؟

سوال نمبر 17..... نبی پاک ﷺ نے فرمایا فرض نماز کے علاوہ آدمی کی افضل نماز وہ ہے جو وہ گھر میں پڑھے غیر مقلدین مردوزن اس کے خلاف مسجد میں تراویح کیوں پڑھتے ہیں؟

سوال نمبر 18..... ایک آدمی مسجد میں آیا چار تراویح ہو چکی ہیں وہ پہلے فرض پڑھے یا تراویح میں شامل ہو جائے؟

سوال نمبر 19..... اگر تراویح کے درمیان میں آنے والا شخص تراویح میں شامل ہو جائے اور فرض بعد میں پڑھے تو وہ تراویح دوبارہ پڑھے یا اس کی نماز تراویح ہو گئی ہے؟

سوال نمبر 20..... ایک آدمی امام کی آخری چار تراویح میں شامل ہوا اس کے بعد امام نے وتر شروع کیے تو یہ آدمی پہلے وتر پڑھے یا پہلے تراویح پوری کرے؟

صحیح صریح حدیث سے جواب دیں۔

شعبان سنۃ 1433ھ　　　　نسخ بالخیر



منکرینِ تراویح (غیر مقلدین) کیلئے لمحہ فکریہ

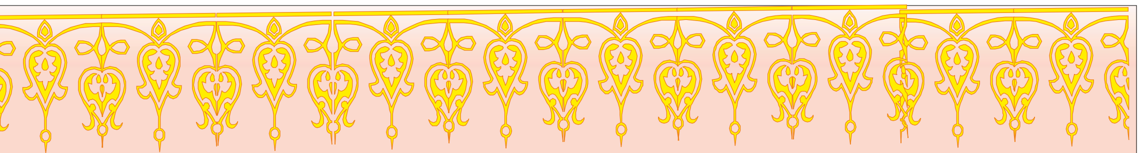
نماز تہجد و تراویح میں فرق

تالیف

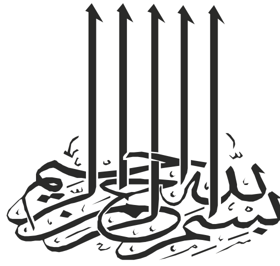
استاذ المناظرین

حضرت مولانا منیر احمد منور صاحب مدظلہ

جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑپکا



اِتحاد اہل السنت والجماعت پاکستان



منکرینِ تراویح (غیر مقلدین) کیلئے لمحہ فکریہ

نمازِ تہجد و تراویح میں فرق

تالیف

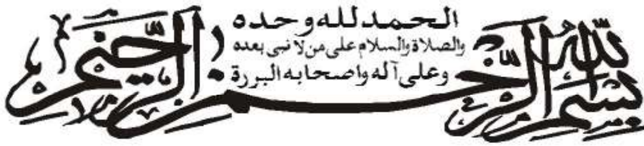
استاذ المناظرین

حضرت مولانا منیر احمد منور صاحب مدظلہ

استاذ الحدیث جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا

اتحاد اہل السنت والجماعت پاکستان


فہرست



شاھد اقبال صوم صلوۃ، ذکر وتلاوت کا پابند، نیک سیرت اور نیک صورت نوجوان تھا۔ وہ جب کالج میں پہنچا تو ایک متعصب غیر مقلد پروفیسر نے شاہد کی نیکی اور شرافت کو دیکھ کر اُس کو شکار کرنے کا پختہ عزم کرلیا۔ پروفیسر موصوف نے اُستاد ہونے کے ناطے پہلے تو اِس کو اپنے ساتھ مانوس کیا۔ پھر اِس کے دل میں شکوک وشبہات پیدا کرنے اور وسوسے ڈالنے شروع کیئے۔ رفتہ رفتہ اِس کو اِس لائن پر لگایا کہ تم بہت سمجھدار تعلیم یافتہ ہو اس لئے مولویوں کے پیچھے لگنے کی بجائے دین کی خود تحقیق کرو۔ رمضان شریف قریب تھا۔ اُس نے تراویح کے مسئلہ کی تحقیق شروع کردی۔ اس مسئلہ پر دونوں فریقوں کی تحریر کردہ کتب کا مطالعہ کیا لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ شاہد کا نہ بیس تراویح پر یقین رہا نہ آٹھ پر بلکہ اُس کو تراویح ایک مشکوک عبادت محسوس ہونے لگی۔ رمضان شریف اِسی گومگو کشمکش کی کربناک حالت میں گزارا۔ کبھی وہ بیس تراویح پڑھتا کبھی آٹھ اور کبھی آٹھ نہ بیس۔ لیکن پروفیسر صاحب اپنے اِس شاگرد پر بڑے خوش تھے کہ چلو تقلید کے بندھن سے تو نکلا، آگے جو بن جائے اِس کی بلا جانے۔ لیکن شاہد نے اپنے آپ کو اِس اذیتناک حالت سے نکالنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ طریقہ یہ سوچا کہ جید حنفی عالم جو غیر مقلدین کے مذہب پر خوب مطالعہ رکھتا ہو اور قرآن حدیث وفقہ پر بھی کامل دسترس رکھتا ہو سے تحقیق کی جائے۔ اُس سے تحقیق کرکے پھر پروفیسر صاحب سے ملاقات کی جائے۔ چنانچہ شاہد اقبال اتحاد اہل السنّت والجماعت کے ایک محقق عالم کے پاس حاضر ہو کر علیک سلیک کے بعد اپنے سوالات کا یوں آغاز کرتا ہے۔

شاهد اقبال : (محقق عالم سے مخاطب ہوکر) حضرت یہ فرمایئے کہ آٹھ اور بیس تراویح کے اختلاف کی کیا حقیقت ہے؟

محقق عالم : پیارے شاہد: میں اور کچھ کہنے سے پہلے آپ کو دونوں فریقوں کے اصولوں سے آگاہ کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ مسائل کو ثابت کرنے کیلئے احناف کے چار اصول ہیں (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ (۳) اجماع امت (۴) قیاس و اجتہاد (یعنی اصول شرع اور قرآن وحدیث سے لفظی ومعنوی قرائن واشارات کی روشنی میں اپنی اجتہادی رائے سے مسئلہ کو حل کرنا) اور ظاہر ہے کہ اصولِ شریعت اور قرآن وحدیث کے قرائن واشارات کے ساتھ وہی مسئلہ حل کیا جاتا ہے جو قرآن وحدیث میں واضح طور پر موجود نہ ہو، جبکہ غیر مقلدین حضرات کے اصول فقط دو ہیں (۱) قرآن کی صریح آیت (۲) صحیح صریح مرفوع متصل حدیث۔ صریح کا مطلب یہ ہے کہ جس میں اپنی رائے کا ذرہ برابر دخل نہ ہو۔ یہ حضرات کہا کرتے ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی ذات معصوم ہے اِس کے سوا ہر ایک سے غلطی ہوسکتی ہے۔ ہمارے لئے اِسی کا قول وفعل حجت ہے جس میں غلطی کا امکان نہ ہو اور جس کے قول وفعل میں غلطی کا امکان ہو وہ ہمارے لئے حجت نہیں۔ اسلئے اِن کے نزدیک قرآن وحدیث یعنی وحی حجت ہے، کسی امتی کا قول، فعل اور رائے حجت اور معتبر نہیں۔ بلکہ اُن کے نزدیک پیغمبر پاک ﷺ کی رائے بھی بغیر وحی کے حجت نہیں، اسکی تفصیل ''بارہ مسائل'' حصہ اول میں ملاحظہ کیجئے۔

اب اصل جواب کی طرف آیئے۔ اصل اختلاف آٹھ اور بیس کا نہیں بلکہ نماز تراویح کو ماننے نہ ماننے کا ہے۔ آٹھ تراویح والے لوگ سرے سے نمازِ تراویح کو مانتے ہی نہیں، وہ نمازِ تراویح کے منکر ہیں بیس تراویح والے لوگ نمازِ تراویح کو مانتے ہیں۔

شاهد اقبال : محترم! وہ تراویح کو مانتے ہیں مگر تراویح کی تعداد میں اختلاف کرتے

ہیں اور ہم ہمیشہ یہی سنتے آئے ہیں کہ تراویح کی تعداد میں اختلاف ہے کہ آٹھ ہے یا بیس، ایک فریق آٹھ کا قائل ہے دوسرا بیس کا۔

محقق عالم : شاہد بیٹا! کسی چیز کے انکار کے دو طریقے ہیں ایک صراحتاً انکار کرنا، دوسرا منافقانہ طریقے سے انکار کرنا جس میں ظاہری طور پر اقرار ہوتا ہے عنوان بھی مثبت ہوتا ہے لیکن اِس کی تہہ میں انکار چھپا ہوا ہوتا ہے۔ جیسے ایک آدمی کہتا ہے کہ فلاں شخص نماز کی پابندی نہیں کرتا، دوسرا آدمی اِسی بات کو یوں کہتا ہے کہ فلاں شخص کبھی کبھی نماز پڑھتا ہے۔ دونوں نے نماز کی پابندی کا انکار کیا ہے لیکن پہلے شخص نے صراحتاً دوسرے نے اشارۃً و کنایۃً کہ اس نے عنوان مثبت رکھا ہے مگر اِس کے ضمن میں اس کے پابند صلوۃ ہونے کا انکار ہے۔ اِسی طرح انہوں نے عنوان مثبت رکھا ہے آٹھ تراویح کا، مگر اِس کے ضمن میں نمازِ تراویح کا انکار پوشیدہ ہے۔

مثال نمبر 1 : اِس کو ایک مثال سے سمجھئے۔ دو آدمی نمازِ عشاء کی رکعات میں اختلاف کرتے ہیں، ایک کہتا ہے کہ عشاء کی فقط تین رکعات ہیں، دوسرا کہتا ہے تین نہیں بلکہ چار رکعات ہیں۔ یہاں بظاہر اختلاف تین اور چار رکعات کا ہے لیکن حقیقت میں عشاء کی تین رکعات بتانے والا نماز عشاء کا منکر ہے اور چار رکعات بتانے والا نماز عشاء کا قائل ہے کیونکہ جب ہر ایک سے اِس کی وضاحت طلب کی گئی تو تین رکعات کے قائل نے کہا کہ اصل میں مغرب اور عشاء ایک ہی نماز کے دو نام ہیں، غروب آفتاب کے بعد جو نماز پڑھی جاتی ہے اُسی کا نام ہے نمازِ مغرب اور نمازِ عشاء اور چونکہ مغرب کی تین رکعتیں ہیں تو عشاء کی بھی تین رکعتیں ہونگی۔ اُس کا کہنا ہے کہ عشاء کی نماز کوئی مستقل جدا نماز نہیں بلکہ نماز مغرب کا دوسرا نام نمازِ عشاء ہے اور حدیث پاک میں نمازِ مغرب کیلئے نمازِ عشاء کا لفظ استعمال ہوا ہے، لہٰذا جب مغرب کی تین رکعتیں ہیں تو عشاء کی بھی تین رکعتیں ہونگی۔ اور چار رکعات کا

قائل کہتا ہے کہ مغرب اور عشاء دو مستقل نمازیں ہیں۔ ہر ایک کا وقت، رکعات کی تعداد حتی کہ بعض احکام بھی دوسری نماز سے مختلف ہیں۔ مغرب کی تین رکعتیں ہیں اور عشاء کی چار رکعتیں ہیں۔ مغرب غروب شمس کے بعد اور عشاء غروب شفق کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ جب دونوں کا وقت علیحدہ علیحدہ ہے اور رکعتوں کی تعداد بھی مختلف ہے تو یہ دونوں نمازیں مستقل ہیں۔ اِس مثال میں غور کریں، بظاہر اِن دونوں کے درمیان تین اور چار رکعات کا اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں عشاء کی تین رکعات بتانے والا شخص نماز عشاء کا منکر ہے۔ وہ نماز عشاء کو نماز مغرب سے جدا مستقل نماز نہیں مانتا جبکہ چار رکعات بتانے والا شخص نماز عشاء کو مانتا ہے۔ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ نمازِ مغرب اور نمازِ عشاء دو مستقل جدا جدا نمازیں ہیں۔ اسی طرح جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نمازِ تراویح آٹھ رکعت ہے وہ دراصل نماز تراویح کے منکر ہیں اور جو بیس تراویح کے قائل ہیں وہ نماز تراویح کو ایک مستقل نماز مانتے ہیں کیونکہ جب آٹھ تراویح والوں سے پوچھا گیا تو انہوں نے اپنے عقیدہ کی وضاحت یہ کی کہ دراصل تہجد اور تراویح ایک ہی نماز کے دو نام ہیں، گیارہ ماہ جو نماز تہجد کے نام سے پڑھی جاتی ہے رمضان میں اِسی کا نام تراویح ہو جاتا ہے۔ پس نمازِ تراویح نمازِ تہجد سے جدا کوئی مستقل نماز نہیں اور چونکہ تہجد کی رکعات آٹھ ہیں تو تراویح کی بھی رکعات آٹھ ہونگی۔ جبکہ بیس تراویح کے قائلین کا عقیدہ یہ ہے کہ تہجد جدا نماز ہے اور تراویح جدا نماز ہے، یہ دو مستقل نمازیں ہیں۔ اب بظاہر اختلاف یہ ہو رہا ہے کہ تراویح آٹھ ہیں یا بیس لیکن حقیقت یہ ہے کہ آٹھ کے قائلین سرے سے نماز تراویح کے منکر ہیں، وہ اِس کو مستقل نماز نہیں مانتے۔ جبکہ بیس تراویح کے قائلین نماز تراویح کو ایک مستقل نماز مانتے ہیں۔

مثال نمبر 2: یا اِس کو یوں سمجھیں کہ وہ لفظ بولتے ہیں تراویح کا لیکن درپردہ وہ اس سے نماز تہجد مراد لیتے ہیں۔ جیسا کہ رافضی جب کہتے ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں تو اِن کی

مراد وہ قرآن ہوتا ہے جو اُن کے عقیدے کے مطابق امام مہدی کے پاس غار میں ہے، وہ اس موجودہ قرآن کو نہیں مانتے لیکن مسلمانوں کو دھوکہ دینے کیلئے دعویٰ یہی کرتے ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں۔

قادیانی جب کلمہ پڑھتے ہیں تو وہ **محمد رسول اللہ** سے مرزا قادیانی مراد لیتے ہیں لیکن مسلمانوں کو دھوکہ دینے کیلئے کہتے ہیں کہ ہم **محمد رسول اللّٰہ** کو مانتے ہیں، اسی طرح غیر مقلدین بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم نماز تراویح کو مانتے ہیں مگر وہ اِس سے مراد لیتے ہیں نماز تہجد۔ اور نماز تراویح کے وہ منکر ہیں۔ جبکہ اہلسنت نماز تراویح کو نماز تہجد سے جدا ایک مستقل نماز مانتے ہیں۔

مثال نمبر 3: قرآن کریم میں ہے کہ صحابہ کرامؓ بعض دفعہ حضور ﷺ کو کہتے ''رَاعِنَا'' (ہماری رعایت کیجئے)۔ منافقین بھی یہی کلمہ ''رَاعِنَا'' کہتے تھے مگر وہ مراد لیتے ''اے احمق'' (العیاذ باللہ) جو گالی بن جاتی ہے۔ تقریباً یہی حال غیر مقلدین کا ہے۔ اہل السنّت والجماعت جب نماز تراویح کا لفظ بولتے ہیں تو نماز تہجد سے جدا نماز مراد لیتے ہیں مگر غیر مقلدین نماز تہجد مراد لیتے ہیں جس میں تراویح کا انکار ہے۔

غیر مقلدین کا نظریہ ان کی کتابوں میں

شاھد اقبال: مولانا! کیا اِن کی کتب میں اِس عقیدہ کی صراحت ملتی ہے؟

محقق عالم: جی ہاں اِن کی کتب میں یہ عقیدہ صراحتاً لکھا ہوا موجود ہے۔

ملاحظہ کیجئے۔

1۔ غیر مقلد مولانا نذیر احمد رحمانی اعظمی لکھتے ہیں۔

''تہجد فی رمضان اور تراویح میں کوئی فرق نہیں'' (انوار المصابیح: ص ۸۰)

2۔ غیر مقلد مولانا محمد اسماعیل سلفی لکھتے ہیں۔

''رمضان المبارک میں تراویح وہی نماز ہے جس کا ذکر پہلے تہجد کے نام سے ہوا ہے.....بعض لوگ تراویح اور تہجد کو الگ الگ دو نمازیں سمجھتے ہیں یہ غلط ہے''

(رسول اکرم کی نماز:ص ۹۸)

3۔ غیر مقلد مولانا محمد صادق سیالکوٹی لکھتے ہیں۔

''نماز تراویح اور تہجد دراصل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں'' (صلوٰۃ الرسول:ص ۳۷۸)

4۔ غیر مقلد حکیم عبدالرحمٰن خلیق لکھتے ہیں۔

''قیام اللیل (تہجد) اور نماز تراویح ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں'' (۱۲مسائل:ص ۱۷۱)

5۔ غیر مقلد مولانا محمد خالد سیف لکھتے ہیں۔

''تہجد اور نماز تراویح درحقیقت ایک ہی نماز ہے'' (نماز مصطفیٰ:ص ۱۶۹)

6۔ غیر مقلد مولانا خواجہ محمد قاسم لکھتے ہیں۔

''میں یہ سمجھتا ہوں تہجد اور تراویح ایک ہی چیز ہے'' (حی علی الصلوٰۃ:ص ۳۳)

7۔ غیر مقلد ڈاکٹر شفیق الرحمان لکھتے ہیں۔

''ماہِ رمضان میں تہجد اور قیام رمضان الگ الگ نہیں بلکہ ایک چیز ہے'' (نماز نبوی:ص ۲۴۱)

8۔ غیر مقلد حافظ عبدالرحمان لکھتے ہیں۔

''نماز تہجد یا تراویح جو نماز عشاء کے بعد اور فجر سے پہلے درمیانی رات میں پڑھی جاتی ہے اِس کے نام بہت ہیں۔اسے قیام اللیل (رات کا قیام)، وتر (طاق)، نفل، تطوع اور تہجد وغیرہ ناموں سے یاد کرتے ہیں'' (رحمانی نماز کلاں:ص ۱۸۵)

گویا حافظ عبدالرحمان کی تحقیق کے مطابق تراویح، تہجد اور وتر ایک ہی نماز کے مختلف نام ہیں۔

شاہد اقبال: مولانا! بہت بہت شکریہ۔آج مجھے اِس اختلاف کی حقیقت سمجھ آئی ورنہ اب تک ہم یہی سمجھتے رہے کہ اہلحدیث لوگ نمازتراویح کو مانتے ہیں،صرف آٹھ اور بیس رکعتوں کا اختلاف ہے۔ یہ تو آج پتہ چلا کہ یہ لوگ سرے سے نمازتراویح کا انکار کرتے ہیں اور وہ بھی اقرار کے پردہ میں جو ایک منافقانہ طریقہ ہے۔ جیسا کہ منافقین کہا کرتے تھے''نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ''(ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں) حالانکہ وہ آپ ﷺ کی رسالت کے منکر تھے۔اِس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا''وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكَاذِبُوْنَ ''(بے شک منافقین البتہ جھوٹے ہیں)۔اہلحدیث بھی بظاہر تاثر یہ دیتے ہیں کہ وہ نمازتراویح کو مانتے ہیں حالانکہ وہ صرف نمازتہجد کو مانتے ہیں اور نماز تراویح کے منکر ہیں۔وہ لفظ بولتے ہیں نمازتراویح کا مگر اِس سے مراد لیتے ہیں نمازتہجد۔ قادیانیوں کی طرح مسلمانوں کو دھوکہ دینے کیلئے ایک لفظ بول دیتے ہیں مگر مراد کچھ اور لیتے ہیں، یہ بہت خطرناک طریقہ ہے۔

محقق عالم: شاہد بیٹا! میں آپ کی تائید کرتا ہوں کہ صراحتاً انکار کرنے سے منافقت اور تقیہ کے طور پر انکار کرنا بہت بڑا دھوکہ،فریب کاری اور بدترین قسم کا فراڈ ہےاور سب اہل باطل یہی دجل کرتے ہیں۔

شاہد اقبال: مولانا! ایک طرف دعویٰ یہ ہے کہ تہجد اور تراویح دو مستقل جدا نمازیں ہیں۔ دوسری طرف دعویٰ یہ ہے کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے۔آپ پہلے دعویٰ کے علمبردار ہیں جبکہ پروفیسر صاحب دوسرے دعویٰ کے مدعی ہیں۔تو آپ اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل پیش کر سکتے ہیں؟

محقق عالم: پیارے شاہد! اہل السنّت والجماعت کے اِس دعویٰ پر صرف ایک دلیل ہی نہیں بلکہ الحمدللہ دلائل کا انبار ہے۔ ذرا توجہ کیجئے اور باہوش وگوش ملاحظہ کیجئے

﴿تہجد اور تراویح کے فرق پر دلائل﴾

دلیل نمبر1: (ماخذِ مشروعیت)

تہجد اور تراویح کی مشروعیت کے ماخذ جدا جدا ہیں۔ تہجد شریعت کے پہلے ماخذ یعنی قرآن کریم سے ثابت ہے (وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ پ١٤) جبکہ تراویح شریعت کے دوسرے ماخذ یعنی سنت سے ثابت ہے (وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهٗ) اور قیام رمضان یعنی تراویح کا طریقہ میں (محمد ﷺ) نے جاری کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ تراویح قرآن کریم سے ثابت نہیں ہے۔ ایک نماز کی مشروعیت قرآن سے ثابت ہے جبکہ دوسری نماز کی مشروعیت قرآن سے ثابت نہیں بلکہ حدیث سے ثابت ہے، تو یہ دو نمازیں ایک کیسے ہوسکتی ہیں؟

دلیل نمبر2: (مکانِ مشروعیت)

تہجد اور تراویح دونوں کی مشروعیت کی جگہ جدا ہے۔ تہجد مکہ مکرمہ میں مشروع ہوئی ہے جبکہ تراویح مدینہ منورہ میں مشروع ہوئی ہے، تو یہ دونوں نمازیں ایک کیسے۔

دلیل نمبر3: (زمانہ مشروعیت)

تہجد ہجرت سے پہلے مشروع ہوئی اور تراویح ہجرت کے بعد مشروع ہوئی۔

دلیل نمبر4: (کیفیتِ مشروعیت)

تہجد پہلے فرض تھی اور ایک عرصہ تک فرض رہی بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

سعد بن ہشام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں

قُلْتُ يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ حَدِّثِيْنِيْ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ اَلَسْتَ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ فَإِنَّ خُلُقَ رَسُوْلِ اللّٰهِ كَانَ الْقُرْآنَ قَال حَدِّثِيْنِيْ عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ قَالَتْ اَلَسْتَ تَقْرَأُ يَااَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَتْ فَإِنَّ اَوَّلَ هٰذِهٖ

نَزَلَتْ فَقَامَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی انْتَفَخَتْ اَقْدَامُھُمْ وَحُبِسَ خَاتِمَتُھَا فِیْ السَّمَاءِ اِثْنَیْ عَشَرَ شَھْرًا ثُمَّ نَزَلَ آخِرُھَا فَصَارَ قِیَامُ اللَّیْلِ تَطَوُّعاً بَعْدَ فَرِیْضَۃٍ (ابوداؤد: ج۱ص۱۸۹،۱۹۱باب فی صلوٰۃ اللیل)

سعد: میں نے کہا! اے ام المؤمنین (حضرت عائشہؓ) مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے خُلق کے متعلق بیان کیجئے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا! کیا آپ قرآن نہیں پڑھتے ؟ رسول اللہ ﷺ کا خُلق قرآن ہے۔

سعد: میں نے کہا! اے ام المؤمنین مجھ سے تہجد کے متعلق ارشاد فرمائیے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے دریافت فرمایا! کیا آپ سورۃ یَاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ نہیں پڑھتے ؟

سعد: میں نے عرض کیا! جی ہاں میں سورۃ یَاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ پڑھتا ہوں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ طیبہ طاہرہ نے ارشاد فرمایا! اس سورۃ کا ابتدائی حصہ نازل ہوا (جس میں تہجد کی فرضیت ہے) تو صحابہ کرامؓ اتنی طویل نماز تہجد پڑھتے کہ ان کے پاؤں سوج جاتے اور اِس سورۃ کا آخری حصہ بارہ ماہ تک آسمان میں رکا رہا۔ پھر بارہ ماہ کے بعد اِس کا آخری حصہ نازل ہوا تو تہجد جو پہلے فرض تھی اب نفل میں بدل گئی۔

فائدہ : اِس حدیث سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ تہجد کی مشروعیت قرآن سے ثابت ہے۔ دوسری یہ کہ تہجد کی مشروعیت مکہ مکرمہ میں ہوئی کیونکہ سورۃ مزمل ہجرت سے قبل مکہ میں نازل ہوئی ہے اوراسی سے تہجد کی مشروعیت ثابت ہے۔ تیسری یہ کہ تہجد پہلے فرض تھی اور ایک سال تک فرض رہی بعد میں سورۃ مزمل کے آخری حصہ کے نازل ہونے کے ساتھ فرضیت منسوخ ہوگئی اور تہجد نفلی نماز بن گئی جبکہ تراویح کبھی بھی فرض نہیں ہوئی ہے۔

دلیل نمبر 5: (نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فرضیت تہجد کا قول)

علماء کے ایک قول کے مطابق تہجد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی، صرف امت کے حق میں تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی (زرقانی شرح مؤطا امام مالک: ج۱ص۳۱۱) مگر تراویح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض نہ تھی۔

دلیل نمبر 6: (سنت مؤکدہ وغیر مؤکدہ)

تہجد سنت غیر مؤکدہ ہے جیسا کہ ابھی حضرت عائشہؓ کی حدیث میں گذرا کہ تہجد پہلے فرض تھی پھر فرضیت منسوخ ہو کر نفلی نماز بن گئی۔ جبکہ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ چنانچہ فقہ حنبلی کی معتبر کتاب الروض المربع جو سعودی عرب کے نصاب تعلیم میں داخل ہے اِس کے ص ۶۵ پر لکھا ہے وَالتَّرَاوِيْحُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ ''تراویح سنت مؤکدہ ہے''۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں وَالْحَاصِلُ اَنَّ الْاَصَحَّ فِيْهَا اَنَّهَا سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ ''صحیح ترین بات یہ ہے کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے'' (شرح النقایہ: ج۱ص۳۴۱)۔ ایک نماز سنت غیر مؤکدہ ہے، دوسری سنت مؤکدہ ہے یہ دونوں نمازیں ایک کیسے ہوسکتی ہیں؟ تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے پر مذاہب اربعہ کی درج ذیل کتب ملاحظہ کیجئے۔ البحر الرائق: ج۱ص۱۱۷، حاشیہ فتاویٰ النوازل: ص۹۴، حاشیہ الطحطاوی: ص۴۱۱، رد المحتار: ج۲ص۴۹۳، فتاویٰ تاتار خانیہ: ج۱ص۴۷۵، المھذب: ج۱ص۸۴ حلیۃ العلماء: ج۲ص۱۱۹، الاقناع للشربینی: ج۱ ص۱۱۷، نھایۃ الزین: ج۱ص۱۱۴، الفروع: ج۱ص۴۸۸۔ المغنی لابن قدامۃ: ج۱ص۷۹۷۔ مزید حوالہ جات کیلئے ہماری کتاب ''آٹھ اور بیس تراویح کا فیصلہ'' ملاحظہ کیجئے۔

دلیل نمبر 7: (جماعت اور غیر جماعت)

تہجد میں اصل یہ ہے کہ بغیر جماعت کے پڑھی جائے مگر تراویح میں جماعت سنت مؤکدہ کفایہ ہے۔ الروضۃ المربع: ص۶۵ میں ہے والتراویح عِشْرُوْنَ رَكْعَةً تُفْعَلُ

فِیْ جَمَاعَةٍ مَعَ الْوِتْرِ تراویح بیس رکعات ہے جو وتروں سمیت جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اور ملا علی قاری علیہ الرحمہ بیں رَوَى الْحَسَنُ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَالسُّنَّةُ فِیْهَا الْجَمَاعَةُ لٰكِنْ عَلٰى وَجْهِ الْكِفَايَةِ حسن نے امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ سے نقل کیا ہے تراویح میں جماعت سنت کفایہ ہے (کہ اگر چند لوگ بھی جماعت کے ساتھ تراویح پڑہیں گے تو سب بری الذمہ اور کوئی بھی جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھے گا تو سب پر ترکِ سنت کا وبال ہوگا)۔ تراویح میں جماعت سنت علی الکفایہ ہے۔ اِس کیلئے ملاحظہ کیجئے۔ شرح النقایہ: ج ا ص ۳۴۱، فتاویٰ عالمگیری: ج ا ص ۱۲۸ (مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)، فتاویٰ النوازل: ص ۹۴، مراقی الفلاح مع حاشیہ الطحطاوی: ص ۴۱۲، البحر الرائق: ج ا ص ۱۱۶

فائدہ : (حدیثِ عائشہؓ) حضرت عائشہؓ کی گیارہ رکعات والی مشہور حدیث جو تہجد کے بارہ میں ہے۔ اس سے چند فرق واضح طور پر سمجھ آتے ہیں۔ اُن سے پہلے وہ حدیث ملاحظہ فرمائیں عَنْ اَبِیْ سَلْمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَاَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَاكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيْدُفِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً يُّصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْاَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْاَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّیْ ثَلٰثًا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَفَقَالَ يَاعَائِشَةُ اِنَّ عَيْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَايَنَامُ قَلْبِیْ (بخاری: ج ا ص ۱۵۴، کتاب التہجد: باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ، ابوداؤد: صلوۃ الیل)

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز (تہجد) کیسے ہوتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات پر زیادہ نہ کرتے۔ چار رکعات پڑھتے پس ان کے حسن اور طول کے متعلق کچھ نہ پوچھ۔

پھر آپ ﷺ چار رکعات پڑھتے پس اُن کے حسن اور طول کے متعلق کچھ نہ پوچھ (یعنی بہت خوبصورت اور طویل ہوتی تھیں) پھر تین رکعات پڑھتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول آپ ﷺ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں (پھر بغیر جدید وضو کے وتر پڑھتے ہیں)۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عائشہؓ بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا (یعنی نیند سے میرا وضو نہیں ٹوٹتا اِس لئے جدید وضو نہیں کرتا)

دلیل نمبر 8: (رمضان و غیر رمضان)

تہجد رمضان اور غیر رمضان میں یعنی بارہ ماہ پڑھی جاتی ہے جبکہ تراویح فقط رمضان میں پڑھی جاتی ہے۔ ایک نماز پورا سال پڑھی جاتی ہے دوسری نماز سال میں صرف ایک ماہ (یعنی رمضان میں پڑھی جاتی ہے) یہ دونوں ایک نماز کیسے ہوسکتی ہیں۔ جیسے نمازِ اشراق پورے سال کی نماز ہے جبکہ نمازِ عید سال میں صرف دو مرتبہ پڑھی جاتی ہے تو یہ دو نمازیں جدا جدا ہیں۔ نمازِ ظہر ہر روز پڑھی جاتی ہے نمازِ جمعہ، ہفتہ میں صرف ایک دن یعنی جمعہ کے روز پڑھا جاتا ہے تو ظہر اور جمعہ دو جدا جدا نمازیں ہیں۔ اِسی طرح تہجد سارے سال کی نماز ہے اور تراویح فقط رمضان کی نماز ہے۔ لہٰذا یہ بھی دو جدا جدا نمازیں ہونگی۔

دلیل نمبر 9: (چار رکعت اور دو رکعت)

حدیث عائشہؓ کے مطابق آپ ﷺ چار چار رکعات اور تین وتر پڑھتے جبکہ تراویح میں دو دو رکعات پڑھنا مسنون ہے۔ فقہ حنبلی کی معتبر کتاب الروضۃ المربع کے صفحہ ۶۵ پر ہے تُفْعَلُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ بیس تراویح دو، دو رکعات کر کے پڑھی جاتی ہیں۔ اس پر مزید حوالہ جات مذاہب اربعہ کے بیان میں ملاحظہ کیجئے۔

دلیل نمبر 10: (نیند کا وقفہ)

حدیث عائشہؓ سے نبی پاک ﷺ کا تہجد اور وتروں کے درمیان سونا ثابت ہے مگر

تراویح اور وتروں کے درمیان سونا ثابت نہیں کیونکہ حدیث میں ہے اِذَادَخَلَ رَمَضَانُ لَمْ یَأْتِ فِرَاشَہٗ یعنی جب ماہ رمضان شروع ہوجاتا تو آپ ﷺ رمضان گزرنے تک بستر پر قدم نہ رکھتے۔نمازِ تہجد میں نوافلِ تہجد اور وتروں کے درمیان سونا ثابت مگر تراویح اور وتروں کے درمیان سونا ثابت نہیں تو یہ دونمازیں ایک کیسے؟

دلیل نمبر 11: (حدیث من قام)

تراویح والی حدیث مَنْ قَامَ رَمَضَانَ ۔۔۔ الخ کوکسی محدث نے تہجد کے باب میں ذکر نہیں کیا۔اگر تراویح اور تہجد ایک نماز ہوتی تو فضیلتِ تراویح کی اِس حدیث کو تہجد کے باب میں بھی ذکر کیا جاتا۔حالانکہ اِس حدیث کو تراویح کے باب میں ذکر کیا جاتا ہے، تہجد کے باب میں ذکر نہیں کیا جاتا۔معلوم ہوا کہ دونوں نمازیں جدا ہیں۔

دلیل نمبر 12: (ترغیبِ جماعت)

تہجد باجماعت کی تعریف وترغیب آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں لیکن تراویح کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی تعریف وترغیب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے

عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ ؓ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِذَا نَاسٌ فِیْ رَمَضَانَ یُصَلُّوْنَ فِیْ نَاحِیَۃِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ مَا ھٰؤُلَاءِ قِیْلَ ھٰؤُ لَاءِ نَاسٌ لَیْسَ مَعَھُمْ قُرْاٰنٌ وَاُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ یُصَلِّیْ بِھِمْ فَھُمْ یُصَلُّوْنَ بِصَلٰوتِہٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَصَابُوْا اَوْنِعْمَ مَا صَنَعُوْا

(قیام رمضان للمروزی:ص ۱۵۵)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (حجرہ) سے نکلے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ ماہ رمضان میں کچھ لوگ مسجد کے ایک گوشہ میں نماز پڑھ رہے ہیں۔آپ ﷺ نے

پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا گیا! یہ ایسے لوگ ہیں کہ قرآن اِن کو یاد نہیں اورابی بن کعبؓ اِن کو نماز پڑھارہے ہیں اور وہ لوگ ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا! انہوں نے درست کیا۔ یا یوں فرمایا انہوں نے اچھا کام کیا ہے۔

دلیل نمبر 13: (اہتمام جماعت کثیرہ)

نماز تہجد میں جماعت کثیرہ کو شامل کرنے کا اہتمام آپ ﷺ سے ثابت نہیں لیکن نمازِ تراویح کو جماعت کثیرہ کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ اِس سلسلہ میں دو حدیثیں ملاحظہ کیجئے۔

1۔ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ كَانَ النَّاسُ يُصَلُّوْنَ فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ اَوْزَاعاً.....الخ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگ رمضان شریف کی ایک رات مسجد نبوی میں متفرق جماعتیں بنا کر نماز پڑھ رہے تھے۔ جن لوگوں کو قرآن کا کچھ حصہ یاد تھا وہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ کسی کے ساتھ پانچ آدمی ہیں کسی کے ساتھ چھ ہیں اور کسی کے پیچھے اِس سے کم اور کسی کے پیچھے اس سے بھی زیادہ اور وہ اِن قرآن خواں لوگوں کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مجھے حکم دیا کہ میں حجرہ کے دروازے پر چٹائی لٹکا دوں۔ چنانچہ میں نے چٹائی لٹکا دی۔ پس رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز کے بعد حجرہ سے باہر تشریف لائے اُس وقت مسجد میں جتنے لوگ موجود تھے سب آپ ﷺ کے پاس اکٹھے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اُن کو رات کے وقت دیر تک نماز پڑھائی

(قیام رمضان للمروزی: ص ۱۵۳)

2۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صمنا مَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَمَضَانَ...الخ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان میں

روزے رکھے آپ ﷺ نے ہمیں تراویح نہ پڑھائی حتّٰی کہ جب سات راتیں باقی رہ گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ۲۳اور ۲۵ کی رات کو نماز پڑھائی، پھر ۲۷ کی رات کو اپنے گھر والوں کو جمع کیا، اور لوگ بھی جمع ہو گئے اور آپ ﷺ نے طویل نماز پڑھائی۔(اِسی وجہ سے بعد میں خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح باجماعت کا مستقلاً اہتمام کیا اور اِس سنت کو دائمی طور پر جاری کیا جو آج تک جاری ہے)

دلیل نمبر 14: (ساری رات قیام)

تہجد میں ساری رات قیام کرنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں لَااَعْلَمُ نَبِیَّ اللّٰہِ قَامَ لَیْلَۃً حَتَّی الصَّبَاحِ غَیْرَ رَمَضَانَ (نسائی: ج۱ص۳۲۱) مجھے علم نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے رمضان کے علاوہ دوسری کسی رات کو صبح تک ساری رات قیام فرمایا ہو۔اسی طرح سعد بن ھشام کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا لَا اَعْلَمُ نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی لَیْلَۃً اِلَی الصُّبْحِ غَیْرَ رَمَضَانَ فَانْطَلَقْتُ اِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ فَحَدَّثْتُہٗ حَدِیْثَھَا فَقَالَ صَدَقَتْ (قیام اللیل للمروزی:ص۸۵)

میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ نہیں جانتی کہ آپ ﷺ نے کسی ایک رات میں بھی صبح تک ساری رات نماز پڑھی ہو سوائے رمضان کے۔ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس جا کر یہ بات بتائی تو انہوں نے کہا حضرت عائشہؓ سچ کہتی ہیں۔

قرآن کریم میں حضور ﷺ کی تہجد کے متعلق ہے اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ اللَّیْلِ وَنِصْفَہٗ وَثُلُثَہٗ وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھیوں کی ایک جماعت (نماز تہجد میں) کبھی رات کی دو تہائی کبھی نصف رات اور کبھی ایک تہائی قیام کرتی ہے۔امام محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ یہ آیت لکھ کر فرماتے ہیں فَھٰذَا نَوْمٌ وَقِیَامٌ یہ نیند بھی ہے اور قیام بھی ہے(قیام اللیل:ص۲۰) جبکہ آپ ﷺ رمضان

میں ساری رات قیام فرماتے حتّٰی کہ کمر بستر کے ساتھ نہ لگاتے جب نماز تہجد اور نماز تراویح میں معمول جدا جدا ہے کہ تراویح میں ساری رات صبح تک قیام فرماتے اور تہجد میں کبھی بھی صبح تک ساری رات قیام نہیں کیا تو یہ دو نمازیں ایک کیسے ہو گئیں؟

دلیل نمبر 15: (پورا قرآن کریم ختم کرنا)

تراویح میں کم از کم ایک مرتبہ پورا قرآن کریم ختم کرنا خلفاء راشدین کی سنت ہے جبکہ تہجد میں قرأۃ کی کوئی مقدار متعین نہیں۔ قرآن کریم میں ہے فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (نماز تہجد میں) قرآن سے جو آسان ہو وہ پڑھو۔

دلیل نمبر 16: (تعین رکعات)

نماز تہجد کی رکعات متعین نہیں بلکہ وقت کی گنجائش اور اپنی ہمت کے مطابق وتروں کے علاوہ دو رکعت سے دس رکعت تک پڑھ سکتے ہیں یعنی ۲۔۴۔۶۔۸۔۱۰۔ مگر تراویح کی تعداد فریقین کے نزدیک متعین ہے ۲۰ یا ۸۔ اہل السنّت والجماعت کے نزدیک بیس رکعات ہیں اور غیر مقلدین کے نزدیک آٹھ ہیں۔

دلیل نمبر 17: (وتروں کی جماعت)

تراویح کے بعد وتروں کا جماعت کے ساتھ پڑھنا خلفائے راشدین کی سنت ہے جبکہ تہجد کے بعد وتروں کی جماعت کا سنت ہونا ثابت نہیں۔

دلیل نمبر 18: (شعائرِ اسلام)

نماز تراویح شعائرِ اسلام میں سے ہے (نیل الاوطار: ج۲ص۲۹۵، الدیباج: ج۲ ص۳۸۵، شرح ابوداؤد للعینی رحمہ اللہ: ج۵ص۲۷۵، شرح سیوطی علی مسلم: ج۲ص۳۸۵، شرح نووی علی مسلم: ج۳ص۱۰۱، ۱۲۸، ۱۳۲، مرقاۃ المفاتیح: ج۴ص۳۱۴، ۳۱۶، احیاء علوم

الدین: ج۱ ص۳۹۰) المبدع شرح المقنع (ج۲ص۱۹۔فقہ حنبلی) میں ہے وَھِیَ سُنَّۃٌ سَنَّھَاالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَیْسَتْ مُحْدَثَۃٌ لِعُمَرَوَھِیَ مِنْ اَعْلَامِ الدِّیْنَ الظَّاھِرَۃِ اورتراویح سنت ہے جسکوخود نبی پاک ﷺ نے جاری کیا ہے اور یہ حضرت عمرؓ کی جاری کردہ سنت نہیں ہے اور یہ دین کی علاماتِ ظاہرہ میں سے ہے جبکہ تہجد شعارِ اسلام میں سے نہیں ہے۔

دلیل نمبر 19: (وقت جدا جدا)

پانچ فرض نمازیں پانچ اِس لئے بنی ہیں کہ ہر نماز کا وقت دوسری نماز سے جدا ہے۔ چنانچہ فقہاء اور محدثین حضرات نے ہر نماز کا وقت جدا جدا تحریر کیا ہے۔ اسی طرح تہجد اور اشراق دو جدا جدا نمازیں اِس لئے ہیں کہ ہر ایک کا وقت دوسری نماز سے جدا ہے۔ نماز تہجد کا وقت نصف رات کے بعد سے طلوعِ فجر تک ہے اور نمازِ اشراق کا وقت طلوعِ شمس کے بعد ہے۔ معلوم ہوا کہ وقت کا جدا جدا ہونا نمازوں کے جدا ہونے کی دلیل ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تراویح اور تہجد کا وقت ایک ہے یا علیحدہ علیحدہ ہے؟ چونکہ اِن دونوں نمازوں کا وقت جدا جدا ہے اِس لئے یہ دونوں نمازیں بھی جدا جدا ہونگی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نماز تہجد کا وقت نصف رات کے بعد ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنَامُ اَوَّلَہٗ وَیَقُوْمُ آخِرَہٗ (بخاری: ج۱ص۱۵۴) رسول اللہ ﷺ اول شب میں نیند کرتے اور رات کے اخیر میں تہجد پڑھتے۔ غیر مقلدین علماء نے بھی اِس بات کو تسلیم کیا ہے کہ نماز تہجد اور نماز تراویح کا وقت جدا جدا ہے۔ فتاویٰ علماء حدیث میں ہے تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد اول رات کا ہے اور تہجد کا آخر رات کا۔ (ج۶ص۲۵۱) نیز فرماتے جو شخص رمضان میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ آخر وقت میں تہجد پڑھ سکتا ہے۔ تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے، اول شب میں تہجد نہیں ہوتی۔

(فتاویٰ علماء حدیث: ج۶ص۳۳۱)

نیز فرماتے ہیں اگر تراوتیح پہلے وقت میں پڑھے تو صرف تراوتیح ہے پچھلے وقت میں پڑھے تو تہجد کے قائم مقام ہوتی ہے۔(فتاویٰ علماء حدیث: ج٦ص ٢٢٩)

دلیل نمبر 20: (نام جدا جدا)

پانچ فرض نمازیں، اسی طرح نمازِ اشراق، اوابین، نمازِ تہجد وغیرہ کے جدا جدا نام اِس بات کی دلیل ہے کہ یہ نمازیں بھی جدا جدا ہیں۔سو جب اِن دو نمازوں کے نام جدا جدا ہیں، ایک کا نام نمازِ تراوتیح ہے دوسری کا نام نمازِ تہجد ہے، ایک کا نام قیامِ رمضان دوسری کا قیام اللیل ہے تو یہ دو نمازیں بھی جدا جدا ہونگی۔

دلیل نمبر 21: (باب جدا جدا)

محدثین حضرات نے تہجد اور تراوتیح کے جدا جدا باب قائم کئے ہیں جو ان کے الگ الگ نماز ہونے کی دلیل ہے اور اگر یہ دونوں نمازیں ایک ہیں تو ہر ایک کے جدا باب قائم کرنے کی کیا ضرورت؟ کتب حدیث میں دونوں نمازوں کے جدا جدا باب بحوالہ ملاحظہ کیجئے۔

نام کتاب	باب تہجد	باب تراوتیح
صحیح بخاری	باب فضل قیام اللیل: ج ا ص ١٥١	باب فضل من قام رمضان: ج ا ص ٢٦٩
صحیح مسلم	باب صلوۃ اللیل: ج ا ص ٢٥٣	باب الترغیب فی قیام رمضان و ہو التراوتیح: ج ا ص ٢٥٩
سنن ابی داؤد	باب فی صلوۃ اللیل: ج ا ص ١٨٨	باب قیام شہر رمضان: ج ا ص ١٩٦
سنن ترمذی	باب فی فضل صلوۃ اللیل: ج ا ص ٩٨	باب ما جاء فی قیام شہر رمضان ج ا ص ١٦٦

سنن نسائی	کتاب قیام اللیل: ج ا ص ۲۳۷	ثواب من قام رمضان وصام...الخ ج ا ص ۳۰۷
سنن ابن ماجہ	باب ماجاء فی قیام اللیل: ص ۹۴	باب ماجاء فی قیام شہر رمضان: ص ۹۴
موطأ امام مالک	باب فی صلوۃ اللیل: ص ۹۹	باب فی قیام رمضان: ص ۹۷
موطأ امام محمد	باب صلوۃ اللیل: ص ۱۱۹	باب قیام شہر رمضان: ص ۱۴۱
مشکوٰۃ شریف	باب صلوۃ اللیل: ج ا ص ۱۰۵	باب قیام شہر رمضان: ج ا ص ۱۱۴
ریاض الصالحین	باب فضل قیام اللیل: ص ۳۶۲	باب استحباب قیام رمضان وھو التراویح: ص ۳۶۷
صحیح ابن حبان	فصل فی قیام اللیل: ج ۵ ص ۱۱۲	فصل فی التراویح: ج ۵ ص ۱۰۷
مجمع الزوائد	باب فی صلوۃ اللیل: ج ۲ ص ۵۱۹	باب قیام رمضان: ج ۳ ص ۴۰۱
سنن کبریٰ امام بیہقی	باب فی قیام اللیل: ج ۲ ص ۴۹۹	باب فی قیام شہر رمضان: ج ۲ ص ۴۹۱
جمع الفوائد	صلوۃ اللیل: ج ا ص ۲۰۳	قیام رمضان والتراویح وغیر ذالک ج ا ص ۲۰۶
مختصر قیام اللیل للمروزی	قیام اللیل: ص ۲ تا ص ۱۴۹	قیام رمضان: ص ۱۵۰ تا ۱۷۸
بلوغ المرام	صلوۃ التطوع: ص ۸۳	قیام رمضان: ص ۱۵۲

محدثین حضرات کے تہجد اور تراویح کے علیحدہ علیحدہ باب قائم کرنے سے معلوم ہوا کہ اِن حضرات کے نزدیک بھی تہجد اور تراویح دو علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں ورنہ اُن کے الگ الگ باب قائم نہ کرتے۔

دلیل نمبر 22: (رمضان کی شرط)

عہد نبوی میں رمضان کا چاند نظر نہ آیا فَاَرَادُوْا اَنْ لَّا یَصُوْمُوْا وَلَایَقُوْمُوْا تو انہوں نے روزہ نہ رکھنے اور قیام نہ کرنے (یعنی تراویح نہ پڑھنے) کا ارادہ کرلیا۔ اچانک وادی حرہ سے ایک اَعْرَابِیْ (دیہاتی آدمی) نے حاضرِ خدمت ہوکر چاند دیکھنے کی شہادت دی۔ چنانچہ اُس کے ایمان واعتقاد کی تصدیق کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ کے حکم پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا اَنْ یَّصُوْمُوْا وَاَنْ یَّقُوْمُوْا لوگو روزہ رکھو اور تراویح پڑھو۔

(دار قطنی: ج۲ص۱۵۹)۔

معلوم ہوا کہ نماز تراویح ماہِ رمضان کے چاند نظر آنے کے ساتھ مشروط ہے جبکہ تہجد ہلالِ رمضان کے ساتھ مشروط نہیں، وہ سارا سال پڑھی جاتی ہے۔

دلیل نمبر 23: (مسجد میں جماعت)

علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تراویح اور تہجد کے درمیان وقت اور کیفیت کے اعتبار سے فرق تھا۔ اَلتَّرَاوِیْحُ تَکُوْنُ بِالْجَمَاعَةِ فِیْ الْمَسْجِدِ بِخَلَافِ التَّهَجُّدِ تراویح مسجد میں جماعت کے ساتھ ہوتی تھی جبکہ تہجد اِس طرح نہ تھی وَاِنَّ الشُّرُوْعَ فِیْ التَّرَاوِیْحِ یَکُوْنُ فِیْ اَوَّلِ اللَّیْلِ وَفِی التَّهَجُّدِ فِیْ آخِرِ اللَّیْلِ تراویح رات کے اول حصہ میں شروع کرتے جبکہ تہجد رات کے آخری حصہ میں پڑھی جاتی (العرف الشذی: ص۱۶۶)

دلیل نمبر24: (تہجد بعد از نوم)

تراویح نماز عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے جبکہ تہجد نیند سے اُٹھ کر پڑھی جاتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں وَالتَّهَجُّدُ بَعْدَ النَّوْمِ (تفسیر ابن عباس:ص۱۸۱) اور تہجد نیند کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

مسجد چینیاں والی کے غیر مقلد خطیب مولوی عبداللہ چکڑالوی نے نماز تراویح کا انکار کیا اس پر انہوں نے ایک رسالہ بھی لکھا ''البیان الفصیح لاثبات کراھۃ التراویح'' موصوف چکڑالوی صاحب نے انکار تراویح کی بنیاد اسی نکتہ پر رکھی کہ تراویح اور تہجد دونوں ایک نماز ہیں، الگ الگ نماز نہیں ہیں۔ غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری نے چکڑالوی صاحب کے عقیدے کا پہلے خلاصہ لکھا پھر اِس کی تردید کی ۔ چنانچہ شیخ الاسلام موصوف نے چکڑالوی کے مذہب کا خلاصہ یہ لکھا ہے کہ پہلے وقت کی نماز تراویح اور پچھلے وقت کی نماز تہجد ایک ہی ہیں دو نہیں یہی تراویح جو اول وقت میں پڑھی جاتی ہے تہجد کی نماز ہے اور کوئی نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اِس دعویٰ پر دلیل کوئی نہیں بلکہ اِس کے خلاف دلیل موجود ہے کیونکہ تہجد کے معنی نیند سے اُٹھ کر نماز پڑھنا۔ قاموس میں ہے تہجد استیقظ (تہجد کے معنی ہیں وہ جاگ گیا) حضرت عائشہؓ کی حدیث سے جو اوپر درج ہے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اول شب کی نماز اور آخر شب کی نماز ایک ہے (اہلحدیث کا مذہب:ص۶۹)

دلیل نمبر25: (قیام اللیل اور قیام رمضان)

تہجد کا دوسرا نام قیام اللیل ہے اور تراویح کا نام قیام رمضان ہے۔ اور غیر مقلد نواب صدیق حسن خان نے کہا ہے کہ قیام اللیل اور قیام رمضان دو جدا جدا نمازیں ہیں۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں۔ وَاَمَّا قِيَامُ اللَّيْلِ فَهُوَ غَيْرُ قِيَامِ رَمَضَانَ (نزل الابرار بالعلم الماثور من الادعیۃ والاذکار:ص۳۰۲) قیام اللیل (یعنی تہجد) قیام رمضان (تراویح) کا غیر ہے۔

رمضان میں تراویح اور تہجد کا ثبوت

ماہِ رمضان میں تراویح پڑھنے کے بعد اخیر رات میں جدا تہجد کا پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ تراویح اور تہجد دو نمازیں جدا جدا ہیں اور اگر یہ دونوں نمازیں ایک ہیں تو پھر تراویح پڑھنے کے ساتھ تہجد بھی پڑھی گئی، دوبارہ اخیر رات میں تہجد پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟

کیونکہ نماز فرض ہو یا سنت ایک وقت میں دو دفعہ نہیں پڑھی جاتی۔ ظہر کے وقت ظہر ایک مرتبہ پڑھی جاتی ہے، دو مرتبہ نہیں پڑھی جاتی۔ نماز اشراق، اشراق کے وقت میں ایک دفعہ پڑھی جاتی ہے دو دفعہ نہیں پڑھی جاتی۔ تراویح کا وقت نماز عشاء کے بعد سے صبح صادق تک ہے۔ جب رات کو عشاء کے بعد اول وقت میں تراویح پڑھی گئی تو غیر مقلدین کے نظریہ کے 1/26 مطابق تہجد بھی پڑھی گئی۔ اب رات کے اخیر میں دوبارہ تہجد پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ معلوم ہوا کہ یہ دو نمازیں جدا جدا ہیں، اِسلئے تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کے جتنے دلائل پیش ہونگے وہ سب تراویح وتہجد کے دو علیحدہ علیحدہ نمازیں ہونے کے دلائل ہیں۔

دلیل نمبر:

حدیث عائشہؓ مَا کَانَ یَزِیْدُ جو پیچھے متن اور ترجمہ سمیت لکھی جا چکی ہے، اس حدیث عائشہؓ میں رمضان المبارک کی تہجد کے متعلق سوال ہے کیونکہ ابو سلمہؓ کو شبہ ہوا کہ شاید رمضان میں نبی کریم ﷺ تہجد کی رکعتیں زیادہ کر دیتے ہونگے، اس لیے سوال کیا۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ آپ ﷺ کی تہجد کی رکعات رمضان اور غیر رمضان میں برابر ہوتی تھیں اور ساتھ ساتھ نماز کی کیفیت بھی بتا دی۔ خود اِس حدیث میں چند قرائن ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال وجواب تہجد کے متعلق تھا تراویح کے متعلق نہ تھا (۱) رمضان اور غیر

رمضان میں نمازِ تہجد پڑھی جاتی ہے جبکہ تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے (۲) آپ ﷺ چار چار رکعات پڑھتے جبکہ تراویح دو دو رکعات پڑھنا مسنون ہے (۳) آپ ﷺ وتروں سے پہلے سوجاتے جبکہ تراویح اور وتروں کے درمیان سونا آپ ﷺ سے ثابت نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ابوسلمہؓ کا سوال رمضان میں نماز تہجد کے متعلق تھا۔ اسی لئے حضرت عائشہؓ نے بھی جواب میں نمازِ تہجد ہی کا ذکر فرمایا ہے (۴) یہ بھی احادیث مبارکہ میں موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ باقی مہینوں سے ماہ رمضان میں عبادت زیادہ کرتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ تَغَيَّرَ لَوْنُهٗ وَكَثُرَتْ صَلَاتُهٗ وَابْتَهَلَ فِي الدُّعَاءِ وَاَشْفَقَ مِنْهُ (شعب الایمان للبیہقی: ج۳ص۳۱۰، الترغیب لابی القاسم: ج۲ص۳۶۳، کنز العمال: حدیث نمبر ۱۸۰۶) جب رمضان شروع ہوتا تو نبی کریم ﷺ کا رنگ بدل جاتا، نماز زیادہ ہوجاتی، دعا میں عاجزی بڑھ جاتی اور خوفِ خدا زیادہ ہوجاتا۔ ایک روایت میں ہے اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ شَدَّ مِئْزَرَهٗ ثُمَّ لَمْ يَأْتِ فِرَاشَهٗ حَتّٰى يَنْسَلِخَ (صحیح ابن خزیمہ : ج۳ص۳۴۲، شعب الایمان للبیہقی: ج۳ص۳۱۰، زجاجۃ المصابیح: ج۱ ص۳۶۲) جب رمضان مبارک داخل ہوتا تو نبی کریم ﷺ اپنا تہبند مضبوط کر لیتے اور ماہ رمضان گزرنے تک اپنے بستر پر نہ آتے اور جب ماہ مبارک کا آخری عشرہ شروع ہوجاتا تو آپ ﷺ کی عبادت میں اور بھی اضافہ ہوجاتا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهٖ (صحیح مسلم : ج۱ص۳۷۲) نبی کریم ﷺ آخری عشرہ میں (عبادت میں) جتنی کوشش کرتے اتنی دوسرے دنوں میں نہ کرتے۔ ایک اور روایت میں ہے اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهٗ وَاَحْيٰ لَيْلَهٗ وَاَيْقَظَ اَهْلَهٗ (بخاری: ج۱ص۲۷۱، مسلم: ج۱ص۳۷۲) جب آخری عشرہ آتا تو آپ ﷺ اپنا تہبند مضبوط کر لیتے اور ساری رات عبادت کرتے اور اپنے گھر والوں کو بھی

جگاتے۔ اِن روایات میں کثرتِ عبادت سے رکعتوں کی تعداداور کیفیت دونوں کے اعتبار سے زیادتی مراد ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ ﷺ رمضان میں دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ نماز پڑھتے باعتبار رکعت کے بھی اور باعتبار خشوع کے بھی (فتاویٰ عزیزیہ:ص۴۵۰) اور غیر مقلد نواب صدیق حسین خان فرماتے ہیں کہ احادیث صحیحہ میں (رمضان کی اضافی) رکعات کی تعین نہیں آئی البتہ حدیث یَجْتَهِدُ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَالَا یَجْتَهِدُ فِیْ غَیْرِهٖ سے معلوم ہوتا ہے اِنَّ عَدَدَهٗ کَانَ کَثِیْرًا یعنی رکعات کی تعداد زیادہ ہوتی تھی (الانتقاد الرجیح:ص۶۱)۔اگر حضرت عائشہؓ کی گیارہ رکعات والی حدیث کا محمل ومصداق تراویح کو بنایا جائے اور نظریہ بھی یہ ہو کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے تو اِس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی رمضان اور غیر رمضان کی نماز برابر ہوتی تھی یعنی صرف گیارہ رکعات پڑھتے تھے،اس سے زیادہ نہ پڑھتے تھےاور یہ بات کثرتِ عبادت والی مذکورہ بالا احادیث کے خلاف ہے اِس لئے یہ درست نہیں۔اور اگر حدیث عائشہؓ کا محمل نماز تہجد ہو اور تراویح و تہجد جدا جدا نماز ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں نماز تہجد گیارہ رکعات پڑھتے تھے مگر رمضان میں تہجد کے علاوہ نمازِ تراویح کی رکعات کا اضافہ بھی ہوجاتا۔رمضان میں کثرتِ عبادت والی احادیث کا تقاضا بھی یہی ہے۔اِس لحاظ سے حدیث عائشہؓ کا محمل نمازِ تہجد ہے یعنی رسول اللہ ﷺ رمضان میں نماز تراویح کے علاوہ نمازِ تہجد بھی گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔

دلیل نمبر:

حضرت عائشہ ؓ کی حدیث بطریق ابوسلمہؓ جو گیارہ رکعات تہجد کے بارے میں ہے اس میں ہے کہ ابوسلمہؓ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کَیْفَ کَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ

ﷺ فِیْ رَمَضَانَ (رسول اللہ ﷺ کی رمضان میں نماز کیسے ہوتی تھی) اس کی علامہ بیجوری شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کَیْفَ کَانَتْ صَلٰوۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْ رَمَضَانَ اَیْ فِیْ لَیَالِیْہِ وَقْتَ التَّھَجُّدِ زِیَادَۃً عَلٰی مَا صَلَّاہُ بَعْدَ الْعِشَاءِ مِنَ التَّرَاوِیْحِ ۔ (المواہب اللدنیہ حاشیہ علی الشمائل المحمدیہ: ص۱۴۳) یعنی ابوسلمہ کا مقصد یہ تھا نمازِ عشاء کے بعد جو نمازِ تراویح پڑھی جاتی ہے اس سے زائد نماز جو تہجد کے وقت میں پڑھی جاتی ہے وہ کیسے تھی؟ جواب میں حضرت عائشہؓ نے تراویح کے علاوہ تہجد کا انکار نہیں کیا، نہ یہ فرمایا کہ آپ ﷺ عشاء کے بعد اول وقت میں جو تراویح پڑھتے تھے وہی آپ ﷺ کی تہجد تھی بلکہ حضرت عائشہؓ نے تہجد کے وقت کی نمازِ تہجد کی رکعات کی تعداد اور کیفیت بتا دی کہ جیسے آپ ﷺ غیر رمضان میں تہجد گیارہ رکعات پڑھتے تھے رمضان میں بھی تہجد گیارہ رکعات ہی پڑھتے تھے، اس کیفیت کے ساتھ کہ چار چار رکعات پڑھتے جو خوبصورت اور طویل ہوتی تھیں، اس کے بعد رمضان اور غیر رمضان میں تین وتر پڑھتے۔

علامہ بیجوری کی صراحت وتحقیق کے مطابق ابوسلمہؓ کا یہ سوال اور حضرت عائشہ کا جواب تراویح کے متعلق نہ تھا بلکہ تراویح سے زائد نماز جو تہجد کے وقت میں پڑھی جاتی ہے اس کے متعلق ہے اور وہ نماز تہجد ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ماہِ رمضان میں تراویح کے علاوہ تہجد کے وقت میں نماز تہجد بھی پڑھتے تھے۔ اور اگر کبھی تراویح کو ہی اخیر رات تک طول دے دیا تو پھر نصف رات کے بعد والی رکعات میں تراویح کے علاوہ تہجد کی جدا نیت کر لیتے ہوں گے، تو دونوں نمازوں کی نیت کی وجہ سے دونوں کی فضیلت وثواب حاصل ہو جاتا۔

دلیل نمبر:

مالابدمنہ کے حاشیہ میں ہے کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''وآنچہ مروی

شدہ ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ مراد ازاں نماز تہجد است رمضان وغیرہ برابر بود وآں راصلوۃ اللیل می گفتند اما تراویح غیر آنست کہ درعرف شان بقیام رمضان مسمی بود‘‘(مالا بدمنہ ص۸۷حاشیہ نمبر۳)

اور جو کچھ حضرت عائشہؓ کی گیارہ رکعات والی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ رمضان وغیرِ رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے،اس سے نمازِ تہجد مراد ہے کہ وہ رمضان وغیرِ رمضان میں برابر ہوتی ہے۔اس کو صلوۃ اللیل بھی کہا جاتا ہے لیکن نماز تراویح وہ نمازِ تہجد کا غیر ہے۔عرف میں اس کو قیامِ رمضان کا نام دیا جاتا ہے۔

پس شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق حدیثِ عائشہؓ میں نمازِ تہجد مراد ہے جو نمازِ تراویح کے علاوہ ہے۔لہذا ثابت ہوا کہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ نمازِ تراویح کے علاوہ نمازِ تہجد گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔

دلیل نمبر:

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری:ج۱ص۱۵۴پر باب قائم کیا ہے **باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان و غیرہ**۔دلیل نمبر۲۵ میں ابھی گذرا ہے’’قیام اللیل‘‘ نماز تہجد کا نام ہے۔اِس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ رمضان اور غیر رمضان میں قیام اللیل کا عنوان قائم کر کے اشارہ کیا ہے کہ رمضان میں تراویح کے علاوہ تہجد بھی پڑھی جائے۔ نیز امام بخاری رحمہ اللہ حضرت عائشہؓ کی اِس حدیث کو تہجد کے باب میں لاکر اشارہ کیا ہے کہ اِس حدیث کا تعلق نماز تہجد کے ساتھ ہے پھر قیام رمضان کے باب میں دوبارہ لاکر اشارہ کیا ہے کہ رمضان میں صرف تراویح پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ تراویح اور تہجد دونوں نمازیں پڑھی جائیں تاکہ دونوں کی فضیلت اور دونوں کا ثواب حاصل کیا جائے۔نیز امام محمد رحمہ اللہ نے بھی حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالا حدیث کو قیام رمضان کے باب میں ذکر کر کے اِس طرف

متوجہ کیا ہے کہ رمضان میں تراویح کے علاوہ تہجد بھی پڑھی جائے لیکن قادیانیوں اور غیر مقلدین نے "تراویح اور تہجد ایک نماز" کا نظریہ ایجاد کر کے کتنے مسلمانوں کو رمضان المبارک جیسے عظیم مہینہ میں تہجد جیسی عظیم عبادت سے محروم کر دیا ہے۔

دلیل نمبر:

اِس دلیل کی وضاحت سے پہلے حضور ﷺ کی ۱۳ رکعات تہجد کی روایات ملاحظہ فرمائیں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ كَانَ صَلٰوةُ النَّبِيِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً يَعْنِىْ بِاللَّيْلِ (بخاری: ج ۱ ص ۱۵۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی نمازِ تہجد ۱۳ رکعات تھی۔ بخاری میں یہ روایت مختصر ہے لیکن محدث محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس حدیث کو تفصیلاً نقل کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میرے باپ حضرت عباسؓ نے مجھے نماز عشاء کے بعد اپنے ایک کام کیلئے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے مجھے کہا اَیْ بُنَیَّ بِتْ عِنْدَنَا هٰذِهِ اللَّيْلَةَ اے پیارے بیٹے یہ رات ہمارے پاس گزارو۔ اور اُس رات رسول اللہ ﷺ حضرت میمونہؓ کے گھر میں تھے۔ چنانچہ میں نے یہ رات رسول اللہ ﷺ اور اپنی خالہ میمونہؓ کے ہاں گزاری۔ حضور ﷺ اور حضرت میمونہؓ تو اپنے تکیہ پر سو گئے جو کھجور کی چھال سے بھرا ہوا تھا اور میں اُن کے سر کی جانب تکیہ کے پاس عرضاً سو گیا۔ رسول اللہ ﷺ رات کو اُٹھے تو آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی پھر یہ آیات تلاوت فرمائیں۔ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ سے پانچ آیات تک۔ پھر آپ لیٹ گئے۔ کچھ دیر لیٹنے کے بعد دوبارہ اُٹھے اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے یہی آیات تلاوت فرمائیں۔ پھر اپنے لٹکائے ہوئے مشکیزہ سے برتن میں پانی لیا اور کامل طریقہ سے

وضوکیا۔ پھر اپنی حضرمی چادر اوڑھی، چادر اوڑھ کر کمرے میں داخل ہوئے اور کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی اُٹھا مشکیزے سے پانی لیا اور جیسے میں نے آپ ﷺ کو وضو کرتے دیکھا اُسی طرح وضو کیا پھر میں بھی کمرے میں گیا اور حضور ﷺ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے سے گھما کر اپنی دائیں طرف کھڑا کیا، آپ ﷺ نے مجھے مانوس کرنے کیلئے اپنا دائیاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرے دائیں کان کو مروڑا پھر اِس کو مسلا۔

ثُمَّ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَ عَشَرَۃَ رَکْعَۃً مِنَ اللَّیْلِ

پھر رسول اللہ ﷺ نے ۱۳ رکعات نماز پڑھی (مختصر قیام اللیل للامام: ص۸۲، ۸۳)

فائدہ نمبر 1:

(۱) مذکورہ بالا حدیث میں ۱۳ رکعات نماز تہجد اور وتروں کا جو ذکر ہے وہ ماہِ رمضان کے علاوہ ہے کیونکہ ماہِ رمضان میں تو نبی کریم ﷺ بستر کے ساتھ کمر نہ لگاتے تھے جب کہ اِس حدیث میں بیوی کے ساتھ ایک ہی تکیہ پر سونے کا ذکر ہے۔ معلوم ہوا کہ رمضان کے علاوہ نماز تہجد پڑھنے کا بیان ہے۔

(۲) عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُھَنِیِّ ؓ اَنَّہٗ قَالَ لَاَرْمُقَنَّ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَوَسَّدْتُّ عَتَبَتَہٗ اَوْفُسْطَاطَہٗ فَصَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَکْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ طَوِیْلَتَیْنِ طَوِیْلَتَیْنِ طَوِیْلَتَیْنِ ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ وَھُمَا دُوْنَ الَّتَیْنِ قَبْلَھُمَا ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ دُوْنَ الَّتَیْنِ قَبْلَھُمَا ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ دُوْنَ الَّتَیْنِ قَبْلَھُمَا ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ دُوْنَ الَّتَیْنِ قَبْلَھُمَا ثُمَّ اَوْتَرَ فَذَالِکَ ثَلٰثَ عَشَرَۃَ رَکْعَۃً (مختصر قیام اللیل: ص۸۳)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ

میں ضرور نبی کریم ﷺ کی نماز تہجد دیکھوں گا۔ سو میں نے آپ ﷺ کی چوکھٹ یا آپ ﷺ کے خیمہ کو تکیہ بنا لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں بہت طویل پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں جو اِن دو رکعت سے ہلکی تھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں جو اِن دو رکعت سے ہلکی تھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں جو اِن دو رکعت سے ہلکی تھیں پھر دو رکعت پڑھیں جو اِن دو رکعت سے ہلکی تھیں، (اِن کے ساتھ ایک رکعت اور ملا کر) اِن کو وتر بنایا۔ پس یہ تیرہ (۱۳) رکعات ہو گئیں۔

فائدہ نمبر 2:

ثم اوتر کا یہ مطلب کہ آخری دو رکعت کے ساتھ ایک رکعت ملا کر اِن کو وتر بنانا اِس کی دوسری حدیث میں صراحت موجود ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃُ اللَّیْلِ مَثْنٰی مَثْنٰی فَاِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تَنْصَرِفَ فَارْکَعْ رَکْعَۃً تُوْتِرَ لَکَ مَاقَدْصَلَّیْتَ قَالَ الْقَاسِمُ وَرَاَیْنَا اُنَاسًا مُنْذُ اَدْرَکْنَا یُوْتِرُوْنَ بِثَلٰثٍ (بخاری: ج ا ص ۱۳۵)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نمازِ تہجد دو دو رکعت ہے، پھر جب نماز سے لوٹنے کا ارادہ ہو تو آخری دو رکعت کے ساتھ ایک رکعت ملا لے یہ ایک رکعت اِن دو رکعتوں کو وتر بنا دے گی (مدینہ منورہ کے فقیہ) قاسم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم جب سے عقل و شعور کو پہنچے ہیں صحابہ کرامؓ کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ تین وتر پڑھتے ہیں۔

فائدہ نمبر 3:

یہ ایک رکعت پہلی دو رکعت کے ساتھ اِسطرح ملائے کہ دو رکعت کے بعد سلام نہ پھیرے اور بغیر سلام پھیرے تیسری رکعت اُن کے ساتھ ملائے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت

ابی بن کعبؓ کی روایت میں دو رکعت کے بعد سلام نہ پھیرنے کی صراحت ہے۔ملاحظہ کیجئے

(۱)عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ اَنَّ عَائِشَةَؓ حَدَّثَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يُسَلِّمُ فِيْ رَكْعَتِي الْوِتْرِ (نسائی:ج۱ص۲۴۸)

سعد بن ہشام حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتروں کی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

☆اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔وتر تین ہیں اور دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں بلکہ تین رکعتوں کے بعد سلام ہے۔

(۲)عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُفِي الْوِتْرِبِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَاۤاَيُّهَاالْكَافِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ وَلَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِيْ آخِرِهِنَّ (نسائی:ج۱ص۲۴۹)

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتروں کی پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ،دوسری رکعت میں قُلْ يَاۤاَيُّهَاالْكَافِرُوْنَ اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے اور سلام نہیں پھیرتے تھے مگر اِن تین وتروں کے اخیر میں۔

(۳)عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ۔ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ۔ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ۔ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ۔ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ۔ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ اَوْتَرَ (مختصر قیام اللیل:ص۸۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے پس آپ نے دو رکعتیں نماز پڑھی، پھر دو رکعت نماز پڑھی، پھر دو رکعت نماز پڑھی، پھر دو رکعت نماز پڑھی، پھر دو رکعت نماز پڑھی پھر دو رکعت کے ساتھ ایک رکعت ملا کر اِن کو وتر بنایا(یہ تیرہ (۱۳)رکعتیں ہوئیں)

(۴)عَنْ شُرَحْبِيْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ يُحَدِّثُ قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحُدَیْبِیَّۃِ حَتّٰی اِذَا کُنَّا بِالسُّقْیَاقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَجَابِرٌ اِلٰی جَنْبِہٖ فَصَلَّی الْعَتْمَۃَ ثُمَّ صَلّٰی ثَلٰثَ عَشَرَۃَ سَجْدَۃً (مختصر قیام اللیل: ص۸۴)

شرحبیل بن سعد نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے سنا انہوں نے بتایا کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ سے واپس ہوئے اور سقیا بستی میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوگئے۔ آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی پھر تیرہ رکعت نماز تہجد پڑھی۔ اُس وقت جابر بن عبداللہؓ بالکل آپ ﷺ کے قریب تھے۔

☆اِن احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ غیر رمضان میں تہجد تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔

اگر غیر مقلدین کے یہ نظریات کہ

1۔رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک کی راتوں میں صرف اور صرف گیارہ رکعت پڑھتے تھے اِس سے زیادہ رکعات نہ پڑھتے تھے۔

2۔تراویح اور تہجد ایک نماز ہے، دوالگ الگ نمازیں نہیں ہیں۔

3۔اور رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں تراویح سے جدا نماز تہجد نہیں پڑھتے تھے۔

کو درست تسلیم کرلیں تو اِس سے دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔

1۔رسول اللہ ﷺ کی رمضان المبارک کی عبادت غیر رمضان سے کم ہو کہ غیر رمضان میں تو آپ ﷺ نماز تہجد تیرہ رکعت تک پڑھتے تھے لیکن رمضان المبارک میں فقط گیارہ رکعت پڑھتے تھے اِس سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔

2۔ اِس صورت میں رسول اللہ ﷺ کا رمضان میں فقط گیارہ رکعت والا عمل آپ ﷺ کی رمضان المبارک میں کثرت عبادت والی احادیث کے خلاف و متصادم ہو جاتا ہے اور گیارہ

رکعت والی حدیثِ عائشہؓ اور رمضان میں کثرتِ عبادت والی حدیثوں میں تضاد بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اِسلئے غیر مقلدین کے یہ نظریات غلط اور بے دلیل ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اِس حدیثِ عائشہ ؓ میں نمازِ تہجد کا ذکر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں تراوتح کے علاوہ نمازِ تہجد کی فقط گیارہ رکعت پڑھتے تھے اور آپ ﷺ کا یہ عمل رمضان المبارک میں کثرتِ عبادت والی احادیث کے بھی موافق ہے اور حدیثوں میں تضاد بھی لازم نہیں آتا۔ دونوں نظریات قارئین کے سامنے ہیں۔ ایک خود رسول اللہ ﷺ کے عمل کو اُن کی اپنی حدیثوں سے ٹکرانے اور آپ ﷺ کی حدیثوں میں تضاد پیدا کرنے والا، دوسرا آپ ﷺ کے عمل اور آپ ﷺ کی حدیثوں کے درمیان موافقت پیدا کرنے والا۔ ظاہر ہے جس نظریہ سے آپ ﷺ کے عمل و حدیث میں نیز آپ ﷺ کی احادیث میں تعارض و تضاد لازم آتا ہے وہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ صحیح نظریہ وہی ہوگا جس کے مطابق آپ ﷺ کے عمل و حدیث میں اور مختلف احادیث میں موافقت پیدا ہو جائے۔ سو اِس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ رمضان میں تراوتح کے علاوہ گیارہ رکعت نمازِ تہجد پڑھتے تھے جس کے انداز مختلف تھے، اِس کی تفصیل آگے آرہی ہے اور اگر کسی کو رمضان المبارک میں تراوتح سے جدا نماز تہجد پڑھنے کے ثبوت کا علم نہ ہو تو اِس کے عدمِ علم سے عدمِ لازم نہیں آتا، ہمہ دانی کا کون دعویٰ کرسکتا ہے۔

دلیل نمبر:

رسول اللہ ﷺ کا مبارک طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ جو عمل بھی کرتے اِس پر دوام کرتے یعنی اِس کی پابندی کرتے، اِس کو لگاتار کرتے۔ آپ ﷺ نے امت کو بھی اِسی چیز کی ترغیب دی ہے۔ وقتی جوش کے ساتھ کثیر عمل کے مقابلہ میں قلیل عمل جس پر ہمیشگی ہو وہ شرعاً، عقلاً

وعرفاً زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰـہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ قَالَ اَدْوَمُہٗ وَاِنْ قَلَّ (صحیح مسلم: ج۱ص۲۶۶) رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کونسا عمل اللہ کو زیادہ پسند ہے؟ فرمایا وہ عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے جس پر دوام ہو اگرچہ وہ عمل تھوڑا ہو۔

عَنْ عَلْقَمَۃَ قَالَ سَئَلْتُ اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ عَائِشَۃَ قَالَ قُلْتُ یَااُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ کَیْفَ کَانَ عَمَلُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ کَانَ یَخُصُّ شَیْئًامِنَ الْاَ یَّامِ قَالَتْ لَا ! کَانَ عَمَلُہٗ دِیْمَۃً (صحیح مسلم: ج۱ص۲۶۶)

علقمہ تابعی کہتے ہیں میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل کیسے ہوتا تھا کیا آپ ﷺ ایسا عمل بھی کرتے تھے جس پر دوام نہ کرتے ہوں؟ ام المؤمنینؓ نے فرمایا! کہ آپ ﷺ اپنے عمل پر دوام فرماتے تھے۔

نیز حضرت عائشہؓ سے روایت ہے اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ مَادُوْوِمَ عَلَیْہِ وَاِنَّ قَلَّ وَکَانَ آلُ مُحَمَّدٍصَلَّی اللّٰـہُ عَلَیْـہِ وَسَلَّمَ اِذَاعَمِلُوْا عَمَلًا اَثْبَتُوْہُ (مسلم: ج۱ص۲۶۶) بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین عمل وہ ہے جس پر دوام کیا جائے اگرچہ وہ عمل قلیل ہو اور آل محمد ﷺ کا طریقہ بھی یہی تھا کہ وہ جب کوئی عمل شروع کرتے تو اِس کو ثابت رکھتے۔

عَنْ عَائِشَۃَ ؓ مَرْفُوْعًا اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰـہِ مَا دَامَ وَاِنْ اَقَلَّ (بخاری: ج۲ص۱۷۸) اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ ہو اگرچہ وہ تھوڑا ہو۔ اس نوع کی دیگر احادیث نُخَبُ الْاَفْکَارُ شرح معانی الآثار: ج۳ص۳۲۰،۳۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔ جب نبی پاک ﷺ کا اصول تھا کہ آپ ﷺ جو عمل کرتے اِس پر دوام کرتے۔ آپ ﷺ کا دائمی عمل یہ تھا کہ آپ ﷺ نصف رات کے بعد ہمیشہ نمازِ تہجد پڑھتے

تھے۔ غیر مقلدین کا یہ نظریہ کہ آپ ﷺ رمضان المبارک جیسے مقدس مہینہ میں نصف رات کے بعد تہجد نہیں پڑھتے تھے بلکہ رات کے اول حصہ میں آپ ﷺ جو تراویح پڑھتے وہی آپ کی نمازِ تہجد ہوتی تھی، یہ احادیث دوام کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ لہٰذا احادیث دوام کا تقاضا ہے کہ نماز تراویح کے ساتھ ساتھ تہجد کا معمول بھی چلتا رہے۔

دلیل نمبر:

صحیح مسلم: ج۱ص۳۵۲، مختصر قیام رمضان: ص۱۵۴ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں نماز پڑھ رہے تھے، میں آپ ﷺ کی ایک جانب کھڑا ہو گیا پھر ایک آدمی شامل ہو گیا، اِس طرح متعدد آدمی آئے حتّٰی کہ ایک جماعت بن گئی۔ جب نبی پاک ﷺ کو احساس ہوا کہ ہم آپ ﷺ کے پیچھے ہیں تو آپ ﷺ نے (نماز طویل پڑھنے کی بجائے) نماز کو مختصر کیا اور اپنے گھر میں داخل ہو گئے ثُمَّ صَلّٰی صَلٰوۃً لَمْ یُصَلِّھَا عِنْدَنَا یعنی گھر میں داخل ہو کر وہ نماز پڑھی جو ہمارے پاس نہ پڑھی تھی۔ تراویح تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ ادا کر لی تھی اِس لئے گھر میں جا کر جو نماز پڑھی ظاہر یہ ہے کہ وہ تہجد تھی۔ اِس اختصار کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشادگرامی ہے عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِلنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ..... فَاِذَا صَلّٰی وَحْدَہٗ فَلْیُطَوِّلْ مَاشَاءَ (ترمذی: ص۵۵ باب ماجاء اذا ام احدکم الناس...الخ (ابوداؤد: ج۱ص۱۱۶) جب تم میں سے کوئی لوگوں کو امامت کرائے تو وہ نماز ہلکی پڑھائے......اور جب اکیلا نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی کرے۔ مذکورہ بالا حدیثِ انسؓ میں ناراض ہو کر نماز کو درمیان میں چھوڑ کر گھر میں داخل ہو جانا مراد نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو باجماعت تراویح پڑھتے دیکھ کر

تعریف وتصویب فرمائی۔فرمایا اَحۡسَنُوۡا اَوۡ اَصَابُوۡا انہوں نے اچھا کیا اور درست کیا.....اور خوف فرضیت کی وجہ سے بھی درمیان میں چھوڑنا مراد نہیں کیونکہ جب آپ ﷺ کو خوفِ فرضیت ہوا تو آپ ﷺ نے سرے سے باہر آ کر نماز باجماعت پڑھائی ہی نہیں۔

دلیل نمبر :

ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تین راتیں نماز تراویح جماعت کے ساتھ پڑھائی۔ پہلی رات میں تہائی رات تک، دوسری رات میں نصف رات تک اور تیسری رات سحری تک، حتّٰی کہ سحری کے فوت ہونے کا خوف ہونے لگا۔ غیر مقلدین کا دعویٰ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تینوں رات آٹھ رکعات پڑھائی ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے پہلی اور دوسری رات میں تراویح پڑھانے کے بعد رات کے باقی حصہ میں کیا کیا؟ یقیناً آپ ﷺ نے رات کا باقی حصہ سو کر نہیں گزارا ہوگا کہ آخری عشرہ کی راتوں میں خصوصاً طاق راتوں میں تو آپ ﷺ عبادت کا زیادہ اہتمام کرتے تھے حتّٰی کہ دوسروں کو بھی جگاتے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے رات کے اِس باقی حصہ میں نماز تہجد پڑھی ہوگی۔ پس تراویح کے بعد تہجد کا الگ پڑھنا دونوں نمازوں کے الگ الگ ہونے کی دلیل ہے.....اور تیسری رات میں نصف رات کے بعد والی رکعتوں میں ظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تراویح اور تہجد دونوں کا ثواب حاصل کرنے کیلئے دونوں نمازوں کی الگ الگ نیت کی ہوگی حصولِ ثواب کیلئے دونوں کی الگ الگ نیت کرنا اِس بات کی دلیل ہے کہ یہ دو نمازیں الگ الگ ہیں ایک نہیں ورنہ ہر ایک کیلئے الگ الگ نیت کی ضرورت نہیں رہتی۔ جیسا کہ کوئی آدمی مسجد میں داخل ہونے کے بعد دو رکعت نفل پڑھے اور اِن میں تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضوء کی نیت کرے یا آدھی رات کے بعد خسوف قمر کی نماز پڑھی اور اِس میں تہجد کی نیت بھی

کرے یا چاشت کے وقت میں کسوفِ شمس کی نماز پڑھی جائے اور اِس میں نماز چاشت کی نیت کر لی جائے تو دونوں نمازوں کی الگ الگ نیت کرنے کی وجہ سے پہلی صورت میں تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء کا، دوسری صورت میں نماز خسوف اور نماز تہجد کا اور تیسری صورت میں نماز کسوف اور نماز چاشت کا ثواب مل جائے گا۔ اور اگر دوسری نماز کی نیت نہ کی جائے تو صرف تحیۃ المسجد، نماز خسوف اور نماز کسوف کا ثواب ہوگا، دوسری نماز کا ثواب نہ ہوگا۔ پس دونوں نمازوں کے حصول ثواب کیلئے دونوں نمازوں کی بیک وقت مستقلاً جدا جدا نیت کی حاجت و ضرورت اِن کے دو الگ الگ نمازیں ہونے کی دلیل ہے، ایک نماز ہونے کی دلیل نہیں۔ سو جیسے دو رکعتوں میں دو نمازوں کی الگ الگ نیت کرنے سے دونوں نمازوں کا ثواب حاصل ہونا تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء کو ایک نماز نہیں بناتا..... نماز خسوف اور نماز تہجد کو ایک نہیں بناتا..... نماز کسوف اور نماز چاشت کو ایک نہیں بناتا بلکہ اِن کو دو الگ الگ نمازیں ظاہر کرتا ہے..... ایسے ہی نصف رات کے بعد والی رکعاتِ تراویح میں نماز تہجد اور نماز تراویح کی نیت کرنا اور دونوں نمازوں کی الگ الگ نیت کرنے پر دونوں نمازوں کا ثواب ملنا اِن کو ایک نماز نہیں بناتا بلکہ دو نمازیں ظاہر کرتا ہے ورنہ دونوں نمازوں کے ثواب کیلئے الگ الگ نیت کی ضرورت نہ ہوتی اور دلیل نمبر۴/۲۹: میں مذکور احادیث دوام کا تقاضہ یہی ہے کہ آپ ﷺ نے نصف رات کے بعد والی رکعات تراویح میں تہجد کی نیت ضرور کی ہوگی اور تہجد کی برکات وثواب بھی ضرور حاصل کیا ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ نبی پاک ﷺ تراویح وتہجد دونوں کا ثواب و برکات حاصل کرنے کیلئے تراویح کے بعد یا تہجد پڑھتے ہونگے یا نصف رات کے بعد والی رکعات تراویح میں تہجد کی نیت کر لیتے ہونگے۔ اسی لئے علامہ انور شاہ کشمیری العرف الشذی میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے تراویح وتہجد کا علیحدہ علیحدہ پڑھنا ثابت نہیں بلکہ آپ ﷺ تراویح کو لمبا کرتے ،سو نصف رات کے بعد والی رکعات میں تراویح اور تہجد دونوں کی نیت کرنے کی وجہ

سے دونوں نمازوں کے قائم مقام ہوجاتیں اور مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں کہ کسی نماز کا دوسری نماز کے قائمقام ثواب میں ہوجانے سے اِن دونوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا۔ دیکھو جمعہ، ظہر کے قائمقام ہے مگر دونوں ایک نہیں۔ جمعہ کے واسطے کئی ایک شرائط ہیں جو ظہر کیلئے نہیں (اہلحدیث کا مذہب: ص۹۶، ۹۷)۔ فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے اگر تراویح پہلے وقت میں 9/34 پڑھے تو صرف تراویح ہے، پچھلے وقت میں پڑھے تو تہجد کے قائمقام ہوتی ہے (بشرطیکہ تہجد کی جدا نیت کرے) پھر اس ایک رات کی وجہ سے پورے ماہِ رمضان کی تہجد کا انکار کیسے درست ہے جبکہ نبی پاک ﷺ نے اس سے پہلے والی دو راتوں میں تراویح پڑھانے کے بعد رات کے باقی حصہ میں یقیناً تہجد پڑھی ہوگی۔ سو کر رات نہیں گزاری ہوگی کیونکہ آپ ﷺ تو رمضان کی پہلی بیس راتوں میں کمر بستر کے ساتھ نہیں لگاتے تھے۔ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں کیسے نیند کی ہوگی؟

دلیل نمبر:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تراویح کا امام مقرر کیا تو وہ رات کے اول حصہ میں عشاء کی نماز کے بعد تراویح پڑھاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کے علاوہ تہجد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا **وَالَّتِیْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِیْ تَقُوْمُوْنَ** یعنی وہ نماز جس سے تم سو جاتے ہو (یعنی تہجد) وہ اُس نماز سے افضل ہے جس کو تم قائم کر رہے ہو (یعنی تراویح)۔ تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کی ترغیب تراویح و تہجد کی مغایرت کی دلیل ہے۔ اِس کی تائید الشیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی اِس تحقیق سے ہوتی ہے۔ شیخ جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تراویح کے بعد تہجد کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ تراویح کے بعد کچھ نیند کر کے پھر اُٹھ کر تہجد پڑھی جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تراویح کے بعد بغیر نیند کئے بلا کراہت تہجد جائز ہے۔ شیخ جیلانی رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں۔

وَالرِّوَایَۃُ الثَّانِیَۃُ اَنَّ ذَالِکَ جَائِزٌ غَیْرُمَکْرُوْہٍ لٰکِنَّہٗ یُؤَخِّرُہٗ لِمَارُوِیَ عَنْ عُمَرؓ قَالَ تَدَعُوْنَ اَفْضَلَ اللَّیْلِ آخِرَہٗ اَلسَّاعَۃُ الَّتِی تَنَامُوْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ السَّاعَۃِ الَّتِی تَقُوْمُوْنَ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ طریقہ یعنی تراویح کے بعد بغیر سوئے تہجد پڑھنا بلا کراہت جائز ہے کیونکہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے صحابہ کرامؓ کو کہا کہ تم رات کے اخیر والی گھڑی کی فضیلت کو چھوڑ دیتے ہو حالانکہ وہ ساعت جس میں تم سو جاتے ہو (یعنی رات کا آخری حصہ جس میں نمازِ تہجد پڑھی جاتی ہے) اُس ساعت سے مجھے زیادہ محبوب ہے جس میں تم قیام کرتے ہو (یعنی رات کا اول حصہ جس میں تراویح پڑھتے ہو)۔ اِس میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تراویح کے بعد بغیر سوئے نماز تہجد کے بلا کراہت جائز ہونے پر استدلال کیا ہے، لہٰذا شیخ عبدالقادر جیلانی کے نزدیک حضرت عمرؓ کے اِس فرمان کا محمل یہ ہے کہ وہ اپنے اس فرمان میں تراویح کے بعد تہجد کی ترغیب دیتے ہیں (غنیۃ الطالبین طبع بیروت: ص۲۶۹، طبع مصر: ج۲ص۱۷) غیر مقلدین کے نزدیک غنیۃ الطالبین بڑی معتبر کتاب ہے، انہوں نے مکتبہ سعودیہ کراچی سے عربی متن کو اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اور اُن کے بعض علماء نے اِس کا اردو ملخص بھی شائع کیا ہے۔ نیز المدخل لابن الحاج: ص۲۹۹ سے بھی اِس کی تائید ہوتی ہے۔ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمرؓ کے مذکورہ قول کے بارے میں لکھتے ہیں وَمَاقَالَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِؓ فَاِنَّمَا ھُوَمَحْمُوْلٌ عَلٰی غَیْرِھِمْ لَاعَلَیْھِمْ اِذْ اَنَّھُمْ جَمَعُوْا بَیْنَ الْفَضِیْلَتَیْنِ مِنْ قِیَامِ اَوَّلِ اللَّیْلِ وَآخِرِہٖ حضرت عمر بن خطابؓ کے فرمان کا محمل صحابہ کرامؓ نہیں بلکہ دوسرے لوگ ہیں کیونکہ صحابہ کرامؓ تو دونوں فضیلتوں کو جمع کرتے تھے یعنی رات کے اول حصہ میں تراویح اور آخری حصہ میں تہجد۔ عام ازیں کہ وہ تراویح کے بعد مستقلاً تہجد پڑھتے ہوں یا نصف رات کے بعد والی رکعات میں تہجد کی نیت کر لیتے ہوں۔ اِس کی تفصیل دلیل نمبر۶/۳۱ کے اندر گذر چکی ہے۔

علامہ حمد بن عبداللہ الحمد لکھتے ہیں وَلَعَلَّ هٰذَا يُحْمَلُ لِلْجَمْعِ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الرِّوَايَةِ الْمُتَقَدِّمَةِ عَلٰى حُدُوْثِ ذَالِكَ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَاَنَّهُمْ لَا يَنْصَرِفُوْنَ اِلَّا عِنْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ بِخِلَافِ صَلٰوتِهِمْ قَبْلَ ذَالِكَ فَاِنَّهُمْ يَتْرَكُوْنَ قِيَامَ آخِرِهٖ كَمَا فِيْ قَوْلِ عُمَرَ وَالَّتِيْ يَنَامُوْنَ عَنْهَا خَيْرٌ مِّنَ الَّتِيْ يَقُوْمُوْنَ۔

(شرح زاد المستقنع للحمد: ج ۷ ص ۲۴)

یعنی حضرت سائب بن یزیدؓ کی بیس اور گیارہ رکعات والی دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ رمضان کے آخری عشرہ میں بیس تراویح کے بعد گیارہ رکعات تہجد پڑھتے تھے اور طلوع فجر کے قریب نماز سے فارغ ہوتے جبکہ پہلے دو عشروں میں تراویح کے بعد رات کے اخیر میں تہجد چھوڑ دیتے تھے جیسا کہ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ وہ نماز جس سے تم سو جاتے ہو (یعنی نماز تہجد) وہ اُس نماز سے افضل ہے جس کے ساتھ تم قیام کرتے ہو (یعنی نماز تراویح) اور شرح زاد المستقنع للشنقیطی: ج ۵۳ ص ۱۰ پر ہے فَقِيَامُ التَّهَجُّدِ اَفْضَلُ مِنْ قِيَامِ التَّرَاوِيْحِ ''تہجد کا قیام تراویح کے قیام سے افضل ہے'' افضل اور مفضول دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟

دلیل نمبر:

عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلَقٍ قَالَ زَارَنَا طَلَقُ بْنُ عَلِيٍّ فِيْ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ وَاَمْسٰى عِنْدَنَا وَاَفْطَرَ ثُمَّ قَامَ بِنَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَاَوْتَرَ بِنَا ثُمَّ انْحَدَرَ اِلٰى مَسْجِدِهٖ فَصَلّٰى بِاَصْحَابِهٖ حَتّٰى اِذَا بَقِيَ الْوِتْرُ قَدَّمَ رَجُلًا فَقَالَ اَوْتِرْ بِاَصْحَابِكَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا وِتْرَانِ فِيْ لَيْلَةٍ۔

(ابوداؤد: ج ۱ ص ۲۰۳ باب فی نقض الوتر، نسائی: ج ۱ ص ۱۱۹)

ایک روز حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ رمضان شریف میں اپنے بیٹے قیس بن طلق کے

گھر تشریف لائے۔ روزہ افطار کیا اور رات کو ہمیں تراویح اور وتر پڑھا کر اپنی مسجد میں گئے اور اپنے 11/36 ساتھیوں کو نماز پڑھائی حتی کہ جب وتر باقی رہ گئے تو ایک آدمی کو آگے کر دیا اور فرمایا کہ اپنے ساتھیوں کو وتر پڑھاؤ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ایک رات میں دو دفعہ وتر پڑھنے جائز نہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے پہلی نماز جو وتر سمیت پڑھائی وہ تراویح تھی کہ رات کے اول حصہ میں تراویح پڑھی جاتی ہے اور دوسری نماز جو آپ نے اپنی مسجد میں جا کر پڑھائی وہ تہجد تھی۔ اگر تراویح اور تہجد ایک نماز ہے تو تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کا کیا مطلب؟

دلیل نمبر:

اَلَاتَرٰی اِلٰی مَاحَکَاہُ مَالِكٌ فِیْ مُوَطَّاہُ اَنَّھُمْ کَانُوْا اِذَا انْصَرَفُوْامِنْ صَلَاۃِ التَّرَاوِیْحِ اِسْتَعْجَلُوْا الْخَدَمَ بِالطَّعَامِ مَخَافَۃَ الْفَجْرِ وَکَانُوْایَعْتَمِدُوْنَ عَلَی الْعِصِیِّ مِنْ طُوْلِ الْقِیَامِ فَقَدْحَاذُوْارَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَلْفَضِیْلَتَیْنِ مَعًا قِیَامَ اَوَّلِ اللَّیْلِ وَآخِرِہٖ فَعَلٰی مِنْوَالِھِمْ فَانْسِجْ اِنْ کُنْتَ مُتَّبِعًا اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ وَھُمْ سَادَتُنَا وقُدْوَتُنَا اِلٰی رَبِّنَا فَیَنْبَغِیْ لَنَاالْاِتِّبَاعُ لَھُمْ وَالْاِقْتِفَاءُ لِاٰ ثَارِھِمُ الْمُبَارَکَۃِ لَعَلَّ بَرَکَۃَ ذَالِكَ تَعُوْدُ عَلَی الْمُتَّبِعِ لَھُمْ...الخ

(کتاب المدخل: ج۲ص۲۹۹)

علامہ محمد عبدری مالکی عرف ابن الحاج فرماتے ہیں کہ موطا امام مالک میں ہے جب صحابہ کرامؓ نماز تراویح سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کی طرف لوٹتے تو صبح ہو جانے کے خوف سے اپنے خادموں کو جلدی کھانا لانے کا حکم کرتے اور طول قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں کا سہارا لیتے۔ اِسطرح صحابہ کرامؓ کو رات کے اول اور آخری حصہ میں قیام کی وجہ سے (تراویح اور تہجد) دونوں کی فضیلت حاصل ہو جاتی تھی۔ اگر تو تابعداری کرنا چاہتا ہے

تو اُن کی تابعداری کر کیونکہ محبّ جس کے ساتھ محبت رکھتا ہو اُس کی تابع داری بھی کرتا ہے کہ محبوب کی تابعداری نہ کرنا شیوۂ محبت کے خلاف ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ ہمارے سردار اور پیشوا ہیں اور محبّ اپنے محبوب کا مطیع اور مرضی شناس ہوتا ہے۔ اِس لئے ہمارا فرض ہے کہ اُن کے آثار مبارکہ کی پیروی کریں اگر چہ عہد حاضر میں عام طور پر یہ مشکل نظر آتا ہے کہ مساجد میں عامۃ الناس کے ساتھ رات بھر نماز پڑھی جا سکے تاہم کوشش کرنی چاہیے کہ صحابہ کرامؓ کی اِس سنت کو عملی جامہ پہنائیں، جس کی صورت یہ ہے کہ مسجد میں تو لوگوں کے ساتھ اُسی 12/37 قدر قیام کر لیں جس قدر میسر ہو۔ اِس کے بعد گھر پہنچ کر ساری رات نماز میں کھڑے رہیں اور بہتر یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے نماز وتر تمام نفلی نمازوں (یعنی تہجد وغیرہ) کے بعد پڑھی جائے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے تمام صحابہ کرامؓ تراویح کے بعد نماز تہجد پڑھتے تھے۔ اِس طرح وہ دونوں 13/38 قیاموں (قیام اللیل اور قیام رمضان) کی فضیلت حاصل کرتے تھے، رات کے اول حصہ میں قیام بصورت تراویح اور آخری حصہ میں قیام بصورت تہجد ہوتا تھا۔ خواہ مستقلاً خواہ نیۃً۔

دلیل نمبر:

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں نَعَمْ ثَبَتَ عَنْ بَعْضِ التَّابِعِيْنَ الْجَمْعُ بَيْنَ التَّرَاوِيْحِ وَالتَّهَجُّدِ فِيْ رَمَضَانَ۔ (العرف الشذی: ص۱۶۶)

جی ہاں بعض تابعین سے ثابت ہے کہ وہ رمضان میں تراویح و تہجد دونوں پڑھتے تھے۔

دلیل نمبر:

قَالَ الْحَسَنُ مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يُّصَلِّيَ مَعَ الْاِمَامِ ثُمَّ يُصَلِّيَ اِذَا رَوَّحَ الْاِ مَامُ بِمَامَعَهٗ مِنَ الْقُرْآنِ فَذَالِكَ اَفْضَلُ وَاِلَّا فَلْيُصَلِّ وَحْدَهٗ اِنْ كَانَ مَعَهٗ قُرْآنٌ حَتّٰى

لَا یَنْسٰی مَامَعَهٗ (قیام رمضان للمروزی:ص۱۶۶)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو آدمی ہمت رکھتا ہے وہ امام کے ساتھ تراویح پڑھے پھر ترویحہ کے وقفہ میں وہ آدمی خود بھی نماز میں قرآن پڑھے یہ افضل ہے ورنہ اکیلا نماز میں قرآن پڑھے تا کہ اِس کو قرآن بھول نہ جائے۔ اِس کی وضاحت کرتے ہوئے قیام رمضان کے حاشیہ میں مولانا عبدالتواب ملتانی لکھتے ہیں جس آدمی کو قرآن مجید یاد ہے اُس کو چاہیئے کہ وہ مسجد میں امام کے پیچھے نماز پڑھے ثُمَّ لِیُصَلِّ لِنَفْسِهٖ بَیْنَ کُلِّ تَرْوِیْحَتَیْنِ بِمَا مَعَهٗ مِنَ الْقُرْآنِ وَاِنْ لَّمْ یُمْکِنْهُ ذَالِكَ بِوَجْهٍ مِّنَ الْوُجُوْهِ فَلْیُصَلِّ فِیْ بَیْتِهٖ بِمَا مَعَهٗ مِنَ الْقُرْآنِ فَاِنَّ الَّذِیْ یَعِیْ الْقُرْآنَ وَلَایَتَعَهَّدُهٗ یُخَافُ عَلَیْهِ النِّسْیَانُ وَنِسْیَانُ الْقُرْآنِ بَعْدَ 14/39 الْوَعْیِ ذَنْبٌ لَیْسَ اَعْظَمَ مِنْهُ کَمَاوَرَدَ فِی الْحَدِیْثِ۔ پھر جو کچھ قرآن اِس کو یاد ہے اِس کے ساتھ ہر دو ترویحوں کے درمیان خود بھی پڑھے اور اگر کسی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو تو اپنے گھر میں جا کر نماز میں قرآن پڑھے کیونکہ جس آدمی کو قرآن یاد ہو اور وہ اِس کو یاد رکھنے کی کوشش نہیں کرتا اِس پر قرآن مجید بھولنے کا خطرہ ہے اور یاد کرنے کے بعد قرآن مجید کو بھلا دینا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تراویح کے بعد گھر میں جا کر جو نماز پڑھے گا وہ نمازِ تہجد ہے جس کی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ علیہ مولانا عبدالتواب صاحب تاکید وتلقین کر رہے ہیں۔

دلیل نمبر:

امام محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب قیام رمضان کے صفحہ ۷۷ اپر باب قائم کیا ہے بَابُ التَّعْقِیْبِ وَهُوَرُجُوْعُ النَّاسِ اِلَی الْمَسْجِدِ بَعْدَ انْصِرَافِهِمْ عَنْهُ یعنی مسجد میں تراویح پڑھ کر گھر میں لوٹ آنا اور پھر دوبارہ مسجد میں جا کر نماز تہجد پڑھنا۔ اِس کو تعقیب کہا جاتا ہے۔ محدث مروزی رحمہ اللہ علیہ تابعین سے کراہت اور عدم کراہت کے دونوں قول نقل کئے ہیں لیکن تراویح کے بعد گھر میں تہجد پڑھنے کے جواز پر اتفاق ہے اور اِس میں کراہت بھی

نہیں۔ چنانچہ غیر مقلد مولانا عبدالتواب ملتانی قیام اللیل کے حاشیہ میں لکھتے ہیں، حدیث انسؓ میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رمضان میں تعقیب کے متعلق پوچھا گیا فَاَمَرَهُمْ اَنْ يُّصَلُّوْا فِي الْبُيُوْتِ وَقَالَ اِبْنُ الْاَثِيْرِ اَلتَّعْقِيْبُ هُوَاَنْ تَعْمَلَ عَمَلًا ثُمَّ تَعُوْدُ فِيْهِ 15/40 وَاَرَادَ بِهِ الصَّلٰوةَ النَّافِلَةَ بَعْدَ التَّرَاوِيْحِ فَكَرِهَ اَنْ يُّصَلُّوْا فِي الْمَسْجِدِ وَاَحَبَّ اَنْ يَّكُوْنَ ذَالِكَ فِي الْبُيُوْتِ وَهُوَرَاْئُ اِسْحَاقَ بْنِ رَاهَوَيْهِ وَ سَعِيْدِبْنِ جُبَيْرٍ ابن اثیرؒ فرماتے ہیں کہ تعقیب کا معنی ہے ایک کام کر کے دوبارہ اُسی کام کو کرنا۔ یہاں پر مراد یہ ہے کہ مسجد میں تراویح پڑھنے کے بعد نفل نماز (یعنی نماز تہجد) پڑھنا۔ سو مسجد میں دوبارہ واپس آ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور مجھے یہ پسند ہے کہ نماز تہجد گھروں میں پڑھیں، اسحاق بن راہویہ اور سعید بن جبیر کی رائے یہی ہے۔

دلیل نمبر: 16/41

غنیۃ الطالبین: صفحہ ۲۶۹ کے حوالہ سے یہ بات گذری ہے کہ تراویح کے بعد تہجد کے بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ تراویح کے بعد کچھ نیند کر کے پھر تہجد پڑھیں تو مکروہ نہیں اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا کا تقاضا بھی یہی ہے اور تراویح کے بعد بغیر نیند کئے تہجد پڑھنا مکروہ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ تراویح کے بعد بغیر نیند کئے تہجد پڑھنا مکروہ نہیں ہے مگر تہجد پڑھیں رات کے آخری حصہ میں۔

دلیل نمبر:

الروضۃ المربع کے صفحہ ۶۵ میں ہے کہ بیس رکعات تراویح سنت مؤکدہ ہے اور اِس کے بعد وتر جماعت کے ساتھ پڑھے۔ وَيُوْتِرُ الْمُتَهَجِّدُ بَعْدَهٗ اور جو آدمی تراویح کے بعد تہجد بھی پڑھتا ہو وہ وتر نماز تہجد کے بعد پڑھے اور المقنع صفحہ ۱۸۴ میں ہے ثُمَّ التَّرَاوِيْحُ وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً يَقُوْمُ بِهَا فِيْ رَمَضَانَ فِيْ جَمَاعَةٍ وَيُوْتِرُ بَعْدَهَا فِي

الْجَمَاعَةِ فَإِنْ كَانَ لَهُ تَهَجُّدٌ جَعَلَ الْوِتْرَ بَعْدَهُ پھر تراویح بیس رکعت ہے، رمضان میں تراویح اور وتر دونوں جماعت کے ساتھ پڑھے لیکن تراویح کے بعد تہجد پڑھنے والا آدمی وتر تہجد کے بعد پڑھے۔ اس سے بھی تراویح کے بعد تہجد ثابت ہوئی۔

دلیل نمبر:

الروضۃ المربع اور المقنع میں یہ مسئلہ بھی لکھا ہے اگر اُس آدمی نے تراویح کے بعد وتر پڑھ لئے اِس کے بعد تہجد پڑھے تو وتروں کا کیا کرے؟ اس کی دو صورتیں ہیں (۱) لَمْ يَنْقُضِ الْوِتْرَ وَصَلَّى وَلَمْ يُوْتِرَ پہلے پڑھے ہوئے وتروں کو نہ توڑے بلکہ فقط تہجد پر اکتفا کرے اور وتر نہ پڑھے (۲) جو وتر امامِ تراویح کے ساتھ تراویح کے بعد پڑھے ہیں نماز تہجد کے 18/43 19/44 20/45 بعد ایک رکعت پڑھ کر اِن وتروں کے ساتھ ملا کر ان کو شفع بنا دے اور وتر تہجد کے بعد پڑھے تو یہ بھی جائز ہے۔ اِن مسائل سے معلوم ہوا کہ فقہ حنبلی جو سعودیہ میں شرعی قانون کے طور پر نافذ ہے اِس کے مطابق تراویح اور تہجد دو جدا جدا نمازیں ہیں ورنہ تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کی کیا ضرورت؟ جبکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوع حدیث ہے لَا تُصَلُّوْا صَلٰوۃً فِيْ يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ ایک وقت میں ایک نماز کو دو مرتبہ نہ پڑھو۔ (ابوداؤد: ج ا ص ۸٦)

دلیل نمبر:

ابن الحاج علیہ الرحمۃ حنبلی کے صفحہ ۲۹۹ پر امام مالک رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں وَقَدْ قَالَ مَالِكٌ ..... اَمَّا اَنَا فَاِذَا اَوْتَرُوْا خَرَجْتُ وَتَرَكْتُهُمْ فَلِلْاِنْسَانِ اُسْوَةٌ فِيْ تَرْكِ الْوِتْرِ مَعَهُمْ حَتّٰى يُوْتِرَ فِيْ بَيْتِهٖ بَعْدَ تَنَفُّلِهٖ آخِرَ اللَّيْلِ..... وَقَدْ كَانَ سَيِّدِيْ اَبُوْ مُحَمَّدٍ يُّصَلِّيْ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ النَّاسِ صَلَاةَ الْقِيَامِ وَيُوْتِرُ مَعَهُمْ فَاِذَا رَجَعَ اِلٰى بَيْتِهٖ

صَلّٰی مَاقُدِّرَ لَهٗ وَلَا يُعِيْدُ الْوِتْرَ وَكَانَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَقُوْلُ اِنَّ شَيْخَهٗ سَيِّدِیْ الشَّيْخَ اَبَا الْحَسَنِ الزَّيَّاتَ كَانَ يَفْعَلُ ذَالِكَ ۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا جب لوگ مسجد میں وتر پڑھنے لگتے تو میں نکل آتا ہوں اوران کو [21/46] چھوڑ دیتا ہوں۔ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کیلئے مسجد میں نمازیوں کے ساتھ وتروں کے چھوڑنے میں یہ ایک نمونہ ہے تا کہ وہ گھر کے اندر اخیر شب میں نوافل تہجد کے بعد وتر پڑھیں۔ نیز فرماتے ہیں سیدی ابومحمد مسجد میں لوگوں کے ساتھ تراویح اور وتر پڑھتے پھر گھر میں آ کر جو مقدر میں ہوتے نوافل تہجد پڑھتے اور وتر نہ لوٹاتے اور اِن کے شیخ سیدی الشیخ ابوالحسن الزیات بھی ایسا ہی کرتے۔ اِس سے تین عظیم محدثین امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابوالحسن زیات رحمۃ اللہ علیہ کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا ثابت ہوا۔

دلیل نمبر:

كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الْبُخَارِیُّ اِذَا كَانَ اَوَّلَ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ يَجْتَمِعُ اِلَيْهِ اَصْحَابُهٗ فَيُصَلِّیْ بِهِمْ وَيَقْرَأُ فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ عِشْرِيْنَ آيَةً وَكَذَالِكَ اِلٰی اَنْ يَّخْتِمَ الْقُرْآنَ وَكَانَ يَقْرَأُ فِی السَّحْرِ مَابَيْنَ النِّصْفِ اِلَی الثُّلُثِ مِنَ الْقُرْآنِ فَيَخْتِمُ عِنْدَالسَّحْرِ فِیْ كُلِّ ثَلٰثِ لَيَالٍ (ہدی الساری مقدمہ فتح الباری:ص٦٦٦ طبع قدیمی کتب خانہ، تیسیر الباری از نواب وحید [22/47] الزمان :ج١ص٤٩،نصرۃ الباری مؤلف مولوی عبدالستار امام غرباء اہلحدیث:ص١٢)

جب ماہ رمضان کی پہلی رات ہوتی تو امام بخاری کے پاس اُن کے دوست واحباب جمع ہوجاتے سووہ اِن کو نمازِ تراویح پڑھاتے اور ہر رکعت میں بیس آیات تلاوت کرتے۔اسی طرح پورا قرآن ختم کرتے، پھر سحری کے وقت نماز تہجد میں نصف سے ثلث

قرآن تک پڑھتے اور ہر تیسری رات سحری کے وقت ختم کرتے۔

دلیل نمبر:

امام ابو محمد عبداللہ بن محمد اصبہانی المعروف بابن اللبان جو مشہور شافعی فقیہ ابو حامد اسفرائینی کے شاگرد تھے، کے بارے میں منقول ہے کہ وہ پورے رمضان میں لوگوں کو نمازِ تراویح پڑھاتے تھے اور ہر رات جب تراویح سے فارغ ہو جاتے تو مسجد میں ہی نماز تہجد پڑھتے رہتے تھے فجر طلوع ہونے کے قریب تک۔

(تاریخ بغداد: ج ۱۰ ص ۱۴۳، بحوالہ رکعاتِ تراویح۔ ایک تحقیقی جائزہ)

دلیل نمبر:

وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ كَانَ اَبُوْحَنِيْفَةَ يَخْتِمُ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَتْمَةً وَفِيْ رَمَضَانَ وَيَوْمَ الْعِيْدِ اِثْنَيْنِ وَسِتِّيْنَ خَتْمَةً (الخیرات الحسان: ص ۸۵، عقود الجمان: ص ۳۱۴، مناقب موفق: ج ۱ ص ۲۳۵، مناقب کردری: ج ۱ ص ۲۴۱، ۲۴۴، اخبار ابی حنیفہ واصحابہ: ص ۴۱، مناقب موفق بروایت یحییٰ بن معین: ص ۲۳۰)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دن میں قرآن کریم کا ایک ختم کرتے تھے لیکن رمضان اور عید میں قرآن کریم کے ۶۲ ختم کرتے۔ (رمضان شریف میں ایک دن کو، ایک رات کو اور ایک پورے مہینہ کی تراویح میں ختم کرتے اور ایک عید کے دن ختم کرتے)

علی بن الصدائی کہتے ہیں رَئَيْتُ اَبَا حَنِيْفَةَ خَتَمَ الْقُرْآنَ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ سِتِّيْنَ خَتْمَةً، خَتْمَةً بِاللَّيْلِ وَخَتْمَةً بِالنَّهَارِ (مناقب موفق: ج ۱ ص ۲۳۲)

میں نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو دیکھا انہوں نے ماہِ رمضان میں (ختم تراویح کے علاوہ) ساٹھ ختم کئے، ایک ختم رات میں اور ایک دن میں۔

قَالَ شَدَّادُ بْنُ حَكِيْمٍ قُلْتُ لِزَ فَرَ بْنِ الْهُذَيْلِ اِنِّیْ سَمِعْتُ اَبَا جَعْفَرٍ الرَّازِیَّ يَذْكُرُ اَنَّ اَبَا حَنِيْفَةَ كَانَ يَخْتِمُ الْقُرْآنَ فِی الشَّهْرِ ثَلاثِيْنَ مَرَّةً وَفِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ سِتِّيْنَ مَرَّةً قَالَ صَدَقَ اَبُوْ جَعْفَرٍ وَ هُوَ عِيْسَی بْنُ مَاهَانَ

(مناقب موفق: ج ا ص ۲۴۳، مناقب کردری: ج ا ص ۲۴۵)

شداد محدث کہتے ہیں میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد زفر بن ہذیل کو کہا کہ میں نے ابوجعفر رازی سے سنا وہ ذکر کررہے تھے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کے تیس (۳۰) ختم کرتے اور ماہ رمضان میں ساٹھ (۶۰) ختم کرتے۔ امام زفر نے فرمایا ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ سچ کہا (یہ ساٹھ ختم، ختم تراویح کے علاوہ تھے) اِن اقوال میں اختصار ہے۔ امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت یوں کی ہے وَعَنْ اَبِیْ حَنِيْفَةَ اَنَّهٗ كَانَ يَخْتِمُ اِحْدٰی وَ سِتِّيْنَ خَتْمَةً: فِیْ كُلِّ يَوْمٍ خَتْمَةً وَفِیْ كُلِّ لَيْلَةٍ خَتْمَةً وَفِیْ كُلِّ التَّرَاوِيْحِ خَتْمَةً

(فتح القدیر: ج ا ص ۴۰۹)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان میں اکسٹھ (قرآن کے) ختم کرتے۔ ایک دن میں، ایک رات میں اور ایک مکمل تراویح میں۔

فائدہ۔ ظاہر یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ والا ختم تراویح کے بعد تہجد میں کرتے ہوں گے کیونکہ غیر رمضان میں ان کا معمول رات کو نوافل میں قرآن پڑھنے کا تھا تو رمضان میں تو بطریق اولیٰ نوافل تہجد میں پڑھتے ہونگے۔ نیز تراویح والا ختم تو پورے مہینہ میں مکمل ہوتا تھا۔

دلیل نمبر:

فقہ مالکی کی کتاب المدخل میں ہے يَنْبَغِیْ لِلْمُكَلَّفِ اَنَّهٗ اِذَا صَلَّی الْمَغْرِبَ

يُعَجِّلُ [25/50] فِطْرَهٗ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ بِحِزْبَيْنِ وَنِصْفٍ اَوْ اَكْثَرَ قَبْلَ الْعِشَاءِ ثُمَّ يَخْرُجُ يُصَلِّيْ مَعَ النَّاسِ الْقِيَامَ وَيُوْتِرُ مَعَهُمْ... ثُمَّ يَنَامُ مَا قُدِّرَلَهٗ ثُمَّ يَقُوْمُ لِتَهَجُّدِهٖ فَيُصَلِّيْ مَا تَيَسَّرَلَهٗ مِمَّابَقِيَ عَلَيْهِ مِنَ اللَّيْلِ (المقنع:ص۳۰۰)

مکلّف آدمی کیلئے مناسب ہے کہ وہ نمازِ مغرب پڑھ لے تو کھانے سے جلدی فارغ ہوکر کھڑا ہوجائے اور نماز میں اڑھائی پارے یا اِس سے زیادہ پڑھے پھر نمازِ عشاء کیلئے (مسجد کی طرف) نکلے اور لوگوں کے ساتھ تراویح اور وتر پڑھے۔ پھر سو جائے جو اِس کے مقدر میں ہے۔ سونے کے بعد نمازِ تہجد کیلئے کھڑا ہوجائے اور رات کے بقیہ حصہ میں جس قدر آسانی سے ہوسکے نوافل تہجد پڑھے۔

دلیل نمبر:

علامہ ابن رشد مالکی رحمۃ اللہ علیہ اور تہجد کی فضیلت میں تقابل کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وَاِنَّ التَّرَاوِيْحَ الَّتِيْ جَمَعَ عَلَيْهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يُرَغَّبُ فِيْهَا وَاِنْ كَانُوْا اِخْتَلَفُوْا فِيْ اَيِّ اَفْضَلَ اَهِيَ اَوِ الصَّلٰوةُ آخِرَ اللَّيْلِ؟اَعْنِيْ الَّتِيْ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ [26/51] صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لٰكِنَّ الْجُمْهُوْرَ عَلٰى اَنَّ صَلٰوةَ آخِرِ اللَّيْلِ اَفْضَلُ۔ (بدایۃ المجتہد۔ الباب الخامس فی قیام رمضان: ج۱ص۱۷۸)

اور بے شک وہ تراویح جس پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا اِسی کی رغبت دی جاتی ہے۔لیکن علماء کے درمیان اِس میں اختلاف ہے کہ اول رات کی تراویح افضل یا اخیر رات کی نماز (تہجد) افضل ہے جو اخیر رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تھی۔ جمہور کے نزدیک اخیر رات کی نماز (تہجد) افضل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تراویح جو تہجد سے کم درجہ کی

نماز ہے اِس پر 27/52 اکتفا کر کے نماز تہجد کو نہ چھوڑا جائے بلکہ اول رات میں تراویح پڑھ کر پھر کچھ نیند کر کے اِس کے بعد تہجد بھی پڑھی جائے کہ تراویح سے تہجد کی فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔

دلیل نمبر:

الفقہ الاسلامی وادلتہ (جس میں مذاہب اربعہ کے مسائل جمع ہیں) میں ہے فَاِنْ كَانَ لَهُ تَهَجُّدٌ جَعَلَ الْوِتْرَ بَعْدَهُ اِسْتِحْبَاباً..... وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ تَهَجُّدٌ جَعَلَ الْوِتْرَمَعَ الْاِمَامِ لِيَنَالَ لَهُ فَضِيْلَةُ الْجَمَاعَةِ (ج۲ص۷۵)
اگر تراویح کے بعد اخیر رات میں تہجد پڑھنے کا معمول ہو تو مستحب یہ ہے کہ وتر تہجد کے بعد پڑھیں اور اگر تراویح کے بعد تہجد کا معمول نہ ہو تو وتر تراویح کے بعد جماعت کے ساتھ پڑھے تا کہ اِس کو جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے۔

دلیل نمبر:

میاں نذیر حسین صاحب دہلوی غیر مقلدین کے نزدیک کس قدر ومنزلت کے مالک ہیں اس کا اندازہ غیر مقلدین کے شیخ العرب والعجم مولانا بدیع الدین شاہ راشدی کی 28/53 ان کے بارے میں تحریر کردہ القابات سے لگایا جاسکتا ہے۔ شیخ الکل، امام المتقین، سید المحدثین، تاج الفقہاء، علم العلماء، جامع العلوم النقلیہ والعقلیہ، ناصر السنۃ البغویہ، عمدۃ العالمین، حجۃ اللہ علی الخلق، مجدد القرن، الامام المحدث الفقیہ الاصولی، الشیخ شیخنا السید نذیر حسین...الخ (ہدایۃ المستفید: ج۱ص۱۰۰) غیر مقلدین کی اتنی بڑی شخصیت جو حجۃ اللہ علی الخلق ہے تو غیر مقلدین کے نزدیک تو ضرور حجت ہونگے۔ ان کا رمضان شریف کا معمول ملاحظہ فرمائیں۔ میاں صاحب موصوف کے سوانح

نگار غیر مقلد فضل حسین بہاری لکھتے ہیں ’’میاں صاحب لیالی رمضان المبارک میں دو ختم قرآن مجید کے بحالت قیام ہر سال سنتے ، ایک تو نماز عشاء کے بعد تراویح میں جس کے امام تھے حافظ احمد عالم فقیہ، محدث جو آپ کے شاگرد رشید تھے ۔ تین سپارے روزانہ سناتے ترتیل وتجوید کے ساتھ، دوسرا ختم سنتے نمازِ تہجد میں جس کے امام ہوتے حافظ عبدالسلام سلمہٗ (آپ کے بڑے پوتے)‘‘

[30/55] (الحیاۃ بعد الممات: ص۱۳۸)

دلیل نمبر:

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری سے سوال کیا گیا جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کے وقت نمازِ تراویح پڑھ لے وہ پھر آخر رات میں تہجد پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ [31/56] موصوف جواب میں فرماتے ہیں، ’’پڑھ سکتا ہے تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے اول شب میں تہجد نہیں ہوتی‘‘ (فتاویٰ ثنائیہ: ج۱ص۶۸۲)

دلیل نمبر:

غیر مقلدین کے خواجہ محمد قاسم لکھتے ہیں ماہِ رمضان میں اکثر لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رات کے پہلے حصے میں قیام کر چکا ہو تو وہ پچھلے حصے میں بھی قیام کر سکتا ہے تو اِس کا جواب یہ [32/57] ہے کہ ’’یہ بالکل کر سکتا ہے کیونکہ نبی ﷺ سے ایک ہی رات کے مختلف حصوں میں قیام کرنا ثابت ہے (حی علی الصلوٰۃ: ص۳۹) خواجہ صاحب کے نزدیک تراویح کے بعد تہجد صرف جائز ہی نہیں بلکہ نبی پاک ﷺ سے تراویح کے بعد تہجد پڑھنا ثابت ہے‘‘

دلیل نمبر:

سعید بن جبیر رمضان المبارک میں چھ ترویحے (بیس تراویح اور چار نوافل تہجد)

پڑھاتے اور ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے اور ہر چار رکعات کے مجموعہ کو ترویحہ کہتے ہیں (قیام 33/58 رمضان للمروزی: ص۱۵۸)

دلیل نمبر:

عبدالرحمٰن الاسود رمضان میں چالیس (۴۰) رکعات اور سات وتر پڑھاتے (مصنف ابن ابی شیبہ: ج۲ص ۲۸۵) (۴فرض+۲۰تراویح، دوترویحوں کے درمیان چار رکعات نفل جو ۱۶رکعات 34/59 بنتی ہیں، مجموعہ ۴۰ رکعات اور سات رکعات میں چار رکعات تہجد اور تین وتر ہیں، مجازاً ان کے مجموعہ کو سات وتر کہا گیا ہے۔

دلیل نمبر:

ورقاء کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں ہمیں امامت کراتے، اور بیس راتوں میں چھ ترویحے پڑھاتے (۲۰تراویح اور چار رکعات تہجد یا چار فرض) اور جب آخری عشرہ شروع 35/60 ہوجاتا تو وہ مسجد میں اعتکاف کرتے اور ہمیں سات ترویحے (۲۰ تراویح، آٹھ نوافل تہجد یا چار رکعت فرض اور چار رکعت تہجد) پڑھاتے۔

(قیام رمضان للمروزی: ص۱۵۸)

دلیل نمبر:

محمد بن سیرین 36/61 کہتے ہیں کہ ابوحلیمہ قاری لوگوں کو رمضان المبارک میں اکتالیس (۴۱) رکعات (۲۰تراویح، ۱۶ترویحی نوافل، دو رکعت تہجد اور تین وتر) پڑھاتے

(قیام رمضان للمروزی: ص۱۵۸)

دلیل نمبر:

صالح مولٰی تومہ کہتے ہیں کہ میں نے جنگ حرہ سے پہلے لوگوں کو اِس حالت میں پایا کہ وہ رمضان میں [37/62] ۴۱ رکعات (۲۰ تراویح، ۱۶ ترویحی نوافل، دو رکعت تہجد اور تین وتر، مجموعہ ۴۱ رکعات) کے ساتھ قیام کرتے ہیں اور اِن میں سے وتر پانچ ہیں۔

(قیام رمضان للمروزی:ص۱۵۸)

دلیل نمبر:

عمر بن [38/63] عبدالعزیز اپنے گنبد میں ہوتے اور لوگ ان کی موجودگی میں پندرہ سلاموں (۱۰ سلامِ تراویح، ۸ رکعات تہجد میں ۴ سلام، ایک سلام بعد الوتر، مجموعہ ۱۵ سلام) کے ساتھ رات کو قیام کرتے۔ (قیام رمضان للمروزی:ص۱۵۸)

دلیل نمبر:

یونس کہتے ہیں کہ فتنہ ابن الاشعث سے پہلے جامع مسجد میں دیکھا کہ لوگوں کو عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور سعد بن ابی الحسن اور عمران العبدی ۵ ترویحے (۲۰ تراویح) نماز پڑھاتے ہیں اور جب آخری عشرہ داخل ہوجاتا تو ایک ترویحہ زیادہ کردیتے (۲۰ تراویح کے بعد چار [39/64] رکعات تہجد پڑھاتے۔ اِس سے پہلے ممکن ہے تہجد فرداً فرداً پڑھتے ہوں)

(قیام رمضان للمروزی:ص۱۵۸)

دلیل نمبر:

زرارہ بن اوفٰی اہل محلّہ کو رمضان میں چھ ترویحے پڑھاتے (یعنی ۲۰ تراویح اور چار نوافل تہجد) اور جب آخری عشرہ شروع ہوجاتا تو ہر رات سات ترویحے (یعنی ۲۰ تراویح اور ۸ نوافل تہجد) پڑھاتے۔ (قیام رمضان للمروزی:ص۱۵۹)

دلیل نمبر:

آج کل حرمین شریفین میں نماز عشاء کے بعد ۲۰ تراویح پڑھتے ہیں، یہ عمل پورا ماہ جاری رہتا ہے اور آخری عشرہ میں رات کے اخیر حصہ میں تراویح کے بعد تہجد بھی پڑھتے ہیں۔ اگر ماہِ رمضان میں تراویح اور تہجد ایک نماز ہوجاتی ہے تو پھر تراویح کے ساتھ تہجد بھی ادا ہوگئی حالانکہ آخری عشرہ میں تراویح کے بعد تہجد مستقلاً جدا پڑھی جاتی ہے۔ اِس سے ثابت ہوا کہ اہل حرمین کے نزدیک بھی رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد ایک نماز نہیں ہوجاتی بلکہ دو مستقل جدا جدا نمازیں ہوتی ہیں۔

دلیل نمبر:

علامہ شنقیطی صاحب اصل مشروعیت صلوٰۃ التراویح کے عنوان کے تحت الشرح الممتع شرح زاد المستقنع للشنقیطی: ج ۳ ص ۵۸ پر لکھتے ہیں

فَكَانَ اَصْلُ الْجَمْعِ مُسْتَنِدًا اِلَى السُّنَّةِ مِنْ فِعْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لٰكِنَّ الْوَقْتَ الَّذِىْ اِخْتَارَهٗ مِنْ كَوْنِهَا بَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ لَمْ يَكُنْ مِنْ هُدَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتِ الصِّفَةُ مِنْ كَوْنِهَا فِىْ اَوَّلِ اللَّيْلِ مِنْ سُنَّةِ عُمَرَ وَلِذَالِكَ لَوِاعْتَرَضَ مُعْتَرِضٌ عَلٰى فِعْلِ التَّرَاوِيْحِ وَالتَّهَجُّدِ فِىْ آخِرِ رَمَضَانَ اُجِيْبَ بِهٰذَا الْجَوَابِ وَ قِيْلَ لَهٗ اِنَّ التَّرَاوِيْحَ شُرِعَتْ سُنَّةً عُمَرِيَّةً اَىْ اِنَّهَا سُنَّةٌ وَحَصَلَ الْاِجْمَاعُ عَلَيْهَا وَاَمَّا التَّهَجُّدُ فَيَكُوْنُ بَعْدَ الْهُجُوْدِ لِاَنَّ هُدَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ تَهَجُّدِهٖ اِنَّمَا كَانَ بَعْدَ اضْطِجَاعِهٖ فَسُمِّيَ التَّهَجُّدُ تَهَجُّدًا لِاَنَّهٗ بَعْدَ الْهُجُوْدِ وَ هُوَاكْمَلُ وَاَفْضَلُ وَاَعْظَمُ مَايَكُوْنُ لِكَوْنِهٖ بَعْدَ الرَّاحَةِ وَالْاِسْتِجْمَامِ كَمَااَشَارَاللّٰهُ اِلٰى ذَالِكَ حِيْنَمَا اَمَرَبِهٖ نَبِيَّهٗ فَقَالَ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْبِهٖ

نَافِلَةً لَّکَ..... فَتَکُوْنُ سُنَّةً عُمَرِیَّةً مِنْ جِهَةِ الْوَقْتِ اَیْ کَوْنِهَا فِیْ اَوَّلِ اللَّیْلِ لِاَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جَمَعَ الصَّحَابَةَ فِیْ آخِرِ اللَّیْلِ ۔

پس جماعت کی مشروعیت کی اصل بنیاد رسول اللہ ﷺ کے مسنون فعل پر ہے لیکن اس کیلئے عشاء کے بعد کا وقت اختیار کرنا نبی پاک ﷺ کا طریقہ نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ ہے۔ لہٰذا اگر کوئی عشاء کے بعد تراویح اور رمضان کے اخیر میں تہجد پر اعتراض کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تراویح کا یہ طریقہ حضرت عمرؓ کی سنت ہے جس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ لیکن تہجد نیند کے بعد پڑھی جاتی ہے کیونکہ نبی ﷺ کا تہجد میں یہی طریقہ تھا کہ آپ لیٹنے کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔ نیز تہجد کو تہجد اسلئے کہا جاتا ہے کہ تہجد ہجود (نیند) کے 41/66 بعد پڑھی جاتی ہے اور یہی اکمل، افضل اور اعظم طریقہ ہے کیونکہ اس میں تہجد آرام اور قلبی یکسوئی کے ساتھ پڑھی جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو حکم دیتے ہوئے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے "اور نیند سے اُٹھ پس نماز تہجد پڑھ کہ یہ آپ کیلئے ایک زائد نماز ہے"۔ خلاصہ یہ ہے کہ تراویح با جماعت اول وقت میں پڑھنا سنت عمرؓ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو رات کے اخیر میں نماز تہجد باجماعت پڑھائی ہے"

دلیل نمبر: 42/67

علامہ شنقیطی تروایح کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

قَالَ (تُفْعَلُ فِیْ جَمَاعَةٍ مَعَ الْوِتْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِیْ رَمَضَانَ) اَیْ اَنَّهٗ یَقُوْمُ بِهِمْ وَیُوْتِرُ وَلِذَالِكَ یُوْتِرُ بِهِمْ فِی التَّرَاوِیْحِ، فَاِذَا جَاءَتْ اَوَاخِرُ رَمَضَانَ وَاَرَادُوْا اَنْ یَّقُوْمُوْا فِی التَّهَجُّدِ فَلَاشَكَّ اَنَّ الْاَفْضَلَ اِنْصِرَافُهُمْ بِدُوْنِ وِتْرٍ

(شرح زاد المستقنع للشنقیطی: ج۵۳ ص۱۰)

رمضان میں عشاء کے بعد تراویح باجماعت بمع وتر پڑھی جاتی ہیں یعنی امام ان کو تراویح اور وتر دونوں پڑھائے اور جب رمضان کا آخری عشرہ آجائے اور لوگوں کا ارادہ ہو رات کے اخیر میں تہجد پڑھنے کا تو کوئی شک نہیں کہ ان کا تراویح سے بغیر وتر پڑھنے کے لوٹ جانا افضل ہے تاکہ تہجد کے بعد وتر پڑھیں۔

دلیل نمبر: رحمہ

علامہ شنقیطی شرح زادالمستقنع: ج۵۳ص۱۰پر فرماتے ہیں

وَتُعْتَبَرُ صَلَاۃُ التَّرَاوِیْحِ فِیْ الْاَصْلِ قِیَامًا لِاَوَّلِ اللَّیْلِ وَصَلَاۃُ التَّھَجُّدِ قِیَامٌ لِاٰخِرِ اللَّیْلِ وَالْقِیَامَانِ بَیْنَھُمَا فَرْقٌ فَقِیَامُ التَّھَجُّدِ اَفْضَلُ مِنْ قِیَامِ التَّرَاوِیْحِ

دراصل 43/68 نماز تراویح رات کے اول حصہ کا قیام ہے اور نماز تہجد رات کے اخیر کا قیام ہے اور دونوں قیاموں کے درمیان بہت فرق ہے کیونکہ تہجد کا قیام تراویح کے قیام سے افضل ہے۔

دلیل نمبر:

علامہ شنقیطی نے شرح زادالمستقنع للشنقیطی: ج۵۳ص۱۱ پر لکھتے ہے

فَاِذَا صَلَّیْتَ التَّرَاوِیْحَ وَاَوْتَرَالْاِمَامُ فَلِلْعُلَمَاءِ اَوْجُہٌ قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ لَا تُوْتِرُ مَعَہٗ حَتّٰی لَایَکُوْنَ وِتْرَانِ فِیْ لَیْلَۃٍ اِذَا کُنْتَ تُرِیْدُاَنْ تَھَجَّدَ وَتُوْتِرَ۔ وَقَالَ بَعْضُھُمْ تُوْتِرُ مَعَہٗ وَتُوْتِرُفِیْ التَّھَجُّدِ وَتُوْتِرُ بَعْدَ ھُمَا۔ وَقَالَ بَعْضُھُمْ تُوْتِرُفِیْ التَّرَاوِیْحِ ثُمَّ تُصَلِّیْ التَّھَجُّدَ وَتَتْرُکُ وِتْرَ التَّھَجُّدِ بِنَاءً عَلٰی اَنَّ الْفَضْلَ لِلْاَوَّلِ مِنْھُمَا وَالْاَسْبَقِ ۔

پس جب آپ نے تراویح پڑھ لی اور امام نے وتر پڑھانے کا ارادہ کیا تو وتروں کے

بارے میں علماء کے تین قول ہیں (۱) بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ امام کے ساتھ وتر نہ پڑھیں تاکہ ایک رات میں دو دفعہ وتر پڑھنے کی خرابی لازم نہ آئے، یہ تب ہے جب تہجد اور وتر پڑھنے کا ارادہ ہو۔ (۲) بعض علماء نے کہا ہے کہ تراویح اور تہجد دونوں کے بعد وتر پڑھے۔ (۳) اور بعض علماء نے کہا ہے کہ تراویح کے بعد وتر پڑھ لے اور تہجد کے بعد نہ پڑھے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ تراویح، تہجد سے مقدم ہے اور جو پہلے ہے اِس کا حق مقدم ہے۔ اس لئے وتر تراویح کے بعد پڑھے اور تہجد پڑھ کر وتر کو چھوڑ دے۔

دلیل نمبر:

شرح کتاب آداب المشی الی الصلوٰۃ: ج ۱ ص ۹۶ میں لکھا ہے

وَوَقْتُهَا بَعْدَ الْعِشَاءِ وَسُنَّتُهَا قَبْلَ الْوِتْرِ اِلٰى طُلُوْعِ الْفَجْرِ وَيُوْتِرُ بَعْدَهَا..... فَاِنْ كَانَ لَهٗ تَهَجُّدٌ جَعَلَ الْوِتْرَ بَعْدَهٗ

”اور تراویح کا وقت نماز عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ہے اور سنت یہ ہے کہ تراویح وتر سے پہلے پڑھی جائے اور وتر اِس کے بعد پڑھے جائیں اور اگر تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کا معمول ہو تو پھر وتر، تہجد کے بعد پڑھے جائیں“

شاھد اقبال: مولانا! آپ کا بہت شکریہ، آپ نے تراویح و تہجد کے فرق پر ۶۸ دلائل پیش کئے۔ ان میں سے ۴۳ دلائل سے تراویح کے بعد تہجد کا الگ پڑھنا بھی ثابت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے یہ بات بخوبی سمجھ آ گئی ہے کہ تراویح اور تہجد دو جدا جدا نمازیں ہیں بلکہ میں یہ بات دلائل کے ساتھ دوسرے لوگوں کو سمجھا بھی سکتا ہوں۔ اور یہ بات بھی سمجھ آئی کہ رمضان المبارک میں خود نبی پاک ﷺ، صحابہ کرامؓ، تابعین رحمۃ اللہ علیہ تابعین رحمۃ اللہ علیہم اہل اللہ علماء کرام تراویح کے علاوہ تہجد کی فضیلت و سعادت بھی حاصل کرتے تھے۔ اِس لئے تراویح کے بعد رات کے اخیر حصہ میں نماز تہجد کی برکات اور اِس کی فضیلت

بھی ہمیں حاصل کرنی چاہئے۔ تراویح اور تہجد کے ایک ہونے کا فرضی واختراعی عقیدہ اختیار کر کے نہ خود تہجد کی برکات وسعادات سے محروم ہونا چاہئے نہ دوسروں کو محروم کرنا چاہئے کیونکہ غیر رمضان میں جو تہجد کی برکات ہیں رمضان المبارک کے برکتوں والے مہینہ میں ختم نہیں ہو جاتیں بلکہ اضعافاً مضاعفہ بڑھ جاتی ہیں۔ لیکن یہ فرمائیے کہ تراویح وتہجد کے ایک نماز ہونے کا عقیدہ کسی اور کا بھی ہے؟

محقق عالم : دراصل یہ عقیدہ قادیانیوں کا ہے۔ چنانچہ قادیانیوں کی تدوین فقہ کمیٹی کی مرتب کردہ کتاب فقہ احمدیہ کے صفحہ ۲۰۸ پر لکھا ہے نمازِ تراویح دراصل تہجد ہی کی نماز ہے۔ ازاں بعد سب سے پہلے مسجد چینیاں والی لاہور کے غیر مقلد خطیب مولوی عبداللہ چکڑالوی (جو بعد میں منکر حدیث بن گیا تھا) نے مرزا غلام احمد قادیانی کی تقلید میں اِس عقیدہ کو اپنایا اور اسی بنیاد پر اُس نے ایک رسالہ لکھ کر تراویح کا انکار کیا۔ پھر عبداللہ چکڑالوی کی تقلید میں اکثر غیر مقلدین نے اِس عقیدہ کو اختیار کیا اور اب غیر مقلدین کا محمدی گروپ ہو یا احمدی دونوں کا ایک ہی نعرہ ہے کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے۔

شاھد اقبال : جناب یہ ارشاد فرمائیے کہ قادیانیوں اور غیر مقلدین کے علاوہ کسی اور نے بھی تراویح کا انکار کیا ہے؟

محقق عالم : جی ہاں۔ قادیانیوں اور غیر مقلدین کے علاوہ رافضیوں نے بھی تراویح کا انکار کیا ہے۔ چنانچہ منحۃ الخالق حاشیہ البحر الرائق: ج ۲ ص ۷۱ میں علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں **قَالَ فِی الْبُرْهَانِ قَدِ اجْتَمَعَتِ الْاُمَّةُ عَلٰی شَرْعِیَّةِ التَّرَاوِیْحِ وَ جَوَازِهَا وَلَمْ یُنْكِرْهَا اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ اِلَّا الرَّوَافِضَ** برہان میں ہے کہ تراویح کی مشروعیت اور اِس کے جواز پر پوری امت کا اجماع ہے اور سوائے روافض کے اہل قبلہ (یعنی امت مسلمہ) میں سے کسی نے بھی تراویح کا انکار نہیں کیا لیکن ایک فرق ہے کہ روافض

نے تراویح کا صراحتاً انکار کیا ہے، کوئی ہیر پھیر سے کام نہیں لیا۔ لیکن قادیانیوں اور غیر مقلدین نے منافقانہ طریقہ سے انکار کیا ہے یعنی بظاہر تاثر دیا اقرار کا مگر تراویح وتہجد کو ایک قرار دے کر در پردہ تراویح کا انکار کیا ہے۔

شاھد اقبال : اِس کا مطلب یہ ہوا کہ غیر مقلدین نے تراویح کے انکار کا عقیدہ رافضیوں سے لیا اور منافقانہ طریقہ سے انکار کا انداز قادیانیوں سے لیا ہے یعنی اقرار کے پردے میں انکار اور یوں دورنگی اختیار کر کے دوسروں کو بھی دعوت دے رہے ہیں یک رنگی چھوڑ، دورنگ ہو جا۔

شاہد جوں جوں مسئلہ تراویح میں اہل السنّت والجماعت اور غیر مقلدین کے درمیان اختلاف کی حقیقت کو اور اِس پر اہل السنّت والجماعت کے دلائل کو سنتا گیا توں توں اُس کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر طمانینت کے آثار نمودار ہوتے گئے حتٰی کہ غیر مقلد پروفیسر کے عقیدہ (تراویح وتہجد ایک نماز ہے) کے متعلق اُس کے دل میں مختلف شکوک وشبہات اور سوالات پیدا ہو گئے۔ بالآخر شاہد، پروفیسر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور دست بستہ ہو کر عرض کیا، سر! اگر آپ محسوس نہ فرمائیں تو میں جناب سے کچھ سوالات پوچھنا چاہتا ہوں۔

پروفیسر: ہاں ہاں بیٹا! ضرور پوچھئے۔

شاھد اقبال : سر! ایک گذارش ہے کہ آپ اِن سوالات کے جواب میں قرآن یا حدیث کی صریح دلیل پیش کریں گے، اِس میں اپنی یا کسی دوسرے امتی کی رائے شامل نہ کریں گے اور نہ ہی قیاس کریں گے۔

پروفیسر: بالکل بالکل۔ میں خالص قرآن وحدیث سے جواب دونگا۔

شاھد اقبال : اگر آپ ان سوالات کے جوابات قرآن وحدیث کی صحیح صریح غیر معارض دلیل سے دے دیں، نہ قیاس کریں اور نہ ہی اپنی یا دوسرے امتیوں کی آراء پیش

کریں تو یہ نیاز مند جناب کا شکریہ بھی ادا کرے گا اور اہلحدیث مسلک بھی قبول کرے گا۔

غیر مقلد پروفیسر سے شاہد کے سوالات

1......جس طرح احادیث مرفوعہ میں نماز فجر، نماز ظہر، نماز عصر، نماز مغرب، نماز عشاء، نماز اشراق، نماز چاشت، نماز تہجد، نماز وتر، نماز عید اور نماز جنازہ کے نام آئے ہیں، کیا کسی صحیح مرفوع حدیث میں صراحتاً کسی نماز کا نام تراویح بھی آیا ہے؟

2......کیا حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے؟ یا یہ آپ کی یا آپ جیسے غیر معصوم امتیوں کی رائے ہے؟

3......کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک نماز کا نام گیارہ ماہ تہجد ہے اور بارہویں ماہ یعنی رمضان میں اِسی نماز کا نام تراویح ہو جاتا ہے؟

4......کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ گیارہ ماہ تہجد کا وقت رات کا آخری حصہ ہے اور بارہویں ماہ تہجد کا وقت نمازِ عشاء کے فوراً بعد ہے؟

5......کیا نبی پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ گیارہ ماہ یہ نماز اکیلے پڑھو اور بارہویں ماہ جماعت کے ساتھ پڑھو؟

6......آپ کے نزدیک نماز عشاء کے فوراً بعد تہجد، تراویح کے نام سے پڑھ لی جاتی ہے اب سوال یہ ہے کہ رات کے اخیر میں دوبارہ تہجد پڑھنا سنت ہے یا بدعت؟ اِس کا حکم صریح حدیث میں دکھائیں۔

7......حرمین شریفین میں رمضان کے آخری عشرہ میں نماز عشاء کے بعد تراویح اور رات کے اخیر میں تہجد علیحدہ پڑھی جاتی ہے، کیا اِس کا ثبوت صحیح حدیث میں ہے؟ اگر حدیث سے یہ ثابت ہے تو وہ ثبوت پیش کریں کہ نبی پاک ﷺ رمضان میں تراویح کے بعد اخیر رات میں تہجد الگ پڑھتے تھے اور اگر یہ حدیث سے ثابت نہیں تو اہل حرم کا یہ عمل بدعت کے زمرہ میں آتا ہے یا نہیں؟

8......امام بخاری رحمہ اللہ ماہِ رمضان میں تراویح اور تہجد علیحدہ علیحدہ پڑھتے تھے۔ اُن کا یہ عمل سنت کے مطابق ہے یا خلاف سنت ہے؟ اس عمل کے بعد وہ اہل السنّت میں شمار ہوں گے یا اہل بدعت میں؟

9......اگر تراویح و تہجد ایک نماز ہے تو کیا ایک رات میں دو دفعہ تراویح پڑھنا یا دو دفعہ تہجد پڑھنا سنت ہے یا خلاف سنت؟ صحیح صریح حدیث سے جواب دیں۔

10......تراویح و تہجد علیحدہ علیحدہ پڑھنے کی صورت میں وتر تراویح کے بعد پڑھیں یا تہجد کے بعد یا دونوں کے بعد؟ صحیح صریح حدیث سے جواب دیں۔

11......غیر مقلدین کے نزدیک وتر اور تہجد ایک نماز ہے۔ اگر تراویح اور تہجد بھی ایک نماز ہے تو تراویح اور وتر بھی ایک ہی نماز ہوگی تو پھر تراویح کے بعد وتر کیوں پڑھے جاتے ہیں؟ پس جیسے غیر مقلدین کے نزدیک نماز تراویح ہی نماز تہجد ہے تو پھر وہی نماز وتر بھی ہوگی تو کیا تراویح کی رکعات سے تہجد اور وتر بھی ادا ہو جائیں گے؟ اور اگر وتر ادا نہیں ہوتے بلکہ علیحدہ پڑھے جائیں گے تو پھر کیا تراویح، تہجد اور وتر تین جدا جدا نمازیں ہوئیں یا ایک نماز؟

12......کیا ایک وتر کے پڑھنے سے وتر، تراویح اور تہجد تینوں نمازیں ادا ہو جائیں گی؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اِس کیلئے صحیح صریح حدیث پیش کریں اور اگر جواب نفی میں ہے تو کیا یہ تینوں نمازوں کے جدا جدا ہونے کی دلیل نہیں؟

13......اگر امام تراویح کی نیت کرے اور مقتدی تہجد کی، تو مقتدی کی نماز درست ہے یا نہیں؟

14......امام تہجد کی نیت کرے اور مقتدی تراویح کی، تو مقتدی کی نماز درست ہے یا نہیں؟

15......امام نے تراویح کی نیت کی، مقتدیوں میں سے بعض نے تراویح کی، بعض نے تہجد کی اور بعض نے وتروں کی نیت کی، کس کی نماز درست ہے اور کس کی فاسد ہے؟

16......غیر مقلدین ہمیشہ ''آٹھ رکعات تراویح'' کے اشتہار شائع کرتے ہیں۔ کیا کبھی یہ



تراویح اور تہجد

دو مختلف نمازیں

افادات

فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ

تحقیق وتخریج

مولانا ندیم احمد انصاری

ڈائریکٹر الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن انڈیا

ناشر

الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن انڈیا

تراویح اور تہجد

دو مختلف نمازیں

افادات

فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ

تحقیق و تخریج

مولانا ندیم احمد انصاری

ڈائریکٹر الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن انڈیا

ناشر

الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن انڈیا

فہرستِ مضامین

توثیــق

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب بلند شہری مدظلہٗ

مفتی دار الافتاء، دار العلوم دیو بند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والعاقبة للمتقین، والصلوٰة والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین، وعلی آله وسائر اصحابه وازواجه ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین، وبعد:

مخدوم العلماء ومطاع الفضلاء، مجمع الکمالات، منبع الحسنات، امامِ ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعہ کے رسالۂ مبارکہ ''تراویح اور تہجد: دو مختلف نمازیں'' کو پڑھا، بلکہ بغور مطالعہ کیا۔ آپ نے اس رسالہ کی تخریج وتبویب میں جو کچھ عرق ریزی انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ فرمائی ہے، اس کو دیکھ کر دل سے دعا نکلی۔ اللہ پاک قبول فرمائے اور جمیع اہلِ اسلام خاص وعام کو نفع بخشے۔ خصوصاً باب التراویح میں سب کو ہی مسلکِ حق یعنی اہل سنت والجماعت اور حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ ہر امر میں اتباعِ سنت کی دولتِ عظیمہ سے سرفراز کرے۔ مکارہ سے محفوظ رکھے، آمین۔ فقط

هذا ما كتبه احقر الزمن العبد محمود حسن بلند شهری

غفر الله ولوالديه واحسن اليهما واليه

خادم دار الافتاء، دار العلوم دیوبند

۱۱/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ الموافق ۲۴/۱/۲۰۱۳ء یوم الخمیس

تقــریظ

حضرت مولانا مفتی محمد اسلام صاحب قاسمی مدظلہٗ

استاذِ حدیث وصدر شعبۂ عربی ادب، دار العلوم وقف، دیوبند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''تراویح اور تہجد: دو مختلف نمازیں'' کتاب کے عنوان سے ہی اس کا موضوع ظاہر ہے۔ یہ کتاب دراصل قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے افادات کا مجموعہ ہے، جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ تہجد اور رمضان المبارک کے مہینے میں قیام اللیل یعنی تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ احادیث کی روشنی میں دونوں نمازوں کے فرق کو واضح کیا گیا ہے، ساتھ ہی فقہی کتابوں سے اس کی تفصیل اور دلائل شامل کیے گئے ہیں۔

فقیہ النفس حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ان افادات کو مولانا ندیم احمد صاحب نے تسہیل ونئی ترتیب کے ساتھ مرتب کیا ہے، جس میں احادیث کے حوالوں میں مزید وضاحت کی گئی ہے اور بعض جگہوں پر عربی عبارتوں کے ترجمے بھی شامل کرکے عام قارئین کے لیے آسان کر دیا گیا ہے۔

مرتبِ کتاب مولانا ندیم احمد صاحب صالح اور قابل نوجوان ہیں، اور عوامی ضرورت کے تحت دینی کتابوں اور علمی تالیفات کو سہل انداز میں پیش کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں، اس سے قبل چند تالیفات مرتب کرکے شائع کر چکے ہیں۔ اچھی صلاحیت اور عمدہ سلیقے کے حامل مرتب کی ان تمام تر مساعی کے لیے ہم اللہ سے اجر اور مقبولیت کی دعا کرتے ہیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

محمد اسلام قاسمی

استاذ حدیث وادب عربی دار العلوم وقف دیوبند

پیشِ لفظ

حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہٗ

جنرل سکریٹری فقہ اکیڈمی ہند و ناظم المعہد العالی الاسلامی، حیدر آباد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رمضان المبارک کا مہینہ روزہ اور تراویح کا مہینہ ہے، مسلمان نماز، تلاوت وغیرہ تو دوسرے مہینوں میں بھی کرتا ہے؛ لیکن روزہ اور تراویح یہ دو ایسی عبادتیں ہیں، جو رمضان المبارک ہی میں ادا کی جاتی ہیں اور بندۂ مومن ان کے ذریعہ اللہ کا قرب اور محبت حاصل کرتا ہے۔ اللہ کے کتنے ہی خوش نصیب بندے ہیں، جو رمضان المبارک میں دن کے روزے اور رات میں تہجد اور تراویح کے ذریعہ اللہ کو راضی اور خوش کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

ائمہ اربعہ کی متفقہ رائے ہے کہ تراویح کی نماز ۲۰/ رکعات ہے اور تہجد کی آٹھ رکعتیں اس کے علاوہ ہیں، جو سال کے ۱۲/ مہینے پڑھی جاتی ہیں (المغنی:۱/۴۵۶) اور حرمین شریفین میں بھی آج تک ۲۰/ رکعات کا معمول ہے۔ ادھر کچھ عرصہ سے یہ اختلاف پیدا کیا جارہا ہے کہ تراویح کی نماز بیس رکعتیں ہیں یا آٹھ؟ --اس اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ احادیث میں تراویح کو بھی قیامِ لیل سے تعبیر کیا گیا ہے اور تہجد کو بھی۔ اس سے اشتباہ پیدا کیا جاتا ہے اور امت کا ایک طبقہ اس اختلاف کو بڑھا

چڑھا کر پیش کرتا ہے، وہ یہی باور کراتے ہیں کہ تہجد اور تراویح دونوں ایک ہی نمازیں ہیں، عام مہینوں میں آخری شب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھنے کا معمول تھا اور رمضان المبارک میں بعد عشاء؛ حالاں کہ یہ سلف صالحین کی رائے کے برخلاف ہے۔ چنانچہ مختلف اہل علم نے اس موضوع پر گرانقدر تالیفات کے ذریعہ اس کی حقیقت واضح فرمائی ہے۔

مولانا ندیم احمد انصاری صاحب کو اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے کہ انھوں نے بھی اس موضوع پر مختصر مگر جامع اور مفید رسالہ تحریر کیا ہے، جو حضرت گنگوہیؒ کے افادات کی تخریج، ترتیب اور تسہیل ہے۔ جس میں مختلف پہلوؤں سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ تراویح اور تہجد دونوں الگ الگ نمازیں ہیں، ایک نہیں۔

اس طرح کے موضوعات پر مولانا موصوف نے متعدد رسائل تحریر کیے ہیں، جن کو اہل علم نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے اور اختصار اور آسان زبان کی وجہ سے عامۃ المسلمین کو ان سے بڑا نفع پہنچ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور ان کے لیے ذخیرۂ آخرت فرمائے۔ آمین۔ وباللہ التوفیق وہو المستعان

خالد سیف اللہ رحمانی

۱۷/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ

۳۰/ جنوری ۲۰۱۳ء

خادم: المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد

دعائیہ کلمات

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہٗ

شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل، گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً:

قرآن وحدیث کے طالب علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ تراویح اور تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں، ان دونوں کے ایک ہونے کا دعویٰ یا تو متعصب کر سکتا ہے، یا قرآن وحدیث سے نابلد وناواقف۔

اس موضوع پر جامع المنقول والمعقول، منبع الخیرات والحسنات امام ربانی حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کا نہایت ہی جامع بصیرت افروز بابرکت مضمون تالیفاتِ رشیدیہ میں موجود ہے، جس کو عزیزم مولوی ندیم احمد حفظہ اللہ تعالیٰ بعض عربی عبارتوں اور بعض مقامات میں اردو ترجموں کے اضافوں اور کچھ کتابت وطباعت کی اغلاط کی تصحیح کرکے علاحدہ کتابچہ کی شکل میں جویانِ حق کی خدمت میں پیش کرنے جا رہے ہیں۔ میں دعا گو ہوں کہ یہ مضمون متلاشیںِ صراط مستقیم کے لیے راہنما ورہبر ثابت ہو اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ (اسے) اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت سے نوازے، آمین۔ فقط

العبد احمد خانپوری

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

تقریظ

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فتحپوری مدظلہٗ

مفتیٔ اعظم مہاراشٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تراویح اور تہجد دو مختلف نمازیں ہیں، دونوں ہی نمازیں مسنون ہیں، لیکن ان کی اہمیت دوسرے سنن ونوافل کے بالمقابل کہیں زیادہ ہے، تاہم ان میں واضح فرق بھی پایا جاتا ہے۔ تہجد پہلے فرض تھی، مگر بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی، لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت کے طور پر آپ کے لیے یہ حکم باقی رہا۔

قرآن کریم میں ہے:

فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾

تراویح کا تعلق رمضان المبارک سے ہے۔ خلافتِ راشدہ سے لے کر آج تک امت پابندی سے بیس رکعات تراویح پڑھتی چلی آرہی ہے۔ تہجد کی کوئی حد نہیں ہے، عموماً آٹھ یا بارہ رکعتیں پڑھنے کا معمول اسلاف کا رہا ہے، لیکن اگر کبھی کبھار کسی نے بنیت تہجد دو یا چار رکعات پر اکتفا کرلیا، تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

(ایک طبقہ نے) کچھ عرصہ سے تہجد اور تراویح کو ایک کہنا شروع کر رکھا ہے۔ یہ طبقہ تراویح میں بھی امت کی متفقہ طرزِ عمل سے ہٹ کر آٹھ رکعات کا قایل ہے۔ چوں کہ ان کے پاس (اپنے موقف کی) کوئی صحیح دلیل نہیں ہے، اس لیے حضرت عائشہ

عرضِ مرتب

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد:

آج چہار جانب فتنوں کا دور دورہ ہے اور ہر انسان اپنے مد مقابل کو زیر کرنے میں لگا ہے، بلا اس غور و فکر کے کہ خطا کس کی ہے۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ غیر جانبداری کے ساتھ مثبت انداز میں امت کے اختلافی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جائے، تاکہ اسلامی اخوت پھر سے قائم ہو سکے۔

زیرِ نظر رسالہ ''تراویح اور تہجد: دو مختلف نمازیں'' اسی ضرورت کے پیش نظر ترتیب دیا گیا ہے، جو کہ اصلاً قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے افادات کا مجموعہ ہے، جس میں راقم الحروف کی خدمت صرف تخریج، و تسہیل کی حد تک ہے۔ اس میں ان حضرات کے لیے شافی و وافی جواب ہے، جو گمان کرتے ہیں کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز کے دو نام ہیں اور پھر بزعم خود بعض غلط دعویداری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

راقم الحروف نے مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اس مجموعہ کو از سرِ نو مرتب کیا ہے:

☆ جہاں احادیث کے حوالوں میں صرف متعلقہ کتاب کا نام درج تھا، وہاں اصل کتاب سے رجوع کر کے مکمل حدیث نمبر کی وضاحت کر دی ہے۔

☆ بعض جگہوں پر عربی عبارتیں نہیں تھیں، وہاں اس کا اضافہ کیا گیا ہے۔

☆ بعض مقامات پر اردو ترجمہ نہیں کیا گیا تھا، اس ترتیب نو میں ان عبارات کا

رضی اللہ عنہا کی ایک روایت --جس کا تعلق تہجد سے ہے اور اس میں آٹھ رکعات اور تین تین رکعات وتر کا تذکرہ ہے-- یہ لوگ اس سے استدلال کرتے ہوئے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس روایت سے آٹھ رکعات تراویح ثابت ہے۔ مگر روایت میں رمضان وغیر رمضان کے الفاظ ہیں، اسی لیے جب یہ کہا جاتا ہے کہ اگر (اس سے) تراویح مراد ہے تو پھر غیر رمضان کا ذکر کیوں آیا؟ اس وقت ان کے پاس کوئی جواب نہیں رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب انھوں نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر رکھا ہے کہ تراویح اور تہجد؛ دونوں ایک ہیں۔

اس سلسلے میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے ایک مدلل رسالہ تحریر فرمایا تھا، اللہ تعالی جزائے خیر دے مولانا ندیم احمد سلمہ کو، جنھوں نے تہذیب وتسہیل کے ساتھ اس رسالہ کو شایع کرنے کی ہمت کی۔ اللہ اس کو امت کے لیے مفید اور نافع بنائے اور جو لوگ امت میں انتشار کرنا چاہتے ہیں، ان کو ناکام کرے۔ آمین

حررہ العبد عزیز الرحمن عفی عنہ

۱۶ رشوال ۱۴۳۴ھ

ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے۔

☆ کتابت وطباعت میں بعض اغلاط تھیں، انہیں اصل کتب سے ملا کر صحیح کر دیا گیا ہے۔

☆ اصل مضمون سے قبل ایک مختصر مگر ضروری تمہید کا اضافہ کیا گیا ہے۔

اللہ پاک اس کاوش کو قبول فرمائے، صاحبِ افادات کے درجات عالیہ کو مزید بلند فرمائے اور مرتب کے لیے بھی اس رسالہ کو دنیا و آخرت میں سرخروئی کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

اہلِ علم حضرات کوئی خامی دیکھیں تو ضرور مطلع فرمائیں اور للہ اسے مرتب کے اسلاف کی جانب ہرگز منسوب نہ فرمائیں۔

بندہ ندیم احمد انصاری حفظہ اللہ

بروز پیر، بعد نماز ظہر

۱۹ر شوال المکرم، ۱۴۳۴ھ

جنت کا پروانہ!

مولانا ندیم احمد انصاری عاملؔ
(ڈائریکٹر الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، ممبئی، انڈیا)

رحمت کی چادر تان کر، رمضان آیا مومنو
بخشش کرانے آپ کی، رمضان آیا مومنو
جنت سجی ہے دھوم سے، رمضان آیا مومنو
بن کر سراپا مغفرت رمضان آیا مومنو
سارے شیاطین قید ہیں، دوزخ کا در بھی بند ہے
کرلو عبادت رب کی اب، رمضان آیا مومنو
روزہ، تلاوت میں رہو، تم منہمک اے مومنو
دینے سبق تقوے کا پھر، رمضان آیا مومنو
افطار میں تم خوش رہو، جنت ملے گی، اس سبب
جنت میں لے جانے تمھیں، رمضان آیا مومنو
اک رات ہے اس ماہ میں، عظمت، فضیلت سے بھری
دینے تمھیں وہ رات بھی، رمضان آیا مومنو
مالک کا بس احسان ہے، موقع دیا ہم آپ کو
رحمت کی چادر تان پھر، رمضان آیا مومنو
کرلو دعا اپنے لیے، عاملؔ کو بھی دو سب دعا
جنت کا ہو پروانہ جو، رمضان آیا مومنو

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تراویح کسے کہتے ہیں؟

لفظ تراویح 'ترویحۃ' سے ماخوذ ہے۔ ترویحہ اصل میں ہر جلسہ (نشست کا نام ہے، لیکن اصطلاحاً رمضان المبارک کی راتوں میں ہر چار رکعات کے بعد بیٹھنے کو ترویحہ کہا جاتا ہے، کیوں کہ لوگ اس وقفہ میں (تھوڑا) آرام کرتے ہیں۔ پھر مجازاً چار رکعات کے مجموعے کو 'تراویح' کہا جانے لگا۔

فی حاشیۃ الطحطاوی: (قولہ: الترویحۃ الجلسۃ) فھی المرۃ الواحدۃ من الراحۃ۔ (قولہ: ثم سمیت بھا الأربع رکعات الخ) مجاز الاستراحۃ بعدھا غالباً الخ۔(1)

جو لوگ آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں انھیں اپنی اس نماز کے لیے لفظ تراویح استعمال ہی نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ تراویح تو جمع کا صیغہ ہے، جس کا اطلاق کم از کم تین ترویحوں پر ہی ہو سکتا ہے، جب کہ یہ حضرات دو ترویحے کرتے ہیں۔ اس طرح وہ ان آٹھ رکعات کو خواہ کتنا ہی طویل کر لیں، لیکن وہ 'ترویحتان' ہی رہیں گے۔ تراویح کے لیے تو کم از کم تین ترویحے ہونے چاہئیں۔

---

(1) طحطاوی: ۴۱۰، مکتبۃ شیخ الھند، دیوبند، وانظر القاموس الوحید: ۶۸۲/۱: کتب خانہ حسینیہ، دیوبند و بیان اللسان: ۱۲۳، زکریا بکڈپو، دیوبند

تہجد کسے کہتے ہیں؟

لفظ 'تہجد' ہجود سے مشتق ہے اور یہ لفظ دو متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے معنی سونے کے بھی آتے ہیں اور بیدار ہونے کے بھی۔

ھجد، ھجودا: نام، سونا (ثلاثی مجرد) اور تہجد (باب تفعل) سوگیا اور ھجد (باب افعال) کے معنی میں ہے، سوگیا اور سلا دیا، یہ لازم بھی ہے اور متعدی بھی۔(1)

تراویح اور تہجد میں فرق

بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ تہجد اور تراویح ایک ہی چیز ہے، جبکہ یہ خیال وجوہِ ذیل سے باطل ہے:

تہجد	تراویح
(۱) تہجد میں تداعی جائز نہیں۔	(۱) تراویح میں تداعی ہوتی ہے۔
(۲) تہجد کا وقت متعین نہیں، افضل وقت، سونے کے بعد ہے۔	(۲) تراویح کا (اصل) وقت، سونے سے پہلے ہے۔
(۳) نمازِ تہجد پہلے فرض تھی، اس کے بعد وحیِ الٰہی نے اس کی فرضیت منسوخ کردی اب دوبارہ فرضیت کا خطرہ نہ رہا۔	(۳) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی با جماعت نماز پر دوام نہ فرمانے کی حکمت خشیتِ فرضیت بیان فرمائی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ تہجد سے الگ ایک نماز ہے، کیونکہ تہجد کی فرضیت تو پہلے ہی منسوخ کر کے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطمئن فرما دیا گیا تھا۔

(1) ترتیب القاموس المحیط: ۴/۴۸۱، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، المعجم الوسیط: ۹۷۲، کتبخانہ حسینیہ، دیوبند، بیان اللسان: ۱۹۲

(۴) تہجد کا حکم قرآن کریم میں ہے: وَ مِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ ٭ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ۔(1) یٰۤاَیُّہَا الۡمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۙ نِّصۡفَہٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡہُ قَلِیۡلًا ۙ اَوۡ زِدۡ عَلَیۡہِ وَ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ؕ (2)	(۴) تراویح کے متعلق حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ان اللہ تبارک وتعالی فرض صیام رمضان علیکم، و سننت لکم قیامہ۔ یعنی تراویح کا حکم وحیٔ غیر متلو سے ہے۔ اس میں یہ تاویل بھی نہیں چل سکتی کہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ حکم کا عملی طریقہ حضور اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے، اس لیے کہ اس حدیث میں بصورت تقابل ارشاد ہے، نیز صوم رمضان کا عملی طریقہ بھی حضور اکرم ﷺ ہی نے بیان فرمایا ہے۔ مع ہٰذا صورتِ تقابل سے ثابت ہوا کہ حکمِ صوم وحیٔ متلو سے ہے اور حکمِ تراویح وحیٔ غیر متلو سے۔
(۵) تہجد کا حکم مکہ مکرمہ میں ہوا۔	(۵) تراویح کا حکم مدینہ پہنچنے کے بعد ہوا۔
(۶) تہجد کی متعین رکعات حضور ﷺ سے ثابت ہیں۔	(۶) تراویح کی متعین رکعات حضور ﷺ سے ثابت نہیں۔

حدیث میں قیامِ رمضان (تراویح) کا ذکر

نیز حدیث میں تراویح کا نام "قیام رمضان"، مستقل دلیل ہے کہ یہ تہجد سے الگ نماز ہے، کیونکہ تہجد رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اسی لیے محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ

(1) بنی اسرائیل: ۷۹ (2) مزمل: ۱-۴

نے تہجد اور تراویح ہر ایک کا باب جدا رکھا ہے۔ کصنیع الامام مسلم وغیرہ۔

صحیح مسلم کے ابواب اگر چہ خود امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے قائم نہیں فرمائے مگر احادیث کی ترتیب و مناسب روایات کو ایک جگہ جمع کرنا تو خود امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ ہی کا فعل ہے، نیز تراجم لکھنے والے بھی امام مسلم کے بلند پایہ شاگرد اور مشہور محدثین میں سے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابتداء شب میں اپنے شاگردوں کے ساتھ باجماعت تراویح پڑھتے تھے اور اس میں ایک بار قرآن کریم ختم کرتے تھے اور بوقت سحر تہجد انفراداً پڑھتے تھے۔(1)

قال العسقلانی: کان محمد بن اسماعیل البخاری، اذا کان اوّل لیلة من شهر رمضان مجتمعاً الیه اصحابه فیصلی بهم ویقرأ فی کل رکعة عشرین آیة کذالک الی أن یختم القرآن، وکان یقرأ فی السحر مابین النصف الی الثلث من القرآن ان یختم عند السحر فی کل ثلاث لیال۔(2)

آگے ہم قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے افادات ہدیہ قارئین کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

تہجد کی فرضیت منسوخ ہونے کے بعد

نمازِ تہجد اور نمازِ تراویح، دونوں الگ الگ نمازیں ہیں، ہر دو کی تشریح اور احکام جدا ہیں۔ تہجد، ابتداءِ اسلام میں تمام امت پر فرض تھا اور ایک سال بعد تہجد کی فرضیت منسوخ ہو کر تہجد تطوعاً رمضان وغیر رمضان میں جاری رہا۔

قال اللہ تعالی: یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝۱ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝۲ (3)

---

(1) احسن الفتاوی: ۳/ ۵۳۱-۵۳۲　(2) ھدی الساری مقدمہ فتح الباری: ۴۸۱

(3) المزمل: ۲-۱

اے چادر اوڑھنے والے (یعنی رسول اللہ)! رات میں نماز میں کھڑے رہیے۔

امہات المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک طویل حدیث میں فرماتی ہیں کہ تہجد فرض ہونے کے بعد نفل ہو گیا۔ امام ابوداود نے روایت کیا ہے:

قال، قلت حدثینی عن قیام رسول اللہ ﷺ با اللیل، قالت : الست تقرأ یایھا المزمل ؟ قال: قلت: بلی، قالت: فا ن اول ھذہ السورۃ نزلت ، فقام اصحاب رسول اللہ ﷺ، حتی انتفخت اقدامھم و حبس خاتمتھا فی السماء اثنی عشر شھرًا، ثم نزل اخرھا، فصار قیام اللیل تطوعاً بعد فریضۃ الخ۔ (1)

راوی نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے آنحضرت ﷺ کے قیامِ لیل کے بارے میں بتلائیے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کیا تم نے یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ (سورت کو) نہیں پڑھا۔ میں نے عرض کیا: ہاں پڑھا ہے۔ انھوں نے فرمایا: جب اس سورت کا اول حصہ نازل ہوا تو آنحضرت ﷺ کے اصحاب نے قیامِ لیل کیا، حتیٰ کہ ان کے قدموں پر ورم آ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا آخری حصہ آسمان میں بارہ مہینوں تک روکے رکھا، پھر اس کو نازل کیا اور قیامِ لیل فرض سے نفل ہو گیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ تہجد ہجرت سے قبل، ابتداءِ اسلام میں تطوعاً شروع ہو چکا تھا اور اس پر سب صحابہ تطوعاً رمضان وغیر رمضان میں عمل بھی کرتے تھے اور تراویح کا اس وقت کہیں وجود نہیں تھا۔ پھر ہجرت کے بعد رمضان کے روزے فرض ہوئے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے خطبہ پڑھا اور اس میں یہ ارشاد فرمایا:

جعل اللہ صیامہ فریضۃ، و قیام لیلہ تطوعاً الحدیث. (2)

(1) سنن ابی داود، کتاب التطوع، باب فی صلاۃ اللیل، حدیث: ۱۳۴۲، اخرجہ مسلم، حدیث: ۷۴۶ والنسائی، حدیث: ۱۶۰۲، ۱۶۵۲

(2) مشکاۃ المصابیح، کتاب الصوم، الفصل الثالث، حدیث: ۱۹۶۵

اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کے روزے فرض کر دیئے اور اس کی راتوں کا قیام نفل۔

اس روایت کو مشکوۃ نے 'بیہقی' سے نقل کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ قیام رمضان اس وقت تنفلا (نفلی طور پر) مقرر ہوا اور اس سے یہ سمجھنا کہ تہجد جو کہ پہلے سے تطوع (نفل) تھا اس کا ذکر فرمایا ہے۔۔۔ بعید ہے۔ کیونکہ اگر یہ مقصود ہوتا تو اس طرح فرماتے کہ نمازِ تہجد اب بھی نفل ہی ہے، یا اس کے مثل کچھ الفاظ ارشاد فرماتے۔ اس لیے کہ تہجد پہلے سے رمضان میں جاری تھا، پھر اب اس کا ذکر کرنا کیا ضروری تھا؟ جیسا کہ دیگر فرض و نفل نماز کا کچھ ذکر نہیں فرمایا، البتہ! بعض احادیث میں اعمالِ رمضان کی فضیلت ارشاد فرمائی ہے اور اس فقرہ میں کوئی فضیلت کی بات نہیں، بلکہ دوسری نفل نماز کی مشروعیت کا ذکر ہونا ظاہر ہے۔

تراویح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنت قرار دیا ہے

دوسری روایت سنن ابن ماجہ کی اس طرح ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کتب اللہ علیکم صیامہ و سننت لکم قیامہ۔ (1)

فرض کر دیے اللہ تعالیٰ نے روزے اس (یعنی ماہِ رمضان) کے اور سنت قرار دیا میں نے اس کا قیام (یعنی تراویح)۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باذن اللہ تعالیٰ قیام رمضان کو تطوعا فرمایا حالانکہ تہجد خود بحکم خدا تعالیٰ اس سے قبل نفل ہو چکا تھا اور قیام رمضان (تراویح) کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنفل فرمایا۔۔۔۔ سو اس سے بھی معلوم ہوا کہ تہجد اور تراویح تشریحاً دو نمازیں ہیں کہ دو وقت میں مقرر کی گئی ہیں اور تہجد قرآن کریم سے ثابت ہوا اور تراویح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی احادیث) سے، اور

(1) سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب ما جاء فی حدیث قیام شهر رمضان، حدیث: ۱۳۲۸
واخرجه النسائی، حدیث: ۲۲۱۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر روز تہجد کو آخر شب میں پڑھا ہے۔

تہجد کا وقت

چنانچہ بخاری و مسلم کی روایت ہے:

عن شعبة، عن اشعث قال: سمعت ابی قال : سمعت مسروقاً: سألت عائشة رضی اللہ عنها: ای العمل كان احب الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ قالت: الدائم، قال: قلت: فی ای حین كان يقوم؟ قالت: كان يقوم اذا سمع الصارخ۔(1)

شعبہ سے روایت ہے، ان سے اشعث نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد سے سنا، انھوں نے بیان کیا کہ میں نے مسروق سے سنا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: کون سا عمل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ پسند تھا؟ فرمایا: جس پر مداومت ہو۔ انھوں نے کہا، میں نے عرض کیا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (رات میں تہجد کے لیے) کس وقت کھڑے ہوتے تھے؟ فرمایا: جب مرغ کی آواز سنتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نماز تراویح

دیگر روایات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، جبکہ تراویح کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کے اول حصہ میں پڑھا ہے، مشکوۃ شریف میں ہے:

عن أبی ذر، قال : صمنا مع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فلم يقم بنا شيأ من الشهر حتی بقی سبع، فقامت بنا حتی ذهب ثلث الليل، فلما كانت السادسة لم يقم بنا، فلما كانت الخامسة قام بنا، حتی ذهب شطر الليل فقلت : يارسول الله! لو نفلتنا قيام هذه الليلة؟ فقال: ان الرجل اذا صلی مع الامام حتی ينصرف، حسب له قيام ليلة. فلما كانت الراجعة لم يقم بنا حتی بقی ثلث الليل، فلما كانت الثالثة، جمع

(1) صحيح البخاری، کتاب الرقاق، باالقصد والمداومة علی العمل، حديث: ۶۴۶۱، راجع: ۱۱۳۲ وأخرجه مسلم: ۷۴۱و۷۸۲

اهله والنساءه والناس، فقام بنا حتى خشينا ان يفوتنا الفلاح۔ قلت: وما الفلاح؟ قال السحور ثم لم يقم بنا بقية الشهر. (1)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روزے رکھے، آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا، حتی کہ سات دن باقی رہ گئے (اور مہینہ انتیس کا تھا) پس آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ قیام کیا (۲۷/ویں رات کو) یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی۔ پس جب چھٹی رات آئی (یعنی مہینہ کے آخر سے شمار کرتے ہوئے، یعنی انتیس والے مہینہ میں ۲۴/ویں رات) تو قیام نہیں کیا آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ۔ پھر جب اسی حساب سے پانچویں رات، جو کی فی الحقیقت ۲۵/ویں ہے، آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ قیام کیا، یہاں تک کی آدھی رات گزر گئی، تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کاش کہ ہمارے لیے اس رات میں مزید قیام فرماتے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، یہاں تک کی امام فارغ ہو جائے اس کے حق میں ساری رات کا قیام لکھا جاتا ہے (اگرچہ ساری رات قیام نہ کیا ہو)۔ پھر جب اسی حساب سے چوتھی رات آئی، جو کہ چھبیسویں تھی آپ ﷺ نے قیام نہیں فرمایا ہمارے ساتھ، یہاں تک کہ تہائی رات باقی رہی پھر جب تیسری رات آئی جو کہ ستائسویں تھی، آپ ﷺ نے اپنے کنبہ اور اپنی بیویوں کو اور تمام لوگوں کو جمع کیا اور ہمارے ساتھ قیام کیا، یہاں تک کہ ہم ڈرے کہ ہم سے فلاح فوت ہو جائیگی۔ میں نے عرض کیا: فلاح سے مراد کیا ہے؟ فرمایا: سحری۔ پھر آپ ﷺ نے باقی مہینہ میں

(1) مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب: قيام شهر رمضان، حديث: ۱۲۹۸، وقال الألباني: سنده صحيح، اخرجه ابوداود، كتاب شهر رمضان، باب: في قيام رمضان، حديث: ۱۳۷۵، والترمذي، كتاب الصوم، باب: ما جاء في قيام شهر رمضان، حديث: ۸۰۶ وقال ابوعيسى: هذا حديث حسن صحيح، والنسائي، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب: قيام شهر رمضان حديث: ۱۶۰۵، وابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة، باب: ما جاء في قيام شهر رمضان، حديث: ۱۳۲۷

ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا۔ (یعنی ۲۸ اور ۲۹ کو)

پہلی اور دوسری دفعہ میں تو نصف لیل تک فراغت پائی اور تیسرے دن اوّل سے لیکر اخیر شب تک نماز ادا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں مختلف نمازیں ہیں اور رسول اللہ ﷺ تہجد کو ہمیشہ منفرداً پڑھتے تھے، کبھی بتداعی جماعت نہیں فرمائی، اگر کوئی شخص آکر شریکِ نماز ہو گیا تو مضائقہ نہیں، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک دفعہ آپ ﷺ کے پیچھے آکر کھڑے ہو گئے تھے، بخلاف تراویح کے کہ اس کو چند بار تداعی کے ساتھ با جماعت ادا کیا، جیسا کہ اسی ابوذرؓ والی حدیث سے واضح ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نمازیں جداگانہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ تہجد کے لیے تمام رات کبھی نہیں جاگے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

واعلم ما رأيت نبي الله ﷺ قرأ القرآن كله في لية واحدة، ولا صلى لية الى الصبح الخ.

میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ایک ہی رات میں مکمل قرآن کریم پڑھا ہو یا ساری رات نماز پڑھی ہو، صبح تک۔

مرتب کو باوجود تلاش بسیار کے بعینہ ان الفاظ تک رسائی نہ ہو سکی، بلکہ درج ذیل مضمون جمع الفوائد میں نظر سے گزرا:

وكان اذا صلى صلاةً أحبَّ أن يداوم عليها، وكان اذا غلبه نوم أو وجع عن قيام الليل، صلى من النهار لنتي عشرة ركعة، ولا أعلمه قرأ القران كله في ليلة، ولا صلى ليلة الى الصبح، ولا صام شهراً كاملاً غير رمضان۔ (1)

---

(1) جمع الفوائد: ۲/۲۷۳ بحوالہ جامع الاصول: ۴۱۹۹، مسلم فی صلاۃ المسافرین، حدیث: ۷۴۶ بلفظہ مطولاً، وابو داود فی الصلاۃ، حدیث: ۱۳۴۲ مثلہ مطولاً، والنسائی فی قیام اللیل، حدیث: ۱۷۲۱ مختصراً

اوران کی یہ تحدید نمازِ تہجد میں ہے اس لیے کہ نمازِ تراویح میں صبح تک نماز پڑھنا روایت ابوذر سے خود ثابت ہو چکا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خود اس کا علم ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے اپنی سب اہل ونساء کو جمع فرمایا تھا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہا نے تمام رات جاگ کر نماز پڑھنے کا جو انکار فرمایا اس پر یہ کہنا کہ انھیں علم نہیں یا نسیان ہوا۔۔۔۔ نہایت بے جا ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے تمام رات نماز پڑھنے کا انکار نمازِ تہجد کے لیے فرمایا ہے، اس لیے کہ راویٔ حدیث، سعد بن ہشام، نمازِ تہجد کے متعلق ہی دریافت کر رہے تھے اور آپ رضی اللہ عنہا نے اسی باب میں یہ جواب عنایت فرمایا تھا، چنانچہ مسلم میں روایت موجود ہے۔ تراویح کا یہاں ذکر ہی نہیں تھا، علی ھذا جو ابوسلمہ نے قیام رمضان کے متعلق دریافت کیا تو وہاں بھی اس سے مراد ماہِ رمضان کا تہجد ہے، غرض ان کی یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا تہجد، رمضان میں بنسبت دیگر مہینوں سے زیادہ ہوتا تھا یا نہیں؟

بخاری شریف میں ہے:

عن ابی سلمة بن عبد الرحمن اخبره: انه سأل عائشة رضی الله عنها: کیف کانت صلاة رسول الله ﷺ فی رمضان؟ فقالت: ما کان رسول الله ﷺ یزید فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشرة رکعة، یصلی اربعاً، فلا تسئل عن حسنهن وطولهن، ثم یصلی اربعا، فلا تسئل عن حسنهن وطولهن، ثم یصلی ثلاثاً. قالت عائشة: فقلت: یا رسول الله! أتنام قبل ان توتر؟ فقال: یا عائشة، ان عینی تنامان، ولا ینام قلبی۔(1)

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ

---

(1) صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب: قیام النبی ﷺ فی رمضان وغیرہ، حدیث: ۱۱۴۷ وانظر: ۳۵۶۹، ۲۰۱۳، ۱۱۴۰ وأخرجه مسلم، حدیث: ۷۳۸، ابو داود، حدیث: ۱۳۴۱، الترمزی، حدیث: ۴۳۹، النسائی، حدیث: ۱۶۹۷

عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں نماز یعنی (نمازِ تہجد) کیسی تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات پر (کوئی) زیادتی نہیں فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت پڑھتے، پس ان کا حسن اور درازی نہ پوچھیے، پھر چار رکعات پڑھتے تھے، پس ان کا حسن اور درازی نہ پوچھیے، پھر تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔ میں (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا۔

کیونکہ ظاہر متبادر اس حدیث سے یہ ہے کہ ابو سلمہ نے خاص قیامِ رمضان کا سوال کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ فرمایا کہ رمضان میں کوئی خاص نماز نہیں تھی، رمضان وغیر رمضان میں ہر روز گیارہ رکعات پڑھتے تھے، اس سے زیادہ کبھی نہیں پڑھتے اور ہیئت پڑھنے کی یہ تھی کہ چار رکعات پڑھی اور سو گیے، پھر چار رکعات پڑھی اور سو گیے، پھر تین رکعات وتر پڑھی، اور دائماً یہی عادتِ مبارکہ تھی۔ رمضان وغیر رمضان، کسی میں اس کے خلاف نہیں تھا۔ پس اس کے یہی معنی ہیں، تو یہ حدیث بہت سی روایات کے معارض ہوتی ہے اور واقع کے بھی خلاف ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود ہی تیرہ رکعات بھی روایت فرماتی ہیں، چنانچہ مؤطا امام مالک میں ہے:

عن عائشہ ام المومنین قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یصلی باللیل ثلاث عشر قرکعۃ، ثم یصلی اذا سمع النداء بالصبح برکعتین خفیفتین۔(1)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعات پڑھتے تھے، پھر جب صبح کی اذان سنتے تو دو ہلکی رکعتیں (فجر کی سنتیں) پڑھتے۔

(1) مؤطا امام مالک، کتاب صلاۃ اللیل، حدیث: ۲۱۵، أخرجہ البخاری: ۱۱۷۰ ومسلم: ۲۴۷، ۷۳۷، روایۃ أبی مصعب: ۲۹۲

اور حضرت ابن عباسؓ خود تیرہ رکعات تہجد کی غیر رمضان میں نقل کرتے ہیں اور بعض دیگر صحابہ بھی تیرہ رکعات نقل کرتے ہیں اور یہ دونوں ہیئتِ صلوٰۃ کے بھی خلاف اس ہیئت مذکورہ فی حدیث عائشہؓ کے ہیں (چونکہ وہ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت پڑھتے تھے اور سو جاتے تھے کما ذکر)۔

بارہ رکعات اور وتر

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے ایک طویل روایت مین مروی ہے:

قال ابن عباس: فقمت فصنعت مثل ماصنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ثم ذھبت فقمت الی جنبہ، فو ضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یدہ الیمنی علی رأسی، واخذ باذنی الیمنی یفتلھا، فصلی رکعتین، ثم رکعتین، ثم رکعتین،ثم رکعتین، ثم رکعتین،ثم رکعتین، ثم اوتر، ثم اضطجع، حتی جاء ہ المؤذن فقام، فصلی رکعتین خفیفین، ثم خرج فصلی الصبح۔(1)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: میں اٹھا اور میں نے ایسے ہی (وضو) کیا، جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (یعنی بائیں جانب) آکر کھڑا ہوگیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرا داہنا کان پکڑ کر کھینچتے ہوئے مجھے اپنے داہنی جانب کرلیا۔ پس آپ نے دو رکعات پڑھیں، پھر دو رکعات پڑھیں، پھر دو رکعات پڑھیں، پھر دو رکعات پڑھیں، پھر دو رکعات پڑھیں، پھر دو رکعات پڑھیں پھر وتر پڑھے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گیے، یہاں تک کی مؤذن آیا تو آپ اٹھے اور دو رکعتیں ہلکی سی پڑھیں اور (مسجد میں آکر) فجر کی نماز پڑھی۔

(1) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل وقیامہ، حدیث: ۱۸۲_۷۶۳أخرجہ البخاری:۱۸۳ و ۹۹۲ و۱۱۹۸ و ۴۵۷۰ و ۴۵۷۱ و ۴۵۷۲ و۶۹۷ و ۶۹۹ و ۵۹۱۹

تیرہ رکعات کی صراحت

ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یوں فرماتے ہیں:

فقام فصلی، فقمت عن یسارہ، فاخذ بیدی فادارنی عن یمینه، فتامت صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ ثلاث عشرۃ رکعة، ثم اضطجع، فنام حتی نفخ الخ۔(1)

پس رسول اللہ ﷺ اٹھے اور نماز پڑھی، میں آپ کے دائیں طرف کھڑا ہوا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور دا ہنی طرف پھیر دیا اور رسول اللہ ﷺ نے کل ۱۳ ررکعات پڑھیں، پھر سو گیے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے سانس مبارک کی آواز معلوم ہوتی تھی۔

اور ایک روایت میں ہیں:

عن زید بن خالد الجهنی، انه قال: لا رمقن صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اللیلة، فصلی رکعتین خفیفتین، ثم صلی رکعتین طویلتین، طویلتین، طویلتین، ثم صلی رکعتین، وهما دون اللتین قبلهما، ثم صلی رکعتین، وهما دون اللتین قبلهما، ثم صلی رکعتین، وهما دون اللتین قبلهما، ثم اوتر، فذلک ثلاث عشرۃ رکعة.(2)

حضرت خالد سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی نماز دیکھنے کا ارادہ کیا (تو میں نے دیکھا کہ) آپ ﷺ نے دو رکعتیں خفیف پڑھیں، پھر دو رکعتیں بہت طویل، پھر اور دو رکعتیں پہلی والی سے خفیف پڑھیں پھر اور دو، اور وہ خفیف تھیں اپنی پہلی والی سے، پھر اور دو ایسی ہی، پھر اور دو ایسی ہی، پھر اس نماز

(1) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرها، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل وقیامه، حدیث: ۷۶۳، أخرجه البخاری: ۱۱۶۳ و ۸۵۹ و ۷۲۸ و ۷۶۳

(2) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب: الدعاء فی صلاۃ اللیل وقیامه، حدیث: ۷۶۵

کے ساتھ وتر ملائے، پس یہ سب تیرہ رکعتیں ہوئیں۔

یہ تینوں احادیث، عددِ رکعات اور ہیئت ادا، دونوں میں حدیث عائشہؓ کے خلاف ہیں اور اوپر حدیث ابوذرؓ سے معلوم ہوا کہ تین روز جو نماز آپ ﷺ نے رمضان المبارک میں پڑھی، اگرچہ اس کے عددِ رکعات معلوم نہیں مگر ہرگز اس میں چار چار رکعات پڑھ کر آپ نہیں سوئے اور تین روز دوسرے رمضان میں جو نماز جماعت کے ساتھ پڑھی، اس میں بھی یہ ہیئت ثابت نہیں ہوئی، اور حدیث میں رمضان کی عبادت میں جو شدّتِ اجتہاد مذکور ہے، وہ بھی اس کے خلاف ہے، کیونکہ جب تمام مہینوں کی رات کی نماز برابر تھی تو شدّتِ اجتہاد کے کیا معنیٰ؟ اور جن روایتوں میں آیا ہے کہ رمضان میں، خصوصاً عشرۂ اخیرہ میں نہیں سوئے تھے، وہ بھی اس کے خلاف ہے۔

رمضان کے آخری عشرہ میں شدّتِ اجتہاد

چنانچہ بخاری میں ہے:

عن عائشة رضی الله عنها قالت: کان النبی ﷺ: اذا دخل العشر شد مئزرہ، واحیالیله، وایقظ اهله۔(1)

جب (رمضان کا) آخری عشرہ آتا، تو نبیٔ اکرم ﷺ مضبوطی سے اپنا تہبند باندھ لیتے (یعنی مستعد ہو جاتے) اور ان راتوں میں خود بھی عبادت کا اہتمام فرماتے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کرتے تھے۔

اور بیہقی نے روایت کیا ہے:

عن عائشة زوج النبی صلی الله علیه وسلم أنها قالت: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم، اذا دخل شهر رمضان شد مئزرہ، لم یأت فراشه حتی ینسلخ. (2)

(1) صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۰۲۴، أخرجه مسلم: ۱۱۷۴

(2) شعب الایمان، رقم الحدیث: ۳۳۵۲

وفي حاشيته: اسناده: رجاله ثقات الا أن المطلب بن عبد الله ـــ وهو ابن حنطب المخزومي ـــ كثير الارسال والتدليس، وقد عنعن۔ وقال أبو حاتم: لم يدرك عائشة. (المراسيل: ١٦٥) عمرهو ابن أبي عمرو۔ والحديث أخرجه ابن خزيمه في صحيحه (رقم: ٢٢١٦) عن الربيع بن سليمان، بنفس الاسناد.

جب رمضان کا مہینہ آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا تہبند (مضبوطی سے) باندھ لیتے اور اپنے بستر پر تشریف نہیں لاتے تھے، یہاں تک کہ رمضان گزر جائے۔

ان دونوں حدیثوں سے رمضان کی عبادت میں زیادہ اہتمام و کوشش کرنا اور رات بھر عبادت میں مشغول رہنا ثابت ہوتا ہے نہ کہ رمضان وغیر رمضان میں مساوات، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد کا بیان سعد بن ہشام سے کیا، وہ بھی اس روایت کے خلاف ہے۔

گیارہ رکعات کی صراحت

چنانچہ ایک طویل روایت میں یوں ہے:

كنا نعد له سواكه، وطهوره، فيبعثه الله متى شاء، فيتسوك، ويتوضأ، ويصلي تسع ركعات لا يجلس الا في الثامنة، فيذكر الله، ويحمده (ويدعوه، ثم ينهض ولا يسلم، ثم يقوم فيصلي التاسعة، ثم يقعد فيذكر الله ويحمده) ويدعوه ويسلم تسليماً يسمعنا، ثم يصلي ركعتين وهو قاعد، فتلك احدى عشرة ركعة يا بني. (1)

وفي حاشيته: ما بين المعكوفين ساقط في الأصل أخرجه في جامع الأصول (٤١٩٩)، مسلم في صلاة المسافرين (رقم الحديث:

(1) جمع الفوائد: ۲/۲۷۴

۱، ۲۵۶-۲۵۵/۷۴۶) بلفظه مطولاً، وابوداود في الصلاة (رقم الحديث: ۱، ۱۸۹/۱۳۴۲) مثله مطولاً، والنسائي في قيام الليل (رقم الحديث ۱، ۱۹۳/۱۷۲۱) مختصراً۔ الخ

ہم رسول اللہ ﷺ کے لیے مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ آپ کو جگاتے (یعنی آپ ﷺ جب بیدار ہوتے) تو مسواک کرتے اور وضو کرتے اور ۹ رر کعتیں پڑھتے۔ آپ ﷺ ان میں نہیں بیٹھتے تھے مگر آٹھویں (یعنی وتر کی دو رکعت کے بعد اور تیسری کی پہلی) رکعت میں۔ پھر اللہ کا ذکر کرتے اور ثنا کرتے اور دعا مانگتے تھے۔ پھر کھڑے ہوتے اور سلام نہیں پھیرتے تھے اور نویں رکعت پڑھتے، قعدہ کرتے، اللہ کا ذکر کرتے، ثنا کرتے اور دعا مانگتے، پھر سلام پھیرتے، اس طرح کہ ہمیں سنائی دیتا تھا۔ سلام کے بعد بیٹھ کر دو رکعات پڑھتے تھے۔ اس طرح اے بیٹے! یہ کل گیارہ رکعتیں ہوگئیں۔

اس روایت سے گیارہ رکعات پر زیادتی نہ کرنا اور خاص ہیئت کا اہتمام مخدوش ہوتا ہے، لہٰذا احق یہ ہے کہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ابو سلمہ نے بایں وجہ کہ رمضان میں آپ ﷺ کا عبادت میں کوشش کرنا، دیگر ایام یا مہینوں سے زیادہ ہوتا تھا، تہجدِ رمضان کے متعلق پوچھا کہ آیا رمضان مین آپ کا تہجد بنسبت دیگر ایام کے زیادہ ہوتا تھا یا نہیں؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زیادہ کی نفی فرمائی۔ نمازِ تراویح سے اس میں کچھ بحث نہیں، نہ سوال میں، نہ جواب میں۔ اور گیارہ رکعات کا ذکر اکثر یہ ہے نہ کہ کلیہ، یعنی اکثر آپ کے تہجد کی گیارہ رکعات ہوتی تھیں، اگر چہ احیاناً اس سے زیادہ بھی پڑھی ہیں۔ اس طرح نہ اس حدیث میں احیاناً زیادہ تہجد کی نفی ہے اور نہ رمضان کے قیام کا ذکر، جو کہ تہجد کے علاوہ ہے، بلکہ ذکر اُن عددِ رکعات کا ہے جو اکثر اوقات تہجدِ رمضان وغیر رمضان میں ہوتا تھا۔

اس کے بعد یہ جملہ 'یصلی اربعاً الخ (چار رکعات پڑھتے تھے)' یہ دوسرا امر ہے، جس سے آپ ﷺ کی قوتِ عبادت پر تنبہ منظور رہے کہ نوم و یقظہ (سونا اور جاگنا) آپ کے اختیار میں تھا، کہ جب چاہیں بیدار ہو جائیں اور جب چاہیں سو جائیں، اور آپ احیاناً (کبھی کبھار) ایسا کرتے تھے۔ اس ہیئت کو نہ کوئی خصوصیت رمضان سے ہے نہ لزوم اُن رکعات سے، بلکہ یہ بعض اوقات کی حالت کا بیان ہے اور یہ مستقل جملہ ہے۔ کیونکہ بلاغت میں قاعدہ مقرر ہو چکا ہے کہ جملہ کا عطف جملہ پر اس وقت کرتے ہیں، جب دو جملوں میں بعض وجہ سے اتصال اور بعض وجہ سے انفصال ہو۔ اگر بالکل اتصال ہو یا بالکل انفصال ہو، تو حرفِ عطف ذکر نہیں کرتے۔ پس یہاں حرفِ عطف ذکر نہ کرنا بوجہ کمالِ انفصال ہے، نہ کہ بوجہ کمالِ اتصال۔ چونکہ بیان شدتِ اجتہاد کا تھا، اس وجہ سے اس کلام کو آپ ﷺ نے ذکر کیا ورنہ جواب ان کے سوال کا، جو کہ رمضان کے تہجد کی رکعات کے متعلق تھا، وہ تمام ہو چکا تھا۔

پس اس تقریر کے بعد نہ احادیث سے زیادہ کا معارضہ باقی رہا نہ ہیئت کا اور نہ احیاءِ تمام لیل کا۔ سب احادیث مطابق واقع کے اور باہم موافق ہو گئیں اور یہی مراد حضرت عائشہؓ صدیقہ کی ہے۔

نتیجہ

معلوم ہوا کہ تمام شب نماز نہ پڑھنا، یہ تہجد کے واسطے ہے اور پڑھنا تراویح کے واسطے اور بخاری نے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جماعتِ تراویح کو، جو اوّل وقت میں حضرت ابی کرا رہے تھے اور یہ جماعت خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مقرر کرائی ہوئی تھی --- دیکھ کر فرمایا:

والتی تنامون عنہا افضل من التی تقومون

وہ نماز، جس سے تم سو جاتے ہو (تہجد) اس نماز (تراویح) سے افضل ہے۔

اس سے بھی اگر دونوں نمازوں کی مغایرت نکالی جائے تو بعید نہیں، کیونکہ معنی اس قول کے یہ ہیں کہ جس نماز سے تم سوئے رہتے ہو یعنی تہجد، جو کہ آخر رات میں ہوتی ہے، وہ اس نماز سے افضل ہے، جو کہ تم پڑھتے ہو، یعنی تراویح سے۔ اس لیے کہ تراویح کو اول وقت میں پڑھتے تھے اور چونکہ یہ لوگ تراویح کو پڑھ کر تہجد کے لیے نہیں اٹھتے تھے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں تہجد پڑھنے کی ترغیب دلائی کہ افضل کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ لہٰذا اوّل وقت میں تراویح اور آخر وقت مین تہجد ادا کریں، ورنہ اس تراویح کو ہی اخیر وقت میں پڑھیں کہ تراویح کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے اور آخر وقت کی تراویح سے تہجد بھی حاصل ہو جائے کہ بتداخل صلاتین (ایک نماز میں دو نمازوں کی نیت کر لینے کی صورت میں) دونوں نمازوں کا ثواب ملتا ہے، اور اس سے (تہجد کے) وقت کی افضلیت بھی معلوم ہو گئی۔

عن عبد الرحمن بن عبد القاری انه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه ليلة في رمضان الى المسجد، فاذا الناس اوزاع متفرقون، يصلی الرجل لنفسه، ويصلي الرجل فيصلي بصلاته الرهط، فقال عمر: انی اری لو جمعت هؤلاء علی قارئ واحد لكان امثل، ثم عزم فجمعهم علی ابی بن كعب، ثم خرجت معه ليلة اخری والناس يصلون بصلاة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هذه، والتی تنامون عنها افضل من التی يقومون ------ يريد آخر الليل ---- وكان الناس يقومون اوله. (1)

چنانچہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے، اور یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے صراحۃً ثابت نہیں ہوا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے اول حصہ مین تین روز تراویح پڑھی تو اخیر وقت میں تہجد پڑھا یا نہیں؟ واللہ اعلم۔

---

(1) صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۰۱۰

صحابیؓ کا فعل

مگر بعض صحابہ کے فعل سے اس کا نشان ملتا ہے، چنانچہ قیس بن طلق سے روایت ہے:

عن قیس بن طلق قال: زارنا طلق بن علي في یوم من رمضان وامسی عندنا وافطر ثم قام بنا تلک اللیلة واوتر بنا ثم انحدر الی مسجده فصلی بأصحابه حتی اذا بقي الوتر قدم رجلاً فقال: اوتر باصحابک فاني سمعت رسول اللہ ﷺ یقول 'لا وتران في لیلة'.(1)

قیس بن طلق نے کہا کہ رمضان کے دن میں طلق بن علی نے ہماری زیارت (ملاقات) کی اور شام کو ہمارے پاس ہی افطار کیا، پھر ہمارے ساتھ اس رات میں قیام کیا اور وتر پڑھے، پھر اپنی مسجد میں گیے اور اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی، یہاں تک کی وتر باقی رہ گیے۔ پھر کسی آدمی کو آگے کیا اور کہا کہ اپنے ساتھیوں کو وتر پڑھا دو، اس لیے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "ایک رات میں دو دفعہ وتر نہیں ہیں۔"

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ طلق بن علی نے اولاً لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے فعل کے مطابق اول وقت میں تراویح ادا کی اور وتر بھی اس کے ساتھ پڑھے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے فعل سے ثابت ہے، اور اس کے بعد اپنی مسجد جا کر آخر وقت میں تہجد ادا کیا اور اس کے ساتھ وتر نہیں پڑھے اور مقتدیوں کو حکم دیا کہ تم اپنے وتر پڑھ لو اور چونکہ رسول اللہ ﷺ تہجد کے ساتھ وتر پڑھتے تھے، لہٰذا وہ مقتدی تہجد گزار کے ساتھ وتر پڑھنا چاہتے تھے۔

---

(1) سنن ابی داود، رقم الحدیث: ۱۴۳۹، أخرجه النسائي: ۱۶۸۰، والترمذي: ۴۷۰، ومسلم مختصراً

چند نکات

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں وقت میں نماز پڑھی گئی اور صحابہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہایت سرگرم تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے وقت میں تہجد پڑھا ہوگا، اور یہ جو بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتی ہے:

اذا دخل العشر شد مئذرہ، احیا لیلہ، و ایقظ اھلہ۔۔۔ الحدیث

اس سے تین امر ثابت ہوتے ہیں:

اول: یہ کہ ان ایام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات جاگے ہیں، اس لیے کہ احیاء لیلہ وہیں بولا جاتا ہے جب کہ تمام رات جاگیں۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو تمام رات جاگنے کا انکار کیا ہے وہ تہجد کی نسبت ہے نہ کہ مطلقاً، اس لیے کہ اس بیان میں وہ خود تمام رات جاگنے کو ارشاد فرماتی ہیں۔

دوم: یہ کہ جن دو شب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کو ثلث لیل تک پڑھا تھا، اس میں نصف شب کے بعد آپ سوئے نہیں، کیونکہ وہ رات بھی عشرہ میں داخل تھیں۔ پھر نصف شب کے بعد غالب گمان یہ ہے کہ نوافل پڑھیں اور وہ تہجد تھے، کیونکہ آپ کی عادت رات کو نماز ہی پڑھنے کی تھی، بیٹھ کر ذکر کرنا یا قرآن پڑھنا معتاد نہیں، اس سے بھی اختلاف دونوں نمازوں کا مظنون ہوتا ہے۔

سوم: یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح ہمیشہ پڑھی، اس طور پر کہ اوّل شب میں جو کچھ پڑھتے تھے وہ تراویح تھی اور آخر شب میں تہجد۔ لہٰذا تراویح فعلاً بھی سنت مؤکدہ ہوئی اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض ہونے کے خوف سے ترک کیا تھا وہ جماعت بتداعی تھی نہ کہ نفس تراویح۔

الحاصل

ان سب وجوہ سے مغایرت تہجد و تراویح کی ظاہر ہے، مگر ہاں ایک نماز دوسرے کی قائم مقام ہو سکتی ہے کہ اگر تہجد کے وقت میں تراویح پڑھی جائے تو تہجد بھی ادا ہو جائیگی اور یہ امر سب نوافل میں ہے۔ مثلاً: اگر ضحیٰ کے وقت نمازِ کسوف پڑھی جائے تو وہ نماز ضحیٰ کے قائم مقام ہو جاتی ہے، اور اگر خسوف قمر کی نماز تہجد کے وقت میں پڑھی جائے تو تہجد بھی ادا ہو جاتا ہے، اگرچہ بحیثیتِ تراویح۔ تراویح، تہجد سے جدا نماز ہے اور نمازِ کسوف، نمازِ ضحیٰ سے اور نمازِ خسوف نمازِ تہجد سے، مگر ثواب ہر دو کا حاصل ہو جاتا ہے۔ علی ہذا وقتِ ضحیٰ ایک ہے اور اس کے فضائل میں احادیث وارد ہیں اور اول وقت اور آخر وقت دونوں میں رسول ﷺ سے نماز ثابت ہے اور ہر دو نماز علاحدہ ہیں، مگر ایک کے پڑھنے سے حدیث میں وارد دونوں نمازوں کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر رسول اللہ ﷺ نے تمام رات نمازِ تراویح پڑھی تو تہجد کا بھی اس میں تداخل ہو گیا، اور اگر ثلث شب تک پڑھی یا نصف شب تک بجماعت نماز پڑھی تو باقی شب میں منفرداً نماز ادا ہونا بظن غالب معلوم ہوتا ہے، مگر کسی راوی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (1)

اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه، وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه

تاریخ تحریر	تاریخ تبویب وتخریج
از	از
قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	ندیم احمد بن محمد یامین انصاری غفر لھما
۱۶ر شوال المکرم، ۱۳۱۵ھ	۱۶ر شوال المکرم، ۱۴۳۴ھ

(1) فتاوی رشیدیہ: ۲۷۶تا۲۷۶، تالیفات رشیدیہ: ۳۰۱تا۳۰۲

مصادر ومراجع

(۱) القرآن الکریم۔

(۲) صحیح البخاری للامام محمد بن اسماعیل البخاری علیہ الرحمہ۔

(۳) صحیح مسلم للامام مسلم بن الحجاج النیساپوری علیہ الرحمہ۔

(۴) سنن أبی داؤد للامام سلیمان بن الاشعث السجستانی علیہ الرحمہ۔

(۵) سنن الترمذی للامام محمد بن عیسیٰ الترمذی علیہ الرحمہ۔

(۶) سنن النسائی للامام شعیب النسائی علیہ الرحمہ۔

(۷) سنن ابن ماجه للامام محمد بن یزید القزوینی علیہ الرحمہ۔

(۸) شعب الایمان للامام أبی بکر أحمد بن الحسین البیهقی علیہ الرحمہ۔

(۹) جامع الاصول فی احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم للامام مجد الدین الجزری علیہ الرحمہ۔

(۱۰) المراسیل للامام ابن أبی داؤد۔

(۱۱) مشکاة المصابیح للامام تبریزی علیہ الرحمہ۔

(۱۲) جمع الفوائد۔

(۱۳) هدی الساری مقدمه فتح الباری لابن حجر علیہ الرحمہ۔

(۱۴) طحطاوی علی مراقی الفلاح للطحطاوی علیہ الرحمہ۔

(۱۵) تالیفاتِ رشیدیه للکنکوهی علیہ الرحمہ۔

(۱۶) فتاویٰ رشیدیه للکنکوهی علیہ الرحمہ۔

(۱۷) أحسن الفتاوی للدھیانوی رحمہ اللہ۔

(۱۸) ترتیب القاموس المحیط۔

(۱۹) المعجم الوسیط۔

(۲۰) القاموس الوحید للکیرانوی رحمہ اللہ۔

(۲۱) بیان اللسان۔

من قام رمضان ايماناً واحتساباً غفر له ماتقدم من ذنبه ﴿بخاری﴾

جو شخص صدق دل اور ثواب کی امید میں تراویح پڑھے اس کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

تراویح بیس رکعات سنت ہے

فضیلت تراویح، رکعات تراویح
ومسائل ضروری احادیث کی روشنی میں

تالیف

مولانا محمد شفیع قاسمی بھٹکلی شافعی

(ناظم ادارہ رضیۃ الابرار بھٹکل، وسابق مہتمم ونائب ناظم جامعہ اسلامیہ بھٹکل)

باہتمام

محمد احمد ابن مولانا محمد شفیع قاسمی

رضیۃ الابرار، سلمان آباد، بھٹکل (کرناٹک)

نام کتاب : تراویح بیس رکعات سنت ہے

مؤلف : حضرت مولانا محمد شفیع صاحب قاسمی مدظلہ العالی

کمپوزنگ : مولوی محمد وصی الحق قاسمی

طبع اول : ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۰۰۹ء

تعداد : ایک ہزار (۱۰۰۰)

قیمت :

باہتمام : محمد احمد ابن مولانا محمد شفیع قاسمی

ملنے کا پتہ:

رضیۃ الابرار، سلمان آباد، بھٹکل

Raziyatul Abrar,Salman Abad

Bhatkal-581320,Karnataka,India

9739961051, 9900794451

انتساب

بنام

مربی واستاذی حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

و

والد محترم حضرت ڈاکٹر علی صاحب ملپا دامت برکاتہم

﴿بانی جامعہ اسلامیہ بھٹکل وخلیفہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ وشاہ ابرارالحق صاحبؒ﴾

جن کی تعلیم وتربیت اور دعا سے مجھے علم دین حاصل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

ومادرِ علمی

جامعہ اسلامیہ بھٹکل، کرناٹک

و

اشرف المدارس ہردوئی، یوپی

و

جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد

اور

عالم اسلام کی مشہور درسگاہ دارالعلوم دیوبند

جن کے فیض علمی سے اللہ تعالیٰ نے ان سطور کو لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے ان اداروں کے فیض کو عام فرمائے اور حاسدین وبدخواہوں کے شر سے محفوظ فرمائے۔ آمین

کلمات تشجیع

استاذی حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند (وقف)

محترم گرامی مرتبت مولانا محمد شفیع صاحب قاسمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنمحترم کی وقیع، مفید اور جامع تصنیف ''تراویح سنت کے مطابق پڑھیے'' (تراویح بیس رکعات سنت ہے) کے ہدیہ وقیعہ نے ممنون فرمایا اور رمضان شریف میں اس سے استفادہ کا اللہ نے کچھ موقع عطا فرمایا۔ موضوع کتاب کے وسیع الذیل عنوانات پر آنمحترم نے جس وسعت مطالعہ اور عمومی طور پر نظروں سے اوجھل ہوجانے والے پہلوؤں کو جس بالغ نظری سے اس کتاب میں جمع فرمایا ہے، اس نے جہاں کتاب کی افادیت کو غیر معمولی کردیا ہے، وہیں اہل علم وعوام کی آپ کے حق میں دعائے خیر کے ساتھ شکر گزاری کے دائرہ کو بھی عظیم سے عظیم تر بنادیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو قبول فرمائے اور آپ کے فیضان علمی اور دینی کو عموم وشمول ارزانی فرمائے۔

محمد سالم

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

۱۰ر رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ ہجری مطابق ۳۱ر اگست ۲۰۰۹ء عیسوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدالمرسلین وعلی آلہ وأصحابہ الجمعین

سال کے بارہ مہینوں میں رمضان المبارک کا مہینہ مسلمانوں کے لئے بہت ہی بابرکت وعبادت کا مہینہ ہے۔روزہ اورتراویح اس کی خاص عبادت ہیں۔روزہ تقویٰ پیدا کرنے کا ذریعہ ہےاورتراویح گناہوں کے معاف ہونے کا ذریعہ ہے۔لیکن افسوس کہ اکثر مسلمان ان دونوں عبادتوں کوسنن وآداب اورشرائط کالحاظ کئے بغیرادا کرتے ہیں۔روزہ کو فرض سمجھ کردن بھرروزہ تورکھ لیتے ہیں لیکن تراویح کوسنت سمجھ کر بہت ہی غفلت کا معاملہ کرتے ہیں۔ بعض لوگ آٹھ (۸) رکعات اوربیس (۲۰) رکعات کی بحث کرتے ہوئے خودبھی نہیں پڑھتے اوردوسروں کوبھی زبانی اورتحریری طورپرمنع کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ کامعمول رات بھرتراویح پڑھنے کا تھااورجولوگ بیس (۲۰) رکعات پڑھتے ہیں وہ بھی قرآن پاک اورنماز کےسنن وآداب کی رعایت کے بغیرہی تراویح پڑھنےکوغنیمت سمجھتے ہیں۔بعض حفاظ کرام کواس کی طرف توجہ دلائی گئی توجواب ملا کہ تراویح سنت نماز ہےاوراس میں سنن وآداب کی رعایت ضروری نہیں ہے۔بعض اہل علم کوبھی اس طرف توجہ دلائی گئی تو ان کی طرف سے بھی خاموشی رہی۔کئی سالوں سے مساجدمیں تراویح کاحال دیکھ کریہ احساس ہوتارہا کہ تراویح اب محض ایک رسم بن کررہ گئی ہے۔ نیزبیس (۲۰) رکعات تراویح کے انکارکرنے والوں کی کچھ کتابیں پڑھنے کا موقع ملا،جس میں دوتین حدیثوں کوسامنے رکھ کر

بیس(۲۰) رکعات تراویح کوخلاف سنت لکھا گیاہے۔باقی دوسری حدیثیں جس میں صحابہ،تابعین وغیرھم کا مسلسل عمل مذکور ہے اس کونظر انداز کرتے ہوئے عام لوگوں کوغلط فہمی میں مبتلاء کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اسلئے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ فضیلت تراویح ،رکعات تراویح اور طریقہ تراویح کے متعلق ایک کتاب لکھی جائے اوراس کواحادیث سے آراستہ کیا جائے۔ اللہ کے بھروسہ پر لکھنا شروع کیا الحمدللہ اب یہ کتاب بنام ''تراویح سنت کے مطابق پڑھئے'' (تراویح بیس رکعات سنت ہے) پایۂ تکمیل تک پہنچی ،جس میں بیس (۲۰) رکعات کوعمل رسول،عمل صحابہ،عمل تابعین اور علماء امت کے عمل واقوال سے ثابت کیا گیا ہے۔

اس موقع پر عزیزی فرزند محمد احمد سلمہ کاشکر گزار ہوں کہ ان کے تعاون سے یہ کام انجام پایا۔اللہ تعالیٰ ان کواس سلسلہ کا بہت اچھا سلیقہ عطا فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ نظر بد سے محفوظ فرمائے اوردین دنیا کی ترقیات سے نوازے۔اس کے ساتھ عزیزی فرزند مولوی محمد وصی الحق قاسمی سلمہ کا بھی شکرگزار ہوں کہ کمپوزنگ کی ذمہ داری انہوں نے انجام دی۔اسکے علاوہ جن حضرات نے جس طرح کا بھی تعاون کیا ہے ان سب کا شکر گزار ہوں خصوصی طور پر جنہوں نے کتب کی فراہمی میں تعاون فرمایا۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کے اس کوشش کوقبول فرمائے اور لکھنے والے اور پڑھنے والوں کے لئے نفع کا ذریعہ بنائے۔آخیر میں اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ کتاب کے سلسلہ میں کوئی قابل مشورہ بات ہوتو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اصلاح کی جاسکے۔

رَبَّنَالَاتُؤَاخِذْنَآاِنْ نَّسِيْنَآاَوْاَخْطَانَاج رَبَّنَاوَلَاتَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْراً كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَاج رَبَّنَاوَلَاتُحَمِّلْنَامَالَاطَاقَةَ لَنَابِهٖ ج وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَااَنْتَ مَوْلَانَافَانْصُرْنَاعَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ

اے اللہ! ہماری پکڑ نہ فرما، ہماری بھولی ہوئی اوران جانے کے طور پر کئے ہوئے کاموں پر۔
اے اللہ! ہم پر ہماری طاقت سے زیادہ بوجھ مت ڈال جیسا کہ پہلے لوگوں پر ڈالا گیا تھا۔
اے اللہ! ہماری طاقت سے زیادہ کا مطالبہ بھی مت کر۔اور ہم سے درگذر اور مغفرت کا معاملہ کر اور رحم کا معاملہ فرما۔تو ہی ہمارا مالک ہے، دشمنوں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔

محمد شفیع علی قاسمی بھٹکلی

رضیة الأبرار،سلمان آباد،بھٹکل

۱۷/ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۱/ جون ۲۰۰۹ء

بروز جمعرات بوقت اذان عصر

سند حدیث

تراویح کے متعلق اس کے تمام مضامین کو احادیث سے مزین کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور حدیث کا دارومدار سند پر ہے۔اسلئے راقم کی سند حدیث کو لکھنا مناسب سمجھا گیا ۔

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ :مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ .﴿متفق عليه﴾

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

صحیح بخاری جلد اول



الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدالمرسلين وعلى آله وأصحابه اجمعين أمابعدفيقول العبدالضعيف محمدشفيع القاسمى بن على بن شهاب الدين بن محى الدين البهتكلى أجازنى الأستاذالشيخ المقرئ محمدطيب القاسمى رئيس الجامعةدارالعلوم ديوبندسابقاً،عن الشيخ المحدث محمدأنورشاه الكشميرى القاسمى، عن الشيخ المحدث محمودحسن الديوبندى القاسمى، عن الشيخ المحدث محمدقاسم النانوتوى مؤسس الجامعةالاسلامية بديوبندوعنه الشيخ المحدث رشيدأحمدالغنغوهى كلاهما،عن الشيخ المحدث عبدالغنى المجددى الدهلوى،عن الشيخ المحدث محمدإسحاق الدهلوى.

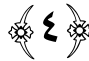


واجانی الأستاذالمقرئ محمدطیب القاسمی،عن الشیخ المحدث خلیل أحمدسھارنفوری،عن الشیخ المحدث عبدالقیوم بدھانوی،عن الشیخ المحدث محمدإسحاق الدھلوی.

صحیح بخاری جلد دوم



اجازنی الأستاذالمفتی محمودحسن الغنغوھی القاسمی،عن الشیخ المحدث حسین أحمدالقاسمی المدنی،عن الشیخ المحدث محمود حسن الدیوبندی القاسمی،عن الشیخ المحدث محمدقاسم النانوتوی وعنه الشیخ المحدث رشیدأحمدالغنغوھی کلاھما،عن الشیخ المحدث عبدالغنی المجددی الدھلوی،عن الشیخ المحدث محمداسحاق الدھلوی.



واجازنی الأستاذالمفتی محمودحسن الغنغوھی القاسمی،عن الشیخ المحدث محمدزکریاالکاندھلوی،عن الشیخ المحدث خلیل أحمد سھارنفوری،عن الشیخ المحدث عبدالقیوم بدھانوی،عن الشیخ المحدث محمداسحاق الدھلوی،عن الشیخ المحدث عبدالعزیزالدھلوی،عن والده الشیخ المحدث قطب الدین أحمدولی اللهالدھلوی،عن الشیخ المحدث أبو طاھرمحمدبن إبراھیم الکردی المدنی،عن والده الشیخ المحدث إبراھیم الکردی المدنی،عن الشیخ المحدث أحمدالقشاشی

المدنی،عن الشیخ المحدث أحمدبن عبدالقدوس أبوالمواهب الشناوی، عن الشیخ المحدث شمس الدین محمدبن أحمدبن محمدالرملی،عن الشیخ المحدث زین الدین زکریاابن محمدأبی یحییٰ الأنصاری،عن الشیخ المحدث أبی الفضل شهاب الدین أحمدبن علی ابن حجرالعسقلانی، عن الشیخ المحدث أبو إسحاق إبراهیم بن أحمدالتنوخی،عن الشیخ المحدث أبی العباس أحمد ابن أبی طالب الحجار،عن الشیخ المحدث السراج الحسین ابن المبارك الزبیدی،عن الشیخ المحدث أبی الوقت عبدالأول بن عیسی ابن شعیب السجزی الهروی،عن الشیخ المحدث أبی الحسن عبدالرحمٰن بن مظفرالداؤدی،عن الشیخ المحدث أبی حمد عبداللّٰهابن أحمدالسرخسی،عن الشیخ المحدث أبی عبداللّٰه محمدبن یوسف بن مطربن صالح بن بشرالفربری،عن امیرالمؤمنین فی الحدیث الشیخ أبی عبداللّٰهمحمدبن إسماعیل البخاری رحمهم اللّٰهتعالیٰ عن مشائخه عن الصحابةرضوان اللّٰهعلیهم اجمعین عن ا لنبی محمدبن عبداللّٰهصلی اللّٰهعلیه وسلم.

فضیلت تراویح

رمضان المبارک کا مہینہ مسلمانوں کے لئے بڑا مقدس ومبارک مہینہ ہے۔اس مہینے میں اللہ تعالی مومنین کے لئے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔روزہ،تلاوت اور تراویح اس مہینے کی خاص عبادت ہے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

﴿حدیث﴾ عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَاناً وَاحتِسَاباً غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. ﴿صحیح بخاری ،باب فضل من قام رمضان،وصحیح مسلم،باب التر غیب فی قیام رمضان وهوالتراویح ﴾

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص صدق دل اور ثواب کی امید میں تراویح پڑھے اس کے گذشتہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

﴿حدیث﴾ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ اللّٰـهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فَرَضَ صِيَامَ رَمَضَانَ عَلَيْكُمْ،وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهُ، فَمَنْ صَامَهُ وَقَامَهُ إِيمَاناًواحتِسَاباًخَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ.

﴿سنن نسائی،حدیث ۲۲۱۰،مسند الطیالسی، حدیث۲۲۱،الصیام للفریابی،حدیث ۱۴۵، مسند أحمد، حدیث ۱۶۶۰،مسند أبی یعلی، حدیث۸۶۵، قال المحدث المناوی: إسناده حسن، فیض القدیر۲/۲۷۰، قال المحدث أحمد شاکر: إسناده صحیح، حاشیة مسند أحمد ۳۰۶/۲، قال المحدث ظفر أحمد العثمانی: أخرجه النسائی بسندحسن وسکت عنه،"إعلاء السنن"۵۷/۸ ﴾

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا: اللہ تبارک وتعالی نے تم پر رمضان المبارک کے روزے کو فرض کیا ہے اور میں نے رمضان المبارک کے قیام (تراویح) کو سنت قرار دیا ہے،جو شخص صدق دل اور ثواب کی امید میں رمضان کے

روزے رکھے اور رات کا قیام یعنی تراویح پڑھے تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ وہ ابھی پیدا ہوا۔

﴿حدیث﴾ عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهُ فَرِيْضَةً، وَّقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا الحديث. ﴿صحيح ابن خزيمة، حديث١٨٨٧، شعب الإيمان للبيهقي ٣٣٣٦، الدعوات الكبير للبيهقي، حديث ٥٣٢، فضائل رمضان لابن شاهين، حديث ١٦، فضائل رمضان لابن أبي الدنيا، حديث ٤١، الترغيب والترهيب للمنذري، حديث ١٤٨٣﴾

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کو فرض کیا اور تراویح کو سنت قرار دیا۔

اس حدیث سے تراویح کی مشروعیت معلوم ہوتی ہے۔ اسلئے بعض منکرین تراویح نے اس حدیث کو منکر لکھا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس کے ایک راوی علی بن زید بن جدعان پر بعض محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن بہت سے محدثین نے ان کی روایات کو صحیح اور حسن کہا ہے۔

احادیث بالا میں قَامَ رَمَضَانَ سے مراد تراویح ہے۔

شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں۔

١﴾ **وذكر النووي أن المراد بقيام رمضان صلاة التراويح.**

﴿فتح الباري، باب فضل من قام رمضان﴾

ترجمہ: (مشہور محقق ومحدث) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے۔

٢﴾ **قال الكرماني: اتفقوا على أن المراد بقيام رمضان صلاة التراويح.**

﴿فتح الباري، باب فضل من قام رمضان﴾

ترجمہ: (مشہور محدث) علامہ (شمس الدین) کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اتفاق ہے کہ قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے۔

مشروعیت تراویح

روزہ اور تراویح مدینہ منورہ میں مشروع ہوئے ،اس سے قبل رسول اللہ ﷺ پابندی سے تہجد اور وتر پڑھا کرتے تھے۔مگر رمضان المبارک میں قیام اور وقت میں اضافہ ہوجاتا تھا لمبی لمبی رکعاتیں سحری تک پڑھنے کا معمول ہوجاتا،طول قیام (لمبی رکعت) کی وجہ سے اس کو قیام رمضان اور ہر چار (۴) رکعت کے بعد آرام کرنے کی وجہ سے تراویح کہا جانے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو سنت قرار دیا۔تراویح آپ ﷺ نے جماعت کے ساتھ پڑھائی ،تہجد عام جماعت کے ساتھ نہیں پڑھائی ۔تراویح پوری رات پڑھی گئی ،تہجد پوری رات نہیں پڑھی گئی ۔تراویح مدینہ منورہ میں مشروع ہوئی اور تہجد مکہ مکرمہ میں مشروع ہوئی ۔اس لئے علماء نے تراویح کو مستقل سنت قرار دیا ، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں **سورۃ مزمل** سے تہجد کی مشروعیت اور حدیث **فَأَوْتِرُوا يَا أَهْلَ الْقُرْآن** ﴿ترمذی﴾ سے وتر کی مشروعیت اور حدیث **مَنْ قَامَ رَمَضَانَ** ﴿بخاری﴾ اور حدیث **وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهُ** ﴿نسائی﴾ سے تراویح کی مشروعیت معلوم ہوتی ہے۔

تہجد و وتر غیر رمضان میں

ابتدائے نبوت سے ہی نماز تہجد رسول اللہ ﷺ پر فرض کردی گئی تھی ،رات میں کھڑے ہوکر قرآن پڑھنا لازم تھا۔جیسا کے **سورۃ مزمل** کی آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔طول قیام کی وجہ سے پیروں پر ورم آجاتا تھا۔ یہ عمل بہت دشوار تھا اس لئے ایک سال کے بعد اسمیں تخفیف کردی گئی اور رات کے کسی حصے میں نماز پڑھنے کا اختیار دیا گیا،معراج کی رات جب نماز فرض ہوئی اور جبرئیل آمین نے آپ کو نماز کا طریقہ ورکعتیں سکھلایا تو آپ ﷺ نے تہجد و وتر کو رکعتوں کی ترتیب سے پڑھنا شروع کیا۔

احادیث تہجد و وتر

﴿حدیث﴾ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہَا قَالَتْ : کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ یُصَلِّی بِاللَّیْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَکْعَةً، ثُمَّ یُصَلِّی إذَاسَمِعَ النِّدَاءَ بِالصُّبْح رَکْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ. ﴿صحیح بخاری، حدیث ۱۱۶۴، کتاب التهجد، وسنن أبی داود، باب فی صلاة اللیل، وموطأ امام مالك، کتاب صلاة الیل﴾

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات میں تیرہ (۱۳) رکعات پڑھتے تھے، پھر آذان کے بعد دو رکعات مختصراً سنت فجر ادا فرماتے۔

﴿حدیث﴾ عن کُرَیْبٍ أنّ ابن عباس رضی اللہ عنهما أخْبَرَهُ أنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَیْمُونَةَ۔ وَهِیَ خَالَتُهُ۔ فَاضْطَجَعْتُ فِی عَرْضِ وِسَادَةٍ، وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ وَأهلُهُ فِی طُولِهَا، فَنَامَ حَتیّٰ انتَصَفَ اللَّیلُ أوقَرِیباً مِنهُ، فَاسْتَیْقَظ یَمسَحُ النَّومَ عن وَجهِهِ ثُمَّ قَرَأعَشرَآیَاتٍ مِن آلِ عِمرَانَ، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ إلٰی شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأ فَأحْسَنَ الْوُضوءَ، ثُمَّ قَامَ یُصَلِّی، فَصَنَعتُ مِثلَهُ، فَقُمتُ إلی جَنبِهِ، فَوَضَعَ یَدَهُ الیُمنیٰ علَیٰ رَأسِی وأخَذَبِأذُنِی یَفتِلُهَا، ثُمَّ صَلَّی رکْعَتَیْنِ، ثُمَّ رکعتینِ، ثُمَّ رکعتینِ، ثُمَّ رکعتینِ، ثُمَّ رکعتینِ، ثُمَّ رکعتینِ، ثُمَّ أوتَرَ، ثُمَّ اضطَجَعَ حَتَّی جَاءَہُ المُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلَّیٰ رَکْعَتَیْن (خفیفتین)، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّی الصُّبْحَ. ﴿صحیح بخاری، باب ماجاء فی الوتر، وسنن أبی داود، باب فی صلاة اللیل، وسنن نسائی، حدیث ۱۶۲۰﴾

ترجمہ: حضرت کریبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ میں ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے یہاں سویا تھا، میں تکیہ کے چوڑائی

والے حصہ پر سر رکھ کر سویا اور رسول اللہ ﷺ اور انکی اہلیہ تکیہ کے لمبائی والے حصہ پر سو گئے ۔ جب رات ادھی یا اسکے قریب ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ اٹھے اور اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر نیند کو دور کیا، پھر سورۃ آل عمران کی آخیری دس آیتیں پڑھیں، اسکے بعد رسول اللہ ﷺ اُٹھ کر لٹکے ہوئے مشکیزہ سے پانی لیا اور اچھی طرح وضو فرمایا، پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ میں بھی وضو کر کے آپ ﷺ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا تو آپ ﷺ اپنے داہنے ہاتھ سے مجھے دائیں طرف لے آئے، پھر آپ ﷺ دو دو رکعت چھ مرتبہ پڑھکر وتر پڑھی۔ پھر آپ ﷺ لیٹ گئے اور جب موذن بلانے آئے تو آپ ﷺ دو رکعت سنت فجر ادا فرما کر فجر کی نماز پڑھائی۔

﴿حدیث﴾ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ :كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً،يُوتِرُ مِنْ ذَلِكَ بِخَمْسٍ،لَا يَجْلِسُ فِي شَيْءٍ إِلَّا فِي اٰخِرِهَا. ﴿صحيح مسلم،باب صلاة الليل﴾

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ (۱۳) رکعات نماز پڑھتے، جسمیں پانچ (۵) رکعتیں وتر کی ایک تشہد کے ساتھ پڑھتے تھے۔

﴿حدیث﴾ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبدِالرَّحْمٰنِ بن عوف أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رضي اللّٰه عنها:كَيفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ: مَاكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ،وَلَا فِي غَيرِهِ،عَلَى إِحدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً. يُصَلِّي أَرْبَعاً،فَلَا تَسْأَلْ عَن حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ،ثم يُصَلِّي أَرْبَعاً،فَلَا تَسْأَلْ عَن حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثاً. فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ:يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِر؟ فَقَالَ:يَاعَائِشَةُ،إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ،وَلَا يَنَامُ قَلْبِي. ﴿موطأ امام مالك،باب صلاة النبي ﷺ في الوتر،وصحيح بخاري،باب قيام النبي ﷺ با الليل في رمضان وغيره،وصحيح مسلم،باب صلاة الليل﴾

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ (۱۱) رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعات پڑھتے، مت پوچھو کہ وہ کتنی طویل اور کتنی عمدہ ہوتیں، پھر چار رکعات پڑھتے، مت پوچھو کہ وہ کتنی طویل اور کتنی عمدہ ہوتیں، پھر تین رکعات ادا فرماتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب میں عرض کرتی یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو گئے تھے؟ آپ ﷺ ارشاد فرماتے: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا۔

غیر مقلدین (سلفی حضرات) اس حدیث کا بار بار حوالہ دیتے ہیں، مگر اس حدیث کی ترتیب پر امت کے کسی طبقہ کا عمل نہیں ہے۔

﴿حدیث﴾ عن القَاسِم بن محمدقَالَ سَمِعتُ عائشةَتَقُولُ:كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ اللَّيلِ عَشرَرَكعاتٍ وَيُوترِبسَجْدَةٍوَيَركَعُ رَكْعَتَى الْفَجْرِفَتِلْكَ ثَلَاثَ عَشَرَةَرَكْعَةً. ﴿صحيح مسلم، باب صلاةالليل وعدد ركعات النبي ﷺ فى الليل﴾

ترجمہ: حضرت قاسم بن محمدؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ رات میں دس رکعات اور ایک رکعت پڑھتے، پھر دو رکعت سنت فجر ادا فرماتے۔ جملہ تیرہ (۱۳) رکعاتیں ہوتی تھی۔

﴿حدیث﴾ عن عبدِ اللّٰهِ بْنِ أبِى قَيسٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائشةرضى اللّٰه عنها:بِكَمْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُو تِرُ؟قَا لَتْ :كَانَ يُوتِرُ بِأرْبَعٍ وَثَلَاثٍ، وَ سِتٍّ وَ ثَلَاثٍ،وَثَمَانٍ وَثَلَاثٍ،وَعَشْرٍوَثَلَاثٍ،وَلَمْ يَكُنْ يُوتِرُبِأنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَلَا بِأكْثَرَمِنْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ . ﴿سنن أبى داؤد، باب فى صلاة الليل، مسند أحمد، حديث ٢٥٠٣٧، قال المحدث النووى رواه أبو داود بإسناد صحيح، خلاصة الأحكام

١/٥٥٤، قال المحدث ابن الملقن: هذا الحديث رواه أبو داود بإسناد صحيح، البدر المنير٤/٣٠٢، وقال المحدث العراقى أخرجه أبوداود بإسناد صحيح، تخريج أحاديث الإحياء ١/٢٣١، قال المحدث أحمد شاكر إسناده صحيح، حاشية مسند أحمد ١٧/٥٢٩﴾

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن ابوقیسؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ وتر کتنی رکعت پڑھتے تھے۔تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ کبھی چار اور تین، کبھی چھ اور تین، کبھی آٹھ اور تین، کبھی دس اور تین پڑھتے تھے اور سات سے کم اور تیرہ سے زیادہ نہیں پڑھتے۔

﴿حديث﴾ عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ قال ....فَقُلْتُ :(يَاأُمَّ المُؤمِنِين عائشة رضى الله عنها) أَنْبِئِينِى عن قِيَامِ رسول الله ﷺ. فَقَالَتْ: أَلَسْتَ تَقْرأُيَاأَيُّهَاالمُزَّمِّلُ فَقُلْتُ:بَلىٰ. قَالَتْ:فَإِنَّ اللّٰه عَزَّوَجَلَّ افْتَرَضَ قِيَامَ اللَّيْلِ فِى أَوَّلِ هٰذِهِ السُّورَةِ فَقَامَ نَبِىُّ اللّٰهِ ﷺ وَأَصْحَابُهُ حولًا وَأمسَكَ اللّٰهُ خَاتِمَتَها اثنَى عَشَرَ شَهْرافِى السَّمَآءِ حَتَّىٰ أَنْزَلَ اللّٰهُ فِى آخِرهٰذِهِ السُّورَةِالتَّخفِيف فَصَارَ قِيَامُ اللَّيْلِ تَطَوُّعاًبَعْدَ فَرِيضَةً. قَالَ:قُلْتُ،يَاأُمَّ المُؤمِنِينَ أَنبِئِينِى عَن وَتْرِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ:كُنَّانُعِدُّ لِرَسُول اللّٰه ﷺ سِوَاكَهُ وَطَهُورَهُ فَيَبعَثُهُ اللّٰهُ مَا شَآءَ أَنْ يَبْعَثَهُ مِنَ اللَّيْلِ فَيَتَسَوَّكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّى تِسْعَ رَكَعَاتٍ لَا يَجلِسُ فِيهَا إِلَّا فِى الثَّامِنَةِ فَيَذْكُرُاللّٰه وَيَحْمَدُهُ وَيَدْعُوهُ ثُمَّ يَنْهَضُ وَلَا يُسَلِّمُ ثُمَّ يَقُوم فَيُصَلِّى التَّاسِعَةَ ثُمَّ يَقْعُدُ فَيَذكُرُاللّٰه وَيَحْمَدُهُ وَيَدْعُوهُ ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسلِيماًيُسمِعُنَا،ثُمَّ يُصَلِّى رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ مَايُسَلِّمُ وَهُوَقَاعِدٌ فَتِلكَ إِحْدَى عَشرَةَ رَكْعَةً يَابُنَىَّ فَلَمَّاأَسَنَّ نَبِىُّ اللّٰهِ ﷺ وَأَخَذَهُ اللَّحْمَ أوتَرَبِسَبْعٍ وَّصَنَعَ فِى الرَّكْعَتَيْنِ مِثْلَ صَنِيْعِهِ الاوَّلِ

فَتِلكَ تِسْع يَـا بُنَىَّ وَكَانَ نَبِىُّ اللهِ ﷺ إذَاصَلَّـى صَلَاةً أحَبَّ أنْ يُدَاوِمَ عَـلَيهَـا وَكَـانَ إِذَا غَلَبَهُ نَومٌ أووَجَعٌ عن قِيَامِ اللَّيْلِ صَلَّى مِنَ النَّهَارِ اثْنَتَى عَشْـرَةَ رَكْعَةً وَلَا أعْلَمُ نبى الله ﷺ قَـرَأَالقُرآنَ كُلَّهُ فِى لَيْلَةٍ وَلَا صَلَّى لَيْلَةً إلَى الصُّبح وَلَا صَامَ شَهْراًكَامِلاً غَيْرَرَمَضَانَ. ﴿صحيح مسلم ،باب صلاة الليل، وسنن نسائی،باب قيام الليل،وسنن بيهقى،باب قيام الليل﴾

ترجمہ: حضرت سعد بن ہشامؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوکر دریافت کیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی تہجد کے بارے میں بتائیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیاتم نے **یـا ایُّھـاالمزمل** نہیں پڑھا ہے؟ میں نے کہا پڑھا ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس سورت کی ابتدائی آیات کے ذریعہ اللہ تعالی نے تہجد فرض کیا تھا،تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک سال تک تہجد پڑھتے رہے، اس کے بعد اس سورت کی آخیری آیات کے ذریعہ آسانی کردی گئی،تو تہجد نفل ہوگئی۔میں نے کہا اے ام المومنین رسول اللہ ﷺ کی وتر کے بارے میں بتائیے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ہم آپ ﷺ کے لئے مسواک اور وضو کا پانی تیار کر کے رکھتے تھے۔جب رات میں اللہ آپ کو بیدار کرتا تو آپ پہلے مسواک کرتے اور وضوفرماتے،اس کے بعد نو (۹) رکعتیں اس طرح پڑھتے کہ صرف اٹھویں رکعت میں بیٹھتے، پھر تشہد پڑھکر بغیر سلام پھیرے کھڑے ہوتے، پھر نویں رکعت پوری کر کے تشہد کے لئے بیٹھتے، پھر تشہد پڑھکر بلند آواز سے سلام پھیرتے، پھر دو رکعت بیٹھ کر نماز ادا فرماتے۔جملہ گیارہ رکعتیں ہوئی۔جب آپ ﷺ عمر رسیدہ ہوئے اور بدن بھاری ہوا تو سات (۷) رکعتیں مذکورہ طریقے کے مطابق پڑھنے لگے۔جملہ نو رکعتیں ہوئی۔جب آپ ﷺ کوئی نماز پڑھتے تو اس کی پابندی فرماتے اور جب کبھی نیند یا بیماری کی وجہ سے رات کا معمول چھوٹتا تو دن میں بارہ (۱۲) رکعتیں

پڑھتے اور آپ کا رمضان کے علاوہ ایک رات میں پورا قرآن ختم کرنا اور پوری رات نماز پڑھنا اور پورے مہینے کا روزہ رکھنا میرے علم میں نہیں ہے۔

﴿حدیث﴾ عَنْ أَبِی أَیُّوبَ الأَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْوِتْرُ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَبِخَمْسٍ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِثَلَاثٍ فَلْيَفعَل وَمَن أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ وَاحِدَةٍ فَلْيَفعَل.

﴿سنن أبی داود ،باب کم الوتر،سنن النسائی، حدیث ۱۷۱۱،۱۷۱۲،المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث ۳۹۶۲، ومستدرک حاکم وقال الإمام الحاکم هذا حدیث صحیح الإسناد علی شرط الشیخین وأقره الذهبی،۳۰۲/۱،وقال الإمام النووی :حدیث صحیح، "المجموع" ۲۲/٤، قال المحدث ابن الملقن: هذا الحدیث صحیح، البدر المنیر ۲۹٤/٤﴾

ترجمہ:۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وتر کی نماز ہر مسلمان پر لازم ہے جو پانچ رکعت پڑھنا چاہے تو پانچ پڑھ لے اور جو تین رکعت پڑھنا چاہے تو تین پڑھ لے اور جو ایک رکعت پڑھنا چاہے تو ایک پڑھ لے۔

﴿حدیث﴾ عَنْ أَبِی هُرَيرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَاتُوتِرُوا بِثَلَاثٍ تَشَبَّهُوابِصَلَاةِالْمَغْرِب،وَلٰكِن أَوْتِرُوابِخَمْسٍ أوبِسَبْعٍ أوتِسْعٍ أو بِإِحدَى عَشْرَة رَكعَةٍ أوأَكثَرَ مِن ذَٰلِكَ . ﴿مستدرک حاکم ،کتاب الوتر، الاوسط لابن المنذر، حدیث ۲٦۰۱، السنن الکبری للبیهقی، حدیث ٥۰۱۱، صلاة الوتر لمحمد بن نصر المروزی،حدیث ٥٤،جزء من حدیث أبی العباس الأصم، حدیث ۳٤﴾

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وتر صرف تین رکعت کے ساتھ مت پڑھو مغرب کی مشابہت کی وجہ سے لیکن پانچ ،سات ،نو، گیارہ یا اس سے زیادہ رکعتوں کے ساتھ پڑھا کرو۔

تعجب کہ شیخ ناصر الدین البانی نے صلاۃ التراویح میں اس حدیث کو منکر لکھا ہے، جب کہ علامہ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں و دیگر علماء نے إسنادہ صحیح لکھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کا انفرادی اور چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے ساتھ تراویح پڑھنا

رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ کا معمول باقی دنوں کے مقابلے میں مختلف ہوتا تھا۔ تلاوت، صدقات، اعتکاف اور دعاوں کا اہتمام فرماتے، رات بھر نمازیں پڑھا کرتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ نمازوں میں مشغول رہتے۔ بعض صحابہ تنہا نماز پڑھتے اور بعض صحابہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں نماز پڑھا کرتے۔ کبھی کبھی آپ ﷺ کے پیچھے بھی نماز پڑھنے لگتے، جب آپ ﷺ کو معلوم ہوتا تو آپ منع فرماتے اور قیام رمضان (تراویح) کے فرض ہونے کا خدشہ ظاہر فرماتے۔

قیام رمضان سے مراد دیر رات تک نماز پڑھنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ قیام رمضان کے متعلق ارشاد فرمایا کہ جو شخص رمضان میں قیام یعنی دیر رات تک نماز پڑھے گا اللہ تعالی اس کے گناہوں کو اس طرح معاف کر دے گا جس طرح ماں کے پیٹ سے ابھی پیدا ہوا۔ رمضان المبارک میں اعمال کے ثواب میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ ایک فرض کا ثواب ستر (۷۰) فرائض کے برابر اور ایک سنت کا ثواب فرض کے برابر کر دیا جاتا ہے۔ بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھنے سے بیس (۲۰) رکعات فرض نماز پڑھنے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ جو لوگ سستی کی وجہ سے جلدی جلدی تراویح پڑھکر دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں وہ اس فضیلت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

احادیث قیام رمضان (تراویح)

﴿حدیث﴾ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا قَالَتْ:كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ شَدَّمِئزَرَهُ،ثُمَّ لَمْ يَاتِ فِرَاشَهُ حَتَّى يَنْسَلِخَ.

﴿صحيح ابن خزيمة، ابواب قيام شهر رمضان ،شعب الإيمان للبيهقى، حديث ٣٣٥٢، قال المناوى: إسناده حسن، التيسير بشرح الجامع الصغير٢/٤٨٦، قال العثمانى: إسناده حسن، "إعلاء السنن"، باب التراويح﴾

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی شریک حیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو رسول اللہ ﷺ کمر کس لیتے تھے اور رمضان ختم ہونے تک بستر کے قریب نہیں آتے تھے۔

﴿حدیث﴾ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ:كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِى رَمَضَانَ مَالَا يَجْتَهِدُ فِى غَيْرِهِ،وَفِى الْعَشْرِ الأَوَاخِرِ مِنْهُ،مَالَا يَجْتَهِدُ فِى غَيْرِهِ. ﴿احاديث عفان بن مسلم، حديث ٢٧٤، رياض الصالحين،حديث:١١٩٢، وإعلاء السنن،باب التراويح﴾

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں اتنا مجاہدہ کرتے تھے جتنا غیر رمضان میں نہیں کرتے تھے اور آخیری عشرہ میں اتنا مجاہدہ کرتے تھے جتنا دوسرے عشرے میں نہیں کرتے تھے۔

﴿حدیث﴾ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ:كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ تَغَيَّرَلَوْنُهُ،وَكَثُرَتْ صَلَاتُهُ،وَابْتَهَلَ فِى الدُّعَاءِ،وَأَشْفَقَ لَوْنُهُ. ﴿شعب الإيمان للبيهقى، حديث٣٣٥٣، الترغيب والترهيب للأصبهانى،حديث ١٧٧٦، الجامع الصغير

للسيوطی، حديث ٩٨٧٧، كنز العمال، حديث ١٨٠٦٢، إعلاء السنن، باب التراويح، رواه البيهقی بإسناد حسن عن أبی هريرة رضي الله عنه ﴾

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک شروع ہوتا تو عظمت رمضان سے رسول اللہ ﷺ کے چہرے مبارک کا رنگ بدل جاتا اور نمازوں میں اضافہ ہوجاتا اور خوب گڑگڑا کر دعائیں مانگا کرتے اور مجاہدے سے جسم مبارک کا رنگ پیلا پڑ جاتا۔

اس حدیث کو غیر مقلد عالم شیخ ناصر الدین البانیؒ نے سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة میں منکر لکھا ہے، جبکہ امام بیہقیؒ نے دوسری سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو نقل کیا ہے، جسکی سند حسن ہے، لہذا اس حدیث کو منکر کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

﴿حديث﴾ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا:أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ إتَّخَذَ حُجْرَةً (فِى الْمَسجِدِ)قال حَسِبْتُ أنَّه قَالَ: مِن حَصِيْرٍ. فِى رَمَضَانَ فَصَلَّى فِيها لَيَالِىَ، فَصَلَّى بِصَلَاتِهِ نَاسٌ مِنْ أصْحَابِهِ.فَلَمَّا عَلِمَ بِهِمْ جَعَلَ يَقْعُدُ، فَخَرَجَ إليهم فَقَالَ: قَدَ عَرَفْتُ الَّذِى رَأيتُ مِنْ صَنِيْعِكُم، فَصَلُّوا أيُّهاالنَّاسُ فِى بُيوتِكُم، فإنَّ أفْضَلَ الصَّلاةِ صَلاةُ المرءِ فِى بَيْتِهِ إلَّا الْمَكْتُوبَةَ.

﴿صحيح بخاری، باب صلاة الليل، حديث ٧٣١، وصحيح مسلم ١/٢٦٦﴾

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں چٹائی سے آڑ فرما کر مسجد میں ایک کمرے کی طرح بنایا اور اس میں چند راتیں نماز پڑھی، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے لگتے، جب آپ ﷺ کو معلوم ہوتا تو آپ بیٹھ جاتے، بالآخیر ایک مرتبہ لوگوں کے پاس آکر ارشاد فرمایا: تمہارا اس طرح کرنا مجھے معلوم ہوا، اے لوگوں! اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھو اسلئے کہ مشروع کردہ نمازوں کے علاوہ باقی نماز گھر میں افضل ہے۔

﴿حديث﴾ عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَاقَالَتْ:كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّى

مِنَ اللَّيْلِ فِی حُجْرَتِهِ وَجِدَارُالحُجرَةِ قَصِیرٌ،فَرأی النَّاسُ شَخْصَ النَّبِیِّ ﷺ،فَقَامَ أنَاسٌ یُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ،فأصبَحُوافتَحَدَّثوابِذَلِك،فقَامَ لَیلةَ الثَّانِیةِ فَقَامَ مَعَهُ أنَاسٌ یُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ،صَنَعُواذَلِك لَیْلَتَیْنِ أوثَلَاثاً، حَتَّی إذاکَانَ بَعدَذَلِكَ جَلَسَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ یَخْرُجْ،فَلَمَّاأصبَحَ ذَکَرَ ذَلِك النَّاسُ،فَقَالَ:إنِّی خَشِیتُ أن تُکْتَبَ عَلَیکُم صَلَاةُ اللَّیْل.﴿صحیح بخاری،حدیث۷۲۹﴾

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات اپنے کمرہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور کمرہ کی دیوار چھوٹی تھی ،تو لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے لگے،جب صبح ہوئی تو اس کا چرچہ ہوا۔دوسری رات بھی اسی طرح لوگ نماز پڑھنے لگے۔اس طرح دو یا تین رات ہوا۔اس کے بعد رسول اللہ ﷺ وہاں نماز نہیں پڑھی۔جب صبح اس کا تذکرہ ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز (تراویح) تم پر فرض نہ کردی جائے۔

﴿حدیث﴾ عَنْ أنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ:کَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ یُصَلِّی فِی رَمَضَانَ، فَجِئتُ فَقُمْتُ إلَی جَنْبِهِ، وَجَاءَ رَجُلٌ فَقَامَ أیضاً،حَتَّی کُنَّارَهطاًفَلَمَّاحَسَّ النَّبِی ﷺ أنَّاخَلْفَهُ جَعَلَ تَجَوَّزَفِی الصَّلَاةِ ثُمَّ دَخَلَ فَصَلَّی صَلَاةًلَایُصَلِّیْهَا عِنْدَنَا قَالَ قُلنَالَهُ حِینَ أصْبَحْنَاأفَطِنْتَ لَنااللَّیْلَةَ؟ قَالَ فَقَالَ:نَعَمْ ذَلِكَ الَّذِی حَمَلَنِی عَلَی الَّذِی صَنَعْتُ.الحدیث. ﴿صحیح مسلم:۳۵۲/۱﴾

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں ایک رات نماز پڑھ رہے تھے، میں آپ ﷺ کے پہلو میں کھڑا ہوا، پھر دوسرا شخص بھی کھڑا ہوا،اس طرح بہت لوگ ہوگئے،آپ ﷺ کو جب معلوم ہوا تو آپ جلدی سے نماز ختم کرکے اندر جاکر نماز پڑھی، (پھر باہر تشریف لاکر نماز پڑھنی شروع کی،تو صحابہ بھی آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے لگے، پھر رسول اللہ ﷺ جلدی سے نماز ختم کرکے اندر تشریف لے گئے،(مجمع الزوائد) جب صبح ہوئی تو ہم

نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا رات میں ہمارا نماز پڑھنا آپ کو معلوم ہوا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں، اسی وجہ سے میں اندر گیا۔

﴿حدیث﴾ عن ثعلبة بن أبى مالك القرظى رضي الله عنه قال: خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ لَيلَةٍ فِى رَمَضَانَ، فَرَأى نَا ساً فِى نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ يُصَلُّونَ، فَقَالَ: مَا يَصنَع هَؤلاءِ؟ قَالَ قَائل: يَارَسُولَ اللّٰهِ! هَؤلاءِ نَاسٌ لَيسَ مَعهم قُرآن، وَأبى بن كعب يَقْرَأوهُمْ مَعَهُ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ، قَالَ: ﴿قَدْ أحْسَنُوا وَقَدْ أصَابُوا﴾، وَلَم يَكْرَهْ ذَلِكَ لَهُمْ.

﴿السنن الكبرى للبيهقي: ٢/٤٩٥، دارالمعرفة بيروت، معرفة السنن للبيهقي ١٤٤٢، الجامع لابن وهب ٣٠٣، قال البيهقي: هذا مرسل حسن، قال النيموي: إسناده جيد، آثار السنن ٢/٥٠، إعلاء السنن "، باب التراويح﴾

ترجمہ: حضرت ثعلبہ بن ابو مالک قرظی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک کی ایک رات رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد کے ایک طرف نماز (تراویح) پڑھ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ کسی نے جواب دیا، یارسول اللہ ﷺ جن لوگوں کو قرآن یاد نہیں ہے ان کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نماز (تراویح) پڑھا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہت اچھا کر رہے ہیں: راوی فرماتے ہے کہ آپ ﷺ نے ناپسندگی کا اظہار نہیں فرمایا۔

﴿حديث﴾ عَنْ حُذَيْفَةَ رضي الله عنه قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَافْتَتَحَ البَقَرَةَ، فَقُلْتُ: يَرْكَعُ عِنْدَ الْمِائَةِ، ثُمَّ مَضَى، فَقُلْتُ: يُصَلِّى بِهَافِى رَكْعَةٍ، فَمَضَى، فَقُلْتُ: يَرْكَعُ بِهَا، ثُمَّ افْتَتَحَ النِّسَاءَ فَقَرَأَهَا، ثُمَّ افْتَتَحَ آلَ عِمْرَانَ، فَقَرَأهَا، يَقْرَأُ مُتَرَسِّلًا. إِذَامَرَّ بِآيَةٍ فِيهَاتَسْبِيحٌ، سَبَّحَ، وَإِذَامَرَّ بِسُؤَال، سَأَلَ، وَإِذَامَرَّ بِتَعَوُّذٍ، تَعَوَّذَ، ثُمَّ رَكَعَ، فَجَعَلَ يَقُولُ: سُبْحَانَ رَبِّىَ الْعَظِيْم، فَكَانَ

رُكُوعُهُ نَحْواً مِنْ قِيَامِهِ،ثُمَّ قَالَ:سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه،ثُمَّ قَامَ طَوِيلاً قَرِيباً مِمَّا رَكَعَ،ثُمَّ سَجَدَ فَقَالَ:سُبْحَانَ رَبِّیَ الْأَعْلَی،فَكَانَ سُجُودُهُ قَرِيْباً مِنْ قِيَامِهِ.

﴿صحيح مسلم،باب استحباب تطويل القراءة فی صلوٰة الليل﴾

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا،تو آپ ﷺ نے سورۃ بقرۃ شروع فرمایا،میں نے سمجھا کہ سوآیتوں پر رکوع فرمائیں گے،مگرآپ ﷺ پڑھتے رہے،پھرمیں نے سوچا کہ آپ ﷺ سورہ بقرہ ایک رکعت میں ختم فرمائیں گے،مگرآپ ﷺ پڑھتے رہے،پھرسورۃ نساءشروع فرمائی،پھر سورۃآل عمران شروع فرمائی،آپ ﷺ اس طرح اطمینان سے پڑھ رہے تھے کہ جب آیت تسبیح پڑھتے تو اللہ کی تسبیح بیان کرتے اور جب آیت سوال پڑھتے تو اللہ سے سوال کرتے اور جب آیت تعوذ پڑھتے تو اللہ سے پناہ مانگتے،پھرآپ ﷺ نے رکوع فرمایااور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِيْم پڑھتے رہے۔

آپ کارکوع قیام کی طرح طویل تھا پھرآپ نے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه کہا،پھررکوع کی طرح طویل قیام فرمایا پھرآپ نے سجدہ فرمایااوراس میں سُبْحَانَ رَبِّی الْأَعْلَیٰ پڑھتے رہے،آپ کاسجدہ بھی قیام کی طرح طویل تھا۔

﴿حديث﴾ عن عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَتْ كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ فِی مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِی رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ أوْزاعاً يَكُونُ مَعَ الرَّجُلِ شَیْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ فَيَكُونُ مَعَهُ النَّفَرُالخَمْسَةُ أوِالسِّتَّةُ أوْأقَلُّ مِنْ ذَلِكَ أوْ أكْثَرُ فَيُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ،الحديث. ﴿مسندأحمد٢٦١٨٥،قيام رمضان لمحمد بن نصر المروزی ٢١٥/١،قال العلامة صلاح الدين العلائی الشافعی: سنده صحيح،فتاوی العلائی ص١٢٥،قال المحدث أحمد شاكر: إسناده صحيح،

﴿حاشية مسند أحمد ١٨٤/١٨﴾

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان المبارک کی راتوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں الگ الگ یا چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تراویح پڑھا کرتے تھے۔ جس کو جتنا بھی قرآن یاد ہوتا وہ پانچ یا چھ یا اس سے زیادہ یا کم لوگوں کو تراویح پڑھایا کرتے۔

رسول اللہ ﷺ کا عام جماعت کے ساتھ تراویح پڑھانا

رمضان المبارک میں عبادت کی کثرت اور رات کی نمازوں کا ذکر احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تنہا یا چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے ساتھ تراویح پڑھا کرتے تھے۔ یہ معمول اسطرح چل رہا تھا، لوگوں کی کثرت اور شوق کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے تراویح کو عام جماعت کے ساتھ پڑھنے کا فیصلہ فرمایا۔ بعض روایات میں ۲۱،۲۲،۲۳،۲۴ چار راتیں تراویح پڑھانا مذکور ہے اور بعض روایات میں ۲۳،۲۵،۲۷ تین راتیں تراویح پڑھانا مذکور ہے اور بعض روایات میں دو یا تین راتیں تراویح پڑھانا مذکور ہے۔ اسلئے محدثین کا خیال ہے کہ عام جماعت کے ساتھ تراویح ایک سے زیادہ مرتبہ مختلف رمضان میں پڑھی گئی ہوگی۔ واللہ اعلم.

احادیث جماعت تراویح

﴿حديث﴾ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ أَهْلَهُ لَيْلَةَ إِحْدَى وَعِشْرِيْنَ فَيُصَلِّى بِهِم إِلَى ثُلُثِ اللَّيلِ، ثُمَّ يَجْمَعُهُم لَيْلَةَ ثِنْتَىْ وَعِشْرِيْنَ، فَيُصَلِّى بِهِمْ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ، ثُمَّ يَجْمَعُهُمْ لَيْلَةَ ثَلَاثَ وَعِشْرِيْنَ فَيُصَلِّى بِهِمْ إِلَى ثُلُثَيِ اللَّيْلِ، ثُمَّ يَأْمُرُهُمْ لَيْلَةَ أَرْبَعِ وَعِشْرِيْنَ أَنْ يَّغْسِلُوا، فَيُصَلِّى بِهِمْ حَتَّى يُصْبِحَ ثُمَّ لَايَجْمَعُهُمْ. ﴿قيام رمضان لمحمد بن نصر المروزى ٢١٦/١، أوجزالمسالك، باب الترغيب فى الصلاة فى رمضان﴾

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۱ویں (رمضان) کی رات کو گھر والوں کو جمع فرما کر ایک تہائی رات تک تراویح پڑھائی، پھر ۲۲ویں رات کو آدھی رات تک تراویح پڑھائی، پھر ۲۳ رات کو دوتھائی رات تک تراویح پڑھائی، پھر ۲۴ویں رات کو سب کو غسل کرنے کا حکم فرمایا اور پوری رات تراویح پڑھائی، پھر اس کے بعد نہیں پڑھائی۔

﴿حدیث﴾ عن أبی ذرٍّ رضی اللہ عنہ أنَّهُ قال لَمَّا كَانَ الْعَشْرُ الاواخِرُ أعْتَكَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الْمَسجِدِ فَلَمَّا صَلَّى النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَاةَ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ اثْنَيْنِ وَعِشْرِينَ قَالَ إنَّا قَائِمُونَ اللَّيْلَةَ إنْ شَاءَ اللّٰهُ ، فَمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أنْ يَقُومَ فَلْيَقُمْ، الحديث. ﴿مسند أحمد، الفتح الربانی، حديث ١١١٠، المعجم الأوسط للطبرانی، حديث ٤٤٢﴾

ترجمہ:۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سال رمضان المبارک کے آخیری عشرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اعتکاف فرمایا۔ بائیس (۲۲) رمضان المبارک کی عصر کی نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ آج عشاء کے بعد تراویح پڑھی جائیگی، جس کا جی چاہے ہمارے ساتھ تراویح پڑھے۔ (اسی طرح ۲۴ویں اور ۲۶ویں عصر کو اعلان فرمایا)

﴿حدیث﴾ عَنْ أبِی ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: صُمْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمْ يُصَلِّ بِنَا حَتَّى بَقِیَ سَبْعٌ مِنَ الشَّهْرِ، فَقَامَ بِنَا حَتَّى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ، ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا فِی السَّادِسَةِ، وَقَامَ بِنَا فِی الْخَامِسَةِ حَتَّى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ، فَقُلْنَا لَهُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، لَوْ نَفَّلْتَنَا بَقِيَّةَ لَيْلَتِنَا هَذِهِ، فقال: إنَّهُ مَنْ قَامَ مَعَ الإمامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ كُتِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ. ثُمَّ لَمْ يُصَلِّ بِنَا حَتَّى بَقِیَ ثَلَاثٌ مِنَ الشَّهْرِ، وَصَلَّى بِنَا فِی الثَّالِثَةِ، وَدَعَا أهْلَهُ وَنِسَاءَهُ، فَقَامَ بِنَا حَتَّى تَخَوَّفْنَا الْفَلَاحَ. قُلْتُ لَهُ: وَمَا الْفَلَاحُ؟ قَالَ! السُّحُورُ. ﴿سنن ترمذی، وقال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح، باب ماجاء فی قيام شهر رمضان، وسنن أبی داود، باب فی قيام شهر رمضان ،

وسنن نسائی،باب قیام شهر رمضان،وسنن بیهقی،باب زعم أنهابا لجماعة أفضل﴾

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان المبارک کا روزہ رکھا، آپ ﷺ نے ۲۲ویں رمضان تک ہم لوگوں کو تراویح نہیں پڑھائی مگر ۲۳ویں رات کو آپ ﷺ نے تہائی رات تک تراویح پڑھائی، پھر ۲۴ویں رات کو تراویح نہیں پڑھائی مگر ۲۵ویں رات کو آدھی رات تک تراویح پڑھائی تو ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! پوری رات تراویح پڑھاتے تو اچھا ہوتا۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص امام کے ساتھ پوری تراویح پڑھے اس کے لئے پوری رات تراویح پڑھنے کا ثواب لکھا جاتا ہے پھر آپ ﷺ نے ۲۶ویں رات کو تراویح نہیں پڑھائی اور ۲۷ویں رات عورتوں کو بھی جمع فرمایا اور پوری رات تراویح پڑھائی کہ ہم کو فلاح (سحری کا وقت ختم ہونے) کی فکر ہونے لگی۔راوی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ فلاح کیا ہے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سحری۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح امام کے ساتھ آخیر تک پڑھنے والوں کے لئے پوری رات تراویح پڑھنے کا ثواب لکھا جاتا ہے۔جو لوگ بلا عذر درمیان میں امام کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں وہ اس فضیلت سے محروم رہ جاتے ہیں۔نیز رسول اللہ کا لیلۃ القدر کی تلاش میں ۲۷ رمضان کی رات کو اہتمام سے پوری رات تراویح پڑھنا معلوم ہوتا ہے۔

﴿حدیث﴾ **عَنْ نُعَيْمِ بنِ زِيَادٍقَالَ:سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ رضی اللہ عنہ عَلَى مِنْبَرِحِمْصَ يَقُولُ:قُمْنَامَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِى شَهْرِرَمَضَانَ لَيْلَةَثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ،ثُمَّ قُمْنَامَعَهُ لَيْلَةَخَمْسٍ وَعِشْرِينَ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ،ثُمَّ قُمْنَامَعَهُ لَيْلَةَسَبْعٍ وَعِشْرِينَ حَتَّى ظَنَنَّاأَنْ لَا نُدْرِكَ الْفَلَاحَ .** ﴿سنن نسائی ،باب قیام شهر رمضان، ومستدرك حاكم،باب قيام الليل فى رمضان،وقال الإمام الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط البخارى وقال الإمام الذهبى: حديث حسن، قال الإمام النووى: رواه النسائى بإسناد حسن، خلاصة الأحكام ١/٥٧٦﴾

ترجمہ: حضرت نعیم بن زیادؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو منبر حمص پر کھڑے ہو کر فرماتے ہوئے سنا کہ ہم لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) رمضان المبارک کی ۲۳ ویں رات کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک تہائی رات تک تراویح پڑھی، پھر ۲۵ ویں رات کو آدھی رات تک تراویح پڑھی، پھر ۲۷ ویں رات کو اتنی رات تک تراویح پڑھی کہ ہم کو گمان ہوا کہ ہم کو سحری کا وقت نہیں ملے گا۔

﴿حدیث﴾ عن ابن شھاب أخبرنی عروۃ أنَّ عَائشۃَ رضی اللہ عنھا أخْبَرَتْہُ أنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ خَرَجَ لَیْلَۃً مِنْ جَوفِ اللَّیلِ فَصَلَّی فِی الْمَسْجِدِ، وَصَلَّی رِجَالٌ بِصَلَاتِہِ،فَأصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوا،فَاجْتَمَعَ أکْثَرُمِنْھُمْ،فَصَلَّی فَصَلَّوْامَعَہُ،فَأصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوافَکَثُرَأھلُ الْمَسْجِدِمِنَ اللَّیْلَۃِ الثَّالِثَۃِ، فَخَرَجَ رَسُولُ اَللّٰہِ ﷺ فَصَلَّی بِصَلَاتِہِ،فَلَمَّاکَانَتِ اللَّیْلَۃُ الرَّابِعَۃُ عَجَزَ الْمَسْجِدُعَنْ أھْلِہِ حَتَّی خَرَجَ لِصَلَاۃِالصُّبحِ،فَلَمَّاقَضیٰ الْفَجْرَأقْبَلَ عَلیٰ النَّاسِ فَتَشَھَّدَثُمَّ قَالَ:أمَّابَعْدُ فإنَّہُ لَمْ یَخْفَ عَلَیَّ مَکَانُکم.ولٰکِنِّی خَشِیتُ أنْ تُفْرَضَ عَلَیْکُمْ فَتَعْجِزُواعَنْھَا.فَتُوفِّیَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ وَالأمرُعَلَی ذٰلك.

﴿صحیح بخاری ،باب فضل من قام رمضان، صحیح مسلم ، باب الترغیب فی قیام رمضان وھو التراویح﴾

ترجمہ: ابن شہاب (امام زہریؒ) روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے عروہؒ نے کہا کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ (رمضان المبارک کی) ایک رات رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں صحابہ کو تراویح پڑھائی۔ جب صبح اس واقعہ کا چرچا ہوا تو دوسری رات لوگ زیادہ جمع ہوئے، آپ ﷺ نے تراویح پڑھائی۔ دوسرے دن اس کا اور زیادہ چرچا ہوا تو تیسری رات اور زیادہ لوگ جمع ہوئے، آپ ﷺ نے تراویح پڑھائی۔ چوتھی رات مسجد لوگوں سے بھر گئی تو آپ ﷺ تشریف نہیں لائے، یہاں تک کہ صبح ہوئی۔ آپ ﷺ صبح کی نماز میں تشریف لائے، سلام

پھیرنے کے بعد صحابہ کی طرف متوجہ ہوکر ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کی موجودگی مجھ سے پوشیدہ نہ تھی، لیکن مجھے خدشہ ہوا کہ یہ نماز (تراویح) تم پر فرض کردی جائے پھر تم اس سے عاجز ہوجاؤ، پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات تک اسی طرح تراویح (انفرادی اور چھوٹی جماعتوں کے ساتھ پڑھی گئی۔

رکعات تراویح

﴿حدیث﴾ عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ:صَلَّی بِنَا رَسُول اللّٰه ﷺ فِی رَمَضَانَ ثَمَانَ رَکعَاتٍ،وَالوِتر،فَلَمَّاکَانَ مَنَ القَابِلَةِ اجْتَمَعنَا فِی الْمَسْجِدِ وَرَجَوْنَا أن یَخْرُجَ اِلَیْنَا،فَلَمْ نَزَلَ فِی الْمَسْجِدِ،حَتَّی أصْبَحْنَا فَدَخَلنَاعَلَی رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ،فَقُلْنَا لَهُ یَارَسُولَ اللّٰهِ ﷺ! رَجَوْنَاأنْ تَخرُجَ إلَیْنَا فَتُصَلِّ بِنَا ، فَقَالَ: إنِّی کَرِهْتُ أنْ یُکْتَبَ عَلَیْکُمُ الْوِتْرُ.

﴿صحیح ابن خزیمة،ابواب الوتر،وصحیح ابن حبان،الإحسان،باب الوتر،حدیث ۲۴۰۹، ۲۴۱۵، قال ابن عدی:بهذا الإسناد بأحادیث أخر وکلها غیر محفوظة، الکامل فی ضعفاء الرجال۶/۴۳۸،قال النیموی: إسناده لین، آثار السنن۲/۵۱،قال المحدث العلامة أنور شاه الکشمیری: فی سندها عیسی بن جاریة وضعفه أکثر المحدثین، العرف الشذی ۲/۷۹، إسناده ضعیف لضعف عیسی بن جاریة،حاشیة الإحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، حاشیة مسند أبی یعلی ۱۸۰۲، حاشیة مختصر کتاب والوتر ۱/۳۶﴾

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں ایک رات ہم لوگوں کو آٹھ رکعات اور وتر پڑھائی، چنانچہ اگلی رات ہم مسجد میں جمع ہوگئے اور آپ کے آنے کی امید میں رہے مگر آپ ﷺ تشریف نہیں لائے، جب صبح ہوئی تو ہم لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! کل رات ہم مسجد میں جمع ہوکر اس امید میں رہے کہ آپ ہمیں نماز پڑھائیں گے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے ناپسند

ہوا کہ کہیں وتر تم پر فرض کر دی جائے۔

(اس حدیث کے راوی عیسیٰ بن جاریہ پر جرح کی گئی ہے اسلئے اس کی سند کو جمہور محدثین نے ضعیف لکھا ہے۔)

﴿حدیث﴾ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِالنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً لَيْلَتَيْن،فَلَمَّاكَانَ فِي اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ اِجْتَمَعَ النَّاسُ،فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ،ثُمَّ قَالَ مِنَ الْغَدِ خَشِيْتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَلَا تُطِيْقُونَهَا. ﴿البيان في مذهب الإمام الشافعي ٢٧٥/٢،"فتح العزيز" للإمام الرافعي،باب صلاة التراويح، الكواكب الدراري في شرح صحيح البخاري للكرماني ٥٥/٨، البدر المنير ٣٤٩/٤، التلخيص الحبير ٥٣/٥﴾

وفي رواية: إِنَّهُ ﷺ خَرَجَ لَيْلَةً مِنْ لَيَالِ رَمَضَانَ وَصَلَى عِشْرِيْنَ رَكْعَةً، فَلَمَّاكَانَتِ اللَّيْلَةُ الثَّانِيَةُ اجْتَمَعَ النَّاسُ فَخَرَجَ وَصَلَى بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الثَّالِثَةُ كَثُرَا لنَّاسُ فَلَمْ يَخْرُجْ عَلَيْهِ السَّلَام وَقَالَ: عَرَفْتُ اجْتِمَاعَكُمْ لٰكِنِّي خَشِيْتُ أَنْ تُكْتَبَ عَلَيْكُمْ .فَكَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَهَا فُرَادىٰ إِلَى زَمَنِ عُمَرَ رضي الله عنه. ﴿العناية شرح الهداية ٢٣٤/٢، اشرف الهداية، ٢٣١/٢﴾

ترجمہ: روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک کی ایک رات لوگوں کو بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھائی، دوسری رات بھی لوگ جب جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کو بیس رکعات تراویح پڑھائی۔ اور جب تیسری رات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد مسجد میں جمع ہوئی تو آپ ﷺ تشریف نہیں لائے پھر صبح میں ارشاد فرمایا: مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز (تراویح) تم پر فرض کر دی جائے اور تم کر نہ سکو۔ پھر اسکے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک لوگ علیحدہ علیحدہ تراویح پڑھتے رہے۔

﴿حدیث﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا:أن رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كان يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ،عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ. ﴿مصنف ابن أبي شيبة ٧٦٩٢﴾

﴿حدیث﴾ وفی روایۃ: فِی غَیرِجَمَاعَۃ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃ وَالْوِتْرَ.
﴿سنن بیھقی،باب ماروی فی عددرکعات القیام فی شھررمضان﴾

ترجمہ: حضرت عبداللّٰہ ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ رمضان المبارک میں بیس (۲۰) رکعات تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

اس حدیث کوسلفی عالم ناصرالدین البانیؒ نے مختصر إرواء الغلیل ۴۴۵ میں موضوع لکھاہے،جبکہ اس کی سندکوبعض محدثین نے ضعیف لکھاہے،اورحضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے فتاوی عزیزی (اردو) میں اورحضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ نے التعلیق الصبیح علی مشکاۃ المصابیح میں صحیح لکھاہے۔اورخودناصرالدین البانی صاحب نے اسی سند ابراھیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس کو صحیح وضعیف سنن ابن ماجۃ ۱۴۹۵ میں صحیح لکھاہے۔یا للعجب.

﴿حدیث﴾ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ رضی اللّٰہ عنہما أَنَّ النَّبِیَّ صَلیَ اللّٰہ علیہ وسلم خَرَجَ لَیْلَۃً فِی رَمَضَانَ فَصَلَی بِالنَّاسِ أَرْبَعَۃَ وَعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَأَوْتَرَ بِثَلَاثَۃٍ۔
﴿مخطوطات أبی طاھر أصبھانی۲۲۳، تاریخ جرجان ۳۱۶/۱، إسنادہ حسن﴾

ترجمہ: حضرت جابربن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ رمضان کی ایک رات باہرتشریف لائے اورصحابہ کوچوبیس رکعات نماز پڑھائی۔

مذکورہ بالاحضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں آٹھ رکعات اوروتراوردوسری روایت میں چوبیس رکعات اورتین وتر اور باقی روایتوں میں بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھنا مذکورہے۔جب ان روایات میں رکعات تراویح کے سلسلہ میں اختلاف پایا گیا تو دیگرصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول وعمل کودیکھا گیااسلئے کہ صحابہ کواحوال رسول ﷺ اورمزاج نبوت ورموز شریعت،حدیث صحیح اورحدیث غیرصحیح کاعلم جتنا تھاکسی کوحاصل نہ تھا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول وعمل

سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بالاتفاق بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔ لہذا علماء وفقہاء نے بیس رکعات تراویح ہی کو سنت قرار دیا ہے۔

دورفاروقی میں بیس رکعات تراویح دوبارہ باجماعت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ لوگ انفرادی اور ٹولیوں کی شکل میں تراویح پڑھ رہے ہیں اور تراویح کی اجتماعی شان ختم ہو رہی ہے اور لوگ اس سنت کو ترک کر سکتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جماعت کو قائم کر کے فرض ہونے کے خوف سے ترک فرمایا تھا دوبارہ اس سنت کو زندہ کرنے کا فیصلہ فرمایا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھانے پر مامور کیا۔

﴿حدیث﴾ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ:............ ثُمَّ كَذالك كَانَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرٍ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ حَتّٰى جَمَعَهُمْ عُمَر بن الخَطَاب عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، فَقَامَ بِهِمْ فِي رَمَضَانَ وَكَانَ ذَلِكَ أَوَّل اجْتِمَاع النَّاس عَلَى قَارِيءٍ وَاحِدٍ فِي رَمَضَانَ. ﴿صحيح ابن حبان، الإحسان، فصل فى التراويح﴾

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پورے دورِ خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دورِ خلافت تک اسی طرح (تراویح انفرادی اور چھوٹی جماعتوں کے ساتھ) پڑھی جاتی رہی۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں تراویح عام جماعت کے ساتھ پڑھنے کا سلسلہ شروع فرمایا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد) تراویح کی یہ پہلی عام جماعت تھی۔

﴿حدیث﴾ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ أَنَّهُ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ لَيلةً فِي رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتفَرِّقُونَ،

يُصَلِّى الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ،وَيُصَلِّى الرَّجُلُ فَيُصَلِّى بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ.فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّـى أرَى لَو جَمَعتُ هٰؤُلاءِ عَلَى قَارِىءٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَل.ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُم عَـلَـى أُبَـيِّ بْـنِ كَعْبٍ.ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرَىٰ وَا لنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ قَـارِئِهِم،قَالَ عُمَرُ:نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ،وَالَّتِى يَنَامُونَ عَنْهَاأفْضَلُ مِنَ الَّتِى يَـقُومُونَ.يُرِيدُ اٰخِرَ اللَّيلِ.وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ. ﴿صحيح بخارى، باب فضل من قام رمضان،وموطأ إمام مالك،باب ماجاء فى قيام رمضان،وسنن بيهقى،باب قيام شهر رمضان﴾

ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن بن عبد القاریؒ (تابعی، م ۸۱ھ) فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک کی ایک رات میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد گیا تو دیکھا کہ لوگ علیحدہ علیحدہ مسجد میں تراویح پڑھ رہے ہیں۔ کہیں کوئی تنہا تراویح پڑھ رہا ہے اور کہیں کسی کے پیچھے لوگ جماعت بنا کر تراویح پڑھ رہے ہیں، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ اگر میں انہیں ایک امام کے پیچھے جمع کر دوں تو زیادہ بہتر ہوگا، پھر انہوں نے فیصلہ کر کے سب کو ایک امام حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جمع کر دیا، پھر دوسری رات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد گیا تو دیکھا کہ اب لوگ ایک امام کی اقتداء میں تراویح ادا کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا ہی اچھا ہے یہ نیا عمل (یعنی با جماعت تراویح) اور رات کا وہ حصہ افضل ہے جس میں تم سوتے ہو اس حصہ سے جسمیں تم تراویح پڑھ رہے ہو یعنی تراویح آخیر رات تک پڑھنا افضل ہے اور لوگ ابتدائی رات میں تراویح پڑھتے تھے۔

﴿حديث﴾ عَنْ أَبِـى الْـعَـالِيَةِ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ عُـمَـرَ أَمَرَ أُبَيًّا أَنْ يُـصَـلِّـىَ بِـالـنَّـاسِ فِـى رَمَـضَـانَ فَـقَـالَ إِنَّ الـنَّـاسَ يَصُومُونَ النَّهَار وَلَا يـحسـنـون أَن يـقـرأوا فَـلَـوْ قَـرَأْتَ الْـقُـرْآنَ عَلَيهِمْ بِاللَّيْلِ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْـمُـؤْمِـنِيـنَ هَـذَا شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ، فَقَالَ: قَدْ عَلِمْتُ وَلَكِنَّهُ أَحْسَنُ فَصَلَّى بِهِمْ

عِشْرِينَ رَكْعَة . ﴿المختارة لضياء المقدسی ۱۱۶۱، کنزل العمال ۲۳۴۷۰، اس حدیث کی سند کو سلفی عالم ناصر الدین البانی صاحبؒ نے صلاة التراويح میں وهذا اسناد ضعيف لکھا ہے، لیکن امام حاکمؒ مستدرک میں، علامہ ذہبیؒ مستدرک کی تلخیص میں، علامہ سیوطیؒ الإتقان میں ابو جعفر الرازی عن الربيع بن أنس عن أبي العالية عن أبي بن كعب کی سند کو صحیح کہا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے العجاب في بيان الأسباب میں سند کو قوی کہا ہے۔ علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں۔ رجاله ثقات وفي أبي جعفر الرازي كلام لا يضر وهو ثقة، مجمع الزوائد ۸۱۴۰، نیز ناصر الدین البانی صاحب نے اسی طرق کو صحیح ترمذی ۲۶۸۰ میں حسن لکھا ہے۔﴾

ترجمہ: حضرت ابو العالیہؒ (تابعی، متوفی ۹۰ھ ہجری) روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امیر المومنین حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے رمضان المبارک میں لوگوں کو تراویح پڑھانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ لوگ دن میں روزہ تو رکھ لیتے ہیں مگر قرآن (یاد نہ ہونے کی وجہ سے) تراویح نہیں پڑھ سکتے، اس لئے تم ان لوگوں کو رات میں تراویح پڑھاؤ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا امیر المومنین! یہ ایسی چیز کا حکم ہے جس پر ابھی تک عمل نہیں ہے (یعنی باجماعت تراویح)، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: میں جانتا ہوں لیکن یہی بہتر ہے، تو انہوں (حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ) نے بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھائی۔

قیام میں تخفیف اور بیس رکعات تراویح پر صحابہ کا اجماع

احادیث قیام سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا رمضان المبارک میں رات بھر تراویح پڑھنے کا معمول تھا، لمبی لمبی رکعتیں پڑھا کرتے تھے، ایک رکعت میں پانچ پارے پڑھنا بھی ثابت ہے اس لئے احادیث میں رکعتوں سے زیادہ قیام کا ذکر موجود ہے۔ طول قیام کی وجہ

سے رکعتوں میں کمی بیشی ہوا کرتی تھی۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی رات بھر اسی طرح نمازیں پڑھا کر تے تھے،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی اسی طرح کا معمول جاری رہا لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہونے لگا،روز بروز مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی،حالات میں تبدیلی آنے لگی،لوگوں میں عبادت کا وہ شوق نہیں رہا جو پہلے تھا اور تراویح میں تساہل ظاہر ہونے لگا تو حضرت عمر فارق رضی اللہ عنہ نے تراویح کے ترک ہونے کے اندیشہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طویل قیام میں تخفیف فرما کر بیس (۲۰) رکعات والے عمل کو باقی رکھا اور تمام مساجد میں بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھانے کا حکم صادر فرمایا اور مسجد نبوی میں تراویح پڑھانے کے لئے حافظ مقرر کیا،اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ باحیات تھے جن سے آٹھ (۸) رکعات کی روایات منسوب کی جاتی ہیں اور لوگوں کے حالات کے مطابق ایک رکعت میں تیس،پچیس یا بیس آیتیں پڑھنے کا حکم فرمایا۔

﴿حدیث﴾ **عَنْ أَبِی عُثْمَانَ النَّهْدِیِّ،قَالَ:دَعَا عُمَرُابْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ بِثَلَاث قُرَّاء فَأسْتَقْرَأهُم،فَأَمَرَأ سْرَعَهُم قِرأءَةً أَنْ يَقْرَأَلِلنَّاسِ ثَلَاثِيْنَ آيَةً، وَأَمَرَأَوْسَطَهُمْ أَنْ يَقْرَأخَمْساًوَعِشْرِيْنَ،وَأَمَرَأَبْطَاهُمْ أَنْ يَقْرَأَلِلنَّاسِ عِشْرِيْنَ آيَةً.** ﴿سنن بيهقى،باب قدرقراء تهم فى قيام شهر رمضان،ومصنف عبدالرزاق،باب قيام رمضان،حديث۷۷۳۲﴾

ترجمہ: حضرت ابوعثمان نہدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین حافظ قرآن کو بلایا اور انکا قرآن سنا،ان میں سے تیز رفتار سے پڑھنے والے حافظ کو تیس آیتیں ایک رکعت میں پڑھنے کا حکم فرمایا اور درمیانی رفتار سے پڑھنے والے کو پچیس آیتیں ایک رکعت میں اور آہستہ رفتار سے پڑھنے والے حافظ کو بیس آیتیں ایک رکعت میں پڑھنے کا حکم فرمایا۔

﴿حدیث﴾ عَنْ دَاوُد بن قیس وَغَیرِہِ،عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ یُوسُفَ،عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیدَ:أنَّ عُمَرَجَمَعَ النَّاسَ فِی رَمَضَانَ عَلَی أُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ، وَعَلَی تَمِیمِ الدَّارِی،عَلَی إحْدَ ی وَعِشْرِیْنَ رَکْعَةً،یَقْرَؤُوْن بِالمِئِینَ وَیَنْصَرِفُونَ عِنْدَفُرُوعِ الْفَجر. ﴿مصنف عبدالرزاق،باب قیام رمضان، حدیث ۷۷۳۰﴾

ترجمہ: حضرت داود بن قیسؒ اوران کے دیگر ساتھی اپنے استاد محمد بن یوسفؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور تمیم داری رضی اللہ عنہ کو رمضان المبارک میں اکیس (۲۱) رکعات تراویح پڑھانے پر مأمور کیا۔ وہ کئی سو آیتیں پڑھا کرتے تھے اور صبح صادق کے قریب گھر جایا کرتے تھے۔

﴿حدیث﴾ عَنْ مَالِكٍ،عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ یُوسُفَ،عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیدَ، أَنَّهُ قَالَ : أَمَرَعُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ أُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ وَتَمِیماً الدَّارِیَّ أَنْ یَقُومَا لِلنَّاسِ بِإِحْدَی عَشْرَةَرَکْعَةً،قَا لَ: وَقَدْ کَانَ الْقَارِئُ یَقْرَأُبِا لْمِئِینَ،حَتَّی کُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَی الْعِصِیِّ مِنْ طُولِ الْقِیَامِ ،وَمَا کُنَّا نَنْصَرِفْ إِلَّا فِی فُرُوعِ الْفَجْرِ.
﴿مؤطا امام ما لك،باب ما جاء فی قیا م رمضان ﴾

ترجمہ: امام مالکؒ محمد بن یوسفؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور تمیم داری رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعات پڑھانے پر مأمور کیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ امام کئی سو آیتیں پڑھا کرتے تھے اور ہم لوگ طول قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگایا کرتے تھے اور ہم لوگ صبح صادق کے قریب گھر جایا کرتے تھے۔

﴿حدیث﴾ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبدِالرَّحْمٰنِ اِبن أَبِی ذباب عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیدَ قَالَ: کَانَ الْقِیَامُ عَلَی عَهدِعُمَرَ،بِثَلَاثَةٍ وَعِشْرِیْنَ رَکْعَةً.

﴿مصنف عبدالرزاق،باب قیام رمضان،حدیث۷۷۳۳ ﴾

ترجمہ: حضرت حارث بن عبدالرحمٰنؒ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے

ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تیئس رکعات (بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر) پڑھی جاتی تھی۔

﴿حدیث﴾ عَنْ مَالِكٍ،عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ،أَنَّهُ قَالَ:كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي زَمَانِ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ،فِي رَمَضَانَ،بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً.

﴿مؤطا إمام مالك،باب ما جاء فی قیام رمضان،إسناده مرسل قوی،"أوجزا لمسالك"﴾

ترجمہ: حضرت یزید بن رومانؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رمضان المبارک میں تیئس رکعات (بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر) پڑھتے تھے۔

﴿حدیث﴾ وَرَوَىٰ مَالِك مِنْ طَرِيقِ يَزِيدَ بْنِ خُصَيفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ عِشْرِينَ رَكْعَةً. ﴿فتح الباری للعلامة ابن حجر العسقلانی،باب فضل من قام رمضان، ورجاله رجال البخاری﴾

ترجمہ: امام مالکؒ نے یزید بن خصیفہؒ کے طریق سے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے بیس (۲۰) رکعات تراویح نقل کی ہے۔

﴿حدیث﴾ عَنْ ابن أبِی ذَئب عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَاقَالَ:كَانُوايَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ،بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً،قَالَ:وَكَانُوايَقْرَؤُنَ بِالْمِئِينَ وَكَانُوا يَتَوَكَّئُونَ عَلَى عِصِيِّهِم فِی عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ.

﴿سنن بیهقی،باب ماروی فی عددرکعات القیام فی شهررمضان﴾

هذاحديث صححه النووی فی کتابه"الخلاصة"و"المجموع"، وأقره الزيلعی فی"نصب الراية"،وصححه السبکی فی"شرح المنهاج"، وابن العراقی فی"طرح التثريب"،والعينی فی"عمدة القاری"،والسيوطی

فی "المصابیح فی صلاۃ التراویح"،وعلی القاری فی "شرح الموطأ"، والنیموی فی "آثارالسنن" وغیرھم.﴿تصحیح حدیث صلاۃ التراویح عشرین رکعۃ والردعلی الألبانی فی تضعیفه للشیخ إسماعیل بن محمدالأنصاری،ص۷﴾

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورخلافت میں رمضان المبارک کے مہینے میں حضرات صحابہ کرام بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھتے تھےاور وہ سوسو آیتیں پڑھا کرتے تھےاورامیر المومنین حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورخلافت میں شدت قیام یعنی طول قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں پر ٹیک لگایا کرتے تھے۔

اس حدیث کوامام نوویؒ نے الخلاصۃ اورالمجموع میں،امام زیلعیؒ نے نصب الرایۃ میں، علامہ سبکیؒ نے شرح منہاج میں، علامہ ابن العراقیؒ نے طرح التثریب میں،علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں، علامہ سیوطیؒ نے المصابیح فی صلاۃ التراویح میں، ملاعلی قاریؒ نے شرح موطأ میں،علامہ نیمویؒ نے آثارالسنن میں صحیح کہا ہے۔

﴿حدیث﴾ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا،قَالَ:كُنَّانَقُومُ مِنْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْر. رواه البیهقی فی "المعرفة"،وصححه العلامة السبکی فی "شرح المنهاج"،وعلی القاری فی "شرح المؤطا .

﴿إعلاء السنن،باب تراویح ،وتحفة الأحوذی،باب ماجاء فی قیام شهر رمضان﴾

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم امیر المومنین حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورخلافت میں بیس (۲۰) رکعات تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

اس حدیث کوعلامہ سبکیؒ نے شرح منہاج میں اورملاعلی قاریؒ نے شرح مؤطا

میں صحیح کہا ہے۔

حدیث نمبر ۴۰ اور ۴۱ کو **صاحب تحفة الأحوذی** نے زبردستی ضعیف کرنے کی کوشش کی ہے جب کہ کبار محدثین نے اس کو صحیح کہا ہے۔

﴿حدیث﴾ **عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ:أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً.** رواه أبو بكر بن أبی شيبة فی "مصنفه" وإسناده مرسل قوی.﴿إعلاء السنن،باب التراويح ،وبذل المجهود،باب فی قيام شهررمضان﴾

ترجمہ: حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ (تابعی) سے روایت ہے کہ حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھائیں۔

﴿حدیث﴾ **عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ رَفِيْعٍ،قَالَ:كَانَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فِي رَمَضَانَ بِالْمَدِيْنَةِ،عِشْرِيْنَ رَكْعَةً،وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ.** أخرجه أبو بكربن أبی شيبة فی "مصنفه" وإسناده مرسل قوی .﴿إعلاء السنن ،باب التراويح﴾

ترجمہ: حضرت عبدالعزیز بن رفیعؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر مدینہ منورہ میں پڑھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۳۶ میں گیارہ رکعات منقول ہیں، بعض لوگ ان تمام حدیثوں میں اسی ایک حدیث کو قابل استدلال سمجھتے ہیں اور باقی حدیثوں کو قابل التفات نہیں سمجھتے، یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ (۱) محدثین نے گیارہ رکعات والی روایت کو راوی کی غلط فہمی پر محمول کیا ہے کہ **إِحْدَى وَعِشْرِيْن** کے بجائے **إِحْدَى عشرة** سمجھا گیا۔(۲) ابی ابن کعب اور تمیم داری میں سے ہر ایک کو دس دس رکعات اور وتر پڑھانے کے لئے کہا کیونکہ دوسری تمام روایات بیس رکعات ہی پر دلالت کرتی ہیں اور اس روایت کے راوی **محمد بن یوسفؒ** ہی سے حدیث نمبر ۳۵ میں دوسرے شاگرد سے اکیس (۲۱) رکعات منقول

ہیں اور حدیث نمبر ۳۷ میں **حضرت سائب بن یزید** رضی اللہ عنہما کے دوسرے شاگرد **حارث بن عبدالرحمن** سے تیئس (۲۳) رکعات منقول ہیں اور **حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما** کے اور ایک شاگرد **یزید بن خصیفة** کے تینوں شاگردوں سے حدیث نمبر ۳۹، ۴۰، ۴۱ میں بیس (۲۰) رکعات منقول ہیں اور حدیث نمبر ۳۸ میں **یزید بن رومان**ؒ سے **امام مالک** تیئس (۲۳) کعات نقل کرتے ہیں۔ اور حدیث نمبر ۴۳ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا شروع ہی سے بیس (۲۰) رکعات پڑھانا مذکور ہے۔ علاوہ حدیث نمبر ۴۲ اور حدیث ۴۳ میں بھی بیس ہی رکعات منقول ہیں۔ لہذا گیارہ رکعات والی روایت کے صحیح ہونے پر کئی طرح کے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔

بیس رکعات تراویح پر عمل صحابہ اور عمل تابعین

﴿حدیث﴾ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهما قَالَ: كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً ، وَعَلَى عَهْدِ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ وَعَلِي رضی اللہ عنہ مِثْلَهُ.

رَواه الْبَيهَقِي بِإِسْنَادٍصَحِيْح. ﴿فتح الملهم للشيخ شبير أحمد العثمانی، باب بیان عدد رکعات التراويح، وأوجز المسالك للشيخ محمد زكريا الكاندهلوی، باب ما جاء فی قيام شهر رمضان﴾

ترجمہ: امام بیہقیؒ نے بسند صحیح حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے اور حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی اسی طرح پڑھتے تھے۔

﴿حدیث﴾ عَنْ أَبِي عَبْدِالرَّحْمٰنِ السلمی، عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: دَعَا الْقُرَّاء فِي رَمَضَانَ فَأَمَرَمِنهُمْ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً، قَالَ: وَكَانَ عَلِي رضی اللہ عنہ يُوتِرُبِهِمْ. ﴿سنن بيهقی، باب ما روی فی عدد ركعات القيام فی شهر رمضان﴾

ترجمہ: حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں

قاریوں کو بلا کر بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھانے کا حکم فرمایا اور وتر خود حضرت علی رضی اللہ عنہ پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ اس حدیث کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

اسکی سند میں حماد بن شعیب پر محدثین نے کلام کیا ہے لیکن اسکے متعدد شواہد موجود ہیں۔ابوعبدالرحمٰن سلمی کی یہ روایت شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے **منهاج السنة** میں ذکر کی ہے اوراس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ تراویح کو اپنے دورخلافت میں باقی رکھا۔﴿**منهاج السنة** ۲۲۴/۴﴾

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے **المنتقیٰ مختصر منهاج السنة** (المنتقیٰ ص۵۴۲) میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس استدلال کو بلانکیر ذکر کیا ہے،اس سے واضح ہے کہ ان دونوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعات تراویح کا معمول جاری تھا۔

﴿حدیث﴾ عن عَمرو ابن قَیس،عن أبِی الْحَسَنَاء: أنَّ عَلِیاً أَمَرَ رَجُلًا یُصَلِّی بِهِم فِی رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَة.

﴿إعلاء السنن ،باب التراويح ،وأوجزا لمسالك،باب ما جاء فی قيام شهر رمضان﴾

ترجمہ: حضرت عمر بن قیس رحمہ اللہ،ابوالحسناء رحمہ اللہ (تابعی) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان المبارک میں بیس (۲۰) رکعتیں پڑھایا کریں۔

﴿حدیث﴾ عَنِ الأعْمَشِ،عَنْ زَیْدِ بْنِ وَهبٍ قَالَ:کَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْن مَسْعُود رضی اللہ عنہ یُصَلِّی لَنَافِی شَهْرِ رَمَضَانَ،قَالَ الأعْمَش:کَانَ یُصَلِّی عِشْرِیْنَ رَکْعَةً،وَیُوتِر بِثَلَاثٍ. ﴿أوجز المسالك،باب ما جاء فی قيام شهررمضان،وتحفة الأحوذی، باب ما جاء فی قيام شهررمضان﴾

ترجمہ: امام اعمش رحمہ اللہ (تابعی،م ۱۴۸ھ) حضرت زید بن وہب رحمہ اللہ (تابعی) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہم لوگوں کو بیس (۲۰) رکعات تراویح اور

تین (۳) رکعات وتر پڑھایا کرتے تھے۔

صاحب تحفة الأحوذي نے اس حدیث کو منقطع کہہ کر اس کی سند کو ضعیف کرنے کی کوشش کی ہے جب کہ حضرت زید بن وہبؒ (تابعی) براہ راست حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کررہے ہیں۔

﴿حدیث﴾ عن شُتیر بن شکل وَکَانَ مِنْ أصْحَاب عَلِی رضی اللہ عنہ أنَّہُ کَانَ یَؤُمُّھُم فِی شَھْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃ وَیُوتِر بِثَلَاثٍ. قال البیھقی وفی ذلك قوۃ.

﴿سنن بیھقی، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شھر رمضان﴾

ترجمہ: حضرت شتیر بن شکلؒ جو علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے، وہ رمضان المبارک میں لوگوں کو بیس (۲۰) رکعات تراویح اور تین (۳) رکعات وتر پڑھایا کرتے تھے۔

﴿حدیث﴾ عَن سَعِید بن عُبَید :أنَّ عَلِی بن رَبِیعة کَانَ یُصَلِّی بِھِم فِی رَمَضَانَ خَمْس تَرْوِیحَاتٍ وَیُوتِر بِثَلَاثٍ. أخرجه أبو بکر بن أبی شیبة فی "مصنفه"، وإسناده صحیح. ﴿بذل المجھود للشیخ خلیل أحمد سھارنفوری﴾

ترجمہ: حضرت سعید بن عبیدؒ سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ربیعہؒ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے، وہ رمضان المبارک میں پانچ **ترویحات** یعنی بیس (۲۰) رکعات تراویح اور تین (۳) رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

﴿حدیث﴾ عَنْ أبِی الخُصَیب قَالَ: کَانَ یَؤُمُّنَا سُوَید بن غَفْلَة فِی رَمَضَانَ، فَیُصَلِّی خَمْس تَرْوِیْحَات عِشْرِیْنَ رَکْعَة. ﴿سنن بیھقی، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شھر رمضان، إسناده حسن، "أوجز المسالك"﴾

ترجمہ: حضرت ابوخصیبؒ فرماتے ہیں کہ سوید بن غفلہؒ (تابعی، م ۸۰ھ) ہمیں رمضان المبارک میں پانچ **ترویحات** یعنی بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھاتے تھے۔

﴿حدیث﴾ عَنْ نَافِعٍ،عَنِ ابْنِ عُمَرَقَالَ:كَانَ ابن أَبِی مُلَیکَةَیُصَلِّی بِنَا فِی رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً. رواہ أبو بکر بن أبی شیبةوإسنادہ صحیح.

﴿بذل المجھود،باب فی قیام شھر رمضان، و أوجز المسالك،باب ماجاء فی قیام شھررمضان﴾

ترجمہ: حضرت نافعؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہؒ (تابعی، م ۱۱۷ھ) ہمیں رمضان المبارک میں بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھاتے تھے۔

﴿حدیث﴾ وَرَوَیٰ مُحَمَّدُ بْن نَصَرَ مِنْ طَرِیقِ عَطَاء قَا لَ: أَدْرَکْتُھُم فِی رَمَضَانَ یُصَلُّونَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً،وَثَلَاثَ رَکعات الوتر. ﴿فتح الباری للعلامة ابن حجرا لعسقلانی، با ب فضل من قام رمضان، وقال ا لعلامة ا لنیموی :إسنادہ حسن﴾

ترجمہ: محمد بن نصرؒ حضرت عطاءؒ (تابعی، م ۱۱۴ھ) سے روایت نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو رمضان المبارک میں بیس (۲۰) رکعات تراویح اور تین (۳) رکعات وتر پڑھتے دیکھا ہے۔

﴿حدیث﴾ عَنْ مَالِكٍ ،عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَیْنِ،أَنَّهُ سَمِعَ الأعْرَجَ یَقُولُ: مَا أَدْرَکْتُ النَّاسَ إِلا وَھُمْ یَلْعَنُونَ الْکَفَرَةَ فِی رَمَضَانَ،قَالَ:وَکَانَ الْقَارِی ءُ یَقْرَأُ سُورَةَ الْبَقَرَةِ فِی ثَمَانِ رَکَعَاتٍ،فَإِذَا قَامَ بِھَا فِی اثْنَتَیْ عَشْرَةَ رَکْعَةً، رَأَی النَّاسُ أَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ. ﴿مؤطا امام مالك،باب ما جاء فی قیام رمضان، وسنن بیھقی، باب قدرقراء تھم فی قیام شھررمضان﴾

ترجمہ: حضرت داؤد بن حصین سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن اعرجؒ (تابعی، م ۱۱۷ھ) سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ رمضان المبارک میں دشمنوں کے خلاف دعائیں کیا کرتے تھے (یعنی دعاءِ قنوت پڑھتے تھے) اور امام سورۃ بقرۃ آٹھ رکعات میں ختم کرتے تھے اور جب کبھی وہ اس سورت کو ۱۲ ویں رکعت میں پڑھتے تو ہم یہ سمجھتے کہ انہوں نے قرآت میں تخفیف کی ہے۔

اجماع صحابہ پر عمل ضروری ہے

مذکورہ بالا احادیث اوراقوال علماء امت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کا مسلسل عمل بیس رکعات پڑھنے کا تھا تو علماء وفقہا نے بیس (۲۰) رکعات تراویح ہی کو سنت قرار دیا۔ جو دو دو رکعات پانچ ترویحات کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ امیر المؤمنین کے حکم، اجماع صحابہ، اجماع علماء امت کے بعد اس کی خلاف ورزی اللہ ورسول کی خلاف ورزی ہوگی۔ اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے۔ **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ.** ﴿سورة نساء :۵۹﴾

ترجمہ:۔ اے مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور امیر کی اطاعت کرو۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

﴿حدیث﴾ **إِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِىْ فَسَيَرَىٰ اخْتِلَافاً كَثِيْراً فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِى وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.**

﴿سنن أبى داؤد، باب فى الزوم السنة، وسنن ترمذى، وقال الترمذى هذا حديث حسن صحيح، باب الاخذ بالسنة واجتناب البدعة، ومسند أحمد، الفتح الربانى ۱/۱۸۸﴾

ترجمہ:۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، اس وقت تم میرے اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین (یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم) کے طریقے کو لازم پکڑو اور اس پر مضبوطی سے قائم رہو اور اپنی طرف سے دین میں کوئی بات ایجاد مت کرو۔ (رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے طریقہ کے علاوہ)

ہر ایجاد کردہ امر بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور دوسری روایت میں ارشاد فرمایا:

﴿حدیث﴾ اقْتَدُوْا بِالَّذَیْنِ مِنْ بَعْدِیْ أَبِی بَکْرٍ وَّعُمَر.

﴿سنن ترمذی، وقال الترمذی هذا حدیث حسن ۲/۲۰۷، ومسند أحمد، الفتح الربانی ۲۲/۱۸۲﴾

ترجمہ:۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اتباع کرو۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے جنتی لوگوں کی نشانی مَاأَنَاعَلَیْهِ وَأَصْحَابِی (جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر عمل کرے) بیان فرمائی۔

بیس رکعات تراویح اہل سنت والجماعت کی علامت ہے

عمل رسول، اجماع صحابہ اور امیر المؤمنین کے حکم کے بعد تمام تابعین اور تبع تابعین وائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد ابن حنبلؒ، وامام سفیان ثوریؒ، وامام داؤد ظاہریؒ، وامام عبداللہ ابن مبارکؒ ودیگر علماء اہل سنت والجماعت نے بیس (۲۰) رکعات تراویح ہی کو سنت قرار دیا۔ لہذا بیس (۲۰) رکعات تراویح اہل سنت والجماعت کی علامت بن گئی۔ اسلئے صحابہ سے لے کر اب تک دنیا کے اکثر مسلمان (Majority) بیس رکعات ہی پر عمل پیرا ہیں۔ ذیل میں چند علماء اہل سنت والجماعت کی آراء لکھی جارہی ہیں۔

بیس رکعات تراویح پر علماء امت کا اتفاق

﴿۱﴾ حضرت نعمان بن ثابت امام ابوحنیفہؒ (تابعی، م۱۵۰ھ) فرماتے ہیں۔

وروی أسد بن عمرو عن أبی یوسف قال: سألت أبا حنیفة عن التراویح ومافعله عمر رضی اللہ عنہ؟ فقال: التراویح سنة مؤکده. ولم یتخرصه عمر من تلقاء نفسه، ولم یکن فیه مبتدعاً، ولم یأمر به إلا عن أصل لدیه، وعهد من رسول الله ﷺ. کذا فی "مراقی الفلاح" نقلاً عن "الاختیار" (ص ۲۳۹)

﴿إعلاء السنن، باب التراويح﴾

ترجمہ:۔ حضرت اسد بن عمرؒ امام ابو یوسفؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ (تابعی) سے تراویح اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کے بارے میں سوال کیا تو امام ابو حنیفہؒ نے جواب دیا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنی طرف سے نہیں گڑھا اور نہ وہ اس سلسلے میں کوئی نیا کام کیا اور بغیر دلیل کے کوئی حکم نہیں دیا اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکعات تراویح کے بارے میں یقینی طور پر معلوم تھا۔

۲﴾ حضرت محمد بن ادریس امام شافعیؒ (تبع تابعی، م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں۔

وقال الشافعي: وهكذا أدركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة.

﴿سنن ترمذی، باب ما جاء فی قیام شهر رمضان﴾

ترجمہ:۔ امام شافعیؒ (تبع تابعی) فرماتے ہیں کہ میں اپنے شہر مکہ مکرمہ میں بیس (۲۰) ہی رکعات تراویح پڑھتے دیکھا ہے۔

۳﴾ حضرت امام ابو عیسیٰ ترمذی شافعیؒ (م ۲۷۹ھ) لکھتے ہیں۔

وأكثر أهل العلم على ما روى عن عمر وعلى وغيرهما من أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم عشرين ركعة، وهو قول الثوری وابن المبارك والشافعي.

﴿سنن ترمذی، باب ما جاء فی قیام شهر رمضان﴾

ترجمہ: اکثر علماء کے نزدیک تراویح بیس (۲۰) ہی رکعات ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایتوں کی بنا پر اور امام سفیان ثوریؒ، امام عبداللہ ابن مبارکؒ اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔

۴﴾ علامہ علاء الدین کاسانی حنفیؒ (م ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں۔

وأما قدرها (صلاة التراويح) فعشرين ركعة في عشر تسليمات في

خمس ترويحات،كل تسليمتين ترويحة،وهذاقول عامة العلماء.وقال مالك فی قولٍ ستة وثلاثون رکعةً،وفی قول ستة وعشرون رکعة، والصحيح قول العامة لما روی أن عمرؓ جمع أصحاب رسول اللّٰہ ﷺ فی شهررمضان علی أبی بن کعب فصلی بهم فی کل ليلة عشرين رکعة، ولم ينکر عليه أحد فيکون اجماعاً منهم علی ذلك.

﴿بدائع الصنائع:١/٦٤٤،طبع دارالکتاب ديوبند﴾

ترجمہ:۔ تراویح کی رکعات بیس (٢٠) ہیں دس سلام اور پانچ ترويحات کے ساتھ، دو سلاموں کا ایک ترويحه ہوتا ہے۔ یہ جمہور علماء کا قول ہے۔امام مالکؒ کا ایک قول چھتیس (٣٦) رکعات کا ہے اور دوسرا قول چھبیس رکعات کا ہے لیکن جمہور علماء کا قول ہی صحیح ہے اس لئے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے حضرت ابی بن کعب ؓ کو رمضان المبارک کے مہینہ میں صحابہ ؓ کو تراویح پڑھانے پر مامور کیا تو وہ ہر رات بیس (٢٠) رکعات تراویح پڑھاتے تھے اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا تو صحابہ کرام ؓ کا بیس (٢٠) رکعات تراویح پر اجماع ہوا۔

٥﴾ علامہ ابوالولید ابن رشد قرطبی مالکیؒ (م ٥٩٥ھ) لکھتے ہیں۔

واختلفوا فی المختارمن عددالرکعات التی يقوم بهاالناس فی رمضان،فاختارمالك فی أحدقوليه،وأبوحنيفة والشافعی وأحمدوداؤدالقيام بعشرين رکعةسوی الوتر،وذکرابن القاسم عن مالك أنه کان يستحسن ستاوثلاثين رکعةوالوترثلاث.

﴿بداية المجتهد ،باب فی قيام رمضان ﴾

ترجمہ: تراویح کی رکعات کے متعلق اقوال ہیں۔امام مالکؒ کے ایک قول کے مطابق اور امام ابوحنیفہؒ،امام شافعیؒ،امام احمد بن حنبلؒ اور امام داؤد ظاہریؒ کے نزدیک وتر کے علاوہ

بیس (۲۰) رکعات ہیں اور ابن قاسم نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ چھتیس (۳۶) رکعات کو بھی پسند فرماتے تھے۔

امام مالکؒ کے نزدیک بھی بیس (۲۰) رکعات ہی تراویح ہے البتہ اہل مکہ ہر **ترویحة** یعنی چار (۴) رکعات کے بعد طواف کیا کرتے تھے، اہل مدینہ چونکہ طواف نہیں کر سکتے تھے اس لئے اہل مدینہ ہر طواف کے بدلہ میں چار (۴) رکعات نفل پڑھا کرتے تھے۔

۲۰ رکعات (تراویح) +۱۶ رکعات (نفل) =۳۶ رکعات + ۳ رکعات (وتر) =۳۹ رکعات

۶﴾ علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلیؒ (م۶۲۰ھ) لکھتے ہیں۔

وقيام شهر رمضان عشرون ركعة، يعنى صلاة التراويح، وهى سنة مؤكدة، وأول من سنّها رسول الله ﷺ. ﴿المغنى، باب صلاة التراويح﴾

ترجمہ: تراویح کی بیس (۲۰) رکعات سنت موکدہ ہے، سب سے پہلے اس سنت کو رسول اللہ ﷺ نے ادا فرمایا۔

۷﴾ امام ابوالقاسم عبدالکریم رافعی شافعیؒ (م۶۲۳ھ) لکھتے ہیں۔

صلاة التراويح عشرون ركعة بعشر تسليمات وبه قال أبو حنيفة وأحمد لما روى أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِالنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً لَيْلَتَيْن، فَلَمَّا كَانَ فِى اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ اجْتَمَعَ النَّاسُ، فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ، ثُمَّ قَالَ مِنَ الْغَدِ خَشِيْتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَلَا تُطِيْقُوْنَهَا. ﴿فتح العزيز، باب صلاة التراويح﴾

ترجمہ: نماز تراویح بیس (۲۰) رکعات دس سلاموں کے ساتھ پڑھنا سنت ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ کا قول ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ دو راتیں بیس (۲۰) رکعات پڑھائی اور جب تیسری رات لوگ مسجد میں جمع ہو گئے تو آپ ﷺ تشریف نہیں لائے پھر صبح میں ارشاد فرمایا: مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز (تراویح) تم

پرفرض کردی جائے اورتم کرنہ سکو۔

۸﴾ امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعیؒ (م ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں۔

مذھبنا أنها عشرون رکعة بعشر تسلیمات غیر الوتر وذلك خمس ترویحات والترویحة اربع رکعات تسلیمتین هذا مذهبنا وبه قال أبوحنیفة وأصحابه وأحمد وداؤد وغیرهم ونقله القاضی عیاض عن جمهور العلماء.

﴿المجموع ٤/ ٣٢﴾

ترجمہ: تراویح کی رکعات کے متعلق ہمارا (شوافع کا) مسلک وتر کے علاوہ بیس (۲۰) رکعات کا ہے دس سلاموں کے ساتھ، اوربیس (۲۰) رکعات پانچ ترویحات ہیں اور ایک ترویحة چار (۴) رکعات کا دو سلاموں کے ساتھ، اور یہی امام ابوحنیفہؒ اور انکے اصحاب اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام داؤد ظاہریؒ کا مسلک ہے اور قاضی عیاضؒ نے بیس (۲۰) رکعات تراویح کو جمہور علماء سے نقل کیا ہے۔

۹﴾ علامہ احمد تقی الدین ابن تیمیہ حنبلیؒ (م ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں۔

تنازع العلماء فی مقدار القیام فی رمضان، فإنه قد ثبت ان أبی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة فی قیام رمضان، یوتر بثلاث. فرأی کثیر من العلماء أن ذلك هو السنة، لأنه اقامه بین المهاجرین والأنصار، ولم ینکره منکر. واستحب آخرون: تسعة وثلاثین رکعة، بناء علی أنه عمل أهل المدینة القدیم. وقال طائفة: قد ثبت فی الصحیح عن عائشة أن النبی ﷺ لم یکن یزید فی رمضان ولا غیره علی ثلاث عشرة رکعة، واضطرب قوم فی هذا الاصل، لما ظنوه من معارضة الحدیث الصحیح لما ثبت من سنة الخلفاء الراشدین، وعمل المسلمین. والصواب أن ذلك

جميعه حسن.﴿مجموع فتاوى ابن تيمية: ۲۳/۱۱۲﴾

ترجمہ: تراویح کی رکعات کے سلسلے میں علماء کے چند اقوال ہیں۔

۱﴾ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا رمضان المبارک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیس (۲۰) رکعات تراویح اور تین (۳) رکعات وتر پڑھانا ثابت ہے اس لئے کہ اکثر علماء کے نزدیک یہی سنت ہے اسلئے کہ حضرت ابن بن کعب رضی اللہ عنہ نے مہاجرین اور انصار کی موجودگی میں بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھائی اور کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

۲﴾ اور بعض علماء نے انتالیس (۳۹) رکعات کو مستحب کہا ہے اہل مدینہ کے عمل کی بنا پر۔

۳﴾ اور ایک طبقہ کہتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں رمضان و غیر رمضان میں تیرہ (۱۳) رکعات سے زیادہ ثابت نہیں ہے مگر اکثر علماء نے حدیث عائشہ کو دوسری حدیث صحیح کے خلاف ہونے کی بنا پر قابل حجت نہیں سمجھا ہے جس میں خلفاء راشدین اور تمام مسلمانوں کا عمل (بیس رکعات تراویح) منقول ہیں۔ میرے نزدیک سب قول صحیح ہیں۔

۱۰﴾ علامہ عبیداللہ بن مسعود حنفیؒ (م ۷۴۷ھ) لکھتے ہیں۔

سنَّ التراويح عشرون ركعة بعد العشاء قبل الوتروبعده، خمس ترويحاتٍ، لكلِ ترويحةٍ تسليمتانِ وجلسة بعدهماقدرترويحةٍ، والسُّنة فِيهَا الختم مرَّةً ولايترك لكسل القوم.

﴿شرح وقاية، فصل سنة التراويح عشرون ركعة﴾

ترجمہ: بیس (۲۰) رکعات تراویح عشاء کے بعد، وتر سے پہلے یا بعد پانچ (۵) **ترویحات** کے ساتھ مسنون ہے۔ ہر **ترویحة** دو سلام کا ہوگا اور ہر چار (۴) رکعات کے بعد بقدر چار رکعات بیٹھنا سنت ہے اور تراویح میں کم از کم ایک قرآن ختم کرنا سنت ہے اور سستی کی وجہ سے ختم قرآن کو ترک نہ کریں۔

۱۱﴾ علامہ ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعیؒ (م۸۵۲ھ) لکھتے ہیں۔

(حديث) إنَّه ﷺ صَـلَّى بِالنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً لَيْلَتَيْنِ،فَلَمَّا كَانَ فِى اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ إجْتَمَعَ النَّاسُ، فَلَمْ يَخْرُجْ إلَيْهِمْ،ثُمَّ قَالَ مِنَ الْغَدِخَشِيْتُ أن يفرضَ عَلَيْكُمْ فَلَا تُطِيْقُوهَا: متفق على صحته من حديث عا ئشة دون عددالركعات وفى رواية لهما : خَشِيْتُ أن تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ ا للَّيْل فَتَعْجِزُوا عَنْهَا زادالبخارى فى رواية:فَتُوَفِّىَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَالأمْرُعَلَى ذٰلِك:وأماالعدد فروى ابن حبان فى صحيحه من حديث جابر أنه صَلَّى بِهِمْ ثَمَانَ رَكَعَات ثُمَّ أوتَرَ.فهذا مباين لما ذكر المصنف (الإمام ا لرافعى)نعم: ذكر العشرين وردفى حديث آخر رواه ا لبيهقى من حديث ابن عباس أنَّ ا لنَّبِىَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّى فِى شَهْرِ رَمَضَانَ فِى غَيْرِجَمَاعَةٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ:زاد سليم الرازى فى كتاب الترغيب له وَيُوتِر بِثَلَاث قال البيهقى تفردبه أبو شيبة إبراهيم بن عثمان وهو ضعيف وفى الموطأوابن أبى شيبة والبيهقى عن عُمَرَ أنَّهُ جَمَعَ النَّاس عَلى أُبَيِّ بْنِ كَعْب فَكَانَ يُصَلِّى بِهِم فِى شَهْرِ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً، الحديث.﴿تلخيص الحبير،ا لمجموع ٤/٢٦٤﴾

ترجمہ: ﴿حدیث﴾ کہ رسول اللہ ﷺ دوراتیں بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھائی اور جب تیسری رات لوگ (صحابہ کرام) جمع ہوئے تو آپ ﷺ تشریف نہیں لائے، پھر صبح میں ارشادفرمایا: مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز (تراویح) تم پرفرض کردی جائے اورتم کرنہ سکو۔ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بغیر ذکر رکعات کے صحیح سند سے مروی ہے اور ایک دوسری روایت میں خَشِيتُ أنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُاللَّيْل فَتَعْجِزُوا عَنْهَا کے الفاظ ہیں اور بخاری کی روایت میں فُتُوَفِّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَالأمْرُعَلَى ذٰلِك کے

الفاظ ہیں، اور رکعات کے متعلق جو حدیث ابن حبانؒ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ آٹھ رکعات اور وتر پڑھائی۔ یہ حدیث مذکورہ حدیث کے معارض ہے مگر بیس (۲۰) رکعات کا ذکر دوسری حدیث میں بھی آیا ہے جس کو امام بیہقیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ رمضان المبارک کے مہینہ میں انفرادی بھی بیس (۲۰) رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔ اور شیخ سلیم رازیؒ اپنی کتاب ترغیب میں تین (۳) رکعات وتر نقل کیا ہے۔ امام بیہقیؒ نے اس حدیث کے راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان کو متفرد اور ضعیف کہا ہے لیکن بیس (۲۰) رکعات کی تائید میں مؤطا، وابن ابی شیبہ اور بیہقی میں روایات موجود ہیں جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تراویح پڑھانے کے لئے جب مامور کیا تو وہ بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

رکعات تراویح کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا موقف سلف وخلف کے خلاف ہے

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے فتوی بنام **المصابیح فی صلاۃ التراویح** میں بیس (۲۰) رکعات تراویح کا انکار کرتے ہوئے ایک طرفہ بحث کرنے کی کوشش کی ہے اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی تخریج کردہ حدیث پر جرح بھی فرمایا ہے نیز **ولا أدری من أین أحدث هذا الركوع الكثير** (مجھے معلوم نہیں کہ اتنے سارے رکوع کہاں سے پیدا ہوئے) نقل کیا ہے۔ یہ انداز تمسخر اکابر فقہاو محدثین سے بعید لگتا ہے۔ اگر واقعی یہ عبارت علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی ہے تو تعجب ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ جیسا محدث (جن کو علامہ سیوطیؒ نے شیخ الاسلام لکھا ہے) اس حدیث کو تسلیم کیا ہو اور خود علامہ سیوطیؒ نے اسی فتوی میں

بیہقی کی بیس (۲۰) رکعات والی حدیث **كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً۔الحديث** کو صحیح کہہ رہے ہیں اور بیس (۲۰) رکعات پر تمام صحابہ کا عمل تواتر سے ثابت ہو اور جمہور علماء امت اور انکے پہلے کے علماء شوافع مثلاً **امام ترمذی**ؒ، **امام غزالی**ؒ، **امام رافعی**ؒ **امام ابو اسحاق شیرازی**ؒ، **امام نووی**ؒ، **علامه ابن حجر عسقلانی**ؒ وغیرہ بیس (۲۰) رکعات تراویح پر متفق ہوں تو پھر علامہ سیوطیؒ کا اس طرح لکھنا نا قابل فہم اور انکی جلالت شان کے خلاف ہے۔اور انکے بعد کے علماء شوافع مثلاً **علامه زين الدين مليباری**ؒ، **علامه ابن حجر هيتمی مكی**ؒ، **علامه سيد أبوبكر بن سيدمحمد شطا دمياطی مصری**ؒ، **علامه سيدعلوی بن سيد أحمدسقاف**ؒ، **علامه عبدالحميدخطيب**ؒ وغیرہ نے بھی ان کی رائے کو قبول نہیں کیا۔معلوم نہیں کہ اس طرح کا ذہول **علامه سيوطی**ؒ سے کس طرح ہوا۔

۱۲﴾ استاذ الاساتذہ مجاہد آزادی شیخ محمود حسن قاسمی دیوبندیؒ (م ۱۳۳۹ھ) فرزند اول وسابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں۔

لما إجتمع كبارالصحابة والخلفاء الراشدون على عشرين ركعة فاى دليل اقوى على ذلك لانهم عا لمين باقواله عليه السلام وافعاله، فلما تركوا جميع ماسوى عشرين ركعة فعلم أنه ظهردليل اقوى على ثبوت عشرين ركعة،وأما قول من ذهب من أهل الحديث إلى ثمانى ركعات فلا اصل له فى الحديث،بل نشاء من قلة الفهم،وعدم التدبرفى الفرق بين الصلاة تراويح والتهجدوبينهمابون بعيدفان عائشة رضى الله عنهاتقول ماقام عليه السلام للتهجدليلةكلها،وفى باب التراويح قام

إلى أن خيف الفلاح.﴿تقرير ترمذی،باب ما جاء فی قیام شھر رمضان﴾

ترجمہ: جب کبار صحابہ اور خلفاء راشدین بیس (۲۰) رکعات تراویح پر متفق ہو گئے اس سے بڑھ کر کونسی قوی ترین دلیل ہو سکتی ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال کو سب سے زیادہ جاننے والے وہی حضرات تھے۔جب انہوں نے بیس (۲۰) رکعات کے علاوہ کے قول وعمل کو ترک کیا تو معلوم ہوا کہ بیس (۲۰) رکعات کے سلسلے میں ان کے پاس قوی ترین ثبوت موجود تھا اور اہل حدیث حضرات جو آٹھ (۸) رکعات تراویح کہتے ہیں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، یہ انکی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ تہجد اور تراویح میں فرق نہیں کرتے حالانکہ تہجد اور تراویح میں بہت بڑا فرق ہے اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تہجد پوری رات پڑھنے کی نفی کرتی ہیں جب کہ تراویح سحری تک پڑھی گئی ہے۔

﴿۱۳﴾ محدث وقت حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ (م ۱۴۰۲ھ) سابق شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور لکھتے ہیں۔

بہت سے علماء نے لکھا ہے کہ تراویح کے مسنون ہونے پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے اور اہل قبلہ میں سے روافض کے سوا کوئی فرقہ بھی اس کا انکار نہیں کرتا۔ائمہ اربعہ یعنی امام اعظمؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ سب حضرات کے فقہ کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے کہ تراویح کی بیس (۲۰) رکعات سنت مؤکدہ ہیں۔البتہ امام مالکؒ کے نزدیک مشہور قول کے موافق چھتیس (۳۶) رکعتیں ہیں۔فقہ کی حنبلی کی مشہور کتاب "مغنی" میں لکھا ہے کہ امام احمدؒ کے نزدیک راجح قول بیس (۲۰) رکعات کا ہے اور یہی مذہب ہے سفیان ثوریؒ اور امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ کا، البتہ امام مالکؒ کے نزدیک چھتیس (۳۶) رکعات ہیں۔امام مالکؒ سے نقل کیا گیا کہ میرے پاس بادشاہ کا قاصد آیا کہ تراویح کی رکعات میں تخفیف کی اجازت دے دی جائے، میں نے انکار کر دیا۔امام مالکؒ کے شاگرد کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں انتالیس (۳۹) رکعات پڑھی جاتی تھیں یعنی چھتیس (۳۶) تراویح اور تین (۳) وتر، اوجز (المسالک) میں یہ بحث مفصل ہے، میرے اساتذہ کا ارشاد ہے کہ مدینہ میں چھتیس

(۳۶) رکعات جو پڑھی جاتی تھیں ان میں بیس (۲۰) تراویح ہوتی تھیں لیکن ہر **ترویحة** میں اتنی دیر ٹھہرنا مستحب ہے جتنی دیر میں چار (۴) رکعات پڑھے اس لئے وہ حضرات ہر **ترویحة** میں چار ر (۴) کعات نفل پڑھ لیتے تھے اس لئے یہ سولہ (۱۶) رکعات چار (۴) درمیانی ترویحوں کی بڑھ گئیں۔ بہر حال یہ مالکیہ کا مذہب ہے بقیہ تینوں اماموں کے نزدیک راجح قول بیس (۲۰) رکعات ہی کا ہے۔ ﴿خصائل نبوی، ص ۲۲۶﴾

۱۴﴾ حضرت مولانا محمد امجد علی رضوی اعظمیؒ سابق صدر مدرس دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف لکھتے ہیں۔

تراویح مرد و عورت سب کے لئے بالاجماع سنت مؤکدہ ہے اس کا ترک جائز نہیں (درمختار وغیرہ) اس پر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے مداومت فرمائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری سنت خلفاء راشدین کو اپنے اوپر لازم سمجھو اور خود حضور نے بھی تراویح پڑھی اور اسے بہت پسند فرمایا۔ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ارشاد فرماتے ہیں جو رمضان میں قیام کرے ایمان کی وجہ سے اور ثواب طلب کرنے کے لئے اس کے اگلے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے یعنی صغائر۔ پھر اس اندیشہ سے کہ امت پر فرض نہ ہو جائے ترک فرمائی پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ رمضان میں ایک رات مسجد کو تشریف لے گئے اور لوگوں کو متفرق طور پر نماز پڑھتے پایا، کوئی تنہا پڑھ رہا ہے، کسی کے ساتھ کچھ لوگ پڑھ رہے ہیں، فرمایا میں مناسب جانتا ہوں کہ ان سب کو ایک امام کے ساتھ جمع کر دوں تو بہتر ہو، سب کو ایک امام ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ اکٹھا کر دیا پھر دوسرے دن تشریف لے گئے ملاحظہ فرمایا کہ لوگ اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں فرمایا **نعمت البدعة هذه** یہ اچھی بدعت ہے، رواہ اصحاب السنن۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ تراویح کی بیس (۲۰) رکعتیں ہیں اور یہی احادیث سے ثابت، بیہقیؒ نے بسند صحیح سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ لوگ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس (۲۰) رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور عثمان و علی رضی اللہ تعالی عنہما کے عہد میں بھی یو ہیں تھا اور مؤطا میں یزید بن رومان سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان میں

تئیس (۲۳) رکعتیں پڑھتے ۔بیہقیؒ نے کہااس میں تین (۳) رکعتیں وتر کی ہیں اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ رمضان میں لوگوں کو بیس (۲۰) رکعتیں پڑھائے نیز اس کے بیس (۲۰) رکعات ہونے میں یہ حکمت ہے کہ فرائض و واجبات کی اس سے تکمیل ہوتی ہے اور کل فرائض و واجب کی ہر روز بیس (۲۰) رکعتیں ہیں لہذا مناسب کہ یہ بھی بیس (۲۰) ہوں کہ مکمل و مکمل برابر ہوں۔ ﴿بہار شریعت، فصل تراویح کا بیان﴾

بیس رکعات پر صحابہ و علماء کے اتفاق کے بعد آٹھ رکعات تراویح پر اصرار کرنا صحیح نہیں ہے

مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا طبقہ آٹھ (۸) رکعات تراویح پر اصرار کرتے ہوئے بیس (۲۰) رکعات تراویح کا انکار کرتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گیارہ رکعات والی حدیث اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی آٹھ رکعات والی حدیث ہی کو دلیل مانتا ہے جو کسی طرح صحیح نہیں ہے اس لئے کہ

۱﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں رمضان و غیر رمضان کا ذکر ہے رمضان و غیر رمضان میں تہجد اور وتر پڑھی جاتی ہے، نہ کے تراویح لہذا اس حدیث سے تراویح مراد لینا صحیح نہیں ہے اور تہجد و وتر کی رکعتوں کے بارے میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات مختلف ہیں جس میں تیرہ، نو اور سات رکعتوں کا ذکر ہے۔روایات میں تہجد کی رکعات ۲،۴،۶،۸،۱۰،۱۲ منقول ہیں اور وتر کی رکعات ۱،۳،۵،۷،۹،۱۱ منقول ہیں۔تہجد اور وتر کو ملا کر رسول اللہ ﷺ اکثر اس ترتیب سے پڑھا کرتے تھے۔

۱۲ تہجد +۱ وتر =۱۳/۱۰ تہجد +۳ وتر =۱۳/۸ تہجد +۵ وتر =۱۳/۱۰ تہجد +۱، وتر =۱۱/۸ تہجد +۳ وتر =۱۱/۶ تہجد +۳ وتر =۹/۴ تہجد +۳ وتر =۷۔ان تمام روایات کے باوجود صرف گیارہ رکعات پر اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔تہجد اور وتر کی زیادہ تعداد کو ملا کر پڑھنے کی

صورت میں بھی ۲۱ یا ۲۳ رکعات ہوتی ہیں۔

﴿۲﴾ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا آٹھ رکعات پڑھانے کا ذکر ہے لیکن اس حدیث کے آخیر میں **كَرِهْتُ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمُ الْوِتْرُ** (مجھے ناپسند ہوا کہ وتر فرض کر دی جائے) کے الفاظ قابل غور و قابل توجیہ ہیں اور جب کہ اس کے برعکس بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھانا بھی ثابت ہے اور صحابہ و تابعین کا عمل بھی بیس (۲۰) رکعات تراویح کا ہے۔ لہٰذا تمام صحابہ، تابعین اور اکثر علماء امت کے بیس (۲۰) رکعات تراویح پر اتفاق کے بعد آٹھ (۸) رکعات تراویح پر اصرار کرنا اور حدیث صحیح و حدیث ضعیف کی بحث کرتے ہوئے بیس رکعات کا انکار کرنا حق اور اجماع سے انحراف کا باعث ہوگا۔

﴿حدیث﴾ عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِی ﷺ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ، وَفَا رَقَ الْجَمَاعَةَ، فَمَاتَ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً، الحديث.

﴿صحيح مسلم ۲/۱۲۷﴾

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو امیر کی بات نہ مانے اور مسلمانوں کی جماعت (اجتماعی نظام اور اجتماعی فیصلوں) سے الگ ہو جائے وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

﴿حدیث﴾ عَنِ الْحَارِثِ الأَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اٰمُرُكُم بِخَمْس كَلِمَاتٍ أَمَرَنِی اللّٰهُ بِهِنَّ۔ الْجَمَاعَة، وَالسَّمْع، وَالطَّاعَة، وَالْهِجْرَة، وَا لْجِهَاد فِی سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَمَنْ خَرَجَ مِنَ ا لْجَمَاعَةِ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الاسْلَامِ مِنْ رَّأْسِهِ إِلَّا أَنْ يَّرْجِعَ. ﴿مستدرك حاكم ۱/۱۱۷، وقال حاكم حديث فيما يدل على أن ا جماع ا لعلماء حجة، رواه أحمد وا لترمذی، مشكوٰة ا لمصا بيح، كتاب ا لإمارة وا لقضاء﴾

ترجمہ: حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں

ایسی پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جس کا حکم مجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔(۱) **الجماعة** (مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنا) (۲) **والسمع** (امیر کی بات سننا) (۳) **والطاعة** (اجتماعی فیصلوں پر عمل کرنا) (۴) **والھجرة** (دین پر عمل مشکل ہونے کی صورت میں اپنے گاؤں کو چھوڑنا) (۵) **والجهاد فی سبیل الله** (دین، جان، مال، عزت کی دفاع کیلئے مقابلہ کرنا) جو شخص مسلمانوں کی جماعت سے ایک بالشت کے برابر بھی نکل جائے، گویا وہ اسلام کے بندھن کو اپنے گلے سے اتار دیا جب تک کہ وہ دوبارہ جماعت میں شامل نہ ہو۔
امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اجماع کے حجت ہونے پر دلالت کرتی ہے۔
اللّٰهُمَّ اَرِنَاالْحَقَّ حَقاًوَارْزُقْنَااتِّبَاعَهُ وَاَرِنَاالْبَاطِلَ بَاطِلاًوَارْزُقْنَااجْتِنَابَهُ
اے اللہ حق کو واضح فرما اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرما اور باطل کو بھی واضح فرما اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔

تراویح سنت کے مطابق پڑھیے

سطور بالا میں فضیلت تراویح ورکعات تراویح کا ذکر کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ بیس (۲۰) رکعات تراویح پر صحابہ، تابعین اور علماء امت کا اتفاق ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ حق کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ رمضان المبارک کا مہینہ روزہ، تراویح، تلاوت، ذکر، صدقات اور کثرت عبادت کا مہینہ ہے اور روزہ وتراویح رمضان المبارک کے خاص دو تحفے ہیں، اسلئے روزہ اور تراویح کو صحیح ومکمل سنت کے مطابق ادا کرنا ضروری ہے۔ بہت سے تراویح پڑھنے والے جلدی جلدی تراویح پڑھ کر گھر جانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور اکثر حفاظ لوگوں کی رعایت میں فرائض، سنن وآداب مثلاً دعاء افتتاح وغیرہ اور قرآن کی عظمت کا خیال نہ کرتے ہوئے تراویح پڑھتے ہیں جن کے بارے میں بڑی وعیدیں آئی ہیں۔

خلاف سنت نماز پڑھنے والوں کے لئے قرآنی تنبیہ

اللّٰہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

١ ﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَاتَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. ﴿سورة روم۔٣١﴾

ترجمہ: اور نماز پابندی سے پڑھو اور مشرکین کی طرح مت بنو۔

٢ ﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. ﴿سورة حج۔٧٧﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو اور نیکی کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

٣ ﴾ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ. ﴿سورة بقرة۔٢٣٨﴾

ترجمہ: اور اللہ کے سامنے عاجز بن کر (نماز میں) کھڑے رہو۔

٤ ﴾ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ہ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ. ﴿سورةمومنون﴾

ترجمہ: کامیاب اور بامراد ہیں وہ ایمان والے جو اپنی نمازیں خشوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

٥ ﴾ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ہ اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ہ اَلَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ.
﴿سورة ماعون۔٦،٥،٤﴾

ترجمہ: دردناک عذاب ہے ان لوگوں کے لئے جو نماز سے غفلت کرتے ہیں اور (جو پڑھتے بھی ہیں) وہ دکھانے کے لئے پڑھتے ہیں۔

٦ ﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ج وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا. ﴿سورةنساء۔١٤٢﴾

ترجمہ: بیشک منافقین اللہ کو دھوکہ میں رکھ رہے ہیں، اللہ بھی انکو دھوکہ میں رکھے گا اور وہ (منافقین) جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بددلی سے کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو

دکھانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور قرآن وآذ کار مکمل پڑھتے بھی نہیں ہیں۔

جلدی جلدی نماز پڑھنے والا، گویا نماز پڑھا ہی نہیں

﴿حدیث﴾ عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رسولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم دَخَلَ الْمَسجِدَ، فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّىٰ، (ثُمَّ جاءَ) فسَلَّمَ عَلَىٰ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، فَرَدَّ (النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم) وَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ، فَرَجَعَ يُصَلِّی كَمَاصَلَّى، ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، فَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ (ثَلَاثاً). فَقَالَ: وَالَّذِی بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَاأُحْسِنُ غَيْرَه، فَعَلِّمْنِی. فَقَالَ: إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعاً، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْدِلَ قَائِماً، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِداً، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِساً، (ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِداً) وَ افْعَلْ ذٰلِكَ فِی صَلَاتِكَ كُلِّهَا.

﴿صحیح بخاری، حدیث ۷۵۷، ۷۹۳، وصحیح مسلم ۱/۱۷۰، طبع مکتبۃ المختار دیوبند﴾

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک شخص آیا اور نماز پڑھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دے کر فرمایا جاؤ دوبارہ نماز پڑھو اس لئے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، پھر اس نے جا کر نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دے کر فرمایا جاؤ دوبارہ نماز پڑھو اس لئے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، پھر اس نے جا کر نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دے کر فرمایا جاؤ دوبارہ نماز پڑھو اس لئے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، اس سے اچھی نماز مجھے نہیں معلوم، آپ مجھے سکھا دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ تو **الله اکبر** کہو پھر جو تم کو قرآن یاد

ہو پڑھو، پھر اطمینان سے رکوع کرو، پھر رکوع سے اٹھ کر اطمینان سے کھڑے رہو، پھر اطمینان سے سجدہ کرو، پھر سجدے سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھو، پھر اطمینان سے سجدہ کرو، اسی طرح سب نمازیں پڑھا کرو۔

بدترین چور، جو نماز میں چوری کرے

﴿حدیث﴾ عَنْ عَبدِاللّٰہِ بْنِ أَبِی قَتَادَۃَ عَنْ أَبِیہِ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ أَسْوَءُ النَّاسِ سَرْقَۃً الَّذِی یَسْرِق صَلَاتَہُ قَالُوایَارَسُولَ اللّٰہِ،کَیفَ یَسْرِق صَلَاتَہُ؟ قَالَ:لَایُتِمُّ رُکُوعَھَا وَلَاسُجُودَھَا. ﴿صحیح ابن خزیمة، حدیث٦٦٣، ومستدرك حاكم وقال حاكم صحیح علی شرط الشیخین وأقره الذهبی،١/٢٢٩،طبع دارالمعرفة بیروت﴾

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بدترین چور وہ ہے جو نماز میں چوری کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ نماز میں کس طرح چوری کرے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو رکوع اور سجدہ کو صحیح طریقہ سے ادا نہ کرے۔

تراویح سنن وآداب کے ساتھ پڑھے، امام نوویؒ کی تاکید

إعلم أن صلاة التراويح سنة باتفاق العلماء، وهي عشرون ركعة يسلم من كل ركعتين ،وصفة نفس الصلاة كصفة باقي الصلوات على ما تقدم بيانه ،ويجئ فيها جميع الأذكار المتقدمة كدعاء الافتتاح ،واستكمال الأذكار الباقية، واستيفاء التشهد، والدعاء بعده، وغير ذلك مما تقدم، وهذا وإن كان ظاهراً معروفاً فإنما نبهت عليه لتساهل أكثر الناس فيه، وحذفهم أكثر الأذكار،والصواب ما سبق. ﴿الأذكار،باب أذكار صلاة التراويح﴾

ترجمہ: جان لو تراویح کی نماز کے سنت ہونے پر علماء کا اتفاق ہے اور وہ بیس (٢٠)

رکعات ہیں۔ ہر دو (۲) رکعات کے بعد سلام پھیرا جائے گا، تراویح کی نماز فرض اور سنت نمازوں کی طرح ہی پڑھی جائے گی یعنی فرض اور سنت نمازوں کی طرح تمام اذکار پڑھے جائیں گے، مثلاً دعاءِ افتتاح (وَجَّهۡتُ) اور تمام اذکار کا مکمل پڑھنا اور تشہد (التَّحِيَات) اور اس کے بعد دعا کا مکمل پڑھنا، یہ تمام چیزیں اگرچہ سب کو معلوم ہیں مگر اکثر لوگ تراویح میں اس کو نہیں پڑھتے اس لئے میں نے تاکیداً لکھا ہے۔

نماز تراویح میں حفاظ کرام کی عجلت

از:۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

بعض لوگ تراویح سے جلد فارغ ہونے کے لئے اس قدر عجلت کرتے ہیں کہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ بھی نہیں پڑھتے اور التَّحِيَات کے بعد درود شریف تو کوئی اللہ کا بندہ پڑھتا ہوگا اور التَّحِيَات بھی بہت تیز پڑھتے ہیں۔ ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود صرف قرآن خوانی کو سمجھتے ہیں اور نماز کو مقصود نہیں جانتے ورنہ اس کے اجزاء میں یہ کتر بیونت نہ کرتے اور قرآن کریم بھی اس تیزی سے پڑھتے ہیں کہ بجز غَفُور اور شَكُور کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا پڑھا، غرض یہ خواہش ہوتی ہے کہ جلدی سے خلاصی ہو جائے۔

ایک سر رشتہ دار اور ایک ان کے نائب دونوں ایک ہی کچہری میں تھے۔ انگریز انکو نماز کے وقت اجازت دے دیتا تھا نماز پڑھ آؤ۔ سر رشتہ دار صاحب تو نمازی تھے، وہ تو نماز خشوع وخضوع کے ساتھ اطمینان سے پڑھ کر آتے تھے اور نائب صاحب بے نمازی تھے، وہ تھوڑی سی دیر میں واپس آجاتے تھے۔ صاحب نے ایک روز پوچھا کہ تم بہت جلد واپس آجاتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ تم نماز نہیں پڑھتا۔ کہا کے حضور! سر رشتہ دار صاحب نئے نمازی ہیں، نماز ان کو آتی نہیں۔ وہ سوچ سوچ کر پڑھتے ہیں اور مجھکو نماز کی خوب مشق ہے، پرانا نمازی ہوں۔ اس لئے جلدی پڑھ کر واپس آجاتا ہوں۔ مولانا محمد یعقوب صاحب (نانوتویؒ)

فرمایا کرتے تھے کہ ہماری نماز کی مثال ایسی ہے جیسی کہ گھڑی کہ اس کو کوکنے (چابی دینے) کی ضرورت تو ہوتی ہیں مگر جب ایک مرتبہ کوک (چابی) دی تو پورے چوبیس گھنٹے کے بعد وہ بند ہوگی۔اسی طرح ہماری نماز ہے کہ شروع کردی تو مشین کی طرح تمام ارکان ادا ہو رہے ہیں۔ **السلام علیکم** ہی پر جاکر ختم ہوتی ہے۔خصوصاً تراویح کا تو بہت ہی ناس کرتے ہیں حالانکہ نماز کی ہیت اور اس کے تمام احکام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور قلب کی بہت ہی رعایت رکھی گئی ہے چنانچہ ہر چار (۴) رکعات پڑھنے کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنے کا قاعدہ ہے۔وہ اسی لئے ہے کہ جو تکان ہوگئی ہے اس سے سکون ہو جائے اور نشاط عود کر آئے تا کہ ائندہ چار (۴) رکعات اطمینان سے ادا ہوں۔اب بعض حفاظ تو بالکل بیٹھتے ہی نہیں اور جو بیٹھتے ہیں وہ پالا سا چھوڑ دیتے ہیں (یعنی برائے نام بیٹھتے ہیں) آج کل لوگ دو طرح سے ظلم کرتے ہیں۔بعض تو یہ کرتے ہیں کہ تین تین چار چار پارے پڑھتے ہیں اور بعضے تو پڑھتے ہیں سوا ہی۔مگر بہت آہستہ رفتار سے پڑھتے ہیں۔رمضان میں ان حفاظ کی عملداری (حکومت) ہوتی ہیں جس طرح چاہتے ہیں مقتدیوں کو دق (ستایا) کرتے ہیں۔توسط (اعتدال) کی رعایت ہر حال میں ہونی چاہیے۔ نہ اتنی طویل ہو کہ گرانی ہونے لگے نہ اس قدر تعجیل ہو کہ قرآن اور نماز کے حقوق بھی فوت ہو جائیں۔

دو ترویحوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے

ہر چار رکعات کو ایک ترویحہ کہتے ہیں۔تراویح میں ہر چار رکعات کے بعد بقدر چار رکعات بیٹھنا سنت مؤکدہ ہے۔حضرت زید بن وہبؒ (تابعی) سے روایت ہے کہ

﴿حدیث﴾ عن زَيْدِ بْنِ وَهب قَالَ: كَانَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ ﷺ يُرَوِّحُهُمْ فِي رَمَضَانَ يَعْنِي بَيْنَ التَّرْوِيْحَتَيْنِ،الحديث.

﴿سنن بيهقي، باب ماروى فى عددركعات القيام فى شهررمضان،فضائل رمضان لابن أبى الدنيا،حديث ٥٥، إسناده حسن﴾

ترجمہ: حضرت زید بن وہبؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تراویح کی ہر چار رکعات کے بعد بیٹھنے کا موقع دیتے تھے۔

شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ ھ) لکھتے ہیں۔

أول مااجتمعواعليهاكانوايستريحون بين كل تسليمتين،وقد عقد محمد بن نصرفی قيام الليل بابين لمن استحب التطوع لنفسه بين كل ترويحتين ولمن كره ذلك،وحكى فيه عن يحيىٰ بن بكير عن الليث أنهم كانوا يستريحون قد رما يصلى الرجل كذاوكذا ركعة.

﴿فتح الباری،کتاب صلاۃ التراویح﴾

ترجمہ: سب سے پہلے تراویح پڑھنے والے یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر چار (۴) رکعات کے بعد استراحت کرتے تھے۔ محمد بن نصرؒ ''**قیام اللیل**'' میں دو باب قائم کیا ہے۔(۱) چار رکعات کے بعد نفل کو مستحب کہنے والوں کے بارے میں،(۲) اور جو نفل کو مکروہ کہتے ہیں اور یحیٰ بن بکیرؒ کی روایت کو حضرت لیثؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر چار رکعات کے بعد بقدر چار (۴) رکعات بیٹھتے تھے۔

ترویحہ میں کیا کرے؟

۱﴾   علماء وفقہاء نے لکھا ہے کہ دو ترویحوں کے درمیان یہ دعا تین مرتبہ پڑھے۔

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ، سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظَمَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْجَبَرُوْتِ،سُبْحَانَ ذِی الْحَیِّ الَّذِیْ لَایَنَامُ وَلَایَمُوْتُ، سُبُّوحٌ قُدُّسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ،لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ نَسْتَغْفِرُاللّٰهَ وَنَسْئَلُكَ

الْجَنَّة وَنَعَوذُبِكَ مِنَ النَّار. ﴿تقریر ترمذی،ص۲۴،از: شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، وفضائل ومسائل رمضان المبارک،ص۲۴،ازمولانا سید اصغرحسین صاحبؒ (سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند،) واسوۂ رسول اکرم ﷺ،ص ۳۵۳، از: ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحبؒ (خلیفہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)، وآداب زندگی،ص۳۳۰،از: مولانا محمد یوسف صاحب اصلاحی﴾

۲﴾ سبحان اللہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر اور درود شریف پڑھے۔

أن الإمام كما صلى ترويحة،قعدبين الترويحتين قدرترويحة،يسبح، ويهلل،ويكبر ويصلي على النبي ﷺ. ﴿**بدائع الصنائع** ١/٦٤٨،از: علامہ کاسانیؒ﴾

ترجمہ: امام جب ایک ترویحہ (یعنی چار رکعات) پڑھے تو دو ترویحوں (یعنی ہر چار رکعات) کے دمیان بقدر چار (۴) رکعات بیٹھے، اس دوران **سُبْحَانَ اللّٰه، لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، اَللّٰه اَكْبَرُ** اور درود شریف پڑھے۔

﴿حدیث﴾ **عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ** رضي الله عنهما، **قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: الصَّلَاةُ مَثْنَى مَثْنَى، تَشَهَّدُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ، وَتَخَشَّعُ، وَتَضَرَّعُ، وَتَمَسْكَنُ، وَتَذَرَّعُ، وَتُقْنِعُ يَدَيْكَ" يَقُولُ: تَرْفَعُهُمَاإِلَى رَبِّكَ مُسْتَقْبِلًا بِبُطُونِهِمَا وَجْهَكَ، وَتَقُولُ: يَارَبِّ يَارَبِّ، وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَهُوَكَذَاوَكَذَا" (خِدَاجٌ).**

﴿**سنن ترمذي، حديث ٣٨٥،ومسندأحمد، قال الإمام أبي حاتم الرازي: إسناده حسن، علل الحديث لابن أبي حاتم ٢/٢٧١**﴾

قَالَ أَبُوعِيسَى:...قَالَ مُحَمَّدٌ: وَحَدِيثُ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ هُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ، يَعْنِي أَصَحَّ مِنْ حَدِيثِ شُعْبَةَ.

﴿**"سنن ترمذي"، "تحفة الأحوذي" ٢/٢٠٠**﴾

وحديث الباب لم يروه الإمام أحمد من طريق شعبة بل من طريق ليث بن سعد

فهو صالح ، والله أعلم. ﴿"الفتح الربانی" ٣/١٦٠﴾

وا لحديث رجا له كلهم ثقات....................فا لحديث صحيح على قا عدة ا بن حبان، فإنه ذ كر عبدا لله بن نا فع هذا فی ا لثقات على قا عدته ، كما فی ا لتهذيب. ﴿"إعلاء ا لسنن" للشيخ ظفرأحمدا لعثمانی ، ٣/١٦٥﴾

ترجمہ: حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز دو دو رکعات پڑھی جائے ، ہر دو رکعات کے بعد تشہد میں بیٹھے (سلام پھیرے)،اوراس میں **تخشع** ہو(اللہ کے خوف کے ساتھ دل ودماغ اللہ کی طرف متوجہ ہو)،اور **تضرع** ہو (اعضاءبدن سے عاجزی وانکساری ظاہر ہو)،اور **تمسکن** ہو(سکون اوراطمینان ہو)۔ پھراپنے دونوں ہاتھوں کو(راوی کہتے ہیں کہ ہتھیلیوں کے اندرونی حصہ کواوپر کی طرف)اٹھا کر **یارب یارب** کہے یعنی خوب دعا کرے۔اور جوشخص اس طرح نہ کرے وہ **كَذَا وَكَذَا** یعنی وہ نامراد ہے۔

اس حدیث میں نماز سے بعض علماء نے **صلاۃ اللیل** (تہجد یا تراویح)مرادلیا ہے۔لہذا تہجد وتراویح میں ہر دو رکعات کے بعد سلام پھیرنا،اوراس میں دل ودماغ اللہ کی طرف متوجہ کرنا،اور بدن سے عاجزی اورانکساری ظاہر کرنا،اور اطمینان سے نماز ادا کرنا، پھر دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا مانگنا مسنون ہوا۔جولوگ جلدی جلدی،خشوع وخضوع کے بغیر اور بلا دعا تراویح پڑھتے ہیں انکی تراویح ناتمام رہتی ہے۔اللہ تعالی ہم سب کوتوفیق عطا فرمائے۔

نماز وتر

﴿**عمل شوافع**﴾: وتر کی نماز سنت مؤکدہ ہے اور پورے رمضان میں جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت ہے۔وتر کی نماز ایک رکعت سے گیارہ رکعات تک پڑھنا ثابت ہے لیکن ہمیشہ ایک رکعت پڑھنا

مکروہ ہے اور رمضان المبارک میں بیس رکعات کے بعد تین رکعات ہی پڑھنا مسنون ہے۔ پہلی رکعت میں دعاء افتتاح (وَجَّهْتُ) اور سورہ فاتحہ کے بعد سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُون پڑھے (دوسری سورت بھی پڑھنا جائز ہے) دو رکعت کے بعد بیٹھ کر التحیات اور درود شریف اور اس کے بعد دعاء پڑھ کر سلام پھیرے، پھر تیسری رکعت پڑھے جس میں دعاء افتتاح اور سورہ فاتحہ کے بعد قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَد، قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَق اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاس مکمل پڑھے۔ تین رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے۔ رمضان المبارک کی ۱٦ ویں رات سے وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے اٹھنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء قنوت پڑھنا سنت ہے۔ امام بلند آواز سے دعاء قنوت پڑھے اور مقتدی بلند آواز سے آمین کہے اگر کوئی انفرادی نماز پڑھ رہا ہو تو دعاء قنوت آہستہ آواز سے پڑھے۔

یہ قنوت پڑھے۔

۱ ﴾ اَللّٰهُمَّ اَهْدِنِي (اَهْدِنَا) فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي (وَعَافِنَا) فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِيْ (وَتَوَلَّنَا) فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِيْ (وَبَارِكْ لَنَا) فِيْمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِيْ (وَقِنَا) شَرَّمَاقَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَايُقْضَىٰ عَلَيْكَ، وَاِنَّهُ لَايَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ، وَلَايَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَاوَتَعَالَيْتَ، اَسْتَغْفِرُكَ (نَسْتَغْفِرُكَ) وَاَتُوبُ اِلَيْكَ.

۲ ﴾ پھر قنوت عمر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَهْدِيْكَ، وَنُؤمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ، وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَكُلَّهُ، نَشْكُرُكَ وَلَانَكْفُرُكَ، وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ، اَللّٰهُمَّ اِيَاكَ نَعْبُدُوَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ، وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ، نَرْجُوْارَحْمَتَكَ، وَنَخْشَىٰ عَذَابَكَ، اِنَّ عَذَابَكَ الْجِدَّ بِاالْكُفَّار مُلْحِقٌ۔ اَللّٰهُمَّ عَذِّبِ الْكَفَرَةَ اَهْلَ الْكِتَابَ الَّذِينَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ، وَيُكَذِّبُوْن رُسُلَكَ، وَيُقَاتِلُوْنَ اَوْلِيَاءَ كَ، اَللّٰهُمَّ اغفِرْلِلْمُؤمِنِيْنَ وَالْمُوْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ،وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ،وَاجْعَلْ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَالْحِكْمَةَ، وَثَبِّتْهُمْ على مِلَّةِ رَسُوْلِكِ،وَاَوْزِعْهُمْ اَنْ يُوْفُوْا بِعَهْدِكَ الَّذِى عَاهَدْتَهُمْ عَلَيْهِ، وَانْصُرْهُمْ عَلى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ اِلٰهَ الْحَقِّ وَاجْعَلْنَامِنْهُمْ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِىِّ وَعَلى اٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمْ.

﴿حديث﴾ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُوتِرُبِثَلَاثٍ يَقْرَأُفِى رَكْعَةِالأُولَى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأَعْلَى وَفِى الثَّانِيَةِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِى الثَّالِثَةِقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَد وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَق وَقُلْ أَعُوذُبِرَبِّ النَّاس.

﴿مستدرك حاكم ،وقال حاكم هذا حديث صحيح على الشرط الشيخين وأقره الذهبى، ۳۰۵/۱﴾

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر تین رکعات پڑھتے تو پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأَعْلَى اور دوسری رکعت میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَد ،قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَق ،قُلْ أَعُوذُبِرَبِّ النَّاس پڑھتے تھے۔

﴿حديث﴾ عَنْ حَسَن بْن عَلِى رَضِى اللّٰه عَنْهُمَا قَالَ:عَلَّمَنِى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِى وِتْرِى إِذَا رَفَعْتُ رَأْسِى وَلَمْ يَبْقَ إِلَّاالسُّجُودَ اللّٰهُمَّ اهْدِنِى فِيمَنْ هَدَيْتَ.....................الخ.﴿مستدرك الحاكم ۴۸۰۰،

قال الإمام الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين،بذل المجهود ۲۴۲/۷﴾

ترجمہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے چند کلمات دعاء سکھلائے جسے میں وتر کی نماز میں رکوع کے بعد سجدہ سے پہلے پڑھوں۔

اللّٰهُمَّ اهْدِنِى فِيمَنْ هَدَيْتَ.......................... آخیر تک سکھایا۔

﴿حديث﴾ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ:كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقْنُتُ فِى النِّصْفِ مِنْ رَمَضَانَ إِلَى آخِرِهِ.﴿سنن بيهقى ۴۹۹/۲،طبع دارا لمعرفة بيروت﴾

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں نصف

رمضان سے وتر میں دعاءقنوت پڑھا کرتے تھے۔

(اس کی سند ضعیف ہے لیکن صحابہ کے عمل سے اسکی تائید ہوتی ہے۔)

﴿حديث﴾ عَن عُرْوَةَبْنَ الزُّبَيْرِ أنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ وَكَانَ فِی عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ مَعَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الارْقَمِ عَلَی بَيْتِ الْمَالِ أَنَّ عُمَرَ خَرَجَ لَيْلَةً فِی رَمَضَانَ ....وَكَانُوايَلْعَنُونَ الْكَفَرَةَ فِی ا النِّصْفِ اللّٰهُمَّ قَاتِلِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيْلِكَ،وَيُكَذِّبُونَ رُسُلَكَ.......الخ.

﴿صحيح ابن خزيمة،حديث ١١٠٠، إسناده حسن، تلخيص الحبير ٦٠/٢﴾

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر (تابعی) سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو الگ الگ تراویح پڑھتے دیکھ کر باجماعت تراویح پڑھنے کا حکم فرمایا تو وہ نصف رمضان سے وتر میں دعاءقنوت پڑھتے تھے۔ اللّٰهُمَّ قَاتِلِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيْلِكَ، وَيُكَذِّبُونَ رُسُلَكَ.. .الخ.

﴿حديث﴾ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِی طَالِبٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَانَ لَا يَقْنُتُ إِلَّا فِی النِّصْفِ الآخِرِ مِنْ رَمَضَانَ،وَكَانَ يَقْنُتُ بَعْدَ الرُّكُوعِ. ﴿سنن ترمذی ١٠٦/١، مصنف ابن أبی شيبة ٧٠٠٧، الاوسط لابن المنذر ٢٧١٠، السنن الكبرى للبيهقی ٤٨١٥﴾

ترجمہ: امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ رمضان المبارک میں ١٦ ویں رات سے وتر میں رکوع کے بعد دعاءقنوت پڑھتے تھے۔

﴿حديث﴾ عن ابن عمر قال كان رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم يفصل بين الوتر والشفع بتسليمة ويسمعناها. ﴿مسند أحمد ٥٤٦١، صحيح ابن حبان ٢٤٣٤، قال الذهبی: سنده جيد، تنقيح التحقيق ٢١٤/١، قال النيموی: إسناده قوی، آثار السنن ٧/٢﴾

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی نماز میں سلام پھیر کر پھر ایک رکعات پڑھتے تھے۔

﴿عمل احناف﴾: وتر کی نماز واجب ہے اور پورے رمضان میں جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت ہے۔ تین رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھے۔ پہلی رکعت میں دعاء افتتاح (ثناء) اور سورہ فاتحہ کے بعد **سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى** اور دوسری رکعت میں **قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُون** پڑھے۔ دو رکعتیں پڑھ کر تشہد کے لئے بیٹھے۔ پھر تیسری رکعت کے لئے کھڑے رہے۔ (تیسری رکعت میں ثناء نہ پڑھے) سورہ فاتحہ کے بعد **قل هو الله أحد** پڑھے۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھوں کو (مرد کانوں کی لو تک اور عورت کندھے تک) اٹھا کر باندھے۔ پھر دعاء قنوت پڑھے۔

﴿۱﴾ **اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَ نَسْتَهْدِيْكَ، وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ، وَنُوْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ، وَنُثْنِىْ عَلَيْكَ الْخَيْرَكُلَّهٗ، نَشْكُرُكَ وَلَانَكْفُرُكَ، وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ، اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّىْ وَنَسْجُدُ، وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ، نَرْجُو رَحْمَتَكَ، وَنَخْشَى عَذَابَكَ، اِنَّ عَذَابَكَ الْجِدَّ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ.**

﴿نورالإيضاح ، ۳۷﴾

﴿۲﴾ پھر یہ دعاء پڑھنا بہتر ہے۔ **اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِلْمُوْمِنِيْنَ وَالْمُوْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ، وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ، وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ، وَانْصُرْهُ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ، اَللّٰهُمَّ الْعَنِ الْكَفَرَةَ اَهْلِ الْكِتَابَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ، وَيُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ، وَيُقَاتِلُوْنَ أَوْلِيَائَكَ، اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ وَاَنْزِلْ بِهِمْ بَأْسَكَ الَّذِىْ لَا يَرُدُّ مِنَ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْن.**

﴿أشرف الهداية ۲/۹۸، طبع مكتبة تهانوى ديوبند﴾

دعاء قنوت کے آخیر میں **وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى النَّبِيِّ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمْ** پڑھے۔

﴿حديث﴾ **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ** رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا **قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ** ﷺ **يَقْرَأُ فِى الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ**

فِی رَکْعَةٍ رَکْعَةٍ. ﴿سنن ترمذی ١/١٠٦، قال الإمام النووی:رواه الترمذی والنسائی وابن ماجة بإسناد صحیح، خلاصة الأحکام ١٨٨٥،قال العلامة ابن الملقن: رواه أحمد والترمذی والنسائی وابن ماجة بإسناد صحیح، البدر المنیر ٤/٣٣٨، قال العراقی: سنده صحیح، تخریج أحادیث الإحیاء١/٢٣١، قال النیموی: إسناده حسن، آثار السنن٢/١٠﴾

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأَعْلَى، دوسری رکعت میں قُلْ یَاأَیُّهَاالْکَافِرُونَ اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَاللّٰهُ أَحَد پڑھا کرتے تھے۔

﴿حدیث﴾ عَنْ أُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ کَانَ یُوتِرُ بِثَلَاثِ رَکَعَاتٍ.........وَیَقْنُتُ قَبْلَ الرُّکُوعِ،الحدیث. ﴿سنن نسائی ، حدیث١٦٩٩، قال النیموی: إسناده صحیح، آثار السنن ٢/١٦﴾

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی نماز میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھا کرتے تھے۔

﴿حدیث﴾ عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَیْنِ،أَنَّهُ سَمِعَ الأَعْرَجَ یَقُولُ: مَا أَدْرَکْتُ النَّاسَ إِلاوَهُمْ یَلْعَنُونَ الْکَفَرَةَ فِی رَمَضَانَ،قَالَ:وَکَانَ الْقَارِیءُ یَقْرَأُ سُورَةَ الْبَقَرَةِ فِی ثَمَانِ رَکَعَاتٍ،فَإِذَا قَامَ بِهَا فِی اثْنَتَیْ عَشْرَةَ رَکْعَةً، رَأَی النَّاسُ أَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ .﴿مؤطا امام مالك ،باب ما جاء فی قیام رمضان﴾

ترجمہ: حضرت داؤد بن حصین سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن اعرج (تابعی،م۱۱۷ھ) سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ رمضان المبارک میں دشمنوں کے خلاف دعائیں کیا کرتے تھے (یعنی دعاء قنوت پڑھتے تھے) اور امام سورہ بقرہ کو آٹھ رکعات میں ختم کرتے تھے اور جب کبھی وہ اس سورت کو ۱۲ویں رکعت میں پڑھتے

تو ہم یہ سمجھتے کہ انہوں نے قرآت میں تخفیف کی ہے۔

﴿حدیث﴾ عَنْ أُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رضی اللّٰه عنه قَالَ کَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ یَقْرَأُ فِی الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَی،وَفِی الرَّکْعَةِ الثَّانِیَةِ بِقُلْ یَا أَیُّهَا الْکَافِرُونَ، وَفِی الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، وَلَا یُسَلِّمُ إِلَّا فِی آخِرِهِنَّ، وَیَقُولُ یَعْنِی بَعْدَ التَّسْلِیمِ: سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ ثَلَاثًا. ﴿سنن النسائی ۱۷۰۱، السنن الکبری للبیهقی ۵۰۵۹، قال النووی إسناده صحیح، خلاصة الأحکام ۱۸۸۶، قال النیموی: إسناده حسن، آثار السنن ۱۰۲﴾

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی پڑھتے ،اوردوسری رکعت میں قل یا ایھا الکفرون پڑھتے ،اورتیسری رکعت میں قل ھو اللّٰہ احد پڑھتے ،اور آخر میں سلام پھیرتے ،اورسلام کے بعد تین مرتبہ سبحان الملک القدوس پڑھتے تھے۔

وتر کے اختتام پر یہ دعاء پڑھے

سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ،سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ،سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ[1] رَبُّ الْمَلَآئِکَةِ وَالرُّوْحِ[2]. تیسرا قُدُّوْس اور رُوْح بلند آواز سے کھینچ کر پڑھے[3]۔

﴿سنن أبی[1] داؤد،حصن[2] حصین ،سنن[3] نسائی﴾ اس کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ،لَا اُحْصِی ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ. ﴿سنن أبی داؤد﴾

وتر کی دو دو جماعتیں صحیح نہیں ہے

ہمارے علاقہ میں وتر کی دو جماعتیں بیک وقت ہوتی ہیں۔ایک جماعت شافعی اور ایک حنفی کی۔ یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے۔فقہاء نے شافعی کو حنفی کی پیچھے اور حنفی کو شافعی کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز لکھا ہے۔جب ہم تمام ائمہ کو حق سمجھتے ہیں اور قرآن واحادیث پر عمل پیرا سمجھتے ہیں تو پھر ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھنا تعصب اور تنگ نظری ہے۔فقہاء نے مسجد میں دو جماعت کو منع لکھا ہے نیز علماء نے وتر کی نماز حنفی کو شافعی کے پیچھے اور شافعی کو حنفی کے پیچھے پڑھنے کے جواز پر صراحت فرمائی ہے۔

۱﴿ حنفیہ کی مشہور کتاب "هداية" میں لکھا ہے۔

ودلت المسألة على جواز الاقتداء بالشفعوية على المتابعة فى قرائة القنوت فى الوتر. ﴿أشرف الهداية ۲/۱۹۵﴾

ترجمہ: (مذکورہ بالا عبارت سے) یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ شافعی امام کے پیچھے نماز وتر اور دعاء قنوت پڑھنا جائز ہے۔

۲﴿ شافعیہ کی مشہور کتاب "المجموع" میں لکھا ہے۔

وصلى شافعي الصبح خلف حنفي ومكث الامام بعد الركوع قليلاً وامكن الماموم القنوت قنت والاتابعه وترك القنوت ويسجد للسهوعلى الاصح وهو اعتبار اعتقاد الماموم وان اعتبرنا اعتقاد الامام لم يسجد.

﴿المجموع ٤/٢٩٠﴾

ترجمہ: اور شافعی مقتدی فجر کی نماز حنفی امام کے پیچھے پڑھے اور امام دعاء قنوت پڑھنے کا وقت دے تو دعاء قنوت پڑھے، ورنہ امام کی اتباع کرے اور دعاء قنوت نہ پڑھے اور آخیر میں سجدہ سہو کرے، یہ قول ان لوگوں کا ہے جو مقتدی کے اعتقاد کا اعتبار کرتے ہیں اور جو امام کے اعتقاد کا اعتبار کرتے ہیں ان کے نزدیک سجدہ سہو بھی نہیں ہے۔

فجر اور وتر کی قنوت طویل کرنا مکروہ ہے

رمضان المبارک میں وتر کی قنوت میں لمبی لمبی دعائیں پڑھی جاتی ہیں۔ثابت شدہ دعائیں پڑھنا افضل ہے۔قنوت نازلہ کے علاوہ دعاءِ قنوت کو طویل کرنا مکروہ ہے۔

﴿حدیث﴾ عَنْ مُحَمَّدبْنِ سِرِيْنَ قَالَ سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ اَقَنَتَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الصُّبْحِ ؟قَالَ:نَعَمْ.فَقِيْلَ:أَوَقَنَتَ قَبلَ الرُّكُوعِ ؟قَالَ:بَعْدَ الرُّكُوعِ يَسِيْراً. ابوداؤد کی دوسری روایت میں **يَسِيْراً** کے بجائے **قَامَ هُنَيَّةً** آیا ہے۔

﴿صحيح بخاری ١/١٣٦،وصحيح مسلم ١/٢٣٧،وسنن أبی داؤد ١/١٠٤﴾

ترجمہ: حضرت محمد بن سرینؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں دعاءِ قنوت پڑھا کرتے تھے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں۔دریافت کیا گیا کہ رکوع سے پہلے یا بعد۔آپ نے فرمایا رکوع کے بعد تھوڑی دیر۔

مشہور محقق ومحدث محی السنۃ امام یحییٰ بن شرف نوویؒ لکھتے ہیں۔

قال البغوی يكره اطالة القنوت كما يكره اطالة التشهد الاول قال وتكره قراء ة القرآن فيه فان قرألم تبطل صلاته ويسجد للسهو. ﴿المجموع ٣/٤٩٩﴾

ترجمہ: (مشہور محدث) علامہ بغویؒ (م ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں کہ دعاءِ قنوت کو لمبی کرنا مکروہ ہے جس طرح تشہد اول میں دیری کرنا مکروہ ہے اسی طرح دعاءِ قنوت میں قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔اگر غلطی سے قرآن پڑھا تو نماز باطل نہیں ہوگی مگر سجدہ سہو لازم ہوگا۔

ختم قرآن کے بعد دوبارہ مُفْلِحُوْنَ تک پڑھے

رمضان المبارک میں تراویح میں ایک قرآن ختم کرنا سنت ہے۔ختم کے وقت **قل أعوذ برب الناس** پڑھکر دوبارہ قرآن شروع کرے اور سورہ فاتحہ پڑھکر سورہ بقرہ **اُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** تک پڑھے۔

﴿حـديـث﴾ عَـنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنْ أُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَـانَ إِذَا قَـرَأَ قُـلْ أَعُـوذُ بِـرَبِّ الـنَّـاسِ افْتَتَـحَ مِـنَ الْـحَمْدِ ثُمَّ قَرَأَمِنَ الْبَقَرَةِ إِلَی وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، ثُمَّ دَعَا بِدُعَاءِ الْخَتمةِ ، ثُمَّ قَامَ.

أخرجه الدارمی بسند حسن. ﴿"الإتقان" للعلامة جلال الدین السیوطی، ۱۱۱/۱﴾

ترجمہ: امام دارمیؒ نے بسند حسن حدیث نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب (قرآن کے ختم پر) قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاس پڑھتے تو الْحَمْدِ اور سورہ بقرہ أُولٰـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُون تک پڑھتے پھر ختم قرآن کی دعا فرماتے۔

﴿حدیث﴾ عَـنِ ابْـنِ عَبَّـاسٍ رَضِـیَ اللّٰـهُ عَنْهُمَاأَنَّ رَجُلًا یَا رَسُولَ اللّٰهِ ای الاعْمَال أفْضَل قَالَ:الْحَال الْمُرْتَحِل،قَالَ:یَارَسُولَ اللّٰهِ!وَمَاالْحَال الْمُرْتَحِل، قَالَ: صَاحِبُ الْقُرْآنِ یَضْرِب مِنْ أَوَّلِهِ حَتَّی یَبْلُغَ أَوَّلَهُ،كَمَا حَلَّ ارْتَحَلَ.

﴿مستدرك حاكم ۵٦۸/۱،وسنن ترمذی،وقال الترمذی هذاحدیث غریب لانعرف عن ابن عباس إلامن هذا الوجه۱۲۳/۲،وقال حاكم تفرد به صالح المری وهو من زهاد أهل البصرة إلا أن الشیخین لم یخرجاه﴾

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اعمال میں کون سا عمل افضل ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: الحال المرتحل۔ اس شخص نے دریافت کیا الحال المرتحل کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صاحب قرآن جب قرآن پڑھکر ختم کرے تو پھر شروع سے پڑھے۔

الأذکار، ترشیح المستفیدین، فضائل اعمال اور **قرآنی علوم** میں اس طریقہ کو مسنون لکھا ہے اور سلف صالحین کا عمل بھی اسی طرح رہا ہے۔

آخیری تراویح اور دعا

تراویح کے ختم پر مختلف مسجدوں میں مختلف طریقہ نظر آتے ہیں اور کئی دعائیں پڑھی جاتی ہیں۔ اولاً بیس رکعات کے ختم پر، پھر وتر کی دعاء قنوت میں، اور وتر کے بعد پھر جلسہ کے بعد لمبی لمبی دعاؤں کا مظاہرہ کیا جاتا ہے حالانکہ بیس رکعات کے بعد ترویحہ نہیں ہے فوراً وتر پڑھی جائے، اور قنوت کو طویل کرنا مکروہ ہے۔ ان چار دعاؤں کو سنت کے مطابق کہنا بہت مشکل ہے اس لئے صرف آخیر میں ایک دعا پر اکتفا کرنا بہتر ہے۔ ختم قرآن پر دعا کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

۱﴾ مشہور محقق و محدث محی السنۃ امام یحییٰ بن شرف نوویؒ (م ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں۔

ویستحب الدعاء عند الختم استحباباًمتاكداًشديداً .....وينبغی أن يلح في الدعاء ، وأن يدعوبالأمورالمهمةوالكلمات الجامعة.

﴿الأذكار، ص ۹۵، طبع دار الارقم بیروت﴾

ترجمہ: قرآن مجید کے ختم پر دعا کرنا مستحب ہے اور اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔..........
..........دعا خوب گڑگڑا کر اور اچھے الفاظ کے ساتھ اپنی ضروریات کے لئے دعا کرے۔

۲﴾ علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں۔

يسن الدعاء عقب الختم لحديث الطبرانی وغيره أن العرباض بن سارية مرفوعاً من ختم القرآن فله دعوة مستجابة وفی الشعب من حديث أنس مرفوعاً من قرأ القرآن وحمد الرب وصلی علی النبی ﷺ واستغفر ربه فقد طلب الخير مكانه. ﴿الإتقان ۱/۱۱۱﴾

ترجمہ: ختم قرآن کے بعد دعا مسنون ہے طبرانی میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس شخص نے قرآن ختم کیا اس کی دعا مقبول ہوتی ہے اور شعب الایمان

میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس نے قرآن پڑھا اور اللہ کی تعریف کی اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا اور اپنے رب سے مغفرت چاہی تو وہ اپنے لئے خیر کا طلب گار رہوا۔

۳ ﴾ علامہ سید علوی بن سید احمد سقاف رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

وقدروی أبومنصورالأرجانی عن داودبن قیس قال کان رسول الله ﷺ یقول عندختم القرآن اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِا لْقُرْآنِ الْعَظِیْم وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَاماًوَّنُوْراًوَّهُدًی وَّرَحْمَةً اللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ مَانَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَاجَهِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهُ اٰنَآءَ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِوَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَارَبَّ الْعٰالَمِیْنَ قال الحافظ ابن الجزری وهذا الحدیث لاأعلم وردعن النبی ﷺ فی ختم القرآن حدیث وغیره وقدکان ﷺ یحب الجوامع من الدعاء ویدع ما سوی ذلك..............................فینبغی الجمع بین هذه الاربعة فیصل الخاتمة بالفاتحة ویتعرض لنفحات الله تعالی بالاستغفار والدعاء ،ثم یطعم الطعام. ﴿ترشیح المستفیدین ،ص١٦٧﴾

ترجمہ: ابومنصور ارجانی، داؤد قیس (تابعی) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب قرآن ختم کرتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْآنِ الْعَظِیْم وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَاماً وَّنُوْراًوَّهُدًی وَّرَحْمَةً اللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ مَانَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَاجَهِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهُ اٰنَآءَ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِوَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَارَبَّ الْعٰالَمِیْنَ.

علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس دعا کے علاوہ ختم قرآن کے متعلق مجھے کوئی دوسری دعا حدیث میں نہیں ملی اسلئے کہ رسول اللہ ﷺ جامع دعا پسند فرماتے تھے.........ختم قرآن کے وقت ان چار چیزوں کا اہتمام کرے۔ (۱) قرآن ختم کرکے شروع کرے۔ (۲) استغفار کرکے اللہ کی رحمت طلب کرے۔ (۳) دعا کرے۔ (۴) دعوت کرے۔

﴿حديث﴾ وَرَوَىٰ اِبْنُ أَبِی دَاؤدَ بِإِسْنَادَيْنِ صَحِيْحَيْنِ عَنْ قَتَادَةَ التَّابَعِيِ الْجَلِيْلِ الإِمَام صَاحب أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ إِذَا خَتَمَ الْقُرْآنَ جَمَعَ أَهْلَهُ وَدَعَا. ﴿الأذكار للإمام النووی، فصل فی آداب الختم﴾

ترجمہ: حضرت ابن ابوداؤد بسند صحیح حضرت قتادہؒ (تابعی) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ (صحابی) جب قرآن ختم کرتے تو لوگوں کو جمع کرتے اور دعا کرتے۔

مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں

صرف

ایک فرقہ جنتی ہوگا

﴿حديث﴾ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيَاتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِی مَاأَتَىٰ عَلَى بَنِی إِسْرَائِيلَ حَذْوَالنَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَىٰ أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِی أُمَّتِی مَن يَّصْنَعُ ذٰلِكَ وَإِنَّ بَنِی إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَّتَفْتَرِقُ أُمَّتِی عَلَى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِی النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً قَالُوا مَنْ هِیَ يَارَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِی. ﴿سنن ترمذی: ۲/۹۳﴾

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ میری امت کی حالت ہو بہو بنی اسرائیل کی طرح ہوجائے گی، اگر کوئی بنی اسرائیل کا آدمی اپنی ماں کے ساتھ علی الاعلان زنا کیا ہوگا تو ایسا ہی میری امت میں بھی ہوگا۔ بنی اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئی تھی تو میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں

بٹے گی۔ایک کے علاوہ باقی سب فرقے جہنمی ہوں گے۔صحابہ کرام ﷡ نے دریافت فرمایا کہ وہ جنتی فرقہ کونساہے؟ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: جو جماعت میرے اورمیرے صحابہ کے طریقہ پرعمل کرے۔

﴿۲۳۲حدیث﴾ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ بَنِی إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً فَهَلَكَتْ سَبْعُونَ فِرْقَة وَخَلَصَتْ فِرْقَةٌ وَإِنَّ أُمَّتِی سَتَفْتَرِقُ عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً فَتَهْلِكُ إِحْدَى وَسَبْعُونَ وَتَخَلَّصَ فِرْقَةٌ(وَفِی رَوَايَةٍ كُلُّهَافِی النَّارِإِلَّافِرْقَة)قَالُوا يَارَسُولَ اللّٰهِ! مَنْ تِلْكَ الْفِرْقَةُ قَالَ: الْجَمَاعَة الجَمَاعَة. ﴿مسندأحمد﴾

أخرجه ابن جرير فی التفسير ورجاله رجال الصحيح. ﴿الفتح الربانی ۶/۲۴﴾

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ امت بنی اسرائیل ۷۱(دوسری روایت میں ۷۲)فرقوں میں تقسیم ہوئی تھی۔اسکے ستر(۷۰) فرقے ہلاک ہوئے اورایک فرقہ نجات پایا۔اورمیری امت بہتر(۷۲)(دوسری روایت میں تہتر ۷۳)فرقوں میں تقسیم ہوگی۔اسکے بہتر ۷۲ فرقے ہلاک (جہنم میں جائینگے) اورصرف ایک فرقہ نجات پائے گا۔صحابہ کرام ﷡ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ فرقہ (نجات پانے والا) کونساہوگا؟ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: **الجماعة الجماعة** یعنی جمہورصحابہ وجمورعلماء کے طریقہ پرعمل کرنے والافرقہ۔

﴿حديث﴾ عَنْ عَلِیٍّ ﷛ قَالَ:قُلْتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ إن نزل بنَا أَمْرٌ لَيْسَ فِيْه بيان أَمْرٌ وَلَا نَهْیٌ فَمَا تَأْمُرُنَا؟قَالَ:شَاوِرُوا الفُقَهَاء والعَابِدِيْنَ ولاتمضوا فِيهِ رَأْیٍ خاصة. ﴿المعجم الأوسط للطبرانی ۱۶۱۸، قال العلامة علی المتقی: فالحديث عن هذه الطريق حسن صحيح، كنز العمال ۲/۳۴۱﴾

ترجمہ: حضرت علی ﷛ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیااگرکوئی ایسا معاملہ پیش آئے اورجائزوناجائز کی صراحت معلوم نہ ہوتو ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے ارشاد

فرمایا باعمل فقہاء سے پوچھ کر عمل کرو اور انفرادی رائے پر عمل مت کرو۔

اسی جماعت کو **اہل سنت والجماعت** کہا جاتا ہے۔

بیس رکعات تراویح پر صحابہ و علماء امت کا اجماع ہے

۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں لوگوں کو تراویح باجماعت پڑھنے کا فیصلہ فرمایا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تراویح کی پہلی عام جماعت تھی۔ ﴿صحیح ابن حبان﴾

۲) حضرت یزید بن رومانؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صحابہ تئیس (۲۳) رکعات (بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر) پڑھا کرتے تھے۔ ﴿مؤطا امام مالک﴾

۳) حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تمام لوگ بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔ ﴿سنن بیہقی﴾

۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صحابہ کے عمل کی بنا پر اکثر علماء کے نزدیک تراویح بیس (۲۰) رکعات ہے۔ امام ترمذی شافعیؒ ﴿سنن ترمذی﴾

۵) صحیح قول جمہور علماء کا یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں صحابہ کرام کو تراویح پڑھنے پر جمع فرمایا تو انہوں نے بیس رکعات تراویح پڑھائی۔ تو یہ صحابہ کی طرف سے اجماع تھا۔ علامہ علاء الدین کاسانی حنفیؒ ﴿بدائع الصنائع﴾

۶) امام مالکؒ کے ایک قول کے مطابق اور امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام داؤد ظاہریؒ کے نزدیک وتر کے علاوہ بیس (۲۰) رکعات تراویح سنت ہے۔

علامہ ابن رشد مالکیؒ ﴿بدایۃ المجتہد﴾

۷) حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ (صحابی) نے لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھائی، اسلئے جمہور علماء کے نزدیک یہی سنت ہے۔ کیونکہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے مہاجرین اور انصار کی موجودگی میں بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھائی تو کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

علامہ ابن تیمیہ حنبلیؒ ﴿فتاوی ابن تیمیہ﴾

مستند ترین دلیل تعامل و توارث ہے۔

تراویح بیس رکعت ہی ہے

بقلم:

رضوان اللہ نعمانی

مدرسہ تعلیم الدین ،پرانا پل،بنارس

ناشر

تنظیم دعوة الحق بنارس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رمضان المبارک کا مہینہ مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے، اور یہ مقدس مہینہ عالم روحانیت کا موسم بہار ہے، حضور نبی کریم ﷺ نے اس باب میں بے شمار فضیلتیں اور ترغیبات ارشاد فرمائی ہیں، اس مہینہ میں سرکش شیاطین قید کردیئے جاتے ہیں، اور ایمان والوں کے اعمال صالحہ کا وزن اللہ تعالیٰ بڑھا دیتے ہیں چنانچہ نوافل کا اجروثواب فرائض کے برابر اور فرض کوستر فرائض کے برابر کردیتے ہیں۔(شعب الایمان :۳۳۳۶ فضائل شهر رمضان، مشکوٰة المصابیح ج۱ص:۱۷۵کتاب الصوم) ۔اگرہم اس موسم پُر بہار سے فائدہ نہ اٹھائیں تو یہ ہماری اپنی ہی کوتاہی، بدنصیبی اور محرومی ہے۔

حضوراکرم ﷺ اس مبارک ماہ میں کثرت سے عبادت فرماتے تھے چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: **كان رسول اللّٰه ﷺ اذا دَخَلَ رمضانُ شَدَّ مئزرَهٗ ثم لم يأت فراشَه حتّٰى ينسلخ.**

(صحيح ابن خزيمة، ح :۲۲۱۶).

ترجمہ: جب رمضان المبارک آتا تو رسول اللہ ﷺ کمر (ہمت) کس لیتے اوراپنے بستر پرتشریف نہ لاتے، یہاں تک کہ رمضان گذرجاتا۔

اورآخری دس دنوں کے متعلق فرماتی ہیں: **كان رسول اللّٰه ﷺ يجتهد في العشر الأواخر مالايجتهد في غيره** (صحیح مسلم ج۱ص:۳۷۲باب الاجتهاد فی العشر الاواخر الخ)، ترجمہ: آپ ﷺ آخری دس دنوں میں جتنی کوشش فرماتے اتنی باقی دنوں میں نہ فرماتے تھے۔

اس لئے اس ماہ میں جتنی بھی زیادہ سے زیادہ عبادت ہوسکے پوری ہمت

اورکوشش سے کرنی چاہئے۔رمضان کی مخصوص عبادات میں دن کا روزہ اور رات کا قیام یعنی تراویح بڑی اہمیت وفضیلت کے حامل ہیں،چنانچہ بخاری شریف (حدیث نمبر:۳۷و۳۸) میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:''جس نے رمضان کا روزہ ایمان ویقین کے ساتھ ثواب سمجھتے ہوئے رکھا تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردئے گئے ،اور جس نے ایمان ویقین کے ساتھ ثواب سمجھتے ہوئے رمضان (کی راتوں) میں قیام کیا،اس کے سب گناہ معاف کردئے گئے،،۔

پورے رمضان بعد نماز عشاء جماعت کے ساتھ بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہے، زمانہ نبوت ،دورصحابہ وتابعین اور بزرگان دین سے لے کرآج تک چودہ سو سال کا عرصہ ہوگیا الحمد للہ بلا کسی انقطاع کے تسلسل کے ساتھ اسی پر پوری امت مسلمہ عمل کرتی چلی آئی ہے اورآج بھی کرہی ہے،اوراس میں سوائے روافض وشیعہ کے کسی نے بھی کبھی کوئی اختلاف نہیں کیا ،لیکن بدقسمتی سے ادھر گذشتہ ڈیڑھ صدی سے انگریزوں کا پروردہ ایک نیا فرقہ (فرقہ اہل حدیث) وجود میں آیا ہے،اوراس نے بڑے زور وشور کے ساتھ امت مسلمہ کوانتشار اورشک وشبہات میں ڈالنا شروع کردیا ہے،اور اہل سنت والجماعت کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ کہنے لگے کہ بیس رکعت تراویح بدعت ہے، صحیح تراویح آٹھ رکعت ہے۔جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ تراویح صرف بیس رکعت ہی ہے،اورآپ ﷺ سے بھی یہی ثابت ہے کہ آپ نے نماز تراویح بیس رکعت ادافرمائی ہیں۔

تراویح کی تاریخ:

بخاری شریف (حدیث:۱۱۲۹) ومسلم شریف (حدیث:۷۶۱) اور حدیث کی دوسری بڑی کتابوں میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رمضان کے مہینہ میں ایک رات آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں تشریف لاکرنماز پڑھی،

پھر کچھ صحابہؓ نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی، اگلی رات آپ ﷺ نے پھر نماز پڑھی' اس رات صحابہ کی تعداد اور زیادہ ہوگئی، پھر تیسری یا چوتھی رات اتنا بڑا مجمع اکٹھا ہوگیا کہ مسجد کھچا کھچ بھر گئی، لیکن اس رات محبوبِ خدا ﷺ مسجد میں تشریف نہیں لائے، جب صبح ہوئی تو صحابہؓ سے فرمایا: ''میں تمہارا منظر دیکھ رہا تھا لیکن میں اس وجہ سے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تمہارے اوپر فرض نہ کردی جائے''۔

یہ' اور اس جیسی دوسری روایات سے حضور اقدس ﷺ کا جماعت کے ساتھ تین دن تراویح پڑھانا ثابت ہے، آپ کا جی چاہتا تھا کہ اس پر ہمیشہ پابندی کی جائے، مگر فرضیت کے ڈر سے پابندی نہیں فرمائی۔

محدث جلیل حضرت علامہ عبدالحی لکھنویؒ **''التعلیق الممجد،،** ج ۱/ص ۲۲۰ میں لکھتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے اگر چہ عملاً پابندی نہیں فرمائی لیکن پابندی کے محبوب اور پسندیدہ ہونے کو ظاہر فرمایا ہے، پس یہ بھی ایک طرح کی پابندی ہے یعنی حکمی پابندی، اور سنت ہونے کا مدار مطلق پابندی پر ہے۔ نیز حضرات خلفاء راشدین اور تمام صحابہ کرامؓ نے اس پر مواظبت فرمائی ہے اور اس کو ہمیشہ جماعت کے ساتھ پڑھا ہے، اس لئے نماز تراویح سنت مؤکدہ ہوئی۔ اور یہی بات بعینہٖ جماعت کے بارے میں کہی جائے گی کہ آپ یہ نماز ہمیشہ جماعت ہی کے ساتھ پڑھانا چاہتے تھے، لہذا اس نماز کے لئے جماعت بھی سنت ہوئی۔ نیز آپ ﷺ اس نماز کو رمضان کی تمام راتوں میں پڑھانا چاہتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ پورے رمضان کی سنت ہے۔ **(الدر المنضود ج ۲ ص ۵۵۹)**۔

رکعات کی تعداد:

اب رہا نماز تراویح کی رکعتوں کی تعداد کا مسئلہ تو صحاح کی روایات میں کوئی عدد مذکور نہیں ہے، لیکن حدیث کی دوسری کتابوں کے اندر آپ ﷺ کی

رکعات کی تعداد موجود ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بیس رکعت ہی پڑھی ہے۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبۃ (حدیث:۷۶۹۲) اور مسند عبد بن حمید (حدیث:۶۵۳) میں ایک روایت ہے: عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ كان يصلي في رمضان عشرين ركعةً ويوتر بثلاث ۔کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت (تراویح) اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

ایک دوسری روایت حضرت جابر بن عبداللہؓ سے "تأريخ جرجان،، للسهمي ج ۱ص ۳۱۷) میں ہے آپ فرماتے ہیں :خرج النبي ﷺ ذات ليلة في رمضان فصلى الناس أربعة وعشرين ركعةو أوتر بثلاثة ۔ کہ نبی کریم ﷺ رمضان المبارک میں ایک رات تشریف لائے اور لوگوں کو چار (فرض)' بیس رکعت (تراویح) اور تین وتر پڑھائے۔

دیکھئے ان دونوں روایتوں میں صاف طریقے سے دو صحابیؓ نے بیان کر دیا کہ آپ ﷺ نے جن راتوں میں لوگوں کو تراویح پڑھائی ہے تو بیس رکعت ہی پڑھائی ہے۔ اب اس کے بعد بھی کسی انصاف پسند اور محبت رسول سے لبریز آدمی کیلئے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ،إلا من ختم الله علىٰ قلبهٖ ۔

یہ دونوں حدیثیں اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں، لیکن اتنی ضعیف نہیں ہیں کہ بالکل نظرانداز کر دیا جائے، جبکہ ان پر صحابہؓ اور امت مسلمہ کا تعامل بھی رہا ہے اور امت نے ان کی تلقی بالقبول کی ہے، چنانچہ عہد فاروقی سے لیکر اب تک اسی پر عمل ہو رہا ہے۔ اور یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی ضعیف حدیث سے ثابت حکم پر امت کا تعامل اور اجماع ہو، تو اس حدیث کے ضعف کی تلافی ہو جاتی ہے،(۱) بلکہ تعامل کی موجودگی میں سرے سے روایت کی ضرورت ہی باقی نہیں

(۱) دیکھئے :النکت لابن حجر عسقلانی ۱/۴۹۴،توجیہ النظر ۱/۵۰۶۔

رہتی، چنانچہ کلمۂ اسلام: لا إلٰہ إلا اللہ محمّدٌ رّسول اللہ کسی روایت سے ثابت نہیں، اگرچہ اس کے دونوں جزء قرآن میں الگ الگ آئے ہیں، مگر دونوں کے مجموعہ کا کلمۂ اسلام ہونا کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں ہے، مگر چونکہ پوری امت مسلمہ کا اس پر تعامل ہے، اور اجماع وتعامل مضبوط ترین دلیل ہے، اس لئے سند اور روایت کی مطلق ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم۔

تراویح خلفاءراشدینؓ کے زمانہ میں:

جب اللہ کے نبی ﷺ نے فرضیت کے خوف سے تراویح کے لئے جماعت کا اہتمام ترک فرمادیا تو صحابہ کرامؓ اپنے اپنے طور پر تراویح ادا کرتے رہے، بڑی جماعت کا کوئی اہتمام نہیں رہا(۱) یہاں تک کہ حضور اقدس ﷺ پردہ فرماگئے، اور یہی حال سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانۂ خلافت میں اور سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے ابتدائی سالوں میں رہا۔ (مسلم شریف ، حدیث نمبر: ۷۵۹)۔

پھر حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے دوسرے سال لوگوں کو ایک امام کے پیچھے بیس رکعت پر جمع فرمادیا اور تمام صحابہ کرامؓ نے ان کے اس عمل سے اتفاق فرمایا۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری ج۱/۲۶۹ میں ایک روایت نقل فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عبد الرحمٰن بن عبد قاریؒ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ

(۱) ورنہ سنن ابوداود (ح:۱۳۷۷) میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگ رمضان کے اندر مسجد کے ایک کونے میں نماز پڑھ رہے ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا یہ لوگ کیا کررہے ہیں؟ تو آپ کو بتلایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو قرآن یاد نہیں ہے، اور ابی بن کعب نماز پڑھا رہے ہیں، اور یہ لوگ انہیں کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں، تو نبی ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں نے ٹھیک کام کیا، اور بہت اچھا کیا۔ (اس سے پتہ چلا کہ عہد نبوت میں متفرق طور پر چھوٹی چھوٹی جماعت کا اہتمام ہوتا تھا۔ اس حدیث کو امام ابوداود نے مسلم بن خالد راوی کو ضعیف قرار دے کر غیر قوی کہا ہے، لیکن دوسرے بہت سے محدثین نے مسلم بن خالد کو ثقہ کہا ہے کما فی البذل۔ نیز اس حدیث کو ابن خزیمہ (۲۲۰۸) اور ابن حبان (۲۵۴۱) نے صحیح کہا ہے۔

رمضان المبارک کی ایک رات میں حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا تو دیکھا کہ لوگ مختلف جگہوں پر نماز پڑھ رہے تھے، کوئی تنہا نماز پڑھ رہا ہے تو کسی کے ساتھ ایک مختصر سی جماعت پڑھ رہی ہے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر میں ان لوگوں کو ایک قاری پر جمع کردوں تو بہتر ہوگا۔ پھر حضرت ابی بن کعبؓ پر سب کو جمع فرما دیا۔ پھر جب میں دوسری رات کو حضرت عمرؓ کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ ایک قاری کے پیچھے لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے کہا یہ بہترین ہے۔

یہی روایت امام ضیاء حنبلی مقدسیؒ نے اپنی کتاب ''الأحاديث المختارة،، (حدیث نمبر:۱۱۶۱) میں سند حسن کے ساتھ نقل کی ہے اس میں :فصلیٰ بهم عشرين ركعةً صراحت کے ساتھ ہے کہ حضرت ابیؓ نے لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائی۔ نیز ''مؤطا مالک،، (ص ۹۸) میں یزید بن رومان سے، اور مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۲۰۱ میں سائب بن یزید سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں رمضان کے مہینہ کے اندر بیس رکعت پڑھتے تھے۔ اسی طرح امام مروزیؒ کی ''قیام اللیل،، ص ۱۵۷ میں محمد بن کعب قرظیؒ سے، اور مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۲۳ میں یحیی بن سعیدؒ سے منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیس رکعت پڑھانے حکم دیا۔

سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ میں سائب بن یزیدؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور مبارک میں لوگ (صحابہ وتابعین) بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، اور قاری سوسو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے۔ اور لوگ لمبے قیام کی وجہ سے حضرت عثمان بن عفانؓ کے دور مبارک میں لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۵ ص ۲۲۳، اور سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ میں روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔

اسی طرح مسند امام زید ص ۱۵۸ میں ہے کہ حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ

حضرت علیؓ نے جس امام کو رمضان میں تراویح پڑھانے کا حکم دیا اس سے فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے، ہر دو رکعت پر سلام پھیرے، ہر چار رکعت کے بعد اتنا آرام کا وقفہ دے کہ حاجت والا فارغ ہو کر وضو کر لے، اور سب سے آخر میں وتر پڑھائے۔

بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ وتر خود پڑھاتے تھے۔

یہ ان نفوس قدسیہ کا مخلصانہ عمل ہے جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''**عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين**'' کہ میری سنت کو لازم پکڑو اور خلفاء راشدین کی سنت کو بھی مضبوطی کے ساتھ لازم پکڑو۔ اگر حضور ﷺ سے تراویح کا کوئی عدد منقول نہ ہوتا تو صرف انہیں حضرات کا عمل ہی بیس رکعات تراویح کے سنت ہونے کے لئے کافی تھا، چہ جائے کہ حضور ﷺ سے بھی تعداد منقول ہے۔

پھر یہ بھی واضح رہے کہ جس وقت حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جماعت کے ساتھ بیس رکعات تراویح پڑھنے پر جمع فرمایا ہے اس وقت حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ، ابی بن کعبؓ، تمیم داریؓ، ابوذر غفاریؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور انکے علاوہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی بہت بڑی تعداد موجود تھی، ان میں سے کسی نے بھی حضرت عمرؓ کی مخالفت کر کے ان کے اس عمل پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، بلکہ سب نے اسی پر عمل کیا، اور اس کے بعد تمام صحابۂ کرامؓ وتابعین اسی پر عمل کرتے چلے آئے۔ چنانچہ ابن عبد البر مالکی، امام نووی شافعی، ابن قدامہ حنبلی اور ابن حجر مکی رحمہم اللہ نے بیس رکعات تراویح پر صحابہؓ کا اجماع نقل کیا ہے۔ پس یہ اجماع والی دلیل ہی تنہا بیس رکعات کے سنت ہونے کے لئے کافی ہے۔ (الکوثری ج ۲ ص ۵۹۸)۔ اسی پر ائمہ مجتہدین، سلف صالحین اور مشائخ عمل پیرا رہے، اور اسلامی ممالک میں چودہ سو سال سے اسی پر عمل ہوتا رہا ہے اور امت مسلمہ کا

اسی پر اجماع واتفاق ہے۔

حضرت عمرؓ کا لوگوں کو بیس رکعات پر اکٹھا کرنا، پھر تمام صحابہ کا اس پر اتفاق کرلینا یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ حضور ﷺ سے تراویح بیس رکعات ہی ثابت ہے، کیونکہ نماز کی رکعات کی تعداد کا مسئلہ ایسا ہے جس کو عقل اور قیاس سے نہیں جانا سکتا، اور محدثین کے نزدیک یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ صحابی جب کوئی ایسی بات بیان کرے یا ایسا کوئی کام کرے جو عقل سے نہ معلوم کیا جاسکتا ہو تو صحابی کی اس بات یا کام کو نبی کریم ﷺ کا ہی قول یا فعل مانا جائے گا، اور یہی سمجھا جائے گا کہ صحابی نے حضور ﷺ سے سن کر یا دیکھ کر وہ کام کیا ہے۔(نزھۃ النظر مع تحفۃ القمر ص۳۲۴)۔

فتاویٰ تاتارخانیہ کے اندر تصریح ہے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ نے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے سوال کیا کہ حضرت عمرؓ نے بیس رکعات پر جو لوگوں کو جمع کیا تو کیا ان کے پاس کوئی سند تھی؟ امام صاحبؒ نے جواب دیا کہ یقیناً ان کے پاس کوئی سند اور ثبوت تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو اپنی طرف سے ایجاد نہیں کیا ہے۔

(اوجز المسالک ج۲ص۲۹۳، الکوثری شرح ترمذی ج۲ص۵۹۷)۔

اور وہ ثبوت شروع میں حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے گزر چکا۔

خلاصہ کلام یہ کہ بیس رکعات تراویح پر جب صحابۂ کرامؓ وتابعین اور تبع تابعین اور سلف صالحین کا اجماع ثابت ہے تو تراویح بیس رکعات ہی ہوگی، اسلئے کہ اجماع مستقل دلیل ہے، اس کا خلاف جائز نہیں ہے۔

آٹھ رکعات کا وجود کب سے ؟

آٹھ رکعات تراویح سلف سے ثابت نہیں ہے، بلکہ ایک غیر مقلد عالم مولوی غلام رسول پنجابی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں تحریر کیا ہے کہ آٹھ رکعات تراویح کا وجود ۱۲۰۰ھ میں ہوا ہے۔ پس تعجب ہے کہ سلف سے جو

چیز تواتر کے ساتھ منقول ہوتی چلی آ رہی ہے اس کو تو بدعت کہا جائے، اور جو چیز بعد میں پیدا ہوئی اس کو سنت کہا جائے۔ (بحوالہ الکوثری ج ۲ ص ۵۹۹)۔

راقم حروف کہتا ہے کہ مولوی غلام رسول غیر مقلد کا یہ لکھنا بھی کہ ''آٹھ رکعات تراویح کا وجود ۱۲۰۰ھ میں ہوا،، سراسر غلط ہے، بلکہ تیرہویں صدی ہجری کے اخیر تک پوری دنیا کے کونے کونے میں، حرمین شریفین سمیت تراویح بیس رکعات ہی پڑھی پڑھائی جاتی رہیں، چونکہ یہ اجماعی اور اتفاقی مسئلہ تھا اس لئے سب اسی پر عمل کرتے تھے، کبھی کسی نے اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی، اور بیس سے کم کو جائز نہیں سمجھا۔ لیکن چونکہ غیر مقلدین کو اجماعی مسئلہ کی بھی قطعاً پرواہ نہیں، اس لئے انہوں نے اس مسئلہ کو بھی چھیڑا، اور ۱۲۸۴ھ میں ہندوستان کے مشہور شہر اکبر آباد کے کسی غیر مقلد مولوی نے فتویٰ دیا کہ تراویح آٹھ رکعات ہیں، چونکہ یہ فتویٰ تیرہ سو سال کی امت کے اجماعی مسئلہ کے خلاف تھا اور امت میں فتنہ کا سبب تھا، اس لئے اس کے خلاف طوفان برپا ہوگیا، اور اسی سن میں ''مطبع لطافت آگرہ،، سے ایک رسالہ بنام '' استفتاء التراویح ،، طبع ہوا، جس میں اس علاقہ کے تقریباً (۱۸) علماء کرام کے پرزور فتوے شائع ہوئے اور عوام الناس کو اس فتنے سے آگاہ کیا گیا۔

پھر ۱۲۹۰ھ میں پنجاب کے علاقہ میں سب سے پہلے تراویح کے آٹھ ہونے کا فتویٰ مولوی محمد حسین بٹالوی غیر مقلد نے دیا، جس کا رد ضلع گوجرانوالہ کے ایک غیر مقلد عالم مولانا غلام رسول صاحب نے لکھا، اور انہوں نے ثابت کیا کہ اس عرصہ (یعنی تیرہویں صدی کے اخیر تک) میں مشرق و مغرب پورے عالم اسلام میں تراویح بیس رکعات ہی ہوتی رہی ہیں، اور کسی نے کبھی اس سے اختلاف نہیں کیا ہے۔

(بحوالہ: فرقۂ اہلحدیث پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ، ص ۱۱۲)۔

تراویح ائمہ اربعہ اور دیگر مشائخ کے یہاں:

نبی اقدس ﷺ کی پاک سنتوں اور خلفاء راشدینؓ کے مقدس طریقوں کی تدوین جس جامعیت اور تفصیل کے ساتھ حضرات ائمہ اربعہ (امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) نے فرمائی ہے یہ مقام امت میں اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ اسی لئے پوری امت ان ہی کے رہنمائی میں شریعت اسلامیہ پر عمل پیرا ہے۔ ائمہ اربعہ بھی بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں، بلکہ امام مالکؒ بیس تراویح اور سولہ رکعت نفل کے قائل ہیں۔

(حوالہ کے لئے دیکھئے: بدایة المجتهد ج۱ص۲۱۴، فتاوی تاتارخانیه ج۱ص۱۱۲، المهذب لابی إسحاق الشیرازي ج۱ص۱۵۹، اللباب لابن المحاملی الشافعی ۱/۱۴۳، المغنی لابن قدامه ج۲ص۳۶۶)۔

اسی طرح تابعین میں سے سعید بن جبیرؒ، علی بن ربیعہؒ، ابن ابی ملیکہؒ، سوید بن غفلہؒ، ابوالبختریؒ، شتیر بن شکلؒ اور ابراہیم نخعیؒ وغیرہ حضرات سے بھی تراویح بیس رکعت ہی قولاً یا عملاً منقول ہے۔

(دیکھئے: مصنف عبد الرزاق ج۴ص۲۰۴، مصنف ابن أبي شيبة ج۵ص۲۲۳و۲۲۴، سنن بيهقي ج۲ص۴۹۶، كتاب الآثار لابی یوسف ص۴۱)۔

امت مسلمہ میں جو مشائخ عظام اور بزرگان دین گزرے ہیں ان کا عمل، اخلاق وکردار اور سیرت بھی اس امت کے لئے مشعل راہ ہے، ان کی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو وہ بھی بیس رکعات تراویح پر عمل کرتے نظر آتے ہیں، اور اپنی کتابوں میں اسی کو سنت گردانتے دکھائی دیتے ہیں، جو یقیناً قیام رمضان (تراویح) کے بیس رکعات متواتر اور متوارث ہونے کی واضح دلیل ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ "احیاء العلوم"، ج۱ص۲۴۲ میں تحریر فرماتے ہیں:

التراويح وهي عشرون ركعةً وكيفيتها مشهورة وهي سنة مؤكدة۔ کہ

تراویح بیس رکعتیں ہیں جن کا طریقہ مشہور ہے اور یہ سنت مؤکدہ ہے۔

بڑے پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی مایۂ ناز کتاب ''غنیۃ الطالبین،، ص ۲۶۷ میں فرماتے ہیں: صلاۃ التراویح سنة وهي عشرون ركعةً۔ نماز تراویح نبی ﷺ کی سنت مبارکہ ہے، اور وہ بیس رکعت ہے۔

تراویح حرمین شریفین میں:

حرم مکہ وحرم مدینہ میں چودہ سو سال سے بیس رکعت سے کم تراویح پڑھنا ثابت نہیں، بلکہ بیس رکعات ہی متوارث اور متواتر عمل ہوتا رہا ہے، چنانچہ مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے سابق قاضی شیخ عطیہ سالمؒ نے مسجد نبوی میں تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر "التراويح اكثر من الف عام،، (۱) کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے چودہ سو سالہ مدت میں بیس رکعات ہی متواتر عمل ہے، اس سے کم ثابت نہیں ہے۔

جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ کی طرف سے شیخ محمد علی صابونیؒ کا ایک رسالہ ''الهدي النبوي الصحيح في صلاة التراويح،، کے نام سے شائع کیا گیا ہے، جس میں شیخ صابونی نے عہد خلافت راشدہ سے لے کر عہد حکومت سعودیہ تک مکہ مکرمہ ومسجد حرام میں ہمیشہ بیس رکعات ہی تراویح پڑھنے کا ثبوت پیش کیا ہے۔

تنبیہ: ان مذکورہ بالا روایات وشہادات سے یہ بات کھل کر واضح طور سے سامنے آگئی کہ عہد نبوت سے لے کر آج تک برابر امت مسلمہ بشمول صحابہؓ وتابعین کے رمضان المبارک میں تراویح بیس رکعت ہی پڑھتی چلی آرہی ہے۔

---

(۱) شیخ عطیہؒ کی اس عربی کتاب کا اردو ترجمہ دارالعلوم دیوبند کے استاذ مولانا محمد عارف جمیل مبارکپوری دامت برکاتہم نے کردیا ہے جو ''**مسجد نبوی میں تراویح عہد بہ عہد**،، کے نام سے مکتبہ ضیاء الکتب اعظم گڈھ کی طرف سے چھپ چکا ہے، اردو داں حضرات کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے، انشاءاللہ چشم کشاں ثابت ہوگا۔

لیکن آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے انگریزوں کا تربیت یافتہ ایک نیا فرقہ وجود میں آیا اور اس نے انگریزی حکومت سے درخواست کر کے اپنے لئے اہل حدیث کا نام الاٹ کرایا، پھر اس فرقہ نے انگریزوں کے اشارے پر جہاں دین اسلام کی بہت ساری چیزوں کا انکار کیا' وہیں اس فرقہ نے بیس رکعت تراویح کا بھی انکار کیا اور مسلم قوم کو خوب گمراہ کیا اور آج تک برابر اس فرقہ کے لوگ بھولی بھالی عوام کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کرر ہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تراویح آٹھ رکعت پڑھتے تھے، حالانکہ ماقبل میں حضرات خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ وتابعین کے اقوال واعمال سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نماز تراویح صرف بیس رکعت ہی ہے، کیا کوئی مسلمان صحابہؓ کے بارے میں یہ گمان رکھ سکتا ہے کہ (نعوذ باللہ) وہ نبی کے حکم اور عمل کے خلاف کوئی کام کرتے تھے؟ صحابہ کے ساتھ ایسا گمان تو کوئی ملحد یا گمراہ شخص ہی کر سکتا ہے۔ اگر نبی سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوتی تو صحابہ کرامؓ کبھی بھی بیس رکعت پر اتفاق نہ کرتے، بلکہ کوئی ایک صحابی بھی ضرور مخالفت کرتا، حالانکہ کہیں بھی کسی مستند حوالہ سے ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ کسی صحابی نے بیس رکعت تراویح کی مخالفت کی ہو۔ بلکہ امام ابوبکر آجرّی نے **کتاب الشریعة** (ح:۱۲۳۹) کے اندر ایک روایت ذکر کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے کوفہ کی کسی مسجد سے گزرتے ہوئے لوگوں کو تراویح پڑھتے ہوئے دیکھا تو حضرت عمرؓ کو دعاء دی کہ: اے خطاب کے بیٹے! اللہ آپ کی قبر کو ایسے ہی روشن کرے جس طرح آپ نے ہماری مسجدوں کو منور کیا۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی زندگی میں آپ کے سامنے اور آپ کے حجرے کے برابر میں مسجد نبوی کے اندر تقریباً تینتالیس (۴۳) یا چوالیس (۴۴) سال

تک صحابہ کرامؓ بیس رکعت تراویح مسلسل پڑھتے رہے، لیکن ایک مرتبہ بھی حضرت عائشہ نے اُن پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، اگر اللہ کے رسول ﷺ نے آٹھ رکعت تراویح پڑھی ہوتی تو حضرت عائشہؓ ضرور صحابہ کو ٹوکتیں اور بیس رکعت سے منع کرتیں حالانکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا، اس سے بھی حتمی طور پر ثابت ہوگیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا معمول بیس رکعت ہی تراویح پڑھنے کا تھا۔

لہذا تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ تمام صحابہ وتابعین، سلف صالحین ، بزرگان دین اور علماء ربانیین کا چودہ سو سال سے جو متفقہ عمل چلا آرہا ہے اسی کو مضبوطی سے تھامے رہیں، اسلامی شریعت میں صلحاء امت وعلماء ملت کا تعامل وتوارث مستند ترین دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی زیغ وضلال سے حفاظت فرمائے اور حق وصراط مستقیم پر جمائے رکھے آمین۔



رضوان اللہ نعمانیؔ بنارسیؔ

مدرسہ تعلیم الدین پرانا پل بنارس۔

۱۲/شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ/مطابق ۲۲ جون ۲۰۱۳ء۔

جُـــزْءُ

مَا قَالَ الْمُحَدِّثوْنَ وَالْمؤَرِّخُونَ فِي الإمَامِ أبي حَنِيفَةَ

للإمام ريحانة الهند وبركة العصر

الشيخ محمد زكريا الكاندهلوي المهاجر المدني

تقديم وإشراف

فضيلة الشيخ محمد شاهد السهارنفوري

الأمين العام لجامعة مظاهر علوم سهارنفور

تحقيق وتعليق

رضوان الله النعماني البنارسي

المتخصص في الحديث من جامعة مظاهر علوم

النشر والتوزيع

مكتبـــة الشيخ التذكارية، بجوار مظاهر علوم سهارنفور

التقرير الرفيع لمشكوة المصابيح

للإمام المحدث ريحانة الهند

الشيخ محمد زكريا الكاندهلوي المهاجر المدني

المتوفى عام ١٤٠٢ھ

قام بتقديمه وإشرافه

فضيلة الشيخ السيد محمد شاهد السهارنفوري

الأمين العام لجامعة مظاهر علوم سهارنفور، الهند

حققه وعلق عليه

رضوان الله النعماني البنارسي

المتخصص في الحديث النبوي الشريف

من جامعة مظاهر علوم





قام بالطباعة

قسم النشر والتوزيع

لمدرسة إحسان القرآن والعلوم النبوية

لاهور باكستان

اوقات سحر وافطار

برائے بنارس

رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۰۲۰ء

رمضان	اپریل/مئی	ایام	انتہائے سحر (منٹ گھنٹہ)	وقت افطار (منٹ گھنٹہ)
۱	۲۵	سنیچر	4:05	6:25
۲	۲۶	اتوار	4:04	6:25
۳	۲۷	سوموار	4:03	6:26
۴	۲۸	منگل	4:02	6:26
۵	۲۹	بدھ	4:01	6:27
۶	۳۰	جمعرات	4:00	6:27
۷	کیم مئی	جمعہ	3:59	6:28
۸	۲	سنیچر	3:58	6:28
۹	۳	اتوار	3:57	6:29
۱۰	۴	سوموار	3:56	6:29
۱۱	۵	منگل	3:55	6:30
۱۲	۶	بدھ	3:55	6:30
۱۳	۷	جمعرات	3:54	6:31
۱۴	۸	جمعہ	3:53	6:31
۱۵	۹	سنیچر	3:53	6:32
۱۶	۱۰	اتوار	3:52	6:32
۱۷	۱۱	سوموار	3:51	6:33
۱۸	۱۲	منگل	3:50	6:33
۱۹	۱۳	بدھ	3:49	6:34
۲۰	۱۴	جمعرات	3:49	6:34
۲۱	۱۵	جمعہ	3:48	6:35
۲۲	۱۶	سنیچر	3:47	6:35
۲۳	۱۷	اتوار	3:46	6:36
۲۴	۱۸	سوموار	3:45	6:36
۲۵	۱۹	منگل	3:45	6:37
۲۶	۲۰	بدھ	3:44	6:37
۲۷	۲۱	جمعرات	3:44	6:38
۲۸	۲۲	جمعہ	3:43	6:39
۲۹	۲۳	سنیچر	3:42	6:39
۳۰	۲۴	اتوار	3:42	6:40



دینی وعصری تعلیم وتربیت کا معیاری ادارہ

مدرسہ
تعلیم الدین پرانا پل بنارس

ایک نظر میں:

تاسیس: ۱۶ رشوال ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۴ راگست ۲۰۱۳ء

تعلیمی شعبہ جات: پرائمری درجات، حفظ وناظرہ، عالمیت (عربی اول تا عربی سوم)، مکاتب شبینہ۔

معیار تعلیم: دارالعلوم دیوبند کے نصاب کے مطابق تمام درجات میں تجوید اور حفظ احادیث وادعیہ کا اہتمام۔

تعداد طلبہ: ۱۹۷

تعداد اساتذہ وملازمین: ۱۶

نوٹ:- مدرسہ کے جملہ اخراجات وضروریات بفضلہٖ تعالیٰ بنارس کے بہ توفیق اور اہل خیر مسلمانوں کے گرانقدر تعاون اور چندے سے پوری ہورہی ہیں، اور مدرسہ علاقہ کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے اور اسلامی مزاج پڑھی لکھی قوم پیدا کرنے میں اپنا کردار ادا کررہا ہے۔

اپیل:- قوم وملت کی آبیاری اور اس مدرسہ کی تعلیمی تعمیر وترقی میں آپ حضرات بھی ہر طرح کا تعاون پیش کریں، مدرسہ میں آپ کا تعاون خود آپ کے اور آپ کے جملہ مرحومین کے لئے صدقۂ جاریہ ہوگا۔

واضح ہو کہ مدرسہ تعلیم الدین پرانا پل بنارس کے جملہ انتظام وانصرام ''انجمن تعلیم الدین'' کے زیر اہتمام انجام پاتے ہیں، جو سوسائٹی ایکٹ ۱۸۶۰ کے تحت باضابطہ رجسٹرڈ ہے۔

انتباہ:

اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ اپنا عطیہ ارسال کرنے کے بعد درج ذیل نمبرات پر مطلع فرمائیں۔

Mob. 9026840441, 9198771700

ترسیل زر کا پتہ:

A/C No.: 416301010291498
A/c Holder's name: Anjuman Taleemuddin
Bank Name: Union Bank of India
Branch: Paigamberpur Varanasi 221007
IFSC Code: UBIN0541630

منجانب:- اراکین مدرسہ تعلیم الدین پرانا پل بنارس

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

دو روزہ سیرت کانفرنس کے افتتاحی سیشن کے اجلاس کے موقعہ پر مدرسہ تعلیم الدین پیرداپل ہماچل کو مہمانوں کی ضیافت گاہ کے طور پر منتخب کیا گیا۔ اسی مناسبت سے آج اجلاس کے دوسرے دن اسی مسجد میں نماز عصر کی ادائیگی اور اس کے بعد مدرسہ میں جاری تعلیم کے نظام سے واقفیت کا موقعہ ملا۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ دو سال سے کم عرصہ میں زمین کی حصول یابی اور اس کے بعد دو منزلہ تعمیر کی تکمیل کی گئی تو درجہ حفظ و ناظرہ اور ابتدائی عربی تعلیم کا نظام جاری ہو گیا۔

یہ سب نوجوان علماء کے دینی جذبہ اور اس کے ذمہ داران کا کرشمہ ہے۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو مزید ظاہری اور معنوی ترقی عطا فرمائے۔

مزید مسرت کی بات یہ ہے کہ مسجد سے متصل وقف زمین کی خریداری عمل میں آ چکی ہے۔ امید ہے کہ جلد ہی اس زمین پر مدرسہ کی مستقل عمارت کی تعمیر شروع ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کو بے راہ بہتر از بادے۔

والسلام

ابوالقاسم نعمانی

مہتمم دارالعلوم دیوبند

وارد حال ہماچل پردیش

۸ر۲

۱۴۴۱

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم::نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم::وآلہ العظیم

احادیث تراویح پر البانی کے جرح وتعدیل کا جائزہ

طارق انور مصباحی (کیرلا)

مطبوعہ: مصباح المصابیح فی احکام التراویح (۲۰۱۱ء)
ناشر: مخدوم فقیہ اسماعیل سکری اکیڈمی بھٹکل (کرناٹک)

علم حدیث سے تعلق رکھنے والوں کے لیے یہ بحث فائدہ بخش ہے۔ وہابیوں کے مشہور محدث ناصر الدین البانی (۱۹۱۴ء-۱۹۹۹ء) نے بیس رکعت تراویح کی روایتوں کو ضعیف وناقابل عمل قرار دینے کے لیے جو اعتراضات بیس رکعت تراویح کے راویوں پر کیے تھے، اسی قسم کے اعتراضات میں نے آٹھ رکعت تراویح کے راویوں پر کیا ہے۔ اس طرح یہ انتہائی دلچسپ بحث ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ البانی نے ہماری مستدل بہ احادیث وروایات کی تصحیح وتضعیف میں خیانت سے کام لیا ہے۔ میری کتاب ''مصباح المصابیح فی احکام التراویح'' سے یہ بحث ماخوذ ہے۔ یہ کتاب سال ۲۰۱۱ء میں بھٹکل سے شائع ہو چکی ہے۔

مختصر جوابات

قول البانی: محمد بن یوسف، یزید بن خصیفہ سے زیادہ قابل اعتماد ہے، کیوں کہ حافظ ابن حجر نے اسے ''ثقۃ ثبت'' کہا اور یزید بن خصیفہ کو صرف ''ثقۃ'' کہا۔ (صلوٰۃ التراویح ص ۵۸)

جواب: یزید بن خصیفہ کو یحیٰی بن معین نے ''ثقۃ حجۃ'' اور حافظ ابن سعد نے ''کثیر الحدیث ثبت'' اور حافظ ابن عبد البر نے ''ثقۃ مامون'' کہا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج۹ ص۳۵۵)

محمد بن یوسف کو حافظ ذہبی نے ''صدوق ومقل'' (قلیل الروایۃ) کہا ہے۔ (الکاشف ج اص ۱۰۷) صدوق کا رتبہ، ثقہ سے کم درجہ ہے، اور یزید بن خصیفہ ثقہ ہیں۔ اسی طرح یزید بن خصیفہ کثیر الحدیث ہیں، جبکہ محمد بن یوسف قلیل الحدیث ہے۔ اسی طرح ''حجۃ'' اعلیٰ درجہ کے ثقہ کو کہا جاتا ہے۔ یزید بن خصیفہ کو بھی حافظ ابن سعد نے ''ثبت'' کہا، پس ''حجۃ وکثیر الحدیث'' یزید بن خصیفہ کی اضافی صفات ہیں۔

قول البانی: یزید بن خصیفہ کی روایت میں کبھی بیس رکعت اور کبھی اکیس رکعت کا تذکرہ ہے، لہٰذا حدیث مضطرب ہوگئی۔
(صلوٰۃ التراویح ص ۵۹)

جواب: محمد بن یوسف کی روایت میں کبھی گیارہ، کبھی تیرہ، کبھی اکیس کا بیان ہوا، لہٰذا محمد بن یوسف کی روایت بدرجہ اولیٰ مضطرب ہوگی۔

باب دوم میں ساری تفاصیل موجود ہیں۔

قول البانی: محمد بن یوسف سائب بن یزید کا بھانجا (بہن کا بیٹا) ہے، اس لیے وہ قرابت کی وجہ سے سائب بن یزید کی حدیث کو زیادہ جاننے والے ہیں اور اس کی روایت، یزید بن خصیفہ کی روایت سے زیادہ قابل اعتبار ہوگی۔ (صلوٰۃ التراویح للالبانی ص ۵۹)

جواب: اگر محمد بن یوسف سائب بن یزید کا بھانجا (بہن کا بیٹا) ہے تو حافظ ابن عبدالبر مالکی نے کہا کہ یزید بن خصیفہ، سائب بن یزید کا بھتیجا (بھائی کا بیٹا) ہے۔ (تہذیب التہذیب ج۹ ص ۳۵۵)

حافظ رازی نے محمد بن یوسف کو سائب بن یزید کا نواسہ (بیٹی کا بیٹا) بتایا۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج۸ ص ۱۱۹) اور بھانجہ و نواسہ کی بہ نسبت بھتیجے کو زیادہ قربت ہوتی ہے۔

قول البانی: ابوشیبہ، جس سے عہد نبوی سے متعلق بیس رکعت تراویح کی روایت ہے، اس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے ''متروک'' کہا۔ (صلوۃ التراویح ص ۲۲)

جواب: عیسیٰ بن جاریہ، جس سے عہد نبوی سے متعلق آٹھ رکعت تراویح کی روایت ہے، اس کے بارے میں حافظ ذہبی نے ''متروک'' کہا۔ (میزان الاعتدال ج۳ ص ۳۱۱)

قول البانی: بیس رکعت تراویح سے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کو امام سیوطی (۸۴۹ھ-۹۱۱ھ) و امام زیلعی حنفی نے ضعیف کہا۔ (صلوٰۃ التراویح للالبانی ص ۲۲)

جواب: معتمد وہابیہ ابن قیم جوزیہ (۶۹۱ھ-۷۵۱ھ) نے کہا کہ جس حدیث پر امت کا عمل ہو، وہ اگر چہ سند کے اعتبار سے ثابت نہ ہو، لیکن اسے تسلیم کیا جائے گا۔ (الروح ص ۲۱)

قول البانی: گیارہ پر زیادتی جائز نہیں۔ (صلوٰۃ التراویح للالبانی ص ۲۷)

جواب: مجتہد وہابیہ عبدالعزیز بن باز (۱۹۲۱ء-۱۹۹۹ء) نے کہا کہ تراویح گیارہ یا تیرہ رکعت پڑھے۔

(مجموع فتاویٰ عبدالعزیز بن الباز ج۴ ص ۳۰۱)

اور بیس رکعت والے کی اقتدا میں بیس پڑھے۔ (مجموع فتاویٰ عبدالعزیز بن الباز ج۴ ص ۳۰۲، ۳۰۵)

جد وہابیہ ابن تیمیہ حرانی () نے لکھا کہ رکعات تراویح میں کسی متعین عدد کا اقرار کرنے والا خطا کار ہے اور طول قیام مشکل ہو تو بیس رکعت بہتر ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج۲۲ ص ۱۶۴)

قول البانی: امام مالک کی گیارہ کی روایت میں ابن عبدالبر مالکی نے وہم کا قول کیا، لیکن اسے امام زرقانی نے تسلیم نہ کیا۔

(صلوٰۃ التراویح ص ۵۴)

جواب: امام زرقانی نے بیس رکعت تراویح ثابت کی۔ اگر چہ امام مالک کے وہم کو تسلیم نہ کیا۔ (زرقانی علی المؤطا ج ا ص ۳۴۱)

البانی صرف اپنے مطلب کی بات قبول کرتا ہے اور خلاف مطلوب کو چھوڑ دیتا ہے۔ امام زرقانی کا مذہب یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہے

۔اسے کیوں نہیں قبول کرتا ہے؟

قول البانی: یزید بن خصیفہ کی روایت شاذ ہوگی، کیونکہ محمد بن یوسف قوی راوی ہے۔(ایضاص ۵۸)

جواب: محمد بن یوسف کی روایت شاذ ہوگی، کیونکہ یزید بن خصیفہ کو ''ثقہ، حجۃ، کثیر الحدیث، ثبت، ثقہ، مامون'' کہا گیا۔

(تہذیب التہذیب ج۹ص ۳۵۵)

محمد بن یوسف کو حافظ ذہبی نے صدوق اور مقل (قلیل الحدیث) کہا۔(الکاشف ج ۱ص ۱۰۷)اور صدوق کی ایسی روایت جو ثقہ کی روایت کے خلاف ہو، وہ منکر ہوتی ہے۔(میزان الاعتدال ج ۳ص ۱۴۰) پس محمد بن یوسف کی روایت منکر ہوگی۔

قول البانی: یزید بن رومان کی روایت مرسل اور ضعیف ہے۔(ایضاً ص ۶۱)

جواب: علمائے امت قرناً بعد قرنٍ جسے قبول کرتے آ رہے ہوں، وہ سند کے اعتبار سے ثابت نہ ہو تو بھی قبول کی جائے گی۔

(الروح ص ۲۱- الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی ج ۱ص ۴۷۳)

قول البانی: حضرت امام شافعی وامام ترمذی رحمہما اللہ نے بیس رکعت کی روایت کو صیغہ تمریض (صیغہ مجہول) ''رُوِیَ'' سے بیان کیا اور صیغہ تمریض بقول امام نووی روایت کے ضعیف ہونے کی علامت ہے۔(ایضاً ص ۶۴)

جواب: یہ متاخرین کی اصطلاح ہے اور قاعدہ کلیہ نہیں، بلکہ قاعدہ اکثریہ ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ضعیف کو صیغہ تمریض سے بیان کیا جائے۔ ایسا نہیں کہ جس کو بھی صیغہ مجہول سے تعبیر کیا جائے، وہ ضعیف ہے۔ محدثین کے یہاں یہ قاعدہ نہیں۔حافظ ابن صلاح (۵۷۷ھ-۶۴۳ھ)وحافظ سیوطی نے لکھا کہ صیغہ مجہول کا استعمال صحیح، حسن، ضعیف سب کے لیے ہوتا ہے۔

(مقدمہ ابن صلاح ص ۱۳- تدریب الراوی ج ۱ص ۱۳۳ تا ۱۳۸- مکتبہ مصطفیٰ نزار الباز، مکہ)

امام نووی نے لکھا:﴿وذلک ان صیغۃ الجزم تقتضی صحتہ عن المضاف الیہ فلاینبغی ان یطلق الا فیما صح والا فیکون الانسان فی معنی الکاذب علیہ-وھذا الادب اَخَلَّ بہ المصنف وجماھیر الفقھاء من اصحابنا وغیرھم بل جماھیر اصحاب العلوم مطلقًا ماعدا حذاق المحدثین وذلک تساھل قبیح فانھم یقولون کثیرًا فی الصحیح- رُوِیَ عنہ-وفی الضعیف:قال ورَوٰی فلان﴾(المجموع ج ۱ص ۶۳)

امام مزنی نے امام شافعی کے قول کو نقل کرتے ہوئے لکھا﴿ورأیتھم بالمدینۃ یقومون بتسع وثلاثین واحب الی عشرون لانہ رُوِیَ عن عمر وکذلک یقومون بمکۃ ویوترون بثلاث﴾(مختصر المزنی ص ۳۴)

توضیح: قرینہ بتا رہا ہے کہ عبارت مذکورہ میں بیس کی ترجیح ہے، نہ کہ تضعیف۔ جو امام شافعی قدس سرہ العزیز کا پسندیدہ مذہب ہو، اسے وہ ضعیف کیسے قرار دے سکتے ہیں۔

ترمذی میں ہے﴿واکثر اھل العلم علٰی ما رُوِیَ عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عشرین رکعۃً﴾(سنن ترمذی ج ۱ص ۶۶)

جو اکثر اہل علم کا مذہب ہو، وہ قوی ہوگا نہ کہ ضعیف؟ لیکن امام ترمذی نے اسے صیغہ تمریض کے ساتھ روایت کیا۔

امام ترمذی نے حدیث تشہد کے بارے میں لکھا﴿حدیث ابن مسعود قد رُوِیَ عنه من غیر وجه وھو اصح حدیث عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی التشهد﴾(سنن ترمذی ج ا ص ۶۵)

روایت مذکورہ بالا میں اصح روایت کے لیے ''رُوِیَ'' یعنی صیغہ تمریض استعمال ہوا ہے۔عقل مندرا اشارہ کافی است۔

قول البانی : حضرت ابوالحسنا نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیس رکعت کی روایت کی۔ مجھے خوف ہے کہ یہ روایت معضل (دو یا دو سے زائد راوی درمیان سے سلسلہ وار ساقط) ہو، کیونکہ قربانی کی روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابوالحسنا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان دو راوی ہے (ایضا ص ۷۶) (اور تراویح کی روایت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوالحسنا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان کوئی راوی نہیں ہے)

جواب: یہ البانی کا وہم ہے۔ایک ہی عہد میں رہنے والے لوگ کبھی بلا واسطہ اور کبھی کئی واسطوں سے روایت کرتے ہیں، مثلاً بعض تابعی بعض سے روایت کرے تو چھ یا سات واسطوں کا ثبوت موجود ہے (نخبۃ الفکر ص ۵۱) پھر صرف دو راوی اگر درمیان میں آ گئے تو اس سے انقطاع یا اعضال کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔

قول البانی : حماد بن شعیب نے عطا بن سائب سے عہد علوی سے متعلق بیس رکعت کی روایت کی، لیکن محمد بن فضل نے عطا بن سائب سے صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت تراویح کا ذکر کیا۔(ایضاً ص ۷۷)

جواب : یہ دونوں دو حدیثیں ہیں۔ایک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے متعلق اور دوسری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل سے متعلق ہے۔البانی امت مسلمہ کو دھوکہ دینا چاہتا ہے۔دونوں حدیثیں باب دوم میں موجود ہیں۔

قول البانی : حسن بن عبدالعزیز بن رفیع نے ابی بن کعب کے بارے میں بیس کی روایت کیا۔اسی طرح امام اعمش نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارے میں بیس کی روایت کیا۔یہ دونوں روایتیں منقطع ہیں۔(ایضاً ص ۷۵ و ص ۸۱)

جواب : امام اعمش اسدی کوفی (م ۱۴۸ھ) ائمہ تابعین میں سے اور ثقہ وحافظ ہیں۔(تقریب التہذیب ج ا ص ۳۹۲) خطیب بغدادی و ابن قیم وغیرہما نے کہا کہ جو حدیث سنداً ثابت نہ ہو۔لیکن امت اس پر عمل پیرا ہو تو اسے قبول کیا جائے گا۔(الفقیہ والمتفقہ ج ا ص ۴۷۳-الروح ص ۲۱)

قول البانی: حضرت ابی بن کعب کی آٹھ رکعت کی روایت کے بارے میں ہیثمی نے کہا کہ اس کی سند حسن ہے۔(ایضاً ص ۷۹)

جواب : سند کو حسن کہا، حدیث کو حسن نہیں کہا۔سند صحیح ہو اور حدیث معلل یا شاذ ہو کر ضعیف ہوسکتی ہے۔حافظ ابن عدی نے آٹھ رکعت کی دونوں حدیثوں کو ضعیف میں شمار کیا۔(الکامل ج ۵ ص ۲۴۸) ابن عدی ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہیں۔ہیثمی محدث ہیں لیکن ائمہ جرح وتعدیل میں سے نہیں ہیں۔

قول البانی: ابی بن کعب کی بیس رکعت کی روایت میں ابوجعفر ہے اور یہ سند ضعیف ہے، کیونکہ ذہبی نے لکھا کہ ابوجعفر کے بارے میں

ابوزرعہ رازی نے کہا: "یھم کثیراً" - امام احمد نے کہا: "لیس بالقوی، صالح الحدیث" - فلاس نے کہا: "سی ءالحفظ" اور بعض نے کہا: "ثقۃ" - حافظ ابن حجر نے کہا: "سی ءالحفظ" - ذہبی نے "الکنیٰ" میں کہا: "جرحوہ کلھم"۔ (ایضاً ۸۰)

جواب: (۱) ابوجعفر مختلف فیہ ہے نہ کہ ضعیف، جیسا کہ ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال سے صاف ظاہر ہے۔

(۲) ابن تیمیہ نے ابی بن کعب کی بیس کی روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج۲۳ص ۶۸، ج۲۲ص ۱۶۴)

(۳) اکثر ائمہ نے ابوجعفر کی توثیق کی۔ حافظ ابن حجر نے لکھا (صدوق سی ءالحفظ - بخ-۴) (تقریب التہذیب ج۲ص ۳۷۶) البانی نے صدوق کا ذکر نہ کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی (۷۷۳ھ-۸۵۲ھ) نے تہذیب التہذیب میں ائمہ جرح وتعدیل کی رائے لکھی۔ یہاں ان میں سے بعض ائمہ کے اسمائے گرامی اور قوسین میں ان کی رائے لکھی جارہی ہے۔

یحییٰ بن معین (ثقة)ابن ابی مریم(یکتب حدیثه ولکنه یخطئ)یحیی بن معین (ثقة وهویغلط فیما یروی عن مغیرة)ابن المدینی(کان عندنا ثقة)ابن عمار الموصلی(ثقة)عمرو بن علی(فیه ضعف وهومن اهل الصدق سیء الحفظ)ابو زرعةالرازی(شیخ یهم کثیرًا)ابوحاتم (ثقة صدوق صالح الحدیث)زکریا الساجی(صدوق لیس بمتقن)النسائی(لیس بالقوی)ابن خراش(صدوق سیء الحفظ)ابن عدی(له احادیث صالحة وقد روی عنه الناس واحادیثه عامتها مستقیمة وارجوانه لاباس به)ابن سعد(کان ثقة)الحاکم(ثقة)ابن عبد البر(هوعندهم ثقةعالم بتفسیر القراٰن)قال ابن عدی(له احادیث صالحة وقدروی عنه الناس واحادیثه عامتها مستقیمة وارجوا انه لاباس به) (تہذیب التہذیب ج۱۰ص ۶۲ - دارالفکر بیروت)

حافظ ابن عدی (۲۷۷ھ-۳۶۵ھ) نے اس کی ضیف احادیث میں حدیث تراویح کو شمار نہ کیا اور لکھا کہ اس کی عام حدیثیں قابل استدلال ہیں۔ (الکامل ج۵ص ۲۵۵)

حافظ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی (۲۴۰ھ-۳۲۷ھ) نے لکھا﴿**احمد بن حنبل: لیس بقوی فی الحدیث-یحي بن معین: صالح، ثقة-ابوحاتم الرازی: ثقة صدوق**﴾ (کتاب الجرح والتعدیل ج۶ص ۲۸۱)

حافظ ذہبی نے ابوجعفر کے بارے میں لکھا کہ وہ "صالح الحدیث" ہے اور یحییٰ بن معین، ابوحاتم رازی اور علی بن مدینی کے حوالے سے لکھا کہ ابوجعفر "ثقہ" ہے۔ (میزان الاعتدال ج۳ص ۳۱۹) اور "الکاشف" (ج۳ص ۳۵۲) میں بھی ابوحاتم رازی سے توثیق نقل کیا، پھر وہ "جرحوہ کلھم" کیسے لکھ سکتے ہیں؟

متذکرہ بالا اقوال کی روشنی میں ثابت ہوا کہ ابوجعفر ضعیف نہیں ہے۔

ذہبی نے ابوجعفر کے بارے میں "المقتنیٰ فی سرد الکنیٰ" میں لکھا﴿**عیسٰی بن ابی عیسٰی ماھان التمیمی الرازی-اصله مروزی، سمع عطاء**﴾ (المقتنیٰ ج۱ص ۱۴۶) ابوجعفر کا نام عیسٰی بن ابی عیسٰی ماہان تمیمی ہے۔

ذہبی کی ''الکنٰی'' نامی کسی کتاب کا مجھے علم نہیں۔اگر کوئی کتاب ہے تو وہابیہ اس کے بارے میں تفصیل بتائیں۔

قول البانی: بیس رکعت پر اجماع امت کا دعویٰ باطل ہے۔(ایضاً ص۸۴)

جواب: بیس رکعت پر اجماع امت کا دعویٰ ثابت ہے۔ ماقبل میں تفصیلات موجود ہیں۔

قول البانی: ابن عربی مالکی نے گیارہ رکعت تراویح کو صحیح قرار دیا۔(ایضاً ص۹۲)

جواب: ابن عربی مالکی (م۵۴۳ھ) کی کتاب میں الحاق ہے۔(القول الصحیح ص۵۶)

تراویح کی تشریح میں تناقض کا وجود عبارت میں الحاق وتحریف کو ثابت کررہا ہے۔ ذیل میں پیراگراف (۱) اور (۲) کی عبارتیں آپس میں متناقض ہیں۔

﴿ولیس فی قدر رکعتها حد محدود-والصحیح ان یصلی احدی عشرة رکعة صلٰوة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وقیامه-وهذه الصلٰوة هی قیام اللیل فوجب ان یقتدی فیها بالنبی صلی اللّٰه علیه وسلم-فاذا لم یکن بد من الحد فما کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یصلی ای احدی عشرة رکعة﴾

(عارضۃ الاحوذی ج۲ص۲۴۰-دارالفکر بیروت)

(۲) **﴿اما صلٰوة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فلم یکن لها حد-والصحیح ان یصلی احدی عشرة رکعة صلٰوة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم-ما زاد النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی رمضان ولا فی غیره علٰی احدی عشرة رکعة﴾**

(عارضۃ الاحوذی ج۲ص۲۴۰-دارالفکر بیروت)

ابن عربی نے لکھا **﴿فاما غیر ذلک (ای غیر احدی عشرة رکعة) من الاعداد فلا اصل له ولا حد فیه﴾**

(عارضۃ الاحوذی ج۲ص۲۴۰-دارالفکر بیروت)

اسی تشریح میں ابن عربی نے حضرت ابی بن کعب کی بیس کی روایت کو اور یزید بن رومان کی تئیس کی روایت کو بیان کیا۔کیا یہ روایتیں بیان عدد کے لئے اصل نہیں ہیں؟

بعض عبارت بتارہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صلوۃ اللیل گیارہ رکعت ہوتی اور بعض روایت بتاتی ہے کہ اس کی کوئی حد نہ تھی۔کیا یہ تناقض نہیں ہے؟

قول البانی: گیارہ پر زیادتی سے فعل نبوی سے تجاوز کرنا لازم آتا ہے۔(ایضاً ص۱۲۲)

جواب: حضور اقدس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صلوٰۃ اللیل سترہ رکعت تک ثابت ہے۔(تلخیص الحبیر ج۲ص۴۹۶) اور یہ گیارہ رکعت، سترہ رکعت وغیرہا صلوٰۃ اللیل ہے، صلوۃ التراویح نہیں۔

قول البانی: بیس رکعت کی روایتیں ایک دوسرے کو قوت نہیں دیتی ہیں۔(ایضاً ص۱۲۳)

جواب: امام بیہقی (۳۸۴ھ-۴۵۸ھ) نے لکھا کہ یہ روایتیں ایک دوسری کو قوت دیتی ہیں۔(السنن الکبریٰ للبیہقی ج۴ص۶۱)

قول البانی: بیس کی بعض روایت کونووی شافعی اورزیلعی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا۔(ایضاً ص ۱۲۳)
جواب: امام نووی نے یزید بن خصیفہ کی بیس کی روایت کو صحیح قرار دیا۔البانی تضعیف قبول کرتا ہے، پھر تصحیح کو کیوں نہیں قبول کرتا؟ زیلعی نے حدیث ابن عباس کی تضعیف کی اور امام زیلعی حنفی کی تضعیف کا جواب دیا جا چکا ہے۔

قول البانی: بیس رکعت میں خشوع مفقود ہے،اس لیے بیس رکعت کا حکم زمانہ حاضرہ میں نہیں دیا جا سکتا ہے۔(ایضاً ص ۱۲۳)
جواب: حدیث میں ہے کہ اخیر زمانے میں سب سے پہلے خشوع اٹھایا جائے گا۔پس کیا اخیر زمانے میں خشوع کی کمی یا خشوع کے مفقود ہونے کی وجہ سے وقتیہ نمازوں کی تعداد گھٹائی جا سکتی ہے؟ نعوذ باللہ من ذلک

﴿عن عبادة بن الصامت ان شئت لاحدثنک باول علم يرفع من الناس، الخشوع-يوشک ان تدخل مسجد الجامع فلا ترى فيه رجلًا خاشعًا﴾ (سنن ترمذی ج۲ص۹۴)

قول البانی: حارث بن عبدالرحمٰن بن ابی ذباب جس سے عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح کی روایت ہے، وہ ضعیف راوی ہے۔
(صلوٰۃ التراویح للالبانی ص ۶۰)

جواب: حارث بن عبدالرحمٰن قابل استدلال راوی ہے۔
حافظ ذہبی نے لکھا: ﴿عن المقبری-ثقة-وقال ابو حاتم: ليس بالقوى، روى عنه الدراوردی مناكير-وقال ابن حزم: ضعيف-وقال ابوزرعة: ليس به باس﴾ (میزان الاعتدال ج۱ص ۴۳۷)
امام الجرح والتعدیل حافظ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی (۲۴۰ھ-۳۲۷ھ) نے لکھا۔
(۱)﴿عن يحي بن معين انه قال-الحارث بن عبد الرحمن ابن ابی ذباب مشهور﴾
(۲)﴿عن ابی حاتم الرازی-يروى عنه احاديث منكرة-ليس بذلک بالقوى، يكتب حديثه﴾
(۳)﴿سئل ابوزرعة عن الحارث بن عبدالرحمٰن بن ابی ذباب فقال-لاباس به﴾
(کتاب الجرح والتعدیل ج۳ص۸۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ﴿المدنی، صدوق يهم من الخامسة مات سنة ست و اربعين-عخ، م، مد، ت، س، ق﴾
(تقریب التہذیب ج۱ص ۱۷۵)

حارث بن عبدالرحمٰن مختلف فیہ ہے۔صحاح ستہ کے مؤلفین میں سے ہر ایک نے ان سے روایت کی ہے۔امام بخاری نے ''خلق الافعال'' میں، امام مسلم نے ''صحیح مسلم'' میں، ابوداؤد نے ''مراسیل'' میں، ترمذی ونسائی وابن ماجہ نے ''سنن'' میں ان سے روایت کی ۔ سعید مقبری نے ان کے بارے میں کہا ''ثقہ''-یحییٰ بن معین نے کہا '' مشہور''-ابوحاتم رازی نے کہا کہ اس کی حدیث لکھی جائے گی۔
ان کی حدیث، متابع یا شاہد پائے جانے کے وقت ضرور قابل استدلال ہوگی اور یزید بن خصیفہ کی حدیث متابع یا شاہد ہونے کے لیے کافی ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ یزید بن خصیفہ کی حدیث سے استدلال کیا جائے اور حارث بن عبدالرحمٰن کی حدیث بطور متابع

پیش کی جائے۔محمد بن یوسف اور حارث بن عبدالرحمٰن دونوں کو صدوق اور ثقہ کہا گیا ہے۔محمد بن یوسف کی روایت کو کسی طرح تقویت نہیں ملتی ہے اور وہ امت مسلمہ کے عمل کے بھی خلاف ہے جب کہ حارث بن عبدالرحمٰن کی روایت کو یزید بن خصیفہ کی روایت سے قوت ملتی ہے اور یہ امت کے عمل کے موافق ہے: وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم وآلہ العظیم

